

کنسردہ قالق عربی۔ جدید خط انشی کے ساتھ چھپ رہی ہے۔

اخلاق و تصوف اردو

جامع الاخلاق ترجمہ اخلاق جلالی۔ ۱۷
باب دانش مولفہ مولوی محمد کریم بخش۔ ۲۰
اوقات غریزی۔ ازید غلام حیدر خان۔ ۱۸
ترجمہ عوارف المعارف کامل و جلدین
ترجمہ مولانا ابوالحسن فرید آبادی۔ ۱۳
ختمینہ دانش۔ ہوشمند کی تعلیم از مولوی
محمد کریم بخش۔ ۳۰
بحر الحقیقت۔ اصلاح نفس میں۔ ۲۰
آبجیات۔ اخلاق و عظمت میں مصنفہ
منشی کاہتا پرشاد۔ ۳۴
کیمیائے حکمت۔ حصہ اول بیان
شرائف علم و ادب۔ ۲۰
پیراہن یوسفی۔ اردو ترجمہ شفی مولانا روم
کا نظم شعر و ہاشیہ پر اردو میں حاصل
مطلب مع فوائد تصوف کامل و جلدین
بتفصیل ذیل۔

(جلد اول) ترجمہ و فقرہ ۲ و ۳۔ زیر طبع

(جلد دوم) ترجمہ و فقرہ ۴ و ۵۔ ۶۔ زیر طبع

شجرہ معرفت محشی۔ منتخبات شفی مولانا

روم۔ ترجمہ سید غلام حیدر صاحب۔ ۱۷

چشمہ فیض۔ نظم ترجمہ اردو و ہند نامہ عطار

کلام عارف کامل حضرت شیخ فرید الدین گدس

از مولوی عبدالغفور خان بہادر۔ ۲۰

خلاق العارفین۔ ترجمہ حیات علوم الدین کی

ہندو جلد کامل ۷

تہذیب حسانی۔ مولفہ حکیم حسانی۔ ۱۳

کتب خلاق فارسی (اہل سنت)

گلستان۔ حلی قلم کاغذ سفید گندہ و محرو منشی

شمس الدین صاحب اعجاز رقم مرحوم۔ ۱۴

گلستان مع فرہنگ۔ متوسط قلم آخرین

مشکل معانی کی فرہنگ کاغذ خانی و سفید۔ ۱۲

گلستان بالقصور۔ کاغذ خانی و سفید۔ ۱۱

گلستان مع فرہنگ۔ متوسط قلم سی محرو

منشی شمس الدین صاحب مرحوم۔ ۸

گلستان محشی اردو۔ اسپر طلبا کی آسانی

کیلئے اردو کے حاشی دے گئے ہیں۔ ۱۲

شرح گلستان۔ از شیخ ولی محمد فنا اگر آبادی

شارح شفی مولانا روم امین تصوف کے

محکات کو خوب حل کیا ہے۔ ۱۳

گلستان ترجمہ۔ فارسی با ترجمہ اردو۔ ۱۲

گلستان خرد۔ فارسی۔ ۵

تقسیم گلستان سعدی منشی ہر گویاں صاحب

تفتہ سکر آبادی نے اس معانی کے گلستان

کے اشعار کو تقسیم کیا ہے کہ سعدی اور تفتہ کے

کلام میں فرق کرنا بھی دشوار ہے۔ ۷

بہارستان جامی۔ اخلاق و فصاحت میں

قابل قدر کتاب ہے از مولانا جامی۔ ۵

خارستان۔ حکایات بند و فصاحت بطرز

گلستان سعدی از ملا محمد الدین۔ ۸

عقد گل و عقد منظوم۔ یعنی انتخاب

گلستان و بوستان۔ ۹

بوستان حلی قلم۔ محرو منشی شمس الدین

اعجاز رقم مرحوم کاغذ سفید خانی۔ ۱۷

بوستان محشی کتان۔ اس میں ضروری

حواشی درج ہیں۔ ۱۳

بوستان محشی متوسط قلم مجاہد علی نہایت ہی صحیح و صاف

چھپی ہے۔ ۸

بوستان محشی خرد۔ ۵

بوستان مترجم منظوم۔ معمولی ترجمہ نہیں ہے

بلکہ کمال یہ ہے کہ بوستان کی بحر میں ہر شعر کا شعر

میں ترجمہ کیا ہے از منشی گوہر پرشاد و فنا۔ ۱۳

بہار بوستان۔ بوستان کی جامع شرح از منشی

سیکند بہا صاحب بہار نجم بمبیل شرح ہے۔ ۱۷

اخلاق جلالی محشی۔ منشی فاضل کے کورس

میں ہے اور عموماً طلباء کے درس میں داخل ہوئے

اخلاق ناصری۔ نہتیاں فارسی کے درس میں

داخل ہے۔ اور اخلاق میں بڑے پایہ کی کتاب ہے

از علامہ نصیر الدین طوسی کاغذ سفید گندہ۔ ۱۱

اخلاق محشی۔ داخل درس از ملا حسین و غلط

کاشفی۔ ۸

منشی سبیل۔ اخلاق و عظمت میں ایک

بے بہا ہے۔ از حکیم منور حسین نظام دہوی۔ ۲

مجموعہ صد بند سو و مندر حضرت لقمان کے سنوا

قابل قدر فصاحت۔ ۲۰ یا ۲۱۔

المشتر۔ منشی حنیفہ بکٹ پو

لوک شورش پریس لکھنؤ

تنبیہ الغافلین، مسائل دینیہ - ۱۰
 حجت الفقہ، مسائل مشککہ فقہ از مولوی
 ابراہیم حسین بنگلوری - ۱۱
 دیوبند السالین، بطور منتہا - ۱۲
 کثر الدقائق، اردو ترجمہ از مولوی
 عبد سلطان خان - ۱۳
 پیر مسائل فقہ، از مولوی ابراہیم حسین
 بنگلوری - ۱۴
 رسالہ تجرید و تفسیر، از محمد عمر - ۱۵
 فقہ فارسی

ہایہ پیشانی پر پیر غری اور تخت بن ترجمہ
 فارسی مع شرح از علامہ کلکتہ جوہر سے
 متداول ہو، دو جلد کامل - غنہ
 شرح سفر السعادت، از مولانا عبد الحق
 دہلوی معروف - ۱۶
 حج الحج، مسلی بغایہ الشوری از ملا محمد شاہ - ۱۷
 تذکرۃ الجمعہ، حکام جمعہ از مولوی عبد السلام
 بیان، در حکم تباکو و حقہ از ملا معین الدین
 بدائع منظوم، مسائل فقہ نظم فارسی
 از ملا ناظم علی رحم - ۱۸

نام حق، مشہور و سری از شیخ شرف الدین بخاری
 ماتہ مسائل، سو مسائل از مولانا احمد اللہ
 رحمہ اللہ - ۱۹
 شرح وقایہ فارسی، مع حاشیہ منتقی الابحر
 از شاہ عبد الحق محدث دہلوی - ۲۰
 مملکت المنقین، مرغوب علماء ولایت
 از مولوی آکد یار خان - ۲۱

قتاوی برہنہ، جامع ابواب فقہ از مفتی
 نعیر الدین - ۲۲
 قدوری، مترجمہ مولانا ابوالقاسم - ۲۳
 شرح فارسی مختصر وقایہ از عبد الرحمن کاشانی
 کثر فارسی، از مفتی نعیر الدین کاشانی
 مع قرینک - ۲۴
 مالا بدینہ، از قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ مع
 وصیت نامہ - ۲۵
 شرح مختصر وقایہ کورمیری - از مولانا
 جلال الدین سمرقندی - ۲۶
 رسالہ تنبیہ الانسان، در حلت و حرمت
 جانوں - ۲۷

رسالہ قاضی قطب، ذکر ایمان و ایمان
 فقہ عمری

برجندی، شرح مختصر وقایہ از مولانا عبد الحی
 برجندی مترجم شرح - ۲۸
 فتح القدیر، حال التین، نظم علی ہایہ در نظم
 حقی فتح القدیر از امام کمال الدین بن العمام
 نہایت مستند و با عظمت شرح مشہور و معروف
 اور آخرین مکملہ زین الدین آندری کامل چار جلد
 ضخیم جدید الطبع - ۲۹

ہایہ، مختصر ہای جدیدہ جناب مولانا محمد حسن
 سبجلی مرحوم مولانا نے جن فوائد کا اضافہ
 فرمایا ہے وہ قابل دید ہیں ہر چار جلد کامل
 دو مجلدات میں بشرح ذیل -

(۱) جلدین اولین عبادات للبحر
 (۲) جلدین آخرین معاملات - صر

ہایہ مع شرح الکفایہ، از سید جلال الدین
 کرمانی بہت معروف و مستند متداول چار جلد
 میں اس شرح ہایہ پر حاشیہ بہت مستند لکھے گئے
 ہیں تفصیل ذیل -

ایضاً جلد اول و ثانی، آخر کتاب النکاح - للبحر
 ایضاً جلد سوم و چارم، آخر کتاب - للبحر
 قتاوی قاضی خان مع سر جزیہ، از امام قاضی
 حسن بن منصور قاضی خان مستند متداول معروف
 متداول دو جلد کامل - مع
 شرح وقایہ، از امام صدر الشریعہ علی قاسم
 مع کامل حاشیہ ذخیرۃ الفقہی دوست ابن حبیب
 داخل درس، تفسیر کلان خوشخط و صحیح - ۳۰
 شرح وقایہ خرو مع دائرہ ہندیہ متوسطہ قلم - ۳۱
 الاشباہ والنظائر، مع شرح حموی معروف
 مستند متداول - ۳۲

لامطہ، از بیوع تا وصایا تجنی جدید کامل اور
 اطراف کامل میں داخل درس ہے - ۳۳
 مستخلص الحقائق، شرح کثر الدقائق
 مشہور متداول - ۳۴
 یعنی شرح کثر الدقائق، وحشی ہر چار جلد
 مستند معروف متداول دو جلد میں -

(۱) جلدین اولین عبادات میں - ۳۵
 (۲) جلدین آخرین معاملات میں - ۳۶
 مختصر وقایہ محشی، از امام صدر الشریعہ
 درسی متداول - ۳۷
 عمدۃ البضاۃ، فی مسائل الرضاۃ از
 مولوی تراب علی مرحوم - ۳۸

فخر الدین رازی و تفسیر بریضی اور غالباً علامہ خطیب صاحب سراج المنیر نے معالم و کبیر و بیضاوی کب کیا ہو جیسے مدارک التنزیل ہے
اعلان مترجم نے درحقیقت یہ تفسیر اہل السنۃ والجماعۃ کے لیے لکھی ہو اور خصوصاً مک علم مسلمانوں کا لحاظ رکھتے عقائد کو شک و شبہ سے
بچانے کے لیے دس و سوس شیطانیت کے دفع کرنے میں بہت کوشش کی تاکہ نیچر و رفض و خروج کے ادیان متبادین لہذا اگر کوئی غیر مذہب اس
کتاب میں نظر کرے تو اسکو چاہیے کہ آپ کو فریق ثالث قرار دیکر انصاف سے دیکھے اور تعصب و عہد احتراز کرے ورنہ وہ نظر نہ کرے
تنبیہ۔ چونکہ اصل مقصود اس سے تعلیم حق ہو لہذا ہر موقع پر فوائد ایمانیہ و دینیہ زیادہ کیے گئے اور وارہ ذیل میں اشارات صوفیہ بھی لکھے
گئے ہیں لیکن وہ اشارات سمجھ میں نہ آویں گے جب تک استعداد نہ ہو اور استعداد کا کثر درجہ یہ کہ معرفت حاصل ہو یعنی اللہ تعالیٰ جل جلالہ
کی الوہیت جو عین ایمان ہو جان چکا ہو لہذا اگر ابتدائین یہ سمجھ نہ تو اس بیان پر نظر نہ کرے یہاں تک کہ اوہ تمام تفسیر پڑھ جاوے پھر دوبارہ
نظر کرنے سے یہ معانی حل ہونگے تنبیہ جو قصص و حکایات زنجشری وغیرہ نے لکھے ہیں جنکو فی الحقیقت تفسیر کچھ تعلق نہیں اور نہ وہ صحیح ثابت
ہیں تو اکثر متروک کی گئیں اور جا بجا نقل کر کے تردید کی گئی جیسے شداد کی جنت کا قصہ ہو اور کہیں کہیں لڑکے حوالہ دیا گیا کہ یہ فلاں کتاب سے
منقول ہے تنبیہ دلائل فقہی مسائل میں ہر ایک مجتہد کا طریقہ اجتہادی بیان کر دیا گیا۔ اب اہل اسلام میں سے اسید ہے کہ اس کتاب سے تطا
سے نفع اٹھا دیں اور مترجم عفا اللہ عنہ کے حق میں بھی دعائے خیر فرمادیں کیونکہ وہ اسی بہانہ سے اپنی مغفرت کا امر رہے نہ تعالیٰ ولی النفع وہو القریب
الجبیب وحبنا اللہ و نعم الوکیل و صلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین الحمد للہ رب العالمین

اعلان۔ مترجم نے یہ تفسیر بغیر انش جناب منشی نو لکشتور صاحب مالک مطبع اودھ اخبار شروع کر کے بعد دولت جناب منشی برکات نے ان
صاحب تمام کی لہذا حق تالیف بحق مطبع مذکور محفوظ ہو

اتمۃ الطبع از جانب کارپردازان مطبع

الحمد للہ علی احسانہ کہ اس زمان بרכת اقتران میں لیسۃ الاجواب صحیفہ نایاب رہنمائے منازل تصدیق۔ خضر طر قصارف و تحقیق۔ گوہر درج
ہدایت۔ اختر برج بلاغت مستغنی عن البیان اعی تفسیر مواہب الرحمن جسکا مثل و نظیر نہ اب تک ہوا ہو اور البتہ آئندہ ہوگا۔ فی الحقیقت
اس جامعیت کے ساتھ کوئی تفسیر قرآن شریف حسین کل اقوال مفسرین جمع ہوں آج تک دیکھنے میں نہیں آئی۔ مولفہ واقف اسرار فریج
واصول۔ ائینہ حقیقت نمائے منقول و منقول۔ الادیب البارع المکرم۔ و بحسب النسیب المعظم۔ المحقق النحر۔ والا و احد الشہیر۔ مدقق
دقائق الدین شمس العلماء المجتہدین۔ مستجع شرائف المکتبہ۔ عالم عظیم النظیر فی البریہ۔ امام المتکلمین۔ اسوۃ المتبحرین۔ ماہر اسرار حق و جلی مولانا
مولوی سید امیر علی علیہ اللہ مقامہ و اجزل فی الخلد اکرامہ حضرت مفسر مدوح نے بغیر انش مطبع لہا سال اس تفسیر عظیم نظیر
کی ترتیب و انتخاب میں کوشش بلوغ فرمائی جب یہ ہیولہ سے خیر و بרכת صورت پذیر ہو کر منصہ شہود پر جلوہ گر ہو۔ کل اہل اسلام کو مطبع کا
شکر گزار اور جناب مولوی صاحب مدوح الصدر کائنات شمار ہونا چاہیے جنکی وجہ سے یہ گوہر بے باکس ارزانی سے دستیاب ہوتا ہو حضرت
مدوح صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔ از انجل ترجمہ فتاویٰ عالمگیریہ و عین الہدایہ ترجمہ ہدایہ بھی انھیں حضرت کا کیا ہو جو ہر دل عزیز اہل زمانہ
ہو۔ یہ بھی واضح ہو کہ اس تفسیر شریف کا ہر بارہ علیحدہ علیحدہ بھی ہر ایک شائقین ہو سکتا ہے پس یہ تفسیر بظہر نظر مطبع فہم منشی نو لکشتور واقع
لکھنؤ میں بصحت تمام و بحسن خط و انشا کلام مذکور بار دوم پاد و مبرکۃ ۱۲۹۳ عیسوی مطابق ماہ شعبان المعظم ۱۳۷۳ ہجری بمطابق ۱۳۷۳ ہجری باہتمام کسیری اس
سیٹھ حلیہ طبع سے آراستہ ہو کر پسند خاص و عام ہوئی حق سبحانہ و تعالیٰ کل اہل اسلام کو اسکے مطالعہ کی توفیق بخشے مبنہ و کریمہ فقط

خاتمة الكتاب مع اعلان عام

خاتمۃ الكتاب مع اعلان

الحمد لله علی احسانہ کہ یہ کتب مستطاب مسمی تفسیر مواہب الرحمن فی تفسیر القرآن زمانہ دراز کی محنت کے بعد اختتام کو پہنچی ترجمہ عنفا اللہ
عنه نے مشہور معتد تفسیر لب لباب و مغزلے لیا۔ تفسیر امام حافظ محدث عماد الدین بن کثیر و حقیقت تفسیر امام ابن جریر الطبری و امام ابو عبد الرحمن ابن
ابی حاتم کا خلاصہ ہوا اور مفسرین صحابہ و تابعین کی تفاسیر ان دونوں اماموں کے مسند فرامین۔ امام حافظ ابن کثیر رحم نے جو روایات مسند امام حم
وصحیح بخاری و مسلم و سنن العجمہ باقیہ میں پائیں وہ بالاسناد نقل فرمائیں اور ساتھ ہی اسانید امام ابن جریر و ابن ابی حاتم بھی نقل کیں۔ مترجم نے صحاح مشہور
کی اسانید حذف کر کے فقط تصحیح نقل کی لیکن جہاں کسی نایاب کتاب کی اسناد قوی پائی وہ بلفظہ نقل کی تاکہ صحت میں تردد نہ ہو اور یہ کتب و حقیقت
باب تفسیر میں اصل معتد ہیں اور تفسیر عالم علی سی قسم میں شامل ہر لیکن شیخ کے ساتھ قول مستند لیا گیا علاوہ ان کے متاخرین کے کتب کو ایذا انتحایہ جیسے تفسیر امام ابن

ڈالتے ہیں جو ظاہر میں رجائی ہوئی ہیں اور حقیقت میں بالکل دھوکا ہیں۔ پھر اگر انسان خود عالم ہی پاس ہے ایمان پر مضبوط ہے تو وہ ان شیطانوں کی بات کو رد کرتا ہے۔ عالم تو دلیل سے رد کرتا ہے جب ضرورت ہو اور یہی مسلمان ایسے شیطان کی بات اسطرح رد کرتا ہے کہ تو محض دنیا کا کتا ہے اور اولیائے کاملین جو انبیائے الہی کی ملت پر گزرے ہر طرح پاکیزہ حافظ متقی صاحب کرامات تھے تو تیرے مانند شیطان بدکار کی بات کیونکر ہم مان لیں اور اُنکے کلام کو نہ لیں جو اللہ تعالیٰ و اُسکے رسول پاک کا کلام سُناتے تھے ابن کثیر رحم کی تفسیر میں ہے کہ حدیث ابوذر رضی اللہ عنہ میں آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف رکھتے تھے میں خدمت میں حاضر ہوا مجھے فرمایا کہ ای ابوذر تو نے نماز پڑھی (یعنی تحیۃ المسجد دو رکعت پڑھی) میں نے عرض کیا کہ جی نہیں۔ فرمایا کہ اچھا اٹھ کر پڑھ لے جب میں پڑھ کر آپ کی خدمت میں بیٹھا تو فرمایا کہ ای ابوذر رض تو انس و جن کے شیاطین سے پناہ مانگ۔ میں نے عرض کیا کہ یا حضرت کیا انسانوں میں بھی شیطان ہوتے ہیں آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ پھر میں نے آپ سے نماز کو پوچھا تو فرمایا کہ یہ ایک خیر رکھی ہے جس کا جی چاہے کم لے اور جس کا جی چاہے بہت لے میں نے کہا کہ یا رسول اللہ پھر روزہ۔ فرمایا کہ فرض روزہ کفایت ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں نعمت مزید ہے۔ میں نے کہا کہ یا رسول اللہ پھر صدقہ۔ فرمایا پڑھتی پڑھتی بہت گونہ ہے۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ پھر کیسا صدقہ افضل ہے اپنے فرمایا کہ افضل وہ ہے جو کم کمائی والا جو کچھ کوشش کر کے نکال دے یا جو صدقہ کہ فقیر کو خفیہ دے میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ انبیاء میں سے کس نبی کی نبوت اول ہے فرمایا کہ آدم ؑ۔ میں نے کہا کہ کیا وہ نبی تھے فرمایا کہ ہاں وہ ایسے نبی تھے جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا ہے۔ میں نے کہا کہ یا رسول اللہ کتنے رسول گزرے فرمایا کہ ہم غصہ کچھ اوپر تین سو دس ہوئے ہیں ایک روایت میں فرمایا کہ تین سو پندرہ ہوئے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ جو کلام آپ پر نازل ہوا اُس میں سے کس کلام کی عظمت سب سے زیادہ ہے فرمایا کہ آیۃ الکرسی۔ اللہ لا الہ الا ہوا الحی القیوم اس حدیث کو امام احمد و نسائی و ابن ابی حاتم نے روایت کیا۔ ابن عباس رض نے کہا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں اپنے جی میں ایسی باتیں کرتا ہوں کہ اگر میں آسمان سے گرا یا جاؤں تو وہ مجھے پسند ہے یہ نسبت اسکے کہ جی کی یہ باتیں زبان سے نکالوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے اسکا مکر رد کر کے وسوسہ کر دیا (رواہ احمد و ابوداؤد و النسائی) مترجم کہتا ہے کہ اسکے مانند صحابہ رضی اللہ عنہم سے آیا اور اسکے جواب میں آپ نے فرمایا کہ یہ خالص ایمان ہے کو کافی صحیح مسلم اور وجہ یہ کہ جب شیطان نے جی میں یہ وسوسہ ڈالا اور مومن نے اُسکو الیسا قبیح جانا کہ زبان سے نکالنے کی بہ نسبت مزہا بہتر جانتا ہے تو یہ عین ایمان ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وجہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے شیطان کو وسوسہ کر دیا یعنی اب شیطان کا مکر نہیں چلتا کہ وہ مومنوں کے دلوں میں نفاق یا کفر ڈالے فقط یہ رکھیا کہ وسوسہ ڈالے اور جب اہل ایمان نے اُس وسوسہ کو قبیح جانا تو بہت ثواب حاصل ہوا پس دشمن شیطان کے حصہ سے بہت آسانی کے ساتھ مومن کو یہ ثواب مل گیا اور واضح ہو کہ یہ وسوسہ شیطان ابلیس و شیطان جی سے ہوتا ہے۔ رہا شیطان النسی تو حسن بصری رحم نے فرمایا کہ وہ علانیہ اپنا وسوسہ ڈالتا ہے یعنی تم دیکھتے ہو کہ گمراہ لوگ ہر شخص کو جو انکی صحبت میں بیٹھے علانیہ ایسے دلائل سناتے ہیں جن سے وہ راہ اسلام سے شک میں پڑ جاوے رازی رحم نے کہا کہ سورۃ الفلق میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کی ایک صفت بیان فرمائی الفلق اور تین چیزوں کے بدی و شر سے پناہ لی مخلوقات غاسق اور نفاثات اور حاسد اور سورۃ الناس میں اللہ تعالیٰ کی تین صفتیں بیان فرمائی و ملک الناس و آلہ الناس بیان فرمائی اور ایک چیز یعنی شر و سواس انھاس سے پناہ لی۔ کیونکہ اول سورہ میں جان و تن کی پناہ مقصود ہے اور دوم سورہ میں ایمان کی حفاظت مراد ہے لہذا اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء زیادہ کر کے وسوسہ سے پناہ مانگی کیونکہ وسوسہ بہت شدید

کہ ان بزرگوں کو یہ قدرت ہو اور جب کسی عالم نے منع کیا تو اُس کے مخالف ہوئے کہ اس عالم کا کچھ اعتبار نہیں کیونکہ یہ بزرگوں سے منکر اور رسول اللہ صلعم سے منحرف ہو نعوذ باللہ من ذلک۔ اس بیان کے سمجھ جانے سے یہ بھی سمجھ میں آجائے گا کہ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس میں جو حکم ہو کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں ہو جاوے ہر چیز کی بدی سے اور ہر قسم کے شیطان کی بدی سے خواہ وہ جتنی ہو یا انسانی ہو۔ بیان نادان کے دل میں یہ وسوسہ ہوتا ہو کہ شیطان وغیرہ میں شر اور بدی پہنچانے کی قدرت ہے جب ہی تو اُس سے پناہ الٰہی میں آجانے کا حکم ہے۔ یہ وسوسہ شیطانی ہو بلکہ جیسے ظاہر کے افعال بذریعہ ہتھیار وغیرہ کے لوگوں کی کمائی ہی اس طرح مخفی افعال میں اور اللہ تعالیٰ ہی خالق ہو اور خلاصہ یہ کہ جنہی لوگ اپنی کمائی کما تے ہیں وہ ظلم و فسق و فجور و قتل و چوری و زنا و سود اور قسم کے بد افعال شرک و بدعت ہیں یہ کمائی انکو دی جاتی ہو اور اہل جنت اپنے اعمال و افعال کما تے ہیں پس اگر جنہی نے کسی مسلمان کے قتل کا قصد کیا اور مسلمان کے پاس ایسا عمل نہیں ہو جس سے رحم غالب ہو تو وہ مقتول ہوگا اور آخرت میں اسکا مقتول ہونا بھی اُسکی کمائی ہو وہ ایمان ثواب پاویگا اور قاتل اپنی کمائی کا عذاب پاویگا کیونکہ جنہی کے واسطے جہنم کی کمائی ضرور تھی وہ اسی طرح ہوتی ہو جیسے جنہی نے مال چاہا تو جنہی فعل سے اُسکو ملنا چاہیے تو اُس نے جاکر صلیب یا بت کو سجدہ کیا اور مراد پائی حتیٰ کہ یہود نے بزرگوں کی قبروں پر مسجد بنائی اور اُسے مانگتے تھے اور پاتے تھے حالانکہ دینے والا فقط اللہ تعالیٰ ہی اور یہ طریقہ صرف اُسکی کمائی تھی مگر جہم کہتا ہے کہ اخیر زمانہ میں ایک بد بخت قوم ہوگی کہ اگر تقویٰ و حلال سے رزق جائزین گے تو نہ پاویں گے و لیکن فسق و فجور سے خوب پاویں گے پس ہم بندے اللہ تعالیٰ جل جلالہ سے پناہ مانگتے ہیں کہ ہم اس فتنہ میں مبتلا نہ کیے جاویں آمین رازی و خطیب وغیرہ نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ ہی فقط رب و مالک و اللہ ہی اُسکی ربوبیت و یا مشاہدت میں کسی طرح شرکت نہیں ہے اور تینوں صفات قدسیہ میں ایمان کے سب قواعد شامل ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے سب اسماء و حسنیٰ کے معانی اضافت میں آگئے مثلاً رب الناس میں الخالق و القادر و المحیی و الممیت وغیرہ اسماء و حسنیٰ آئے جن سے ربوبیت کی صفت پوری ہوتی ہو اور اسمین الرحمن و الرحیم کے معنی بھی ہیں اس طرح ملک الناس میں حکم دینے والا اور منع کرنے والا اور المعطی و المانع و المعز و المذل اور ذوالجلال و الاکرام وغیرہ صفات عظمت و جلال شامل ہیں اس طرح آلہ الناس میں جمیع صفات مذکورہ و باریہ بلکہ جمیع اسماء و حسنیٰ جو قرآن و حدیث میں آئے ہیں اور جو نہیں اُترے بلکہ مخلوق کو معلوم نہیں ہوئے سب داخل ہیں پہلے خاص خاص صفات کے نام سے پھر جامع جمیع صفات کے نام سے پناہ لینے کا حکم ہے اور قل اعوذ برب الفلق میں پہلے الفلق یعنی جمیع مخلوق کی بدی سے پھر خاص خاص نفاثات و حاسد وغیرہ کی بدی سے پناہ لینے کا ذکر ہے تو جس بندے نے ان دونوں سورتوں سے استعاذہ کیا اُس نے اللہ تعالیٰ کے جمیع اسماء و حسنیٰ کے ساتھ جمیع مخلوقات کی بدی و شر سے پناہ لی پس یہ اسم اعظم و اکمل ہو رازی و خطیب نے لکھا کہ ان سورتوں میں تین تہ بہت اچھی ہو اس لیے کہ جس بندے نے دیکھا کہ اُس پر ظاہر و باطن کی سب نعمتیں عجیب ہیں تو اُسکو معلوم ہوا کہ میرا رب جلیل ہے اور جب اُسکی عظمت و جلالت میں ترقی سے معرفت حاصل کی تو جان گیا کہ رب جلیل کو کسی چیز کی کچھ حاجت نہیں و لیکن سب چیزیں اُسکی محتاج ہیں اور اُسکے حکم سے سب بد و جاری ہوتے ہیں تو معلوم کیا کہ وہی ملک (یا شاہ) ہو اور بادشاہت حقیقت میں ایسا نام ہو کہ جو کچھ وہ چاہے وہی جاری ہو اور جو نہ چاہے وہ ہرگز نہ ہو۔ پھر جب اُس نے دیکھا کہ خالق رب ملک وہی ہو اُسکے سوا کوئی نہیں تو جان گیا کہ اللہ وہی ہو وہی معبود ہو کوئی اُسکا شریک نہیں ہو فائدہ جمیع ائمہ و قرآن و جمیع اللہ تعالیٰ متفق ہیں کہ بیان (ملک الناس) پڑھا جاوے

قصہ سے کھاد تو یہ وہاں تو اب ہو اور اگر دنیا ہی میں چین کرنے کے لیے اُسکا خون اُسی میں گھونٹ کے مارا اور کھاؤ تو یہ نجس اور
جنہم میں ہی یہ معاملات کسی طرح عقل و رائے سے نہیں معلوم ہو سکتے تھے لہذا انبیاء علیہم السلام بھیج دیے انھوں نے پیغام
پہنچا دیا کہ تمہارا رب تمہارا بادشاہ تمہارا اللہ فرماتا ہو کہ ای بندو میں نے چند روز کے لیے تم کو بیان بھیجا ہے تاکہ بیان سے تم کو آخرت
میں ہمیشہ زندہ رکھوں لیکن یہاں دو ہی مقام ہیں ایک جنہم ہے اور ایک جنت ہے اگر تم لوگ لا الہ الا اللہ سے میری الوہیت پر
نیک اعمال میرے نام پر اختیار کرو تو تمہارے لیے جنت ہے اور اگر مجھ سے خوف ہو کہ دنیا اختیار کرو تو تمہارا مقام جنہم ہے الغرض سب کو
راستہ صاف بتلادیا اور واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کسی مخلوق کی بندگی سے کچھ نفع نہیں پاتا اور نہ کسی کی نافرمانی و گناہ سے
کچھ ضرر ہو بلکہ وہ پاک ہے سب خلق انہی کی محتاج ہے باتیں یہ لوگ اپنے واسطے کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتلادیا کہ جسے جو کچھ چاہا
اُسکے کام اُسی جگہ کے لائق ہونگے اور یہ کام سب یا جس قدر وہ چاہیگا اللہ تعالیٰ اُسکی کمائی اُسکے لیے پیدا کرتا جائے گا
تاکہ وہ سب ذخیرہ کمالے تو جب کافر و مشرک نے اپنا شرک کمانا چاہا تو اللہ تعالیٰ پیدا کر دیگا۔ اگر وہ بت کے سامنے سجدہ
کر کے مراد مانگے گا تو اللہ تعالیٰ کبھی یہ مراد دے دینگا اُس میں یہ کام پیدا کر دیگا یہ اُسکے ساتھ رہیگا۔ کافر و مشرک یہ سمجھا کہ مجھے بت نے
یہ مراد دی۔ یہ شرک کا اعتقاد اُس میں پیدا کیا اور دینے والا اللہ تعالیٰ ہے تو یہ کمائی اُسکو اسی طرح حاصل ہونے والی تھی جب
یہ معلوم ہوا تو خلاصہ اسکا یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر فریق کو اُسکی کمائی دی حتیٰ کہ اگر فریق جنہمی نے مومنوں کو ناز و زور وغیرہ
سے روکنا چاہا تو مومنوں پر انکا دفع کرنا لازم ہوا اور حق تعالیٰ نے دونوں فریق میں سے ہر ایک کو اُسکی کمائی دی کیونکہ اُس پاک
بے نیاز کو مومنوں کی بندگی سے کچھ غرض نہیں متعلق ہے لیکن مومنوں کی بندگی جب اُن میں پیدا کی گئی تو تعلق رحمت و رضا
نہی سے ہوا اور مشرکوں و کافروں کا شرک کرنا اُنکے لیے ہے اور تعلق بغضب الہی ہے اور رحمت الہی ہمیشہ اُن کے
نفس پر غالب ہے اور تقویٰ کی کمائی جب مومنوں کو حاصل ہوئی تو اُسکے ساتھ غلبہ لازم ہے تو مومنین متقین غالب اور منصور ہیں
انکے ساتھ نصرت الہی ہے۔ اور جب مسلمانوں کے کسی فرخے نے دنیا پسندی جو کافروں نے اپنے جنتی گھر دیکر اسے خریدی تھی اور دعویٰ
سلامی یہ کہ آخرت ہم نے اختیار کی تو یہ دروغ ہے لیکن کئی صدی تک یہ حال رہا کہ مسلمانوں کو آخرت کا پورا یقین تھا باوجود اس کے دنیا
کے مزے بھی سمیٹتے تھے برخلاف کفار کے جو آخرت کو مانند اللہ تعالیٰ کے نہیں پہچانتے تھے اگرچہ زبان سے خدا کا نام لیتے تھے تو اس
عالمیت تک بھی یقین کے ساتھ غلبہ و نصرت تھی پھر قریب دو سو برس کے گزرا کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں وہ یقین قلیل لوگوں میں
رہ گیا اس وجہ سے کہ علم شریعت سے جا ہل ہو گئے تو وہ کمائی بھی نہ رہی جس سے نصرت تھی۔ اب سمجھدار کو معلوم ہو گیا کہ کیا معاملہ ہے
اور دنیا میں بھی جو آثار ہیں یہ ہر فرخے کے اعمال ہیں اور حدیث صحیح مسلم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے بندو یہ تمہارے اعمال
ہی ہیں جنکو میں تمہارے لیے احصا کرتا ہوں پس تم میں سے جو کوئی بھلائی پاوے وہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرے اور جسکو بُرائی پہنچے
وہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔ خلاصہ یہ کہ اہل ایمان کو چاہیے کہ اول سچا اور صحیح اعتقاد جس پر رسول اللہ صلعم و آپ کے اصحاب
رضی اللہ عنہم تھے وہ اختیار کریں اور اس اعتقاد پر نیک اعمال کی کثرت کریں انکے مخالفین شیاطین کے تابع ہیں وہ اپنے اعمال
کرتے ہیں اور مشرک کے ذریعہ سے اُنکو دنیا کی مرادیں ملینگی تو جاہل مسلمان دھوکا نہ کھا دیں کہ ایسا کرنے سے یہ بہتری ملی
ولیکن کثرت سے عوام الناس دنیا کے لالچ میں ایسے اعمال مشرک و بدعت میں گرفتار ہو گئے اور شیطان نے دوسرے ڈالا

(الناس) بھی (جن) پر بولا گیا واللہ تعالیٰ اعلم مترجم کہتا ہے کہ بانی بیان آئندہ آتا ہے خطیبی و رازی و سبحنا وی و ابوالسعود وغیرہ کا خلاصہ یہ ہے کہ قولہ تعالیٰ قل اعوذ برب الناس۔ یعنی اے اشرف المصلین تو کہہ کہ میں نے پناہ لی رب الناس کی مترجم کہتا ہے کہ (الناس) سے یہاں مع ما بعد کے بھی قول دوم کے موافق دونوں قسمیں جن و انس مراد ہونگی جیسے آخر آیت میں (الناس) کا بیان (من الجنۃ والناس) ہے اور اس قول کے موافق معنی یہ کہ میں نے پناہ لی جن و انسان کے رب کی۔ م۔ اگر پوچھو کہ رب تبارک تعالیٰ تمام مخلوقات کا رب ہے پھر (الناس) کی کیا خصوصیت ہے (جواب) بیشک وہ سب کا رب ہے ولیکن رب الناس میں دو فائدے ظاہر ہیں (۱) یہ کہ الناس ان مخلوقات میں بہت اشرف مخلوق ہے تو معلوم ہوا کہ انکو اس کرامت پر پیدا کرنے والا رب عزوجل ہے (۲) کہ یہ قول اول کے موافق انھیں جن و انس کے خناس کی بدی سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے یعنی خناس خواہ جن کی قسم سے ہو یا انسان کی قسم سے ہو اس کے شر سے رب عزوجل کی پناہ لی۔ تو آگاہ فرمایا کہ پناہ دینے والا کوئی نہیں ہے سوائے رب الناس کے کہ اُس کے قبضہ قدرت میں سب مقہور ہیں تو وہی ان کے شر الوسا اس سے پناہ عطا فرمانے والا ہے اور اگر وہ پناہ نہ دے تو کسی طرح پناہ نہیں ممکن ہے حتیٰ کہ کفار و مشرکین نے جب اللہ تعالیٰ رب عزوجل سے پناہ نہ مانگی تو خناس نے انکو جہنم کی راہ لگا دی چنانچہ چند روزہ زندگی کے بعد انکو ظاہر ہو جائیگا کہ وہ کیسے بدی میں گرفتار ہوئے ہیں۔ مولانا نام نے فرمایا کہ رب تبارک و تعالیٰ کی شان ہے کہ تمام مخلوقات اُسکی مملوک ہیں انکی جان و مال کو اُسی نے بنایا اور وہی مالک ہے اور وہی آسمان و زمین سے انکو خیرات دیتا ہے اور جس طرح رب عزوجل کے پیدا کرنے و زندہ رکھنے کی شان ہے اُسکی مثال کہیں نہیں ہے کیونکہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی رب و خالق نہیں ہے تو مثال کہاں سے آوے ولیکن عقل نورانی سے سمجھ لینا چاہیے کیونکہ بندہ کیسے اپنے خالق و مالک کو نہ سمجھیں گا اور رب عزوجل کے صفات عالیہ بہت ہیں اگر ایک صفت سے نہ سمجھے تو دوسری صفت سے سمجھے چنانچہ فرمایا۔ ملک الناس۔ لوگوں کے بادشاہ کی پناہ میں آیا۔ اول میں (رب) کے نام سے پرورش و تربیت کی سب صفتیں نافع و منار و معطی و منعم و حی و قیوم وغیرہ معلوم ہوئیں اور ملک الناس سے معلوم ہوا کہ وہی بادشاہ ہے جس طرح وہ چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے اور کسی مخلوق میں یہ مجال نہیں ہے کہ اُسکی حکومت سے خلاف کر سکے یہ بات دنیا میں کسی مخلوق میں نہیں ممکن ہے ولیکن نادان آدمی کی سمجھ نہیں ہوتی پس اگر وہ کافر یا مشرک ہوتا ہے تو اپنی نادانی سے غور کرتا ہے اور گمراہ ہو جاتا ہے کیونکہ ابلیس اس کے دل پر مسلط ہے تو دوسو ضلالت اُسکو سوچتا ہے اور وہ اپنے آپکو عقلمندی پر جانتا ہے اور اگر وہ مسلمان ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و آپ کے صحابہ و تابعین و مومنین کے بتلانے پر یقین لاتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ یہی حق ہے اور میری مجال نہیں کہ میں اسکو اپنی رائے سے سمجھ جاؤں کہ کیونکر اللہ تعالیٰ ہی کی بادشاہت ہے اور وہ بادشاہت ایسی کہ کوئی کافر ظالم بھی ایک ذرہ بھی اُس سے تجاوز نہیں کر سکتا ہے۔ ہاں میں جانتا ہوں کہ یہ حق ہے مترجم کہتا ہے کہ بغیر عالم کے یہ بات سمجھنا مشکل ہے ولیکن میں اسکو بہت آسان طریقے سے صاف صاف بتلاتا ہوں کہ کافر و ظالم وغیرہ کوئی ہو وہ ایک ذرہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر نہیں ہے لیکن ہوش کر کے پہلے تم مخلوق کا حال سمجھ لو تب خود سمجھ جاؤ واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جن و انسان سب پیدا کیے اور ان کو دنیاوی زندگی بسر کرنے کے حواس دیدیے کہ اللہ تعالیٰ اُن حواس کو روشنی دیتا ہے ہر شخص اپنی زندگی کی چیز کام میں لاتا ہے۔ پھر بتلایا کہ تم یہاں جو کام کرو وہ تمہاری کمائی ہے وہ ساتھ لیاؤ گے اور یہ متاع دنیا سب چھوڑ جاؤ گے آخرت میں ہمیشہ رہو گے اب رہا یہ کہ آخرت حواس سے نظر نہیں آتی ہے تو کیونکر پہچان جاوے کہ یہ کام دیاں اچھا ہے مثلاً گوشت کھانا اسی زندگی کے لیے ہے تو بتلایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کر کے اُس کی بندگی کے

اور حافظ ابوعلی الموصلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان اپنی سوڈ آدمی کے قلب پر رکھتا ہے پھر اگر اُسے اللہ تعالیٰ کی یاد کی تو خناس ہو جاتا ہے اور یعنی پیچھے کھسک جاتا ہے اور اگر وہ غافل ہوا تو اُسکا دل اپنی سوڈ میں لے لیتا ہے یہی (دوسواں الخناس) ہے اور ابن کثیر رحمہ نے کہا کہ حدیث غریب ہے۔ امام احمد رحمہ نے حدیث ابو تمیمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایف میں تھا کہ ناگاہ آپ کی سواری کے حمار نے ٹھوکر لی تو میرے منہ سے نکلا کہ (نفس الشیطان) یعنی شیطان ہلاک ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نفس الشیطان ست کہ کو کربانہ جب تو (نفس الشیطان) کہیگا تو شیطان غرور میں پھول جائیگا کہیگا کہ میں نے اپنی قوت سے اسکو بچھا ڈالا (اسی جہت سے یہ فرمایا کہ نہ لگا) بلکہ تو کہہ بسم اللہ کیونکہ جب تو بسم اللہ کہیگا تو وہ کبھی کی طرح حقیر ہو جائیگا ابن کثیر رحمہ نے کہا کہ یہ حدیث فقط امام احمد نے مسند کی اور اسکی اسناد جنید قوی ہے اور بیان سے معلوم ہوا کہ دل میں جب اللہ تعالیٰ کی یاد آئی تو شیطان خوار و خرد و حقیر ہو جاتا ہے اور اگر غفلت ہو گئی تو وہ بڑا ہو کر غالب ہو جاتا ہے امام احمد رحمہ نے حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آدمی جب مسجد میں ہوتا ہے تو شیطان اُسکے پاس آکر الجھاؤ ڈالتا ہے اور اُسکو اپنے خیالات میں پھسلاتا ہے جیسے آدمی اپنی سواری کے جانور کو پھسلاتا ہے پس اگر وہ آدمی اُسکی باتوں میں متفکر ہوا تو وہ اُسپر گردن بند لگاتا ہے یا لگام چڑھاتا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم لوگ ظاہر میں بھی اُسکی صورت دیکھتے ہو چنانچہ جس کسی کو تم دیکھو کہ ایک طرف گردن ڈالے غافل ہو اللہ تعالیٰ کی یاد نہیں کرتا تو اس شخص پر شیطان نے گردن بند لگایا ہے اور جسکو تم دیکھو کہ ایک طرف ٹٹنگلی لگائے سوچ میں غافل ہو اور اُسکا منہ کھلا ہوا ہو تو شیطان نے اُسکی لگام چڑھائی ہے (فقیر عبد احمد) سعید ابن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کی کہ قولہ تعالیٰ وسواس الخناس کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آدمی جب اللہ تعالیٰ سے وسوسہ ڈال دیا اور جب اُسے اللہ تعالیٰ کی یاد کی تو کہ قلب پر شیطان اپنے گھٹنے ٹیکے ہے جب وہ غافل ہوا اور بھولا تو شیطان نے وسوسہ ڈال دیا اور جب اُسے اللہ تعالیٰ کی یاد کی تو کھسک جاتا ہے۔ یہی مجاہد و قتادہ رحمہ نے بیان کیا۔ سلیمان اُمّی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھے بیان کیا گیا (ظاہر اُنسے کسی صحابی نے بیان کیا ہے) کہ آدمی جب غم و اندوہ میں ہوتا ہے یا خوشی میں سرور ہوتا ہے تو شیطان اُسکے دل میں چوری کی سید لگاتا ہے پھر جب اُسے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا تو کھسک جاتا ہے۔ عوفی رحمہ نے کہا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ وسواس یہ کہ شیطان ابلیس آدمی کے جی میں بدی کا شوق ڈال کر اُتھاتا ہے اور اگر اُسے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا تو کھسک جاتا ہے۔ قولہ تعالیٰ الذی یوسوس فی صدور الناس۔ یہاں (الناس) سے فقط انسان ہی پھر اگر اُسے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا تو کھسک جاتا ہے۔ قولہ تعالیٰ الذی یوسوس فی صدور الناس۔ یہاں (الناس) سے فقط انسان ہی مراد ہیں یا جن و انسان دونوں مراد ہیں یعنی قول اول کے موافق یہ معنی ہوتے ہیں کہ میں نے رب الناس ملک الناس آلہ الناس کی پناہ لی بدی سے وسواس الخناس کی جو کہ وسوسہ ڈالتا ہے انسان کے دلوں میں اب آگے قولہ (من الخبتہ والناس) اُسی خناس کا بیان ہے یعنی یہ خناس خواہ جن کی قسم سے ہو یا انسان کی قسم سے ہو کیونکہ انسان میں بھی شیطان ہوتا ہے جن چنانچہ آئندہ بیان آتا ہے علی بن اُخترین نے بھی (والناس) سے انسان مراد ہیں جیسے صدور الناس میں (الناس) سے فقط انسان مراد تھے۔ قول دوم یعنی صدور الناس میں (الناس) سے انسان و جن دونوں مراد ہوں تو (من الخبتہ والناس) ان دونوں کا بیان ہوگا معنی یہ کہ جو کہ وسوسہ ڈالتا ہے لوگوں کے دلوں میں خواہ وہ لوگ سے انسان و جن دونوں مراد ہوں تو (من الخبتہ والناس) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان جیسے آدمیوں میں وسوسہ ڈالتا ہے اس طرح جنوں میں بھی جن میں سے ہوں یا انسان میں سے ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان انسان کے لیے آتا ہے اور اُسکے ذیل میں جن بھی داخل ہو گئے اور امام ابن جریر رحمہ وسوسہ ڈالتا ہے ابن کثیر رحمہ نے لکھا کہ الناس۔ انسان کے لیے آتا ہے اور اُسکے ذیل میں جن بھی داخل ہو گئے اور امام ابن جریر رحمہ لکھا کہ جیسے (رجال) جمع رجل یعنی مرد آدمیوں میں بولا جاتا ہے اور سورہ جن میں بقولہ تعالیٰ رجال من الجن لآبہ۔ تو جن میں رجال بولا گیا ہے

الْخَنَاسِ الَّذِي يُوسُّوسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝

اور چھپ جاوے وہ جو خیال ڈالتا ہے لوگوں کے دل میں جنوں میں اور آدمیوں میں

اس سورہ مبارک میں شر اور بدی شیطان سے پناہ چاہنے کا حکم دیا بقولہ تعالیٰ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ تو کہہ میں پناہ میں آیا لوگوں کے پروردگار کی۔ مَلِکِ النَّاسِ۔ لوگوں کے بادشاہ کی۔ اِلٰهِ النَّاسِ۔ لوگوں کے معبود کی۔

یہ تین صفتیں اللہ تعالیٰ کے صفات میں سے ہیں کہ وہ رب ہو اور ملک ہو اور آلہ ہو کیونکہ جمیع مخلوقات اُسی کی مخلوق ہیں اور اُسی کے ملک ہیں اور اُسی کی الوہیت میں بندے ہیں پس حکم دیا کہ تو کہہ میں نے پناہ لی رب الناس و ملک الناس اور الہ الناس کی

مِنْ شَرِّ النَّوَسُوْاۤیِۡسِ الْخَنَاسِ۔ خناس کے وسواس کی بدی سے ف یعنی خناس جو وسوسہ ڈالتا ہے اُسکی بدی۔ خناس بہت چھپنے والا اور دبک جانے والا اور وہ ابلیس شیطان ہے۔ الَّذِیْ یُّوسُّوْۤسُ فِیْ صُدُوْرِ

النَّاسِ مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ۔ جو کہ وسوسہ ڈالتا ہے لوگوں کے سینوں میں جن سے اور انسان سے ف بیان دو تفسیر میں ہیں (ایک) یہ کہ (صندور الناس) میں (الناس) کا بیان (من الجنة والناس) ہو تو معنی یہ کہ خناس وسوسہ ڈالتا ہے

سینوں میں جن و انسان کے (دوم) یہ کہ خناس کا بیان ہو یعنی وسواس خناس کی بدی سے جو آدمیوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہو خواہ وہ جن کی قسم سے ہو یا انسان کی قسم سے ہو فواہد تفسیر ابن کثیر رحمہ اللہ کی تفسیر میں ہے کہ الخناس شیطان ہو جو انسان پر

موکل ہو اور ہر انسان کے ساتھ اسکا ہمزاد موکل ہو وہ بُری باتیں اُسکی نظر میں چاہتا رہتا ہو اور اس بارہ میں کچھ بھی کوتاہی نہیں کرتا کہ اپنے ساتھی کو فحش و بدکاری میں ڈالے ولیکن معصوم وہی رہتا ہو جسکو اللہ تعالیٰ بچا دے اور صحیح بخاری میں ثابت ہے کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسا نہیں جسکی یہ حالت ہو کہ اُسکے ساتھ اسکا ہمزاد موکل ہو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپکی بھی یہی حالت ہو۔ فرمایا کہ ہاں ولیکن اتنا فرق ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اُسپر میری اعانت فرمائی تو اُس نے

گردن جھکا لی پس مجھے سوائے بہتری کے کچھ نہیں کہتا ہے (صحیح) اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف فرمایا تھا تو ام المؤمنین صفیہ رضی اللہ عنہا ایک روز شام کو آپ کے دیکھنے کے لیے مسجد میں حاضر ہوئیں

اور باتیں کرتی رہیں یہاں تک کہ کچھ رات گئی جب وہ گھر واپس ہوئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُنکو پہنچانے آئے جب رخصت کرنے لگے تو کھڑے ہو گئے اتنے میں اُدھر سے دو شخص انصاری گزرتے اور آپ کو اس طرح باتیں کرتے دیکھ کر تیز قدم چلنے لگے پس

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن دونوں کو آواز دی کہ ٹھہرو یہ عورت صفیہ بنت حبیبی ہو پس اُنھوں نے کہا کہ سبحان اللہ (یعنی بھلا کہیں ہم آپ کی جناب میں کچھ گمان کر سکتے تھے) آپ نے فرمایا کہ شیطان خون کی طرح آدمی کے اندر روان ہوتا ہو اور مجھے خوف ہوا

کہ ایسا نہ تو تمھارے دلوں میں کچھ تردد کا وسوسہ ڈال دے یا فرمایا کہ کچھ بدی ڈال دے (صحیحین) مسترحم کہتا ہے کہ اُسکے وسوسے بہت باریک و سخت ہوتے ہیں اور وہ غفلت کا موقع تلاش کرتا ہو تو جب وہ دونوں انصاری کسی غفلت میں

ہوتے تو شاید وسوسہ ڈالتا کہ بھلا یہ کون عورت ہو سکتی ہے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی اندھیری رات میں اس طرح روکا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت خوش خلق ہیں اُسکے روکنے سے کھڑے ہو گئے ہونگے ولیکن اُس عورت کا کیا مطلب تھا۔ غرض کہ اسی طرح یہ وہ خیالات ڈالتا ہو اور اگر اس درمیان میں اللہ تعالیٰ کی یاد آگئی تو کھسک جاتا ہے

گمراہ ہودی سے اپنے نام کا رقیہ لیتا تو چھوڑ دیتا تھا۔ مد مقرر حکم کستا ہو کہ اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ اس طرح نفع ہوتا ہی نہیں خالی نفع پر جو کوئی مطمئن ہو وہ دین حق کی قدر نہیں جانتا ہو۔ واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مکروہات و عوارض و غیرہ کو جنم و ابلیس کی طرف ڈال دیا ہو اور نور ایمان کے ساتھ میں یہ چیزیں بندہ مومن کے واسطے کفارہ ہوتی ہیں اور بغیر ایمان کے ابلیس کا تسلط ہوتا ہو اور ہوا تحفیظ العلیم و اسکی حکمت بالغہ کے اسرار بے انتہا ہیں مخلوق کو اسکی مجال نہیں ہو سکتی واللہ تعالیٰ ہو العلیم الحکیم و الحمد للہ رب العالمین اگر کہا جاوے کہ حاسد کے شر سے پناہ لینے کا حکم دیا۔ اور یہ معلوم ہوا کہ حاسد اپنے حسد میں جلتا ہو اور جس سے حسد کرتا ہو وہ اچھا رہتا ہو تو اس میں کیا بعید ہو (جواب) حاسد وہ ہو جو دوسرے سے نفعت زائل ہو جائے کی تمنا کرے اور اسکا دل و جگر جلتا رہتا ہو لیکن محسود کی نفعت اللہ تعالیٰ زیادہ بڑھاتا ہو تو حاسد زیادہ مقہور ہوتا جاتا ہو اسلئے بعض سلف نے کہا کہ ظالم جسکی صورت مظلوم سے مشابہ ہو وہ حاسد ہو پھر جب یہ حاسد ظالم روز بروز محسود کی ترقی دیکھتا ہو تو قابیل کی طرح جسنے بائبل کو قتل کیا تھا محسود کے قتل پر آمادہ ہوتا ہو اور یہی حسد ابلیس کا اول شر اور اسکی لعنت کا جوہر تھا کہ اُسے حسد سے آدم کو سجدہ نہ کیا۔ قولہ اذا حسد۔ یعنی حاسد جب حسد پر شرات کرنے لگے یعنی مثلاً قتل کرنے پر آمادہ ہوا بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اسکی ذات سے اور یہ نظر سے پناہ چاہے بالجملہ اللہ تعالیٰ نے اس سورہ مبارک کو جامع نعوذ فرمایا کہ جسے سچے ایمان کے ساتھ جناب باری تعالیٰ میں پناہ لی تو ہر ایک شر مخلوق سے اور شر اس سے اور شر نفاثات سے اور شر حاسد سے پناہ میں ہو جاتا ہو واللہ احمد والمنة ف بعض حکمائے کہا کہ حاسد نے پانچ طریقے سے اپنے رب عزوجل سے معارضہ کیا (۱) حاسد نے جو نفعت دوسرے پر ظاہر کی اُس سے عداوت کی (۲) حاسد نے اللہ تعالیٰ کی تقسیم نہ مانی کیونکہ وہ گویا یہ کہتا ہو کہ تو نے اس شخص کو یہ نفعت کیوں دی (۳) اللہ تعالیٰ نے فضل کیا اور حاسد نے بخل سے معارضہ کیا (۴) حاسد چاہتا ہے کہ اولیائے الہی خوار ہوں تو وہ خود خوار ہوگا (۵) حاسد نے ملعون ابلیس کی تائید کی اور اسکو اپنا امام بنایا حاسد ہمیشہ خوار ہوتا ہو کیونکہ دنیا میں ہر مجلس میں غلامت اٹھاتا ہو اور اٹکے اسکو لعنت کرتے ہیں اور اپنے گھڑین غم و جلن میں دائمی مدین رہتا ہو اور آخرت میں جلتا رہے گا اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا جاتا ہو۔ زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے پہلے امتوں کی دو بیماریاں رنگتی ہوئی تھیں آئی ہیں ایک حسد اور دوسری بغض۔ اور تم ہو شیار ہو کہ بغض ہی مونڈنے والی ہزارواہ احمد یعنی جیسے استرو سے بال مونڈے جاتے ہیں اس طرح باہمی بغض و عداوت سے نیکیاں منڈ جاتی ہیں اللہ تعالیٰ ہکو اور ہمارے احباب کو اپنے کرم سے ان سے پناہ دے

سُورَةُ النَّاسِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتُّ آيَاتٍ

اس سورہ میں چھ آیات اور میں کلمات اور ننانوے (۹۹) حروف ہیں (س) اور اس سورہ کے مکیہ یا مدنیہ ہونے میں ویسا ہی اختلاف ہو جیسا کہ سورۃ الفلق میں بیان ہوا ہو اور بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ یہ سورہ کے میں نازل ہوا اور بن الزبیر سے روایت ہو کہ میں نے میں نزول ہوا اور ظاہر یہ کہ نزول کے میں ہوا تھا پھر مدینہ میں یہودیوں کے سحر کے وقت مکر نزول ہوا ہو واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

شروع

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ إِلَهِ النَّاسِ ۝ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۝
تو کہ میں پناہ میں آیا لوگوں کے رب کی لوگوں کے بادشاہ کی لوگوں کے پوجے کی بدی سے اسکی جوسنگے

پر ہر لازم ہو کیونکہ مشرک لوگ تو شیطان کے تابع ہیں اور مومن کو نہ چاہیے کہ اپنے دشمن شیطان کی حفاظت میں جاوے تو وہ دشمن کیا امید رکھتا ہو اور طحاوی کی روایت میں بھی تمیمہ لکھانے کو مشرک فرمایا ہو اور سابق میں بیان گزر چکا اور باقی بیان آتا ہو ہر پرہ رخصتے کہا کہ میری بیماری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ بھلا میں تجھے اس چیز سے رقیہ کروں جس سے مجھے جبرئیل نے رقیہ کیا تھا میں نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ قربان ہوں ضرور رقیہ فرمائیے آپ نے کہا لیسحہ اللہ اَرْقِیْكَ وَاللّٰهُ لَیْشْفِیْكَ مِنْ كُلِّ دَآءٍ فِیْكَ مِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِی الْعُقَدِ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ۔ اس سے آپ نے تین مرتبہ رقیہ کیا۔ (رواہ ابن ماجہ وابن سعد وحاکم وغیرہم) سوال کیا شرعی تعویذ کے ساتھ دم کرنا جائز ہے جواب اس زمانہ میں تعویذ اس کاغذ کو کہتے ہیں جس پر کچھ لکھ کر بچوں کے گلے میں لٹکاتے ہیں یہ زمانہ سلف میں نہ تھا ولکن بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے آیۃ الکرسی کے مانند لکھ کر ان بچوں کے گلے میں ڈالی جو زبان سے نہیں پڑھ سکتے تھے اور ظاہر کیا کہ اس سے برکت مقصود ہو اور حفاظت اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہو اسکو تمیمہ کہتے تھے اور تعویذ کے معنی اللہ تعالیٰ کی پناہ میں نہایت تعوذ اللہ تعالیٰ کی پناہ لینا۔ یہ بات پڑھنے اور دعا کرنے سے ہوتی تھی اور جمہور صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم پڑھ کر دم کرنے کو جائز رکھتے تھے اور حدیث ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے میں کوئی بیمار ہوتا تو اُس پر معوذات پڑھ کر دم کرتے تھے۔ ص۔ معوذات سے مراد قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس ہیں اور غالباً انکے ساتھ میں قل یا ایہا الکافرون اور قل ہو اللہ احد اور ہی قسم کے آیات قرآنہ میں واللہ تعالیٰ اعلم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ڈانے میں لب مبارک کی کچھ چھینٹیں بھی ہوتی تھیں ولکن ایک جماعت نے کہا کہ یہ خصوصیت آپ ہی کے لب میں تھی امام شافعیؒ نے مہارک میں لکھا کہ رقیہ کرنا ایسے کلام سے جائز ہے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب سے ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے ہو اور ایسی عبارت ہو نہیں جائز ہو جو سریانی یا عبرانی یا ہندی بولی میں ہو کیونکہ اس پر اعتقاد و عتقاد حلال نہیں ہے۔ یہ مترجم کہتا ہے کہ اگر یہ وہم ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو کھجور وغیرہ کے رقیہ کی اجازت دی جیسا کہ طحاوی کی روایات سے اوپر ذکر ہوا (جواب) اُن میں یہ شرط ہو کہ مشرک نہ ہو اور یہ بھی مذکور ہے کہ وہ رقیہ خود سن لیا جب معلوم فرمایا کہ انہیں مشرک نہیں ہے تو تب اجازت دی اس طرح جو رقیہ ہندی میں ہو اگر اسکے معنی معلوم ہو جاوے کہ کچھ مشرک کا کلمہ نہیں ہے تو جواز ہو گا اور بعضے جاہل یا تمسین یا سلیخا وغیرہ لکھتے ہیں اور کچھ نہیں معلوم کہ انکے کیا معنی ہیں۔ شاید یہ شیاطین کے نام ہوں تو قلع مشرک میں مبتلا ہوا اور اگر وہم ہو کہ بھرا سے کبھی نفع ہوتا ہو (جواب) اس نفع کا حال بالکل ایسا ہے جیسے ایک مسلمان نے دین توحید چھوڑ کر کفار و مشرکین کی مدد لی اور انھوں نے اپنے دین میں لا کر اُسکو مال و متاع دی تو نفع ہوا اور اسکے واسطے حضرت بن مسعود رضی اللہ عنہ کا کلام کافی ہو جو انکی زوجہ نے روایت کیا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قاعدہ تھا کہ باہر پانچ خانہ جلتے اور جب گھر میں آنے لگتے تو کھنکھار کے آتے تھے ایک روز میں نے اپنی بیماری کے واسطے ایک بیوہ عورت کو جو گنڈے رقیہ میں معروف تھی بلایا تھا اُس نے میرے گلے میں گنڈا باندھا تھا کہ ناگاہ آہٹ معلوم ہوئی کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ آتے ہیں میں نے اُس عورت کو چھپا دیا آپ اُس روز خلاف معمول میرے پاس آکر بیٹھے اور میرا کپڑا ہٹا کر میرے گلے سے وہ گنڈا ایکڑا اور توڑ کر نکال لیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو پناہ دی کہ اُسکے گھر والی ایسے مشرک میں مبتلا ہو۔ میں نے کہا کہ آپ یہ کہتے ہیں اور مجھے یاد ہے کہ بچپن میں جب میری آنکھ پھڑکتی اور بیماری ہوتی تو فلاں یہودی کے پاس لے جاتے وہ جھاڑ دیتا تو فوراً اچھی ہو جاتی آپ نے فرمایا کہ اِن نادان اُس زمانہ کفر میں شیطان مسلط تھا وہ تیری آنکھ کو گرفت کرتا جب اُس

حدیث میں ہے کہ یہودی لبید کی ہڈیوں نے آپ پر سحر کیا تھا پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو شفا دی اور سحر انھیں نفاثات خبیثات پر رد کر دیا اور باوجود اسکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسکو عتاب نہ فرمایا بلکہ کبھی اُسکے منہ پر اسکا ذکر نہیں کیا۔ امام احمد رحمہ نے زید بن ارقم رضی سے روایت کی کہ ایک یہودی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا تھا جس سے آپ چند روز تک ناک سار رہے پس جبریل علیہ السلام نے آکر اُنکو اطلاع دی کہ ایک یہودی نے آپ پر گرہ باندھنے سے سحر کیا ہے اور اُسکو فلان کنوئین میں گاڑا ہے آپ کسکو بھیجا اُسکو منگو انہیں آپ نے بھلوا یا اور (معوذتین پڑھ کر) گزین کھولیں تو آپ بالکل تندرست ہو گئے پھر آپ نے کبھی اس یہودی کے رد پر اسکا ذکر بھی نہ کیا اور واد النسائی اس حدیث کو بخاری رحمہ نے حضرت عائشہ رضی سے روایت کیا اور اسمین یہ بھی مذکور ہے کہ اُنکو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ عورت کے پاس گئے ہیں حالانکہ یہ نہیں ہوتا تھا۔ سفیان بن عیینہ نے کہا کہ یہ سخت قسم کا جادو تھا ایک روز آپ نے فرمایا کہ اے عائشہ مجھے معلوم ہوا کہ میں نے جو کچھ اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا تھا وہ مجھے بتلا دیا یعنی وہ شخص میرے پاس آئے (دو فرشتہ تھے) ایک سر ہانے بیٹھا اور ایک پانیتی بیٹھا پھر سر ہانے والے نے پانیتی والے سے کہا کہ اُنکو کیا ہوا ہے اُس نے کہا کہ انہیں جادو کیا گیا ہے کہ انہیں کسے جادو کیا جواب دیا کہ لبید بن اعصم نے یہ شخص یہود کا ہم سوگند تھا اور منافق تھا کہا کہ کس چیز میں جادو کیا ہوا ہے جواب دیا کہ کنگھی کے بالوں میں کہا کہ وہ کہاں ہے جواب دیا کہ ترخڑا کے طلوع کے خوف میں کر کے چاہہ دوڑان کے پتھر کے نیچے گاڑا ہے عائشہ رضی نے کہا کہ پھر آپ نے جا کر اُسکو نکلوا یا اور وہاں سے آکر مجھے فرمایا کہ جو کنوان میں نے دیکھا اُسکا پانی گویا بھگوئی سینہ دی کا پانی ہوا اور اُسکے درختان خرمگوا یا شیطا طین کے سر میں۔ پھر آپ نے حکم دیا تو وہ کنوان پاٹ دیا گیا۔ ثعلبی رحمہ کی روایت میں ہے کہ ابن عباس رضی عنہما عائشہ رضی نے کہا کہ ایک یہودی لڑکا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا کہ اس کا کام کا مستولی لبید بن اعصم ہوا تھا۔ بخاری وغیرہ چند موسے مبارک اور کنگھی کے دانے دبیلے اسکے ذریعہ سے یہود نے سحر کیا اور اس کام کا مستولی لبید بن اعصم ہوا تھا۔ بخاری وغیرہ کی بعض روایات میں تصریح ہے کہ دو فرشتہ آکر ایک سر ہانے اور ایک پانیتی بیٹھا تھا اور ثعلبی رحمہ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی و عمار بن یاسر و زبیر بن العوام رضی اللہ عنہم کو بھیجا انھوں نے اُسکا پانی سب نکالا تو وہ آب حنا کی طرح سرخ تھا پھر پتھر اٹھا کر جب طلوع نکالا تو اسمین آپ کی کنگھی کے چند دانے اور بال تھے اور اسمین ایک رودہ نکلا جسکی گرہوں میں سونیاں چھبی ہوئی تھیں پھر اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں سورتیں اُتاریں پس جب آپ قل اعوذ برب الفلق سے شروع کر کے کوئی آیت پڑھتے تو اسکی ایک گرہ کھل جاتی اور ہر گرہ کے کھلنے پر آپ کی طبیعت ملکی ہوتی جاتی تھی۔ یعنی اُس سحر مذکور کے اثر سے انقباض معلومہ دور ہوتا تھا یہاں تک کہ جب آخری گرہ کھلی تو آپ بالکل تندرست ہو گئے اور جبریل علیہ السلام پڑھتے جاتے بِسْمِ اللّٰهِ اَنْ قَبِيْلَكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُوْذِيْكَ يَا ذَا النُّبُوْلِ وَعَيْنِ اللّٰهِ يَشْفِيْكَ پھر ان اصحاب رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم کو اجازت دیجئے کہ ہم اس خبیث یہودی کو بکڑ کے قتل کر دیں آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے شفا دی اور میں ناگوار رکھتا ہوں کہ اپنے واسطے شرمیلیاؤں (خلاصہ ابن کثیر رحمہ) نسائی رحمہ نے حدیث ابو ہریرہ رضی سے روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جسے گرہ دیکر اُس پر دم کیا تو اُس نے سحر کیا اور جس نے اُسے شرم کیا اور جس کسی نے کچھ لگٹا یا (یعنی جیسے بچہ کے گلے میں ناخن وغیرہ لگاتے ہیں) تو وہ اُسی چیز کے بھروسے پر چھوڑا جاتا ہے (درواہ ابن مردودہ) مترجم کہتا ہے کہ گرہ باندھ کر دم کرنے سے یہ مراد ہے کہ اُسے لگٹانے کے طور پر ایسا کیا ہو اور واضح ہو کہ بچہ کے گلے میں لگٹانے والا محروم ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت سے محروم ہوا ایماندار کو ضرر نہ

قتادہ کا قول ہے یعنی میں پروردگار صبح کی پناہ میں آیا بدی سے رات کی جب وہ اپنے اندھیرے کے ساتھ متوجہ ہو نہیری نے کہا کہ یہ آفتاب ہے جب غروب ہوا قول شاید یہ معنی لے کہ بدی سے رات کے جب آفتاب غروب ہو جاوے کیونکہ غاسق کے معنی آفتاب کے کسی نے نہیں کہے ہیں۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ (من شر غاسق اذا وقب) کوکب ہے یعنی روشن ستارہ جب غروب ہوا قول یہ آفتاب و ماہتاب دونوں کو شامل ہے یا شریا مراد ہو واللہ اعلم۔ ابن زیدم نے کہا کہ عرب کہتے ہیں کہ شریا کا غروب ہونا غاسق ہے اور اس وقت میں بیماریوں اور وبا و طاعون کی کثرت ہوتی ہے اور جب شریا طلوع ہوتا ہے تو یہ چیزیں دور ہو جاتی ہیں۔ ابن جریر رحمہ نے مسند کیا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت میں فرمایا کہ یہ نجم غاسق ہے یعنی جب شریا غروب ہو ابن کثیر رحمہ نے کہا کہ اسناد میں راوی کو وہم ہوا اور یہ قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثبوت نہیں ہوا ابن جریر رحمہ نے کہا کہ دیگر علماء کے نزدیک غاسق چاند ہے۔ میں کہتا ہوں کہ انکی دلیل وہ حدیث ہے جو امام احمد رحمہ نے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے مسند کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کے چاند دکھلایا جب وہ رات میں نکلتا ہے اور فرمایا کہ اس غاسق کی بدی سے پناہ مانگ جب وہ غروب ہو۔ ترمذی رحمہ کا لفظ یہ ہے کہ اسکے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ لے کیونکہ یہ ہی غاسق اذا وقب ہے اور کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اسکو نسائی رحمہ نے بھی روایت کیا و قول اول کے لوگوں نے کہا کہ یہ آیت اللیل ہے جب داخل ہو۔ واضح ہو کہ چاند بھی رات کی نشانی ہے اور سوائے رات کے اسکی حکومت نہیں ہوتی اسطرح ستارے بھی رات ہی میں چمکتے ہیں تو مرجح یہ ہوا کہ قولہ تعالیٰ ومن شر غاسق اذا وقب۔ اور پناہ لے بدی سے رات کی جب وہ تاریکی سمیٹ لاوے (خلاصہ ابن کثیر رحمہ) زجاج نے کہا کہ رات کو غاسق اسلیے کہتے ہیں کہ دن کے بہ نسبت اُس میں زیادہ سردی ہوتی ہے اور غسق اصل میں سردی کو کہتے ہیں تو غاسق سرد ہوا اسلیے رات کو غاسق کہا اور یہ بھی وجہ ہے کہ رات کو ورنہ اور سانپ بچھو اور چوروں کو ایداز و فساد کے لیے پراگندہ ہوتے ہیں ابن الاعرابی نے کہا کہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں غاسق چاند کو اسلیے کہا کہ جو ورنہ فساد دی و مکارا اسکے غروب ہونے کا انتظار کرتے رہتے ہیں (مخص الفتح) ارجح قول اس آیت کی تفسیر میں یہ ہے کہ غاسق رات ہے لیکن (اذا وقب) اسلیے فرمایا کہ جب تک رات میں روشنی رہے جیسے چاند تب تک شریر و موزی چیزیں زیادہ موقع نہیں پاتی ہیں اسی جہت سے اپنے چاند کو دکھلایا کہ جب غروب ہوا تو اندھیری گھٹا ٹوپ ہو جاتی ہے اور موزی چیزیں نکل پڑتی ہیں تو رات کی بدی سے جبے تاریکی سمیٹ لاوے پناہ مانگنے کا حکم دیا۔ ایسی حالت میں بچاؤ مشکل ہو جاتا ہے اور واضح ہو کہ یہ تو ظاہری حالت میں مشہور معاملات ہیں اور باطنی امور جیسے جن و شیاطین بھی اندھیری رات میں زیادہ منتشر ہوتے ہیں اسلیو اسطرح حدیث میں دعا ہے کہ رات میں ہر ایک نے والے سے سوائے نیک کے پناہ مانگے۔ قولہ ومن شر النفاثات فی العقد۔ نفاثہ بھونک مارنے والی۔ نفاثات جمع ہے۔ اگر نفوس کی صفت ہے تو مرد و عورت جن و انس سب کو شامل ہے یعنی میں رب الفلق کی پناہ لیتا ہوں سب نفوس سے جو گریہوں میں بھونکیں ہر ایک خبیث نفس جس جسم میں ہو خواہ مذکر ہو یا مونث ہو وہ جادو اور ٹونا وغیرہ خبیث چیزوں کو لماویگی تو ایسے نفوس خبیثہ سے پناہ مانگنے کا حکم دیا جو جادو کے عمل سے گریہوں میں بھونکیں اور اگر نفاثات عورتیں ہیں تو صیغہ مونث ظاہر ہے ابو عبیدہ رحمہ نے کہا کہ جیسے لبید بن الأعصم یہودی کی بیٹیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کیا تھا ابن کثیر رحمہ نے لکھا کہ جادو و سحر میں حسن قتادہ و ضحاک رحمہ نے کہا کہ نفاثات فی العقد۔ ساحرہ عورتیں ہیں یعنی جب جادو و سحر گرہ باندھ کر اُس پر بھونکیں

جو گروہوں میں دم کرتی ہیں ف یعنی جادو کے طریقے سے شرک کے بدکلمات پڑھ کر گروہ باندھتی ہیں چہارم و مین بشر
 حکا سید اذ احسد۔ اور بدی سے بُرا چاہنے والے کی جب وہ ہونے ف ان چار قسم کی بدی سے اپنے رب غرول
 کی پناہ لینے کا حکم فرمایا۔ اور قولہ رب الفلق الم۔ میں اشارہ فرمایا کہ بدی کی تاریکی سے وہی پناہ دیتا ہو اور تمام خلق کا پیدا کرنے والا وہی
 ہو ابن کثیر رحمہ کی تفسیر میں ہے کہ کعب احبار نے بیان کیا کہ الفلق جنم میں ایک کو ٹھہری ہو جب وہ کھلتی ہو تو اسکی جلن ایسی سخت ہو کہ
 سب جہنمی چیخ اٹھتے ہیں۔ رواد ابن ابی حاتم۔ اور زید بن علی بن حسین رضی اللہ عنہم نے کہا کہ فلق جنم کی تہ میں ایک کنوان ہو وہ
 ڈھکا رہتا ہو جب وہ کھولا گیا تو اسکی جلن ایسی سخت ہو کہ اُس سے جنم چیخ اٹھتی ہو۔ یہی معنی ابن عباس و عمرو بن عبسہ و سدی وغیرہم
 سے بھی روایت کیے گئے ہیں۔ ابن جریر رحمہ نے اسکو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث مرفوع روایت کیا ولیکن ابن کثیر رحمہ نے کہا کہ یہ کسی راوی کا
 وہم ہو بلکہ یہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہو مترجم کتا ہو کہ فلق اگر جنم میں کنوان ہو تو کلام بیان یہ ہو کہ آیت کی تفسیر میں الفلق سے کیا مراد ہے
 (جواب) امام ابن جریر رحمہ نے کہا کہ تفسیر میں صحیح یہ کہ قول اول مراد ہو یعنی الفلق بمعنی صبح کے ہو اور اسی کو امام بخاری رحمہ نے لیا ہے
 المعنی۔ تو کہہ کر مین پناہ مین آیا صبح کے رب کی۔ مین شرما خلق۔ تمام مخلوقات کی بدی سے حسن بصری و ثابت البنانی رحمہ نے کہا کہ جنم
 و ابلیس و اسکی اولاد کی بدی سے مترجم کتا ہو کہ مخلوق مین سے شرارت جسکی اصل ہو اور اسکی بدی دُبرائی ہے وہ ابلیس و جنم ہے۔
 اور جس بندے کو اللہ تعالیٰ نے جنم سے پناہ دی تو اسکو ہر قسم کی بدی سے پناہ دی۔ چنانچہ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے خطاب
 دمشق میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا تمھارے سامنے کر دی اس میں سے نیکو کار اور کفار بدکار سب کھاتے ہیں اور آخرت سچا وعدہ
 ہو کچھ شک نہیں دیان بادشاہ قادر حکم فرما دیگا تم ہوشیار رہو کہ اپنے اعمال کے سامنے پیش کیے جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔
 فمن لعل مثقال ذرۃ خیر ابرہ الایہ۔ یعنی جسے ذرہ برابر نیکی کی وہ دیکھیکا اور جسے ذرہ برابر بدی کی وہ دیکھیکا۔ آگاہ ہو کہ کچھ
 لوگ دنیا کے بیٹے ہیں اور کچھ آخرت کے بیٹے ہیں تم کو چاہیے کہ دنیا کے بیٹے نہ بنو بلکہ آخرت کے بیٹے بنو کیونکہ قیامت میں ہر مان کے
 نیچھے اُسکے بیٹے لگا دیے جاویں گے۔ پھر شدا بن اوس رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم پر درود بھیجا۔ پھر فرمایا کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی کتاب کی طرف رجوع لاؤ اگرچہ اُسکو بہت لوگوں نے چھوڑا ہو۔ تم لوگ بھلائی
 کے فقط اسباب دیکھو گے اور بدی کے بھی فقط اسباب دیکھو گے اور اللہ تعالیٰ نے سب خوبیوں کو جمع کر کے حنت میں رکھ دیا
 ہو اور سب بدی دُبرائی کو جمع کر کے جنم مین ڈال دیا ہو (رواہ ابواسمعیل فی الفتوح) اس سے معلوم ہو گیا کہ جس بندے کو جنم سے
 پناہ ملی تو ہر بدی سے پناہ پائی اور واضح ہو کہ بدی دُبرائی کا پچانا بدوین طریقہ نبوت کے کسی طرح نہیں معلوم ہو سکتا ہے
 ایسے کہ جنم کسی نے نہیں دیکھی اور نہ انسانی عقل و راے کام کر سکتی ہو اور بیان اصل بدی نہیں بلکہ اُسکے اسباب موجود ہیں مثلاً
 زنا کے اسباب یہاں موجود ہیں اور شہوت مین وہ بہت مرغوب معلوم ہوتے ہیں ولیکن اُسکی حقیقت جنم مین نہایت قبیح ہو اور اللہ تعالیٰ کی پناہ
 مین عذاب جنم۔ پس اللہ تعالیٰ کی رحمت مین پناہ لے اور شریعت مین جو امور بدادر قبیح ہیں اُن سے پرہیز کرے اور اللہ تعالیٰ کی پناہ
 مین اُسکو نیچے کی توفیق حاصل ہو جاتی ہو مین شرف اسق اذ وقب۔ اصل مین غش کے معنی تاریکی و اندھیرا۔ و قوب کے معنی اندھیرا
 ہجوم کرنا بعد آفتاب کے ابن کثیر نے لکھا کہ مجاہد رحمہ نے کہا کہ غاسق رات ہو۔ اذ وقب۔ آفتاب کا غروب ہو اس قول کو بخاری
 نے نقل کیا اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہو اور تابعین مین سے محمد بن کعب و ضحاک و خصیف و حسن بصری

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ۔ **قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ**۔ تو کہہ میں پناہ میں آیا صبح کے پروردگار کی ف۔ جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ الفلق صبح ہو (رواہ ابن ابی حاتم) یہی عوفی رحم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اس کے مثل مجاہد و سعید بن جبیر و عبد اللہ بن محمد بن عقیل و حسن و قتادہ و محمد بن کعب القرظی و ابن زید و زید بن اسلم کا قول ہے امام ابن جریر و قرطبی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **فَالْقُلُوبُ الْأَصْبَاحُ**۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہی سپیدہ صبح روشن کرنے والا ہے۔ ج۔ خلاصہ یہ کہ اسی محمد یہ کہہ اعوذ برب الفلق یعنی میں نے صبح کی پروردگار کی پناہ میں جگہ لے لی۔ ج۔ یعنی چار اقسام کی بُرائی اور بدی سے جتناب مانگے آیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے پناہ دی تو اُس کو کسی چیز کی بدی نہیں پہنچ سکتی ہے کیونکہ یہ چیزیں خود بدی پہنچانے کی مختار نہیں ہیں بلکہ پروردگار کی قدرت سے ان کو بھی ان کی کمائی حاصل ہوا کرتی ہے اور صاحب قدرت نے جس کو پناہ دی اُس کو بدی سے محفوظ کر لیا یہ بات سمجھ لینا چاہیے کہ جو چیز جنم کے لیے پیدا ہوئی ہے اُس کی کمائی جو اُس کی خواہش سے اُس کو ملتی ہے وہ نیک کمائی نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ نیک کمائی اس جنمی کو اُسی قدر ناگوار ہے جس قدر جنتی کو بدی ناگوار ہوتی ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جنمی اپنی کمائی کو بہت نیک سمجھتا ہے کیا نہیں دیکھتے ہو کہ جس قدر مشرکین قومیں ہیں وہ اپنے شرک کے طریقے کو بہت اچھا جانتے ہیں اور ایک قوم اپنے شرک کو حق جانتی ہے اور دوسری قوم کے شرک کو باطل سمجھتی ہے اور اس کے واسطے اپنے خیال میں قطعی و یقینی قائم کر لیتی ہے اور یہ سب مشرکین ایک اصول سے موافق ہیں کہ جو شرک نہیں ہیں وہ عداوت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ جب یہ معلوم ہو تو خالق عز و جل ہر مخلوق کو اُس کی کمائی دیتا ہے اور جنمیوں کی کمائی میں سے یہ بھی ہے کہ اہل جنت کو بدی پہنچا دیں تو جب اہل جنت نے خالق عز و جل کی پناہ لی تو ان کی بدی سے محفوظ ہو گئے اور جنمی کبھی حضرت خالق عز و جل کی پناہ نہیں لیتا ہے اس لیے کہ وہ مشرک کو حق سمجھا ہوا ہے اس لیے شرک کی آنکھ سے خالق کی قدرت دیکھتا ہے اور یہ باطل ہے جیسے کوئی شخص چاہے کہ آگ کے ذریعہ سے سردی حاصل کرے تو غیر ممکن ہے پس وہ خالق عز و جل کو نہیں پہچانتا و لیکن جس چیز کو چاہتا ہے اُس کی آڑ میں مدعی ہے جیسے مثلاً یہودی خرقہ جو غریب کو خدا کا بیٹا کہتا ہے تو وہ اپنا خدا عزیر کا باپ جانتا ہے تو اُسے خالق جل جلالہ کو نہیں جانتا اس لیے کہ وہ پاک قدوس اعلیٰ و اجل ہے کہ وہ کا بیٹا ہو جو وہ جیسا کہ قل ہوا اللہ احد کی تفسیر میں معلوم ہو چکا اس سے بندہ مومن سمجھ جائیگا کہ جس پاک عز و جل نے سب پیدا کیا اُس نے حکم دیا کہ اُس کی پناہ میں آؤ۔ علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ (الفلق) خلق ہے۔ صحاح کے نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ تمام خلق کی بدی سے رب عز و جل کی پناہ میں آؤ میں مترجم کہتا ہے کہ قل اعوذ برب الفلق۔ کے معنی یہ ہوتے کہ تو کہہ میں خلق کے پروردگار کی پناہ میں آیا۔ **مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ**۔ اور خلقہ بدی سے اُس چیز کی جو اُسے پیدا کی ہے یعنی اگر پوچھا جائے کہ پناہ لینا کسی چیز کی بدی سے ہوتا ہے تو بیان پروردگار کی پناہ کہ کس چیز سے ہے (جواب) چار قسم کی بدی سے اول من شر ما خلق۔ بدی سے اُس چیز کی جو پیدا کی ہے اسی ہر قسم کی مخلوقات اور ہر قسم کی بدی داخل ہے پس آئندہ تین قسم کا ذکر بطور خاص ہے بیان ہر قسم کی بدی سے پناہ لینے میں بہت سی ایسی چیزیں داخل ہونگی جن کو آدمی خود نہیں پہچان سکتا تھا مثلاً ایک شخص کو اگر قارون کا خزانہ ملے تو وہ شاید اپنی حالت نفس نہ جانے سے یہ سمجھے کہ یہ تو میرے حق میں بہت بہتری ہے بدی نہیں ہے و لیکن جب اُس کو یہ خزانہ ملا بدی میں خراب ہوا پس اللہ تعالیٰ اُس کو ایسی بدی سے بھی پناہ عطا فرما دے گا اگر تقدیر سے اُسے قارون کا خزانہ پایا تو بھی بدی سے بھی بچ جائیگا دوم **مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ**۔ اور بدی سے اندھیرے کی جب روندہ آوے **ف** یعنی ہر قسم کی تاریکی سے جو ظاہر میں یا باطن میں ہجوم کرے سوم **مِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقَدِ**۔ اور بدی سے اُن عورتوں کو

کرتے ہیں کیا یہ چیزیں کچھ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے نزدیک سبکتی ہیں فرمایا کہ یہ چیزیں بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہیں (حدیث حسن) اور ترجمہ
 کہتا ہے کہ دنیا میں جو چیزیں نیک و بد واقع ہوتی ہیں وہ تقدیر کے لحاظ سے افعال قدرت ہیں اور انکا نیک ہونا اور بد ہونا مخلوق کی طرف
 نظر کر کے کہا جاتا ہے کیونکہ مخلوق کو نفع و آرام پہنچا تو اسے نیک سمجھا اور اگر ضرر پہنچا تو اسے بد سمجھا اور تقدیر ان دونوں سے پاک ہے ولیکن
 آدمی کی نظر بغیر غور کرنے کے خطا کرتی ہے اگر دیوار درست ہو اور مالک مکان نے مزدور کو اسپر بھاڑا و اجلانیکا حکم دیا تو دیوار یہ سمجھتی (اگر
 ہوش ہو) کہ اسپر بد معاملہ پیش آیا حالانکہ مالک مکان اسکو اگر کرختہ اٹھانا چاہتا ہے۔ تو مالک کا یہ کام اچھا ہے حالانکہ یہاں دونوں مخلوق
 محتاج ہیں۔ دیوار بھی مخلوق ہے اور دیوار کا مالک بھی یہ احتیاج رکھتا ہے کہ اگر بکلی اٹھاوے تو اسپر کو بٹھانا ہے جس سے اسکی حاجت
 پوری ہو پس اللہ جل جلالہ جو احد الصمد ہے اسکی تقدیر سے جو احکام جاری ہوتے ہیں وہ بے لگاؤ ہیں اور سرسختی میں
 اور جس مخلوق میں یہ افعال پیدا ہوئے ہیں اس صفت سے متصف ہوگی۔ مثلاً چوری تو چور کی صفت ہے اور تقدیر کی صفت
 نہیں ہے ولیکن جو کوئی اللہ تعالیٰ کی معرفت نہیں رکھتا وہ نہیں سمجھتا کہ تقدیر کے سب کام خوب ہیں اور جس پاک غرور والے
 تقدیر پیدا کی اسی نے دوسری جانب دوا کا بھی حکم دیا و قد قال تعالیٰ لولا دفع اللہ الناس بعضهم بعضا لافسد علیہم السموات و الارض لافسد علیہم السموات و الارض
 ظلم کرنے میں یعنی ان ظالموں کی خواہش و کمائی انکو دی کہ وہ مساجد و معابد گرا نا چاہتے ہیں اور دوسری طرف مومنوں و نیک
 لوگوں کو انکی خواہش کے موافق قوت دی کہ ظالموں کو دفع کریں تو انکے ہاتھوں سے دفع کرنا پیدا کیا خطیب نے لکھا کہ حضرت عمر
 رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے اسکی تقدیر کی طرف بھاگتے ہیں مترجم کہتا ہے کہ قصہ یہ ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ
 نے ملک شام کی طرف سفر کیا کچھ دور پہنچکر معلوم ہوا کہ وہاں وبا پھیلی ہے آپ نے اصحاب کی راے چاہی ایک جماعت نے کہا تقدیر پر
 آپکو بھروسہ کرنا چاہیے اور دوسری جماعت نے دوسرا قول کہا الغرض آپ نے اس جماعت کا قول لیا جو کہتے تھے کہ واپس مدینہ چلیے تو بغض
 لو جو انوں نے کہا کہ کیا آپ تقدیر سے بھاگتے ہیں اپنے فرمایا کہ ہم تقدیر سے تقدیر کی طرف جاتے ہیں یعنی یہ بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہے اگر
 کسی جنگل میں اونٹ لے جاوے تو کیا ایسے مقام پر رکھیں گا جہاں گھاس و پانی کم ہو یا جہاں اچھی طرح موجود ہو اسنے کہا بلکہ جہاں اچھی طرح
 گھاس و پانی ہو وہاں لے جاؤ گا فرمایا کہ پھر بھی ہواتے ہیں ایک صحابہ نے سابقین میں سے کہا کہ میں نے اس مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم سے یہ حدیث یاد رکھی ہے کہ جہاں وبا واقع ہو اور تم وہاں موجود ہو تو وہاں سے مت بھاگو اور اگر تم وہاں نہ ہو
 تو وہاں مت جاؤ اس حدیث کو سنکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کا شکر کیا اور وہاں سے مدینہ واپس آئے مترجم کہتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

دعا مانگا کرتے تھے کہ اے میری موت اپنے رسول کے شہر مدینہ میں فرمائیے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

شروع

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا

رہتی ہو مگر حکم کہتا ہو کہ منوسی علیہ السلام کے ساتھ جب فرعون نے ساحروں کے ذریعہ سے مقابلہ کیا تو وہاں صریح آیات سے ثبوت ہو کہ سحر کا اثر ظاہر تھا اور باروت ماردت کے قصہ میں خود ہر ذکے درمیان نفاق کا اثر ہو اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جادو کے ذریعہ سے کفر حقیقت میں ہونا یا موتی نہیں ہو سکتا اور متواتر معروض ہو کہ انبک بکثرت ایسے لوگ موجود ہیں جو جھاڑنے سے بچھو و سانپ کا اثر اتارتے ہیں اور ایسے متواترات سے انکار کرنے والا سوا بے احمق کے کوئی نہیں ہو سکتا ہو (مسئلہ) رقیہ اپنے جھاڑ بھونک کر نا۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بچھو کاٹنے ہوئے کو سورہ فاتحہ پڑھنے سے جھاڑا وہ اچھا ہو گیا کما فی الصحاح۔ اور خارجہ بن الصلت کے چجانے ایک مجنون کو اس سے تین روز صبح و شام جھاڑا وہ اچھا ہو گیا کما رواہ الطحاوی اور خدری رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے اجرت ٹھہرائی تھی کیونکہ انھوں نے ہماری کا حق نہیں دیا تھا اور عجم خارجہ کو بعد صحت انھوں نے دینا چاہا تو کہا کہ پہلے میں رسول اللہ صلعم سے دریافت کر لوں آپ نے اجازت دی جیسے ابو سعید رضی اللہ عنہ کو اجازت دی۔ طحاوی نے کہا کہ اس حدیث سے ہمارے نزدیک بھی اجرت حلال ہو۔ طحاوی نے اس مسئلہ کو مدلل بدلائل احادیث ذکر کیا اور جوازیں حضرت ام المومنین عائشہ و طلح بن علی و جابر و حفصہ و شفاء و قرشیہ و اسماء بنت عمیس و عوف بن مالک الخدیج و ہبل بن حنیف و ابو سعید الخدری و میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جمعین سے احادیث بطرق متعددہ روایت کیں اور خلاصہ یہ کہ جب رقیہ میں کوئی لفظ شرک نہ ہو تو جائز ہو اور کسی مخلوق سے فریاد کرنا بھی شرک میں داخل ہے جیسے بعض جہال تمشیخا و سلیخا وغیرہ کو پکارتے ہیں اور تعویذات میں لکھتے ہیں اور واضح ہو کہ طحاوی نے گندے وغیرہ لکھانے کی حدیث حسین ممانعت ہو ذکر کی پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول روایت کیا کہ یہ ممانعت اس وقت ہو کہ پہلے سے صحت میں لکھا دے اور اگر بیماری کے بعد تعویذ لکھا دے تو مضائقہ نہیں ہو یعنی اس وقت یہ علاج ہو اور مگر حکم کہتا ہو کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے آیت دعا کی قسم سے لکھ کر بعض بچوں کے گلے میں ڈال دیا کہ یہ صرف برکت کی نیت سے ہو کیونکہ دعا نیت پر ہو اور اگر یہ سمجھے کہ یہ محافظ ہو تو باطل و گناہ ہو اور ایک حدیث میں ہو کہ رقیہ نہیں سوا تین چیزوں کے نظریہ اور سانپ کا کاٹنا و بچھو کا ڈنک مارنا۔ رواہ الطحاوی اور سابق میں معلوم ہوا کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے مجنون پر سورہ فاتحہ پڑھی وہ اچھا ہو گیا۔ واضح ہو کہ نظر بد کی دعا سابق میں اس تفسیر میں گزری ہو اور بخلاف ادعیہ کے (۱) جب لبید بن الاصم یہودی نے آنحضرت صلعم پر سحر کیا تھا تو جبریل علیہ السلام نے آکر یہ دعا پڑھی بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ (۲) ام المومنین میمونہ کی حدیث میں ہو بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ وَ اَللّٰهُ يَشْفِيْكَ بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ (۳) اِذْ هَبِ الْبَاسَ رَبِّ النَّاسِ وَاَشْفِ اَنْتَ الشّٰفِیْ لَا شَافِیَ اِلَّا اَنْتَ طحاوی نے کہا کہ یہ رقیہ اور اسی قسم کے رقیات میں مضائقہ نہیں ہو اور حدیث عوف رضی اللہ عنہ میں گزر چکا کہ رقیہ میں مضائقہ نہیں جب تک اُس میں شرک نہ ہو طحاوی نے کہا کہ تعویذ لکھنا قابل سکے کہ کوئی بلا عارض ہو کر وہ ہو تاکہ اس ذریعہ سے وہ چیز دور رکھے جس کو سوا اللہ تعالیٰ کے کوئی دفع نہیں کر سکتا ہو تو اس سے منع کیا گیا کیونکہ یہ شرک ہو اور بلا عارض ہونے کے بعد مضائقہ نہیں کیونکہ یہ بطور علاج ہو یہ توضیح طحاوی کا خلاصہ ہے خطیب نے لکھا کہ اگر یہاں سوال ہو کہ جو کچھ واقع ہوا وہ تو اللہ تعالیٰ ہی کی قضاء ہے مقدر ہی پھر کیونکہ اس سے استفادہ کا حکم ہوا (جواب) جو کچھ دنیا میں ظاہر ہوتا ہو خواہ نیک ہو یا بد ہو وہ اللہ تعالیٰ ہی کے حکم تقدیر سے ہو اور اس سے رقیہ کرنا اور اعوذ پڑھنا بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے موافق تقدیر کے میسر ہوتا ہو جیسے ترمذی نے حدیث روایت کی کہ صحابی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ہم لوگ جو رقیہ کر کے نفع چاہتے ہیں یا دوا کر کے شفا چاہتے ہیں یا دیگر امور جن سے پرہیز و بچاؤ

تعوذ کیا۔ میں نے التماس کیا تو فرمایا کہ یہی دونوں سورتیں قل اعوذ برب الفلق و قل اعوذ برب الناس ہیں (النسائی باسناد صحیح ابن کثیر نے ان روایات کے بعد لکھا کہ اب غور کرو کہ یہ احادیث کیسی صحیح ہیں خصوصاً حدیث عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہ وہ بہتے محققین کے نزدیک بدرجہ متواتر یقینی ہیں اور صریح معلوم ہوا کہ یہ دونوں قرآنی سورہ ہیں اور آپ نے انکو نماز فرضیہ میں تلاوت فرمایا جیسے دیگر آیات کی قرات ہوتی ہے اور عقبہ رض کے حق میں سورہ ہود اور سورہ یوسف سے زیادہ نافع متلایا اور سابق میں حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے گزرا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ میں تجھے ایسی تین سورتیں سکھلاؤں جنکی مثل تورات میں ہنن اتریں اور نہ انجیل میں اور نہ فرقان میں اتریں پھر میری التماس پر فرمایا کہ وہ قل ہو اللہ احد اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس ہیں مترجم کتا ہو کہ قل ہو اللہ احد۔ بے مثل توحید باری تعالیٰ ہے اور دونوں معوذتیں تو نبین بے مثل ہیں ابن کثیرؒ نے کہا کہ باوجود اس متواتر کے یہاں احادیث دیگر ہیں (حدیث) امام احمدؒ نے مسند کیا کہ ابو العلاء رحم نے کہا کہ ایک صحابی رض نے کہا کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہباد کے سفر میں تھے اور سواریوں کی کمی تھی لوگ باری باری سے سوار ہوتے اور اترتے چلتے تھے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کے پیچھے چلا کرتے تھے بلکہ اصحاب کے ساتھ بھی انکو آگے کرتے اور آپ پیچھے چلتے اور فرماتے کہ میرے پیچھے ملا لگہ کے لیے جگہ چھوڑ دو) یہ صحابی کہتے ہیں کہ میری باری اترنے کی تھی تو میں اتر کر پیدل چلتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھ تک پہنچے اور میرے کندھے پر مار کر فرمایا کہ بڑھ قل اعوذ برب الفلق۔ پس آپ نے پورا سورہ پڑھا اور میں نے بھی پڑھا پھر آپ نے قل اعوذ برب الناس پڑھا تو میں نے بھی پڑھا پس فرمایا کہ جب تو نماز پڑھے تو انکی قرات کیا کر اس حدیث کو امام نسائی نے بھی روایت کیا اور اسناد جید صحیح ہے اور اس میں صریح ان دونوں سورتوں کو نماز میں پڑھنے کی تاکید فرمائی (حدیث) عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اپنا دست مبارک میرے سینہ پر رکھ کر فرمایا کہ پڑھ میں متردد ہوا کہ کیا کہوں پھر فرمایا کہ پڑھ میں نے قل اعوذ برب الفلق آخر تک پڑھا تو فرمایا کہ تعویذ انھیں سے جا ہا کر کیونکہ کسی معوذ نے اسے مثل کسی چیز سے تعوذ نہیں کیا رواہ النسائی باسناد صحیح (حدیث) جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ اے جابر کہ میں نے کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں میں کیا کہوں آپ نے فرمایا کہ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پس میں نے یہ دونوں سورتیں پڑھیں۔ آپ نے فرمایا کہ ان دونوں کو پڑھا کر کہ کبھی تو ان دونوں کے مثل نہیں پاویگا رواہ النسائی باسناد صحیح اور سابق میں حدیث ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے گزرا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سورتوں کو پڑھ کر اپنی دونوں ہتھیلیوں کو ملا کر ان میں دم کر کے اپنے سر و چہرہ اور سامنے رخ کے تمام جسم مبارک پر مسح کرتے تھے امام مالک رحم نے زہری عن عروۃ عن عائشہ رض روایت کی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ بیمار ہوتے تو معوذتین (قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس) خود پڑھ کر اپنے اوپر دم کرتے تھے پھر جب آپ کی بیماری سخت ہوئی تو میں ان سورتوں کو پڑھ کر آپ پر دم کرتی اس امید پر کہ انکی برکت سے آپ اچھے ہو جاویں۔ رواہ البخاری و مسلم والبود و النسائی و ابن ماجہ مترجم کتا ہے کہ یہ برکت تو ضرور حاصل ہوتی ہے و لیکن اگر بیمار کے حق میں موت مقدر ہو تو دور سے رحمت اور ثواب حاصل ہو گا و لیکن عوام الناس اسے شک میں پڑ جاتے ہیں کہ اُسے پڑھا اور مریض اچھا نہوا بلکہ مر گیا حالانکہ یہ حالت ہے اس لیے کہ موت تو مفت درہی اور عم کے وقت شیطان کو زیادہ وسوسہ دلانے کا موقع ملتا ہے اسی جہت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس مرض میں جس میں انتقال فرمایا ہے

صحابہ رضی اللہ عنہم کے قول کی طرف رجوع کر لیا واللہ الحمد والمنة مترجم کہنا ہو کہ قرآن مجید متواتر ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث اس سے بہت زیادہ ہیں جس قدر ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہو اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت تھی تو اس ایک روایت کے پیچھے ابن مسعود کا یہ قول نہیں سمجھا جاسکتا خصوصاً جبکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت فقط اسی قدر ہے کہ مصحف میں نہیں لکھتے تھے اور اہل ایمان کبھی یقینی بات چھوڑ کر ہر کس و نا کس کی روایت پر اعتماد کر کے نہیں بھٹکتے ہیں جیسے گمراہ ردافض کا طریقہ ہے کہ یقینی بات کو چھوڑ کر تیری میری روایت پر چلنے لگتے ہیں حالانکہ ردافض کی روایتیں قطعاً ایسے لوگوں کی بنائی ہوئی ہیں جو کذب و تعقیب میں دوہرتے بنانے کے عادی تھے تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج رات ایسی آیات نازل ہوئیں کہ ان کے مثل دیکھی نہیں گئیں قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس میں (رداء احمد و سلم والترندی والنسائی) اس حدیث کی اسناد نہایت صحیح ہو اور یہ دوسری اسناد سے بھی عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہو اور قاسم ابو عبد الرحمن نے کہا کہ اکثر عقبہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ناٹھ کی ہمار پکڑے ہوئے ان نقاب میں سے بعض میں لیے جاتا تھا کہ آپ نے مجھے فرمایا کہ اگر عقبہ تو میرے کہنے سے سوار نہیں ہوتا میں ڈر گیا کہ ایسا نہ ہو یا فرمائی میں شمار ہو لہذا آپ اترے تو میں بومین ذرا سوار ہو لیا پھر میں نے آپ کو سوار کیا آپ نے فرمایا کہ اگر عقبہ میں تجھے بہتر میں سور تون سے دو سو تین سکھلاؤں میں نے التماس کیا تو آپ نے مجھے قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھائیں پھر جب نماز قائم ہوئی تو آپ نے نماز میں ہی دونوں آپ نے مجھے قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھائیں پھر جب نماز قائم ہوئی تو آپ نے نماز میں ہی دونوں سورہ قمرات فرمائے پھر مجھے فرمایا کہ اگر عقبہ تونے دیکھا کہ کیسی میں نے قرات کی اور فرمایا کہ جب تونے لگے اور جب اٹھے تو انکی قرات کر لیا کہ اس حدیث کو امام احمد و ترمذی اور ابوداؤد و النسائی نے متعدد طرق سے روایت کیا اور ایک روایت میں ہے کہ اگر عقبہ تونے ان دونوں کے مثل نہیں پاؤیگا (رداء احمد) اور ایک روایت میں ہے کہ تونے مثل نماز میں قرات نہ پاؤیگا (احمد و نسائی وغیرہ) اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس کے مثل لوگوں نے تعویذ نہیں کیا (النسائی) واضح ہو کہ تعویذ کے معنی اللہ تعالیٰ سے اسکی رحمت میں پناہ لینا جیسے ان دونوں سور تون میں ہو اور حدیث میں دعائیں بھی آئی ہیں اور یہ سب پڑھنے میں ہیں۔ رہا تعویذ جو عوام میں معروف ہے کہ بچہ کی گردن میں لٹکانے ہیں تو اسکو ایک جماعت ائمہ نے مکروہ جانا لیکن بعض نے ایسی صورت میں اجازت دی جبکہ قرآن مجید کی آیت سے ہو اور اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرے لیکن یہ احتیاط رہے کہ بچانے وغیرہ میں اسکو نہ لجاوے اور نقش وغیرہ کو اکثر نے مکروہ جانا ہو نسائی رحمہ نے اسناد صحیح عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کی اُس میں یہ بیان صریح ہے کہ جس نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سور تون کی قرات فرمائی تھی وہ فجر کی نماز تھی مترجم کہنا ہو کہ غالباً یہ حج کے مقام (منا) میں واقع ہوا جیسا کہ صحاح کی حدیث میں مع قصہ آیا ہو نسائی نے روایت کیا کہ اسلم رحمہ نے کہا کہ مجھے عقبہ بن عامر نے فرمایا کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے میں نے حضرت کی رکاب تھامی اور عرض کیا کہ یا حضرت مجھے سورہ ہود یا سورہ یوسف پڑھا دیجئے آپ نے فرمایا کہ تو قل اعوذ برب الفلق سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے بیان کوئی چیز نافع نہیں پاؤیگا (اسناد صحیح) مترجم کہنا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نوزنبوت سے ہر ایک شخص کے نفس و قلب کی حالت جانتے تھے تو ہر شخص کو اُس کے لائق تعلیم فرماتے تھے۔ عباس ابن ابیہ رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تجھے آگاہ کروں کہ تعویذ کرنے والوں نے سب سے بہتر جس سے

بعض قرآن سے اسکو صحیح کہا ہو چنانچہ امام ابو بکر الزرارح نے کہا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو قول روایت کیا جاتا ہو تو ابن مسعود فقط اکیلے ہیں اور انکے ساتھ میں کوئی دوسرا صحابی اس امر کا قائل نہیں ہو اور بے شک صحیح روایت سے ثبوت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فرضین میں قل اعوذ برب الفلق ایک رکعت میں اور قل اعوذ برب الناس دوسری رکعت میں پڑھی۔ اور اجماع صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کے مصحف مجید میں یہ دونوں سورتیں لکھی گئیں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے خاص شاگردوں نے انکا قول نہیں لیا جیسے زر بن حبیش چنانچہ امام احمد و بخاری و نسائی وغیرہم نے روایت کیا کہ زر بن حبیش نے کہا کہ میں مدینہ منورہ آیا اور وہاں میں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ملاقات کر کے کہا کہ اے ابوالمنذر میں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ مصحف میں معوذتین نہیں لکھتے تھے۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آگاہ ہو کہ قسم اُس پاک غزوہ جہل کی جسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ رسول بھیجا ہو کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان دونوں سورتوں کو پوچھا تھا اور جب سے میں نے آپ سے پوچھا تھا تب سے مجھے کسی نے نہیں پوچھا سوائے تیرے احدث اسمین ابی رضی اللہ عنہ نے قل ہو اللہ احد کی طرح قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس کی نظیر دی اور طلب یہ کہ اسبطح قرآن ہیں قطری نے کہا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے (اگر صحیح ہو) سب صحابہ و اہل بیت رضی اللہ عنہم سے خلاف کیا ابن قتیبہ نے کہا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے معوذتین کو مصحف میں اس خیال سے نہ لکھا کہ وہ دیکھا کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں سورۃ سے حسن رضی اللہ عنہ کو تعوذ فرمایا کرتے تھے تو خیال کیا کہ یہ بھی اسبطح ہیں جیسے دوسرے تعویذات مانند حدیث اُعیذُ کما یکلیما ت اللہ التامات من شر کل شیطان و ہامۃ و من کل عین لامتہ۔ یعنی حضرت حسنین رضی اللہ عنہما کو تعوذ کرتے اس دعا سے کہ میں تم دونوں کو نپاہ میں دیتا ہوں اللہ تعالیٰ کے کلمات نامہ کے ساتھ ہر شیطان نامہ کی بدی سے اور ہر آنکھ کی بُرائی سے (صحیح) ابوبکر بن الانباری نے جو علم المصاحف کے بڑے عالم ثقہ محدث تھے انھوں نے ابن قتیبہ رحمہما کا قول رد کر دیا کہ معوذتین کلام معجز نظام رب العالمین ہو اور تمام نورانی مخلوق اس کلام پاک کو اعجاز نورانی جانتی ہو اور دعا اعیذ کما الخ بشر کا کلام ہو اور کلام الہی رسول اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے قیامت تک معجزہ باقیہ ہو وہ سب کافرون پر حجت ہو وہ کلام پاک کبھی کلام مخلوق سے مشتبہ نہیں ہو سکتا ہو اور جب عامہ پر یہ اشتباہ نہیں ہوتا تو کیونکر ابن قتیبہ نے وہم کیا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ خیال ہوا حالانکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ علی اللسان فصیح البیان عارف ماہر لفنون کلام تھے ان پر کبھی یہ محفّی نہیں ہو سکتا تھا کہ معوذتین ہرگز کلام بشر نہیں ہیں جو کچھ ابن قتیبہ نے زعم کیا وہ اُسی پر رد ہوا۔ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فقط یہ ثبوت ہوا کہ وہ معوذتین کو مصحف میں نہیں لکھتے تھے تو اسکی وجہ حاصل ہونا چاہیے کہ کیوں نہیں لکھتے تھے اور یہی زر بن حبیش سے ثبوت ہوا اور شاید بعض نے اس سے یہ سمجھا کہ اسلیئے نہیں لکھتے تھے کہ ان دونوں سورۃ کو قرآن میں سے نہیں جانتے تھے اور واضح ہو کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ تو سورۃ الحمد کو بھی مصحف میں نہیں لکھتے تھے اسبواسطے بعض سلف نے کہا کہ ابن مسعود نے مصحف میں وہی سورۃ لکھے تھے جو محفوظ کیے جا دیں پس حفظ پر اعتماد کر کے الحمد و معوذتین کو مصحف میں نہیں لکھا اور واضح ہو کہ جس روایت میں یہ لفظ نذر آیا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ قرآن میں سے نہیں سمجھتے تھے تو اسانید غرائب ہیں اور انکے راوی قابل بحث و تردید ہیں اور زر بن حبیش رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت معروف علماء ثقات کی روایت ہو اور اسمین فقط اسی قدر مذکور ہو کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو مصحف میں نہیں لکھتے تھے امام ابن کثیر نے کہا کہ بہت سے قراء و فقہا کی زبان پر یہ جاری ہو کہ ابن مسعود ان دونوں معوذتین کو مصحف میں نہیں لکھتے تھے اور میں کہتا ہوں کہ شاید انھوں نے متواتر نہیں پایا پھر جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے اجماع سے مصاحف لکھے ہیں تب ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس قول کو چھوڑ کر سب

کہتا ہو کہ اسی قول کے واسطے حدیث میں دلیل موجود ہو اور یہی صحیح ہو اسی پر اس کثیر نے جزم کیا اور یہی ابن عباس رضی سے روایت ہو پھر
 واضح ہو کہ جمیع اصحاب و اہلبیت رضی اللہ عنہم متفق ہیں کہ یہ سورہ اور قل اعوذ برب الناس دونوں قرآن میں سے ہیں اور یہی متواتر
 ثبوت ہو اور مصحف امام کے سب نسخوں میں باجماع صحابہ لکھی ہوئی ہیں ولیکن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے متنازع روایات میں آیا کہ وہ انکو
 قرآن میں سے نہیں کہتے تھے اور مترجم کہتا ہو کہ قرآن متواتر ہو اور یہ روایتیں احادیث جو تیسری صدی ہجری میں محدثین نے اسناد میں اور
 احادیث میں پس متواتر کے مقابلے میں انہیں جزم نہیں ہو سکتا ہو علاوہ ازیں یہ نہیں معلوم کہ ابن مسعود رضی کی کیا راہ تھی کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہو کہ آدمی
 کی مراد کچھ ہوتی ہو اور سننے والا کچھ سمجھتا ہو پھر وہ اپنی سمجھ کے موافق روایت کر دیتا ہو جیسے مثلاً کسی نے پوچھا کہ احکام الوہیت کے آیات
 پہلے نازل ہوئیں تھیں اور وہ مفصل کی سورتیں ہیں پس کسی نے اعتراض کیا کہ تم یہ کہتے ہو حالانکہ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس
 میں یہ تعلیم کہاں ظاہر ہو تو عالم نے جواب میں کہا کہ یہ دونوں نوپناہ کے لیے ہیں انکو سوائے مصحف کی سورتیں ہیں جن سے توحید و آخرت کی تعلیم ہو پھر گفتگو
 ایک عامی آدمی نے سنی اور جا کر لوگوں سے کہا کہ فلاں عالم یہ کہتا تھا کہ یہ دونوں سورتیں قرآن میں نہیں ہیں بلکہ تعوید کے لیے ہیں یہ اس عامی
 جاہل کی غلط فہمی ہو اسبطرح ابن مسعود رضی کا معاملہ ظاہر ہوتا ہو اور بہر صورت ہمارے لئے متواتر قطعی حجت ہیں تو قطعاً متواترات سے
 یہ دونوں سورتیں مصحف قرآن میں ہیں اور ابن مسعود رضی سے جو کچھ روایت کیا جاتا ہو وہ راوی نے کہا کہ میں نے اُسے سنا ہو میں نے اس طرح
 شبہ ہو سکتا ہو کہ اس نے سمجھا تھا کہ نہیں اور جب تک ابن مسعود رضی سے دس بارہ سمجھا اور راوی روایت نہ کرین تب تک کیونکر گمان کیا
 ہو کہ میں کہتا تھا باوجود اسکے کہ دس بارہ راویوں سے بھی درجہ شہرت نہیں ہو پختا پھر درجہ متواتر اس سے بھی دور ہو جب یہ معلوم ہو گیا
 تو میں وہ روایت نقل کرتا ہوں ترجمہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ مصحف میں سے دونوں معوذتین کو حاک کرتے یہ کہہ کر قرآن میں وہ نہ ملاؤ
 جو اسمیں سے نہیں ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہی حکم دیا کہ ان دونوں سورتوں سے تعوذ کیا جاوے اور ابن مسعود رضی ان کو
 قراءت نہیں کرتے تھے (رواد احمد و الطبرانی و ابن مردودہ) سیوطی نے اتفاق میں کہا کہ اسکی اسناد صحیح ہو مترجم کہتا ہو کہ سیوطی رحم وغیرہ
 متاخرین ہر ایسے اسناد کو جسکے راوی ثقہ ہوں یہ کہا کرتے ہیں کہ یہ اسناد صحیح ہو حالانکہ اصل میں اسناد صحیح کے ساتھ میں یہ بھی شرط ہو
 کہ غریب و شاذ و معلل نہ ہو۔ اور اس روایت میں اسکا ثابت کرنا بہت دشوار ہو اور کچھ شک نہیں کہ بہت لوگوں نے تو ہم سے روایات
 کیں اور وہ ثقہ تھے مگر انکو وہم ہوا اور بعض نے حدیث الطیر باسناد صحیحین روایت کی حالانکہ بالاتفاق اسکی روایت بسند معروف ہو اور
 اسناد کسی طرح اُسکے واسطے صحیح نہیں باوجودیکہ راوی سب ثقات ہیں کیونکہ اُنکے علما متبع تابعین کے نزدیک تابعین سے جو روایات ہیں
 مثلاً زہری کی سب حدیثیں امام مالک کے پاس معروف ہیں اور ابو ہریرہ کی حدیثیں معلوم ہیں اور انکی اسانید معروف ہیں پس زمانہ میں مالک
 کے ہزار یا زیادہ شاگردوں میں سے کسی نے یہ اسناد نہیں سنی تو کیونکر اس ایک شخص نے روایت کی باوجودیکہ انکے علما شاگردوں
 نے ایک ایک روایت اُسے جمع کر لی چنانچہ مترجم کے رسالہ روایت میں بزبان عربی یہ سب بحث مطول ہو بیان اسکا خلاصہ یہ ہے کہ
 روایت کے صحیح ہونے میں فقط یہی کافی نہیں ہوتا کہ ایک راوی سے اگرچہ ثقہ ہو روایت کی جاوے اگرچہ اس ثقہ سے پانچ چار راویوں نے
 لیا ہو یا اس ایک کے ساتھ میں دوسرا ہو لیکن اُسکے مثل ہو کیونکہ ممکن ہے کہ جیسے عالم کی مجلس میں سے ایک نے قول سُنکر
 غلط معنی سمجھے اسبطرح دوسرے نے بھی غلطی کی ہو کیونکہ بچے کے راویوں کی کثرت کا اعتبار نہیں ہے بلکہ ہر راوی کا ایک یا
 دوا پر کے راویوں پر ہر توفی تحقیق یہ کہنا چاہیے کہ ظاہر میں راوی سب سچے معلوم ہوتے ہیں۔ اور بیان سیوطی رحمہ اللہ نقل ہے

مشابہ کوئی چیز نہیں ہو تو اُس پر ہر چیز کا قیاس کرنا سخت غلطی ہو بلکہ یہ اُنکے واسطے دلیل تھی کہ جو چیز مخلوقات میں ہو وہ اللہ تعالیٰ میں نہوتا چاہیے اسی واسطے اس سورہ میں فرمایا (احد) یعنی یہ ذات قدس جس کا نام (اللہ) بتلایا گیا وہ اکیلا نہ لایا ہو کسی چیز کو اُس سے مشابہت نہیں ہو اس بیان سے معلوم ہوا کہ مشرکین عرب جو اقرار کرتے تھے کہ (اللہ) آسمان وزمین کا خالق ہو وہ بے ایمان تھے تو قال تعالیٰ لن سالتم من الآیہ یعنی اگر تو اُسے پوچھے کہ کس نے آسمان وزمین کو پیدا کیا تو کہتے کہ اللہ تعالیٰ نے۔۔۔ اور مشرکین باوجود اس اقرار کے بے ایمان اس وجہ سے تھے کہ نام تو (اللہ) لیتے تھے مگر (معنی) دوسرے سمجھتے تھے کیونکہ اُنکے خیال میں بلکہ یقین کے اعتقاد میں یہ تھا کہ اُنکے بت اُنکے کار ساز و مالک ہیں اُنکو رزق و اولاد وغیرہ دیتے ہیں چنانچہ حج میں کہتے کہ لبیک اللہ لبیک لا شریک لک الا شریک ہوا لک تملک و مالک۔ یعنی الہی لبیک لبیک ہم تیری حضور میں حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں سوائے تیرے دیوتا کے وہ بھی تیرا ہی تو ہی اُسکا اور اُسکی ملکیت کا مالک ہو۔۔۔ یعنی اپنے آپکو اس دیوتا کا مملوک جانتے اور دیوتا کو محملوکوں کے اللہ تعالیٰ کا مملوک جانتے تھے۔ یہ غلطی تھی اس لیے کہ (اللہ الوہیت والا) تو وہی سب کا خالق مالک ہو اُسکے سوائے کسی میں ذاتی قدرت و کار سازی نہیں ہو بلکہ (اللہ الصمد) اللہ تعالیٰ ہی مالک خالق ہو اُسی کی طرف سب محتاج ہیں یعنی کل کی ذات اپنے وجود میں اُسی کی محتاج ہو اور اپنے باقی رہنے میں اُسی کی محتاج ہو اگر فرض کرو کہ ایک شخص یہ بات نہیں سمجھتا تو اس سے کچھ نہوگا بلکہ اُسکی ضرورت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہو جیسے مثلاً سیاہ رنگ ہو وہ مدنی ہو کہ میں بدون کپڑے وغیرہ کسی جسم کے خود قائم ہوں میں کسی جسم کا محتاج نہیں ہوں تو اُسکا یہ خیال باطل ہو وہ بدون کسی جسم کے نہیں ہو سکتا تو ضرورت محتاج ہو اور یہ ہم نے مخلوقات میں ایک نظیر سمجھانے کے طور پر ذکر کیا اور اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی طرف سب عالم کی محتاجی نہایت کامل ہو ولیکن یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے عالم میں عجب طریقہ یہ رکھا کہ زید کو اُسکے باپ سے پیدا کیا اور اُسکے قبضہ میں چہرین دیدین اور جسطرح چاہا افعال پیدا کیے اور جسطرح چاہا اُسکی نظریں تصور کے افعال پیدا کیے تو جاہل جنہی کی نظر میں غلطیان پیدا کیں اور وہ عزیزوں کی خود مختاری بلکہ اپنی خود مختاری سمجھنے لگا۔ اہل عقل یعنی توحید الہی سے جو نور روحانی پیدا ہوتا ہو اُس نور عقل سے نبوت کی تعلیم سے معرفت حق تعالیٰ حاصل ہوئی۔ یہود و نصاریٰ بھی اسی طرح شرک میں پڑے کہ مثلاً اُس ذات پر ایمان لائے جو حج کا باپ باغیر کا باپ ہو اور اُس مسیح و عزیر پر ایمان لائے جو اسی باپ کا بیٹا ہو۔ پس معلوم ہوا کہ۔۔۔ ہوا اللہ لا اتخذ الصمد الخ پر ایمان نہ لائے تو یہ شرک و کفر ہو اُن میں ہو کہ نصاریٰ و یہود و کفار و مجوس وغیرہ غلط و غلط میں پڑے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے افعال قدرت سے محبوب ہو کر مخلوق پر نظر جمائی اور سمجھے کہ حق عزوجل نے اسمین حلول کیا ہو اور یہ باطل محض ہو اور اللہ تعالیٰ پاک ہو کہ مخلوق میں حلول ہو وہ پاک عزوجل اللہ الصمد خالق کل شئی ہو اور تمام مخلوقات اُسکی قدرت میں ذرہ سے کمتر ہو تو صریح محال ہو کہ وہ کسی مخلوق میں سوائے بلکہ جو لوگ اہل ایمان و معرفت ہیں اُنکے دلوں میں اپنی معرفت پیدا کی اور اُسی معرفت کو اُنسے قبول فرمایا حالانکہ اللہ تعالیٰ ہر عارف کی معرفت سے اعلیٰ و اعلیٰ ہو واللہ سبحانہ تعالیٰ ہو الموفق و ہو بیدی السبیل۔

سُورَةُ الْفَلَقِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُ آيَاتٍ

اس سورہ میں پانچ آیات ہیں اور تیسلیں کلمات اور چوبیس حروف ہیں (السراج) اور خطیب نے لکھا کہ حسن بصری و علامہ و عطاء و جابر کے قول میں یہ سورہ مکہ ہے۔ اور ابن عباس و قتادہ کے قول میں مدینہ ہے فتح البیان میں لکھا کہ اسی قول کو صحیح کہا گیا ہے ترجمہ

نہیں رکھتا کیونکہ وہ چیز کبھی نہ تھی پھر ہوئی پھر نیست ہو گئی تو خود ظاہر ہو کہ اگر وہ خود ضرور ہوئی تو ہمیشہ سے ہوئی اور ہمیشہ رہتی تو معلوم ہوتا کہ خدا کے لائق کوئی چیز نہیں ہے تو معلوم ہو گیا کہ (لم یلدالم) یعنی اللہ تعالیٰ واجب الوجود قدیم ازلی ہے اور کوئی چیز نہ تھی جو فرزند ہو کیونکہ اور بیان ہوا کہ کسی میں وجود ذاتی نہیں ہے نہ اسکا مادہ ہو سکتا ہے اور نہ نتیجہ ہو سکتا ہے کیونکہ جو چیز میں ہیں وہ اس کے پیدا کرنے سے ظاہر ہیں تو اپنی ذات سے نیست ہیں تو اسکی جنس نہیں ہو سکتی ہیں کیونکہ سب چیزیں محض عدم و نیست ہیں پس نہ کسی میں سوائے اس کے الوہیت ہے اور نہ بیشا ہے نہ جو رہو اور نہ اسکا کوئی ہمسر ہے کیونکہ ذات واجب قدیم کے مقابلہ میں کیونکہ یہ سب نیست چیزیں کچھ ہو سکتی ہیں (انتہی مختصا) شیخ رکن الدین شیرازی نے بھی اس مقام کے اشارات میں طول دیا اور اسکا خلاصہ یہ کہ (توہ تعالیٰ) قل یو اللہ احد۔ اس میں قل خطاب ہے جسکو حکم ہے کہ کہہ دے (وہ اللہ کیلئے ہے) وہ کا مرجع کیا ہے۔ واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ ہی تھا اور کچھ نہ تھا۔ پھر اپنی معرفت عطا کرنی چاہی تو طور و مخلوقات فرمایا ولیکن (وہ) ذات احدیت کا پہچاننے والا کہاں ہے اسلئے کہ جس نے پہچانا اسے آثار قدرت و احکام صنعت کے واسطہ و ذریعہ سے پہچانا اور یہ حجاب ہے اس لیے خلاصہ موجودات میں سے ایک خاص فرد اختیار فرما کر اسکو زبان فصاحت و بویست عطا کی اور اس کے قلب کو نور معرفت سے منور کیا اور اسکو عین حقیقت کشف فرمایا تب اسکو حکم دیا کہ میرے بندگان ادباً سے کہہ دے کہ (وہ) اور واضح ہو کہ (قل) دو حرف ہیں ان کے تحت میں اسرار بے انتہا ہیں اور (ق) اشارت ہے کہ وہ قاہر ہے یعنی جمیع مخلوقات جو ہماری نظر میں بے انتہا ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذرہ سے کمتر اور اس کے آئینہ میں مشہور ہے تو خلقت کو طاقت نہیں کہ اسکی عظمت کی حقیقت سے ایک ذرہ (در اک کر سکے) (ل) اشارہ لائے نفی ہے یعنی الوہیت میں کوئی شریک نہیں لا آہ اور (ہو) سے اسی کی الوہیت کا اثبات ہے اور (ہو) ضمیر ہے اور ضمیر سے ذات کی جانب اشارہ ہوتا ہے اور (ہذا) اسم اشارہ سے صفت بھی ملحوظ ہوتی ہے تو بیان (ہو) سے مشرکون وغیرہ کی غلط نظر دور کی کہ بیان شرک کا امکان ہی نہیں ہے بلکہ وہی ہر اب نام پاک بیان میں لاؤ (اللہ) اور صفات بیان میں لاؤ۔ احد۔ الصمد۔ لم یلد۔ ولم یولد۔ لم یکن۔ کہ کفوا احد نہیں ہو بلکہ وہی ہر اب نام پاک بیان میں لاؤ (اللہ) اور صفات بیان میں لاؤ۔ احد۔ الصمد۔ لم یلد۔ ولم یولد۔ لم یکن۔ کہ کفوا احد مترجم کہتا ہے کہ اس کلام مجیز نظام میں فوائد عالیہ ہیں از بچہ یہ کہ جن قوموں نے اقرار کیا کہ عالم کا خالق ہے تو انکا ایمان صحیح ہے بشرطیکہ ذات پاک ہی پر ایمان ہو بخلاف اسکا نام زبان عربی میں لے یا فارسی ہندی انگریزی وغیرہ میں لے حقیقت میں اتحاد ہے اور اگر اسکا ایمان سوائے ذات قدس کے کسی چیز کے ساتھ ہے تو یہ باطل ہے اگرچہ وہ نام (اللہ) لیتا ہو اس نام لینے سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا جب تک نام سے جو مراد ہو وہ حقیقت حقہ نہ ہو کیا نہیں دیکھتے ہو کہ مثلاً زید نے خالد کی تعریف کی تو ہر ایک جسکا نام خالد ہو اس تعریف کا مستحق نہ ہو گا بلکہ وہ جو زید نے مراد لیا ہے اور اگر کسی دوسرے نے اپنے گھوڑے کا نام خالد رکھا تو خالد سے اسکی مراد آدمی نہیں ہے جب یہ معلوم ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے والوں کو ہدایت فرمائی کہ (ہو) پر ایمان لا دین یعنی اسی ذات وحدہ شریک پر ایمان ہو۔ پھر نام بیان کیا (اللہ) یعنی اسی ذات قدس کو مراد رکھو اور چونکہ ذات پاک مخلوق کے تصور سے باہر ہے کیونکہ تصور میں جو چیز آوے وہ پیدا کر دی جاتی ہے اسلئے کہ تصور کرنا آدمی کا فعل ہے اور فعل پیدا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے خیال میں یہ تصور پیدا کر دیتا ہے پس اللہ تعالیٰ کا تصور محال ہے کیونکہ خیال و حواس میں وہ پیدا نہیں ہو سکتا بلکہ وہ پاک عزوجل قدیم ہے اسی نے خیال و حواس کو پیدا کیا اور جو کچھ یہ حواس کہاتے ہیں وہ بھی پیدا فرماتا ہے بعضے کفار بلکہ عموماً کفار اپنے شیطان کی طاقت میں گرفتار ہو کر کہتے ہیں کہ صاحب ہم تو ہر چیز کو تصور ہی سے معلوم کر لیتے ہیں (بصریح غلطی ہے) اتنا نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ کے

میراث بٹتی ہو اور اللہ تعالیٰ دائم باقی ہو اگر کہو کہ لم یلد۔ بمعنی ماضی ہی (جواب) اللہ تعالیٰ نے اُن قوموں کو رد کیا جو ایسا اعتقاد کرتے تھے اور یہ سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قدیم دائم ہو اُسکی صفات میں تغیر نہیں ہو تو ماضی مستقبل سب برابر ہیں رازی وغیرہ نے بیان فی الجملہ عقلی دلیل بیان کی جسکا خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے کوئی گنہگار نہیں ہو سکتا اسلیے کہ ہمہ ساری ایک جنس میں ہر جبکہ جنس کی فصل متحد ہو تو مجموعہ مرکب بعد مفرد کے ہوگا اور یہ قطعاً حادث خلقت میں ہوتا ہی اسی لیے ولادت کو وہاں داخل نہیں ہو کیونکہ اگر بٹیا ہو تو باپ میں استعداد امدادی لازم ہو تو وہ بھی ضرور متولد ہو اور قدیم واجب نہ ہو اور یہ صریح باطل ہے پس اُسکا بیٹا ہونا محال ہو فائدہ قل ہو اللہ احد اسلیے تہائی قرآن ہو کہ قرآن میں احکام ہیں اور وعدہ جنت و وعید جہنم ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات میں ان تین باتوں میں اسماء و صفات اس سورہ میں موجود ہیں پس تہائی قرآن ہوا۔ بعض نے کہا کہ یہ نون ہر میں ہو اور نظریں اول دونوں امور بھی مستلزم ہیں یعنی اُسکی صفات قدس کی توحید کرنا اور اُسکی قدرت کاملہ پر یقین لانا ضرور ہو تو افعال مرضیہ سے اُسکی رضا مندی حاصل کرنا فرض عین واسلیے کل قرآن کے برابر ہو اگرچہ احکام و وعدہ صریح مفصل مذکور نہیں ہیں (فائدہ کا) خطیب نے کہا کہ طبرانی نے ابوہریرہؓ سے حدیث روایت کی کہ جس نے نماز صبح کے بعد بارہ مرتبہ قل ہو اللہ احد پڑھا تو گویا چار مرتبہ قرآن پڑھا اور اگر وہ تقویٰ رکھے تو اہل زمین سے افضل ہو روایت ہو کہ جس نے مرض موت میں یعنی ایسے مرض میں جہنمیں وہ مرا ہو اُس نے قل ہو اللہ احد پڑھا تو قبر کے فتنہ امتحان سے اور قبر کے غم غمطہ یعنی بھجائو سے امان میں ہوگا اور ملائکہ اُسکو پروں پر اٹھا کر صراط سے پار کر کے جنت میں پہونچا دیں گے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

ف شیخ ابن العربیؒ نے اشارات کا بیان تطویل سے لکھا کہ جسکا خلاصہ یہ کہ (قل) حکم عین الجمع سے منظر تفصیل پر داروہی (ہو) حقیقت احدیت یعنی ذات صرف بدون لحاظ اعتبار ہو اور سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی میں اُسکی معرفت نہیں ہو (اللہ ضمیر مذکور سے بدل ہو اور یہ اسم ذات مع جمیع صفات ہو اسطرح بدل و تبدیل منہ کے بیان سے ظاہر ہوا کہ صفات حق تعالیٰ اُسکی ذات پاک سے امر زائد نہیں ہیں بلکہ عین ذات ہیں اور فرق فقط اعتباری سمجھ میں ہو اسی وجہ سے اس سورہ کا نام اخلاص ہو یعنی ذات پاک کو لگاؤ سے خالص کرنا مترجم کہتا ہو کہ صوفیہ کا یہی قول ہو کہ صفات الہیہ عین ذات ہیں اور متکلمین کا یہ قول ہو کہ زائد ہیں لیکن غیر نہیں اور نہ عین ہیں اور علما و محدثین اور صاحبین نے کہا کہ یہ سب فضول کلام ہو ہم قرآن و حدیث پر ایمان لائے پس ہم اللہ تعالیٰ کے صفات سے ایمان لائے جب آخرت میں جنت میں اُس کے فضل سے پہونچے تو ہم اپنی مراد کو پہونچے اور یہی ہمارا مقصود ہو مترجم کہتا ہو کہ یہ بہت سیدھا طریقہ ہو اور بار بار ذکر ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور مخلوق کے اندر عقل کو پیدا کیا تو غیر ممکن ہو کہ عقل اُسکو ادراک کر سکے (م) اگر کہا جاتا کہ بیان اللہ احد فرمایا اور دیگر آیات میں (الواحد) فرمایا (جواب) فرق دونوں میں کچھ نہیں سوائے اس کے کہ (احد) خالص ذات ہو (واحد) ذات مع صفات ہو پس اول (ہو) فرمایا یعنی خالص حقیقت محضہ۔ اور اسکا بدل (اللہ) فرمایا یعنی ذات مع صفات کے بھر فرمایا (احد) تاکہ سمجھ لیا جاوے کہ کثرت کوئی چیز نہیں ہو بلکہ وہ عین احدیت ہی جیسے سمندر میں کوئی شخص قطرے اپنے وہم میں تصور کرے تو اس کثرت قطرات سے سمندر کے ایک ہونے میں کچھ خلل نہیں ہو سکتا ہو (اللہ الصمد) یعنی ذات جامع الصفات جل جلالہ جمیع اشیاء کا مرجع ہو اُسی سے سب کا قیام ہو کیونکہ ہر چیز اُسی کی طرف محتاج ہو۔ جب وہ پیدا کرے اور اپنی قدرت میں باقی یعنی ظاہر رکھے تب تک وہ چیز ہماری نظریں باقی رہتی ہو اور جب اُس نے یہ ظہور مٹا دیا تو وہ دوسرے جہان میں ظاہر ہو پس وہی غنی مطلق ہو اور باقی کل چیزیں اُسی کی محتاج ہیں جیسے فرمایا کہ واللہ الغنی و انتم الفقراء۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہی غنی ہو اور تم سب محتاج ہو۔۔۔ واضح ہو کہ جب ہر چیز کا وجود ایسا ہو کہ خواہ مخواہ ہونا واجب

الصدر کی تفسیر ٹھہرایا یعنی الصمد وہ ہے کہ لم یلد ولم یولد۔ ابن کثیرؒ نے کہا کہ یہ تفسیر عمدہ ہے اور ابی بن کعب کی حدیث جو اس سورہ کے فضائل میں گزری اُس میں بھی یہ تفسیر صاف ہے۔ الصدر کے معنی ٹھوس کے بھی ہیں۔ یہ ابن مسعودؓ و ابن عباسؓ رضی اللہ عنہما و سعید بن المسیب و مجاہد و عبد اللہ بن برید و دیگرہ و سعید بن جبیر و عطاء بن ابی رباح و عطیہ بن عوف و ضحاک و سدی رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا کہ جب ہمیں حرف نہیں ہے یعنی اندر سے خالی نہیں ہے شے جس نے کہا یعنی طعام وغیرہ نہیں کھاتا ہوا اور نہ پانی پیتا ہے مگر ہم کہتا ہے کہ اس سے مراد یہ کہ انصاری و ہیود نے جو بہالت سے مخلوقات میں الوہیت خیال کی یہ سخت نادانی ہے اور اس سے یہ غرض نہیں ہے کہ کوئی چیز ٹھوس موجود ہے بلکہ خلاصہ یہ کہ اگر مشرکین تم نے جس چیز میں الوہیت سمجھی جو اپنے جوف میں محتاج ہے تو وہ الوہیت کے دائرہ سے خارج ہے جوف داخِر الوہیت کے لائق نہیں ہو سکتی حافظ ابوالقاسم طبرانیؒ نے ان اقوال کو بیان کر کے کہا کہ یہ جس قدر اقوال ہیں سب صحیح ہیں اور صدر کی تفسیر میں یعنی صمد جامع صفات ہے تو رب عز وجل کے صفات اسمیں شامل ہیں کیونکہ ہمارے صمد ہے کہ سب مخلوق اُسی کی طرف محتاج ہے اور وہی سید ہے اور اُس کے لیے جوف نہیں ہے اور وہ اپنی مخلوقات کے فنا کرنے کے بعد باقی ہو وہ نہ جانا اور نہ جانا گیا یعنی اُس کے واسطے فرزند نہیں ہے۔ وَلَمْ یَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ۔ اور نہ اُس کا کوئی ہمسر ہو۔ صاف مجاہدؒ نے کہا کہ یعنی نہ اُس کی زوجہ ہے کیونکہ زوجہ انسان کی کفو ہوتی ہے اور ہر ایک چیز کا جوڑا اُس کا کفو ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بکثرت آیات میں ہیود و نصاریٰ کے باطل خیال کو رد کیا اور اُس کے خیال کو بہت قبیح کلمہ قرار دیا کہ قریب ہے کہ ان بد زبانوں کے کلمہ سے جو بیٹا و جورو بناتے ہیں آسمان بھٹ جادین اور پہاڑیں ہم ہوں بلکہ ہر چیز جو آسمان و زمین میں ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے بندہ بنی ہوئی آدگی۔ واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کی شان میں جس مشرک و کافر نے قبیح کلمہ کہا یہ کلمہ جو اُس کی زبان سے پیدا کیا گیا اُس کا کیا ہوا فعل ہے تو اُس کی کمائی اُس کے ساتھ لازم ہے اور شان جناب باری تعالیٰ اعلیٰ و اجل ہے و بابت اس کلمہ کی رسائی نہیں ہے۔ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمانا ہے کہ فرزند آدم نے مجھے جھٹلایا اور میرا کیا یہ اُس کو روانہ تھا جھٹلانا اُس کا یہ کہ اُس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ مجھے دوبارہ پیدا نہیں کرے گا جیسے اول پیدا کر دیا حالانکہ اول جھٹلایا اور میرا کیا یہ اُس کو روانہ تھا جھٹلانا اُس کا یہ کہ اُس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرزند لیا ہے حالانکہ مرتبہ پیدا کرنا کچھ دوبارہ پیدا کرنے کی بہ نسبت مجر آسان نہیں تھا اور آدمی کا بد گوئی کرنا یہ کہ اُس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل جلالہ کی طرف جورو اور میں احد صدم یکن کہ کفو احد ہوں اور واہ (اللہ) اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ جس قوم نے اللہ تعالیٰ اہل جلالہ کی طرف جورو اور بیٹا منسوب کیا تو یہ بہت بُرا کلمہ ہے اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی شان الوہیت پہچانتے تو اپنی قبیح بد گوئی کا اندازہ کرتے و قد قال تعالیٰ تَخَادُّوا السَّمٰوٰتِ الْاٰلِیَہ۔ یعنی قریب ہے کہ آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور زمین چھٹ جائے اور پہاڑ گر ٹپریں بھاری اس بد گوئی سے کہ تم الرحمن کے لیے فرزند پکارو۔ (فوائد خطیب) نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی صفت میں فقط الواحد اور (الاحد) آیا ہے اور علاوہ اسکے وحد اور وحید وغیرہ جو اس معنی میں ہیں صفت الہی میں نہیں آتے ہیں۔ الصمد الہم معنی یہ کہ وہی سید ہے جس کے سب محتاج ہیں یعنی وہ اللہ جس کو تم خالق آسمان و زمین اور اپنا خالق پہچانتے ہو وہ واحد ہے اسکے سوا کسی میں الوہیت نہیں ہے اُسی کی طرف سب محتاج ہیں اور وہ کسی چیز کی پروا نہیں رکھتا ہے شے جس نے کہا کہ اللہ جو نہ کھاوے نہ پیے۔ ربیع نے کہا جب کوئی آفت نہیں آ سکتی مقابل نے کہا کہ جب میں کچھ عیب کا نام نہیں ہے اقول اللہ الاسماء الحسنی۔ اللہ تعالیٰ کے سب نام خوب ہی خوب ہیں۔ سعید بن جبیرؒ نے کہا کہ وہ سب صفات و افعال میں کامل ہے سدی رحمہ نے کہا کہ امید میں اُسی سے ہوتی ہیں اور مصیبتیں دفع ہوتی ہیں اُسی کی طرف رجوع ہے۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ صمد وہ کہ نہ جانا اور نہ جانا گیا۔ کیونکہ جو پیدا ہوتا ہے وہ چند روز کے بعد مرنے لگتا ہے

کہ ہم نے زمینی چیزیں چھوڑ کر چاند و سورج کو معبود بنایا کیونکہ ضروریہ خدا کا نور ہے اور ہندوستان و عرب نے کہا کہ پُرانی چال تو یہ ہے کہ گزرتے ہوئے اولیاء اب خدا کے پاس پہنچ گئے جو کچھ ہماری مراد ہے بخوبی اُسکی اطلاع دہان پہنچاؤینگے اُنھیں کی موتیں بناؤ اُسہیں آجا دیں گے۔ ان سب گمراہوں کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا قتل ہوا بندہ احد۔ کہدے کہ وہ اللہ اکبلا ہے اُسکا برابر والا کوئی نہیں اور نہ اُسکا نظیر ہے نہ وزیر ہے نہ شبیبہ ہے نہ عدیل ہے وہی وہی اُسی کے صفات کمال ہیں وہی اللہ الصمد ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا یعنی مخلوقات اپنی حاجات اُسکی طرف لاتے ہیں اور اُسی سے مراد ہیں مانگتے ہیں (یعنی کوئی مخلوق ہو اُسکی محتاج ہو تو کوئی کسی مخلوق کی حاجت پوری نہیں کر سکتا ہے اور جب خدا چاہے تو یہ مخلوق بیچ میں بیکار ہے) اگر کوہ حدیث میں آیا کہ آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ تم لوگ سفارش کیا کرو ثواب پاؤ گے اور اللہ تعالیٰ جو چاہے اپنے رسول کی زبان پر جاری فرما دیکھا (صحیح) اس سے معلوم ہوا کہ بیچ میں مخلوق کی سفارش ہوتی ہے (جواب) یہ سفارش صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے ثواب پانے کا طریقہ بتلایا اور جس کے لیے سفارش کریں اُسکو بھی بتلایا کہ جو اللہ تعالیٰ چاہے جاری کرے یعنی سفارش کو چاہیے کہ ثواب کی امید کرے اور یہ نہ چاہیے کہ جو کچھ سفارش کی وہی قبول ہو نہیں تو بیچ کرے کیونکہ اُسکو ثواب مل چکا بالجملہ دونوں کے واسطے اعمال ثواب نہیں ہیں تو سفارش غیر ممکن ہے اور جب اللہ تعالیٰ ہی پر مدار ہے تو اُسی سے التجا کرنی چاہیے۔ م۔ علی بن ابی طالب نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ الصمد کے معنی وہ سید جو سرداری میں کامل ہو اور وہ شریف جو شرافت میں کامل ہو اور وہ عظیم جو عظمت میں کامل ہو اور وہ علیم جو علم میں کامل ہو اور وہ حکیم جو حکمت میں کامل ہو خلاصہ یہ کہ الصمد وہ ہے جو سب صفات کمال میں کامل ہو مترجم کہتا ہے کہ بہت لوگ کمال کے معنی نہیں جانتے ہیں کیونکہ مسلمانوں میں بھی دوسری قوموں کی طرح جھوٹی تعریفیں شاعروں کی دروغ گوئی سے شروع ہو گئیں تو عوام کا روزمرہ بول چال یہ ہو گیا کہ فلان مولوی علم میں کامل ہیں اور فلان حکیم حکمت میں کامل ہیں یہ دروغ ہے کمال کے یہ معنی ہیں کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہ ہو اور کسی چیز کی کسر نہ ہو یہ شان سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی میں ممکن نہیں مولوی بیچارہ تو اپنے سر کے بالوں کی گنتی نہیں جانتا ہے۔ سید کے یہ معنی کہ وہ سب کمال میں پورا ہو اسی لیے حدیث ابن الشیخ میں ہے کہ ہم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ ہمارے سید ہیں آپ نے فرمایا کہ سید تو اللہ تعالیٰ ہی ہے یعنی وہی کامل الصفا ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے یہی معنی بیان کیے تو اس میں سب صفات الوہیت داخل ہیں اسطرح ابو داؤد رحمہ اللہ نے ابن اسلم رحمہ اللہ نے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی کہا کہ الصمد سید کامل ہے جس بصری و قنادہ نے کہا کہ الصمد جو اپنی مخلوق کے بعد باقی ہے مترجم کہتا ہے کہ یہ بطور مثال ہے کیونکہ دائم باقی بھی صفت کمال ہے تو یہ الوہیت کی صفت ہے اسی واسطے حسن بصری سے دوسری روایت یہ کہ الصمد کے معنی الحی القيوم۔ یعنی جو کہ خود بہت ہے ہمیشہ سے اور ہمیشہ رہیگا کبھی اُسکو فنا نہیں ہو بلکہ فنا کو اُس نے پیدا کیا ہے و عکس نے کہا کہ نہ وہ کسی چیز سے پیدا ہوا اور نہ کھانا کھاتا ہے مترجم کہتا ہے کہ یہ بھی مثال ہے کہ اُسکا کمال ہے کیونکہ جو چیز کسی دوسری چیز سے نکلی تو وہ اُسی چیز کی محتاج تھی اور جس سے نکلی وہ بھی ناقص ہے کیونکہ اُس سے اُس چیز کا نکلنا ضرور ہوا اور علی ہذا القیاس کھانا احتیاج پر ہی لہذا فرمایا۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ۔ نہ جنا اور نہ جنا گیا ف تو فزاری و یہود کا شرک باطل ہوا کیونکہ یہ دونوں صفات نقصان کی ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ و انجلی مان مریم کے حق میں فرمایا۔ کانا یا کلان الطعام۔ یہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔۔۔ یعنی لوگوں نے انکی محتاجی خود دیکھی پھر کیسی سخت حماقت ہو کہ انہیں خدائی کا گمان کیا۔ ربیع بن انس رحمہ اللہ نے اس آیت کو

لہذا (ہو) پہلے فرمایا یعنی وہی ہے جس کا نام اللہ ہے وہ اکیلا ہو کوئی اس کا سا بھی شریک نہیں ہو اس کی صفات نرالی ہیں۔ بعضے مشرک کافروں نے کہا کہ ہمارے خیال میں یہ مننے کسی طرح نہیں آتے ہیں اگرچہ ہم اپنے دماغ کے باریک سے باریک تصور سے کہیں مترجم کتاب کہ اس مشرک نے اپنی نا سمجھی کا حال سچ کہا اور ایسی مولیٰ غلطی کی کہ تعجب ہوتا ہے ہم دونوں باتیں بتوفیق اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں۔ اس مشرک نے ظلمت نفس کو لیا اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لیے اس سے التجا نہیں کی توجہ اللہ تعالیٰ نے اس میں معرفت نہیں پیدا فرمائی تو وہ بیچارہ کیسے پہچانے تو اس کا یہ کہنا سچ ہے کہ اُسے نہیں پہچانا اور قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس امر سے آہستہ میں آگاہ کر دیا ہے کہ کسی نفس میں یہ قدرت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت خود حاصل کر لے (بدون اُسکے پیدا کیے) جب تک وہ نہ جانتا اور اللہ تعالیٰ شرک کی نجاست پر غفلتوں پر ڈالتا ہے۔ حد غلطی اس کی یہ ہے کہ تصور میں لانا سب چیزوں کے ساتھ ہو سکتا ہے کیونکہ سب چیزیں مخلوق ہیں اور آدمی کا تصور بھی مخلوق ہے تو اس مخلوق کے آئینہ میں دوسری مخلوقات کی تصویر ہو سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ جل جلالہ خالق ہے وہ اس خیالی آئینہ میں نہیں آ سکتا ہے اور کیونکہ اس مخلوق کے اندر مخلوق ہو سکتا ہے بلکہ وہ اللہ عزوجل ہے جو صفات میں ہرگز اس کی شان میں یہ کوئی صفت نہیں ہو سکتی ہے اور نہ کسی طرح کی مشابہت ہو سکے اگر کہو کہ اللہ تعالیٰ بصیر یعنی دیکھنے والا ہے اور مخلوقات میں بھی بصیریت ہے (جواب) یہ غلطی ہے یہ فقہ نام رکھنے میں اشتراک لفظی ہے جیسے گل سرخ یعنی گلاب کا پھول اور گھوڑا اصلی خلقت میں ہیں اور نیچے کا غذا کا رنگین بنا کر یا سٹی کی تصویر بنا کر پھول و گھوڑا نام رکھتے ہیں تو اس سے حقیقت ذات میں کچھ شرکت نہیں ہوتی ہے اور اسی طرح انسان اپنا ہاتھ دیکھتا ہے اگر ایک پتیا یا کاغذ آڑھہ اور ہاتھ پر نظر ہو تو پاؤں نہیں دیکھتا اور ہاتھ کی کھال کا درمیانی حصہ اور نیچے کا حصہ کچھ نہیں دیکھ سکتا تو یہ ایک قوت اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے آدمی میں اس قدر رکھی ہے تاکہ دنیا میں جسمانی پردہ میں اس کی ضرورت میں کام آوے اور دلوں کا بھید دیکھنے کی قوت نہ دے اور انسان سے زیادہ ضرورت گیدہ کو ہے اس لیے اُس کو تیز نظر دی کہ وہ بہت دور سے مرد و جنگل میں بڑا ہوا دیکھ لیتا ہے۔ تو یہ صرف ایک چیز ہے جس کو نظر نہ ہوتا اور بعضے جاہلون نے خیال کیا کہ یہ صاف خون کا گیس ہے میں کہتا ہوں کہ اگر اُسے انسان میں یہ قیاس دوڑا یا ہوتا کہ طبابت کرے تو فائدہ یہ کہ نظر کے لیے ایسی غذا کھلا دے جس سے صاف خون پیدا ہو باوجود اس کے موتیا بند اس علاج سے اچھا نہیں ہوتا اور اس ڈھکوسلے کے سوا اس کا قیاس باطل ہے کیونکہ گیدہ کو وہ صاف غذا نہیں کھلاتا جس سے خالص خون پیدا ہو بلکہ وہ توڑا مردار کھاتا ہے اور اس جاہل سے اس کی نظر بہت زیادہ تیز ہوتی ہے لیکن اس جاہل کو شرم آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عجیب قدرت کا قائل ہو بلکہ وہ جاہل کیا کرے کہ اُس میں معرفت نہیں ہے تو لامحالہ حالت ہے اور اللہ تعالیٰ جل جلالہ ہر چیز کا ذرہ ذرہ جس کو اُس نے پیدا کیا سب دیکھتا ہے اور آسمان و زمین کی بے انتہا مخلوقات سب اُس کے سامنے ہیں اور سب یکساں ہیں اور رات و دن یکساں ہیں اور تاریک رات میں ہالیہ ہار کے غاروں میں کروڑوں چیزیں کی رفتار اور کروڑوں درختوں کی پتیاں وہ ایک ایک دیکھتا ہے سبحان الہی القیوم۔ پس وہی اللہ اکیلا ہے۔ **اللَّهُ الصَّمَدُ**۔ اللہ الصمد ہوف سب اسکے محتاج ہیں اور وہ کسی سے کچھ غرض نہیں رکھتا ہے تفسیر اس کثیر کا خلاصہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا تو ہر مذہب والا مشرک تھا یہودی کہتے تھے کہ ہم عزیر کو پوجتے ہیں اور ہم بھی نصرانیوں سے کسی طرح کم نہیں کیونکہ جس قرینہ و اصل سے اُنھوں نے مسیح میں لائے گا کہ اس کو خدا کا بیٹا ٹھہرایا ہے ایسے ہی ہمارے پاس عزیر کے حق میں قیاس موجود ہے جو جس کہتے ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

خروج اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْهُ ۝ وَلَمْ يُولَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝

تو کہہ وہ اللہ ایک ہے اللہ نرا دھار ہے نہ کسی کو نہ کسی سے جنا اور نہیں اُس کے جوڑ کا کوئی اس سورہ مبارک میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت و صفات وحدانیت کا بیان ہو جس سے ہر قسم کے شرک والحاد کا باطل ہونا معلوم ہوتا ہے چنانچہ فرمایا۔ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ۔ کہہ دے وہ اللہ اکیلا ہوتا ہے۔ ضمیر شان کمالی ہو گویا اُسکی شان بندہ مؤمن کے دل میں معرفت پیدا کرنے سے عطا فرماتا ہے کیونکہ بندہ اور اُس کے کام سب اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں خود بندہ اپنا کوئی کام پیدا نہیں کر سکتا تو اپنے رب عزوجل کو پہچاننا اُسکا کام ہے وہ اللہ تعالیٰ اُس میں پیدا کر دیتا ہے تو بندہ ہر کام کا کمانے والا ہے حتیٰ کہ چوری وغیرہ بھی بندے کی نیت و ہاتھ پاؤں سے پیدا کرتا ہے اسی سے حق کا فریہ سمجھتا ہے کہ میں نے یہ کام پیدا کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اُس میں اُسی کے اعضاء سے پیدا کیا اور یہی جمیع اصحاب سلف و خلف رضی اللہ عنہم و جمیع صاحبین امت کا قول و اعتقاد ہے اور یہی متواتر تھا بھر جب سے گمراہ فرقے اسلام میں نکلنے لگے تو انھوں نے اس معرفت کو نہ پایا اور جب یہ معرفت نہ پائی تو جہالت پائی اسی وجہ سے گمراہ بدعتی یہ نہیں سمجھ سکتا کہ اللہ تعالیٰ کیونکر خالق ہو ہمارے کاموں میں سے بُرے کام بھی ہیں تو ہم کیسے کہیں کہ وہ زنا و چوری پیدا کرتا ہے یہ کہنا بڑا گناہ ہو گا یہی نا سمجھی زمانہ سابق میں ایران کے مجوس میں پیدا ہوئی یعنی اپنے بنی کے قول میں اپنی سمجھ سے یہ معنی لگائے کہ نیکی پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اسکو (ایزد) کہتے تھے اور بُرائی پیدا کرنے والا خدا کا دشمن مخالف (اہرن) ہے مترجم کہتا ہے کہ مجوسیوں میں یہ اعتقاد پھیل گیا بالکل مجوسی نے بندوں کو خالق نہیں بنایا بلکہ بدی کا خالق (اہرن) بنایا اور بہ شرک تھا اور عجیب یہ ہے کہ مغز نہ وروافض و جمہیہ وغیرہ نے اس سے زیادہ جہالت کی کہ بدی کے پیدا کرنے والے بے شمار بنائے یعنی ہر بندے کو اپنے کام کا خالق بنایا اور یہ بدتر جہالت ہے بغور باللہ من ذلک۔ پس اللہ تعالیٰ نے مجوس واسکے مانند اعتقاد والوں کا غلط مٹا دیا کہ ہوا اللہ احد۔ اللہ تعالیٰ اکیلا ہے۔ دوسرا کوئی نہیں جس میں الوہیت کی کوئی صفت ہو تو اہرن (شیطان) بھی اللہ تعالیٰ کا مخلوق ہے اور اُسکو ذاتی قدرت نہیں ہے ولیکن وہ مکروہات و نجاسات و بیماریوں وغیرہ کے لیے ہے جیسے تم ظاہر میں دیکھو کہ بھڑو بچھو وغیرہ ڈنگ مارتا ہے تو آدمی کو تکلیف ہوتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہے۔ بچھو وغیرہ میں خود کچھ قدرت نہیں ہے اسی طرح شیطان کو سمجھو اور نیکی سے بدی مٹ جاتی ہے توجبات قرآنہ کی تلاوت کی تو اللہ تعالیٰ کی رحمت میں پناہ لی پس غضب و مکروہ سے اللہ تعالیٰ نے پناہ دی یعنی شیطان کے ذریعہ کچھ فعل ضرر نہیں ہوا تو اہرن اور اسی نکتہ سے آیات قرآنہ پڑھ کر دم کرتے ہیں جب یہ معلوم ہوا کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے شیطان وغیرہ کسی کام کا پیدا کرنے والا نہیں ہے توجس نے مجوس کی پیروی سے خطا کی وہ بھی توبہ کریں اور حق صریح یہ رہا کہ وہ اکیلا اللہ تھا ہے۔ بعض لوگوں نے مجوس وغیرہ کے شرک سے نجات پائی اور جانا کہ وہ اکیلا ہے۔ لیکن یہ سمجھ کہ اُسکے یہ معنی کہ وہ ایک ہی یعنی دو تین نہیں بلکہ گنتی میں ایک ہی یہ بھی غلطی ہے کیونکہ گنتی سے مخلوق گنی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ پاک ہوا سننے گنتی کو پیدا کیا اُسکو نہیں گنتی گن سکتی ہے بلکہ وہ اکیلا ہے نرا لاہو یعنی وہی ہے اُس کے سوائے کچھ نہیں جس میں الوہیت ہو بلکہ اُس کے سوائے سب مخلوقات ہیں

اور پڑوس سے نقیری کو نکال دیا (طبرانی باسناد ضعیف) ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا کہ اس سورہ کی کثرت کرنے میں بھی ایک روایت آئی ہے (حدیث) حاتم ابو یعلیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ کی دو روایتوں کا خلاصہ یہ کہ اس دن نے کہا کہ میں تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تبوک سرحد شام پر وہاں آپ نصاریٰ پر حربہ ادا کرنے گئے تھے وہاں ایک روز آفتاب خوبصورت نکلا جبریل علیہ السلام نے نازل ہو کر کہا کہ آفتاب کی یہ خوبی اس لیے کہ آپ کا صحابی معاویہ اللیثی دینے میں آج مر گیا کیا آپ جانتے ہیں کہ اُس پر نازل ہوئے آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ پس جبریل ۴ نے اپنا پر مار دیا تو ہر ایک وحشت و ہلاڑی و ٹیلہ بست ہو گیا اور معاویہ رحمہ کا جنازہ آپ کے سامنے ہو گیا آپ نے نماز پڑھائی بعد سلام کے دیکھا کہ آپ کے پیچھے آپ کے لشکر کی تعداد شتر ہزار کے مثل دو صنفین ملائکہ کی ہر ایک شتر ہزار ہے آپ نے پوچھا کہ اے جبریل ۴ اُس نے یہ خبر کس جہت سے پایا۔ جبریل ۴ نے کہا کہ وہ قل ہوا اللہ احد کو محبوب رکھتا تھا اور آتے جاتے اُٹھتے بیٹھتے اسکو تلاوت کرتا تھا اس حدیث کو بھی نے بھی روایت کیا اور دیگر طرق سے بھی مروی ہے لیکن سب میں ضعف ہے (حدیث) امام احمد نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا تو میں نے ابتدا کر کے آپ کا مبارک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ مومن کی نجات کس چیز سے ہے فرمایا کہ اے عقبہ اپنی زبان کو لگی کر لے اور اپنے گھر میں بیٹھ اور اپنے گناہوں پر رو پھر دوسری مرتبہ میں آپ سے ملا تو آپ نے ابتدا کر کے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا کہ اے عقبہ تجھے پتھر بتلاؤں تین سو تین جو تو ریت و زور و خیل و تران عظیم میں نازل ہوئیں میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فدا کرے آپ مجھے بتلا دیں آپ نے مجھ کو قل ہوا اللہ احد و قل اعدوہم ب الفلق و قل اعدوہم بالناس اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فدا کرے آپ مجھے بتلا دیں آپ نے مجھ کو قل ہوا اللہ احد و قل اعدوہم ب الفلق و قل اعدوہم بالناس پڑھا میں نے عقبہ فرمایا کہ اے عقبہ انکو نہ بولنا اور کسی رات بغیر انکو پڑھے نہ سونا عقبہ نے کہا کہ اُس دن سے کبھی میں نے ان کو فراموش نہ کیا اور انکو پڑھے بغیر نہیں سوا عقبہ رحمہ نے کہا کہ پھر ایک روز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا تو میں نے ابتدا کر کے آپ کا مبارک ہاتھ پکڑ لیا اور عرض کیا کہ یا حضرت مجھے اعمال فاضلہ بتلا دیجے آپ نے فرمایا کہ اے عقبہ جو تجھے قطع کرے تو اُس سے میل کر اور جو تجھے محروم کرے تو اُسکو دے اور جو تجھے ظلم کرے تو اُس سے منہ موڑ لے (یعنی بدالینہ برآمدہ نہوم) اس حدیث میں سے کچھ حصہ امام ترمذی رحمہ نے زہدین روایت کر کے کہا کہ حدیث حسن ہے اور امام احمد رحمہ نے پوری حدیث کو دوسری اسناد سے مسند کیا حدیث ان سورہ تون سے شفا کے مرض امام بخاری رحمہ نے حضرت عائشہ رضی سے روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات جب بچھونے پر آتے تو اپنے دونوں ہاتھ ملا کر ان میں دم کرتے اور انہیں قل ہوا اللہ احد و قل اعدوہم ب الفلق و قل اعدوہم بالناس پڑھتے پھر دونوں ہاتھوں سے اپنے تمام بدن پر پھیرتے۔ الباقی میں مرتبہ ہاتھ پہنچتے تھے مسح کرتے اور پہلے سر سے شروع کرتے کہ انکو سر پر اور منہ پر اور سامنے رخ بدن پر پھیرتے۔ الباقی میں مرتبہ کرتے تھے (رواد اصحاب السنن ایضاً) مترجم کہتا ہو کہ ظاہری بیان حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ دونوں ہاتھوں کو ملا کر ان میں دم کرنے کے بعد یہ سو تین پڑھتے تھے لیکن اکثر علمائے کہا کہ اس سے یہ مطلب ہو کہ دم کرنے کا طریقہ قراوت سے تھا دونوں ہاتھ ملا کر بعد قراوت کے ان میں دم کر کے مسح کرتے تھے واضح ہو کہ ظاہر یہ ہے کہ مسح کرنے میں ہاتھوں کو جدا نہیں کرتے تھے اس لیے ہاتھ کو سر کے پیچھے نہیں لیجاتے تھے اور واضح ہو کہ اس سے علما نے یہ سمجھا کہ انکی برکت کس مرض سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے اللہ تعالیٰ اعلم

ایک محل بنانا ہوا اور جسے اسکو بیس مرتبہ پڑھا اللہ تعالیٰ اسکے لیے دو محل بناتا ہوا اور جسے اسکو تیس مرتبہ پڑھا اسکے لیے تین محل بناتا ہوا بیس عمر رض نے کہا کہ یا رسول اللہ تب ہم لوگ بہت محل حاصل کر لینگے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں بہت وسعت ہوا بن کثیر رحم نے کہا کہ یہ مرسل جید ہوا اور ابو احمد داری نے روایت میں کہا کہ ابو عبید بن معبد رحمہ اللہ تعالیٰ اولیٰ ابدال میں سے تھے مگر ترجمہ کتاب ہے کہ دار آخرت میں ایسی عظیم الشان نعمتیں ہیں کہ آدمی کا خیال و ہاشک نہیں پہنچتا ہوا سیلیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رض سے صرف اسی قدر فرمایا جس قدر انکے تصور میں آوے حالانکہ وہ لوگ بہت اعلیٰ بہت کے بندے تھے اور صحابہ رض نے تابعین سے کم کر کے بتلایا تاکہ متحیر نہ ہوں اور تابعین نے ہم لوگوں سے بہت کم فرمایا کیونکہ ہم لوگ اس دنیا سے حقیر کو بہت سمجھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مجھ کے پر کے برابر نہیں بلکہ ایسی ملعونہ ہے جس میں ملعون ابلیس کو قیامت تک زندہ چھوڑ دیا ہوا فافہم (حدیث) انس رضی اللہ عنہ نے حدیث روایت کی کہ جسے پچاس مرتبہ قل ہو اللہ پڑھا تو اسکے پچاس سال کے گناہ اللہ تعالیٰ بخشا ہوا (رواہ ابویعلیٰ وضعف) اور حدیث انس رضی اللہ عنہ میں ہے کہ جسے دو سو مرتبہ قل ہو اللہ پڑھا تو اللہ تعالیٰ اسکے گناہ پچاس برس کے محو فرماتا ہے مگر آنکہ اس پر فرض ہو (رواد الترمذی و ابویعلیٰ) اس سے مراد یہ نہیں کہ کوئی شخص اس زعم پر کسی کا فرض نہ جو ادا کر سکتا ہوا داند کرے ترمذی نے بیان کیا کہ باسناد مذکور روایت ہو کہ جسے بچھونے پر سوتے وقت سو مرتبہ قل ہو اللہ احد دائیں کروٹ پڑھا تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ فرما دے گا کہ اے بندے دائیں جانب جنت میں داخل ہو (غریب و روی من وجہ آخر) اور ابویعلیٰ الزرارہ نے اسناد کیا کہ جسے دو سو مرتبہ قل ہو اللہ پڑھا تو اللہ تعالیٰ اس سے دو سو برس کے گناہ معاف فرماتا ہے۔ امام ہزارح نے اس اسناد کے دو راویوں کے حق میں کہا کہ انکا حافظہ خراب تھا یعنی یہ شبہ ہے کہ ان دونوں نے بھول کر بیان کیا ہو واللہ اعلم (حدیث) نسائی رحم نے اپنی تفسیر میں بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ میں ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسجد میں داخل ہوا وہاں صحابی نماز پڑھ کر اسطرح دعا کرتا تھا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ بِاَنِّیْ اَسْتَشْہِدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُولَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَہٗ کُفُوًا اَحَدًا (پھر اپنا مطلب بیان کیا) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم اُس پاک کی جسکے قبضہ میں میری جان ہوا سنے اللہ تعالیٰ سے اُسکے اسم اعظم کی دعا مانگی ہو جسکی شان یہ ہو کہ جو کوئی اسم اعظم سے مانگے اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے اور جب اس نام پاک سے دعا کرے قبول فرماتا ہوا اس حدیث کو نسائی اور ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ حدیث کی اسناد اچھی ہو اور یہ حدیث دیگر سنن میں بھی موجود ہے (حدیث) جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ تین باتیں ایسی ہیں کہ جسے انکو ایمان کے ساتھ ادا کیا تو وہ جنت میں جس دروازے سے چاہے داخل ہوگا اور جس حور العین سے چاہے جوڑا پاویگا۔ ایک وہ کہ جسے قتل کرنے والے سے عفو کیا اور دیگر جسے پوشیدہ قرضہ ادا کیا اور سوم یہ کہ ہر فرضیہ نماز کے بعد دس مرتبہ قل ہو اللہ احد پڑھا۔ ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر کسی نے ان تین خصلتوں میں سے ایک ہی پر عمل کیا تو آپ نے فرمایا کہ ہاں یعنی ایک ہی پر عمل کرنا یہی ثواب رکھتا ہے مگر ترجمہ کتاب ہے کہ مغرب کے وقت بعد فرضیہ کی سنتیں پڑھ کر یہ سورہ پڑھے اگر توفیق ہو اور باقی نمازوں میں گنجائش ہو کہ بعد فرضیہ کے پڑھے (حدیث) جبریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے حدیث روایت کی کہ جسے گھر میں جاتے وقت قل ہو اللہ احد پڑھا تو اُس نے اس گھر سے

فضیلت میں روایتیں بنائی ہیں جیسے جو کوئی اسکو اتنی مرتبہ پڑھے اسکو اس قدر جوہر و تصویب ملے اور اُسی قسم کی موضوع روایتیں بھی لوگوں نے لکھی ہیں مولانا شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے ائمہ سے نقل کیا کہ اسلام میں روافض فرقے نے جس کثرت سے جھوٹی روایتیں لوگوں میں پھیلائیں اُس قدر کسی فرقہ گراہ نے نہیں بنائیں (حدیث در فضیلت سورہ اخلاص) امام ابن کثیر نے لکھا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حادیث ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک شخص نے رات میں دوسرے شخص سے سنا کہ وہ سورہ قل ہو اللہ احد پڑھتا اور اسکو بار بار دہراتا ہی را امام احمد کی حدیث میں انکا نام قتادہ بن نعمان مذکور ہے (جب صبح ہوئی تو اُس نے جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حال ذکر کیا تو یا اُس نے اس قرات کو قلیل خیال کیا پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم اُس پاک کی جسکے قبضہ قدرت میں میری جان ہو کہ یہ سورہ تہائی قرآن کے برابر ہے (رواہ ابو داؤد والنسائی و احمد) امام احمد کی روایت میں راوی کو شک ہو کہ تہائی قرآن یا نصف قرآن کے برابر فرمایا (حدیث قل ہو اللہ احد پڑھنے سے جنتی ہوتا ہے) امام مالک رحمہ اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آتا تھا اپنے ایک شخص سے سنا کہ وہ قل ہو اللہ احد پڑھ رہا ہے اپنے فرمایا کہ جب ہو گئی میں نے کہا کیا وہ جب ہو گئی فرمایا کہ جنت (رواہ الترمذی والنسائی و ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے عبد اللہ بن امام احمد نے روایت کیا کہ جبیب بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم لوگوں کو تاریکی نے لیا اور ہم منتظر تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لا کر ہم کو نماز پڑھا دیں پھر آپ باہر آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ پڑھ۔ میں نے اول بار سکوت کے بعد عرض کیا کہ کیا پڑھوں آپ نے فرمایا کہ قل ہو اللہ احد و معوذتین یعنی قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس جب صبح ہوا اور جب شام ہوئیں بارگاہ یہ تجھے کافی ہوگی (رواہ ابو داؤد و الترمذی و النسائی و قد صححہ الترمذی) اور عبد اللہ بن جبیب نے اسکو عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اُس کے آخر میں ہے کہ تجھے ہر چیز سے کفایت کریں گی (نسائی) اس سے معلوم ہوا کہ کفایت سے مراد نہیں کہ اگر انکو پڑھ لے تو زیادہ تلاوت سے کفایت ہے بلکہ مطلب یہ کہ امور سے کفایت ہے ابن کثیر نے بیان وہ روایات بھی لکھی ہیں جنکی اسناد میں ضعف ہے لیکن طبقہ عالیہ میں جو ضعیف ہو وہ بھی اچھے ہیں چنانچہ امام احمد نے بطریق خلیل بن مرہ تابعی صغیر روایت کی کہ تمیم الداری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاحِدًا أَحَدًا صَمَدًا لَمْ يَتَّخِذْ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدًا۔ دس مرتبہ کہا تو اللہ تعالیٰ اُسکے لیے چالیس لاکھ نیکیاں لکھتا ہے اس حدیث کو فقط امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا اور سب راوی ثقات ہیں سوائے خلیل بن مرہ کے کہ اُسکی نسبت بخاری وغیرہ نے ضعیف کہا (حدیث) معاذ بن انس ابوجہنی رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ جب دس بار قل ہو اللہ احد پڑھا تو اللہ تعالیٰ اُسکے لیے جنت میں ایک گھر بنا تا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ تب تو ہم بہت محل چاہ کر لیتے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں ہے اور وہاں ہر چیز بہتر سے بہتر موجود ہے (رواہ احمد) مترجم کہتا ہے کہ اسکی اسناد میں زبان بن فائدہ راوی میں کلام ہے حالانکہ یہ شخص مرد عابد صالح تھے لیکن ابن کثیر نے دوسری اسناد نقل کی بقولہ امام ابو احمد رحمہ اللہ نے کہا کہ حدیث عبد اللہ بن یزید حدیث ابو سعید بن معبد عن سعید بن المسیب سمعہ یقول یعنی سعید بن المسیب رحمہ اللہ تابعی کہیں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے قل ہو اللہ احد دس بار پڑھا اللہ تعالیٰ اُسکے لیے جنت میں

بہت کیے ہیں یہ بیچ ہیں بلکہ اس صورت میں ابن حبان رحمہ اللہ کا طریقہ بہتر ہے کہ جب دونوں شاگرد راوی ثقہ ہوں تو دونوں روایتیں صحیح ہیں لیکن اس زمانہ کے بعد جب حدیث کی روایت کا طریقہ منضبط ہوا تو البتہ اس طبقہ کے لوگوں میں جب ایسا ہو تو غور کرنا چاہیے نا حفظہ م۔ حدیث دیگر ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹے لشکر پر ایک صحابی کو سردار کر کے روانہ کیا وہ سردار جب اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھاتا تو قرات کو قل ہو اللہ احد پڑھ کر تار لینے احمد و سورہ بھی پڑھتا اور آخر میں یہ سورہ قل ہو اللہ بھی ملاتا تھا جب کہ لوگ جہاد سے واپس آئے تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکو ذکر کیا کہ وہ امامت میں اس طرح پڑھا کرتا تھا آپ نے فرمایا کہ اُس سے پوچھو کہ کس وجہ سے ایسا کیا کرتا ہے۔ لوگوں نے اُس سے پوچھا تو اُس نے کہا کہ یہ سورہ صفت الرحمن ہے مجھے اسکی قرات سے محبت ہو پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُسکو آگاہ کر دو کہ اللہ تعالیٰ اسکو محبوب رکھتا ہے (رواہ البخاری و مسلم) حدیث دیگر انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مسجد نبی کے لوگوں کا ایک انصاری صحابی امام تھا اُسکا یہ قاعدہ تھا کہ جب نماز پڑھانے کھڑا ہوتا تو احمد کے بعد سورہ قل ہو اللہ احد پڑھتا اسکے بعد دوسرا سورہ پڑھتا اور یہی قرات سب رکعتوں میں اُسکا معمولی طریقہ تھا اُن لوگوں نے اُس سے کہا کہ تو یہ سورہ شروع فرماتا ہے پھر اسی قرات کو جائز نہیں سمجھتا حتیٰ کہ اسکے بعد دوسرا سورہ بھی پڑھتا ہے پس تو چاہے فقط اسی سورہ کو پڑھ اور چاہے اسکو چھوڑ کر دوسرے ہی سورہ پر اکتفا کر اُس نے کہا کہ میں اس طریقہ کو نہیں چھوڑونگا تمہارا جی چاہے تو مجھے امام بناؤ نہیں تو میں امامت چھوڑ دوں گا یہ لوگ اپنے نزدیک اُسکو سب سے افضل سمجھتے تھے اُنکو گوارا نہوا کہ اسکے سواے دوسرا امامت کرے لہذا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُنکے بیان آئے (مترجم کتا ہے کہ آپ ہر ہفتہ کو مسجد نبی میں جاتے تھے) تو انھوں نے آپ سے یہ حال عرض کیا آپ نے اُس صحابی سے فرمایا کہ اسی فلان تو اپنے لوگوں کا کما کیوں نہیں مان لیتا اور کیا سبب ہے کہ تو ضرور ہر رکعت میں یہ سورہ قرات کرتا ہے اسنے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے اس سورہ مبارک سے محبت ہے آپ نے فرمایا کہ اُسکی محبت نے مجھے جنت میں پہنچا دیا (رواہ البخاری و الترمذی عنہ) اور اس حدیث کے مثل امام احمد رحمہ نے مختصر روایت کیا (حدیث) ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہودیوں کے اخبار آئے جنہیں کعب بن اشرف وحی بن خطب وغیرہ تھے اور انھوں نے کہا کہ اسی ابو القاسم آپ کو جس رب نے رسول بنا یا ہے اسکی صفت کیا ہے ہم سے بیان کیجئے پس اللہ تعالیٰ نے نازل کیا قل ہو اللہ احد کہدے وہ اللہ احد (ایکلا) ہو اللہ احد اللہ ہی وہ کسی کا محتاج نہیں اور سب اُسی کے محتاج ہیں سلم لید۔ وہ جنانہیں ہی کہ اُس سے فرزند پیدا ہو۔ ولم یولد۔ اور نہیں جنا گیا۔ کہ وہ کسی چیز سے نکلا ہو (ولم یکن لہ کفوا احد) اس حدیث کو بھیقی وغیرہ نے روایت کیا ہے مترجم کتا ہے کہ اس روایت سے حال معلوم ہو گیا کہ یہ سورہ اول کے مین قریش کی ہدایت کے لیے انکے سوال کے جواب میں نازل ہوا تھا جیسا کہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ و جابر رضی اللہ عنہ سے معلوم ہوا پھر مدینے میں یہود کے جواب میں نازل ہوا یعنی حکم ہوا کہ یہود کے جواب میں یہ سورہ مبارک تلاوت فرمائیے لہذا بعض نے کہا کہ یہ سورہ مدینہ ہی اور حق یہ کہ مکہ ہی اور دوبارہ مدینے میں نازل ہوا فافہم واضح ہو کہ اس سورہ مبارک کی فضیلت میں احادیث بکثرت وارد ہوئی ہیں اور ان میں عظیم فضیلت بیان ہوئی ہے لیکن بہت سے نادان لوگوں نے اسکی

کہ احادیث فضائل سے اسکے نام بحسب صفت اور بھی ظاہر ہوتے ہیں ولیکن جو امام سلف صالحین سے منقول نہ ہو وہ اپنی طرف سے نکالنا رد انہیں ہو ذکر سبب نزول و فضائل ابو العالیہ رحمہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ اپنے رب کا نسب ہم سے بیان کیجے پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا قل ہو اللہ احد اللہ احد اللہ احد آخر تک (رواہ الامام احمد والترمذی وابن جریر) مشرکین دو قسم کے ہیں ایک وہ مشرکین جو بت پوجتے تھے جیسے قریش وغیرہ اور ثبوت ہوا کہ ان لوگوں نے یہ سوال کیا تھا اور دوم مشرکین اہل کتاب جیسے یہود وغیرہ اور جب آپ مدینہ تشریف لائے ہیں تو یہود و خبیث نے بھی یہ سوال کیا کہ اپنے رب کا نسب ہم سے بیان کیجے چنانچہ خبیث نے لکھا کہ ضحاک وقتادہ و مقاتل نے کہا کہ یہود میں سے کچھ لوگ پڑھے لکھے جو امنین احبار کہلاتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگے کہ ہم سے اپنے رب کا نسب بیان کیجیے شاید ہم لوگ ایمان لا دیں کیونکہ توریت میں خدا نے اچھی آئاری ہو تو آپ سے ہم سننا چاہتے ہیں کہ آپ یہ بیان کریں کہ وہ کس چیز سے بنا ہوا اور وہ کھاتا پیتا ہے کہ ہمیں اور وہ کس کا وارث ہوا اور اسکا وارث کون شخص ہوگا پس اللہ تعالیٰ نے یہ سورہ نازل فرمایا ترجمہ کہتا ہے کہ یہود و خبیث باطن نے آپکو دھوکا دینا چاہا کہ یہ عرب قریش میں سے ہیں اور عرب کے خیال میں مخلوق کی طرح نسب ان معبودوں کا تھا جنکو وہ پوجتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ یہود اسلام لا دیں تو شاید عرب متوجہ ہوں پس ان یہودیوں نے مکر سے کلام کیا گویا توریت میں بھی اسکا نسب مذکور ہے پس اللہ تعالیٰ نے یہ سورہ اخلاص نازل فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ وہ پاک وحدہ لا شریک ہوا اسکے واسطے نسب نہیں ہونہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ اُس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ اُسکے مانند و متسا بہ کوئی چیز ہو خطیب نے لکھا کہ ابن عباس کہتے تھے کہ عرب کے مشرکوں میں سے عامر بن الطفیل اور اربد بن ربیعہ دونوں آئے اور عامر لعین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنا شروع کیا کہ اے محمد تم ہم کو کس خدا کی طرف بلاتے ہو آپ نے فرمایا کہ میں تم کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں اُسے کہا کہ وہ سونے کا ہی یا چاندی کا ہی یا لوہے کا ہی یا لکڑی کا ہی آخر یہ بتلاؤ وہ کس چیز کا ہے پس یہ سورہ نازل ہو اور اللہ تعالیٰ نے اربد بن ربیعہ کو صاعقہ سے ہلاک کیا اور عامر بن الطفیل کو طاعون سے ہلاک کیا (السراج) مترجم کہتا ہے کہ خلاصہ یہ ہے کہ جب یہ دونوں مدینہ میں آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ کسی طرح یہ دونوں مسلمان ہو جائے تو اہل اسلام کو انکی قوم سے تقویت ملتی اور آپ نے انکی فحاشی کے لیے انکے دوستوں کو مقرر کیا عامر بن الطفیل نے کہا کہ آپ یہ تو بتلا نہیں سکتے کہ آپ کا رب کس چیز سے بنا ہوا ہے آپ نے اسکو یہ سورہ اخلاص سنایا مگر اُس جہنی جاہل میں کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر اسنے کہا کہ اے محمد اگر تم اپنے بعد خلافت میرے واسطے لکھو تو میں تمہارے تابع ہوتا ہوں آپنے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے عامر و اربد نے باہم مشورہ کیا کہ ہم تم مکر محمد (صلعم کو) قتل کر دیں تو سرداری ہمارے واسطے ہے یہ سوچ کر دونوں آئے اور عامر نے کہا کہ میں انکو باتوں میں لگاؤں گا اور تو توار سے کام تمام کرنا پس عامر ملعون نے آپے کہا کہ مجھے تنہائی میں تم سے کچھ کہنا باقی ہے آپ کھڑے ہو گئے اسنے جھگڑنا شروع کیا کہ مجھے بہتر تم کو خلیفہ نہیں مل سکتا ہی آپ نے اُس سے انکار کیا اس درمیان میں عامر مذکور برابر نظر ڈالتا تھا کہ اربد کیون تاخیر کرتا ہے جب اُسنے کئی مرتبہ یہ حرکت کی تو آپنے انفات فرما کر دیکھا تو اربد بن ربیعہ اپنی تلوار میان سے کھینچنے میں زور کرتا تھا لیکن اُسکا ہاتھ قبضہ پر چپک گیا

فی جیدہ حاصل من مسد۔ اُسکی گردن میں خوب بچی ہوئی رہی ہے۔ کیونکہ وہ اس اعتقاد فاسد اور اعمال قبیح میں خوب جکڑی ہوئی تھی پس شدت عداوت سے یہ قبايح اُسکی گردن میں لازم کر دیے گئے واللہ تعالیٰ اعلم

سورۃ الاخلاص وکی وئی اربع آیات

سورۃ اخلاص مکہ پر یہ قول ابن مسعود رضی اللہ عنہ و عطاء و عکرمہ و جابر بن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے اور دوسری روایت میں کہا کہ مدنیہ بن جابر رضی اللہ عنہ و قتادہ و ضحاک و سدی سے روایت ہے اور اسمین چار آیات اور پندرہ کلمات اور سینتالیس حروف ہیں (السراج) بعض نے پانچ آیات ذکر کیں رازی و ابن کثیر و معالم و غیرہ میں مکہ مذکور ہے اور ابو السعود نے کہا کہ اس کے مکہ یا مدنیہ ہونے میں اختلاف ہے۔ واضح ہو کہ یہ سورہ مبارک اگرچہ تلاوت میں چند آیات ہیں لیکن اللہ تعالیٰ شان و حدانیت میں کثیر العلوم ہے اس سے سب قسم کے ظاہری و باطنی شرک باطل ہوتے ہیں اور خالص توحید پر ایمان حاصل ہوتا ہے اور اس کے فضائل کثیرہ ہیں ایک تو اس کے نام بکثرت ہیں جیسے سورہ فاتحہ کے بہت نام ہیں اور یہ اُسکی فضیلت پر دلیل ہے جو قوم اس کے بارہ میں احادیث کثیرہ وارد ہیں۔ سوم اسکا سبب نزول خود دلیل ہے کہ رب عزوجل نے اس سے اپنے بندوں کو اپنی معرفت عطا کی اور یہ اعلیٰ فضل و کمال ہے لہذا ائمہ تفسیر نے اس کے فضائل کو عنوان خاص سے بیان کیا اور ترجمہ اخلاص لکھتا ہے (ذکر اسماء مبارکہ) خطیب وغیرہ نے لکھا کہ اس سورہ مبارک کے بہت سے نام ہیں اور ناموں کی کثرت اُسکی فضیلت پر دلالت کرتی ہے (۱) سورۃ التفرید۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی فردیت بیان ہوتی ہے کہ وہی موجود فرد ہے (۲) سورۃ التجرید ہے جمع شرک و شبہ و نظیر سے اسکا پاک ہونا ظاہر ہے (۳) سورۃ التوحید۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت بیان ہوتی ہے (۴) سورۃ الاخلاص (۵) سورۃ النجاة۔ اسکی وجہ آئندہ معلوم ہوگی (۶) سورۃ الولاۃ۔ اسکی قراءت سے بندہ اپنے رب تبارک و تعالیٰ کا ولی ہو جاتا ہے (۷) سورۃ النسبۃ۔ چنانچہ سبب نزول میں علوم ہوگا (۸) سورۃ النور۔ اس سے رب عزوجل نے اپنی معرفت دی (۹) سورۃ الجلال۔ اسمین اسماء جلال سے ذکر نہیں فرمایا (۱۰) سورۃ المقتضیۃ۔ اسکا بیان گزر چکا (۱۱) سورۃ المعوذۃ۔ (۱۲) سورۃ الصمد۔ (۱۳) سورۃ الاساس کیونکہ مروی ہے کہ ساتون آسمان اور ساتون زمینوں کا اساس (بنیاد) قل ہو اللہ احد ہے (۱۴) المانع۔ کیونکہ یہ فتنہ قبر اور جہنم کی لپٹ روکتا ہے (۱۵) سورۃ المحتضر۔ کیونکہ جب یہ سورہ پڑھا جاوے تو ملائکہ اُسکے سننے کو حاضر ہوتے ہیں (۱۶) المنفرۃ۔ شیاطین کو بھگانے والی کیونکہ شیاطین اسکی قراءت سے بھاگتے ہیں (۱۷) سورۃ البراءۃ۔ کیونکہ یہ شرک سے براءت ہے (۱۸) المذکرۃ۔ کیونکہ یہ سورہ یاد دلاتا ہے بندے کو اپنے رب کا وحدہ لا شریک ہونا (۱۹) سورۃ النور۔ کیونکہ اسکی قراءت سے قلب منور ہو جاتا ہے (۲۰) سورۃ الاخصان۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ جس نے سورہ قل ہو اللہ احد پڑھا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ میرے حسن میں آگیا اور جو میرے حسن میں آیا وہ میرے عذاب سے محفوظ ہوا ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہم کو اپنے عذاب سے بچاوے اور ہم کو مع اہل بیت ہمارے احباب کے بلا حساب جنت میں داخل فرماوے کیونکہ وہ کریم و حلیم و بابر ہے (السراج) آمین یا ارحم الراحمین (ترجمہ فتح)

سب راوی ثقات ہیں اور عطاء بن السائب کا حلقہ آخر میں خراب ہو گیا تھا اور اسی حالت میں اسے سفیان و شعبہ نے سنا ہے لیکن یہاں عبدالسلام بن حرب راوی ہیں واللہ اعلم۔ م بعض علمائے کما کہ قولہ تعالیٰ فی جیدہ جیل من مسد۔ اُسکی گردن میں مسد کی رسی ہو۔ ہ۔ جنم میں اس عورت کی گردن میں آتشی رسی ہوگی جس سے وہ لٹکتی ہوئی اور پیر پچی جائیگی پھر چوڑ دی جائیگی تو آگ میں جستی چلی جائیگی پھر وہ اسے اور پیر پچی جائیگی اس طرح برابر ہوتا رہے گا علماء رحمہ اللہ نے کہا کہ اس سورہ میں صریح معجزہ بتا ہوا ہے کہ یہ دونوں کفر پر مریں گے اور اس طرح واقع ہوا (ابن کثیر رحمہ اللہ) علماء رحمہ اللہ نے کہا کہ اس میں تین معجزات ہیں (اول) یہ کہ ان دونوں کے تائب یعنی خواری سے مرثیہ کا حال جو میں نے اوپر بیان کر دیا ہے (دوم) یہ کہ دونوں اپنے مال و اولاد سے بچل نہ پائیں گے تو دنیا میں بھی انکو کچھ فائدہ نہوا (سوم) خبر دی کہ یہ دونوں جہنمی ہیں اور یوں ہی واقع ہوا کہ کافر مرے (السراج و رازی و خیرہ) مترجم کہتا ہے کہ اسکی توضیح یہ ہے کہ جہنمی ہونے کی جب خبر دی اُسوقت دونوں تندرست قوی موجود تھے تو گویا یہ خبر دی کہ یہ لوگ فتح مکہ سے پہلے مریں گے اس لیے کہ فتح مکہ کے روز سب قریش جس قدر موجود تھے بیعت اسلام میں داخل ہوئے خواہ دل سے مسلمان ہوئے ہیں یا ظاہر میں اسلام کا اقرار کیا پس جسے ظاہر میں بھی اسلام کا اقرار کیا وہ جہنمی نہیں کہا جاسکتا ہے تو یہ خبر ہے کہ یہ دونوں فتح مکہ سے پہلے صبح کافر مریں گے اور یہی واقع ہوا لیکن جو لوگ فتح مکہ کے روز اسلام لائے اُن میں سے بعض فی الحال زبانی اسلام کے مقرب ہوئے تھے لیکن جب انکو ہوش ہوا تو سچے مسلمان ہو گئے الا ماشاء اللہ تعالیٰ اور خطیب نے لکھا کہ ابولسب غزوہ بدر کے سات روز بعد چھپک میں مرا اور قریش اس مرض سے بہت ڈرتے تھے لہذا تین روز تک مرا پڑا رہا اور کسی نے اُسکو دفن نہ کیا آخر لوگوں نے کفن سے ابولسب کے بیٹے نے اُسکو اٹھوایا اور کفن سے دور لے جا کر دوسرے اُسپر بانی ڈلوایا جیسے نجاست سے بچتے ہیں اور اُسپر تپھروں کا انبار لگا کر توپ دیا اور اسکی جورو کا نی لکڑیوں کے گٹھے کے پھندے سے گلا گھٹک مری اور بعض علماء رحمہ اللہ نے کہا کہ جسطرح بیان کانٹوں کے گٹھے لاتی تھی اسی طرح جہنم میں آتشی بندان سے آتشی کانٹوں کے گٹھے پٹھ پر لا دی گئی کیونکہ ہر ایک بدکار اپنے جرم کے مانند سزا میں گرفتار ہوتا ہو نفوذ باللہ من عذاب جہنم ف شیخ ابن العربی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ تبت ید ابی لب و تب۔ تباہ ہوئے دونوں ہاتھ ابولسب کے جو اُسکے اعمال خبیثہ کا ذریعہ تھے جنکی وجہ سے وہ ہمیشہ جہنم میں پڑا اور وہ خود ہلاک ہوا یعنی اُسکی حیثیت اتنی بھی برباد ہو کیونکہ اُس میں ذاتی لیاقت یہی تھی کہ سخت آگ میں جاوے اسد واسطے اُسکو ابولسب کے نام سے بیان کیا تاکہ خود اشارہ ہو کہ وہ آگ کے لب میں ہمیشہ رہنے والا ہے (قولہ) ما غنی عنہ مالہ و ما کسب۔ اُسکو اُسکے مال و کمائی نے نفع نہ دیا کیونکہ اصلی مال و دولت انسان کی وہ استعداد ہے جو ازل میں حاصل ہوئی اور کمائی کا مال یہ ہے جو دنیا میں حاصل ہوتا ہے تو اس بد بخت کے لیے خلقی مال بفاائدہ ہوا اس لیے کہ وہ عین شرک تھا اور جو بیان کیا یا وہ بخل سے رکھا اور شرک کی راہ میں اُٹھایا تو دونوں چیزوں سے اُسے عذاب کمایا یعنی یہ دونوں چیزیں خود اُسکے ساتھ آگ ہیں اور اس پر زیادہ یہ کہ فرمایا۔ سیصلی نار اذات لب۔ یعنی ان دونوں کے ذریعہ سے وہ غضب الہی کی عظیم آگ میں داخل ہوگا (قولہ) و مراۃ حائلہ اخطب اور اسکی ساتھ جوڑ ہوگی اُسکی جو رو ایندھن اُٹھانے والی یعنی اُسکے افعال و اعمال و اقوال سب اُسکی پیٹھ پر بار عظیم ہیں جو آگ میں بھڑکینگے تو یہ جہنم میں اُسکے جلنے کے ایندھن ہیں اور خلاصہ یہ کہ یہاں وہ یہ اعتقاد و بد نیت سے جو ایندھن و کانٹے لاتی تھی وہ حقیقت میں اپنے عذاب کے لیے پستارہ جمع کرتی تھی (قولہ)

منقول ہے کہ یہ عورت اُس راستہ میں کانٹے پھیلاتی تھی جدھر سے آنحضرت صلعم آتے جاتے تھے یہی عطیۃ الجہد لی وضحا کہ ابن زبیر نے بیان کیا۔ ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ بعض کا یہ قول ہے کہ وہ عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عار دلانا کہ فقیر بن اور خود بوجہ بخیلی کے جنگل سے ایندھن لادلاتی تھی ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ ان اقوال میں سے صحیح قول اول ہے واللہ تعالیٰ اعلم سعید بن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اس عورت کے گلے میں گران قیمت ہار تھا اور کہا کرتی کہ اسکو محمد کی عداوت میں خرچ کر دنگی تو اللہ تعالیٰ نے اس خضوع کے عوض اُسکو آگ کا گلاب بندیا۔ ابن جریر نے مسند کیا کہ شعبیؒ نے فرمایا کہ مسند چھال ہے عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مسداگ کی زنجیر شتر گز لینی ہے۔ ثورمیؒ نے کہا کہ وہ آگ کا گلاب بند شتر گز دراز ہے۔ مجاہد رحمہ نے کہا کہ لوہے کا طوق ہے چنانچہ عرب کے لوگ خرچ کو مسدکتے ہیں۔ ابن ابی حاتم نے روایت کی کہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے کہا کہ جب سورہ تبت ید ابی اسب نازل ہوئی تو کافی ام حبیل بنت حرب بلبلاتی ہوئی پتھر پاتھ میں لیے ہوئے پہنچی اور یہ کہتی جاتی تھی۔ ندما ابنا۔ و دینہ قلینا۔ و امرہ عصینا۔ ہم نے مذم سے انکار کیا اور اُسکے دین سے بیزار ہوئے اور اُسکے حکم سے انکار کیا۔ رسول اللہ صلعم مع ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مسجد الحرام میں بیٹھے تھے جب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اسکو دیکھا تو عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ آتی ہے اور مجھے اسکی طرف سے آپ پر خوف ہے کہ آپ کو دیکھے آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ وہ مجھے نہ دیکھیں گی اور آپ نے قرآن مجید پڑھ کر اپنا حفظ کیا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اذ قرأت القرآن الایہ۔ یعنی جب تو قرآن پڑھے تو ہم تیرے درمیان اور آخرت سے بے ایمانوں کے درمیان حجاب مستور کر دیتے ہیں۔ یہ سنا ہو کہ تمھارے بار نے میری بھوک ہے (واللہ میں دیکھوں تو یہی صلعم اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگی کہ میں نے یہ سنا ہے کہ تمھارے بار نے میری بھوک ہے (واللہ میں دیکھوں تو یہی پتھر تمھارے بار کے منہ پر ماروں سراج) ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ قسم اس بیت کے پروردگار کی کہ انھوں نے تیری بھونین کی۔ وہ بیٹھ پھیر کر یہ کہتی ہوئی چلی کہ قریش کو خوب معلوم ہے کہ میں اُسکے سردار کی بیٹی ہوں (ابن کثیر رحمہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسکی بیانی گرفتار کر دی کہ اُس نے مجھے نہیں دیکھا اور واضح ہو کہ قریش کے بدکار محمد صلعم کو بجائے محمد کے مذم کہتے اور مذم کی برائیاں کرتے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے کہ تم دیکھو کہ یہ عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح مجھے قریش کی بدگوئی کو دور کیا کیونکہ وہ لوگ مذم کی بدگوئی کرتے ہیں اور میں محمد ہوں (السراج) اور ابو بکر الزبیر رحمہ نے کہا کہ حدیثنا ابراہیم بن سعید و احمد بن اسحق قالوا حدیثنا ابو احمد حدثنا عبد السلام بن حرب عن عطاء بن السائب عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہ کہ اسکا کہ جب سورہ تبت ید ابی اسب نازل ہوا تو ابو اسب بن السائب عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہ کہ اسکا کہ جب سورہ تبت ید ابی اسب نازل ہوا تو ابو اسب کی جو رو (عصہ میں بھری ہوئی) آئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تھے اور آپ کے ساتھ ابو بکر تھے پس ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر آپ اسوقت ایک طرف ہو جاتے ایسا نہ کہ اس ناریہ سے آپکو کچھ اذیت پہنچے آپ نے فرمایا کہ میرے اور اسکے درمیان میں آؤ کر دی جاوے گی پس وہ عورت آکر ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑی ہوئی اور کہنے لگی کہ اے ابو بکر تیرے بار نے میری بھوک ہے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قسم میری کہ یہ کہتی ہے کہ وہ کبھی شتم سے اپنی زبان آلودہ نہیں کرتے ہیں کہنے لگی کہ تم سچے ہو۔ پھر جب وہ چلی گئی تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا حضرت آپ کو اُس نے بالکل نہیں دیکھا آپ نے فرمایا کہ ایک فرشتہ مجھے اُس سے آؤ کیے رہا جب تک وہ چلی گئی مترجم کہتا ہے کہ اسکی اسناد میں

صلی اللہ علیہ وسلم کو فقیر کی گانچ لگاتی تھی اور خود ایسی بخیل تھی کہ باوجود کثرت مال کے ایندھن کا گٹھا جنگل سے لادلاتی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اسکو عار دلایا مترجم کہتا ہے کہ اسمین نکتہ لطیف ہے جو عنقریب ظاہر ہوگا۔ ابن زید نے کہا کہ یہ عورت بھول وغیرہ کے کانٹے لادلاتی اور رات میں اُس راستے میں پھیلاتی جدھر سے آنحضرت صلعم و اصحاب مسجد میں آتے جاتے تھے (مکہ میں یہ راستے بطور نالے کے تھے) ولیکن آنحضرت صلعم کے لیے ریشم ہو جاتے ایک روز یہ عورت کو بل وغیرہ کے سخت کانٹے چمک کر چلی اور چھال کی سی بٹ کر اس پشتارہ سے باز رہی اور حمالوں کی طرح سے اُسکا ایک پھیر اپنی پیشانی پر لائی تاکہ لادنے میں آسانی ہو۔ راہ میں ایک پتھر ٹپک لگا کہ سستا لے لگی یکا یک بھاری پشتارہ کھسکا اور وہ پھیر اسکی گردن میں آگیا اور پشتارہ نے جھونکا کھایا تو اسکی گردن گھٹ گئی اور پتھر بھی کھسک پڑا پس وہ تڑپ کے مر گئی اور رازی وغیرہ نے لکھا کہ نکیم الہی فرشتے نے پیچھے سے وہ پشتارہ کھینچ کر اسکا گلا گھٹ گیا اور جہنم واصل ہوئی اسلیے فرمایا۔ **فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ** اسکی گردن میں رسی مانجھی ہوئی ہے جو بہری رح نے کہا کہ مسد چھال اور مسد اس رسی کو بھی کہتے ہیں جو چھال وغیرہ سے مضبوط ہٹی ہو اور کبھی وہ بال و چمڑے کی ہوتی ہے (ابن کثیر رحمہ) خطیب و رازی وغیرہ نے لکھا کہ مسد مقل کی چھال اور بعض نے کہا کہ کسی چیز کی چھال ہو ابو عبیدہ رحمہ نے کہا کہ اونٹ وغیرہ کے بالوں کی رسی۔ حسن نے کہا کہ مسد ایک درخت میں میں ہوتا ہو جسکی رسیاں بٹی جاتی ہیں۔ ضحاک وغیرہ نے کہا کہ یہ صورت اس رسی کی دنیا میں ہے اور یہ عورت آنحضرت صلعم کو محتاجی سے لادلاتی تھی اور خود مسد کی رسی لیکر ایندھن لادلاتی تھی اللہ تعالیٰ نے اسی رسی سے اُسکی گردن گھونٹ کر ملا کر لیا اور آخرت میں یہ رسی آگ کی ہوگی مترجم کہتا ہے کہ اس عورت نے اپنے احمق شوہر کو رسول اللہ کی عداوت پر آمادگی دلائی اور خود یہاں تک دشمن ہوئی کہ جنگل سے ایندھن میں کانٹے لادلاتی تاکہ رسول اللہ و مومنین کی راہ میں ڈالے اور یہ دلیل ہے کہ اس کا فہم کے دل میں ایمان کے لیے آخری کتر درجہ کی بھی جگہ نہ تھی کیونکہ حدیث صحیح میں ہے کہ ایمان کچھ اوپر تر شلخ ہے یا نین سے کتر یہ کہ رستہ سے ایندھن کی چیز پٹا دے۔ یہ کافر اس سے بڑھ کر راستہ میں کانٹے ڈالتی تھی تو اُسکی سزا میں جہنم میں اسی قسم کا عذاب پاوگی یعنی جہنم کے آتشی کانٹے اُسکو لادنا پڑیں گے اور یہاں جو مسد کی رسی لگاتی تھی وہ وہاں آتشی ہوگی تو اس عذاب و مصیبت میں خود گرفتار ہوگی پھر چونکہ اپنے شوہر ابو لہب کی مددگار تھی لہذا ابن کثیر رحمہ نے لکھا کہ وہاں جہنم میں اس عذاب سے کانٹوں کے گٹھے لاد کر لایا کر لگی اور اپنے شوہر ابو لہب پر جھونکی تاکہ اسکی مددگاری کا نتیجہ پاوے اور صیغہ مستحق حاتمہ الخطیب سے معلوم ہوا کہ یہ عورت اسی کام کے لیے مسد رکھی گئی ہے۔ فی جید ہا حبل من مسد۔ اسکی گردن میں مسد کی رسی ہے۔ عروہ رحمہ و مجاہد رحمہ نے کہا کہ مسد آگ کا ہر مجاہد و عکرمہ و حسن و قتادہ و ثوری و سدی رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا کہ حاتمہ الخطیب۔ اسلیے کہ وہ چٹخوری و لگائی بھائی کرتی پھرتی تھی۔ اسی قول کو شیخ ابن جریر رحمہم اللہ تعالیٰ نے پسند کیا (ابن کثیر رحمہ) مترجم کہتا ہے کہ اس قول کا خلاصہ یہ ہے کہ عرب کے محاورہ میں لکڑیاں لادنا چٹخوری سے کنایہ ہے کیونکہ چٹخور کو آگ لگانے والا کہتے ہیں جو زیادہ مفسد ہوا تو کہتے ہیں کہ آگ لگانے کے لیے لکڑیوں کا پشتارہ لادے پھر تاہو اس سے بڑھ کر ہوتا کہتے ہیں کہ گیلی لکڑیاں لادے پھر تاہو اسلیے کہ گیلی لکڑی سے دھنواں بھی اٹھتا ہے پس معنی حاصل یہ کہ قولہ تعالیٰ و امراتہ حاتمہ الخطیب اور آگ میں گھسیٹنے کی جو وجہ لگائی بھائی سے آگ بھڑکانے کو لکڑیاں لادنے والی ہو یہی اُسکی عادت ہے۔ ابن عباس رحمہ سے بروایت حو فی رح

نہ دی صرف اسی قدر آدمی لیکر روانہ ہوئے وہ بھی زہر و سامان سے کثیر نہ تھے اور اُدھر قافلہ والوں نے مکہ والوں کو خبر دی کہ حلبی سچا
 اور واپس نہ آ رہا آدمی جنگی مسلح نکل پڑے اور دور چل کر قریب بدر کے معلوم ہوا کہ قافلہ جانب ساحل بحر قلزم کا راستہ کاٹ کر رنج گیا
 اکثر اشرف قریش نے کہا کہ اصحابِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف جانا فتنوں کی لیکن ابوجہل وغیرہ نے نہ مانتی کہ بدر میں آیا وہاں رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم مع اصحاب تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ لیا تو مہاجر و انصار نے صاف کہا کہ ہم لوگ مثل اصحابِ موسیٰ علیہ السلام کے آپ سے
 یہ نہیں کہیں گے کہ ازہب انت و ربک فقاتلنا الآیہ۔ یعنی اے موسیٰ تم اور تمہارا رب جا کر لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔۔۔ بلکہ ہم کہتے
 ہیں کہ آپ اگر قریش سے قتال کرنا چاہیں تو ہم حضور کے تابع ہیں آپ خوش ہوئے اور قریش میں ابوجہل وغیرہ نے عداوت سے
 سب کو برا فرختہ کر دیا کہ ضرور مسلمانوں کو قتل کر دے اس دشمن نے دیکھا کہ یہ لوگ بہت کم ہیں ضرور سب مارے جاؤ گے بلکہ
 اصحابِ رضی اللہ عنہم بھی یہی گمان کرتے تھے کہ ہم لوگ شہید ہونگے لیکن جب لڑائی شروع ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ملائکہ مدد کے لیے
 بھیجے اور کفار مانند ابوجہل وغیرہ کے بکثرت مارے گئے اور گرفتار ہوئے اور کافروں کو ابلق گھوڑوں پر سوار نظر آتے تھے جس سے
 وہ بہت خائف تھے۔ یہ تمام سامان بدیہی معجزہ کر دیا۔ اس لڑائی میں ابولسب بنین آیا تھا لیکن اُسکا بھتیجا حبکانام ابوسفیان
 بن حارث بن عبد المطلب تھا یہاں سے بچ کر بچا کا جب کے میں پہنچا تو بدحواس تھا۔ ابورافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں
 عباس بن عبد المطلب کا غلام تھا۔ زفرم پر پالے بنا کر رکھتا اُسوقت ام الفضل زوجہ عباس بھی زفرم پر تھیں اور ابولسب بھی اگر بیٹھا تھا کہ یہ
 ابوسفیان بچا کا ہوا ہو چکا۔ ابولسب نے پوچھا کہ بھتیجے کیا ہوا اُس نے کہا کہ اچھا کچھ نہ پوچھو ہم نے جانا تھا کہ ابھی ہم اصحابِ مدینہ کو
 باندھ لینے بچا ایک ایک ہول و خوف طاری ہوا اور آسمان وزمین کے درمیان ابلق گھوڑوں پر سوار نظر آئے اور صحابہ
 مدینہ ہم پر حملہ آور ہوئے جسکو چاہا منتقل کیا اور جسکو چاہا باندھ لیا ابورافع نے کہا واللہ یہ ابلق سوار فرشتہ تھے ابولسب چل گیا اور مجھے
 اٹھا کر شپاک دیا میں کمزور آدمی تھا مایوس ہو گیا وہ میرے سینہ پر بیٹھ کر مجھے مارنے لگا ام الفضل کو غصہ آگیا اُس نے لائی اٹھا کر ابولسب
 کے سر پر ماری کہ اُسکا سر زخمی ہو گیا اور کہا کہ اُسکا آقا (عباس) باہر گیا ہے تو وہ اس طرح ذلیل کیا جاتا ہے اور اللہ اُسے سچ
 کہا اور اللہ ہم لوگ عرصہ سے مسلمان ہیں اور ابولسب ذلیل ہو کر بھگ گیا واللہ اُس کے ساتویں روز اُس کے بدن پر چھپک
 نکلی اور اُسکی آل و اولاد نے ڈر کے مارے اُس سے کنارہ کیا اور مر گیا تو کسی نے اُسکو نہ اٹھایا حتیٰ کہ وہ مڑ گیا آخر وہی کوٹھڑی
 اُسپر گرادی گئی۔ یہی اُسکی زوجہ حاملہ اخطب تو اُسکا حال آئندہ ظاہر ہو گیا خطیب وغیرہ نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ قرآن میں
 سوائے مریم رضی اللہ عنہا کے کسی عورت کا نام نہیں ذکر کیا اور مریم کی نسبت مشرکین نصاریٰ نے ایسا سخت کلمہ کہا کہ زبان سے بیان
 نہیں ہو سکتا اور اہل شرافت میں معروف ہے کہ بھری مٹھل میں اپنی زوجہ کا نام نہیں لیتے تو اللہ تعالیٰ نے مریم کو جو اُسکی
 صدیقہ مومنہ بندی تھی صحیح نام سے بیان فرمایا اور باقی کسی عورت کا نام ذکر نہ کیا تاکہ اہل ایمان کو ادب حاصل ہو اسطرح بیان
 زوجہ ابولسب فرمایا اور اُسکی کنیت ام جہل نہیں کہی جیسے ام موسیٰ فرمایا کیونکہ یہ عورت درحقیقت ام القحش تھی علاوہ اذین الیمان
 رکھنا جس سے تعریف نکلے مگر وہ چنانچہ شیخ بقاعی رحمہ اللہ نے کہا کہ ناصر الدین وغیرہ کے مانند لقب رکھنا مکروہ ہے اقول
 اور مکروہ نام جو شرع میں مذموم ہو جیسے عاصی بر معاصی اور خاکسار بیچ میرز وغیرہ بھی مکروہ ہیں اگر کوئی بھروسہ کو حالہ اخطب
 ابنہ من لا دنے والی فرمایا گیا (جواب) مان یہ اسکی حقیقت ہے قتادہ رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ عورت جنمبہ آنحضرت

بکثرت بچھا دیتی تھی اور اُسکا بیٹا عتبہ بن ابی لہب بھی آنحضرت صلعم کا سخت دشمن تھا اور ان سب کا انجام بہت خراب ہوا واضح ہو کہ فتح البیان میں نقل کیا کہ عتبہ مسلمان ہو گیا اور عتبہ کا فرما ہوا لیکن شیخ ابن کثیرؒ نے سابق میں عتبہ کی ہلاکت کا ذکر لکھا تھا اور خطیبؒ نے یہاں لکھا کہ عتبہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود کی سے ایذا دی یعنی آپ کی صاحبزادی کا شحاح عتبہ کے ساتھ ہوا تھا ہنوز خضعتی عمل میں نہیں آئی تھی کہ ابولہب و ام جہیل کے کہنے سے عتبہ نے جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو سخت کلامی کے ساتھ آپ کی صاحبزادی کو طلاق دی آپ نے بد دعا کی کہ اے اس پر اپنے کٹھن میں سے ایک کتا مسلط کر یہ بد دعا سن کر اس کا فر کے ہوش جاتے رہے اور ابولہب بھی خوفناک ہوا پھر ابولہب اسکو لیکر مہول کے موافق شام کی طرف تجارت کے لیے قریش کے قافلے کے ساتھ گیا اور سب نے التجا کرتا تھا کہ اس بد دعا سے میرے بخت جگر کو بچا تا جب منزل پر سوتے تو اُسکو بیچ میں کر لیتے ایک منزل پر رات کی وقت راہب نے کہا کہ تم لوگ یہاں کیوں آئے ہو یہاں شیر لاگو ہے۔ ابولہب بہت خوفناک ہوا قریش اُسکی گھبراہٹ سے ہنستے تھے آخر عتبہ کو سب اسباب کے درمیان میں لٹایا اور تجارت کی گونین اُسکے گرد لگائیں اور سب لوگ مسلح اسکے گرد حلقہ کر کے لیٹے اور اونٹ اپنے گرد باندھے تاکہ شیر اگر آوے تو پہلے اونٹوں پر حملہ کرے گا تب ہی ہم لوگ بیدار ہو جاؤ گے ورنہ پہلے ہم لوگ ہیں اور عتبہ تو اُسکو نظر بھی نہ آویگا ابولہب مطمئن ہو کر جاگتا رہا اور کافر تے یہ نہ جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب رسول علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی ہو اور جو اللہ تعالیٰ چاہے تمام مخلوقات اُسکے قبضہ قدرت میں اُسی کے حکم کے مطیع ہیں چنانچہ رات کو شیر آیا اور اللہ تعالیٰ نے اونٹوں پر تسکین ڈالی وہ بیفکر بیٹھے رہے اور شیر اونٹوں سے تجاوز کر کے آدمیوں پر آیا اور ان سب پر خواب مسلط تھا اُننے سبکو سونگھا اور ہر ایک کے پاس اپنے بچوں اور بالوں سے نشان چھوڑ دیا پھر ٹرپ کے اوپر گیا اور عتبہ کا سر ٹکڑے کر دیا اور دل و جگر بھاپڑا ڈالا اور اس میں سے کچھ نہیں چھوڑا بلکہ ٹرپ کر چلا گیا جب صبح کو یہ لوگ جاگے تو اپنے منہ کے پاس شیر کی علامت دیکھ کر متوحش ہوئے ہر ایک نے کہا کہ شیر میرے پاس آیا تھا اور ابولہب نے سامان کی گونین جلدی ہٹائیں تو دیکھا کہ وہ خون میں بھیگی ہیں اور عتبہ کا یہ حال قطع دیکھا عجب ہو کہ باوجود اس کے ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی سمجھ نہ ہوئی اللهم رب اجعل المعرفة فی قلوبنا برحمتک انک انت الوہاب۔ اگر کہو کہ (ما کسب) یہ ولد کیونکر ہے (جواب) ہاں حدیث میں بھی آیا ہو کہ آدمی جو کچھ سب سے زیادہ پاکیزہ کھاتا ہو وہ ہو جو اُننے کمائی سے کھایا اور اُسکا فرزند اُسکی کمائی ہو (حدیث صحیح الاسناد) بالکلہ عتبہ یا عتبہ نے تو حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی سے یہ نتیجہ پایا۔ رہا خود ابولہب تو اُسکو اللہ تعالیٰ نے چند روز اس رنج و غم میں زندہ رکھا حتیٰ کہ اُننے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عروج اور اپنی قوم کی بربادی دیکھ لی یعنی جب آنحضرت صلعم نے مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی اور اہل مدینہ ایمان لائے تو ابولہب وغیرہ کو رنج و غم ہوا پھر ہجرت کے دوسرے سال اللہ تعالیٰ نے قریش کو دکھلایا کہ اللہ تعالیٰ قادر عزیز قاہر ہو کہ وہ چاہے تو جیسے اپنے رسول کے اشارے سے چاند و ٹکڑے کیا اسی طرح کافروں کو ایک دم میں مٹا دے لیکن یہ طریقہ حکمت ہے تاکہ اہل یقین جانیں خدا کر کے درجات شہادت پاویں اور کفار جہالت میں درکات جہنم میں جاویں لہذا مقام مدینہ بغیر وعدہ و قرار داد کے دونوں فریق کو جمع کر دیا اور اسکی صورت یہ ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں یکا یک فرمایا کہ جلد میرے ساتھ چلو کہ قریش کے قافلے کا تقاب کرین جو شام سے تجارت کر کے مکہ جاتے ہیں اُسوقت جب کو خبر ہو گئی وہ آیا اور یہ لوگ تین سو تیرہ تھے اور آپ نے یا قیون کو اطلاع

اول جملہ خبریہ گویا بد و حاکا جواب ہو جس سے ابولہب کے ہاتھوں کی سعی و کوشش کی ہر بادی بتلائی یعنی ابولہب کے دونوں ہاتھوں نے جو کچھ کیا وہ سب ہلاک و برباد ہوا (و تب) اس سے خود ابولہب کی جان کی ہلاکت ہی یعنی اور وہ خود بھی ہلاک ہوا تو خلاصہ یہ کہ ابولہب کی دنیاوی کمائی افعال و اقوال کی برباد ہوئی اور وہ خود بھی ہلاک ہوا۔ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ۔ نہ اڑے آیا اُسکا مال اور نہ جو کمایا۔ یعنی اُسکے مال نے اور اُسکی کمائی نے اُسکو عذاب آخرت سے نہیں بچایا اور کچھ بھی اُسکے کام نہ آیا اگر کو کہ ابولہب کی جگہ نام عبدالعزیٰ کیوں نہ ہوا حالانکہ ابولہب اُسکا بیٹا نہ تھا بلکہ کنیت اُسکی ابو عتبہ تھی (جواب) اللہ تعالیٰ نے کلام حق میں کسی مشرک کا باطل نام نہیں لیا اور عبدالعزیٰ باطل ہے کیونکہ اُسکے معنی یہ کہ یہ شخص بی بی عزیزی کا بندہ ہو یہ غلط باطل ہوا ابولہب اُسکے انجام سے مناسب ہو چنانچہ فرمایا۔ سَيَصْلَىٰ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ۔ اب پیٹھ جاوے گا آگ میں جو لپٹ مارتی ہو ف تو معلوم ہوا کہ لب والی آگ کے لیے ابولہب ہو اگر کہا جاوے کہ مال تو کمائی ہوتا ہی بھر بیان کیا معنی ہیں کہ دونوں مذکورین (جواب) کمائی حقیقت میں وہ ہو جو آدمی کے ساتھ آخرت میں جاوے اور وہ اقوال و افعال ہیں اور ابولہب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت لیا لی اور اللہ تعالیٰ سے شرک و کفر کیا تو یہ کچھ اُسکے واسطے آگ سے مانع نہوا بلکہ یہ خود اُسپر آگ ہو اور اس قول میں یہ تردید کہ مال آدمی کے ساتھ نہیں جاتا اور جواب یہ ہو سکتا ہو کہ مال سے اُسے ایسا نفع نہ لیا جو کام آتا مثلاً رضائے الٰہی میں خیرات کرنا قول بیان معتد تفسیر وہ ہو جو سلف صالحین سے آئی ہو یعنی (ما کسب) سے مراد فرزند ہو ابن کثیر نے لکھا کہ ابن عباس رض و غیرہ نے کہا کہ (ما کسب) یعنی اُسکی اولاد اُسکے مثل حضرت عائشہ و مجاہد و عطاء و حسن و ابن سیرین سے مروی ہو اور معنی یہ کہ ابولہب کو اُسکا مال و اولاد کام نہ آئے یعنی عذاب الٰہی سے بچانے میں اڑے نہ آئے۔ ابن مسعود رض سے روایت کیا جاتا ہو کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم قریش کو ایمان توحید کی دعوت فرمائی تو ابولہب کہنے لگا کہ اگر یہ بات صحیح ہوگی تو قیامت کے روز میں اپنا مال و اولاد دیکر اپنی جان چھڑاؤں گا پس اللہ تعالیٰ نے اُسکو مایوس کر دیا بقولہ تعالیٰ مَا غْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ سَيَصْلَىٰ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ۔ یعنی ابولہب کے کام نہ آیا اُسکا مال و اولاد ابولہب والی آگ میں گھسیگا۔ ذات لب یعنی ایسی آگ ہو کہ ذات لب۔ یعنی ابولہب کے کام نہ آیا اُسکا مال و اولاد ابولہب والی آگ میں گھسیگا۔ ذات لب یعنی ایسی آگ ہو کہ جیسا ایندھن آدمی و جن و پتھر ہیں انہیں لپٹ مارتی ہو تو ظاہر ہو گیا کہ وہ سخت سوزان ہو پھر دیکھو کہ ابولہب اس آگ میں گیا تو اکتلا نہیں بلکہ۔ وَأَمَّا نَارُ حَمَالَةَ الْحَطَبِ۔ اور اُسکی جو رو ایندھن لانے والی ف وہ بھی اسی آگ میں گھسیگی یہ عورت بھی اپنی بچیس لات و عزی کی پوجا کرنے میں بڑی سخت گمراہ تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دشمنی رکھنے میں اپنے شوہر ابولہب کی بڑی مددگار تھی تو جہنم کی نار ذات لب میں اُسکے ساتھ گھسی اس عورت کو احمبل و شمنی رکھنے میں اپنے شوہر ابولہب کی بڑی مددگار تھی تو جہنم کی نار ذات لب میں اُسکے ساتھ گھسی اس عورت کو احمبل کہتے تھے اور اسکا نام اردی بنت حرب بن امیہ تھا یہ ابوسفیان بن حرب کی بہن تھی اللہ تعالیٰ نے اسکی صفت میں فرمایا حَمَالَةُ الْحَطَبِ۔ ایندھن کی لادنے والی۔ حالہ صیغہ مبالغہ ہو اور یہ صیغہ اُس وقت اطلاق ہوتا ہو جب کسی کی معمولی عادت ہو کیونکہ دو چار دفعہ اگر کسی عورت نے ایندھن اپنے اوپر لادا تو حالہ نہیں کہلاتی جب تک کہ معمولی عادت نہ ہو۔ روایت ہے کہ یہ عورت نجیبی کی وجہ سے جنگل کی لکڑیاں اپنی اوپر لاد لیا کرتی تھی جب اسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت پیدا ہوئی تو لکڑیوں میں بہت سے کانٹے لاد لاتی اور جس راستہ سے آنحضرت صلعم واپس کے اصحاب مسجد جاتے تھے وہ بان

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو باغیوں نے شہید کیا تو عام ہیبت طاری ہوئی اور لوگوں نے سنا کہ ایک یاقف غیب آواز سے یہ شعر پڑھتا ہے: لقد خلوک والضر فوا + فما آلو اوارجوا + ولم یوفوا نذرهم + فبقا للذی صنعوا + یعنی تجھے چھوڑ کر چل دیے نہ لوٹے اور نہ پھرے + اور نہ اپنی نذرین پوری کیں + پس ہلاکی ہو جس لیے یہ کیا۔ بالکل یہاں بھی ابولسب پر بددعا ہو کہ اُسکے دونوں ہاتھ ہلاک ہوئے۔ بعض نے کہا کہ دونوں سے اسکی دین و دنیا مراد ہی (السراج) میں کہتا ہوں کہ یہ بات ابولسب کے حق میں ٹھیک اُترتی کیونکہ اُسکی دنیا بھی برباد ہوئی اور آخرت میں عذاب شدید میں مبتلا ہوا ولیکن اصح اقوال یہ کہ ابولسب کے دونوں ہاتھ ٹوٹے اور وہ ہلاک ہوا۔ اس صورت میں دونوں جگہ خبر یہ ہیں اور اعلان فرمایا کہ اس بد بخت کے حق میں یہ حکم الہی واقع ہو چکا ہے۔

معجزہ نبوت واضح ہوا سلیے کہ یہ معاملہ مکے میں شروع ایام میں ہوا تھا اور کیونکہ معلوم ہو سکتا تھا کہ ابولسب اسلام نہیں لاویگا حالانکہ ابھی جوان تھا اور آئندہ ذکر آتا ہے ابن کثیرؒ نے لکھا کہ یہ ابولسب فرزند عبد المطلب تھا اسکا نام عبد العری تھا یہ بھی حضرت کا چچا تھا (اقول) ولیکن آپ کے والد عبد اللہ اور ابوطالب ایک ماں سے ابولسب دوسری ماں سے تھا) اور اسکی کنیت ابو عقیبہ تھی اور ابولسب سلیے کہلاتا تھا کہ اسکا چہرہ سرخی مائل چمکدار تھا جیسے آگ کی لپٹ ہوتی ہو اسکو عزلی میں لپکتے ہیں یعنی جیسے ارد و میں چمکدار چہرے کو کہتے ہیں کہ اُسکا چہرہ دکھتا ہو اور میں کہتا ہوں کہ آنکھوں سے بھنگا اور بانوں سے کچ تھا۔ م۔ اور یہ چچا پوکر کا دشمن تھا اور بعد وفات ابوطالب کے اسنے آپ سے بہت عداوت و دشمنی ظاہر کی اور طرح طرح کی ایذا دی چنانچہ امام احمد نے مسند کیا کہ ربیعہ بن عباد دہلی نے کہا کہ جب میں مشرکوں میں تھا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذی الحجاز کے میلہ میں دیکھا کہ آپ یہ فرماتے ہیں کہ اے لوگو! لا الہ الا اللہ کو تو فلاح پاؤ اور لوگ آپ کے گرد جمع تھے اور میں نے دیکھا کہ آپ کے پیچھے ایک شخص ہوا اسکا چہرہ دکھتا ہو آنکھوں سے بھنگا اور بانوں سے ظاہر کچ یعنی پھیلا ہوا ہو وہ لوگوں سے کہتا تھا کہ یہ دین سے پھر گیا ہے چھوٹے اور میں نے دیکھا کہ جہاں آنحضرت جاتے وہ آپ کے پیچھے پیچھے پھرتا تھا تو میں نے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے لوگوں نے کہا کہ یہ اُسکا چچا ہے ابوالزناد راوی نے کہا کہ میں نے ربیعہ رض سے پوچھا کہ تم اُس زمانہ میں چھوٹے نابالغ ہو گے ربیعہ نے کہا کہ نہیں واللہ مجھے ہوش ہے کہ میں بھری مشک لاتا تھا محمد بن اسحق تابعی نے کتاب السیرہ میں ربیعہ بن عباد دہلی رضی اللہ عنہ سے اس قصہ کو اسطرح روایت کیا کہ میں اپنے باپ کے ساتھ نوجوان تھا میں دیکھتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے قبائل کے پاس جاتے اور کھڑے ہو کر فرماتے کہ اے بنی فلان مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف رسول بھیجا ہے میں تم کو حکم سناتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کرو اور اُسکے ساتھ شرک نہ کرو اور مجھے سچا رسول مانو اور میری نصرت کرو تاکہ اللہ تعالیٰ کا پیام پورا کروں جب آپ فارغ ہوتے تو آپ کے پیچھے ایک شخص اس شکل کا تھا وہ کہتا کہ اے بنی فلان یہ شخص تم سے جا رہا ہے کہ لات وغری سے منحرف ہو جاؤ اور جن میں سے جو تمہارے حلیف ہیں مالک بن قیش کے خاندان سے انکو بھی چھوڑو اور یہ جو کچھ انوکھی بدعت و ضلالت لایا ہے اسکے تابع ہو جاؤ تم لوگ خبردار اسکی بات نہ سنو اور نہ اسکے تابع ہو میں نے اپنے باپ سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے اُسنے کہا کہ اُسکا چچا ابولسب ہے (ورداء احمد و الطبرانی) معنی یہ کہ ابولسب کی سعی و کوشش سب خواری میں پڑے یعنی بددعا ہو (وتب) اور یہ بربادی و خسارت اس پر واقع ہو گئی چنانچہ ابن مسعود رض کی قراءت میں (وقد تب) آیا ہے پھر حکیم کہتا ہے کہ اس صورت میں ظاہر یہ تھا کہ (وقد تبنا) بصیغہ ثننیہ ہوتا کیونکہ ضمیر (یدان) کی جانب ہوتی لہذا اولی یہ ہو کہ

لیکن دشمنی رکھتا تھا اور اُسکی زوجہ بھی دشمن تھی آخر دونوں سخت عذاب میں راندے گئے نعوذ باللہ من ذلک

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع

اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

تَبَّتْ يَدَا اَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ۝ مَا اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهُ ۚ وَمَا كَسَبَ ۝ سَيَصْلٰ

لُثُ گئے ہاتھ ابی لہب کے اور لُثُ گیا وہ آپ کا نہ آیا اسکو مال اسکا اور نہ جو کما یا اب بیٹھے گا
تَبَّتْ يَدَا اَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ۝ مَا اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهُ ۚ وَمَا كَسَبَ ۝ سَيَصْلٰ
بُیگ ماری آگ بن اور اُسکی جو رو سر پر لیے پھرتی ایندھن اسکی گردن میں رستی ہو سوخ کی

امام بخاری وغیرہ وطحاوی رحم نے باسانید صالحہ جدیدہ حدیث ابو ہریرہ رض سے اور بسند صحیح حدیث ابن عباس رض سے

روایت کیا اور دونوں کا خلاصہ یہ ہے کہ جب نازل ہوا قولہ تعالیٰ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ - یعنی اپنے اقرب خاندان کو

عذاب الہی کا ڈر سناوے۔۔۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بطحا میں جا کر کوہ صفا پر چڑھے اور بلند آواز سے بکرا۔ یا صبا

یہ کلمہ عرب میں اسلیے معروف تھا کہ کوئی ہولناک امر ہو تو فوراً اس آواز کی جانب جمع ہو جاتے تھے اور آپ نے ہر ایک خاندان کا

نام لیا کہ ای بنی عدی اور ای بنی قسویٰ ای بنی کنانہ خاندان قریش کے نام لیے پس سب اس پہاڑی کے گرد جمع ہوئے اور جو شخص

خود آنے سے معذور ہوا اُسے اپنی طرف سے آدمی بھیج دیا اور قریش کے ساتھ میں ابولہب بھی آیا جب سب جمع ہوئے تو اپنے

فرمایا کہ ای قریش بتاؤ کہ اگر میں تم کو خبر دوں کہ تمہارا دشمن اس پہاڑ کے اوپر صبح یا شام تم پر گھات سے آنا ہو تو کیا تم میری بات

سچ مانو گے کہنے لگے کہ ہاں سچ جانینگے ہم نے تجربہ کیا کبھی آپ نے جھوٹ زبان سے نہیں کہا بلکہ ہمیشہ سچ کہا ہے تب آپ نے

فرمایا کہ ای قریش میں تم کو سچ خبر سنا تا ہوں کہ تمہارے سامنے عذاب شدید ہو ای گردہ قریش اپنی جانیں عذاب الہی سے خرید

اپنی جانیں آگ سے چھڑاؤ ای بنی قسویٰ اور ای بنی کعب بن لوی و ای بنی عبد مناف و ای بنی ہاشم و ای بنی عبد المطلب اپنی اپنی

جانوں کو عذاب سے چھڑاؤ ای عباس بن عبد المطلب اپنی جان کو عذاب سے بچا میں تجھے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں

بچا سکتا پھر اس طرح آپ نے صفیہ بنت عبد المطلب سے اور فاطمہ بنت رسول اللہ سے فرمایا یعنی بدو ان ایمان توحید کے

میں تم میں سے کسی کو اگرچہ میری اولاد ہو آگ سے جو عذاب الہی ہو نہیں بچا سکتا ہوں لیکن تمہارا حق قرابت ہے تو وہ عنقریب ہیں

حق سلوک سے تازہ کرو نکھاتے ہیں ابولہب اٹھا اور ہاتھ جھاڑ کر کہنے لگا کہ تبا لک سائر الیوم - کیا اسبواسطے ہم کو جمع کیا تھا پس

اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ تَبَّتْ يَدَا اَبِي لَهَبٍ - ٹوٹے دونوں ہاتھ ابولہب کے۔ وَتَبَّ - اور وہ ٹوٹا

بعض لوگوں نے روایت کی کہ ابولہب نے کنگر اٹھا کر پھینک مارا تھا لہذا فرمایا کہ تبت يدای لہب - یہ جملہ اس پر بد دعا ہے

اور روایت ہے کہ ابولہب نے کنگر اٹھا کر پھینک مارا تھا لہذا فرمایا کہ تبت يدای لہب - تبت خابت - یعنی غوری

خسارہ میں پڑے اسکی مانند قتادہ رحم نے کہا۔ سعید بن جبیر رحم نے کہا کہ یعنی ہلاک ہوے کیونکہ تبا بمعنی ہلاکت ہوا قول

یہ محاورہ ہے جیسے ہمارے یہاں کہتے ہیں کہ اُسکے ہاتھ ٹوٹیں مراد اس سے اسکا سب تن بدن ہو اور ریمان بن رباب نے کہا کہ یہ

محاورہ ایسے موقع پر بولتے ہیں جہاں ہر بھلائی سے مایوس کرنا مقصود ہوتا ہے چنانچہ صحیحی رحم نے ابو عمرو بن العلاء سے نقل کیا کہ

محاورہ ایسے موقع پر بولتے ہیں جہاں ہر بھلائی سے مایوس کرنا مقصود ہوتا ہے چنانچہ صحیحی رحم نے ابو عمرو بن العلاء سے نقل کیا کہ

جب آپ پر وحی آتی تھی تو ہم سب فوراً پہچان جاتے کسی پر مخفی نہیں رہتی تھی اور اس حالت میں کوئی اپنی نظر آپ کی طرف نہیں اٹھاتا تھا یہاں تک کہ وحی پوری ہو جاوے جب وحی ختم ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ ایذا ضرر تم نے یہ کہا کہ مجھے اپنی قرابت کی جانب رغبت و مہربانی پیدا ہوئی ہے انھوں نے عرض کیا کہ ذکر تو کیا گیا ہے آپ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں میں تو اللہ تعالیٰ کا بندہ و اسکا رسول ہوں میں نے اللہ تعالیٰ کے واسطے تمھارے وطن میں ہجرت کی زندگی تمھارے ساتھ ہو اور موت تمھارے یہاں ہے۔ انصار یہ شکر رونے لگے اور عرض کرنے لگے کہ واللہ یا رسول اللہ یہ جو کچھ ہم نے آپس میں کہا تھا اللہ و رسول کے ساتھ بخل ہی کی وجہ سے کہا تھا یعنی ہم غمیدہ تھے کہ شاید آپ ہم کو چھوڑ دیں گے اور ہمارے دل آپ کو دینے پر کسی طرح راضی نہیں ہوتے تھے اسی غم میں ہم نے یہ ذکر کیا تھا) آپ نے فرمایا کہ بھرا اللہ و رسول تمھاری بات سچ مانتے اور تم کو معذور رکھتے ہیں (رواہ الطحاوی و ابوداؤد) اور طحاوی نے اسکو دوسرے طریق سے مسند کیا اور اسمین انصار کو بلا کر یہ فرمایا کہ تم لوگ یہ راستہ اختیار کرو جو کوئی تم کو راہ میں لے اسکو قتل کر دو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں مکہ فتح کر دیا اور اہل اسلام میں سے کوئی مقتول نہوا سوا ہے چار آدمیوں کے اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے کہا کہ قریش کے صنائدید مشرکین کعبہ میں داخل ہو گئے تھے اور انکا گمان یہ تھا کہ تلوار ان سے نہیں اٹھائی جائیگی پھر آنحضرت صلعم نے طواف کر کے دو رکعتیں پڑھیں اور جا کر دروازہ کعبہ کے دونوں بازو پکڑ کر فرمایا کہ تم لوگ کیا کہنے اور کیا گمان رکھتے ہو انھوں نے کہا کہ ہم لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت ہمارے بھائی اور چچا کے بیٹے حلیم رحیم ہیں آپ نے فرمایا کہ آج میں بھی وہی کہتا ہوں جو یوسف نے بھائیوں سے کہا تھا کہ لا تشریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم و ھو ارحم الراحمین (آج تم پر ملامت نہیں ہو اللہ تعالیٰ تم کو بخشے گا وہ ارحم الراحمین ہے) یہ منکر وہ لوگ بکثرت منتشر نکل پڑے گویا قبروں سے نکلے ہیں پھر اسلام میں داخل ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باب الصفا سے نکلے احادیث بطولہ طحاوی رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ صبح ہو کر پہلے سے انکو امان نہ تھی ورنہ کیا آنحضرت صلعم سے پیشتر امان حاصل کر کے پھر یہ خوف رکھتے تھے کہ تلوار انہیں سے نہیں اٹھائی جاوے گی یہ محض باطل خیال ہو بلکہ دل آپ نے شمشیر فتح کیا پھر احسان کر کے انکو معاف کر دیا۔ اقول بغوی وغیرہ کی روایت میں بھی ہو کر آپ نے صنائدید قریش سے جو کعبہ میں تھے یہ فرمایا کہ جاؤ تم لوگ آزاد کیے ہوئے ہو اور طحاوی نے وہ احادیث مسند کیں جن میں آپ نے عام خطبہ سنایا کہ مکہ معظمہ کو اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین پیدا کرنے کے روز حرام کیا وہ اول سے آخر تک محترم ہے اور میرے لیے فقط دن کی ایک ساعت میں حلال کر دیا گیا تھا اب آج اسکی حرمت نے عود کیا جیسے کل اسکی حرمت تھی آخر تک یہ احادیث طولانی ذکر کیں اور بیشک ظاہر احادیث سے یہی نکلتا ہے کہ آپ نے مکہ بزور شمشیر فتح کیا ہو اللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سورة تَبَّتْ مَكِيَّةٌ وَهِيَ خَمْسَرَايَاتٍ

اس سورہ کا نام سورہ تبت اور سورہ ابی لب بھی ہے اور یہ سورہ بلا خلاف کے میں نازل ہوا لہذا مکہ سے اور یہی ام المومنین عائشہ و ابن عباس و ابن الزبیر رضی اللہ عنہم سے صریح منصوص ہے اور اسمین پانچ آیات ہیں اور تیس کلمات ہیں اور شتر حرف ہیں ابولسب کا نام عبد العزی بن عبد المطلب تھا یہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا

ہم تو صلح کی وجہ سے امان میں ہیں ولیکن بات یہ کہ انکو اپنی بد عمدی سے معلوم تھا کہ ہم نے صلح توڑ دی ہے۔ طحاوی نے حدیث
 ام بانی رضی اللہ عنہا سے دلیل پیش کی کہ جب رسول اللہ صلعم کے میں اترے تو میری خسرال کے دو شخص مخزومی بھاگ کر میرے
 پاس چھے پھر میرے بھائی علی بن ابیطالب میرے بیان آئے اور جب انکو معلوم ہوا تو کہا کہ میں انکو قتل کروں گا میں نے انکو کوٹھری میں
 بند کر دیا اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی آپ اعلیٰ کے میں اترے تھے اس وقت غسل فرماتے تھے ایک کوٹھڑے
 کے پانی سے حسین گوشت سے آٹے کا اثر موجود تھا اور آپ کی ساخرا دی حضرت فاطمہ آپ سے آٹے کیے ہوئے تھیں پھر نہا کر ایک کپڑے
 سے التھاف کیا اور صحن کی آٹھ رکعات پڑھ کر سلام پھیرا تو فرمایا ام بانی کو مر جا ہو کس غرض سے آئی ہو میں نے قصہ عرض کیا کہ میں نے
 مشرکین میں سے اپنے دو خسرالیوں کو پناہ دی اور میرا بھائی علی رضی اللہ عنہ اس تاک میں ہو کہ انکو قتل کرے آپ نے فرمایا کہ اُسکو یہ اختیار نہیں
 ہو جسکو تو نے امان دی ہے ہم نے بھی اُسکو پناہ دی (رواہ الطحاوی من وجوہ) پھر کہا کہ ام بانی رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ نہ کہا کہ یہ دو
 مع اہل مکہ کے امان میں ہیں تم انکو قتل نہیں کر سکتے ہو اور نہ رسول اللہ صلعم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس قصد پر ملامت کی اور یہ ظاہر
 ہوا اور اس سے زیادہ واضح حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ اسکو مسند کیا کہ عبد اللہ بن رباح نے کہا کہ ہم لوگ معاویہ بن ابی سفیان رضی
 اللہ عنہ کے پاس جاتے تھے اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہمارے ساتھ تھے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر وہ انصار تمہارے متعلق احادیث میں سے ایک
 حدیث تمکو سنائیں پھر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ کے قصہ ذکر کیا اور کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ پہنچے (یعنی قریب مکہ کے اسکی حد
 میں پہنچے) تو زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو ایک بازو پر اور خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کو دوسرے بازو پر اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو
 تین پر دھانے کیا ان لوگوں نے لطن الوادی کا راستہ لیا اور رسول اللہ صلعم ایک رکن لشکر میں تھے پھر نظر مبارک اٹھا کر مجھے دیکھ کر فرمایا کہ
 نبی پر دھانے کیا ان لوگوں نے لطن الوادی کا راستہ لیا اور رسول اللہ صلعم ایک رکن لشکر میں تھے پھر نظر مبارک اٹھا کر مجھے دیکھ کر فرمایا کہ
 میرے واسطے انصار کو آواز دے اور سوائے انصار کے کوئی نہ آوے پس میں نے آواز دی اور انصار آکر آپ کے گرد ہو گئے اور قریش نے اپنے
 اپنے ادبائش کو آواز دے کر دیا تھا وہ جمع تھے اور قریش کا مطلب یہ تھا کہ ان ادبائش کو ہم آگے کریں اگر کچھ مطلب نکلا تو ہمارا بھی فائدہ
 ہو گا اور اگر یہ لوگ مارے گئے تو جو کچھ ہم سے کہا جائیگا ہم اُسکو منظور کر لینگے پس جب انصار آگئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 نے آئے یہ حال فرمایا کہ قریش نے ایسا کیا ہے آگے یہ ادبائش جب تم کو نظر آوین تو آپ نے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر گر دیا
 یعنی گھانٹا کی طرح کاٹ ڈالو یعنی جیسے کہتے ہیں کہ پیس ڈالو یہاں تک کہ صفا کے مقام پر مجھے ملنا پس انصار روانہ ہوئے پس میں
 سے جو کوئی جس ادبائش کو چاہتا قتل کر دیتا ان میں سے کسی نے ہماری طرف رخ نہ کیا پس ابوسفیان نے کہا کہ یا رسول اللہ آج
 قریش کی ہری میتی ناس ہوئی اب قریش کا وجود نہ ہو گا تو آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جو کوئی اپنا دروازہ بند کرے اسکو امان ہو اور
 جو کوئی ابوسفیان کے گھر میں آ جاوے اسکو امان ہو پس لوگوں نے اپنے دروازے بند کر لیے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھ کر
 حجر اسود پاس آئے اور اسکو بوسہ دیا پھر خانہ کعبہ کا طواف کیا تو دو درمیں آگیا گزرا مکہ ایک بت پرست جو جسکو پوجا کرتے تھے
 آپ کے ہاتھ میں کمان تھی اور آپ کمان کی موٹے لیے تھے جب اُس بت پرست نے اُسکی آنکھوں میں کمان کی نوک سے چوٹا دیا تو
 فرماتے کہ یا حق زہوقا یعنی حق آیا اور باطل مٹا البتہ باطل تو نیست ہے۔ جب طواف سے فارغ
 ہوئے تو جا کر صفا پر چڑھے جہان سے بیت اللہ نظر آتا تھا اور متوجہ ہو کر ہاتھ اٹھائے اور بعد حمد و ثنا کے دعا مانگی اور انصار صفا
 کے نیچے تھے ان میں سے بعض نے کہا کہ انکو اپنی قرابت کی جانب رغبت و مہربانی پیدا ہوئی ہو اور اُدھر آپ پر وحی طاری ہوئی اور

ہوا ہجرت کے اول سال کے قریب قریش سے بدر میں لڑائی ہوئی اور قریش مارے گئے بلکہ اکثر وہ شریر لوگ قتل ہوئے جو قوم کو جہنم میں لے جانے کے سعی تھے جیسے ابوجہل وعتبہ وشیبہ وغیرہ پھر دوسرے سال جنگ احد واقع ہوئی اور چوتھے سال غزوہ احزاب واقع ہوا جسکو جنگ خندق کہتے ہیں اور بعض نے بدر کو دوسرے سال اور احد کو تیسرے سال اور خندق کو پانچویں سال قرار دیا کیونکہ شروع محرم سے ہجرت کا سال شمار کرنے میں ایسا واقع ہوتا ہے کہ حال جنگ خندق سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا امتحان اللہ تعالیٰ نے اٹھایا اور آئندہ فتح و نصرت متوجہ ہوئی۔ چھٹے سال آخرین حدیبیہ میں اہل مکہ سے دس برس کے لیے صلح ہوئی جبکہ بد عہدی نہ کریں اور ساتویں سال آپ نے خیبر فتح کیا اور شاہان فارس و روم و مصر وغیرہ کو خطوط لکھے کہ دین حق اختیار کریں اور شروع آٹھویں کے قریب قریش نے بد عہدی کر کے خراہ پر جو آنحضرت صلعم کی صلح میں مشروط تھے بنو بکر بن وائل کو جو قریش کے حلیف تھے ہتھیار و لوگوں سے مدد دی پس صلح ساقط ہو گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھویں سال ہجرت کے ماہ رمضان میں مکہ فتح کیا اور اُس کے بعد عرب کے قبائل نے جان لیا کہ یہ بیشک پیغمبر ہیں انکو اللہ تعالیٰ نے مکہ پر غالب کیا کیونکہ زمانہ جاہلیت میں جو کوئی مکہ کا قصد کرتا یا وہاں بے ادبی کرتا تو فوراً عذاب میں گرفتار ہو جاتا تھا یہ بات تمام عرب میں متواتر معروف تھی کچھ اس وجہ سے نہیں کہ جیسے اس زمانہ میں بہت سی جھوٹی باتیں عوام میں زبان زدہ ہیں بلکہ اس وجہ سے کہ عرب نے ہزاروں واقعات خود آنکھوں دیکھے تھے انکو اس میں کچھ بھی شک نہ تھا اسلئے اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد فتح مکہ کے جو خطبہ سنایا اُس میں اُسکا حوالہ دیا اور واضح ہو کہ صحیح روایت میں ہے کہ سعد رضی اللہ عنہ انصاری نے جاتے وقت ابوسفیان وغیرہ سے یہ کہا تھا کہ آج سخت خونریزی کا دن ہے یعنی قریش بالکل قتل کیے جاویں گے اور آج وہ دن ہے کہ کعبہ حلال کر دیا جاوے گا جب پیچھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سعد رضی اللہ عنہ نے جھوٹ کہا یعنی جو کسا وہ واقعی نہیں ہے بلکہ آج خانہ کعبہ کی عزت و حرمت کا دن ہے اور قریش کے عروج کا دن ہے اسلئے اسلئے آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ سعد رضی اللہ عنہ سے سرداری کا علم لے لیں اور اسی جیسے انصار نے زعم کیا کہ شاید آنحضرت اپنی قوم میں آنا چاہتے ہیں چنانچہ آئندہ معلوم ہو گا طحاوی نے فتح مکہ کی روایت مذکورہ بالا ذکر کر کے کہا کہ اس میں دلیل ہے کہ مکہ بطور صلح نہیں بلکہ بزور شمشیر فتح ہوا ہے اور حدیبیہ میں جو صلح ہوئی تھی وہ قریش کی بد عہدی سے ٹوٹ چکی تھی بدلیل اُنکے عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہمارے قریش کا انجام خراب ہو گا اگر قریش نے آکر آپ سے امان نہ لی قبل اسکے کہ آپ بزور شمشیر کے میں داخل ہوں کیونکہ اگر یہ ہوا تو قریش ہلاک کر کے ہمیشہ کے لیے مٹا دیے جاویں گے۔ اگر صلح باقی ہوتی تو عباس رضی اللہ عنہ یہ بات کیونکر کہتے بدلیل اُنکے عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان سے کہا کہ جہل میں تیرے لیے امان لے لوں ورنہ اللہ انرا خون نے بدوئے اسکے تجھے پایا تو قتل کر دینگے اگر صلح باقی ہوتی تو ابوسفیان کہتے کہ مجھے کیا ڈر ہے میں صلح میں ہوں اور قریش علی ہذا القیاس و بدلیل اُنکے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صاف کہا کہ یہ ابوسفیان بے عہد و امان کے ہاتھ آیا ہے مجھے اجازت ہے کہ اسکو قتل کر دوں آنحضرت صلعم نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ صلح میں ہے اور نہ ابوسفیان نے کہا اور نہ عباس رضی اللہ عنہ نے یہ حجت پیش کی بلکہ کہا کہ میں نے اسکو امان دی ہے اور حدیث میں یہ حکم ہے کہ مسلمانوں میں سے جس کسی نے امان دی وہ سب پر نافذ ہوئی و بدلیل اُنکے ابوسفیان نے مکہ میں جا کر اعلان کیا کہ جو کوئی ابوسفیان کے گھر میں آ جاوے اسکو امان ہے الخ۔ پھر کسی نے نہ کہا کہ ہم کو کیا خوف ہے

لکڑنا مگر جو تم سے لڑے اس سے لڑنا اور سعد بن حبابہ انصاری کو مع اپنی فوج کے حکم دیا کہ کدوا کی جانب سے داخل ہو سکا
 جب داخل ہونے لگے تو کہا کہ آج سخت قتال کا دن ہوا آج محرم حلال کیا جائیگا اس کلمہ کو ایک مہاجر بنی سکنہ آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا اور کہا کہ ہم کو خوف ہے کہ سعد رضوان قریش پر صولت ظاہر کریں پس آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جلدی پہنچ کر سعد رضی اللہ عنہ سے نشان لے لے اور تو خود اسکو داخل کر پھر زبیر رضی
 اللہ عنہ کی جانب اسلی سے داخل ہوئے تو وہاں کچھ قتال ہوا اور خالد بن الولید البتہ جانب اسلی سے بنی بکر و احابیش پر ہو چکے تو
 وہاں قتال ہوا اور اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو بھگا دیا اور تھوڑے مارے گئے اور سوئے اسکے کے مین کچھ قتال ہوا اور رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اہل فوج کو بھیجا تو حکم دیا کہ کسی سے قتال نہ کریں مگر جو تم سے قتال کرے وہ سب چنیدہ
 عورتوں کے نام بیان کیے کہ انکو جہان باؤ قتل کرو اگر چہ کعبہ کے پردوں کے نیچے چھپے ہوں از انجملہ عبد اللہ بن سعد
 بن ابی سرح تھا جو پہلے مسلمان ہو کر مدینے گیا پھر مرتد ہو کر بھاگ آیا اور اسکا انجام یہ ہوا کہ اسے حضرت عثمان رضی اللہ
 عنہ کے پاس پناہ ملی اور بعد اطمینان کے عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے لیے امان حاصل کی اور از انجملہ عبد اللہ بن فضل
 تھا جو مسلمان ہو کر مدینہ گیا وہاں آپ نے اسکو صدقہ زکوٰۃ وصول کرنے پر عامل کیا اسنے راہ میں اپنے غلام مسلمان سے
 لکھانا تیار کرنے کو کہا تھا جب سو کر اٹھا تو اسے تیار نہ پایا پس غلام مذکور کو قتل کر کے مشرک ہو کر مکہ بھاگ گیا اور اسکو
 ابو بزرہ اسلمی و سعد بن حریش مخزومی نے مار ڈالا اور اسکی دو لونڈیاں تحنین جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھوگیا کرتی
 تحنین انکے قتل کا حکم دیا ان میں سے ایک ماری گئی اور دوسری بھاگ گئی تھی آخر اسے لیے آپ سے اجازت لی گئی
 تو آپ نے امان دے دی از انجملہ حویرث بن نفیل بن وہب تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کے مین ایذا دیتا تھا اس کو
 حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا اور از انجملہ قیس بن ضبابہ تھا اسنے ایک انصاری کو مدینے مین عداقت کیا اسلئے کہ انصاری
 کے ہاتھ سے دوسو کے مین اسکا بھائی مارا گیا تھا پھر مرتد ہو کر کے مین بھاگ گیا تھا پس اسکو اسکی قوم کے ایک مسلمان
 نمیلہ بن عبد اللہ نے قتل کیا از انجملہ سارہ نام بنی مطلب کی لونڈی تھی جو آپ کو کے مین ایذا دیا کرتی تھی آخر اسے لیے
 امان حاصل کی گئی اور آخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت مین ایک شخص کے گھوڑے کی ٹاپ سے کچل کر مری از انجملہ عکرمہ بن
 ابی جبل تھا وہ مین کو بھاگ گیا اور یہاں اسکی بی بی ام حکیم بنت احارث بن ہشام مسلمان ہوئی اسنے عکرمہ کے واسطے
 امان مانگی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امان دی پھر عکرمہ رضی اللہ عنہ اچھے مسلمان ہوئے حتیٰ کہ یرموک کے جہاد مین شہید ہوئے رضی اللہ عنہ
 مسئلہ امام شافعی وغیرہ بعض علمائے مکہ کہ صلح سے فتح ہوا ہوا اور امام ابو حنیفہ و جماعت نے کہا کہ نہیں بلکہ بزور شمشیر
 فتح ہوا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے لوگوں کو امن دیدی اور یہی قول بنظر احادیث کے صحیح معلوم ہوتا ہے
 بنوئی نے جو قصہ اوپر روایت کیا اسکو طحاوی نے سند کیا بطریق محمد بن اسحق عن عبد اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ عن ابن عباس
 اور کہا کہ یہ اسناد صحیح متصل ہے اور اس سے ثبوت ہے کہ حدیبیہ مین جو صلح واقع ہوئی تھی وہ ٹوٹ چکی تھی ترجمہ کہتا ہے کہ مین
 مختصر واقعات کا حوالہ دون پھر باقی حالات بیان کر دیں وضع ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ برس کے مین رہے
 پھر ہجرت فرمائی تو ربیع الاول مین مدینے مین داخل ہوئے یہاں دس برس زندہ رہے اس مین ہجرت کے آنچھوڑن سال مکہ فتح

دلائلہ الا اللہ محمد رسول اللہ ادا کی عباس کہتے ہیں کہ پھر میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ ابوسفیان آپ کی قوم کا بوڑھا ہے اسکو
 یہ فخر محبوب ہے آپ اسکے لیے کچھ عطا کیجیے آپ نے فرمایا کہ ہاں جو کوئی ابوسفیان کے احاطہ میں داخل ہوا اسکو امان ہے (ابوسفیان نے
 کہا کہ میرا احاطہ بہت چھوٹا ہے فرمایا کہ جو کوئی مسجد الحرام میں چلا جاوے اسکو امان ہے اور جو کوئی اپنا دروازہ بند کر لے اسکو امان ہے
 اور جو کوئی ہتھیار ڈال دے اسکو امان ہے) پھر جب چلنے لگا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ اے عباس اسکو ایسے مقام
 پر جہاں وادی تنگ ہو عظم انھیل کے نزدیک روکنا تاکہ جنود الہی (خدا کے پوجے والے لشکر) اسکے پاس سے گزریں پس یہ
 آنکھواچی طرح دیکھ لے (یعنی ایسا نہ کہ بیان اسنے غلط اندازہ کیا ہو جب مکہ میں پہنچے تو لڑنے پر آمادہ ہو جاوے) پس میں اسکو
 لکیر روانہ ہوا اور جہاں مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے روکنے کا حکم دیا تھا وہاں میں نے روک لیا اور قبائل جنود مع
 اپنے راہات کے اُس مضیق سے ایک ایک کر کے گزرنا شروع ہوئے اور ہر بار جب کوئی قبیلہ گزرتا تو وہ مجھے پوچھتا کہ اے عباس
 یہ کون قبیلہ ہے میں نے اس سے کہا کہ یہ بنی سلیم ہیں تو کہنے لگا کہ مجھے سلیم سے کیا (یعنی کچھ برداشت نہیں ہے) پھر قبیلہ گزرا تو اُس نے پوچھا
 میں نے کہا کہ مزیہ ہے کہنے لگا کہ مجھے مزیہ سے کیا۔ انقض سب قبائل گزر گئے اور ہر بار قبیلہ کے جواب میں اُس نے یہی کہا کہ فلان قبیلہ
 سے مجھے کیا۔ یہاں تک کہ آخر میں قبیلہ ہاسامان عظیم گزرا جو رسول اللہ صلعم کے گرد تھے انہیں مہاجرین و انصار تھے وہ سب لوہے میں
 ڈوبے تھے اُسے سوائے انکی آنکھ کے حلقہ کے کچھ نظر نہیں آتا تھا کہنے لگا کہ یہ کون ہیں کہا کہ یہ رسول اللہ مع مہاجرین و انصار ہیں۔ کہنے لگا
 کہ واللہ ان سے کسی کو لڑنے کی طاقت نہیں ہے اور ابو الفضل آپ کے بھتیجے کی بادشاہت زبردست ہو گئی۔ میں نے کہا کہ ارے تیرا بھائی
 بادشاہت نہیں بلکہ نبوت ہی کہنے لگا کہ ہاں تو نبوت سی میں نے کہا کہ اب جلدی اپنی قوم سے ملکر اعلان کر دے اور مخالفت سے
 ڈراوے پس بہت تیزی کیساتھ روانہ ہو کر مکہ میں داخل ہوا اور مسجد میں کھڑا ہو کر بلند آواز سے پکارا کہ اے گروہ قریش یہ محمد تمہارے لشکروں
 کے ساتھ آگئے کہ تم کو اُسے لڑنے کی طاقت نہیں ہے قریش نے کہا کہ ارے پھر اب کیا علاج ہو کہا کہ جو کوئی ابوسفیان کے احاطہ
 میں آ جاوے اسکو امان دی ہے اسوقت ہند بنت عتبہ نے جو ابوسفیان کی زوجہ تھی کھڑے ہو کر ابوسفیان کی وارٹی پکڑی
 اور چلائی کہ اس بڑے گمراہ جربیلے چوڑوالے کو قتل کر دے یہ قوم کا طلیعہ ہے بہت بدتر ہے اُس نے کہا کہ اے لوگو تم کو یہ منہ س
 عصمت دھوکا نہ دے تمہارے اوپر اس قدر لشکر آیا ہے کہ کسی طرح تم کو اُس سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے تب لوگوں نے کہا کہ اگر
 تیرا بھائی یہ تیرا احاطہ ہم کو کیا کفایت کر سکتا ہے کہا کہ جو کوئی مسجد الحرام میں جاوے اور جو اپنا دروازہ بند کر لے اسکو امان ہے
 پس لوگ جلدی سے اپنے گھروں میں اور مسجد الحرام میں متفرق ہو گئے بغوی نے لکھا کہ حکیم بن خرام اور بدیل بن ورقاء
 دونوں نے نخلکمرہ الظہران میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور اسلام لائے اور بیعت کی جب جانے لگے تو رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو آگے بھیجا کہ قریش کو اسلام کی دعوت کریں اور اُنکے پیچھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر
 بن العوام رضی کو سواران مہاجرین و انصار پر سردار کر کے روانہ کیا اور حکم دیا کہ میرا نشان لیجا کر علاقے مکہ کے حجون پر نصب
 کرنا اور وہاں آپکا قبہ قائم کیا گیا اور خالد بن الولید کو مع بنی سلیم و قضاعہ کے روانہ کیا کہ افضل مکہ سے داخل ہوا دھر قریش
 نے زبیر بن حارث بن عبد مناف و بعض احابیش کو مقرر کیا تھا اور عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ و سہیل بن عمرو
 نے کچھ لوگوں کو خندقہ میں جمع کیا تھا تاکہ قتال کریں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن زبیر رضی سے کہا تھا کہ قتال

کہ ابو الفضل بن مین نے کہا کہ مان باپ تمہرے قربان ہوں کیا حال ہو مین نے کہا کہ ارے یہ لشکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہو دنیا ہزار فوج مسلمان ہیں اس سے تم کو مقابلے کی ہرگز طاقت نہیں ہے اسے قریش پر افسوس ہوگا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقیہ وغلبہ داخل ہوئے اور قریش نے امان نہ لی تو یہ قریش کی ہلاکت دائمی ہو وہ آپ کے داخلہ سے پہلے امان حاصل کر لیں۔ ابوسفیان نے کہا کہ بھرا ب کیا حیلہ ہے میرے مان باپ تمہرے قربان ہوں مین نے کہا کہ مجھے کوئی حیلہ نظر نہیں آتا سوائے اسکے کہ تو میرے اس جانور پر ردیف میں سوار ہوئے تو میں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جا کر تیرے لیے امان لے لوں کیونکہ تو خوب جان لے اگر وہ تجھے بغیر امان کے پاؤں گے تو تیری گردن مار دیں گے بھرا ابوسفیان کے دونوں ساتھی مکہ کو لوٹ گئے اور مین نے ابوسفیان کو اپنی ردیف میں سوار کر کے تیز دوڑایا پس جس گروہ اسلام کی آگ پر میرا گروہ ہوا انھوں نے کہا کون ہے بھرا دیکھ کر کہا کہ یہ تو رسول اللہ کا چچا آپ کے چچرے سوار ہیں یا تک کہ میرا گزراؤ اس آگ پر ہوا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روشن کی تھی اور کہا کہ یہ کون ہے اور کھڑے ہو کر مجھے پہچانا لیکن جب ابوسفیان کو ردیف میں دیکھا تو پہچان کر کہا کہ یہ تو اللہ کا دشمن ابوسفیان ہے احمد اللہ کہ بغیر عہد و ذمہ کے اللہ تعالیٰ نے اس پر قابو دیا اور اجازت لینے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر دوڑے اور مین نے اپنا چرخ تیز دوڑایا تو مین کسی قدر آگے ہو گیا اور جلدی سے کود کر مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی پہونچ کر داخل ہو کر عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ یہ ابوسفیان دشمن خدا بغیر عہد و ذمہ کے ہاتھ آیا ہے مجھے اجازت دیجیے کہ میں اسکی گردن مار دوں مین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مین نے اسکو پناہ دی ہے اور مین نے بٹھکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک سینے سے لگالیا اور کہا کہ واللہ آج رات سوائے میرے کوئی آپ سے مناجات نہ کرے گا بھرا جب عمر رضی اللہ عنہ ابوسفیان کے بارہ مین بہت کچھ کہا تو مین نے کہا کہ اے عمر ٹھہر واگر یہ شخص بنی عدی بن کعب بن سے ہوتا (یعنی تمھارے خاندان سے ہوتا) تو تم اسے قتل میں اس قدر سعی نہ کرتے لیکن یہ بنی عبد مناف میں سے ہے اس لیے تم ایسا کہتے ہو (اقول یہ عباس نے اپنے حال پر قیاس کیا کیونکہ عباس ابھی ابتدائی مرتبہ میں تھے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے عباس ذرا ٹھہر کے بات کہو کہ واللہ جس دن تم مسلمان ہوئے ہو مجھے تمھارا مسلمان ہو جانا اپنے باپ خطاب کے اسلام سے زیادہ پسند ہوا اور اللہ مجھے کوئی تم سے عرض نہ تھی سوائے اتنی بات کے کہ خطاب کے اسلام سے تمھارا اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند زیادہ تھا اس لیے میں بھی خوش ہوا آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ اے عباس اسکو اپنی فرد گاہ میں لے جاؤ۔ صبح کو میرے پاس لاؤ صبح کو نماز کے لیے تمام لشکر میں بل چل پڑی تو ابوسفیان کا بننے لگا کہ شاید میرے قتل کے واسطے ہے عباس نے سمجھایا کہ یہ نماز کا اہتمام ہے بھرا مین سویرے اسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا جب آپ نے اسکو دیکھا تو فرمایا کہ اے ابوسفیان کیا ابھی تیرا وقت نہیں آیا کہ تو بچاؤ گے کہ لا اے اللہ۔ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی معبود نہیں ہے۔ ابوسفیان نے کہا کہ میرے مان باپ آپ پر قربان ہوں آپ کیسے اچھے حلیم و کریم و قربت کے محسن ہیں واللہ میرے گمان میں بڑا ہے کہ اگر سوائے خدا کے کوئی ہوتا تو اب تک کچھ تو ہماری کفایت کرتا آپ نے فرمایا کہ تجھ و سچ ہے اے ابوسفیان کیا ابھی تک تیرا وقت نہ آیا کہ تو پہچانتا مجھکو کہ میں رسول اللہ ہوں ابوسفیان نے کہا کہ میرے مان باپ آپ پر قربان ہوں آپ کیسے اچھے حلیم و کریم و قربت کے محسن ہیں یہی بات تو اللہ اس دم تک جی میں اسکی طرف سے کچھ ہے مین نے ابوسفیان سے کہا کہ اے تیری خرابی ہو جلدی اسلام لائیں تو تیری گردن ماری جائیگی تب اُس نے حق گواہی

مسلمان ہیں ایسی بات کہتے ہیں ہم نے ڈانٹا کہ مگر چکر چھڑ دے اور خط نکال تو اُس نے لاچار ہو کر کہا کہ اچھا منہ پھیر لو پس اُس نے خط نکال دیا اقول اس سے بعض کو شبہ ہوا کہ اُس نے شرمگاہ کے پاس سے نکالا اور بعض نے جانا کہ نہیں بلکہ سر کے جوڑے میں سے نکالا۔ ہم لوگ وہ خط لائے تو کھلا کہ وہ حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے ہے آپ نے حاطب کو بلا کر فرمایا کہ اے حاطب یہ کیا حرکت ہے حاطب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے معاملہ میں جلدی نہ فرمائیے میں جو کچھ اہل بات پر عرض کرتا ہوں کہ میں قریش کی نسل میں سے نہیں ہوں بلکہ حلیف ہو کر شامل ہوا اور دیگر مہاجرین اُسے نسبتی قرابت رکھتے ہیں جسکی وجہ سے اُنکے اہل و عیال محفوظ رہے میں نے دیکھا کہ جب میرا نسب نہیں ہے تو اس حیلہ سے اُن پر احسان ظاہر کر دیا تاکہ میرے بال بچوں کی حفاظت کریں اور یہ مجھے یقین ہے کہ اگر قریش کے لیے تمام دنیا کے لوگ اُنکا ساتھ دیں تو بھی انکی بھلائی نہیں کر سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ آپ کو نصرت دینے والا ہو یہ سوچ کر میں نے ایسی غلطی کھائی حضرت عمرؓ نے غصہ میں کہا کہ یا رسول اللہ یہ منافق ہو گیا مجھے حکم دیجئے کہ میں اسکی گردن ماروں آپ نے فرمایا کہ اسے سچ کہہ دیا اور یہ اہل بدر میں سے ہے اور تجھے کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کے قلب پر تجلی فرما کر یہ کہہ دیا کہ تم لوگ جو جا ہو کرو میں نے تم کو بخش دیا ہے غصہ یہ سن کر رونے لگے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بنی سلیم وغیرہ بھی سامان کر کے آگئے اور آپ ماہ رمضان کی دسویں تاریخ سنہ آٹھ ہجری میں بقصد مکہ روانہ ہوئے اور راستہ میں عباس بن عبد المطلب آپ سے ملے وہ ہجرت کر کے مکہ سے آتے تھے آپ نے اُنکا اسباب مدینہ بھجوا دیا اور اُن کو اپنے ساتھ لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روزے سے تھے اور لوگوں نے بھی روزہ رکھا یہاں تک کہ جب کد بد پہونچے تو روزہ افطار کر دیا اس امر کو دیکھ کر بہت لوگوں نے موافقت کی اور بعض نے افطار نہ کیا اور آپ کو خبر پہونچی تو آپ نے فرمایا کہ اے لوگو روزہ افطار کر دنا کہ دشمن کے مقابلے میں قوت ہو پھر آپ نے سنا کہ بعض نے روزہ رکھا ہے تو فرمایا کہ یہی لوگ نافرمان ہیں پھر روانہ ہو کر المظہران میں دس ہزار لشکر کے ساتھ اترے اور اس جہاد میں کوئی مہاجر و انصاری نہیں کچھڑا بس آپ کے ساتھ تھے اور قریش کو کچھ خبر نہیں پہونچتی تھی وہ نہیں جانتے تھے کہ رسول اللہ صلعم کیا کرنے والے ہیں لیکن اس رات میں ابوسفیان بن حرب اور بديل بن ورقاء اور حکیم بن حزام رات میں مکے سے نکلے تھے کیونکہ وہاں گرمی کے موسم میں رات ہی کو اس قسم کے کام کیا کرتے ہیں تاکہ مدینے کے کچھ اخبار کسی مسافر وغیرہ سے تلاش کریں یہاں عباس بن عبد المطلب نے منظر قومی الفت کے دل میں کہا کہ قریش کے حال پر افسوس ہے کہ واللہ اگر رسول اللہ صلعم بزور قابض ہوئے تو قریش مٹے پس آپ نے بغدہ بصرہ یعنی سفید خجر پر سوار ہو کر پہلو کے جنگل کا قصد کیا کہ شاید وہاں کوئی لکڑہارا یا دو وہ والا با مکہ جانے والا ملے تو اُس کے ذریعہ سے قریش کو اطلاع دیں کہ جلدی حاضر ہو کر اپنے لیے امان حاصل کریں قبل اسکے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں بزور شمشیر داخل ہوں عباس رضاکتے ہیں کہ میں اراک کے جنگل میں پھرتا تھا کہ کوئی ملے اتنے میں مجھے آدمیوں کی باتیں کرنے کی آواز محسوس ہوئی میں نے غور کیا تو ابوسفیان بديل باہم رو دو بدل کرتے تھے ابوسفیان نے کہا کہ واللہ آج کی رات جیسی آگ دیکھی ایسی کبھی نہیں دیکھی بديل نے کہا کہ یہ واللہ خزاہہ ہیں انکو لڑائی نے خوفناک و کمزور کر دیا ہے ابوسفیان نے کہا کہ واللہ خزاہہ اس سے کہیں کمتر ہیں کہ انکی آگ اس قدر ہو جب میں نے ابوسفیان کی آواز پہونچی تو پکارا کہ اے ابوخطمہ اُس نے بھی میری آواز پہونچا نکر کہا

کہا کہ یہ لوگ عجب قوم ہیں کہ بڑے سے بچہ تک ایک زبان میں پتھر ابو سفیان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ سے میری قرابت
 سے قریب ہو اور آپ دیکھتے ہیں کہ یہ معاملہ میرے سامنے سخت ہو گیا کچھ تدبیر مجھے سوچتی نہیں آپ کچھ تدبیر بتلا سکتے ہیں
 جبین میری بہتری ہو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تو ایسی کوئی چیز نہیں دیکھتا جو تجھ کو مستغنی کرے و لیکن تو بنی کنانہ کا
 سردار ہی تو کھڑا ہو کر طرفین کو اپنی حمایت میں لے لے پھر کے میں جا کر آرام کر۔ ابو سفیان نے کہا کہ کیا تمہارے نزدیک یہ کفایت
 کرے گی۔ فرمایا کہ نہیں واللہ یہ تو میں نہیں جانتا کہ کفایت کرے و لیکن سوائے اسکے کوئی تدبیر بھی نظر نہیں آتی ہی پس ابو سفیان
 نے مسجد میں کھڑے ہو کر آواز دی کہ اگر لوگوں میں نے طرفین کے لوگوں کو اپنی پناہ میں لے لیا پھر سوار ہو کر روانہ ہو جب کہ پہنچا
 تو قریش نے کہا کہ کیا خبر لایا ہے کہا کہ میں نے جا کر محمد (صلعم) سے گفتگو کی و لیکن واللہ انھوں نے مجھے کچھ جواب نہ دیا پھر میں
 ابن ابی قحافہ کے پاس گیا اُن کے نزدیک بھی مجھے کچھ بہتری چاہل نہ ہوئی پھر میں ابن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو میں نے دیکھا
 کہ وہ سب سے زیادہ قوم کا دشمن ہے پھر میں علی بن ابی طالب کے پاس گیا تو میں نے اُن کو البتہ قوم کے حق میں سب سے
 زیادہ نرم پایا اور انھوں نے مجھے ایک مشورہ دیا وہ میں عمل میں لایا ہوں یہ نہیں معلوم کہ وہ کچھ مفید ہوگا کہ نہ ہوگا قریش نے
 پوچھا کہ وہ کیا مشورہ و عمل ہے۔ ابو سفیان نے کہا کہ ابو الحسن نے مجھے راے دی کہ میں طرفین کو اپنی پناہ میں لے لوں میں نے
 اسی پر عمل کیا۔ قریش نے کہا کہ کیا محمد (صلعم) نے اسکو جائز رکھا ہے۔ کہا کہ تو نہیں معلوم ہوا قریش نے کہا کہ واللہ علی بن ابی طالب نے
 تجھے مذاق کیا اور تیرا یہ کام کچھ مفید نہیں ہے ابو سفیان نے کہا کہ واللہ مجھے سوائے اسکے کوئی راہ بھی نہیں ملی یہاں رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ سامان جہاد درست کریں اور اپنے اہل خانہ کو درست سامان کا حکم فرمایا پھر
 لوگوں کو اعلام فرمایا کہ کہ کے لوگوں پر جہاد کرنے جانے والے ہیں اور دعا کی کہ الکی قریش سے جاسوس و اخبار بند کر دے کہ
 اپنے ملک میں غافل بیٹھے رہیں پس لوگوں نے سامان درست کیا مگر حکم کتنا ہو کہ بعض مورخین نے لکھا کہ ابتداءے حال
 میں جب سامان کا حکم دیا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بھی خبر نہ تھی کہ کمان کا قصد ہے اور میرے نزدیک یہ روایت غلط ہے کیونکہ اس
 قصہ کو انہی صحاح و طحاوی وغیرہ نے روایت کیا کسی میں یہ فقرہ نہیں ہے اور کیونکہ ہو سکتا ہے جبکہ ابتداء آخر سے اطلاع ہو چکی اور صحیح یہ ہو کہ
 اکابر اصحاب رضی اللہ عنہم کو اطلاع دے دی تھی خصوصاً حضرت ابو بکر و عمر کو کیونکہ یہی دونوں وزیر رسالت تھے
 واللہ اعلم۔ پھر جب عام اطلاع دی تو حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے جو مہاجرین اہل بدر سے تھے کچھ منصوبہ باندھ کر قریش
 نام ایک خط لکھا جس میں انکو اطلاع دی کہ آنحضرت پر جہاد کا قصد فرماتے ہیں اور عرض یہ کہ قریش حاطب رضی اللہ عنہ کا احسان مانیں اور یہ خط لکھ کر
 کو دیا کہ خفیہ لے جاوے وہ روانہ ہو گئی صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی و زبیر رضی اللہ عنہم کو بلا کر فرمایا کہ فلاں فلاں
 انصاری کو ساتھ لیکر گھوڑوں پر سوار ہو کر تیز روانہ ہوا اور جب روضہ خلیفہ میں پہنچا تو ایک بڑھیا ملیگی اُس سے خط چھین لاؤ
 یہ اصحاب رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہمارے گھوڑے ہوا سے باتیں کرتے اُڑتے جاتے تھے یہاں تک کہ روضہ خلیفہ پر ہم نے اُس
 بڑھیا کو جو اونٹ پر جاتی تھی گرفتار کر کے کہا کہ خط ہم کو دے اُسے کہا کہ دیکھ لو میرے پاس کوئی خط نہیں ہے بعض نے ہم میں سے
 کہا کہ لوٹ چلو اسکے پاس کوئی خط نہیں معلوم ہوتا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے تو
 ضرور اسکے پاس خط ہے اور ہم نے اُس کا بڑھیا کو تہدید کی کہ خط دیدے ورنہ ہم تم کا جھاڑا لیتے اُسے کہا کہ آپ لوگ پاکے اس

اور بدعواس ہو کر بھاگے پھر آنحضرت صلعم نے بدعہد قرظہ کو قتل کیا اور اصحاب کو خبر دی کہ تمہاری محنت ختم ہو گئی اب تم ہی قریش پر
چڑھائی کرو گے چھٹے سال آخرین آپ نے عمرہ کا قصد کیا اور قریش مانع ہوئے آپ نے فرمایا کہ لڑائی سے قریش کی حالت تباہ ہو گئی
ہو جاوے صلح کر لو انھوں نے دس برس کیلئے صلح کی اور قریش کی صلح میں بنو یکین داخل داخل ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
حلیف یعنی خزاعہ آپ کی صلح میں داخل ہوئے اور لوگ باہم خلط ملط ہو گئے اس سے قریش کے لوگوں نے دین اسلام کی خواہش
سنیں اور جنگ کو کچھ عقل تھی وہ مسلمان ہو کر مدینے کی طرف روانہ ہوئے جیسے خالد بن الولید و عمرو بن العاص وغیرہ بلکہ بہت لوگ
مسلمان ہو گئے اور آنحضرت صلعم نے مدینہ پہنچ کر خیبر پر چڑھائی کی اور فتح کر لیا اور اس سے اہل اسلام کا سامان ستمیاری وغیرہ بھی دست
ہو گیا۔ اور ابوسفیان وغیرہ قریش نے شام کی تجارت سے سامان ہم پہنچایا۔ اتفاق سے آٹھویں سال یعنی صلح سے قریب ڈیڑھ
برس بعد بنو یکین داخل نے اپنے حلیف قریش سے مشورہ کیا کہ ہمارا خون بذمہ خزاعہ ہے۔ یہ موقع ہے پس قریش کے بدعہدوں نے
ڈھاٹھا باندھ کر انکو مدودی اور راتوں رات خزاعہ کو نماز تہجد میں مارنا شروع کیا انھوں نے حرم میں پناہ لی تو بھی مارا آخر ہوش ہوا
تو کہنے لگے کہ اس بدعہدی کا ہم سے بدلہ لیا جائیگا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبار اصحاب کو اس سے خبر دی کہ قریش نے
عادت کے خلاف یہ بدعہدی کی کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کچھ منظور ہے اور تمہارے پاس خزاعہ کا فریادی آیا جا رہا ہے۔ ایک روز آپ نے
یہ ایک کسنا شروع کیا (ہاں ہاں میں مدد دو لگا) اصحاب نے پوچھا تو فرمایا کہ خزاعہ کا سردار مجھے مدد کے لیے پکارتا ہے کئی دن بعد
خزاعی سردار آیا اور اُسے اپنا قصیدہ پیش کیا آپ نے فرمایا کہ بس کر میں مدد نہ دوں تو مدد نہ دیا جائوں اور اُسی وقت سے سامان کا حکم دیا
اور دعا کی کہ اگلی قریش کو اندھا غافل کر دے۔ یہاں سب نواح میں سنا دی کی گئی اور قبائل اطراف مسلح ہو گئے اور سب
کے واسطے جھنڈے تقسیم ہو گئے تفسیر معالم میں اور طحاوی کی معانی الآثار میں پورا قصہ مذکور ہے اور خزاعہ کی طرف
سے جو شخص آیا تھا اسکا نام عمر بن سالم خزاعی تھا اُسکے بعد بدیل بن ورقہ مع چند خزاعہ کے آیا اور جب آپ مسجد میں عمرو بن سالم
کا قصیدہ سنتے تھے تو ناگاہ آسمان میں ایک بادل ظاہر ہو کر گر جا تو آپ نے فرمایا کہ یہ بادل آواز دیتا ہے کہ بنی کعب
کی مدد گاری ہے اور بنو کعب اس عمرو بن سالم کا خاندان تھا جب خزاعیوں کو آپ نے رخصت کیا تو مکہ سے
ابوسفیان آیا۔ اسکی خبر بھی آپ دے چکے تھے کہ وہ صلح مضبوط کرنے اور مدت زیادہ کرنے آوے گا اور مایوس جاوے گا پہلے
اپنی صاحبزادی ام المومنین ام حبیبہ کے پاس گیا انھوں نے فوراً رسول اللہ صلعم کا بستر لپیٹ لیا اور کہا کہ ای باب تو شرک کی
نجاست میں ہے اسلئے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بچھونا لپیٹ لیا مجھے گوارا نہوا کہ تو اسپر بیٹھے پھر وہاں سے نکل کر رسول
صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر ہر چند گفتگو کی کچھ جواب نہ پایا پھر ابو بکر رضی کے پاس گیا کہ آپ سفارش کریں۔ انھوں نے انکار کیا
پھر حضرت عمر رضی سے کہا تو انھوں نے سخت جواب دیا پھر حضرت علی رضی سے کہا انھوں نے بھی انکار کیا تو حضرت سیدۃ النساء
فاطمہ سے کہا کہ ای بیٹی تجھے یہ ہو سکتا ہے کہ اپنے ان بیٹوں کو حکم فرما دے کہ لوگوں کے درمیان طرفین سے ذمہ داری و امان کر لیں
تو ہمیشہ کے لیے عرب کے سردار ہو گئے حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میرے بیٹے ابھی اس لائق نہیں ہیں کہ کسی کو اپنی
پناہ میں لیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں کسی کو یہ طاقت نہیں کہ پناہ دے ابوسفیان نے خو
حضرت حسن و حسین سے کہا تو انھوں نے کہا کہ حضرت نانا صاحب علیہ السلام کے معاملہ میں ہم نہیں بول سکتے ہیں۔ ابوسفیان نے

بارہویں تاریخ ہجرت کے شروع کیا رھوین سال انتقال فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون اور چونکہ ہجرت بھی اسی مہینہ میں تھی اور تاریخ ہجری کا شمار شروع محرم یعنی پہلے پہلے سے لے لیا اسلئے یہ ایام اول محسوب کرنے سے آخر دسویں سال پر انتقال قرار دیا گیا اور اللہ تعالیٰ اعلم مختصر ذکر وقائع تافیح مکہ و ما بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول وحی سے دو برس چھ مہینہ کے بعد دعوت اسلام شروع کی اور جب تک ابوطالب زندہ رہے مشرکین مکہ باوجود حبلن کے خاموش رہے بعد وفات ابوطالب کے کافروں نے اپنا بغض بجالانا شروع کیا اور جب آنحضرت صلعم کو نہ پاتے تو آپ کے فقراء اصحاب کو سخت دکھ و ایذا دیتے تھے دسویں سال معراج ہوئی اور حکم الہی آپ نے جمع میں یہ حال بیان کیا اس سے بعضے نے مسلم مرتد ہو گئے اور جب دوسرے روز ابو بکر رضی اللہ عنہ سفر سے آئے تو اُن سے کہا کہ اب انھوں نے یہ دعویٰ کیا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ بیان کیا ہوں تو بے شک سچ ہوا اور میں تو اس سے بڑھ کر انکا قول سچ مانتا ہوں کہ ایک دم میں جب نبیل اساتوین آسمان سے اُنکے پاس آئے ہیں۔ بعضے راہ پر آئے اور بعضے مرتد رہے اور کفار کی ایذا و زبرد و بڑھتی گئی حتیٰ کہ آپ نے ایک جماعت صحابہ رض کو وطن سے ہجرت کر کے حبشہ جانے پر راہ پر آئے اور بعضے مرتد رہے اور کفار کی ایذا و زبرد و بڑھتی گئی حتیٰ کہ آپ نے ایک جماعت صحابہ رض کو وطن سے ہجرت کر کے حبشہ جانے پر راہ پر آئے اور اس درمیان میں کچھ لوگ مدینہ کے حج کے موسم میں آئے اور اسلام لائے دوسرے سال بہت لوگ آئے اور آپ کی اجازت دی اور اس درمیان میں کچھ لوگ مدینہ کے حج کے موسم میں آئے اور اسلام لائے دوسرے سال بہت لوگ آئے اور آپ سے مدینہ چلنے کی درخواست کی آپ نے اسوقت کہا کہ جب حکم ہوگا تب آؤ لنگا پھر حکم ہوا اور مع ابو بکر رض کے روانہ ہوئے کیونکہ اس درمیان میں قریش نے باہم یہ مشورہ کیا تھا کہ ہر خاندان سے ایک کافر شریک ہو کر سب ایک بارگی تلواروں سے مارو تاکہ اس شخص کا خون سب خاندانوں میں بٹ جاوے تو بنو ہاشم و بنو مطلب کو سب قریش سے لڑنے کی طاقت نہ تھی لامحالہ دیت لینے پر رضی ہوئے یہ کہ شیطانی بیکار گیا اور آپ مدینہ پہنچے راہ میں بکثرت معجزات واقع ہوئے اور بنو سلیم بھی مسلمان ہو گئے ابو بکر رض نے کہا کہ فروش گبختوں نے رسول اللہ صلعم کو کالایہ ضرور انہر جہاد کا حکم ہوگا چنانچہ بعد چند سے یہی حکم آیا اور آپ کے پاس تھوڑی جماعت تھی اللہ تعالیٰ نے انکو حکم دیا کہ قریش کے پیچھے جاؤ اگر نہ پاؤ گے تو میں تم کو قریش پر فتح دوں گا اس قافلہ کے لالچ میں چلے حتیٰ کہ بدر تک پہنچے وہاں بکثرت مسلح قریش سے مقابلہ ہو گیا انصار و مہاجرین نے رخصتی وصیت کی کیونکہ سوائے شہادت کے کوئی امید نظر نہ آتی تھی اور آنحضرت سے عرض کیا کہ آپ فوراً اونٹ پر سوار ہو کر چلے جائیے گا مدینہ سے ہم لوگ اچانک نکل آئے وہاں بہت لوگ باقی ہیں وہ آپ کے ساتھ جان نثاری میں حاضر ہو گئے جب لڑائی شروع ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے عجیب طرح سے فتح دی کہ شمشیر قریش مانند الجبل وغیرہ کے مارے گئے اور رترگر قرار ہوئے جنہیں حضرت عباس رض بھی تھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم چاہو انکو قتل کرو اور چاہو فدیہ لیکر چھوڑ دو تو آئینہ سال تم میں سے اسی قدر شہید ہو گئے صحابہ رض نے دوسری راے اختیار کی اور دوسرے سال اُحد میں اسی قدر چھوڑ دو تو آئینہ سال تم میں سے اسی قدر شہید ہو گئے۔ پھر تیسرے سال ابوسفیان نے بزدلی کی اور چوتھے سال کعب بن ہود نے جا کر صحابہ رض شہید ہوئے اور کفار محروم واپس گئے۔ پھر تیسرے سال ابوسفیان نے بزدلی کی اور چوتھے سال کعب بن ہود نے جا کر اُھار تو قریش و غطفان بندہ ہزار کی جماعت سے مدینہ پہنچے آئے یہاں گرد و مدنے کے خندق کھودی گئی اور کعب بن ہود کی کہنے سے قوم قرظیہ یہود نے بدر عسلی کی اور قریش کا ساتھ دیا اور منافقین بہت مضطرب تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت معجزات ظاہر ہوئے اور آپ نے فتوح یمن و شام و فارس کی خبر دی لیکن منافقین کا خوف کم نہوا۔ البتہ صحابہ رض کو سردی و بھوک سے تکلیف بہت پہنچی اور مہاجرین و انصار اللہ تعالیٰ پر متوکل تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جان نثاری کو تیار تھے آخر قریب ایک مہینہ کے گزرا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں پر آندھی مسلط کی

اٹھتے بیٹھتے اور آتے جاتے یہ تسبیح بہت کہتے ہیں تو آپ نے اذاجاء نصر اللہ و الفتح آخر تک پڑھ کر فرمایا کہ مجھے اس کا حکم دیا گیا
 ہے (حدیث غریب) اور ابن کثیر رحمہ نے کہا کہ ہم نے کفار و مجلس کے بارہ میں علیحدہ رسالہ لکھا ہے وہ یہاں لکھنا چاہیے مترجم
 کہتا ہے کہ اُس کا حاصل منسلب یہ ہے کہ ہر شخص جس جلسہ میں باتیں کرتا ہو وہ آخرت میں جب اُس کے روبرو ہوگا تو افسوس ہوگا
 اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ آخر میں یہ کہے سجا تاک اللہ و بحمدک لا الہ الا انت اغفر لی انک انت التواب الرحیم۔ اور بعض روایات میں
 اس کے مانند دوسری تسبیح ہے اور یہ حکم قولہ تعالیٰ سجد رکعتیں لیکن تقوم الایہ۔ میں دیا گیا ہو یعنی جب تو اٹھے تو اپنے رب
 کی حمد سے تسبیح کر۔ یہ اس آیت کی تفسیر میں دعاء کا ذکر ہو چکا اور وہ ان میں نے یہ بھی بیان کیا کہ ابو حنیفہ رحمہ نے اول افتتاح
 نماز میں سجا تاک اللہ الخ دعاء اختیار کی تو یہ نص قرآنی کی دلالت سے اچھی ہے کیونکہ قرآن میں قیام کے وقت اس دعاء کا حکم ہے اور
 ہر ایک قیام سے نماز میں کھڑا ہونا بہتر ہے تو اس وقت یہ دعاء افضل ہے واللہ اعلم اور امام احمد رحمہ نے ابو عبیدہ سے سنا کہ کیا
 کہ عبد اللہ بن مسعود رحمہ نے کہا کہ جب اذاجاء نصر اللہ و الفتح نازل ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب پڑھ کر رکوع کرتے تو
 تین مرتبہ کہتے سجا تاک اللہ ربنا وبحمدک اللہ اغفر لی انک انت التواب الرحیم (تفرد بہ احمد وابن ابی حاتم) مترجم کہتا ہے کہ ابو عبیدہ
 نے اپنے باپ عبد اللہ بن مسعود رحمہ سے سنا نہیں ہے ابن کثیر رحمہ نے کہا کہ یہاں مفسرین کے نزدیک بالاتفاق (الفتح) سے مراد
 فتح مکہ ہے کیونکہ قبائل عرب یہ کہہ کرتے تھے کہ ابھی تامل کرو دیکھو یہ شخص قریش پر غالب ہوتا ہے کہ نہیں اگر وہ اپنی قوم پر غالب
 ہوا تو بیشک پیغمبر ہو۔ جب مکہ فتح ہوا تو سب قبائل نے جلدی کی اور فوج فوج دین اسلام میں داخل ہوئے حتیٰ کہ دو برس
 میں جزیرہ عرب ایمان سے مالا مال ہو گیا واللہ الحمد والمنة اور ہم نے فتح مکہ کا حال اپنی کتاب السیرۃ میں مفصل بیان کیا ہے وہاں
 دیکھو اور امام احمد رحمہ نے ابو عمار تابعی سے سنا کہ کیا کہ جابر رضی اللہ عنہ کے پڑوسی نے مجھے کہا کہ میں جب سفر سے آیا تو جابر رضی اللہ
 عنہ میرے پاس آئے اور مجھے سلام کیا میں نے اُن سے مسلمانوں کی بھوٹ کا حال بیان کرنا شروع کیا تو رونے لگے اور کہا کہ میں نے
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ لوگ جس طرح دین اسلام میں فوج فوج داخل ہوئے ہیں اس طرح فوج فوج خارج ہونگے
 (ابن کثیر رحمہ) یہاں چند مسائل و فوائد ہیں فائدہ فتوح امام ابو سلمیٰ سے ظاہر ہے کہ جہاد شام میں اکثر لشکر قبائل میں تھے اسی لیے
 وہاں انہیں کی بستی زیادہ ہو اور ان میں زیادہ تر قبیلہ ازد کے لوگ تھے اور چونکہ بال بچوں کے ساتھ گئے تھے اسی لیے وہاں سکونت
 اختیار کی اور حدیث مزبور سے اہل میں کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے اور انصار رضی اللہ عنہم بھی فی الحقیقت اہل میں ہیں چوں کہ ان کے
 زمانہ سے یہاں رہے اور انہیں کی برادری غسان بن جوعاق و شام کے قریب ہے اور حدیث میں ہے کہ میں نفس الرحمن کو میں کی طرف سے
 باتا ہوں خطیب نے کہا کہ اس میں علماء کی تاویلات ہیں ایک یہ کہ مراد حضرت ہو جو وہاں کے فوج فوج مسلمانوں سے حاصل
 ہوئی (دوم یہ کہ مراد انصار ہیں جو یہی تھے مسئلہ آیت میں ہے کہ فوج فوج دین الہی میں داخل ہونگے اس سے ظہور فقہاء و اکثر
 مستملین نے استدلال کیا کہ تقلید پر ایمان صحیح ہے اللہ تعالیٰ نے فوج فوج اعراب کا ایمان قبول کیا اور اس سے آنحضرت صلعم کو
 حمد و شکر کا حکم دیا ذکرہ الرازی رحمہ و الخطیب رحمہ پس گمراہ معتزلہ کا قیاس شیطانی باطل ہوا لیکن یہ ضرور یاد رکھنا
 چاہیے کہ جو لوگ بچپن سے لڑکوں کو دنیاوی علوم و فنون پڑھاتے ہیں اور عربی زبان و دینی علم سے جاہل رکھتے ہیں یہ گمراہ ہیں فائدہ
 خطیب نے لکھا کہ روایت ہے کہ جب آنحضرت صلعم کے میں داخل ہوئے تو پہلے اللہ تعالیٰ کا سجدہ کیا اور کہیہ میں داخل ہو کر

اور خود مع لشکر کے نماز فرضیہ قصر پڑھتے رہے اور روزہ افطار کیا یعنی پھر کسی نے نہیں دیکھا کہ آپ نے صلوٰۃ الضحیٰ پڑھی ہو بلکہ وہ آٹھ رکعات صلوٰۃ الفتح تھی اور سردار لشکر کے لیے مستحب ہی کہ جب بلاد کفر فتح کرے تو اول داخلہ پر آٹھ رکعات نماز پڑھے جسے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فارس پر جہاد میں جب مجوس کا دار السلطنت مدائن فتح کیا تو داخل ہو کر قصر ابض میں آٹھ رکعات صلوٰۃ الفتح پڑھی۔ اور صحیح طریقہ یہ کہ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرنا چاہوے جسے ابو داؤد کی روایت میں تصحیح ہے (ابن کثیر رحمہ اللہ) یہ سب اس قول کے موافق کہ نصر اللہ و الفتح ایک خاص نخل کا طور تھا جو اس وقت سے اصحاب رسول ﷺ کے لیے حاصل ہوئی تھی اور اسمین آئندہ نصرت و فتح بھی شامل ہو اور اسکے باوجود اس سورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے عروج دار آخرت کا بھی اعلام ہو اور بیان آتا ہے۔ ہ۔ اگر کو کہ (دین اللہ) کیا مغنی ہیں (جواب) یعنی وہ دین جسکو اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہو وہ دین اسلام ہی لقولہ تعالیٰ ان الدین عند اللہ الاسلام۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین یہی اسلام ہے۔ ہ۔ ومن یشیع غیر الاسلام دینا فلن نقبل منه۔ اور جو کوئی سوا سے اسلام کے دین تلاش کرے تو ہرگز اس سے قبول نہوگا۔ ہ۔ اور دین کے دوسرے نام بھی ہیں جیسے (صراط اللہ) اور (نور) اور (ہدی اللہ) اور (عروۃ الوثقی) اور (جبل لہثین) اور (صبغۃ اللہ) اور (فطرۃ اللہ) ان سب کا ذکر آیات قرآنیہ میں آگیا ہے (السراج وغیرہ) تفسیر ابن کثیر رحمہ اللہ میں ہے کہ یہی وہ تفسیر جو حضرت عمرو بن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کی کہ اذاجاء نصر اللہ الیہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلام وفات ہو تو یہ بھی اُس سے حاصل ہیں یعنی واضح ہوا وحیب اللہ کہ جب تو نے مکہ فتح کر لیا جہان سے کفار نے تجھے نکالا تھا اور دین اللہ میں لوگ فوج فوج داخل ہوئے تو دنیا میں جس تکلیف کا کام تجھے متعلق تھا وہ پورا ہو گیا اب آخرت میں تشریف لانے کے لیے تیار ہوا اور سورہ والضحیٰ میں پہلے مطلع فرمایا تھا کہ میرے لیے آخرت بہتر ہے اور تیرا رب تجھے ایسی چیز عطا فرماوے گا کہ تو راضی ہوگا لہذا فرمایا۔ فسبح بحمد ربک واستغفر لہ انہ کان توابا۔ اب تسبیح پڑھا اپنے رب تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اور اس سے مغفرت مانگ وہ بیشک اچھا تو بہ قبول کرنے والا ہے۔ ہ۔ نسائی رحمہ اللہ نے بطریق عکرمہ رحمہ اللہ کیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب سورہ اذاجاء نصر اللہ و الفتح آخر تک نازل ہوا تو آپ کو وفات کا اعلام دیا گیا پس آپ نے امر آخرت میں سب سے زیادہ کوشش شروع کی اور اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آگئی فتح اور آگئی نصرت الہی اور آگئے یمن ولے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یمن والے کون لوگ ہیں۔ فرمایا کہ ایک قوم ہیں جنکے دل رقیق ہیں انکے دل نرم ہیں ایمان بمانی ہو اور حکمت یمانیہ ہو اور فقہ یمانی ہو۔ ہ۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مسند کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم موافق حکم قرآن کے بکثرت رکوع و سجود میں کہتے۔ سبحانک اللہ ربنا وبحمدک اللہم اغفر لی (اور وہ مسلم و ابوداؤد و النسائی و ابن ماجہ) اور امام احمد کی حدیث ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخر امر میں بکثرت کہتے کہ سبحان اللہ و بحمدہ استغفر اللہ و التوب الیہ۔ اور فرماتے کہ میرے رب عزوجل نے مجھے خبر دی کہ میں غمغریب اپنی امت میں ایک نشانی دیکھو بخا اور مجھے حکم دیا کہ جب وہ علامت دیکھوں تو اُسکی حمد سے اُسکی تسبیح کروں اور استغفار کروں وہی تو اب ہر وہ علامت میں نے دیکھی لی اذاجاء نصر اللہ و الفتح (اور وہ مسلم) اور ابن جریر رحمہ اللہ نے اسکو ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مسند کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخر امر میں اُٹھتے بیٹھتے اور آتے جاتے یہی کہتے سبحان اللہ و بحمدہ۔ میں نے عرض کیا کہ یا حضرت میں دیکھتی ہوں کہ آپ ہر حالت میں

میں گروہ جہاد کر گیا پوچھا جاوے گا کہ اس لشکر میں کوئی شخص ہو جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو تو کہا جاوے گا کہ ہاں ہر پس
 اسکے لیے فتح دیدی جاوے گی۔ پھر ایک لشکر جہاد کر گیا اور اسی طرح پوچھا جاوے گا تو کہا جاوے گا کہ نہیں ہو لیکن وہ جسے رسول اللہ
 کے دیکھنے والے کو دیکھا تو اسکے نام پر فتح دی جاوے گی (صحیح) دوم یہ امام ابو اسمعیل الازدی نے فتوح میں اور امام
 محمد بن اسحق نے کتاب السیرۃ میں باسناد صحیح وہ تمام حال روایت کیا جب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بعد فتح عرب کے مسلمانوں کو
 جہاد شام کے لیے مجتمع کیا اور اہل یمن کو خط لکھ کر انس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا پس ہر قبیلہ نے بجا آوری حکم میں جلدی کی حتیٰ کہ قبیلہ حمیر
 جو یمن کا شاہی خاندان تھا مع بال بچوں کے حاضر ہوا۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انکو دیکھا تو بہت خوش ہو کر فرمایا
 کراؤ بند گان خدا یاد کرو کہ ہم لوگ کیا زمانہ رسول اللہ میں رہے ہاں میں نہیں کیا کرتے تھے کہ جب حمیر اپنی اولاد و عورتوں سمیت آویں
 تو یہ علامت ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مسلم کو فتح دی و نصرت اور شک کو خوار کیا تو اب اے مسلمانو خوش ہو جاؤ کہ تم پر اللہ تعالیٰ کی نصرت
 آگئی۔۔۔ بالجملہ اس سورہ مبارک اذا جاء نصر اللہ و الفتح کے بعد بھی مسلمانوں نے جہاد کفار میں کلفت نہیں اٹھائی اور ابن حجر
 نے اصحاب میں لکھا کہ یہ بات خوب معلوم ہو چکی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہمیشہ لشکر کی سرداری کسی صحابی کو دیتے تھے غیر کو نہیں دیتے تھے اور
 ترجمہ کہتا ہے کہ سردار قوم کی برکت سب کو حاصل ہو کر رہی ہو اور اسکے واسطے نصوص کثیرہ کے اشارات شاہدین جیسے
 بدی بھی قوم کے شریر سردار کی بدبختی سے حاصل ہوتی ہو ابن کثیر کی تفسیر میں ہے کہ طبرانی رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مسند کیا کہ قرآن
 میں سب سے آخر جو سورہ نازل ہوا وہ اذا جاء نصر اللہ و الفتح ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے ابو سعید اخدری رضی اللہ عنہ سے روایت
 کی کہ جب یہ سورہ اذا جاء نصر اللہ و الفتح نازل ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ ایک مقام میں ہیں اور میں دوسرے
 اصحاب ایک مقام میں ہوں اور فرمایا کہ بعد فتح کے اب ہجرت نہیں ہو لیکن جہاد و نیت ہو ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروان نے یہ سنکر
 کہا کہ تو نے جھوٹ کہا اور وہاں مروان کے پاس تخت پر رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے ابو سعید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ
 اگر یہ دونوں چاہتے تو تجھے یہ حدیث بیان کر سکتے ہیں لیکن یہ شخص تو ڈرتا ہے کہ تو اسکو اسکی قوم کی عرافت سے (عرف جوقوم)
 کی طرف سے عارف وکیل ہو مغرول کر گیا اور وہ دوسرا ڈرتا ہے کہ تو اسکو صدقہ کے عامل ہونے سے خارج کر گیا یہ سنکر مروان نے
 ابو سعید رضی اللہ عنہ کو مارنے کے لیے درہ اٹھایا۔ جب ان دونوں نے یہ دیکھا تو مروان سے کہا کہ ابو سعید رضی اللہ عنہ سچے ہیں (تفرد بہ احمد مروان نے)
 اپنی جہالت سے اس حدیث کا انکار کیا حالانکہ یہ حدیث معروف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
 یوم الفتح کے روز فرمایا کہ اب ہجرت باقی نہیں ہو لیکن جہاد و نیت ہو اور جب تم لوگ جہاد کے لیے بلائے جاؤ تو فوراً قبول کر کے حاضر
 ہو (صحیحین وغیرہ) اس بیان سے معلوم ہوا کہ قولہ تعالیٰ اذا جاء نصر اللہ و الفتح کی جو تفسیر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہی وہ بھی عمدہ ہو یعنی ہم
 لوگوں کو حکم دیا ہے کہ جب اپنی نصرت سے وہ ہمپر کفار کے بلاد اور شہر و قلعے فتح کرے تو ہم اسکی حمد و شکر و تسبیح کریں یعنی اسکے لیے
 شکرانہ کی نماز پڑھیں اس تفسیر کے واسطے شاہد موجود ہے کہ جس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو چاشت کا وقت تھا پس
 ام ہانی کے بیان نہا کر آٹھ رکعتیں پڑھیں۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ چاشت کی نماز تھی دیگر علماء رحمہم نے ان کو جواب دیا کہ صلوٰۃ اسی
 (نماز چاشت) کا پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کمتر ثبوت ہے اور سب کے نزدیک آپ اسکو ہمیشہ نہیں پڑھتے تھے تو پھر آج
 کے روز مسافرت میں کیونکر اس ہتمام سے پڑھتے اور باوجود اسکے کہ میں آخری رمضان تک انیس روز تک رہے

تھے محفوظ رکھا اور رسول اللہ و مومنوں کو فتح دی تو ہم کو اُس سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے پس ہر طرف سے فوج فوج آکر دین اسلام میں داخل ہونے لگے۔ ضحاک رحم سے روایت ہے کہ امت چالیس آدمی ہوتے ہیں افواج سے مراد بھاری جماعتیں ہیں چنانچہ اس وقت میں پورا قبیلہ مسلمان ہو جاتا تھا حالانکہ پہلے دو دو اور تین تین مشکل سے داخل اسلام ہوتے تھے ابوہریرہ رض سے روایت ہے کہ جب سورہ اذ جاء نصر اللہ نازل ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آگے اہل یمن وہ بہت فریق دل ہیں ایمان بیانی ہے اور فقہ بیانی اور حکمت بیانیہ ہے (ابن مردویہ) اس کی تفسیر میں لکھا کہ امام بخاری رحم نے مسند کیا کہ ابن عباس کہتے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھے بزرگان بدر کے ساتھ بٹھلاتے تھے۔ تو شاہدان یمن سے بعض کو کچھ ناگوار ہوا تو کہا کہ تم اس طفل کو کیوں ہمارے ساتھ بٹھلاتے ہو ایسے ایسے تو خود ہمارے لڑکے موجود ہیں۔ حضرت عمر رض نے کہا کہ یہ یمنین یمن سے ہی جنگو تم جانتے ہو پھر ایک روز ابن عباس رض کو بلا کر انھیں بزرگ اصحاب کے ساتھ یمن بٹھلایا جو غزوہ بدر وغیرہ میں شریک ہوئے تھے اُس دن مجھے یہ معلوم ہوا کہ مجھے بلا کر اُن میں داخل کرنے سے آپ کی یہ غرض تھی کہ انکو کچھ دکھلا دیں۔ پھر اُن سے فرمایا کہ تم لوگ اذ جاء نصر اللہ و الفتح الحکم کی تفسیر میں کیا کہتے ہو۔ بعض نے کہا کہ اس میں ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ جب ہم کو نصرت دی بادلے اور ملک کفر فتح کر دیا جاوے تو ہم اُسکی حمد کے ساتھ تسبیح کریں۔ اور بعض نے سکوت کر لیا کچھ نہیں کہا۔ تب مجھے فرمایا کہ ای ابن عباس تو بھی یہی کہتا ہے یمن نے کہا جی نہیں۔ فرمایا کہ پھر تو کیا کہتا ہے یمن نے کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل ہے آپ کو اُس سے اطلاع دی گئی ہے کہ جب نصر اللہ و الفتح آجاوے (اور لوگ فوج فوج اسلام میں داخل ہوں تو یہ تیری اہل کی علامت ہے) تسبیح مجھ ربک الخ یعنی اس وقت اپنے رب کی حمد سے تسبیح پڑھ وہ بیشک توبہ قبول فرمائے والا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں بھی یہی جانتا ہوں جو تو کہتا ہو ردوہ البخاری و ابن جریر رحم) اور امام احمد نے بھی مختصر روایت کی کہ ابن عباس رض نے کہا کہ جب سورہ اذ جاء نصر اللہ و الفتح نازل ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے میری موت کی خبر دی گئی میں اس سال وفات دیا جاؤں گا (تفرد بہ احمد) یہی قول مجاہد و ابوالعالیہ و ضحاک وغیرہم ہے کہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی وفات سے خبر دی گئی ہے۔ ابو حازم رحم نے ابن عباس رض سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تھے کہ ناگاہ آپ نے فرمایا کہ اللہ اکبر اللہ اکبر آگئی نصر اللہ و الفتح۔ آگے اہل یمن۔ کہا گیا کہ یا رسول اللہ اہل یمن کیا ہیں فرمایا کہ ایک قوم ہیں کہ اُنکے دل رقیق ہیں اور طبیعتیں نرم ہیں ایمان بیانی ہے اور فقہ بیانی ہے اور حکمت بیانیہ ہے ردوہ ابن جریر رحم) اور باسناد صحیح اسکو عکرمہ رحم سے مرسل روایت کیا اور طبرانی رحم نے اسکو عکرمہ سے موصول کیا کہ ابن عباس رض نے کہا کہ جب اذ جاء نصر اللہ و الفتح آخر تک نازل ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی وفات کی خبر دی گئی تو آپ نے امر آخرت میں بہت سخت کوشش کرنی شروع کی اور اُس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز فرمایا کہ آگئی نصر اللہ و الفتح اور آگے اہل یمن تو ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اہل یمن کیا ہیں فرمایا کہ ایک قوم ہیں کہ اُنکے دل رقیق ہیں اور طبیعتیں نرم ہیں ایمان بیانی ہے اور فقہ بیانی ہے و مترجم کہتا ہے کہ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نصر اللہ و الفتح سے ایک معنی مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوئے یعنی اس جماعت اسلام پر آئندہ نصرت الٰہی ہو اور اُنکے واسطے فتح ہو اور اسکا پہلا اثر یہ تھا کہ مکہ فتح کر دیا گیا اور نصرت ایسی حال ہوئی جسکا بیان فتح مکہ قصہ میں ظاہر ہو گا اور یہ مراد نہیں کہ فقط فتح مکہ میں نصر اللہ مقصود ہے جیسا کہ بہت لوگوں نے زعم کیا بلکہ یہ مراد ہے کہ اب اس جماعت صحابہ رض پر نصرت و فتح نازل ہو اور اس پر دو دلیلین ہیں (ایک) حدیث صحیحہ کا خلاصہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت

ہوا کہ قال تعالیٰ - اِذَا جَاؤَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا فَسَيْمِمْ يُحْيِي رِيكَ وَاسْتَغْفِرُ رُحْمًا۔ جب الگنی مدد اللہ کی اور فتح اور تو نے دیکھا لوگوں کو کہ داخل ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کے دین میں فوج فوج تو تسبیح پڑھ اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اور اُس سے مغفرت مانگ لے گا کہ قَوَّابًا۔ اُسکی شان یہ کہ وہ توبہ قبول کرنے والا ہوں۔ واحد می نے لکھا کہ مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنے بیان کیے کہ اگر محمد جب تجھے اللہ تعالیٰ کی نصرت حاصل ہوئی اُن لوگوں پر جنہوں نے تجھے عداوت باندھی تھی اور وہ قریش ہیں اور فتح لینے فتح کہ حاصل ہوئی اور تو نے آنکھوں دیکھ لیا کہ لوگ عرب کے اقطار کے گروہ گروہ دین الہی لینے دین اسلام میں داخل ہوتے توبہ تیرے لیے علامت مقرر ہو کہ اللہ تعالیٰ تجھے منزلت عالیہ میں سرفراز فرمادے گا یعنی وفات دیگر فردوس علیین دایچہ توبہ علامت دیکھ کر اپنے رب تعالیٰ کی حمد کے ساتھ تسبیح پڑھ اور استغفار کر کہ وہ ثواب ہو اور اپنے تنہنگاہ عزت اور مرکز قدس پر سامان کر راز می وغیرہ نے کہا کہ نصرت فتح میں فرق یہ کہ نصرت مدد و تائید جو جس سے فتح حاصل ہوتی ہو اور یہی مقصود ہو اور خلاصہ یہ کہ رسول اللہ کے وقت میں دو فرق امتحان میں ڈالے گئے ایک وہ جو رسول اللہ کے ساتھ ایمان لائے اور دوم وہ جو دشمن ہوئے اور حدیث الصحیح میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا کہ میں تجھے امتحان میں ڈالوں گا اور تیرے سبب سے لوگوں کو امتحان میں ڈالوں گا اور حدیث البخاری میں قصہ ہر قل میں ہے کہ پیغمبروں کے ساتھ یہی کیا جاتا ہے کہ کبھی اُن کو غلبہ دیا جاتا ہے اور کبھی کفار کو پھر آخر میں اللہ تعالیٰ رسول مومنین کو بالکل فتح دیتا ہے۔ مد معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اللہ کی طرف سے نصرت میں تھے و لیکن یہ نصرت ایسے طور پر تھی کہ ساتھی مومنین کے لیے امتحان بھی تھا اور بقولہ تعالیٰ تیج منکم شہداء تم میں سے شہید بندے بنا دیے۔ مد۔ اور اگر ہر بار پیغمبر کو غلبہ ہوتا تو منافقوں کو کچھ شک نہوتا پس منافقوں کو متمیز کر دیا اور خالص مومنین کے درجات بڑھائے اور اُدھر کافروں نے طغیان کیا کہ بت کے سامنے سجدہ کیا کہ تو نے ابھی مرتبہ ہم کو غلبہ دیا۔ پس یہاں نصرت اللہ بڑھائے اور آخری نصرت مراد ہو چکے بعد امتحان نہیں رہتا اسی لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو برابر فتوحات حاصل ہوئیں سے وہ آخری نصرت مراد ہو چکے بعد امتحان نہیں رہتا اسی لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لشکر دن کو برابر فتوحات حاصل ہوئیں اگرچہ قلیل تھے اور نصرت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف ملا یا یعنی نصرت اللہ فرمایا حالانکہ نصرت ہمیشہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے لہذا تعالیٰ ما النصر الا من عند اللہ الایہ۔ یعنی نہیں نصرت مگر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ مد۔ تو یہاں نصرت اللہ تعالیٰ نے ہی کی ہے یعنی وہ آخری عظیم نصرت جو رسول کو عطا ہوئی ہے قاضی نے کہا کہ ادا جاو۔ آمد نصرت سے اشارہ کیا کہ جو بات ازل میں مقدر ہوئی ہے وہ ازل سے متوجہ ہوتی ہو اور رفتہ رفتہ آتی جاتی ہے جب وقت ہوتا ہے یہاں تک کہ کامل نصرت اپنے وقت پر آجاتی ہے لیکن آغیب رہنے یہاں (ادا جاو) سے حاصل ہونا لیا اور سراج میں خطیب نے کہا کہ ادا جاو یعنی جب آئندہ ثابت ہوئی اور جم گئی نصرت اللہ تعالیٰ کی اور فتح اکثر علماء رحم نے کہا کہ فتح مکہ مراد ہو۔ معالم وغیرہ میں اس کا حال لکھا ہے اور ترجمہ آخر میں ترجمہ کر لیا اور بعض نے کہا کہ فتح مکہ تو اس سورہ کے نازل ہونے سے پہلے حاصل ہو چکی تھی اور یہاں اسکے ساتھ میں ملکوں کی فتح شامل ہے۔ یہ بھی قول مناسب ہے۔ اور حسن بصری رحم وغیرہ نے بیان کیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ فتح کیا تو عرب کے قبائل نے کہا کہ بیشک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے معجزات اور عمدہ خصائل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں کیونکہ قریش کو اللہ تعالیٰ نے لاکھ لشکر و ہاتھیوں سے جو اصحاب الفیل لائے

جو تھا اُنی قرآن کے برابر ہوا اور ازلزلت چوتھائی قرآن کے برابر ہو۔ نسائی رحمہ نے دو وجہ سے روایت کی کہ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ نے کہا کہ مجھے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اے عبیدہ تجھے وہ سورہ معلوم ہے جو قرآن میں سب سے آخرین نازل ہوا ہے میں نے کہا کہ جی ہاں مجھے یہ معلوم ہے کہ قرآن میں سب سے آخری سورہ اذا جاء نصر اللہ والفتح نازل ہوا ہے فرمایا کہ ہاں سچ ہے (صحیح) اور حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد جو حج کیا (یہی ایک حج دسویں سال ہجرت میں کیا تھا) اسکے ایام تشریق کے درمیان میں (یعنی بارہویں ذی الحجہ میں) آپ پر سورہ اذا جاء نصر اللہ والفتح نازل ہوا تو آپ نے پہچانا کہ اب الوداع ہو پس حکم دیا کہ آپ کا ناقہ فصویٰ کسا جاوے اس پر سوار ہو کر لوگوں کو وہ خطبہ طولانی سنایا (یہ خطبہ مشہور ہے) اس حدیث کو امام ابوبکر البزار و بیہقی نے روایت کیا اقول اسی جہت سے اس حج کو حجة الوداع کہتے ہیں اور اسی خطبہ میں لوگوں سے فرمایا تھا کہ شاید میں آئندہ حج نہ کروں گا۔ اسی خطبہ میں فرمایا کہ اے لوگو میں نے تم کو سب پیغام حق پہنچا دیا۔ لوگوں نے ہر طرف سے اقرار کیا تو آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر تین بار کہا کہ اکی تو گواہ رہیو اس خطبہ میں سب کو نصیحت کر دی تھی کہ دین پر مضبوط رہیں اور باہم جنگ و جدال نہ کریں اور قرآن مجید میں اختلاف سے منع کیا اور اپنے اہلبیت کے واسطے وصیت کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت سب پر لازم فرمائی الحاصل بڑے بڑے امور جن سے لوگوں میں خرابی پڑی سب سے منع کر دیا اور خلیفہ وقت کی اطاعت کی وصیت کی یہ خطبہ نہایت اہم امور کو شامل ہے و لیکن تفسیر الکی جاری ہوئی ہے اناللہ وانا الیہ راجعون حافظ ابو بکر البیہقیؒ نے مسند کیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب سورہ اذا جاء نصر اللہ والفتح نازل ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مدینہ پہنچ کر اپنی صاحبزادی لخت جگر حضرت فاطمہ سیدۃ النساء کو بلا کر اور رکان میں) فرمایا کہ مجھے میری وفات کی خبر دے دی گئی ہے فاطمہ رضی اللہ عنہا نے لگین پھر وہ سننے لگین پھر بیان کیا (یعنی عرصہ کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انکو اپنے حق مادری کا واسطہ دیا تو بیان کیا) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خبر دی کہ آپ کو اکی وفات کی خبر دی گئی ہے سنکر میں رونے لگی پھر اپنے مجھے فرمایا کہ صبر کر میرے گھرنے والوں میں سے تو سے پہلے مجھے بلکی تو میں سننے لگی یہ حدیث صحاح میں بھی کی پیشی کیا تھا ہے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا شروع
اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۚ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ
جب پہنچ چکی مدد اللہ کی اور فتح اور تیرے دیکھے لوگ
اَفْوَاجًا ۚ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ۝
نوج نوج اب پاکی بول اپنے رب کی خوبیاں اور گناہ بخشوا اُس سے بیشک وہ معاف کرنے والا ہے
یہ سورہ مبارک بھی معالم نبوت میں سے معجزہ جمیل ہے ایک تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر و دوم اب لوگ اطراف عرب سے نوج نوج
دین اسلام میں داخل ہونگے سوم فتوح بلاد اسکے بعد حاصل ہوا اور احادیث ملانے سے معلوم ہوا کہ جس طرح نوج نوج داخل
ہوئے تھے اسی طرح نوج نوج خارج ہونگے پھر فتح و نصرت عطا ہوگی تاکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت حقہ متواتر اعلان ہو
جس سے آپ کی نبوت حقہ عالم پر ظاہر ہو اسی لیے کہ ولی کی کرامت سے اُس پیغمبر کی صدق رسالت ظاہر ہو جسکی پیروی میں یہ ولی

مترجم کہتا ہے کہ اس دلیل کی تقریر قوی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک طرف اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لیا اور آپ کے مقابلے میں مخالفوں کو ایک دن قرار دیا اور یہ معلوم ہے کہ اسمین قریش کی کچھ خصوصیت نہیں ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تمام جہان کے واسطے عام ہے تو تمام جہان کے کافرون کو ایک ملت قرار دیا پس وہ باہم وارث ہونگے اور فتاویٰ حنفیہ میں بھی ایک قول ہی ہے اور دوسرا قول مانند قول امام احمد ہے کہ یہود و نصاریٰ یعنی وہ ملت مختلفہ والے باہم وارث نہیں ہونگے بلیل حدیث عمر بن شعیب عن ابیہ عن جبرہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ملت مختلفہ والے باہم وارث ہونگے واللہ تعالیٰ اعلم شیخ جلال رحمہ اللہ نے کہا کہ لکم دینکم ولی دین۔ اُس وقت تھا جب تک آپکو جہاد کا حکم نہیں ملا تھا پھر حکم جہاد سے یہ حکم منسوخ ہو گیا بعض نے کہا کہ پورا سورہ منسوخ ہو گیا۔ ان دونوں قولوں کو رد کیا گیا کہ منسوخ وہ چیز ہوتی ہے جو امر و نہی ہو جس میں کیا وقت ایک چیز کا حکم مصلحت ہوتا ہے پھر وہ منسوخ ہو جاتا ہے اور یہ سورہ خبر ہے یعنی واقعات کی خبر دی تو یہ خبر سچ ہے پھر منسوخ ہونے کے یہ کچھ معنی نہیں ہیں اور یہ حکم برابر باقی ہے کہ ہر شخص جیسا کرے ویسا پاوے گا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب شیخ ابن العزلی نے لکھا کہ (ایہا الکافرون) کفر پر دگی ہے یعنی جن لوگوں کی فطرت پر کدورت و سیاہی نفس چھا گئی ہے (لا اعبدا لعدون) مجھے اللہ تعالیٰ نے ذات حق کی جانب ہدایت دی تو میں تمہارے معبودوں کی پرستش نہ کروں گا جن کی کچھ حقیقت نہیں بلکہ تمہارے نفس سے انکو بنایا اور خیال میں انکی تصویر چائی گویا وہ تمہارے رد و بد میں حالانکہ سوائے تمہارے خیال کے انکا کہیں وجود نہیں ہے مترجم نے مجد اللہ تعالیٰ اُسکو اور مفصل بیان کیا ہے (تولہ تعالیٰ) ولا انتم عابدون الخ اس حالت حجاب میں جب تک تم پڑے ہو بھی میرے معبود کی بندگی نہ کرو گے کیونکہ تمہارے دلوں میں کدورت غلیظہ ہے تو ممکن نہیں کہ حق کو پہچانو مترجم کہتا ہے کہ شیخ رحمہ اللہ نے اسمین معبود کی بندگی نہ کرو گے کیونکہ تمہارے دلوں میں کدورت غلیظہ ہے تو ممکن نہیں کہ حق کو پہچانو مترجم کہتا ہے کہ شیخ رحمہ اللہ نے اسمین ایک اعتراض کا جواب دیا۔ اعتراض یہ کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی کافر مسلمان ہوگا (جواب) شیخ نے کہا کہ اسکے یہ معنی ہیں کہ جب تک تم اس حالت پر ہو بھی میرے معبود کو نہ پہچانو گے تو عبادت نہ کرو گے۔ بعض علماء نے جواب دیا کہ یہ حکم فقط اسکے لیے لوگوں کے واسطے ہے جو علم الہی میں کافر مرنے والے ہیں اس واسطے (کافرون) انکا نام لیا گیا ہے خلاف اسکے جو بالفصل کافر ہوں وہ ایمان والے ہو سکتے ہیں فافہم (قولہ) ولا انا عابد ما عبدتم الخ۔ شیخ رحمہ اللہ نے اسکو زمانہ ماضی کے لیے لیا اور یہ سب کافروں کے خلاف ہے اور کہا کہ مطلب یہ ہے کہ میں نے کبھی زمانہ ماضی میں تمہاری عبادت باطلہ میں شرکت نہیں کی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فطرت ازلیہ میں میری استعداد اچھی رکھی تھی (قولہ) ولا انتم عابدون الخ۔ تم میں استعداد فطرت نہ تھی کہ حق تعالیٰ کی عبادت کرو (قولہ) لکم دینکم الخ جب تمہاری لیاقت میں اور میری لیاقت میں زمین و آسمان کا فرق ہے تو موافقت نہیں ہو سکتی پس میں نے تم کو تمہارے دین پر چھوڑا تم مجھے میرے دین پر چھوڑ دو واللہ تعالیٰ اعلم

سورة النصر مدنیۃ وہی ثلاث آیات

اس سورہ کا نام سورۃ التودیع بھی ہے یعنی ختمی سورہ اور اسمین تین آیات اور رسولہ کلمات اور انسانی حروف ہیں (السراج) یہ سورہ بالاجماع مدنیہ ہے اور سب سے آخر میں جو سورہ پورا نازل ہو وہ یہی سورہ ہے اور ثبوت ہوا کہ یہ آخری حجتہ الوداع کے درمیانی ایام تشریق میں مینا میں نازل ہوا چنانچہ آتا ہے ابن کثیر نے کہا کہ حدیث پہلے گزری جس میں مذکور ہے کہ یہ سورہ

اور مشرکین نے اُسکو چھوڑ کر غیروں کی عبادت نکالی تھی لہذا حکم دیا بقولہ لکم دینکم ولی دین حبیبے دوسری آیت میں فرمایا۔ ان کذبوک
نقل لی علی ولکم حکم الایہ۔ یعنی اگر یہ کفار تجھے جھٹلا دیں تو کہہ دے کہ میرے لیے میرا عمل ہی اور تمہارے لیے تمہارا عمل ہے تم ہزار
ہو میرے عمل سے اور میں ہزار ہوں تمہارے اعمال سے۔ اور حبیبے فرمایا انا اعمالنا ولکم اعمالکم۔ ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں
اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں۔ امام بخاریؒ نے ذکر کیا کہ تفسیر میں کہا جاتا ہے کہ لکم دینکم۔ تمہارے لیے تمہارا
دین یعنی کفر ہے (یعنی شرک ہی) ولی دین۔ اور میرے لیے میرا دین یعنی اسلام ہی (دینی) میں سے (ی) حذف ہوئی کیونکہ آیات
کا آخر نون ہی حبیبے قولہ ان معی ربی سہدین۔ اے سہیدینی اور قولہ فہو سہدین وادامضت فہو لیشفین۔ میں سہیدینی اور لیشفینی
ہی۔ اور بعض نے کہا کہ لا اعبد ما تعبدون الخ یعنی فی احوال جو تم پوجتے ہو میں نہیں پوجتا اور جو میں پوجتا ہوں وہ تم نہیں پوجتے
ولا انا عابد ما عبدتم الخ باقی عمر میں بھی تمہارا طریقہ شرک نہیں لینے والا ہوں اور تم بھی نہیں ماننے والے ہو پھر یہ
حکم خاص ایسے لوگوں کے حق میں ہوگا جو جہنمی ہیں حبیبے فرمایا۔ ولیریدن کثیرا منہم ما نزل الیک من ربک طغیاناً وکفراً۔
یعنی ان لوگوں میں سے بہت ایسے ہیں کہ جو کچھ تیری طرف اُتارا گیا جانب رب تیرے سے اس سے انکا طغیان و کفر زیادہ ہوگا
۔ (قول سوم) جوابن اچھوڑی وغیرہ نے ابن قتیبہؒ سے نقل کیا اور ابن جریرؒ نے بعض اہل عربیہ سے نقل کیا کہ سورہ میں
یہ آیات از قسم تاکید ہیں جس سے فائدہ یہ کہ کافروں کی طمع کاٹ دی اور مایوس کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تمہارے
کفر و شرک کے تابع نہ ہوگا ابن کثیرؒ نے کہا کہ یہاں (قول چہارم) بھی ہو جسکو شیخ ابوالعباس ابن تیمیہؒ نے بعض کتابوں
میں قوی کیا یعنی قولہ تعالیٰ لا اعبد ما تعبدون الخ سے اس کام کی نفی ہے یعنی میں تمہارا کام نہیں کرتا اور تم میرا کام نہیں
کرتے ہو پھر اسکی بات بالکل قبول سے نفی کی بقولہ ولا انا عابد الخ یعنی میں کبھی تمہارے معبودوں کی عبادت کرنے والا نہیں
ہوں اور نہ تم ایسا کرنے والے ہو کہ میرے معبود اللہ تعالیٰ کی بندگی قبول کرو تو خلاصہ یہ ہوا کہ جو لوگ الکافرون مقدر ہیں وہ
کبھی ایمان نہ لاویں گے اور جو مومنین مقدر ہیں وہ کبھی شرک نہ کریں گے اور نہ شرعاً یہ ممکن ہے ابن کثیرؒ نے کہا کہ یہ قول بھی اچھا ہے
مترجم کہتا ہے کہ بعض نے اس پر اعتراض کیا کہ لا انتم عابدون الخ سے بھی یہی بخلا کہ تم ایسا قبول کرنے والے نہیں ہو حالانکہ
بہت کفار کہ مسلمان ہو گئے تو یہ مغضیہ کیونکر ہو سکتے ہیں (جواب) مترجم نے خود دید یا کہ الکافرون۔ وہ ہیں کہ جنکی یہ صفت علم الہی
میں مقدر ہے تو وہ مومن ہونگے اور یہ توصاف صیغہ صفت ہو حالانکہ قولہ تعالیٰ ان الذین کفروا سواء علیہم الایہ۔ میں نقل
بیان کیا تھا اور ایمان سے محروم کیا اور مراد یہ کہ جو علم الہی میں کافر مقدر ہوے ہیں وہ مومن ہونگے مسئلہ رازیؒ نے
کہا کہ عوام جب باہم ترک کرتے اور ایک دوسرے کو چھوڑتے ہیں تو یہ آیت لکم دینکم ولی دین۔ پڑھتے ہیں یہ بیان نہیں ہے
کیونکہ قرآن مجید میں اسلیے نازل نہیں ہوا کہ اُس سے مثلین بناد ملک غور سے خوف کرو اور عبرت سے اپنی حالت پر گریہ و
زاری کرو (کبیر و سراج) مترجم کہتا ہے کہ اسی قسم کے مسائل دیگر آیات سے ہیں اور اکثر مرتد ہو جاتے ہیں اُنکی جو رو کا نکاح ٹوٹ
جاتا ہو مسئلہ اگر دارالاسلام میں ذمی خاندان میں ایک نصرانی مرا اور اسکا ایک بیٹا ہندو ہے اور دوسرا یہودی ہے اور
تیسرا مجوسی ہے تو ان میں سے کسکو ترک کر دیا جاوے (جواب) امام شافعیؒ وغیرہ نے کہا کہ سب لڑکے اُسکے وارث ہونگے
کیونکہ اہل کفر سب ایک ہی ملت قرار دیے جاتے ہیں بدلیل اس آیت کے کہ اللہ تعالیٰ لکم دینکم۔ بصیغہ جمع فرمایا (ابن کثیرؒ)

تھا وہ الف لام سے مستغرق ہو گیا اور جمع قلت یہاں کثرت کے واسطے مستعار ہو لیکن اشارہ ہو کہ اہل ایمان جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم قدم ہوں ان کے واسطے دنیا میں عزت و غلبہ ہو اور ان کے مقابلے میں کفار اگرچہ تعداد میں بہت ہوں لیکن حکم میں قلیل ہیں چنانچہ آپ کی وفات کے بعد عرب مرتد ہوئے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قلیل صحابہ رضی اللہ عنہم سے انکو مغلوب کر لیا حالانکہ وہ شمار میں بہت زیادہ تھے اگر کہا جاوے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم تھا کہ نرم نصیحت سے بدولت سختی کے ہدایت کریں اور خود بہت مرہاں تھے تو بیان اس طرح یا ایہا الکافرون سے خطاب فرمائے میں کیا حکمت ہو (جواب) جب انھوں نے بتوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ برابر کرنے پر صلح کرنے کو کہا تو اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے ان پر غضب کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خطاب کا حکم دیا یعنی کافروں کی توہین کی اور اپنا غلبہ ظاہر کیا تو آنحضرت صلعم نے حکم کے موافق اعلان کر دیا۔ یا ایہا الکافرون لا اعبدا مقبذون۔ اگر کافروں میں نہ ہو جتا جسکو تم پوجتے ہو تمھارے ظاہری بت و خیالی معبودوں کو میں معبود نہیں بناتا ہوں کیونکہ وہ کسی طرح معبود ہونے کے لائق نہیں ہیں۔ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ۔ اور نہ تم عبادت کرنے والے جسکی میں عبادت کرتا ہوں۔ فاسمین کافرون کے واسطے جملہ اسمیہ کے طور سے دائمی نفی کی تو یہ کفار وہ ہیں جو علم الہی میں کافر تھے حتیٰ کہ گردہ مذکور میں سے کوئی بھی ایمان نہیں لایا۔ بعض نے کہا کہ اسکے یہ معنی ہیں کہ فی الحال بھی نہ میں تمھارے معبود کو پوجتا ہوں اور نہ تم میرے معبود کو پوجتے ہو اور آئندہ کے لیے بھی فرمایا۔ وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُمْ۔ اور نہ میں کبھی پوجنے والا ہوں جس چیز کو تم نے پوجا۔ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ۔ اور نہ تم کبھی پوجنے والے ہو جسکو میں پوجوں گا۔ ان میں عامل نے اعتراض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیحدہ جملہ میں ایک زمانہ حال کے ساتھ کیونکر یہ قید کر سکتے ہیں کہ میں فی الحال تمھارے معبودوں کو نہ پوجوں گا (جواب) دیا گیا کہ فقط زمانہ حال میں انحصار نہیں کیا بلکہ پہلے زمانہ استقبال سے نفی کی۔ اور بعض نے کہا کہ قولہ لا انا عابد الذم سے تاکید ہے اور اول جملہ یعنی لا اعبدا مقبذون الذم میں بالکل نفی مراد ہو یعنی نہ میں تمھارے معبودوں کی بندگی کرنے والا ہوں اور نہ تم میرے رب کی بندگی کرنے والے ہو لہذا فرمایا لَكُمْ دِينُكُمْ میں تمھارے معبودوں کی بندگی کرنے والا ہوں اور نہ تم میرے لیے میرا دین ہو ف ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا کہ ان آیات میں وَلِي دِينِ (دینی) تمھارے لیے تمھارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہو ف ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا کہ ان آیات میں تین قول ہیں (ایک یہ کہ قولہ لا اعبدا الذم اور قولہ لا انا عابد الذم میں محض کمر تاکید مقصود ہو) دوم یہ کہ لا اعبدا مقبذون الذم میں (ام موصولہ ہے یعنی جن بتوں وغیرہ کو تم پوجتے ہو میں اسکو نہیں پوجتا اور جس کو میں پوجتا ہوں اسکو تم پوجنے والے نہیں ہو۔ پھر ما عباد تم میں (ام مصدر یہ ہے یعنی میں تمھاری عبادت نہیں کرتا اور تمھارا طریقہ اختیار نہیں کرتا بلکہ جس طریقے سے اللہ تعالیٰ راضی ہو اُس طریقے پر عبادت کرتا ہوں۔ ولا انتم عابدون ما عبد۔ اور تم بھی اللہ تعالیٰ کے احکام و شرع کی پیروی نہیں کرنے والے ہو بلکہ تم نے جو طریقہ خود بخود لاہو اُس پر چلتے ہو جیسے اللہ تعالیٰ نے تمھارا حال متبلا یا بقولہ تعالیٰ ان يتبعون الا الظن وما تهوى النفس الآیہ۔ یعنی نہیں پیروی کرتے ہیں مگر گمان کی اور جس کو انکا حجتی چاہتا ہے حالانکہ ہدایت ان کے رب کی طرف سے اُنکے پاس آگئی۔ حاصل یہ نکلا کہ کافروں کی جمیع باتوں سے بیزاری کر لی کیونکہ عباد کے لیے معبود ضرور ہو پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و آپ کے تابعین اُس طریقے پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے جو اللہ تعالیٰ نے مشروع کیا اسکو اسطے کہ خلاص لا آله الا اللہ محمد رسول اللہ محمد را یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی راہ نہیں ہے سوا اسکے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے۔

ہوا کہ یہاں (۱) موصولہ نہایت بلیغ ہو کیونکہ مشرکین درحقیقت اس پتھر یا صلیب کو سجدہ کرتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس چیز میں فلان میت کی روح ساگئی ہو جیسے اس زمانہ میں تعزیر والے جب تک وہ ٹھاٹھ بنانے والے کی دوکان پر ہوتا تک بقدر ہی اور جب اُسکو خبر دیا تو اسوقت سے اپنا تصور جمایا اور اُسکو ادب سے سلام کیا اور تاشے باجے کے ساتھ لیچلے اور یہ سب ان لوگوں کے خیالات ہیں اور جن لوگوں کا نام لیتے ہیں کہ وہ اسمیں آگئے یا اس سے تعلق چل گیا وہ لوگ بالکل ہی ہیں مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام و حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جنت یا محل قدس میں ہیں اور ان نادانوں کے کہنے سے وہ اس چیز میں نہیں آئے اور اللہ تعالیٰ جسکو چاہتا ہے اپنی جانب ہدایت دیتا ہے ابن کثیرؒ نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ یا ایہا الکافرون روئے زمین کے سب کافرون کو شامل ہے ولیکن خطاب اُس وقت میں قریش کے کافرون سے تھا۔ بعض نے کہا کہ اُن جاہلوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ ہم تم اسطرح صلح کریں کہ ایک سال تک تم ہمارے معبودوں کو پوجو پھر ایک سال تک ہم تمہارے معبود کی عبادت کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورہ نازل فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ اعلان سے کہہ دیں کہ تم جسکو پوجتے ہو اُسکو میں نہیں پوجتا یعنی تمہارے بتوں وغیرہ کو میں نہیں پوجتا (ابن کثیرؒ) اس قول کے موافق یہ خطاب فقط انھیں کفار سے ہوا جو اسطرح صلح کرنے کو کہتے تھے اور واضح ہو کہ آئندہ کلام سے نکلتا ہے کہ یہ گفتگو ایسے کافرون کے سامعہ تھی جو ہمیشہ کفر پر رہنے والے جنہی تھے معالم و سراج وغیرہ میں ہو کہ اس سورہ کا نزول ایک جماعت قریش کے حق میں ہوا جن پر حارث بن قیس سہمی و عاص بن دہل سہمی اور ولید بن مغیرہ مخزومی و اسود بن عبد یغوث و اسود بن المطلب و امیہ بن خلف شامل تھے۔ ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آؤ ہم تمہارے دین کی پیروی کریں اور تم ہمارے دین کی پیروی کرو اور سب باتوں میں تم ہمارے شریک ہو ایک سال تم ہمارے معبودوں کی عبادت کرو اور ایک سال ہم تمہارے معبود کی عبادت کریں گے پھر اگر وہ اچھا نکلا جو تم لائے ہو تو اسمیں ہم نے تمہارے شریک ہو کر حصہ لے لیا اور اگر یہ دین اچھا نکلا جو ہمارے پاس ہے تو تم نے ہماری شرکت سے اس خوبی کا حصہ لے لیا۔ آپ نے فرمایا کہ معاذ اللہ میں ہرگز اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کروں گا۔ کہنے لگے کہ ہمارے تمہارا صلح کی کوئی صورت نہیں معلوم ہوتی کیونکہ تم ہر بات سے انکار کرتے ہو۔ اچھا تم ہمارے بعض معبودوں کو (جیسے پہل کو) بوسہ دو تو ہمارے تمہارے مصالح ہو۔ بعض روایت میں ہے کہ یہ وعدہ کیا کہ ہم تمہارے معبود کی عبادت کریں گے۔ آپ سوچ میں ہوئے کہ ان مشرکوں کے ہاتھ سے اصحاب رض کو سخت ایذا پہنچتی ہے اور آدمی کبھی کسی چیز کو بغیر تعظیم کے بوسہ دیتا ہے اگر اسقدر کی اجازت ہو تو شاید یہ فتنہ فرو ہو اور شاید یہ لوگ غور کریں تو ایمان لا دیں آپ نے مشرکوں سے کہا کہ میں اس بارہ میں اپنے پروردگار کی اجازت کا منتظر ہوں پس اللہ تعالیٰ نے یہ سورہ نازل فرمایا۔ پس دوسرے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد الحرام میں تشریف لے گئے اور اُن لوگوں کو یہ سورہ سنایا تو یہ کفار بہت جل گئے اور آپ کے اصحاب کو ایذا دینے پر آمادہ ہوئے معجزہ قریش اسوقت غالب تھے جب اُنہوں نے کہا گیا کہ ایہا الکافرون۔ ولیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو حفظ میں لیا تھا۔ دوم یہ کہ اس گروہ کے واسطے کافرون کا وصف لازمی فرمایا یعنی ان میں سے کوئی ایمان نہیں لاویگا اور یہ بدوون علم اُتھی کے نہیں معلوم ہو سکتا ہے۔ اگر کہا جاوے کہ پھر کیا یہ حکم فقط اسی جماعت کفار کے ساتھ خاص تھا (جواب) نہیں بلکہ عام ہے اور اسکے دو طریقے ہیں (ایک) یہ کہ اس صفت کے ساتھ ان لوگوں سے جو کوئی جب کبھی جو ان کمین قیامت تک برابر ہو وہ اسی حکم میں ہے اور دوم یہ کہ خطیب وغیرہ نے لکھا کہ کافرون بصیغہ جمع قلت

مَا عْبُدُ ۞ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ۞

جسکو میں پوجوں تم کو تمہاری راہ اور جسکو میری راہ

ع

اس سورہ مبارک میں مشرکوں کے عمل و اعتقاد سے بیزاری ہو اور اخلاصاً اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک کا حکم ہو (ابن کثیر رحمہ اللہ)۔ قل یا ایہا الکفرؤن - کہہ دے کہ اے کافروں یہ حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خطاب کے ساتھ ہو کہ اے محمد رسول اللہ تو عموماً کافروں سے کہہ دے یعنی انکو عام اعلان سے مطلع کر دے کہ لا اعبدکم ما تعبدون۔ میں نہیں بندگی کرتا اس چیز کی جسکی تم بندگی کرتے ہو ف ای لا اعبداً شیعاً تعبدونہ انتم۔ میں نہیں معبود بنانا اس چیز کو جسکو تم معبود بناتے ہو۔ اگر پوچھا جاوے کہ اکثر کفار فریش، ہنبل وغیرہ کو پوجتے تھے اور یہ لوگ آدمی تھے جو زمانہ سابق میں مرچے تھے تو انکے لیے (من) موصولہ ہوتا اور آیت میں (را) نازل ہوا کیونکہ (را) کا استعمال اکثر ایسی چیز میں ہوتا ہے جو عقل نہ رکھتی ہو (جواب) ہنبل وغیرہ جب مرے تو بیان سے آخرت میں جہان اُنکا ٹھکانا تھا چلے گئے۔ اب کسی مخلوق کو یہ قدرت نہیں ہے کہ اُسے گفتگو کر سکے یا اپنی بات اُنکو سناوے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول خیر المخلوق کو فرمایا اُنک لا تسمع الموتی الآیہ۔ یعنی تو مردہ لوگوں کو نہیں سنا سکتا ہے۔ یہ قول حکم آیت ہے اور یہی امام ابو حنیفہ رحمہ وغیرہ علماء مجتہدین نے اسی آیت سے صریح بیان کیا اگر کو کہ امام شافعی رحمہ تو کہتے ہیں کہ مردے سنتے ہیں (جواب) یہ امام شافعی نے سچ کہا کہ مردے سنتے ہیں وہ خاک نہیں ہوئے جیسے کافر سمجھتے ہیں کہ جو مردہ خاک ہو گیا بلکہ جو مر گیا جیسیم خاک میں مل گیا و لیکن خود بانی ہوا و سنانا و دیکھتا ہے مگر اسمیں یہ طاقت نہیں ہے کہ ہم لوگوں کو کچھ سناوے یا بیان سے جو کچھ چاہے وہ دیکھ لے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اگر اللہ تعالیٰ کسی وقت چاہتا ہو تو سنا دیتا ہے جیسے اسکے نظائر بے شمار ہیں مثلاً دنیا میں آدمی کے دشمن لاکھوں شیطاں موجود ہیں لیکن کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے ہیں پھر جب کسی کے حق میں ہماری مقدرونی تو شیطاں میں کو اُسی قدر ضرر کی اجازت ہو جاتی ہے مثلاً وہ بے طاہر و نجس یعنی جن کی چونک ہو اور تم دیکھتے ہو کہ ایک ہی جگہ گھڑیں ایک مبتلا ہو کر جاتا ہے اور باقیوں کو کچھ ضرر نہیں ہوتا اور جو لوگ کافر ہیں وہ ہوا کی خرابی وغیرہ کے ادھام میں بڑے ہیں اور غلط حیالات باز دھتے ہیں اور حق بات نہیں مانتے کہ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو دُعا لجن سے ضرر ہوتا ہے اور تمام مکروہات کے کارگر ایسی شیطاں ہیں اسی طرح جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو مردے سنتے ہیں جیسے یہ مقرر کیا کہ مسلمان مردہ اپنے زیارت کرنے والے کا سلام سنے اور جواب دے اس سے زیادہ سننے کا حال نہیں مذکور ہے جب یہ معلوم ہوا کہ مشرکین کسی حالت میں یہ طاقت نہیں رکھتے تھے کہ مردوں کو اپنی عرضی سنائیں پھر مشرکوں نے ہبل مذکور سے کوئی تعلق نہیں رکھا کیونکہ ہبل کی حقیقت تو یہ کہ وہ ایک آدمی تھا جسکو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تھا پھر وقت مقدراً اسکو موت دے دی۔ مشرکوں نے ایک پتھر تراش کے رکھا اور کہا کہ یہ ہمارا ہبل ہے اور اپنے دُعا میں کہ اے ہبل تم اس پتھر میں آ جاؤ اور دعویٰ کر لیا کہ وہ آ گیا اور دعویٰ کیا کہ اسمیں یہ قدرت ہے کہ ہم کو بیٹا و رزق و صحت وغیرہ دیتا ہے اور اگر کوئی کلمہ کام ہوا تو خدا کو اطلاع کرتا ہے اور وہاں سے مدد لیکر دیتا ہے۔ سب امور صریح دلیل ہیں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانتے تھے اور اگر وہ ہبل کو چھوڑ کر کوئی قرآنی وغیرہ خدا کے نام پر کرتے تو بھی اُنکے سمجھے ہوئے خدا کے لیے ہوتی تھی اور اللہ تعالیٰ عز و جل کی تعظیم نہیں ہوتی تھی اور یہی حالت تمام گمراہوں کی ہے کہ وہ جس چیز کو اپنے تصور میں لائے ہیں اُسکو پوجتے ہیں تو معلوم

بطریق اسرائیل رحمہ روایت کیا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نے جو بیٹیل یا چپٹیں مرتبہ نگاہ رکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کے قبل سنتوں و مغرب کے بعد سنتوں میں کیا پڑھتے ہیں تو آپ نے سورہ قل یا ایہا الکافرون و قل ہو اللہ احد پڑھا (اسناد حید) اور بطریق سفیان الثوری رحمہ اسکو روایت کیا کہ میں نے ایک مہینہ تک نگاہ رکھا تو آپ نے ان سنتوں میں ہی سورہیں پڑھیں۔ حدیث ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں سجد اسم ربک الاعلیٰ اور قل یا ایہا الکافرون اور قل ہو اللہ احد پڑھا کرتے تھے (رواہ احکام صحیح) ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ قل ہو اللہ احد تائی قرآن کے برابر ہو اور قل یا ایہا الکافرون چوتھائی قرآن کے برابر ہو اور آپ ان دونوں کو فجر کے دو گانہ میں پڑھا کرتے تھے (رواہ الطبرانی و محمد بن نصر رازی نے کہا کہ اس میں بھید یہ ہے کہ قرآن مجید میں دو باتیں ہیں ایک امور و امورات یعنی اُنکے عمل میں لانے کا حکم دیا گیا ہو اور دوم منہیات یعنی اُنسے پرہیز کا حکم دیا گیا ہو اور ان میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں ایک وہ کہ جو قلب سے متعلق ہیں اور دوم وہ کہ ظاہری اعضا سے متعلق ہیں جیسے زبان و ہاتھ پاؤں و سر وغیرہ اعضا یعنی مثلاً امورات میں سے قلبی یہ کہ اعتقاد توحید لاؤ اور منہیات سے یہ کہ شرک کا اعتقاد نہ کرو اور اس طرح ظاہری اعضا سے متعلق نامور یہ کہ مثلاً نماز پڑھو اور ممنوع یہ کہ ترک کرو اور زمانہ کربت معلوم ہو گیا تو سورہ قل یا ایہا الکافرون قلبی شرک سے ممانعت ہے تو یہ چارم ہو اور اللہ عالم ہر شے کہتا ہے کہ رکن اعظم توحید و عدم شرک ہو اور اعمال ظاہری اسکے برابر نہیں ہو سکتے ہیں پس ایسی توجہات پر اعتماد نہیں ہو سکتا بلکہ اعتماد تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر ہی اور یہ نکات لے لینا نفس کے شوق کے لیے اچھے ہیں فافہم۔ نو فل بن معاویہ اشجعی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے ایسی چیز تعلیم فرمائیے کہ سوتے وقت پڑھ لیا کروں آپ نے فرمایا کہ قل یا ایہا الکافرون پڑھ اور اسکے خاتمہ پر سویا کر کہ یہ شرک سے براءت ہو (رواہ احمد ابوداؤد و الترمذی و النسائی و غیرہم) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم کو اب سا کلمہ بتاؤں جس سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک سے نجات پاؤ سوتے وقت قل یا ایہا الکافرون پڑھ لیا کرو (رواہ ابو یعلیٰ و الطبرانی و زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جو کوئی دو سورتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملا تو اس پر حساب نہیں ہو قل یا ایہا الکافرون اور قل ہو اللہ احد (رواہ ابن مردویہ) خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تو سوتے جا یا کر تو قل یا ایہا الکافرون پڑھ لیا کر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود جب لیتر پر جاتے تو ہمیشہ یہ سورہ قل یا ایہا الکافرون آخر تک پڑھ لیا کرتے تھے (رواہ البزار و الطبرانی و ابن مردویہ) مفسر حکم کہتا ہے کہ معوذتین کی تفسیر میں بھی بیان آوے گا کہ آنحضرت پڑھ کر خواب فرماتے تھے اور روایات آمین بکثرت ہیں جن سے فضیلت ظاہر ہے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ۝ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ۝ وَلَا أَتَمُّ عِبَادُوتَ ۝
 تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۝ وَلَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ۝ وَلَا أَتَمُّ عِبَادُوتَ ۝
 تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۝ وَلَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ۝ وَلَا أَتَمُّ عِبَادُوتَ ۝

و آخرت میں باقی ہو تنبیہ علماء رحم نے کہا کہ یہ سورہ مبارک اگر چہ تین آیات ہیں ولیکن اسمین معانی کا ملکہ بلکہ اور اسلوب باریعہ موجود
ہیں جن میں سے بعض کا اشارہ کیا جاتا ہو (۱) دلالت کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کثیر سے کثیر عطا کیا (۲) ضمیر بجانب متکلم - انا تعظیم ذات
ہی (۳) اعطیناک - صیغہ ماضی دلیل ہو کہ یہ عطیہ حقیقت میں واقع ہو چکا (۴) ان سے تاکید ہو (۵) اسم پر فعل سے تاکید اسنادی
(۶) کوثر - صیغہ مبالغہ ہی (۷) موصوف کوثر حذف کرنے میں کمال عظمت ہو یعنی وہ قیاس و گمان سے باہر ہو (۸) اللہ کو ترجیح عطا
خیر کثیر کو محیط ہو کیونکہ الف لام اسکو مفید ہو (۹) فصل الزمین فاء تعقیب سے دلیل سبب ہو یعنی یہ ایسی نعمت عظیم ہو کہ اسکی
شکر لازم ہو (۱۰) دلالت ہو کہ عطاے الہی محض رحمت کاملہ ہو جو عبادت سے پہلے عطا ہوئی (۱۱) ایسے کافرون پر تشبیح ہو جو مخلوق کے
لیے نماز و قربانی کرتے ہیں (۱۲) نماز کا حکم نمونہ اعمال دینیہ ہو جن میں سے نماز افضل ہو (۱۳) و آخر احوال الخیرین سے
قربانی افضل ہو (۱۴) لرباب میں صفت (رب) سے اشارہ ہو کہ وہی مزی و منعم ہو اور بہتر ہی کی اُسی سے امید کیا جاتی ہے (۱۵)
کمال محبت کا اظہار یہ کہ - ان شانک ہو الا تبرہنایت تاکید ہی جملہ ہو یعنی بیشک تبرؤ دشمن وہی ضرور اتر ہو (۱۶) دشمن کے خوار
کرنیکا کام خود کیا (۱۷) تجھے اس بغض رکھنے والے دشمن سے کچھ اثر نہ ہوگا (۱۸) تاکید جملہ خبریہ قسم ہو (۱۹) الا تبرہنایت فاء لام سے اشارہ ہو کہ یہی تبر
ہے یعنی اتر کی صفت دینا میں کیسے لیے پوری نہیں ہو سوائے ایسے شخص کے جو دنیا میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھے دنیا
کی زندگی آخرت کے ایک دن کی نسبت گویا دو گھنٹہ سے کم ہو (۲۰) اس سورہ مبارک میں اللہ تعالیٰ نے اول خطاب کر اسکی مقرر فرمایا

سُورَةُ الْكَافِرُونَ مَكِّيَّةٌ وَسِتَّةٌ

اس سورہ میں چھ آیات اور چھ پچیس کلمات اور چہتر حروف ہیں کافی السراج را در تفاسیر میں سے بعض میں فقط مکیہ مذکور ہو اور بعض
میں مدنیہ اور بعض میں اختلاف مذکور ہو کہ حضرت ابن مسعود رضی و حسن و عکرمہ کے قول میں مکیہ ہو اور یہی ابن عباس رضی سے ایک روایت
ہو اور دوسری روایت میں کہا کہ مدنیہ ہو اور یہی ابن الزبیر و قتادہ و ضحاک سے مروی ہو (خطیب وغیرہ) اور واضح ہو کہ اس سورہ کا نام
سورة المعابدۃ اور سورة الاخلاص اور سورة المقتشفہ بھی کہتے ہیں اور اخیر کے دونوں نام سورہ قل ہو اللہ کے بھی ہیں (کسی فرقیہ)
اس سورہ مبارک کے فضائل میں حدیث جابر رضی میں ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کعبہ کے بعد دونوں رکعتوں میں سورہ
قل یا ایہا الکافرون و قل ہو اللہ احد پڑھا صحیح مسلم حدیث ابو ہریرہ رضی میں ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی دونوں
رکعتوں میں سورہ قل یا ایہا الکافرون اور سورہ قل ہو اللہ احد پڑھا رواہ مسلم مفسر حم کتا ہو کہ فجر کی دو رکعتوں سے مراد اگر فجر کی
دو سنتیں ہوتی ہیں ولیکن اس حدیث میں اظہار یہ کہ فجر کی دونوں فرضیہ مراد ہیں اور ایک حدیث میں صحیح فریضہ کا ذکر ہو اور قتادہ
مینا میں نماز پڑھاتے تھے واللہ اعلم اور فجر کی دونوں سنتوں میں انکا پڑھنا بکثرت مروی ہو چنانچہ حدیث ابن عمر رضی میں ہو کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے فریضہ فجر سے پہلے والی دونوں رکعتوں میں اور مغرب کی بعد والی دونوں رکعتوں میں بیس مرتبہ سے کم دس زیادہ
قل یا ایہا الکافرون و قل ہو اللہ احد پڑھا رواہ احمد و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ و ابن حبان و ابن جریر و ابن کثیر و ابن کثیر
میں ہو کہ ابن عمر رضی نے اسے دونوں تک تفتیش کی کہ آپ ان دونوں رکعتوں میں کیا پڑھتے ہیں تو معلوم ہوا کہ برابر ہی دونوں سورہ پڑھتے
ہیں اس سے یہ مطلب نہیں کہ آنحضرت صلعم نے اپنی عمر میں صرف اتنی مرتبہ ان سنتوں میں انکی قرات فرمائی چنانچہ امام احمد رحم نے

نہو واضح ہو کہ اہل اسلام میں بکثرت فرتے ہوئے لیکن سوائے بعض فرقوں کے جو آخرت گئے کسی فریق نے لا آله الا اللہ میں شرک صریح نہیں کیا اگرچہ عقائد دینی میں ضلالت اختیار کی ہو پر خلافت یہود و نصاریٰ کے جنھوں نے عزیر ابن اللہ اور مسیح ابن اللہ کہہ کر صریح شرک لے لیا اور یہ طریقہ کسی پیغمبر کا ماننا نہیں بلکہ اس سے کفر ہے نعوذ باللہ من ذلک خطیبؒ نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خیر کثیر عطا فرمایا جیسے امت اسلامیہ جو سچے اعتقاد و توحید پر ہو اسکی کثرت جو آپ کے نام مبارک پر دل و جان سے فدا ہوتے اور درود پڑھتے ہیں پس آپ کا ذکر جمیل قیامت تک بے انتہا کثرت کے ساتھ ایسی محبت و خوبی سے باقی ہو کہ کسی خلق کو میسر نہیں ہوا اور جیسے شفاعت اولین و آخرین عموماً و شفاعت امت خاصاً خصوصاً اقول اس سے قیامت میں بھی آپ کا ذکر جمیل ہوگا کیونکہ شفاعت عظمیٰ سے سب اولین و آخرین آپ کی مرج کرینگے اور یہی مقام محمود ہو کہ اس سے آپ کی کرامت جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے اکرم پروردگار ہوگی اور جیسے امت توحید کی کثرت اور سب پر آپ کے دین کا غلبہ اور دشمنوں پر فتح و نصرت جسکی نظیر صد ہا برس سے کسی نے نہیں دیکھی اور نہ سنی حتیٰ کہ اُس زمانہ کے یہود و نصاریٰ باوجود عداوت کے اس بے نظیر فتوحات سے جو آپ کے خلیفہ و اصحاب کو عطا ہوئی تھیں انکار نہ کر سکے بلکہ سب نے صریح اقرار کیا کہ بیشک یہ لوگ اپنے پروردگار کی توحید کرنے والے اور اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سچے مطیع ہیں اسلیے ایسی بے نظیر فتح دیے جاتے ہیں کہ چار پانچ ہزار کے مقابلے میں ہماری لاکھ فوج گھوڑے و ہتھیاروں سے آراستہ کھڑی ہوتی ہو لیکن مسلمانوں کی آواز تکبیر سنتے ہی ایسی بزدل ہو کر بھاگتی ہو گویا گیدڑوں نے شیر کی آواز سنی اور اگر ہم اپنی فوج کو دلہی کر کے لڑاتے ہیں تو بکثرت قتل ہوتے ہیں گویا ہماری تلواریں لکڑی کی ہیں جو فولادی بدن پر کام نہیں کرتی ہیں حالانکہ مسلمان اکثر بے زہ ہیں اور انکی تلواریں عادی فولاد کی بنی ہیں جو ہمارے سروں کو نہ کل کپڑے کا ٹٹی ہیں یہ نہایت تعجب ہوا اسکی یہی وجہ ہو کہ مسلمان لوگ ات ہیں اب کپڑے عبادت کرتے ہیں اور دن میں شیر خدا ہیں یہ روایات امام ابو اسمعیل نے باسناد صحیح روایت کیں حتیٰ کہ نصاریٰ و یہود میں سے جسے سچائی سے تاریخ لکھی اُسے بھی بیان کیا بلکہ یہ خود بدیہی ہو کہ آٹھ برس میں تمام عرب و عراق و شام و ارمینہ و جزیرہ و قیساریہ و عراق و عجم و فارس و خراسان و خوارزم و مصر و حبشہ و افریقہ وغیرہ سب فتح کر لیا تھا اور اس سے کسی قوم نے انکار نہیں کیا کیونکہ انکار کی مجال ہی نہیں ہو و الحمد للہ رب العالمین ابن کثیرؒ نے لکھا کہ عطاء کے قول میں ابولہب نے مشرکوں سے خوشخبری کہی تو نازل ہوا کہ ان سنانک ہوا لا تبرآؤرا بن عباس رضی اللہ عنہما کہ انکے ابوجہل کے بارہ میں نزول ہوا۔ بالجملہ یہ آیت عام ہو جو کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہو وہی خود اتر ہو (قوائد لطیفہ) رازیؒ نے لکھا کہ یہ سورہ مبارک گویا کہ سورہ ارایت الادی کے مقابلے میں ہو کیونکہ انہیں کافروں و فاجر کے ذمائم چار بیان کیے بخل کرنا۔ نماز چھوڑنا۔ ریاکاری۔ ماعون سے منع کرنا۔ پس انچار کے مقابلے میں چار فضائل عطا کیے۔ عطاء کو کثرت۔ فضل کو ربک۔ یعنی مداومت نماز اور بدو ربا کے اخلاص اور و آخر یعنی قربانی کا گوشت بانٹنا۔ اسلیے کہ ایک اونٹ کا گوشت سو آدمیوں کے لیے کافی ہوتا ہو اور عرب کے نزدیک یہی صدقہ سب سے افضل و افیع ہو پھر فرمایا۔ ان سنانک ہوا لا تبر۔ یعنی کافروں و منافق جو تیرا دشمن ہو وہی غریب مر جاو بچا جو افعال دیکھ کر متکسب تھا اور اُسکا اثر باقی نہیں رہیگا اور جہنمی ایک نے دوسرے کو لعنت کرینگے اور ربا تو ہمیشہ زندہ ہو اور تیرا ذکر جمیل برابر دینا

کے واسطے رکھ کسی دوسرے کے واسطے نہ کرنا جیسے اسکے خلاف مشرکین اپنے بتوں اور ٹٹا کر دن کے لیے کرتے تھے اور تیرے واسطے یہ اخلاص نماز و قربانی شکر یہ اس نعمت کا ہو جو اللہ تعالیٰ نے تجھے خیر کثیر سے عطا فرمائی جسکی نظیر متصور نہیں ہوا بن کثیر رحمہ اللہ کہ اسے کہ ابن جریر رحمہ اللہ کا یہ قول بہت خوب ہوا اور پہلے ہی محمد بن کعب القرظی رحمہ اللہ عطاء تابعی نے بیان کیا ہے مترجم کہتا ہے کہ عجیب یہ ہے کہ شیخ جلال رحمہ اللہ نے یہ قول چھوڑ کر جلالین میں لکھا کہ یعنی عبد قربان کی نماز اور قربانی اپنے رب کے لیے ادا کر۔۔۔ اس شخص کی کچھ وجہ نہیں ہے۔ محمد بن کعب القرظی رحمہ اللہ نے کہا کہ مشرک لوگ سوائے اللہ تعالیٰ کے غیروں کی نماز پڑھتے اور غیروں کی قربانی کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ یہ دونوں عبادات خالص اللہ تعالیٰ کے واسطے ادا کریں (السراج) مترجم کہتا ہے کہ علماء امت و مشائخ طریقت بالا جماع متفق ہیں کہ اگر کسی نے سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی غیر کی نماز پڑھی تو کافر ہوا اور اگر سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کے لیے قربانی کی تو کافر ہوا چنانچہ فتاویٰ معتبرہ میں صریح مذکور ہے اور بیان ہے اُن لوگوں کو اپنا ایمان بچانا چاہیے جو صلوٰۃ غوثیہ بغداد کی طرف پڑھتے ہیں اور جو لوگ مشائخ کے نام کی قربانی کرتے ہیں یہ صریح اللہ تعالیٰ و رسول ص سے مخالفت ہے اور بعض جاہلون نے تکبر سے دعویٰ کیا کہ یہ علماء شریعت کے نزدیک نہیں جائز ہے تو ہم انکا اعتناء نہیں کرتے اور علماء طریقت کے بیان جائز ہے۔۔۔ یہ دعویٰ ضلالت ہے اور اللہ تعالیٰ و رسول ص سے مخالفت کے بعد کبھی مشائخ طریقت سے موافقت نہیں ہو سکتی ہے اور مشائخ طریقت پر اس جاہل نے بہتان باندھا اور اسکے سوائے شریعت و طریقت متحد ہے پہلے شریعت ہے اس سے نور طریقت ملتا ہے جسکو حقیقت کہتے ہیں اہام سیوطی رحمہ اللہ نے حسن المحاضرہ میں لکھا کہ شیخ احمد بن نصر قدس سرہ فرماتے تھے کہ میں جنگل میں تھا وہاں اتفاق سے میرے دل امین خطرہ ہوا کہ شریعت سے حقیقت جدا ہو فوراً ایک ہاتھ نے درخت سے آواز دی کہ اے احمد جو حقیقت کہ تابع شریعت نہ ہو وہ کفر و مذہب ہے۔۔۔ یہی قول حضرت ابو سلیمان دارانی قدس سرہ و حضرت جنید وغیرہ اکابر مشائخ سے کتب اولیاء میں مصرح ہے ولیکن جسکو اللہ تعالیٰ ہدایت نہ دے تو اسکا کوئی ہادی نہیں ہے (قولہ نعم) ان نشانک ہوا لا تتر۔۔۔ امین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے کمال کرامت عطا فرمائی کہ جو کوئی تجھے بغض و برکھ دے وہی اتر ہے ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا کہ اتر یعنی سب بدتر کہینہ دلیل و حواہر اسکا نشان منقطع ہے یہ حکم عام ہے چاہے کوئی ہو جسے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھا وہ اتر ہے اقول علماء نے اجماع کیا کہ جسے آپ کے ایک بال میں عیب لگا یا وہ کافر ہو تو یہاں سے ہوش رکھنا چاہیے کہ جسے آپ کے کسی قول و فعل وغیرہ میں جسکو طریقت سنت کہتے ہیں کچھ طعن کیا تو وہ تعجب سے برباد ہو جائیگا لغو ذبا لہ من ذلک اللهم احفظنا ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا کہ ابن عباس مجاہد و سعید بن جبیر و قتادہ نے کہا کہ اس آیت میں مذمت عاص بن وائل کی ہے مترجم کہتا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے اس لیے کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص اتر ہے یعنی اسکے مرنے کے بعد اسکا کوئی بیٹا باقی نہ رہیگا جس سے اسکی نسل متصل رہے منقطع نہ ہو اور عاصی مذکور کے کئی بیٹے باقی رہے از انجلہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں (جواب) بعض علماء نے کہا کہ اتر سے مراد خوار ذلیل حقیر ہے اور کچھ شک نہیں کہ یہ مشرک مراد مشرکوں کی طرح جنہم میں ملھوں ہے اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسی طرف اشارہ کیا کیونکہ اتر کی تفسیر میں کہا کہ اذل و حقیر ہے جسکا ذکر منقطع ہے اور مترجم کہتا ہے کہ میرے نزدیک صحیح جواب یہ ہے کہ اس آیت میں عجیب معجزہ ہے یعنی یہ خبر دی کہ عاص بن وائل یا جو اس وقت سبب نزول ہوا تھا وہ ایمان نہیں

وفاقیہ بن اخلاص رکھو اور اللہ تعالیٰ ہی کے نام پر قربانی کر جیسے فرمایا۔ ان صلوٰتی و خشکی و محیای و حاتی اللہ رب العالمین اللہ
 یعنی میری نماز و قربانی اور زندگی و موت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہو جو رب العالمین ہو۔۔۔ ابن عباس و عطاء و مجاہد و
 عکرمہ و حسن نے کہا کہ وائخر سے مراد اونٹوں وغیرہ کا خمر (خمر) ہو یہی قتادہ و محمد بن کعب القرظی و صہاک و بیہق و عطاء و
 خراسانی و اسمعیل بن ابی خالد وغیرہم سے روایت ہو۔ یہ حکم توحید اسلام ہے مخالف طریقہ مشرکین کے جو کہ سوائے اللہ تعالیٰ
 کے غیروں کے لیے سجدہ کرتے اور غیروں کے نام پر ذبح کرتے تھے بعض نے کہا کہ وائخر سے یہ مراد ہے کہ نماز میں بالین ہاتھ پر
 دایان ہاتھ رکھ کر خمر کے نیچے (یعنی سینہ پر باندھے) اور یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے راویوں نے روایت کیا لیکن اسناد صحیح نہیں ہے
 اور ایک مانند شعبی سے روایت کیا گیا امام ابو جعفر الباقری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وائخر سے یہ مراد کہ نماز شروع کرنے کے وقت
 دونوں ہاتھ اٹھاوے۔ بعض نے کہا یعنی قربانی کرنے کے وقت قبلہ کی طرف متوجہ ہو ان اقوال ثلاثہ کو ابن جریر نے ذکر
 کیا۔ ابن ابی حاتم نے بیان ایک حدیث ذکر کی جو محض منکر ہے فقال حدثنا وہب بن ابراہیم القاسمی سنہ خمس و ستین مائتین
 یعنی روایت کیا ہم سے وہب بن ابراہیم قاسمی نے سنہ ۵۶۰ میں کہ ہم سے اسرائیل بن حاتم مروی نے بیان کیا کہ ہم سے
 مقاتل بن حیان نے اصم بن بنانہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ جب یہ سورہ رسول اللہ صلعم پر نازل سوا تو اپنے
 پوچھا کہ اگر جبرئیل یہ خبر کیا ہو جس کا میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے تو جبرئیل نے کہا کہ یہ قربانی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ آپ کو حکم
 فرماتا ہے کہ جب نماز کے لیے تحریر باندھے تو رفع الیدین کیجیے اور جب رکوع کیجیے اور جب رکوع سے سر اٹھائیے اور جب سجدہ
 میں جائیے یہی ہمارا نماز ہے اور یہی ان ملائکہ کی نماز ہے جو ساتویں آسمانوں میں ہیں اور ہر چیز کی ایک زینت ہو کرتی ہے اور نماز
 کی زینت یہ کہ ہر تکبیر کے وقت رفع الیدین کرے۔۔۔ اسی طرح حاکم نے مستدرک میں حدیث اسرائیل بن حاتم سے یہ حدیث
 روایت کی عطاء خراسانی نے کہا کہ (وائخر) یعنی رکوع میں اپنی پیچھے سیدھی کر کے اعتدال کے ساتھ گردن ظاہر رکھ۔ (رواہ ابن
 ابی حاتم) مترجم کہتا ہے کہ رکوع کی صفت یہ آئی ہے کہ اگر پیچھے پر پانی کا بیالہ بھرا ہوا رکھ دے تو رکھتا ہے اور وہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ
 اگر سے پیچھے کا خم مستوی ہو اور گردن برابر ہو لیکن گردن ڈال نہ دے کیونکہ پیچھے میں کو بڑ بخل آدجگا۔ رکوع کی یہ صفت ٹھیک ہے
 و لیکن کلام بیان یہ ہے کہ کیا (وائخر) کی یہ تفسیر ہے ابن کثیر نے کہا کہ یہ سب اقوال بے لگاؤ ہیں جنکو غریب اقوال کہتے ہیں اور صحیح
 فقط قول اول ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہی کے نام پر قربانی کر اسی لیے آنحضرت صلعم نماز عبد الاضحیٰ پر حکم فرمائی کرتے اور فرماتے کہ جسے
 ہمارا یہ نماز پڑھی تو قربانی کی تو اسے ٹھیک قربانی کی اور جسے نماز سے پہلے جانور ذبح کیا تو اسکی قربانی نہ ہوئی۔ ایک مرتبہ سیطرح
 فرمایا تو ابو ہریرہ بن سبار رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے نماز سے پہلے اپنا جانور ذبح کر دیا تھا جنال
 کر کے کہ آج ایسا دن ہے کہ لوگوں کو گشت کی خواہش کرتے ہیں (تو میں نے اپنے بڑے دیون کو پہنچا دیا) آپ نے فرمایا کہ تیری قربانی فقط گوشے
 لیے ہو گئی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اچھا میرے پاس دنبہ کا ایک پٹھرا ہے جو میری رائے میں دو بکریوں سے اچھا ہے کیا وہ
 میری طرف سے جائز ہو سکتا ہے آپ نے فرمایا کہ وہ تجھے جائز ہے اور تیرے سوا کسی سے نہیں جائز ہے صحیح، یعنی سال بھر سے کم نہیں جائز
 ہوا امام ابو جعفر بن جریر نے تفسیر میں کہا کہ صواب یہ ہے کہ قولہ تعالیٰ فصل لربک وائخر کے یہ معنی ہیں کہ اپنی سب نمازوں کو
 خالص اپنے رب عزوجل کے واسطے رکھ کسی دوسرے کے واسطے نماز نہ رکھنا اور سیطرح اپنی سب قربانی کو بھی خالص اپنے رب عزوجل

کی تفسیر میں نظر خیر کثیر کے اقوال کثیرہ ہیں اور اصح یہ کہ وہ نہر باحوض ہو کیونکہ آنحضرت صلعم نے اُسکو صریح بیان فرمایا ہے مترجم
کتابا ہو کہ جو لوگ خیر کثیر کے معنی لیتے ہیں وہ نہر کوثر کو اداں شامل رکھتے ہیں پھر جو بعض لوگوں نے زعم کیا کہ نہر کوثر کی تفسیر میں نہر
اور بانی باطل ہیں۔ تو یہ خود باطل قول ہو خطیبؒ نے لکھا کہ ان اقوال میں کچھ مخالفت نہیں کیونکہ آنحضرت صلعم کو مقام محمود وغیرہ
خیر کثیر عطا ہوا ہو اور قاضی عیاضؒ نے کہا کہ حوض کوثر کی احادیث صحیح ہیں اور انہر ایمان لانافرض ہوا بن عادلؒ نے کہا کہ انکو
اظاہری معنی پر رکھنا اہل السنۃ کے نزدیک واجب ہوا سمین تاویل یا اختلاف کرنا جائز نہیں جیسے قطعیات کا حکم ہوتا ہو کیونکہ یہ
حدیث بھی ستواتر ہو اسکو جماعت کثیر صحابہ رضی اللہ عنہم نے روایت کیا صاحب القوت رحمہ وغیرہ علمائے لکھا کہ رسول اللہ صلعم کا حوض
کوثر بعد صراط کے ہو مترجم کتابا ہو کہ بھر دیا ان عرب کے مرتدین کیونکہ جا سکتے ہیں جو ہانکے جاوینگے و لیکن صحیح یہ ہے کہ حوض کوثر پہلے
ہو اور نہر کوثر البتہ حبت میں بل صراط کے بعد ہوا لہذا ابو الحسن الفارسیؒ نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ حوض کوثر تو میزان سے پہلے ہو مترجم کتابا ہو
کہ خطیبؒ نے بیان حوض کوثر کے متعلق بعض احادیث نقل کیں جیسے حدیث عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا حوض ایک مہینہ کی رات تک وسیع ہوا سکا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد خالص سے زیادہ
شیرین ہے اور مشک سے زیادہ خوشبودار فرمایا تو معلوم ہو گیا کہ نہر کوثر میں جو فرمایا تھا کہ اسکی خاک مشک اذفر ہو اس سے مراد یہ کہ حبت
(صحیح) مترجم کتابا ہو کہ حوض کی وسعت بطور مثال کے بیان ہوئی ہو اور چونکہ اسمین نہر کوثر سے پانی آتا ہو اسی لیے وہی اوصاف
نذر کوثر ہیں اور مشک سے زیادہ خوشبودار فرمایا تو معلوم ہو گیا کہ نہر کوثر میں جو فرمایا تھا کہ اسکی خاک مشک اذفر ہو اس سے مراد یہ کہ حبت
کا مشک اذفر ہو جسکی نظیر دنیا میں ممکن نہیں بلکہ خیال میں بھی نہیں آسکتی ہو (م) ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم آخری بیماری میں جب انتقال فرمایا فرماتے تھے کہ میں تم لوگوں کے لیے حوض پر پیشتر پہنچ جانے والا ہوں اور ضرور ایسا ہوں
والا ہو کہ کچھ لوگ تمھارے میری طرف لائے جاوینگے یہاں تک کہ جب میں انکو لینے کے لیے متوجہ ہوں گا تو اُدھر سے اچک لیے جاوینگے
تو میں کہوں گا کہ اور یہ لوگ تو کچھ گھڑی میری صحبت میں بیٹھے تھے تو مجھے کہا جائیگا کہ تجھے معلوم نہیں کہ انھوں نے تیرے بعد
کیا نئی حالت بدلی رہنے یہ لوگ اُلٹے پاؤں تیرے بعد مرتد ہو گئے (تو میں کہوں گا کہ خرابی ہو جسے میرے بعد دین اسلام بدل کر
گمراہی لے لی (صحیح) علما کے نزدیک بالاجماع یہ وہ لوگ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے قریب میں مرتد ہو کر
اسود غنسی کذاب کی نبوت کے قائل ہو گئے اور پھر آپ کی وفات کے بعد سلسلہ کذاب اور سجاج وغیرہ کی نبوتوں کے معتقد ہو کر
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جنود و مجاہدین صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں سے مارے گئے۔ م۔ ثوبان رضی اللہ عنہ نے بھی حوض
کوثر کی حدیث روایت کی اور آخر میں ہے کہ حبت سے اُسکو دو پرنا لے آئے ہیں ایک سے بچا ہو اور دوسرا چاندنی کا ہو۔ صحیح مسلم کی حدیث
میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت والے میرے حوض پر وارد ہوں گے اور میں غیروں کو اپنے حوض سے ہانک
دوں گا جیسے آدمی اپنے حوض سے غیر کے اونٹ کو ہانک دینا ہو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا حضور ہم لوگوں کو اپنی
امت کو حقیقت تک ہوگی پہچان لینگے۔ فرمایا کہ ہاں ضرور پہچان لوں گا۔ تمھاری علامت ایسی ہوگی جو کسی دوسرے میں
نہوگی تم لوگ وضو کے اشارے نورانی روشن چہرہ و نورانی ہاتھ پاؤں میرے پاس آؤ گے (السراج) قولہ تعالیٰ فصل
لربک و آخر۔ یعنی جیسے ہم نے تجھے دینا و آخرت میں خیر کثیر عطا فرمائی ازاںجملہ حوض کوثر و نہر کوثر ہی تو اپنے رب کے لیے نماز و نصیحت

عادت کی اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں کوثر پر آیا تو میں نے دیکھا کہ وہ نہر جاری ہو اور کچھ کھد اُونس پہ
اور میں نے دیکھا کہ اُسکے کنارے موتیوں کے قبہ میں میں نے ہاتھ لگا کر اُسکی تہ کی خاک دیکھی تو خاک نہیں بلکہ وہ مشک اذفر ہے
اور اُسکے رُڑے موتی ہیں (رواہ احمد بطریق عنہ) امام البخاری و مسلم نے قتادہ بن جابر عن انس رضی اللہ عنہ روایت کیا جس میں تصریح
ہو کہ یہ معراج میں ہوا تھا اور کہا کہ اُسکے کنارے مجوف موتیوں کے قبے تھے ابن جریر رحمہ کی روایت بطریق شریکے میں -
موتیوں و زبرجد کے مکانات تھے (فی الصحیحین ایضاً) ابن جریر رحمہ نے بطریق عبد اللہ بن مسلم الزہری عن انس رضی اللہ عنہ روایت کی
اس میں ہے کہ اُسکا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہو اُسپر سب آتے ہیں جنگی گزینین اونٹ کی طرح ہیں تو ابو بکر
رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ یہ پرند بہت عیش میں ہیں آپ نے فرمایا کہ اُنکے کھانے والے کو اُنسے زیادہ عیش ہے
اس حدیث کو امام احمد رحمہ نے بھی روایت کیا لیکن اُس میں بجائے حضرت ابو بکر کے عمر رضی اللہ عنہ کا نام مذکور ہے اور ایسا معلوم
ہوتا ہے کہ ان دونوں نے پوچھا ہو گا (حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا) بخاری رحمہ نے مسند کیا کہ ابو عبیدہ رحمہ نے حضرت عائشہ سے کوثر کو پوچھا تو
فرمایا کہ یہ ایک نہر نفیس ہے جو مختارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئی ہو اُسکے کنارے مجوف موتیوں کے مکانات ہیں اور اُس میں
تارون کے شمار سے ظروت ہیں (رواہ احمد والنسائی بطریق) اور ابن جریر کی روایت میں یہ وسط جنت میں ہے۔ اُسکے کنارے
موتی و یاقوت کے محل ہیں اور اُسکی خاک مشک اذفر ہے اور اُسکے رُڑے موتی و یاقوت ہیں قول ابن عباس ابن جریر
نے بطریق سعید بن جبیر حدیث ابن عباس روایت کی کہ کوثر جنت میں نہر ہے اُسکے کنارے سونے چاندی کے ہیں اور وہ یاقوت و
موتیوں پر بہتی ہے اور اُسکا پانی برف سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے۔ ابن جریر و ترمذی نے اسی کے مثل ابن عمر رضی
کا قول روایت کیا اور ترمذی نے ابن عمر سے باسناد صحیح اسکو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا۔ اگر وہیم ہو کہ اوپر
حدیث میں گزرا کہ کنارے مجوف موتیوں کے محل و قبے ہیں (جواب) ہاں اور خود نہر مذکور کے کنارے سونے چاندی کے ہیں (تفسیر
ابن عباس بخاری نے سعید بن جبیر سے روایت کی کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ الکوفہ خیر کثیر ہے یعنی بکثرت بہتری ہے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا جو البو بشر نے کہا کہ میں نے سعید بن جبیر سے پوچھا کہ بھر لوگ تو کہتے ہیں کہ کوثر جنت میں نہر ہے سعید بن جبیر
نے کہا کہ اُسی خیر کثیر میں سے یہ نہر بھی ہے ابن کثیر نے کہا کہ کوثر کثرت ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلیٰ درجہ کی بہتری بکثرت
عطا فرمائی تھیں سے نہر کوثر بھی ہے یہی قول ابن عباس و عکرمہ و سعید بن جبیر و محارب بن دثار و حسن بصری و مجاہد بن جابر نے
کہا کہ الکوفہ دینا و آخرت میں خیر کثیر ہے اور عکرمہ نے کہا کہ وہ نبوت و قرآن و ثواب آخرت ہے اور معلوم ہو چکا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ
نہر کوثر سے بھی تفسیر بیان کی اور ابن جریر نے یعقوب الدوبنی عن ابن علیہ روایت کی کہ ہم سے عطاء بن السائب نے کہا کہ مجھے
محارب بن دثار نے پوچھا کہ کوثر کی تفسیر میں تم سے سعید بن جبیر نے کیا بیان کیا۔ میں نے کہا کہ مجھے روایت کی کہ ابن عباس
نے فرمایا کہ الکوفہ خیر کثیر ہے تو محارب بن دثار نے کہا کہ واللہ سچ کہا ہے شک وہ خیر کثیر ہے لیکن ہم سے ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب
انا اعطیناک الکوفہ نازل ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں نہر ہے اُسکے کنارے سونے کے ہیں وہ موتی
و یاقوت پر ردان ہے ابن کثیر نے کہا کہ صحیح اسناد سے ائمہ محدثین نے اس قدر کثرت طرق سے نہر کوثر کی حدیث پائی کہ وہ
بدرجہ متواتر ہے تو قطعی یقین حاصل ہے اور اسی طرح حوض کوثر کی حدیث متواتر ہے (تفسیر ابن کثیر رحمہ) قرطبی نے کہا کہ الکوفہ

کیا بنا طریقہ نکالا تھا (اسناد صحیح) اسے طرح امام احمد نے ثلاثی اسناد سے اسکو روایت کیا ہے پھر امام ابن کثیر نے لکھا کہ حوض کوثر کے بارہ میں احادیث بکثرت ہیں مترجم کہتا ہے کہ بیان ایک بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ نہ کوثر حوض کوثر میں یہ فرق ہے کہ نہ کوثر تو فردوس اعلیٰ وسط جنت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منازل عالیہ سے جاری ہے اور اسی سے دوسرے انبیاء کو شاخ ملی ہے اور میدان قیامت میں اسی نہر سے دو جہنم نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض کوثر میں گرتے ہیں اور یہ حوض است وسیع ہے اور اسی سے دیگر انبیاء علیہم السلام کے حوضوں میں جاتا ہے اور تمام احادیث پر نظر کرنے سے یہ بات حاصل ہوگی جو مترجم نے خلاصہ بیان کی ہے واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم ابن کثیر نے لکھا کہ عرصات قیامت حوض کوثر کی صفت میں وارد ہوا ہے کہ آسمان سے نہر کوثر سے اُس میں دو میزاب گرتے ہیں اور اس حوض کے ظروف اس کثرت سے ہیں جیسے آسمان کے تارے ہیں۔ حدیث انسؓ کو امام مسلم و ابو داؤد و نسائی نے بھی روایت کیا ہے اور اسمین عبارت یہ ہے کہ ایک وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے درمیان میں مسجد میں تشریف رکھتے تھے کہ ناگاہ آپ پر وحی کی بیوشی طاری ہوئی پھر مسکراتے ہوئے سر مبارک اٹھا یا تو ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کس چیز سے آپ مسکراتے آپ نے فرمایا کہ ابھی مجھ پر ایک سورہ نازل کیا گیا آخر تک اُسی طرح مذکور ہے جیسے امام احمدؒ کی روایت ہے مترجم کہتا ہے کہ دونوں روایتوں میں فرق یہ ہے کہ امام احمدؒ کی روایت میں یہ ہو سکتا ہے کہ جب یہ سورہ اُترا تو آنحضرت صلعم ہجرت سے پہلے مکہ کی مسجد احرام میں مع اصحاب کے ہوں یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کسی صحابی سے سنا کہ یہ حدیث روایت کی ہے اور حدیث صحیح مسلم وغیرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مدینہ میں ہوا کیونکہ انس رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ آنحضرت صلعم ہمارے درمیان میں مسجد میں بیٹھے تھے اس سے ظاہر ہے کہ انس رضی اللہ عنہ بھی حاضر تھے۔ ہاں اگر یہ کہا جاوے کہ انس رضی اللہ عنہ کا یہ مطلب تھا کہ ہمارے درمیان یعنی صحابہ رضی اللہ عنہ کے درمیان۔ خلاصہ یہ کہ ظاہر کے موافق یہ سورہ مدینہ ہوگا اس واسطے ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا کہ اس حدیث سے بہت علماء و قراء نے کہا کہ یہ سورہ مدینہ ہے اور بہت سے فقہاء نے اس سے دلیل پکڑی کہ بسملہ ہر سورہ کا جزو اور اس کے ساتھ نازل ہوئی ہے کیونکہ آپ نے یہ فرمایا کہ ابھی مجھ پر ایک سورہ نازل ہوا پھر اسکو پڑھا ہم اللہ الرحمن الرحیم انا اعطیناک الکوثر۔ تو معلوم ہوا کہ مع بسملہ کے ابھی نازل ہوا ہے مترجم کہتا ہے کہ جو لوگ بسم اللہ کو جزو نہیں کہتے وہ یہاں یہ تاویل کرتے ہیں کہ جب برئیل علیہ السلام ہر آیت کو جلاتے تھے بتلاوتیے تھے کہ فیلان مقام پر فلان سورہ میں رکھی جاوے گی تو یہاں ضرور بتلایا ہوگا کہ یہ سورہ علیحدہ ہے اور ہر سورہ کی علیحدگی پر بسملہ سے نشان رکھا گیا تھا اس لیے آپ نے بسملہ پڑھی مترجم کہتا ہے کہ ہر حال یہ معلوم ہوا کہ دونوں فریق کا قول اجتہادی ہے قطعی نہیں ہے جیسے فرائض قطعی ہوتے ہیں اور اجتہادی مسائل کا حکم یہ ہے کہ ہر فریق نے جو اجتہاد اختیار کیا تو وہ دوسرے اجتہاد کو غلط نہیں سمجھتا بلکہ کہتا ہے کہ شاید اُسی طرح ہوا سیواسطے شیخ ابن الہمام رحمہ اللہ نے کہا کہ حنفیہ کو لازم ہے کہ سورہ احمد کے اول میں ہمیشہ بسملہ پڑھا کریں اور یہ مجتہبی میں مذکور ہے اور کہا کہ یہی اصح ہے اس لیے کہ احتیاط واجب ہے اور یہاں یہی احتیاط ہے کیونکہ سب کے نزدیک پورا سورہ احمد واجب ہے اگر ایک آیت بھی چھوڑے تو سو کا سجدہ واجب ہو تو ضرور بسملہ پڑھنا چاہیے (م) پھر واضح ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کوثر کو اول مرتبہ تو معراج میں دیکھا تھا پھر قریب وفات کے حوض کوثر کو اپنی مسجد کے منبر سے دیکھتے تھے ابن کثیر نے لکھا کہ امام احمد نے باسناد صحیح روایت کی کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ آیت انا اعطیناک الکوثر

یہ سورہ انا اعطیناک الکوثر۔ نازل فرمایا اور اُس کے آخر میں ہوا ان شاء اللہ یعنی اتر تو وہی ہی جو تیرا دشمن ہے
ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جنگ بدر کے بعد کعب بن اشرف یہودی کے مین گیا تو قریش کے مشرکوں نے اُس سے کہنا شروع
کیا کہ تو اس ملک کا سردار و عالم ہے ہم تجھے پوچھتے ہیں کہ ہم لوگ حاجیوں کی ممانذاری کرتے ہیں اور آب زرم پلاتے ہیں اور خانہ
کعبہ کے خادم ہیں ہم اچھے ہیں کہ یہ صابی اتر اپنی قوم سے خارج اچھا ہو یہ یہودی خبیث کہنے لگا کہ تم اچھے ہو تو اللہ تعالیٰ نے
یہ سورہ نازل فرمایا۔ ان شاء اللہ ہوا لا تبر۔ اور یہودی کی مذمت میں۔ الم ترالی الذین اتوا نصیبنا الایہ۔ نازل ہوا رواہ البزازی
و ابن ابی حاتم و ابن دریم اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا کہ اسکی اسناد صحیح ہے اور آئندہ اس بارہ میں روایات آتی ہیں قال تعالیٰ
اِنَّا اَعْطَيْنَاكَ الْكُوثَرَ۔ ہم نے تجھے کوثر عطا کیا۔ لغت میں کوثر بہت بہتری و خیر کثیر ہے اور اس معنی میں
ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو کمال فضل و رحمت تمام بشارت پر محمول کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر کثیر کا
انداز کسی مخلوق کے امکان میں نہیں ہر حتیٰ کہ کوئی فرشتہ مقرب اسکو خیال میں نہیں لاسکتا ہو اور نہ کوثر و حوض کوثر اسی میں
شامل ہے۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ پس نماز پڑھ اپنے رب کے لیے اور خرقہ کر۔ پس اپنے رب
ہی کے لیے خالص نماز پڑھ اور قربانی کر۔ اگر کہو کہ صلوٰۃ تو فرض ہے اور طاعات کا ثواب اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہو اور یہاں عطیہ
کے بعد نماز کا حکم ہے (جواب) یہ تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اپنے بندوں پر انکی پاداش سے مقدم ہے کیونکہ یہ عطیہ دل ہی سے مقدم
ہو چکا تھا تو طاعات سے بالضرر مقدم ہے اور توضیح اسکی تفسیر کبیر سے آئندہ آویگی اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا یعنی جیسے ہم نے
تجھے خیر کثیر دینا و آخرت میں عطا کیا از انجملہ نہ کوثر ہی تو بھی خالص اپنے رب عزوجل کے لیے فرض و نوافل نماز اور اُس کے
نام پر خالص قربانی کر۔ اِنَّ مَثَانِدَكَ هُوَ الْاَبَدُ۔ البتہ جو تجھے بے رکتا ہو وہی اتر ہے۔ شانی بغض
بیر و دشمنی رکھنے والا جیسے ابوجہل وغیرہ تھے تو یہ لوگ اسلئے اتر ہوئے کہ دنیا فقط مسافر خانہ ہے اور حقیقی گھر آخرت ہی
اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھنے والا کافر ہو تو جہنم میں اُسکا کوئی نہوگا بلکہ اگر انہیں سے کسی کا بیٹا کافر مواتو
وہ دونوں و ہاں ایک دوسرے کو لعنت کرینگے (اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے دنیا میں بھی تمام امت اسلامیہ
موجود ہے جو آپ کی ازواج مطہرات کی ماں ہونے پر ہزار جان سے اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہیں اور آپ کے نام مبارک پر جان و
دل سے درود بھیجتے اور قربان ہوتے ہیں پس آپ کو جس کافر نے اتر کہا وہ ملعون جھوٹا ہو وہ خود اتر ہے اقوال مفسرین
امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا کہ امام احمد نے محمد بن فضیل عن النخاس بن فلفل عن النس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کی کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی بیہوشی ہوئی پھر آپ نے مسکرائے ہوئے سر مبارک اٹھا کر خود فرمایا یا صحابہ رضی اللہ عنہم
لیا کہ یا رسول اللہ آپ کس بات پر مسکرائے تو فرمایا کہ ابھی مجھ پر ایک سورہ نازل ہوا پھر اسکو تلاوت فرمایا بسم اللہ الرحمن الرحیم
انا اعطیناک الکوثر۔ آخر تک پڑھا۔ پھر فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ کوثر کیا ہے انھوں نے عرض کیا کہ اللہ و رسول ہی خوب
جانتے ہیں۔ فرمایا کہ وہ نہر ہے جنت میں اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی اس پر خیر کثیر ہے قیامت کے روز میری
امت اُس پر آویگی اسمین ظروف بعدد کواکب ہیں (یعنی بے شمار ہیں) بعض لوگ قریب آنے نہ پاویں گے کہ کپڑے جادوینے
انہیں عرض کروں گا کہ اے رب یہ تو میری امت ہیں سے ہے ارشاد ہوگا کہ تو نہیں جانتا کہ انھوں نے تیرے بعد

اور اسی میں بانی و ناک و آگ شامل ہو اور اسی قسم سے یہ ہر کہ پڑوسی تیرے چولھے میں ایک روٹی ڈال لے۔ علمائے کما کہ آدمی کے فضائل میں سے ہر کہ اپنے یہاں ایسی بہت چیزیں جمع کر لے جنکی پڑوسیوں کو ضرورت ہوگی تو انکو مانگے دیا کرے۔ واضح ہو کہ نماز اللہ تعالیٰ کے واسطے بھی اُسکو لوگوں کے دکھلانے کو ادا کرتے ہیں اور ماعون میں خلیق کا حق تھا وہ چھپاتے ہیں اُسی ہم کو اپنے فضل سے ایسے لوگوں میں نہ کیجیو جسکی مذمت تو نے اس سورہ میں فرمائی ہے (کبیروم)

سُورَةُ الْكَوْثُرِ طَبَقَةً وَهِيَ ثَلَاثُ آيَاتٍ

اسکو سورۃ النحر بھی کہتے ہیں اسمین تین آیات اور دس کلمات اور بیا لیس^(۴۲) حروف ہیں (السراج وغیرہ) کبیر و ابو السعود وغیرہ نے لکھا کہ یہ سورہ مکہ ہو اور اسی قدر پُر اقتضار کیا اور ابن کثیر نے لکھا کہ مدنیہ ہو اور بعض کے نزدیک مکہ ہے۔ خطیب نے لکھا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما و کلبی و مقاتل کے قول میں مکہ ہو اور حسن رحمہ و عکرمہ و مجاہد و قتادہ کے قول میں مدنیہ ہو و فی الفتح ابن عباس و ابن الزبیر و عائشہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہو کہ سورۃ الکوثر کا نزول مکہ میں ہوا ہی مترجم کہتا ہے کہ مشرکین قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لڑکوں کی وفات کے بعد دشمنی سے آپ کو ایتیر۔ کہنا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورہ نازل فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ مکہ ہی اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ مسجد میں اصحاب کے ساتھ تھے کہ وحی کی کیفیت طاری ہوئی اور اُس سے فراموشی کے بعد اپنے یہ سورہ تلاوت فرمایا اس سے نکلتا ہے کہ مدنیہ ہو اور عنقریب بیان آویگا انشاء اللہ تعالیٰ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اِنَّا اَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝

اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا شروع

سننے دی تجکو کوثر سونماز پڑھ اپنے رب کے آگے اور قربانی کر بیشک جو بیری ہو تیرا وہی رہا چھپا کلا

واضح ہو کہ اس سورہ مبارک کی تفسیر میں علماء تفسیر مانند امام رازی وغیرہ نے بیان نکات میں اور مانند امام ابن کثیر وغیرہ نے بیان روایات ائمہ مفسرین میں فوائد لطیفہ جمع کیے ہیں حالانکہ یہ سورہ مبارک صرف تین آیات ہیں اور مترجم پہلے اسکی عام فہم تفسیر مختصر بیان کرتا ہی پھر اقوال و افادات اہل تفسیر کا خلاصہ ترجمہ کر لگا واللہ تعالیٰ ہوا موافق۔ جاننا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد فقط ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئی اور خدیجہ رضی اللہ عنہا سے پہلے انتقال کیا ابن الکلبی رحمہ نے کہا کہ سب سے پہلے زینب رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں پھر قاسم رضی اللہ عنہ اور انھیں کی جنت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوالقاسم کہلاتے تھے پھر ام کلثوم پھر فاطمہ پھر رقیہ پھر عبداللہ جنکو طیب و طاہر بھی کہتے ہیں پیدا ہوئے رضی اللہ عنہم اجمعین۔ کہا گیا کہ یہی قول صحیح ہے۔ پھر رابعہ بطنیہ رضی اللہ عنہا سے ابراہیم پیدا ہوئے وہ بھی سترہ مہینہ کے ہو کر جنت کو سدھارے جیسے قاسم و عبداللہ پہلے انتقال کر چکے تھے اور عرب کے جاہل اُس شخص کو (ابتر) کہتے جسکے بعد لڑکا باقی نہ رہے کیونکہ (ابتر) بجھے قطع ہو گیا اُسکی نسل منقطع ہو گئی۔ پس مکہ میں عبداللہ بن رسول اللہ نے بھی انتقال کیا تو ابو جہل وغیرہ ملاحین نے باہم ایک دوسرے کو خوشخبری سنائی کہ اس صابی کا کوئی لڑکا نہ رہا تو وہ ابتر ہو گیا پس اللہ تعالیٰ نے

ہوا نہ کریں اور کبھی اپنے مال کی زکوٰۃ نہ دیں جس نے کبھی یہ کہا کہ صدقہ نہ دیں۔ زید بن اسلم نے کہا کہ نماز تو ظاہر میں ہوتی ہے
 اسلئے دکھلانے کو پڑھ لی اور زکوٰۃ مخفی ہوتی ہو وہ کبھی نہ دی۔ بالکلہ ان علماء کے اقوال میں ماعون زکوٰۃ مالی ہے عبد اللہ
 بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ماعون ایسی چیزیں جسے باہم مانگے سے لوگ کام نکال لیتے ہیں جیسے کھانا پانی و پتیلی
 اور ڈول رسی وغیرہ۔ ابن جریر نے محمد بن عبید اللہ الحارثی عن ابی الاحوص باسنادہ روایت کیا کہ عبد اللہ بن مسعود رضی
 اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم لوگ صحابہ باتیں کیا کرتے کہ ماعون ڈول (رسی) اور کھانا پانی و ہانڈی ہو جنکی عام ضرورت ہوتی ہو۔ ابن جریر
 نے دوسری اسناد سے سعید بن عباس سے روایت کی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم ماعون کی تفسیر بیان کرتے تھے لسانی نے
 عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ہر معروف بھلائی صدقہ ہو اور ہم لوگ زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈول و ہانڈی کا
 مانگے دینا ماعون میں شمار کرتے تھے (رواہ ابو داؤد و ابن جریر) اور ابن ابی حاتم کی روایت میں (ترزو) بھی مذکور ہے
 ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ماعون گھر گریستی کی متاع ہو۔ یہ بھی مجاہد و شخصی و سعید بن جبیر و ابو مالک وغیرہم نے کہا کہ ماعون برآمدگی
 چیز عاریت دینا۔ اگر کوئی پہلے انھیں بعض علماء سے گزرا کہ ماعون زکوٰۃ ہو (جواب) ہاں اور دونوں قول ٹھیک ہیں اور
 آئندہ آتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا جاتا ہے کہ ماعون سے منع کرنے والے آئندہ زمانہ میں آؤنگے ابھی نہیں ہیں
 عوفی رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کہ ماعون کی تفسیر میں لوگوں نے اختلاف کیا بعض نے کہا کہ ماعون سے منع
 کرتے یعنی زکوٰۃ نہیں دیتے ہیں اور بعض نے کہا کہ طاعت نہیں کرتے اور بعض نے کہا کہ مانگے نہیں دیتے ہیں (رواہ ابن جریر)
 اور ابن جریر نے بطریق لیث بن ابی سلیم مسند کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ماعون سے منع یہ کہ لوگوں کو کھانا پانی
 و ہانڈی و ڈول مانگے نہ دے۔ عکرمہ رحمہ اللہ نے کہا کہ ماعون افضل زکوٰۃ ہے اور کمتر ماعون پھلنی و ڈول و سونہی ہو (رواہ ابن ابی حاتم)
 عنہم یہ عکرمہ رحمہ اللہ کا قول اچھا ہے کیونکہ اس میں سب اقوال شامل ہو گئے اور سب کا مرجع ایک بات ہو کہ ماعون سے منع کرتے ہیں
 یعنی نہ مال دیتے ہیں اور نہ کسی مال کی منفعت دیتے ہیں۔ محمد بن کعب نے کہا کہ ماعون معروف ہو یعنی برتاؤ میں جس طرح بھلائی
 ہو بچانے کا دستور ہو۔ حدیث میں ہے کہ ہر معروف صدقہ ہو۔ نہ ہری رحمہ اللہ نے کہا کہ ماعون قریش کی زبان میں مال ہے ابن ابی حاتم
 قرہ بن دعوٰص النمیری نے کہا کہ ہم لوگ اپنی قوم کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تھے ہم نے
 کہا کہ یا حضرت آپ ہم سے کیا اقرار لیتے ہیں یعنی کچھ وصیت فرمائے آپ نے فرمایا کہ ماعون سے منع نہ کرنا۔ ہم نے کہا کہ ماعون
 کیا ہے فرمایا کہ پتھر ہیں اور لوہے ہیں اور پانی ہیں۔ پتھر میں تو پتھر کی ہانڈیاں ہیں اور لوہے میں لوہے کی کھانا پانی و تانبے کی دیگ
 جو معمولی کام میں لایا کرتے ہو اس حدیث کو ابن ابی حاتم نے روایت کیا اور پیشا ذرا روایت ہو اور اسکی اسناد میں بعض راوی پہچانا
 نہیں جاتا ہو اور ابن الاثیر رحمہ اللہ نے علی بن فلان نمیری سے یہ حدیث ذکر کی کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے جب
 تو سلام کرے اور اسکو سلام کا جواب بہتر دے اور ماعون سے منع نہ کرے میں نے کہا کہ ماعون کیا ہے فرمایا کہ پتھر و لوہا وغیرہ ایسی چیزیں
 ہیں مگر حرم کتا ہو کہ ایسا معلوم ہوتا ہو کہ یہ بھی قرہ نمیری کے ساتھ میں تھے واللہ علم رازی رحمہ اللہ نے لکھا کہ اکثر مفسرین
 کے نزدیک ماعون ایسی چیزوں کا نام جنکو دینے سے انکار کی عادت نہیں ہو اور اسکو مالدار و فقیر سب مانگ لیا کرتے ہیں
 اور جو کوئی دینے سے انکار کرے اسکو مکینہ و بدخلق کہتے ہیں جیسے کھانا پانی و ہانڈی و ڈول رسی و کھانا و پانی و غیرہ

اور نزول رحمت کا افضل وقت آیا تو یکایک اُسے دل میں یاد آیا اُسے نماز سے سلام پھیر کر اُس مقام پر تلاش کیا تو مال مل گیا وہ شخص نہایت خوش ہوا اور صبح کو امامِ رح سے حال بیان کیا آپ نے فرمایا کہ پھر تو نے کیا کیا۔ اُس نے کہا کہ پھر سورہا آپ نے تلاوت کی کہ بھلا شکر کر کے رات پوری کی ہوئی تبص شاگردوں نے پوچھا کہ آپ نے جو کچھ اسکو بتلایا یہ کہاں سے بتلایا آپ نے فرمایا کہ اُس حدیث سے جس میں مذکور ہے کہ پھر شیطان آکر نمازی کے دل میں وسوسہ دلاتا ہے کہ وہ بات یاد کر اور وہ معاملہ یاد کر جسکو وہ یاد بھی نہ کرتا تھا۔ ۷۔ تو میں نے کہا کہ جب یہ شخص خلوص سے نماز میں مشغول ہوگا تو شیطان اسکو رات بھر عبادت سے مانع ہوگا اور آخر اسکو یاد دلا دیگا۔ اس شخص نے رات پوری نہ کی اور سورہا مترجم کہتا ہے کہ رات میں اسلئے بتلایا کہ وہ متبرک وقت ہے اور رب کا رسی بھی نہوگی خطیب نے لکھا کہ آدمی اگر اپنے نیک عمل کو ظاہر کرے تو دیکھتا چاہیے کہ اگر فرض ہے تو فرض کا حق یہ ہے کہ اُسکو اعلان کرے اور اس میں زیادہ نہیں ہو سکتا اور یہ اسلام کا رکن ہے اور اگر نفل سنت ہو تو اسکو خفیہ کرنا بہتر ہے ولکن اگر ایسا شخص ہے کہ لوگ اُسکی دیکھا دیکھی اقتدا کرینگے تو اظہار کرنا اچھا ہے اور یہ واجب ہوگا کہ اس نیت سے ظاہر کرے کہ وہ دیکھ کر اُسکی تعریف کریں بعض علماء نے مسجد میں ایک شخص کو دیکھا کہ اُس نے شکر کا طولانی سجدہ کیا تو فرمایا کہ یہ اچھا عمل تھا بشرطیکہ گھر میں ہوتا مترجم کہتا ہے کہ ہمارے زمانہ میں معمولی سنتیں بھی بمنزلہ فرض کے ہیں یعنی انکے ظاہر کرنے میں مضائقہ نہیں ہے کیونکہ عوام جاہل اس قدر ہیں کہ ترک کرتے پر آمادہ ہونگے یا اُسکے حق میں بہتان کرینگے کہ وہ سنت نہیں پڑھتا ہے کیونکہ یہ لوگ گھروں کو قبرستان کے مانند بناتے ہیں وہاں نماز نہیں پڑھتے ہیں اگرچہ گھروں میں سنت پڑھنا افضل ہے اور خطیب نے کہا کہ زیادہ سے بالکل بچ جانا بہت مشکل ہے جب تک اخلاص دل میں خوب جم نہ جاوے تب تک خوف ہے اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اندھیری رات میں کوہ صفا (سیاہ) میں چوٹی کے پانوں کی چال سے بھی بڑھ کر زیادہ آدمی کے نفس میں ٹپتی ہوئی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ جس بدکار کا دل آخرت کے حساب کتاب اور جزاء و سزا کو قبول نہیں کرتا اور وہ یتیم و مسکین پر ظلم و بے رحمی کرتا ہے اور نماز سے غافل و ریاکار ہے تو ایسے نفس ناکارہ میں دنیا و اُسکی چیزوں کی محبت ایسی سمائی ہوئی ہے کہ برتنے کی چیز مانگے نہیں دیتا ہے لقولہ تعالیٰ و یمنعون الماعون۔ اور ماعون سے منع کرتے ہیں۔ ماعون کی تفسیر میں علماء کے اقوال ہیں قطر نے کہا کہ لغت میں معنہ بمعنی قلت ہے چنانچہ عرب بولتے ہیں کہ اُسکے پاس نہ سعنہ نہ معنہ یعنی قلیل چیز بھی نہیں ہے۔ پھر زکوٰۃ و صدقہ و معروف کو ماعون کہا گیا کیونکہ یہ کثیرین سے قلیل نکالا جاتا ہے ابن کثیر نے لکھا کہ پہلے ان لوگوں کے حق میں نماز کی خرابی بیان کی پھر فرمایا کہ ماعون سے روکتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ایسے خراب ہیں کہ نہ رب عزوجل کی بندگی میں اچھے ہیں اور نہ مخلوق کے ساتھ برتاؤ میں اچھے ہیں جتنے کہ لوگوں کو برتاؤ کی چیز مانگے نہیں دیتے جس سے ضرورت کے وقت آدمی کا کام نکل جاتا اسکا بھلا ہو جاتا اور وہ چہیز پھر واپس مل جاتی تو جب یہ حال ہے تو بھلا ایسے لوگ زکوٰۃ و خیرات کب دینے والے ہیں۔ مجاہد رحم نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ماعون زکوٰۃ ہے۔ یہی سدی نے ابوصالح سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول روایت کیا اور یہی قول ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہوا ہے اور یہی محمد بن الحنفیہ و سعید بن جبیر و فکرہ و مجاہد و عطاء و عطیہ العوفی و زہری و حسن وقتادہ و ضحاک و ابن زید کا قول ہے حسن بصری نے کہا کہ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اگر نماز پڑھیں تو ریاکاری کریں اور اگر نسا زکوٰۃ دین تو کچھ

مصنف کہلاتے ہیں مترجم کہتا ہے کہ ہمارے زمانہ میں اس سے بڑھ کر مصیبت یہ ہے کہ عموماً عالم کے لباس میں جاہلون نے لقلعہ سے
 دھکا کھنا اپنا شیوہ کر لیا اور محسن ریاکاری کے لیے عوام کو اپنے دام فریب میں لاتے ہیں تاکہ اُن سے دنیا کے حقیر چال کریں لہذا
 ہر گاہوں میں اُس مقام کے لوگوں کے مناسب جھوٹی روایتیں وقفے فورا کر دہ کے بیان کرنے ہیں تاکہ وہ لوگ خوش ہو کر کچھ
 نذر کریں اور یہی لوگ باہم مسلمانوں میں فساد ڈالتے ہیں تاکہ اس حیلہ سے اُنکے پیشوا نہیں اور غرض فقط دنیا ہی اور حدیث شریف کا
 وہ مجرہ صادق آیا کہ اس امت میں جو علم والا گہڑے وہ یہود کے عالموں کے مانند حطام دنیا کے لیے دین بچکر عوام کو بگاڑے گا
 اور جو رویش بگاڑا وہ لفسرانی راہ کے مانند ہو جاوے گا خطیب نے لکھا کہ ہمیں نماز کے اندر بھول داخل نہیں ہو کر کیونکہ وہ شیطان
 کے وسوسہ سے ہوتی ہے یعنی حدیث میں ہے کہ جب اذان دی جاتی ہے تو شیطان بیٹھ پھیر کر ہانتا ہوا بھاگتا ہے پھر جب پوری
 ہو چکی تو دوبارہ آتا ہے پھر افاست کہی گئی تو بھاگتا ہے پھر جب ختم ہوئی تو اگر نمازی کے خیال میں وسوسہ ڈالتا ہے یہ کہتا ہے کہ وہ بات یاد
 کر دو اور فلاں بات یاد کرو جسکو وہ یاد بھی نہ کرتا تھا یا تاکہ کہ آدمی اس وسوسہ میں یہ بھول جاتا ہے کہ اُسے کس قدر نماز پڑھی ہو کمانی اصح
 پس ایسے وسوسہ سے کتر مسلمان بچ سکتا ہو حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز میں سو فرماتے تھے تو دوسرے کا کیا ذکر ہو سکتا
 علماء فقہ نے کتابوں میں سوکا باب باندھا (السراج الرازمی) نے لکھا کہ بہت سے علماء کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
 خود سو نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ میں سو پیدا کر دیا تاکہ امت کے واسطے سو کے مسائل معلوم ہو جاوے اور اگر ان میں
 کہ آپ نے سو کیا تو نماز سے سو نہیں کیا بلکہ یاد رکھ کر اول وقت نماز پڑھی پھر نماز میں سو کیا اور یہ سجدہ سو سے پورا کر دیا بخلاف
 ایسے لوگوں کے جنکے دل میں نفاق ہو کہ وہ نماز سے سو کرتے ہیں اور نماز کی صفت یہ ہے کہ بُری باتوں اور فواحش سے روکتی
 ہو لیکن جب نماز کی طرح پڑھی جاوے لقولہ تعالیٰ ان الصلوۃ تنہی عن الفحشاء والمنکر الآية یعنی نماز باز رکھتی ہو فحش
 باتوں سے اور ممنوعات شرع سے ۔۔۔ پھر اگر وہم ہو کہ منافقین نماز پڑھتے تھے تو جواب یہ کہ وہ نماز نہیں پڑھتے تھے بلکہ اگر
 لوگوں میں ہوئے تو دکھانے کو یہ صورت بنائی اور تنہا ہوئے تو نہ پڑھی یا بُری طرح حکمرین مار لیں تو یہ نماز سے غافل ہیں انکے
 لیے ویل عذاب ہو اور نماز کا فائدہ انکو حاصل نہیں ہو سکتا ہو مترجم کہتا ہے کہ شیخ ابوالحسن شاذلی رحمہ اللہ تعالیٰ کے وقت
 میں یعنی مغرور مولویوں نے قصد کیا کہ چکر شیخ رحمہ سے مسائل پوچھیں کیونکہ ان مغرور لوگوں نے جانتا تھا کہ خالی مسائل یاد کر لینے
 سے بدوں دلی اثر و عاجزی کے بڑا عالم ہو جاتا ہے جب شیخ کی خدمت میں پہنچے تو شیخ رحمہ نے خود اسے سوال کیا کہ قولہ تعالیٰ ان الصلوۃ
 تنہی عن الفحشاء والمنکر کے کیا معنی ہیں سب نے معنی بیان کیے تو فرمایا کہ آپ نماز پڑھتے ہیں کیا کہان فرمایا کہ پھر تم میں اثر ہوتا
 تو تم یہ قصد نہ کرتے کیونکہ یہ شرع میں ممنوع ہے یہ لوگ چونکہ اُٹھے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کر کے صدق دل سے نماز
 کی طرف رجوع لائے (لطیف) شیخ ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا کہ امام ابو حنیفہ
 کے وقت میں ایک شخص نے اپنا مال و فن کیا پھر وہ ایسا بھول گیا کہ اُسکو مقام بادین میں آنا تھا ہر چند
 اُس نے جابجا کھودا اور تلاش کیا پتہ نہ لگا۔ آخر وہ امام رحمہ کی خدمت میں آیا اور حال بیان کیا آپ نے فرمایا کہ من رمالی و
 سکاری نہیں جانتا لیکن میں تجھے ایک بات بتلا تا ہوں شاید ان شاء اللہ تعالیٰ تجھے نافع ہو۔ آج تورات میں صدق
 دل سے جناب باری تعالیٰ میں نماز پڑھنے کا صحیح تک التزام کر لے اُسے رات میں ہی التزام کیا۔ جب دوسری رات گزری

ابن عباس سے نہیں سنا ہوا اللہ اعلم۔ امام احمد رحمہ نے عمرو بن مرہ سے مسند کیا کہ ہم لوگ ابو عبیدہ کے پاس بیٹھے تھے لوگوں نے ریاہ ذکر کیا تو ایک شخص ابو زید نے ذکر کیا کہ میں نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جس نے لوگوں کو سننے کے لیے عمل کیا تو اللہ تعالیٰ اُسکو سنوانا ہو (یعنی رسوا کرتا ہو خلق میں) اور اُسکو حقیر و صغیر کرتا ہو۔ واضح ہو کہ اگر کسی نے خدائے تعالیٰ کے واسطے عمل کیا پھر لوگ اُسپر مطلع ہو گئے اور اس سے وہ خوش ہوا تو اسکو ریا و نہیں کہنے ہیں چنانچہ ابو عبیدہ نے مسند کیا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نماز پڑھتا تھا (نوافل) اتنے میں ایک شخص میرے پاس چلا آیا (مجھے دیکھ لیا تو یہ بات مجھے اچھی معلوم ہوئی) پس میں نے اسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ تیرے واسطے دو ثواب لکھے گئے ایک ثواب خفیہ کہ دنیا کا دور و دوسرا ثواب علانیہ کا (حدیث غریب) اور ابن المبارک سے خبر ہو چکی کہ انھوں نے اس حدیث کی تخریف کی۔ ابو یعلیٰ رحمہ نے دوسری اسناد سے روایت کیا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے عرض کیا کہ یا حضرت آدمی خفیہ کوئی عمل کرتا ہو پھر جب کوئی اُس سے آگاہ ہو جاوے تو اُسکو خوش معلوم ہوتا ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُسکے لیے خفیہ و ظاہر کے دو ثواب ہیں۔ رواہ الترمذی وابن ماجہ ترمذی نے کہا کہ حدیث غریب ہے اور بعض نے اُسکو مرسل روایت کیا مترجم کہتا ہو کہ ظاہر یہ وہی اول حدیث ہے اسمین ابو ہریرہ رحمہ نے اپنا نام چھپا کر یہ کہا کہ ایک شخص نے آنحضرت صلم سے عرض کیا۔ یہ طریقہ صحابہ رضی اللہ عنہم اکثر تھا کہ چونکہ اپنا نام ایسے موقع پر چھپا دیتے تھے۔ ابن جریر نے سعد بن ابی وقاص سے مسند کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قولہ تعالیٰ الذین ہم عن صلواتہم ساہون کو پوچھا آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ وہ ہیں جو نماز کو اُسکے وقت سے بچھاڑ دیتے ہیں۔ ابو یعلیٰ نے دوسری اسناد سے اسکو سعد رحمہ کا قول روایت کیا اور یہ اسناد اصح ہے اور بہت سی جگہ بھی لکھا کہ یہی اصح ہے ابن کثیر رحمہ نے کہا کہ اس حدیث کے معنی میں کئی صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ نماز کو ٹال کے بالکل ترک کیا اور دوم یہ کہ بے وقت پڑھ لی سویم یہ کہ اچھا وقت ٹال کے آخر وقت پڑھی ابن کثیر رحمہ اور خطیب نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ الذین ہم عن صلواتہم ساہون الذین ہم ہیراؤن۔ یعنی یہ ایسے لوگ ہیں کہ اپنی نماز سے غافل ہیں ایسے لوگ کہ وہ دکھلانے ہی کو کام کرتے ہیں۔ حد۔ مجاہد رحمہ نے کہا کہ (ساہون) یعنی غافل ہیں اُس سے سنستی کرتے اور اُسکو بے قدر رکھتے ہیں۔ حسن بصری رحمہ نے کہا کہ ایسے شخص (منافق) کا حال ہو کہ اگر وہ نماز پڑھے تو دکھلانے کو پڑھتا ہے اور اگر وہ جاتی رہے تو کچھ ندامت نہیں ہوتی۔ کہا گیا کہ اسمین ایسے لوگ شامل ہیں جو نماز کی پروا نہ کرنے سے اُسکو بھول جاتے ہیں یعنی یہ کام انکو یاد نہیں رہتا حتیٰ کہ نماز جاتی رہتی ہو بلکہ پڑھتے ہی نہیں ہیں اور اگر وقت نکل گیا تو کچھ پروا نہیں کرتے یا اگر پڑھی تو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و سلف صالحین پڑھتے تھے اُس طرح نہیں پڑھتے بلکہ ٹکڑے مارتے ہیں نہ عاجزی ہے اور نہ جناب باری تعالیٰ میں اوب و التجاہی بلکہ بالون و کپڑوں کو سنوارتے رہتے ہیں اور بار بار جہانیاں لیتے جاتے ہیں اور ہر طرف اٹکھا جی ڈانوان ڈول ہو یہ یاد نہیں کہ کتنی رکعتیں پڑھیں اور نہ انکو معلوم کہ کیا سورہ پڑھا تھا اور یہ عادت اکثر ریاکاروں کی دیکھی جاتی ہے اور اسواہ کی زکوۃ دینا انکو اس قدر ناگوار ہو کہ گویا برباد کیا۔ یعنی یہ کہ یہی لوگ ایسے ہیں کہ دین کے ستون یعنی نماز سے غفلت کریں اور زکوۃ ندین اور ریاکاری میں مخلوق کے لیے عبادت کریں خطیب نے کہا کہ اس زمانہ میں سخت افسوس ہو کہ بکثرت وہ لوگ جو اپنا نام مسلمان رکھتے ہیں اسی صفت کے ہیں بلکہ اس سے زیادہ افسوس یہ کہ ان میں بہت سے وہ لوگ ہیں جو علم سے

شخص منافق ہو یا مجاہد بن عباسؓ کے قول سے معلوم ہوتا ہو کہ مسابھون کے یہ معنی کہ جب تنہا ہوتے ہیں تو نماز ہی نہیں پڑھتے
 ہیں تو بالکل نماز ہی سے سہو کرنے والے ہیں۔ مسروق و ابوالفضلی نے کہا یعنی یہاں تک سہو کرتے ہیں کہ نماز کے لیے جو وقت مقرر
 ہو غفلت میں اس کا وقت نہ حال دیتے ہیں یا یہ مطلب ہو کہ ہمیشہ یا اکثر اوقات نماز کے افضل وقت و اہل یا اوسط وقت سے
 تاخیر کر کے آخر کر دیتے ہیں یا یہ کہ نماز کے جو ارکان و شرطیں ہیں اُن سے سہو کرتے ہیں یعنی جیسے آہستہ تاخیر قرات الیسی جلدی کرتا ہو
 کہ نظم صاف نہیں نکلتی ہو اور کلمات ادا نہیں کرتا اور رکوع میں تین تسبیح صاف نہیں کہتا اور رکوع سے سر اٹھا کر سیدھا نہیں
 کھڑا ہوتا بلکہ منحنی حالت سے سجدہ میں چلا جاتا ہو اور سجدہ سے سیدھا نہیں بیٹھتا اور بعض لوگ مسجدوں میں امام بیٹے ہیں اور
 جہر سے بہت بنا کر پڑھتے ہیں پھر اخیر کی رکعتوں میں جب خفیہ الحمد پڑھتے ہیں تو اس قدر جلدی کہ شاید تین آیات بھی نہ پڑھ سکے
 اور یا یہ کہ نماز میں خشوع و خضوع نہیں کرتے نہ اُس کے معانی سمجھتے ہیں یا مجملہ کلام الہی ان سب صورتوں کو شامل ہو اور عطا بن دینار
 نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ (عن صلواتہم) یعنی اپنی نماز سے سہو کرنے والے ہیں اور یہ نہیں فرمایا کہ (فی صلواتہم) یعنی
 یعنی اپنی نماز کے اندر سہو کرنے والے ہیں ابن کثیرؒ نے سب صورتیں بیان فرما کر کہا کہ جس شخص میں ان باتوں میں سے کوئی بات
 ہو تو اسی قدر حصہ سہو اس کے حق میں ثابت ہوگا اور جو کوئی ان سب باتوں میں سہو کرنے والا ہو تو وہ پورا سہو کرنے والا ہو پھر اگر اُس کو
 آخرت و نبوت کا یقین ہو تو اعتقاد میں منافق نہ ہو اور لیکن اس عمل میں پورا منافق ہو چنانچہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم نے فرمایا کہ یہ منافق کی نماز ہو یہ منافق کی نماز ہو منافق کی نماز ہو بیٹھا ہوا آفتاب کو دیکھا کرتا ہو یہاں تک کہ جب سورج
 شیطان کے دو وزن سنگوں کے بیچ میں ہوتا ہو (غروب ہونا شروع ہوتا ہو) تو کھڑا ہو کر چار چوہنچین مار لیتا ہو انہیں نہیں یاد کرتا اللہ
 تعالیٰ کو مگر قلیل (صحیح بخاری و مسلم) پس یہ نماز عصر کا آخری وقت ہو اور یہ نماز وسطیٰ ہو جس کے بارہ میں آیت میں تاکید ہو تو اس شخص
 نے وقت آخر کر دیا یہاں تک کہ وقت مکروہ آگیا تب اُٹھا اور کوئے کی طرح چار چوہنچین مار بن نہ قرات میں خشوع و خضوع ہی
 اور نہ ارکان میں تسلی و طمانینت ہو اور شاید کہ وہ اس آخری وقت بھی لوگوں کے دکھلاؤ نہ کیا اُٹھا ہو خاص رخصتے الہی مقصود و مہو
 تو گویا اُس نے کچھ بھی نماز نہ پڑھی۔ اگر کوہ کہ پھر حدیث میں یہ کیونکر فرمایا کہ نہیں یاد کرتا اللہ تعالیٰ کو مگر قلیل اس سے معلوم ہوتا ہو کہ قلیل
 یاد کی ہو (جواب معرب میں یہ محاورہ ایسے حال میں بھی بولتے ہیں جب کچھ نہیں ہوتا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ان المنافقین
 یخادعون اللہ و ہو خادعون و اذا قاموا الى الصلوۃ قاموا کسالی الآیہ۔ یعنی منافقین و ہو کا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کو وہ اُنکو دھوکا
 دیتے والا ہو اور جب نماز کو کھڑے ہوں تو سستی مارے کھڑے ہوتے ہیں لوگوں کو دکھلاتے ہیں اور یاد نہیں کرتے اللہ تعالیٰ کو
 مگر قلیل۔۔۔۔۔۔ اس سے یہ مراد ہو کہ بالکل یاد الہی نہیں کرتے ہیں۔ جیسے بیان فرمایا۔ الذین ہم براؤن۔ یہی ہیں جو لوگوں کو دکھلاتے
 ہیں۔۔۔۔۔۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی خوشی کے واسطے نماز نہیں پڑھتے ہیں بلکہ لوگوں کو دکھلانے کے لیے پڑھتے ہیں طبریؒ نے
 نے بطریق حسن بصری عن ابن عباسؓ روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم میں ایک وادی آتشی ہو جس سے
 خود جہنم ہر روز چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہو یہ وادی اس امت کے ریاکاروں کے واسطے مہیا کیا گیا ہو کتاب اللہ کے حامل رہنے
 حاقط و عالم کے لیے یعنی جب ریاکار ہوا اور بے رخصتے الہی کے غیر کے دکھلانے کو صدقہ کرنے والے کے لیے اور دکھلانے کو بیت اللہ کی
 حاجی بننے کے لیے اور دکھلانے کو جہاد میں جانے والے کے لیے ابن کثیرؒ نے بعد نقل کے سکوت کیا اور یہ حدیث غریبہ اور نہ بصریؒ نے

اور بتے کہ مال لینے کا وہ مستحق ہو جو دشمنوں کو تلوار مارے اور کنبہ کو بچا دے۔ حدیث میں ہے کہ جس شخص نے یتیم کو اپنی پرورش لے لیا یا ہائیک کہ وہ مستغنی ہو گیا یعنی بالغ ہو کر کھانے کمانے لگا تو اُس کے لیے جنت واجب ہو گئی رازیؒ نے افادہ کیا کہ وہ جھٹلانے والا ہے قبیح افعال کرتا ہے تو یہاں یتیم پر قہر و ظلم کرنا اور مسکینوں کے طعام پر آمادہ ذکرنا بطور مثال کے بیان فرما اور خطیبؒ نے کہا کہ اس کافر کا معاملہ مخلوق کے ساتھ بیان کر دیا پھر اسکا معاملہ خالق کے ساتھ آگے نماز کی بے پروائی کر سے مذکور ہے اور مترجم کہتا ہے کہ ثواب و جزا کے جھٹلانے والے دونوں فریق ہیں ایک وہ جو مطلقاً قیامت و آخر

منکر ہیں اور دوم وہ جو یہود و نصاریٰ کے مانند برائے نام قائل ہیں اور حقیقت میں منکر ہیں چنانچہ قاتلوا الذین لایؤمنوا ولا بالیوم الآخر الآیہ۔ میں مصرح ہے اور بعضے برائے نام سلام کی پابندی ظاہر کرتے ہیں اور حقیقت میں اعتقاد نہیں ہے یعنی منکر ہیں تو ظاہری کام کفایت نہیں کریگا بلکہ حقیقت میں خالص ایمان ضرور ہو پس اس معانی کو جمع کرنے کے واسطے فرمایا۔ فَوَلَّيْنَا لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ۔ پھر خرابی ہو ان نمازیوں کی جو اپنی نماز سے بھولا کرنے والے ہیں ف نماز کی پروا نہیں کرتے ہیں۔ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ۔ ایسے لوگ جو دکھلانے ہی کا کام کرتے ہیں یعنی ظاہر میں دکھلانے کو نماز بھی پڑھ لیتے ہیں۔ چنانچہ ابو بزرہ الاسلمی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب یہ آیت اتری تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ اکبر یہ آیت تمہارے لیے تمام دنیا سے بہتر ہے یہ وہ شخص ہے جو اگر نماز پڑھ لے تو بھلائی کی امید نہیں کرتا اور اگر چھوڑے تو کچھ اپنے رب عزوجل سے خوف نہیں کرتا (رواہ ابن جریر وابن مردویہ) سیوطیؒ

اسکی اسادین کلام کیا ہے۔ وَیَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ۔ اور برتنے کی چیزیں مانگے نہیں دیتے ہیں ف یعنی جو چیزیں مانگ کر ٹھائی و ڈول رسی و سیڑھی دچھا و ڈا اور آرمی و گھڑی وغیرہ کے اپنے نفع کے ساتھ میں دوسروں کے کام بھی آسکتے ہیں یہ بخیل اُسکو مانگے نہیں دیتے ہیں امام ابن کثیرؒ نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ فَوَلَّيْنَا لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ۔ یہ منافقین ہیں جو علانیہ پڑھتے ہیں اور اکیلے ہوتے ہیں تو نماز کا وقت سب کھودیتے ہیں اور نہیں پڑھتے ہیں مترجم کہتا ہے کہ منافقوں کا وجود کے میں نہیں تھا کیونکہ کافروں کا زور تھا تو کسی پر کچھ دباؤ نہ تھا جو نفاق سے مسلمان ہوتا بلکہ یہاں جو کوئی مسلمان ہوا جیسے مہاجرین تو انکا بڑا رتبہ ہو کیونکہ انھوں نے اپنی جان پر کھیل کے ایمان لیا تھا پھر جب آپ کو حکم ملا کہ مدینہ کو ہجرت کریں اور اللہ تعالیٰ نے وہاں انصار کے دل و جان ایمان بھر دیا اور دوسرے سال جہاد بدر میں آپ نے ابوجہل وغیرہ قریش کے مٹھ کافروں کو قتل کیا تو مدینے کے باقی انصار بھی مسلمان ہوئے اور بعضے بے وقوف جو یقین سے محروم تھے ظاہر میں ساتھ ہو گئے کیونکہ وہاں کے کے برعکس معاملہ ہوا کہ اہل اسلام غارتھے تو یہ منافق پیدا ہوئے اور انکی ظاہری حالت کے لحاظ سے آیت میں اُنکو لمصلین۔ کہا گیا اگرچہ حقیقت میں وہ مصلی نہیں تھے اور اسی مسئلے میں جب حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ نے آپ سے درخواست کی کہ فلاں و فلاں منافقین کو قتل کر دیا جائے تو فرمایا کہ میں مصلین کے قتل سے منع کیا گیا ہوں۔ اسلام میں یہ شریعت ہے کہ جو کوئی نماز پڑھے اُسکے ساتھ شحاح و بیہ جائز ہو اور اُسکا ذبیحہ کھانا روا ہو اگرچہ وہ دل میں منافق ہو اور اگر آپ کسی منافق کو قتل کرتے تو آخر زمانہ میں ایسے بادشاہ گزرے جو عداوت سے بہتر ہے عوام ملکہ عالموں کو قتل کر ڈالتے اور یہی بہانہ نکالتے کہ وہ منافق تھا حالانکہ حقیقت میں یہ بادشاہ شرابخوار خود منافق ہوتا اور عالم اسکو نصیحت کرتا اس عظیم حکمت سے آپ نے کسی منافق کو قتل نہ کیا اگرچہ اسوقت اللہ تعالیٰ وحی سے آپکو آگاہ فرماتا تھا کہ فلاں

کہہ کر اُسکے ساتھ ہوئے۔ جب ابوجہل کے پاس پہنچے تو وہ گھبرا کر کھڑا ہو گیا اور مرجبا کہہ کر آپ کو بٹھلایا آپ نے اُسکو ملاست کی
 کہ اس یتیم کا مال کیوں نہیں دیتا؟ اُس نے فی الفور وبال حوالہ کیا قریش کے مفسدون نے جب یہ دیکھا تو ابوجہل کو عدا
 دلائی کہ تو نے کسی کا لحاظ نہیں کیا اور محمدؐ کا اس قدر پاس کیا کیا تو صابی ہو گیا (یعنی دین بت پرستی چھوڑ کر دین محمدی میں داخل
 ہو گیا) ابوجہل نے کہا کہ وہ اللہ کبھی دین شرک سے نہیں پھر چکا و لیکن میں نے دیکھا کہ محمدؐ کے دائیں و بائیں
 دو شخص نہایت چمکتا ہوا حربہ لیے ہوئے تیرتا تے ہیں میں بے شک خوف کھا گیا قریش نے ابوجہل کو مضحکہ بنایا حالانکہ
 دو سچ کہتا تھا۔ بیان ابن عباس سے ایک روایت یہ کہ ایک منافق کے بارہ میں نزول ہوا جو بنیل وریا کا تھا (کبیر وغیرہ) ترجمہ
 کہتا ہے کہ شاید ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قول للمصلین الخ کا شان نزول بیان کیا قول دوم یہ ہر شخص کے لیے عام ہے
 جو کوئی یوم الدین (قیامت و جزاء) کو جھٹلاوے وہ اس میں داخل ہو کیونکہ نیکیاں کرنا اور برائیوں سے نفس کو روکنا بھی ہوتا
 ہے کہ آدمی کو ثواب کی آرزو اور عذاب سے خوف ہو اور جب قیامت سے منکر ہو تو دنیاوی مقصود و لذت نفس کا پابند
 ہو گیا مترجم کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نفاق سے بڑا بد دے کہ منافق بھی دنیا کے لیے دکھلانے کو ایسا کیا کرتا ہے لہذا آخر سورہ میں
 نفاق کی مذمت فرمائی سوال دین سے یہاں کیا مراد ہے رازیؒ نے کہا کہ اس میں وجہ ہیں (وجہ اول) یہ مراد ہے کہ جو دین اسلام
 سے منکر ہو خواہ وہ کل باتوں سے منکر ہو یا اللہ تعالیٰ کی توحید حق سے یا کسی پیغمبر کی نبوت سے یا قیامت سے یا قطعی
 شریعت نماز وغیرہ سے منکر ہو اور اصطلاح نبوت میں دین سے مراد یہی دین اسلام ہوتا ہے جیسے فرمایا۔ ان الدین عند اللہ الاسلام
 الا یہ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین تو اسلام ہے۔ رہے باقی مذاہب تو وہ مشرکین و کفار کی ملتیں ہیں انکو نسبت کر کے دین
 بولتے ہیں جیسے دین یہود اور دین نصاریٰ اور دین مجوس وغیرہ یا کہ ان لوگوں کے واسطے حقیقت میں کچھ دین نہیں ہے کیونکہ
 اللہ تعالیٰ کے واسطے خضوع کرنا دین ہے اور ان لوگوں نے خواہش کے لیے خضوع کیا ہے مترجم کہتا ہے کہ بھریوں کہو کہ دین وہ ہے کہ
 اللہ تعالیٰ کے واسطے گردن جھکا دے یعنی اپنے نفس کو چھوڑ دے اور ہر کام اللہ تعالیٰ کے لیے کرے اور یہ جب ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کو سچا
 کہ وہ وحدہ لا شریک ہے اور جمیع صفات قدس اُسکے واسطے ہیں اور وہی خالق ہے اور بندے اپنے اپنے حصہ کے کمانے والے ہیں
 تو یہ اللہ تعالیٰ کی بندگی ہوگی اور بدوں اس کے اپنے خیال معبود کو پوجتا ہے جیسے یہودی ایسے خدا کو پوجتا ہے جسکا بیٹا غیر ہو اور
 عزیر علیہ السلام پیغمبر نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ کسی خدا کے بیٹے نہ تھے بلکہ اپنے اللہ تعالیٰ کے بندے تھے وقد قال تعالیٰ
 ارایت من اتخذ الہم ہوا۔ یعنی تو نے دیکھا ایسے جاہل کو جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنا لیا ہے۔ اس میں یہ صورت پہلے داخل ہے
 کہ اللہ تعالیٰ کی شان الوہیت و توحید سے منکر ہو کر شرک کا اعتقاد کیا تو اپنا خدا وہ بنا یا جو اُس کے نفس نے بتلایا ہے
 (وجہ سوم) یہ اکثر مفسرین کا قول ہے کہ ارایت الذی یکذب بالذین سے مراد یہ کہ کیا تو نے ایسے جاہل کو دیکھا جو حساب و جزاء
 کو جھٹلاتا ہے۔ یعنی دین سے حساب و جزاء مراد ہے اور یہ اس لیے کہ بعض باطل فرمے ایسے ہیں جو اسلام سے منکر ہیں لیکن
 جس گمراہی میں پڑے ہیں اُس کے موافق انھوں نے ایک تہذیب نکالی ہے اُس تہذیب کی بنیاد پر کچھ ایسے کام کرتے ہیں
 جس سے عام خلق کو آرام ملے اور یتیم کو نہیں دھکیاتے اور مساکین کی خبر گیری کا انتظام کرتے ہیں تو ضرور ہے کہ جو کوئی مطلقاً
 بے خوف ہو گیا وہی یتیم و مسکین پر ظلم کرنا ہو خطیبؒ نے لکھا کہ عرب کے مشرکین عورتوں کو اور صغیر بچوں کو جھٹہ نہیں دیتے تھے

نے لکھا کہ اسمین کئی صورتیں شامل ہیں پھر اسور مذکورہ کے ساتھ میں لکھا کہ یتیم سے مراد بانی نہیں کرتا اور بہ اگرچہ واجب و فرض
 لیکن ایسی بے ایمانی سے مذموم ہو اور لکھا کہ یتیم کو بے قدر و حقیر سمجھا کر اسکو جھڑکتا ہو اور بعض نے پڑھا یدع یعنی ترک کرتا یتیم
 دعوت میں یتیم کو نہیں بلاتا مگر اسلیے کہ حقارت کے ساتھ اس سے خدمت لے اور واضح ہو کہ یدع بتشدید عین سے یہ افادہ ہے
 کہ اس شخص کی یہ عادت ہو کہ یتیم کے ساتھ ایسا کرنا ہو اور اگر کسی سے کبھی ایسی حرکت ہو جاوے تو وہ اس خدمت میں داخل نہ ہو
 ہو جبکہ وہ نادام ہو گیا جیسے مومن کے گناہ کو لم فرمایا یعنی جیسے خیال آجاتا ہو کیونکہ مومن گناہ کے بعد فوراً توبہ کر لیتا ہے لوگو
 یہ گناہ خیال کی طرح آیا اور دوز ہو گیا اور قولہ تعالیٰ ولا یحیض نہیں اُبھارتا ہی نہیں آمادہ کرتا ہو۔ نہیں تاکید کرتا۔ اسمین وہ
 احتمال ہیں ایک یہ کہ اپنے نفس کو نہیں اُبھارتا اور دوم یہ کہ غیر کو نہیں اُبھارتا۔ طعام المسکین میں طعام کو مسکین کی طرف
 مضاف کیا گیا تو یہ کھانا مسکین کا اور اسکا حق ہے تو یہ بخیل اسکو اسکا حق نہیں دیتا اور نہ غیر سے کہتا ہو۔ اگر کہو کہ بہت
 صورتوں میں مسلمان نہیں کہتا ہو (جواب) اسمین بہت صورتیں ہیں ایک یہ کہ دوسرے شخص نے یہ کام کر لیا۔ دوم یہ کہ اسکی
 بات لوگ نہیں مانینگے۔ سوم اسمین فتنہ و فساد ہی پس اسنے کسی عذر سے ایسا نہیں کیا برخلاف اسکے کہ کافر کو اس کام میں ثواب
 کا یقین ہی نہیں ہو جیسے قولہ تعالیٰ کلا بل لا تکرہون الیتیم الا یہ۔ کچھ نہیں تم لوگ بزرگداشت نہیں رکھتے یتیم کی اور نہ باہم ایک
 دوسرے کو محتاجوں کے کھانے کی تنقید کرتے ہو۔ اگر کہا جاوے کہ بیان ارایت الذی الیم تعجب دلایا ایسے شخص
 سے جو آخرت و روز جزا کو جھٹلاتا ہے پس اس جہت سے وہ یتیم کو قمر سے دفع کرتا وہ دکھایا تا ہو اور یتیم کے کھانے
 کی تنقید نہیں کرتا۔ کیا کسی خاص شخص کا حال ہے یا عام حکم ہے (جواب) اسمین ہی دو قول ہیں اگر کہو کہ بالاجماع اس سے
 نصیحت ہو کہ ایسے افعال سے احتراز کریں تو خاص شخص کے حق میں ہو یا نہ ہو کیا فائدہ ہو (جواب) فرق یہ ہے کہ عموم صورت میں
 ہر ایسے شخص پر یہ حکم متوجہ ہو جسکے یہ افعال ہوں اور اگر کسی خاص کے لیے نزول تھا تو اسکی مشابہت سے مانعت ہے
 رازی نے لکھا کہ قول اول یعنی یہ آیات خاص شخص کے حق میں ہیں تو اسمین مختلف اشخاص کے نام روایت کیے گئے
 ابن جریج رحم نے کہا کہ ابوشنفیان کے بارہ میں نزول ہوا یہ ہر سہفتہ میں دو اونٹ کی قربانی کیا کرتے تھے تاکہ وجہ قریش کی دعوت کر کے
 نام و سرداری حاصل کریں ایک دفعہ ایک یتیم نے اگر کچھ گوشت مانگا تو اسکو لاٹھی سے مار کر نکال دیا مقابلہ میں نے کہا کہ عاص
 بن داہل کسہمی کے حق میں نازل ہوا جو بعثت قیامت سے منکر اور افعال فبیحہ کا مرتکب تھا۔ سدی رحم نے کہا کہ ولید بن المغیرہ
 کے حق میں نازل ہوا جو قریش میں سرکش مغرور متمول تھا اور اسکی مذمت میں آیات کثیرہ نازل ہوئی ہیں ماوردی نے ذکر کیا کہ
 نزول ابوجہل بن ہشام کے حق میں ہو جو ولید مذکور کا بھتیجا تھا اور اس امت کافروں کا اور روایت ہو کہ ایک یتیم کے عیال
 میں تھا جب وہ کچھ بڑا ہوا تو اسکے باپ نے جو مال چھوڑا تھا اسمین سے کچھ مال ابوجہل سے مانگا۔ ابوجہل نے غصہ ہو کر اسکو دھکا دیا اور
 سخت کہا وہ لڑکا مایوس ہو گیا کہ جب اسنے اس قلیل مال سے محروم کیا تو باقی کثیر مال جو اسکے قبضہ میں ہی کبھی نہ دے گا قریش
 کے کچھ لوگوں نے اس سے مسخرہ بن کیا اور کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم البتہ تم ایسے یتیموں کے بارہ میں بہت کہا کرتے ہیں ان سے
 جا کر کہہ تو وہ دلوا دینگے وہ لڑکا مایوس ہو گیا کہ ابوجہل سے مانگا۔ سمجھا کہ یہ لوگ سچ کہتے ہیں اور اسنے جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ
 وسلم سے عقیدت ظاہر کی اور یہ واقعہ بھی عرض کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی محتاج کو مایوس نہیں کرتے تھے بسم اللہ

بعد بخشی کو اپنا خوف ہوا ہوا اور اُس نے یہ اناج بطور خوشامد بھیجا ہو۔ قول دوم یہ کہ جب اہل مکہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے رکشی کی تو آپ نے ہفت سالہ قحط کی بددعا کی حتیٰ کہ اونٹوں کے بال خون میں ملا کر کھانے لگے پھر یوسفیان نے آنحضرت صلعم سے التجا کی کہ آپ دعا کریں آپ نے دعا کی تو خوب پالغ برسا اور خوب پیداوار ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اسی کو یاد دلایا واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور عرائس میں لکھا ہے کہ اس آیت سے نکلا کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو تو اللہ تعالیٰ اسکو بھوک میں رزق عطا فرماوے اور خوف سے امن دے مگر حکم کہتا ہے کہ حدیث سے بھی نکلتا ہے کہ جو کوئی اپنی آخرت کے اہتمام میں ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے نفس میں تونگری دیتا ہے اور دنیا کے ہجوم سے کفایت فرماتا ہے اور جسے غافل ہو کر دنیا کے اہتمام میں مشغول کیا تو اللہ تعالیٰ اس کی آنکھوں کے سامنے کر دیتا ہے اور دنیاوی ہجوم سے کفایت نہیں کرتا اللہ مولائی وقفنا للآخرة علی صراط المستقیم

سُورَةُ الْمَاعُونِ مَكِّيَّةٌ وَسَبْعُ آيَاتٍ

اس سورہ مبارک کا نام سورہ ارایت الذی اور سورہ الدین اور سورہ الیتیم بھی ہے اور یہ چھ یا سات آیات ہیں اور اکثر تفسیر میں سات آیات ہیں اور کچھ میں کلمات ہیں اور ایک تفسیر میں حروف ہیں (س و ف و ط و ص) اس سورہ کے محل نزول میں اختلاف ہے ابن الزبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مکہ ہے اور می عطا و حابر سے مروی ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یہی ہے اور دوسری روایت میں کہا کہ مدینہ ہے اور یہی قتادہ رحمہ وغیرہ کا قول ہے (السراج) اور بعض علماء رحمہ نے کہا کہ نصف اول کے میں نازل ہوا تھا اور نصف اخیر مدینہ میں اتر اقبال و طبری نے کہا کہ اسمین عاص بن وائل السہمی کی مذمت ہے اور کہا گیا کہ یہ اول نصف میں ہے اور اخیر میں ابن ابی سلول منافق کی مذمت ہے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

أَرَأَيْتَ الَّذِي يَكْذِبُ بِالْذِّينِ ۖ فَعَذْلِكَ الَّذِي يَدْعُ الْيَتِيمَ ۖ وَلَا يَحْصُ
تو نے دیکھا وہ جو جھٹلاتا ہے بالذین ہونا سودہی ہے جو ڈھکیلتا ہے یتیم کو اور نہیں تاکید کرتا
عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ۖ قَوْلُ اللَّصْلِ ۖ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ
مساج کے کھانے پر جھڑپا ہے اُن نمازیوں کی جو اپنی نماز سے
سَاهُونَ ۖ الَّذِينَ هُمْ يُرَآءُونَ ۖ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ۖ
بلے خبر ہیں وہ جو دکھا داکرتے ہیں اور مانگے نہ دین برتنے کی چیز

اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں کافر و منافق کے بعض علامات بیان فرمائے کہ جو شخص دین و آخرت کو جھٹلاتا ہے وہ یتیم پر سختی کرتا اور مسکین کے کھانے کے لیے بھی کسی سے نہیں کہتا۔ اور جو کوئی ایسی حالت نفاق میں نماز پڑھے اور روزہ رکھے تو بھی اس کا اعتبار نہیں بلکہ اُس پر عذاب ہے اور جو منافق نماز کو بھول کر کھوتا ہے اُس پر عذاب ہے اور جو لوگوں کے دکھانے کو پڑھتا ہے اور برتنے کی چیز کسی کو مانگے نہیں دیتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ اَرَأَيْتَ ۖ بعض آیت پڑھا رکھ، اول میں ہمزہ استفہام ہے پھر آیت ماعنی حاضر کا

رب ہذا البیت الذی الہم من جوع و اسہم من خوف۔ اب قریش کو چاہیے کہ اس بیت محترم کے رب کی عبادت کریں جسے انکو بھوک میں کھانا اور خوف سے امن دیا۔ اس آیت میں شرافت مکہ کی تاکید فرمائی اور بھوک میں کھانا دینا عظیم نعمت ہے خصوصاً ایسے بیابان خشک میں جہاں محتاجی و بھوک ظاہر ہو خصوصاً دیار عرب میں لوگ مبتلائے مصیبت ایسے رہتے تھے کہ اولاد کو اپنے ساتھ طعام میں سا بھی ہونے کے خوف سے مار ڈالتے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں مصرح ہے پھر بھی وہاں فی الجملہ پیداوار ہوتی تھی اور عجب یہ کہ اہل مکہ کو آب و طعام سے سیراب کیا اور انکے باب ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی۔ و از رزق من الثمرات الا یہ انکو ثمرات سے رزق دے۔۔۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے مزید یہ کیا کہ انکی دعا مومنوں کے لیے تھی اور اللہ تعالیٰ نے کافروں و مشرکوں کو بھی شامل کر لیا کہ قلیل مدت اجل تک میں سب کو رزق دوں گا پھر کافروں کی نسبت فرمایا کہ زبردستی انکو حجیم بین ظالون کا خواہ وہ چاہے یا نہ چاہے اگر کو کہ بعضے لوگ تنگی میں تھے (جواب) دعا یہ نہیں تھی کہ انکو ہمیشہ پیٹ بھر دے کیونکہ انسان حریص ہے سو اسے خاک کے اُسکا پیٹ نہیں بھرتا۔ بالجملہ یہ صریح قدرت الہی کا نمونہ تھا کہ اہل مکہ عمدہ اناج و پھل سے اور اب زرمز سے سیراب تھے اور اب زرمز خود غذا ہو چنانچہ صحیح مسلم وغیرہ میں حدیث ابو ذر رضی اللہ عنہ سے صریح ثابت ہے کہ خود ابو ذر رضی اللہ عنہ نے جب ابتدائے سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دین توحید کی دعوت کرتے ہیں اور ابو ذر بھی بت پرستی سے بیزار تھے اپنی عقل سے کچھ عبادت کیا کرتے تھے یہ سن کر آئے اور بیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خفیہ دعوت فرماتے تھے کیونکہ مشرکین اور پے آزار تھے لہذا ابو ذر رضی اللہ عنہ مدت تک بے غذا کے پڑے رہے صرف اب زرمز پر کفایت کرتے تھے کتے ہیں کہ میں اس قدر موٹا ہوا کہ میرے پیٹ پر بیٹیں بٹگئیں اور تمام حدیث صحیح مسلم وغیرہ میں ہی پھر اہل مکہ کے واسطے مزید نعمت یہ کہ انکو ہر طرح کے خوف سے امن دیا۔ جو شخص ایام عرب سے واقف ہو وہ جانتا ہے کہ کس بیریجی سے لوٹ مارا کہ خونریزی ہو کر تھی اور جان و مال بالکل محفوظ تھے اور کوئی خاندان کسی مقام پر امن سے بسر نہیں کر سکتا تھا سو اہل حرم مکہ کے انکے بال و بچے و جان و مال محفوظ تھے اور خطیب نے لکھا کہ عرب ہذا م حچیک سے بہت ڈرتے تھے اللہ تعالیٰ نے اہل حرم کو اس سے بخوف کیا اور اس طرح طاعون و دھان و دجال سے بخوف ہیں مترجم کہتا ہے کہ جب ابولسب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استاخی کی اور اس کے بیٹے نے جا کر کلمات بے ادبانہ کہے تو آپ نے اسکو بد دعا دی کہ اے اللہ تعالیٰ اپنے کٹن میں سے ایک کتا مسلط کرے اور ابولسب و اسکی زوجہ کے حق میں تبت یہ انازل ہوا۔ ابولسب کو اپنے بیٹے کا بڑا خوف تھا جب سفر شام کو گیا تو ایک منزل پر تمام بار کی گونین ڈھیر کر کے اُسپر عتبہ بن ابی لیب کو لٹایا اور سب لوگ گرد لیٹے اور مسلح رہے اور ابولسب کی خوشامد کرتا اور قریش سنتے کہ اس سے زیادہ کیا اہتمام ہوگا رات کو شیر آیا اور سب کو چھوڑ کر اُسے عتبہ کے خانے میں گھسکر اُسکو بھاڑ ڈالا۔ یہ لوگ اس قدر خواب غفلت میں رہے کہ صبح کو اُسے دیکھا۔ ابولسب کے بچے میں حچیک نکلی اور تڑپ کے مر گیا اور سب نے وہ مکان چھوڑ دیا۔ کئی دن تک بے گور و کفن پڑا رہا ستر گیا آخر ہی مکان اُسپر گر دیا گیا نعوذ باللہ من ذلک تو معلوم ہوا کہ ان چیزوں سے امن مخصوص ہے اور رازی وغیرہ نے بیان غرائب اقوال نقل کیے مثلاً بھوک میں کھانا دینا اس طرح ہوا کہ ہر سال دوبار سفر ان پر گراں گزرتا تو اللہ تعالیٰ نے جبشہ کو مسخر کیا وہ اناج کی کشتیاں بھر کر جدہ میں لائے اور بیان اہل مکہ کو خبر ہو چکی تو سخت خوف پیدا ہوا ناچار جنگ کے لیے مسیح ہوئے پھر معلوم ہوا کہ وہ اناج لائے ہیں مترجم کہتا ہے کہ شاد بابر بہرہ وغیرہ کی ہلاکت کے

جاہلیت کے اشعار میں موجود ہے بعض نے کہا کہ یہ پاکیزگی و علو ہمتی سے ہی لینے کیلئے باتوں سے پرہیز کرنا اور قریش ایسے مکارم اخلاق اور اعمال پر جسٹریں تھے اور انھیں کاموں پر فخر کیا کرتے تھے (قراءۃ) ابن عامر نے - لایلاف کو لالاف - بدون یا پڑھا اور بانیوں نے بیا پڑھا اور ایلا فہم - میں سب متفق ہیں کہ بالیا پڑھتے ہیں حالانکہ مصحف امام میں رسم الخط (الفہم) بدون یا ہے ابن عادل نے کہا کہ بیان یہ لطیف معاملہ واقع ہوا کیونکہ مصحف میں - لایلاف میں یا لکھی ہو یا وجود اسکے ابن عامر نے بدون یا پڑھا اور الفہم میں یا نہیں ہے اور سب نے بالیا پڑھا - یہ صریح دلیل ہے کہ ائمہ قراءت نے بزرگوں سے پڑھنے کی اتباع کی اور محض رسم الخط کی اتباع نہیں ہے رازی نے کہا کہ الف و لالاف و ایلاف بمعنی واحد ہیں یعنی کسی چیز سے الفت کرنا - جلتہ الشتاء والصیف - اسکو الافہم - سے نصب ہے - جاڑے میں یمن کی طرف جاتے تھے کیونکہ وہ ملک گرمی مائل ہواں سے اناج و کپڑے وغیرہ لاتے تھے اور گرمی میں شام و مصر کی طرف جاتے تھے کیونکہ وہ ملک سرد ہیں وہاں سے میوہ جات وغیرہ منافع کثیر یہ حاصل کرتے تھے - رحلتی الشتاء والصیف - نہیں فرمایا کیونکہ التباس نہیں ہو سکتا تو ہر رحلت الگ ہے اور رحلت مصدر ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ یہ لوگ جہاں جانے والے تھے ہر طرف انکے لیے امن و عزت حاصل تھی امام مالک نے کہا کہ سال میں نصف جاڑا ہے اور نصف گرمی ہے بعض نے کہا ہلکہ چار فصلیں ہیں ربیع پھر گرمی پھر جاڑا پھر خریف ہے یا خریف پھر جاڑا ہے متوجہ کہتا ہے کہ ہندوستان میں گرمی و برسات و جاڑا ہے اور ربیع و خریف تو صرف متوسط موسم ایک ایک مہینہ ہے لیکن یہ تفصیل تو اناج وغیرہ کے اعتبار سے ہے اور اصل میں سردی و گرمی کی کیفیت رستی ہے اسی واسطے قرطبی نے کہا کہ امام مالک کا قول صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دو ہی قسمیں فرمائیں - میں کہتا ہوں کہ دلیل میں تردید ہے کیونکہ بیان زمانہ کی تقسیم منظور نہیں ہے بلکہ قریش نے دو سفر انکے ملک کی حالت سے بیان کیے اور ظاہر ہے کہ حجاز میں بلکہ مکہ میں برسات نہیں ہوتی تو یہی دو فصلیں ہوتی ہیں - ابن عباس رضی سے روایت ہے کہ گرمی میں کوچ کر کے طائف میں چلے جاتے اور جاڑے میں وہاں سے کوچ کر کے مکہ میں جاتے تھے اور کہا گیا کہ سرمایہ میں اور گویا میں شام جاتے کیونکہ مکہ میں نہ زراعت ہے اور نہ دووہ کی کثرت پھر گرمی تجارت نہ ہوتی تو مکہ میں انجام مقام و شمار ہوتا اور اگر بیان امن نہ ہوتا تو کچھ تصرف نہ کر سکتے تھے ہیں کہ ابتدائے بند و غیرہ سے غلہ آتا تھا اسی پر بسر اوقات ہوا کرتی تھی اور بہت تنگی و تکلیف سے بسر کرتے تھے پھر ہاشم بن عبد مناف نے انکے لیے سفر تجارت کا قاعدہ نکالا اور ہاشم کے بھائیوں نے انکی اتباع کی چنانچہ ہاشم تو شام کو جایا کرتے اور عبد شمس نلک حبش کو جاتا اور مطلب میں کو جاتا اور نوفل فارس کو جاتا اور ہر طرف کے بادشاہوں نے انکو عمد نامہ دیدیا تھا اور قریش کے باقی خاندان انھیں کے ساتھ بے خوف جایا کرتے اور ہر طرف سے بوجہ دیانت و امانت کے نفع کثیر کھاتے اور ہاشم نے یہ بھی طریقہ نکالا کہ حصہ نفع ملا کر آپس میں سب تقویش کے لوگ تقسیم کریں خواد انکار و پیہ ہو یا نہ ہو لہذا انہیں فقیر غنی یکساں تھے اور یہ نہایت عمدہ مکارم اخلاق میں سے ہے نظیر بات تھی لہذا کسی شاعر نے اولاد عبد مناف کی تعریف کی ہے خلاصہ اشعار یہ ہے کہ جو شخص شجاعت و کرم چاہے وہ آل عبد مناف کے یہاں مہمان جا کر سکھے کہ وہ ہر روز مہمانوں کو خود بلاتے ہیں تجھے ہر قسم کا ضرورتی ہا ہی دور کرنے پر آمادہ ہونگے اور کپڑے و لباس سے تجھے آراستہ کریں گے ان میں فقیر و تو گریہا ہم ایسے ملے جلے ہیں کہ تجھے امتیاز کرنا مشکل ہوگا وہ جو کچھ تجھے وعدہ کریں پورا کریں گے جب مکہ میں قحط ہوا تو ہاشم نے شریہ پکا کر سب کو آسودہ رکھا اور انھوں نے سال میں دو بار سفر کا طریقہ مقرر کیا ہے - فلیعبوا

عبادت چھوڑے ہیں انکو چاہیے کہ اس بیت کے پروردگار کی عبادت کریں۔ یہ سراج وغیرہ میں مذکور ہوا درامام ابن جریر نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ لام تعجب ہو یعنی تم لوگ تعجب کرو کہ ہم نے کیونکر قریش پر اپنی نعمتیں سردی و گرمی کے سفر میں نازل کیں پس ان کو چاہیے کہ توحید کے ساتھ اس گھر کے پروردگار کی عبادت کریں ابن جریر نے کہا کہ ہم نے لام تعجب کو اس لیے صحیح کہا کہ مسلمانوں کو اجماع ہو کہ سورۃ النیل اور سورۃ القریش دونوں علیحدہ علیحدہ دو سورہ ہیں مترجم کہتا ہے کہ سراج وغیرہ میں جو معنی مذکور ہیں وہ خف ہیں کیونکہ ان کے موافق کو یا اس سورہ سے قریش کی مذمت مقصود ہو اور یہ اس حدیث کے خلاف ہے جو شروع میں گزری کہ یہ سورہ قریش کے لیے فضیلت ہو ملاوہ بر این جو معنی کہے ان میں نامل ہو قول سوم یہ کہ فلیعبدوا سے متعلق ہے۔ یہ قول خلیل بن احمد امام بخاری و امام سیبویہ و کسائی و خفش سے منقول ہے اور زحشری نے اسی قول کو اول بیان کیا اور معنی یہ کہ قریش کو لازم ہے کہ اس بیت مکرم کے رب انظم عزوجل کی توحید کریں اس جہت سے کہ اُن سے دونوں سفر کا ایلاف دیدیا یعنی سامان جمع کر دیا اسمین اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم قدرت کی ہر ایت دی کہ وہ جب کوئی بات چاہتا ہو تو اُس کے سب سامان مہیا فرماتا ہو کیونکہ تمام عالم کی تدبیر اُسی کے قبضہ قدرت میں ہے خود بڑا امر ہو یا چھوٹا ہو۔ پھر اس قول پر اعتراض یہ تھا کہ فلیعبدوا میں (ت) کیوں ہے کیونکہ اوپر سے اُسی کے متعلق ہے نور زحشری نے جواب دیا کہ کلام میں شرط کے معنی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں تو گویا کہا گیا کہ اگر دیگر نعمتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت نہیں کرتے ہو تو اسی نعمت پر اُسکی وحدانیت کی عبادت کرو (کبیر وغیرہ) مترجم کہتا ہے کہ سب سے بہتر قول دوم ہے جس سے سب روایات جمع ہوتی ہیں کیونکہ سلف رضی اللہ عنہم میں سے جنہوں نے دونوں سورتوں کا ارتباط سمجھا وہ باقی ہو اور سلف رضی اللہ عنہم متفق ہیں کہ دونوں سورتوں میں بسملہ سے فصل ہے یہ بھی ٹھیک رہا۔ اور نظم کلام کی بلاغت رہی اچھی اعجاز پر مبنی ہو۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے اسحاب الفضل کو ایسی طرح کھائے ہوئے جس کے مانند کر کے برزخ میں بھی اچھی ذریعہ سے ہلاک کیا جس سے بیت اللہ کی عظمت ظاہر کریں تو اسمین ضمنی فوائد عظیمہ ہیں۔ ازاں جملہ یہ کہ ایلاف قریش ہو کے ذریعہ سے ہلاک کیا جس سے بیت اللہ کی عظمت ظاہر کریں تو اسمین ضمنی فوائد عظیمہ ہیں۔ ازاں جملہ یہ کہ ایلاف قریش ہو یعنی قریش کو ہم نے اس بیت العتیق کے ساتھ الفت دیدی۔ ایلافم اے ایلافم رحلۃ الشتاء والصیف۔ کیونکہ قریش کو دونوں موسم کے سفر کی الفت دی گئی تھی تاکہ یہاں آبادی ہو اب قریش کو یہاں رہنے کی الفت بکثرت ہو گئی۔ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ قولہ ایلافم فقط مکرر نہیں ہو بلکہ سبب و سبب ہے یعنی قریش کو دونوں موسم میں سفر کی الفت لازمی تھی اگر اللہ تعالیٰ نے ان میں یہ الفت نہ دی ہوتی تو یہاں انکو تکلیفات ہوتیں اور یہ وادی مکہ ابھی مدت تک مکہ الفت لازمی تھی اگر اللہ تعالیٰ نے ان میں یہ الفت نہ دی ہوتی تو یہاں انکو تکلیفات ہوتیں اور یہ وادی مکہ ابھی مدت تک مکہ الکیہ میں بے آب و گیاہ رکھنا مقدر تھا اگرچہ حدیث میں ہے کہ قیامت سے پہلے یہ خطہ بھی نہروں و نباتات سے سیراب سبزہ زار ہو جائے گا اقول ہمارے زمانہ سے اس کے کچھ آثار شروع ہو گئے ہیں واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم خطیب نے یہ فرمایا کہ قریش سے عظیم قبیلہ کا نام ہے جو فضر بن کنانہ کی اولاد ہیں اور اگر فضر کے سوائے کنانہ کے دوسرے بیٹوں کی اولاد ہوں تو وہ قریش نہیں کہلاتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد اسمعیل میں سے کنانہ کو برگزیدہ کیا اور اولاد کنانہ میں سے قریش کو برگزیدہ کیا اور قریش میں سے بنی ہاشم کو برگزیدہ کیا اور بنی ہاشم میں سے مجھے برگزیدہ فرمایا (ت) اگر کوہ قریش ان کا نام کیوں ہو (جواب) قریش کے معنی کہا کر مال جمع کرنا اور ان لوگوں کی یہ خدمت تھی اور ابن عباس رضی عنہ سے روایت کی جاتی ہے کہ قریش ایک بحری جانور ہے جس کا سر کے آگ کے کسی چیز سے نہیں ڈرتا اور سب جانوروں کو کھاتا ہے اور اُسکو کوئی نہیں کھا سکتا اسی کے نام پر قریش نام ہوا (اور یہ عرب کے زمانہ)

کر دیا تاکہ ایلاف قریش پیدا کریں یہ لوگ مطمئن و آسودہ خاطر اس بیابان بے آب و گیاہ میں اس بیت الحرام معظم و مکرم کے پاس رہا کریں۔ ایلافم رسلہ الشتا و الصیف ای لا یلافم رطلہ الخ کیونکہ قریش کو الفت تھی جاڑے و گرمی کے کوچ و سفر کی۔

یعنی اگر اصحاب الفیل اس عذاب ہولناک سے ہلاک نہ کیے جاتے تو چند طرح سے حکمت الہیہ کے انتظام میں غل ہوتا (اول) تو یہ بیت الحرام غراب ہو جاتا کیونکہ نسا راے حبشہ وغیرہ جاتے تھے کہ خاتم النبیین کو خانہ کعبہ سے منتقل کریں اور اسی لیے ہاتھی لائے تھے کہ دیوارین بچھ دیں وغیرہ لا ذکر میں لے جا دیں اور اسی سے گر جاں بادین تو سب عرب اُسی طرف رجوع کرینگے حالانکہ خانہ کعبہ کچھ دیواروں کا نام نہیں ہے بلکہ وہ بقعہ مبارک ہے جس کے محاذی آسمان پر بیت المعمور مسجد انصی ہے لیکن ان جاہلون نے یہی خیال کیا تھا (دوم) اگر اصحاب الفیل سب بچھ لے جاتے اور بعد اسکے بھی اگر قریش یہاں پڑے رہتے تو انکے لیے سامان معاش کمین سے ہوتا (سوم) اگر جو تا تو بھی عرب کے قبائل ہر طرف سے ان پر لوٹ مار کرتے جیسے عام عرب کا طریقہ تھا و قد فال تعالے اولم یردنا جیلنا حرماً آئنا و یتخلف الناس من حولہم الا یہ۔ یعنی کیا یہ قریش کے منکر نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو بے خوف مامن بنا دیا ہے یعنی اُس میں بچھ رہتے ہیں اور انکے گرد سے لوگ اُچک لیے جاتے ہیں۔ یعنی اُنکے سواے گرد پیش کے قبائل مخاطرہ میں ہیں زبردست راتوں رات سفر دراز کر کے یکایک چھاپہ مار کے لوگوں کو گرفتار کر لے جاتے ہیں اور حرم کی طرف کسی کو جرأت نہیں ہوتی ہے (چارم) کہ معظم کی عظمت و ہیبت بندوں کے دلوں سے جاتی رہتی حالانکہ ازل سے تمام انبیاء علیہم السلام سب تو مومن پر اس لیے مبعوث ہوئے تھے کہ خبر مقدم سرور عالم حبیب اللہ خاتم النبیین محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جمعین سب عالم کو سادین اور محمد صلعم کا قلبہ ہی خانہ کعبہ تھا تو اُسکی تنظیم ہمیشہ باقی رکھی اور زمانہ جاہلیت میں نہایت شدت تھی حتیٰ کہ اگر کسی نے ذرا بھی کچھ جرأت کی اور اس پر عذاب آگیا۔ یہی نکتہ ہے کہ جب محمد صلعم نے رب البیت عزوجل کی جانب راہ دکھلائی تو خانہ کعبہ کی بابت یہ شدت نہیں رکھی گئی کیونکہ مقصود اصلی حاصل ہو گیا اگر کو کہ حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کے واسطے یزید یوں نے بچھ حجاج ثقیفی نے وہاں گستاخی کی اور ان دونوں پر عذاب نہیں آیا (جواب) یہ کہ ان لوگوں نے وہاں گستاخی دے دی کہ ان کا قصد نہیں کیا تھا کیا نہیں دیکھتے ہو کہ یہی لوگ اُسکے گرد قربان ہونے کا طواف کرتے تھے بلکہ وہاں ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے پناہ لی اور بیشک فرض تھا کہ وہاں اُنسے کچھ تعرض نہ کیا جاوے لیکن اُن جاہلون نے یہ اعتقاد کیا کہ حرم محترم و خانہ معظم ایسے شخص کو پناہ نہیں دیتا جو اپنے امام سے منحرف ہو تو یہ سمجھتے تھے کہ رب عزوجل کے حکم کے موافق ہم مخفیق کے پتھر مارتے ہیں تاکہ ابن الزبیر مطیع ہوں یا مارے جاویں اور یہ خیال اگرچہ خطا تھا جسکا عذاب آخرت میں اُنکے دو برو ہو گا جیسے حجاج و زبیر کا حال ہے لیکن دنیا میں ان لوگوں نے بے ادبی کا قصد اپنے نزدیک نہیں کیا تھا بلکہ اسکو اللہ تعالیٰ کے حکم سے سمجھتے تھے جیسے خود عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے اس سے پہلے خانہ کعبہ کی عمارت گرا کر موافق حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کے نبویا تھا تو یہ بے ادبی نہ تھی اور خود قریش نے شکستہ دیواریں گرا کر نبویا تھا جسکا ذکر اوپر ہو چکا تھا سیر رازی و خطیب و زحشری وغیرہ میں ہے کہ قولہ تعالیٰ لا یلاف قریش الفہم۔ بیان سوال یہ ہے کہ لا یلاف۔ لام جار و کس سے متعلق ہے (جواب) تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ سورہ اول سے متعلق ہے۔ دوم یہ کہ فعل محذوف ہو سوم یہ کہ آخر سورہ نہا میں فلیعبدوا۔ فعل سے متعلق ہے صورت اول کا بیان یہ ہے کہ سورہ الفیل کے آخر میں فرمایا۔ فجلہم کصف ماکول۔ پس اصحاب الفیل کو کھائے ہوئے جس کے مانند کروا۔ الا

اکیلا نہ لانا ہو وہ شرک قبول نہیں کرنا ہوا کوئی اسکا شریک نہیں ہو سکتا تو جس نے شریک بنایا اُسے اللہ تعالیٰ کو نہ مانا پس وحدہ لا شریک لا الہ الا اللہ کی توحید کریں خالص اُسی کی عبادت کریں۔ **الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّنْ حَبِّ** جسے اُنکو کھانا دیا بھوک میں ف جہان کھانے کی چیزیں پیدا نہیں ہوئی ہیں وہاں اُن کو بھوکا نہیں رکھا بلکہ ہر طرح کا کھانا عنایت کیا۔ **وَأَمْتَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ**۔ اور خوف سے اُنکو امن دی ف اصحاب الفیل کا بڑا خوف انپر طاری تھا اللہ تعالیٰ نے اُن کو بے خوف کیا بلکہ اُنھیں مالدار کا فردن کے اموال سے مالا مال کر دیا اور غریب میں اُسوقت کوئی قبیلہ و کنبہ بے خوف نہیں رہتا تھا۔ جو کنبہ زبردست ہوا اُسے دوسرے کنبہ پر غفلت میں چپا پامارا اور مال و اولاد اور عورتیں لوٹ لے گئے اگرچہ یہ کنبہ اُنکا چچا زاد خاندان ہو۔ قریش اس خوف سے بے فکر رات و دن آرام سے رہتے تھے کسی قبیلہ کو یہ خبر اُت نہ تھی کہ اُنکا قصد کرے بلکہ نہایت تعظیم سے کوئی اسکا خیال ہی نہیں لانا تھا کیونکہ اول تو اپنے اعتقاد میں اُنکو اپنا پیشوا جانتے تھے اور دوم اصحاب الفیل کا حال یاد کر کے ہر ایک کے روئیں کھڑے ہو جاتے (بیان تفسیر) ابن کثیرؒ نے لکھا کہ یہ سورہ لایلاف قریش مصحف امام میں سابق سورہ الفیل سے جدا ہی اور درمیان میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ایک سطر لکھی ہو مصحف امام وہ مصاحف ہیں جنکو خلیفہ عثمان رضی اللہ عنہ و حضرت علی اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے لکھا کر تمام دیار اسلام میں بھجوائے تھے اور اُس وقت دیار اسلام کی وسعت ہندوستان کے مغربی صوبہ و ماوراء النہر سے لیکر افریقہ کے مغرب تک پہنچی تھی (رازی وغیرہ نے لکھا کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے اپنے مصحف میں ان دونوں سورتوں کے درمیان میں بسملہ نہیں لکھی ہو مترجم کہتا ہے کہ میں نے سابق میں بیان کیا کہ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا ابی بن کعب و ابن مسعود رضی اللہ عنہم نے جو مصاحف اپنے لیے لکھے تھے وہ خاص خاص مقصد کی نظر سے تھے مثلاً ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی غرض یہ تھی کہ جس ترتیب سے سورتوں کا نزول ہوا اور جس ترتیب سے نفاذ کو ملا کر حضرت صلعم پڑھا کرتے تھے وہ اُنکو یاد رہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اکثر درمیان میں معظم تفسیر لکھواتی جاتی تھیں جیسے حافظوا علی الصلوات والصلوة الوسطیٰ کے بعد (صلوة العصر) لکھوایا یعنی کاتب سے کہد یا کہ یہاں تک لکھتا جاوے جب یہاں پہنچے تو مجھے اطلاع کرنا۔ اسی طرح رضاعت کی آیت میں اور اسی طرح دیگر مقامات میں عطا اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اکثر معانی و ارتباط پر نظر کرتے تھے چنانچہ اس سورہ میں بھی لحاظ کیا اور آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ معلوم ہوگا ابن کثیرؒ نے بھی لکھا کہ مصحف امام میں سورہ الفیل کے بعد بسملہ سے یہ سورہ قریش جدا ہی اگرچہ معنی میں اول سورہ سے متعلق ہو چنانچہ محمد بن اسحق تابعی نے اسکو صریح بیان کیا اور ہی عبد الرحمن بن زید بن اسلم نے کہا کیونکہ معنی یہ ہیں (وَجَبَسْنَا عَنْ مَكَّةَ الْفِيلِ وَابْلَكْنَا اِبِلَہَ لَا يِلَافَ قُرَيْشٍ) یعنی ہم نے مکہ سے فیل کو روک دیا اور فیل والوں کو ہلاک کر دیا (یہ کیوں کیا) لایلاف قریش اسواسطے کہا کہ قریش کو الفت دین۔ یعنی تاکہ اس بلد الامین کے اندر اختلاف و اجتماع کے ساتھ بے خوف رہا کریں (ابن کثیر رحمہ اللہ) یعنی ہم نے یہ اسواسطے کیا تاکہ لایلاف قریش ہو یعنی اس بلد المحرم سے الفت کریں اور اس سے اُنکو اطمینان حاصل ہو اور باقی بلاد کے لوگ اُسے ہیبت کھا دیں (خطیب و رازی) مترجم کہتا ہے کہ اس تقدیر سے آگے کا کلام کیونکر پڑھنا ہوگا یعنی رحلہ ہشتار و العصف (جواب) یہ کہ اس صورت میں ارتباط اچھی طرح حاصل ہوتا ہو گیا یوں فرمایا کہ ہم نے اصحاب الفیل کو کھصف ماکول۔ کھایا ہوا چھس

ہیں صریح اُنا ردی تو معلوم ہوا کہ کتابی لکھنے پڑھنے کی ضرورت نہیں بلکہ نفیس اخلاق اس قوم میں ضرور ہیں اُس وقت کے یہود و نصاریٰ نے چاہا کہ کسی طرح یہ خاتم النبیین ہم میں ہو اور بجائے بیت اللہ کے گرجا مقرر ہو جاوے اور یہ باطل خیال اُس وقت مستجاب اصحاب الفیل پر سے عذاب سے ہٹا کر کیے گئے اور اس سے خانہ کعبہ کی بزرگی اور قریش کی وقعت نظروں میں نہ آوے نہ بزرگی پس اللہ تعالیٰ نے قریش کو اپنا انعام باد دلا یا کہ اس پہاڑی بیابان خشک میں ایسے آرام سے تم کو رکھا اور ہر طرح کی نعمت کھانے کو دی کہ جاڑوں میں مین کی طرف اور گرمیوں میں شام کی طرف جاتے ہو اور عرب سے ہزاروں روپیہ اشرفی و لباس وغیرہ نظر انداز کرتے ہو اور مال کثیر سے تجارت کر کے نفع کماتے ہو اور تمہارے قریب طائف کا خطہ سرسبز لگا دیا کہ وہاں کے باغات و میوہ جات سے عیش کرتے ہو پس خالص اسی بیت الاحرام کے رب جلیل کی بندگی کرو جس نے تم کو یہ سب عطا کیا ہو لہذا اول سورہ میں اصحاب الفیل کی ہلاکت سے قریش کی عزت ظاہر کی اور اس سورہ میں فرمایا۔ **لَا يَلْفُ قَرِيشٌ قَرِيشًا** یعنی قریش کو قریش سے لے کر دلائے کوف یعنی تاکہ قریش اس بیت الاحرام سے الفت کیے رہیں۔ **الْفَتْحُ**۔ ان کے الفت دلائے کوف تاکہ فرمایا۔ **رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ**۔ جاڑے و گرمی کا کوچ رکھنا یعنی ہم نے قریش کے لیے یہ سامان مہیا کر دیا کہ جاڑے میں مین وغیرہ کی طرف کوچ کر جاتے ہیں وہاں کے لوگ قریش کو اپنا پیشوا و سربراہ سمجھ کر **ماعتون** ہاتھ ملتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہی لوگ تو اہل اللہ و خاصان خدا ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں کو اپنے حرم محترم میں بسایا اور اصحاب الفیل سے دشمن زبردست کو کس عذاب کے ساتھ خود کھالت فرما کر ان سے دفع کیا ان سے بہتر پیشوا نہیں ہو سکتا ہیں ہر طرح حسب مقتدرہ اشرفی و روپیہ و لباس و اناج و زکریہ کے منتظر ہوتے کہ یہ قبول کر لیں تو ہمارا فخر ہو جاوے اور شاعر لوگ مدح و ثناء کے قصیدہ بنا کر لاتے اور ایام مناسبت قریش کو سناتے تھے اگر قریش نے پسند کر لیا تو بھج کر کیا تھا کسی کی مجال نہیں رہتی تھی کہ اس میں کر کے قصیدہ بنا کر لاتے اور ایام مناسبت قریش کو سناتے تھے اگر قریش نے ناپسند کیا تو بھج کر لاکھ تعریف کر کوئی نہیں پوچھتا تھا اگرچہ کسی ملک عجیب نکالے وہ کسوٹی پر کھڑا اُترا اور اگر خدا نخواستہ قریش نے ناپسند کیا تو بھج کر لاکھ تعریف کر کوئی نہیں پوچھتا تھا اگرچہ کسی ملک کے بادشاہ کا قصیدہ کیوں نہ ہو۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قریش میں شجاعت و سخاوت اور وہن و لطافت و نیک خلعت و امانت و دیانت کے اوصاف بھی رکھے تھے باجملہ تمام عرب والے ہر طرف جہر جاتے انکا خیر مقدم کرتے اور اس رحلت و کوچ کے سفر میں بہت مال و دولت کمالاتے۔ یہ تو جاڑوں کا سفر تھا۔ دوسرا سفر گرمیوں میں بجانب شام تھا جان اس وقت میں گرمی کم ہوتی ہے۔ پہلے سفر کے سرمایہ سے دوسرے سفر میں تجارت کرتے اور بہت نفع کمالاتے تھے اور وطن میں بہت ناز و نعمت سے کھاتے تھے۔ یہ دونوں سفر اللہ تعالیٰ نے مقرر کیے یعنی ان کے سامان مہیا کر دیے۔ کیوں۔ لایلاف قریش۔ قریش کی الفت دلاتے کو۔ سنو سنو۔ ایلا نعم قریش کی الفت دلاتے کو یعنی تاکہ اس بیت الاحرام معظم مکرم کے ساتھ الفت تمام زمین الفت دلاتے کو۔ سنو سنو۔ ایلا نعم قریش کی الفت دلاتے کو یعنی تاکہ اس بیت الاحرام معظم مکرم کے ساتھ الفت تمام زمین اور اس گرم و خشک بے آب و گیاہ بیابان سے کہیں نجاوین۔ دعاے ابراہیمؑ میں بھی تھا کہ اے کچھ لوگوں کے دل ایسے کر دے کہ ان لوگوں کی طرٹ جھکے رہیں اور انکو ہر طرح کے اناج و پھل سے رزق دے یہ دعا معجزہ باقی ہے دیکھو کہ معظم میں ہر ملک کی چیزیں ملتی ہیں۔ پھر قریش کو اس نعمت کا شکر ادا کرنے کی جانب ارشاد فرمایا بقولہ تعالیٰ۔ **فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْكَوْنِ**۔ اب انکو چاہیے کہ عبادت کریں اس بیت (گھر) کے مالک کی **ف** یعنی اس نعمت کا شکر جو کچھ ان کے اسکان میں ہو وہ اس طرح ادا کریں کہ بیت اللہ کے مالک اللہ عز و جل ہی کے لیے خالص توجیہ کی عبادت کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ

یہ خاص بہارت لیے ہے ابن عائشہ نے کہا کہ اگر تم یہی سہٹ کرتے ہو تو پھر اس کے ساتھ میں دوسری آیت بھی لو یعنی قولہ تعالیٰ
وَلَا يَلْفُ قَرِيشٌ ۝ الْفَيْحُ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ ۝ فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ
هَذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ ۝ وَأَمْتَهُمْ مِنْ خَوْفٍ ۝

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
لَا يَلْفُ قَرِيشٌ ۝ الْفَيْحُ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ ۝ فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ
اسوا سے کہ پلا رکھا قریش کو پلا رکھنا انکو کوچ سے جاڑے کے اور گرمی کے تو چاہے کہ بندگی کریں اس
هَذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ ۝ وَأَمْتَهُمْ مِنْ خَوْفٍ ۝
گھر کے رب کی جنے انکو کھانا دیا بھوک میں اور امن دیا ڈر میں

واضح ہو کہ قریش نسل ابراہیم میں ہیں جو ان کے فرزند پیغمبر اسمعیل بن ابراہیم سے پیدا ہوئے اور ان کا نام انال جبرہم قبیلہ میں ہے اور ابتدائے جبرہم
ابراہیم علیہ السلام کی حضرت اسمعیل علیہ السلام و انکی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ کو لا کر اس بیت احرام کے پاس جسکی دیوار میں وغیرہ کچھ
اس وقت بنی نہ تھیں (کیونکہ طوفان نوح میں جاتی رہی تھیں) چھوڑ گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہاں چشمہ زمزم نکال دیا و لیکن زمین
قابل و رخت و زراعت نہیں ہے اتفاق سے قبیلہ جبرہم کے کچھ لوگ نفیس بانی دیکھ کر حضرت ہاجرہ سے خواستگار ہوئے کہ تم اجازت دو
تو ہم بھی بال بچے لیکر یہاں رہیں اور بانی میں ہمارا استحقاق نہیں بلکہ تمہاری اجازت ہے آپ نے منظور کیا پھر حضرت ابراہیم و اسمعیل
خانہ کعبہ کی عمارت بنائی۔ بعد وفات حضرت ہاجرہ و اسمعیل کے چونکہ اولاد اسمعیل قلیل تھے۔ اولاد جبرہم نے ثابت بن اسمعیل سے
بہرہ دی کر کے اپنا تسلط کر لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اولاد اسمعیل میں برکت دی حتیٰ کہ انھوں نے جبرہم کو خارج کیا کہتے ہیں کہ اسکا
باعث یہ ہوا تھا کہ اولاد اسمعیل دین توحید پر تھے اور حارث بن مصاض جبرہمی نے بت پرستی میں یہاں تک فساد کیا کہ اولاد اسمعیل
جو بائع سو برس میں بکثرت ہو گئے تھے سب کے لیے آگ کی خندق بنوائی کہ اگر بت پرستی کریں تو خیر نہیں تو آگ میں جلا دو و غزاعۃ
ہمت مردانہ سے مقابلہ کیا حتیٰ کہ جبرہم شکست و کیر میں کیٹ پھگادیا اور کے میں قریش باقی رہے پھر جب زیادہ مدت گزری
تو یوحہ حبالہ کے توحید و رسالت بھول کر خود بت پرستی میں پڑ گئے و لیکن بیت اللہ کی تعظیم و تکریم میں تصور نہیں کیا بلکہ شان
الہی اس وقت یہ تھی کہ جسے کچھ بے ادبی کی تو عذاب میں گرفتار ہو جاتا تھا اور سورۃ الحج میں فی الجملہ بیان واقعات گزر چکا ہے جیسے
اساف و نائلہ کا قصہ معروف ہے کہ یہ دونوں حج کو آتے تھے راہ میں باہم عشق بازی کی آئینہ لگ گئی و لیکن وصال کا موقع نہ
ملا حتیٰ کہ کے میں پہونچ کر دونوں نے خانہ کعبہ کے اندر اس حرکت کا قصد کیا اور فوراً پتھر ہو گئے جب لوگوں نے دیکھا تو ایک کے صفا
کے قریب اور دوسرے کو مرہ کے پاس رکھ دیا تاکہ لوگ عبرت پکڑیں اور خانہ کعبہ کے اندر جانا بند کر دیا پھر مدت دراز گزرنے پر آخری
اولاد نے انکو اپنا معبود و بنا لیا کیونکہ انکے توتھے ہوئے بتوں سے زیادہ خوبصورت تھے اور زعم کیا کہ یہ بزرگوں کے بت ہیں
اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اولاد اسمعیل کے لیے خانہ کعبہ کے پاس بہت دعائیں مانگیں ازاں بعد یہ کہ ان میں ایک پیغمبر
مبعوث فرمایا جائے گا جسکا نام حق تھا گویا اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ میں اپنا رسول حبیب خاتم النبیین افضل المرسلین انھیں میں مبعوث
فرماؤں گا جسپر لکھی ہوئی کتاب نہیں آتا روگنا بلکہ خالص کلام اُسکے قلب پر نازل فرماؤں گا اور یہ بشارت تورات و انجیل و زبور

کوئی اسکی عبادت کرنے والا نہیں تھا (۲) اور یہ فضیلت دی کہ یوم الفیل میں انکو نصرت دی حالانکہ اسوقت میں یہ لوگ مشرک تھے اور (۳) انکو یہ فضیلت دی کہ اُنکے بارہ میں قرآن میں ایک سورہ نازل کیا جس میں سوائے قریش کے کسی کا ذکر نہیں فرمایا اور وہ دلائل قریش الہی (۴) اور (۵) انکو یہ فضیلت دی کہ اُن میں نبوت و خلافت و سقایت ہی (۶) مترجم کتاب ہے کہ ساتویں بات خانہ کعبہ کا دربان ہونا اس روایت میں مذکور نہیں ہے شاید کاتب کی غلطی سے رہ گیا ہوا اور خطیب بغدادی نے تاریخ میں اس کے مانند سعید بن السید سے مرسل حدیث روایت کی اور مترجم اس حدیث کی بعض تفسیر بیان کرتا ہے پس (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور قریش میں ہونا ایسا فضیل ہے کہ اولین و آخرین کسیکو سوائے قریش کے نہیں ہوا اور جس قدر آنحضرت مسلم النسل اولین و آخرین ہیں اسی قدر انکو فضیلت ملی (۲) اور حدیث میں ہے اللہ نے قریش - یعنی خلافت کا حق قریش میں دیا سب سلاطین دہلم و غزنوی و بلجوقی وغیرہ سب خلیفہ قریشی سے بیعت کر کے اسکی طرف سے سلاطین ہوتے تھے جب تک اسلام کی خست و لون میں تھی پھر خوارزمیوں میں سے بعض نے تجیر کر کے نفاق ڈالا اور قتلہ عظیم پیدا ہو کر کفار کا تار غالب ہوئے اور حدیث ابو داؤد سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی امت کے واسطے پانچ سو برس کی خبر دی تھی وہ مبعاد پوری ہوئی کیونکہ یہ قتلہ شروع ساتویں صدی میں ہوا (۳) خانہ کعبہ و زمزم کی درباری و سقایت آخر تک قریش میں ہی رہی کیونکہ اللہ تعالیٰ (۴) دس برس قریش نے ایسے زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جب روئے زمین پر کوئی دوسرا نہ تھا تو یہ بات ظاہر ہے کیونکہ آپ کے میں بعد بعثت کے تیرہ برس رہے از انکہ تین برس بدو دعوت تھے اسلئے کہ شروع وحی اقرار باسم ربک کے بعد وحی میں تاخیر ہوئی حتیٰ کہ مشوق عظیم پیدا ہوا پھر وحی آئی کہ خلق کو دعوت فرمائیں تو حضرت خدیجہ و ابوبکر و علی وغیرہم رضی اللہ عنہم ایمان لائے تو دس برس ہی لوگ روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے تھے اور میں نے بارہا واضح بیان کر دیا کہ یہ وہود و نصاریٰ وغیرہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشرک کرتے ہیں یہ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانتے ہیں تو اسکی عبادت غیر ممکن ہے و قد قال تعالیٰ لا یظنون باللہ ولا بالیوم الآخر یعنی یہ اہل کتاب اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ روز قیامت پر وہم اگر کو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے لوگوں سے سات برس پہلے نماز پڑھی - ہ - (جواب) اس کے یہ معنی ہیں کہ جب آپ اسلام لائے تو آٹھ برس کی عمر تھی اور بلوغ پندرہ سوین سال ہو اور لوگ بلوغ پر مامور ہوتے ہیں تو آپ نے نماز کی عمر سے سات برس پہلے سے نماز پڑھنی شروع کی (۵) اصحاب الفیل پر قریش کو فتح دی باوجودیکہ مشرک تھے اس سے مراد یہ کہ قریش اس وقت ایمان و اسلام پر نہیں تھے اور انکو فتح دی کیونکہ مقتدر بہ تھا کہ منقریب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں پیدا ہوں اور اہل توحید گرد خانہ کعبہ کے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و تہجیر کریں پس انکو فتح دی اور جس گروہ پر فتح دی وہ خود بدتر مشرک بیباک تھے لطیفہ ابن ابی جوزی نے ذکر کیا کہ محمد بن زکریا نے کہا کہ ایک مجلس میں حبید اللہ بن محمد بن عائشہ تمیمی اور جعفر بن القاسم ہاشمی تھے جعفر نے ابن عائشہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ قرآن مجید میں ایک آیت خاص بنی ہاشم کے حق میں ہے - پوچھا گیا کہ وہ کیا آیت ہو کسا - و انہ لذلک ولقواک - یعنی یہ قرآن مجید تیرے واسطے اور تیری قوم کے واسطے ذکر و شرف ہے - ابن عائشہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اسمین بنی ہاشم کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ آپ کی قوم سب قریش ہیں اور ہم بھی آپ کے ساتھ اسمین داخل ہیں یعنی جیسے بنی ہاشم آپ سے اقرب ہیں تو باقی بطون قریش بھی قریب ہیں - جعفر نے کہا کہ نہیں بلکہ قوم آپ کی فقط بنو ہاشم ہیں کیونکہ آپ ہاشمی تھے تو

اس پر سوار ہو کر دریا کے پار ہو گئے (ابن العزلی) مگر حج کتنا ہی کہ مجھے ان زندیقوں پر سخت تعجب ہوتا ہے اور میں اپنے رب عزوجل کا ہزار زبان سے شکر نہیں ادا کر سکتا کہ اُس نے اپنے کرم سے یہ اور اس سے ہزار گونہ زائد میری نظر میں بدیہی رکھا اور بیشک اللہ تعالیٰ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت فرماتا ہے اور معترض یہ بخت جب بصیرت سے اندھا تھا تو اُس کو کیونکر سوچتا کہ وہ کسان اندھا پن کرتا ہے (اول) تو یہ معاملہ جب اس قدر نزدیک زمانہ میں قطعاً متواتر ہو تو اس اندھے زندیق کے نہ ماننے کی یہی مثال ہے کہ اس کو آفتاب نہیں سوچتا اور یہ جو اُس نے کہا کہ پتھریوں میں یہ قوت کہاں تھی تو ابن العزلیؒ نے جواب دیا کہ صحت تھی اور مگر حج کتنا ہی کہ صریح آیت میں فرمایا کہ وہ سبیل کی پتھریاں تھیں اور اللہ تعالیٰ نے اُس کا اثر اس قوم ناپاک تک رکھا تھا اور دنیا میں حق تعالیٰ نے اس طرح اثر رکھا ہے جیسے قریش جنگ بدر میں قلیل صحابہ رض کو بکثرت دیکھنے لگے حالانکہ اول مرتبہ بہت قلیل دیکھ کر حیرت شدید سے اُسی وقت حکم کرنے پر آمادہ تھے اور مومنوں نے مصافحہ میں اُن کو قلیل دیکھا۔ یہ متواتر ہے اور قرآن میں منصوص ہے اور جب تک نور فطرت و ایمان سے بصیرت نہیں ہوتی تب تک آدمی مردہ اور اندھا ہے اور یہ معاملہ متواتر اور صریح حق ہے واللہ الحمد والمنة

سُورَةُ الْقُرْشِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اَرْبَعُ اَيَاتٍ

اس سورہ میں چار آیات ہیں اور شترہ کلمات اور تتر حروف ہیں (السراج) عامۃ تفاسیر میں مذکور ہے کہ یہ سورہ مکہ ہے اور سراج وغیرہ میں کہا کہ یہی جمہور علماء کا قول ہے اور صحاح و کلبی نے کہا کہ مدنیہ ہے (خطیب) اور جمہور کا قول اصح ہے اور یہی ابن عباس رض سے روایت ہے (رف) بلکہ علماء معتدین گویا متفق ہیں کہ یہ سورہ مکہ ہے تو یہی صحیح ہے۔ م۔ ابن کثیرؒ نے کہا کہ اس سورہ کی فضیلت میں ایک حدیث غریب وارد ہوئی ہے۔ اُم ہانی بنت ابی طالب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کو سات چیزوں سے فضیلت دی یہ باتیں کسی قوم میں پہلے جمع نہیں ہوئیں اور نہ آئندہ کسی میں ہونگی (۱) میں انھیں میں ہوں اور ایک روایت میں فرمایا کہ نبوت ان میں ہو (۲) اور خلافت انھیں میں ہے اور (۳) خانہ کعبہ کی دریائی انھیں میں ہے اور (۴) زمزم سے پانی پلانا انھیں میں ہے اور (۵) اصحاب الغیل پر ان کو نصرت عطا ہوئی اور (۶) انھوں نے سات برس یا فرمایا کہیں برس تک ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی کہ ان کے سوا کوئی اُس مدت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ کرے۔ لا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ یعنی توحید کے ساتھ عبادت کرنے والا نہیں تھا اور (۷) ان کے حق میں قرآن مجید میں ایک سورہ نازل فرمایا جس میں ان کے سوا کسی دوسرے کا ذکر نہیں ہے وہ لایلاف قریش الخ ہے۔ اس حدیث کو حاکم نے روایت کر کے کہا کہ صحیح ہے اور حاکم سے بیہقی نے روایت کیا اور امام بخاریؒ نے تاریخ میں اور طبرانی و ابن مردویہ نے روایت کیا ابن کثیرؒ نے کہا کہ حدیث غریب ہے اور کہا گیا کہ اسکے واسطے حدیث زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ شاذ ہے جس کو طبرانی نے معجم اوسط میں اور ابن مردویہ نے وابن عساکر نے روایت کیا کہ زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کو سات فضیلتوں سے فضیلت دی (۱) انکو یہ فضیلت دی کہ انھوں نے دس برس اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسے زمانہ میں ادا کی کہ اُس وقت سوا قریش کے

اخلاق جمیلہ سے دنیا میں انکو ضرور نفع پہونچتا ہی جیسے روم کی کثرت آخر زمانہ میں مذکور ہو اور صحابی نے روم کے اخلاق شمار کیے لیکن ان اخلاق کا نتیجہ انکو دنیا میں حاصل ہو گا مگر ترجمہ کرتا ہو کہ آجکل روم کے لیے یہ سامان شروع ہو اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو نیک اعمال، اخلاق کی توفیق عطا فرما دے آمین۔

ولیکن یہ اخلاق بمقابلہ مومنین کے کسی کام کے نہیں ہوتے ہیں جبکہ مومنین توحید کے اخلاق میں اچھے ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال قدس کے سامنے بندے کی ذات کچھ نہیں ہو تو اس کے اخلاق و افعال کیا ہونگے پس قریش کے افعال بوجہ شرک کے کچھ نہیں تھے تو بالضرر در یہ سب فضل و کرم واسطے ظہور حبیب مکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تھا واللہ اعلم والہم والہم و علی رسولہ الصلوٰۃ والتحیۃ واللہ رب العالمین۔ آج کل جو لوگ اسلام کا نام لیتے ہیں وہ عظمت و جلال حق کی تعظیم سے منہ پڑ کر تعصبات پر اڑے ہیں اور شیعہ و سنی باہم جدال کرتے ہیں اور بعض ان میں سے شرک و کفر سے موالات کرتے اور اہل اسلام سے عداوت کرتے ہیں کیونکہ غلوے قبیح سے قلوب مشرکہ اکیلے دوسرے کی طرف مائل ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کو ہدایت عطا فرما دے آمین ف اشارات عرائس میں ہے کہ اس سورہ مبارک میں اصحاب الفیل کی ہلاکت سے تنبیہ فرمائی کہ جسے حرمت الہی عز و جل کو ضایع کیا وہ ضلالت میں جاوے بدتر ہو یوسف بن حسین صوفی نے کہا کہ جس شخص نے سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی چیز پر اعتماد کیا تو اسی پر ہلاک ہوتا ہی جیسے اصحاب الفیل کہ اللہ تعالیٰ نے نہایت ضعیف پر غدون سے انکو ہلاک کیا (مختصر عرائس) اور شیخ محی الدین بن العربی نے لکھا کہ اصحاب الفیل کا قصہ متواتر مشہور ہو اور بہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے بہت قریب واقع ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ کے عظام آیات قدرت میں سے ایک اہمیت ہو کہ جسے اللہ تعالیٰ کی مشاعر محرمات سے کسی چیز کی ہتک حرمت چاہی تو اس پر غضب الہی کا اثر پہونچتا ہے چنانچہ طہور کے چھوٹی چھوٹی چنے و سوسر برابر کسکریوں سے حبشہ کے ہاتھی و گھوڑے و اونٹ اور پہلوان ہلاک کر دیے کیونکہ وہ پتھریان سجیل سے تھیں (ابن العربی) مترجم کہتا ہو کہ عجیب ہو کہ مسلمانوں میں جو لوگ اسپین و اندلس میں نام کے مسلمان تھے وہ ایسے فلسفی جہالت میں پڑے کہ انھوں نے قدرت حق عز و جل سے انکار کیا اور اصل انکی فرقہ مغرکہ گمراہ ہو چنانچہ رازی نے لکھا کہ بعضے زندقہ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ جواز میں نہیں آتا کیونکہ ہمارے خیال میں نہیں آتا کہ چنے یا مسور کے برابر پتھری میں یہ اثر ہو کہ آدمی کا سر توڑ کر اسکی روم سے نکل جاوے کیونکہ اگر یہ ہو سکے تو یہ بھی کہو کہ پہاڑ کا بوجھ تنکے برابر ہو تو جو چیزیں ہم دیکھتے ہیں کسی پر اعتماد نہ رہے اور کہنے والا کہے کہ ہمارے پاس بہت سے چاند و سورج ہیں جو نظر نہیں آتے ہیں اور اندلس سے آدمی چین کا پتھر دیکھ لے رازی نے کہا کہ یہ سب جائز ہے (کبیر) اور حمل نے کہا کہ یہ بھی غور کے قابل ہو کہ پرندوں نے عقل کہاں سے پائی کہ ہر کافر پر اسی کے نام کا پتھر مارے اور نام کیونکر پڑھ لیا (حاشیہ جلالین) شیخ ابن العربی نے کہا کہ پرندوں کے نفوس سادہ و پاکیزہ ہیں تو ان میں انسان سے بہتر اللہ تعالیٰ کا الہام ہوتا ہو اور پتھریوں میں یہ خاصیت تھی کہ اس طرح ہلاک کریں اور جب کو اللہ تعالیٰ کے عجائب قدرت و کمال حکمت سے ظہور ہوا وہ جانتا ہے کہ یہ باتیں قدرت حق میں بہت خفیف ہیں دیکھو ہمارے زمانہ میں شہر ایبوردین یہ عجیب قصہ واقع ہوا کہ چوہے وہاں بیکام مسلط ہوئے اور انھوں نے ایبوردی کی تمام کھیتیں تباہ کر دیں اور تباہ کرنے کے بعد روانہ ہو کر جیون کے کنارے پہونچے اور ہر ایک چوہے نے دریا کے کنارے سے نرکل کی ایک شاخ کا ٹی اور

اسکو دیکھو تو اُس میں عائشہ رضی کی تصویر تھی۔ حضرت عائشہ رضی کہتی ہیں کہ مجھے آپ نے بیان فرمایا تو میں نے کہا کہ اگر خدا تعالیٰ نے یہ مقدر کیا ہوگا تو جاری ہوگا اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہوا اور ام المومنین کی نورانی عقل کا بیان ہے۔ معجزہ تو اس لیے کہ اول تو آپ نے ایک امر کی خبر دی حالانکہ ابھی عائشہ رضی کی عمر بہت کم تھی تو معنی یہ کہ عائشہ رضی برابر زندہ رہیں گی حتیٰ کہ خاتم المرسلین حبیب رب العالمین کی زوجہ ام المومنین ہوں گی۔ دوم یہ کہ بعد آپ کے عرب کے دستور کے ہوا تو کسی سے نکاح نہ ہوگا حتیٰ کہ آپ ہی کی زوجیت میں وفات ہوگی اور حضرت ام المومنین رضی کی طہارت کا ملکہ اور روح طاہرہ و کمال عقل ظاہر ہو جبکہ اس عمر میں یہ معرفت الہیہ حاصل تھی جو بڑھی غورتوں کو حاصل نہیں ہوتی ہے بلکہ بہت سے مردوں کو یہ عقل نہیں ہوتی یہ خطیب نے لکھا کہ محمد بن اسحق تابعی نے لکھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مکہ معظمہ سے اصحاب الفیل حبشہ کو اس طرح فرود اور خوار و ہلاک کیا تو قریش کی عظمت تمام عرب کی نظروں میں بھر گئی اور کہنے لگے کہ یہ لوگ اہل اللہ و خاصان خدا ہیں انکے دشمنوں سے خدا نے خود لڑائی کی اور خود انکے دشمنوں کو دفع کیا قریش کو ہاتھ ملانا بھی نہیں پڑا۔ پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے قریش پر یہ نعمت تھی مگر ہم کہتا ہوں کہ اگر کوئی کہے کہ پھر قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے میں بہت تاخیر کی اور ہر طرح سے خرابی ڈالی (جواب) قریش کے سابقین مومنین افضل الامم ہیں انکو اللہ تعالیٰ نے منتخب کیا حتیٰ کہ یہ لوگ اولیائے کاملین ہوں گے اور جسکو کچھ بھی سمجھ ہی وہ اُس زمانہ کی حالت کا نقشہ خیال میں لا کر غور کرے گا کہ یہ لوگ کس درجہ کمال ایمان سے بھر دیے گئے تھے اور کس طرح عجیب شان سے انکے دل ایمان کے لیے کھول دیے گئے تھے اور یہی نکتہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے میں تاخیر دی یہاں تک کہ اصحاب کی جماعت چالیس کے قریب پہنچی کیونکہ حضرت عمر رضی عظمت الہی کے مقابلہ میں جان کو خوار رکھتے تھے حتیٰ کہ ایمان لاتے ہی نکلکے اعلان سے نماز پڑھی اور قریش نے قتال عام کے خوف سے جل جل کر غصہ پی لیا اور حضرت عمر کا کنبہ اگرچہ قلیل تھا ولیکن بڑے جنگجو خون ریز لوگ تھے پس قریش میں سے اول تو اولیائے کاملین انتخاب کر لیے۔ پھر ہجرت کے بعد جہاد فرض ہوا پھر آٹھ برس میں بہت لوگ قریش کے مسلمان ہو کر مدینے چلے گئے اور یہ اوسط درجہ کے لوگ ہیں پھر مکہ فتح کر دیا اور سب قریش مسلمان ہو گئے اور یہ آخری درجہ ہوا اور باقی عرب والے صرف قریش کے انتظار میں تھے جب یہ لوگ اسلام لائے تو سب قبائل عرب فوجاً فوجاً داخل اسلام ہوئے جیسے سورہ اذ جاء نصر اللہ والفتح میں بیان ہے تو اصحاب الفیل کے معاملہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ فقط قریش پر موقوف رہ گیا اور باقی قبائل عرب سب قریش کے تابع ہو گئے تھے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو بہت سے قبائل عرب مانند ملوک کندہ وغیرہ کے بکثرت قوی و جنگجو تھے اُسے جہاد کرنے میں مدت دراز صرف ہوتی اس سے معلوم ہوا کہ رازی و خطیب وغیرہ نے جو بعض علماء سے نقل کیا کہ اصحاب الفیل کو اس طرح عذاب سے ہلاک کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا۔ یہ قول نہایت نفیس اور لطیف اسرار میں سے ہے اگرچہ آپ کی ولادت سے پہلے واقع ہوا تھا تو بھی یہ آپ کے شرف کا معجزہ ہے کیونکہ آپ ہی کی ذات مبارک کی بزرگی و کرامت ظاہر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایسا معاملہ کیا مگر ہم کہتا ہوں کہ یہ بالکل بدیہی بات ہے کہ قریش کا دین اسوقت بہت خراب تھا سوائے اسکے کہ وہ لوگ دیانت و امان سے بہت اللہ واسکے گردن حرم کی تعظیم کرتے تھے اور حاجیوں کو کھانا کھلاتے اور راحت پہنچاتے تھے اسی طرح ہدی قربانی و مشاعر الحرام کی تعظیم رکھتے تھے ولیکن اس سے صرف انکی ذات کے فوائد متعلق تھے کیونکہ یہ افعال و اخلاق ہیں اور بندوں کے

مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نمونے بہت ہیں از انجملہ یوم الفیل میں ہاتھی کو مارتے اور طرح طرح کی تکلیفوں سے اُسکو
اُبھارتے وہ اُلٹا بھاگتا کہ ناگاہ اللہ تعالیٰ نے اُن پر اوپر سے پتھریوں کی بارانازل کی یہ فارس من فوقہم صاحب
یلفہم مثل لف القدم + یخص علی الصبر احبارہم + وقد ثاجو کمنواج الفیہ یعنی اللہ تعالیٰ نے
اُنکے اوپر سے پتھروں کی بوجھار اُتاری ہے انکو تنگ لپیٹ لیا جیسے فرم تنگ گیر ہوتا ہو جب زخمی مجروح بھاگے گئے تو
اُنکے پادری لوگ اُنسے صبر کرنے کی وصیت کرتے تھے اور وہ لوگ بکریوں کی طرح میاتے وچلاتے تھے مسترحم کتا ہو
کہ اس شخربین بھی پتہ ہو کہ ان کبختوں کو پادریوں نے اس حرکت پر اُبھارا تھا اور اب صبر کی وصیت کرتے تھے اس
اشعار ایاو الصلت الشقی اولامیہ بن ابی الصلت ہمارے پروردگار کی آیات برابر باقی ہیں اُنسے
دہی منکر ہو گا جو سخت ناشکری کرنے والا ہو جس الفیل بالمغس حتی بصر یجوبو کا نہ معقودہ اللہ نعم
نے فیل کو مغس میں اس طرح روک دیا کہ گویا وہ بانوں کٹا ہوا ہو۔ آئندہ اشعار کا خلاصہ مطلب یہ کہ وہ ہاتھی اپنی گردن
کی زنجیر سے چٹار ہا کسی طرح نہ اُٹھا جیسے کسی آدمی کی پشت میں باندھا جاتا ہو اور اُسکے گرد قوم کندہ کے بادشاہ لپٹے تھے
آخر زاری اپنے باطل میں غمار ہوئے اور سوائے دین حنیفیہ کے کوئی دین باقی نہ رہا اللہ تعالیٰ سب کو غار کرے گا ابن کثیر
نے کہا کہ سورہ انفحات کی تفسیر میں گزرا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غنیہ سے اُترنے لگے تو آپ کا ناقہ قصوا بیٹھ گیا لوگوں نے
اُسکو ہر چند جھڑکا وہ اونٹنی اڑ گئی تو لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ دیکھو قصوا سرکش ہو گئی آپ نے فرمایا کہ نہیں اور یہ اسکی
عادت بھی نہیں ہو لیکن اسکو اُسی نے روک دیا جسے اصحاب الفیل کا فیل روک دیا تھا اور فرمایا کہ واللہ آج قریش مجھے
جو خصلت ایسی چاہینگے جس سے حرمت الہی کی تعظیم ہو تو میں منظور کروں گا پھر ناقہ کو زجر فرمایا وہ فوراً اُٹھ کھڑی ہوئی۔
(صحیح) یہ شروع ساتویں سال کا واقعہ ہو اور اس سال صلح ہو گئی پھر قریش نے قطعیہ حرم میں قصور کیا حتی کہ خزاعہ کو حرم محرم
میں قتل کیا پس اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کیا اور خزاعہ آپکی صلح میں تھے انھوں نے آپ سے مدد
چاہی آپ نے آٹھویں سال جا کر مکہ فتح کیا اور قریش کو خطبہ پڑھایا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے تمکے سے اصحاب الفیل کو روکا
اور اپنے رسول و مومنوں کو اجازت دی۔ یہ اجازت فقط ایک ساعت کے لیے تھی اور اب اسکی حرمت ویسی ہی ہو گئی جیسے کل
تھی۔ تم کو چاہیے کہ جو کوئی میری بات سنتا ہو وہ غائب کو خبر دیدے (ابن کثیر خطیب نے لکھا کہ بادشاہ عید الملک بن مروان
نے حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ بڑے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے تھے عتاب رضی اللہ
عنہ نے بڑا مانا اور کہا کہ بڑے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور میں آپ سے عمر میں زیادہ ہوں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم عام الفیل میں پیدا ہوئے اور مجھے یاد ہو کہ میں نے فیل کے قائد اور سائیس کو دیکھا کہ یہ دونوں اندھے اور لہجے
تھے لوگوں سے بھیک مانگا کرتے تھے خطیب نے لکھا کہ بیکھا گیا ہو کہ مکہ معظمہ میں کوئی باقی نہ تھا جسے فیل کے
قائد و سائیس کو نہ دیکھا ہو اور اللہ تعالیٰ نے مدت تک ان دونوں کو اس حالت پر زندہ رکھا حتی کہ ام المومنین
عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ برس کی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقد نکاح ہو گیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ میں نے جبریل کو دیکھا کہ بارہ حریر سفید لیے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ آپ کی زوجہ ہو دنیا میں اور آخرت میں۔ میں نے کہا کہ میں

بھائی مسروق بن ابرہہ تخت نشین ہوا۔ پھر سیف بن ذی یزن جو حمیر کے شاہی خاندان سے تھا مین سے نکل کر کسریٰ بادشاہ فارس کے یہاں حبشہ کے ظلم سے دادخواہ ہوا (کیونکہ سیف کی خوبصورت بی بی کو ابرہہ نے چھین لیا تھا اول کسریٰ نے فاصلہ دراز اور جنگ عظیم کو خیال کر کے اور سیف کو دین نصاریٰ پر اپنا مخالف دیکھ کر خیال نہ کیا آخر اسی کسریٰ نے یا اسکے بعد دوسرے کسریٰ نو شیروان نے ایک تدبیر نکالی کہ قیدیوں کو اسکے ساتھ کر دے اگر اسے فتح پائی تو خیر ورنہ میری ناموسی نہوگی۔ کسریٰ نے تھوڑا لشکر سیف کے ساتھ کیا۔ سیف نے حبشہ سے لڑ کر فتح پائی اور اپنا ملک چھین لیا مترجم نے سابق مین اسکو مفصل لکھ دیا ہے اور سیف بن ذی یزن کے پاس اوطار عرب سے شرفائے قبیلہ تہذیب دینے آئے (از انجملہ عبد المطلب و قریش بھی گئے چنانچہ مفصل بیان ہو چکا ہے) محمد بن اسحق تابعی نے کہا کہ مجھے عبد اللہ بن ابی بکر بن حرم نے عمرہ بنت عبد الرحمن بن اسعد بن زرارہ سے روایت کی کہ ام المومنین عائشہ رض فرمایا کہ نبی تعین کہ مین نے رجب مین کے مین) ہاتھی کے قائد کو اور سائیس کو خود دیکھا تھا یہ دونوں اندے اور بچے ہو گئے تھے اور لوگوں سے بھیک مانگا کرتے تھے اس روایت کو واقدی نے بھی مسند کیا۔ اور حضرت عائشہ رض کی بہن اسماء بنت ابی بکر رض سے بھی روایت کیا کہ یہ دونوں بچے اساف و نائلہ کے پاس بیٹھے بیٹھے مانگا کرتے تھے جہاں مشرکین اپنی قرمانیاں چڑھاتے تھے ابن کثیر رض نے کہا کہ ہاتھیوں کے قائد کا نام انیس تھا مترجم کتاب کو کہ بظاہر یہ شخص عرب مین سے تھا جس نے نوکری اختیار کر لی تھی ابن کثیر رض نے ابو نعیم سے روایت فعل کی جسکو ابو نعیم نے قوی کہا اور اس سے نکالا کہ ابرہہ خود مین سے نہیں آیا تھا بلکہ مین ہزار فوج لیکر شمس بن مقصود کو بھیجا تھا ابن کثیر رض نے کہا کہ نہیں بلکہ صحیح یہ کہ خود ابرہہ آیا تھا چنانچہ روایات کثیرہ سے ظاہر ہو رہا ہے عرب کے زمانہ جاہلیت کے اشعار بکثرت اس پر دلالت کرتے ہیں اور یہی صحیح ہے مترجم کتاب کو کہ ابو نعیم کی اسناد مین کسی راوی کر غلط نہیں ہوئی کیونکہ ابرہہ نے طائف سے آگے بڑھ کر شمس بن مقصود نامی ایک سردار کو بیٹل ہزار فوج دیا تھی دیکر آگے بڑھایا اور خود مین باقی فوجوں کے پیچھے پیچھے آتا تھا اور سردار مذکور بڑھ کر وادی مسرب مین اُترا اور ابرہہ مقام شمس مین تھا اور جب صبح ٹپکے حرم مین داخل ہو کر بیت الاحرام سے بے اولیٰ کرنے کا قصد ہوا تو بھی ابرہہ نے اُسی سردار کو آگے بڑھایا اور خود نہیں آیا مین فوجوں کے پشت پر حمایت کے لیے رہا تاکہ شاید عرب مقاتلہ کریں راوی نے غلطی سے یہ سمجھا کہ ابرہہ خود نہیں آیا یعنی مین سے نہیں آیا اور یہ مراد نہیں ہے بلکہ وہ شمس سے بڑھ کر حرم مین نہیں آیا اور اس سے معلوم ہو گیا کہ لشکر بیت کثیر تھا اور اسی جہت سے طبرہ کے جھنڈا بابل یعنی متفرق تھے اور سب سے پہلے طبرہ نے سب سے بدتر شقی کو جو سب سے آگے تھا ہلاک کیا و اللہ اعلم ابن کثیر رض نے کہا کہ شاید ابن مقصود ان کے لشکر کا مقدمہ تھا یعنی مجموعہ لشکر سے جو ٹکڑا آگے رکھتے ہیں پھر محمد بن اسحق رض نے اس مقام پر ان شاعروں کے بہت اشعار نقل کیے جو زمانہ اسلام سے پہلے اصحاب الفیل کے واقعہ کو نظم کرنے والے تھے۔ مین کہتا ہوں کہ اس کے چالیس برس بعد تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی ہدایت فرمائی پس ہزاروں آدمی اُس زمانہ کے دیکھنے والے موجود تھے مترجم اسم مین بعض اشعار لکھتا ہے مین اشعار ابن الزبیری سے سائل اسیر الجہش عنہا ما راہی + فلسوف نبی الجاہلین علیم ہا + ستون الفالہ یوہوا + رضہم + بل لم یعش بعد الا یاب سقیم ہا + قیدی سے لشکر کا حال دریافت کر کہ جو جانتا ہو وہ نہ جاننے والا کیونکہ تیار دیکھا۔ ساٹھ ہزار ایسے تھے کہ اپنے ملک کو واپس نہ گئے بلکہ جو مجروح واپس گیا وہ بھی زندہ نہیں رہا۔ مین اشعار ابو قیس بن الاسلم المدنی۔ حاصل

چمکتی ہوئی سپاہی مائل ہوا اور پرندوں میں سے درندہ وہ ہوتے ہیں جو شکار مارتے ہیں جیسے باز و شکرہ و عقاب ہوتے ہیں تو مقصود
 یہ کہ چونچ ٹیڑھی تھی واللہ اعلم۔ اور ابن جریر رحمہ اللہ نے باسناد صحیح روایت کی کہ عبید بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ طیار ابا بیل سپاہ
 چڑیوں کے جھنڈ تھے جو سمندر سے نکلی تھیں دینے بجز قلزم کی طرف سے آئی تھیں) انکی چونچ اور پچوں میں پتھریاں تھیں (اسناد
 صحیحہ) عبید بن جبیر نے کہا کہ انکی چونچ زرد تھی اور ابن ابی خاتم نے بھی عبید بن عمر رضی اللہ عنہ سے سنا کہ جب اللہ تعالیٰ نے
 اصحاب الفیل کو ہلاک کرنا چاہا تو سمندر سے چڑیاں پیدا کیں جو خطاف (ابابیل) کے مشابہ تھیں ہر چڑیا کے پاس چونچ میں ایک
 پتھری اور دونوں پچوں میں دو پتھریاں تھیں پس یہ چڑیاں نمودار ہوئیں اور بڑھکراٹھیں یہاں تک کہ اصحاب الفیل کے مجاذی آسمان پر
 محیط ہوئیں اور یکایک انھوں نے زور سے آوازیں کیں اور پتھریاں مارنے لگیں پس جو پتھری کسی شخص کے سر پر گرا وہ توڑ کر اُسکی
 ذر سے نکل گیا اور بدن کے جس عضو پر گرا توڑ کر نکل گیا اور اللہ تعالیٰ نے سخت ہوا بھیجی اور پتھریاں اڑ کر ان لوگوں کے لگتی تھیں
 اس سے ان پر آفت زیادہ بڑھ گئی آخر سب ہلاک ہوئے (اسناد جبید خطیب وغیرہ نے لکھا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان
 کیا کرتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بڑی بہن جنکا نام ام یانی بنت ابی طالب تھا میں نے اُنکے پاس ان پتھریوں کا ڈھیر
 دیکھا اُنہیں سبز خط تھے جیسے جرع ظفاری میں ہوا کرتے ہیں القصہ جب اصحاب الفیل پر یہ ہولناک فذاب طاری ہوا تو اسباب
 بال وغیرہ چوڑ کر لیے تماشابھاگے و لیکن راہوں و جنگوں و منزلوں میں مرتے و گرتے جاتے تھے اور ابرہہ کی اُنھی اُنھی سڑکے گری آخر
 جب اُسکا سینہ پھٹ کر دل نکلا تب وہ مر گیا اور اسطرح سب مرے سوائے بعض کے ازا نجلہ ایک ابرہہ کا وزیر ابو یکسوم تھا کہ وہ ظاہر
 میں بچ گیا تھا یہاں تک کہ وہ حبش میں نجاشی کے حضور میں حاضر ہوا اور اُسے سب قصہ بیان کیا جب وہ کہہ چکا تو یکایک معلوم
 ہوا کہ اُسکے اوپر ایک پرند اُنھیں پرندوں میں سے موجود ہوا اور اُسے پتھری ماری تو ابو یکسوم بھی مر گیا (السراج المستحکم
 کہتا ہے کہ ابو یکسوم خود ابرہہ کا لقب تھا اور یہی محققین علماء نے بیان کیا ہے اسیدوجہ سے بعض نے کہا کہ ابرہہ مذکور جو نجاشی کی
 خدمت میں گیا تھا اور وہاں ہلاک ہوا ہے کیونکہ اُسکے دل میں غرور تھا کہ میں بدولت صلیب کے بچ گیا و لیکن جب سب قصہ بیان
 کر چکا تو پرند نے اسکو مارا جس سے وہ پور پور سڑکے بہت مصیبت سے مرا تھا واللہ تعالیٰ اعلم۔ واضح ہو کہ لشکر حبشہ کے ساتھ
 جو لوگ عرب کے بخوشی آئے تھے وہ مارے گئے اور جو زبردستی لائے گئے تھے وہ بالکل بچ گئے اور جو نوکری کے طور سے لائے
 گئے تھے جیسے ہاتھیوں کے سائیس وغیرہ تھے تو وہ بعضے ناقص چھوڑ دیے گئے تاکہ عرب سے سب حال بیان کیا کہ میں چنانچہ
 آئندہ معلوم ہوگا ابن کثیر نے لکھا کہ قرۃ العصف ماکول۔ عبید بن جبیر نے کہا کہ عصف بوسا جسکو عوام بہرہ کہتے ہیں دوسری
 روایت میں کہا کہ عصف گیدون کی پتیاں ہیں اقول شاید مراد یہ کہ گیدون کا دانہ کال لینے کے بعد چونچ رہتا ہے۔ تیسری روایت
 میں کہا کہ عصف بھوسا اور ماکول ڈنٹھل ہے جسکو کاٹ کر تیلوں وغیرہ کو کھلاتے ہیں اسطرح حسن نے بیان کیا ہے۔ ابن عباس
 نے کہا کہ العصف جو گیدون کے دانہ پر غلاف ہوتا ہے۔ الحاصل اللہ تعالیٰ نے اصحاب الفیل کو روند کر ہلاک و برباد و بامال کر دیا
 اُنکا مکر و کید اُنھیں پر د کیا اور ان میں سے اکثر ہلاک کیے اور جو کوئی خردینے والا بجا دہی زخمی و مجروح تھا جیسے اُنکے بادشاہ
 ابرہہ کا حال ہوا کہ جب وہ نہایت زخمی و مجروح بھر کے صنعا پہنچا اور اپنی قوم سے حال کہا تو مضغہ کوشت تھا آخر اُسکا سینہ
 پھٹ گیا اور دل نکل پڑا تب مر گیا ابرہہ کی موت کے بعد اسکا بیٹا یکسوم میں کے تخت پر بیٹھا اور چند روز کے بعد مر گیا تو اس کا

تھا کیونکہ اُس نے عرب کے ساتھ حسد کیا اور جو شرف اُن کو کعبہ سے حاصل تھا اُس کو اپنی طرف پھیر لینا چاہا راری نے لکھا کہ اول
انھوں نے یہ کید پھیلایا کہ قلیس گر جانا یا اور عرب کو اُسی طرف پھیرا لیکن عرب نے نہ مانا پھر دوبارہ خانہ کعبہ منہدم کرنے کا
ارادہ کیا مترجم کہتا ہے کہ اصلی مکروہ تھا جو میں نے بیان کیا اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہی اصل میں یہ مشرکین ضلالت میں پڑے تھے
یہ جانتے تھے کہ خاتم نبوت اپنی طرف لے جا دیں اور جب خانہ کعبہ کا نشان نہ ہو گا تو ناچار سب عرب کے لوگ قلیس گر جا کی طرف آویں گے
اور یہ سب بلا اس وجہ سے تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت باطل اعتقاد باندھا اور آخر بُری طرح ہلاک کیے گئے اور خانہ کعبہ کی عزت و
شرافت ہزار گونہ بڑھ گئی ابن کثیر رحم نے لکھا کہ محمد بن اسحق تابعی لکھتے ہیں کہ پھر جب اس واقعہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے رسول
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو قریش پر جو احسانات و انعامات اپنے حبیب صلعم کی بدولت فرمائے تھے انہیں سے ایک ہی
احسان عظیم شمار کیا بقولہ تعالیٰ الم ترکھن فاعل ربک باصحاب الفیل الخ یعنی حبشہ کا مکرو کید دفع کیا اور قولہ تعالیٰ لایلف قریش
سے احسان ظاہر کیا تاکہ قریش اپنی حالت کو متغیر نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر عظیم الشان کو قبول کریں مترجم کہتا ہے کہ اسکے بعد تمام
عرب کے لوگ قریش کی بھی بہت تعظیم کرنے لگے کہ دیکھو یہ لوگ اہل احرام ہیں اللہ تعالیٰ نے کیونکر انکے دشمنوں کو ہلاک کیا پس تمام
عرب کے لوگ باہم لوٹ مار کرتے تھے اور قریش کی طرف کوئی قصد نہیں کر سکتا تھا اور نہ ہیبت کھاتے کہ کہیں ان پر بھی اصحاب الفیل کی
طرح عذاب نہ آوے اور جس قبیلہ میں کوئی قریشی جاتا تو اس کی تعظیم و تکریم کرتے اور مال و متاع سے اس کی خدمت کرتے تھے اور جب
حج میں بیت اللہ کے طواف کو آتے تو محتاج ہو کر مرد و عورتیں قریش کے مرد و عورتوں سے کپڑا مانگ کر طواف کرتے اور اگر کسی کو
دے ملا تو وہ ننگے طواف کرتا حتیٰ کہ عورت اپنے آگے ہاتھ رکھ کر طواف کر لیتی تھی۔ اور حدیث کا مضمون صحیح ہوا کہ جو کوئی حسد کرتا ہے
وہ خود خسارت میں پڑتا ہے اور جس سے حسد کرے وہ زیادت میں ہوتا ہے چنانچہ حبشہ روز بروز ذلیل ہوئے اور ان کا کلیہ مٹ گیا
اور بیت اللہ کی عزت دن دوئی اور رات چو گنی بڑھتی جاتی ہو اللہ اک الحمد والمنہ ابن کثیر نے لکھا کہ ابن ہشام رحم نے کہا کہ قورطیر
ابابیل۔ ابابیل کے معنی جماعت ہیں اور عرب اس کا واحد نہیں بولتے ہیں اور کہا کہ رجیل کے معنی مجھے یونس نوحی و ابو عبیدہ نے یہ
بتلائے کہ عرب کی زبان میں سجیل کے معنی سخت مضبوط ہیں اور بعض مفسرین نے کہا کہ سجیل دو کلمہ فارسی سے مرکب ہے یعنی سنگ
جمل۔ اس کا عرب سجیل ہے اور کہا کہ (عصف) کھیتی کے پتے اور اس کا واحد عصف ہے۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما و ابو سلمہ بن عبد الرحمن
کہا کہ ابابیل یعنی ٹکڑیاں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک نے کہا کہ جھنڈ کے جھنڈا گے پیچھے۔ حسن وقتادہ نے کہا کہ ابابیل یعنی کثیر
مجاہد نے کہا کہ ابابیل جدا جدا جھنڈا گے پیچھے۔ ابن زید نے کہا کہ ہر طرف اُن پر جھنڈا اُلے مترجم کہتا ہے کہ میرے
نزدیک اصحاب الفیل جماعت کثیر تھے لاکھ سے زیادہ لشکر تھا تو ایک وادی میں انکی سمائی نہ تھی اس لیے وادی محسوسے لیکر
دور دور تک اترے تھے پس یہ چڑیاں بھی اسی طرح ابابیل یعنی متعدد و جھنڈ ہو کر ہر فرقہ پر آگئیں واللہ تعالیٰ اعلم۔ ابن جریر
نے باسناد وجید مسند کیا کہ ابی بن حارث بن نوفل نے کہا کہ ابابیل یعنی ٹکڑیاں جھنڈ کے جھنڈا جیسے اہل ابابیل یعنی موبلہ ہوتے
ہیں اقول یعنی بکثرت اونٹوں کے جدا جدا ٹکڑے کر لیتے ہیں اور باسناد صحیح روایت کی کہ ابن عباس نے طیرا ابابیل میں کہا کہ ان چڑیوں کی چونچ
طیرسی تھی (جیسے شکرہ و باز وغیرہ کی چونچ ہوتی ہے) اور بچے ایسے تھے جیسے کلا کے ہوتے ہیں (یعنی بڑے چپتے وغیرہ کے ہوتے ہیں) اور باسناد
صحیح روایت کی کہ عمر نے کہا کہ سبز چڑیاں تھیں جو سمندر سے نکلی تھیں اور درندوں کے مانند انکے سر تھے مترجم کہتا ہے کہ سبزی

کرنیکا قصد رکھتے تھے اور خانہ کعبہ بمنزلہ صدقہ ہی اور محمد صلیب اللہ علیہ وسلم بمنزلہ درتیم ہیں تو تعجب دلا یا کہ جو کوئی تجھے بے ادبی کا قصہ
 بکرسے کیونکر اسکو ہلاک نہ کر دینگا۔ اسی لیے آنحضرت رحمۃ اللعالمین نے جنگ اُحد میں کافروں کی طرف سے عذر کیا کہ انھی میری قوم کو
 ہدایت دے کہ یہ لوگ جانتے نہیں ہیں (رازی رحمہ) نے لکھا کہ اصحاب کا لفظ شرف ظاہر کرنے میں اعلیٰ کی طرف نسبت ہوتا ہے کیونکہ
 مصاحب اسی جنس سے ہوا کرتا ہے جسکا صاحب ہو اور یہ زبان عرب و عجم میں معروف ہے لہذا اصحاب محمد اور اصحاب موسیٰ انکی بزرگی
 و شرف کی دلیل قوی ہے اور یہاں اس سورہ میں اصحاب الفیل فرمایا تو ان بد بختوں کی مذمت ہے کہ یہ لوگ خود جالوز کی جنس سے تھے
 بلکہ تجھے معلوم ہو گیا کہ فیل ان جالوزوں سے ہزار درجہ بہتر تھا (رازی رحمہ) نے کہا کہ اگر وہم ہو کہ قریش نے خانہ کعبہ میں بت بھرے
 تھے یہ قبیح کام ہے اور اصحاب الفیل بیت کی دیوار میں گرانے آئے تھے انپر عذاب ہوا (جواب) اللہ تعالیٰ پاک ہے کہ حقیقت میں
 اسکا گھر ہوا سیواسطے نجات نصرت مجوسی کو مسلط کیا کہ اُسے بیت المقدس قبلہ بنی اسرائیل کو اجاڑ دیا و لیکن یہ تعظیم حق ہے اور
 قریش اس تعظیم میں تصور نہیں کرتے تھے اور خلق کے واسطے ایذا بالکل نہ تھی برخلاف حبشہ کے کہ وہ خلق کے حق میں ایذا دینے
 آیا تھا جیسا کہ سب عرب خصوصاً قریش کو صنعا کے گرجا میں صلیب پوجنے پر لے جانا چاہتا تھا اور یہ خانہ معظم خراب کرنا چاہتا
 تھا پس عذاب کیا گیا جیسے چور اور ڈاکہ مارنے والا اور راہزن سزا دیا جاتا اور قتل کیا جاتا ہے اگرچہ وہ مسلمان ہوا سیلے کا س سے
 عام مخلوق کو ضرر ہے اور جو نصرانی راہب کہ صومعہ میں بیٹھ رہا اور بچہ و عورت قتل نہیں کی جاتی ہے اگرچہ کافر ہے مسترحم کہتا ہے
 کہ اس بیان سے مسلمانوں وانکے مسجدی و عظیم کہنے والوں کو نصیحت لینا چاہیے۔ اور واضح ہو کہ اصحاب الفیل اگرچہ دین
 نصرانی پر تھے و لیکن انکی حالت بہائم و فیل سے بدتر ہو گئی تھی کیونکہ انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں کلمہ کہہ کر کہا اور
 صلیب کو سجدہ کرنا اختیار کیا اور جب شرک سے ایمان جاتا رہا تو جالوزوں سے بدتر ہو جاتا ہے اور اُس زمانہ میں نصاریٰ نے
 بعزم کیا تھا کہ اپنا دین قیامت تک مضبوط کریں جیسے اس زمانہ میں بھی اُنکا وہی قول چلا جاتا ہے کہ اب کوئی پیغمبر نہوگا اور یہود نے بھی
 دین موسیٰ ؑ کے حق میں ہی تعصب باندھا اور حضرت عیسیٰ سے کفر کیا اور دونوں فریق اپنے بیان کتالوں سے خوب جانتے تھے
 کہ احمد مصطفیٰ خاتم الانبیاء عرب حجاز کے مکہ معظمہ سے پیدا ہونے والے ہیں اور انکی ولادت اور ظہور کا وقت معلوم ہے تو
 قبلہ ہوگا پس یہود اور نصاریٰ نے اتفاق کر کے چاہا کہ جب وہ معروف مشہور ہیں اور انکی ولادت اور ظہور کا وقت معلوم ہے تو
 کسی طرح قتل کر دیں اور اہل صلیب نے چاہا کہ بعد اُسکے ہمارا دعویٰ عالم پر روشن ہوگا اس مکر سے ابرہہ نے نجاشی کے اشارے
 سے قصد کیا کہ خانہ کعبہ کی دیوار میں وچھرا کھاڑ کے ہاتھیوں پر لا کر صنعا میں لے جاکر کنیہ میں لگا دے تاکہ سب عرب اُسی طرف
 رجوع لا دیں گے اور حماقت سے یہ نہ جانا کہ خانہ کعبہ دیوار وچھرا کا نام نہیں ہے وہ بقرۃ متبرک تاحفت آسمان ہے اور جب توریت و انجیل
 والوں کو اللہ تعالیٰ نے صریح آگاہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ اُس اپنے حبیب پیغمبر کو نہیں اُٹھا دیگا بہا تک کہ طیرھی ملت سیدھی کر دے
 اور لوگ لا اہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے لگیں تو ان کافروں نے کیونکر شرک کی گمراہی سے یہ زعم کیا کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر مٹا دیں گے
 کیا یہ وہی کفر فرعون کا جیانی نہ تھا جسے موسیٰ علیہ السلام کے واسطے ہزاروں اطفال بنی اسرائیل ذبح کر ڈالے لہذا اللہ تعالیٰ نے
 فرمایا الم یجزل کیدہم فی تضلیل رازی نے لکھا کہ دیکھ کے معنی یہ کہ غیر کے ساتھ چھپا کر بدی کا ارادہ کرنا۔ اگر کوہ کہ اصحاب الفیل
 نے ظاہر کر کے ہدم کعبہ کا قصد کیا تھا پھر اسکو کید کیوں فرمایا (جواب) یہ کہ جو کچھ اُس نے ظاہر کیا اس سے بڑھکر اُسکے دل میں خفیہ

فراز می گئے کہا کہ اگر پوچھا جاوے کہ قولہ (کیا تو نے دیکھا نہیں) یہ مقتضی ہے کہ آپ نے دیکھا حالانکہ اسکے بعد آپ کی ولادت ہو (جواب) اس سے علم مراد ہی یعنی کیا تو نے نہیں جانا۔ یہ اشارہ ہے کہ واقعہ مذکور متواتر معروف تھا تو اسکا علم قطعاً یقینی بمنزلہ دیکھنے کے ہے۔ اور سب متواترات کا یہی حکم ہوتا ہے کیا نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے عرب کے لیکر قیامت تک کے کافروں پر محبت رکھی بقولہ تعالیٰ۔ اولم یروا کم ابلکننا قبلہم من القرون الا یہ۔ یعنی کیا ان لوگوں نے دیکھا نہیں کہ ہم نے ان سے پہلے کس قدر قرون ہلاک کر دیے۔۔۔ یعنی متواتر قطعی معلوم ہے کہ گویا اب دیکھ رہے ہیں کہ زمانہ سابق میں حضرت نوح و لوط و شعیب کی قوموں کو اور قوم عاد و ثمود و فرعون کو اللہ تعالیٰ نے کفر و نافرمانی سے ہلاک کر دیا کیا اس سے عبرت نہیں ہوتی جو حالانکہ متواتر قطعی یقینی ہے مگر حکم کتاب ہے کہ اس آخر زمانہ میں جب قیامت نزدیک ہو تو ایسے احمق لوگ پیدا ہوں گے جو متواترات سے انکار کرتے ہیں حتیٰ کہ اصحاب الفیل کے واقعہ سے جو آخری ہولناک واقعہ ہے اس سے منکر ہیں و لیکن جس شخص کے دل میں کچھ بھی انصاف اور ذرہ برابر بھی عقل ہے وہ ضرور اس منکر کا انکار بالکل ایسا سمجھیکا جیسے کوئی آفتاب سے منکر ہو۔ کیونکہ عرب بالاتفاق متواتر اسکو بیان کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اسکو نازل کیا تاکہ لکھا ہوا متواتر ہو جاوے جیسے اگلی امتوں و فرعون و عاد وغیرہ کا حال نازل کیا جس سے ہر وقت ان متواترات سے عبرت ہو تو ایسے بد ہی متواتر سے جو منکر ہو وہ مجنون یا بیہوش ہو بلکہ ازلی بد بخت کی حرکات سے اللہ تعالیٰ پناہ میں ہے۔

راز می گئے کہا کہ اہل عقل اس واقعہ کو دیکھتے ہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی عجیب قدرت و صنعت اور عظیم علم و حکمت عیان ہوتی ہے اور اس سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے کمال شرف و کرامت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ یہ معجزہ آپ ہی کے واسطے تھا اور ذرا غور کرو کہ کسی حیلہ سے ممکن نہیں کہ چڑیاں نئی صورت کی جو بچ و بچوں میں پھریاں لاوین اور سب قوموں کو چھوڑ کر ایک خاص قوم اصحاب الفیل پر کرارین اور اسکا یہ اثر ہو جو اصحاب الفیل کو پہونچا۔ پھر جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب پر یہ سورہ تلاوت کیا تھا اسوقت میں بکثرت ایسے لوگ موجود تھے جنہوں نے اصحاب الفیل کا واقعہ آنکھوں سے دیکھا تھا تو اس میں کسی عجیب قدرت و صنعت حق عزوجل عیان ہے۔ قولہ ربک۔ تیرے رب نے۔۔۔ تو اشارہ ہے کہ یہ سب تیری پرورش کے لیے جس سے عند اللہ بزرگی ظاہر ہے مگر حکم کتاب ہے کہ رازی نے (الم تر) میں جو معنی بیان کیے یعنی کیا تو نے جانا نہیں۔۔۔ یہی سب مفسرین نے بیان کیے اور صحیح ہیں اور مگر حکم کتاب ہے کہ یہاں اسرار میں سے یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی شان عظیم کو قیاس نہیں کر سکتے ہیں۔ اسوقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جسمانی صورت میں تھے اگرچہ پیدا ہونا بعد و پڑھ مہینے کے ہوا اور قوت ملکیت کے واسطے آسمان و زمین کوئی چیز پر وہ نہیں ہوتی ہی کیا تم نے حدیث نہیں پائی کہ حضرت حریم رضی اللہ عنہما کے پیٹ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے اور زکریا علیہ السلام کی بی بی کے حمل میں بھی علیہ السلام تھے اور انکی والدہ جب مریم رضی اللہ عنہا سے ملتی تھیں تو کشتی تھیں کہ میرے پیٹ کا بچہ تیرے پیٹ کے بچہ کی تکریم کرتا ہے۔۔۔ اس حدیث صحیح سے سمجھ حاصل ہو تو اس بھید میں شبہ نہ رہے و لیکن نورانی دل اسکو قبول کرتے ہیں اور جو اس بیان کنندہ ہو جاتے ہیں لہذا جو اس کو خست کرے یا سکوت کرے یا شک کہ عقل اپنا نور ظاہر کرے اور خلاصہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھنا بھی معلوم ہے اور حدیث خواب میں ہے کہ میں نے جان لیا سب جو کچھ آسمانوں و زمین میں ہے۔۔۔ قریب وفات کے خطبہ میں ہے کہ میں حوض کوثر کو اپنے ہن منبر پر سے دیکھ رہا ہوں۔۔۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو کمال روحانی بطیفیل حبیبہ صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرماوے۔ م۔ رازی نے کہا کہ قولہ الم تر کیف فعل الخیر یہ کلام پاک تعجب دلانے کے طور پر ہے (جواب) مان اور بھید یہ کہ اصحاب الفیل کو ہلاک کیا کیونکہ وہ خانہ کعبہ کے ساتھ بے ادبی

کہ ایک قسم کے پرندوں کے جھنڈ ہیں جنکو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا کہ طیرا بابل ترہیم بحارۃ من سجیل۔ یعنی اصحاب الفیل کو پھریان مارنی شروع کیں اور انکا ہاتھی بہت ہولناک آوازوں سے چلاتا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے انکو کھالے ہوئے ٹھس کے مانند کر دیا۔ ۷۔ ابابیل اسم جمع ہے یعنی متعدد جھنڈ تھے جیسے اونٹوں کی مختلف قطاریں بناتے ہیں اور ہر ایک گلہ کو الگ رکھتے ہیں نحاس نے کہا کہ ہر جھنڈ بڑا ہونا چاہیے مترجم کہتا ہے کہ لشکر بھی لاکھ سے زیادہ تھا واحدی نے کہا کہ بین بنین جانتا کہ کسی لغوی نے ابابیل کا واحد کہا ہو یعنی یہ لفظ اسی طرح مستقل ہوتا ہے فراؤ نے کہا کہ اس لفظ کا واحد نہیں آتا ہو۔ بعض لوگوں نے اسکا واحد ابل وابلہ وغیرہ بیان کیا۔ سعید بن جبیر نے کہا کہ یہ پرند یکا یک آسمان پر ظاہر ہوئے کبھی اس سے پہلے نظر نہیں آئے اور نہ پھر کبھی دیکھے گئے۔ قتادہ نے کہا کہ سیاہ رنگ فوج فوج آئے تھے۔ سجیل کا بیان قوم لوط کے عذاب میں سخت قولہ تعالیٰ۔ امطرنا علیہا حجارة من سجیل۔ گزر چکا ہو عبدالرحمن بن ابزی نے فرمایا کہ طیر کے پاس وہی حجارة تھے جو قوم لوط پر برسائے گئے تھے۔ عکرمہ رحمہ نے کہا کہ مسور وچنے کے برابر تھے جسکے یہ پتھری لگی اسکے بدن پر آبلہ نکل آتے تھے۔ اور کہا کہ بعض کے سر پر مارا تو اسکا گوشت و خون ٹکڑے زمین پر گرنا اور وہ خالی کھوکھڑی رہ جاتا تھا۔ واضح ہو کہ اصحاب الفیل حرم کی زمین میں داخل نہونے پائے بلکہ عرفات کے نزدیک ہلاک ہوئے۔ یہی اصح ہے کہ حرم میں نہیں آنے پائے اور ابن حجر نے کہا کہ مزدلفہ کے درمیان وادی محسر میں ہلاک ہوئے مترجم کہتا ہے کہ یہ اقرب ہے کیونکہ یہ مقام شیطان ہوا اللہ اعلم۔ اور اوپر گزرا کہ نفیل خشعی کے سفر میں محصب کے ایک جانب مذکور ہے اور تحقیق یہ ہے کہ لشکر بہت کثیر تھا تو ابرہہ وغیرہ مغس کے جانب تھے اور سب طرف سے لشکر نے وادی محسر وغیرہ تک گھیر لیا تھا اور طیور بھی اسی جہت سے ابابیل یعنی متفرق جھنڈ تھے تاکہ سب لشکر پر محیط ہو جاویں اور اہل حرم قریش وغیرہ پہاڑوں پر تھے تو جس قوم نے جہان سے اپنی نگاہ والوں کی بربادی جس طرح دیکھی اس طرح بیان کی۔ پھر واضح ہو کہ عرب میں اصحاب الفیل کی ہلاکت جو اس عجیب طریقے سے واقع ہوئی تھی بہت عظیم الشان واقعہ معروف متواتر مشہور تھا حتیٰ کہ اسی واقعہ کو انھوں نے اپنی تاریخ کا سید قرار دیا کیونکہ وہ لوگ لکھتے پڑھتے نہیں تھے تو عام الفیل سے حساب رکھتے تھے اور حبشہ اصحاب الفیل کے ساتھ میں شاہان کندہ وغیرہ میں کے تھے وہ بھی ہلاک کیے گئے اور انکا ماتم تمام میں عام ہو گیا اور قریش کی عظمت تمام عرب کی نگاہوں میں ایک سے ہزار گونہ ہو گئی اور واضح ہو کہ قرطبی نے کہا کہ اس واقعہ کے پچاس دن بعد حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے یہ سب برکت آپ ہی کے طفیل سے تھی وچار نے نے کہا کہ یہی قول اصح ہے اسلیے کہ سلف رضی اللہ عنہم سے مشہور قول چلا آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت عام الفیل میں ہوئی اور عرب نے اسی سال کو مبداء تاریخ بنالیا تھا اور صحیح میں روایت ہے کہ قیس نے کہا کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں عام الفیل میں پیدا ہوئے ہیں مترجم کہتا ہے کہ اظہر ہے کہ حبشہ اصحاب الفیل کی ہلاکت آخر محرم میں واقع ہوئی اور اسکے بعد بیع الاول میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی اور بعد اسکے اسی سال میں قیس رضی اللہ عنہ کی ولادت ہو۔ پھر جس شخص کے حق میں اللہ تعالیٰ نے سعادت ازلی لکھی اور اسکو عقل نوری عطا ہوئی ہے وہ کچھ بھی شک نہیں کر سکتا ہے کہ یہ سب عجیب معجزہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جہت سے ہوا ہے کیا نہیں دیکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطاب فرمایا بقولہ تعالیٰ۔ الم ترکیف فعل ربک باصحاب الفیل کیا تو نے دیکھا نہیں کہ تیرے رب نے اصحاب الفیل کے ساتھ کیا کیا

اللہ تعالیٰ نے اسکو طبع سے قریش پر نعمت کر دیا (ادل) یہ وہم دفع کیا کہ اتفاقی واقعہ نہ تھا اور نہ بیماری تھی کیونکہ یہ لوگ مفس
 میں قریب چار روز کے رہے اور آخری صبح کوشکر آراستہ کیا اور حرم کی طرف بڑھے اُس وقت محمود ہاتھی نے انکو خوف دلایا
 اور صریح ایسی حرکتیں کیں کہ حرم کی تعظیم و حرمت کے پیچھے مجھے جان دینا منظور ہی اور تمہارے تابع ہونا منظور نہیں ہے اور تم بھی
 اس حرکت سے باز آؤ و لیکن انھوں نے فیل موصوف کو سر دکان سے زخمی کر دیا آخر اسکو چھوڑ دیا اور دوسرا ہاتھی بڑھایا تب اللہ تع
 نے ایک بارگی پر ندون کے غول متفرق ظاہر کیے تاکہ قطعاً حجت ہو کہ یہ عذاب ہی اور اتفاقہ بیماری نہیں ہے (دوم) پر ندون کی صورتیں
 بالکل نرالی تھیں جو کبھی نظر نہیں آئیں (سوم) فیل موصوف محمود کو کچھ صدر نہین پہنچا اور باقی ہاتھیوں میں سے کوئی نہ بچا
 (چہارم) جو لوگ عرب میں سے زبردستی مجبور کر کے ساتھ لیے گئے تھے اُن کو کچھ صدر نہین پہنچا کیونکہ اُس زمانہ میں ایسا نہ تھا
 اگر ایمان ہوتا تو شہادت اچھی تھی لیکن جب وہ لوگ جانتے تھے تو اس شبہ میں پڑ جاتے کہ مثلاً دیکھو فیل خشکی میں مر گیا حالانکہ وہ
 حبشہ کا شریک نہ تھا بلکہ بُرا جانا تھا اسلئے فیل اُس حالت میں نکل آیا اور اسکو صدر نہین پہنچا اور اگر ایمان ہوتا تو کچھ خطر نہ تھا
 چنانچہ علامات قیامت میں ہے کہ ایک شخص خانہ کعبہ میں پناہ لیگا اور بے ادبی سے ایک لشکر خانہ کعبہ پر چڑھائی کر لگا جب وہ
 پیداو میں پہنچے تو سب کے سب زمین میں دھنسا دیے جاوینگے پھر ہر ایک اپنی نیت پر اُٹھائے جاوینگے یعنی اُن میں جو لوگ
 زبردستی لائے گئے ہیں اور جو راہ کے مسافر ہیں اور جو تاجر ہیں ہر ایک اپنی نیت پر اُٹھیکار (تجیم) اگر سب مرنے تو بدبو سے بیان
 کے لوگ رہنے سے عاجز ہوتے اسلئے بیان سے بھگائے گئے اور اُنکے بدن پر آبلہ نکل آئے تو راہ میں مرتے گرتے جاتے تھے اور
 اس میں یہ بھی فائدہ تھا کہ عرب کی آبادیان جو دور دور واقع تھیں سب کو اطلاع ہو جاوے اور خود حبشہ کی زبان سے سُن لیں
 بالکل جس عاقل نے اس معاملہ میں غور کیا وہ اُسکے عجائب خوب سمجھتا ہے۔ امام عبد بن حمید و ابن المنذر و ہیثمی و ابو نعیم نے
 ابن عباس رضی سے روایت کیا کہ اصحاب الفیل (بے شمار لشکر کے ساتھ) آکر مقام صفاح میں اترے (یہ محصب کی جہت میں ہے)
 پس عبد المطلب نے جا کر اُسے کہا کہ یہ مقام بیت اللہ ہی اس پر کوئی مسلط نہیں ہوا۔ ابرہہ وغیرہ نے کہا کہ ہم نہیں جاوینگے
 جب تک اسکو منہدم کر کے نیست نہ کر لیں عبد المطلب نے چھوڑ دیا کہ تم جانو۔ پھر جب وہ لوگ ہاتھی کو بڑھاتے تو وہ پیچھے ہٹتا تھا
 پس اللہ تعالیٰ نے طیر ابابیل کو بھیجا جسکے پاس سیاہ پتھر تھے اور اسپر مٹی لگی تھی۔ یہ جھنڈ جب لشکر کے محاذی ہوئے تو انھوں
 نے اصحاب الفیل کو پتھر یان مارا پس کوئی نہیں بچا جسکو خراش و سوزش نہ ہوئی کہو اور جب کوئی ان میں سے کھلاتا تو اسکا
 گوشت گر جاتا تھا۔ ۷۔ ابن المنذر و حاکم و ہیثمی نے روایت کیا کہ ابن عباس رضی نے کہا کہ جب اصحاب الفیل مکہ سے نزدیک پہنچے
 تو عبد المطلب نے استقبال کر کے اُنکے بادشاہ سے کہا کہ آپ نے کیوں تکلیف فرمائی اگر آپ کسیکو بھیج دیتے تو جو کچھ ہدیہ ہمارا
 امکان میں ہے ہم سب لیکر حاضر ہوتے اُسے کہا کہ میں نے سنا کہ یہ بیت تمہارے بیان ہے تم سب زعم کرتے ہو کہ کوئی
 سوائے اسن و صلح کے بیان داخل نہیں ہو سکتا ہو اب میں لڑائی کے ساتھ آیا ہوں دیکھو کیونکہ مسیح کے لوگوں کو روکا
 جاتا ہے۔ عبد المطلب نے کہا کہ ہم لڑنا نہیں چاہتے ہیں بلکہ جو کچھ تو چاہتے ہیں سب حاضر کریں اُسے کہا کہ میں کسی طرح نہیں مانو تھا
 جب تک کہ وہاں جا کر اسکو نہ گراؤں پھر وہ آگے بڑھا اور عبد المطلب غمگین ہو کر ایک پہاڑ پر چڑھ گئے اور کہا کہ میں اپنی آنکھوں
 اس بیت اکرام کی خرابی اور اُسکے لوگوں کی بربادی نہ دیکھو تھا ناگاہ سمندر کی جانب سے بادل اُٹھا جب قریب آیا تو معلوم ہوا

مردانہ تھا تو وہاں مرا اور اللہ تعالیٰ نے خشتیوں کی آنکھیں ٹھنڈی کیں امام ابن اسحقؒ نے کہا کہ ابرہہ مع لشکر کے بھاگے
 اور جس نالے سے جسکو راہ ملی وہ بھاگا بہ زمین جانتے تھے کہ کدھر جاتے ہیں اور ہر راستہ و نالے میں گرتے جاتے اور جس پانی
 پر اترتے وہاں مرتے تھے اور ابرہہ کے جسم میں آگ سی لگ گئی تھی وہ لوگ اُسکو لاد لے گئے تھے اُسکی پور پور انگلیاں کٹ
 کٹ کے گرتی تھیں یہاں تک کہ جب اُسکو لیے ہوئے صنعا پہنچے تو وہ انڈے سے نکلا ہوا بچہ معلوم ہوتا تھا یعنی
 بالکل بے ہاتھ پاؤں کے بے بس تھا پھر اسی مصیبت میں رہا یہاں تک کہ اُسکا سینہ پھٹ گیا تب مر گیا ابن اسحقؒ نے
 کہا کہ جب یہ ایک ابرہہ و حبشہ کو پرندوں نے چھریاں مارنی شروع کیں اور وہ لوگ مرنے و گرنے لگے تو ہر طرف سے
 آنکھوں نے نفیل خشتی کو پکارنا شروع کیا تاکہ راہ بتلا دے اور نفیل اُسوقت قریش و عرب کے ساتھ پہاڑ کی چوٹی سے دیکھتا
 تھا کہ حبشہ پر کیسا عذاب الہی نازل ہوا ہے نفیل کے یہ چند اشعار مشہور ہیں عَفَّ الْأَجْنَبْتُ عَنَّا يَا دِينًا ۚ نَعْمَنَّا كُمْ
 مَعَ الْأَصْبَاحِ عَيْنًا ۚ اَوْرَدْنِيهِ تَوْهَمٌ سَ الْكُ رَهَى ۚ صَبَحَ الْوَقْتُ مِ بَيْنَ آنكھوں کی ٹھنڈک کے ساتھ تم سے خوشی ہے
 ۛ دُ دِنِيهِ لَوْرَايَتِ وَلَا تَرِيهِ ۚ لَدَى جَنبِ الْمُحْصَبِ مَا رَأَيْنَا ۚ اَوْرَدْنِيهِ تَوْهَمٌ كَاشٌ تَوْ دِيكُنِي جَوْهَرٌ كَوْحُصْبِ بَسْلُو مِ بَيْنَ
 وَكَلَّهَا يَا كِيَا لِيَكُنْ تَوْنِيْنِ دِيكُهِي ۚ يَنِي تَوْ دِيكُنِي تَوْحَجَّ حَبْشَةُ ظَالُمُوْنِ كِي بَرَادِي سَ خُوشِي هُوْتِي اَوْرَمِيْرِي لِرَايِي بِيَا نَهْ سَهْتِي خَانِجِي
 آگے کہا ۛ اِذَا الْعَذْرَتِي وَحَدَّثْتُ امْرِي ۚ وَلَوْ تَأَسَّيْ عَلٰی مَافَاتِ بَعِيْنَا ۚ تَوْبَهُ دِيكُهِي تَوْحَجَّ مَعْذُوْر رَكْهَتِي بَلَكُه مِيْرِي
 کام کی تعریف کرتی (کہ میں نے اپنے فرابتیوں کو لیکر حبشہ سے قتال کرنے میں اچھا کام کیا) اور تجھے کچھ افسوس اُن فرابتیوں کا
 نہ ہونا جرم میں سے مارے گئے ۛ حَمْدُ اللّٰهِ اِذَا بَصُرْتُ طَيْرًا ۚ وَخَفْتُ حَجَارَةً تَلَفَ عَلَيْنَا ۚ مِ بَيْنَ اللّٰهِ نَعْمَ كَاشُ
 کیا جب تجھے پرند نظر آئے اور وہ جو چھریاں ہم پر بھیجتی تھیں اُن سے مجھے خوف تھا۔ یعنی ایسا نہ کہ ہم بھی اُن چھریوں سے ہلاک
 کیے جا دیں مگر ہم کہتا ہوں کہ تعجب نہیں کہ نفیل شاید اسی حالت میں بھاگ کر پہاڑ پر چلا گیا ہو کیونکہ اس ہولناک حالت میں
 کسی نے اُسکی جانب توجہ نہ کی ۛ فُكِّلَ الْقَوْمُ تَسَالُ عَنْ نَفِيلٍ ۚ كَانَتْ عَلٰی الْحَبْشَانِ دِينًا ۚ سَبَّ قَوْمٌ حَبْشَةً هَرِطَةً
 نفیل کو چھپتی خشتی گویا نفیل چھپتیوں کا کچھ فرضہ آتا ہوا ابن کثیرؒ نے لکھا کہ مقاتل بن سلیمانؒ نے بیان کیا کہ قریش نے
 اس واقعہ میں بکثرت مال پابا جسکو چھوڑ کر حبشہ اپنی جان لیکر بھاگے تھے اور عبد اللہ بن اس قدر سونا پایا کہ اُس سے ایک
 حوض بھر لیا تھا ابن اسحقؒ نے کہا کہ مجھے یعقوب بن عتبہ نے بیان کیا کہ عرب چچیک اور وبائی دانہ نہیں جانتے تھے اس
 سال سے عرب نے اُسکو دیکھا اور اسی سال سے لڑوے درخت حنظل وغیرہ نظر آئے اس طرح حکمرانوں سے باسناد صحیح روایت کیا ہے
 (ابن کثیرؒ) مگر ہم کہتا ہوں کہ یہاں بعض فوائد و دیگر تفاسیر سے نقل کیے جا دیں اور واضح ہو کہ طبر نے جو چھریاں ماریں انکا عجیب اثر تھا بعض
 پر پڑی اور ٹوڑ کر نکل گئی حتیٰ کہ جو کچھ اسکے جوف میں ہو وہ گر جاتا تھا اور وہ کھوکھل رہ جاتا تھا اور بعض مرے گر پڑتا تھا اور اکثر ان کے
 بدن پر چچیک کے مانند آبلے پڑ جاتے تھے اور بعض کے فالج ہمارا کہ پاؤں رہ جاتے تھے مگر ہم کہتا ہوں کہ اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ
 کی عجیب قدرت کے آثار تھے کیونکہ حبشہ کے ساتھ میں کے بادشاہان کُندہ وغیرہ تھے جو خوشامد کے طور پر ساتھ آئے
 تھے اور اکثر ان میں سے ناخوش رکھتے تھے اور بعضے خوشی سے آئے تھے۔ اور اگر سب کے سب ایکبارگی کے میں مرجاتے تو نقصان
 سے وہاں کے لوگوں کو سکونت محال ہو جاتی اور جو لوگ زبردستی ساتھ لے گئے تھے وہ بھی مرتے تو عرب کو شک ہو جاتا پس

کہ وہ لوگ کس حِجَال میں ہیں۔ باجمہ فیل محمود کسی جلیہ سے مکہ کی طرف جانے پر راضی ہوا تو انھوں نے محمود ہاتھی کو چھوڑ دیا وہ ہولناک آوازیں بول کر لشکر سے نکل کر جلیہ یا اور انھوں نے دوسرے ہاتھی کو چلا یا وہ دلیری کر کے آمادہ ہوا تھا کہ عذاب آگیا! اللہ تعالیٰ نے سمندر کی جانب سے پرندوں کے جھنڈے بھی اُگلی شکلیں مانند خطاف کے تھیں (خطاف ہندی میں ابابیل مشہور پرند ہے) ہر ایک پرند کے پاس تین پتھریاں تھیں ایک پتھری چونچ میں تھی اور دو پتھریاں دونوں پنجوں میں تھیں اور پتھریاں چنے و مسور کے برابر تھیں جب یہ چڑیاں اس لشکر کے اوپر آئیں تو انھوں نے پتھریاں ماریں پس جس لشکر پر پتھری پڑی وہ فوراً اور اسوقت سب ایکبارگی ہلاک نہیں ہوئے بلکہ اس ہولناک عذاب کو دیکھ کر ہلے اور داسے کرتے ہوئے بھاگنے لگے اور ہر ایک بھاگنے میں دوسروں سے جلدی کرتا تھا۔ چونکہ وہاں بکثرت نالے اور پہاڑی اونچی نیچی زمین پر تو انکو سوچنا نہ تھا کہ راستہ کدھر ہے اور ہر ایک اسوقت نفیل شغمی کو پکارتا تھا کہ راستہ بتلاوے حالانکہ نفیل پہلے ہی بجکر نکل گیا تھا اور اس وقت پہاڑ کے اوپر قریش کے ساتھ دوسرے دیکھ رہا تھا لیکن اس جہت سے کسی قدر خوفناک تھا کہ ہزاروں آدمیوں کی آوازیں نفیل نفیل کی آتی تھیں قریش کے لوگ بھی دوسرے پرندوں کے جھنڈ اور حبشیوں کا اضطراب دیکھتے تھے اور سب بانیں سنتے دیکھتے تھے واقعی نے مسند کیا کہ جب صبح کو حبشہ نے لشکر و ہاتھی آراستہ کیا تاکہ حرم کی زمین میں قدم رکھیں جہاں سے کعبہ معظمہ چند میل کے فاصلہ پر ہے تو ہاتھی سستی کرتا اور بیٹھ جاتا تھا اور سواے حرم کے جس جانب جاتے تجوشی چلا جاتا تھا۔ حبشہ نے بار بار اسکو کاوے دیے تاکہ سیدھا ہو لیکن جب اسکو حرم کی طرف متوجہ کرتے تو ہولناک آواز سے چلاتا اور بھاگتا یا بیٹھ جاتا تھا اور یہ اس ہاتھی بان پر تھا ہونا اور چھڑکنا کہ ہاتھی کو رام نہیں کرتا ہی حالانکہ وہ محض لاچار ہو گیا تھا۔ اس حِجَال میں بہت دیر ہو گئی اور اشرف قریش پہاڑوں سے نگاہ کرے اور منتظر تھے کہ دیکھے کیا ہوتا ہے عبد المطلب اور مطعم بن عدی اور حاتم بن عمران بن مخزوم اور مسعود بن عمرو انشقی وغیرہ جماعت سادات قریش نے حیراء سے نگاہ کی تو انکو ہاتھی کا عجب معاملہ نظر آیا اور حبشہ اُس سے لاچار ہو گئے تھے اور یہ لوگ اسی حال میں تھے کہ اجانک بحر قلزم کی جانب سے پرندوں کے ابابیل یعنی متفرق جھنڈ بہت نظر آئے یہ عجیب پرند تھے رنگ زردی مائل اور قد میں کبوتر سے چھوٹے اور پنجے صبرج تھے اور ہر پرند کے ساتھ تین پتھریاں تھیں اور ایک دم سے ان پرندوں نے ہوا میں اس لشکر کا احاطہ کر لیا اور کنکریاں ماریں کہ ہلاک ہوئے امام محمد بن اسحق تابعی نے لکھا کہ ان لوگوں کے لشکر میں زیر دست دو ہاتھی تھے ایک محمود نام تھا وہ تو کسی طسج رام ہوا اور حرم کی طرف قدم نہ اٹھایا۔ رہا دوسرا وہ اُنکے مکہ سے آگے بڑھا تھا کہ اُسے سجیل کا پتھر کھایا اور ہلاک ہوا۔ امام وہیب بن منبہ کبیر تابعی نے کہا کہ فیل محمود نے تو اپنی ہولناک آواز سے سب ہاتھیوں کو آگاہ کر دیا اور بیٹھ گیا تاکہ سب ہاتھی اُسکی پیروی کریں ولیکن دوسرا ہاتھی اُن لوگوں کے بھکانے میں دلیر ہو کر حبند قدم بڑھا تھا کہ پتھر کھا کر گرا اور یہ دیکھ کر سب ہاتھی بھاگ نکلے۔ امام عطاء بن یسار وغیرہ تابعین نے بیان کیا کہ وہ لوگ اُسی ایک ساعت میں سب ہلاک نہیں ہوئے تھے بلکہ بہتیرے تو اُسی وقت مر گئے اور بہتیرے بھاگتے میں مرتے دگرتے جاتے تھے اور بہت لوگوں کے اعضا ایک ایک کر کے گرتے دھرتے تھے چنانچہ ابرہہ کی یہی کیفیت ہوئی کہ اُسکا عضو ایک ایک کر کے گلنا شروع ہوا اور اسی تکلیف سے ایک ایک عضو گرتا جاتا تھا بہانٹک کہ جب بلا و خشم میں پہنچا جہاں نفیل شغمی سے

دینے کا حکم دیا۔ جب عبد المطلب وہاں سے لوٹے تو قریش کو جمع کر کے حکم دیا کہ مکہ سے ٹھکڑے ہارڈن کی چوٹیوں پر متخصن ہوں ایسا نہ ہو کہ اس مفسد لشکر سے کچھ ضرر پہونچے جب بال بچوں کو ہارڈن پر متخصن کر چکے تو اتر کر خانہ کعبہ کے طواف کے بعد دروازہ کا حلقہ پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی اور قریش کے لوگ آپ کے ساتھ تھے کہ الٹی ہم کو فتح دے اور ابرہہ داسکے لشکر کو بائمال کر دے اور جناب باری تعالیٰ میں تضرع و نزاری کی۔ اور عبد المطلب نے اسی طرح خانہ کعبہ کا دروازہ پکڑے ہوئے یہ عرض کرنا شروع کیا ہے یا رب لا ارجو لہم سوا کا + یا رب فامنم منہم حماکا + الٹی ان کافروں کے دفع کرنے میں مجھے سوا تیرے کسی سے امید نہیں ہے۔ الٹی اپنے حمی کو ان کافروں سے ممنوع رکھ دے ان عدو البیت من عاد اکا + منہم ان خیر بواقر کا + البتہ جسے بیت اللہ سے دشمنی کی وہ حیرادشمن ہے + الٹی انکو مقہور کر کہ ام القریٰ مکہ کو خراب نہ کر سکیں۔

پھر عبد المطلب نے یہ بھی عرض کیا ہے لا ہم ان المرء یمین + رحلہ فامنم رحالک + الٹی ہر شخص اپنے رحل سے غم کو روکتا ہے تو اپنے رحال کو تو بھی ممنوع کر دے یعنی کیوں ہم پر دسترس نہ دے لا یفلن صلیبہم + و محالہم ابتداء محالک + الٹی ہر گز انکی صلیب و محال کبھی تیرے محال پر غالب نہ ہونے پاوین اقول سراج بن بجاء (ابدا) کے (عدوا) واقع ہوا تو معنی یہ کہ عدو و سرکشی کے ساتھ انکی صلیب تیرے محال پر غالب نہ ہونے پاوے اور سراج وغیرہ میں زوائد اشعار بھی ہیں یعنی تو نے جو بلا جموع بلاد حم + والفیل کی بسبوا عیالک + یہ کنارا اپنے بلاد سے لشکروں و ہاتھیوں کو لائے ہیں تاکہ تیرے پرور سٹ پائے ولے بن۔ دن کو گرفتار کر کے جاوین سے عمو و احاک بکیدہم + جھلا و مار قبوا جلالک + ان کافروں نے اپنے مکہ سے نادانی کے ساتھ تیرے بلد احرام کا قصد کیا ہے بی سے خرابی کا قصد کیا اور تیری عظمت و جلال کا لحاظ نہ رکھا ہے ان کنت تارکھو و کعبتنا + فامر بما بدلاک + اگر تو نے انکو چھوڑا اور ہکو مغلوب کیا تو مجھے اختیار ہی جو چاہے وہ حکم فراوے۔ ابن اسحق تابعی رح نے کہا کہ بارگاہ قاضی الحاجات میں مناجات کے بعد عبد المطلب نے حلقہ ہاتھ سے چھوڑا اور قریش کو لیے ہوئے ہارڈن کے اوپر چلے گئے۔ مقاتل بن سلیمان رح نے بیان کیا کہ قریش نے خانہ کعبہ کے پاس تنو بکریان قلاہہ ڈال کے چھوڑی تھیں یعنی یہ اللہ تعالیٰ کے واسطے ہدی قربانی ہے اور اس سے انکی یہ غرض تھی کہ شاید اہل لشکر میں سے بعضے لوگ بوجہ کفر کے انکو لے لیں تو اللہ تعالیٰ اُسے استقام لے اور ہلاک کرے۔ دوسرے روز ابرہہ نے صبح کو اپنا قصد پورا کر کے لیے لشکر آراستہ کیا اور سب سے عمدہ ہاتھی جبکا نام محمود تھا تیار کیا اتنے میں نفیل خثعی جو گرفت رکھتا وہ اس ہاتھی کے پاس آگیا اور اُسکا کان پکڑ کر کہنے لگا کہ ای محمود تو اللہ تعالیٰ کے بلد احرام میں ہی ہوشیار ہو جا اور ہرگز انکے ساتھ خرابی میں شریک نہ ہونا بلکہ بیٹھ جانا اور جدھر سے آیا ہو اسی طرف جانا اسی میں تیری بہتری ہے عربی زبان میں اُسکے کان میں کہا اور موقع پا کر تیرے بھائی کا ہاتھ لگا کر اُس پہاڑ پر چڑھ گیا جہاں قریش کے لوگ متخصن تھے اور یہاں وہ ہاتھی بیٹھ گیا ہر حیزہ جسٹہ اُسکو اٹھاتے تھے وہ نہیں اٹھتا تھا۔ آخر انھوں نے اُسکے سر پر اپنی اوزار سے سخت ضرب ماری اُسے صبر کیا پھر اُسکے کان میں چونکا اس سے بھی وہ نہ اٹھا۔ پھر اُسکو میں کی جانب دایں چلنے کے لیے متوجہ کیا تو اٹھ کر تیز دوڑا پھر روک کے شام کی جانب متوجہ کیا تو بھی تیز چلا اسی طرح ہر ایک جانب اُسکو چلا یا وہ چلنے پر آمادہ تھا پھر اُسکو مکہ کی طرف متوجہ کیا تو پھر بیٹھ گیا اور کسی طرح جانے پر راضی نہ ہوا (قریش وغیرہ چوٹی سے نیچے اتر کر دیکھتے تھے کہ حبشہ کیا کرتا ہے میں اور نفیل خثعی اُن کو آگاہ کرتا تھا

بے حیثیت تھے کہ خانہ کعبہ کا کچھ لحاظ نہ کیا۔ م۔ بالکل ابرہہ وہاں سے آگے بڑھا جب قریب مکہ کے پہونچا تو اُسکے لشکر نے اہل حرم کے جانوروں پر چھا پامارا اُسین عبد المطلب کے بھی دو سواونٹ گرفتار ہو گئے اور جس سردار نے ابرہہ مذکور کے حکم سے بڑھ کر چھا پہ مارا تھا اُس سردار کا نام اسود بن مقصود تھا (اقول ظاہر یہ ہے کہ اُن لوگوں میں تھا جو بے حیثی سے ابرہہ کے ساتھ تھے) اور ابن اسحق رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب السیر میں بیان کیا ہے کہ اسکی ہجو میں بعض عرب کے اشعار میں بھی ابرہہ نے وہاں سے حمیر کے ایک شخص کو جس کا نام حنظلہ حمیری تھا مکہ روانہ کیا اور کہا کہ قریش کو پیغام پہونچا دے کہ بادشاہ تم سے لڑنے نہیں آیا ہے بلکہ اُسکا قصد فقط خانہ کعبہ سے متعلق ہے لیکن اگر تم اسکو روکو گے تو لڑائی ہوگی اور تم سب مارے جاؤ گے۔ اس پیغام کا جواب اُنکے سردار سے لیکر جلد واپس ہو جب وہ مکہ میں پہونچا تو اُس نے سردار قریش کا نشان پوچھا لوگ اُسکو عبد المطلب کے پاس لائے اور اُس نے ابرہہ کا پیغام ادا کیا۔ عبد المطلب نے کہا کہ ہم بھی اُس سے لڑنا نہیں چاہتے ہیں اور نہ ہم کو لاکھ سواروں سے لڑنے کی طاقت ہے اور یہ تو بیت اللہ ہے اُسکے خلیل کا بنایا ہوا گھر ہے وہ بیت الاحرام معروف ہے اگر اللہ تعالیٰ اپنے بیت سے اُسکو روکے تو اُسی کا بیت و حرم ہے اور اگر منع نہ فرما دے تو اللہ ہم میں دفع کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ حنظلہ نے کہا کہ بھرا پکو بادشاہ ابرہہ کے پاس چلنا چاہیے تاکہ دونوں جانب سے تسکین ہو عبد المطلب نے صنادید قریش سے مشورہ کیا اور آخر اپنے ایک فرزند کو لیے ہوئے حنظلہ کے ساتھ ابرہہ کے لشکر گاہ میں آئے (چونکہ عبد المطلب اور نفیل بن حبیہ خثعمی سے دوستی تھی عبد المطلب پہلے نفیل کی ملاقات کو گئے نفیل نے کہا کہ میں اس کے ساتھ بطور قیدی کے ہوں مجھے اُس سے کسی قسم کی سفارش کرینا موقع نہیں ہے لیکن اُسکے ہاتھی خانہ کا مشرف انیس نام البتہ میرا دوست ہے پھر انیس کو بلا کر اُس سے حال بیان کیا انیس نے ابرہہ سے کہا کہ عبد المطلب سردار قریش آیا ہے کہ میدان و آبادی میں انسان اُسکے پابند احسان ہیں اور بہاؤوں و جنگلوں میں وحوش و چرند و پرند اُسکے ثنا خوان ہیں اور اُنکی ہم کے اوصاف جمیلہ بہت بیان کیے۔ ابرہہ مشتاق ملاقات ہوا۔ دوسرے روز انیس انکو ابرہہ کے دربار میں لے گئے عبد المطلب بلند قامت و جسم و خوبصورت آدمی تھے ابرہہ کی نظر میں سما گئے اور اُس نے انکی بہت تعظیم و تکریم کی یہاں تک کہ تخت سے اُنکر فرش پر بٹھا اور انکو اپنے برابر بٹھا کر باتیں کرنے کے لیے ترجمان جو عربی و حبشی جانتا تھا حاضر کیا۔ ترجمان نے عبد المطلب سے پوچھا کہ بادشاہ پوچھتا ہے کہ آپ کیا جانتے ہیں عبد المطلب نے فرمایا کہ جب بادشاہ کو ہم سے پر خاش نہیں ہے تو ہمارے اونٹ جو اُسکے لشکریوں نے گرفتار کیے ہیں وہ واپس دیے جاویں۔ جب ترجمان نے اُس سے یہ خواہش بیان کی تو ابرہہ ناخوش ہو کر یولا کہ اس سے کہہ دے کہ اول مرتبہ میں نے تجھے دیکھ کر مدعا قل بلند بہت خیال کیا تھا اب میرا لگان بدل گیا جب تو نے مجھے چند اونٹوں کے بارہ میں کلام کیا کہ وہ حقیر چیز ہے اور خانہ کعبہ جسکے ہدم کرنے کے لیے میں نے یہ سفر دراز طے کیا ہے تو نے کچھ نہیں کہا حالانکہ وہ تمہارے باپ دادا کا شرف اور تمہاری عزت ہے اور تمہارے دین کا رکن ہے۔ عبد المطلب نے کہا کہ میں اونٹوں کا مالک ہوں انھیں کا میں نے سوال کیا اور بیت اللہ کا مالک رب طلیل ہے وہ اُس سے خود منع فرما دیگا۔ ابرہہ نے کہا کہ یہ بیت تو مجھے نہیں بچ سکتا ہے عبد المطلب نے کہا کہ پھر تو جان اور وہ جانے مجھے جس چیز کی فکر تھی وہ میں نے تجھے بیان کر دی۔ ہاں اگر یہ معاملہ کچھ مال سے متعلق ہے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ بادشاہ اپنا ارادہ ترک کرے اور میں تمہارے کا تھائی مال اُسکے خزانے میں داخل کرونگا۔ ابرہہ نے اس سے مطلقاً انکار کیا اور عبد المطلب کو اُنکے اونٹ واپس

مر گیا) بالجملہ بادشاہ حبشہ نے ابرہہ کے پاس یہ ہاتھی بھیجا تھا۔ ابرہہ نے اس ہاتھی کو ساتھ لیا اور اسکے ساتھ آٹھ ہاتھی اور بعض نے کہا کہ بارہ ہاتھی دوسرے تھے مگر حج کتنا ہی کہ بعض نے تعداد کثیر بیان کی جو عادت سے خلاف معلوم ہوتی ہے اور بعض نے کہا کہ فقط ایک ہی ہاتھی تھا چنانچہ اصحاب الفیل میں فیل مفرد ہی در نہ انیال ہوتا۔ یہ قول بھی بعید ہو کیونکہ خالی ایک ہاتھی کے ساتھ بیوے سے اصحاب الفیل نہیں کہا جاتا جیسے لشکر میں دو چار گھوڑے ہوتے سے سواروں کا لشکر نہیں کہلاتا ہی بلکہ آیت میں الفیل۔ سے جنس مراد ہے اور ضرور اس قدر تعداد میں کثیر تھے کہ یہ لشکر اصحاب الفیل کہلایا واللہ تعالیٰ اعلم۔ علماء اور نے کہا کہ ہاتھیوں کے لانے سے ابرہہ کی غرض یہ تھی کہ خانہ کعبہ کے گرد زنجیریں باندھ کر ہاتھیوں کو بلا یا جاوے تاکہ ایک بارگی منہدم ہو جاوے واللہ اعلم بھرحب قبائل عرب نے سنا کہ ابرہہ اس غرض سے حجاز پر لشکر لے جاتا ہے تو ان لوگوں کو یہ امر بہت گراں گزرا اور انھوں نے روکنا اپنا فرض سمجھا لیکن عرب میں باہم اتفاق و ترتیب نہ تھی تو ہر قبیلہ نے تنہا مقابلہ کا قصد کیا چنانچہ پہلے مین کے سرداروں میں سے ذوفرقنا نے اپنی قوم میں سے بقدر امکان جوان لیکر مقابلہ کیا اور شکست کھا کر گرفتار ہو گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ بیت اللہ کی عظمت بدون ظاہری اسباب کے ظاہر فرماوے ابرہہ نے ذوفرقنا کو قتل نہیں کیا بلکہ اپنے ساتھ لیا کہ راہ بتلاوے جب بلاؤشتم میں پہونچا تو وہاں نفیل بن حبیب خثعمی نے اپنی قوم کو لیکر مقابلہ کیا لیکن وہ بھی شکست کھا کر گرفتار ہو گیا اور شہدان دناہس نے بھی شکست کھائی۔ ابرہہ نے نفیل خثعمی کو قتل کرنا چاہا مگر بعض کی سفارش سے معذور کر کے ساتھ لیا تاکہ راستہ بتلاوے۔ جب حجاز سے نزدیک پہونچا تو قوم ثقیف نے ٹھکر اُس سے مصالحت کی اور سامانِ رسد وغیرہ سے مدد دی تاکہ ثقیف نے جو تھانہ بنام اللات بنایا تھا اُسکو خراب نہ کرے اور اپنی طرف سے ابورغال فاسق کو ساتھ کیا کہ راستہ بتلاوے (ابن کثیر رحمہ اللہ) اور خطیب نے لکھا کہ جب طائف کے نزدیک آیا تو مسعود بن مہیث اپنی قوم کو لیکر نکلا اور کہا کہ ای بادشاہ ہم آپ کے تابعدار بندے ہیں ہم لڑنا نہیں چاہتے ہیں ہم کو معاف کیا جاوے کیونکہ آپ لوں کے خانہ کعبہ کا قصد رکھتے ہیں اور ہم اپنی طرف سے ایک شخص کو ساتھ کرتے ہیں جو راستہ بتلاوے گا۔ ابرہہ نے اُسکو منظور کیا اور ثقیف نے اپنے غلام ابورغال کو ساتھ کر دیا۔ جب وہ مخمس پہونچا تو وہاں ابورغال مر گیا اسی ابورغال کی قبر کو لوگ پتھروں سے مارا کرتے ہیں (السراج) شاید ابورغال ہی نے قوم ثقیف کو یہ راہ دی ہو جس سے اُن پر یزنامی کا داغ رہا اور واضح ہو کہ سورہ اعراف میں قوم عاد اول کے بیان میں ایک غریب روایت گزری ہے کہ ابورغال مغلہ قوم عاد کے حرم میں تھا جب مخمس میں پہونچا تو اُس پر پتھر گرا جس سے مر گیا اور اُس کے ساتھ سونے کی سلاخ دفن ہوئی ہے لوگوں نے کھودا تو وہ سلاخ بجلی مگر حج کتنا ہی کہ شاید راہی سے وہم ہوا کہ عادی جس سے مراد عداوت وعدوان ہو اُس کو قوم عاد کے معنی میں لیا اور مراد یہ کہ ابورغال بھی دشمنوں کے ساتھ ہو گیا تھا مخمس میں کسی نے اُسکو پتھر سے ہلاک کیا واللہ اعلم اور ابورغال کی قبر کو پتھر مارنا عرب میں معروف تھا چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک نے بیماری میں زوجہ کو طلاق دی اور ابورغال کی قبر کو پتھر مارنا عرب میں معروف تھا چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک نے بیماری میں زوجہ کو طلاق دی تاکہ میراث سے محروم رہے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ خلاف شریعت تو نے کیا ہے۔ طلاق سے رجوع کر لے ورنہ تیری قبر کو اسی طرح سنگسار کروں گا جیسے ابورغال کی قبر سنگسار کی جاتی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات تک بعض قبائل عرب کو ناگوار رکھتے تھے انہیں میں سے ثقیف کو بھی شاکر کیا اور اس قصہ سے بھی معلوم ہوا کہ ثقیف کس قدر

ہو گیا اور اُس کے واسطے بادشاہ کو لکھا کہ میں آپ کے نام سے میں میں ایک کنیسہ بنواتا ہوں جس کے مانند کبھی دیکھی نہیں گئی
 و مترجم کہتا ہے کہ شاید یہ کام بطور مشورت کے اس بنیاد پر تھا کہ عرب کے لوگ خانہ کعبہ کی پرستش سے منع موثرین اور اس
 کنیسہ کو کعبہ سمجھیں اور دین مسیح آخر زمانہ قیامت تک برقرار رہے واللہ تعالیٰ اعلم) القصہ اسنے صنعا میں بہت بلند
 کنیسہ بنوانا شروع کیا جب اُسکی عمارت تمام ہوئی تو بہت طول طویل بلند منظر دور سے نظر آتے تھے اور چاندی سونے اور
 ہیرے جو اہر اسے اور طرح طرح کی تصویریں و مور تون و ریشی دیباچ کے پردون وغیرہ سے آراستہ تھے عرب نے قلیس اُسکا
 نام رکھا کیونکہ اُسکی بلندی تک نظر اُٹھانے سے سر کی ٹوپی گرتی تھی۔ ابرہہ اشرم نے اس کے بعد عرب کے تمام ملکوں میں
 مسادی کرائی کہ اسی مقدس گرجا کا حج کیا کریں جو مسیح کے نام سے ہوا اور طرح طرح کے انعام و اکرام کا وعدہ دیا اور مخالفت سے
 ڈرایا یہ بات عرب کی اولاد اسمعیل بن ابراہیم خلیل علیہما السلام کو بہت ناگوار گزری اور قریش سخت غصہ ہوئے اور تمام انکی برادری
 والے عدنانیہ و قحطانیہ غضبناک ہو گئے یہاں تک کہ بعض قریش نے دور دراز سفر طے کر کے صنعا میں پہونچکر رات میں اس کنیسہ
 میں داخل ہو کر پجانیہ پھردیا اور صبح کو وہاں سے چل دیا۔ جب کنیسہ کے دربانوں اور بن پادریوں نے یہ پجانیہ دیکھا تو بہت
 مشوش ہوئے اور آخر کار ابرہہ سے اسکا ذکر کیا اور یہ بھی کہا کہ ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی قریشی کی حرکت ہے کیونکہ بادشاہ نے
 اُنھیں کے خانہ کعبہ کے مقابلے میں اس کنیسہ کو بنایا اور اُنکے بیان سے حج کو روکنا چاہا ہے۔ ابرہہ نے یہ سنکر قسم کھائی کہ میں
 فوجیں لیجا کر اُنکے خانہ کعبہ کو منہدم کر کے اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔ مقاتل بن سلیمان نے بیان کیا کہ دشمنی کا باعث یہ ہوا کہ
 قریش کے ایک گروہ نے جا کر صنعا میں اس گرجے کے قریب آگ روشن کی اور اُس دن ہوا سے تند چلتی تھی تو کنیسہ میں آگ لگ گئی
 اور وہ جلکر گر پڑی۔ ابرہہ نے جلکر قسم کھائی کہ میں اُنکے خانہ کعبہ کو بھی منہدم کر دوں گا مترجم کہتا ہے کہ پہلی روایت ہو یا دوسری روایت
 ہو یہ بات ظاہر ہے کہ عرب اُس سے غضبناک تھے اور اصل آئین مکرختی یہ تھا کہ دین مسیح قیامت تک باقی رہے اور جس
 پیغمبر آخر الزمان کی بشارت توریت و انجیل میں پائی جاتی ہو وہ اسی کنیسہ مسیح کی پیروی میں ہو اور یہ اُسوقت ہے کہ خانہ کعبہ چھوڑ کر
 عرب اسی کنیسہ کا حج کریں اور کعبہ جب چھوڑینگے کہ وہ منہدم و نیست کر دیا جاوے اور اس جاہل نے یہ نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ
 نے جو کچھ مقدر فرمایا ہو وہ مٹانا غیر ممکن ہی بالجملہ ابرہہ اشرم لشکر کثیر کے ساتھ روانہ ہوا تاکہ کوئی اُسکو روکنے والا سامنے نہ ہو اور ایک
 ہاتھی محمود نام جس سے بڑا ڈیل ڈول کا ہاتھی کم دیکھا گیا ہو اپنے ساتھ لیا۔ یہ ہاتھی اسی کام کے لیے نجاشی بادشاہ حبشہ نے اس کے
 پاس بھیجا تھا مترجم کہتا ہے کہ یہ بھی ایک دلیل ہے کہ نجاشی وغیرہ سب اس رائے میں شریک تھے کہ کسی طرح خانہ کعبہ منہدم کیا جاوے
 اور اضح ہو کہ نجاشی لقب بادشاہ حبشہ ہے جیسے قیصر روم و خاقان چین و کسری فارس کہتے ہیں کہ اس نجاشی کا پوتا وہ نجاشی
 تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا اور آپ سے پہلے انتقال کیا اور آپ نے اُس روز دینے میں اپنے اصحاب خذ کو اور
 نجاشی کے بھائی وغیرہ کو جو یہاں حاضر تھے خبر دی کہ تمہارا بھائی نجاشی مرد صالح مر گیا چلو باہر اُسکے جنازہ کی نماز پڑھیں یعنی اپنے
 میں اللہ تعالیٰ نے آپکے سامنے سے پردہ اُٹھا دیا حتیٰ کہ آپ نے اُسپر نماز پڑھی اور چار تکبیریں کہیں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیان
 کیا کہ ہم لوگ حبشہ میں تھے کہ بادشاہ صالح نجاشی نے انتقال کیا تو وہاں برابر لوگ بیان کرتے تھے کہ اُسکی قبر پر نور نظر آتا ہے
 اکمالی الصحیح۔ یہ اللہ تعالیٰ نے اظہار کر دیا تاکہ وہاں کے لوگوں میں شیطان یہ وسوسہ نہ ڈالے کہ وہ ایمان لانے کی وجہ سے جلد

اور مدت دراز سے جس بشارت کا انتظار تھا وہ وعدہ وفا ہوا اور رب ارحم الراحمین نے عبد اللہ و رسولہ محمد رحمۃ اللعالمین
 اس امت پر نعمت کا طرہ پوری کی۔ اس وقت زبان تقدیر کستی تھی کہ اگر وہ قریش یا در کھو کہ ہم نے تم کو اصحاب الفیل پر اسوجہ سے نہیں
 فتح دی کہ تم اُن سے دین میں اچھے ہو بلکہ اس لیے فتح دی کہ عنقریب تم میں ہم اپنا رسول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث فرما کر
 اس بیت العتیق کو اپنی تسبیح و تملیل کے نور سے روشن کرینگے اور صراطِ مستقیم ظاہر کر کے گمراہوں کو اپنی جانب ہدایت فرما دے گا
 واللہ الحمد والمنة۔ واضح ہو کہ اصحاب الاخذ و د کے قصہ میں بیان ہوا کہ جب انصار اے روم و شام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے
 امتیوں کے مختلف فرقوں میں سے اُس فتنے کا دین اختیار کیا جو مسیح ع کو ابن اللہ کہتا تھا اور باقیوں سے کہا کہ اسی قول پر مستحفظ
 کریں یا قتل کیے جا رہے تھے حتیٰ کہ کئی ہزار قتل ہوئے آخر کو ابن اللہ کہنے والوں نے دیکھا کہ مسیح ع کو عبد اللہ و رسولہ کہنے والوں میں
 اکٹھے بھائی بھتیجے اور عزیز اقارب ہیں تو باہم یہ معاہدہ ہوا کہ تم لوگ اگر ہمارے ساتھ نہیں آتے ہو تو ہمارے دونوں جنگلوں میں نکل جاؤ
 انھوں نے اس عہد کو منظور کیا اُنہیں سے ایک نصرانی موجد بھاگ کر بخبران میں پہنچا اور عبد اللہ بن التامر کے ایمان
 لانے سے اہل بخبران دین توحید میں داخل ہوئے اور یہ خبر دونوں کو پہنچی جو حیر کے آخری بادشاہوں میں سے مشرک تھا
 ر بعض نے کہا کہ یہودی تھا اُسے بخبران پر اچانک فوج کثیر سے حملہ کیا اور سب کو گرفتار کر کے اخذ و د میں جلا یا کہ دین توحید
 برسات مسیح ع سے پھر میں انھوں نے نہ مانا آخر قریب بیس ہزار کے جلانے اور قتل کیے صرف ایک شخص جس کا نام دوس
 نو ثعلبان تھا تیز گھوڑے پر بچ کر بھاگا اور اُس نے جا کر شام میں قیصر روم سے استغاثہ کیا اُسے نجاشی بادشاہ حبشہ کے پاس
 بھیج دیا بعضے کہتے ہیں کہ حبشہ سے یمن کے نزدیک کا سبب تھا اور بعضے کہتے ہیں کہ نہیں بلکہ قیصر ثوابن اللہ کے عقیدہ والوں
 میں سے مشرک ہو گیا تھا اور بخبرانی دین توحید پر تھا اور حبشہ والے بھی عموماً توحید پر تھے۔ بالکلہ نجاشی نے فوج ساتھ کی اور سب
 دو شخص سردار کیے ایک کا نام اریاط تھا اور دوسرے کا نام ابوکیسوم ابرہہ بن الصباح تھا۔ یہ لشکر عظیم کثیر تھا۔ انھوں نے یمن میں
 داخل ہو کر تمام ملک پامال کیا اور دونوں نے شکست کھائی اور بھاگتے ہوئے دریا میں غرق ہو گیا اور یمن کی بادشاہت حبشہ
 پر قرار پائی اور حکومت انھیں دونوں افسروں میں مشترک تھی آخر دونوں میں نفاق ہوا اور دونوں نے اپنی اپنی فوجیں لے کر
 چڑھائی کی۔ جب صفین آراستہ ہوئیں تو ایک نے دوسرے سے کہا کہ آخر مخالفت میرے اوتیرے درمیان ہو تو ناحق لشکر حبشہ کی
 خونریزی سے کیا فائدہ ہوگا سوائے اسکے کہ قوم حمیر قوی ہو جاوے اور حبشہ نکال دیے جاوے لہذا صلحت یہ ہو کہ یمن اور تومیدان
 میں لڑیں جو فتح پادے دی بادشاہ ہو اس اقرار پر دونوں نکلے اور اریاط نے ابرہہ پر حملہ کیا اور تلوار ماری جس سے ابرہہ کی ناک
 اور ہونٹ و ایک رخ چہرہ کاٹ دیا۔ یہ دیکھ کر ابرہہ کا غلام عنودہ نے بڑھ کر اریاط کو قتل کیا اور ابرہہ ہجر و د واپس آیا اور آخر
 حبشہ نے اریاط سے ناامید ہو کر ابرہہ کو قبول کیا یعنی اگرچہ بد عہد سمجھے تھے اور ابرہہ اچھا ہو کر یمن پر مستقل ہو گیا۔ بادشاہ
 نجاشی نے غصہ میں اسکو فرمان لکھا کہ تو نے بُرا کام کیا اور قسم کھائی کہ فوج لیکو یمن پامال کرو بخا اور تیری پیشانی کے بال تراش
 دو بخا۔ ابرہہ نے بہت خوشامد و معذرت کی عرضی لکھی اور اپنی فرمانبرداری و غلطی کا اظہار کر کے لکھا کہ ای بادشاہ یہ یمن کی خاک
 بر جگہ سے لیکر ارسال ہر اور اسمیں میری پیشانی کے بال موجود ہیں اگر بادشاہ میری خطا معاف کر کے اسکو اپنے پانوں سے روٹ
 ڈالے تو بادشاہ کی قسم سچی ہو جاوے۔ جب یہ خط مع نفائس تحفہ و ہدایا کے پہنچا تو نجاشی کا غصہ فرو ہوا اور ابرہہ سے رضی

فِي تَضْلِيلٍ ۝ وَارْسَلْ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيلَ ۝ تَرْمِيهِمْ

بِحِجَارٍ مِّنْ سِجِّيلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّا كُوِيَ ۝

تھریان غلط اور بھیجے اڑنے والے جانور تنگ پھیر کر ڈالا انکو جیسے بھس کھایا ہوا کنکر کی

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی اور آپ کی ذات مبارک کے پیدا کرنے کے لیے قریش پر حسد کیا پھر اگر قریش ہی آپ کے ساتھ دشمنی کریں تو انکو خوف کرنا چاہیے کہ کیا انکا انجام ہوگا فقال تعالیٰ - اَلَمْ تَرَ كَيْفَ

فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحَابِ الْفِيلِ - کیا تو نے دیکھا نہیں کہ تیرے رب نے کیا کیا ہاتھی والوں کے ساتھ ف

جو خانہ کعبہ کو ڈھانے کے قصد سے چڑھ آئے تھے - اور انکے نفوس خبیثہ نے مکر کیا کہ اپنی بسند کے موافق دین نصرانی کو

قیامت تک مستحکم کریں اور کعبہ ابراہیم کی جگہ میں کا کینسہ عظیمہ بنا دیں - اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ - کیا نہیں کر دیا

انکا مکر گراہی میں ف یعنی بربادی و خواری میں ڈال دیا کچھ حاصل نہ کر سکے - تضلیل باب تفعیل ہے تو سبالغہ ہے کہ جو کب

انھوں نے خفیہ چاہا تھا اسکا خراب انجام ایسا کر دیا کہ ہر شخص پر ظاہر ہو گیا کہ یہ لوگ گمراہ خطا دار تھے - وَارْسَلْ

عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيلَ - اور بھیجے انپر جھنڈ کے جھنڈ پرندے ف یہ چڑیاں بالکل نئی صورت تھیں کبھی انکو کسی

نے نہیں دیکھا تھا اور نہ پھر کبھی دیکھی گئیں اور کبوتر سے چھوٹی اور معروف پرندہ ابابیل سے رنگ میں مشابہ تھیں ان میں سے

ہر ایک کے پاس تین پھریان تھیں ایک چونچ میں اور دو پنچون میں - تَرْمِيهِمْ بِحِجَارٍ مِّنْ سِجِّيلٍ - ہاتھی والوں کو

مارتی تھیں سبیل (جنم) کی پھریان ف جس لشکر پر پڑی اسکا سر توڑ کر دم سے نکل جاتی تھی اور اسکا گوشت پوست

بکھر کے گر پڑتا تھا یہ سبیل جنم کی پھریان تھیں فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّا كُوِيَ - پس کر دیا ان کو جیسے کھایا

ہوا بھس ف صحیح میں روایت ہے کہ ایک صحابی سے پوچھا گیا کہ تم بڑے ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے ہیں فرمایا

کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بڑے ہیں اور میں عمر میں اُن سے زیادہ ہوں میں نے طیرا ابابیل کی سیٹ دیکھی وہ سبز تھی (صحیح) اور

اُم ہانی رضی اللہ عنہا نے ان پھریوں کو چنگر ایک گلھیا میں بھر لیا تھا - اسی سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف

لائے واضح ہو کہ اصحاب الفیل کا قصد عرب میں مشہور عام تھا اور زمانہ جاہلیت کے اشعار میں بکثرت اسکا ذکر موجود ہے اور خلاصہ

بیان جو شیخ ابن کثیر وغیرہ نے مورخین سلف سے نقل کیا یہاں نقل کرتا ہوں (ذکر اصحاب الفیل) واضح ہو کہ اللہ

تعالیٰ نے بطیفیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قریش پر جو احسانات فرمائے از انجملہ ایک ہے کہ اصحاب الفیل نے لشکر عظیم سے

قصد کیا تھا کہ خانہ کعبہ کو منہدم کر کے اسکا نشان مٹا دیں پس اللہ تعالیٰ نے فیل والوں کو ہلاک کر کے مٹا دیا اور اُنکی کوشش

خاک میں ملا دی بلکہ انھیں کو جنم میں پھینک دیا - اصحاب الفیل ایک قوم نصرانی تھی اور اس زمانہ میں انکا دین بہ نسبت دین

قریش کے اچھا تھا اگرچہ نصرانیوں میں شرک پھیل گیا تھا ولیکن اللہ تعالیٰ نے قریش کو محفوظ رکھا اور یہ رسول اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے لیے تمہید تھی جو بطور معجزہ کے ظاہر ہوئی اور اسکو اصطلاح علماء میں ارباص کہتے ہیں اور

جس سال اصحاب الفیل نے چڑھائی کی اور ہلاک و نیست کیے گئے اُسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دار دنیا میں پیدا ہوئے

بڑھاپے میں خراب ہو جاتے ہیں اور یہ حواس فقط دنیا کے لیے کام آتے ہیں تو اس سے عقل نہیں ملتی اور یہی سب رذیل خصلتوں کی جڑ ہے اور اسی وجہ سے وہ سمجھتا ہے کہ ہاں جسم باقی ہیں گو یاد رکھی ہیں اور اچانک موت سے مر جانا ہو اور اگر عقل ہوتی تو جانتا کہ روحانیات و عقل اچھی خصلتیں باتیات و الصالحات ہیں جو اسی جسم کے ذریعہ سے لکھ کر لے جاتے ہیں۔ یعنی یہ بدیہی بات ہر دم سے موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا مع ان چیزوں کے پیدا کی اور یہ حیوانات مع انسان اُس میں پیدا کر دیے تاکہ انسان یہاں دیگر حیوانات سے عقل و روحانی اعمال صالحہ سے متمیز ہو کر چلا جاوے کیونکہ حواس جسمانی سے متمیز نہیں ہو سکتا جبکہ حواس اکثر جانوروں میں انسان سے بڑھ کر ہیں اگرچہ انسان میں جو مجموعہ حواس ہے جس کے ملانے سے تدبیر کے معنی پیدا ہوتے ہیں وہ مجموعہ پورا دیگر حیوانات میں نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو عالم پیدا فرمائے ہیں بے انتہا وسیع اور اُس میں عجائبات ہیں تو ہرگز آدمی کے حواس انکو احاطہ نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ ضعیف تو اپنے پیٹ میں اعضا کی حالت تک نہیں دیکھ سکتا پھر اسکی بہتری اسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر چلے اور جان لے کہ یہاں سے جانے والا ہے اور یہ بات خود سامنے موجود ہے تو بعد اسکے یہ کہنا کہ ہم مر کر خاک ہو گئے اور آئندہ کچھ نہیں ہے یہ بد بختی اور بے عقلی کی علامت ہے کیونکہ وہ حقیر اس عالم میں بالکل بیچ و ضعیف ہے تو اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر یقین لانا کہ یہ موت صرف اس عالم کا بہن چھوڑ دینے کا نام ہے تو یہاں سے نیاک خصلتوں کو لے جانا عین کراست و سعادت ہے جیسے والحصران والا انسان لفظی خسرتین پہلے سمجھا دیا تھا کہ دہریشہ چلا جاوے گا خواہ انسان اُس میں یہاں رہے یا یہاں سے جا کر دوسرے جہان میں رہے اور کبھی فنا نہ ہوگا۔ اب دنیا میں ہرگز کرنا اور مال جمع کر کے رکھنا اور اسی میں برباد ہونا بد بختی و ضلالت و جہالت ہے اور نتیجہ یہ کہ آتش جہنم میں ساکن ہو نعوذ باللہ من ذلک۔

سورة الفیل مکیہ وھی خمس آیات

اس سورہ میں پانچ آیات ہیں (۱) کلمات اور چھپانے سے حروف ہیں (س و نص) یہ سورہ بلا خلاف مکیہ ہے اور اس سورہ مبارک سے بہت سے نیچر و دہریہ وغیرہ کفار و منافقین کے خیالات باطل ہوتے ہیں کیونکہ متواترات قطعی ہوتے ہیں گویا اس وقت ہم آنکھوں دیکھتے ہیں اور کسی قوم نے متواترات سے انکار نہیں کیا اور جسمین عقل ہے وہ کسی طرح عقلاً انکار نہیں کر سکتا ہے اور بیشک عرب میں متواتر ہے کہ جب اصحاب الفیل نے مکہ پر چڑھائی کی تو اللہ تعالیٰ نے پرندوں کے جھنڈ بھیجے جو ان پر پھریان مار لے تھے جس سے وہ لوگ اس طرح گرفتہ مردار ہو جاتے تھے جیسے جانوروں کا چبا یا ہوا بچس ہو جاتا ہے اس واقعہ کے معائنہ ہونے میں قریش کو شہ نہ تھا اور انے عرب و عجم میں متواتر ہوا اور قرآن مجید خود متواتر ہے

فلنہ احمدا والمنہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ ۝ اَلَمْ یَجْعَلْ کَیْدَہُمْ ۝
تو نے نہ دیکھا کیا کیا تیرے رب نے باقی والوں سے
ذکر دیا

شیخؒ نے لکھا کہ مال کی محبت نفاق کی علامت ہو یعنی جسے مال سے محبت کی تو یہ دلیل ہے کہ اس کا دل ناپاک نفس کی طرف ہوا اور پاک
 نورا یمان جمع نہوگا تو نفاق ہوگا۔ اور مال سے بخل کرنا کفر کی علامت ہو یعنی مال جس طریقے پر شرع کے حکم سے خرچ کرنا چاہیے اگر
 خرچ نہ کرے اور مال کو دل سے وابستہ اور بکڑے رہے تو یہ علامت ہو کہ اُس کے دل میں آخرت کا ایمانی اعتقاد نہیں ہو۔ قولہ بحسب
 ان مالہ اخلدہ وہ کافر یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ اُس کا مال اُس کو ہمیشہ باقی رکھینگا۔ اعتقاد یہاں حیا ہے کیونکہ کافروں کے اعتقادات سب
 خیالات ہیں جو ہم کے مرتے ہی مٹ جاتے ہیں۔ کفار نے باہم یہ طریقہ نکالا کہ جو کوئی مال کثیر چھوڑے اُس کے لیے قوم میں ایک تصویر بنادی
 جاوے تو ہمیشہ یادگار باقی ہو اور وہ خاک ہو گیا۔ یہ غلط ہو بلکہ وہ زندہ موجود ہو لیکن دوسرے جہان میں ہو وہ کبھی نہیں مرے گا لیکن
 وہاں اپنے عذاب میں مبتلا ہو اس تصویر سے اُس کو کچھ فائدہ نہیں بلکہ اس کے طریقے پر جو لوگ ساعی ہیں اس کا ناپاک اثر وہاں ہو چکا ہے
 ہو لیکن کفار دوسرے جہان پر یقین نہیں لاتے ہیں اور یہی پر سب دار عباد شیخؒ نے لکھا کہ جاہل یہ خیال کرتا ہو کہ مال نے مجھے ایسا سردار
 بنا دیا ہو کہ میں دارالخلد کے لائق ہوں حالانکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہونچنا اُسی کے فضل و کرم سے ہو تو اللہ تعالیٰ ناراضہ الخ دنیا میں
 ناراضہ۔ سے جسے صفائی پائی اُس کو محبت کی آگ نے سوائے حق تعالیٰ کے سب چھڑا دیا اور کہ فرد منافق یہاں مال دنیا کی
 آگ میں راحت پاتا ہو اور وہاں ہی لعنت و جہنم کی آگ ہو نعوذ باللہ من ذلک ف شیخ ابن العزیزؒ نے لکھا کہ قولہ
 لكل ہمزۃ لمزۃ یعنی جو کوئی ان دونوں ناپاک خصلتوں کا عادی ہو گیا۔ کیونکہ یہ نام ایسے ہی شخص کو دیا جاتا ہو جس میں ہمزہ و لمزہ
 کی حادث ہو۔ ہمزہ کے معنی لوگوں کی آبروریزی کرنا لمزہ کے حق میں طعن کرنا۔ یہ دونوں خصلتیں جہالت اور غضب اور تکبر سے
 مرکب ہیں اس لیے کہ جس میں ہمزہ و لمزہ کی خصلت ہو وہ ایذا دیتا اور لوگوں پر اپنی بلندی چاہتا ہو لیکن اپنے نفس میں بلندی کی کوئی بات
 نہیں پاتا تو لوگوں کی مذمت و تحقیر و عیب جوئی کرتا ہو تاکہ اس ذریعہ سے اپنی بزرگی ظاہر کرے اور ہر اُس کے حق میں بہت رذیل ہو تو یہ
 اپنے نفس و شیطان سے دھوکے میں گرفتار ہو ایک تو بد زبانی ہو اور دوم دعوت شیطانی ہو ان دونوں کے علاوہ قوت شہوت میں
 بھی گرفتار ہو جس کا بیان قولہ تعالیٰ جمع مالا الخ سے ظاہر ہو یعنی دنیا سے ملعونہ کی چیزوں سے اُس ناپاک کو اس قدر رغبت و خواہش
 ہے کہ مال جمع کرتا ہو۔ پھر اُس کو گن گن کر رکھتا ہو۔ اس سے اس کا جاہل ہونا معلوم ہوا کیونکہ اُس نے چاہا تھا کہ حادث کے
 واسطے مال جمع رکھے اور یہ نہ جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں مقرر کیا ہو کہ یہ مال متفرق کرے تو اس پر ایسے حوادث واقع ہونگے کہ خطر
 متفرق کرے۔ دوسری حماقت یہ کہ مال کو ہمیشہ رکھنے والا خیال کرتا ہو اور نہیں جانتا کہ جسم و جسمانیات بدیہی فانیات ہیں و لیکن
 شیطان نے اس کو دھوکا دیا۔ شیطان پورا احمق ہو تو یہ شیطان سے بھی زیادہ احمق نکلا کہ اُسے اس کو دھوکا دیا کہ یہ کو دنیا کے سوائے
 کچھ نظر نہیں آتا ہو۔ یہ دہر و پیچر ہو۔ یوں ہی ہوتا چلا جاتا ہو۔ کوئی پیدا ہوا کوئی مرا تو خاک ہوا۔ گویا اس احمق نے اس نظام عالم کا
 فیصلہ اس حماقت سے کر لیا حالانکہ اُس کی آنکھ سے یہاں آدمیوں کے کرب و دکھ لائی نہیں دیتے ہیں جبے تماشا کرنے والے نے سر
 کاٹ دیا اور نسو من کا پتھر اٹھالیا اور آگ کے غار میں گھس گیا اور اُس میں نہ لیا۔ اس شخص کی آنکھ سے یہی نظر آتا ہو کہ سرٹ گیا اور
 پتھر اُس کے سر پر ہو اور اسی طرح کبوتر کے پروں سے کبوتر بن گئے اور ایک فرانسسی کی ٹوپی سے ہر قسم کے پھل و پھول جو تم مانگو کھٹنے
 چلے آتے ہیں و لیکن حق یہ کہ کافر احمق ہو۔ شیخؒ نے لکھا کہ عقل روحانی ہونے سے جہالت آتی ہو یہ حواس کی جہالت نہیں ہو کیونکہ
 حواس تو جانوروں میں بہت قوی ہوتے ہیں اور انسان مجموعہ حواس سے ملا کہ بہت سی ترکیبیں نکالتا ہو اور یہ موت سے پہلے ہی

ہو کہ اسکو کھال وغیرہ روک نہیں سکتی بلکہ وہ اوپر سے یکساں اندر تک جلاو لگی اعاذنا اللہ تعالیٰ منها۔ اور بعض علماء رحمہ نے کہا کہ
 تطلع علی الافئدة کے یہ معنی ہیں کہ وہ جان لیگی ہر ایک دل کو کہ وہ کس مقدار غذا کے لائق ہو اس (ن) اسی قول کو شیخ المشائخ
 رحمہم اللہ تعالیٰ نے ترجمہ قرآن مجید میں اختیار کیا چنانچہ ترجمہ یہ لکھا کہ وہ جھانک لیتی ہو دلوں کو مترجم نے بار بار لکھا کہ وہ ہوشیار
 ہو تو ہر ایک قلب کو دیکھ کر جان لیگی۔ کیا نہیں دیکھتے ہو کہ حدیث الصرافہ میں ہے کہ صراط کے دونوں طرف لوہے کے کلاب
 ہیں جیسے سعدان کے کانٹے ہوتے ہیں لیکن انکی درازی کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی نہیں جانتا پس جسکو گرد لگی وہ بچ گیا اور
 جسکو خراش لگی وہ بچ گیا اور جسکو الجھایا وہ جہنم میں گیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہنم انکے دلوں کو جھانک لیتی ہے اور حدیث
 میں ہے کہ مومن سے کیسی کہ اس مومن تم جلدی چلے جاؤ کہ تمہارے نور سے میری آگ بجھی جاتی ہو این کثیر نے لکھا کہ تو تطلع
 علی الافئدة ثابت البیہقی رحمہ نے کہا کہ انکے دلوں تک جلاو لگی اور وہ زندہ رہیں گے۔ ثابت رحمہ یہ کلمہ روئے لگتے
 کہ انکا عذاب حد کو پہنچ گیا۔ محمد بن کعب القرظی کہتے تھے کہ جہنمی کے تمام جسم کو کھا جائیگی یہاں تک کہ جب حلق کے
 سامنے دل تک پہنچے گی تو جسم کی طرف لوٹگی (ابن کثیر رحمہ) یعنی دوبارہ جسم اول حالت پر کر دیا جائیگا پھر وہ جسم کے اوپر سے
 شروع کرے گی حتیٰ کہ دل تک پہنچے تو دوبارہ اللہ منها۔ پھر چونکہ کفار و مشرکین اس سے منکر ہیں تو یہ طریقہ عذاب میں دوامی سختی کا
 اشارہ فرمایا بقولہ تعالیٰ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّوَصَّدَةٌ۔ یہ آگ انپر ڈھانکی ہوئی ہوتی ہوتی حسن بصری نے کہا کہ یعنی بہت
 تنگی کے ساتھ ان پر ڈھکی ہو (سراج) اور ابن مردویہ نے حدیث ابو ہریرہ سے روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 نے فرمایا کہ موصدہ یعنی مطبقہ ہے اور ابو بکر بن ابی شیبہ نے اسکو دوسری اسناد سے ابوصالح کا قول روایت کیا (ابن کثیر
 فی عمدة القاری)۔ عمودوں میں کھینچے ہوئے ف عبد اللہ بن مسعود کی قرات میں (بعد ممدوہ) واقع ہوا
 ہے شیخ المشائخ نے ترجمہ لکھا (لبنے ستونوں میں) واضح ہو کہ رازی نے لکھا کہ (عمد) میں چند قرات میں (عمد)
 میں و مسم دونوں کو پیش ہے (عمد) اول پیش پھر جزم ہے (عمد) دونوں کو فتح ہے اور خطیب نے لکھا کہ اول قرات
 حمزہ و کسائی و شعبہ سے اور باقیوں نے عمد دونوں کو فتح سے پڑھا ہے رازی نے کہا کہ فراء رحمہ نے کہا
 کہ جیسے اومیم کی جمع تینوں طرحے اوم اور اوم اور اوم آتی ہے اسی طرح عمود کی جمع بھی تینوں طرح ہے اور باب کی جمع اوسب اور
 اوسب و سب ہے (و عقیقہ کی جمع بھی اسی طرح عقم عقم و عقم و عقم ہے) و رحمہ نے کہا کہ عمدا و عمدا دونوں جمع ہیں لیکن اگر عمود
 واحد سے جمع کریں تو عمدا و دونوں پیش سے ہے جیسے رسول کی جمع رسل ہے اور اگر بدون واحد کے جمع لاوین تو عمدا و عمتین بھی ہے
 رازی نے کہا کہ عمدا ہر ستمیل خواہ لکڑی سے ہو یا لوہے کا ہو اور وہ عمارت کے لیے اس پر جیسے کوٹھری کا عمود یعنی ستون
 ہوتا ہے مترجم کہتا ہے کہ خلاصہ یہ ہوا کہ عمدا ہر حال جمع کے معنی دیتا ہے رازی رحمہ نے کہا کہ آیت کی تفسیر میں دو طریقے ہیں (اول)
 یہ کہ عمدا کو ایسے عمود ہیں جن سے جہنم کے دروازے بند کیے گئے ہیں جیسے تم دیکھتے ہو کہ درب کے پھاٹک عمودوں
 سے بند کیے جاتے ہیں اور فی عمدا (بعد ہی) (دوم) یہ (فی عمدا و) حال ہے (انما علیہم موصدہ) سے یعنی یہ آگ
 انپر ڈھکی ہوئی ہے در حالیکہ یہ لوگ اس میں عمودوں میں کھینچ کر پھیل گئے ہوئے بندے ہیں جیسے چوروں کو بیدارتے
 وقت ٹکٹی میں ہاتھ پاؤں پھیلا کر پانڈتے ہیں انہی اپنے کرم سے ہم کو جہنم دا کے عذاب سے پناہ دے تیری

ہیں تو انھوں نے دنیا کی زندگی کو اختیار کیا اور اس کے سوا کسی زندگی کے قائل نہیں ہیں تو دنیاوی ذخیرہ خیرات یعنی مال متاع
 پر جان دیتے ہیں اور اس کی شامت میں غفلت پاتے ہیں پس کفر کی بے عقلی سے اس دارنا پائدار کو دار مدار سمجھے اور محبت متاع
 کی غفلت سے مال کو ہمیشہ باقی رکھنے والا خیال کیا یعنی موت کو ہمیشہ دیکھتے رہتے ہیں پھر بھی اس قدر غافل ہیں کہ مکانات
 مستحکم مضبوط بناتے اور درخت لگاتے ہیں اور ہزاروں برس کا سامان کرتے ہیں گو یا مال نے غفلت کی مہر دیکر کان میں بھونک دیا
 کہ یہ سامان کر دہم ہمیں رہو گے اللہ تعالیٰ نے فرمایا - کَلَّا ہرگز نہیں ف یہ اس کا خیال محض حماقت و غفلت ہو کہ وہ بیان
 دہائی پر رازی نے لکھا کہ دور دور از امیدوں نے اور سخت غفلت نے جو مال کے سبب سے ہیں اُس کے خیال میں جا دیا کہ تجھے
 موت نہیں آدگی اسی واسطے حسن بسرئی نے فرمایا کہ میں نے موت سے بڑھ کر عجیب کوئی چیز نہیں دیکھی کہ وہ یقینی ہے اور اُس
 سے شک کی غفلت ہو تو اُس کو ایسی آنکھ سے دیکھنے میں گو یا اُس کے ساتھ یقین نہیں ہو اور دنیا فانی ہو اُس کو یقین کی آنکھ سے دہائی
 دیکھتے ہیں - کلا یہ خیال باطل و غفلت جاہل ہی ہرگز صحیح نہیں ہو بلکہ ایسے دلوں میں کفر جمی ہے لَسَّيْكَ نَارُ
فِي الْحَطَمَةِ - و ضرور حشمہ میں جھونکا جائیگا ف مالدار بیان اپنے آپ کو مغر کر م دہائی سمجھتا تھا تو اُس کے دونوں غم
 غلط کیے گئے اول تو موت نے بیان سے نکالا اور مال جو اچھوٹ گیا اور دوم ملائکہ نے حکم خالق جل جلالہ اُس کو پکڑ کے جہنم میں
 جھونک دیا یعنی خواری کے ساتھ عذاب میں ڈال دیا گیا - جہاں جھونکا گیا وہ حطمہ ہے وَمَا آذُرُكَ مَا الْحَطَمَةُ
 اور تجھے کسے بنایا کہ حطمہ کیا ہر ف حطمہ شکستہ کرنا - چونکہ جہنم ہر چیز کو جو اُس میں ڈالی جاوے توڑ ڈالتی ہو - لہذا
 حطمہ نام ہوا اور بعض مفسرین نے کہا کہ حطمہ دوسرے طبقہ جہنم کا نام ہو لیکن مترجم کے نزدیک بیان یہ مراد نہیں ہو اس لیے
 کہ اسے سرکش کفار کے آخری درجات تک عذاب ہو تو دوسرے درجہ جہنم کی خصوصیت نہیں ہو لہذا اللہ تعالیٰ
 نے اُس کی تفسیر میں فرمایا نَارُ اللَّهِ الْمُؤْتِلَةُ - اللہ تعالیٰ کی آگ ہے جلائی ہوئی ف اور جو آگ ایسی ہو
 کہ اس کا جلانا اللہ تعالیٰ نے اپنے فعل سے بیان فرمایا تو اُس کا جلانا بے انتہا ہو وہ کبھی نہیں کچھ سکتی اور نہ کسی کو اس کو اُس کا
 اندازہ سمجھنے کی طاقت ہے رازی رحمہ نے لکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جو کوئی زمین کے اوپر گناہ کرتا ہے
 اُس سے بڑا تعجب ہو کہ اُس کے نیچے ایسی جلائی والی آگ ہو اور وہ اوپر یہ گناہ کرتا ہو - حدیث میں ہے کہ جہنم کی آگ ہزار برس
 دھونکی گئی کہ سرخ ہو گئی پھر ہزار برس دھونکی گئی تو سفید ہوئی پھر ہزار برس دھونکی گئی تو سیاہ ہو گئی اب وہ سیاہ تاریک ہے
الَّتِي تَطْلُعُ عَلَى الْآفِئَةِ - وہ آگ جو دلوں پر مطلع ہوتی ہو ف اللہ جمع فواد یعنی دل ہے
 بعض نے لکھا یعنی اس آگ کی حرارت و سوزش دل پر ہو چکر چھا جاتی ہو خطیب نے لکھا کہ دل پر اطلاع کے یہ معنی ہیں
 کہ وہاں جہانک لیگی یعنی یہ کہ دل پر ہو چکر سخت طور سے گھیر لیگی رازی نے لکھا کہ عرب محاورہ میں کہتے ہیں کہ رطلح
 الجبل یعنی پہاڑ پر چڑھ گیا آیت میں دو معنی ہو سکتے ہیں (ایک) یہ کہ آگ ان کے جوف میں گھسکر قلب پر چھا جائیگی اور قلب
 سے زیادہ نرم ہو کہ ٹھوڑی تکلیف سے موت عارض ہوتی ہو کہاں کہ اُس پر ایسی سخت آگ چھا جاوے باوجود اسکے یہ لوگ نہیں
 مریں گے اور (دوم) یہ کہ دل کی خصوصیت اس لیے فرمائی کہ کفر و شرک کے عقائد اسی میں تھے (جمع السراج ایضا) اور مترجم کہتا ہے کہ
 ہمیں بھی اشارہ ہو کہ دنیا میں اگر کسی شخص کے آگ لگے تو پہلے گوشت پوست جلاوے تب ل نک پونچے اور جہنم کی آگ ایسی کثرت

یا سلطان کی طرف سے ظالمانہ حکم آوے تو فد یہ دیدون یا محتاجی آوے تو اس سے بچ جاؤں آپ نے فرمایا کہ پھر اب تو اُسکو ایسے لوگوں کے لیے چھوڑ جاؤ گی جو تیری تعریف نہیں کرینگے اور ایسے مقام پر جاؤ گی جہاں تیرا عذر قبول نہ ہوگا اگر کہا جاوے کہ مالدار یہ گمان نہیں کرتا کہ میں یہاں ہمیشہ رہوں گا (جواب) یہ کہ مال مذکور نے اُسکو دور و دراز امیدیں دلائیں لہذا اُس نے پتھر دین سے گج دار مکانات بنائے اور مدت دراز میں بھلنے والے باغات لگائے تو اُسکی یہ حالت ہے کہ موت کا اور یہاں سے جانیکا اُسکو خیال نہیں آتا اور ایسا غافل ہو گیا مال نے اُسکو گمان دیدیا کہ وہ اُسکو یہاں ہمیشہ رکھیکا۔ یہ طعنہ ہے کہ جیسے بندگان صالحین اس مال کی خیرات سے اور نیک طاعات سے جنت خلد میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور وہ حق ہی تو دنیا چاہنے والا بھی اسکا مقابلہ کرتا ہے کہ میرا مال مجھے یہاں ہمیشہ رکھیکا (سراج و ابوالسعود وغیرہ) اگر کہا جاوے کہ مال جمع کرنا مطلقاً منع نہیں کیا گیا ہے کیونکہ جس مال سے حقوق ادا کیے اور زکوٰۃ دی گئی تو وہ مذموم نہیں رہا اور خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا جب سعد رضی نے اجازت چاہی کہ میری وارث فقط ایک بیٹی ہے تو میں کل مال خیرات کر دوں۔ تو فرمایا کہ نہیں حتیٰ کہ یہ فرمایا کہ اگر تو اپنے وارثوں کو تو انکو چھوڑے تو اس سے بہتر ہے کہ اُن کو محتاج چھوڑے کہ لوگوں سے ہاتھ پھیلا کر کفاف مانگیں کفائی صحیح۔ تو یہاں مذمت کے کیا معنی ہیں (جواب) جان لینا چاہیے کہ کفر اور دنیا پر بھروسہ کرنا بھی یہی جڑ ہے جس سے خرابی سب کاموں میں آتی ہے کیونکہ مالدار نے جو مال رکھ لیا اور وہ حقوق و خیرات سے زیادہ ہو تو اسے اسی نیت سے رکھ لیا کہ اگر میرے بعد رہا تو دارثوں پر صدقہ ہے چنانچہ اسی حدیث میں بیان ہے کہ جو کام اللہ تعالیٰ کے واسطے کیا اُس میں ثواب ہر حقے کہ جو لقمہ اپنی جورو کے منہ میں دیا اُمین بھی ثواب ہو پس ایماندار ہمیشہ آخرت کے واسطے افضل بندگی اختیار کرتا ہے چنانچہ سعد رضی نے خود خیال کیا تھا کہ کل مال کو خیرات کرنے میں ثواب زیادہ ہو پھر انکو معلوم ہوا کہ تہائی یا اس سے کم غیرون کو خیرات دے اور باقی اپنے ورثہ کے لیے خیرات کی نیت سے چھوڑے اُسکو مال اور دنیاوی حیات کی محبت نہیں ہوتی ہی برخلاف کافرون کے کہ وہ دنیاوی زندگی کو اصل سمجھتا ہے اور اسی زندگی پر ہزار جان سے عاشق ہے اور مال کو جان سے زیادہ محبوب رکھتا ہے اور تلے اوپر دھکتا اور گن گن کر جمع کرنا ہر اور غفلت میں اس ملعون مال کو سمجھتا ہے کہ وہ اُسکو دنیا میں ہمیشہ رکھے گا اللہ تعالیٰ نے اس کو روک دیا۔

كَلَّا لَیْذِبْنَ فِی الْخَطْمَةِ ۖ وَمَا آذُ زُبَانُكَ مَا الْخَطْمَةُ ۖ نَارُ اللّٰهِ الْمَوْقِدَةُ ۖ

کچھ نہیں اُسکو چھینکتا ہے اُس روندنے والی بین اور تو کیا بوجھاکون ہو وہ روندنے والی آگ ہے اللہ کی مسکائی

اَلِیْ تَطْلِعُ عَلَی الْاَفْعٰی ۖ اِنِّهَا عَلَیْكُمْ مُّوَصَّدَةٌ ۖ فِیْ عَمَدٍ مُّسَدَّدَةٍ ۖ

وہ جو جھانک لیتی ہے دل انکو اس میں موندتا ہے بے بنے سنو نون میں

دنیا میں دو قسم کے انسان ہیں ایک اہل ایمان جو اہل آخرت ہیں کہ مال وغیرہ متاع دنیا سے کچھ محبت نہیں رکھتے بلکہ اموال و متاع کو طاعات الہی میں صرف کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل ہو اور اسکے محل رضوان دار السلام جنت میں مقام ملے اور ان طاعات کے ذخیرہ سے وہاں دائمی عیش ہو تو یہ طاعات اُسکو وہاں ہمیشہ رکھنے والی ہیں یہ امر حق ہے (فریق دوم) سوائے مومنین کے جمیع اقسام کفار و مشرکین ہیں جو آخرت سے منکر ہیں اسی شامکے بے عقل

پھر چونکہ عموماً قبیح ہو تو جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک میں کچھ عیب کا بہتان باندھنا چاہا تو وہ کافر مردود و چارے
 کہ آپ کی شان تمام غلط فہمیاں میں بہتر و افضل ہو اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سخت غضب کے ساتھ فرمایا و ایل لکل ہمنہ لفرۃ
 ہر ایک ہمزہ لڑہ کے لئے ویل یعنی سخت عذاب ہو جیسے ابو جہل و ولید بن المغیرہ و امیہ بن خلف تھا اَلَّذِیْ جَمَعَ
 مَا لَا وَعْدَ لَہٗ۔ وہ جس نے مال جمع کیا اور گن گن کر رکھا ترکیب نظم میں (الذی) با تو (لکل) کا بدل ہے تو
 محل میں مجرور ہوگا۔ یا ذم کا مفعول ہو یعنی اذم الذی۔ میں مذمت کرتا ہوں ہمزہ لڑہ کی حسنے مال جمع کیا الخ تو چھ منصوب ہوگا
 یا بمعنی ہو الذی جمع۔ تو محل میں مرفوع ہو کر کسیر و کثاف وغیرہ اور ابن عامر و حمزہ و کسائی کی قرات میں جمع تیشد بسم
 بتجمع ہو جیسے عددہ ہو اور اس سے کثرت میں سبالغہ ہو یعنی اُسے خوب کثرت سے جمع کیا مال۔ باقیوں کی قرات میں جمع تخفیف
 میں ہے۔ آیت کے معنی میں اس نے کثیر نے لکھا یعنی مال کو تنے اور جمع کیا اور اسکا شمار گنا جیسے قولہ تعالیٰ جمع فاعی میں ہے
 یہ سدی و ابن جریر نے بیان کیا۔ محمد بن کعب القرظی نے کہا کہ وہ دن بھر مال کے حساب میں رہا کہ یہ وہاں ملا یا جاوے اور
 وہ اس میں لگا یا جاوے اور جب رات ہوئی تو مردار کی طرح سے پڑ گیا (تفسیر ابن کثیر) اگر کو کہ مالاً۔ تنوین کے ساتھ ہو تو
 تنوین کا کیا فائدہ ہو رازی نے لکھا کہ تنوین حقارت کے لیے ہو یا بڑائی کے لیے ہو۔ اگر حقارت کے لیے ہے تو مطلب یہ ہے
 کہ تمام دنیا ستاع و مال ہو جیسے فرمایا۔ المال والبنون زینۃ الحیوۃ الدنیا۔ یعنی مال اور لڑکے دنیاوی زندگی کی زینت میں ہیں
 اب غور کرو کہ ایک شخص کے پاس جس قدر مال ہو وہ نسبت تمام دنیا کے بہت حقیر ہو تو کیونکر اس پر فخر ہو سکتا ہو حاصل یہ کہ اس
 بدکار نے مال حقیر جمع کیا اور اُسکو گن کر رکھتا ہو۔ اگر بڑائی مراد ہو تو یہ جہالت و جاہست میں بڑائی ہو یعنی اس بدکار نے
 مال خبیث جمع کیا مگر حجب کتنا ہو کہ حدیث میں دنیا کو ملعون کہا گیا ہو اور زندگی دنیاوی بہت فلیل ہو تو بیستاع غرور و سبج ہوں
 دونوں طرف نظر کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ معنی ہیں کہ اُس نے مال حقیر جمع کیا اور اُسکو گن کر رکھا یعنی مال بلحاظ لغت کے
 بہت قبیح ہو اور باعتبار نیست ہونے کے بہت حقیر و خطیب وغیرہ نے لکھا کہ قولہ وعدہ۔ یعنی اس جاہل نے مال مذکور
 کو احاطہ و شمار و حساب کیا اور اسکو حادثات زمانہ کے لیے ذخیرہ کیا ضحاک نے کہا کہ اُس نے یہ مال مہیا کیا تاکہ اپنی اولاد کو میراث
 دے۔ بعض نے کہا کہ شمار یعنی شخص کا خلاصہ یہ کہ نخل کے طریقے سے مال کو جمع کرنا اور گن کر جان سے عزیز رکھنا نہایت خبیث
 مذموم خصلت ہے اور کفر کی جہالت ہو جیسے فرمایا۔ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهُ اَخْلَدَ وہ گمان کرتا ہو کہ اُسکا مال اسکو ہمیشہ رکھیں گے
 یعنی یہ ہمزہ لڑہ جو نخل سے مال جمع کرتا اور گن گن کر رکھتا ہو اس جاہل کا یہ بھی گمان ہو کہ اُسکا یہ مال اُسکو اس میں رہا
 ہمیشہ رکھے گا (ابن کثیر) یعنی اسکو اس سے ایسا رتبہ ملیگا کہ دنیا میں ہمیشہ رہے گا نہیں مرے گا اسی جہت سے کج
 وغیرہ کے مضبوط مکان بنوا تا ہو حتیٰ کہ پتھروں سے مستحکم کرتا ہو اور باغوں میں ایسے درخت لگاتا ہو جو مدت دراز میں تباہ
 ہونگے تو یہ حرکتیں ضرور ایسی ہیں کہ گویا یہ شخص مجھے بیٹھا ہو کہ میں بیان ہمیشہ رہوں گا۔ روایت ہے کہ خنس بن شریق
 نے چار ہزار دینار بادیس ہزار دینار جمع کیے تھے حسن سے روایت ہو کہ حسن نے ایک مالدار کی عیادت کی اُس نے
 آپ سے پوچھا کہ باحضرت آپ ایسے خزانہ کی نسبت کیا کہتے ہیں جو میں نے کسی مجاہد سے سنا ہے کہ نہایت جمع کیا اور نہ کسی
 ایک کے ہاتھ سے خیرات لیا۔ آپ نے فرمایا کہ بھریوں جمع کیا ہو۔ کہا کہ اس خیال سے کہ شہ بد زمانہ کی گردش آوے

ہمزہ۔ ویل ہی ہر ایک ہمزہ الخ کے لیے توجب ہر ایک کے لیے یہ دلیل ہو تو تخصیص کے کیون قائل ہوتے (جواب) افراد رم نے کہا کہ لفظ عام ہونے سے منع نہیں کہ خاص شخص مراد ہو جیسے تجھے کسی نے کہا کہ میں کبھی تیری ملاقات کو نہ آؤں گا تو توجواب میں کہتا ہوں کہ ہر کوئی جو میری ملاقات کو نہ آوے میں بھی اُسکی ملاقات نہیں کرتا ہوں۔ تو نے جواب میں عام لفظ کسا حالانکہ تیری مراد یہ ہو کہ میں بھی تیری ملاقات نہ کروں گا اس تخصیص کو اصول الفقہ میں تخصیص بقدریہ عرف کہتے ہیں (الکبیر) خطیب نے لکھا کہ ہمزہ ملزہ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو لگائی بجھائی میں جھلیان کھاتے پھرتے ہیں جس سے دوستوں میں پھوٹ پڑے اور چاہتے ہیں کہ جو عیب سے پاک ہیں انہیں خواہ مخواہ عیب لگا دیں مقاتل نے کہا کہ ہمزہ وہ ہے جو بیٹھے بیٹھے تیرا عیب کرے اور ملزہ وہ ہے جو تیرے روبرو تیرا عیب کرے ابو العالیہ حسن نے کہا کہ ہمزہ وہ ہے جو غیبت کرے اور روبرو طعن کرے اور ملزہ وہ ہے جو بیٹھے بیٹھے عیب لگا دے۔ نحاس رح نے اسی قول کو اختیار کیا اور کہا کہ اسی معنی میں ہے قولہ تعالیٰ منہم من یلزمک فی الصدقات الآبہ۔ یعنی ان بہ کارون میں سے بعض وہ ہیں جو اموال صدقے کے بارہ میں تجھے عیب لگانا پسند۔ یعنی بیٹھے بیٹھے لوگوں سے تیری غیبت کرتا ہے کہ اموال زکوٰۃ کو انصاف سے تقسیم نہیں کرتے ہیں۔ سعید بن جبیر نے کہا کہ ہمزہ وہ ہے جو لوگوں کے گوشت کھاتا اور اُنکی غیبت کرتا ہے اور ملزہ وہ ہے جو لوگوں کو طعن دے۔ ابن زبیر نے کہا کہ ہمزہ وہ ہے جو لوگوں کو حقیر بنا کر ہاتھ سے مارے اور ملزہ وہ کہ زبان سے اُن پر طعن و تشنیع کرے سفیان الثوری نے کہا کہ ہمزہ جو زبان سے بدگوئی کرے اور ملزہ جو آنکھ کے اشارے سے طعن کرے اور ابن کیسان نے کہا کہ ہمزہ وہ ہے جو ساتھ بیٹھنے والے کو بدگوئی سے ڈکھ دے اور ملزہ جو آنکھ دبا کر یا سر ہلا کر یا ناک بھون چڑھا کر عیب کرے کلی رح نے کہا کہ آیت کا نزول خنس بن شریق لقی کے حق میں ہوا جو لوگوں کی غیبت و بدگوئی و تشنیع کرتا تھا۔ محمد بن اسحق تابعی نے کہا کہ ہم لوگ برابر سنا کرتے تھے کہ سورۃ النمرہ کا نزول امیہ بن خلف حنی کے حق میں ہوا اور مقاتل نے کہا کہ نزول سورۃ ہذا ولید بن المغیرہ کے حق میں ہوا جو بیٹھے بیٹھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غیبت کیا کرتا اور سامنے آپ کو طعن دیتا تھا۔ مجاہد رح نے کہا کہ حبلی یہ خصلت ہو اُسی کی مذمت ہو (مفہم السراج) واضح ہو کہ یہ سب اقوال قریب قریب ہیں اور سب معانی کا مرجع ایک ہی اصل کی جانب ہی یعنی ہمزہ ملزہ قبیح خصلت یہ کہ طعن کرنا اور عیب ظاہر کرنا۔ پھر اسکی دو قسمیں ہیں (ایک) یہ کہ کینہ و حسد کی وجہ سے قصداً ایسا کرے (دوم) یہ کہ ٹھٹھول کے طور پر ایسا کرے جیسے مسخرہ و بھانڈ وغیرہ ہنسانے کو ایسا کیا کرتے ہیں چنانچہ مروان بن الحکم کے باپ حکم بن العاص نے مدینے میں کچھ لوگوں کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چال کی نقل اتاری آپکی رفتار مبارک بہت پیاری چال تھی جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہے لیکن اس بیہودہ شخص نے نقل اتاری تو بعض اصحاب رضی اللہ عنہم کو ناگوار ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مروان کے باپ پر لعنت کی اور اُسکو مدینے سے نکال دیا۔ پھر واضح ہو کہ دونوں قسموں میں سے ہر قسم کا تعلق یا تو کسی دینی معاملہ سے ہو گا یا دنیاوی صورت و گفتگو و رفتار نشست و برخاست وغیرہ سے ہو گا اور اسکے اقسام بے شمار بیان میں منضبط نہیں ہو سکتے ہیں۔ پس یہ چار قسمیں محل ہوئیں پھر عیب کا اظہار ان سب میں یا تو شخص حاضر کے حق میں ہو گا یا غائب کے حق میں ہو گا تو آٹھ ہوئیں اور ہر ایک میں یا تو زبانی لفظ سے اظہار عیب و طعن ہو گا یا اشارہ سر و آنکھ وغیرہ سے ہو گا اور ہر ایک ان سوا اقسام میں سے منع قبیح و مذموم ہے۔

سَاَلَةُ اَخِي لَدَا ۝

مُرُّ اسکا مال سدا رہے گا اُسکے ساتھ

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ - ویل ہو واسطے ہر ایک ہمزہ لمزہ کے ف واضح ہو کہ اصل لغت میں ہمزہ کے معنی توڑنے کے ہیں جیسے کہتے ہیں کہ (ہو ہمزہ راسم) یعنی اپنا سر نہوڑا لیا اور بعض نے کہا کہ ہمزہ لڑنا دھکیانا - ہمزہ اور لمزہ میں رت (مبالغہ کے واسطے ہی یعنی اس صفت میں کثرت کے ساتھ پورا ہوا اور یہ قاعدہ عام ہو کہ فعلتہ کا وزن فاعل میں مبالغہ ہو جیسے لُعْنَتَهُ وہ شخص جو غیر دن پر بکثرت لعنت کرے اور اگر عین کلمہ کو ساکن کرین تو فاعل نہیں بلکہ مفعول کے مبالغہ کے لیے ہو جاتا ہے جیسے لُعْنَتَهُ وہ شخص جسکو بہت لوگ لعنت کرتے ہوں اور جیسے سُخَّرَهُ وہ جسکو بہت لوگ ٹھٹھول و مسخرہ بنا دیں ابن کثیر نے لکھا کہ ہمزہ جو زبان سے عیب کرے اور لہذا زوہ کہ ہاتھ و آنکھ وغیرہ کے فعل سے اشارہ کرے جس سے عیب ظاہر ہو یعنی لوگوں کی حقارت و نقص کرے اور ہم نے قولہ تعالیٰ ہَمَزًا مَسَّ اَبْنِمِ الْاَيَةِ کی تفسیر میں اسکو بیان کیا ہے - ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ہمزہ لمزہ بہت طعنہ دینے والا غیبت کرنا والا ربیع بن انس تابعی نے کہا کہ ہمزہ وہ ہر جو تیرے روبرو تیرا عیب کرے اور لمزہ وہ جو پیچھے پیچھے عیب کرے قتادہ نے کہا کہ ہمزہ لمزہ اُسکی زبان و آنکھ ہے لوگوں کے گوشت کھانا اور اُسیر لعن کرتا جو بھی مجاہد نے بیان کیا - مالک نے زید بن اسلم سے روایت کی کہ ہمزہ جو لوگوں کے گوشت کھاتا ہے - پھر بعض نے کہا کہ اس سے اُخْس بن خویلد مراد ہے اور بعض نے دوسرے کا نام لیا اور مجاہد نے کہا کہ یہ آیت عام ہے یعنی جو کوئی ایسا کرے اُسکی مذمت ہے (تفسیر ابن کثیر) اور امام راہی نے لکھا کہ بیان دو باتیں پوچھنے کے لائق ہیں (اول) ویل یہ لفظ مذمت و غضب کے لیے ہے اور جو شخص کسی کرب میں گرفتار ہو تو دلولہ میں کتا (وی فلان) یعنی فلان کے واسطے دے ہے - پھر جب بہت بول چال میں آئے لگا تو (ویل فلان) کہنے لگے اور روایت ہے کہ ویل جہنم میں ایک پہاڑ ہے مترجم کہتا ہے کہ ترمذی رحم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ غار جو جہنم کا فردت دروازہ تک گرتا چلا جاوے گا - واضح ہو کہ دوسری آیت میں ہی لکم الویل یعنی الویل فرمایا اور بیان بدون الف لام کے نکرہ فرمایا تو وجہ یہ کہ کافرون نے کہا تھا - یا دینا انا کنا ظالمین - یعنی ہم ساری ویل گئی بے شک ہم لوگ دنیا میں ظالم و مشرک تھے اسلئے فرمایا لکم الویل تمہارے لیے ویل ہو اور بیان (وویل) نکرہ کہا کیونکہ اس ویل و عذاب کی حقیقت سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا ہے بعض نے کہا کہ ویل ایسا کلمہ ہے جس سے بہت قبیح حالت ظاہر کی جاوے اور (ویس) سے حقارت ظاہر کی جاتی ہے (ویس) کلمہ ترجم ہے پس ویل سے آگاہ کیا کہ ہمزہ لمزہ بہت قبیح مذموم ہے - پھر اہل تفسیر میں اختلاف ہے کہ یہ وعید جو اس سورہ میں ہے کیا ہر ایک بدکار بہت زکوٰۃ شامل ہے یا فقط ان اقسام مخصوص کے لیے ہے پس محققین علمائے کہا کہ مذمت ہر ایسے شخص کے لیے عام ہے جو ایسی حرکات ذمہ کی عادت رکھتا ہو اور اگر نزول آیت کے وقت سبب خاص ہو یعنی کسی ایسے قبیح مذموم کی مذمت کے واسطے نزول ہوا ہو تو رکھتا ہو اور اگر نزول آیت کے وقت سبب خاص ہو جاوے بلکہ کلام کے معنی عام معتبر ہوا کرتے ہیں دیگر علما ورح نے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ اسی خاص سبب سے مختص ہو جاوے بلکہ کلام کے معنی عام معتبر ہوا کرتے ہیں تو صریح فرمایا کہ ویل لکل کہا کہ یہ آیت چند خاص لوگوں سے مخصوص ہے جیسے اُخْس وولید و امیہ وغیرہ اگر کوکہ آیت میں تو صریح فرمایا کہ ویل لکل

ثواب بقدر ایمان کے ملتا ہے جیسے روشنی کہ آفتاب سے بہت زیادہ ہے پھر چاند سے پھر شمع پھر چراغ اسی طرح سمجھ لینا چاہیے اور خالص نیک اعمال میں عمرِ رضی زیادہ ہیں چنانچہ حدیث صحیح سے یہ بات ثبوت ہو اور انکی وفات کے بعد حضرت علی رضی نے جو خطبہ پڑھا اور عمر کی تعریف کی اُس میں صاف بیان کیا کہ آپ کے بعد کوئی نہ رہا جس کے نیک اعمال کیساتھ مجھے اللہ تعالیٰ سے ملنے کی آرزو ہوتی یعنی میں آرزو کرتا ہوں کہ آپ کے اعمالِ صالحات کا شکر میرے پاس ہوتے کہ اُن کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملتا تو معلوم ہوا کہ ان کے اعمالِ صالحہ بڑھے ہوئے تھے اسی طرح حضرت عثمان رضی کے ساتھ وصیتِ بحق کی نسبت بھی لطیف ہے کیونکہ آپ یہ عام وصیت فرماتے تھے حتیٰ کہ آپ کی خلافت میں خزر جی انصاری رضی اللہ عنہ نے بعد موت کے کلام کہ کیا تو اس کلام میں بھی وصیت ہے کہ لوگو اپنے امام کے تابع رہو لیکن عوام نے اسی میں خرابی کی اور فتنہ کا دروازہ کھل گیا۔ اور حضرت علی رضی کے ساتھ تو اصحابِ انصاری بھی لطافت ہو اس لیے کہ آپ کو باغیوں کے ساتھ بہت کچھ صبر کرنا پڑا اور آپ نے اپنے ساتھیوں کو بہت کچھ صبر کی وصیت کی چنانچہ جنگِ جمل کے بعد لوگوں کو منع کیا کہ نقطہ ہتھیار کے سواے باقی سب اموال پھیر دو اور کسی کا پیچھا نہ کرو بلکہ معذوری مدد کرو اور آپ کے ساتھیوں کو غم ہوا کہ کسی غنیمت کی امید نہیں ہو آپ نے امیدِ ثوابِ عظیم و صبرِ جمیل کی تاکید فرمائی حتیٰ کہ خوارج کی لڑائی فسخ کرنے کے بعد بھی انکا مال تقسیم نہیں کیا تھا پس ہر موقع پر اپنے اصحاب لشکر کو صبر و ثبات کی وصیت فرمائی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سورة المزمرة مكية وهي تسعة ايات

اکثر تفاسیر میں اسی طرح نام لیا گیا ہے اور ابن کثیر وغیرہ نے سورہ دِل لکل ہمزہ نام لیا۔ اور یہ دراصل بطور نام کے نہیں ہے بلکہ نشان ہے۔ پھر ابن عباس رضی نے کہا کہ اسکا نزول مکہ میں ہوا ہے اور روایات اس بارہ میں متفق ہیں اسی واسطے علماء نے اسکو سورہ مکہ کہا ہے لیکن شیخ جلال نے کہا کہ مکہ ہی یا مدینہ ہی پس شاید شیخ کے نزدیک بعض احادیث سے مدنیہ ہونا نکلتا ہو لیکن مختار یہ کہ مکہ ہی اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں ہر ایک ہماز و کماز کی مذمت فرمائی جس نے مال جمع کر کے گن گن کے رکھا گویا یہ سمجھتا ہے کہ یہ مال اُس کے پاس ہمیشہ رہیگا۔ یہ غلط ہے وہ کافر کا خطہ یعنی جہنم میں جھونکا جاوے گا اور یہ تیزاگ ہے اور آخرت میں کوئی چیز مردہ نہیں تو وہ بھی ہوشیار سمجھا رہا ہے وہ ہر ناپاک متکبر و جبار وغیرہ بدکار کے دل کو جھٹکا لیتی ہے اور ان بدکاروں پر ٹوہکی ہوگی جس میں یہ لوگ آگ کے ستونوں سے باندھے جاویں گے اور ہمیشہ اسی قسم کے افعال میں گرفتار رہیں گے کیونکہ صفتِ غضب کی انتہا نہیں ہے تو یہ لٹو لٹو کا نتیجہ ہے جسکو دنیا میں اختیار کیا تھا گویا اہل جنت کے لیے یہ منظر تماشا ہے واللہ تعالیٰ اعلم اس سورہ میں نو آیات تیس کلمات اور ایک سو تیس ا حروف ہیں (سراج وغیرہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ ۝ يَحْسَبُ أَنَّ خِزَابِي ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا خرابی ہے ہر لمنہ دیتے غیب چنتے کی جسے سمیٹا مال اور گن گن رکھا خیال رکھتا ہے کہ

مارتا جلانا ہی۔۔۔ حالانکہ دہر فقط ظاہر ہی اسی میں اللہ تعالیٰ کے افعال ظاہر ہوتے ہیں اور اصل فاعل خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہی لہذا حدیث صحیح میں ہے کہ تم لوگ زمانہ کو برا مت کہو کہ اللہ تعالیٰ ہی دہریہ۔۔۔ یعنی جن چیزوں کو تم دہر سے سمجھتے ہو انکا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے قسم سے یہ بتلایا کہ جو کوئی زمانہ پر نظر کر کے اللہ تعالیٰ سے محبوب ہو اور خسارہ میں ہی۔۔۔ وہ انسان کا فرہی کیونکہ یہاں تجارت کرنے آیا تھا اور حاققت سے دنیا کمانے لگا جسکو چھوڑ جائیگا اور جو اس المال لایا تھا جس سے یہاں تجارت کرتا یعنی نور فطرت اور اصلی ہدایت تو اُسکو بر یاد کر کے سخت خسارہ میں پڑا اور بربادی اسی وجہ سے ہوئی کہ اُس نے دنیا کو مسکن بنا کر اسی زندگی کو اور اسی کی لذات کو اختیار کر لیا حالانکہ چند روز میں انکو چھوڑنے والا ہی مگر کچھ کہتا ہے کہ انسانی خسارہ کھلا ہوا افسوسناک ہے اسلیے کہ دنیا میں اگر بہت جیا تو سو برس زندہ رہا اور آسمین ابتدائی زمانہ داڑھ دانٹوں کی تکلیف اور بھوک پیاس سے رونے میں گزرا اور بڑھاپے میں انھیں داڑھ دانٹوں کے درد اور بے طاقتی و انواع امراض کی کوفت میں کٹا قبول مشور کہ بڑھاپا اور ہزار عیب دنیا میں غریب مفلس بکثرت میں تو ہر طرح کی تخلیفیں ظاہر ہیں حتیٰ کہ ان میں سے بہترے اپنے مرنے کے خواستگار ہوتے ہیں ولیکن اپنی جہالت سے یہ جانتے ہیں کہ مر خاک ہو جاؤ گے اور یہ نہیں سمجھتے کہ حساب و عذاب کا سامنا ہی پس معلوم ہوا کہ انسان جس دنیا پر مرتا ہی وہ بالکل سراسر محنت بلا ہی اور خود فانی نہوگا بلکہ ہمیشہ باقی رہیگا ولیکن یہ دار دنیا بے شک فنا ہے۔ اللہم ابد قلوبنا برحمتک وانت الرحمن الرحیم۔ قولہ تعالیٰ الا الذین امنوا الہم۔ یعنی ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر ایمان علمی یقینی اور یہ جانا کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی میں تاثیر کی قدرت نہیں ہے اور دہر کے حجاب سے باہر ہو گئے علموالاصحاح یعنی وہ فضائل و نیکیاں کمائیں جو باقی رہنے والی ہیں تو اس المال پر منافع کثیر کمالیا۔ تو اوصوا باحق۔ یعنی باہم وصیت کی کہ ایسے اعتقادات پر ثابت رہیں جو ہمیشہ برقرار ہی اور وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت ذاتی و صفاتی و افعالی ہی ہو تو اوصوا بالصبر یعنی ماسوائے حق کے ہر چیز سے دل ہٹانے پر صبر کیا اور یہی محل تکمیل و استقامت ہے۔ شیخ رحم نے لکھا کہ حق کی طرف پہنچ جانا آسان ہے ولیکن اُسپر صبر و استقامت سے ثابت رہنا دشوار ہے اسلئے عبودیت پر مستقیم رہنا اکسیر سے زیادہ عزیز الوجود ہے اور خلاصہ یہ ہوا کہ انسان محض خسارہ میں پڑا ہے سوائے مومنین کے جو خود علم و یقین و عمل میں پورے ہیں اور باوجود اسکے دوسروں کو پورا کرنے والے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ بلا انبیاء کے ساتھ کر دی گئی ہے پھر اولیاء کے ساتھ پھر جو کوئی درجہ بدرجہ بہتر ہو۔ اور حدیث میں ہے کہ بلا اللہ تعالیٰ کا کوڑا ہو جس سے وہ اپنے خاص بندوں کو اپنی طرف ہانک لاتا ہے (مخلص بن العری م) واضح ہو کہ سراج میں خطیب نے اللہ تعالیٰ کا قول ہے اگرچہ صحابی نے اسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نے ایک غریب روایت لکھی کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے سورہ والعصر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائی پھر عرض کیا کہ اسکی کیا تفسیر ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آخری دن کی قسم سے فرماتا ہے کہ انسان خسارہ میں ہے (ابو جہل ہے) سوائے ایسے بندوں کے جو ایمان لائے (ابو بکر ہی) اور اعمال صالحہ کیے (عمر ہے) اور تو اوصوا باحق (عثمان ہے) اور تو اوصوا بالصبر علی خطیب نے کہا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں منبر پر اسطرح بیان کیا ولیکن مرفوع نہیں کیا بلکہ وقف کیا یعنی صحابی کا قول ہے اگرچہ صحابی نے اسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوا اور ترجمہ کہتا ہے کہ اگر یہ روایت ثبوت ہو تو مطلب یہ ہے کہ انسان کے خسارہ میں زیادہ بدتر ابو جہل ہے تو اسکو مثال کے طریقے سے بیان فرمایا جیسے اہل ایمان میں ابو بکر رضی اللہ عنہ نفس ایمان میں مزید فضیلت رکھتے تھے کیونکہ تصدیق ایمان میں وہ صدیق اکبر تھے اگرچہ اعمال کثیر نہوں اسلیے کہ اعمال کا

تدارک نہیں کر سکتا مگر ترجمہ کرتا ہو کہ آیت میں دلیل ہے کہ مسلمانوں میں اعمال صالحہ میں سے یہ عمل بہت اچھا ہے کہ باہم نصیحت کریں کہ حق پر ثابت رہو اور صبر کیے رہو رازی رحمہ اللہ نے کہا کہ اس میں تنبیہ ہے کہ دنیا میں مال و اولاد وغیرہ جو چیز تھیں اللہ تعالیٰ کی طاعت کیلئے رغبت و لاوے وہ بہتری ہے اور جو غافل کرے وہ فساد ہے اور واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے نجات چار باتوں پر رکھی ان میں سے ایمان و عمل صالح تو اپنے نفس میں کرتا ہے اور دو باتیں اپنے مسلمان بھائیوں کی خبر خواہی میں ایک ہے کہ دین حق کی جانب نرم و نیک نصیحت سے بلاوے اور جو کچھ اپنے حق میں پسند کرے وہ اپنے بھائی کے حق میں پسند کرے اقول حدیث میں اس کام کی بزرگی یہاں تک ظاہر کی کہ الدین النصیحتہ۔ دین ہی نصیحت و خیر خواہی ہے۔ دوم یہ کہ صبر کی نصیحت کرے اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں مومن پر معاملہ بھاری ہے اور بلاؤں کے ساتھ آتی ہے لہذا صبر کی وصیت کرے مگر ترجمہ کرتا ہو کہ اسی جہت سے عافیت مانگنے کی تاکید ہے اور واضح ہو کہ بلاؤں اول انبیاء پر بہت سخت ہے پھر درجہ بدرجہ جیسا اچھا ایمان ہو دماغ کہ قولہ تو اوصوا صبیحہ ماضی اس لیے فرمایا کہ انکے کیے ہوئے کاموں پر مہم ہونا کہ آئندہ مرتے دم تک ثابت قدم رہیں واللہ تعالیٰ ہو الموفق للسداد والثناء علیہ برحمتہ مگر ترجمہ کرتا ہو کہ اہل توحید پر بلائیں و حادثات کا آنا اس لیے کہ انھوں نے دنیا کو حقیر و خوار جانا اور بے مثل جنت کو اُسکے عوض میں لیا تو دنیا کے عیش نہونے سے راضی رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انکو ملعون دنیا کے لگاؤ سے پاک رکھتا ہے اور دنیا میں انکا دل ہٹلا نہیں ہونے دیتا اور اپنی رحمت سے انکے گناہ عفو کرتا اور ثواب عظیم عطا فرماتا ہے تاکہ جب دنیا سے نکلین تو پاک صاف نکلین اور اپنے رب رحیم کا عطیہ عظمیٰ پاویں اور صابرین کے درجات اللہ تعالیٰ کے یہاں عظیم ہیں حتیٰ کہ رسول کریم رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے آگاہ فرمایا کہ جب قیامت کے روز صابرین کو درجات عالیات تقسیم ہونگے اور وہ پکارے جاوینگے تو دوسرے مومنین جو دنیا میں عافیت میں بڑے رہے یہ تمنا کریں گے کہ اے کاش دنیا میں خداے تعالیٰ کی راہ میں ہماری بوٹیاں قلعیوں سے کاٹی جاتیں (صحیح) واضح ہو کہ باہم نیک نصیحت کرنے کے لیے احادیث بہت کثرت سے وارد ہیں اور بعض میں آیا کہ واللہ تم لوگ باہم نیک باتوں کے عمل میں لائیکا حکم کرو گے اور بڑی باتوں سے روکو گے باللہ تعالیٰ تمھارے دلوں میں بھوٹ ڈالے گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ پھر تم ذلیل ہو جاؤ گے اور بلا تم پر عموماً سب پر آوے گی پھر اسوقت جو لوگ تم میں سے نیک ہیں وہ بھی دعا کریں گے اور وہ قبول ہونگی اور اس طرح صبر کی فضیلت میں بے شمار احادیث ہیں ابوالسعود رحمہ اللہ نے لکھا کہ تو اوصوا بالحق۔ یعنی اپنے نفس کے بعد اپنے بھائیوں کو ایسی بات پر ثابت قدم رہنے کی وصیت کرتے ہیں جس سے انکار نہیں ہو سکتا اور دونوں جان میں اُسکے نیک آثار باقی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر اور رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر یقین لانا اور اُسکی کتاب مجید کی پیروی کرنا خواہ مخواہ معاملہ دنیاوی ہو یا دینی ہو تو اوصوا بالصبر صبر کی وصیت کرتے ہیں یعنی جن بڑی باتوں کی طرف نفس شہری اپنی پیدائش کی راہ سے مشتاق ہوتا ہے اُسے روکنا اور جن نیک باتوں سے بھاگتا ہو اُن پر جانا مراد صبر سے یہ نہیں ہے کہ خالی جی کو روکے بلکہ یہ مطلب ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آوے تو اس پر راضی ہو اور ظاہر و باطن میں اُسکے مقابلہ میں اچھا کلمہ کہے اور اچھا کام کرے ف شیخ ابن العربی رحمہ اللہ موفی تفسیر کے اس طرح لکھا کہ قولہ تعالیٰ والعصر الزم اللہ تعالیٰ نے زمانہ کی قسم فرمائی جسکو جاہل لوگ اپنے ایام گردش و موثر سمجھتے ہیں چنانچہ مشرکین (جیسے نیچر فرقتے) کہا کرتے تھے کما قال تعالیٰ وما یملکت الا الدہر۔ یعنی یہ تو زمانہ ہمارا ہے ہم کو

غضب الہی میں گرفتار ہوئے بعض نے کہا کہ (خسر) نکرہ ہو وہ ہر قسم کے خسارہ کو شامل ہے تو اس میں کوتاہی کرنے والے مسلمان بھی شامل ہیں کیونکہ انھوں نے اپنی اوقات را لگان کھوئی تو خسارہ اٹھا یا پس ہر انسان کچھ نہ کچھ خسارہ میں ہے۔ الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات۔ سوائے اُن بندوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے یعنی ایمان باطن و اعمال صالحہ ظاہر کو جمع کیا تو صلوات بالحق اور باہم ایک دوسرے کو حق وصیت کی۔ یعنی ایمان توحید و قیام بحق کی وصیت و نصیحت کی۔ و تواصوا بالصبر۔ اور باہم ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی۔ کیونکہ حق پر قائم رہنے میں نفس کو گرائی ہوتی ہے واضح ہو کہ مومن کے سب اعمال نیک ہوتے ہیں اس لیے کہ وہ دنیا میں اگر کھاتا ہے تو بسم اللہ کر کے کھاتا ہے کہ نفس کا حق موافق حکم الہی کے ادا کرے اور کھاتا ہے تو بھی حقوق شریعت ادا کرنے کے واسطے ہے دنیاوی مال جمع کرنے کے لیے نہیں ہے اور سونا بھی حق نفس ادا کرنے کو حکم شرع ہے تو سب میں ثواب ہے ابن کثیر نے لکھا کہ قولہ و تواصوا بالحق۔ یعنی باہم حق کی وصیت کی کہ طاعات ادا کرنا اور گناہ چھوڑنا۔ و تواصوا بالصبر۔ باہم صبر کی وصیت کی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے جو مصائب پیش آدین اُپر صبر کرنا اور اسطرح جن لوگوں کو نیکی کا حکم کر دے اور ہر انہوں سے منع کر دے وہ تم کو ایذا دینگے تم اُن پر صبر کرنا (ابن کثیر) یعنی جیسے قولہ تعالیٰ و لتسمعن من الذین الایہ میں بیان ہے کہ تم کو یہود و نصاریٰ اور مشرکوں سے بہت اذیت سننا پڑے گی۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ قل لن یصیبنا الا ما کتب اللہ الایہ۔ یعنی کہدے اے محمد کہ ہم کو ہرگز کچھ دکھ نہیں پہونچے گا سوائے اُسکے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے لکھ دیا ہے ہم ہی ہمارا مولیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی مومنوں کو بھروسہ کرنا چاہیے۔ اس آیت میں مبلغ اشارہ ہے کہ وہ مصیبت بھی ہمارے واسطے لکھی ہے یعنی ہمارے نفع و ثواب کے لیے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اولئک علیہم صلوات من ربہم الایہ۔ یعنی جو بندے مصیبت میں آنا لند وانا یراجعون کہ صبر کرنے والے ہیں اُنہیں انکے پروردگار کی طرف سے صلوات (درود) اور رحمت ہے۔ رازی نے لکھا کہ قولہ لفی خسر۔ میں خسر نکرہ ہے یعنی ایک خسارہ یا کسی قسم کا خسارہ ہے حالانکہ انسان طرح طرح کے خسارہ میں ہے (جواب) اصل خسارہ ایک ہے وہ اللہ تعالیٰ سے محرومی ہے اور باقی حجت سے محروم ہونا اور جہنم میں عذاب پانا اس کے تابع ہیں اور مترجم کہتا ہے کہ خسر ایک معنی ہیں جس کے ذیل میں سب قسم کے خسارے داخل ہیں توجہ یہ کہ لفی خسر۔ وہ خسارہ میں ہے تو یہ نہایت ابر بادی ہے گویا انسان خسار میں غرق ہے جیسے قولہ فی رحمۃ اللہ۔ دلالت کرتا ہے کہ یہ بندہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہے یعنی مستغرق ہے رازی نے کہا کہ آیت میں قرآن جمع ہیں جسے معلوم ہوتا ہے کہ انسان بڑے خسارہ میں ہے (قرنہ اول) لفی خسر۔ دلالت کرتا ہے کہ انسان کو ہر طرف سے خسران نے گھیر لیا ہے (روم) قولہ ان الانسان۔ بتا کہ یہ (روم) لفی میں لایم تاکید ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جملہ بھی اسمیہ ہے اور وہ قسم سے کھا یا گیا ہے تو دلیل ظاہر ہے کہ انسان کا خسران طرح طرح سے ہے اور اکثر صورتوں میں سخت و شدید ہے پھر واضح ہو کہ آیت میں انسان سے اگر ہر قسم کے انسان عام مراد ہیں جن میں سے آمنوا و عملوا الصالحات کو استثنا کیا گیا ہے تو سوائے مومنین اہل حق کے جو متقی رہے باقی مسلمانوں کے گمراہ فرقے بھی خسارہ میں داخل رہے کیونکہ انکو بھی خسارہ پہونچا اگر اہل حق میں سے گنہگار ہیں تو انکا خسارہ بد اعمال ہے یا یہ کہ مباحات میں عمر برباد ہوئی اگر چہ گناہ نہیں کیا اس لیے کہ جسے مباح کاموں میں وقت برباد کیا تو اسکا ثواب کچھ نہیں تھا تو یہ بھی را لگان ہے برخلاف متقی مومنوں کے کہ انکا کھانا دوسونا حتیٰ کہ عورت سے ملنا بھی ثواب ہے اور اگر مسلمانوں میں خراب عقیدہ والے معتزلہ و خارجی و فضی وغیرہ ہیں تو انھوں نے خسارہ پایا اور انکا خسارہ ظاہر ہے اگر یہ لوگ

بعد خسارت دائی ہو (قول سوم) مقاتل رحم وغیرہ نے کہا کہ العصر نماز عصر کی قسم ہے (وجہ اول) یہ کہ صلوٰۃ الوسطیٰ ہی نماز
ہو جسکی تاکید کی گئی ہو (وجہ دوم) حدیث میں ہے کہ جسکی نماز عصر فوت ہوئی گویا اُسکے اہل و مال جدا کیے گئے (قول چہارم)
والعصر سے زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہو چنانچہ حدیث میں ہے کہ تم لوگوں کی مثال اور تم سے پہلے والے (نبیوں
و انصاری) کی مثال ایسی ہو جیسے ایک شخص نے کچھ مزدور ایک ایک قیراط بر مقرر کیے انھوں نے ظہر تک کام کیا پھر چھڑ دیا کہ
ہم کو مزدوری کی ضرورت نہیں ہے یہ یہود ہیں پھر اُس نے دوسرے مزدور مقرر کیے کہ تم لوہا کرو اور مزدوری لو انھوں نے ظہر سے عصر
تک کام کر کے چھوڑ دیا اور کہا کہ ہم کو مزدوری نہیں چاہیے ہم کام میں کرینگے۔ پھر اُس نے عصر سے غروب تک مزدور مقرر کیے
اور اُسکے دو دو قیراط مقرر کیے۔ تب یہود و انصاری اجل گئے کہ ہم لوگوں نے کام بہت کیا اور مزدوری کم پائی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا
کہ کیا میں نے تمھاری مشروطہ مزدوری سے کم کر دیا۔ کہنے لگے کہ یہ تو نہیں ہوا پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پھر یہ میرا فضل چھو
جاہوں ویدوں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عصر سے غروب تک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا زمانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ
نے اسکی قسم کھائی جیسے آپ کے مکان کی قسم بقولہ وانت حل ہذا البلد سے اور آپ کی عمر کی قسم بقولہ لعمرک نعمرک فمیں
لیعمون۔ سے یا و فرمائی۔ قولہ لعمرک قسم ہے تیری عمر کی کہ یہ بخار قوم لوٹ کے اپنی مستی میں اندھراتے پھرتے ہیں۔ عصر حجیم
کہتا ہے کہ اگر اس حدیث کے ظاہر سے استدلال کیا جاوے کہ وقت ظہر دیر تک رہتا ہے کیونکہ ظہر سے عصر تک وقت کو زیادہ
کہا بہ نسبت عصر سے غروب تک کے پس اگر فرض کرو کہ جاڑے میں پانچ بجے تک دھائی گھنٹے ظہر رہے اور دو گھنٹے عصر
رہے (جواب) یہ کہ اول تو آفتاب زرد ہونے کا وقت مکروہ ہے اور وہ کمر لپٹ گھنٹہ ہی اسکو استثنا کر کے سوا دو بجے تک
ظہر کا وقت رہا (دوم) یہ کہ حدیث کا سیاق اس بیان کے لئے نہیں ہے تو دوسری حدیث جبین ایک مثل کے بعد ظہر کا وقت
مثل جانا مذکور ہے وہ راجح ہوگی اور خود جلدی کرنے اور سستی کرنے کی تاکید ہے لہذا ہمیشہ مستعدی سے جلدی کرنا چاہیے
اور سستی نہ کرنا چاہیے فافہم بالجملہ اللہ تعالیٰ نے عصر کی قسم سے فرمایا کہ ان الانسان لینی خسر بتاکید شدہ یہ قرابا کہ انسان
ضرور خسارہ میں ہے۔ واضح ہوا کہ الانسان میں الف لام جنس ہو یا کوئی خاص شخص یا چند اشخاص ہیں ولیکن جنس کے منہ صحیح
ہیں اسلیے کہ آگے الا الذین امنوا۔ سے استثنا صحیح ہوتا ہے خسر خسار کے معنی تاجر کا راس المال جانا۔ یہ دنیا انسان
لیے تجارت کی منڈی ہے اور وہاں سے فطرت لایا تھا کہ صالحات لے جاوے ولیکن بیان اسنے اسکو بھی برباد کیا حدیث میں
ہے کہ ہر انسان فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اُسکے والدین اُسکو یہودی یا نصرانی یا مجوسی کرتے ہیں (صحیح) اور بحیث اس میں
شیاطین ہیں اور شیطان کے خود و سوسہ کی نسبت شیطان کے تابع جو انسان ہوتا ہے اُسکا کہنا بہت مضربوتا ہے جیسے
اُسکے والدین نے شیطان کی اتباع کی پھر اپنے بچہ کو بھی گمراہی سکھلائی۔ فطرت اُسکا نورانی تختہ تھا جو حید پر تھا یعنی سیاہ
نہیں تھا پھر بالغ ہو کر جو نفس اسکے لائق تھا وہی تھا کہ اپنے رب عزوجل کو وحدہ لا شریک جانے ولیکن والدین نے بکایا
تو فطرت پوچھ شریک کے سیاہ ہو گئی اور فطرت جانی رہی تو راس المال ہی جانا رہا اور مضی یہ کہ قسم عصر وہ ہے کہ ہر انسان
اس دنیا میں نہ لے کے لیے تجارت و کمائی کی مشقت میں اپنی عمر صرف کر کے خسارت و ضلالت میں ہے حتیٰ کہ اسی پر قبر میں جاتا ہے
مترجم کہتا ہے کہ کفار کہ مائدہ لید بن الغیرہ و عاص بن داؤد و اسود و ابو جہل وغیرہ شدت سے خسارہ میں بلکہ خسارہ میں رہے

طرف سے منہ پھیر لیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس حال سے دریافت کیا تو فرمایا کہ اُسکی رُوح حور العین بالکل اسکے پاس لگی اسی لیے مجھے شرم معلوم ہوئی اور وہ جنت کے میوہ جات جلد جلد اُسکے منہ میں دیتی ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس نے بھوک میں انتقال کیا ہو۔ یوں ہی واقع ہوا تھا جیسا آپ نے سمجھا تھا مگر حرم کہتا ہے کہ بعض عوام مسلمان اس سے یہ خیال کرتے ہیں کہ جو کوئی پہلے سے مسلمان ہوا وہ اس سے اچھا نہ رہا۔ یہ غلط خیال ہے کیونکہ اسکے لیے فقط جنت ہی اور سابق الاسلام کے لیے جنت میں بلکہ مراتب ہیں جبکہ اُس نے نماز و روزہ وغیرہ صالحات ادا کیے ہوں اور یہاں قیاس عاجز ہوتا ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ آپ نے دو شخصوں میں بھائی چارہ کر دیا تھا (جیسے سب صحابہ میں ایسا کیا تھا) پھر اتفاق سے ان دونوں میں سے ایک شخص جہاد میں شہید ہو گیا اور دوسرا شخص آٹھ روز کے بعد اپنی قضا سے مراد تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہنا شروع کیا کہ یہ دونوں بھائی خوب برابر رہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا کہ ہرگز نہیں کیونکہ اُسکے آٹھ روز کے اعمال صالحات کماں گئے بلکہ جو پیچھے مرا ہوا اسکے حسنات بمنزلہ آسمان کے ستاروں کے زمانہ میں وجہ چارم کہ ملک و ملکوت میں سے زمانہ اشرف ہے جیسا کہ ہم نے سورۃ النعام کی تفسیر قرآن میں مافی السموات الآیہ - اور قولہ ما سکن فی البیت والہند الآیہ - میں بیان کیا ہے تو العصر سے اشرف پیر کی قسم ہوئی پچھم یہ کہ عرب کہتے کہ یا خیلۃ الدہر - ای زمانہ کی خیراتی تو اللہ تعالیٰ نے العصر الخ سے بیان کیا کہ خسارہ دہر کے لیے نہیں بلکہ انسان خود خسران میں ہے وجہ ششم انسان عصر کے گزرنے سے نفع سمجھتا ہے مثلاً نوکر کے ایام گزرے تو خوش ہوا کہ تنخواہ پاویگا ولیکن وہ سربرباد ہونے کے خسارہ میں پڑا۔ بالکل ان چھ وجوہ سے قول اول پر استدلال کیا گیا کہ العصر سے مراد دہر ہی قول دوم یہ کہ عصر سے دن کے دونوں جانب میں سے ایک جانب مراد ہی وہی ابوالاسلم کا قول ہے (وجہ اول) جیسے اول طرف کے واسطے والضحیٰ میں قسم ہے یہ دوسری طرف ہے اور دونوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل موجود ہیں چنانچہ ہر صبح گو یا قیامت ہو کہ لوگ موت کی بہن نیند سے بیدار ہو کر مکانون سے جو نمونہ قبر میں ٹھکرا منتشر ہوتے ہیں اور میزان ناپ تول کی کھڑی ہوتی ہے اور ہر عصر یعنی آخری وقت گو یا خراب دنیا کا نمونہ ہے کہ لوگ غفلت کی موت سے بیہوش ہوتے ہیں یہاں تک کہ رات میں سنسان ہو جاتا ہے پس یہ دونوں حالتیں دو عادل گواہ ہیں اور انسان نے جب ان دونوں گواہوں پر اپنے نفس کا فیصلہ کیا تو وہ خسارہ میں ہے (وجہ دوم) حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ اس وقت عصر کی قسم سے تنبیہ ہے کہ بازار دن و تجارت کے منقطع ہونیکا وقت قریب آگیا تو جیسے دنیا میں بازار سے خالی ہاتھ گھر گیا تو اولاد کے مطالبہ سے بخل ہوگا اسی طرح قیامت میں دنیا سے خالی ہاتھ حاضر ہو بلکہ وہاں تجھے نعیم دنیا سے سوال ہوگا اور ہر طرف سے معاملہ والے ترے دانگیر ہونگے تو ضرورتی خوری و خسارہ ظاہر ہو جیسے قولہ تعالیٰ اقرب للناس حسابہم الآیہ - یعنی لوگوں کا حساب نزدیک آیا حالانکہ وہ غافل پڑے ہیں۔ ۷۔ (کبیر) مگر حرم کہتا ہے کہ حدیث میں تنبیہ ہے کہ ایک روز آفتاب پہاڑوں پر چمکتا تھا یعنی تھوڑا دن رہ گیا تھا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر کر کے فرمایا کہ گذشتہ زمانہ کی بہ نسبت دنیا ایسی باقی ہے جیسے اس دن میں سے یہ وقت رہ گیا ہے۔ م۔ (وجہ سوم) یہ وقت قابل تکریم ہے چنانچہ جن لوگوں سے اللہ تعالیٰ قیامت میں خود کلام نہ فرما دے گا اور نہ انکی جانب رحمت کی نظر کرے گا اُن میں سے ایک وہ شخص ہے جس نے عصر کے بعد جھوٹی قسم کھائی کہافی حدیث بعض بزرگوں نے کہا کہ ایک روز عصر کے بعد ایک برف بیچنے والا پکارتا تھا کہ ای لوگو ایسے شخص پر رحم کرو جس کا لاس المال بکھلا جاتا ہے مجھے ہوش ہوا کہ انسان اسی طرح غافل ہے جیسا کہ اب تو بکر کے تدارک کرے ورنہ چند ساعت کے

کہ وہ اس طرح پڑھتے تھے۔ والعصر ان الانسان لحن خسر انه لفي الضلال من انما لم يفتح البيان وغيره) مترجم کتابہ
 کہ امام رازیؒ نے کہا کہ یہ قراءت بطور تفسیر کے ہو اور یہ مطلب نہیں ہو کہ ان الفاظ کو تشریح میں زیادہ کرتے تھے مگر کچھ
 کتابہ کہ یہ جواب بہت صاف ہو اور حاصل قراءت یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے والعصر و نواب الدہر سے اشارہ
 کیا کہ بیان والعصر سے دہر مراد جو زمین طرح طرح کے تغیرات واقع ہوتے ہیں تو انسان جاہل بے عقل ہو جو دہر پر مطمئن ہو کہ
 آخرت سے غافل ہو جاتا ہو۔ نواب الدہر و نواب الزمان وہ زمانہ کے حوادث جو اوقات مختلفہ میں واقع ہو اترتے ہیں اور دہر
 میں انسان پر یہ باتیں ظاہر ہیں اور آخر موت ہی پھر قولہ وانہ فیہ الی آخر الدہر۔ یہ افادہ حضرت علی و ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے
 بہت نفیس ہوا کہ معنی یہ کہ انسان دہر میں ابد الابد تک باقی ہو کہی فنا نہ ہوگا پس جو کوئی یہاں سے خسارت نہ لاکے میں
 گیا وہ ابد الابد تک بر باد ہوگا عذاب و شدائد اس کے واسطے لازم ہیں لغو بذات اللہ من انفسہ۔ امام رازیؒ نے کہا کہ قولہ
 اسکی تفسیر میں چند اقوال ہیں قول اول۔ اس سے مراد دہر ہو اور اس قوال کے چند دلائل ہیں وجہ اول یہ کہ آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دہر کی تم کھائی ہو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی والعصر و نواب الدہر پڑھتے تھے لیکن یہ مطلب نہیں کہ
 نماز میں یہ قراءت پڑھتے تھے کیونکہ اس سے نماز جاتی ہے بلکہ یہ مطلب ہو کہ بطور تفسیر کے اسکو سناتے تھے اگر کوہ پھر (والدہر) جاکے
 والعصر کے کافی تھا (جواب) شاید اس لیے دہر نہیں فرمایا کہ دہر یہ فرقہ خود دہر کی یہاں تک تفہیم کرنا ہو کہ دہر ہی کو خدا کہتا ہو
 اور پہلے بیان ہوا کہ قسم سے ایک قسم کی تکریم ضرور ہوتی ہو بلکہ قولہ تعالیٰ بل الی علی الانسان حین من الدہرین دہر یہ فرقہ کا قول مٹا دیا
 وجہ دوم یہ کہ دہر میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجائبات واقع ہوتے ہیں جس سے انسان کو وحدانیت الہی کی تنبیہ ہے کیونکہ
 دہر ہی میں سند رستی و بیماری اور فراخی و تنگدستی اور محتاجی و توکلری واقع ہو اترتی ہو بلکہ رستے زیادہ عجیب یہ کہ عقل اسکو معدوم
 نہیں تصور کرتی کیونکہ دہر کے ٹکڑے سال و ماہ و دن و ساعت ہیں اور ان میں سے بعض کم و بعض زیادہ ہو اور وہ ماضی و مستقبل
 ہوتا ہو تو کیونکہ عقل اس کے معدوم ہونیکا حکم لگا دے اور ساتھ اس کے موجود ہونے کا حکم لگانے سے بھی عاجز ہوا اس لیے کہ حکم لگانے
 کے لیے زمانہ حاضر ہی اور رد ایک آن ہو جو تقسیم کے قابل نہیں ہو اور اس سے پہلے ماضی ندارد ہو چکا اور مستقبل موجود نہیں ہوا
 بلکہ معدوم ہو تو کیونکہ اس پر موجود ہونے کا حکم لگا دے۔ خلاصہ یہ کہ دہر میں زیادہ عجیب کیفیت یہ کہ معدوم ہونے اور
 موجود ہونے دونوں کا حکم لگانے سے عقل مشکل میں ہو وجہ سوم یہ کہ دہر قابل تکریم ہو اس لیے کہ آدمی کی باقی عمر بہت اچھی
 چیز ہو حتیٰ کہ اسکی قیمت قیاس نہیں کر سکتا اس لیے کہ فرض کرو ایک شخص نے ہزار برس کفر و بدکاری میں تباہ کیے اور ایک
 ساعت باقی رہی اُس میں توبہ کر کے ایمان لایا اور مر گیا تو وہ جنت میں ابد الابد رہیگا تو وہ جان لیگا کہ یہی ساعت تھی
 جسکے عوض یہ جنت ملی جسکی نظیر قیاس سے باہر ہو اور واللہ اُس میں سے ایک بالشت کی قیمت یہ تمام دنیا ہزار بار نہیں ہو سکتی
 ہو اور یہ اسی آخری ساعت کے عوض میسر ہو اُس پر عصر بھی اہل نعمتوں میں سے ہو مترجم کتابہ کہ حدیث میں ہے کہ ایک
 اعرابی سفر میں چلتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بکارنے لگے اور حاضر ہو کر کہا کہ مجھے ایمان سکھائیے آپ نے
 سکھلایا اور وہ سچے دل سے ایمان لائے پھر کچھ دیر نہیں گزری تھی کہ اُنکا اونٹ بدکا اور وہ سر کے بل گر کے مر گئے تو آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے کام بہت کم کیا اور اسکا اجر عظیم دیا گیا پھر آپ اُس کے سرھانے بیٹھے خوش تھے کہ بیکار کسی

چند روزہ ہو سوائے کھانے پینے کے کس کام کی ہو اور وہ لعنت ہو اور کفار و مشرکین کی دانا ئی صرف اسی دنیا کی متاع حاصل کرنے کے لیے ہو جبکا انجام تم کو معلوم ہو گیا اور یہ لوگ صبح اپنے رب عزوجل سے منکر بین اور سرگزا سکی الوہیت کو نہیں سمجھتے تو عقل کہاں رکھتے ہیں لہذا اللہ تعالیٰ نے صاحبین بندوں کا حال بیان کیا کہ - **وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ** - اور باہم ایک دوسرے کو حق کے ساتھ وصیت کی ف یعنی نصیحت و تاکید کرتے ہیں کہ اوی بھائی خبردار نفس و شیطان کے فریب میں نہ آنا اور شیطان کے تابع ہونے والے بکثرت کفار و مشرکین بصورت انسان ہیں انکے بھکانے میں نہ جانا بلکہ حق کو صدق یقین کے ساتھ مضبوط پکڑے رہنا۔ **وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ** - اور باہم ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی ف یعنی اوی بھائی یہ باتیں نفس پر گراں گزرتی ہیں کہ ہر طرف کفار و مشرکین اور انکے ساتھی عیش و ثروت میں ہیں اور صاحبین بوجہ تقویٰ کے شہوات سے پرہیز کرتے ہیں تو یہ چند روزہ مشقت ہو اور موت ضروری چیز ہے جبکہ بعد ہمیشہ راحت ہو پس تحمل کیے ہو اور جب تم نے آخرت اختیار کی تو اس دنیا سے ملعونہ کے نہ ملنے سے بے چین نہ ہو کر احوال مفسرین قولہ تعالیٰ والعصر - داو قسم ہو اور العصر کی تفسیر میں اختلاف ہو ابن عباس رضی اللہ عنہما کہہ کہ العصر الدہر یعنی زمانہ مراد ہو کیونکہ ہمیں دیکھنے والے کے واسطے عبرت ہو اسلئے کہ ہمیں حالات کا تبدل و تغیر ہوتا ہو جس سے دلیل ملتی ہو کہ اس مخلوقات کا پیدا کرنے والا پاک عزوجل ہو جسکو تغیر و تبدل نہیں ہو بعض نے کہا کہ العصر سے پروردگار عصر یعنی زمانہ پیدا کرنے والے کی قسم ہے ہم نے بار بار اسی صورت میں کہا کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے ہم کو کسی کی قسم نہیں کھانا چاہیے لیکن اللہ تعالیٰ قادر مختار ہو وہ اپنی مخلوق میں سے جس چیز کی چاہے قسم کھاوے اس چیز کے واسطے البتہ بزرگی و فخر حاصل ہو ابن کیسان نے کہا کہ عصر سے رات و دن مراد ہو اسلئے کہ رات و دن کو (عصران) یعنی دو عصر کہتے ہیں صبح بھرئی نے کہا کہ زوال آفتاب سے غروب تک عصر ہو - قتادہ نے کہا کہ دن کی آخری گھڑی عصر ہو مقاتل نے کہا کہ نماز عصر مراد ہو جسکو صلوۃ الوسطیٰ کہتے ہیں - یہ قول ادلی و ارجح معلوم ہوتا ہو اسلئے کہ حدیث میں ہے کہ جس شخص کی صلوۃ الوسطیٰ جانی رہے تو گویا اسکے گھر والے و مال سب جاتا رہا (صحیح) اور اسلئے کہ نماز عصر کے ادا کرنے میں مشقت ہوتی ہو کیونکہ آخری دن میں لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے اور بازاروں کی خیرید فروخت میں تلے اوپر گرتے ہیں اگر کو کہ ابن عادل نے امام مالک سے نقل کیا کہ جو کوئی قسم کھاوے کہ میں زید سے عصر تک کلام نہ کروں گا تو اسکو لازم ہو کہ سال بھر کلام نہ کرے - جواب یہ کہ ابن العربی جو مذہب مالکیہ میں عالم ہیں یہ کہتے ہیں کہ امام مالک نے ایک سال اسلئے کہا کہ عصر کے منے مختل ہیں اور زیادہ سے زیادہ مقدار ایک سال بیان کی گئی ہے تو احتیاطاً قسم سچی ہونے کے لیے ایک سال رکھے متشافی نے کہا کہ ایک ساعت کلام نہ کرے تو سچا ہو جو اداے گا ولیکن اگر اسنے اس لفظ سے کوئی خاص نیت کی ہو تو اسکی نیت پر ہوگا (السراج) شیخ ابن کثیر نے لکھا کہ عصر وہ زمانہ ہے جو بین آدمیوں کے حرکات واقع ہوتے ہیں خواہ برے ہوں یا بھلے ہوں اور مالک نے زید بن اسلم سے روایت کی کہ العصر مراد یہی وقت عصر جو مشہور ہو ولیکن تفسیر میں قول ادل مشہور ہو (تفسیر السراج) اور بعض نے کہا کہ عصر سے زمانہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم ہے - ابن عباس رضی اللہ عنہما دہر مراد لیا اور ایک روایت میں فرمایا کہ دن کی ایک ساعت ہو - محدث فرمائی داؤد عبید و عبد بن حمید و ابن جریر و ابن المنذر و ابن الانباری نے روایت کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس طرح بڑھا کرتے تھے والعصر ولوا رب الدہران الانسان لغی خسروا نہ فیہ الی آخر الدہر الا الذین امنوا الخ - اور عبد بن حمید نے ابن سعد سے روایت کی

آخر تک پڑھ کے سنا دینا تھا پھر دونوں سلام کر کے جدا ہوتے تھے مترجم کتاب کو فتح البیان میں شعب الایمان بہیقی اور معجم اوسط طبرانی سے اس روایت کو نقل کیا اور کہا کہ اس کو ابو مرتبہ الداری صحابی نے روایت کیا ہے۔ فعلی ہذا شاہ عبدالعزیز بن حسن کی یہی کنیت ہو اللہ تعالیٰ اعلم۔ امام شافعی نے کہا کہ اگر سب لوگ اس سورہ میں غور کرتے تو سب کے لیے گنجائش ہو (ابن کثیر رحمہ اللہ) مراد یہ کہ اس میں علم کثیر ہے اور دین و دنیا کے منافع اس میں جمع ہیں واللہ تعالیٰ اعلم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهِۦٓ اَكْفَرٌ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۝ فَمِنْهُمْ شَقِیْقٌ ۝ وَتَوَّصَّوْا بِاَحْسَنِ مَا تَوصَّوْا بِالصَّبْرِ ۝

اور آپس میں تعید کیا کیے دین کا اور آپس میں تعید کیا سہارا

اس سورہ مبارک میں اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ انسان کی جنس مرد و عورت سب ہلاکت و خسارت میں ہیں انھوں نے دنیا اختیار لی اور اللہ تعالیٰ اپنے خالق مالک کو نہ پہچانا اور بعضوں نے اپنے قیاس سے اللہ تعالیٰ کا نام ایک ایسی چیز کے واسطے رکھا جس میں الہوت نہیں ہو تو انھوں نے بھی نہیں پہچانا اور آخرت و قرب منزلت و درخشان رحمت سے بے پروا اور غافل ہوئے تو جب تک دنیاوی زندگی چند روز و باقی ہی تب تک اس خرابی میں اور دنیا سے فانیہ پر مغرور رہے جب یہاں سے مرے تو یہ محسوسات سب جلا ہو گئیں اور وہاں موت آگاہ لے گئی جہاں عذاب الیم ہو۔ سب جنس انسان اسی حالت میں گرفتار ہو سوائے ان لوگوں کے جو سچی توحید پر ایمان لائے اور نیک اعمال کیے اور باہم ایک دوسرے کو حق پر ثابت رہنے کی اور صبر و تحمل کی نصیحت کی تو یہ لوگ اللہ اچھے رہے کیونکہ موت سے یہ لوگ دائمی نعمت میں پہنچے اور دنیا میں بھی انکا کچھ خسارہ نہ ہوا سوائے اسکے کہ انھوں نے سور کا گوشت نہ کھایا اور گندمی شراب نہیں پی تو یہ بعض نجس چیزیں ہیں اور باقی پاکیزہ چیزوں سے کھانے و پینے و لباس سے اللہ تعالیٰ نے منع نہیں فرمایا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ۔ وَالْعَصْرِ ۝ فَمِنْهُمْ شَقِیْقٌ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۝ خسارت میں ہوں یعنی بربادی و خرابی میں پڑا ہے۔ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ سوائے ایسے بندوں کے جو ایمان لائے و یعنی دل سے اللہ تعالیٰ کی شان کا یقین لائے جس شان کے ساتھ موجود ہو یعنی سب خوبیوں والا اکمل لا ملول و لا وعدہ لا شرک ہے جس شان سے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہو اس شان کے ساتھ یقین لائے۔ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۝ اور کام کیے نیک یعنی اپنے جسمانی اعضا و جوارح سے ایسے کام کیے جو اللہ تعالیٰ نے نیک فرمائے ہیں حتیٰ کہ شراب چھوڑنا نیک کام ہو اور زمانہ کرنا نیک ہو اس طرح سب برائیوں سے دور رہنا نیک ہو اگرچہ نفس پر یہ بات گران گزرتی ہے اور اُس سے رہا نہیں جاتا اور شیطان اُسکو وسوسہ دلاتا ہے کہ دیکھو اس قدر کثرت سے دنیا میں کفار و مشرکین ہیں اور بڑے بڑے حکماء ہیں اور دیکھو کہ اگر خدا کے محبوب نہ تے تو کیوں بادشاہت و عزت و ثروت سے ہوتے تو کیونکر تم اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہو جو ذلت و فقری و خواری میں پڑے ہو۔ یہ بندگان صالحین اسکو دکر دیتے ہیں کہ دنیاوی دولت اس دنیا کی چاٹ کے لیے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر جمیل بلند ہوا اور معجزات باہرات تمام عرب میں مشہور ہو گئے تو اُس کا فرنے چند مدت تک سکوت کیا حتیٰ کہ ایک مرتبہ کچھ اہل یمامہ کو لایا تھا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعد مجھے خلیفہ کریں تو میں اسلام لاؤں جب اُس سے مایوس ہوا تو کہنے لگا کہ ایک قوم پر سردار کریں حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ خبیث مجھے یہ چھری خرمالی مانگے تو نہ دوں گا اور آپ نے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو اسکے غیث باطن سے آگاہ کیا تھا۔ جب مسیلہ خبیث یمان سے واپس گیا تو یمامہ والوں کو بہکانے لگا یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخر حیات میں اُسے زور بکڑا اور بعد وفات شریف کے جب اعراب مرتد ہوئے تو اُسکا کام کچھ قوت پکا گیا تھا کہ خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت خلیفہ اول صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اصحاب کا لشکر بھیجا۔ ہر چند کہ یہ لشکر بہت قلیل تھا اور یمامہ کے لوگ بکثرت تھے اور عمدہ ہتھیاروں سے مسلح تھے لیکن ثمامہ بن اُثال رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے اگلی ہو گئے اور اسطرح بعض قبائل الگ ہوئے اور اسلام اُنکے دلوں میں جم گیا تاہم مسیلہ کذاب بڑا لشکر لایا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کے اصحاب رضی اللہ عنہم کو ایسی قوت دی کہ انھوں نے کافروں کو قتل کیا اور مسیلہ کذاب بھی مارا گیا۔ یہ مختصر حال تھا اور اب میں اُس روایت کی جانب رجوع کرتا ہوں جو شیخ ابن کثیرؒ نے لکھی ہے کہ قریش نے عمرو بن العاص کو ایلیجی کے طور پر یمامہ میں بھیجا ارشاد اسیلے بھیجا ہو کہ باہمی اتفاق کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ کریں مسیلہ کذاب نے عمرو بن العاص سے پوچھا کہ اچھل تمھارے صاحب پر کیا نازل ہوا ہے (مسیلہ کذاب کا مطلب یہ تھا کہ تمھاری قوم قریش میں جو پیغمبر ہو اس پر کیا وحی نازل ہوئی ہو کیونکہ مسیلہ کذاب یہ دعویٰ کرتا تھا کہ وہ یمامہ والوں کا پیغمبر ہے اور کہتا تھا کہ اے اہل یمامہ بھلا قریش تم سے کس بات میں بڑھکر ہیں تم لوگ مال و دولت اور قوت و کثرت سب باتوں میں اُن سے بہتر ہو اور قریش میں اگر پیغمبر ہے تو تم میں بھی مسیلہ پیغمبر ہے اُس پر ہمیشہ جب ریل وحی لاتا ہے اور قریش کو لکھا تھا کہ زمین آدمی تمھاری ہے اور آدمی میری ہے لیکن تم ظلم کر کے زیادہ لیتے ہو) عمرو بن العاص چونکہ اُس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے اُس سے کہنے لگے کہ میں نے اُنکے بعضے یاروں سے سنا کہ ایک چھوٹا بلخ پر معانی سورہ پڑھتے تھے وہ یہ ہے۔ والعصر ان الانسان لفی خسر۔ آخر تک سنایا مسیلہ کذاب نے کچھ دیر سرنچا کیا پھر سر اٹھا کر کہنے لگا کہ مجھ پر بھی اسکے مثل نازل ہوا ہے وہ یہ ہے۔ یاد رہے بادیرا نما انت اذنان و صدر و سائرک حفروا نقر۔ ترجمہ اے میرا دیر تیرے فقط دوکان اور سینہ پر اور باقی مسیح پوچ ہو دیر تلی کے برابر ایک جانور ہوتا ہوا اسکے کان بڑے اور سینہ چوڑا ہوتا ہے اور باقی بد صورت ناکارہ ہوتا ہے مسیلہ بڑھکر کہنے لگا کہ اے عمرو انصاف سے سچ کہنا اپنے صاحب کی جانب داری نہ کرنا تم بتاؤ کہ کس سورہ اچھا ہے مسیلہ زمانہ سابق میں عمرو بن العاص کا بڑا دوست بننا تھا۔ عمرو بن العاص کو اُسکے ہذیان بہودہ پر ایسا غصہ آیا کہ اُس سے بے ساختہ کہنے لگے کہ اے مسیلہ واللہ تو خود جانتا ہے کہ میں یقین جانتا ہوں کہ تو جھوٹا ہے ابن کثیرؒ نے کہا کہ اس حکایت کے معنی کو خراطلیؒ نے اپنی کتاب مساوی الاخلاق میں سن کر لکھا ہے کہ مسیلہ کذاب نے اس ہذیان سے چاہا کہ قرآن مجید و کتاب جمید کا مقابلہ کرے حالانکہ ایسا لغو کلام کیونکہ اعجاز کلام رب العالمین کے مقابلہ میں راج ہوگا چنانچہ عمرو بن العاص جو اُس وقت بت پرستی میں پڑے تھے اُن پر بھی مسیلہ کا چلن نہ چل سکا طبرانیؒ نے مسند کیا کہ عبید اللہ بن حصن نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے دو شخص تھے کہ جب دونوں میں ملاقات ہوتی تو جدا ہونے سے پہلے دونوں میں ایک اس سورہ کو

ولیکن ہم اولیاء اللہ مشائخ عارفین کے کلمات کو موافق قرآن و حدیث کے پاتے ہیں حتیٰ کہ انھوں نے فرمایا کہ حدیث میں ہر کہ سب سے زیادہ تیرا دشمن ہے تیرا نفس ہے جو کہ تیرے دونوں پہلو کے بیچ میں ہے۔ ہم نے اسپر یقین کیا اور اس دشمن کے کفر سے بچنا چاہا تو حدیث دیگر میں ہر کہ تم میں سے کوئی ایمان والا نہیں ہوگا یہاں تک کہ اسکا نفس تابع ہو جاوے اس چیز کے جو میں الایاہوں۔ مد مطلب یہ کہ قرآن و حدیث کے تابع ہو پس ہم نے قرآن سے اللہ تعالیٰ کے صفات الوہیت و وحدانیت کو پایا اور حدیث ظاہری طہارت کے معنی سکھے اور باطنی طہارت کے معنی سکھے یعنی شیطان اپنی سوئڈ انسان کے دل پر رکھتا ہے جب اُسے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا تو خناس ہو جاتا ہے یعنی فوراً کھسک جاتا ہے اور حدیث سے اخلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سکھے پس ظاہر و باطن اور دل کی حفاظت میں اہتمام کیا اور بکثرت اللہ تعالیٰ کی یاد کی اور شریعت حقہ کے پابند ہوئے۔ ہر چیز کہ نفس نے زور کیا اُسکو دبا یا یہاں تک کہ نفس بے دینے مر گیا جیسے کسی کو بھوک لگی اور کھانے میں دیر ہو تو وہ مانگتا ہے پھر زیادہ بھوک لگی حتیٰ کہ وہ مضطرب ہو اور لیکن تیاری میں دیر ہو آخر بھوک مر گئی اسی طرح نفس کی خواہش مر جاتی ہے اور نورانی باطن شریعت کے نیک اعمال بجالانے میں مستغرق ہو تو آدمی اپنے نفس کو بھول جاتا ہے اور ارادات الہیہ اُس میں نزل کرتی ہے یہی نفس کشی ہے اور اس حالت میں اول مرتبہ ولایت ہو اور ترقی سے کرامت ہو اور یہی وصل بحق بندہ ہے پس یہ بندہ اگرچہ اپنی ذات میں بندہ ہو ولیکن اپنی خودی سے فراموش ہو جو ارادات آتے ہیں تابع شریعت ہیں اور اگر بارادات الہیہ ہوں تو ابال میں سے ہو جاوے فاحفظہ واللہ تعالیٰ البیادى الى الحق و ہر اطلق لعلیٰ اعظم۔ شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا کہ یہ یقین یہ کہ قلب پر وہ کھول دیا جاوے یہ بھی ہم کا قول ہے شیخ فارس نے لکھا کہ علم الیقین البیادى علم ہے کہ اُسکو اللہ تعالیٰ اسرار میں ودیعت رکھتا ہے شیخ خراز نے فرمایا کہ عین الیقین یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انکے اسرار و ارواح کے وسط تجلی فرما کر انکے قلوب سے حجاب دور فرماتا ہے۔ بعض نے کہا کہ فنا کے بعد بقا یہی عین الیقین ہے و الحمد للہ رب العالمین

سورة العصر مکیة و ثلاث آیات

اس سورہ مبارک میں تین آیات ہیں جو وہ کلمات اور اڑسٹھ حروف ہیں (السراج وغیرہ) ابن عباس و جمہور علماء روایت ہے کہ یہ سورہ مکہ ہے اور قتادہ سے روایت آئی کہ یہ مدنیہ ہے (ف) خطیب نے لکھا کہ ابن عباس و عباده رحمہ سے روایت کیا گیا کہ یہ مدنیہ ہے مترجم کہتا ہے کہ شیخ حافظ سیوطی نے اتقان میں اس کے مکہ ہونے میں کچھ اختلاف ذکر نہیں کیا پس شاید جن روایتوں سے اختلاف بیان کیا جاتا ہے یہ روایتیں ضعیف ہیں اور صحیح قول یہ کہ سورۃ العصر مکہ ہے۔ شیخ حافظ ابن کثیر نے اس سورہ کی فضیلت میں لکھا کہ علماء و سیرت نے راویوں سے ذکر کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اسکے بعد عمر و بن العاص بن دائل لہمی جو قریش کے اشرف میں سے تھے اور آخر مسلمان ہو گئے ہیں انکو قریش نے یمامہ بھیجا اور عمرو بن العاص اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے مترجم کہتا ہے کہ بظاہر اس وقت مسلمان نہ ہونے قریش میں نبوت کی خبر شکرانے لیے نبوت کا دعویٰ کر لیا تھا کیونکہ وہ یمامہ میں پہلے ہی سے قوم گمراہ کا پیشوا بنا ہوا تھا یہی جہت سے قریش ہمہ الرحمن الرحیم نہیں کہتے تھے کیونکہ یمامہ کے لوگ اس خبیث مسیلحہ کو رحمن الیامہ کہاتے تھے اور حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب

لوچھے جاؤ گے (اسناد مرسل) امام احمد و ابن مردودہ نے ابو قتادہؓ سے حدیث روایت کی کہ میری امت میں ایسے لوگ ہونگے کہ کبھی وہ شہد ملا کر میدہ روٹی کے ساتھ کھا دینگے (حدیث مرسل) **فشیخ ابن العربیؒ نے لکھا کہ** قولہ تعالیٰ **الماکم التکافر الخ** یعنی تمکو دنیا کی محسوسات لذتوں نے اور خیالی خواہشوں نے غافل کیا کیونکہ تم نے حجاب میں پڑے اور تم نے ان چیزوں میں اپنا کمال خیال کیا اور ان چیزوں کی لذت میں ایسے غرق ہوئے کہ جو باقی نعمتیں حقیقی ہیں اپنے روحانی کمالات انکو نہ جانا بلکہ ان متاع دنیاوی میں یہاں تک فخر کرنے لگے کہ مال و اولاد کی کثرت کو اور باپ دادوں کی شرافت کو تم نے مردہ لوگوں سے ملایا یعنی دنیاوی موجودات ہی پر فخر موقوف نہ رکھا بلکہ سٹری ہوئی ہڈیوں سے فخر کرنے لگے کیونکہ تم پر حجاب غالب ہو اور خیالات کی لذت نے ہجوم کیا اور وہم پر شیطان نے اپنا تسلط کر لیا یہاں یہ معنی کہ تم اسی حجاب و وہم و خیالات میں پڑے رہے یہاں تک کہ مرے اور جا کر قبروں سے ملاقات کی مترجم کہتا ہے کہ یہ قبروں میں ورود بطور زیارت اسلئے فرمایا کہ پھر یہاں سے صدور ضرور رہے جیسے فرمایا **یومئذ یصدر الناس اثنا عشر دواعی الخ** یعنی وہ دن ہو کہ جس دن لوگ چلیں گے متفرق تاکہ اپنے اعمال دکھلا کے جاویں یعنی قبروں میں اعمال کی صورت تو دیکھ چکے تھے اب ان اعمال کا انجام دکھائے جاوینگے (ترجم) قولہ **کلا سوف تعلمون الخ** یہ بھڑکی ہو کہ تم لوگ جو دنیاوی چیزوں میں مشغول ہو اسکا انجام خواب ہو تم لوگ عنقریب جانو گے یعنی جب یہ بدن جو وہم و خیال کا گھڑی موت سے خراب ہوگا اور یہ محسوسات کا حجاب دور ہوگا گو یا تم خواب سے جاگو گے تو تم کو اُس وقت معلوم ہوگا کہ ان محسوسات و وہمات میں مشغول ہونا بد انجام تھا اسلئے کہ یہ چیزیں خود بہت جلد فنا ہو گئیں اور انکا وبال باقی رہا اور انھیں کی آگ میں تم جلنے رہو گے اُس وقت تمھارا یہ جاننا کچھ مفید نہ ہوگا اسلئے کہ جن اوزار کے ذریعہ سے تم کو کمالات حاصل ہوتے وہ جاتے رہے قولہ تعالیٰ **کلا لولعلون الخ** یعنی اگر تم نے نورانی لذات کا کچھ مزہ بھی چکھا ہو تا جو حقیقت میں باقیہ ہیں تو تم کو البتہ بے انتہا حسرت ہوئی کہ ہمارے کس حسیات و وہمات میں عمر برباد ہوئی اور کن لالچے چیزوں میں پڑے کہ ہم ان حقائق سے غافل ہوئے۔ قولہ تعالیٰ **لترن الحجیم الخ** یعنی واللہ تم ناچھیم دیکھو گے پھر ضرور اسکو عیاں آچکھو گے۔ قولہ **لنسلکن الخ ابن العربیؒ نے اس کے اشارہ میں عجیب معنی بیان کیے** چنانچہ کہا کہ اُس دن تم سے یہ سوال ہوگا کہ نعم کیا ہے یعنی نعم وہ دنیاوی چیزیں یقیناً جنکو تم نے حجیم میں دیکھا ہے یا نعم یہ باقیات صالحات ہیں جن کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلاتے تھے (خلاصہ) **عرالس بن ہر کہ** اللہ تعالیٰ کے کلام سے معلوم ہوا کہ علم یقین پہلے ہونا ہے پھر جب دیکھ لیا تو وہ عین الیقین ہو جاتا ہے حق الیقین یہ ہو کہ بندہ یہ جان لے کہ حجیم اللہ تعالیٰ کے غضب کا مظہر و مقام ہے **لیکن اُسکی** کہ حقیقت کو نہیں پہونچ سکتا ہوا اسلئے کہ بندہ حادث ہو اور حق تعالیٰ قدیم ہے اور حادث سے محال ہے کہ وہ قدیم کی صفت تک پہونچ سکے اور اُسکی کہ حقیقت جان سکے مترجم کہتا ہے کہ اولیائے امت سب متفق ہیں کہ بندے سے حادث کی صفت کبھی زائل نہیں ہوتی ہے **لیکن عوام الناس بحق ولی کے** معنی اپنے قیاس سے یہ لگاتے ہیں کہ وصال وہ جو مل گیا جیسے قطرہ جا کر دریا میں مل گیا اور ایسے منطقی فلسفی خیال کے لوگوں نے بعض مشائخ کے قول وحدۃ الوجود کے یہ معنی نکالے کہ ممکن وہاں جب میں فقط خیالی اعتباری فرق ہو چنانچہ اگر قید یقین اعتبار کی جاوے تو ممکن ہے اور اگر اطلاق اعتبار کریں تو یہ ہوا ہے کہ یہ قول ایسے فلسفی دماغ سے سرزد ہوا جو ملاحظہ یونان کی پیروی میں اپنے آپکو کامل سمجھتا ہے اور شریعت پاکیزہ کے اصول قرآن و حدیث و حکماء عارفین کے قلبی مقامات سے محض جاہل ہو تو ایسے شخص کی بات دہی یقین کرنا جو شیطان کو اپنا پیشوا بناوے

اسکے زندگی کس کام کی پس وہ اسی لیے ہتیار ہا کہ لذیذ چیزیں کھاوے اور نرم لباس پہنے اور لہو و لعب میں اوقات صرف کرے اور علم و عمل کی اُسکو کچھ پروا نہیں ہو اور نہ انکی تخلیف میں بڑنا پسند کرنا ہو تو ایسے شخص کے حق میں ملامت و سوائق بر خلاف اسکے جسے نعمتوں و لذیذ طعام سے اللہ تعالیٰ کی عبادت پر قوت چاہی و شکر کیا تو وہ اس حکم سے بہت دور ہو کر ہوا ابو السعد درم) مترجم کہتا ہو کہ یہ حکم جو شیخ نے موافق خطیب و غیرہ بیان کیا تو یہ اصل ہے یعنی دلیل شرعی سے یہی حکم ظاہر ہوتا ہو کہ لذیذ طعام و غیرہ جائز ہو لیکن اسکے ساتھ یہ بھی بیان کرنا ضرور ہو کہ نفس انسانی عادت کا پابند ہوتا ہو اور جب تو نے نفس کو اچھے کھانے اور اچھے لباس اور نواڑ کے پلنگ کا عادی کیا تو اُسے ایسے راحت پسند نفس سے مشقت اٹھنا مشکل ہو خصوص جبکہ بدن بوجہ کثرت خون و بلغم کے بوجھل ہوا اور نیند کے غلبہ میں مغلوب ہوا تو خود بخود قلب عاقل ہوگا۔ پھر اگر کسی وقت میں نفس کو یہ غذا میسر نہ ہوئی تو ضرور ہو کہ خشک غذا سے منہ ہٹا دے اور یہ ناشکری ہو اور خواہ مخواہ اچھی غذا کے لیے وہ در بدر محنت و مشقت میں اوقات راگن کر لگا تا کہ زیادہ روپیہ چل کرے جس سے یہ سامان میسر آوے اور جس کسی کے بدن پر لباس عمدہ ہو تو اُسکا نفس ایسے لباس کے لائق فرش عمدہ و مکان نفیس چاہیگا اور جب یہ ہوا تو سواری کا طالب ہوگا۔ اور یہ سب نفس کے لیے حیات آخرت کے ذخیرہ سے خسارہ ہو اور معلوم ہوا کہ ایک چیز کے سلسلہ سے بہت سے سلسلہ پیدا ہوتے اسی لیے اکابر علماء و مشائخ نے عموماً نصیحت کی کہ دنیا سے زہد و بے رغبتی عین سلامتی ہو اور جو اس خطبہ میں پڑا اُسکو شیطان نے مات دیا پھر واضح ہو کہ منظر جو یہ بہتر ہو کہ محجب حال انسان درمیانِ چال چلے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے رزاق ہو و ہوا رحم الرحیم۔ پھر واضح ہو کہ جن علماء نے یہ کہا کہ سوال مذکور کا فروع سے اُسوقت ہوگا جب جہنم میں داخل ہو جاوے جیسے قولہ تعالیٰ اذ سبتم طیباً تکم فی حیو تکم الدنیا۔ یعنی تم لوگ اپنی دنیوی زندگی میں اپنی لذیذ چیزیں لے چکے ہو۔۔۔ ان علماء کی دلیل یہ ہو کہ اولاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لرو نہا عین البقین یعنی تم لوگ حجیم کو عین البقین سے دیکھو گے۔۔۔ یہ دیکھنا اسی طرح کہ وہ آگ میں داخل ہوں گے اور دور سے بیشک دیکھینگے تاہم اُسکی حرارت و عذاب کا علم نہ ہوگا کیونکہ وہ کیفیات کی قسم سے ہو تو آواز مالش پر ہوگا اُسکے بعد فرمایا۔ ثم لتسلسن الی پھر تم بوجھے جاؤ گے۔۔۔ تو معلوم ہوا کہ جہنم میں داخل ہو جانے کے بعد سوال ہوگا اور بعض دیگر علماء رحم نے کہا کہ (تم) یہاں بیان کی تاخیر ہو یعنی پھر ہم یہ بیان کرتے ہیں فعلی بذماتل ہوا کہ یہ سوال داخل جہنم سے پہلے ہو۔ واضح ہو کہ ابن ابی حاتم (تم) یہاں مردہ بنے زید بن اسلم تابعی سے اس سورہ مبارک کی پوری تفسیر حدیث سے روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا۔ الہاکم الکافر۔ تم کو نکاثر نے غافل کیا۔۔۔ یعنی طاعت الہی سے جی زر تم الغابر۔ یہاں تک کہ تم نے قبروں کی زیارت کی۔۔۔ یعنی یہاں تک غافل رہے کہ تمہاری موت آگئی۔ کلا سوف تعلمون۔ یعنی جب تم قبور میں داخل ہو گے تو جان جاؤ گے۔۔۔ اور وہ زمانہ قریب ہی۔ ثم کلا سوف تعلمون۔ یعنی پھر جب تم قبروں سے نکل کر محشر میں جاؤ گے تو جان جاؤ گے اور وہ بھی دوبارہ نہیں ہو۔ کلا لو تعلمون علم البقین۔ یعنی کاش تم کو واقفیت ہوئی کہ جب اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہو گے تو تمہارا یہ اعمال کیسے ہونگے۔ لرو نہا حجیم۔ یعنی حجیم ضرور دیکھو گے۔ یہ اس لیے کہ صراط عین وسط جہنم پر رکھا جائیگا تو نجات پانے والا کو را بجا اور جسکے خراش ہو چکی وہ بھی بچ گیا اور جو کانٹے بن الجھاوہ نار جہنم میں گرا۔ ثم لتسلسن یوسید عن النعیم پھر تم اُس روز پوچھے جاؤ گے نعیم سے۔ یعنی پیٹ بھر نے اور ٹھنڈے پانی اور گھرون کے سایہ اور تسدرستی باعتبار خلق اور خراب کی آفت

اپنا رسول بھیجا۔ مگر حکم کرتا ہر کہ یہ قول لطیف ہو لیکن کفار میں یہ سمجھ نہیں تھی رازیؒ نے کہا کہ اولیٰ یہ کہ مستبسم کی نعمتوں کو نشان رکھا جاوے اور نعیم نمبر نہ کل ہر اور یہ سب اُسکے اجزاء ہیں جبے تر باق بہت سی چیزوں کا مجموعہ ہے تو تر باق کہنے سے یہ سب دو آئین داخل ہو گئیں اسی طرح نعیم میں یہ سب داخل ہیں اور واضح ہو کہ نعیم اقسام میں بعض ظاہر ہیں اور بعض باطن ہیں یعنی جیسے خوبصورتی ظاہر ہے اور علم و عقل باطن ہیں اور بعض بدن سے متصل ہیں اور بعض جدا ہیں یعنی جیسے مکان و سواری وغیرہ اور بعض دینی ہیں اور بعض دنیوی ہیں اور یہ اجناس فی الجملہ بیان ہو سکتے ہیں لیکن ہر ایک چیز کے تحت میں انواع و اقسام ہیں اور ہر قسم کے بیشمار افراد ہیں تو ان کا بیان کرنا محال ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها۔ یعنی اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو شمار کرنا چاہو تو نہیں شمار کر سکتے ہو۔ پھر ہر قسم کی نعمتوں کے واسطے علیحدہ لوگ ہیں جیسے بدن کی صحت کی کیفیات کو طبیبوں سے دریافت کرنا چاہیے لیکن اگر تو طبیبوں کی حالت دیکھے تو تجھے معلوم ہو کہ وہ سب زیادہ غفلت میں پڑے ہیں اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو آسمان و زمین و ستاروں و دھوا وغیرہ میں دریافت کرے تو بخوبی معلوم و علم ہیماں و الارض سے پوچھتا و لیکن تو دیکھے تو یہ لوگ اپنے خالق عزوجل کے پہچاننے میں سب جہان سے بڑھکر جاہل ہیں اس طرح نظام سلطنت و حکومت کی نعمتیں بادشاہوں سے پوچھتا و لیکن تو دیکھتا ہے کہ بادشاہ خود تمام دنیا سے بڑھکر غافل جاہل ہیں اور ہاکم النکاشہ۔ میں پڑے ہیں یعنی دنیاوی مال و دولت پر فخر کرتے ہیں اور کچھ نہیں سمجھتے لہذا ابن السماکؒ نے ہارون الرشید خلیفہ سے کہا کہ اگر کبھی خلیفہ شکار میں صید کے پیچھے گھوڑا دوڑا کر ایک بیابان رگستان میں پڑ جائے جہاں سے لشکر نکالے ہو پختے ہو پختے لؤن کے جھونکے سے جان نسا ہوگی اور شدت پیاس سے زبان پر کانٹے پڑ گئے ہوں بھلا اسوقت ایک لوطا پانی کے عوض نصف سلطنت دینی منظور ہوگی۔ کہو کہ بہت خوشی سے دو ٹکا کہ میری جان بچ گئی۔ اگر کبھی پیشاب بند ہو کر جان پر بن جاوے تو نصف سلطنت دیدیگا حتیٰ کہ شدت درد میں کل سلطنت سے دست بردار ہوگا تو ہوش کرنا چاہیے کہ تو ایسی سلطنت پر کیا غرور کرے گا کہ پیشاب بہانے میں بہتی ہے اور بانی کا لوطا اسکی دونی قیمت ہے رازیؒ نے لکھا کہ حق ہے ہر کہ سوال بھی سب مخلوق سے ہوگا اسمیں مومن و کافر شامل ہیں اور نعیم بھی سب چیزوں کو عام شامل ہے خواہ وہ ضروری لا بدی ہوں یا نہ ہوں۔ کیونکہ سب چیزوں کو اللہ تعالیٰ ہی کی بندگی میں صرف کرنا واجب ہے اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز کسی بندے کے قدم اپنی جگہ سے ہلنے نہیں پاویں گے یہاں تک کہ اُس سے چار باتوں کا سوال ہو جاوے ایک اُسکی عمر سے کہ کس کام میں بربادی اور دوم اُسکی جوانی سے کہ کس محنت میں لگائی اور سوم اُسکے مال سے کہ وہ کہاں سے کمایا تھا اور کس صرف میں اُڑایا اور چہارم اُسکے علم سے کہ اُسکے ذریعہ سے کیا عمل کیا (حدیث صحیح) اور بعض روایات میں سوال اول و دوم اس طرح ہے کہ عمر کس خیال میں گزائی اور جسم سے کیا محنت اُٹھائی پھر واضح ہو کہ آیات مانند قولہ تعالیٰ قل ہی للذین آمنوا فی الحیوة الدنیا۔ اور قولہ کلوا من الطیبات و اعلموا صالحی۔ اور احادیث و آثار دلالت کرتے ہیں کہ اہل ایمان کے لیے لذت و پاکیزہ غذائیں جائز ہیں ابوالسعودؒ نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ ثم لتسلن بوملذات عن النعیم کے معنی یہ ہیں کہ پھر تم لوگ اس دن نعیم سے پوچھو جاؤ گے یعنی ایسی نعیم کا تم سے سوال ہوگا جسکی لذت میں گرفتار ہو کر دین سے غافل ہوے یہاں تک کہ مرے کیونکہ یہ خطاب ایسے لوگوں سے مخصوص ہے جسکی بہت ہمہ تن جھک پڑی کہ دنیاوی امور و لعب اور لذات خورد و نوش حاصل کرے اور اسنے کہا کہ بدن

عطر سازوں کے محلہ میں بیمار ہو جاتا ہے اور بھنگی کو عطر سے درد سر لاحق ہوتا ہے۔ ابن ابی حاتم نے اسناد جیدہ میں روایت کیا کہ عبد اللہ بن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے باپ زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے کہا کہ فوراً تعالیٰ تم لقسطن بوسد عن النعیم۔ نازل ہوا تو صحابہ رضی اللہ عنہ لگے کہ یا رسول اللہ ہم سے کس نعیم سے سوال ہو گا یہ تو یہی پانی پتھر ہے آپ نے فرمایا کہ آگاہ رہو کہ غفر یہ تم کو نعیم حاصل ہوگی۔

ردوہ احمد والترمذی وابن ماجہ۔ عکرمہ نے مرسل روایت کی اس میں مذکور ہے کہ جب صحابہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات کہی تو وحی کی گئی کہ گرم ریت سے جوتیان دین اور ٹھنڈا پانی دیا۔ یہ نعیم سے ہے (ابن ابی حاتم) ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ نعیم اسن وصحت ہے (ابن ابی حاتم) اور زید بن اسلم نے مرسل روایت کی کہ پیٹ بھرنا اور ٹھنڈا پانی و سایہ مکان اور طقت کا اعتدال یعنی تندرستی اور لذت خواب یہ سب نعیم ہیں سے ہے (ابن ابی حاتم) سعید بن جبیر نے کہا کہ شربت شہد مجاہد نے کہا کہ دنیا کی لذتوں میں سے ہر ایک لذت داخل نعیم ہے حسن بصری نے کہا کہ دو وقتہ کھانا۔ ابو قلابہ نے کہا کہ کھانا و شہد و روٹی منجملہ نعیم ہے ابن کثیر نے کہا کہ مجاہد کے قول میں سب باتیں شامل ہیں۔ علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نعیم صحت و تندرستی و کان و آنکھ ہونے سے سوال ہو گا یعنی بچھا جائیگا کہ تم نے ان نعمتوں کو کس کام میں صرف کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ بندوں نے کیا۔ قال ثناء ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنہ مسئولا یعنی کان دکاند دل ہر ایک سے سوال کیا جائیگا مترجم کہتا ہے کہ اس میں دو باتیں داخل ہیں ایک یہ کہ ان اعضاء سے سوال ہو کہ تم سے اس شخص نے کیا کام لیا ہے دوم یہ کہ اس شخص سے سوال ہو کہ تو نے ان سے کیا کام لیا ہے۔ صحیح میں حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو نعمتیں ایسی ہیں کہ بتیرے لوگ ان سے خسارہ میں پڑے ہیں بصحت و فراغت ہیں (البخاری والترمذی والنسائی وابن ماجہ) اُسکے معنی یہ ہیں کہ بہت لوگ ان دونوں نعمتوں کا شکر نہیں ادا کرتے تو خسارہ میں پڑتے ہیں (ابن کثیر) مترجم کہتا ہے کہ صحت و تندرستی میں جیسا انسان کو فکر و محنت سے فراغت ہو تو بہت اچھی طرح سا ان طاعات جمع کر سکتا ہے جو بہت بڑی نعمت ہے ولیکن بہت لوگ اس میں قصور و کوتاہی و غفلت کرتے ہیں اس لیے بہت بڑا خسارہ اٹھاتے ہیں فافہم دم) اور ابو بکر البزار نے حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کی کہ ازار سے اوپر جامہ اور سایہ دیوار اور روٹی نعمتیں ہیں کہ قیامت میں بندے سے اسکا حساب لیا جائیگا یا فرمایا کہ سوال کیا جائیگا۔ امام احمد رحمہ نے حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں بندے سے فرماویگا کہ ای ابن آدم میں نے تجھے گھوڑے پر اور اونٹ پر سوار کیا اور عورتیں تیرے جوڑے میں دین اور میں نے تجھے ایسا کر دیا کہ بخاری بھر کم سردار بنا پھرتا تھا اب تیرا کہ اسکا شکر کہاں ہے (ردوہ فی السنن) مترجم کہتا ہے کہ یہ تفسیر ابن کثیر کا خلاصہ ہے اور ان روایات سے معلوم ہوا کہ جو صورتیں اب سر و صحت وغیرہ کی بیان ہوئی ہیں وہ فقط مثال کے طور پر ہیں اور رازی نے لکھا کہ حسین بن الفضل نے کہا کہ نعیم یہ کہ شریعت آسان کی اور قرآن نازل فرمایا۔ اور امام باقر نے کہا کہ یہ عافیت ہے مترجم کہتا ہے کہ حدیث میں بھی دنیا و آخرت کی عافیت کو بہتر نعمت قرار دیا گیا ہے اور جابر جعفی نے کہا کہ امام باقر نے فرمایا کہ اگر تو کسی کو اپنے گھر میں لا کر دیوار کے سایہ میں بٹھا دے اور ٹھنڈا پانی پلاوے تو گویا اس پر احسان رکھیا۔ میں نے کہا کہ جی نہیں۔ تو فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ اگر تم سے اس سے احسان رکھے بلکہ نعیم جس سے سوال ہو گا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں قال تعالیٰ لقد من اللہ علی المؤمنین الآیہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان کیا کہ انہیں

ہیں اور دشمن سامنے ہوا جہاد کرتے ہیں تو کس نعمت سے ہم سے سوال ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ تم آگاہ ہو کہ نعمتیں عنقریب ملنے والی ہیں۔ مگر حرم کہتا ہے کہ اس روایت کی اسناد اچھی ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوا کیونکہ جب مدینہ میں فرض ہوا ہے اور جواب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ سورہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر تک صحابہ رضہ کو سنایا اور شاید یہ بار نزول ہو یعنی حکم آیا ہو کہ صحابہ رضہ کو سننا دین تاکہ اس ذیل میں مجتہد کے طور سے خبر دین کہ عنقریب تم کو فتوحات حاصل ہوں گی اور بالفعل مال و اولاد کے نکاح میں غفلت نہ کرنے پاوے مگر حرم کہتا ہے کہ بظہر یہ معجزہ اور اسی قسم کے دیگر معجزات اور زمین میں خلافت حاصل ہونا جو آیت میں منصوص ہے یہ سب حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت میں پورا ہوا تو صریحی بدیہی دلیل ہے کہ ان دونوں کی خلافت بالکل حق اور بی شک خلافت نبوت تھی اور اس سے وہی انکار کر گیا جسکے دل کی آنکھیں اللہ تعالیٰ نے اندھ کر دی ہیں کیونکہ صریح بدیہی واقعات سے انکار کیونکر ہو سکتا ہے اور روافض جو بنائی ہوئی روایتیں لاتے ہیں کہ انھوں نے اہلبیت رضی اللہ عنہم پر کچھ ظلم کیا تو یہ روایتیں محض باطل اور گڑھی ہوئی ہیں جو صحابہ رضہ و تابعین کے زمانہ میں ہرگز کوئی نہ جانتا تھا اور انصاف کر دو کہ جو بات آیت میں قطعی اور حدیث میں متواتر اور صحابہ و تابعین میں مشہور معروف اور آنکھوں دیکھی متواتر ہے ان سب کو چھوڑ کر جو کوئی ایسی روایات باتوں پر مغرور ہو تو سوائے گمراہی و ایمانی کے اس کا انجام کیا ہو تو ذل و الضلالہ۔ واضح ہو کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے قلیل جماعت مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم سے عرب کے بکثرت مرتدین پر فتح دی اور بعد اُس کے حضرت ابو بکر رضہ نے شام پر جہاد کیا اور فتوحات حاصل ہوئیں پھر آپ نے دو برس چار مہینہ کے بعد وفات پائی اور حضرت عمرؓ کو خلیفہ کیا اور آپ کے عہد مبارک میں قیصر و کسری و مقوقس مصر وغیرہ کی سلطنتیں فتح کر لی گئیں و اللہ اعلم و الامتہ امام احمدؒ نے حدیث عمر رضی اللہ عنہ سے مسند کیا کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر ظاہر ہوئے اور آپ کے سر مبارک سے بانی کا اثر ظاہر ہوتا تھا۔ ہم لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس وقت ہم لوگ آپ کو طیب النفس (چاق خوش) سمجھتے ہیں آپ نے فرمایا کہ ہاں ٹھیک ہے۔ پھر لوگوں نے تو نگری کی باتیں شروع کیں اور اُس کے حالات میں غور کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے تقویٰ رکھے تو اُس کے لیے تو نگری میں مضائقہ نہیں ہے اور متقی کے لئے تو نگری سے تندرستی بہتر ہے اور طیب النفس ہونا منجھ نعیم کے ہے و رواہ ابن ماجہ (ایضاً) ترمذی نے حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز نعیم سے سوال ہونے میں بندے سے جو سب سے اول سوال ہوگا یہ ہے کہ کیا ہم نے تیرے بدن کو تندرست نہیں کیا اور کیا تجھے سرد پانی سے سیراب نہیں کیا تھا (رواہ ابن حبان) مگر حرم کہتا ہے کہ سرد پانی کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ مقصود یہ کہ ایسی چیزیں جو عموماً غریب و تو نکر کو حاصل ہوتی ہیں جیسے عرب کے لیے سرد پانی ہے اور سرد ملکوں کے لیے آگ ہے۔ اور واضح ہو کہ بعضے نے تمیز لوگوں نے کہا کہ یورپ کے لوگوں میں قرآن مجید کی غریب باغ و سایہ و پانی کی نہیں اثر کر گئی کیونکہ وہاں سردی کی شدت ہے مگر حرم کہتا ہے کہ ای حق اگر کچھ میں عقل ہوتی تو سمجھ لیتا کہ یہ بلا صرف دنیا میں ہے اور وہاں ہر چیز فرحت ہے و لیکن جہنمی کی طبیعت ہی آگ سے مناسب ہے جیسے شیخ ابن العربی اندلسی صوفیؒ نے فرمایا کہ جہنمی بالطبع آگ سے موافق ہے حتیٰ کہ اگر وہ جنت کی ہوا پاوے تو بیمار ہو جاوے جیسے جہڑے کا کام کرنے والا

اجادت لے اگر جواب نہ ملے تو لوٹ آوے یہ اسکو معلوم نہ تھا بلکہ خود حضرت عمرؓ کو یہ مسئلہ معلوم نہ ہوا تھا حتیٰ کہ ابو موسیٰ شعی سے معلوم ہوا چنانچہ استیذان کی تفسیر میں گزر چکا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المہتمم کو دعا سے خیر دی پھر فرمایا کہ ابو المہتمم کو میں نہیں دیکھتا وہ کہساں ہو اسنے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ نزدیک ہی ہم لوگوں کے لیے بیٹھا پانی لینے گیا ہے انشاء اللہ تعالیٰ ابھی آتا ہوگا آپ لوگ تشریف لاوین۔ پس اُسے درخت کے سایہ میں فرس کر دیا اتنے میں ابو المہتمم رضی اللہ عنہ لوگوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوا (ابن جریر رحمہ کی روایت میں ہے کہ ابو المہتمم نے کہا کہ الحمد للہ آج مجھے اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہوا کہ کسی کی زیارت کرنے کو مجھے افضل کوئی نہ گیا ہوگا جیسے میری زیارت کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم افضل خلق تشریف لائے ہیں اور اپنے مشکیزہ کو درخت حزام کے کوبہ میں لٹکا دیا پھر درخت پر چڑھ کر اچھے اچھے گودھ حزام کے توڑے نو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابو المہتمم بس کرو آپ نے فرمایا کہ ای ابو المہتمم تم نے پوری گودھیں کیوں توڑیں اور کسے کسے کیوں نہ چن لیے (ابن جریر) ابو المہتمم نے کہا کہ یا رسول اللہ میں نے اسلئے گودھیں توڑیں کہ آپ لوگ خود اپنی پسند سے چاہیں بالکل بختہ کھاوین اور چاہیں گدڑ کھاوین اور چاہیں وہ لین چو بیچنے کی طرف سے سرخ ہو جلا ہو اور آپ ہی اپنی نظر سے جو دانہ پسند کریں گودھ میں سے توڑیں (ابن ابی حاتم) پھر چھری لیکر دُنبہ با بکری فرج کرتے چلا نوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ای ابو المہتمم خبردار دو دھار بکری فرج نہ کرنا (یعنی اگر خالی ہو تو فرج نہ کرو) پھر وہ بھرنے لگا حاضر کی اور آنحضرت معلوم و آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے کھائی (ابن جریر رحمہ) پھر ابو المہتمم ٹھنڈا پانی لائے وہ سب نے پیا (ابن ابی حاتم) پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ قیامت میں اس سے پوچھے جاؤ گے یہ نعیم میں سے ہے کہ تم کو تمھارے گھروں سے بھوک نے نکالا تھا پھر تم نے یہ نعمت پائی (ابن جریر رحمہ) اس حدیث کو نسائی و احمد وغیرہم نے روایت کیا ہے مترجم کہتا ہے کہ خطیب نے لکھا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا وہ لقمہ جو میں نے ابو المہتمم بن النہان کے ایمان کھایا تھا قیامت میں مجھے اسکا سوال ہوگا فرمایا کہ نہیں ای ابو بکر رضی اللہ عنہ بلکہ سوال تو کامنہ دون سے ہے مترجم کہتا ہے کہ مجھے اس زیارت کا پتہ نہیں معلوم ہوا اور تحقیق واللہ اعلم یہ ہے کہ سوال دو طرح ہوتا ہے ایک سوال بطریق منت و احسان کے جیسے حدیث صحیح میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز مومن کو نزدیک کر کے اُس سے اپنی نعمتوں کا اقرار لے گا۔ اور دوم سوال جو بطور حساب کے ہوگا جسکی نسبت حدیث صحیح میں آیا ہے کہ جس سے حساب لیا گیا وہ ہلاک ہوگا تو ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ حساب تو آیت میں ہوا اور وہ آیت پڑھی آپ نے فرمایا کہ ای عائشہ رضی اللہ عنہا یہ پیشی ہو یعنی مومن کے سامنے پیش کر دیا جاوے گا و لیکن جس سے حساب میں جھگڑا کیا گیا وہ ہلاک ہو جاوے گا پس خلاصہ یہ نکلا کہ اس حدیث میں جو ارشاد ہوا کہ قیامت میں اس سے سوال ہوگا تو مراد یہ کہ منت و احسان رکھا جاوے گا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ سے اگر روایت ثبوت ہو تو محاسبہ کے معنی ہیں جسکے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ای ابو بکر تم لوگوں سے محاسبہ نہیں ہوگا فافهم واللہ تعالیٰ اعلم۔ امام احمد نے محمود بن الرزیع رضی اللہ عنہ چھوٹے صحابی سے روایت کی کہ جب سورہ الدھاکم التکاثر آخر تک نازل ہوا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کس نعمت سے ہم سے سوال ہوگا یہ تو یہی پانی و کھجور ہو اور تلوار میں ہمارے کندھوں پر ہیں (ہر وقت مستعد قتال

کیا ہو کیا ہم نے تجھے تندرستی نہیں دی تھی اور کیا ہم نے تجھے ٹھنڈے پانی سے سیراب نہیں کیا تھا۔ بعض نے کہا کہ ضرورت سے زائد میں سوال ہوگا رازیؒ نے کہا کہ آیت میں ظاہر یہ کہ سب نعمتوں سے سوال ہوگا کیونکہ النعم بالفاء لام استفراق ہو جب کافرون سے سوال ٹھہرایا جاوے تو بعض کے نزدیک موقف حساب میں ہوگا اور بعض کے نزدیک جنہم میں داخل ہونیکے لیے ہوگا (خلاصۃ السراج) مترجم کہتا ہو کہ جن لوگوں نے کہا کہ ضرورت سے زائد میں سوال ہوگا اسکے یہ معنی ہیں کہ اگر کسی کو لذت بقویٰ عذرا کی ضرورت ہو تو بقدر ضرورت کے اُسکے لیے یہ غذا بھی ٹکڑے روٹی کے مانند ہو اور دلیل اس قول کے لیے حدیث ابو عصب رضی اللہ عنہ ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کیے ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات گھر سے باہر نکلے پس میری طرف سے گزرے تو مجھے بلایا میں ساتھ ہو لیا پھر ابو بکر رضی کی طرف گزرے اور انکو بلا کر ساتھ لیا پھر عمر رضی کی طرف گزرے اور بلا کر ساتھ کر لیا پھر چلے یہاں تک کہ ایک انصاری کے باغ میں داخل ہوئے اور مالک باغ سے فرمایا کہ تم کو کچھ کھلاؤ وہ ایک گودہ خرمائی توڑ لایا اور آپ کے سامنے رکھی پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے ساتھیوں نے اُس میں سے کھایا پھر وہ ٹھنڈا پانی لایا تو آپ نے پیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ قیامت میں اس سے سوال کیے جاؤ گے ابو عصب کہتے ہیں کہ یہ سن کر عمر رضی نے وہ گودہ لیکر زمین پر دی ماری کہ گدہ خرچ چھٹک گئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ اسی سے ہم لوگ قیامت میں پوچھے جاوینگے فرمایا کہ ہاں سو اسے تین چیزوں کے ایک وہ ٹکڑا کپڑے کا جس سے مرد نے اپنی شرمگاہ کو چھپایا اور دوم وہ ٹکڑا روٹی جس سے اُس نے اپنی بھوک کو روک لیا اور سوم وہ حجرہ جس میں اُس نے سردی گرمی سے آرام لیا (رواہ احمد منفرداً) مترجم کہتا ہو کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہو کہ ضرورت سے زائد میں سوال ہوگا اور واضح ہو کہ اس روایت سے ایسا معلوم ہوتا ہو کہ اس حدیث میں آپ مع اصحاب کے بھوکے نہیں تھے بلکہ اُس وقت گرمی کی رات میں صرف حرما دآب سرد چاہتا تھا اور دوسری روایت میں بھوک کا تذکرہ ہو چنانچہ ابن ابی حاتم نے مسند کیا کہ ابن عباسؓ بیان کرتے تھے کہ مجھے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کے وقت دھوپ کی طلپش میں باہر نکلے تو آپ نے ابو بکر رضی کو مسجد میں پایا اور فرمایا کہ اس ساعت تجھے کس چیز نے باہر نکالا۔ ابو بکر رضی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ جس چیز نے آپ کو نکالا اُسی نے مجھے بھی نکالا اتنے میں عمر بن الخطاب آئے اُن سے بھی آپ نے فرمایا کہ اس ساعت تجھے کس نے نکالا عمر رضی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ جس نے آپ دونوں صاحبوں کو نکالا اور عمر رضی بیٹھ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باتیں کرنے لگے پھر فرمایا کہ تم میں اتنی قوت ہو کہ اُس باغ حرما تک چلو تو وہاں تم کو کھانا پانی اور سایہ ملیگا۔ ہم نے عرض کیا کہ جی ہاں تو آپ نے فرمایا کہ اچھا ابو الہثم بن النہان انصاری کے بیان چلو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے آگے بڑھے اور باغ کے دروازے پر سلام کر کے تین مرتبہ اجازت چاہی (یعنی فرمایا کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہم لوگ آوین) ام الہثم رضی اللہ عنہا یعنی ابو الہثم کی بی بی دروازے کے پاس چپکی کھڑی تھی اور جابستی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام زیادہ فرما دیں ولیکن آپ تین مرتبہ کے بعد پھرے۔ جب ام الہثم نے دیکھا کہ آپ پھرے جاتے ہیں تو وہ دروازہ کھول کر دوڑی اور عرض کرنے لگی کہ یا رسول اللہ میں نے واللہ آپ کا سلام سنا تھا ولیکن میرے ماہی باب آپ پر تیرے ہاں ہوں میں فقط اس وجہ سے نہیں بولی کہ آپ سلام زیادہ فرماوینگے (یعنی سلام واللہ تعالیٰ کی رحمت سمیر زیادہ ہوگی ولیکن طریقہ سنت یہ کہ تین مرتبہ

بات جان لینا چاہیے کہ یقین پہلا مرتبہ ہر جب اخلاص حاصل ہونا ہی یعنی دنیا میں جو کوئی مسلمان ہوا تو وہ دنیا کی طلب بے تحاشہ سے
 نہیں بچ سکتا جب تک اسکو یقین نہ ہو اور جب یقین آیا تو اب خالص عمل کر لگا اور عوام کے لیے یہی آخری مرتبہ ہوا اور خاص بندوں
 کے لیے یہ پہلا مرتبہ ہر خطیب نے کہا کہ حدیث میں ہے کہ دلوں میں جو بہتر چیز ڈال دی گئی وہ یقین ہے۔ ۱۔ اسکا اثر یہ ہوتا ہے کہ جو
 حق ظاہر ہوا اسکو قبول کیا اور حق کے واسطے جو غائب ہو وہ بھی قبول کرتا ہوا اور حق کے واسطے حدود پر ٹھہرتا ہوا۔ الحاصل اللہ تعالیٰ نے
 اس سورہ مبارک میں بندوں کو ارشاد کیا کہ تم لوگ نادانی سے دنیا کے مال و اولاد کی ہمتا بیت میں غافل ہو گئے اور ایسے بہوش
 ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہدایت کرنا بھی نہیں سنتے ہو یہاں تک کہ قبروں میں اسی حالت سے پہنچ جاؤ گے۔ یہ سب
 چیزیں چھوڑ جاؤ گے اسوقت بہوش ہوا تو تمہارے کیا کام آویگا۔ ہوشیار ہو کہ جو کچھ تم سے کہا جاتا ہے وہ ضرور جان جاؤ گے کہ ہمارے یہ
 حق تھا پھر ہوشیار ہو کہ ضرور سکو جانو گے۔ آگاہ ہو کہ اگر بالفعل یقین کی آنکھ سے دیکھا جائے تو دنیا کا لگاؤ کیسا بلکہ سب کچھ
 بھول جاتے اور ہر گھڑی اللہ تعالیٰ سے عاجزی و زاری کے ساتھ عذاب سے پناہ مانگتے کیونکہ عذاب بہت شدید ہے۔
 اور اللہ تم لوگ ضرور جہنم دیکھو گے بلکہ ضرور اسکو عین یقین سے دیکھو گے۔ ثُمَّ لَنَسْأَلَنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ
 پھر اس روز ضرور پوچھے جاؤ گے نعیم سے ف۔ اس میں دو معنی جمع ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ دنیا میں مال و اولاد وغیرہ متاع
 کو نعیم سمجھتے ہو یعنی عیش کی نعمت جانتے ہو تو اس روز تم سے پوچھا جائیگا کہ بتلاؤ وہ نعیم بھی یا عذاب تھا اور آج تم کو کچھ
 مزہ یاد آتا ہو۔ دوم یہ کہ دنیا میں آخرت کے واسطے مخلوق ہوئے اور دنیا میں جو چیزیں از قسم صحت و عافیت وغیرہ دینی
 جب اُن سے آخرت کا سامان کیا جاوے تو بہت اچھی چیزیں ہیں تو ان نعمتوں کو پوچھا جاوے گا کہ تم نے کس طرح ان نعمتوں کو
 برباد کیا خطیب نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ ثُمَّ لَنَسْأَلَنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ۔ یعنی پھر جس دن تم جہیم کو عین یقین سے دیکھو گے اُس روز
 تم سے نعیم کو پوچھا جاوے گا۔ نعیم وہ چیز ہے جس سے دنیا میں لذت و راحت حاصل ہوتی ہے جیسے تندرستی و ضروریات فراغت
 ہونا اور اسن اور کھانا پینا وغیرہ۔ یہ سوال بطور حساب کے ہو گا اور مراد نعیم سے ایسی چیزیں ہیں جو طاعت سے غافل کر دین
 کیونکہ یہی بیان قرآنہ ہوا اور نصوص کثیرہ دلیل ہیں کہ بدون غفلت کے دنیاوی چیزیں جائز ہیں جبکہ قولہ تعالیٰ قل من حرم
 زینۃ اللہ الّٰتی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق۔ یعنی کدے اے پیغمبر صلعم کہ کس نے حرام کی اللہ تعالیٰ کی
 زینت جو اُس نے اپنے بندوں کے لیے نکالی اور رزق میں سے جو طیبات ہیں۔ کدے کہ یہ مومنوں کے لیے دنیاوی زندگی
 میں ہیں اور آخرت میں ہیں۔ ۲۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کُلُوا مِن الطَّيِّبَاتِ الْآیہ۔ یعنی تم لوگ پاکیزہ لذیذ چیزیں کھاؤ
 ۳۔ اور ظاہر آیت دلیل ہے کہ یہ سوال فقط کافروں سے ہو گا اس لیے کہ حسن بصریؒ نے بھی فرمایا ہوا اور اس لیے کہ کافروں ہی
 کو دنیا کی لذات نے اور لغات نے اللہ تعالیٰ کی طاعت سے اور اُن کے شکر سے روکا تھا تو اُس دن اس لیے سوال ہو گا تاکہ اُن کو
 معلوم ہو جاوے کہ جس بات کو اُنھوں نے اپنے واسطے سعادت ٹھہرایا تھا اور مومنوں پر فخر کرتے تھے کہ ہم اچھے ہوتے تو اس
 نعمت و عیش میں کیوں ہوتے اور تم لوگ خدا تعالیٰ کے نزدیک بُرے ہوتے تو فقیری محتاجی میں کیوں ہوتے تو اُس دن
 اللہ تعالیٰ اُنکو ملامت کر لگا تاکہ جان لیں کہ یہ امور اُنکے لیے سعادت نہیں تھے بلکہ اُنھیں اسباب سے شقی و بدبخت ہوئے
 بعض نے کہا کہ سوال مومنوں و کافروں سے ہو گا کیونکہ حدیث میں ہے کہ قیامت میں اول سوال یہ ہو گا کہ نعیم کا کیا کر

عظیم ہو تو وہ ضرور چھوڑ دے گا تو معلوم ہوا کہ جس نے دنیا کی طلب اس طریقے سے چھوڑی تو اسکو علم یقین نہیں ہو پس ایسے عالم سے پناہ کہ جو عمل نہ کرے لغو و بابت من علم لا ینفع ومن قلب لا ینشع۔ ایسے علم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ جو نفع نہ دے اور ایسے قلب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف عاجزی نہ لاوے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ تم ضرور دیکھو گے جہنم کو جس کا نام ہادیہ بھی ہو۔ ثُمَّ لَتَرَوُنَّ الْعِیقِیْنَ اِیَّاهُمْ اُسکو ضرور دیکھو گے عین الیقین دیکھنا ف قولہ لَتَرَوُنَّ مین لام تاکید و لَوْن تاکید دلیل قسم ہے یعنی واللہ ازلے یقین والو تم ضرور جہنم کو دیکھو گے۔ اِیَّاهُمْ نے کہا کہ اس میں دلالت ہے کہ یہ دیکھنا خواہ مخواہ ہوگا یعنی اگر تم اپنے خیال پر چھوڑے جاؤ تو کسی طرح نہیں پوچھو گے بلکہ حجم ضرور دیکھنا پڑے گی مترجم کہتا ہے کہ خطیب نے اسی قدر لکھا کہ اول دیکھنا قلب کی آنکھ سے ہوگا یعنی دوسرا دیکھنا عین الیقین ہو رازی نے کہا کہ اول دیکھنا دُور سے ہوگا جیسے قولہ تعالیٰ اِذَا رَاٰتِهِمْ مِنْ مَّكَانٍ بَعِیْدٍ اَلَا یَعْنٰی جَبَّ دُورِہٖ جہنم آنکو دیکھنیگی تو یہ لوگ اُسکا غیظ میں جوش مارنا اور کُرت آواز کرنا سنیں گے۔ ۱۔ اور قولہ یَقْبُرُ بَرْزَخِ الْجَحِیْمِ لَمِنْ ہَرٰی۔ یعنی جو دیکھ سکتا ہو اُسکے لیے حجم ظاہر کی جائیگی۔ ۲۔ اور دوسرا دیکھنا اُسوقت جب اُسکے کنارے پہنچنے کے مترجم کہتا ہے کہ آیت میں قسم سے منصوص ہے کہ تم لوگ حجم کو ضرور دیکھو گے تو یہ ہر شخص کے واسطے عام ہو پس اس سورہ مبارک کو سنکر جو لوگ لہو دنیا سے باز آئے تو وہ بھی دیکھیں گے اور جو کافر رہے وہ بھی دیکھیں گے اور تاکید مکرر سے فرمایا کہ عین الیقین دیکھو گے پس جب جہنم محشر میں آدگی تو عین الیقین نظر آدگی اور آخرت کی نظر تیز ہے وہاں کچھ غلط و شبہ نہیں ہو اور جو لوگ کافر رہے وہ جہنم میں ڈالے جاوینگے پس حاصل یہ کہ دوبارہ قولہ تم لَتَرَوُنَّ اِلَیْہِمْ کی تفسیر اسی قدر بہتر ہے کہ محشر میں جب جہنم لائی جاوے گی اُسوقت عین الیقین دیکھو گے مترجم نے یہ اس لیے کہا کہ جہنم کے کنارے جا کر یا جہنم کے اندر جا کر دیکھنا فقط کفار کے لیے ہے حالانکہ اس سورہ مبارک سے بہت لوگ ایمان لائے تو وہ اس حکم میں داخل ہیں ولیکن ضرور نہیں کہ وہ جہنم میں جاوین اور واضح ہو کہ حدیث سے ثبوت ہے کہ جہنم لائی جاوے گی یعنی اُس میں سے ایک ملاک لایا جاوے گا تو وہ غیظ میں اس طرح زور سے جوش مارے گی کہ اہل محشر حتیٰ کہ ملائکہ و پیغمبر بھی خوف سے گھٹٹوں کے بل جھک جاوینگے کیونکہ جہنم غضب الہی کا منظر ہے عظمت و ہیبت و ہول و دہشت سے سب عاجزی میں جاوینگے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کے آگے کوئی چیز وجود نہیں رکھتی ہے اور وہ غنی حمید ہو تو ہر ایک خوفناک ہو حتیٰ کہ انبیاء اُس روز نفسی نفسی کہیں گے ابن کثیر نے اسی حدیث سے تفسیر کی رازی نے لکھا کہ (لَتَرَوُنَّ) مین دو قراءت ہیں (ایک) ت کو فتح سے اور یہی جمہور کی قراءت ہے (دوم) ت کو ضمہ ہے تو معنی یہ کہ ضرور تم دکھلائے جاؤ گے حجم۔ اور یہ قراءت ابن عامر و کسائی رحم سے مروی ہے ولیکن دوسری جگہ تم لَتَرَوُنَّ۔ بفتح سب کی قراءت ہے تو شاید ابن عامر و کسائی کی قراءت کے معنی یہ کہ تم ضرور جہنم دکھلائے جاؤ گے پھر تم اُسکو ضرور دیکھو گے شیخ ابو علی الفارسی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ قولہ لَتَرَوُنَّ الْجَحِیْمَ کے معنی یہ کہ تم لوگ ضرور عذاب حجم دیکھو گے۔ ۱۔ سلیے کہ حجم کا دیکھنا تو مومنوں و کافروں کے لیے ثبوت ہے جیسے قولہ تعالیٰ اِنَّ مِنْكُمْ اِلَّا اُوْدًا۔ یعنی تم میں سے کوئی باقی نہ رہے گا مگر آنکہ جہنم سے اُسکا درد ہوگا۔ تو ضرور یہ معنی ہوئے کہ تم لوگ عذاب حجم دیکھو گے رازی نے کہا کہ جیسے دوسری آیات میں ہے یا مَنذُورُہُ لَہٗ اَذِیْرُوْنَ الْعَذَابِ اِلَیْہِمْ۔ یعنی جب کفار سمرکش عذاب دیکھیں گے۔ ۲۔ و قولہ تعالیٰ وَاِذَا رَاٰی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا الْعَذَابَ۔ یعنی جب کافر لوگوں نے عذاب دیکھا اِلَیْہِمْ رازی نے کہا کہ

یہ غلط ہے عنقریب جان جاؤ گے جب تمیر موت نازل ہوگی اور ملک الموت تمہاری روح قبض کرنے آوے گی۔ تم کلا سونہ لعلون
بھرتہم اپنا غلط ہونا عنقریب جان جاؤ گے یعنی جب وہاں دیکھو گے کہ قیامت میں عذاب پاؤ گے خطیب نے کہا کہ اس
قول کے موافق سب حالات قیامت و آخرت اس میں جمع ہو گئے کہ قبر و بعث و حشر و عرین و سوال و غیرہ ہولناک امور واقع
ہو گئے اقول بلکہ قبر و اسکا سوال و عذاب بھی داخل ہے۔

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ ۝ ثُمَّ لَتَرَوْهَا عَيْنَ الْيَقِينِ ۝
کوئی نہیں اگر جانو یقین کر جانا بیشک تم کو دیکھنا دوزخ بھر دیکھنا یقین کی آنکھ سے
ثُمَّ لَتَسْلُبُنَّ أُولَئِكَ نَفْسًا مِّنْ الْعِلْمِ ۝

پھر جو یقین گے تم سے اس دن آرام کی حقیقت

کَلَّا - حقاً۔ لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ - لعلمتہ ما بین ایدیکم۔ یعنی تھا کہ کاش تم علم یقین کے طریقے سے جانتے تو تم کو حال معلوم
ہوتا کہ تمہارے آگے کیا معاملہ ہوف مفسرین متفق ہیں کہ بیان (لو تعلمون) کا جواب محذوف ہوا درازی وغیرہ نے اسکی وجہ توضیح سے
بیان کر دی اور اسکا خلاصہ یہ کہ جواب (لو) نفی کا اثبات ہوا اور اثبات ہو تو نفی ہو پس قولہ لترون الجحیم - اسکا جواب نہیں ہو سکتا
کیونکہ (تم ضرور دوزخ دیکھو گے) اگر جواب ہو تو معنی یہ ہوں کہ نہیں دیکھو گے اور یہ غلط ہے۔ رازی نے دوسری وجہ یہ بھی لکھی
ہو اور واضح ہو کہ (لو) کا جواب بکثرت حذف کرتے ہیں اور قرآن میں بہت دفعہ ہوا اور ایسے مقام پر حذف جواب کا فائدہ یہ کہ
ہر طرف خیال دوڑتا ہو اور ہول و خوف بڑھ جاتا ہو خطیب نے لکھا کہ حال یہ کہ حق لازم یہ ہو کہ دنیاوی تکاثر کی غفلت سے
باز آؤ۔ کاش ای کفار تم کو کسی وقت یقین جاننے کا علم حاصل ہوتا تو جان لیتے کہ تمہارے آگے بہت ہولناک معاملہ ہو تو اس وقت
تم اس دنیاوی تکاثر کو بھول جاتے بلکہ تم کو دنیا میں ہنسی نہ آتی اور تم بہت روتے اور گھروں سے نکل کر ٹیکروں پر جا کر اللہ تعالیٰ
سے تضرع و زاری کر کے عذاب و خواری سے پناہ مانگتے (السراج) ابن کثیر نے بھی لکھا کہ کَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ اَلَمْ یَغِیْثَ بَارِئُ
ہوش کرو کاش اگر تم جانتے جیسے یقین کے ساتھ جانتا چاہیے تو تم کو دنیاوی تکاثر کی غفلت کبھی نہ ہوتی بلکہ تم دار آخرت ہی کے
طلب میں سرگرم ہوتے (تفسیر الشیخ) واضح ہو کہ کَلَّا - بیان جھڑکی ہے قرآن نے کہا کہ بیان میں معنی تھا ہے اور ابن ابی حاتم مفسر نے
کہا کہ سب جگہ تنبیہ کے واسطے ہی قنادہ سے روایت ہو کہ الیقین بیان موت ہو تو معنی یہ ہے کہ اگر وہ جانتا اس وقت جان لیتے
جو موت کے بعد جانو گے تو سب بھول جاتے سوائے خوف و روع و تضرع و زاری کے قنادہ سے روایت ہو کہ ہم سے بیان کیا جا
تھا کہ علم الیقین یہ ہو کہ آدمی جانے کہ ضرور اللہ تعالیٰ اسکو موت کے بعد اٹھاویگا اس قول کے موافق یہ معنی ہوئے کہ اگر تم لوگوں کو یہ یقین ہوتا کہ
تم ضرور موت کے بعد اٹھائے جاؤ گے تو دنیا کے تکاثر میں غافل نہ ہوتے۔ قولہ علم الیقین کی اضافت سے معلوم ہوتا ہے کہ علم سے یقین
خاص ہے۔ واضح ہو کہ مترجم کے نزدیک جو خطیب نے مقرر کیا وہ اولیٰ ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم یقین بلکہ علم یقین
حاصل تھا اور آپ نے حدیث میں فرمایا ہو کہ اللہ جو میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو کم ہنسنے اور بہت روتے اور باہر نکل کر
ٹیکروں پر اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے یعنی تضرع و زاری کرتے اور عذاب سے پناہ مانگتے (فائدہ) رازی نے کہا کہ اس
آیت میں علماء پر عمل کے لیے سخت وعید ہے اس لیے کہ آیت میں دلیل ہو کہ جسکو علم یقین حاصل ہو کہ دنیا کے تکاثر میں آنست

حتیٰ زرتم المقابر۔ تم کو ابو غفلت میں ڈالا تاکہ اپنے دنیوی مال و اولاد وغیرہ کی مہبتانیت کے شغل نے برابر اسی میں پڑے رہے یہاں تک کہ تم نے اپنی قبروں کی زیارت کی۔ یعنی تم کو موت و قیامت و عذاب آخرت سے بچنے کی اور طاعت و خیرات کے وسیلہ سے نعمت آخرت حاصل کرنے کی کچھ فکر نہیں ہو گا۔ **لَا سَوْفَ تَعْلَمُونَ**۔ کچھ نہیں تم غفیب جانو گے **لَا سَوْفَ تَعْلَمُونَ**۔ پھر کچھ نہیں تم غفیب جانو گے **ف خطیب** وغیرہ نے لکھا کہ اس میں جھڑکی و تنبیہ ہو کہ تم لوگ جو دنیا کی زیادتی کو اچھا بنی سمجھتے ہو یہ کچھ نہیں ہے۔ اپنی غفلت سے بیدار ہو قریب وقت آتا ہے کہ اپنی غلطی جان جاؤ گے پھر ہم کہتے ہیں کہ تم غفلت میں خراب ہو بیدار ہو غفیب اپنی غلطی جان جاؤ گے۔ یعنی یہ نصیحت تمھارے لیے رحمت ہے رازیؒ نے لکھا کہ حسنؒ کہتے تھے کہ خیر دار ہو یہ لوگ جو تیرے گرد کثرت سے نظر آتے ہیں اس سے دھوکا نہ کھا کیونکہ تو تنہا مرے گا اور تنہا اٹھایا جاوے گا اور تجھے تنہا حساب لیا جائیگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا اِفرادی الخ** یعنی تم لوگ ہمارے پاس اکیلے اکیلے آئے جیسے اول مرتبہ اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا تھا اور وہ سب چیزیں یعنی مال و اولاد وغیرہ جو ہم نے تم کو دنیا میں دی تھیں سب چھوڑ آئے (کبیر حسن بصریؒ نے کہا کہ آیت میں وعید کے بعد وعید ہے اور صحابہؓ نے کہا کہ اول قولہ کلا سوف تعلمون۔ یہ کفار کی طرف خطاب ہے اور دوم قولہ تم کلا سوف تعلمون۔ یہ مومنوں کی طرف خطاب ہے (ابن کثیر رحمہ اللہ) **خطیب و رازیؒ** نے کہا کہ اس قول کے موافق اول وعید ہے یعنی ای کافر و تم غفیب جان جاؤ گے کہ تمھارا خیال غلط تھا کہ دنیاوی مال و اولاد اور دولت و ثروت سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت ساری ہوتی ہے جبکہ قبر کے عذاب سے بیدار ہو گے اور آئندہ عذاب کے انتظار میں رہو گے۔ اور دوم وعدہ ہے یعنی پھر اے مومنو تم بھی غفیب جان جاؤ گے کہ تم نے اللہ تعالیٰ و رسولؐ کے کلام پر یقین کیا کہ دنیا محض فانی ہے اور آخرت برحق ہے تو مرتے ہی اللہ تعالیٰ کی نعمت تم کو حاصل ہوگی **خطیب رحمہ اللہ** نے لکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قولہ تعالیٰ کلا سوف تعلمون۔ یعنی ای کافر و تمھارا زعم غلط ہے غفیب تم دنیا میں جان لو گے کہ یہ غلط تھا یعنی جب مرتے ہی عذاب میں پڑو گے اور قولہ تم کلا سوف تعلمون۔ یہ آخرت میں ہے یعنی مکرر دنیا میں نہیں بلکہ آخرت کا بیان ہے یعنی پھر تم آخرت میں جان لو گے جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا وہ حق ہے جبکہ مومنین جنت میں جا رہے ہیں اور باقی کفار و مشرکین منافقین جہنم یا وہ میں ڈالے جاویں گے۔ اور احتمال ہے کہ دنیا میں جان لینا اس طرح ہو کہ کفار و مشرکین جہنم میں جاویں اور پر بیان ہوا وہ اولیٰ ہے چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے کہ کلا سوف تعلمون۔ یعنی ای کفار تمھارا زعم غلط ہے تم لوگ غفیب چند روزہ زندگی کے بعد جان جاؤ گے جب قبروں میں تم پر عذاب آویگا۔ تم کلا سوف تعلمون۔ پھر جب آخرت میں تم عذاب یا وہ میں ڈالے جاؤ گے تب جان جاؤ گے کہ تمھارا زعم غلط تھا کہ اس دنیا کے سوائے آخرت نہیں ہے۔ زہر بن حبیش نے حضرت علیؓ سے روایت کی کہ ہم لوگ نہیں جانتے تھے کہ عذاب القبر ہوگا کہ نہیں ہوگا (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اب تک ہم سے یہ حال نہیں فرمایا تھا) یہاں تک کہ یہ سورہ نازل ہو۔ **الہاکم التکاثر** حتمیٰ زرتم المقابر کلا سوف تعلمون۔ **خطیب رحمہ اللہ** نے کہا کہ اس سے اشارہ فرمایا کہ کلا سوف تعلمون کے یہ معنی ہیں کہ تمھارا گمان غلط ہے تم لوگ غفیب جان جاؤ گے جب قبور میں تم پر عذاب آویگا۔ بعض علمائے کرام نے کہا کہ کلا سوف تعلمون کے یہ معنی ہیں کہ تم لوگ جو نکاح مال و اولاد کو بہتری و خوبی سمجھتے ہو

میت کو نفع حاصل ہو مترجم کہتا ہے کہ بیان اسرار میں سے یہ واضح کہ جہاں سے چاہو میت کو ثواب پہنچاؤ اسکو پہنچ جاتا ہے
 لیکن قبر دیکھ کر آدمی کا دل خود سرد ہو جاتا ہے اور قبرستان میں سلام سے کل میت کو ثواب پہنچ جاتا ہے اور ایک تسبیح انکے واسطے
 نعمت عظمیٰ ہو حالانکہ زندہ لوگ غفلت میں اسکی کچھ قدر نہیں کرتے ہیں جب قبر میں جائینگے اسوقت قدر معلوم ہوگی خطیب رح
 نے لکھا کہ قبروں پر نہ بیٹھیے۔ جب مقبرہ میں داخل ہو تو کہے السلام علیکم وارقوم مومنین وانا ان شاء اللہ یکم لاحقون مترجم
 کہتا ہے کہ مومنین و مسلمین دونوں لفظ حدیث میں آئے ہیں لہذا بہتر ہے کہ دونوں جمع کر دے اور مغفرت کی دعا دعا فیت
 بھی مانگے یعنی اس طرح کہے۔ السلام علیکم وارقوم مومنین و مسلمین انتم سلفنا و نحن بالاثر غفر اللہ لنا و لکم دعا فانا اللہ وایاکم و
 انا ان شاء اللہ یکم لاحقون۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی سلامتی ہو تمہاری وارقوم مومنین و مسلمین تم ہم سے پہلے گئے اور ہم تمہارے
 قدم بقدم پیچھے آتے ہیں اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم کو بخشے اور ہم کو اور تم کو عافیت دے اور ہم بھی انشاء اللہ تم سے ملنے والے
 ہیں مترجم کہتا ہے کہ دل میں یہ نیت رکھے کہ مومنین صالحین سے ملنے والے ہیں خطیب رح نے کہا کہ پھر قبرستان میں اپنی
 میت کی قبر تک پہنچے تو اس کے سامنے سے آکر اسکی طرف منہ کر کے کھڑا ہو کر اسکو مکرر سلام کرے اور اس کے لیے اللہ
 تعالیٰ سے رحمت و مغفرت و بلند منزلت کی دعا مانگے کیونکہ آخرت کے مدارج بہت عالیہ ہیں پھر نظر عبرت سے دیکھے کہ
 یہ شخص تھا کہ کس ناز و نعمت سے بالا گیا اور آج اس خاک کے نیچے منقطع ہو گیا اور اپنے خاندان و احباب سے چھوٹ گیا
 اور دنیا سے اسکو کچھ تعلق نہیں ہے اور غور کرے کہ اسکے بھائی بندہ ہزاروں اس خاک میں مل گئے انکی اسیدین منقطع ہو گئیں
 اور دولت مٹ گئی اور انکے چہرے پر خاک ہے اور اجزائے بدن گلہر خاک میں مل گئے انکی عورتیں بیوہ ہو گئیں اور انکی
 اولاد یتیم ہو گئی۔ اب اپنے آپ کو دیکھے کہ چند روز میں خود بھی اسی مقام پر آنے والا ہے اور یہی اسکے بدن کا حال ہونا ہے اسوقت
 اعمال صالحہ النبیہ ساتھ ہیں مترجم کہتا ہے کہ اعمال صالحہ نہایت خوب صورت اُس کے نہایت دلی دوست بلکہ فراموشیوں سے بڑھ کر
 اسکو محبوب معلوم ہوتے ہیں اور اگر کسی کے اعمال بُرے ہیں تو یہ اعمال نہایت قبیح صورت خوفناک دشمن کے مانند
 اُس کے ساتھ ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ہم کو پناہ دے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی میں یہ طاقت نہیں ہے کہ ان اعمال کو
 اُس کے پاس سے جدا کر کے اسی لئے گناہوں سے مغفرت مانگے کیونکہ اگر فرض کر دو کہ وہ اکیلا ہوتا تو اچھا تھا بہ نسبت
 اسکے کہ وہ ان گناہوں میں بدحواس و پریشان ہے اور اللہ تم لوگ ایسی قبیح صورت بیان قیاس نہیں کر سکتے ہو
 اسکے کہ وہ ان گناہوں سے مغفرت مانگے۔ اللہم اغفر لی ذلونی کلہا وقلہا و لا تبہا معی فی
 اور لازم ہے کہ میت کے لیے ضرور ان گناہوں سے مغفرت مانگے۔ الہی میرے سب گناہ چھوٹے و بڑے معاف کر کے معفو کر دے اور میرے ساتھ انکو میری قبر میں
 قبری و انت الغفور الرحیم۔ الہی میرے سب گناہ چھوٹے و بڑے معاف کر کے معفو کر دے اور میرے ساتھ انکو میری قبر میں
 باقی نہ رکھ تو بیشک غفور رحیم ہے تنبیہ اس زمانہ میں بلائے عظیم پھیل گئی کہ لوگ اولیاء کی قبروں پر جا کر گاتے ناچتے ہیں اور
 اُسے دنیا کی مرادیں مانگتے ہیں۔ یہ دنیاے ملعونہ جس سے صاحبین بیزار تھے اور اس فعل میں بہت سے کم علم جنھوں نے دنیا
 کمانے کے لیے عالموں کا لباس اختیار کیا ہے یہ لوگ جاہلوں کے ساتھ شریک ہیں۔ یہ برعکس معاملہ ہے اور سخت فتنہ ہے
 اللہ تعالیٰ ہم سب کو توحید حق کے ساتھ ہدایت دے آمین۔ اور کچھ شک نہیں کہ جنکو اللہ تعالیٰ نے ایمان دیا اور آخرت
 کے ساتھ یقین عطا کیا اسکے سوا سب لوگ دنیا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مذمت شدید فرمائی کہ اے اللہ

اعرابی کی عبادت کو تشریف لے گئے اور فرمایا کہ لا باس طہور انشاء اللہ تعالیٰ۔ مصنافہ نہیں ہو انشاء اللہ تعالیٰ پاکیزگی ہو اُسے کہا کہ آپ فرماتے ہیں کہ طہور ہو بلکہ یہ حجامی (بخاری) جوش مارنے والا ایک بوڑھے آدمی پر چھایا ہوا اسکو قبر کی زیارت کراہی آپ نے فرمایا کہ پھر اچھا یہی سہی ابن ابی حاتم نے حدیث علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ہم لوگ برابر عذاب القبر میں شک کیا کرتے تھے یہاں تک کہ سورہ الہاکم التکاثر نازل ہوا (وردواہ الترمذی وقال غریب) ابن ابی حاتم نے میمون بن مہران سے روایت کیا کہ میں عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس بیٹھا تھا انھوں نے الہاکم التکاثر حتیٰ زرتم المقابر پڑھا پھر ذرا دیر کے بعد کہا کہ ای میمون میں مقابر کو فقط زیارت دیکھتا ہوں اور زیارت کرنے والے کے لیے ضرور ہو کہ اپنے گھر جاوے۔ ابو محمد نے کہا کہ مراد یہ تھی کہ اپنے گھر جنت یا دوزخ میں واپس جاویگا ابن کثیر نے کہا کہ اسی طرح روایت ہو کہ ایک اعرابی نے ایک شخص سے سنا کہ اُس نے یہ آیت پڑھی حتیٰ زرتم المقابر تو اعرابی کہنے لگا کہ قسم ہے رب کعبہ کی کہ لوگ اٹھائے گئے اعرابی کا مطلب یہ تھا کہ زیارت کرنے والا وہاں سے دوسری جگہ ضرور جاتا ہو تو ضرور قبروں سے اٹھائے جا دیں گے۔ الحاصل تو یہ تھا کہ الہاکم التکاثر حتیٰ زرتم المقابر کے معنی یہ ہیں کہ ای لوگو تم کو دنیا میں مال و اولاد کی بہنایت کی حرص نے آخرت و قارعہ کی فکر سے غافل کر دیا یہاں تک کہ تم مقابر کی زیارت کرنے والے ہو گے خطیب نے بھی اسی قول کو اختیار کیا یعنی الہاکم التکاثر۔ تم لوگ مال و اولاد وغیرہ کی کثرت میں مشغول ہو کر طاعت الہی سے جو عذاب و غضب سے نجات دلاوے برابر غافل رہے۔ حتیٰ زرتم المقابر۔ یہاں تک کہ تم نے مرکزہ بنی قبروں کا منہ دیکھا۔ خلاصہ یہ کہ تم لوگوں نے اپنی تمام عمر دنیا کی طلب میں کھوئی یہاں تک کہ تمہاری موت آئی اور اُس وقت بھی تم اسی میں پڑے تھے سو دنیا کے تم کو کچھ فکر نہ تھی۔ عرب اپنے محاورہ میں میت کو کہتے ہیں کہ اُس نے اپنی قبر کی زیارت کی۔ قتادہ رحمہ سے روایت ہے کہ یہود نے باہم تفاخر کیا کہ ہم لوگ بنی فلان سے زیادہ ہیں اور وہ لوگ بنی فلان سے بڑھ کر ہیں اسی لہو و غفلت میں رہے یہاں تک کہ گرا ہی میں مرے قرطبی نے کہا کہ قرآن میں مقابر کا ذکر فقط اسی سورہ میں آیا ہے۔ ابن عادل نے اعتراض کیا کہ اللہ تعالیٰ فرمایا امانہ فاقبرہ الخ یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان وغیرہ مخلوق کو پہلے پیدا کیا پھر اسکو موت دیکر قبر میں رکھا پھر جب چاہیگا اُسکو اٹھاویگا خطیب نے کہا کہ قبور کا ذکر نہیں ہوا بلکہ دفن کرینکا ذکر ہے۔ واضح ہو کہ قبروں کی زیارت کرنا سخت دل کے لیے سب سے بہتر علاج ہے اس لیے کہ اس سے موت و آخرت یاد آتی ہو اور اس سے سخت دل بھی نرم ہو کر دنیاوی حیالات و اسکے امیدوں سے سرد ہو کر دنیا سے بے رغبت ہوتا ہو آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ میں نے ٹکڑی زیارت قبور سے منع کر دیا تھا اب قبروں کی زیارت کیا کرو کہ وہ دنیا سے بے رغبت کرنی اور آخرت یاد دلاتی ہو (صحیحین) اور حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورتوں پر لعنت فرمائی جو قبروں کی زیارت کریں۔ اس حدیث کی تفسیر میں علماء رحمہ نے کہا کہ اسکا سبب یہ ہے کہ عورتوں میں صبر کم ہوتا ہو اور اس وجہ سے جی چھوڑ کر پریشانی ہو جاتی ہیں لہذا عورتوں کے لیے قبور کی زیارت مکروہ ہے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرار مبارک کی زیارت عورتوں کو مکروہ نہیں ہو بلکہ مسنون ہو اور اسی ذیل میں باقی انبیاء و اولیاء داخل ہیں (آداب) جو شخص قبروں کی زیارت چاہے تو اُسکو لازم ہو کہ زیارت کا ادب سیکھے اور دل حاضر رکھے اور خالی قبروں میں پھرانا شیوہ منہوجیے جانور بھی قبرستان میں پھرتے ہیں بلکہ خالص اللہ تعالیٰ کے واسطے زیارت کرنے جاوے اور یہ قصد ہو کہ اللہ تعالیٰ اسکو ایسی عبرت عطا کرے جس سے اسکا دل درست ہو اور جو کچھ ذکر و دعا پڑھے اُس سے

یہ بات ان لوگوں پر گران گزری تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ اَجَلْتُمْ سَقَايَةَ الْحَاجِّ الْآيَةِ۔ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجاہدین کی فضیلت بتلائی اور انکے مثل کسی کا فعل نہیں رکھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ امانتِ ربک فخذ یعنی اپنے رب تبارک و تعالیٰ کی نعمتیں بیان کر پس معلوم ہوا کہ تجاثر ہر چیز میں بڑا نہیں ہو بلکہ علم و طاقت و اخلاق حمیدہ میں رکنا تجاثر اچھا ہے جب یہ گمان ہو کہ لوگ اُسکی پیروی کر نیچے مترجم کہتا ہو کہ رازی رحم نے خود لکھا کہ تفاخر و تکاثر ایک ہی چیز ہے اور میرے نزدیک تفاخر و تکاثر مذموم ہے ولیکن اللہ تعالیٰ کی نعمت بیان کرنا بدون فخر کے بہتر ہے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور کچھ فخر سے نہیں کہتا ہوں۔ پھر رازیؒ نے جو خبریں بیانیں اور بنو سہم کے باہم تفاخر و تکاثر کی روایت لکھ کر کہا کہ یہ روایت ظاہر قرآن سے موافق پڑتی ہے کیونکہ۔ زرتم المقابر صیغہ ماضی ہے تو معلوم ہوا کہ یہ واقعہ گزر چکا جیسے اس روایت سے معلوم ہوا۔ گویا اللہ تعالیٰ انکو تعجب دلاتا ہے کہ اچھا مانا تم مدونین میں سے ایک قبیلہ دوسرے سے شمار والے وغیرہ میں زیادہ نکلے تو پھر اس سے تم کو کچھ فائدہ ہوا۔ واضح ہو کہ زیارت کے معنی ایک کسی مقام پر دیکھنے جانا۔ یہ بات بہت مطالب سے ہو سکتی ہے ولیکن سب سے زیادہ اہتمام کے قابل ہے کہ دل نرم ہو اور دنیا کی محبت دل سے زائل ہو کیونکہ قبروں کی زیارت سے اور انکی حالت دیکھنے سے یہی بات پیدا ہوتی ہے جب ہوش سے ہو جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم لوگوں کو زیارتِ قبور سے منع کر دیا تھا اب تم لوگ زیارت کیا کرو کیونکہ تم سے تمہارے دل نرم ہونگے اور آخرت یاد آوے گی (صحیحین) پھر جب ان دونوں قبیلوں نے قبروں میں جا کر تفاخر و تکاثر کیا تو دل ایسے سخت ہیں اور دنیا میں ایسے غرق ہیں کہ معاملہ الٹا واقع ہوا پس اللہ تعالیٰ نے مذمت فرمائی اور تعجب لایا مترجم کہتا ہے کہ یہ قول کہ زرتم المقابر کے معنی قبروں کو دیکھنے گئے بچند وجوہ مخدوش ہے اور قول اول یہ کہ زرتم المقابر اپنی قبروں کی زیارت کرو۔ رازی رحم نے لکھا کہ اسکے معنی یہ کہ اموال کی ہتھکنڈ کی حرص نے تم کو آخرت کے سامان طاقت سے غافل کر دیا حتیٰ کہ تم نے اپنی قبروں کی زیارت کی یعنی اسی حالت پر مر گئے اگر کو کہ اسمین دو طرح اشکال ہے (اشکال اول) یہ کہ زیارت کرنے والا کچھ دیر ٹھہر کر چلا جاتا ہے حالانکہ اپنی قبر میں جانے والا وہاں رہیگا تو زیارت کے معنی کیونکر ہوے (اشکال دوم) یہ کہ زرتم المقابر صیغہ ماضی ہے تو تم مستقبل کے معنی کیونکہ بیان کرتے ہو (جواب اشکال اول) یہ کہ زیارت کرنے والا اُسی وقت نہیں چلا جاتا بلکہ مدنون ٹھہرتا ہے ولیکن یہ بات البتہ ضرور ہے کہ وہاں سے چلا جاوے تو قبروں سے بھی یہ لوگ جانے والے ہیں اسلیے کہ چند روز بعد ٹھہر کر میدانِ حشر میں جائینگے (جواب اشکال دوم) یہ کہ با تو اسکے واسطے جو موت کے کنارے لگا ہوا گزرے لوگوں کے حال سے انکی طبیعت کی یا یہ سورہ قیامت میں اللہ تعالیٰ سنا دیکھا کہ تم نے دنیا میں اسطرح غفلت کی یہاں تک کہ قبر میں آئے۔ یہ کبیر کا خلاصہ ہے اور خطیب وغیرہ نے کہا کہ ماضی کا صیغہ اسلیے کہ ایسا واقع ہونا تحقیق ہے جیسے قیامت آنے والی ہے اسلیے فرمایا کہ۔ اِنِ اِنَّ اللہَ۔ اللہ تعالیٰ کا حکم آگیا ہے۔ ابن کثیرؒ نے لکھا کہ قتادہؒ نے کہا کہ وہ لوگ آپس میں کہا کرتے کہ ہم لوگ بہت ہی فلان کے زیادہ ہیں اور فلان قوم سے مال و دولت میں زیادہ ہیں حالانکہ یہ لوگ ہر روز گرتے جاتے ہیں واللہ برابر ہی کرتے رہینگے یہاں تک کہ سب کے سب قبروں کے رہنے والے ہو جاویں۔ صحیح قول یہ ہے کہ حتی زرتم المقابر۔ کے یہ معنی ہیں کہ حتی صرتم الیہا و دفنتم فیہا۔ یہاں تک کہ تم قبروں میں ہو چکے والے اور ان میں مدنون ہونے والے ہو جاؤ۔ حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بوڑھے

ابن عساکر رحمہ نے انحف بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انھوں نے ایک شخص کے ہاتھ میں ایک درم دیکھ کر فرمایا کہ یہ درم کس کا ہو اُس نے کہا کہ میرا درم ہو انحف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ تیرا درم اُس وقت ہو گا کہ جب تو اُسکو کارنوا میں یا شکر میں خرچ کرے مترجم کہتا ہے کہ یہ سب اس صورت میں ہو کہ زرتم المقابر کے معنی یہ کہ تم جا کر اپنی اپنی قبر کی زیارت کرو اور بعض نے کہا کہ اسکے یہ معنی ہیں کہ تم تھارین غافل ہوے یہاں تک کہ تم قبروں کی زیارت کی لینے وہاں بھی تم کو غفلت نے نہ چھوڑا اور زیارت قبر سے یہ فائدہ تھا کہ آدمی عبرت حاصل کرے کہ وہ بھی اسی طرح مٹ جائے والا ہو لیکن تم کو نکاثر نے ایسا غافل کیا تھا کہ تم کو قبروں کی زیارت سے بھی کچھ اثر نہوا ابن کثیر رحمہ نے لکھا کہ ابن ابی حاتم نے باسناد حیدر روایت کی کہ ابن بریدہ تابعی نے کہا کہ اس سورہ کا نزول انصار کے دو قبیلہ بنی حارثہ اور بنو حارث کے حق میں ہوا جنھوں نے باہم تفاخر و تکبر کیا لینے ہر ایک نے دعویٰ کیا کہ ہم کو تم سے زیادہ کثرت و فخر حاصل ہو پس ایک قبیلہ نے کہا کہ جلا تم میں مثل فلان و فلان و فلان کے ہیں اور دوسرے نے اپنے قبیلہ میں اسی طرح شمار کیے اور یہ لوگ زندہ موجود تھے پھر دونوں قبیلہ کہنے لگے کہ چلو قبروں میں دیکھو پس جا کر ایک قبیلہ نے اپنی قبروں کی طرف اشارہ کیا کہ تم میں مثل فلان و فلان و فلان کے کون شخص ہوا اور دوسرے نے بھی اپنی قبروں کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ مثل فلان و فلان و فلان کے تم میں کون شخص ہوا پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا کہ **الہاکم التکثیر حتی زرتم المقابر** لینے ان قبروں کے دیکھنے سے تم کو عبرت ہونی چاہیے تھی (ابن کثیر رحمہ) دیگر تفسیر میں ہے کہ مقاتل رحمہ وقتادہ وغیرہ نے کہا کہ یہ سورہ ریاء یہود کے نازل ہوا جب انھوں نے باہم کہا کہ ہم لوگ بہ نسبت بنو فلان کے زیادہ ہیں اور بنو فلان بہ نسبت بنی فلان کے زیادہ ہیں انکو اسی تکثر و تفاخر نے غفلت میں رکھا یہاں تک کہ مر گئے مترجم کہتا ہے کہ ابن بریدہ رحمہ کی روایت سے اور مقاتل وغیرہ کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورہ مدینے میں نازل ہوا حالانکہ یہ مہور کے خلاف ہو کہ سورہ مکیہ ہو لیکن یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ مدینے میں یہ سورہ اس حالت میں تنبیہ کے لیے مکرر نازل ہو گئی ہے کہ ہم لوگ قریش میں دو قبیلہ بنی سہم اور بنی عبد مناف نے اسی طرح تکثر و تفاخر کیا ہر ایک نے کہا کہ ہم لوگ شمار میں زیادہ اور عزت و مال میں بھی زیادہ ہیں پس بنو عبد مناف زیادہ نکلے بنی سہم نے کہا کہ چلو قبروں کے مردے شمار کریں تو بنو سہم زیادہ نکلے پس اللہ تعالیٰ نے نازل کیا۔ **الہاکم التکثیر لئلا** لینے تم زندوں ہی پر راضی نہوے یہاں تک کہ تم نے جا کر مردوں پر تفاخر کیا کھلی نے کہا کہ اسلام میں اپنے اشراف و سرداروں پر تکثر و تفاخر کیا تھا مترجم کہتا ہے کہ اگر کھلی کی یہ غرض ہو کہ اسلام میں ہر ایک قبیلہ میں زیادتی کیونکر ہو تو مشکل ہو اس لیے کہ ہجرت سے پہلے یہ لوگ اسلام نہیں لائے تھے اور اگر یہ غرض ہے کہ زمانہ اسلام شروع ہو چکا تھا لینے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابلاغ وحی کا حکم ہو چکا تھا پھر اس صورت میں اگرچہ یہ سورہ مکیہ ہوا لیکن چونکہ وہ لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے اس لیے انکو اس سے کچھ نصیحت نہیں ہو سکتی تھی اور ابو السعود کی تقریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد یہ تفاخر کیا تھا اور یہ بعید ہو کہ از می نے لکھا کہ آیت میں یہ دلیل کہ تفاخر و تکثر مذکور چیز ہے اور عقل بتلاتی ہے کہ حقیقی خوبوں میں تکثر و تفاخر برا نہیں ہو اور اسی قسم سے وہ تفاخر ہو جو عبد بن عبد المطلب نے فخر کیا کہ حاجیوں کو پانی پلانا ہمارے قبضہ میں ہو اور شیبہ نے فخر کیا کہ خانہ کعبہ کی کنجی ہمارے ہاتھ میں ہو یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے اپنی تلوار سے شرک و کفر کی ناک کاٹ ڈالی تب تم لوگ مسلمان ہوے

ابن کثیرؒ نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **الْهٰکُمُ التَّکَاثُرُ** غفلت میں ڈالنا تم کو نکاثر کرنے کا بہم ایک
 نے دوسرے سے بڑھکر مال و اولاد وغیرہ دنیاوی چیزوں میں کثرت چاہی اور اسی میں سعی کی تو دنیا کی آرائش نے تم کو اپنی
 محبت میں لپیٹ کر آخرت سے غافل کر دیا اور برابر تمہارا یہی حال رہا **ذُرُّهُمُ الْمَقَابِرَ** یہاں تک کہ تم نے قبروں کی زیارت
 کی ف یعنی یہاں تک تم کو طلب دنیا و نکاثر میں غفلت رہی کہ تمہاری موت آئی اور تم نے جا کر اپنی قبر کی زیارت کی اور
 مقبور دفن ہو گئے۔ ابن ابی حاتم نے زبد بن اسلم سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **الساکن التکاثر**
 یعنی دنیاوی مال و اولاد کی نکاثر کی خواہش نے تم کو اللہ تعالیٰ کی طاعت سے غفلت میں ڈال دیا حتیٰ زرع المقابر یہاں تک کہ
 تمہاری موت آگئی (حدیث مرسل حسن بصریؒ) نے کہا کہ **الساکن التکاثر** یعنی غفلت میں ڈالنا تم کو اس خواہش نے کہ
 کس کے پاس مال زیادہ ہو اور زینہ اولاد بہت ہو۔ واضح ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آگاہ کر دیا کہ آدمی کی حرص
 کبھی کم نہیں ہوتی ہر چنانچہ آپ نے فرمایا کہ لو کان لابن آدم وادمن ذہباً احديث۔ یعنی اگر فرزند آدم کے پاس ایک
 وادی بھر کے سونا ہو تو وہ دوسرا وادی بھر کے مانگے اور اگر دوسرا وادی بھر پاوے تو تیسرا وادی بھر مانگے۔ آدمی کے خالی
 پیٹ کوئی چیز نہیں بھرتی سوائے خاک کے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لاوے اللہ تعالیٰ اُسکی توبہ قبول کرتا ہے
 ۔۔۔ بخاریؒ نے حدیث ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ہم لوگ یہ سمجھا کر تھے تھے کہ یہ کلام (لو کان لابن آدم النعم
 یعنی اگر فرزند آدم کے لیے وادی بھر سونا ہو **یتر آن من سے** ہے یہاں تک کہ سورہ العاکم النکاثر نازل ہوا
 (القصیح) مترجم کہتا ہے اسی سے سعدی علیہ الرحمہ نے ایک تاجر سے جو ہندوستان سے روم و شام تک کے دور دراز
 خیالات کے بعد گوشہ گیری اختیار کرنا ظاہر کرتا تھا کہا کہ **ان شیندستی کہ در صحراے غرہ بار سالارے بفتاد از ستور**
 گفت چشم تنگ دنیا دار را یا قناعت پر کند یا خاک گور بدینے تو نے یہ حکایت سنی کہ ایک سالار تاجر کا بار گر گیا اُسکی بدھیا بیٹھ
 گئی۔ تو اُس نے کہا کہ دنیا دار کی تنگ آنکھ کو یا قناعت بھرتی ہو یا قبر کی خاک بھرتی ہو دم (امام احمدؒ نے عبد اللہ بن اشجریؒ سے روایت
 کی کہ جب بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے فرمایا تھے کہ **الساکن التکاثر** تم کو بہت ساری
 کے لالچ نے غفلت میں ڈال دیا۔ آدمی کہا کرتا ہے کہ میرا مال سیر مال۔ بھلا تیرا کچھ مال ہی سوائے اُسکے جو تو نے کھا کر برباد کیا
 یا پسنگر بھاڑ ڈالا یا صدقہ کر کے ذخیرہ لے گیا رواہ مسلم والترمذی والنسائی اور حدیث ابو ہریرہ رضی عنہ کہ بندہ میرا مال سیر مال
 کہا کرتا ہے حالانکہ اُسکے مال سے اُسکے لیے تین چیزیں ہیں۔ وہ جو کھا کر فنا کیا یا جو پسنگر بھاڑ ڈالا یا وہ جو صدقہ کر کے ذخیرہ
 لیکھا اور اُسکے سوائے جو کچھ ہو تو اُسکو دوسروں کے لیے چھوڑ کر چلا جانے والا ہے (رواہ مسلم) امام بخاریؒ نے حدیث انس رضی
 سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ میت کے پیچھے تین چیزیں جاتی ہیں پھر دو چیزیں پھر آتی ہیں
 اور ایک اُسکے ساتھ رہتی ہے میت کے پیچھے اُسکے لوگ و مال و عمل جاتے ہیں پھر اُسکے لوگ و مال واپس آتے ہیں
 اور میت کا عمل اُسکے ساتھ رہتا ہے (رواہ مسلم والترمذی والنسائی) امام احمد رحمہ نے حدیث انس رضی سے روایت
 کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے اور اُسکی دو چیزیں نوجوان ہو جاتی ہیں ایک حرص
 اور دوم امیدیں (رواہ البخاری و مسلم) بیٹھے دنیا میں زندگی کی ہوس بڑھتی ہے اور طول طویل امیدیں لگتا ہے

کہ شرگوں کی تعداد کچھ تعین نہیں ہو بلکہ مقصود یہ کہ اس سے بکثرت زیادہ تیر ہو چنانچہ امام احمد نے ایسی اسناد سے جو امام مسلم کی شرط پر صحیح ہو حدیث ابو ہریرہ رضی عنہ سے مرفوع روایت کی اور اُس میں تنسؤ گوئے مذکور ہو اور یہ بھی واضح ہے کہ اس سے انسان کے حواس میں نار جنم سے خوف دلانا مقصود ہے پس اگر ہزار گوئے بیان کی جاوے تو بھی مبالغہ نہیں ہو ولیکن اکثر لوگوں کے حواس منکر ہو جاتے ہیں اس لیے عوام کے حواس کا لحاظ رکھا گیا اور سمجھ دار جانتا ہے کہ دنیا کی آگ کو جنم سے البتہ نسبت دینا مقصود نہیں ہے اس لیے کہ جس طرح جنت کا نمونہ خیال میں نہیں آسکتا مگر باغات و درون و میوہات و مکانات وغیرہ سے اسی طرح جہنم سے ڈرانے میں حواس کو راجع کیا حالانکہ وہ آگ استقدر سخت و شدید ہے کہ جس قدر بڑھ کر بیان ہو وہ اُس سے زیادہ ہے کیونکہ وہ کامل منظر غضب الہی ہے اور غضب الہی کا اندازہ محال ہے۔ یہ سب میں نے اس لیے بیان کیا کہ اہل ایسے جاہل لوگ ہیں جو اسلام سے مرتد ہو کر پھر اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یورپ میں جو آگ فولاد کو پانی بنانے کے لیے ایجاد ہوئی ہے وہ اس آگ سے چار سو گوئے زائد ہے اور یہ نہیں جانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیاوی آگ سے اسکو زائد بیان فرمایا ہے اور یورپی بھی دنیاوی آگ ہے اگر اُس سے ہوا میں آگ لگ جاوے تو حدیث میں آیا ہے کہ جہنم میں جہنمیوں کے واسطے جو پانی جمیم رکھا گیا ہے اگر اسکا ایک قطرہ اس دنیا پر ڈال دیا جاوے تو مشرق سے مغرب تک جل اٹھے پھر تم سمجھ سکتے ہو کہ جو آگ دہان مہیا کی گئی ہے اسکا کیا اندازہ ہوگا فافہم وہ آگ مردہ غار کا انبار نہیں ہے بلکہ خود دلون کو جھانک لیتی ہے اور جہنمی و جنتی کو اور جہنمیوں میں سے متکبر جبار کو خوب پہچانتی ہے نفوذ باتیں میں نار جہنم۔ طبرانی نے حدیث ابو ہریرہ رضی عنہ سے مرفوع روایت کیا اُس میں آیا کہ تمھاری آگ کے دھنوں سے شرگوئے زائد آتش جہنم کا رنگ سیاہ ہے ترمذی وابن ماجہ نے حدیث ابو ہریرہ رضی عنہ سے مرفوع روایت کی کہ نار جہنم ہزار برس سوختی دگئی حتیٰ کہ سرخ ہو گئی پھر ہزار برس سوختی دی گئی حتیٰ کہ سفید ہوئی پھر ہزار برس سوختی گئی حتیٰ کہ سیاہ ہو گئی اب وہ ایسی سیاہ ہے کہ اُس سے اندھیرا دیر سیاہی آ جاوے یہ بات حدیث انس و عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما سے روایت کی گئی ہے اور حدیث انس و ابو سعید و ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے مرفوع روایت ہے کہ دوزخیوں میں سے سب سے آسان عذاب اُس شخص پر ہے جس کے ہاتھوں میں آگ کی دو جوتیاں ہیں جن سے اسکا دماغ ابلتا ہے وہ گمان کرتا ہے کہ اُس پر سے زیادہ بھگت ہو حالانکہ اُس پر سب سے کم عذاب ہے۔ صحیحین میں حدیث مرفوع ہے کہ جہنم نے اپنے رب عزوجل سے شکایت کی کہ میرے اجزا باہم ایک دوسرے کو کھاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اسکو دو سانس کی اجازت دی ایک سانس گرمی میں اور ایک باہر سے (البخاری و مسلم وغیرہ) حدیث میں ہے کہ جب گرمی شدید ہو تو نماز کو ٹھنڈے میں لیجاؤ (تاخیر کرو) کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی بھبک سے ہے صحیحین میں واضح ہے کہ عالم میں اللہ تعالیٰ نے ظاہری اسباب رکھے ہیں جنکو آدمی اپنے خیال سے کام میں لاتے ہیں اور ان اسباب کے حقیقی اسباب ہیں جو انکی سمجھ سے باہر ہیں جیسے دبا و طاعون اور مخط وغیرہ ہیں اسی قسم سے جہنم کا معاملہ ہے۔ پھر واضح ہے کہ دنیا میں ان باتوں کے سمجھنے سے انسان اس وجہ سے غافل ہے کہ وہ دنیا کے خیال میں رہتا ہے اور دنیا فقط لہو و لعب و زینت و تفاخر اور کثرت اموال و اولاد ہے یعنی یہ لوگ صرف اس فکر میں ہیں کہ جس زمین سے انکو جسم دیا گیا ہے اس جسم کے واسطے زمین کی چیزیں اسی زمین کی پیداوار سے جمع کریں اور مال کثیر و اولاد کثیر سے

بوجہ ریاکاری و شرک خفی و جلی کے بلکہ ہیں تو وہ باوہ غضب میں جہنم میں ناخوش زندگی میں پڑیگا (خلاصہ عرائس) شیخ
ابن العربیؒ نے لکھا کہ تو اللہ تعالیٰ یوم یوم الناس کا لہراش الخ۔ اس ظہور و تجلی عظمت میں لوگ جو صالحین نہیں تھے ذلت
و خواری میں ہونگے اور مختلف جہات میں پتنگوں کی طرح اڑینگے کیونکہ اُنکے واسطے کچھ قدر ہوگی اور عین توحید میں مشرکوں کی
کچھ وقعت نہیں ہو جیسے بعض مشرک نے کہا کہ آدمی کا ایمان پورا نہیں ہوتا جب تک لوگ اُسکی نظر میں مہینگنیوں و پتنگوں
کی طرح نہوں مگر ترجمہ کتاب ہے کہ شیخ العوارف نے اس قدر زیادہ کیا کہ پھر وہ شخص اپنے نفس پر نظر کر کے اُسکوب
حقیر سے حقیر دیکھے۔ خلاصہ یہ کہ تمام عظمت و کبر یا عزت فقط اللہ تعالیٰ کے واسطے دیکھے اور اسی کے عزت دینے سے
رسول اللہ و مومنین کی عزت دیکھے اور اپنے نفس کے حق میں چونکہ یہ یقین نہیں کر سکتا کہ اسکا خاتمہ ایمان ہو تو اسکو عزت کی
نظر سے نہیں دیکھ سکتا ہو ابن العربیؒ نے بھی لکھا کہ اس تجلی میں بہاؤ وغیرہ متلاشی ہو جاوینگے ابن العربیؒ نے لکھا کہ یہ بات
جان لینا چاہیے کہ مخلوق میں سے کوئی شخص قیاس نہیں کر سکتا کہ میزان حق اسبطرح ہوگی جیسے وہ قیاس میں لاتا ہو یہ قیاس
غلط ہو بلکہ میزان حق عدل ہو اور اُس میں جن چیزوں کا وزن بھاری ہو وہ چیزیں ہیں جو باقیات صالحات ہیں یعنی آخرت بن باقی
ہیں اور جو چیزیں دنیاوی فانیات ہیں وہ بے وزن و باطل ہیں پس اگر اللہ تعالیٰ و رسول علیہ السلام کے علوم حقیقی ہیں یا فضائل و کمالات ہیں
یا اعمال صالحات ہیں تو یہ باقیات ثقیل ہیں ایسا شخص عیش مرضیہ میں جہنم میں ہو اور اگر عقائد باطلہ و اخلاق رذیلہ اور اعمال دنیاوی
اور خیالات نفسانی و ہوائے نفس ہیں تو یہ بے قدر باطل ہیں انکا کچھ وزن نہیں ہو تو جیسے یہاں طبیعت کے خارج میں پڑا تھا وہاں
باوہ جہنم کے خارج میں گرتا چلا جاوے گا اور اسکی کہہ حقیقت کون جانتا ہو و لیکن اس قدر جاننا کافی ہے کہ نارحامیہ ہی نہایت سوزان
ہو واضح ہو کہ جو حالت تم نے قیامت کبریٰ میں لوگوں کے سننے وہی نمونہ یہاں موت میں قیامت صغریٰ معلوم کرو کہ بدن و ہڈیاں
پر لگندہ ہو جاتی ہیں اور نفس اپنی قسم کے لوگوں میں جاتا ہو کیونکہ باعتبار عقائد و اعمال کے انواع و اقسام بے شمار ہیں تو اللہ تعالیٰ علم

سورة الشکارمکیہ وہی شان آیات

آٹھ آیات ہیں اور اٹھائیس کلمات اور ایک سو تیس حروف ہیں لہذا فی السراج اور یہ سورہ سبکے نزدیک کے میں ہجرت سے
پہلے نازل ہوا تھا واضح ہو کہ سورۃ القارعہ کے آخر میں نارحامیہ کا ذکر تھا جو بدکاری کفر و شرک کی سزا ہو اور وہ نصیحت پذیر
ہونے کو کافی ہو و لیکن انسان دنیا کے لہو میں اس سے غافل ہو پس اول باوہ کے نارحامیہ کا ذکر ہو پھر لہو دنیا کا بیان ہو
ابن کثیرؒ نے لکھا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمیوں کی آگ جو روشن کر لے ہیں
یہ نار جہنم کے ستر جزو سے ایک جزو ہو۔ صحابہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ یہی آگ کافی تھی فرمایا کہ پھر وہ آگ اس سے اُنھر گونہ
زائد ہو البخاری و مسلم و مترجم کہتا ہو کہ آدمیوں کی آگ سے یہ مطلب ہو کہ وہ آگ جو دنیا میں موجود ہو سکتی ہے اسلئے
کی بات بدیہی معلوم ہو کہ آگ جب گیلی لکڑی میں لگائی جاوے تو اس سے سوکھی لکڑی میں تیز ہو اور اس سے گندھک
میں زیادہ تیز ہو اور جس قدر خلاص ہو اسی قدر تیزی شدید ہوگی حتیٰ کہ اس معمولی آگ سے کئی سو گونہ بڑھ جاوے گی حتیٰ کہ فولاد
پانی کر دیتی ہو اور ہوا میں آگ لگاتی ہو اور یہ سب دنیاوی آگ ہو اور باوہ میں اس سے ستر گونہ زائد ہے تو واضح ہو

اور اشارہ ہو کہ جہنم تعزید ہے جسمیں گرتے چلے جاویں گے ابن کثیرؒ نے لکھا کہ پھر اللہ تعالیٰ نے ہادیہ کی تفسیر فرمائی بقولہ تعالیٰ
 وما ادراک ما ہیہ نار حامیہ۔ رازی وغیرہ نے کہا کہ اس بیان سے ہول دلانا مقصود ہو گیا ارشاد کیا کہ یہی وہ آگ ہے
 جسکی نسبت یہ کہنا چاہیے کہ حامیہ ہو سخت گرم ہو اور سوائے اسکے جہان کمین آگ نظر آوے تو ہادیہ کے مقابلے میں اسکو
 یہ سمجھو کہ گرم نہیں ہو لغو بالائے النار۔ واضح ہو کہ ہر خمیر کی امت میں سے جو لوگ توحید پر رہے ولیکن گناہوں میں مبتلا
 ہوئے تو انکی مان ہادیہ نہیں ہو کیونکہ بعد ایمان کے اسکا مرجع و مادی ضرورت ہے ولیکن گناہوں کی سزا ملنا ممکن ہو اور
 علما رحمہ نے کہا کہ جسکے حسنات بہ نسبت سیئات کے زائد ہوئے تو وہ جنت میں گیا اور جسکے حسنات و سیئات برابر ہوئے تو
 اسکے لیے حساب یسیر یعنی دو بون قسم کے نامہ اعمال دکھلا کر اس سے درگزر فرمائی جاوے گی اور جسکی بُرائیاں زائد نکلیں تو
 اسکے لیے عفو الہی کی اسب ہو یا شفاعت حاصل ہو یا وہ جہنم کے اول طبقے میں کچھ دنوں سزا پاوے ولیکن جہنم اسکی مان نہیں ہے
 واضح ہو کہ عرب میں جب اسلام پھیلا تو قبائل میں بعض مسلمان ہوئے اور ظاہر و باطن سچے ہوئے اور بعض ظاہرین اسلام
 لائے اور باطن میں منافق رہے اور بعض کفر و شرک پر لڑے و مارے گئے۔ قال ابن جریر حدثننا ابن عبد الاعلیٰ یعنی محمد بن عبد اللہ
 الصنعانی (حدثننا ابن ثور عن معمر عن الاشعث بن عبد اللہ الاعلیٰ قال الخ یعنی اشعث رحمہ نے کہا کہ جب مومن ہوتا ہو تو اسکی
 روح مومنوں کی اسوارح میں لے جاتے ہیں وہ لوگ باہم کہتے ہیں کہ اپنے بھائی کو آرام لینے دو کہ یہ دنیا کے غم میں بڑھا پھرا اس
 بوچھٹے ہیں کہ فلاں کا کیا حال ہوا وہ کہتا ہو کہ وہ تو مجھے پہلے مراٹھا کیا تھا رہے پاس نہیں آیا۔ کہتے ہیں کہ اسکو اسکی مان پاؤ
 کی طرف لے گئے (ابن جریر رحمہ) مقرر حکم کہتا ہو کہ یہ روایت تابعی کا قول ہو ولیکن تابعی ایسی بات خود نہیں بیان کر سکتا
 تو ضرور ہے کہ اُسے صحابی سے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنی ہوگی۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مومن مرا تو مومنین کی روحیں اسکا استقبال کر کے اس سے حال پوچھتی ہیں کہ فلاں مرد نے کیا
 کیا اور فلاں عورت کا کیا حال ہوا۔ اگر وہ مر چکا تھا اور انکے پاس نہیں آیا تو کہتے ہیں کہ اسکو ہماری راہ کے مخالف لے گئے
 اسکو اسکی مان ہادیہ کے پاس لینگے یہ مان کیا بُری ہو اور اسکا بچہ بھی کیا بُرا ہو (ابن مردودہ) امام ابن المبارک اور ابن مردودہ
 اسیکے مانند حدیث ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے **ف** ہر انس البیان کے اشارات میں ہی
 کہ قولہ تعالیٰ القارعة الایہ یہ قیامت ہو اور اس مذہبی عظمت و جلال سے کہ کوئی چیز قائم نہیں رہ سکتی ہو سوائے اسکے کہ اللہ تعالیٰ
 انکو فنا کے بعد ایسی زندگی عطا کرے گا کہ برداشت کر سکیں قولہ تعالیٰ فمن ثقلت موازینہ الایہ۔ میزان کا بھاری ہونا اللہ تعالیٰ
 کی معرفت لازمی توفیق سے ہو تو ایسا بندہ دائمی مشاہدہ میں عیش کے ساتھ ہوگا۔ واسطی رحمہ سے پوچھا گیا کہ ہم اپنے اعمال
 سے اپنی میزان بھاری کر سکتے ہیں۔ جواب دیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہو کیونکہ خالق وحدہ لا شریک ہو وہی جسکے موازنین بھاری کرے
 تو بھاری ہیں اور جسکے ہلکے کرے وہ نتیجہ ہی اسی لیے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہو کہ اللہ تعالیٰ ہی کے
 ہاتھ میں میزان ہے کہ تو مومن کو بلند کرنا ہو اور دوسروں کو بہت کرنا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اقوام کے وجود سے پہلے ازل میں پستی و
 بلندی مقدر کر دی جب انکے اعمال کا وجود تھا بلکہ خود قوموں کا وجود تھا شیخ سہیل رحمہ نے کہا کہ اخلاص توحید
 سے جسکے موازنین بھاری ہوئیں تو وہ عیشہ رضیہ میں ہی رہیں جو ارفہ میں رہنے والے کے ساتھ خوش عیش ہو اور جسکے موازنین

تو بھلا اُس سے اعمال کیونکر تولے جاوینگے کیونکہ اعمال تو اعراض تھے جو گزر گئے مگر ہم کہتا ہو کہ مجھے تعجب معلوم ہوتا ہو کہ ان علمائے اپنی کتابوں میں ایسے وہابیات تول کیوں نقل کیے اس لیے کہ ان بچاروں نے یہ اپنا قیاس دوڑا یا کہ اعمال تو اعراض تھے جو گزر گئے وہ بھلا کیونکر تولے جاوینگے۔ یہ قیاس امر آخرت میں بدعت کی جڑ ہو اور امام الاسکانی نے ابن عباس رضی سے روایت کی کہ اہل ابواء و منالہ کے نیا سادات اُنجا بہ انجام کرینگے کہ راہ رسالت چھوڑیں اور دہار حق سے منکر ہو جاویں۔ دیکھو وہ یہی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے امر آخرت کا دار مدار انھیں اعمال صالحہ پر رکھا ہو اور وہ بعینہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں موجود ہیں اور ہر ایک آدمی کے ساتھ لازم ہیں حتیٰ کہ قبر میں اُسکے ساتھ ہونگے اور قیامت میں ساتھ ہونگے۔ لہذا ان نیا سی لوگوں کو جواب دیا گیا کہ تم لوگ یونانیوں کی تقلید میں خود قائل ہو کہ علم اشعار بالماہیہ ہوتا ہو اور علم متولہ کیفیہ غرض قائم بذہن ہو تو یہ ماہیت جو خارج میں جو ہر تھی وہ تمہارے ذہن میں قائم ہوئی کیونکہ جو ہر وہ جو خود قائم ہو جیسے زمین و مکان و کتاب وغیرہ خارج میں خود موجود ہیں اور عرض اسکو کہتے ہو جو غیر کے ساتھ قائم ہو جیسے تمہاری کھال کے ساتھ رنگ قائم ہو کہ کھال نہ ہو تو رنگ بھی نہ رہے تو یہ علم ماہیت تمہارے ذہن میں قائم ہو کر عرض ہو گیا اور تم نے اقرار کیا کہ ہاں خارجی وجود میں دو جو ہر ہو اور ذہنی وجود میں عرض ہو گئی اور یہ بات جائز ہو۔ ہم کہتے ہیں کہ ایسا نادانوں جب اسی دنیا میں تم جائز رکھتے ہو تو کیوں نہیں کہتے کہ اعمال اس دنیا میں عرض تھے اور وہ آخرت میں جو ہر ہیں۔ یہ تو ان جاہلون کو چپ کر کے راہ راست پر لایا گیا طریقہ ہے اور حق یہ جو اعمال انسان کے ساتھ ایسے ہیں جیسے درخت کے پھل ہوتے ہیں اور وہ لازم ہیں حتیٰ کہ بد اعمال کسی طرح کسی شخص سے دفع نہیں ہوتے ہیں سوائے اسکے کہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگے تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے انکو دور کر دیتا ہو لیکن وہ بھی معدوم نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ جہاں چاہتا ہو رکھتا ہو اسی لیے حدیث میں ہو کہ اللہم باعد بینی و بین خطایای کما باعدت بین الشرق و المغرب یعنی الکی مجھے اور میری خطاؤں سے اس قدر دوری کر دے جس قدر مشرق و مغرب میں دوری ہو۔ اور حدیث میں ہو کہ قیامت میں بعض گنہگار مسلمان آویں گے جن پر ہاڑوں کے مانند گناہ ہونگے پس اللہ تعالیٰ ان گناہوں کو ان مسلمانوں سے اتار کر یہود و نصاریٰ پر ڈالے گا (راواہ مسلم فی الصحیح) واضح ہو کہ اسی سے یہ مسئلہ نکلا کہ اس زمانہ میں بہت سے مالدار جوانی میں فسق و فجور وغیرہ کرتے ہیں اور جب مرتے ہیں تو انکے ورثہ کچھ نقد روپیہ لیکر دفن کے وقت حافظوں سے کہتے ہیں کہ یہ روپیہ اس شرط سے تم کو مل سکتا ہو کہ تم اسکے گناہ اپنے اوپر لے لو اور نیکیاں اسکو دیدو۔ حافظ لوگ قبول کرتے ہیں یہ بعض فریب شیطانی جو حافظوں کو یہ اختیار نہیں کہ اُسکے گناہ اتار لیں لیکن حافظوں کے ایمان میں فطوری جبکہ انکو ایمان فروخت کرے میں باک نہواور گناہوں کے عذاب سے کچھ خوف نہوا حالانکہ بے خوف ہونا کفر ہو ابو السعد نے لکھا کہ ابن عباس رضی نے کہا کہ اعمال صالحہ اچھی صورت میں لائے جاوینگے اور اعمال بد قبیح صورت میں لائے جاوینگے اور وہ میزان عدل میں رکھے جاوینگے مگر ہم کہتا ہو کہ بعض احادیث سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہو کہ نامہ اعمال تولے جاویں چنانچہ حدیث بظاہر جمیع ایک شخص کے ننانوے بد کرداری کے نامہ اعمال و راز ہونگے جو ہر ایک اُسکی نظر جاتی ہو اور وہ نیکی سے مایوس ہوگا پھر اسکے واسطے ایک بظاہر نکالا جاوے گا جس میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت لکھی ہوگی وہ شخص کہیگا کہ بھلا ان ننانوے طویل نامہ اعمال کے مقابلہ میں یہ بظاہر کیا ہوگا لیکن جب وہ رکھا جائیگا تو ننانوے نامہ اعمال بالکل خفیف پتے کی طرح ہلکے پڑ جاوینگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ

اس روز و قسم کے اعمال والے ہیں ایک قسم وہ کہ جنکے اعمال بنام رب عزوجل اخلاص و توحید سے عمل میں لائے گئے یعنی ان اعمال کے واسطے روحانیت ہو اور میزان عدل میں انکی قدر و منزلت ہو اور دوم وہ قسم کہ جنکے اعمال مانند رنگ شمع کے پیچ ہیں نہ ان میں روح ہو اور نہ کسی کام کے ہیں سوائے اسکے کہ جنم میں البتہ آگ و سیلاب و بھجور و قوم انکی حقیقت ہے پس انھیں اعمال کے موافق اتارے جاوینگے جسکی تفصیل یہ ہے۔ **فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ**۔ پس جس شخص کی تولین بھاری ہو میں تو وہ عیش راضیہ میں ہو۔ موازن جمع میزان ہو بعض نے ترازو کے معنی لیے اور زعم کیا کہ ہر شخص کے لیے جدا گانہ میزان ہوگی اور یہ بعید ہے کیونکہ یہاں تو ضمیر واحد ہو تو ایک ہی شخص کے واسطے موازن ہیں اور یہاں تک ایک ہی شخص کے لیے بہت سی ترازو دین ہوگی بہت زیادہ بعید ہے بلکہ یہاں میزان بمعنی موزون ہو یعنی تولین تو معنی یہ کہ جس شخص کے مختلف اعمال کی تولین بھاری نکلیں یعنی برائیوں سے نیکیوں کے پلے بھاری ہوئے تو وہ شخص عیش راضیہ یعنی جنت میں ہو یا بمعنی میزان ترازو چنانچہ آئندہ آوے گا۔ عیشۂ زندگانی۔ راضیہ راضی ہونے والی تو معنی یہ کہ (زندگانی راضی ہونے والی) اگر کوہ زندگانی مرضیہ بولتے ہیں یعنی پسندیدہ زندگانی (جواب) زندگانی مرضیہ کے یہ معنی کہ وہ شخص اپنی زندگانی کو پسندیدہ رکھتا ہو یعنی مرضیہ زندگانی سے خود راضی ہو اور جب یہ فرمایا کہ زندگانی راضیہ تو یہ نہایت بلیغ ہوا یعنی وہ زندگانی خود اپنے آپ سے راضی ہو تو بھلا وہ شخص جسکے لیے یہ عطا ہوگی کس قدر خوش و ہمال ہوگا کہ بھولانہ سماویگا اور خلاصہ یہ کہ ایسی مرضیہ زندگی ہو کہ دنیا میں کوئی شخص اس کو قیاس میں تصور نہیں کر سکتا لیکن ایمانی عقل سے سمجھ سکتا ہو کہ بے مثل خوش و خوب زندگی ہو **اَلْوَالِیُّ السَّعُوْدُ وَخَطِیْبٌ وَبِضَاوٰی وِرَازِی** وغیرہ نے کہا کہ پہلے آیات میں عام حالت بیان کی کہ قبروں سے زندہ ہو کر عالم کی حجابی دیکھنے کے اور فرشتے کے مانند مشرین جمع ہونگے پھر محل بیان سے دو گروہ کیے تاکہ ہر ایک کو اپنی خاص حالت معلوم ہو ایک وہ جسکی موازن بھاری نکلیں اور دوم وہ جسکی موازن ہلکی پڑیں۔ موازن اگر موزون کی جمع ہے یعنی وہ چیز جو تولی گئی تو وہ عمل ہے جسکے واسطے اللہ تعالیٰ کے نزدیک قدر و وزن ہو اور یہ فراوم کا قول ہے اور اگر جمع میزان ہو تو ترازو مراد ہے (مسترحم کہتا ہے بلکہ کہو کہ تول مراد ہے) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میزان ایک ترازو ہے جسکے دو پلے اور اوپر کی زبان ہو اس میں نقطہ اعمال تولے جاوینگے مسترحم کہتا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیشک میزان کی تفسیر بیان کی اور یہ قرآن میں مذکور ہے اور احادیث میں منصوص ہے اور صحابہ و تابعین سے متواتر ثابت ہے تو اہل السنۃ رحمہم اللہ تعالیٰ سواد اعظم نے اسی پر ایمان رکھا پھر یہاں موازن جمع سے کیا مراد ہے کیونکہ میزان تو فقط ایک ہے لہذا محققین کے نزدیک یہاں تولین مراد ہیں جو اقسام اعمال سے متعلق ہیں اور صیغہ جمع کا فائدہ آئندہ واضح ہوگا کیونکہ اسی اشارہ سے اللہ تعالیٰ نے گنہگار مسلمانوں کو نکال لیا اور انبیر خوف باقی چھوڑ دیا واللہ اعلم۔ بالجمہ میزان پر اہل ایمان کا اعتقاد متواتر ہے **اَلْوَالِیُّ السَّعُوْدُ** وغیرہ نے لکھا کہ لوگوں نے کہا کہ اسمین اعمال نامہ رکھ کر تولے جاوینگے تاکہ سب خلایق دیکھ لیں کہ بالکل عدل کیا گیا اور کسی کافر وغیرہ کو عذر باقی نہ رہے۔ بعض بدعتی فرقوں نے کہا کہ وزن اس دن تولنا نہ ہوگا بلکہ حکم عدل و قضاے حق مراد ہے اور یہی بہت سے متاخرین نے اختیار کیا اور کہا کہ یہ ہم اس لیے کہتے ہیں کہ میزان سے تو فقط جسم و ارجز تول کر اسکی مقدار دریافت کر سکتے ہیں

یعنی جیسے ہر گندہ طیری اور فراش کے خفت و طیش و ضعف و ذلت و نادانی سے عرب کے لوگ مثل بیان کرتے ہیں لہذا اس صورت میں لوگوں کی مثال فراش سے بہت بلیغ ہو کیونکہ اس وقت ہول و خوف میں انکو طیش لاحق ہوگا اور داعی اسرافیل علیہ السلام کے آواز کی طرف دوڑینگے تو منتشر ہونگے اور تلے اوپر گرینگے اور جلدی کرینگے اور بہت سیرے آگ کی طرف جانے والے ہیں اور ضعف و ذلت و جہالت انپر طاری ہوگی (السراج) اور یہ حالت کفار و مشرکین کے واسطے ہو اور مترجم کا گمان یہ ہو کہ فراش و طیری کی تشبیہ میں بھی لطافت ہو کہ اس روز بوجہ روحانی ظہور کے اسکی ضرورت نہوگی کہ قدم ٹککنے کی جگہ ہو بلکہ جیسے فراش ہوتا ہو اسی لیے زمین کی تبدیل کیے جانے کے وقت جہنم کے اسی طرف ہونگے۔ ارمیٰ نے لکھا کہ اس روز کے دو وصف بیان کیے (ایک) یہ کہ لوگ مانند فراش مہبوث ہونگے یعنی سب مختلف جہات میں متخیر ہونگے اور باہم تلے اوپر موج مارینگے اور حدیث میں ہو کہ لوگ تین قسم ہیں عالم ہیں یا علم حق سیکھنے والے ہیں اور باقی مہمل ناکارہ غول ہیں اور کافراش اسلئے فرمایا کہ اس روز فراش سے یہ لوگ بدتر ہونگے کیونکہ فراش ہر خوف عذاب نہیں اور یہ لوگ عذاب میں ہونگے (خلاصہ کبیر) یعنی آمد و رفت میں ہولناک حالت سے متخیر حیران و منتشر ہونگے (ابن کثیر) اور (دوم) اس روز جبال عبد منفوش کی طرح ہونگے یعنی رنگین صوف جو دھنا جاوے کیونکہ پہاڑ مختلف رنگ ہیں اس تشبیہ میں اشارہ ہو کہ جب پہاڑ اس قارعہ سے اس حالت کو پہنچا تو انسان کا کیا حال ہوگا لیکن اس دن سوت نہیں ہو۔ (خلاصہ کبیر) ابو السعود نے لکھا کہ پہاڑوں کو رنگین صوف دھنی ہوئی سے تشبیہ اس طرح کہ پہاڑوں کے اجزائے مختلف ہوں کہ صوف کے گالے کی طرح ہوا میں اڑینگے۔ پھر واضح ہو کہ لوگوں کا فراش کے مانند ہونا اور پہاڑوں کا عبد منفوش کے مانند ہونا دونوں باتیں دوسری بار تصور بھونکنے کے بعد ہونگی جب خلق زندہ کر کے حشر کی جاوگی اور زمین بدلی جائیگی اور اسکی ہیات متغیر ہوگی اور پہاڑ زائل ہونگے اور ہولناک ہیات پیدا کی جائیگی تاکہ محشر کے لوگ اسکو آنکھوں دیکھیں (ابو السعود) مترجم کہتا ہو کہ وہ عظیم ہولناک امور متعلق بآخرت ہیں اور یہ معلوم کہ ضرور واقع ہونگے تو اسی قدر بالفعل کافی ہو اور یہ بیشک ظہر ہو کہ دوسرے نفع کے بعد زندہ ہو کر داعی اسرافیل کے آواز پر جانے میں فراش مہبوث کی کیفیت ہوگی اور حشر بہت وسیع ہو اس کے واسطے منازل و مقامات ہیں اور ہر گروہ اپنی منزل کی طرف بلا جاوے گا اور ہولناک منظر سے کفار و مشرکین کی آنکھیں پھرا جائیں گی وقال تعالیٰ یومئذ یبعثون الداعی لا عوج لہ الا یہ۔ یعنی اس روز بلانے والے کی پیروی میں ذرا بھی کجی نہ کرینگے اور الرحمن کی عظمت و ہیبت سے آوازیں عاجزی کے ساتھ بٹھج جائیں گی۔ ہ۔ اس روز ابتداء سے بہت عظیم ہولناک امور واقع ہونگے مثلاً اس عالم کا خراب ہونا اور محشر میں آفتاب نزدیک ہونا جس سے سر کے جیسے مثل دیگ کے جوش مارینگے آخر سب کا

نتیجہ فیصلہ قضا و اعمال ہیں لہذا اسی کو بیان فرمایا بقولہ تعالیٰ
فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ۖ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ ۝ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ
 سوجسکی بھاری ہونین تولین تو اسکو گزدان ہو من ماننی اور جسکی ہلکی ہوئیں
مَوَازِينُهُ ۖ فَامَّهُ هَاوِيَةٌ ۝ وَمَا أَذْرُكَ مَا هِيَهٗ ۝ نَارُ حَامِيَةٍ ۝
 تو اسکا ٹھکانا گرٹھا اور تو کیا بوجھا وہ کیا ہو آگ ہے دہکتی

باہر ہوا ابو السعدؓ نے کہا کہ (ما) استفہامیہ خبری اور القارعة مبتدا ہے یعنی القارعة ماہی۔ لیکن کیا ہے (ہی) ضمیر کے بھی بالقارعة
 اسم کہا جس سے ہول شدید ظاہر ہو۔ ہم نے یہ بار بیان کر دیا کہ فائدہ کا محل خبر ہوتی ہے مبتدا نہیں ہوتا اور بیان ہول و خوف کا
 محل اسی کلمہ (ما) سے ہے قارعة سے نہیں ہے (ما) یعنی وہ کیا ہولناک چیز ہے۔ اسی لیے آگے فرمایا۔ وَمَا أَذْرَاكَ مَا الْقَارِعَةُ
 اور کس چیز نے تجھے بتلایا کہ وہ قارعة کیا ہوتی ہے اسکی سختی و شدت اور اسکا ہول و فزع مخلوق کے انتہائے فہم سے باہر ہے
 مترجم کہتا ہے کہ (تجھے) خطاب ہر مخلوق کے لیے قرار دیا یعنی کوئی مخاطب نہ ہو سکتا اور اک کر سکتا ہے اور بعض نے آنحضرت صلی اللہ علیہ
 وسلم کو مخاطب ٹھہرایا یعنی اے محمد تجھے کس چیز نے بتلایا کہ قارعة کیا ہے یعنی تو بھی باوجود اس کمال کے کہ ہم نے تجھ کو افضل المخلوق پیدا
 کیا اور تیرے ہی لیے یہ آسمان و زمین بنائے ہیں تو بھی اس قارعة کی ہول و شدت کو نہیں سمجھ سکتا اور بعض علماء و رحمہ نے نقل کیا
 کہ سفیان بن عیینہ امام محدث کہتے تھے کہ قرآن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض چیزوں کی نسبت کہا کہ ما ادراک جیسے یہاں ہے
 تو اس کا علم اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کر دیا اگرچہ نزول آیت کے وقت نہ تھا اور بعض کی نسبت کہا ما یدرک یعنی کیا چیز کا
 آگاہ کرے گی کہ یہ بات کیا ہے جیسے قیامت کے وقت کی نسبت فرمایا ہے تو اسکا علم نہیں دیا مترجم کہتا ہے کہ (القارعة) کا علم حقیقت میں ہے
 کہ جب یہ قارعة ظاہر ہو تو بھلا اسکا علم بھی کیونکر ہو سکتا ہے۔ یہی رازیؒ نے بیان کیا ہے۔ ہاں یہ فرق ہے کہ کفار و مشرکین تو القارعة پر
 ایمان نہیں لاتے ہیں اور مومنین اور آسمان و زمین و ملائکہ و چرند پرند سب اس پر یقین لاتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ نہایت ہولناک
 معاملہ ہو اور یہ معلوم کہ اچانک جمعہ کے روز شروع ہوگی لہذا حدیث میں ہے کہ جمعہ کی رات سے یہ مخلوقات خوف میں رہتی ہیں یہاں تک
 کہ آفتاب نکل آوے تب مطمئن ہوتے ہیں سوائے جن و انسان کے کہ یہ لوگ امتحان میں ہیں ابو السعدؓ نے کہا کہ۔ ما ادراک القارعة
 میں (ما) محل ابتداء میں مرفوع ہے اور (ادراک) خبری اور برعکس نہیں ہو سکتا اور (القارعة) جملہ اسمیہ ہے جیسے اوپر گزرا یعنی القارعة
 مبتدا ہے اور ما خبری اور اس جملہ کا محل نصب ہے کیونکہ حرف ابجر بیان حذف ہے کیونکہ (ادراک) دوسرے مفعول کی طرف
 رہا ہے متعدی ہوتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ دلا ادراکم بہ۔ پھر جب بیان جملہ استفہامیہ معلق ہوا تو یہ دوم مفعول کی جگہ ہے اور یہ پورا جملہ اوپر
 معطوف ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے بعض صفات سے آگاہ فرمایا بقولہ تعالیٰ۔ یَوْمَ یَكُونُ النَّاسُ کَالْفَرَاشِ
 الْمَبْثُوثِ۔ وہ دن ہے کہ ہونگے لوگ جیسے مٹکے چھٹکے ہوئے فَرِّ مَحْشَرِی رَم نے کہا کہ او تفرع یوم کیونکہ الم یعنی
 قارعة اُس روز فرع کرے گی جس دن پتنگوں کے مانند چھٹکے ہونگے مترجم کہتا ہے کہ اولی یہ ہے کہ ستائیکم سے متعلق کیا جائے
 یعنی یہ ہولناک عنقریب ایک دن آوے گی وہ دن ہوگا کہ لوگ پتنگوں کی طرح چھٹکے ہونگے۔ وَتَكُونُ الْجِبَالُ
 کَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ۔ اور ہونگے پہاڑ مانند اُون دھنی ہوئی کے ف اُون کو عرب کے لوگ طح طح کے رنگ
 رنگنے کے بعد دھن ڈالتے ہیں۔ یہ تشبیہ بلیغ ہے اس لیے کہ پہاڑوں کے رنگ مختلف ہیں سیاہ و سفید و سرخ و غیرہ اور اُس روز
 سب کو فتنہ و ریزہ و ریگ ہو کر ہوا میں غلط ملط ہو کر منفوش ہونگے۔ اللہ تعالیٰ نے قارعة کے دو ہولناک امر
 بیان فرمائے ایک یہ کہ لوگ منتشر پتنگوں کی طرح ہونگے (دوم) یہ کہ پہاڑ دھنی اُون کی طرح ہو جائیں گے خطیبؒ نے لکھا کہ قتادہؒ
 نے کہا کہ فراش اُڑنے والا کثیر اجزاگ و چراغ میں گرتا ہے اور ایک ہوتا اُس کو فراشہ کہتے ہیں فرماؤ گے کہ کچھ و ٹیڑی وغیرہ
 کے قسم سے فراش ہے مترجم کہتا ہے کہ شاید ٹیڑی کو اس لیے شامل کیا کہ دوسری آیت میں کا جبراد المنتشر آیا ہے

كَالْفَرَّاشِ الْمُبْتُوثِ ۝ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْقُوشِ ۝

جیسے پتنگے بکھرے اور ہو دین پہاڑ جیسے رنگی اُون دھنی

راز می نے کہا کہ قرع یعنی ضربِ شدت ہو پھر عظیم حادثہ کو قارعہ کہنے لگے جیسے قولہ تعالیٰ القیامہ باصنعوا قارعة الآتۃ۔ یعنی جو حرکت اُن مشرکوں نے کی اسکا انجام یہ کہ برابر انکو قارعہ پہونچگی یعنی حادثہ عظیم یا انکے دیار کے قریب حلول کر گئی۔ عہ محاورہ میں کہتے ہیں کہ تقارعوا بالسیوف۔ یعنی دونوں فریق تلواروں کی سخت ضرب سے ٹرے رازی نے کہا کہ قارعہ نام کس سبب سے ہوا (جواب) اسکے واسطے وجہ بیان ہوئے ہیں (۱) یہ کہ اسکا سبب صحیح سخت ہو یعنی آوازِ کُرخت جس سے خلائق مر جاوینگے اسلیے کہ اول بار آواز سے عقلیں جاتی رہیںگی اور بیہوش صقع میں ہو جاوینگے اور دوسرے نفع میں سب مر جاوینگے حتیٰ کہ اسرائیل علیہ السلام بھی مر گیا یہاں تک کہ بھرا سکو اللہ تعالیٰ زندہ فرما دیگا پھر دوسری بار بھونکنے کا نوبت خلقت زندہ ہو کر اٹھیںگی۔ روایت ہے کہ صور میں بقدر مخلوقات کے سوراخ ہیں ہر فرد کے لیے ایک سوراخ معلوم ہے پس اسی سوراخ سے جو بھونک اس جسم کو پہونچگی وہ زندہ ہو جائیگا البالوسعود نے لکھا کہ القرع جس سے قارعہ مشتق ہو سختی کے ساتھ ضرب ہو جس سے سخت آواز پیدا ہوا اور یہ قیامت ہی اسکی ابتدا اول نفع صور سے ہوگی اور انتہا فیصلہ خلائق ہو جیسا کہ سورۃ التکویر میں بیان ہو چکا اور قارعہ نام اسوجہ سے ہوا کہ وہ بے انتہا ہول و فزع سے دلوں کو اور کالوں کو فزع و کوفتہ کر گئی (وجہ دوم) قارعہ نام اسلیے کہ سب اجرام آسمانی و زمینی وغیرہ جو عالم میں ہیں وہ خراب کیے جانے کے وقت بڑی شدت سے تلے اوپر کوفتہ ہونگے تو آواز سخت و کُرخت ہوگی (وجہ ۳) ہول و فزع سے لوگوں کو کوفتہ کر گئی چنانچہ آسمانوں کی یہ حالت ہوگی کہ پھٹ کر ٹکڑے ڈشگاف ہونگے سورج و چاند بے نور ہو کر لپیٹ دیے جاوینگے۔ ستارے بکھر جاوینگے۔ پہاڑ باہم کوفتہ و ریزہ ریزہ ریت کر کے اڑا دیے جاوینگے اور زمین لپیٹ کر تبدیل کی جاوینگی یہ کلمی کا قول ہے (وجہ ۴) یہ قارعہ کفار و مشرکین وغیرہ دشمنانِ خدا کو خواری و نکال و عذاب سے کوفتہ کر گئی۔ یہ مقابلِ رم کا قول ہے۔ بعض محققین نے کہا کہ کلمی کے قول سے یہ قول بہتر ہے اسلیے کہ اہل ایمان کے واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہم من فزع بومئذ آمنون۔ یعنی مومنین آج کے دن فزع سے بخوف ہونگے (کبیر) الْقَارِعَةُ مَا الْقَارِعَةُ۔ القارعہ کیا ہے القارعہ ف رازی نے کہا کہ القارعة اگر تحذیر کے طریقے سے ہو تو رفع و نصب دونوں جائز ہیں یعنی ڈرو قارعہ سے ڈرو۔ اگر فعل محذوف ہو تو بھی جواز ہے کیونکہ اوپر آیا ہے کہ بشر مافی القبور۔ تو یہ سوال تھا کہ کب ہوگا تو فرمایا۔ القارعة یعنی غرقیب قارعہ آتی ہے اور مشہور اعراب یہ کہ القارعة مبتدا ہے اور القارعة خبر ہے بیان سوال پر کرتے ہیں کہ مبتدا و خبر دونوں القارعہ ہیں تو کیا سمجھا جاوے جیسے کہیں کہ آسمان یہ آسمان ہے تو فائدہ نہیں حاصل ہوتا (جواب) یہ کہ القارعہ کہنے سے عربی لفظ کے موافق حادثہ سخت سمجھا جاتا اور دنیا میں جو بے انتہا سخت حادثہ خیال میں آوے اسکو آخر انسان اٹھا لیتا ہے اور انجام یہ کہ مر گیا اور کفار و جاہل لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا میں حوادث و آفات وغیرہ سب تکلیفات کا خاتمہ مرنے سے ہو جاتا ہے اور یہ نہیں جانتے کہ بعد موت کے صالحین کے واسطے بے انتہا راحت ہے و لیکن فاجرین کے لیے ایسا عذاب ہے کہ دنیا میں اسکا نمونہ ممکن نہیں ہو لیکن یہ سورہ مبارک تو کافروں ہی کو ہدایت کرنے کے واسطے آیا ہے اور وہ القارعہ سن کر اپنے خیال کے موافق سمجھتے تو فرمایا۔ ما القارعة۔ وہ قارعہ کیا ہے یعنی وہ قیاس سے

کہ مقبور دنیا کی سب خیر ہر انسان ہو یا حیوان ہو کیونکہ مقبور کرنے سے یہ مراد ہے کہ خاک میں ملا دیا جاوے خواہ کسی طرح ہو حتیٰ کہ جو حلال کر کے کھالیا گیا وہ بھی مقبور ہو گیا اور تمام جانوروں میں انسان بہت کم ہے اس لیے کثرت والے جانوروں کا اعتبار کر کے (ما) سے تعبیر فرمایا تو کہ حاصل کافی الصدور سے اظہار کیونکہ ہو گا اس لیے کہ پھر جسم پیدا کیا جاوے گا (جواب) اُس پیدا ہونے میں ہر ایک خیر جو بیان خفیہ ہو ظاہر ہوگی حتیٰ کہ روح ظاہر ہوگی اسی لیے اگر وہ ان پکارا جاوے گا کہ صابرین اٹھیں تو وہی اٹھیں گے جن سے صبر ظاہر ہو (اگر کہو) کہ اُس روز خیر ہم نے کی کیا خصوصیت ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ جانتا ہے (جواب) جاہل کافروں کو تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ذرہ ذرہ اعمال سے خود خبردار ہو اور اس روز بھی علیم خبر ہے وہ بھولتا نہیں ہے اور اُس روز اگرچہ تمہارے اعمال خود ظاہر ہو جاوے گئے تو اسپر بھی موقوف نہیں ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ظاہر و خفی سب برابر ہے و اللہ اعلم فی الاولیٰ والاخرہ **ف شیخ ابن العزلی** رحم نے اشارات میں لکھا کہ عادات وہ نفوس ہیں جو راہ الہی میں حکم سارع الی مغفرة الآیہ - اور حکم فاسعوا الی ذکر اللہ الآیہ - تیز دوڑتے ہیں اور سوق میں انکی سانس سرد ہے - فالوریات - نور عقل سے مملو کی ترکیب سے قدح کر کے نتائج نکالتے ہیں - فالغیرات - روایات کدورات نفس کو موریات کی روشنی میں غارت کرتے ہیں جبکہ صبح توفیق سے روشنی حاصل ہوتی ہے - فاشرن - تو اس غبار کو بر باد کرتے ہیں اور بجائے اسکے سکینت و طمانینت آجاتی ہے فوسطن - پس متوسط عدل پر ہو جاتے ہیں درمیان جمیع اخلاق کے اس لیے کہ مثلاً غضب اگرچہ بُرا ہو لیکن جب حد سے زائد ہو اور اعتدال پر خوب ہو جبکہ غضب کفار پر ہو یا شرع کی ہتک حرمت پر ہو تو خلاصہ یہ کہ اعتدال وسط جمیع صفات میں کمال ہے - شیخ رحم نے اثارہ نفع سے بدنی ریاضت کا اشارہ کیا کہ وہ خفیف لطیف ہو کر قابل عروج ہو جاتا ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن مبارک معراج میں صاعد ہوا تھا واللہ تعالیٰ اعلم

سورة القارعة مكية وبي احدى عشرة آية

یہ سورہ بلا خلاف مکیہ ہے ولیکن اسکی آیات کے شمار میں اختلاف ہے بعض نے کہا کہ آٹھ آیات ہیں اور بعض نے کہا کہ دس ہیں اسکو ابو السعود رحم نے اختیار کیا اور بعض نے کہا کہ گیارہ ہیں یہی رازی و خطیب وغیرہ کے نزدیک مختار ہے اور چھتیس کلمات ہیں اور ایک سو باون حروف ہیں کافی السراج القارعة قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے قرع ٹھونکنا چونکہ اُس روز بہت کڑخت نفع ہو گا لہذا یہ نام ہوا خطیب نے کہا کہ سورہ والعا دیات کو ذکر بعث پر ختم فرمایا تو یہاں سے بعث کا صحیح (کڑخت آواز) بیان کیا رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ والعا دیات کا خاتمہ یہ تھا کہ یومئذ نجیر - تو گویا سوال ہوا کہ وہ دن کیا ہے پس فرمایا کہ وہ القارعة ہے -

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

القارعة ۱۰۱ مَا الْقَارِعَةُ ۚ وَمَا أَذْرَكَ مَا الْقَارِعَةُ ۚ يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ دُكَّارًا ۚ

شروع اللہ کے نام جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہو دھکڑھکڑاتی کیا ہو دھکڑھکڑاتی اور ٹوکیا بوجھا کیا ہو دھکڑھکڑاتی جس دن ہو دین لوگ

میں بہر حال کفر و فسق میں داخل نہیں ہو سکتے ہیں اور اگر سب انسان کی طرف رکھیں تو مطلب یہ ہوگا کہ انسان کی طبیعت اسکو کفروں پر ابھارنی ہو لیکن جسکو اللہ تعالیٰ بجاوے وہ بچتا ہو اور اگر یہاں خاص انسان مراد ہو تو کچھ مشکل نہیں ہو اور یہی اکثر مفسرین کا قول ہے یہ کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ یہ آیت ایک شخص قرشی کے حق میں نازل ہوئی جسکا نام قرط بن عبد اللہ بن عمرو بن نوفل تھا۔ **وَإِنَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ لَشَهِيدٌ**۔ اور بیشک وہ اس بات پر شاہد ہو ف۔ ائمہ کی ضمیر رب عزوجل کی طرف ہوا انسان مذکور کی طرف ہوا اسیدو اسطے و تفسیر میں مذکور ہیں۔ قتادہ و سیفان ثوری نے کہا یعنی بیشک اللہ تعالیٰ اس پر شاہد ہے یعنی جو کچھ وہ انسان کرتا ہو اللہ تعالیٰ سب دیکھتا و جانتا ہے۔ محمد بن کعب القرظی نے کہا یعنی یہ انسان اس بات پر شاہد ہے یعنی انسان کی حالت خود ایسی ہو کہ وہ زبان حال خود اپنے اوپر گواہ ہو کہ وہ پیر و درگاہ کا کونڈا ہی ہمیشہ اسکی نعمتوں کی ناشکری کیا کرتا ہے۔ **وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ**۔ اور وہ بیشک بھلائی کی محبت میں بہت سخت ہو ف یعنی دنیا کی متاع جسکو راحت کے لیے پسند کرے اسکی محبت میں بڑا مضبوط ہو۔ ابو السعود نے کہا کہ اشارہ ہے کہ منافق کو نفاق پر آمادہ کرینکا ایک باعث یہ مالی محبت بھی ہو ابن کثیر رحمہ نے کہا کہ اس میں دو فوائد ہیں ایک یہ کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ انسان اس مال سے بہت محبت سخت رکھتا ہے (دوم) یہ کہ انسان بوجہ سخت محبت مال کے بخل ہے۔ یہ دونوں تفسیر میں صحیح ہیں رازی رحمہ نے لکھا کہ معنی یہ کہ محبت مال سے بخل یا مال کی محبت میں قوی ہے یعنی محنت میں قوی و مضبوط ہو اور آخرت کے لیے عبادت و طاعت میں کمزور ہو مترجم کہتا ہے کہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ پورے انسان کا دل دو باتوں میں جو ان ہوتا ہو مال و عمر۔ (صحیح) اور ایک روایت میں ہے کہ جب آدمی لوٹھا ہوتا ہو تو اسکی دو چیز جو ان ہو جاتی ہیں مال زیادہ حاصل ہونا اور دنیا میں زیادہ زندہ رہنا۔ واضح ہو کہ جس قدر آخرت کی طرف سے بے قدری ہوگی اسی قدر دنیا میں نفاق انسان کے دل میں جڑ پکڑے گا اور جس قدر نفاق زیادہ ہوگا تو اسی قدر یہ حالت زیادہ ہوگی اللہ تعالیٰ ہم کو اس سے پناہ دے ابن کثیر رحمہ نے لکھا کہ پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا سے بے رغبت کرنے اور آخرت کی طرف مائل کرنے کے لیے آئندہ ضروری واقع ہونے والے امور سے آگاہ کیا بقولہ تعالیٰ۔ **يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذُنُوبٍ وَأَنْتُمْ عَلَىٰهَا كَافِرُونَ**۔ **إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ إِنَّا رَبُّهُمْ يَوْمَئِذٍ خَبِيرٌ** پس کیا وہ جانتا نہیں ہے کہ جب برا لکھنے کی جائیگی وہ چیز جو قبروں میں ہو اور محصل کر دی جائیگی وہ چیز جو سینوں میں ہو بیشک انکار اب اس روزانے ساتھ خوب خبردار ہو ف یعنی کیا انسان کو یہ علم نہیں ہے کہ جب قبروں سے مردے اٹھائے جائیں گے اور جو کچھ سینوں میں اعتقاد و خیالات ہیں سب عیان کر دیے جائیں گے تو اس روز رب عزوجل اُن کے اعتقادات و خیالات کی سزا و جزا دیگا کیونکہ اُس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ قولہ حصل ما فی الصدور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا جو کچھ دلوں و نفوس میں چھپاتے تھے اللہ تعالیٰ وہ سب ظاہر کرے گا۔ ان ربہم الخ یعنی انکار اب عزوجل سب خبردار ہے جو کچھ خفیہ و ظاہر کیا کرتے تھے سب کا عوص دیگا اور ذرہ برابر ظلم نہوگا۔ اگر کو کہ بشار ما فی القبور میں (ما) غیر عاقل کے لیے جو کچھ خفیہ و ظاہر کیا کرتے تھے سب کا عوص دیگا اور ذرہ برابر ظلم نہوگا۔ اگر کو کہ بشار ما فی القبور میں (ما) غیر عاقل کے لیے بولا جاتا ہے اور یہاں قبور سے انسان اٹھائے جائیں گے تو (من فی القبور) ہونا چاہیے تھا (جواب) ابو السعود رحمہ نے کہا کہ عاقل تو دنیاوی زندگی تک تھا اور قبر میں فقط مردہ جسم ہی اس لیے (ما) سے تعبیر کیا گیا اور رازی رحمہ نے کہا

فاثر بن بقیعاً۔ پس اس سے نفع یعنی غبار اُبھارے و اڑاتے ہیں دونوں فریق علمائے کہا یعنی جہاں یہ خیل یا اونٹ ہوتے ہیں وہاں غبار بلند ہوتا ہے خواہ حج ہو یا جہاد ہو۔ فوسطن بہ جمعاً۔ یعنی جماعت کفار کے وسط میں ہو جاتے ہیں یہاں یہ معنی کہ سب اس مقام کے وسط میں جمع ہو جاتے ہیں۔ بیان ابو بکر البرزازی نے ایک حدیث غریب روایت کی کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سواروں کا خیل بھیجا وہ ایک مہینہ تک باہر رہا اور کچھ خبر معلوم نہ ہوئی (یعنی منافقوں و یہود نے کہنا شروع کیا کہ وہ مارے گئے) پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ والعادیات ضجاً۔ یعنی اپنے پانٹوں سے ضج کیا (شاید یہ معنی کہ تیز قدم دوڑے تاکہ ضج ظاہر ہو) فالمریات قدحاً۔ یعنی اپنی ٹاپوں سے پتھروں کو قدح کیا تو آگ نکالی فالغیرات صبغاً۔ قوم کفار پر صجکو چھاپہ مارا۔ فاثر بن بقیعاً۔ پس غبار اُبھار دیا۔ فوسطن بہ جمعاً۔ تمام قوم پر صجکو سب نے حملہ کیا (اسناد میں سوائے بعض کے ثقات ہیں ولیکن غریب ہزار زمری نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے خیل کی قسم کھائی کیونکہ کروڑوں حملہ و حرب و طلب وغیرہ میں اسکی خصلتیں نفیس ہیں کوئی جانور اسکے مثل نہیں ہے اور قولہ فوسطن بہ جمعاً ضمیر رہبرِ عدو کی جانب راجع یعنی تیز دوڑو اور معنی یہ کہ تیز دوڑ کے ساتھ جماعت دشمن کے وسط میں ہو گئے۔ اور حدیث میں ہے کہ خیل کی پیشانی میں قیامت تک ہستری بندھی سے خواہ ثواب سے یا غنیمت سے

إِنَّ الْأَلْسَانَ لِرَبِّهِمْ لَكَنُودٌ ۝ وَإِنَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ لَشَهِيدٌ ۝ وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ ۝ أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ ۖ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ۖ

یے شک آدمی اپنے رب کا ناشکر ہے اور وہ یہ کام سامنے دیکھتا ہے اور آدمی محبت ہر مال کی مضبوط ہے کیا نہیں جانتا وہ وقت کریدے جاوینگے جو قبروں میں ہیں اور تحقیق ہو جو جہنم میں ہے

إِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ ۝

بیشک اُنکے رب کو انکی اُس دن سب خبر ہے

اللہ تعالیٰ نے والعادیات الخ کی قسم سے فرمایا کہ۔ إِنَّ الْأَلْسَانَ لِرَبِّهِمْ لَكَنُودٌ۔ البتہ انسان اپنے رب کے واسطے کفور ہو ف کَنُود کے اصل معنی یہ کہ حق نہ دے اور بھلائی سے روکے اور مفسرین کے متعدد عبارات میں اسکے معنی بیان کیے چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما و مجاہد و قتادہ و ضحاک و عکرمہ نے کہا کہ کَنُود یعنی کفور ہے (کبیر) یعنی اپنے رب عزوجل کی نعمتیں اُسی کی قدرت و عظمت سے دیکھتا ہے پھر دیدہ و دانستہ ان نعمتوں سے منکر اور ناشکر ہے۔ یہ ابن عباس و مجاہد و ابراہیم نخعی و ابوجوزا و ابوالعالیہ و ابوالضحیٰ و سعید بن جبیر و محمد بن قیس و ضحاک و حسن و قتادہ و ربیع بن انس و ابن زید نے بیان کیا۔ حسن بصری نے کہا کہ کَنُود وہ ہے جو اپنے اوپر مصیبتیں بیان کرے اور اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں اس پر فرمائی ہیں اُنکو بھول جاوے۔ ابن ابی حاتم نے باسناد ضعیف روایت کی کہ ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا کہ کَنُود وہ ہے جو نہ کھاوے اور اپنے غلام کو مارے اور اپنا نفع روکے لیکن ابن جریر رحمہ اللہ نے دوسری اسناد صالح سے اسکو ابوامامہ رضی اللہ عنہ کا قول روایت کیا (ابن جریر رحمہ اللہ) نے کہا کہ کَنُود قبیلہ کنذہ کی زبان میں نافرمانی کر کے والا۔ بنی مالک کی زبان میں بخیل ہے اور مضر و ربیعہ کی زبان میں ناشکری کرنے والا و آفح ہو کہ کَنُود کے

میرے پاس سے چلا گیا اور سفایہ زمرہ کے پاس امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے جا کر پوچھا اپنے فرمایا کہ تو نے مجھے پہلے کسی سے پوچھا ہوا ہے کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا انھوں نے کہا کہ والعا دیات خیل میں جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں غارت کریں فرمایا کہ جا کر ابن عباس رضی اللہ عنہ کو میرے پاس لاؤ۔ جب میں آیا تو فرمایا کہ بغیر علم کے لوگوں کو فتویٰ دیا کرتا ہے واللہ اسلام میں سب سے پہلا جہاد بدر تھا لیکن اس جہاد میں ہم لوگوں کے پاس گھوڑے نہ تھے سوائے دو گھوڑوں کے ایک نسر بن العوم کے پاس تھا اور ایک مقداد بن الاسود کے پاس تھا تو والعا دیات ضحاک کیوں گھوڑے ہوئے بلکہ والعا دیات ضحاک عروہ سے مزدلفہ کی طرف اور عروہ سے منی کی طرف ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جبرین نے اپنا قول چھوڑ دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول لے لیا (اسناد صحیح) اسی اسناد کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ والعا دیات ضحاک عروہ سے مزدلفہ کی طرف ہے پھر سب مزدلفہ پہنچے تو وہاں آگ جلاتی ہیں واضح ہے کہ حضرت علی کے قول کے موافق ابراہیم و عبید بن حمیر وغیرہ جماعت نے کہا اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے موافق مجاہد و عکرمہ قتادہ و شحاک و عطاء وغیرہم نے کہا ہی۔ امام ابن جریر نے اسی قول کو پسند کیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کوئی جو باہر ضحاک نہیں کرتا سوائے گھوڑے دگتے کے اور عطارہم نے کہا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حکایت (أح) سے بیان کرتے اس جماعت میں سے اکثر نے کہا کہ فالمریات قدحاً۔ یعنی اپنی ٹاپوں سے قدح کر کے آگ نکالتے ہیں قتادہم نے کہا بلکہ یہ معنی ہیں کہ یہ خیل اپنے سواروں میں آگ بکھڑکاتے ہیں یعنی جب لڑائی میں بکھڑکاتے ہیں اقول یہ محاورہ بھی آیا ہے لقولہ تعالیٰ کما اوقدوا نار الحرب یعنی ہر باوجود ان لوگوں نے لڑائی کی آگ جلائی تو اللہ تعالیٰ نے اُسکو بجھا دیا۔ ابن جریر نے کہا کہ پہلا قول صواب ہے یعنی والعا دیات ضحاک سے خیل (گھوڑے) مراد ہیں جب دشمن پر تیر و ڈھن صبح کریں۔ فالمریات قدحاً۔ بکھڑکاتی ٹاپوں سے آگ بکھڑکاتے والے (ابن کثیر رحمہ) رازی نے کہا کہ آیات کی نظم صاف بکارتی ہے کہ خیل مراد ہیں اور ضحاک بھی فقط گھوڑے کی دڑ میں ہوتا ہے اور انڈ میں ضحاک نہیں ہوتا لیکن مجازاً استعارہ لیا جاوے حالانکہ بے ضرورت حقیقت کو چھوڑ کر مجاز لینا جائز نہیں ہے علاوہ اسکے فالمریات۔ خیل کی ٹاپ سے ہو سکتا ہے اور انڈ کے گھر سے نہیں ہے اور اسی طرح فالخیرات صبحا میں اغارہ و چھاپہ ماہ نا جس آسانی سے خیل کے ساتھ ہوتا ہے وہ انڈ سے نہیں ممکن ہے خیلوں نے انڈ کے ساتھ تفسیر کی فالخیرات سے تیر رفتار کے معنی لیے یعنی دسویں ذی الحجہ کو منی کی جانب تیر روانہ ہوتے ہیں جس سے غبار اڑتا ہے محمد بن کعب سے روایت ہے کہ غبار مزدلفہ سے منی تک ہوتا ہے اور قولہ فوسطن یہ جمعاً۔ یعنی مقام جمع میں وسط میں رہتے ہیں۔ مزدلفہ کا نام جمع ہے کیونکہ عرفہ سے حاجی لوگ چل کر مزدلفہ میں جمع ہوتے ہیں اور یہاں آگ جلا کر کھانا وغیرہ پکاتے ہیں رازی نے کہا کہ انڈ کی تفسیر سے فائدہ ایک تو یہ کہ انڈ کے فوائد عجیبہ نمونہ قدرت ہیں دوم حج کی ترغیب ہے اور خیل سے تفسیر خیل کی بزرگی و منافع ظاہر ہیں اور ارشاد کیا کہ گھوڑا فخر و دریا کے طور پر بانڈ ہندا بال ہے بلکہ گھوڑے کے بانڈھنے میں اصل مقصود یہی کہ راہ الہی میں عادیات ہوں (کبیر وغیرہ) پس قولہ والعا دیات ضحاک یعنی قسم اُن گھوڑوں کی جو راہ الہی میں ایسے تیز رفتار ہیں کہ اُن سے ضحاک کی آواز آتی ہے۔ فالمریات قدحاً۔ پس ٹاپوں کے سخت صدمہ سے آگ بکھڑکاتی ہیں۔ فالخیرات صبحاً۔ پس صبح کو اغارہ کرنے والے ہیں۔ ابن عباس و مجاہد و قتادہ نے کہا کہ راہ الہی میں خیل کا اغارہ ہے جسے اہل سے تفسیر کی تو کہا کہ صبح کو مزدلفہ سے منی کی طرف چلتے ہیں

نَقْعًا ۱ قَوْسَطُنْ بِهْ جَمْعًا ۱

اُس میں گرد پھریٹے جاتے اُس وقت فوج میں

خطیب و رازی نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ وَالْعَادِيَاتِ ضَبْحًا۔ قسم عادیات کی بجائیکہ ضابجہ میں ف عادیات جمع عادیہ تیز دوڑنے والی۔ واضح ہو کہ ضج وہ آواز ہے جو خیل (گھوڑے) کی دوڑ میں اُسکی سانس سے نکلتی ہے اور یہ آواز وہن مانند صہیل و حمہ کے نہیں ہے بلکہ سانس کی آواز ہے خطیب نے لکھا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آواز کو لَارُح (أح) سے بتلایا۔ عرب خیل کو مَوْنُث لفظ میں بولتے ہیں لہذا والعادیات فرمایا۔ اور جبکہ ضج ان جانوروں میں فقط گھوڑے کے لیے ہی تو معنی یہ کہ قسم تیز دوڑنے والے گھوڑوں کی جن سے آواز نکلتی ہے علما نے والعادیات کی تفسیر میں اختلاف کیا یعنی بعض نے حقیقی معنی لیے اور بعض نے استعارہ مجازی لیا (اول) حضرت علی دابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اونٹ مراد ہیں۔ یہی معنی ابراہیم نخعی و قرطبی کا قول ہے (دوم) ابن عباس رضی اللہ عنہ مجاہد و قتادہ و ضحاک و عطاء و اکثر محققین نے کہا کہ گھوڑے مراد ہیں اگرچہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا چنانچہ لکھا کہ اللہ تعالیٰ خیل کی قسم فرماتا ہے جب وہ راہ الہی میں روان کیے جا دیں تو تیز دوڑیں اور ضج کی آواز نکلے جو خیل کی دوڑ میں سُنائی دیتی ہے۔ قَالُمُورِيَّتٍ قَدْ حَاكَ بَهْرًا نَحْلًا والیان و تدح کر کے ف یعنی خیل کی ٹاپ پتھر پر پڑنے سے جنگاریاں اڑتی ہیں جیسے چمق پتھروں کو گر گرنے میں آگ نکلتی ہے اور تدح کو فت کرنا اور گر گڑنا۔ قَالُمُعْنِيَّتٍ ضَبْحًا۔ پھر چھاپہ مارنے والیان صبح کو ف دستور یہ تھا کہ راتوں رات دور کی منزلیں طو کر کے کسی قوم کے قریب پہونچ کر صبح ہوتے اسپر چھاپہ مارتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کو اُس قوم سے اذان سننے کا انتظار فرماتے تھے اگر اس قوم سے اذان کی آواز سُنائی دی تو روک لیتے اور اگر آواز نہ آئی اور معلوم ہوا کہ یہ کافر شرک و کفر پر ہیں تو چھاپہ مارتے تھے قَالُمُورِيَّتٍ قَدْ حَاكَ بَهْرًا نَحْلًا۔ پس اکھارنے والیان اس سے غبار کو ف یعنی خیل کے اغارہ سے غبار اُٹھتا و بلند ہوتا ہے قَوْسَطُنْ بِهْ جَمْعًا۔ پھر اُس سے سج میں ہو جانے والیان سب کی سب ف یعنی سب اس جگہ میں وسط میں جمع ہو جاتے ہیں مترجم کہتا ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ اس صورت میں یہ کہا جاوے کہ اس فعل سے یہ خیل ایک جماعت کو وسط میں کر لیتی ہیں کیونکہ غارت سے جب غبار بلند ہوا اور قوم متحیر ہوئی تو بھگانے کی طانت نہیں پاتے بلکہ خیل سواروں کے درمیان میں گھر جاتے ہیں واللہ تعالیٰ اعلم ابن ابی عمیر نے باسناد صحیح روایت کی کہ ابراہیم نخعی نے کہا کہ عبد اللہ بن مسعود نے کہا کہ والعادیات ضبجہ۔ اونٹ ہیں اور علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ اونٹ ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ گھوڑے ہیں۔ یہ خبر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہونچی تو فرمایا کہ ہمارے پاس بدر کے روز گھوڑے نہ تھے یہ بات ایک سریہ میں تھی جو بھیجا گیا تھا مترجم کہتا ہے کہ سریہ وہ لشکر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی سردار کے ساتھ بھیجتے اور خود اس میں نہیں جاتے تھے۔ ابن جریر و ابن ابی حاتم نے یونس بن عبد الاعلیٰ عن ابن وہب باسناد صحیح بطریق سعید بن جبیر عن ابن عباس روایت کی کہ میں حجر میں بیٹھا تھا یعنی ابام حجاج میں کہ اتنے میں ایک شخص آکر مجھے بوجھا کہ قولہ تعالیٰ والعادیات ضبجہ۔ میں نے کہا کہ یہ گھوڑے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں چھاپہ مار رہے ہیں پھر رات میں اپنی جگہ آ دیں تو انکے سوار اپنے کھانے کے واسطے آگ جلا دیں وہ شخص

القرطبی نے کہا کہ کافرا اپنی بھلائی مانند خیرات و صدقہ کے دنیا میں پاتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے بیان اسکے واسطے کچھ نہیں ہوا اور
 مومن نے اگر برائی کی تو اسکی سزا اپنی جان و مال و اولاد میں دنیا میں پاتا ہو اور جب دنیا سے نکلا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسکے
 لیے نیکیاں ذخیرہ ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ قرآن میں یہ سب سے محکم آیت ہو اور کعب احبار نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
 وسلم پر یہ دو آیتیں ایسی نازل ہوئیں کہ انھوں نے جو کچھ توریت و زبور و انجیل و صحف میں تھاسب کو احاطہ کر لیا۔ علماء امت متفق
 ہیں کہ یہ آیت ہرسم کی نیکی و بدی میں عام ہو۔ آنحضرت صلعم نے اسکو آیت فاذہ جامعہ نام دیا۔ ربیع بن خثیم نے کہا کہ ایک شخص
 کانز حسن بصری کی طرف ہوا جو یہی آیت پڑھتے تھے تو سنکر کہا کہ بس آپ کی نصیحت اتنا کو پہنچ گئی اسی قدر مجھے
 کافی ہو اقول یہ بات سمعہ بن معاذ یہ ہے جو فرزدق رحمہ کے چچا ہیں رسول اللہ صلعم سے عرض کی تھی چنانچہ اسکا بیان
 اور بزرگچا ہر ف عرائس میں اسکے اشارات کو معارف میں لیا اور ابن العربی رحمہ نے موت کے ساتھ لیا اور دونوں میں
 ہر ایک نے اپنی اپنی اصل پر کلام کیا پس عرائس البیان کی اصل یہ ہو کہ انسان کا نفس امارہ ہو وہ جب مرتا ہو تو البتہ معارف
 میں داخل ہوتا ہو اور موت یہ ہو کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں بالکل نفس کو اسکے تابع کرے تو وہ اپنی خواہش و
 بامارگی سے مردہ ہو جاتی ہو اور حدیث میں یہ ہو کہ تم میں سے کوئی مومن نہ ہوگا یہاں تک کہ اسکی ہوا اس چیز کے تابع ہو جاوے
 جو میں لایا ہوں (سمیع) اور حدیث میں یہ ہو کہ آدمی نے جب اوسپر عمل کیا جو جانتا ہو تو اللہ تعالیٰ اوسکو ایسی چیز کا علم دیتا ہے جو
 نہیں جانتا تھا ابن العربی رحمہ کا اصول یہ ہو کہ آیت میں قیامت کا بیان ہو اور موت قیامت صغریٰ ہو تو اسی کی نظیر ہے لہذا
 اشارہ میں کہا کہ نزع روح کے وقت بدن مضطرب ہوتا ہو اور وہ الثقال کو نکال دیتا ہو۔ الثقال جمع ثقل بمعنی اسباب خانہ
 اور مراد یہ کہ قوی و حیوانی ارواح و ہیات اعمال و اعتقادات و نسخہ نکال دیتا ہو مترجم کنتا ہو کہ تفسیر واضح تو اوپر مفصل بیان ہو چکی

سورة العنایت مکیہ وہی احادیث عشرۃ ایتہ

ابن مسعود رضی اللہ عنہ و جابر رحمہ و حسن رحمہ و عکرمہ رحمہ و عطار رحمہ کے قول میں یہ سورہ مکیہ ہو اور ابن عباس رضی اللہ عنہما و قتادہ رحمہ کے
 قول میں مدینہ ہو ابو السعود رحمہ نے لکھا کہ اسکے مکیہ و مدینہ ہونے میں اختلاف ہو و رازی و ابن کثیر وغیرہ نے مکیہ لکھا گویا انکے
 نزدیک یہی راجح ہو۔ آیات گیارہ ہیں اور چالیس کلمات اور ایک سو ترستھ حروف ہیں کمافی السراج حسن بصری رحمہ
 نے مرسل روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اذ از لزلت نصف قرآن کے برابر ہو اور العادیات
 نصف قرآن کے برابر ہے (ابو عبیدہ) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع اسکے مثل روایت ہو اور کہا کہ قل ہو اللہ احد ساوی تہائی
 قرآن کے اور قل یا ایہا الکافرون برابر چارم قرآن کے ہے (رواہ محمد بن نصر المروزی رحمہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالْعَدِیٰتِ ضَبَجًا ۝ فَاَلْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا ۝ فَاَلْغُیْرٰتِ ضَبَجًا ۝ فَاَنْزِلْنٰ بِہِمْ
 قسم ہے دوڑتے گھوڑوں کی ہانپتے پھر آگ سلگاتے جھاڑ کر پھر دھاڑ دیتے صبح کو پھر اٹھاتے

عمل سے نجات نہیں پاویگا۔ میں نے کہا کہ کیا آپ بھی نہیں یا رسول اللہ فرمایا کہ نہ میں مگر آنگہ مجبور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں ڈھانک لے اس حدیث کو فقط ابن السیعمہ نے روایت کیا ہے مترجم کہتا ہے کہ یہ معانی تو احادیث میں ثابت ہیں ولیکن اس سیاق سے مجموعہ فقط ابن السیعمہ نے روایت کیا ہے۔ ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ تابعی سے روایت کی کہ سعید رحمہ نے کہا کہ جب نازل ہوا تو اللہ تعالیٰ ولطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیمًا وایسیرا۔ یعنی طعام کو باوجود اسکے دوست رکھنے کے مسکین و یتیم و ایسیر کو دیتے ہیں۔ ۵۔ تو مسلمانوں کا یہ خیال تھا کہ انکو ایسے ہی طعام پر ثواب ملتا ہے جسکو وہ دوست رکھتے ہوں اور قلیل کے دینے میں ثواب نہیں ملتا ہوا لہذا اگر انکے دروازے پر مسکین سائل آتا تو جیسے ایک چھوٹا بچہ یا ایک نواہ یا آخر وہی بہت قلیل سمجھ کر سائل کو نہ دینے بلکہ جواب دیدیتے تھے اور کہتے کہ یہ تو کچھ چیز نہیں ہے اور ہم ایسی چیز کے دینے پر ثواب پاتے ہیں جسکو ہم دوست رکھتے ہوں اور بعض مسلمان یہ سمجھتے تھے کہ خفیف گناہوں پر انکو ملامت نہ ہوگی جیسے ایک بار جھوٹ بولنا ایک نظر اجنبی عورت کو دیکھ لینا یا کچھ غیبت کرنا اور اسکے مانند افعال اور کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے دوزخ کا خوف تو کبیرہ گناہوں ہی پر دلایا ہے پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ فمن عمل مثقال ذرۃ خیرا لم یس۔ انکو قلیل نیکی میں رغبت دلائی کہ عمل میں لاوین کیونکہ تھوڑا تھوڑا کر کے بہت ہو سکتا ہے اور انکو حقیر شر سے پرہیز کر نیکی ہدایت دی کیونکہ وہ بھی تھوڑا تھوڑا ہو کر بہت ہو جاتا ہے اور معنی یہ کہ فمن عمل مثقال ذرۃ الخیر یعنی جسے بقدر چھوٹی چھوٹی نیکی کی تو وہ اپنے نامہ اعمال میں دیکھیں اور اُسکو خوش آوے گا یعنی سرور ہوگا اور جسے چھوٹی چھوٹی برائی بدی کی تو اُسکو اپنے نامہ اعمال میں دیکھیں اور یہ بھی اُسکو ناگوار ہوگا اور ہر ایک نیک و بد کے لیے ہر بدی ایک ہی لکھی جاتی ہے اور ہر نیکی کے عوضی دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ مومنین کی نیکیاں دس گونہ بڑھا دیگا اور ہر نیکی کے عوض دس بُرائیاں محو فرما دیگا پس جس شخص کی بُرائیوں سے اُگی نیکیاں مقابلہ ہو کر ایک چھوٹی برائی بھی نیکی بڑھی تو وہ جنت میں داخل ہوا مترجم کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نہر مانا ہوا دان تک حسنہ یعنی عفتنا الایہ۔ یعنی اگر ایک نیکی بھی ہوئی تو اللہ تعالیٰ اُسکو بہت گونہ بڑھا دیگا اور اپنے پاس سے اجر عظیم عطا فرما دیگا۔ امام احمد رحمہ نے حدیث سلیمان بن داؤد کی اسناد سے مسند کیا کہ عبد اللہ بن مسعود رحمہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خبردار تم لوگ محقرات ذنوب سے بچو یعنی جن گناہوں کو حقیر سمجھ کر عمل میں لایا کرتے ہیں ان سے پرہیز کرو کیونکہ ایسے گناہ آدمی پر جمع ہو کر اتنے ہو جاتے ہیں کہ اُسکو ہلاک کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی مثال بیان فرمائی کہ ایک قوم ایک جنگل میں اُتری پس ایک شخص جا کر ایک لکڑی لایا اور دوسرا شخص دوسری لکڑی لکھانا لایا حتیٰ کہ ایک ایک کر کے انبار ہو گیا اور جو کچھ پکنا تھا اُسے آگ میں بجوئی پکایا مترجم کہتا ہے کہ اسی طرح آدمی کے ایک عضو سے ایک صغیرہ گناہ ہوا اور دوسرے سے دوسرا ہوا اسی طرح شام تک اُسکے پاس صغائر کا انبار ہو گیا (م و ابن کثیر) فواللہ قولہ تعالیٰ لیسر و اعمالہم رازی و خطیب وغیرہ نے لکھا کہ اعمال دکھلانے میں یہ فائدہ ہے کہ مومن کو سرور بڑھے اور کافر دیکھے کہ اُسکی عبادات شرک فبیح تھیں اور صدقہ بوجہ بے ایمانی کے بریک کے ذرہ ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ کافر نے جو بھلائی کی اسکو دنیا میں اپنی جان و مال و اولاد میں دیکھ لیتا ہے اور آخرت میں کچھ نہیں پاتا اور جو بدی کرتا ہے وہ عاقبت میں شرک کے ساتھ وبال ہے۔ قولہ مثقال ذرۃ۔ بعض نے کہا کہ ذرہ چھوٹی چھوٹی چیز ہے اور بعض نے کہا کہ شعاع آفتاب میں جو ریگ کے نہایت باریک ذرہ دکھائی دیتے ہیں۔ محمد بن کعب

انقرضی نے کہا کہ کافر اپنی جھلائی مانند خیرات و صدقہ کے دنیا میں پاتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے بیان اسکے واسطے کچھ نہیں ہوا اور
مومن نے اگر برائی کی تو اسکی سزا اپنی جان و مال و اولاد میں دنیا میں پاتا ہو اور جب دنیا سے نکلا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسکے
لیے نیکیاں ذخیرہ ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ قرآن میں یہ سب سے محکم آیت ہو اور کعب احبار نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم پر یہ دو آیتیں ایسی نازل ہوئیں کہ انھوں نے جو کچھ توریت و زبور و انجیل و صحف میں تھا سب کو احاطہ کر لیا۔ علماء امت متفق
ہیں کہ یہ آیت تہریم کی نیکی و بدی میں عام ہے۔ آنحضرت صلعم نے اسکو آیت فاذہ جامعہ نام دیا۔ ربیع بن خثیم نے کہا کہ ایک شخص
کاگز حسن بصری کی طرف ہوا جو یہی آیت پڑھتے تھے تو سنکر کہا کہ بس آپ کی نصیحت اہتا کو پہنچ گئی اسی قدر مجھے
کافی ہے اقول یہ بات صمصمہ بن معاویہ نے جو فرزدق رحمہ کے چچا ہیں رسول اللہ صلعم سے عرض کی تھی چنانچہ اسکا بیان
اور پرگزرجکا ہوف عرائس میں اسکے اشارات کو معارف میں لیا اور ابن العربی رحمہ نے موت کے ساتھ لیا اور دونوں میں
ہر ایک نے اپنی اپنی اصل پر کلام کیا پس عرائس البیان کی اصل یہ ہے کہ انسان کا نفس امارہ ہو وہ جب مرتا ہو تو البتہ معارف
میں داخل ہوتا ہو اور موت یہ ہے کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں بالکل نفس کو اس کے تابع کرے تو وہ اپنی خواہش و
آمارگی سے مردہ ہو جاتی ہو اور حدیث میں یہ ہے کہ تم میں سے کوئی مومن نہ ہوگا یہاں تک کہ اسکی ہوا اس چیز کے تابع ہو جاوے
جو میں لایا ہوں (صحیح) اور حدیث میں یہ ہے کہ آدمی نے جب اوسپر عمل کیا جو جانتا ہو تو اللہ تعالیٰ اوسکو ایسی چیز کا علم دیتا ہے جو
نہیں جانتا تھا ابن العربی رحمہ کا اصول یہ ہے کہ آیت میں قیامت کا بیان ہو اور موت قیامت صغریٰ ہو تو اسی کی نفیر ہے لہذا
اشارہ میں کہا کہ نزع روح کے وقت بدن مضطرب ہوتا ہو اور وہ اثقال کو نکال دیتا ہو۔ اثقال جمع ثقل بمعنی اسباب خانہ
اور مراد یہ کہ قوی و حیوانی ارواح و ہیات اعمال و اعتقادات راسخہ نکال دیتا ہو مترجم کہتا ہے کہ تفسیر واضح تو اوپر مفصل بیان ہو چکی

سورة العادۃ مکیہ وہی احوال عشرۃ ایت

ابن مسعود رضی اللہ عنہ وجابر رحمہ و حسن رحمہ و عطار رحمہ کے قول میں یہ سورہ مکیہ ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اکتافہ رحمہ کے
قول میں مدینہ ہے ابو السعد رحمہ نے لکھا کہ اسکے مکیہ و مدینہ ہونے میں اختلاف ہے و رازی و ابن کثیر وغیرہ نے مکیہ لکھا گو بالکل
نزدیک ہی راجح ہے۔ آیات گیارہ ہیں اور چالیس کلمات اور ایک سو تیرہ حروف ہیں کمافی السراج حسن بصری رحمہ
نے مرسل روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اذا زلزلت نصف قرآن کے برابر ہو اور العادیات
نصف قرآن کے برابر ہے (ابو عبیدہ رحمہ) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع اسکے مثل روایت ہو اور کہا کہ قل ہو اللہ احد ساوی ہوائی
قرآن کے اور قل یا ایہا الکافرون برابر چارم قرآن کے ہے (رواہ محمد بن نصر المروزی رحمہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والعادۃ صلیکما ۱۱ فالغیرات صلیکما ۱۱ فالتورۃ صلیکما ۱۱
قسم ہے دوڑنے گھوڑوں کی ہانپتے بھہر آگ سگاتے جھاڑ کر بھر دھاڑ دیتے صبح کو بھر اٹھاتے

عمل سے نجات نہیں پاویگا۔ میں نے کہا کہ کیا آپ بھی نہیں یا رسول اللہ فرمایا کہ نہ میں مگر آنکہ مجھ کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں ڈھانک لے اس حدیث کو فقط ابن امیہ نے روایت کیا ہے مترجم کہتا ہے کہ یہ معانی تو احادیث میں ثابت ہیں ولیکن اس سیاق سے مجموعہ فقط ابن امیہ نے روایت کیا ہے۔ ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ تابعی سے روایت کی کہ سعید بن جبیر نے کہا کہ جب نازل ہوا تو اللہ تعالیٰ و طعمون الطعام علی حبہ مسکینا و یتیمًا و اسیرا۔ یعنی طعام کو باوجود اسکے دوست رکھنے کے مسکین و یتیم و اسیر کو دیتے ہیں۔ ہ۔ تو مسلمانوں کا یہ خیال تھا کہ انکو ایسے ہی طعام پر ثواب ملتا ہے جسکو وہ دوست رکھتے ہوں اور قلیل کے دینے میں ثواب نہیں ملتا ہے لہذا اگر اُنکے دروازے پر مسکین سائل آتا تو جیسے ایک چھوٹا بچہ یا ایک نواں یا آخر و طلبہ ہست قلیل سمجھ کر سائل کو نہ دینے بلکہ جواب دیدیتے تھے اور کہتے کہ یہ تو کچھ چیز نہیں ہے اور ہم ایسی چیز کے دینے پر ثواب پاتے ہیں جسکو ہم دوست رکھتے ہوں اور بعض مسلمان یہ سمجھتے تھے کہ خیف گناہوں پر انکو ملاست نہ ہوگی جیسے ایک بار جھوٹ بولنا ایک نظر اجنبی عورت کو دیکھ لینا یا کچھ غیبت کرنا اور اسکے مانند افعال اور کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے دوزخ کا خوف تو کبیرہ گناہوں ہی پر دلایا ہے پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ فمن لعمل مثقال ذرۃ خیرا لکم پس انکو قلیل نیکی میں رغبت دلائی کہ عمل میں لاویں کیونکہ تھوڑا تھوڑا کر کے بہت ہو سکتا ہے اور انکو حقیر شے سے پرہیز کر نیکی ہدایت دی کیونکہ وہ بھی تھوڑا تھوڑا ہو کر بہت ہو جاتا ہے اور معنی یہ کہ فمن لعمل مثقال ذرۃ الخیر یعنی جسے بقدر چھوٹی چھوٹی نیکی کی تودہ اپنے نامہ اعمال میں دیکھیکا اور اُسکو خوش آوے گا یعنی سرور ہوگا اور جسے چھوٹی چھوٹی برائی بدی کی تو اُسکو اپنے نامہ اعمال میں دیکھیکا اور یہ بھی اُسکو ناگوار ہوگا اور ہر ایک نیک و بد کے لیے ہر بدی ایک ہی لکھی جاتی ہے اور ہر نیکی کے عوضی دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ مومنین کی نیکیاں دس گونہ بڑھا دیگا اور ہر نیکی کے عوض دس بُرائیاں محو فرما دیگا پس جس شخص کی بُرائیوں سے اُنکی نیکیاں مقابلہ ہو کر ایک چھوٹی برابر بھی نیکی بڑھی تودہ جنت میں داخل ہوا مترجم کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وان تک حسنۃ فیضنا الایہ۔ یعنی اگر ایک نیکی بھی ہوئی تو اللہ تعالیٰ اُسکو بہت گونہ بڑھا دیگا اور اپنے پاس سے اجر عظیم عطا فرما دیگا۔ امام احمد رحمہ نے حدیث سلیمان بن داؤد کی اسناد سے مسند کیا کہ عبد اللہ بن مسعود رحمہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خبردار تم لوگ محقرات ذنوب سے بچو یعنی جن گناہوں کو حقیر سمجھ کر عمل میں لایا کرتے ہیں ان سے پرہیز کرو کیونکہ ایسے گناہ آدمی پر جمع ہو کر اتنے ہو جاتے ہیں کہ اُسکو ہلاک کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی مثال بیان فرمائی کہ ایک قوم ایک جنگل میں اُتری پس ایک شخص کا ایک لکڑی لایا اور دوسرا شخص دوسری لکڑی اٹھانا لایا حتی کہ ایک ایک کر کے انبار ہو گیا اور جو کچھ پکا نا تھا اوس آگ میں بھجوا دیا پکا یا مترجم کہتا ہے کہ اسی طرح آدمی کے ایک عضو سے ایک صغیرہ گناہ ہوا اور دوسرے سے دوسرا ہوا اسی طرح شام تک اُسکے پاس صغائر کا انبار ہو گیا (م و ابن کثیر رحمہ) فوائد قولہ تعالیٰ لیسر و اعمالہم رازی و خطیب وغیرہ نے لکھا کہ اعمال دکھلانے میں یہ فائدہ ہے کہ مومن کو سرور بڑھے اور کافر دیکھے کہ اُسکی عبادات شرک فبیح تھیں اور صدقات بوجہ بے ایمانی کے بیک کے ذرہ ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ کافر نے جو بھلائی کی اسکو دنیا میں اپنی جان و مال و اولاد میں دیکھ لیتا ہے اور آخرت میں کچھ نہیں پاتا اور جو بدی کرتا ہے وہ عاقبت میں شرک کے ساتھ وبال ہے۔ قولہ مثقال ذرۃ۔ بعض نے کہا کہ ذرہ چھوٹی چھوٹی نیکی ہے اور بعض نے کہا کہ شعاع آفتاب میں جو ریگ کے نہایت باریک ذرہ دکھائی دیتے ہیں۔ محمد بن کعب

تو یہ اُنکے لیے ذر (روبال گناہ) ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منبر کا حکم پوچھا گیا تو فرمایا کہ اُسکے بارہ میں منبر کچھ نازل نہیں کیا گیا سوائے اس آیت کے جو متفرق سب باتوں کو جامع ہو فمن لعل مثقال ذرة خیرا رہ میں لعل مثقال ذرة خیرا یہ روایت کی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا آپ نے اُسکو یہ آیت سنائی فمن لعل مثقال ذرة الآیہ۔ تو صمصمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے یہ کافی ہے صمصمہ بن زفر نے شاعر کے چچا ہیں۔ اس حدیث کو سنائی نے بھی روایت کیا اور حدیث عدی رضی اللہ عنہ نے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آگ سے نچو اگرچہ ایک ٹکڑے چھو بارے کے سبب ہو (صحیح البخاری) اور حدیث میں ہے کہ نیک کاموں میں سے کسی کام کو حقیر سمجھو اگرچہ یہی ہو کہ پانی چاہنے والے کے برتن میں اپنے ڈول سے پانی ڈال دے اور اگرچہ یہی ہو کہ اپنے مسلمان بھائی سے خندان پشیمانی ملے (صحیح) اور حدیث میں ہے کہ ای مومنہ عورت کو کوئی ایسی پڑوسن بہن سے بدیہ حقیر نہ سمجھے اگرچہ وہ بکری کی کھری بھیجے (صحیح) اور ایک حدیث میں ہے کہ سائل کو خالی ہاتھ نہ پھیر و اگرچہ جلی کھری دیدہ۔ یعنی اگر کچھ پیسہ ہو سوائے جلی کھری کے تو وہی دیدہ و امام احمد نے حدیث عائشہ سے منقول کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ای عائشہ رضی اللہ عنہا اگرچہ ایک ٹکڑا چھو ہمارا ہو کیونکہ وہ بھوکے سے مانند آسودہ کے روکتا ہو (تقریبہ احمد باسناد جید) اور اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک انگور دیا اور فرمایا کہ اس میں بہت سے ذرات ہیں۔ امام احمد نے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ای عائشہ خبر دار ایسے گناہوں سے ڈرنا اور بچنا کہ جب کو حقیر سمجھا گیا جاوے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُنکا مطالبہ کرنے والا موجود ہے۔ ورواہ النسائی وابن ماجہ۔ خلاصہ یہ کہ گناہوں کو اگرچہ حقیر ہوں کبھی بے خوف ہو کر نہ کرے یعنی اُنسے بچے کیونکہ جب وہ گناہ کے نام میں داخل ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُنکا مطالبہ موجود ہے۔ ابن جریر نے منقول کیا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابو بکر رضی اللہ عنہ کھانا کھاتے تھے پس یہ آیت اتری فمن لعل مثقال ذرة خیرا رہ ومن لعل الآیہ پس ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ہاتھ اٹھا لیا اور عرض کیا کہ یا حضرت کیا مجھے ذرہ برابر بدی کرنے کا بدلہ دیا جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ای ابو بکر تو نے جو کچھ دنیا میں مکروہ دیکھا تو شر کے مساقل سے قصاص ہو گیا اور مساقل خیر تیرے لیے ذخیرہ رہے جبکہ تو قیامت کے روز دیا جاوے گا۔ ورواہ ابن ابی حاتم۔ ابن جریر نے اسکو وجہ متعددہ و طرق دیگر سے روایت کیا از انجلہ حدیث ابو عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کیا کہ جب اذ نزلت الارض الخ نازل ہوا تو ابو بکر فرماتے تھے وہ رونے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رونیکا سبب پوچھا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اسی سورہ نے مجھے رولا یا پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم لوگ خطا و گناہ نہ کرتے کہ وہ بخشے جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ایسی امت پیدا کرتا جو خطا و گناہ کرتے پس اُنکی مغفرت فرماتا ترجمہ کہتا ہے کہ اصل حدیث صحیح میں موجود ہے حدیث دیگر ابن ابی حاتم نے بطریق ابن ابی عمیر ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ روایت کی کہ جب قولہ تعالیٰ فمن لعل مثقال ذرة الخ نازل ہوا تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں اپنا غل و یکھونگا۔ فرمایا کہ ہاں۔ میں نے کہا کہ یہ بڑے بڑے اعمال۔ فرمایا کہ ہاں۔ میں نے کہا کہ اور یہ چھوٹے چھوٹے اعمال بھی۔ فرمایا کہ ہاں۔ میں نے کہا کہ ہاں۔ تب تو میری موت پر میری مان روئے۔ فرمایا کہ ای ابو سعید خوش ہو کہ ہر نیکی دس گونہ ہے یعنی سات سو گونہ تک اور جہاں تک اللہ تعالیٰ بڑے عا دے اور گناہ ایک ہی ہوتا ہے یا اللہ تعالیٰ اسکو بخش دے اور تم میں سے کوئی آپ

مِنْ ثَقَالِ ذَرَّةٍ خَيْرًا تَرَكَا۔ پس جسے بقدر چھوٹی چھوٹی نیکی کی وہ اُسکو دیکھے گا۔ اللہ تعالیٰ ایک ذرہ برابر بھی اسکی نیکی ضائع نہیں فرماوے گا۔ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا تَرَكَا۔ اور جسے بقدر چھوٹی چھوٹی نیکی کی بدی کی اُسکو دیکھے گا۔ وہ بھی سامنے نظر آوے گی بھرائیدہ حساب و عفو و فضل و شفاعت ہو ولیکن کفار و مشرکین سے لیے وہاں ذرہ برابر نیکی نہوگی اسلیے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لائے تھے تو انکے اعمال مردہ تھے وہ آخرت کے لائق نہیں تھے پس انکو دنیا میں عوصن مل چکا اور وہاں ہر عمل جو انکے پاس ہو وہ جہنم کے قابل ہی لہذا انکا حساب صرف اس واسطے ہوگا کہ ہر کافر کس طبقہ جہنم کے لائق ہو اور حساب و فضل و عفو و شفاعت سب مومنین کے لیے ہی سب بیان اس قول کے موافق تھا کہ۔ یصدر الناس کے یہ معنی کہ قبروں سے صادر ہوگا اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ معنی بیان کیے کہ عرصات محشر سے چلیں گے انواع متفرقہ بعضوں کے لیے جنت کا حکم ہوا ہے اور بعض کے لیے جہنم کا حکم ہوا ہے تاکہ یہ لوگ اپنے اعمال کھلائیں جاویں یعنی دنیا میں ہر فرقہ جو نکال کیے تھے انکا انجام دکھلائے جاوے اور پس جنتی جنت میں جا کر اپنے اعمال کا عوصن دیکھیں گے اور بھی جہنم میں جا کر دیکھیں گے اور ذرہ برابر نیکی و بدی نظر آوے گی مترجم کہتا ہے کہ قول اول بہتر ہے اسلیے کہ عرصات سے جزاے اعمال دیکھتے جاوے گئے تو اسوقت مومنون کے بہت سے اعمال شرعاً سے مٹ گئے اور بہت بندوں کی برائیاں انکو دکھائی بعد نیکیاں کر دی گئیں چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک گناہگار بلا یا جاوے گا اور اُسکی نسبت ملائکہ کو حکم ہوگا کہ پہلے اس کے چھوٹے گناہ اسکے سامنے پیش کر دو اور بڑے گناہوں کو مخفی کر دو۔ پس اللہ تعالیٰ فرماوے گا کیوں تو انے یہ اعمال کیے تھے وہ انکو دیکھ کر خوفناک ہوگا اور کہیگا کہ ابھی تو میرے بڑے بڑے گناہ باقی ہیں۔ میں کیونکر جواب دوں گا پھر وہ حضور میں عرض کرے گا کہ اے رب میں بیشک خطاوار ہوں اور تیری مغفرت کا اسیدوار ہوں پھر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اسکے گناہوں کو بدل کر نیکیاں کر دے گا اور ملائکہ اُسکو دکھلاوے گے۔ جب وہ مطمئن ہوگا تو جناب باری تعالیٰ میں عرض کرے گا کہ اے میرے رب رحیم میں نے تو بہت سے اعمال کیے تھے کہ اُن کو بیان نہیں دیکھتا ہوں رُحیم مترجم کہتا ہے کہ اس رحمت سے کبیرہ کو نیکی بتانے کی ہوس ہوئی اللہ انت ارحم الراحمین اللہم احفظنا واعزنا من ان نشربک وانت اللہ الذی لا الہ الا انت لا شریک لک فلک الحمد والمنة۔ بالحدیث اس وقت میں تو بہت سے ذرات عفو و مغفرت سے بدل گئے پس معنی یہ ہیں کہ قبور سے صدور جانے مشرک و کافر تاکہ وہاں ذرہ برابر خیر اور ذرہ برابر شر دیکھیں۔ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حیل (گھوڑا) تین حال ہیں۔ ایک مرد کے داسطے اجر ہو اور ایک کے داسطے پر وہ ہو اور ایک کے داسطے ذرہ گناہ ہو پس جسکے داسطے اجر ہو وہ شخص جو جسے گھوڑا فی سبیل اللہ باندھا پس چراگاہ یا باغ میں جہاں تک اسکی رسی دراز کی تو حق اُسے اس چراگاہ یا باغ میں سے لیا اسکے لیے نیکیاں ہیں اور اگر اُسے رسی توڑ لی پس ایک دھاپ یا دو دھاپ چرتا چلا گیا تو اسکے نشان قدم ولید وغیرہ اسکے لیے نیکیاں ہیں اور اگر وہ کسی نہر پر گزرا اور اُس میں سے پانی پیایا لائے گھوڑے والا یہ نہیں جانتا تھا کہ اسکو پلاوے تو یہ بھی اسکے لیے نیکیاں ہیں۔ یہ گھوڑا اپنے پالنے والے کے لیے اجر ہے اور دیگر ایک شخص ہے کہ اُسے تو نگری و تعف کے لیے باندھا اور اسکی گردن و پیٹھ سے جو حق الہی متعلق ہو وہ نہیں بھولا تو یہ اسکے داسطے ستر (پردہ) ہے اور ایک شخص دیگر جسے گھوڑا بطور مخرور یا راور مسلمانوں کو دکھ دینے کے لیے باندھا

اور نفخہ صور کے قریب ہونگے اور اگر اقبال سے زمین کے اندر کے مردے وغیرہ ہیں تو یہ البتہ دوسرے نفخہ صور پر ہی
 ولیکن اظہر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شروع سے ہولناک امور سے جو واقع ہونے والے ہیں مطلع فرمایا کہ قریب قیامت کے زمین کو
 زلزلہ شدید واقع ہوگا اور افلاذکبہ سونے جاندی کے نکال دیگی **وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَا لَهَا**۔ اور انسان کیسے گناہین
 کو کیا ہوا ہر ف کیونکہ ہر فرد کے حواس پر آگندہ و دہشت طاری ہوگی۔ یہاں تک کہ نفخہ صور سے سب مر جاویں گے اور دنیا
 ختم ہو جاوے گی اور یہ تمہید قیامت ہے حتیٰ کہ چند روز بعد دوسرے نفخہ سے زمین ان اقبال کو نکالے گی کما قال تعالیٰ والقت
 ما فیہا وتخلت جو کچھ زمین میں درویش ہو اسکو نکال پھینکیگی اور خالی ہو جائیگی اور قیامت کے آخرت کے آثار شروع
 ہونگے **يَوْمَئِذٍ تُخَدِّثُ أَخْبَارَهَا** بَانَ رَبُّكَ أَوْحَىٰ لَهَا۔ اس روز زمین اپنے اخبار بیان کرے گی بوجہ اسکے کہ تیرے
 رب کے واسطے وحی فرمائی ہے یعنی رب عزوجل کے حکم و اجازت سے اس روز زمین اپنے سب اخبار بیان کرے گی آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ جانتے ہو کہ اسکے کیا اخبار ہیں عرض کیا گیا کہ اللہ و رسول ہی کو خوب علم ہے فرمایا کہ ہر مرد و عورت پر
 گواہی دیگی کہ اس نے میری پیٹھ پر ایسے ایسے کام کیے ہیں (رواہ احمد و الترمذی والنسائی) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رب عزوجل میں سے
 فرما دیکھا کہ تو بیان کر پس وہ بیان کرنے لگی۔ طبری نے ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے
 کہ زمین سے حفاظت رکھو کہ بہتھاری مان ہو اور جو کوئی اس پر کچھ نیکی و بدی کرے گا تو ضرور وہ اسکی خبر دے گی۔ اس نے مرفوعاً روایت
 کیا کہ زمین پر جو کچھ عمل کیا گیا وہ اسکو قیامت کے روز لاوے گی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اذا زلزلت الارض تا قولہ یومئذ
 تحدث اخبار ہا۔ تلاوت کیا۔ بخاری نے کہا کہ اوحیٰ لہا اور اوحیٰ الیہا۔ دونوں کے معنی واحد ہیں اس بیان سے لوگوں کو ہول دلایا
 کہ یہ زمین جیسے اتراتے و فسق و فجور کرتے ہیں یہی اُنہر گواہ ہوگی اور اُنکے اعمال ایک ایک ظاہر کرے گی اور اللہ تعالیٰ علیم خبیر ہے
يَوْمَئِذٍ يُصْدِرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لَّيْرًا وَعَمَلًا **قَمْنٌ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ**
 اُس دن ہو پڑینگے لوگ بھانت بھانت کہ انکو دکھائے اُنکے لیے سو جنے کی ذرہ بھر
ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ **وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ**
 بھلائی وہ دیکھ لے گا اور جسے کی ذرہ بھر بُرائی وہ دیکھ لے گا
 اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ہوش کرنے کی تنبیہ فرمائی بقولہ تعالیٰ۔ **يَوْمَئِذٍ يُصْدِرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لَّيْرًا**
وَعَمَلًا۔ اُس روز چلینگے لوگ اشتات تاکہ اپنے اعمال دکھلائے جاوے **فَاشْتَاتٍ مَّتَرَفٍ**۔ ابن جریر نے
 کہا کہ پھر کبھی جمع نہونگے سہمی نے کہا کہ اشتات فرقے مترجم کہتا ہے کہ یصدر الناس یعنی چلینگے۔ پھر کہاں سے چلینگے
 تو اسمین دو قول ہیں خطیب وغیرہ نے لکھا کہ جب قبروں سے اُٹھائے جاویں گے تو وہاں سے عرصات محشر کی طرف
 اپنے رب عزوجل کی حضوری میں چلینگے یعنی فیصلہ قضا کے لیے تاکہ اپنے اعمال دکھلائے جاوے اور انھیں اعمال کے حساب سے
 اشتات انواع متفرق ہونگے۔ بعضے مؤمن اور بہتیرے کافر اور بعضے بخوف و بعضے خوفناک اور بعضے مطیع و بعضے عاصی حتیٰ کہ
 مکثرت اقسام ہونگے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ موافق اعمال کے متفرق ہونگے بعضوں کو دائیں جانب لے جائینگے جہنم
 ہو اور بعضوں کو بائیں طرف جہنم کی راہ لے جاویں گے تاکہ وہاں ہر فرقے کو اُس کے اعمال دکھلائے جاوے **فَمَنْ يَعْمَلْ**

حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے فضائل متواتر تھے تو بھی خوارج نے قطعیات سے منہ موڑا اور اپنا کفر ہوا دھوس
نچھوڑا جیسے کچھ مدت کے بعد روافض نے انکے قدم بقدم راہ اختیار کی اور اولین سے انکار کیا نعوذ باللہ من الضلالت

سورۃ الزلزال مدنیۃ وہی ثمان آیات

اسکو سورہ اذ اززلزلت کہتے ہیں۔ آیات کا شمار آٹھ ہی اسی پر خطیب نے جزم کیا اور بعض نے کہا کہ نہیں بلکہ نوایا
ہیں۔ اسی پر ابو السعد نے جزم کیا اور کہا کہ مکہ و مدینہ ہونے میں اختلاف ہی تفسیر ابن کثیر و کبیر وغیرہ میں ہے کہ
سورہ مکہ ہی اور خطیب وغیرہ نے لکھا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول میں مکہ ہی اور ابن مسعود و عطاء و جابر بن زید کے قول
میں مدینہ ہی۔ آٹھ آیات و بیستیس کلمات و ایک سو اچاس حروف ہیں (کمافی السراج) امام احمد نے حدیث عبد اللہ
بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص نے حاضر ہو کر کہا کہ یا رسول اللہ مجھے پڑھائیے
(شاید یہ مطلب کہ قرأت قرآن کے بارہ میں ارشاد و حمد ہو) آپ نے فرمایا کہ ذوات الرءاء سے تین سورہ پڑھا کر اپنے جتنے شروع
میں (آکر ہے) اُس مروئے کہا کہ یا رسول اللہ میرا سن بڑھا ہوا اور قلب بھاری پڑ گیا اور زبان موٹی ہو گئی۔ آپ نے
فرمایا کہ اچھا ذوات تم سے تین سورہ پڑھا کر۔ اُس نے پھر اپنے مقولہ سابقہ کی طرح عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تین سورہ
مسجات میں سے پڑھا کر (یعنی اول میں سبح اللہ یا سبح اللہ کے مانند ہی) اُس نے پھر وہی عذر اول عرض کیا اور
کہا کہ یا رسول اللہ مجھے ایک سورہ جامعہ پڑھائیے پس آپ نے اُسکو سورہ اذ اززلزلت الارض پورا پڑھایا۔ اُس مرد نے
کہا کہ قسم اُس پاک غرض دل کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ پیغمبر بھیجا ہے کہ میں کبھی اس پر زیادہ نہیں کروں گا پھر وہ چلا گیا تو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس ردیجیل نے فلاح پائی اس ردیجیل نے فلاح پائی یعنی دومرتبہ یہ کلمہ فرمایا۔ پھر حکم دیا کہ اس مرد
کو میرے پاس بلاؤ پس وہ لایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں یوم اضحیٰ حکم دیا گیا ہوں (یعنی قربانی) اسکو اللہ تعالیٰ نے
اس است کے لیے عید قرار دیا ہے تو اُس مروئے کہا کہ آپ بتاؤ میں کہ اگر مجھے جالوز نہ ملے سوائے دودھ دینے والی مادہ کے
تو کیا اُسکو قربانی کر دوں۔ فرمایا کہ نہیں بلکہ تو اپنے بال و ناخن و مونچھیں کترائیو اور زیر ناف کے بال صاف کیجو کہ اللہ تعالیٰ
کے نزدیک یہی تیرے واسطے پوری قربانی سے ہی (وہ وہ) ابوداؤد و النسائی و محمد بن نصر المروزی و الحاکم و طبرانی و ابن مردویہ
و البیہقی) مترجم کتابا ہے کہ دوسری حدیث میں اسکا طریقہ یہ ہے کہ ذی الحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد ذکر و تکبیر وغیرہ کی کثرت رکھے اور
اس وقت سے بال و ناخن وغیرہ نہ کاٹے پھر دسویں ذی الحجہ کو یہ سب کرے اور جو کوئی تیسربانی کا قصد رکھتا ہو اُس کے
واسطے یہی حکم حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا میں مرفوعاً و موقوفاً آیا ہے و ما ہا الطحاوی اور یہ حکم مستحب ہے واجب نہیں ہے لیکن ثواب جمیل کی
نظر سے چھوڑنا چاہیے واللہ تعالیٰ ہو الموفق۔ ترمذی نے محمد بن موسیٰ البصری کی اسناد سے حدیث انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے سورہ اذ اززلزلت پڑھا تو اس کے لیے نصف قرآن کے برابر ہوگا اور جس نے قل یا ایہا الکافرون
پڑھا تو برابر چارم قرآن کے اور جس نے قل ہو اللہ احد پڑھا تو متائی قرآن کے برابر ہوگا قال ہذا حدیث غریب لیکن ابوبکر الزہری
نے محمد بن موسیٰ البصری سے اسی اسناد کے ساتھ اس طرح روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قل ہو اللہ احد

ترک و تخرید رکھیں اور اسکا اساس زکوٰۃ ہی۔ یہی دین کتب قیمہ ہی حسبکو عظیم الشان پیغمبر کتاب مجید میں تلاوت فرماتا ہے کہ اسکی ملت حنیفیہ ہی جو آدم سے اسوقت تک واحد ہی یعنی توحید کو لازم پکڑنا اور عدالت حقہ پر عمل کرنا جس میں اعمال ناز و زکوٰۃ اساس ہیں۔ یہی دین ان گمراہوں کو کتب مساویہ میں تعلیم کیا گیا تھا و لیکن اہل کتاب اپنے نفس کی خواہش میں مجبور ہوئے اور کتابوں کی تحریف کر لی اور تعصب میں بٹھکے اور نفس کی خواہش پر ٹھہرے اور توہمات و تصورات میں پھنسے اور اوضاع و عادات کے قیاس میں اڑے اگر یہ نہ ہوتا تو دین حق ظاہر تھا مگر حرم کتنا ہو کہ واللہ میرے خیال میں گویا اسلامیہ فرقوں کی ہوا و ہوس کا پورا نقشہ ہی حتیٰ کہ خوارج و ردافض کے حالات کو صاف اسکے مطابق کہنے میں آسانی ہے انہیں سے ہر ایک نے متواترات آیات و احادیث کو اپنے ہوسات کے مطابق کرینکی کوشش کی اور اصول دین کو چھوڑنا اختیار کیا و لیکن تعصب و خواہش نفس و بدگمانی و توہم و تصور کو چھوڑا۔ اسطرح اہل السنۃ میں مذاہب کی تقلید میں آخر عظیم بلائیں آئیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ قولہ ذلک لمن خشی ربه۔ یعنی یہ مقام اعلیٰ ایسے بندوں کے ساتھ مختص ہوا جن پر خشہ چھا گیا یعنی رب عزوجل کی عزت و جلالت و کبریا و عظمت اُنکے قلوب پر چھپائی کیونکہ جب رب عزوجل کی عظمت بندے کے قلب پر تجلی فرماتی ہے تو خشہ لازم ہوا اور اس سے رضا کا ظہور ہوتا ہوا اور یہ اعلیٰ و اکمل مقام ہے واللہ الحمد والمنة بتنبیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ و اہلبیت کے واسطے فضائل کثیرہ بیان کیے کیونکہ خوارج اشترار بنی امیہ سے آل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تعدی کا خوف تھا و لیکن اس سے آپر حجت پوری ہوئی اور جو اللہ تعالیٰ نے ان طاہرین مطہرین کے واسطے شہادت و رفعت درجات سے مقدر فرمایا تھا وہ پورا ہوا و لیکن یزید پلید و اُسکے احوان و انصار پر حیف ہو کہ وہ اس ظلم عظیم کے کمانے والے قرار پائے۔ اہلبیت رضی اللہ عنہم کے فضائل جلیلہ بے شمار ہیں اور جا بجا اس تفسیر میں بحسب موقع آگے ہیں۔ بیان حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ ناگاہ علی رضی اللہ عنہ سامنے آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہرایا کہ قسم اُس ذات پاک کی جسکے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ یہ شخص واسکے ساتھی روز قیامت کے فائزین ہیں (نور مراد بانا) اور نازل ہوا قولہ تعالیٰ ان الذین آمنوا و عملوا الصالحات اللہ۔ پس اسکے بعد اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان تھی کہ جب علی رضی اللہ عنہ سامنے آتے تو کہتے کہ خیر البریہ آیا (رواہ ابن عساکر) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت اتری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تو اور میرے ساتھی قیامت کے روز رضیٰ رضیٰ میں (رواہ ابن مردویہ) اور رضیٰ اور مجھ نے مختارہ میں اسکے مانند خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مرفوع روایت کیا اور ابن عدی و ابن عساکر نے حدیث ابو سعید الخدری سے مرفوع روایت کیا کہ علی خیر البریہ ہے۔ واضح ہو کہ ان روایات کے اسناد میں کلام ہے و لیکن فضائل میں محتمل اور مجموعہ حسن ہو اور واضح ہو کہ بیان کسی بدعتی کا وہم کچھ نہیں چل سکتا کیونکہ سب سے افضلیت مطلقہ بیان مراد نہیں ہو کہ کیا انہیں دیکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے خود صیغہ جمع فرمایا اولئک ہم خیر البریہ۔ یعنی یہ لوگ جو اس صفت سے موصوف ہیں یہ سب خیر البریہ ہیں۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ میں داخل ہیں اور اُن بیان سے مقصود یہ کہ خوارج وغیرہ گمراہوں میں زعم دور ہو جاوے یا اپنر حجت ہو چنانچہ یہی ہوا کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم

دیکھتے ہو کہ کفار و مشرکین جب آخرت کے علوم سنتے ہیں تو اوہام لکھ کر انکار کرتے ہیں (قولہ تعالیٰ) مخلصین لہ الدین - اخلاص اصلی یہ ہو کہ قلب کو ماسوائے حق سے پاک مجرور رکھے - حنیف وہ ہو کہ دنیا و نفس وغیرہ سے منحرف ہو کر حق کی جانب مائل ہو یعنی مشائخ نے کہا کہ اخلاص یہ ہو کہ تیری عبودیت و اعتقاد پر سوائے اللہ تعالیٰ کے تیرا نفس بھی مطلع نہ ہو اور جان لے کہ یہ احسان تجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو کہ تجھ کو اپنی عبادت کے لائق کیا اور توفیق دی اور تو اسپر عرص کا طالب نہ ہو اقول یعنی ثواب کی امید نظر فضل الہی ہو نہ انکہ تو اپنے فعل کا استحقاق نفس میں سمجھے اور خلاصہ کیفیت یہ کہ جب اُن سے کسی نیک عبادت کی توفیق پائی تو دل میں ایسا نہ ہو کہ میرے رب تبارک و تعالیٰ نے مجھے یہ ثواب عطا فرمایا کہ یہ نشان دیا ہو کہ وہ حکم لے کہا کہ اخلاص کہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا مندی پر عمل کرے قولہ تعالیٰ رضی اللہ عنہم الخ - رضوان الہی اُن کے لیے ازل سے سابق ہو چکا اور بندے اسی برکت سے اپنے رب عزوجل کے ساتھ راضی ہوے اور محبت و مشفق سے اُن سے اُن کو اختیار کیا - یہ مرتبہ عظمیٰ ایسے بندے کے لیے ہے جسے معرفت الہی میں اُن کی عظمت و کبریائی کا خوف رکھا سہل کرنے کا کہ خشہ دل میں ہوتا ہو اور خشوع ظاہر میں ہو عمر و المکی نے کہا کہ رضوان میں خشہ شرط کیا اور یہ جب ہی حاصل ہوتا ہو کہ حرام و مکروہ و ممنوعات سے پرہیز کرے اور مامور سے موافق رہے جس چیز کو رب عزوجل نے پسند کیا اسپر راضی رہے اور جس چیز کو اُن سے ناگوار رکھا اسکو مکروہ رکھے (مختص عن عائشہ) شیخ ابن العربی نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ لم یکن الذین کفروا الخ یعنی کفار محبوب کبھی اپنی حالت سے منفک ہونے والے نہ تھے یہاں تک کہ اُن کے پاس بنیہ آوے - محبوب دو قسم کے ایک وہ کہ حق تک وصول کی راہ سے محجوب ہیں - یہ اہل کتاب ہیں - دوم وہ کہ حق سے محجوب ہیں یہ مشرکین ہیں - بات یہ کہ مختلف ہوا وہوس کے لوگ یہود و نصاریٰ و مجوس و بت پرست جو اپنی گمراہیوں میں بھٹکے پھرتے تھے اپنے آپ کو حق سمجھ کر ایک دوسرے کو اپنی طرف بلاتے تھے اور دوسرے کو باطل رکھ کر اُس سے عناد کرتے تھے پھر ایک بات برائفات کرتے کہ توحید و انجیل میں جس عظیم الشان پیغمبر کا وعدہ دیا گیا وہ آئے والا ہو تو وہ حق ظاہر کرے گا - گویا ہر ایک مدعی تھا کہ اُس کی طریقہ ظاہر کرے گا اسوقت سب ایک کلمہ پر متفق ہونگے شیخ ابن العربی نے کہا کہ دیکھو اس زمانہ میں اسلامی فرقوں کا یہی حال ہے کہ ہر ایک نے ایک مذہب مختلف اختیار کیا (اور اسی کے تعصب میں منہمک ہو کر انتظار یہ کہ امام مہدی آخر الزمان آوین مہرچم کہنا ہو کہ بہت سے حنفیہ نے نوصاف دعویٰ کیا کہ امام مہدی آویں گے تو ابو حنیفہ رحمہ کے مذہب پر عمل کرینگے جیسے عیسیٰ عیسیٰ چنانچہ صاحب درالمنار کا یہی زعم ہے اور یہ عجیب تعصب ہے کیونکہ عیسیٰ صاحب وحی ہیں اور امام مہدی رضی اللہ عنہ مجتہد مطلق ہیں اُن کے حق میں تقلید کی تجویز نہایت گستاخی و اسید واسطے شارحین کے یہ قول رد کر دیا ہے شیخ ابن العربی نے کہا کہ میرے خیال میں تو ان مذاہب کے متعصبوں کا وہی حال ہونے والا ہے جو اُس زمانہ کے مذاہب والوں کا حال ہوا اللہ تعالیٰ ہم کو پناہ دے اس لیے کہ جب یہ پیغمبر عظیم الشان ظاہر ہوا تو ہر فرقے نے اُس سے دشمنی کی اور مخالفت زیادہ سخت کر لی اس کا باعث یہ ہوا کہ پہلے سے ہر ایک مدعی تھا کہ وہ پیغمبر ہمارے حق مذہب کی اتباع کر چکا اور جب اُس کے خلاف ظاہر ہوا تو جلکر دشمن ہو گیا - قولہ ما امر والا لیبعد واللہ الم خلاصہ یہ کہ اہل کتاب کو نین باتوں کا حکم تھا اہل اخلاص کے ساتھ توحید رکھیں غیر سے اعراض کریں دوم عبادات بدنیہ کو قائم کریں جن سے اللہ تعالیٰ پاکیزگی عطا فرماتا ہے جیسے نماز کہ یہ عباد الدین ہے جیسے حدیث میں آیا ہے ستوم زہد کے عمل ہوں یعنی دنیا سے

حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وعدہ دیا کہ تو آخرت میں راضی ہوگا تو آپ کے طفیل میں آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم تک قیامت تک صالحین امت کو رضوان سے سرفراز کیا فلنرینا الحمد والمنۃ۔ ذلک لمن خشی ربہ۔ یہ ایسے بندے ہیں جو اپنے رب سے ڈراف یعنی یہ انعام وفضل والا کلام ایسے بندہ صالح کے لیے ہی جو محبت کے ساتھ اپنے رب تبارک و تعالیٰ کی عظمت مقام سے ڈرا۔ یعنی متقی ہو کر مرا۔ حدیث میں افضل صفت میں آیا کہ وہ بندہ جس نے تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا پس اُسکے انسوجاری ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ والذین آمنوا اللہ حبا الایہ۔ یعنی ایمان والے اپنے رب تبارک و تعالیٰ سے سب سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔ قال تعالیٰ لمن خاف مقام ربہ جنتان۔ یعنی جس بندے نے اپنے رب کے مقام کبریا و عظمت سے خوف کیا اس کے لیے دوہری جنتیں ہیں ابن کثیرؒ نے لکھا کہ امام احمدؒ نے (باسنادہ المذکور) حدیث ابوہریرہ رض سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بھلا میں تمکو بتلاؤں کہ خیر البریہ کون شخص ہے صحابہ رض نے درخواست کی کہ ضرور ارشاد فرمائیے آپ نے فرمایا کہ وہ شخص کہ جو اپنے گھوڑے کی پاگ راہ آئی میں تھامی ہے ہر بار جب پکار ہوئی تو وہ اسپر سوار ہو کر ٹھیک ہو گیا۔ بھلا تم کو آگاہ کروں کہ کون شخص خیر البریہ ہے۔ صحابہ رض نے کہا کہ یا رسول اللہ آگاہ فرمائیے فرمایا کہ وہ بندہ جو اپنی بکریوں کے چھوٹے سے گلہ میں بھی نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرتا ہو بھلا میں تم کو شر البریہ بتلاؤں صحابہ رض نے عرض کیا کہ ہاں تو آپ نے فرمایا کہ (الذی یسال باللہ ولا یعطى بہ) مترجم کہتا ہے کہ اسکی تفسیر میں دو قول ہیں (ایک) یہ کہ وہ شخص جس سے اللہ تعالیٰ کے نام پر مانگا جائے اور وہ نہیں دیتا ہے (دوم) یہ کہ وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے نام پر خود مانگتا ہے اور جب اُس سے اللہ تعالیٰ کے نام پر مانگا جاوے تو نہیں دیتا ہے مترجم کہتا ہے کہ دوسری تفسیر کے موافق اس سے منافق مراد ہے یعنی وہ دنیا کمانے کے لیے اسلام ظاہر کرتا ہے اور یہی مراد اول تفسیر کے موافق بھی لی گئی یعنی اس منافق سے حقوق اسلام بنام آئی مانگے گئے اور وہ نہیں دیتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم (رفوائد) رازمیؒ نے لکھا کہ (قولہ جزاء ہم الم) جزاء عوض تمام ہے اور بیان یہ صورت ہے کہ انسان ابتداءً لطفہ سے بلوغ تک محنت میں مبتلا رہتا ہے ابتدا میں پیٹ کے اندر محبوس و محجور ہے پھر شکم و ولادت پھر دایہ و ہوا سے در و پھر دودھ و دانت وغیرہ کی تکلیف پھر پڑھنے لکھنے کی محنت بعد بلوغ کے رب عزوجل کے انعامات یاد کر کے اسکی محبت میں مستغرق ہو کر بچی ہوتا ہے کہ اپنی محبت سے جدا نہ فرماوے اسوقت قلب میں معارف و علوم کے گل بوٹے و آنکھ سے عبرت کی نہرین جاری ہوتی ہیں لہذا اللہ تعالیٰ نے جنات تجری المیزان عنایت کی اور دوام خلود کر دیا (قولہ عند ربیم) اشارہ ہے کہ یہ ثواب معین موجود ہے اسلیے کہ بندہ اگر اپنے پاس کسی کے واسطے اقرار کرے تو یہ رویت ہی پس اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندے کے لیے یہ رویت حاضر موجود ہے (قولہ ذلک لمن خشی ربہ) یہ جزاء جمیل اسکے لیے جو رب عزوجل سے ڈرا اُسکے ساتھ دوسری آیت ملاؤ یعنی قولہ تعالیٰ انما یخشی اللہ من عباده العلماء اللہ تعالیٰ سے اُسکے بندوں میں سے علماء ڈرتے ہیں۔ یہ تو معلوم ہوا کہ یہ جزاء جمیل علماء کے واسطے ہی اسی لیے کہا گیا کہ جنت میراث علماء ہی واضح ہو کہ ظاہر آیت یہ ہے کہ ہر بندہ صالح کے لیے جنات ہیں یعنی ہر بندہ صالح کے لیے جنتیں عطا ہوں گی واللہ الحمد والمنۃ ف عرائس کے اشارات میں ہے کہ قولہ تعالیٰ لم یکن الذین کفروا الم اشارہ ہے کہ نفس امارہ اُسکے اعوان شیاطین کا یہی حال ہے کہ بنیات سے معارضہ کرتے ہیں یعنی علوم و طایفہ جو ایمان و معارف توحید ہیں اُسے نفس امارہ منکر ہے اقول کیا نہیں

پیغمبروں سے بڑھکر رات و دن عبادت و تسبیح کرنے والے ہیں مگر حکیم کہتا ہے کہ یہ مسئلہ اس قابل نہیں ہے کہ ایسے قیاسات کو دخل ہو سکے اور شک نہیں کہ ہمارا کلام اولیائے ابراہیم ہے کہ باوجود مواہب حسبانی و مقتضیات بشری کے ہمت عالیہ سے تمام کائنات سے انکا قدم بلند ہوا اور انسان جامع صفات ہے برخلاف ملائکہ کے کہ وہ فقط صفات رحمت رکھتے ہیں اور محبت میں جان فدا کرنا امانت کبریٰ حصہ بشر ہے اور علوم و معارف الملوٰح ہیں اسلئے واسطے وارد ہوا کہ ملائکہ مثل جان و سورج کے مسخر ہیں اسی لیے اُن سے خطا نہیں ہو سکتی ہو پس وحی بعینہ ادا کرتے ہیں اور تلاوت و ذکر کے سننے کے لیے مجالس صالحین تلاش کرتے ہیں اور ملائکہ بیشک مدبر الٰہیہ کے کارپرداز ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کو ٹھہرا رہا تھا جو صحیح میں رہا ہے۔ باوجود ان امور کے مگر حکیم کے نزدیک اس مسئلہ میں اسلئے کلام کرنا چاہیے کہ ہم لوگ اپنے نفس کے غرور میں نہ آویں اسلئے کہ ہم سے اولیائے ابراہیم سے زمین و آسمان کا فرق ہے واللہ العظیم۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فیہ الہدٰی مومنین صالحین پر اپنا کرم بیان فرمایا بقولہ تعالیٰ **جَزَاءُ هُمْ عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا**۔ ثواب انکا انکے رب کے یہاں باغات اقامت ہیں انکے نیچے نہرین جاری ہیں دائمی رہنے والے ہیں اُن میں ہمیشہ ف عذہ ربہم۔ انکے رب کے یہاں لیجئے آخرت میں جہان اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ملکہ کامل ہو گیا کیونکہ یہ دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک لھت کی ہوئی ہے اور ہمیشہ کے لیے نہیں ہے بلکہ چند روزہ ہے۔ جنات عدن باغات اقامت لیجئے جہان ہمیشہ قیام مقرر ہے۔ تجری النہر لیجئے ان باغات میں سونے چاندی اور موتیوں کے محل ہیں انکے نیچے نہرین جاری ہیں (قولہ) خالدین۔ حال ہے لیجئے جب سے داخل ہونگے تب سے ہمیشہ رہنے والے ہونگے (ابدًا) تاکید ہے لیجئے خالدین سے مٹا دراز مراد نہیں ہے جیسے مجازی محاورہ عرب میں آتا ہے بلکہ بے انتہاء دوام ہے۔ واضح ہو کہ سابق میں مگر حکیم نے مستقر ارجح کے بیان میں بہت تفصیل سے بیان کیا ہے کہ اہل صلاح و مومنین و شہدا بالافضل جنات میں نعمتیں پاتے ہیں اور قیامت میں داخلہ کامل ہوگا لیجئے ایک جسم پاکیزہ عطا کیا جاوے گا اور اُس وقت نہایت بے مثال لطف سے طور رحمت ہوگا تو یہاں (عند ربہم) سے دونوں طرح سمجھ لینا چاہیے۔ حاصل معنی یہ کہ ان مومنین صالحین کے لیے انکے رب رحم الراحمین کے یہاں (قیامت میں) باغات ہیں جنکا تصور میں لانا محال ہے وہ عدن ہیں لیجئے اقامت کے مقامات ہیں وہاں سے کبھی انکا جی نہیں چاہیگا کہ سفر کریں انکے محل و قصر بے مثال و بے مثال کے نیچے نہرین بے مثل جاری ہیں جب سے وہاں داخل کیے جاوے گے براہمیشہ وہاں رہیں گے اور ہر دم ملائکہ اُن پر سلام رب تبارک و تعالیٰ اور دم بدم بے مثال و بے مثال انعام لاوے گے کبھی یہ لوگ وہاں سے جاکر قصہ نہ کریں گے اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے صالحین بندوں کے لیے وہ نعمت اعلیٰ مہیا فرمائی ہے کہ کسی آنکھ نے کبھی نہیں دیکھی اور نہ کسی کان نے سنی اور نہ کسی بشر کے دل پر اسکا خطرو گزارا (صحیحین) **رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا لَهُ**۔ اللہ تعالیٰ ان بندوں سے راضی ہوا اور یہ بندے اس سے راضی ہوئے۔ یہ رضوان جو انکو عطا ہوا سب نعمتوں سے اعلیٰ ہے بقولہ تعالیٰ۔ **وَرَضُوا مِنَ اللَّهِ الْكَرَامَاتِ**۔ لیجئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رضوان سب سے بڑھکر ہے کاش یہ لوگ جانتے ہوتے۔ ہ۔ اس شان کی کیفیت پہچاننا دشوار ہے لیکن یہ کافی ہے کہ ہمارے رب ارحم الراحمین نے سکوا اسکی مطلق بزرگی سے آگاہ کر دیا تو سبحان اللہ و بحمدہ جسکو ہمارا رب پسند فرمادے اسکی خوبی کسکے ذہن میں سماوے آنحضرت

عرب کے جو یکایک کفر سے اُگھاڑے گئے اور نبوت کے معنی بھی نہیں جانتے تھے اسی جہت سے مشرکین کو اس نام سے ذکر کیا اور اہل کتاب کو فرمایا۔ کفر و ا۔ کیونکہ اہل کتاب پہلے خاتم النبیین کے منتظر تھے پھر کافر ہو گئے۔ یعنی اہل کتاب میں سے جسے رسول اللہ کو نہ مانا اور کفر کر لیا اور مشرکین جو پہلے سے مشرکین چلے آتے ہیں تو جب یہ کافر و مشرک مرے تو ہمیشہ جہنمی ہیں (سوال ۲) جبکہ مشرکین کے کفر سے اہل کتاب کا کفر زیادہ قبیح ہوا تو جہنمی ہونے میں کیوں برابر ہوئے (جواب) جہنم کے درجات ہیں اُسکا گراؤ بہت ہو پس جہنم میں ہر ایک اپنے عار میں ہو گا رازیؒ نے کہا کہ رسول اللہ عین رحمت و احسان ہیں اور اس امت کے خیر خواہ ہیں تو انکی طرف خراب نگاہ کرنا قبیح ہو بلکہ احسان فراموشی بلکہ احسان کے مقابلے میں بدی تو سب سے بدتر کفر ہے جسکی سزا بھی اُسکے مثل ہو اسی واسطے فرمایا کہ یہ لوگ شراب پر ہیں۔ یہ جملہ مبلغ تاکید ہو اور غور کرو تو دنیا میں ہر ایک بدکاری سے اُنکی بدکاری بڑھی ہوئی ہو انھوں نے کتاب الہی میں چوری سے آیتیں نکال ڈالیں اور تمام خلق کی راہ مارنے کا قصد کیا جس سے اُنکی جنت و دائمی خوشی خاک میں ملی بلکہ قبیح جہنم میں گئے اور تکبر کر کے عیسیٰ و موسیٰ کو اپنا بنانا چاہا حالانکہ وہ رسول اللہ کے بھائی ہیں اور یہ عداوت قبیح ہے۔ واضح ہو کہ یہ عالم دنیا میں سب بدکاروں سے بدتر ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان شریر بدتر کافروں کے برخلاف بہترین خلق کا حال بیان فرمایا بقولہ تعالیٰ۔ **إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ**۔ البتہ جو بندے ایمان لائے اور نیک اعمال کیے تو یہی بہترین خلق ہیں **ف** یعنی عرب و عجم و اہل کتاب میں سے جو بندے کہ محمد رسول اللہ صلعم پر معرفت قرآن کے موافق دل سے توحید الہی پر یقین لائے اور بدن سے نیک اعمال ادا کیے تو ایسے بندے ہی بہترین خلق ہیں (مسئلہ) خلق میں ملائکہ بھی داخل ہیں اسی لیے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ و ایک جماعت علمائے کہا کہ جو لوگ مومنین صالحین ہیں وہ ملائکہ سے بہتر ہیں (ابن کثیر رحمہ) اس بارہ میں ایک حدیث بھی وارد ہو واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے حق میں فرمایا۔ خلقت بیدی۔ یعنی میں نے اسکو اپنے ہاتھوں پیدا کیا اور باقی خلقت کے حق میں فرمایا کہ کن فیکون یعنی ہو جا پس وہ موجود ہو گئی تو حدیث میں ہو کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہو کہ جسکو میں نے اپنے ہاتھوں پیدا کیا اُسکی صالح اولاد کو ایسی مخلوق سے مساوی نہیں کر دوں گا جسکی نسبت میں نے کہا کہ ہو جا وہ ہو گئی۔ کما فی مشکوٰۃ رازیؒ نے لکھا کہ اس آیت سے ایک جماعت علمائے استدلال کیا کہ اعمال صالحات داخل ایمان نہیں ہیں کیونکہ پہلے وہ آمنوا۔ ہوئے یعنی مومنین ہوئے پھر عملوا الصالحات یعنی نیک اعمال کیے مترجم کہتا ہے کہ محققین علماء اس مسئلہ میں فی الحقیقہ متفق ہیں۔ یہ اختلاف خالی لفظ میں ہو اور شک نہیں کہ ایمان اعتقادی و اعمال صالحہ جسے جمع کیے وہ بہت اچھا رہا۔ اور رازیؒ نے ملائکہ پر فضیلت کا مسئلہ لکھ کر اعتراض کیا کہ فضیلت دو طرح سے ہوتی ہو ایک عطیہ خلقت یعنی پیدا نشی عطاے الہی ہو اور دوم وہ جو کمائی سے حاصل ہوئی پس پیدا نشی کو دیکھو تو ملائکہ کی اصلیت نور ہو اور تیری اصلیت سٹری بدبودار مٹی ہو اور اُنکا مسکن جہان ہو وہاں تیرے باپ آدم کو زلت سے رہنے کی اجازت نہ ہوئی اور تیرا مسکن یہاں زمین ہو جہاں شیاطین رہتے ہیں اور ہماری مصلحتیں اُنکے ہاتھ ہیں اور بعض کے پاس رزق ہو اور بعض کے ہاتھ ہماری روح ہو پھر وہ عالم ہیں اور ہم اُنسے سیکھنے والے ہیں پھر اُنکی بہت یہ کہ محقرات کی طرف میل نہیں کرتے اور تو ہمیشہ پیٹ کی فکر میں ہو۔ رہا عبادت کا حال تو وہ

عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا
 اُنْكَ رَبِّكَ بَٰغٍ بَٰغٍ بَٰغٍ بَٰغٍ بَٰغٍ بَٰغٍ بَٰغٍ بَٰغٍ بَٰغٍ بَٰغٍ بَٰغٍ بَٰغٍ بَٰغٍ بَٰغٍ بَٰغٍ بَٰغٍ
 اَبَدًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ

ہمیشہ اللہ اُن سے راضی اور وہ اُس سے راضی بہ کتاب اُسکو جو ڈرا اپنے رب سے
 اللہ تعالیٰ نے کفار اہل کتاب و مشرکین کو آگاہ کیا بقولہ تعالیٰ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوا مِنْ اَهْلِ
 الْکِتَابِ وَالْمُشْرِکِیْنَ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِیْنَ فِیْهَا اُولَٰئِکَ هُمُ الشُّرَکَآءُ
 البتہ جن لوگوں نے کفر کیا اہل کتاب سے اور مشرکین تو وہ جہنم کی آگ میں ہیں ہمیشہ اُس میں رہنے والے ہیں ایسے
 لوگ خلق میں سب سے بدترین ہیں یعنی جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ مبعوث کیا گیا یا رسول اللہ نے قرآن تو حید
 سنا دیا اور حجت الہی پوری کر دی پھر ان لوگوں نے کفر کیا تو خواہ اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرکین سے ہوں قطعی جہنمی
 ہیں ہمیشہ اُسی میں رہنے والے ہیں اور خلق الہی میں سب سے زیادہ شریر ہیں (ابن کثیر رحمہ اللہ) جسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا
 اُولَٰئِکَ کَالْاِطْعَامِ لِمَنْ یُّهْمُ اَهْلٌ۔ یعنی یہ کفار مثل جانوروں کے ہیں بلکہ جانوروں سے زیادہ گمراہ ہیں۔ یہ بات واضح
 ہو کہ جمیع مخلوقات اپنے رب عزوجل کی معرفت بقدر اپنی استعداد کے رکھتی ہیں حالانکہ انکو عقل نہیں دی ہو اور ان کافروں کا
 یہ حال ہو کہ اللہ تعالیٰ نے انکو عقل دی پھر بھی رب عزوجل سے منحرف ہوئے بلکہ رسول اللہ و کتاب مجید بھی تو اُس کے دشمن ہوئے
 بلکہ اُسی کو انحراف و طغیان کا آلہ بنایا اور اہل ایمان کے دل جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ و رسول سے کفر کرنا کس قدر قبیح ہے۔ م۔
 رازیؒ نے لکھا کہ یہاں چند باتیں دریافت کے لائق ہیں (اول) آیت میں کفار کی ترتیب اہل کتاب و مشرکین سے
 بیان کی تو سوال یہ کہ کفار اہل کتاب کو پہلے کہا (جواب) میں وجہ اول یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جان بوجھ کر
 سنگراہل کتاب ہیں باوجودیکہ اپنی کتابوں میں لکھا ہوا پاتے تھے اور باوجود تحریفات کے اب تک صریح بشارات باقی ہیں
 اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات پر حق الہی مقدم رکھتے تھے کیا نہیں دیکھتے ہو کہ جب جنگ احد میں مشرکوں نے
 چہرہ مبارک زخمی کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ الہی میری قوم کو ہدایت دے یہ لوگ جانتے نہیں ہیں یعنی اپنی ذات مبارک کے
 زخم کا کچھ خیال نہیں فرمایا۔ اور جب غزوہ خندق میں کافروں کے ہجوم سے نماز عصر فوت ہو گئی تو اللہ تعالیٰ کے
 واسطے غضب کیا اور فرمایا کہ ہم کو عصر کی نماز سے روکا اللہ تعالیٰ ان کے گھر و قبور آگ سے بھرے۔ یہ حق الہی کی تعظیم تھی
 گو یا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسی طرح ہم تیری تعظیم مخلوق پر ظاہر کرینگے پس جسے تمام عمر سنا زہر پڑھی کافروں کو رسول صلعم کے بال میں طعن
 کیا تو وہ کافروں۔ پس ہم کہتے ہیں کہ اہل کتاب کے آپ کی رسالت سے انکار کیا تو انکا کفر مقدم کیا یعنی اس مذمت تبلیغ
 میں پہلے انکو ذکر کیا اور مشرکین نے اللہ تعالیٰ سے کفر کیا تو ان کو موخر کیا بدلیل قولہ تعالیٰ فانہم لا یبذلون ناک و لکن
 الظالمین بایات اللہ و یحجدون۔ یعنی قریش کے مشرکین تجھ کو نہیں جھٹلاتے ہیں و لیکن یہ ظالم لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات
 سے ہٹ دھرمی کرتے ہیں۔ م۔ پس مذمت میں اہل کتاب کو مقدم کیا (جواب دوم) یہ کہ اہل کتاب پر اولاً فرض تھا
 جبکہ پیشتر سے انکو رسولوں کے ذریعہ سے خاتم النبیین کی آمد و بشارت سے آگاہ کیا تھا تو انکا کفر کرنا قبیح تھا بر خلاف

أَمْرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ۔ اور وہ نہیں حکم دیے گئے تھے مگر یہ کہ بندگی کرین اللہ
تعالے کی درحالیکہ خالص کرنے والے ہوں دین کو اُسی کے لیے ف یہ حکم ہر پیغمبر نے سنایا چنانچہ فرمایا۔ ما ارسلنا من
قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الہ الا انا فاعبدون۔ یعنی اے محمد ہم نے تجھے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اُنکے اسکو ہم نے
یہی وحی کی کہ لا الہ الا انا۔ یعنی میرے سوا کوئی معبود اللہ نہیں ہے پس تم میری ہی بندگی کرو۔۔۔ تو معلوم ہوا کہ اہل
کتاب جو مشرک ہو گئے اُنکو حکم ہی دیا گیا تھا کہ دین کو خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لیے کر گئے اُسی کی بندگی کرین حَتّٰی
درحالیکہ حنیف ہوں ف ہر شرک وغیرہ سے پھر کر توحید الہی کی طرف مائل ہوں۔ جیسے فرمایا۔ ولقد بعثنا فی کل امیۃ
رسولاً ان اعبدوا اللہ و اجتنبوا الطاغوت۔ یعنی بیشک ہم نے ہر امت میں ایک رسول ضرور بھیجا کہ تم عبادت کرو
اللہ تعالیٰ کی اور نہ کچھ رہو طاغوت سے۔۔۔ طاغوت شرک و شیطان اور ہر ایسی چیز جو اللہ تعالیٰ سے روکے یعنی
کسی قسم کا شرک مت کرو بلکہ ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ ہی کی وحدانیت ذات و صفات کے اوپر دل رکھو کہ وہی قادر
مختار ہے موت و زندگی و رزق و ہر چیز اسی کے ایجاد سے ہوتی ہے اور بندوں کی تدبیر سے وہی نتیجہ نکلتا ہے جو وہ پیدا کرے و وضع
ہو کہ بندگی کے ہی معنی ہیں کہ اول دل سے وحدانیت اعتقاد کرے اور سب طرف سے دل کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف مائل
رکھے اسی لیے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے لے عید و اللہ۔ کی تفسیر آئی ہے اے لیوحد و اللہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید کرین
دین اسی کے لیے خالص کرتے ہوئے درحالیکہ حنیف ہوں۔ وَتَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوا الزَّكٰوةَ۔ اور قائم کرین نماز
اور ادا کرین زکوٰۃ ف یعنی توحید میں حنیف مسلم ہو کر بدنی عبادت ادا کرین جنہیں سر تاج و افضل طاعت نماز ہے تو اسکو
قائم کرین یعنی ٹھیک شرائط و آداب سے ادا کرین اور مالی عبادت میں سے افضل زکوٰۃ مفروضہ ہے وہ ادا کرین تو ظاہر و باطن
و مال و جان کو اللہ تعالیٰ کے واسطے کرنے والے ہوئے۔ وَذٰلِكَ دِیْنُ الْقِيَمَةِ۔ اور یہ دین قییمہ ہر ف ذلک
سے اشارہ ہے جو ادا پر مذکور ہوا اور اشارہ تعظیم ہے یعنی یہ طریقہ موصوف قابل تعظیم ہے جو ادا پر مذکور ہوا یہ دین القیمہ یعنی
دین اللہ القیمہ ہے یعنی ملت حنیفیہ مستقیمہ پر تدین و عمل ہے۔ قییمہ جمع قیم ہے یعنی ہر امر اسکا مستقیم محکم عدل ہے ابن کثیر
رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ امام زہری و شافعی وغیرہ نے اس آیت سے استدلال کیا
کہ اعمال داخل ایمان ہیں اقول مراد یہ کہ ان اعمال فریضہ کے ادا کرنے سے ایمان پورا ہوتا ہے اور طریقہ
سنت و شریعت اولیٰ ہے

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِیْنَ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ

خٰلِدِیْنَ فِیْہَا اُولٰٓئِكَ هُمُ الشُّرَکَیَّةُ ۚ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ خَيْرُ الْبَرِیَّةِ ۚ جَزَاؤُهُمْ

اَدْرِیْہُمْ۔ وہ جو منکر ہوئے کتاب والے اور شریک والے وہ دوزخ کی آگ میں
خلدین ہیں اس میں وہ لوگ ہیں بدترین خلق کے وہ لوگ جو یقین لائے
و عملوا الصالحات اُولٰٓئِكَ ہُمُ خیر البریۃ جَزَاؤُهُمْ اَدْرِیْہُمْ۔
اور کچھ پہلے کام۔ وہ لوگ ہیں بہتر سب خلق کے بد لا

کفر والہ یعنی کفر توحید سے یہ لوگ منفک نہیں ہو سکتے تھے جب تک بینہ نہ آوے تاکہ اس بینہ سے توحید پہچانیں
واضح ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ اس امت اسلامیہ کے لوگ بھی اگلوں کے قدم بقدم چلنے کے چنانچہ ہی واقع
ہوا کہ اسلام میں بغی و تعصب سے بہت فرقے مختلف ہو گئے ابن کثیرؒ نے لکھا کہ متحد و سائید سے یہ حدیث مروی ہو کہ یہود تو اکثر
فرقوں میں مختلف ہوئے اور نصاریٰ بہتر فرقوں میں مختلف ہوئے اور عفریہ زمانہ آتا ہو کہ یہ امت تہتر فرقوں میں مختلف ہو گی وہ
سب فی النار ہیں سوائے ایک کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ وہ ایک فرقہ کیا ہو گا۔ فرمایا کہ وہ اس طریقے پر ہو گا جس پر میں اور میرے اصحاب
ہیں تمہیں حکم کرتا ہو کہ دوسری احادیث میں تاکید ہو کہ تم لوگ سواد اعظم کے تابع رہو پھر جو چھوٹ کر نکل گیا وہ آگ میں گیا (الترمذی وغیرہ)
یہ فرقہ قطعاً اہل السنۃ والجماعہ ہیں اور قطعاً اپنے نفس کے تابع نہیں ہوئے بلکہ اسی طریقے پر رہے جو متواتر صحابہ و تابعین سے چلا آتا
تھا اور قطعاً یہ فرقہ حق پر ہو اور یہی سواد اعظم رہا اور باقی ہر فرقے کو اس فرقہ سے ایسی نسبت تھی کہ اگر نزار اہل السنۃ ہیں تو ایک
وہ ہی ملکہ اس سے بھی کمتر رہے اور جسے صحیح حالات تاریخی سے و توف حاصل کیا وہ جانتا ہو کہ اہل السنۃ والجماعہ نے صحابہ و
تابعین کے طریقہ نبوت پر استحکام کیا اور بادشاہوں سے متحد ہو کر اپنا پنجہ بنی امیہ کے بادشاہوں سے الگ رہے اور انکو ظالم
و فاسق جان کر انکی طرف سے شاہی خدمت نہیں لیتے تھے پھر جب عباسیہ بادشاہ ہوئے تب بھی اُن سے الگ رہے اور طریقہ
صحابہ و تابعین برابر متواتر تھا اُسکو مضبوط پکڑے رہے اور بعض ظالم بادشاہوں نے چاہا کہ انکو فلسفی خلط ملط پر لاویں حتیٰ کہ
یہ چاہا کہ قرآن مجید کو مخلوق کہو اور تم لوگ دین اسلام کے معنی و توحید نہیں سمجھتے ہو۔ ان لوگوں نے قطعاً انکار کیا حتیٰ کہ تیسرے
عذاب سے مارے گئے اور مدت تک فتنہ عظیم برپا رہا اور معتزلہ گمراہوں نے ان بادشاہوں کو خراب کیا و لیکن اہل السنۃ رحمہم اللہ
تعالیٰ نے کچھ بھی رائے کو دخل نہ دیا اور اسی طریقے پر رہے یہاں تک کہ بائیس سو برس گزرے جیسے حدیث میں آنحضرت صلی اللہ
نے اپنی امت کی مدت بیان فرمائی ہو کیونکہ امت کا اعتبار اسی وقت تک ہو کہ نصف سے زیادہ لوگ آخرت کے طالب اور
دنیا سے منحرف اور طریقہ نبوت پر توحید کے ساتھ قائم ہیں تو یہ حالت حضرت موسیٰؑ کی امت میں دو سو برس ہی کے بعد زائل
ہو گئی تھی اور حضرت عیسیٰؑ کے بعد چند ہی روز میں شرک و جہل پھیل گیا اور اصل بقا و قیامت تک ہو و لیکن اسی طرح کہ نصف سے
کم لوگ آخرت کے طالب ہوں یا فقط آخرت کو دنیا پر راجع رکھیں یہاں تک کہ آخر زمانہ کی نسبت جب مہدیؑ امام ہوں
اور عیسیٰؑ علیہ السلام اُتریں اُسوقت خبر دی کہ دنیا ظلم و جور سے بھری ہوگی اور ارشاد ہو کہ جو کوئی اُسوقت میری سنت طریقے
پر عمل کرے گا اُسکے لیے سو شہید کا ثواب ہو اور اُسوقت میں عمل سے علم بہتر ہو گا۔ خلاصہ یہ کہ قطعاً یہ بات معلوم ہو کہ جس طریقے
پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے وہ برحق ہی یہ طریقہ بے شمار صحابہ رضی اللہ عنہم سے متواتر تھا کیونکہ متواتر ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے
بینہ و حجت ہو اور خاص جماعت کا قول و فعل حجت نہیں ہوا کرتا ہی جب تک قطعی نہ ہو اور یہ قطعی نہیں ہوتا پس متواتر ضرور ہے
اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے متواتر طریقہ ہم کو ملا تو وہ قطعاً حق ہو پھر تابعین سے سواد اعظم سے متواتر ملا اسی طرح تابعین سے متواتر ملا
پس اہل السنۃ قطعاً اسی طریقے پر ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا اور باقی ہر فرقہ اپنی اپنی ٹکڑی جدا کر کے اس طریقہ
متواتر سے مخالف ہو کر جنم میں گیا و لیکن بغاوت و تعصب سے یہ سمجھنا ہو کہ متواتر طریقے والے غلط اور سچ ابن اللہ حق ہو اور سچ کو
عبداللہ در رسولہ جاننے والوں کو اُلٹے خاطی جانتے ہیں یہ عجب بات ہو اللہ تعالیٰ ہی ہدایت دینے والا ہو وقال تعالیٰ وَمَا

ہدایت مجھے حاصل ہوئی یہ کسی طرح افلاطونی حکمت سے نہیں معلوم ہو سکتی تھی اور اُسکے سامنے افلاطونی حکمت کی حماقت و باطل ہونا صاف عیان ہو جاتا ہے اور قطعاً اُسکو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ بغیر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے کسی طرح غواہیت کے بیابان ہلاکت سے نکلنا ممکن نہیں تھا جیسے اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے کافر ہوئے وہ کفر میں برابر تھے خواہ کتابی ہوں یا بت پرست یا مجوسی ہوں مترجم کہتا ہے میں دیکھتا ہوں کہ واللہ اس زمانہ میں یہ اقوام سب اللہ تعالیٰ سے جاہل ہونے میں برابر ہیں و لیکن اہل کتاب اور مشرکین دیگر میں فرق یہ ہے کہ اہل شرک اعمالِ خلیفہ وغیرہ شریعت سے بھی بوجہ بے علی کے جاہل ہیں اور اہل کتاب فی الجملہ ان اعمال کو پہچانتے ہیں اور شاید باعث یہ ہوا کہ تحریفیات کا مدار شرک بنوت میں منحصر رہا اور اعمال میں چند ان بحث نہ تھی اس لیے وہ غھوڑے بہت باقی رہے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اگر باقی ہوتی تو بنوت مسیح و عزیر علیہما السلام میں یہ شرک کا قبیح اعتقاد ممکن نہ ہوتا اس لیے کہ کفر و توحید تو ضد ہیں واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں و کتابوں کو اسی واسطے نازل فرمایا تھا کہ لوگ پہچان لیں کہ ارواحِ آخرت سے دنیا میں بھیجی جاتی ہیں تاکہ یہاں سامان کما کر آخرت میں آویں اور اپنے اعمال کے موافق عالی درجات حاصل کریں اور اگر بد اعمال کما لے تو جہنم کے درجات میں اپنے اعمال کے موافق رہیں پس ہر زمانہ میں ایک گروہ ارواح کا بھیجا جاتا ہے جو جب انکا زمانہ گزرا تو وہ جسم خاکی چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور بجائے اُنکے دوسری روحیں آتی ہیں وقد قال تعالیٰ فبعث اللہ النبیین مبشرین و منذرین و انزل معہم الکتاب بالحق لعلہم یتقوا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بھیجے جو مطیعین کو خوشخبری اور کفار کو ڈرسانے والے ہیں اور انکے ساتھ کتاب بحق نازل فرمائی تاکہ جن باتوں میں لوگوں نے اختلاف کیا انہیں حق حکم کریں یعنی سب حق پر متفق ہو جاویں۔ پھر جن قوموں کو یہ کتاب دی گئی انھوں نے علم آجائے کے بعد باہمی لغاف سے اسی میں اختلاف کیا۔۔۔ یعنی تعجب کی بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو باہمی اتفاق کے لیے بھیجا تھا یعنی کتاب حق تو اُسکیوں لوگوں نے اختلاف کا آلہ بنایا لہذا بیان فرمایا۔ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْکِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَیِّنَاتُ۔ اور نہیں پھوٹ نکلے جنکو کتاب دی گئی تھی مگر بعد اسکے کہ اُنکے پاس بینہ آئی و اب اس کثرت نے کہا کہ اس سے اہل کتاب مراد ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے کتابیں اتاریں اور بینہ و حجتیں قائم کیں تو انھوں نے اللہ تعالیٰ کی مراد میں بکثرت اختلاف کیا اور پھوٹ کے بکثرت فرقے ہو گئے اور یہ انکی باہمی لغات کا اثر تھا مترجم کہتا ہے کہ اگلی کتاب میں حفظ نہیں ہوتی تھیں چنانچہ توریت والے فقط درس و تدریس رکھتے تھے اور جب بشیارت فرمے ہو گئے تو اپنا قول ثابت کرنے کے لیے ہر فرقے نے کتاب الہی کی عبارت بدل لی اور اپنے موافق کر لی اور یہود نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واسطے اس تدوین کیا کہ حضرت عیسیٰ کے واسطے جو بشارت تھی وہ تاویلین کر کے حضرت موسیٰ کے لیے برقرار رکھی پھر رفتہ رفتہ عبارت ایسی بدلی کہ وہ بشارت ہی جاتی رہی اور عیسائیوں نے دیکھا کہ حضرت عیسیٰ کے بعد ایک عظیم الشان پیغمبر آئے والا ہو تو انکا یہ عقیدہ کہ مسیح اکلوتا بیٹا تھا بالکل غلط ہو جاتا ہے پس تعصب کر کے خاتم النبیین کی بشارات میں عقائد توحید میں بالکل تحریف کر دی حالانکہ انجیل اس سے پہلے ہی یہود نے تہ و بالا کر دی تھی۔ انھیں تحریفیات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی توحید حق کا پتہ نہیں ممکن تھا اور اسی جہت سے اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں فرمایا۔ لَمَّا لَمْ یَلٰذِبْ

صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے پر اُنکے کفر کا خاتمہ نہیں ہوا بلکہ آگے خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ و ما تفرق الذین اوتوا کتاب الذی
یعنی اہل کتاب جبھی متفرق ہوئے جب اُنکے پاس بنیہ آیا۔ تو معلوم ہوا کہ رسول اللہ کے آنے پر کفر چھوڑنا کیسا بلکہ زیادہ
متفرق و کافر ہو گئے یہ اشکال میرے گمان میں آیا ہو (جواب) میں علماء نے بہت وجوہ بیان کیے ہیں ان میں سے بہت
جواب وہ ہے جسکو صاحب کشف نے لکھا ہے کہ اہل کتاب و مشرکین کہا کرتے تھے کہ ہم لوگ اپنا دین نچھوڑینگے یہاں تک کہ جو
پیغمبر خاتم النبیین مبعوث ہونے والا ہو وہ پیدا ہو اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جب وہ پیدا ہوگا تو ہم اُسکے دین کو اختیار
کرینگے۔ پس اللہ تعالیٰ نے انکا قول نقل کیا کہ خاتم النبیین مبعوث ہونے سے پہلے کہتے تھے کہ ہم منافک ہونگے یہاں
کہ بنیہ یعنی خاتم النبیین آوے پھر جب آیا تو اس کی آمد کو کفر کا باعث بنا لیا اور اسکی نظیر یہ کہ فقیر فاسق کو کسی نے
نصیحت کی تو اُس نے کہا کہ میں صالح نہیں بننا ہناں تک کہ اللہ تعالیٰ مجھے تو نگری دے پھر جب اُس نے تو نگری پائی
تو لمو لعب میں زیادہ منہمک ہو گیا۔ تب اُسکے نصیحت کرنے والے نے طعنہ سے کہا کہ تو اپنا فسق و فجور چھوڑنے والا نہیں
تھا یہاں تک کہ تجکو تو نگری حاصل ہو حالانکہ تو نے فسق میں استغراق بعد تو نگری کے اختیار کیا۔ الغرض زرخشی کا جواب
اس بنیاد پر ہے کہ قولہ تعالیٰ لم یکن الذین کفروا من اہل کتاب الذین کفروا اللہ تعالیٰ و ما تفرق الذین اوتوا فی حاکم
کا بیان ہے یعنی پہلے جو دعویٰ کرتے تھے اُسکے خلاف کیا مترجم کتاب ہے کہ رازی نے بہت سے جوابات نقل کیے ازاں بعد جواب
ہو جو واحدی نے اختیار کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بعضے ایمان لائے۔ رہا یہ کہ اس صورت میں حتی تا ہم البینہ بچنے
حتی اتم البینہ ہے جیسے قولہ تعالیٰ ما تلو الشیاطین علی ملک سلیمان۔ بمعنی املت الشیاطین ہے۔ واضح ہو کہ مترجم کے نزدیک
اس آیت کے معنی دیگر ہیں۔ اسکا بیان یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعثت سے پہلے زمانہ فترت تھا اور دین توحید
بالکل مٹ گیا تھا اہل کتاب اپنے انحرافی شرک میں مبتلا تھے اور اسی کو دین الہی بتلاتے تھے اور مشرکین بت پرست و ارتداد
پرست خود اپنے شرک میں سرمست تھے۔ قولہ لم یکن۔ بیان باندہ قولہ ما کان لنفس ان تو من الایہ۔ اور قولہ ما کان للنبی
والذین اوتوا یعنی یہ نہیں ہو سکتا پس قولہ تعالیٰ لم یکن الذین کفروا الخ کے یہ معنی ہیں کہ یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ جو لوگ
اہل کتاب و ہر قسم کے مشرکین سے اللہ تعالیٰ کی توحید سے کافر ہوئے وہ اس سے منفک ہوں یہاں تک کہ اُنکے
پاس بنیہ آوے یعنی ایسا رسول کہ آیات توحید سناتا ہو۔ خلاصہ یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دین توحید اور اللہ تعالیٰ
کی وحدانیت پہچاننا ممکن نہ تھا اور جمیع ادیان اہل کتاب و غیر ہم سب توحید سے کافر تھے پس اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ
وسلم کو معرفت توحید کے واسطے عین نعمت بھیجا۔ وہ صحف مطہرہ تلاوت کرتے ہیں۔ ابن جریر نے کہا یعنی صحف مطہرہ میں
اللہ تعالیٰ کی کتابیں قیمہ عادلہ مستقیمہ ہیں انہیں کچھ غلطی کا نام نہیں ہرقتادہؒ نے کہا کہ رسول عظیم من جانب اللہ
تعالیٰ صحف مطہرہ تلاوت کرتا ہے یعنی قرآن مجید سے نہایت احسن ہدایت ہے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کو احسن ثناء سے
بتلاتا ہے کما فی تفسیر ابن کثیر روح۔ اس سے معلوم ہوا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت
معلوم ہوئی اور آپ پر جو پاک کتاب نازل کی وہ جسے معرفت بتلاتی ہے اسطرح آخرت کی معارج اور معاملات
کو کامل مستقیم اصول سے بتلاتی ہے اور جسے قرآن مجید سے یہ علوم جاتے کہ وہ البتہ آنکھوں والا ہو کر دیکھتا ہے کہ اللہ اکبر جو

مراد یہود و نصاریٰ ہیں اور مشرکین سے مراد عرب و عجم کے بت پرست و آتش پرست ہیں۔ منفک الگ ہو جانے والا۔ مجاہد نے کہا مشفکین یعنی کفر و شرک سے باز آنے والے۔ خلاصہ یہ کہ اہل کتاب و مشرکین نہیں باز آنے والے تھے کفر و شرک سے یہاں تک کہ آجائے اُنکے پاس بنیہ۔ یعنی یہ قرآن جبکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سناتے ہیں یہ تنادہ دم کا قول ہی مترجم کہتا ہے کہ واحدی نے کہا کہ بنیہ یعنی روشن دلیل ہی اور مراد رسول اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور معنی یہ کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے حال سے خبر دی کہ کفار اپنے کفر و شرک سے باز آنے والے نہیں تھے یہاں تک کہ اُنکے پاس محمد صلعم قرآن لایا پس اُنکی ضلالت و جہالت بیان کر کے ایمان کی طرف ہدایت کی مترجم کہتا ہے کہ اس صورت میں (حتی تا تیمم البینۃ) کے معنی (حتی اتتم البینۃ) یعنی مضارع مجھے ماضی ہو اور یہ آتا ہے چنانچہ آئندہ معلوم ہوگا پھر واحدی نے کہا کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ جب بنیہ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم آیا تو انھوں نے کفر و شرک چھوڑا اور ایمان لائے پس یہ بیان فقط مومنوں کے ساتھ ہو جو اہل کتاب میں سے اور مشرکین میں سے ایمان لائے کیونکہ اُنکے حق میں یہ صادق آیا کہ وہ کفر و شرک منفک ہو گئے جب اُنکے پاس بنیہ آیا جسکا بیان یہ کہ۔ رَسُوْلٌ مِّنْ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيْهَا كُتِبَ قِيَمَةٌ یعنی بنیہ مذکور اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول ہو در حالیکہ تلاوت فرماتا ہے صحیفے پاکیزہ کیے ہوئے جن میں کتابین قیمہ ہیں ف یعنی صحف مطہرہ میں نوشتہ جات مستقیم معتدل حکم ہیں واحدی نے کہا کہ یہ آیت قرآن میں نظم و تفسیر کی راہ سے بہت سخت ہو اور اسکی تاویل و تفسیر میں بڑے بڑے علما خبط چال چل گئے اور ایسی راہ چلے کہ ٹھیک مراد پر نہیں پہونچے اور صحیح معنی وہ ہیں جن سے میں نے تجھے آگاہ کیا اور کچھ شکل پیش نہیں آئی اب تجھے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنی چاہیے کہ ایسی آسانی سے تجھے معافی معلوم ہو گئے واحدی نے کہا کہ بنیہ سے مراد محمد رسول اللہ ہیں اور اس پر دلیل بھی ہے کہ آئندہ اسی (البینۃ) کی تفسیر بیان فرمائی بقولہ رسول من اللہ تیلوا الخ۔ یعنی یہ بنیہ رسول من جانب اللہ ہی الخ مترجم کہتا ہے کہ واحدی رح کی تاویل کا خلاصہ یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر جب اہل کتاب میں سے لوگ ایمان لائے اور مشرکین عرب وغیرہ سے ایمان لائے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے خبر دیدی کہ اہل کتاب و مشرکین جنھوں نے اللہ تعالیٰ سے کفر کیا تھا وہ اپنے کفر سے منفک ہونے والے نہیں تھے یہاں تک کہ اُنکے پاس بنیہ آیا وہ رسول مکرم منجانب اللہ ہی۔ یعنی جب وہ آیا تو ان لوگوں نے کفر چھوڑا اور ایمان لائے امام رازی نے لکھا کہ واحدی نے کتاب بسیط میں لکھا کہ یہ آیت قرآن میں نظم و تفسیر کی راہ سے بہت سخت ہو اور اس میں بہت کبار علما خبط چال چلے۔ واحدی نے سختی و مشکلات کا کچھ خلاصہ بیان نہ کیا اور میں کہتا ہوں کہ اشغال کی وجہ یہ ہے کہ نظم آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ لم یکن الذین کفروا مشفکین حتی تا تیمم البینۃ التي رسول اللہ یعنی کفار اپنی حالت سے جدا ہونے والے نہیں تھے یہاں تک کہ اُنکے پاس بنیہ آوے اور وہ رسول اللہ ہی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں بیان کیا کہ کس چیز سے جدا ہونے والے نہ تھے لیکن بظاہر یہ معلوم ہے کہ اپنی حالت کفر سے جدا ہونے والے نہیں تھے تو خلاصہ یہ کہ کفار اپنے کفر کو چھوڑنے والے نہ تھے یہاں تک کہ رسول آوے۔ پھر کلمہ حتی (یہاں تک کہ) اس لیے آتا ہے کہ اس حکم کی انتہا بیان کرے تو ان لوگوں کے کفر پر مجب رہنے کی انتہا یہ تھی کہ رسول اللہ آوے۔ یعنی رسول اللہ آنے پر اُنکی کفر کی انتہا ہو گئی۔ پس یہ اشغال ہے کیونکہ رسول اللہ

اس حرکت کے عوض بہت سے نیک اعمال کیے ہیں اور اب تک ڈرتا ہوں۔ بالکل راہ میں ڈر کے مارے غمناک تھے یہاں تک کہ منادی نے آواز دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمر بن الخطاب کو یاد فرماتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ خوف سے میرا رُحال ہوا کہ دیکھیے اللہ تعالیٰ نے میرے حق میں کیا نازل فرمایا ہے؟ لیکن حکم کی تعمیل کر کے اپنا اونٹ بڑھا کر حاضر ہوا آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر مبارک سورہ نازل فرمایا۔ پھر آپ نے سورہ انفحاتنا لک فتحاً مبیناً سنایا۔ جب مجھے اطمینان ہوا تو میں نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ فدا ہوں کیا یہ فتح ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں میں نے کہا کہ بیشک اللہ اور رسول خوب جانتے ہیں۔ ابونعیم نے مسند کیا کہ اسمعیل بن حکیم نے رجوبنی فضل سے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ اللہ تعالیٰ سورہ لم یکن الذین کفروا کی قراءت سننا ہی اور فرماتا ہے کہ اے میرے بندے خوش ہو مجھے اپنی عزت کی قسم ہے کہ تجھے جنت میں ایسی خوب جگہ دوں گا کہ تو راضی ہو جائیگا۔ ہذا حدیث غریب جدا اور اس حدیث کو حافظ ابویوسف المدینی وابن الاثیر نے ابی اسمعیل بن حکیم عن مطر المزنی رضی اللہ عنہ روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ لم یکن الذین کفروا کی قراءت سن کر فرماتا ہے کہ اے میرے بندے خوش ہو کہ مجھے اپنی عزت کی قسم ہے کہ تجھے احوال دینا و آخرت میں سے کسی حال میں فراموش نہ کروں گا اور تجھے جنت میں ایسی خوب جگہ دوں گا کہ تو راضی ہوگا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے شروع

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنْفَكِّينَ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۚ

نہ تھے وہ لوگ جو منکر ہیں کتاب والے اور مشرک والے باز آتے

رَسُولٌ مِّنَ اللَّهِ يَتْلُو صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۚ

ایک رسول اللہ کا پڑھنا دور ق۔ پاک ان میں

كُتِبَ فِيهَا ۚ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ

لکھی کتاب میں مضبوط اور بھوٹے جو ہیں جنکو ملی ہے کتاب

مَا جَاءَهُمْ الْبَيِّنَةُ ۚ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ

آجکی انکو کھلی بات اور اُنکو حکم یہی ہوا کہ بندگی کریں اللہ کی نری کر کے

لَهُ الدِّينَ لَا حُنْفَاءَ ۚ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقِيَمَةِ ۚ

اسکے واسطے بندگی ابراہیم کی راہ پر اور کھڑی کریں نماز اور دین زکوٰۃ اور یہ ہی راہ مضبوط لوگوں کی

اللہ تعالیٰ نے اس سورہ مبارک میں توحید کی عظمت اور اس سے پہلے زمانہ فطرت کی خطا حالت بیان کی اور کفار و مشرکین کا شبوہ ضلالت بیان کیا پھر تحقیق کی جانب ہدایت فرمائی اور وعدہ اور وعید کو جمع کر دیا بقولہ تعالیٰ۔ لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنْفَكِّينَ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ۔ نہیں تھے وہ لوگ جو کافر ہوئے اہل کتاب و مشرکین سے الگ ہونے والے یہاں تک کہ آجادے اُنکے پاس بینہ ف اہل کتاب سے

عاصم بن ہبذلہ عن زبن حبیش عن ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ تجھے قرآن پڑھوں پس آپ نے لم یکن الذین کفروا من اہل الکتاب آخر تک پڑھا اور آپ نے اس میں یہ بھی پڑھا۔ ولوان ابن آدم سال وادی من مال الخ یعنی اگر آدمی زادہ نے مال وادی بسم مالکا اور میں نے اُسے دیا تو وہ دوسرا وادی بھر مانگے گا اور اگر میں نے دوسرا وادی بھر دیا تو تیسرا وادی بھر مانگے گا اور جو ابن آدم کو کوئی چیز نہیں بھر لگی سو اسے خاک کے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے اللہ تعالیٰ اسکی توبہ قبول فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین ہی ملت حنیفیہ ہی نہیں مشرک اور نہ یہودیہ اور نہ نصرانیہ۔ اور جسے نیکی پر عمل کیا تو اسکا نیک کام ہر باد نہوگا۔ ورواہ الترمذی وقال حسن صحیح مترجم کتابہ کہ وادی بھر مال کا بیان شاید پہلے نازل ہوا ہو پھر منسوخ ہو گیا ولیکن دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں بعض صحابہ رض کو یہ شبہہ الہاکم التکاثر میں ہوا تھا پھر جب انھوں نے یہ سورہ مبارک خالص سنا تو معلوم ہو گیا کہ یہ بطور تفسیر کے ہے۔ کیونکہ اس سورہ میں یہ مضمون بلیغ سند راجح ہے چنانچہ آئندہ تفسیر سے واضح ہو گا طبرانی نے غریب اسناد سے اس حدیث کو روایت کیا جس میں راوی نے وہم کیا کہ آنحضرت صلعم نے یہ کہا کہ مجھے یہ حکم ہوا کہ تجھے قرآن پیش کر دن الخ ابن کثیر نے کہا کہ یہ تو قرآن کا دور کرنے میں بولتے ہیں اور ثابت روایت یہ کہ فقط یہی سورہ پڑھنے کا حکم تھا جیسا کہ اس آئندہ کثیرہ صحیحہ سے معلوم ہوا اور یہ سورہ سنائیکا حکم اسلئے ہوا تھا کہ ابی بن کعب کا دل ایمان میں کامل مستقیم ہو جاوے اور یہ بات واقع ہوئی تھی کہ عبد اللہ بن مسعود رض نے کچھ قرآن پڑھا تو ابی بن کعب نے انکار کیا کہ یہ اس طرح نہیں ہے مجھے دوسری طرح آنحضرت صلعم نے پڑھایا ہے۔ دونوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شکر فرمایا کہ ہاں ہاں یہی نازل ہوا ہے ابی بن کعب کہتے ہیں کہ ناگاہ میرے دل میں شیطان نے وہ شک ڈالا کہ مجھے جاہلیت میں بھی ایسا اتفاق نہ ہوا تھا اور آنحضرت صلعم نے یکایک میرے سینہ میں ہاتھ مارا جس سے میرے بدن سے پسینہ جاری ہوا اور مجھے یہ معلوم ہوا کہ میں خوف زدہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں دیکھتا ہوں اور وہ شیطانی شک دور ہو گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آگاہ کیا کہ جب بریل نے آکر حکم پہنچایا کہ اپنی امت کو ایک حرف پر قرآن پڑھائیے میں نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ سے اسکا عفو و مغفرت مانگتا ہوں پھر آکر کہا کہ دو حرف پر پڑھائیے پھر برابر اسطرح رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اپنی امت کو سات حرف پر پڑھاؤں پھر ابی بن کعب کو ندامت نے گھیر لیا تو اُسکے بعد یہ سورہ نازل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کا معجزہ ظاہر کرنے کو اور ابی بن کعب سے رضامندی ظاہر کرنے کو حکم دیا کہ ابی بن کعب کو سناؤں اور اس سورہ میں یہ آیت ہے۔ رسول من اللہ تیلو صحفا مطہرۃ فیہا کتب قیمۃ تاکہ ابی بن کعب کو تثبیت ہو اور اسکی نظیر وہ ہو کہ صلح حدیبیہ میں جب کافروں کی یہ شرط منظور ہوئی کہ جو کوئی قریش میں سے مسلمان ہو کر مدینے جاوے اسکو پھر دین اور جو کوئی مسلمان مرنا ہو کر مکہ بھاگ آوے اسکو نہ پھرین تو عمر رض بہت غمناک ہوئے یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کیا آپ رسول اللہ برحق نہیں ہیں فرمایا کہ ہاں۔ تو کہا کہ پھر کیوں ہم اپنے دین میں ایسی شرط قبول کریں آخر ابو بکر رض نے بھی سمجھا یا ولیکن حضرت عمر رض کا غیظ کم ہوا۔ پھر بہت نادام ہو کر نہایت خوفناک ہوئے اور کہا کرتے تھے کہ میں نے

مقادیر لکھے جاتے ہیں اور شب قدر میں ہر ایک کو تقسیم ہوتے ہیں اور بعض نے کہا کہ شب برات میں رزق و موت وغیرہ اور لیلۃ القدر میں امور خیر و برکت بمقدور ہوتے ہیں بعض نے کہا کہ لیلۃ القدر میں اعزاز دین و رفع مسلمین کی تقدیر ہو اور شب برات میں مردوں کے نام ملک الموت کو دیے جاتے ہیں مترجم کہتا ہو کہ حق واللہ اعلم یہ کہ جمیع امور مقدسہ لیلۃ القدر میں ہوتے ہیں چنانچہ قولہ تعالیٰ فیہا یفسر فی کل امر حکیم الآیہ کی تفسیر میں مفصل بیان ہو چکا ہو اور یہی ظاہر قرآن و احادیث و آثار ہے۔ رہی شب برات تو وہ بھی بعض روایات سے متبرک رات ثابت ہوتی ہے لیکن مسلمانوں نے اس زمانہ میں لیلۃ القدر سے بے پروائی کی اور شب برات کو لہو و لعب و اسراف و رسوم سے صنایع کیا اللہ تعالیٰ اپنی توفیق نیک سے ہم سب کو ہدایت دے آمین

سورة البینة مدنیة و ہی شان انا

سورة البینة مدنیہ ہوا اس سورہ کا نام سورہ لم یکن الذین کفروا بھی ہو اور سورة القیامۃ اور سورة المنفکین اور سورة البقرۃ بھی کہتے ہیں اس میں آٹھ آیات اور چار نوے (۹۴) کلمات اور تین سو نوے حروف ہیں کافی السراج وغیرہ ابوالسعود رحمہ اللہ نے کہا کہ اسکے مکہ و مدینہ ہونے میں اختلاف ہو رازی وابن کثیر و بیضاوی وغیرہ میں مدنیہ مذکور ہو بدون اختلاف کے مگر بعض میں۔ اور ابن مردودہ نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ سورہ لم یکن کے میں نازل ہوا اور خطیب نے لکھا کہ یحییٰ بن سلام نے کہا کہ مکہ ہو اور ابن مردودہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ اسکا نزول مدینہ میں ہوا۔ یہی جمہور علماء کا قول ہو اور غالباً اس میں اختلاف ضعیف ہو اور ابن مردودہ کی اسناد میں ضعف ہو۔ امام احمد رحمہ اللہ نے ابو حنیفہ البدری یعنی مالک بن عمرو بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ جب سورہ لم یکن الذین کفروا آخر تک نازل ہوا تو جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یا رسول اللہ آپ کا رب تبارک و تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہو کہ اسکو ابی رضا کو پڑھ سنائیے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن کعب سے فرمایا کہ جبریل نے مجھے حکم دیا کہ تجھے یہ سورہ پڑھ سناؤں ابی نے کہا کہ کیا میرا نام وہاں لیا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ تو ابی رضی اللہ عنہ نے لگے اسکی اسناد میں علی بن زید راوی ہیں ولیکن امام احمد نے دوسری اسناد صحیح سے اسکو روایت کیا بلکہ اسکو امام بخاری و مسلم و ترمذی و نسائی نے باسانید صحیحہ روایت کیا۔ امام احمد رحمہ اللہ نے دوسری اسناد سے ابی بن کعب سے روایت کی کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہو کہ تجھے سورہ کذا پڑھ سناؤں میں نے کہا کہ یا رسول اللہ کیا وہاں میرا نام لیا گیا ہے فرمایا کہ ہاں۔ راوی نے ابی بن کعب سے کہا کہ اے ابوالمنذر آپ اس سے بہت خوش ہوئے ہوئے گئے۔ فرمایا کہ میں کیونکر خوش ہوتا اللہ تعالیٰ فرماتا ہو۔ قل بفضل اللہ و رحمتہ فبذلک فلیفرحوا ہوخیر مما یجمعون۔ یعنی کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و اسکی رحمت ہی ایسی چیز ہو کہ اسکے ساتھ خوش ہوں۔ یہی بہتر ہو اس سے جس کو جمع کرتے ہیں امام احمد رحمہ اللہ کے استاد شیخ مومل نے اپنے استاد سفیان الثوری سے کہا کہ قرأت فی الحدیث فرمایا کہ ہاں۔ مترجم کہتا ہو کہ مومل نے اس حدیث سے بخلا کہ استاد اگر حدیث پڑھ کر شاگرد کو سناوے تو جائز ہو اسی حدیث سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھ کر ابی بن کعب کو سنا یا سفیان نے کہا کہ ہاں یہ دلیل ٹھیک ہو۔ قال احمد حدیثنا محمد بن جعفر و حجاج قال احمد ثنا شعبہ عن

و فلان عورت مومنہ کا کیا حال ہو۔ ہر ایک کا حال بیان کرتے ہیں حتیٰ کہ یہ کہتے ہیں کہ سال گذشتہ میں فلان شخص حق پرست تھا اور اس سال ہم نے دیکھا کہ وہ بدعتی ہو گیا اور فلان جو بدعتی تھا اس سال حق پر ہو گیا لہذا بدعتی کے لیے استغفار نہیں کرتے اور حق کے لیے استغفار کرتے ہیں اس طرح کہتے ہیں کہ ہم نے فلان و فلان کو ذکر الہی میں اور فلان فلان کو سجدہ و رکوع میں اور فلان فلان کو تلاوت قرآن میں پایا۔ پس ایک رات میں اس آسمان میں اسی طرح استغفار کرتے ہیں پھر دوسرے آسمان پر جاتے ہیں اور یہی معاملہ ہوتا ہے پھر تیسرے آسمان پر جاتے ہیں اسی طرح سدرۃ المنتہی تک پہنچتے ہیں پھر سدرۃ المنتہی اُنسے موندیں ہوتا ہے کہ حال ہو چکا کہ استغفار کرتا ہے پھر جنت سدرۃ المنتہی سے حالات دریافت کر کے اللہ تعالیٰ سے رحمت مغفرت مانگتی اور دعا کرتی ہے کہ الہی میرے لوگوں کو میرے یہاں بھیج دے اور جبریلؑ اپنے رب تبارک و تعالیٰ سے عرض کرتا ہے کہ اے رب میں نے فلان بندے کو سجدہ میں اور فلان کو تلاوت و فلان کو ذکر میں پایا اُنکو بخش دے اللہ تعالیٰ مغفرت فرماتا ہے اور وہ اپنے بندوں کو خوب جانتا ہے جبریلؑ عرض کرتا ہے کہ اے رب تیرا فلان بندہ راہ سنت و شریعت سے منحرف اور بدعت میں مبتلا ہو گیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے جبریلؑ اگر اپنی موت سے تین ساعت پہلے میری درگاہ میں رجوع لادے اور توبہ کر کے رضامندی مانگے تو میں اُسکو بخشوں۔ جبریلؑ عرض کرتا ہے کہ الہی لاک الحمد تو اپنی خلق پر انکی ذات سے زیادہ مہربان ہو اور عرش و ملائکہ اپنے رب عزوجل کی رحمت کی تسبیح پڑھتے ہیں کعب نے ذکر کیا کہ حبشہ رمضان کا روزہ رکھا اور قصد کیا کہ بعد رمضان کے مستقیم رہیگا اور گناہ سے بچیکا تو وہ بحساب جنت میں جاتا ہے (تفسیر ابن کثیر) رازیؒ نے لکھا کہ لیلۃ القدر کو مانند دیگر اشیاء کے مخفی کیا چنانچہ رضامندی کو طاعت میں چھپایا تاکہ ہر طاعت میں رغبت کریں اور غضب گناہوں میں نہ لگے ہر قسم کے گناہ سے بچیں اور اپنا بندہ دلی تمام لوگوں میں چھپایا تاکہ سب کی تقسیم کریں اور قبولیت کو وہاں مخفی کیا تاکہ ہر طرح دعائیں و کوشش کریں اور تمام چھپایا تاکہ جمیع اسماء کی تعظیم کریں اور صلوة الوسطیٰ کو چھپایا تاکہ سب نمازوں کی محافظت کریں اور قبول توبہ چھپائی تاکہ ہمیشہ ہر قسم کی توبہ کیا کریں اور وقت موت کو چھپایا تاکہ ہر دم مستعد رہیں اسی طرح لیلۃ القدر چھپائی تاکہ رمضان کی سب راتوں میں کوشش کریں (فائز) شعبیؒ نے کہا کہ لیلۃ القدر کا دن بھی ثواب طاعات میں اس کے تابع ہے (فائز) رازیؒ نے علماء سے نقل کیا کہ صحف ابراہیم اول رمضان میں اترے تھے اور سات سو برس بعد چھ راتیں رمضان کی گزرنے کے بعد توبہ اتری پھر پانچ سو برس بعد رمضان کی بارہ راتیں گزرنے کے بعد زبور نازل ہوئی اور زبور سے چھ سو برس برس گزرنے کے بعد رمضان کی اٹھارہ راتیں گزرنے پر انجیل نازل ہوئی اور قریم پونے چھ سو برس بعد رمضان کی چوبیس راتیں گزرنے قرآن مجید بیت العزۃ میں نازل ہوا پس ماہ رمضان جامع برکات و فضائل ہے لطیفہ ملائکہ کو مومنین سے محبت ہے وقد قال تعالیٰ لیستغفرون لمن فی الارض یعنی زمین والوں کے لیے ملائکہ مغفرت مانگتے ہیں دوسری آیات میں مومنین و مومنات کی تصریح ہے اور وجہ یہ کہ تیری روح میں اللہ تعالیٰ کی توحید و اعمال صالحہ سے حسن جمیل نظر آتا ہے تو ملائکہ محبت کرتے ہیں اور گناہوں کی ہیئت سے تیرے لیے مغفرت مانگتے ہیں جیسے ابتدا میں آدمی نطفہ گندہ تھا اس وقت والدین کو دیا جاتا تو نفرت کرتے پھر جب اللہ تعالیٰ نے خلقت جسمانی دی تو پسند کرنے لگے (فائز) رازیؒ و خطیبؒ نے لکھا کہ اگر کسا جاوے کہ نصف شعبان کی شب بڑا میں تم کہتے ہو کہ سالانہ مقادیر لکھے جاتے ہیں پھر لیلۃ القدر کی نسبت کہتے ہو (جواب) یہ کہ روایت کیا گیا کہ شب بابت میں

شکر عوام مسلمان ہمیشہ اسکا انتظار کرتے ہیں اور جب نہیں پاتے تو بعضے اپنی محرومی پر افسوس کرتے ہیں اور بعضوں کو شیطان فتنہ میں ڈالتا ہو کہ یہ کچھ نہیں ہوتا۔ یہ بڑا فتنہ ہے جو اس جاہل نے پھیلا یا ولیکن حق بات یہ کہ جس بندے نے وہاں کی ہر بات میں خصوصاً عشرہ اخیرہ میں تہیہ پڑھی یا یاد میں مصروف ہوا تو ضرور اسے لیلۃ القدر پائی ہو اسی لیے قائمہ یہ ہے اول وقت تراویح سے جلد فارغ ہو کر کچھ دیر آرام کر کے آدمی رات کے بعد اٹھ بیٹھیں اور یاد و تسبیح میں مشغول ہوں جہاں تک کہ تین بجے رات کو سحری کھا دیں اور دل یا دین رکھیں پس سحری کے بارہ میں جو تاکید آئی ہے کہ سحر میں برکت ہو اسکی برکت عظیم یہ ہے کہ اس بہانہ سے بندے کو ضرور لیلۃ القدر مل جائیگی۔ اگر اُس نے اس رات میں تمام رات کی عبادت نہ پائی تو جس قدر پائی وہ بھی عظیم حلیل کثیر ہے واللہ سبحانہ تعالیٰ ہو الموفق (قائمہ) ابن کثیر نے کہا کہ امام ابن ابی حاتم نے بیان ایک اثر عجیب و غریب روایت کیا ہے حدیثنا ابی (ابو حاتم الرازی) حدیثنا عبد اللہ بن ابی زیاد القطوانی حدیثنا سیار بن حاتم (ابو سلمہ العسری حدیثنا موسیٰ بن سعید (یعنی الراسی) عن ہلال بن ابی جبیلہ عن ابی عبد السلام عن ابیہ عن کعب الکعب احبارہم نے کہا کہ سدرۃ المنتہی ساتویں آسمان کی حد پر متصل جنت ہے تو وہ دنیا و آخرت کے درمیانی حد ہے اسکا بلند حصہ جنت میں ہے اور عروق و شاخیں کرسی کے نیچے ہیں اس درخت میں مسکن ملائکہ اس قدر بے شمار ہیں کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی گن نہیں سکتا ہے یہ ملائکہ اُسکے پتے پتے پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور جبرئیل کا مقام اُسکے وسط میں ہے۔ لیلۃ القدر میں اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے کہ جبرئیل مع اُن ملائکہ کے زمین میں اتریں۔ ان میں ہر فرشتہ کے دل میں مومنین کے واسطے رافت و رحمت لکھی گئی ہے پس غروب آفتاب کے بعد اترنا شروع ہوتے ہیں اور ہر قطعہ زمین پر ملائکہ میں سے قائم یا ساجد پابا جاتا ہے اور مومنین و مومنات کے لیے دعا کرتے ہیں ولیکن گر جا و سبغہ و آتش خانہ و تہخانہ اور نجاسات کے مقامات و شراب خانہ اور جس گھر میں شرابی ہو یا تصوف ہو یا گھنٹا ہو یا کوڑا ہو تو ایسے مقامات پر نہیں جاتے ہیں پس تمام رات عبادت و دعا میں رہتے ہیں اور جبرئیل ہر مومن سے مصافحہ کرتے ہیں اور اسکی شناخت یہ ہے کہ مومن کے روئیں کھڑے ہوتے اور دل نرم ہو جاتا اور اللہ تعالیٰ کے واسطے اُسکے آسودہ جانی ہوتے ہیں۔ کعب نے کہا کہ جسے لیلۃ القدر میں فقط تین مرتبہ لا الہ الا اللہ کہا ہو تو اللہ تعالیٰ ایک کے عوض اسکی مغفرت فرما دیگا اور ایک کے عوض اسکو عذاب سے نجات دیگا اور ایک کے عوض جنت میں داخل فرما دے گا۔ میں نے کعب رحم سے کہا کہ لیالہ الا اللہ تین مرتبہ صدق دل سے کہے کعب نے کہا کہ بھلا لیلۃ القدر میں لا الہ الا اللہ کہنے والا کوئی دوسرا ہوگا سوائے اُسکے جو صدق دل سے یقین کے ساتھ کہے کعب نے کہا کہ منافق و کافر پر لیلۃ القدر اس قدر بھاری پڑ جاتی ہے کہ گویا اسکی پیٹھ پر پہاڑ ہے۔ پھر ملائکہ اسی طرح تمام رات رہتے ہیں یہاں تک کہ فجر طلوع ہو تو سب سے پہلے جبرئیل ۷ معبود کے اتنے آفتاب پر جاتے ہیں وہاں اپنے دو بازوئے سبز پھیلاتے ہیں اور وہ ایک ساعت پھیلاتے ہیں جس سے آفتاب کی ایسی کیفیت ہو جاتی ہے کہ اسکی شعاع نظر نہیں آتی ہے پھر وہ مع فرشتہ یک بیک دعا کرتے ہیں پس نور جبرئیل و نور ملائکہ جمع ہوتا ہے اور آفتاب اُس روز متحیر رہتا ہے اور اس روز جبرئیل و ملائکہ زمین و آسمان کے درمیان مومنین و مومنات کے لیے دعا و ترجمہ و استغفار کرتے ہیں اور جسے دل میں یہ نیت تھی کہ زندہ رہیگا تو سال آئندہ روزہ رکھیگا۔ شام کے بعد آسمان دنیا میں داخل ہوتے ہیں اور طبقہ بچلقہ بیٹھتے ہیں اور آسمان دنیا کے ملائکہ انکے پاس جمع ہو کر دریافت کرتے ہیں کہ فلاں مرد مومن

کیے ولیکن حدیث عبادہ رض سے شافعی کے واسطے دلیل نکالی گئی کہ آنحضرت صلعم آگاہ کرنے نکلے تھے اتنے میں دو آدمی جھگڑنے لگے تو وہ اٹھالی گئی اب تم اسکو نوین و ساتوین و پانچوین میں تلاش کرو۔ وجہ دلیل یہ کہ اگر وہ معین نہوتی تو بتلانے سے فقط اسی سال میں جانتے (جواب) یہ کہ بان فقط اسی سال کے واسطے بتلانے نکلے تھے اور مترجم کہتا ہے کہ معین تاریخ ہونے کی دلیل وہ حدیث ابی بن کعب البیہ ہو سکتی ہے جس میں انھوں نے تائیسویں کی قسم کھائی اور اکثر سلف نے اسی تاریخ اتفاق کیا اور اسکی توجیہ مترجم نے اس پر بیان کی ہے ولیکن حق یہ کہ ہم کو عشرہ اخیر کی راتوں میں عموماً اور تائیسویں کو خصوصاً خیال و اہتمام رکھنا چاہیے۔ ۱۔ واضح ہو کہ حدیث عبادہ رض سے یہ فائدہ نکلا کہ سلمان و سلمان کے جھگڑنے سے اس عظیم برکت کا علم اٹھایا گیا تو جب دیکھو کہ طلبہ یا علما باہم جھگڑتے ہیں تو انکے علم سے خیر و برکت اٹھ جانے کی دلیل ہے جیسے حدیث میں ہے کہ بندہ کبھی رزق سے بوجہ ایک گناہ کمانے کے محروم ہو جاتا ہے۔ پھر واضح ہو کہ بعض محروم لوگوں نے یہ اعتقاد کیا کہ لیلۃ القدر بالکل اٹھ گئی اور یہ انکے گناہ شنیع کی بدبختی اپنی پڑی ہے حالانکہ حدیث میں فقط یہ مراد ہے کہ معین تاریخ کا علم بھلا دیا گیا اور خود آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ شاید تمھارے لیے بہتر ہو اور خود طاق تاریخوں میں تلاش کر نیک حکم دیا۔ یہ صریح ہے کہ وہ پاک متبرک رات موجود ہو اور برکت و بہتری اسطرح ہوئی کہ اگر معین معلوم ہو جاتی تو فقط اسی رات جہد کر کے بیٹھ رہتے اور اب ان سب راتوں میں سعی کرینگے ابن کثیر نے کہا کہ مسینہ کی سب راتوں میں سعی کریں اور عشرہ اخیر میں زیادتی کریں واللہ اعلم عائشہ رض فرماتی ہیں کہ جب عشرہ اخیر آتا تو آپ رات کو زندہ رکھتے اور اپنے اہل کو جگاتے اور لنگ کس لیتے (صحیحین) یہ اشارہ ہے کہ اہل کے پاس نہیں جاتے تھے ایک روایت میں فرمایا کہ اس عشرہ میں جیسی کوشش کرتے وہ اول و واسطے سے بڑھکر ہوتی تھی اور لنگ کئے سے یہ بھی اشارہ لیا گیا جیسے انبیاء سے علیحدگی کا اشارہ ہے بدلیل حدیث مسند احمد عن عائشہ رض کہ جب عشرہ اخیر رمضان باقی رہتا تو آپ لنگ کس لیتے اور اپنی عورتوں سے الگ ہو جاتے (تقریباً احمد) امام مالک سے منقول ہے کہ عشرہ کی سب راتیں لیلۃ القدر تلاش کرنے میں یکساں ہیں اقول شاید وجہ یہ کہ طاق کے شمار کرنے میں صحابہ رض بے اختلاط کیا اس لیے سب راتیں لینا چاہیے اور بہتر یہ دعا ہو۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا لَنُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي۔ یہ دعا آنحضرت صلعم نے ام المومنین عائشہ رض کو سکھلائی تھی کہ روایہ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجہ۔ ام المومنین عائشہ رض نے کہا کہ یا حضرت مجھے بتلائیے کہ اگر میں نے شب قدر سے موافقت پائی تو میں کیا کمون آپ نے یہ دعا بتلائی تشبیہ دو فائدہ جلیل یاد رکھو (اول) یہ کہ لیلۃ القدر ضرور ایک رات ہوتی ہے اور اس میں کثیر عظیم برکات ہیں ولیکن ہر شخص کی آنکھیں ایسی نہیں ہیں جو اسے آثار و انوار دیکھیں پس مومنین کو یہ لازم ہے کہ وہ اس رات میں نماز و تلاوت و یاد الہی میں ہوں تو انھوں نے لیلۃ القدر پائی اور چونکہ ہم کو وہ رات خاص کر نہیں معلوم ہے تو چاہیے کہ سب میں اسکی کوشش کریں لہذا تراویح میں ختم کلام اللہ تعالیٰ کے لیے واجب ہے کہ آخر رات میں ختم کریں تاکہ اسی ذریعہ سے اہل حکم نماز میں رہیں برخلاط اسکے جب حافظوں نے ہوس میں جلد ختم کیا نہ تراویح چھوڑ کر لوگ غافل ہو جاتے ہیں۔ بعض جاہل جو عالم کی صورت بنا کر لوگوں کے پیشوا بن جاتے ہیں وہ انکو بہکاتے ہیں کہ لیلۃ القدر کی شناخت یہ ہے کہ نور پھیل جاوے اور درخت و مکان وغیرہ یکبارگی سجدے میں گرین اور ایسا ہو اور ایسا ہو اس بات کو

پیدا کیے اور زمینین سات اور ایام سات پیدا کیے اور میلہ کا دور سہتہ پر ہی اور انسان سات سے پیدا کیا گیا اور سات سے کھانا ہی اور سات بڑیوں پر سجدہ کرتا ہی اور طواف سات پھیرے ہیں اور رمی الجمار سات کنکریاں ہیں۔ اسی قسم سے بہت چیزیں ذکر فرمائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تو ایسی بات سمجھا کہ ہم لوگ نہیں سمجھے قتادہ قول ابن عباس کہ انسان سات سے کھانا ہی اسکی تفسیر یہ بیان کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فانبثنا منہا حباء وعباء وفضباء الایہ۔ یہ اسناد حید قوی ہو لیکن متن غریب جداً ہو فان اللہ تعالیٰ اعلم (قول ۹) کہا گیا کہ لیلة القدر انتیسویں رمضان ہی چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ نے حدیث عبادہ بن الصامت سے روایت کیا کہ آنحضرت صلعم سے لیلة القدر کو دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ وہ رمضان میں ہی اسکو عشرہ اوخرین تلاش کرو وہ طاق میں ہی اکیسویں میں تیسویں یا چالیسویں یا ستائیسویں یا انتیسویں یا آخر رات میں ہی مترجم کہتا ہی کہ انتیسویں کے بعد ہوتی تو آئینہ کوئی آخری رات نہونی بلکہ ۲۸۔ روزہ گزر کے رات ۲۹۔ ہوگی اور دوسرے روز ۲۹۔ روزے ہوئے حتیٰ کہ جائز نہوا تو اس رات اخیرہ کو احیاء کرنا چاہیے اور اس سے معلوم ہوا کہ ۲۸ روزے گزرے اکیسویں رات ہی اور ۲۲ گزرے تیسویں رات ہی۔ امام احمد نے ابو داؤد و الطیالسی سے مسند کیا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً روایت کی کہ لیلة القدر بیس کے بعد ساتویں یا نوین ہی اور ملائکہ اس رات زمین میں کنکریوں کے شمار سے زائد ہوتے ہیں ابن کثیر نے کہا کہ اس حدیث کو امام احمد نے حدیث ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ نو باقیہ یا سات یا پانچ یا تین یا آخر لیلة میں تلاش کرو (قال الترمذی حسن صحیح) طحاوی نے اسی کے مانند حدیث ابو سعید اخدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ مسند میں حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے آخری رات ہو طحاوی نے کہا کہ مسئلہ طلاق کا جواب یہ کہ اگر رمضان سے پہلے طلاق دی تو رمضان گزرتے ہی طلاق ہو جائیگی اور اگر درمیان میں طلاق دی تو یہ بقیہ دن رمضان کے گزرنے پر بھر آئینہ سال کا رمضان پورا گزرے تب حکم وقوع دیا جاوے گا کیونکہ احادیث میں اختلاف ہی شاید اول سال لیلة القدر کے بعد اُسے یہ کلمہ شرط طلاق کہا ہو تو آئینہ پورا رمضان گزرنے پر یقین ہوگا کہ لیلة القدر گزری فاقسم فصل۔ ابن کثیر نے لکھا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے تھے کہ لیلة القدر تو ایک معین رات ہی وہ ہر سال وہی رات ہوتی ہو منتقل نہیں ہوتی ہی اور یہ جو روایتوں میں اختلاف ہی تو اسکا باعث یہ ہوا کہ پوچھنے والے نے آنحضرت صلعم سے پوچھا کہ میں فلاں رات شب بیداری کروں آپ نے اجازت و بدی مترجم کہتا ہے کہ یہ تاویل بعید ہے چنانچہ احادیث کے سیاق پر نظر کرنے سے ظاہر ہوتا ہی کہ یہ سب جوابات نہیں تھے بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار نصید فرمایا و لیکن بھلا دی گئی۔ ترمذی نے ابو قلابہ تابعی کبیر سے روایت کی کہ لیلة القدر اخیر عشرہ میں منتقل ہوتی رہتی ہی یعنی کبھی اکیسویں کبھی ما بعد آخر تک ہوتی ہی ابن کثیر نے کہا کہ یہی قول امام مالک و ثوری و احمد و اسحق و ابو ثور و مزی و ابو بکر بن خرمیہ وغیرہم نے بیان کیا اور قاضی نے اسکو شافعی رحمہ اللہ سے نقل کیا اور یہی شبہ ہی مترجم کہتا ہی کہ عشرہ اوخرین صحابہ میں نے اجماع کیا تو اس عشرہ میں کسی تاریخ ہوتی ہی ابن کثیر نے کہا کہ صحیحین میں حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سے آیا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے لوگوں نے رمضان کے سات اوخرین لیلة القدر دیکھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے خواب متوافق پڑے سات اوخرین پس تم میں سے جسکو تلاش کرنا ہو وہ سات اوخرین تلاش کرے اور صحیحین میں عشرہ اوخر کا حکم حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں ہی مترجم کہتا ہی طحاوی نے حدیث عبادہ و عمر و غیرہ سے یہ معنی روایت

کہا گیا کیونکہ بخاریؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لیلۃ القدر تلاش کرو۔ نوین باقیہ دساتون باقیہ اور پانچون باقیہ میں۔ اکثر علمائے کما کہ طاق راتین مراد ہیں اور یہی معنی زیادہ ظاہر و مشہور ہیں اور بعض نے کہا کہ حفت مراد ہیں جیسا کہ صحیح مسلم میں ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے واللہ اعلم (قول ۸) ستائیسویں رات ہے چنانچہ اتی بن کعب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی تاریخ روایت کی (رواہ مسلم) نذر بن حبیش نے کہا کہ میں نے ابی بن کعبؓ سے پوچھا کہ ابو النذر آپ کے بھائی ہیں؟ کہتے ہیں کہ جو کوئی تمام سال رات میں قیام کرے وہ ضرور لیلۃ القدر پا جاوے اتی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ابن مسعودؓ پر رحم کرے وہ خوب جانتا ہے کہ لیلۃ القدر فقط رمضان میں ہوتی ہے اور وہ ستائیسویں رات ہے پھر قسم کھائی۔ میں نے کہا کہ آپ اسکو کیونکر جانتے ہو۔ فرمایا کہ ایسی علامت سے جو ہم کو بتلائی گئی ہے اس روز آفتاب طلوع کرتا ہے اس حالت سے کہ اسکو شعاع نہیں ہوتی (رواہ احمد) آفتاب بے شعاع کے چڑھتا ہے گویا وہ طشت ہے اور ایک روایت میں ہے کہ ابی بن کعبؓ نے کہا کہ قسم اس پاک کی جسکے سواے کوئی معبود نہیں ہے کہ لیلۃ القدر رمضان میں ہے اور واللہ الذی لا آلہ الاہو۔ میں جانتا ہوں کہ وہ کیا رات ہے اُسکے قیام کا ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا وہ صبیحہ ستائیس ہے (رواہ مسلم و الطحاوی وغیرہ) ابن کثیرؒ نے کہا کہ اس بارہ میں معاویہ و ابن عمر و ابن عباس وغیرہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی مگر ہم کہتا ہے کہ حدیث ابن عمر و معاویہ کو طحاویؒ نے باسناد صحیحہ روایت کیا۔ طحاویؒ نے باسناد وحید روایت کی کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لیلۃ القدر رمضان کی انیسویں میں تلاش کرو جسکی صبح جنگ بدر واقع ہوئی تھی ورنہ انیسویں میں یا تیسویں میں تلاش کرو اس روایت سے معلوم ہوا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فقط ترغیب کے لیے تمام سال کہتے تھے ورنہ خوب جانتے تھے کہ وہ فقط رمضان ہی میں ہوتی ہے کیونکہ یہ کہتے کہ جو کوئی تمام سال قیام کرے وہ لیلۃ القدر پا جاوے۔ گویا اشارہ تھا کہ اس کوشش کی برکت سے رمضان میں اللہ تعالیٰ اسکو نصیب فرماوے اور ابی بن کعب کا جزم یہ تھا کہ وہ ستائیسویں ہے اور یہی ایک جماعت سلف کا قول ہے اور زہریؒ امام احمد میں ہی سیدھی پکڑ مٹی ہے اور یہی ابو حنیفہ رحم سے بھی ایک روایت ہے مگر ہم کہتا ہے کہ شاید اجتہاد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مراتب بلند ہونے کے واسطے پہلے وہ رمضان کے اول سے تاریخون میں منتقل رکھی گئی پھر عشرہ اخیرہ میں رکھی گئی و لیکن کسی تاریخ میں معین نہ ہوئی پھر جب مکملہ ہو چکا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ملا علی بن جابر کا قصیدہ لیسے وفات شریف کا زمانہ قریب ہوا تو جمیع شرائع محکم کر دیے گئے اور اس میں لیلۃ القدر بھی ستائیسویں کو مستقر کر دی گئی واللہ تعالیٰ اعلم ابن کثیرؒ نے لکھا کہ بعض سلف نے یہ قصد کیا کہ یہ قرآن مجید میں جب سب علوم مندرج ہیں تو ضرور لیلۃ القدر کا علم ہوگا اسکو استخراج کریں تو انھوں نے یہی سے نکالا کیونکہ اسکا مرجع لیلۃ القدر ہے اور یہ کلمہ اس سورہ میں ستائیسواں ہے تو معلوم ہوا کہ وہ ستائیسویں رمضان میں ہوتی ہے **قال الطبرانی** حدیثنا اسحق بن ابراہیم الدیربی اجزنا عبد الرزاق اجزنا معمر بن قتادہ وعاصم انہما سمعا عکرمہ یقول الخ یعنی عکرمہ رحمہ نے کہا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوایا اور اُنہیں لیلۃ القدر کو دریافت کیا تو سب اتفاق کیا کہ وہ عشرہ اخیرہ میں ہے۔ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں گمان کرتا ہوں کہ وہ فلان رات ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ کیا ہے میں نے کہا کہ عشرہ اخیرہ میں سے سات گزری یا سات باقی ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تو نے یہ کہاں سے جانا۔ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمان

فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے خواب موافق پڑے پس تم اسکو اخیر عشرہ کے طاق راتوں میں تلاش کرو۔ اس حدیث کو بطریق سفیان الثوری عن ابن دینار رضی بھی روایت کیا۔ پھر کہا کہ شاید دس میں تلاش احتیاط ہو جیسے ابو ذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس حدیث میں پھر سات اخیر میں حکم ہوا اور کہا کہ دلیل یہ کہ حدیث بکر بن ادیس ثنا آدم ثنا شعبہ ثنا عقبہ بن حریث کہا کہ میں نے ابن عمر رضی سے سنا کہ آنحضرت صلعم فرماتے تھے کہ لیلة القدر اخیر عشرہ میں ڈھونڈو۔ اگر عاجز ہو تو چاہیے کہ اخیر سات راتوں میں جہد سے عاجز نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ کبھی سات اخیرہ سے پہلے بھی ہوتی ہے اور ابن انیس کی حدیث میں تینیسویں کی تلاش کو فرمایا اور وہ ۲۹ کے چاند میں اول ساتوں میں ہی لیکن جب پورے (بہار) کا مہینہ ہوتا اول آٹھویں پڑی۔ پھر طحاوی نے مسند کیا کہ عبد اللہ بن انیس نے کہا کہ یا حضرت میں وطاء کے جنگل میں رہتا ہوں وہاں کے لوگوں کو نماز پڑھاتا ہوں مجھے لیلة القدر کی تلاش میں ایک رات یہاں حاضری کا حکم دیجئے فرمایا کہ تینیسویں کو حاضر ہوا کہ پھر ہو سکے تو اخیر ماہ تک شب بیداری کرو ورنہ اسی بات پر اکتفا کر۔ پس عبد اللہ بن انیس عصر کی نماز پڑھکر مسجد کے معتکف میں داخل ہوئے اور سوائے حاجت کے باہر نہیں نکلتے تھے پھر جب صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو مسجد کے دروازے پر انکی ہوا ہی موجود ہوتی تھی۔ طحاوی نے اسناد و جید دیگر روایت کی کہ عبد اللہ بن انیس کو فرمایا کہ میں نے لیلة القدر دیکھی پھر مجھے بھلا دی گئی پس تو نصف رمضان کے بعد تلاش کر۔ عبد اللہ رضی نے دوبارہ عرض کیا تو فرمایا کہ ۲۳۔ گزرنے پر تلاش کر۔ عبد اللہ رضی کے پوتے نے کہا کہ وہ سولہ تاریخ سے۔ ۲۳۔ تک تلاش کر کے پھر خاموش رہتے تھے طحاوی نے کہا کہ شاید یہ ہو کہ ہر سال میں آنحضرت صلعم نے اُس سال کے موافق حکم دیا ہو اور اس طرح آپ کا خواب بھی ہر سال مختلف واقع ہوا۔ طحاوی نے محمد بن عبد اللہ بن میمون الاسکندرانی عن الولید بن مسلم عن الاوزاعی باسنادہ حدیث ابو سعید الخدری روایت کی جس میں اول عشرہ پھر عشرہ ثانیہ میں اعتکاف ہو پھر خطبہ و خواب پھر اکیسویں کی صبح کو پانی مٹی بن سجدہ ہو طحاوی نے کہا کہ یہ خواب دو واقعہ ایک سال ہوا عبد اللہ بن انیس کی حدیث میں دوسرے سال کا خواب واقعہ ۲۳۔ کی صبح ہو۔ طحاوی نے اسناد و جید مسند کیا کہ عبادہ بن الصامت نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تاکہ ہم کو لیلة القدر سے آگاہ فرما دیں تھے میں دو آدمی باہم جھگڑنے لگے آپ نے فرمایا کہ اُنکے جھگڑنے سے وہ اٹھالی گئی اور امید ہے کہ وہ تمہارے لیے بہتر ہو پس اسکو نوین و ساتوں میں و پانچویں کو تلاش کرو۔ ثم رواہ من وجہ آخر بمثلہ۔ یہ بات بھی کسی خاص سال کے واسطے تھی۔ پھر حدیث ابو ہریرہ سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں لیلة القدر کو دیکھا پھر مجھے میرے گھر والوں میں سے بعض نے جگا دیا تو تم اسکو اخیر عشرہ میں تلاش کرو۔ اس حدیث کو تین طریقے سے مسند کیا اور کہا کہ حدیث عبادہ رضی اور یہ حدیث ہر ایک علیحدہ سال کے واسطے ہو پھر حدیث ابو سعید الخدری روایت کی کہ آپ نے عشرہ اواخر کے نو باقی یا سات باقی یا پانچ باقی میں تلاش کا حکم دیا یا اسناد و دیگر ابن عباس رضی سے روایت کی کہ حضرت عمر رضی نے کہا کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ لیلة القدر کو رمضان کے اخیر عشرہ کے طاق راتوں میں تلاش کرو آخر ج عن محمد بن عمرو عن ابی معاویہ عن ہشام عن ابیہ عن عائشہ بنحوہ۔ پھر طحاوی نے ابراہیم بن مردوق عن وہب عن شعبہ عن عبد اللہ بن دینار عن ابن عمر روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لیلة القدر کو ستائیسویں کو تلاش کرو۔ حدیث بکر بن ادیس حدیث آدم عن شعبہ بمثلہ (قول) ابن کثیر نے لکھا کہ وہ شب کو

آئی میں دلالت ہے کہ وہ خاص رمضان ہی میں ہوتی ہو لقولہ تعالیٰ رحمہ والکتاب المبین انا انزلناہ فی لیلة مبارکۃ انا کنا منذرین
 فیہا یفرق کل امر حکیم الآیہ اس رات میں ہر امر محکم مفروق ہوتا ہو اور اسی رات میں قرآن نازل ہوا ہو طحاوی نے محمد بن
 حمید اور محمد بن سلیمان دونوں شیخ سے سعید بن ابی مریم سے مسند کیا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
 سلم سے لیلة القدر پوچھی گئی اور میں سنتا تھا پس آپ نے فرمایا کہ کل رمضان میں ہو مگر جسم کتا ہو کہ ابوداؤد نے
 اسکو حمید بن زنجویہ عن سعید بن ابی مریم روایت کیا طحاوی نے کہا کہ اس حدیث سے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ لیلة القدر
 ہر رمضان کے اول و وسط و آخر عشرہ میں محتمل ہے۔ یہی ایک قوم نے اختیار کر لیا۔ اور دوم یہ کہ لیلة القدر قیامت تک ہر
 رمضان میں ہوگی۔ پھر دیگر ثقات نے اس حدیث کو ابن عمر کا قول روایت کیا۔ طحاوی نے حسن بن صالح و شعبہ سے موقوف
 مسند کیا۔ اور کہا ابوالاحوص کی روایت میں یہ لفظ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ (یہی فی رمضان کلمہ) لیلة القدر رمضان
 پورے میں ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حدیث دوسرے طور پر مروی ہوئی پھر عبد الرحمن بن ابیارد و عن سعید بن غیر عن سلیمان
 بن بلال عن عبد اللہ بن دینار عن ابن عمر روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لیلة القدر دریافت کی گئی تو فرمایا کہ رمضان کے
 اواخر سات میں تلاش کرو۔ حدثنا نصر بن مرزوق حدثنا علی بن معبد حدثنا اسمعیل بن جعفر عن عبد اللہ بن دینار عن ابن عمر مثله
 مرفوعاً۔ پھر اس حدیث کو بطریق ابن جریج عن الزہری عن سالم عن ابن عمر۔ اور لیث عن عقیل عن الزہری۔ اور مالک عن
 عبد اللہ بن دینار اور لیث عن نافع کلاہما عن ابن عمر مرفوع روایت کی طحاوی نے کہا کہ سوائے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بھی سات
 آخری راتوں میں تلاش کا حکم آیا ہو۔ پھر حدیث ابودرر عنی اللہ عنہ روایت کی جو اوپر گزری ہو اور حدیث جابر رضی اللہ عنہ روایت کی کہ
 بائیس راتیں گزر چکی تھیں کہ عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لیلة القدر دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ انھیں باقی
 سات راتوں میں تلاش کرو دوسرے اسناد سے اسی حدیث کو عبد اللہ بن انیس سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 نے تیسویں رات کو فرمایا کہ آج تلاش کرو۔ ایک شخص نے کہا کہ یہ آٹھ میں سے اول رات ہو فرمایا کہ نہیں بلکہ سات میں سے اول
 ہو یہ حدیث پورا نہ ہوگا (یعنی پورے (۱۲) نہیں ہوگا) اس سے بھی بقیہ سات راتیں ہوئیں کیونکہ مہینہ انتیس کا تھا یعنی وحی سے
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم ہو گئی تھی۔ تیسری سند سے حدیث عبد اللہ بن انیس روایت کی کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ
 مجھے جنگل میں جانے کی ضرورت پڑتی ہو تو آپ مجھے حکم فرماویں کہ جس رات میں مدینہ میں حاضر ہوں فرمایا کہ تیسویں کو آنا۔
 جو حقیقی اسناد سے مانند دوسری اسناد کے روایت کیا۔ پانچویں اسناد سے مانند اسناد سوم روایت کیا۔ چھٹی اسناد سے بھی یہ
 حدیث روایت کی اور زیادہ ہو کہ عبد اللہ بن انیس تیسویں کو مدینہ کی مسجد میں آیا کرتے تھے۔ ساتویں اسناد سے یہ حدیث
 روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے لیلة القدر میں اپنے آپ کو دیکھا کہ پانی مٹی میں سجدہ کرتا ہوں پھر رات کو ہم پر
 اتفاقی مینہ برسا اور صبح کو میں نے آنحضرت کو پانی مٹی میں سجدہ کرتے دیکھا یہ تیسویں کی صبح تھی طحاوی نے کہا کہ اب
 احتمال یہ ہے کہ شاید ہمیشہ انھیں سات یا قیہ میں ہوا اور احتمال ہے کہ اکثر اوقات ان میں ہوا اور کبھی دیگر ایام رمضان میں بھی
 ہو۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے دس اخیرین تلاش کرنے کی روایت مرفوعہ آئی ہو حدثنا یونس حدثنا سفیان عن الزہری عن سالم
 عن ابیہ یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ لوگوں نے لیلة القدر جواب میں عشرہ اخیرہ کی راتوں میں دیکھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

سے روایت کیا اور یہی شافعی رحمہ کا قول ہے اور حسن بصریؒ سے منقول ہے۔ کہتے ہیں کہ یہی لیلة القدر تھی یعنی رمضان کی تیسویں بروز جمعہ تھی اور اُسکی صبح کو بدرین قریش کے کفار سے لڑائی واقع ہوئی۔ یہی یوم الفسقان ہے (قول ۲) اُنیسویں رمضان ہے۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے (قول ۴) اکیسویں رمضان ہے بدلیل حدیث ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے عشرہ اول میں اعتکاف کیا اور ہم لوگوں نے (یعنی ایک جماعت صحابہ نے) بھی آپ کے ساتھ اعتکاف کیا پھر خبر بیٹل عنہ آکر آپ سے کہا کہ آپ جو بات ڈھونڈتے ہیں وہ آگے ہی پس آئے عشرہ اوسط میں اعتکاف کیا اور ہم لوگ آپ کے ساتھ تھے پھر خبر بیٹل عنہ آئی کہ آپ جو بات ڈھونڈتے ہیں وہ آگے ہی پس آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیسویں کی صبح کو خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ جسے میرے ساتھ اعتکاف کیا ہو وہ پھر واپس آوے اور میں نے لیلة القدر دیکھی پھر وہ مجھے بھلا دی گئی اور وہ عشرہ اواخر میں۔ کی طاق راتوں میں ہو اور میں نے دیکھا کہ گویا میں پانی مٹی میں سجدہ کرنا ہوں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مسجد کی چھت و رخت خرمائی چھڑیوں سے پٹی تھی اور ہم کہیں آسمان میں ابر کا کچھ نشان بھی نہیں دیکھتے تھے پھر رات میں بادل کا ٹکڑا آیا اور پانی برسایا گیا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو صبح کی نماز پڑھائی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کا خواب سچ کر دیا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر پانی و مٹی کا اثر دیکھا (یعنی چھت ٹپکی) اور یہ واقعہ اکیسویں کی صبح کا ہے (صحیحین) شافعی رحمہ نے کہا کہ سب روایات میں سے یہ اصح ہے (قول ۵) ^(۱۳۱) اکیسویں رمضان ہے اس میں حدیث عبد اللہ بن اُمیس بروایت صحیح مسلم ہے اور سیاق اسکا قریب بقیاق حدیث ابوسعیدؒ ہے مستخرج کہتا ہے کہ طحاویؒ نے اسکو مستند کیا کہ عبد اللہ بن اُمیس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ لیلة القدر میں گویا میں پانی مٹی میں سجدہ کرنا ہوں۔ عبد اللہ بن اُمیس نے کہا کہ رات میں ہم پر اتفاقی پانی برسایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی تو میں نے دیکھا کہ آپ پانی مٹی میں سجدہ کرتے ہیں اور یہ بیسویں رمضان کی صبح تھی۔ واضح ہو کہ طحاویؒ نے اس مسئلہ میں کلام کیا اور غالباً حادیث کو مع توفیق کے مستند کیا جبکہ خلاصہ انشاء اللہ تعالیٰ آویجا (قول ۶) رمضان کی چوبیسویں ہو اوداؤد الطیالسی عن حماد بن سلمہ عن الجوزی عن ابی نصرۃ عن ابی سعید رضی اللہ عنہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لیلة القدر چوبیسویں رات ہے اس اسناد کے راوی سب ثقات ہیں مستخرج کہتا ہے کہ طحاویؒ نے اسکو حدیث بلال رضی اللہ عنہ سے روایت کیا لیکن اسناد میں فقط عبد اللہ بن سعید میں کلام ہے ابی بن کثیرؒ نے کہا کہ اسکو امام احمد رحمہ نے موسیٰ بن داؤد عن ابن لمیعہ روایت کیا اور ابن لمیعہ ضعیف ہے اور اس کے مخالف بخاری رحمہ نے اصبح عن ابن وہب عن عمرو بن اکحاش عن یزید بن ابی حبیب باسنادہ روایت کیا کہ بلال رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عشرہ اواخر میں سے اول السبع ہے۔ یہ روایت اگرچہ قول بلال رضی اللہ عنہ ہے لیکن اسناد اصح ہے اور ابن لمیعہ نے یزید بن ابی حبیب سے اسکے خلاف روایت کیا۔ ابن مسعود و ابن عباس و جابر و حسن و سادہ و عبد اللہ بن وہب نے کہا کہ لیلة القدر چوبیسویں ہے مستخرج کہتا ہے کہ شاید اس سے مراد وہی ۲۳-۲۴-۲۵-۲۶-۲۷-۲۸-۲۹-۳۰ کے چاند کے ہونا ہے طحاوی کی حدیث ابن اُمیس میں مصرح ہے۔ واضح ہو کہ طحاویؒ نے یہ مسئلہ لکھا کہ اگر کسی نے اپنی زوجہ سے کہا کہ لیلة القدر میں طالع ہے تو کب طلاق واقع ہوگی طحاویؒ نے کہا کہ لیلة القدر رمضان میں ہوتی ہے اور کتاب

کہ یا حضرت لیلة القدر کس عشرہ میں ہو۔ فرمایا کہ عشرہ اواخر میں تلاش کر۔ اب اسکے بعد مجھے نہ پوچھنا اور آپ باتیں کرتے رہے
 میں نے پھر موقع تاک کے عرض کیا کہ یا حضرت میرے خدمتی حق کی آپ پر قسم ہو کہ آپ مجھے بتلا دیں کہ عشر میں کس رات میں ہو
 آپ مجھ پر اس قدر غضبناک ہوئے کہ ابتداء صغوری سے کبھی ایسے غضبناک نہ ہوئے تھے اور فرمایا کہ سات اواخر میں ڈھونڈو
 اور اب اسکے بعد مجھے نہ پوچھنا (رواہ النسائی ایضاً) اس میں دلیل ہو کہ پہلے بھی تھی اور قیامت تک باقی ہر مترجم کہتا ہے کہ
 اس حدیث میں یہ تصریح نہیں ہو کہ اگلے انبیاء کے وقت میں لیلة القدر تھی کیونکہ ابوہریرہ نے خود پوچھا کہ یہ کیا اگلے انبیاء کے ساتھ
 رہتی ہے آخر تو اس کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ کیا یہ ایسی چیز ہے جو فقط انبیاء کی حین حیات تک ہوا کرتی ہیں غایت یہ کہ اگر سو تو شاید
 وضوء کی نظیر ہو یعنی سابق امت میں تھا ولیکن اسکے نور سے غرہ و تجمل فقط اسی امت کے لیے خاص ہے اسی طرح لیلة القدر
 کی بہتری ہزار ماہ سے مع دیگر برکات کثیرہ کے اسی امت پر فضل ہے ابن کثیرؒ نے کہا کہ بعض شیعہ نے زعم کیا کہ لیلة القدر اٹھا
 لی گئی اور یہ زعم غلط و باطل ہے مترجم کہتا ہے کہ اس فرمے پر افسوس ہو کہ اس کی بدعت کی خوشی لیلة القدر کی برکت اس سے
 اٹھ گئی کیونکہ جب اس فرمے کو یقین ہی نہیں دیا گیا تو ضروریہ فرقہ محروم ہو اور اہل الحق کے نزدیک لیلة القدر قیامت تک
 موجود ہے ابن کثیرؒ نے کہا کہ حدیث میں صریح دلالت ہو کہ لیلة القدر فقط ماہ رمضان میں خاصہ واقع ہوتی ہے برخلاف اس
 روایت کے جو ابن مسعود رضی سے مروی ہے کہ وہ تمام سال میں امید کی گئی ہے اور ایک جماعت علماء کو فہ نے ابن مسعود رضی کی اتباع
 کی ولیکن بعض صحابہ رضی نے ابن مسعود رضی کے قول میں یہ مصلحت بیان کی کہ ابن مسعود رضی خوب جانتے ہیں کہ وہ رمضان میں ہے
 ولیکن انھوں نے چاہا کہ لوگ ہمیشہ شب بیداری کی عادت کریں یعنی جیسے انھوں نے تیم سے نماز پڑھتے کافتویٰ نہ دیا حتیٰ کہ
 ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اُسے مباحثہ کیا اور آخر مصلحت پوچھی تو فرمایا کہ اگر ہم یہ فتویٰ دین تو نزدیک ہو کہ جب لوگوں پر پانی
 سرد ہو تو تیم کر لیا کریں ابو موسیٰ رضی نے کہا کہ تو آپ اس مصلحت سے یہ فتویٰ نہیں دیتے ہیں ابن کثیرؒ نے لکھا کہ امام ابو داؤد نے
 سنن میں باب باندھا کہ لیلة القدر ہر رمضان میں ہے۔ اسناد کی حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لیلة القدر
 پور یافت کی گئی اور میں سننا تھا آپ نے فرمایا کہ لیلة القدر ہر رمضان میں ہوتی ہے۔ اسناد صحیح اور راوی سب ثقات ہیں ولیکن
 شعبہ و سفیان نے اسکو ابن عمر رضی کا قول روایت کیا مترجم کہتا ہے کہ یہ عادت حضرت عبداللہ بن عمر رضی سے پہچان لی گئی کہ کبھی حدیث
 کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے اور کبھی فقط حکم بیان کرنے پر اکتفا کیا کرتے تھے پھر واضح ہو کہ اس حدیث میں مبہم ہے
 کہ رمضان میں ہوتی ہے اسی وجہ سے ابو حنیفہ رضی سے روایت ہو کہ ابتداء رمضان سے آخر تک تلاش کرنا چاہیے اور غزالیؒ نے
 بھی مذہب شافعیہ میں یہ ایک وجہ نقل کی ولیکن امام رافعیؒ نے کہا کہ قول غریب ہے۔ فصل۔ مترجم کہتا ہے کہ لیلة القدر
 کے بارہ میں شاذ قول تو یہ ہوا کہ تمام سال میں کوئی رات ہو اور فوی قول جو صحاح احادیث سے نکلا کہ یہ رمضان میں ہے پھر اختلاف
 یہ کہ کیا وہ کوئی معین تاریخ ہے یا غیر معین ہے اور تمام رمضان میں سے یا فقط عشرہ اخیرہ میں سے ہے یا ہر سال بدلتی ہے مثلاً
 ایک سال۔ ۲۵۔ رمضان میں تھی اور آئندہ سال۔ ۲۶۔ کو واقع ہوئی ابن کثیرؒ نے لکھا کہ (قول ۱) کہ لیلة القدر
 رمضان کی اول رات میں ہوتی ہے یہ ابوزین رضی سے نقل کیا جاتا ہے (قول ۲) وہ شہرہ میں رمضان کو واقع ہوتی ہے
 اس بارہ میں ابو داؤد نے ایک حدیث ابن مسعود رضی سے مرفوعاً و موقوفاً روایت کی اور یہی قول زید بن ارقم و عثمان بن العاصؒ

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لیلة القدر ستائیسویں یا اسیسویں ہو اور اس رات ملائکہ زمین پر کنکریوں کے شمارے زیادہ پختہ ہیں (رواہ ابوداؤد الطیالسی) قتادہ و ابن زید رحمہما نے کہا کہ سلام ہی الخ یعنی یہ رات طلوع فجر تک خیر ہی خبر ہے اس میں بدی و بُرائی نہیں ہو اسکی تائید اُس حدیث سے نکلتی ہے جسکو امام احمد نے عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لیلة القدر باقی عشرہ میں ہو جسے ان راتوں میں ثواب کی امید سے قیام کیا تو اللہ تعالیٰ کے لگے و بچلے گناہ معاف فرما دیگا وہ کوئی طاق رات ہو نوین یا ساتوین یا پانچوین یا تیسری یا آخری رات ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لیلة القدر کی علامت یہ ہے کہ وہ رات صاف خوشامیاس ہے گویا اس میں چاند نکلا ہو ساکنہ ساجیہ ہو نہ شہین سردی ہو نہ گرمی ہو اور نہ اُس میں کوئی نارہ ٹوٹا ہو بیان تک کہ صبح ہو جاوے اور اُسکی علامت یہ ہے کہ اُسکی صبح کو سورج مستوی نکلتا ہو اسکی شعاع نہیں ہوتی جیسے چودھویں کا چاند ہو اور اس دن آفتاب کے ساتھ شیطان نہیں نکل سکتا ہو ابن کثیر نے کہا کہ اس حدیث کی اسناد اچھی ہے ولیکن روایت کی عبارت میں بعض غریب طریقہ ہے اور بعض الفاظ میں نکارت ہے مترجم کہتا ہے کہ شاید اسی میں سے یہ ہو کہ سردی و گرمی نہیں ہو حالانکہ جب رمضان جاڑے میں اور سرد ملک میں ہو تو ضرور سردی ہوگی اور میرے نزدیک مراد یہ ہے کہ اس رات باوجود سرد ملک و موسم کے سردی ناگوار نہ ہوگی واللہ تعالیٰ اعلم۔

ابوداؤد الطیالسی نے حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلة القدر کی نسبت کہا کہ وہ رات آہستہ نرم کشادہ ہو نہ گرم ہو نہ سرد ہو اور اسکی صبح کو آفتاب ضعیف سرخ نکلتا ہو۔ ابن ابی عاصم النبیل نے حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے لیلة القدر دیکھی پھر وہ مجھے بھلا دی گئی اور وہ آخری عشرہ کی راتوں میں ہو وہ رات کشادہ خوشگوار ہو نہ گرم ہو نہ سرد ہو گویا اُس میں چاند رواں ہو اس رات شیطان نہیں نکل سکتا یہاں تک کہ فجر طلوع ہو (ابن کثیر رحمہما) علماء رحمہما نے کہا کہ کثرت ملائکہ سے شیطان مخفی ہو جاتا ہو اور طلوع آفتاب کے وقت بھی ساتھ نہیں آتا اور کثرت ملائکہ سے اُسکی روشنی دھندلاتی ہے **فصل** لیلة القدر اگلی امتوں میں تھی یا اسی امت کے واسطے خاص رحمت ہو اسمین دو قول ہیں۔ ابو مصعب احمد بن ابی بکر الزہری نے کہا کہ ہم سے امام مالک رحمہما نے حدیث کی کہ مجھے خبر پہونچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی عمر میں اپنے پہلے یا جہانناک اللہ تعالیٰ کو منظور تھا و کھینچتا تھا اپنی امت کی عمر میں آپ نے کوتاہ سمجھیں کہ اگلے لوگ طول عمر میں جن اعمال کثیرہ کو پہونچے آپ کی امت اس حد کو نہیں پہونچ سکتی ہو پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو لیلة القدر عطا فرمائی جو ہزار ماہ سے بہتر ہے۔ ابو مصعب نے دوسرے طریقے سے اسکو اسناد کیا۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ لیلة القدر اس امت کے لیے خاص ہے۔ علماء شافعیہ میں سے صاحب العتہ نے جمہور علماء کا یہی قول نقل کیا بلکہ خطاب نے اسے ارجاع نقل کیا۔ دوم یہ کہ اگلی امتوں میں بھی لیلة القدر تھی چنانچہ امام احمد رحمہما نے حدیث ابوزر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لیلة القدر کو پوچھا اور میں ہی اسکو آپ سے سب لوگوں سے زیادہ پوچھنے والا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ یا حضرت مجھے اتنا بتلا دیجئے کہ یہ رمضان میں ہو یا غیر رمضان میں ہو آپ نے فرمایا بلکہ یہ رمضان میں ہو میں نے کہا کہ کیا یہ انبیاء کے رہنے تک ہتی پھر اٹھ جاتی ہو یا کہ برابر رہتی ہو فرمایا بلکہ قیامت تک رہتی ہو میں نے کہا کہ رمضان میں کب ہو فرمایا عشرہ میں اور اوّل عشرہ میں ڈھونڈو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باتیں کرتے رہے۔ میں نے غفلت میں موقع تا کا تو عرض کیا

مرفوع روایت ہے کہ لیلۃ القدر میں جبریلؑ ایک جماعت ملائکہ میں اترتے ہیں اور ہر سبزہ جو نماز یا ذکر و تلاوت میں ہو اسکو اللہ تعالیٰ کی طرف سے درود اور سلام پہنچاتے ہیں اس روایت سے نکلتا ہے کہ سب ملائکہ نہیں اترتے ہیں اور ظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ سب اترتے ہیں اور دونوں میں موافقت یہ ہے کہ ایک بارگی سب نہیں اترتے بلکہ فوج فوج اترتے ہیں کیونکہ سب کے واسطے ایک بارگی سمائی نہیں ہے جیسے خانہ کعبہ میں حج کرنے والے فوج فوج جاتے ہیں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہ اس رات ملائکہ کی کثرت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ بعض نے کہا کہ روح زیر عرش فرشتہ ہو جسکے قدم ساتویں زمین کے پہنچے ہیں اور ہزار ہزار میں ہر ایک سر اس دنیا سے بڑا ہے اور ہر ایک سر میں ہزار چہرے ہیں اور ہر چہرے میں ہزار دہن اور ہر دہن میں ہزار زبان ہیں اور ہر زبان سے اللہ تعالیٰ کی واسطے ہزار تسبیح و تحمید و تکبیر کستا ہے اور ہر زبان کی لغت دوسری زبان سے متغائر ہے اور وقت تسبیحات کے انوار ظاہر ہوتے ہیں وہ لیلۃ القدر میں اس امت کے روزہ رکھنے والے مرد اور عورتوں کے لیے تسبیح کرتا ہے خطیبؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسکی بزرگی جثہ کی روایت طویل ذکر کی جیسے یہ کہ اگر حکم الہی ہو تو وہ سب آسمانوں و زمینوں کو ایک لقمہ کی طرح منہ میں ڈال لے مگر حج کستا ہے کہ اسمین کچھ تردد نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں اس سے بھی عظیم خلقت ہو دلیکن ہم کو یہ روایت صحیح طریقہ سے ملنا چاہیے پھر کچھ بعید نہیں ہو سکتا کیا نہیں دیکھتے ہو کہ آفتاب کے مقابلہ میں یہ زمین ایک مٹر ہے اگر آفتاب گھڑا ہو پھر آفتاب کے برابر اگر سمنے والے آسمان میں بچھائے جاوین تو کروڑوں بچھ جاوین تو آسمان کے مقابلے میں یہ زمین رائی سے کم ہوئی پھر اس آسمان کے اوپر دوسرا آسمان اس قدر بڑا ہے جس قدر زمین سے یہ آسمان بڑا ہے اور اس سے اوپر تیسرا آسمان اسی قدر عظیم ہے اسی طرح ساتویں آسمان تک قیاس کرو۔ پھر کرسی کی بڑائی میں یہ ساتویں آسمان ایک حلقہ انگوٹھی کے برابر ہیں چنانچہ آیۃ الکرسی کی تفسیر میں ذکر ہوا پھر عرش اعظم اور آوعال وغیرہ میں پس آدمی حقیر کا تصور کر سکتا ہے بلکہ آدمی کی حقارت کی وجہ سے بہت کم بیان کیا گیا ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ عظمت الہی و قدرت غیر متناہی کے مقابلے میں جو کچھ بیان کیا جاوے سچ ہے اور ہمارے زمانہ کے احمق زمین کے سب طرف غیر متناہی خیالی کہتے ہیں حالانکہ غیر متناہی دوری کا تصور بھی عقل کو متحیر کرتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت ظاہر ہو دلیکن کافر کی آنکھوں پر شیطان حقیر نے قبضہ کر لیا ہے اسکی کثیر نے لکھا کہ مجاہدؒ نے کہا کہ میں کل امر اسلام ہی یعنی یہ رات ہر امر سے سلام ہے۔ سعید بن منصور نے عیسیٰ بن یونس عن الامشش روایت کی کہ مجاہدؒ نے کہا کہ قولہ تعالیٰ سلام ہی یعنی یہ رات سلامتی ہے اسمین شیطان کو بدی و برائی کرنے کی قدرت نہیں ہو قنود نے کہا کہ اس رات میں ہر قسم کے امور جاری کیے جاتے ہیں موت و زندگی مقدر اور رزق مقدر ہوتے ہیں۔ مگر حج کستا ہے کہ اس کا مطلب یہ کہ سال آئندہ کے لیے ملائکہ کو مقدر کرنے کے احکام مل جاتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فیہا یفسر کل امر حکیم قولہ تعالیٰ سلام ہی حتی مطلع الفجر۔ شعبیؒ نے کہا کہ طلوع فجر تک ملائکہ ان بندوں کو جو عبادت میں جو ساجدین ہیں (یعنی اپنی نماز گاہ و مصلیٰ پر ہیں) سلام پہنچاتے رہتے ہیں۔ اور ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ انکی فرازات سے یہ مسنے ظاہر ہوتے ہیں کہ یہ رات ہر امر سے سلامتی ہے یہاں تک کہ فجر طلوع ہو۔ بیہقیؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور ابن ابی حاتم نے کعب جبار سے غریب آثار روایت کی کہ سدرۃ المنتہی سے کیونکر نزول جبریلؑ مع ملائکہ ہوتا ہے اور نمازیوں کی طرف انکے آنے و سلام و برکات پہنچانے کی عجیب کیفیات مذکور ہیں حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میں مرفوع ہے

معلوم ہوا کہ رمضان کا قیام افضل ہے اور رمضان میں لیلۃ القدر کا قیام افضل ہے۔ رہا بیان قولہ تعالیٰ تنزل الملائکۃ والروح فیہا ما لان رہم من کل امر ابن کثیرؒ نے بیان تفسیر میں کہا یعنی اس رات میں ملائکہ کا نزول بکثرت واقع ہوتا ہے متحرک کستا ہے کہ بیان ایک سوال یہ تھا کہ ملائکہ کا نزول ہر رات میں ہوا کرتا ہے چنانچہ نماز فجر و نماز عصر کی فضیلت میں حدیث ملائکہ لیل اور ملائکہ ہمار کی گزرتی ہے (جواب) یہ ملائکہ کا نزول اپنے رب عزوجل کی اجازت سے ہوا کرتا ہے اور ہمیشہ جو کچھ مقرر ہے بقدر اہم یا خاص جس گروہ کو حکم ہوا ان کا نزول ہوتا ہے اور لیلۃ القدر میں بکثرت گروہ ملائکہ و روح کو نزول کی اجازت ہوتی ہے علاوہ اسکے ہر روز رات میں اگرچہ ملائکہ آتے ہیں لیکن انکے احکام رحمت و عذاب وغیرہ سب طرح کے ہوتے ہیں اور لیلۃ القدر میں رحمت و برکات کے ساتھ آتے ہیں اگرچہ بطور رحمت و برکت فقط انہیں بندوں کے لیے ہے جو قابل رحمت و برکت ہیں کیونکہ کفار کے حق میں انکی برکات سے محروم ہونا خود غلا ہے لہذا ابن کثیرؒ نے خلاصہ یہ لکھا کہ اس رات کی برکت بکثرت ہے کہ ملائکہ گروہ بکثرت اترتے ہیں اور ملائکہ کا اترنا ہمیشہ رحمت و برکت کو متضمن ہے چنانچہ تلاوت قرآن کے وقت ملائکہ اترتے ہیں اور جان لوگ ذکر الہی کرتے ہیں وہ ان اتر کر انکو گھیر لیتے ہیں اور جو کوئی صدق نیت سے علم الہی کا طالب ہوتا ہے اسکی رضامندی و تکریم کے لیے بازو بچھاتے ہیں اسوال یہاں روح سے کیا مراد ہے جو لوگ مرگئے ہیں انکی روحیں آتی ہیں جیسے آخر زمانہ جہالت میں اکثر ملکوں کے عوام الناس نے وہ طرح غلط خیال کیا ہے ایک یہ کہ شبے چودھویں شعبان کو سمجھتے ہیں اور اُس رات میں نازی لوگ نوبت بیداری و ذکر کا اہتمام کرتے ہیں اور ایسے لوگ بہت کم ہیں اور عوام چراغوں کی کثرت کرتے ہیں اور تمام رات لہو و لعب و آتش بازی چھوڑتے ہیں اور گتہ دھنواں پھیلانے میں صرف کرتے ہیں۔ پھر رمضان میں کسی شب قدر کی نسبت اہتمام نظر نہیں آتا۔ دوم یہ کہ چودھویں شعبان کی شب برات میں یہ زعم کرتے ہیں کہ وہ لیلۃ القدر ہے اس میں روحیں اترتی ہیں تو ہر شخص گویا باندہ ہے کہ ضرور فرض ادا کر کے اس روز حلو اچکا دے اور بہت سے عوام ہوں آئے یہ زعم کرتے ہیں کہ اسکے خاندان کی روحیں محروم گئیں حلو وغیرہ کھانے کو نہیں پایا اور اب تمام سال پریشانی رہیگی (جواب) عوام کا خیال غلط اور قبیح ہے۔ چودھویں رات شعبان کے حق میں بعض روایات سے فضیلت ثبوت ہوتی ہے اور مفصل بیان قولہ تعالیٰ فیہا یفرق کل امر حکیم الابرہ۔ کی تفسیر میں گذر چکا ہے اور لیلۃ القدر فقط رمضان میں ہوتی ہے اور نصف شعبان کی رات میں آتش بازی چھوڑنا وغیرہ قبیح بدعات ہیں اور سخت محصیات ہیں لغو و باندہ من ذلک اور چراغوں کی کثرت کرنا اسراف حرام ہے اور فراروں پر لے جانا فتادی عالمگیری وغیرہ میں حرام لکھا ہے اور رسم حلو اسے عوام میں ایسے فاسد عقائد پیدا ہوئے تو یہ بدعت مکروہ ہو گئی علماء پر اتفاق کر کے مٹانا لازم ہے اور ارواح مردگان کا آنا ہرگز ثبوت نہیں ہے اور پھر انکا بھوکا جانا وغیرہ قبیح عقیدہ اس سے تو بہ کرنا لازم ہے ابن کثیرؒ نے لکھا کہ آیت میں روح سے مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں اور عطف خاص پر عام ہے اور بعض نے کہا کہ روح ایک قسم کے خاص ملائکہ ہیں۔ خطیب وغیرہ نے لکھا کہ الروح یعنی جبرئیل علیہ السلام اس رات چار علم لاتے ہیں ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک پر قائم کرتے ہیں اور ایک مسجد الحرام پر اور ایک بیت المقدس پر اور ایک طور سینا پر نصب کرتے ہیں اقول یہ روایت شاید ارباب کشف کا معاملہ ہو واللہ تعالیٰ اعلم خطیب نے لکھا کہ جبرئیلؑ ہر ایک گھر میں جس میں کوئی مومن یا مومنہ ہو جا کر سلام کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام پہنچاتے ہیں سوائے اسکے کہ جو ہمیشہ شراب خوار ہو یعنی شراب پینے سے توبہ نہ کی ہو یا رحم قرابت کو قطع کرنے والا ہو یا سورا کا گوشت استعمال کرتا ہو تو اس پر سلام نہیں کرتے ہیں حضرت عائشہؓ سے

دوسری اسناد سے اسکو روایت کیا اُس میں تصریح ہے کہ دن میں جہاد کرتا اور رات میں عبادت کرتا تھا اسی طرح ہزار ماہ تک اُس نے ایسا کیا تھا۔ معنی یہ کہ لیلة القدر کے دن کا روزہ اور رات کی عبادت اس ہزار ماہ کے قیام و جہاد سے بہتر ہو۔ ابن ابی حاتم نے یونس (بن عبد الاعلیٰ) عن ابن وہب عن مسلمہ بن علی عن علی بن عمرو روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز بنی اسرائیل میں سے چار مردوں کا ذکر کیا۔ ایوب و ذکریا و خزیل ابن العجز اور یوشع بن نون کا کہ انہی برس تک اللہ تم کی عبادت کی ایک دم گناہ نہیں کیا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے اسکو بہت خوب عجب جانا (یعنی ہم لوگ کہاں سے یہ پاسکتے ہیں خصوصاً جبکہ اتنی عمر ہی مٹھل ہی پس جبریل علیہ السلام نے اگر کہا کہ آپ کی امت نے تعجب کیا کہ ان چاروں نے اتنی برس اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ایک دم راسخاں نہ دیا پس اللہ تعالیٰ نے اس سے بہتر نازل فرمایا ہے اور سورہ انا انزلناہ فی لیلة القدر آخر تک ملتوت کی۔ لیلة القدر خیر من الف شہر۔ یہ اس سے افضل ہے جس سے آپ نے اور آپ کی امت نے تعجب کیا تھا اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے اصحاب بہت خوش ہوئے مترجم کہتا ہے کہ ان روایات سے معلوم ہوا کہ لیلة القدر ہزار ماہ سے بہتر ہے تو ہر ایک ہزار ماہ جس میں سابق امتوں کی عبادت واقع ہوئی اُسے لیلة القدر افضل ہے تو اگر ایسے ہزار ماہ ہوں جنہیں کسی کو دنیاوی دولت نصیب ہوئی ہو تو اسے لیلة القدر بقدر زیادہ افضل ہے بقدر دنیا سے دین افضل ہوتا ہے اور معلوم ہو گیا کہ آیات میں (الف شہر) سے خاص الف شہر مراد نہیں ہیں بلکہ کوئی ہزار ماہ لیے جاوین سب سے لیلة القدر افضل ہے حتیٰ کہ اگر فرض کر دو کہ ایک شخص کو پچاس ہجرت بدون لیلة القدر کے تمام روے زمین کی سلطنت مع خشکی و تری کے خزانوں کے حاصل ہو گئی تو بھی لیلة القدر اس سے افضل ہے بلکہ اس قدر افضل ہے کہ جس قدر مراد دنیا سے رضاے الٰہی عزوجل افضل ہے یعنی دنیاوی سلطنت کو اس سے کچھ نسبت نہیں ہے تنبیہ اہل ایمان کے لیے اس سے نہایت کامل تسلی دیدی کہ ایماندار کو لیلة القدر رمضان میں حسن نیت و صدق عبادت کے ساتھ جو کچھ حاصل ہو جاتا ہے وہ ایسی نعمت بے مثل و بے انتہا ہے کہ اگر کفار کو مثلاً تمام روے زمین کی حکومت مع خزان بھر و بر کے مل جاوے تو بھی پہنچ ہے اور ایمان کی پہچان یہ ہے کہ مومن کبھی دنیاوی بادشاہوں کی طرف نظر نہ اٹھاوے لگا اگرچہ وہ کیسی جنت و ثروت رکھتا ہو اگر کوہ لیلة القدر ہم کو کہاں میسر آتی ہے ہم میں سے بہت بوڑھے گزرے اور کسی نے نہ کہا کہ ہم نے لیلة القدر دیکھی یعنی تمام روشنی ہو گئی اور سب چیزیں سبز ہیں گرین (جواب) یہ علامتیں تو تم نے خیالات بنائے ہیں جیسے تم کہو کہ ہم ملائکہ کو دیکھیں ولیکن لیلة القدر کو سچے مومنین بہت پاتے ہیں چنانچہ آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ میں بیان کروں گا ابن کثیر نے لکھا کہ امام احمد رحمہ نے باسناد جید قوی روایت کیا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب رمضان کا مہینہ آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو ماہ رمضان آگیا یہ ماہ مبارک ہے اللہ تعالیٰ نے اس ماہ مبارک کا روزہ تم پر فرض فرمایا ہے اس چاند میں جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور اسمین جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین زنجیروں و طوق سے جکڑ دیے جاتے ہیں اسمین ایک رات ہے جو ہزار ماہ سے افضل ہے جو کوئی اس رات کے خیر سے محروم رہا وہ محروم ہے (درود الہی الصفا) چونکہ لیلة القدر کی عبادت ہزار ماہ کی عبادت سے برابر ہے اسی جہت سے صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ میں حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے شب قدر کو ایمان و یقین و نیت خالص ثواب کے ساتھ قیام کیا (یعنی ذکر و نماز وغیرہ عبادت میں قیام کیا) تو اُس کے سب گزرے ہوئے گناہ معاف کیے جاتے ہیں۔ مترجم کہتا ہے کہ اسی قدر ثواب عظیم کے واسطے مطلق رمضان کے قیام کی تاکید ہے اور اس سے

کی کافی ہو سکتی ہیں اول تو بنو امیہ نے اہلبیت کے ساتھ بہت ظلم کیے اور عموماً امت پر مظالم واقع ہوئے دوم شریعت میں ہتک واقع ہوا۔ اگر کہو کہ بنی عباس کے مظالم بھی معروف ہیں (جواب) دوسری روایت میں اس زمانہ کی برائی بھی اخبار نبوت سے روایت ہو چنانچہ انھیں یسویں بارہ کی تفسیر میں بیان ہوا ہے بالجملہ یہ سب اس امر پر موقوف ہے کہ جو حدیث روایت کی گئی وہ ثابت ہو لوگین اسناد غریب منکر ہو یا بن کثیر نے کہا کہ روایت کے ضعیف ہونے پر یہ بھی دلیل ہے کہ روایت کے موافق سورہ اسلیع بیان ہوا کہ دولت بنی امیہ کی مذمت اور لیلۃ القدر کی فضیلت ظاہر ہو اسلیع کہ جب آپ کو بنی امیہ کا تخت پر بٹھانا ناگوار ہوا تو اس سورہ سے آگاہ فرمایا کہ بنی امیہ کے ایام دولت ہزارہاہ سے لیلۃ القدر ایک رات افضل ہے لیکن ہم کہتے ہیں کہ اس سیاق سے ہونا بلاغت کا مقتضایہ نہیں ہے اگر یہ مراد ہوتی تو اسکے لیے سیاق دوسرا ہوتا اسلیع کہ بنو امیہ کے ایام دولت سے لیلۃ القدر کا افضل ہونا ان کے ایام کی مذمت پر دلالت نہیں کرتا ہے اسلیع کہ لیلۃ القدر بہت بزرگ رات ہے اور سورہ ہذا اسی بزرگی کو ظاہر فرماتا ہے تو اس کی بزرگی ثابت کرنے سے بنو امیہ کے ایام کی مذمت کیونکر ٹھیک کی گئی نہین دیکھتے کہ شاعر کا یہ مضمون سچ ہے کہ اگر کوئی کہے کہ یہ تلوار اس لاشی سے تیز کا رہی تو اس سے تلوار کی طرح نہیں بلکہ مذمت ہے مترجم کہتا ہے کہ میرے نزدیک اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے ہزارہاہ بنو امیہ کو دیکھا تھا تو اس سورہ مبارک سے آپ کو تسکین دی گئی کہ تمہارے مقدر یہ کہ جب یہ امت مگر اگرچہ تو اخبار پر اثر غالب کیے جادین اور بعض ہزارہاہ کے بندہ صالح کے لیے لیلۃ القدر افضل ہے دلیل یہ کہ ابو نعیم کے حلیہ میں حضرت محمد بن انحفیہ سے روایت ہے کہ اپنے اصحاب سے فرماتے تھے کہ بنو امیہ کے ظلم خود تیزی سے انکی ہلاکت کی طرف بڑھتے ہیں لیکن وہ زمانہ آتا ہے کہ نبرد ہمارے نیلے دلیر ہوں (رواد ابو نعیم باسناد ضعیف) ہماری قوم کے لیے دل نہیں اٹھنے بر تقدیر ثبوت کے یہ دلیل ہے کہ آنحضرت کو یہ علم بر روایت علم نبوت حاصل تھا ولیکن تردد یہ ہے کہ انکی قوم سے اگر بنی العباس مراد ہیں تو بنی عباس نے بھی جنابت کے بعد بہت سے بنی فاطمہ و اولاد علی رضی اللہ عنہما سے بدسلوک کیا۔ ہاں دشمنی خوئی نہ تھی بلکہ قطع رحم کے طور پر تھی واللہ تعالیٰ اعلم پھر ابن کثیر نے لکھا کہ یہ سورہ مکہ ہے اور اسمین الف شہر کا ذکر ہے اور مفہوم روایت یہ کہ مراد ہزارہاہ دولت بنی امیہ ہے تو کیونکر آیت سے یہ معنی سمجھے جاتے حالانکہ لفظ یا معنی سے کسی طرح اس پر دلالت نہیں ہے اور منبر ایک مدت بعد مدینے میں تیار کیا گیا۔ یہ سب امور دلالت کرتے ہیں کہ روایت منکر و مترجم کہتا ہے کہ اس کا جواب تو یہ ہو سکتا ہے کہ سورہ مبارک مکہ نہیں بلکہ اصح یہ کہ مدینہ ہے۔ ہاں یہ کہنا البتہ وجہ ہے کہ کلام میں کوئی اشارہ ایسا نہیں ہے جس سے ہزارہاہ سے دولت بنی امیہ کا زمانہ سمجھا جاوے اسی جہت سے اتقان میں بعض مفسرین سے نقل کیا کہ یہ تفسیر یعنی الف شہر سے دولت بنی امیہ کا زمانہ مراد ہے یہ تفسیر صحیح ہے یعنی انوکھی نکالی ہوئی ہے اور مترجم کا خیال یہ ہے کہ اصل مقصود کلام تو یہی ہے جو سیاق آیات سے ظاہر ہے ولیکن کلام میں اسرار پوتے ہیں اور وہ اشارات فہم علماء کے واسطے ہیں تو یہ واقعہ دولت بنی امیہ کا بھی منجملہ اشارات کے ہے اور اشارات میں وسعت ہوتی ہے تو دیگر اشارات بھی ہو سکتے ہیں چنانچہ ابن کثیر نے لکھا کہ ابن ابی حاتم نے عن ابی زرہ عن ابراہیم بن موسیٰ باسناد روایت کیا کہ مجاہد نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل میں سے ایک مرد کا ذکر کیا جسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے میں ہزارہاہ تہیہار باندھے تھے آپ کے اصحاب نے اس شخص کی طاعت کثیر سے تعجب کیا پس اللہ تعالیٰ نے یہ سورہ نازل فرمایا۔ یعنی لیلۃ القدر کی عبادت بہتر ہے ہزارہاہ سے یعنی حبیبین مرد مذکور نے راہ جہاد میں تہیہار باندھے ابن جریر نے

سلام ہو یہ بیان تک کہ فجر طلوع ہو ف یعنی یہ رات سلام عظیم ہی بالکل سلامتی ہی یا مومنین کے واسطے رب عزوجل کی طرف سے سلام کثیر ہی بیان تک کہ رات ختم ہو اور فجر طلوع کرے واضح ہو کہ ابن جریر و ابن الفریس و ابن المنذر و بیہقی نے ابن عباس رض سے روایت کی کہ قرآن لیلۃ القدر میں آتا کہ آسمان دنیا کے بیت الغرة میں رکھا گیا پھر وہاں سے جبرائیلؑ بکلم الہی لوگوں کے جواب و اعمال کے احکام میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارتے رہے اگر کہا جاوے اتارنا کسی مادی چیز کا اوپر نیچے لانا کھلاتا ہی (جواب) بیان مجازاً بطور استعارہ ہی کیونکہ قرآن مجید معانی میں۔ اگر کو کہ اس بات کا نام لیلۃ القدر کیون ہی (جواب) لوگوں نے اسمین (قدر) کے معانی مختلفہ کے نظریے کلام کیا (اول) قدر مجھے تقدیر و فرض و قطع ہی چونکہ اس رات میں اللہ تعالیٰ ایک سال کے لیے آئندہ اسی رات تک بندوں کی حالت و حیات و پیدائش و موت و رزق وغیرہ کی تقدیر ملائکہ کو عطا کرتا ہی اس لیے لیلۃ القدر ہی یعنی شب برات یعنی ہر ایک مخلوق کے واسطے جو برات و حصہ مقدر ہوتا وہ اس رات لکھ جاتا اور ملائکہ کو مل جاتا ہی (دوم) قدر مجھے شرف و منزلت ہی چونکہ اس رات کو شرف و منزلت عظیم حاصل ہی اس لیے لیلۃ القدر نام ہوا۔ یہ زہریؒ سے منقول ہی مترجم کہتا ہی کہ یہ گویا مبلغ ارشاد ہو کہ ہر سال میں معمولی رات جو قدر و منزلت رکھتی ہو وہ سب افضل ہی ہی تو گویا ہی لیلۃ القدر ہی پس یہ لازم نہیں آتا کہ شب جمعہ و غیرہ بھی قابل قدر ہیں اور اسی طرح ایک غیر معمولی رات بھی حسین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں پیدا ہوئے کہ وہ علما کے نزدیک لیلۃ القدر سے افضل رات تھی فافہم اور بعض نے کہا کہ لیلۃ القدر اس لیے نام ہوا کہ اس رات میں طاعات کی قدر عظیم و ثواب جمیل ہی اس موسم قدر مجھے ضیق ہی۔ چونکہ اس رات کثرت نزول ملائکہ سے زمین تنگ ہو جاتی ہی اس لیے لیلۃ القدر نام ہوا یہ امام خلیل نخوی سے منقول ہی اور ظاہر قول اول ہی مع ظہور شرف و برکت کے واللہ تعالیٰ اعلم شیخ ابن کثیرؒ نے سورہ لیلۃ القدر کے سبب دل میں لکھا کہ امام ترمذیؒ نے بطریق قاسم بن الفضل السجستانی عن یوسف بن سعد روایت کی کہ جب حضرت امام حسنؒ بن علیؒ بن ابی طالب نے معاویہ رض سے بیعت کر لی (یعنی معاویہ کو خلافت سپرد کر دی اور مدینہ میں آگئے) تب حضرت حسن رض سے ایک شخص نے کہا کہ آپ اپنے مومنوں کے منہ سیاہ کر دیے یا کہا کہ اسی مومنوں کے منہ سیاہ کرنے والے پس حضرت حسن رض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ خیر رحم کرے تو مجھے ملاست نہ کر کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دکھایا گیا کہ گویا آپ کے منہ پر بنو امیہ ہیں اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگواری ہوئی تو نازل ہوا۔ انا اعطیناک الکوفثر یعنی اے محمد ہم نے تجھے کوفثر عطا کی یعنی جنت میں جو نہ کوثر ہی اور نازل ہوا قولہ تعالیٰ انا انزلناہ فی لیلۃ القدر و ادراک مالیلۃ القدر خیر من الف ثمر اے محمد تیرے بعد ہزار ماہ بنو امیہ بادشاہت کریں گے اس سے لیلۃ القدر بہتر ہو۔ قاسم بن الفضل نے کہا کہ پھر ہم نے بنو امیہ کی بادشاہت کو شمار کیا تو وہ پورے ہزار ماہ ہوئے ایک روز زیادہ ہوئے کم ہی ترمذیؒ نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہی فقط اسی اسناد سے ہم کو حاصل ہوئی اور بعض راویین نے قاسم بن الفضل عن یوسف بن مازن روایت کی قاسم بن الفضل الحدادی ثقہ ہی چنانچہ بھی القطان اور عبد الرحمن بن ہمدانی نے اسکو ثقہ کہا ہی اور یوسف بن سعد مرد مجہول ہی اور یہ حدیث اسی لفظ سے اسی اسناد سے لی ہو۔ اور حاکم نے مستدرک میں اس حدیث کو قاسم بن الفضل عن یوسف بن مازن روایت کیا۔ ترمذیؒ رجحان یہ قول کہ یوسف بن سعد مجہول ہی اس قول میں ترمذیؒ کہ یوسف بن مازن سے حماد بن سلمہ و خالد الخزاز و یونس بن عبید وغیرہ جماعت نے روایت

فرمایا کرتے تھے کہ (مادارک) جہاں آیا ہو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ فرمایا ہو۔ اس قول کے موافق اس سے امت کے لوگوں کو تنبیہ ہو کہ اس ایک رات شب قدر کو کیا سمجھے پھر فرمایا۔ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ نَشَأَةٍ۔ لیلۃ القدر بہتر ہے ہزار ماہ سے فس یعنی لیلۃ القدر کی عبادت بہتر ہے ایسے ہزار مہینہ دن میں روزہ داری و رات میں شب بیداری و قیام کرنے سے جن میں لیلۃ القدر ہو۔ چنانچہ مجاہد نے کہا کہ لیلۃ القدر بہتر ہے ہزار ماہ سے جن میں لیلۃ القدر ہو (رواد ابن ابی حاتم) یہی قتادہ رحمہ اور شافعی وغیرہ نے بیان کیا۔ عمرو بن قیس الملائی نے کہا کہ لیلۃ القدر میں بندگی کرنا ہزار ماہ کے عمل سے بہتر ہے مترجم کہتا ہے کہ اس امت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ نعمت عظمیٰ ہو کہ جب اس نے کسی رمضان میں لیلۃ القدر پائی تو عمر بھر کے واسطے کافی ہو۔ واضح ہو کہ یہاں سوال یہ ہوتا تھا کہ ہزار ماہ کے تراسی سال ہوئے اور ہر سال رمضان ہوتا ہو تو لیلۃ القدر بھی ہوگی تو تراسی لیلۃ القدر ہوگی پھر بہتری کیونکر ہوگی (جواب) میں مجاہد و قتادہ و شافعی وغیرہ نے اشارہ کیا کہ یہاں تراسی برس اس واسطے نہیں فرمائے کہ ہر برس میں ضرور لیلۃ القدر آویگی بلکہ ہزار مہینہ فرمائے تو بدون لیلۃ القدر کے ہزار مہینہ شمار ہو سکتے ہیں اس طرح کہ ہر سال کے گیارہ مہینہ لے لیے جاویں اور ماہ رمضان نکال لیا جاوے تو سطح ہزار ماہ کے دن و رات روزہ و نماز سے ایک لیلۃ القدر کی عبادت افضل ہو۔ اسی جواب کو امام ابن جریر رحمہ نے اختیار کیا اور یہی جواب صحیح ہے جیسے حدیث میں ہے کہ ماہ آگاہی میں ایک رات کا رباط ہزار ماہ سے جو سو اے رباط کے بیون افضل ہو۔ (ارواد احمد) اور جیسے جمعہ میں نیک ہیات و نیک نیت سے ادا کرنے والے کے لیے ایک سال کے روزہ و شب بیداری کا ثواب قیام یعنی مراد کہ اس سال میں سے جمعہ جس قدر ہوں وہ استثناء کر لے جاویں گویا مطلب یہ کہ سال کے تین سو ساٹھ دن کے روزہ و نماز کا ثواب ہو اور یہ مطلب نہیں کہ مسلسل تمام سال شمار کیا جاوے جس میں ایام جمعہ ضرور آویگی اس لیے کہ اگر یہ مراد ہوتی تو ایام عیدین و ایام تشریق کے روزے نکال ڈالنے کا حکم ہوتا و لیکن ایسی صورتوں میں ثواب کا اندازہ مقصود ہوتا ہے (م و ابن کثیر رحمہ) پھر اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر کے فضائل بیان فرمائے بقولہ تعالیٰ تَنْزِيلُ الْمَلَكِ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ آتٍ۔ برابر اترتے ہیں ملائکہ اور روح اس رات میں اپنے رب کے حکم سے ہر امر سے فس تنزل دراصل متنزل ہر وزن متفعل ہو اور یہ دلالت کرتا ہے کہ ملائکہ سب ایک بارگی نہیں اترتے بلکہ فوج فوج اترتے ہیں چونکہ ملائکہ کے نزول میں آیا ہو متنزل الا بالامر ربکم الخ ہم نہیں اترتے مگر میرے رب کے حکم سے۔۔۔ بیان فرمایا باذن ربهم۔ یعنی ملائکہ و روح کا اترنا اپنے رب کے حکم و اجازت سے ہوتا ہے ہر امر کے ساتھ۔ اس میں صریح دلیل ہے کہ ہر قسم کے امور کے ساتھ ملائکہ اترتے ہیں۔ بعض نے زعم کیا کہ مکروہات مانند امراض وغیرہ کے ساتھ شعبان کے نصف ماہ یعنی چودھویں کو اترتے ہیں اور لیلۃ القدر رمضان میں فقط نیکوین و بھلائیوں کے ساتھ اترتے ہیں اس کو خطیب نے نقل کیا و لیکن یہ قول قیاسی ہے اور مترجم نے قولہ تعالیٰ انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکہ الایہ کی تفسیر میں توضیح کے ساتھ بیان کیا ہے۔ روح سے مراد جبریلؑ ہیں اور قرآن میں جبریلؑ کے واسطے یہ اطلاق معروف ہے اور بعض نے دوسرے معنی بیان کیے چنانچہ آئندہ کچھ ذکر آوے گا اگرچہ قولہ تعالیٰ یوم یقوم الروح والملائکۃ صفا الخ کی تفسیر میں بیان ہو چکا۔ خلاصہ یہ کہ اس مبارک رات میں ہر قسم کے امور کے ساتھ ملائکہ اور روح اپنے رب تعالیٰ کے حکم سے اترتے ہیں۔ سَلَامٌ وَهِيَ حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ

علیٰ خرطوم - کے یہی معنی ہوں یعنی اسکی خرطوم پر داغ دیا گیا۔ پھر جب ابن مسعود رضی نے دیکھا کہ اسین اتنی طاقت نہیں ہو تو دلیری سے اسکی گردن پر لات رکھی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہو جس نے تجھے ذلیل و خوار کیا۔ ابو جہل بولا کہ او بکر یوں کے جروا ہے تو بہت بزرگ مقام پر چڑھا۔ یہ بتلا کہ کسکی فتح ہو۔ ابن مسعود رضی نے کہا کہ فتح اللہ و رسول کی ہو یہ سنکر بولا کہ اپنے صاحب سے جا کر کہو کہ اس حالت میں بھی اس سے زیادہ دشمن ابو جہل کے نزدیک کوئی نہیں ہو اور تکبر میں آکر کہنے لگا کہ ابو جہل کے حق میں کیا عار ہو سکتا ہے کہ اسکو اسکی قوم نے قتل کیا۔ ابن مسعود رضی نے کہا کہ تجکو فلان فلان انصاری نے قتل کیا ہے تو غمناک ہو کر کہنے لگا کہ اگر کاش اسکو کاشنکار کے سوا کسی نے قتل کیا ہوتا۔ ابن مسعود رضی نے اسکو مار کر سر کاٹنا چاہا تو کہنے لگا کہ یہ میری تلوار لیکر سر کاٹ لے۔ ابن مسعود رضی نے یہی کیا و لیکن اسکا سر اس قدر بھاری تھا کہ انکو لانا دشوار ہوا پس انھوں نے اُسکے کان بھاڑ کر باندھے اور سر کو کھینچتے ہوئے لائے اور آنحضرت صلعم کے قدموں پر ڈالا اور حال بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ موسیٰ کے فرعون نے اس حالت میں بنی اسرائیل کے پروردگار کی طرف رجوع کیا تھا اور میرا فرعون اس سے زیادہ سخت تھا مسئلہ صحیح مسلم کی حدیث ابو ہریرہ رضی سے ثبوت ہے کہ قولہ تعالیٰ و اسجدوا قرب مقام سجدہ ہر چنانچہ اس حدیث کا ترجمہ اذا السماء انشقت میں گزرا خطیب نے لکھا کہ آنحضرت صلعم کی حدیث میں ہے کہ رکوع میں اپنے رب تعالیٰ کی تعظیم بیان کرو اور سجود میں کوشش سے دعا مانگو وہ قبولیت کی زیادہ سزاوار ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلعم سجود میں زیادہ تضرع و زاری سے دعا مانگتے یہاں تک کہ ام المومنین عائشہ رضی نے ترجمہ کر کے کہا کہ یا حضرت آپ کیون اسقہ سخت گریہ و زاری فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے کرم سے آپ کے واسطے اگلے پچھلے سب گناہوں کی مغفرت دیدی آپ نے فرمایا کہ کیا میں شکر گزار بندہ نہ ہوں **ف صاحب العرائس** نے اشارات میں لکھا کہ قولہ تعالیٰ اقرا باسم ربک - واضح ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ تھی کہ نزول وحی سے پہلے شاہد حضور تھے اور رسوم سے غائب تھے گویا مخلوقات عیان و بیان سے ایک طرف ہو گئے تھے اور صاحب القلوب نے بچپن سے اپنی طرف اصفیائیت میں لے لیا تھا اسی لیے اکثر اوقات حلیمہ کے پاس سے اور اسیطرح ابوطالب کے پاس سے غائب ہو جاتے تھے چنانچہ عنقریب حالات میں مذکور ہو چکا اور حق تعالیٰ اپنے اصفیاء میں سے بعض کو طالب اور بعض کو مطلوب رکھا اور دوسری عبارت میں یہ کہو کہ بعض مرید ہیں اور بعض مراد ہیں خلیل اللہ علیہ السلام نے طلب کیا اور کہا لا فی ذاہب الی ربی الایہ اور موسیٰ علیہ السلام نے کہا عجبت الیک بے لترضی اور حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کمال محبت کے اظہار سے فرمایا۔ سبحان الذی اسرئ لبعبدہ الایہ۔ اور اسی وجہ سے اول امر میں فرمایا اقرا باسم ربک اور چونکہ ہمہ تن قلب مستغرق با حق رکھا تھا آنحضرت صلعم نے عرض کیا کہ مانا بقاری۔ میں قاری نہیں ہوں۔ کیونکہ یہ مشہور و معلوم ہے شیخ ابن العربیؒ نے کہا کہ اول حالت میں اپنے واسطے قنائے وحدت سے مقام جمع دیا پھر تفصیل کی جانب بوجہ حقیقہ پھیر دیا اور اسی اول مرتبہ میں یہ سورہ نازل فرمایا لہذا اقرا باسم ربک۔ بواسطہ اسم کے قراءت کا حکم دیا یعنی بوجہ ذاتی جو اسم اعظم ہے۔ قولہ تعالیٰ کلا ان الانسان لیطغی۔ شیخؒ نے کہا کہ انسان خسیس دنیائے فانیہ کو دیکھ کر طغیان میں فنا ہو جاتا ہے تو یہ ایسے انسان کو کہاں پاتا ہے جو جمال حق میں مستغرق ہے۔ قولہ اقرب۔ اس سے مراد نہیں ہے کہ قرب اکتساب کرے بلکہ مطلب یہ کہ اس فعل کے اکتساب سے اللہ تعالیٰ اقرب پیدا فرما دینگا تاکہ اس ترتیب سے اہمیت صدیقین عارفین کا ملین حاصل ہو

اس روایت کا ثبوت چاہیے اور متاخرین نے فقہ کی کتابوں میں بھی اس روایت کو لکھا ہے اور بر تقدیر ثبوت کے شاید حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس امر میں تردد تھا کہ نفل جائز ہو کیونکہ اگر کراہت پر جزم کرتے تو منع کرنے میں کچھ حرج نہ تھا کیا نہیں دیکھتے ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بعد عصر کے نفل پڑھنے پر زجر کرتے تھے خلاصہ جواب اس مسئلہ میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ناز وغیرہ ہر عبادت جب وہ فرض یا سنت یا مستحب طریقہ پر واقع ہو تو اس سے منع کرنے والا بدو استحقاق کے اس وعید میں داخل ہے اور اگر یہ عبادت مکروہ یا مہنوع واقع ہو یعنی شرعی دلیل سے اسکو کراہت معلوم ہو تو منع کرنا چاہیے بلکہ منع نہ کرنا مکروہ ہی جیسے فجر کے بعد دو سستوں سے زیادہ نفل پڑھنا اور اوقات مکروہہ میں ناز پڑھنا و علی ہذا القیاس اور اگر کسی کو جواز یا عدم جواز میں تردد ہو تو منع نہ کرے جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سکوت فرمایا مسئلہ جس زمین کو ناحق چھین لیا ہو اس میں ناز مکروہ ہی تو بیان منع کرنا اور اوقات مکروہ میں نماز سے منع کرنا اس وعید میں داخل نہیں ہے کیونکہ صحیح احادیث میں اس سے مانعت آئی ہے تو منع کرنے والا اللہ تعالیٰ و رسول کی شریعت کا حکم بجالاتا ہے اور اسطرح اگر آقا نے غلام کو اللہ و نبیؐ کی وجہ کو نفل روزہ رکھنے سے اور رات میں شب بیداری کرنے اور اعتکاف کرنے سے منع کیا تو اس پر گناہ نہیں ہے اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کو برا نہیں جانتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی اجازت پا کر اپنے حقوق کی حفاظت کرتا ہے و رازی و سراج وغیرہ فائزہ قولہ تعالیٰ لنسفا بالناسیۃ ناصیۃ کا ذیہ الخ۔ رازی نے کہا کہ اس میں چند وجوہ ہیں (اول) سفح شدت سے گرفت کر کے کھینچنا تو معنی یہ کہ ہم اس کافر کے ناصیہ کو سخت گرفت کر کے جہنم میں ڈالینگے جیسے قولہ تعالیٰ فیوخذ بالمواسی والاقدام۔ یعنی اس دن پیشانیان و اقدام سے گرفت کیجاوگی (دوم) سفح یعنی ضرب ہے یعنی اسکی پیشانی پکڑ کر ملا گمہ طپانچہ مارینگے (سوم) سفح داغ سیاہ یعنی اسکا منہ سیاہ کرینگے (چہارم) لنسفا یعنی ناک و پیشانی داغ دینگے اسبواسطے ابن عباس سے روایت ہے کہ قولہ تعالیٰ سنسمہ علی الخ لوم سے مراد ابو جہل ہے۔ واضح ہو کہ ابو جہل کے واسطے آخرت میں عذاب شدید ہے باوجود اسکے دنیا میں بھی بشارت ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو قوت دے گا کہ اسکی پیشانی پکڑ کر کھینچینگے۔ روایت ہے کہ جب سورہ الرحمن علم القرآن الخ نازل ہوا تو حفصہ صاحبہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کون شخص اسکو قریش کو پڑھ سنا تا ہے یہ لوگ ڈرے کہ قریش ولے ایذا پہونچا دینگے سوائے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی کہ انھوں نے کہا کہ میں جا کر سنا تا ہوں آپ نے کہا کہ تم بیٹھ جاؤ پھر دوبارہ فرمایا کہ قریش کو سنانے کون جاتا ہے پھر فقط ابن مسعود اٹھے اسطرح تین مرتبہ ہوا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ غریب و نحیف تھے آخر یہ گئے اور سورہ رحمن سنانا شروع کیا تو ابو جہل نے اٹھ کر اس زور سے انکو تھپڑ مارا کہ کان پھٹ گیا۔ یہ آبدیدہ ہو کر چلے آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت سے غمگین ہوئے کہ ناگاہ جبریل علیہ السلام مسکراتے ہوئے آئے اور کہا کہ یا رسول اللہ عنقریب اسکی مکافات دنیا میں بھی آپ دیکھینگے چنانچہ جب بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان میں جا کر بتلادیا کہ بیان پر فلان کافر لڑے گا اور وہاں فلان گرے گا اسطرح ہر ایک کا مقتل بتلایا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ واللہ وہاں سے ایک بالشت بھی تفاوت نہوا دوسرے روز لڑائی میں ابو جہل وغیرہ مارے گئے اور اہل اسلام نے فتح پائی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جہل بن ہشام کا حال پوچھنا شروع کیا اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ مقتولوں میں دیکھتے پھرتے تھے کہ ناگاہ ابو جہل کو دیکھا کہ اوندر سے منہ گر اٹھا ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ چپکے کہ شاید اس میں قوت ہو لہذا دور سے نیزہ اسکی ناک پر رکھکر ملا۔ شاید قولہ سنسمہ

سے روایت کی کہ ابو جہل نے کہا تھا کہ واللہ اگر میں نے محمد کو دیکھا کہ کعبہ کے پاس نماز پڑھتا ہو تو اسکی گردن روند ڈالوں گا۔ جبہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی آپ نے فرمایا کہ اگر وہ ایسا قصد کرے تو اسکو ملائکہ گرفتار کر لینگے (رواہ الترمذی والنسائی و
ابن جریر) امام احمد نے ابن عباس رض سے روایت کی کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں مقام ابراہیم کے
پاس نماز پڑھتے تھے اُدھر سے ابو جہل گزرا اور کہنے لگا کہ اے محمد میں نے تم کو منع نہیں کیا تھا کہ یہاں یہ حرکت نہ کرنا اور دھمکا یا
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس لعین کی گفتگو سے غضبناک ہو گئے اور سخت کہا اور جھڑک دیا تو کہنے لگا کہ اے محمد تم کس بات پر
مجھے ڈراتے ہو تم خوب جانتے ہو کہ اس وادی میں واللہ میری جو پال والے سب زیادہ ہیں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا فلیکذب
نَادِيَهُ۔ وہ اپنی جو پال والے پکارے۔ سَمِعَ الزَّبَانِيَةُ۔ ہم زبانیہ کو بلاوینگے فَبَعَثَ
بِأَنَّكَ اس جاہل جھوٹے بدکار کو ابھی کھل جاوے کہ وہ مع اُسکے ساتھیوں کے کس قدر حقیر ہیں اس حدیث کو بھی ترمذی و
نسائی و ابن جریر نے روایت کیا اور ابن عباس رض فرماتے تھے کہ واللہ اگر اپنے جو پال والوں کو پچارتا تو زبانیہ عذاب اُس کو
اسی وقت گرفتار کر لیتے (قال الترمذی حسن صحیح) ابن جریر نے ابن عباس رض سے روایت کی کہ ابو جہل نے کہا کہ اب اگر بھر کبھی
محمد نے مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھی تو میں روند کر مار ڈالوں گا پھر اللہ تعالیٰ نے یہ سورہ نازل فرمایا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم موافق حکم آیت کے تشریف لائے اور وہاں نماز پڑھنے لگے۔ لوگوں نے ابو جہل سے کہا کہ اب کیوں نہیں جاتا ہو کہنے لگا کہ
میرے اور اس کے درمیان لشکر بھر گئے ہیں۔ ابن عباس رض نے کہا کہ واللہ اگر جنبش کرتا تو لوگوں کی نظر کے سامنے ملائکہ زبانیہ
اسکو گرفتار کر لیتے۔ ابن جریر نے حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ابو جہل نے لوگوں سے کہا کہ کیا محمد تمھارے سامنے
اپنا منہ خاک پر رکھنے آتا ہو۔ لوگوں نے کہا کہ ہاں۔ ابو جہل بولا کہ مجھے بی بی لات دبی بی عزی کی قسم یہ کہ اگر میں نے اُسکو نماز پڑھتے
دیکھا تو اسکی گردن روند کر اُسکا منہ خاک ہی میں ملا دوں گا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں نماز پڑھنے آئے اور یکایک
لوگوں نے ابو جہل کو دیکھا کہ دونوں ہاتھوں سے کسی چیز کو پکڑتا ہوا اُٹے پاؤں بھاگا۔ لوگوں نے کہا کہ تیرا یہ کیا حال ہے
ابو جہل نے کہا کہ اے لوگوں میرے اور اس کے درمیان میں آگ کی خندق وہول اور بازو ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ واللہ اگر مجھے نزدیک آتا تو ملائکہ اسکا ایک ایک ٹکڑا کاٹ ڈالتے و قد رواہ احمد و مسلم۔ كَلَّا لَا تَطَعُ وَالسَّجْدُ
وَاقْتَرِبَ۔ ہرگز نہیں تو اسکی اطاعت نہ کیجو اور سجدہ کرو اور نزدیکی حاصل کر فَبَعَثَ اے محمد تو اس
منع کرنے والے کافر کی بات ہرگز نہ مانیو بلکہ جہاں چاہو نماز پڑھو اللہ تعالیٰ تیرا حافظ ہے اور سجدہ الہی سے قرب منزلت
حاصل کر اسی لیے حدیث ابو ہریرہ رض میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ اپنے رب سے سب
حالتوں سے زیادہ قریب اُس وقت ہوتا ہے جب سجدے میں ہوتا ہو تو زیادہ دعا کیا کرو (صحیح مسلم) قُوا اللہ (۱) قولہ
تعالیٰ لِنَسْفَعَا بَنُوْنَ تَاكِيْدٌ خَفِيْفٌ اِسِيْطَرَحْ رَسْمُ اَخْطَ قَرَأَنِيْ بِنِ الْبَا لَفْ هُوَ (۲) رازیؒ نے لکھا کہ قولہ اِذْ يَنْهَى الَّذِيْ يَنْهَى عِبْدًا
اِذَا صَلَّى۔ میں نماز پڑھنے والے بندے کو منع کرنے والے کی مذمت ہے۔ روایت ہے کہ حضرت علی رض نے مصلے میں ایک قوم کو دیکھا
کہ نماز عید سے پہلے نوازل پڑھتے ہیں تو فرمایا کہ میں نے نہیں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرتے ہوں۔ عرض کیا کہ
آپ انکو منع کیوں نہیں فرماتے تو یہی آیت پڑھی یعنی صریح منع کرنے سے خوف کیا مگر تم کہتا ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے

خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھنے سے منع کیا اور دھمکا یا تھا تو اللہ تعالیٰ نے احسن طریقے کے موافق پہلے اُسکو وعظ و نصیحت فرمائی بقولہ ارایت ان کان علی الہدی۔ تو بتلا کہ اگر وہ ہدایت پر ہو۔ یعنی جسکو تو نماز سے منع کرتا ہو اگر وہ اپنے افعال میں ہدایت و سداد پر ہو تو یہ کیا گمان ہو۔ ادا امر بالتقوی۔ یا اقوال میں رشاد پر ہو کہ ایسی باتوں کو بتلاتا ہو جن سے آگ سے بچاؤ ہے حالانکہ تو ہسکو نماز پڑھنے سے ڈراتا و دھمکتا ہو۔ ارایت ان کذب و تولی۔ تو بتلا کہ اگر یہ روکنے والا ایسا ہو کہ اُسے ہدایت و تقویٰ کی باتوں میں نمازی کو جھٹلایا اور پیٹھ پھیری ہو۔ اَلَمْ يَعْلَمُ بِاَنَّ اللّٰهَ یَرٰی۔ کیا یہ جانتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسکو دیکھتا ہو؟ یعنی یہ روکنے والا منکر کیا نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اُسکے روکنے کو دیکھتا ہو اور بندہ نمازی کی ہدایت ارشاد و تقویٰ کو دیکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ ضرور ہر ایک کے پورا بدلہ دینے والا ہو مترجم کہتا ہے کہ ظاہر تھا میرے بیان (الارایت) عام خطاب ہو اور اول و دواتیوں میں بندہ نمازی کا بیان ہو یعنی اسی عاقل تو نے دیکھا کہ بیان ایک بندہ تو نمازی ہندی و ہادی متقی ہو اور دوسرا طاعنی اسکو منع کرنے والا ہو بھلا تو ہی کہہ کہ نمازی روکے جانے کے قابل ہو اگر وہ ہدایت پر ہو یا تقویٰ کا حکم کرتا ہو۔ تو ہی کہہ کہ یہ منع کرنے والا گمان سے یہ اختیار رکھتا ہو اگر اُسے جھٹلایا اور پیٹھ پھیری ہو اس قول کے موافق خطاب میں تفرق ہوتا ہو و لیکن راز ہی نے لکھا کہ یہ سب خطابات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ممکن ہیں گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہو کہ اے محمد تو نے دیکھا کہ اگر یہ کافر ہدایت پر ہو جادے اور تقویٰ کا حکم کرے تو اُسکے حق میں کفر سے تہمت ہو گویا اس کافر کے حق میں افسوس دلایا ابولسعود نے لکھا کہ معنی یہ ہیں کہ مجھے بتلا کہ یہ منع کرنے والا کافر اگر ہدایت پر تھا اس بارہ میں جس سے منع کرتا ہو یعنی رب عزوجل کی بندگی سے منع کرتا ہو یا اپنے خیال میں بتوں کی بندگی کرنا حکم دینے میں تقویٰ کا حکم کرنے والا تھا یا وہ حق کو جھٹلانے اور اس سے پیٹھ پھیرنے والا تھا مترجم کے نزدیک یہ سب اس کافر طاعنی کے حق میں طعن و تہمت ہو یعنی اس کافر میں کیا یہ لیاقت ہو کہ وہ اپنے افعال میں ہدایت پر ہو اور اقوال میں تقویٰ پر ہو یا یہ حالت ہو کہ وہ حق کو جھٹلانے والا اور اُس سے پیٹھ پھیرنے والا ہو۔ توضیح بیان یہ ہو کہ (ارایت) خطاب عام ایسی صورت میں لاتے ہیں جب وہ بات صاف ظاہر ہو ہر شخص اُس سے خبر دے سکے تو گویا اس کافر کی حالت سے سوال کیا کہ ہر شخص کے نزدیک صاف واضح ہو تو خبر دے کہ اس کافر نے جو بندہ صالح کو نماز سے منع کیا تو کیونکر اچھا کام اور اچھا کلام ہو گا کیا یہ کافر ہدایت پر ہو یا تقویٰ کا حکم کیا کرتا ہو۔ یہ بتلاؤ کہ بھلا یہ جھٹلانے والا اور پیٹھ پھیرنے والا ہو۔ خلاصہ جواب یہ کہ کافر مذکور ہدایت پر نہیں ہو اور نہ تقویٰ کا حکم کرتا ہو بلکہ حق کو جھٹلانے والا اور اس سے پیٹھ پھیرنے والا ہو بلکہ اس قدر جاہل ہو کہ اپنے رب عزوجل کی شان میں یہ بھی نہیں پہچانتا کہ وہ جانتا اور دیکھتا ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سخت وعید و تہدید فرمائی بقولہ تعالیٰ۔ کَلَّا۔ ہرگز نہیں۔ کافر مذکور میں سوائے کفر و کجی کے کسی قسم کی خوبی نہیں ہو تو بندہ صالح اس کے منع پر لحاظ نہ کرے اور کافر مذکور آئندہ باز رہے لَئِنْ لَمْ یَنْتَهِ عَنِ اللّٰهِ اَکْرَهًا اَوْ اِیْثَارًا لِّیَکُنَّ اَفْوَیۡفَ یعنی اس کفر و عناد سے باز نہ رہا۔ لَفَسَقَ عَلٰی النَّاسِ صِلَہ۔ تو ہم ضرور کھینچنے پھینکانے کے ساتھ۔ ابن کثیر نے لکھا کہ یعنی قیامت میں سیاہ داغ دینے کے رازی نے کہا کہ دنیا میں بھی اُسکا سر کا ٹکڑا پیشانی کے بل گھسیٹا گیا مترجم کہتا ہو کہ آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ نقل کیا جائیگا۔ فَاَصْبَحَ کَاذِبًا حَقًّا طَائِفَہ۔ پیشانی جھوٹی بدکار ف یعنی بالناصیہ کا پیل ہو اور یہ ابو جہل عین کی پیشانی پر بخاری نے ابن عباس رض

کہا کہ جب اس نے زید کو پیدا کرنا چاہا تو اسکو معلوم تھا کہ یہ ایسے کام کرے گا اور یہ کہا دیکھا اور فلان وقت مر جا دیکھا اسنے متحیر ہو کر کہا کہ ہاں یہ تو ہم کو ضرور ماننا پڑے گا۔ میں نے کہا کہ اسی کا نام تقدیر ہے اب کسی تدبیر سے اُسکے خلاف نتیجہ نہیں نکل سکتا ہے جو علم الہی کے خلاف ہو وہ شخص بہت تعجب سے سنتا رہا۔ اب مترجم کہتا ہے کہ اس سے کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ ہم سدی میں لحاف اوڑھنے کی سعی نہ کرنا چاہیے اور کوٹھے پر سے زمین کے ذریعہ سے اترنے کی ضرورت نہیں ہے اسلیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو جو حکم دیا ہے اسکی فرمانبرداری ہمارا کام ہے اور یہ حکم بذریعہ جو اس کے دیا گیا ہے چنانچہ قول تعالیٰ ہدیناہ الجذین۔ کی تفسیر میں فی الجملہ بیان گزر چکا خلاصہ یہ کہ ہم یہاں کسی کام کا نتیجہ نہیں جانتے کہ تقدیر میں کیا لکھا ہے اور وہ تو اللہ تعالیٰ کا علم ہے تو ہم کو نہیں جانتا ہے کہ علم الہی کے درپے ہوں جیسے سنگھیا کھانے سے اگر موت نہیں ہے تو نہ مرے گا لیکن ہم کو تقدیر نہیں معلوم ہے اسلیے حرام موت مرنے والا جنمی ہے اور اگر نہ مرے تو بھی مجرم ہے اور اگر مصری کے دھوکے میں کھا کے مر گیا تو شہید کے مانند ثواب کا امیدوار ہے پس خلاصہ یہ کہ ہم کو موافق جو اس کے عمل کرنا چاہیے اور نتیجہ میں وہ امید کرنا چاہیے جو مقدر ہے حتیٰ کہ دوبارہ تدبیر کرے شاید اس مرتبہ نتیجہ وہ حاصل ہو جو مطلوب ہے۔ تقدیر اور تدبیر کے بارہ میں یہ قول حق ہے واللہ تعالیٰ ہوالموفق (مسئلہ ششم) رازیؒ نے کہا کہ شروع میں علم کی فضیلت میں ہوتا کہ بدے اُس میں رغبت کریں اور آخر سورہ میں ہاں کی مذمت ہوتا کہ اُس سے کفرت کریں قول تعالیٰ ان الے ربک الزحیٰ۔ اس میں بلیغ نصیحت ہے کہ خطاب کے ساتھ عقل صریح و تہدید وغیرہ جمع ہیں یعنی تیرے رب ہی کی طرف مرجع ہے کہ میں دوسری جگہ لکھا کہ انہیں ہے تو طغیان و تکبر و سرکشی کا انجام بہت خراب ہے واللہ تعالیٰ اسکو نقصان و موت کی طرف رد کرے جیسے فلفطہ سے حیوان بنادیا تھا اسطرح پھر حیوان سے مردہ جاد بنا دیا (خلاصہ کبیر) پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ آ آیَاتِ الَّذِیْ یَنْفُخِ۔ کیا تو نے دیکھا اس شخص کو جو منع کرتا ہے۔ عَجَلًا اِذَا صَلَّی۔ بندے کو جب وہ نماز پڑھے ف مفسرین نے کہا کہ منع کرنے والا ابو جہل تھا اور بندہ نازی سے مراد محمد صلعم ہیں اگر کہو کہ پھر (آیت) کس سے خطاب ہے (کیا تو نے دیکھا) جواب یہ خطاب ہر ایسے شخص کو جو دیکھنے کی لیاقت رکھتا ہے اور مقصود یہ کہ منع کرنے والے کا فعل اسقدر بدتر و قبیح ہے کہ جو دیکھے اسکو بُرا کہیگا۔ پھر واضح ہو کہ ابو جہل نے اپنے قول و فعل دونوں طرح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ناز سے روکا تھا اسی لیے ابن عباسؓ سے دونوں روایتیں آئی ہیں۔ فعل سے روکنا اسطرح تھا کہ ابو جہل مع قریش کے طاغیوں کے بیٹھا تھا اُس نے کہا کہ تم میں سے کون ہے کہ جو بنی فلاں کے محلہ میں جا کر جو اونٹ فوج ہوا ہے اُسکا اوجھلا دے اور جب یہ نازی سجدہ میں جاوے تو اُسکی گردن پر رکھ دے۔ پس ایک بدتر شقی نے اُٹھ کر یہ کام کیا اور اُس میں ہنستے ہنستے لوٹ لوٹ گئے بعض صحابہ کہتے ہیں کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے تھے اتنے میں سیدۃ النساءؓ فاطمہ رضی اللہ عنہا جو اسوقت لڑکی تھیں وہ دوڑتی ہوئی آئیں اور اُسکو آپ کی گردن سے ہٹایا اور کفار قریش کو بُرا کہنا شروع کیا۔ آنحضرت صلعم نے سر مبارک اُٹھا کر ان اشقیاء کے حق میں نام بنام بد دعا کی چند روز گزرے یہ لوگ بدر میں مارے گئے اور گھسیٹ کر بدر کے گڑھے میں ڈالے گئے قول سے روکنا اسطرح کہ ابو جہل نے ایک بو سنخ کیا کہ خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھیں۔ آ آیَاتِ اِنْ كَانَ عَلَی الْهُدٰی۔ بھلا کہو کہ اگر وہ ہدایت پر ہو۔ آ اَصْرَ بِالْتَقْوٰی۔ یا اُسے تقویٰ کا حکم کیا۔ آ آیَاتِ اِنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی۔ بھلا کہو اگر اسنے جھٹلایا اور پیچھے پھیری ف ابن کثیرؒ نے کہا کہ ابو جہل کے حق میں ان آیات کا نزول ہوا کیونکہ اس لعین نے آنحضرت صلعم کو

غور کیا تو کچھ بھی بہتری نہ تھی بلکہ فرعون کی طرح طغیان کرنے والا تھا جیسے فرمایا۔ اذہب الی فرعون انہ طغی۔ یعنی موسیٰ ۴ سے فرمایا کہ فرعون کی طرف جا کہ اُسے طغیان کیا راز می دے گا کہ فرعون کے حق میں فقط رطغی (فرمایا اور ابوجہل دُاُسکے ساتھیوں کے حق میں لبطغی) فرمایا تو مزید تاکید سے معلوم ہوا کہ یہ فرعون سے بدتر تھا مترجم کہتا ہے کہ اسی جہت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوجہل اس امت کا فرعون تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس امت کو جس قدر اسلام میں اگلی امتوں پر افضلیت پہنچائی اس امت کے کافروں کو اگلے کفار سے بدتری ہو اور رازی نے ابوجہل کی بدتری کے واسطے وجہ بیان کیے (اول) یہ کہ موسیٰ علیہ السلام ہنوز فرعون کے پاس نہیں گئے تھے اور بیان ابوجہل نے افضل المرسلین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو عداوت سے روکیا تھا (دوم) یہ کہ فرعون کو مصر کی سلطنت حاصل تھی باوجود اسکے وہ فقط زبان سے ربوبیت کا دعویٰ تھا اور موسیٰ ۴ کے قتل وایذا کے درپے نہ تھا ابوجہل اپنی حقیر مالیت پر اس قدر اتر آیا تھا اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم جمیع جنس کے قتل وایذا کا درپے تھا (سوم) فرعون نے پہلے موسیٰ کے ساتھ احسان کیا اور آخر میں جب غرق ہونے لگا تو بولا کہ امنت یعنی بنی اسرائیل جس پروردگار پر ایمان لائے میں بھی اُسی پر ایمان لایا۔ برخلاف ابوجہل کے کہ ابتدا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر حسد کرتا کہ بنی ہاشم میں ایسا شخص کیوں ہوا اور جب بدر میں فرشتہ کے زخم سے جان بلب تھا تو عبداللہ بن مسعود رضی سے بولا کہ کسی فتح ہو انھوں نے کہا کہ اللہ در رسول کی فتح ہو پھر بولا کہ محمد سے کہنا کہ ابوجہل مرنے پر اس حالت میں کہ محمد سے بڑھ کر کسی کے ساتھ اُسکو عداوت نہیں ہو مسئلہ ہمارا یہ کہ قول ان راہ استغنی۔ کو ترکیب کلام میں یہ تعلق ہے کہ لام حذف ہوا و لان راہ الم مسئلہ ہم استغنی یعنی اپنے مال سے مستغنی ہوا یعنی مال سے غنی سمجھ کر طغیان کرنے لگا۔ اس صورت میں اول سورہ میں الانسان سے جو مفلک مراد ہے وہ یہاں مراد نہیں ہے کیونکہ کل انسان کی یہ کیفیت نہیں ہوتی مگر آنکہ جنس میں سے بعض کی یہ حالت کافی ہے کیا نہیں دیکھتے ہو کہ سلیمان علیہ السلام باوجود دنیاوی سلطنت کے مساکین کے ساتھ بیٹھے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ باوجود کثرت مال کے حق کی اتباع میں سرگرم تھے بلکہ عاقل جانتا ہے کہ جسکو مالدار ی زیادہ ہو جاتی ہے اسکو اللہ کی طرف محتاجی زیادہ ہو جاتی ہے کیونکہ فقیری کی حالت میں اسکو فقط اپنی سلامت ذات کی فکر تھی اور تو نگری کی حالت میں اللہ تعالیٰ سے اپنی مال و باغ و مملوکوں و خادموں سب کی سلامتی چاہتا ہے رازی نے کہا کہ آیت میں ایک معنی دیگر بھی حاصل ہوتے ہیں اس طرح کہ قولہ تعالیٰ کلا ان الانسان لبطغی ان راہ استغنی۔ یہیں معنی یہاں استفعال سے جو جسکے معنی طلب کے آتے ہیں۔ تو استغنی کے معنی اس طرح پر یہ ہونگے کہ اُسے غنا طلب کیا یعنی تو نگری حاصل کرنے میں جد و جہد سے سعی کی اور نتیجہ یہ ہوا کہ انسان نے زعم کیا کہ اُسے جد و جہد سے کوشش کی تو اُسکو تو نگری و دولت و ثروت حاصل ہو گئی یعنی اللہ تعالیٰ کی توفیق و عطا سے نہیں ہوا۔ یہ انسان کا طغیان و حق پر کیا وہ آنکھوں سے نہیں دیکھتا کہ بکثرت ایسے لوگ ہیں جو نہایت جد و کوشش سے تو نگری چاہتے ہیں حالانکہ کچھ حاصل نہیں ہوتا حتیٰ کہ بھوکے مرنے لگتے ہیں اور بکثرت تو نگروں کو دیکھو کہ آخر میں مفلوک محتاج ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کو دکھلا دیتا ہے کہ اول حالت بھی اُنکی قوت و خوبی سے نہیں تھی (تفسیر کبیر) مترجم کہتا ہے کہ اس زمانہ میں ہر طرف کفر و احماد کا بزم ہے اور انھیں ہی مقولہ ہے کہ تقدیر کچھ چیز نہیں ہے بلکہ اپنی تدبیر ہے اور جو کوئی اپنے نفس پر بھروسہ کرے خدا اسکی مدد کرنا ہی مترجم نے یہ مقولہ اکثر ایسے مشرکین سے بھی سنا جو اپنے اکابر اہل کتاب سمجھتے تھے۔ میں نے اُس سے کہا کہ کیا خدا جاہل ہے کہ اُسے کہتا کہ میں نے

بیان فرمائی اور میرے نزدیک شاید ان مفسرین کی مراد یہ ہو کہ یہ آیت جس قسم کے انسان کے حق میں مذمت ہو اس قسم میں سے اُس وقت میں ابوجہل موجود تھا بلکہ ابوجہل اس امت کا فرعون تھا اور وہ اس قسم کا اول تھا تو اس لعین کا مراد ہونا متعین ہو رازیؒ نے کہا کہ بعض مفسرین نے زعم کیا کہ سب سے اول یہ سورہ نازل نہیں ہوا (اقول) یہ صحیح روایات کے خلاف ہے اور بعض نے زعم کیا کہ اول سے پانچ آیتیں پہلے اتریں پھر قولہ کلا ان الانسان سے آخر تک آئندہ زمانہ میں ابوجہل کی مذمت میں اتریں (اقول) بلکہ ظاہر یہ کہ ابوطالب کی وفات کے بعد اتریں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موافق بیان جبرئیلؑ کے اول کی پانچ آیتوں سے ملانے کا حکم دیا کیونکہ آیتوں کو اپنے موقع سے مرتب کرنا بھی حکم الہی تھا کیا نہیں دیکھتے ہو کہ مفسرین کے نزدیک آیت یعنی قولہ تعالیٰ و اتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ ثم توفی کل نفس ما کسبت وہم لا تظلمون۔ پھر اسکو اپنے موقع پر جہاں ملایا گیا وہ اس سے بہت زمانہ پہلے نازل ہو چکا تھا قول وہم یہ کہ کلا ان الانسان۔ میں انسان سے اسی قسم کے سب انسان مراد ہیں اور یہاں قول کہ فقط ابوجہل مراد ہو اگر ظاہر روایات سے موافق ہو لیکن دوسرا قول بحسب المعنی زیادہ ظاہر ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے عموماً بیان کیا کہ ہم نے انسان کو علقہ سے پیدا کر کے نعمتیں عطا کیں پھر اس نے اپنے نفس کو مستغنی دیکھ کر کفر و تکبر کیا اور طغیان میں حد سے بڑھ گیا پس اس طریقے سے زجر کیا اور فرمایا۔ ان الی ربک الرجعی۔ یعنی ایسے مقام و زمانہ میں مجھے جانا ہو کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے وہاں کوئی مالک نہیں ہے تو وہاں محاسبہ و مواخذہ ہوگا مترجم کہتا ہے کہ (الی ربک) رب کی طرف اس میں یہ وہم تھا کہ رب عزوجل کے واسطے کوئی طرف ہو تو اسی طرف حد ہوگی حالانکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہو پس رازیؒ نے تاویل کر دی کہ مراد یہ ہو کہ ایسے زمانہ و مقام میں مجھے جانا ضرور ہے جہاں سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی مالک نہیں ہے اس سے یہ وہم ہوتا ہو کہ دنیا میں بھی سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی مالک نہیں ہے (جواب) یہ کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر مخلوق کے ساتھ اس طرح محیط ہو کہ وہ مخلوق نہیں پہچانتا لیکن قدرت نے لطفہ و علقہ سے بڑھاپے و موت تک اُسکا احاطہ کیا اور نشان الہی بیان ہر مخلوق کے ساتھ اسکی خویش پر ہو گو یا ہر انسان کا نفس ایک طفل بقضہ قدرت ہے اور سر طفل نے خواہش کی کہ یہ مجھے مل جاوے اور وہ حاصل ہو جاوے تو قدرت اُسکو کمائی پوری کر دیتی ہے۔ چونکہ آدمی یہ دیکھتا ہے کہ اُسکے ہاتھ پاؤں یہ مطلب حاصل کرتے ہیں تو غلط کر کے یہ سمجھتا ہے کہ خود قادر و خالق ہو گویا اللہ تعالیٰ کے قبضہ سے الگ ہے لیکن یہ حالت بیان دنیا میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے کسی قوم پر ایمان یا کفر کے لیے جبر نہیں کیا بلکہ جو کچھ جسے چاہا وہ کما یا یعنی قدرت نے اُس میں پیدا کر دیا پھر انجام یہ کہ قیامت کے روز جب دوبارہ زندہ ہونگے تو یہ قدرت جس سے غلط کیا تھا وہاں دوسری شان سے ظاہر ہوگی تو یہ لوگ بخوبی سمجھ جاویں گے کہ بادشاہت یعنی قدرت و قوت سب اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے ہے مسئلہ دوم (رکلا) کے معنی کئی وجہ سے بیان ہوئے (ایک) یہ کہ جھڑکی ہو ایسے انسان کو جسے طغیان سے نعمت الہی سے انکار کیا (دوم) مقابل نے یہ معنی لیے کہ کلا ان الانسان الذی کچھ نہیں انسان یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اسکو علقہ سے پیدا کر کے علم دیا بلکہ جب اللہ تعالیٰ اسکو پوری قوت کا جو ان اور مالدار کر دیا تو طغیان و تکبر کرنے لگا اور دنیا کی محبت میں غرق ہو کر بے فکر و عاقل ہو گیا (سوم) جبر جانیؒ نے کہا کہ کلا یعنی (حقاً) یہ کیونکہ رد اور جھڑکی بیان اول یا آخر نہیں بنتی ہے مسئلہ سوم طغیان کے معنی تکبر و تمرد ہو اور تحقیق مقام یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اول سورہ میں توحید و قدرت و حکمت ایسی طرح بیان کی کہ بندہ آگاہ ہو کہ اس سے منحرف ہو کر دنیاوی محبت میں گمراہ نہیں ہو سکتا جبکہ اس میں کچھ بہتری ہو پس جب ابوجہل اس کے ساتھیوں نے عزت دنیا

حاصل یہ کہ انسان مغرور نے اپنے آپ کو رب عزوجل سے مستغنی جانا تو طغیان کرنے لگا بعض نے کہا کہ یہاں مستغنی بذریعہ اپنے کنبہ و دودھ کا رد اموال کے ہو مقاتل و کلبی نے کہا کہ ابو جہل جب زیادہ مال پاتا تو سواری و کھانے و خدام میں زیادتی کرتا تھا یہ بھی طغیان تھا رازیؒ نے لکھا کہ ابتداء سے سورہ میں علم کی تعریف ہو اور آخر سورہ میں مال کی مذمت ہو تو دونوں میں فرق سمجھنا لینا چاہیے (السراج) میں کہتا ہوں کہ رازی کے افادات آئندہ آتے ہیں اما ہم اس کثیر لکھا کہ اللہ تعالیٰ ان آیات میں آگاہ فرماتا ہو کہ انسان کی یہ کیفیت ہو کہ جب وہ دیکھتا ہو کہ اسکا مال بہت ہو گیا تو فرحت اور شرارت و حرص و رعونت و تکبر میں پڑ جاتا ہو پھر اللہ تعالیٰ نے اُسکو عذاب کی دھمکی دہی اور نصیحت فرمائی بقولہ - اِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْوَجْعُ الْبَیْتِ تَبْرَے رب کی طرف لوٹنا ہو ف یعنی انسان یہاں کیوں غافل و مغرور ہو آخر چند روز کے بعد اللہ تعالیٰ ہی کی طرف اسکا مرجع ہو اور وہ تجھے اس مال کا حساب لیگا کہ تو نے کہاں سے جمع کیا اور کس کام میں خرچ کیا قال ابن ابی حاتم حدثنا زید بن اسمعیل الصائغ حدثنا جعفر بن عون حدثنا ابو نمیس عن عون قال الخ یعنی عونؒ نے کہا کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ دو چیزیں ہیں کہ کبھی سیر نہیں ہوتے ایک صاحب علم اور دوم صاحب دنیا اور آگاہ رہو کہ یہ دونوں یکساں نہیں ہیں چنانچہ صاحب علم (علم کی طلب و جستجو کرنے والا) تو وہ حضرة الرحمن عزوجل کی رضا مندی زیادہ حاصل کرتا ہو یا دنیا والا تو طغیان میں پڑ جاتا ہو پھر عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی ان الانسان لیطغی ان راہ استغنی - یعنی دینا چاہنے والے کے لیے یہ نتیجہ ہو اور اللہ تعالیٰ نے صاحب علم کے حق میں فرمایا - انا نخشی اللہ من عبادہ العلماء - یعنی اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے وہی اُس سے ڈرتے ہیں جو عالم ہیں - ۷۰ - یعنی اُسکی شان کبریائی پہچانتے ہیں مترجم کہتا ہو کہ اس قسم کے بندے عارف عالم ہیں - ابن کثیرؒ نے کہا کہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہو کہ دو چیزیں سیر نہیں ہوتے طالب علم اور طالب دنیا کافی الصحیح (تفسیر ابن کثیر رحمہما) اما ہم رازیؒ نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ کلا ان الانسان لیطغی ان راہ استغنی - اس آیت کی تفسیر میں سمجھنے کے لیے مسائل ہیں مسئلہ اول اکثر مفسرین کے نزدیک اس آیت میں الانسان سے خاص ایک انسان محمود مراد ہو وہ ابو جہل ہو پھر ان مفسرین میں سے بعض نے کہا کہ یہاں سے آخر سورہ تک ابو جہل کی مذمت میں نزول ہوا اور بعض نے کہا بلکہ ارایت الذی ینہی - سے آخر تک ابو جہل کی مذمت ہو - ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پڑھتے تھے یعنی مسجد الحرام میں نماز پڑھتے تھے اتنے میں ابو جہل عین آیا اور کہنے لگا کہ کیا میں نے تجھے اس کام سے منع نہیں کر دیا تھا - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غضبناک ہو کر اُسکو جھڑکا تو ابو جہل عین کہنے لگا کہ اے محمد تم خوب جانتے ہو کہ اس دادی میں میری چو پال دالے سب سے زیادہ ہیں پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا فلیدرع ناد یہ الخ - ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہ وہ اللہ اگر وہ مردود اپنی چو پال والوں کو بکارتا تو زبانہ ملا کہ اُسکو گرفتار کر لیتے رازیؒ نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اُس کو ہوشیار کر دیا کہ وہ خون حیض کے علق سے مخلوق ہو تو جان لیتا کہ اُسکو تکبر کسی طرح لائق نہیں ہو لیکن اُس نامعقول نے اس حالت میں اپنے مال و ریاست پر گھنڈ کیا چنانچہ کہتے ہیں کہ ابو جہل نے کہا کہ کے میں مجھے بڑھکا اکر کوئی نہیں ہو - گویا جب اُس نے اُسنا کہ ربک الاکرم - نازل ہوا ہو تو اُس کے مقابلے میں اُس لعین نے اپنے آپ کو اکرم کہا مترجم کہتا ہے کہ جن مفسرین نے الانسان سے ابو جہل مراد لیا تو اس میں یہ تردد ہو کہ اوپر الانسان سے جنس مراد ہو دلیل ان کے کہ علق جمع علقہ سے اُنکی پیدائش

تَادِيَهُمْ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۖ كَلَّا لَا تَطِيعُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝
 اپنی مجلس کو ہم بلائے ہیں پیادے سیاست کر نیکو کوئی نہیں زبان اسکا کہا اور سجدہ کر اور نزدیک ہو
 واضح ہو کہ اول پانچ آیت کے مدت بعد یہ آیات نازل ہوئیں چنانچہ آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ معلوم ہوگا اور اس میں ایک لطیفہ ہے
 کہ اول آیات میں سب سے اشرف خلق محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کمال معرفت سے رحمت ہو اور ان آیات میں بدرت خلق جو اس بہت کا
 فرعون تھا یعنی البوجہل کی مذمت اور اس پر غضب ہو اور آخری آیت میں اس شیطانی لعین کو مقہور کر کے رحمۃ اللعالمین محمد صلی اللہ علیہ
 وسلم کو غالب فرمایا قال تعالیٰ۔ کَلَّا اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهِٖ لَكٰٓفٍۭ اِلْطٰغٰی اِنَّ رَاٰ اَسْتَغْنٰی کچھ نہیں ہی بات ہو کہ انسان ضرور کشتی
 میں بڑھ چلتا ہو کیونکہ اُسے اپنے آپکو مستغنی دیکھا خطیب غزالی نے لکھا کہ کَلَّا ایسے بدکار کے واسطے جھڑکی ہے
 جسے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے کفر کیا۔ اگر کو کہ اوپر ایسے شخص کا کچھ ذکر نہیں ہو (جواب) ذکر تو سمجھنے کے لیے ہوتا ہو اور یہاں
 خود سمجھا جاتا ہو تو ذکر کی حاجت نہیں رہی اس لیے کہ اوپر کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کا ذکر کیا اور یہ نعمتیں سب اکمل
 بزرگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس امت پر ہیں اور سابق رسولوں کے ذریعہ سے انکی امتوں پر نازل ہوئیں ولیکن
 ہمیشہ کفار موجود رہے جیسے رسول اللہ صلعم سے قریش وغیرہ قیامت کے کفار تکبر میں اور اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہو تو خود معلوم
 ہو کہ کفران نعمت کرنے والے وہی مالدار ہیں جو اپنے خام خیال میں اپنے آپکو مستغنی سمجھتے ہیں۔ یہ سب ایسی صورت میں کہ (کَلَّا) کے
 دونوں معنی میں سے (جھڑکی) مراد ہو اور بعض نے کہا کہ کَلَّا بمعنی (حقا) ہو یعنی حقا کہ انسان طغیان کرتا ہو اس لیے کہ اُسے اپنے
 آپکو مستغنی دیکھا یہ قول کسائی کو اُس کے تابعین کا ہو اس دلیل سے کہ (کَلَّا) سے پہلے یا پیچھے ایسی کوئی چیز نہیں ہے جس سے
 جھڑکی کے معنی بنتے ہوں اور اُسکا رد ہو سکے تو (حقا) کے معنی ٹھیک ہیں جیسے قولہ کَلَّا والقمر الخ میں ہو البوحیان رحم نے
 کہا کہ یہاں (کَلَّا) بمعنی الہ ہو جو کلام شروع کرنے میں لاتے ہیں ابن ہشام نے کہا کہ یہی قول ٹھیک ہو اس لیے کہ یہاں (کَلَّا)
 کے بعد (ان الانسان) بکسر ہے یعنی اسکے بعد جملہ ہوگا جیسے (الَّا) حرف تنبیہ کے بعد سمجھا جاتا ہو جیسے قولہ تعالیٰ الا انہم
 ہم المفسدون۔ اور اگر (کَلَّا) بمعنی حقا ہوتا تو اسکے بعد (ان) مکتور نہ ہوتا کیونکہ وہ منقطع مفرد ہو کو اشیاء کے حاشیہ میں ہو کہ (کَلَّا)
 میں تنبیہ اور جھڑکی دونوں جائز ہیں پس اگر تنبیہ ہو تو اس سے پہلے وقف ہوگا اور اگر جھڑکی ہو تو وقف نہیں ہو خطیب نے
 اشارہ کیا کہ (لیطغی) مضارع ہو اور (استغنی) ماضی ہو تو مضارع تجدد کے لیے یعنی وقتاً فوقتاً ایسا کیا کرتا ہو۔ خلاصہ یہ کہ
 جس نفس مگر او جاہل نے اپنے آپکو بے پروا مستغنی سمجھ لیا تو اسکے بعد اُسکی حالت یہ ہو جاتی ہو کہ طغیان کیا کرتا ہو۔ طغیان سے
 یہ غرض کہ اپنے رب جل جلالہ سے تکبر کرتا اور اُسے بندگی کے لیے جو حد مقرر فرمائی ہو اُس سے باہر ہو جاتا ہو۔ کہا گیا کہ (الانسان) سے
 یہاں اور اسکے مابعد آخر سورہ تک البوجہل مراد ہو (قولہ) ان راہ ضمیر انسان مذکور کی طرف ہو اور یہاں (ان رای نفسه) نہیں فرمایا
 جیسے کہتے ہیں کہ (قتل نفسه) اُسے اپنے نفس کو مار ڈالا۔ حالانکہ مراد یہی ہو کہ انسان نے اپنے آپکو مستغنی دیکھا فرماؤ گے کہ کہا کہ
 اسکی یہ وجہ ہو کہ (رای) ایسے افعال میں سے ہو کہ ہم و خبر پر وارد ہوتے ہیں جیسے (ظن) اور (حب) ہو تو ایک مفعول پر
 مقصور نہیں ہوتا اور نفس کو عرب اس جنس سے خارج کر دیتے ہیں جیسے (رائتی و حبستی) اور کہتے ہیں کہ متی نراک خارجا۔ اور متی
 لظنک خارجا۔ بعض نے کہا کہ (رای) یہاں رویت بمعنی علم ہو جیسے کہتے ہیں کہ میں نے اس مضمون کو صحیح دیکھا یعنی صحیح جاننا۔ اور

نے کہا کہ قلم تین بین اول وہ قلم جو اللہ تعالیٰ نے دست قدرت سے پیدا کیا تھا اور حکم دیا کہ لوح محفوظ میں لکھے دوم قلم ملائکہ جس سے مقادیر و حوادث لکھتے ہیں سوم بیاقلام جو لوگوں کے پاس ہیں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی عورتوں کو بالا خانہ پر مست بٹھاؤ اور انکو لکھنا مست سکھاؤ مترجم کہتا ہے کہ اسکی اسناد میں ضعف ہو اور سورہ دور کی تفسیر میں اسکا ذکر ہو چکا ہو ولیکن اگر حدیث نہ ہو تو بھی کسی بزرگ کا قول ہو بعض علما نے کہا کہ عرفہ بالا خانہ میں بٹھانے سے اسلئے مانعت ہو کہ وہاں سے ہر قسم کے مردوں کو دیکھنی لگی اور عورت کا قیام کمزور ہوتا ہے جان اسنے کسی مرغوب مرد کو دیکھا اور شیطان جو دشمن ہے اسنے دل میں جذب رچا یا تو اپنے نفس پر قابو نہیں رکھ سکتی ہے اور یہ بات اسکی حفاظت کے خلاف ہے اور اسین فتنہ عظیم ہے مترجم کہتا ہے کہ بے صبری عورت کی جبلت معلوم ہے اور خوب یاد رکھو کہ شیطان کو سلمہ عورت کے واسطے فکر فتنہ ہے ہر خلاف کا فرد و مشرکہ عورتوں کے کہ یہ خود جنبی برباد ہیں باوجود اسکے کبھی نہ دیکھا گیا کہ مطلق العنان عورتیں پاکدامن ہوں و لیکن ہر طرف سے انگاہی آسودہ ہے کہ خود بخاری میں جسکے ساتھ چاہیں ملوث ہو سکتی ہیں مگر تقویٰ و طہارت برباد ہو جانے کے بعد یہ آسودگی حاصل ہوتی ہے اسلیط اگر عورت کو لکھنا معلوم ہے تو وہ مرد کو فتنہ میں پھنسانے کے لیے دام فریب اپنے ہاتھ میں رکھتی ہے اور یہ زبانی گفتگو سے بھی سخت فتنہ ہے اسی جہت سے مانعت کا اہتمام کیا گیا مترجم کہتا ہے کہ یہ باتیں بر ملا ظاہر ہیں ولیکن اس نے مانہ میں بہت سے کور باطن ایسے ہیں جو دین سے خارج اور شہوات میں منہمک ہو کر شراب کی ٹرنگ میں قوم کو بہکاتے ہیں کہ عورتوں کا باہر نکلتا اور کالجوں میں ہر قسم کی تعلیم کرنا عین انسانیت ہے جس سے دنیا میں ایسے عمدہ سامان جمع کوئے قبر میں لیجاوینگے جو وہاں سراسر تقویٰ و نور ہوگا اور دنیا میں انکے ورثہ باقیہ کے واسطے عجائزہ الوقت انکی نیکنامی کے ذکر سے سرور ہوگا نفوذ باللہ من شہرہ الفساد من سیات اعمالنا۔ حق یہ ہے کہ دنیا میں ایسی عورتوں سے بعض ذرائع معاش کے حاصل ہوتے ہیں ولیکن دین برباد کر کے دنیا کے ملعونہ حاصل کرنا بے ایمانی ہے اللہ سبحانہ تعالیٰ ہے ہو الموفق للخیر لعباد والمسلمین والحمد للہ رب العالمین رازمی نے کہا کہ سبحان اللہ کیسا قادر کریم ہے کہ اُسے سیاہی سے دین کو روشن کر دیا جیسے سیاہی سے تجھے بینا کر دیا پس قلم سے انسان کا قیام ہے اور انسان سے آنکھ قائم ہے اور یہ تم کبھی مت کہو کہ قلم زبان کا نائب ہے بلکہ یوں کہو کہ قلم میں یہ بھی صفت ہے کہ زبان کا کام دے اور زبان میں یہ قدرت نہیں کہ قلم کا کام دے۔ فلیتذکر الحمد والمنہ

کَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَّاظٍ ۚ إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الرُّجْعُ ۚ أَرَأَيْتَ ۚ

کوئی نہیں آدمی سرچڑھتا ہے اس سے کہ دیکھے آپ کو محفوظ جب تک میرے رب کی طرف پھر جانا ہو تو نے دیکھا

الَّذِي يَتَّبِعُ ۚ عَبْدًا إِذَا صَلَّٰۙ أَرَأَيْتَ ۚ إِنْ كَانَ عَلَى الْهُدَىٰ ۚ أَوْ أَمَرَ

جو پیروں سے کرتا ہے ایک بندے کو جب نماز کرے جھلا کہے تو اگر ہوتا نیک راہ پر باسکھاتا

بِالتَّقْوَىٰ ۚ أَرَأَيْتَ ۚ إِنْ كُنَّا نَكُفِّرُ ۚ بَلَاءًا ۚ أَوْ كُنَّا نَعْلَمُ ۚ بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ ۚ كَلَّا

تو کے کام دیکھ تو اگر جھٹلایا اور منہ موڑا یہ نہ جانتا کہ اللہ دیکھتا ہے کوئی نہیں

لَئِنْ كُنَّا نَسْتَفْهِيًا بِالنَّاصِيَةِ ۚ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِيَةٍ ۚ فَلْيَكُنْ

اگر باز نہ آوے گا ہم گھسیٹیں گے جو ٹی پکڑ کر کسی جوئی گنہگار اب بلا دے

کے واسطے ہے یعنی اسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور یہاں دوسرا حکم واسطے ادا ہے رسالت کے ہی فیجی رسالت الہیہ ادا کر نیکی
 لیے لوگوں کو سنانے کو پڑھ یا اول نماز میں پڑھنے کا حکم ہے اور دوسرا نماز سے باہر ہے مگر حکم کہتا ہے کہ اس بیان میں تردید ہے
 کہ اقوال نازل ہونے کے وقت ادا ہے رسالت کا حکم نہیں ہوا تھا حتیٰ کہ ورقہ بن نوفل نے تبلیغ کا وقت نہیں پایا بلکہ دو برس چھ
 مہینے کے بعد انداز کا حکم اُترا بقولہ تعالیٰ یا ایہا المدثر قم فانذر آلایہ اور اس وقت میں نماز بھی مفروض تھی مگر آنکہ بعض نے کہا کہ اسی وقت
 جبریلؑ نے پہاڑ سے اُتر کر وادی میں خانہ کعبہ کے پاس اس سے نماز پڑھائی واللہ اعلم رازیؒ نے کہا کہ اگر مشتق از کرم ہے
 اور کرم کے معنی یہ کہ کسی کو جو چیز دینی چاہیے وہ دے بدون کسی عوض کے۔ لہذا اگر کسی طفل کو چھری دے جس سے وہ اپنے
 آپکو زخمی کرے تو یہ کرم ہوا اور اگر کسی کو روپیہ دیکر عوض چاہا تو کرم نہیں ہے اور یہ ضرور نہیں کہ عوض مال عین ہو بلکہ اگر کسی سے
 مداح و ثواب کی غرض ہو یا مذمت سے چھوٹنے کی غرض ہو تو بھی کرم نہیں ہے اور اسی سے ہمارے اصحاب یعنی اہل الحق نے کہا کہ اللہ تعالیٰ
 تمام مخلوقات کے ساتھ یا جو کچھ کرتا ہے اسکی غرض نہیں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا کوئی کام کسی غرض سے نہیں ہو سکتا اور عقلاً بھی یہ محال
 ہے اسلیئے کہ جب اسکی غرض ہو تو حاصل ہونا مقصود اور ادنیٰ ہو تو کمالات میں اس کے حاصل ہونیکا نقص ہوا اور یہ محال ہے کہ کسب
 خطیب وغیرہ نے کہا کہ رب عزوجل اکرم ہے یعنی مطلقاً ہر کرم سے بہت زائد کرم والا ہے یعنی مخلوق کے قلب میں اس کے سمجھنے کی
 طاقت نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں شمار میں نہیں آسکتی ہیں پھر بھی بندوں سے علم فرماتا ہے فی الفور عقوبت نہیں کرتا ہے باوجودیکہ مخلوق
 اس سے کفر کرتے ہیں اور اسکی نعمتوں سے منکر ہوتے ہیں اور احکام نہیں بجا لاتے پھر وہ انکی توبہ قبول کرتا اور انکے گناہوں سے
 تجاوز فرماتا پس اس کے کرم کی انتہا نہیں ہے اور آیت میں دلالت ہے کہ فَوَاضِلُ عَلَیْہِ سَکَرَمٌ عَظِیْمٌ نُّوْنٌ مِّنْ اَسِیْوَاسِطَہٗ فَرَمَیَا۔ الَّذِی
 عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ جِنِّ تَعْلِیْمِ دِی قَلَمِ کے ساتھ۔ انسان کو وہ سکھلایا جو وہ نہیں
 جانتا تھا ف یعنی رب اکرم وہ ہے جس نے انسان کو قلم سے علم دیا اور جو وہ نہ جانتا تھا وہ سکھلایا۔ قنادہؒ نے کہا کہ قلم اللہ تعالیٰ
 کی نعمت عظیم ہے اگر یہ نہ ہوتا تو دین کا قیام نہ ہوتا اور نہ زندگی میں صلاحیت ہوتی۔ مثلاً قرآن مجید وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 سے لکھا گیا اور آخر زمانہ فالون کو پہونچا اور سابقین کے احوال عبرت قلم سے لکھے گئے۔ کہتے ہیں کہ آدمؑ نے خط لکھا اور اکثر
 کے خیال میں اول ادریسؑ نے لکھا ہے واللہ اعلم خطیبؒ نے لکھا کہ اس میں تنبیہ ہے کہ لکھنا فضیلت رکھتا ہے اور اس کے فوائد عظیم
 ہیں اگر یہ نہ ہوتا تو علوم جمع نہ ہوتے اور حکمتیں منضبط نہ ہونے پاتیں اور اگلوں کے اخبار و حالات معلوم نہ ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی
 کتب لکھی نہ جاتیں تو دین و دنیا کے کام بدون اس کے ضبط ہو جاتے اور بعض نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے دلائل قدرت و حکمت میں
 سے فقط یہی قلم و خط ہوتا تو کافی تھا روایت ہے کہ عبد اللہ بن عمر بن العاصؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ جو احادیث میں آپؐ سے
 سنا ہوں کیا انکو لکھ لیا کروں آپؐ نے فرمایا کہ ہاں لکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے قلم سے علم دیا ہے یعنی یہ آیت پڑھی اقول یہ حدیث
 سینین میں ثابت ہے خطیبؒ نے لکھا کہ روایت کیا جاتا ہے کہ سلیمانؑ نے ایک کفریت سے کلام کا ذکر کیا اس نے کہا کہ وہ ایک ہوا ہے
 باقی نہیں رہتا آپؐ نے فرمایا کہ اچھا کس طرح وہ مقید باقی رہے اس نے کہا کہ لکھنے سے باقی رہتا ہے حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ
 اللہ تعالیٰ نے چار چیزیں دست قدرت سے بنائیں قلم و عرش و جنت عدن و آدمؑ پھر باقی چیزوں کے واسطے فرمایا کہ ہو جاؤ پس سب
 موجود ہو گئیں۔ کتب حبارؒ نے کہا کہ قلم سے اول آدم علیہ السلام نے لکھا۔ صحا کہ نے کہا کہ ادریس علیہ السلام نے اول لکھا قرطبیؒ

جو چاہا وہ انکی کمائی ملی یعنی اللہ تعالیٰ نے اسین پیدا کر دیا بشرطیکہ اسین اللہ تعالیٰ کی حکمت ہو اور اگر خلاف حکمت ہو تو نہیں پیدا کیا جاتا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہے وہ ہی اپنی مخلوقات کی تدبیر سر مانتا ہے اور سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی خالق نہیں ہے (فائدہ) رازیؒ نے کہا کہ مستحکمین سب متفق ہیں کہ سب سے پہلے بندوں پر واجب ہو کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت حاصل کریں یا اسین نظر کریں یا نظر کا قصد کریں پھر حق تعالیٰ حکیم ہے جب اُسے رسول اللہ صلعم کو دیا تو اگر یہ ارشاد ہوتا کہ اقرأ باسم ربک الذی لا شریک لہ۔ یعنی اپنے رب کے نام سے پڑھ جسکا کوئی شریک نہیں ہے۔ تو یہ سنتے ہی مشرکین جل جاتے اور بات ہی نہ سنتے بلکہ حکمت کے ساتھ ایسی صفت بیان کی جس سے لاچار ہو کر آخر ہی اقرار کریں جیسے نقل ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے اہل حق کے مذہب کو ظاہر کرنے کے لیے اپنے شاگرد زفر رحمہ اللہ کو البصر بجا جان معترکہ وغیرہ گمراہ مذہب کے لوگ تھے زفرؒ نے اول ہی سے ابو حنیفہؒ کا نام لے لیا تو ان لوگوں نے تعصب سے جل کر کچھ التفات نہ کیا۔ زفرؒ نے وہیں احوال بیان کیا امام رحم نے کہا کہ او عزیز یہ کام حلا کے واسطے ہر تم واپس جاؤ دین حق کا پیغام پہنچانے کا یہ طریقہ ہے کہ پہلے انکی دلیلین سنو اور ان دلیلون میں جہان غلطی ہو اُس سے انکو آگاہ کرو اور لامحالہ گمراہی کے اقوال جو انکے پاس ہیں سب غلط ہیں تو انکی غلطی بیان کرتے جاؤ جب وہ لاچار ہوں تو اُن سے کہو کہ یہاں ایک قول دیگر ہے پھر اس قول حق کے دلائل و حجت بیان کرو یعنی احادیث و آیات سے اور طریقت سلف صالحین سے اُن پر حجت قائم کرو جس سے قول حق ظاہر ہوتا ہے اور جو کچھ اُنکے حسبہات ہوں اُنکو رو کر وجب اُنکے دل میں جم جاوے کہ ہاں یہ حق ہے نہ کہ اگر دریافت کریں تو کہو کہ یہ ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔ چنانچہ اس عاقلانہ حکمت کے طریقہ سے بہت سے اہل بصرہ نے دین حق قبول کیا اسی طرح آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اقرأ باسم ربک الذی خلق المرءینے یہ لوگ بت پرست ہیں اگر اول سے اللہ تعالیٰ کی صفت وحدہ لاشریک بیان کی جاوے تو منکر ہو کر بات نہیں سننے بلکہ اول یہ ذکر کر کہ وہ لوگ لطفہ وعلقہ سے پیدا کیے گئے ہیں۔ اس بات سے وہ منکر نہیں ہو سکتے ہیں پھر پیدا کرنے والا ضرور ہے اور مشرکین اسکو اپنے بتوں کی طرف نسبت نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ خوب جانتے ہیں کہ بتوں کی صورت خود ہم نے اپنی جوانی میں کھود کر بنائی ہے تو اس طریقے سے انکو عقل آدگی کہ اللہ تعالیٰ ہی قابل تعریف والوہیت ہے اور قرآن میں مصحح ہے کہ اگر تو ان لوگوں سے پوچھو کہ تم کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہی جواب دینگے کہ اُنکو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ پھر جب یہ یقین آگیا کہ الوہیت اسی بات میں ہے کہ خالق ضرور ہو تو پھر یہ یقین ضرور آجا کہ جسین پیدا کرنے کی قدرت نہیں کہ وہ الوہیت والا نہیں ہو سکتا لہذا فرمایا۔ انم یخلق لکن الخلق بھلا کیا وہ جو پیدا کرتا ہے ایسے کے مثل ہوگا جو پیدا نہیں کر سکتا۔۔۔ (کبیر) ابو السعودؒ نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے خلق الانسان کو بیان کیا جس سے اسکی کمال قدرت و حکمت ظاہر ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے دلیل حاصل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ ہی وحی کی قرارت پر قدرت عطا فرمائے والا ہے لہذا اکر حکم دیا بقولہ تعالیٰ۔ اَقْرَأْ وَرَبُّکَ الْکَرِہُ۔ پڑھ اور تیرا پروردگار کرم ہونے نہایت کرم والا ہے اُس سے بڑھ کر کرم خیر ممکن ہے پس اقرأ سے مراد یہ کہ جو کچھ اول حکم دیا گیا تھا اسکو بلاؤ خصوص اس حال میں کہ تیرا رب اکرم ہے لہذا اول عذر قبول کیا یعنی جو آنحضرت صلعم نے عرض کیا تھا کہ میں قاری نہیں ہوں یعنی قاری ہونا تو ایسے شخص کی شان ہو ا کرتی ہے جو لکھتا ہے اور میں امی ہوں تو ارشاد ہوا کہ جس رب عزوجل نے مجھے یہ حکم دیا وہ اکرم ہے (ابو السعود رحمہ) اور یہ ابو السعود رحمہ نے بیضاویؒ سے لیا ہے۔ صرح بہ الخطیبؒ۔ رازیؒ نے کہا کہ بعض کے نزدیک اول اقرأ باسم ربک اپنی ذات

اصل مقصود ہی اور باقی مخلوقات تیرا طفیل ہی لیکن یہ وہم نہ کہ خلق کرنا کسی دوسرے سے ممکن ہو لہذا آئندہ فرمایا۔ **خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ** ف پیدا کیا انسان کو علق سے ف علق کا واحد علقہ ہے بمعنی جڑ ہوا خون یعنی خون کا تھکنا لطفہ رحم میں خون کے ساتھ علقہ ہو جاتا ہے حالانکہ وہی خون بدون لطفہ کے حیض سے خارج ہونے کے لائق ہوتا ہے پس عجب شان کبریائی ہے کہ صاف ہو کر بچہ پیدا ہونے میں کام آتا ہے رازیؒ نے کہا کہ اس آیت کی تفسیر میں تین طریقے ہیں اول یہ کہ الذی خلق۔ کا مفعول مقدر نہو بلکہ الذی خلق یعنی جس رب کی شان یہ ہے کہ خلق کرنا ہر اس کے سوا کوئی خالق نہیں ہے تو یہ آیت دوسری صفت تحقیق ہے یعنی پیدا کرنا اُس کی شان تھی پھر اُس نے اس صفت کے موافق ایجاد کیا۔ خلق الانسان من علق جنس انسان کو علق سے پیدا کر دیا اقول چونکہ الانسان سے یہ تمام جنس مراد ہے اس لیے علق بھی جنس ہے گویا ہر انسان کو ایک علقہ سے پیدا کیا۔ یہ تقریر اس صورت میں کہ الذی خلق۔ کا مفعول مقدر نہو وہم یہ کہ مفعول مقدر ہو یعنی جیسے کہ آیت لفظی کہا کہ الذی خلق اور المخلوق۔ یعنی جسے ہر چیز کو پیدا کیا۔ کیونکہ خاص کسی چیز کا نام نہیں ہو سکتا اس لیے کہ کلام مطلق ہے تو کسی خاص کی اولیت نہیں ہے جیسے اللہ اکبر۔ یعنی اکبر ہر چیز سے پس معنی یہ کہ تیرے رب نے ہر چیز کو پیدا کیا ہر چیز میں سے انسان کو خاص کر اس لیے بیان کیا کہ وہ روئے زمین کے مخلوقات میں سب اشرف ہو اور روحی الہی اس کی معرفت کے لیے ہر طریقہ سووم یہ کہ الذی خلق۔ مبہم ہو یعنی الذی خلق الانسان۔ چنانچہ آئندہ اُس کی تفسیر میں فرمایا۔ خلق الانسان من علق۔ اس طریقے سے انسانی پیدائش کی بزرگی ظاہر فرمائی اور مبہم رکھنے کا یہی فائدہ ہوتا ہے کہ پہلے ذہن اُس طرف خوب متوجہ ہو اور خود غور کرنے کے لیے آمادہ ہو پھر جب آگے اُس کی تفسیر کی جاوے تو ذہن میں اچھی طرح آجاتا ہے اور بیان مقصود یہ کہ انسان کی عجیب خلقت و صنعت میں غور کیا جاوے (فائدہ) رازی رحم نے کہا کہ اہل حق نے اس آیت سے حجت لی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق نہیں ہے دلیل کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اقرا باسم ربک۔ اپنے رب کے نام سے پڑھ۔ پھر رب کی صفت میں فرمایا۔ الذی خلق خلق الانسان من علق۔ جسے پیدا کیا انسان کو پیدا کیا علق سے۔ یہ کلام صفت رب ہے اور یہ بات معلوم کہ مشرکین بھی اپنے واسطے رب بناتے ہیں بلکہ ارباب یعنی بہت سے رب بناتے ہیں تو بیان اللہ تعالیٰ کی معرفت دنیا منظور ہے جس سے کافروں کے ارباب خارج ہوں تو اس کے واسطے۔ الذی خلق الہم سے ایسی صفت خاص بیان فرمائی کہ ذات حق غرور جل خالص ممتاز ہو گئی اور مشرکین کے ارباب خارج ہو گئے۔ اور جس صفت کی ایسی شان ہو تو محال ہے کہ اُس میں کسی طرح کی شرکت باقی رہے تو سوا اے اللہ تعالیٰ کے کسی میں خالق ہونے کی صفت نہیں ہے اور اس سے ہم نے پہچان لیا کہ الوہیت کا خاصہ یہ ہے کہ ایجاد کی قدرت ہو اس واسطے تم دیکھتے ہو کہ جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ مارب العالمین یعنی رب العالمین کی خاص معرفت کیا ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ اس سے کہا کہ الذی خلقکم الہم یعنی جسے تم کو پیدا کیا اور اگلوں کی جبلت کو پیدا کیا۔ اور ایک مرتبہ فرمایا کہ تمہارا اور تمہارے سابقین کا رب ہے۔ رب ہونا خالق ہونے کے ساتھ ہی اور اس واسطے مشرکین کو سے فرمایا۔ یا ایہا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم۔ اے لوگو! وحدا نیست عبادت کرو اپنے رب کی جسے تم کو پیدا کیا تمہارے اوستا کو متعز و غیرہ جہالت سے یہ زعم کرتے ہیں کہ بندہ اپنے کام کا خود پیدا کرنے والا ہے تو بعضے کام جس کا سامان پورا میسر ہو گیا وہ اُس نے پیدا کر لیا اور بعض میں کچھ نقص رہا تو وہ پیدا نہ ہو سکا۔ ہم کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے جہالت کی اور حق یہ ہے کہ ان ہندوؤں نے

مباح ہی لیکن اس فعل سے طاعت ہو جاتا ہو (محصل کبیر) اور مترجم کہتا ہو کہ اسلام یہ ہو کہ ہمہ تن رب عزوجل کے واسطے گردن جھکا دے تو ایما نذر کا کوئی فعل اس کے اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ نوم العالم عبادۃ۔ عالم کا سونا بھی عبادت ہی یہ مقولہ مشہور ہو اور صحابہ رضی اللہ عنہم اسی مرتبہ میں تھے عارفین اس معنی کو پہچانتے ہیں کیا نہیں جانتے کہ حدیث میں سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یہاں تک کہ توجہ لقمہ اپنی جود کے منہ میں دیکھا اسکا بھی ثواب پاؤں گا اور حدیث میں صحابہ رضی اللہ عنہ سے زوجہ کے ساتھ ہمہ تن کا ثواب فرمایا تو انھوں نے خوشی و تعجب سے عرض کیا کہ کیا ہم کو شہوت رانی میں ثواب ہو فرمایا کہ اگر حرام زنا کرتا تو عذاب ہوتا عرض کیا گیا کہ ضرور عذاب ہوتا۔ فرمایا کہ پھر حلال میں ثواب ہو رازیؒ نے کہا کہ آیت میں دلالت ہو کہ ہر سورہ کی ابتدا میں بسم اللہ پڑھنا واجب ہو جیسے نازل ہوا تو جس عالم نے اسکو واجب نہ جانا اسکا قول رد ہو گیا مترجم کہتا ہو کہ امام شافعی و ایک جماعت کے نزدیک واجب ہو اور امام ابو حنیفہ۔ ایک جماعت کے نزدیک واجب نہیں ہو اور فقہ کی کتابوں میں ہر ایک کے دلائل مذکور ہیں ولیکن مختصری شرح قدوری میں لکھا کہ سورہ الحمد کے اول میں بسم اللہ پڑھ لینا احتیاطی واجب ہو اور اسکو شیخ ابن الہمام رحمہ نے ترجیح دی اور مترجم نے عین الہدایہ اردو و شرح ہدایہ میں مفصل بیان کیا ہو اب میں کہتا ہوں کہ بیان آیت سے جو امام رازیؒ نے بسم کا وجوب نکالا تو یہ دلیل ضعیف بلکہ عکس ہو اسلیے کہ اس سورہ کے اول میں بسم اللہ الرحمن الرحیم موجود ہو اور کسی روایت میں نہیں آیا کہ جبریلؑ نے پہلے بسم پڑھائی ہو بلکہ جمیع روایات میں اقرار باسم ربک سے پڑھایا تو ظاہر دلیل یہ ہو کہ بسم واجب نہیں ہو ورنہ کیونکر ترک کرتے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازوں میں آواز جبر سے بسم پڑھنا ثبوت نہیں ہوا پھر اگر بسم جزو ہوتا تو کیونکر نام سورہ میں سے ایک آیت خفیہ اور بانی جبر سے پڑھنے بہر حال لازم یہ ہے کہ بسم خفیہ پڑھے۔ پھر امام رازیؒ نے افادہ فرمایا کہ اقرار باسم ربک میں بجائے باسم اللہ کے (ربک) فرمانے میں دو فوائد ہیں (اول) کہ ہم نے تجھے ربوبیت سے تربیت فرمایا تو حق ادا کرنا لازم ہو (دوم) جبکہ شروع کیا جاوے تو پورا کرنا لازم ہو ہاں مترجم کہتا ہو کہ جیسے خفیہ کا قول ہو کہ کوئی عبادت نماز و روزہ و حج وغیرہ جب نفل ہو تو ابتداء میں ادا کرنا واجب نہ تھا ولیکن اگر شروع کی تو اتمام واجب ہو جاتا ہو پس شروع کرنا ملزم ہو کہ پورا کرے تو اللہ تعالیٰ (رحم الراحمین) ہو گویا فرمایا کہ جسے انسان کو علقہ سے پیدا کیا تو تجھے بھی اسطرح پیدا کیا تو جب تو علقہ تھا ہم نے صنایع چھوڑا اب ہماری قدرت سے تو مخلوق نفیس عارف موجد ہو گیا اب ہم کیوں تجھے صنایع چھوڑینگے۔ اور رحمت کاملہ تیرے ساتھ ازل سے متعلق ہو اسلئے واسطے (ربک) فرمایا یعنی رب کو تیری طرف مضاف کیا یعنی رب عزوجل ہی کمال رحمت سے خیر متوجہ ہو اور تیری طرف سے ہنوز کوئی خدمت و طاعت نہیں جسکی جانب وہم ہو۔ پھر دس برس بعد معراج میں عروج کے وقت نازل فرمایا سبحان الذی اسری بعبدہ۔ یعنی عید کو اپنی طرف مضاف کیا اور عبد محمد صلعم ہیں۔ اور اپنی ربوبیت کی تحقیق کے واسطے فرمایا۔ الذی خلق رازیؒ نے لکھا یعنی گویا یہ فرمایا کہ تو اپنی ذات و صفات میں معدوم تھا پھر موجود ہوا تو ضرورتاً خالق ہو جسے تربیت فرمائی جطیل نے لکھا کہ الذی خلق جیسے پیدا کیا۔ مد۔ یہ ذکر نہیں کہ کسکو پیدا کیا پس اگر کل شئی کہا جاوے تو معنی یہ کہ جسے ہر چیز کو پیدا کیا اور بغیر مقدر کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ خلق کرنا ایسی شان ہو اسکے سوائے پیدا کرنے والا کوئی نہیں ہو سکتا مترجم کہتا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خطاب فرمایا بقولہ ربک۔ اور رب کی صفت میں فرمایا۔ الذی خلق۔ تو اشارہ ہو کہ تجھ کو پیدا کیا۔ عموماً تیرا پیدا کرنا

ابتدائی آیات میں سورہ فاتحہ کے نظائر موجود ہیں مع براعہ الاستہلال کے کہ اول نزول وحی ہوا سمین قراءت کا حکم ہوا
اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع ہوا اور علم احکام کا اشارہ ہوا اور اسمین رب تبارک وتعالیٰ کی توحید ہوا اور ذات و صفات کلیان ہوا اور صفات
ذاتیہ کے ساتھ صفت فعل کا بیان ہوا یعنی جیسے خلق اور علم وغیرہ کیونکہ پیدا کرنا اور علم دینا وغیرہ افعال ہیں اور اسمین اصول
دین کا اشارہ ہوا قول حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے صریح آیا ہے کہ ابتدائیں امت کو معرفت ذات و صفات سکھانے
والی سورتیں نازل ہوئیں۔ اسم۔ اور اسمین خبر دینا بھی موجود ہے یعنی قولہ تعالیٰ علم الانسان لم یعلم۔ انسان کو وہ سکھایا جو نہیں
جانتا تھا۔ اسم۔ اس سے خبر دی کہ ہم نے انسان کو اس طرح مکرم کیا اس واسطے کہا گیا کہ اس سورہ مبارک کو عنوان القرآن سمجھنا
چاہیے کیونکہ عنوان اسی کا نام ہے کہ خلاصہ مضمون سرخی سے بیان کر کے آئندہ مفصل بیان ہو۔ یعنی جیسے کتابوں میں
پہلے سرخی سے لکھتے ہیں۔ باب در بیان توحید۔ پھر تفصیل کے ساتھ توحید بیان کرتے ہیں۔ ابوالسعود درجے کے کہا کہ اقرأ باسم ربک
میں (رب) نام لیا اور (ک) ضمیر خطاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے تو (رب) کے نام سے آگاہی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اپنے
حبیب پر شان ربوبیت سے متوجہ ہوتا کہ تربیت فرمائے جو آہستہ آہستہ ہوتی ہو اور شفقت و مرحمت سے اعلیٰ منزلت
کمال پر پہنچانا مقصود ہے اور بیان اللہ تعالیٰ کی جناب میں کوئی چیز مانع نہیں ہے تو ضرور کمال کو پہنچ جانا ضرور ہے اور جب
رب تبارک وتعالیٰ تربیت فرماتا ہے تو جسکی تربیت فرماتا ہے وہ اعلیٰ کمال کے لائق ہے لہذا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
بڑھ کر عالم میں کوئی عالم و کامل نہیں ہو سکتا جبکہ خود رب جل جلالہ نے علم و ادب سکھایا اور رب جل جلالہ کی شان اعلیٰ و جل ظاہر
ہو۔ **الَّذِي خَلَقَ**۔ جنے پیدا کیا۔ یہاں اول یہ صفت اسی مخاطب کو ہے یعنی تبارک و تعالیٰ وہ کہ جس نے مجھے
بنایا آپس گویا اصل پیدا کرنا اسی سبب حبیب مصطفیٰ کے لیے ہے اور باقی تمام عالم کی پیدائش تو خود ظاہر ہے اور اس سے یہ معرفت
عطا کی کہ پیدا کرنا خاص صفت رب عز وجل ہے تو آئندہ جسکو توفیق دی اُسے ہر چیز کو جو دنیا میں ظاہر ہو سمجھ جاوے گا کہ یہ
اللہ تعالیٰ نے پیدا کی خواہ ہو وہ کسی پر ایہ سے ظاہر ہو حتیٰ کہ اگر مارے ولی قصد سے ہمارے ہاتھ سے ظاہر ہو یا آسمان سے ظاہر ہو
بہر صورت یہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کی۔ بعضے جاہل جنکو توفیق نہیں ملتی وہ کہتے ہیں کہ پھر زنا و چوری و شراب و خوری وغیرہ کو کیا
کہتے ہو (جواب) ای نادان کسی فعل کا ایجاد کرنا اللہ تعالیٰ سے اُسکی قدرت و کمال ہے ولیکن تیری غلط نظر اپنے اوپر
اسطرح پڑتی ہے کہ اپنے آپ کو ایجاد کرنے والا سمجھا ولیکن سچی نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر یہ کام تیرے ہاتھوں سے پیدا کر دیا اور
جسمین یہ فعل ہوا وہ کمانے والا ہے اور وہی اس صفت سے متصف ہوا جیسے رنگ ریز نے کپڑا رنگا تو کپڑا اس رنگ سے متصف
ہوا خواہ کالا ہو یا لال ہو اور جس نے یہ نہیں سمجھا تو وہ معرفت سے جاہل ہے۔ م۔ امام رازیؒ نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ اقرأ باسم
ربک گویا جب کہا گیا کہ اقرأ۔ یعنی جبرئیلؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حکم الہی ادا کیا کہ پڑھو آپ نے عذر کیا کہ میں
فارسی نہیں ہوں تو کہا کہ اقرأ باسم ربک۔ یعنی اپنے رب کے نام کی استعانت سے پڑھ اور اسی نام پاک ذریعہ سے
قرأت حاصل کروہ چیمبر گل آسان فرما دیگا۔ اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ قرأت کو خالص اللہ تعالیٰ کے نام پر کر لیں عبادت
جب خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو جاتی ہے تو شیطان کو اسمین تصرف کی جرأت نہیں ہو سکتی اس واسطے کھانا جبکہ خالص
اللہ تعالیٰ کے نام پر ہو اور سب ملکہ نہ پڑھے تو شیطان اسمین شریک ہو جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ اور کھانا اگر چہ

ساتھ یہ محل نصب میں حال ہوایا متلبسا باسم ربک۔ یعنی پڑھو وحی کو دور حالیکہ تو اپنے رب کے نام کے ساتھ متلبس رہو
 بالکوکہ مفتحا باسم ربک۔ در حالیکہ تو شروع کرنے والا ہو اپنے رب کے نام کے ساتھ۔ یا کوکہ مستعینا باسم ربک۔ در حالیکہ تو
 اپنے رب کے نام سے استعانت لینے والا ہو۔ ابو عبیدہ رحمہ نے گمان کیا کہ (باسم) میں (ب) زائد ہو سکتی ہو اور اسم کو پڑھنے کا حکم
 ہی یعنی پڑھ اپنے رب کے نام کو۔ اور نام بطور تعظیم ہی اور مراد یہ کہ یاد کر اپنے رب کو اخفیش رحمہ نے کہا کہ (ب) بمعنی (علی) ہے جیسے
 بولتے ہیں کہ افعل کذا باسم اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے نام پر یہ کام کر اس طرح بیان بھی مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر قراءت کر۔
 اگر کوکہ حاصل بیان یہ ہوا کہ بسم اللہ کے پڑھو تو باسم اللہ اقرأ۔ نہیں آیا بلکہ اقرأ باسم ربک۔ آیا یعنی (اقرأ) مقدم ہی
 اور دیگر مقامات میں بسم اللہ۔ پہلے لاتے ہیں اقرأ۔ موزمانتے ہیں اسمین کیا حکمت ہی حالانکہ اللہ تعالیٰ واجب الوجودیم
 پاک ہو وہ ہر چیز سے پہلے ہے تو ایسی تقدیم واجب ہی (جواب) دیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قاری نہ تھے چنانچہ حدیث نزول
 میں اوپر گزر چکا ہو تو بیان قراءت کی تعلیم صلی مقصود ہی اور اس سے پہلے کسی سورہ میں یہ تعلیم نہیں فرمائی اس لیے کہ سب سے
 پہلے ہی سورہ نازل ہوا ہو تو قراءت کا سکھانا اصل مقصود ہی اگرچہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بذات خود مقدم ہے بلکہ اقرأ مقدم کرنے
 سے کچھ ضرر نہیں ہو سکتا کیونکہ ذکر الہی جبکہ بالذات مقدم ہی تو اس کا رتبہ ہر حال میں مقدم و علی و اولی و اہم و اکبر ہی۔ کمافی
 السراج وغیرہ۔ اگر کوکہ کتابت میں بیان باسم ربک آیا جیسے باسم اللہ۔ حالانکہ بسم اللہ الرحمن الرحیم میں باسم اللہ الرحمن
 لکھتے ہیں (جواب) دیا گیا کہ اس کا استعمال بکثرت ہوتا ہو اس نظر سے الف پڑھنے میں نہیں لاتے تو لکھنے میں بھی نہ لائے
 تاکہ معلوم ہو جاوے کہ پڑھنے میں حذف ہو اور (ب) کافی ہو۔ رہا۔ اقرأ باسم ربک۔ تو یہ کثرت سے استعمال نہیں ہوتا لہذا بیان
 الف باقی رہا۔ عبد اللہ بن شداد رحمہ تابعی نے کہا کہ جبریل ؑ نے اگر کہا کہ اے محمد (تو) آپ نے کہا کہ میں پڑھا نہیں ہوں۔
 جبریل نے زور سے دبا کر چھوڑ دیا پھر کہا کہ اے محمد (تو) اقرأ باسم ربک۔ اسی طرح تین مرتبہ ہوا تیسری مرتبہ پھر کہا کہ اے محمد (تو) اقرأ باسم ربک۔
 رواہ ابن ابی شیبہ وابن جریر والبیہقی۔ اگر وہم ہو کہ جب یہ کلام جبریل ؑ نے کہا تھا تو قرآن نہوا بلکہ جو پڑھا وہ قرآن ہوا
 (جواب) یہ بھی جبریل ؑ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا لہذا بالاجماع یہ قرآن ہی
 بلکہ اس سے اعلیٰ منزلت و اکمل فضیلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ظاہر ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے خود علم
 سکھایا۔ لہذا حدیث میں ہو کہ میرے رب عزوجل نے مجھے علم سکھایا تو میرا علم احسن ہوا اور ادب سکھایا تو میرا ادب
 احسن ہوا۔ اور مترجم کہتا ہو کہ یہ قراءت بقلب ہی یعنی اس طرح پڑھنا کہ زبان سے قلب تک متفق ہو اسی وجہ سے آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں پڑھنے والا نہیں ہوں اگر یہ نہوتا تو ظاہر تھا کہ آپ کی شان اس سے اعلیٰ ہو کہ آپ یہ کلمہ
 ادا کریں جسکو عوام پڑھ سکتے ہیں اور خود منصوص ہو بقولہ تعالیٰ نزل بہ الروح الامین علی قلبک یعنی روح الامین جبریل ؑ
 نے اسکو تیرے قلب پر نازل کیا۔ اور اس سے اظہار ہوا کہ وحی خالص کلام الہی بدون لباس کتاب ہی اور یہ صورت
 قراءت کی حقیقی قراءت ہی لہذا خوارج کے حق میں فرمایا۔ یقرؤن القرآن لایجادزراقیم قرآن پڑھینگے اس حالت سے کہ وہ
 انکے حلق سے آگے تجاوز نہیں کریگا۔۔۔ تو معلوم ہوا کہ یہ قراءت مفید نہیں ہے اور یہ فائدہ لطیف مترجم نے کسی عالم سابقین سے
 نہیں پایا حالانکہ اسکا بیان ضرور تھا واللہ تعالیٰ ہوا حمید المجید **سیوطی** نے اتفاق میں لکھا کہ اس سورہ مبارک کی

تھے اور جبریلؑ کے ساتھ ہر رمضان میں مدارسہ کرتے تھے اسطرح سورتوں کو بھی ترتیب سے پڑھتے تھے ہاں صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بعض نے نزول کی ترتیب سے جمع کیا اور بعض نے احکام محکم و منسوخ کی ترتیب سے اور بعض نے تجدید و دوادرتین میں نظر سورتوں کو تلاوت کرنے کی ترتیب سے جمع کیا تھا کیونکہ ان کے فوائد عالمانہ ظاہر ہیں تو یہ دوسری بات ہے اور خازن میں ہے کہ مصاحف صحابہ رضی اللہ عنہم جو اختلاف ترتیب سے مثلاً مصحف ابی بن کعب و مصحف علی و مصحف بن مسعود رضی اللہ عنہم میں کچھ تفاوت ہے تو یہ تفاوت اُس وقت تک تھا جب تک اخیر مرتبہ جبریلؑ علیہ السلام پر پیش نہیں کیا گیا اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہ کے واسطے ترتیب فرمائی تھی (اقول) دلیل اس پر یہ کہ مصحف امام جو کہ سب سے پہلے امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ نے آفاق میں بھیجا وہ باجماع صحابہ رضی اللہ عنہم (یونس بن عبدالاعلیٰ نے وہ سب روایت کی کہ میں نے امام مالک سے سنا کہ قرآن مجید کی تالیف صحابہ نے اُسی ترتیب پر فرمائی جس ترتیب پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کرتے تھے) (اقول) کیا نہیں دیکھتے ہو کہ صحیح کی روایت میں منصوص ہے کہ میں نے آخر سورہ لقا جاؤ کم رسول من الفسکم آخر تک خزمیہ رضی اللہ عنہ کے پاس پایا تھا) امام ابو بکر بن الانباری نے کتاب الرد میں لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو ایک بار کی مجموعہ مرتب آسمان و دنیا پر نازل فرمایا پھر اسکو بجائے نبیؐ برس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا چنانچہ کبھی پورا سورہ کسی امر حادث میں نازل ہوتا اور کبھی آیات کسی سوال کے جواب میں نازل ہوتیں اور کبھی کسی گمراہ کے رد میں نازل ہوتیں اور جبریلؑ آپ کو آگاہ کرتے کہ یہ سورہ فلان موقع پر ہے اور یہ آیات فلان مقام کی ہیں پس سورتوں کا انتظام مثل آیات و حروف کے ہے اور یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین سے معلوم ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ سے معلوم ہوئیں پس جس کسی نے کوئی سورہ مقدم یا مؤخر کیا تو گویا اسنے آیات و کلمات کو متغیر کر دیا اور اس ترتیب میں نزول کا اعتبار نہیں ہوتا جیسے سورہ بقرہ بہ نسبت سورہ النعام کے مقدم ہے حالانکہ نزول میں سورہ النعام پہلے ہے اور یہ ترتیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لی گئی آپ بتلاوت سے کہ یہ سورہ فلان مقام پر رکھو اور یہ آیات فلان سورہ کے فلان مقام پر رکھو اور آپ کو جبریلؑ آگاہ کرتے تھے مگر حکم کتاب ہے کہ یہ بات صحیح احادیث میں مصرح ہے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ
الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

شروع
اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے بنایا
بنایا آدمی
لوہو کی پھٹکی سے پڑھ اور تبارک
بڑا کریم ہے جس نے علم سکھایا قلم سے
آدمی کو جو نہ جانتا تھا

اس سورہ مبارک میں سے اول میں نقطہ اسی قدر آیات نازل ہوئیں۔ پھر وحی میں تاخیر کی گئی۔ اِقْرَأْ۔ جمہور کی قراءت میں بسکون آخر ہمزہ بصیغہ امر ہو (یعنی پڑھ) اور شاذ قراءت میں (د) کو فتح ہے بدون آخری ہمزہ کے اور شاید قاری نے ہمزہ کو الف سے بدل دیا پھر امر کے جزم سے الف حذف ہوا بہر حال قراءت کا حکم چاہتا ہو کہ پڑھنے کی چیز ہو تو معنی یہ کہ اِقْرَأْ پڑھ ف یعنی پڑھ جو کچھ تجھے وحی کیا جاتا ہے یا جو کچھ تجھ پر نازل کیا جاتا ہے۔ بِاسْمِ رَبِّكَ۔ اپنے رب کے نام کے

دیکھا تھا اُس سے بیان کیا۔ ورقہ نے کہا کہ یہ وہی ناموس ہے جو عیسیٰ پر اتارا گیا تھا ایک روایت میں بجائے عیسیٰ کے موسیٰ
 ہے۔ شاید ورقہ نے دونوں کا نام لیا ہو اگر کاش میں اُس وقت توی جوان ہوتا جب تجھے تیری قوم نکال لیگی۔ آنحضرت صلعم نے
 کہا کہ اُن کیا یہ لوگ مجھے نکال دینے والے ہیں۔ ورقہ نے کہا کہ ہاں اور جو کچھ آپ لائے ہیں جب کبھی کوئی پیغمبر اسکو لایا تو یہی ہوا کہ
 اُس سے عداوت باندھی گئی اور اگر مجھے آپ کا یہ دن مل گیا تو میں آپ کی قوی مدد کروں گا عائشہ رضہ فرماتی ہیں کہ پھر جب یہی روز
 گزرنے کے بعد ورقہ نے انتقال کیا اور وحی آنا متوقف ہو گیا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس تاخیر سے غمگین ہوئے
 اور ہم کو خبر پہنچی کہ ایسے غمگین ہوئے کہ پہاڑوں کی چوٹی پر سے بار بار اپنے آپکو گرانے کا قصد کیا لیکن ہر بار جب آپ نے
 جا ہا کہ اپنے آپ کو چوٹی پر سے گرا دین تو یکایک جبریلؑ ظاہر ہو کر کہتے کہ اے محمد آپ تو اللہ تعالیٰ کے پیچھے رسول ہیں اس سے آنحضرت
 صلعم کا جی ٹھہر جاتا اور دل کو تسکین ہو جاتی تھی یہاں تک کہ رحمت الہی متواتر ہو گئی۔ یہ حدیث صحیحین وغیرہ میں ہے خطیب
 نے کہا کہ اس میں صحیح دلیل ہے کہ سب سے پہلے سورہ اقراء کا نزول ہوا ہے اور جس نے کہا کہ اول سورہ المدثر یا سورہ فاتحہ ہے اسکا قول ٹھیک
 نہیں ہے (السراج) بعضے لوگ کہتے ہیں کہ اقراء نازل ہونے کے بعد جبریلؑ آپکو لیے ہوئے وادی میں اترے اور وضو سکھایا
 اور اپنی امامت سے نماز سکھائی تو گویا سورہ الفاتحہ کا نزول ہوا واللہ اعلم۔ م۔ خطیب نے کہا کہ یہ حدیث صحابی کے
 مراسلات میں ہے یعنی ام المومنین عائشہ رضہ نے یہ نہیں کہا کہ آنحضرت صلعم ایسا فرماتے تھے اور صحابہ رضہ کے مراسلات سب
 علماء کے نزدیک حجت صحیحہ ہیں اس میں فقط اسناد ابو اسحق اسفرائینی نے تفرد کیا۔ اور واضح ہو کہ آنحضرت صلعم کے واسطے
 پہلے سچے خواب سے اس لیے شروع کیا گیا کہ ایسا نہ ہو یکایک فرشتہ کے آجانے سے آپکو تحمل نہ ہو لہذا اسکی تہنید خواب سے کی گئی (الدرج)
 ابن کثیر نے بہت اختصار کیا اور کہا کہ قرآن میں سے سب سے اول یہی آیات مبارکات نازل ہوئیں اور ان میں سے اللہ
 تعالیٰ نے اپنے بندوں پر رحمت شروع کی یہی اول نعمت ہیں اور اس میں تہنید ہو کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اول حلقہ سے
 پیدا کیا اور اُس کے کرم سے یہ ہو کہ انسان کو وہ سکھایا جو نہیں جانتا تھا اور یہ علم وہ ہے جس سے آدم کو ملائکہ پر امتیاز دیا اور علم
 کبھی ذہن میں ہوتا ہے اور کبھی زبان پر اور کبھی تحریر و بیان پر۔ ذہنی و لفظی درسی ہوتا ہے۔ دسی جو مرسوم و منقوش ہو اور مرسوم
 دونوں سابق قسموں کو مستلزم ہے یعنی جب علم لکھے تو اُسکی زبان پر اور ذہن میں ضرور ہوگا برخلاف اسکے اگر ذہن یا زبان پر ہو
 تو مرسوم ہونا ضرور نہیں ہے جیسے عامی امی بغیر لکھے پڑھے اگر عالم سے کوئی علم مثلاً عقائد سیکھ لے تو ہو سکتا ہے حالانکہ لکھ پڑھ نہیں سکتا
 اور روایت ہے کہ علم کو لکھ کر مفید کر لو اور حدیث میں ہے کہ جسے جو کچھ علم مل گیا اور اس پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ اُسکو وہ علم دیتا ہے جو
 وہ نہ جانتا تھا (تفسیر ابن کثیر) فتح البیان میں ہے کہ خازن نے تفسیر میں بہت تفصیل سے سورتوں کے نازل ہونے کی
 ترتیب بیان کی ہے کہ میں اول پھر دوم ترتیب وار پھر مدینے میں ترتیب وار کس طرح نزول ہوا ہے قاضی ابوبکر بن ابیطیب نے
 کہا کہ قرآن میں اب جس ترتیب سے سورتیں موضوع ہیں یہ صحابہ رضہ کے اجتہاد سے ہے چنانچہ مکی رح نے سورہ براءۃ کی تفسیر میں بیان
 کیا لیکن ہر سورہ میں آیتوں کی ترتیب اور سبلہ کی تقدیم یہ بالضرور آنحضرت صلعم کے ارشاد سے ہے حتیٰ کہ آپ تمام قرآن کو ترتیب
 کے ساتھ حفظ سے پڑھتے تھے اور جان اپنے سبلہ نہیں پڑھی وہاں صحابہ رضہ بھی نہ پڑھی چنانچہ سورہ براءۃ کے شروع میں
 جب آپکو یہ حکم ہوا تو بغیر سبلہ چھوڑی گئی اور اس مسئلہ میں یہی قول اصح ہے اور ایک قوم نے کہا کہ نہیں بلکہ سورتیں ترتیب سے پڑھتے

تاریکی کفر کو مٹایا اور انوار فضائل سے روافل کو دور کیا تو اُنکے لیے اجر غیر ممنون ہو کہ عالم قدس سے دوام اتصال و ارتفاع کمال ہو اور اللہ تعالیٰ ہر دو فریق کو خوب جانتا ہو تو وہ ہر ایک کو اُسکی منزل و محل میں رکھتا ترجمہ اشارات مختصا

سورة العلق مكية و بی سبع عشرة آية

اس سورہ مبارک کا نام سورہ علق کے علاوہ سورہ اقرار اور سورہ فلم بھی ہو اس میں بیس آیات ہیں اور بت کلمات اور دو سو و ستر حروف ہیں کافی السراج اور رازیؒ نے لکھا کہ مفسرین کہتے ہیں کہ قرآن میں سب سے پہلے ہی سورہ نازل ہوا اور دوسروں نے کہا کہ اول فاتحہ نازل ہوا ہی پھر سورہ القلم نازل ہوا (کبیر) یہ سورہ بلا خلاف مکہ ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ سورہ اول نازل ہوا اور اسی پر شیخ ابن کثیرؒ نے جزم کیا اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بھی مثل ابن عباسؒ کے بیان کیا اور اسی کے مانند حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے امام احمد رحمہ نے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ابتدا وحی سے وحی شروع ہوئی وہ سچا خواب تھا چنانچہ جو کوئی خواب آپ دیکھتے وہ مثل سپیدہ صبح کے نمودار ہوتا لیکن بالکل مطابق ظاہر ہوتا پھر آپ کے دل میں تنہائی پسند ہوئی پس آپ کو حراء کے غار میں جا کر تنہا عبادت کیا کرتے تھے اور چند شب و روز وہیں رہتے تھے اور اُسکے واسطے توشہ لے جاتے تھے۔ جب میعاد ختم ہوتی تو واپس آتے اور خدیجہ رضی اللہ عنہا اس طح دوسری دفعہ کے واسطے توشہ تیار کر دیتی تھیں پھر آپ وہیں غار حراء میں تھے کہ ناگاہ جبریل علیہ السلام آپ پر وحی لائے (یعنی خوبصورت آدمی کی صورت میں آئے) اور کہا کہ پڑھو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں پڑھا نہیں ہوں آنحضرت فرماتے ہیں کہ فرشتہ نے مجھے دبوچکر زور سے دبایا یہاں تک کہ مجھے اس سے مشقت بلیغ لاحق ہوئی پھر چھوڑ کر مجھے کہا کہ پڑھو۔ میں نے کہا کہ میں پڑھا نہیں ہوں پھر دوبارہ اُس نے مجھے دبوچکر زور سے دبایا یہاں تک کہ مجھے اس سے مشقت بلیغ لاحق ہوئی پھر چھوڑ کر کہا کہ پڑھو۔ میں نے کہا کہ میں پڑھا نہیں ہوں۔ پھر اُس نے تیسری بار مجھے دبوچکر زور سے دبایا یہاں تک کہ مجھے اس سے مشقت لاحق ہوئی پھر چھوڑ کر کہا کہ پڑھو۔ اقرار باسم ربک الذی خلق۔ سے مالم اعلم۔ تک پڑھایا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی قدر وحی کے ساتھ واپس آئے وہ حالیکہ آپ کے کندھوں کا گوشت کانپتا تھا جب خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے تو فرمایا کہ مجھے کُل اڑھاؤ۔ انھوں نے اڑھا دیا یہاں تک کہ آپ سے یہ جھجک جاتی رہی پھر خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حال بیان کر کے فرمایا کہ مجھے جان کا خوف ہی خدیجہؓ نے کہا کہ ہرگز نہیں اللہ تعالیٰ آپکو صنایع نہ کرے گا آپ کے بعض اوصاف مانند صلہ رحم و صدق و مساکین کی مدد و مہمان نوازی بیان کی اور کہا کہ حق بات میں آپ شرکت کر کے قوم کی اصلاح فرماتے ہیں اور نادر کو دیتے ہیں اور اصلاح میں جو خرچہ پیش آتا ہی اس میں مدد کرتے ہیں پھر خدیجہؓ اٹھکر آپکو ساتھ لیکر ورقہ بن نوفل بن اسید بن عبدالمویٰ بن قصی کے پاس لائیں وہ خدیجہ کا چچا رشتہ دار تھا انکے باپ کا بھائی تھا اور جاہلیت میں نصرانی ہو گیا تھا۔ اور تحریر عربی لکھا کرتا تھا اور بخیل سے عربی میں جو اللہ تعالیٰ چاہتا وہ لکھتا تھا اور وہ بڑھتا تھا انکھوں سے اندھا ہو گیا تھا۔ خدیجہ نے اُس سے کہا کہ اے میرے چچا میرے برادر اپنے بھتیجے کی بات سنو۔ ورقہ نے کہا کہ اے میرے بھتیجے تم کیا دیکھتے ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ

بجو مقہور کر دیا تو کیا چیز تھے آمادہ کرتی ہی کہ تو حساب و جزا کو جھٹلا دے کیونکہ یہ خوب ظاہر ہے کہ جو ابتدا میں ایسا دکر سکتا ہے
 وہ دوبارہ بخوبی پیدا کر سکتا ہے الیس اللہ با حکم اسکا کہیں کیا یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ حکم اسکا کہیں ہے وہ کسی پر ظلم و جور نہیں
 کرتا ہے اور اُس میں سب چیز کی قدرت ہے اس لیے کہ حاکم کے لیے قدرت ضرور ہے تو ضرور ہے کہ وہ قیامت قائم کر کے کافر
 بدکاروں کو عذاب دے اور مومن صالح کو ثواب دے حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہ جسے سورہ التین والزیتون پڑھائے تاکہ
 کہ آخری آیت تلاوت کی تو کہے کہ۔ ہاں وانا علی ذلک من الشاہدین۔ کیونکہ ان میں احکام اسکا کہیں ہے اور میں اسکی گواہی ادا کرنے
 والوں میں ہوں (تنبیہ) مترجم کہتا ہے کہ امام غزالی رحمہ اللہ مخالف سے یہ اختلاف نقل ہوا کہ جو نظام عالم اللہ تعالیٰ نے
 پیدا کیا ہے اس سے بہتر پیدا کر سکتا تھا۔ تو جواب میں ہاں و نہیں دونوں اختلافی قول منقول ہیں اور حق یہ ہے کہ اس
 مسئلہ لایعنی سے کچھ فائدہ متعلق نہیں ہے اور اگر کہو کہ احسن تقویم۔ دلالت کرتا ہے کہ سب سے بہتر تقویم یہ ہے (جواب)
 اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ مخلوقات میں سے انسان احسن ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انسان کی تقویم
 اس سے احسن نہیں ہو سکتی ہو بلکہ ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور جنت میں مومنین کی صورتیں اس سے
 احسن ہونگی اور آئندہ اُنکی خوبیاں بڑھتی جاؤں گی جیسا کہ احادیث صحیحہ میں بیان ہوا ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب
 ف فی العرائس قولہ تعالیٰ والتین والزیتون الخ قسم ایسے مواضع کے ساتھ ہے جو تجلی جلال و جلال کے محل ہیں اور
 نفس انسانی میں اسکے نظائر یہ کہ التین روح قدسیہ ہے اور زیتون عقل ہے اور طور سینین قلب ہے اور بلد الامین سینہ معرفت
 ہے بعض نے کہا کہ التین مسجد ایلیا و زیتون مسجد بیت المقدس اور طور سینین مسجد طور اور بلد الامین مسجد الحرام ہے مترجم کہتا ہے
 کہ مسجد ایلیا اور مسجد بیت المقدس شاید جدا گانہ ہوں واللہ تعالیٰ اعلم۔ قولہ فی احسن تقویم۔ احسن صورت اور اتم معرفت
 میں کامل کیا (ترجمہ عرائس لمخصا) شیخ ابن العربی نے کہا کہ قولہ والتین۔ معنی کلیہ جو قلب کے ادراک کی ہوئی جزئیات
 سے حاصل ہوئے ہیں اور انکو اخیر سے مشابہت اس لیے کہ وہ خالص معقول بے مادہ ہیں اور جزئیات سے مطابق ہیں اور
 نفس کے نزدیک لذت میں جیسے اخیر بغیر گھٹلی کے لذت مغر ہے اور اُس میں چھوٹے چھوٹے دانہ مانند جزئیات کے ہیں اور وہ بدن
 کو فہرہ کر نیوالا اور غذا و فاکہ ہے (والزیتون) معانی جزئیہ جنکو نفس ادراک کرتا ہے تو مشابہ زیتون کے ہیں کیونکہ مادی ہے اور
 نفس کو اس سے ادراک کلیات میں مدد ملتی ہے اور (طور سینین) دماغ ہے جو بلند ہے اور حس و خیال اُسی طرف مرتفع ہوتے
 ہیں لہذا البلد الامین (قلب جو معانی کلیہ کی حفاظت کرتا ہے اور وہاں فساد سے امن ہے خلاصہ یہ کہ ایسی چیزوں سے جن سے
 انسان کو کمالات حاصل ہوتے ہیں اور وہ معانی کلیہ و جزئیہ و قلب و نفس میں۔ قولہ فی احسن تقویم۔ نہایت خوب
 تقدیل پر پیدا کیا۔ اس میں نور و تاریکی جمع ہے اور ظاہر میں اصدا و مخالف جمع ہیں اور اللہ تعالیٰ نے عجب قدرت سے
 ان میں موافقت پیدا کر دی ہے اور انسان کو ہر دو عالم کے درمیان واسطہ کر دیا اور خلقت و سیرت میں معتدل بنا دیا
 (ثم ردوہا اسفل الخ) چونکہ اُسے تاریکی کا لباس اوڑھ لیا اور نور سے چھپ گیا اور ذیل اخلاق سے مانوس ہو گیا
 تو خلقت و رتبہ میں سافلیں سے اسفل کیا گیا حتیٰ کہ جنمیوں کی نہایت قبیح صورتوں میں داخل ہوا اور دنیاوی زندگی
 میں بھی یہ لوگ ممتاز ہیں یعنی طبیعت سچیں میں محبوب ہیں (الا الذین آمنوا الخ) یعنی انھوں نے نورا یمان سے

باقی جنس انسان سب اسفل سافلین جنم میں مردود ہی یہ تفسیر اس صورت میں کہ اسفل سافلین سے دونوں مراد ہو کیونکہ جنم بہت پستی میں ہی اور بعض نے کہا کہ اسفل سافلین پستیوں کی پستی یعنی نہایت بڑھاپے کی عمر ہی جسکو ارذل کہتے ہیں۔ کیونکہ اس عمر میں خوبصورتی اور عقل و علم سب باتوں میں رذیل ہو جاتا ہے۔ یہی ابن عباس رضی و عکرمہ سے روایت ہو بلکہ عکرمہ رحمہ نے کہا کہ جسے قرآن جمع کیا وہ ارذل عمر کے جانب رو نہیں کیا جائیگا اور اسی قول کو امام حنبل نے اختیار کیا مگر ترجمہ کرتا ہے کہ ارذل العمر کا ذکر دوسری آیت میں آیا ہے اور وہاں مخصوص ہے لکھنا یعلم بعد علم شینا تاکہ یہ شخص جاننے کے بعد کچھ نہ جانے۔۔۔ پھر عکرمہ رحمہ کے قول کے معنی یہ ہیں کہ جسے قرآن کا علم جمع کیا تو اللہ تعالیٰ اسکے حواس مرتے دم تک قائم رکھتا ہے اگرچہ عمر دراز ہو جاوے تو ارذل العمر کے معنی نہیں پیدا ہوتے ہیں۔ اب رہا یہ کہ بیان آیت میں کونکر تعلق ہے تو اس میں مردود ہی اس لیے کہ عکرمہ نے یہ کہا کہ جامع قرآن ارذل عمر پر ہوگا اور بیان تعلق جہی کہ اسفل سافلین سے ارذل عمر مراد ہوں۔ ابن کثیر نے اعتراض کیا کہ اگر اسفل سافلین سے ارذل عمر مراد ہوتی تو آیت میں الا الذین آمنوا الخ سے استثناء نہوتا اس لیے کہ معنی یہ ہوے کہ ہم نے انسان کو احسن تقویم پر پیدا کیا پھر اسکو ارذل عمر بڑھاپے کی طرف رو کیا سوائے مومنین صالحین کے الخ تو کیا مومنین اس عمر تک نہیں پہنچتے ہیں۔ یہ تو دیدہ و دلستہ خلاف ہے اس لیے کہ بعض مومنین بہت بڑھے ہو جاتے ہیں مگر ترجمہ کرتا ہے کہ جواب یہ ہو سکتا ہے کہ ارذل العمر سے فقط بہت بڑھاپا مراد نہیں بلکہ ایسا بڑھاپا جس میں حواس خبط ہوں اور آدمی کچھ نہ جانے اور مومنین آخر دم تک معرفت سے عالم رہتے ہیں واللہ تعالیٰ اعلم رازی رحمہ نے لکھا کہ قولہ رو وناہ اسفل سافلین۔ یعنی سب سافلین سے اسفل کر دیا اور اسکی تفسیر میں دو قول ہیں (۱) ابن عباس رضی سے منقول ہے کہ ارذل العمر مراد ہی جیسے قولہ تعالیٰ من بردالی ارذل العمر۔ ابن قتیبہ رحمہ نے کہا کہ سافلین ضعیف لوگ اور بچے لو لے اپنا بیج اور جو بوجہ ضعف پیری کے اٹھنے بیٹھنے سے معذور ہیں۔ مراد یہ کہ نہایت بڑھاپے سے انکی کان و آنکھیں و فہم و حواس کام نہیں دیتے ہیں فراؤ نے کہا چونکہ انسان بیان جنس مراد ہے تو معنی میں جمع ہے اسی لیے سافلین سے اسفل فرمایا اور اگر لفظ انسان کی رعایت ہوتی تو اسفل سافلین ہوتا (قول ۲) مجاہد و حسن کے نزدیک اسفل سافلین یعنی کچھ ہی حضرت علی رضی نے کہا کہ جنم کے دروازے اوپر سے نیچے کی طرف ہیں اور پہلے نیچے سے بھرنا شروع ہوگی تو انسان اسفل سافلین میں ڈالا گیا۔ اگر کہا جاوے کہ منافقین درک اسفل میں ہونگے جواب ہاں منافقین اہل انکے ساتھ بدتر کافروں بھی ہونگے۔ قولہ تعالیٰ الا الذین آمنوا الخ رازی نے کہا کہ قول اول کے موافق یہ استثناء منقطع ہے اور معنی یہ کہ انسان کو بحکم ارذل العمر میں مردود کرتے ہیں تو اسکی حسن و خوبی سب جاتی رہتی ہو لیکن یہ یاد رکھو کہ مومنین کے واسطے ثواب جمیل عوض ہے اور اسکے معنی یہ ہیں کہ مومنین حالت جوانی میں جو اعمال صالحہ بجالاتے تھے جب وہ بہت بڑھے ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انکے واسطے وہی اعمال صالحہ لکھنے کا حکم فرماتا ہے جو اپنی جوانی و قوت میں کیا کرتے تھے۔ حدیث ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ بیمار ہو یا مسافر ہو تو اللہ تعالیٰ اسکے لیے وہی اعمال لکھتا ہے جو وہ تندرستی اور مقیم ہونے میں عمل کرتا تھا (رواہ البخاری و احمد وغیرہا) قولہ تعالیٰ فما یکن ذک بعد بالہ یہ یہ خطاب انسان کو ہے یعنی اگر انسان جب تو نے جان لیا کہ تیری ابتداء اس طرح تھی اور دوسری حالت میں اللہ تعالیٰ نے

ندم کی رفتار آگے پیچھے اور انکی آنکھ بلکہ چوٹی کا ذرہ ذرہ دیکھتا ہوا زمی نے لکھا کہ یحییٰ بن اکثم القاضی سے روایت ہے کہ اُنکے زمانہ کے بادشاہ نے چاندنی رات میں اپنی زوجہ سے کہا کہ اگر تو چاند سے حسن نہ تو تجھے طلاق ہے پھر جب نشہ سے ہوش ہوا تو نادیم ہو کر فتویٰ طلب کیا اور سب علمائے فتویٰ دیا کہ وہ طالق ہو گئی سوائے یحییٰ بن اکثم قاضی حنفی کے کہ انھوں نے فتویٰ دیا کہ طالق نہیں ہوئی۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہ قاضی صاحب تم نے اپنے استادوں سے مخالفت کی قاضی نے کہا کہ فتویٰ کچھ مستخرج کی خوشامد سے نہیں ہوتا بلکہ علم شریعت سے ہوتا ہے اور اس مسئلہ کا فتویٰ خود علام الغیوب جل جلالہ نے دیدیا چنانچہ قرآن میں فرمایا لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ تو انسان کی تقویم یعنی تصویر سے احسن ہوئی پس چاند سے بھی احسن ہوئی تو طلاق نہیں ہو سکتی یہ مستخرج کتا ہے کہ بعض علمائے یہ جواب امام شافعی سے نقل کیا ہے اور شافعیہ امام شافعی نے موافقت کی ہو۔ اور خطیب نے لکھا کہ قولہ فی احسن تقویم۔ اسی فی احسن تقویم۔ توبہ محذوف تقویم کی صفت ہے اور ابوالدقاق نے کہا کہ یہ الانسان سے حال ہے اور احسن تقویم نہایت خوبصورت معتدل توام ہے۔ روایت ہے کہ عیسیٰ بن یوسف ہاشمی کو اپنی زوجہ سے بہت محبت تھی جو بدرجہ عشق پہنچی تھی ایک روز اُس سے کہا کہ اگر تو چاند سے احسن نہ تو تجھے تین طلاق ہیں۔ وہ عورت بھاگ کر چھپ رہی اور کہنے لگی کہ ای شخص تو نے مجھے طلاق دیدی۔ وہ رات بُری طرح گزری اور صبح کو عیسیٰ نے جا کر خلیفہ منصور عباسی کو اس واقعہ سے آگاہ کیا خلیفہ نے فقہاء کو بلا کر اُسے مشورہ کیا کہ کیا حکم ہو سکتا ہے تو سب حاضرین نے فتویٰ دیا کہ وہ عورت مطلقہ ہو گئی سوائے ایک عالم کے جو امام ابو حنیفہ رحمہ کے شاگردوں میں سے تھا وہ خاموش رہا خلیفہ نے اُس سے کہا کہ آپ کیوں نہیں بولتے ہیں اُس نے کہا کہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم والتین والزمیون وطور سینین و هذا البلد الاین لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ ای امیر المؤمنین انسان سب چیزوں سے احسن ہے اور کوئی چیز اُس سے احسن نہیں ہے خلیفہ منصور نے کہا کہ ٹھیک کہتے ہو اور عیسیٰ ہاشمی سے کہا کہ یہی بات ٹھیک ہے جو اُسے بیان کی اور عورت سے کہلا بھیجا کہ تو اپنے شوہر کی اطاعت کر اُسے طلاق نہیں دی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی خوبصورتی سب خلق سے اچھی ہے اسی لیے انسان کو عالم صغیر کہتے ہیں (السراج) مترجم کتا ہے کہ اگر مسئلہ کا جواب دینے والا یحییٰ بن اکثم حنفی قاضی ہوں تو خلیفہ کا نام منصور لکھنا غلط ہو کیونکہ یحییٰ بن اکثم اسوقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے بلکہ مامون بن رشید کہنا چاہیے اور اگر مفتی کہی ہوں تو حنفی کہنا بعید ہے کیونکہ ابو حنیفہ رحمہ کے آٹھ برس بعد منصور خلیفہ نے انتقال کیا واللہ تعالیٰ اعلم۔ بالحدیث آیات کا حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ نے التین وغیرہ کی قسم سے آگاہ فرمایا کہ ہم نے اولاً انسان کو احسن تقویم پر پیدا کیا۔ ثم ردناہ فی سافلین۔ پھر اسکو سافلین میں رو کیا ابن کثیر رحمہ نے لکھا کہ مجاہد و ابو العالیہ حسن وابن زید وغیرہم نے اسفل سافلین کی تفسیر میں کہا کہ وہ (نار) یعنی دوزخ کی آگ ہے اور معنی یہ کہ پھر ہم نے اس حن تبدائی کے بعد انسان کو آگ میں مردود کیا جبکہ اُسے اللہ تعالیٰ و اُسکے رسولوں کی طاعت نہ کی۔ الا الذین آمنوا و عملوا الصالحات۔ سوائے اُن انسانوں کے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے۔ یعنی یہ گنتی کے بندے البتہ کہ میں رو نہیں کیے گئے بلکہ فرما تعلیم اجر غیر ممنون۔ پس انکے لیے ثواب غیر مقطوع ہے۔ یعنی دائمی ثواب جنت ہے اور سوائے ان گنتی کے نیک بندوں کے

حضرت علیؑ سے روایت ہو کہ جب اللہ تعالیٰ نے بنی آدم سے اپنی توحید و عبادت کا عہد لیا تو سفید ورق میں لکھا اور حجر اسود اُسوقت منہ و زبان و آنکھیں رکھتا تھا یعنی یہ چیزیں ظاہر تھیں پس اُس سے فرمایا کہ اس کو اپنے پیٹ میں نگل لے جب کوئی تجھے ملے تو اُسکے لیے عہد پورا کرنے کی گواہی دے کوئی نہ دے پھر اللہ تعالیٰ نے ظاہر میں اسکو پتھر کی صورت میں کر دیا بندگان حق طواف میں جا کر اسکو بوسہ دیتے ہیں اور جو بندے بوسہ مفلسی کے نہیں جاسکتے ہیں وہ مشتاق ہیں۔ واضح ہو کہ ابتدا میں لوگ پتھروں کی پرستش کے عادی تھے لہذا جب اطراف عرب سے نئے مسلمان حج میں آتے تو حضرت عمرؓ پتھروں سے انکا خیال دور کرنے کے لیے کہتے کہ اوجھر اسود میں جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے تو خود کچھ نفع یا ضرر نہیں دے سکتا ہی اور اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا ہوتا کہ تجکو بوسہ دیتے ہیں تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا یعنی ہم دل و جان سے فقط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہیں اور اپنی رائے کو دخل نہیں دیتے ہیں اور حدیث کو بخاری وغیرہ نے روایت کیا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے وہ چیز بیان کی جسکی قسم کھائی ہو بقولہ تعالیٰ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ یعنی تین دزیوتوں و طور سنین و بلد الامین کی قسم ہے کہ البتہ ہم نے انسان کو احسن تقویم پر پیدا کیا۔ انسان سے جنس مراد ہے یعنی مخلوقات میں سے یہ جنس جسکو انسان کہتے ہیں اسکو جنے بہت اچھی معتدل صورت پر پیدا کیا ہے۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ یعنی اُسکی خلقت بہت اچھی ہے و احدی نے لکھا کہ مفسرین نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک خلقت کو اندر سے منہ پیدا کیا ہے سوائے انسان کے کہ اُسکا فہم قاسم راست ہے۔ ہاتھ سے غذا کھاتا ہے اور علم و فہم و گویائی و عقل و تدبیر و ادب سے آراستہ ہے تو ظاہر و باطن میں احسن ہے۔ تقویم کے معنی ٹھیک معتدل کرنا قسطی نے کہا کہ احسن تقویم یہ کہ معتدل و راست و مستوی ہے اور یہی عامۃ مفسرین کا قول ہے شیخ ابن العربیؒ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان سے بہتر کوئی خلقت نہیں پیدا فرمائی کیونکہ انسان میں حیات و علم و قدرت و ارادہ و قوت کلام و سننا و دیکھنا و تدبیر و حکمت ہے اور یہ سب رب تعالیٰ کے صفات ہیں اسی لیے بعض علما نے کہا کہ حدیث میں ہے کہ۔ ان اللہ خلق آدم علی صورۃ۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اُسکی صورت پر پیدا کیا ہے۔ مد۔ اسکے یہ معنی کہ اپنے صفات پر پیدا کیا۔ یہ صفات اوپر مذکور ہیں مترجم کہتا ہے کہ اہل الحق قطعاً اجماع رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مثل و مشابہ کوئی چیز نہیں ہے اور یہی نص قرآنی ہے پھر اس حدیث کے معنی میں تین قول ہیں بعض نے (علی صورتہ) کی ضمیر آدم کی طرف پھیری اور یہ مطلب بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اُسکی صورت پر پیدا کیا قد ساٹھ ہاتھ تھا الخ۔ بیان کافی اندہ یہ کہ آدم کی صورت یہی تھی جو اسوقت موجود ہے۔ ولکن قد راز بھا (بعض) نے کہا کہ ضمیر اللہ کی طرف ہے یعنی آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کے واسطے مخلوقی صورت نہیں ہے اس لیے بیان مجازی محاورہ ہے یعنی اپنی صفات پر پیدا کیا جیسے شیخ ابن العربیؒ نے ذکر کیا (بعض) نے کہا کہ ہم جانتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اہل معرفت اسکے معنی میں مستغرق ہیں ولکن آیات متشابہات کی طرح اسکی تفسیر ہمارے حواس کا کام نہیں ہے پس ہم ایمان لائے کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ حق ہے و لیکن ہم کو خوض و تفسیر سے ممانعت ہے و قال اللہ تعالیٰ لیس کمثلہ شیء و ہوا السمع البصیر۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے مثل کوئی چیز نہیں ہے اور وہی سننے والا دیکھنے والا ہے۔ مد۔ پس ہم اُسکی شان کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ اسکی صفات حقیقت ہیں اور ہماری صفات کی کچھ جہتی نہیں ہے مثلاً وہ اندھیری رات میں کوہ صفا کے فارین ہزاروں چوٹیوں میں ہر ایک کے

مقامات مراد ہیں پس عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے جو پہاڑ خاص ہو اس پر انجیر پیدا ہوتا ہے اور زیتون شام ہو جان سے اکثر انبیاء بنی اسرائیل ظاہر ہوئے۔ طور سینین موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا مقام ہے اور بلدا لایں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقام ہے اور مراد قسم سے ان انبیاء کی تکریم ہے بعض نے کہا کہ نہیں بلکہ مساجد مراد ہیں۔ ابن زبیر نے کہا کہ تین مسجد دمشق اور زیتون مسجد بیت المقدس ہے۔ دوسروں نے کہا کہ تین مسجد اصحاب کعبہ ہے اور ابن عباسؓ نے کہا کہ بلکہ نوحؑ کی مسجد مراد ہے اس قول کا باعث یہ کہ مسجدوں کی قسم بہتر ہے جبکہ وہ عبادت کے مقامات ہیں چونکہ یہاں انجیر زیتون کی کثرت ہے لہذا اسی پر اکتفا کیا۔ بعض نے کہا کہ بلکہ مراد شہر ہیں چنانچہ کعب اصحاب نے کہا کہ تین شہر دمشق ہے اور زیتون بیت المقدس ہے۔ شہر بن حوشب نے کہا کہ تین کوثر اور زیتون شام ہے۔ بیچ نے کہا کہ تین زیتون در میان حلوان و ہمدان کے دو پہاڑ ہیں اس قول کا باعث یہ کہ یہود و نصاریٰ و قریش و مسلمان ایک ایک شہر کی تعظیم کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان سب شہروں کی قسم کھائی۔ یا یہ کہا جاوے کہ دمشق و بیت المقدس میں دنیا کی نعمتیں ہیں اور طور و مکہ میں دین کی نعمتیں ہیں (تفسیر کبیر) بعض متاخرین علماء نے ان اقوال کا اشارہ کر کے کہا کہ ابن عباس رضی سے جو روایت ہو کہ التین ملک شام ہے تو اسکی اسناد میں راوی مجهول ہے جیسے دوسرے مجهول اسناد سے روایت ہو کہ ابن عباس رضی نے کہا کہ زیتون بلاد فلسطین ہے اور ایک روایت میں کہا کہ وہ بیت المقدس ہے ولیکن یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ان بزرگوں نے کیوں ظاہر معنی چھوڑ کر اس طرح تفسیر بیان کی اور عجب یہ کہ امام ابن جریرؒ نے اختیار کیا کہ زیتون سے ملک شام مراد ہے مترجم کہتا ہے کہ تفسیر کے اقسام میں پس عام تفسیر تو وہی معنی معروف انجیر زیتون ہیں جو جمہور علماء نے بیان کیے ہیں اور سوائے اسکے یہاں اسرار و معارف ہیں جو خاص علماء کو ظاہر ہوتے ہیں پس یہ اسرار ہوں لہذا ابن عباسؓ سے دونوں منقول ہیں واللہ تعالیٰ اعلم رہا قولہ تعالیٰ و طور سینین تو وہ پہاڑ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کلام سے مشرف فرمایا اور اسکا نام طور ہے سینین اسکی صفت ہے قنادہؒ نے کہا کہ اسکے معنی نیک مبارک ہیں۔ مجاہدؒ نے کہا کہ سریانی زبان میں سینین بمعنی مبارک ہے اور عوام اسکو سیننا بھی کہتے ہیں مجاہدؒ کلبی نے کہا کہ سینین وہ پہاڑ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے خفش نے زعم کیا کہ سینین جمع سینہ ہے ابوہریرہؓ نے کہا کہ سینین کا وزن فعلیل ہے یعنی لام مکرر کر دیا گیا جو نوں کلمہ ہے ولیکن بیان جمع کے معنی لحاظ نہیں رہے بلکہ جس طرح سیننا غیر منصرف ہے اسی طرح سینین بھی غیر منصرف رہا اسلئے کہ وہ قطعہ زمین کا نام ہو گیا۔ بعض نے کہا کہ اس پہاڑ کی قسم فرمائی کیونکہ وہ ارض مقدسہ میں سے ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے برکت عطا فرمائی ہے اور سب سے بڑی برکت یہ کہ اس پر موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا رازیؒ نے کہا کہ یہ مقام بوجہ اپنی برکت یا خوبصورتی کے سینین و سینا کے نام سے موسوم ہوا مترجم کہتا ہے کہ اس صورت میں حاصل یہ کہ طور تو ہر پہاڑ جس پر اللہ تعالیٰ نے برکت عطا فرمائی ہے اور زنا مذ اسلام و جاہلیت میں زبان لوگ مامون و محفوظ تھے اور رازیؒ نے نقل کیا کہ وہ خود بھی آیت کے حفاظت فرماتا ہے اور زنا مذ اسلام و جاہلیت میں زبان لوگ مامون و محفوظ تھے اور رازیؒ نے نقل کیا کہ وہ خود بھی آیت کے حکم سے مامون ہے (اول) تو اللہ تعالیٰ نے اسکو اصحاب الفیل سے محفوظ رکھا (دوم) یہ کہ اگر کسی نے خون کیا اور واجب القتل ہوا پھر اسے حرم میں پناہ لی تو محفوظ ہے بلکہ درندے اور وحشی جانور جب حرم میں آ جاوین تب پناہ میں ہیں (سوم)

دوا ہونا خود ظاہر ہو کیونکہ بدن سے ناکارہ فضول نکالنے میں اس سے علاج کرتے ہیں رازیؒ نے کہا کہ فوائد مذکورہ کے علاوہ بھی انجیر میں بعض خواص ہیں (۱) یہ کہ انجیر ظاہر و باطن میں یکساں ہے برخلاف اخروٹ و بادام اور چھوڑے کے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ پھلون میں سے بعض ظاہر میں خراب اور باطن میں اچھے ہیں جیسے اخروٹ اور بادام ہیں اور پھل کا خراب ہے اور اندر اچھا ہے جیسے خرنبزہ کا پھل کا خراب ہے اور بعض ظاہر میں اچھے اور باطن میں مکے ہیں جیسے چھوڑے میں اندر بیکار گٹھلی ہے جیسے آلو بخارا ہے برخلاف انکے انجیر اور پرا اندر سب اچھا ہے (۲) تین قسم کے درخت ہیں ایک قسم وہ جو پھلون کی امید دلاتے مگر نہیں لاتے جیسے جھاؤ کے درخت دوم جو پھول سے وعدہ دیکر پھل لاتے ہیں جیسے سبب و نارنگی و امروہ و آم وغیرہ تیسرے قسم وہ جو وعدہ سے انتظار نہیں دیتے جیسے انجیر کہ وہ پھل نکال دیتا ہے گویا اپنے نفس کی آرائش میں مصروف ہونے سے پہلے غیروں کو نفع پہنچانے کا اہتمام مقدم کرتا ہے برخلاف دوسرے درختوں کے جو اول اپنے آپ کو پھلون سے سنوارتے ہیں تب غیروں کے لیے پھل نکالتے ہیں تو انجیر کی فضیلت ظاہر ہے (۳) انجیر میں مزید فضیلت یہ کہ سال میں اگر موسم میں پھل ساقط ہوا تو دوبارہ پھل پاتا ہے برخلاف دوسرے درختوں کے (۴) خواب میں انجیر پاتے دیکھے تو مال و دولت اور زینہ اولاد ہے (۵) روایت ہے کہ آدم علیہ السلام نے جب جنت میں ممنوع پھل کھایا اور لباس ساقط ہوا تو آپ نے انجیر کے پتوں سے بدن چھپایا تھا یعنی انجیر ہمارے باپ کے واسطے پردہ پوش ہے۔ روایت ہے کہ جب آدم علیہ السلام زمین پر اتارے گئے تو اُن کو وحشت ہوئی یعنی تنہائی میں گھبرائے پس ہرن نے دیکھ کر افسوس کیا اور چاہا کہ انکی دلداری میں حاضر ہو پس آدم علیہ السلام ہرن کے آنے سے مانوس ہوئے اور چاہا کہ اسکے کام کا شکریہ ادا کریں لہذا اسکو انجیر کے پتے کا ٹکڑا کھلایا۔ ہرن نہایت خوش ہوا اور اسکی خوبی سے ہرن خود بصورت ہوا اور خوشبو سے مشک پیدا ہوا جب ہرن کو دوسرے جانوروں نے دیکھا تو اُنکو لالچ آیا اور دوسرے روز وہ جانور بھی حضرت آدمؑ کا جی بہلانے آئے اور آدمؑ نے انکو بھی پتی کھلائی لیکن اُنکے اندر مشک پیدا نہ ہوا اسلیے کہ اُنکی اصل نیت فقط یہ نہیں تھی کہ حضرت آدمؑ کی دلداری کریں بلکہ باطن میں اپنا نفع بھی چاہتے تھے برخلاف ہرن کے کہ اُسکی نیت میں لگاؤ نہیں تھا (الزیتون) رازیؒ نے کہا کہ یدرخت مبارک بھی ایک حصے فواکہ میں شامل ہے اور ایک طرح سے روٹی کے ساتھ کھانے کی چیز ہے اور اکثر ملکوں میں خود پیدا ہوتا ہے لوگوں کے تردد کرنے اور پرورش کرنے کا محتاج نہیں ہوتا اور یہ چراغ جلانے کے کام میں آتا ہے اور عجب یہ کہ ایسے پہاڑوں میں پیدا ہوتا ہے جہاں چکناہٹ کا نام نہیں ہے اور کہتے ہیں کہ جسے خواب میں زیتون کا پتہ لیا تو اُسے مضبوط دستگی پکڑ لی۔ ایک مریض نے ابن سیرینؒ سے کہا کہ خواب میں مجھے کہا گیا کہ اپنے کھانے میں (لام) اور پینے میں (لا) استعمال کر تجکو شفا ہو جائیگی۔ ابن سیرینؒ نے کہا کہ تو زیتون استعمال کر کیونکہ تیرا اُن میں اُسکی شان میں لاشرفیہ و لاغریتہ وارد ہوا ہے (تفسیر کبیر مترجم) کہ شیخ ابن الجوزیؒ ازہم نے یہ قصہ بعض متأخرین سے نقل کیا ہے واللہ تعالیٰ اعلم رازیؒ نے کہا کہ اکثر مفسرین کا قول والتین والزیتون میں یہ ہے کہ اس سے مراد انجیر وزیتون ہے لیکن یہ دونوں چیزیں معروف جنگلوں کے کھاتے ہیں پس واجب ہے کہ جو معنی موافق لغت عرب کے ظاہر میں دہی لیے حساب وین اور یقین کیا جاوے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں کی قسم یا وفرائی بوجہ اسکے کہ ان میں منافع و مصالح بکثرت ہیں بعض نے کہا کہ معروف تین وزیتون مراد نہیں بلکہ تین وزیتون و ہذا البلد الامین سے انبیا علیہم السلام کی بعثت کے

وابرہیم خنی و ابن زید و کعب احبار نے کہا کہ مراد مکہ ہے اور اسکی تفسیر میں کچھ اختلاف نہیں ہوئے۔ امامون نے کہا کہ التین دائرتوں و طور سینین
 و ہذا البلد الامین۔ یہ تین مقام ہیں ہر ایک میں اللہ تعالیٰ نے ایک پیغمبر اور الوعزم صاحب شریعت بھیجا (اول) جہان تین و
 زیتون یعنی انجیر و زیتون پیدا ہوتا ہے اور وہ بیت المقدس ہے وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور پیغمبر کیے گئے
 (دوم) طور سینین وہ طور سینا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا (سوم) ہذا البلد الامین۔ مکہ ہے کیونکہ
 اللہ تعالیٰ نے فرمایا من دخلہ کان آمنا۔ جو اُس میں داخل ہو وہ بے خوف ہے اسی میں اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث
 فرمایا۔ ان علماء نے کہا کہ توریت کے آخرین ان تین مقامات کا ذکر ہے اس طرح کہ۔ جاء اللہ من سینا و اشرق من ساعر
 و استقل من جبال فاران۔ آیا اللہ تعالیٰ سینا سے اور روشن ہوا ساعر سے اور علانیہ ظاہر ہو گیا فاران کے پہاڑوں سے
 ہو۔ سینا سے مراد طور سینا ہے اور ساعر سے بیت المقدس کا پہاڑ جہاں سے حضرت عیسیٰ کا ظہور ہوا اور جبال فاران کے پہاڑ
 ہیں جہاں سے اللہ تعالیٰ نے محمد صلعم کو بھیجا پس جس طرح سے ان انبیاء کا وجود ہوا اسی ترتیب سے توریت میں ذکر ہے اور
 اول سے دوم اشرف ہے اور دوم سے سوم اشرف ہے (تفسیر ابن کثیر) مترجم کہتا ہے کہ اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ موسیٰ
 علیہ السلام سے عیسیٰ اشرف ہیں حالانکہ مشہور قول اسکے خلاف ہے یعنی موسیٰ اشرف ہیں اور معراج کی حدیث بھی اس پر دلالت
 کرتی ہے کیونکہ حضرت موسیٰ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چھٹے آسمان میں دیکھا اور عیسیٰ علیہ السلام اس سے نیچے تھے اور علاوہ
 اسکے عیسیٰ علیہ السلام پر توریت کی سب شریعت باقی رہی سوائے بعض احکام کے جو منسوخ ہوئے اور رہا یہ بیان جو توریت سے
 نقل کیا تو اس میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت والوہیت کا ظہور مذکور ہے اور ظہور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں شروع ہوا
 پھر قریب دو ہزار برس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہدایت سے زیادہ ظہور ہوا پھر حضرت محمد صلعم کی ہدایت سے اعلان
 ہو گیا واللہ تعالیٰ اعلم تفسیر کبیر و خطیب وغیرہ میں ہے کہ قولہ تعالیٰ والیتن آلم یہاں سوال یہ ہے کہ تین انجیر ہے اور زیتون بھی
 معروف ہے۔ یہ دونوں چیزیں کچھ شریف چیزوں سے نہیں ہیں تو انکی قسم کس معنی میں واقع ہوئی ہے (جواب) میں دو طریقہ ہیں
 ایک یہ کہ ہاں یہی معروف چیزیں ہیں جیسے ابن عباس رضی سے روایت ہے اور انکی شرافت ظاہر ہے چنانچہ تین (انجیر) کی
 نسبت کہا گیا کہ اُس میں غذا دو اونا کہ ہونا سب جمع ہیں۔ غذا اسلیے کہ اطباء کا تجربہ ہے کہ انجیر طعام لطیف سرلج المضم
 کہ معدہ میں نہیں ٹھہرتا اور طبیعت (قضاے حاجت) کو نرم رکھتا ہے اور پسینہ کی راہ سے نکل جاتا ہے اور بلغم کو کم کرتا ہے اور گردن کو
 پاک کرتا ہے اور مشانہ کی ریت وغیرہ دور کرتا ہے اور بدن کو تازہ و فربہ کرتا ہے اور حلو و تنی کے مسام کھول دیتا ہے یہ سب اسوقت ہے کہ غذا
 کے طور پر کھا یا جاوے اور اگر بعد غذا کے تفرج کے طور کھاوین تو سب فواید سے بہتر و نافع ہے۔ روایت کیا گیا کہ رسول اللہ صلی
 علیہ وسلم کی خدمت میں ایک طبیب انجیر بطور ہدیہ لایا گیا پس آپ نے اُس میں سے تناول فرمایا اور اصحاب سے ارشاد کیا کہ تم بھی
 کھاؤ اور فرمایا کہ اگر حبش سے کوئی فاکہ اُترتا تو گویا یہی تھا یعنی اس میں بھی گٹھلی نہیں ہے جیسے جنت کے میوہ جات میں نہیں ہے
 اسکو کھانا چاہیے کہ یہ بوا سیر قطع کرتا اور نقرس کو فائدہ دیتا ہے مترجم کہتا ہے کہ رازی و خطیب نے اس کو نقل کیا اور بعض
 محدثین نے اسکو موصوع کہا ہے اور یہی اشہ ہے **موسیٰ بن علی بن الرضا رضی اللہ عنہ** نے کہا کہ انجیر سے منہ کی بدبو
 مٹ جاتی ہے اور بال بڑھ جاتے ہیں اور فالج سے بے حونی ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انجیر مغلیہ فواید کے ہے اور

آنحضرت صلعم سے اس سورہ کی قرات سنی اور ایک مرتبہ سفر میں نماز عشا میں بھی سنی اور شاید کہ مغرب سے مراد عشا ہو تو سب سے پہلی سفر کا واقعہ بیان کیا ہے اور اس سے پہلے نکلا کہ مغرب میں ایسی سورت پڑھتی جاوے اور اگر سفر وغیرہ کی حالت ہو تو عشا میں بھی ہلکی قرات مسنون ہے۔ زررہ بن نلیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں میارہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ (یعنی ایک جماعت کے) آپ نے ہم کو اسلام بھیجایا تو ہم سب مسلمان ہو گئے پس جب صبح کی نماز پڑھی تو آپ نے والتین الزیتون اور انزلناہ فی اللیلۃ القدر سے قرات فرمائی (ابن قانع وابن السکن والشیرازی) اس روایت سے معلوم ہوا کہ کبھی آنحضرت صلعم نماز فجر میں بھی بہت چھوٹی سورت پڑھتے تھے اور احتمال یہ ہے کہ شاید آپ سفر میں ہوں واللہ تعالیٰ اعلم کیونکہ مدینہ میں معمول طریقہ نماز فجر کے قرآن میں پڑھا کہ کسی قدر طولانی قرات پڑھتے تھے لیکن امام کو یہ ارشاد حدیث میں صحیح ہے کہ فرضیہ قرات میں تخفیف کرے کیونکہ اسکے پیچھے ضعیف و بوزہا حاجت مند ہوتا ہے پس شاید کسی مقتدی کی جست سے تخفیف ہو واللہ تعالیٰ اعلم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الذین والزیتون ۱ و طور سینین ۲ و ہذا البلد الامین ۳ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ۴

اور اس شہر امن والے کی اور طور سینین کی اور زمین کی اور اس شہر امن والے کی

الذین امنوا وعملوا الصالحات ۵ فلهم اجر غیر ممنون ۶

انہیں نے بنایا آدمی خوب سے خوب انداز سے پر پھر پھینک دیا اسکو نیچوں سے نیچے

فما یکن بک بعد بالذین ۷ الیس اللہ با حکم الحاکمین ۸

مگر جو یقین لائے اور کین بھلائیوں سو انکو نیک ہے لے انتہا

بھرا اس پیچھے تو کیوں جھٹلاوے بدلہ ملنا کیا نہیں ہے اللہ سب حاکموں سے بہتر حاکم

اس سورہ مبارک میں اللہ تعالیٰ نے تین و زیتون و طور سینین اور اس بلد الامین کی قسم سے فرمایا کہ ہم نے انسان کو احسن تقویم پر پیدا کیا پھر اسکو اسفل سافلین کی طرف پھیر دیا سو اے ایسے بندوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے کہ انکے لیے البتہ ثواب غیر مقلوع ہے یعنی برابر جاری ہے کبھی منقطع نہوگا پس نہ نصیحت فرمائی کہ اے انسان اب کیا چیز باعث ہوتی ہے کہ تو سزا و جزا ملنے سے منکر ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پیدا کرنے والا اور دہرانے والا ہے اور وہی احکم الحاکمین ہے یعنی اس سے ظاہر ہے کہ وہ جو کچھ حکم فرما و بگاڑہ واقع ہوگا اور اُس میں سب قدرت ہے تو پورا فیصلہ اسکے اختیار میں ہے قالنہ والتین و الزیتون و طور سینین ۱ و ہذا البلد الامین ۲ قسم ہے تین اور زیتون اور طور سینین کی اور اس بلد امین کی ف یہاں تک قسم تو اور اس قسم کے ساتھ فرمایا۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ۴ البتہ ہم نے پیدا کیا انسان کو سب سے اچھی تقویم پر ف یعنی سب سے اچھی صورت ظاہری و باطنی پر انسان کو مخلوق کیا۔ پھر انسان میں سے بہت سے جاہل احق ہیں جو اسوقت یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اپنی طاقت سے

لوٹنے کی خبر بیان کی۔ ابوطالب اس جستجو میں نکلے۔ دیکھا کہ وہ خبر سچ ہو اور علی رضی اللہ عنہ سے کاٹنے لگے۔ ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یہ کیا دین ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے چچا یہ دین وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک کے واسطے پسند فرمایا اور اسکی ہدایت کے لیے انبیاء بھیجے اور اسکے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب کو اس دین حق کی جانب بلایا اور آیات توحید سنائیں۔ ابوطالب نے کہا کہ اے بھتیجے میرا جی نہیں مانتا کہ عبدالمطلب کی ملت چھوڑ دوں ولیکن تم جس کام کے واسطے مامور ہو اسکے بجالانے میں ثابت قدم رہو جب تک میں زندہ ہوں تمہاری مدد و معاونت میں دروغ نہ کرونگا اور تم کو دشمن سے محفوظ رکھوں گا مہانتک کہ تم جس کام کے لیے مامور ہو اللہ تعالیٰ اُسکو پورا کرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے چچا تم میری حفاظت کی فکر نہ کرو بلکہ اپنی جان کی فکر کرو اور جسے مجھے بھیجا ہے وہ میرا حافظ و ناصر ہے۔ ابوطالب نے اسکے بعد اپنے فرزند حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منہ کر کے فرمایا کہ تیرے حق میں کچھ مضائقہ نہیں کہ اپنے چچے بھائی کا دین پسندیدہ اختیار کرے۔ ابوطالب کی اس گفتگو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خوش دل ہوئے اور ابوطالب جب واپس ہو کر گھر آئے تو فاطمہ بنت اسد نے کہا کہ کیا تم اس بات پر رضی ہو گئے کہ تمہارا بیٹا صابی (دین سے منحرف) ہو جاوے ابوطالب نے کہا کہ چپ رہو اور تو اُس سے کچھ تعرض نہ کر کیونکہ واللہ یہی سزاوار ہے کہ وہ اپنے چچا زاد بھائی کی مدد کرے اور اگر میرا جی مانتا کہ دین عبدالمطلب چھوڑ دوں تو یہی لائق تھا کہ میں دین محمد کی پیروی کرتا۔ جب قریش نے ابوطالب کی گفتگو سنی تو بہت ہراساں ہوئے تبلیغ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و معجزات اور معانی آیات و بشارات اس کثرت سے بے شمار ہیں کہ ایسے مختصر صفحات میں انکابیان محال ہو اور اس امت ایمانیہ کے واسطے مبارکباد ہے کہ جسکے واسطے اللہ تعالیٰ نے اپنا حبیب مختار خاتم النبیین افضل المرسلین خیر المخلوق جمیع مبعوث فرمایا اللہم صل علیہ وآلہ وصحبہ وسلم لا تنقطع ابدا وسلم تسلیما کثیرا کثیرا و الحمد للہ رب العالمین آمین

سورة التین مکیة و هی ثمان آیات

یہ سورہ مبارکہ چھوڑ علماء کے نزدیک مکیہ ہے۔ اور خطیب نے قتادہ سے اور قرطبی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ یہ سورہ مدنیہ ہے ولیکن ابن عباس سے رضی اللہ عنہما کے خلاف روایت موجود ہے چنانچہ ابن الفریس و نحاس و ابن مردویہ و بیہقی نے اسناد کیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ سورہ التین کا نزول مکہ میں ہوا ہے اور یہی قول ابن الزبیر رضی اللہ عنہ سے ابن مردویہ نے روایت کیا۔ یہ سورہ آٹھ آیات ہیں اور چونتیس کلمات ہیں اور ایک سو پچاس حروف ہیں ذکرہ الخطیب۔ امام بخاری و مسلم نے برابر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سفر میں عشا کی نماز پڑھائی تو ایک رکعت میں سورہ التین و الزمیتون پڑھی پس میں نے آپ سے بہتر آواز خوب اور قرات خوب نہیں سنی (رواہ اہل السنن و غیرہم) برابر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی تو آپ نے سورہ التین قرات فرمائی (رواہ الخطیب البغدادی) اور اسکے مانند عبد اللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ سے طبرانی و ابن ابی شیبہ نے روایت کی مترجم کہتا ہے کہ شاید برابر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مغرب کی نماز میں

مقام ایک موضع ہجرت میں اور زمین کھاری ہو اور وہاں خرمائے درخت بہت ہیں۔ میں نے کہا کہ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب کو جانتا ہوں لیکن بعثت کی خبر نہیں رکھتا ہوں راہب کی یہ بات میرے دل میں جم گئی جب کہ میں وہیں آیا تو میں نے سب سے پہلے یہی پوچھا کہ میرے پیچھے یہاں کوئی بات نئی پیدا ہوئی ہو۔ لوگوں نے کہا کہ ہاں محمد بن عبد اللہ نے نبوت کا دعویٰ کیا اور ابو بکر بن ابی قحاذ نے اسکی تصدیق کی یعنی ایمان لایا۔ میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا انھوں نے مجھے نصیحت کی تو میں مسلمان ہو گیا اور میں نے یہ قصہ اُن سے بیان کیا ذکر سابقین صحیح قول یہ ہے کہ ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عورتوں میں سے سب سے اول آپ کی نبوت مانی اور اشراف احرار میں سے اول ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں اور موالی میں سے اول زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ہیں اور اطفال میں سے اول حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ چونکہ قریش میں سے ایک رکن تھے مکارم اخلاق ومحاسن اعمال وخصائل پسندیدہ اور صفات نفیسہ و لوازم ہمانداری و صیافت وغیرہ عمدہ اخلاق میں بے مثل و بے نظیر مشہور معروف تھے اور عقل کامل رکھتے تھے حتیٰ کہ کاروبار بزرگ میں قریش انھیں کی طرف رجوع لاتے اور نسب کی معرفت میں مشہور تھے اسلئے قریش انکی خدمت و مصاحبت میں کثرت حاضر ہوتے تھے لہذا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خود ایمان لانے کے بعد اپنے جلسہ والوں کو ہدایت کرنے پر بہت باغی اور آپ کی ہدایت سے اشراف و موالی اسلام سے مشرف ہوئے جیسے عثمان بن عفان و زبیر بن العوام و طلحہ بن عبید اللہ و سعد بن ابی وقاص و عبد الرحمن بن عوف و ابو عبیدہ بن الجراح و سعید بن زید رضی اللہ عنہم اور یہ سب لوگ وہ ہیں جنکو جنتی ہونے کی بشارت قطعی دیدی گئی ہو۔ اور جیسے ابوسلمہ مخزومی و عثمان بن مظعون اور ارقم بن ابی الارقم و عمار بن یاسر و اسکی والدہ سمیہ رضی اللہ عنہا و عامر بن فہیرہ و قیس بن حذافہ و خالد بن سعید بن العاص و عبد اللہ بن جحش الاسدی و بلال صہیب و خباب بن الارت و عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اور اُنکے سوائے بھی ایک جماعت مردوں و عورتوں سے وہ ہیں جو سبقت کر کے ایمان لائے ہیں۔ کتب سیر میں مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے یہاں پر درش فرماتے تھے اسلئے کہ خطبے موسم میں آپ نے حضرت عباس بن عبد المطلب سے کہا کہ چچا ابو طالب کا مال کم اور عیال زیادہ ہیں لہذا مناسب یہ ہے کہ اُنکی اولاد میں سے بعض کو میں اپنے ساتھ رکھوں اور بعض کو آپ اپنے ساتھ لے لیجئے عباس رضی اللہ عنہ کو یہ رائے پسند آئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس لائے یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر دس برس کی ہوئی ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دو گانہ فریضہ پڑھتے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ ای محمد یہ کیا کام ہے آپ نے ایمان تلقین کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ بغیر مشورت ابو طالب کے میں کچھ کام نہ کروں گا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ای علی اگر تجھے قبول کی توفیق ہو تو بہتر ہو ورنہ مخفی رکھنا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُس وقت سکوت کیا اور رات گزری دوسرے روز صبح کو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دین حق دریافت کیا اور ایمان لائے اور ابو طالب سے یہ حال چھپایا۔ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہاؤ میں قبل غروب کے نماز پڑھنے نماز عصر پڑھتے تھے کہ ایک لوتھی نے جا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ فاطمہ بنت اسد کو خبر دی۔ فاطمہ نے ابو طالب سے کہا کہ علی ہر دم محمد کے ساتھ رہتا ہے ایسا نہ کہ اُسکی تعلیم سے باپ دادا کا دین چھوڑ کر ایسی راہ اختیار کرے کہ جس سے ہم لوگوں کو عار ہو۔ ابو طالب نے کہا کہ وہ بغیر میرے مشورے کے ایسا نہیں کرے گا فاطمہ نے ابو طالب سے

مبعوث ہونے والے ہیں علامات بہت نزدیک ہیں۔ ہم لوگ اُنکے لوا سے نبوت کے سایہ میں جہاد کر کے تمہارا بھیجا لٹکا لینے قدرت الہی سے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت ہم کو پہونچی تو ہمارا قبیلہ مسلمان ہو گیا اور قوم یہود بوجہ حسد کے ہلاک ہوئی یہودیوں نے اپنے تصور میں یہ نقشہ چاہا تھا کہ وہ پیغمبر خاتم النبیین خاندان اسمعیل ۱۲ سے ہوگا اور بنی اسرائیل اس کے پیچھے قمراتی ہیں تو وہ ان دونوں خاندان کو جمع کر لیا اور انھیں کو خاص قوم قرار دیکر انھیں کے ذریعہ سے دوسروں کو مغلوب کر لیا۔ یہ نہیں جانا کہ وہ پیغمبر عظیم الشان تمام قوموں کی طرف بھیجا گیا ہو تو سب قومیں اُسکی عام رحمت سے مستحق ہیں برخلاف انبیاء سابقین کے جو فقط اپنی قوم کی طرف بھیجے جاتے تھے۔ سلمہ انصاری کہتے ہیں کہ میں فوجوان تھا کہ میں نے ایک یہودی کو بنی عبدالاشہل کی چو پال میں یہ کہتے سنا کہ عنقریب ایک پیغمبر خاتم النبیین مبعوث ہوگا جسکی صورت و سیرت یہ ہے یعنی مفصل و صحیح بیان کی اور قیامت میں اُسکی امت کیواسطے ایسے درجات کرامت ہیں اور اُسے حساب و کتاب و جنت و دوزخ کا ذکر کیا قوم نے کہا کہ بھلا وہ پیغمبر کب تک آویگا۔ یہودی نے میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ میں یقین کرنا ہوں کہ یہ۔ لڑکا اُسکو پاویگا۔ واللہ میں تو اُس روز سے منتظر تھا یہاں تک کہ اس نعمت کو پہونچ گیا۔ پھر میں نے اسی یہودی سے کہا کہ اوی شخص تو عجب بد بخت ہو۔ کہنے لگا کہ یہ وہ نہیں ہے میں نے کہا کہ وہی صورت و سیرت و صفات رحمت و آثار کرامت ٹھیک موجود ہیں کہنے لگا کہ میں نے اس وقت بھولے سے کہا ہوگا اب میں نے کتاب میں دیکھا تو وہ پیغمبر گندمی رنگ سیاہی مایل ہوگا یعنی اُسے صفات بدل دیے۔ میں نے کہا کہ تجھ پر اور تیری شہادت پرف ہو۔ بنی قریظہ یہود میں سے ایک قوم مسلمان ہو گئی تھی چنانچہ سورہ ہشر کی تفسیر میں گزرا وہ لوگ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بعد ہمارے اسلام کا سبب ہوا کہ دس برس پہلے ایک بوڑھا عالم باہر سے آکر ہم میں مقیم ہوا جب وہ مرنے لگا تو ہم لوگوں سے کہا کہ اوی قوم میں نے وطن چھوڑ کر یہاں اسلیے توطن اختیار کیا تھا کہ حضرت خاتم النبیین کی قدوسی سے مشرف ہوں یہ آرزو دل میں رہی اب تم کو وصیت کرتا ہوں کہ میرے علم میں یہی شہر اسکا دار ہجرت ہوگا جب وہ تشریف لاوے تو سب سے پہلے تم اُسپر ایمان لائیو اس سے پہلے کہ اُسکے ہاتھوں سے قتل و قید و خوار ہو کیونکہ اُسکو جہاد کا حکم مانند شریعت موسیٰ کے ہوگا۔ یہ وصیت ہم لوگوں نے سنی تھی لہذا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کو خوار کیا اور بنو قریظہ کا محاصرہ کیا تو ہم نے دیکھا کہ کیونکر اللہ تعالیٰ آپ کو بکثرت دشمنوں پر فتح دیتا ہو پس ہم کو وصیت یاد آئی اور ہم نے مشورہ کیا کہ قریظہ وغیرہ جھوٹے خود غرض ہیں اور بے شک اُس عالم بزرگ کی وصیت سچی و بے غرض تھی پس ہم لوگوں نے حضور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر کرامت ایمان حاصل کی طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اشرف قریش میں سے ہیں جو سابقین میں ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے قطعی جنتی ہونے کی بشارت پائے ہوئے صحابہ میں سے ہیں وہ بیان فرماتے ہیں کہ میں حسب معمول تجارت کے لیے گیا تھا اور بصرہ کی منڈی میں اپنا مال فروخت کرتا تھا ناگاہ میں نے دیکھا کہ ایک راہب نصرانی جو بصرہ میں رہتا تھا اپنی جماعت میں یہ پوچھتا ہوا آتا ہے کہ اس منڈی میں کوئی شخص ہتامہ کے شہر مکہ میں سے ہو۔ میں نے کہا کہ ہاں ایک میں ہوں فائدہ اترایو اُس میں سے ایک میں ہوں اُس نے مہربانی کی باتیں کر کے پوچھا کہ مکہ میں احمد ظاہر ہوا ہے میں نے کہا کہ احمد کس شخص کی نسبت سے ہو اُس نے کہا کہ احمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب اور ہم لوگ جانتے ہیں کہ وہ اسی مہینہ میں مبعوث ہوگا اور وہ خاتم النبیین ہے اور ظہور اسکا مکہ سے ہوگا اور اُسکی ہجرت کا

اپنی جوانی کی آرزو کی ولیکن ہدایت کا حکم نازل ہونے سے پہلے ورقہ نے انتقال کیا اور آپ نے اسکو سفید لباس میں خواب میں دیکھ کر فرمایا کہ اگر وہ اہل مغفرت میں سے نہوتا تو دوسرے لباس میں نظر آتا۔ یہ کرامت اس وجہ سے کہ اسنے آپکی تصدیق کی اور ایمان لایا تھا واضح ہو کہ حضرت خدیجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دولڑکے طیب و طہر اور بقول دیگر میں لڑکے مع قاسم کے جو صغیر انتقال کر گئے اور چار لڑکیاں رقیہ و ام کلثوم و زینب و فاطمہ جو زندہ ہیں اولاد پیدا ہوئیں اور سوا سے اگلے کسی منکوحہ سے اولاد نہیں ہوئی ولیکن ماریہ قبطیہ سے مدینہ میں حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلعم پیدا ہوئے اور ڈیڑھ برس کے ہو کر حنت کو سدھارے سال ۳۵- اس سال قریش نے خانہ کعبہ کی عمارت نئی بنانے کا اہتمام کیا کیونکہ سیلاب کی ریگ برابر آگئی کیونکہ دیوارین چوٹی تھیں حتی کہ بعض بدکاروں نے چڑھادے کا خزانہ چور لیا تھا لہذا احاطہ ناپ کر قریش کے خاندانوں میں سب پر تقسیم کیا گیا ولیکن خرچہ کچھ کم پڑا اسلئے حلیم کو خارج کرویا اور قریش نے پہاڑوں سے پتھر لایا کہ اہتمام کیا حتی کہ آنحضرت علیہ السلام بھی اس میں شریک تھے۔ عباس بن عبدالمطلب آپ کے چچانے کہا کہ اویختہ تم بھی جو انان قریش کی طرح اپنی ازار کھول کر کندھے پر رکھ لو تا کہ پتھر سے صدمہ نہ ہو پچھے آپ نے اس امر سے کراہت کی ولیکن چچا کے اصرار سے ناچار ایسا کیا اور جیسے ہی شتر مبارک پہنچا ہوا آپ بیہوش گرے اور آنکھیں اوپر چڑھ گئیں اور آخر ازاد مبارک پس لی پہلے شکستہ دیواروں کے گرانے میں کوئی جبروت نہ کرتا مترجم نے اسکا مفصل حال پارہ اول کے آخر میں لکھا جو نئی دیوارین بلند کر کے اُسکے چھت پائنے کے لیے رومی جہاز کی لکڑیاں خریدیں جو جدہ میں ٹوٹ گیا تھا اور تباری کے بعد حجر اسود اپنے مقام پر رکھنے کے لیے ہر خاندان نے قصد کیا اور قریب تھا کہ باہم قتال واقع ہو۔ پورے لوگوں نے فتنہ بچانے کی کوشش کی آخر یہ ٹھہرا کہ صبح کو جو شخص باب بنی شیبہ سے اول میں آوے اُسکو حکم بنا دیں وہ جس خاندان کے لیے باجو کچھ حکم کرے سب منظور کریں۔ ناگاہ صبح کو اُس دروازے سے آنحضرت صلعم تشریف لائے قریش بہت خوشی سے کہنے لگے کہ محمد میں آیا۔ قریش آپ کی امانت و دیانت کے اور صدق گفتار حسن کردار کے بالاتفاق قائل تھے۔ یہ معاملہ آپ کے سامنے پیش ہوا آپ نے اپنی چادر مبارک بچھا کر حجر اسود اُس میں رکھا اور ہر خاندان کو حکم دیا کہ اپنے درمیان سے ایک شخص کو بھیجے۔ جب سب جمع ہوئے تو فرمایا کہ ہر ایک اس چادر کا کوہ تھا مواد اٹھا کر اُسکے مقام پر لائے اور آنحضرت صلعم نے اُسکو سب کی طرف سے استوار کر دیا قریش اس حکمت سے بہت خوش ہوئے۔ ذکر انصاری مدینہ مترجم نے اسکو پہلے بیان کیا ہے اور بیان بہت مختصر بیان ہے کہ جب انصاری روم نے شام فتح کر کے یہود کو قتل و خراج کیا تو علماء یہود نے باہمی مشورہ سے چاہا کہ خاتم النبیین کی دار ہجرت میں قیام کریں تاکہ آپ کے اتباع سے فلاح دارین کامل ہو ولیکن دار ہجرت پتھر پر بنی تھی خستہ و سہا و سفید پتھر اور پانی کچھ کھاری ہوگا۔ بعض نے کہا کہ وہ مقام ذرات ہے کیونکہ شام آپ کی امت کا تختگاہ ہوگا۔ بعض نے کہا کہ نہیں بلکہ وہ خیر ہے بعض نے کہا بلکہ وہ شرب (مدینہ طیبہ) ہے غرض کہ ہر گروہ نے اپنے مروجوم کے موافق توطن اختیار کیا۔ جب میں سیل العرم سے خراب ہونے والا تھا تو وہاں ایک مشہور کاہن نے اپنی املاک فروخت کر کے مع اولاد و اقارب وہاں سے کوچ کیا ان میں سے بعض نے مدینہ میں اور بعض نے ہمدان میں قیام کیا۔ مدینہ والوں کو یہود نے خدمتی بنایا ولیکن اللہ تعالیٰ نے ان میں برکت و کثرت ایسی دی کہ چند ہی روز میں انھوں نے یہود کو مغلوب کر لیا۔ عاصم بن عمرو انصاری کہتے ہیں کہ یہود ہم سے مغلوب ہو کر کہا کرتے کہ چند سے ٹھہر دو کہ حق قریب آیت پیغمبر

جلوہ فرمایا اسکے واسطے میں نے اول آیتاں ظہور رحمت دیکھے پھر میں نے خاتم الانبیاء کی تصویر سے جو اس حریر میں میرے پاس تم دیکھتے ہو مقابلہ کیا تو ٹھیک پایا۔ مجھے سوائے اُسکی قد مبوسی کے کچھ عرض نہیں ہے۔ خذیمہ نے راہ سے عذر کیا اُس نے کہا کہ او خذیمہ میں چاہتا ہوں کہ میری ایک وصیت قبول کرو کہ یہود خبیث اس آفتاب رسالت کے دلی دشمن ہیں تم احتیاط رکھنا اور میں تم سے یہ بھیہ بیان کرتا ہوں کہ یہ شخص سرور انبیاء و خاتم المرسلین ہی آئندہ اسی کا نام بزرگ حرز جان ہوگا اور وہیں اسی کا دین ہوگا مجھے اجازت دو کہ میں اُسکے قدم چوموں۔ خذیمہ نے بعد اذان آنحضرت صلعم سے عرض کیا کہ یا حضرت میں نے اپنی جان کو آپ کی محبت میں مقید کیا اور وہاں سے تھوڑے فاصلے پر جا کر اموال تجارت کو حسب لخواہ نفع پر فروخت کر کے خوشی کے ساتھ واپس ہوئے اور معاملہ فروخت میں ایک یہودی نے آنحضرت صلعم سے جھگڑا کیا اور کہا کہ تجھے لات وعزی کی قسم ہے آپ نے فرمایا کہ خاموش ہو کہ اگر میں ان دونوں کی جانب گزرتا ہوں تو ان سے اپنا منہ پھیر لیتا ہوں یہودی نے غور کر کے کہا کہ آپ سچے ہیں اور خذیمہ سے کہا کہ کیا فلاں خاندان سے ہے اور فلاں فلاں امور واقع ہوئے ہیں۔ خذیمہ نے بحسب مصلحت خاموشی اختیار کی۔ اُس نے کہا کہ مجھے چھپانے کی کچھ ضرورت نہیں ہے قسم خدا کی جسے موسیٰ پر تورات نازل کی کہ یہ شخص خاتم النبیین عظیم الشان پیغمبر ہے جسکے اوصاف جمیل ہم اپنی کتاب میں پاتے ہیں۔ پھر آنحضرت سے اپنی بحث کی معافی مانگی۔ باجملہ وہاں سے روانہ ہو کر جلدی و ساسانی کے ساتھ وطن پہنچے گویا زمین ہمارے واسطے لپیٹی جاتی ہے اور کے میں قریب دوپہر کے داخل ہوئے اتفاق سے اس وقت بی بی خدیجہ اپنے بالا خانہ پر اپنی ہمجو لیوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی قافلہ کا تماشا دیکھتی تھیں یکایک حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری نظر آئی کہ آپ جس اونٹ پر سوار ہیں اُس پر دو مرغ سفید کی طرح پارہ ابرسایہ کیے ہوئے ہے اور سواری کے ساتھ روانہ ہو خدیجہ وغیرہ عورتوں نے اس حالت سے تعجب کیا جب خدیجہ کا غلام میسرہ حاضر خدمت ہوا تو اس نے اس سفر کے برکات و کثرت نفع کا ذکر کیا حضرت خدیجہ نے پوچھا کہ آنحضرت کے سر مبارک پر تونے سایہ دیکھا تھا اُس نے عرض کی کہ جس روز سے میں حضور سے رخصت ہوا اُس وقت سے برابر اس طرح ہم سب مشاہدہ ہوا کہ جیسا آج حضور نے دیکھا ہے پھر میسرہ نے بسطور راہب کا ادویہ تاجر کا سب قصہ بیان کیا۔ اُسی وقت سے حضرت خدیجہ کو یہ رغبت ہوئی کہ آنحضرت صلعم کے ساتھ نکاح کریں۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا قبیلہ قریش میں اپنے حسن و جمال میں اور کثرت مال و دولت میں اور عقلمندی و خوبی و عفت میں ممتاز و معروف تھیں اور اکثر رؤسائے قریش نے نکاح کا پیغام دیا مگر بی بی خدیجہ نے منظور نہ کیا چونکہ اس پاکدامن بی بی کو اللہ تعالیٰ نے رسول حبیب کے لیے مختار فرمایا تھا اس شان سے اسکا سامان ہوا اور بعد رضامندی طرفین کے ابوطالب آپ کو لگئے اور مجلس میں خود نکاح کا خطبہ پڑھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل جمیل اپنی وسعت کے موافق بیان کیے اور ایک روایت یہ کہ مہر اپنے مال سے ادا کیا اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے ورقہ بن نوفل اُنکے چچا زاد بھائی نے اور عمر بن اسد اُنکے چچا نے قبولیت تمام کی۔ ابوطالب نے عمر بن اسد کو خاص اصرار سے شریک کیا۔ شاید یہ وجہ ہو کہ ورقہ بن نوفل نے کیش بت پرستی چھوڑ کر دین نصرا نیت اختیار کر لیا تھا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم براذل و حی نازل ہوئی تو ورقہ بن نوفل نے آپ کو نبوت کی بشارت دی اور عداوت قوم و ہجرت کے علامات بیان کیے اور آپ کی نصرت کے واسطے

لہذا سترھویں سال زبیر بن عبد المطلب نے باعباس بن عبد المطلب سے درخواست کی کہ اس سال ہم چاہتے ہیں کہ محمد صلعم کو ساتھ لیکر تجارت کے لیے یمن لے جاؤ۔ اُدھر کچھ خطرہ نہیں ہو اگر آپ اجازت دیں ابو طالب نے منظور کیا اور بے شمار عجائبات مشاہدہ ہوئے بیسویں سال صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک قافلہ یمن تجارت کے قصد سے گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے وہ فوراً سرسبز و پھلدار ہو گیا وہاں ایک راہب رہتا تھا اُسے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ یہ اس اُنت کا پیغمبر ہے حاشا کہ تم اسکو آگے نہ لیجاؤ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی مالِ بخیہ کثیر وہاں فروخت کیا اور واپس آئے سالِ پچیس سے بعثت تک پچیسویں سال ابو طالب نے آپ کو تجارت کی ترغیب دی کیونکہ قریش کی اصلی کمائی یہی تجارت تھی سوائے اسکے کہ عرب کے لوگ انکو متولی حرم محترم و مجاور بیت اللہ سمجھ کر ہر طرف سے ہدیہ بھیجا کرتے تھے لہذا یہ لوگ گرمی کے موسم میں شام و صبح وغیرہ کی طرف تجارت کے لیے جاتے اور جاڑے میں خجہ و یمن وغیرہ کی جانب جاتے تاکہ معتدین سے تدارک مع نفع تجارت کے کمالاویں۔ ابو طالب نے چاہا کہ آپ کے پاس مال کی کثرت ہو جاوے تاکہ قریش کی سرداری کے لیے جس طرح ذاتی فضائل میں اشرف ہیں اسی طرح مالی وسعت میں بھی فائق ہوں اور خود عذر لیا کہ کثرتِ عیال سے مجھ میں اس قدر وسعت نہیں ہو کہ آپ کے لیے مال کثیر علیحدہ کر دوں بالفعل خدیجہ بنت خویلد لوگوں کو مضاربت کے طریقے سے مال دیتی ہو یقین ہو کہ آپ کی دیانت و امانت پر نظر کر کے ضرور آپ کو مال دے اور ابو بکر وغیرہ آپ کے جان نثار دوست ہیں انکے ساتھ تجارت کو جائیے خدیجہ نے جب یہ سنا تو کہلا بھیجا کہ میرا مال لیجئے اور قریش کے مضارب سے و حیزد منفعات آپ کے واسطے مجھے منظور ہے اور اپنا غلام میسرہ نام ساتھ کر دیا اور اپنے تشریف خذیمہ بن حکیم کو بھی ساتھ کیا اور ایک قافلہ میں آپ روانہ مصر ہوئے راہ میں خذیمہ نے عرض کیا کہ اتفاق سے اونٹ رفتار سے عاجز معلوم ہوتا ہے آپ نے فرمایا کہ صبح کو مجھے کہنا۔ جب صبح کو قافلہ تیار ہوا تو میسرہ نے حال عرض کیا آپ نے اونٹ کی ٹانگوں پر ہاتھ مل دیا اور فرمایا کہ بسم اللہ چل وہ اونٹ نہایت تیزی و قوت سے قافلہ کے آگے ہو گیا۔ خذیمہ نے کہا کہ غصہ محمد کے واسطے شانِ عظیم درپیش ہے۔ جب نواحِ شام میں پہنچے تو ایک مقام پر نزل ہوا اور جنگل سے چوراہوں پر راہیوں کے دیر ہر جگہ بنے ہوئے تھے قافلہ کے لوگ اپنی ضروریات میں مشغول ہوئے اور آنحضرت تنہا ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے وہ فی الحال سبز و شاداب ہو گیا۔ راہب نے جو یہ تماشا دیکھا تو فی الفور صومعہ سے اتر آیا اور اپنے ساتھ ایک حریر کا ٹکڑا لایا اور آنحضرت کے پاس گھڑا ہو کر کہنے لگا کہ مجھے اپنی انجیل کی قسم کہ یہ ضرور وہی ہے اور کبھی آنحضرت کو دیکھا اور کبھی اُس بارہ حریر کو دیکھا تھا۔ خذیمہ بن حکیم نے جو یہ حالت دیکھی تو اُن کو لگساں ہوا کہ نصرائیوں نے اس راہب کے پاس آپ کا حلیہ بھیجا ہو تاکہ جہاں پاوے مار ڈالے چنانچہ سابق میں بحیرا راہب کے معاملہ سے قریش میں یہ قصہ مشہور ہو گیا تھا۔ خذیمہ نے مجر د اس خیال کے فوراً تلوار کھینچ لی اور قافلہ کے لوگوں کو آواز دی راہب مذکور اس حالت کو دیکھ کر ڈر گیا اور فوراً بھاگ کر صومعہ کا دروازہ بند کر لیا اور کوٹھے پر چڑھ کر کہا کہ ایگر وہ قریش تم نے کیوں یہ کام کیا جس سے ایک بے گناہ کو جو تمھارا خیر خواہ ہے قتل کرتے ہو اور اللہ اس مقام پر آج تک کوئی قافلہ نہیں اُترا کہ جو تمھارے اس قافلہ سے زیادہ مجھے محبوب ہو تا خصوصاً مجھ فقیر کو کا روان سے کچھ سروکار نہیں ہے لیکن تمھارے قافلہ میں وہ شخص جو فلان درخت کے نیچے

صوبہ معطر و روشن ہو گیا اور طعام کھانے کی حالت میں بکیر اسب علامات خاتم الانبیاء غور سے دیکھتا رہا بعد فراغت کے بکیر نے ابوطالب سے درخواست کی کہ آپ مع صاحبزادے کے توقف فرماؤں کہ مجھے کچھ عرض کرنا ہو پھر کہا کہ یہ صاحبزادہ آپکا بیٹا ہی۔ ابوطالب نے کہا ہاں بکیر نے کہا کہ میرے خیال میں اسکے ماں باپ انتقال کر چکے ہیں ابوطالب نے کہا کہ اسے راہب فی الحقیقتہ ہی ہے اور میں اسکا چچا ہوں ولیکن یہ مجھے اپنی اولاد سے زیادہ محبوب ہے۔ بکیر نے آنحضرت سے عرض کیا کہ میرا کچھ عرض کرنا اگر ناگوار نہ ہو تو عرض کروں آپ نے اجازت دی۔ بکیر نے معاملہ سے آزمائش کر نیکا تصدیق کیا اور کہا کہ آپ کو لات وغری کی قسم ہے کہ ٹھیک جواب فرماؤں آپ نے کہا کہ یہ قسم مجھے دور رکھ کہ واللہ اس سے زیادہ ناگوار کلمہ میرے نزدیک نہیں ہے۔ بکیر نے کہا کہ باللہ میرا سوال ہے فرمایا کہ پوچھو بکیر نے علامات خاتم الانبیاء دریافت کرنے شروع کیے اور سب مطابق پائے جیسے پوچھا کہ آپ سو جاتے ہیں فرمایا کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل نہیں سوتا۔ بکیر نے ابوطالب وغیرہ سے کہا کہ انکی آنکھ سے یہ سرخی کبھی زائل ہوتی ہے۔ جواب دیا کہ نہیں بکیر نے کہا کہ پشت مبارک کے اوپر مجھے نظر کرنے کی اجازت عطا ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے انکار کیا لیکن جب بکیر نے غبر سے اکاح و نضرع کیا اور ابوطالب سے شفاعت کی درخواست کی تو ناچار آپ نے صرف گردن مبارک سے کچھ دور لباس ہٹانا منظور کیا۔ راہب نے کہا کہ اسی قدر میرے واسطے کافی ہے جب اُسے دو نون شانہ کے درمیان نگاہ کر کے خاتم نبوت کو دیکھا تو اسکی ہیبت سے تھہر کر لگا اور ابوطالب وغیرہ اس حالت سے متحیر ہوئے بکیر نے بہت ادب کے ساتھ بوسہ دیا اور آپ کے ہاتھ پاؤں جوئے اور کہا کہ اے قوم واللہ یہی سید العالمین رحمت عام الہی ہے اے قوم تم کو مبارک ہو۔ قریش نے آپس میں کہا کہ راہب کے نزدیک محمد کا بڑا مرتبہ ہے۔ بعد اسکے بکیر نے ابوطالب سے کہا کہ اے سردار قریش تم نے میرا سچ و جھوٹ معلوم کر لیا کہ کیونکر میں نے تم کو سچے حال سے آگاہ کر دیا اب تم میری بات مانو کہ اس سردار خلق کو شام میں ہرگز نہ لیجاؤ۔ اسوقت یہود و نصاریٰ سب اسکے دشمن ہیں اور سب کی شناخت و علم میں ہی اسکا زمانہ ہے اور میری طرح ہر ایک عالم جسکو انبیاء کا علم ہے دیکھتے ہی اسکو پہچان جائیگا اور ان دشمنوں سے اسکی جان کا خطرہ ہے یعنی شاید کچھ صدمہ پہونچے۔ روایت ہے کہ ابوطالب اس گفتگو سے متروک ہوئے اور ہنوز قافلہ روانہ ہوا تھا کہ راہب کے یہاں کچھ راہب اور کچھ فوجی سوار آئے۔ راہب نے انکو رخصت کیا تو خوف زدہ ابوطالب کے پاس آیا اور کہا کہ جو کچھ میں نے تم سے کہا تھا دیکھو یہ جماعت بدکار جو میرے یہاں آئے تھے اُسی قسم میں سے ہیں انھوں نے مجھے بیان کیا کہ ہم لوگ بارہ جاعتین بارہ راستوں پر بھیجے گئے ہیں کیونکہ ستارہ محمدی طلوع ہو گیا ہے تو ہم کو حکم ہے کہ جہاں کہیں اسکو پاؤں قتل کریں لہذا شناخت کے واسطے تجھے بھی ہمارے ساتھ شریک ہونا چاہیے۔ میں نے ان بدکاروں سے کہا کہ تم نے اچھی کوشش اختیار کی ولیکن میری رائے میں ایک امر غور کے قابل ہے یعنی اگر وہی شخص ہوگا جسکی تعریف اللہ تعالیٰ کی آسمانی کتابوں میں ہو تو تم لوگ ہرگز اسکو قتل نہیں کر سکتے ہو کیونکہ خدا نے یہ مقرر کیا ہے کہ اسکا دین تمام عالم پر محیط ہو تو یہ ضرور ہوگا اور اگر وہ نہیں ہے تو تم کسی بگیناہ کے قتل سے کیا فائدہ پاؤ گے وہ لوگ کچھ ناووم اور کچھ ناخوش ہو کر میرے یہاں سے چلے گئے ہیں۔ میں نے انکو ایک راستہ بتلایا وہاں ابوطالب یہ سنکر اندیشہ مند ہوئے اور اسباب تجارت سب وہاں فروخت کیا اور خدا تعالیٰ نے حسب دلخواہ نفع عنایت کیا جس سے اہل مکہ کو یقین تھا کہ اسقدر جلد ہی یہ نفع کبیر فقط محمد صلعم کی برکت سے ہے

چاہا کہ آنحضرت کو مکے میں چھوڑ جاؤں آپ نے فرمایا کہ اے عم زبرگوار اس بے مان باپ کے یتیم کو کہاں چھوڑے جاتے ہو ابوطالب کا دل بھرا آیا اور کہا کہ اے فرزند میرے ساتھ چلو گے آپ نے منظور کیا۔ قافلہ روان ہو کر منزلیں طے کر کے مہرے سے دو فرسخ پہلے ایک موضع میں اترنا جسکو کفر کہتے تھے یہ موضع فقر ہے رہبان کا مسکن مشہور تھا اور رہبان زمانہ نبی سے ہجرا راہب بہت مشہور اور کتب سابقہ واقعات ابنیاء سے آگاہ تھا اسکو بغیر آخر الزمان کے اوصاف و حالات سے خوب آگاہی تھی اُس نے معلوم کیا کہ خاتم النبیین اس موضع کو اپنے قدم سے سرفراز فرماویگا اس امید پر وہاں مسکن اختیار کیا تھا ترجمہ کہتا ہے کہ اکثر بشارات کی کیفیت میں یہود و نصاریٰ نے غلط کیا اگرچہ ہجرا راہب نے غلطی کی ہو مثلاً بہت سے نصرانی یہ سمجھ گئے کہ وہ کوئی عظیم الشان بادشاہ ہوگا اور موضع کفر میں اُسکی تشریف آوری کچھ شامانہ شان و تزک کے ساتھ خیال کی اور شک نہیں کہ سابق بشارات نہایت عمدہ تفصیل کے ساتھ تھیں حتیٰ کہ امام کی تعیین بھی تقریباً ٹھیک معلوم تھی اور بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ دراز تک کے واقعات حتیٰ کہ میدان کربلا کے حالات ان کتب میں مذکور تھے چنانچہ کعبہ حبار نے دریائے فرات کے کنارے میدان کربلا سے گزرتے وقت وہاں دیر تک توقف کر کے غور کیا اور خلاصہ واقعہ بیان کیا اسی طرح جب ابو جعفر منصور عباسی خلیفہ نے بغداد بنانے کا قصد کیا تو اُس سے ایک راہب نے کہا کہ اس شہر کو فلان نام کا شخص تعمیر کرے گا۔ یہ نام خود منصور کو اُسکی دانی کہا کرتی تھی۔ بالحدیث حق اہل کتاب نے جسکی نظریں دنیا رچی ہوئی تھی اکثر بشارات صحیحہ کے منہ غلط لگائے۔ پھر جب آنحضرت مسلم کی نبوت سے جہاں روشن ہو گیا تو عداوت و عنوت و جہالت بن رائے گئے اور مانند کتاب الہی کے کتب ابنیاء میں بھی تحریفیات کر ڈالیں۔ بالحدیث موضع کفر راہبوں کا مسکن تھا اور ہجرا راہب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی امید ملازمت پر رہتا تھا۔ جیسے یہود نے آپکا دار ہجرت یعنی مدینہ اسی آرزو میں اختیار کیا تھا اور جو بوڑھا ترما وہ اپنے فرزندوں کو وصیت کرتا کہ جب حضرت خاتم النبیین یہاں آویں تو میری طرف سے سلام عرض کرنا اور تم فوراً ایمان لانا۔ القصہ جب قافلہ موضع کفر میں اترنا تو ہجرا راہب صومعہ سے دیکھا کہ گھاٹی سے ایک قافلہ اترتا ہے جو ہر شان رحمت الہی کے آثار رکھتے ہیں یعنی شدت حرارت میں ابر کسی پر سایہ کیے ہوئے ہو اور درخت و پتھر کسی کے آگے سر جھکاتے ہیں ولیکن کوہ باطن دمیون کو نظر نہیں آتے جیسے انکی آواز کہ السلام علیک یا رسول اللہ۔ ہجرا راہب خوشی کے سب بھول گیا اور ہمہ تن اس کا روانہ کو دیکھنے لگا اور اُسکو یقین ہو گیا کہ بذات سے جسکے انتظار میں تھا وہ اسی قافلہ کا سالار ہو یہاں تک کہ قافلہ اُس باغ میں اترنا اور ابوطالب نے آنحضرت کے لیے ایک درخت کے نیچے بستر بچھایا۔ ہجرا راہب نے دیکھا کہ ایک مرد جوان ہر جسکے چہرے سے آفتاب شرمندہ ہو جیسے ہی اُس نے زیر درخت قیام کیا وہ ابر درخت پر آیا اور قدرت حق سے وہ فوراً سبز و خرم ہو گیا ہجرا راہب نے قافلہ کے پاس پیام بھیجا کہ آپ لوگ آج میری مہمانی قبول فرمائے قافلہ کو اس امر سے کچھ دسواں اور کچھ حیرت ہوئی کہ ہمیشہ قافلہ بیان آیا تو راہب کسی سے بات نہ کرتا۔ آج یہ کیا خلافت معمول پیام ہو۔ ہجرا راہب نے باحاج تمام لشکریں دی حتیٰ کہ اُسکی دعوت میں سب لوگ حاضر ہوئے لیکن ابوطالب نے آنحضرت کو منزل میں آرام کے لیے مع خادم چھوڑ دیا۔ ہجرا راہب نے سب کو تال سے دیکھا پھر صومعہ بڑھ کر نظریں دوبارہ ابر نور درخت پر تھا ہجرا راہب نے اتر کر کہا کہ آپ سے یہ التماس تھا کہ سب تشریف لاؤں حالانکہ مجھے نہیں آئے۔ جواب دیا کہ سداے ایک خرد سال کے سب آئے ہیں اُس نے احاج کیا کہ انکو بھی ضرور لائے جارہے بن عبد المطلب جا کر آنحضرت کو لائے ہجرا راہب نے دیدہ بصیرت سے دیکھا۔

کرتے کہ یہ میرا فرزند حاکم ہوگا۔ چند روز کے بعد مین کے چند قائف اُٹے جو علم قیافہ میں مشہور تھے انھوں نے آپ کو دیکھ کر عبدالمطلب سے کہا کہ ایشیخ اس فرزند کی نگہداشت رکھو کیونکہ مقام ابراہیم میں جو نشان قدم ہے حضرت ابراہیم کے قدم کا نشان ہی اس سے اسکا قدم نہایت مشابہ ہے ہم نے آج تک ایسا قدم نہیں دیکھا۔ عبدالمطلب نے اپنے بیٹے ابوطالب کو انکا قول سنایا اور ام ایمن سے کہا کہ تو اسکی حفاظت میں بہت ہوشیاری سے مشغول رہا کر کیونکہ اہل کتاب یہ زعم کرتے ہیں کہ یہی اس امت کا پیغمبر ہے۔ عبدالمطلب سال پنجم کے آخرین مین گئے تھے وہاں سیف ذی یزن بادشاہ مین نے اس بارہ مین بہت اسرار بیان کیے اور وعدہ لیا کہ سال آئندہ مین جانب صنعا آدین اور بعضے علامات تحقیق کرتے لاوین۔ لیکن سال ششم مین خبر آئی کہ بادشاہ نے انتقال کیا اور اسی سال خود عبدالمطلب نے رحلت کی کہتے ہیں کہ چند سال پہلے درپے کے مین قحط و عسرت سخت پھیلا کھیتی و دودھ سے سوائے نام کے نشان نہ رہا اور فقر و فاقہ نے بیوقوفی کی انتہا کر دی قریش فریب ہلاکت پہونچے عبدالمطلب کی بھتیجی رقیہ کہتی ہیں کہ اتفاق سے مین نے آخری رات مین خواب بلکہ بیداری مین دیکھا کہ ایک ہاتف کہتا ہے کہ اوگر وہ قریش پیغمبر آخر الزمان کے ظہور کا زمانہ ہو اگر تم لوگ اسکی پیروی کرو گے تو بارش و فراخی تم کو بہتر نصیب ہوگی فی الحال دیکھو کہ جو کوئی تم مین سے گورا رنگ بلندی مانل کشادہ پیشانی درازا بر و صاحب فخر و نسب ہے اس سے کہو کہ اپنے فرزند صغیر کو لبیک کہتا ہر آوے اور ہر خاندان قریش مین سے ایک شخص غسل کر کے خوشبو لگا کر اُسکے پیچھے جاوے اور سات بار طواف کر کے کہو ابو قحیس ہر جا کر اس فرزند کو آگے کر کے دعا مانگے اور باقی لوگ آمین کہیں تاکہ خداے تعالیٰ بارش نصیب کرے رقیہ نے کہا کہ صبح کو مین نے اس واقعہ سے جس کسی کو اطلاع دی قسم حق حرم کی کہ اُسے فوراً کہا کہ شخص عبدالمطلب ہو اور قوم مین یہ خبر مشہور ہو گئی اور موافق بیان ہاتف کے سنبے عمل کیا اور عبدالمطلب آنحضرت کو گود مین لیے ہوے باہر آئے اور آپ کو آگے کر کے بارش کی دعا مانگی واللہ ہم لوگ ہنوز وہاں حاضر تھے کہ فوراً آسمان ابر سے بھر گیا اور پانی اس شدت سے برساکہ وادی و نالاب و جھیلین بھر گئیں۔ قریش کے صنادرید مانند عبداللہ بن جہان و شہاب بن النخیرہ وغیرہ نے جو یہ کیفیت مستندہ کی تو آنحضرت صلعم کی مبارک طلعت سے مانوس ہوے اور عبدالمطلب سے کہا کہ آپکو یہ نعمت عظمیٰ مبارک ہو۔ شروع سال سہتم مین عبدالمطلب نے بھی اس جہان فانی سے کوچ کیا اور آنحضرت کو سگے چچا ابوطالب کے سپرد کر کے کامل وصیت کی اسی سال نوغیروان و حاتم طائی نے انتقال کیا۔ ابوطالب نے عبدالمطلب سے بھی زیادہ آنحضرت کی خدمت مین سعی کی حتی کہ ایک لحظہ جدائی ناگوار رکھتے تھے اور راتوں کو اپنے بستر پر سلاتے اور دیکھتے رہتے تھے۔ اولاد ابوطالب مانند طالب و عقیل وغیرہ کے جب تنہا بیٹھ کر کھاتے تو سب کھالیتے اور بھوکے رہ جاتے اور جب آنحضرت کے ساتھ بیٹھتے تو بخوبی سیر ہو جاتے اور طعام باقی رہ جاتا تھا لہذا ابوطالب اپنے حق مین آنحضرت کا ہونا موجب برکت جانتے اور روز بروز صلاح بڑھتی جاتی تھی لہذا اپنی اولاد سے بڑھکر آپ کو پیار کرتے تھے ابوطالب کی رعایت و حمایت اس عمر سے آخر زمانہ تک برابر باقی رہی چنانچہ بعض کلمات سے واضح ہوگا بالجملہ آپ اس پیار سے خوش و خرم رہے یہاں تک کہ سن مبارک بارہ برس کا ہوا اس عرصہ مین ہزار عجائب و غرائب آپ کی ذات مبارک سے روز و شب ظاہر ہوتے تھے جو کتب تواریخ سیرت مین مطول مذکور ہیں سال سیزدہم سے سال پچیس تک تیرہوین سال کے شروع مین ابوطالب نے جانب مصر و شام کا قصد کیا اور بنا بر ضرورت

ہم لگا کہ محمد دادی تہامہ میں ہی اور دوسری روایت میں ہو کہ ابوہل اپنے اونٹ پر ساتھ لایا تھا اور تیسری روایت میں مسعود ثقفی
 و عمرو بن نوفل کا نام ہی اور مترجم کے نزدیک توجیہ یہ ہو کہ عبدالمطلب بھی روانہ ہوئے اور ثقفی و ابن نوفل کچھ دور آگے تھے
 اور ابوہل اُس طرف سے آتا تھا اُسے آپ کو دیکھا کہ درخت سے کھیلنے میں نام پوچھ کر اپنی ردیف میں بٹھالیا و لیکن اونٹنی
 نے چلنے سے انکار کیا ہر چند کوشش کی اُسے غصہ و سرکشی کی۔ ابوہل نے خوف کر کے آنحضرت کو آگے بٹھالیا تو اونٹنی
 فوراً کھڑی ہوئی اور خوشی سے روانہ ہوئی تھوڑی دور پر ثقفی و ابن نوفل مل گئے انھوں نے اس امر کو آزمایا تو ان کے سوارین
 نے بھی اُس وقت قدم اٹھایا جب آنحضرت آگے بیٹھے۔ پھر کچھ دور چل کر عبدالمطلب کو پایا اور اُن کے حوالہ کیا اور
 ابوہل نے یہ عجیب واقعہ جو اونٹنی سے متعلق تھا بیان کیا۔ عبدالمطلب نے حلیمہ کو تسکین دینے کے لیے اُس کے حوالے کیا اور ساتھ
 ساتھ حضرت آمنہ کے گھر لائے اور خود جا کر بہت سے اونٹ قربانی کیے اور لانے والوں کو انعام دیا اور حلیمہ کے واسطے نعمت کثیر
 مہیا کی۔ حلیمہ کہتی ہیں کہ میں نے بی بی آمنہ سے شوق الصدور کا حیرتناک قصہ بیان کر کے کہا کہ اسی واقعہ کی وجہ سے میں
 جدائی پر صبر کرتی ہوں اُس بی بی نے یہ قصہ سن کر کچھ بھی تحریر نہیں کیا بلکہ مجھے فرمایا کہ ہاں میرے اس فرزند کے بارہ میں
 کوئی شان عجیب ہو کیونکہ اسکی ولادت کے زمانہ میں خود میں نے بہت عجیب و عظیم واقعات دیکھے ہیں (کہا نے روایت
 بعض السنن و المسانید) حلیمہ کو پھر واپس لیجانے کی جرأت نہ ہوئی و لیکن اکثر اوقات آبا جابا کرتی تھیں تنبیہ و وضع
 ہو کہ شوق الصدور میں اوپر سے ٹانگے کے نشان ظاہر کر دیے گئے حالانکہ اسکی کچھ ضرورت نہیں تھی اس سے قوم کو اس معجزہ
 کی تصدیق عطا کی۔ اور حرم میں ابوہل وغیرہ سب کو تنبیہ کی گئی کہ تمہاری بہتری اسی میں ہو کہ اسکی امامت قبول
 کرو و نہیں تو ہلاک کیے جاؤ گے واضح ہو کہ اسوقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف چار برس کے تھی واقعات
 چار سے چودہ سال تک واضح ہو کہ ایک قول یہ ہو کہ جب حلیمہ نے آنحضرت کی والدہ ماجدہ سے شوق الصدور
 کا حال کہا تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے اس فرزند کی ولادت میں اس سے بہت زیادہ عجائبات دیکھے ہیں اور حلیمہ کی تسکین
 کر کے فرمایا کہ اسکو ابھی اپنے ساتھ رکھے کیونکہ موائے مکہ سخت گرم ہو یہ بات حلیمہ کی عین مراد تھی اس قول کے موافق غالباً
 شوق الصدور پورے تین برس پر واقع ہوا اور اسکے بعد حلیمہ دوبارہ لائیں و لیکن بعد چند سے یہ سوانح شروع ہوئے کہ اکثر
 اوقات آپ حلیمہ کی نظر سے غائب ہو جاتے تھے لہذا ایک سال کے بعد جب عمر شریف پوری چار برس کی ہوئی حلیمہ نے
 مضطرب ہو کر آپ کو کہے میں پہونچا دیا۔ یہ میں نے اس لیے کہا کہ صحیح قول کے موافق آپ کی والدہ نے پانچویں سال انتقال فرمایا
 ہو بہر حال آپ کی والدہ نے آپ کو امین کے ساتھ لیکر جانب مدینہ سفر کیا تاکہ وہاں اپنے اقارب سے ملاقات کریں اور ایک
 مہینہ رہ کر جب مراجعت کی تو مقام دار النابغہ میں پہونچ کر قبضائے الہی انتقال کیا اور کہتے ہیں کہ اسی مقام پر آپ کے والد کو
 بھی مدفن ہو۔ ام امین آپ کو کہے میں لائیں۔ عبدالمطلب آپ کو گود میں لیکر بہت روئے۔ اتفاق سے ایک کاہن جو کہانت
 میں مشہور تھا کہ میں آبا تھا اُسے دیکھ کر کہا کہ اتر قریش اس طفل کو قتل کر دو و نہیں تو بڑا ہو کر تم میں بھوٹ ڈالے گا
 اور تم کو قتل کر لگا قریش کو قتل کی جرأت نہ ہوئی و لیکن خائف ہو کر آپ سے پرہیز کرنے لگے اور عبدالمطلب آپ کو
 مکان میں مخفی رکھتے تھے اور اکثر اوقات رات و دن میں خود نگہداشت کرتے اور جب حالات سے وقوف ہوا تو اکثر کہا

محمد (صلعم) کے لپٹ گیا اور چلا یا کہ اسی قوم اس کو قتل کرو اور مجھے بھی اسکے ساتھ قتل کر دو قسم ہولات وغری کی کہ اگر ٹرا ہو گا تو تمہارے عقلمندوں کو احمق بتلاو بگا اور تمہارا دین مٹاویگا اسی قوم میرا کھانا لو۔ حلیمہ کہتی ہیں کہ جیسے ہی اس نے یہ کلمہ کہا میں نے اسکا ہاتھ مڑ کر محمد کو اُس سے چھڑا لیا اور کہا کہ کیا تو دیوانہ ہو گیا ہو جو ایسی بیہودہ گفتگو کرتا ہو تو اپنی خبیث جان کو قتل کر نیلے لیے کیونکہ تلاش کرے۔ ہم لوگ محمد کے حق میں ہرگز یہ خیال نہ کر نیلے اور ہم وہاں سے آپ کو لیکر چلے آئے۔ لیکن میرے شوہر نے اور دیگر عزیزوں واقارب نے کہا کہ یہ معاملہ پیچیدہ ہو گیا کہ کا بن خبیث نے یہ کلمہ کہا اور یہ بات رفتہ رفتہ اُس ناپاک کی ذات سے عرب میں پھیل جائیگی اور ہم لوگ ابتداء سے ولادت کا حال سن چکے ہیں کہ عرب کے یہودی اس فرزند کی ولادت سے غمناک ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ ہمارا قاتل ہو گا اب یہی مصلحت ہے کہ رنج بدائی گواہ کر کے اسکو صحیح سالم عبدالمطلب کے پاس پہنچا دے الیسا نہ کہ یہ غم ہماری قسمت میں عمر بھر کا داغ ہو جاوے کیونکہ ہر طرف اسکے دشمن بہت ہو جاوینگے اور ہنوز یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ اسکے ساتھ کیا معاملہ واقع ہوا ہو۔ آخر یہی رائے قرار پائی کہ مکے میں پہنچا دینا ضرور ہے جب عزم مصمم ہوا تو رات ہی کو ہاتھ غیبی نے آواز دی کہ اب خیر و برکت و امن و امان دیا رہی سعد سے رخصت ہوتے ہیں بطحا و مکہ کو مبارک ہو کہ اواخر البشر تو وہاں مقیم ہو گا اسوقت اہل حرم حوادث زمانہ سے محفوظ ہونگے۔ حلیمہ کہتی ہیں کہ صبح پر مرکب پر سوار ہو کر محمد (صلعم) کو آگے بٹھالیا اور حکم ضرورت اس فراق پر دل مضبوط کر کے روانہ ہوئی راہ میں ایک لمحہ بھی مجھے مجال نہ تھی کہ اُس فرزند از حبسند سے غافل ہو جاؤں اسلئے کہ اطراف و جوانب سے ہولناک و سخت آوازیں سننے میں آتی تھیں یہاں تک کہ مع الخیر کے کے دروازے پر پہنچی۔ وہاں حکم ضرورت میں اُترتی و اصلاح شان کے واسطے میں نے اس کو ہر گز ناگاہ کو بھی اُتار لیا ایک لحظہ گزرا ہو گا کہ مجھے ایسا نظر آیا کہ ابرہہ نے انرا اور آوازیں سننے میں آئیں۔ میں نے قصاص حاجت سے جلد فراغت کی و لیکن ہر چند اطراف و جوانب میں نظر کی محمد (صلعم) کو نہ پایا اُسی وقت مجھے بہت سخت اضطراب ہوا اور میں بے اختیار رونے پٹنے لگی میری حالت پر ہر شخص ترحم کرتا تھا اور میری حالت غم کی وجہ سے ایسی تباہ ہو گئی کہ نہ میں وہاں ٹھہر سکتی تھی اور نہ مکے میں داخل ہو کر فرما کر سکتی تھی کہ اتنے میں ایک پیر و میرے سامنے آیا اور میرا حال پوچھا میں نے اُس سے یہ حال بیان کیا اور کہا کہ رب ابراہیم کی قسم اگر میرا پیارا فرزند نہ ملا تو میں اپنی جان دوں گی بوڑھا بولا کہ ہمارے داتا ہیل پاس چل وہ چاہے تو واپس دے مجھے غصہ آیا اور میں نے کہا کہ او بوڑھے شاید تجھے نہیں معلوم کہ یہ وہ فرزند از حبسند ہے جسکی ولادت کے دن لات وغری آئے ہیل پر کیا گزری تھی وہ بولا کہ او عورت شاید غم سے تیرے حواس درست نہیں ہیں کہ تو یہودہ ہذیان بکتی ہو۔ آخر وہ مجھے لے گیا اور سجدہ و عاجزی کے بعد کہنے لگا کہ اے ہمارے معبود اس عورت کا یہ حال ہے کہ اسکا فرزند محمد یکا یک گم ہو گیا ہو اگر ترحم کرو تو اسکا فرزند اسکو واپس کر دو۔ بوڑھے نے ہنوز اپنا کلام پورا نہ کیا تھا کہ ہیل اونڈھا گرا۔ اور اُسکے خول میں سے ایک آواز نکلی کہ مجھے اُسکی شان سے کیا تعلق ہو بلکہ وہی ہم کو خوار کرے اور فرج اکبر اُسی کے ہاتھ ہو اسکو اسکے معبود سے مانگو۔ یہ حالت دیکھ کر وہ بوڑھا وہاں سے نکل کر مجھے کہنے لگا کہ واللہ میں نے ایسا حال کبھی نہیں دیکھا اور بیشک تیرا فرزند شان عظیم رکھتا ہے میں نے مایوس ہو کر عبدالمطلب سے یہ حال کہا وہ سردار قریش اُٹھے اور قریش سے استمداد چاہی اور قریش کے لوگ ہر طرف سوار و پیادہ تلاش میں دوڑے اور عبدالمطلب خود طواف کعبہ میں دھا کرنے لگے۔ پھر ایک روایت میں ہے کہ ہاتھ کی آواز سے

جراگاہ کی طرف دوڑے اور میرے شوہر نے زیر سے حال پوچھا اُس نے کہا کہ یکا یک دو مرد دھاہر ہوئے اور محمد کو اٹھا کر پہاڑ پر لے گئے اور سینہ چاک کر ڈالا۔ میں انکو اسی حال میں چھوڑ آیا تھا۔ حلیمہ بنت ابی بکرؓ ہو کر فریاد کرتی تھی اور اُس کے شوہر کو یہ گمان ہوا کہ کسی دشمن قبیلہ کے لوگوں نے یہ ظلم کیا ہو کہ گھات سے اُسکو یہ صدمہ پہنچایا۔ زیر نے کہا کہ ایسا بپ یہ دونوں مرد ہو اسے اُترے تھے بہر حال انتان و خیزان وہاں تک پہنچے۔ الحمد للہ یہ دیکھا کہ آپ پہاڑ پر سر اسیمہ بیٹھے ہیں اور چہرے مبارک کا رنگ کسی قدر پھیکا ہو اور باقی سب خبریت ہے۔ حلیمہ کے شوہر نے فوراً گود میں لے لیا اور جب دل ٹھہرا تو ہم نے کہا کہ ہماری جان تم پر قربان اور فرزند تم کو کیا ہوا تھا۔ فرمایا کہ ہوا میں دو باز سفید اڑتے نظر آئے ایک نے کہا کہ وہ یہی ہے دوسرے نے کہا کہ ہاں یہی ہے پھر وہ دونوں دو مرد کی شکل اُترے ایک کے ہاتھ میں آب برف کی زرین صراحی و طشت زرد تھا مجھے بہان لا کر چٹ لٹایا اور حلق سے ناف تک چیر ڈالا اور جوف میں جو کچھ اعضا ہوتے ہیں سب نکالے اور آب برف سے دھوئے اور دوسرے نے میرا دل نکال کر چاک کر کے اُس میں سے سیاہ نقطہ خن اُگود نکال کر پھینک دیا اور کہا کہ اس میں فقط اسی قدر حصہ شیطان تھا پھر جوف کو آب برف سے دھویا اور اعضا و احشا اور دل کو غسل دیکر اپنے اپنے مقام پر رکھا اور میرے دل کو ایسی چیز سے بھرا کہ اس سے بہترین نے نہیں دیکھی اور جوف کو ایسی چیز سے بھرا کہ اس سے زیادہ نرم و خوشبو کوئی چیز میں نے نہیں پائی۔ انھوں نے یہ سب معاملہ کیا و لیکن مجھے کچھ درد محسوس نہیں ہوا اور نہ کوئی قطرہ خون نکلا پھر سب برابر کر کے سی دیا۔ حلیمہ نے کہا ہم لوگوں نے غور کیا تو سینے کے نشانات ظاہر ہوتے تھے مترجم کہتا ہو کہ یہ معاملہ اسی طرح ظاہر میں واقع ہوا تھا اور یہی علماء اہل السنہ و عارفین اہل الحق کا مذہب جو سوائے اسکے کہ سنہ چار سو پچہری کے بعد جب لوگوں میں خیالی فلسفہ پھیلا تو شیطانی حواس کا زور ہوا اور اس حدیث میں تاویلین کرنے لگے۔ حالانکہ آپ کا شوق الصدقین یا چار مرتبہ واقع ہو ہو اور آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ حالات بیان فرمائے اور اسکی روایات مشہور ہیں اور اس سے منکر فقط وہی اجسام ہیں جن میں شیطان رگ و ریشہ میں بھرا ہوا ہو بخود یا اللہ من ذلک۔ واضح ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ شوق الصدقہ کا حال بیان کیا تو اس میں یہ بھی مذکور ہو کہ ان دونوں ملائکہ نے مجھے اس امت کے لوگوں سے وزن کرنا شروع کیا اور میرے مقابلہ میں دس آدمی رکھے ہیں راجح ہوا پھر سو پھیر باج سو۔ حتیٰ کہ ان دونوں نے کہا کہ اگر تمام امت سے موازنہ کرو گے تو بھی راجح ہوگا۔ آقصہ حلیمہ کہتی ہیں کہ ہم لوگ اسوقت آپ کو گود میں لیے ہوئے گھرائے و لیکن سب کو اس واقعہ سے حیرت دامنگیر تھی بالخصوص اس وجہ سے بھی کہ بنی سعد میں سے کوئی گھرنہ تھا کہ جس سے مشک کی خوشبو نہ آتی ہو اور میرا گھر بالخصوص آپکی خوشبو سے بالکل جھک رہا تھا۔ جب ہم گھر آئے تو بنی سعد میں سے ایک جماعت نے کہا کہ اس فرزند پر جن کا مثل ہو گیا ہو کسی کا ہن کو دکھانا چاہیے۔ فرزند نجیب نے کہا کہ تم لوگ کس جنال میں ہو میں بالکل صحیح سالم ہوں تمہارا خیال غلط ہے قوم نے اس فصاحت سے بھی تعجب کیا اور کہا کہ اس قدر صغیر بچہ یہ باتیں نہیں کر سکتا ہو ضرور طیش ہو اور بچہ کی بات کا بھی اعتبار نہیں ہو سکتا ضرور کسی کا ہن کے پاس لے جانا چاہیے ایسا ہوا اسکی ذات مبارک سے کوئی رویاں میلا ہو وہاں سے نزدیک ایک کا ہن مشہور تھا اسکے پاس لے گئے میں نے حال کہنا چاہا اُس نے کہا کہ اس لڑکے کو اپنی گود سے اتار دے کہ یہ بخود اس واقعہ کو بیان کرے۔ جب محمد (صلعم) نے صورت حال بیان کی اور اس جلیث کا ہن نے سنا تو جلدی سے

صحیح ہو مگر ہم کو عوام کی حفاظت رکھنا ضروری ہو یہ واسطے علماء بیان بہت سے واقعات نہیں نقل کرتے جو عوام کی سمجھ سے باہر ہیں کیونکہ اہل تحقیق جو سمجھنے والے ہیں وہ بہت کم ہیں اور عوام تو جہالت کی باقیں جلد ماں لیتے ہیں اور حقائق کے سمجھنے سے عاری ہیں کیا نہیں دیکھتے کہ حضرت عیسیٰ مسیح میں صریح عبودیت موجود تھی لیکن عوام چونکہ باریک الوہیت کو نہیں سمجھتے ہیں تو قیاس سے مسیح میں الوہیت مان لیتے ہیں اور اسی طرح عوام الناس یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک ہے جب وہ اللہ الوہیت والا ہو تو بتوں میں باسج میں کسی میں الوہیت غیر ممکن ہو اور جو بات اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے وہ کسی طرح نہیں ہو سکتی ہو اور اسکا علم ہی تقدیر ہی تو وہ غلط نہیں ہو سکتا لیکن بتوں میں الوہیت مان لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ میں الوہیت ماننے سے منکر ہیں لہذا عوام کی حفاظت ضرور ہو اور یہ فضائل ایسے ارکان نہیں ہیں کہ بدون انکے ایمان نہ فہم حلیمہ کے بیان فرمایا کہ انجملہ عجائبات کے ہر روز یہ معمول تھا کہ ایک ابرنورانی نازل ہو کر تھوڑی دیر ایک چھپا لیتا پھر کھل جاتا تھا آپ کی برکت سے حق تعالیٰ نے ہم کو اس قدر نعمت کثیر عطا کی کہ ہمارا قبیلہ بنی سعد ہماری طرف محتاج ہوا اور قبیلہ بنی سعد کو اس قدر خیر و برکت عطا کی کہ دیگر قبائل انکے محتاج ہوئے باوجود اسکے بنی سعد اپنے دشمنوں سے مثل اہل حرم کے بخوف تھے اتنی مدت تک کبھی کسی زبردست دشمن نے انکار قصد نہیں کیا واضح ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد مدت رضاعت کے بھی عرصہ تک بنی سعد میں رہے کیونکہ جب سن مبارک دوسرے کا ہوا یعنی مدت رضاعت پوری ہو گئی تو آپ پوری قوت کے لڑکے تھے اس وقت حلیمہ پکولیکر کے میں آپ کی والدہ کے پاس آئیں حلیمہ کہتی ہیں کہ ہم سب کی آرزو یہ تھی کہ کسی طرح یہ فرزند ارجمند ہمارے بیان رہے میں نے بی بی آمنہ سے کہا کہ ہونے لگے بہت گرم ہو اور میرے مان باپا پر قربان ہوں مجھے اس ہوائے گرم سے اسکے حق میں خوف ہو اور دروحدائی سے میں نے بہت الجاح و زاری کی کہ بی بی یہی بہتر ہے کہ یہ فرزند ابھی چند مدت میرے ہی وطن میں رہے جب میں نے حد سے زیادہ اصرار کیا تو آخر مجھے اجازت ملی میں خوش ہو کر اپنے وطن کو اسکے ساتھ واپس آئی اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہمارے بارہ میں روز بروز ترقی پر تھیں شوق الصدور حلیمہ نے بیان کیا کہ آنحضرت صلعم کے دو بھائی رضاعی تھے یعنی حلیمہ کے دو بیٹے تھے ہر روز جنگل میں بکریاں چرانے جاتے تھے جب آنحضرت تین برس کے ہوئے تو ایک روز مجھے فرمایا کہ اے امان میں اپنے بھائیوں کو نہیں دیکھتا ہوں۔ میں نے کہا کہ امان تجھ پر قربان تیرے بھائی دن میں بکریاں چرایا کرتے ہیں۔ فرمایا کہ پھر مجھے انکے ساتھ کیوں نہیں بھیجتی ہو۔ میں نے عذر کیا لیکن جب اصرار دیکھا تو مجھے دل شکنی گوارا نہ ہوئی میں نے کہا کہ اچھا کل انکے ساتھ کر دوں گی۔ دوسرے روز میں نے تڑکے کنگھی کر کے سرمہ لگا کر کڑے پہنا دیے اور نظر بہ دور کرنے کے خیال سے جزعیمانی کا گردن بند گلے میں ڈال دیا فوراً اسکو نوچ کر پھینک دیا اور فرمایا کہ میرا حافظہ میرے ساتھ ہی چہرے میں نے اُسکے بھائیوں کو بہت کچھ وصیت کی کہ تم لوگ خبردار بکریوں کو چھوڑ کر ہمہ تن اسکی نگاہبانی کیجو اور اسکو چھوڑ کر بکریوں کے پیچھے نہ جاؤ اگرچہ بکری جاتی رہے۔ یہ تاکید کرنے کے میں نے انکے ساتھ فرزند حبیب کو روانہ کیا لیکن میرا دل لگا رہا سنو دو پہر نہیں ہوئی تھی کہ میرا فرزند زبیر نام بانبتا کانبتا سراسر پسینہ میں ڈوبا ہوا فریاد کرتا تھا کہ اے امان جلدی محمد کی خبر لے شاید تو زندہ پاوے مجھے امید نہیں ہے۔ میں نے بدحواس ہو کر فریاد کی اور قبیلہ بنی سعد میں سے جو لوگ موجود تھے مع چند عورتوں کے

شاداب ہو جاتا تھا اور جس باغ میں اترنے تو میرا درخت قدرت حق سے پھلدار ہو جاتا تھا اور قبیلہ کی عورتیں نہایت حیرت سے میری محتاج ہوتی تھیں عجب کہ جس روز میں کئے کی منزل میں اتری ہوں میں نے وہاں خواب دیکھا تھا کہ گویا میں ایک درخت عظیم الشان کے سایہ میں ہوں اور قدرت حق تعالیٰ سے وہ اس قدر پھلدار ہو کہ سب عورتیں میری جانب محتاج ہیں اور مجھ کو اپنی شہزادی سمجھتی ہیں۔ بالکل راہ میں اس قدر عجائب و غرائب میں نے دیکھے کہ میری زبان میں اُنکے بیان کی طاقت نہیں ہو وطن پہنچنا جب بلا وہی سعد ہو چنے تو وہی سخت خشک سالی تھی زمین سوکھی پرپٹ پڑی تھی اور بکریاں بے بچہ کے ڈبلی لاغر تھیں۔ بیانی بکریاں بے دودھ تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری بکریوں میں آثار رحمت ظاہر فرمائے سب سدرست و فریہ ہو گئیں اور بھرے پیٹ واپس آتی تھیں۔ اور دودھ بکثرت ہو گیا اور قوم کی بکریاں ہنوز اُسی حالت پر تھیں اہل قبیلہ بہت متعجب تھے۔ آخر ان لوگوں نے التجا کی کہ احولیہ تم اجازت دو کہ ہماری بکریاں بھی تمہاری بکریوں کے ساتھ زمین شایہ اللہ تعالیٰ یہی برکت ہمارے ساتھ بھی نازل فرمائے کیونکہ ہمارے جنگل بے آب و گیاہ ہیں۔ حلیمہ نے اجازت دی تو اللہ نے قوم کی بکریوں میں بھی برکت دی **حصا لہ** آنحضرت صلعم حلیمہ آپ کی مرضعہ فرماتی ہیں کہ اس حالت میں ابتداء سے کبھی کسی زمانہ میں آنحضرت نے کپڑے پر قصائے حاجت نہیں فرمائی بلکہ ہر روز ایک وقت مقرر تھا کہ میں آگے دو لونڈوں کی قصائے حاجت سے فارغ کر لیتی تھی مترجم کہتا ہے کہ عرب چونکہ نبوت و رسالت کے معنی نہیں جانتے تھے تو اس حالت میں کسی کو اس جانب گمان بھی نہ تھا و لیکن یہ عجائبات جو ظاہر ہوئے تھے وہ قبیلہ بنی سعد میں اور اس سے پہلے قریش میں حیرتناک امور کے طریقے سے معروف تھے۔ م حلیمہ بیان کیا کرتی تھیں کہ یہ فرزند سعید کبھی رونا نہیں تھا اور نہ کسی دوسری قسم کی بد خلقی کرتا و لیکن اگر اتفاق سے کسی وقت بدن شکا کیا گیا تو فریاد کرتا تھا اور اس امر کو بہت ناگوار دیکھتا تھا اور جب کچھ ہوش کا وقت کہلاتا ہے تو اس وقت ایسی حالت سے غضبناک ہو جاتا تھا اور سوائے اسکے کسی بات میں کبھی بد خلقی نہیں فرمائی اور جب تک بنی سعد میں اس کو پر نایاب کا قدم مبارک رہا تب تک تمام قبیلہ کو طرح طرح کی خیر و خوبی شامل رہی اور بالخصوص خاندان حلیمہ دودھ وہی داماج و زراعت و ماں و دولت سے بکثرت بھر گیا تھا۔ حلیمہ کہتی ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ ایک رات میری آنکھ کھلی تو میں نے اس بچہ سے ایسی بات سنی جس سے بہترین نے کبھی نہ سنی تھی لا الہ الا اللہ سبحانہ قدوس ہدایت الیہون والرحمن لا تاخذہ سنتہ ولا نوم۔ جبکہ بولنا شروع کیا تو جس چیز کی طرف ہاتھ اٹھاتے ضرور بسم اللہ کہتے اور بائیں ہاتھ سے نہیں لیتے تھے اور میں آپ کے خیال سے اپنے شوہر کے پاس نہیں جاتی تھی اور وہ بھی محبت میں شیفہ تھا اور اُس پر کیا موقوف ہو کہ جو کوئی ایک نظر دیکھتا وہ آپ کی محبت میں بے طاقت ہو جاتا تھا آپکا بڑھنا بھی قدرت حق کا نمونہ تھا آپ ہر روز اس قدر بڑھتے جس قدر دوسرے بچے ہمیشہ میں بڑھتے ہیں اور ہمیشہ میں اس قدر بڑھتے جس قدر دوسرے ایک سال میں بڑھتے ہیں مترجم کہتا ہے کہ بعض محدثین نے اسناد کیا کہ مانتا ہے آپ کے ہلانے کے لیے قریب ہو جاتا تھا۔ بعض متاخرین محدثین نے کہا کہ میرے نزدیک اسکی اسناد اچھی ہو مترجم کہتا ہے کہ جن محدثین نے اس روایت کے ثبوت سے انکار کیا انہوں نے عوام پر نظر کی کیونکہ اوہام اس جانب دھڑتے ہیں کہ اگر ایسا ہوتا تو مانتا ہے سب قریب ہو جاتا اور سب لوگ اسکو ملاحظہ کرتے و لیکن اہل تحقیق کے نزدیک یہ اوہام باطل ہیں مترجم کہتا ہے کہ اہل تحقیق کا قول بیشک

وجوان بن پھری کہ کوئی بچہ حاصل ہو لیکن مجھے نشان نہ ملا کیونکہ عورتوں نے مجھے ایک روز سبقت کر کے مالداروں کے بچے لے لیے تھے۔ اس واقعہ سے میں بہت ملول اور آنے سے نادام تھی اسی حالت میں مجھے ایک مرد مغز صورت نظر آئے جو ہمارے قبیلہ کے فرد گاہ میں آواز دیتے تھے کہ کسی دودھ پلائی کو بچہ نہیں ملا ہے دریافت سے معلوم ہوا کہ عبدالمطلب سردار قریش ہیں میں نے جا کر اپنا حال ظاہر کیا۔ فرمایا کہ تو کون ہی میں نے کہا کہ بنی سعد سے ہوں حلیمہ میرا نام ہی میں ایک روز دیر کو پہنچی تو میرے قبیلہ کی عورتوں نے بچے لے لیے میں محروم رہ گئی۔ خوش ہو کر فرمایا کہ سعد و علم دو صفیتین تجھیں خوب ہیں پھر فرمایا کہ میرا ایک بچہ یتیم محمد نام ہو میں نے تیرے قبیلہ کی سب عورتوں سے کہا کسی نے نہ لیا اور کہا کہ یتیم سے کچھ نفع کی امید نہیں ہے میں امید کرتا ہوں کہ تو ہی اُس سے متمتع ہو۔ میں نے کہا کہ اچھا میں اپنے شوہر سے مشورہ کر لوں۔ فرمایا کہ ہاں کچھ زبردستی نہیں ہے۔ جب میں نے شوہر سے یہ معاملہ کہا تو خداے تعالیٰ نے اُسکے دل میں خوشی پیدا کر دی اُس نے کہا کہ اے حلیمہ جلدی کر شاید اسکو دوسری عورت لیے میری بہن کی دختر نے کہا کہ اے خالہ بنی سعد کی عورتیں تو تو نگرہوں کے بچے لے جا کر خوش حال ہو گئی اور تم یتیم بچہ لے جا کر اسکی پرورش کے خرچہ میں گرا بنا رہو گی۔ میں اس بات کو سنکر اندیشہ مند ہوئی پھر خداے تعالیٰ نے میرے دل میں تسکین دیدی جب عبدالمطلب مجھے آمنہ کے گھرا لے میں نے دیکھا کہ اورانی صورت ایک عورت ہے مجھے ہنسکر اپنے فرزند کے پاس لے گئیں میں نے دیکھا کہ ایک فرزند ارحمہ ہے کہ آفتاب گویا اُسکے رخساروں میں رواں ہے اور ایسا حسن و جمال دیکھا کہ میں نے یکبارگی فریفتہ ہو کر اپنا دایان دودھ اُسکے منہ میں دیا فوراً پینا شروع کیا۔ پھر میں نے باایان دودھ دیا تو نہ لیا۔ حلیمہ کہتی ہیں کہ پھر ہمیشہ ہی دستور تھا کہ دایان دودھ پیتے اور باایان اپنے رصاعی بھائی کے لیے چھوڑ دیتے اور عجب یہ کہ میرا بچہ باایان دودھ بھی منہ میں نہ لیتا جب تک آپ دایان دودھ پیکر فاسخ نہوتے اور دودھ پینے کے بعد جب میں منہ صاف کرنا چاہتی تو خود بخود غیب سے منہ پاک ہو جاتا۔ القصہ جب میرے شوہر نے آنحضرت کا جمال بالکمال دیکھا تو شکر خدا کا سجدہ کیا اور کہا کہ اے حلیمہ آدمیوں میں کبھی میں نے ایسا لڑکا نہیں دیکھا جب رات ہوئی تو میں نے دیکھا کہ آپ کے جمال سے ایک نور بلند ہے اور میں نے دیکھا کہ ایک مرد سبز پوش سرھلے کھڑے ہیں۔ میں نے شوہر کو خواب سے بیدار کیا اُس نے بھی یہ معاملہ دیکھ کر تعجب کیا۔ پھر مجھے بہت کچھ وصیت کی کہ یہ بھید کسی سے بیان نہ کیجیو کیونکہ میں نے سنا ہے کہ جب یہ بچہ پیدا ہوا ہو تب سے یہودی گھبراتے ہیں اور مجھے کہا کہ ہم کو امید ہے کہ ہم تو نگرہی کے ساتھ اپنے گھر واپس جا دیں گے۔ میں سات روز کے میں رہی اور ہر روز آمنہ کے گھر جاتی تھی اور وہ بی بی اپنے فرزند کے حمل و پیدا ہونے کے عجائب و غرائب بے شمار بیان فرماتی غرم وطن قافلہ کے ساتھ اٹھوین روز میں بھی روانہ ہوئی۔ میں نے خچر پر اپنے آگے محمد کو بٹھالیا۔ ہم کو تشویش تھی کہ اس مرتبہ ہمارا قافلہ سے پیچھے رہنا خطرناک بیابان میں قابل تردد ہے اور ہمارے خچر و اونٹنی کی یہ حالت ہے کہ بمشکل ہم لوگ یہاں قافلہ سے ایک روز بعد پہنچے تھے آخر سوار ہوئے تو یکایک میرا خچر خوشی میں رقص کرنے لگا اور چند قدم بڑھ کر اُس نے خانہ کعبہ کی طرف سجدہ کیا اور خوشی کے ساتھ ایسا تیز ہوا کہ سب قافلہ کے جانوروں سے آگے ہو گیا اور میں منہ بٹھال اسکو تھامتی تھی۔ بنی سعد کی عورتیں تعجب سے کہتی تھیں کہ اُسکی عجب شان ہے۔ راستہ میں ہمارا گزر بکریوں کے گلہ پر ہوا وہ ہم کو دیکھ کر ہماری طرف دوڑیں اور اُن سے یہ آواز آئی کہ اے حلیمہ یہ محمد رسول اللہ رب العالمین ہے یہ خاتم النبیین ہے جس منزل پر ہمارا نزول ہوتا تھا وہ تختہ پانی و گھاس سے

پردہ سے میرا خوف زائل ہو گیا، لیکن پیاس غالب ہوئی تو دودھ سے زیادہ سفید شربت میرے سامنے لایا گیا جو پینے میں شہد صاف سے زیادہ شیرین تھا، ایک عورتین میرے پاس ظاہر ہوئیں، میں نے گمان کیا کہ وہ بنی عبد مناف کی لڑکیاں ہیں اور اسی آواز میں مجھے تسکین دیتی تھیں اور میں نے مانوس ہو کر ان پر تکیہ کر لیا اور مجھے وضع کا کچھ درد وغیرہ محسوس نہیں ہوتا تھا ناگاہ میں نے زمین سے آسمان تک دیباے سفید دیکھی اور ایک آواز آئی کہ اسکو تین روز مخلوق کی نظر سے پوشیدہ رکھو اور میں نے آسمان وزمین کے درمیان ایک جماعت کو ہاتھوں میں سونے چاندی کی چھاگلین و طشت وغیرہ لیے ہوئے دیکھا اور میری نظر سے پردہ اٹھ گیا تھا اور دنیا گویا ایک نور کا ٹکڑا نظر آتی تھی اور مجھے اس وقت پسینہ جاری تھا جس سے مشک کی خوشبو چلی آتی تھی اور میں اس قدر متحیر تھی کہ آیا جاگتی ہوں یا سوتی ہوں اور کہتی تھی کہ میرے گھر والے کہاں ہیں کاش عبد المطلب اس وقت یہاں موجود ہوتے اس وقت فاطمہ ثقیفہ اور شفاء والدہ عبد الرحمن بن عوف حضرت آمنہ کے پاس موجود تھیں اور اسی نور کے استغراق میں بہت سی چیزیں دیکھ کر وہ بھی متحیر تھیں، لیکن آمنہ کو جس قدر نظر آتا تھا وہ سب انکو نظر نہ آیا اسی حالت میں گروہ پر نذر مکان میں آنا شروع ہوئے انکی رنگت و خوبصورتی بیان سے باہر ہو یا قوت کے بازو نہایت نقش و نگار کے ساتھ تھے اور جو بچپن زمر و نفیس کی انکا اصلی بیان نہیں ہو سکتا اور میری نگاہ میں جانتی ہوں کہ بے انتہا دوری تک کام کرتی تھی میں نے دیکھا کہ بام کعبہ و مواضع دیگر پر علماء سبز بلبند ہیں اور مکان میں چلنے پھرنے کی آوازیں آتی ہیں، لیکن کوئی نظر نہیں آتا میں نے دیکھا کہ محمد (صلعم) پیدا ہوئے ختنہ بریدہ دھوئے ہوئے اور سر بسجود ہو کر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے لیٹا ایک ایک ہاتھ پیدا ہوا اور فوراً محمد کو گود میں لیکر غائب ہو گیا اور آوازیں آئیں بعد کچھ دیر کے وہ میرے پاس آیا اور میں نے قطعاً ابرو لڑائی دیکھا اور تین شخص مج پر ظاہر ہوئے جنکے چہرے اسنڈ آفتاب کے چمکتے تھے ان میں سے ایک شخص ابرق سفید ہاتھ میں لیے تھا جس سے مشک کی خوشبو چلی آتی تھی اور دوسرے ہاتھ میں طشت تھا جسکے کناروں پر بڑے بڑے زمر و دھوئی گندھے تھے اُسے محمد کو سات بار اُسمین نہلایا اور سب نے اُسکے پاؤں کو بوسہ دیا۔ اس قسم کے واقعات بکثرت کتب سیر میں مذکور ہیں مترجم کہتا ہے کہ دنیا میں باپ اپنے بیٹے کی تیار داری میں یہ اہتمام نہیں کر سکتا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے فرمایا۔ مترجم نے عظیم معاملات و واقعات کو نہیں لکھا تا کہ کلام بہت دراز نہ ہو جاوے اور امام دارمی نے مسند میں شق الصدر میں روایت کیا کہ جب حلیمہ نے لاکر حضرت آمنہ سے یہ عجیب حال بیان کیا تو انکو اس سے کچھ تعجب نہوا اور فرمایا کہ میں نے اسکی ولادت کے وقت اس سے بڑھ کر عظیم واقعات معائنہ کیے ہیں۔ یہاں سے قیاس کرنا چاہیے کہ کیسے عجائبات مشاہدہ فرمائے تھے بیان رضاعت قبیلہ بنی سعد جمہور کے نزدیک اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی والدہ آمنہ نے دودھ پلایا پھر ابو لب کی لونڈی ثویبہ نے دودھ پلایا کہ جس نے پہلے حمزہ بن عبد المطلب کو دودھ پلایا تھا پھر حلیمہ سعدیہ اس دولت سے مشرف ہوئی واضح ہو کہ اشرف مکہ کا دستور یہ تھا کہ اپنے بچوں کو وطن میں دودھ سے بروتیں نہیں کرتے تھے (اول) یہ کہ ہوائے مکہ بہت گرم ہوا اور (دوم) یہ کہ عورتیں اس کام سے فارغ نہیں اسلئے اطراف کے قبائل میں جہاں آب دہوا اچھی ہوتی تھی اپنے بچوں کو بھیجتے تھے۔ اور بچوں کے لینے کے واسطے ربیع و خریف کے موسم میں اطراف سے بہت عورتیں آیا کرتی تھیں کیونکہ انکو قریش سے بہت منافع حاصل ہوتے تھے واضح ہو کہ اس سال قبیلہ

آتشکدہ فارس کی آگ فلان تاریخ رات کو بجایک سرد ہو گئی حساب سے معلوم ہوا کہ جس ساعت یہاں کنگرے گرے تھے اُسی عشا
 میں آتشکدہ سرد ہوا یہ آگ ہزار برس سے برابر جلتی رہی کبھی ایک دم کے واسطے نہیں بجھی تھی اور مجوس اس آتشکدہ کو اپنا قبلہ
 جانتے تھے۔ نو شیروان کا خوف اس خبر سے کئی گونہ ہو گیا اور موبد موبدان نے کہا کہ میں نے اسی رات خواب میں دیکھا کہ مضبوط اور
 عربی گھوڑوں کو کھینچتے ہیں یہاں تک کہ دجلہ سے اتر کر ملک ایران و فارس میں پھیل گئے میرے خیال میں عرب میں کوئی سانحہ
 ظاہر ہوا نو شیروان نے اپنے ماتحت بادشاہ عراق عرب کو جبکا نام نھان بن النذر تھا فرمان بھیجا کہ وہاں سے ایک عقلمند کو
 بھیج دے اُسے عبد المسیح کو بھیجا جو اس وقت کے مشاہیر میں سے تھا۔ اُس نے نو شیروان کے خیالات معلوم کر کے کہا کہ اسکا
 جواب سطح کا ہے دے سکتا ہوں جو دیار شام میں ساکن ہو بادشاہ نے اسکو سطح کے پاس روانہ کیا جب یہ پہونچا تو سطح بحالت
 نزع تھا۔ عبد المسیح نے دستور کے موافق اُس مشکیزہ کو ہلایا اور نو شیروان کا پیغام سنا اُس نے جواب نہ دیا۔ عبد المسیح نے لاچار ہو کر
 چند اشعار کہے یکایک سطح نے سر اٹھا کر کہا کہ تو عبد المسیح ہو اور ساسان کے بادشاہ کے پاس سے آیا ہو اُس نے سوانح و خواب
 سے پریشان ہو کر میرے پاس بھیجا ہوا صبح ہو کہ جب تلاوت ظاہر ہوئی (قرآن قرآن) اور محمد مصطفیٰ مبعوث ہو گئے تو اُسکی
 یہ علامت ہے کہ دریا سے ساموہ روان ہو گا اور بحیرہ ساوہ خشک ہو جائیگا اور فارس کا آتشکدہ بجھ جائیگا اور مجوس
 فارس و ایران اور نصراے روم پست و مغلوب ہو جائینگے اور سطح بھی باقی نہ رہیگا اور جب قدر کنگرے الوان کسری سے گرے
 میں اُسی قدر اُسکے خاندان سے بادشاہ ہونگے پھر اسکے بعد زوال و سختیان میں اسقدر کم کر سطح دم بخود ہو گیا دیکھا تو وہ مہکا پٹھا
 عبد المسیح نے شام سے مراجعت کر کے نو شیروان کو یہ بیان سنایا۔ نو شیروان نے چودہ بادشاہ اپنے خاندان سے منکر خوشی کی
 کہ ابھی مدت دراز ہوا یہ نہ جانا کہ ان میں سے دس تو چار ہی سال میں تمام ہو جائینگے اور ان میں سے آخری بادشاہ یزدگرد بن شہر بابا
 تھا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں مجاہدین کی تلواروں سے آوارہ ہو کر مرو و خراسان میں مارا گیا آواز مائے عجیبہ
 اُٹار میں ہو کہ جب آنحضرت صلعم حل میں آئے تو مشرق و غرب کے وحوش نے باہم بشارت دی حتیٰ کہ قریش کے حیوانات بہ خوشخبری
 بولنے لگے کہ سراج منیر کی ولادت کا وقت قریب ہو تخت ابلیس اوند ہا ہو گیا اور شاہان روئے زمین کے تخت گرے و انکی زبانیں
 بند ہو گئیں و جبرئیلؑ نے خانہ کعبہ پر علم سرفرازم کیا اور ملائکہ نے بشارت دی شبِ لادت میں اتفاق سے قریش ایک
 بزرگ بت کی پوجا میں جمع ہو کر اقسام طعام لائے ناگاہ وہ بت سرنگون گرا تو قریب کے حاضرین نے اتفاقہ سمجھا اسکو سیدھا
 کیا ایک لختہ کے بعد وہ پھرا وندھا گرا تو اہل شرک بہت غمناک ہوئے اور آخر اسکو بدستور نصب کیا بعد ایک لختہ کے پھر وہ گلوںسا
 ہوا تب تو اضطراب عظیم پیدا ہوا اور یکایک اُس بت کے پیٹ سے ہولناک آواز آئی جسکا حاصل یہ ہے کہ ایک فرزند
 پیدا ہو پھر جسکے نور سے مشرق و مغرب روشن ہو گیا ہو اور بتوں کی موت اُسکے ہاتھوں میں ہو اور بادشاہان زمین کے دل
 اُسکے رعب سے بھر گئے واضح ہو کہ بے شمار عجائب و غرائب وقت ولادت کے حضرت کی والدہ ماجدہ و زنان حاضرہ منقول
 ہیں از انجملہ بعض کا ذکر کیا جاتا ہو۔ حضرت آمنہ فرمایا کرتی تھیں کہ وقت ولادت اس فرزند باسعادت کے ایسے عجائب و
 غرائب میں نے دیکھے کہ اگر سب بیان کروں تو لوگ مجھے جھوٹا کہیں۔ کتنی تھیں کہ قریب ولادت کے یکایک تمام گھر آفتاب سے
 زیادہ روشن ہو گیا (عرب میں اسوقت چراغ کا دستور نہ تھا) مجھے خوف غالب ہوا کہ ایک مرغ سفید ظاہر ہوا اور اُسکے

ہدایت بجانب حق بحق ہو جس میں نفس کا کچھ لگاؤ نہین ہو واللہ تعالیٰ اعلم (ابن العربی رحمہ) واضح ہو کہ سورہ والضحیٰ میں وعدہ دیا گیا تھا کہ جو وہاں محل تھا آخر میں مختصر بیان ہو گا لہذا وہ وفا کیا جاتا ہے واللہ تعالیٰ الموفق تتمہ اگر آنحضرت صلی علیہ وسلم کے تمام بشارات سابقہ ولاحقہ اور عجائب واقعات عرب و عجم جواب کی پیدائش سے پہلے اور مابعد واقع ہوئے ہیں بیان ہوں تو ان تصانیف علما کے ایک کتاب ضخیم ہو جاوے لہذا مختصر و ضروری اشارات پر اکتفا ہو گا بیان بشارات حق عزوجل نے تمام مخلوقات میں سے آدم کو مکرم کیا اور تمام نسل میں سے اکرم الخلق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو احمد مجتبیٰ فرمایا اور اکابر اولیاء متفق ہیں کہ عبودیت مرتبہ کمال ہو جس طرح الوہیت فقط اللہ تعالیٰ کی ذات میں منحصر ہو اسی طرح عبودیت کا ملہ فقط حبیب اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو اور تمام انبیاء علیہم السلام آپ ہی کے سلسلہ رحمت میں ہیں اور انبیاء علیہم السلام سے ازل میں عہد لیا گیا کہ جو پیغمبر مبعوث ہو وہ اپنی امت کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی سے آگاہ کرے اور زمین کے اقطار میں مختلف زبانوں میں خلقت انسانی پیدا فرمائی و حکم قولہ ان من امتہ الا خلا فیہا نذیر۔ ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا تو تمام زمین کی امتیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے آگاہ ہو گئیں تب آخر میں تمام امتوں کے واسطے اپنے حبیب عبد اللہ و رسولہ محمد صلی علیہ وسلم کو بھیجا چنانچہ آیات قرآنیہ و احادیث صریحہ باطن میں پھر آخر میں کتاب صحف و توریت و زبور و انجیل میں احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بشارات صریح نازل ہوئے چنانچہ یہو داتک خاتم النبیین کے پیدا ہونے کے منتظر ہیں اور انجیل میں باوجود تحریفیات کے صریح بشارات باقی ہیں جن میں سے بعض کا ذکر اس تفسیر میں گذر چکا آمار عمر قبل پیدائش حضرت صلی علیہ وسلم کے عہد اقوام عرب میں سے ہر قوم میں بکثرت لوگوں نے خواب میں دیکھا ہوں سے آنحضرت صلی علیہ وسلم کی بعثت کا حال معلوم کیا و لیکن عرب والے آخرت کے قائل نہ تھے سطح کاہن ملک یمن کے قبیلہ بنی ذب سے تھا یہ عرب میں بلکہ روئے زمین پر عجیب الخلق تھا سوائے سرد ہاتھ کے اُسکے بدن میں ہڈی نہ تھی اسکا بدن مانند مشکیزہ کے تھا اسکا سر سینہ میں چلا جاتا کما ثن میں اُسکے واقعات بشیاء عرب کی زبان پر ہیں اُسنے اول نصر بن ربیعہ کو خبر دی کہ ایک مدت بعد حبشہ اس ملک یمن پر غالب ہو کر تم لوگوں کو مقہور کرینگے۔ پھر ستر برس بعد سیف ذی یزن اُسے چمپن دیکھا پھر چند مدت بعد یمن ایک عظیم الشان پیغمبر کی امت پر منتقل ہو کر قیامت تک اُسی کے خاندان میں رہیگا اور آنحضرت صلی علیہ وسلم کے فضائل بیان کیے آثار شب ولادت باسعادت اصح قول کے موافق جس سال اللہ تعالیٰ نے طیار ابابیل سے اصحاب الفیل کو ہلاک کیا اُسی سال بارہویں ربیع الاول کو خاندان بنی ہاشم کے ایک گھر میں جسکو ہارون الرشید کی والدہ خیران نے مسجد بنا دیا ہے اس نور کامل الظہور نے طلوع فرمایا اُس رات کے عظام واقعات جنکے مشاہدہ میں کسی کافر کو بھی شک نہین ہو سکتا ہے بے شمار بین از انجملہ ایک یہ کہ دریا سے ساوہ جو بلاد مدینہ بچہ ہو یکا یک بالکل خشک و در شام میں دریا سے سماوہ روان ہو گیا حالانکہ صد ہا برس سے اُس میں پانی کا نام نہ تھا دوم کسری نو شیروان کے محل سے یکا یک چودہ کنگرے گر پڑے حالانکہ یہ محل مضبوطی میں ضرب المثل تھا۔ نو شیروان نے خائف و ہراسان ہو کر ارکان دولت و امانا یان فارس کو جمع کیا تاکہ اس بارہ میں کچھ اظہار کرے اور اس مجلس میں مجوسی موبدان یا چیف حبشٹس یعنی قاضی القضا کو بھیج کر شکست دی اور ہنوز کسری نے مافی الضمیر اظہار نہ کیا تھا کہ صوبہ فارس سے ہولناک خبر پہنچی کہ بڑے

ہوا وہاں مکان و زمانہ نہیں بلکہ نور ذات بنور صفات بنور ذات ہو تو ان دونوں انوار کے درمیان مخلوق کی نظر سے مخفی ہو اسید واسطے فرمایا۔ در فعا لک ذکرک۔ آپ کی منزلت ہر ادراک سے بلند ہو اور حق علی و اجل نے اپنے ذکر کے ساتھ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر بلند کیا تو اولین و آخرین آپ کے وصف کو احاطہ نہیں کر سکتے ہیں اسلیے کہ آپ انوار ربوبیت میں مخلوقی اوصاف سے الگ ہو گئے تھے اور مخلوقی اوصاف البتہ تعریف کے اندر گھر جاتے ہیں برخلاف اسکے اوصاف ربوبیت کی حد نہیں ہو لہذا تعریف بھی غیر ممکن ہو اور مخلوقی اوصاف ہی وزیر تھے جنکی نسبت فرمایا۔ و وضعنا بک ذکرک الہم۔ اور مخلوقی اوصاف اسلیے آپ پر بشدت گراں تھے کہ انکی وجہ سے پرواز بلند بعالم قدس بالکلید نہیں ہو سکتی تھی۔ واضح ہو کہ شرح پہلے تو کشف مشاہدہ کے ساتھ فرمایا اور وہاں پہونچنے پر سطوات ربوبیت و صدمات قدوسہ ایسے گراں ہوئے کہ گویا آپ انکے بارین فنا ہو جاوینگے پس اللہ تعالیٰ نے آپ کے واسطے انوار کبریا کو انوار بقا سے بدل دیا اور انوار جلال و قدس کو انوار انس سے بدل دیا اور آپ کو صفات قدس سے متصف فرمایا پس حقانی قوت سے آپ نے جلال حق کو برداشت کر لیا۔ ابن عطاء رحمہ نے کہا کہ قولہ وزیرک۔ یعنی امر نبوت و رسالت جو حضرت نے فرمایا کہ شرح الصدر واسطے مشاہدہ کے تھا قاسم نے کہا کہ وزیر دور کرنا اسطرح کہ سر لطیف سے ملاحظہ مخلوقات دور کیا مگر حکم کتنا ہو کہ اسکا مطلب یہ ہو کہ مخلوقات کی جانب توجہ بفرص ادا سے نبوت و رسالت کے آپ کو مشاہدہ قدس سے حجاب ہوتی جو بار گراں تھا تو اسطرح سینہ کشادہ فرمایا کہ کثرت میں بخوبی آپ حدت مشاہدہ فرماتے تھے اس بیان سے ظاہر ہوا کہ اہل اسرار کے کلمات جو ظاہر میں مختلف عبارات ہیں سب کا حاصل ایک ہے ابن عطاء نے کہا کہ آپ کا ذکر اسطرح بلند کیا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان نہو گا جب تک ساتھ ہی محمد رسول اللہ نہو مگر حکم کتنا ہو کہ بعضے اہل اسرار نے صاف کہا کہ لا الہ الا اللہ تک رسائی نہیں رکھی جب تک کہ محمد رسول اللہ کی حضوری میں قلب نذر نہ کرے شیخ جنید نے کہا کہ سب راہین مسرود ہیں جب تک حضرت محمد رسول اللہ کے قدم پر بسرو چشم اتباع نہ کرے ابن عطاء رحمہ نے کہا کہ ذکر بلند یہ کہ آپ کا ذکر اپنا ذکر قرار دیا ذوالنون مصریؒ سے روایت ہو کہ ہمت انبیاء سابقین عرش کے گرد بسیج کرتی ہو اور ہمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے عرش سے اوپر معراج قدس ہو قولہ تعالیٰ فان مع العسر یسر اللہ اس آیت کے اشارہ میں معاملات عالیہ شامل ہیں چنانچہ مجاہدہ کی سختی کے ساتھ مشاہدہ کی آسانی ہو اسی طرح فصل کے بعد وصل ہے اور قبض کے بعد بسط ہو چوز جانیؒ نے کہا کہ مشتبہ و حرام چیزوں سے صبر کرے تو خالص انوار نبوت کے ساتھ توکل کی راحت ہو قولہ تعالیٰ فاذا فرغت فانصب الہم۔ جب ماسوی اللہ تعالیٰ سے فراغت ہو تو جان کو اُسی کے واسطے قربان کر پھر اُسی کے واسطے اُسی کی طرف رغبت کر۔ یہ درجہ اعلیٰ سوائے تیرے کسی دوسرے کے واسطے لائق نہیں ہو قاسم نے کہا کہ تیری رغبت اللہ و فی اللہ ہو (مختصر العرائس) شیخ ابن العبریؒ نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ فان مع العسر یسر اللہ عبارت بیان حجاب سابقہ سے جو خلق کی طرف توجہ سے پیدا ہوا کہ حق سے حجاب ہوا تو اسکے بعد حق تعالیٰ نے لیسر عطا کیا اور وزیر دور کیا یعنی مقام ولایت میں کشف الذات عطا کیا پھر قولہ تعالیٰ ان مع العسر یسر۔ حجاب بحق از خلق ہو جو وجود حقانی عطا کرنے سے اور شرح الصدر زائل ہوا قولہ تعالیٰ فاذا فرغت الہم۔ جب سیر فی اللہ وغیرہ اقسام عروج سے فراغت ہو تو استقامت حاصل ہوگی پس دعوت خلق میں کوشش کرو لیکن کسی ناموری یا ثواب عامی کی نیت نہو بلکہ خالص رغبت بیدار قدس حل جلالہ ہونا کہ تیری

اُسکو بُرائی کی نظر سے دیکھے حالانکہ یہ بھلائی و برائی بنظر مخلوق ہی یعنی مخلوق کے حق میں یہ فعل بُرائی اور وہ فعل چھاپی اور جو شخص شہود وحدت میں ہو اُسکی نظر میں خلق معدوم ہو اور افعال سب خالق عزوجل کے افعال ہیں تو خالق عزوجل کے پیدا کرنے میں بالکل خوبی ہی اور وہ اس وحدت میں فقط خالق عزوجل کو دیکھتا ہو پھر جب وہ مخلوق کجانب پھیرا گیا تو اسکو حقانی وجود عطا ہوا جس میں بہ وسعت عظیم ہی کہ خالق عزوجل کو دیکھتا ہو اور مخلوق کو بھی دیکھتا ہو تو شرح صدر عظیم ہے۔ یہ مقام نبوت ہو اور پہلا مقام ولایت تھا ولیکن جب اُس مقام سے اداسے رسالت کے مقام کی طرف پھیرے گئے تو التباس ضرور ہو اور اس حجاب سے آپ پر سخت گرانی ہوئی گویا آپ کی جان تلف ہوئی جاتی ہے کیونکہ مقام شہود ذاتی سے حجاب عارض ہوا ولیکن التباس دور کر کے تمکین واجب ہو تاکہ مقام بقا میں متمکن ہو کر اس کثرت کی وجہ سے وحدت سے حجاب نہ دور نہ غم سے جان جانیکا خوف ہو (چنانچہ روایت ہے کہ ابتدا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ سے گرنے یا کنوئین میں گر کر بچا قہقہہ فرماتے تھے اور یہی غم حجاب تھا) پس تمکین یہاں عطا عظیم ہو تاکہ کثرت میں وحدت کا مشاہدہ باقی رہے اور دعوت خلق کی وجہ سے عین شہود سے غائب نہون اور یہی شرح الصدر ہو اور یہی بعینہ وضع وزر ہے یعنی وضعنا عنک وزرک۔ اسطرح ہوا کہ شرح الصدر سے اس کثرت میں عین وحدت کا مشاہدہ عطا ہوا۔ رہا رفع الذکر لقولہ ورفعتا لک ذکرک۔ تو وہ بھی اسی میں حاصل ہو گیا اسلئے کہ فانی فی الجمع حقیقت سے معدوم ہو یعنی جب تک انسان وحدت سے باقی نہو تب تک بھیج و معدوم ہو تو وہ کیا مذکور ہو گا اور اگر عین الجمع میں باقی رہتے تو یعنی بعد وحدت میں فانی ہونے کے تو لا الہ الا اللہ کے بعد محمد رسول اللہ کما صحیح نہوتا کیونکہ فانی کا کچھ وجود نہیں ہو اور اسلام کبھی نہوتا اسلئے کہ اسلام ان دونوں کے مجموعہ سے ہوتا ہو (الشیخ ابن العربیؒ) مترجم کہتا ہو کہ شیخ نے بے جہاد اللہ تعالیٰ ان آیات کے اسرار حقیقت کو نہایت خوبی سے بیان کر دیا اگرچہ سمجھنے کے واسطے ایمان کی درستی ضرور ہو اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہو۔ شیخ شیرازیؒ نے اپنے مقام عشق کے موافق ان آیات قدسیہ کے اشارات میں لکھا کہ قولہ تعالیٰ الم نشرح لک صدک۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے شرح الصدر ہے کہ اُس میں جلال حق تعالیٰ کے آفتاب نے طلوع کیا جس سے روح و قلب و عقل سب ایسے روشن ہوئے کہ دنیاوی آفتاب و ماہتاب ہاں ذرہ سے زیادہ حقیر ہیں مترجم کہتا ہے کہ ملک آخرت میں اگر یہ آفتاب جاوید تو سیاہ ذرہ کے مانند نظر آوے اور جب ملک آخرت کی یہ کیفیت ہو تو صفت حق جل جلالہ کے سامنے انکا وجود کہاں ہو اسلئے قیامت میں آخرت کے ظہور کے وقت یہ آفتاب و ماہتاب و ستارے سب کچھ کے جنم میں ڈال دیے جاویں گے۔ پس عقل و نوری سے سمجھنا چاہیے کہ ظہور قدس جلال سے روح و قلب و عقل منور ہوئے پھر روح نے قدس ازل میں پرواز کی اور عقل نے قدس ابد میں اور قلب نے عالم جبروت میں اور نفس نے عالم ملکوت میں پرواز کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منزلت جناب باری تعالیٰ جل جلالہ میں کس قدر عظیم ہو کہ خود حضرت خلاق جل سلطانہ نے اپنے آپ اپنے جیب صلح کے شرح الصدر کی کار پر دازی فرمائی کہ درمیان میں کسی غیر کی گنجائش نہیں رکھی لہذا الم نشرح فرمایا یعنی ہم نے خود تیرا شرح الصدر فرمایا۔ اور یہ اسطرح کہ آپ کے سر لقلب میں ذات قدیم اور صفات ازل کا ظہور ہوا جس سے شان ذات و صفات کے وسیع فرمانے سے قلب و سینہ کشادہ ہو گیا اور اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ آپ کا سینہ مبارک جو کچھ کشادہ ہونے والا تھا وہ ہو چکا بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ کہنا صادق آگیا کہ آپ کا سینہ کشادہ فرمایا ولیکن یہی حد اور انتہا نہیں ہو بلکہ اللہ تعالیٰ نے شرح زیادہ ہوتی جائیگی اسلئے کہ جلال حق عزوجل کی انتہا نہیں ہو اور آپ کا سینہ محل تجلی ہو تو وہ ساحت کبریا میں حق کے ساتھ

تو چاہیے کہ اوقات کو رائگان نہ کرے بلکہ ایک قسم کی عبادت کے بعد دوسری قسم کی عبادت کرتے۔ ۱۔ مگر حکم کتاب ہے کہ حدیث میں ہو کہ دو قسم کی نعمتوں سے اکثر لوگ خسارہ میں رہتے ہیں ایک صحت و دوسری فراغت ہو (صحیح) یعنی اکثر لوگ غفلت میں صحت و فراغت کی قدر نہیں کرتے ہیں حالانکہ آخرت کے واسطے صحت و فراغت میں بھی بہت عمدہ سامان جمع ہو سکتا ہو لیکن غفلت میں خسارہ ہو حتیٰ کہ آخرت میں اسکی قدر ہوگی کہ ہمارے افسوس کیوں برباد کیا تھا انا اللہ وانا الیہ راجعون

ف شیخ ابن العربیؒ نے اشارات میں لکھا کہ (فولہ تعالیٰ) الم نشرح لک صدرک۔ یہ استفہام ہو اس سے غرض یہ کہ صدر کا انشراح نہ کرنے سے انکار ہو مگر حکم کتاب ہو کہ امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں اسکو استفہام انکاری قرار دیا اور رازیؒ کا مطلب بھی ہے جو شیخ ابن العربیؒ نے کہا یعنی یہ بات نہیں ہو کہ ہم نے تیرا سینہ کشادہ نہ کیا ہو اور اسکا حاصل یہ کہ بے شک ہم نے تیرا سینہ کھول دیا مگر حکم کتاب ہو کہ اہل کشف اولیا فرماتے ہیں کہ جو شخص اولیا میں مگر گیا اگر اسکا وجود آخرت میں ہم کو کشف ہو تو اسکی صورت یہ ہونی ہے کہ اسکا سینہ اسطرح کشادہ نظر آتا ہو جیسے مجلد کتاب کھول دی جاوے اور جیسے کوڑے کے دونوں پٹ کھول دیے گئے اسطرح سینہ کے دونوں پٹ جسم ظاہر میں کھلے ہوئے نظر آتے ہیں

ابن العربیؒ نے کہا کہ اس سے معلوم ہوا کہ سینہ کشادہ فرمایا گیا ہو اور بات یہ ہو کہ جو بندہ مقام توحید میں پہنچا وہ حق کیساتھ ہو مگر خلق کی نظر سے محبوب ہوتا ہو جب تک کہ فنا و وحدت میں ہو اسلیئے کہ وہ فانی ہو اور فنا عدم ہے تو وہ وجود کی صفت قبول نہیں کر سکتا اور برعکس اسکے جب وہ فانی بحق نہیں تھا تو خلق کے ساتھ حق سے محبوب تھا یعنی اُسپر لیا جاتا تھا کہ حق نہیں دیکھ سکتا تھا کیونکہ جس وجود میں موجود تھا وہ نہایت تنگ بمنزلہ معدوم تھا اُس میں یہ لیاقت نہ تھی کہ وہ تجلی ذات الہی برداشت کر سکے۔ بالجلہ جب وہ وحدت میں فانی ہوا تو نظر خلق سے محبوب ہو گیا پھر اللہ تعالیٰ اسکو وجود حقانی عطا فرماتا ہے پھر جب وجود حقانی کے ساتھ خلق کی جانب پھیرا گیا تو اسکا سینہ کھول دیا جاتا ہو۔ یہ تو عام اہل توحید کا حال ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں قیاس کہان طاقت رکھتا ہو لہذا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وجود حقانی کے ساتھ مخلوق کی طرف آئے تو سینہ مبارک اسقدر وسیع کشادہ کر دیا گیا کہ اُس میں حق اور خلق کے لائق وسعت ہو کیونکہ خلق میں تفصیل کی ضرورت ہو اور اس حالت میں ایسی وسعت کے قابل ہو اسلیئے کہ یہ وجود جسمانی نہیں بلکہ وجود حقانی ہو اور اسی کو بشرح الصدر کہتے ہیں اور مطلب یہ ہو کہ ہم نے تیرا سینہ کھول دیا تاکہ ہمارے نور سے منشرح ہو کر تو بخوبی کار نبوت اور دعوت بحق کو انجام دے سکے اور اسی سے وہ وزیر یعنی بار نبوت جسکا بوجہ تجرید فقیل تھا دور ہو گیا اور اسکی وجہ یہ نہیں تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں نبوت کے کام کی قوت نہ تھی یہ وہم فطی کیونکہ ہو سکتا ہو جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ازل میں اس اعلیٰ نبوت کے لیے منتخب فرمایا تھا یعنی کسی پیغمبر کو تمام عالم کی طرف نہیں بھیجا اور فقط محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عام خلق کی طرف رسول فرمایا تو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہو کہ آپ اعلیٰ ترین خاتم النبیین کے واسطے انتخاب تھے پس یہ وہم تو بالکل بربہی غلط ہے بلکہ مطلب یہ ہو کہ آپ اعلیٰ منزلت توحید پر تھے اور وہاں آپ کسی مخلوق کا وجود ہی نہیں دیکھتے تھے تو کام کرنا کیا معنی رکھتا ہو اور ایسی حالت میں اگر آپ کو دعوت خلق کا حکم ہو تو ظاہر ہو کہ کس روشنی کا مقام ہو بلکہ جو لوگ معرفت میں کچھ سمجھ رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ افعال الہیہ امر و نہی ہیں لیکن جو شخص مقام وحدت شہود میں ہر وہم و جمع افعال حق دیکھتا ہو اور فرق نہیں کر سکتا تو پھر کیونکہ امر و نہی ہوگی کیونکہ جسکے واسطے کرنا حکم دے اسکو بنظر خوبی دیکھے اور جس سے مانع ہے

تھان ہو تو فاضل کے لئے تھان اٹھا لینے بڑی کوشش اور محنت سے دعا کر۔ ابن عباس وقتادہ و ضحاک و مقاتل و
کلبی نے کہا کہ اپنے جب نماز فریضہ سے فارغ ہو تو اپنے رب سے دعا کرنے میں جہد کر اور اُسکی طرف الحاح و رغبت کر وہ تجھے
عطا فرما دیگا۔ قولہ فارغب یعنی رب ہی کی جانب تضرع کر دہا لیکہ و وزح سے خائف ہو اور حجت کا امیدوار ہو بعض نے کہا کہ مراد
یہ کہ جمیع احوال میں اُسکی طرف رغبت کر زحاج نے کہا یعنی فقط اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رغبت کو منحصر رکھ (معاذ اللہ) مسترحم
کہتا ہو کہ اگر نماز کے بعد دعائیں تضرع و الحاح کا حکم مراد ہو تو ضرور ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسطرح روایت پائی جاوے
ولیکن صحاح و سنن میں جو روایتیں بکثرت آئی ہیں اُنہیں خلاصہ یہ ظاہر ہوتا ہو کہ آپ التحیات کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے
منحصر جامع دعا فرمایا کرتے تھے یہ دعا مراد نہیں ہو سکتی ہو اسلئے کہ یہ نماز کے بعد نہیں ہو بلکہ نماز کے اندر ہے اسلئے کہ نماز کی
تحریم سے تحلیل ہونا سلام کے ساتھ ہے رہا بعد سلام کے تو صحیح حدیث ام المؤمنین عائشہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم بعد سلام کے فقط اس قدر بٹھتے تھے کہ جب میں یہ کہا جاوے اللہم انت السلام و منک السلام تبارکت ربنا و تعالیٰ
یا ذا الجلال و الاکرام۔ رہی یہ تفسیر کہ جہاد سے فارغ ہو کر نماز میں اجتہاد و قیام ہو تو سورہ مبارک نازل ہونے کے وقت جہاد
نہیں تھا کیونکہ بالاتفاق جہاد ہجرت کر کے مدینہ جانے کے بعد مفروض ہوا ہو ولیکن مترجم کے نزدیک اس حکم میں عام طور سے
جمیع امور اس ترتیب کے ساتھ داخل ہیں خطیب نے لکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ لوگوں سے فرمایا
کہ مجھے یہ ناگوار گزرتا ہو کہ تم میں سے کسی کو فارغ حمل دیکھوں کہ وہ نہ دنیا کے کام میں ہو نہ دین کے کام میں ہو اور قولہ والی
ربک فارغب یعنی اپنی رغبت کو خالص اپنے رب تبارک و تعالیٰ کی طرف کر دے اُسی کے فضل پر بھروسہ کر سوائے اُسکے کسی کی
طرف رغبت نہ ہو (السراج) مترجم کہتا ہو کہ حضرت ابو عبیدہ و معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اب عمر آپ ایک
کی بات پر اعتماد نہ کیجیگا کیونکہ یہ ہونا مقدر ہے کہ بعض لوگ ظاہر کے بھائی اور باطن کے مفسد بنیں گے (مترجم کہتا ہو کہ شاید
ان دونوں نے یہ خبر سنی تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید کو فوج شام کی سرداری سے معزول کر دیا تو یہ خط لکھا کہ ایسا نہو مفسد
کے کہنے سے دھوکا کھایا ہو اور خالد کو معزول کر کے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو سردار کیا ہو۔ م۔ بالجملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا کہ تمہاری
نصیحت سے میں خوش ہوا اور یہ جو تم نے خیال کیا ہو اسکا وقت ابھی نہیں ہو بلکہ یہ حالت اسوقت ہوگی جب لوگوں کو
ایک دوسرے کی طرف رغبت و رسمیت ہوگی اور یہ دنیا کی امیری کوئی چیز نہیں ہو ہم میں اگر کوئی اپنے بھائیوں کا امیر ہو
تو کیا بلکہ سچ پوچھو تو امیر اپنے عظیم معاملات الہیہ میں جوابدہی سے زیادہ خطرہ میں ہوتا ہو اور خالد رضی اللہ عنہ ایسی حالت میں معزول ہوا
کہ اہل اسلام اسکی سرداری کی خوبی سے اُسکے ساتھ محبت کرتے تھے اور اُسکے کاموں کو شکر گزاری سے دیکھتے تھے۔ ص۔
اس سے معلوم ہوا کہ رغبت کسی نفع کی امیدواری میں ہوتے ہیں تو اُسی میں یہ مطلب ہوا کہ سب خوبیاں اپنے رب عزوجل
ہی سے امید کر۔ جیسے ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اپنے رب ہی سے مانگنے میں رغبت کر رازی نے کبیر میں لکھا کہ قولہ تعالیٰ
فاذا فرغت فانصب۔ علی بن ابی طلحہ نے کہا یعنی جب فارغ تندرست ہو تو فراغت میں عبادت کی مشقت کر۔ شرح رم
تابعی سے روایت ہو کہ وہ ایک طرف جاتے تھے دیکھا کہ دو شخص کشتی لڑتے ہیں تو فرمایا کہ جو شخص فارغ ہو وہ ایسے کاموں کے
لیے مامور نہیں ہو بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فاذا فرغت فانصب۔ خلاصہ مطلب یہ کہ جب فکر معاش سے فارغ ہو اور تندرستی ہو

علی بن معبد عن روح بن عبادہ باسنادہ روایت کیا اور اُس کے آخرین رمضان ذی الحجہ کی تصریح ہے جیسے روایات صحاح میں بھی مصرح ہے خطیبؑ نے لکھا کہ پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی نعمتیں بیان فرمائیں اور بعدِ عرس کے بے غلیم کا وعدہ دیا تو اُس کے بعد عبادت میں کوشش کر نیک اور شکر ادا کر نیک حکم فرمایا بقولہ تعالیٰ **فَاِذَا قَرَأْتَ** **فَانْصَبْ** **وَالِی رَیْلَکَ فَاُذْعَبْ**۔ پھر جب تو فارغ ہو تو قیام کر اور اپنے رب کی جانب رغبت کر ف **ابن کثیرؒ** نے لکھا کہ اسکی تاویل یہ ہے کہ جب دنیاوی امور سے فارغ ہو اور اسکا لگاؤ قطع کر چکے تو عبادت کے واسطے قیام کر اور فارغ البال ہو کر خوشدلی کے ساتھ عبادت میں مشغول ہو اور اپنے رب عزوجل کی جانب خلوص کے ساتھ رغبت کر حدیث میں ہے کہ جب طعام حاضر ہو تو اس وقت نماز نہ پڑھیں اور جو کوئی دونوں اخبث کے جھگڑے میں ہو تو بھی نماز نہ پڑھیں (صحیحین) اور حدیث میں ہے کہ جب شام کا کھانا حاضر ہو اور نماز عشا کی اقامت کہی جاوے تو تم لوگ پہلے کھانا شروع کرو (صحیح) مترجم کہتا ہے کہ علماء نے طعام کے مسئلہ میں کہا کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب نماز کا وقت دراز ہو جیسے عشا کا وقت ہے اور جماعت کی نماز کے لیے تکبیر کی گئی و لیکن ایک شخص کو طعام کی خواہش ہے تو چاہیے کہ پہلے فراغت کر لے تاکہ اُسکی طرف دل کا لگاؤ نہ رہے۔ اخبث سے مراد بچانہ و پیشاب ہو اور جھگڑا ہے کہ ایک شخص کو بچانہ یا پیشاب کی حاجت ہو تو یہ نہ چاہیے کہ ان کو روک کر نماز پڑھ لے بلکہ پہلے فراغت کر لے تب نماز میں تمام و جمعی کے ساتھ قائم ہو فافہم۔ م۔ مجاہدؒ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ جب تو امر دنیا سے فراغت کر کے نماز کے لیے کھڑا ہو تو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے کھڑا ہو (ابن کثیرؒ) اس قول میں (فانصب) کے معنی قیام کرنے کے لیے گئے اور (فرغت) سے یہ معنی کہ حاجت دنیاوی سے فارغ ہو۔ م۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا یعنی جب نماز فرضیہ سے فارغ ہو تو تہجد کے لیے قیام کر۔ اسکے مانند ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب نماز فرضیہ سے فراغت ہو جاوے تو بیٹھے بیٹھے اپنے رب کی جانب رغبت کر (ابن کثیرؒ) اس تفسیر میں دو چیزیں ہیں وجہ اول یہ کہ اگر بعدِ معراج کے یہ سورہ نازل ہوا ہو تو نماز پنجگانہ فرض ہو چکی تھی یا فجر یا عصر جو پہلے فرض تھی اُس کے بعد تہجد کا حکم ہو۔ وجہ دوم یہ کہ آیت کے نازل ہونے کے وقت اگرچہ یہ معنی تھے کہ ضرورت دنیاوی سے فراغت کے بعد سیدھا بیٹھ کر اپنے رب تعالیٰ کی جانب رغبت کر۔ پھر جب فرائض نمازین وغیرہ ارکان اسلام مفروض ہوئے تو ان سے فراغت بھی معتبر ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ علی بن ابی طلحہؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی یعنی اواز فرغت فانصب الدعاء۔ جب تو فارغ ہو تو دعائیں قیام کر مترجم کہتا ہے کہ دعا سے اگر معروف معنی مراد ہیں تو ظاہر ہے یعنی نماز پڑھ کر دعائیں مشغول ہو اور شاید دعا سے دعوت رسالت مراد ہو یعنی جب نماز سے فراغت ہو تو خلق خدا کی دعوت میں مشغول ہو۔ م۔ زید بن اسلم و صحابہؓ نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ جب تہجد سے فراغت کرے تو عبادت میں قیام کر اور اپنے رب تعالیٰ کی رغبت کر۔ ثوریؒ نے کہا کہ یعنی اپنی رغبت و نیت کو اللہ تعالیٰ کی جناب میں خالص کر (ابن کثیرؒ) فرائضؒ نے لکھا کہ مجاہدؒ نے کہا کہ جب نماز سے فراغت ہو تو دعائیں کوشش کر شعبیؒ نے کہا یعنی دنیا و آخرت کے لیے دعا کر کلیسیاؒ نے کہا یعنی اپنے بے دہم مومنوں کے لیے مغفرت کی دعا کر مترجم کہتا ہے کہ جسے قولہ تعالیٰ **فَاَسْتَغْفِرْ لَذَنبِکَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ**۔ یعنی اپنے گناہوں اور

اس سے انکار کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بھیج گیا اور آپ پر سخت گرانی ہوئی جب آپ نے خیال کیا کہ اس قوم نے میری محتاجی کی وجہ سے مجھ کو رسالت میں جھوٹا سمجھا پس اللہ تعالیٰ نے یہ سورہ نازل فرمایا اور اپنی نعمتیں یاد دلائیں اور آپ کا سینہ مبارک کھول دیا اور وعدہ فرمایا کہ عنقریب ہم آپ کے اصحاب کو یسر یعنی تو نگری عطا کریں گے بقولہ تعالیٰ فان مع العسر یسرا۔ یعنی قوم کا کلام تجھے گرانہ گزرے کہ ہم نے حکمت کاملہ سے دنیا میں عنقریب یہ امر مقدر کیا ہے کہ عسرت و تنگی و سختی کے ساتھ آسانی و تو نگری ہی پھر یہ وعدہ اس طرح پورا کیا کہ عرب کے شہر و گائوں ایک ایک کر کے آپ پر فتح کیے اور آپ کے واسطے وسعت دی یہاں تک کہ صد ہا اونٹ آپ ایسے لوگوں کو دیتے جو اسلام لانے والے تھے یا ابھی اسلام لانے لگے تھے اور لوگوں کو دادی بھر کے بکریاں بخشے یہاں تک کہ کہنے والا کہتا کہ ارے بھائی جلدی اسلام لانے میں کوشش کر کیونکہ محمد اس طرح دولت بے شمار عطا کرتے ہیں کہ اپنی محتاجی سے بالکل نہیں ڈرتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس بشارت کے ساتھ میں دوسری فضیلت کا وعدہ جمیل فرمایا بقولہ تعالیٰ ان مع العسر یسرا۔ یعنی دنیا میں طاعات کی عسرت کے ساتھ آخرت کی راحت ہو اگر وہم ہو کہ یہ آیت تو اول جملہ کی تکرار ہی تھ اسکو علیحدہ کلام کیونکر کہتے ہو (جواب) یہ ہے کہ نہیں بلکہ ابتداء کر کے علیحدہ جملہ ہو اور اس پر دلیل یہ ہے کہ تعلق کا حرف (ف) یا (و) وغیرہ اسپر نہیں ہو اور یہ سب مومنوں کے لیے وعدہ ہو اور مطلب یہ کہ مومن کے لیے دنیا میں عسرت کے ساتھ آخرت میں یسر ہو اور اکثر اوقات دونوں جمع ہو جاتے ہیں یعنی پہلی آیت سے دنیاوی تو نگری دیجانی ہو اور دوسری آیت سے آخرت کی تو نگری دائمی اور فضیلت غیر متناہی عطا ہوتی ہے پس عسرت کبھی دونوں یسر پر غلبہ نہیں کر سکتی ہوا تھا یہ کہ شاید دنیاوی حالت میں عسرت کو غلبہ ہو اور اس کلام کی نظیر یہ ہے کہ حدیث میں آیا کہ شہر اعیہ لا ینقصان۔ یعنی عید کے دو مہینہ نقص نہیں ہوتے۔ اس حدیث کا مطلب یہ کہ ایک سال میں دونوں مجتمع ہو کر ناقص نہ ہونگے (معالم مترجم کہتا ہے کہ مطلب تو اوپر ختم ہو گیا اور دو ماہ عید کے ناقص نہ ہونے کی حدیث غیر ضروری ہو و لیکن مترجم کو اسکے صحیح معنی بیان کرنا ضرور ہیں اس حدیث کو محدثین نے صحیح اسانید سے روایت کیا اور دونوں ماہ عید سے مراد رمضان اور ذی الحجہ ہیں۔ ایک جماعت نے کہا کہ اسکے معنی یہ ہیں کہ ایک سال میں یہ دونوں مہینہ ۲۹-۲۰ دن کے نہ ہونگے بلکہ ایک ضرور (۲۱) پورے کا ہوگا امام طحاوی نے اس قول کو رد کر دیا کہ ہم نے بار بار دیکھا کہ دونوں (۲۹) کے ہوئے تو بغیر دلیل کے آیت یا حدیث میں ایسی تاویل نہ کرنا چاہیے کہ شیطانی و سوسہ کی گنجائش ہو اور یہ تاویل جو بعض لوگوں نے بیان کی ہے صریح حدیث و دیگر کے خلاف ہے جب کہ آپ نے رمضان کے حق میں فرمایا کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو اور اگر برابر چھا جاوے تو (۲۱) پورے کرو اس سے معلوم ہوا کہ چاند (۲۹) ہو تو جائز ہو اور دوسری حدیث میں ہے کہ چاند کبھی (۲۹) ہوتا ہے اور کبھی (۳۰) ہوتا ہے تو آپ نے ہر مہینہ کے حق میں اسکو عام رکھا پس ممکن ہے کہ رمضان کا چاند (۲۹) ہو اور ذی الحجہ بھی (۲۹) ہو بلکہ ناقص نہ ہونے سے یہ مطلب ہے کہ جو وظیفہ عبادت ان دونوں مہینوں میں مقرر ہو وہ (۲۹) یا (۳۰) ہونے سے کم و ناقص نہیں ہوتا یعنی اگر رمضان کا چاند (۲۹) کو طلوع ہوا پھر روزے (۲۹) ہوئے پھر چاند طلوع ہوا تو روزے پورے ہو گئے اور یہ نہیں کہ ایک روزہ کم ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک ماہ رمضان کے روزے فرض فرمائے ہیں (۳۰) روزے شمار کر کے فرض نہیں فرمائے ہیں تو جب پورا چاند روزہ رکھے تو پورا ہو گیا فافہم۔ اگر کہو کہ ماہ عید تو شوال ہی (جواب) نہیں بلکہ رمضان ہی جسکے ختم ہونے پر عید ہو اور طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ

تغائیر اور دوسرا جملہ مستانفہ ہو اور واضح ہو کہ معالم میں حسین بن یحییٰ سے جو اعتراض نقل کیا کہ اگر کہا جاوے کہ اس ہوار کے ساتھ تلوار ہے۔ اسکو مکر رکھا جاوے تو یہ لازم نہوگا کہ سوار مذکور کے پاس دو تلواریں ہوں مترجم کہتا ہے کہ آیت کے لفظ سیاق میں اور اس مثال میں ایک فرق عظیم ہے جسکا بیان یہ ہے کہ سوار کے ساتھ تلوار سے حقیقت میں ساتھ ہونا مراد ہے یعنی سوار مع تلوار کے ہے برخلاف اسکے آیت میں جو فرمایا فان مع العسر یسر۔ تو یہ مطلب نہیں کہ عسر کے ساتھ یسر ہی بلکہ حقیقت میں مقصود یہ کہ عسر کے بعد یسر ہو اور یہ معلوم کہ عسر (سختی) ایک معنی میں کہ جو نفس پر دشواری مبتلا تے ہیں خواہ وہ کسی طرح ہو اور یسر کی صورتیں مختلف ہوتی ہیں مثلاً عسر یہ کہ نفس پر محتاجی کی تکلیف ہو اور اسکا یسر ہر طرح ہو سکتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ آسمان سے اُسکے لیے سونے کی ٹیڑیاں برسائے یا اُسکی زمین سے بے شمار غلہ پیدا کرے یا کسی بندے کے ہاتھوں سے اسکو دولت پہنچاوے یا اُسکو جنت میں داخل کر دے یا اُسکو قناعت نصیب کرے و علی ہذا القیاس تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ یسر واحد ہو علاوہ برین مترجم نے سابق میں بیان کر دیا کہ میرے نزدیک ابن مسعود و ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول (ایک عسر کبھی دو یسر پر غالب نہوگا) کے یہ معنی ہیں کہ اول یسر اور آخر یسر اور درمیان میں عسر (سختی) ہو تو کبھی وہ غالب نہوگا خطیب رحمہ اللہ نے لکھا کہ دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ عسر کبھی دو وزن یسر پر غالب نہیں ہو سکتا یعنی اگر غلبہ ہو تو فقط ایک یسر پر ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے واسطے دو یسر رکھے ہیں ایک یہ کہ دنیا میں بھی یسر دے اور آخرت میں بھی یسر دے تو عسر کبھی آخرت کی راحت و یسر سے مقابلہ نہیں کر سکتا اسلیے کہ آخرت کی راحت دائمی لازوال ہے ولیکن دنیا میں البتہ کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ بعض بندہ مومن پر عسر رہے مترجم کہتا ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ جس مومن کو تنگی و محتاجی دیتا ہے تو اُسپر قناعت نازل فرماتا ہے جس سے کسی قسم کی سختی اُسکو معلوم نہیں ہوتی ہو تو عسر کہاں رہا اسلیے کہ عسر (سختی) اُسی وقت تک ہے جب تک سختی ہو اور جب نفس مطمئن ہو گیا تو سختی نثار ہو گئی لہذا سلف صالحین رضی اللہ عنہم کا قول صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو یسر رکھے ہیں اور عسر کبھی ان دو وزن پر غالب نہیں ہو سکتا ہے والحمد للہ رب العالمین امام **فرار** نے معالم میں لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول کر کے بھیجا اور اس حالت میں آپ کے پاس دنیا سے ملو نہ نہیں تھی اور قریش آپکو عار دلا کہ رسالت ہوتی تو یہ مفلسی کیون ہوتی خدا کا رسول کوئی عظیم الشان بادشاہ ہوتا اور جھٹلانے کی نوبت یہاں تک پہنچائی کہ ایک روز جمع ہو کر کہنے لگے کہ اے محمد قوم قریش کو آپ کی ذات سے یہ امید تھی کہ آپ کے ذریعہ سے ہم لوگ تمام عرب پر فخر کریں گے کہ ایسا شخص کسی قوم و کسی خاندان عرب میں نہیں ہے ولیکن آپ نے ہماری امیدیں توڑ دیں بلکہ اُٹے اپنے باپ دادا کو گمراہ بتلائے گئے۔ آج تک عرب میں اسکی نظیر نہیں ملتی ہے آخر اس آپ کی کیا غرض ہے اگر آپ نے مفلسی کی وجہ سے ایسا کیا ہو تو ہم لوگ اس وقت متفق ہیں کہ اپنے اپنے اموال سے آپ کو اس قدر دیدیں کہ جس سے آپ اس عظیم الشان قبیلہ قریش میں سے بڑھ کر معمول ہو جاؤ گے اور ساتھ ہی آپ اس قبیلہ میں سے جس کسی لڑکی کو بوجہ سے خوب صورت و بہتر ہو پند کریں اسکو ہم لوگ سر و دیکر آپ کے واسطے بیاہ لاؤں گے پھر اس سے زیادہ آپ کیا چاہتے ہیں اور ہم سب آپکو اپنا سردار بنا کر فخر کریں گے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پس منکر عقلمیں ہوئے اور آپ نے فرمایا کہ اے میری قوم کے عائدین تمہاری دولت دنیاوی و عورت کا خواہشمند نہیں ہوں صرف تم لا الہ الا اللہ و محمد رسول اللہ کو اور یاد رکھو کہ اس سے تم تمام عرب پر بلکہ عجم پر سردار ہو جاؤ گے قریش نے بہت گفتگو کے بعد

امام فراڈ نے معاملہ میں اس طرح ذکر کیا کہ مفسرین کہتے ہیں کہ سلف نے جو کہا کہ ایک عسکر بھی دو سیر پر غالب نہیں ہو سکتا ہو تو اسکے
 معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ عسکر کو مکرر بلفظ معرفہ (العسکر) ذکر کیا اور لیسر کو (لیسر) نکرہ ذکر فرمایا اور عرب کی بول چال میں یہ عادت ہے
 کہ جب کسی اسم کو معرفہ ذکر کر کے پھر معرفہ مکرر لاتے ہیں تو دوسرا اسم وہی اول ہوتا ہے اور اگر نکرہ ذکر کر کے اعادہ کیا تو یہ دوسرا
 ہوتا ہے اور اگر نکرہ کو معرفہ کر کے اعادہ کیا تو یہ بھی وہی اول ہے مثال اِذَا كَسَبْتَ ذَرْبًا فَأَنْفَقَ دَرِبًا۔ جب تو ایک درم کماوے
 تو ایک درم خرچ کر۔ اس میں درہم نکرہ ہے تو مثلاً ایک شخص کے پاس دو درم موجود ہیں پھر اس سے یہ کلام کہا گیا اور اس نے
 ایک درم کما یا تو یہ ضرور نہیں کہ جو کما یا وہی خرچ کرے بلکہ کوئی درم خرچ کرے تو نکرہ کے وقت دونوں جدا ہیں اگر کہا۔ اِذَا كَسَبْتَ
 دَرِبًا فَأَنْفَقَ الدَرِبَہِ۔ جب تو درہم کماوے تو اس درم کو خرچ کر ڈال اس صورت میں نکرہ کو معرفہ اعادہ کیا تو یہ وہی اول ہے یعنی
 جو کما یا ہو۔ جب یہ معلوم ہوا تو العسکر دونوں آیتوں میں مکرر ہے اور معرفہ ہونے سے ایک ہی ہوا (اقول) رازی و خطیب
 وغیرہ نے استدلال کیا کہ العسکر معرفہ بالف لام ہے اور الف لام یا تو عمد کے لیے ہے یا جنس کے لیے ہے۔ اگر عمد ہی ہے تو عسکر محمود جنس
 اس زمانے میں صحابہ رضہ مبتلا تھے تو دوسرا (العسکر) بھی وہی اول ہے اور اگر جنس ہے جس کو لوگ عسکر سختی سمجھا کرتے ہیں تو دوبارہ بھی
 یہی جنس ہو پس عسکر ایک ہی ہوا (اس ک) امام فراڈ نے کہا کہ رہا لیسر تو وہ بلفظ نکرہ ہے لہذا دوبارہ دوسرا مراد ہی ہو گا یا یوں کہا گیا
 فان مع العسکر لیسر۔ ان مع هذا العسکر لیسر آخر۔ یعنی عسکر کے ساتھ لیسر ہے اور اس عسکر کے ساتھ دوسرا لیسر ہے (معالم خطیب نے
 لکھا کہ لیسر نکرہ ہے اور در صورتیکہ آیت مکرر نہ ہو تو ظاہر ہے کہ اول نکرہ ہی ہے یعنی جنس میں بعض ہے تو دوسرا لیسر علیحدہ ہے اور اگر مکرر ہو
 تو بھی نکرہ دیگر ہے تو وہی اول ہوا کیونکہ وہ معین نہیں ہے (سراج) فراڈ نے کہا کہ شیخ ابو علی حسین بن محمد بن نصر بن جانی
 نے اپنی کتاب النظم میں لکھا کہ سلف نے فرمایا کہ ایک عسکر بھی دو سیر پر غالب ہو گا۔ اس کلام کے معنی میں علماء و درم نے
 گفتگو کی اور کوئی بات سمجھ میں نہ آئی سوائے اسکے کہ علماء نے کہا کہ العسکر معرفہ ہونے سے ایک ہے اور (لیسر) نکرہ ہونے سے
 دو ہیں۔ یہ گفتگو ایسی ہے کہ اس پر اعتراض آتا ہے چنانچہ اگر کسی نے کہا کہ اِنَّ مع الفارس سیفان مع الفارس سیف۔ اس سوار کے
 ساتھ تلوار ہے۔ اس سوار کے ساتھ تلوار ہے۔ تو اس تکرار سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سوار کے ساتھ دو تلواریں ہوں (معالم)
 فخر الاسلام بن رودی نے بھی اصول میں کہا کہ اس قاعدہ پر اعتراض ہے اس وجہ سے کہ دوسرا جملہ بیان پہلے جملہ کی تاکید ہے
 تاکہ دل میں خوب جم جاوے کہ یوں ہی لیسر کے ساتھ لیسر ضرور ہے اور تکرار کی صورت میں جوابات اول جملہ میں ہوتی ہے اسی قدر
 باقی رہتی اور وہ چند نہیں ہو جاتی ہے کیا نہیں دیکھتے کہ جب کہا جاوے کہ زید کے ساتھ کتاب ہے اور اس جملہ کو مکرر کہا جاوے تو
 زید کے ساتھ دو کتابیں ہونگی صدر الشریعہ نے کہا کہ یہی اصح ہے اور علامہ شارح نے آیات و اشعار نقل کیے جن سے
 یہ قاعدہ ٹوٹ جاتا ہے مثلاً قولہ تعالیٰ غم اتینا موسیٰ الکتاب تا قولہ تعالیٰ و هذا کتاب انزلناہ الیک۔ پس الکتاب معرفہ سے مراد
 توریت ہے۔ پھر ہذا کتاب۔ میں کتاب نکرہ سے مراد قرآن مجید ہے۔ مترجم نے سابق میں جواب کا اشارہ کیا ہے کہ قاعدہ مذکور
 اس وقت ہے کہ وہان کوئی قرینہ و دلیل ایسی نہ ہو جس سے اسکے خلاف ثابت ہوتا ہو جیسے اس آیت میں دلیل ہے کتاب اول جو موسیٰ
 کو دی گئی وہ توریت تھی و ہذا کتاب قرآن مجید کی طرف اشارہ ہے اور اسی بنیاد پر علامہ تفتازانی رحمہ وغیرہ نے جواب دیا ہے
 اور میرے نزدیک بیان یعنی قولہ فان مع العسکر النہم کوئی دلیل صریح نہیں ہے کہ جس سے یہ یقین ہو کہ دوسری آیت محض مکرر ہے بلکہ بیان

ہی۔ ۵۔ پس اگر تو کہے کہ روزہ دار کے لیے فرحت ہی بھر فرحت ہی تو دو فرحتیں ہوئیں اور شاید آیات میں ایک سبب وہ فتوحات ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حاصل ہوئیں پھر دوسرا لیسر عظیم وہ فتوحات جو خلفائے راشدین کے زمانہ میں نصیب ہوئیں۔ خلاصہ یہ کہ آیات میں جب دو لیسر مراد ہوئے تو دیکھنا چاہیے کہ دونوں اسی دنیا میں ہیں یا ایک دنیا میں اور دوسرا آخرت میں ہو کیونکہ حالت یہ گزری کہ کہ میں جب سورہ نازل ہوا تو اہل اسلام یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم بہت قلیل محتاج تھے پھر اللہ تعالیٰ نے جہاد مشروع کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتوحات دین اور انصار و مہاجرین کو فی الجملہ آسانی دی اسکے بعد خلفائے راشدین کے زمانہ میں خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ایران و فارس و خراسان وغیرہ اور شام و روم و مصر و حبش وغیرہ اس قدر محالک فتح ہوئے کہ مال و دولت بے شمار حاصل ہوئی پس شاید یہی دوسرا لیسر ہو کیونکہ اس زمانہ میں جو صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم تھے انکے ایمان صادق تھے اور آخرت انکے روبرو رہتی تھی تو ان اموال بے شمار سے وہ لوگ خیرات کے ذریعہ سے آخرت کے درجات حاصل کرتے تھے اور عیش و راحت اور دنیاوی لذت سے اس قدر متنفر تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود اپنے لباس میں پیوند رکھتے تھے اور غذا میں نمک کے ساتھ جو کی روٹی کھا لیتے اور کبھی کبھی کسی قدر چربی کا روغن لے لیتے حالانکہ اس قدر عظیم الشان سلطنتیں آپ کے زیر حکم تھیں جو کبھی کسی بادشاہ کی حکومت میں جمع نہیں ہوئیں اور افواج و حشم اس قدر آپ کے حکم کے دل و جان سے تابع تھے کہ کبھی کسی بادشاہ کے واسطے اسکا ایک جزو بھی میسر نہیں ہوا پھر باوجود اسکے انتقال کے وقت اپنے فرزند کو وصیت کی کہ بیت المال سے اپنی خلافت میں جو کچھ میں نے اپنا ضروری خرچہ لیا ہے وہ اس قدر ہر اسکو میرا حصہ زمین فروخت کر کے بیت المال میں واپس کر دیجیو اور اگر کمی پڑے تو میرے کنبہ بنی عدی سے مدد لیجیو۔ یہ عظام امور ہیں کہ سوائے خالص مومنین کے کوئی انکا اندازہ نہیں کر سکتا یہ اس صورت میں تھا کہ دونوں لیسر سے اسی دنیا میں لیسر مراد ہوا اور ہو سکتا ہو کہ یہ سب جو مذکور ہوا ایک ہی لیسر ہو اور دوسرا لیسر جدا وعدہ دوسری آیت ان مع العسر الحکم۔ یہ وہ بعد وفات کے آخرت میں ہو واللہ اعلم اور یہ سب بیان اس قول کے موافق ہے کہ آیت اول قول فان مع العسر یسرا۔ ایک وعدہ ہو پھر قولہ ان مع العسر یسرا۔ دوسرا وعدہ ہو۔ اور اگر دوسرا قول لیا جاوے یعنی دوسری آیت تاکیدی ہو تو اس صورت میں فقط لیسر واحد ہوگا۔ اس صورت میں یہ اعتراض وار ہوتا ہے کہ یہ قول خلاف سلف رضی اللہ عنہم ہوا حالانکہ سلف رضی اللہ عنہم کی تفسیر معتد بہ کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم اس وقت موجود تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید نازل ہوا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکا علم حاصل کرتے تھے اور قرآن مجید کے اسرار و معارف سمجھنا روحانی عقل سے متعلق ہے اور یہ عقل صحابہ رضی اللہ عنہم میں بروجہ کمال تھی جو العبد غیر ممکن ہے اور یہاں آیت کی تفسیر میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ و ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ معنی روایت ہوئے کہ کبھی دو لیسر پر ایک لیسر غالب نہوگا۔ تو معلوم ہوا کہ یہاں دو لیسر مقصود ہیں تو دوسری آیت فقط تاکیدی نہیں ہو سکتی۔ بلکہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ معنی صریح روایت کیے گئے ہیں پھر کونکر اسکے خلاف ہو سکتا ہو کہ تاکیدی سے ایک ہی لیسر قرار دیا جاوے (جواب) دیا گیا کہ حقیقت میں دوسری آیت تاکیدی ہے لیکن ان بزرگوں نے ظاہر صورت پر محمول کر کے دو لیسر قرار دیے اور امید قوی کر دی اور اللہ تعالیٰ کے وعدے کو اعلیٰ طریقے پر لے لیا (السراج) مترجم کہتا ہے کہ ظاہر صورت پر محمول کرنے سے مطلب یہ ہے کہ یہاں ظاہر میں لیسر ایک اور لیسر دو نکلتے ہیں قطع نظر اس سے کہ دونوں آیتیں باہم تاکیدی ہیں یا نہیں ہیں اور اسکا بیان تفسیر ابن کثیر میں بھی گزرا اور

روایت بھی اس پر دلالت کرتی ہو کہ ہم سے ذکر کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو اس آیت سے خوشخبری دی اور فرمایا کہ ایک عسکر بھی دویسر پر غالب ہوگا مسلم علم اصول میں بیان ہے کہ نکرہ جب اعادہ کیا جاوے تو پہلا اور دوسرا دونوں الگ الگ ہوتے ہیں اس لیے کہ اول نکرہ کچھ معین نہ تھا کہ وہی دوسرا ہو سواے اسکے کہ وہاں کوئی خاص دلیل ایسی ہو کہ جس سے یہ معلوم ہو کہ دوسرا بھی اول ہے۔ معرفہ جب اعادہ کیا جاوے تو وہی پہلا ہوگا سواے اسکے کہ کسی دلیل سے جدائی معلوم ہو تو یہاں آیت میں اول فرمایا۔ فان مع العسر یسر۔ اسمین (العسر) معرفہ ہے اور (یسر) نکرہ ہے پھر فرمایا۔ ان مع العسر یسر۔ اسمین بھی العسر معرفہ ہے اور یسر نکرہ ہے تو العسر دوم مرتبہ تکرار میں ایک ہی عسر ہے اور (یسر) تکرار لانے میں جدا جدا ہے تو (یسر) دو ہوے اور عسر ایک ہوا پس حدیث میں یہ معنی ہوے کہ اللہ تعالیٰ نے دویسر عطا فرمائے اور درمیان میں ایک عسر ہو تو یہ اکیلا کبھی یسر میں پر غالب نہیں ہو سکتا اور شیخ ابن کثیر نے بھی اس طرح معنی بیان کیے ہیں۔ اگر کہا جاوے کہ حدیث میں بیان ہے کہ اگر عسر آکر سوراخ میں گھس رہے تو اُسکے پیچھے یسر آکر سوراخ میں گھس کر اُسکو نکال باہر کرے جیسا کہ بیان ہو چکا اور آیت میں سیاق یہ ہے کہ فان مع العسر یسر۔ یعنی عسر کے ساتھ ہی یسر ہے (جواب) سیاق میں عسر کے ساتھ یسر بیان فرمایا تو اسکو اہل عقل کے ساتھ خطاب کیا ہے کیونکہ احمق البتہ یہ سمجھیکا کہ دونوں باتیں ساتھ ہی جمع ہیں اور حافل یہ نہیں سمجھ سکتا اس لیے کہ دونوں میں مخالفت ہے تو جمع کیونکر ہو سکتی ہے بلکہ حافل اس کلام معجز نظام سے یہ فائدہ لطیف سمجھیکا کہ عسر ایسا قلیل ہوتا ہے کہ گویا اسکے ساتھ ہی آسانی موجود ہے اس لیے کہ پہلا یسر تھا پھر عسر آیا پھر یسر آیا گیا تو دونوں یسر کے درمیان میں قلیل عسر ایسا پھنس جاتا ہے کہ وہ ہر طرف سے یسر کے ساتھ ہے اور حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بندگان مسلمین کو وعدہ دیا کہ عسر میں اللہ تعالیٰ سے امیدوار ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اُسکے بندوں کا رہنمائی سے نزدیک ہے حسن بن سفیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ حدیث تبارک بن صالح حدیثا خارجہ عن ابی الزناد عن ابی صالح عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہما کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس قدر خرچہ کا بار ہوتا ہے اُسی کے انداز سے آسمان سے مدد گاری نازل ہوتی ہے اور مصیبت کے انداز پر صبر اترتا ہے (ابن کثیر رحمہ اللہ) خطیب نے کہا کہ عسر یعنی سختی کی مثال جیسے خود اس سورہ میں گزری یعنی سینہ کی تنگی اور وز جس سے گرانی ہو اور قوم قریش کی سرکشی و اذیت و ایسا یعنی یہ چند روزہ تھا اور ہر ایک عسر کے بعد اللہ تعالیٰ نے یسر نازل کیا پس سینہ کشادہ کر دیا اور وز دور کر دیا اور قوم کو ہدایت و طاعت کی توفیق دی پس اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہونا چاہیے اگرچہ کیسی ہی سختی پیش آوے کیونکہ عسر کے ساتھ یسر ہے اگر کوہ کے ساتھ ہونے کے یہ معنی کہ دونوں جمع ہوں حالانکہ یہ نہیں ہو سکتا (جواب) دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اُن کو یسر و آسانی پہنچا دے بعد سختی کے جسمیں وہ مبتلا تھے نزدیک تر زمانہ میں لہذا جس یسر کی توقع ہو اسکو ایسا نزدیک کیا گویا عسر کے ساتھ ہے تاکہ دلون کو تسلی و تقویت رہے اسکے بعد پھر فرمایا۔ ان مع العسر یسر۔ یہ جملہ جداگانہ ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ دیا کہ عسر کے بعد ایک یسر تھا اُسکے پیچھے دوسرا یسر بھی ہو و انت ذواب آخرت کے یعنی سختی کے بعد تم کو دنیا میں آسانی ملیگی پھر اسکے بعد بھی آسانی عظیم ہے جیسے عیش و ثواب آخرت۔ اور اس کلام کی نظیر حدیث میں ہے کہ روزہ دار کے لیے دو فرحت ہیں ایک فرحت وقت افطار کے اور دوسری فرحت اپنے رب تعالیٰ سے ملنے کے وقت

تھا پس آپ نے فرمایا کہ اگر عسکر (بالفرض) اس سوراخ میں گھس رہے تو لیسر اگر اس سوراخ میں جا کر اسکو نکال کر باہر کرے گا
پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ فان مع العسر یسر ان مع العسر یسر۔ اس حدیث کو ابو بکر البزار رحمہ نے محمد بن معمر عن حمید
بن حماد رحمہ روایت کیا لیکن اُسکے آخرین یہ ہے کہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی اقول اس سے معلوم ہوتا ہے
کہ آیت پہلے نازل ہو چکی تھی اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی بات سچی کرتے کو یہ آیت یاد دلائی کہ خود اللہ تعالیٰ نے
قرآن میں اسکو نازل فرمایا ہے۔ م۔ ابو بکر البزار رحمہ نے کہا کہ اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے میرے علم میں کسی دوسرے نے نہیں
روایت کیا سوائے عائذ بن شریح رحمہ کے ابن کثیر نے کہا کہ عائذ بن شریح کی نسبت ابو حاتم الرازی نے کہا کہ اسکی روایت میں
ضعف ہوتا ہے لیکن اس حدیث کو شعبہ رحمہ نے معاویہ بن قرقہ سے اُس نے ایک شخص سے جسکا نام نہیں لیا حدیث عبد اللہ
بن مسعود رحمہ سے روایت کیا لیکن ابن مسعود رحمہ نے اپنے قول سے بیان کیا ہے یعنی یہ نہیں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ایسا فرماتے تھے (ابن کثیر رحمہ) اور فتح البیان میں نقل کیا کہ امام بزار رحمہ کی روایت کے مانند طبرانی رحمہ نے بھی روایت کیا اور
ابن مردودہ طبرانی نے اسے مانند بھی مرفوع حدیث کی روایت کی لیکن سیوطی نے کہا کہ اسکی سند بھی ضعیف ہے اور عبد اللہ
ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث آئی ہے کہ اگر عسکر کسی سوراخ میں گھس رہے تو لیسر اگر اُس میں سے اُسکو نکال دے
اور ایک عسکر کبھی دو لیسر پر غالب ہوگا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فان مع العسر یسر ان مع العسر یسر۔ اس حدیث کو عبد الرزاق و
سعید بن منصور و عبد بن حمید و ابن ابی الدینا و ابن المنذر و بیہقی نے روایت کیا ہے مترجم کہتا ہے کہ شاید فتح البیان میں ابن مسعود
کی حدیث میں مرفوع کنا سہو ہو اور موقوف کنا چاہیے واللہ تعالیٰ اعلم اور اسناد میں حمید بن حماد بن ابی انحر کے حق میں
بھی تغریب میں ہے کہ اُسکی روایت میں نرمی ہے یعنی فی الجملہ ضعف ہوا قول ابو داؤد نے بالون کی قطویل میں اسکی حدیث
روایت کی ہے فافہم ابن کثیر نے لکھا کہ ابن ابی حاتم نے حسن بن محمد بن الصباح عن ابی قطن عن المبارک بن فضالہ عن ابن
روایت کی کہ سلف کہا کرتے تھے کہ عسکر ایک اکیلا دو لیسر پر غالب نہیں ہو سکتا مترجم کہتا ہے کہ اسکی اسناد صحیح ہے اور حسن
بصری نے اسکو صحابہ رضاکا قول روایت کیا لیکن اسطرح بیان کیا کہ گویا یہ بات صحابہ رضی اللہ عنہم میں معروف تھی تو ضرور ہے کہ انھوں نے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی ہوگی ورنہ اپنی رائے سے ایسی بات بیان کرنا غیر ممکن ہے لیکن آیت میں ایک طریقے
سے یہ بات سمجھی جاتی ہے جسکا بیان آئندہ آویگا اور حسن بصری رحمہ کبھی اسکو حدیث مرفوع بھی مرسل روایت کیا کرتے تھے
چنانچہ ابن جریر نے کہا کہ حدثنا ابن عبد الاعلیٰ حدثنا ابو ثور عن معمر بن الحسن قال الخ یعنی حسن بصری نے کہا کہ ایک روز رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے خوش لباس تھے ہنستے ہوئے اور یہ فرماتے تھے کہ ہرگز دو لیسر پر ایک عسکر غالب نہیں
ہو سکتا ہوا اسکو مکرر فرماتے تھے پھر پڑھا قولہ تعالیٰ فان مع العسر یسر الایہ۔ اقول ابن عبد الاعلیٰ سے مراد یونس بن
عبد الاعلیٰ مصری نہیں ہیں کیونکہ ابن جریر رحمہ انکا نام لیا کرتے ہیں بلکہ یہ محمد بن عبد الاعلیٰ صنعانی ہیں جن سے نسائی وغیرہ نے
روایت کی اور یہ بھی ثقہ ہیں اور ابن ثور سے روایت کرتے ہیں تو یہ اسناد صحیح ہے ابن کثیر نے کہا کہ ابن جریر نے دوسری
اسانید سے بھی بطریق یونس بن عبید و عوف الاعرابی عن الحسن مرسل روایت کیا ہے تو یہ طریقہ قوی ہے اور اس سے معلوم
ہو کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا اور خود آیت سے نہیں نکالا تھا۔ بلکہ قتادہ رحمہ کی

دیا اور الحمد للہ کہ امت جسکے دل میں ایمان ہی ہر حالت میں آپ کا نام پاک بہت ادب اور تعظیم سے لیتے ہیں۔ رازیؒ نے سب کو جمع کر لیا اور کہا کہ جن صورتوں میں اہل تفسیر نے آپ کا ذکر بلند کرنا بیان کیا ہے سب آیت میں داخل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں آپ کا ذکر اپنے ساتھ رکھا جیسے قولہ تعالیٰ واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ۔ یعنی اللہ ورسول اللہ ہی اس بات کے لائق ہیں کہ منافقین انکو راضی کریں۔ اور اسکے لفظ اُتر بہت ہیں۔ اور قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جہان خطاب فرمایا وہاں یا ایہا البنی۔ اور یا ایہا الرسول سے خطاب فرمایا اور دیگر انبیاء علیہم السلام کا نام ذکر کیا جیسے یاموسیٰ اور یاعیسیٰ وغیرہ۔ اور اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے بندوں کے دلوں میں ایسی محبت رکھی کہ آپ کے نام پاک کو دل میں پاکیزگی کے ساتھ رکھتے ہیں اور زبان سے ذکر کرنے میں نہایت پاکیزگی و خوبی جانتے ہیں اور اعتبار صاحبین بندوں کا ہوتا ہے کیونکہ کفار ناپاک توجہ اب باری تعالیٰ میں شرک کا کلمہ بولتے ہیں وقال تعالیٰ ایجعل لہم الرحمن ودا۔ یعنی صاحبین کے واسطے اللہ تعالیٰ محبت قرار دے گا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا کہ عنقریب میں تمام عالم کو تیرے تابعین سے بھر دوں گا۔ یہ سب تیری ثناء و صفت کرینگے اور تجھ پر درود پڑھینگے اور تیرے طریقہ مسنون کو محفوظ رکھینگے اور میں نے تیری فرمانبرداری کو اپنی فرمانبرداری قرار دیا بقولہ تعالیٰ من لیطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ جسے رسول محمدؐ کی تابعداری کی تو بیشک اُسے اللہ تعالیٰ کی تابعداری کی اور تیری بیعت کو اپنی بیعت ٹھہرایا بقولہ تعالیٰ ان الذین یشاہدون انما یشاہدون اللہ۔ یعنی جو صحابہ کہ تجھے بیعت کرتے ہیں تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ اور تیری عظمت و جلالت کی یہ نشان ہو کہ روئے زمین پر جو بادشاہ راہ راست پر ہو وہ اگرچہ کیسا ہی عظیم الشان بادشاہ ہو وہ تیرے حکم کی فرمانبرداری کرنے میں اپنا فخر جانتا ہے بلکہ علماء و سلاہین حج و زیارت میں حبیب تیری بارگاہ کے دروازے پر پہنچتے ہیں اور درادب سے کھڑے ہو کر سلام کرتے اور تیری شفاعت کے امیدوار ہوتے ہیں اور تیرے دروازے کی خاک لے کر اپنے چہرے پر ملتے ہیں مگر حرم کتنا ہو بلکہ جس بندہ صالح کو تیری درگاہ کا ولی سمجھتے ہیں اُسکے دروازے پر ادب سے حاضر ہوتے ہیں پس آپ کا ذکر جہیل اور شرف رفق قیامت تک باقی ہو اور تفسیر کبیر خطیبؒ نے سراج میں لکھا کہ مشرکین چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مومنین کو فقیروں و تنگدستی کا الزام دیتے اور کہتے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم لوگ اچھے دین پر ہوتے تو تم کو یہ محتاجی کیوں ہوتی بلکہ ہم سے زیادہ مالدار ہوتے اور اسی قسم کی بیہودہ باتیں بیان کرتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ گمان ہوا کہ مشرکین کو اسلام سے بے رغبتی فقط اسی وجہ سے ہو کہ اہل اسلام فقیر ہیں لہذا اللہ تعالیٰ نے پہلے وہ نعمتیں یاد دلوائیں جو حقیقت میں نعمت ہیں پھر وعدہ دیا کہ اس تنگی سے جو دنیا کا تعلق اہل اسلام کے دلوں سے منقطع ہو جائیگا اس وقت اللہ تعالیٰ آسانی و ثروت بکثرت عطا فرمادے گا بقولہ تعالیٰ۔ فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۔ پھر البتہ سختی کے ساتھ آسانی ہو۔ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۔ بے شک سختی کے ساتھ آسانی ہوتی۔ ابن کثیرؒ نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے مکرر تاکید سے آگاہ فرمایا کہ عسر یعنی سختی و دشواری کے ساتھ میں یسر یعنی آسانی و راحت ضرور پائی جاتی ہے قال ابن ابی حاتم حدثنا ابو ذرہ حدثنا محمود بن غنیلان حدثنا حمید بن حماد بن ابی الخوار ابو جہم حدثنا عائذ بن شرحبیل قال سمعت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک وقت بیٹھے تھے اور آپ کے سامنے ایک سوراخ

و دروز و قیامت سب کا اقرار کرتا ہو ولیکن اشہدان محمد رسول اللہ کا اقرار نہ کرے تو اسکو کچھ فائدہ نہوگا اور وہ کافر مرے گا (السراج) مترجم کہتا ہو کہ یہ کلام بالکل صحیح ہو اور اس زمانہ کا ختم آپ پر ہو اور بدون آپ کی اتباع کے ہرگز کسی قلب میں نور کا نام نہوگا اگرچہ کوئی کافر اپنے واسطے اپنے نزدیک ہزار بار مدعی ہو۔ م۔ ابن کثیر نے لکھا کہ دیگر علماء رحمہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک اولین و آخرین میں ذکر فرمایا (یعنی حضرت آدم ؑ کو آپ کے نام و منزلت رفیع سے اطلاع دی حتیٰ کہ بعض روایات میں ہو کہ حضرت آدم ؑ نے آپ ہی کو شفاعت کا وسیلہ بنایا تھا جب توبہ قبول ہوئی۔ م۔ م۔ بلکہ جب زل میں انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا تو اپنے حبیب علیہ وسلم الصلوٰۃ والسلام کے لیے یہ عہد لیا کہ اسپر ایمان لا دین اور اپنی امتیوں کو اسپر ایمان لانے کا حکم کریں پھر اس امت میں آپ کا نام مقدس مشہور و بلند کیا اور اپنے ساتھ آپ کا ذکر ملا لیا مترجم کہتا ہو کہ شیخ نے قولہ تعالیٰ و اذا خدا اللہ یشاق النبیین لما آتیکم من کتاب و حکمۃ ثم جاءکم رسول الا یہ میں صریح لکھا ہے کہ ان انبیاء علیہم السلام کے بعد رسولؐ سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں چنانچہ وہاں دیکھنا چاہیے۔ م۔ اور شیخ صرصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے خوب کہا کہ فرض نماز کی اذان ہرگز صحیح نہیں ہوتی جب تک پسندیدہ منہ سے آپ کا پاکیزہ نام مبارک بشیرین نہ نکلے اور یہ بھی کہا کہ کیا تم لوگ نہیں جانتے ہو کہ ہمارا یہ حال ہو کہ ہماری اذان اور ہمارا فریضہ صحیح نہیں جب تک کہ ہم لوگ مکرر سہ کر رہے آئیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہ کریں (تفسیر ابن کثیر) رفعتا لک ذکرک۔ اس آیت میں (لک) کو مقدم کیا تاکہ جلدی سے اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل میں خوشی پیدا فرمادے کہ یہ رحمت کاملہ میرے واسطے ہو۔ حسن نے کہا کہ جہاں اللہ تعالیٰ کے واسطے ذکر ہے وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ساتھ ہو بعض نے کہا کہ آپ کا ذکر اس طرح بلند فرمایا کہ سابقین انبیاء علیہم السلام پر جو کما میں نازل فرمائیں ان میں آپ کی تعریف ذکر کی اور انبیاء کو بشارت کا حکم دیا اور آگاہ کیا کہ دین حق میں سے کوئی دین اس قدر کثرت کو نہیں پہونچے گا جس قدر دین احمدی پہونچے گا (ف) اگر وہم ہو کہ دین موسیٰ دو ہزار برس کے قریب رہا اور دین عیسیٰ کے مدعی بکثرت ملکوں میں ہیں اور خود حدیث میں آیا ہو کہ آخر زمانہ میں نصاریٰ بکثرت اور تمام روئے زمین پر غالب ہونگے (جواب) دین موسیٰ علیہ السلام فقط بنی اسرائیل میں تھا جیسے عیسیٰ علیہ السلام بھی فقط بنی اسرائیل کے واسطے بھیجے گئے تھے پھر دین موسیٰ میں بکثرت فسادات یہود نے پھیلانے دو ہزار برس تک ہونے سے کچھ زیادتی نہیں ہو سکتی ہو اور دین عیسیٰ میں بہت جلد فتنہ پھیل گیا تو جو لوگ خدا کا بیٹا کہنے والے لوگ ہیں یہ فقط برائے نام عیسیٰ کو مانتے ہیں اور حقیقت میں مشرک ہیں اور دین محمدی میں باوجود کثرت سے بدعتی فرقوں کے کسی نے شرک کا عقیدہ قائم نہیں کیا سوائے چند لوگوں کے جن کا کچھ اعتبار نہیں ہے اور یہ دین اسلام تمام دور دراز ممالک میں عموماً پھیلے اور کچھ تحریف نہیں ہوئی فافہم۔ پھر واضح ہو کہ حضرت ابن عباسؓ اور مجاہدؓ نے جو کہا کہ مراد اذان ہو تو اس قول میں یہ تردد ہو کہ جس وقت سورہ نازل ہوا تو مکہ میں نازل ہوا تھا اسوقت اذان شروع نہیں ہوئی تھی کیونکہ اذان مدینہ میں شروع ہوئی ہو (جواب) یہ ہو سکتا ہو کہ آیت میں جو امر بیان فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معلوم تھا۔ اور حق یہ ہو کہ اذان کا ذکر فقط ایک مثال ہو یہ مطلب نہیں کہ فقط اذان ہی میں ذکر بلند کیا چنانچہ ایک جماعت نے کہا کہ آیت میں یہ مذکور ہو کہ آپ کا ذکر بلند کیا تو یہ سب صورتیں شامل ہیں جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بلند فرمایا ہو حتیٰ کہ ارشاد ہے کہ جسے میرے اوپر ایک بار درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس کے عوض اسپر دس بار درود بھیجتا ہو اور قرآن مجید میں آپ پر درود کا حکم

زندہ کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا کہ اے محمد! یہ ایک یتیم الہم کیا میں نے تجھے یتیم نہیں پایا پس تجھے جگہ دی۔ میں نے عرض کیا کہ اے رب کیوں نہیں۔ اور فرمایا کہ میں نے تجھے صال نہیں پایا پس تجھے ہدایت دی۔ میں نے عرض کیا کہ اے رب کیوں نہیں فرمایا کہ کیا میں نے تجھے محتاج نہیں پایا پس تجھے تو نگر کیا۔ میں نے کہا کہ اے رب کیوں نہیں فرمایا کہ کیا میں نے تیرے سینہ کشادہ نہیں کیا اور کیا میں نے تیرا ذکر بلند نہیں کیا میں نے عرض کیا کہ اے رب کیوں نہیں تو ترجمہ کتاب ہے کہ اس روایت میں یہ احسان نہیں ذکر کیا کہ وضعنا عنک وزرک الہم تو شاید اسکی وجہ یہ ہو کہ سینہ کشادہ کرنا یہی وزر دور کرنا ہو تو تاویل یہ کہ ابتدا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر خالص وحی یعنی عین قلب پر کلام الہی کا نازل ہونا بہت سخت تھا اور یہی وزر تھا جسکو اللہ تعالیٰ نے اسطرح آسان کیا کہ آپ کا سینہ مبارک کھول دیا فافہم واللہ تعالیٰ اعلم۔ م قال ابو نعیم فی دلائل النبوة حدثنا ابو احمد الغطری فی حدیثنا موسیٰ بن سہل ابی جوفی حدیثنا احمد بن القاسم بن بہرام البتی حدیثنا نصر بن حماد عن عثمان بن عطاء عن الزہری عن الشیخ النعمانی عن انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ مقامات زمین و آسمان میں جہان جہان اللہ تعالیٰ نے میرے واسطے حکم کیا تھا جب میں اُس سے فارغ ہوا تو میں نے عرض کیا کہ اے رب مجھے پہلے جنکو تو نے پیغمبر بھیجا اُن میں سے ہر ایک کے لیے تو نے دنیا میں کرامت فرمائی چنانچہ ابراہیم ؑ کو خلیل بنایا اور موسیٰ ؑ کو کلام سے شرف دیا یعنی وہ کلیم اللہ کہلایا اور داؤد ؑ کے لیے پہاڑوں کو اور سلیمان ؑ کے لیے ہوا و شیاطین کو مسخر کر دیا اور عیسیٰ ؑ کے واسطے مردے زندہ کر دیے اور رب تو نے میرے واسطے کیا کرامت قرار دی ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمد کیا میں نے ان سب بڑھکر تیرے واسطے نہیں کیا کہ جب میں ذکر کیا جاؤں تو میرے ساتھ تو بھی یاد کیا جاوے اور میں نے تیری امت کے سینے ایسے کر دیے کہ حفظ سے قرآن پڑھیں یہ بات میں نے کسی امت کے لیے نہیں رکھی اور تجھے میں نے اپنے عرش کے خزانے سے ایک خزانہ عظیم دیا وہ۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم ہو (ابن کثیر رحمہ) اور امام فرماؤ گے معالم میں نقل کیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ہر جگہ نے کہا کہ ذکر بلند کرنے سے اذان مراؤ یعنی اذان میں اشهد ان لا الہ الا اللہ کے ساتھ اشهد ان محمد رسول اللہ سے ذکر بلند کیا جاتا ہے اور حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا شعر اس پر دلالت کرتا ہے۔ اُختر علیہ للنبوة خاتمہ من اللہ من نور یلوح و یشہد یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نور سے نبوت کی انگشتی اللہ تعالیٰ کی طرف سے روشن کی گئی جو چمکتی اور گواہی دیتی ہو۔ وضعا لا لہ اسم البنی الی اسمہ اذا قال فی الحسن الموزن الشہد اور اللہ تعالیٰ نے بنی اللہ محمد کا نام اپنے نام کے ساتھ ملا دیا جب پانچ نمازوں میں موزن اشهد کہتا ہے یعنی اشهد ان لا الہ الا اللہ و اشهد ان محمد رسول اللہ و شق لہ من اسمہ لیجملہ فذل العرش محمود و هذا محمد و اور اللہ تعالیٰ نے اس پیغمبر خاتم النبیین کی تعظیم کے واسطے اپنے نام سے اسکا نام مشتق کیا چنانچہ ذوالعرش کا نام محمود ہو اور یہ رسول اللہ محمد (ابن کثیر رحمہ) اور خطیب نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اپنے نام پاک کے ساتھ بلند کیا کہ اذان میں اور اقامت نماز میں اور شہد میں اور منبر پر جمعہ کے روز اور عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے روز اور عرفہ کے دن اور عید قربان کے ایام التشریق میں اور حج کے رمی الحجرات یعنی کنکریاں مارنے میں اور سعی و مروہ پر اور نکاح کے خطبہ میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ضرور ذکر کیا جاتا ہو بلکہ مشارق و مغارب میں محمد رسول اللہ کا نام بلند ہو حتیٰ کہ اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ عمر بھر اللہ تعالیٰ کے واسطے اپنے طور پر عبادت کرے اور جنت

یہ سبب ہوا کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قریش کے سرکشوں نے خصوصاً ابوجہل نے مار پیٹ کی اور آپ کے صحابہؓ جو چند آدمی تھے اُن میں سے کسی کو یہ قوت نہ تھی کہ مشرکوں سے مقابلہ کریں سوائے حضرت ابوبکرؓ کے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ہر طرف سے کافروں کا مقابلہ کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ کافروں نے حضرت صدیق رض کو اس قدر مارا کہ زخمی ہو کر بہوش ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی زخمی ہوئے۔ ابوبکر رض کو اُن کے کنبہ کے لوگ اٹھا لائے جب بوش ہوا تو پہلا کلمہ یہ کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں لوگوں نے کہا کہ زندہ ہیں تو کہا کہ الحمد للہ آپ کی صحت میں سب مصیبت آسان ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں زخمی معیوم تھے کہ ناگاہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ شکار سے واپس آئے آپ کو اس حالت میں دیکھ کر پوچھا کہ ای جھنجھے تم کیوں اس حالت میں غمگین ہو۔ آپ نے فرمایا کہ چھوڑ دو ایسے شخص کو جو چچا وغیرہ نہیں رکھتا ہے۔ آخر حضرت حمزہ رض کو حال معلوم ہوا تو آپ سخت غضبناک ہوئے اور اسی طرح مسلح مکان سے باہر چلے اور سجدہ احرام میں ابوجہل لعین کو دیکھا اور ایک کمان اس زور سے اُس کے سر پر ماری کہ وہ زخمی ہو گیا اور اسی حالت میں بھاگ کر باب بنی شیبہ سے نکل گیا اور حضرت حمزہ رض نے واپس ہو کر کلمہ توحید زبان پر جاری کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے۔ واضح ہو کہ قولہ (چچا وغیرہ نہیں رکھتا ہے) اس فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ رشتہ اصل میں اُس وقت ثبوت ہوتا ہے جب دین میں اتحاد ہو تو کفر کی حالت میں فقط ظاہری طور پر چچا ہو سکتا ہے باطن میں نہیں ہے جیسے حضرت نوح علیہ السلام کے فرزند کافر کی نسبت اللہ تعالیٰ نے کہا کہ لیس من ابک۔ وہ تیرے اہل و عیال سے نہیں ہے فافہم وجہ ہشتم رازیؒ نے لکھا کہ اگر اس سورہ مبارک کا نزول حضرت خدیجہ ابوطالب کے مرنے کے بعد ہوا ہو تو وزر سے انھیں دونوں کی جدائی مراد ہو پس اس کے عوض میں آپ کو معراج عطا فرمائی جس سے یہ وزر دور ہوا (تفسیر کبیر) وَدَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ اور ہم نے بلند کیا تیرا ذکر ف یعنی ہم نے تیرا ذکر بلند کیا ابن کثیرؒ نے لکھا کہ مجاہدؒ نے کہا کہ ذکر اس طرح بلند کیا کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے تو آپ کا بھی ذکر ساتھ ہی ہوتا ہے جیسے اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمد رسول اللہ۔ قساوہ رحم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر دنیا و آخرت میں بلند کیا چنانچہ جو کوئی خطیبہ پڑھتا ہے وہ ضرور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتا ہے اور جو کوئی کتاب میں حمد لکھتا ہے وہ نعت بھی لکھتا ہے اور نماز میں ضرور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جاتا ہے اور اذان میں صبح آپ کی رسالت کا ذکر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ ابن جریر رحم نے یونس عن ابن وہب عن عمرو بن اکثر عن دراج عن ابی الشیخ عن ابی سعید الخدری رض مرقوع روایت کی کہ جبریل علیہ السلام نے میرے پاس آکر کہا کہ میرا چچا رب جلیل فرماتا ہے کہ ای محمد میں نے کیونکر تیرا نام بلند کیا۔ میں نے کہا کہ میرا رب ہی خوب جانتا ہے کہا کہ وہ فرماتا ہے کہ جب میں ذکر کیا جاتا ہوں تو تیرا نام بھی ذکر کیا جاتا ہے اس حدیث کو ابن ابی حاتم نے بھی یونس بن عبد الاعلیٰ سے روایت کیا ہے یونس بن عبد الاعلیٰ ثقافت علمائے مصر ہیں ان سے امام مسلم و نسائی و ابن ماجہ و طحاوی و ابوالحاتم و ابن خضیمہ و غیرہم جم غفیر نے روایت کی ہے (رواہ ابوالعلیٰ و ابن المنذر و ابن حبان و غیرہم) قال ابن ابی حاتم حدثنا ابو زرعہ حدثنا ابو عمر الحوضی حدثنا حماد بن زید حدثنا عطاء بن السائب عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ میں نے اپنے رب عزوجل سے کچھ سوال کیا کاش میں یہ سوال نہ کرتا۔ میں نے یہ سوال کیا تھا کہ ای رب تو نے مجھے پہلے انبیاء (علیہم السلام) بھیجے تھے ان میں بعض (سلیمان) کے لیے تو نے ہوا مسخر کر دی (یعنی اُس کے تابع حکم کر دی) اور بعض (عیسیٰ) مروے

اُسکے مجموعہ گناہ کو تلفظ و زرعیر فرما کر آپ کی جناب میں منسوب کیا اور اس تاویل کے موافق مترجم کہتا ہے کہ ہمارے ارحم الراحمین پروردگار نے امت اسلامیہ کے سب گناہ اپنے حبیب رحمۃ للعالمین کے حوالہ کیے اور یہ نہایت بشارت کا مقام ہے صرف ہم لوگوں کو مرتے دم تک ایمان کا غم چاہیے یعنی اپنے پلو گناہوں کی حد میں اسطرح رکھیں کہ شیطان کے حوالہ نہ ہو جاوین اسلئے کہ بعضے قبیح گناہ ایسے سرزد ہوتے ہیں کہ انکی سیاہی سے دل اندھا ہو جاتا ہو اور شیطان مسلط ہوتا جاتا ہو پس ہر روز مردم دعا کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر خاتم پیکر کرے رازیؒ وغیرہ نے لکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت عاصی کی غمخواری فرماتے کہ دیکھیے اللہ تعالیٰ اُنکے حق میں کیا حکم فرماتا ہو پس اللہ تعالیٰ نے یہ بوجہ ہلکا کر دیا اور دنیا کے حق میں فرمایا۔ ما کان اللہ ليعذبہم وانت فیہم۔ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہہ کرے انکو عذاب کرے درحالیکہ تو انہیں موجود ہے۔ اور آخرت میں اُنکے واسطے آپ کو شفاعت کی اجازت دی وجہ پنجم یہ کہ قولہ وضعنا عنک وزرک الخ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے تجھے رسول معصوم کر دیا یعنی تجھے کوئی گناہ نہ ہو گا جو تیری بلٹیچہ بربار گران ہو کیونکہ اگر گناہ ہوتا تو ضرور آپ پر بار گران ہوتا اسلئے کہ حدیث میں ہے کہ بہت خفیف باتیں جنکو لوگ روزمرہ بے تکلف عمل میں لاتے ہیں جیسے زور سے ہنس دینا وغیرہ تو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا کہ ای لوگو اب یہ زمانہ آگیا کہ تم لوگ ان باتوں کی کچھ پروا نہیں کرتے ہو حالانکہ ہم لوگ انکو پہاڑ کے برابر سمجھا کرتے تھے جب یہ حالت صحابہ رضی اللہ عنہم کی تھی تو تم خیال کر سکتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کس قدر گران ہوتا پس اللہ تعالیٰ نے آپکو معصوم کر دیا جس سے یہ بوجہ کبھی نہ ہو گا اور اس امر کو ایسے کلام سے بیان کیا جس سے کسی امتی پر یہ گرائی نہ ہو کہ کاش وہ بھی معصوم کر دیا جاتا اور علما تو جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسرار کیونکر ہیں رازیؒ نے لکھا کہ اسی قسم سے یہ روایت ہے کہ زمانہ وحی سے پہلے ایک مرتبہ قریش میں سے ایک شخص کے بہان ایسی دعوت تھی جس میں دُف بجاتا اور دیگر باجاؤ گانا تھا۔ بعضے بوڑھے لوگوں نے آپ کو بھی باصرہ مجبور کیا کہ وہاں جا کر شریک ہوں۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے آپ پر ایسی نیند غالب کی کہ آپ بالکل سو گئے اور آپ نے کچھ نہیں سنا یہاں تک کہ صبح ہوئی اور دن نکل آیا حتیٰ کہ دھوپ کی تیزی سے آپ جاگے تھے وجہ ششم (وزر) سے مراد وہ کیفیت ہے جو جبریلؑ سے اول ملاقات وحی اقرا باسم ربک الخ میں پیدا ہوئی تھی کہ بدن کانپنے لگا اور قریب تھا کہ آپ پہاڑ سے گر پڑیں پھر اللہ تعالیٰ نے اس حالت کو دور کیا اور آپ کو ایسی قوت دی کہ لذت وحی کی جانب مشاق ہوئے کہ تاخیر ہونے میں شدت شوق سے چاہتے کہ اپنے آپکو پہاڑ کے اوپر سے گرا دیں مترجم کہتا ہے کہ قول دوم کے بیان میں یہ وجہ بھی داخل ہو گئی ہے اگرچہ اسی قدر کہا جاوے کہ وزر سے یہ مراد ہے کہ نبوت کی خدمت بخوبی ادا کرنا اور سختیوں پر صبر کرنا آپ پر گران تھا اسکو اللہ تعالیٰ نے آسان فرمایا لیکن امام رازیؒ نے لکھا کہ وجہ ہفتم یہ کہ وزر سے مراد وہ اذیت و تکلیف ہے جو کافروں کی طرف سے ادا سے رسالت کے وقت آپ کو پہونچتی جس سے آپ بہت کوفتہ خاطر ہوتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوت دی حتیٰ کہ کافروں نے چہرہ مبارک زخمی کیا اور آپ فرماتے تھے کہ انکی اس قوم کو ہدایت دے کہ یہ لوگ جانتے نہیں ہیں مستحرم کہتا ہے کہ حدیث صحیح میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مہالین جیسے اذیت مجھے دی گئی کسی کو نہیں دی گئی۔۔۔ اور روایت ہے کہ حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا سبب اگرچہ اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم تھا لیکن ظاہر میں

دو طرح سے دیا گیا۔ وجہ اول یہ کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام سے صغیرہ گناہ صادر ہو سکتے ہیں اور آیت میں یہی صغیرہ گناہوں کی مغفرت مراد ہو۔ اگر کم کو (وزرک) کی صفت یہ کہ (الذی انقض ظہرک) جسے تیری پیٹھ پر بوجھ ڈال دیا۔ یہ صفت صغیرہ کے واسطے نہیں ہو سکتی بلکہ کبیرہ کے لیے ظاہر ہے (جواب) یہ کہ آیت میں فقط یہ مذکور ہے کہ تیرا یہ خیال تھا اور اس سے فی الواقع یہی معاملہ نہیں ہو سکتا۔ اور خلاصہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صغیرہ گناہوں سے بھی بہت غمناک ہوتے تھے اس لیے فرمایا کہ الذی انقض ظہرک۔ علاوہ برین ثواب عظیم اس سے زائل ہوتا ہے اس لیے یہ صفت بیان فرمائی۔ یہ جواب معتزلہ فرقہ کی طرف سے ہے جو کہتے ہیں کہ پیغمبروں سے صغیرہ گناہ ہو سکتے ہیں۔ اس جواب پر ایک اعتراض مشکل ہے جو حکا بیان یہ ہے کہ معتزلہ کے نزدیک یہ اعتقاد ٹھہرا ہے کہ جس شخص نے کبیرہ گناہوں سے پرہیز کیا تو واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کے صغیرہ گناہ معاف کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبیرہ گناہوں سے معصوم تھے تو صغیرہ کی مغفرت تمہارے قول پر خود واجب ہے۔ پھر بیان آیت میں (وزرک) سے صغیرہ کیونکر ہو سکتے ہیں اس لیے کہ وہ بالضرور بخشے گئے اور آیت میں احسانات کا بیان ہے اور خوب معلوم ہوا کہ جو چیز واجب ہو اُس سے فضل و احسان نہیں رکھا جاتا ہے پس معتزلہ کا جواب ٹھیک نہیں ہوا (جواب دوم) (وزرک) سے گناہ مراد نہیں ہے یعنی اصطلاح میں تم لوگ جسکو گناہ کہتے ہو کہ بالغ ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی شریعت پہنچ جانے اور علم چل ہونے کے بعد جس سے منع ہو وہ کام کرے، تو یہ گناہ بیان مراد نہیں ہے پس یہ اعتراض ساقط ہوا کہ انبیاء علیہم السلام سے گناہ صادر ہو سکتا ہے لیکن یہ بیان کرنا چاہیے کہ بھارت میں (وزرک) سے کیا معنی مراد ہیں (جواب) میں کئی وجوہ ہیں وجہ اول یہ کہ شریعت کی وحی نازل ہونے سے پہلے چالیس برس تک کے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے بعض کام ہو گئے تھے جو شریعت میں ممنوع بیان ہوئے تو ان کا خیال کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بار عظیم طاری ہوتا تھا اگرچہ وہ کام ایسے زمانہ میں ہوئے تھے جو گناہ نہیں ہو سکتے ہیں پس اللہ تعالیٰ نے وہ بھی معاف کیے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو مار ڈالا تھا اور اللہ تعالیٰ نے عفو کیا۔ یہ معنی قتادہ رحمہ کے بیان سے نکلے ہیں وجہ دوم یہ کہ (وزرک) کے معنی باعتبار زبان عرب کے بارگراں ہے اور اس سے نبوت کا بارگراں مراد ہے کہ اُسکا اٹھانا ابتدا میں آپ پر شاق تھا پس اللہ تعالیٰ نے قوت الہیہ سے اُس کو ہلکا کر دیا یعنی آپ کو ایسی قوت روحانی عطا کی کہ یہ بار آپ پر آسان ہو گیا وجہ سوم بعض نے کہا کہ (وزرک) سے مراد وہ گرانی و ناگواری ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی حالت دیکھ کر پیدا ہوتی تھی یعنی آپ دیکھتے تھے کہ قریش نے دینِ براہیمؑ کو بگاڑ دیا اور بجائے توحید کے شرک اختیار کیا اور خانہ کعبہ میں بت رکھے تو آپ کو بہت گران گزرتا تھا اللہ تعالیٰ نے یہ بوجھ ہلکا کر دیا کہ اپنا دین توحید نازل فرمایا وجہ چہارم (وزرک) سے اگرچہ گناہ کے معنی مراد ہیں لیکن گناہ فی الحقیقت آپ کے واسطے نہیں ہیں بلکہ بات یہ تھی کہ آپ کے سامنے آپ کی امت کے گناہ پیش ہوئے تو آپ بہت غمگین ہوئے اور آپ پر بہت گران گزرتا تو فرمایا کہ یہ تیرا بار گناہ جس سے تیری پیٹھ پر گرانی تھی ہم نے تجھے دور کر دی۔ خلاصہ یہ کہ امت کے گناہوں کو آپ کی طرف منسوب کیا اس لیے کہ آپ رحمۃ للعالمین تھے یعنی تمام عالم کے لیے رحمت تھے تو جن لوگوں نے آپ کی رسالت کا اقرار کیا اور ایمان لائے ہیں ان پر آپ کس قدر بے انتہا رحمت تھے تو اس امانت کے واسطے غمخواری فرماتے تھے اس لیے

منشرح کر دیا قول دوم یہ کہ وزر سے مراد وہ کدورت ہیں جو زمانہ ولادت سے چالیس برس کی عمر تک کافروں کے ساتھ رہنے سے طاری ہوئی تھیں و لیکن ہم لوگ اس کدورت کو قیاس نہیں کر سکتے ہیں اس لیے کہ آفتاب کا غبار اور دیشہ کا رنگ برابر نہیں ہوتا اور لوہے کا میل اور موتی کا میل یکساں نہیں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک اول سے پاک تھا اور شوق الصدقہ سے بالکل پاک ہو کر محل نور الہی ہوا تو آفتاب کو اس سے کیا نسبت ہو اور جس قلب کے مثل عالم وجود میں رب غر و جل نے انبیاء و مرسلین و ملائکہ مقررین میں ایجاد نہیں فرمایا تو ہم لوگ کیونکر اس کا اندازہ کر سکتے ہیں ۵ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر پس جس بندے کو اللہ تعالیٰ نے ایمان حقہ عطا کیا ہے یعنی اُس میں عقل روحانی موجود ہے تو وہ اس مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے لائق کدورت تصور کر سکتا ہے اس سیطح گناہ بھی آپ کی شان کے لائق تصور کرے کیونکہ گناہ حقیقت میں میل کچیل ہے اور ہر چیز کا میل اس چیز کے مناسب ہوتا ہے لوہے کا میل اور موتی کا میل جدا جدا ہے اور جسے میل کا نام سن کر قیاس کیا کہ لوہے کے مانند میل ہو گا تو وہ سخت احمق ہے لوہے کا میل آگ سے جلا کر شدت کو فتہ کر کے صاف کیا جاتا ہے اور موتی کا یہ حکم نہیں ہے بلکہ پتھر کا غبار اور آفتاب کا غبار یکساں نہیں ہوتا ہے آفتاب کا غبار فقط حجاب ہے خوب یا اور کھو کہ یہ نظیرین سب پتہ بتلا کر جو اس کی چیزوں سے دکھلا کر سمجھانا منظور ہے جسے ذات احدیت جل شانہ کے صفات الوہیت کے واسطے یہ عالم محسوسات دلیل ہو ورنہ کہاں یہ دنیاوی مادیات اور کہاں شان قدس صفات جل سلطانہ و عزربانہ اسیطح جس بندے کو حضرت حق سبحانہ تعالیٰ نے فرد و احد پیدا کیا اس کا مثل دوسرا نہیں ہے تو اُس کی نظر عالم روحانیات سے نہیں مل سکتی پھر عالم محسوسات میں کہاں سے آویگی۔ اس تمہید میں اس لیے تطویل کے ساتھ بار بار سمجھنے کی تاکید کی جاتی ہے کہ جن غبی جاہلون نے یہ نہیں سمجھا وہی لوگ کثرت سے گمراہی کے غاروں میں گرے چنانچہ آئندہ خود معلوم ہو گا۔ اب تفاسیر کے اقوال بیان کیے جاتے ہیں شیخ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ و وضعنا عنک وزر الذی انقض ظہرک۔ یہ آیت ہاندا قولہ تعالیٰ لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر۔ تاکہ اللہ تعالیٰ تیرے واسطے وہ گناہ معاف کرے جو پہلے گزرے اور جو پیچھے ہوئے۔ مترجم کہتا ہے کہ شیخ رحمہ اللہ نے وزر کے معنی گناہ لیے اور سورہ انا فتحنا کی آیت سے اس کی تفسیر کی اس قاعدہ سے کہ قرآن کی آیتیں ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں اور سورہ انا فتحنا کا سیاق عجیب اسرار کے ساتھ ہے چنانچہ فرمایا۔ انا فتحنا لک الآیہ یعنی ہم نے تیرے واسطے ظاہر فتح عنایت کی تاکہ اللہ تعالیٰ تیرے لیے گناہ ما تقدم و ما تاخر بخشے۔ یعنی اس فتح مکہ کو بخشش کا سبب بیان فرمایا اور علماء رحمہ اللہ کے نزدیک یہ تمہید وفات شریف ہوا فہم۔ اور ہم نے وہاں بہت توضیح سے بیان کیا ہے کہ یہی وہ آیت ہے کہ تمام مخلوق الہی میں سے کسی فرشتہ مقرب و بنی مرسل کو نصیب نہیں ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بالکل پاک کر دیا ہو اس کو کسی قسم کا دغدر نہ ہولناک قیامت میں نہ ہو سواے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس واسطے جب یہ آیت اتری ہے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کو نہایت مبارک باد دی اور فی الواقع یہ نہایت اعلیٰ منزلت ہے و لیکن عجب یہ کہ ایک جماعت جہال نے اسی مقام سے اپنے واسطے ضلالت اختیار کی بیان ہے کہ امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں لکھا کہ ایک عجمی نے دعویٰ کیا کہ انبیاء علیہم السلام سے بھی گناہ صادر ہوئے ہیں اور اسی آیت سے استدلال کیا اور ان گمراہوں کا جواب

وَزَكَ الَّذِي لَمْ نَقْضْ ظَهْرَكَ۔ اور موضوع کر دیا ہم نے تجھے تیرا درجہ تیری بیٹھ بوجھل کی تھی ف یہ
بے مثل تاج کراست ہو جو کسی مرسل پیغمبر اور کسی مقرب فرشتہ کے لیے نہیں ہو آسکی تفسیر میں پہلے مفردات میں کلام کیا جاوے
پھر معانی تفسیری و معال امرار میں کلام ہوا ماہم رازی وغیرہ نے لکھا کہ قولہ ووضعتنا بوا وعطف ہو لیکن ممبروں نے کہا کہ
عطف لفظی کے طریقے پر نہیں ہو کیونکہ الم تشریح پر لفظاً ہو تو۔ الم وضعتنا ہوا اور یہ نہیں ہو سکتا پس عطف بحسب المعنی ہو
کیونکہ الم تشریح کے معنی یہ ہیں کہ قد شرتنا لک صدرک۔ اس پر عطف ہو۔ ووضعتنا عنک وزرک مترجم کہتا ہے کہ وضع کے معنی رکھنا
اور گھٹانا پس سب کہیں۔ وضع فیہ۔ اس جگہ میں رکھ دیا اور جب کہیں۔ وضع عنہ۔ تو معنی یہ کہ اُس سے گھٹا دیا اسی معنی میں وضع
وہ شخص جو شریف ہو یعنی گھٹا ہو اکیسہ ہو اور یہ محاورہ عام ہو چنانچہ عوام بولتے ہیں کہ اسکی تنخواہ میں سے اس قدر وضع
کر لیا یعنی گھٹا لیا رازی نے کہا کہ (وزر) گناہ کا بوجھ (کبیر) اور دوسروں نے کہا کہ وزر معنی گناہ۔ اور قولہ انقض ظہرک
مفسرین نے کہا یعنی بوجھل کر دی تھی بیٹھ تیری زجراج وغیرہ علماء لغت و معانی نے کہا کہ انقض ظہرک۔ ایک مثل ہے
اور اسکی اصلیت یہ ہے کہ عرب کہتے ہیں کہ نقض الحجل ظہر الناقة۔ بوجھ نے ناقہ کی بیٹھ کو انقاض کیا۔ یعنی بوجھ ایسا بھاری تھا
کہ اُسکی بیٹھ سے نقیض سنی جاتی تھی۔ نقیض ایک قسم کی خفیف آواز ہوتی ہے تو مطلب یہ ہوا کہ بوجھ کی وجہ سے اُسکی بیٹھ
سے آواز سنائی دیتی تھی رازی نے کہا کہ یہ آواز اسکے کجاوہ وغیرہ کی چرچراہٹ سے آتی ہو بالجملہ۔ یہ مثل اللہ تعالیٰ نے
اپنے رسول حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطے بیان فرمائی تو اس سے کیا مراد ہو معال وغیرہ میں ہے کہ ابو عبیدہ
وعبد الغزیز بن نجیح نے کہا کہ اس سے یہ مطلب ہے کہ ہم نے تجھ سے رسالت و کارپردازی نبوت کا بوجھ ہلکا کر دیا جو تجھ
پر بہت گران معلوم ہوتا تھا ابن کثیر نے لکھا کہ بہت سے علماء سلف رضی اللہ عنہم نے کہا کہ یعنی ہم نے تجھے وہ بوجھ ہلکا
کر دیا جسکا اٹھانا تجھے بار معلوم ہوتا تھا مترجم کہتا ہے کہ یہی معنی صحیح و مربوط و جید و قوی ہیں کیونکہ اوپر کی آیت میں یہ
احسان رکھا کہ ہم نے تیرا سینہ کھول دیا۔ یعنی وحی قرآن کے لیے پھر فرمایا کہ جو بار گران تجھ پر تھا معلوم ہوتا تھا وہ تجھے
ہلکا کر دیا۔ واضح ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ظہور رسالت بروز کمال تھا ایسے کلام الہی ہر ایک پیغمبر پر لباس
کتابی نازل ہوا حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر باوجود کلام کرنے کے کتاب توریت کا نزول الواح میں ہوا۔ الغرض کوئی
پیغمبر ایسا نہیں گزرا کہ جسکے دل پر خالص وحی کا نزول ہوا ہو سوائے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسا واسطے انبیاء
سابقین حضرت موسیٰ و عیسیٰ نے بشارت میں سنایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنا کلام اُسکے منہ سے کہوں گا چنانچہ
انجیل میں بھی صریح یہ بشارات اتنا موجود ہیں باوجودیکہ اس قدر تحریفات واقع ہوئیں اسی وجہ سے آپ پر وحی نبوت بہت
بھاری تھی جسے کہ ابتدائے نزول وحی میں آپ کا بچنے لگے اور اپنی جان کا خوف کیا اور متواتر معلوم ہے کہ سخت جاڑے میں
جس وقت وحی آتی تھی تو آپ کی پیشانی مبارک سے پسینا اس طرح جاری ہوتا تھا گویا فصد کھول دی گئی اور طسا ہرگز
آپ دنیا سے وفات دیدیے جاتے تھے اور موت کی طرح گھبراگ جاتا تھا سوائے اسکے کہ سانس چلتی رہتی تھی اور باطن میں
آپ بالکل نور عقل میں مسرور ہوتے تھے اور وحی سبب حفا رکھتے تھے پس معلوم ہوا کہ اس کمال قرب سے یہ وحی برداشت کرنا
جو خاص آپ کے واسطے تھا ظاہر ہے کہ کس قدر گران بوجھ تھا پس اللہ تعالیٰ نے آسان فرمایا کہ آپ کا سینہ مبارک

کچھ اوپر دس برس کی تھی تو میں ایک جنگل میں گیا۔ وہاں میں نے یکایک کچھ گفتگو سنی غور کیا تو دوسرے سر کے اوپر جانب آواز آتی ہو میں نے تامل کیا تو ایک مرد دوسرے سے کہتا تھا کہ وہی تو یہ ہوا سننے کہا کہ ہاں وہ یہی ہے پھر وہ لوگ میرے سامنے ہو گئے اُنکے چہرے ایسے خوب صورت تھے کہ میں نے کبھی نہیں دیکھے اور اُنہی ایسی عمدہ خوشبو آتی تھی کہ میں نے کبھی نہیں سونگھی اور اُن پر ایسے عمدہ کپڑے تھے کہ میں نے کبھی نہیں دیکھے۔ پھر وہ دونوں میری طرف متوجہ ہو کر آگے بڑھے اور ہر ایک نے میرا بازو پکڑ لیا لیکن مجھے انکی گرفت کچھ محسوس نہیں ہوتی تھی پھر ایک نے دوسرے سے کہا کہ اسکو چیت لٹاؤ۔ انہوں نے مجھے لٹا دیا لیکن مجھے کچھ بھی محسوس نہوا پھر ایک نے دوسرے کو حکم دیا کہ اسکا سینہ چاک کر دے پس اُس نے جھک کر میرا سینہ چاک کر کے دونوں طرف کھول دیا میں اپنے سینہ کو دو طرف کھلا ہوا دیکھتا تھا لیکن خون کا کچھ نشان بھی نہ تھا اور نہ کسی قسم کا درد محسوس ہوتا پھر اسکو حکم کیا کہ اسہین سے کینہ و حسد نکال دے اُس نے خون کے تھکے کی طرح ایک چیز نکال کر باہر پھینک دی۔ پھر ایک نے حکم دیا کہ اسہین مہربانی اور رحمت بھرو دے تو میں نے دیکھا کہ جیسی چیز اُس نے نکالی اسی شکل کی مگر چاندی کے مانند سفید اسہین رکھی پھر (سینہ برابر کر کے سی دیا) پھر میرے دائیں پائوں کا انگوٹھا ہلا کر سا کہ سلامتی کے ساتھ جاؤ میں وہاں سے اس حالت میں آیا کہ مجھے جو کوئی چھوٹا آدمی ملنا اُسپر مہربانی سے نظر کرتا اور جو بڑا آدمی ملتا اُسپر رحم کرتا تھا (اسنادہ لا باس بہ) یہ سب ابن کثیر رحم کی تفسیر میں ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ معتزلہ وغیرہ بدعتی جابلوں نے اسرار سے غافل ہو کر دین الہی میں گمراہی پھیلانی جبکہ شریعت کو اپنی راے پر رکھا اور یہ ضلالت ہے اور حاصل مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر امتنان و احسان رکھا کہ الم نشرح لک صدرک۔ کیا یہ نہیں ہوا کہ ہم نے تیرے واسطے تیرا سینہ منشرح کر دیا۔ یہ انشراح دو طرح ہوا ایک ظاہر میں جبکہ سینہ چاک کر کے آلائش جو حصہ شیطان تھا نکال دیا اور یہ تین مرتبہ ہوا یا چار مرتبہ ہوا۔ علماء رحم نے کہا کہ اولاً بچہ بن میں جب آپ دائی حلیمہ کے یہاں تھے تاکہ بچہ کے شوق لہو و لعب کی طرف راغب نہوں۔ پھر قریب بالغ ہونے کے تاکہ شباب کے جوش میں دنیا کی طرف میلان نہو۔ اسید واسطے آپ کسی لہو و لعب کی طرف کبھی مائل نہوے اور واضح ہو کہ اگر صد ہا برس چلہ کشی و ریاضت کی جاوے تو بھی یہ صفائی میسر نہوگی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس انشراح میں حاصل ہوئی اسلئے کہ آپ کے سینہ سے شیطانی حصہ نکال دیا گیا تھا اور بجائے اُسکے خوبیاں بھری گئیں اور یہ بات کسی ریاضت وغیرہ سے نہیں حاصل ہو سکتی ہے تو غور کرو کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کس شان سے آپ کے ساتھ متعلق تھی جو کسی فرد بشر کے ساتھ انبیاء و رسولوں سے متعلق نہیں ہوئی اور اسی جہت سے آپ کی ذات ہی میں قرآن مجید کے موافق عاوات و اخلاق ثابت تھے اور جسم مبارک اپنی خوبصورتی پر باقی تھا جسکے مثل خوبصورتی نہیں دیکھی گئی لیکن است پر رحم کر کے آپ کے حسن بے نظیر پر ایک حجاب تھا تاکہ مخلوق فتنہ میں مبتلا نہو پھر قلب مبارک کے لیے آیات الہیہ مشاہدہ کرنے کا کمال چاہیے تھا لہذا معراج میں جانے کے وقت پھر شوق الصدر سے یہ قوت رکھی گئی کہ آیات کبریٰ بلا نظر کر سکیں یہ سب کمالات عظیمہ میں جز کا نمونہ کسی پیغمبر و رسول میں معلوم نہیں ہوا۔ اللہم صل علی نبینا محمد وآلہ و صحبہ و جمیع الانبیاء والمرسلین اجمعین والحمد للہ رب العالمین امام فخرؒ نے فرماؤںے معاملہ میں لکھا کہ قولہ تعالیٰ الم نشرح لک صدرک۔ یعنی کیا ہم نے تیرے لیے نہیں کھول دیا تیرا سینہ اور وسیع و نرم کر دیا واسطے ایمان و نبوت اور علم و حکمت کے۔ وَوَضَعْنَا عَنكَ

اور دل نکال کر اُسکو دھویا اور معاصی سے پاک کیا پھر اُسین علم و ایمان بھر کر اسیکے مقام پر رکھ دیا رازیؒ نے لکھا کہ قاضی (مفتی) نے اس روایت میں کئی طرح سے اعتراض کیا ہے وجہ اول یہ کہ شق الصدر تو آپ کے بچپن میں واقع ہوا تھا اور بیان جو شرح الصدر مذکور ہے وہ معجزات کی قسم سے ہے تو یہ نبوت سے پہلے نہیں ہو سکتا تھا وجہ دوم یہ کہ روایت میں دل دھونا مذکور ہے تاکہ معاصی سے پاک ہو جاوے لیکن معاصی ایسی چیزیں ہیں جو دھوئے جاوے بلکہ دھونے کے لائق اجسام ہوا کرتے ہیں تو دھونا بے فائدہ ہوگا وجہ سوم یہ کہ علم و ایمان بھرا نہیں جاتا بلکہ اللہ تعالیٰ اُسین پیدا کرتا ہے مترجم کہتا ہے کہ معتزلہ و روافض وغیرہ کا اصول یہ ہے کہ جوابات روایت کی جاوے اسکو اپنی رائے سے پکھتے ہیں اگر انکی رائے سے موافق ہوئی تو اُسکو قبول کرتے ہیں ورنہ نہیں لیتے اگرچہ ثقہ اولیاء صاحبین روایت کریں گویا انھوں نے دین کو اپنی رائے پر رکھا ہے اسی بنیاد پر بیان قاضی معتزلی نے تین وجہ سے اعتراض کیا رازیؒ نے جواب میں لکھا کہ وجہ اول کا جواب یہ ہے کہ نبوت کی وحی آنے سے پہلے معجزہ کا صادر ہونا ہمارے نزدیک جائز ہے اور عرف میں اسکو ارباب صحت کہتے ہیں اور ایسے معجزات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بکثرت واقع ہوئے ہیں۔ وجہ دوم و سوم کا جواب یہ ہے کہ شق الصدر سے جبرئیل علیہ السلام نے سیاہ خون نکال ڈالا تھا یہی علامت تھا کہ دل کو گناہوں کی طرف میلان ہوا اور علوم و طاعات سے باز ہے جب اُسکو نکال ڈالا تو یہ علامت ہے کہ دل کو طاعات کی طرف میلان ہوگا اور معاصی سے باز رہیگا اور ملائکہ نے جانا کہ یہ معصوم بندہ ہے۔ علاوہ برین اللہ تعالیٰ قادر محتار ہے جو چاہے وہ کرے (تفسیر کبیر) اور ابوالسعودؒ نے جواب دیا کہ شاید روایت میں تمثیل ہو یعنی آئندہ جو کمالات روحانی آپ کو حاصل ہونے والے تھے اُنکی یہ مثال بیان کی کہ دل سے خون سیاہ نکال کر ایمان و علم بھر دیا (ابوالسعود) مترجم کہتا ہے کہ یہ سب جوابات واهیات ہیں۔ بلکہ صحیح جوابات سے پہلے یہ بات جان لینا چاہیے کہ ہر ایک روحانی چیز کی شکل و صورت فی الواقع موجود ہے لیکن جیسے بالفعل روح نظر نہیں آتی اسی طرح وہ بھی نظر نہیں آتے ہیں جب یہ معلوم ہوا تو وجہ اول کا جواب یہ ہے کہ شق الصدر جبریلؑ بچپن میں واقع ہوا تھا اسی طرح قریب بلوغ کے واقع ہوا اور پھر معراج کی رات میں روانگی سے پہلے واقع ہوا چنانچہ امام ابن کثیرؒ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا کہ قولہ تعالیٰ الم نشرح لک صدرک۔ یعنی ہم نے تیرے واسطے تیرا سینہ کھول دیا یعنی اُسکو نورانی کر کے کشادہ کر دیا جیسے آپ کے واسطے آپ کی امت پر سہل و سبب شریعت مقرر کی جس میں کچھ تنگی نہیں ہو اور بعض نے کہا کہ شرح الصدر سے مراد یہ کہ شب معراج میں جانے سے پہلے آپکا سینہ مبارک چاک کیا گیا تھا چنانچہ ترمذیؒ نے اس حدیث کو اس آیت کی تفسیر میں وارد کیا ہے یہ بات اگرچہ شب معراج میں واقع ہوئی تھی لیکن بیان ظاہری شق الصدر کے ساتھ میں باطنی شرح و کشادگی بھی مراد ہے مترجم کہتا ہے کہ معراج بعد نبوت کے واقع ہوئی ہے تو اعتراض اول ساقط ہو گیا اور تیسرے مترجم نے بیان کی کہ روح کی طرح علم و ایمان وغیرہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشخص ہیں تو اعتراض دوم و سوم بھی ساقط ہوا بلکہ یہ معلوم ہوا کہ ان جاہلون نے اپنی نادانی پر افسوس نہ کیا بلکہ علوم معارف کو اپنی نادان رائے سے اندازہ کیا لغو و برباد شد و لک عبد اللہ بن احمد نے مسند کیا کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض باتیں پوچھنے میں کسی کو جرأت نہوتی و لیکن ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا حضرت آپ نے شان نبوت میں سے سب سے پہلے اول کیا بات دیکھی تھی پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ بیٹھے اور فرمایا کہ اے ابوہریرہ جب میری عمر

سینہ مبارک کشادہ فرمایا۔ تو سینہ میں کچھ ضیق و تنگی نہیں رہی تو وسوسہ کی گنجائش بھی نہ رہی کیونکہ وسوسہ کا محل سینہ ہی لقولہ تع
یوسوس فی صدور الناس یعنی خناس ابلیس جو لوگوں کے سینہ میں وسوسہ ڈالتا ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نے وسوسہ کی گنجائش
نہ رکھی اور بجائے اسکے خونیوں کا محل بنادیا۔ محمد بن علی الترمذیؒ نے کہا کہ دل ایسا مقام ہے جہاں عقل و معرفت رہتی ہے اور دل کا
قلعہ یہ سینہ ہے تو شیطان پہلا اس قلعہ یعنی سینہ کے گرد آتا ہے اگر اسے قلعہ میں راہ پائی تو چھاپہ مارتا ہے اور اپنے لشکر و ہاں بساتا ہے
اور فکریں و امیدیں اور دنیاوی غم و الم اور حرص اُس میں آباد کرتا ہے اس حالت میں دل مغلوب ہو کر بھیج جاتا
اور تنگ ہو جاتا ہے اور اسلام کی حلاوت نہیں پاتا اور نہ اللہ تعالیٰ کی بندگی سے لذت ملتی ہے یہ سب اُس حالت میں کہ آدمی
غفلت کی اور شیطان نے قلعہ فتح کر لیا ہو۔ اور اگر اسے دشمن ابلیس کو بھگا دیا تو دل میں امن و ایمان آباد ہوتا اور دل کھل جاتا
ہے (السراج) قولہ تعالیٰ فمن شرح اللہ صدرہ للإسلام فیو علی نوزن ربہ الآیہ کی تفسیر میں حدیث سے کافی بیان گزر چکا ہے
اسکا خلاصہ یہ ہے کہ ایمان کا نوزیب دل میں داخل ہوتا ہے تو سینہ اُس کے لیے کشادہ ہو جاتا ہے اور اُسکی پہچان یہ ہے کہ اس دار غرور
یعنی دنیا سے جو دھوکے کی ٹٹی ہو پہنوتی کرنا یعنی الگ ہونا کہ دل نہ لگاوے اور اُس دارِ خلود یعنی آخرت کی طرف جہاں ہمیشہ
رہیگا دل سے جھک جانا اور موت کی آمد سے پہلے اسکا سامان مہیا کرنا۔ ہ۔ اگر کہو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا۔ الم نشج
صدرک۔ کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول دیا۔ بلکہ یوں فرمایا۔ الم نشرح لک صدرک۔ یعنی کیا ہم نے تیرے لیے تیرا سینہ نہیں
کھول دیا (جواب) دو طرح دیا گیا (۱) یہ کہ گویا اشارہ فرمایا کہ جیسے تو ہمہ تن میرے واسطے سب طرح بندگی کرتا ہے اسی طرح
میں سب کرامت و بوسیت تیرے واسطے پیدا کرتا ہوں (۲) اس میں ارشاد ہے کہ رسالت کی خوبیاں اور منافع سب آپ حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو کسی بندے کی بندگی سے کچھ نفع نہیں جیسے کسی کافر کے کفر سے کچھ ضرر نہیں
ہے۔ کبیر و سراج وغیرہ) واضح ہو کہ قولہ تعالیٰ شرح اللہ صدرہ للإسلام الآیہ۔ میں سینہ کا شرح کرنا یعنی کشادہ کرنا مذکور ہے جیسے بیان
الم نشرح میں ہے اور حدیث کے بیان مذکور الصدر سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سینہ کھول دیتا ہے اکثر علماء نے کہا کہ یہ واقع
ہوتا ہے اگرچہ عالم جسمانی کے جو اس سے محسوس نہوا اور بعض علماء نے اسکے یہ معنی بیان کیے کہ وہ قلبی کاموں کے واسطے
کھل جاتا ہے چنانچہ شیخ ابوالسعودؒ نے بیضاوی و زحشری وغیرہ کی پیروی میں لکھا کہ قولہ تعالیٰ الم نشرح لک صدرک
سینہ کی شرح کرنے سے مراد یہ کہ اس کے تصرفات کا دائرہ وسیع کر دیا جبکہ قوت قدس سے اُسکی تائید فرمائی اور کمالات انسانی
سے بھر دیا اور سینہ ہی احوال نفس کا محل ہے اور علوم و ارادات و ادراکات کا خزانہ ہے۔ حاصل مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے
حبیب رسولؐ کو بدیہی کمالات یاد دلانے اور انجملہ یہ کہ کیا ہم نے تیرا سینہ فسیح و وسیع کشادہ نہیں کیا جس سے یہ نتیجہ ہوا کہ تو نے ظاہر
و باطن دونوں جہان کا احاطہ کیا اور تجہیں علوم ربانیہ حاصل کرنے کی قوت ہوئی بلکہ دوسروں کو افادہ و تلقین کی قدرت ہوئی اور یہ
جسمانی تعلقات تجھ کو روحانی ملکات حاصل کرنے سے مانع نہونے پائے اور خلق کی ہدایت میں مشغول ہونا تجھے حق کے ساتھ
استغراق سے حجاب نہوا (ابوالسعود رحمہ) امام رازیؒ نے لکھا کہ یہاں یہ سوال ہے کہ شرح الصدر کس طرح ہوا تھا (جواب)
میں دو قول ہیں ایک یہ کہ شرح الصدر سے شق الصدر مراد ہے یعنی سینہ جاک کر کے دلوں لائش سے پاک کرنا اور دوم یہ
کہ باطن میں نور معرفت سے کشادگی دینا قول اول کے بارہ میں روایت ہے کہ جبریل علیہ السلام نے اگر آپکا سینہ جاک کیا

بسم نہیں پڑھتے تھے تو ابوحنیفہ رحمہ فقہ امام سے روایت ہے کہ بسبب کسی سورہ کا جز نہیں ہو تو ان دونوں تابعین کے نزدیک یہی قول ہو تو بسبب پڑھنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ سب علماء کے نزدیک بسبب اس لیے ہو کہ دو سورتوں کے درمیان فرق ظاہر ہو یعنی جہاں سے بسم اللہ الرحمن الرحیم ہو وہاں سے دوسرا سورہ شروع ہے پھر بعض کے نزدیک بسبب اس سورہ کا جز ہے اور بعض کے نزدیک جز نہیں ہے پس شاید عطاء و عمر بن عبد العزیز نے اس لیے بسبب سے جدا کیا کہ دونوں سورتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص خطاب ہو پس دونوں سورتوں کو قراءت میں علیحدہ کرنے کی ضرورت نہ تھی جبکہ دونوں میں فقط آنحضرت صلعم کے فضائل و احکام مذکور ہیں جیسے آنحضرت صلعم تہجد کی نماز میں ہر رکعت میں مفصلات کی دو سورتیں ملا کر پڑھتے تھے اور یہ بات نظر کریں ہوتی ہو یعنی ایک سورہ پڑھا تو اسکی نظیر دوسرا سورہ پڑھا پس اس طریقہ مسنون کے موافق شاید ان دونوں سورتوں کو ملا کر پڑھتے ہوں واللہ تعالیٰ اعلم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے شروع

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۖ وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ ۚ الَّذِیْ اَنْقَضَ

بے نہیں کھول دیا نہرا سینہ اور اُتار رکھا تجھے بوجھ تیرا جسے کر دکائی

ظَهْرَكَ ۚ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۚ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۚ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ

پیشہ تیری اور اونچا کیا ہونے مذکور تیرا سوالبتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہو البتہ مشکل کے ساتھ

یُسْرًا ۖ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ ۚ وَالِیْ رِبِّكَ فَانخَبْ ۝

آسانی ہو پھر جب فارغ ہو تو منبت کر اور اپنے رب کی طرف دل لگا

واضح ہو کہ یہ سورہ مبارک بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معالی فضائل و کمالات مبتدی کو ایسے ظاہر کرتا ہے کہ وہ بے شبہ آپ کو خیر الخلق اجمعین جان لے اور جس قدر نور علمی کو ترقی ہو اسی قدر عالم ایسے اسرار عظیمہ ادراک کرتا ہے کہ جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ محبوبیت و قرب منزلت میں عقل متحیر ہوتی ہو اور قرآن مجید میں یہ معجزہ عجیب ہے کہ مبتدی سے منتهی بلکہ صدیق اکبر تک معارف بلند درجہ بدرجہ حاصل کرتا ہو یہاں تک کہ عمر ختم ہو جاوے اور اسرار میں سے ایک قطرہ بھی پورا نہ ہو لہذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ قل لو کان البحر ماء لکلمات ربی لنفذ البحر الایہ۔ یعنی اے محمد کدے کہ اگر میرے رب کے کلمات لکھنے کے لیے سمندروں کی دو تین بن جاوے تو سب سمندر ختم ہو جاوے اور ہنوز میرے رب عزوجل کے کلمات باقی ہوں۔ ہ۔ اور حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی حدیث جو مقدمہ وغیرہ میں گزری اُس میں بھی یہ مضمون مذکور ہے کہ قرآن مجید کے اسرار بھی ختم نہیں ہو سکتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ سورہ مبارک ایسے بلیغ معجز طریقہ سے معجز کلمات میں ہو کہ اسکی تفسیر عمر بھر بیان سے بھی ختم نہ ہو لیکن بیان کرنے والا اور سمجھنے والا شرط ہو تو ناجار بیان ظاہری بیان پر اختصار کیا جاتا ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ۔ کیا ہم نے تیرے واسطے تیرا سینہ کشادہ نہیں فرمایا۔ یہ استفہام تقریری ہے یعنی بالکل واضح ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے رحمت کاملہ آپ پر ظاہر فرمائی اور آپ کو رحمت للعالمین بنا کر آپ کا

علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض اصحاب کو خصوصاً اور لوگوں کو عموماً یہ نصیحت فرمائی کہ جو عام جلسہ میں ایسی باتیں بیان کرے کہ وہ ان تک انکی عقل نہیں پہنچتی ہو تو ضرور یہ گفتگو بعض لوگوں کے حق میں بجائے نصیحت کے فتنہ ہو جائیگی اور حدیث میں ہے کہ تم کو چاہیے کہ لوگوں سے انکی سمجھ کے موافق باتیں بیان کیا کرو اور اس سے بڑھ کر باتیں بیان نہ کرو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ عوام الناس اللہ تعالیٰ دُعا کرے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کو جھوٹ سمجھیں (اصح) پس خلاصہ یہ ہے کہ جب معارف شرعی بیان کرے تو لوگوں کی سمجھ کے لائق بیان کرے اسی واسطے اکثر مشائخ نے جو اسرار بیان کیے اُن کو اپنی طرف سے ذکر کیا تاکہ اگر کوئی نادان نہ مانے تو یہ ہوگا کہ اُسے شیخ کا کتنا سچ نہ جانا اور اس سے وہ کافر نہیں ہو سکتا ہو اور اگر آیت و حدیث سے نکال کر دلائل بیان کرتے تو آیت و حدیث کا منکر خراب ہو جاتا اسیلئے مترجم نے پہلے لکھ دیا کہ یہ اسرار جو آخر میں ترجمہ کیے جاتے ہیں آیات کی تفسیر نہیں ہیں بلکہ تفسیر پہلے گزر چکی پس اسرار میں سے جو بات کسی کی سمجھ میں نہ آوے اُسکو چاہیے کہ اُسکو چھوڑ کر آگے بڑھے یہ سمجھنا ضرور نہیں ہے کہ وہ نہیں سمجھتا تو غلط ہے بلکہ شاید اُسی کی نا سمجھی ہو اور شاید آئندہ کسی زمانے میں وہ سمجھ سکے جسکو ابھی کم استعدادی سے نہیں سمجھتا ہو واللہ اعلم

سورة الاشرار مکیہ و بی ثمان آیات

اس سورہ مبارک کا نام سورہ الم نشرح بھی لکھا ہے۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ سورہ الم نشرح کے میں نازل ہوا۔ یہی ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا اور کہا کہ سورہ الضحیٰ کے بعد نازل ہوا ہے۔ اہل تفسیر نے لکھا کہ یہ سورہ سب روایات سے مکہ ہی کسی سے اسکے خلاف روایت نہیں ہے اس سورہ کی آیات آٹھ ہیں اور کلمات انتیس ہیں اور ایک سو تین حروف ہیں (ف س وغیرہ) راوی نے لکھا کہ طاؤس و عمر بن عبد العزیز رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ سورہ الضحیٰ اور الم نشرح واحد ہیں لہذا ان کو ایک رکعت میں بدون بسم اللہ الرحمن الرحیم کے پڑھتے تھے اسکا باعث یہ سمجھا جاتا ہے کہ قولہ تعالیٰ الم نشرح لک صدرک کو عطف کرتے تھے قولہ تعالیٰ الم یجذبک یتیمًا فاویٰ پر اسلئے دونوں ملا کر ایک سورہ بنائے تھے۔ یہ خیال ٹھیک نہیں ہے اسلئے کہ اول سورہ یعنی الضحیٰ کا نزول ایسی حالت میں ہوا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کی ایذا سے تنگدل تھے۔ اور دوسرا سورہ یعنی الم نشرح ایسے وقت نازل ہوا جب آپ کا دل کشادہ تھا چنانچہ کلام خود اسکو مقتضی ہوا اسلئے کہ الم نشرح الخ کے یہ معنی ہیں کہ کیا ہم نے تیرا سینہ کشادہ نہیں کیا۔۔۔ یعنی اسی واسطے اس سورہ کا نام الم نشرح ہے تو دونوں کو ایک میں جمع کرنے کی کچھ وجہ نہیں ہے (تفسیر کبیر) مترجم کہتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے متواتر ثبوت ہے کہ دونوں سورتیں علیحدہ علیحدہ ہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی اجماع و اتفاق سے جو مصاحف لکھوا کر افاق میں بھیجے تھے ان میں دالک دالک دو سورتیں لکھی ہیں تو متواتر یقینی کے مقابلے میں اس شاذ روایت کا کچھ اعتبار نہیں ہو سکتا حالانکہ اس روایت کے ثبوت میں کلام ہے اور شاید راوی نے انکا مطلب نہیں سمجھا کیونکہ انکا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ ان دونوں سورتوں کا مطلب واحد ہے یعنی یہ دونوں سورتیں خاص کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہیں اور اسی وجہ سے انکو ملا لیتے تھے اور یہ غرض یہ تھی کہ تلاوت میں ایک سورہ ہے رہا یہ کہ درمیان میں

جہان کی رو سیاہی ہوتی ہے۔ بلکہ فقیری سے یہاں مراد فنا ہے محض ہر اپنے صفات حق میں فانی ہونا اور یہ فخر و جہانی ہوا سیلے روایت کیا گیا کہ الفخر فخری یعنی فقیری میرے واسطے فخر ہے۔ اگر کو کہ جب فقیری سے فنا ہے محض یعنی فنا ہے فی الصفات مراد ہے تو پھر غنی کرنے سے کیا مطلب ہوا (جواب ہے) کہ تو نگری اس طرح دی کہ تجھے بعد فنا کے ایک عظیم الشان ہستی عطا کی اور یہ وجود مودوب موصوف بصفات کمال حقانی متخلق باخلاق ربانی ہو یعنی اپنی طرف سے تجھے ایسی ہستی عطا کی جس میں حقانی کمال کی سب صفتیں موجود ہیں اور اخلاق ربانی اس میں راسخ بطور بلکہ کے حاصل ہیں۔ اور اس عطیہ عظمیٰ کا نتیجہ یہ کہ جب تجھ میں تیرا کمال پورا ہوا تجھے ارشاد فرمایا کہ اپنی شان کمال کے موافق اب میرے اخلاق اختیار کر لے میرے بندوں کے ساتھ تو وہ معاملہ برتنا چاہیے جو میں نے تیرے ساتھ عمل کیا ہے تاکہ تو ان کمالات کے ساتھ میں شکر گزار بندہ ہو جاوے لہذا فرمایا (تو کہے) فاما الیتیم فلا تقهر۔ یتیم عرفا بے باپ کے لڑکے کو کہتے ہیں اور یہ بچہ جس کی تعلقات کے یتیم کہلاتا ہے اور روحانی تعلقات کے اعتبار سے یتیم وہ ہے جو نفس کے حجاب میں نور قدس سے دور ہو کر بدون مربی کے دل شکستہ و بے وسیلہ اور بے یار و مددگار ہو تو اس کو باب رحمت سے مقہور نہ کرنا یعنی اس کے ساتھ نرمی و دل دہی کرنا اور اپنے جانب اس کو نیک نصیحت سے بلا کر جگہ دینا مترجم کہتا ہے کہ روحانی یتیم در حقیقت کافر جاہل ہے اور کفار کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ادع لے سبیل ربک لایہ۔ یعنی حکمت اور نیک نصیحت کے ساتھ کافر و نکو اپنے پروردگار کے راہ کی طرف بلاؤ۔ ۱۔ اور واضح ہو کہ اہل کتاب کو سابق نبوت و کتاب الہی کافی اہل قرآن ہے اگرچہ دین تو جہنم انھوں نے شرک ملا دیا تو سب شرک ہو گیا جیسے پیالہ بھر پانی میں پیشاب کا ایک قطرہ ملا دیا جاوے تو سب نجس ہے اسلئے اہل کتاب کے پاس کچھ باقی نہ رہا تو وہ روحانی مسکین ہیں اسلئے جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار اے روم پر شام میں جہاد کا قصد فرمایا تو ہاشم رضی اللہ عنہ کو بطور دعوت کبہر قل شاہ روم کے پاس بھیجا تھا۔ اس روایت میں عجائب کرامات واقع ہوئیں پوری روایت میں نے سابق میں ترجمہ کی ہے اور یہاں میرا مقصود یہ کہ ہر قل نے کرامات توحید کو مشاہدہ کر کے خوف کھایا اور کہا کہ میرے لیے بہتر تھا کہ میں سلطنت سے دست بردار ہوتا اور اسی قسم کی باتیں کہیں اور جب ہاشم رضی اللہ عنہ نے واپس ہو کر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے یہ سب حال بیان کیا تو آپ روئے اور فرمایا کہ واللہ وہ شخص مسکین ہے کاش اس کے حق میں کچھ بہتری ہوتی۔ واضح ہو کہ یتیم کے حق میں جو وصیت ہے یہی مسکین کے حق میں کافی ہے۔ رہا سائل تو وہ ان دونوں سے بہتر ہے اسلئے کہ مسکین توجیل مرکب میں گرفتار ہو کر راہ حق کی تلاش بھی نہیں کرتا ہے اور سائل کو تلاش ہی لہذا فرمایا (تو کہے) واما السائل فالتحرر۔ سائل وہ ہے جو فی الحال راہ مستقیم سے گم ہو کر ادھر ادھر بھٹکتا ہے ولسکین راہ حق کی تلاش و جستجو رکھتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے حق پہچاننے کی لیاقت بھی رکھی ہے اگرچہ فی الحال نفس کے حجاب میں رنگ لگ گیا ہو تو اس کے لیے یہ حکم دیا کہ اس کو جھڑکنا نہ چاہیے یعنی جیسے سوالات کرے اس کو روکنا نہ چاہیے بلکہ رہنمائی کرنا چاہیے (تو کہے) واما نعتہ ربک فحدث سب سے اعلیٰ نعمت روحانی ہے پس اس نعمت کے موافق بیان یہ کہ فنا کے بعد باقی جو علوم و حکمت تجریداً نص ہوئے ہیں ان کو بیان کر لینے لوگوں کو تعلیم کر کے تو نگر کر دے جیسے میں نے تجھے تو نگر کیا ہے مترجم کہتا ہے کہ یہ اشارات تحفات ہیں ان کے واسطے شرعی اطلاقات سے دلیل چاہیے واللہ تعالیٰ اعلم ترجمہ اشارات ابن العربی (م) مترجم کہتا ہے کہ لوگوں سے بیان کرنے میں ان کی لیاقت و استعداد کا لحاظ شرط ہے جیسا کہ ایک جامع کثیر المثلح نے صریح یہ شرط ذکر فرمائی ہے اور حضرت امیر المومنین

بڑھکر کوئی انعام نہیں ہو مترجم کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات سب مومنوں کی مائیں ہیں اور آپ ان کے باپ ہیں ولیکن جسمانی رشتہ کے باپ نہیں ہیں کیا نہیں سمجھتے کہ آپ ہمارے باپ ہیں اور ہمارے باپ کے بھی باپ ہیں اور دادا کے بھی باپ ہیں تو یہ جسمانی طریقے سے بے انتہا بلند روحانی سلسلہ ہے۔ جب یہ معلوم ہوا تو جو کوئی اس امت میں سے اسلام لایا وہ آپ کی فرزندی میں داخل ہو کر رحمت الہی کی گود میں پرورش پاتا ہے کیونکہ منظر رحمت بلکہ رحمۃ للعالمین ہیں اور اسی سلسلہ میں سب انبیاء علیہم السلام ہیں اور جو کوئی اسلام سے محروم رہا وہ یتیم ہے اسکو غضب خوار اور ہلاک کرتا ہے ابن عطاء رحمہ نے کہا کہ قولہ تعالیٰ اما نعمة ربك فحدث۔ اس حکم میں سب سے پہلے اپنے نفس سے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بیان کی جاویں تاکہ اسکا فضل و احسان بھی فراموش نہ ہو اور بعض مشائخ نے کہا کہ اس سے یہ بھی فائدہ ہو کہ نعمت الہی غیر متناہی دیکھ کر اس کے شکر سے عاجزی جان جائے گا جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لا احصي ثناء عليك اللهم یعنی الہی میں تیری ثناء و صفت کا احصاء نہیں کر سکتا ہوں تیری شان کے لائق وہ حمد و ثناء البتہ ہے جو تو نے خود اپنے واسطے فرمائی ہو ترجمہ عرائس۔ م۔ شیخ ابن العربی رحمہ نے اشارات میں لکھا کہ قولہ تعالیٰ لا یجدرک یتیمًا الہ یعنی روح القدس کی تربیت سے منقطع تھا تو فقط نفس ہی کے صفات تھے پس اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت میں جگہ دیکر اس طرح تربیت کیا کہ تو میں رحمت ہوا اقول حدیث میں ہے کہ میرے رب عزوجل نے میری تعلیم فرمائی تو سب سے بہتر مجھے علم ملا اور میرے رب تعالیٰ نے مجھے ادب سکھایا تو سب سے بہتر میری شائستگی ہوئی مترجم کہتا ہے کہ اگر کوئی شخص اعتراض کرے کہ شیخ ابن العربی نے یتیم کے معنی یہ لیے کہ فقط اپنے نفس کی صفات میں روح القدس سے محبوب تھا اور نفس کے صفات مکرر میں تو یہ کیونکر ہوگا (جواب) روح القدس انکی اصطلاح میں حقیقت میں صفت قدم ہو اور ظہور میں جزئی ہے جبرئیل علیہ السلام پس اہل اشارت اور علماء ربانیہ میں اتفاق ہے پھر نفس بھی جزئیہ مراد نہیں ہے بلکہ کلیہ ہے اور صفات نفس خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ازلی ہیں تو وہ جو ہر پاک ازلی تھا جو ہماری روح سے انفصل کما جاسکتا ہے اور نفس جزئیہ میں فی الجملہ شرکت ضرور ہے کیا نہیں دیکھتے ہو کہ فرمایا۔ قل انما انا بشر مثکم۔ تو کہہ کے کہین تمہاری طرح بشر ہوں۔ ہ۔ اور حدیث میں ہے۔ انما انا بشر ان سے کما نفسون۔ ہ۔ یعنی صحابہ رضی عنہم سے جو نماز میں مقتدی تھے فرمایا کہ میں بھی بشر ہوں جیسے تم بھولتے ہو میں بھی بھولتا ہوں۔ ہ۔ اور جینچین میں ایچا سینہ مبارک جبرئیل علیہ السلام نے چاک کیا تو ایک سیاہ چیز نکال ڈالی اور فرمایا کہ آپ میں فقط اسی قدر حصہ شیطان تھا یعنی وہ بھی نکال ڈالا گیا تو خلاصہ کلام وہ ہوا جو سابق میں مترجم نے بیان کیا ہے کہ آپ کا نفس قدسی روح قدس سے متصل تھا اور معارف الہیہ حاصل تھے ولیکن علم تفصیلی نہ تھا اور آئندہ ترقی بجانب ذات قدس تعالیٰ و تقدس بے انتہا ہو گیا اہل ولایت بہان ترقی کر کے پہنچتے ہیں وہ آپ کی ابتداء فطرت تھی اور ذات قدس جل جلالہ کی ترقی پید ہو اور اس ترقی میں سب عالم سے بڑھ کر آپ کو معراج ہوئی واللہ تعالیٰ ہوا علیم حکیم والحمد للہ رب العالمین شیخ رحمہ نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے عروج عالم ذات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذات خود ہدایت فرمائی (قولہ تعالیٰ) ووجدک عائلاً فاعطانی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے فقیر نادار پالغنی کر دیا۔ اس مقام پر فقیری اور ناداری سے وہ فقیری مراد نہیں ہو سکتی جو دونوں جہان میں رو سیاهی ہوتی ہے جیسے بعض نے کہا کہ الفقر سواد الوجه فی الدارین یعنی محتاجی دونوں

قولہ دوجہک ضالا لہم تجلو اور اک حقیقت سے متغیر یا پاس نظر پر ہوسکتا ہے سرکہ بصیرت عطا کر کے حق کو بحق پہچانا کیونکہ اسکی معرفت اسی سے ہے اپنی ہستی مہیوم سے غیر ممکن ہو لہذا فرمایا۔ ما کان لنفس ان تو من الا باذن اللہ۔ یعنی کسی نفس کے لیے نہیں ہو کہ ایمان لاوے مگر باذن اللہ تعالیٰ۔ یہ ایمان تو معرفت الہی ہو پس خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت نہیں ہو سکتی جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہو۔ قولہ تعالیٰ دوجہک ضالا لہم متاع علوم و معارف سے عاقل تھا عاقل وہ کہ جسکے پاس کچھ نہ ہو پس اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل کر کے تجھے غنی کر دیا اقوال قرآن میں جو معارف ہیں وہ سابق کتب سے بہت زائد ہیں۔ قولہ فاما الیتیم فلا تقهر لہم۔ امت میں وہ یتیم ہو جو روحانی پدر سے منقطع ہو پس آپکا ارشاد فرمایا کہ امت میں سے جو روحانی بندے ہیں انپر ترجم فرمائو اور قرآن کچھ بلکہ قرآن سے باہر خیال لہجو اور جو مسائل معرفت آوے اسپر جھڑکی نہ فرمائو بلکہ اپنے کلمات قدس سے جو کلام حق ہو امت کو آگاہ کیجو۔ بندار بن الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ ضال وہ رہتا ہے جو استدلال سے اللہ تعالیٰ کی معرفت تصور کرنے کے درپے ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مانند خلیل اللہ علیہ السلام کے۔ وجہت وجہی الایہ سے یعنی مشاہدہ سے سرفراز فرمایا۔ مترجم کہتا ہو کہ اخیر زمانہ میں مسلمانوں نے منطق و فلسفہ میں تو غل کیا اور علم اسی کا نام رکھا بلکہ بعضے بدکردار صریح کہتے ہیں کہ عقل اشرف ہو اور عقل انھیں معقولات سے حاصل ہوتی ہو تو یہی علوم ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شریعت قواعد جزئیہ ہیں جو علم نہیں ہو سکتے ہیں۔ یہ لوگ کافرین اگر امانت ہو اور واللہ سخت غلطی میں ہیں علی ما حقق فی ربی سبحانہ تعالیٰ۔ اور انکی غلطی کی صریح دلیل ہو کہ اللہ تعالیٰ تصور میں آنے سے پاک ہے فلا یجد ولا یتصور۔ نہ محدود ہوتا ہو اور نہ تصور میں آسکتا ہے تو تصورات کی تعریفات ساقط ہوئیں۔ رہا جزدوم یعنی تصدیقات تو وہ بدون تصور کے نہیں ہے تو جس قدر برہان وجہت و قیاس کے فروع ہیں سب بیکار ہوے پس جس علم پر ان لوگوں نے اعتماد کیا وہ معرفت الہیہ حاصل ہونے میں کچھ بھی کار آمد نہیں ہو اور میں نے بار بار بیان کیا کہ یہ ادیان نامعقولات جبکہ نام انھوں نے معقولات رکھا ہو فقط بیکار رہی نہیں بلکہ یہ سامان ایسے ہیں جیسے کوئی چراغ سمجھ جانے کے سامان جمع کر کے حتی کہ نور فطرت کو ان نامعقول ادیان سے یہ لوگ بچانے میں اسقدر محنت اٹھاتے ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم کر کے ہم کو ہدایت پر مستقیم رکھے دہو ارحم الراحمین شیخ العرسل نے کہا کہ بعض مشائخ نے کہا کہ قولہ تعالیٰ الم یجیک یتما لہم یتیم یہاں یتیم ہو یعنی توبے مثل و بے نظیر تھا یعنی جیسے الوہیت میں اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک بے نظیر و بے مثال ہو تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عبودیت میں اللہ تعالیٰ نے بے مثل و بے نظیر پیدا فرمایا ہو پس بہت و شرف و منزلت وغیرہ عظام امور میں آپ بے مثل تھے۔ بعض مشائخ نے کہا کہ قولہ تعالیٰ دوجہک ضالا لہم یعنی تو اپنے آپکو نہیں پہچانتا تھا، ہم نے تجھے جھکھو چھو دیا کہ تو عظیم الشان خاتم النبیین ہے مت ترجم کتاب شیخ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ کا قول ہو کہ من عرف نفسه فقد عرف ربه جس نے اپنے نفس کو پہچانا تو اس نے اپنے رب تبارک و تعالیٰ کو پہچانا۔ اس سے نکل آیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلوات اللہ وسلامہ علیہ علی اکہ وحبہ جمعین کو ذاتی معرفت دی تو اپنی معرفت ذاتی عطا کی لہذا الحمد والمناۃ بعض مشائخ نے کہا کہ جو کوئی اسلام کی فرزند ہو نہ آیا وہ یتیم ہو تو اسپر قرآن کی نظر نہ ہو بلکہ ترجم کی نگاہ ہو شاید اللہ تعالیٰ قبول کر کے اسکو ہدایت دے اور جو مسائل کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت پہچھے اسکو جھڑکی نہ دو کیونکہ اس کے لیے اس نعمت سے

صلی اللہ علیہ وسلم اس حجاب کے وقت پہاڑ پر چڑھ کر جاتے تھے کہ اپنے آپ کو اوپر سے گرا دین (ابن العزہ) مگر حکم کتاب ہے کہ شیخ ابن حجر نے صحیح البخاری کی شرح میں ذکر کیا ہے کہ اول سورہ افران کا نزول ہوا تھا پھر دربرس چھ مہینہ تک وحی نہیں آئی اور اس عرصہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شوق وحی میں بے تاب ہو کر کبھی پہاڑ پر سے گرنے لگا جاتا ہے اور کبھی کنوئین میں ڈوب جاتا تھا یہاں تک کہ سورہ المدثر نازل ہوا پھر پے درپے وحی آنے لگی اس سے معلوم ہوا کہ شیخ ابن العزہ نے جو مقام لکھا ہے وہ سورہ المدثر نازل ہونے سے پہلے واقع ہو چکا تو واضحی دلیل ادا ہے۔ سے صرف اس مقام کا اشارہ ہے اور یہ غرض نہیں کہ اس وقت وحی کی تاخیر اس مقام کے واسطے تھی و لیکن یہ ہو سکتا ہے معارف ذات غیر متناہی ہیں تو اول مرتبہ جس قدر ہوا تھا اُس سے بھی اعلیٰ درجہ کے واسطے یہ حجاب ہوا واللہ تعالیٰ اعلم۔ م۔ شیخ الشیرازی نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے قسم سے فرمایا۔ ماود عک ربک و ما قلی۔ اشارہ ہے کہ ازل میں اپنے حبیب کو مشاہدہ سے متروک و مغبوض نہیں کیا کیونکہ جس سبب کو ازل میں محبوب مصطفیٰ کیا گیا ہے اُس کے حق میں کسی فعل سے کچھ خلل نہیں ہو سکتا کیونکہ شان قدس میں تبدل و تغیر محال ہے اقول یہی مقام ہے جسکی یاد سے ادلیا تھرتے ہیں کہ جس سے کشف و کرامت ظاہر ہو جیسے بلعین باغور تھا تعجب ہے کہ وہ ازل میں مردود ہونے سے کافر مرے اور جسے عمر بھر چوری و کفن کھسوٹی کی وہ ازل میں قبولیت بخشا جاوے لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و ہو العظیم الحکیم۔ م۔ ابن عطاء نے کہا کہ اس قسم میں ارشاد ہے کہ جب خلق کی ہدایت کی طرف تجھے متوجہ فرمایا تو اپنے قرب سے محجوب نہیں کیا واسطی نے کہا یعنی تجھے مصطفیٰ کر کے محجوب نہیں کیا (قولہ) و لا آخرۃ خیر لک من الاولی۔ آخرت تیرے لیے دنیا سے بہتر ہے عارف نے دنیا میں جس قدر کشف جمال سے پایا وہ آخرت کی نسبت سے گویا سمندر میں ایک قطرہ ہے شیخ سہل نے فرمایا کہ دنیا میں نبوت و رسالت ہے اور اس سے بہتر آخرت میں مقام محمود اور وسیلہ مسعود ہے (عرائس) شیخ ابن العزہ نے اشارہ میں دونوں حالتوں کو لیا یعنی حالت اول سے دوسری حالت بہتر ہے کیونکہ حالت اول میں تلویں کا التباس ہے اور دوسری حالت میں جبکہ دوبارہ حجاب کے بعد شوق سے تجلی ہوئی تو یہ بالکل حق خالص ہے (ترجمہ ابن العزہ) (قولہ تعالیٰ) و لسوف یعطیک ربک فراضی۔ اور غنقریب تیرا ہے تجھے عطا فرماوے گا کہ تو راضی ہو جائیگا کاف ابن العزہ نے اشارہ میں کہا کہ یہ وجود حقانی بعد فنا سے خالص ہے جس سے حق کی جانب دعوت و ہدایت خلق ہے (ابن العزہ) شیخ العرائس نے کہا کہ اس آیت میں امت مرحومہ کے واسطے عظیم بشارت ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم راضی نہونگے جب تک یہ نہو کہ اللہ تعالیٰ اپنی جمیع امت کو جنت میں داخل فرماوے کہ بغیر حساب و کتاب اور بغیر حجاب و عتاب ہو جاوے اور واضح ہو کہ حبیب و محبوب میں رضا مندی باہم و حتیٰ کہ صفات قدم میں حدوث فنا ہو کر اتصال حق ہو۔ ابن عطاء کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک لعل خلق عظیم۔ دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت بلند تھی تو دنیا و آخرت تک مقصود نہیں ہے اقول آپ کی ہمت عالی کیونکہ مقصود ہوتی جبکہ اپنے امت کو ارشاد کیا کہ تین قسموں میں سے ایک نے خوف جہنم سے عبادت کی اور دوم نے شوق جنت سے عبادت کی اور سوم نے رضا سے حق تعالیٰ کے واسطے بندگی کی اور یہی بہتر ہے (قولہ تعالیٰ) الم یحک الم یتیمی انقطاع تھا یعنی مظاہر سے ہم میں منقطع تھا یعنی جب نظر بصیرت ہو تو یہ تمام عالم طور حق ہے اور اس سے منقطع ہونا بجانب قدس ذات ہے پس اپنی ربوبیت سے جگہ دی اور

متفق ہیں کہ یہی قرآن مجید بدلیل یقینی متواتر ہو اور متواترین کچھ مشک و شبہ نہیں رہتا ہوا ہم کہتے ہیں کہ قرطبی رحم نے جو کچھ جواب دیا اس میں بحث ہوا سیلے کہ امام قاری رحم نے یہ کہا تھا کہ قرآن مجید متواتر ہو اس میں تبکیر و دربان میں کہنے سے جاہلون و محدود کو یہ حیلہ ملیگا کہ متواتر میں کچھ کی بیشی کریں۔ قرطبی نے جواب میں کہا کہ قرآن متواتر ہے۔ قرطبی رحم کا مطلب یہ ہے کہ متواتر میں کی بیشی چھپ نہیں سکتی ہو و لیکن یہ بات اس وقت ہو کہ جس شخص کو متواتر کا علم ہوا وہ پہچان لے گا کہ تبکیر متواتر نہیں ہو اور عوام نہیں جان سکتے ہیں اسی حجت سے بعض علماء رحم نے علم قرات کے اصطلاحات کو قرآن مجید میں لکھنے سے کراہت کی جیسے بعض آیت پر (۵) اور بعض پر (۶) اور بعض جگہ (۷) اور بعض جگہ (۸) لکھتے ہیں کیونکہ یہ حروف ہیں اور جب تک کسی نے علم حاصل نہ کیا ہو تب تک مشتبہ ہو کہ وہ (لا) و (صل) وغیرہ کو جو الفاظ میں پڑھ لے اور جبکہ صاحبین رضی اللہ عنہم صرف نقاط ثلثہ کو ہر دس آیات پر مکرر دہکتے تھے یعنی ایسی صورت (۵) تو ظاہر ہو کہ حروف بلکہ الفاظ کو بدرجہ اولیٰ مکرر دہانینگے اور جن علماء نے جائز رکھا تو ضرورت کا دعویٰ کیا ہو پس اگر ضرورت ثبوت ہو تو دلیل پوری ہوگی اور یہ مسئلہ فتاویٰ عالمگیریہ میں اور اسکے ترجمہ فتاویٰ ہندیہ اور ہادیہ کے ترجمہ عین الدیہ وغیرہ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے واللہ تعالیٰ اعلم

اس سورہ مبارک میں اہل الاسرار کے کلمات طویل ہیں لیکن مترجم فی الجملہ اختصار کے ساتھ ترجمہ کرتا ہے شیخ شیرازی رحم نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ والضحیٰ والایل اسی۔ یعنی اوی محمد قسم ہے تجھ پر طلوع آفتاب معرفت کی روز و صلت میں اور شب نکرت میں جبکہ تو میری ذات قدیم کے ادراک کنہ سے ممنوع ہو کر حیرت کی تاریک رات میں ہوا چنانچہ تو نے ہماری وحی سے اپنی اطلاع دیدی بقولہ علیہ السلام لا احصى ثناء علیک الخ یعنی اوی رب مجھے قدرت نہیں ہو کہ تجھ پر ثناء و صفت کا احصا کر سکوں شیخ عارف جلیل رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہو کہ والضحیٰ وہ مقام ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہود عطا ہوا۔ دلیل اذاجی۔ وہ مقام ہو کہ ایک قسم کا غبار آیا جسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں بیان فرمایا بقولہ ۴ انہ لیغان علی قلبی۔ ۵۔ یعنی میرے دل پر ایک طرح کا عین آجاتا ہو اور میں ستر مرتبہ ہر روز اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں (رواہ مسلم)

علماء رحم نے کہا کہ مقبرین کے واسطے عین ہو اور اولیاء کے لیے غیم یعنی گاڑھے ابر کی طرح ہو (م۔ عرائس) مسترحم کتاب ہے کہ حضرت جنید قدس سرہ کے بیان سے یہ نکتہ نکل آیا کہ والضحیٰ میں اطلاق ہوا سیلے کہ شہود یہاں دوام ہو اور دلیل یعنی عین کی حالت اصلی نہیں تھی اسلئے اُسکا وقت محدود کیا بقولہ تعالیٰ اذاجی۔ کیونکہ یہ عین سرلج الزوال ہو واللہ اعلم۔ م۔ شیخ ابن العربی رحم نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے نور کی اور خالص تاریکی کی جو اپنی حالت پر قرار رکھتے ہیں بیان فرمائی کیونکہ یہی دونوں چیزیں اصل انسانی اصل خلقت دو جہانی ہیں۔ یہ قسم جامع مخلوقات اس بات پر کہ۔ ماودع رکب و ماقلی۔ اللہ تعالیٰ نے جو تیرا رب ہو تجھے عالم نور و حضرت قدس میں صفائی مقام میں محبت و شوق باقی رکھنے کے ساتھ اس طرح نہیں چھوڑا کہ جیسے و دواع کرنے میں چھوڑ دے ہیں اور نہ تجھے قلبی۔ کیا یعنی تجھے ناخوشی کا انقطاع کر کے ظلمت میں چھوڑا کہ تو بغیر محبت و شوق کے مستام نفس امین مخلوقات کے ساتھ ہو کر رب عزوجل واسکے صفات و افعال سے محجوب ہوتا بات یہ ہو کہ بندہ محبوب کے عشق کے واسطے توحید ذاتی کشف کرنے کے بعد حجاب عائد کر کے تجلی ذاتی کا راستہ بند کر دیا جاتا ہو تا کہ محبت کا جوش ہو اور خودی سوخت ہو کر سر باطن لطیف ہو جاوے اُسوقت حجاب بالکل برطرف کر دیا جاتا ہو تو کشف خالص کامل حاصل ہوتا ہے اور آنحضرت

حق نہ مارو۔ واضح ہو کہ قولہ فحدث کی جگہ (فانجز) نہیں کہا یعنی خبر دیدے۔ کیونکہ خبر دینا ایک مرتبہ ہو جاتا ہے اور (فحدث) پانچ کرنا بار بار ہوتا ہے اور یہ بھولنے کی بات نہیں ہے (تنبیہ) خطیبؒ نے کہا کہ حمزہ دم و کسائی دم نے قراءت میں۔ الضحیٰ سجی قلی۔ اور اُسکے مانند جہاں آخر الف مقصورہ ہو سب کو خالص المالہ سے پڑھا لیکن حمزہ نے سجی کو امالہ نہیں دیا اور درش دم و ابو عمر دم نے امالہ خالص نہیں کیا۔ صحیح میں پڑھا اور قراءت کے بانی امامون نے فتحہ سے پڑھا (یعنی جیسے ہم لوگ عموماً پڑھتے ہیں۔ م) اور درش دم نے بھی کبھی کبھی فتحہ سے پڑھا ہے تنبیہ شروع سورہ میں یہ مسئلہ ذکر ہو چکا کہ ابی بن کعب و ابن عباس اس سورہ والضحیٰ کی تلاوت سے پہلے تکبیر کہتے تھے اور مابعد تابعین سے بھی روایت ہے کہ خطیبؒ نے آخر میں اس مسئلہ کو لکھ کر امام رازیؒ کی پیروی میں کہا کہ شاید جب چند روز وحی نہیں آئی اور مشرکون نے بدگوئی کی تو پھر جب وحی آئی اسکی خوشی میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہی ہوگی خطیبؒ نے کہا کہ بعض ائمہ قراءت نے اس سے منع کیا اور کہا کہ اگر تکبیر کی روایت ثبوت ہو تو بھی چاہیے کہ عموماً تکبیر نہ کہیں کیونکہ اسمیں یہ خوف ہے کہ عوام نادان (بلکہ لحد بے ایمان) اس ذریعہ سے قرآن میں بڑھانا شروع کرینگے یعنی بعض الفاظ و حروف بڑھانے کا یہ حیلہ بنا دینگے قرطبیؒ نے اسکا جواب یہ دیا کہ قرآن مجید رسالت کو متواتر پہنچا ہے یعنی بے شمار صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہر ایک نے اور سب نے بے شمار تابعین کو پڑھایا اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں بے شمار حافظ تھے اور تابعین میں بھی بے شمار حافظ ہوئے پھر تابعین نے اسطرح بیشمار اتباع کو پڑھایا تو کسی طرح وہم و گمان نہیں ممکن ہے کہ قرآن مجید میں سے کچھ کمی بیشی ہو اسکی سورتیں و آیتیں حتیٰ کہ حروف سب محفوظ متواتر ہیں تو یہ تکبیر قرآن نہیں ہے (السراج) اسی قطعی متواتر سے بعض جاہل مدافض کا قول رد ہو گیا جو کہتے ہیں کہ منجملہ چالیس پارہ کے دس پارہ نخل ڈالے گئے ہیں ترجمہ کننا ہے کہ شاید اس رفضی کا قرآن سوائے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی دوسری پوچھی ہو جو متواتر نہ ہو اور سب شیعہ متفق ہیں کہ یہی قرآن ہے جو اسوقت موجود ہے و دیکھو متواتر سب کے نزدیک قطعی یقینی خبر ہے اس سے کوئی عقل والا انکار نہیں کر سکتا و لیکن یہ گمراہ فرمے اسی طرح قطعی باتوں سے انکار کرتے ہیں اور ظاہرین اہلبیت رضی اللہ عنہم کی پیروی کا دعویٰ ہے اور باطن میں بالکل شیطان کے تابع ہو کر دین اسلام کے دشمن ہیں کیونکہ حضرت امام المتقین سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرف جنگ شام میں دو لاکھ کے قریب فوج تھی اور اسیکے قریب شامیوں کی طرف تھی حتیٰ کہ لیلۃ الہریر میں فقط شامیوں کی طرف ساٹھ ہزار مارے گئے تھے حالانکہ گیارہ مہینہ تک مختلف لڑائیاں ہوتی رہیں اور مدت دراز گزر گئی۔ پھر سب کے سب اسی قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے اور اسی میدان میں بستی آباد تھی جمعہ و جماعت و وعظ و نصیحت برابر جاری تھی کہیں ایک حرف بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہیں فرمایا کہ دس پارہ حضرت امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ نے اور میں نے اور مہاجرین و انصار نے نخل ڈالے ہیں لغو بالذکر من الکفر و الضلال بلکہ متواتر ہی مصحف مجید تھا تو اس رفضی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر الزام لگایا اور جاکر بدو نصاریٰ سے لگایا کہ جیسے تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب نہیں رہی بلکہ اس میں تحریف و تغیر ہو گیا اسی طرح اس رفضی کے پاس بھی نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس لافضی کے نخل جانے سے اسلام کو کچھ ضرر نہ ہوا کیونکہ اسمیں سے بڑا عظیم الشان صہ ہا کر و مسلمانوں کا فرقہ اہل السنۃ و الجماعۃ ہیں اور باقی شیعہ و معتزلہ و غیرہ چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں تھیں

مترجم کہتا ہے کہ اس اسناد میں لیث بن ابی سلیم نے جس شخص سے سنا اسکا نام نہیں ہے اور علماء رحمہ اللہ نے کہا کہ حسن بصری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا ہو تو بھی دربیانی واسطہ نہیں معلوم ہو واللہ تعالیٰ اعلم۔ م۔ محمد بن اسحق رحمہ اللہ نے کہا کہ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے فحکو جو کچھ نعمت و کرامت از قسم نبوت وغیرہ حاصل ہوئی اسکو بیان کر اور اسکی جانب دوسروں کو بلا لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لوگوں میں سے جس سے مطمئن ہوتے اس سے نبوت کو بیان کرتے پھر آپ پر نماز فرض ہوئی تو ناز پڑھنے لگے (تفسیر ابن کثیر رحمہ اللہ) خطیب نے لکھا کہ مجاہد نے نعمت کی تفسیر میں کہا کہ وہ قرآن ہو تو مطلب یہ کہ اسکو پڑھو اور لوگوں کو پڑھ کے سناؤ۔ اور دوسری روایت میں کہا کہ وہ نبوت ہو تو مطلب یہ کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھ نازل فرمایا وہ پیغام عموماً جہان کے لوگوں پہونچاؤ جیسے قولہ تعالیٰ یا ایہا الرسول بلغ ما ائزل الیک الایہ۔ یعنی ایہ پیغمبر جو کچھ تیرے رب کی طرف سے تجھ نازل کیا گیا ہو اسکو پہونچا دے۔ ہ۔ اور بعض نے کہا کہ اس نعمت سے مراد توفیق ہو یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دی کہ تو یتیم وسائل کا حق بخوبی نگاہ رکھتا ہوں اب اسکو بیان کرتا کہ امتی تیری پیروی کریں۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے کہا کہ یعنی جب تو نیکی کرے تو اسکو بیان کرتا کہ تیرے اصحاب تیری اقتدا کریں خطیب نے کہا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان سے تھی اور دوسرے کسی کو اس طرح اپنی نیکیاں بیان کرنا چاہیے مگر جبکہ اس میں ریاکاری و غرور وغیرہ کا فتنہ بالکل نہ ہو مترجم کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطیب میں فرماتے تھے کہ میں مومنوں کے حق میں انکی ذات سے اولی ہوں یعنی حکم تو کہ تعالیٰ البنی اولی بالمومنین من انفسہم الایہ۔ پس جس کسی نے مال چھوڑا و اسباب املاک چھوڑا تو وہ اس کے وارثوں کے لیے ہے اور جس نے اپنے اوپر قرضہ چھوڑا یا اولاد یتیم چھوڑی تو قرضہ میرے ذمہ اور اولاد کی شہر گری مجھ پر ہے۔ یہ اسوقت فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے آپ پر فتوحات فرمائیں (الصحیح) پس اس سے قول اول کی تقویت سے۔ م۔ خطیب رحمہ اللہ نے لکھا کہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص بچے حالون بیٹھا تھا آپ نے اس سے فرمایا کہ کیا تیری پاس مال ہے اس نے کہا کہ جی ہاں (سب قسم کا مال ہے) تو فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ تجھے نعمت دے تو چاہتا ہے کہ تجھ پر اس نعمت کا نشان دیکھا جاوے (اقول یہ حدیث سنن میں ہے) روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جمیل ہے وہ جمال پسند فرماتا ہے اسکو پسند ہے کہ بندہ پر اپنی نعمت کا اثر دیکھے (السراج) اقول اصل حدیث صحیح میں ہے اور واضح ہو کہ جمال سے چہرے وغیرہ کی خوبصورتی مراد نہیں ہوا سبلے کہ اس میں کسی شخص کا اختیار نہیں بلکہ ستمنائی و صفائی اور سجاوٹ مراد ہے بشرطیکہ اس سے دنیا کی آرائش و زیبائش منظور نہ ہو حتیٰ کہ اگر کسی نے اونٹوں کا گل سکایا ہو تو اس میں جمال ہے بقولہ تعالیٰ ولکم فیہا جمال حین ترجون و حین تسرحون۔ یعنی تم کو اونٹ دے جہنم تمہارے واسطے سکایا ہے جب شام کو لاتے ہو اور جب صبح لے جاتے ہو۔ ہ۔ واضح ہو کہ جس قسم کی سجاوٹ شرع میں مباح ہے اس سے پرہیز واجب ہے اسی لیے جمال کے طریقے مفرع سے سیکھنا واجب ہیں مثلاً بوڑھا آدمی اگر کبوتر کے پر کی طرح سیاہ چکدار خضاب کرے تو یہ جمال نہیں بلکہ حرام ہے۔ م۔ لازمی و خطیب وغیرہ نے لکھا کہ اگر (سوال) ہو کہ یہاں نعمت اللہ تعالیٰ کا حق ہے تو یتیم وسائل سے پیچھے کیوں بیان فرمایا (جواب) اس لیے تاکہ بندوں کو اللہ تعالیٰ کی معرفت میں سے یہ بات سمجھ میں آ جاوے کہ اللہ تعالیٰ غنی ہے اسکو کچھ پروا نہیں ہے ولیکن یتیم وسائل التبتہ بخاری طرح محتاج ہیں تو ان کے

رعایت کا حکم دیا پھر جو کوئی آپ سے علم و ہدایت کا سائل ہو اسکی رعایت کا حکم دیا حسن بصریؒ کے نزدیک یہی نختار ہے کہ سائل سے علم کا سائل مراد ہو چنانچہ ابن ام مکتوم اندھے نے جب آپ سے علم حق پوچھا اور اپنے ترش روئی و سرکشی کو عبس و ثولی اللہ نازل ہوا تھا پھر یہ وصیت کی کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ظاہر کریں بقولہ تعالیٰ - **وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ** - اور اپنے رب کی نعمت کو بیان کرف واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا - **وَالْتَعَدَّ وَالنِّعْمَةُ اللّٰهُ لَا تَحْصُوهَا** - یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمت شمار کرو تو اسکو احاطہ نہیں کر سکو گے - صریح یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کوئی پوری نہیں بیان کر سکتا پھر سب سے بڑی نعمت وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک قرب و منزلت حاصل ہو اور اسی قسم میں سے طاعات کی توفیق ہے - پھر جس شخص نے مثلاً رات میں تہجد وغیرہ عبادت کی تو علماء رحمہ اللہ نے کہا کہ اگر یہ ایسا شخص ہو کہ اگر لوگوں سے بیان کرے تو لوگ اسکی پیروی کر کے خود بھی اسطرح عبادت شروع کرینگے تو اسکو بیان کرنا بھتر ہے اور اگر یہ امید منو تو بیان نہ کرنا چاہیے اور دنیا میں مال و متاع وغیرہ جو راحت کی چیزیں اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہو وہ فی الحقیقہ نعمت ہیں کیونکہ انکے ذریعہ سے خود فارغ البال ہو کر عبادت حق میں سعی کر سکتا ہو اسی لیے حدیث میں ہے کہ تندرستی اور فراغت ایسی دو نعمتیں ہیں کہ بہت لوگ ان سے خسارہ میں پڑتے ہیں (صحیح) جب یہ معلوم ہو گیا تو آیت کے معنی میں غور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت بیان کریں اس میں نعمت سے کس قسم کی نعمت بیان کرینا حکم ہے اور بیان کی کیفیت کیونکر ہے شیخ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے جیسے تو محتاج فقیر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے غنی کر دیا تو اللہ تعالیٰ کی نعمت اپنے اوپر جس خوبی سے ہی اسکو بیان کر جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں آیا ہو کہ اکی ہم کو توفیق عطا فرما کہ ہم تیری نعمتوں کا شکر کریں اور ان سے تیری حمد و ثنا کریں تاکہ تو مزید نعمت دے اور اپنی نعمت ہم پر پوری فرما دے - مترجم کہتا ہو کہ شیخ ہم نے یہی نعمت معروف مراد لی اور بیان کے بھی معروف معنی لیے اور لکھا کہ امام ابن جریرؒ نے یعقوب عن ابن علیہ عن سعید بن ابی نصرۃ تابعی روایت کی کہ مسلمانوں (صحابہ رضی) کے نزدیک نعمتوں کا شکر یہ تھا کہ انکو بیان کرے یہ اسناد صحیح ہے عبد اللہ بن احمد نے عثمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر فرمایا کہ جس شخص نے قلیل کا شکر نہ کیا وہ کثیر کا بھی شکر نہ کر سکا اور جس نے آدمیوں کا شکر نہ کیا وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر نہ کر سکا اور اللہ تعالیٰ کی نعمت بیان کرنا شکر ہی اور بیان نہ کرنا ناشکری ہو اور باہم اتفاق رکھنا اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو اور باہم چھوٹ ہونا عذاب ہو اس حدیث کی اسناد ضعیف ہے سنن میں یہ حدیث ہو کہ جس نے آدمیوں کا شکر نہ کیا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر نہ کر لگا - صحیحین میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ مہاجرین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ انصار سب ثواب لے گئے آپ نے فرمایا کہ یہ نہیں ہوگا جب تک تم انکے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہو اور انکی تعریف کرتے رہو مترجم کہتا ہو کہ مہاجرین اپنا گھر بار اور آل و اولاد اور مال و متاع دار الکفر میں چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے واسطے اُسکے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ہجرت کر کے مدینے چلے آئے تھے یہاں انصار انکے ساتھ کھانے پینے کا سلوک کرتے تھے اسوجہ سے مہاجرین نے کہا کہ انصار ہی سب ثواب لینگے آنحضرت صلی اللہ

مفسر بیان کیے اور کہا کہ سائل ہمارے مزدون کی طرف سے ہمارے مردوں کے یہاں سوغات پہنچانے والے ہیں سائل بخارے دروازوں پر آتا ہو اور پوچھتا ہے کہ کیا اپنے عزیز کے یہاں کچھ سوغات بھیجے اور زخمی شہر میں لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تو نے سائل کو تین مرتبہ جواب دید یا وہ نہیں گیا تو پھر اسکو جھڑکنے میں تجربہ ملامت نہیں ہے بعض نے کہا کہ سائل سے گدائی کرنے والا فقیر مراد نہیں بلکہ علم تلاش کرنیوالا مراد ہو جب وہ علم کا سوال کرنے آوے تو اسکو مست جھڑک (السراج) قتا واسے عالمگیر یہ میں ہو کہ جو لوگ مسجدوں میں نماز پڑھنے والوں سے سوال کرتے ہیں انکو نہ دینا چاہیے اور انکو اس حرکت سے منع کیا جاوے مگر حکم کتنا ہو کہ یہ فقہ اس حدیث سے ہے کہ ایک شخص نے مسجد میں بعد نماز کے کہا کہ کسی نے میرا اونٹ اس صفت کا جو گم ہو گیا ہو دیکھا ہو تو بتلا دے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تیرا اونٹ تجھے نہ پھیرے ارے تو نے نہ جانا کہ مسجد میں اس کام کے لیے نہیں بنائی گئی ہیں کما فی الصبح - اس سے معلوم ہوا کہ جسے فقط گم شدہ اونٹ کے بارہ میں سوال کیا تو نہ ملنے کی بددعا فرمائی اور منع کیا تو گدائی کا سوال اس سے پڑھ کر فتنہ میں ڈالنے والا ہو بلکہ بعض اوقات بعض لوگوں کو نماز میں آنے سے روکنے والا کام ہو - واضح ہو کہ لوگوں سے سوال کرنے کی مذمت میں احادیث بکثرت وارد ہیں اور میں فقط چند احادیث پر اقتصار کرتا ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ حلال نہیں کسی تو نگر کے لیے اور نہ تندرست طاقت ور کے لیے سوائے ایسی صورت سے محتاجی مگر توڑ دے یا کسی پر قرضہ پریشان کرنے والا جڑھ جاوے اور جان کھو کہ جس کسی نے لوگوں سے مانگ کر اپنا مال بڑھانا چاہا تو قیامت میں یہی اُسکے چہرے پر خراش ہوگا اور جہنم کے انگارے کھائیگا (امام ترمذی و طبرانی رحمہما) جو آدمی لوگوں سے بھیک مانگتا رہے گا وہ قیامت میں آؤ بجا اس صورت سے کہ اُسکے چہرے پر ذرا سا گوشت ہوگا (ابن ماجہ وغیرہ) جسے لوگوں سے سوال کیا حالانکہ اُسکے پاس اس قدر موجود ہو کہ سوال کی حاجت نہ تھی تو قیامت میں آوے گا اس حالت میں کہ یہ اُسکے چہرے پر خراش ہوگا (امام احمد وغیرہ) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی یہ صفت تھی کہ ایام خلافت میں اگر راہ میں ہاتھ سے کوڑا گرتا تو اونٹ بٹھلا کر اُٹھالیتے لوگ کہتے کہ یا حضرت ہم سے کیوں نہ فرمایا کہ ہم اٹھا دیتے آپ جواب دیتے کہ میرے جیب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا تھا کہ لوگوں سے کچھ سوال نہ کروں (حمہ) پس سائل خود دیکھ لے کہ اسکو سوال کرنا حلال ہو یا نہیں اور فقہاء نے فرمایا کہ اگر صبح کے کھانے کو موجود ہو تو اسوقت سوال نہیں جائز ہو پھر شام کو سوال کرے اور اب سنو کہ جس کسی سے سوال کیا جاوے اسکو چاہیے کہ جہاں تک ہو سکے سائل کو محروم نہ پھیرے کیونکہ بھی راہ میں مسافر کا نفقہ جاتا رہتا ہو اگرچہ سوار ہی موجود ہوتی ہو اور لباس اچھا ہوتا ہو تو وہ بضرورت سوال کرنا ہو لہذا حدیث میں ہو کہ سائل کے واسطے حق ہو اگرچہ وہ گھوڑے پر آوے (ابن ماجہ وغیرہ) رازیؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ انس رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی کہ جب یتیم رلا یا گیا تو اُسکے آنسو حضرت الرحمن عزوجل کے قبضہ قدرت میں گرتے ہیں فرماتا ہے کہ جسے اس یتیم کو رلا یا نہ جانا کہ میں نے اُسکے باپ کو خاک کے نیچے دبا دیا ہو جو کوئی اس یتیم کو چپ کرے اُسکے لیے جنت ہے رازیؒ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اول میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے تین صفتیں بیان فرمائیں بقولہ تعالیٰ الم یجرب یتیمنا وادی الخ پھر اسی ترتیب سے آپ کو وصیت فرمائی بقولہ تعالیٰ فاما الیتیم فلا تقهر الخ پس اول تو حق یتیم کی

جانے سے اُسکو رد کی گئی یعنی اللہ تعالیٰ اُسکو قبول فرما دیگا۔ حدیث میں ہے کہ جس شخص نے یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اُسکے واسطے ہر مال کے عوض ایک نیلی ہوگی۔ اگر کہا جاوے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حبیب اللہ کیا جو خلیل اللہ سے بڑھ کر مرتبہ ہو اور فضل انھیں کیا تو آپ کے لیے یتیمی پسند فرمانے میں کیا حکمت ہو (جواب) رازمی وغیرہ نے چند وجوہ بیان کیے ہیں وجہ اول یہ کہ جب آپ یتیمی کی کیفیت سے واقف ہونگے تو یتیم کے حق میں ہر بانی فرماوینگے (دوم) یہ کہ یتیم آپ کے نام میں شریک ہوا تو اس جہت سے اُسکی تکریم ہوگی جیسے اگر آپ کے ذاتی نام محمد یا احمد میں کوئی امتی شریک ہوتا تو اُسکی نسبت حکم دیا کہ جب تم اپنے بچہ کا نام محمد رکھو تو اُسکی تکریم رکھو اور جہاں وہ آوے اس نام کی بزرگی سے اُسکے لیے جگہ کشادہ کرو (سوم) یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ابتدا سے یتیم کر دیا تاکہ آپ کی توجہ فقط اللہ تعالیٰ ہی پر رہے (چہارم) یہ کہ یتیم کے عیوب جلد ظاہر ہو جاتے ہیں اور جب امتی کوئی عیب نہ پاوینگے تو اُسکی بات ماننے میں جلدی کرینگے (پنجم) یہ کہ سب کو یہ معلوم ہو جاوے کہ یہی وہ خلیل الشان پیغمبر ہے جسکی بشارت حضرت موسیٰ و عیسیٰ وغیرہ علی نبینا وعلیہم السلام ادا کر چکے ہیں کیونکہ مان باپ کوئی نہ تھا جو باتیں بتلاتا پس ضرور یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے وحی ہو (السراج) مترجم کہتا ہے کہ لطف معرفت یہاں بلند ہیں لیکن عام فہم باتوں پر اکتفا کرنا چاہیے۔ رہا سائل تو اُسکو جھڑکنے سے منع فرمایا۔ سائل سے بعض کے نزدیک وہ شخص مراد ہے جو علم کا سوال کرے یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت و شریعت دریافت کرے (ابن کثیر) نے لکھا کہ یغیہ جیسے پہلے تو ضال تھا پھر تجھے اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی تو اُسکا شکریہ ہو کہ جو کوئی تجھے علم کا سوال کرے اور ہدایت چاہے تو اُسکو مست جھڑک ابن اسحق نے کہا کہ یغیہ متکبر جبار نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے ضعیف بندوں کے ساتھ سخت دل اور سخت زبان نہ ہو۔ اور بعض نے کہا کہ سائل سے مسکین مراد ہو تو اُدباً ہی نے کہا کہ مراد یہ ہو کہ جب تو سائل مسکین کو پھیرے تو ترجم و نرمی کے ساتھ پھیرنا (تفسیر ابن کثیر) حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت کریم سے کسی قسم کے سائل سے نہیں کرتے اگر اُس وقت موجود ہوتا تو دیدینے اور اگر نہ ہوتا تو دوسرے وقت کا وعدہ فرماتے تھے (صحیح) جب ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو صوبہ بحرین کا مال آیا آپ نے منادی کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب جس کسی کا قرعہ ہوا آپ نے کسی سے وعدہ فرمایا ہو تو وہ میرے پاس آوے۔ جاہر رضی اللہ عنہ نے اگر کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وعدہ فرمایا تھا کہ جب میرے پاس مال آوے گا تو تجھے (بکڑاؤ بکڑاؤ) عطا کروں گا یعنی دونوں ہاتھوں سے سامنے دو دائیں و بائیں اشارہ فرمایا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اپنے دونوں ہاتھ بھڑلے۔ میں نے ایسا کیا فرمایا کہ اُسکو شمار کر۔ تو پانچ سو درم نکلے۔ فرمایا کہ اسی قدر و مرتبہ اور بھی لے لے (صحیح) ابن عباس نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہاں سے زیادہ سخی تھے الخ۔ تمام حدیث صحیح البخاری وغیرہ میں ہو۔ اور آیت میں سائل سے ہر قسم کا سائل جسکا سوال پورا کرنا تو آپ میں داخل ہو مراد لینا بہتر ہو اور اس میں علم کا سائل یعنی طالب العلم سے پہلے مستحق ترجم و اکرام ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طالب علموں کے ساتھ بھلائی کرنے کے لیے صحابہ رض کو خصوصاً وصیت فرمائی اور مساکین بھی داخل ہیں (م خطیب وغیرہ نے لکھا کہ ابراہیم بن ابراہیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ سائل اچھے لوگ ہوتے ہیں کہ ہمارا توشہ آخرت ہمارے لیے اپنے اوپر لاد لے چلتے ہیں ابراہیم بن ابراہیم رحمہ اللہ تعالیٰ تابعی نے بھی یہی

وَعَالٍ تَحْتَ اللَّهِ تَعَالَى لَمْ تَحْجِ بِرُورِشِ هُونِے كَے لِیے جگہ دی اور ہدایت فرمائی اور بے پروا کر دیا تو ہر حال تجھے لازم ہو کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و نعمت دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے بندوں پر مہربانی فرماتا رہے (تفسیر ابوالسعود) گویا نکتہ یہ ہے کہ آخر کمال نبوت آپ سے بڑھ کر نہیں تھا تو جب آپ کسی شخص یا قوم پر غضب فرماتے تو وہ ضرور بلا میں پڑتا پس آپ کو پہلے سے وصیت فرما کر رحمۃ للعالمین بنادیا۔ لہذا آگے یتیم و مسکین کے بارہ میں وصیت فرمائی بقولہ تعالیٰ - فَاَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ۔ اب رہا یتیم تو قہر مت کر اور رہا سائل تو مت جھڑک فَاَمَّا الْيَتِيمَ پہلے اجمال کی تفصیل ہونا ہو گیا آیات سابقہ میں اپنے ضعیف بندوں کے حق میں مہربانی کی وصیت کر کے یہاں تفصیل فرمائی کہ یہ مہربانی اس طرح کہ اگر یتیم بچہ ہو تو جن باتوں سے وہ مقہور ہوتا ہو اور دل شکستہ ہو کر دب جاتا ہو ایسی کوئی بات نہ کھجوسم۔ یعنی جیسے تو پہلے یتیم تھا اللہ تعالیٰ نے تجھ پر رحم کر کے پرورش کے لیے اچھی جگہ دی اسی طرح تو بھی یتیم پر قہر نہ کھجیو یعنی ایسی بات نہ کرنا کہ جسمیں اُسکی ذلت و اہانت ہو ولیکن اُسکے ساتھ لطف و احسان کھجیو فتادہ نے کہا کہ یتیم کے ساتھ مہربان باپ کی طرح برتاؤ رکھو (تفسیر ابن کثیر) مجاہد نے کہا کہ یتیم پر قہر نہ کھجیو اور یا کھجیو کہ تو بھی کبھی یتیم تھا فراموش نہ کرنا کہ اس سے یہ عرض ہو کہ یتیم کو بے وارث جان کر دبا نا نہیں جیسے عرب کے جاہل اپنے قرابتی یتیموں کے مال لیکر خرد برد کر جاتے تھے (السراج) اس قول کے موافق اس آیت سے گویا امت کو نیک طریقے سے نصیحت کرنا مقصود ہے کہ ہر شخص یاد کرے کہ اگر وہ بجائے اس یتیم کے ہوتا تو قہر سے اُسکا دل کس قدر ٹوٹ جاتا پس جب دل پر اثر ہوگا تو یتیموں سے ظلم کرنا دفع ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ میں بلیغ نصیحت فرمائی ہے۔ م۔ روایت ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں کی بستی میں وہ گھرب سے اچھا گھر ہے جسمیں کوئی یتیم بچہ اچھی طرح سے پرورش پاتا ہو اور وہ گھرانہ میں سب سے بڑا گھر ہے جسمیں یتیم کے ساتھ برائی کیجاتی ہو فرمایا یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں میرے ساتھ اسطرح ہوگا یعنی آپ نے اپنی دونوں انگلیاں بلائیں (السراج) اس حدیث صحیح سے یتیم کی پرورش کرنے والے کا اعلیٰ درجہ یہاں تک معلوم ہوا کہ درجات بغیر کے نیچے ہی اسکے منازل ہوں گے۔ م خطیب نے لکھا کہ واضح ہو کہ یتیم کو قہر سے نصب ہو اور قہر کو جزم بوجہ (لا انہی کے ہے۔ اسی مقام سے ابن مالک نے دلیل نکالی کہ اگر معمول مقدم ہو تو عامل کا مقدم ہونا لازم نہیں ہے چنانچہ۔ الیتیم معمول ہے اور عامل اسکا قہر ہو کہ خود (لا) کا معمول ہے یعنی (لا) نے جزم دیا (قہر) کو تو وہ مجزوم ہوا پس (الیتیم) معمول ہو ایک معمول مجزوم کا حالانکہ جازم سے بھی مقدم ہے اور اگر مجزوم (لا) سے مقدم کیا جاوے تو نہیں جائز ہو کیونکہ جازم پر مجزوم مقدم نہیں ہوتا جیسے مجرور اپنے جار پر مقدم نہیں ہوتا تو ثابت ہوا کہ قہر کا معمول اُسکے عامل پر مقدم ہو سکتا ہو ولیکن یہ خود اپنے عامل پر مقدم نہیں ہو سکتا ہے اگرچہ کسی مقام پر اسکے مانند ممکن ہو تو لازمی نہوا قال الخطیب واضح ہو کہ آیت میں ارشاد ہو کہ یتیم کے ساتھ مہربانی و احسان کرنا چاہیے اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے یتیم کو کھانے پینے میں اور خرچہ میں اپنے ساتھ ملا لیا یعنی اُسکا خرچہ اپنے ذمہ لے لیا تو قیامت کے روز اُسکے واسطے آگ سے پردہ ہوگا۔ م۔ یعنی اگر پرورش کرنے والا آگ کی طرف بھیجنے کے قابل ٹھہرے تو یہ نیکی یتیم پالنے کی اُسکے واسطے حجاب ہو جائیگی اور آگ میں ڈالے جائے گا۔

چچا احسانات رکھتا ہو اور اسی کی یہ شان ہو کہ احسان رکھے (ابن مرویہ) زرخشریؒ نے حدیث روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا رزق میرے نیزہ کے سایہ تلے رکھا گیا ہو (السراج) میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث سنن میں موجود ہو اور زرخشری فقط ناقل ہو راوی نہیں ہو اور علماءؒ نے اتفاق کیا کہ سب سے زیادہ حلال وہ مال ہو جو غنیمت جہاد سے حاصل ہو۔

۴۔ ابن عباسؓ سے روایت کیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب باری تعالیٰ میں مناجات کی اور اس میں کچھ سوال کیا۔ اور فرماتے تھے کہ اگر میں سوال نہ کرتا تو خوب تھامیں نے یہ التجا کی کہ اگر بے تو نے سلیمانؑ کو مملکت دی اور ہوا اسکے تابع کی اور بعض کو ایسی چیز دی اور بعض کو یہ نعمت دی۔ میرے رب نے فرمایا کہ اے محمدؐ الم یحک یتیم فاوی ووجہک ضلالتہم ووجہک عائلاً فاغنی الم نشرح لک صدرک الخ میں نے عرض کیا کہ بیشک اگر بے سب تیرے احسانات ہیں (ابن ابی حاتم والطبرانی) واکمال صحیحہ و ابن مرویہ و البیہقی و ابونعیم و ابن عساکر و الشعلبی) رازیؒ نے اس روایت کو طولانی نقل کیا اور آخرین ان احسانات مذکورہ کے سواے فرمایا کہ اے محمدؐ کیا میں نے تجھے ابراہیمؑ کی طرح خلیل نہیں بنایا اور کیا تجھے ایسی نعمت نہیں دی جو کسی کو تجھے پہلے نہیں دی۔ پھر کہا کہ قاصی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس روایت کے راوی پر اعتبار نہیں کیا بلکہ یہ اعتراض کیا کہ انبیاء علیہم السلام کی شان یہ ہو کہ ایسی باتوں کا سوال نہیں کرتے جب تک انکو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اجازت حاصل ہو جاوے تو ہم کیونکر اعتبار کریں کہ سید الانبیاء و افضل المرسلین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام سے بلا اجازت یہ سوال واقع ہوا تھا جو قابل عتاب ہو مگر ترجمہ کہتا ہو کہ آئندہ اس حدیث کی اسناد وغیرہ میں کلام آتا ہو کیونکہ ابن کثیر نے سورہ الم نشرح کی تفسیر میں اسکو نقل کیا ہو رازیؒ نے لکھا کہ بیان (عائلاً) سے مراد فقیر ہے اور اسی پر دلالت کرتا ہے جو مصحف ابن سعد و رضیٰ بن ابیہ (وجہک عدا) اور ایک قراءت میں (عیلاً) بروزن (سیداً) آیا ہے۔ پھر فقیری سے تو نگری حاصل ہونا بوجہ بیان کیا گیا ہو وجہ اول یہ کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے ابوطالب کی تربیت سے آپ کو غنی رکھا پھر جب اسمین خلل ہوا تو حضرت خدیجہ رضیٰ کے مال سے تو لگ کر بھرجب اسمین خلل ہوا تو حضرت ابوبکر الصدیق رضیٰ کے مال سے غنی کیا اور جب وہ خرچ ہو گیا تو جہاد سے غنی کیا اور یہ سورہ اگرچہ مکہ ہو لیکن جہاد قطعی واقع ہونے والا تھا تو تحقیقی قرار دیا گیا وجہ دوم یہ کہ غنی بیان بذریعہ اصحاب و مهاجرین ہو کیونکہ پہلے آپ مع چند اصحاب کے خفیہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ پر ایمان لائے اور عرض کی کہ یا حضرت آپ علانیہ باہر نکلا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ کیا لات وغری کھلے خزانے پوجے جاوین اور ہم لوگ اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک کی عبادت خفیہ کریں آپ نے فرمایا کہ اُس وقت تک کہ تیرے ساتھی زیادہ ہو جاوین۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کافی ہے اور میں جان نثاری میں حاضر ہوں اور اُسی وقت علانیہ آپکو مع باقی اُتالیس صحابہ کے ساتھ لیکر باہر نکلے اور علانیہ نماز کی تکبیر کریں اُس وقت قریش کفار دوڑے تو حضرت عمرؓ نے تلوار نکالی کہ واللہ جو کوئی ہم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے مانع ہوگا میں اُس پر تلوار سے وار کر دوں گا قریش ہیبت سے جھپک گئے اور اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ یا ایہا البنیٰ حبیب اللہ و من اتبعک من المؤمنین یعنی اے پیغمبر تجھے کافی ہے اللہ تعالیٰ اور جن مومنوں نے تیری پیروی کی ہو پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کفار سے بے پروا ہو گئے (تفسیر کبیر) اگر کہو کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں لغتوں کا شمار فرمایا تو کیا مراد ہو (جواب) معنی یہ کہ تو نبیؐ و رسولؐ

کثیر ہو تو وہ ہر روز اس فکر میں ہوتا ہو کہ کس تجارت وغیرہ سے اسکو بڑھاوے جیسے حدیث میں ہے کہ اگر فرزند آدم کے پاس ایک وادی بھر کے مال ہو تو وہ آرزو کرتا ہے کہ دوسرا وادی بھر کے مال جاوے اور جب وہ وادی بھر ہو جائے تو آرزو کرتا ہے کہ تیسرا وادی بھر ہو جاوے اور آدمی کا پیٹ کسی چیز سے نہیں بھرتا سوائے خاک (قبر) کے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لاوے اللہ تعالیٰ اُسکی توبہ قبول فرماتا ہو۔ یہ حدیث صحیح میں ہے۔ م۔ بعض مفسرین نے کہا کہ فاختی۔ یعنی جب تونے کے سے مدینے کو ہجرت کی تو انصار کے مال سے تجھے غنی کیا۔ بعض نے کہا کہ ہجرت کے بعد جہاد میں تجھے فتوحات دین پس تجھے غنی کیا۔ ان دونوں قول میں اعتراض یہ ہے کہ سورہٴ النضحیٰ ہجرت سے پہلے کے میں نازل ہوا ہے تو یہ تفسیر کیونکر ہو سکتی ہے مگر حکم کتاب ہے کہ انصار کو خود آپ کی ذات سے تو نگرانی ملی چنانچہ روایت ہے کہ غزوہٴ حنین کا مال غنیمت آپ نے اکثر روستاؤں پر پیش وغیرہ کو جوئے مسلمان ہوئے تھے دیدیا تو بعضے نوجوان انصار نے کہا کہ دشمنوں کے خون سے ہماری تلواریں رنگین ہیں اور مال غنیمت آنحضرت نے دوسروں کو دیا اور جماعت انصار جو ننگے گلین تھے اسلئے انھوں نے نوجوانوں کا کچھ خیال کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے یہ خبر پہنچی تو آپ نے یہ حکم دیا کہ ایک خیمہ میں انصاری آویں اور سوائے انصار کے کوئی نہ آوے۔ جب انصار جمع ہوئے تو فرمایا کہ تم لوگوں نے ایسا ایسا کہا ہے وہ لوگ کبھی جھوٹ آپ سے نہ بولتے تھے انھوں نے عرض کیا کہ یا حضرت ہمارے سمجھدار لوگوں نے نہیں نوجوان اہل شباب کچھ کہا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ای انصار کیا تم گمراہ نہ تھے کہ اللہ تعالیٰ نے میری ذات سے تم کو ہدایت دی۔ کیا تم فقیر نہ تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو میری ذات سے تو نگر کیا۔ آخر تک آپ فرماتے گئے اور انصار ہر بار یہی کہتے کہ بیشک ہم پر اللہ تعالیٰ و اُسکے رسول ہی کا احسان عظیم ہے۔ پھر آنحضرت نے انصار کی نصرت و معاونت وغیرہ کا احسان ذکر کیا کہ یہ باتیں تم بھی کہہ سکتے ہو اور یہ باتیں تمھاری طرف سے سچی ہیں انصار نے بے اختیار رونا شروع کیا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ یہ مال حقیروں نے ان لوگوں کو نالیف قلوب کے طور پر دیا ہے۔ کیا تم رضی نہیں ہو کہ یہ لوگ دنیا لے جا دیں اور تم لوگ رسول اللہ کو اپنے گھر لے جاؤ۔ انصار نہایت فرحت سے رونے لگے اور عرض کیا کہ یا حضرت ہم کو سارا غم و الم بھی تھا کہ شاید آپ اپنی قوم کی طرف واپس آنا چاہتے ہیں اب ہم واللہ رضی ہیں کہ آپ سوائے اس مال کے جس قدر ہماری ملکیت میں ہے جو کچھ جسکو چاہیں دیدیں و حالیکہ ہم آپکو پاویں۔ آنحضرت صلعم نے دعا دی یہ حدیث نہایت نفیس بہت طویل ہے جو سابق میں پوری ترجمہ ہو چکی ہے واللہ الحمد والمنة۔ اس سے معلوم ہوا کہ انصار کو تو خود آپ کی ذات مبارک سے تو نگرانی ملی ہے۔ بعض مفسرین نے کہا کہ قولہ تعالیٰ۔ فاختی۔ یعنی تجھے خدیجہ رضی اللہ عنہا ام المومنین کے مال سے تو نگر کیا بعد ازاں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مال سے تو نگر کیا (السراج دف وغیرہ) حدیث میں ہے کہ مجھے کیسے مال سے ایسا آرام و نفع نہیں ملا جیسا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مال سے حاصل ہوا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے لگے اور عرض کیا کہ یا حضرت کیا ابو بکر و اُسکا مال کسی اور کا ہو سوائے آپ کے پھر آنحضرت نے فرمایا کہ ہمارے ساتھ جس کسی نے کچھ سلوک کیا تھا ہم نے اُسکا عوض دیدیا سوائے ابو بکر کے کہ اُسکا عوض اللہ تعالیٰ قیامت کے روز عطا فرماوے گا یہ حدیث طویل صحاح میں مروی ہے۔ بعض علما نے کہا کہ قولہ تعالیٰ و وجدک عائلاً فاختی سے یہ مراد ہے کہ تجھ کو دلائل توحید سے فقیر پا کر دلائل کثیر دیکر غنی کیا یہ قول بہت عجیب ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر و انضحیٰ نازل ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میرا رب

بھی آنے والا ہو۔ ہاں جب آپ پر کتاب الہی اُتری تو آپ نے سب امور کو معلوم کیا لہذا (ضال) یعنی (غافل) سے یہ مراد البتہ ہے کہ تو احکام کتاب و ایمان نبوت سے غافل تھا اور یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ تو اپنے حق میں خاتم النبیین ہونیکا انتظار نہیں کرتا تھا غافم۔ م۔ (وجہ نم) ضالاً۔ بعض نے کہا یعنی ضالاً عن الهجرة متخیرانی یقریش۔ یعنی تو قریش کے قبضہ میں متخیر ہو کر ہجرت کر کے چلے جانے سے غافل تھا پس اللہ تعالیٰ نے تیرے واسطے سامان مہیا کر دیا یعنی انصار مدینہ اسلام لائے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں میں وہ محبت دی کہ آپ کو اپنے یہاں بہت وساحت لے گئے۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہجرت کی اجازت دی تو ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کو آپ کے ساتھ کیا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کو صدیق کا مرتبہ دیا اور یارِ فارابی جان و مال سے آپ پر نثار تھے اور کل مال آپ کے واسطے اپنے ساتھ لے لیا اور چھ ہزار دینار تھے اور راہ میں ام معبد رضی اللہ عنہا کے خیمہ میں راد دی اور قومِ اسلام کو ہدایت کی اور دین میں قوت عطا کی (کبیر) مترجم کہتا ہے کہ آخرین بیان انشاء اللہ تعالیٰ آویجا ولیکن تفسیر میں تکلف ہے (وجہ دہم) بعض نے کہا کہ آیت میں مقام معراج میں اُبھٹک مراد ہے لیکن رازیؒ نے لکھا کہ معنی یہ ہیں کہ تو معراج سما دی کا عروج نہیں جانتا تھا اللہ تعالیٰ نے تجھے ہدایت دی اور خطیبؒ نے لکھا کہ معنی یہ ہیں کہ جب عروج سموات کے بعد جبریلؑ آگے جانے سے باز رہے تو وہاں تجھے حیرت نے لیا کہ تو راہ نہیں جانتا تھا اللہ تعالیٰ نے تجھے ہدایت دی کہ تو ساقِ عرش تک پہنچ گیا واضح ہو کہ رازیؒ نے یہاں بہت سی صورتیں لکھی ہیں جنکے ذکر سے طول ہوگا اور مختلف مزید ہیں لیکن اہل اشارات کی توجیہات آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ ظاہر ہوگی نعمت ثالثہ قولہ تعالیٰ - وَوَحَّدَ لَكَ عَائِلًا قَاعَنِي۔ اور تجھے فقیر یا پاپس تجھے تو نگر کر دیا ف یعنی تو فقیر صاحب عیال تھا پس اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنے سواے سب سے غنی کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے دو مقام بلند جمع کیے اول تو فقیر صبر کرنے والا بنایا پھر غنی شکر کرنے والا بنایا۔ قنادہؒ نے کہا کہ قولہ تعالیٰ الم یجدرک بیتا الم۔ یہ تین صفات یعنی یتیم ہونا و غفلت از شان نبوت اور فقیر عیالدار ہونا یہ سب مراتب تھے یتیمی میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی پرورش فرمائی اور غفلت سے ہدایت دی اور فقیری سے تو نگر عطا کی اور یمیراٹ قبل نبوت کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئی (رواہ ابن جریر و ابن ابی حاتم عنہ) اور حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مال و متاع کی کثرت ہونے پر غنی نہیں ہوتا ہر ملک نفس کی بے پروائی سے تو نگر حاصل ہوتی ہے (صحیحین) حدیث عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فلاح پائی اُس بندے نے جو اسلام لایا اور اُسکو رزق بقدر کفاف دیا گیا اور جس قدر اُسکو اللہ تعالیٰ نے دیا تھا اُسی پر قناعت نصیب کی یہ حدیث صحیح مسلم میں ہے (تفسیر ابن کثیرؒ) قولہ عائلاً۔ قابل وہ شخص جو مال نہ رکھتا ہو اور کہا گیا کہ عیالدار بھی ہوا اور آیت کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے بے مال عیالدار یا پاپس تجھے غنی کیا کلبیؒ نے کہا کہ یعنی تجھے راضی کیا اُسی قدر پر جو تجھے دیا تھا فراڈؒ نے اسی تفسیر کو پسند کیا اس دلیل سے کہ اگر یہاں غنی کے یہ معنی ہوتے کہ مال و متاع بہت ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہونے سے پہلے آپ کے پاس دولت کثیر ہوتی ولیکن یہی معنی ہیں کہ جو کچھ رزق تجھے دیا تھا اُسی پر تجھے قناعت دی اور سچی تو نگر یہی ہے (تفسیر فتح) اس دلیل سے کہ غنی کے معنی بے پروا۔ قناعت رکھنے والا ہے شکر لے پر ہوتا ہو تو وہی غنی ہوا برخلاف اسکے جنکے پاس دولت

میں کوئی درخت نہ تھا جو نفیس پھول پھل ایمان و معرفت لاوے۔ پھر ہم نے تیری ذات سے ہدایت و کبر خلقت کثیر کو کامل کیا اور تیرے ذریعہ سے بہت درخت پھلدار ہو گئے (وجہ ہشتم) قولہ وجہک ضالاً فندی۔ اس سے بچن کا زمانہ مراد ہوا اور ضال سے یہ مراد کہ علم معرفت سے خالی پایا اور یہ مطلب نہیں کہ اعتقاد پر ضلالت تھی لغو ذالک تو حاصل یہ کہ ہم نے بچن میں تجھے معرفت الہی سے خالی پایا پھر تجھے معرفت دی اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ واللہ اخرجکم من بطون امہاتکم لا تعلمون شئیاً۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی شان ہو کہ اُسے تم لوگوں کو تمھاری ماؤں کے پیٹ سے پیدا کیا اُس حالت میں تم کچھ نہیں جانتے تھے۔ (کبیر) مترجم کہتا ہے کہ اس آیت میں جو حالت مذکور ہے وہ عموماً خلقت انسانی کے واسطے ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قیاس اس پر نہیں ہو سکتا ہوا اور آپ کے قلب پاک میں معرفت حق تعالیٰ ہمیشہ موجود تھی ایک لمحہ بھی آپ اس سے خالی نہیں ہوئے اور ظاہر احادیث میں جو بیانات دربارہ جبرئیل علیہ السلام کے آئے ہیں کہ ایک جبرئیل عہ کے دیکھنے سے خوف ہوا تو اس کو معرفت سے کچھ تعلق نہیں ہو لیکن یہ بات ایسے عامی لوگ نہیں سمجھ سکتے جو معرفت سے خالی ہیں کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ آپ غار حرا میں اس واسطے گوشہ نشین ہوئے تھے تاکہ حق عزوجل کی عبادت کروں پس اس تجلی نور جبرئیل ۱۴ میں تردد ہوا تھا نہ معرفت حق عزوجل میں اور بیان لطائف اسرار ہیں جو بیان میں نہیں آسکتے ہیں ولیکن سمجھدار کو اسی قدر بیان کافی ہو فافهم م (وجہ ہشتم) بعض نے کہا کہ (ضالاً) سے حقیقت میں قوم یعنی امت مراد ہے ولیکن اللہ تعالیٰ مالک الملک ذوالجلال والا کرام ہو تو اُس نے خطاب صرف اپنے حبیب سول سے فرمایا جو خطاب کے لائق تھا اور اس تاویل کے موافق معنی یہ ہوئے کہ ہم نے تیری قوم کی ضلالت میں پایا پھر تیری وجہ سے اُن کو ہدایت دی۔ اگر کوئی کہے کہ آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر انعامات بیان فرمائے ہیں اور اس تاویل کے موافق قوم پر انعام ہوا (جواب) یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی بڑا انعام ہوا حدیث میں ہے کہ آپ نے حضرت حضرت علی رضی سے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ تیرے ذریعہ سے ایک شخص کو ہدایت دے تو یہ بات تیرے واسطے سرخ اونٹوں کے گلہ سے بہتری ہے۔ یعنی عرب جس مال کو بہت نفیس سمجھتے تھے اُس سے یہ افضل ہے کہ ایک شخص کے ہدایت پانے کا ثواب ملے اور یہاں تو قیامت تک امت کی ہدایت کا ثواب آپ کو عطا فرمایا ہو (وجہ ہشتم) ضالاً سے مراد غفلت نبوت ہو یعنی تجھے خیال بھی نہ تھا کہ تیری قوم قریش میں سے تو خاتم النبیین پیغمبر ہوگا اسلئے کہ یہود و بوجہ جہالت کے یہ تحریف کر چکے تھے کہ نبوت قیامت تک اولاد یعقوب پر ختم ہے اور نصاریٰ یہ شرک بنا چکے تھے کہ حضرت عیسیٰ ابن اللہ ہی تو پھر کوئی پیغمبر ہوگا ولیکن ایک روح مقدس فارقلیطا کے آنے کا بیان بہت طولانی اور بکثرت ہے اس سب کو نکال ڈالنے سے عاجز ہوئے تو یہ تحریف کی کہ یہ روح مقدس ہے جو اونٹ پر سوار آوگی اور ایسا اور ایسا کریگی پس یہ عیسیٰ کے حواریوں پر آگئی۔ یہ تحریف عجب مضحکہ ہے ولیکن عرب میں نصرانیوں کا فقط دعویٰ مشہور تھا۔ بہر حال دونوں قوموں کے دعوے سے یہی ٹکلتا تھا کہ یا تو پیغمبر ہوگا اور یا تو اولاد یعقوب سے ہوگا اور عرب کو اس سے غفلت تھی ولیکن ہم نے تجھے ہدایت دی مترجم کہتا ہے کہ یہ تاویل اس مقام پر بہت ضعیف ہے اسلئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسی قوم میں تھے جو نبوت کے معنی بھی نہ جانتے تھے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ اس طرف خیال بھی نہ تھا کہ دیگر اقوام میں انبیاء گزرے اور کوئی خاتم النبیین

ابو جہل احمق یہ لڑکا امام المسلمین ہو تو بھلا کسکی مجال ہو کہ اُسکو اپنے پیچھے رکھے (کبیر) مگر حکم کتنا ہو کہ اس روایت کی اسناد کا حال مجھے نہیں معلوم ہوا اور شیخ ابن کثیر حافظ محدث نے امام بغوی رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ بعض نے کہا کہ اس آیت میں منال ہونے سے یہ مراد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امام صغریٰ میں لے کے کی گھاٹیوں میں گم ہو گئے تھے پھر واپس آئے (۱۵)۔

ابن کثیر مگر حکم کتنا ہو کہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ اس روایت کی اصل ثبوت ہو لیکن مجھے آیت میں یہ قصہ مراد ہونے میں تردد ہے اس وجہ سے کہ قصہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص بھید تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح حلیمہ وغیرہ کی نظر سے پوشیدہ کر دیے گئے تو اس پر یہ صادق نہیں آتا کہ آپ صال ہوئے کیونکہ جو لوگ انہیں گئے اور نہ بھٹکے پھر (فندی) بھی صادق نہیں آتا کیونکہ آپ کو ہدایت و رہنمائی نہیں دی گئی کہ آپ خود گھر چلے آتے بلکہ ایک شخص جاکر لے آیا اس لیے بعض نے یہ تکلف کیا کہ (ووجدک ضالاً) یعنی تجھے گم پایا یعنی اپنی ماں و دادا کے پاس سے غائب ہوا (فندی) یعنی تجھے پھرے دادا و ماں پاس پہنچا و یا قاتل فیہ (م) وجہ سوم بعض نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ ملک شام کی طرف تجارت کے لیے گئے اور رات میں قافلہ روانہ تھا پس ابلیس لعین آیا اور ناقہ کی مہار پکڑ کر قافلہ کی راہ سے دوسری طرف پھیر دی پس جبرئیل علیہ السلام نے اگر ابلیس کو ایک لات ماری کہ وہ جا کر حبشہ میں گرا اور ناقہ کی مہار لے کر قافلہ کی راہ پر لگا دی۔ اس قول کو امام بغوی نے نقل کیا ہو (ابن کثیر رحمہ اللہ) اور ابوالسعود کی تفسیر میں ہے کہ جبرئیل نے ابلیس کو لات ماری کہ وہ ہندوستان میں گرا (ابوالسعود) رازی نے لکھا کہ اس سفر میں حضرت خدیجہ کا غلام میسرہ آپ کے ساتھ تھا ایک کافر نے آپ کے ناقہ کی مہار پکڑ کر راستہ سے منحرف کر دی پس اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کو آدمی کی صورت میں بھیجا تو جبرئیل نے مہار لیکر قافلہ تک پہنچا دیا اور بعض نے کہا کہ ابوطالب اپنے ساتھ آپ کو لے گئے تھے وہاں راستہ بھول گئے پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو راستہ بتلادیا (کبیر) مگر حکم کتنا ہو کہ امام بغوی کی روایت بہتر اور قوی ہو اور رازی نے جو قول لکھا ہو اُس میں صریح خدشہ یہ ہے کہ اس تجارت میں اگرچہ حضرت خدیجہ کا غلام میسرہ ساتھ تھا لیکن اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح بھی جہنرت خدیجہ کے ساتھ نہیں ہوا تھا بلکہ اس سفر سے واپسی کے بعد میسرہ نے حضرت خدیجہ سے حالت سفر کی کرامات بیان کیں پھر حضرت خدیجہ کو نکاح کی رغبت ہوئی اور یہ زمانہ نبوت سے جو وہ برس پہلے کا حال ہو تو اس وقت تک کوئی کافر کے نام سے منیر نہ تھا کیونکہ کفر و اسلام بعد دعوت نبوت کے ظاہر ہوا فافہم واللہ تعالیٰ اعلم۔ م۔ (وجہ چہارم) رازی نے لکھا کہ عرب کے محاورہ میں ہے (ضلل الماء فی اللبن) دودھ میں پانی ضال ہوا یعنی اسکے اندر مغرور و غائب ہو گیا اس محاورہ کے موافق آیت میں یہ منہ ہوتے ہیں کہ وجدک ضالاً الخ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک قوم کے درمیان میں گم پایا پس مجھے ہدایت دی۔ یعنی تو اس قوم کفار کے درمیان میں پیدا کیا اور گم نام رکھا گیا پھر اللہ تعالیٰ نے تیرا نام پاک روشن کیا اور قوت دی یہاں تک کہ تیرا دین ظاہر ہوا کما قال تعالیٰ ورفعا لک ذکرک۔ یعنی تیرا ذکر ہم نے بلند کیا (وجہ پنجم) ضال عرب کے محاورہ میں ایسے درخت کو بھی کہتے ہیں جو کسی بیابان میں اکیلا ہو تو اس محاورہ کے موافق آیت میں یہ مطلب ہو سکتا ہو کہ امیر رسول حبیب اللہ ہم نے مجھے اس ملک میں اکیلا پایا گویا سوا سے تیرے بالفضل اس بیابان

(ابن کثیرؒ) اسی قول کو زجاجؒ نے اختیار کیا دت (وجہ و م) حلیمہ آپ کی دودھ پلائی جب واپس کرنے لائی تو قریب کے آپ یکایک گم ہو گئے اور گم شدہ کو (ضال) کہتے ہیں حتیٰ کہ ٹہیل بت کے پاس جا کر حلیمہ نے یہ مراد چاہی تو بت اوندھے ہو گئے اور آواز آئی کہ یہی بچہ ہم کو ہلاک کر گیا اور اس معاملہ کی حکایت و راز یہی (کبیر) کعب اخبار نے بیان کیا کہ جب حلیمہ نے ایک دودھ چھڑایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لائین تاکہ آپکے دادا حضرت عبد المطلب کو لیں دین۔ جب کے تک پہنچیں تو ناکے پر یکایک آواز آئی کہ ای لٹھا رکھ آج تجھے تیرا نور و جمال بھیر دیا جائیگا۔ حلیمہ کو تعجب ہوا اور کوئی کہنے والا نظر نہیں آتا تھا حلیمہ کہا کہ پھر میں نے آپکو بٹھلا دیا اور چاہا کہ آپ کو آراستہ کر لوں اور خود بھی گرد راہ سے صاف ہو کر کپڑے پہن لوں پھر شہر میں داخل ہوں یکایک مجھے زور سے دھمکا یا اور آواز سنائی دی اور میں پیچھے پھر کر دیکھتی ہوں تو میں نے محمد کو نہ دیکھا اور گھبرا کر لوگوں سے پوچھنے لگی کہ میرا بچہ کیا ہوا انھوں نے کہا کہ ہم نے تو کچھ نہیں دیکھا۔ یہ سن کر میرے حواس جاتے رہے اور میں نے محمد کا نام لے کر رونا شروع کیا اور مجھے بدحواسی میں کچھ خبر نہ ہوئی یہاں تک کہ ایک بوڑھا شیخ میرے سرھانے آیا اور مجھے کہنے لگا کہ ای عورت اٹھ کر بڑے بت کے پاس جا اگر وہ چاہے گا تو تیرا بچہ تجھے واپس کر دیگا میں اُس پریشانی میں اُسکے ساتھ ہوئی اُسے جا کر بڑے بت کا طواف کیا یعنی گرد پھر کر قربان ہوا اور پاس جا کر اُسکے سر کا بوسہ لیا اور کہنے لگا کہ ای ہمارے پالنے والے ہمیشہ سے قریش پر تمھارے احسانات چلے آتے ہیں اور یہ حلیمہ سعدیہ تمھاری درگاہ میں فریاد لائی ہو یہ کہتی ہے کہ اسکا فرزند محمد گم گیا ہے تم پھر دو حلیمہ نے کہا کہ جیسے ہی محمد کا نام لیا گیا وہ بڑا بت اوندھا گر پڑا اور جس قدر وہاں تھے سب اوندھے ہو گئے اور یہ آواز آئی کہ ای بوڑھے ہمارے پاس سے ہٹ جا یہی محمد ہو جو ہم کو ہلاک و خوار کر رہا۔ یہ حالت دیکھتے ہی بوڑھا شیخ کانپنے لگا اُسکے ہاتھ کاٹھا گر پڑا اور قریب تھا کہ وہ بھی بیہوش ہو جائے اور آخر مجھے کہنے لگا کہ ای ضعیفہ تیرے فرزند کا رب ہو وہ اُسکو ضائع نہیں کرے گا تو اُسکو تلاش کر۔ یہ خبر قریش میں مشہور ہو گئی اور عبد المطلب کے پاس جمع ہو گئے اور چاروں طرف نواح مکہ میں تلاش کرنے لگے اور عبد المطلب نے جا کر خانہ کعبہ کا کھوکھلا کیا اور اللہ تعالیٰ سے تضرع و الحاج کرنے لگے کہ اُلتی میرے فرزند محمد کو مجھے واپس کر دے اور مجھ پر احسان رکھ وہ بے باپ کا یتیم بچہ ہے۔ عورتیں بھی رونے لگیں یکایک ہاتھ تلے آواز دی کہ ای لوگو تم شور نہ کرو۔ محمد کا رب رحیم اسکا حافظ و معین ہو اور محمد اس وقت دادی تہامہ میں درخت کے نیچے موجود ہی عبد المطلب مع ورقہ بن نوفل وغیرہ کے روانہ ہوئے وہاں رسول اللہ صلعم درخت کے نیچے کھڑے ہوئے اُسکے پھول تہیوں سے کھیل رہے تھے۔ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خبر عبد المطلب نے ابو جہل سے سنی تھی کیونکہ دوسری روایت میں ہے کہ وہاں ابو جہل نے آپکو دیکھ کر ہچانا اور اپنے ناقہ پر سوار کر کے لایا اور عبد المطلب سے کہا کہ یہ بچہ وہاں تھا اور کہا کہ اس بچہ کا قصہ تم جانتے ہو۔ یعنی میرے ساتھ اسکے معاملہ میں اوٹھنی نے کیا برتاؤ کیا ہے عبد المطلب نے پوچھا تو کہا کہ یہ عجیب بات ہوئی کہ اوٹھنی فوراً اسکے سوار کر لینے کو خود بیٹھ گئی۔ میں نے چاہا کہ اس طفل کو اپنی ردیف میں پیچھے سوار کر لوں تو ناقہ نے ہرگز قدم نہ بڑھایا پھر میں نے اُسکو آگے بٹھالیا تو فوراً ناقہ اٹھ کر خوش رفتاری سے روانہ ہوا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آپکو دیکھ کر ابو جہل کے ہاتھوں آپ کے دادا کے پاس پہنچا یا جیسے موسیٰؑ کو فرعون کے گھر میں پرورش فرمایا (السراج) رازیؒ نے کہا کہ ابو جہل کو ناقہ کی حالت سے تعجب ہوا حالانکہ ناقہ بزبان حال یہ کہتی تھی کہ اے

کیفیت کیونکر حاصل ہوتی ہو یہاں تک کہ اُس کو جمیع اسباب سے آگاہی دی گئی جنگو وہ پہلے نہیں جانتا تھا اور واضح ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات بچپن سے جو آئندہ مختصر طریقے سے مترجم بیان کر رکھا اور ہام جا ہلانہ دور کرنے کے لیے کافی ہیں اور نیز واضح ہو کہ شرائع طہارت و نماز وغیرہ سب طریقہ وصول ہیں و شرع و شریعت وہ گھاٹ ہی جس سے پانی تک رسائی ہوتی ہو اسی وجہ سے شریعت پر عمل ضرور ہو تا کہ مقصود تک رسائی ہو۔ اگر وہم ہو کہ قولہ ولا الایمان سے معلوم ہوتا ہو کہ ایمان بھی معلوم نہ تھا اور یہی توحید ہی (جواب) اس مقام پر ایک جاننا اور دوم پیدا ہونا۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہو جسکے مغالطہ میں بہت لوگ برباد ہیں۔ دیکھو ایمان لا الہ الا اللہ و محمد رسول اللہ ہو۔ لیکن جاننا بدو ان ایمان کے کچھ مفید نہیں ہو مثلاً جمیع مشرکین جنہوں نے مسلمانوں کی زبان سے یہ کلمہ سنا وہ اسکو جانتے ہیں کہ مسلمانوں میں یہ کلمہ ایمان ہو دلیکن انکو کچھ مفید نہیں ہو پھر اسکو سچ جاننا بھی مفید نہیں ہوتا جب تک ایمان ہوا اور اس پر صریح دلیل یہ ہو کہ مدینہ کے یہودی خوب جانتے تھے کہ یہ محمد رسول اللہ خاتم النبیین ہیں اور رض قرآنی سے بطور معجزہ کے ان گراہوں کو آگاہ کیا بقولہ تعالیٰ یعرفونہ کما یعرفون ابناءہم۔ یعنی جیسے آدمی اپنی زوجہ سے پیدا ہونے والے بچہ کو پہچانتا ہو کہ وہ یہ ہو اسی طرح یہود و نصاریٰ کے پاس اس قدر صاف واضح شناخت دی گئی تھی کہ اس سے بخوبی پہچان چکے ہیں دلیکن ان میں سے ایک فرق کثیر جان بوجھ کر انکار کرتے ہیں اسی طرح ہر قل جو پوپ بھی تھا اور بادشاہ بھی تھا اور نصاریٰ اُسی کے تابع بھی وہ خوب جانتا تھا کہ یہی مہمبہر آخر الزمان ہیں اور اُس نے کئی مرتبہ سب نصاریٰ کو آمادہ کیا کہ دین اسلام قبول کریں دلیکن نصرائیون نے نہ مانا اور ہر قل نے سب سے اعظم پوپ رومیہ کو آنحضرت صلعم کا فرمان مبارک مع آپ کے صحابی المہجی کے بھیج دیا کہ وہ تدبیر کرے وہ فوراً ایمان لایا اور لباس عرب پہنکر اُس نے مجمع نصاریٰ میں اعلان کیا۔ گمراہ نصرائیون نے اسکو مار ڈالا۔ اللہ تعالیٰ اُس پر رحمت و رضوان نازل فرما دے آمین۔ جب ہر قل نے یہ دیکھا تو اپنے نفس سے مشورہ لیا کہ سلطنت چھوڑ کر دین حق قبول کرے اُسکے نفس نے یہ منظور کیا لغو بذاتہ من الضلال۔ یہ مقام بہت سخت ہو اللہ تعالیٰ ہی ایمان پیدا کرتا اور توفیق دیتا ہو اللہم وفقنا برحمتک رازیؒ نے لکھا کہ عام امت سب فرقہ اسلام متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدائش دین کے وقت سے کبھی ایک لفظ بھی اللہ تعالیٰ سے کفر نہیں کیا معتزلہ فرقے نے یہاں تک کہا کہ عقلی دلیل سے بھی کفر محال الہذا ہو اور رازیؒ نے اسکو دوسروں کے نزدیک محال بالغیر قرار دیا دلیکن مترجم کہتا ہو کہ بحث یہودہ ہو اور یہ بات معلوم ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ازل میں آپکو نبوت کاملہ سے سرفراز کیا تو ایک لمحہ کفر محال ہو پس قطعاً معلوم ہو کہ قولہ تعالیٰ و وجہک ضالاً فہدیٰ میں ضلال سے شرعی گمراہی اعتقاد ہی کسی طرح مراد نہیں ہو۔ اب اسکی تفسیر بیان کرنا چاہیے رازیؒ نے لکھا کہ علماءؒ سے اسکی تفسیر مجیدہ و جہ مروی ہو وجہ اول ابن عباس رض و حسن و ضحاک و شہر بن حوشب نے کہا کہ قولہ تعالیٰ و وجہک ضالاً فہدیٰ یعنی تجھے معاملہ نبوت سے اور احکام شریعت سے غافل پایا پس تجھے اسکی ہدایت فرمائی جیسے قولہ تعالیٰ ما کنتم تدعی ما الکتاب ولا الایمان الا یہ۔ یعنی تو نہیں جانتا تھا کہ کتاب شریعت کیا ہو اور نہ یہ جانتا تھا کہ نبوت سے تعلیم کیونکر ہے۔ ہمد کبیر و بیضاوی وغیرہ) یہی اکثر مفسرین کا قول ہو ضحاکؒ نے کہا کہ تو نہیں جانتا تھا کہ قرآن کیا ہے اور شرائع اسلام کیونکر ہیں اللہ تعالیٰ نے تجھے آگاہ فرمایا (السراج) یعنی قرآن نازل فرمایا جس سے تو نے یہ سب جان لیا

اللہ تعالیٰ کی عطاے جمیل بروز ازل ہی دنیا میں اُس کے موافق وہ علم و عمل پاتا ہی اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ یہ منصب آپ کو کب عطا ہوا آپ نے فرمایا کہ اُس وقت کہ آدم علیہ السلام پانی مٹی میں تھے (صحیح) یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا بھی نہیں کیا تھا جب ہی سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین کے شرف سے مکرم تھے یہی کل انبیاء علیہم السلام و امتیون کا حال ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ازل ہی میں اپنے اپنے درجہ و ولایت سے سرفراز ہو چکے ہیں حالانکہ اُس وقت خلقت کا وجود بھی نہ تھا تو ان کا علم و عمل کہاں تھا بلکہ جس کرامت سے ازل میں بندہ سرفراز ہو چکا ہے دنیا میں پیدا ہو کر اُسی تقدیر کے موافق علم و عمل کے واسطے توفیق پاتا ہے اور حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے عبودیت میں واحد بنا یا ہے جیسے اللہ تعالیٰ الوہیت میں واحد ہے پس جیسے اللہ تعالیٰ الوہیت میں واحد لا شریک لے مثل ہے اسی طرح اُس نے اپنی مخلوقات آسمان و زمین میں اپنا ایک بندہ بے مثل عبودیت میں بنا یا اور وہ ہمارے حضرت رسول اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ہرگز کسی وقت میں اگرچہ دو دھپنے کا زمانہ ہو کبھی آپ نظر کمال رحمت حق عز و جل سے طرفہ العین بھی جدا نہیں ہوئے اور جس قوم میں کفر کی گمراہی ہو اور اسکا طرہا قلب حقیقت معرفت سے محروم ہو وہ ان اسرار معارف کے سمجھنے سے عاری ہے اور فلسفی زندقہ جو دائرہ حواس میں سرگردان ہے وہ کیونکر عقل کی روشنی پاوے گا۔ اگرچہ حواس جسمانی ظاہری و باطنی میں بوعلی سینا ہو جاوے اور اپنے آپ کو عقل میں کامل جانے ولیکن یہ زعم باطل و دعویٰ لا طائل کیا مفید ہوگا جیسے ہر مشرک قوم اپنے آپ کو مانند دعویٰ مغضوبین و ضالین کے بخن ابناء اللہ و احباؤہ۔ اعلیٰ مرتبہ مقربین پر شمار کرتی ہے بالکل مترجم کے نزدیک جس کسی نے یہ دلیری کی کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب قدس میں قبل وحی نبوت کے معنی اول نسبت کیے (کفر) جسکے نقل کرنے میں مترجم کا قلم بھرتا ہے تو ایسے شخص کے حق میں کفر کا خوف شدید ہے بشرطیکہ اسکی یہی مراد ہو کیونکہ احتمال ہے کہ اُسکی مراد یہ ہو کہ وحی سے پہلے حضرت سرور عالم صلعم شرائع کتاب مجید اور ابلغ رسالت سے واقف نہ تھے اور یہ بات ٹھیک ہے اور رازیؒ نے جو دلیل ان لوگوں سے نقل کی وہ اسی کی مظہر و چنانچہ لکھا کہ ان لوگوں نے یہ دلیل پیش کی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ما کنت تدري ما الكتاب ولا الايمان الآية۔ یعنی تو یہ نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا اور ایمان کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان کنت من قبل لمن الغافلين۔ البتہ تو اس سے پہلے غافل تھا۔ مترجم کہتا ہے کہ ان دونوں آیتوں میں سے دوسری آیت تو سورہ یوسف کے ابتدا میں ہے اور مطلب یہ کہ تو یوسف علیہ السلام و اُسکے بھائیوں کے قصہ و اُسکے متعلق معاملہ سے بالکل غافل تھا ہماری وحی سے شکوہ یہ علم حاصل ہوا اور اسی طرح اول آیت میں بھی اسی قدر مذکور ہے کہ اس وحی سے پہلے تجھے کتاب الہی و اسکا پہونچنا بطور رسالت کے اور ایمان و کفر کی توضیح نہیں پانست تھی یعنی یہ درایت نہ تھی اسلئے کہ درایت تو ظاہری محسوس موجود میں ہوتے ہیں اور یہ بے شک پہلے نہیں تھی کیونکہ اول میں ابتدا سے اتصال روحانی بمعرفت قرب حاصل تھی اور اس کے واسطے اسباب جزئیہ کی ضرورت نہیں ہوتی ہے اور یہ مقام عبارت میں ادا نہیں ہو سکتا اور شان الہی سبحانہ تعالیٰ میں نظیر و مثال غیر ممکن ہے ولیکن محسوس سے عقل کی طرف جانے کے واسطے البتہ تنبیہ ہو سکتی ہے مثلاً ایک بچہ کو سوتے ہوئے لے جا کر ایک آراستہ مظلوم مذہب مکان میں رات کو جگا دیا جس میں شاہانہ سامان سے اس قدر روشنی ہے کہ دن ہو رہا ہے اور وہ سلطان کے تخت کے نیچے پہونچ کر لیکن وہ نہیں جانتا کہ یہ خوب صورت

مالک عزوجل کے انعام عظیم بے شمار کا ادا ہونا کس درجہ عظیم محال ہو گا یا بندہ ہر دم اپنی سانس کی آمد و رفت دیکھتا ہو کہ یہ دو انعام آمد و رفت میں ہیں اور شکر واحد ادا ہونا چند سانس میں فقط زبانی ہو سکتا ہو تب تک چند سانس دیگر واجب الشکر ہو گئیں اور توفیق کا شکر علاوہ اسکے واجب ہوا اور یہ بھی فقط زبانی تھا۔ بندہ کہتا ہو کہ انہی تو نے مجھے عدم سے حقیر لطف سے خوب صورت آدمی نکالا اور ظاہری جسم میں ظاہری عجائبات ہیں از انجملہ یہ کہ انسانی جسم ظاہر میں پاک ہو اور باطن میں نجس ہو۔ یہ تیری طرف سے بشارت ہو کہ تو اپنے بندے کے عیب چھپانے والا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر عالم آخرت عطا فرمائی کہ آپ کو عرش تک نظر آتا تھا جس وقت اللہ تعالیٰ چاہتا تھا پس ارشاد فرمایا کہ جیسے میں نے تیرے حق میں انعام جمیل عطا فرمایا ہو اس شکر میں سے یہ ہو کہ میرے بندوں کے حق میں اس طریقے کی رعایت رکھیو بتیم کو مقہور نہ کیجیو اور محتاج کو چھڑکی نہ دیجیو اقول یہ خوبیان صفت رحمت سے ہوتی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ان خوبیوں کو کامل کر دیا اسی لیے آپ رحمۃ للعالمین ہوئے یعنی رحمت فرمایا اور یہ کمال ہو اس سے بڑھ کر کوئی مرتبہ نہیں ہو بالجملہ ان صفات کے شکر میں بندوں کے ساتھ برتاؤ فرمائے کا حکم دیا اور توفیق کا شکر اظہار نعمت سے فرمایا (کبیر) نعمت دوم قولہ تعالیٰ **وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَايَ**۔ اور تم کو گھٹکا پایا پس ہدایت دی ف۔ اس آیت کی تفسیر میں اہل تفسیر نے بکثرت اقوال نقل کیے ہیں اور اصل بیان اس امر سے مشغول ہو کہ (ضال) سے کیا معنی مراد ہیں اور لغت میں ضالات کا استعمال بہت معانی میں آتا ہو جیسے راہ سے بھٹک جانا اور دیگر راہ حق سے بھٹک ہو تو شرع میں اسکو کافر کہتے ہیں اور اگر اسی شریعت میں ٹھیک ہو تو علی بدعت ہو اور اعتقاد میں فساد ہو تو گمراہ کہتے ہیں جیسے عشق و محبت والے کو ضال کہتے ہیں اور جیسے نہ جاننے والے کو ضال کہتے ہیں یعنی مثلاً ایک شخص کو آج تک یہ معلوم نہیں ہو کہ اجزائے دھانی میں ایک چیز ایسی ہوتی ہو جو بہت صاف روشنی دیتی ہو تو وہ اس امر سے ضال ہو اسی طرح بہت معنی آتے ہیں۔ پھر واضح ہو کہ حضرت رسول اللہ محمد خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالاجماع ازل و آخر سے احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ تھے تو ضال معنی کافر ہرگز آپ کے شان مقدس میں لائق وجاہت نہیں ہو اور اہل الحق کا بالاجماع ہی قول ہو لیکن بعض ضال بدعتی لوگوں نے یہ معنی بھی نکالے ہیں جیسے امام رازیؒ نے کلبی سے نقل کیا یہ شیعہ میں سے ہو اور بعض نے کہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ گوی بھی کرتا تھا تو رافضیہ میں سے ہو گا واللہ تعالیٰ اعلم تو کلبی نے کہا کہ قولہ تعالیٰ **وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَايَ**۔ اسکے یہ معنی ہیں کہ تجھے تیری قوم کے طریقے پر چالیس برس کی عمر تک پایا پھر اپنے دین کی ہدایت اور سدی سے نکل کیا کہ اسکے یہ معنی ہیں کہ تجھے تیری قوم کے طریقے پر چالیس برس کی عمر تک پایا پھر اپنے دین کی ہدایت دی مترجم کہتا ہو کہ مجھے نہیں معلوم کہ ان لوگوں کا یہ قول کس اسناد سے روایت کیا گیا ہو اس لیے کہ آخر زمانے میں یعنی خلیفہ مامون رشید وغیرہ کے زمانے میں داہی فلسفی ملحد خیال کے لوگ بھی پیدا ہو گئے تھے جو اتحاد کے خیال کو پھیلانے کے لیے جھوٹی روایتیں بناتے اور لوگوں کو سناتے تھے ولیکن حافظ محدث فوراً ایسے کذاب لوگوں کا جھوٹ بکڑ لیتا تھا اس لیے عوام الناس کو خفیہ سناتے۔ ملحد کا مطلب اس روایت سے یہ ہو سکتا ہو کہ وہ خبیث اسلہر کا قائل تھا کہ پیغمبری علم و عمل ہو تو جو کوئی اس مرتبہ کو پہونچے وہ پیغمبر ہو جاوے اور اس قسم کے ملحد بہت گزرے ہیں اور اہل الحق نے حق بات بتلائی کہ راستا

تو میں اُس بچے کی زبان سے ایسے کلام سنا کرتا تھا کہ میں اُسکی لطافت سے تعجب کیا کرتا تھا اور ہم لوگ چائے سے اور پیچھے اپنی عادت کے خلاف یہ سنا کرتے کہ محمد طعام شروع کرنے کے وقت بسم اللہ الاحد کستا اور فراغت کے بعد کستا۔ اور میں نے اُس سے کبھی نہ دیکھا کہ جھوٹ بولتا یا زور سے ہنستا اور نہ کبھی میں نے اسکو کھیلنے بچوں کے پاس کھڑ دیکھا۔ واضح ہو کہ عباس و حمزہ اور ابولسب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے لیکن حضرت عبدالطلب نے اُکھالت اپنے بعد ابوطالب کے حوالے کی کیونکہ آپ کے والد عبداللہ اور ابوطالب دونوں ایک ماں سے تھے اور باپ والدہ دوسری تھیں کبیرا مگر ہم کہتا ہوں کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مختصر حالات اس سورہ مبارک کی تفسیر ختم کر انشاء اللہ تعالیٰ بیان کروں گا۔ بالفعل تفسیر کے متعلق جو امور ہیں وہ بیان کرنے جاہل ہیں۔ رازیؒ نے لکھا کہ اگر یہ پورے جاوے کہ یتیم کی پرورش کرنا اگرچہ نعمت ہو لیکن اللہ تعالیٰ بے منت بخش فرمائے والے کی طرف سے اسکی منت کیا حکمت رکھتا ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے کلام اول میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں فرعون کی طرف سے اس قسم کی پرورش کو بطور حقارت کے بیان فرمایا بقولہ تعالیٰ الم نربک فینا ولیدنا۔ یعنی فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ کیا تو وہی نہیں ہو۔ پرورش ہمارے یہاں بچپن سے ہوئی ہو (جواب) فرعون جاہل نے اس کلام سے اپنی نیکی کو مٹا دیا جبکہ اُس نے احساس رکھا حالانکہ وہ پروردگار حقیقی نہ تھا اور اُسکی یہ خواہش ہوئی کہ ہمارے اس احسان کی وجہ سے تو ہماری بزرگی تسلیم کر اور فرعون کے حق میں وبال تھا اور موسیٰ علیہ السلام اس کے بار احسان سے چھوٹ گئے اور یہاں اللہ تعالیٰ نے جو حقیقی پروردگار نے والا ہی یہ ارشاد کیا کہ اے حبیب رسول بندہ مقبول اپنا جی خوش اور دل مضبوط رکھ کہ رب عزوجل نے تجکو اپنے انعام سے بچپن ہی سے سرفراز کیا اور عالم اسباب ظاہری کا پروردگار نہیں رکھا یعنی جس حالت میں عرب نہایت افلاس و فلاکت میں رہتے تھے حتیٰ کہ ماں باپ اپنی اولاد کو مار ڈالتے تھے ہم نے تجھے بغیر باپ بلکہ بغیر ماں کے نہایت عزت سے بالا کیا کیونکہ تجھے دواع و قلا کرینگے بلکہ ضرور ہو کہ تجھ پر اور تیری فرمان بردار امت پر اپنی نعمت پوری کرین رازیؒ نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کو اس سے کچھ نسبت نہیں ہو کیا نہیں سمجھتے ہو کہ وہاں احسان جتلائے والا فرعون لعین قرار دیا یہاں احسان فرمانے والا خود ارحم الراحمین ہی بعض نے اسکی نظیر امت میں اس طرح بیان فرمائی کہ امت سابقہ میں اللہ نے فرمایا۔ ثلثہ را بعہم کلہم یعنی تین آدمی تھے اُن کے ساتھ میں چوتھا کتا تھا۔ ہ۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس امت محمدیہ حق میں فرمایا۔ ما یکون من شجوی ثلثہ الاہور ابعم یعنی جس جماعت مشورے میں تین شخص ہوں چوتھا اللہ تعالیٰ نے۔ ہ۔ پس دونوں امتوں میں فرق سمجھ لینا چاہیے سوال اللہ تعالیٰ نے یہاں یتیمی میں پرورش کا انعام اور ہدایت اور توکلری کا انعام بیان فرما کر ارشاد کیا۔ اما نبعتہ ربک محدث۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بیان کر۔ تو ان چیزوں میں کیا مناسبت ہو جواب مناسبت بیان کرنے کے لیے یہ سمجھنا چاہیے کہ قرضہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے پھر ہر طرح ہوتا ہے ایک مالی اور دوم انعامی اور انعامی قرضہ کا دباؤ اندر ایسے کہ مالی قرضہ اگر قرض خواہ معاف کرے تو ہو جاتا ہے اور انعامی معافی سے زیادہ ہو جاتا ہے کیونکہ معافی خود انعام مزید ہے اور مالی ایک بار ادا کرنے سے ادا ہو جاتا ہے اور انعامی قرضہ کی ادائیگی عمر بھر واجب ہو اور ادا ہونا محال ہے۔ پھر جبکہ کسی آدمی کے انعام قلیل کا ادا ہونا محال ہے تو خالق

رہتے تھے حالانکہ خود ابوطالب اپنی قوم کے دین بت پرستی پر تھے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور حسن تدبیر تھی مجھ پر زمانہ ہجرت سے چند روز پہلے حضرت ابوطالب نے بھی انتقال کیا تو اُس کے بعد جمال قریش نے کھٹکے آپ کی ایذا پہنچانے پر جھکے پس اللہ تعالیٰ نے آپ کے واسطے یہاں سے ہجرت کر کے قبیلۃ انصار یعنی اُدُس و خزرج کے وطن مدینہ میں جانیکا سامان مہیا کر دیا جب آپ وہاں پہنچے تو انھوں نے صدق ایمان کے ساتھ آپ کو مع آپ کے اصحاب کے اپنے یہاں بخوبی جگہ دی اور ہر طرح حمایت کی حتیٰ کہ آپ کی حضور میں اپنی اولاد و جان و مال سے قتال کیا اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی عنایت و حفظ و رعایت سے تھا (تفسیر ابن کثیر) رازیؒ نے لکھا کہ اس آیت کے متعلق چند سوالات ہیں (ادل) یہ کہ سابق سے اسکو کیا تعلق ہو (جواب) خلاصہ یہ کہ جب تو یتیم بچہ تھا تب ہم نے تیری حفظ و رعایت نہیں چھوڑی بلکہ تیری شان سے اعلیٰ کو اگاہ کیا کہ یہی حبیب فرد ہو کہ جسکی یہ شان ہو کہ لولاک لما خلقت الافلاک۔ یعنی یہ نہوتا تو ہم افلاک کو پیدا نہ کرتے۔ تو پھر ہم دشمنان خدا کے زعم پر کیوں تجھے چھوڑینگے (دوم) یتیم سے یہاں کیا مراد ہو (جواب) اسکی نفسیر میں دو قول ہیں (۱) مجاہد وغیرہ سے نقل کیا جاتا ہو کہ یہ در یتیم کے معنی میں ہو اور در یتیم اُس موتی کو کہتے ہیں جو سیپ میں اکیلا ہو تو وہ سب سے عمدہ نفیس فرد ہوتا ہو اور یہاں مراد یہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم قریش میں بے مثل فرد تھے یعنی اپنی خوبی و شرف میں سب سے فرد تھے (فاوی) یعنی اس در یتیم کو اللہ تعالیٰ نے ایسے اصحاب جان نثار میں جگہ دی جو اس پر جان و مال سے فدا تھے خطیبؒ نے سراج میں کہا کہ یہ تفسیر ظاہر آیت کے خلاف ہو و محشریؒ نے لکھا کہ یہ انوکھی تفسیر ہو مترحم کہتا ہو کہ یہ تفسیر نہیں بلکہ اشارات کے مناسب ہو اللہ تعالیٰ علم (۲) رازیؒ نے کہا کہ یتیم سے یہاں ظاہری معنی مراد ہیں یعنی پندرہ برس کی عمر سے پہلے جسکا باب انتقال کرے وہ بلوغ تک یتیم ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وقت ولادت ہی سے یتیم ہوئے۔ رازیؒ نے لکھا کہ ایک روز ابوطالب نے اپنے بھائی عباس بن عبد المطلبؓ کے کہا کہ سنو میں تم سے عجیب معاملہ بیان کروں۔ جب میں نے اپنے بھتیجے محمد کو موافق حکم والد صاحب کے اپنی پرورش میں لیا تو رات و دن میں خود ہی اُسکی پر وخت کرتا تھا اور ایک دم اپنے پاس سے جدا نہ کرتا اور کسی دوسرے پر اعتماد نہ کرتا یہاں تک کہ میں نے یہ چاہا کہ رات میں اپنے پاس ہی سلاؤں لہذا میں نے اُس سے کہا کہ اپنے کپڑے اتار ڈالو اور میرے لحاف میں سو رہو۔ میں نے دیکھا کہ اس بات سے محمد کے چہرے پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے لیکن میرے حکم سے ناغہ نہ کر نی بھی گوارا نکلی لہذا مجھے کہا کہ اے چچا آپ منہ پھیر لیجئے تاکہ میں کپڑے اتاروں کیونکہ میرا بدن دیکھنا کسی کو گوارا نہیں ہو میں نے اس کلمہ سے تعجب کیا لیکن اُسکی خاطر سے میں نے منہ پھیر لیا اور اُسے کپڑے اتارے اور میرے لحاف میں داخل ہو گیا جب میں لیٹا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اُس کے درمیان میں ایک کپڑا حاجب پایا جو نہایت نرم گدگدانا زک تھا اور وہ میں خوب جانتا ہوں کہ وہ میرے بچھونے میں کبھی میسر نہ تھا اور اُسکی خوشبو مشک سے بہتر تھی میں نے چاہا کہ اُسکا بدن دیکھوں کیونکہ اس بچے نے ابھی کیا کلمہ کہا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ہرگز نہ دیکھا اور اس سے بڑھکر یہ بات ہو کہ اکثر اوقات میں اُسکو اپنے بچھونے پر نہیں پاتا تھا۔ ہر جب تلاش کرتا یہاں تک کہ اٹھکر جاتا کہ ادھر ادھر گھر میں تلاش کروں یکایک مجھے آواز دیتے کہ اے چچا میں تو یہاں ہوں آپ کہاں جاتے ہیں۔ میں متحیر ہو کر چلا آتا تھا۔ اور اکثر اوقات جب رات جاتی تھی

بصیغہ جمع ہوتا تو آل و اصحاب کو بھی شامل ہوتا (جواب) یہ کہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ مجبوبیت ظاہر فرمایا کہ آل و اصحاب کا اکرام فی الحقیقہ آپ کا اکرام ہو اور آپ کی شان یہ ظاہر فرمائی کہ جب انبیاء علیہم السلام نفسی نفسی کہیں تو آپ امتی امتی فرمادینگے پس آپ کی ذات مبارک سے انکو سرفراز فرمایا اور جب مشرکین نے احد میں آپ کا چہرہ مبارک زخمی کیا تو آپ نے اُنکے لیے ہدایت مانگی لہذا اللہ تعالیٰ نے آپ کے حقوق مفروض فرمائے کہ جو کوئی آپ کے ایک روئین کو ایذا دے تو وہ کافر ہے حالانکہ پچاس برس تک ناز چھوڑنے سے کافر نہیں کیا گیا فافہم پھر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے بعض الغامات بیان فرمائے بقولہ تعالیٰ - **الَّذِي يَخِذُكَ يَتَمَنَّاهُ** اوی۔ کیا نہیں پاتا تھا تجھے یتیم پس جبکہ دی ف یعنی اللہ تعالیٰ نے تجھے یتیم پایا پس تیرے واسطے پرورش کا ٹھکانا دیدیا۔ یہاں تین نعمتیں شمار فرمائیں اور اس سے مقصود یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ معاملہ کیا اسی طرح آپ بھی اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ عمل کریں اگر کسا جاوے کہ قولہ الم یجذک یتیم۔ یعنی کنا یہ نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے یتیم پایا۔ اس طرح بیان میں کیا حکمت ہے حالانکہ یتیم کرنے سے پہلے بلکہ حضرت آدمؑ کی پیدائش سے پہلے اللہ تعالیٰ جانتا تھا بلکہ اسی نے علم قدیم میں پیدائش مفت در فرمائی (جواب) یہ سچ ہے بے شک اللہ تعالیٰ علیم خبیر حکیم بصیر ہے اور اس قول سے یہ مطلب نہیں کہ فی الحال بعد یتیم ہو جانے کے اللہ تعالیٰ نے پایا جیسے بندے تلاش کرنے سے باتے ہیں بلکہ اس محاورہ میں باہم آدمیوں کا بھی یہ مطلب نہیں ہوتا کہ بعد تلاش کے پایا۔ ولیکن یہ مطلب ہوتا ہے کہ تو اس حالت پر پایا گیا اور تو اس حالت پر موجود تھا یہ نعمت اول ہے کہ تو یتیم تھا اللہ تعالیٰ نے اپنی حفظ رعایت میں تجھے لیا اور تیری پرورش کے واسطے جبکہ دی ابن کثیر وغیرہ نے لکھا کہ بات یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب نے آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کے حاملہ ہو جانے کے بعد سفر کیا اور راہ میں مدینہ میں اپنی ناہمال میں اُترے اور قضاے الہی سے وہاں بیمار ہو کر انتقال کیا اور اُس وقت تک آپ حمل میں تھے اور بعض نے کہا کہ نہیں بلکہ آپ پیدا ہو چکے تھے۔ اور فتح البیان میں نقل کیا کہ حمل کے دو مہینے بعد انتقال کیا اور یہی راجح ہے۔ ۷۔ اور خطیبؒ نے لکھا کہ حمل سے چھ مہینے گزرے تھے اور بعض نے کہا کہ ولادت سے دو مہینے پہلے (س) اور بعض نے کہا کہ ولادت سے دو مہینے کے بعد وفات پائی واللہ تعالیٰ اعلم۔ م۔ اور آپ کے والد کے مرقبین بھی اختلاف ہو بعض نے کہا کہ دار الناحیہ میں دفن ہوئے اور بعض نے کہا کہ فرع کے علاقہ میں مقام ابواء میں مدفون ہیں (الفتح) پھر آپ کی والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہب نے چند روز بعد انتقال فرمایا اس وقت آپ کی عمر مبارک چھ برس کی تھی (ابن کثیر رحمہ) بلکہ آٹھ برس کی تھی (السراج و ابوالسعود) بلکہ بہت اختلاف ہے کہ چار برس کی عمر تھی یا پانچ برس یا چھ یا سات یا آٹھ یا نو یا بارہ برس کی تھی اور ابواء یا حجون میں مدفون ہوئیں (الفتح) مستحکم کتاب ہے کہ راجح قول یہ ہے کہ چھ برس کی عمر تھی واللہ تعالیٰ اعلم۔ م۔ پھر آپ کے دادا عبد المطلب نہایت محبت سے پرورش کرتے رہے یہاں تک کہ جب آپ کی عمر شریف آٹھ برس کی تھی اُس وقت عبد المطلب نے اپنے فرزند ابوطالب کو آپ کے بارہ میں وصیت کر کے انتقال کیا ابوطالب ہمیشہ آپ کی نصرت و حمایت کرتے اور مرتبہ بلند رکھتے یہاں تک کہ چالیس برس کی عمر میں آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کی وحی بھیجی تو بعد اسکے ابوطالب آپ کی طرف سے حمایت کر کے قوم قریش کی بدی کو دور و دفع کرے

تو اسکی رضامندی یہ نہیں ہوتی کہ اسکی درخواست رد کر دی جاوے بلکہ اسکی رضامندی یہی ہو کہ دعا قبول ہو پس ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی یہ ہو کہ آپ کے امتی مومنین و مومنات بخشے جاوین اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وعدہ دیا کہ جس سے توراہنی ہو وہ ہم سمجھے عطا فرما دیں گے تو معلوم ہو گیا کہ آپ کے گنہگار امتیوں کے واسطے شفاعت آپ کو عطا ہوئی ہو مگر حکم کتاب ہو کہ شفاعت اسلئے نکالی کہ وہاں شفاعت سے یہ درخواست پوری ہوگی اسلئے قیامت تک مومنین و مومنات اس وقت موجود نہ تھی تو انکے گناہ بھی موجود نہ تھے لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم کے واسطے یہ ثبوت ہوا کہ وہ سب بخشے ہوئے ہیں اور اگر یہ قیامت تک امت کے واسطے ہو تو مومنین و مومنات صرف اہل الحق ہوئے اور باقی اسلامی فرقوں کے واسطے مومنین و مومنات میں کوتاہی ہو اسلئے کہ جمیع یحقی فرقوں میں ایمان ہی کی راہ سے کجی ہے اسلئے علماء حق نے تاکید فرمائی کہ بدعت سے احتراز لازم ہو اور اللہ و رسول کے ساتھ محبت فرض ہو اور جو بات شرع میں نہ ہو اس سے پرہیز کرنے میں کچھ خطرہ نہیں ہو اور مگر حکم کتاب ہو کہ اس مقام پر دلیل دیگر یہ ہو کہ جس طریقے پر صحابہ رضی اللہ عنہم تھے وہ متواتر امت تابعین کو پہنچا تو ضرور اس طریقہ مومنین و مومنات کی صفت ہو تو قیامت کے روز انکی مغفرت رضائے الہی و رضائے رسول اللہ ہو اگر عبتی کہے کہ تابعین کو متواتر پہنچا پس خارجی یا رافضی مثلاً اپنے آپ کو حق پر سمجھے تو جواب یہ ہو کہ وہ طریقہ قطعاً متواتر پہنچا ہو اور انکار کچھ مفید نہ ہوگا کیونکہ متواتر کے بعد انکار کی مجال نہیں ہوتی ہو کیا یہ نہیں دیکھتے ہو کہ اگر وہ طریقہ متواتر نہ پہنچا ہوتا تو لازم آوے کہ دین حق منقطع ہو گیا اور یہ باطل ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس امر کو محبت قرار دینے کے لیے احکام ضروری کو قرآن مجید میں مفصل نہیں بیان کیا مثلاً نمازوں کی رکعات وغیرہ قرآن میں مذکور نہیں ہیں بلکہ متواتر ہم کو معلوم ہوئیں تو متواتر ہو نا ضروری ہو فافہم واللہ الحمد واللہ بس اس اول دلیل مذکور سے معلوم ہوا کہ آیت میں شفاعت کا عطیہ تو ضروری ہو دلیل دوم یہ ہو کہ اوپر کی آیات اسی کے مناسب ہیں کہ یہاں عطیہ سے شفاعت ضرور مراد ہو گویا اللہ تعالیٰ نے تقسیم فرمایا کہ اوجیب رسول میں تجھے نہ منروک کرو گناہ معیوض رکھو گناہ بلکہ تیری خوشی کے واسطے تیری اولاد و اصحاب و اتباع میں سے کسی پر غصہ نہ کرو گناہ دلیل سوم یہ کہ احادیث بے شمار و بارہ شفاعت کے صریح دلالت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی یہ ہو کہ گنہگار ان امت سے اللہ تعالیٰ عفو فرماوے اور یہ آیت دلالت کرتی ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خوشی پوری فرما دیگا تو دونوں آیتوں کو ملا کر معلوم ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت فرما دیئے وہ قبول ہوگی۔ اسی سے امام باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ واللہ یہ شفاعت اگر جسکی اجازت آنحضرت صلعم کو لا الہ الا اللہ کہنے والوں کے حق میں عطا ہوگی رازیؒ نے کہا کہ یہ سب کلام اس صورت میں تھا کہ عطیہ مرضیہ آخرت میں ہوا اور اگر احوال دنیا پر محمول کریں تو اسکا ظہور یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بدر کے اول جہاد میں تسلیل صیابہ و بے سامان کے ساتھ بکثرت با سامان و دشمنان قریش پر ایسے طریقے سے فتح دی کہ اس کے معجزہ ہونے میں شک نہ تھا اور برابر آپ کا جھنڈا بلند ہوتا رہا یہاں تک کہ آپ پر کہ فتح کیا اور عرب کے لوگ فوج بفرج دین حق میں داخل ہوئے اور بعد آپ کے نبوت کی خلافت میں آپ کے خلفاء و اصحاب پر مجوس و نصاریٰ کی سلطنتیں فتح کیں اور آپ کے نام کا رعب مشرق سے مغرب میں پہنچا۔ واضح ہو کہ اولیٰ یہ ہو کہ آیت قدسی میں دنیا و آخرت دونوں جہان کی نعمت مراد ہے تنسیب لہ ازیؒ نے لکھا کہ اگر یہ پوچھا جاوے کہ لسوف یعطیک۔ میں فقط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہو اور اگر یہ یعطیکم

مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے رب کی طرف سے آنے والا آیا یہ پیغام لایا کہ میں اپنی نصف امت کا جنت میں داخل کیا جانا اختیار کروں یا شفاعت قبول ہونا اختیار کروں پس میں نے شفاعت اختیار کی پس میری شفاعت ہر ایسے بندہ مسلمان کو پہنچنے والی ہو جو ایسی حالت میں مرا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شکر نہین کرتا تھا (السراج) مترجم کہتا ہو کہ شفاعت میں گنہگار بھی داخل ہیں پس جو لوگ صاحبین ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بچنے جاوینگے لیکن وہ بھی آپ کی شفاعت کے امیدوار ہیں تاکہ اسکے مراتب بلند ہوں اور گنہگار اُمتی آپ کی شفاعت سے عذاب سے نجات پاوینگے اور یہ نہایت امید کا مقام ہو واللہ الحمد والمنة علی رسولہ وجیبہ وآلہ وصحبہ الصلوٰۃ والسلام مترجم کہتا ہو کہ ہم لوگوں کو لازم ہو کہ ہمیشہ اپنے رب عزوجل سے دعا مانگیں کہ دین توحید پر بدو کسی شرک کے ہمارا خاتمہ بخیر ہو تاکہ شفاعت نصیب ہوا ماہم رازیؒ نے لکھا کہ اگر یہ پوچھا جاوے کہ اس آیت کو اوپر کی آیت سے کیا ربط ہے یعنی اوپر بقسم یہ بیان ہو کہ مشرکوں کے لئے جنت میں خاک ہو مگر تیرے رب نے تجھے نہ چھوڑا اور نہ تجھے ناخوش ہوا بلکہ دنیا میں جس شان محبوبیت سے تو سر فراز ہو وہ آخرت میں سب پر ظاہر ہوگی اور آخرت تیرے لیے دنیا سے بہتر ہے پھر فرمایا کہ غفریب تیرا رب تجھے عطیہ فرما دے گا کہ تو راضی ہو جائیگا (جواب) یہ کہ سابق سے اسکا ربط دو طرح ہو (اول) یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ آخرت تیرے لیے دنیا سے بہتر ہے تو یہ معلوم نہ ہوا کہ تفاوت کہاں تک ہوگا پس اس آیت سے بیان کیا کہ وہ سجدہ ہے حتیٰ کہ جو کچھ رسول حبیب علیہ السلام چاہیگا اور جس سے اسکی رضا مندی ہوگی وہ سب عطا ہوگی (وجہ دوم) یہ کہ جب یہ فرمایا کہ آخرت تیرے لیے بہتر ہے تو اوہام ہر طرف دوڑے کہ بہتری کیونکر ہوگی یعنی مثلاً جنت میں داخل فرمانے سے بھی بہتری ہو سکتی ہو تو پہلے یہ فرمایا کہ بہتری کی دلیل یہ ہو کہ جو کچھ رسول حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام چاہے وہ عطا ہوگا تو یہ دنیا سے قطعاً بہتر ہے کیونکہ دنیا میں یہ گنجائش ہی نہیں ہو دوم یہ کہ چاہئے میں بھی حبیب الرحمن علیہ السلام کی رضا مندی ملحوظ ہوگی تو سجدہ بہتری ہو جسکا قیاس نہیں ہو سکتا ہو رازیؒ نے بعد اسکے کہا کہ اس عطیہ کو آخرت پر محمول کریں یا دنیا پر محمول کریں مترجم کہتا ہو کہ امام رحمہ کو یوں کہنا چاہیے تھا کہ آخرت پر ضرور محمول ہو اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دنیا میں نہ ہو کیونکہ آیت میں یہ مذکور ہو کہ غفریب اللہ تعالیٰ تجھے عطا فرمانے والا ہو کہ تو راضی ہو جائیگا۔ یہ عطیہ اسطرح ہو کہ دنیا سے شروع ہوا اور آخرت میں قیامت میں ختم ہو رازیؒ نے کہا کہ آخرت میں یا تو تعظیم و تکریم سے ہو یا منافع سے ہو مترجم کہتا ہے بلکہ دونوں طرح ہوگا۔ پس منافع مانند ہزار قصور و ابر و کثر وغیرہ ہیں اور تعظیم بقبول شفاعت ہو۔ اور روایت ہے کہ جب یہ آیت اُتری تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب تو میں اُسوقت تک راضی نہ ہوگا جب تک میری امت میں سے ایک بھی جہنم میں ہو مترجم کہتا ہو کہ اس روایت کے معنی انشاء اللہ تعالیٰ صحیح ہیں رازیؒ نے کہا کہ یہ بات جاننا ضرور ہے کہ یہاں شفاعت کے معنی ضرور متعین ہیں جسپر چند دلائل ہیں دلیل اول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا بقولہ تعالیٰ واستغفر لذنوبک وللمؤمنین والمؤمنات۔ یعنی مومنین و مومنات کے لیے مغفرت مانگنے کا حکم دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مغفرت مانگی کہ الہی میری امت کے مومنین و مومنات کو بخش دے اس سے ظاہر ہے کہ آپ نے رب ارحم الراحمین سے اپنی امت کے واسطے مغفرت مانگی۔ اور جو کوئی کسی چیز کو مانگتا ہے

یعنی اللہ تعالیٰ نے ہمارے واسطے فرمایا کہ عنقریب تجھے تیرا رب عطا فرمادے گا کہ تو راضی ہو جاوے گا کہ تیرا رب کون ہے اس سے
 آل رسول و اہلبیت رضی اللہ عنہم کی شان قدس معلوم ہو گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عطیہ مرضیہ میں اپنے
 اہلبیت کو ملا لیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ دنیاوی سلطنت اہلبیت کے واسطے نہیں تھی اسلئے کہ خلافت نبوت فقط تیس برس مخصوص
 فرمائی تھی تو بعد اسکے خلافت سلطنت تھی اور یہی نکتہ تھا کہ جب ابو مسلم مروزی نے آخری زمانہ بنی امیہ میں اہلبیت کے لیے دعوت
 کی اور خراسان سے فتح کرتا ہوا عراق میں پہونچا تو امراء خراسان نے خطوط بنام ائمہ اہلبیت لکھے چنانچہ خط بنام امام جعفر بن
 امام باقر محمد بن امام زین العابدین علی بن امام حسین تھا اور قاصد سے کہا کہ اگر امام جعفر جاری بیعت قبول کریں تو وہ ہمارے
 خلیفہ ہیں اور اگر وہ قبول نہ کریں یہ دوسرا خط جا کر عبد اللہ بن حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو دینا اگر وہ بھی قبول نہ کریں تو یہ تیسرا خط
 عمر بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہ کو دینا۔ امام جعفر رضی اللہ عنہ نے قاصد سے خط لیا اور بدوین پڑھے اُس خط کو جس طرح سے جلا دیا قاصد
 عبد اللہ کو دوسرا خط دیا انھوں نے جا کر امام جعفر سے بطور مفاخرت بیان کیا کہ امراء خراسان نے تجھے خلافت کے واسطے
 طلب کیا ہے۔ امام جعفر نے فرمایا کہ تم سے پہلے میرے پاس بھی خط لایا تھا میں نے اسکو آگ میں جلا دیا اور جہاد تم اس فتنہ میں پڑ
 یا رکھو کہ خلافت سلطنت ہیکو نہیں ملے گی۔ یہ قصہ معتمد توارنج مانند طبری وغیرہ میں مذکور ہے چنانچہ قاصد کے واپس آنے سے پہلے
 امراء خراسان نے سفاح عباسی سے بیعت کر لی۔ اور واضح ہو کہ خلافت نبوت کو اس سے کچھ علاقہ نہیں ہوا اسکی میعاد صرف
 تیس برس تک تھی اور وہ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی و حسن بن علی رضی اللہ عنہم پر ختم ہوئی اور چھ مہینے باقی رہے تھے انھیں
 امیر المومنین حسن بن علی رضی اللہ عنہم نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی پس معاویہ رضی اللہ عنہ سے سلطنت کا زمانہ شروع ہوا تاہم
 جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز حضرت سیدۃ النساء فاطمہؑ اپنی صاحبزادی کے بیان گئے
 آپ نے دیکھا کہ تحت جگر اسوقت چکی بیٹھی ہیں اور اونٹ کی کھال اوڑھے ہیں جب یہ حال ملاحظہ فرمایا تو کہا کہ اے فاطمہ بیٹی کی تلخی کو نعمت
 آخرت کے واسطے برداشت کر لے پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ ولسوف یعطیک ربک قرصی زرواہ العسکری و ابن مردودہ و ابن
 النجار اگر کوئی کہے کہ یہ معاملہ تو مدینہ میں ہوا اور آیت اس سے پہلے کے میں نازل ہو چکی تھی (جواب) یہ کہ ان اوپر نزول دوبارہ ہی
 اور مطلب یہ ہے کہ جب آپ نے حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کو نعمت آخرت کے لیے دنیاوی مشقت کی نصیحت کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت
 نازل کر کے یاد دلایا کہ بیشک میں تجھے ایسی نعمتیں دوں گا کہ تو راضی ہو جاوے یعنی تیری صاحبزادی کو بھی ایسی سرفرازی
 بخشوں گا کہ تو راضی ہووے۔ خطبہ میں لکھا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ
 نے فرمایا کہ ہر ایک پیغمبر کے واسطے دعاے مقبول ہے اور ہر پیغمبر نے اپنی دعا فی الحال مانگ لی و لیکن میں نے اپنی دعا کو اپنی
 امت کی شفاعت کے لیے قیامت میں رکھ چھوڑا ہے جس کسی نے اس امت میں سے ایسی حالت میں موت پائی کہ اُسے اللہ تعالیٰ
 کے ساتھ شریک نہیں کیا تو میری شفاعت بالفرض اسکو پہونچنے والی ہو مترجم کہتا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور میرے نزدیک
 اس حدیث کے معنی یہ نہیں ہیں کہ میں قیامت میں یہ دعا کروں گا بلکہ یہ معنی ہیں کہ ہر پیغمبر نے اپنی دعا مانگ لی اور میں نے اپنی
 دعاے مستجاب میں اپنی امت کے واسطے شفاعت مانگی ہے یعنی میری شفاعت میری امت کے حق میں قبول ہو اور یہ
 دعا قبول ہوئی تو ضرور میری شفاعت ہر ایسے مسلمان کو حاصل ہوگی جسے توحید پر وفات پائی ہو۔ م۔ عوف بن مالک

راضی ہونگے کہ ایک امت میں سے کوئی جہنم میں ہو۔ اور ظاہر ہے کہ جب اپنی امت کے حق میں اس قدر مہربانی ہو تو ظاہر ہے کہ آپ راضی نہ ہونگے کہ آپ کے اہلبیت میں سے کوئی جہنم میں رہے مترجم کہتا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول دو طرح سے مستقیم ہو (اول) یہ کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ضروریہ بات اپنی طرف سے نہیں بیان کی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ علم حاصل ہوا ہو (دوم) یہ کہ اسکی دلیل حدیث سے موجود ہے جہاں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید سے ابراہیم علیہ السلام کا قول تلاوت کیا۔ فمن تبعني فانه مني الآية۔ یعنی ابراہیم نے جناب باری تعالیٰ میں دعا کی کہ ائین سے جسے میری تابعداری کی وہ مجھے ہو اور جسے میری نافرمانی کی تو تیری شان غفور رحیم ہو۔ حد۔ اور علی رضی اللہ عنہ کا قول تلاوت کیا۔ ان تعذبهم فانهم عبادك الآية۔ یعنی اور رب اگر تو ان پر عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انکو بخش دے تو بیشک تو ہی غفور رحیم ہے۔ حد۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے لیے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور رورور کر مین کیا اللھم امی امی۔ اکی میری امت اکی میری امت۔ پس اللہ تعالیٰ نے جبریل عا کو حکم دیا کہ ای جبریل تو جا کر محمد سے کہہ دے کہ ہم تجھے قبری امت کے معاملہ میں راضی کریں گے ناخوش نہیں کریں گے (صحیح مسلم) اور ابو نعیم نے حلیہ میں حرب بن شریح سے روایت کی کہ میں نے ابو جعفر باقر محمد بن علی بن الحسن رضی اللہ عنہم سے عرض کیا کہ یہ شفاعت جسکو اہل عراق بیان کرتے ہیں دینیے محمد صلعم قیامت میں اپنی امت کے گنہگاروں کی شفاعت کریں گے کیا یہ حق ہے۔ اور امام باقر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ حق ہے مجھے محمد بن ابی نے اپنے باپ حضرت علی رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنی امت کے واسطے برابر شفاعت کروں گا دینیے شفاعت سے انکو چھوڑنا جاؤ (بخاری) یہاں تک کہ میرا رب غرض مل مجھے آواز دے گا کہ ای محمد اب تو راضی ہوا میں عرض کروں گا کہ ہاں ای میرے رب میں راضی ہوا پھر امام باقر رضی اللہ عنہما نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم اہل عراق کہتے ہو کہ قرآن مجید میں سب سے بڑھکر امید کی آیت یہ ہے۔ قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسهم لا تقنطوا من رحمة اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً کہ ای میرے بندوں جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہونو بیشک اللہ تعالیٰ گناہوں کو سب کو بخشتا ہے۔ حد۔ میں نے عرض کیا کہ یا حضرت یہاں ہم لوگ تو یہ بات کہتے ہیں کہ یہی آیت سب سے بڑھکر امید کی آیت ہے امام باقر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ و لیکن ہم لوگ اہلبیت رضی اللہ عنہم یہ کہتے آتے ہیں کہ قرآن مجید میں سب سے بڑھکر امید کی آیت یہ ہے۔ و لسوف یعطیک ربک فصرنی۔ اور یہ شفاعت ہے اور وہ ابن المنذر و ابن مردودہ مترجم کہتا ہے کہ امام باقر رضی اللہ عنہما نے اعلیٰ معرفت سے آگاہ فرمایا اس لیے کہ گنہگاروں کو بخشش سے مایوس نہیں فرمایا لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے اور سبب نزول کے اعتبار سے جو مشرکین بوجہ کثرت گناہوں کے مایوس تھے انکو آگاہ کیا کہ اللہ تعالیٰ سب گناہ بخشتا ہے اور قولہ لسوف یعطیک الآية میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے نجات ہو اور یہ نہایت امید کا مقام ہے اللہ تعالیٰ ہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے سرفراز فرماوے آمین یا ارحم الراحمین امین کثیر نے لکھا کہ حسن بصری نے بھی کہا کہ اس عطیہ مرضیہ سے مراد شفاعت ہے اور یہی امام باقر رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنی کتاب سند میں کہا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم لوگ اہلبیت ہیں ہمارے واسطے اللہ تعالیٰ نے دنیا پر آخرت کو اختیار فرمایا ہے و لسوف یعطیک ربک فصرنی الآية (ابن کثیر)

ہر ایک قصہ میں وہاں کی آرائش کے ضروریات مانند ازواج و خادموں کے موجود ہیں۔ اس حدیث کو ابن جریر نے روایت کیا اور ابن جریر سے ابن ابی حاتم نے روایت کیا اور یہ اسناد صحیح ہے اور ابن عباسؓ نے اسکو ضرور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پایا ہو کیونکہ یہ بات قیاس سے نہیں کہی جاسکتی ہے۔ سدیؒ نے روایت کی کہ ابن عباسؓ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی میں سے یہ بات بھی ہو کہ آپ کے اہلبیت میں سے کوئی جہنم میں داخل نہوارواہ ابن جریر وابن ابی حاتم تفسیر ابن کثیر اور ابن عباسؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی میں سے یہ بھی ہو کہ آپ کی سب امت داخل جنت ہو۔

خطیب بغدادیؒ نے تخیص میں دوسری اسناد کے ساتھ روایت کیا کہ ابن عباسؓ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم راضی نہ ہوئے جب تک کہ آپ کی امت میں سے کوئی بھی جہنم میں ہو مگر ہم کہتا ہوں کہ آنحضرت صلعم کی صفت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

خَرِيفٌ عَلَيْكُمْ يَا مُؤْمِنِينَ رُؤُفٌ حَنِيمٌ۔ اس سے ظاہر ہو کہ آپ اس امت کے لوگوں کے حق میں بہت حرص سے چاہتے تھے کہ ایمان لادیں۔ اور اپنے چچا ابوطالب کے حق میں فرمایا کہ اے چچا تم زبان سے ایک بار لا الہ الا اللہ کا اقرار کرو میں تمہارے واسطے جناب باری تعالیٰ میں اس کلمہ سے حجت لاؤں۔ اور آپ کی امت میں قیامت تک لوگ داخل ہیں ولیکن اس امت میں جنہوں نے کفر کیا وہ جہنمی خوار ہیں اور جنہوں نے اقرار کیا وہ آپ کی تبعیت میں سر فرار ہیں پھر اقرار کرنے والے بھی بکثرت فرتے ہیں جیسے خارج و روافض وغیرہ اور سوائے ایک سواد اعظم کے باقی فرقوں نے اپنے اعتقادات میں خسرابی پیدا کر لی ہے

ولیکن اہل البیت سواد اعظم کے نزدیک جگہ صریح کفر و شرک نہ تو ہے تا کہ وہ اسلام سے خارج نہ ہوں گے اور کفر و شرک کی مثال یہ ہے کہ جیسے فرقہ نصیریؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا مانا تو یہ کفر ہے اور جس کسی نے اسکو بتظر رضامندی دیکھا جیسے شاہ نے کہا ہے کیونکہ کہ نہ قوم نصیری خدا علیؑ تو یہ پسند کرنے والا بھی کافر ہوا۔ اور جیسے بعض روافض نے کہا کہ رسالت پہلے حضرت علیؑ کے واسطے آئی تھی جب بریلؑ نے بھول کر دھوکے میں محمد صلعم کو پہنچائی تو پھر اسی پر قرار ہو گیا یہ کفر ہے اور ماسوائے ایسے لوگوں کے کافر نہیں کہے جاتے ہیں اگرچہ خوارج و روافض کی بہت سی شاخیں نہایت خراب حالت میں ہیں ولیکن جب تک کلمہ توحید و ضروری اسلام سے منکر نہ ہوں کفر نہ ہوگا اور آخر میں جنت کی امید ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی عام امت اسلامیہ کے حق میں شفاعت سے جنت میں لے جانے کی توجہ مرحمت سے تو آپ کی اولاد یعنی جوئی صحیح النسب ہیں انکو زیادہ امید ہے اگرچہ ان میں سے بعض نے دھوکا کھا کر رفض اختیار کیا ہو کیونکہ جس فرقے کے گراہی اختیار کی وہ اسکے اعتقاد کی غلط فہمی ہے اگرچہ کفر و شرک ہو کیونکہ مشرک نے بھی اپنے اعتقاد میں شرک ہی کو صحیح جانا ولیکن مشرک و کافر میں اور اسلامی بدعتی میں بڑا فرق ہے اسلئے کہ مشرک نے اللہ تعالیٰ ہی سے منہ موڑا تو اسکا داعی رخ اوندھا جہنم کی جانب ہے وہ کبھی سیدھا نہیں ہو سکتا ہی برخلاف بدعتی کے کہ وہ فقط ٹیڑھا ہو گیا ہو ولیکن زیادہ تر خطرہ یہ ہے کہ وہ اس کجی سے بدکاریاں کماتے کماتے اوندھا نہ ہو جاوے یعنی مثلاً خارجی ہمیشہ حضرات اہلبیت رضی اللہ عنہم کی جناب میں بدگوئی کرتا ہو تو ایسا نہ کہ اعتقاد حق سے محروم ہو جاوے تو ذی اللہ منہ بالکل حضرت ابن عباسؓ کی دونوں روایتوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وعدہ دیا کہ اللہ تعالیٰ تیرا رب تجھے وہ نعمت و کرامت عطا فرمادے گا کہ تو رضی ہو جاوے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جبرئیل علیہ السلام کی طرف زیادہ اشتیاق تھا تو اللہ تعالیٰ نے جبرئیلؑ کو خطاب کرنے والا قرار دیا مستحکم
 کہتا ہے کہ اگر ایسا ہو تو والضحیٰ دلیل کی قسم میں تکلف ہوگا اور اگر اللہ کی طرف سے خطاب ہو تو یہاں یہ نہیں فرمایا کہ تم مجھے
 عطا کرینگے بلکہ کہا کہ تیرا رب (یعنی ہم) الخ اور فائدہ یہ کہ ہم تیری پرورش کرنے والے مہربان ہیں خلاصہ یہ کہ (ربک) کہنے
 میں تربیت و عنایت کا بھی اشارہ ہے سوال قولہ ولسوف بین لام زائد ہے (سوف ہر تو اس لام کے کیا معنی ہیں (جواب)
 زخمشریٰ نے کشاف میں کہا کہ یہ (لام قسم نہیں ہے بلکہ) لام ابتدائیہ ہے جو مضمون جملہ کی تاکید کے واسطے آیا اور مبتدا محذوف
 ہے یعنی لانت سوف یعطیک ربک الخ۔ دلیل یہ کہ یہاں اس لام میں دو احتمال ہیں لام قسم ہو یا لام ابتدائیہ ہو ولیکن لام
 قسم جب مضارع پر آوے تو نون تاکید لانا ضروری ہے یعنی ضرور تھا کہ (لےعطینک) ہو ولیکن یہاں بدون نون تاکید سے
 پس لام قسم نہیں ہو سکتا تو باقی رہا یہ کہ لام ابتدا ہو۔ اب رہا یہ کہ لام ابتدا جب داخل ہوتا ہے تو مبتدا و خبر پر داخل ہوتا ہے اسلئے
 ہم نے کہا کہ یہاں مبتدا محذوف کیا گیا ہے (یعطیک) اصل میں (لانت یعطیک) تھا۔ یعنی تیری شان یہ ہے کہ بیشک تجھے تیرا
 رب عطا فرمادے گا ایسا عطیہ کہ تو راضی ہو جائیگا۔ اگر کہا جاوے کہ حرف تاکید کے ساتھ (سوف) تاخیر بھی ہے کیونکہ (سوف) کے
 معنی یہ ہوتے ہیں کہ عنقریب آئندہ ایسا ہوگا (جواب) یہ کہ اس میں کچھ تردد نہیں ہے اسلئے کہ تاکید سے فقط یہ معنی ہیں کہ ایسا
 عطیہ بالضرور عطا ہوگا۔ خواہ بالفعل عطا ہو یا کسی مصلحت سے اُس میں تاخیر ہو (کیر و سراج وغیرہ) مترجم کہتا ہے کہ زخمشریٰ نے
 اسکو لام ابتدا قرار دیا اور اسم مبتدا محذوف مانا اور اسی کو رازی و بیضاوی نے اختیار کیا اور لام قسم نہیں لیا کیونکہ ایک
 حرف تاکید نہیں ہے پھر بھی کہا ہوتا کہ حرف تاکید (نون) محذوف ہے کیونکہ اسم کی جگہ حرف کا حذف آسان ہے (جواب) یہ کہ مبتدا
 محذوف ہونا معروف ہے اور نون تاکید نہیں حذف ہوتا ہے ولیکن شیخ ابو علی الفارسی رح نے کہا کہ یہ لام وہ نہیں ہے
 جو خبر کی تاکید کرتی ہے جیسے ان زید القائم میں ہے بلکہ یہ لام وہ ہے جو مثل لا قومین۔ میں ہے یعنی لام قسم ہے ولیکن اسکے ساتھ میں نون
 تاکید آتا ہے پس یہاں (سوف) بجائے نون تاکید کے آگیا ہے یعنی اسکا قائم مقام ہو گیا اور یہی سوف میں فائدہ ہے (پہاں
 تفسیر شیخ ابن کثیر نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے عطیہ آخرت کا وعدہ دیا) کہ ہم آخرت میں تجھے ایسا عطیہ بخشینگے
 کہ تو اپنی امت کے بارہ میں راضی ہو جائیگا اور ہم نے تیرے واسطے آخرت میں وہ نعمت و کرامت بے قیاس رکھی ہے کہ اُسکا
 اندازہ نہیں ہو سکتا ہے مترجم کہتا ہے کہ اسی نعمت میں سے درجۃ الوسیلہ ہے کہ اُس سے بڑھکر کوئی مرتبہ عالیہ نہیں ہے اور وہ
 ایک ہی بندہ خاص کے لیے مختص ہوگا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں (اصح
 م۔ اور اسی نعمت میں سے نہ کوثر ہے جسکے کنارے ایک دانہ موتی کے قیم ہیں اور کوثر کی تمشک افروز چنانچہ اسکا بیان انشاء اللہ
 تعالیٰ مفصل آویگا مترجم کہتا ہے کہ اسی نہر سے عرصہ قیامت میں حوض کوثر بھرے گا اور اسی حوض سے دوسرے پیغمبروں کے
 حوض میں جاتا ہے م۔ امام ابو زاعی نے مسند کیا کہ ابن عباس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضور میں پیش
 کیا گیا جو آئندہ آپ کی امت پر فتح کیا جائیگا حتیٰ کہ آپ نے ہر ایک فتوح کے خزانہ بخزانہ دیکھے پس آپ کو اس سے خوشی
 ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ ولسوف یعطیک ربک قرضی۔ یعنی (اس دنیاوی متاع پر نظر نہ فرمائیے) آپ کا رب عزوجل
 آپ کو آخرت میں ایسی نعمت عطا فرمادے گا کہ آپ راضی و خوش ہو جائیگے۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو جنت میں ہزار قصر عطا فرمائے

اپنی امت کا یہ معاملہ دیکھا تو خوش ہوئے پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری یعنی آخرت اس سب سے بہتر ہے اور صلح ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ میں ہجرت سے پہلے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو خبر دی تھی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے واسطے کسری و قیصر کی سلطنتیں فتح فرماویگا بلکہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ وعد اللہ الذین آمنوا منکم الآیہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ایمان لانے والوں و نیک کام کرنے والوں کو وعدہ دیدیا کہ وہ تم کو روئے زمین پر خلیفہ فرماوے گا جسے تم سے پہلے والوں کو کیا تھا۔۔۔ یعنی جیسے بنی اسرائیل کو خلیفہ کیا اور فرعون وغیرہ کفار کو تباہ کیا اور بنی اسرائیل کے حق میں فرمایا۔ وجعلنا منہم ائمتہ یمددون بامرنا لما صبروا والآیہ۔ یعنی ہم نے بنی اسرائیل میں سے کچھ بندے امام و خلیفہ بنائے جو ہمارے حکم کے ساتھ رہنائی پر تھے اور ہم نے انکو امام و خلیفہ بنایا جبکہ انھوں نے صبر کیا اور ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔۔۔ بالجملہ اسطرح اس امت میں اللہ تعالیٰ نے صالحین کو خلیفہ بنانے کا وعدہ دیا اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کے واسطے صبر کیا۔ اور حدیث میں ہے کہ تم لوگ کسری و قیصر کے خزان کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خیرات کرو گے۔ اور فرمایا کہ ملک اسلام میں اسطرح عدل ہوگا کہ حیرہ سے عورت اونٹ پر سوار ہو کر خانہ کعبہ کا حج کر لگی اُسکو سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی چیز سے خوف نہ ہوگا۔ عدی بن حاتم طائی کہتے ہیں کہ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی تو میرے دل میں یہ دوسو سو آیا کہ پھر اُس زمانہ میں قبیلہ طی کے مشہور ڈاکوؤں کے گروہ کیا ہو جاوینگے۔ عدی بن حاتم نے کہا کہ اب دیکھو کہ جو کچھ حضرت صلعم نے فرمایا تھا اُسی طرح میں نے دیکھ لیا۔ بالجملہ احادیث اس بارہ میں متواتر ہیں اور واضح ہو کہ کوفہ وغیرہ کے متقدمین شیعہ بالاتفاق حضرت ابوبکر و عمر کو سب امت سے افضل جانتے تھے کیونکہ متواترات احادیث اُس زمانہ میں متابع تھیں پھر ان کے متاخرین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب پر فضیلت دینی شروع کی پھر ایک قوم پیدا ہوئی جس نے رفض اختیار کیا لغو بالہ خطیب نے معاملہ سے نقل کیا کہ بغویؒ نے مسند کیا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے مرفوع روایت کی کہ ہم ایک خاندان ہیں کہ ہمارے واسطے اللہ تعالیٰ نے آخرت کو دنیا پر چھانٹ لیا ہے خلاصہ تفسیر آیات واضحی و لیل اذاجی الخ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صغی و لیل کی قسم سے فرمایا کہ اے محمد تیرے رب نے تجھے نہیں چھوڑا اور نہ تجھے ناخوش رکھا اور قسم ہے کہ آخرت تیرے لیے دنیا سے بہتر ہے و لَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ۔ اور ضرور ہے (باقسم ہے) کہ تیرا رب عنقریب تجھے عطا فرماویگا تب تو راضی ہو جاوے گا اس آیت میں اول تحریر لام کلہ ہے۔ دوم تفسیر کہ عطیہ آخرت میں مراد ہے یا دنیا میں یا دونوں جہان میں بیان اول۔ رازیؒ نے لکھا کہ آیت میں فرمایا۔ و لَسَوْفَ يُعْطِيكَ۔ اور اگر (سبعطیک ربک) ہوتا تو بھی یہی معنی ہوتے کہ عنقریب تیرا رب تجھے عطا فرماویگا۔ پھر لَسَوْفَ يُعْطِيكَ ربک فرمانے میں کیا حکمت ہے (جواب) اسمین چند فوائد ہیں (۱) اسمین دلالت ہے کہ ابھی آپ آخرت میں نہیں آوینگے بلکہ آپ کے واسطے دنیاوی اجل کا زمانہ باقی ہے (۲) مشرکوں نے کہا تھا کہ ان محمد ادع ربہ دغلی و سوف یموت۔ تو اللہ تعالیٰ نے مشرکوں پر اسطرح رد کر دیا بقولہ ما ودعک ربک و اقلى۔ اور فرمایا لَسَوْفَ يُعْطِيكَ الخ مترجم کہتا ہے کہ اسکا فائدہ دیگر بھی آئندہ ظاہر ہوگا۔ م۔ اگر کہا جاوے کہ اللہ تعالیٰ نے جب یہ کلام فرمایا تو کیونکر کہا۔ (یعطیک ربک) جواب میں رازیؒ نے کہا کہ یہ سورہ ابتدا سے انتہا تک اللہ تعالیٰ نے بزبان حبش خطاب فرمایا ہے یعنی کلام اللہ تعالیٰ کا ہے اور فرمایا کہ جب ربیؑ نے رسول حبیب سے یوں کہا۔ بات یہ تھی رسول اللہ

روز فقراء صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا حضرت جو لوگ مالدار ہیں وہی عالی درجات لے گئے کیونکہ صوم و صلوة وہ ہماری طرح ادا کرتے ہیں ہمارے برابر ہیں اور اس سے بڑھ کر وہ زکوٰۃ و صدقات وغیرہ دیتے ہیں جو ہم کو میسر نہیں ہوتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو بتلایا کہ ہر نماز کے بعد سبحان اللہ اور الحمد للہ ایک تین تیس بار اور الحمد اکبر چونتیس مرتبہ پڑھ لیا کریں تو انکے برابر کوئی نہ ہو چکا مگر جو انکے مثل عمل کرے۔ جب مالداروں نے سنا تو انھوں نے بھی اسی پر عمل کرنا شروع کیا پھر فقراء صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا حضرت تو نگر دن نے بھی اس پر عمل کرنا شروع کیا تو آپ نے فرمایا کہ پھر یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہو جسکو چاہے عطا کرے (صحیح) اس سے معلوم ہوا کہ مالدار ی میں جسے زہد و تقویٰ اختیار کیا وہ زائد فقیر کے حکم میں ہے کیونکہ وہ مال سے منقطع ہو گیا ہو اور ایک حدیث میں ہے کہ میری امت کے فقراء نسبت تو نگر دن کے پانچ سو برس پہلے جنت میں داخل ہو جاویں گے (صحیح) اور شاید اسکے یہ معنی ہیں کہ وہ مالدار زاہد نہیں تھے واللہ تعالیٰ اعلم اور چونکہ مالدار ی کی حالت میں کترا لیا ہوتا ہو کہ آدمی زائد ہوا سیلے آپ نے یہ حکم عام دیا حتیٰ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی مثل عشرہ مبشرہ کے مالداروں کے کترا لیا ہو تو بعد اُنکے کیا امید ہو سیلے آپ نے یہ حکم عام دیا۔ اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ خوبی و بھلائی دنیا میں دو طرح سمجھی جاتی ہے ایک وہ جسکو اہل ایمان سمجھتے ہیں اور دوم وہ جسکو کفار سمجھتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ جو لوگ دنیا میں ایمان و طاعت کے ساتھ مالدار ہیں وہ سب کے نزدیک دونوں جہان میں اچھے رہے کیونکہ کافروں کے خیال کے موافق دنیا میں انکو مال و دولت حاصل ہو اور اہل حق کے نزدیک ایمان و طاعت سے وہ آخرت میں بھی اچھا ہو پھر اگر وہ دنیا میں مال کے ساتھ زائد ہو جاتے کہ صباح چیزیں بھی نہ لے اور نہ مال اپنے پاس سمجھے تو وہ آخرت میں اعلیٰ درجہ والوں میں ہو ورنہ اہل جنت میں ہر قسم دوم وہ کہ دنیا میں فقیر کافر ہو تو کفار کے نزدیک محتاجی سے برباد ہو اور اہل الحق کے نزدیک بے ایمانی سے خوار ہو تو وہ سب کے نزدیک خوار و برباد ہو قسم سوم جو ایما نذا صلح زہد قانع فقیر ہے تو وہ کافروں کے نزدیک خراب ہے کیونکہ فقیر ہو اور اہل الحق کے نزدیک وہ دنیا میں فقیر و آخرت میں شریف ہے (قسم چارم) بے ایمان مالدار دنیا میں عمدہ اور آخرت میں کافر فقیر سے اچھا ہے بشرطیکہ موذی نہ ہو لیکن یہ اچھائی صرف چند روزہ بے اعتبار ہو اور آخرت میں خوار ہو۔ بالکل اگر کسی کو تمام دنیا میسر آوے اور ہزار برس تک وہ عیش کرے تو سچ ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ جب وہ جہنم میں ایک جھونکا کھائیکا تو پھر دنیاوی تمام راحت کا نشان ٹٹ جاویگا حتیٰ کہ اگر اُس سے کہا جاویگا کہ تو نے کبھی آرام پایا تو وہ منکر ہوگا یعنی اُس سختی عذاب اسکو کسی طرح آرام کا اثر با نہ آویگا مترجم کہتا ہے کہ جیسے دنیا میں متوسط ملک میں جب گرمی و جاڑا آتا ہے تو جلہ میں سخت ہوتا ہے لیکن سخت گرمی میں اگر اُس سے کہا جاوے کہ وہ جلہ جارے کی کیا کیفیت یاد کرتا ہے تو اُس کے خیال میں بہت کم اسکی کیفیت یاد آتی ہے۔ بھلا یہ تو دنیا میں بغیر عذاب کی حالت ہے تو یاد کر کہ عذاب جہنم میں کیا کیفیت ہوگی لغو ذبا لہ من عذاب النار۔ اگر دنیا میں کوئی شخص آگ سے جل جاوے تو اُسکے دل پر سردی کی کیفیت یاد نہیں آتی ہے پھر بھلا جہنم کی آگ کو قیاس کر و لغو ذبا لہ من عذاب النار (م) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وہ معاملہ کھول دیا گیا جو آپ کے بعد آپ کی امت کو فتوحات سے عطا ہونے والا تھا (یعنی ایران و روم کی سلطنتیں و خزانے فتح کیے جاویں گے) پس اللہ تعالیٰ نے آپ کے واسطے نازل فرمایا کہ ولا خیر لک من الاولیٰ اس حدیث کو طبرانی نے معجم اوسط میں اور بیہقی نے دلائل النبوة میں روایت کیا ہے۔ اس روایت کے معنی یہ ہیں کہ جب آپ نے

ابن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہجرت کے قصد سے غار میں نزول کیا اور مشرکوں نے وہاں غارتگ مسلخ پایا تو حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کی ذات مبارک پر غم کیا کہ ایسا نہ ہو مشرکین غار میں نظر کر کے ہم کو دیکھ لیں اور اسے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچائیں تو آپ نے فرمایا۔ اذ یقول لصاحبه لا تحزن ان اللہ معنا۔ خاتم النبیین جب اپنے صحابی سے کہتا تھا کہ تو غم نہ کھا اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔۔۔ اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بصیغہ تشبیہ فرمایا اس لیے کہ آپ کے ساتھ بالاجماع حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ تھے اور انکا قطعی جنتی ہونا معلوم تھا اس لیے (معنا) انکو ملا کر فرمایا۔ روایت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ایک مرتبہ بنی اسرائیل کے ساتھ استسقا کے لیے نکلے اور آپ کے ساتھ ہزار ہا اسرائیلی تھے آپ تین روز تک متواتر باسرائیلے ولیکن قبولیت کا اثر ظاہر نہ ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری تعالیٰ میں مناجات کی تو ارشاد ہوا کہ کیونکر میں تمہاری دعا قبول کروں حالانکہ تمہارے ساتھ میں ایک شخص لگائی بھجائی کر نوالا چٹا خور ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے رب وہ کون شخص ہے تاکہ ہم لوگ اسکو اپنے درمیان سے خارج کریں۔ ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ میں نے چٹا خوری کو اسکو بیٹھوں رکھا ہے پھر میں خود کیونکر اسی کے مثل عمل کروں گا۔ پھر چند روز گزرے تو دعا کی قبولیت وعدہ دی گئی اور ارشاد ہوا کہ اب وہ تمہارا چٹا خور مر گیا اور اسکا جنازہ مصلیٰ میں پہنچا ہے (جہاں جنازوں پر نماز پڑھی جاتی ہے) حضرت موسیٰ علیہ السلام فوراً مصلیٰ کی طرف روانہ ہوئے تاکہ وہاں معلوم کر لیں کہ جسکا جنازہ ہے یہ کون شخص تھا وہاں جا کر دیکھا کہ شجر جنازے رکھے ہیں یعنی نہیں معلوم کہ ان میں چٹا خور کون تھا۔ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے کیونکر اپنے دشمنوں کا پردہ چھپایا (تفسیر کبیر) خطیب و خیرہ نے لکھا کہ قولہ وللآخرہ خیر لک۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے خطاب خاص اس لیے فرمایا کہ جس امت کی طرف آپ بھیجے گئے ہیں یعنی آپ کے وقت سے قیامت تک جو لوگ پیدا ہوں خواہ وہ اسلام لادیں یا نہ لادیں تو اس سب امت کے واسطے آخرت میں بہتری فرمادہ ہو انہیں یہ بقاعی نے کہا کہ لوگ سب چار قسم کے ہیں اول وہ کہ جنکے واسطے دونوں جہان میں بہتری ہو اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ دنیا میں ایمان کے ساتھ مطیع ہیں اور انکو تو نگری بھی حاصل ہے قسم دوم وہ لوگ جنکے واسطے دنیا و آخرت دونوں میں خرابی ہو اور یہ کفار و منافقین ہیں جو دنیا میں بھی فقیر و محتاج ہیں قسم سوم وہ ہیں جنکے واسطے دنیا میں بظاہر صورت بہتری ہو اور آخرت میں عذاب و خرابی ہو اور یہ لوگ کافر تو نگریں قسم چہارم وہ لوگ ہیں جنکے لیے دنیا میں بظاہر برائی ہو اور آخرت میں بہتری ہو اور وہ مومنین فقیر ہیں سچے مترجم کہتا ہے کہ بقاعی نے کوثر و خیر کے اعتبار سے تقسیم نہیں چاہی تھی اس لیے کہ دنیا میں خیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ایمان کامل عطا فرماوے اور توفیق طاعت کے ساتھ دنیا سے بے رغبت اس طرح رکھے کہ وہ دنیاوی چیزوں سے نہایت کم بقدر ضرورت نفع اٹھاوے اور تو نگری میں یہ صفت ہو کہ راہ الہی میں اس مال کو بکثرت اٹھاوے پس اگر سبہ صالح مطیع ہو کہ وہ بقدر کفاف روزی پر طاعت کرے تو وہ سب سے بہتر ہے بقاعی کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں بھی اسکو راحت ہو اس طرح کہ مال و دولت سے اسکو ہر چیز بدوین مشقت کے میسر آوے پس اگر ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ نے ایمان و طاعت عطا فرمائی ہو تو وہ دنیاوی خیال واسطے لوگوں کے نزدیک اچھا ہو اور آخرت میں بھی اچھا ہو۔ رہا یہ کہ آخرت کے سمجھنے والوں کے لحاظ سے زائد فلاح پر نیز گاراس سے اعلیٰ درجہ پر بشرطیکہ اسکی صفت مالداری میں ایسی نہ ہو کیونکہ حدیث میں ہے کہ ایک

قریش نے یہودی کے واسطے کے موافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا آپ نے فرمایا کہ کل کے روز جواب دوں گا اور ان شاء اللہ تعالیٰ نہیں کہا پس اللہ تعالیٰ نے ادب سکھلایا جتنا بچہ فرمایا۔ ولا تقولن لشيء اني فاعل الا بآية۔ یعنی کسی کام کے واسطے یہ نہیں کہتا کہ میں کل اسکو کروں گا مگر اسطرح کہ ان شاء اللہ۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو کل یہ کام کروں گا فائدہ کا یہ ثابت صریح دلیل ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کیونکہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوتا تو تاخیر کی کچھ وجہ نہ ہوتی (کیسے) اور خطیب نے تاخیر وحی کی دوسری وجہ یہ بیان کی کہ خولہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گیا کرتی تھی وہ فرماتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کتے کا پلا داخل کیا گیا وہ تخت کے نیچے گھس گیا اور وہاں گر گیا اور چند روز تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نہیں آئی یہاں تک کہ میں نے جھاڑو دیتے میں اُسکی پھینک دیا تب وحی نازل ہوئی اور جبریل علیہ السلام نے یہی عذر کیا کہ جس گھر میں کتا ہوتا ہو یا تصویر ہوتی ہے وہاں نہیں جاتے ہیں مترجم کہتا ہے کہ اگر یہ روایت صحیح الاسناد ہو تو شاید اسی قصہ کے مانند مدینہ میں بھی واقع ہوا تھا کیونکہ اُس روایت میں یہ تصریح ہے کہ وہ بلا حضرت امام حسن یا حسینؑ جو بچے تھے باہر سے لائے تھے فافهم (قوله تعالیٰ) وللآخرة خیر لک من الاولے اور آخرت تیرے لیے اولیٰ (دنیا) سے بہتر ہے یعنی خیرت میں سب سے اعلیٰ درجہ میں جسکا نام (الوسیلہ) ہو وہاں تیرے لیے جو کراست ہو وہ اس دنیا سے تیرے واسطے بہتر ہو امام رازیؒ وغیرہ نے کہا کہ جب دنیا میں وحی منقطع ہوگی یعنی تیری وفات ہوگی تو آخرت میں اس سے بڑھکر تیرے واسطے کراست ہو اور یہ بات کہ دنیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم رسالت کا مرتبہ حاصل تھا جس سے بڑھکر بیان کوئی مرتبہ کیسے واسطے نہیں ہے لیکن چونکہ دنیا تمام و کمال کہ ورت سے خالی نہیں ہو یا انکی زندگی بمقابلہ بے انتہا زمانہ آخرت کے گویا خواب و خیال ہو تو تمام دنیا بیچ ٹھہری ولیکن چونکہ اسی دنیاوی زندگی میں کمالات حاصل کر کے آخرت کے درجات حاصل ہوتے ہیں اس نظر سے یہ دنیا بھی فی الجملہ بہتر ہے (کس فس) مترجم کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ختم رسالت کا مرتبہ کچھ وسایا میں نہیں حاصل ہوا بلکہ وہ تو آپ کے واسطے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے حاصل تھا جیسا کہ صحیح حدیث میں روایت ہے فافهم رازیؒ نے لکھا کہ اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے (خیر لک) فرمایا یعنی خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خطاب ہو اور (خیر لکم) نہیں فرمایا جسکے معنی ہوتے کہ آخرت تم سب کے واسطے بہتر ہے تاکہ اسمین عموماً اسی بھی داخل ہو جائے (جواب) یہ ہے کہ آپ کی امت قیامت تک کے سب لوگ ہیں اور ان میں بہت لوگ ایسے ہیں جنکے واسطے آخرت میں بہتری نہیں ہے جیسے کفار منافقین ہوتے ہیں بلکہ آپ کے امتیوں میں بھی بعضے گنہگار ہیں پس اگر عموماً کل امت اسلامیہ مراد ہوتی تو اسمین خواص و افاض و معزله وغیرہ سب داخل ہو جائے اور گنہگار بھی شامل ہوتے حالانکہ آخرت میں یہ لوگ اپنے محاسبہ میں عذاب میں بڑھینگے اور اگر فقط بہترین گرامت صالحہ مراد ہو تو گنہگار فضیلت ہوتے اور فضیلت کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبیح ہے کیا نہیں دیکھتے ہو کہ موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کی جماعت کے ساتھ مصر سے جانب شام روانہ ہوئے اور بنو اسرائیل نے راہ بھول کر گرفتار ہو جانے سے خوف کیا تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ کلاً ان معی ربی سیدین۔ ہرگز نہیں میرے ساتھ میرا رب ہو وہ مجھے راہ دیگا۔ یعنی یہ نہیں کہا کہ ہم کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہے۔ کیونکہ بعضے منافقین وغیرہ تھے

کہ ظاہر میں اس سے یہ وہم ہوتا ہو کہ وحی کا رک جانے لگا تو میں روز تھا ولیکن عقل شاہد ہو کہ اتنی تاخیر مرد نہیں ہو کیونکہ وحی کا نزول ہر روز نہیں ہوتا تھا بلکہ اکثر اوقات دو تین روز سے زیادہ تاخیر ہوا کرتی تھی تو مطلب یہ ہو کہ وحی میں تاخیر ہوئی یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شدت شوق میں ایسے بے چین ہوئے کہ بیمار ہو گئے اور دو تین راتیں بسبب بیماری کے نماز ادا کرنے سے معذور ہوئے تب مشرکوں نے یہ کہنا شروع کیا خواہ بطور طعن ہو یا خوشی ہو واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور لوگوں میں معروف یہ کہ وحی چالیس روز نہیں آئی تھی ولیکن اسکے واسطے کوئی دلیل معتمد نہیں ہے واللہ تعالیٰ اعلم پھر یہ بات جان لینا ضرور ہو کہ اس سورہ مبارک کا سیاق خود دلالت کرتا ہو کہ مشرکوں نے یہ طعنہ دیا تھا کہ آپ کو آپ کے رقبے چھوڑ دیا اور ناخوش رکھا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ شروع سورہ میں بقولہ والضحیٰ دلیل الخ یعنی بقسم یہ ارشاد فرمایا کہ اے محمد تیرے رب عزوجل نے تجھے نہ چھوڑا اور نہ مبعوض رکھا پس ضرور ہے کہ یہ دشمنوں کا طعنہ دور کرنے کے طور پر ہو کیا نہیں دیکھتے ہو کہ بدون اسکے ایسے کلام سے بزرگی کا اظہار نہیں ہوتا ہو مثلاً سلطان کے نزدیک ایک امیر سب سے زیادہ مقرب و معظم ہو پھر اگر سلطان اس سے کہے کہ اے فلان میں تجھے مبعوض نہیں رکھتا ہوں تو اس کلام سے اسکے حق میں بزرگی و شرف کا اظہار ہوگا ولیکن اگر اسکے دشمنوں نے یہ مشہور کیا ہو کہ سلطان اسکو مبعوض رکھتا ہو پھر سلطان نے عام اعلان کے ساتھ کہا کہ میں تجھے ہرگز مبعوض نہیں رکھتا ہوں تو یہ بات اسکے واسطے بہت فضیلت ہو جسکو سمجھنا خوب سمجھنا ہو اور روایت ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ربیل علیہ السلام سے فرمایا کہ اے برادر آپ نہ آئے یہاں تک کہ میں بہت مشتاق ہو گیا جبریل علیہ السلام نے کہا کہ مجھے آپ سے ملاقات کا اشتیاق اس سے بھی زائد تھا ولیکن میں بندہ محکوم ہوں بے حکم کے ذرہ برابر جنبت نہیں کر سکتا اور نازل ہوا قولہ تعالیٰ ومانزل الا بامر ربک۔۔۔ یعنی ہم لوگ نہیں نازل ہوتے مگر تیرے رب کے حکم سے۔۔۔ پھر اکثر مفسرین جہم اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا کہ بات یہ ہوئی تھی کہ یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کو اور ذوالقرنین کے قصہ کو اور صحاب کف کے قصہ کو دریافت کیا تھا آپ نے فرمایا کہ کل کے روز بتلاؤ لگا اور یہ نہیں کہا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ کل بتلاؤ لگا۔ پس اللہ تعالیٰ نے وحی روک دی لکیرا اگر وہم ہو کہ یہود تو مدینہ میں تھے اور یہ سورہ مبارک بالاتفاق کے میں نازل ہوا ہو تو یہود نے کیونکر پوچھا جواب لازمی نے بات کو مختصر بیان کیا جس سے یہ وہم پیدا ہوا۔ اصل قصہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی رسالت پہنچائی اور دین توحید سے قوم قریش کو آگاہ کیا تو قریش جو اس قدر جاہل ہو گئے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول ہونا محال سمجھتے تھے ہرگز یقین نہ لائے اور کہنے لگے کہ خدا کو اگر رسول بھیجا ہوتا تو فرشتہ بھیجا جاتا اور ہم نے تو کبھی اپنے باپ دادوں سے یہ نہیں سنا کہ خدا رسول بھیجا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہود و صالح و لوط علیہم السلام سے پیغمبری کا متواتر ہونا آیات سے بیان فرمایا اور یہود و نصاریٰ جو کہ عرب سے بکثرت زیادہ تھے ان متواترات کے راوی تھے تو یہ حجت صحیح ہے کہ نبوت ہمیشہ سے جاری ہو جب قریش نے یہ دیکھا تو آپس میں کہا یہود مدینہ میں علم رکھتے ہیں ان سے دریافت کیا جاوے۔ یہود نے قریش سے کہا بھیجا کہ ہم تم کو چند باتیں بتلاتے ہیں جن سے بخوبی دریافت ہو سکتا ہو کہ یہ رسول اللہ ہیں یا نہیں ہیں (اول) یہ کہ تم ان سے روح کو دریافت کرو اگر جواب میں توجہ نہ کرے کہ حکیم ہیں اور پیغمبر نہیں ہیں اور قصہ صحاب کف و خیر و دریافت کرو کہ سوائے پیغمبر کے کوئی یہ حال نہیں جانتا ہے

مقدم رکھا گیا (۲۷) والضحیٰ سے امید دلائی تاکہ مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی نہ ہو اور دلیل ادا سمجھی۔ سے ہوشیار کیا کہ مکر سے بے خوف نہ ہو جاوین (تفسیر کبیر) مترجم کہتا ہے کہ یہ سب نجات بانظار ظاہر ہیں اور بیان حقائق اسرار ہر کلمہ کے نیچے اس قدر بے شمار ہیں کہ علماء ربانیہ کے افکار متحیر ہیں سوال ہے۔ والضحیٰ دلیل۔ کی تفسیر میں غریب تفسیر کیا ہے (جواب) بعض نے کہا کہ والضحیٰ چہرہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور دلیل آپ کے موئے مبارک ہیں یہ قول بعض نے بیان کیا اور یہ قول کچھ بعید نہیں ہے اور بعض نے کہا کہ والضحیٰ آپ کے اہلبیت میں سے مروین اور دلیل عورتیں ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے والضحیٰ رسالت ہے اور دلیل وحی رک جانیکا زمانہ ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ والضحیٰ اسکے علم کا نور ہے جس سے مخفی امور کا ظہور ہوتا ہے اور دلیل عقوائی ہے جس سے عیوب ستور ہوتے ہیں یعنی گنہگاروں کا عیب فاش نہیں ہوتا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ والضحیٰ زمانہ عروج اسلام ہے اور دلیل پھر رجوع و نزول ہو کر غریب ہو جانیکا زمانہ ہے جسکا ذکر حدیث میں ہے کہ اسلام غریب شروع ہوا اور غریب وہ وقت آویگا کہ غریب رہ جاوے یعنی خود کر کے غریب رہ جاوے گا تو غریبا کیواسطے مبارکباد ہے (صحیح مسلم) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ والضحیٰ کمال عقل کا وقت ہے اور دلیل وقت موت ہے (تفسیر کبیر) مترجم کہتا ہے کہ امام رازیؒ نے یہ اقوال صرف اپنی عقل کے زور سے بیان کیے ہیں اور سلف صالحین و علماء ربانیہ میں سے اقوال میں سے کوئی بھی بطور تفسیر کے ثبوت نہیں ہوا اس واسطے اکثر اہل علم نے جو اسرار شریعت سے واقف ہیں صریح کہا کہ امام رازیؒ کی تفسیر میں اکثر اقوال صرف اپنی رائے سے لکھے گئے ہیں حالانکہ صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین اس سے بہت ڈرتے تھے اور قرآن مجید کی تفسیر کرنے میں جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم حاصل کیا تھا اسکے سوا اپنی رائے سے نہیں کہتے تھے حتیٰ کہ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں کتاب الہی میں کچھ اپنی رائے سے کہوں تو کس آسمان کے نیچے اور کس زمین کے اوپر رہوں۔ اسی وجہ سے ان اقوال کو سراج میں خطیب نے اور دیگر اہل تفسیر نے نہیں لیا باوجودیکہ خطیب وغیرہ انھیں تفاسیر سے لیتے ہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔ پھر واضح ہو کہ سلف مفسرین سے یہ بات ثبوت ہو چکی کہ وحی چند روز رک جانے کے بعد اس سورہ مبارک کا نزول ہوا ہے رازیؒ نے کہا کہ پھر کتنے دن تک وحی رکی رہی تھی۔ اس میں علماء کے اقوال مختلف ہیں مترجم کہتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ راویوں نے مختلف روایتیں کیں حالانکہ ہر ایک روایت کرنے والے کی روایت اس قابل نہیں ہوتی کہ وہ ثابت ہوئیے جو راوی فقہ سلسلہ سے روایت کریں تو البتہ معتد ہے کہ سب سے اوپر جس بزرگ کا قول بیان کیا ہے البتہ انھوں نے یہ بات بیان کی ہوگی کیونکہ فقہ لوگ جھوٹ نہیں بولتے ہیں اور انکا حافظہ بھی تجربہ سے اچھا ثابت ہوا ہے اور اگر اس سلسلہ میں کوئی راوی پرہیزگار نہ ہو یا اسکا حافظہ خراب ہو تو اعتماد نہیں ہو سکتا اگرچہ روایت موجود ہو لہذا ہم نہیں کہہ سکتے کہ مثلاً تابعین کے اقوال مختلف ہیں مگر یہ کہہ سکتے ہیں کہ راویوں نے مختلف اقوال روایت کیے ہیں رازیؒ نے لکھا کہ ابن جریجؒ سے روایت ہے کہ وحی رک جانے کے ایام بارہ ہیں۔ کلی سے روایت کیا گیا کہ پندرہ ہیں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ پچیس ہیں۔ سدی و معاش سے مروی ہے کہ چالیس روز تک وحی نہیں آئی مترجم کہتا ہے کہ شیخ ابن کثیرؒ نے جو صحیح اسناد سے روایت ذکر کی اس میں یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو تین رات قیام نہیں کیا تو ایک عورت نے آپ سے کہا کہ میں دیکھتی ہوں کہ آپ کے شیطان نے آپ کو چھوڑ دیا تب یہ سورہ نازل ہو اہمیت مترجم کہتا ہے

فرمایا۔ اسی بنیاد پر رازی رحمہ کا یہ جواب منطبق ہو سکتا ہو فائدہ لے اے اعلم سوال ۵ وقت ضحیٰ کی کیا خصوصیت ہے (جواب) میں وجہ ہیں (۱) یہ وقت ایسا ہے کہ اس وقت رات بھر کی وحشت و تنہائی کے بعد لوگ باہم مجتمع ہوتے ہیں تو گویا اشارہ فرمایا کہ وحی رک جانے سے وحشت حاصل ہونے کے بعد اب نزول وحی کے ضحیٰ کا وقت ہے (۲) ضحیٰ ایسا وقت ہے کہ اسی وقت میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ ۴ سے کلام کیا اور اسی وقت میں وہ ساحر جو پہلے فرعون کے طرفدار بنکر اُٹھے تھے اللہ تعالیٰ کے واسطے سجدے میں گرے تو اُس وقت کے واسطے ایک گونہ فضیلت حاصل ہوئی کیونکہ یہ طرف تھا اور اس سے بھی افادہ ہوا کہ جس پاک عزوجل نے ضحیٰ کے وقت موسیٰ کا اکرام کیا تھا وہ تیرا اکرام مزید فرمادے گا اور جس نے ساحرون کو سجدہ کرنے کی توفیق دی وہی تیری قوم کے دلوں کو توحید کی جانب پھیرے گا مترجم کہتا ہے کہ فرعون کے ساتھ مقابلہ کا وقت بغیر اللہ تعالیٰ دان بھیشتر الناس ضحیٰ۔ یعنی لوگ اُس روز چاشت کے وقت مجتمع ہوں۔ ہذا یہ معلوم ہوا کہ مجمع چاشت کے وقت ہوا۔ اور شاید دو بہر تک ساحرون کا سحر مغلوب ہوا اور وہ ایمان لائے ہوں۔ لیکن یہ کسی دلیل سے مجھے معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور پر کلام بھی چاشت کے وقت ہوا تھا لیکن شیخ ابوالسعود نے کہا کہ بعض نے قتادہ و مقاتل و جعفر صادق رحمہ سے نقل کیا کہ قسم اس ضحیٰ کی جس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ ۴ سے کلام کیا اور قسم اس رات کی جس میں رسول اللہ صلعم کو معراج ہوئی ہو مترجم کہتا ہے کہ اس بیان سے معلوم ہوا کہ دن برات کو فضیلت ہے اور اوپر امام رازی رحمہ نے رات و دن کی تقدیم و تاخیر میں جو وجہ بیان کیے تھے اُنکو بیان ملانا چاہیے سوال ۶۔ قسم میں دن میں سے ایک ساعت و الضحیٰ۔ مذکور ہے اور رات پوری مذکور ہے اس میں کیا حکمت ہے (جواب) میں وجہ ہیں (۱) اشارہ ہے کہ دن کی ایک ساعت برابر ہے تمام رات کے جیسے محمد صلعم تمام انبیاء کے موازنہ میں ہیں (۲) دن وقت سرور و عیش ہے اور رات وقت وحشت و غم اکثر اوقات عیش ہے اور رات وقت وحشت و غم ہے تو اشارہ ہے کہ دنیا میں عیش و سرور ایک ساعت ہے اور وحشت و غم اکثر اوقات ہے اور روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے عرش کو پیدا کیا تو اُس کے بائیں ایک ابر آیا اور عرض کیا کہ کیا برساؤں حکم ہوا کہ غم و رنج برساؤں پس دو سو برس تک برساؤں ہا بھر دفع کر دیا گیا پھر دوبارہ اسکو حکم ہوا اور اُسے سو برس تک غم و رنج برساؤں پھر دفع ہوا پھر سہ بارہ بھی حکم ہوا حتیٰ کہ تین سو برس پورے ہوئے پھر اسکے بعد ایک ابر سفید دائیں طرف عرش کے پیدا کیا گیا اور اُسے آواز دی کہ کیا برساؤں حکم ہوا کہ سرور (خوشی) ایک ساعت برساؤں اسی سبب سے دنیا میں دیکھو کہ ہوم و غم و کثرت ہمیشہ موجود ہیں اور سرور فقط کبھی نادر ہے مترجم کہتا ہے کہ دنیا میں فی الحقیقت خوشی کا نام نہیں ہے کیونکہ ہر ایک سرور جو دنیا میں سرور کہا جاتا ہے وہ ضرور افکار و فتنے سے مختلط ہے چنانچہ جنت کے عیش کا نقشہ جو جابجا اس تفسیر میں سمجھا گیا ہے اگر کچھ بھی تصور میں آوے تو البتہ عیش و سرور کے مفہم کچھ سمجھ میں آوین فافہم (۳) رات وقت سکون ہے اور ضحیٰ وقت حرکت ہے تو ضحیٰ کے وقت اسی طرح خواب کے موت سے اٹھ کر اپنی اپنی کمائی کرتے ہیں جیسے حدیث میں ہے کہ ہر صبح کو ہر شخص جا کر نفس بیچتا ہے پھر کوئی تو اُسکو آزاد کرنا بیچنے آزادی کے حوص بیچتا ہے اور کوئی اُسکو ہلاک کرتا ہے (اصح) یہ تو قیامت کا نمونہ ہے اور رات کا سکون نمونہ موت و تاریکی قبر ہے تو یہ دونوں چیزیں نعمت بھی ہیں اور حکمت بھی ہیں (اور عبرت بھی ہیں) لیکن موت پر حیات کو فضیلت ہوتی ہے اس جہت سے و الضحیٰ کو دلیل ادا سجدی پر حکمت بھی ہیں (اور عبرت بھی ہیں) لیکن موت پر حیات کو فضیلت ہوتی ہے اس جہت سے و الضحیٰ کو دلیل ادا سجدی پر

سے عداوت نہ کی بلکہ اللہ سے اور مشرکوں سے زمانہ جاہلیت میں بھی نہیں بنتی تھی و لیکن عام مخالفت سے محرز تھے بہر حال حضرت ابوبکر تو بتوں سے بیزار تھے و لیکن توحید کے معنی نہیں جانتے تھے جو قرآن مجید میں نازل ہوئے ہیں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بتوں کی طرف توجہ نہیں فرمائی بلکہ بت آپ سے خوف کرتے تھے اور ابتداء سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آپ کے ساتھ نہایت محبت تھی اور ہمیشہ آپ سے قوم کی حماقت بت پرستی کو ظاہر کیا کرتے تھے اور حبس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رسالت و توحید الہی کی خبر دی اُسی وقت بغیر کسی سوچ و فکر کے ابوبکر رضی اللہ عنہ ایمان لائے اور لوگوں کو دین توحید کی طرف دعوت کرنے لگے فافہم (سوال ۲) ان دونوں سورتوں میں آگے نیچے شب و روز کی قسم ہو اور درمیان میں کسی سورہ سے فاصلہ نہیں ہو (جواب) سورہ ولہیل میں فضیلت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہے اور اس سورہ میں فضیلت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوا سیلے دونوں سورتوں کے درمیان میں فاصلہ نہیں کیا جیسے یہ معلوم ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و آپ کے اُمتی صدیق اکبر کے درمیان میں واسطہ نہیں ہو مگر حکم کہتا ہے کہ اس سورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خطاب فرمایا بقولہ ما ودعک الہم اور اس سے پہلے سورہ میں جو سورہ ابوبکر الصدیق ہو اُس میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا خاص نام بھی منصوص نہیں ہو مگر مقصود ہے تو اُس میں نکتہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خطاب ہے اخص معرفہ کیا اسیلے کہ دوسرا کوئی شخص مغیرہ سے سرفراز ہونے والا نہیں ہو تو یہ مضمون فقط آپ سے متعلق ہو اور سورہ ابوبکر میں یہ تخصیص نہیں ہو کیونکہ اس اُمت میں قیامت تک اتنی ہونے والے ہیں اگرچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ان سے افضل ہوں اسیلے آیت میں حضرت ابوبکر کا خاص نام نہیں ہونا کہ یہ آیت فقط حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں منحصر نہ ہو جاوے اور نام کے باوجود یہ صفت اتنی لازماً ضروری تھا تا کہ ان کے برخلاف اشقیٰ بد بخت کی مذمت ظاہر ہو۔ م سوال ۳۔ کیا حکمت ہے کہ ولہیل میں دینی تو ایک ساعت ہو اور ولہیل سب مذکور ہو یعنی لیل کی کوئی خاص ساعت نہیں لی (جواب) اشارہ ہے کہ یہ ساعت تمام رات کے برابر ہو جیسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جمیع انبیاء علیہم السلام کی برابری میں ہیں (السراج) اور آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ آتا ہو سوال ۴۔ کیا حکمت ہے کہ فقط ولہیل کی قسم یاد فرمائی (جواب) میں وجہ ہیں وجہ اول۔ گویا ارشاد کیا کہ زمانہ ساعت بساعت ہو یعنی ہر گھڑی کو غنیمت جانو بقولہ داناہ ہر وقت خوش کہ دست و دستم شمار دالہم یعنی جو گھڑی اچھی مل جاوے اُس کو غنیمت جانے یہ کسی کو معلوم نہیں کہ انجام کار کیا ہو۔ ہ۔ بھر رات و دن کے ساعات میں کم و بیش ہوتا ہو تورات کی کمی یا زیادتی جیسے دن کی کمی یا زیادتی کسی لغو خواہش سے نہیں ہو بلکہ محض حکمت ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بھیجا اور وحی اتاری تو کسی زمانے میں بہت پیغمبر دن کو ایک ملک میں جمع کر دیا اور کسی مدت میں بغیر نبوت کے زمانہ قدرت رکھا اور دین حق ان قوموں نے خلط و خبط کر دیا اسی طرح کبھی توحی الہی کا نزول پیغمبر بار بار ہوا اور کسی زمانہ میں بند کر دیا تو یہ سب عین حکمت ہے وجہ ۲۔ عالم جب تک خود عمل نہ کرے اسکا کنا موثر نہیں ہوتا اور حکم شریعت یہ کہ مدعی گواہ لاوے اور منکر پر قسم عائد ہو۔ تو اس حکم پر عمل ضرور ہے پھر مشرکوں نے دعویٰ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے رب تعالیٰ نے دواع کیا اور چھوڑ دیا پس کہا گیا کہ مدعی ناہنجار گواہ و دلیل دے حالانکہ ان کمنجوتوں کے پاس کوئی دلیل نہ تھی تو اللہ تعالیٰ نے قسم سے فرمایا کہ ما ودعک ربک و ما علی منکر حکم کہتا ہے کہ گویا سوال یہ ہے کہ یہاں قسم سے کیوں بیان

و غفل) پس رکن (مقابلہ) تحرک ہو۔ ابو علیہ دہ و مبر و وز حجاج نے کہا کہ سچی یعنی ٹھہری چنانچہ بولتے ہیں یہ رات
 ساجی ہو یعنی ہوا نہیں چلتی ہو اور فرما نے کہا کہ جب رات دراز و تاریک ہوتی ہو تو بھی (سچی) بولتے ہیں۔ اس تفسیر میں
 مناسبت ظاہر ہے یعنی قسم ضحیٰ کی جب روشنی تیز پھیلادے اور قسم رات کی جب اُسکی تاریکی چھا جاوے۔ اس کے قریب تیسرے
 معنی ہیں یعنی غفل۔ اُصحی والا عربی نے کہا کہ رات نے آفاق کو تاریکی میں ڈھانک لیا جیسے آدمی اپنے بدن کو کپڑے سے
 ڈھانک لیتا ہو۔ اہل تفسیر کے اقوال بھی انھیں معنوں میں دائر ہیں چنانچہ ابن عباس رضی نے فرمایا۔ اذاحی۔ یعنی رات نے
 اپنی اندھیری سے ڈھانک لیا حسن نے کہا کہ لوگوں پر اپنی تاریکی کا لباس پہنا دیا۔ اور سعید بن جبیر نے ابن عباس رضی سے
 یہ معنی روایت کیے کہ جب رات آئی تو وہ ہر چیز کو ڈھانک لیتی ہو۔ مجاہد و قتادہ و سدی رحم نے کہا کہ (اذاحی) یعنی جب
 رات ساکن ہو جاوے لوگوں کے ساتھ رازی نے کہا کہ رات کے سکون کے دو معنی ہو سکتے ہیں (ایک) یہ کہ آدمیوں
 ہجر ند و پرند کو اُس وقت سکون ہوتا ہو تو اس جہت سے رات کی طرف سکون کی نسبت کی گئی یعنی اصل سکون تو جانداروں
 کے لیے ہے لیکن رات اس کا وقت تھا تو رات کو ساکن کہا گیا جیسے روزے کا وقت دن ہو اور تہجد کی ناز کا وقت رات ہو
 تو کہتے ہیں کہ ہمارے سائم و لیلہ قائم۔ یعنی اس نیک مرد کا دن تو روزہ رکھنے والا ہو اور اُسکی رات نماز میں قیام کرنے والی
 ہو (دوم) یہ کہ رات کا سکون یہ کہ رات کی تاریکی بڑھتی جاتی ہو گویا وہ چلی جاتی ہو یا نینک کہ خوب پوری ہو گئی تو اُس وقت
 کہتے ہیں کہ اب رات ٹھہری (کبیر وغیرہ) بعض نے کہا کہ یہاں اُصحی بالف لام محو ہو یعنی اس وقت ضحیٰ کی قسم کھائی جس میں
 موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا اور اسی طرح و لیل وہ خاص رات جو جس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج عطا ہوئی تھی
 کیونکہ وہ رات نہایت معظم و مقدس تھی (السراج) رازی نے لکھا کہ یہاں چند سوالات ہیں سوال اول یہ کہ اس
 سے پہلے جو سورہ ہو اس میں رات کو مقدم فرمایا اور دن کو موخر کیا اور اس سورہ میں دن کو مقدم کیا پھر رات کو ذکر فرمایا
 تو اس میں کیا حکمت ہو (جواب) میں کئی وجہیں ہیں (۱) یہ کہ رات دو دن و دو دن ایسی چیزیں ہیں کہ انھیں سے لوگوں کی دنیاوی و آخروی
 بہتری کا انتظام مربوط ہو اور دو دن میں سے ہر ایک کو فی الجملہ خاص فضیلت ہو مثلاً رات کو یہ فضیلت ہو کہ وہ سکون لاتی ہو اور رات
 ہی مقدم ہے دلیل قولہ تعالیٰ جعل الظلمات والنور الآیہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے پیدا اُنش خلقت میں فرمایا۔ اُس نے پیدا کیا تاریکیوں
 کو اور نور کو۔ دن کو یہ فضیلت ہو کہ اُس سے نور اور روشنی ظہور کرتی ہو بلکہ لیل نبرہ دنیا کے ہو اور ہمارے نبرہ آخرت کے ہے پس
 جبکہ ان دو دنوں میں سے ہر ایک کے لیے ایسی فضیلت حاصل ہو جو دوسرے میں نہیں ہو اسی لیے کبھی دن کو مقدم کیا اور کبھی
 رات کو مقدم کیا جیسے رکوع و سجود میں کبھی اسکو اور کبھی اُسکو مقدم کیا چنانچہ قولہ تعالیٰ و اسجدی و ارکعی میں سجود مقدم ہو
 اور قولہ و ارکعوا و اسجدوا میں رکوع مقدم ہو (وجہ ۲) سورہ سابق میں حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت
 منصوص ہو تو اُسکی ابتدا لیل کو مقدم کیا اس لیے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے حال میں اول کفر مقدم ہو چکا ہو اور اس
 سورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ہو اسی لیے واضح کو مقدم کیا مترجم کہتا ہو کہ رازی نے اور انے لیکر خلیف
 و غیروں نے یہ شاعرانہ تکلف لفظی بیان کیا اور کچھ شک نہیں کہ یہ تقریر ضعیف ہو کیونکہ یہ امر صحیح ہو کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے
 کبھی کبھی بتوں کی پرستش نہ کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی قبول نہیں کرتے تھے اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دین شرک کی ملامت پر رسول اللہ

دنیا کی زندگی میں لے چکے ہو۔ یعنی تم نے آخرت سے انکار کیا اور دنیاوی چیزوں ہی میں اپنی لذات کو منحصر رکھا اور جس طرح تم نے چاہا کھایا کما یا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اسی آیت کی نظر سے دنیا کی اچھی لذیذ چیزیں نہیں کھاتے تھے اور جس قوم نے دنیاوی چیزوں پر دل لگایا تو مات ہوا اور شیطان کی گھات میں مارا گیا آخر کبھی ایمان ہی سے محروم ہو جاتا ہے تو خود بائیں من ذلک۔ اور جس قدر دنیا سے زہد ہو جیسے پیغمبروں کی شان تھی اسی قدر مرتبہ بلند ہوگا تو غور کرو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب جو آپ کے اصحاب تھے سب پیغمبروں کے اصحاب سے افضل تھے پس بالضرور دنیا سے اعلیٰ مرتبہ کے زاہد تھے تو پھلا کے کے مشرکوں کی یہ خواہش کیونکر قبول ہوتی کہ صفا و مردہ کے پہاڑ سونے کے ہو جا دیں و لیکن اس درخواست سے یہ معلوم ہو گیا کہ اس امت کا فتنہ مال سے ہوگا چنانچہ حدیث میں صریح یہی بات ارشاد ہوئی ہے کہ اس امت کا فتنہ مال سے ہوگا اور بنی اسرائیل کا فتنہ عورتوں سے تھا یا چمکہ کفار اپنی حماقت سے یہ سمجھتے تھے کہ مال و متاع دنیاوی کی کثرت سے انسان کے حق میں خوبی ہوتی ہے حتیٰ کہ اسی بنیاد پر کہا کرتے کہ مسلمانوں سے ہم لوگ زیادہ تر خدا کے پیارے ہیں کہ ہمارے پاس مال کی کثرت اور اولاد میں لڑکے موجود ہیں پس اگر آخرت بھی ہوئی جیسے یہ لوگ کہتے ہیں تو وہ بھی ہمیں کوئی ملے گا اللہ تعالیٰ نے دنیا کو فانی و باطل بیان کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرمایا کہ دنیا سے آخرت بہتر ہے۔ اگر یہ کہا جاتا کہ دنیا بالکل ملعون ہے تو کفار اپنی پیاری دنیا کے واسطے ایسے غضبناک ہو جاتے کہ یہ بات بھی نہ سنتے تو یہ طریقہ حکمت ہے جیسے ایمان کے حق میں کافروں سے فرمایا کہ غور کر کے دیکھو کہ کس کا طریقہ (راہی) یعنی زیادہ ہدایت پر ہے۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ مشرکین و کفار ہدایت پر ہیں و لیکن مسلمان زیادہ ہدایت پر ہیں کیونکہ مشرکین بالکل گمراہ تھے بلکہ مطلب یہ کہ تم لوگ اپنے آپکو ہدایت پر سمجھتے ہو تو بھی غور کرو کہ مسلمان کیسے اچھی ہدایت پر ہیں اس طرح کفار توجہ کریں کہ دنیا کو اگر اچھا سمجھتے ہیں تو بھی اسکو چھوڑیں اور آخرت کو اختیار کریں کہ وہ بہت اچھی ہے۔ جب وہ غور کرتے تو انکو خوب معلوم ہو جاتا کہ دنیا باطل ہے۔ بھریہ امر خیال رکھو کہ دنیا کا ملعون ہونا اور باطل ہونا موافق اس خیال کے ہے جو کافروں نے دنیا کی نسبت باندھ لیا ہے یعنی یہی دنیا ہی دنیا ہے اسکے سوائے کچھ نہیں ہے اور متاع دنیا کو عین نعمت خیال کر کے شہوات میں صرف کرتے ہیں اور اگر یہ جہالت دور ہو اور دنیا پر سچی نظر کرے تو دنیا کی زندگی کمالات کے حاصل کرنے کی اصل ہی ہے یعنی دنیا ہی میں کمالات حاصل ہوتے ہیں ہر دم یہاں کی زندگی کا ایک تسبیح کے لیے نعمت غیر مترقبہ ہے اسی لیے حدیث میں ہے کہ آگاہ رہو کہ دنیا ملعون ہو اور جو کچھ اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے سوائے ذکر الہی و عالم و متعلم کے (ابن ماجہ وغیرہ) پس ظاہر ہوا کہ دنیا باعتبار کمالات حاصل کرنے کے بہتر ہے جیسے حدیث میں ہے کہ نعم المال الصالح للرجل الصالح۔ مرد صالح کے واسطے مال خوب بہتر ہے یعنی وہ پاکیزہ مال سے درجات جنت حاصل کرنا ہی کافی الصبح اور دنیا جو کفار کی مراد ہے یعنی دنیا پر بھروسہ کرنا اور اسی کی طلب کرنا ضلالت ہے امام لغوی و رازی و خطیب وغیرہ کی تفاسیر میں ہے کہ قولہ تعالیٰ و الضحیٰ۔ اہل تفسیر میں بعض نے کہا کہ مراد وقت صبح ہے یعنی بہرون چڑھے کے قریب جب آفتاب اوجھا ہو کہ شعاع ڈالتا ہے اور بعض نے کہا کہ مراد پورا دن ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اس کورات کے مقابلے میں بیان فرمایا بقولہ و ایل اذا سجد اور اہل لغت نے سجد کے تین معنی بیان کیے رسکن و اظلم

یہ مجاہد و قتادہ وہاں زبرد و ضحاک وغیرہم نے بیان کیا ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت صاف واضح ہو اور اس عظیم قسم کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ تیرے رب نے تجھے وداع نہیں کیا اور نہ ناگوار رکھا۔ وَلَا الْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ۔ اور بے شک آخرت تیرے لیے بہتر ہے اولیٰ (دنیا) سے فانی یعنی دارِ آخرت تیرے لیے اس دُنیائے بہتر ہے اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے بہت بے رغبت تھے چنانچہ قطعاً متواتر آپ کی خلعت مبارک سے یہ بات واضح ہوا جب مرضِ آخری میں جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا کہ اگر آپ جاہل تو ہمیشہ دنیا میں رہیں پھر اسکے بعد جنت میں جاویں اور اگر چاہیں تو ابھی مقامِ قربِ اعلیٰ و جنتِ اعلیٰ میں آویں۔ آپؐ فی الحال ملاؤ اعلیٰ میں تشریف لیجانا منظور فرمایا۔ امام احمدؒ نے باسناد صحیح عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کی چٹائی پر لیٹے تو آپ کے پہلوئے مبارک میں اُسکے داغ پڑ گئے جب آپ جاگے تو میں نے پہلوئے مبارک پر ہاتھ پھیرنا شروع کیا اور عرض کیا کہ یا حضرت آپؐ ہم لوگوں کو آگاہ نہیں فرمایا کہ ہم چٹائی پر پھینکا کر دیتے آپؐ فرمایا کہ مجھے دنیا سے کیا تعلق ہی ہیں دنیا کی فکر نہیں کرتا میری اور دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی سوار دھوپ کی شدت میں کسی درخت کے سایہ میں اترا اور آفتاب ڈھلے اُسکو چھوڑ کر رواۃ ہو گیا۔ اس حدیث کو ترمذی وابن ماجہ نے بھی روایت کیا اور ترمذی نے کہا کہ حدیث حسن صحیح ہے اقوال حدیث ابن عمرؓ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو دنیا میں اسطرح ردِ جیبے پر دیسی ہوتا ہے بلکہ جیسے راہ گیر ہوتا ہے اور حدیث عمرؓ میں ہے کہ ہمارے واسطے آخرت ہے اور کفار روم و ایران کے لیے دنیا ہے۔ حدیث میں ہے کہ دنیا ایسے شخص کا گھر ہے جسکے لیے گھر نہیں اور اُسکا مال ہے جسکے لیے مال نہیں اور دنیا کے لیے وہ جمع کرتا ہے جسکو عقل نہیں ہے عزرائلی نے فرمایا کہ مسلمان کے لیے ایمان کی پہچان یہ ہے کہ کم سے کم اُسکو دل میں یہ اعتقاد ہو کہ اس دُنیا سے فانی ہے آخرت بہتر ہے تنبیہ اس سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ دنیا آخرت دونوں کا مقابلہ ہے لیکن آخرت بہت اچھی ہے اور دنیا کم اچھی ہے اس خیال سے کہ دنیا سے آخرت بہتر کہی گئی اور (بہتر) کے معنی بہت اچھی تو دنیا بھی اچھی ہوئی (جواب) یہ کہ فی الحقیقت متاعِ دنیا بمقابلہ آخرت کے محض گندمی ہے اور آمین کچھ بھی بہتری نہیں ہے اور (خیر) یعنی (بہتر) کا استعمال کبھی بدون مقابلہ کے ہوتا ہے اور یہ قرآن مجید میں بہت آیا ہے لیکن جہاں ایسے لوگوں کو سمجھانا مقصود ہو جو دنیا پر جان دیتے ہیں یعنی کفار کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو خوب جانتے تھے کہ آخرت نہایت خوب ہے اور یہ دنیا کی متاع محض بیچ ہے تو اس سے مقصود یہ کہ لوگوں کو تنبیہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے افضل المخلوق کے ساتھ میں یہ متاع دنیاوی ایسے نہیں رکھی کہ متاعِ دنیا اللہ کے نزدیک مردود و ملعون ہے تو وہ اس لائق نہیں ہے کہ سید الطاہرین کے پاس آوے پس اس سے ہوش ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں غلط نظر نہ کریں جیسے کفار یہ کہا کرتے تھے کہ اگر آپ رسول اللہ ہوتے تو تاج و تخت و سونا چاندی اور تمام جہان کی متاع آپ کے پاس ہونی اور اسی متاع کے لالچ سے ہم سب آپ کے مطیع ہو جاتے اور اگر آپ دعا کریں کہ یہ کوہِ صفا و مروہ سونے کے پہاڑ ہو جاویں اور مکہ معظمہ کا صوبہ و عرب بجائے ریگستان کے منقلب ہو کر عمدہ زمین ہو جائے حسین عمدہ میدہ جات پیدا ہوں اور حسین

کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے حق میں فرمایا۔ اَذْهَبْنِم طَيْفًا نَّكَمَ فِيهَا كَلَّمَ الدُّنْيَا۔ یعنی جہنم میں کافروں سے کہا جاوے گا کہ تم اپنی لذت پسیزی

نازل فرمایا والضحیٰ دلیل اذا سجد ربک وما قلی آخر تک ابن کثیرؒ نے کہا کہ یہ دونوں روایتیں مرسل ہیں یعنی عبد اللہ بن شداد اور عروہ بن الزبیر دونوں تابعی ہیں انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پایا ہے۔ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے پہلے انتقال فرما چکی ہیں اور باوجود اسکے خدیجہ کا نام اس روایت میں بھول ہی اور اگر بھول نہ ہو تو شاید حضرت خدیجہؓ نے یہ کلمہ بطور تاسف و غم کے آپ سے کہا ہو واللہ اعلم مترجم کہتا ہے کہ اول مرتبہ جب آپ پر وحی نازل ہوئی اور آپ نہایت سست گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے سب حال بیان کر کے کہا کہ مجھے اپنی جان کا خوف ہے تو حضرت خدیجہؓ نے جو نہایت عاقلہ تھیں فرمایا کہ اے حضرت یہ ہرگز نہ ہوگا پھر آپ کے صفات حمیدہ و اخلاق مرضیہ بیان کر کے کہا کہ اللہ تعالیٰ کبھی آپ کو ضائع نہ کرے گا۔ یہ حدیث صحیح بخاری وغیرہ میں باسانید صحیحہ روایت ہے اب غور کرو کہ اس وقت حضرت خدیجہ سوائے ازلی سعادت کے ظاہری ایمان بھی نہیں رکھتی تھیں تو اُس وقت انھوں نے اس طمّیان سے یہ رائے قائم کی تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بعد ایمان و معرفت کے فقط وحی میں تاخیر ہونے سے یہ کہتیں کہ رہنے آگے کو قائل کیا۔ یہ بالکل بعید ہے۔ کیونکہ (قلی) کے معنی بغض کے ہیں اور ضعیف احتمال یہ ہو سکتا ہے کہ یہاں مبغوض صرف اسی قدر ہو کہ کوئی بات آپ کی طرف زیادہ اچھی نہ معلوم ہوئی جیسے آپ کی شان کے لائق ہونی چاہیے مثلاً آپ نے کفار سے کہا کہ میں تم سے کل کے روز یہ قصہ بیان کروں گا اور یہ نہیں کہا کہ کل انشاء اللہ تعالیٰ بیان کروں گا۔ تو یہ کلمہ ناخوش رکھا گیا لیکن اس وجہ سے نہیں کہ یہ گناہ ہو بلکہ اس وجہ سے کہ آپ کی شان نبوت اعلیٰ وارفع ہو تو ان شاء اللہ تعالیٰ کہنا چاہیے تھا۔ پس اس نظر سے کہا کہ شاید رب عزوجل کو آپ کا یہ کلمہ ناگوار ہوا اور مترجم کے نزدیک صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ خدیجہ سے اس روایت میں حضرت خدیجہ کبریٰ ام المومنین مراد نہیں ہیں بلکہ شاید ابولہب کی زوجہ ام جمیل کا دوسرا نام خدیجہ ہو تو سب روایتوں کے معنی متحد ہو گئے اور ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ذکر یہاں دوسری دلیل سے بھی ٹھیک نہیں ہو سکتا۔ وہ دلیل یہ ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے معراج سے پہلے انتقال کیا اور یہ سورہ قمر معراج کے نازل ہونا چنانچہ شیخ ابن کثیرؒ نے لکھا کہ بعض علماء سلف رضی اللہ عنہم نے سورہ والجم کی آیت میں قولہ تعالیٰ فاوحی الی عبدہ ما اوحیٰ میں کہا کہ یہی سورہ والضحیٰ وحی کیا۔ یعنی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقام ابطح میں کھڑے ہوئے اور جبریلؑ اپنی اصلی صورت میں مقام افق اعلیٰ میں ظاہر ہوئے اور دنی فتنہ لی نکان قاب تو سین اودانی الخ۔ یعنی وہاں سے نزدیک آتے آتے اس قدر متصل ہوئے کہ قاب تو سین کا قرب بلکہ اس سے زیادہ قرب ہوا پھر اپنے بندہ کو جو چاہا وحی فرمایا یعنی اللہ تعالیٰ نے اس تجلی میں جو چاہا اپنے بندے محمد صلعم کو بواسطہ جبریلؑ کے وحی فرمایا۔ وہ تو ان علماء نے کہا کہ وحی سے یہی سورہ والضحیٰ کا وحی کرنا مراد ہے اور یہی قول محمد بن اسحق تابعی نے بیان کیا ہے ابن کثیرؒ نے لکھا کہ عوفیؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی اور قرآن اترنے لگا تو چند روز تک جبریلؑ علیہ السلام نہیں آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رنجیدہ ہوئے اور مشرکوں نے کہنا شروع کیا کہ محمد کو انکے رب نے چھوڑ دیا اور مبغوض رکھا پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا والضحیٰ دلیل اذا سجد ربک وما قلی۔ قسم ہے صبح کی اور قسم رات کی کہ میں ساکن ہو کہ تجھے تیرے رب نے وداع نہیں کیا اور نہ تجھے مبغوض رکھا ابن کثیرؒ نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبح کی قسم ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے تیرا روشنی رکھی ہے اور اللہ تعالیٰ نے رات کی قسم کھائی کہ جب وہ ساکن ہو یعنی اُسکی تار پکی چھا جاوے

قیام نہیں کیا تو ایک عورت (کافرہ حبیشہ) آئی اور آپ سے کہنے لگی اے محمد میں دیکھتی ہوں کہ تمہارے شیطان نے تم کو چھوڑ دیا پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ **وَالضَّحَىٰ وَاللَّیْلَ اِذَا السَّجْدُ**۔ قسم یروشنی کی اور قسم اُت کی جب ساکن ہو **مَا وَدَّ عَلَکَ رَبُّکَ وَمَا قُلٰ**۔ نہیں تجھے چھوڑ دیا تیرے رب نے اور نہ تجھے مسخوڑ رکھا۔ اس حدیث کو بخاری و مسلم و ترمذی و نسائی و ابن جریر و ابن ابی حاتم نے متعدد نسخ سے بطریق الاسود بن قیس عن جنذب بن عبد اللہ الجلی روایت کیا ہے مترجم کہتا ہے کہ ہماری سے یہ راز ہے کہ آپ کی انگلی میں پتھر سے چوٹ لگ گئی تھی اس لیے آپ نے رات کی نماز میں قیام نہیں فرمایا کیونکہ اُس زمانہ میں فقط رات کی نماز میں قیام کا حکم تھا جیسا کہ سورۃ المزمل کی تفسیر میں مفصل ذکر ہو چکا ہے اور جبریل علیہ السلام کئی سقہ سے نہیں آئے تھے اور جب آپ نے رات میں قیام بھی دو تین راتوں تک نہیں کیا تو اُس کافرہ عورت نے یہ زعم بیان کیا اور کہتے ہیں کہ یہ عورت ام جمیل تھی جو ابولہب کی جوڑو تھی جس کا ذکر تبت براہی لب میں ہوا ابن کثیر نے لکھا کہ ابن ابی حاتم نے ابوسعید الاشج و عمرو بن عبد اللہ الاودی عن ابی اسامہ عن سفیان عن الاسود عن جنذب رضی روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی میں پتھر چھینک مارا گیا (وہ زخمی خون آلودہ ہو گئی) آپ نے انگلی کی طرف خطاب کر کے فرمایا۔ تیری کیا ہستی ہو سوائے اسکے کہ تو ایک انگلی ہو جو لہو لہان ہوئی ہے اور یہ جو کچھ تیری حالت ہوئی اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہوئی ہو پھر آپ نے دو راتیں یا تین راتیں قیام نہیں کیا تو ایک عورت آئی الخ۔ اور کہتے ہیں کہ یہ عورت ام جمیل ابولہب کی زوجہ تھی مترجم کہتا ہے کہ شاید اس عورت نے اپنے نزدیک بھلائی سمجھ کے یہ بات کہی تھی اس لیے کہ کافروں کا یہ گمان تھا کہ کوئی جن آپ کو یہ آیات سکھاتا ہے جس سے آپ اُنکے بتوں و معبودوں کی مذمت بیان فرماتے ہیں تو خدا سے جانتے تھے کہ کسی طرح یہ جن نہ آوے تو آپ ہماری قوم میں ایسے بخلین کہ عرب میں آپ کے مثل کوئی نہو یعنی آپ عرب میں بے مثل ہیں لیکن جب تک آپ ہمارے بتوں کی مذمت کرتے ہیں اور باپ دادے جو شرک و کفر ہمارے اُنکو جنسی مبتلا تے ہیں تب تک ہم لوگوں کو آپ کی ذات سے عرب بر فخر کرنے کا موقع نہیں ہے اور اگر جن نہ آوے تو یہ موقع ہمارے جابلانہ فخر کا ہاتھ آوے پس اُس عورت نے جو آپ کی چچی تھی یہ کلمہ کہا تھا کہ اگر اُس کا گان ٹھیک نکلے تو بہت خوش ہو اور وہ کافرہ یہ بھی سمجھتی تھی کہ آپ اس جن کے دسواں میں گرفتار ہیں اس سے بھی آپ کو صحت حاصل ہو۔ اور برخلاف کافروں کے جو لوگ اہل ایمان تھے وہ آپ کو حق پر جانتے تھے اور جب آپ کو وحی الہی کی تاثیر سے سُست دیکھتے تو غمگین ہوتے تھے بلکہ روایت کیا جاتا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے یہ کلمہ کہا تھا کہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑ دیا ہے چنانچہ ابن جریر نے عبد الملک بن ابی الشوارب عن عبد الواحد بن زیاد عن سلیمان الشیبانی عن عبد اللہ بن شداد روایت کی کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ میں دیکھتی ہوں کہ آپ کے رب تعالیٰ نے آپ کو ناخوش رکھا تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ **وَالضَّحَىٰ وَاللَّیْلَ اِذَا السَّجْدُ** ماود علی ربک و قلعہ ابن جریر نے کہا کہ حدیثنا ابو کریب حدیثنا وکیع عن ہشام بن عروہ عن ابیہ۔ یعنی عروہ رہنے کے کہا کہ جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وحی لانے میں دیر کی تو آپ کو سخت گھبراہٹ ہوئی تو خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں دیکھتی ہوں کہ آپ کے رب تعالیٰ نے آپ کو ناخوش رکھا کیونکہ میں آپ کو سخت گھبراہٹ ہوا دیکھتی ہوں پس اللہ تعالیٰ نے

اور دوسروں نے کہا والضحیٰ ختم کر کے تکبیر کے مترجم کہتا ہے کہ جو حدیث روایت کی اس سے قول اول ظاہر ہوتا ہے اور بعد ختم والضحیٰ بلکہ اسکے مابعد ہر سورہ کے ختم پر بھی تکبیر کے پس سورہ والضحیٰ ختم کر کے تکبیر کہنے میں سب کا اتفاق ہے تو اختلاف فقط یہ ہوا کہ بعد ختم دلیل اذیغشی کے شروع والضحیٰ میں تکبیر کے یا نہ کے اور کہنا اظہر ہے واللہ تعالیٰ علم بھر کیفیت یہ کہ بعض کے نزدیک اللہ اکبر کہے اور اس سے زیادہ نہیں ہے اور بعض دیگر نے کہا کہ اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کے علماء قراءت نے تکبیر کہنے کی مناسبت یہ بیان کی کہ چند روز تک وحی نازل ہونے میں تاخیر ہو گئی پھر سورہ والضحیٰ نازل ہوا تو آپ نے فرحت و سرور میں تکبیر کی ابن کثیر نے کہا کہ یہ بات کسی ایسی اسناد سے روایت نہیں کی گئی جس پر صحیح ہونے کا حکم لگایا جاوے (ابن کثیر) اور واضح ہو کہ یہ سورہ مبارک بالاتفاق سب کے نزدیک تکبیر پر ہی ہے ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں نازل ہوا اور بعض نکات اس سورہ کے آئندہ ذکر کیے جائیں گے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ - شروع ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے جو ذی الجلال والا کرام ہے الرَّحْمَنِ - نہایت مہربانی کرنے والا - جسکی مہربانی میں سب خاص و عام شامل ہیں۔ الرَّحِيمِ - نہایت رحمت والا - جسکی رحمت اپنے خاص بندوں پر تمام ہے (سراج خطیب) واضح ہو کہ الرحمن - مہربان مجمل ہے اسمین عموم ظاہر ہے کہ دنیا میں کافر و مومن سب کو پیدا کر دیا پس اگر یہ کفار و مومن پیدا نہیں ہوتے تو کہاں سے یہ اپنے شہوات حاصل کرتے جنکے پیچھے آخرت کو چھوڑ کر جہنم میں جاتے ہیں اور اگر مہربانی نہ ہو تو یہ جہنمی اتنے دنوں دنیا کی زندگی تک کیونکر سرکشی کر کے مومنوں پر ظلم کرتے بلکہ جہنم میں جتے اور عذاب چکھتے اور اس سے معلوم ہوا کہ یہ اسم الرحمن کا کہ دنیا میں عجائب صورتوں سے ظہور مہربانی ہے چنانچہ کافروں نے مال و متاع اپنے حق میں مہربانی خیال کیا اور یہی انکی خواہش ہے اور مومنوں نے ایمان و عمل صالح مع عافیت اپنے حق میں مہربانی خیال کیا اور یہ حق ہے اور بہ الرحیم کی صفت کا ظہور دنیا میں اس سبب سے ہے اور آخرت میں جنت و نعمت ہے واللہ الحمد والمنة۔ اور اللہ تعالیٰ نے شروع فرمایا بقولہ تعالیٰ وَالضُّحٰی ۱۰ وَاللَّیْلَ اِذَا سَجٰی ۱۱ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی ۱۲ وَلَا اٰخِرَہٗ خَیْرٌ ۱۳ اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاَوٰی ۱۴

تسم و صوب چڑھتے وقت کی اور رات کی جب چھا جاوے نہ رخصت کیا تجکو تیرے رب نے نہ بیزار ہوا اور البتہ بھلی بہتر ہے تجکو

بہلی سے اور آگے دے گا تجکو تیرا رب پھر نور اضیٰ ہو گا بھلا نہ پایا تجکو یتیم پھر جگہ دی

اور پادیا تجکو بھٹکنا پھر راد دی اور پایا تجکو مقس پھر محفوظ کیا سو جو یتیم ہو اُسکو

نہ دیا اور جو مانگتا ہو اُسکو نہ جھڑک اور جو احسان ہو تیرے رب کا سو بیان کر

امام ابن کثیر نے سبب نزول و حاصل مطالب میں جو کچھ لکھا ہے پہلے اسکو بیان کیا جاوے پھر لطائف و نجات کا خلاصہ

دیگر تفاسیر سے نقل کیا جاوے کیونکہ یہ عام فہم ہے (سبب نزول) امام احمد نے ابو نعیم فضل بن وکیع عن سفیان عن الاسود بن قیس عن جندب رضی اللہ عنہ روایت کیا کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ بیمار ہوئے کہ ایک رات یا دو رات

تھے دید ونگا اگر تو دین حق قبول کرے اُس کجیت نے مکر رانگار ہی کیا اس لیے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو معوض رکھتے تھے پس جب امیہ بن خلف نے کہا کہ ہاں میں بلال کو آپ کے غلام فسطاس کے عوض بیچتا ہوں گویا امیہ مذکور نے اپنے نزدیک محال جانا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ اس ناکارہ بلال کو معوض فسطاس کے خریدین حالانکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ اس امر کو غنیمت جانا اور فوراً قبول کر لیا اور امیہ مذکور نے اپنے نزدیک ایسا نفع اٹھایا کہ دنیا میں کوئی اُس سے بلال رضی اللہ عنہ کو اس قدر دام میں نہ خریدتا۔ بلال رضی اللہ عنہ کی بزرگی عند اللہ تمام امت میں مشہور معروف ہے۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جنت میں داخل ہوا تو دیکھا اپنے سامنے بلال کی رفتار کی آواز سنی (بلال رضی اللہ عنہ نے غایت فرحت سے رونا شروع کیا) آپ نے فرمایا کہ اے بلال تو نے اسلام میں جو کام ایسا کیا ہو کہ اُس سے تجھے بہت امید ہو وہ مجھے ظاہر کر۔ بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میرے مان باپ آپ پر قربان ہوں میں تو کوئی عمل نہیں جانتا ہوں سوائے اسکے کہ جب کبھی میں نے وضو کیا تو اُس سے دو رکعت یا چھ رکعت میرے نصیب میں ہوتا مگر پڑھ لی اپنے فرمایا کہ یہ اسی سے ہے صحیح روایت ہے کہ جو کوئی وضو کرے دو رکعت نماز پڑھے اسی میں اُس سے باتیں نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسکے سب گناہ عفو فرما دے (حدیث صحیح) اور محمد شہد رب العالمین

سورة الضحیٰ مکیہ وحی احد عشر ایت

خطیبؒ وغیرہ نے لکھا کہ اس سورہ میں گیارہ آیات ہیں چالیس کلمات اور ایک سو ستر حروف ہیں اور جب یہ سورہ نازل ہوئی تو نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہی تو تکبیر اُس کے آخر سنت ہوئی اور روایت ہو کہ اُس کے خاتمہ پر اور اُس کے بعد ہر سورہ کے خاتمہ پر تکبیر کا حکم ہے اور تکبیر اللہ اکبر ہو یا کہ لا الہ الا اللہ اللہ اکبر ہے (س ف وغیرہ) امام ابن کثیرؒ نے کہا کہ امام زمخشریؒ نے اپنے لکھن احمد بن محمد بن عبد اللہ بن ابی ہزہ المقرئ رحمہ اللہ تعالیٰ کے طریق سے یہ روایت پہنچی کہ امام زمخشریؒ نے کہا کہ میں نے عکرمہ بن سلیمانؒ کی خدمت میں قراءت کی اُنھوں نے کہا کہ میں نے اسمعیل بن قسطنطین اور شبل بن عباد کی خدمت میں قراءت کی تو جب الضحیٰ تک پہنچا تو دونوں نے مجھے کہا کہ تکبیر کہہ بہا تک کہ ختم کرے مع خاتمہ ہر سورہ کے کیونکہ ہم نے امام ابن کثیرؒ کی خدمت میں قراءت کی تو آپ نے یہ حکم دیا اور کہا کہ مجھ پر قراءت میں مجھے یہ حکم دیا اور مجھ پر آگاہ فرمایا کہ میں نے ابن عباسؓ کی خدمت میں قراءت کی تو ابن عباسؓ نے مجھے یہ حکم دیا اور فرمایا کہ میں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں قراءت کی تو ابی بن کعب نے مجھے یہ حکم دیا اور آگاہ کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری میں قراءت کی تو آپ نے مجھے حکم دیا ابن کثیرؒ نے کہا کہ یہ مسئلہ مسنون فقط ابو الحسن احمد بن محمد بن عبد اللہ النبی نے روایت کی یہ قاسم بن ابی ہزہ کی اولاد ہیں اور قراءت میں امام تھے لیکن حدیث کی روایت میں حافظہ و برکھ کم ہے یعنی اچھی طرح حفظ نہیں رکھتے تھے یا سادگی و صلاحیت سے جو کوئی روایت کرتا اُس سے روایت لے لیتے تھے اسی واسطے ابو حاتم الرازیؒ نے کہا کہ میں اسے روایت نہیں کرتا اور ابو جعفر العقیلیؒ نے کہا کہ منفرد روایتیں لاتے ہیں اقول اس روایت کو حاکم و بیہقی و ابن مردویہ نے روایت کیا ہے اور حاکم نے دعویٰ کیا کہ اسکی اسناد صحیح ہے ابن کثیرؒ نے کہا کہ شیخ شہاب الدین ابو شامہؒ نے شرح لسان طیبہ میں نقل کیا کہ امام شافعیؒ نے ایک شخص سے سنا کہ وہ نماز میں یہ تکبیر کہتا ہے تو کہا کہ تو نے خوب کیا اور سنت طریقے سے عمل پایا۔ یہ قول مقتضی ہے کہ حدیث مذکور صحیح ہے پھر فرما رحمہم اللہ تعالیٰ نے اختلاف کیا کہ کس موقع پر تکبیر کہی جاوے اور کیونکر تکبیر کہی جاوے بعض نے کہا کہ جب سورہ وایل اذ انشأ ختم ہو تب تکبیر کہے پھر دوحی شروع کرے

الحکم کے تحت میں لکھا کہ امام لغویؒ نے معاملہ میں کہا کہ اتقی سے مراد سب مفسرین کے نزدیک ابوبکر الصديق رضی اللہ عنہ بن محمد بن اسحق تابعی نے لکھا کہ بلال بن رباح رضی اللہ عنہ خاندان بنی جمح میں سے بعض کے ملوک تھے اور سب اسلام لائے قلب پاکیزہ رکھتے تھے اور امیہ بن خلف جمحی نے انکو اپنے غلام کی طرح عذاب کرنا شروع کیا جب آفتاب سحر گرم ہوتا اور لون آگ کی طرح ہو جاتی تو انکو پیٹھ کے بل لٹا کر اوپر سے بھاری پتھر رکھتا تھا اور کتنا کہ برابر ہی کروں گا جب تک کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کفر نہ کرے یا مر جاوے اور بلال رضی اللہ عنہ برابر اس حال میں اہل احد اہل کعبہ جاتے تھے محمد بن اسحق نے کہا کہ مجھے ہشام بن عروہ نے اپنے باپ عروہ بن الزبیر سے روایت کی کہ ایک روز اسی حالت میں اُس طرف ابوبکر رضی اللہ عنہ کا گزرتا ہوا تو آپ نے امیہ لعین سے کہا کہ تو اس مسکین پر یہ ظلم کرتا ہو اور خدا سے نہیں ڈرتا ہو اُس ملعون نے جواب دیا کہ تم ہی نے اسکو خراب کیا ہے اب اس حالت سے نکالو۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اچھا میرے پاس ایک غلام ہے (بڑا مالدار ہے وہ مال میرا ہے) وہ تیرے دین پر ہوا اسکے عوض میں بلال کو لیتا ہوں اُس نے کہا کہ میں نے بیچا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے بلال کو لے لیا اور وہ غلام دیدار اور بلال کو خدمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں لا کر آزاد کر دیا اور یہ بلال رضی اللہ عنہ ساتویں غلام ہیں جنکو آزاد کیا یعنی انکے علاوہ چھ ملوک اسلام پر آزاد کیے ان میں سے ایک عامر بن فہیرہ ہیں جو قدیم الاسلام تھے اور ہجرت کے بعد جہاد بدر و احد میں لڑے اور بیر معونہ میں عامر بن طفیل کے ساتھیوں نے غدر سے ان کو شہید کیا اور کافروں کے بد و بدولت کے ساتھ انکے جنازہ آسمان کو اٹھلے گئے اور یہی حال دیکھ کر انکا قاتل نوثر اصحاک بن سفیان کلابی کے پاس گیا اور بیان لایا اور بہت لوگ یہ واقعہ دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔ دوم حضرت ابوبکر الصديق رضی اللہ عنہ نے ام غیس کو آزاد کیا پس اسکی آنکھیں جاتی رہیں تو مشرکوں نے کہنا شروع کیا کہ ارے کجست تو صابیہ ہو گئی تو بی بی لالت اور بی بی عزی نے تیری آنکھیں لے لیں۔ اُس مومنہ نے جواب دیا کہ تم قطعاً جھوٹے ہو قسم ہے رب کعبہ کی ہرگز لالت وغری میں فسخ یا ضرر کی کچھ طاقت نہیں موجود ہے پس اللہ تعالیٰ نے اُسکی آنکھیں روشن کر دیں سووم و چارم سماء ہندیہ و اُسکی دختر کو اسلام پر آزاد کیا اور معاملہ یہ ہوا کہ یہ دونوں ایک عورت عبد ربیہ کی لونڈیاں تھیں اتفاق سے ایک روز وہ عورت ان دونوں کو لکڑیاں لانے کے لیے بھیجتی تھی اور یہ کہتی تھی کہ قسم ہے کہ تم دونوں کو کبھی آزاد نہ کروں گی۔ اتنے میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ادھر سے گزرے اور یہ کلمہ سن کر فرمایا کہ اے ام فلان ہرگز یہ کلمہ مت کہہ۔ وہ بولی کہ ضرور کہوں گی تم ہی نے ان دونوں کا دین بگاڑا ہے تم ہی آزاد کرو گے فرمایا کہ کہتے ہیں۔ وہ بولی کہ اسقدر لوں گی۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا میں نے انکو لیا اور دونوں کو فسخ فرمایا کہ تم دونوں کو اللہ تعالیٰ کے واسطے میں آزاد کیا۔ پنجم ایک لونڈی فلان خاندان کی اسلام لائی اور وہ لوگ اس پر عذاب کرتے تھے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اسکو خرید کر آزاد کر دیا۔ سعید بن المسیب تابعی کہیے نے فرمایا کہ مجھے خبر ہو چکی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق رضی اللہ عنہ سے بلال رضی اللہ عنہ کا ذکر بیان کیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کئے اور امیہ بن خلف سے گفتگو ہوئی ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تو اسکو فروخت کر تا ہو وہ رضی ہو گیا مگر اس شرط سے کہ آپ اسکے عوض میں اپنا غلام فسطاس مع مال کے دیجئے۔ فسطاس حضرت ابوبکر کا غلام تھا آپ کے واسطے تجارت کیا کرتا تھا اور دس ہزار نقد و لونڈی غلام اور جانور رکھتا تھا۔ امیہ بن خلف نے یہ سب مانگا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سے پہلے بارہ فسطاس کو اسلام پر آمادہ کیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ جو مال تیرے پاس ہے وہ بھی

رفعت ہو کر نور سبز میں اُترا وہ بھی سداوق غیب کے پیچھے تھا وہاں میں نے حضرت امیر المومنین عمرو بن الخطابؓ سے ملاقات کی اور میں نے آپ سے حضرت ابوبکر و حضرت علیؓ کی گفتگو اور بعض امور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہوئے تھے بیان کیے اور خلاصہ یہ کہ آپ نے بھی یہی فرمایا۔ حضرت ذوالنون المصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا حال بیان کیا کہ میں نے ذوالنون سے کہا کہ آپ اپنا معبود دیکھ کر اور میں جو آپ کا عین متصور ہوں اور جو کچھ آپ نے اُس سے تصور کیا وہ خطائے جانینہ اور ایک حیرت انگیز دوسری حیرت سے مانع ہو پس شیخ نے نفی و اثبات دونوں کو جمع کیا۔ لیس کثرت شئی و ہوا السميع البصیر یہ عین متصور ہوں اور متصور اُس سے خالی نہیں ہے۔ ذوالنون نے کہا کہ یہ علم مجھے فوت ہو گیا اور اب مجھے ظاہر ہوا۔ لیکن اب کوئی شخص ہے جو میرے واسطے حاصل کرے میں تو اُسی حال پر قبض کر لیا گیا۔ میں نے کہا کہ اے ذوالنون ہمارا مولیٰ عزوجل فرماتا ہو یا اللہ عالم کیونکہ یکتا ہے۔ اور علم حق کسی وقت و جگہ و حالت و مقام و زندگی سے مخصوص نہیں ہو پس ذوالنون نے کہا کہ چراک اللہ خیرا۔ مجھے وہ ظاہر ہوا جو مجھے معلوم نہ تھا اور تو نے مجھے عطیہ دیا اور آئینہ ترقی کا دروازہ میرے لیے کھل گیا۔ مترجم کہتا ہے کہ شیخ ہم کا قول (عین متصور ہوں اور متصور اُس سے خالی نہیں ہے) بعض حواشی میں اس کے یہ معنی بیان کیے کہ واجب عین ممکن ہے صرف اعتبارات کا فرق ہے تو واجب عین متصور ہے جو ممکنات سے متصور ہو اور جو کچھ ممکنات میں سے متصور ہو وہ واجب سے خالی نہیں ہے۔ مترجم کہتا ہے کہ میرے نزدیک یہ غلط شرح ہے اور جواب یہ کہ اس قول کے یہ معنی ہیں کہ لیس کثرت شئی۔ میں اللہ تعالیٰ نے نفی فرمائی کہ کوئی اُس کے مثل نہیں ہے اور یہ تصور عین واجب ہے اور قولہ و ہوا السميع البصیر۔ تصور ممکنات ہے اور واجب عزوجل کی اس صفت کا تصور محال ہے۔ لیکن بصیرت سے جو تصور کیا گیا واجب اُس سے خالی نہیں ہے کیونکہ ظہور تجلی صوری اس میں ممکن ہو پس اگر تصور ہو گا واجب ہو تو غلط ہے پس واجب اپنے معبود کو صرف تصور تک نہ رکھے اور مراد تصور سے بیان منطقی عوام کی اصطلاح نہیں ہے بلکہ علم ہے جو بہ نسبت روح کے بمنزلہ تصور ہے۔ پھر واضح ہو کہ یہ قصہ اس امر کی مثال کہ بعد موت کے معرفت الہیہ میں بھی ترقی ہو سکتی ہے۔ اس طرح ہو سکتا ہے کہ عارف زندہ اس کو اپنے ساتھ لے جاوے جسے شیخ شہاب الدین مقتول کے حال میں لکھا ہے کہ بعض عارفین نے فرمایا کہ اس شخص کو یہ غلط واقع ہوا کہ اُس نے عقل کے مقام کو روح خیال کیا حالانکہ علم کے حجاب میں رہ گیا اور شاید کوئی عارف آوے جو اُس کو یہاں سے نکال لے جاوے اسی طرح شیخ رحم نے اس بیان میں ظاہر کیا کہ میں نے شیخ ذوالنون کو اس مقام سے نکال لیا اسی وجہ سے لکھا کہ شیخ ذوالنون رحم نے اس عطیہ کا شکریہ ادا کیا فافہم واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم مقام دوم بحث محبت ہے اور بدوین محبت کے حصول نہیں ہو سکتا غیب ازینکہ کبھی رب عزوجل کی جناب میں وصول و بقاء نفس بطریق محبت ہے اور بدوین محبت کے حصول نہیں ہو سکتا غیب ازینکہ کبھی محبت بآراء و تہوتی ہو جیسے عامہ مریدین میں ہے اور کبھی بندہ محبوب ہوتا ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کمال عطا فرمایا اور اس کی کیفیت کو شیخ نے قولہ تعالیٰ یوم نطش البطش الکبریٰ انا منتقمون الآیہ کے تحت میں بیان طویل لکھا ہے۔ لیکن ایسے پر ایہ سے ہے کہ عوام کی سمجھ وہاں تک نہیں پہنچتی ہے بلکہ برخلاف ہدایت کے خوف صلاحت ہے اس لیے میں نے اُس کے ترجمہ سے اس مقام پر قلم روک لیا (فائدہ) خطیب نے یہ قول لکھا ہے یجبہا الا لقی الذی

ہو کہ محشر میں ندا کی جائیگی کہ ہر ایک اپنے معبود کے پیچھے جاوے اور ہر ایک گروہ کے واسطے اُسکے معبود کی صورت ظاہر ہوگی تو وہ اُسکے پیچھے جاوے گا اور مومنین فقط کھڑے رہ جاویں گے تو اللہ تعالیٰ انکے واسطے ایک تجلی فرمائے گا ہر خلاف حقیقت کے یعنی یہ تجلی صورت کے التباس میں ہوگی اور فرما دیگا کہ تم لوگ کیوں نہیں جاتے ہو مومنین عرض کریں گے کہ ہم نے اپنے معبود کو ابھی تک نہیں دیکھا۔ ارشاد ہوگا کہ میں ہوں۔ یہ عرض کریں گے کہ معاذ اللہ۔ ہم تیرے دعوے میں نہیں آتے ہمارا رب عز وجل اللہ الواحد الصمد الخ ہو۔ پھر اس تجلی کو رفع فرما کر ظہور فرما دیگا تو یہ لوگ سجدے میں گر پڑیں گے احدث۔ بالجمہ صورت کا تصور غلط ہے اور اللہ تعالیٰ عز وجل پاک ہو کہ وہ تصور میں آوے پس وہ اپنے معتقد کی صورت دیکھے گا پھر تصوری عقدہ مغل ہو جاوے گی تو اعتقاد ہی حالت پاش پاش ہو جائیگی جیسے کفار میں مکرٹی کے جالے کی مثال بیان فرمائی جو دنیا میں جسمانی خواہش تک ہو اور بعد موت جسم کے یہ ڈھانچا کھل جاوے گا تو جال بھی مٹ جاوے گا اسی طرح اصلی تجلی سے اُسکا تصوری اعتقاد مٹ جاوے گا تو مثلاً ہر حقیقت سے ترقی ہوئی۔ اور حکمی ترقی کی مثالیں بے شمار ہیں انرا نجل وہ خواب ہو جو میں نے سابق میں نقل کیا کہ بعض ائمہ صاحبین کو خواب میں دیکھا گیا انھوں نے اپنے زمانہ کے بعد صاحبین کو منازل عالیہ میں بیان کیا اور عمر بن عبد العزیز کو پوچھا تو کہا کہ اُسکی نسبت حکم ہوا کہ تو اللہ تعالیٰ پر اپنی طرف سے حکم لگا کر تا تھا تو اسکو جسم میں لے جاؤ شیخ روح نے لکھا کہ ہم نے کتاب التجلیات میں جہان کاشفہ میں اصحاب عرفان و ائمہ مقررین سے ملاقات کا حال بیان کیا ہو وہاں ترقی بعد الموت کی صورت بیان کی ہو مولانا یحییٰ العلوم نے لکھا کہ شیخ نے کتاب التجلیات میں حضرت خلیفہ رسول اللہ ابو بکر الصدیق اور امیر المومنین حضرت عمرو عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لقاء ذکر کیا اور حکایات لطیفہ بیان فرمائی ہیں اور لکھا کہ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے مجھے فرمایا کہ تو میرا بھائی ہو میں نے شکریہ کے ساتھ اسکو قبول کر کے سرفرازی پائی پھر میں نے عرض کیا کہ حضرت ابو بکر کمان ہیں آپ نے فرمایا کہ وہ آگے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے یہ آرزو ہے کہ اُن سے ملاقات کر کے دریافت کروں جیسے میں نے آپ سے دریافت کیا۔ حضرت رضی نے فرمایا کہ تو وہ نور سفید دیکھتا ہو جو ہر اوق الغیب کے پیچھے ہے میں نے کہا کہ جی ہاں پھر میں آپ سے رخصت ہو کر وہاں داخل ہوا اور ہر اوق الغیب کے پیچھے نور سفید میں جا کر میں نے پایا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ منبر نور پر تکیہ لگائے ہوئے مغرب کی جانب متوجہ ہیں اور آپ کے اوپر سونے کا حلا اس قدر نورانی ہو کہ آنکھیں چکا چوند لگاتی ہیں اور ہر طرف سے آپکو نور محیط ہے اور آپ سر جھکائے ساکت ہیں کچھ کلام یا جنبش نہیں کرتے ہیں۔ میں نے آپ کو دو مرتبہ آواز دی تاکہ آپ متوجہ ہوں اور مجھے پہچانیں پھر جب آپ نے سر مبارک اٹھایا تو معلوم ہوا کہ وہ مجھے استقدر پہچانتے ہیں جس قدر میں خود اپنے آپ کو نہیں پہچانتا ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ کیف الامر یعنی معاملہ کیونکر ہو آپ نے فرمایا کہ وہ یہ مجھے دیکھ رہا ہو۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت علی رضی نے مجھے ایسا دلیسا ارشاد فرمایا ہو آپ نے فرمایا کہ علی رضی نے سچ کہا اور میں نے سچ کہا اور تو بھی پہچانے ہو میں نے عرض کیا کہ پھر میں کیا کروں آپ نے فرمایا کہ وہ کہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے عرض کیا کہ وہ تو آپ کا مقام ہو آپ نے فرمایا بلکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ہے میں نے عرض کیا کہ حضرت سچ فرماتے ہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مقام آپکو ہیہ فرمایا ہے آپ نے فرمایا کہ پھر میں مجھے ہیہ کیا۔ میں نے عرض کیا کہ وہ تو حضور کے قبضہ میں ہو آپ نے فرمایا کہ اچھا لے وہ میں نے مجھے ہیہ کیا۔ پھر میں آپ سے

ہو جائیگے اور قبل اسکے جب تک اللہ تعالیٰ نے فیصلے کے لیے حجاب مرتفع نہیں فرمایا اُس وقت تک آفتاب انکے سرور پر ہوگا اور اندھیرا ہوگا اور بعد ظہور جلال کے کافروں کو ان آنکھوں سے کچھ نظر نہیں آویگا اسی وجہ سے کفار اُس روز اپنے رب غرور سے محجوب ہونگے حالانکہ ایک ہی میدان میں سب مومنوں کے ساتھ جمع ہونگے اور اسی مقام سے معلوم ہوا کہ جنت میں اگر ایک عالی مرتبہ کے ساتھ اُسکی اولاد وغیرہ ملا دیے گئے تو جنت کی نعمتیں کھانے پینے میں مشترک ہونگے و لیکن عین نعمت یعنی دیدار حضرت جل شانہ اسکو دن میں دو مرتبہ ہوگا اور اُسکے عیال کو بعض کو ایک مرتبہ اور بعض کو ہفتہ میں اور بعض کو مہینہ میں اور بعض کو سال میں ایک مرتبہ ہوگا کیونکہ دیدار قدس تو بحسب لوہ بصیرت ہو جیسے دنیا میں ایک ہی گھر میں یہ لوگ جمع تھے مگر ایک عالم تھا اور دوسرا عارف تھا و علیٰ ہذا القیاس بصیرت کی راہ سے اُن میں تفاوت ہوتا ہے و فافہم واللہ تعالیٰ اعلم مولانا بکرا العلوم نے لکھا کہ پھر واضح ہو کہ علماء کشف و شہود نے بعد موت کے علمی ترقی و رباب ولایت سے بھی انکار نہ کیا مگر چند لوگوں نے التبتہ انکار کیا جیسے علاء الدین و اسمانی وغیرہ اور ان لوگوں نے انکار کسی کشف و شہود کی بنیاد پر نہیں کیا بلکہ محض تخمینہ و گمان ہی کیونکہ اصحاب کشف و شہود کے سردار شیخ اکبر محی الدین بن العربی قدس سرہ جو خاتم الاولیاء صاحب مقامات ربیعہ و کاشف اسرار الوجہین اپنی کتاب نصوص الحکم میں حیات آخرت میں علمی ترقی حاصل ہونے کو صریح بیان فرماتے ہیں چنانچہ نفس شعبی میں لکھتے ہیں کہ جب پردہ کھلتا ہے تو حق سبحانہ تعالیٰ ہر ایک کے لیے ظاہر ہو جاتا ہے مگر اُسی پر ایہ سے جو اُسکا اعتقاد ہو اور کبھی اُسکے اعتقاد کے برخلاف بھی حکم میں ظاہر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ و بدوا لہم من اللہ عالم کیونکہ انجمنیون یعنی ظاہر ہوا اُنکے واسطے جو وہ گمان نہیں رکھتے تھے۔ یعنی آخرت میں وہ ظاہر ہو جائیں اُنکے خیال میں نہیں تھا۔ اور یہ معاملہ اکثر تو حکم میں ہوتا ہے جیسے متغزل کی کو یہ اعتقاد تھا کہ گندگار کے حق میں جو بزرگ حکم ہو جب وہ بغیر توبہ کے مرے تو وہ سزا نافذ ضروری ہو پھر جب وہ مرا اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سابقہ میں وہ مرحوم ٹھہرا ہو کہ اُسکو عذاب نہیں کر لگا تو عاصی نے اللہ تعالیٰ کو غفور رحیم پایا پس اللہ تعالیٰ کی شان سے اُسکو وہ بات ظاہر ہوئی جو اُسکے گمان میں نہ تھی اور کبھی یہ بات (ہویت) میں ہوتی ہے یعنی ذات مجموعہ صفات باری تعالیٰ میں خلاف اعتقاد ظہور ہوتا ہے مثلاً بعض بندے اُسکی عبادت میں تصور قطعی کرتے ہیں کہ وہ ایسا و ایسا ہے پھر جب پردہ کھلا تو اُس نے اپنے معتقد کی صورت دیکھی و معتقد بفتح فافہم بضمغہ مفعول وہ چیز جو اُس نے اعتقاد میں جمائی تھی اور وہ حق ہو تو اُسکا اعتقاد کیا اور عقدہ کھل گیا تو اعتقاد جاتا رہا اور علم بمشاہدہ نے عود کیا اور نظر جو بعد موت کے حاصل ہوئی اُسکے بعد گت نہ نہیں ہوتی ہے پس بعض بشہ و کو تجلی صوری کے برخلاف دیدار میں ظاہر ہوتا ہے تو کشف غطا سے پہلے جو اعتقاد تھا اُسکے خلاف اُنکو ہویت میں عیان ہوا۔ مگر ترجمہ کہتا ہے کہ اگر میں اس سب کی شرح کروں تو ذکر دراز ہو جاوے لیکن اخیر حلقہ یعنی ہویت میں ترقی کے متعلق اعتقاد بیان کرنا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فکشفنا عنک غطاؤک فبصرک الیوم حدید۔ یعنی ہم نے تیرا پردہ کھول دیا تو آج تیری نظر تیز ہے۔ اور خلاصہ بیان یہ کہ اس بندے نے اپنے اعتقاد میں حق عزوجل مجبوری ایک صورت جمائی اور بعد پردہ کھلنے کے اُس نے اپنے اعتقاد کی صورت دیکھی اور یہ صورت تحقیقی ہے اور ہر ایک کے واسطے ایسا واقع ہوگا چنانچہ حدیث میں

بندے کو اپنی نوع میں استعداد اعلیٰ عطا ہوئی تو اس پر (وجہ اعلیٰ) سے تجلی ہوا اور یہ بحسب اسم اعلیٰ کے جمیع صفات کو شامل ہے اور (وجہ ربہ) خود (ربہ الاعلیٰ) ہی۔ ہر مرتبہ کتنا ہو کہ یہ نکتہ لطیف شریف ہو اور واضح ہو کہ یہ غایت منزلت اتنی ہی اور متواتر دایا سے معلوم ہوا کہ اس صفت میں اول حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور یہ بات ظاہر ہو کہ جب آپ اس امت میں اعلیٰ درجہ کے صدیق ہیں تو باقی امتوں کے صدیقین سے آپ بدرجہ اولیٰ افضل و اعلیٰ ہیں تو تمام اولین و آخرین میں سب صدیقین سے آپ کا مرتبہ اعلیٰ ہو اور آپ کے واسطے انتہائے منزلت یہ ہو یعنی (ابتداء وجہ ربہ الاعلیٰ) اور یہ مرتبہ حضرت سرور عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے اللہ تعالیٰ کے نام پاک کی تسبیح میں ارشاد ہوا ہی بقولہ تعالیٰ (سبح اسم ربک الاعلیٰ) تو صدیقین کا انتہائے مرتبہ ختم ہوا اور اُس کے بعد نبوت کا مرتبہ شروع ہوتا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرتبہ نبوت میں سب سے اعلیٰ ہیں تو آپ کے لیے اس مرتبہ کو تسبیح کرنا مرتبہ قرار دیا سبحان اللہ تعالیٰ شانہ لا الہ الاہو (قولہ) ولسوف یرضی۔ اور عنقریب وہ بندہ اتنی ضرور راضی ہوگا۔ یعنی جب وہ مقام عین الجمع و شہود ذاتی میں مشاہدہ پاویگا اور مقام تفصیل میں فناء کے بعد بقاء کی حالت میں مشاہدہ ہوگا اور ہم نے حالت بقاء اس لیے کہا کہ رضا مقتضی ہو کہ وجود مع وصف حاصل ہو واللہ سبحانہ تعالیٰ ہوا علیم حکیم واضح ہو کہ شیخ ابن العربیؒ نے عالم مشاہدہ میں روحانی عروج میں حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ وغیرہ کی حضوری حاصل کی جس کا بیان خود لکھا ہو اور یہ بھی واضح ہو کہ عالم میں اللہ تعالیٰ نے جواہرات میں خاص استعداد و فطری مخلوق فرمائی ہو اور عالم ارضی و سماوی مانند مقناطیس و قطب میں ارتباط ہو جو جہان میں مشہور ہو اور عجیب کہ مقناطیس کے دو ٹکڑے باہم جذب ہو کر مل جاتے ہیں اور سوئی وغیرہ لوہے کو جذب کر لیتا ہو پس استعداد فطری بالفت و محبت منوط و مربوط ہیں اور ہم ان باتوں کو شیخ ابن العربیؒ کے کلام سے خلاصہ ترجمہ کرتے ہیں تاکہ صاحب استعداد خود اس اشارہ سے توفیق الہی سبحانہ فائدہ پاوے و اس سال ربی الاعلیٰ رضاء و رضوانہ و ہو مولائی حبسی و نعم الوکیل (مقام اول) مولانا بکیر العلومؒ نے حاشی رسالہ زاہدہ میں لکھا کہ کیا بعد فنا و بناوی کے آخرت میں بھی ترقی علمی ہوتی ہو یا نہیں ہوتی ہو۔ بعض نے انکار کیا اور بعض نے اثبات کیا (لیکن) جو لوگ حیات آخرت میں علمی ترقی سے منکر ہیں وہ فقط یہ کہتے ہیں کہ جو علوم کہ معرفت الہی اور ولایت سے متعلق ہیں وہ نہیں بڑھتے ہیں۔ رہا سو ہے اسکے دیگر علوم جدیدہ کا وہاں حاصل ہونا تو اس سے نہ کسی مسلمان نے انکار کیا اور نہ کسی حکیم فلسفی نے انکار کیا اور انکار کیونکر ہو سکتا ہو یہ بات صاف ظاہر ہو کہ کافرون نے جنت و رسالت و اپنا باطل ہونا بلکہ آخرت میں زندہ ہونا کچھ نہیں جانا تھا حالانکہ موت کے بعد یہ سب باتیں جان لینے اور اہل جنت مقام نعمت میں ہونگے اور اہل جہنم مقام عذاب میں دردمند ہونگے۔ یہ علم ظاہر ہے اور اہل اسلام میں سے کسی نے انکار نہیں کیا اور نہ انکار کی مجال ہو کیونکہ یہ سب قطعی ضروریات میں سے ہے مگر کچھ کہتا ہو کہ نکتہ یہ ہو کہ جو علوم متعلق بروحانیات ہیں وہ کفار میں نہیں بڑھ سکتے ہیں کیونکہ بدن جو آہ ترقی ہے وہ نذر دہے اور اگر تغیر ممکن ہوتا تو جب کافر نے بعد مرگ کے وہاں کے حالات دیکھے تھے تو منکر و نکیر سے کتنا کہ بین مومنین ہوں و لیکن وہ بدستور رہا یا کہہ کے نادانی ظاہر کرنا اور قیامت میں باوجودیکہ زمین اپنے رب کے نور سے نہایت روشن ہوگی پھر بھی کفار کے واسطے روز قیامت نہایت تاریک ہوگا اس لیے کہ اگر نظر آتا تو اس آنکھ سے آفتاب وغیرہ کی روشنی میں نظر آتا اور اُس دن اول تو اس آنکھ کا نور مستور ہوگا کیونکہ روحانی طور ہوگا جیسے دنیا میں عکس ہو اور دوم اس روز آفتاب وغیرہ کے نور

اس نامتعلیم کی لپٹ جمیع مراتب الوجود کو حاوی ہو اسی نارکبری میں حجاب غلیظ و قہر غضب و تعذیب آثار شامل ہیں اقول
اسکے بیان شیخؒ نے قولہ تعالیٰ الصلی النار الکبریٰ میں لکھ دیا ہے (قولہ تعالیٰ) لایصلا ہا الا الا شقی الخ۔ اشقی۔ اللہ تعالیٰ سے
شرک کر نیوالا خبیث مشرک جسکی ذات خبیث ہے۔ الذی کذب وتولی۔ اُسے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کو جھوٹ جانا کیونکہ وہ مشرک
ہو اور وہ دین حق سے منہ پھیرتا ہے (قولہ تعالیٰ) وسجنہا الاتقی۔ اتقی اس نارکبری سے جمیع مراتب وجود میں دور رکھا جاتا ہے اتقی
کی شان حقیقت میں یہ ہے کہ مقام عین الجمع میں سوائے اللہ تعالیٰ کے سب سے بچا ہوا متقی ہو اور فقط اللہ تعالیٰ کی ذات و
صفات کے ایمان و آثار میں مستغرق ہو مترجم کہتا ہے کہ ہمارے زمانہ میں لوگ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے معنی کم سمجھتے ہیں اسی وجہ سے
اسلام و تقویٰ کے معنی نہیں سمجھ میں آتے ہیں اور خالی لفظ کے لغوی معنی جاننا کچھ مفید نہیں ہے بلکہ مطلب تو یہ ہے کہ کیفیت ایمانہ
دل میں پیدا ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہوتا ہے۔ شیخؒ نے لکھا کہ متقی کے مراتب ہیں چنانچہ دوسرا مرتبہ یہ کہ صفات تاک
ہو تو یہ بندہ اگرچہ عالی درجہ میں ہو اور اُسکے گناہ مغفور ہیں ولیکن ابرار و مقربین سے نیچے ہے کیونکہ ذات قدس تک نہیں
پہنچا ہے (قولہ) الذی یوتی مالہ تیزکی۔ یہ بندہ اتقی اپنے مال کو ایسی حالت میں نام آئی پر صدقہ کرتا ہے کہ جس حالت میں وہ پاکیزہ
ظاہر و باطن سوائے حق تعالیٰ کے جملہ انداد و اغیار کی لوٹ سے پاک ہو حتیٰ کہ اسکو لحظہ بلحظہ بھی کسی غیر سے التفات نہیں ہو اور شخصی
لوٹ سے بھی پاک ہو مترجم کہتا ہے کہ یہ نہایت اعلیٰ مرتبہ ہو اور اس سے معلوم ہوا کہ قلب صدیق کس اعلیٰ شان پر ہوتا ہے واللہ الحمد
والمنة اور جسے نور ایمانی سے مرتبہ صدیق پہچانا تو وہ خوب جان جائیگا کہ مرتبہ نبوت اس قدر اہل مرتبہ عبودیت ہے کہ قیاس
میں نہیں آسکتا ہے اور ہم لوگ اُس مرتبہ عالی کے ادراک شان سے عاجز ہیں اور اپنے رب ارحم الراحمین کے فضل و رحمت
سے امیدوار ہیں کہ آخرت میں ان بندگان مقربین ابرار کی زیارت سے سرفراز ہوں اور جو کچھ امید ہو اُسکو ہمارا رب رحیم خوب
جانتا ہے ولیکن اپنی حقارت پر نظر کر کے ہم شرم سے اُسکو زبان سے ادا نہیں کر سکتے ہیں وحسبنا اللہ و نعم الوکیل (قولہ تعالیٰ)
والا احد عندہ من لغتہ مخزئی۔ خلاصہ یہ کہ اتقی موصوف یہ مال کسی کے احسان وغیرہ کے مکافات و عوض میں نہیں دیتا بلکہ خاص
اور وسع وجہ ربہ الاعلیٰ ہو اور اسکے ساتھ میں کسی دوسری چیز کا لگاؤ نہیں ہو اگر کہا جاوے کہ (وجہ ربہ) کی صفت (الاعلیٰ)
بیان فرمائے میں کیا نکلتے ہیں حالانکہ اس کلام پاک سے بجائے اعلیٰ معارف قدس کے فلسفی منافق نے یہ کفر نکالا کہ رب اعلیٰ اللہ
تعالیٰ ہے اور اُس سے نیچے رب ادنیٰ ہر نوع کے واسطے ایک رب ہوتا ہے اور یہ خیال محض باطل و شرک والحاد ہے جسکو امام
مازی نے مصرح بیان کر کے رو کر دیا ہے اور آیت میں رب عزوجل نے نام (ربہ) کی عظمت ظاہر فرمائی تو (الاعلیٰ) صفت
بیان کی اور اس سے اصلی صفت کا اظہار مقصود ہوتا ہے یہ نہیں کہ یہ اعلیٰ ہو اور اسکے علاوہ کوئی واسطہ و کوئی ادنیٰ بھی ہو بلکہ
سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی رب نہیں ہے۔ جیسے رب العرش العظیم میں غرش کی صفت (عظیم) ہو تو یہ مراد نہیں کہ کوئی
عرش حقیر بھی ہو اور اسکی مثالیں بکثرت آتی ہیں تو یہ عام طور پر علماء کا جواب ہے اور شیخ عارف ابن العربیؒ نے ایک نکتہ
معرفت بیان کیا کہ یہاں (وجہ ربہ الاعلیٰ) اسلیے فرمایا کہ اتقی چونکہ اعلیٰ تہ تقویٰ پر تھا تو (ربہ الاعلیٰ) اس صفت سے آیا یعنی ذات
پاک مع جمیع صفات ہے۔ اور نکتہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے موافق ہر نام پاک کے وجہ ہے جسکے ساتھ تجلی فرماتا ہے اور یہ تجلی
اُس بندے کے واسطے ہوتی ہے جو اسی استعداد سے یاد کرتا اور دعا و عبادت کرتا ہے تو اساء صفات بحسب استعدادات ہیں اور ہر

دونوں جہان کا مالک دخالق ہر وہ جس طرح چاہے انہیں تصرف فرماتا ہو اور اسکی شان میں بخل وغیرہ کسی قسم کا ذمہ گمان بھی باطل ہے تو دنیا و آخرت کے حاصل کرنے کی ہدایت اسکی طرف سے حاصل ہونے میں کچھ روک نہیں ہے۔ شیخؒ نے کہا کہ اسکا مفاد یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر بندے کو جو اسکی طرف توجہ کرے جس لیاقت سے ہو اسکو وہی عطا فرماتا ہو مگر ہم کہتا ہے کہ ہر مقام سمجھنے کے واسطے اس مقام کی لیاقت درکار ہو اور اس قاعدہ میں کسی عاقل کو ذرہ برابر شک نہیں ہے مثال یہ کہ اگر کوئی شخص تحریر اقلیدس کی سینٹا لیسوین شکل سمجھنا چاہے تو کبھی نہیں سمجھ سکتا ہے جب تک کہ وہ ابتدائی اصول موضوعہ و علوم ستارفہ و جن اشکال متقدمہ کی ثبوت میں ضرورت ہو سب سے واقف نہ ہو تب تک وہ نہیں ثابت کر سکتا اور نہ سمجھ سکتا ہے اور اشکال متقدمہ ابتدا سے واقفیت چاہتے ہیں۔ یہ تو ایک ریاضی فن کی ایک شاخ کا بیان ہے اور ریاضی کا علم جو اس طفلانہ کے مناسب ہے اسکی وجہ علوم حکمت میں مدلل بیان ہوئی ہے اور تجربہ سے دیکھو کہ حساب در ریاضی وغیرہ بچوں کو بہت جلد حاصل ہوتے ہیں اور جب عمر جوانی پوری ہو جاوے اسوقت بہت مشکل سے سمجھ میں آتے ہیں تجر بچوں کے پڑھانے والے علوم میں یہ حالت ہے اور اس سے بڑھکر علوم طبیعیہ ہیں اور طبیعیہ سے بڑھکر علوم عقلیہ ہیں اور علوم عقلیہ سے بڑھکر اسرار حکمت الہیہ ہیں تو یہاں عالم میں جو اسرار حکمت الہی جاری ہیں انکے سمجھنے کے لیے پہلے ان تمام علوم میں لیاقت پیدا کرے تب جا کر علوم حکمت الہی میں غور کرے اور ایسا عالم اللہ بدیہ یقین کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسرار حکمت کو حق مانتا ہے و لیکن آجکل بکثرت نادان بے سمجھے جانور کی طرح سر بھیر کر بدک جاتے ہیں۔ اور اگر لیاقت ہوتی تو اللہ تعالیٰ کی شان اعلیٰ و اجل کے سامنے خود فانی ہوتے اور یقین جانتے کہ ہدایت کا دار و مدار اللہ تعالیٰ ہی پر ہے اور بے شک دنیا و آخرت اسی کی بادشاہت ہے۔ شیخؒ نے لکھا کہ جو کوئی بندہ اپنے رب تبارک و تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اسی کے واسطے اسلام لاتا یعنی ظاہر و باطن اسی کے حضور میں گردن جھکا کر رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکو محروم نہیں فرماتا ہے اور جس بندے نے سب چھوڑ کر خالص اللہ تعالیٰ ہی کو چاہا تو وہ دنیا و آخرت سے اوپر ہو چکا اللہ تعالیٰ اسکو ثواب دیتا اور ثواب آخرت سے محروم نہیں رکھتا ہے کیونکہ جسے سب سے بالا منزل اعلیٰ کو اختیار کیا تو جو نر لین اس سے نیچے ہیں سب اس کے قدم کے نیچے ہیں ایسا واسطے اہل کتاب کے حق میں فرمایا لا کلو امن فوقہم ومن تحتہم۔ یعنی اگر اہل کتاب استقیم ہو کر ایمان لاتے تو اپنے اوپر سے اور پائوں کے نیچے سے کھاتے۔ ہر۔ یعنی منزلت اعلیٰ میں پہنچنے والے کو یہ خوف بیکار ہو کہ وہ کسان سے کھا لینگا جیسے مدینے کے یہودی عالموں کو یہ دغدغہ و خوف تھا کہ اگر ہم ایمان لا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہوں تو یہودی عوام بھی مسلمان ہو کر ہمارے برابر ہو جائیں گے جیسے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں یہ طریقہ جاری ہے کہ جو غلام ایمان لائے ہیں وہ اکابر صحابہؓ کے ساتھ بھائی بھائی کی طرح رہتے ہیں تو یہ عوام یہودی بھی اسی طرح ہمارے برابر ہو جاوے گئے اور اب ہم لوگوں کو اپنا پیشوا بلکہ بادشاہ سمجھتے ہیں اور نذرانہ لاتے ہیں۔ یہ سب عزت و ثروت جاتی رہیگی اسی قسم کے شیطانی خیالات نے اس مرد و قوم کو گھیر لیا تھا اور اللہ تعالیٰ عز و جل نے فرمایا کہ اگر یہ قوم استقامت سے بندگی میں داخل ہوتی تو ایسی بلندی پر پہنچتی کہ یہ دنیا اس سے بہت نیچے ہے تو ضرور قدموں کے نیچے ہوتی۔ اور حدیث میں یہ بات ثبوت ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا اللہ تعالیٰ اسکی دنیا کے امورات خود کفایت فرماتا ہے (قولہ) فانذرکم ناراً ساطعۃ۔

لیئے دنیاوی زندگی میں ہم نے ہر ایک کی معیشت اسکو بانٹ دی ہے۔ اور آدمی کی معاش بدن اور روح دہی جن دونوں کے لیے ہے اور ہر ایک کے واسطے سعی جداگانہ ہے اور سعی کے واسطے مراتب کثیرہ ہیں جیسے دنیا میں سلطان کے شعلیق وزیر و ندیم و جلس و عامل و لشکری وغیرہ ہوتے ہیں اسی قیاس سے حقیقت باقیہ کی سعی کرنے والے مرید اور مراد و عارف و محب و صل و فانی وغیرہ ایسے مراتب تک ہیں کہ وہ ان بیان و عبارت کام نہیں کرتی ہے (قولہ) ولسوف یرضی شیخ جنیدؒ نے فرمایا کہ جب ہم راضی ہوتے ہیں تو ہماری رضا کے انوار بندے کو پہنچتے ہیں اور وہ مقام رضا میں متحقق ہو جاتا ہے کیونکہ مقام الرضا تک کوئی نہیں پہنچ سکتا مگر وہی جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو شیخ واسطیؒ نے کہا کہ اُس بندے کی تجارت کامل نفع ہوجئے وجہ اللہ تعالیٰ کو پایا **الخصائص العرفی** شیخ ابن العربیؒ نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ ولعل الذلشی الخ شب تاریک نفس جب نور روح کو چھپا دے اور نہار روح جب روشن ہوا اور انھیں دونوں کی اجتماع سے قلب پیدا ہوا اگر اسکا ایک رخ بجانب روح ہو اسکا نام فواد ہے جس سے معارف و حقائق حاصل کرتا ہے اور ایک رخ بجانب نفس ہو اسکو صدر کہتے ہیں جس سے اسرار و معانی کو محفوظ رکھتا ہے۔ خالق حکیم نے تمام قدرت سے ذکر و انہی کو پیدا کیا ہر شخص میں نور روح ہے اور مادہ نفس ہے اور دونوں کے جوڑے سے قلب پیدا ہوا (قولہ) ان سعیم لشی۔ تمہاری سعی جدا جدا متفرق وجوہ میں ہے کیونکہ روح کی جانب جذب ہونے میں مراتب مختلفہ ہیں اور نفس کی جانب مائل ہونے میں بھی مراتب بیشمار ہیں پس نورانیت جس قدر غالب ہو اسی قدر روح کی جانب جذب زیادہ ہو گا اور تاریکی جس قدر غالب ہو اسی قدر نفس کی جانب میلان شدید ہو گا (قولہ) فاما من اعطی و اتقی الخ تقویٰ یہ کہ جو چیزیں حق سے مشغول کرنے والی ہیں اُسے جدائی اختیار کرے اور نفس کے میلان سے بچے اور حسنی کی تصدیق کرے یعنی ایمانی کمال کو علم سے جائے کیونکہ جب تک یہ یقین نہ ہو تب تک ترقی نہیں کر سکتا ہے پس جس بندے نے ان باتوں کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ اُسکو عروج کی توفیق دیتا ہے اور اُسکے یقین کو قوت دیتا ہے اور بیہودہ تعلقات قطع کرتا ہے (قولہ) واما من غفل الخ جس نے مال دنیا کی محبت اختیار کی اور اُسکے جمع کرنے میں سعی کی اور محبت حق میں اُسکو دینے سے روکا اور معارج عالیہ کے حاصل کرنے سے بے پروا ہوا۔ اور سوائے دنیا کے اُسے آخرت و معالی درجات سے انکار کیا تو ایسے شخص کو توفیق نہیں ملتی اور فطرت کے درجہ سے بھی قعر طبیعت میں اسفل السافلین میں گر جاتا ہے وہ ان کیڑے مکوڑوں میں ملکر اپنی خواہشات سے محروم رہتا ہے (قولہ) وما یغنی عنہ مال الا یہ۔ اور جس مال کے حاصل کرنے میں اُسے کوفت اٹھایا اور ساری عمر جان کھپائی جب وہ غار جنیم میں گرا تو مال کچھ کام نہ آیا (قولہ) ان علینا اللہ دی۔ ہدایت ہمارے ذمہ ہے کسی دوسرے کو قدرت و قوت نہیں ہے اس میں دو باتیں جمع ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی ہدایت کو پیدا کرتے والا ہے جیسے آنکھ میں قوت ہے مثلاً وہی پیدا کرتا ہے اور دوسری بات یہ کہ جس شخص کو وہ چاہے وہی ہدایت لینا ہے تو دونوں باتیں اس میں جمع فرمائیں کہ ہدایت ہمارے ہی اور ہدایت دہی یعنی ہدایت کا تمام دار و مدار اُسی پر ہے شیخؒ نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ ہم ہی اُسکو اپنی جانب ارشاد فرماتے ہیں بنو عقل و حواس۔ اور ہم ہی دلائل عقلیہ و ہدایت نبوت میں جمع کرتے ہیں اور ہم ہی سمجھنے کی ہدایت و قوت دیتے ہیں (قولہ) دان لنا لاخرة والاولی۔ اور آخرت و دنیا ہمارے ہی واسطے ہے صبح ہو کہ اللہ تعالیٰ ہی

حق میں نازل ہوئی ہو اور اس متواتر علم قطعی کے بعد جس فرقے نے انکار کیا وہ گمراہ فرقہ ہے جو فقط اپنے جی کا تابع ہو اور اللہ تعالیٰ رسول کی راہ سے خارج ہو اور یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ جو گمراہ بے ایمان راہ حق سے منحرف ہو وہ کبھی اقرار نہیں کرتا جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُسکو ہدایت نہ ہو کیا نہیں دیکھتے ہو کہ حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت آفتاب سے زیادہ روشن ہو لیکن یہود وغیرہ کسی طرح اقرار نہیں کرتے ہیں رازیؒ وغیرہ نے لکھا کہ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے واسطے ان آیات میں نہایت ہی بلند مرتبہ کے فضائل مذکور ہیں اور سوائے عارف کے کوئی ان فضائل کی بزرگیوں کا اندازہ نہیں کر سکتا ہو اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے واسطے (الصدیق) کا لقب بے مثل فضیلت ہو اور اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو ممتاز فرمایا کہ زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی دوسرے کو یہ لقب نہیں دیا گیا تو محبت تمام امت پر تمام ہو اور اللہ تعالیٰ ہوا لہا وی رازیؒ نے لکھا کہ بلال رضی اللہ عنہ عبد اللہ بن جدعان کے غلام تھے انھوں نے مشرکوں کے بتوں سے بے ادبی کی تو مشرکوں نے ابن جدعان سے شکایت کی۔ ابن جدعان نے بلال کو پکڑ کر مشرکوں کے حوالہ کیا اور سوا ونٹ بھی دیے کہ اونٹوں کو بتوں کے نام قربانی کرو اور مشرکوں نے بلال کو لیکر عذاب دینا شروع کیا حتیٰ کہ سخت دھوپ میں جلتی ریگ پر لٹاتے اور گرم لوہے سے داغتے اور وہ یہی کہتا کہ احدا حد۔ اس حالت میں اُس طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا آپ نے فرمایا کہ صبر کر کہ احد تجکو نجات دے گا اور آپ نے جا کر ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے یہ حال بیان کیا اور فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کے واسطے عذاب کیا جاتا ہو۔ (مترجم کہتا ہے کہ شاید اسے بن خلف لعین اپنے قبضہ میں کر کے عذاب کیا کرتا تھا) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک رطل سونا لیکر گئے اور مشرکوں سے اُسکو خرید کر آزاد کر دیا۔ مشرکوں نے کہنا شروع کیا کہ یہ ابوبکر نے اس وجہ سے کیا اور اپنا مال برباد کیا کہ بلال کا کچھ احسان ابوبکر کی طرف تھا پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ **مَّا لَاحِدَعْنَدَہُ مِنْ نِّعْمَۃٍ تَجْزِی الْاِِبْتِغَاءَ وَجہ رَبِّہِ الْاَعْلٰی ولسوف یرضٰی۔** رازیؒ نے کہا کہ قولہ **الابتغاء**۔ استنثار ہے لیکن غیر جنس سے استنثار ہے جیسے اکثر بولتے ہیں اور حاصل یہ کہ یہ کسی کی جزائے احسان نہیں ہو مگر ابتغاء وجہ رب۔ ہے رازیؒ نے لکھا کہ امام ابوبکر الباقلائیؒ نے کتاب الابانہ میں ذکر کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں بھی ایک آیت وارد ہوئی ہو یعنی قولہ تعالیٰ **اِنَّمَا نَطْعِمُکُمْ لَوْجَہِ اللّٰہِ لَا نَزِیْدُکُمْ مِّنْکُمْ اَلٰیہ۔** اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جن محتاجوں کو کھانا کھلا دیا تھا وہ بھی خالص لوجہ اللہ تعالیٰ تھا جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حق میں ابتغاء وجہ اللہ تعالیٰ مصرح ہو لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے آیت میں۔ **اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبِّنا یَوْمَاجْعُوْنا الْاٰیہ** مصرح ہے یعنی خوف عذاب قیامت سے نجات چاہی۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خالص وجہ اللہ تعالیٰ کی خواہش کی بدون اس کے کہ ثواب کی طمع یا عذاب سے نجات کی نیت ہو پس ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مقام اعلیٰ و اجل ہو (تفسیر کبیر) ف اشارت عرائس میں ہے کہ قولہ تعالیٰ **وَاللّٰی اِذَا یَغْشٰی۔** قسم ہے شب قہر کی جب محرومون کو مشاہدہ حق سے پرہیز کر دے۔ **وَالنَّارُ اِذَا یَجْلِی۔** اور قسم نہار مشاہدہ کی جب ارواح عارفین کے لیے بجلی کرے۔ **اَسْتَاوٰی** نے لیل اصحاب التجربہ کو اور نہار عرفان کو لیا۔ سہل نے لیل تاریکی نفس لی اور نہار روح لی (قولہ تعالیٰ) **اِن سَعِیْکُمْ لَشِقٰی اَلْحٰمِ اِبْنِ عَطَا** نے کہا کہ سعی ہر ایک کی ہو جو اللہ تعالیٰ نے اُس کے پیدا کرنے سے پہلے بانٹ دی ہو وقد قال تعالیٰ **مَنْ قَسَمْنَا بَیْنَہُمْ مَّعِیْشَتَہُمْ فِی الْحَیٰۃِ الدُّنْیَا**

حتیٰ کہ جو لوڈ بیان و غلام مسلمان ہوتے اُنکو خرید کر آزاد کیا کرتے تھے۔ صفت دوم (مالا احراز عنہ من نعمۃ تجزئ) یعنی اس اتقی کے ذمہ کسی کا حق نعمت نہیں جسکی مکافات و جزا دینا لائق ہو۔ یہ صفت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں صادق نہیں ہو سکتی ہوا سبب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں تھے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنکو ابوطالب سے لے لیا تھا اور کھلاتے پلاتے اور کپڑا پہناتے اور سب طرح پرورش و تربیت فرماتے تھے تو یہ ایسی نعمت تھی کہ اُسکی جزا واجب ہو یعنی اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلعم کو اسکی جزائے جمیل عطا فرمادے گا۔ یہاں تو مقصود یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذمہ ایسی نعمت موجود تھی جسکی جزا واجب ہو اور کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ آپ کی ہدایت کا احسان سب پر ہی (جواب) وہ احسان قابل جزا نہیں ہو لقولہ تعالیٰ قل لا اسئلكم علیہ اجر الا یہ۔ یعنی اے محمد کدے کہ میں تم سے اس ہدایت پر کچھ اجرت نہیں مانگتا ہوں۔ ۱۔ اور بعض پیغمبروں سے ذکر فرمایا کہ اُسے اپنی امت سے کہا کہ میری اجرت کسی پر نہیں سوا اے اللہ تعالیٰ کے۔ ۲۔ خلاصہ یہ کہ پیغمبر کے ذمہ پر ہوتا ہو کہ امتی کو ہدایت فرماوے اور یہ نہیں ہونا کہ بادشاہی خزانہ سے اُنکو روزینہ پہونچاوے تو جب نان و نفقہ دیا تو یہ نعمت قابل جزا ہو پس یہ صفت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں صادق نہیں آتی ہو اور ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ پر صادق آتی ہو بلکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنا مال و جان سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کیا کرتے تھے اور ہمیشہ اپنا مال حضور میں حاضر کیا کرتے تھے حتیٰ کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مرض وفات میں خطبہ پڑھا گویا آخری خطبہ تھا تو اُس خطبہ میں فرمایا کہ اے لوگو آگاہ رہو کہ میرے ذمہ جس کسی کا کچھ حق سلوک (مالی نفع دینا) تھا میں نے اُسکا عوض دیدیا سوا اے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اور مجھے کسی کے مال سے فائدہ نہیں پہونچا جیسا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مال سے مجھے آرام پہونچا اور ہم نے اسکی مکافات نہیں کی بلکہ قیامت میں اللہ تعالیٰ اُسکی جزائے جمیل عطا فرمادے گا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ یہ سنکر رونے لگے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ابو بکر کا جان و مال سوا آپ کے کسی کا نہیں ہے مگر ہم کہتا ہوں کہ ایک خطبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد ذکر و مضامین کے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو مختار کیا کہ وہ چاہے دنیا میں رہے اور چاہے آخرت میں اُوے اُسے اللہ تعالیٰ کے پاس آخرت میں جو نعمت ہو وہ اختیار کی۔ ۳۔ اس خطبہ کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت مزاج اچھی تھی جو صحابی راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکا حال بیان کیا تو ہم سب نے یہ جانا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بندے کا حال بیان فرماتے ہیں کسی کو کچھ علم نہیں ہوا سوا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے کہ وہ ایک بار گری رونے لگے اور رورور کر آہستہ آہستہ یہ کہتے جاتے تھے کہ۔ بلکہ ہم آپ پر اپنے مان باپ قربان کر دیں۔ ہم لوگوں نے اُنکے رونے سے تعجب کیا کہ یہ کیا موقع رونے کا ہو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک بندے کا ذکر فرماتے ہیں اور یہ بے فائدہ روتے ہیں۔ پھر کھلا کہ وہ بندہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کا علم ہم سب سے زیادہ تھا۔ بائجلہ و لون آیتوں کے ملانے سے صاف ظاہر ہوا کہ اتقی عند اللہ اکرم ہو اور آیت میں۔ الاتقی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس آیت کا مصداق اول نہیں ہو سکتے ہیں تو قطعاً ثبوت ہوا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ تمام امت سے افضل ہیں مگر ہم کہتا ہے کہ کثرت روایات سے صاف معلوم ہو کہ صدر اول یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم میں یہ بات معروف تھی کہ یہ آیت حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ

کہ جس قدر استرہ سے بال صاف ہو جاتے ہیں پس فسخ کرنا ضرورت ہو نہیں تو باہمی فساد میں کثرت ہوگی اور دین بین یہ امر خود معلوم ہے کہ جو کوئی اتقی ہو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اکرم ہے مگر حکم کہتا ہے کہ آخر یہ بات سخت مضرب پیدا ہوئی کہ لوگوں کے درمیان یہ عقیدہ ہو گیا کہ حسب و نسب عمدہ چیز ہے کہ شرع میں بھی اسکا اعتبار کیا گیا ہو اور رفتہ رفتہ عوام میں یہ خیالات سخت ہو گئے اور اس سے ایسے عظیم فتن ہوئے کہ دنیا نے اپنا غلبہ پایا اور رعوت و جہالت چھا گئی اسی لیے اس زمانہ میں یورپ کے عقلا نے اس قاعدہ کو بڑی کوشش سے گویا اپنے بیان مثلاً یا لیکن چونکہ ان لوگوں کی ساری کوشش فقط دنیا کے واسطے ہے تو جس کسی نے دنیا حاصل کرنے کے علوم و فنون میں کمال حاصل کیا اسکو وزیر اعظم تک مقرر کر لیتے ہیں اگرچہ وہ اصل میں موحی ہو۔ اور اہل الحق کے واسطے جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں چاہے کہ دنیا کو چھوڑ کر آخرت کی فضیلت میں کوشش کریں اور وہ فقط تقویٰ ہی رازی نے کہا کہ تقویٰ محسوس تھا تو اس محسوس چیز سے امت کو ذلیل دیدی کہ جسمیں تقویٰ بہت سردیکھو تو جان لو کہ یہی بقدر اپنے تقویٰ کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اکرم ہے اور یہ دونوں باتیں باہم ملی ہوئی ہیں جدا نہیں ہوتی ہیں یعنی جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اکرم ہے وہ ضرور اتقی ہے لیکن اگر اسطرح بیان ہو تو فائدہ حاصل ہو کیونکہ بدون وحی کے یہ بات معلوم نہیں ہو سکتی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون بندہ ہو اور اس امر میں کوشش بھی غیر ممکن ہو و لیکن جب یہ فرمایا کہ اکرم وہی ہے جو اتقی ہے تو ہر بندہ اتقی ہونے میں سعی کر گیا۔ پس آیت میں گویا یہ سوال ہے کہ عرب میں بکثرت قبائل ہیں اور ہر قبیلہ اپنے اپنے مکارم اخلاق اور بہادری کے آثار و فخر سے بیان کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کس کو زیادہ کرامت ہو پس جواب دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ اکرم وہ ہے جو اتقی ہو اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ (اکرم) یعنی اس امت میں سے جو اتقی ہو وہ افضل ہے اور یہ نسبت اضافی ہے یعنی مثلاً تمام امت میں سے جو اتقی ہو وہ سب سے افضل ہے پھر اسکے بعد جو باقی ہیں ان میں جو اتقی ہو وہ افضل ہے پھر اسکے بعد علیٰ ہذا القیاس اب آیت میں دیکھو کہ جب یہ آیت اُتری تو اللہ تعالیٰ نے (الاتقی) کو سب امت میں سے مطلقاً لیا تو ضرور ہے کہ یہ سب سے افضل ہے اور امت نے اجماع کیا کہ وہ یا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں یا علی رضی اللہ عنہ ہیں لیکن آیت سے معلوم ہوا کہ ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ ہیں تو دوسرا قول ٹھیک ٹھیک نہیں ہو۔ دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں اتقی کے ساتھ جو اوصاف مذکور ہیں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر استداؤ وقت نزول وحی کے صادق نہیں آتے ہیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ پر صادق آتے ہیں تو ضرور ابوبکر رضی اللہ عنہ مراد ہیں اگرچہ اُنکے بعد دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم بھی درجہ بدرجہ اتقی و افضل ہوتے جاویں۔ اب رہا یہ کہ آیت کے اوصاف حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اس لیے صادق نہیں آتے ہیں۔ الاتقی کے صفت اول یہ کہ (بوتی مالہ تیزکی) وہ تزکیہ کے واسطے اپنا مال دیتا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت مالدار نہیں تھے کیونکہ ابوطالب نے جو میراث پائی تھی جب ابوطالب مرے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ میراث سے محروم رہے اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اسلام لائے تھے لہذا ابوطالب کے دوسرے بیٹوں عقیل وغیرہ نے سب میراث لے لی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ پروردش میں لے لیا اور اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر قریب دس برس کے تھی۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے مال سے اُن لوگوں کے ساتھ بہت سلوک کرتے تھے۔ جو اسلام لاتے تھے یعنی جب اُنکے اسلام لانے سے مشرکین اُنکے دشمن ہو جاتے تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اپنے مال سے وٹکری کرتے

تھا۔ اس یقین کے ساتھ ہر دم پا در ہے اور خوف و رحمت کے سب صفات دل میں بے غفلت جمع ہوں یہ تقویٰ ہی ہر چند کہ یہ دل سے ہوتا ہو لیکن جب دل میں اس طرح تقویٰ ہوتا ہو تو ظاہر میں اُسی کے موافق اعمال نیک ظاہر ہوتے ہیں اور ان اعمال سے کھل جاتا ہے کہ یہ متقی ہو کبیر طیکہ دلی نیت صالح ہو کیونکہ نیت ہم کو نہیں معلوم ہوتی ہو تو اس تقویٰ کے ظاہر ہونے سے ہم یہ پہچان سکتے ہیں کہ یہ بندہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اکرم ہے اسی لیے جب متقی نظر آتا ہو تو اُسکی تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور اسلام میں ابتداء میں یہی بات دیکھا کرتے تھے اور حدیث میں ہے کہ اِذَا جَاؤْکُمْ مِنْ تَرَضُّوْنَ دِیْنِہٖ فَرُجُوْہُ الْخ۔ یعنی جب تمہارے یہاں کوئی شخص آجاوے جسکے دین کو تم پسندیدہ سمجھو تو اُسکے ساتھ بیاہ کر دو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ و فساد عریض پیدا ہوگا (حدیث صحیح) لیکن حدیث میں یہ بھی آپ نے خبر دی کہ میری امت کے لوگوں میں کفر کی چند باتیں نہیں مٹیں گی مال و دولت پر فخر کرنا اور نسب میں طعنہ دینا اور میت پر نوحہ کرنا (صحیح) اور یہی واقع ہوا اور باعث یہ ہوا کہ بنو امیہ و بنو العباس بادشاہ ہوئے اور دنیاوی دولت کے فتنہ میں پڑے جسے حدیث میں ہے کہ بنی اسرائیل میں پہلا فتنہ عورتوں سے ہوا تھا اور میری امت کا فتنہ مال سے ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک رئیس خراسانی بہت مال حج میں لے گیا اور اعلان دیا کہ بنی ہاشم پھر قریش میں جو قرآن کا عالم ہوا اُسکے واسطے اس قدر مال ہے۔ اُس سال شاید سوائے ایک کے کسی میں یہ لیاقت نہ تھی اُسنے کہا کہ دوسرے سال یعنی ایام حج میں جب لوگ دور دور سے حج کرنے کے واسطے آبا کرتے ہیں پھر آؤ لگا دوسرے سال تک اُن لوگوں نے بہت سخت محنت کی اور بہت لوگ انعام سے سرفراز ہوئے۔ یہ فتنہ مالی ہی بالجملہ ایک مرتبہ ہشام بن عبد الملک نے عرب و شام و عراق و فارس و جبال و خراسان و ماوراء النہر و مصر و افریقہ و حبشہ حتی کہ اندلس تک سب ممالک کے شہروں میں منع کیا کہ ہر شہر میں اتنی وا اکرم عالم کس کو کہا جاتا ہو تو تمام شہروں میں اُسنے ایسے علما کو پایا جو پیشوا تھے کہ وہ نسب میں مولیٰ تھے یعنی اُنہ کے مائے باپ غلامی سے آزاد کیے گئے تھے سوائے ایک شخص کے کہ وہ عرب میں سے ایسا تھا جو آزادی میں سے نہیں تھا۔ اب لوگوں نے دیکھا کہ اہل اسلام سب کے سب انہیں اتقیا علما کی جناب میں نظر اکرام و تعظیم سے دیکھتے ہیں اور مالدار رئیس حتی کہ خلیفہ کو بھی بُری نگاہ سے دیکھتے تھے اس لیے ان لوگوں نے شرارت سے نسب کا فخر نکالا اور کہا کہ ہم لوگ حسب و نسب پر شادی بیاہ کرینگے اور دین کی راہ سے نہیں کرینگے۔ اس ایک فتنہ سے مسلم عالم میں رفتہ رفتہ تکبر و حماقت اور دنیاوی مال کی عزت بڑھتی گئی اور دین حق سے لوگ جاہل ہوتے گئے حتی کہ پانچ سو برس کے بعد چھٹی صدی ہجری میں اکثر لوگ دنیاوی طاقت ہو گئے تھے اور حدیث میں بھی ایسی خبر ہے اور فقہائے آخر یہ مسئلہ نکالا کہ بیاہ میں حسب و نسب میں کفو نہ ہو تو قاضی کے یہاں ناشر کر پڑے قاضی نکاح فسخ کر دے یہ خفیہ کا قول ہے اور دیگر جمہور علمائے اسپطن کیا کہ یہ کسی آیت یا حدیث سے نہیں نکلتا کہ سوائے ایمان و تقویٰ کے مال و دولت اور حسب و نسب میں کفو کا اعتبار ہی بلکہ یہ تو حدیث کے خلاف ہے اور فقہاء حنفیہ نے کچھ روایتیں وارد کی ہیں لیکن محدثین کہتے ہیں کہ یہ کوئی بھی ثابت نہیں اور اگر ہوتی تو بھی حدیث صحیح کے معارضہ میں رد ہو جاتی بلکہ آیت میں نص ہے کہ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ مترجم کے نزدیک تحقیق یہ معلوم ہوتی ہے کہ فقہاء حنفیہ نے نزاع دور کرنے کو یہ مسئلہ نکالا کیونکہ قاضی کو نزاع دور کرنے کے لیے شرعاً اجازت ہے اور جب رئیسوں اور خلیفہ نے حسب و نسب پر کافروں کی طرح فخر کیا تو لایزال نزاع ہوگا اور بیاہی نکاح کا فائدہ نہیں ہو سکتا بلکہ حدیث میں ہے کہ باہمی خصومت سے نیکیاں دین کی اس سے زیادہ ہستی ہیں

یہ ہوا کہ بعض فرقے کا مذہب یہ ہو کہ اپنے فرقے والے کے لیے جھوٹی گواہی دینا بالکل جائز ہو اور غیروں کو تکلیف دینا ثواب ہے چنانچہ اس قسم کے حالات مشہور معروف ہیں اور کتب میں بکثرت مذکور ہیں تو اسی بنیاد پر انھوں نے بے شمار جھوٹی روایتیں بنائی ہیں اور سب کے جا کر کسی نہ کسی امام کی طرف منسوب کیں رازیؒ نے لکھا کہ ان لوگوں نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ آیتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صفت میں اُتری ہیں جیسے قولہ تعالیٰ یوتون الزکوۃ وہم راکتون۔ میں روایت ہو کہ رکوع کی حالت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک فقیر کو اپنی انگوٹھی اُتار دی۔ اسکا اشارہ یہاں ہو کہ یوتی مالہ تیز کی۔ رازیؒ نے لکھا کہ میرے سامنے جب یہ ذکر کیا تو میں نے اس غلط بیانی کو صاف ظاہر کر دیا۔ اس دلیل سے کہ یہاں۔ الاتقی۔ سے وہ مراد ہو جو متقی سب سے افضل ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ان اکرم عند اللہ اتقا کم۔ یعنی جو تم میں سے اتقی ہو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے اکرم ہو تو وہ سب سے افضل ہوا۔ جب یہ معلوم ہو گیا تو ہم کہتے ہیں کہ اس اتقی سے ابو بکر رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ تمام امت جس قدر فرقہ ہیں سب دو باتوں میں سے ایک بات کے قائل ہیں اکثر یہ کہتے ہیں کہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس امت میں سب سے افضل حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور باقی یہ کہتے ہیں کہ سب سے افضل حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں تو تمام امت نے اجماع کیا کہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل یا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں یا حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ جب یہ معلوم ہوا تو ہم کہتے ہیں کہ اس آیت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ابداً مراد نہیں ہو سکتے ہیں تو ضرور ہوا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ اب ہم کو یہ بیان کرنا چاہیے کہ یہاں حضرت علی مراد نہیں ہو سکتے ہیں اس بیان سے پہلے ہم ایک وہم دور کریں وہ یہ کہ اگر کوئی سکے کہ قولہ تعالیٰ ان اکرم عند اللہ اتقا کم۔ یعنی یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اکرم ہو وہ اتقی ہو اب یہ کیونکر کہتے ہو کہ اسکا اُلٹا بھی ٹھیک ہے یعنی جو اتقی ہو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اکرم ہے (جواب) اس وہمی کے قولہ ان اکرم عند اللہ۔ اسم مبتداً لیا اور (اتقا کم) خبر قرار دی یعنی جو کوئی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اکرم ہو وہ اتقی ہے اور غور کرو تو یہ نا سمجھی ہوا سلیے کہ اسکے یہ معنی ہوئے کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اکرم ہو تو وہ تم میں سے زیادہ متقی ہوگا۔ حالانکہ ہم لوگ یہ نہیں جان سکتے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کس کا اکرام زیادہ ہے بلکہ مطلب یہ ہو کہ تم لوگ جان لو کہ جو کوئی تم میں سے اتقی ہو وہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اکرم ہو۔ اسکا فائدہ یہ ہے کہ تم لوگ حسب و نسب وغیرہ پر گھمنڈ چھوڑو اس سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بزرگی نہیں ملتی ہو بلکہ فقط تقویٰ سے بزرگی ہے تو جس قدر تقویٰ زیادہ ہو اسی قدر بزرگی زیادہ ہو رازیؒ نے لکھا کہ آیت میں یون نہیں فرمایا ان الاتقی اکرم عند اللہ جو کوئی اتقی ہو وہی عند اللہ اکرم ہو۔ اسلیے کہ اتقی ہونا ہم کو آنکھوں سے پہچان پڑتا ہوا سلیے کہ تقویٰ اگرچہ دل سے ہوتا ہے یعنی پہلے تو دل میں اللہ تعالیٰ و رسول کی محبت و تصدیق بالکل جمی ہو جیسے ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالنے لگے اور ملائکہ نے باجائز اتھی ہر طرح کی مدد کے لیے اُن سے کہا حتیٰ کہ جبریلؑ نے کہا کہ کافروں کو ہلاک کر دو ان کو کسی کے کہا کہ باقی برسادون سب آگ سرد ہو جاوے اور کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ کہا لیکن ابراہیم علیہ السلام نے کہا تم متلاؤ کہ میرا رب سب دیکھتا ہو کہ نہیں۔ سمجھوں نے کہا کہ بے شک دیکھتا ہو تو کہا کہ پھر مجھے کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں ہو میں کیا عرض کروں جو میرا حال ہو وہ میرے رب تبارک و تعالیٰ کو خود معلوم ہو وہ دیکھتا ہے یہ یقین ایمانی

فرمایا کہ اولاً کی فلاں جو سننے والے تو ہم کو کہتا ہے کہ ہم حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ جاؤ گئے جا اپنی لات کی فلاں چھوڑ۔ عروہ نے خور سے دیکھ کر حضرت ابو بکر کو پہچانا کہ کیونکہ آپ زرہ و خود وغیرہ سامان جنگ میں ہونگے اور بیچ و تاب کھا کر یوں کہ واللہ اگر تیرا ایک احسان مجھ پر نہوتا جسکی مکافات اتنا مجھے نہیں ہو سکی ہو تو میں تجھے اسکا جواب دیتا۔ پھر عروہ ثقفی نے دوسرے طریقے سے گفتگو چھپری۔ بالآخر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا احسان ان قبائل کے سرداروں کیساتھ اس طرح عظیم تھا کہ باوجود ایسے سخت کلمہ کے عروہ کو جواب دینے کی جرأت نہوئی تو بھلا عوام الناس پر کس قدر احسانات ہونگے اقول اس سے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی شجاعت واضح ہو اگرچہ بدنی قوت کم ہو اور حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کو باعلان مسجد کوفہ میں خطبہ پڑھنے کی حالت میں سب سے زیادہ شجاع ثابت کیا اور وہ روایت مکرر اور پر گزر چکی ہو پس ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خالص اللہ و رسول کے واسطے اپنا مال کثیر خیرات کیا جس سے کسی کے احسان کا عوض دینا مقصود نہ تھا سو اللہ کے صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے جو کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں خیرات کیا تو جنت کے خزانچی اسکو پکارے گا و عبد اللہ یہ بہتر ہے۔ تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ جنتی کے لیے اگرچہ اسکی حاجت نہیں کہ وہ سب دروازوں سے بلایا جاوے لیکن بھلا کوئی امی ایسا ہوگا جو سب دروازوں سے بلایا جاوے آپ نے فرمایا کہ ہاں اور مجھے امید ہے کہ تو بھی انھیں میں سے ہو (ابن کثیر رحمہ اللہ) رائی نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ سجدنا لکافی الذی اتم مطلب یہ ہے کہ اس بارگاہی سے بندہ اتنی دور رکھا جاوے گا جس بندے کی شان ہے کہ نہایت صدق یقین سے شرک و معاصی سے پرہیز گار ہو اور اپنا مال خالص اللہ تعالیٰ دیتا ہو تاکہ اسکو پاکیزگی حاصل ہو و قد الفح من زکاء۔ اور کسی شخص کا اُسپر کچھ احسان نہیں ہو جسکی مکافات میں مال دینا چاہیے بلکہ فقط وجہ اللہ تعالیٰ ہی کی کامل خواہش میں بذل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکی مراد پوری کرے گا مسلمہ فیہ سلف رضی اللہ عنہم نے اجماع کیا کہ ان آیات کا نزول حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرح میں ہے اور روافض نے تعصب سے ایسے متواترات سے انکار کیا مگر ہم کہتا ہے کہ شیعہ میں سے جو لوگ مقدم گزرے ہیں انھوں نے تابعین کے زمانہ میں اور انکی روایت متواترہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں اس امر کو متواتر پایا جتنے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کثرت سے روایات وارد ہوئی ہیں جن میں صریح آپے حضرت ابو بکر و عمر کی افضلیت اپنی ذات مبارک پر بیان کی جس سے انکار کرنا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مخالفت ہو اسلئے قدامے شیعہ سب اسی امر کے قائل ہیں کہ شیخین مطلقاً افضل ہیں اور باقیوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افضل کہتے ہیں۔ روافض نے اپنا مذہب صرف اپنی رائے و اعتقاد پر رکھا تو آیات و احادیث و روایات سب سے منہ موڑ لیا اور متواترات سے انکار کیا بلکہ اپنی رائے سے جو چاہے وہ معنے بنا لیے خلاصہ یہ کہ یہ فرقہ صرف اپنی خواہش کے تابع ہو اللہ تعالیٰ و اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تابع نہیں ہے اور زمانہ سلف میں کہیں یہ لوگ ائمہ اہلبیت و فقہا و علماء کی خدمت میں نہیں پائے گئے و لیکن خفیہ طور سے دور جا کر لوگوں کو اتنی سکھاتے اور مثلاً امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرتے تھے اور اس مکر سے لاکھوں جھوٹی روایتیں گواہ کر لوگوں میں پھیلائیں چنانچہ مولانا شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ علماء متاخرین و متقدمین نے بہت تصریح سے بیان کیا کہ اسلام میں جس قدر روافض نے جھوٹی روایتیں بنائی ہیں اتنی کسی فرقے نے نہیں بنائی ہیں اور باعث اسکا

فرمائی جائیگی و احادیث نے لکھا کہ اتنی بیان ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ اور یہی جمیع مفسرین سلف رضی اللہ عنہم کا قول ہے
 (فکس) ابن کثیر نے لکھا کہ بہتر ہے مفسرین نے ذکر کیا کہ یہ آیات حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی مدح و اشارات
 میں نازل ہوئی ہیں بعض علمائے کہا کہ بالاجماع سب مفسرین کا یہی قول ہے۔ پھر شک نہیں کہ جب ان آیات کے نازل ہو چکا
 سبب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں تو وہ اس صفت کے لیے سب سے اولی و مقدم ہیں بدلیل اسکے کہ وہ صدیق ہیں اور آیات میں
 ظاہر عروم ہی یعنی امت میں سے جو کوئی اس صفت پر ہوا اسکے لیے یہ فضیلت و بشارت حاصل ہو اور ابو بکر رضی اللہ عنہ سب
 امت سے افضل ہیں تو اس فضیلت کے واسطے اولی و اقدم و اقویٰ ہیں مترجم کہتا ہے کہ صدیق ہونا بعد نبوت کے سب سے
 اعلیٰ درجہ ہے اور جیسے نبوت کے درجہ میں انبیاء ایک دوسرے سے افضل ہیں اسی طرح صدیقیت کے درجہ میں بھی ایک دوسرے
 سے افضل ہیں اور ابو بکر رضی اللہ عنہ سب سے افضل ظاہر ہیں اسی لیے کہ اُس زمانے میں صدیق فقط ابو بکر رضی اللہ عنہ کا لقب
 اللہ تعالیٰ و رسول علیہ السلام کے عطا کیا تاکہ آئندہ کسی قوم کو بدگوئی کی مجال نہ ہو اور فرقہ رخص پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہو
 اور بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اس درجہ میں ہو چکے لیکن ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خاص فضیلت ہے اور باقیوں
 میں دلیل قائم نہیں ہے جیسے انبیاء علیہم السلام میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ تک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض۔ یعنی ان رسولوں
 میں ہم نے بعض کو بعض سے افضل پیدا کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض سے بعض افضل ہیں لیکن ہم یہ نہیں کہہ سکتے
 ہیں کہ موسیٰ افضل ہیں عیسیٰ سے یا برعکس ہے لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے دلائل قائم ہیں کہ آپ سب سے
 افضل ہیں اسی طرح آپ کی امت میں ابو بکر الصدیق افضل ہیں تو جمیع امتوں کے صدیقین سے بھی افضل ہیں جب یہ معلوم ہوا
 تو میں سمجھ لیتا جا ہیے کہ ان آیات میں جن بندوں کی فضیلت مراد ہو ان میں سے سب سے افضل ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں
قال کا فطرہ اور دوسروں کے واسطے بھی شمول و عموم ہوا اسی لیے کہ قولہ تعالیٰ سیحینہا الا لقی الذی یوتی مالہ تیز کی الحام
 ہے تو جو کوئی اس صفت سے متصف کیا گیا وہ اس بشارت سے سرفراز ہوا لیکن ان سب میں ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ
 سابق و مقدم ہیں بلکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ جمیع اوصاف حمیدہ میں مقدم ہیں کیونکہ آپ صدیق اتقی کریم جواد شجاع عابد زاہد تھے
 اپنے مال کو خاص لوجہ اللہ تعالیٰ و نصرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ کیا اور قولہ تعالیٰ مالا احد عنده من نعمۃ تجزی۔ ابو بکر
 رضی اللہ عنہ کے ذمہ کسی کی ایسی نعمت نہ تھی جسکی مکافات چاہیے ہو۔ بلکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ایسی شان بھی کہ آپ کا فضل و
 احسان تمام قبائل قریش کے سرداروں کے ساتھ بھی پہلے سے عام تھا چنانچہ اس بیان کی شہادت یہ ہے کہ جب رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے ساتویں سال بقصد عمرہ مع ایک ہزار چار سو صحابہ رضی اللہ عنہم کے مکہ تشریف لے گئے اور مکہ سے
 باہر حدیبیہ میں اترے اور قریش کے کافروں نے سرکشی سے روکا اور خانہ کعبہ کا عمرہ ادا کرنے سے مانع ہوئے اور آخر قریش
 زغیرہ نے بھی خوف کھا کر صلح کرنی چاہی اور اس مطلب سے باہر قریش کی طرف سے اُسکے عمائد ایک ایک کر کے آئے
 چنانچہ ایک مرتبہ قریش نے عروہ بن مسعود ثقفی کو بھیجا اور ثقیف کا سردار تھا اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صلح کی
 ترغیب دی اور باتوں باتوں میں کہا کہ اے محمد آپ صلح پر راضی ہو جاوین اور اپنے ان ساتھیوں پر اعتماد نہ کریں میں دیکھتا
 ہوں کہ یہ لوگ آپ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جاویں گے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جب یہ کلمہ سنا تو اُس سے مخاطب ہو کر

مقابلہ ہونے والی صفات میں مبالغہ فرمایا پس کافر کو اشیٰ کہا اور آگ میں داخل ہونے کے لیے مختص فرمایا گویا اُسی کے لیے پیدا کی گئی ہو اور مومن کو انقی فرمایا اور جنت اُسکے لیے مختص فرمائی گویا اُسی کے لیے پیدا کی گئی ہو مترجم کہتا ہے کہ یہ زنجیری کے شاعرانہ خیالات ہیں۔ بعض نے کہا کہ اشقی سے مراد ابو جہل یا امیہ بن خلف ہو اور اتقی سے مراد ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ ہیں شیخ جلالؒ نے کہا کہ انحصار میں تاویل ہو یعنی دائمی داخلہ فقط کافر کے ساتھ مختص ہو۔ حد۔ شیخ کا مطلب یہ کہ فاسق مسلمان اگرچہ سزاؤں کے لائق ہو یا تو عفو کیا جاوے یا جہنم میں جا کر نکالا جائیگا تو ابستاد ہمیشہ کے لیے وہی داخل کیا جائے گا جو کافر ہے مترجم کہتا ہے کہ یہ تاویل بالکل ظاہر ہے اس لیے کہ آگ میں وہی جھونکا جائیگا جو اشقی ہو جسے جھٹلایا اور پیٹھ پھیری۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ مسلمان فاسق امین نہیں شامل ہو کیونکہ اُس نے نہ جھٹلایا اور نہ پیٹھ پھیری کیونکہ جو گناہ ہو گیا اُس سے وہ شرمندہ یا خوفناک ہو۔ ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ہی نرم کلمہ جو آپ نے سنا ہو وہ بیان فرمائیے۔ ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا کہ تم لوگ آگاہ ہو جاؤ کہ تم سب جنت میں جاؤ گے سوائے اُسکے جسے اللہ تعالیٰ سے اس طرح شرارت کے ساتھ سرکشی کی جیسے اونٹ اپنے آٹا سے سرکشی کرتا ہو (رداۃ احمد و الحاکم والضیاء) ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے خود بیان کیا کہ اس امت میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا مگر انکہ اللہ تعالیٰ اُسکو جنت میں داخل کرے گا سوائے ایسے شخص کے جسے اللہ تعالیٰ سے ایسی سرکشی کی جیسے بدتر اونٹ اپنے پالنے والے سے سرکشی کرتا ہے۔ پھر جو کوئی میرے قول کی تصدیق نہ کرے وہ اللہ تعالیٰ کا کلام پڑھے لایصلہا الا الاشقی الذی کذب وتولى۔ یعنی جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اُسکو جھٹلایا اور اُس سے پیٹھ پھیری (رداۃ سعید بن منصور) وَ سَيُجَنَّبُهَا الْاَتَقٰی۔ اور آگ سے دور رکھا جائیگا بہت پرہیزگار ف جسکی صفت یہ کہ اَلَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهُ یَتَزَكٰی۔ جو دیتا ہے اپنا مال کہ پاکیزگی حاصل کرتا ہو ف یعنی چند روز کے بعد دیکھ لیا جاوے گا کہ اس ہولناک آگ سے اتقی دور رکھا جائیگا جسے کہ آگ کے قریب سے بھی اسکا راستہ نہیں ہو گا اور اتقی کی صفت یہ ہو کہ وہ اپنا مال رضاے الہی میں خرچ کرتا ہو تاکہ اُسکو پاکیزگی حاصل ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ مال ذکوۃ نکالنے سے حسب طبع مال پاک ہو جاتا ہو اسی طرح نفس بھی پاک ہوتا ہو۔ اس لیے کہ مال کی محبت خود قبیح ہو اور اس سے دینا کی محبت لازم ہوتی ہے اور محل و حرص وغیرہ کی مذمت سے پاک ہونا طہارت ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس اتقی کی مزید توضیح بصفہ بیان فرمائی بقولہ **وَمَا لِحٰدِیْ عِنْدَکَ مِنْ نِّعْمَۃٍ تُجْزٰی**۔ اور نہیں ہوا اُسکے ذمہ کسی کی کچھ نعمت جسکا عوض دینا ہو ف یعنی وہ جو کچھ مال خرچ کرتا ہو وہ خالص اسی لیے کہ اُسکو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پاکیزگی حاصل ہو اور یہ نہیں ہے کہ کسی نے اُسکے واسطے کوئی تحفہ بھیجا کہ جسکے بدلے میں اُس نے مال دیا ہو یا کسی طرح کا احسان اُسکے ساتھ کیا جسکا بدلہ لازم ہوا **اِلَّا اِبْتِغَاءَ وَجْہٍ رَّہِ الْاَعْلٰی**۔ سوائے اُنہو اپنے رب اعلیٰ کی وجہ کے ف یعنی مال دینا کسی وجہ سے نہیں ہے سوائے اس اُنہو کے کہ اُسکو رب اعلیٰ کا وجہ ذوالجلال حاصل ہو ابن کثیرؒ نے یعنی فقط اس جمع سے مال خیرات کرتا ہو کہ آخرت میں اُسکو باغات جنات میں دیدار رب اعلیٰ حاصل ہو۔ **وَلَسَوْفَ یَرْضٰی** سے مال خیرات کرتا ہو کہ آخرت میں اُسکو باغات جنات میں دیدار رب اعلیٰ حاصل ہو۔ کہ ضرور اُس کی مراد پوری اور بالعزور وہ راضی ہو گا ف یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ موصوف کو بشارت ہے کہ ضرور اُس کی مراد پوری

باز بھی کہ جہنم میں سوائے کافر کے کوئی نہیں داخل ہوگا۔ یہ مرجعہ فرشتے کی ہوس ہے اس حیلہ سے شیطان نے اس فرشتے کو فسق و فجور پر بے خوف کر دیا بلکہ مرجعہ حقون نے کہا کہ زبان سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کر لے پھر چاہے جو کچھ بُرے اعمال فسق و فجور کرے کچھ ضرر نہ ہوگا اور اگر کچھ نیکیاں عمل میں لایا تو قطعاً وہ مقبول ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ نے اس فرشتے کی مذمت کی اور کہا کہ گناہ سے بخوف ہونا کفر کی علامت ہو کیونکہ نص صریح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے وہی بے خوف ہوتے ہیں جو کافر ہیں اور اسے صلح رحمت سے مایوس ہونے والے بھی شیطان و کفار ہیں ولیکن گناہوں سے خوف ہو اور مغفرت ارحم الراحمین کی امید واری ہو۔ واضح ہو کہ جہنمیوں کے درجات ہیں جیسے جنتیوں کے درجات ہیں چنانچہ ظالم سرکش کفار و منافقین کی جگہ درک اسفل ہو اور اللہ تعالیٰ نے جس قسم کے کافروں کو کسی قسم کے عذاب سے ڈر سنا یا ہے تو ایسے کفار اسی قسم کے عذاب کے مستحق ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جسکو چاہے مغفرت فرما دے چنانچہ اس سے بھی امید وار فرمایا بقولہ تعالیٰ ان اللہ لا یغفران لشرك به ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء الا یہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ یہ نہیں بخشے گا کہ اُسکے ساتھ شرک کیا جاوے اور اس سے نیچے جسکے لیے چاہے مغفرت فرماتا ہو۔ پس شرک ایسی کمائی نہیں ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت کے قابل ہو۔ یعنی بندے کو چاہیے کہ شرک سے توبہ کرے اور بالکل الگ ہو جاوے اور اگر اُس نے ایسا نہ کیا اور اپنے ساتھ لے گیا تو اللہ تعالیٰ یہ قبیح عمل اُس سے الگ نہیں فرماوے گا تو ضرور وہ ہمیشہ جہنم میں پڑا رہے گا کیونکہ جب تک اس سے پاک نہ ہو وہ پاکیزہ مقام جنت کے لائق ہرگز نہیں ہے۔ جب اس آیت سے معلوم ہوا کہ شرک نہیں بخشا جائیگا اور اورائے شرک کے جسکے لیے چاہے اللہ تعالیٰ اُسکے گناہوں کو درخت کے ناکارہ پتوں کی طرح دوڑ فرماوے گا۔ اب غور کرو کہ اگر سوائے شرک کے باقی گناہوں سے کچھ خوف نہ ہوتا جیسے مرجعہ کہتے ہیں تو اس کلام سے کیا فائدہ ہوتا کہ یغفر ما دون ذلک الا یعنی ماورائے شرک کے باقی گناہوں کو جسکے لیے چاہے مغفرت فرماوے گا۔ تو معلوم ہوا کہ سوائے شرک کے بھی جو گناہ ہیں وہ مواخذہ میں ہیں اگر توبہ کرے مرہو تو قبول توبہ سے معاف ہونگے یا اللہ تعالیٰ جسکو چاہے بخشے گا اور اگر نہ بخشے تو دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ میدان حشر میں عذاب پاوے اور دوم یہ کہ جہنم میں ڈالا جاوے اور حدیث صحیح بین زکوٰۃ نہ دینے والے کے حق میں حب و زنجیر کی تفصیل کے ساتھ بیان ہو کہ مثلاً جسکے پاس چرائی کے اونٹ ہیں اور اُنکی زکوٰۃ واجب ہو اُس نے زکوٰۃ ادا نہ کی تو قیامت میں وہ نہایت غریب ہوئے تازے آونگے اور اُسکو اپنے پانوں سے روندینگے اور منہ سے کاٹینگے اور ہر بار زخم بھرتے جاوینگے اسی طرح پچاس ہزار برس کے دن میں ہی عذاب ہوتا رہے گا یہاں تک کہ بعد فیصلہ کے وہ دیکھے کہ اُسکی راہ جنت کی طرف ہے یا جہنم کی طرف ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس عذاب کے بعد بھی وہ شاید جہنم میں جاوے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ شاید حدیث میں مطلب یہ ہو کہ روز قیامت میں جس شخص نے اونٹوں کی زکوٰۃ نہیں دی ہو یعنی اونٹوں کی محبت و دلچ سے اُسکو زکوٰۃ میں نہ لگا لا تو وہی اونٹ اُسکو سخت زخموں سے کاٹے گا خواہ یہ شخص اعتقاد میں مسلمان تھا خواہ یہ کافر تھا کیونکہ سب علما کے نزدیک کافروں سے جیسے کفر کا مواخذہ ہوگا کہ کیون ایمان نہیں لائے تھے اسی طرح شریعت حق پر عمل نہ کرنا مواخذہ ہوگا پس شاید کافر کا یہ حال ہوتا رہے تو بعد فیصلہ کے بھی وہ جہنم کو جاوے گا اور شاید مسلمان ہو کہ بعد فیصلہ کے دوسرے گناہوں کی وجہ سے جہنم میں جاوے واللہ تعالیٰ اعلم کشف میں زنجیری نے کہا کہ آیت میں عظیم حالت مومنین و مشرکین

جو کچھ کتابوں میں لکھا ہے اس کے معنی میں تو بھی ہم کہتے ہیں کہ یہاں گنہگار مومن نہیں شامل ہے اس لیے کہ لا شقی کی صفت آگے مذکور ہو رہی ہے لہذا کذب و قول سیئہ وہ اشتیٰقی جسے جھٹلایا یا پٹیہ پھیری ہو اس میں گنہگار مومن داخل نہ ہو کیونکہ اُسے نہیں جھٹلایا بلکہ ایمان لایا ہو تو مطلب یہ ہوا کہ توہ تھالے لا یصلہا بالہم یعنی اس آگ میں ہمیشہ رہنے کو نہیں داخل ہو گا کوئی سوائے ایسے اشتیٰقی کے جسے جھٹلایا اور پٹیہ پھیری ہو اس آیت سے اہل حق کا قول ظاہر ہوا اور مفسر لہ ذخیرہ کا قول باطل ہوا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے لا شقی اس کو کہا جسے جھٹلایا اور پٹیہ پھیری ہے۔ تو معلوم ہوا کہ گنہگار مومن کا نام اشتیٰقی نہیں ہر اس لیے کہ اُسے نہیں جھٹلایا بلکہ ایمان لایا اور تصدیق کی اور اللہ تعالیٰ نے یہاں انحصار فرمایا کہ دوزخ میں فقط اشتیٰقی داخل ہو گا تو مراد یہ کہ (یصلہا بالہم) یعنی آگ میں پٹیہ جانے اور غوطہ مارنے کے طور پر ہمیشہ کے لیے کوئی نہیں داخل ہو گا سوائے اشتیٰقی کے جسے جھٹلایا و سندھ موٹا ہو۔ امام احمد نے بطریق عبد اللہ بن سعید روایت کی کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نار دوزخ میں کوئی نہیں داخل ہو گا سوائے اشتیٰقی کے کسی نے عرض کیا کہ باحضرت اس شقی کی کیا حالت ہو حضرت مسلم نے فرمایا کہ شقی وہ جو جسے بندگی کا کام نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ کے واسطے کوئی گناہ نہیں چھوڑا ہے۔ ہر گناہ اس حدیث سے بھی صاف نکل آیا کہ شقی کا فرہے کیونکہ اگر وہ خیرات وغیرہ کوئی بندگی کا کام کرنا ہو تو یہ کام بندگی نہیں ہے کیونکہ اُسے اللہ تعالیٰ پر یقین ہی نہیں کیا کیونکہ وہ تو شرک کا معتقد ہو تو کسی طرح اللہ تعالیٰ کا معتقد نہ ہو اور جسے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا جان لیا ہو وہ بالکل صاف پہچانتا ہے کہ مومن کے سوائے کوئی بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لایا اور نہ اُس پاک عسز و جل کو پہچانا۔ اور جب اُسے اللہ تعالیٰ ہی کو پہچانتا تو کبھی اُسکی بندگی نہیں کی۔ یہ صاف ظاہر ہے اور اسی طرح کبھی اُسکے خوف سے کسی گناہ کو بھی ترک نہیں کیا اس سے تنبیہ ہے کہ آدمی کو لازم ہے کہ اپنی نیت کو خالص کرے جسے دنیا میں جیائی اور لعن طعن کے خوف سے گناہ چھوڑتا ہو تو خالص اللہ تعالیٰ کی ناخوشی کے خوف سے گناہ چھوڑے اور اگر کسی شخص نے شرم و حیا سے زنا چھوڑا تو گناہ نہ ہوا لیکن ثواب کم ہوا اور اگر وہ اس خوف سے چھوڑتا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی نہ پاوے گا تو گناہ بھی نہ ہوتا اور ثواب عظیم پاتا اور حدیث میں ہے کہ سات قسم کے بندے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے دن انکو اپنے سایہ عرشِ رحمت میں لگا جس دن اُسکے سایہ کے سوائے کہ میں سایہ نہیں ہو۔ انھیں سات اقسام میں ایک وہ شمار فرمایا کہ جسکو ایک خوبصورت مال و جمال والی عورت نے اپنے ساتھ بدکاری کرنے کو تنہائی میں کہا اور اس مرد نے انکار کیا اور کہا کہ میں اپنے رب عسز و جل سے ڈرتا ہوں۔ امام احمد نے یونس و سمریح عن فلج مسند کیا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز میری سب امت جنت میں داخل ہوگی سوائے اُسکے جسے انکار کیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ یا رسول اللہ وہ کون شخص ہے جسے انکار کیا آپ نے فرمایا کہ جسے میری نافرمانی کی اُس نے انکار کیا۔ اس حدیث کو بخاری نے محمد بن سنان العوفی عن فلج روایت کیا۔ واضح ہو کہ آپ کی نافرمانی کرنے سے یہ مراد کہ اُسے آپ کے ارشاد کے موافق لا اکر الا اللہ کہنے سے انکار کیا کیونکہ ایمان کے بعد کوئی فعل ایسا نہیں ہے جو مغفرت کے قابل نہ ہو دیگر تفسیر میں ہے کہ وجہ جہنم نے کہا کہ یہ آیت قدسیہ ایسی ہے کہ اسی کی جہت سے مرجعہ فرماتے ہیں یہ ہوس

لَا خِرَّةَ وَلَا دُولَى اور یہ آخرت اور دنیا ہماری ہی ملکیت ہو تو مال کو اُسکے نام کے سوا سے خرچ کرنا یا جمع کرنا محض رانگان ہی باطل تعلق
ہو اور ایسے برباد کے لیے آخرت میں جہنم کی آگ ہو لہذا فرمایا۔ **فَأَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّى**۔ پس میں نے تم کو ڈر سنا دیا یہی
آگ سے جو دوزخ کی ہے ف مجاہد نے کہا یعنی وہ آگ لپٹیں مارتی ہو (خ) یہ آگ دلوں کو جھانک لیتی ہو۔ یہ آگ ہے جو
نہ مومن سے کہتی ہے کہ آپ جلدی چلے جائیے آپ کے نور رحمت سے میری نار غضب بجھی جاتی ہے وہ مجمع محشر میں بولناک آواز
سے کہیگی کہ میں دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والے متکبر جناروں پر مسلط ہوں۔ امام احمد نے بطریق سماک
بن حرب روایت کی کہ لغمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھتے ہوئے فرماتے تھے کہ میں نے
تم کو آگ سے ڈر سنا دیا۔ اولوگو میں نے تم کو آگ سے ڈر سنا دیا لغمان رضی نے کہا کہ آپ اس زور سے فرماتے تھے کہ اگر
کوئی بازار میں ہوتا تو یہاں سے وہاں تک اُسکو آواز پہونچتی۔ برابر یہ ہیبتناک کلمہ آپ فرماتے رہے یہاں تک کہ آپ کے
شانہ مبارک سے پوٹہ دار کھلی سرک کر قدم مبارک برآ گئی۔ امام احمد نے بطریق ابواسحق رحمہ روایت کیا کہ لغمان رضی اللہ عنہ نے
کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطبہ میں سنا آپ فرماتے تھے کہ قیامت کے روز دوزخیوں میں سے جس شخص کو
سب سے آسان عذاب ہو گا وہ شخص ہو جسکے تلواروں کے خم میں جو جگہ ہو وہاں دو چنگاریاں رکھ دی جاویں گی جنکی شدت سے
اُسکا داغ اُبلے گا (دو بخاری) جیسے دیگ اُبلتی ہو وہ شخص جائیگا کہ اُس سے بڑا عذاب کسی پر نہیں ہو حالانکہ حقیقت میں
اُسپر سب سے کم عذاب ہو (صحیح مسلم) طوال سورتوں کی تفسیر میں حضرت ابن مسعود و ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے گزر چکا
کہ بعضے سرکش کفار متکبر جبار جو ساتویں طبقہ جہنم میں ہونگے انہیں سے بعضے آتشی صندوق میں کسکر بند کیے جاویں گے
کہ کسی طرف سے راہ نہ ہوگی اور ہم بندے اپنے رب عزوجل ارحم الراحمین سے عذاب النار سے پناہ مانگتے ہیں۔ یہ عذاب النار
بہت سخت و شدید ہے **لَا يَصْلَاهَا إِلَّا الْأَشْقَى**۔ نہیں داخل ہوگا اُس میں گھر کے گرد ہی جو اشقی ہے ف
صلی النار۔ آگ میں پیٹھ جانا معنی یہ ہوئے کہ اس آگ میں وہی اس طرح داخل ہوگا جو اشقی ہو کہ اُسکو یہ آگ سب طرف سے
محیط ہو جاوے جیسے فرمایا کہ۔ ان جہنم محیطہ بالکافرن۔ یعنی جہنم کافروں کو محیط ہو۔ اشقی یہی کافر ہے۔ **الَّذِينَ**
لَا يَرْجُونَ لِقَاءَ رَبِّهِمْ۔ وہ کہ جسے جھٹلایا اور پیٹھ پھیری ف یعنی اشقی وہ ہے جسے دل و زبان سے اللہ تعالیٰ کی
وحدانیت کو اور اُسکے رسول کی رسالت کو جھٹلایا اور اللہ تعالیٰ کے احکام شریعت پر عمل کرنے سے پیٹھ پھیری
اگر وہم ہو کہ جہنم میں بعضے گنہگار بھی جاویں گے تو وہ اشقی ہوئے اور معتزلہ کے برعکس مرجیہ نے زعم کیا کہ سوائے کافر کے
کسی کو جہنم میں دخل نہ ہوگا (جواب) معتزلہ وغیرہ گمراہ بدعتیوں نے یہی عقیدہ نکالا کہ مسلمان جو گناہ کر کے بغیر توبہ مرادہ کافروں
کے ساتھ ہمیشہ دوزخ میں رہیگا اور یہ باطل عقیدہ ہے بلکہ گنہگار مومن جو دوزخ میں جاویگا وہ وہاں داخل ہوتے ہی مردہ ہو جاوگا
اور آگ اُسکے جہرے کو اور وضو نماز کے اعضا کو نہیں جلا دیگی تو معلوم ہوا کہ یہاں گنہگار مومن شامل نہیں ہے کیونکہ
(یصلیلا) اُسکے حق میں نہیں بننا اس لیے کہ (یصلیلا) اس طرح داخل ہونا کہ بالکل آگ میں چاروں طرف سے گھرا ہو۔
اور اگر معتزلی کہے کہ یہاں (یصلیلا) فقط آگ میں داخل ہونے کے معنی میں بدون اس اعتبار کے کہ چاروں طرف سے گھرا ہو۔
تو گنہگار مومن بھی آگ میں داخل ہوا (جواب) اگر ہم اس بات کو بھی مان لیں اور معتزلی اپنی حیسالت سے

الْأَعْلَىٰ وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ

جو سب سے اوپر اور آگے وہ راضی ہوگا

قنادہؑ نے کہا کہ تو کہہ تعالیٰ۔ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ۔ بیشک ہدایت ہم پر ہی ف ہے یعنی حلال و حرام کا بیان کرنا ہمارا عزم ہے۔ قنادہ رح کے سواے دیگر علما نے کہا کہ اسکے یہ معنی ہیں کہ جو کوئی ہدایت کی راہ چلا تو وہ اللہ تعالیٰ تک پہنچ گیا جیسے تو کہہ تعالیٰ علی اللہ تصد السبیل و منها جازر۔ یعنی راہ مستقیم کا وصول اللہ تعالیٰ پر ہے اور بعضی راہین کج ہیں۔ ۱۔ اسکو امام ابن جریر رحمہ نے نقل کیا ہے (ابن کثیر رحمہ) یہ کلام اپنے سابق کلام کی تقریر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جو حکمت کا طرہ مقرر فرمائی اور خلق کو عبادت کے لیے پیدا کیا تو اسکے لیے بیان ہدایت ہم پر ہی جو قصاے مقدر ہے زحاجؒ نے کہا یعنی یہ ہماری شان ہے کہ راہ ہدایت اور راہ ضلالت میں فرق بیان کریں اور یہ ہم نے اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارسال سے پورا کر دیا (مخلص) اِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ۔ اور ہمارے ہی واسطے ہو آخرت اور اولیٰ ف یعنی آخرت اور دنیا کے ہمیں مالک و خالق ہیں اور ہمیں اُس میں جس طرح چاہتے ہیں تصرف کرتے ہیں کسی کا نشان بھی نہیں جو اپنے واسطے کچھ استحقاق ثابت کرے تو نتیجہ یہ نکلا کہ ابتدا سے اس دنیا میں مجھے جس کسی کو کچھ دیا وہ بالکل اُس پر ہمارا احسان ہے اور سب سے اعلیٰ و اول احسان یہ کہ ہم نے اُسکو جان دی ہے اور اُس پر صحت و تندرستی و رزق و راحت دی کیونکہ دنیا میں جنم کی طرح چاروں طرف سے جلتی جلتی آگ نہیں ہے پھر ہم نے سب سے افضل احسان یہ کیا کہ سب سے اشرف بندہ رسول بھیجا اور نیکو بد اور حلال و حرام بتلادیا اور سب کو آگاہ کیا کہ اگر اس دنیا پر اعتماد کرو اور اپنی کوشش اسی میں منحصر کرو تو آئندہ آخرت میں تمہارے لیے ملک جہنم بستی ہے و ایمان ہمیشہ زندگی ہے کبھی موت نہیں ہے اور لامحالہ دنیا میں یہ شخص بعد موت کے زندہ ہونے اور ملک آخرت سب سے منکر ہوگا اور اُسکو یہ سمجھ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پہچانے کیونکہ اُسکے عقل و قلب پر دنیا کا غلاف ہوگا اور خلا یہ کہ دنیا اختیار کرنے کے ساتھ یہ باتیں لازم ہیں جیسے اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر سچی سمجھ سے ایمان لاوے تو لازمی بات ہے کہ وہ دنیا پر اعتماد نہیں کرے اور آخرت پر یقین لاوے گا تاہم یہ بڑا احسان ہے کہ رسول بھیج کر وہ راہ بھی بتلا دی جس سے اللہ تعالیٰ تک رسائی اور جنت میں مسکن حاصل ہو اور یہ بھی بتلایا کہ اسکے سواے اگر کوئی راہ اختیار کرے گا تو اُسکی رسائی جہنم میں ہوگی جہاں بالکل غضب الہی ہے۔ پھر دنیا میں نگاہ کر کے دیکھو تو کتنا بے بند ہے ہن جو دنیا پر اطمینان نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی و جوار قدس چاہتے ہیں اور باقی بکثرت ایسے ہیں جو فقط دنیا چاہتے ہیں تو لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان الوہیت نہ پہچانیں پس وہ لوگ اُس سے یسری کی توفیق بھی نہیں مانگتے ہیں اور بدون توفیق الہی کے خوار ہیں اور بات یہ کہ حق عزوجل نے سراسر سب پر احسان کیا پھر اگر توفیق مانگتے تو بھی رحم الرحیم احسان کرے کہ یہ توفیق دیتا لیکن دنیا کے عاشق بن کر کچھ نہیں مانگتے ہیں اور جان و دل سے دنیا کی چیزیں کمانے میں مصروف ہیں اور ان چیزوں کو جان کے ساتھ جمع کرتے ہیں اور چونکہ اللہ تعالیٰ اسکی رضا مندی نہیں چاہتے اسلئے اُسکی راہ نہیں چلتے اور نہ اُسکی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں بلکہ راہ حق میں خرچ کرنے کی توفیق نہیں پاتے ہیں اگرچہ شیطانی ہو اوہوس میں ہزاروں روپیہ خرچ کریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِن عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ ہدایت دینا ہمارے ہی اوپر ہے۔ پس بندہ کو لازم ہے کہ اپنے رب رحیم سے ہدایت مانگے اور اُسی پر بھروسہ کرے و اِن لَنَا

حتیٰ کہ عورتوں و بوڑھوں کو آزاد کرتے جب کہ وہ مسلمان ہو جاتی تھیں پس ابو بکر رضی سے اُنکے باپ نے کہا کہ اے فرزند
میں دیکھتا ہوں کہ تو ضعیف کمزور دن کو آزاد کرنا ہو کاش تو زبردست غلاموں کو خرید کر آزاد کرتا تو وہ تیرے کام آتے یہاں
تیرے ساتھ رہتے اور تجھے دشمنوں سے بچاتے تیرے آڑے آتے اور تجھے دشمنوں کو دفع کرتے تو ابو بکر رضی نے کہا کہ
اے پدر مکرم میں تو وہ چاہتا ہوں جو اللہ تعالیٰ کے یہاں ہو۔ عافرح نے کہا کہ مجھے میرے گھر والوں میں سے بعض نے
آگاہ کیا کہ یہ آیت فاما من اعطیٰ و اتقىٰ و صدق بالحسنىٰ فسنیسره للیسری۔ ابو بکر رضی کے حق میں نازل ہوئی ہو (ابن کثیر رحمہ)
اور روایت ہو کہ امیہ بن خلف مشرک اپنے غلام بلال رضی کو جو مسلمان ہو گئے تھے اسلام سے پھر جانے کا حکم دیتا تھا اور جب
بلال رضی نے نہ مانا تو انکو باندھ کر کے کی گلیوں میں مارنا پھرتا اور لڑکوں کو بھارتا وہ بلال کو ڈھیلے جوتیان وغیرہ مارتے اور زخمی
کر دیتے جب وہ صوب گرم ہوتی تو بلال رضی کو حلیتی ہوئی ریگ پر لٹا کر لوہے و پتھر کی چسبنہ نہایت گرم اپر رکھتا اور بلال رضی
ورسے چلاتے اور جب وہ کافر کجبت کہتا کہ دین اسلام سے پھر جا تو کہتے کما حد احد۔ یعنی اللہ تعالیٰ اکیلا و حدہ لا شریک ہو
ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حال دیکھا اور غلین ہوئے اور ابو بکر رضی سے ذکر کیا اور ابو بکر رضی نے جا کر امیہ
بن خلف کافر سے بلال کے خریدنے کی گفتگو کی اُس کافر نے بہت کثیر قیمت بیان کی یعنی اس بے تعدا قیمت پر کوئی خرید
نہیں سکتا ہو۔ حضرت ابو بکر رضی نے اسی قدر قیمت منظور کر کے لوگوں کو گواہ کر لیا اور وہ کافر بھی اس قیمت کے لالچ میں
آگیا پس ابو بکر رضی نے یک مشت سب قیمت دیکر بلال رضی کو لے لیا اور خالص اللہ تعالیٰ کے واسطے آزاد کیا اور یہ
شرط کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہیں بلال نے کہا کہ آپ یہ شرط کریں یا نہ کریں میں خود ہی حضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی خدمت سے جدائی نہیں چاہتا ہوں۔ پھر امیہ بن خلف کافر کے حق میں یہ آیات اتریں۔ واما من بخل و اتقىٰ
و کذب بالحسنىٰ فسنیسره للعسرى۔ یعنی جسے بخل کیا اور بے پروائی کی اور وعدہ حسنیٰ ثواب آخرت و جنت کو جھٹلایا تو ہم
اسکو نہایت سختی میسر کریں گے۔ یہ آیت معجزہ تھی کہ امیہ بن خلف اسلام نہیں لایا بلکہ بدر کی لڑائی کے دن مارا گیا۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَ مَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّى۔ اور اُسکا مال اُسکے کچھ بھی آڑے نہ آویگا جب وہ گر
ف مجاہد نے کہا یعنی جب وہ مرا۔ ابو صالح و زید بن اسلم نے کہا یعنی جب وہ جہنم میں گرا مگر حکم کتاب کہ (تردی) مرنے اور گرنے دونوں معنی میں
آتا ہو اور امیہ بن خلف ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا اور جو کفار بدر میں مارے گئے وہ وہاں ایک گڑھے میں ڈالے گئے جہاں جہنم کے عذاب میں
پڑے رہے ان کافروں کے حق میں یہ معنی بھی واقع ہوئے چنانچہ عرب کے محاورہ میں آتا ہو۔ تروى فی البیر۔ وہ کنوئین میں گرا فاشم
إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ ۚ فَأَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّىٰ

ہمارا ذمہ ہے سو جادینا اور ہمارے ہاتھ ہے بچل اور پہل سو میں نے سنادی تمکو خبر ایک جتنی آگ کی
لَا يَصْلُهَا إِلَّا الْآسُفَىٰ ۚ الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۖ وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَىٰ ۚ الَّذِي
اسمیں وہی پیٹھے گا جو بڑا بد بخت ہے جسے جھٹلایا اور منہ موڑا اور بچا دینے اُس سے وہ بڑا ڈر والا جو
يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ ۚ وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزَىٰ ۖ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ
دیتا ہے اپنا مال دل پاک کر لیکو اور نہیں کسی کا اُسپر احسان جسکا بلا دے مگر چاہ کر منہ اپنے رب کا

ہوے تو البتہ دونوں لیکن میں جانتا ہوں کہ نہ کوئی دیگا اور نہ میں بیچوں گا۔ شخص مذکور نے کہا کہ وہ میری مراد اُس کے عوض میں کیا ہے مالک درخت نے کہا کہ جو کوئی مجھے اس درخت کے عوض میں چالیس درخت دے تو البتہ اُس کے ہاتھ بیچوں۔ شخص مذکور نے کہا کہ یہ تو بڑی بات بولتا ہو کہ ایک درخت کے عوض میں چالیس درخت مانگتا ہو۔ پھر دونوں خاموش رہے اور دوسری باتیں کرنے لگے۔ پھر شخص مذکور نے مالک درخت سے کہا کہ اچھا میں نے اُس درخت کے عوض میں تجھے اپنے باغات خرما سے چالیس درخت دیے۔ مالک درخت کہنے لگا کہ اچھا کہ اگر تو سچا ہے تو اس بیج پر گواہ کر دے۔ اُس نے وہاں چند لوگوں کو بلا کر اُسے کہا کہ بار و تم گواہ رہو کہ میں نے اس شخص کے فلان درخت کے عوض میں جسکی شاخ فلان بن فلان کے گھر میں جھک گئی ہو اُس کے عوض میں اپنے درختان خرما سے چالیس درخت دیے۔ مالک درخت سے کہا کہ تو کیا کہتا ہو۔ اُس نے کہا کہ میں راضی ہو گیا پھر ذرا دیر کے بعد کہا کہ میرے تیرے درمیان بیج نہیں ہو ہم تم ابھی جدا نہیں ہوے ہیں۔ اُس شخص نے کہا کہ خیر بھائی اقبال کر لے اور میں بھی احمق نہیں ہوں کہ تیرے جھکے ہوے درخت درخت کے عوض میں چالیس درخت دونوں جو ایک پٹری پر راست ہوں۔ مالک درخت نے کہا کہ اچھا اگر تو ایسے چالیس درخت دے جو ایک پٹری پر سیدھے ہوں تو البتہ میں نے سچا۔ شخص مذکور نے کہا کہ اچھا میں نے تجھے چالیس درخت خرما ایک ساق پر بٹھے ہوے دیے اور گواہ کر لیے اور اُن کے سامنے چالیس ایسی صفت کے درخت گن دیے پھر دونوں جدا ہو گئے اور بیج پوری ہو گئی۔ پھر شخص خریدار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ اب وہ درخت جو فلان شخص کے گھر میں جھکا ہوا ہو میری ملک ہو گیا اور وہ میں نے حضور کے واسطے کر دیا یعنی آپ کی ملکیت میں کر دیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مرد عیالدار کے پاس گئے جس کے گھر میں وہ درخت جھکا ہوا تھا اُس سے فرمایا کہ یہ درخت اب تیرے لیے اور تیری اولاد کے لیے ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ غرر جل نے نازل فرمایا۔ وابل اذ فی شئ۔ تا قولہ تعالیٰ وامن بخل واستغنی الآیہ یہ حدیث غریبہ **مسترحم** کہتا ہے کہ اس حدیث سے یہ ثبوت نہیں ہوتا کہ آیت کا یہی سبب نزول ہوا کیونکہ سورہ ہذا اکمیہ ہے اور قصہ دینے میں واقع ہوا تو مراد یہ کہ ہر کہ جب یہ قصہ واقع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو مکرر نازل فرمایا یعنی انھیں آیات میں ان دونوں آدمیوں کا حکم ہو پس جسے خرید کر دیا اُسکی صفت۔ عطی و اتقی و صدق باحسنی ہو۔ اور جو مالک درخت تھا اُس کی صفت۔ بخل و استغنی و کذب باحسنی۔ ہو اور اس صورت میں (للعسری) سے مراد محرومی نعمت ہو کیونکہ (عسری) درحقیقت سختی ہو اور ہر ایک بد عمل کی سختی اُسکی بدی کے مطابق ہوتی ہو مثلاً کفر کیا تو ہمیشہ دوزخ ہو اور سود کھا یا تو اُس کے مناسب ہے اور یہاں جسے وہ درخت نہیں دیا تو بخل کیا اور درخت جنت سے بے پروائی کی اور جو وعدہ حسنی اُسکو دیا گیا تھا اُسکو اُس کے نفس نے سچ نہیں مانا یعنی ظاہر میں اقرار کیا اور باطن میں نقد کے عوض ادھار خیال کیا اور یہ نفاق ہی باغفلت ہو تو عسری اُس کے حق میں یہ کہ اُسکو توفیق نہ ہوئی واللہ تعالیٰ اعلم امام ابن جریر نے کہا کہ اس آیت کا نزول حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں ہوا ہو و حدیثنا مارون بن ادریس الاصبم حدیثنا عبد الرحمن بن محمد الحارثی حدیثنا محمد بن اسحق عن محمد بن عبد اللہ بن محمد بن عبد الرحمن بن ابی بکر الصدیق عن عامر بن عبد اللہ بن الزبیر قال اُلم۔ یعنی عامر بن عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہجرت سے پہلے کے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو اسلام پر آزاد کیا کرتے تھے

ہشتم سے روایت پائی ہو اور شاید شیخ ابن حجر کو اسکی کوئی روایت ملی ہو واللہ اعلم اور عبد الملک بن عمر یعنی ابو عامر العقدری ثقہ ہیں اور عباد بن راشد کے حق میں ابن حجر نے یہ اختیار کیا کہ صدوق ہیں اور کبھی وہم کرتے ہیں ولیکن امام احمد رحمہ اللہ نے کہا کہ ثقہ ہیں چنانچہ مسند کی جلد دوم میں صفحہ ۳۹۲ مطبوعہ مصر میں عبد اللہ بن احمد نے اپنے باپ سے روایت کیا اور قتادہ معروف ثقہ ہیں اور تلبیس نہیں رہی جبکہ انھوں نے خلیلہ العصری سے روایت کی پس معلوم ہوا کہ اسناد کے راوی سب ثقات ہیں اور واضح ہو کہ حدیث کے یہ معنی نہیں ہیں کہ جو کوئی اپنا مال جس طرح چاہے خرچ کر ڈالے اسکو یہ دعا ہو بخیرگی بلکہ اس دعا کے لائق وہ ہوگا جسے مال کو راہ خیر میں موافق شرع کے خرچ کیا ہو واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب اور تجلیل کے حق میں بد دعا یہ ہے کہ وہ اپنا مال کجوسی کے ساتھ جمع کرتا ہو اور خود تکلیفیں اٹھا کر مارتا ہو تو وہ سب مال اُسکے حق میں تلف ہو جاتا ہے فانہم واللہ اعلم حدیث ہشتم قال ابن ابی حاتم حدثنا ابو عبد اللہ الظہری حدثنا حفص بن عمر العدنی حدثنا الحکم بن ابان عن عکرمہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ کہا کہ ایک شخص کا خلیستان تھا اُس میں سے ایک درخت خرما کی ایک شاخ دو سرے شخص کے گھر میں لگی تھی یہ شخص محتاج عیال دار تھا پھر جب درخت خرما مالک آتا اور اُسکے گھر میں سے چڑھ کر اپنے درخت کے پھل توڑتا اور کوئی خرما گر پڑتا اسکو مرد عیالدار کے بچے اٹھا لیتے تو وہ درخت سے اتر کر بچوں کے ہاتھ سے وہ چھوڑا چھین لیتا تھا اور اگر اتفاق سے کسی بچہ نے بھوک کی وجہ سے خرما اپنے منہ میں ڈال لیا تو شخص مذکور اُسکے منہ میں اُنگلی ڈال کر وہ پھل نکال لیتا تھا۔ مرد عیالدار نے اس معاملہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا اور مالک درخت کے افعال کا شکوہ کیا یعنی کیسی بیرحمی کے ساتھ اُسکے بچوں سے برتاؤ کرتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد عیالدار کو رخصت کیا اور خود جا کر درخت کے مالک سے ملاقات کی اور فرمایا کہ تو مجھے اپنا وہ درخت دیدے جسکی شاخ فلان مرد فقیر عیالدار کے گھر میں ہے اور اُسکے عوض میں تیرے لیے جنت میں ایک درخت ہوگا اُس شخص نے کہا بہت اچھا میں نے وہ درخت آپ کو دیا ولیکن اس درخت کے پھل مجھے بہت پسند ہیں اور میرے پاس بہت درختان خرما ہیں ان میں کوئی ایسا درخت نہیں ہے جسکے خرما مجھے اسقدر پسند ہوں جسقدر اس درخت مذکور کے پھل پسند ہیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُسکے پاس سے رخصت ہوئے اور وہاں سے ایک شخص دیگر آپ کے پیچھے ہولیا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا اُس درخت والے شخص سے اور اسکا جواب مذکور سب سناتھا پس اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر یہ درخت جسکے عوض میں اُسکے مالک نے حضور نے جنت میں درخت دینے کا وعدہ فرمایا اگر یہ درخت میرا ہو جاوے اور میں یہ درخت حضور کو دیدوں حضور عالی مجھے بھی وہی عطا کرے گا جو اسکو دینے کے واسطے ارشاد ہوا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں تیرے واسطے بھی اُسکے عوض ایک درخت جنت میں ہوگا۔ اُس شخص نے جا کر مالک درخت مذکور سے ملاقات کی اور اُسے کہا کہ محمد صلعم نے آج مجھے کہا کہ اگر تو اپنا وہ درخت جسکی فرع فلان شخص کے گھر میں چھکی ہے مجھے دیدے تو تیرے واسطے جنت میں ایک درخت اس کے عوض دوں میں نے کہا کہ میں نے دینا منظور کیا ولیکن مجھے اس درخت کے پھل ایسے پسند ہیں کہ میرے درختان خرما میں سے کسی درخت کے پھل ایسے پسند نہیں ہیں شخص مذکور نے یہ قصہ اُسکی زبان سے سن کر خاموشی اختیار کی پھر کچھ دیر کے بعد اُس سے کہا کہ کیا تو اُس درخت کو فروخت کر سکتا ہو اُس نے کہا کہ میں نہیں بیچوں گا یاں اگر کوئی شخص میری مراد کے موافق

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یا رسول اللہ کیا ہم ایسے امر کے واسطے کام کرتے ہیں جس سے فراغت ہو گئی یا ایسے امر کے لیے جواز سر نہ ہوتا ہو آپ نے فرمایا کہ ایسے امر کے واسطے جس سے فراغت ہو گئی۔ تو سرفراہ رحمہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ پھر عمل کس حال میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر عامل کو اُس کا عمل میسر آتا ہو۔ رواہ مسلم عن ابی الطاہر عن ابن وہب بذکر حدیث **چشم** ابن جریر عن یونس عن سفیان عن عمرو بن دینار عن طلح بن حبیب عن بشیر بن کعب العدوی رضی اللہ عنہ۔ دونوں جوانوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا ہم لوگ اپنے معاملہ میں عمل کرتے ہیں کہ جسکو لشکر قائم خشک ہو گئے اور نقد جاری ہو چکی ہو یا ایسی چیزیں جو نئے سرے سے ہوتا جاتا ہو آپ نے فرمایا بلکہ جس میں قلم خشک ہو چکے اور نقد جاری ہو چکا۔ ان دونوں نے کہا کہ پھر عمل کس چیز میں ہو فرمایا کہ عمل کیے جاؤ کہ ہر عامل کو وہی میسر ہوگا جس کے واسطے وہ پیدا ہوا ہو۔ ان دونوں نے کہا کہ پھر ہم کوشش کریں گے اور عمل کیے جاویں گے حدیث **ششم** امام احمد عن ہیشم بن خارجہ عن ابی الریح سلیمان بن عتبہ السہلی عن یونس بن میسر بن حلبیس عن ابی ادیس عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ روایت کیا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ یہ جو ہم لوگ عمل کرتے ہیں کیا ایسے معاملہ میں ہے جس سے فراغت ہو چکی ہے یعنی وہ جنتی یا دوزخی ہو چکا پھر عمل کرتا ہے یا ایسے معاملہ میں جو نیا ہو جاتا ہے یعنی جیسا کہ بے وسایا ہو جاوے، فرمایا بلکہ ایسے معاملہ میں جس سے فراغت ہو چکی ہو تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ پھر یہ عمل کس شمار میں ہے آپ نے فرمایا کہ ہر مرد کے واسطے وہی مایا ہو جاتا ہے جس کے واسطے وہ پیدا کیا گیا ہو (تقریباً احمد) حدیث **ہفتم** قال ابن جریر حدثنا الحسن بن سلمہ بن ابی کبشہ حدثنا عبد الملک بن عمرو حدثنا عبد بن راشد عن قتادہ حدثنی خلیلہ العسری عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ کہ اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں کوئی دن کہ جس میں اُس کا آفتاب غروب ہو مگر اُنکے اس روز کے دونوں جانب میں دوزخیں اس طرح پھارتے ہیں کہ اُس کو سب مخلوق سنتی ہو سوائے جن انسان کے کہ انکی خدج کرنے والے کو اُسکی جگہ روزی دے اور بخیل کو تلف دے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس بارہ میں قرآن نازل فرمایا۔ فاما من اعطی واقفی وصندوق یا حسنی احمک للعسری۔ اس حدیث کو ابن ابی حاتم نے اپنے باپ ابو حاتم سے اُسے ابن ابی کبشہ سے روایت کیا **مترجم** کہتا ہے کہ امام ابن جریر الطبری صاحب تفسیر کی ولادت **سنت** ہجری میں ہو لیکن انھوں نے بہت سے کبار مشائخ کو پایا ہے جن سے ائمہ صحاح السنہ نے روایت کی ہے اور یہ بات ابن ابی حاتم و طحاوی کو میسر نہیں ہوئی حالانکہ یہ دونوں جندیہ سال چھوٹے ہیں چنانچہ بیان بھی ابن جریر سے حسین بن سلمہ بن اسمعیل بن یزید بن ابی کبشہ الازدی البصری سے روایت کی ابن جریر نے تقریب میں لکھا کہ یہ شیخ سچے ہیں اور طبقہ نہم کے مشائخ میں سے ہیں یعنی جس طبقہ میں اکثر امام احمد کے مشائخ ہیں اور اس صورت میں یہ شیخ منجملہ ابن جریر کے بزرگ اساتذہ کے ہیں جیسے بخاری کے شیخ ابو نعیم وغیرہ ہیں لیکن مترجم کو اس میں تردد ہوا ہے کہ خلاصہ میں لکھا ہو کہ حسین بن سلمہ جبکا نام ابن ابی کبشہ مشہور تھا یعنی ہر داو کی طرف منسوب تھے انھوں نے عبد الرحمن بن مہدی اور مسلم بن قتیبہ سے روایت کی اور اسے ترمذی و ابن ماجہ نے روایت کی ہے **شہدہ** کے نزدیک انتقال فرما دیا **واقطنی** نے کہا کہ ثقہ ہیں (خلاصہ) اور ابو حاتم نے کہا کہ صدوق (بہت سچے) اور ابن حبان نے انکو اپنی کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے (تہذیب) اور اس سے یہ ثبوت نہیں ہوتا کہ طبقہ نہم کے لوگوں میں سے ہوں جنھوں نے طبقہ ہفتم یا کبار طبقہ

بجلائی کی توفیق نہیں ملتی ہو اور وہ بے توفیق کے غار ہوتا ہو اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی تقدیر مقدر سے بھی موافق ہوتا ہو۔ اس بار میں احادیث بکثرت ہیں حدیث اول بر وایت حضرت ابی بکر الصديق رضی اللہ عنہ۔ امام احمد نے روایت کی کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کیا ہم لوگ ایسی بنیاد پر عمل کرتے ہیں جس سے فراغت ہو چکی ہو یا ایسے امر پر جو بنیاد ہوتا جاتا ہو آپ نے فرمایا بلکہ ایسے امر پر جس سے فراغت ہو چکی ہو۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ پھر عمل کس فائدہ میں ہو آپ نے فرمایا کہ ہر ایک کے واسطے وہی میسر ہوتا ہو جس کے واسطے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ حدیث دوم امام بخاری نے ابو نعیم عن سفیان عن الأعمش عن سعد بن عبیدہ عن ابی عبد الرحمن السلی عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ روایت کی کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بقیع غرقہ میں ایک جنازہ میں تھے تو آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی نہیں مگر اُنکے اسکا ٹھکانا جنت سے یا اُسکا ٹھکانا جہنم سے لکھ دیا گیا ہو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ پھر ہم لوگ اپنے نوشتہ پر بھروسہ نہ کریں آپ نے فرمایا کہ عمل کرو کہ ہر ایک کو وہی میسر ہوگا جس کے واسطے وہ پیدا کیا گیا ہو پھر آپ نے یہ آیت پڑھی فاما من اعطی داقی وصدق بالحسنی۔ تا قولہ تعالیٰ للعسری۔ یہ اسناد صحیح ہو اور بحبانہ روایت نے اس حدیث کو بطریق وکیع وشعبہ عن الأعمش مسند کیا و قد رواہ عن ابی بکر بن ابی شیبہ عن جریر بن منصور عن سعد بن عبیدہ باسنادہ اور اس روایت میں اس طرح ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم لوگ بقیع غرقہ میں ایک جنازہ میں تھے اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکر بیٹھ گئے اور ہم لوگ آپ کے گرد بیٹھ گئے اور آپ کے ہاتھ میں ایک چٹری تھی پھر سر جھٹکا کر اُس سے زمین چونکتے تھے پھر فرمایا کہ تم میں سے کوئی نفس مخلوق نہیں ہو مگر اُنکے اُسکی جگہ جنت سے یا دوزخ سے لکھ دی گئی ہو اور یہ لکھا گیا ہے کہ وہ شقی ہے یا سعید ہے پھر ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ پھر ہم لوگ اپنے نوشتہ پر بھروسہ نہ کر لیں اور عمل چھوڑ دیں کیونکہ ہم میں جو کوئی اہل سعادت میں سے ہوگا تو وہ اہل سعادت میں چلا جاوے گا اور جو ہم میں سے اہل شقاوت میں سے ہوگا وہ اہل شقاوت میں چلا جاوے گا تو آپ نے فرمایا کہ اسکا بیان یہ ہے کہ جو لوگ اہل سعادت میں سے ہیں انکو اہل سعادت کے عمل میسر آتے ہیں اور جو لوگ اہل شقاوت میں انکو اہل شقاوت کے عمل میسر آتے ہیں پھر پڑھا قولہ تعالیٰ فاما من اعطی داقی وصدق بالحسنی (و قد رواہ مسلم والیوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ وغیرہم) اگر کوئی کہے کہ اول روایت میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ سے پوچھا اور دوسری روایت میں ہے کہ ایک شخص نے پوچھا (جواب) صحابہ رضی اللہ عنہم سب یہ سوال پوچھنا چاہتے تھے ولکن جرأت نہ تھی تھی تو سب نے ایک کو اشارہ کیا کہ وہ پوچھے اور شاید یہ ابو بکر الصديق رضی اللہ عنہ ہوں جیسا کہ امام احمد کی روایت میں بیان ہے حدیث سوم امام احمد بن محمد بن عبد الرحمن عن شعبہ عن عاصم بن عاصم بن عبد اللہ عن سالم بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کی کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ آگاہ فرماوین کہ ہم لوگ جو کچھ کرتے ہیں آیا ایسے امر میں عمل کرتے ہیں کہ اس سے فراغت ہو چکی ہو یا ایسے امر میں جو ابتدا سے ایجاد ہوتا ہو آپ نے فرمایا کہ ایسے امر میں جس سے فراغت ہو چکی ہو یا ابن الخطاب عمل کر کیونکہ ہر ایک کو میسر کیا جاتا ہے پس جو کوئی اہل سعادت میں سے ہو اسکو سعادت کا عمل میسر ہوتا ہو اور جو اہل شقاوت میں سے ہے اسکو شقاوت کے واسطے عمل میسر ہوتا ہو۔ رواہ الترمذی عن بندار عن ابن مہدی یعنی عن محمد بن بشیر عن عبد الرحمن بن مہدی ہ وقال حسن صحیح حدیث چہارم قال ابن جریر حدیثی یونس ما خبرنا ابن وہب اخبرنی عمرو بن الحارث عن ابی الزبیر عن

کر دیا۔ قتادہؒ نے کہا یعنی اللہ تعالیٰ نے جو اس پر حق رکھا ہے اُس میں دیا۔ صدق باحسنی جس جی نے کہا یعنی لا الہ الا اللہ کی تصدیق
 کی۔ ابن جریرؒ کے نزدیک پسندیدہ یہ جو کہ صدق باحسنی۔ یعنی یہ سچ مانا کہ ان کا مون کا عوض نیک ملے گا۔ پھر کہا
 جاوے کہ فسیر و لیسرے۔ یعنی اس کو توفیق سے یہ میسر کرینگے کہ نیکی و خیرات کی راہوں میں عمل کرے و احدیؒ نے لکھا
 کہ مفسرین نے کہا کہ یہ آیتیں ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئیں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے چھ مسلمانوں کو خرید کر آزاد فرمایا یہ
 مسلمان اہل مکہ کے مشرکوں کے غلام تھے ان کے ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ کے لیے سخت تکلیف اٹھاتے تھے۔ ابن مسعودؓ نے کہا کہ
 ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے بلال رضی اللہ عنہ کو امیہ بن خلف سے دس اوقیہ اور ایک چادر کے عوض میں خرید کر اللہ تعالیٰ
 کے واسطے آزاد کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں اَلَمْ نَزِدْ رِوَادَ ابْنِ ابِی حَاتِمٍ وَ ابْنِ عَسَاکِرَ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزَّبْرِ
 رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ نَعْمَ لَہُمَا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کس سے لوگوں کو اسلام پر آزاد کیا کرتے تھے یعنی جو کوئی اسلام لایا اُس کو مشرک
 سے خرید کر بندہ آزاد کرتے تھے حتیٰ کہ بڑھیا عورتوں کو خرید کر آزاد کرتے تھے (س ف ک) بالجملہ قولہ ان سعیم لشتی۔ تمہارے
 اعمال مختلف متضاد ہیں یعنی تم لوگ مختلف نیت و مقصد اور طریقہ پر عمل کرتے ہو اور ہر ایک کے واسطے انجام جداگانہ ہو پھر تفصیل
 بیان فرمائی فاما من اعطی الذی۔ یہ تو ایک قسم ہے جس کے واسطے دنیا میں نیکی کی توفیق و آخرت میں جنت ہو اور اس فرق کو اللہ تعالیٰ
 کی وحدانیت اور وعدہ و آخرت و جنت کا یقین ہے۔ پھر اس کے مخالف قسم کو بیان فرمایا بقولہ تعالیٰ۔ وَ اَمَّا مَنْ بَخِلَ
 وَ اسْتَغْنٰی۔ اور ربا و دشمن جسے بخل کیا اور بے پروائی کی ف ابن عباسؓ نے کہا یعنی اپنے مال سے بخل کیا اور رب
 عزوجل سے بے پروائی کی۔ یہی عکسہ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا (ابن ابی حاتم) یعنی دوسرے فرق کی یہ حالت ہے کہ اللہ تعالیٰ
 نے جس طرح مال فانی خرچ کر بیجا حکم دیا اُس سے بخل کرنا ہو اور اللہ تعالیٰ کے ثواب و رضوان سے بے پروائی کرنا ہے تو جسے ایسا
 کیا۔ وَ کَذٰبَ الْاَحْسَنِ۔ اور نہایت خوب چیز کو جھٹلایا ف جنت کو یا ثواب آخرت کو یا کلمہ توحید لا الہ الا اللہ
 کو فَسْتَسْرِیْ لَیْلَ الْعُسْرِی۔ تو ہم اس کو عسری میسر کرینگے فَ عُسْرٰی نہایت سختی کی چیز اور وہ جہنم ہے
 یا وہ بدراستہ و بد اعمال جس سے جہنم میں جا دیگا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَ تَقْلِبُ اَفْئِدَہُمْ وَ ابْصَارَہُمْ کَمَا لَمْ یُؤْمِنُوْا بِہٖ اَوَّلَ
 مَرَّةٍ اَلَمْ یَظُنُّوْا کہ وہ لوگ اول مرتبہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے تو ہم اُنکے دل و آنکھیں اُلٹ دیتے
 ہیں اور ان کو اُنکے طعنان میں اندھ آتے چھوڑتے ہیں۔ ہ۔ (ابن کثیر رحمہ اللہ) اکثر مشرکین اپنے اموال کو شادی و غمی میں بکثرت اٹھاتے
 ہیں تو بخل کیونکر ہو (جواب) یہ سخاوت نہیں بلکہ بربادی ہو اور یہ اُنکے کفر و سرکشی کی سزا ہے کہ جیسے انھوں نے آخرت و جنت سے بے پروائی
 اور کار خیز میں مال کو اللہ تعالیٰ کے ثواب کے لیے نہ دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس بلا میں مبتلا کیا کہ بہت محنت و مشقت سے حبان
 کھپا کر حرام و حلال و ظلم و فجور سب طرح مال کماتے ہیں اور تاشے باجے اور فسق و فجور میں بے دھڑک اٹھاتے ہیں اور اخوان الشیاطین
 بن جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو ایسی ہی خصلت میسر کرتا ہے جس کا انجام سختی ہو اسی سے بعض سلف نے عسری کی تفسیر میں کہا کہ وہ شر
 اور بدی ہو یعنی ہم اُس کو شرارت و بدی میسر کرتے ہیں (س ف ک وغیرہ) ابن کثیرؒ نے کہا کہ اس بارہ میں آیات بکثرت ہیں جو
 صاف دلالت کرتی ہیں کہ جسے بھلائی و خوبی کا قصد کیا اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ عوض ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو
 نیکی کی توفیق عطا کرتا ہو اور جس شخص نے برائی اور بدی کا قصد کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کو یہ بدلہ ملتا ہے کہ اُس کو

نرمادہ میں تباہ ہو اور اللہ تعالیٰ ان متباہ چیزوں کی قسم سے فرماتا ہو کہ۔ ان سعیکم لشتی۔ تمہارے اعمال مختلف ہیں یعنی تمہارے اعمال میں بھی تباہی ہو۔ خلاصہ یہ کہ قسم ہو نور اور ظلمت کی وہ ایک نرمادہ کی کہ جیسے نرمادہ میں اختلاف و تباہی ہوتا ہو اسی طرح تمہاری سعی بھی مختلف ہو۔ یعنی تم لوگوں نے جو اعمال سعی کر کے کما لئے ہیں وہ متضاد و متخالف ہیں کوئی تو نیکی کمانے میں سعی کرتا ہو اور کوئی بدی کمانے میں سعی ہو (ابن کثیر رحمہ اللہ) بعض جنت کے واسطے عمل کرتے ہیں اور بعض جہنم کے لیے عامل ہیں مترجم کہتا ہے کہ اس سے مقصود یہ ہو کہ کفار کا خیال مہل ہو کہ یہاں جس سے جو تدبیریں پڑی وہ ہو گئی اور مرآتو سب فنا ہو گیا بلکہ تمہارے اعمال کا اعتبار ہو اور اللہ تعالیٰ نے آگاہ کیا کہ تمہاری سعی مختلف ہو اور مدار اسکا اپنے خالق عزوجل کے حکم حسنی کے اعتقاد و بد اعتقادی پر ہو اگر کوہ سعیکم لشتی۔ کیوں نہ ہو کیونکہ جمع کے واسطے مساعی جمع ہوتا کہ ہر ایک کے لیے مسکلی سعی ہو (جواب) سعیکم میں سعی مصدر ہے اور مصدر سے جمع کے معنی بھی لیے جاتے ہیں۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو مبتلا دیا کہ یہ تقویٰ ہو اور وہ انجور ہو تاکہ ہر ایک اپنے واسطے اختیار کرے اور جو کچھ اختیار کرے وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اسکو حاصل کر اویے کیونکہ آدمی اسی قدرت کے قبضہ میں قائم ہے جسے لطفہ سے اسکو بچہ بنایا پھر جنایا پھر بڑھایا بہا تک کہ اس حالت پر آیا ہو تو اب ہر ایک بندہ کی سعی ایک ہی راہ پر متحد نہیں بلکہ مختلف و متباہ ہے جسے رات و دن میں تباہی ہو پھر اس اختلاف کا انجام بیان فرمایا بقولہ تعالیٰ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ۔ پس جسے عطا کیا اور تقویٰ کیا اور کلمہ حسنی کی تصدیق کی تو ہم اسکو سہولت کے واسطے آسانی دینگے ف ابن کثیر نے کہا کہ۔ اعطیٰ یعنی عطا کیا وہ مال جسکے نکالنے و دینے کا حکم دیا گیا ہو (جیسے زکوٰۃ و صدقہ فطر وغیرہ) و اتقیٰ یعنی اپنے معاملات میں اللہ تعالیٰ کا تقویٰ رکھا۔ و صدق بالحسنیٰ قتادہ نے کہا کہ تصدیق کی نیکی کی یعنی یقین کیا کہ ان کاموں کا عوض نیک ضرور ہو (یعنی آخرت برحق ہو اور ان کاموں کا عوض نیک بدلہ ملے گا) خصیف نے کہا یعنی ثواب کا یقین کیا۔ ابن عباس و مجاہد و عکرمہ و ابوصالح و زید بن اسلم نے کہا یعنی ان کاموں کے بجائے نیکی ملے گی۔ مترجم کہتا ہو کہ ان سب اقوال کا نتیجہ یہ ہو کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے واسطے نیک کام کیا اس یقین کیساتھ کہ آخرت برحق ہو اور ان کاموں کا ثواب ملے گا۔ ابو عبد الرحمن اسلمی و ضحاک نے کہا کہ بالحسنیٰ ای بلا الہ الا اللہ۔ یعنی عطا کیا و تقویٰ کیا اور لا الہ الا اللہ کلمہ حسنی کی تصدیق کی ایک روایت میں عکرمہ سے آیا کہ صدق بالحسنیٰ یعنی اس انعام کی تصدیق کی جو اللہ تعالیٰ نے اس پر فرمایا ہو۔ زید بن اسلم سے ایک روایت میں ہے یعنی نماز و زکوٰۃ و روزہ کی تصدیق کی اور ایک روایت میں کہ یعنی صدقہ الفطر کی تصدیق کی ابن ابی حاتم نے ایسی اسناد سے جس میں مذکور راوی ثقہ ہیں و لیکن ایک راوی کا نام مذکور نہیں ہے حدیث ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صدق بالحسنیٰ دریافت کیا تو فرمایا کہ بالحسنیٰ جنت ہو۔ یعنی جنت کو اُس نے سچ مانا۔ فسیرہ للیسری۔ تو ہم اسکو خیر کے واسطے تیسرے دینگے۔ یعنی خیر میسر کرینگے۔ یہ ابن عباس کا قول ہو۔ زید بن اسلم نے کہا کہ یعنی جنت میسر کرینگے (تفسیر ابن کثیر) اور دیگر تفاسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ قولہ تعالیٰ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ۔ یعنی جس نے اپنا حلال کیا یا ہوا مال شریعت الہی کے موافق نیک راہوں میں خرچ کیا۔ و اتقیٰ۔ اور جن باتوں سے اللہ تعالیٰ کی شریعت میں مانعت ہو اُن سے تقویٰ و پرہیز رکھا۔ و صدق بالحسنیٰ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیک عوض ملنے کو سچ مانا۔ فسیرہ للیسری۔ تو ہم اُسکے لیے خصلت نیک میسر فرما دینگے۔ مفسرین نے کہا کہ من اعطیٰ یعنی جسے مغلسوں کو

وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّىٰ۔ قسم رات کی جب ڈھانپ لے اور قسم دن کی جب روشنی سے چمک اٹھے اور قسم نر و مادہ پیدا کرنے کی کہ تم لوگوں کی سعی البتہ متفرق ہر قسم یعنی اللہ تعالیٰ نے رات و دن و نر و مادہ کی قسم سے فرمایا کہ تم لوگوں کے عمل کئی طرح متفرق ہیں احادیث و آیات سے ثبوت ہوتا ہے کہ دنیا میں مجموعہ دو طرح میں منحصر ہیں ایک اہل جنت ہیں اور دوم اہل جہنم ہیں پھر اہل جنت میں بے شمار الذارع ہیں بعض پیغمبر ہیں اور بعض صدیق ہیں اور بعض شہید اور بعض صالحین ہیں پھر پیغمبروں میں بہت مراتب ہیں اور ان سے زیادہ صدیقین میں مراتب ہیں اور ان سے زیادہ شہداء ہیں اور سب سے زیادہ صالحین میں مراتب ہیں اسی طرح اہل جہنم میں طرح طرح کی عذابی و عذاب دہائے لوگ ہیں اور جس قدر دنیا میں اہل جنت کی بہ نسبت کفار و مشرکین بہت زیادہ ہوتے ہیں حتیٰ کہ ہر زمانہ میں کفار کی کثرت ایسی ہے جیسے سیاہ بیل کے بدن پر بال ہیں اور مومنین ایسے قلیل ہوتے ہیں جیسے اس بیل کے بدن پر کوئی سفید داغ ہو یعنی وہاں سفید بال ہوں تو قیاس کرو کہ مومنین کے بے شمار اقسام کے بہ نسبت کافروں و مشرکوں کے سجد زائد اقسام ہوتے ہیں اس لیے کہ اسلام تو ایک راہ توحید ہی اُس میں کسائی کرنے والے اپنی اپنی کمائی میں اس قدر کثرت سے ہیں تو سمجھ لینا جاسیے کہ کفر و شرک جو مختلف راہیں ہوتی ہیں ان میں کس قدر ہر ایک میں بے شمار کثرت ہوگی تو حاصل یہ ہوا کہ سعی یعنی عمل کی راہ سے تم لوگ متفرق و متعدد ہو اگرچہ آخر انجام میں دو ہی میں منحصر ہو ایک اہل جنت تو اُس کے درجات میں ہونگے اور دوم اہل جہنم اُس کے بے شمار درجات میں ہونگے۔ قولہ تعالیٰ واللیل اذا یغشی قسم رات کی جب وہ ڈھانپ لے ابن کثیرؒ نے لکھا کہ یعنی اپنی تاریکی میں مخلوق کو ڈھانک لے والنہار اذا تجلی۔ اور قسم دن کی جب تجلی کرے یعنی اپنے نور و اشراق سے روشن کرے قولہ ما خلق الذکر والانثی۔ جیسے قولہ تعالیٰ وخلقناکم ازواجاً۔ ہم نے تم کو جوڑے پیدا کیا ہے اور جیسے قولہ من کل شیء خلقنا زوجین اور ہم نے ہر چیز سے جوڑے بنائے ہیں۔ (ابن کثیر) ابن عباس رضی وغیرہ نے کہا کہ اذا یغشی۔ جب اندھیرا کرے۔ یعنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رات کی قسم کھائی جب ہر جاندار اپنے ٹھکانے آجاتا ہے اور خلق سکون میں ہو جاتی ہے اور اُس پر نیند چھا جاتی ہے۔ والنہار اذا تجلی۔ اور قسم دن کی جب ظاہر ہو یعنی تاریکی زائل ہو کیونکہ جب آفتاب طلوع ہوتا ہے اور دن روشن ہوتا ہے تو دنیا کی ہر چیز ظاہر ہو جاتی ہے اور جاندار ہر ایک اپنے مطلوب حاصل کرنے میں سعی کرتا ہے۔ و ما خلق الذکر والانثی۔ اور قسم اُس پاک کی جس نے پیدا کیا نر و مادہ کو (ما) موصولہ ہے اور (من) کے بجائے (ما) لانے میں صفت عظیم اور عظمت فخم کا اشارہ ہے یعنی قسم اُس قادر عظیم کی جس نے نر و مادہ ہر چیز کا جوڑا بنادیا۔ یہی حسن بصریؒ و کلینیؒ و ابوالعبیدہؒ سے منقول ہے۔ مقالؒ نے (ما خلق) یعنی (خلق) یعنی مصدق لیا یعنی اور قسم ہے نر و مادہ پیدا کرنے کی۔ واضح ہو کہ ابن سعد و رضی و ابوالدرداء و رضی نے الذکر والانثی۔ پڑھا یعنی قسم ہے نر و مادہ کی (کما رواہ البخاری وغیرہ) اگر کسی عورت کی علامت اور مرد کی علامت دونوں جمع ہوں اور یہ پہچان نہ پڑے کہ دونوں میں سے کس نوع میں ہے اور اسی کو خنثی مشکل کہتے ہیں پس اگر کسی نے قسم کھائی کہ اگر نر و مادہ کسی سے کلام نہ کروں گا پھر اسے خنثی مشکل سے کلام کیا تو قسم میں جھوٹا ہو جائیگا یہی رازیؒ اور گرخیؒ و محلیؒ و خطیبؒ نے بیان کیا ہے اس دلیل سے کہ خنثی مشکل کو ہم نہیں پہچانتے کہ وہ نر ہے یا مادہ ہے مگر اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ وہ کس قسم میں ہے اور ابن کثیرؒ نے نکتہ بیان کیا کہ رات و دن میں ضد ہوا اور

بقولہ تعالیٰ ان سَعِیْکُمْ لَشَیْءٍ - یعنی خطاب جمع ہو کر کبیرا مترجم کہتا ہو کہ سلف میں یہ بات عام مشہور تھی کہ اسمین فضیلت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی منصوص ہو اور اس سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ جب حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کو اس امت میں سب اعلیٰ فضیلت مرتبہ صدیقیت میں حاصل ہو تو آئندہ جو لوگ قیامت تک اس فضیلت میں شامل ہوں تو ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے سردار ہونگے اور یہ بات یقیناً ظاہر ہے۔ م۔ را زئیؒ نے لکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ ہم لوگ ایک جنازہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر تھے پھر آپ بیٹھ گئے (یعنی قریب ہونے میں کچھ دیر تھی) اور ہم لوگ بھی آپ کے گرد بیٹھ گئے پس آپ نے فرمایا کہ کوئی نفس جو پیدا کی گئی ہو وہ نہیں مگر آئندہ ضرور اللہ تعالیٰ کو اس کا مقام جنت میں یا دوزخ میں معلوم ہے (موانق علم الہی کے وہ ضرور جلتی ہو یا دوزخی ہو) یعنی یہ علم الہی میں مقدر ہو تو ہم لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم لوگ بھروسہ نہ کر لیں (یعنی عمل کرنے سے باز رہیں اور بیٹھ رہیں) تو فرمایا کہ عمل کیے جاؤ کہ ہر ایک کو وہی میسر آویگا جسکے ساتھ وہ پیدا کیا گیا ہو پھر پڑھا تو اللہ تعالیٰ فاما من اعطی واتقى وصدق بالحسنى فسنيسره لليسر (صحیح) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے واسطے اولیٰ فضیلت ہو اور اسمین دوسرے اہل صلاحیت شامل ہیں اور اسی طرح امیہ بن خلف مذمت میں سب سے بدتر ہے اور اسی کے ساتھ اسی قسم کے اور فجار شامل ہیں فافهم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۵

وَاللَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی ۝ وَالتَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰی ۝ وَمَا خَلَقَ الذَّکَرُ وَالْاُنْثٰی ۝
قسم رات کی جب بھاجا دے اور دن کی جب روشن ہو اور جو اُس نے پیدا کیے اور سچ جانا بھلی بات کو تو اسکو ہم سچ سچ
اِنَّ سَعِیْکُمْ لَشَیْءٍ ۝ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ۝ فَسَنِیْسِرْہٗ
تھاری کمالی بھانت بھانت ہو سوچنے دیا اور ڈر رکھا اور سچ جانا بھلی بات کو تو اسکو ہم سچ سچ
لِّلْیُسْرٰی ۝ وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ۝ فَسَنِیْسِرْہٗ
پونچا دینگے آسانی میں اور جس نے نہ دیا اور بے پروا رہا اور جھوٹ جانا بھلی بات کو
لِّلْعُسْرٰی ۝ وَمَا یَغْنِیْہٗ مَالُہٗ اِذَا تَرَدّٰی ۝
سختی میں اور کام نہ آوے گا اسکو مال اسکا جب گڑھے میں گرے گا

اللہ تعالیٰ نے قسم عظمت کے ساتھ بیان فرمایا کہ دنیا میں تم لوگوں کے اعمال اور کوششیں دو مختلف راہوں پر ہیں پھر ان دونوں کی تفصیل بیان فرمائی کہ جس قسم کی سعی یعنی عمل اس نیک قسم کے ہیں وہ راحت و جنت میں ہیں اور جس فریق کے عمل (بد) قسم کے ہیں وہ سختی و دوزخ میں ہیں۔ خوب یاد رکھو کہ خوبی و جنت کی ہدایت دینا ہمارے ہی اختیار میں ہو اور یہ دنیا و آخرت ہمارے ہی بادشاہت میں ہو ہم نے تم کو یہاں جلتی جلتی آتشی ملک جنم سے آگاہ کر دیا اور جس بدکاری سے وہاں جانے والے ہو جاؤ وہ سب مبتلا یا اور ڈر سنا دیا پھر وہی وہاں جا بیگا جو منکر کافر بدکار ہے اور اسکے برخلاف جس نے اللہ تعالیٰ کو مانا اور ڈرانے سے ڈرا اور پرہیز کیا تو وہ جنم سے بچا اور وہ راضی ہو کر خوش عیش ہو گا۔ اب آیات قدسی میں غور کرو وقال نعم

یعنی قسم ہو کہ برباد و ہلاک ہونگے وہ لوگ جنہوں نے طغیان و سرکشی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انکار و کفر کیا جیسے ثمود نے اپنے پیغمبر صالح علیہ السلام سے کفر کیا اور ناقہ کے ساتھ طغیان کیا تو دنیا سے برباد و ہلاک ہوئے اسیلئے کہ ایسے طاعی و فاجروں نے الہام تقویٰ قبول کیا اور فحور کی حالت پر باقی رہے تو عقل پر گندہ حجاب ہاؤنفس کی تاریکیاں چھائی رہیں اللہ تعالیٰ علم ابن عربیؒ

سورۃ الیل مکیتہ و ہی احد و عشرون آیت

سورۃ الیل مکیہ ہے یعنی ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی ہے یہی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہو کہ مکہ میں اسکا نزول ہوا ہوا اور جمہور علمائے سلف سے یہی قول مروی ہے اور بعض لوگوں نے کہا کہ مدینہ ہی شاید یہ بات ہو کہ کسی واقعہ خاص میں اس سورہ مبارک کی بعض آیات مدینہ میں مکرر نازل ہوئی ہوں اس سورہ میں اکیس آیات ہیں خطیبؒ نے لکھا کہ اکثر کلمات ہیں اور تین سو دس حروف ہیں (السراج) جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر و عصر میں دالیل اذانیغشی اور اسکے مانند پڑھا کرتے تھے (رواہ البیہقی) انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب کو ظہر کی نماز پڑھائی تو آواز بلند فرمائی پس سورہ والشمس وضحاہا اور دالیل اذانیغشی پڑھا تو (بعد سلام کے) ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا اس غنائین آپ کو کچھ حکم دیا گیا ہے آپ نے فرمایا کہ نہیں لیکن میں نے یہ چاہا کہ تمہارے واسطے توقیت ظاہر کروں (الطبرانی فی الاوسط) ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے یہ پوچھا تھا کہ کیا اس نماز میں اخفا کے بجائے آواز سے پڑھنے کا حکم ہو گیا ہے تو آپ نے بتلایا کہ نہیں بلکہ میں نے عدا آواز سے اسیلئے پڑھا کہ تم لوگوں کو معلوم ہو جاوے کہ اس نماز میں اس قدر پڑھنا چاہیئے ہے مترجم کہتا ہے کہ علماء کے نزدیک ظہر و عصر میں آہستہ آواز سے بدون جہر کے پڑھنا واجب ہے حتیٰ لگا کر کوئی شخص جہر سے پڑھے تو اس پر سو کا سجدہ واجب ہوگا اور تعد میں گنگار ہوگا لیکن حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ آپ نے اصحاب رضی اللہ عنہم کو مقدار تعلیم کرنے کے واسطے جہر سے پڑھا ہے۔ تو یہاں سوال یہ ہے کہ کیا اس سیطرہ تعلیم کی غرض سے جہر کے ساتھ جائز ہے یا نہیں جائز ہے اور اگر یہ کہا جاوے کہ اب زبانی بیان کرنا کافی ہے تو جواب یہ کہ اس زمانہ میں بھی یہ بات کافی ہو سکتی تھی لیکن آپ نے بیان کے ساتھ علی تعلیم بھی فرمائی پس اس سیطرہ اب بھی علی تعلیم جائز ہوگی جیسے علماء خفیہ نے کہا کہ اول میں (آمین) جہر سے اسی تعلیم کے واسطے کہی جاتی تھی اور اب بھی جواز ہے پس یہی قول ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ م اور حدیث صلوٰۃ معا و رضی اللہ عنہ میں گزرا کہ کیوں تو نے اس اسم ربکا لعلی اور والشمس وضحاہا اور دالیل اذانیغشی نہیں پڑھی۔ ابن عباسؒ سے روایت ہے کہ میں کہتا ہوں کہ یہ سورہ دربارہ سخاوت اور بخل کے نازل ہوا ہے (دفع) یعنی سخاوت جو شرعی طریقہ پر ہوا بل جنت کا عمل ہے اور بخل کرنا جنہیون کا طریقہ ہے اور مترجم کہتا ہے کہ اگر کوئی شخص لاکھوں روپیہ سداوی باغی میں خرچ کرے اور وہ بطور شریعت نہ تو وہ فسق و فجور ہے اس سیطرہ جو روپیہ شہوات نفس میں ناچ و رنگ وغیرہ میں اڑاتے ہیں فاسق و فاجر ہیں رازیؒ نے لکھا کہ فقال رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اس سورہ کا نزول حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی صدیقیت اور اُن کے مسلمانوں پر خیرات کرنے کے بارہ میں اور امیہ بن خلف کا فکری مذمت اور اس کے بخل و کفر کے بارہ میں ہے یہ بات تو صحیح ہے لیکن یہ نہیں کہ صرف حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں اور امیہ بن خلف کی مذمت میں خصوصیت و انحصار ہے بلکہ حکم عام ہے کیا نہیں دیکھتے ہو کہ اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے عام خطاب فرمایا ہے

اور معنی میں فرق نہیں ہو کیونکہ جن علمائے فرق بیان کیا اُنکے نزدیک نفس سے نفس حیوانیہ مراد ہے یعنی جو جسم کی روح ہو گویا جسم محسوس ایک غلاف ہے جو نفس حیوانیہ کا لباس ہے اور اس نفس کو ہمزاد کہا کرتے ہیں اور اہل کفر و شرک میں سے جو کوئی مجاہدہ و ریاضت اس قدر کرتا ہو کہ نفس یعنی جسم بالکل ہلکا ہو جاتا ہو اور رفتہ رفتہ ناقہ کرتے کرتے قلیل غذا کا عادی ہوتا ہو تو ان لوگوں کو اس دنیا کے متعلق بہت سے امور کشف ہوتے ہیں جیسے جو گیون وغیرہ میں تجربہ کیا جاتا ہو اور یہ امر کچھ ریاضت پر موقوف نہیں ہے بلکہ اگر ایک شخص کسی اہم خیال میں غرق ہو کر دیوانہ ہو جاوے تو اکثر اوقات اُسکو بھی یہ حالت ظاہر ہوگی کیونکہ نفس جسم جب گھل گیا تو وہ اپنے جنس یعنی شیاطین سے متصل ہوگا اور جیسے مسمریزم کے تصور کی طرح ایک طرف ہوگا پس شیاطین سے اُسکو وحی پہونچے گی و قد قال تعالیٰ ان الشیاطین لیوحن الی اولیائہم۔ یعنی شیاطین اپنے اولیا کو وحی کرتے ہیں۔ ھ۔ اور یہ وحی اسی عالم دنیاوی تک منحصر ہوگی اور یہ نفس یعنی نفس حیوانی اسی زمین سے ہے لہذا اگر اہل ایمان میں سے کوئی مرتد ہو تو یہ نفس اسی زمین تک رہتا ہو اور نفس انسانیہ و روح جو قدرت الہیہ میں سے ہے یعنی عالم طور پر اُسکی معرفت نہیں دی گئی وہ عالم الہی میں سے ہے اور شیخؒ نے اس کے یہاں اقسام بیان کیے ہیں واللہ تعالیٰ اعلم اور آئندہ کلام بھی اس پر دلالت کرتا ہے (قولہ) والسماء الہم۔ روح حیوانیہ جو اس وجود کا آسمان ہو اور اللہ تعالیٰ نے اُسکو اپنی قدرت سے بنایا ہے۔ والارض الہم اور بدن جس کو خالق تعالیٰ نے حکمت سے بچھایا ہے (قولہ تعالیٰ) نفس و ما سواہا۔ یعنی قوت حیوانیہ جو روح حیوانیہ میں ساری ہے جسکو اہل شرع اور اہل تصوف اپنی اصطلاح میں نفس ناطقہ یا نفس بولتے ہیں اور حکیم عزوجل نے اُسکو مستوی کیا یعنی جانب بالائی و جانب بستی دونوں جانب میں برابر کر دیا یعنی جس جانب وہ بڑھے اُسی جانب لیاقت رکھتی ہے کیونکہ نہ تو وہ جسم کبیطہ غلیظ و کثیف ہے اور نہ روح کی طرح روشن و لطیف ہے لہذا قال تعالیٰ لا شرقیہ ولا غربیہ۔ اور یہ اُسکی ابتدائی و خلقی حالت کا بیان ہے یعنی اگر اُسے حیوانیت کی جانب ترقی کی تو نہایت کثیف بدتر جنس جنبت ہو جاوے گی اور جانوروں میں سو روکتے سے بھی بدتر ہو جائے گی اور اگر اُسے جانب بلندی میں ترقی کی تو لانا کہ درو حانیات میں روشن بہتر از آفتاب ہوگی خالق عزوجل نے اُس میں یہ لیاقت رکھی ہے کہ اُسکے مزاج کو معتدل کیا اور اُسکی ترکیب کو آراستہ کیا اور یہ مرتبہ ثانیہ ہے اور مرتبہ ثالث میں اُسکو کمالات کے لائق بنایا۔ (قولہ تعالیٰ) فالہما فجورہما و تقواہما۔ حق تعالیٰ نے اس نفس کو اُسکی عقل پہولانی سے یہ شعور دیا کہ تقویٰ اچھی خوبصورت چیز ہے اور فجور بد صورت قبیح ہے اور اُسکو سمجھ دی کہ تقویٰ سے فرشتہ خصلت ہوگا جس کو وہ اختیار کر سکتا ہو اور فجور سے اُس میں شیطانیت آوے گی مترجم کہتا ہے کہ فجور بمنزلہ آوارگی اطفال ہے یعنی طفل اگر خود راے چھوڑ دیا جاوے کہ جو چاہے کرتا پھرے جسکو وہ زیادہ پسند کرتا ہو تو خراب و غوار ہوگا اور اگر بچہ بن میں اس پر جبر کیا جاوے اور جو اُسکی خواہش ہو اُس سے روکا جاوے اور صبر و تحمل رکھے تو کمالات سے آراستہ تخلیگ۔ لہذا فرمایا۔ قد افلح من زکھا۔ جس نے اُسکو پاکیزہ کیا تو وہ فطرت اول و کمال پر پہونچ کر فلاح پاوے گا (قولہ) وقد خاب من دساہا۔ اور خوار وہ ہوا جس نے نفس کو دس کیا یعنی خاک بدن میں چھپا دیا اور نور حق و رحمت سے محروم رکھا سوال و الشمس وضحاہا۔ سے نفس و ما سواہا۔ تک مع فالہما کے قسمین میں توفیق میں کس بات پر ہیں (جواب) اکثر اہل تفسیر نے لکھا کہ قد افلح الہم جواب ہے بحذف لام یعنی (قد افلح الہم) یعنی آفتاب و لہتاب وغیرہ کی قسم ہے کہ بیشک اُس نے فلاح پائی جس نے نفس کو پاکیزہ کیا۔ ھ۔ اور شیخ ابن العربیؒ نے کہا کہ جواب محذوف ہے

مستوجہ ہے تو قلب میں ہنوز آفتاب معرفت طلوع نہیں ہوا اگر اس حالت میں اُسے قیاس دوڑایا اور ضرور ہے کہ قیاس دوڑاؤ تو یہ بھی نتیجہ ضرور ہے کہ مجسمہ وغیرہ بدعت میں مبتلا ہو جاوے گا اور یہ محض ضلالت و گمراہی ہے اور تاویل میں کچھ حرج نہیں کہ آدم علی صورتہ بنظر معرفت بصورت مرجع قدس کے جیسا کہ عارفین بیان کرتے ہیں مطابق تاویل ہے کیونکہ آدم اپنی صورت پر بصورت قدس ضرور ہے تو تاویل سے معرفت کے لائق بندوں کو معرفت ہو اور نادانوں کو ضلالت سے بچاؤ ہو فافہم پس پاک ہودہ خالق غرور جس کے شان قدس میں وہم و خیال و تصور و قیاس و گمان و عقل کو مجال نہیں ہو بلکہ وہی اپنے عارف بندوں میں اپنی معرفت کی آنکھیں پیدا کر دیتا ہو واللہ الحمد والمنہ فی الاولی والآخرۃ وصلى الله على حبيبہ ورسولہ محمد المصطفیٰ وآلہ وصحبہ اجمعین والحمد للہ رب العالمین (قولہ) فالہما فجور ہا و تقوا ہا۔ اول اسکو راہ قہر سے آگاہ کیا جس سے اُسے وہ باتیں جان لین جنکی راہ چلنا بربادی و ہلاکت ہے پھر اسکو راہ لطف و رحمت سے آگاہ فرمایا پس اُسے پہچان لیا کہ کیونکر ہلاکت کے جنجال سے بچ سکتا ہو اور اس سے مقصود یہ ہے کہ نفس کو قہر و لطف دونوں راہ سے عین حق کی معرفت حاصل ہوتا کہ نفس کی معرفت کامل ہوا قول ملائکہ کو معرفت حق بطریق رحمت ہے اور ابلیس وغیرہ جاہل ہیں کیونکہ قہر و غضب کے مظاہر ہیں جنکو جہالت لازم ہے جیسے وہ انسان جو ابلیس کی پیروی کرنے والے ہیں جہالت میں گمراہ ہوتے ہیں اور واضح ہو کہ مظہر قہر ہونا ایک چیز ہے اور قہر کی معرفت یعنی بطریق قہر کے حق کی معرفت حاصل ہونا دوسری چیز ہے حتیٰ کہ اگر ابلیس کو بطریق قہر کی معرفت حاصل ہوتی تو وہ عارف ہوتا اور ملعون کبھی حق تعالیٰ سے عارف نہیں ہوتا ہے بلکہ قہر میں جو مخلوق ہو وہ قطعاً جاہل ہو اور جو حق تعالیٰ سے جاہل ہو وہی قہر میں مقہور ہے۔ شیخ فاسم نے کہا کہ قولہ فالہما الخ اہل سعادت کو تقویٰ الہام کیا اور جنہی بد بختوں کو فجور الہام کیا (تہذیب عرائس) شیخ ابن العربی نے اشارات میں لکھا کہ قولہ تعالیٰ والشمس الخ آفتاب روح اور اُسکی ضعی جو بدن میں منتشر ہے اور اُسکی چمک نفس پر ہے یعنی نفس آفتاب روح طلوع ہو اور اُسی پر اُسکی روشنی پڑتی ہے یعنی جبکہ بندہ اہل سعادت میں سے ہو قولہ والقرآن قمر قلب جبکہ قلب کو منور کرنا ہے تو یہ آفتاب روح کا تالی ہے یعنی آفتاب روح سے اسکا دوسرا مرتبہ ہے اس راہ سے کہ قلب کو اس سے نور ملتا ہو اور نفس کے متوجع نہیں ہو ورنہ تاریک ہو جاتا اور اس وجہ سے کفار کے قلوب تاریک ہو جاتے ہیں (قولہ تعالیٰ) والہمار یعنی نور روح جسوقت مسلط و مستوی ہو کہ روز روشن کی طرح منجلی ہو تو وہ ظہور روحانی بھی ظاہر کر دیتا ہے جیسے دن چڑھنے پر آفتاب خوب واضح ہو جاتا ہے (قولہ تعالیٰ) ولیل الخ نفس کی تاریک رات جب روح کو مستوی کر لے۔ بات یہ ہے کہ قلب جو محل معرفت و عرش الرحمن ہے اسکا وجود اس طرح ہوتا ہے کہ نور روح اور تاریکی نفس خلط ہوں گویا وہ انھیں دونوں سے مرکب موجود ہے اور انھیں سے پیدا ہوا ہے اور اگر نفس کی تاریکی نہ ہوتی تو قلب میں معانی کا ظہور نہ ہوتا اور نہ انضباط ہو سکتا تھا جیسے روح کے تحت میں انضباط نہیں ہو سکتا اسلیے کہ روح میں کمال صفائی و نوریت ہے اور یہ بات واضح ہے کہ یہاں جہاں جہاں شخص تین چیزیں نہیں ہیں بلکہ حقیقت میں ایک ہی چیز مشخص موجود ہے لیکن صفات و مراتب کے لحاظ سے کبھی اسکو روح و کبھی قلب و کبھی نفس سے تعبیر کرتے ہیں مگر ہم کہنا ہے کہ شیخ کے ظاہر کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ روح اور نفس لواحد و نفس امارہ و سب ایک ہی چیز ہے اور قلب کے لفظ سے یہاں یہ گوشت کا مضغ مراد نہیں ہو سکتا بلکہ لطیفہ غیبیہ مراد ہے اور تحقیقین علماء کے کلام سے واضح ہوتا ہے کہ نفس و روح دو چیزیں ہیں۔ ان دونوں قوتوں میں بہت بڑا فرق نظر آتا ہے لیکن درحقیقت یہ عبارت کا فرق ہے

طالع ہوتا ہو تو عیان و بیان روشن ہو جاتے ہیں (قول) والقرآن اتلا۔ قمر صفات جبکہ بعد طلوع آفتاب معرفت الذات کے قلوب و اسرار عارفین پر متوالی ہوتا ہو ایضاً قمر بان بعد آفتاب عرفان کے چمکتا ہو اقول شاید ایمان سے مراد بیان ایمان شہود ہی جو بعد عرفان کے چمکتا ہو (قول) والنہار اذا جلاہا دلیل الہ۔ صبح ازل کا روز روشن بعد طلوع آفتاب عرفان کے اس آفتاب کو بجلی دینے والا ہے (کیونکہ صبح ازل ہی میں جو سعادت قبولیت حاصل ہوئی ہو اسی کا یہ اثر ہو کہ آفتاب عرفان طالع ہوتا ہو اور موحیدین و صدیقین اہل نعمت اپنے مراتب کمالات کو پہنچ جاتے ہیں مترجم کی توضیح کی دلیل ہے بقولہ دلیل الہ یعنی شب تاریک قمر ازل اُس آفتاب فطرت کو مخفی کرتی ہو۔ یہ اشارہ مترجم کی کوتاہ نظر پر استدائی ہے کہ اس سے مومنین و کافرن میں امتیاز ہو ولیکن کلاماً مانند شیخ رحمہ وغیرہ نے کافروں سے چشم پوشی کر کے اشارات کو اہل ایمان ہی کے مراتب میں منحصر رکھا لہذا ایمان قولہ دلیل سے ایسے قمریات لیے جو اہل ایمان کے مراتب بناتے ہیں چنانچہ لکھا کہ شب تاریک قمریات عظمت و جلال جو آفاق امتحان میں اہل ایمان کے بصائر کے آفتاب کو ڈھانک لیتے ہیں خواہ از قسم طالبین ہوں یا از قسم مطلوبین ہوں یعنی مرید ہوں یا مراد ہوں اس لیے کہ اس امتحان میں سب شامل ہیں حتیٰ کہ حضرت سرور عالم سید اولاد آدم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ انہ لیغان علی قلبی الہ۔ یعنی میرے قلب میں غین ڈال دیا جاتا ہو مترجم کہتا ہے کہ یہ حدیث صحیح مسلم وغیرہ میں باب الاستغفار میں ہو کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے قلب پر غین ڈالا جاتا ہو اور میں اپنے رب بن عزوجل سے روزانہ ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔۔۔ علماء عارفین نے لکھا کہ اولیاء مومنین کے قلب پر غیم آتا ہو اور برابر و مقربین کے دلوں پر غین آتا ہو پس غین ایک قسم کا ضعیف نورانی حجاب ہو اور غیم میں کبھی تاریک ہوتا ہو اور کبھی نورانی گہرے حجاب ہوتے ہیں اور اسکا زیادہ بیان بیکار ہے چاہیے کہ ہم لوگ تقویٰ و طہارت اور ہر دم یاد الہی سبحانہ تعالیٰ اختیار کریں تاکہ معرفت حاصل ہو (قولہ تعالیٰ) والسماء وما بناہا۔ قلوب عارفین کے آسمان میں بروج ہیں یہ غیب کے مقامات و منازل ہیں ان میں غیوب ملکوت و جبروت سیر کرتے ہیں نتیجہ ہنگام قسم کے اقسام ہیں اول قسم بغفل ہو پھر بصفت ہو پھر بذات ہو اور انواع میں خیر فی الحقیقت بعین الجمع ہے اور بعین تفرق برسم حقیقت ہو (قولہ تعالیٰ) والارض وما طحاہا۔ ارض عقول عارفین جہان انوار مشاہدہ کی شعاعیں پڑتی ہیں وقت قال بقدر و اشرف الارض بنور رہا۔ زمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھی۔۔۔ اس زمین کو رب عزوجل نے اس لیے مبسوط فرمایا کہ ہمدردی و بیت کے منازل ہوں اور پاک عزوجل نے نور فعل سے مزین فرمایا اور نور صفت و ذات قدس سے منور کیا تاکہ اُس میں کشف و عرفان کی نہرین جاری ہوں اور اس سے گل بوٹے و پھول و پھول از قسم محبت و حکمت و شوق و مودت پیدا ہوں (قولہ تعالیٰ) و نفس و اسواہا نفس ناطقہ عارفہ ہو جسکو بصورت قدس مصور کیا اور مدارج غیوب میں اسکو نفعت و صفت کلاسا پہنایا اور بطون قلوب میں ساکن کیا۔ سواہا یعنی نفس کو ٹھیک کیا۔ یعنی صفت سے آراستہ کیا اقول حدیث میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی اپنے ماتحت غلام وغیرہ کو مارے تو چہرے پر نہ مارے اور چہرہ نہ بگاڑے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو علی صورت پیدا فرمایا ہو۔ یہ حدیث مسند احمد و صحیح وغیرہ میں متعدد طرق سے مروی ہو اور علماء نے اس حدیث کی تاویل فرمائی ہے یعنی آدم کو اُسکی صورت پر پیدا کیا اس تاویل سے یہ مقصود ہو کہ جو شخص اسلام لایا اور ہنوز وہ دنیا کی طرف دو لون آنکھوں سے

تفسیر کی رازیؒ نے کہا کہ قولہ فسوا یا۔ یعنی ودمہ انپر برابر عام کر دیا یہ معنی ظاہر ہیں اسلیے کہ جبریل علیہ السلام کی سخت آواز سے یکبارگی سب مر گئے تھے اور اگر ودمہ کے معنی دفن کے لیے جاوین جیسے محاورہ میں بولتے ہیں کہ ودمت علیہ یعنی میں نے اسکو دفن کر دیا اُسپر خاک برابر کر دی یعنی نشان مٹا دیا۔ وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا۔ اور خوف نہیں کرنا اُسکے انجام کا ف ابن عباسؓ نے کہا کہ یعنی اللہ تعالیٰ کسی سے اُسکے انجام کا خوف نہیں کرتا یہی مجاہدؒ و بکر بن عبد اللہ المزنیؒ وغیرہم نے بیان کیا ہے اور ضحاک و سدی نے کہا کہ قولہ لَا يَخَافُ اَلْمَيِّتُ یعنی جسے ناقہ کی کوچنیں کاٹیں اُسے انجام کا رکا خوف نہیں کیا ابن کثیرؒ نے کہا کہ قول اول بہتر ہے۔ ہ۔ رازیؒ نے کہا کہ قولہ لَا يَخَافُ عُقْبَاهَا۔ اُسین چند وجوہ ہیں (اول) ضمیر بجانب رب تبارک و تعالیٰ ہے اور یہی نام پاک نزدیک مذکور ہے۔ پھر بعض نے کہا کہ اس سے مراد یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کے انجام کا خوف نہیں کرتا یعنی اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے وہ حق ہے اور حکمت کے کام کا انجام اچھا ہے تو اُس سے کچھ خوف نہیں ہو مسترحم کہتا ہے کہ اس سے بہتر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے وہ کسی طرح کسی کے مطالبہ میں نہیں ہو سکتا ہے بلکہ وہ قادر متبارک ہے جو چاہے وہ کرے تو انجام کا خوف یہاں غیر ممکن ہے انجام میں مطالبہ یا خرابی کسی طرح کا خوف نہیں ہے بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کلام سے ان لوگوں کی ہلاکت کی حشرات ظاہر فرمائی یعنی یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت حقیر ہے۔ ان ذلک علی اللہ سیر یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت آسان ہے۔ یعنی جیسے آدمی مثلاً کسی جانور کو ذبح کر دیتا ہے اور کچھ پروا نہیں کرتا تو آدمیوں کو نصیحت فرمائی کہ اپنے نفس میں قیاس کریں کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو پروا نہیں ہے اگر تمام جہان کو ہلاک کر دے اور جب چاہے اسطرح کے صد ہزار عالم ایک دم میں پیدا فرما دے۔ حدیث میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کفار روم پر جہاد کے واسطے جانب شام تشریف لے جاتے تھے تو راہ میں بلاد ہجر سے گزر ہوا جو ثمود کا شہر تھا جہاں ناقہ کو کفر نے قتل کیا اور بعد تین روز کے زلزلہ و صیحہ سے ہلاک کیے گئے تھے وہاں بعض صحابہؓ نے بظہر عبرت اُنکے کھنڈ لوں کو دیکھنے گئے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپؐ نے سب کو بلا کر فرمایا کہ تم لوگ اس قوم کے وہاں نہ جاؤ جو عذاب سے ہلاک کیے گئے ہیں اگر جاؤ تو روتے ہوئے جاؤ اللہ تعالیٰ کچھ پروا نہیں کرتا ہے ایسا نہ ہو کہ تم پر وہ عذاب آوے جو ان لوگوں کو پہنچا ہے۔ ہ۔ روایت ہے کہ جب قوم ثمود ہلاک کیے گئے تو صالح علیہ السلام نے اس قوم بد بخت کی طرف رخ کر کے روتے ہوئے فرمایا کہ میں ایسی قوم پر کیا رنج و غم کروں جسے میری خیر خواہی و نصیحت کے عوض ہمیشہ مجھے انکار و کفر کیا فائدہ اہل اسلام خصوص علماء پر لازم ہے کہ جہاں تک ممکن ہو یہود و نصاریٰ ہنود وغیرہ کو نیک نصیحت کے ساتھ انکی خیر خواہی کریں جس سے فقط انکی غرض یہ ہو کہ یہ لوگ عذاب الہی سے بچیں کیونکہ جو کوئی کسی دوسرے کے حق میں یہ چاہے کہ یہ کافر مرے تو یہ خود کافر ہی ہم اللہ تعالیٰ سے حفظ و عصمت اور عفو و مغفرت مانگتے ہیں ف اشارات کو سننا چاہیے اور جہاں تک سمجھ میں آوے اسکو سمجھو کیونکہ اشارات کا سمجھنا درجہ بدرجہ نورانی ترقی پر منحصر ہے فی العرائس قولہ تعالیٰ والشمس وضحاہ۔ (چونکہ انسان موجودہ ہیأت میں نمونہ عالم ہے تو یہ کیفیات خود اُسکے نفس میں بھی مشاہدہ ہوتے ہیں جبکہ قلب میں نور معرفت ہے) شیخ رحمہ نے اشارہ میں لکھا کہ شمس جلال قدم جب مشرق قلب عارفین سے مرتفع ہو تو اسرار منور ہو جاتے ہیں۔ ایضا آفتاب عرفان جب نور یقین و ایمان کا ظل سے

اللہ تعالیٰ کے ناقہ سے اور ناقہ کے شرب سے پرہیز رکھو کہ اسکو ذاتی ضرر پہنچاؤ یا اسکے پانی میں خلل ڈالو۔ اور اگر باز نہ آؤ گے اور کچھ ضرر پہنچاؤ گے تو تم لوگ عذاب عظیم میں گرفتار ہو گے۔ قوم کے اکثر لوگ خاموش ہوئے ولیکن نوشخص مفسد تھے ان سب میں قدار بن سالف سب سے بدتر تھا اور ثروت و قوت و کینہ کی کثرت میں زبردست مشہور تھا اُس نے رفت رفتہ سب کو متفق کیا اور خود ناقہ کے قتل کا ذمہ لیا پس سب قبیلہ ثمود رضی ہو گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **فَكَذَّبُوهُ فَعَبَّرُوا وَهَابِ** پس ثمود والوں نے رسول اللہ کو جھٹلایا پس ناقہ کی کوٹھنیں کاٹ دیں ف ہلاک کر دیا ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ثمود نے رسول اللہ کو اُس معاملہ میں جو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لایا تھا جھوٹا بتلایا پس اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ قوم نے وہ ناقہ ہلاک کر دیا جو اللہ تعالیٰ نے اُنکے واسطے معجزہ عظیم ایک پتھر سے پیدا کی تھی۔ **ہ۔ رازی** وغیرہ نے لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ السلام نے جو کچھ اُنکو خوف دلایا تھا کہ ناقہ کے ہلاک کرنے سے اُنپر عذاب آویگا انھوں نے اس بات میں بھی اُنکو جھوٹا جانا اور کافروں نے ناقہ ہلاک کیا۔ پھر یہ بات جائز ہو کہ ناقہ کے ہلاک نہ کرنے کا کام فقط قدار منحوس نے کیا ہو لیکن سبھوں کی طرف اس لیے اضافت کی کہ سب اسکے کام پر رضامند ہو گئے تھے مترجم کہتا ہے کہ یہی تاویل درست ہے اس لیے کہ فقروہا۔ صیغہ جمع ہے اور یہ غیر ممکن ہے کہ سب قبیلہ نے تلواریں لیکر اسکو قتل کیا ہو تو ضرور ہے کہ یہی معنی ہیں کہ سبھوں نے اُس کے قتل کا انتظام کیا اور اُن میں سے قتل کا کام کرنے والا قدار بن سالف اشقی ضرور تھا اور شاید اسکے ساتھ کوئی دوسرا ہو یا ہو۔ قنادہ نے کہا کہ ہم سے بیان کیا گیا کہ قدار اشقی نے قبیلہ ثمود کے ہر صغیر و کبیر مرد و عورت سے بیعت لی تب ناقہ کو قتل کیا۔ یہی اکثر مفسرین کا قول ہے ذکرہ الرازی اور جب ناقہ کو مارا تو ایک ساعت ادھر ادھر دیکھنے لگے کہ کوئی عذاب تو نہیں آتا ہی بعد اسکے مطمئن ہو کر خوشی میں تالیاں بجانے لگے اور قوم بدکار کے گروہ گروہ وہاں مجتمع ہوئے کہ اسکے گوشت کو قبیلہ میں تقسیم کریں اور یہ خبر حضرت صالح علیہ السلام کو پہنچی تو آپ غمگین ہو کر جلدی کے ساتھ اُس مقام پر پہنچے اور ناقہ کو مردہ دیکھ کر روئے اُس کے بعد قوم کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ متعوفانی دارکم ثلثۃ ايام الخ یعنی تم لوگ اپنے گھر میں تین روز متع اٹھاؤ یہ وعدہ جھوٹا نہیں ہے۔ **ہ۔** روایت ہے کہ ان لوگوں سے فرمایا کہ کل تمھارے منہ سرخ ہونگے اور پر سون زرد اور نیسیرے روز سیاہ ہو کر ہلاک ہو گے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول علیہ السلام کو سچا کیا۔ **فَدَامَدَ عَلَيْهِمْ مَرْرًا يَمْشُونَ فِيْهِمْ فَسَوْفَ يَكُونُ غَضَبُ كَيْفَا اُنْزِلَ عَلَيْهِمُ الْقَارِعَةُ** پس غضب کیا اُنپر انکے رب نے بسبب انکے گناہ کے پس اسکو برا کر دیا **ف** یعنی اللہ تعالیٰ نے ثمود پر بوجہ اُنکے کفر اور بدکاری کے غضب فرما کر اُنپر عذاب علی السواء نازل کیا۔ قنادہ نے کہا کہ ہم کو خبر پہنچی کہ اجمیر ثمود (یعنی قدار بن سالف) نے ناقہ کو ہلاک نہ کیا جب تک یہ نہ ہوا کہ اُس کے ساتھ صغیر و کبیر اور مرد و عورت نے بیعت کر لی پھر جب سب قبیلہ نے ناقہ کے قتل پر اتفاق کیا تو اللہ تعالیٰ نے انپر غضب کر کے سب پر یکساں عذاب اتار دیا۔ (ابن کثیر) شیخ نے دمدم علیہم کے معنی غضب علیہم لیے ابن الانباری نے یہی معنی بیان کیے ہیں **ز** جل جہ نے فرمایا کہ دمدم امی اطبق۔ یعنی اُنکے اوپر عذاب نے ڈھانک لیا اور دمدم میں مکرر زیادتی ہو پس مقصود یہ کہ عذاب نے اس قبیلہ کو ہر طرف سے گھیر لیا اور کسی کو باقی نہیں چھوڑا ابن الاعرابی و فرائی نے کہا کہ دمدم علیہم اور جف ہم الارض یعنی زمین نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُنکو زلزلہ میں گرفتار کر لیا ابوالسعود و خطیب نے بھی قول زجاج رحمہ اللہ کے مانند

اُنکے لیے ان قیاسات کو خوب مستحکم بنایا اور قواعد منضبط کرنے شروع کیے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ عزوجل تک تمام عالم و اُسکی پیدائش کے قواعد بنا ڈالے اور عارف ربانی ان جاہلون کے قیاسات پر سہس دیتا ہو لیکن وہ ایک عارف ہو اور اُسپر فہمہ لگانے والے ہر طرف بے شمار جاہل ہیں۔ سبحان اللہ اسکی شان عالی متعالیٰ میں کسی بندے کو دم مارنے کی جگہ نہیں ہو۔ پس جب پہاڑ سے حیوان نافر پیدا کیا بلکہ ناقہ سے اسی وقت ایک بچہ ہوا اور اُسوقت بڑا ہو کر مان کے برابر ہو گیا اسیلئے کہ وہ آخرت سے نکلتا تو ان لوگوں کو اس واقعہ سے معارف عظیمہ حاصل ہوتے اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا اور علاوہ ازیں اُسکے دودھ سے ان لوگوں کو غذا ملی بجائے اُس شرب کے جو ناقہ پی لیتی تھی اور علاوہ ازیں اُسکا دودھ ہمیشہ باقی رہا کیونکہ وہ دنیاوی عوارض و وضع محل سے نہ تھا پس وہ معجزہ تھا یعنی لوگوں کے قیاسات جو اس کو عاجز کرنے والے طریقے سے اُسکو پیدا کیا تو جاہلون کے واسطے بھی خواہ مخواہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے ظاہر ہونے کا ایک نمونہ تھا اسیلئے اُسکو ناقہ اللہ کہہ کر اپنے نام پاک کی طرف منسوب فرمایا جیسے عیسیٰ کی پیدائش بھی معمولی طریقے سے نہ تھی لہذا (روح اللہ) نام دیا اور جیسے ملائکہ نے روح جامع منظر رحمت و غضب نہیں دیکھی تھی تو آدم علیہ السلام کی ایجاد کے وقت خطاب فرمایا۔ نفخت فیہ من روحی۔ یعنی اس جسم میں جب میں اپنی روح پھونکوں۔۔۔ یعنی وہ روح جسکو میں نے اپنی قدرت سے روح جامع عجیب پیدا فرمایا ہے تنبیہ اس سے معلوم ہو گیا کہ بعضے نصرانی جو مسلمانوں کو شیطانی فریب دیتے ہیں کہ مسیح ؑ کے حق میں تمھارے قرآن میں بھی (روح اللہ) آیا ہو اور کہتے ہیں کہ اسکے معنی وہ ہیں جو نصرانیوں کا عقیدہ ہو کہ وہ خدا کی روح ہو غرض اللہ مسئلہ یہ محض شیطانی ضلالت ہو آدم علیہ السلام کے حق میں بھی روح اللہ آیا اور ناقہ کے حق میں بھی ناقہ اللہ آیا ہو اور دین اسلام خالص توحید اللہ سبحانہ تعالیٰ ہو اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ہذہ ناقۃ اللہ لکم آیتہ فذروہا تا کل فی الارض اللہ و لا تمسوا بآسود فیاخذکم الایہ۔ یعنی صلح ؑ نے قوم ثمود سے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ناقہ ہے تمھارے واسطے اُسکی قدرت کی عظیم نشانی ہے اُسکو چھوڑ دو کہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں کھائے (پس) اور تمھاری طرف سے کبھی اُسکو کسی قسم کی بُرائی نہ چھو جاوے کہ تم کو عذاب سخت پکڑ لے گا۔۔۔ قولہ ناقۃ اللہ نصب ہے یعنی احذر و ناقۃ اللہ۔ پرہیز و بچاؤ رکھو ناقہ آلتی سے۔۔۔ اس کلام کی بلاغت واضح ہو کہ ناقہ کو بُرائی ہو بچانا اور کنار ہونے کے پاس بچاؤ بلکہ یہ کوشش کرو کہ خود اس سے ڈر کر دور بچے رہو رازیؒ وغیرہ نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ فقال لهم رسول اللہ انہم جب ثمود نے (ناقہ کی پیدائش سے ایک مدت کے بعد) یہ قصد کیا کہ کسی طرح یہ ناقہ مار ڈالی جاوے تاکہ اُنکے جانوروں کو خوب پانی ملے اور ہر جگہ چرنے کو ملے کیونکہ ناقہ کے حبیب ڈیل ڈول سے اُنکے جانور بھڑک کر چراگاہ سے بھاگ جاتے اور تالاب کا پانی ایک بے زوہ ناقہ سب پی جاتی تھی اور دوسرے روز نہیں پیتی تھی وہ اُنکے جانوروں کا حصہ چھوڑ دیتی تھی اور یہ لوگ ناقہ کا دودھ صد ہا گھرے بھرتے تھے لیکن کافروں نے ہر طرح طغیان و سرکشی کی اور چاہا کہ کسی طرح یہ قتل ہو اور باہم اشتقاق نے مشورہ کرنا شروع کیا اور رسول اللہ صلح ؑ کو یہ خبر پہونچی تو آپ نے پھر خیر خواہی کے ساتھ سمجھایا کہ خبردار اُسکو بُرائی نہ ہو بچانا اور اس کے شرعاً ہیقتاً اسکو نہ روکنا ورنہ عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے اقول گو یا حضرت صالح علیہ السلام جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے محل امتحان یہی پانی رکھا ہے اور اسی راہ سے اس قوم بدکار کی ہلاکت ہو لہذا اکثر اوقات اُنکو یہ نصیحت کیا کرتے تھے لہذا اس مرتبہ صرف یہی اشارہ کیا کہ ناقۃ اللہ و سقیایا

ابن حاتم رازیؒ نے لکھا کہ تو را شقا یا ضمیر اس قبیلہ نمود کی طرف ہو اور اشقی اگرچہ صیغہ (افعل) واسطے واحد مذکر کے ہو لیکن جب مضاف الیہ بکثرت ہو تو یہ ایک اور دو اور زیادہ بلکہ مذکور مونت سکے لیے ہو سکتا ہو مثلاً بولتے ہیں کہ (افضل الناس) یہ افضل الناس ہو۔ اور ہذا افضل الناس۔ یہ دونوں افضل الناس ہیں (ہو لا افضل الناس) یہ سب افضل الناس ہیں۔ اور بیان بھی اشقی کا مضاف الیہ تمام قبیلہ نمود ہو تو محتمل ہو کہ یہ اشقی ایک ہو یا زیادہ ہوں پس دو قول ہیں (اول) یہ کہ اشقا یا سے مراد ایک شخص خاص ہو اسکا نام قدار بن سالف تھا اور بدبختی و خوشت میں اسقدر بدنام ہو کہ عرب میں ضرب المثل ہے چنانچہ عرب میں مثل چلی آتی ہو کہ ہوا شام من قدار۔ یہ شخص تو قدار سے زیادہ منحوس ہو مترجم کہتا ہو کہ صالح علیہ السلام کے ساتھ جو مومنین بچے تھے اُن سے یہ ضرب المثل چلی پھر جب باج سالت پستین گزین اور لوگ شرک و فساد میں پڑے تو قدار کے منحوس ہو نیکا واقعہ فراموش ہو گیا غالی ضرب المثل زبانوں پر باقی رہ گئی جیسے قریش و جرہم میں حضرت اسمعیل و ابراہیم علیہما السلام کی ہونے پر فخر کرتے تھے اور باقی عرب بھی انکی تکریم کرتے تھے لیکن دین توحید و نبوت سے اس قدر جاہل ہو گئے تھے کہ نبوت کے منہ بھی نہیں جانتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت و پیغمبری کو محال جانتے تھے اور حضرت ابراہیم و اسمعیلؑ کی مورثین خاندان کعبہ میں اسطرح بنائی تھیں کہ انکے ہاتھوں میں ازلہ نام تھے اسطرح قدار بن سالف کی وجہ سے جو خوشت و بدبختی اُسکی قوم کو پہونچی تھی وہ فراموش ہو گئی اور اُسکے بدبخت نام سے ضرب المثل باقی رہ گئی رازیؒ نے لکھا کہ قدار بدبخت فقط اپنے قبیلہ نمود ہی سے اشقی نہ تھا بلکہ حضرت آدمؑ سے لیکر قیامت تک سب زیادہ بدبخت ہوا ہو جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا مترجم کہتا ہو کہ اسی قدار اشقی الناس کا بھائی ابن طہم اشقی ہو اور جنے حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اور اسکے متعلق عجیب قصہ ہم بطور تنبیہ بیان کرینگے (قول دوم) اشقا یا۔ چند آدمی تھے اگرچہ ان سب میں سے قدار سب سے بڑھ کر اشقی تھا اور اس قول کی تائید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آگے بیان فرمایا۔ فلذہ ففقر و ہا۔ انھوں نے ناقہ کو عفر کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ چند آدمی تھے مترجم کہتا ہو کہ اسکا جواب آئندہ آویگا۔ بالجلہ قدار وغیرہ نے قصہ کیا کہ ناقہ کو قتل کرین فقال لہم رسول اللہ ناقۃ اللہ وسقیہا۔ پس ان لوگوں سے فرمایا رسول اللہ نے پرہیز رکھو اللہ تعالیٰ کے ناقہ سے اور اُسکے شرب سے ف اس آیت میں رسول اللہ سے مراد صالح علیہ السلام ہیں جو نمود کی طرف رسول اللہ تھے۔ ناقۃ اللہ۔ اللہ تعالیٰ کا ناقہ۔ یہ اصناف اُسکی بزرگی و شرافت ظاہر کرنے کے لیے ہے یعنی وہ ناقہ جسکو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں اپنی قدرت کا ملہ خلاف معمول ظاہر کرنے کے طور پر پیدا فرمایا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں آسمان و زمین کو انسان کے مقدم پیدا کیا پھر جو چیزیں بیان پیدا فرماتا ہو وہ بظاہر اسباب مربوط ہیں حتیٰ کہ آدمیوں میں جوڑے کے میل سے بچہ ہوتا ہو جیسے جانوروں میں ہو اور اسطرح نباتات کی پیداوار میں معمولی طریقے سے اور احمق لوگ ان اسباب کے ذریعہ سے ایسے عادی ہو گئے کہ اس میں کچھ قدرت حق کی صنعت نہیں دیکھتے اور اہل عقل کے نزدیک یہ قابل تعجب ہو خیر اس بحث کو چھوڑ کر اس وقت بیان یہ ہو کہ عوام الناس نے جن چیزوں سے پیداوار دیکھی ہے اپنی رائے سے ان چیزوں میں خود قوت تاثیر سمجھتے ہیں اور ان قیاسات کے مخالف کوئی پیدائش ہو محال سمجھتے ہیں مثلاً پھاڑ خشک سر و پھر بجان سے حیوان کی پیدائش محال جانتے ہیں اور اسی امتحان میں مبتلا ہیں اور یونانی فلاسفہ نے جمالت سے

کہ اُسکے بدن پر دھار پہونچا کرے اور بدن پیشاب میں آلودہ رہے تو پرخس و گندہ ہو لیکن بگڑا جاؤں جو بے عقلی کے جو شہوت میں ہی کرتا ہوا و خمر گوش اپنے نفس کے جوش میں آلودہ پر پیشاب چھڑکتا ہوا سیطرح آؤ میوں میں جس قوم نے عقل پر ابکی وہ نجاست لوپنڈ کرتا ہوا و درہ فجو رہا اور طہارت نہیں پسند کرتا اور وہ پاکیزگی ہی باجمہ قولہ تعالیٰ کذبث ثمود بطغوا یا۔ میں طغوا مصدر رہے جیسے طغیان۔ اور (باو) سببیت واحدی نے کہا کہ یہی مفسرین کا قول ہوا (ت) یعنی اکثر مفسرین کا یہی قول ہے کیونکہ محمد بن کعب تقریبا سے اس کے خلاف معنی روایت کیے گئے بطغوا یا و باجمہاء یعنی ثمود نے سب نے جھٹلایا یا رازی نے کہا کہ قولی اولیٰ ہی مشہور ہے اور لکھا کہ بعض کے نزدیک طغوی۔ اُس عذاب کا نام ہے جو قوم ثمود پر آیا تھا تو معنی یہ کہ ثمود نے اپنے اوپر آئے والے عذاب کو جھٹلایا یعنی اُنکے رسول نے اُنسے کہا تھا کہ اگر آپا فسق و فجور نہ چھوڑو گے تو تیرے عذاب آویجا۔ اخون رسول کو جھٹلایا رازی نے کہا کہ یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں اسلیے کہ طغوی و طغیان کے معنی لغت میں یہ ہیں کہ اندازہ پر سے باہر ہوا اور قوم ثمود پر عذاب الصیحه آیا تھا یعنی ایسی کڑخت آواز تھی جس سے اُنکے دل پھٹ گئے تو یہ اندازہ سے باہر آواز تھی اور اس تاویل کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کذبث ثمود و عاد بالقارحہ۔ یعنی ثمود و عاد نے اُس عذاب کو جھٹلایا تھا جو ان پر نازل ہوا۔ ہ۔ پھر فرمایا۔ فاما ثمود فابلکوا بالطاغیہ۔ پس ثمود تو وہ طاغیہ سے ہلاک کیے گئے۔ ہ۔ پس ثمود کے عذاب کا نام طاغیہ ہوا اسطرح یہاں فرمایا۔ کذبث ثمود بطغوا یا۔ ثمود نے اپنے عذاب طغوی (طاغیہ) کو جھٹلایا۔ یعنی صالح ص نے جب انکو ڈرایا تو ثمود نے انکو جھٹلایا۔ اذہ اُنبعث اُنشقہا۔ جبکہ برا نگینہ کیا اپنے نہایت بد بخت کوف اول کے دونوں معنی سے اسکا ارتباط سمجھ لینا چاہیے اگر طغوی بمعنی طغیان ہو تو مطلب یہ کہ ثمود نے بے باطنہ طغیان کے اپنے رسول کو جھٹلایا جبکہ ثمود نے اپنے درمیان میں سے ایک فاسق کو جو سب سے زیادہ شقی و بد بخت تھا برا نگینہ کیا اور ابجبارا یعنی تاکہ وہ بابتہ کو قتل کرے اور قوم کو اس رائے پر متفق کرے اور اگر طغوی اُنکے عذاب طاغیہ کا نام ہو تو معنی یہ ہیں کہ رسول اللہ ص صالح ص نے ثمود سے کہا تھا کہ یہ ناقہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے اسکو اللہ تعالیٰ کی زمین میں چرنے پھرنے کا دہرائی میں ایک روز اسکا اور ایک روز تمہارے جاؤں دن کا ہو اور خبردار اسکو کچھ بُرائی نہ پہونچا نہ نہیں تو تیرا یہاں عذاب آؤ گا کہ تمہارے اندازہ سے باہر ہے ثمود نے اس طغوی کو جھٹلایا جبکہ اپنے درمیان سے اشقی کو برا نگینہ کیا کہ اونٹنی کو قتل کرے (کبیر) ابن کثیر نے کہا کہ یہی بنام قدار بن سالف مشہور ہے اسی نے ناقہ کی کوخچین کاٹیں پوریہ سرخی مائل بشکل عطا اور ثمود کے درمیان اپنی قوم میں بڑا کتبہ والا پس تھا اور اپنے ساتھیوں کی کثرت و قوت سے عزیز متبع تھا یعنی زبردست تھا کوئی اُس سے نہیں اڑ سکتا تھا۔ چنانچہ عبد اللہ بن زہم نے کہا کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا اور ناقہ کا ذکر کیا اور فرمایا کہ پھر ثمود نے اپنے قبیلہ سے ایک شخص کو برا نگینہ کیا جو سب سے زیادہ بد بخت شقی تھا وہ بڑا شیر بہ کار قوت والا تھا اور کوئی اُس سے نہیں بول سکتا تھا کیونکہ اُس کا کتبہ قوی تھا جیسے قریش میں ابو زمعہ تھا رواد احمد و البخاری و مسلم و الترمذی و النسائی و ابن جریر و ابن ابی حاتم و عسار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ بھلا میں تجھے بتلاؤں کہ لوگوں میں سب سے زیادہ شقی کون ہے۔ علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے فرمائیے آپ نے فرمایا کہ وہ شخص ہیں ایک وہ ثمود کا امیر بنی حنظلہ ناقہ کی کوخچین کاٹیں اور دوم وہ جو تیرے اس مقام پر (اگے سر پر) تلوار مار گچا جس سے یہ (دارمی) سرخ ہو جائیگی (رواد ابن

یاد رہے فجر بہ نسبت فجر اول کے کم ہے پس خود کلام الہی عزوجل سے آیت کی تفسیر معلوم ہو گئی ولہذا الحمد والمنة قال تعالیٰ
 اَلَّذِیْ یَبْفُؤُکُمْ فِی الْبُطُونِ اِذَا نَبَحَتْ اَسْقِنَهَا ۝ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةٌ ۝ اللّٰهُ
 جھٹلایا ٹوڑنے اپنی شرارت سے جب اٹھ کھڑا ہوا ان میں بڑا بخت بھر کما انکو اللہ کے رسول نے خبر دیا جو اللہ کی اوتنی
 وَاسْقِنَهَا ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقِدُوْهَا ۝ فَلَمَّ مَدَمَ عَلَیْھِمْ رَبُّھُمْ بِذُنُوبِھِمْ ۝
 سے اور اُسکے پینے کی باری سے پھر انھوں نے اسکو جھٹلایا پھر کاٹ ڈال پھراوٹ مارا اُسے انکے رب نے انکے گناہ سے
 فَسَوَّیْھَا ۝ وَلَا یَخَافُ عِقْبَہَا ۝

پھر برابر کر دیا اور وہ نہیں ڈرتا کہ پیچھا کریں

اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کی حالت اور انجام سے آگاہ فرمایا جنکو عرب خوب پہچانتے تھے اگرچہ یہ نہیں جانتے تھے کہ کون کون اس قوم کا نشان
 سٹ گیا ہو اور اس قوم کا پورا قصہ سورہ اعراف میں اور اسکے سواے جا بجا گزر چکا بلکہ سورہ النجر میں بھی مترجم نے فی الجملہ اعداد
 کر دیا ہو اور خلاصہ یہ کہ بعد ہلاک کرنے قوم عاد کے اللہ تعالیٰ نے سو برس کے بعد صالح علیہ السلام کو عاد کے چچا زاد بھائیوں ثمود
 کے ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا اور اس قوم نے بھی انکے کافروں کی پیروی کی یعنی صالح علیہ السلام کو جھٹلایا ایک مرتبہ ثمود
 کے لوگ بڑے سیلے میں پہاڑ کے دامن میں مجتمع ہوئے اور صالح علیہ السلام بھی اس مجمع عظیم کو ہدایت کرنے کے لیے وہاں تشریف
 لے گئے اُن لوگوں نے پہاڑ سے اونٹنی پیدا ہو جانے کا معجزہ طلب کیا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ عہد کرو کہ ضرور ایمان لاؤ گے
 قوم نے عہد و پیمان کیا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے جناب باری تعالیٰ میں دعا کی اُسی وقت پہاڑ کو جنبش ہوئی اور ایک اونٹنی بہت دلیلاً
 پیدا ہوئی کہتے ہیں کہ ایک سو چالیس ہاتھ لہنی تھی اور اُسی وقت خود اُس ناقہ سے ایک بچہ پیدا ہوا اور فوراً بڑھ کر اُسکے برابر ہو گیا
 یہ معجزہ دیکھ کر قریب چار ہزار کے مسلمان ہو گئے اور باقیوں کو توفیق نہ ہوئی کیونکہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے سواے بتوں وغیرہ
 کی طرف توجہ کی تو اللہ تعالیٰ نے انکو ہدایت نہیں دی لہذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اَلَّذِیْ یَبْفُؤُکُمْ فِی الْبُطُونِ اِذَا نَبَحَتْ اَسْقِنَهَا۔ ثمود نے
 جھٹلایا بسبب اپنے طغیان کے ف طغوی از طغیان ہوا اور اسم میں (ی) ہے اسکو صفت میں (و) سے برل دیا گیا تاکہ اسم
 اور صفت میں فرق ہو جان لیا جاوے یعنی قاعدہ یہ کہ (فعلی) وزن میں صفت اور اسم میں اسطرح فرق کرتے ہیں کہ اسم میں (ی) کو (واو)
 کرتے ہیں اور صفت میں نہیں بدلتے جیسے (امراة خزیا) اور رہی صدیا پس یہاں جبکہ (طغوی) یعنی (ی) کو (ط)
 سے بدلا گیا ہے تو یہ اسم ہے بنفے طغیان (السراج) پس معنی یہ ہوئے کہ ثمود نے بسبب اپنے طغیان کے جھٹلایا جیسے
 کہتے ہیں کہ ظلمتی بحر اُتہ علی اللہ۔ یعنی اسنے مجھ پر ظلم کیا اس سبب سے کہ اُسنے اللہ تعالیٰ پر جرات کی اسطرح یہاں ثمود نے
 ثمود میں طغیان کرنے کی وجہ سے صالح علیہ السلام کو جھٹلایا مجاہد و قتادہ وغیرہ نے کہا کہ ثمود جس طغیان و سرکشی میں تھے اسی سبب
 انھوں نے اپنے رسول کو جھٹلایا کہ کثیر نے کہا کہ اسکا حاصل یہ کہ ثمود نے فسق و فجور کو اپنا طریقہ بنا یا تھا تو اللہ تعالیٰ نے
 اسکا نتیجہ انکو یہ دیا کہ خیر کی توفیق سے محروم کیا اور انکے دلوں میں رسول اللہ صالح علیہ السلام کی تکذیب ڈال دی حالانکہ صالح
 علیہ السلام انکے پاس ہدایت و یقین لاتے تھے پس اُس سے ثمود کے دلوں نے انکار کیا اور اپنے فاجر و فاسق طریقے کو پسند
 کیا کیونکہ انکے نفس کا جوش اُن پر غالب تھا۔ مترجم کہتا ہے کہ مثلاً سب جانتے ہیں کہ آدمی اگر اس طرح پیشاب کرے

وہاں اُترنے کی جگہ ملیگی اور برابر لوگ آتے اور مہمانی کھاتے تھے اور بخیل لوگ مخفی جگہوں کو اختیار کرتے اور رات میں اندھیرا رکھتے اور دن میں دھندلاؤ نہین کرتے تھے کہ مسافر نہ آوے کیونکہ عرب میں بہ سخت عیب شمار ہوتا تھا کہ مسافر کی مہمانی نہ کرتے لہذا اس حلیہ سے اپنے آپ کو مخفی کرتے تاکہ مہمان ہی نہ آوے اس طرح صالحین اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں اور فاسقین فحور سے اپنے نفس کو مخفی کرتے ہیں (دوم) یہ معنی کہ قدخاب من دساہا۔ یعنی خوار ہوا جسے اپنے نفس کو دسبیس کیا یعنی صالحین میں داخل کیا حالانکہ وہ صالحین میں سے نہیں ہیں (سوم) خوار ہوا جسے نفس کو گناہوں میں مخفی کیا۔ اس طرح کی تاویلین بیان کرنے میں اہل الحق نقطہ تاویل بیان کرتے ہیں کہ قولہ تعالیٰ قدخاب من دساہا۔ وہ خوار ہوا جس کے نفس کو اللہ تعالیٰ نے ضلالت دی یا بخور دیا یا خیر سے بیکار رکھا و احدی نے کہا کہ خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کی قسم سے بیان فرمایا کہ جس کے نفس کو ہدایت یا ضلالت دی اُس نے وہی پایا اس بیان سے یہ حاصل ہوا کہ مرجع اللہ تعالیٰ ہی کی الوہیت و وحدانیت پر ہے کوئی یہ گمان نہ کرے کہ خود پاکیزگی پیدا کر سکتا ہو یا خود خواری پیدا کر سکتا ہو (کبیر) تشریح کہتا ہوں کہ یہ سب مخلوقات ہیں اگرچہ اہل الحق کی تاویل صحیح ہو اور کلام الہی صاف بیخبر ہے اور معتزلی وغیرہ جو کوئی حیرالت میں پڑا اسکا باعث یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت میں ناقص ہو اور مملکت یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی شان الوہیت بے انتہا ہو ہرگز وہم و قیاس و عقل کو رسائی نہیں کیونکہ یہ سب چیزیں اُسکی مخلوقات میں ایک ذرہ ہیں پھر اقوام کثیرہ اس قدر اسفل سافلین میں گرے کہ اپنے لیے مخلوقات میں سے رب بنائے اور پھر شرک قبیح ہے صرف ایک قوم اسلام ہو جسے لا الہ الا اللہ پر اعتقاد کیا لیکن سلف کا زمانہ گزرنے کے بعد ان میں بھی بعض ایسے نادان پیدا ہوئے شروع ہوئے جنہوں نے الوہیت کے بعض صفات میں اپنے نفس سے دھوکا کھایا اور نفس کی طرف نظر کرنے لگے تو ظاہر ہے کہ حق سے یہاں غافل ہوئے اور جسے ایسا کیا وہ نفس کے نسیان میں جھپ گیا و قد قال تعالیٰ لا تلوذوا بالذین نسوا اللہ فانہم الغنم الآب یعنی تم ایسے لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلایا تو اللہ تعالیٰ نے اُنکو اُنکے نفس بھلا دیے اور یہی لوگ فاسقین ہیں۔ دس اس سے متعلق و فحور کیلئے معنی نکل آئے یعنی نفس کی فراموشی میں اُس کو افسا کیا اور وہی (قدخاب من دساہا) کے معنی ہیں یعنی نفس کو فراموش کیا۔ اور اسکا سبب بھی معلوم ہو گیا کہ اُنکے نفس کو اللہ تعالیٰ اُن سے فراموش کر دیتا ہو اور یہی معنی اہل الحق نے یہاں بتوفیق الہی بجا نہ تعالیٰ بیان کیے یعنی قدخاب من دساہا (خوار ہوا جسے اپنے نفس کو مخفی کیا) اور مخفی کرنا اللہ تعالیٰ کے بھلانے سے ہے تو نتیجہ یہ ہوا کہ خوار وہ ہوا جس کے نفس کو اللہ تعالیٰ نے اُس سے بھلا دیا اور یہی فاجر ہوتے ہیں اور قولہ تعالیٰ فالہما فحور ہا و تقوا ہا۔ سے یہ بیان فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فحور و تقویٰ کا الہام فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ اُسکو اُسکے نفس سے فراموش و کم و مخفی اُس وقت فرماتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کو بھولے تو تقویٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو یاد رکھے اور اُسکی الوہیت کے واسطے گردن جھکائے رہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ بل اللہ زیر کی من لیشاء۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ہی جسکو چاہتا ہو پاکیزہ فرماتا ہے تو نتیجہ یہ ہوا کہ جس پسندے نے اللہ تعالیٰ کی الوہیت دل سے مانی اور یاد رکھا تو اللہ تعالیٰ اُسکو پاکیزہ فرماتا ہو اور یہی صلاح و فلاح ہے اور جس نے اللہ تعالیٰ کی الوہیت فراموش کی تو اس میں دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ شرک کیا تو وہ داعی جنہی مشرک کا فریبہ اور دوم یہ کہ الوہیت کے صفات میں بعض وجوہ ہیں نفس سے معارضہ رکھا جیسے معتزلہ و دیگر اہل ضلالت ہیں بشرطیکہ شرک جلی نہ تو گمراہ ہے

یا اللہ تعالیٰ کی تقدیر جاری ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے چوتھی آیت میں فرمایا۔ فالہما فجور یا و تقوا۔ اس میں تنبیہ فرمائی کہ یہ بھی تضاد ہے
ہو اور یہی حیوانیہ افعال ہیں اور ہم نے بارہا بیان کیا کہ اگر افعال خود اختیاری ہوں تو اختیارات حاصل ہونا ضرور ہے اور یہ اختیار
اگر قادر مختار عزوجل سے حاصل ہوئے تو یہی مطلب ہو اور اگر بدولت اس کے خود بخود حاصل ہو گئے تو یہ دوسرے کا اعتقاد ہو کیونکہ جیسے
یہ خود بخود حاصل ہوئے اس طرح وہ بھی خود بخود حاصل ہو گیا اور اگر ایک مخلوق سے دوسری مخلوق کو اس مخلوق کو تیسری مخلوق
سے اس طرح تسلسل بے انتہا ہو گا اور یہ محال ہے پس قطعاً لازم آیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اختیار ملتا ہو اور یہی اہل الحق کا اعتقاد ہے
پس فالہما فجور یا و تقوا ہا کے یہ معنی ہیں کہ اپنے فضل سے خیر کی توفیق دی یا مغرور کا فر کو نہیں توفیق دی۔ پھر قولہ تعالیٰ قد افلح
من زککھا۔ یعنی اسی نے فلاج پالی جس کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کی توفیق دیکر پاک کیا۔ مغرور نے کہا کہ زکا ہا۔ تزکیہ ہو اور اس کے معنی حکم کے
بھی ہیں تو ہم بیان حکم کے معنی لیتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ پاک ہوا (جواب) یہ ہے کہ اصل تزکیہ پاکیزہ کر دینا تو اس کو
چھوڑ کر حکم کے معنی لینے کی کیا ضرورت ہو سوائے فاسد خیال کے علاوہ ازیں اگر یہی مان لیا جاوے تو بھی نتیجہ حق نکلے گا کیونکہ اللہ
تعالیٰ نے جو حکم دیا وہ متغیر نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر حکم کے خلاف واقع ہو تو حکم دروغ نکلے اور یہ بھی لازم آوے کہ جو واقع ہونے والا
تھا اس کے خلاف ہوا تو معلوم ہوا اور یہ جہل ہے معاذ اللہ تعالیٰ تعالیٰ اللہ علواً کبیر۔ اور تقدیر کے معنی یہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے
علم کے موافق ہر ایک مخلوق کے حق میں آغاز و انجام کا حکم دیا ہے وہی بیان واقع ہوتا ہے ولیکن ہم نہیں جانتے کہ کیا حکم ہے لہذا
ہم کو یہ لازم ہے کہ جس طرح حماس عطا فرما کر رہنمائی فرمائی ہے اسی پر عمل کریں اور جو قوم یہ نہیں کرتی ہے بلکہ کہتی ہے کہ ہم تقدیر کو
دیکھتے ہیں ہم کچھ نہیں کرتے دیکھیں آخر کیا حکم لگا یا ہے تو بیان نیک کنائی کچھ نہیں ہو پس ظاہر یہ ہے کہ اس شخص کے یا اس قوم
کے حق میں خرابی ہو اور یہ مقام ایسا باریک ہے کہ قدم پھسلتے ہیں خصوص جبکہ جاہل مکار صوفی بنکر لوگوں کو بہکاتے ہیں اور فقو
آمارہ جلدی سے اُنکے تابع ہو جاتے ہیں بلکہ حق یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقے پر عمل کرتے
اور اپنی سمجھ کے خیالات میں نہ پڑتے کیونکہ جنھوں نے ہم کو تقدیر کے معنی بتلائے وہ جس طرح عمل کرتے تھے اسی طرح ہم کو عمل کرنا چاہیے
(قولہ تعالیٰ) وقد خاب من دہا۔ دس کے معنی اخفا کے ہیں اور اصل میں دس یعنی تدسیس سے تھا پھر ایک سین کو (ی) سے
بدل لیا گیا اور اس کے نظائر میں سے۔ تقضی البازی۔ تقضض۔ تھا اور لَبَّيْتُ۔ دراصل لَبَّيْتُ۔ تھا یعنی تبلییب کو تبلیہ کر دیا اور
دسیس یا سوس ہو یعنی مثلاً ایک قوم کی طرف سے کچھ مکر وغیرہ کا شبہ ہوا اور ان کے حالات دریافت کرنے کے لیے کسی کو
خفیہ انین داخل کیا تاکہ اُنکے حالات دریافت کر لاوے تو یہ شخص دسیس ہے اور کیسی مستاع میں کوئی چیز ناگوار داخل
کرنی ہوئے تو کہتے ہیں کہ دس فی مستاع۔ اور اسی قسم کے مواقع پر استعمال ہوتا ہے تو ایت کا ترجمہ یہ ہوا۔ خواری و خسارہ میں
پڑا وہ کہ جس کے نفس کو مخفی کیا پھر معترف کہتے ہیں کہ اس میں فاعل وہ شخص خود ہے یعنی خسارہ میں پڑا وہ شخص جس کے نفس کو خود اپنے
مخفی کیا۔ اور اہل الحق جو سلف صالحین کے طریقے پر قدم جمائے ہیں وہ کہتے ہیں کہ فاعل اللہ تعالیٰ ہے یعنی خسارہ میں
پڑا وہ شخص کہ جس کے نفس کو مخفی کیا اللہ تعالیٰ نے معترف اپنی رائے سے کئی طرح توجیہ بیان کرتے ہیں (اول یہ) کہ عرب میں
یہ دستور تھا کہ مالدار لوگ جو ناموری و سخاوت میں شہرت چاہتے تھے وہ اونچے مقامات پر سکونت اختیار کرتے تاکہ لوگوں
میں ظاہر ہوں اور ان لوگوں کو آگ جلاتے تاکہ مسافروں کو آگ کے ذریعہ سے معلوم ہو جاوے کہ جہاں روشنی نظر آتی ہے

ولیکن مرکبات بے شمار ہیں تو ان میں اشرف قسم یعنی نفس کو بیان کیا۔ اس ترتیب سے مقصود یہ ہے کہ پہلے جو اس کو آفتاب کی عیب بزرگی ظاہر ہو پھر اُس پاک خالق کو دیکھو جس نے آفتاب کو پیدا فرمایا ہے کیونکہ آفتاب تو ایک قسم کی رفتار کا محکوم ہے اور قطعی ظاہر ہے کہ وہ ایک جگہ میں قید ہے اور آفتاب سے بڑا یہ آسمان ہے جو آفتاب کو ذرہ کی طرح لیے ہوئے چکراتا ہے اور اس طرح زمین و مرکبات بشیاء ہیں جو ترکیب سے مخلوق ہوئے ہیں آسمان کے برابر ہیں تو قطعاً ان سب کا خالق جل شانہ ایسی عظمت و کمال اور قدرت و جلال رکھتا ہے کہ عقل بچاری فنا ہو جاتی ہے اور اُسکی عظمت سے ایک ذرہ ادراک نہیں کر سکتی ہے۔ فہجان اللہ ذی العظمت والکبریا، تعالیٰ و تقدس فائدہ اگر کہا جاوے کہ والسماء و ما بنا یا۔ سے بعد ذکر آفتاب کے کیا فائدہ ہے (جو اب) یہ کہ آفتاب کے چار اوصاف عظیمہ بیان کرنے کے بعد آسمان اور اُسکی ساخت کا ذکر اس لیے فرمایا کہ آفتاب کی عبادت کرنے والوں کی آنکھ کا اندھا پن دور کیا جاوے کہ آفتاب کا محدود و مخلوق و مقید ہونا بدیہی معلوم ہے راز می نے اس عقلی دلیل ایسے طریقے سے بیان کی کہ جسمیں وہم و قیاس کو دخل نہیں رہا اور نہ انکار کی مجال باقی رہی بیان یہ ہے کہ آفتاب ایک دائرہ میں محدود ہے اور آسمان میں مقید ہے اور آسمان بھی خود محدود ہے ہر ایک محدود چیز کی مقدار معین ہوتی ہے یہ دونوں باتیں محسوس معلوم ہیں تو ثابت ہوا کہ آفتاب و آسمان کی مقدار معین ہے جس سے چھوٹا اور بڑا متصور ہو سکتا ہے تو خواص اس مقدار پر معین ہونے کے لیے کوئی معین کرنے والا ضرور ہے جیسے گھر بنانے والا اپنی رائے و تدبیر سے موافق مصلحت کے اُسکو محدود کرتا ہے پس معلوم ہوا کہ آسمان کو بھی اسکے بنانے والے نے محدود کیا اور جہاں میں آفتاب بالضرور خالق کے بنانے سے معین محدود ہوا اور واضح ہو کہ خالق عز و جل کی معرفت کے لیے اعیان ظاہری سے استدلال ہے اور وہ اجسام ہیں جنکی دو قسمیں ہیں ایک بسیط اور دوم مرکب پھر بسیط کی دو قسمیں ہیں ایک بالائی چنانچہ والسماء سے اسکا اشارہ ہے اور دوم پستی اور قولہ والارض الہ سے اس طرف اشارہ ہے اور مرکب کے اقسام کثیرہ ہیں انہیں سے اشرف نفس ہے اسکی طرف اشارہ فرمایا بقولہ تعالیٰ و نفس و ما سواہ۔ واضح ہو کہ جو کوئی انسانی افراد میں غور کرے تو عجب قدرت نظر آتی ہے کہ باوجود اس بے انتہا کثرت کے ہر نفس ممتاز ہے اور فن طب میں دلیل سے بیان کیا گیا کہ ہر شخص کے لیے اسکا مزاج لائق ہے باوجودیکہ بعض شخص محض سوداوی خراب مزاج ہوتا ہے لیکن اُس میں صفرا یا خون زائد ہو تو بیمار ہو جاوے اور نوع انسانی میں مطلقاً انبیاء علیہم السلام سب اشرف ہیں اور مطلقاً نفس حیوانات کو بھی شامل ہیں (قولہ تعالیٰ) فالعہما فجور یا۔ یہاں دو قول ہیں (ایک) یہ کہ فجور و تقویٰ ہر نفس کے عقل و سمجھ میں ڈال دیا پھر وہ نفس اپنے اختیار سے انہیں سے جس امر کو اختیار کرتا ہے اُسی پر مدار ہوتا ہے اور فرقہ معتزلہ نے اسی قول کو اختیار کیا اور یہ سمجھے کہ اختیار کرنے میں خود مختار ہے اور مترجم نے بار بار بیان کیا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس طرح شان حق کا ظہور ہے کہ مشیت مانند روشنی کے ظہور ہے اور جس نفس نے توفیق رب تبارک و تعالیٰ پائی وہ مشیت سے امر خیر پسند کرتا ہے اور قدرت اُسکی نیکی پوری کرتی ہے اور کافرا اپنی خواہش کی بدی کی کمائی پوری پاتا ہے چونکہ معتزلہ نے آگے نہیں جانا اس لیے وہ ناقص رہ گئے اور اہل الحق نے توفیق الہی جان لیا تو اپنے رب تبارک و تعالیٰ کی الوہیت کو پہچان گئے اور راز می نے کلام الواحدی نقل کرنے کے بعد لکھا کہ اول کی تین آیات دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی سب مخلوقات آسمانی و زمینی کے واسطے کار ساز ہے جیسے اُسی نے ہر چیز کو عالم میں پیدا کیا ہے لیکن ایک بات رہ گئی تھی جو دل میں کھٹکتی تھی کہ ظاہر میں آدمی اپنے نفس میں قوت پاتا ہے کہ اُس نے پر کر لیا اور وہ نہیں کیا تو کیا یہ اسی لطفہ کا کام ہے

نہو اور ایسے علم سے جو نفع نہ دے اور ایسی دعا سے جو قبول نہ فرمائی جاوے۔ زید بن ارقمؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 ہکو یہ دعا سکھلائے تھے اور ہم لوگ تلو ہی دعا سکھلاتے ہیں (رواہ مسلم) قوالہ قولہ الشمس الخ قسم ہے اللہ تعالیٰ مالک خالق
 مختار ہوا اپنے مخلوقات میں سے جس چیز کے ساتھ چاہے قسم کھاوے رازیؒ نے کہا کہ متکلمین کے ایک جماعت نے اس کے خلاف
 زعم کیا کہ ایسی صورتوں میں پروردگار کی قسم ہے یعنی ورب الشمس۔ قسم ہے آفتاب پیدا کرنے والے کی اور اس طرح آئندہ بھی
 سب اقسام میں سمجھ لینا چاہیے رازیؒ نے کہا کہ اس قول کے باطل کرنے کے واسطے یہ دلیل پیش کی کہ آئندہ انہیں قسموں
 میں ہر قولہ تعالیٰ۔ والسماء و ما بنا ہا۔ پس اگر قسم رب کی ہو تو یہ صورت ہوگی۔ ورب السماء ورب ما بنا ہا۔ اور یہ معنی ٹھیک نہیں ہوئے
 ہیں قاضیؒ نے اس کا یہ جواب دیا کہ۔ ما بنا ہا سے رب تبارک و تعالیٰ مراد نہیں ہو سکتا ہو کیونکہ من بنا ہا۔ ہوتا تو البتہ ایسا ہوتا بلکہ
 (ما بنا ہا) سے مصدر یہ مراد ہے نہ مخشریؒ نے مصدر یہ ہونے پر اعتراض کیا چنانچہ بیان آتا ہو۔ اور حق یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کو اختیار
 ہو کہ جس چیز کی چاہے قسم کھاوے رازیؒ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں سات چیزوں کی قسم کھائی ہو اور قد افع سے جواب قسم
 ہو یعنی اُن چیزوں کی قسم ہے کہ بیشک فلاح پائی جسے نفس کو پاکیزہ کیا الخ۔ پھر واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے دالشمس اور اس کے
 ضحیٰ کی قسم یاد فرمائی کیونکہ اس سے بہت خوبیاں بندوں کو حاصل ہوتی ہیں چنانچہ رات میں اہل عالم بنسزلہ مردوں کے ہوتے
 ہیں پھر جب مشرق میں صبح کا اثر ظاہر ہوتا ہو تو یہ بمنزلہ نفع صورت ہو گیا اُسے زندگی پھونک دی اور مردے جی اُٹھے اور یہ حالت
 برابر بڑھتی جاتی ہو یہاں تک کہ دوپہر ہو۔ پس یہ حالت مشابہ احوال قیامت ہو اور دوپہر کا قیلولہ مشابہ ہو کہ اہل جنت اپنی جنت
 میں پہنچے۔ پس جو لوگ آخرت کے بد بخت ہونگے وہ وہاں عذاب میں گرفتار ہونگے اس طرح قرآن نے چاند کو آفتاب سے
 مشابہت ہو اول تو آفتاب کے بعد چاند بڑا جرم ہے اور دوم نورانیت میں عجیب ہو اور سوم اس سے بھی مصالح متعلق ہیں اور چہارم
 آفتاب و ماہتاب میں باہم مناسبت ہو جو کسی جرم میں نہیں ہو اسی وجہ سے ماہتاب کو آفتاب کا تالی فرمایا۔ اس کے بعد ہمارا دلیل کی
 قسم ہر قوالؒ نے کہا کہ یہ چاروں قسمیں الحقیقۃ آفتاب سے متعلق ہیں لیکن چار اوصاف کی راہ سے جدا جدا ہیں (اول)
 قسم باعتبار روشنی کے جو آفتاب سے حاصل ہوتی ہے جب خوبین چڑھتا ہو اور اُس وقت سب حیوان اور انسان منتشر ہو جاتے
 ہیں (دوم) باعتبار اسکے کہ آفتاب سے چاند کو عجیب صنعت و قدرت سے روشنی پہنچتی ہو کیونکہ آفتاب کی روشنی جو زمین پر
 پہنچتی ہو اس پر نگاہ ڈالو تو وحدت و حرارت محسوس ہوتی ہو بخلاف اسکے ماہتاب پر نگاہ ڈالنے سے ٹھنڈک حاصل ہوتی ہو
 اور آفتاب دُاسکے حالات جو کائنات میں نگاہ کرنے سے جبکہ عقل کے ساتھ ہو ضرور اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت نظر آتی ہے
 قولہ والسماء و ما بنا ہا نہ مخشریؒ نے کہا کہ اگر یہاں (ما) مصدر یہ ہو تو اس پر عطف قولہ فالہما فجر ہا۔ مشکل ہو قاضیؒ نے اس کو
 مصدر یہ قرار دیا اور کہا کہ اگر یہاں خالق کی قسم ہوتی یعنی۔ ورب السماء ومن بنا ہا۔ تو رب تبارک و تعالیٰ کی خالص قسم نسبت
 نام مخلوقات یعنی آفتاب وغیرہ کے مقدم ہوتی رازیؒ نے کہا کہ یہ اعتراض جید قوی ہو اور میرے خیال میں اس کا جواب یہ ہو کہ
 سب محسوسات میں آسمان پر آفتاب سے بڑا ہو تو اللہ تعالیٰ نے اُس کے چار وصف بیان فرمائے جن سے اُسکی بزرگی ظاہر ہو اور پھر
 فوراً عقل نظر کرے گی کہ جب اس مخلوق کی یہ بزرگی ہو تو صفت خالق عزوجل جو قدرت کاملہ ہے قیاس اعلیٰ داخل ہو تو ذات حق سبحانہ
 تعالیٰ کے سامنے عقل فانی ہو لہذا اسکے بعد اپنی ذات قدس کا ذکر فرمایا اور تین اوصاف بیان فرمائے تدبیر آسمان و تدبیر زمین و تدبیر مرکبات

ہی کہ مقدر کیا ہے یعنی تقدیر تو اللہ تعالیٰ کا علم ہے اور کسی کو جائز نہیں ہو کہ تقدیر سے لپٹے حالانکہ فی الواقع وہی عمل کریگا جو مقدر ہو اور حدیث ابو داؤد میں یہ مضمون ہے کہ جب تم لوگ یعنی اس امت اسلام کے لوگ بیچ العینہ کرو گے اور جہاد چھوڑ کر زراعت وغیرہ میں مشغول ہو گے تو اللہ تعالیٰ دشمن کو تم پر غالب کر لگا اور تم پر ذلت آدیگی پھر تم ہر چند کوشش کرو گے کہ اُس ذلت سے نکلو کبھی نہ نکل سکو گے جب تک کہ اپنی اصل دین کی طرف رجوع نہ کرو۔ اس حدیث سے طریقہ معلوم ہو گیا کہ تقدیر کے ساتھ یہ مقابلہ نہیں کرنا چاہیے کہ ہم کیوں ایسا کریں کیونکہ اگر ہماری تقدیر میں ہو گا کہ ہم عزت سے دنیا میں غالب ہیں تو برابر غالب رہیں گے بلکہ یہ کہنا بھی تقدیر سے ہی۔ خلیفہ عباسی جو معتزلی عقیدہ پر تھا ترکی غلاموں کو جمع کرتا تھا اور اُنسے بغدادیوں کو تخلیف پہنچتی تھی بغدادیوں نے جمع ہر کہ خلیفہ سے کہا کہ یا تو انکو نکال دے یا نکل جا اور نہیں تو ہم تجھے لڑینگے۔ وہ ہنسکر کہنے لگا کہ سکوت پر مجھے لڑو گے۔ انھوں نے کہا کہ دو انگلیوں کی قوت پر بیٹے تجھ کے وقت جناب باری تعالیٰ میں تجربہ دھا کرینگے۔ خلیفہ نے خوف کیا اور نکل کر سر میں راے میں سکونت اختیار کی اس حکایت میں آیا ہو کہ خلیفہ نے اُنسے کہا کہ تم لوگ کہتے ہو کہ یہ سب تقدیر سے ہے پھر میں کیونکر تقدیر الہی کا مقابلہ کروں۔ لوگوں نے کہا کہ جس مالک نے تقدیر فرمائی ہو اُسی نے فرمایا ہو کہ۔ لولا دفع اللہ الناس الیہ یعنی اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض دیگر سے دفع نہ کرتا تو زمین کا انتظام خراب ہو جاتا فافهم۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے۔ اللهم ات نفسي لقونها ذل كما انت خير من زكائها انت وليها ومولاها ترجمہ الہی میرے نفس کو اسکا تقوی عطا کر اور اسکو پاکیزہ کر دے تو ہی بہتر اسکو پاکیزہ کرنے والا ہے تو ہی اسکا ولی و مولیٰ ہو رواہ ابن ابی شیبہ و احمد والنسائی اور امام مسلم نے بھی اسکو روایت کیا اور امام احمد نے حدیث عائشہ رضی سے روایت کیا اور ابن المنذر و طبرانی و ابن مردويه نے اسکو حدیث ابن عباس رضی سے روایت کیا اور اسمین اسقدر زیادہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کو ونفس وما سواها قالہا الا یہ کونازمین پڑھتے تو یہ دعا مانگتے تھے مترجم کہتا ہو کہ اگر آپ اسکو فرضیہ نماز میں پڑھتے ہوتے تو اکثر عشائیں یہ سورہ پڑھتے تھے پس اکثر صحابہ رضی اسکو روایت کرتے پس قرینہ یہ کہ نماز مسجد میں پڑھا کرتے تھے اور اسی چیز نے احتیاطاً محمول کیا ہو اور اگر کسی نے فرضیہ نماز میں اسطرح پڑھا تو نماز میں کچھ نقص نہ ہو گا واللہ اعلم بالحق آیات میں الہام کے معنی میں مفسرین کے اقوال ہیں اور مترجم کے نزدیک معنی اول زیادہ پسند ہیں یعنی ہر نفس میں یہ قوت رکھی ہو کہ اسکو فجور و تقویٰ معلوم ہو اگرچہ وہ بخفی سے فجور کی باتوں کو فجور نہ مانے اور تقویٰ کو امید موہوم کہے ولکن اللہ تعالیٰ نے اسکو دونوں باتیں الہام فرمائیں اسیدوست آیندہ فرمایا۔ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا۔ بے شک فلاح پائی اُسے جس نے نفس کو پاکیزہ کیا اور بیشک خوار و خراب ہوا وہ جس نے نفس کو گم کیا فَ دس لغت میں معنی اخفا کے ہے یعنی ابک چیز کو دوسری چیز میں مخفی کر دینا۔ حدیث زید بن ارقم رضی اللہ عنہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ۔ اللهم انی اعوذ بک من الخسر والخسل والحرَم والجبن والبخل وعذاب القبر اللهم ات نفسي لقونها ذل كما انت خير من زكائها انت وليها ومولاها۔ الخسر والخسل الی اعوذ بک من قلب لا تشيع ومن نفس لا تشيع وعلم لا ينفع ودعوة لا تستجاب لها۔ الہی میں تجھے پناہ لیتا ہوں عاجزی و تسلیم اور بہت پڑھا ہے اور نامردی و بخل و عذاب القبر سے۔ الہی میرے نفس کو اسکا تقوی عطا کر اور اسکو پاکیزہ کر دے تو ہی بہتر اسکو پاکیزہ کرنے والا ہے تو ہی اسکا ولی و مولیٰ ہو۔ الہی میں تیری پناہ لیتا ہوں ایسے قلب سے جو نرم نہ ہو اور ایسے نفس سے جو آسودہ

وحدانیت پہچانی اور اُس کا بندہ رہا تو اُس نے تقویٰ کیا اور عذاب سے بچ گیا اور اللہ تعالیٰ کی بے انتہا رحمت جہاں ہے وہاں بے پایا جا نیگا اور وہ ملک جنت ہو اگر کہا جاوے کہ قولہ فاللہما کے معنی یہ کہ نفس کو الہام کیا۔ الہام اصل لغت میں یہ کہ دل میں کوئی بات ڈال دی جاوے پھر خاص کر نیک بات کے واسطے الہام کا اطلاق کیا گیا تو یہاں کیا معنی ہیں (جواب) مجاہد نے کہا کہ الہام کیا یعنی نفس کو فحور اور تقویٰ کا طریقہ پہنچانا یا ہی فسار اور م نے اختیار کیا جیسے قولہ ویدیناہ النجدین ابن عباس نے کہا یعنی اسکے واسطے نیک راہ و بد راہ بیان کر دی ابن کثیر نے لکھا کہ یہی محابہ و فتادہ و ضحاک و ثوری کا قول ہے مستخرج کتا ہو کہ حدیث سے ثبوت ہو کہ ہر نفس کے دل میں اس کا ہادی موجود ہو۔ دوسری حدیث میں ہے کہ ہر نفس کے ساتھ ایک فرشتہ اور ایک ہمزاد ہوتا ہے اور فرشتہ اس کو نیک کام کے واسطے الہام کرتا ہے اور ہمزاد اس کو بدی کا الہام کرتا ہے واضح ہو کہ ہر نفس میں اللہ تعالیٰ نے یہ حواس دیے ہیں کہ جو بات اُس سے کہی جاوے وہ سمجھ لے خواہ اُس کو مانے یا نہ مانے پس اگر مجاہد کا اول قول لیا جاوے تو شاید یہ معنی ہوں کہ ہر نفس میں یہ ثبوت دی کہ وہ ہر بات سمجھ لے اور قول ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بھی یہی معنی ہو سکتے ہیں اور اگر الہام کے معنی بیان لیے جا دیں تو یہ معنی ہیں کہ پیغمبر دن کے ذریعہ سے اُس کو نیک طریقہ اور بد طریقہ بتلادیا۔ محمد بن کعب تابعی نے یہ معنی بیان کیے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے حق میں بہتری چاہتا ہے تو نیکی اُس کے دل میں ڈال دیتا ہے تو وہ اُس پر عمل کرتا ہے اور جب اُس کے حق میں بدی منظور ہوتی ہے تو بدی الہام کرتا ہے وہ بدی پر عمل کرتا ہے۔ ابن زید نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے نفس میں دو باتیں رکھی ہیں (ایک) نیکی کی توفیق ہے (دوم) اس توفیق سے محرومی ہے پس جس بندے نے اُس کی طرف رجوع کیا اُس کو تقویٰ کی توفیق دی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو نہ پہچانا اور کفر و شرک کیا تو اُس کو توفیق سے محروم چھوڑا ہو پس وہ فحور کرتا ہے و زجاج نے اسی قول کو اختیار کیا یعنی الہام سے یہ مراد ہے کہ توفیق دی یا محروم چھوڑ دیا و احدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ تفسیر میں یہی وجہ بہتر ہے کیونکہ بیان کرنا اور پہنچانا اور تعلیم دینا سب باتیں الہام کے علاوہ ہیں اور الہام یہ ہے کہ دل میں بات ڈال دی جاوے اور کہا کہ یہ آیت صریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومن بندے میں اُس کا تقویٰ پیدا کیا اور کافر میں اس کا فحور پیدا کیا۔ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ مجھے آگاہ فرما دیں کہ سب لوگ جو کچھ آج عمل کرتے ہیں اور اُس میں کدو کوشش کرتے ہیں کیا یہ امر سابق قدر میں مقدر ہو چکا ہے یا فی الحال جو کچھ اُن کے خیال میں آتا ہے اور پیغمبر کی تعلیم سے جانتے ہیں اور جس سے اُن پر حجت لی گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں بلکہ یہ ایسی بات ہے جو سابق قدر میں مقدر ہو چکی ہے اُس نے کہا کہ پھر یہ لوگ کیوں عمل کرتے ہیں اپنے فرمایا کہ جس بندے کو اللہ تعالیٰ نے جس منزل کے لیے پیدا کیا ہے اُس کے لیے اسکے سامان مہیا کر دیتا ہے اور اُس کی تصدیق کتاب النبی میں موجود ہے و نفس و ما سواہا فاللہما فحور ہا و تقواہا۔ (رواہ احمد و مسلم و عبد بن حمید و ابن جریر و ابن المنذر و ابن مردودہ) مستخرج کتا ہے کہ بیان یہ بات یاد رکھو کہ ہر شخص بدی میں یہ بات دیکھتا ہے کہ اُس کو مثلاً اسلام و اُس کی خوبیاں و اُس کا انجام جنت بتلایا گیا اور اُس نے یہ گفتگو سمجھ لی و لیکن وہ اُس کو مانتا ہے و سبط اُس کو کفر و جہالت اور اُس کا انجام جہنم بتلایا گیا و لیکن وہ نہیں مانتا ہے تو جس امر کو پسند کرتا ہے وہی اُس کی راہ ہے اور جب عمل کا زمانہ ختم ہوا تو اُس وقت معلوم ہو گیا کہ یہی اُس کے حق میں مقدر تھا اور اس سے پہلے کوئی نہیں جانتا

و ظلمت کو خوب چلی کر دے اس تاویل میں یہ تکلف ہو کہ ظلمت کا ذکر اوپر نہیں ہوا اور جواب یہ ہو سکتا ہے کہ جلا کرنے میں خود ولالت ہو
ابن کثیرؒ نے کہا کہ اگر یہ تاویل کرنے والا یہ کہتا کہ والنہار اذا جلا ہا۔ اور قسم نہار کی جب سورج کو منبسط کر دے۔ تو یہ تاویل
اچھی ہوئی اور سائنسدہ بھی تاویل درست ہوتی یعنی قولہ تعالیٰ۔ وَاللَّيْلُ اذا يغْشَمُ ہا۔ اور قسم رات کی جب سورج کو ڈھانکتے
ف ابن عباسؓ نے کہا کہ اذا جلا ہا۔ جب اسکو روشن کرے اور اُسکے معنی یہ ہیں کہ جب دن چڑھتا ہو تو اُسی وقت کے لئے
سے آفتاب خوب چمک اُٹھتا ہے اگرچہ اُسی کے چمک جانے سے روشنی ہو لیکن اگر کہا جاوے کہ آفتاب خوب صاف اور روشن کشت
ہوتا ہے تو یہی جواب ہو کہ دن چڑھے ہوتا ہے تو مسلسل یہ ہوا کہ دن نے آفتاب کو بجلی کر دیا اور ابن جریرؒ نے اسکو پسند کیا کہ (ہا) ضمیر
آفتاب کی طرف راجع ہو اور قولہ ولیل اذا يغْشَمُ ہا۔ یعنی قسم رات کی جب آفتاب کو ڈھانپ لے۔ یعنی جب آفتاب غروب
ہوتا ہے تو رات تمام آفاق کو سیاہ کر دیتی ہے اقول اسطرح جس قلب میں نور ایمان نہیں ہوتا ہے تو تمام جسم تاریک ہوتا ہے اُس سے
اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آثار نہیں نظر آتے ہیں۔ ابن ابی حاتم نے یزید بن ذی حلیہ سے روایت کی کہ جب رات آتی ہے تو رب
جل جلالہ فرماتا ہے کہ میرے بندو نکو ایک عظیم مخلوق نے گھیر لیا پس رات سے لوگ ڈرتے ہیں حالانکہ اُس سے ڈرنا چاہیے جسے
رات کو پیدا کیا ہے۔ وَالسَّمَاءِ وَمَا بَدَنُہَا۔ اس آیت میں اگر (ما) مصدر یہ ہے تو معنی یہ ہیں۔ اور قسم آسمان اور اُسکے
ساخت کی اور اگر (ما) مجھے (من) ہو تو یہ معنی ہیں۔ اور قسم آسمان کی اور جسے اسکو بنایا ہے۔ ان میں سے اول قول قنادہ رحمہ
اور دوم قول مجاہد ہے اور دونوں معنی میں تلازم ہے اسطرح قولہ تعالیٰ۔ وَالْاَرْضِ وَمَا طَغٰہَا
اور قسم زمین اور اُسکے بچھونے کی (ہا) اُسکی جسے زمین کو بچھایا۔ اکثر مفسرین کے نزدیک۔ طحا ہا۔ کے معنی بچھانے کے ہیں
اور یہی سب سے مشہور قول ہے اور یہی اہل لغت کے نزدیک معروف ہے۔ عوفیؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ طحا ہا۔
یعنی اُس میں خلقت پیدا کی مگر ہم کہتا ہو کہ شاید اس قول کی وجہ یہ ہو کہ آسمان کی ساخت کے بعد زمین کا ذکر ہے اور یہ معلوم
ہو کہ پہلے زمین میں مادہ اور قوتیں بنا کر پھر آسمان کو پیدا کر کے اُسکے بعد زمین کو بچھا کر اُس میں خلقت پیدا کی تو نتیجہ میں بعد
آسمان کے زمین کا مادہ دو تین نہیں ہیں بلکہ خلقت و پیدائش ہو اور جمہور کے قول پر جواب یہ کہ بعد آسمان کے زمین کا مادہ
پھیلایا اور بچھایا گیا ہے تو بہان طحا ہا کے لغوی معنی بھی ہیں پس یہی تفسیر اولیٰ ہے اگرچہ بچھانے ہی کے ساتھ میں
خلقت بھی پیدا ہوئی ہو۔ وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا۔ اور قسم نفس کی اور اُسکے ٹھیک بنانے کی ف یعنی اُسکو
فطرت تویم پر پیدا کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اُسکے ماں باپ اُسکو یہودی یا نصرانی
یا مجوسی کر دیتے ہیں جیسے چار پایہ کا بچہ پورے کان و اعضا کا چار پایہ پیدا ہوتا ہے کیا تم اس میں کان کٹا ہوا پاتے ہو صحیحین
میں پھر مشرک لوگ اپنے رسوم میں اُسکو بگاڑتے ہیں۔ حدیث عیاض رضی اللہ عنہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بچہ اپنے بندہ
حنیف پیدا کیا یعنی (روح فطرت پر پیدا کیا) پھر شیاطین نے اُسکے پاس آکر انکو انکے دین سے پھیر دیا (صحیح مسلم) فَاطَّهَّرْہَا
فَجَوَّزْہَا وَتَقَوَّاهَا۔ پھر الہام فرمائی نفس کو اُسکی بدکاری اور پرہیزگاری ف یعنی پھر ہر نفس کو یہ الہام کہ اگر وہ
دنیا میں یہ اعتقاد اور یہ عمل کرے تو فاجر ہے اُسپر اللہ تعالیٰ کا غضب پورا ہو جائیگا اور ایسے ملک میں رکھا جائیگا جہاں اللہ
تعالیٰ کا پورا غضب ظاہر ہے اور وہ ملک جہنم ہے اور اگر نفس نے اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسولوں سے اُسکی الوہیت

لکھائی ہو اس لیے کہ آفتاب کی روشنی ظاہر یہ کہ دن ہے۔ حال یہ کہ قسم ہے آفتاب اور اس کے روشن دن کی۔ وَالْقَمَرِ إِذَا تَلَّهَا
 اور قسم چاند کی جب اُس کے بعد ہی آوے ف مجاہد نے کہا یعنی اُس کے پیچھے آوے اور یہی ابن عباس سے روایت ہے کہ دن کے بعد
 چاند آتا ہے مترجم کتاب ہے کہ بعض کو یہ شبہ ہوا کہ ہر روز یہ نہیں ہوتا کہ دن چھپتے ہی چاند ظاہر ہو کیونکہ آخری مہینہ میں
 قریب فجر کے ظاہر ہوتا ہو اس واسطے قنادہ روم نے کہا یعنی چاند رات کے روز غروب آفتاب کے بعد ہی چاند آتا ہو۔ ابن رزین نے کہا کہ
 مہینہ کے نصف اول میں بعد غروب آفتاب کے چاند نظر آتا ہو پھر باقی آدھے مہینہ میں چاند کے پیچھے آفتاب آتا ہو۔ زید بن اسلم
 نے کہا کہ یہ شب قدر میں ہو (ابن کثیر) واحدی وغیرہ نے کہا کہ مفسرین کہتے ہیں کہ قولہ تعالیٰ اِذَا تَلَّهَا بِأَبْعَادِهَا مَدَّ كَيْفَ تَلَّهَا
 دُاسُکِ روشنی روز کے بعد ماہتاب آتا ہو اور یہ مہینہ کے اول نصف میں ہوتا ہو زجاج نے کہا کہ تلا ہا۔ جب ماہتاب گول ہو گیا
 زجاج نے تلا ہا باعتبار صورت اور روشنی کے لیا جیسے ایک چیز سے مشابہ چیز کو عرب بولتے ہیں کہ یہ بھی اُسکی تالی ہو پس جب
 چاند گول ہو جاتا ہو تو وہ شمس کا تالی ہو جاتا ہو اور یہ صرف تیرھویں و چودھویں و پندرھویں تین راتوں میں ہوتا ہو قرآن نے
 کہا کہ مطلب یہ ہو کہ قرآن کی روشنی سے نور لیتا ہو فتح البیان میں کہا کہ اولیٰ یہ ہو کہ اِذَا تَلَّهَا کی تفسیر کی جاوے کہ ماہتاب کی
 روشنی بعد آفتاب کے ہوتی ہو خواہ فوراً ہو یا دیر کے بعد ہو مترجم کتاب ہو کہ اگر کوئی کہے کہ تلا ہا۔ تو جہی ہو کہ اسکے پیچھے بدون فاصلہ
 کے ہو (جواب) بان اور بیان آفتاب کے بعد کسی چیز کی روشنی نہیں ہوتی سوائے چاند کے پس آفتاب کی روشنی کے تالی قمر ہوگا اگر
 بعضی تاریخوں میں آفتاب کے بعد روشنی نہ رہے اور بہت دیر کے بعد قمر کی روشنی ہو۔ پھر یہ سب اس صورت میں تکلف ہوگا کہ علم
 ہیئات کی بائین دلی جاوین کیونکہ علم ہیئات والے مدعی ہیں کہ زمین گول ہو اور آفتاب کے بعد چاند ہمیشہ نکلتا ہو ولیکن ہمارے اس
 نسخ میں اول سے نصف مہینہ تک نظر آتا ہو اُس کے بعد دوسری طرف والوں کو غروب ہوتے ہی نظر آتا ہو کیونکہ زمین کے دورہ میں
 ان دونوں کی گردش ہو فافہم۔ ولیکن علم ہیئات کی بات ہم نے اس وجہ سے نہیں لی کہ شرع نے یہ بات نہیں بتلائی ہو اگرچہ بعض علماء
 نے کہا کہ عرب کے لوگ زمانہ جاہلیت میں بے علم تھے پس اگر اُن سے یہ بات کہی جاتی تو ضرور تھا کہ پہلے اسی بات کو جھٹلاتے اور سکو
 بری ہی کے خلاف بتلاتے حالانکہ اسکو ماننے سے کچھ نتیجہ نہیں ہو اور نہ ماننے سے کچھ نقصان نہیں ہو اس بیان سے یہ بات معلوم
 ہوئی کہ جو کچھ قرآن مجید میں آیا ہو وہ برحق ہو اور اکثر اوقات ہم کو اسکی وجہ سمجھ میں نہیں آتی ہو تو حبان سمجھ میں آوے وہاں اپنی سمجھ کا
 تصور جانا چاہیے واللہ تعالیٰ ہو الموفق۔ بالجلہ قولہ تعالیٰ والقرآن اذا تلا ہا۔ اور قسم ہے چاند کی جب سورج کے پیچھے آوے۔ یہ بات
 دو طرح ہو سکتی ہو (ایک) یہ کہ علم ہیئات والے کہتے ہیں کہ زمین گول ہو اور سورج و چاند اسکے گرد متحرک ہیں اور جب سورج
 ہماری طرف ہوتا ہو تو چاند دوسری طرف ہوتا ہو اور وہاں آبادی ہو اور خلاصہ یہ کہ جب ہم کو چاند کا طلوع مشرق سے نظر آتا ہو
 تو دوسری طرف کے دوسری جانب کے لوگوں کو چاند کا طلوع نظر آتا ہو اسطرح درجہ بدرجہ تفاوت ہو واللہ تعالیٰ اعلم ولیکن ہم اس تاویل
 اس لیے اعتماد نہیں کرتے ہیں کہ زمین کا دور ہونا اور آفتاب و ماہتاب کا اُس کے گرد و گرد کرنا بدیہی دلیل نہیں ہو اور شرع شریف میں
 ہم کو اس سے خبر نہیں دی گئی (دوم) یہ کہ آفتاب کے بعد چاند آتا ہو اور درمیان میں کوئی روشنی نہیں ہو۔ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ
 اور قسم ہمارے کہ جب سورج کو حلا کرے ف یعنی روشن کرے کذا قال مجاہد اور قنادہ نے کہا یعنی اُسکو ڈھانپ لے۔
 ابن جریر نے کہا کہ بعض عربی جانتے والے (جلالہ) کی ضمیر کو (ظلمہ) کی جانب پھیرتے ہیں یعنی قسم ہمارے کہ جب تاریکی

مستوی ہو رٹھیک دو پہر ہو تو نماز سے رُک رہے پھر جب مائل ہو تو نماز پڑھنا رہے کیونکہ نماز مشہودہ مخصوصہ ہی یہاں تک کہ جب غروب ہونے لگے تو رُک رہے یہاں تک کہ غروب ہو جاوے آخر تک مترجم کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے ممنوع وقت کے بعد فرمایا کہ پھر نماز پڑھ کیونکہ نماز مشہودہ مخصوصہ ہے۔ اس کلام پاک کی برکت حاصل کرنے کے واسطے بعض علماء محققین نے آفتاب طلوع ہو کر نماز جائز ہونے کی حالت پر ہوجانے کے وقت دو رکعت پڑھ لی تاکہ اس ارشاد کی فضیلت حاصل ہو کیونکہ صیغہ امر اسمین استحباب سے کم نہیں ہے پس اس سے نکل آیا کہ اشراق کے وقت نماز مستحب ہے اور یہ وہم نہ ہو کہ بعد دو پہر کے اور بعد غروب کے بھی یہی کہو کیونکہ ان دونوں اوقات میں خود نماز موجود ہی اور یہ البتہ ثبوت ہوا کہ بعد زوال آفتاب کے جلدی کرے اور کم سے کم دو سنتیں پڑھے اور بعد غروب کے فریضہ مغرب موجود ہی فافہم والحمد للہ رب العالمین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالشَّمْسُ وَضُحَاهَا ۝ وَالْقَمَرُ إِذَا تَلَاهَا ۝ وَالنَّهَارُ إِذَا جَلَّاهَا ۝ وَاللَّيْلُ إِذَا يَغْشَاهَا ۝
 قسم سورج اور اُسکی دمپ پڑھنے کی اند جانے کی جیسے اُسکے پیچھے اور دن کی جب اسکو روشن کرے اور رات کی جب اسکو ڈھانکے تو
 وَالسَّمَاءَ وَمَا بَيْنَهُمَا ۝ وَالْأَرْضَ وَمَا طَحَاهَا ۝ وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا ۝ فَأَلْهَمَهَا
 اور آسمان کی اور جیسا اُسکو بنایا اور زمین کی اور جیسا اُسکو بچھلایا اور جی کی اور جیسا اُسکو ٹھیک بنایا پھر سمجھ دی اُسکو
 جُورَهَا وَتَقْوَاهَا ۝ قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا ۝
 دُعا کی اور سچ پلنے کی مراد کو پہونچا جسے اُسکو سنوارا اور نامراد ہوا جسے اُسکو خاک میں گھلایا
 اس سورہ مبارک سے بندہ دن کو طاعات کی ترغیب دی اور گناہوں سے ڈرایا ہے اور واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو
 متنبہ فرماتا ہے باین طور کہ قسم میں اپنی مخلوقات کے ایسے اقسام ذکر فرماتا ہے جن میں عجائب حکمتیں اور غرائب مصلحتیں پیدا فرمائی
 ہیں تاکہ بندہ اُن چیزوں میں غور و تامل کرے اور اُنکے منافع پہچان کر شکر کرے یعنی نافرمانیوں سے پرہیز کرے اور طاعات کا
 قصد کرے اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ جن چیزوں کی قسم یاد فرماوے تو ضرور دل میں اُن چیزوں کی جانب توجہ پیدا ہوگی رازی
 فی الکبیر اور مترجم کہتا ہے کہ قرآن مجید میں معارف جلیلہ بے شمار ہیں لیکن تعلیم آہستہ آہستہ ہوتی ہے یہاں تک کہ جب قدر قلب
 منور ہو جاتا ہے اُسی قدر معارف نظر آتے جاتے ہیں حتیٰ کہ قلب مثل آفتاب کے روشن ہوتا ہے اور اُس سے تمام کدورت نفس
 زائل ہو جاتی ہے اور بدوں اسکے نفس کی تاریکی میں معاصی کا ارتکاب ہی حتیٰ کہ جس شخص کے قلب میں نور ایمان بالکل نہیں ہے
 اور باوجود ایمانی کے فحور کی سیاہی نے اُسکے حواس کو بھی سیاہ کر دیا ہو تو وہ اشقی ہوتا ہے چنانچہ اس سورہ مبارک میں تامل
 کرنا چاہیے قال ربنا تبارک وتعالیٰ - وَالشَّمْسُ وَضُحَاهَا - قسم ہے آفتاب اور اُسکی روشنی کی فضا یا
 اسے ضوہا یعنی اُسکی روشنی - ابوالسعود نے کہا کہ ضوہ جبکہ تیز روشن ہو - بعض نے کہا کہ ضوہ دن چڑھے کا وقت ہے اور
 ضعی اس سے اوپر ہے کہ اور ضعی وضحا بالفتح جب دن چڑھ جاوے اور آدھے دن کے قریب پہونچے - قتادہ نے کہا کہ ضعی
 پورا دن ہوا مام ابن جریر نے کہا کہ صواب یہ ہے کہ یوں کہا جاوے کہ اللہ تعالیٰ نے آفتاب کی اور اُسکے دن کی قسم

یقینی ہوا قول یہی طریقہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں تھا۔ م۔ اور سختیوں پر صبر کرنا شجاعت میں سے افضل ہے اور ایمان کے بعد ہے اس لیے کہ بدون یقین کے شجاعت کی فضیلت نہیں مل سکتی ہے اور باہمی مرحمت سے افضل عدل ہے پس اس آیت میں عقل سے غور کر کہ کیونکہ فضائل کی چاروں جنس کو شمار کر دیا جن سے نفس کا کمال حاصل ہوتا ہے (اول) عفت سے شروع کیا اور عفت کی اعلیٰ قسم یعنی سخاوت کو بیان کیا اور وہ اطعام بوقت حاجت ہے پھر (دوم) ایمان بیان کیا جو کہ اصل و جڑ ہے اور (ثالث) سے اُس کے رتبہ کی فضیلت ظاہر فرمائی (رسم) صبر کو بیان کیا (چہارم) عدالت کو بیان کیا اور مرحمت صفت حضرت الرحمن ہے تو باقی اقسام کی ضرورت نہ رہی جسے صبر جو افضل قسم ہے اس کے بیان کرنے کے بعد باقی اقسام شجاعت کی حاجت نہ رہی (قولہ) اولئک اصحاب المینۃ۔ یعنی جو بندہ ایسے اوصاف سے موصوف ہوں یہی اصحاب الیمین اور عالم قدس کے ساکنین ہیں (قولہ ثانی) والذین کفروا بالہم اور جو لوگ کہ ان صفات سے محجوب رہے اور آیات الہیہ سے منکر ہوئے حتیٰ کہ ذات حق کی معرفت کا وسیلہ نہ رکھا تو یہ لوگ اصحاب المینۃ شوم شخص ہیں اور ہمیشہ گندگی کے عالم میں رہیں گے۔ علیہم نار موصدۃ۔ اپنی انکی طبیعت کی آگ مستولی ہے اور سب طرف سے طبیعت کے دروازے ان کے بند ہیں سراسر وہ لوگ طبیعت میں محبوس ہیں اور ہمیشہ کے لیے روح سے ممنوع ہیں اللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

سورة الشمس مکیة و بی خمس عشر ایت

سورہ الشمس وضحاہ مکیہ ہے یعنی ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔ یہی ابن عباسؓ ابن ابی ربیع رضی اللہ عنہما سے روایت ہے قرطبیؒ نے کہا کہ یہی علماء کا قول ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اس سورہ میں پندرہ آیات ہیں اور چون کہ کلمات ہیں اور دو سو سینا لیس حروف ہیں (السراج وغیرہ) بریدہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشا میں وضو وضحاہ اور اسکے مانند سورتیں پڑھتے تھے (رواہ احمد والترمذی والنسائی) اور حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں گزرا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل کو قوم کی امامت میں فرمایا کہ کیونکہ میں نے تو نے پڑھی سچ اسم بیک الاعلیٰ اور الشمس وضحاہ دلیل اذغشی السج (اور ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو نماز صبح میں دلیل اذغشی الشمس وضحاہ پڑھنے کا حکم دیا (رواہ الطبرانی) اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو حکم دیا ہو کہ نماز ضحیٰ میں دو صورتیں ضحیٰ کی قرات کریں ایک الشمس وضحاہ اور۔ دوسری والضحیٰ دلیل اذغشی السج ہے۔ اس حدیث کو نہایتی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز ضحیٰ یعنی چاشت کی نماز ثبوت ہے اور اس بارہ میں دیگر احادیث بھی مثبت ہیں ولیکن نماز اشراق جبکو بعضے لوگ سورج نکلے پڑھا کرتے ہیں وہ سوائے چاشت کے نہیں ظاہر ہوتی ہو وہ اللہ تعالیٰ اعلم اور اس سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص اس نام سے یا خاص کر اس وقت سے خصوصیت کر کے کسی کو حکم نہیں دیا اور نہ خود پڑھی بلکہ ایک حدیث میں البتہ اس طرح آیا ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے اوقات نماز پوچھے تاکہ وہ اوقات معلوم ہوں جن میں نماز مکروہ ہے تو حدیث میں ہے کہ بعد طلوع فجر کے بعد فرائض کے منع کیا ہے یہاں تک کہ آفتاب طلوع ہو اور مراد یہ کہ نیزہ بھر بلند ہو کر صاف ہو جاوے پھر اجازت دی کہ جبکا جی چاہے اسکے بعد نماز پڑھے یعنی نوافل پڑھتا رہے کیونکہ نماز مشہودہ محض وہ ہے یہاں تک کہ جب آفتاب

المخجل رہ عینین الخ۔ کیا ہم نے اسکو دو انگلیں اور لسان و ہونٹ نہیں دیے تھے اور دونوں راہیں نیک و بد کی ہدایت نہیں کر دی تھی ابن عطاء نے کہا کہ سرکے دونوں انگلیوں سے صنعت الہیہ سے آثار قدرت دیکھ سکتا ہو اور قلب کی دونوں انگلیوں سے غیب کے مواقع دیکھنے کی توفیق مانگے شیخ العرائس نے کہا کہ قلب کی آنکھ سے بڑھکر روح کی آنکھ سے بھر سرباطن کی آنکھ ہے ابن العربی نے لکھا کہ اس کلام سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو ملامت فرمائی کیا ہے اسکو ایسے آلات و اوزار اسباب نہیں دیے تھے کہ جبکہ ذریعہ سے وہ کمالات حاصل کر سکتا پس عبرت کی جگہ نظر کر کے حاصل کرتا اور جو بات نہیں جانتا تھا اسکو علم سے دریافت کرتا لینے عالم سے دریافت کرتا کہ علم حق میں یہ بات کیونکر ہو اور زبان سے اُس میں کلام کرتا قول مثلاً اُس نے ایک عالم سے ایک بات سنی اور دوسرے نے اس کے خلاف بتلائی اور معلوم ہوا کہ اس بات میں خوف ہو تو وہ علم کا پتہ پوچھتا کیونکہ عالم کو یہ اختیار نہیں ہو کہ جو اُس کے نزدیک اچھا معلوم ہو وہ بتلاوے بلکہ جو شرع میں آیا ہو وہ بتلاوے گا تو علم دریافت کر سکتا ہے مترجم کہتا ہے کہ یہ بیان ہونٹ کا ذکر آیا ہو اور حدیث میں ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم روحانی میں سیر کرانی گئی تو آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ ہیں جنکے ہونٹ قینچیوں سے کترے جاتے ہیں فرشتہ نے عرض کیا کہ یہ آپ کی اُمت کے واعظ ہیں جو فتنہ میں کلام کرتے تھے مترجم کہتا ہے کہ اس میں غور کرو کہ یہ لوگ وعظ کے لائق تھے لیکن چونکہ اصلاح نہیں کی تو اس بلا میں پڑے اور اس زمانہ میں جاہل لوگ ہیں جو عالم کی صورت بنا کر بیٹھے اور مسلمانوں کو گمراہ کیا تو اُنکے عذاب کا کیا حال ہوگا نفوذ باللہ من ذلک (قولہ نفوذ) فلا تخس العقبۃ الا یہ۔ عقبہ مقام مجاہدہ نفس ہو اور نفس کے پاس اللہ تعالیٰ کے قہر کا ہتھیار ہو تو اپنے پاس اعمال صالحہ و طاعات کا ہتھیار رکھنے تاکہ نفس کو مقہور کرے اور قتل کر دے اور اس عقبہ کا اتمام جیسی ہوتا ہے کہ رقبہ آزاد کرے اور اسکی آزادی یہ ہے کہ اپنے نفس کی گرفتاری سے آزاد ہو اور دوسرے پر احسان نہ رکھے اور اطعام الطعام یہ ہے کہ اپنے نفس کو بھوکا رکھے اور حاجت مند کو کھلاوے فاسم کے کہا کہ فلک رقبۃ۔ یہ ہے کہ اپنے نفس کو خلق کی بندگی سے آزاد کرے اور اللہ تعالیٰ کی بندگی میں لگاوے بعض نے کہا کہ عقبہ یہ ہے کہ اپنی پسند کو چھوڑ دے اور جس طرح تقدیر جاری ہو اُسی پر راضی رہے واسطی نے کہا کہ فلک رقبۃ یہ ہے کہ اپنے نفس کی خواہش سے آزاد ہو اور اپنے افعال و عادات کا پابند نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کا فضل اپنے اوپر دیکھے اور اُس کے قرب کا خواہشمند رہے (قولہ تعالیٰ) یتما و اسقرۃ الخ۔ یتیم حقیقت میں وہ ہے جو مقام موصالت سے منقطع ہو اور سکین وہ عاشق ہے جو تخی ہو اور سجد کی خاک میں آلودہ رہے جعفر نے کہا کہ یتیموں کی خبر گیری میں اللہ تعالیٰ کی رضا مندی تلاش کرے (العرائس) اور شیخ ابن العربی نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ فلا تخس العقبۃ۔ ریاضت و مجاہدہ سے قلب کا پر وہ ہٹا کر نفس کی خواہش کا عقبہ طو کرے اور اس سے بڑھکر کس عقبہ کے طو کرنے میں مشقت ہوگی (قولہ) فلک رقبۃ۔ یعنی جس عقبہ پر اتمام واجب ہو یہ ہے کہ قلب کو جی کی خواہش کی قید سے چھڑاوے اسطرح کہ طبیعت و جی کی خواہش سے بالکل علیک ہو جاوے اور اگر کسی شخص سے بالکل نفس کا مقہور کرنا ممکن ہو سب کے معنی ریاضت و مشقت سے نفس کے قوی کو بالکل نہ توڑ کے تو نفس کے واسطے فصائل کمانے کی کوشش کرے اور نیک راہ چلنے کا التزام کرے تاکہ آخر میں اس تخلف سے نفس میں خیر کی عادت جم جاوے (قولہ تعالیٰ) اور طعام فی یوم الم محبوبت اپنے نفس کو طعام کی حاجت ہو اسوقت یتیم و سکین کو ایثار کرنا از باب فضیلت عالیہ ہو بلکہ اسکے اندر میں سے افضل ہو اور ایمان افضل حکمت ہو اور سب اشرف ہو اور اس سب میں بھی ایمان وہ افضل ہو جو علم کے طریقے سے

خلقنا الانسان فی کبد۔ یعنی ہم نے انسان کو عقل و خوبصورتی میں مستوی پیدا کیا ابن عطاء رکھا یعنی ظلمت و جبل میں پیدا کیا ہے
اقول یہ دونوں قول بنا بر و مختلف تفسیروں کے ہیں چنانچہ اوپر دونوں تفسیریں بیان ہو چکی ہیں **ابن عربی** نے
 لکھا کہ قولہ فی کبد۔ یعنی انسان اپنے نفس و اسکی خواہش کی کوفت و مشقت میں رہتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ انسان کے باطن
 میں مرض ہے اور قلب میں خرابی ہے اور حجاب سخت ہے کیونکہ لغت میں (کبد) کے معنی جگر کی گندگی ہے اور جگر ہی قوت طبیعہ کی
 بہتری خرابی کی جڑ ہے اور اسکی خرابی سے قلب میں خرابی پیدا ہوتی ہے تو اس سے استعارہ کے ساتھ قلب کی خرابی و جہالت مراد ہے
اقول اس بیان سے بہت بڑا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ علم الاشارہ اصل میں ظاہر تفسیر سے حاصل ہوتا ہے جسکا مدار زبان عربی
 ہے اور ہمارے زمانہ کے جاہل لوگوں نے صوفیہ کے مانند رنگے کپڑے پہنکر عام مسلمانوں کو یہ دھوکا دیا کہ علم اشارہ ایک
 علم ہے جو سینہ بسینہ چلا آتا ہے اور یہ اس وجہ سے کہ ان مکاروں نے اپنی بے علمی کے چھپانے کا یہی طریقہ دیکھا اور چونکہ نہایت
 نفس سے باہم ارتباط ہوتا ہے تو ان جاہل مکاروں کے ساتھ عوام جاہلون نے اتفاق کیا اور یہ بلاے عظیم عام ہو گئی اور
 رفتہ رفتہ مسلمانوں نے علم شریعت کو حقیر نظر سے دیکھا اور جہالت سے یہ خیال کیا کہ اپنی اولاد کو یہ تعلیم دینا
 بے فائدہ ہے کیونکہ ولی ہونا تو علم سینہ سے حاصل ہوتا ہے اور آخری نتیجہ یہ ہوا کہ علم حق سے سخر ہو کر اولاد کو انگریزی وغیرہ پڑھانے
 لگے کیونکہ مکار صوفی نے جس علم سینہ کا دعویٰ کیا تھا وہ تو مثل عنقا کے فقط جھوٹا نام ہی نام تھا تو اس کے حاصل کرنے کا طریقہ
 نہیں ہے سوائے اسکے کہ انکی اولاد بھی اسی طرح صوفی لباس میں مکار ہو کر اسی قسم کا دعویٰ کرے اور جسکو عقل ہے وہ ذرا غور
 سے سمجھ لے گا کہ اس مکر سے مسلمانوں کی حالت خراب ہو گئی انا لئذ وانا الیہ راجعون (قولہ تعالیٰ) ایجب ان لن یقدر المرء
 انسان جاہل جسکا قلب بوجہ حجاب غلیظ کے خراب ہے وہ اپنے زعم میں یہ سمجھتا ہے کہ اسپر کسی کو قابو نہیں ہے (قولہ تعالیٰ) یقول اہلک
 مالا لبداء چونکہ وہ اپنی جہالت میں مجبور ہے اور اسکو علم نہیں جس سے وہ طریقہ جانے جس راہ میں خرچ کرنا فضیلت ہے
 تو لامحالہ جہالت سے بد راہ میں خرچ کرنا ہے جو حقیقت میں اخوان الشیاطین کی راہ ہے اور اپنی ناموری و فخر کے لیے مال کثیر برباد
 کرتا ہے اور اسکو بیان کر کے لوگوں پر اپنی بڑائی و سخاوت کا اظہار چاہتا ہے اور قولہ اہلک مالا۔ یہ عرب کے محاورہ پر ہے چنانچہ
 کہتے ہیں کہ خسرت علیہ یعنی میں نے اسپر مال کثیر خرچ کیا۔ یہ بطور افتخار کے بولتے ہیں۔ (قولہ تعالیٰ) ایجب ان لم یرہ احد۔
 کیا وہ زعم رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکی باطنی نیت سے مطلع نہیں ہے جبکہ اسے افتخار و ریاکاری میں مال کثیر ایسی چیز میں
 خرچ کیا جو اللہ تعالیٰ کی شریعت مرضیہ سے مخالف ہے۔ یہ تو فضیلت سے بہت دور ہے کیونکہ بری خصلت کے اوپر بری خصلت
 بڑھاتا گیا تو اسپر یہ زعم بالکل ہی بدتر ہے (ابن العربی) مترجم کہتا ہے کہ ہمارے زمانے میں عموماً مسلمانوں نے علم شریعت
 و راہ نبوت سے منہ پھیر لیا بلکہ جاہل مکار صوفیوں کے دام فریب میں اسکو پھنسا سمجھنے لگے پھر جاہل ہو کر اپنے جاہل مشواہد
 کے اتباع کرنے میں خوش ہیں اور اگر کسی عالم سے انھوں نے سنا کہ تم لوگ جس طریقے سے خسر چکے ہو یہ بڑا طریقہ
 ہے تو کہتے ہیں کہ ہم لوگ تو معذور ہیں ہم نے ایک شخص سے دریافت کر لیا تھا۔ یہ لوگ بہت اہتمام سے دنیا کے
 واسطے انگریزی وغیرہ پڑھانے میں سخت مشقت اٹھاتے ہیں اور مدعی ہیں کہ علم دین کے واسطے ہم کو فرصت نہیں ہے
 دنیا کے کاموں میں ہر کام کے لیے بہت جانچ کے پرکھ لیتے ہیں اور دین کے اعمال میں ایسے نادان ہیں (قولہ تعالیٰ)

کہا کہ اصحاب البیتہ باتوا صحاب النہین یعنی دائیں طرف والے ہیں یا یمن بمقابلہ شوم کے ہے یعنی یہ لوگ اپنی جان کے خیرین سعادت اور برکت والے ہیں۔ **وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا هُمْ أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ**۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا ہماری آیات سے یعنی جھٹلایا یہ لوگ بائیں طرف والے ہیں ف انہیں کو اصحاب الشمال کہتے ہیں اور اپنے حق میں خود نخس ہیں۔ **عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤَصَّدَةٌ**۔ انہیں پر آگ ڈھکی ہوئی ہوئی ہو ف موصدۃ ای مطبقہ ڈھکی ہوئی۔ یہی ابو ہریرہ و ابن عباس و سعید بن جبیر و مجاہد و محمد بن کعب و عطیہ عوفی و حسن و قتادہ و سہیل نے بیان کیا۔ ابن عباس نے یہ بھی کہا کہ موصدۃ یعنی انہیں جہنم کے دروازے بند ہیں مجاہد نے کہا کہ یہ قریش کی زبان پر ضحاک نے کہا کہ یعنی انہیں آگ اس طرح محیط ہوگی کہ کہیں دروازہ نہ ہوگا۔ قتادہ نے کہا کہ اسکا نتیجہ یہ کہ آگ سب طرف سے انہیں محیط ہوگی نہ وہ ان روشنی ہو اور نہ کبھی اُس سے نکلنے کی راہ ہو۔ ابو عمران الجونی نے کہا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ ہر ظالم جبار کو اور ہر شیطان کو اور ہر ایسے شریر شخص کو جسکی شرارت سے دنیا میں لوگ ڈرتے تھے ان سب کو لوہے میں جکڑ کے جہنم میں ڈال جائے گا حکم فرما دیا پھر جہنم کو انہیں موصد یعنی مطبق فرما دیا۔ ابو عمران نے کہا کہ بھرو اللہ اسکے بعد کہیں اُس کے پاؤں نہیں ٹھہریں گے اور نہ کبھی آسمان کو دیکھیں اور نہ اللہ کبھی نیند کے غوطہ میں اُنکی آنکھ بند ہو اور نہ اللہ کبھی پانی ٹھنڈا گھونٹ پاویں گے (رواہ ابن ابی حاتم) مترجم کہتا ہے کہ الہی رب رحیم ہم بندوں کو اپنی رحمت کے ساتھ جہنم و اُس کے عذاب سے پناہ دے و انت ارحم الراحمین واللہ الحمد والمنة۔ اس سورہ مبارک کے اشارات کا بیان باقی ہوئی العروس قولہ تعالیٰ لا اقسم بهذا البلد الا ان اللہ تعالیٰ نے مکہ معظمہ کی قسم کھائی جس میں بیت اللہ ہوا جس میں آیات و انوار صفات و مشاہد قدرت ہیں واسطی نے بهذا البلد سے مدینہ بیان کیا اور یہ جمیع مفسرین کے خلاف ہے اور سورہ بھی مکہ ہے اور نزول کے وقت مدینہ کا علم نہیں تھا **اقول** واسطی کا یہ قول بعض تفاسیر میں منقول ہے اور عرائس کے نسخہ میں جو عبارت ہے وہ کتابت کی غلطی سے سمجھ کے قابل نہیں رہی اور شاید مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ ایک بلد کی قسم کھاتا ہے جس میں تو نزول فرمائے والا ہے کہ تیرے شرف سے وہ پاکیزہ ہوگا اس واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کا نام طایبہ و طیبہ رکھا ہے واللہ تعالیٰ اعلم **ابن العربی** نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے بلد الحرام کی قسم کھائی اور مراد وہ شہر مقدس ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول فرمایا اور وہ رفیق اعلیٰ اور وادی مقدس ہے۔ و انت حل بهذا البلد یعنی تو اس بلد میں مطلق ہو یعنی جو چاہے وہ کرے یعنی نفس کے صفات و عادات کے ساتھ پابند نہیں ہے۔ **اقول** شاید شیخ نے اشارہ میں اس بلد سے اُصلی سنسن لیا اور حل سے مراد حقیقی آزادی کے معنی لیے کیونکہ آزاد حقیقت میں وہ ہے جو جو نفس کے پنجہ میں گرفتار نہ ہو واللہ تعالیٰ اعلم (قولہ تعالیٰ) ووالد واولد۔ روح القدس جو نفوس کے واسطے حقیقی باپ ہے جیسے عیسیٰ علیہ السلام نے حواریں سے فرمایا کہ میں اپنے باپ اور تمہارے باپ آسمانی کے پاس جانے والا ہوں۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کا مقولہ یہ بھی مروی ہے کہ تم لوگ اپنے آسمانی باپ سے تشبیہ پیدا کرو **اقول** جیسے حکما کہتے ہیں کہ وہ اخلاق سیکھو جیسے خالق عز و جل کے صفات قدس ہیں یعنی اپنے آپ کو پاکیزہ و صالح بناؤ تاکہ تم میں نور قدس سے یہ صفات منعکس ہوں مثلاً علم و حلم و کرم و سخاوت و شجاعت و رحم وغیرہ اخلاق فاضلہ اپنے نفس میں کماؤ۔ **اولد** یعنی روح القدس سے تیرا نفس متولد ہوا ہے (قولہ تعالیٰ) **لقد**

بھی اسپر دلالت کرتا ہے کیونکہ (ثم کان) بمعنی (پھر تھا) یعنی اس سے مذکور عمل زمانہ ماضی بعید میں تھا اور اگر (کان) نہ ہوتی
استمراری لیا جاوے تو خوب واضح ہو یعنی پھر برابر ستر تھا وہ مومنین سے۔ یعنی یہ اعمال نیک رقبہ وغیرہ بجایا یا حالانکہ وہ برابر
مومن چلا آتا ہے۔ واضح ہو کہ یہاں مشرکین کے واسطے ہدایت مقصود ہے اور مشرک اپنے دنیاوی فخر کے لیے مال برباد کرتا یا پاٹا اور
سے رسم رکھتا تھا تو پہلے اسکو نیک رقبہ وغیرہ نیک اعمال بتلائے کیونکہ عرب بھی ان اعمال کی خوبیاں سمجھتے تھے تو انکو بیان کر کے
پھر ایمان کو بیان فرمایا کہ اس طریقے سے وہ ایمان کی خوبی سے بھی آگاہ ہوگا اور ایمان جائیگا (جواب دوم) یہ ہو سکتا ہے کہ اچھا
یہاں (ثم کان) بعد ان اعمال کے ایمان ہے تو معنی یہ ہیں کہ اُس نے یہ نیک اعمال کیے پھر اُس نیک بندے کا انجام یہ ہوا کہ وہ ایمان
والوں میں سے ہو گیا یعنی ایمان پر اُسکی موت واقع ہوئی جس سے ان نیک کاموں کا تعلق ایسے شخص سے ہو گیا جو مومن ہو کیونکہ
نیک کاموں سے نفع کی شرط یہ ہے کہ ایمان حاصل ہو مترجم کتاب ہے کہ اس طریقے سے بھی مشرکوں میں اچھا اثر ہوگا اس لیے کہ عرب
میں بہت ایسے لوگ تھے جو اپنے فراہمی یتیم و مسکین سے سلوک کیا کرتے تھے تو جب انکو معلوم ہوا کہ مابعد ایمان لانے سے بھی نفع
ہوگا تو ایمان لانے پر پیش قدمی کریگا۔ اور حدیث میں ہے کہ ایک صحابیؓ نے اسلام سے پہلے غلاموں کو آزاد کیا اور اس قسم کے نیک
کام کیے تھے تو بعد اسلام کے انھوں نے دریافت کیا کہ مجھے ان کاموں کا کچھ ثواب ہو اپنے فرمایا کہ تو اپنی سابقہ نیکیوں پر مسلمان
ہوا (رواہ مسلم) و قولہ تعالیٰ و توا صوا بالصبر و توا صوا بالمرحمة یعنی ایسے مومنین میں سے ہونا چاہیے تھا جو باہم سبر و مرحمت کی
وصیت کرتے ہیں یعنی کہتے ہیں کہ لوگوں کی ایذا پر صبر کرو اور یہ خاص اہتمام کی وصیت ہے اور دوسری خاص وصیت یہ کہ لوگوں پر
مرحمت رکھو۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ رحم کرنے والوں پر الرحمن رحم فرماتا ہے تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرماوے گا
حدیث میں ہے کہ جو کوئی لوگوں پر رحم نہیں کرتا اس پر اللہ تعالیٰ رحم نہیں کرتا ہے اور حدیث میں ہے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ جس شخص نے ہمارے چھوٹے بچوں پر رحم نہ کیا اور ہمارے بڑے کا حق نہ پہچانا تو وہ ہم میں سے
نہیں ہے (رواہ ابو داؤد) رازیؒ نے کہا کہ معنی یہ ہیں کہ مومنین باہم ایک دوسرے کو ایمان پر صبر و ثبات کی وصیت کرتے تھے
یا نفس کی خواہشوں سے جی روکنے پر اور طاعات ادا کرنے پر اور تقدیری بلاؤں پر صبر کی وصیت کرتے تھے اور باہم مرحمت کی وصیت
کرتے یعنی آمادہ کرتے کہ مظلوم و فقیر پر ترس کھاوین اسطرح جس شخص کو دیکھیں کہ بدکاری پر آمادہ ہو اسکو روکیں کیونکہ یہ آگ
میں گھستا ہے تو رحم کے ساتھ اسکو ہر طرح دلی کوشش سے مناجہ سلا کے باز رکھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جہانتک ہو سکے
آدمی دوسرے کو راہ راست کی نصیحت کرے اور جس طرح ہو سکے اسکو باز رکھے۔ پھر قولہ ثم کان من الذین آمنوا۔ یعنی یہ شخص
ایسے مومنوں میں سے ہو گیا جنکی صفت ہے۔ یہ مومنین اکابر صحابہ مانند عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کے ہیں اقول یعنی سابقین
اولین ہاجرین و انصار ہیں۔ م۔ کیونکہ یہ لوگ صبر و مرحمت میں کامل تھے۔ بالجملہ توا صوا بالصبر۔ میں اشارہ ہے کہ اللہ
تعالیٰ کے احکام کی تعظیم کرے۔ اور توا صوا بالرحمة۔ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر شفقت رکھے۔ اور انھیں دونوں باتوں
دین کا مارے اسبواسطے کبھی محققین مشائخ نے فرمایا کہ تصوف کی اصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ صدق ہو اور خلق کے
ساتھ خلق ہو اولئیک اصحاب الیمین۔ ایسے ہی لوگ دائیں طرف والے ہیں جنکا حال سورہ واقعہ میں
بیان فرمایا ہے بقولہ فی سدر منضود و طلح منضود الا یہ یعنی جنت کی نعمتوں میں ہیں انھیں کو صحاب الیمین فرمایا ہے خوشخبریؒ نے

یاسکین کو طعام کی ضرورت ہو یعنی میسر نہیں آیا ہو یا کم میسر آیا ہو یا ایسے طعام کی خواہش ہو تو ایسے دن میں کھانا کھلاوے
 بہادامقہ - ایذا قرابتہ منہ - ایسے یتیم کو جو اس سے قرابت رکھتا ہو - یہ ابن عباس و حکیمہ حسن و عثمان و سدی نے بیان کیا
 ہر طرح کھتا ہو کہ قرابت کا ذکر اس لیے کہ مشرک کو جو مال کثیر خرچ کر نیکاعی ہو اسکو شرم ہو کہ اُس نے کبھی یتیم کو نہ دیا بلکہ قرابتی
 تھا اُسکو نہ دیا اور اسمین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب بھی مزید ہو ابن کثیرؒ نے مسند امام احمد سے حدیث سلمان بن عامر
 رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسکین پر صدقہ کرنا ایک صدقہ ہے اور قرابتی پر صدقہ کرنا دو
 چیزیں ہیں ایک تو صدقہ ہے اور دوم قرابت کا سلوک ہے (قد رواہ الترمذی والنسائی و اسنادہ صحیح) بالجملہ بھوک کے دن کھانا
 کھلاوے یتیم قرابتی کو - او مسکینا ذامترتہ - یاسکین یعنی فقیر کو جو خاک آلودہ ہو یا ہو - ذامترتہ - تراب میں پڑا ہے ابن عباسؓ
 نے کہا کہ وہ مسکین خاکسار جو راہ میں پڑا ہے نہ اُسکا گھر اور نہ خاک آلودہ ہونے سے بچاؤ کی کوئی چیز ہے - حکیمہ رحم
 نے کہا کہ وہ فقیر قرصدا محتاج ہو - سعید بن جبیر نے کہا کہ کوئی اسکا دستگیر نہیں ہے یعنی ایسا کوئی نہیں ہے جو اُسکی خبر گیری کرے
 ابن عباس و سعید و قتادہ و مقاتل بن حیان نے کہا کہ مسکین ذامترتہ - وہ ہے جو محتاج عیالدار ہو - یہ سب معانی قریب قریب
 ہیں - بالجملہ جو کوئی ان اوصاف پر عامل ہو وہ عقیبہ کا اتمام کرنے والا اور پار ہو جانے والا ہے - ثم کان من الذین آمنوا پھر وہ تھا
 اُن لوگوں میں سے جو ایمان لائے یعنی باوجود ان اوصاف کے وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دل سے یقین کرنے والا ہے اور
 دل سے ان اعمال نیک کے ثواب کا اللہ تعالیٰ سے امید دار ہو (ابن کثیر) شیخ نے بیان ایک سوال کے جواب کا اشارہ
 کیا - سوال یہ ہے کہ (ثم کان) میں (ثم) بمعنی (پھر) ایسا کلمہ ہے جسکے معنی تاخیر کے ہیں تو کیا تک رقبہ اور طعام یتیم و مسکین کے
 بعد رہے ہیں سے ہو حالانکہ بغیر ایمان کے کسی عمل کا ثواب نہیں ہے (جواب) ایک یہ ہے کہ جسکی طرف شیخ نے اشارہ کیا کہ بیان میں
 سے لغت کے معنی مراد ہیں - یعنی دلی یقین رکھنے والا تو دلی یقین سے یہاں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا یقین مراد نہیں ہے
 کیونکہ یہ تو پہلے سے موجود ہے جب ہی تو اُس نے اللہ تعالیٰ کے واسطے تک رقبہ و طعام کیا ہو بلکہ یہاں اس بات کا یقین
 مقصود ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ثواب عظیم عطا فرمانے والا ہو اور حاصل یہ کہ پھر یہ شخص اُن بندوں میں سے ہو جو اللہ تعالیٰ کی
 طرف سے ثواب کا یقین رکھتے ہیں لہذا قال تعالیٰ ومن اراد الآخرة و سعى لها الآیہ - یعنی جس بندے نے آخرت کا قصد کیا اور اُسکے لیے
 سعی کی جیسی کہ چاہیے ہو تو ایسے بندوں کی سعی مشکور ہو - قال تعالیٰ من عمل صالحا من ذکا و انثیٰ وہو من الآیہ - جس نے نیک عمل کیا
 خواہ مرد ہو یا عورت ہو حالانکہ وہ مومن ہو یا نہ ہو - تو ایمان کی حالت میں نیک عمل ہوتا ہو (ابن کثیر) مترجم کہتا ہے کہ شیخ کی یہ
 تاویل زیادہ موجب نہیں ہو اس لیے کہ اگر ایمان سے ثواب کا یقین بھی لیا جاوے تو بھی یہ سوال ہے کہ ثواب کا یقین کر کے عمل کی
 نیت ہونی چاہیے نہ آنکہ عمل کے بعد یہ یقین کرے لہذا امام رازیؒ وغیرہ نے جواب لکھا کہ (اول) ہم کہتے ہیں کہ (ثم) یہاں بیان
 کی تاخیر یہ نہ آنکہ واقع میں اس طرح ہوا اور محاورہ میں بکثرت آتا ہے کہ جو چیز مقدم ہوتی ہو اسکو تاخیر بیان سے ذکر کرتے ہیں جسے
 بادشاہ کی تعریف میں متاع نے کہا کہ ہمارا سردار ہوا پھر اسکا باپ پھر اس سے پہلے دادا بادشاہ ہوا یعنی خاندانی بادشاہ ہو اس میں
 سے صاف ظاہر ہے کہ اُس نے (پھر) کہنے سے یہ قصد نہیں کیا کہ اس بادشاہ کے بعد اسکا باپ بادشاہ ہوا بلکہ مطلب یہ کہ میں اس بادشاہ
 کی سرداری کا وصف بیان کرتا ہوں پھر کہتا ہوں کہ یہ خاندانی بادشاہ ہے تو (پھر) صرف اپنے کہنے کے حق میں لیا ہو مترجم کہتا ہے کہ (کان)

وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ جس مسلمان کے تین بچہ ہوئے اور بالغ ہونے سے پہلے مر گئے تو اللہ تعالیٰ اُن پر فضل رحمت کے ساتھ ان باپ کو بھی جنت میں داخل فرمادے گا اور جو کوئی اسلام میں بڑھاپے کو پہنچا تو یہ قیامت میں اُس کے لیے نوز ہوگا اور جسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں تیر بھینکا وہ دشمن تک پہنچا خواہ لگا یا خطا کر گیا تو اُس کے واسطے رقبہ آزاد کرنے کے مثل ہو اور جسے موسیٰ رقبہ آزاد کیا تو اللہ تعالیٰ اُس کے ہر عضو کے بدلے آزاد کرنے والے کے ہر عضو کو جہنم کی آگ سے آزاد کرے گا اور جس کسی نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک جوڑ خرچ کیا تو جنت کے آٹھ دروازوں میں سے جس دروازہ سے چاہے اللہ تعالیٰ اُس کو داخل فرمادے گا (رواہ احمد) ابن کثیرؒ نے کہا کہ ان سب روایتوں کی اسانید صحیحہ ہیں۔ حدیث الباب واثمہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہو کہ ہم لوگ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے ایک ساتھی کے معاملہ میں حاضر ہوئے اُس ساتھی نے ایک خون کر کے جہنم اپنے اوپر واجب کر لی تھی تو آپ نے ہلکویہ بھی حکم دیا کہ اس قاتل کی طرف سے ایک رقبہ آزاد کر دو اللہ تعالیٰ اُس کے ہر عضو کے بدلے اس کا ہر عضو آگ سے آزاد فرمادے گا (رواہ ابو داؤد) اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ آیت میں جہان قاتل کے واسطے یہ تہدید ہے کہ وہ خلود تک جہنم میں ہے تو اُس کے معنی میں کہ اُس نے اپنی خون میں جہنم اپنے اوپر واجب کر لی ہے یعنی ضرور جہنم میں سزا پاوے گا جب تک کہ اُس کی سیجاء بشرطیکہ اُس کے پاس ایسی نیکی نہ ہو جو کفارہ ہو جاوے اور سچی توبہ تو ہر چیز کا کفارہ ہو اور بدون توبہ کے بھی وہ کافر نہیں ہو اگرچہ سخت مجرم ہو۔ حدیث الباب عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ صحابی سے بھی روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جسے مسلمان رقبہ آزاد کیا تو وہ آگ سے اُس کا فدیہ ہو (رواہ احمد) حدیث الباب برادر بن عازب رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اعرابی نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے ایسا عمل بتلائیے کہ اللہ تعالیٰ اُس سے مجھے جنت میں داخل فرمادے آپ نے فرمایا کہ تو نے عبارت تو بہت مختصر کہی ولیکن بہت دراز بات پوچھی پھر فرمایا کہ شتمہ آزاد کر اور رقبہ چھڑا اُس نے عرض کیا کہ یا حضرت کیا یہ دونوں ایک ہی بات نہیں ہیں فرمایا کہ نہیں بلکہ شتمہ آزاد کرنا یہ کہ خود رقبہ آزاد کرے اور رقبہ چھڑانا یہ کہ اُس کی آزادی میں مدد کرے۔ منہ یہ ہے کہ اپنے قرابتی بر جو ظالم ہو مہربانی سے رجوع کرے۔ پھر اگر تجھے یہ بات ہو تو بھوکے کو کھانا دے اور پیاسے کو پانی پلا اور بھلی باتوں کی نصیحت کر اور بُری باتوں سے منع کر۔ پھر اگر تجھے ہو سکے تو اپنی زبان کو روکے رکھ سوائے بھلائی کے (رواہ الامام احمد) اور قرابتی ظالم سے یہ مراد ہو کہ اُسے حقوق قرابت کا لحاظ نہیں کیا اور بدسلوکی سے پیش آیا تو اُس کے عوض میں اپنی طرف سے اُس کے ساتھ بھلائی کرے اور اگر اس کو بدکاری میں دیکھے تو اُس کو روکے (مسئلہ ۱۷) رازیؒ نے لکھا کہ ابو حنیفہؒ کے نزدیک سب مخلوقات میں سے بردہ آزاد کرنا افضل ہے اور صاحبین یعنی ابو یوسف و محمد کے نزدیک دیگر صدقہ مانند اطعام وغیرہ کے افضل ہے ولیکن آیت میں قول ابو حنیفہؒ کے واسطے بخوبی دلیل ہے اس لیے کہ آیت میں ناک رقبہ کو اطعام پر مقدم فرمایا ہو خطیبؒ نے کہا کہ یہ زخشری نے کشاف میں ذکر کیا ہے۔ قولہ او اطعام فی یوم ذی مسغبۃ ابن کثیرؒ کی تفسیر میں ہے کہ ابن عباسؒ نے کہا کہ ذی مسغبۃ ای ذی مجاعۃ۔ یعنی بھوک کے دن میں کھانا کھلانا۔ یہی عکرمہ و مجاہد و ضحاک و قتادہ وغیرہم نے بیان کیا۔ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اُس کے معنی یہ بیان کیے کہ ایسے دن میں کھلاوے جس میں طعام کیاب ہو۔ قتادہؒ نے کہا کہ ایسے دن میں جس میں طعام کی خواہش ہو مگر حیم کہتا ہو کہ اس کا خلاصہ یہ ہے جس دن یتیم

یہ حضرت ابن عمر و عطاء وغیرہ جن سے یہ نفل کیا کہ عقبہ جہنم پر گھاٹی ہو انہیں سے کسی کی مراد یہ نہیں ہو کہ ایت میں عقبہ سے یہ گھائی مراد ہو بلکہ ان بزرگوں کا مطلب یہ ہو کہ نفس اگر یہاں ایسی طاعات ادا کرے جنکا بیان ایت میں ہے تو وہ جہنم کی اس گھاٹی سے پار ہوگا جیسے شریعت میں عذاب قبر سے نجات دینے والے اعمال مذکور ہیں اور جیسے بل صراط سے پار ہونے کے اعمال ہیں۔ اس طرح عقبہ کے واسطے اتمام مردانہ طریقہ سے چاہیے اور نفس کے دوسوہ و خطرہ کی پروا نہ کرے واضح ہو کہ جس وقت مکہ معظمہ میں ہجرت سے پہلے یہ آیات اور اسکے مثل نازل ہوئیں تو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور ایمان آخرت اور نفس کی پاکیزگی تعلیم کی گئی پس اپنے نفس کی خوشی کے واسطے کام نہو بلکہ اللہ تعالیٰ کے واسطے ہونا چاہیے اور یہ حکم ہمیشہ ہوتا ہے اور ہر ایسا انداز اپنے کاموں میں نظر بصیرت سے دیکھ سکتا ہو کہ اس کام سے اُسکی لیا غرض ہو اگر نفس کی خوشی بھی اس میں شامل ہو تو اُسکو پاک کرے مثلاً ایک شخص نے یہ قصد کرنا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ثواب الہی جل جلالہ کا تحفہ بھیجے تو ظاہر ہے کہ اسکو ثواب ملے تو یہ ثواب حضرت کے واسطے تحفہ بھیجے پس اُسکے نفس نے کہا کہ کھجور یا فرنی یا عمدہ کھانے بکوا کر ساکین کو تقسیم کرے اور اندر سے اسکا نفس مکاریہ نظر رکھتا ہو کہ لوگوں میں یہ معلوم ہو کہ فلاں شخص نے بھی ایسا کیا جسے ہمارے بیان ہوتا ہو اس مکر کو پہچانا بدو تو بنی الہی عز وجل کے غیر ممکن ہو اسکو چاہیے کہ خفیہ طور سے مساکین میں نقد تقسیم کر دے اور یہ کئی وجہ سے بہتر ہے از انجمله یہ کہ فرنی کے بیالے سے مسکین کا بھلا نہوا اور از انجمله یہ کہ بعض مسکین کو آج آٹا میسر ہے لیکن چار پیسہ کی سخت ضرورت ہو القرض جب خلوص نیت ہو تو نفس پر سخت ناگوار ہوگا۔ آیت کی تفسیر یہی ہو کہ جو ابن زید نے بیان فرمائی کہ قولہ تعالیٰ فلا تقم العقبہ۔ ایسی راہ نہیں چلا کہ جس سے نجات و خیر حاصل ہوتی پھر متنبہ فرمایا بقولہ تعالیٰ وما ادراک ما العقبہ اور تو نے کیا جانا کہ عقبہ کیا ہو۔ فک رقبۃ او اطعام فی یوم ذی سفیۃ۔ گردن آزا دکرنایا بھوک کے دن کھانا کھلانا۔ اگر کہا جاوے کہ کیا یہی عقبہ ہے (جواب) رازی نے کہا کہ یہاں مصنف محذوف ہے یعنی۔ اور ان اتمام العقیۃ فاقم العقبۃ۔ فک رقبۃ الخ یعنی تو نے کیا جانا کہ عقبہ کا اتمام کیا ہو۔ پھر بتلایا کہ اتمام یہ کہ گردن آزا دکرے۔ مترجم کہتا ہے کہ میرے نزدیک بہ ٹھیک نہیں ہو اور مصنف محذوف ماننے کی کچھ ضرورت نہیں ہے اسلئے کہ جو امر دشوار ہو وہ عقبہ ہو اور اتمام یہ کہ اسی امر دشوار پر عمل کرے پس امر دشوار کی مثال یہ کہ گردن آزا دکرنایا بھوک کے دن کھانا کھلانا پس اس عقبہ پر اتمام کرے۔ پس یہ دونوں کام خود عقبہ ہیں نہ اتمام عقبہ بلکہ اتمام یہ کہ ان دونوں پر بخیر و سوسوہ نفس کے عمل کرے اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی و ثواب کا قصد کرے امام رازی نے کہا کہ فک رقبۃ یہ کہ مملوک کو آزا دکرے اور یہ بھی صورت ہے کہ کسی نے اپنے غلام کو نوشتہ دیا کہ کمائی کر کے دس روپیہ ماہواری قسط کے حساب سے دو سو روپیہ مثلاً ادا کرے تو وہ آزا ہو اور ایسے مملوک کو مکاتب کہتے ہیں پس اس مکاتب کو اپنے پاس سے روپیہ دے تاکہ وہ ادا کرے اور آزادی حاصل کرے براہ ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ آپ مجھے ایسا کام بتلاؤ جس سے میں جنت میں داخل ہوں آپ نے فرمایا کہ نسیم آزا دکر اور فک رقبۃ کر اسنے عرض کیا کہ یا حضرت کیا یہ دونوں ایک ہی کام نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ نسیم آزا دکرنایا ہو کہ تو خود ایک مملوک کو آزا دکرے اور فک رقبۃ یہ کہ مکاتب کی مدد کرے تاکہ وہ اپنی گردن بھڑا دے۔ یہاں ایک وجہ دیگر ہے یعنی آیت بن فک رقبۃ کا حکم ہو اور سب سے اعلیٰ مقصد یہ ہو کہ اپنی گردن کو مؤخذہ و عذاب سے چھڑا دے یعنی ہمت کر کے ایسی عبادات عمل میں لاوے کہ اللہ تعالیٰ اس سے رضا مند ہو کہ عذاب سے آزا ہو فرماوے

واسطے آتا ہے اور یہ ظاہر ہوتا کہ ہر ایک بھی عقبہ ہی (دوم) یہ کہ مقصود کے خلاف غلط فہمی واقع ہوتی یعنی عقبہ کے معنی یہ سمجھے جائے کہ ان دونوں کاموں کو جسے پورا کرو یا وہ عقبہ سے تجاوز کر گیا کیونکہ عقبہ فقط انہیں دونوں کا نام ہے حالانکہ (او) یعنی (یا) کہنے سے مفہوم ہوا کہ اس سے عقبہ کی تفہیم مقصود ہو اور جو امور کارم اخلاق اور معالی آداب کے ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہیں اور نفس جو زمینی جبلت رکھتا ہو اس پر شاق ہیں اگر نفس سے اپنے عمل کو نیکو کہا جاوے تو اسکو اس قدر گراں گزرتے ہیں جیسے پہاڑ کی دشوار گزرا رکھائی کو طوکرنا شاق ہوتا ہو حالانکہ نفس کو حجت عالیہ میں وطن اسی وقت میسر ہو جب وہ اپنی پستی کی جبلت سے خارج ہو اور روح پاکیزہ کے ساتھ ہونیکے لائق ہو اور اگر اسے روح کو بھی اپنے ساتھ کر لیا تو ذلیل و خوار ہو اور حدیث صحیح میں ہے کہ جہنم ایسی چیزوں سے گھری ہو جو نفس کے شہوات ہیں (انکو جو چاہتا ہو) اور حجت ایسی چیزوں سے گھری ہو جو نفس کو ناگوار ہیں (الصالح) اگر کہا جاوے کہ عقبہ سے پار ہو کر حجت ہو تو کیا انہیں دونوں تک رقبہ و طعام کے بعد ہو حالانکہ ناز و غیرہ فرائض ہیں (جواب ہیشک ناز و روزہ وغیرہ جمیع فرائض لازم ہیں اور یہاں تک رقبہ و طعام کا ذکر تو فقط مالی زکوٰۃ کے ذیل میں ہے جبکہ انسان کا فرائض دنیاوی فرائض ناموری کے لیے مال کثیر برباد کر سکا دعویٰ کیا تھا اور عقبہ سے یہ مراد نہیں ہے کہ اس کے پار حجت ہو بلکہ عقبہ تو تشبیہ ہے کہ یہ کام نفس ایسے ناگوار و دشوار ہیں جیسے عقبہ کی راہ طوکرنا۔ ولیکن واضح رہے کہ دنیا میں نفس کے اندر ہر ایک چیز کا نمونہ موجود ہو جو عالم میں پیدا کی گئی ہو اسی واسطے تم نے اوپر معلوم کیا کہ حضرت ابن عمر و کعب احبار و حسن و قتادہ وغیرہم سے روایت ہے کہ عقبہ جہنم پر گھائی ہو۔ کعب احبار ایک عالم تھے جنکو قدرت و انجیل و انبیاء سابقین کے شرائع کا علم تھا اگرچہ وہ اس سے لاچار تھے کہ اہل کتاب نے جہان عام تحریف کر دی اور اسکا پتہ نہیں ملا کہ پہلے کیونکر تھا تو مجبور تھے اور انکے باپ بھی بڑے عالم تھے انھوں نے مرتے وقت اسے کہا کہ میں نے سب علم تمکو بتلایا سو اسے اس کے جو اس طاق میں مسدود ہو وہ تم میرے مرنے کے بعد کھود کر نکال لینا اور خبردار بہت ہوشیاری سے رکھنا بعد رسوم تغریث کے کعب احبار کہتے ہیں کہ میں نے کھودا تو بہت حفاظت سے اوراق ملے جن میں میرے باپ نے حضرت خاتم النبیین کا حال لکھا تھا اور سب اوصاف و فضائل جو انبیاء سابقین سے ملے تھے بیان کیے اور اہل کتاب کی تحریفات سے بھی اطلاع دی اور آخر میں یہ تاکید کی کہ ایسا نہو تجھے بعض جھوٹے مدعون سے دھوکا ہو کیونکہ یہود اور نصاریٰ نے تعصب کو دین بنا کر یہ چاہا ہے کہ خاتم النبیین کو اپنے بیان سے باہر بنائے دیں۔ بالکل طول واقعات کے بعد کعب احبار آخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ماتھے پر ایمان لائے۔ یہاں انکا قول اس لیے نقل کیا کہ اہل کتاب کے یہاں بھی یہ روایت موجود ہے کہ عقبہ جہنم پر گھائی ہو۔ واحدی نے اس پر اعتراض کیا کہ یہاں آیت کی یہ تفسیر اس سے نہیں ہو سکتی ہے تو ترجمہ کہنا ہے کہ اگر واحدی کی یہ مراد ہو کہ ان روایات سے آیت کی تفسیر مقصود ہو یعنی فلا تقم العقبہ میں عقبہ کی تفسیر ان اقوال سے مختلف ہے تو میں کہتا ہوں کہ یہ نہیں ہے اور بے شک آیت میں العقبہ کی یہ تفسیر نہیں ہو اور اگر مراد یہ ہے کہ کچھ تعلق نہیں ہے تو میں کہتا ہوں کہ تعلق واقعی ہو اور وہ گھائی ہو اور اس سے تجاوز کرنا نفس کو طاعات کے ساتھ حاصل ہوتا ہو اسی واسطے قتادہ نے اپنی روایت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی و طاعات کے ساتھ اس مہلک گھائی سے تجاوز کرنا اور اس بیان سے معلوم ہو گیا کہ امام رازی نے جو کچھ کہا تھا یعنی قولہ تعالیٰ فلا تقم العقبہ میں کہا کہ مفسرین کے دو قول ہیں۔ پھر ان دونوں قولوں کی تفصیل میں اس طرح لکھنا شروع کیا کہ بعض نے کہا کہ عقبہ سے آخرت کا عقبہ مراد ہو پھر اقوال نقل کیے تو یہ ٹھیک نہیں ہے

منقول ہیں لیکن متاخرین نے بزرگوں کا نام نکال کر مخشری وغیرہ متاخرین کا قول بنا دیا جیسے فقہ بن حضرت امام محمد بن حسن شاگرد امام ابو حنیفہ رحمہ کی کتاب میں مفقود ہو گئیں اور متاخرین کی تصانیف شایع کی گئیں۔ دیکھو امام رازی نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ فلا اتقوا العقبة الخ بیان ایک مشکل یہ ہے کہ مخبون کا قاعدہ بگڑا جاتا ہو جوتے ہیں کہ باطنی پر جب (لا) داخل ہوتا ہو تو بدون مکر کے کٹر مستعمل ہوا ہو اور مکر آتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ فلا صدق (لا) اصلی (جواب) کئی وجہ سے دیا گیا ہے

وجہ اول یہ کہ **سراج** رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بیان بھی (لا) بحسب المعنی مکر رہی کیونکہ فلا اتقوا العقبة کے معنی یہ ہیں کہ فلا - فک رقبۃ ولا اطعم مسکینا۔ کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ اتقوا العقبة کی یہی تفسیر مذکور ہے۔ علاوہ برین قولہ تعالیٰ ثم کان من الذین آمنوا۔ بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ یہ معنی ہیں کہ۔ فلا اتقوا العقبة ولا کان من الذین آمنوا (وجہ دوم) شیخ ابو علی النخعی نے کہا کہ قولہ تعالیٰ فلا اتقوا العقبة کے معنی یہ ہیں کہ فلم تقموا العقبة یعنی اتقوا اتقوا یعنی اتقوا اور جب (لا) مجھے دلم ہوتا ہو تو مکر دوسرا فعل نفی لا نا لازم نہیں ہو جیسے خود (لم) کے ساتھ مکر لا نا نہیں لازم ہوتا اور اگر کسی جگہ مکر آ جاوے جیسے لا صدق ولا اصلی۔ تو یہ ایسا ہے جیسے لم یسروا ولم یقتلوا الآية۔ میں ہے (تفسیر کبیر) مترجم کہتا ہے کہ یہ بیان البتہ شافی ہو اور اس میں چھیستان کے معنی حل ہو گئے جو سراج میں مذکور ہے۔ اب ایک امر باقی رہا کہ شیخ ابو علی نے لا اتقوا میں (لا) مجھے دلم قرار دیا تو اس پر کیا دلیل ہے۔ سراج میں لکھا کہ مجاہد سے روایت ہے کہ فلا اتقوا العقبة۔ دلالت کرتا ہے کہ (لا) مجھے دلم ہے۔ میں نہیں سمجھا کہ اس عبارت سے کیا مطلب نکلا۔ شاید نسخہ میں کاتب سے کچھ عبارت رہ گئی ہو اور میرے نزدیک دلیل یہ ہے کہ اس کلام پاک سے ارشاد مقصود ہے کہ اُسے مال کثیر اپنی حماقت کے کام میں تباہ کیا اور اتقوا عقبة نہ کیا اور نہ اتقوا ایمان لایا تو اس مال سے کچھ ثواب نہ پاویگا بلکہ حساب لیا جاویگا اور وبال اٹھاویگا تو اس کو لازم ہے کہ اب ایمان لاوے اور اتقوا عقبة سے جہنم کے پار ہو۔ اسطرح قولہ فلا صدق ولا اصلی۔ میں اس وقت تک کا ذکر حال مذکور ہے تاکہ تکذیب وغیرہ چھوڑ دے واللہ تعالیٰ اعلم واضح ہو کہ اتقوا عقبة سے یہ مراد کہ انسان مردانہ ہمت سے بزرگ کاموں پر اقدام کرے اور اپنے نفس کیلئے کو مغلوب کر کے دنیاوی مال و متاع سے اور کل ایسے کاموں سے جن کا مرجع فقط دنیا تک ہو باہر نکل جاوے اور چونکہ دنیا پست و ذلیل ہے تو پستی سے خارج ہونے کے لیے پہاڑ پر چڑھ کر بلند ہوگا اس لیے عقبة کا اتقوا فرمایا اور اس کی تفسیر بلند ہمت کاموں سے ہے۔ اگر کہا جاوے کہ آمیزہ تفسیر مذکور ہے یعنی فک رقبۃ و اطعام فی یوم ذی سبۃ یعنی مملوک کی گردن ازا کرنا یا بھوک کے دن میں کھانا کھلانا۔ تو کیا ان میں سے کوئی ایک کام عقبة ہے اس لیے کہ صرف (یا) سے یہ وہ کوئی بات ہو۔ (جواب) متہرجم نے موجودہ تفاسیر میں نہیں دیکھا کہ کسی عالم نے اس سوال و جواب سے تعرض کیا ہو سوائے اسکے کہ رازی نے واحدی سے صرف اس قدر نقل کیا کہ عقبة کی یہ تفسیر ہے اور میں بتوفیق اللہ سبحانہ تعالیٰ لکھتا ہوں کہ یہ دونوں کام عقبة ہیں کیونکہ نفس کو نکالنا اور حرف (او) جس کا ترجمہ (یا) ہوتا ہے اس سے یہ مطلب نہیں ہے کہ فک رقبۃ یا اطعام ان دونوں میں سے ایک ہی عقبة ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ ان دونوں کاموں میں سے جو نیکی بجا لاوے اس عقبة سے پار ہونے میں کافی ہو اور دونوں بھی عقبة ہیں لیکن (واو) جس کا ترجمہ اور۔ ہوتا ہے بیان نہیں فرمایا اس میں دو فوائد ظاہر ہیں (اول) یہ کہ اگر فک رقبۃ و اطعام۔ بواو ہوتا تو ظاہر یہ ہوتا کہ یہ اور وہ دونوں ملکر عقبة ہیں اس لیے کہ (واو) جمع کرنے کے

آزاد کرانے میں اور مساکین کو طعام کھلانے میں مشقت کیوں نہ اٹھائی جو اسکے کام آتی اور یہ مال برباد نہ ہوتا۔ یہی معنی فتادہ
 نے بیان کیے ہیں۔ بعض نے کہا کہ گناہوں کے بوجھ کو گھاٹی سے تشبیہ دی ہے تو جب ایسے گنہگار نے فک رقبہ و اطعام کیا
 گناہوں کا کفار ہو گا گویا وہ دشوار گھاٹی سے پار اتر گیا (السراج) امام رازیؒ نے لکھا کہ مفسرین نے یہاں العقبہ کی تفسیر میں دو
 وجہیں بیان فرمائی ہیں (اول وجہ) یہ کہ عقبہ مذکور در حقیقت آخرت میں ہے عطاء رح نے کہا کہ اس سے مراد آخرت میں جہنم کا
 عقبہ ہے کلبی نے کہا کہ یہ جہنم و جنت کے درمیان ایک عقبہ ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ یہ جہنم میں ایسی گھاٹی ہے کہ اُس پر
 پاؤں پھسلتے ہیں۔ مجاہد و ضحاکؒ نے کہا کہ عقبہ یہی بل صراط ہے جو جہنم پر ہے رازیؒ نے کہا کہ کلبیؒ کے قول کے بھی یہی معنی ہیں
 و احمدیؒ نے کہا کہ یہاں اس تفسیر میں تامل ہے اس لیے کہ قولہ تعالیٰ فلا تقم العقبۃ کے معنی یہ ہیں کہ اس انسان نے عقبہ کا اقامت
 نہیں کیا۔ پس اگر عقبہ سے یہ عقبہ جو آخرت میں ہے بیان مراد ہو تو یہاں سے کیا فائدہ ہوگا کیونکہ یہ تو خوب معلوم ہے کہ
 اس انسان نے اس عقبہ سے تجاوز نہیں کیا بلکہ اس انسان پر کیا موقوف ہے بالفعل کسی انسان نے بھی تجاوز نہیں کیا ہے مترجم کہتا ہے
 کہ آیت سے تو کافروں کو ہدایت مقصود ہے اور کفار اس عقبہ کو بالکل نہیں پہچانتے ہیں تو پھر کیونکر انکو ملاست ہوگی۔ م۔ علاوہ
 اسکے آگے خود فرمایا۔ وما ادراک ما لعقبۃ فک رقبۃ الخ یعنی عقبہ کو تو نے کیا جانا یہ وہ گردن آندا کرنا اور طعام دینا الخ۔ پس
 عقبہ کی تفسیر خود مذکور ہے (کبیر) امام ابن کثیرؒ نے لکھا کہ امام ابن جریرؒ نے کہا کہ حدیثنا عمر بن اسمعیل الخ۔ یعنی ابن جریرؒ نے
 بطریق ابن عطیہ روایت کی کہ ابن عمرؓ نے کہا کہ العقبہ جہنم میں ایک پہاڑ ہے جس پر پاؤں پھسلتے ہیں۔ کعب احبارؒ نے کہا
 کہ وہ جہنم میں ستر درجہ (زینے) ہیں۔ حسن بصریؒ نے کہا کہ جہنم میں ایک گھاٹی ہے۔ فتادہ رح نے کہا کہ یہ عقبہ مہلک اللہ تعالیٰ
 کی بندگی کے وسیلہ سے اس سے پار اترنا اور بندگی کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے بتلادیا کہ فک رقبۃ اور اطعام ہے۔ ابن زبیرؒ نے کہا کہ قولہ تعالیٰ
 فلا تقم العقبۃ یعنی ایسی راہ کیوں نہیں چلا جس میں اسکی بھلائی اور نجات تھی پھر اللہ تعالیٰ نے ہم کو متنبہ کر دیا کہ راہ فک رقبۃ
 اطعام ہے ابن کثیرؒ نے کہا کہ فک رقبۃ۔ میں دو قرأتیں ہیں (فک رقبۃ) یعنی اصافۃ کے ساتھ۔ فک رقبۃ۔ یعنی فک
 فعل ماضی بضمیر فاعل ہے اور رقبۃ منفعول ہے (چھوڑا یا اُسے گردن کو) اور دونوں قرأتوں کے معنی قریب قریب ہیں اقول
 اسطرح آگے۔ اطعام۔ کی جگہ۔ اطعم۔ فعل ماضی ہے اور اکثر ماضی پر (لا) مکرر آتا ہے جیسے فلا صدق ولا صلی۔ تو یہاں بھی فلا فک
 ولا اطعم۔ مکرر ہو گیا۔ اور اکثر کی قرأت میں فک و اطعام مصدر ہے تو فلا تقم۔ ماضی کی تکرار بحرف (لا) نہیں ملتی بلکہ قولہ تعالیٰ
 ثم کان من الذین آمنوا۔ بمنزلہ قولہ ثم (لا کان من الخ) ہے یعنی نہ تو اسنے عقبہ پر اقامت کیا اور نہ وہ مومنین میں سے تھا نہ بخیر
 نے کہا کہ ماضی پر (لا) بحسب المعنی مکرر موجود ہے کیونکہ معنی یہ ہیں فلا تقم العقبۃ فلا فک رقبۃ ولا اطعم مسکینا۔ کیا نہیں دیکھتے ہو کہ
 فلا تقم العقبۃ۔ کی یہی تفسیر فرمائی کہ لا فک رقبۃ ولا اطعم مسکینا ابو حیان اندلسیؒ نے کہا کہ یہ تقریر اُس وقت بن سکتی ہے کہ فک و
 اطعام مصدر ہوں اور ماضی کی قرأت پر یہ تقریر نہیں بن سکتی ہے کیونکہ یہ عقبہ کی تفسیر ہے یہاں دو سراط لفظ جواب یہ ہے کہ (فلا)
 یعنی (فلم) ہے چنانچہ مجاہدؒ سے روایت ہے کہ قولہ تعالیٰ ثم کان من الذین آمنوا۔ اے ثم لم یکن من الخ۔ تو معلوم ہوا کہ (فلا) معنی
 میں (فلم) ہے یعنی نہ اُسنے اقامت عقبہ کیا اور نہ ایمان لانے میں داخل ہوا اور (لم) کا مکرر لانا واجب نہیں ہے اور اگر
 مکرر آوے تو بامند قولہ تعالیٰ لم یسر فوالم یقرءوا ہوگا (السراج) مترجم کہتا ہے کہ یہ سوال و جواب علماء متقدمین سے

اٹھنا بھی دشوار ہو بیانِ تفسیر و اقوالِ مفسرین اللہ تعالیٰ نے ایسے بے ایمان لوگوں کی مذمت فرمائی جو اللہ تعالیٰ اور
 وارِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں بلکہ دنیا کے واسطے اپنی ہوا و ہوس کے موافق کام کرتے ہیں اور ساری عمر محنت و نفس ہی کی خوشی
 کے مطابق خرچ کرتے ہیں اس جنس کے انسان کا حال بیان فرمایا کہ وہ کہتا ہو کہ میں نے مال کثیر ہلاک کیا یعنی خرچ کیا اور حقیقت
 میں یہ اُسے برباد ہی کیا ہو کیونکہ اُسے دنیاوی ناموری و فخر و خوش حرکات میں اٹھایا ہو اور اللہ تعالیٰ نے اُسکو ہوش و حواس بھی
 دیے تھے اور نیک راہ و بد راہ بتلا دی تھی تو اس بد بخت کے واسطے کچھ عذر نہیں ہو نہ وہ عقبہ سے (گھائی سے) پار ہوا اور نہ مومن
 خوش خلعت تھا خطیب نے لکھا کہ عقبہ (گھائی) کا ذکر ایک مثل کے طور سے ہے کہ نفس و خواہش و شیطان کے ساتھ جدوجہد
 کوشش کرنا ایسا ہی جیسے دشوار گزار گھاٹی سے پار ہونا اقول کیونکہ آدمی کا نفس اسی خاکی ترکیب سے بنا ہوا ہو تو اسکی ذات ہی
 ہو کہ زمین سے الفت رکھے اور انسان کی خواہش انہیں چیزوں سے متعلق ہو اور شیطان بے شبہ انسان کا دشمن ہو تو نیک راہ
 کے نیک اعمال کرنے میں یہ پزیرین اُسکے مخالف ہوتی ہیں اور ان میں سب سے زیادہ سخت اُسکا نفس ہو کیونکہ انسان کی ترکیب
 میں جسم و روح دو جز ہیں اور روح یہاں خلاف بدن میں مستور ہے اور جسم ظاہر ہے تو انسان جب تک ایمان سے بے نصیب ہے
 جاہل ہو تب تک وہ نفس سے مخالفت کرنے کو سمجھ نہیں سکتا کیونکہ سمجھانے والا خود اسکا دماغ ہے تو گویا نفس اپنے آپ ہی
 اپنا مخالف ہوا سیوا سطرے کفارِ مخیر ہوتے ہیں انکا نفس انکو اپنے تحت میں مغلوب رکھتا ہو لیکن حدیث سے ثابت ہو کہ اللہ تعالیٰ
 نے ہر شخص کے دل میں ہادی رکھا ہو پس اگر اس ہادی کے جانب توجہ کرنا تو اپنے نفس کی غلامی سے چھوٹ جاتا ہو لیکن یہ اللہ تعالیٰ
 کی مشیت پر موقوف ہو۔ اور جیسے فرشتہ قوت اُسکو ہدایت کرتی ہو ویسے ہی ہزار دی قوت شیطانیدہ اُسکو بہکاتی ہو اور جس بندے
 نے اللہ تعالیٰ کے کلام پاک سے اپنا آغاز و انجام سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت نے اُسکو نقطہ سے بنایا ہو یہاں تک کہ اُسکو بڑا آدمی
 کر دیا تو صاف ظاہر ہے کہ اب وہ خود مختار نہیں ہو بلکہ قدرت کے قبضہ میں ہے اور ایک دم بھی اُس سے جدا نہیں ہو سکتا تو بندہ جس
 کمائی کو چاہتا ہو قدرت کا ملہ اُسکو پیدا کر دیتی ہو۔ یہ شان اس کا رگاہ امتحان میں اسطرح ظاہر ہو حتیٰ کہ بعد موت کے اُسکو کچھ بھی اپنی
 قدرت کا شبہ باقی نہ رہیگا چنانچہ قولہ تعالیٰ لا یتکلمون الا من اذن لہ الرحمن الا یہ سورہ عم یسیاء لون کی تفسیر میں مفصل بیان
 ہو چکا ہو اسی سے مراد جو فی الحقیقت آخرت میں زندہ ہو کچھ بھی کمائی نہیں کر سکتا ہو اور پیغمبروں کی ناز و بان کمائی نہیں ہو چنانچہ
 بالاتفاق علماء نے اُسکو واضح بیان کیا ہے بلکہ یہ لذت مشاہدہ ہو۔ تو جب کلام پاک سے اُس نے سمجھ لیا کہ میں یہاں خود مختار نہیں
 ہوں تو وہ التجا کرے جیسے حدیثوں میں دعائیں آئی ہیں کہ اے نبی میں تجھے نیکی کی توفیق مانگتا ہوں جیسے تو نے اپنے صاحبزادے کو
 عطا فرمائی ہو۔ اس التجا سے اُسکے واسطے وہ کمائی حاصل ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے انشاء اللہ تعالیٰ
 اور یہی اسلام ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی میں الوہیت نہیں ہے اور جس مشرک نے گزرے ہوئے پیغمبروں و بندوں وغیرہ
 سے التجا کی اور مراد مانگی تو یہ اُسکی کمائی ہو جو اس طریقے سے اُسکو عطا ہوئی ہو اور یہ نہیں ہو کہ اُن بزرگوں نے اُسکو دیدی لیکن
 مشرک اپنی غلطی میں پڑا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی ہدایت فرمانے والا ہو خطیب نے لکھا کہ جب قبیلہ تعالیٰ فلا فتم لعقبہ
 بطور مثل کے قرار دیا جاوے یعنی نیک کام کرنے والا بمقامِ بد نفس و شیطان کے گویا دشوار گزار گھاٹی طو کرنے والا ہو کہ مسافت
 کے ساتھ اسپر چڑھتا ہو۔ گویا اللہ تعالیٰ نے دنیا کے واسطے نفس کے تابعدار کو ملامت کی کہ اُس نے غلاموں کی گردنیں

کی دشواری و سختی ہو۔ قولہ نک۔ چھڑانا جیسے نک رہن۔ یعنی مردوں چیز کو چھڑانا۔ رقبہ گردن۔ فتح ہو کہ نک رقبہ یعنی گردن چھڑانا۔ اس سے یہ مراد ہے کہ جو مرد یا عورت کیسکی ملوک ہو اسکی گردن چھڑانا اور ہمیں لطف اشارت ہے کہ انسان حقیقت اصل میں آزاد ہے اور گرفتار و مملوک ہو جانا اس سرکش کا فرک سنرا ہے جسے اللہ تعالیٰ سے کفر کیا اور یہاں تک سرکشی کی کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی توحید و عبادت کرنا چاہتے تھے اُسے عداوت کی حتیٰ کہ اُنکو مساجد میں نماز و ذکر سے منع کیا اور طرح طرح کی ایذا دینے کے درپے ہوئے حتیٰ کہ سیرجی کے ساتھ بچے تک قتل کر ڈالے پس اللہ تعالیٰ نے اپنے مومنین بندوں کو قتال کی اجازت دی اور اُنکی نصرت فرمائی پس بعد فتح کے سرکش کا فزون کو اُنکی ملک میں لونڈی غلام بنا دیا لیکن آیات قدسیہ میں یہ ارشاد ہے کہ جب اُنکے جال چلن اچھے نظر آدین تو اُنکو آزاد کرے میں ثواب عظیم ہے اور عنقریب اسکا بیان آتا ہے قولہ اطعام کھانا کھلانا۔ فی یوم ذی سبغہ۔ بعض قراءت میں ذی سبغہ۔ آیا ہے تو یہ مفعول اطعام ہے یعنی کھانا دینا مسختہ والے کو سبغہ بھوک میں مبتلا ہونا۔ یعنی بھوکے کو کھانا دینا۔ پھر ذی سبغہ۔ کا بدل ہے تیما ذی مقربہ۔ اور مسکینا ذی مقربہ۔ یتیم کی ظاہر حالت یہی ہے کہ بھوکا ہو جبکہ اُسکا باپ نہیں ہے یا ماں باپ دونوں نہیں ہیں۔ اور ستوا تر قراءت میں۔ فی یوم ذی سبغہ ہے (یوم کی صفت ذی سبغہ) ہے یعنی ایسا دن کہ وہ بھوکا ہو اور یہ مجازی محاورہ لطیف ہے اور مراد یہ کہ دن ایسا ہے کہ جس میں طعام کیاب ہے تو ظاہر ہے کہ ایسے دن میں طعام کھانا یتیم کو اور مسکین کو ثواب عظیم ہے کیونکہ اس کے نفس پر طعام دینا گران ہوگا اور جنکو دیگا یعنی یتیم و مسکین وہ خود محتاج و بھوکے ہیں کیونکہ یہ دن محتاجی و بھوک کا دن ہے۔ اس قراءت کی بنیاد پر یہ سوال نہیں ہو سکتا کہ یتیم کے واسطے بھوکا ہونا ضروری نہیں ہے مثلاً ایک شخص مرا اور بال بچوں کے لیے مال کثیر چھوڑا ہے تو اول قراءت یعنی (ذی سبغہ) کی قراءت پر یہ سوال ہوتا تھا کیونکہ یوم ذی سبغہ میں یہ پہلے ہی معلوم ہو گیا کہ محتاجی کے دن میں یتیم و مسکین ضرور محتاج ہے۔ اگر کو کہ کیا یہ شرط ہے کہ تیما ذی مقربہ ہو۔ یعنی یتیم صاحب قرابت ہو (جواب) یہ شرط نہیں ہے بلکہ مشرک کو اس کے بد طریقے پر ایسے حسن اسلوب سے عار دلانا منظور ہے کہ اسکو بخوبی اپنا بڑا چلن کھل جاوے کیونکہ وہ کہتا تھا کہ اہلک مالاً لایبدا۔ میں نے بکثرت مال خرچ کیا حالانکہ اُس کے خرچ کا طریقہ فخر و ناموری وغیرہ میں تھا جیسے اس زمانہ میں تم دیکھتے ہو کہ لوگ مال کما تے ہیں اور حرام و حلال اور ظلم و جور اور رشوت وغیرہ سب طرح سے جمع کرتے ہیں اور خوشی کے رسوم یعنی شادی و ختنہ اور چٹائی و دودھ بڑھائی و منت وغیرہ میں اور اسبطر ح غنی کے رسوم یعنی تیجہ و دسوان و جہلم و برسی و مجلس وغیرہ میں بکثرت خرچ کرتے ہیں اور ہر ایک رسم میں نیت ناموری پھر تراشا باجا اور تاج رنگ لازم ہیں اور تقسیم طعام عموماً تو مکر دن اور ریسوں کے بیان بفت رنگ طعام ٹہرنے تکلف سے جاتے ہیں اور غریب و مسکین کے واسطے اول تو گھر کی دھڑکی ہوا اور بکرا بہت اگر دیا گیا تو کبھی وہی دو ایک روکھی سوکھی روٹیاں یا چھوٹی تڑیاں یا مین ہدی کے پانی میں ایک قاش ترکاری ہو۔ الغرض یہ لوگ مال کثیر خرچ کرنے میں ناموری و فخر چاہلانہ کے طریقے سے دنیا کے لیے برباد کرتے ہیں حالانکہ اسکے محلہ میں بیچارہ یتیم بھوک سے بے چین ہے یا اسکی دیگ کی خوشبو سونگھ کے اسیدوار تھا آخر ترس کے رہ گیا کیونکہ اُس کے کھلانے میں یا اُس کے واسطے بخرہ حصہ بھیجنے میں کچھ نام نہ تھا اس لیے وہ بیچارہ محروم رکھا گیا اگرچہ یتیم اُس کے قرابتی لوگوں میں سے ہو۔ یعنی یہ زیادہ تر قبیح ہے اسبطر مسکین بھی اسی وجہ سے محروم رکھا جاتا ہے اگرچہ وہ بیچارہ اس قدر حال ہو کہ زمین سے

یہاں سے انسان مغرور پر حجت حق قائم کی کہ اللہ تعالیٰ نے اُسکو تندرستی و حواس و نعمت بے قیاس عطا فرمائی اور
 دو وزن راہن اُس سے بیان کیں اور اپنے حبیب خاص رسول اللہ خاتم النبیین رحمۃ للعالمین کی ہدایت سے سرفراز
 فرمایا تو پھر اُسکے لیے کیا عذر ہے کہ اُسے مال کثیر برباد کیا۔ اگر وہ جاہل بھی تھا تو آخر اسکی کیا وجہ ہے کہ اُس نے اختیار کیا تو دونوں
 راہوں میں سے بد راہ کو اختیار کیا۔ **فَلَا أَقْتَحِمُ الْعُقَبَةَ**۔ اور مثلاً **أَقْتَحِمُ الْعُقَبَةَ** فجاز ہوا۔ پھر کیوں نہیں اتمام کیا
 اُسے عقبہ کو ف تا کہ بار ہو جاتا۔ یعنی بد راہ کیوں اختیار کی اور کیوں نہیں اُسے اپنا مال کثیر ایسی راہ میں خرچ کیا
 جس سے وہ عقبہ سے پار ہو کر جنت میں پہنچ جاتا اور وہ اس طرح کہ ملوک انسان کی گردن چھڑانے میں دنیا اور قرابتی یشیم کو اور
 مطلقاً مسکین کو کھانا دیتا۔ یہ کیوں نہ کیا اور اسکو چھوڑ کر نعمت دینے والے کی ناشکری کی اور نعمت برباد کی۔ خلاصہ یہ کہ ایسی
 راہ میں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلکہ شایستہ بندوں کے نزدیک پسندیدہ ہو مال خرچ کرنا البتہ نیک و عند اللہ محبوب ہو
 اور یہ نہیں کہ مال کثیر کو فخر و ریاء اور ہوا و ہوس میں خرچ کرے کیونکہ یہ برباد ہے (السراج) **وَمَا آذَنُكَ مَا الْعُقَبَةُ**
 اور تو نے کیا جانا کہ عقبہ کیا ہے ف اُسکی شان عند اللہ سبحانہ بزرگ ہے پھر اسکو بیان فرمایا بقولہ تعالیٰ **فَلَقَدْ رَقَبْتَهُ**
 گردن کو چھڑانا ف یعنی عقبہ نیک امور ہیں جو نفس پر گران ہیں جب انکو عمل میں لایا تو عقبہ پورا کر لیا پس لامحالہ
 پار ہو گیا اور سبزہ زار جنت میں پہنچ گیا۔ پس عقبہ میں سے ایک یہ کہ فک رقبہ کرے یعنی اپنے جنس انسان میں جو لوگ گرفتار
 رقیبت ہیں اُنکی گردن آزاد کرادے اس طرح کہ وہ جسکی ملک میں ہے اُسکو تمیت و بکرا زاد کرادے اور اگر اپنی ملکیت میں ہو تو آزاد
 کر دے **أَوْ أَطْعَمُ فِي يَوْمٍ مِّنْ ذِي مَسْعَبَةٍ** اور مجاہدہ۔ **يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ**۔ یا کھانا کھلانا بھوکے دن میں
 یشیم صاحب قرابت کو ف یعنی عقبہ۔ فک رقبہ ہے یا بھوک کے دن قرابتی یشیم کو طعام دینا۔ **أَوْ مِسْكِينًا**
ذَا مَقْرَبَةٍ۔ یا مسکین خاکسار کو طعام دینا ف دوسرے۔ جسکے پاس کچھ نہیں ہے یا غایت محتاجی سے وہ خاک
 سے مل گیا ہو دوسرے خاک آلودہ۔ گویا سوائے خاک کے اُسکے لیے ٹھکانا نہیں ہو۔ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما میں آنحضرت صلی اللہ علیہ
 وسلم سے آیا کہ امتیۃ وہ جو گھورے میں پڑا رہتا ہو (ابن مردویہ) **ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا**
بِالصَّيْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ۔ پھر ہوا اُن لوگوں میں سے جو ایمان لائے اور باہم ایک نے دوسرے کو
 صبر کی وصیت کی اور باہم دوسرے کو مرحمت کی وصیت کی ف یہ عطف ہو فلا اقم۔ پر یعنی کیوں نہیں گھس پڑا
 عقبہ پر پھر کیوں ہوا مومنین میں سے مترجم کہتا ہو کہ مطلب آیات کا معلوم ہو گیا۔ ابین مفردات کے معانی بیان کروں اور
 سلف رضی اللہ عنہم کی تاویلات ذکر کروں اُسکے بعد ان روایات سے مطالب نکالنا بیان کروں۔ قولہ فلا اقم عقبہ
 اتمام کے معنی میں رازیؒ نے لکھا کہ اتمام کسی سخت کام میں داخل ہو جانا۔ فم ایسے امور جنہیں جان کا خطرہ ہو (اکبیر)
 اتمام بغیر سوچے کسی کام میں گھس پڑنا۔ عرب بولتے ہیں کہ فم فی الامر۔ بے سوچے اس کام میں گھس پڑا (الفخ) میں
 کہتا ہوں کہ اس عبارت میں یہ بھی کہنا چاہیے کہ وہ کام بھی عظیم ہو اور اگر خفیف کام ہو جیسے کھانا کھانا دیر کرنا وغیرہ جس میں
 نفس پر کچھ گرانی و دشواری نہیں ہو تو اتمام کا استعمال نہیں کرتے مثلاً اقم الاکل۔ کھانے میں گھس پڑا۔ ہ۔ یہ محاورہ نہیں
 ہر رازیؒ نے صاف کہا کہ امور عظام ہوں۔ قولہ تعالیٰ عقبہ۔ پہاڑ کا دشوار گزار راستہ یعنی جسکو طے کرنے میں اتار چڑھاؤ

آسان کر دی۔ یہ اپنے اول تو مان کے پیٹ سے دنیا میں آنے کی راہ اُس بچہ پر آسان کی کہ خود بخود سر کے بل اوڑھتا ہو کر نکل آتا ہو
 پھر دنیا میں اُسکی زندگی دودھ سے تھی اور بچہ کو دودھ پینے کا طریقہ سکھانا غیر ممکن تھا اللہ تعالیٰ ہی اُس کو
 ہدایت فرماتا ہے کہ وہ پیدا ہونے کے بعد خود بخود زبان و تالو کے دباؤ سے اوپر کو ایسے معتدل طریقے سے لٹختا ہے کہ
 دودھ نکل آتا ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہو ابن کثیرؒ نے لکھا کہ قال ابن ابی حاتم حدثنا احمد بن عسماۃ الانصاری حمد ثنا
 ابو احمد الزبیری حدثنا عیسیٰ بن عفان عن ابیہ عن ابن عباسؓ فی قولہ ویدہا الخجذین قال الثیرین۔ یعنی ابن عباسؓ نے الخجذین کی
 تفسیر دونوں پستان سے بیان کی مگر ہم نے نہیں جانا کہ عیسیٰ بن عفان کیسے راوی ہیں اور شاید نسخہ میں سہو ہو۔ ابن ابی حاتم
 نے ربیع بن خثیم و قتادہ و ابو حازم سے بھی اسکے مانند روایت کی اور امام ابن جریرؒ نے بھی عیسیٰ بن عفان کی روایت کو
 ابو کریب الہمدانی سے اسناد کیا پھر لکھا کہ الخجذین کی صحیح تفسیر وہ ہے جو اول مذکور ہوئی یعنی الخجذین سے طریق الخجذ و طریق الشہر
 ہے بالجمہ موافق تقریر مترجم کے حاصل یہ ہوا کہ کافر مدعی ہوا کہ میں نے مال کثیر برباد کیا بھلا کیا یہ گمان ہو کہ کسی کو اُسپر قدرت
 نہیں ہے جو اُس سے مطالبہ کرے گا بھلا اسکو کیا یہ گمان ہو کہ کسی نے اُسکو دیکھا نہیں ہے یہ خیال اُس کا
 عین جہالت ہے اللہ تعالیٰ نے سب دیکھا اور ضرور اُسکو پیدا کر کے مطالبہ کرے گا۔ حدیث میں ہے کہ
 قیامت کے روز کسی بندے کے ہاتھوں اپنی جگہ سے ہٹنے نہ پاوینگے جب تک یہ نہ کہ اُس سے پوچھا جاوے
 چار باتوں کا حال اُسکے جسم کا حال کہ کس کام میں اسکو محنت میں ڈالا تھا اور اُسکی عمر کا حال کہ کس خیال میں اسکو
 فنا کیا اور اُسکے مال کا حال کہ کہاں سے کمایا اور کس جگہ خرچ کیا۔ ایک روایت میں زائد ہے کہ اُسکے علم کا
 حال کہ اُس سے کیا عمل کیا ہو۔ اس طرح مجھے یہ مضمون یاد ہے واللہ تعالیٰ غفور حلیم۔ پس کافر بھی اس مطالبہ سے
 نہیں بچ سکتا ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُسکو جو اس دیے اور نیک راہ اور بد راہ دونوں اُس کو بتلا دیں پھر کیوں آئے
 رسول اللہ سے انحراف کیا بلکہ اُس نے کیوں بد طریقہ اختیار کر لیا اور نیک راہ کیوں نہ اختیار کی لہذا فرمایا۔
 فَلَا اقْطَعُ الْعُقَبَةَ ۖ وَمَا آذَرَ لَكَ مَا الْعُقَبَةُ ۖ فَكَ رَقِیۡتَ ۖ اَوْ اِطْعَمُ
 سو نہ ہک سا گھائی پر اور تو کیا بوجھا کیا ہو وہ گھائی چھڑانا گردن کا یا کھلانا
 فِیْ یَوْمِ ذِی مَسْعَیۡہِ ۖ یٰۤاٰمَنُوۡا ۖ اَوْ مَسْکِیۡنَا ۖ اَمْ اَمَّا تَرَبَّیۡتُمْ ۖ ثُمَّ
 بھوک کے دن بن باپ کے لڑکے کو جنانے والے یا محتاج کو جو خاک میں ملتا ہے پھر
 کَانَ مِنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوۡا بِالْمَرْحَمَةِ ۖ اُولٰٓئِکَ
 جو تقید کرتے ہیں سہارنے کا اور تقید کرتے ہیں رحم کھانیکا وہ لوگ ہیں
 اَصْحَابُ الْمِیْمَنَةِ ۖ وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یَاۤتِیۡنَاھُمْ اَصْحَابُ الْمَشْأَمِ ۖ
 بڑے نصیب والے اور جو مسکر ہوے ہماری آیتوں سے وہ ہیں کم بختی والے
 عَلَیْھِمۡ نَارٌ مُّوَصَّدَةٌ ۖ
 انھیں کو آگ میں سوندا ہے

علم حاصل کیا تھا پر خلاف انکے جو کوئی ایسے وقت حاضر ہوا جب صحابی اپنے شاگردوں کو قرآن مجید پڑھاتا تھا اور اُس نے کچھ سن لیا تو اُسکی روایت پر اعتماد نہیں کرتے تھے اور سنان بن سعد کی روایت میں یہ مطلب ہو کہ النجدین دور است بین ایک راستہ نیک ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین کر کے سب کھانا پینا وغیرہ اُسکے نام پر ہوا اور اُسی کی طرف مرجع ہو اور دوسرا راستہ بد ہے یعنی جو راستہ کہ توحید کے سوا ہے ہو وہ بد ہو اور انجام اسکا جہنم میں ہے پھر اللہ تعالیٰ آیات میں انسان کو ملامت فرمائی کہ ہم نے اسکو ہوش و حواس دیے اور دونوں راہیں بتلائی ہیں پھر کیوں اُس نے بد راہ اختیار کی اور کیوں نہیں نیک راہ میں مال خرچ کیا۔ م۔ قال ابن جریر حدیثی یعقوب حدیثا ابن علیہ عن ابی رجا قال سمعت الحسن الخضری نے اللہ تعالیٰ کا کلام و بدیناہ النجدین پڑھ کر کہا کہ ہم سے ذکر کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اے لوگو یہ دو جہد ہیں (دو طریقے ہیں) ایک طریق خیر ہے اور دوسرا طریق شر ہے پھر کس چیز نے طریقہ خیر چھوڑ کر طریقہ شر اختیار کرنا تم کو پسند کر دیا ہے۔ قال الحافظ اسی طرح ایک جماعت علماء حفاظ نے اس حدیث کو حسن بصری رحم سے مرسل روایت کیا ہے اور حسن بصری کی طرح قتادہ نے بھی اسکو مرسل روایت کیا (ابن کثیر رحم) را زمی رحم نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ الم یجعل لہ عینین الخ اللہ تعالیٰ نے اس سے اپنی کمال قدرت پر دلیل بتلائی اور ان اعضا کے عجائب امور کو علماء تشریح نے خوب بیان کیا ہے مترجم کتا ہے علماء تشریح سے غرض وہ اطباء ہیں جو بدن انسان کے اعضا کی شرح کرنے والے ہیں اور میں کتا ہوں کہ ان لوگوں نے اگرچہ بہت واضح بیان کیا لیکن ہر عامی جاہل شخص خود اپنی ذات میں انکے عظیم فوائد ایسے دیکھتا ہے کہ ذرا سی غور میں اسکو اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت کی قدر کھل جاتی ہے را زمی رحم نے کہا کہ علماء لغت نے کہا کہ نجد اونچائی میں راستہ ہو اور یہاں دونوں طریق کو نجد اسلئے فرمایا کہ سب ایک راستہ کو واضح طور سے بیان کر دیا تو گویا اونچائی کا راستہ کر دیا کہ ہر ایک سمجھ و عقل اسکو صاف دیکھ سکتی ہو جیسے اونچائی کا راستہ آنکھوں کو صاف نظر آتا ہے۔ عامہ مفسرین رضی اللہ عنہم نے اسی تاویل کو لیا ہے کہ نجدین سے راہ خیر اور راہ شر مراد ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو ہی راستہ ہیں خیر کا راستہ اور شر کا راستہ پس ایسا نہ ہونا چاہیے کہ خیر کے راستے سے بڑھ کر تم کو شر کا راستہ پسندیدہ ہو اس آیت کی نظیر قولہ تعالیٰ انا ہدیناہ السبیل اما شکر ایا ما الکفورا۔ یعنی ہم نے انسان کو ابجا کر کے اسکو شکر اور کفر ہر ایک کی راہ بتلا دی کہ چاہے وہ شکر مومن ہو اور چاہے ناشکر کافر ہو یعنی جو راہ اختیار کرے گا وہی پاوے گا۔ حسن بصری رحم نے کہا کہ قولہ تعالیٰ یقول اہلکت مالک البدا یعنی کافر کتا ہے کہ میں نے بکثرت مال تباہ و برباد کیا پھر مجھے حساب لینے والا کون شخص ہو تو کہا گیا کہ وہی حساب لیگا جس میں یہ قدرت ہو کہ اُس نے تجھے پیدا کر دیا اور تیرے لیے یہ اعضا بنا دیے مترجم کتا ہے کہ اس قول کے موافق میں نے سابق میں توضیح بیان کی ہے۔ الحمد للہ رب العالمین۔ م۔ بالجملہ یہ بیان اس تاویل کی بنیاد پر تھا کہ نجدین سے طریقہ ایمان و طریقہ منکالت مراد ہے۔ ابن عباس و سعید بن المسیب نے کہا کہ النجدین بچہ کے لیے اُسکی مان کی دونوں چھاتیاں ہیں۔ گویا یہ ارادہ کیا کہ بچہ کی زندگی کی راہیں اللہ تعالیٰ بتلاتا ہو کہ وہ دودھ پینے لگتا ہے مترجم کتا ہے کہ گویا اس آیت کو نظیر قرار دیا۔ یقول تعالیٰ خلقہ فقد رثم السبیل لیسر الخ یعنی انسان کو اُسکی مان نے پیٹ میں بنایا پھر اسکو اندازہ پر ٹھیک کیا پھر راہ اسکے لیے

چونکہ مکہ معظمہ ایک متبرک مقام ہے کہ وہاں نیکیوں کا ثواب عظیم ہو جیسے وہاں برائیوں کا عذاب بھی شدید ہو اور نیکی بڑی کے معلوم کرنے کے واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں موجود تھے اور دنیا میں غور کرو تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے ایک چیز سے دوسری چیز پیدا فرماتا ہو جی کہ مثلاً کبھی سے قفل کھلتا ہو اور زمین سے نباتات پیدا کی جاتی ہو اور انسان میں بھی مالہ کی نیت ہے اور اسی طرح فرزند کی تربیت میں خرچ کرنا۔ ماولہ یعنی فرزند کی طرف سے بھی والد کی خدمت گزارمی نیکی بنتی ہو پھر ارشاد فرمایا کہ انسان کی خدمت ہم نے شدت و مشقت کے ساتھ لازم رکھی ہو اور والد و ولد ہر ایک مال کمانے اور پرورش کرنے میں محنت و مشقت میں ہے پھر کافر ایسی برائی اور نفس کے فخر و عنوت میں مشقت سے حاصل کیا ہو مال خرچ کرنا ہو کہ اُس کا یہ کہنا کہ اہلکست مالا لبدا بالکل ٹھیک ہو یعنی اُسے مال کثیر کو ہلاک و برباد کیا۔ حالانکہ یہ مال اس قدر کثیر تھا کہ اگر ہوش کے ساتھ خرچ کیا جاتا تو اکل اؤلاد کے واسطے مدت تک شمر ہوتا اور اُس کا ثواب عظیم دونوں کے لیے پہنچتا رہتا۔ مثلاً والد نے اُس مال کی تجارت یا حقوق مقرر کر دیے اور فرزند نے اُس میں ان حقوق کے ساتھ روز بروز زیادتی کی تو ہر ایک کے لیے دن بدن ثواب عظیم بڑھتا گیا جب کہ وہ دونوں کی خالص نیت یہ ہو کہ ان دنیاوی اموال سے دنیا کی جاٹ حاصل کرنا باطل ہو بلکہ مقصود آخرت کی منفعت ہو تو اپنے اہل عیال کی فراغت مقدم کرے تاکہ معیشت کے کوفت سے فارغ ہو کر نماز و عبادات میں مشغول رہیں اور اُن کے بعد حقوق دیگر درجہ بدرجہ ہیں لیکن کافر اس سب سے جاہل ہو وہ اپنی جہالت سے فخر کرتا ہو کہ میں نے مال کثیر ہلاک کیا۔ بیشک اُسے برباد کیا کیونکہ اُس کا کچھ نفع اُس کو وطن اصلی میں نہیں ملے گا۔ بلکہ کافر کی گردن پر دو طرح سے وبال ہو اول یہ کہ اُسے محنت و مشقت سے جو اموال کما ئے تھے یہ کیونکر کما ئے دوم اکمان خرچ کیے۔ ولیکن کافر کا اعتقاد یہ ہو کہ میں تو مگر کے خاک ہو جاؤنگا مجھے کیونکر پوچھا جاوے گا تو اللہ تعالیٰ نے اسکو جھڑکا بقولہ تعالیٰ بحسب ان لن یقدر علیہ احد۔ ای ایظن ان لن یقدر علیہ احد ابد کیا وہ جاہل ہو گمان رکھتا ہو کہ کوئی کبھی اسپر قادر نہ ہو گا چھٹا باطل ہو جس نے اسکو عدم سے پیدا کیا تھا مگر ہی پاک پروردگار جب چاہے اُس کو دوبارہ زندہ کرے اور ملائکہ سخت شدید اسکی مشکین باندہ کہ گرفتار کرینگے۔ لیکن کافر کا یہ اعتقاد ہو کہ جو کچھ اُس نے کہا تھا یا کیا تھا وہ سب فتا ہو گیا۔ اسپر بھی جھڑکی فرمائی بقولہ تعالیٰ بحسب ان لم یرہ احد یعنی یظن ان لم یرہ احد کیا اُس کا گمان یہ ہے کہ اسکو کسی نے نہ دیکھا۔ یہ غلط جہالت ہے بلکہ رب تبارک و تعالیٰ سمیع و بصیر ہے کفار اپنے رب عزوجل کو نہیں پہچانتے ہیں دینی قولہ تعالیٰ قالوا لو کنا نسمع او لنقل ما کنا فی اصحاب السعیر جنمیں یوں کہہا کہ اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو جلتی بلتی آگ کے رہنے والوں میں نہوتے۔ جاہل کافر گویا اس سے اپنے آپ کو معذور رکھتا ہے کہ میں بقصور ہوں مانند جاہلوزن کے لاپا ہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسکو جھڑک دیا بقولہ تعالیٰ الم یجعل لہ عینین۔ یعنی کیا ہم نے اسکو دو آنکھیں نہیں دی تھیں جن سے اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کے آثار دیکھتا اور اُسکی اُلوہیت پہچانتا اور نیک و بد سے اور اپنے آغاز و انجام سے خبردار ہوتا۔ ولسانا و شفقتیں اور کیا ہم نے اسکو زبان اور دہونٹہ نہیں دیے تھے زبان سے سب مطالب ادا کر سکتا ہے اور دہونٹوں کی درستی سے فصیح آواز دوسرے کو پہنچتی ہے۔ پھر ان نعمتوں سے تمام حواس پر قیاس کر لینا چاہیے اور نتیجہ یہ تھا کہ اپنی آخرت کے انجام پر غور کرتا اور اسکو تلاش کرتا کیونکہ ہم نے اپنے فضل سے ہر کرم بھی اُس پر لپکا اور اپنا رسول حبیب مکر مہجد یا۔ وہدینا ہ النجدین۔ اور نیک و بد کے دونوں مرتبے اسکو بتلادیے امام ابن کثیر نے لکھا کہ عینین۔ یعنی دو آنکھیں دین کہ اُسے دیکھتا ہو۔ لسانہ۔ زبان سے باتیں کرتا ہے

خوف نہیں ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اسکو دیکھا اور ضرور اُس سے اس کفر قبیح کا عوض لے لگا اور اُسکو سزا دیگا ابوالسعود وغیرہ نے لکھا کہ اس کافر نے مفاخرت جاہلانہ کی تھی یعنی لوگوں میں کہتا تھا کہ میں نے مکارم اخلاق و مفاخرت کے اسباب میں بے تعدد مال خرچ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا اسکا گمان یہ ہو کہ اُسکو کسی نے نہیں دیکھا۔ یعنی کیا اسکو یقین نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب دیکھتا ہے اور زمانہ جاہلیت میں فخر کے کام یہ تھے کہ حاجیوں کو عام طور پر لنگر کے ساتھ کھانا کھلایا اور فلاں شخص یا فلاں قوم چوڑاوان خون تھا اسکو ادا کر دیا اور سال میں بکثرت مہمانوں کے ضیافت میں بیشمار اونٹ ذبح کر ڈالے اور فلاں شخص ہو گیا تھا اسکو اتنا مال دیا و علیٰ ہذا القیاس۔ تو اس مشرک نے مفاخرت میں بہت مال خرچ کر نیکاد دعویٰ کیا۔ چونکہ یہ شخص کفر کی حالت میں سخت جاہل تھا اسکو یہ شرم نہ آئی کہ اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے اور اس آیت سے یہی مطلب ہو کہ مشرکوں کو یہ معرفت سکھائی جاوے کیونکہ جب اُس مشرک کو آیت سُنائی گئی تو اُس نے دل میں ضرور قطعاً جان لیا کہ جب میرے ساتھیوں کو خبر نہیں ہو تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیونکر خبر ہو سکتی تھی اور جب انھوں نے میرا جھوٹ بتلا دیا تو ضرور ہے کہ سوائے انسانی ذریعہ کے کسی طرح اُنکو سچ معلوم ہوا لہذا یہ جاہل کفار جب رسول ہونے سے منکر تھے تو کہتے کہ جن نے اسکو بتلا دیا ہے اور کمال جہالت کہتے کہ اگر میدان میں زور سے بات کہو تو اللہ تعالیٰ شاید سن لے ورنہ آہستہ سے یا گھیر بن چھپ کر کام کر دیا کہو سنو تو نہیں جانتا لہذا اللہ من ذلک۔ حاصل یہ کہ انسان اپنے حال میں مغرور ہو کر اللہ تعالیٰ کی معرفت سے غافل ہے مقابلہ کرنے کا کہ حارث بن عامر بن نوفل نے ایک گناہ کیا تھا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ پوچھا کہ کیا کروں آپ نے فرمایا کہ مالی کفارہ دے تو حارث نے اس کے بعد کہا کہ جب سے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں داخل ہوا ہوں میرا مال کثیر کفارات و اخراجات میں گیا پس یہ آیت نازل ہوئی۔ اس روایت کو فقط مولف فتح البیان نے نقل کیا اور ترجمہ کے نزدیک اسمین کئی وجہ سے تامل ہے اول یہ کہ گناہ کا کفارہ (توبہ) ہو اور ہر حال میں توبہ ضروری ہی (دوم) کہ معظمہ میں نماز و روزہ وغیرہ ابتدا میں مفروض نہ تھا (سوم) یہ شخص حارث بن عامر مدینے کے لوگوں میں ہو گا جہاں کفالات وغیرہ مفروض ہوئے تو مکہ سورہ کہو نکر اسکا سبب نزول ہو گا پس اچھی تفسیر یہ ہے کہ کافر دنیا میں شدت و مشقت سے مال و متاع کما تا ہی اور ہوا و ہوس میں اموال اٹھاتا ہے اور خرچ کرتا ہے کہ میں نے بہت مال اڑایا ہے۔ یہ درحقیقت برباد و ہلاک کرنے میں داخل ہو کیونکہ آخرت میں اُسکا کچھ نفع نہ رہا۔ پھر ملامت فرمائی کہ وہ اپنے رب عزوجل پر ایمان نہیں رکھتا ہے۔ کیا اسکو یہ اعتقاد ہو کہ کوئی اُسپر قادر نہیں اور کیا کوئی اُسکو دیکھتا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ قادر اور دیکھتا ہے اُس سے مطالبہ فرمایا کہ کس نیت سے یہ مشقت اٹھا کر مال کما یا تھا پھر کس ہوا و ہوس اور فخر میں اڑایا کہ آج وطن اصلی میں محروم و خوار ہے۔ اَلَمْ نَجْعَلْ لَهُ عَيْنَيْنِ وَلَيْسَا نَا وَ شَفَتَيْنِ وَ هَكَذَا نُنِیْہُ الْبَیِّنَاتِ۔ کیا نہیں بنا دین ہم نے اُس کے واسطے دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ۔ اور اسکو بخیرین کی ہدایت فرمائی ف یعنی ہم نے اُسکو جو اس اور سمجھ دی اور بخیرین یعنی دونوں طریق اسکو بتلا دیے پھر اُسکو کیا ہوا کہ اُس نے دنیا میں اپنے کملے اموال کو ہلاک لینے برباد کیا اور اب آخرت میں خوار ہے اسی واسطے آئندہ آیات میں ارشاد فرمایا کہ بجائے اس بیہودہ بربادی کے کیوں اُس نے کاربائے خیر میں خرچ نہیں کیا ترجمہ کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ شرع سورہ مبارک بہت مناسب عبادت کے ساتھ ہے بقولہ تعالیٰ فلا تقسم بهذا البلد وانت حل بهذا البلد ووالدہ واولادہ

کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ تو اس دنیا میں راحت و لذت نہیں ممکن ہے۔ اگر کو کہ جن لوگوں کے پاس مال و متاع موجود ہو وہ عیش
 میں ہیں (جواب) یہ بات غلط ہے بلکہ عقل سے دیکھو تو فقط دُکھ سے چھٹکارا ہوتا ہے یعنی کسی ایک وقت میں سب طرح کے دُکھ سے
 بھی چھٹکارا نہیں ہوتا مثلاً ایک شخص کو کھانے کی چیزیں میسر ہیں تو وہ بھوک کے دُکھ سے بچ گیا اقول ولیکن فکر تیار
 سے نہیں بچا یہ بھی اُس وقت کہ غذا اسکو مہم ہوتی ہو۔ اسکے باوجود بھی اگرچہ اس قسم کے طعام موجود ہیں اور نفس مشتاق ہے تو
 ہر ایک چیز میں سے بقدر خواہش نہیں کھا سکتا ہے۔ اور اگر ان سب کے بعد اسکو کسی چیز کی خواہش ہوئی تو اُس وقت نہیں ہو سکتا
 اگر کپڑا میسر ہے تو وہ گرمی و سردی بچانے کے لیے ہو و علی ہذا القیاس پس معلوم ہوا کہ دنیا میں لذت و عیش نہیں ممکن ہے
 (بیان دوم) اگر قوت کے معنی لیے گئے تو اُسکا بیان یہ ہو کہ بعضے مشرکوں کو اپنی شدید قوت پر کھٹکتا تھا اور عموماً مشرکوں
 میں اپنے نفس کی رعوت ہوتی ہے کلبیؑ نے کہا کہ یہ آیت ایک شخص خاص کے حق میں نازل ہوئی جسکو ابوالاشدین کہتے تھے
 اور اُسکی قوت کا یہ حال تھا کہ عکاظی چمڑا اپنے پانوں کے نیچے دب لیتا تھا اور لوگوں سے کہتا کہ جو کوئی اسکو نکال لے اسکے
 واسطے اسقدر انعام ہے پس دس بارہ آدمی اسکو ہر طرف سے کھینچتے بہا تک کہ وہ چمڑا پھٹ کر ٹکڑے ہو جاتا اور اُسکا
 پانوں اپنی جگہ سے نہیں ٹٹکتا تھا۔ پس قولہ تعالیٰ بحسب ان لن یقدر علیہ احد۔ اُسکو ملامت ہو کہ کیا وہ یہ گمان رکھتا ہے کہ اُسپر کوئی قادر
 نہیں ہو گا یعنی اللہ تعالیٰ کو اُسپر سب قدرت ہے مترجم کہتا ہے کہ امام ابن کثیرؒ نے قولہ تعالیٰ علیہا تسعة عشر الایہ۔ کی تفسیر میں
 روایت کیا ہے کہ ابوالاشدین کلدہ جمی اپنی قوت کے زعم میں کہتا کہ او قریش میں اکیلا اس قدر کے واسطے کافی ہوں۔ یہ حق نہیں
 اسلام تھا۔ اور محمد بن اسحق وغیرہ نے روایت کیا کہ اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اگر آپ مجھے کشتی میں بچھاڑیں
 تو میں مسلمان ہو جاؤں آپ نے اُس سے عہد لیا پھر کشتی میں اسکو بچھاڑ دیا تو کہنے لگا کہ اس مرتبہ میں غلطی میں پڑ گیا
 دوبارہ مجھے کشتی کیجیے آپ نے دوسری مرتبہ بھی اسکو بچھاڑ دیا مگر وہ خبیث ایمان نہیں لایا مترجم کہتا ہے کہ اس روایت کے
 موافق بھی اسکا زعم باطل توڑ دیا گیا کہ وہ جو گمان رکھتا تھا کہ کبھی کوئی اُسپر غالب نہیں ہو سکتا ہے حق یہ ہے کہ تفسیر وہ ہے جو
 امام ابن کثیرؒ نے سلف سے نقل کی اور حاصل یہ کہ انسان دنیا میں بوجہ کفر کے ہوا و ہوس کے مال و متاع کمانے میں مشقت
 اٹھاتے اٹھاتے آخر مر جاتا ہے اور دنیا کے مال و گھر بار وغیرہ کو اپنا تصور کرتا ہے اسی وجہ سے ملامت فرمائی کہ کیا اُسکا یہ اعتقاد ہے
 کہ کبھی کوئی اُسپر قادر نہ ہو گا۔ یَقُولُ أَهْلَكْتُ مَا لَا بَدَا۔ کہتا ہے کہ میں نے مال کثیر ہلاک کیا ف
 انسان مغرور کہتا ہے کہ میں نے مال کثیر خرچ کیا (مجاہد حسن و قتادہ و سدی وغیرہم) اَیَحْسَبُ اَنْ لَّکُمْ مِنْ شَیْءٍ اَحَدٌ
 کیا خیال کرتا ہے کہ اسکو کسی نے دیکھا نہیں ف یعنی اللہ تعالیٰ نے نہیں دیکھا (مجاہد) رازیؒ نے لکھا کہ اسکے معنی میں
 دو صورتیں ہیں (اول) قتادہؒ نے کہا یعنی کیا اُسکا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسکو دیکھا نہیں اور اُس سے حساب نہ لیا کہ
 کمان سے کمایا اور کمان خرچ کیا ہے (دوم) یہ کہ اس کافر نے لوگوں سے ظاہر میں یہ دروغ باندھا کہ اُس نے بکثرت مال
 خرچ کیا ہے تو کیا اسکو یہ خیال باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسکے خرچ کو نہیں دیکھا (سک) لیثؒ نے کہا کہ مالا لبد
 اس قدر جسکے فنا ہو جانے کا خوف نہ ہو یعنی اس قدر تودہ پر تودہ انبار ہو کلبی و مقاتلؒ نے کہا یہ کافر لوگوں سے کہتا کہ
 میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خداوت میں بے انتہا مال خرچ کیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسکو ملامت و تہدید فرمائی کہ کیا اس کافر کو

ہام باقر نے اسکو لے لیا اور اُسپر انکار نہیں کیا۔ ابن ابی حاتم نے حسن بصریؒ سے اسناد کیا کہ انھوں نے اس آیت کو پڑھ کر کہا کہ انسان امر دنیا و امر آخرت میں تکلیف برداشت کرتا ہے۔ یعنی حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کبد کے معنی مشقت کے لیے اور یہ معنی بھی آتے ہیں ابن جریرؒ نے یہ اختیار کیا کہ آیت میں مراد یہ کہ انسان دنیا میں کارہائے دنیا و آخرت میں مشقت اٹھاتا ہو (ابن کثیرؒ) مگر حکم کہتا ہو کہ پھر اولیٰ یہ ہے کہ انسان کی پوری خلقت کو مشقت میں رکھا جاوے کیونکہ وہ حمل کی حالت میں تنگ و تاریک مقام میں ہوتا ہو اور پیدائش کے وقت دنیا کی ہوا اُسکے بدن پر مانند چھلے ہوئے زخم کے اثر کرتی ہو جسے کہ مرتے دم تک دنیا سے ناپائدار کے آفات میں تھکے رہتا ہے اور اُسکے ساتھ دنیا میں آخرت کے خوف سے غمناک رہتا ہو بشرطیکہ ایمان حق حاصل ہو اور اگر کافر ہو تو دنیا کی ہوس میں بے انتہا غمناک ہوتا ہو کیونکہ اُسکے حاصل نہ ہونے سے ہر وقت اُسکی جان پر سوبان رہتا ہو اور جسے دنیاوی مال حاصل کیا تو بھی کوفت و مشقت سے حاصل کیا۔ **أَيَحْسَبُ أَنْ لَنْ يُقْدَرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ**۔ کیا وہ خیال رکھتا ہے کہ اُسپر کبھی کوئی قادر نہیں ہوگا ف یعنی کوئی اُس کا مال نہیں لے سکتا ہو (حسن بصریؒ) آدمی گمان کرتا ہو کہ اُسکو گرفتار کر کے یہ سوال نہ کیا جائیگا کہ تو نے یہ مال کہاں سے کمایا اور کیونکر خرچ کیا ہو (قتادہؒ) سدیؒ نے کہا یعنی کیا اللہ تعالیٰ کو اُسپر قدرت نہیں ہے یہ تفسیر ابن کثیرؒ میں ہے رازیؒ نے کہا کہ اگر اوپر کی آیت میں (فی کبد) کی تفسیر سختی و مشقت کے ساتھ ہو تو معنی یہ کہ اگر دنیا میں آدمی کے مال و متاع بھی ہو تو کیا اُسکا یہ گمان ہو کہ اُسپر کسی کو قدرت نہیں ہے۔ بعض نے کہا کہ معنی جزا و سزا نہیں دے سکتا۔ گویا یہ ایسے انسان سے کہا گیا جو آخرت کی زندگی سے منکر ہے۔ دوسروں نے کہا کہ مراد یہ کہ کیا اُسکا گمان ہو کہ کوئی اُسکی حالت کو بدل نہیں سکتا ہو اس زعم پر کہ وہ ہر طرح اپنی مراد حاصل کر سکتا ہو۔ اگر کبد کے معنی قوت و شدت کے لیے جاوے تو معنی ظاہر ہیں یعنی کیا آدمی اپنی قوت کی مغروری پر یہ گمان رکھتا ہو کہ کسی کو اُسپر قابو نہیں ہو (رازیؒ) مگر حکم کہتا ہے کہ دونوں طرح سے معنی بنتے ہیں (اول) معنی کا بیان یہ ہے کہ دنیا میں انسان جس دم سے مان کے پیٹ میں آیا اسوقت سے برابر شدت و مشقت برداشت کرتا ہو لیکن ایک مدت تک اسکو طفلانہ مزاجی میں ہوش نہ تھا اگرچہ لوگوں کے ہاتھ میں بے بس محتاج تھا اور جب ہاتھ پاؤں والا بالغ ہوشیار ہوا تو اپنی حالت سمجھتا لیکن دنیا کے لعباؤ میں ایسا غرق ہوا کہ ہوش سے کام نہ لیا حالانکہ بقول رازیؒ کے یہ خود دلیل ہو کہ اُسکے لیے آخرت میں حساب کتاب اور عذاب و ثواب ضروری ہو اسلیے کہ حکیم عزوجل جسے انسان کو پیدا کیا ہو اُسکا فائدہ یا تکلیف ہو یا راحت ہو یا کچھ نہیں ہو اور ان باتوں سے خالی ہونا غیر ممکن ہے پس اگر کچھ نہ ہو تو عدم رہنے سے بھی یہ بات حاصل تھی یعنی انسان جب تک عدم میں تھا نہ ثواب تھا نہ عذاب تھا اور اگر کہو کہ فائدہ تھا کہ تکلیف پاوے تو یہ تمہارا خیال باطل ہو اسلیے کہ خالق عزوجل رحمہ الرحیم ہے اور ابھی انسان نے کچھ قصور نہیں کیا تو کیوں تکلیف دیا جاوے۔ اگر کہو کہ فائدہ یہ کہ انسان راحت پاوے تو ہم کہتے ہیں کہ دنیا کی زندگی میں راحت غیر ممکن ہو کیونکہ جب سے نطفہ بن کے مان کے پیٹ میں رہا تب سے پیٹ میں ایک طور سے دوسرے طور میں بدلتا ہوا ہی تھا قید خانہ میں گرفتار رہا پھر پیدا ہونے کی سختی پھر دودھ کے زمانہ میں پھر دانت بچکنے میں پھر معاش حاصل کرنے میں اور سردی گرمی وغیرہ کی مشقتوں میں پڑا رہا اور آخر سب سے موت ہو کہ رگ رگ سے جان کھینچتی ہے اور نہایت ہی درد اور الم ہے

والد و ما ولد۔ سب حیوانات میں عموم ہے۔ یہ عطیہ عوفی دم کا قول ہے ابن کثیر نے کہا کہ شاید یہی مراد ہو (ابن کثیر) رازی نے لکھا کہ والد و ما ولد۔ آدم و انکی اولاد ہیں۔ انکی قسم اسلئے فرمائی کہ ان سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ملہ ظاہر ہو جبکہ روئے زمین کے مخلوقات میں یہ خلقت سب سے زیادہ عجیب ہو اور ان میں اوصاف ہیں مثلاً گویائی و بیان و تدبیر اور علوم و فنون کو نکالنا وغیرہ اور انھیں میں انبیاء و اولیا اور دین حق کے پیشوا گزرے اور جو کچھ زمین میں ہو انکے لیے مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو آدم کے لیے سجدہ کا حکم دیا اور آدم کو اسما و کمال سکھلائے و قال تعالیٰ ولقد کرّمنا بنی آدم۔ یعنی ہم نے آدم کی اولاد کو مکرم کیا۔ ص۔ بالجملہ جمیع اقسام انسان کفار و مومنین اسی لیے لائق قسم ہیں کہ ان میں یہ عجائب قدرت نظر آتی ہو بعض نے کہا کہ قسم فقط آدم و انکی صالح اولاد کے ساتھ ہے اسلئے کہ کفار و مشرکین درحقیقت آدم کی اولاد نہیں ہیں بلکہ اولئک کا لانعام جائزوں کے مثل ہیں۔ ص۔ (رازی دم) اگر کو کہ پھر (ما ولد) کے بجائے (من ولد) ہوتا کیونکہ (من) اہل عقل کے لیے آتا ہے (جواب) یہی معنی مراد ہیں جیسے قولہ تعالیٰ واللہ اعلم با وضعت۔ یعنی مریم کے پیدا ہونے کو فرمایا اور فائدہ یہ کہ شان عجیب ظاہر ہو (س) مترجم کہتا ہو کہ عقل حقیقت میں مخصوص باولیا مومنین ہو اور یہ لوگ کمتر ہیں اور کفار و مشرکین جو بے عقل ہوتے ہیں بکثرت ہیں تو انھیں کے اعتبار سے (ما) موصولہ فرمایا جیسے اللہ ما فی السموات والارض۔ اور مسلمان عورتوں میں بھی قصور عقل ہے اسلئے فائز کو ما طاب لکم۔ آیا پھر واضح ہو کہ اولاد آدم کی قسم ہو یا جمیع حیوانات کے واسطے عام ہو اللہ تعالیٰ کا مجید ہو کہ وہ اپنی مخلوقات میں سے جس چیز کی قسم کھاوے وہ مختار ہے اور متکلمین نے قسم کے واسطے تکلف کیا ہو یعنی بیان بھی مخلوق کے پروردگار کی عجیب صنعت پر قسم ہے اور مترجم کے نزدیک انسان میں زیادہ عجیب یہ ہے کہ اسمین اللہ تعالیٰ کی رحمت اور غضب دونوں کا ظہور ہے اور جامع آثار اس سے ظاہر ہیں بالجملہ اللہ تعالیٰ نے قسم سے فرمایا لقد خلقنا الانسان فی کبد۔ یعنی انسان کو کبد میں پیدا کیا۔ کبد کا استعمال بقول صاحب کشف رم مشقت و تعب میں ہوتا ہے (رازی دم) عطاء نے ابن عباس رضی سے روایت کی کہ فی کبد۔ یعنی اُسکی پیدائش میں سختی رکھی ہے پھر انسان کا پیٹ میں ہونا اور ولادت کی سختی اور دانت نکلنے کی مشقت وغیرہ بیان کی۔ مجاہد نے کہا کہ جیسے قولہ تعالیٰ حملتہ امہ کرہا الخ یعنی آدمی کو جب اُسکی مان حمل سے ہوتی ہے تو اگر ایسا رہتی ہو اور جب جنتی ہے تو تکلیف ہوتی ہے اسبطح دودھ پلانے میں ہوتا ہو اور جب بڑا ہوا تو معاش کی طلب میں کوفت اٹھاتا ہو۔ یہی معنی سعید بن جبیر وقتادہ دم نے بیان کیے (قول دوم) حضرت ابن مسعود و ابن عباس و عکرمہ و مجاہد و ابراہیم نخعی و غنیمہ و ضحاک و غیرہم نے فرمایا کہ فی کبد یعنی منتصب (سیدھا) ایک روایت میں ابن عباس رضی نے کہا کہ مان کے پیٹ میں منتصب ہوتا ہو اور کبد کے معنی ٹھیک مستوی ہو ابن کثیر نے کہا یعنی ہم نے انسان کو مستقیم مستوی پیدا کیا ہو نظیر اُسکا قولہ تم الذی خلقک فسواک فقد لاک الخ۔ یعنی انسان کے حق میں فرمایا کہ تو اپنے رب کریم سے کیوں مغرور ہے جس نے تجھے پیدا کیا پھر ٹھیک کیا پھر معتدل کیا۔ اور قولہ تعالیٰ لقد خلقنا الانسان فی حسن تقویم۔ ہم نے انسان کو اچھے قد و قامت کی صورت میں پیدا کر دیا۔ ابن ابی حاتم نے احمد بن عساکم عن ابی عاصم یعنی ضحاک بن مخلد عن عبد الحمید بن جعفر روایت کیا کہ محمد بن علی زین العابدین یعنی امام محمد باقر نے ایک شخص انصاری سے کہا کہ کیا معنی ہیں قولہ تعالیٰ لقد خلقنا الانسان فی کبد۔ اُس نے جواب دیا یعنی ہم نے انسان کو معتدل مستقیم پیدا کیا

[illegible]

بات عمل میں لاوے جو حرام ہے اور خلاصہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے روز جو کچھ اس بلد کے لوگوں کے حق میں کیا اللہ تعالیٰ نے وہ سب آپ کے لیے حلال کر دیا۔ ابوہریرہؓ اسلمی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ آیت میرے بارہ میں نازل ہوئی۔ میں نکلا تو میں نے دیکھا کہ ابن خطل خانہ کعبہ کا پردہ پکڑے کھڑا ہے (یہ ایک مشرک تھا جو ظاہر میں مسلمان ہو کر مرتد ہو گیا اور مسلمان کو قتل کیا اور اپنی چھو کر یوں سے بچو گانے کی مجلس بناتا تھا) پس میں نے رکن و مقام کے درمیان میں نیکی گردن مار دی (رواہ ابن مردویہ) ابو داؤد نے بطریق مالکؓ مسند کیا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک سے خود اتار تو کسی نے خبر دی کہ ابن خطل خانہ کعبہ کے پردے سے لپٹا ہے آپ نے فرمایا کہ اُسکو قتل کرو۔ ابو داؤد نے کہا کہ اُسکو ابوہریرہؓ اسلمی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔ ہ۔ رازیؒ نے لکھا کہ یہ ایک ساعت کے واسطے حلت تھی چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام اعلان سے خطبہ پڑھ کر کہہ کی حرمت بیان فرمائی مترجم کہتا ہے کہ یہ خطبہ طولانی ہے اور جہانتک مجھے اس وقت یاد آتا ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس دن آستانِ فدین کو پیدا کیا تھا کہ کو حرام کر دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اصحابِ الفیل کو مکے سے ممنوع رکھا اور رسول اللہ و مومنوں کو اُس پر مسلط کیا اور مجھے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں ہوا اور میرے بعد کسی کے لیے حلال نہیں ہے اور میرے لیے بھی صرف ایک ساعت کے لیے دن میں حلال ہوا تھا اب اسکی حرمت نے اُس طرح عود کیا جیسے کل تھی اب اُسکا درخت نہ کاٹا جاوے اور نہ کانٹے توڑے جاوے اور نہ اُسکا وحشی جانور بھڑکا یا جاوے اور اُس میں گرا ہوا مال کسی کے واسطے اٹھانا حلال نہیں سوائے اُسکے جو اُسکو مالک کے پاس پہنچانے کے لیے پکارے۔ عباسؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ سوائے اذخر گھاس کی قسم سے کہ وہ ہمارے گھروں و قبور کے لیے ہے اور لو ہارون کو اسکی ضرورت ہے۔ فرمایا کہ سوائے اذخر کے مترجم کہتا ہے کہ اس خطبہ میں معجزہ ہے کہ آپ نے مکے کی حرمت کا اعلام فرمایا حالانکہ یہ بات سوائے نبوت کے نہیں معلوم ہو سکتی تھی کہ آئندہ مکے والے بغاوت نہ کریں گے خصوص جبکہ آپ باہر جاوے اور یہ ضروری تھا کہ آپ مدینے چلے گئے۔ م۔ واحدیؒ نے کہا کہ حل و حلال و محل سب ایک ہی معنی ہیں یعنی حرم کی ضد۔ اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے مکہ کو فتح کے دن حلال کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیا اور نہ میرے بعد کسی کے لیے حلال ہوگا اور میرے لیے بھی فقط دن میں ایک ساعت کے لیے حلال ہوا تھا۔ حاصل معنی یہ ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے مکے کی قسم ذکر فرمائی تو معلوم ہو گیا کہ اُسکی قدر بہت بڑی ہے اور اُسکی حرمت عظیم ہے پس زیادہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ و انت حل بہذا البلد۔ یعنی وعدہ دیا کہ ہم تیرے واسطے اسکو حلال کریں گے حتیٰ کہ تو اس میں داخل ہو کر اسکو فتح کرے مترجم کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بوجی الہی یہ معلوم تھا کہ آئندہ حجاج و غیرہ آپ کی امت کے ظالم بدکار اس مقام پاک میں دلیری کریں گے لہذا خطبہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان مبارک پر جاری فرمایا کہ اگر کوئی شخص مکے میں قتال کے لیے یہ دلیل لاوے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں قتال کیا تھا تو اُس سے کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے لیے اجازت دیدی تھی اور تمہارے واسطے کوئی اجازت نہیں ہے۔ پھر فرمایا کہ میرے لیے بھی دن کی ایک ساعت میں قتال جائز فرمایا تھا الخ رازیؒ نے کہا کہ اگر اس قول پر کوئی اعتراض کرے کہ یہ سورہ کے میں نازل ہوا ہے اور قولہ انت

علیہ وسلم سے پہلے اور زمانہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پہنچے جب دین توحید مخفی ہو گیا اور بت پرستی شائع ہو گئی تو اُس زمانہ
 میں بھی خانہ کعبہ کی تعظیم عرب میں معروف تھی اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت و حکمت سے یہ شان جاری رکھی کہ جس نے
 وہاں کچھ بھی بے ادبی کی تو فوراً وہ بلا میں گرفتار ہوا اور عرب میں یہ امر متواتر تھا اور اگر اُس کے خاص اوقات جمع کیے جاویں تو دفتر دراز
 ہو جاوے اور متواتر بات کے لیے اس کے ذکر کی ضرورت نہیں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس سال دنیا میں پیدا
 ہوئے اُسی سال ابرہہ حبشی سپہ سالار جو مین کا بادشاہ تھا خانہ کعبہ پر چڑھائی کرنے میں ہاتھیوں سمیت جڑیوں کی کنکریوں سے ہلاک
 ہوا چنانچہ ان اشار اللہ تعالیٰ اصحاب الفیل کا ذکر مفصل آوے گا۔ م۔ اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کے محاذی
 آسمان میں بیت المعمور بنایا ہے اور زمین اسی بیت اللہ کے نیچے بچھائی گئی ہے الغرض بیت اللہ احرام کے فضائل مثلاً
 میں اور یہ مکہ میں ہے تو وہ بلد الحرام ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہذا البلد کی قسم کھائی۔ قولہ و انت حل بهذا البلد کی
 تفسیر میں اہل تفسیر کے اقوال ہیں اور اہل کلام (حل) کے معنی میں ہے حل یعنی نزول و حلول ہے یا یعنی حلت ضد حرمت ہے
 رازیؒ نے کہا کہ (ادل) حل یعنی مقیم گویا اللہ تعالیٰ نے مکہ معظمہ کی قسم اس جہت سے یاد فرمائی کہ اُس کا رسول حبیب اس
 بلد میں مقیم ہے (دوم) حل یعنی حلال ہے اور اس صورت میں کئی معنی ہیں۔ ایک یہ کہ میں اس بلد کی قسم کھاتا ہوں درحالیکہ
 تو اس بلد میں حلال ہے۔ یعنی مشرکین تجھے ایذا دینے کو حلال کرتے ہیں حالانکہ مشرکین کے اعتقاد میں تھا کہ یہاں
 ایذا دینا حرام ہے یا وجود اس کے تیرے حق میں اس کو حلال رکھتے ہیں اور تجھ کو اللہ تعالیٰ نے وصف رسالت و کمال سے دونوں
 جہان سے اشرف فرمایا ہے یہ مقام تعجب ہے۔ شریعت میں نے کہا کہ مشرکین اس بلد میں شکار کرنا اور درخت و کانٹے کا کاٹنا حرام
 سمجھتے ہیں اور تجھے ایذا دینا اور یہاں سے نکال دینا بلکہ قابو پا دین تو تجھے قتل کرنا حلال رکھتے ہیں۔ اس میں مشرکوں
 کی بے ہمدی بے ایمانی سے اور رسول اللہ کے ساتھ عداوت سے تعجب دلایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجموعی دی اور ادا
 کیا کہ چند روزانہ جانوروں کے آزار کو برداشت کریں (سوم) قنادہؒ نے کہا کہ دانت حل بهذا البلد۔ اور تو حلال ہے اس
 بلد میں۔ یعنی تجھ پر حرمت و گناہ نہیں ہے بلکہ تجھے خاص کر حلال ہے کہ تو کہہ میں قتال کرے اور جس کو چاہے قتل کرے۔ بات
 یہ کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ فتح کیا اور آپ کے لیے حلال کر دیا حالانکہ آپ سے پہلے کبھی کسی کے واسطے
 حلال و فتح نہیں ہوا تھا بس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں ایک ساعت قتال کیا اور ایک مشرک شدید دشمن کو
 جس کا نام عبد اللہ بن خطل تھا ایسی حالت میں اُس کے قتل کا حکم دیا کہ وہ خانہ کعبہ کا پردہ پکڑے تھا اور مقیس بن ضبایہ وغیرہ
 کو قتل کیا اور بعض جگہ کو مامون و محترم رکھا جیسے فرمایا کہ جو کوئی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو وہ امن میں ہے
 اور جو کوئی اپنا دروازہ بند کر لے وہ امن میں ہے اور جو کوئی ہتھیار ڈال دے وہ امن میں ہے اور جو خانہ کعبہ میں
 داخل ہو وہ امن میں ہے یا بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ قولہ و انت حل الخ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے
 جس دن آپ مکہ میں داخل ہوئے یعنی بعد ہجرت کے مع لشکر مکہ پر چڑھائی کی اور اس میں فتح کرتے ہوئے داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ
 نے آپ کے لیے حلال کر دیا کہ جس کو چاہیں قتل کریں اور جس کو چاہیں زندہ چھوڑیں پس آپ نے ابن خطل کو جو خانہ کعبہ کا
 پردہ پکڑے تھا قتل کرنے کا حکم دیا۔ پھر سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کے لیے اجازت نہ دی کہ اس میں ایسی

اس سورہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو انکی جہالت سے پھر کر ایمان کی روایت فرمائی ہے چنانچہ بعد اسم اللہ کے فرمایا۔ لَا اَقْسِمُ
 بِهٰذَا الْبَلَدِ۔ میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی ف یعنی بلد الحرام مکہ معظمہ کی۔ وَ اَنْتَ حَلٌّ بِهٰذَا
 الْبَلَدِ۔ حال یہ کہ تو حل ہو اس بلد کے ساتھ میں۔ یہ جملہ درمیانی ہے اور مقصود بلد الحرام کی قسم ہے۔ وَ وَالِدٍ وَمَا
 وَلَدَ۔ اور جننے والے کی اور جسکو اُس نے جنم دیا یعنی اور قسم ہے ہر جننے والے اور اُس کے جننے ہوئے کی کہ لَقَدْ
 خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ کَبَدٍ۔ البتہ ہم نے انسان کو سخت دشمنی میں پیدا کیا ف یعنی قسم ہے کہ ہم نے
 انسان کو جب دنیا میں پیدا کیا تو اُسکی پیدائش اُسکی ذات پر شدت و مشقت ہے ولیکن انسان نادان اس
 قدرت الہی کو بھول گیا اور اپنے آپکو قدرت والا سمجھ کر اس خیال میں ہے کہ اسکو بعد موت کے کوئی پیدائش نہیں کر سکتا ہے
 اقوال مفسرین (لا زئی وغیرہ نے لکھا کہ لا اقسام۔ زائدہ ہے اور قولہ تعالیٰ لا اقسام ہیوم القیامت۔ میں بیان ہو چکا کہ قسم
 میں (لا) زائدہ بہت آتا ہے جیسے لا واللہ۔ لا انفل۔ اگر کو کہ زائد ہونا نفی قسم ہوتا ہے جیسے تم نے مثال دی کہ نہیں واللہ
 میں یہ نہیں کروں گا۔ اور یہاں جواب قسم مثبت ہے یعنی لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ کَبَدٍ۔ تو یہاں (لا) کیونکر زائدہ ہے (جواب
 مثبت میں بھی (لا) زائدہ آتا ہے چنانچہ شاعر عرب نے کہا ہے تذکرت لیلیٰ فاعترتني صیابہ وکا و صمیم القلب لا یتصبر
 یعنی میں نے لیلیٰ کو یاد کیا تو مجھ پر جوش عشق چھا گیا۔ اور قریب ہوا کہ قلب کا جوت پھٹ جاوے اور بندش ٹوٹ جاوے یہاں
 دیکھو (لا) کے معنی نہیں بنتے ہیں مترجم کہتا ہے کہ (لا) یعنی (ان) ہو سکتا ہے اور اسی قسم سے قولہ تعالیٰ ما منعک ان
 لا تسجد۔ مراد یہ کہ ای شیطان تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے روکا۔ ص۔ پس قولہ تعالیٰ لا اقسام ہذا البلد۔ کے یہ معنی
 ہوئے کہ میں قسم کھاتا ہوں اس بلد کی و احدی نے کہا کہ مفسرین نے اجماع کیا کہ یہاں ہذا البلد سے مراد مکہ معظمہ ہے
 یہی ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ بعض نے کہا کہ لا اقسام قسم کی نفی ہے یعنی میں اس بلد کی قسم نہیں کھاتا جبکہ محمدؐ اس شہر
 سے نکل جاوے۔ مجاہدؒ سے روایت ہے کہ (لا) ان مشرکوں کا رد ہے جو بوث قیامت سے منکر ہیں (لا) یعنی اے مشرک
 تمہارا انکار ٹھیک نہیں ہے۔ اقسام ہذا البلد۔ بلکہ میں اس بلد کی قسم کھاتا ہوں یعنی ضرور انسان کو بر خلافت اُس کے اعتقاد
 کے زندہ کر کے سزا و جزا دوں گا واسطی نے کہا کہ البلد سے مراد مدینہ ہے یہ قول اجماع مفسرین کے خلاف ہے علاوہ
 برین یہ سورہ کہیہ ہو واضح ہو کہ مکہ کی فضیلت معروف مشہور ہے اللہ تعالیٰ نے اسکو حرم امن قرار دیا قال من دخلہ کان آمناً
 اور کہا کہ جو اس میں داخل ہو بخوف ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسکو مشرقی و مغربی سب کا قبلہ بنایا وقال وحیث ما کنتم فولو ا
 وجوہکم شطرہ۔ اور کہا کہ تم جہاں کہیں ہو اپنے منہ اُسی کی جانب پھیرو واللہ تعالیٰ نے مقام ابراہیمؑ کو مکہ کے بنا دیا فیہ
 آیات بنیات مقام ابراہیم۔ اس میں واضح نشانیاں مقام ابراہیمؑ ہو وقال تعالیٰ ولقد علی الناس حج البیت الایہ اللہ
 تعالیٰ کے واسطے لوگوں پر حج خانہ کعبہ فرض ہے جسکو منقطع ہو مشہور ہے کہ خانہ کعبہ پر کوئی پرندہ و پر ہو کر نہیں
 اُڑتا ہے۔ ہزار ہا کبوتر جو مسجد احرام میں رہتے ہیں جب اُڑتے ہیں تو دُائیں بائیں ہو کر اُڑتے ہیں وقال تعالیٰ اذ لبونا لابرہیم
 مکان البیت الایہ۔ یعنی ہم نے جب ابراہیمؑ کو بیت اللہ کا ٹھکانا معین کر دیا کہ میرے ساتھ کچھ شرک نہ کیجیو۔ ص۔ اور
 اللہ تعالیٰ نے وہاں شکار کی گرفتاری بھی حرام کر دی مترجم کہتا ہے کہ جب زمانہ جاہلیت تھا یعنی آنحضرتؐ محمد صلی اللہ

اثر نہ ہوا اور یہ اُسکی کمائی پر موقوف ہوا اور کمائی بعد موت کے غیر ممکن ہو کیونکہ بدن جو کمانے کا ذریعہ تھا وہ مسٹ گیا ہے پس خالی روح ہو اور نفس کا فرکے پاس کمال فقط ہم ہی کفر اعتقاری ہو واللہ تعالیٰ اعلم (قوله تعالیٰ) یا ایہا النفس المطمئنة الایہ نفس مطمئنة وہ جو سپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکینت کا نزل ہوا اور وہ نور یقین سے منور ہوئی اور اضطراب دور ہوا۔ ارجحیٰ لی ربک راضیہ یعنی رضا مندی کی حالت میں اپنے رب کی طرف رجوع کر۔ یعنی جب تیرے واسطے کمال صفات پورے ہو چکے تو اب بجانب ذات رجوع کر۔ رضا مقام کمال صفات ہو اور (قوله رضیہ) اللہ تعالیٰ کی طرف سے رضا نہیں حاصل ہوتی جب تک کہ پہلے اُس سے رضی نہ ہو۔ اسلئے صحابہ رضی اللہ عنہم کے حق میں فرمایا رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ اُنسے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔ یعنی پہلے اپنی رضا مندی ذکر فرمائی اقول اسکے نظائر بہت ہیں جیسے یاد آئی ہو کہ پہلے اللہ تعالیٰ باد فرماتا ہے تب بندہ یاد کرتا ہے۔ اور جیسے توبہ ہو لہذا فرمایا۔ لقد تاب اللہ الایہ۔ اور قوله تعالیٰ فتاب علیہم لیتوبوا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اُن پر رجوع فرمایا کہ وہ رجوع لاوین (قوله تعالیٰ) فادخل فی عبادی وادخل جناتی چونکہ کمال صفات کے بعد بجانب ذات ہدایت ہے تو یہاں بندوں میں داخل ہونے سے یہ مراد کہ خاص بندوں میں شامل ہو جو توحید ذاتی میں بلند مرتبہ ہیں اور جنت عالیہ میں داخل ہو واللہ تعالیٰ اعلم ابن العربی رح

سورة البلد مکیة و بی عشرون آية

اس سورۃ کو لا اقسام کے نام سے بھی بولتے ہیں اور بارہا معلوم ہو چکا کہ کسی کو جائز نہیں ہو کہ اپنی طرف سے کوئی نام بناوے یہ سورہ بلا خلاف مکیہ ہے اور یہی ابن عباس و ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ اس سورہ میں بیس آیات ہیں اور بیاسی کلمات ہیں اور تین سو بیس حروف ہیں (ف س م) اس سورہ کے بیس آیات کے شمار میں بھی کچھ اختلاف نہیں ظاہر ہوا جیسے مکیہ ہونے میں اختلاف نہیں ہے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

شروع

لَا اُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ ۚ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ ۚ وَوَالِدٍ وَمَا وَلَدٌ ۚ
تسم کھاتا ہوں اس شہر کی اور تجھ کو قید رہے گی اس شہر میں اور جننے کی اور جو جنا
لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ۚ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَخْلَدٌ ۚ
بے بنی آدمی کیا خیال رکھتا ہے کہ اُس پر بس نہ چلے گا کسی محنت میں
يَقُوْلُ اَمْ لَكَ مَا لَا يُبَدَا ۚ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهُ اَحَدٌ ۚ اَلَمْ
کتاب ہے میں کے کھپایا مال ڈھیر دین میں کیا خیال رکھتا ہے کہ دیکھا نہیں اسکو کسی نے کیا ہے
يَجْعَلْ لَّهٗ عِيْنَيْنِ ۚ وَلِيْسَانًا وَشَفَتَيْنِ ۚ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ۚ
نہیں دین اسکو دو آنکھیں اور زبان اور دو ہونٹ اور سو جہادین اسکو دو گھاٹیوں

مائل نہوئی وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو اور اللہ تعالیٰ اسکو برگزیدگی سے مرضیہ فرمایا ہو۔ شیخ حسینؒ نے کہا کہ نفس مطمئنہ نفس واحدہ ہو اور نفس شکر کنندہ کو نفس مرحومہ کہتے ہیں اور نفس خاصہ کو نفس عارفہ کہتے ہیں اور نفس عاقلہ کو راضیہ کہتے ہیں اور نفس امارہ وہ ہے جو اپنے رب عزوجل کو نہیں پہچانتی ہے۔ شیخ ابو عبد اللہ خفیف شیرازیؒ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے نفس مطمئنہ کو اوصاف ہدایت کا لباس دیا اور یہی نفس لوازمہ ہوا بن عطاءؒ نے کہا کہ نفس مطمئنہ وہ ہے کہ اپنے رب عزوجل کو پہچانتی ہو اور ایک دم بدون اسکی یاد کے نہیں صیر کرتی ہے (عراس) قولہ تعالیٰ فاما الانسان اذا ما ابتلا دالایہ بالناسان کو واجب ہو کہ صبر و شکر کے مقام میں رہے کیونکہ ایمان اسی کو مقتضی ہے اسی واسطے روایت ہے کہ ایمان کے دو ٹکڑے ہیں نصف شکر ہو اور نصف صبر ہو اسلیے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو دو طرح مبتلا فرمادیا گیا تو مال و دولت میں یا تنگی معیشت میں پس اگر اسکو مال و دولت دیکر امتحان کرے تو اُسپر شکر واجب ہو اور شکر یہ ہے کہ شرع کے موافق اسکو استعمال کرے مثلاً مال کے ذریعہ سے یتیم کا اکرام کرے اور مساکین کو طعام کھلاوے اور دیگر امور جن سے رضائے الہی حاصل ہوتی ہے خلوص کیساتھ عمل میں لاوے اور غیبت کی ناشکری نہ کرے یعنی معاصی و امراء و اولو لعب میں مال خرچ نہ کرے اور نہ اتراوے۔ یہ کہہ کر میں ابھی لائق ہوں چونکہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک کرامت و تحقیق رکھتا ہوں اسلیے اُس نے مجھے یہ دولت عطا فرمائی ہے اور اسی قسم میں سے یہ ہے کہ کھانے پینے میں طرح طرح کے امراء و تحلفات عمل میں لاوے اور مال کی محبت میں غافل ہو جاوے اور جو لوگ مستحق ہیں انکو نہ دے۔ دوسری صورت میں جبکہ اسکو فقر و فاقہ کے ساتھ امتحان کرے تو صبر کرنا چاہیے اور جبر و فزع نہ کرے اور یہ نہ کہ کہ اللہ تعالیٰ نے میری امانت فرمائی ہے کیونکہ بعض اوقات یہ صورت بندہ صالح کے واسطے اکرام ہوتی ہے اور اس حالت میں بندہ اسکی طرف زیادہ متوجہ ہو جاتا ہے کیونکہ اُسکے ذمہ ایسا جھگڑا نہیں رہتا جس میں مشغول ہو کر غفلت کرے جیسے پہلی صورت بعض اوقات استدراج ہوتی ہے یعنی آدمی رفتہ رفتہ درجہ بدرجہ غفلت میں دور کر دیا جاتا ہے حالانکہ اُس غافل کو یہ شعور نہیں ہوتا بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ میں خدا کے نزدیک بہت پیارا ہوں اسی واسطے صبح ہوا کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ غفلت میں ہے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسکی مراد اسکو دیتا ہے تو جان لو کہ یہ استدراج میں خراب ہے (قولہ تعالیٰ) کلا اذا ولدت الارض الایہ۔ دنیا میں اسکا ظہور بطور نمونہ ہے یعنی موت سے جب خاکی بدن پارہ پارہ ہوا و جاوے ایک دال ملک صدفا صفا۔ جب نفس مذکور حجاب بدن سے جدا ہوا اُسوقت رب عزوجل بصفت قہر اُسپر ظاہر ہوا اور ملائکہ جو نفوس آسمانی ہیں اور زمینی ہیں انکی تاثیر درجہ بدرجہ صفا صفا اُسکے عذاب کرنے میں ظاہر ہوئیں حالانکہ پہلے یہ شخص ان ملائکہ کو نہیں پہچانتا تھا (اقول) بلکہ انکار کرتا تھا اور بدن سے نکلنے کے بعد ان ملائکہ نے اُسکو عذاب میں گرفتار کرنا شروع کیا۔ قولہ وحی یومئذ یجنم۔ اور آج وہ آگ ظاہر ہوئی جو طبیعت پر مستولی ہے۔ یومئذ یتذکر الانسان۔ آج انسان کو وہ ہوش میں آئیں گے سے مشاہدہ ہوگا جو اسکا اعتقاد نہیں تھا اور اس حالت میں ایک ہیئت اُسکے نفس میں یقیناً جہلت ظاہر ہوگی اسلیے کہ قہر کی صفت سے اللہ تعالیٰ کا ظہور ہونا اور صفا ملائکہ واسطے عذاب کے ظاہر ہونا ایسے نفس کافر کے لیے ہوگا جیسا کہ یہ اعتقاد نہیں تھا جیسے منکر و نکر ہیں لیکن اس ہیئت سے اسکو فائدہ نہ ہوگا اسی واسطے فرمایا۔ والی الذکر ی۔ یعنی اسکے لیے نوکر کہاں یعنی ظہور کچھ نافع نہ ہوگا مترجم کہتا ہے کہ اس میں بھی یہ ہے کہ کسی چیز کا ظہور کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا جب تک نفس میں

نامہ اعمال بائیں جانب جھکا تھا کہ اُسکا اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رونا آیا اور نامہ اعمال کو دائیں طرف لایا ایک کانپڑہ تر ازو ہلکا ہوا تھا کہ اتنے میں اُسکے جو بچے مرے تھے انھوں نے پلہ بھاری کر دیا۔ ایک امتی جنم کے کنارے کھڑا رہ گیا ہی کہ ناگاہ اُسکا خوف الہی آیا اور وہاں سے لے گیا۔ ایک آدمی جنم میں گر پڑا تھا کہ اُس کا اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونا آیا اور اُسکو نکال لیا ایک امتی کو دیکھا جو پل صراط پر سید کی طرح کھڑا کانتا ہی چل نہیں سکتا اتنے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُسکا نیک گمان آیا اور اُسکو سیدھا کر دیا وہ چلا گیا ایک امتی کو دیکھا کہ پل صراط پر کبھی گھسٹتا چلتا ہی اور کبھی گھٹنوں کے بل ہوجاتا ہی اتنے میں اُس کا درود پڑھتا آیا اور اُس کو سیدھا کر دیا وہ چل نکلا۔ ایک آدمی کو دیکھا کہ پل صراط سے پار ہو کر جنت میں داخل ہونے کو چیلانا گا کہ سب دروازے بند ہو گئے کہ اتنے میں لا الہ الا اللہ کی گواہی نے آکر اُسکو جنت میں داخل کیا میں نے ایک جماعت کو دیکھا کہ اُنکے ہونٹھ کتب جاتے ہیں مجھ سے کہا گیا کہ یہ چٹاخوری کرنے والے ہیں اور میں نے ایک جماعت کو دیکھا جو اپنی زبانوں کے ساتھ لٹک رہے ہیں جبریلؑ نے مجھے کہا کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو مومنوں و مومنات کو بدوں انکی بدکاری کے فحش تھمت لگاتے تھے (رواہ الطبرانی و الحکیم و الاصبہانی و قرطبیؒ) نے کہا کہ یہ حدیث اچھی ہے ان اعمال کی حفاظت ہو لٹاک مقامات آخرت سے بچاؤ کے لیے بہتر ہے تنبیہ حدیث طبرانی میں ہے کہ لا الہ الا اللہ والون پر قبر میں اور وقت بعث کے وحشت نہیں ہو۔ حدیث ابو یعلیٰ وغیرہ میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اپنے قبور میں نماز پڑھتے ہیں۔ صحیح مسلم وغیرہ میں موسیٰ علیہ السلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کو جاتے ہوئے اپنی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔ ابونعیمؒ نے روایت کیا کہ بنی رحمہ اللہ تعالیٰ تابعی اپنی قبر میں نماز پڑھتے تھے۔ امام ابن جریر رحمہ نے بعض علما سے روایت کیا کہ ہم نے سحر کے وقت ثابت بنانی رحمہ کی قبر سے قرآن کی قرات سنی (قد رواہ ابونعیم) اور صحیح ہوا کہ بعض صحابہ رضی عنہم سے سورہ تبارک الذی کی قرات سنی (رواہ الترمذی وغیرہ) عاصم سقلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ ہم نے بلخ میں ایک مردہ دفن کر نیکو قبر کھودی تو اُسکے متصل قبر میں سورہ بخیر ہو گیا ہم نے دیکھا کہ سبزہ زار میں ایک پیر مرد قرآن کی تلاوت کرتا ہی اسی طرح ابوالنضرؒ نے دیکھا کہ ایک جوان خوبصورت خوش لباس خوشبو چار زانو قرآن مجید سبز خوش خط کو دین لیے ہوئے بیٹھا پڑھتا ہی اُس نے میری طرف نظر اٹھا کر فرمایا کہ کیا قیامت قائم ہوئی میں نے کہا کہ نہیں تو فرمایا کہ پھر اسی طرح ڈھیلا رکھ دے میں نے اس کے حکم کی تعمیل کی (رواہ ابن مندہ) امام ابن النجار نے اسی کے مانند تاریخ بغداد میں ایک روایت وارد کی ہے (سیوطیؒ) اہل صلاح کی برکت سے مقبرہ والون پر رحمت ہوتی ہے اور حضرت روادؒ علی تابعی کی قبر ریحان سے مفروش تھی اور امام احمد کے مزار کے متصل ایک سبکے سینہ پر گلدستہ ریحان تھا اور خوشبو مشک کی بکثرت روایات ہیں امام بخاری کے مرقہ پاک سے مدقون علانیہ ظہور رہا اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ صحابی کے مرقہ پاک سے لوگ خوشبو دار مٹی سمجھ کر لائے اور گھر میں دیکھا تو وہ مشک تھی اور یہ روایات بیشمار حضرات ائمہ محدثین نے وارد کی ہیں۔ منہال بن عمرو تابعی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک جب کہ دمشق سے اٹھایا گیا اور سر کے آگے ایک شخص سورہ کہف پڑھتا جاتا تھا جب وہ اس آیت پر پہنچا۔ ان اصحاب الکہف والرقیم کا نوا من آیاتنا عجبا۔ تو سر مبارک نے بلند آواز سے کہا کہ میرا قتل اور برائے خدا اصحاب الکہف سے بھی زیادہ عجیب ہے (رواہ ابن عساکر) حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا کہ واثق خلیفہ عباسی نے امام احمد بن نصر الخزازی محدث کو کہا کہ قرآن مخلوق ہو نیکا اقرار کریں انھوں نے انکار کیا اُس غنی نے اُن کو قتل کر کے

امام ترمذیؒ نے جامع میں روایت کی کہ اتفاق سے ایک سانپ خوفناک آیا۔ یہ لوگ خوف کھا کر ہٹ گئے اور وہ ان مردوں میں گھستا پھرا یہاں تک کہ ابن زیار کے سر میں دونوں نتھنوں سے گھسا اور منہ سے نکلا اور منہ سے گھسا اور نتھنوں سے نکلا کئی بار اس طرح کر کے چلا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد پھر آیا اور اُسے اس طرح کیا پھر وہ چلا گیا اور کسی طرح معلوم ہوا کہ وہ کہاں سے آیا تھا اور کہاں گیا (رواہ الترمذی واسنادہ صحیح) مہترجم کہتا ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی عذاب ظاہر کیا اور آخرت میں ان کا عذاب سب مومنوں کے اعتقاد میں سخت ہو اور اللہ تعالیٰ علیہم خیر ہے تبنیہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک بندے کے واسطے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ اسکو سو کوڑے مارین وہ اللہ تعالیٰ سے گریہ و زاری دے گا کہ تار ہا یہاں تک کہ ایک کوڑے کا حکم ہوا اس کوڑے کے مارنے سے تمام قبر آگ سے پھرک اٹھی۔ پھر جب یہ حالت رفع ہوئی اور وہ شخص بدستور ہو گیا تو اسنے ملائکہ سے استفسار کیا کہ کیوں مجھے مارنے کا حکم ہوا تھا انھوں نے کہا کہ تو نے ایک دفعہ نماز بغیر وضو کے پڑھی اور ایک مرتبہ ایک مظلوم تجھے فریاد کرتا رہا تو نے اُسکی کچھ پروا نہیں کی (رواہ الطحاوی والیو شاخ) اور ابن ابی شیبہ دہنادین ابی الدینا نے اسکے مانند عمرو بن شریل تابعی سے روایت کیا ہے واللہ تعالیٰ اعلم تبنیہ اب چند اعمال و اسباب ایسے بیان کرنا چاہیے جو عذاب قبر سے مانع ہین جہاد میں شہید ہونا (ترمذی وابن ماجہ) ہیضہ وغیرہ میں شکم کی بیماری سے مرنا (ترمذی وابن ماجہ) طویل سجدہ (ابو نعیم) سورہ تبارک الذی کی تلاوت کرنا (نسائی صحیح) سورہ الم تر قبل السجدہ (دارمی) امام یا نعمی نے مدفن الریاحین میں بعض اولیاء میں سے نفل کیا کہ ہم نے ایک میت کو دفن کیا اور لوگ چلے گئے تو میں نے قبر میں مدو کوڑے کی آواز سنی کہ ناگاہ قبر میں سے ایک کالائتا نکلا نکلا نکلا نکلا (یعنی قبر میں کوئی سویا خ نہیں ہوا بلکہ وہ نکلا یا) میں نے اُس سے کہا کہ اے کج بخت تو کون ہو اسنے کہا کہ میں میت کا عمل ہوں میں نے اُسکے پاس بیٹھنا چاہا اتنے میں مجھے معلوم ہوا کہ اُسکے پاس سورہ یس وغیرہ ہیں وہ میرے اور اُسکے درمیان حامل ہو گئیں اور میں مار کر نکال دیا گیا (الرخص) اور وجہ یا شب جمعہ میں انتقال کرنا (ابو یعلیٰ و یحییٰ) رمضان میں مرنا (ابن رجب نے کہا کہ باسناد ضعیف ہی حدیث عبدالرحمن بن عمر رضی اللہ عنہ میں ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ میں نے آج کی رات عجب دیکھا میں نے دیکھا کہ میری امت میں سے ایک شخص پر عذاب قبر منسوخ کیا گیا تھا کہ اُسکا وضو آیا اور عذاب سے اُسکو چھڑا لیا المہترجم کہتا ہے کہ اس حدیث کا خلاصہ ما بعد یہ ہے کہ ایک مسلم کو شیا طین نے گھیرا تھا اور ذکر الہی نے اُسکو چھڑا لیا ایک کو ملا کہ عذاب سے نماز نہ رہا گیا ایک پیاس کی شدت سے زبان نکالے ہر خون سے روکا جاتا تھا کہ اُسکا روزہ آیا اور اُسے سیراب کیا۔ ایک مسلم کو دیکھا کہ انبیاء علیہم السلام کے حلقے سے ہر طرف سے روکا جاتا تھا اتنے میں کھل جانت آیا اسکا ہاتھ پیر کر میرے قریب بٹھا دیا اور میں نے ایک انتی کو لکھا کہ چاروں طرف اسکو تاریکی نے گھیر لیا ہے اور وہ درمیان میں متحیر ہے کہ ناگاہ اُسکا ج وعمرہ آیا اور اُسکو تاریکی سے باہر نکال لیا ایک مسلمان امتی سے مومنین بات نہ کرتے تھے کہ اُسکے صلہ رحم نے سفارش کی۔ ایک مسلم اپنے منہ سے آگ کی لیٹ کو ہاتھ سے پکاتا اور پریشان تھا کہ اُسکا صدقہ آکر لڑ ہو گیا ایک کو زبانہ نے گھیرا تھا تو امر معروف و نہی منکر نے بچایا اور نکال کر ملائکہ حمت میں ملا دیا۔ ایک امتی حجاب میں بانوئی توڑے بیٹھا ہے کہ اُسکے حسن خلق نے آکر حجاب رفع کیا۔ ایک امتی کے واسطے

مکڑا کر چلی گئی تو ان میں سے شہریر لوگ نیکون پر غالب ہو گئے۔ عہدہ واضح ہو کہ بعد شہادت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جب حضرت امام حسنؑ نے صلح کر لی اور مدینے چلے آئے تو کوفیوں نے اہل بیت رضی اللہ عنہم کی محبت کا دعویٰ کیا اور بہت سے مکاروں نے یہ تدبیر نکالی کہ چونکہ امت کے مسلمان سب اہلبیت اطہار رضی اللہ عنہم کی عزت و حرمت کو جان و دل سے مانتے ہیں تو ایسی تدبیر نکالیں جس سے ہمارا گروہ الگ ہو جاوے اور جیسے خوارج نے ابو اوزد فارس وغیرہ کے شہر وں پر قبضہ کر لیا ہے ہم بھی کہیں حاکم بن جاوین تو دیر پردہ یہ عقیدہ نکالا کہ علی رضی اللہ عنہ بادل میں زندہ ہیں اور وہ آنے والے ہیں اور اسی طرح باطل عقیدے نکالنے شروع کیے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو فیصلجات فرمائے تھے اور وہ لکھ دیے گئے تھے ان میں بکثرت تحریفیں کر دیں ولیکن اس زمانہ میں تمام امت میں متواتر یہ بات مسلم تھی کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اس امت کے سرنام تھے تو انکی فضیلت کا اقرار کرتے رہے پھر ایک مدت دراز کے بعد ان خنیہ تقیہ والوں نے ان میں بھی کلام کرنا شروع کیا اور سب کلام بیان لکھنا غیر ممکن ہو گیا کیونکہ بہت دراز ہو اور خلاصہ یہ کہ وہ والوں نے خنیہ اس قسم کے بد عقاید نکالنے شروع کیے تاکہ جماعت علیحدہ قائم کر کے کسی ملک پر مسلط ہو جاوین ولیکن ان جعلی مکاروں کو یہ سلیس نہوا برخلاف انکے خارجی بختوں کے ذہن ہی میں یہ عقیدہ جم گیا تھا کہ ثالثی فیصلہ کفر تھا اور یہ عقیدہ اگرچہ ضلالت تھا مگر ان لوگوں میں مضبوط چابوتا تو وہ لوگ اسکی بنیاد پر سخت قتال کرتے تھے برخلاف روافض مکاروں کے کیونکہ یہ لوگ تو اپنے جعل کو خود جانتے تھے اسلئے کبھی مردانہ ہمت سے نہیں لڑے۔ جب یہ حال معلوم ہو چکا تو اب رجوع کر جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کوفہ کا قصد کیا تو حضرت ابن عباس و ابن عمر و ابن الزبیر وغیرہ رضی اللہ عنہم نے منع کیا اور آپ کے بھائی محمد بن علی جو محمد بن مشہور ہیں یہ راے نہیں دیتے تھے ولیکن آپکی راے جم گئی کیونکہ مسلم بن عقیل کا خط آ گیا تھا کہ اٹھا رہا ہزار کوفیوں نے مجھے اپنی بیعت کر لی ہے اصحاب مذکورین رضی اللہ عنہم نے کہا کہ کوفیوں پر کچھ اعتماد نہ کیجئے اور بیت اللہ کے پاس حرم محترم میں عزت سے بسر کیجئے یہاں ہم سب جان نثاری کو موجود ہیں آپ نے نہ مانا اور امر الہی یوں ہی جاری ہوا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر آپ جانے پر اصرار کرتے ہیں تو بال معجون کو بیان چھوڑ دیجئے آپ نے اسکو بھی منظور نہ کیا۔ اُدھر کوفیوں کے خبت نفس سے مسلم بن عقیل شہید ہوئے اور معاملہ درہم و برہم ہو گیا اور وہی کجخت کوفہ والے ابن زیاد خبیث کے شریک ہو گئے اور آپ کے مقابلہ میں تلوار نکال کر لڑنے آئے آپ نے وہ سب خطوط نکال کر دکھلائے سبھوں نے صاف انکار کیا آخر حضرت مع اولاد و اقارب و اصحاب کے دسویں محرم کو شہید ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہم جمعین وانا للہ وانا الیہ راجعون۔ ابن زیاد خبیث نے آپ کا سر مبارک اپنے سامنے رکھوایا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کو مسلط کیا اُسے کوفہ میں خنیہ طور سے لوگوں کو ملامت کی کہ تم نے کس طرح فرزند رسول اللہ کے ساتھ یہ معاملہ کیا جسکے بیان علیکہ تصور سے اہل ایمان کا جگر خون ہوا جاتا ہے ان میں سے بہت لوگ نادوم ہوئے اور اس سے پہلے سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ ایک صغیر صحابی نے ایسا کیا تھا ولیکن بہت کم لوگ انکے ساتھ گئے اور وہ شام کے راستہ میں مع اصحاب کے شہید ہو گئے پھر مختار کے ساتھ مالک اشتر رحمہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا ابراہیم بن مالک متفق ہو گیا تھا اُس بہادر کے ذریعہ سے کام کو رونق ہوئی اور مختار کا تسلط کوفہ و جزیرہ غزوہ پر ہو گیا اُسے شامیوں کو شکست دی اور عبید اللہ بن زیاد کا سر کاٹ کر لایا گیا اور بہت سے اشرار فجار کے سر لاکر ڈالے گئے۔

اور کہا کہ شامی لوگ بھی کافر ہیں کہ وہ بھی نالوثی حکم پر راضی ہوئے اور دونوں میں سے جس کا کوئی آدمی ملتا اسکو قتل کرتے ہیں خارجی فرقہ ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو انکے بیان بھیجا اور انکی غلطی پر ہوشیار کیا انہیں سے کچھ لوگ نادم ہو کر توبہ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں آ گئے اور باقی سخت دل لڑائی پر آمادہ ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اہل عراق کو وہ حدیثیں سنائیں جو خوارج کے بارہ میں آئی ہیں اور انہیں قتال کرنے پر ثواب عظیم سنایا۔ اسی موقع پر ایک کوئی نے کہا کہ اس ساعت آپ سفر نہ کریں ورنہ آپ کے ساتھی بہت مارے جا دیں گے کیونکہ فردر عقب ہر آپنے اسکو جھڑکا کہ اگر آئندہ تو نے ایسا کیا تو عمر بھر قید میں رکھو گا اور فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے کوئی منہم نہ تھا اور بعد آپ کے ہم لوگوں کے پاس کوئی منہم نہیں تھا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کے واسطے قیصر و کسری کی سلطنتیں فتح کر دیں آپ نے اسی وقت کوچ کیا۔ بات یہ تھی کہ خوارج میں عموماً وہ لوگ تھے جو لڑائی میں سخت بہادر مشہور تھے اور بڑے سخت دل تھے اسی وجہ سے عراقی ڈرتے تھے بہر حال قدرت الہیہ سے حضرت امیر المومنین نے خوارج سے قتال کیا اور سب خوارج مارے گئے اور آپ کے لشکر سے کوئی نہیں مارا گیا تھا اور ایک روایت میں جاہل آدمی شہید ہوئے۔ پھر آپ نے شام کی جانب رخ کیا تو عراقیوں نے کہا کہ ہماری تلواریں خراب ہو گئیں آپ کو فہم قیام کیجئے تاکہ ہم سامان درست کر لیں آپ نے فرمایا کہ اچھا باہر لشکر گاہ میں رہو عراقیوں نے منظور کیا لیکن رفتہ رفتہ سب اپنے گھروں میں چلے گئے اور بہت کم لوگ واپس آئے پھر آپ نے ہرچیز خطبہ میں انکو تاکیدات بلغ فرمائیں اُن پر اثر نہ ہوا یہاں تک کہ مصر و حجاز وغیرہ میں شامیوں نے داخل کر لیا اور خرابن ملجم خبیث نے ایک خارجیہ عورت کے لالچ میں حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اور وہ سرور اولیاء اور سردار اتقیا رضی اللہ عنہ و کرم اللہ وجہہ اس خاکدان بے ثبات سے جنت الفردوس میں سد ہارے بعد آپ کے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے پاس خراسان و عراق سے ایک لشکر عظیم جمع ہوا اللہ اپنے شام کا قصد فرمایا لیکن بعضے خوارج نے آپ سے بھی عداوت کا بیڑا اٹھایا اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپکو الفت اگلی صلح کا پیغام بھی اپنے نہایت رحمدلی سے جو آپ کی ذات مبارک میں جلی تھی یہ منظور کر لیا کہ معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں اور خلافت اُسی کو دینا اور بہت سے شرائط قلمی فرمائے معاویہ رضی اللہ عنہ نے سب منظور کر لیے اور آپ عراق سے مدینہ منورہ میں آ گئے معاویہ رضی اللہ عنہ کے وقت تک امت کا انتظام عدل شریعت پر رہا اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے عراقیوں کی اُس جماعت کو جسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شہید کرنے میں سر اٹھایا تھا جن جن کرم مار ڈالا بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بڑے چند مدت تو خاموش رہا پھر اُس نے اپنے حبشہ اہلن کا اظہار کیا اور علاوہ افعال فبیحہ کے یہ جاہل کہ کسی طرح حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو شہید کرے چنانچہ بزرگ جعدہ بنت اشعث کے زہر دیکر شہید کرنے میں کامیاب ہوا۔ حالانکہ اسی جعدہ کجخت کا سکا بھائی محمد بن اشعث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عزیز مستغزری میں مرتبہ سعادت کو پہنچا حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے لڑا کر شہید ہو چکا تھا اور شامیوں نے اسکو مارا تھا اور جعدہ کجخت اپنی دنیاوی مراد کو بھی نہ پہنچی۔ پھر زید بلید نے چاہا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور عبد الرحمن بن ابی بکر الصمد رضی اللہ عنہ و عبد اللہ بن جعفر و عبد اللہ بن الزبیر و غیرہم رضی اللہ عنہم کو شہید کرے کیونکہ زید بلید سے بدرجہا یہ لوگ خلافت کے لیے بہتر تھے لیکن حدیث شریفہ کا معجزہ صادق آیا کہ جب میری امت کے خلیفہ و بادشاہان کی اولاد ہو گئے اور امت

کو چ کر نیکا ارادہ کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس و عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہم نے آپ سے ملاقات کر کے کہا کہ اسے فرزند رسول اللہ آپ کیا قصد فرماتے ہیں آپ خوب جان لیں کہ شیعہ کوفہ پر کچھ بھی اعتقاد نہیں ہے آپ کے والد ماجد کے ساتھ انھوں نے کیسا بڑا ہر تاؤ کیا تھا مترجم کہتا ہے کہ شیعہ اُس زمانے میں پیروی کرنے والوں کو کہتے تھے مثلاً یہ لوگ شیعہ زبیر ہیں اور وہ لوگ شیعہ بنی ہاشم ہیں یعنی جو لوگ جس سے محبت و پیروی کا دم بھرتے تھے اُسکے شیعہ کہلاتے تھے چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شامیوں سے قتال کے بعد جب محاکمہ قرار پایا تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمر بن العاص رضی اللہ عنہ کو اپنی طرف سے بھیجا اور حضرت امیر المومنین خلیفہ برحق حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرف سے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ آخریتجہ یہ ہوا کہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جو بہت سیدھے سادے آدمی تھے عمرو بن العاص سے طول گشتگو کے بعد کہنے لگے کہ اچھا پھر یہ کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو تو خلافت میں ابھی بیعت کا حق نہیں ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کا خلع کر دو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ بن عمر سے بیعت کرو۔ عبداللہ بن عمر بھی باپ کی طرح عابد زاهد ہیں۔ یقین ہے کہ پھر وہی عدل و انصاف کا زمانہ آجائے گا جیسے پہلے تھا۔ عمرو بن العاص نے کہا کہ میرے بیٹے عبداللہ میں بھی یہی صفت ہے اُسکو خلیفہ کر دو کیونکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خلافت کو بالکل پسند نہیں کرتے ہیں وہ ہمہ تن آخرت کے لیے ناز و روزہ پر متوجہ ہیں اور ہمیشہ تنہائی پسند کرتے ہیں آخر یہ ٹھہرا کہ اچھا پھر امت کے لوگ جس کسی پر متفق ہوں اسکو خلیفہ کریں اور یہ ٹھہرا کہ کل کے روز مجمع عام میں یہ فیصلہ سنایا کہ رات میں عمرو بن العاص بہت تشکر کرتے تھے کہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے یہ بات کیونکر تجویز کی کہ حضرت علی کو خلافت سے علیحدہ کریں حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بہتر کوئی اسوقت ممکن نہیں ہے اور علاوہ اسکے یہ اختیار انکو کہاں سے حاصل ہے خیر کچھ ہو میں پہلے وجہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو دعویٰ خون خلیفہ حضرت عثمان شہید سے کیوں روکوں بلکہ اگر اسی کو خلیفہ کروں تو یہ کام بہت آسانی سے سمیٹے ہو گا لہذا دوسرے روز حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ پہلے تم منبر پر جا کر اپنا فیصلہ سناؤ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کمال سادگی سے منبر پر جا کر حمد و ثناء کے بعد حال بیان کیا کہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت میں کیسے برکات امت کے واسطے نمایاں تھے اور حضرت عثمان کی خلافت میں بھی یہی حال رہا۔ آخر میں عمر اقبون نے فتنہ برپا کیا اور اب حالت نہایت اتر ہو رہی ہے سب سے بہتر وہ ہے کہ خلافت کا جدید اتفاق ہو لہذا میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت سے معزول کیا۔ عمرو بن العاص نے اسوقت منبر پر جا کر کہہ دیا کہ پھر میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ کیا۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ یہ سنکر بہت برہم ہوئے کہ یہ ہمارے تمھارے اقرار کے خلاف ہے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تم پر اعتماد کر کے بھیجا تھا اور یہ امید نہیں تھی کہ تم اُلٹے اپنے فیصلہ کو واپس پھیر دینے اعتقاد کیا تھا میں نے اُس پر ضرر عائد کرنا بڑا جانا اور جب تک دونوں میں مخالفت ہو رہی ہے تاکہ امت کی خرابی ہو اور اگر معاویہ تنہا خلیفہ ہو تو یہ حسرت رابی نہوگی مسجد میں عجب غفلت برپا ہوا اور ہر طرف سے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ پر لوگ سہستے اور ملامت کرتے تھے پھر اسکے بعد حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ و عراق کو بلایا کہ شامیوں کی بغاوت دور کرنے کے لیے لشکر کشی کریں ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے کہ ان اہلکم لا تشد یعنی سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کا حکم نہیں ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ناشی حکم ماننا چاہا تو یہ کفر ہو گیا اس گروہ نے اس جماعت پر بصیرت و کوفہ سے نکل کر حروارہ میں اور نروان میں اپنی لشکر گاہ بنائی

بظاہر مشرک یا منافق تھا۔ ابن ابی الدینا نے روایت کی کہ حویرث بن رباب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک مرتبہ سفر میں (اناثہ) میں ہوا
 گزر ہوا یہ جحفہ میں ایک گاؤں ہی ناگاہ ایک قبر سے ایک آدمی نکلا جس کا سر منہ اور سر سب آگ سے شعلہ مارتا تھا اور اُس کے
 کندھے آتش لپکتے تھے اور اُس نے مجھے کہا کہ مجھے جلدی پانی پلا دے اُس کے پیچھے دوسرا آدمی نکلا یہ کہتا ہوا
 کہ اس کا فرکوپانی نہ دینا اور زنجیر پکڑ کر اسکو پٹک دیا اور اُسکو کھینچتا ہوا قیوں میں لے گیا۔ اور میری اونٹنی پاس قدر بھڑکی اور متوحش
 ہوئی کہ میرا سپر کچھ قابو نہ رہا اور وہ بے تحاشا بھاگتی چلی جاتی تھی یہاں تک کہ عرق الطبیہ کی موڑائی تو وہ وہاں بھی اور بیٹھ گئی
 میں بھی متوحش تھا۔ میں اُسپر سے اُترا اور میں نے اسکو ساڑھ کر عشا کی نماز پڑھی پھر سوار ہو کر روانہ ہو گیا حتیٰ کہ صبح کے وقت
 مدینہ پہنچا۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا میں نے حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کو اس
 حال کی خبر دی۔ آپ نے فرمایا کہ اے حویرث واللہ میں تجھے متہم نہیں کرتا حالانکہ تو نے مجھے سخت معاملہ کی خبر دی پھر آپ نے صفراء
 کے آس پاس والے بوڑھے لوگوں کو طلب فرما کر حویرث رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ انکے سامنے یہ قصہ بیان کر میں نے جو کچھ دیکھا تھا
 سب بیان کیا۔ انھوں نے کہا کہ امیر المومنین ہم نے اس شخص کو پہچان لیا۔ یہ بنی غفار میں سے ایک مشرک تھا اور زمانہ
 جاہلیت میں مراہو کے قبائح میں سے ایک یہ تھا کہ وہ مہمان کا کچھ حق نہیں سمجھتا تھا۔ امام ابن ابی الدینا نے ہشام
 بن عروہ سے روایت کی کہ میرے باپ عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ مکہ سے مدینے کے راستہ میں ایک سوار جاتا
 تھا۔ اتفاق سے ایک قبرستان پر اُسکا گزر ہوا ناگاہ ایک قبر سے ایک آدمی نکلا جس کا سر منہ و بدن آگ سے شعلہ مارتا تھا
 اور لوہے میں جکڑا ہوا تھا وہ چلا یا کہ اے عبد اللہ پانی دے اُس کے پیچھے دوسرا شخص اُس قبر سے نکلا یہ کہتا ہوا کہ اے عبد اللہ
 اس کا فرکوپانی نہ دینا یہ سوار اس پستی تک حالت کو دیکھ کر بیہوش ہو گیا۔ صبح کو اُس کے سر کے بال سفید ہو گئے تھے حضرت
 امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ تھا جب آپ کو اُسکی خبر دی گئی تو آپ نے مانعت کرادی کہ کوئی شخص تنہا سفر نہ کرے
 مترجم کہتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس قسم کے واقعات بہت پیش آئے اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مکرر
 تنبیہ فرمائی کہ دنیا کے مکر و فریب اور اُسکی آرائش کی توجہ نہ کریں اور آخرت کی جانب متوجہ رہیں اور اسکا باعث یہ تھا کہ فتنے شروع
 ہونے لگے۔ اسی طریقے سے لوگوں کو قیاس کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ایسے معاملات کو ہمیشہ ہر شخص کے واسطے ظاہر
 نہیں فرماتا ہی بلکہ انہما کے خاص موقع میں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں یحییٰ بنی اسرائیل کو ظالمان تھا
 کہ مردے کیونکر زندہ ہونگے تو اللہ تعالیٰ نے واقعہ ظاہر فرمایا جس کا مفصل حال تولد تعالیٰ اور قتلتم نفسا فادرا تم فیہا الایہ میں مذکور
 ہے۔ کذلک یحیی اللہ الموتی الخ یعنی اللہ تعالیٰ اس طرح مردے کو زندہ فرماتا ہے اور تم کو آیات دکھلاتا ہے تاکہ تم کو سمجھ حاصل ہو
 تبلیغ واضح ہو کہ یریدین معاویہ نے عبید اللہ بن زیاد کو لکھا کہ جس طرح ہو سکے امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے میرے واسطے
 بیعت لے۔ یرید ملک شام میں تھا اور ابن زیاد اُسکی طرف سے کوفہ پر عامل تھا اور اس سے پہلے کوفے کے شیعہ لوگوں نے
 حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو بکثرت خطوط لکھے کہ آپ بیان آدین تو ہم آپکی بیعت کر کے ظالموں کو نکال دیں اور
 آپ کے جھنڈے کے نیچے ظالموں سے قتال کریں۔ حضرت نے پہلے مسلم بن حنفیل اپنے چچا زاد بھائی کو بھیجا۔ مسلم رحم
 کے ہاتھ پر اٹھا رہ ہزار شیعہ نے امام کے لیے بیعت کی مسلم نے آپکو یہ حال لکھ بھیجا آپ نے مکہ معظمہ سے جانب کوفہ

اپنے احاطہ کار استہملا دیا تھا تنبیہ ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی سے تفسیر قولہ تعالیٰ منزل من جمیم۔ میں روایت کیا کہ جو کوئی کافرو دنیا سے نکلتا ہو اسکو جمیم کا پیالہ پلایا جاتا ہے اور ضحاکؒ سے روایت کی کہ جسکی عادت شراب کی ہو مرتے وقت اُسکے منہ میں جہنم کی شراب ڈالی جاتی ہو تنبیہ ابن ابی الدینانے حارث غنوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کی کہ ربیع بن حراش تابعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر عہد کر لیا تھا کہ نہ ہنسینگے جب تک اپنا ٹھکانا نجان لین کہہاں ہی پھر وہ زندگی بھر نہیں ہنسے مگر بعد موت کے اسی طرح اُنکے بھائی ربیع بن حراش رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی یہ عہد کیا تھا اور بعد موت کے جب نہلائے جاتے ہیں تو برابر تختہ پر سکر اتے رہے چنانچہ اُنکے نہلانے والے نے مجھے خبر دی تنبیہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک وقت بنو النجار انصار کے باغ کی طرف سے اپنے خمر پر سوار جاتے تھے اور ہم لوگ آپ کے جلو میں ہمراہ تھے ناگاہ وہاں پانچ چھ قبریں تھیں کہ اُس مقام پر خمر اس وحشت کے ساتھ بدکا کہ ہم لوگ خائف ہوئے کہ ایسا نہو اُپکو گرا دے ہم لوگوں نے خمر کی حالت ناگوار سمجھی تو اپنے خمر کی بقصور کی کا اور قبروں کی طرف نظر کرنے کا اشارہ کیا اور فرمایا کہ یہ قبریں ہیں ان قبر والوں کو کوئی پہچانتا ہو کہ یہ کون ہیں اور کب مرے ہیں ایک صحابی نے عرض کیا کہ حضور میں جانتا ہوں کہ یہ زمانہ جاہلیت کی قبریں ہیں اور یہ لوگ شرک پر مرے ہیں۔ فرمایا کہ یہ امت اپنی قبریں مبتلائے امتحان کجانی ہو اگر یہ نہو تاکہ تم لوگ مارے خوف کے دفن نہ کرو گے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ وہ تم کو عذاب قبر سناوے (صحیح مسلم وغیرہ) اور صحیح میں ثابت ہے کہ بہائم و پرند وغیرہ سوائے جن و انس کے عذاب القبر سنتے ہیں تنبیہ ابن ابی الدینا و خلال وابن البراء نے اپنی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ ایک دفعہ میں سفر کے لیے روانہ ہوا اتفاق سے میرا گزر زمانہ جاہلیت کے ایک گورستان کی طرف ہوا ایک قبر سے ایک آدمی نکلا جسکی گردن میں آگ کی زنجیر تھی اور وہ آگ میں شعلہ مارتا تھا اُس نے مجھے کہا کہ اے عبد اللہ مجھے پانی پلاوے میرے ساتھ پانی کی چھال تھی اتنے میں ایک دوسرا نکلا اور کہا کہ اے عبد اللہ اسکو پانی نہ دینا یہ تو کافر ہے پھر اُس نے کافر مذکور کی زنجیر پکڑ کر گھسیٹ کے قبر میں داخل کر دیا میں روانہ ہوا اور مجھے رات ہو گئی تو میں گاؤں میں ایک بڑھیا کے مکان میں اتر رہا جب رات گئی تو میں نے یہ ایک ایک آواز سنی۔ بول و مابول و شن و ماشن یعنی پیشاب اور کیا برا معاملہ پیشاب کا ہو اور شکنیزہ اور کیا برا معاملہ شکنیزہ کا ہے غور سے دیکھا تو گھر کے کونہ میں ایک قبر ہے جس میں سے یہ آواز آتی ہے۔ میں نے اُس بڑھیا سے کہا کہ یہ کیسی آواز ہے اور کیا معاملہ ہے۔ بڑھیا نے کہا کہ اے فرزند یہ شخص میرا خاوند تھا اور زندگی میں پیشاب سے بچاؤ نہیں کرتا تھا اور میں اُس سے کہا کرتی تھی کہ اے جب اونٹ پیشاب کرنے لگتا ہے تو اپنے پانوں پھیلا لیتا ہے حالانکہ وہ جانور ہے۔ یہ شخص میرا کسٹ نہیں مانتا تھا جب سے وہ مرا ہے تو اسی طرح بول و مابول چلا یا کرتا ہے اور ایک روز اتفاق سے ایک مسافر جو شدت سے پیاسا تھا اُسکے پاس آیا اور پانی مانگا اُس نے میری جھم سے اُسکو تعلق میں ڈالا اور آخر اس سے کہا کہ اس شکنیزہ کو لے لے۔ جب اُس نے شکنیزہ کو لیا تو جاننا کہ یہ بالکل خالی ہوتی ہے وہ مردہ ہو کر گر پڑا۔ جب سے یہ شخص مرا ہے تو شن و ماشن بھی چلا یا کرتا ہے بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر جب واپس آیا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حال عرض کیا اُس نے لوگوں کو تنہا سفر کرنے سے منع کر دیا بعض علماء نے لکھا ہے کہ تنہا سفر کرنا کبیرہ گناہ ہے واللہ تعالیٰ اعلم مترجم کہتا ہے کہ بڑھیا کا خاوند

کہا کہ اس شخص یہ کیا معاملہ ہے اور تو نے کیا دیکھا اور تو کس حال میں ہوئے کہ میں کونے کے رخص کرنے والوں کی صحبت میں بیٹھا تو انھوں نے مجھے ابو بکر و عمر کی بدگوئی کرنے میں اور ان سے بیزاری و تبرک کرنے میں اپنا ساتھ کر لیا۔ ہاے دلیل و ثبوت سے ہم نے کہا کہ اس شخص یہ کلمہ چھوڑ دے اور اب اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لے کہ پھر رخص و تبرک نہ کیجیو۔ اُس نے کہا کہ ہاے اب مجھ کو یہ توبہ کیا نفع دیگی۔ مجھے تو میری جگہ پر آگ میں لیگے، لیکن مجھے کہا گیا کہ تو جا کر اپنے لوگوں کو اس سے آگاہ کر کے اسی جگہ لوٹ آؤ گی۔ واللہ ہم نے دیکھا کہ ادھر اُسکی یہ بات پوری ہوئی کہ وہ ادھر پہلی حالت پر مردہ ہو گیا تثنیہ آخرت کی ایسی شان ہے کہ وہاں اس وقت وہ لوگ نظر آتے ہیں جو آئندہ ہونے والے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں جو وحی ہوتا ہے اپنی آخری امت والوں کے فسق و فساد کو دیکھا مثلاً آپ نے دیکھا کہ ایک مقام پر دو طباق میں ایک طباق میں پاکیزہ گوشت ہے اور دوسرے میں گندہ مٹرا ہوا ہے اکثر لوگ اچھے گوشت کو چھوڑ کر گندہ مردار پر هجوم کرتے ہیں آپ نے پوچھا تو فرشتہ نے بتلایا کہ لوگ آپ کی امت کے زنا کار ہیں جنکے پاس حلال بی بیان موجود ہیں وہ انکو چھوڑ کر حرام عورتوں پر هجوم کرتے ہیں کما فی الصحیح۔ اور اس خواب میں بکثرت اسی قسم کے آثار موجود ہیں۔ اسبطح مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے کہ تھیں ہجری میں وفات پائی۔ زید بن اسلم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ ہوش سے غائب ہوئے پھر کہا کہ اللہ ان لا الہ الا اللہ دان محمد رسول اللہ آگاہ ہو کہ عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ رفیق اعلیٰ میں ہیں اور عبد الملک حجاج آگ میں اپنی آنتیں چکی کی طرح گھاتے پھرتے ہیں (رواہ ابن ابی الدینا و ابن عساکر) عبد الرحمن بن عوف ان دس صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہیں جنکی جنتی ہونے کی بشارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلام فرمائی۔ اور عبد الملک بن مروان شام میں ظالم بادشاہ تھا اور اُسکی طرف سے حجاج ظالم ملک عراق پر حاکم تھا اور انکی حکومت سنہ ہجری کے بعد ہوئی ہے اور اس زمانے کے بعد بھی انکا واقعہ دیکھا گیا چنانچہ امام ابن عساکر نے ابو معشرم سے روایت کی کہ مدینہ میں ہمارے نزدیک ایک شخص مر گئے جب انکو نہلانے کے لیے لٹایا تو یکایک اٹھ بیٹھے اور اپنی آنکھیاں آنکھوں پر رکھ کر فرمایا کہ واللہ میری آنکھوں نے دیکھا۔ میری آنکھوں نے دیکھا عبد الملک اور حجاج کو کہ اپنی آنتیں آگ میں چکی کی طرح گھاتے پھرتے ہیں پھر وہ بدستور مردہ ہو کر لیٹ گئے تثنیہ امام ابن ابی الدینا و بیہقی و ابو نعیم نے مجاہد رحمہ اللہ سے روایت کی کہ جب کوئی نسبت تراہی تو اُسکے حلیم نظر آتے ہیں اگر اہل الذکر سے ہو تو اہل الذکر اور اگر اہل النہی سے ہو تو اہل النہی دالے نظر آتے ہیں۔ مجاہد نے یزید بن سجرہ صحابی رضی اللہ عنہ سے اسکو روایت کیا (رواہ ابن ابی شیبہ) امام بیہقی نے ربیع بن زہرہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کیا کہ شام میں ایک شخص موت میں ہوا اُس سے کہا گیا کہ لا الہ الا اللہ کہہ اُس نے جواب میں کہا کہ تو بی اور مجھے بھی بلا۔ یعنی شراب۔ ابوازمین ایک میث سے کہا گیا کہ لا الہ الا اللہ کہہ اُس نے کہا کہ ذہ یازوہ اور آخر ذہ دواؤہ۔ یعنی دس کی چیز گیارہ کے نفع پر لین میں کرتا ہوں اور آخر دنس کے بارہ ٹھہرائے اور یہ ربیع بن زہرہ عابد زائد تھے یہ بصر میں مقیم ہوئے تھے اور کہا کہ بیان بصرہ میں ایک شخص سے موت کے وقت لا الہ الا اللہ کہنے کو کہا گیا وہ کہنے لگا یا رب فائتہ یوماً وقد تعبت بہ کیف الطریق الی حمام منجاب۔ ایک روز ایک پوچھنے والی جو تھک گئی تھی پوچھنے لگی کہ حمام منجاب کا راستہ کدھر ہے۔ موت کے وقت یہ شعر پڑھتا تھا مجاہد حسن الحسنین میں اس شخص کا قصہ اسطرح مذکور ہے کہ اس شخص سے ایک عورت نے حمام منجاب کی راہ پوچھی تھی اس شخص نے اُسکو دھوکا دیکر

وہ کوئی بہ نسبت مان باپ کے بہت بدتر ہی۔ چنانچہ اگر تو یہ نہ کرے تو مغفرت سے محروم رہیگا۔ عبد الرحمن مجاہد بنی رحمہ اللہ
تعالے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص روافض کی صحبت میں بیٹھتا تھا۔ جب اُسکی موت کا وقت آیا تو ہر چند اُس سے لا الہ الا اللہ
کہنے کو کہا گیا اُسے انکار کیا اور کہا کہ مجھے قدرت نہیں ہے اور اسطرح مر گیا (رواہ ابن عساکر) اگر کوئی کہے کہ بہت لوگ جو والدین
کی نافرمانی کرتے ہیں اور اصحاب رضی اللہ عنہم کو برا کہتے ہیں وہ اس حالت پر نہیں مرتے ہیں (جواب) امام اوزاعیؒ نے کہا
کہ اللہ تعالیٰ تم کو عبرت دلاتا ہے تاکہ ہوشیار ہو جاؤ یعنی یہ بات بطور عبرت کے کہی دکھلا دی جاتی ہے اور اگر ہر ایک کے ساتھ یہی ہوتا تو
کوئی امتحان میں نہ پڑتا جیسے ہر کافر کی قبر میں آگ نظر آتی تو کوئی کافر نہ رہتا۔ کیا نہیں دیکھتے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کے زمانے میں ایک شخص نے سفر میں ایک مسلمان کو یہ سمجھ کر کہ اس نے بچاؤ کے لیے تقیہ کیا ہے قتل کر ڈالا اور یہ خبر آنحضرت صلعم کو
پہونچی تو قاتل نے حاضر ہو کر آپ سے مغفرت کی درخواست کی آپ نے فرمایا کہ نہیں خدا تیری مغفرت نہ کرے وہ شخص رو ہوا
اُٹھ گیا۔ اور اسی ہفتہ کے اندر مر گیا تو اُسکی قوم نے جب اسکو دفن کیا زمین نے نکال کر پھینک دیا آخر تیسرے مرتبہ کے بعد
اسکو پہاڑ میں ڈال کر چلے آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین تو اس شخص سے زیادہ بدتر کو قبول کر لیتی ہے لیکن
اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ تم کو عبرت دلائے امام اوزاعیؒ نے بھی اپنے زمانے میں ایک شخص کا قصہ اسطرح نقل کیا ہے۔
اس سے معلوم ہوا کہ جو مسلمان توحید پر تھا اُس سے یہ بات ظاہر فرمائی یعنی عبد الرحمن المجاہدؒ نے جس شخص کا قصہ روایت
کیا وہ مسلمان تھا لیکن روافض کی صحبت میں اسکو شک و خیال فاسد بجانب صحابہ رضی اللہ عنہم پیدا ہو گیا تھا تو اُسپر یہ
سختی ظاہر فرمائی اسطرح حدیث میں جس نے قتل کیا وہ مسلمان تھا اور اپنی عدم مغفرت پر روایا تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہی
نہایت اُسکے حق میں کفارہ فرمائی ہو اور دوسروں کے لیے عبرت ہو گئی واللہ تعالیٰ ہو الغفور الرحیم تبلیغ حضرت
خلف بن حوشب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مائیں میں ایک مسلمان کا انتقال ہو گیا ہمارے لوگوں نے اسپر کپڑا ڈھانک
ویا۔ ناگاہ اُسکے کپڑے کو جنبش ہوئی اور اُس نے کپڑا ہٹا دیا اور کہا کہ لوگو ہمارے محلہ کی مسجد میں ایک جماعت خضاب (سیاہ)
لگائے ہوئے بیٹھی ہے اور مسجد میں بیٹھ کر حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو لعنت کر رہی ہے اور اُسے تبرک کرتی ہے اور جو فرشتے
میری روح کے لینے کو آئے ہیں وہ ملائکہ اس جماعت مذکور پر لعنت کرتے اور اُسے تبرک کرتے ہیں یہ کلمہ وہ شخص بدستور مردہ
ہو گئے (رواہ الامام ابن ابی الدنیا) یعنی اسکو امام ابن ابی الدنیا نے روایت کیا اور یہ اولیاء مشہورین میں سے ثقہ محدث
ہیں ان سے امام ابن ماجہ وغیرہ نے حدیث روایت کی ہے اور امام ابن ابی الدنیا نے باسناد و دیگر حضرت عبد الملک بن عبد اللہ بن عمرو
سے اور ابو الخضیب بشیر رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کی کہ ہم لوگ مائیں میں ایک میت کے جنازہ میں شرکت کے لیے
گئے (مترجم کتاب ہے کہ اُس زمانے میں رافض کے عقیدے والے تقیہ کر کے ظاہر نہیں ہوتے تھے اس لیے اہل اسلام
انکے خیمہ و تکفلین میں شریک ہوا کرتے تھے) جب ہم لوگ میت کے پاس پہونچے تو ہم نے دیکھا کہ اُسکے لوگوں نے
اُسکے پیٹ پر ایک اینٹ رکھ دی ہے (یعنی ہم نے اسکا سبب دریافت نہیں کیا) اور ہم بھی وہاں لوگوں کے ساتھ بیٹھ
گئے ناگاہ وہ مردہ جست کر کے کودا اور اینٹ دور گری اور وہ ہر طرف ویل و شور پکارنے لگا (ویل و شور ہلاکت و
خدا ہے ہمارے ہمارے) اور یہ حالت دیکھ کر سب لوگ خوف کھا کر بھاگ نکلے پھر ہم نے جی مضبوط کر کے اور اُس سے فریب ہو کر

اُن نے بچے اور خوب یاد رکھو کہ نفس دہی مطمئن ہو گا جس کا اول عقیدہ موافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والی طہار و اصحاب خیار
ہو اور جو کوئی عقیدے میں فاسد ہو وہ کسی نماز روزہ وغیرہ کی کثرت و مشقت سے اس مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا ہے
کیا نہیں جانتے ہو کہ خارجیوں کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ لوگ دین سے اس طرح
خارج ہونگے جیسے شکار سے تبریاب ہو جاتا ہے یعنی کہیں نام کو اُس میں خون کا لگاؤ البتہ رہ جاتا ہے حالانکہ یہ فرمایا کہ
تم لوگ اپنی نماز کو انکی نماز کے مقابلے میں اور اپنے روزہ کو انکے روزہ کے مقابلے میں ہیچ سمجھو گے اسی طرح روافض کی
نسبت تشنیع طبع فرمائی ہے۔ اور کیا تم لوگ یہ نہیں دیکھتے ہو کہ بعض کفار کس طرح جوگی و راہب نصرانی ہو کر دنیا میں مشقت
اٹھاتے ہیں حالانکہ قطعاً انکو آخرت میں نجات نہیں ہو نعوذ باللہ من الضلالۃ بھجر سطح آدمی عقیدہ کی ضلالت سے
بچے اسی طرح شریعت میں نبی بالون کی بدعت نکالنے سے بھی بچے اور یہ نہ کہے کہ اس بات میں کیا حرج ہے یہ تو اچھی بات ہے
کیونکہ عقیدہ میں جو فرقے گمراہ ہوئے انھوں نے بھی اپنی ہی رائے نکالی اور انکی رائے صریح متواتر آیات و احادیث و سلف
اجماع سے مخالف تھی تو ان گمراہوں نے اپنی رائے کو عقل قرار دیکر آیات وغیرہ کے معانی پھیر لیے اور اپنی رائے نہ چھوڑی
بلکہ ایمان کی راہ یہ ہو کہ جو کچھ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہم کو بذریعہ صحابہ رضی اللہ عنہم پھرتا ہے
اتباع کے سلسلہ وار پہنچی ہو ہم اُسی پر گردن جھکا دیں اور اپنی رائے کو ہرگز دخل نہ دیں اور اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل سے
ہم کو توفیق دینے والا ہے۔ واضح ہو کہ جس ملک و قوم کے لوگ راہ راست سے منحرف ہونے لگتے ہیں تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ
اللہ تعالیٰ انکو اس قسم کے آثار دکھلاتا ہے اور اس سے دو فائدے ہیں ایک یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ کو اس قوم کے ساتھ
اس وقت بہتری منظور ہو تو یہ لوگ ہوشیار ہو جاتے ہیں اور دوم یہ کہ اس قوم پر اللہ تعالیٰ کی حجت جو پوری ہو چکی ہے
انھوں کو دکھلا کر پوری ہو جاتی ہے اور آئندہ اس قوم کا عذاب قبر سے شروع ہوتا ہے نعوذ باللہ من عذاب القبر و ما بعدہ
تنبیہ اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید الوہیت و رسالت و آخرت پر ایمان لانے کے بعد والدین کی اطاعت کی وصیت کی ہے
امام بیہقی و طبرانی نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک شخص نے انصار سے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا حضرت عجیب سانحہ یہ کہ یہاں ایک شخص کو موت کا وقت ہے
اور ہر چند اُس سے کہتے ہیں کہ لا الہ الا اللہ کہ وہ نہیں کہتا ہے آپ نے فرمایا کہ کیا وہ زندگی میں دین اسلام کا قائل تھا اُسے کہا کہ
زندگی میں کہتا تھا اور مسلمان تھا پھر آپ مع حاضرین اصحاب کے اُسکے پاس گئے اور اُس سے کلمہ توحید کہنے کو فرمایا اُس نے
عرض کیا کہ یا حضرت میں اپنی والدہ کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے اس وقت اس سے روکا ہوں آپ نے اُسکی والدہ کو بلایا اور دُرایا کہ اگر
آگ بھڑکا کر اُس میں ڈال دینے کو آمادگی کیا وے جبکہ تو معاف نہ کرے تو کیا تو راضی ہوگی اُس نے عرض کیا کہ یا حضرت ایسی حالت میں نہ
معاف کر دوں گی آپ نے فرمایا کہ پھر ہم کو گواہ کر کہ تو نے اپنے بیٹے کو معاف کیا۔ اُس نے اسی طرح معاف کیا پس آپ نے فرمایا کہ اے
جوان اب لا الہ الا اللہ کہ اُس نے کلمہ توحید پڑھا اور انتقال کیا آپ نے فرمایا کہ الحمد للہ جسے میرے سبب سے اُسکو آگ سے نجات
دی تبیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق مان باپ سے بہت بڑھ کر ہے کیونکہ آپ جان و ایمان کی پرورش کرنے والے تھے
اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم آپ کے اصحاب ہیں اور امت کے پرورش کرنے والے ہیں لہذا انکے حق میں بدگمانی

دو برس گزرنے پر واقع ہوا۔ یہی دو راتیں ہیں اور اسکے بعد میں ہمیشہ باقی چار راتوں کو شمار کرتا رہا کہ دیکھئے انہیں کیا واقع ہوتا ہے چنانچہ ان میں اہل عراق نے بہتان باندھا اور بدکرداروں نے سر اٹھایا (رواہ ابن ابی الدنیا و ابونعیم) امام بیہقیؒ نے کہا کہ یہ اسانید صحیح ہیں۔ اس معاملہ کو حبیب بن سالم نے بھی نعمان بن بشیر سے روایت کیا اور اس میں بیرار میں کا بھی ذکر ہے جیسے حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ نے انتقال کیا اور یہ بنی حارث بن خزرج میں سے انصاری تھے لوگوں نے اپنی کپڑا ڈھانک دیا پھر اُنکے سینہ سے یہ آواز سننے میں آئی کہ اے محمد یہ کتاب اول میں ہیں سچ کہا سچ کہا ابوبکر الصدیق اپنے جسم میں کمزور اور ابتدائے کلمہ کے معاملہ میں توی تھے سچ کہا سچ کہا عمر بن الخطاب توی امین کتاب اول میں ہیں سچ کہا سچ کہا عثمان بن عفان انھیں کی راہ پر یہ دو گز رہا باقی ہیں۔ فتنے آگئے اور زبردست کمزور کو کھالیا اور قیامت قائم ہوئی اور تمھارے پاس تمھارے لشکر سے بیرار میں کی خبر انیوالی ہو بیرار میں کیا ہو سعید بن المسیب جو کبار تابعین میں سے ہیں کہتے ہیں کہ پھر اس واقعہ کے بعد بنی حارث سے ایک مرگیا اسکے اوپر بھی کپڑا ڈھانک یا گیا اسکے سینے سے بھی یہ سنا گیا کہ بنی حارث میں تخریب والے بھائی نے سچ کہا سچ کہا (رواہ ابیہقیؒ) امام بیہقیؒ نے کہا کہ بیرار میں ایک کنواں ہوا اس میں عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کی انگوٹھی گر پڑی اور نہ ملی۔ اُس وقت انکی خلافت سے چھ برس گزر چکے تھے اُسی وقت سے حضرت عثمان کے عمال بگڑے اور فتنے کے آثار پیدا ہوئے بیہقیؒ نے کہا کہ صحیح اسانید سے ثبوت ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک جماعت نے بعد موت کے کلام کیا۔ طبرانی وغیرہ نے بھی عمر بن مانیؒ سے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی (دوم) عبد الرحمن بن زید بن اسلم نے کہا کہ چند لوگ ملک روم میں جہاد کرنے جاتے تھے اتفاق سے قید ہو گئے روم کے بادشاہ نے ہر کے کنارے ٹیلہ تخت رکھا اور اُن پر یہ امر پیش کیا کہ دین سے مرتد ہو جاؤ انھوں نے انکار کیا اور ایک کی گردن ماری اسکی گردن پانی میں گری اور بیک ایک وہ سرائے روبرو کھڑا ہو کر گفتگو کرنے لگا اور یہ آیت پڑھی۔ یا ایہا النفس المطمئنة الایہ۔ اسکو ابن ابی الدنیا نے روایت کیا ہو۔ سعید عمی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ایک قوم نے دریا میں سوار ہو کر جہاد کا قصد کیا۔ ایک شخص نحیف آیا انھوں نے اسکی کمزوری سے انکار کیا پھر اپنے ساتھ سوار کر لیا۔ جب دشمن سے جہازی لڑائی ہوئی تو اُس نحیف نے خوب کام دیا پھر مارا گیا اور اسکا سر سمندر میں کھڑا ہو کر ان لوگوں کی طرف منہ کر کے کھڑا ہوا اور یہ آیت پڑھتا تھا۔ تلک الدار الآخرة نجعلھا للذین لا یریدون علوا فی الارض ولا فسادا والعاقبة للمتقین۔ پھر غوطہ مار کے چلا گیا (رواہ ابن ابی الدنیا) مترجم کہتا ہو کہ یہ بات ثبوت ہو چکی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صالحین امت اللہ تعالیٰ کے نزدیک صدیقین و شہدائے مرتبہ میں ہیں لہذا آپ کے صالحین امت سے بے شمار کثرت کے ساتھ ثبوت ہوا کہ بعد شہید ہونے یا مرجانے کے ایسے حالات ظاہر ہوئے اور یہ روایتیں اس زمانہ اخیر کے لوگوں کی بے سند باتوں کی طرح نہیں ہیں بلکہ صحیح سلسلہ اسناد کے ساتھ ثبوت ہیں اور سنہ دو سو سے چار سو پھر ہی تک کے محدثین اولیاء و متقین نے انکو اپنے اوپر کے اولیاء کا ملین سے روایت کیا ہو اگر میں سب کو جمع کروں تو بہت ضخیم کتاب ہو جاوے ولیکن چند روایات ذکر کرنا بہتر جانتا ہوں جیسے اہل ایمان کے دل تازہ ہوں اور آخرت کے لیے مستعد ہو جاؤ ان اور اس نمونہ سے انکو معلوم ہو کہ بے شمار متواتر روایات بے شک قطعی یقینی ہیں اور واضح ہو کہ مترجم ایسے روایات کا نمونہ نقل کرنا چاہتا ہو جسے نیکی بخت آدمی اپنے نفس میں نفس مطمئنہ کی صلاحیت اللہ تعالیٰ سے درخواست کرے اور جن باتوں سے وہ نفس فاجر ہو

رواحہ بنت امام ابو عمرو والادزاعی کے حالات بیان کرنے میں لکھا کہ رواحہ رحمہ نے کہا کہ مجھے میرے باپ امام ادزاعیؒ کوایت کرتے تھے کہ مجھے سلیمان بن حبیب الحارثیؒ نے کہا کہ مجھے ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا کہ یہ دعا کہ **اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ نَفْسَکَ مَطْمَئِنَّةً تَوْمِیْنٌ بِاِقْلَکَ وَ تَرْضٰی بِقَضَائِکَ وَ تَقْنَعُ بِعَطَائِکَ**۔ یعنی انہی میں تجھے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے ایسا نفس عطا ہو جو تیرے ساتھ مطمئن ہو اور تیرے ملنے پر اسکو یقین ہو اور جو کچھ تو دنیا میں جاری فرمانے والا ہو اُس سے راضی رہا کرے اور جو کچھ اسکو عطا کرے اُسی پر قناعت کرے اور تفسیر ابن کثیر مترجم کہتا ہے کہ حافظ ابن المنذر الدردی نے جو روایت کی کہ شہید کے سر مبارک نے آیت تلاوت کی اور اسکو کتاب العجائب میں لکھا تو اس سے یہ گمان نہو کہ یہ واقعہ کچھ شاذ و نادر تھا اسلیے کہ ایسے واقعات بکثرت واقع ہوئے ہیں اور ائمہ محدثین نے ثقات اولیاء کی مسند سے روایت کیا حتیٰ کہ اگر میں سب کو جمع کروں تو ایک دراز کتاب ہو جاوے ولیکن چند واقعات ذکر کرتا ہوں

اول صحابہ رضی اللہ عنہم ہیبتیؒ نے دلائل النبوة میں باسناد صحیح روایت کی کہ اسمعیل بن ابی خالد نے کہا کہ ہم لوگ قاسم ابی عبد الرحمن کے حلقے میں بیٹھے تھے کہ اتنے میں یزید بن نعمان بن بشیر اپنے باپ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کا حظلے ہوئے اُٹے ترجمہ خط یہ جو خط ہذا نعمان بن بشیر کی طرف سے بنام ام عبد اللہ دختر ابی ہاشم۔ سلام علیک میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتا ہوں جسکے سواے کوئی اللہ نہیں ہے جو تھیں واضح ہو کہ تو نے مجھے لکھا تھا کہ میں تجکو دید بن خارجہ کے واقعہ سے آگاہ کروں۔ اسکا معاملہ یہ گذرا کہ اُسکو حلق کی بیماری ہوئی اور آخر اُس نے غرہ عصر کے درمیان انتقال کیا ہم نے اُسکی لاش کو لٹا کر کپڑا اڑھا دیا۔ پھر میں عصر کے بعد بیچ میں تھا کہ ناگاہ مجھے خود رفتگی ہوئی اور مجھے کسی نے کہا کہ یزید بن خارجہ بائیں کرتا ہے یعنی جلد جا کر سن لے میں فوراً اٹھ کر دوڑا یا دیکھا کہ اُسکے گرد چند انصاری جمع ہیں اور وہ کہہ رہا ہے کہ اس قوم میں جو درمیان تھا سب سے زیادہ دلیر تھا اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے کچھ پروا نہیں کرتا تھا لوگوں کو اجازت نہ دینا کہ قوی آدمی ضعیف کو کھالے وہ عبد اللہ (عمر) امیر المومنین تھا سچ کہا یہ بات کتاب اول میں مسطور ہے۔ پھر کہا کہ یہ عثمان امیر المومنین ہی بہت گستاہوں سے لوگوں کو معاف کرتا ہے دو راتیں گزر چکیں اور چار باقی ہیں پھر لوگوں میں بھوٹ پٹری اور بعض نے بعض کو کھالیا انتظام نہیں رہا اور چراگاہ میں مسباح کر لی گئیں پھر مومنوں کو خوف نے لیا اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور تقدیر ہے اسے لوگو اپنے سردار کی طرف متوجہ ہو اور سنو اور اطاعت کرو اور جیسے بیٹھے پھیری تو عہد نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کا معاملہ مقدر جاری ہے اللہ اکبر یہ جنت ہے اور یہ دوزخ ہے اور یہ انبیاء اور صدیقین ہیں۔ سلام علیک اور عبد اللہ بن رواحہ۔ بھلا تجھے کچھ خبر خارجہ و سعد کی معلوم ہے جو اُحد کے روز شہید ہوئے تھے۔ کلا انہا لفظی نزاعۃ للشوی تدعو امن اور بدتولی و جمع ناوعی۔ اس قدر کہ اگر آواز بند ہو گئی پھر میں نے اُس جماعت سے پوچھا کہ میرے آنے سے پہلے کیا کلام کیا تھا انھوں نے کہا کہ ہم لوگ بیٹھے تھے کہ بجا یک یہ آواز شروع ہوئی کہ خاموش ہو کر سنو سنو۔ ہم نے آپس میں ایک دوسرے کو دیکھا کہ ناگاہ آواز ہم کو کپڑے کے نیچے سے معلوم ہوئی ہم نے اُسکے چہرے سے کپڑا ہٹا دیا اُس نے کہا کہ یہ رسول اللہ ہیں سلام علیک یا رسول اللہ رحمتہ اللہ وبرکاتہ پھر کہا کہ ابوبکر الصديق خلیفہ رسول اللہ اپنے جسم میں کمزور تھے اور اللہ تعالیٰ کے کام میں توی تھے سچ کہا سچ کہا۔ یہ کتاب اول میں لکھا تھا اس خبر کو ہیبتی نے دوسرے اسناد کے ساتھ روایت کیا اور اُس میں اسقدر زائد ہے کہ یہ معاملہ حضرت عثمان کی خلافت سے

پھر وہاں سے نکلنے کسی نے اسکو نہ دیکھا پھر جب ابن عباس رضی اللہ عنہما کے گئے تو قبر کے کنارے پر کسی نے یہ آیت پڑھی یا ایہا النفس المطمئنة ارجعی الایہ۔ اور اس آیت کا تلاوت کرنے والا کوئی شخص نظر نہیں آتا تھا۔ اس حدیث کو طبرانی نے عبد اللہ بن احمد بن ابی امام احمد بن مروان بن شجاع البخیری الخ روایت کیا۔ اقول یہ اسانید صحیحہ ہیں اسی کے مثل عکرمہ نے بھی روایت کیا ہے

قال الحافظ محمد بن المنذر المروئی المعروف بشکر فی کتاب العجائب بسندہ عن قتات بن رزین ابی ہاشم قال سرت فی بلاد الروم الخ یعنی حافظ محمد بن المنذر المروئی نے کتاب عجائب میں اپنی اسناد کے ساتھ ابو ہاشم قتات بن رزین سے روایت کیا کہ میں روم کے ملک میں (جہاں جہاد کرنے کو ایک گروہ متقین مجاہدین گیا تھا) گرفتار ہو گیا اور میرے ساتھ چار آدمی دیگر گرفتار ہوئے (اور یہ زمانہ ابو جعفر منصور عباسی کا تھا) پھر روم کے بادشاہ نصرانی نے دریا کے کنارے اپنا خیمہ نصب کیا اور ہم لوگ قیدی اسکے روپر پیش کئے گئے آسنے ہم سے کہا کہ جو کوئی تم میں سے ہمارے دین مسیح میں داخل ہو اُسکے لیے عزت و ثروت ہو اور جو کوئی انکار کرے اسکی گردن مار دو پس تین آدمی مرتد ہو کر نصرانی ہونے پر آمادہ ہوئے یعنی بادشاہ نے انکو سونے کی کرسیوں پر بٹھایا جب چوتھا شخص آیا اور اُس سے کہا گیا کہ اگر دین اسلام سے بھر جا دے تو یہ عزت پاوے گا نہیں تو تیری گردن کاٹی جائیگی اُسنے توحید کا کلمہ پڑھا اور نصرانی نے دریا کے کنارے گردن ماری کہ اُسکی گردن کٹ کر دریا میں گری اور سر پانی میں ڈوب گیا پھر تھوڑی دیر کے بعد ایک بارگی وہ سر پانی پر آیا اور جس طرح غوطہ مارنے والا اپنا سر نکالتا ہے اس طرح اُسنے قائم ہو کر اپنے سانچی نینوں آدمیوں کی طرف نظر کی اور کہا ای فلان اور ای فلان اور ای فلان۔ ہر ایک کو اُسکے نام و نسب پکارا اور بلند آواز سے ہر ایک کے آواز دیکر متوجہ کیا جب یہ لوگ گھبرا کر اُسکی طرف دیکھنے لگے تو اُسنے فصیح زبان سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب مجید میں فرماتا ہے یا ایہا النفس المطمئنة ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔ یہ کلام پاک تلاوت کر کے اُسنے پانی میں غوطہ مار لیا۔ یہ حال دیکھا کہ تمام قوم پر ہیبت و وحشت چھا گئی اور قریب تھا کہ سب نصرانی مسلمان ہو جاوین اور بادشاہ بھیبت اُسی وقت وہاں سے اٹھ کر سب کو ساتھ لیکر چلا گیا اور وہ نینوں آدمی جو مرتد ہوئے تھے فوراً مسلمان ہو گئے اور چند روز یہ غلغلہ رومیوں میں پھیلا رہا اور اس عرصہ میں خلیفہ ابو جعفر منصور نے ہم لوگوں کا فدیہ بھجوا دیا تو ہم لوگ رہا ہو کر چلے آئے مترجم کہتا ہے کہ شاید نصرانی بادشاہ نے یہ آرزو کی ہوگی کہ کسی طرح یہ لوگ چلے جاوین نہیں تو انکے دینی تقویٰ و طہارت سے نصرانی بہت مسلمان ہو جاوینگے واللہ تعالیٰ اعلم اور حق بات یہ ہے کہ اگر مسلمانوں میں سے عالم لوگ پرہیزگار ہوں اور نصرانی لوگ اُنکی باتوں کو غور کے ساتھ سنیں اور انصافاً اپنے مذہب کی باتوں پر نظر کریں اور انصاف سے اسلام کے عقائد پر نظر کریں یعنی تعصب و عداوت سے اور پارٹیوں کے جھوٹے بہتان سے پرہیز رکھیں تو جب کو اللہ تعالیٰ نے کچھ بھی عقل دی ہو ممکن نہیں کہ وہ صریح افسار نہ کرے کہ اسلام حق ہے اگرچہ ہدایت و قبولیت تو اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہے۔ پھر تم یہ جانتے ہو کہ بھلا نصرانیوں نے باوجود اس معائنہ کے کیوں اپنے کفر پر اصرار کیا (جواب) نصرانیوں نے کہا کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ یکایک جو شخص مارا جاوے اور اُسکے دماغ میں کسی کلمہ کا جوش ہو تو بعد مرگ کے بھی وہ باقی رہتا ہے اس مکر شیطانی کی وجہ سے شک میں پڑ گئے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فہم فی رہیم یرودون۔ یعنی کفار اپنے شک میں متردور رہتے ہیں۔۔۔ اور جس قلب میں اصلی نجاست ہو تو نجس بات بہت جلد آمین سماتی ہے اور حق بات قبول کرنے میں محض وہابی بے بنیاد شبہ اُس کو روکنے کے لیے کافی ہوتا ہے حافظ ابن عساکر نے اپنی کتاب میں

عبادی۔ پس تو میرے بندوں میں شامل ہو جا۔ (داخلی ضحیٰ)۔ اور میری جنت میں داخل ہو۔ یہ بشارت عظیمہ اس نفس مطمئنہ کو ایک دفعہ مرنے کے وقت سنائی جائیگی اور دوسری مرتبہ قبر سے اُٹھنے کے وقت اور تیسری مرتبہ آخرت میں بشارت دی جائیگی مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ سے مختلف اقوال آئے ہیں کہ یہ آیت کس بندے کے حق میں نازل ہوئی اقول یعنی بالاجماع یہ آیت ہر نفس مطمئنہ کے واسطے ہے ولیکن جس وقت آیت کا نزول ہوا ہو تو کیا خاص کسی بندہ صالح کے حق میں نزول ہوا نہ کہ ہم کو یہ معلوم ہو جاوے کہ یہ شخص بے شک نفس مطمئنہ تھا اور اگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی معرفت سے کسی شخص کی نسبت یہ بشارت بیان کی تو ہم جان لیں گے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حال بیان فرمایا تھا۔ اس بیان سے معلوم ہو گیا کہ جو اقوال صحیح ہوئے ہیں سب بجاے خود ٹھیک ہیں لیکن اختلاف فقط اس قدر ہو گا کہ آیت قدسی نازل ہونیکے وقت کس شخص کے حق میں نزول ہوا ہو قال الامام ابن کثیر رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ یہ آیت حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہو۔ بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہو۔ عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ارواح مطمئنہ سے قیامت کے روز کہا جائیگا کہ اے (گروہ) نفس مطمئنہ رجوع کر اپنے رب یعنی ساتھی کی طرف اور وہ بدن ہو جس میں دنیا میں رہتی تھی۔ راضیہ مرضیہ۔ یعنی تاکہ تجھے ایسا ثواب مل جاوے جس سے تو راضی ہو اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندوں میں شامل ہو۔ روایت کیا جاتا ہے کہ ابن عباس اس طرح پڑھتے تھے (داخلی فی عبدی) یعنی (عبد) وہ جسم جس میں پہلے رہتی تھی۔ یہی عکرمہ نے بیان کیا اور یہی کلبی رحمہ اللہ کا قول ہے اور اسی کو امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اختیار کیا لیکن یہ قول غریب ہے اور ظاہر تفسیر وہ ہے جو اول بیان کی گئی کہ رب سے مراد رب تبارک تعالیٰ ہے لقولہ تعالیٰ ثم رددہ الی اللہ مولایم الحق۔ یعنی پھر یہ لوگ لوٹائے گئے اللہ تعالیٰ کی طرف جو انکا مولائے حق ہے۔ وقال تعالیٰ وان مردنا الی اللہ۔ ہمارا مرجع اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔۔۔ یعنی اسی کے حکم پر واپس آنا اور اسی کے حضور میں ادب سے کھڑے ہونا ضرور ہے۔ ابن ابی حاتم نے بسند حیدر روایت کی کہ سعید بن جبیر نے کہا کہ ابن عباس بیان فرماتے تھے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ یا ایہنا النفس المطمئنۃ الہ۔ تو ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ کیا اچھی بشارت ہو پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابو بکر وہ وقت قریب آتا ہے کہ تجھے بھی یہی کہا جائیگا۔ قال ابن ابی حاتم حدثنا ابو سعید الاشج حدثنا ابن یان عن اشعث عن سعید بن جبیر قال الہ یعنی سعید بن جبیر نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ آیت با ایہنا النفس المطمئنۃ الہ پڑھی گئی تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ بہت خوب ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابو بکر عنقریب میری موت کے وقت فرشتہ تجھے بھی یہی کہے گا۔ ورواہ ابن جریر عن ابی کریب عن ابن یان بذلک۔ یہ مرسل روایت اچھی اسناد کے ساتھ ہے مترجم کہتا ہے کہ اول روایت سے معلوم ہوا کہ سعید بن جبیر نے اس حدیث کو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سنا ہوا اور اسکی اسناد یہ کہ ابن ابی حاتم نے اسکو علی بن حسین عن احمد بن عبد الرحمن بن عبد اللہ الشکی عن ابیہ عن جدہ عن اشعث۔ روایت کیا اور یہ سب راوی ثقات ہیں قال ابن ابی حاتم حدثنا الحسن بن عوفہ حدثنا مروان بن شجاع الجوزی عن سالم الافطس عن سعید بن جبیر قال الہ یعنی سعید بن جبیر نے کہا کہ طائف میں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے انتقال فرمایا تو ایک جو بصورت چڑیا اگر انکی نفس میں داخل ہوئی

اور چاہو۔ اس اطمینان کی کیفیت کئی طرح ہو (اول) یہ کہ حق پر اس کو خوب یقین ہو تو بالکل مطمئن ٹھہرا ہو اثبات و قائم ہو کسی طرح شک نہیں جو مضطرب و متوش ہو (دوم) یہ کہ مطمئن ہے یعنی اُس میں گھبراہٹ و خوف اور اندوہ نہیں ہو بلکہ امن و سکون میں ہو اور یہ خاصیت بوقت موت حاصل ہوتی ہو جب ملائکہ بشارت دیتے ہیں لقولہ تعالیٰ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا لا یلینہ جنہ بنون نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر ٹھیک جھے رہے تو ان پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں یہ کہتے ہوئے کہ خوف نہ کرو اور دنیا چھوڑنے سے غمگین نہ ہو اور جنت کی خوشخبری لو جب کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ ہ۔ (وجہ سوم) یہ کہ نفس مطمئنہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی یاد میں ہو قال اللہ تعالیٰ لا ینکر اللہ لطمئن القلوب۔ خبردار ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے دل مطمئن ہو جاتے ہیں۔ ہ۔ کہیں اسی وجہ سے خوف و اندوہ کے وقت نماز و یاد الہی کی طرف جلدی کرنا طریقہ مسنون ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم جاویدین لوگون کو سکوت کا حکم فرماتے اور ارشاد کرتے کہ یا ہوتراں پڑھو اور اللہ تعالیٰ کی یاد کرو (۱) ابوالسعود نے کہا کہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنین کو اس وقت ملے گا جب حساب قیامت سے فارغ ہونگے یعنی اسے نفس مطمئنہ جنت میں جا کر میرے بندگان انبیاء و صدیقین کے ساتھ مل جاؤ۔ اور بعض نے کہا کہ جب قیامت کے دن قبروں سے اٹھائے جاؤ گے اس وقت یہ بشارت دی جائیگی اور بعض نے کہا کہ مومن سے موت کے وقت کہا جاتا ہے (تفسیر ابوالسعود) عنقریب اسکا حال معلوم ہو جائیگا کہ ان اقوال میں کچھ اختلاف نہیں ہو۔ ہ۔ حسن بصری رحمہ نے کہا کہ نفس مطمئنہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و دار آخرت پر موافق ہدایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یقین پر جاوے۔ مجاہد نے کہا کہ راضیہ یعنی دنیا میں جو کچھ اللہ تعالیٰ جاری فرماوے اس پر راضی ہو۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب جمیل پا کر راضی ہے ابن زیدؓ نے کہا کہ جسکو موت کے وقت جنت کی بشارت دی گئی اور جب قیامت کے روز زندہ کر کے اُٹھائی گئی تو یہ بشارت دی جائیگی اور موت کے وقت بھی کہا جائیگا کہ ارجی الی ربک۔ اگر کوئی کہے کہ رب عزوجل کے لیے کوئی جگہ نہیں ہو جسکی طرف جاوے (جواب) یہ کہ رب کے حکم و ارادہ کی طرف لوٹ چلنا مراد ہے حسن بصریؒ نے کہا کہ رب کے ثواب کی طرف جاوے (السرّاج) مستحکم کہتا ہے کہ تاویل کرتے والے عجیب بات کہتے ہیں کیونکہ جس رب عزوجل نے انکو پیدا کیا اور کسی جگہ کی طرف جانا پیدا کیا تو وہ رب عزوجل قادر ہے کہ اپنی طرف جس شان سے لائق ہو بلاوے ہاں یہ بات قطعاً معلوم ہے کہ جیسی مخلوق اجسام ایک دوسرے کی طرف جاتے ہیں یہ بات اللہ تعالیٰ کی جناب میں نہیں ہو۔ ہ۔ ابن جریرؒ نے کہا کہ مراد یہ کہ اپنے جسم کی طرف لوٹ جاوے۔ ابن عباسؓ سے بھی روایت ہو کہ قیامت کے روز ارواح اپنے اجسام میں واپس کی جاوے گی اور جو ثواب جمیل ہو گا اُس سے راضی و خوش ہونگے اور اپنی طہارت و عبودیت سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرضیہ پسندیدہ ہیں (ن) شاید بعض کی مراد یہ ہو کہ نفس مطمئنہ کو بعثت قیامت کے وقت یہ بشارت دی جاوے گی کہ اپنے جسم میں جا کر ثواب جمیل حاصل کر قال الامام ابن کثیرؒ۔ اللہ تعالیٰ نے مجرمین کا حال بیان کر کے نفس مطمئنہ کا ذکر فرمایا اور نفس مطمئنہ وہ ہے جو نجاست شرک سے پاکیزہ ہو اور اطمینان کے ساتھ حق عزوجل کی الوہیت پر حجتی ہو تو اُس سے کہا جائیگا کہ یا ایہا النفس المطمئنۃ ارجی الی ربک اور نفس مطمئنہ لوٹ چل اپنے رب کی جانب یعنی اُسکے جوار قدس میں ثواب و نعمت بے مثل جنت میں چل۔ راضیہ مرضیہ۔ تو اپنے رب تبارک سے راضی ہو اور اللہ تعالیٰ تیری بندگی سے راضی ہو پس تو اسکے نزدیک مرضیہ پسندیدہ ہو۔ فادخلی فی

کہ جو تک وہ کسی مخلوق سے مباشرت نہیں رکھتا ہے پس تاویل کی کچھ حاجت نہیں ہے ۱۲

کہ اُن سے میرے حق میں بیٹا دجور و بنا یا حالانکہ میں البتہ احد اللہ الصمد لم یلد ولم یولد ہوں (صحیح البخاری وغیرہ) اس سے صاف معلوم ہوا کہ مشرکین جو اپنے اعتقاد کے موافق مالا جیتے ہیں تو جس قدر زیادہ پڑھیں اُسی قدر زیادہ بدگوئی ہو و لیکن اگر وہ ان کی خدمت کریں اور دنیا میں آدمیوں کو راحت پہنچائیں اور تکلیف نہ دیں اور بیڑات کے کام کریں تو یہ کام اچھے ہیں درجہ موقع سے ہوں تو دنیا میں انکا فائدہ کفار کو ضرور پہنچتا ہے اور اس سطح نیک اخلاق ایسے ہیں کہ وہ ضائع نہیں ہوتے ہیں حتیٰ کہ اگر نیک اخلاق کا برتاؤ کرنے والا مسلمان نہ تو بھی وہ اس حقیر دنیا کو پاوے گا اور اگر مسلمان ہے تو دنیا و آخرت دونوں کے واسطے پورا پھل ہو بشرطیکہ نیت خالص ہو ورنہ دنیا کے لیے ہو جائیگا کیونکہ جو کام خالص اللہ تعالیٰ کے نام پاک سے منوہ مردہ ہو تو اس مردار دنیا کے لائق ہی اور آخرت جہنم کے قابل نہیں ہوتا ہے۔ پھر اگر ایک ملک کے اکثر مسلمان اچھے اخلاق والے ہوں تو دنیا میں وہاں یہی لوگ بادشاہ ہونگے اور اگر چند آدمی یعنی آدھے سے کم ہوں تو اپنے واسطے اچھے رہیں گے اگرچہ بادشاہت اُنکی نہ ہو واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ اس سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آگئی کہ کفار اپنے خیالی دین کے پابند زیادہ ہوں تو دنیا میں ذلیل ہونگے اور اگر دین سے منحرف ہو کر بیچر اخلاق کے پابند ہوں جیسے اس زمانے میں مغربی ممالک میں وہ دنیا میں زیادہ ثروت اٹھاویں گے اور دونوں میں فرق یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آخرت میں اگر پابند مذہب ہیں ان موذی و مفسد نہ تھے تو جہنم میں بہ نسبت بخیر حیالات کے مفسدون کے اونچے طبقے میں ہونگے اگرچہ جہنم دونوں کا وطن ہے واللہ تعالیٰ اعلم اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کافروں کے انبیاء کسی حالت میں جنت عالیہ کے لائق نہیں ہیں بلکہ دنیا سے بھی پستی میں جا کر جہنم میں پڑیں گے نفوذ باللہ من ذلک بیان قسم و وہم رازی دم و خطیب نے لکھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اول قسم کا حال بیان کر دیا۔ جنھوں نے دنیا اور اُسکی زندگی پر اطمینان کیا اور اسی پر کرامت و اہانت کا مدار رکھا تو اُسکے بعد ایسے فریق کا حال بیان کیا جنھوں نے دنیا کو امتحان کی جگہ جان لیا اور سارا دار مدار اللہ تعالیٰ کی معرفت و عبودیت پر رکھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً** اے نفس مطمئن لوٹ چل اپنے رب کی طرف اس حال سے کہ تو راضی ہوگی اور پسند کی ہوئی راضی نے لکھا کہ یہ کلام یا خود اللہ تعالیٰ اُس سے فرمایا جیسے زندگی میں موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا یعنی فرق یہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کو مقدر اعلیٰ سرفرازی دی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے رب تبارک و تعالیٰ کا کلام زندگی میں سُن لینے کے لائق تھے اور اس بندہ مؤمن سے بوقت موت فرمایا ہے۔ یا یہ کلام فرشتہ اپنے رب عزوجل کی طرف سے بندہ صالح کو پہنچا دے گا۔ ارجی صیغہ امر ہے فقال نے کہا کہ ظاہر میں یہ لوٹ چلنے کا حکم ہے اور مطلب یہ کہ اسکو خیر ستائی کہ تم بھی نفس مطمئن ہو اور اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے جو نفوس مطمئن ہیں وہ مرضیہ یعنی اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندے ہوتے ہیں انکو اللہ تعالیٰ ایسی بے مثال سلطنت بخشا ہے اور اس میں ایسی نعمتیں ہوتی ہیں کہ نفس دل و جان سے راضی ہو جاتے ہیں تو تم بھی اپنے رب کی طرف لوٹ چلو اور یہی سلطنت تمہارے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي**۔ اب تو میرے بندوں میں داخل ہو اور میری جنت میں داخل ہو ف اس کلام میں دلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات میں نفوس خاصہ کا قرہ کو اور نفوس مطمئنہ کو متمیز رکھتا ہے۔ اگر کو کہ نفس مطمئنہ کیوں نام ہوا جواب مطمئنہ مشتق ہوا اطمینان سے اسکے معنی ٹھہراؤ

ابن العربیؒ کے اللہ تعالیٰ نے کفار کی جہنم رکھی ہو وہ اسی عذاب کے واسطے آمادہ ہیں اور دنیا میں انھوں نے یہی لیاقت کمائی ہو اگرچہ دنیا میں اسکو پہچانتے نہیں ہیں جیسے مجنون جب سانپ کے بل میں ہاتھ ڈالتا ہو تو انجام نہیں جانتا ہو پس اگر کفار کو یہ تمیز ہوتی کہ اللہ تعالیٰ کی شان کمال کیسی عظمت و جلال کے ساتھ ہے انتہا ہے تو اس بیہودہ شیطانی وسوسہ میں نہ پڑتے اور صاف جان لیتے کہ کمال غضب سے پناہ مانگنا فرض ہو اور کسی مخلوق میں یہ مجال نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا اندازہ کر سکے پس ضرور معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس روز جیسا عذاب کافر پر نازل کر لگیا وہ کسی کے قیاس و امکان میں نہیں ہے اور سابق میں گذرا کہ کفار کے منہ سے نہ بخیر جا کر سوراخ مقعد سے نکلیگی اور ہاتھ پاؤں زنجیروں سے جکڑے ہونگے اور بڑی پتھر میں کفار و مشرکین و شیاطین جکڑے ہونگے اور بعض کے واسطے آتشی صندوق ہونگے جس میں کافر ردی کی طرح بھر کے بالکل کس دیا جائیگا اور کسی طرف سے کشادہ نہ ہوگا لغو باللہ من عذاب جہنم۔ اگر کفار کہیں کہ یہ تو ہم کو بہت بعید معلوم ہوتا ہو (جواب) تم کو قیامت و آخرت بھی محال معلوم ہوتی ہو اور تم اللہ تعالیٰ کی قدرت نہیں پہچانتے ہو بلکہ مخلوق کو اپنا خدا بناتے ہو اور آخر اسی حادث و جہالت سے جہنم کے لائق ہو واضح ہو کہ خطیب نے لکھا کہ کسائی دم کی قراوت میں (لا یغیب) بفتح ذال معجب ہے یعنی صیغہ مضارع بروزن مجہول ہے اور معنی (نہیں عذاب کیا جائیگا) اسطرح (لا یوثق) بھی بروزن مجہول ہی (نہیں جکڑا جائیگا) تو معنی یہ ہیں کہ انسان کافر جو فقط دنیاوی زندگی پر مدار رکھتا تھا اور اللہ تعالیٰ و قیامت پر حق طور سے ایمان نہیں لاتا تھا تو وہ اس روز ایسا عذاب کا مل کیا جائیگا جیسا کوئی دوسرا عذاب نہیں کیا جائیگا الخ نہ ازمی نے کہا کہ ابو عبیدہ رحم نے اسی قراوت کو اختیار کیا اور روایت ہو کہ قاری ابو عمرو رحم نے بھی آخر میں اسی قراوت کو پڑھنا شروع کیا تھا رزمی نے کہا کہ اس قراوت کے موافق دو تفسیریں ہیں (ایک یہ کہ کافر خاص مثل فرعون وغیرہ و ابو جہل وغیرہ کے کفر و قساوت میں حد سے باہر ہو گیا تو اسپر جو عذاب کیا جائیگا اور حسب طرح وہ آگ میں جکڑا جائیگا ایسا عذاب و گرفتاری دوسرے کافر پر نہیں ہو (دوم) یہ کہ مطلقاً کافر کے مانند کسی پر عذاب نہ ہوگا (تفسیر کبیر) اس صورت میں مقصود یہ ہے کہ اگر گنہگار مسلمان جو پیغمبروں کی امتوں میں بغیر توبہ کے مرے اور جہنم میں سزا پانے والے ہوئے تو پھر وہ عذاب نہیں کیا جائے گا جو کافر پر ہوگا کیونکہ یہ گنہگار لوگ اصل میں جہنمی نہیں ہیں اس لیے کہ انھوں نے اپنے رب عزوجل کی وحدانیت اور الوہیت کا اقرار دل سے کیا تھا تو حقیقت کی راہ سے وہ مسلمان ہیں ولیکن بسم کی خواہش میں بڑگئے اور ایسے اعمال کئے جو کفر کے کام ہیں پس انکی مثل یہ ہو کہ جڑ سے درخت پاکیزہ ہے مانند انگور و انار و خربزہ کے ولیکن اسپر ناست کی چھٹی شاخوں وغیرہ پر بہت پڑی ہیں جو صاف کرنے کے لائق ضروری ہیں یر خلاص کافر کے کہ وہ اگر دنیا میں خیرات کے کام کرتا ہے تو بھی اسکی مثال یہ ہے کہ جس تھوڑے کا زہر دار درخت ہو لیکن اوپر اس کے کانٹوں میں کچھ گلاب وغیرہ کے پھول چونک دیے گئے ہیں تو ظاہر ہے کہ پھول چند روزہ دنیا میں کام آویں ولیکن اصل میں وہ زہر دار ہو اور اگر کافر نے کفر میں بدکاریاں کیں تو وہ تھوڑا درخت ہے بلکہ اسپر کر بل کے سخت کانٹے ہیں۔ واضح ہو کہ کافر نے اگر اپنے شرک و کفر کے مطابق جہنم شروع کیا تو یہ اس کے لیے نیک کام میں شمار نہیں ہے کیونکہ شرک کا کلمہ بلند کرنا قبیح ہے حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آدمی (کافر) نے میری بدگویی کی اور اسکو یہ لازم نہ تھا یعنی جبکہ میں نے اسکو پیدا کیا اور تندرستی و رزق دیا اور اسکا بدگویی کرنا میرے حق میں یہ ہے

نہیں ہوگا فاقم واللہ تعالیٰ ہوا موافق مسئلہ دوم معتزلہ و روافض وغیرہ نے کہا کہ آیت میں آیا۔ یا لیثنی قدمک لحياتی۔ یعنی
 کاش میں نے اپنی زندگی کے لیے آگے بھیج رکھا ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ اختیار ان لوگوں کے ہاتھ میں تھا اگر ارادہ کرتے
 تو ہو جاتا (جواب) ہم پوچھتے ہیں کہ اگر فرض کریں کہ تمہارے کہنے کے موافق ان کافروں کا کام انکے ارادہ سے متعلق تھا تو آگے
 بتلاؤ کہ انکا ارادہ کیوں نہوا اور اگر ہوتا تو کیا دوسرے ارادہ سے یہ ارادہ ہوتا یا اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہوتا اگر کہو کہ دوسرے ارادہ سے
 یہ ارادہ حاصل ہو جاتا تو ہم کہیں گے کہ یہ دوسرا ارادہ کیونکر حاصل ہوتا۔ کیا تیسرے ارادہ سے ہوتا یا اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہوتا
 اگر کہو کہ تیسرے ارادہ سے ہوتا تو ہم اس ارادہ میں ہی کلام کریں گے اور یہ سلسلہ بے انتہا تک پہنچے گا اور بے انتہا نہیں تو یہ ارادہ
 بھی نہیں تو یہ کام بھی نہیں ہونا چاہیے تھا حالانکہ انکا کام تو موجود ہی پس معلوم ہوا کہ انکے ارادہ سے متعلق نہیں ہی بلکہ بارادہ الہی
 ہو تو اس گمراہی کے عقیدے کی بنیاد مٹ گئی اقول اور یہی صریح قولہ تعالیٰ مَا تَشَاءُونَ اِلَّا اِنْ يَشَاءَ اللّٰهُ۔ تم نہیں چاہو گے مگر جی کہ اللہ
 تعالیٰ چاہے۔ پس یہی حق ہے اور اسکے سواے سب گمراہی ہے۔ حاصل سنئے آیات یہ ہیں کہ اُس روز انسان خصوصاً کافر و مشرک آدم
 ہو کر ہوش کر لے گا کہ اے کاش میں نے اپنی حیات کے وقت دنیا میں (یا اپنی حیات کے لیے آخرت میں) ایسے اعمال صالحہ
 بھیجے ہونے کہ آج اس سے نجات ہوتی لیکن اب کہاں اسکی ندامت مفید ہوگی۔ بلکہ یہ وقت ہو کہ ہر ایک کو اُسکا عوض دیا جاوے
 اور نتیجہ میں فقط وہی قسمین (ایک) یہ کہ دنیا کے اوپر مدار رکھنے والے کافر و مشرک ہیں (دوم) نفوس مطمئنہ ہیں جو آخرت
 پر مطمئن ہیں اور دونوں فریق اپنے اپنے اعمال کا عوض پائیں گے قسم اول کا بیان اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَيَوْمَئِذٍ
 لَا يُعَذِّبُ عَذَابَ اَحَدٍ وَلَا يُؤْتِيْ نَفَاةً اَحَدًا۔ پس اُس روز نہیں عذاب کر لے گا اُسکے
 عذاب کے مثل کوئی اور نہیں جبرے گا اسکے مانند جبرہ نہ کوئی ف لیکن اُس روز اللہ تعالیٰ اپنے نافرمانی کرنے والوں کو ایسا
 عذاب کر لے گا جیسا عذاب کوئی نہیں کر سکتا ہو (ابن کثیر رحمہ) اور حاصل یہ کہ جو عذاب و بندش کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے وہ کسی کے
 امکان میں نہیں ہے۔ ابو عبیدہ رحمہ نے کہا کہ جن علماء و محدثین نے یہ تفسیر بیان کی ہے انھوں نے یہ خیال نہیں کیا کہ اس صورت میں کلام پاک
 صرف واضح ذکر ہوگا اور جدید فائدہ نہیں معلوم ہوگا اسلئے کہ یہ بات تو معلوم ہے کہ قیامت کے روز سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی
 دوسرا عذاب کرنے والا موجود ہی نہیں ہے (جواب) یہ کہ ابو عبیدہ رحمہ نے یہ کہاں سے سنا لاکہ قیامت ہی میں سب سے بڑھکر اللہ تعالیٰ
 کا عذاب ہی بلکہ اس میں کئی صورتیں ہیں (اول) یہ کہ ای کفار تم جان رکھو کہ اگر کفر و شرک پر مرو گے تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ
 جو کچھ عذاب و بندش فرما دے گا وہ دنیا میں کبھی تم نے نہیں دیکھا اور نہ تمہارے قیاس میں ہے اور نہ بیان ممکن ہے (دوم) یہ کہ اُس روز
 کسی کا حکم اختیار نہ ہوگا سوائے اللہ تعالیٰ کے اور اُسکی شان میں ہر صفت کامل ہے تو عذاب نہایت سخت و شدید ہوگا تفسیر کبیر
 مترجم کہتا ہے کہ اس زمانہ میں کفار یہ بھی دھوکا دیا کرتے ہیں کہ مسلمان جو عذاب بیان کرتے ہیں یہ غیر ممکن ہے (جواب) دنیا میں
 مخلوق کے ذریعہ سے ایسے عذاب کا نمونہ نہیں رکھا گیا کیونکہ بیان اگر غضب کا ظہور کامل ہو تو دنیا دوزخ ہو جاوے اور
 آخرت میں یہ ظہور کامل ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے دنیا میں موت رکھی ہے اور آگ بیان جمادات کی صورت میں ہے خواص نہیں ہے
 اگرچہ وہ کسی طرح ہوائی بنائی جاوے جس سے فولاد وغیرہ گل جاتا ہے اور اس لکڑی کی آگ سے کئی سو گونہ تیز ہوتی ہے پھر بھی وہ
 مادی جو بہترین ہے اور وہ ان آگ خالص ہے اور جسم جاندار ہوش کی چیز ہے اور وہ ان اللہ تعالیٰ نے موت نہیں رکھی ہے تو ظاہر ہے کہ بقول شیخ

جانیگے اگر کسی کو وہم ہو کہ جب وہ ان ہر ایک مشرک کے لیے اسکا معبود مثل کر دیا جائیگا یعنی اُنکے معبود کی صورت نظر آوے گی جسکے پیچھے جاوینگے تو بعض فرقوں نے صاحبین کو معبود بنایا ہے مثلاً یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور اسی طرح بہت سے گمراہ فرقے ہیں جنہوں نے صاحبین کی شان میں الوہیت کی صفتیں اعتقاد کیں اور جب وہ لوگ اُنکے پیشوا ہونگے تو یہ ہلاک کیوں ہونگے بلکہ اس صورت میں نجات کی امید ہی (جواب) اس وہم کو ضرور سمجھ کر دفع کر لینا واجب ہے اور اہل ایمان اسی طرح علماء کی خدمت میں جا کر اپنے رب تبارک و تعالیٰ کی وحدانیت پہچانتے ہیں جو عین ایمان ہے اور جواب یہ ہے کہ تم نے یہ خیال کیا کہ کفار و مشرکین جن صاحبین میں الوہیت کا اعتقاد کرتے ہیں اور نام لیتے ہیں خود یہ لوگ اُنکے پیشوا کرنے والے جاوینگے یہ تم نے غلط وہم کیا اسیلئے کہ مثلاً نصرانی حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کا نام لیتا ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ حضرت عیسیٰ رسول اللہ ہیں لیکن خیال شرک میں عیسیٰ مسیح وہ ہے جو خدا کا بیٹا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس وہ اللہ تعالیٰ پر بھی ایمان نہیں رکھتا بلکہ ایسے خدا پر ایمان رکھتا ہے جسکا بیٹا مسیح ہے تو تم نے صاف سمجھ لیا کہ نصرانی جسکو معبود بناتا ہے وہ فقط اُسکے خیال میں ایک تصویر ہے اور عالم میں اُسکا کہیں وجود نہیں ہے اسیلئے کہ ایسا خدا کہیں نہیں جسکا بیٹا مسیح ہو اور نہ ایسا مسیح ہے جو خدا کا بیٹا ہو اور اس میں الوہیت کی صفت ہو تو قیامت کے روز اس فرقے کے واسطے اُسکی خیالی تصویر سامنے کر دی جائیگی اور جس قدر مشرک فرقے ہیں سب کا یہی حال ہے اسیلئے حدیث میں یہ فرمایا کہ جو فرقہ جسکو پوجتا تھا وہ اُسکے سامنے مثل کر دیا جائے گا یعنی اُسکی تصویر اُسکے روبرو ظاہر کر دی جائیگی جس بندہ صالح کو یہ شریک بناتے ہیں اُسکو اُنکے شرک سے خبر نہیں چنانچہ قرآن مجید میں آیات صریح سے یہ بات ثابت ہے مانند قولہ تعالیٰ یوم القیامت یکفرون بشرکم الایہ۔ یعنی وہ لوگ قیامت کے روز تمھارے شرک سے انکار کریں گے۔ ۱۔ اور منصوص ہے کہ وہ لوگ اُسے مدعی ہونگے۔ اور یہ بھی قرآن میں منصوص ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان یہود و نصاریٰ کو نہیں ہے لقولہ تعالیٰ قاتلوا الذین لایؤمنون باللہ ولا بالیوم الآخر الایہ۔ یعنی اہل کتاب جو ایمان نہیں لاتے اللہ تعالیٰ پر اور نہ روز قیامت پر الہ۔ یہ بات بالکل بدیہی ظاہر ہے کہ جو کوئی یہ اعتقاد کرے کہ میرا خدا وہ ہے جسکا بیٹا عزیر یا مسیح ہے تو وہ ہرگز اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لایا بلکہ اللہ تعالیٰ پر وہ ایمان والا ہو گا جو کہے کہ میرا رب اللہ احد اللہ الصمد لم یولد لم یولد ولم یکن لہ کفوا احد ہے اس بیان سے معلوم ہو گیا کہ ایمان کی معرفت ہر مسلمان پر لازم ہے اور اس زمانے میں جو لوگ عالم بکفر عوام کی پیشوائی کرتے ہیں یہ خود جاہل ہیں لہذا انکو بھی گمراہ کرتے ہیں اور بزرگان دین اور اولیاء اللہ کے نام سے انکو مشرک میں پھنساتے ہیں اور حق واجب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی شان الوہیت کے جو صفات ہیں ان میں سے کسی صفت میں شرک نہ ہو اور جیسے مسلمان بندے ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اُنکے لیے دنیا کی عزت اور آخرت کی کرامت جمع فرماوے واللہ سبحانہ تعالیٰ علیم حکیم۔ اور حق تعالیٰ نے سچ فرمایا بقولہ تعالیٰ لایؤمن اکثرہم باللہ الا وہم مشرکون۔ یعنی انہیں اکثر ایسے ہیں کہ ایمان نہیں لاتے اللہ تعالیٰ پر مگر اس حالت سے کہ وہ لوگ مشرک ہیں۔ ۲۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سابق کی امتوں کا حال بیان فرمایا ہے لیکن یہی نمونہ اس امت کے آخر میں ہو نہ والا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنا کید فرمایا کہ یہ امت بھی یہود و نصاریٰ کے قدم بقدم چلیگی۔ پس قوم کے پیشوائی کرنیوالو نیز فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں گستاخی نہ کریں اور اولیاء اللہ تعالیٰ بزرگان صاحبین کیونکہ ایسے شخص سے خوش ہوں جو ایمان حق سے خارج ہو جاوے اور ذریعہ کو جو کوئی بادشاہ بناوے وہ بادشاہ کا باغی ہے اور وزیر اپنے قتل کے خون سے اس سے خوش

دادار ہر جسے اصل حیات آخرت میں جہنم سے نجات ہو تو اسکے لیے ایسا عمل ایمان ہو کیونکہ شریعت میں ایمان بھی عمل ہے اور خالی ایمان کافی نہیں ہوتا جیسے یہودی عالم اور رومی بادشاہ ہر قل وغیرہ خوب جانتے و یقینی جانتے تھے کہ محمد رسول اللہ خاتم النبیین ہیں صلے اللہ علیہ وسلم لیکن دل میں قبول نہیں کرتے تھے پس ایمان تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطیہ ہے اور بندہ مومن کا دل اسکو اپنے اندر بھر لیتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و کرم سے توفیق ہو۔ بالجملة کافرون کو آج کے روز ایمان و اسلام و اعمال صالحات کی تمنا ہوگی **قول** سو ہم بعض محققین نے کہا کہ فی الحقیقت دنیا پر دار مدار جاننا بیشک کافر کا اعتقاد ہو و لیکن کبھی نادان مسلمان بھی غفلت نفس میں پڑ کر یہ دیکھنے لگتا ہو کہ فلان تو نگر عزت و حرمت میں ہو اور فلان فقیر ذلت میں پڑا ہو پھر جب ہوش کرتا ہو تو چونک اٹھتا ہو اور جانتا ہے کہ یہ سب محنت و امتحان ہے لہذا قیامت کے روز سب ہی حسرت سے ننا کرینگے شیخ ابن کثیرؒ نے لکھا کہ اُس روز انسان کو ندامت ہوگی کہ آج کے لیے کیوں ذخیرہ نہ بھیجا پس اگر کافر عاصی ہے تو اسکو کفر پر اور انکار اسلام پر حسرت و ندامت ہوگی اگر مسلمان عاصی ہو تو اسکو گناہ نہ چھوڑنے اور طاعت نہ کرنے پر ندامت ہوگی اور اگر مسلمان پرہیزگار ہو تو اسکو یہ حسرت ہوگی کہ طاعات زیادہ کیوں نہ بجالایا۔ امام احمدؒ نے مسند کیا کہ محمد بن عمر رضی اللہ عنہ نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ہیں کہتے تھے کہ اگر فرض کرو کہ ایک بندہ جس دن سے پیدا ہوا اُس دن سے مرنے کے وقت تک اللہ تعالیٰ کی طاعت میں سر بسجود رہا تو بھی وہ قیامت کے روز اپنے اعمال کو حقیر جائیگا اور آندو کرے گا کہ کاش اگر وہ دنیا میں پھیر دیا جاوے تو طاعات بڑھاوے امام رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسکو عقبہ بن عبد اسلمی رضی اللہ عنہ سے حدیث رسول صلعم روایت کیا ہے (ابن کثیرؒ) یہاں راز میؒ نے دو مسئلہ بیان کیے **مسئلہ اول** سب کے نزدیک ندامت تو یہ ہوتی ہے اور معتزلہ فرقہ نے کہا کہ تو یہ قبول کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب ہو یہ اس فرقے کی گستاخی اور جہالت ہو اور اہل حق کے نزدیک اللہ تعالیٰ پر کچھ واجب نہیں ہو سکتا کہ وہ خواہ مخواہ مثلاً تو یہ قبول کرنے پر مجبور ہے یہ ایسے احمق آدمی کا خیال ہو جو رب تبارک و تعالیٰ کی عظمت کہ ربائی کی معرفت سے محروم ہو گیا اور اس آیت میں غور کرو کہ انسان نے آخرت میں جان لیا کہ وہ جو کچھ دنیا میں کرنا تھا وہ اُس کے حق میں بہتہ نہیں تھا بلکہ جو اسنے چھوڑ دیا تھا وہ بہتر تھا یعنی ایمان لانا چھوڑا تھا اور کفر و اسکے موافق اپنے قیاس سے اعمال کیا کرتا تھا تو قیامت میں نادم ہوگا اور ندامت ہی تو یہ ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے صاف فرمایا کہ یہ امر اسکو نفع نہیں دیکھا تو معلوم ہوا کہ تو یہ قبول کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں ہو اگرچہ وہ اپنی رحمت و کرم سے اپنے بندے کی بھی توبہ قبول فرماتا ہو اگر معتزلہ اعتراض کرے کہ یہاں اسی وجہ سے توبہ قبول نہ ہوئی کہ کافر نے سچی توبہ نہیں کی یعنی اپنے شرک وغیرہ کو قبیح سمجھ کر ندامت نہیں اٹھائی اسلئے قبول نہ ہوئی (جواب) نہیں بلکہ یہ جانا کہ سارا کام بوجہ قبیح ہونے کے قبول نہوا تو ندامت لازم ہو واضح ہو کہ حدیث میں آیا ہے کہ ابتدا میں حکم ہوگا کہ جو کوئی جس امام کے ساتھ تھا اُس کے ساتھ ہو اور جسکی بندگی اور پوجا کرتا تھا اُس کے پیچھے چلے اور وہاں ہر ایک کے واسطے اسکا معبود ظاہر کر دیا جاوے گا جیسا اسکے اعتقاد میں ہے تو ہر فرقہ اپنے معبود کے پیچھے جاوے گا سوائے مومنوں کے کہ یہ لوگ کھڑے رہ جائیں گے اور کہیں گے کہ ہم لوگ دنیا میں فقط اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک کی عبادت کرتے تھے ہم اپنے رب تبارک و تعالیٰ کے منتظر ہیں اس سے معلوم ہوا کہ کفار اُس وقت تک اپنے معبودوں کی پیروی میں فلاح

دوسری آیت میں۔ بزرگ انجیم لمن پرپی الایہ میں مذکور ہے کیونکہ اصولیوں نے کہا کہ ہم کو معلوم ہے کہ جہنم اپنی جگہ سے جدا نہیں کی جائیگی تو مراد یہ کہ وہ ظاہر کر دی جائیگی اور کافر کو معلوم ہو جائیگا کہ وہ اس جہنم میں جائے والا ہے (تفسیر کبیر) مترجم کہتا ہے کہ علماء کلامیہ نے یہ کہان سے زعم کیا کہ آخرت میں جہنم بھی دنیاوی غار کی طرح ایک عظیم غار ہے۔ جو اپنی جگہ سے ٹل نہیں سکتا کیا جنت کی نہروں کی صفت معلوم نہیں ہوئی وقد قال تعالیٰ وان الدار الاخرة لہی الخیوان الایہ یعنی دار آخرت ہی زندہ ہے کاش یہ لوگ جانتے ہوتے۔ پس جو لوگ جانتے نہیں وہ مردہ دنیا پر قیاس کرتے ہیں پس تاویل کی کوئی وجہ نہیں رہی ولیکن یہ سوال ہے کہ کل جہنم لائی جاوے گی یا اسکا ٹکڑا (جواب) حدیث میں آیا ہے کہ غرق من النار ظاہر ہوگی یعنی جہنم سے ایک ٹکڑا اٹھلیگا۔ تو اس حدیث کو لانے سے شاید مراد یہ ہو کہ جہنم سے ایک جزر لایا جائیگا اُس جزر کی یہ کیفیت ہوگی کہ شتر ہزار ماگین ہونگی اور ہر ایک باگ کو شتر ہزار فرشتے کھینچتے ہونگے اور وہ جوش مارگی اور کیسیگی کہ میں ہر مشرک و کافر و مشکبر جبار پر مسلط ہوں میرے لوگ مجھے دید و نہایت غیظ کے ساتھ ٹرپے گی اُسوقت غضب الہی کے خوف سے مقرین گھٹنوں کے بل خضوع کرینگے جیسا کہ حدیثوں میں بیان ہے شیخ ابوالسعود نے بھی متکلمین کے قیاس کو چھوڑ کر اسی طرف میلان کیا جو قیاس معرفت کے ساتھ آیات و حدیث سے موافق ہے واللہ سبحانہ ہو الموفق۔ اور حاصل یہ کہ عظیم قدرت حق عزوجل میں یہ بات نہایت آسان ہے کہ اس روز جہنم لائی جائیگی اور اُسکی حالت جو منظر غضب الہی ہو دیکھ کر مجمع قیامت کے نیک و بد نفسی نفسی پکارینگے بلکہ کفار خاص کر شدت غم میں گرفتار ہونگے کیونکہ انکو نجات سے مایوسی ہوگی اور جان لینگے کہ بالضرور یہی جہنم اٹھا ٹھکانا ہے اس روز کافر اپنے فیج افسعال یاد کر کے نادم و پشیمان ہوگا اور کیگا کہ کاش میں نے اس حیات کے لیے کچھ ایسا کام کیا ہوتا کہ آج اس سے نجات ہوتی لیکن یہ ندامت بے سود ہے (سوال) یہ حسرت و ندامت جس انسان کو ہوگی کیا اس سے خاص شخص مراد ہے یا خاص قسم ہے یا عام ہے (جواب) یہاں تین قول ہیں ایک قول جس عالم نے قولہ تعالیٰ فاما الانسان اذا ما ابتلاہ ربہ الہم میں کہا کہ انسان امیہ بن خلف کافر ہے یا دوسرے کافر کا نام لیا تو اسکے قول پر بیان بھی وہی کافر ہے کیونکہ خلاصہ یہ نکلا کہ یہ انسان کافر تمام دار مدار دنیا پر جانتا ہے کہ اگر رب عزوجل نے اسکو دنیا دیدی تو کہتا ہے کہ خدا نے اسکی عزت کی اور اگر دنیا نہ دی تو کہتا ہے کہ خدا نے اسکی اہانت کی حالانکہ دنیا میں دونوں باتیں فقط امتحان ہیں تاکہ وہ دونوں حالتوں میں اپنی حیات آخرت کے لیے عمل کرے لیکن وہ آخرت کی حیات سے منکر ہے تو جب زمین پر پڑ میدان کر کے ابتدا سے انتہا تک خلایق جمع کی جائیگی اور جہنم لائی جاوے گی اور رب عزوجل فیصلہ فرمائے اور بکا تو اُسوقت یہ انسان غم و حسرت سے کیگا کہ کاش میں نے اس حیات کے لیے نیک کام مقدم کیا ہوتا اس قول پر اعتراض کیا گیا کہ آیت نازل ہونے کے وقت سبب نزول اگر خاص کافر تھا تو یہ لازم نہیں آتا کہ آیت میں فقط وہی کافر مقصود ہو بلکہ یہ کافر ضرور اس آیت کے وعید میں گرفتار ہے اور جو کوئی اس کافر کے مثل ہو وہ بھی گرفتار ہے دوسرا قول خاص قسم انسان کی مراد ہے اور انسان دو قسم ہیں ایک قسم مومن ہیں اور دوسری قسم سوائے مومن کے جو کوئی ہو یعنی مشرک و منافق و دہریہ وغیرہ جمیع کفار مراد ہیں کیونکہ یہی لوگ دنیا پر دار مدار جانتے ہیں اور نتیجہ یہ کہ جو کوئی فقط اس دنیا پر دار مدار سمجھتے یعنی یہ سمجھتے کہ دنیا جسکو ملی وہ نیکی بخت و عزت والا ہے اور دنیا جسکو نہ ملی وہ کج بخت و ذلیل ہے تو ایسے اعتقاد والے کفار مراد ہیں یہ قسم انسان کی جس روز جہنم کو دیکھے گی تو تمنا کرے گی کہ کاش دنیا پر دار سمجھنے کی اُس سے بڑی غلطی نہوتی اور وہ سمجھتا کہ ایسے اعمال صالحہ پر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک ایسا متغیر ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم غمناک ہو گئے اور ہنوز آنے پہنچے ہی تلواریں نین فرمائی تھیں پس صحابہ رضی اللہ عنہم نے چاہا کہ اس وقت کوئی صحابی بزرگ مل جاوے تو اسکو لاوین حضرت علی رضی اللہ عنہ مل گئے تو اُسے یہ حال ذکر کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اُٹے اور بائیں پشت مبارک پر بوسہ دیا اور ادب سے عرض کیا کہ یا حضرت آج مزاج مبارک کیون غصینا کہ ہو کیا بات پیدا ہوئی جو مزاج مبارک کو ناگوار ہو اور آپ کے اصحاب آپ کے حکم کے منتظر ہیں یعنی اگر کسی منافق وغیرہ کی طرف سے کوئی بات ہو تو ارشاد ہو کہ اصحاب رضی اللہ عنہم اُس منافق کو قتل کریں۔ اور کہا کہ میرے مان بآپ آپ پر قربان ہوں کیون آپ انگلیں وغصینا کہ ہیں آپ نے یہ وحی تلاوت فرمائی یعنی صحابہ رض کو تسکین ہو گئی کہ یہ معاملہ آخر تک تو حضرت علی رض نے عرض کیا کہ یا حضرت وہاں جہنم کو کس صورت سے لا دینگے آپ نے فرمایا کہ ستر ہزار فرشتے اُسکی بائیں کھینچتے ہونگے اور وہ زور در گری اگر چھوڑ دی جاوے تو جمع کو جلا دے پھر جہنم مجھے کیسی کہ اے محمد آپ اور مجھے کیا تعلق ہے آپ کا گوشت پوست اللہ تعالیٰ نے مجھ حرام کر دیا ہے۔ ابن مسعود رض نے کہا کہ جہنم لا کر عرش کے بائیں جانب قائم کچا نیکی۔ اس روز ہر شخص نفسی نفسی کیسا گسواے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ اُمتی اُمتی فرماوینگے۔ جب جہنم لائی جاوے گی تو اس وقت کا فر آدمی ہوش کرے گا کہ باے اُسے کس قدر سرکشی میں اپنے آپکو غور کیا ہو اور کیسے قبیح گناہ کماٹے ہیں تو سخت نادم و شرمسار ہوگا و لیکن اب اس شرمساری و ندامت سے اسکو کمان نفع ہو سکتا ہو (تفسیر السراج) مترجم کہتا ہو کہ خطیب نے جو روایت نقل کی اس سے ظاہر ہوتا ہو کہ آیت کا نزول مدینہ میں ہوا ہو حالانکہ یہ جوہر کے خلاف قول ہو اور روایت کے ثبوت میں تامل ہوا مام ابن کثیر نے لکھا کہ امام مسلم نے عمرو بن حفص عن ابیہ عن العلاء باسناد وہ روایت کی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس روز جہنم لائی جائیگی اُسکی ستر ہزار بائیں ہونگی ہر باگ کو ستر ہزار فرشتے کھینچتے ہونگے (رواہ الترمذی عن الدارمی عن ابن حفص و عمر عن عبد بن حمید عن ابی حاتم عن سفیان عن العلاء و بذاک و لم یرفعه و کذا ابن جریر عن الحسن بن عرفہ عن مروان بن معاویہ عن العلاء و لم یرفعه۔ اس روز انسان اپنے عمل سابقہ یاد کر کے نادم ہوگا و لیکن اب وہ وقت کمان ہو کہ ندامت فائدہ کرے یقول و یلیننی قد مت لِحیاتی۔ آدمی کیسا کہ اسے کاش میں نے اپنی حیات کے لیے پہلے سے بھیج رکھا ہوتا ف جو آج میرے کام آتا اور اس جہنم کے عذاب سے بچنے کا وسیلہ ہو جانا (قولہ لِحیاتی) بعض نے کہا کہ وقت حیات دنیاوی ہی یعنی دنیاوی زندگی میں نیک اعمال کر کے بھیجے ہوتے بعض نے کہا کہ نہیں بلکہ آخرت میں اب زندہ ہوا ہو اور یہ ایسی شان سے زندگی ہو کہ کبھی اسکے بعد موت نہیں ہو تو نہایت ندامت سے افسوس کرے گا کہ کاش اس اصلی زندگی کے لیے اُس نے کچھ اعمال صالحہ بھیج رکھے ہوتے (ابن کثیر) و احدی نے فرمایا کہ جماعت مفسرین سلف رضی اللہ عنہم نے آیات کی تفسیر میں کہا کہ قولہ تعالیٰ جی یومئذ جہنم قیامت کے روز جہنم کو لا دینگے اُسکی ستر ہزار بائیں ہونگی ہر ایک باگ ستر ہزار فرشتے کھینچتے ہونگے اسکو لا کر عرش کے بائیں جانب نصب کریں گے اور اُسکے ایک بارگی بیتناک شور سے کوئی مقرب فرشتہ اور کوئی پیغمبر نہیں باقی رہے گا مگر انکے گھٹنوں کے بل اللہ تعالیٰ کے خوف سے جھک جائیگا اور کیسا کہ اے رب نفسی نفسی داغ ہو کہ جہنم کو لانیکی حدیث کو ابن المنذر و ابن ابی حاتم و ابن مردویہ نے بھی مسند کیا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ آیت سے جو معنی ظاہر ہیں یہی مراد ہیں یعنی جہنم اس کیفیت کے ساتھ لائی جاوے گی (ف) رازی نے کہا کہ لائے جانے سے یہ مراد ہے کہ جہنم ظاہر ہوگی۔ جیسے

سوائے کچھ نہیں پہچانتے ہیں۔ دنیا میں جسکو اللہ تعالیٰ نے مال و متاع و غیرہ دیا تو اگر عقل مند بندہ مومن ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر کر کے یہ دعا کرے گا کہ الہی توفیق اپنے کرم سے یہ سب مجھے عطا کیا تو یہ توفیق بھی مجھے عطا کر کہ یہ سب میرے حق میں نعمت ہو جاوے یعنی یہ سب فانی چیزیں ہیں مجھے ان چیزوں سے تعلق ہو بلکہ میں انکو اللہ تعالیٰ کے نام پر قربان کروں تاکہ اُسکی رضا مستندی و ثواب کا ذخیرہ میرے گھر میں یعنی آخرت میں جمع ہو کہ وہ البتہ نعمت ہو پس وہ فراغت سے عبادت کرنا ہو اور وہ لوگ اس سے خوش ہو جاتے ہیں پس یہ بندہ اس ابتلا و امتحان میں خوب کامیاب ہوا اور اگر یہ دو لقمہ کوئی کافر و مشرک ہو جسکو آخرت میں زندہ ہونے اور رہاؤں و وطن حقیقی ہونیکا سچا یقین نہیں ہو تو وہ فی الحقیقہ جاہل احمق ہو یہ خیال کرنا ہو کہ خداوند نے مجھے پیار کیا اور میں نے اپنے آپ پر بھروسہ کیا اور جو کوئی اپنے آپ پر بھروسہ کرتا ہو خدا اُسکی مدد کرنا ہی تو میں نے اپنی لیاقت سے خوب کمایا اور میں اُشرف و شریف ہوں اور اُسکے دل میں اس غرور کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے مسلمان بندوں کی طرف یہ خیال جما ہوا ہو کہ یہ نیم وحشی قوم ہو مکان اُڑا ستہ کرنا اور آرائش کے قاعدے اور نایاب رنگہ اور تفریح کے طریقے کچھ نہیں جانتے ہیں اور بد بخت ہیں جنت کے خیال موبہوم ہیں پڑے ہیں خدا نے انکو دلیل کیا ہو مترجم کتابی کہ اس زمانے میں جو کوئی مسلمان ہو مگر فقط نام کا مسلمان نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ واسکے رسول صلعم کی شریعت پر ظاہر و باطن میں مستعد ہو اور آخرت کا یقین سامنے رکھتا ہو تو وہ یہ باتیں سامنے دیکھتا ہو اور کچھ شک نہیں کہ بہ وقت بہت سخت ہوا سلیے کہ مسلمانوں نے صرف نام ہی نام پر اکتفا کیا اور شریعت حقہ کے مکارم اخلاق چھوڑ دیے اور کافروں کی پیروی صرف بدکاریوں میں اختیار کی تو انکے بیچ میں یہ مسلمان بندہ بہت پریشان رہتا ہوا سلیے کہ ہر طرف سے اُسکے مخالف نظر آتے ہیں ولیکن اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اپنے سچے بندے کو مستقیم و ثابت قدم رکھتا ہو اور وہ خوب جانتا ہو کہ یہ لوگ جو اُسکے مخالف ہیں وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ واسکے رسول پاک صلعم سے مخالف ہیں ان لوگوں نے دنیا کی دولت و مال و متاع پر مدار رکھا ہو کہ جسکے پاس دنیا ہو وہ خدا سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت والا اور اسکا پیارہ بندہ ہو اور جسکے پاس دنیا ہو وہ خدا سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذلیل ہو۔ یہ ان لوگوں کی پوری حماقت و جہالت ہو بلکہ اللہ تعالیٰ نے قطعی فرما دیا کہ اگر مومن اللہ تعالیٰ اتقا کم الایہ یعنی تم میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ زیادہ بزرگ ہو جو تقویٰ میں بہتر ہے۔۔۔ تو اللہ تعالیٰ کے یہاں بزرگی کا مدار تقویٰ و طہارت پر ہی اور دنیا اپنی راہ سے ملعون ہو تو ان لوگوں نے سخت گمراہی اختیار کی اور یہ حالت انکو اسوقت معلوم ہوگی جب زمین کو فتنہ کر کے مستوی کر دی جائیگی اور رب تبارک و تعالیٰ اپنی مخلوقات میں فیصلہ کے واسطے آوے گا۔ **وَجَائِیَ یَوْمَئِذٍ یَجْهَنَّمُ یَوْمَئِذٍ یَتَدَنَّ كَرُّ الْاِنْسَانِ وَ اَنَّى لَهُ الذِّکْرٰی**۔ اور اس روز جنم لائی جاوے گی اس روز انسان ہوش بکڑے گا اور اب کہاں ہو اُسکے واسطے ہوش بکڑنا ف یعنی جب قیامت قائم ہوگی اور رب عزوجل فیصلہ قضا کے واسطے حجاب اُٹھا دیگا تو اس روز جنم کو لاوے گے اُس روز انسان یاد کرے گا کہ وہ کس خواب میں اور کس غرور کے خیال میں پڑا تھا ولیکن اسوقت اسکا یاد کرنا کیا فائدہ دیگا۔ اگر کہا جاوے کہ جنم کو لانے والا حکم الہی ہو تو (جی) صیغہ جمہول کیوں آیا ہو (جواب) یہاں یہ صیغہ فائدہ فرماتا ہو کہ جنم کا لایا جانا بہت آسان بات ہو اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ملکہ اس روز ایسی عظمت و جلال سے ظاہر ہوگی کہ جہاں تبتلائی جاتی ہیں نہایت آسان ہیں حتیٰ کہ جنم کو لانے کے لیے سامان بیان کرنا کچھ ضرور نہیں ہو وقد قال تعالیٰ برزت ابھجم لمن یری۔ کھلے میدان ظاہر کی جاوے گی جنم ہر ایسے شخص کے لیے جو دیکھتا ہو۔۔۔ روایت ہو کہ جب یہ آیت اتری تو

کہ جس سے ہیبت کا اثر ہوتا ہو یعنی بادشاہ کے آنے کے وقت اسکی سیاست کا خوف چھاجاتا ہو اور بعض نے کہا کہ معنی یہ کہ وجاہد
 لکب (یعنی نیرے رب کا امر آیا کہ مخلوقات میں فیصلہ ہو۔ حدیث صحیح کہتا ہے کہ یہ اخیر تاویل بہتر ہے اور اسکو خطیب نے معاملہ سے
 حسن بصریؒ کا قول نقل کیا اور دلیل یہ ہے کہ (امراۃ) کا انا قیامت کے معنی میں قرآن مجید میں آیا ہے اور حدیث میں بھی ہے کہ برابر
 نبی امت کا ایک گروہ غالب رہیگا انکو کچھ مضرت ہوگا اگرچہ کوئی انکی مدد نہ کرے وہ برابر غالب ہونگے حتیٰ کہ (امراۃ) آدیگا تو اسوقت
 بھی وہ غالب ہونگے (صحیح) اور امام ابن کثیرؒ نے بدون تاویل کے فقط نص ظاہر کو لیا اور لکھا کہ قول تعالیٰ وجاہد یک۔ اور جب
 آدیگا رب تبارک و تعالیٰ۔۔۔ یعنی رب عزوجل اپنی مخلوقات میں فیصلے کے واسطے آویگا۔۔۔ یعنی اسوقت انسان کو حسرت
 و افسوس ہوگا کہ اُس نے دنیا کی دولت و ثروت میں عمر برباد کی اور اسکو غلطی سے عزت کا مار سجا اور آخرت کو برباد چھوڑا امامؒ نے
 کہا کہ قیامت میں پہلے تو سب لوگ قبروں سے اُٹھکر میدانِ مستوی میں کھڑے ہوں گے کھڑے ہونگے کھڑے ہوں گے کھڑے ہوں گے کھڑے ہوں گے
 کہیں سایہ نہ ہوگا اور آفتاب اُنکے سروں کو دیگ کی طرح پکاریگا سوائے ان بدوین کے جن کو رب عزوجل اپنے سایہ رحمت
 میں جگہ دے اور لوگ پسینے میں بغیر اپنے اپنے اعمال کے غرق ہونگے آخر اُس ہولناک منظر میں رب تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ
 کبریا میں شفعہ تلاش کریں گے اور رب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں رجوع کریں گے۔ حضرت آدم علیہ السلام عذر کریں گے
 کہ آج رب عزوجل نے غضب ظاہر فرمایا ہے ایسا غضب کبھی نہ تھا اور نہ آئندہ کبھی ہوگا اور فقط اپنی جان کی خیر مانگیں گے اور کہیں گے کہ
 تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ الغرض یہ لوگ حضرت نوح کی خدمت سے بھی مایوس ہونگے ولیکن وہ مابعد کے پیغمبر کی طرف راہ
 تلاشیں گے وہاں بھی یہی نتیجہ ہوگا اور اسی طرح جسقدر انبیاء اور لوگ غم گزرے ہیں سب کی خدمت سے محروم رہیں گے وہ نفسی نفسی کہیں گے
 اور ہر ایک اپنی کچھ نہ کچھ لغزش بیان کریگا بھانٹک کہ آخر میں عیسیٰ علیہ السلام ان لوگوں سے فرما دیں گے کہ تم کہاں غافل بھرتے ہو
 تم کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جانا چاہیے یعنی انکو اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین خاتم النبیین کیا اور کمال رحمت سے
 انکو تاج کرامت بے مثل عطا کیا ہے یعنی کسی قسم کا مواخذہ نہیں رکھا اور فرمایا لیفرلک اللہ ماتقدم من ذنبک واما آخرہ یہ بے مثل
 تاج ہے کہ آج سب پیغمبروں کو نفسی نفسی سے خوف ہو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اجمعین کو کچھ خوف نہیں رہا۔ پس عیسیٰ علیہ السلام سب
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجیں گے۔ لوگ سب آپ کی حضوری میں حاضر ہو کر التجا کریں گے اور اپنی حالت عرض کریں گے
 آپ فرما دیں گے کہ ہاں میں تمہارے واسطے شفاعت کروں گا۔ پس آپ جا کر جناب باری تعالیٰ میں شفعہ ہونگے کہ رب تبارک و تعالیٰ فیصلہ
 تمہارے واسطے نثریف لاوے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب بندہ رسول کی شفاعت قبول فرما کر آویگا۔ یہی مقام محمود ہے تمام خلایق
 اولین و آخرین بھی آپکی مدح سرائی کریں گے اور اسکا مفصل بیان سورہ معراج یعنی سبحان الذی اسری۔ کی تفسیر میں گذر چکا ہے پس
 اللہ تعالیٰ جس طرح چاہیگا فیصلہ تمہارے لیے آویگا اور ملائکہ اسکی حضوری میں صف بصف حاضر ہونگے (تفسیر ابن کثیرؒ) اور یہ جو لوگ
 کہ اللہ تعالیٰ جس طرح چاہیگا آویگا۔ اسکے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفت اسکی ذات عالی متعالی کے لائق ہے اسکی کیفیت
 جاننا کسی بندے کی مجال نہیں ہے نہایت نفیس معرفت ہے جس بندے کو اللہ تعالیٰ نے اُسکے قلب میں نورایان عطا فرمایا ہے
 وہ نور اسکو سمجھ لیتا ہے اور حضرت رب العزۃ جل جلالہ کی عظمت کبریائی پہچانتا اور پھر کسی وسوسہ شیطانی کو اسکے دل میں داخل نہیں دیتا
 ہر۔ اب آیات کی تفسیر میں ابتدا سے غور کرو کہ اول اللہ تعالیٰ نے اہل کفر جاہلون کے خیالات بیان فرمائے کہ یہ لوگ دنیا کے

کہ اول جملہ کہ (آنا) ایک جنبش ہوا قول اگر جنبش جو ہم لوگ باہم چلنے پھرنے میں پہچانتے ہیں ہی مراد لیتے ہو تو یوں کہو کہ ہمداری
نوع مخلوق میں آنا جنبش ہو۔ پھر یہ تمہارا قول کہ ہر چیز جنبش والی ضرور جسم ہوا قول یہ فیہ اپنے نظائر مخلوقات کو تصور کیا اور
ہر مخلوقات میں وہ جنبش جو ہمارے درمیان ہو ضرور جسم ہو تو یہ کہو کہ ہم نے جانا کہ مخلوقات میں یہ جنبش جو مخلوق کی شان ہو
ضرور جسم کے لیے ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ (آنا) جو خالق عزوجل کی شان ہو اس کے لیے جسم لازم ہو جیسے بالاجماع
اللہ تعالیٰ سمیع بصیر ہے یعنی سننے دیکھنے والا ہو اور اس پر سب صالحین امم انبیاء علیہم السلام حضرت آدم سے
حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم جمعین تک متفق ہیں۔ پھر کیا کوئی گمراہ یہ دلیل لاویگا کہ ہم جانتے ہیں کہ سننا بذریعہ
کان کے اور دیکھنا بذریعہ آنکھ کے ہوتا ہے اور یہ دونوں چیزیں جسم کے اجزاء ہیں تو دیکھنا و سننا جسم کے لیے ہے تو اللہ تعالیٰ
سے یہ بات محال ہے یہ دلیل باطل ہے اور اس غلطی کا سبب یہ ہے کہ مخلوق کے لیے جو صفات ہیں انہیں پر خالق عزوجل کے قدس
صفات کو قیاس کیا گیا اور یہ قیاس باطل ہے اور جب یہ قیاس باطل ٹھہرا تو قیاسی دلیل باطل ہو پس رب عزوجل کے واسطے
قرآن وحدیث میں جو صفات آئے ہیں وہ اُسی کی شان کے لائق ہیں اور ہمارے صفات پر ان کا قیاس نہیں ہو سکتا ہے اور یہی اعلیٰ
معرفت حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے اصحاب و اُن کے تابعین و اتباع رضی اللہ عنہم اجمعین نے سکھلائی اور
کسی نے اس میں کچھ بھی تردید نہیں کیا۔ پھر جب کچھ باطن لوگوں نے شیطان کی نوکری اختیار کی تو عام مسلمانوں میں اس قسم
کے وسوسے ڈالے جو کسی طرح عقل کے دائرہ میں نہیں ہیں لیکن ظاہر میں آدمی سکر دھوکا کھاتا ہے تو اُن کے دھوکے میں اگر بہت سے
فرنے ہو گئے اور سب سے مقدم مغزلہ دروافض ہیں جو محض اپنے خیالات و قیاسات کے تابع ہیں اور انہیں قیاسات کے تابع
ہو کر آیات جنسے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی انکو تاویل بلکہ تحریف کر کے اپنے قیاس پر کھلایا لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید
کو محفوظ فرمایا ہے ورنہ بہت سے مغزلہ دروافض نے جا ہٹا کہ قرآن مجید میں وہ آیتیں بدل دیں جو اُن کے قیاس کے
مخالف ہیں یا جن سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ثنا و صفت ثابت ہوتی ہے پھر ان گمراہوں نے دیکھا کہ ہزاروں بلکہ لاکھوں
اہل حق و بندگان الہی موجود ہیں جو قرآن مجید حفظ رکھتے ہیں تو تبدیل سے ان گمراہوں کی مراد نہیں حاصل ہوگی باجملہ اہل السنۃ
والجماعت سلف و خلف رضی اللہ عنہم بالاجماع ایسی آیات میں اپنا قیاس نہیں لگاتے ہیں۔ جماعت محققین نے فرمایا کہ
واضح ہو کہ بقول حق یہ آیت منجملہ ان آیات کے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی صفت بیان کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت قدس اعلیٰ و
اجل ہے کسی مخلوق میں یہ مجال نہیں ہے کہ اسکو تصور میں لاوے کیونکہ بندے کے دماغ میں اس صورت کا مخلوق ہونا محال ہے
اسوجہ سے سلف صالحین دائرہ مجتہدین نے اس کے بیان میں کچھ کلام نہیں کیا کیونکہ ذہن میں ان کا تصور لانے کے لیے بیان کیا جاتا
ہو اور یہ بیان محال ہے۔ ہاں یہ ضرور یاد رکھو کہ مثلاً (جار ربک) میں (آنا) ہرگز آنا نہیں ہے جو مخلوق کی صفت ہے کیونکہ خالق و مخلوق
میں مباہنت یعنی بالکل جدائی ہے تو مشابہت نہیں ہے اور مخلوق کی کیفیت وہاں نہیں ہے اور عقل جانتی ہے کہ جن چیزوں میں مباہنت
ہو اُن کے صفات لازمہ میں بھی مباہنت ہوتی ہے پس ہم ان صفات التبیہ پر ایمان لاتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ خالق جل شانہ کی
جیسی صفت ہو اُس طرح آنا ہوگا شیخ ابوالسعود نے فقط تاویلات پر اکتفا کیا اور بیضاوی و رازی رحم کی اتباع کی چنانچہ
لکھا کہ قولہ تعالیٰ وجاء ربک۔ یعنی تیرے رب کے آیات قدرت اور آثار قہر ظاہر ہوئے۔ تیشیل ایسی چیز سے بیان فرمائی

روز قیامت کے صفات میں سے چند امور بیان فرمائے (اول) یہ کہ دکت الارض و کادکا خلیل نے کہا کہ دکت دیوار و ٹیلہ و پہاڑی وغیرہ کو توڑنا پس معنی یہ کہ رو سے زمین پر جو چیز از مشم درخت و پہاڑ وغیرہ جو وہ زمین کے زلزلہ کے وقت شکستہ و کوفتہ کر دیے جاویں گے مہر و نئے کہا کہ دکت کے معنی بلند کو گر کر پھیلا دینا تو مطلب یہ ہوا کہ زمین کے مکانات و عمارات سب منہدم کر کے بچھا دیے جائیں گے اسی معنی میں ابن عباسؓ نے کہا کہ زمین قیامت کے روز پھیلا دی جائیگی یعنی فرش مستوی ہو جائیگی۔ واضح ہو کہ یہ دکت بعد زلزلہ زمین کے ہوگا پس زلزلہ پر زلزلہ آویگا تو پہاڑ و ٹیکرے منہدم ہو کر غار بھیر جاویں گے اور دنیا ختم ہو جائیگی رقد قال تعالیٰ و حملت الارض و الجبال فدرکت و کنت واحدة۔ زمین و پہاڑ اٹھا کر ایک بار کوفتہ کر دیے جاویں گے (صفت دوم) قولہ تعالیٰ وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا۔ اور آئی گے تیرا رب و صف بصف ملائکہ فلازمی نے کہا کہ دلائل عقیدہ سے بات ثابت ہوئی کہ جسم کی طرح جنبش کرنا آمد و رفت کے معنی میں محال ہو دلیل یہ کہ جو چیز حرکت آمد و رفت کے لائق ہو وہ جسم ہوتا ہو و جسم ہونا اللہ تعالیٰ کی شان میں محال ہو تو یہ جنبش بھی محال ہو پس آیت میں رب عزوجل کا آنا جو مذکور ہے تو اس میں تاویل کرنا ضرور ہو اور تاویل کی چند صورتیں ہیں (۱) یہ کہ رب آبا یعنی اسکی طرف سے سر او جزا آئی (۲) یہ کہ رب کا قہر آیا۔ اور یہ محاورہ عرب کی زبان میں آیا ہو چنانچہ جس شخص کی طرف سے خوف ہو اور اسکی قوت معروف ہو تو کہتے ہیں کہ وہ آگیا (۳) یہ کہ اللہ تعالیٰ کی بزرگ آیات آگئیں (۴) یہ کہ رب تعالیٰ کا ظہور ہو گیا کیونکہ اس روز اللہ تعالیٰ کی معرفت خود بخود آ جاویگی مقررہ حجم کتاب پر کہ اسکے یہ معنی نہیں ہیں کہ کفار کو معرفت حاصل ہوگی کیونکہ یہ باطل ہو اور مترجم نے اسکو سیالین میں بار بار مدلل بیان کیا ہے لیکن یہ معنی ہیں کہ اس روز کفار کو یہ برہی معلوم ہو جاوے گی کہ خدا سے تعالیٰ کے سوا کسی میں کچھ قدرت نہیں ہے بلکہ یہ بھی ان لوگوں کو ایک مدت کے بعد معلوم ہوگا تو اولیٰ یہ کہ اس روز ضرور معلوم ہو جائے گا کہ انبیاء علیہم السلام نے جو کچھ بیان فرمایا تھا وہ واقع ہوا بلکہ یہ بات موت ہی کے وقت معلوم ہو جاتی ہو (۵) یہ کہ جاوے ربک۔ رب عزوجل کا آنا بطور تمثیل ہو یعنی رب عزوجل کی آیات وحدانیت اور آثار و حقیقی سلطنت کے ایسے ظاہر ہونگے جیسے دنیا میں دنیاوی بادشاہ کی آمد ہوتی ہو کہ اس سے ایسی ہیبت و عظمت چھا جاتی ہو کہ سب لشکروں کے آنے سے نہیں ہوتی ہو ششم یہ کہ رب کے معنی لغت میں مرزی ہیں تو شاید تجار ربک۔ تیرا رب یعنی مرزی آیا۔ اس سے کوئی عظیم فرشتہ مراد ہو یعنی وہ عظیم فرشتہ جو تیرا مرزی ہے وہ آدے گا اور باقی سب اسمائون کے ملائکہ صف بصف آویں گے اور جن و انس کو گھبرائیں گے (تفسیر کبیر) مترجم کتابت ہو کہ بتاویلات عجیب اقوال ہیں اور اہل بیان ایسے حقول سے سخت پر اگندہ ہوتے ہیں اسبواسطے ہمارے ائمہ مجتہدین امام ابوحنیفہ مالک و شافعی و احمد وغیرہم حجم غفر رحمہم اللہ تعالیٰ نے علم کلام کی خدمت فرمائی ہو اور انتہا درجہ تاویل یہاں اس لیے پسند کی گئی تاکہ عام لوگ قولہ تعالیٰ جاوے ربک میں آنا جو مخلوق کے مانند ہے تصور نہ کریں کیونکہ عام لوگ خواہ مخواہ یہاں آمد کا تصور لاتے ہیں لہذا متاخرین علماء نے عوام کو اس سے بچانے کے لیے تاویل پسند کی اور یہ بیان اسی قدر کافی ہے کہ جاوے ربک یعنی تیرے رب عزوجل کا حکم قضا آگیا۔ اس بیان سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تاویل کرنے کی حقیقت میں کوئی ضرورت لاحق نہیں ہے جیسا کہ امام رازیؒ نے زعم کیا ہو۔ اگر کہو کہ امام رازیؒ نے تو دلیل بیان کی کہ آنا ایک طرح کی جنبش ہو اور ہر چیز جسکی شان سے جنبش ہو وہ جسم ہے اور اللہ تعالیٰ جسم نہیں ہو تو آنا اسکی شان نہیں ہے (جواب) اس دلیل کا حال یہ ہے

جمع کیا ہو تو یہ وبال اُسکی گردن پر ہو اور وارث کے لیے مال حلال ہو اس سے معلوم ہوا کہ مشرکین جو میراث کو حلال و حرام سب طریق سے کھاتے تھے اس سے یہ مراد ہے کہ جو چیزیں میت کے ترکہ میں خاص کسی غیر کی امانت معلومہ یا غضب یقین وہ بھی کھا جاتے اور کہتے کہ تم نے جس شخص کو وہ چیز دی تھی اُس سے لو۔ میت کی لڑکیاں و زردہ محسروم اور لڑکا ہونا تو میراث کھا جاتے لہذا اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو ملامت کی کہ تم لوگ میراث کو ہر طرح سمیٹ کر کھاتے ہو۔ وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبَّاجِمًا۔ اور محبت کرنے ہواں سے محبت کثیر فاجم یعنی کثیر ہے۔ بعض نے کہا کہ بہت حد سے بڑھی ہوئی (ابن کثیر) یعنی تم لوگوں کی حالت یہ ہے کہ فقط دنیا پر دار مدار رکھتے ہو تو ناچار دنیاوی مال سے تم کو حد سے بڑھی ہوئی بکثرت محبت ہو (البکیر) چنانچہ جمیع اقسام کفار کا جو مقولہ ہو اُس کو مشرکین عرب ظاہر کرتے تھے کما قال تعالیٰ ان ہی الاحیاء الدنیائوت نخبی و ما نحن بمجوثین۔ یہ تو فقط یہی ہماری دنیاوی زندگی ہو کہ مرتے اور جیتے ہیں اور ہم ہرگز بعد موت کے نہیں اٹھائے جاویں گے۔ واللہ تعالیٰ نے اُنکے اس باطل خیال کو رو کر دیا بقولہ تعالیٰ کَلَّا اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دُكًّا دَكًّا ۝ وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝

کوئی نہیں جب بہت کرین زمین کو کوٹ کوٹ کر اور آدے تیرا ب اور فرشتے تعار تعار

اور لائے اُس دن دوزخ کو اُس دن سوچ آدمی اور کمان ہے اس کو سوچن

کے کسی طرح میں کچھ آگے بھیجتا اپنے بھر اُس دن مار دے اُسکی کوئی اور

یُؤْتِي وَثَاقَهُ أَحَدٌ ۝ يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ۝ وَادْخُلِي جَنَّاتٍ ۝

باندھ دے اسکا سا کوئی ای جی چین بکڑے بھر چل اپنے رب کی طرف تو اس سے راضی

راز می نے لکھا کہ قرہ تعالیٰ۔ کَلَّا مشرکوں کو جھڑکی ہو اور انکے افعال سے انکار ہو یعنی یہ معاملہ اسطرح نہیں ہونا چاہیے

کہ فقط دنیا کی زندگی و مال پر بہت کوتاہ ہو اور جس طرح ہو سکے دنیاوی متاع جمع کیجاوے اور اسی پر بھروسہ کیا جاوے اور اس سے

کسی یتیم و مسکین کو نہ دے بلکہ حرام و حلال سے جس طرح بن پڑے سمیٹ لے اور یہ اعتقاد کرے کہ نہ حساب ہو نہ کتاب ہے اور

نہ آخرت میں عذاب ہو نہ ثواب ہو۔ اس سے جھڑک دیا کہ خیال باطل ہے۔ ایسے باطل خیال والے کو اُسوقت ندامت ہوگی

جب کچھ نفع ہوگا (بکیر) ابن کثیر نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ان آیات میں روز قیامت کے ہولناک واقعات سے آگاہ فرماتا ہے

کہ (کلا) ای حقا۔ یعنی آئندہ جو ہولناک امور قیامت مذکور ہیں وہ برحق ہیں اقول اکثر اہل تفسیر نے رازی کا اتباع کیا ہے یعنی

ای مشرک کو تمہارا زعم باطل ہے۔ تم آخرت میں پشیمان و خوار ہو گے۔ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دُكًّا دَكًّا۔ جب زمین کو فٹ

کی جائیگی کوٹنے پر کوٹنا ف یعنی پست و ہموار کر کے پہاڑ وغیرہ یکساں کر دیے جائیں گے اور لوگ اپنی قبروں سے اٹھ کر

اللہ تعالیٰ کے لیے قیام کریں گے (ابن کثیر) اور قولہ دکا دکا۔ دو مرتبہ مفید ہے کہ بار بار کو فٹ کی جائیگی (السراج) اللہ تعالیٰ

کرنے والا جنت میں اس طرح ہونگے یعنی اپنے کلمہ کی انگلی اور بیچ کی انگلی دونوں ملائیں (اسنادہ صحیح) لکھنا فی تفسیر ابن کثیر رحمہ رازی نے لکھا کہ متقاتل نے فرمایا کہ جب آیت اُتری تو امیر بن خلف رئیس قریش کے یہاں قدامہ بن مظعون یتیم تھا وہ اپنی طرف سے اکرام کرنے سے گیا بلکہ جو کچھ اسکا حق تھا وہ بھی نہیں دیتا تھا اور خوار رکھتا تھا واضح ہو کہ یتیم کا اکرام نہ کرنا کئی طرح سے ہو (ایک) یہ کہ اسکی پرورش اچھی طرح نہیں کرتا جیسے اپنی اولاد کیساتھ سلوک کرنا ہی بشارہ قولہ تعالیٰ لا تحاضون علی طعام المسکین (دوم) یتیم کا جو حق میراث میں ثابت ہو وہ نہیں دیتا مثلاً زید نے انتقال کیا اور بکر و خالد دو بیٹے چھوڑے پھر بکر مر گیا اور شعیب اپنا لڑکا چھوڑا تو خالد نے اُسکے حق میں سکاری سے چاہا کہ یا تو تکلیف اٹھا کر مرے یا کسی ترکیب سے یہ مال اُسکو نہ ملے بشارہ قولہ تعالیٰ وناکلون التراث الا یہ (سوم) یہ کہ یتیم کو چاہو سی کے ساتھ لاکر اپنے گھر میں رکھا اور اس حیل سے چاہا کہ اسکا مال لے لے اور اسی طرف اشارہ ہو بقولہ تعالیٰ و تحبون المال حبا جاہلاً (۱) قولہ تعالیٰ ولا تحاضون علی طعام المسکین یعنی باہم ایک دوسرے کو آمادہ نہیں کرنے کہ فقرا و مساکین کے ساتھ احسان کریں (ابن کثیر) جیسے قولہ تعالیٰ انہ کان لایومن باللہ العظیم ولا یحیی علی طعام المسکین۔ یعنی آخرت میں کافر کے لیے عذاب جہنم کے وقت کہ ماجا بیگا کہ وہ دنیا میں اللہ عزوجل کے ساتھ ایمان نہیں رکھتا تھا اور مسکین کے ساتھ سلوک کرنے پر آمادہ نہیں کرتا تھا۔ ۱۔ و علی ذلک (تھا ضنون) اصل میں (تھا ضنون) تھا اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں لا تحاضون بالضم آیا (تفسیر کبیر) بالجملہ اللہ تعالیٰ کافروں کے قول کی بدی کے ساتھ فعل کی بدی بھی چار باتوں سے بیان کی دو یہی ہیں کہ یتیم کا اکرام نہیں کرنے اور مساکین کے ساتھ احسان کرنے پر ایک دوسرے کو تاکید نہیں کرے اور باقی دو باتوں کا بیان آگے ہے بقولہ تعالیٰ۔ وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَمًّا۔ اور تم کھا لیتے ہو میراث کو کھانا سب سمیٹ کر ف تراث اصل میں (وراث) تھا (و) کو (ات) سے بدل لیتے ہیں جیسے خداد و جاد وغیرہ ہیں اور (لما) ای (جمعا) اور لیٹ نے کہا کہ (لم) خوب جمع کرنا اور محاورہ میں کہتے ہیں کہ لم الشر یعنی فلاں کھانے والے نے حرص کے مارے خرید کو ایک ہی لقمہ بنا کر نکل لیا زجاجؒ نے کہا کہ مشرکین اپنے بھائی بُندوں کی میراث کو فضول خرچی کے طور پر خوب کھاتے تھے اور مردے کے بال بچوں کی رعایت نہیں کرتے تھے گو یا سب سمیٹ کر خود ہی کھا جاتے تھے جن بصری رح نے کہا کہ اپنا حصہ اور دوسرے کا حصہ سب بلا لیتے اور کھا جاتے تھے اور قولہ اکلاً لما۔ بین تین قول ہیں (۱) اول (واحدی) نے کہا کہ مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اکلاً لما یعنی کھانا شد بد یہ (لما) کی تفسیر نہیں ہو بلکہ حاصل مطلب ہو اور اکل کی صفت (لم) ہو اور اس سے فاعل مراد ہو ای اکلاً لانا۔ جامعا۔ گویا وہ لوگ سب میراث سمیٹ کر کھا جاتے تھے (دوم) یہ کہ جو مال میت کی میراث رہتا تھا اُس میں کچھ حلال تھا اور کچھ مشتبہ اور کچھ حرام ہوتا تو مشرک وارث سب کو سمیٹ کر کھا جاتا (سوم) زجاجؒ نے کشاف میں کہا کہ یہ بھی ہو سکتا ہو کہ مذمت وارث کے حق میں ہو کہ اُسے مال بے محنت پایا اور مال مفت کی طرح خوب اُڑایا (تفسیر کبیر) ابن کثیرؒ نے فقط قول دوم پر اکتفا کیا یعنی مال میراث سب سمیٹ کر کھاتے ہو جو احرام یا حلال جس طرح حاصل ہوا (۱) مترجم کہتا ہو کہ یہ اچھی تفسیر ہو اور اس میں سب صورتیں داخل ہیں تسلیم جانا چاہیے کہ آدمی نے اپنی زندگی میں جو مال جمع کیا ہو جب وہ مرے تو وارث کو دیکھنا چاہیے کہ اگر میراث میں کسی شخص کی خاص خیر معین معلوم ہو مثلاً صندوق ہو جو میراث نے غضب کر لی یا امانت تھی تو وارث کو چاہیے کہ جسکی چیز ہے اسکو واپس کر دے اور اگر میت کے پاس کسی کا روپیہ امانت تھا ولیکن میت نے کچھ ظاہر نہ کیا تو یہ وہاں اُسکی گردن پر رہا اور اگر میت نے رشوت وغیرہ سے مال

گئی فرماتا ہوا اور یہ دونوں صورتیں امتحان ہیں ولیکن یہ امتحان اہل رحمت کے ساتھ ہوتا کہ تو نگہ بندہ اپنے قریبیوں کے ساتھ اور یتیم و مسکین کے ساتھ سلوک کر کے فضل الہی سے ثواب پاوے اور فقیر تنگ دست اس مقدار پر صبر کر کے طاعات بجا لاوے اور ثواب عظیم کماوے اور اس زمانہ اخیر میں جب قیامت کے فتنے بکثرت پھیلنے جاتے ہیں اور لوگ اسلام سے نکل کر کفر و شرک میں داخل ہوتے جاتے ہیں تو بہت سی صورت کے مسلمان ایسے ہیں کہ جبکہ پاس دنیا کی کثرت دیکھتے ہیں اُسی کو نیک و بزرگ جاننے ہیں اور فقیر عالم کو خوار و حقیر سمجھتے ہیں اور خود اس محتاجی میں دن رات رانگان ہیں آخرت کو سوہوم خیال سمجھ کر آخرت میں بھی خسارہ ہو اور دنیا میں بھی خسارہ ہو۔ رہے کفار تو اُن میں یہ دونوں قسمیں بطریق امتحان غرضی ہیں۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ اور خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں مال کی کثرت یا تنگی فقط اسی وجہ سے دیتا ہے کہ امتحان میں ڈالے کیا نہیں دیکھتے ہو کہ مال بلکہ بادشاہت ایسے لوگوں کو دیتا ہے جو اُس کے دشمن ہیں اور حدیث میں ارشاد ہے کہ دنیا تمام و کمال اس قابل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مجھ کے برابر قدر ہو اور اگر تمام دنیا و مافیہا کی قدر اللہ تعالیٰ کے نزدیک مجھ کے برابر ہو تو اس میں سے کافر کو ایک گھونٹ پانی نہ دیتا۔ حدیث میں ہے کہ خبردار ہو جاؤ کہ دنیا لعنت کی گئی ہو اور جو کچھ دنیا میں ہے ملعون ہے سوائے ذکر الہی و عالم متعلّم کے۔ **كَلَّا بَلْ لَا تَكْرُمُونَ النَّبِيَّ وَلَا تَخْشَوْنَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمَسْكِينِ**۔ کچھ نہیں بلکہ تم لوگ یتیم کی بزرگداشت نہیں کرتے ہو اور نہ مسکین کے کھانے پر ابھارتے ہو ف (کلا) انسان کو جھڑکی ہے کہ اُسے دنیاوی مال سے جو کرامت یا اہانت اعتقاد کی ہو یہ کچھ نہیں ہے اُس کا قول اعتقاد باطل ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا یعنی میں نے جسکو مال داری میں مبتلا کیا تو اسکی کرامت کی وجہ سے نہیں ہے اور جسکو محتاجی میں چھنسا یا تو یہ اُسکی خواری کی وجہ سے نہیں ہے۔۔۔ یعنی کافر نے جس دنیا کو کرامت یا خواری کا مدار سمجھا ہے یہ اُس کے قلب کے کفر کی وجہ ہے کیونکہ دنیا کی قدر کچھ بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہیں ہے کیا نہیں دیکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ایسے دشمنوں کو مال و دولت دیتا ہے جو مشرک ہیں اُسکی الوہیت سے منکر ہیں اور بہت سے محبوب بندوں کو مال نہیں دیتا ہے۔ چونکہ انسان جاہل کافر ہے وہ دنیا کو نہیں پہچانتا اور آخرت سے منکر ہے تو اس حماقت سے وہ دنیا کے اوپر مدار سمجھتا ہے اور یہ ہرگز نہیں ہے بلکہ مدار انسان کی عزت آخرت پر ہے چنانچہ منونہ دنیا میں اسطرح ہے کہ جو بندہ تقویٰ الہی پر ہو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم ہے اور جلعو بہید وہ ہو وہ خسارہ میں ہے (م۔ ابن کثیر۔ ف۔ ک) تو انسان کافر کا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ نے جسکو دنیا دی اسکا اکرام کیا اور جسکو نہ دی اسکی اہانت کی ہے یہ قول انکا برتر ہے اور اس قول سے بدتر انکا فعل ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انکو مال دیا تو اُسکے امتحان میں پورے نہیں اترتے کہ یتیم کا اکرام نہیں کرتے اور مسکین کو طعام دینے پر ایک دوسرے کو آمادہ نہیں کرتے ہیں امام ابو عمرو نے (بکرمون) بیاضے تھنیہ پڑھا یعنی یہ جس انسان جنکا ذکر ہوا ہے یتیم کا اکرام نہیں کرتے ہیں الخ۔ اور باقی ائمہ نے بتائے فوقیہ پڑھا تو معنی یہ کہ اسی محمد ان لوگوں سے کہیدے کہ تم لوگ یتیم کا اکرام نہیں کرتے ہو الخ۔ آیت میں یتیم کا اکرام کرنے کی تاکید ہے اور عبد اللہ بن المبارک نے بلا سنا حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں میں وہ گھرب سے اچھا ہے جس میں کوئی غیم ہو جسکے ساتھ اکرام اور احسان کیا جاتا ہو اور مسلمانوں میں وہ گھر بدتر ہے جس میں یتیم کے ساتھ برائی کی جاتی ہو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک انگلی سے اشارہ کر کے فرمایا کہ میں اور یتیم کی پر دخت کرنے والا جنت میں اسطرح ہوں گے۔۔۔ یعنی میرے درجہ سے متصل اسکا درجہ ہوگا ابوداؤد و ترمذی نے حدیث سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور یتیم کی کفالت

واسطے دلیل کافی ہے وجہ چہارم انسان کا نفس اسی خاک سے پیدا ہوا ہے اور زمین کی چیزیں بالطبع اسکو مرغوب ہیں تو جب انسان کو یہ چیزیں حاصل ہوتی ہیں تو ضرور اسکا جی ان چیزوں میں لگا رہتا ہے حالانکہ حق لازم یہ تھا کہ اس دارنا پائدار سے دل کو منقطع کرے اور بیان کی زندگی کو وبال سمجھے سوائے نیکیاں کمانے کے یہ بات اس مال و متاع کے حاصل ہونے کی صورت میں اسکے جی پر بہت دشار ہو رہتی ہے تو مالدار اس بلا میں ہر دم گرفتار ہو اور جس مسلمان کے پاس دنیاوی متاع نہیں ہے تو یہ اسکے جی کو ناگوار ہے لیکن عقل سے دیکھے تو اللہ تعالیٰ نے اُسکے واسطے بلا سے نجات دی اور معالی درجات کی ترقی آسان کر دی کیونکہ اسکا جی اس دنیا میں نہیں پھنسا جبکہ دنیاوی متاع اسکے پاس نہیں ہے تو لامحالہ وہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں فارغ البال متوجہ ہوگا اور اس سامان سے وہ اصلی وطن بے مثال کے درجات عالیات حاصل کرے گا اور حدیث میں ہے کہ جنت میں سے ایک کوڑی کے برابر جگہ تمام دہیا و ماہیہا سے بہت بہتر ہے۔ ہ۔ پس معلوم ہوا کہ جسکو دنیا کی دولت و متاع حاصل ہوئی اُسکو معارفِ قدس اور معالی درجات سے محرومی ہوتی ہے اگر ہر دم اپنے نفس کو مارتا اور اٹھا تا نہ رہے اور جب اُس نے متاعِ دنیا سے دل اٹھالیا تو اُسکو کچھ خیال بھی نہ رہے گا اور بدوں اسکے محروم ہوگا تو بھلا انسان کیونکر دنیاوی مال و دولت کو موجب سعادت و کرامت سمجھتا ہے جس سے اسقدر محرومی ہو اور بھلا کیونکر بے مال کے اہانت سمجھتا ہے حالانکہ وہ آخرت کے درجات حاصل کرنے کے لیے فارغ البال ہے مگر کتنا ہے کہ اس بیان سے یہ فائدہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ اگر کسی مسلمان کے پاس دنیاوی مال و دولت نہ ہو چہ وہ دنیا کے لالچ میں مالداروں کی طرف حسرت سے نگاہ کیا کرے اور رات و دن انہیں کی تعظیم و تکریم کا خیال کرے دنیاوی فکر میں رہے تو حدیث میں ہے کہ جس نے دنیاوی مالدار کی تعظیم اسکی دنیا کی وجہ سے کی تو اُسکا دہنائی دین برباد ہو گیا۔ ہ۔ پس اس مفلس کے پاس نہ دنیا ہے اور نہ دین ہے تو ایسی محتاجی و مفلسی سے اللہ تعالیٰ پناہ دے کہ یہ دنیا و آخرت کی خواری ہے ورنہ فقیری تو معالی درجات آخرت حاصل ہونیکا عمدہ وسیلہ تھی اور واضح ہو کہ جسے انبیاء علیہم السلام کی تعلیم دینی عقل سے پہچان لیا ہو وہ جانتا ہے کہ اصل یہ ہے کہ اس دنیا سے جہان تک ہو سکے کم لے اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے عموماً اسکی روایات بکثرت ہیں و قد قال تعالیٰ اذ بہتیم طیباً تکلم فی حیاتکم الدنیا الآیہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جنہی کافروں کے واسطے فرمایا کہ اُن سے کہا جائے گا کہ تم لوگ اپنی دنیاوی زندگی میں اپنی لذت کی چیزیں لے چکے ہو۔ ہ۔ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم اس سے خوف کھاتے اور دنیا کی لذتیں چیزیں نہیں لیتے تھے اور جس قدر اس ناکارہ متاع سے کم لے اُسی قدر اسکے لیے آخرت کی متاع بے مثال زیادہ ہے اور اللہ تعالیٰ اکثر اپنے مومنین بندوں کو انکی قوت یقین کے ساتھ میں متاعِ دنیاوی کم دیتا ہے اور حدیث میں یہ مضمون ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز ایک جماعت کو اموال تقسیم فرماتے تھے آپ نے سب کو دیا اور ایک شخص کو نہ دیا تو سعد رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ نے فلاں شخص کی طرف توجہ نہیں فرمائی حالانکہ میں اُسکو مومن جانتا ہوں اس طویل حدیث میں ہے کہ سعد رضی اللہ عنہ نے تیسری مرتبہ بھی اُٹھ کر یہ کلمہ حضرت صلعم سے عرض کیا آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے سعد رضی اللہ عنہ ایسے شخصوں کو دیتا ہوں کہ جنکے حق میں یہ خوف ہے کہ اُن لٹے پھر جاویں اور اندھے جہنم میں گرین برخلاف انکے جوابان میں صادق ہے اُسکو ایمان پر چھوڑتا ہوں۔ اور حدیث میں ہے کہ مبارکباد ہے اُسکو کہ جس نے کثرت کفافِ رزق پر خوشی سے صبر کیا۔ حدیث میں یہ مضمون ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمانا ہے کہ میں اپنے بعضے بندوں کو رزق میں سست دیتا ہوں اگر اُسکے رزق میں تنگی کر دین تو یہ اُسکے دین میں فتنہ ہو جاوے اور میں بعضے بندوں کو رزق میں تنگی دیتا ہوں اگر فراخ کر دین تو یہ اُسکے دین میں فتنہ ہو جاوے (الم) بالجلہ اللہ تعالیٰ اپنے مسلمان بندوں کو کبھی رزق میں وسعت دیتا ہے اور کبھی رزق میں

بتلا ہو اگر وہ آخرت میں جنتی دنیا بخت ہو تو دنیاوی حالت نہ امانت ہو نہ شقاوت ہو پس ثابت ہوا کہ دنیا میں جو شخص مالدار ہو وہ اپنے آپ کو ہرگز یہ نہیں سمجھ سکتا ہو کہ وہ دنیا بخت ہو اور جو شخص دنیا میں محتاج ہو وہ یہ نہیں سمجھ سکتا کہ وہ بد بخت و خوار ہو وجہ دوم یہ کہ دنیا میں مال و متاع حاصل ہونا یا محتاجی و دکھ حاصل ہونا ہرگز اس امر کی دلیل نہیں ہو سکتا ہو کہ اس شخص میں سعادت کی لیاقت ہو اور وہ اسی قابل ہو کیونکہ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ دنیا میں جو شخص بدکار ظالم اور فاسق فاجر ہو اس کو بادشاہت و دولت ملتی ہو اور اس میں اللہ تعالیٰ کی وہ عظیم حکمت ہو کہ مخلوق اس کو نہیں سمجھ سکتی ہو کیونکہ کسی چیز کی حکمت اُس وقت سمجھ میں آوے جب اُس کے سب تعلقات معلوم ہوں مثلاً گھڑی کے سب پرزے ایک گنوار کے سامنے رکھ دیے جاویں تو بھی وہ اس کی حکمت نہیں سمجھ سکتا ہو بلکہ اکثر اعتراض کر لگا کہ کار یگر نے یہ پرزہ ٹیڑھا کیوں بنا یا ہو اور یہ ہسیہ آوھا کیوں ہو اور اسی طرح ہزاروں معاملات ہیں جو آدمیوں کے جرنی خواص کے ساختہ ہیں اور نادان نہیں سمجھ سکتا ہو پھر معاملات عالیہ و حکمت الہیہ کیونکر سمجھ میں آ سکتی ہو پس کبھی کافر و گنہگار کو دنیاوی مال و دولت اس لیے ملتی ہو کہ وہ درجہ بدرجہ کفر و طغیان میں بڑھتا جاوے اور چونکہ وہ جہنم میں بالکل نیچے طبقہ کے سخت عذاب والوں میں ہو تو اُسی کے لائق اپنی کمائی پوری کر تا ہو اور چونکہ سخت احمق ہو اس لیے دنیاوی دولت کو اپنی خوبی سمجھتا ہو اور اسی وجہ سے اہل کفر جو بالداری میں زیادہ ہیں اپنی کفر و طغیان سے بیدار نہیں ہوتے ہیں بلکہ بڑی کوشش سے یہ چاہتے ہیں کہ تمام ملک کے لوگ انھیں کے طریقے پر ہو جاویں اور یہاں دولت دنیا کی وجہ سے نفس کا معاملہ سخت ہو کیا نہیں دیکھتے ہو کہ بہت سے عوام مسلمان دل میں کہتے ہیں کہ اگر یہ لوگ خدا کے نزدیک اچھے نہ ہوتے تو کیوں اس عروج پر ہوتے اور اس کا باعث فقط یہ ہے کہ دنیا کی وقعت دلوں میں سمائی ہوئی ہو اسی لیے جب ایسے جاہل مسلمانوں کے پاس دولت و قوت ہوتی ہو تو فخر و عورت و تکبر کے ساتھ اتر کر بہت فساد کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ کفار و مشرکین کو کبھی اس مصلحت سے دولت دی جاتی ہو کہ اگر وہ دوسرے کے پاس ہو تو زمین میں فساد و مچا دیں بالجمہ یہ خوب معلوم ہو کہ حضرت خالق عز و جل کی حکمت ہو اور اُس کی صورت میں بہت بندوں کی سمجھ میں بھی آتی ہیں وجہ سوم یہ کہ دنیا میں جس کو دولت و عزت دی گئی ہو اُس کو انجام کار سے غافل نہ ہونا چاہیے کیونکہ خاتمہ کا اعتبار ہوتا ہو اور محتاج کو اللہ تعالیٰ نے نعمت کثیرہ عطا فرمائی ہیں مثلاً دین حق ہو اور صحت و سلامتی وغیرہ اس قدر بے شمار ہیں کہ احاطہ نہیں ہو سکتا ہو تو وہ کیونکر اپنے نفس پر یہ حکم لگاویگا کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کی امانت فرمائی ہو مگر ہم کہتا ہو کہ جو شخص ایماندار ہے تو اس کی شناخت یہ ہو کہ آخرت کی خوبی کے سامنے وہ دنیا کی ہستی نہیں سمجھتا ہو لیکن دنیا میں فقر و فاقہ کی تکلیف جو کہ نفس پریشان ہو اس لیے ڈرتا ہو کہ ایسا نہ ہو نفس زیادہ مشقت کے وقت اصلی دولت و نعمت عظمیٰ یعنی ایمان کھو بیٹھے تو وہ دولت کی وجہ سے کسی پر فخر نہیں کر لگا بلکہ جو مسلمان فقر و فاقہ میں عبادت و طاعت بجالاتا ہو اس کو دیکھ کر تعظیم کرتا ہو اور اس کو بہت اچھا جانتا ہے اس لیے کہ اس کا حساب بہت کم ہو اور ثواب بہت زیادہ ہو تو وہ اس مالدار سے بہتر ہے لیکن جو شخص کافر و فاجر ہے اُس کو آخرت کی قدر نہیں اور جہنم سے خوف نہیں ہو تو وہ فقط دنیا جانتا ہو پس یہ وجہ جو امام رازیؒ نے بیان کی اس بنیاد پر ہو کہ آیت میں (الانسان عامیہ کافر و مسلمان سب کو شامل ہو کیونکہ نادان مسلمان بھی دنیا نہونے سے اپنے آپ کو خوار سمجھتا ہو اس لیے کہ دنیا کے مالدار اور دنیا کے لالچی اس کو بے قدری کی نظر سے دیکھتے ہیں تو اُس کے نفس پر اس کا اثر ہوتا ہو اور وہ اپنے دل میں خجل رہتا ہو اور یہ خیالست اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اُس کے تصور میں آتی ہے تو یہ گمان ہو جاتا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کی امانت فرمائی ہو۔ اسی طرح جو بھی مسلمانوں کے

ہر اس لیے نہیں ہے کہ رزق کی کمی سے امانت نہیں ہوتی ہے کیونکہ رزق کی فراخی صرف فضل مزید ہے یعنی اپنے فضل سے زیادہ دیدیا
اس میں مخلوق کا کچھ استحقاق نہیں ہے اور جہاں ایسا ہوتا امانت لازم نہیں ہے مثلاً زید نے مجھے تحفہ بھیجا تو یہ عنایت ہے اور اگر نہ بھیجا تو
امانت نہیں ہے اگر سوال کیا جاوے کہ آیت میں (الکریمہ و النعمہ) فرمایا اور آخر میں انسان کا قول (ربی اکرمن) اس پر اسکی مذمت فرمائی جیسے
(ربی امانی) پر مذمت کی (جواب) دو طریقے سے سمجھو اول طریقہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے (الکریمہ) فرمایا تو اسکے معنی یہ تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف
سے اسکو عطا کیا اور انسان نے جو کہا کہ (ربی اکرمن) تو اسکی یہ مراد ہو کہ مجھے میرے لائق میرا اکرام کیا یعنی میں اسی لائق ہوں اسی وجہ سے
وہ اپنے آپکو مغرور سمجھتا اور دوسروں پر فخر کرتا ہے جیسے فارون نے کہا تھا (انا اوتینہ علی علم عندی) یعنی مجھے جو یہ سب گنج ہیشمار حاصل
ہو ہے تو اپنے علم و معرفت سے حاصل ہوا ہے۔۔۔ تو انسان کو یہ چاہیے تھا کہ اس نعمت کے وقت الحمد للہ علی احسانہ کہتا یعنی اللہ تعالیٰ
میرے عمل کا شکر و احسان ہے کہ اُس نے اپنے فضل سے مجھے عطا کیا اور اب میں توفیق مانگتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے یہ دولت و ثروت
میرے پر مال نہ کرے بلکہ یہ توفیق دے کہ میں قریبوں کا صلہ رحم بجا لاؤں اور محتاج بھائیوں کی خدمت کروں تاکہ اللہ تعالیٰ مجھے
نواب عطا کرے طریقہ دوم یہ ہے کہ (ربی اکرمن) کو مذموم نہیں رکھا بلکہ (ربی امانی) میں مذمت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فضل
نہیں کیا تو اُس نے اسکا نام امانت رکھا اور یہ شرارت ہے اس لیے کہ اُس نے دنیا پر مدار رکھا تسلیمہ نافع رہے (الکرمن) کو (الکرمنی) اور (امانی)
کو (امانی) پڑھا جبکہ اصل کیا جاوے اور وقف میں بدون یا کے پڑھا اور بری رحم نے وقف اور وصل دونوں صورتوں میں (ری) کے
ساتھ پڑھا اور جمہور قاریوں نے دونوں حالتوں میں (ری) کو حذف کیا اور ابو عمروؒ سے بھی (ری) کے ساتھ موصول پڑھنے میں روایت ہے۔
ابن عثرؒ نے (فقد) بتشدید دال پڑھا اور باتوں نے بدون تشدید پڑھا اور دونوں کے معنی ایک ہیں (تفسیر السراج) امام رازیؒ
نے ان آیات کی تفسیر میں صاف بیان سے اس طرح لکھا کہ تولہ تعالیٰ فاما الانسان اذا ما اٰلہم۔۔۔ (ت) کے ساتھ (فاما) اس لیے کہ اوپر
کی آیت سے مربوط ہے یعنی رب عنہ وجل تو مرصاد میں مراد و مراقب اعمال ہے بندوں کے اقوال و افعال دیکھتا ہے تو ہر قول
فعل پر آخرت میں عوصن فرما دیکھا۔ پھر انسان کا یہ حال ہے کہ وہ آخرت کو چھوڑ کر دنیا کے اہتمام میں مصروف ہو اور قول و فعل
دونوں میں مخالفت کرنا ہر اول قول میں مخالفت کا بیان کیا دوم قولہ کلا بل لا اکرمون التیمم الایہ میں فعل سے مخالفت ہے
کہ تیمم کا اکرام نہیں کرتے ہو۔۔۔ یہ فعل مخالف ہر قول میں مخالفت کا بیان یہ ہے کہ انسان فقط اپنی دنیا کی لذت و شہوت کے
اہتمام میں منہمک ہو اگر اُس نے عیش و راحت کے سامان پائے تو یہ قول کہتا ہے کہ (ربی اکرمنی) میرے رب نے میرا اکرام کیا اور اگر
یہ عیش نہ پایا تو کہتا ہے کہ میرے رب نے میری امانت کی جیسے دوسری آیت میں کفار کے حق میں فرمایا یعلمون ظاہر امن الحیوۃ الدنیا
و ہم عن الآخرة ہم غافلون۔ یعنی کفار ظاہر کہ جو دنیاوی زندگی ہو اسکو پہچانتے ہیں اور یہ لوگ آخرت سے سخت غافل ہیں۔۔۔
قال تعالیٰ ومن الناس من یعبد اللہ علی حرف الایہ یعنی لوگوں میں سے بعض یہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو ایک حرف پر معبود بناتا ہے یعنی
رسول اللہ کے پاس اگر اسلام قبول کر کے ایک بات کا منتظر ہوتا ہے کہ پھر اگر اُس نے مال و متاع پایا تو اُس دین پر مطمئن ہوا اور اگر
اسکو فتنہ پہنچا تو اُلٹے اپنے رخ پر پھر جاتا ہے۔۔۔ رازیؒ نے کہا کہ اس میں چند وجوہ سے کاہنوں کی غلطی ہو چھ اول
ہے کہ دنیا کی نیک بختی اور بد بختی بمقابلہ آخرت کے ایسی ہے جیسے سمندر کے مقابلے میں قطرہ ہوتا ہے پس جو شخص دنیا میں نعمت
ثروت بے شمار رکھتا ہے اگر وہ آخرت میں بد بخت ہو تو دنیاوی دولت محض بیسج ہے اور جو شخص دنیا میں محتاجی و الم میں

کسی کا کلمہ سبب نازل ہوا ہو لیکن مراد عموم ہے ابو السعودؒ نے لکھا کہ اوپر اللہ تعالیٰ کا کلام پاک منصوص ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے اقوال و افعال کا مصدق ضرور ہر ایک قول و فعل پر جزا و سزا دے گا۔ فاما الانسان الخ۔ رہا انسان تو وہ اس اہتمام میں نہیں ہے بلکہ اُسکی فطرت میں فقط دنیا کا اہتمام ہے چنانچہ اگر اللہ تعالیٰ اسکو مال و دولت و فرزند وغیرہ دیتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ میں اسی لائق تھا خطیبؒ نے لکھا کہ یعنی اس بیہودہ خیال پر اپنے نفس میں مغرور ہوتا ہے اور دوسروں کی تحقیر کرتا ہے اور اسکو یہ خیال بھی نہیں آتا کہ یہ سب اُسکے حق میں امتحان ہے کہ کیونکر اس نعمت کی شکر گزاری کرتا ہے۔ اگر کہا جاوے کہ (ابتلاہ) خود آیت میں مقدم ہے یعنی پہلے بیان کیا کہ اسکو امتحان میں ڈالا پھر بیان کیا یعنی اسطرح کہ اسکو نعمت دی (جواب) ابو السعودؒ وغیرہ نے کہا کہ امتحان کا ذکر اسلیئے مقدم فرمایا کہ اگر اُم و نعمت کو دنیاوی مال کی فضیلت نہ سمجھیں بلکہ دنیا میں جو کچھ حالت ہو سب امتحان ہے پس معلوم ہو گیا کہ انسان نے جو مال و اکرام پا کر کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے میری لیاقت کے موافق مجھے دیا ہے یہ غلط ثابت ہو جاوے۔ وَاَمَّا اِذَا مَا (ما زائدہ) یعنی کبھی کبھی (اِبْتَلٰهُ فَقَدْ رَعٰی رِزْقَهُ فَيَقُوْلُ رَبِّ اِهَانِنِ - اِی ہاننی - اور) جب اسکو امتحان میں ڈالا پس اُسپر اسکا رزق تنگ کر دیا تو کہتا ہے میرے رب نے میری اہانت کی ف اور اسی غم میں دلتنگ و بدحواس دین و دنیا فراموش رہتا ہے یہ کافر کا حال ہے جسکو لعنت آخرت کا یقین نہیں ہے تو اس کے نزدیک دنیا کے سوا کچھ نہیں ہے اسی لیے یہود و نصاریٰ و ہنود ایسے شخص کو جو دنیا میں فقیر ہو جیٹا لے لے نصیب و کمبخت وغیرہ الفاظ سے یاد کیا کرتے ہیں کیونکہ دنیا کے عیش و مال و ثروت سے اُسے بہت کم ہے اور یہ انکو یقین ہے کہ دنیا کے سوا آخرت میں کچھ نہیں ہے اور بعضے جو کچھ مانتے بھی ہیں تو صرف اسی قدر کہ روح و جان حسرت کی آنکھوں سے دنیا کی طرف دیکھا کرتی ہے لہذا جب کسی کافر کو دنیاوی دولت و ثروت زیادہ ملی تو اسکو مغرور و مکرّم دیکھتے ہیں اور جب کسی مخلوق کو رزق کی تنگی ملی تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے میری اہانت کی رہا بندہ مومن تو اس کے نزدیک کہ امت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکو طاعت و نیک اعمال کی توفیق عطا فرمادے اگر کہا جاوے کہ اللہ تعالیٰ نے مال و دولت کو اور رزق کی تنگی کو دونوں باتوں کو ابتلا فرمایا اسکی وجہ ہے (جواب) یہ کہ جان و دونوں باتیں ابتلا و امتحان ہیں چنانچہ جب اُسکے واسطے رزق فراخ کر دیا تو وہ امتحان میں پڑا اسکو لازم ہے کہ فرصت و فراغت میں یا دالہی کی کثرت کرے اور شکر کرے اور اپنے محتاج قراہتیوں کیساتھ اور یتیموں کے ساتھ و مساکین کیساتھ سلوک کرے اور بہتر یہ تھا کہ انکو اپنے برابر بٹھلا کر اُنکے ساتھ کھاوے چنانچہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ سوار جاتے تھے ایک منام پر آپ نے دیکھا کہ چند مساکین جمع ہیں اور اپنی بقیل سے خشک ٹکڑے نکال کر پانی کے ساتھ کھانے بیٹھے ہیں ان لوگوں کو سلام کیا کیونکہ سنت طریقہ یہ ہے کہ جو سوار ہو وہ بیٹھے ہوئے لوگوں کو سلام کرے ان لوگوں نے سلام کا جواب دیا اور عرض کیا کہ اے فرزند رسول اللہ آئیے ہمارے ساتھ شرکت فرمائیے آپ فوراً ترپڑے اور اُنکے ساتھ بیٹھ کر کچھ پتہ دل فرمایا پھر رخصت ہونے کے وقت ان لوگوں سے التجا کی کہ میرے مکان پر آؤ میں ان لوگوں نے منظور کیا اور آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر کیا اور اُنکے ساتھ کھانا کھایا اور جب اللہ تعالیٰ رزق کی کمی کرتا ہے تو یہ امتحان ظاہر ہے کہ وہ صبر کرے اور گھبراہٹ و جھنجھوع نہ کرے اور نہ بیجا شکوہ کرے بلکہ قولہ تعالیٰ ونبو کم بالشر و الخیر فتنۃ الایہ۔ یعنی تمکو شر و خیر کے فتنہ میں امتحان کرتے ہیں۔ اگر کہا جاوے کہ اول صورت میں (فاکرمہ و لغیمہ) فرمایا تو دوسری صورت میں (فایمانہ و قدر علیہ رزقہ) نہیں ہے (جواب)

ان چیزوں کی قسم کھائی تو کیا وجہ تنظیم و حکمت ہو کیونکہ جو لوگ دنیا کی زندگی میں محبوب ہیں انکو یہ باتیں مفہوم نہیں ہوتی ہیں اور جواب قسم یہ کہ ہم ان کفار محبوب کو مندر غذاب کرینگے اور استغناءم تقریری کی صورت میں یہ معنی ہیں کہ ان قسموں کی معرفت انھیں بندوں کو حاصل ہوتی جو آخرت کے لوگ ہیں کیونکہ اولیٰم سے انکی عقلیں پاک صاف ہیں تو قسم یہ کہ ہم مندر در ان بندوں کو ثواب جیل، مغافرو، شنگے، ایک ڈسٹون، منالغون کو عادی و نمود و فرعون کی طرح ہلاک کرینگے (ترجمہ اشارات الشیخ ابن العربی) پھر واضح ہو کہ عادی و نمود و فرعون کے ثروت و فسادات خوب معلوم ہو چکے اور ظاہر ہے کہ انھوں نے مومنوں کو غلاکت و غیرہ تکلیفات سے ایذا یں دین اگرچہ اللہ تعالیٰ نے مندر فرمائیں اور اسے باخون جاری کیں تو ان مومنوں نے اپنی تکلیف و محاجی سے اپنی بُرائی سمجھی اور کافروں کے غلبہ و ثروت سے انکی خول نہیں سمجھی بلکہ حق پر مہر کیا اور ثابت قدم رہے اگرچہ انسان کی جبلت اسکے خلاف ہو لہذا ارشاد فرمایا

فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ ۖ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ ۝ وَأَمَّا

س۔ آدمی جو پر مہر جائے، اسکو رب اسکا پھر اسکو عزت دے اور اسکو نعمت دے تو کہ میرے رب نے مجھے عزت دی اور وہ جہت

إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ ۖ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ ۝ كَلَّا بَلْ لَا تَكْرُمُونَ

اسکو جائے پھر کینچ کرے اسپر روزی کی تو کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کیا کوئی نہیں برتم عزت نہیں کرتے

الْيَتِيمَ ۖ وَلَا تَحْشَوْنَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ۖ وَتَأْكُلُونَ الثَّرَاثَ أَكَلًا

یتیم کو اور ناکید نہیں رکھنے محتاج کے کھانے کی اور کھاتے ہو مردے کا مال سمیٹ کر

كَمًا ۖ وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۖ

سارا اور پیار کرتے ہو مال کو جی بھر کر

رازی و خطیب نے لکھا کہ قولہ ان ربک لبالمساکین متعلق یہ آیات ہیں گویا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہو کہ بندہ دنیا سے دل ہٹا کر تمام کوشش و اہتمام اپنی آخرت کے لیے رکھے اور انسان کی کیفیت یہ کہ وہ تمام دلی کوشش و اہتمام فقط دنیا کی جانب منحصر رکھتا ہو بقولہ تعالیٰ۔ فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ ۖ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ ۝

رب نے اسکو مبتلا کیا ف انعام کی نعمت میں ڈالا اور رزق کی وسعت سے امتحان کیا۔ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ پس اسکا اکرام کیا اور اسکو نعمت دی ف دنیا میں اولاد اور ناموری سے کمرب ہوا اور مال و دولت بہت پائی۔ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ۔ اے اگر مہر دے تو کہتا ہو کہ میرے رب نے میرا اکرام کیا ف یعنی میں جس لائق تھا مجھے اس کے لائق عطا کر کے میرا اکرام کیا کہ مجھے مال کثیر اور اولاد جمیل عطا فرمائی اور یہ کلمہ اسکی طرف سے بطور شکرانہ نہیں ہو بلکہ اپنے نفس کو اچھا دیکھ کر اس نعمت کا مستحق قرار دیا جیسے کفار مکہ میں سے سرکش مغرور والدہ کو کہا کرتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی مسلمانوں غیوروں سے ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بزرگ و محبوب ہیں کیونکہ اگر ہم ایسے نہوتے تو وہ ہم کو کیوں یہ مال و دولت کی کثرت عطا کرتا لہذا اگر محمد (صلعم) کے کہنے کے موافق آخرت و جنت کچھ ہوگی تو وہاں بھی ہم ہی ان سب سے افضل ہونگے کیونکہ یہ تو معلوم ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہم لوگ مغرور و کمرب ہیں۔ کلمی سے روایت ہو کہ (الانسان) یہاں ایٹ بن خلف ہے اور متاقل نے کہا امیہ بن خلف ہی اور ابن عباس نے کہا کہ عتبہ بن ربیعہ وغیرہ ہے اور حق یہ ہے کہ شاید نزول آیت کے وقت ان کفار میں سے

پوری کی گئی جیسے قولہ تعالیٰ وَاَتَمَّنا بِاَبعْثِ الشَّفْعِ فَرَأٰنْ هَیْنِ اور الوتر سن ہیں اور بعض نے فرمایا کہ الشفع خلق ہے اور الوتر حق ہے
 سہل رحمہ اللہ نے کہا کہ الفجر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور العشر اصحاب عشرہ مبشرہ بالجنتہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ الشفع فرض
 اور الوتر اللہ تعالیٰ کے واسطے اخلاص ہے۔ والیل اذ الیسر اہل توحید سواد اعظم ہیں شیخ استاذ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس میں دیگر
 اشارات ہیں مثلاً الفجر قلوب عارفین ہیں جب ظاہری دلیل و برہان سے محکوم فحسب معرفت کی روشنی میں پہنچ جاتے ہیں
 (ترجمہ عرائس) شیخ ابن الحزنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ظاہر تفسیر کے مناسب اشارات بیان فرمائے ہیں اور یہی
 انکا معروف طریقہ ہے چنانچہ اشارات میں لکھا کہ یہ قسمیں دو طرح ہیں (ایک) یہ کہ بنظر مبدؤ و منتهی کے ہیں (دوم) یہ کہ
 بنظر قیامت کبریٰ کے ہیں۔ بیان یہ کہ ابتدا و جب بدن سے روح متعلق ہوئی تو اس فجر کی قسم ہے۔ ولیل عشر۔ محل حواس عشر
 ہیں پانچ ظاہر ہیں اور پانچ باطن ہیں جو روح کے متعلق ہو جانے کے بعد ظاہر ہوتے ہیں کیونکہ یہی حواس اس روح کے کمال لاتی
 اسباب ہیں اور انہیں کے ذریعہ سے عروج معلوم روحانیہ ہے والشفع روح و بدن کا مجموعہ جس سے عروج بمرتبہ تکمیل ہے والوتر روح
 مجرد جب بدن سے جدا ہو۔ والیل اذ الیسر جب بدن کی رونق و تازگی رفت گذشت ہو جاوے جب روح مجرد ہوتی ہے۔ یہ تو اول صورت کا بیان ہے
 (بیان دوم) والفجر اس فجر کی قسم جو مبدؤ و طلوع نور حق عزوجل ہے جس سے بدن نفس میں تاثیر ہوتی ہے۔ ولیل عشر۔ حواس مکرر و تازیانی
 میں معطل ہو جاوینگے جبکہ نور الہی کی تجلی ہوگی مترجم کہتا ہے کہ سابق میں نے لکھا تھا کہ جب زمین و پہاڑ و آسمان سب ظہور
 نور حق کی تاب نہ لاوینگے اور بارہ بارہ ہو جاوینگے تو اسوقت حواس معطل ہونگے اور شیخ نے جو یہاں اشارہ کیا اسکے موافق فوراً تو
 اذ العشر عطلت۔ میں عشار کے اشارہ سے حواس عشرہ منتفعہ لیے جاوین جو انسان کو بہت عزیز ہیں اور اس بیان سے بہت
 آیات و احادیث کے معنی سمجھ میں آجاتے ہیں مثلاً حدیث سے ثبوت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روز
 قیامت کے اندھیرے سے پناہ مانگا کرتے تھے اور فرمایا کہ ظلم روز قیامت کا اندھیرا ہے۔ یہ بات خود ظاہر ہے کیونکہ آفتاب
 ماہتاب سب دور ہو جاوینگے حتیٰ کہ ستارے بھی نہیں رہینگے تو اندھیری رات سے بھی زیادہ وہاں اندھیرا ہوگا جب تک
 کہ جدید پیدائش نہ ہو۔ اور آیت میں ہے کہ (انشرقت الارض بنور رہا) زمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھیں گی۔ اس صورت
 میں سوال یہ ہے کہ اندھیرا کیونکر ہو سکتا ہے (جواب) نور حق سے مومنین دیکھیں گے اور کفار اس روز اپنے رب سے محجوب
 ہونگے جیسا کہ آیات میں منطوق و مفہوم ہے تو کفار کی آنکھوں کے سامنے بالکل اندھیرا رہیگا ایسا واسطے وہ لوگ جہنم کی طرف
 مانک دیے جاوینگے واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ والشفع شاہد و مشہود ہے جبکہ مقام صفات میں مشاہدہ ہو کیونکہ ابھی تک بالکل
 فنا نہیں ہے۔ الوتر۔ جبکہ مشاہدہ ذات میں بعد فنا کے کامل ہو کہ اس وقت بقاء فقط ذات احدیت جل شانہ کو حاصل ہے۔ والیل
 اذ الیسر۔ یعنی خودی کی تاریکی جب چلی جاوے اور یہ اس وقت کہ یقینہ بھی فنا ہو جاوے۔ یہاں تیسری تاویل بقیامت صغریٰ
 یعنی موت بھی ہے تو والفجر ابتداء ظہور آفتاب از مغرب ہے ولیل عشر۔ حواس ہیں کہ موت کے وقت منتشر و ساقط ہو جانے
 ہیں۔ والشفع۔ روح و بدن ہیں۔ والوتر روح مجرد جب بدن سے جدا ہو۔ والیل اذ الیسر۔ بدن جب اسکی تاریکی روح سے
 دور چلی جاوے اور موت سے بدن کو زوال ہو (قولہ تعالیٰ) ہل فی ذلک قسم لذی حجب۔ استفہام الخاری ہے یا تفسیر یہی ہے
 استفہام الخاری کی صورت میں اہل کفر کی مذمت ہے یعنی بھلا کوئی عاقل ہو کہ اسکو سمجھ آوے کہ رب تبارک و تعالیٰ نے

یاد نہیں تھا ہوا اللہ تعالیٰ اعلم۔ اور سیوطی وغیرہ میں اس کے مؤید قول ابن مسعود کی صراط کے اُدھول ہیں ایک پل پر امانت ہے اور ایک پل پر رحم (قرابت) اور ایک پل پر رب عز وجل بالمرصاد ہو اور اثر مذکور سے تنبیہ ہو کہ مرصاد وہ مقام جہاں ترصد ہو تو یہ قناطر جہاں روکے جاویں گے سب مراصد ہیں فافہم واللہ تعالیٰ اعلم خطیب نے لکھا کہ سوط عذاب میں تشبیہ ہو کہ جس طرح سوط (کوڑا) ہمارے ضرب میں پڑتا ہے حتیٰ کہ مجرم ہلاک ہو جاتا ہو اسی طرح سوط عذاب ہو ان ربک لبالمرصاد۔ بندوں کے اعمال کو دیکھتا ہو اُس سے کچھ چھپ نہیں سکتا اور نہ رائگان ہو سکتا ہو اور مرصاد وہ مقام ہے جہاں نگہبانی و حفاظت ہو اور آیت سے یہ مراد نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مقام قیام ہے یہ بدیہی باطل ہے کیونکہ مقام وغیرہ سب اُسکی مخلوقات میں بلکہ مطلب اس سے مثل ہو کہ اللہ تعالیٰ کفار و مشرکین کے افعال سب نگاہ میں رکھتا ہو جیسے مخلوق میں طریقہ جاری ہو پس دنیا میں جو کافر و بدکار ہے وہ چھوٹ نہیں سکتے ہیں۔ بعض عرب سے کہا گیا کہ تیرا رب کہاں ہو اُس نے فوراً جواب دیا کہ بالمرصاد۔ ہو عمرو بن عبید نے خلیفہ منصور کے پاس یہ سورا پڑھا جب اس آیت پر پہونچے تو منصور کی طرف خطاب کر کے کہا کہ اے ابو جعفر ان ربک لبالمرصاد۔ یعنی جن سرکش جباروں کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وعید و تہدید فرمائی ہو تو بھی اُنہیں میں سے ہو مترجم کہتا ہے کہ عمرو بن عبید مغزلی ہو گیا تھا اور ان لوگوں نے یہ فتنہ شروع کیا تھا کہ یہ مسلمان جو گناہ کرتے ہیں کافر کے حکم میں ہو جاتے ہیں ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور تلوار سے انکو قتل کرنا چاہیے یعنی جہالت سے یہ چاہتے تھے کہ لوگوں کو بڑبڑ مشیر متقی بنا دیں حالانکہ یہ ہوش نہ تھا کہ دنیا میں گناہ سرزد ہونا بندوں کی شان ہو اور اُس زمانہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا طبقہ بہت نزدیک گزرا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کوئی بھی گنہگاروں کو کافر کے حکم میں نہیں جانتا تھا بلکہ ہر گناہ کو اگرچہ خفیف ہو بہت بڑا پاڑ سمجھتے تھے اور مغزلی نے نادانی سے مجرمین کفار کے حق میں جو حکم ہو وہ گنہگاروں کے حق میں ملا دیا فعوذ باللہ من العبادۃ اور اپنے گمراہ خیال سے کافروں کو چھوڑ کر مسلمانوں پر تلوار نکالی پس ان گمراہ فرقوں نے جہاد چھوڑ کر خانہ جنگی کی بنیاد ڈالی و لیکن زرخشیری نے بہت خوش ہو کر عمرو بن عبید کی تعریف کی کہ کیون نہو بڑا دلیر شیر مرد تھا کہ ظالموں کو اور ہوا و ہوس کے پابندوں کو اپنے انکار سے ہر گون کیا مہر جہنم کہتا ہو کہ عمرو بن عبید سے یہ روایت صحیح ہو کہ منصور خلیفہ کو اس طرح تنبیہ کی تو بیشک اُس نے مروانہ کام کیا اس لیے کہ منصور عباسی مخبر بادشاہوں میں سے تھا اور جمیع علمائے صالحین جو اس وقت موجود تھے ان لوگوں کو ظالم کہتے تھے اور حدیث میں ثابت ہے کہ ظالم بادشاہ و حاکم کے پاس حق کلمہ کہنا یہی سب سے افضل جہاد ہے **ف** فی العرائس قولہ تعالیٰ والفجر ولیل عشر الزمان قسم باسرار عجیب و غریب و الفجر ظہور صفت ہو۔ ولیل عشر۔ دس راتوں میں سے چھ راتیں وہ ہیں جنکے دنوں میں آسمانوں و زمین کو پیدا فرمایا ایک قال تعالیٰ خلق السموات والارض فی ستۃ ایام۔ اور ایک وہ رات ہو جسکے دن میں آدم کو پیدا کیا گیا گئے اور ایک وہ رات ہو جسکی صبح قیامت ہو اور ایک رات وہ ہو جس میں موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور ایک وہ رات جس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج عطا ہوئی و مترجم کہتا ہو کہ اس تفسیر پر کوئی دلیل ظاہر نہیں ہو واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ والشفع قلب و عقل جو الوتر روح ہو۔ ولیل اذا یس فی ریح کی رات جب نور یقین پھیلا یا جاوے مترجم کہتا ہو کہ شاید یہ مراد ہو کہ جب روح قبض کی جاتی ہے تو روح اس تاریکی و باہر ہو کہ اس وقت یقین ملاحظہ کرتی ہو واللہ تعالیٰ اعلم۔ ابن عطاء نے کہا کہ والفجر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ آپکی ذات قدسی صفات سے انوار ایمان منبج ہوئے اور کفر کی تاریکیاں غائب ہو گئیں ولیل عشر وہ دس راتیں ہیں جن سے موسیٰ علیہ السلام کی میناء کلام

طریقہ سنت شریعت سے بیزار ہو کر دنیاوی شہوات میں گرفتار ہونگے اُس وقت دشمن رکف، انپر غالب ہونگے اور ذلت انکو گھیر لیگی رصالحین دعا مانگیں گے اور جو بوجہ اختلاف کے قبول نہ ہوگی اور اسوقت یہ لوگ نادانی سے وہ چال چلنا چاہینگے جو مشرکین کا طریقہ ہے تاکہ شاید عزت حاصل کریں اور دانشدہ ہرگز عزت نہ پاویں گے جب تک اپنے اُس طریقے میں نہ جاویں جس سے خارج ہونگے ہیں (رواہ بعض اہل السنن) مترجم کہتا ہے کہ یہ حدیث معجزہ عظیم ہے اور اسوقت اس دیار کے لوگوں کے سامنے موجود ہے اللہم احفظنا وارشدنا ما دیا لما تحب وترضی ابن کثیرؒ نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ فاکثر دافہا الفساد یعنی ان کافروں نے تردد اور تکبر کیا اور لوگوں کو اذیت دیتے پھرے۔ قولہ فصب علیہم ربک سوط عذاب (سوط نوع) یعنی اللہ تعالیٰ نے انپر آسمان سے ایک طرح کا عذاب جو دنیا کے مناسب ہو نازل کیا اور غضب الہی کا نمونہ انپر ظاہر ہو گیا۔ ان ربک لبالمصاد۔ بترارب مرصاد پر ہی ابن عباسؓ نے کہا کہ وہ سنتا دیکھتا ہو اور خلق کے افعال کا نگہبان ہو تو ہر ایک کو اُس کے اعمال کی جزا و سزا دینا و آخرت میں دیتا ہے اور سب خلایق عنقریب اُس کے حضور میں پیش ہونگے تو انہیں حکم فرما دیگا اور جسے جو کچھ کیا ہو وہی اُسکو عدل سے دیدے گا اور جسے خیر و طاعت پر عمل کیا اُسکو فضل عطا فرما دے گا۔ ابن ابی حاتم نے یہاں ایک حدیث روایت کی جسکی اسناد اور صحت میں تردد ہے اور ایک راوی کی غریب روایت ہو فقال حدثنا ابی حاتم بن ابی الحواری حدثنا یونس الخزاز عن ابی حمزۃ البیسانی عن معاذ بن جبل قال الہم معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے مرفوع روایت کی کہ اے معاذ مومن حق بات کا قیدی ہو اے معاذ مومن کا دل نہیں ٹھہرتا اور اضطراب نہیں جاتا جب تک وہ جہنم کے پل سے پار نہ جاوے اے معاذ مومن کے واسطے بہتری جی چاہنے کی باتوں سے قرآن نے بڑی ڈال دی ہو اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُسکو شہوات میں ہلاک ہونے سے بچا یا ہو پس مومن کے لیے قرآن رہبر ہے اور خوف اُسکی شاہراہ ہو اور شوق اُسکی سواری ہو اور نماز اُسکا کف ہو اور روزہ ڈھال ہو اور صدقہ اُسکو خیمہ دشمن سے چھڑانے کا قلعہ ہو اور حج بولنا اُسکا امیر ہے اور حیا اُسکا وزیر ہے اور اس کے بعد اُسکا رب بالمصاد ہو ابن ابی حاتم نے کہا کہ یونس الخزاز اور ابو حمزہ بیسانی دونوں مجہول ہیں یعنی یہ نہیں معلوم ہوا کہ ثقہ تھے یا کیا حالت ہو اور اس کے علاوہ ابو حمزہؒ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے خود نہیں سنا اور اگر یہ روایت فقط ابو حمزہ کا قول ہو تا تو خوب تھا۔ قال ابن ابی حاتم حدثنا ابی حاتم بن صالح حدثنا الولید بن مسلم عن صفوان بن عمرو عن ایفح عن ابن عبد الکلامی انہ سمعہ یولیظ الناس یقول الہم یعنی ابن عبد الکلامی سے سنا کہ وہ لوگوں کو وعظ سنانے میں یہ کہتے تھے کہ جہنم پر سات بل ہیں اور انہیں پیر صراط ہو پس لوگ اول قنطرہ پر روکے جاویں گے اور حکم ہوگا کہ ان سے نماز کا حساب لیا جاوے پس جو کوئی اس میں ہلاک ہونے والا ہو وہ ہلاک ہوگا اور جو نجات پانے والا ہو وہ یہاں سے چھوٹے روا نہ ہوگا جب دوسرے بل پر پہنچے گا تو وہاں امانت کا سوال ہوگا کہ اُسکو کیونکر ادا کیا ہو یا خیانت کی ہو پس جو برباد ہو نیوالا ہو وہ برباد ہوگا اور جو نجات پانے والا ہو وہ یہاں سے آگے روا نہ ہوگا جب دوسرے بل پر پہنچیں گے تو قرابت کا سوال ہوگا کہ کس طرح نانا ملا یا اور کیونکر قطع کیا ہے اور رحم اس روز لٹکتا ہوگا اور دعا کرتا ہوگا کہ اکی جسے مجھے ملایا تھا اُسکو ملا لے اور جسے مجھے قطع کیا تھا اُسکو قطع کر دے پس جو برباد کر نیوالا ہو برباد ہوگا اور جو نجات پانے والا ہو وہ آگے جاوے گا اور کہا کہ یہی اللہ تعالیٰ فرماتا جو ان ربک لبالمصاد ابن کثیرؒ نے کہا کہ ابن ابی حاتم نے اسے اس طرح ناقص ذکر کیا اور پوری روایت ذکر نہیں فرمائی ہو مترجم کہتا ہے کہ اسناد میں بھی ایفح عن ابن عبد الکلامی نسخہ موجود ہے اور شاید ایفح بن عبد ہو اور اس وقت مجھے

ساتھ ناگوار خاطر رہوں۔ اسی حالت میں فرعون کی آمد ہوئی اور وہ ملکہ کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ ملکہ نے کہا کہ فرعون تو خدا کی مخلوق میں سے
 بہتر خبیث ہے تو نے بیگناہ مشاطہ واسکی اولاد کو قتل کیا فرعون نے غصہ ہو کر کہا کہ کیا مشاطہ کے مانند تجھے بھی جنون ہے۔ اسی
 نے کہا مجھے نہ خط ہے نہ جنون ہے بلکہ میرا دیرا و آسمانوں وزمین کا رب اللہ تعالیٰ وحسدہ لاشریک ہے فرعون نے اسکو مارا
 اور حکم دیا کہ اسکے مان باپ کو بلاؤ۔ وہ دونوں بلائے گئے۔ فرعون نے کہا کہ مشاطہ کو جس قسم کا جنون تھا وہ تمھاری بیٹی کو
 پیدا ہوا ہے۔ آسیہ کے باپ نے کہا کہ اسی بیٹی تو عالمیق میں سب سے بہتر ہے اور تیرا شوہر عالمیق کا خداوند ہے۔ آسیہ نے کہا
 کہ اعوذ باللہ وہ بزدل ہے خدا نہیں ہو سکتا ہے اور اگر تم کہتے ہو تو اس سے کہو کہ میرے تاج میں چاند و سورج و ستارے پیدا
 کر دے۔ فرعون نے حکم دیا کہ اسکو ذلت و خواری سے صحن میں چومینچہ باندھو اور اسپر عذاب شروع کیا اور اسکا منہ سورج کے
 سامنے دھوپ میں جلایا۔ اس وقت آسیہ نے دعا مانگی کہ اے رب میرے لیے اپنے قرب جنت میں نزل دے اور مجھے فرعون
 واسکی بدکاری سے نجات دے فرعون زیادہ غصہ ہوا اور اسپر جلتی ہوئی پتھر کی سل رکھ دی اور اللہ تعالیٰ نے آسیہ کی نگاہ کا پردہ
 اٹھا دیا آسیہ نے جنت میں اپنا مکان معائنہ کیا تو عذاب آسان ہو گیا اور جو جنت میں انتقال کیا رحما اللہ تعالیٰ۔ حد۔ مترجم
 کہتا ہے کہ سورۃ اسری کی حدیث معراج میں گذرا کہ فرعون نے ماشطہ واسکی اولاد کو کھولتے ہوئے تیل کے کر دھاؤ میں جلایا۔
 اور یہی روایت قوی ہے اور اس روایت میں جو بیان مذکور ہے شاید فقط لڑکیوں کا ذکر اس وجہ سے ہو کہ فرعون فقط لڑکیوں
 باقی رکھتا تھا اور حق یہ ہے کہ لڑکیوں کا قتل فقط بنی اسرائیل کے ساتھ خاص تھا اور مشاطہ مذکورہ قوم قبط سے تھی (سوال)
 فاکثر و فیہا الفساد۔ میں فساد مفرد ہے تو وہ کیا فساد تھا جسکی وجہ سے ہلاک کیے گئے کیونکہ اگر کفر ہو تو بہت سے
 کافر ہمیشہ باقی رہے ہیں (جواب) اطفال نے کہا کہ صلاح کا اٹھا فساد ہو تو جس طرح صلاح میں سب قسم کی بہتری شامل ہے
 اسی طرح فساد میں سب قسم کی بُرائی داخل ہے تو ان قوموں کا کفر و شرک کے ساتھ بندگان الہی کو دنیاوی زندگی میں بے خوف بسر کرنے
 سے پریشان کیا پس جو شخص خلاف حکم الہی کے اعتقادی قانون بنادے وہ کافر ہے اور سب سے بدتر ظالم ہے اور اُسکے ساتھ
 اگر ظلم کا حکم لگا دے تو مفسد ہے مترجم کہتا ہے کہ ظلم و طرح ہو ایک وہ کہ حق کے بجائے ناحق ہو اور دوم یہ کہ روئے زمین پر ایسے خراب
 افعال کرے جس سے ملک میں دیرانی ہو پس پہلی قسم کے ظلم کے ساتھ دنیا میں سلطنت بھی باقی رہ سکتی ہے جیسے نو شیردان وغیرہ
 ایران و توران و چین و یورپ میں بادشاہ گزرے ہیں اور دوسری قسم کے ظلم کے ساتھ سلطنت نہیں رہتی ہے اور اس میں شک نہ ہے جو مکر
 تفسیر آیات میں گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں مخلوق کو پیدا کر دیا اور انکو تن پروری کی پیدائشی ہدایت دیدی جس سے
 کمانے کھاتے ہیں اور زندگی کے اسباب پیدا کر دیے اور لوگوں کو آگاہ فرمایا کہ تم لوگ یہاں عمل کرو اور آخر میں ایک روز تمھارے لیے
 موعود ہے اُس روز تمھارے اعمال کے موافق تم کو دوسرے ملک جہنم یا جنت میں جگہ ملیگی اور اللہ تعالیٰ حرث و نسل کو قطع کر کے فساد کن
 پسند نہیں کرتا ہے اور دنیا میں سب قوموں کو اُسے مطلق چھوڑ دیا ہے کہ جو کچھ چاہو کھاؤ پس جب دنیا میں اُسے بندگان حق تعالیٰ سے
 دشمنی کی تو یہ فساد عظیم ہے اور جب مسلمانوں نے رسول اللہ سے خلافت کیا تو نصرت و اُسر سے محروم ہو جاتے ہیں جیسے کفار و
 ہوتے ہیں اور اسی لیے حدیث شریف میں غنی اخبار ہے کہ آخر زمانہ میں اسٹا اسلام دنیا کی راسخ ہو کر جہاد سے بیٹھ جائیگی اور
 کھیتی باڑی میں پڑ جائیگی اور (ہوس دنیا کے لیے) ہم ہمال و قتال کرینگے اہل کفر سے منع لکھ کر کے اہل اسلام پر تلوار مارینگے

اور کیا معاملہ کیا (۲) ثمود کے ساتھ جنھوں نے اپنی قوت اور دانائی اور صنعت و حرفت سے عمادی القریٰ میں پہاڑ و نگو تراش کے گندہ کر کے مکانات بنائے تھے جب اسنے صالح سے کفر کیا تو زلزلہ و صیحه سے ہلاک کی گئی اور کیا معاملہ کیا (۳) فرعون کے ساتھ جو میخون والا تھا۔ **الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ فَاكْثُرُوا فِيهَا الْفَسَادَ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ إِنَّ رَبَّكَ لَبَاسٌ صَادٍ**۔ ایسے لوگ جنھوں نے بلاد میں ظلم و سرکشی کے ساتھ حد سے تجاوز کیا پس بلاد میں انھوں نے فساد کی کثرت کی تو ان پر تیرے رب نے ایک طرح کا عذاب ریختہ کر دیا بیشک تیرا رب مرصا دین ہر ف غیغے مخلوق کے افعال و اقوال کی نگہداشت رکھتا ہے اگر کہا جاوے کہ (الذین طغوا الخ) کن لوگوں کا حال ہے (جواب) دو قول ہیں (ایک) یہ کہ فرعون ذی الاوتاد کا بیان ہو اس صورت میں (الذین) محل خبر میں ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ محل نصب بطور مذمت ہو یا (مع الذین) مرفوع ہو لیکن اس صورت میں فرعون سے مراد وہ مع اپنے عائد کے ہو تاکہ اس جماعت کی صفت الذین جمع ہو (قول دوم) یہ کہ عاد و ثمود فرعون سب کی مذمت ہے کہ ان لوگوں نے بلاد میں یعنی اپنے بلد و ملک میں طغیان کیا اپنی حد سے باہر ہو کر تکبر و غرور کیا اور کہنے لگے کہ ہم اپنے نفس پر بھروسہ کرتے ہیں اور ہر فرقتے نے اپنے اپنے رسول کی فرمانبرداری سے غرور کیا کہ اسکو ہم پر کیوں فضیلت ہوگی اور کفار ہمیشہ سے پیغمبروں کے مخالف ہوتے چلے آتے ہیں اسلیے کہ کافروں کا طریقہ اس دنیا کی آرائش ہے اور انبیا علیہم السلام نے انکو آگاہ کیا کہ دنیا کو خراب کر کے آخرت کی آرائش کرو اسلیے کفار ہمیشہ مومنوں کو وحشی و بے تہذیب کہتے ہیں اور اگر حقیقت حال دیکھتے کہ اپنی روح نفیس کو گندہ و جاہل بناتے ہیں اور سر کر بد بو دار ہونے والے جسم کو رچاتے ہیں تو انکو یہ نظر آتا کہ خود اس بچہ سے زیادہ احمق ہیں جو سر راہ گھروندا ہوتا ہو اور تن بدن سے خال آلودہ ہو کر بے فائدہ مشقت اٹھاتا ہو بلکہ انکا حال اس سے بدتر ہو بلکہ انکا فساد و بکثرت ہو لہذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے بلاد میں بکثرت فساد کیا (سوال) فرعون کو ذی الاوتاد کیوں کہتے ہیں (جواب) اوتاد جمع و تدریج معنی ہے اور اسکے معنی حقیقی و مجازی دونوں آتے ہیں۔ مجازی معنی استحکام و مضبوطی کے ہیں جیسے تصویر کے پرزے بذریعہ گل میخوں کے مستحکم و مضبوط کرتے ہیں۔ عوفی روئے ابن عباس سے روایت کی کہ اوتاد فرعون کے لشکر تھے جنکی قوت و کثرت و شوکت سے اسکی سلطنت مضبوط تھی۔ بعض نے حقیقی معنی بھی فرعون کی مذموم عادت میں پائے کیونکہ فرعون اپنی عمارت میں مجرموں کے واسطے چار میخیں اسی گاڑتا اور زنجیروں سے انکے ہاتھ پاؤں میخوں سے کھینچ کر باندھتا تھا جسکو چو میخ باندھتا بولتے ہیں پھر اگر قتل کے قابل ہوتا تھا تو اسکو قتل کرنا تھا مجاہد نے کہا کہ فرعون ذی الاوتاد اسلیے کہلایا کہ لوگوں کو میخوں سے باندھتا تھا۔ یہی سعید بن جبیر و حسن بصری و سدی نے بیان کیا مگر ترجمہ کہتا ہے کہ اسلام میں یہ حکم ہے کہ جس شخص پر قتل واجب ہو تو خوبی کے ساتھ تیز تلوار سے ایک بار سر کاٹ دو۔ لیکن کفار بھی جی و تکبر میں مغرور ہو کر کبھی نادان بچے و عورتیں قتل کرتے ہیں اور کبھی مجرموں کو چو میخ کر کے ان کے ناخنوں میں کتب لپٹن ٹھونکتے ہیں اور کبھی اس سے بڑھ کر انکے دلوں پر میخیں ٹھونکتے ہیں اور کبھی بھینڈ و بکری کو چھڑا کر مجرم کے بدن پر مضبوط کس کے دھوپ میں ڈال دیتے ہیں تاکہ پیاس سے تڑپے اور مردار کے کیڑے اسکے بدن کو کھا دیں تاکہ اس عذاب سے مرے لغو باشند من ذلک۔ فرعون کو ذی الاوتاد کہنے کی تیسری وجہ وہ ہے جو قوادہ سے روایت ہے کہ مجھے خبر پہنچی کہ میخوں کے ذریعہ سے اسکو کرب لے والے تماشا دکھایا کرتے تھے مگر ترجمہ کہتا ہے کہ یہ ایسی وجہ قوی نہیں ہو سکتی کہ جس سے وہ ذی الاوتاد کہلاوے واللہ تعالیٰ اعلم

عذاب کی گئیں بے شک اللہ تعالیٰ نے عدل فرمایا ولیکن انکے حال پر آنسو بہانے کا مقام ہو کہ انہوں نے ہمارے دشمن شیطان کی پیروی میں یہ عذاب پایا جو کبھی منقطع نہ ہوگا اور جناب باری تعالیٰ میں عاجزی سے مغفرت مانگے کہ اُسکی بارگاہ کبریائی کے لائق ہم سے عبادت اور انہیں ہو سکتی ہو اور جو کفار اسوقت ضلالت میں مرتے چلے جاتے ہیں انکی حالت پر آنسو س کرنا چاہیے اور جو حسن تدبیر سے سعی کر کے انکی نجات چاہے اُسکے لیے ثواب عظیم ہے۔ پھر حدیث میں اشارہ ہو کہ آخر زمانے میں ایسے لوگ ہونگے کہ اہل عذاب کے بیان جانے سے اور ایسی باتوں سے احتراز نہ کریں گے واللہ تعالیٰ اعلم اور امام احمد رحمہ نے اسناد جید روایت کی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقام حجر (منازل) کی طرف سے گزرے تو ارشاد فرمایا کہ تم لوگ معجزات کے طالب نہو کہ صالح علیہ السلام کی قوم نے معجزہ مانگا (یعنی ہٹ کر کے کہا کہ یہ معجزہ جو ہم کہتے ہیں دکھاؤ) پس وہ ناقہ اس نالہ سے تالاب پر جا پہنچا (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دناہ دکھلایا) اور اُس دوسرے نالہ سے باہر نکل آتا تھا (یعنی مدت تک یہ معجزہ انکے روبرو رہا) پس قوم نے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی اور اُسکی کو نچین کاٹ ڈالیں اور ناقہ ایک روز انکا پانی پیتی تھی اور وہ لوگ ایک روز اسکا دودھ پیتے تھے پس قوم بدکار نے اسکو ہلاک کر دیا تو انکو آزار سخت پہنچا مگر فتنہ عذاب کر لیا پس اس قوم میں سے جو کوئی جہان کہیں زیر آسمان تھا اُسکی آگ بجھ گئی سوائے ایک شخص کے کہ وہ عذاب کے وقت اللہ تعالیٰ کے حرم محترم میں تھا صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اُسکا کیا نام تھا آپ نے فرمایا کہ وہ ابو رفاع تھا جب وہ حرم سے نکلا تو اسکو بھی وہی مصیبت پہنچی جو اُسکی قوم کو پہنچی تھی رواہ احمد عن عبد الرزاق عن معمر عن عبد اللہ بن عثمان بن خثیم عن ابی الزبیر عن جابر بسند احادیث ابن کثیر نے کہا کہ اس حدیث کی اسناد بشرط صحیح امام مسلم ہے اور صحاح ستہ میں موجود نہیں ہے (ابن کثیر) اگر کہا جاوے کہ (بالواد) اصل میں (بالوادی) تھا تو (ی) کیون حذف ہوئی (جواب) مصحف امام میں بدون (ی) کے مرسوم ہو اہذا جمہور نے اسبطرح پڑھا خواہ وقف ہو یا وصل ہو اور ابن کثیر رحمہ سے دونوں صورتوں میں (بالوادی) بالسیاد کی روایت ہو ولیکن وقف کی روایت میں اختلاف ہے (الکبیر والسراج وغیرہ) خلاصہ یہ کہ تجھے خوب معلوم ہے کہ تیرے رب نے شو و کو ہلاک کیا جو اللہ تعالیٰ نے اُسکے رسول سے کفر کرتے تھے اور اتر کر دنیا کی آرائش میں پسار ڈون کو تراش کر مکانات بنائے تھے **وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَارِ**۔ اور اوتار دولے فرعون کے ساتھ **وَفِرْعَوْنَ** اور توت نے جان لیا جو کچھ تیرے رب نے فرعون والے فرعون کے ساتھ کیا یعنی فرعون کو مع لشکروں کے دریائے قلم میں غرق کر دیا تنبیہ سورہ الفجر سے خلاصہ بیان یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لشکین دی اور آپ کے اصحاب مومنین بھی آپ کے ساتھ ہیں اور کافروں کو عید و تہدید کی اور قیامت تک کفار شامل ہیں **اسکا بیان** یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فحشہ اور دنس راتوں اور شفعہ و ترا اور سریان شب کی قسم سے فرمایا کہ اُسکی شان یہ ہو کہ آخر اپنے پیغمبر و بندگان مومنین کی نصرت فرماتا ہو اور کفار و متکبروں کو ہلاک و مقہور کرتا ہو اسپر واقعات سے دلیل بیان فرمائی بقولہ تعالیٰ۔ **الْم تَرْكِيْفُ فَعْلٍ رَيْكٍ**۔ تا قولہ۔ **ذِي الْاَوْتَارِ**۔ یعنی اسے رسول خیر الخلق کیا تجھے یہ معلوم نہیں ہو کہ تیرے رب نے کیا معالکہ کیا (ا) قبیلہ عاد کے ساتھ جو بنام ارم معروف متواتر ہو اور ثرات العاد تھا یعنی قدر قاست اور قوت و شوکت والی قوم تھی کہ طول طویل خیمہ اسے حکم ستون میں رہتی تھی اس قوم کے مثل بلادین پیدا نہیں کی گئی جب اُسے ہو و غم سے کفر کیا تو کیونکر اللہ تعالیٰ نے ضعیف ہوا سے اُس کو نیست و نابود کر دیا

یا حق تعالیٰ میں مشغول تھے انکو اس ہولناک زلزلہ و سخت آواز سے خبر بھی نہ ہوئی امام ابن کثیر وغیرہ نے لکھا کہ عادی کے سو برس ہو چکے ہوں اور یہ اولاد ثمود بن عابر بن ارم بن اور ثمود کا بھائی جدیس بن عابر تھا اس طرح طسم بھی عزلی قبیلہ تھا اور عیسیٰ بن ماریہ کا خاص عرب کے قبائل تھے جبکہ زمانہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے تھا مترجم کہتا ہے کہ ان کا ذکر اسلام کے زمانے سے پہلے کے اشعار میں موجود ہے جیسے ۱۔ جمعنا لکم من حی عوف ومالک ۲۔ کتاب بردی المقربین نکالنا ہمدای و دشمنوں ہم نے تمہارے لیے عوف کے کنبہ سے اور مالک کے کنبہ سے لشکر جمع کر لیے ہیں کہ جنگی گرفت عذاب میں تم ایسے دو غلے ہلاک ہو جاتے ہیں ۳۔ لہم عجن بالومل فالحزن فاللوی ۴۔ وقد جاوزت جی جدیس و غالیہا ان لشکرون کا پچھلا حصہ تو رمل بلکہ حزن بلکہ لوی تک پہنچا ہے ۵۔ اور اگلا دستہ سواروں کا میرے کنبہ جدیس سے آگے بڑھ گیا ہے ۶۔ واضح ہو کہ طسم و جدیس کے دیار پاس پاس تھے اور دونوں کنبہ ملت گئے واللہ تعالیٰ اعلم اور ثمود کے مساکن حجرین دادی القری کے گرد پیش حجاز و شام کے درمیان تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تبوک کو رو میوں پر جہاد کرنے جاتے تھے تو مقام حجرین ثمود کی بستی میں لشکر کا پڑاؤ ہوا امام احمد نے حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ لشکر کے لوگوں نے اسی کنوین پر قیام کیا جو پہلے سامنے آیا اور اسی کنوین سے پانی بھر کر آگوندھا اور اونٹوں کو پلایا (المسند) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک دستور یہ تھا کہ لشکر کے پیچھے پیچھے خاص اصحاب رض کے ساتھ چلتے تھے تاکہ جو کوئی در ماندہ ہوا ہو خود اسکی خبر گیری فرما دیں اس لیے آگے کا لشکر اس کنوین پر اترا اور لوگوں نے ہانڈیاں چڑھائیں اور کچھ لوگ ثمود کے کھنڈ لون کو بنظر عبرت ملاحظہ کرنے گئے کیونکہ اب انکو ان کھنڈ لون کے رہنے والوں کا حال معلوم ہوا تھا (مترجم) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حکم دیا کہ ہانڈیاں اونڈھا دو اور آٹا اونٹوں کو کھلا دو اور حدیث ابو کبشہ الاناری رضی اللہ عنہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب خبر ملی کہ کچھ لوگ ثمود کے کھنڈ لون میں آئے ہیں تو منادی کو ندا کا حکم دیا جب لوگ جلدی سے واپس آئے تو میں بھی آیا میں نے دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں کہ ای لوگو تم یہی قوم میں کیوں جاتے ہو جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرما کر ہلاک کر دیا ہے ایک شخص نے آواز سے عرض کیا کہ ای رسول اللہ ہم نے برت حاصل کر کے گئے تھے آپ نے فرمایا کہ پھر میں تم کو اس سے زیادہ عجیب بات بتلاؤں کہ تم میں ایک شخص ہے جو تم کو آگاہ کرتا ہے کہ تم سے پہلے کیا واقعہ ہو چکا اور تمہارے بعد کیا واقعہ ہو گا پس تم استقامت و سدا اختیار کرو کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے مذاب کرنے میں کسی چیز کی پروا نہیں ہے (رواہ احمد) اور حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ بجاؤ اس قوم کے یہاں جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرما کر عذاب کیا ہے کیونکہ میں ڈرتا ہوں ایسا نہ کہ تم کو بھی وہ عذاب پہنچے جو اس قوم کو پہنچا مگر اس صورت سے جاؤ کہ تم روتے ہو اور اگر تم روتے نہ تو انکے یہاں مت جاؤ (رواہ احمد) اور اصل حدیث صحیحین میں موجود ہے اور حدیث ابو کبشہ اناری رضی اللہ عنہ میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تمہارے بعد ایسے لوگ آئیں گے کہ وہ اپنی جان سے کچھ دفع نہ کریں گے (احمد) مترجم کہتا ہے کہ اس مقام سے عظمت و جلال الہی عزوجل پر قیاس کرنا چاہیے کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب صحیحین پر یہ خوف فرماتے تھے اور نکتہ معرفت سے آگاہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کسی سے ادانہیں ہو سکتی ہے اور یہ اسکی رحمت ہے کہ ہم بندوں کو عفو فرمایا ہے اور اس حدیث میں کمال رحم کی صفت یہ ہے کہ جو قومیں اس طرح

سنگی حوض کا سب پانی پی جاتی تھی چونکہ اسکا ذہبست دراز تھا تو گھوم کر اسی نالہ سے نہیں نکل سکتی تھی بلکہ کنارہ کنارہ جا کر دوسرے نالہ سے باہر نکل جاتی پھر دوسرے روز انکے جانوروں کے لیے پانی چھوڑتی تھی خود نہیں پیتی تھی اور کفار اُس روز اونٹنی کے دودھ سے گھڑے بھر لیے جاتے تھے اور عیش سے کھاتے تھے یہ اونٹنی نہایت سیدھی سادی تھی کسی آدمی و جانور کو نہیں ستاتی تھی لیکن اُنکے جانور اسکے مہیب ڈیل و دڈل سے خوبھاگتے تھے اسلیے انکے جانور چراگاہ سے آوارہ ہو کر ادھر ادھر کے دواوی سے اپنا پیٹ بھرتے تھے کفار تھوڑے دنوں کے بعد حسد و عداوت پر آمادہ ہوئے اور چاہا کہ یہ اونٹنی کسی طرح فنا ہو جعفر صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ خبردار اسکو کسی طرح کی بُرائی نہ پہونچا نا ورنہ تپس عذاب آجاوے گا۔ اکثر قوم کفار نے احتراز کیا لیکن ایک فاجرہ عورت جو سردار کے خاندان سے مالدار تھی اُسے قوم کے مفسدون کو بلا کر اُسے چاہا کہ کسی طرح اسکو ہلاک کرنا چاہیے اور قوم میں لوگوں کو وہ مفسد تھے وہ اس شرط پر راضی ہوئی کہ اُسکی دامادی سے سرفراز ہوں وہ مکار وہ اس شرط پر راضی ہو گئی مفسدون نے قوم کفار کے سرداروں سے ملکر اپنے ارادہ سے آگاہ کیا قوم بد بخت نے خاموشی اختیار کی اور مفسدون میں سے جو سب سے زیادہ شفیق بنیٹ تھا اُسے اونٹنی کو نالہ سے نکلنے دقت اندر سے تیرا تاتا کہ وہ حملہ نہ کر سکے اور تلوار سے کوچین کاٹ دین۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا تھا وہ اونٹنی اسی زخم خفیف سے گر پڑی اور مفسدون نے کچھ دیر یہ خوف کیا کہ شاید عذاب آوے پھر مطمئن ہو کر اُس اونٹنی کا گوشت کاٹا اور خوشی میں باہم حصہ بجز بانٹا اسلیے کہ جو کفار ابستہ امین اونٹنی کو ضرر پہونچانے سے خوفناک تھے وہ بھی اسوقت دلیہ ہو گئے اور سمجھے کہ عذاب کی فقط دھمکی تھی۔ جب یہ خبر حضرت صالح علیہ السلام کو پہونچی تو اونٹنی کے مقتل پر حاضر ہو کر روئے اور قوم کفار خوب سنسی آپ نے فرمایا کہ اے کج بخت قوم اب تم عذاب سے نہیں بچو گے کل تمہارے منہ زرد ہو گئے اور پرسوں سوخ ہو گئے اور تیسرے روز سیاہ ہو جاؤ گے اور چوتھے روز عذاب آوے گا تمہاری تقدیر کا لکھا پورا ہو گیا۔ جب کافروں نے دوسرے روز اپنے منہ ہلدی کی طرح زرد دیکھے تو خوفناک ہوئے کہ بیشک یہی ہونے والا ہے اُس وقت صالح علیہ السلام سے التجا کی کہ یہ عذاب کسی طرح ٹال دیجیے تو ہم آپ پر ایمان لا دیں روایت ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تم اسکا بچہ تلاش کر کے لاؤ اور خدمت کرو شاید عذاب ٹل جاوے یہ لوگ ہر طرف دوڑے اور بعض نے پتہ دیا کہ جس وقت تم نے اونٹنی کو قتل کیا اسوقت بچہ بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا اور تین مرتبہ اُسے مان کے غم میں دردناک آواز دی پھر ہم نے اسکو نہیں دیکھا۔ لوگ اسی پتہ سے پہاڑ پر چاروں طرف پھرے کہیں پتہ نہ پایا دوسرے روز سب کے چہرے خون کی طرح سوخ ہو گئے تیسرے روز سیاہ ہو گئے چوتھے روز مرگ کے لیے رات سے کفنی پہنی ایک دوسرے سے ملکر روتے رہے ٹڑکے فجر کو عذاب کا وقت موعود تھا یہ لوگ صبح کے منتظر تھے جب فجر طلوع ہوئی تو یکایک گریہ و زاری کا جوش ہوا اور خوف سے آنکھیں بند تھیں دیر تک اسی حالت میں رہے آنکھ کھولی تو روشنی پھیل گئی تھی اب قوم بد بخت کے دلوں میں پھر کفر کے غرور نے خطور کیا اور سمجھے کہ بس اسی قدر تھا اور یہ شاید اونٹنی کے گوشت کا اثر ہو گا اور باہم خوشی کے آثار چہرہ پر ظاہر ہوئے اور ایک دوسرے کو مبارکباد کی گنجائش سے دیکھنے لگے کہ ناگاہ زمین کو سخت زلزلہ ہوا کہ سب کے سب لڑکھڑاکر گھٹنوں کے بل سنبھلتے تھے کہ جبریل علیہ السلام نے وہ سخت آواز دی کہ انکے دل و جگر پھٹ گئے اور سب مرے ہوئے رہ گئے یہ سب قہری آفت فقط استکبار کفار پر طاری ہوئی اور دوسری جانب حضرت صالح علیہ السلام کے اصحاب مومنین رحمہم اللہ تقم

اترے ہوئے پہاڑوں کو کاٹ کر انہیں کتدہ کر کے گھر بناتے ہوئے۔ اس طرح (تختوں) کے بجائے یہاں (جاہلوں کا) مندر یا بتوں و زون کے ایک سینے ہیں ابن اسحقؒ نے کتاب السیر میں لکھا کہ یہ لوگ عرب تھے اور ان کے منازل وادی القری میں تھے۔ ہم نے نادوٹود کا قصہ سورہ اعراف میں پورا لکھ دیا ہے یہاں دوسرے کے کی ضرورت نہیں ہے (تفسیر ابن کثیرؒ) خود قوم حضرت صالحؑ ہی در انکا نام ان کے دادا کے نام سے معروف ہوا جو کہ خود بن عابر بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام ہی مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ نے بیان لیا کہ سب سے پہلے جس قوم نے پہاڑوں کو کاٹ کے کتدہ کیا وہ خود وہیں تو انھوں نے ایک ہزار سات سو شہر نقطہ پتھرون کے عمارات سے بنائے تھے اور بعض نے کہا کہ سات ہزار شہر پتھر کے بنائے تھے (تفسیر کبیر و سراج و فتح البیان وغیرہ) یہ روایت صحیح شاہد ہے کہ زمانہ قدیم میں آلات و اوزار ایسے نفیس تھے اور فنون عجیب حاصل تھے کہ جتنے ذریعہ سے پہاڑوں میں عجیب صنعت کے مکانات تراشے جاتے تھے اور یہ عرب تھے انکی دار السلطنت مدینہ سے شمال کی جانب نزدیک ہے اور اُس کے بعد ملک شام ہی لیکن اعلیٰ سلطنت شام وغیرہ دور دور تک محیط تھی جب انبیاء علیہم السلام کی نافرمانی سے عاد اور بعد ان کے خود ہلاک کیے گئے تو ملک بوجہ قہر الہی کے رگستانی بیا بان ہو گیا اور مدت دراز تک اجاڑ رہا اور وہ صنعت و حرفت اور فنون خاک میں مل گئے اور عرب میں عادی خود اور تلوارین وغیرہ مشہور و معروف ہیں عادی تلواریں لوہے پر پڑتی تھیں اسکو کلڑی کی طرح کاٹ ڈالتی تھی اور عادی خود پر غیر قوموں کی تلوار کام نہیں کرتی تھی پھر جو لوگ عرب میں آباد ہوئے وہ رگستانی ملک میں بسے تو کسی حرفت و صنعت کی ترقی ممکن نہ تھی اور اس بیان سے ظاہر ہوا کہ اس زمانے میں بہت سے جاہل لوگ ایسے ہیں کہ موجودہ صنعت و حرفت دیکھ کر خیال کرتے ہیں کہ زمانہ قدیم کے لوگ اس سے بے نصیب اور وحشی تھے یہ سب انکی جہالت ہے اور حق یہ ہے کہ زمانہ قدیم کی تلواریں نہیں ملتی ہیں لیکن متواترات اور کتبہ آثار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں فنون دنیاوی کی ترقیات بہت بڑھی ہوئی تھیں جیسے مصر کے اہرام اس وقت کے لوگوں کو حیرت میں ڈالتے ہیں اور قوم عاد و ثمود نے فولاد بنایا اور پہاڑوں کو تراش کے مکانات نفیس بنائے تھے اور ابتدا سے اسلام تک ان کے نشانات باوجود اس مدت دراز کے موجود تھے پھر اس زمانہ کے حق کیون معزور ہیں اور اگر حقیقت انھوں نے حیات کے لیے سب فنون جدید ہی پائے ہوتے تو بھی ہلاکت و بربادی کے سوائے انکا کچھ انجام نہیں ہے جیسے عاد و ثمود ہلاک کیے گئے حضرت صالح علیہ السلام نے انکو سمجھایا کہ اے قوم تم کو اللہ تعالیٰ نے عاد کے بعد ان ممالک کی سلطنت عطا کی اور ہر طرح کی نعمت و ثروت بخشی تم کو چاہیے کہ اپنے رب کریم کا شکر کرو اور اسکی وحدانیت میں شرک نہ کرو تاکہ نعمت مزید ہو ورنہ ہلاک کئے جاؤ گے۔ ان لوگوں نے بہت سے معجزات دیکھنے کے بعد بھی انکار کیا حتیٰ کہ پہاڑ سے ناقہ پیدا ہونے کا معجزہ طلب کیا وہ بھی دیا گیا لیکن سوائے چند آدمیوں کے ایمان نہ لائے اور حضرت صالح علیہ السلام اپنی قوم کے حق میں بہت خوفناک ہوئے کیونکہ جس قوم نے اپنی بہت کر کے کوئی معجزہ مانگا اور دیا گیا پھر وہ قوم ایمان نہ لائی تو اللہ تعالیٰ نے ضرور اُس کو عذاب سے ہلاک کر دیا اور اس وجہ سے حضرت صالح علیہ السلام بہت افسوس میں تھے لیکن بالفعل اس قوم پر عذاب نہیں آیا کیونکہ معجزہ دیکھ کر ایک جماعت فوراً ایمان لائی تھی تو انکی برکت سے اللہ تعالیٰ نے باقیوں کو مہلت دی ولیکن یہ حکم دیا کہ اگر وہ غیر صالح اپنی قوم کا فر سے کہدے کہ خبردار اس اونٹنی سے اور اس کے بچے سے تعرض نہ کرنا اور چھرنے کا پانی جو پتھر کے حوض میں جمع ہوتا ہو وہ تمھارے اور اونٹنی کے درمیان مقسوم ہے قوم کا فر نے اس بات پر عہد کیا اونٹنی مع بچہ ایک روز نالہ سے باہر

تھا وہ اپنے اونٹوں کی تلاش میں نکل نکلا اتفاق سے اُس شہر میں پہنچ گیا الم آجنگ ایسے شہر کی خبر کسی قطعہ زمین پر نہیں سنی گئی اور جہاں یہ لوگ اسکا وجود بیان کرتے ہیں یعنی صحراے عدن تو وہ درمیان میں واقع ہو اور میں کی آبادی ہمیشہ سے چلی آئی اور اولاد اپنے باپ دادوں سے وہاں کے عجائبات اور مہم معاملات نقل کرتے چلے آئے حالانکہ اس شہر کے بابت کوئی خبر یا اثر نہیں نقل کیا اور نہ کسی مورخ نے اسکا حال لکھا اور نہ کسی قوم نے ذکر کیا۔ پھر اگر یہ لوگ جو اس شہر کا قصہ نقل کرتے ہیں یہ کہتے کہ وہ کسی زمانہ میں تھا اور جس طرح دنیا کے آثار کثیرہ مٹ گئے انھیں میں وہ بھی مٹ گیا تو بھی بات کچھ بن جاتی و لیکن وہ لوگ بظاہر یہ کہتے ہیں کہ اب بھی موجود ہے اندر بعضے کہتے ہیں کہ وہ دمشق ہے کیونکہ قوم عاد کی ملکیت میں دمشق بھی داخل ہو گیا تھا اور بعضے یہاں تک ہڈیاں بکتے ہیں کہ وہ شہر آنکھوں سے چھپا دیا گیا ہو اور اب اُسکے ظاہر ہونے کا کوئی طریقہ نہیں ہو سوا ہے اس کے کہ جو لوگ شب و روز ریاضات کرتے ہیں تو کشف سے ظاہر ہوتا ہے یا جو لوگ ساحر ہیں تو انکو نظر آتا ہے یہ سب حیالات از قسم خرافات ہیں اور اسکا باعث یہ ہوا کہ ارم ذات العواد میں ارم کی صفت ذات العواد ہو اور عماد ستون ہیں تو ارم ضرور عمارت ہوئی اور بعض خرافات میں عمارت ذات۔ باصاف واقع ہوا پھر وہ ان حکایات پر واقف ہوئے جو جھوٹے قصوں کے لغویات میں شامل ہیں بلکہ اہل عقل کے نزدیک مضحکات ہیں اور آیات کی صحیح تفسیر تو یہ ہو کہ عماد۔ خمیون کے عمود ہیں تو انکے خیمے و مکانات کی بلندی و استحکام پر دلیل ہو کیونکہ انکی قوت اور درازی قیامت مشہور ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کوئی خاص شہر انوکھی وضع پر تھا اور عمارت کی اصناف اپنے باپ دادا کی طرف سے قریش کناہ اور الیاس مضر وغیرہ بولتے ہیں پس آیات کی تفسیر صاف ہو اور کوئی ضرورت نہیں کہ ایسے خرافات حکایات دہیہ سے تفسیر کیا جائے جھکا ثبوت نہیں ہو اور کتاب الہی کو ایسی جھوٹی باتوں سے پاک رکھنا واجب ہو (اتبی مترجم) افسوس کہ اسلام میں ایسے فسادات بکثرت واقع ہوئے ہیں (فتح البیان) یہ جو امام ابن جریر نے کہا کہ ارم ذات العواد خواہ قبیلہ ہے یا وہ ایسے شہر کا نام ہے جہاں عمارت تھے اسی وجہ سے ارم غیر منصرف ہو میں کہتا ہوں کہ یہ قول ٹھیک نہیں ہو اس لیے کہ آیات سے مقصود یہ کہ اس قبیلہ معینہ کے کفر و سرکشی پر اُسکی ہلاکت بیان فرمائی جاوے یعنی شہر کے حالات سے کچھ عرض متعلق نہیں ہے اسی لیے انکے بعد ثمود کا حال بیان کیا گیا (ابن کثیر) مترجم کہتا ہو کہ صحیح تفسیر یہ ہو کہ قرآن تعالیٰ الم ترکیف فعل ربک بعد ارم ذات العواد کیا تو نے نہیں جانا کہ کیا کیا ترے رجبے عمارت کے ساتھ جو عمارت والی قوم تھی ف یعنی عمارت میں یہ حال متواتر معلوم ہے کہ عمارت بہت قوی و قد آور قوم تھی جسے اللہ تعالیٰ کے آیات و اسکے رسولوں کی اتباع سے ٹکرا دیا اور انکار کیا عمارت کے دادا کا نام ارم تھا اور بوجہ بلندی قد و قامت کے بڑے بڑے عمود کے خمیون میں رہتے تھے۔ لم یخلق مثلہا فی البلاد۔ ایسا قبیلہ بلاد عرب میں پیدا نہیں کیا گیا جب اس قبیلہ نے اپنی قوت پر غرور کیا اور اللہ تعالیٰ کے رسول ہو و علیہ السلام سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ضعیف ہوا کو اُس پر مسلط کیا جسے انکو بری طرح ہلاک کیا پھر اسی قبیلہ پر معطوف کر کے دوسرے قبیلہ ثمود کا حال بیان فرمایا بقولہ تعالیٰ وَثَمُودَ الَّذِینَ جَاءُوا النَّصْحَ بِالْوَادِ۔ اور ثمود کے ساتھ جنھوں نے بڑے پتھر کاٹے وادی میں ف یعنی کیا تو نے نہیں جانا کہ تیرے رب نے کیا کیا ثمود کے ساتھ جنکی یہ حالت تھی کہ وادی القری میں پہاڑوں کے پتھر تراش کے گھر بنائے تھے (جابلو) یعنی پھاڑے اور کتہہ کیے۔ ابن عباس و مجاہد وقت ادہ و ضحاک ابن زید کا قول ہے و قد قال تعالیٰ وَتَخْتُونُ مِنْ حِجْبٍ مِّنْ اَنْبِیَاءٍ یُّعْذِرُ مَنِ ابْتَدٰی الذِّیْنِ یُحْذَرُ لَیْسَ بِہُمْ اِلٰہٌ اِلَّا رَبُّ الْعَالَمِینَ یعنی حضرت صالح علیہ السلام نے انکو سمجھا یا کہ تم لوگ دنیاوی زندگی پر

کچھ نشان نہ دیکھا (ابن کثیر) اور یہ زمانہ حضرت مودودی کی خلافت کا تھا جب انکو یہ خبر پہنچی تو عبد اللہ بن قلابہ کو بلا کر اُس سے حال دریافت کیا اُس نے سب حال بیان کیا تو مودودی رضی اللہ عنہ نے آدمی بھیج کر کعب احبار رم کو بلایا (کعب احبار کتب بنی اسرائیل سے خوب واقف تھے) اور کعب احبار رم سے یہ حال بیان کیا تو کعب رم نے کہا کہ یہ ارم ذات العبادہ اور کتب سابقہ میں آیا ہے کہ آپ کے زمانہ میں ایک مسلمان اُس میں داخل ہوگا اور لکھا ہوگا کہ یہ شخص سرخ رخسارہ کو ناہ قد بدوی ہوگا اور اُسکی بھون پر ایک مسہ ہوگا اور اُسکی اڑی پر تل ہوگا اور وہ بدوی اپنے کھوئے ہوئے اونٹ تلاش کرنے جائیگا مودودی رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن قلابہ کو سامنے بلایا جیسے ہی کعب نے ابن قلابہ کو دیکھا تو کہا کہ ای امیر المؤمنین واللہ وہ شخص بھی ہے جو ارم ذات العبادہ میں داخل ہوگا۔ (السراج) ابن ابی حاتم نے ارم ذات العبادہ کا قصہ یہاں طول طویل نقل کیا ہے اس حکایت کی اسناد عبد اللہ بن قلابہ تک صحیح نہیں ہے اور یہ بھی نہیں معلوم کہ عبد اللہ بن قلابہ کون شخص ہے اور اُسکی کیا حالت ہے حتیٰ کہ اگر ہم مان لین کہ اسناد کے راوی اچھے ہیں تو عبد اللہ بن قلابہ پر کیونکر اعتماد ہوگا شاید اُس نے یہ قصہ بنا لیا ہو یعنی تاکہ اس حیلے سے خلیفہ و امرا کے یہاں رسائی حاصل ہو کر دنیاوی ثروت سے مستفید ہو۔ یا اونٹوں کے غم و سفر کی کوفت میں اُس کے داغ کو ضبط ہو گیا ہو اور مایخولیا کی طرح اُس کے وہم میں یہ تصویر اس قدر مستحکم ہوئی کہ اُس نے خیال کیا کہ سامنے موجود ہے جیسے مایخولیا کے مریض کو نظر آتا ہے کہ چھت بھٹی اور شیر اُترتا ہے حالانکہ خارج میں اسکا کچھ وجود نہ تھا مترجم کہتا ہے کہ پھر وہ شخص وہاں سے جواہرات و مشک وغیرہ کیونکر اٹھا لایا جیسا کہ سراج وغیرہ میں مذکور ہے پس شاید یہ سب موضوع حکایت ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ م۔ بالجلد یہ قطعی بات ہے کہ حکایت مذکورہ صحیح نہیں ہے اور اسکے قریب وہ حکایات ہیں جو اکثر مکار لوگ اور بتیرے وہ لوگ جنکے داغ میں ہوس مستحکم ہو گئی ہے عوام سے بیان کیا کرتے ہیں کہ زمین کے نیچے بکثرت خزانے ہیں جہاں سونا و چاندی و لعل و یاقوت اور اقسام جواہرات کے انبار ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک کربیب خاص سے سرسہ سلیمانی کی ایک سلائی لگائی جاوے تو یہ سب نظر آنے لگتے ہیں۔ عوام جہاں انکے دام فریب میں آکر مفت حرمین میں ہاتھوں بک جاتے ہیں اور درخواست کرتے ہیں کہ کسی طرح یہ سرمہ ضرور حاصل کرنا چاہیے پھر یہ مکار خود ہی اسکے بنانے والے بن جاتے ہیں اور خود بے پردہ فقیر بن جاتے ہیں اس طرح بعض لوگ اکسیر عظم کی حکایتیں باسنگ پارس کی نقلیں بیان کرتے ہیں۔ شیخ رحمہ نے کہا کہ خلا بہ ہر کہ ایسے حیلوں سے غبی جاہلوں کے مال خوب کھاتے ہیں حالانکہ اس معاملہ میں یقینی بات صرف اس قدر ہے کہ زمین میں سونے و چاندی وغیرہ کی کانیں موجود ہیں اور وہاں سے جو کچھ برکت ہوتا ہے وہ خاک میں مخلوط ہوتا ہے اسکو صاف کر لیتے ہیں اور یہ صاف کیا ہوا سونا چاندی جسکے پاس بہت ہوتا ہے وہ اسکو محض وہوس کے مارے زمین میں دفن کر تا ہے اور یہ طریقہ زمانہ دراز سے چلا آتا ہے اور جس کسی کو اس قسم کے خزانے میں سے کچھ حاصل ہو تو اتفاقی ہو اور جس صفت سے مکار لوگ زمین کے اندر خزانے بیان کرتے ہیں وہ محض جھوٹ و فریب ہے اور سرمہ مذکور افترا و باطل ہے (تفسیر ابن کثیر) شیخ الاسلام نجم الدین محمد الغیثی نے کہا کہ قاضی القضاۃ عبد الرحمن بن خلدون نے کتاب العبرین مورخین کی غلطیاں بیان کرنے کے بعد لکھا کہ ان غلطیوں سے بھی بڑھ کر وہ قصہ ہے جو سورہ الفجر کی تفسیر میں اہل تفسیر ایک دوسرے سے نقل کرتے چلے جاتے ہیں کہ قولہ تعالیٰ ارم ذات العبادہ۔ میں ارم کو ایک شہر بتاتے ہیں اور (ذات العباد) اسکا وصف بتلاتے ہیں یعنی اُسکے ستون جواہرات وغیرہ کے بے نظیر تھے کہ اُسکے مثل بلا دین پیدا نہیں کیا گیا اس قصہ کو طبری و ثعلبی و زنجشیری وغیرہ نقل کرتے چلے جاتے ہیں اور اسکے ساتھ یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص عبد اللہ بن قلابہ

شہاد کے واسطے خالص رہ گئی وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں سے منکر ہوا لیکن اُس نے جنت کا ذکر سنا تو مدعی ہوا کہ میں اُس کے مثل بناؤں گا تو اُس نے ارم بنایا۔ اور اُسکی تعمیر میں تین سو برس صرف ہوئے اور شہاد کی کل عمر نو سو برس ہوئی یعنی جب اُسکی عمر چھ سو برس تک پہنچی تو اُس نے تہرہ و تکبر سے جنت کی مثال بنانی شروع کی حالانکہ یہ بالکل محال ہے لیکن وہ جنت کو اسی سونے چاندی کی دنیاوی عمارت سمجھا تھا جیسے کفار بے عقل سمجھتے ہیں اور دنیا کے مشارق و مغارب سے بادشاہوں نے بحسب مقدور سونے چاندی و مشک وغیرہ کے ذخائر و انبار بھیجے شروع کیے اور اُس نے بنانے کے لیے صحراے عدن میں ایک خوشگوار مقام چن کر کیا جسکی آب و ہوا بہت لطیف تھی اور سبزہ وریا صین بکثرت پیدا ہوتے تھے وہاں اُس نے بہت بڑا شہر خوش وضع بنانا شروع کیا اور ہمیشہ بہار کے لیے وہ خط استواء سے قریب تھا تاکہ اکثر اوقات سدا بہار رہے اور بالکل خزان نہ ہو جاوے اور اس شہر میں خوبصورت پھولوں و پھولوں کی باغات تھے اور باغات میں نہرین جاری تھیں اور مکانات سونے چاندی کے زبرجد و یاقوت کے ستونوں پر قائم تھے جب یہ عمارت پوری ہو گئی تو شہاد اپنے اہل ملک کے ساتھ اُس میں داخل ہونے کو روانہ ہوا جب ایک شب دروازہ کا فاصلہ رہ گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر عذاب عظیم بھیجا کہ سب ہلاک ہو گئے (لمحض التفاسیر) مترجم کہتا ہے کہ یہ قصہ بنانے والوں نے کہا کہ آیات میں ہی مراد ہے۔ ارم ذات العماویہ باغ ارم تھا جس میں جواہرات کے جڑاؤ ستون تھے۔ لم یخلق مثلها فی البلاد۔ اس کے مثل بلادین نہیں پیدا کیا گیا ابن کثیر نے لکھا کہ اس آیت کے ذیل میں اس جماعت نے لکھا کہ ارم ایک شہر تھا جو سونے چاندی کی اینٹوں سے بنایا گیا تھا اور اُس کے اندر دینی محل و مکانات و باغات سب کی عمارت سونے چاندی کی تھی اور بجائے کنکریوں کے اُس میں موتی و جواہر پڑے تھے اور اُسکی خاک پر مشک کی گولیاں ڈالی گئی تھیں اور اُس میں کثرت سے نہرین جاری تھیں اور درختوں پر پھل بھٹے پڑتے تھے اور اس شہر ارم کی نشیر بلادین نہیں ہے بھر یہ شہر ویران ہوا اُس میں کوئی رہنے والا نہیں ہوا اور کہتے ہیں کہ یہ شہر کہیں ایک جگہ نہیں رکھا جاتا بلکہ کبھی عدن میں اور کبھی شام میں اور کبھی عراق میں اور کبھی کہیں بدلتا رہتا ہوا ابن کثیر نے کہا کہ اہل تفاسیر کے لکھنے پر مغرور نہ ہونا چاہیے یہ قصہ بے اصل ہے اسکو بنی اسرائیل کے زندیق بیباک لوگوں نے گردھلایا تاکہ بنی اسرائیل کے دین کی توہین کریں جب احمق لوگ ان سب باتوں کی تصدیق کر کے آپس میں یہ خیالی باتیں پھیلا دیں مترجم کہتا ہے کہ نصاریٰ و یہود کے عوام میں یہ خیال ہے کہ جنت مقام عدن میں تھی اور انگریزی ترجمہ (ایڈن) لائے ہیں شاید یہ خیالی اسی بنائی ہوئی روایت پر ہو اور شاید ان میں سے زندیقوں نے یہ مکر نکالا ہو کہ یہ عدن کی ارم کو شہاد نے بنایا ہے جیسے اسلام میں پیچروں نے جنت و دوزخ کا بیان فرعون کی ساخت سے نکالا ہے اور حق یہ کہ عبرانی میں (جنت عدن) کا ذکر ہے جیسے قرآن میں (جنت عدن) بدخلو نہا (الایم) مذکور ہے اور عدن مجھے خلود و قیام عیش دوام ہے معنی یہ کہ باغات قیام عیش دوام ہیں۔ جن میں اہل جنت ہوں گے۔ عبرانی اور عبرانی میں بہت استیاس ہے پس بنی اسرائیل نے عدن کے معنی عدن شہر کے لیے یعنی عدن کے باغ ارم میں داخل ہو گئے اور بہالت ان میں بعید نہیں ہے کیونکہ کثرت تحریفات اسی قسم کے ان میں معروف ہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔ امام ابن کثیر نے لکھا کہ تعلیمی وغیرہ نے ذکر کیا کہ عرب کے بدوی اعراب میں سے ایک شخص کے اونٹ کو گئے اس شخص کا نام عبد اللہ بن قلابہ تھا۔ یہ شخص اپنے اونٹوں کی تلاش میں جنگلوں میں بھرتا تھا کہ ناگاہ اُس کے سامنے ایک شہر سونے چاندی سے چمکتا ہوا نظر آیا جسکی صفات اسی طرح بیان کیے جیسے ہم نے اوپر بیان کر دیے ہیں وہ اُس میں داخل ہوا (اور وہاں کے اشیاء جواہرات وغیرہ سے جس قدر ممکن ہوا محال لایا۔ (السراج) اور واپس ہو کر اُس نے اپنی قوم کو خبر دی اور انکو ساتھ لے گیا تو وہاں لوگوں نے کچھ

لے غدا صبح کو اتر آوار ہیں سے مل چکے جاتے

کی یہ مراد نہیں ہو کہ ذات العباد جو قرآن مجید میں مذکور ہو اسکی تفسیر دمشق یا اسکندریہ ہو بلکہ قرآن مجید میں یہ مراد ہو کہ قبیلہ عاد و ارم کے لوگ دنیا کی زندگی پر مطمئن ہو کر عمارات بلند بناتے تھے اور اسکی نظیر زمانہ مابعد میں دمشق و اسکندریہ کے عمارات ہیں یعنی ان شہروں کے لوگوں نے بھی وہی طریقہ اختیار کیا جو عاد و ارم میں مذکور کیا گیا اور یہ معنی لطیف نفیس ہیں فافهم واللہ تعالیٰ اعلم قال ابن کثیرؒ بھر واضح ہو کہ عاد و ارم کے جو حالات بیان کیے گئے اس سے کسی شہر و قوم کے تاریخی اخبار بیان کرنا منظور نہیں ہو بلکہ یہ مراد ہو کہ وہ قبیلہ عاد و ارم لیا جاوے جسپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب نازل ہوا تھا راع خطیب و بغوی و بضاوی وغیرہ میں ہو کہ بعض کے نزدیک ارم اس دیار کا نام ہے جہین عا ورتے تھے اور مترجم کتبا ہو کہ مشہور قول یہ ہو کہ احناف میں رہتے تھے جبکہ دار السلطنت کا پتہ بیان کرین درہ عدنان سے بصرہ تک یہی قبیلہ بھرا ہوا تھا پھر شیخ ابن کثیرؒ کا مطلب یہ ہو کہ عاد و ارم ذات العباد التي لم یخلق مثلها فی البلاد اس قوم کی شناخت کے لیے اوصاف ہیں اور عرب کے لوگ عاد و ثمود کو اور انکی ہلاکت کو خوب جانتے تھے بلکہ ثمود کے کھنڈل بھی صحابہ رضی اللہ عنہم نے دیکھے تھے چنانچہ آگے انشاء اللہ تعالیٰ مختصر بیان آوے گا اور آیت قدسی میں ایسے اوصاف کا ذکر فرمایا جن میں اشارہ ہے کہ کفر میں انکی کیا حالت تھی چنانچہ قولہ تعالیٰ ذات العباد میں اشارہ ہو کہ دنیاوی زندگی پر مطمئن ہو کر عمارات عالیہ بناتے تھے اور یہ کفر و فساد کی علامت ہو چنانچہ دوسری آیت میں ہوا عاد فاسکروانی الارض الخ یعنی عا نے زمین میں غرور کیا۔ ۱۔ اور علامات قیامت کی حدیث میں آیا۔ رعاد الشایطان والو فی البیان۔ یعنی ریوڑ چرانے والے عمارات بلند مستحکم بنا دیں گے۔ ۲۔ محبذہ آخر زمانہ میں برابر صادق آیا اور سلف و خلف صاحبین کے زمانہ کے بعد خود عرب نے یہ طریقہ شروع کیا کیونکہ جب تک دنیا کو مسافر خانہ سمجھتے تھے تو اس مثل پر عمل تھا کہ مرد مسافر کو سایہ دیوار کافی ہے۔ پھر آخر زمانہ میں دنیاوی آرائش پر سلاطین و امرا کی عام توجہ مبذول ہوئی اور جس طرح حدیث میں تنبیہ ہو سب معاملات الٹ گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پھر دوسری صفت یعنی قولہ تعالیٰ التي لم یخلق الخ اس قبیلہ کے غرور و فساد کا باعث ہوا حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت تھی کہ انکو بہت قوی پیدا فرمایا تھا اور حضرت ہود علیہ السلام نے انکو ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر کر کے قوت و ثروت کو اسکی بندگی میں صرف کرو ان لوگوں نے نہ مانا اور کفر کے ساتھ کفران نعمت جمع کر دیا آخر اللہ تعالیٰ نے انکو ہلاک کیا تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آیات میں وہ امور بیان فرمائے ہیں جن سے سمجھ لیا جاوے کہ عاد کی ہلاکت کے وجہ کیا تھے اور عرب اگرچہ قوم عاد و ثمود اور انکی ہلاکت و بربادی کو اپنے باپ دادوں کے بیانات سے متواتر جانتے تھے لیکن جسطرح قریش اپنے جد اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ و اسمعیل علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی رسالت سے جاہل ہو گئے تھے بلکہ رسالت کے معنی بھی نہیں جانتے تھے اسی طرح قوم عاد و ثمود کی ہلاکت کا باعث نہیں جانتے تھے بالجلہ امام ابن کثیرؒ نے سچ فرمایا کہ آیات سے یہ مقصود نہیں ہو کہ اس قبیلہ کے تاریخی حالات و انکے ملک کے بلند عمارات کا ذکر کیا جاوے شیخؒ نے فرمایا کہ میں اس بات کو اسلیے بیان کر دیا کہ چند مفسرین نے یہاں عجیب قصہ بیان کیے اور انکو آیت کی تفسیر سے متعلق کیا حالانکہ وہ بتائی ہوئی جھوٹی باتیں ہیں۔ ع۔ مترجم کتبا ہو کہ میں اس قصہ کو مختصر ترجمہ کر دوں اُسکے بعد امام ابن کثیرؒ وغیرہ کی عبارات لاؤں گا معاملہ بغوی و تفسیر رازی و خطیب وغیرہ میں ہو کہ روایت ہو کہ عاد کے دو بیٹے تھے ایک کا نام مشدید تھا اور دوسرے کا نام مشدا و تھا دونوں اپنے باپ کے بعد قوم عاد کے بادشاہ ہوئے اور نہایت قوت و شوکت سے انھوں نے بادشاہان اوسے زمین کو مقہور کیا اور مشرق و مغرب میں انکی سلطنت مبسوط ہوئی ایک مرتبے کے بعد مشدید مر گیا تو تمام سلطنت مذکور

ہلاک و ہرباد کر کے جہنم میں ڈالین گے یعنی اے رسول اللہ تو ظاہری اسباب پر نظر نہ کر بلکہ فقط اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت پر نظر رکھ کر وہ جو چاہے وہی ہو جاتا ہو۔ الم ترکیف فعل ربک ببلاد۔ کیا تجھے ایسا قطعاً علم نہیں ہو گیا جو دیکھنے کے مثل ہو کہ تیرے رب نے کیونکر کیا عاؤ کے ساتھ یہ عاوارم کا ذکر پر خودات العاؤ تھے انکے خیمے کے ستون بہت بلند مستحکم ہوتے تھے گو یا مکانات انکے واسطے گنجائش نہیں رکھتے تھے کیونکہ یہ گو بہت دراز قد و قوی تھے۔ التی لم یخلق مثلاً فی البلاد جس قوم و قبیلہ کے مثل بلاد میں پیدا نہیں کی گئی اقول سابق میں گزرا کہ ابن ابی حاتم و ابن مردویہ نے حدیث مقدم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ عادی ایک بڑا پتھر اٹھا کر ایک بستی کے لوگوں پر ڈال دیتا کہ وہ ہلاک ہو جائے تھے لیکن اس روایت کی اسناد میں یہ کلام ہے کہ معاویہ بن صالح نے کہا کہ میں نے ایسے شخص سے سنا جس نے مقدم رض سے روایت کی ہے۔ یہ درمیانی شخص معلوم نہیں ہوتا بلکہ یہ بھی نہیں معلوم کہ اُس نے مقدم رض سے خود سنا تھا یا اُس سے بھی کسی نے مقدم رض کی حدیث بیان کی و اللہ تعالیٰ اعلم ابن کثیرؒ نے لکھا کہ قال ابن ابی حاتم حدثنا علی بن الحسن حدثنا ابو الطاہر حدثنا انس بن عیاض عن ثور بن زید الدیلی قال قرأت کتاباً قد سمی حیث قرأہ الخ یعنی ثور بن زید تابعی نے فرمایا کہ میں نے ایک نوشتہ پڑھا جس میں لکھا تھا کہ میں ہی شداد بن عادی ہوں اور میں نے ہی عادی کو بلند کیا اور میں نے ہی اپنے مضبوط ہاتھوں سے مالک کو لے لیا اور میں نے ہی سات گز طول میں خزانہ جمع کیا جو وہ کسی کو نہیں ملیگا سوائے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ مہ۔ مترجم کہتا ہے کہ اسناد کے راوی سب ثقہ ہیں جو صحیحین امام بخاری و مسلم میں موجود ہیں سوائے علی بن الحسن کے جو امام ابن ابی حاتم کے شیخ ہیں اور یہ علی بن الحسن بن جہنید رحمہ اللہ تعالیٰ اچھے محدث ہیں و لیکن روایت کے مضمون میں غور کرنا چاہیے پس ثور بن زید رحمہ نے جس نوشتہ کو پڑھا وہ نہیں معلوم کس نے لکھا تھا اور کب لکھا گیا تھا اور شداد بن عادی کے حق میں یہ معلوم نہیں ہوا کہ وہ اسلام لایا تھا اور امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس نے کیونکر جاننا دلیکن یہ ہو سکتا ہے کہ کابن کے ذریعہ سے اسکو معلوم ہوا ہو اگرچہ اُس نے یہ جانا ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر خاتم النبیین ہوئے اور اُسکی صورت یہ ہو کہ جب اُس نے یہ خزانہ جمع کیا اُس زمانہ میں ملائکہ نے باتیں کیں ہوں کہ اس خزانہ کا یہ انجام ہوگا اور شیاطین نے منکر کاہن کو بتلایا اور اُس نے شداد سے کہا ہو۔ پھر مترجم کو یاد نہیں کہ سلف رضی اللہ عنہم کے زمانے میں یہ خزانہ ہاتھ آیا و لیکن حدیث میں آثار قیامت میں ہے کہ فرات ایک سونے کا پہاڑ اُگل دیکھا۔ شاید یہی خزانہ ہو یا زمانہ امام مہدی رضی اللہ عنہ میں ظاہر ہو یہ سب اُسوقت ہو کہ جو نوشتہ ثورم نے پڑھا وہ معتبر ہو و لیکن اُسکے معتبر ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہو اسی واسطے شیخ ابن کثیرؒ نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد اس سے کچھ بحث نہیں کی بلکہ (ذات العاؤ) کی تفسیر میں اسطرح کلام شروع کیا میں کہتا ہوں کہ ہر حال یہ لوگ عاؤ اول ہیں خواہ ذات العاؤ سے یہ مراد ہو کہ انکے مکانات بہت بلند نمودن پر بنائے جاتے تھے یعنی اس دراز قد قوم کے عمارتی مکانات کے ستون بہت بلند ہوتے تھے یا یہ مراد ہو کہ بلند نمودن کے خیموں میں رہتے تھے یا یہ مراد ہو کہ انکے جنگی ہتھیار لینے چوڑے ہوتے تھے یا یہ مراد ہو کہ ان لوگوں کے قد و قامت عموماً طویل تھے ہر صورت جنگی ہفت ہوا اس سے مقصود وہ قبیلہ ہو جسکے عروہ و کفر و فجور کا ذکر بار بار قرآن مجید میں آیا اور اُنکے بعد نمود کا ذکر ہو و اللہ تعالیٰ اعلم اور بعض علماء نے زعم کیا کہ ذات العاؤ سے مراد شہر دمشق ہو اور یہ قول سلف تابعین سے سعید بن المسیب و حکمران سے روایت کیا جاتا ہو اقول سیوطیؒ نے اسکو صحیحہ القبری و مالک سے نقل کیا و اللہ اعلم اور بعض نے زعم کیا کہ مراد اسکندریہ ہو اور یہ محمد بن کعب القرظیؒ سے روایت کیا جاتا ہو تو ان اقوال میں تردید ہو کیونکہ اس صورت میں کلام منقطع نہیں ہوتا ہو جبکہ بجائے ذات العاؤ کے دمشق یا اسکندریہ کا نام لیا جاوے (ابن کثیرؒ) مترجم کہتا ہے کہ میرے نزدیک ان علماء رحمہم اللہ تعالیٰ

کسی پر یہ جبر نہیں کیا کہ اسلام کما ہے و قد قال تعالیٰ ولو شاور ربک لآمن من فی الارض کلہم جمیعاً۔ اور اگر تیرا رب چاہتا تو ہر کوئی جو زمین میں ہو سب کے سب ایمان لائے۔۔۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے کسی پر یہ جبر نہیں کیا یہ تو دیکھو کہ کافر نے اپنے واسطے غیر کو معبود بنایا اور یہ اعتقاد جمایا کہ وہ دیوتا میرا ساز ہیو یا مسیح یا صلیب میری کار ساز ہیں یہ دل کی کمائی ہو اللہ تعالیٰ نے اس میں پسیدہ کر دی۔ پھر مشرک نے جا کر اپنے معبود سے اپنی مراد مانگی مثلاً رزق مانگا یا بیٹا یا کوئی دوسری چیز مانگی تو غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی تک اسکو ہدایت دی تھی کہ اسکو رزق وغیرہ عطا فرما دیکھا اور اللہ تعالیٰ نادان و جاہل نہیں ہو تعالیٰ اللہ علواً کبیراً۔ تو اس نے مشرک کو اسکی مراد عطا کی فقط طریقے میں فرق ہے یعنی اس مشرک کے حق میں اس رزق کا عطا کیا جانا اسطرح مقدر تھا کہ وہ فلاں بت کے سامنے سجدہ کرے یا صلیب کو پوجے یا مسیح سے فریاد کرے پس اُسی طریقے سے اسکو عطا ہوا اسی واسطے حدیث میں ثبوت ہے کہ قریشیامیت ایسے لوگ ہوئے کہ حرام و حلال طریقے سے انکو رزق ملیگا اور اگر حلال طریقے سے چاہیں گے تو نہیں ملیگا مگر حرام سے کہ ایسے لوگ اس زمانے میں بکثرت موجود ہیں اللہم انی اعوذ بک من ذلک ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ اور اس بیان سے اہل ایمان کے لیے نصیحت و عبرت ہے کہ اگر کسی شخص کو دیکھیں کہ خلاف شرع کے کاموں سے اسکو فراخی و ثروت ملتی ہو تو اسپر افسوس کریں اور یہاں فہم میں زیادہ مشکل ایک صورت یہ ہے کہ لوگوں نے دین کے نام سے بہت سی بدعتیں نکالی ہیں جیسے تغیر رکھنا وغیرہ اور جب اس ذریعہ سے دنیاوی ستارے میں ثروت پاتے ہیں تو بہت سے عوام بوجہ محبت دنیا کے بھٹک جاتے ہیں اور علماء کی نصیحت چھوڑ کر اپنے واسطے جاہل پیشوا بناتے ہیں جو جہاد و عبادت میں عالم سے زیادہ آراستہ ہیں اور عالم بنتے ہیں بڑا دعویٰ کرتے ہیں اس لیے کہ انکو خوب معلوم ہے کہ جاہل نہیں پہچان سکتا اور ایسے بنے ہوئے عالموں کا رزق اسی ذریعہ حرام سے رکھا گیا ہے کہ عوام کو بہانات میں بہکا دیں اور انکے ہاتھوں سے رزق پاویں اللہم انی اعوذ بک من ذلک وانت الغفور الرحیم اور شک نہیں ہے کہ دنیا میں جو لوگ گمراہی پھیلاتے ہیں اور دنیا کے لیے اپنا دین برباد کرتے ہیں وہ ضرور نیراپاؤ بنیں گے اور اللہ تعالیٰ نے صریح نص قرآنی میں آگاہ فرمایا ہے کہ جو لوگ کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے اخلاف و مخالفت کرتے ہیں وہ ذلت پاویں گے۔۔۔ یہ حکم دو طرح سے جاری ہوا قسم اول یہ کہ مسلمانوں نے آپ کی شریعت سے مخالفت کی تو جب تک نصف سے کم ایسے رہے تو اللہ تعالیٰ نے زیادہ مطیع بندوں کی برکت سے مخالفت کو بھی ذلت سے محفوظ رکھا اور جب نصف سے زیادہ خراب و مخالفت و مفسد ہوئے تو حکم الہی آگیا اور یہ بات ہر ایسے شخص پر صاف واضح ہے جو علم تاریخ سے آگاہ ہو اور اس ملک میں تو یہ بات آنکھوں کے سامنے موجود ہے اور روز بروز حالت و مخالفت بڑھتی جاتی ہو حتیٰ کہ بکثرت عوام الناس ہیں جو محفل میلاد شریف میں راگ وغیرہ کے طریقے سے شاعرانہ خیالات کے اشعار پڑھنے والے لاتے ہیں اور ایسے شخص کو منبر پر بٹھلاتے ہیں حالانکہ وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق سنت و راہ شریعت سے مخالف ہوتا ہو جسے کہ بکثرت ان میں سے نماز کے بھی پابند نہیں ہوتے ہیں لیکن اشعار خوش آوازی سے بطور راگ پڑھنے میں اسناد میں تو انھیں کراپنا پیشوا بناتے ہیں اور یہ صریح مخالفت ہے تو کیا امید ہے کہ انکی حالت کی اصلاح ہو اور ذلت و درہم و دم وہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے سے منکر ہوئے یعنی کافر ہوئے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت خیر خواہی سے انکی بہتری چاہی اور نہایت عمدہ طریقے سے انکو نصیحت کی تاکہ جہنم کے عذاب الیم سے بچیں لیکن یہ لوگ بجائے شکر گزاری کے کافر ہوئے اور بجائے دوستداری کے دشمن ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے دافجر و لیل عشر الخمین قسم کے ساتھ اعلان فرمایا کہ ہم ضرور ایسے کافرین کو

کہ عاونے عدن سے بصرہ تک کثرت اموال و اولاد سے بھر لیا تھا اور احقاف انکا دار السلطنت تھا آخر عذاب ہلاکت کے بعد وہ ببابان ریگستان رہ گیا نہ وہاں خوش نماسرہ زارہ بن اور نہ کھیتیان بن نہ باغات میوہ دارہ بن بلکہ بادِ سموم کے جلانے والے جھونکے اور ریگ روان کے انبارہ بن مترجم کہتا ہے کہ عدن سے بصرہ تک بلکہ ملک شام تک تمام قبیلہ عاد کے بلاد تھے انکو عاد ارم کہتے تھے اسکے بعد دوسرا کنبہ ہوا جسکو تمود کہتے تھے اور عاد ارم زبردست کنبہ تھا اور وہی عاد کے بادشاہ تھے اول انھین کی طرف اللہ تعالیٰ نے رسالت بھیجی اور وہ بوجہ کفر و عناد کے ہلاک کیے گئے پھر دوسرے کنبہ یعنی تمود کی طرف رسول بھیجا اور آخر وہ بھی ہلاک کیے گئے لہذا (عاد) کا پتہ بتلایا بقولہ تعالیٰ ارم ذات العاد۔ یعنی عاد سے مراد وہ کنبہ ہی جسکو ارم کہتے تھے جس قوم کے نام کے ساتھ ذات العاد کی صفت تھی۔ الٹی لم یخلق مثلہا فی البلاد۔ جسکے مثل بلادین پیدا نہیں کی گئی (سوال) الم ترکیف الخ اگرچہ ظاہر میں یہ خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو لیکن مقصود عام ہے۔ ہر شخص کو اس سے عبرت دلائی جو آگاہ ہو کہ چونکہ ان اقوام کا حال بیان کرنے سے عبرت دلائی مقصود ہے تاکہ دنیا میں کفار ایسے اعمال سے باز آویں جیسے عاد و تمود و فرعون کے افعال تھے کیونکہ انکا نتیجہ وہی ہوگا جو اقوام مذکورہ کو حاصل ہوا اور اس میں مومنوں کو تشبیہ ہے یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم جو مکہ میں بابان لائے تھے اور ہر طرف سے کفار اُن پر لعن طعن کرتے تھے تو یہ مومنین عبرت حاصل کر کے ثابت قدم رہیں مترجم کہتا ہے بلکہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی و تسکین دی گئی کہ ضرور ہم ان کافروں کو ہلاک کرینگے جو ترے دشمن ہیں اور یہی نکتہ ہے کہ کافروں کو خطاب سے یہ نہیں کہا گیا کہ او کفار تم نہیں جانتے کہ کیونکر پروردگار نے ان قوموں کو ہلاک کیا بلکہ خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا۔ بیان یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دل و جان سے کوشش کی کہ قبیلہ قریش دین اسلام قبول کریں جو صریحی بدیہی حق ہے حالانکہ کفار قریش صاف اقرار کرتے تھے کہ یہ شخص تم کو مکارم اخلاق و نیکی افعال و اعمال کی جانب ہدایت فرماتا ہے لیکن سب دیوتاؤں کو ایک ہی بنائے دیتا ہے یہ کیونکر کافی ہوگا قال تعالیٰ جعل الالٰہۃ الہا واحدا الخ یعنی کیا اس شخص نے سب دیوتاؤں کو ایک بنا دیا تو یہ تو بہت ہی اچھے کی بات ہے۔ اور ابوسفیان نے کفر کی حالت میں ہر قتل شاہ روم سے بھی یہی بیان کیا تھا کہ وہ ہم کو صدق و عفاف و مکارم اخلاق کی ہدایت فرماتا ہے لیکن سب الٰہ کو ایک بنا تا ہو کما فی الصحیح۔ باوجود اسکے کفار اصل بات یعنی اللہ تعالیٰ الوہیت سے انکار کرتے تھے اور جس شخص نے اس سے انکار کیا یا شک کیا تو اُسکے اعمال چاہے میں کیسے ہی اچھے نظر آویں بالکل برباد ہیں دنیا میں انکا نفع شاید ملے جیسے اس زمانے میں مغربی قوموں کا حال ہے لیکن آخر کے لائق ہرگز کسی طرح نہیں ہیں قطعاً وہ باطل ہیں کیونکہ الوہیت تو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔ اگر منکر ہو تو کچھ ضرر نہیں ہے اور اگر اسکا اقرار کرے تو اُسے خود نیک راہ پائی اور اگر کسی نے دوسرے کو اپنا کارساز یا دیوتا یا خدا کا بیٹا وغیرہ بنایا تو اُسکے بنانے سے کچھ نہیں ہوا بلکہ وہ مخلوق ہے اگر وہ ہم ہو کہ پھر ان لوگوں کی مراد کیوں مل جاتی ہے (جواب) یہ دھوکا ہے بات یہ ہے کہ کافر نے یہ جانا کہ اُسے جس سے مراد مانگی ہو اُسے دیدی اور اسکو اپنے نزدیک مراد سمجھا کیونکہ وہ ایسی آرزو میں تھا۔ دونوں باتوں میں وہ غلط گمراہ ہے اور حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسکی مراد پوری کی اور یہ مراد تو فانی ہے اور یہ اُسکا عمل اُسکے ساتھ باقی رہیگا اور مجید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں مخلوق کو اُسکی زندگی تک کمانے کی مہلت دی ہے اس طرح کہ جو کوئی جس طرح اپنی قسمت کی کما لی جمع کرنا چاہیگا اللہ تعالیٰ اُسکو وہ حاصل کر دے گا یعنی اُسکے ساتھ میں اسکو پیدا کر دیا۔ ہر شخص کے اعمال اُسکے ساتھ ہیں ابھی اسکو نظر نہیں آتے ہیں اسلیے غلط میں گمراہ ہے اور یہاں اللہ تعالیٰ

ہوا سکو زخشری کی تقلید میں لکھا ہے کہ یہ حدیث ہے تو یہ موضوع ہر اب اس زمانہ میں عوام جو دینداری و آخرت کا چاہنے والا نیکی ہے
اسکے لیے نقطہ سلامتی کا طریقہ یہ ہے کہ سچی باتوں کو جو صحیح اسناد سے ثابت ہوں قبول کرے اور نئی باتیں اور شاذ و نادر طریقے بدون اسناد
کے نہ لے اور اللہ تعالیٰ ہی اپنے نیک بندوں کو توفیق دینے والا ہے۔ جب یہ تہدید سمجھ میں آگئی تو معلوم کر دو کہ اخیر زمانے کے
لوگوں نے عوج بن عوق کے قصہ کو نقل کیا اور امام ابن کثیر وغیرہ نے لکھا کہ یہ محض دروغ و کذب صریح اور بہتان فبیح ہے
اب غور کر دو کہ عدارم کے قدر از وقوی تھے کہ انکے مثل اللہ تعالیٰ نے نہیں پیدا کیے تو صحیح ہے لیکن عوج بن عوق وغیرہ کی حکایتیں
جھوٹ باتیں ہیں انکو منافق محدود اور بدکردار فاجروں نے بنا کر عوام میں اسلئے پھیلا یا کہ نصاریٰ و یہود اور مجوس وغیرہ کو بھی یہ
موقع ملے کہ مسلمانوں کے یہاں بھی ایسے غلط خیالات موجود ہیں حالانکہ اصل میں یہود کے قصص ہیں۔ اگر غور کیا جاوے تو اسکو
بینی معاملات سے کچھ تعلق نہ تھا لیکن عوام کو اس قدر تمیز نہیں ہوتی ہے کیا نہیں دیکھتے ہو کہ اس زمانہ میں جب عموماً مسلمانوں کے
افعال بدتر و خراب ہو رہے ہیں اور زنا کاری و چوری و دغا بازی و چند بازی و جھوٹ و غریب و یرز دلی اور دنیا کی خواہشوں کی
زندگی چاہنا اور سود و بیاج دے بازی وغیرہ بکثرت پھیلے ہوئے ہیں اور خلاصہ یہ کہ دین اسلام کے افعال و اعمال سے منحرف ہو کر
کفر و شرک کے افعال و اعمال کرتے ہیں اور دنیا کے معاملات میں کافروں سے بھی بدتر اطوار ہیں تو یہ باتیں دیکھ کر ہندو اور غیر توہین
دین اسلام پر طعنہ دیتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ انکو اللہ تعالیٰ داسکے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کو معلوم کرنا چاہیے تھا اور
جب دین اسلام کی تعلیم سے واقف ہوتے کہ کس قدر عمدہ فضائل اخلاق اور احسن اعمال اور عمدہ معاملات کے واسطے ارشاد ہے
اور الحق کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور نفس کے کمالات سوائے اسلام کے کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتے ہیں اور پاکیزگی ظاہر و باطن
بدون اسکے غیر ممکن ہے۔ لیکن تعصب کی آنکھ سے کچھ نہیں سوچتا ہے جب اس طرح واقف ہو کر دوسرے ادیان مانند یہودیت و نصرت
وغیرہ سے مقابلہ کرتے تو انکو معلوم ہوتا کہ دین حقیقت میں اسلام ہے اور باقی سب باطل ہیں اور یہ بالکل بدیہی صاف بات ہے اور ذرا سی
بات یہ ہے کہ سوائے اسلام کے کسی فرقے کے اعتقاد میں ابتدا و مشروع جو اصل اصول ہے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت والوہیت ہی معتقد
نہیں ہے اور جب یہ نہیں ہے تو سب باطل ہے اور اسلام میں جب یہ ٹھیک معرفت ہے تو سب درست ہے۔ اب تفسیر کی طرف رجوع
کر دو کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ الم ترکیف فعل ربک بعبادہ ذات العباد۔ کیا تو نے نہیں جانا کہ تیرے رب عزوجل نے کیا کیا (کسر کش کا فرق)
عاد کے ساتھ۔ یہ عدارم تھی صاحب عاد۔ یعنی جنکی بسراوقات بلند رفیع عمود کے خیمہ جات میں تھی (یا مکانات بلند ہوتے تھے یا بلند
قد تھے) بہر صورت نتیجہ یہی ہے کہ انکے قد و قامت بہت ہی بلند پیدا کیے گئے تھے اسبوجہ سے سکونت کے لیے خیمے مرتفع بلند عمودوں پر
تھان لیتے تھے یا بقول بعض کے مکانات نہایت بلند ستونوں پر بناتے تھے اگرچہ شاید وہ بہت کم ٹھہرتے ہوں اور یہ قوم قد و قامت
میں بے نظیر تھی اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ التی لم یخلق مثلها فی البلاد۔ ایسی قوم تھی کہ اسکے مثل بلاد میں پیدا نہیں کی گئی امام
رازی نے کبیر میں لکھا کہ قولہ تعالیٰ والفجر ولیال عشر الخ یعنی اللہ تعالیٰ نے فجر وغیرہ کی قسم کے ساتھ آگاہ فرمایا کہ جو قوم اللہ تعالیٰ
داسکے رسول سے منکر و مخالف ہوا اسکے لیے ضرور اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے۔ الم ترکیف فعل ربک بعباد۔ کیا تجھے معلوم نہیں
ہوا کہ تیرے رب ذو الجلال نے کیا معاملہ کیا عاد کے ساتھ ف آگے اشارہ ہے بقولہ تعالیٰ۔ فاصب علیہم ربک سوط
عذاب۔ یعنی ان قوموں پر تیرے رب قوی العزیز نے سوط عذاب بہا دیا۔ اور عرب کے لوگ متواتر اخبار سے جانتے تھے

کہ نئی روایت اب کہاں سے نکل آئی اور امام ابو حنیفہ کے شاگردوں میں سے کسی نے نہیں کہا کہ امامؒ نے تمام عمر میں کبھی یہ روایت کی تو اس زمانہ میں یہ اسناد بیان کرنے والا ضرور غلط کہتا ہو کہ ابو حنیفہؒ نے یہ بیان کیا اس طرح قیاس کر لینا چاہیے الغرض بعض محدثین نے یہ غلط روایتیں بھی جن شخصوں سے سنی تھیں انکا نام و نشان بیان کر کے لکھ دیا یعنی ہم تم سب جانتے ہیں کہ یہ شخص جھوٹ کہنے والا ہے اعتبار ہی مثلاً ہمارے شہر میں فلان شخص جھوٹا لپٹا یا مشہور ہے ہم نے جو بات اُس سے سنی تھی بیان کی کہ ہم اُس شخص نے کہا کہ میں فلان بزرگ مولوی فضل الرحمن سے سنا وہ فرماتے تھے کہ فلان جنگل میں ایک زاہد گوشہ نشین کو دیکھا جو وہاں رہتے تھے اور انکے پاس بزرگوں کی رو صین ہر روز عشا کے وقت تشریف لایا کرتی تھیں اور سب کے سب قوالی سنا کرتے تھے۔۔۔ اس روایت کو اس زمانہ میں جو شخص سنیگا وہ جان لیگا کہ محض جھوٹ ہی علاوہ برین فلان جنگل میں بھی کوئی زاہد نہ تھا اور مولانا فضل الرحمن رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہزاروں مرید ہیں کوئی بھی اسکو بیان نہیں کرتا اور خود مولانا رحمہ اللہ تعالیٰ سے منع فرمایا کرتے تھے الغرض اس محدث نے تو اس لیے لکھ دی تھی کہ لوگ اس روایت سے ہوشیار ہو جاویں آخر فتنہ ہوا جیسے مثال مذکور ہے یعنی پھر سو برس بعد کچھ لوگ پیدا ہوئے اور علم اٹھاتا جاتا ہے انھوں نے کہا کہ روایت سچ ہے اگر کسی عالم نے روکا کہ یہ معتبر نہیں ہو تو اُس کے دشمن ہو کر طعنہ دینے لگے کہ یہ شخص روکھا ظاہری علم والا ہے اور علم باطن سے بخیر ہے اور صوفیوں میں ایک علم باطن چلا آتا ہے اور ہم نے تو یہ روایت فلان محدث کی کتاب میں دیکھی ہے اور اُس کے برابر علم اب کہاں ہے پھر اس روایت کو اپنی کتاب میں بھی مع اسناد کے نقل کیا حالانکہ عالم نے جھوٹے راوی کا حال بیان کیا پھر سو برس دوسرے گزرے اور اسی قوم کے خیال والے لوگوں نے اسناد نکال ڈالی خالی روایت لکھ دی جیسے تم اکثر تاریخوں و کتابوں میں حتیٰ کہ علم تفسیر میں بکثرت دیکھتے ہو کہ یہ لوگ فقط اس قدر لکھتے ہیں کہ ابن عباسؓ سے روایت ہے اور مجاہدؓ نے یہ کہا اور حسن بصریؓ نے کہا حالانکہ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اسکے راوی کیسے ہیں البتہ امام ابن کثیرؒ وغیرہ بعض علماء محدثین نے جو تفاسیر لکھی ہیں ان میں یہ التزام کیا کہ اسناد نقل کر دیں اُس کو تم پر کھ لو اور اگر یہ اسناد نقل کیا تو خود پر کھ لیا ہے لیکن امام ابن کثیرؒ کے مثل تفاسیر بہت کم ہیں اور ایسی کتا بین جنکے مصنف ہر خشک ترکو لینے والے ہیں وہ بہت ہیں اور انھیں کی وجہ سے بہت بڑا فتنہ عوام میں پھیل گیا خصوصاً جبکہ چھ سو برس سے انکے علماء ایسے لوگ ہوتے چلے آتے ہیں جو منطق اور فلسفہ میں عمر برباد کرتے ہیں اور علم دین یعنی فقہ و حدیث و تفسیر میں حساب نہیں لیکن عوام کے نزدیک بڑے عالم ہیں کیا نہیں دیکھتے ہو کہ کشاف ابن زنجریؒ نے ہر سورہ قرآن مجید کے واسطے آخر میں لکھا کہ حدیث میں ہے کہ جو کوئی یہ سورہ پڑھے اُسکے لیے یہ ثواب ہے مثلاً سورہ سج اسم ربک الاعلیٰ کے حق میں لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی سورہ اعلیٰ پڑھے اللہ تعالیٰ اُسکو ہر حرف کے عوض میں دس نیکیاں اُن حروف کے شمار سے عطا کرے گا جو اُس نے ابراہیم و موسیٰ و محمد علیہم السلام پر نازل کیے ہیں۔۔۔ زنجریؒ کا اعتقاد معتزلہ کا عقیدہ تھا وہ حدیث کے علم سے منکر تھا اسی لیے احادیث کو نہیں جانتا تھا حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے بارہ میں صحیح حدیثیں بکثرت بلکہ متواتر ہیں وہ ان سب سے منکر تھا کیونکہ وہ شفاعت ہی سے منکر تھا جیسے معتزلہ گمراہ منکر ہیں پھر زنجریؒ سے تعجب نہیں ہے بلکہ امام بیہناوی سے تعجب ہے کہ اُس کے اعتماد پر تفسیر مصباحی میں بھی اس حدیث کو نقل کر دیا اور امام خطیبؒ نے سراج میں فرمایا کہ یہ مونسوع بر یعنی ہرگز آنحضرت وسلم نے یہ نہیں فرمایا بلکہ بنائی ہوئی بات ہے اس طرح ایسی سب روایتوں کو لکھا کہ سیفاویؒ نے

مخلوق نہیں فرمایا (دوم) یہ کہ اُس زمانہ میں عرب کے بلاد میں جو لوگ نسل انسان سے آباد تھے وہ معمولی قد و قامت رکھتے تھے اگرچہ سابق زمانہ میں ہمارے زمانہ کی نسبت لوگوں کے اجسام قوی پہل ہونا صحیح ثابت ہو لیکن فایت فرق یہ کہ اگر اس زمانہ میں دو گز کا قد ہے تو انکا قد تین گز کے قریب ہو برخلاف اسکے قوم عاد ارم کو اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ قوی پہل پسند کیا تھا لیسکن واضح ہے کہ عوام الناس میں عروج بن عروج کی روایت مشہور ہو کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے ساتھ مصر سے نکل کر ملک شام کا قصد کیا اور اللہ تعالیٰ نے وعدہ دیا تھا کہ وہ زمین مقدس تمھارا مسکن بنا یا گیا ہو وہاں قوم غالبہ رہتے تھے ان میں ایک شخص عروج تھا جسکو اُسکی ان عروج حرام سے جینی تھی اور کہتے ہیں کہ حضرت آدم ؑ کی بیٹی تھی اور طوفان نوح ؑ میں عروج نہیں ڈوبا کیونکہ وہ (۳۳۳) گز کا تھا طوفان اُسکے ٹخنہ تک نہیں پہنچا ابن کثیر نے کہا کہ نوح ؑ کا بیٹا نہ بچا مگر یہ حوا مزادہ کیسے بچ گیا۔ یہ بنی اسرائیل کا جھوٹا الغرض اُنسے بنو اسرائیل نہایت خائف ہوئے حتیٰ کہ اسرائیلی بارہ نقیب جو حالات دریافت کرنے کو بطور جاسوس گئے تھے انکو عروج نے پکڑ کر اپنی آستین میں ڈال لیا اور مالک کے بادشاہ نے عروج سے لیکر رہا کر دیا کہ جا کر اپنی قوم کو خبر کریں۔ یہ حال سب نے کہا سوائے دو نقیبوں کے جو آخر نبوت سے سرفراز ہوئے ہیں اور انھیں دونوں نے اسوقت قوم سے کہا کہ بد دل مت ہو اور حملہ کر کے داخل ہو جاؤ تمھیں انشاء اللہ تعالیٰ غالب رہو گے قوم نے انکار کیا اور آخر جب موسیٰ نے صالحین مجاہدین کو لیکر حملہ کیا تو عروج مذکور آپ کے مقابل ہوا اور موسیٰ علیہ السلام کا قدم مبارک دُش دُراغ تھا اور عصاے موسیٰ دس دُراغ اور آپ دس دُراغ اُچکے تو اُسکے زانو پر عصا مار کر گرادیا۔ ع۔ درود ابن جریر باسنو ضعیف یہ روایت ایک ایسی جماعت نے اپنی کتابوں میں لکھی جنکی یہ عادت ہو کہ ہر قسم کی روایتیں جھوٹ سچ جو کچھ پائے ہیں اپنی کتاب میں نقل کر لیتے ہیں اور جس سند سے روایت پہنچی اُسکو نکال ڈالتے ہیں بشرطیکہ علماء سابقین میں سے کسی نے روایت کی ہو ورنہ موضوعات کا دروازہ اخیر زمانہ میں بہت کُتادہ ہو گیا۔ بات یہ ہے کہ اگلی امتوں میں اسناد کا دستور نہیں تھا یعنی مثلاً اگر ہم کو یہ دریافت کرنا منظور ہو کہ حضرت ابو بکر الصدیق خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر مہاجرین و انصار نے کیونکر بیعت کی اور آپ نے کیونکر اس قبیل جماعت مجاہدین کو جیجا کر انھوں نے بے شمار اعراب و قبائل عرب پر اللہ تعالیٰ کی نصرت سے فتح پا کر دیا انکو اسلام میں داخل لیا۔ ع۔ تو اس مضمون کو دریافت کرنے کے لیے اتباع مانند امام مالک و شافعی و سفیان و غیرہ نے فلان فلان تابعین صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ سے سنا اور تابعین نے کہا کہ ہم نے فلان فلان صحابہ رضی اللہ عنہم سے سنا کہ وہ اس طرح بیان فرماتے تھے اسیکو اسناد کہتے ہیں اور جب اس سند کے سب لوگ تفقہ ہوتے ہیں تو انکی بات پر اعتبار ہو لیسکن اتباع رحمہم اللہ تعالیٰ کے بعد ایسے لوگ ہونے لگے جو دنیا کے واسطے کچھ جھوٹ بولنے لگے پھر سنہ چار سو ہجری کے بعد زیادہ کثرت ہو گئی حتیٰ کہ سنہ پانچ سو ہجری کے بعد حیالات بہت غلط ملط ہوئے اور محدثوں نے مسلمانوں کی صورت میں بہت حدیثیں جھوٹ بنا کر لوگوں میں بیان کیں بلکہ بہت سے سادہ لوح صوفیوں نے بنا کیں۔ ولیکن اللہ تعالیٰ نے اس امت میں حفاظ محدثین پیدا کیے جنھوں نے فوراً ان لوگوں کی موضوعات پہچان کر نکال ڈالیں ولیکن بہت سے حدیث بڑھنے والے ایسے گزرے جنھوں نے اس بات کو ناموری حیا کیا کہ اس محدث نے بہت سفر کیا اور بہت مشلح سے حدیثیں جمع کیں اور اگلے محدثین سے زیادہ بہت سی نئی باتیں اسکی کتاب میں ہیں جو کسی سابق محدث کی کتاب میں نہیں ہیں۔ عوام الناس ان نئی باتوں کو خوب سنتے تھے اور جو لوگ عالم ہیں وہ خوب جانتے ہیں

انکو یہ نعمت خاص کر یا د دلائی تاکہ اسکو اللہ تعالیٰ کی بندگی میں صرف کریں۔ لہذا قال تعالیٰ واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح وزادکم فی الخلق بسطۃ فاذکروا اللہ ولا تغشوا فی الارض مفسدین۔ یعنی یاد کرو جبکہ تم کو قوم نوح کے بعد زمین پر قائم مقام کیا اور تمہاری خلقت میں وسعت دی تو اللہ تعالیٰ کی نعمت یاد کرو اور زمین میں فساد کرنے نہ پھرو۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فاما عاذا فاستکبروا فی الارض بغیر الحق وقالوا من اشد منا قوۃ الایہ۔ یعنی عاد کا یہ حال تھا کہ انہوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور کہنے لگے کہ ہم سے بڑھ کر قوت کسکی ہے۔ کیا انکو یہ معلوم نہوا کہ اللہ تعالیٰ جسے انکو پیدا کیا ہو وہ اُسے قوت میں بہت زبردست ہی۔ اسطرح بیان بیان فرمایا اللہ تعالیٰ لم یخلق مثلہا فی البلاد۔ یعنی ایسا قبیلہ جسکے مثل کوئی کسی بلاد عرب میں نہیں پیدا کیا گیا کیونکہ ان میں قوت و شدت تھی اور انکے اجسام لینے چوڑے تھے۔ مجاہد نے کہا کہ ارم ایک پرانی امت ہے یعنی عاد اول۔ قتادہ بن دعامہ و سدی نے کہا کہ ارم خاندان بادشاہت تھا قبیلہ عاد کے واسطے یعنی قبیلہ عاد کے بادشاہ اسی خاندان ارم سے ہوتے تھے یہ قول عمدہ جمید قوی ہے قولہ ذات العاد۔ مجاہد و قتادہ و کلینی نے کہا کہ یہ لوگ عمود والے تھے یعنی عمودوں پر اپنے خیمے کھڑے کر لیا کرتے تھے کہیں ایک جگہ عمارت بنا کر نہیں پڑے رہتے تھے اور عوفی نے ابن عباس رضی سے روایت کی کہ ذات العاد یعنی انکے قد و قامت اور ان تھے امام ابن جریر نے قول اول اختیار کیا یعنی عمود کے خیموں میں رہنے والے تھے اور ابن جریر نے دوسرے قول کو جو عوفی نے روایت کیا ہے رد کر دیا ابن کثیر نے کہا کہ یہ ٹھیک کام کیا یعنی قول اول ہی صحیح ہے اور دوسرا قول غلط ہے۔ اگر کوئی کہے کہ غلط کیونکہ کہا حالانکہ وہ حضرت ابن عباس رضی کا قول ہے جواب یہ کہ ابن عباس کیونکہ معلوم ہوا سوائے اسکے کہ عوفی نے روایت کیا اور عوفی کی روایت معتبر نہیں ہوتی ہے۔ قولہ تعالیٰ لم یخلق مثلہا فی البلاد۔ ابن زید نے کہا کہ ضمیمہ عاد کی طرف راجع ہے یعنی ایسے عاد کسی بلاد میں پیدا نہیں کیے گئے یعنی یہ خیمے بہت موٹے اور لینے مضبوط ہوتے تھے اور عاد نے ملک حقائق میں ایسے بلند مستحکم عمود بنائے تھے کہ انکی مثل کسی ملک میں نہیں پیدا کیے گئے قتادہ و ابن جریر نے کہا کہ ضمیمہ اس قبیلہ کی طرف راجع ہے یعنی اس قبیلہ کے مثل کسی ملک میں پیدا نہیں کیا گیا یعنی اُس زمانہ میں بلاد عرب میں سے کسی ملک میں ایسا قبیلہ نہیں پیدا کیا گیا ابن کثیر نے کہا کہ یہی قول صحیح ہے اور ابن زید و انکے ساتھیوں کا قول ضعیف ہے کیونکہ اگر عاد کی طرف ضمیمہ ہوتی تو اسطرح کہا جاتا کہ ایسے عاد کسی ملک میں نہیں بنائے گئے مترجم کہتا ہے کہ اسکا جواب تو یہ ہو سکتا ہے کہ مخلوق جو کچھ بناتے ہیں وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی پیدا فرماتا ہے اگرچہ ظاہر میں مخلوق کے ہاتھوں سے اُسکا وجود نظر آتا ہے اور یہی بالاجمل اہل الحق کا مذہب حق ہے و لیکن قول قتادہ صحیح ہونے کے واسطے دوسرے دلائل بھی ہیں چنانچہ شیخ ابن کثیر نے لکھا کہ ابن ابی حاتم نے عن ابیہ عن ابی صالح عن معاویہ بن صالح عن جابر عن المقدم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ ذکر ارم ذات العاد الہم یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارم ذات العاد کا ذکر فرمایا تو کہا کہ انہیں سے ایک آدمی جا کر ایک بڑا بھاری پتھر لینے پھاڑ کا ٹکڑا (ٹٹھا کر اپنے کندھے پر لانا اور جس جی (قوم) پر چاہتا تھا ڈال دینا تو وہ اسکے صدمہ سے ہلاک ہو جاتی تھی (رواہ ابن مردویہ ایضاً) مترجم کہتا ہے کہ اس روایت سے دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قوم عاد ارم کے اجسام خاصہ بے مثل قوی اور سخت اور لینے چوڑے پیدا کیے تھے کہ ان میں سے ایک آدمی کو یہ قوت تھی کہ اتنا بڑا لینا چوڑا پتھر ہار یون سے اُٹھا لانا جسکے نیچے ایک جی کے لوگ دب جاتے تھے جی بڑا جانور وہ مثلاً جمین سودو سو گھر ہوں جو ایک دادا کی اولاد ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس قبیلہ عاد ارم کے مثل کسی شہر و صوبہ میں کسیکو

یہ لوگ عاد بن ارم بن عوص بن سام بن نوح کی اولاد ہیں (ابن کثیر) مگر کتاب کی سیطیح نسخہ مطبوعہ مصر میں عاد بن ارم بن عوص الخ مذکور ہوئے عاد کا باپ ارم اور دادا عوص ہیں اور اسی طرح ابن کثیر نے سورہ اعراف میں نقل کیا ہے اور امام بغویؒ نے لکھا کہ مقاتلؒ نے فرمایا کہ یہ عاد میں سے ایک قبیلہ تھا اور انھیں میں بادشاہت تھی یعنی قبلہ عاد پر جو بادشاہ ہوتا وہ اسی خاندان عاد میں سے ہوتا تھا اور یہ لوگ مہرہ میں رہتے تھے اور عاد ان کا باپ تھا تو اسی کی طرف منسوب ہوئے اور یہ ارم بن عاد بن سیم بن سام بن نوح تھا مگر جمہور کہتا ہے کہ اس قول سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عاد کی اولاد میں ایک ارم تھا اور اس کی نسل جنہیں بادشاہت تھی عاد ارم کہلاتے تھے اور عاد کے دوسرے بیٹوں کی نسلیں دوسرے نام سے تھیں اور حاصل یہ کہ اس کہنہ کا باپ ارم تھا اور دادا عاد تھا تو عاد کے بیٹوں کی نسلیں مختلف ناموں سے مشہور تھیں اور سب قبیلہ ملا کہ عاد کہلاتا تھا اور یہ سب اپنے بادشاہ کے تابع تھے جو عاد ارم کہلاتے تھے اور چونکہ یہی کہنہ کا فرہو تو سب کا گناہ اسی کی طرف منسوب ہوا جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قتل شاہ روم کو لکھا تھا کہ اگر تونے کفر کیا تو پھر اسی میں کا بھی گناہ ہے اور اس روایت میں سام کے بیٹے کا نام سیم لکھا ہے پھر امام بغویؒ نے کہا کہ محمد بن اسحق نے کہا کہ اس قبیلہ کی نسبت اپنے دادا عاد کی طرف ہے اور وہ عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح ہے (معاذ اللہ) سیطیح تفسیر کبیر رازیؒ دہبنا دی میں عاد بن عوص بن ارم الخ مذکور ہے اور کہا ہے یہود علیہ السلام کی قوم ہے جو اپنے جدا علی کے نام سے معروف ہے جیسے بنی ہاشم اپنے جدا علی کے نام سے ہاشم کہلاتے ہیں۔۔۔ اور اسی پر وہی خطیب و ابوالسعود وغیرہ عامہ کتب تفسیر میں موجود ہے اس سے معلوم ہوا کہ ابن کثیر کی روایت میں اور بغوی و دیگر تفسیر میں فرق ہے ابوالسعودؒ نے کہا کہ عاد مذکور ارم کا پوتا تھا اور کہا کہ شیخ حافظ ابن کثیرؒ نے افادہ فرمایا کہ قرآن مجید میں سوائے سورہ احقاف کے جہاں عاد کا ذکر ہے وہ بھی عاد اول ہے۔۔۔ امام بغویؒ نے لکھا کہ کلبیؒ نے کہا کہ ارم اس قبیلہ کا وہ دادا ہے جہاں ہونچکر عاد اور ثمود اور اہل سواد اور اہل جزیرہ کے سب مل جاتے ہیں چنانچہ کہتے تھے کہ یہ عاد ارم ہے اور وہ ثمود ارم ہے پھر اللہ تعالیٰ نے عاد کو پہلے ہلاک کیا پھر ثمود کو ہلاک کیا اور اہل جزیرہ و اہل سواد باقی رہے اور عاد مذکور کے پاس عمود اور خیمہ اور مویشی تھے جب فصل بہا راتی تھی تو اپنے منازل میں چلے آتے تھے بیان انکے باغات و گھنسیان وغیرہ تھیں اور انکی بستیان وادی القریٰ میں تھیں (معاذ اللہ) مگر جمہور کہتا ہے کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کلبیؒ و بغویؒ نے اس مقام کی آیت میں عاد مذکور سے عاد دوم یعنی قوم ثمود اور اہل جنگی ہدایت کے لیے حضرت صالحؑ کو بھیجے گئے تھے اور جمہور اہل تفسیر کے نزدیک مختار یہ ہے کہ مراد بیان عاد اول ہے ابن کثیرؒ نے کہا کہ عاد مذکور وہ قوم ہیں جنکی طرف اللہ تعالیٰ نے یہود علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا اور قوم مذکور نے مخالفت و کفر کیا سوائے گنتی کے چند آدمیوں کے جو غریب و ضعیف تھے پس اللہ تعالیٰ نے یہود علیہ السلام کو مع انکے مومنین اصحاب کے اپنی رحمت سے نجات دی اور قوم کفار کو عذاب باد و سموم سے ہلاک کیا اور عاد مذکور کی زیادہ پہچان کے لیے بیان فرمایا۔ ارم ذات العما۔ پس ارم عطف بیان ہے یعنی عاد مذکور عاد ارم میں ذات العما صاحب عمود ہے لفظ مؤنث اس لیے کہ قبیلہ کی صفت ہے تو لفظ کی عایت سے مؤنث ہے اور اس قبیلہ کو ذات العما اس لیے فرمایا کہ یہ لوگ بالون کے خیمہ بنا کر انہیں رہتے تھے اور ان خیموں کو بہت دراز اور بہت موٹے ستونوں سے مستحکم کرتے اور ستون کو عمود کہتے ہیں اس لیے ذات العما کہلاتے یعنی یہ عمود ایسے دراز و مستحکم ہوتے تھے کہ انکے بعد کسی قوم میں اسکی نظیر نہیں پیدا کی گئی کیونکہ قوم عاد ارم اپنے زمانہ میں قد و قامت و شدت و قوت میں بے نظیر تھے اللہ تعالیٰ نے انکے قد بہت بلند پیدا کیے اور سخت زور و قوت دی اسبواسطے حضرت ہودؑ

گیا کہ وہ بُرائی اور بیہودگی سے منع کرتی ہو اور جس شخص میں عقل ہوتی ہو تو اسکو مضبوطی سے محفوظ کر لیتی ہو تاکہ اُس پر نفس کے اوہام
 تسلط نہ ہو اور وہ اپنے نفس کو قابو میں کر لیتا ہو اور جب اچھی قوت ہو جاتی ہو تو رُہنی کہتے ہیں کیونکہ نہیہ والا عارف ہوتا ہو اسے واسطے
 حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کو کھڑے ہوتے تو چاہتے کہ کبار مہاجرین و انصار اولی النبی آپ کے پاس کھڑے
 ہوں کما فی الصحیح و رواہ الطحاوی عن ابی بکرہ وغیرہ عن عبد اللہ بن بکر عن حمید عن انس رضی اللہ عنہ بذا لک (اسناد وجید)
 پس قولہ لذی جہر یعنی صاحب عقل کے لیے۔ حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر عاقل پہچانتا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے الفجر وغیرہ
 جن چیزوں کی قسم فرمائی ہو یہ لائق قسم ہیں اور یہ یسین عظیم ہیں ابن کثیرؒ نے کہا کہ یہ یسین ایسی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے اوقات
 میں یا خود عبادات میں جنہیں نماز و حج و زکرائی وغیرہ اقسام عبادات داخل ہیں جنکو ادا کرنے میں مشقِ بندے خشوع و خضوع کے
 ساتھ اُسکی جناب میں رضوان و تقرب جاتے ہیں (سوال) یہ معلوم ہوا کہ یسین بزرگ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عظمت والو بہت پر دلیل
 ہیں لیکن یہ نہیں معلوم ہوا کہ کس آیات پر قسم فرمائی ہو (جواب) مان آئندہ آیات سے یہ بات خود ظاہر ہو اس لیے ذکر نہیں فرمائی رازی
 و بیضاوی و خطیب وغیرہ نے لکھا کہ جواب قسم یہ ہو۔ تعذب بن یا کفار مکہ اور حاصل یہ کہ قسم پر فجر کی اور دس راتوں کی اور شفع و وتر
 کی اور رات کی جب چلی جاوے یا جہین رفتار واقع ہوا کہ اسے کفار مکہ کے (اور اسے کفار اسن است کے قیامت تک جہنم ہوں تم خوب
 جان لو کہ اگر کفر و عناد پر اصرار کرو گے تو ضرور عذاب کیے جاؤ گے اور جس پاک پروردگار نے فجر وغیرہ کائنات کو اپنی قدرت کاملہ سے ان
 عجائبات کے ساتھ پیدا فرمایا ہو وہ قاہر و غالب اور سب قدرت والا ہو۔ **الْمُرُ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ**۔ کیا تو نے دیکھا ہیں
 کیونکر معاملہ کیا تیرے رب نے عاد کے ساتھ ف عاد قبیلہ عرب میں مشہور معروف ہو اور عاد و ثمود قبیلہ تھے ایک عاد اول جنکی جانب ہوا
 علیہ السلام بھیجے گئے تھے اور قبیلہ اول کو عاد ارم کہتے ہیں ابن کثیرؒ نے لکھا کہ یہ لوگ تھمرد سرکش مغرور اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت
 کے دشمن تھے اور اُسکی بندگی سے خارج ہو کر اُسکے رسولوں سے انکار و عداوت کرتے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو جھٹلاتے تھے
 یعنی تو نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کیونکر انکو ہلاک کیا ابن کثیرؒ یہ خطاب ظاہر میں فقط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو کیونکہ آپ ہی خطا
 عظمیٰ کے لائق تھے ولیکن مراد اس سے عموماً ہر شخص جو جسکو کچھ عقل ہو اگر کہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ معاملہ دیکھا نہیں تھا
 (جواب) یہ دیکھنا بطریق علم ہوا کرتا ہو جیسے کہتے ہیں کہ میں دیکھتا ہوں کہ کفار عنقریب مقہور و مستاصل ہونگے ابن کثیرؒ نے لکھا کہ
 یعنی کیونکر اللہ تعالیٰ نے انکو ہلاک کر کے افسانہ بنا دیا (راع) رازیؒ نے لکھا کہ بیان دیکھنا بطور علم ہو یعنی کیا تجھے معلوم نہیں ہوا کہ
 کیونکر اللہ تعالیٰ نے عاد کو ہلاک کیا۔ یعنی تو قطعاً جانتا ہے۔ یہ اس وجہ سے تھا کہ عاد و ثمود و فرعون کے حالات متواتر منقول تھے
 چنانچہ عاد و ثمود تو عرب ہی میں تھے اور فرعون کے حالات بھی بنی اسرائیل میں عموماً اور عرب وغیرہ میں متواتر معروف تھے
 اور جیات متواتر نقل ہو وہ قطعاً یقینی ہوتی ہو گویا وہ آنکھوں دیکھی ہوئی ہو اسی وجہ سے الم تعلم نہیں فرمایا۔ بلکہ الم تر۔ فرمایا۔ یعنی یہ
 علم ایسا قطعی ہو گویا تو نے خود آنکھوں دیکھا ہو (کبیر) اگر کہا جاوے کہ اس عاد سے کیا مراد ہے (جواب) اللہ تعالیٰ نے توضیح کے
 واسطے ارشاد فرمایا **إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كُنْتُ مِنَ الْغَايِبِينَ**۔ ارم عاد والی جسکے مثل ملکوں میں
 پیدا نہیں کی گئی ف بیان چند باتیں سمجھنا چاہیے ایک یہ کہ عاد ارم سے کیا مطلب ہے دوم یہ کہ ذات العباد یعنی عاد
 والی اس سے کیا مراد ہو (سوم) اسکی صفت سے کیا مقصود ہو ابن کثیرؒ نے لکھا کہ ابن احنن رحمہ کا قول یہ ہو کہ عاد ارم ذات العباد

بن جبر و ابن ابی حاتم اور کثیر بن عبد اللہ بن عمرؓ نے کہا کہ میں نے محمد بن کعب القرظی سے سنا وہ کہتے تھے کہ قولہ تعالیٰ واللیل اذا لیسر الیم کہا کہ اسے چلنے والے چل اور رات کو کہیں نہ رہنا سولہ جمع یعنی مزدلفہ کے (رواہ ابن ابی حاتم) یہ سب تفسیر شیخ ابن کثیر کا خلاصہ ہے رازیؒ نے لکھا کہ اکثر مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک واللیل اذا لیسر سے خاص کوئی مراد نہیں ہے بلکہ عموماً ہر رات مراد ہے اس پر دو دلیل ہیں (اول) آنکہ یہ قسم دوسری آیات میں بھی وارد ہے جیسے قولہ تعالیٰ واللیل اذا اسفر اور قسم رات کی جب روشن ہو جاوے۔۔۔ یعنی گزر کر صبح ہو جاوے (سری اللیل) مجھے رات چلی گئی اور گزر گئی اور قولہ تعالیٰ دلیل اذا انعس یعنی دن دو لون آیتوں میں بھی ہر رات کی قسم ہے کوئی خاص رات مراد نہیں ہے (دوم) آنکہ رات اور دن کی آمد و رفت بار بار سے اور انکی زیادتی و کمی سے مخلوق پر نعمت عظیم ہے اسی سے اللہ تعالیٰ نے اسکو قسم سے مشرف فرمایا یہ تو اکثر مفسرین کا قول ہے اور مقابلہ ہم سے روایت ہے واللیل الف لام کے ساتھ معہود یعنی مزدلفہ کی رات مراد ہے اور اس صورت میں قولہ اذا لیسر۔ جب رات چلے والامراد اذا لیسر فیہ۔ یعنی جب رات میں چلنے کا کام کیا جاوے کیونکہ رات خود نہیں چلتی ہے بلکہ انسان چلتا ہے عرب میں یہ محاورے محاورہ معروف ہے جیسے ہمارے صائم۔ دن روزہ دار۔ لیل نام۔ رات سونے والی اس رات کو ساری اسلئے فرمایا کہ اس رات کے شروع میں چلنا واقع ہوتا ہے جب عرفات سے جگہ مزدلفہ میں آنے ہیں اور اس رات کے آخر میں بھی چلنا واقع ہوتا ہے چنانچہ روایت ہے کہ مزدلفہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ضعف اہل کو پہلے روانہ کر دیتے تھے یعنی مانند عورتوں و بچوں کے جنکے حق میں ہجوم انبہ کے ساتھ چلنے میں خطرہ ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک آدمی رات کے بعد ضعف کو روانہ کر دینا جائز ہے مگر حکم کتابی کہ حدیث مذکور صحیح ہے اور امام شافعیؒ سے جو قول نقل کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ اس رات ضعف کو مزدلفہ میں قیام کرنا اور صبح کی نماز کے بعد شعر اکرام کے پاس کھڑے ہو کر حمد و ثنا اور دعا کرنا چاہیے ولیکن کمزور عورتوں و بچوں کیواسلئے آدمی رات تک قیام کافی ہے اور راہ میں انکا قیام ہو گیا اور امام ابو حنیفہؒ سے مجھے اس مسئلہ میں روایت یاد نہیں آتی ولیکن نصف سے زائد اگر قیام کر کے روانہ ہو تو جواز میں تردد نہ ہو گا کیونکہ نصف سے زیادہ ہونے میں رات کا اکثر حصہ گیا تو گویا کل رات قیام ہو گیا۔ بالجملہ مقابل جانے والے واللیل اذا لیسر کے معنی یہ لیے کہ قسم اُس رات کی جس میں رفتار واقع ہوتی ہے پھر ضرور ہے کہ یہ رفتار بطریق نیک کام کے مثمر فضیلت و ثواب ہو حتیٰ کہ اگر کسی رات میں مسافر چلے تو دو حال سے خالی نہیں ہوتا دنیا کے لیے ہے یا کسی نیک کام کے لیے ہے اور ہر صورت یہ اتفاقی ہو گا اور کوئی مقرری بات نہیں ہے جس سے وہ رات بچانی جاوے اور اللہ تعالیٰ رات کو وقت سکون بیان فرمایا ہے تو رات کی اصل خاصیت یہ نہیں ہے کہ اُس میں رفتار کی حرکت ہو پس معین معلوم رات فقط مزدلفہ کی رات ہے کہ اول میں عرفات سے چل کر مزدلفہ آتے ہیں اور آخر میں ضعف یا ہان سے (رستا) کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ یہ سب اس بنیاد پر ہے کہ (سری) یعنی رفتار ہو اور اگر مجھے گزر جانے اور چلے جانے کے ہو تو یہ تاویل نہوگی بلکہ جمہور کا قول ہے کہ قسم ہر ایک رات کی جب وہ چلی جاوے اور صبح ظاہر ہو جیسے دوسری آیات میں آیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اهل فی ذلک قسم لذلک حجر۔ بھلا امین قسم ہے ذی عقل کے واسطے ف یعنی جو شخص کچھ عقل رکھتا ہے بھلا اسکی عقل میں والفجر لیل الیم میں قسم معتبر ہے۔ یعنی گو کہ بان بلکہ یہ قسمیں بہت عظیم ہیں جیسے قولہ تعالیٰ انہ قسم لو تعلمون عظیم۔ یعنی بیشک اگر تم جانتے ہو تو یہ قسم عظیم ہے۔۔۔ حجر کے معنی منع کے ہیں اور حجر وہ جگہ جسکو حجارہ (پتھر دن) سے گھیر دیا ہو تاکہ اُس میں کوئی تصرف نہ کرنے پاوے پھر عقل کو اسواسطے حجر کہا

مہمان تین قرأتیں ہیں کیونکہ قراءت بانو (سیری) پر وقت ہی یا نہیں ہو مگر آئندہ سے وصل ہی پس حضرت نافعؓ اور ابو عمر و سنے وقت کیا تو (سیر) بدون (ی) کے پڑھا اور اگر وصل کیا تو (سیری) پڑھا اور امام ابن کثیرؒ نے وقت اور وصل دونوں حالتوں میں (سیری) پڑھا اور باقی جمہور ائمہ قراءت رحمہم اللہ تعالیٰ نے دونوں حالتوں میں (سیری) بدون یا پڑھا اسلیے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جو مصحف مجید لکھا اگر ہم لوگوں کو دیے ان میں (ی) نہیں ہے تو خط کی اتباع کر کے پڑھنے میں بھی نہیں پڑھی گئی خطیب وغیرہؒ نے لکھا کہ اصل یہ ہو کہ (ی) کو ثابت رکھنا چاہیے کیونکہ مضارع مرفوع کا لام کلمہ پر اور جسے وقت اور وصل میں فرق کیا تو اسلیے کہ وقت استراحت کا موقع ہوتا ہو اور خفشؒ سے پوچھا گیا کہ (ی) کیوں ساقط ہوئی ہو تو کہا کہ اس میں باریک نکتہ ہو اور وہ یہ ہو کہ (دلیل اذالیر) کے معنی یہ کہ قسم رات کی جب چلی جاوے۔۔۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ رات خود چلنے والی نہیں ہوتی بلکہ رات میں لوگ چلتے ہیں تو گویا اصل میں (سیری) نہیں ہے تو اس سے پھر کر رات کی طرف نسبت کی گئی اور اس امر کو ظاہر کرنے کے واسطے اشارہ اسطرح کیا گیا کہ اعراب ساقط کیا اور اسکی نظیر قولہ تعالیٰ۔۔۔ ماکانت امک بغیا اور ام کی صفت باغیہ پر اس سے پھر کر (غیا) کر دیا (تفسیر) دلیل اذالیر۔ اور قسم رات کی جب چلی جاوے اس سے عموماً ہر رات مراد ہے اور پہلے (لیال عشر) سے خالص کر دس راتوں کی قسم تھی (کبیر و سراج وغیرہ) خلیلؒ نے فرمایا کہ (سیری) میں سے (ی) بغیر من آیات کی موافقت کے ساقط ہے زجاجؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک بدون (ی) کے پڑھنا زیادہ پسند ہے اسلیے کہ یہ ختم آیت پر واقع ہو اور خانہ سے (ی) حذف ہوا کرتی ہو فرمائے کہا کہ عرب (ی) کو حذف کر کے ماقبل کسرہ چھوڑ دیتے ہیں مترجم کہتا ہو کہ کسرہ دلیل ہو جاتا ہو کہ (ی) حذف ہوئی ہو اسلیے کہ بیان اگر اصل کلمہ (سیر) ہوتا یعنی آخر میں (ر) ہوتی تو اسکو پیش ہونا اسلیے کہ محل رفع ہے اور جب کسرہ دیا گیا تو ضرور اعراب کا حرف حذف ہوا جو (و) یا (ی) یعنی حرف علت ہوا کرتا ہو اور کسرہ سے (ی) متعین ہو گئی موثر جؒ نے بیان کیا کہ میں نے امام نحوی خفشؒ سے دریافت کیا کہ (سیری) سے (ی) کیوں حذف ہوئی ہو خفشؒ نے کہا کہ میں تجھے جواب نہ دوں گا جب تک تو ایک سال تک میرے دروازے پر قیام نہ کرے میں نے ایک سال تک اُنکے دروازے پر قیام کیا تب خفشؒ نے مجھ سے وہ نکتہ بیان کیا جو اوپر تفسیر کبیر وغیرہ سے نقل ہوا مترجم کہتا ہو کہ اس روایت سے اندازہ کرنا چاہیے کہ اُس زمانے کے صالحین کو کتاب الہی کے حاصل کرنے میں کس قدر شوق تھا اور اس میں کس قدر فضیلت و ثواب جانتے تھے۔۔۔ لیکن خفشؒ کے نکتہ پر اعتراض کیا گیا کہ اگر کسی لفظ کو اُسکے معنی سے پھیرا جاوے تو اعراب نہ دینے کی کچھ وجہ نہیں ہے ورنہ جن الفاظ سے مجازی معنی مراد لیے جاوے انکے اعراب میں تغیر لازم آوے (الفتح) مترجم کہتا ہو کہ یہ اعتراض مہمل ہے اسلیے کہ خفشؒ نے یہ نہیں کہا کہ مصروف کرنے میں یہ قاعدہ لازمی ہے اور فرق ظاہر ہے فافہم ابن کثیرؒ نے لکھا کہ نو کہ نعم و دلیل اذالیر۔ اور قسم ہے رات کی جب ساری ہو عوفی نے ابن عباسؓ سے روایت کی یعنی جب چلی جاوے محاسبہ و ابوالعالیہ و قتادہ و زید بن اسلم و ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا کہ (سار) اسکے معنی دو طرح ہو سکتے ہیں (ایک) یہ کہ (سار) چلی جاوے (دوم) یہ کہ (سار) اسی قبل جب سامنے آوے کہتے ہیں کہ یہی تفسیر بہت مناسب ہے کیونکہ قولہ تعالیٰ و الفجر۔۔۔ سے رات کے جانے کی قسم ظاہر ہے کیونکہ فجر سے رات جانی اور دن آتا ہو اور جب دلیل اذالیر۔ سے رات آنے کے معنی ہوں تو ان دونوں سے دن کے آنے اور رات کے آنے کی قسم ہو گئی اور عکرمہؒ نے دلیل سے خاص مزدلفہ کی رات بیان کی یعنی لیلة الجمع شب مزدلفہ ہے (رواہ

میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ فلان وجہ خاص مراد ہے۔ ہاں اگر ان میں سے کسی قول کے واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث ثابت ہو جاوے یا علماء سلف و خلف یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس قول پر اجماع کیا ہو تو البتہ یہ حکم لگا یا جائیگا کہ آیت سے یہی تاویل مراد ہے اور اگر حدیث یا اجماع مفسرین ثبوت نہ ہو تو ہر قول کیواسطے بطور اجتہاد کے یہ کہنا جائز ہے کہ یہ معنی ہیں ولیکن یقینی قطعی طور پر نہیں کہہ سکتے ہیں۔ یہاں کہنے والا یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ میں کلام پاک سے یہ سب صورتیں لے سکتا ہوں اس لیے کہ والشفع والوتر میں الف لام کے ساتھ عام استفراق ہے (تفسیر کبیر) مترجم کہتا ہے کہ الحمد للہ سبحانہ کہ میں نے رب عز وجل کی توفیق سے اسی بنیاد پر سب اقوال کو جمع کر دیا ہے اور یہی طریقہ میرے نزدیک کلام الہی سے ظاہر ہے واللہ اعلم۔ م۔ اس مقام پر دیگر تفاسیر بھی وارد ہوئی ہیں جنکا خلاصہ یہ کہ الشفع صفا و مروہ ہے اور الوتر خانہ کعبہ ہے سفیان بن عیینہ سے روایت ہے کہ الوتر اللہ تعالیٰ ہے اور الشفع بھی اللہ تعالیٰ ہے لقولہ تعالیٰ ما یكون من نحوی ثلثة الا هو الرحمن الایہ یعنی جہان تین آدمی خفیہ مشورہ کرنے والے ہیں تو ضرور اللہ تعالیٰ انکا چوتھا ہے۔۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے علم سے کچھ اخفا نہیں ہو سکتا ہے مترجم کہتا ہے کہ اس قول میں یہ معنی نہیں ہو سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان تین کے ساتھ میں چوتھا شمار کیا جاوے بلکہ علم الہی محیط ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ بعض نے کہا کہ الشفع مسجد کہ مسجد مدینہ بین الوتر مسجد بیت المقدس ہے۔ بعض نے کہا کہ الشفع حج قرآن ہے اور الوتر حج مفرد ہے مترجم کہتا ہے کہ اگر حج و عمرہ کا ایک ہی احرام باندھ کر اسی احرام سے دونوں کو ادا کیا تو یہ حج قمران کہلے گا اور اگر فقط حج کا احرام باندھا تو یہ مفرد حج ہے۔ م۔ بعض نے کہا کہ الشفع جاندار ہے جو نروادہ ہوتا ہے اور الوتر حادثات یعنی لوہا و سونا و چاندی وغیرہ ہیں فتح البیان میں نقل کیا کہ یہ سب اقوال بیان کیے گئے ہیں اور شک نہیں کہ انہیں سے اکثر اقوال فقط اپنی رائے سے بیان کیے گئے ہیں اور اعتماد کے قابل بیان فقط یہ طریقہ ہے کہ زبان عرب میں جو معنی الشفع والوتر کے ہیں وہ لیے جاوین خواہ حجت و طاق عدد کے معنی ہوں یا جو چیزیں حجت و طاق ہوتی ہیں اور جب کوئی دلیل قائم ہو کہ الشفع والوتر سے یہ معنی مراد ہیں تو دیکھا جاوے کہ اگر دلیل سے یہ ثابت ہو کہ فقط یہی معنی مراد ہیں یعنی کسی دلیل شرعی آیت یا حدیث سے انحصار معلوم ہو تو اسی پر اکتفا ہوگا اور اگر انحصار نہ ہو تو ان معنی کے ساتھ میں دیگر معانی بھی مل سکتے ہیں شیخ ابن کثیرؒ نے لکھا کہ امام ابن جریرؒ نے احادیث و اقوال و روایت کرنے کے بعد کسی قول پر جزم نہیں کیا کہ یہ مراد ہے۔ و فی الفتح عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ہر چیز جو شفع ہے وہ جوڑ ہے اور الوتر اکیلی ہے۔ ابوالیوب رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ دو دن اور ایک رات ہو دو دن یوم عرفہ و یوم النحر ہیں اور رات مزدلفہ کی رات ہے۔ رواہ الطبرانی و ابن مردویہ اور سبوطی نے فرمایا کہ اس روایت کی اسناد ضعیف ہے مترجم کہتا ہے کہ خلاصہ یہ ہے کہ قولہ تعالیٰ والفجر معتمد قول یہ کہ ہر روز کی فجر کی قسم ہے اس میں متبرک راتوں کی فجرین شامل ہیں۔ ولیل الی عشرہ معتمد قول یہ کہ عشرہ ذی الحجہ اول مراد ہے اور دیگر متبرکات مانند عشرہ اخیرہ رمضان وغیرہ شامل ہیں۔ والشفع والوتر معتمد قول یہ کہ ہر شفع و وتر مراد ہے اور محسوسات میں اسکی مثالیں خود ظاہر ہیں اور آخرت کے متعلق جن امور سے فضیلت حاصل ہوتی ہے انکی مثالیں سلف کی روایات میں مذکور ہیں بیان خبری اخیر یعنی قولہ تعالیٰ ولیل اذا یسر رازی و خطیبؒ وغیرہ نے لکھا کہ (یسر) دراصل (یسری) بصیغہ مضارع ہے اے سار و دہب یعنی اور قسم رات کی جب چلی جاوے۔ جیسے قولہ تعالیٰ وللیل اذا ادبر۔ اور رات کی قسم جبکہ ہٹھ پھیر جاوے

یہ ہوا کہ مخلوقات میں سب صفتیں جنت ہیں مثلاً علم و جہل اور قدرت و عاجزی اور یہ حیات و موت اور جناب باری تعالیٰ جل شانہ میں صفات قدس کمال ہیں تو وہ وتر ہیں مثلاً علم اور جہل ندارد اور قدرت اور عاجزی ندارد اور قول انہم کہ طاق و جنت عدم و آید اور جیسے اللہ تعالیٰ نے لکھنا اور گویائی دیکر خلق پر احسان لکھا اسی طرح اس حساب سے بھی احسان ظاہر فرمایا اور حساب سے عبادات کے اوقات معلوم ہوتے ہیں مترجم کہتا ہے کہ طاق و جنت کی صفت سے مجھے ظاہر ہوا کہ عبادات کے اوقات و ایام میں کیا دخل ہے مثلاً نماز فرضیہ ظہر چار رکعات ہیں اور مغرب تین رکعات ہیں اور یہ حقیقت و طاق واقع ہوئی ہیں ولیکن جنت و طاق کے حساب سے اسکا تعلق نہیں ہے مثلاً یہ نہیں کہا گیا کہ ظہر کی نماز جنت رکعتوں سے پڑھو اور مغرب کی نماز طاق پڑھو اور اگر اس سے یہ غرض ہے کہ حساب کے ذریعہ سے چاند نکلنے کا وقت معلوم کرو جیسے جنتری کے حساب سے معلوم کرتے ہیں تو ایک جماعت محققین نے کہا کہ اس حساب کا کچھ اعتبار نہیں ہے حتیٰ کہ اگر ابراہیم سے عید کا چاند معلوم نہوا اور ایک شخص کو حساب آتا ہے اسنے نکالا کہ آج انتیسویں کو طلوع ہونا چاہیے ہے تو اسپر اعتبار نہیں ہے بلکہ دوسرے دن روزہ رکھتا فرض ہے اور حدیث میں بھی آیا کہ ہم لوگ بے لکھے پڑھے اُمی اُمت ہیں۔۔۔ تو خالی عدد و طاق و جنت کی خصوصیت کرنا ضعیف ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔۔۔

قول دہم مقاتلؒ نے کہا کہ جنت تو دنیا کی رات و دن ہیں اور طاق وہ دن ہے جسکے بعد رات نہیں ہے اور وہ قیامت کا دن ہے **قول یازدہم** بعض نے کہا کہ شفع ہر پیر جسکے دو نام ہیں جیسے محمد و احمد علیسی و مسیح و یونس و ذوالنون اور الوتر جس پیغمبر کا ایک ہی نام ہے جیسے آدم و نوح و ابراہیم و لوط علی نبیہا و علیہم الصلوٰۃ والسلام مترجم کہتا ہے کہ ظاہر میں یہ قول بہت بعید معلوم ہوگا کہ آیت کو اس سے کیا تعلق ہے اور بنظر دقیق اس میں نکات ہیں اور جبکہ نام عموماً آسمان سے اُترتے ہیں تو انبیاء علیہم السلام کے نام بدرجہ اولیٰ از جانب حق تعالیٰ ہیں اور انشے ظہور آثار ہیں اور یہ باریک علم ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب **قول دوازدهم** جنت آدم و حوا ہیں اور الوتر مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں **قول سیزدہم** جنت وہ بارہ چشمہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے قوم کے لیے منفق فرمائے تھے اور طاق وہ نو مجزات ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کو دیے گئے تھے مترجم کہتا ہے کہ یہ سب اقوال بطور مثال کے شفع و وتر میں داخل ہیں اور یہ مراد نہیں ہو سکتی کہ آیت میں فقط ہی مثال مراد ہے ولیکن یہ مثال ایک خاص قدرت کی تنبیہ کے لیے بیان فرمائی گئی **قول چہار دہم** شفع و وتر قولہ تعالیٰ سبع لیل و ثمانیۃ ایام الآیہ۔۔۔ ہیں جو قوم عاد پر عذاب کے ایام ہیں پس جنت آٹھ روز ہیں اور طاق سات راتیں ہیں **قول پانزدہم** جنت بارہ بروج ہیں لقولہ جعل فی السماء بروجاً۔۔۔ اور طاق سات ستارے ہیں **قول شانزدہم** جنت وہ مہینہ جو پورے تیس دن کا ہو اور طاق وہ پورا مہینہ جو اسی دن کا ہو **قول ہفدہم** جنت اعضائے جسم انسانی ہیں اور طاق قلب ہے لہذا فرمایا جعل اللہ من قلبین فی جو ذہ الآیہ یعنی اللہ تعالیٰ نے کسی مرد کے اندر دو دل نہیں بنائے ہیں **قول ہمز دہم** جنت دونوں ہونٹ ہیں اور طاق فقط ایک زبان ہے قال اللہ تعالیٰ ولساناً وشفیتین یعنی آدمی کو ایک زبان اور دو ہونٹ دیے **قول نوزدہم** جنت دو بوجہ ہیں اور طاق ایک رکوع ہے یعنی پوری رکعت میں جو ہنزلہ نماز کے ہے **قول بستم** جنت کے آٹھ دروازے ہیں اور طاق جہنم کے سات دروازے ہیں واضح ہو کہ ظاہر کلام الہی و الشفع والوتر دلالت فرماتا ہے کہ جنت و طاق یہاں نماز بزرگ ہیں جنکی قسم اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے پھر یہ بیس و جہین جو ہم نے ذکر کیا ان میں سے ہر ایک محتمل ہے ولیکن ظاہر کلام

کتاب کی صحاح میں دو جگہ اس قسم کی روایت ہے از انجملہ ایک یہ کہ ایک شخص نے اسی قسم سے خطبہ پڑھا تو فرمایا کہ تو بڑا خطبہ پڑھنے والا ہے رازیؒ نے لکھا کہ اگر کوئی اعتراض کرے کہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ وتر ہے اور وہ وتر کو محبوب رکھتا ہے (جواب) یہ حدیث احاد میں سے ہے تو قطعی متواتر یا مشہور نہیں مترجم کتاب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان میں الوتر کے معنی اس کی شان کے لائق ہیں اور مخلوق میں الوتر کے معنی مخلوق کے لائق ہیں جیسے (البصیر دیکھنے والا) بیشک اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے اور بیشک ظاہر ہے پھر کیا یہ وہم ہے کہ مخلوق کی طرح اللہ تعالیٰ بصیر ہے بلکہ مخلوق میں بصیر کے معنی معروف ہیں اور اللہ تعالیٰ کی شان میں عاقل یا انداز غور کرنے سے تحیر ہوتا ہے کہ ہزار پردے کے اندر جو چیز ہے اندھیری رات ہے اور کوہ کا غار ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسی طرح ظاہر ہے جیسے آفتاب ہے بلکہ آفتاب بھی ایک حقیر ذرہ ہے اور ہر چیز کا ظاہر و باطن ہر ایک درہ خوب دیکھتا ہے اور دیکھنے کی کیفیت بھی یکساں ہے اسی طرح الوتر کے معنی مخلوق میں یہ ہیں کہ وہ چیز جسکو شمار میں طاق ہونا عارض ہو۔ تو یہ معنی اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں ہیں بلکہ اس کی شان قدس میں الوتر کے معنی لا الہ الا اللہ۔ ہیں یعنی اسکے سواے کوئی الوہیت والا نہیں ہے وہی نقطہ الوہیت میں متوحد ہے اور حدیث (اللہ تعالیٰ وتر ہے وہ وتر کو محبوب رکھتا ہے یہ حدیث صحیح ہے اگرچہ قطعی متواتر نہیں ہے قول ششم یہ کہ الشفع والو نسب مخلوقات کو شامل ہے اس لیے کہ جو مخلوق ہے وہ جنت یا طاق ہونے سے خارج نہیں ہے تو گویا اللہ تعالیٰ نے جمیع مخلوق کی قسم فرمائی اور معنی یہ کہ جمیع مخلوق کے رب کی قسم ہے اس کی نظیر قولہ تعالیٰ فلا أقسم بالتبصرون واما لا تبصرون۔ میں قسم کھاتا ہوں ایسی چیز کے ساتھ جسکو تم دیکھتے ہو اور جسکو نہیں دیکھتے ہو قول سہم جنت جنت کے درجات ہیں کیونکہ آٹھ درجہ ہیں اور طاق جہنم کے درجات ہیں اور وہ سات ہیں قول ششم الشفع مخلوق کے صفات ہیں مترجم کتاب ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ مخلوق میں کمال محال ہے تو ہر مخلوق میں دونوں ضد موجود ہونا ضروری ہے جیسے علم و جہل ہے یعنی مخلوق میں جو شخص عالم ہے وہ ضرور جہل بھی رکھتا ہے مثلاً وہ اپنی روح کی حقیقت سے جاہل ہے شیخ ابن الجوزیؒ نے ذکر کیا کہ مالک بن سلیمانؒ نے بیان کیا کہ ابراہیم بن طہمانؒ کو بیت المال سے عطیہ ملا کرتا تھا ایک روز خلیفہ کے دربار میں کسی نے اُسے مسئلہ پوچھا ابراہیمؒ نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا ہوں لوگوں نے کہا کہ آپ ہر مہینہ اس قدر عطیہ لیتے ہیں اور ایک مسئلہ کا جواب نہیں جانتے ہیں ابراہیمؒ نے جواب دیا کہ میں جو کچھ لیتا ہوں وہ تو اُسی قدر کا عوض ہے جو میں جانتا ہوں اور اگر میں اپنے نہ جاننے کے حساب سے لینا شروع کروں تو تمام بیت المال خرچ ہو جاوے اور جن کو میں نہیں جانتا ہوں وہ ابھی بہت باقی ہیں یعنی بیشمار مسائل جنکو میں نہیں جانتا ہوں ایسے باقی ہیں جنکے لیے بیت المال میں کچھ باقی نہیں ہے مترجم کتاب ہے کہ واللہ بہت سچ فرمایا۔ خلیفہؒ نے یہ جواب پسند کیا اور ابراہیمؒ کے واسطے انعام وافر بھیجا اور انکی ماہواری رزق میں بڑھا دیا ابراہیم بن طہمان ثقات محدثین میں سے ہیں اور خلیفہ پر اللہ تعالیٰ رحم فرمادے کہ اُسے اس قدر انعام و احسان سے یہ چاہا کہ علما اسی طرح سچے ہوں یا جملہ مخلوق میں جس قدر علم ہو وہ اللہ تعالیٰ نے ایک ذرہ غایت فرمایا ہے چنانچہ صحیح البخاری وغیرہ میں ہے کہ موسیٰ و خضر علیہما السلام جب کشتی میں تھے اور ایک چڑیا آئی انکے کشتی کے کنارے بیٹھ کر چونچ سے پانی پی کر اوپر جا بیٹھی خضرؑ نے موسیٰؑ سے فرمایا کہ میرے علم نے اور تیرے علم نے اللہ تعالیٰ کے علم میں سے اس قدر کم لکھا جس قدر سمندر سے اس چڑیا کی چونچ میں پانی آیا ہے اس بیان میں علما کے واسطے عبرت ہے کہ اپنے نفس کو جاہل سمجھتے رہیں اور عوام کو چاہیے کہ اپنے علما کی تعظیم کہ بن اور اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی عظمت پہچانیں خلاصہ اس قول کے

اور یہ طریقہ اس کثرت سے پھیلا کہ پانچویں صدی میں بکثرت اسکا چرچا ہوا بلکہ مشکلمین کے نام سے یہ لوگ مشہور ہوئے اور انھوں نے اسلام کے ہر عقیدہ کو عقلی و قیاسی دلیلوں سے ثابت کر کے گمراہ فرقوں کو جواب دینا شروع کیا لیکن رفتہ رفتہ پچھلے لوگوں میں یہ خطہ ہو گیا کہ انھیں دلیلوں کے ثبوت پر اپنا اعتقاد جانے لگے اور یہ پہلی غلطی تھی کیونکہ متقدمین اپنا اعتقاد تو فقط اللہ تعالیٰ واسکے رسول علیہ السلام کے آیات وحدانیت پر رکھتے تھے ولیکن گمراہ فرقوں کو انھیں کے قواعد سے قائل کرتے تھے اور یہ عمدہ طریقہ یہی مثلاً دیکھو اس زمانہ میں نیچر فرقہ نکلا اور اُسے ابتدا میں یہ قاعدہ اپنی عقل سے نکالا کہ آسمان کا وجود نہیں ہے اور فرشتہ و جن کا وجود نہیں کیونکہ ہم کو کچھ بھی ان میں سے کبھی نظر نہیں آتا ہے اور زمین آفتاب کے گرد چکر لگا یا کرتی ہے جب یہ باتیں اس فرقے نے دل میں یقین مان لیں تو غور کیا کہ قرآن میں یہ سب مذکور ہیں تو اس کے معنی بگاڑے اور کہا آسمان سے مراد اوپر کی جانب ہے اور فرشتہ سے مراد نیک خصلت ہے اور جن و شیطان سے مراد بد خصلت ہے اور آخر جب شیطان نے اُس کے قلب میں غرور پایا تو ایک بارگی اسکو منحرف کر دیا کہ یہ سب کچھ نہیں ہے اور دین فقط جاہلوں کے ہسکانے کا ڈھکوسلا ہے اور آدمی اسکا نام ہے کہ دنیا حاصل کرنے میں کوشش کرے اور تدبیر سے روپیہ پیدا کر کے خوب کھائے پئے پھر مر جاوے تو خاک ہے اور قوم کی بہبودی چھوڑ جاوے تو ذلتا من الجالتہ ان جاہلوں کا انجام ہے اگر اس فرقے کے سمجھانے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا جاوے جو ہمارے سابق علمائے اختیار کیا کہ ایک فتویٰ لکھا کہ ایک شخص آسمان کے وجود سے منکر ہو تو اسکا کیا حکم ہے (جواب) میں مفتیوں نے ثابت کرنے کے لیے قرآن کی آیات لکھیں اور حدیثین نقل کیں اور کہا کہ نیچر بروزن کچھ ایک ناپاک فرقہ ہے اگر وہ ان آیات سے منکر ہے تو کافر ہے مترجم کہتا ہے کہ میرے نزدیک اس سے فائدہ نہ ہوا کیونکہ اس فرقے نے پہلے ہی سے قرآن مجید کو کلام الہی نہیں مانا تھا بوجہ ان خیالات کے جو اس کے یقین میں جم گئے تھے بلکہ طریقہ یہ ہے کہ اس فرقے کے خیالات فن ریاضی سے بنائے ہوئے قواعد ہیں تو یہ چاہیے کہ انھیں قواعد سے اسکی غلطی ثابت کر دے کہ وہ چونکہ کفر غفلت سے بیدار ہو تو اُس کے بعد البتہ ادھر متوجہ ہو گا لہذا میں نے مقدمۃ التفسیر میں انھیں قواعد سے اس فرقہ غیوط کے خیالات کو رد کیا ہے اور اگر یہ فرقہ اپنی ضلالت سے نہ مایوس ہو بھی اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اسکی شرارت سے محفوظ رہیں اور ہدایت تو اللہ تعالیٰ پاکیزہ بندوں کو عنایت فرمائے جو تجسّس دینا سے اپنی آخرت کو زیادہ پسند کرتے ہیں جب یہ حال معلوم ہو چکا تو چاہیے کہ اہل ایمان میں مشکلمین فرقہ کچھ اچھا نہیں ہے حتیٰ کہ امام شافعی و امام ابو یوسف و امام احمد وغیرہ صلحا و مجتہدین نے ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے پھر جب پچھلے مشکلمین میں یہ خطہ ہوا کہ اپنا عقیدہ بھی انھیں دلیلوں سے مضبوط کریں تو یہ گمراہی کی حد میں داخل ہوئے اور انکی یہ مثل ہوئی کہ طبیب بنا تھا خود بیمار ہوا اور جیسے ایک شخص دوسرے کو سمجھاتا تھا کہ وعزیز اپنے نفس پر مغرور ہو کر دوسرے کو بُرا کہتا ہے یہی بات ہے اُس شخص نے اپنی مغروری میں اسکو بھی بُرا کہا تو حصّہ میں اگر جواب میں اس جاہل کو گالیان دینے لگے کیا خوب خود بھی اسی مرض میں گرفتار ہو گئے تو خداوند من ذلک اری لکھا کہ قول نجم الشفع نام مخلوق اور الوتر اللہ تعالیٰ ہے اس قول پر بعضے مشکلمین کہنا صحیح نہیں ہے کہ الوتر اللہ تعالیٰ ہے اسکی دو وجہ ہیں ایک یہ کہ ہم نے بیان کیا کہ الشفع والوتر کے معنی شفع اور وتر کا پروردگار ہے تو الوتر سے ضرور مخلوق مراد ہے (دوم) یہ کہ اللہ تعالیٰ کو اسطرح ملا کر ذکر نہیں کرتے ہیں کیونکہ حاصل معنی یہ ہوئے والشفع والوتر یعنی قسم ہے مخلوق اور پروردگار کی برابری کے طور پر ہے بلکہ واجب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام تعظیم سے علیحدہ کر کے ذکر کیا جاوے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو سنا جو کہتا تھا کہ (اللہ واسکار رسول) تو اس سے منع فرمایا اور کہا کہ یوں کہنا کہ اللہ تعالیٰ پھر اُس کا رسول مترجم

وخلقناکم از دجا۔ یعنی ہم نے تم کو جوڑے بنا دیا۔ ۱۔ تو الشفع ہر مخلوق ہو اور الوتر اللہ تعالیٰ ہے تنبیہ حب اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے اپنا وعدہ پورا کیا اور جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی تھی کہ اللہ تعالیٰ تم کو زمین کا خلیفہ بنا دے گا یعنی عدل کرنے والے نائب اُتے اُس کے دین حق پر چلنے والے ہو گے اس وعدہ کو اللہ تعالیٰ نے پورا کیا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن میں یہ وعدہ اُس زمانہ میں اُترا تھا جب آپ مکہ منظمہ میں تھے اور آپ کے اصحاب رضہ کو جو اسلام لائے تھے وہ ان کے کافر طرح طرح کی تکلیفیں دیتے تھے بعض اصحاب نے نالان ہو کر آپ سے عرض کیا کہ یا حضرت آپ بھی دعا فرمائیے کہ خدا ان کافروں کو ہلاک کرے کیونکہ یہ موزی ہیں۔ فرمایا تم بہت ثروت و قوت پر ہو پوچھو گے ولیکن تم جلدی کرتے ہو اللہ تعالیٰ تم کو زمین و وعدہ ملازم فرمایا بقول تعالیٰ اللہ الذین آمنوا منکم و عملوا الصالحات الایہ۔ یعنی جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کیے انکو اللہ تعالیٰ نے وعدہ دیا کہ ضرور انکو زمین میں خلیفہ بنا دیگا۔ آخر تک دراز آیت ہو اس آیت میں مومنین صالحین کو اللہ تعالیٰ نے خلافت کا وعدہ دیا ہے یعنی مومنین صالحین کو خلیفہ کر دیا اور خوب معلوم ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی و حسن بن علی خلیفہ ہوئے قطوعاً یہ لوگ مومنین صالحین تھے اور بالاتفاق خلافت آپ کے بعد تین برس ارشاد فرمائی ہو تو ضرور یہ لوگ خلافت حق پر تھے اور اس آیت کے بعد جسے خارجی بارافضی طریقہ اختیار کیا اُس کا دل ٹیڑھا اور وہ کبھی میں گمراہ ہے اعوذ باللہ من ذلک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ قیصر اور کسریٰ کے خزانے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو گے۔ ۲۔ بکثرت حدیثوں میں بشارت بیان فرمائی ہو ولیکن یہ بھی فرمایا کہ جب میری امت مکر کر چلیگی اور بادشاہوں کی اولاد انکی خدمت کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ اس وقت میں نیکوں پر بدوں کو غالب کرے گا۔ ۳۔ یہ معاملہ بھی اس طرح واقع ہوا ہے کہ مثلاً حجاج ظالم اور اُس کے ساتھی فوج غالب ہوئی اور صالحین مابین جنہیں علماء و صلحا بلکہ چھوٹے درجے کے صحابہ رضی اللہ عنہم تھے وہ سب مغلوب ہوئے اور مارے گئے اور حدیث میں خبر فرمائی کہ لوگ راہِ مستقیم سے ٹیڑھے ہو جاویں گے اور میری امت کے ٹیڑھے ہونے سے بچنے والے ہو جائیں گے اور تم لوگ بڑے گروہ کے ساتھ شامل رہنا اور جو کوئی اس سے علاوہ بھٹک کر جہنم میں گیا۔ واضح ہو کہ سوادِ اعظم یعنی سب سے بڑا گروہ طریقہ اسلام پر رہا اور خوارج و رافضی و معتزلہ و جمہیہ وغیرہ نے اپنی عقل کے موافق کچھ قاعدے بنا کئے اور جو باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے برابر روایت کیں اور امت کو بتلائیں ان میں اعتراض کرنے لگے مثلاً قبر میں عذاب کیسے ہو سکتا ہے اور ہم صریح انکھوں سے دیکھتے ہیں کہ وہاں کچھ عذاب ثواب نظر نہیں آتا تو ہم اندھے کیوں ہو جاوے اور ہم ہرگز اسکو نہیں مانتے ہیں اس وقت علماء صالحین و اولیائے کاملین نے نخل کر اُنکو سمجھا یا کہ ان گمراہ بد نصیب لوگوں کے کہنے میں نہ آؤ اور خوب سمجھ لو کہ تم اللہ تعالیٰ و اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہو اور ان گمراہوں کی عقل پر ایمان نہیں لائے ہو تو تم انکی باتیں نہ سنو اور اُسی راہ پر چلے رہو جو کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا طریقہ تھا پس امت کے لوگ اسی طریقہ پر رہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے حدیثیں لیتے رہے اور گمراہ فرقوں میں سے ہر ایک نے جا کر یونانیوں و رومیوں سے قاعدے سیکھے اور مسلمانوں کے مقابلے میں وہ قاعدے لانے لگے لیکن سوائے عقوڑے بد بختوں کے کوئی انکے ساتھ نہیں گیا اور ہر زمانہ میں ان لوگوں کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں زمین و لیکن تیسری صدی کے بعد اہل ایمان یعنی سوادِ اعظم میں ایسے لوگ بہت ہونے لگے جنھوں نے یہ قصد کیا کہ ان گمراہ فرقوں کو رد کرنے کے لیے ہم بھی یہ قاعدے سیکھ لیں چنانچہ یہی قاعدے سیکھ کر انھیں قاعدوں سے اُن لوگوں کو رد کیا

ارکان حج ادا ہو چکے ہیں تو لیالی عشر سے دس دن ذی الحجہ کے یعنی اول عشرہ مراد لینے میں اور الشفع والوتر سے تین دن مابعد کے یعنی گیارہویں دہارہویں اور تیرہویں یعنی ایام تشریق مراد لینے میں جمع اعال کے ساتھ قسم ہو جائیگی اور اگر الشفع والوتر سے عرفہ و نحر کا دن لیا جاوے تو لیالی عشرین داخل ہوا تو جو اعمال حج کے دسویں تک ہو چکے وہی قسم میں آئے مترجم کتابی کہ اعمال حج کا خلاصہ بیان یہ کہ اگر بن پڑے تو احرام باندھ کر اول تاریخ ذی الحجہ کو مکہ معظمہ میں پہنچ کر خانہ کعبہ کا طواف کرے اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے تو عمرہ پورا ہوا پھر اگر عمرہ کا احرام بٹھا تو بال کترا کر احرام سے خلاص ہو جاوے یعنی احرام سے باہر ہو گیا اور جو کام احرام سے پہلے کرنا تھا وہ کرے حتیٰ کہ اپنی زوجہ کے پاس جاوے پھر آٹھویں تاریخ حج کا احرام باندھے اور اگر پہلے سے عمرہ و حج دونوں کا احرام بٹھا تو عمرہ ادا کر کے احرام میں رہے اور خوشبو لگانا اور عورت کے پاس جانا وغیرہ سب باتوں سے جو احرام میں منع ہیں باز رہے پھر آٹھویں تاریخ سب حاجیوں کی جماعت کیساتھ مکہ سے روانہ ہو کر مقام (منا) میں آئے اور وہیں یاد اکی میں مشغول رہے صبح کو نوین تاریخ سب حاجیوں کے ساتھ مقام عرفات کو جاوے وہاں یا دین رہے یہ مقام اس روز بے انتہا متبرک ہو گیا یا رحمت الہی میں غرق ہو گیا اللہ مولائے ازل قنی ذلک وہاں امام الحج کے ساتھ وقوف کرے اور خطبہ سنے اور نماز ظہر و عصر اسکے ساتھ ملا کر پڑھے پھر غروب کے بعد روانہ ہونگے اور مقام مزدلفہ میں اترینگے وہاں مغرب عشا کی نمازین ملا کر پڑھے اور یا د حق میں رہے یہاں تک کہ ضروری خواب کے بعد اول طلوع فجر کے وقت امام کے ساتھ صبح کی نماز پڑھ کر مشعر الحرام میں وقوف کرے پھر امام کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو کر راہ میں سے نکلیاں لیتا آوے اور حجرۃ العقبہ پر پہنچ کر اللہ تعالیٰ کے نام کی تکبیر کے ساتھ کھڑے ہو جائے اس کی رومی الجار کہتے ہیں اور (منا) میں پہنچ کر وہاں قربانی اور بال کترا وغیرہ عمل میں لاوے پھر روانہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف فرض ادا کرے اور پھر وائیس جا کر (منا) میں رہے پھر گیارہویں تاریخ بعد زوال کے حجرہ اولیٰ سے رمی الجمار شروع کرے پھر حجرۃ الوسطیٰ پر رمی الجمار کرے پھر حجرۃ العقبہ پر رمی الجمار کرے اسی طرح دوسرے روز بارہویں تاریخ سب حجرات پر رمی الجمار کرے پھر تیرہویں کی رمی الحجرات کر کے روانہ ہوا ورنہ مکہ معظمہ پہنچ کر خانہ کعبہ کا رخصتی طواف ادا کر کے وطن کی جانب روانہ ہو۔ اس مختصر بیان سے معلوم ہوا کہ عشرہ اول اور مابعد تین روز میں سب اعمال پورے ہو جاتے ہیں تو حوالہ دلیل مذکورہ کا یہ ہوا کہ (لیالی عشر) سے جب دس روز اول کے مراد لیے تو الشفع والوتر سے یوم عرفہ و یوم النحر نہیں بلکہ مابعد کے تین روز مراد لینا بہتر ہے تاکہ قسم میں سب اعمال حج پورے داخل ہو جاوے قول سوم الوتر حضرت آدم علیہ السلام تھے کیونکہ پہلے تنہا پیدا کیے گئے تھے پھر حوا سے الشفع یعنی جفت کر دیے گئے بعض علماء سلف نے کہا کہ الشفع آدم و حوا ہیں اور الوتر اللہ تعالیٰ ہے قول چہارم الوتر وہ نمازین جنکی رکعتیں طاق ہیں جیسے مغرب کہ اُسکی تین رکعات ہیں اور الشفع وہ نمازین جنکی رکعتیں جفت ہیں یعنی باقی فریضہ نمازین یا جو نوافل ہوں سوائے رات کی وتر کے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ الشفع والوتر نمازین ہیں بعض جفت ہیں اور بعض طاق ہیں رازی نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے نمازوں کی قسم ذکر فرمائی کیونکہ نمازوں کی عظمت ظاہر ہے اس لیے کہ ایمان کے بعد نمازوں کا رتبہ ہے قول پنجم الشفع تمام مخلوق ہے لقولہ تعالیٰ دمن کل شیء خلقنا ذین الایہ یعنی ہم نے ہر چیز سے جوڑے پیدا کیے ہیں و بقولہ تعالیٰ

تو خود معلوم ہیں جیسے انس و جن اور آسمان و زمین وغیرہ اور اسی میں دیگر محسوسات مشاغل ہیں اور آخرت و روحانی آثار میں جنس کے
 آٹھ درجات جنت ہیں اور جہنم کے سات درجات طاق ہیں اور عشرہ ذی الحجہ و تین ایام تشریق ہیں پس ظاہر یہ کہ غیر محسوس کی مثالوں میں
 ہر ایک مفسر نے ایک دو مثالیں بیان فرمائیں حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جابر رضی اللہ عنہ نے دو قول روایت کیے ایک کہ
 الوتر یوم عرفہ ہی اور الشفع یوم النحر ہے رواہ الامام احمد و النسائی وابن جریر و ابن ابی حاتم و دوم یہ کہ الشفع دو دن (ایام تشریق) کے بقیام
 منا ہیں اور الوتر تیسرا دن ہی (رواہ ابن جریر) اور یہ توجیہ جو مترجم نے سمجھی انشاء اللہ تعالیٰ متوجہ و متعین ہو واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم
 رازیؒ نے کہا کہ کثرت اقوال میں سے جو میرے نزدیک اقرب ہیں انکو بیان کرتا ہوں مترجم کہتا ہے کہ رازیؒ نے چونکہ اقوال کو مضطرب
 خیال کیا اس وجہ سے اپنے قیاس سے جنکو اقرب سمجھا انکو بیان فرمایا اور شاید جو اقوال ترک فرمائے ہیں بنظر افاضہ وہ زیادہ
 مفید ہوں اگر انکو بیان فرماتے تو فائدہ سے خالی نہ تھا جبکہ ان میں روحانی احکام کی مثالیں ہوں اسی وجہ سے علم تفسیر کے اصول
 میں یہ بات مستقر ہے کہ اقوال بیان کر دینا چاہیے کیونکہ کتاب لکھنے والا جن اقوال کو نہیں سمجھتا ہو شاید اللہ تعالیٰ کا بندہ پیدا ہو جو انکو
 سمجھے فافہم امام رازیؒ نے کہا قول اول الشفع یوم النحر ہے اور الوتر یوم عرفہ ہے اللہ تعالیٰ نے انکے شرف کی وجہ سے انکی
 قسم ذکر فرمائی (یعنی) اللہ تعالیٰ نے ان دونوں دنوں کو شرف دیا اور انکی قسم کھانے سے انکا شرف زیادہ ہو گیا۔ م۔ عرفہ کا شرف
 یہ کہ قیام عرفات جو عرفہ کے روز ہی اسی برج کا مدار ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ الحج عرفہ یعنی حج عرفہ مترجم کہتا ہے سیلے حج میں حرام کے بعد
 جوار کان افعال ادا کیے جاتے ہیں وہ ایسے ہیں کہ انکا وقت وسیع ہو اور تاخیر سے ایک قربانی دیکر جرم عفو ہو جاتا ہے سوائے قیام
 عرفات کے کہ اُسکا وقت نوین تاریخ سے دسویں کی فجر تک ہو اگر اُس عرصہ میں وقوف نہوا (گزر نہوا) تو حج جاتا رہا کیونکہ
 آئندہ یہ رکن ادا نہیں ہو سکتا ہے۔ م۔ یوم النحر کے روز قربانی اور طواف فرض اور رمی الجمار وغیرہ امور حج واقع ہوئے ہیں اور حدیث
 میں ہے کہ حج اکبر کا دن بھی دسویں تاریخ یعنی یوم النحر ہے۔ چونکہ ان دونوں دنوں میں یہ فضائل ہیں تو اللہ تعالیٰ نے قسم سے ان کا
 شرف ظاہر فرمایا۔ مترجم کہتا ہے کہ یوم عرفہ کو سب سے بڑی فضیلت ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس روز نازل فرماتا ہے اور اُس کو بیشمار
 بندے آزاد فرماتا ہے کما فی الحدیث اور یہ بات اُسی مقام عرفات کے واسطے مخصوص ہے اسی لیے فقہائے فرمایا کہ عرفات میں اس وقت
 کے اندر جسے وقوف کر کے دعا مانگی تو فضیلت عظیم ہے اور جو کوئی احرام حج کے ساتھ وہاں سے گزرا اگرچہ سوتا ہوا ہو اُسے یہ رکن
 پایا یعنی اس عظیم رحمت میں شامل ہو گیا بشرطیکہ حج کے احرام میں ہو فافہم واللہ تعالیٰ اعلم مترجم کہتا ہے کہ یہ مثال دینی احکام میں
 ہی اور بیان مذکور سے اس مثال کا اہتمام ظاہر ہو گیا فافہم قول دوم ایام تشریق جن میں حج کے بقیہ اعمال ادا کیے جاتے ہیں
 یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد اور رمی الجمار تو یہ ایام شریف ہیں قال تعالیٰ اذکر اللہ فی ایام معدودات فمن تعجل فی یومین فلا اثم
 علیہ ومن تاخر فلا اثم علیہ لمن اتقی۔ یعنی یاد کر اللہ تعالیٰ کو گنتی کے دنوں (تین دن) پس جس نے دو دن میں جلدی کی
 تو اسپر گناہ نہیں ہے اور جس نے تاخیر کی (تیسرے دن تک تو اسپر گناہ نہیں جسے تقویٰ اختیار کیا۔ ہ۔ پس الشفع دو دن ہیں
 اور الوتر تیسرا دن ہی مترجم کہتا ہے کہ ان ایام میں ذکر الہی عزوجل کی فضیلت اس آیت کی بلاغت سے واضح ہے۔ م۔ جن علمائے
 یہ قول اختیار کیا انھوں نے کہا کہ اول قول سے یہ قول زیادہ اچھا ہے ایک تو سیلے کہ عرفہ و عید کا دن دونوں لیسال عشرین
 آگئے تو ضرور ہے کہ الشفع والوتر سے انکے علاوہ مراد ہوں۔ دوم یہ کہ ان تین دن میں بقیہ اعمال حج ادا ہوتے ہیں اور لیسالی عشرین

وضو سے باز فرما دیا۔ عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ اگر سعید عہد جناب سرور عالم میں ہوتے اور حضرت انکو ملاحظہ فرماتے تو بہت مسرور ہوتے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جب کوئی شخص مسئلہ دریافت کرنے جاتا تھا تو فرماتے تھے کہ پہلے سعید بن مسیب کے پاس جاؤ۔ زہری و کحول سے کسی نے سوال کیا کہ آپ نے اپنی زندگی میں جن جن علماء سے ملاقات کی ان میں سب سے زیادہ مرتبہ فقہ میں کسکا ہی جواب دیا کہ سعید بن المسیب سب سے زیادہ فقیہ ہیں حضرت خلیفہ ثانی کی خلافت کو دو سال کا زمانہ گزرا تھا کہ ولادت ہوئی اور مدینہ طیبہ میں ۹۰ ہجری میں وفات پائی (فقہہ پنجم) سلیمان بن یسار مولیٰ میمونہ زوجہ رسول اللہؐ میں کنیت ابو ایوب ہی بعض اے ابو عبد الرحمن اور ابو عبد اللہ بھی لکھی ہے۔ فقہاء سبعہ سے ہیں مدنی ہیں۔ عطاء بن یسار کے بھائی ہیں بہت بڑے عالم اور ثقہ تھے لقب حجت سے پکارے جاتے تھے حسن بن محمد کا قول تھا کہ میں اپنے نزدیک سلیمان بن یسار فقیہ کو سعید بن المسیب فقیہ سے زیادہ سمجھتا ہوں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو ہریرہؓ اور حضرت ام المومنین اسماءؓ سے خود روایت کرتے ہیں اور ابن شہاب زہری اور اکثر اکابر ان سے روایت کرتے ہیں۔ فقیہ سعید بن المسیب کے پاس جب کوئی فتویٰ پوچھنے آتا تھا تو فرماتے تھے کہ سلیمان بن یسار کے پاس جاؤ کہ آج موجودہ علماء میں وہ سب سے زیادہ علم ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ جب میں مدینہ طیبہ میں پہنچا تو میں نے وہاں کے ارباب بصیرت سے پوچھا کہ اس زمانہ میں علی الاطلاق کون ہے سب نے ہی جواب دیا کہ سلیمان بن یسار اس وقت اعلم زمانہ ہیں۔ تتر کشاں کی عمر شریف تھی جب آپ نے سنہ ۹۰ ہجری میں وفات پائی (فقہہ ششم) ابو بکر بن عبد الرحمن بن الحارث بن الشام القرشی المخزومی ہیں۔ مدینہ طیبہ کے فقہاء سبعہ میں سے ہیں۔ نام نامی اور کنیت ایک ہی ہے جو نام ہے وہی کنیت ہو سیدنا تابعین میں کثرت زہد سے رہا قریش کے نام سے موسوم تھے آپ کے والد حارث۔ ابو جہل ابن ہشام کے بھائی تھے خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ولادت ہوئی اور ۹۰ ہجری میں وفات پائی اس سنہ کو سنہ فقہاء کہتے ہیں اور وہ اسکی یہ ہو کہ اس سنہ میں اکثر فقہاء انتقال کیا (فقہہ ہفتم) خارجہ بن زید بن ثابت الانصاری ہیں۔ فقہاء سبعہ میں داخل ہیں مدنی ہیں کنیت ابو زید ہے تابعی جلیل الشان ہیں خلیفہ ثالث حضرت عثمان ذی النورینؓ کا عہد اپنے پایا تھا انکے والد زید بن ثابت انصاری اکابر صحابہ سے ہیں انھیں زید کی شان میں جناب رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حدیث ارشاد فرمائی ہو۔ اغرض کم زید یعنی تم لوگوں میں (یہ علم فرائض سب سے بہتر جانتے ہیں۔ ابن شہاب زہریؓ ایسے روایت کرتے ہیں۔ وفات آپ کی ۹۹ ہجری میں واقع ہوئی مولف کہتا ہے کہ یہ فقہاء سبعہ مدنی ہیں انھیں سے دنیا میں علم اور فتویٰ منتشر ہوا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد سند فتویٰ کے مالک یہی حضرات تھے اس وجہ سے فقہاء کے نام سے مشہور ہوئے انکے عہد میں یزیدؓ تابعین اگرچہ اور اہل علم و فضل بھی تھے جیسے سالم بن عبد اللہ بن عمرؓ مگر فتویٰ مخصوص تھا انھیں فقہاء کی مبارک ذوات سے کسی دوسرے کو حق فتویٰ دینے کا جہل نہیں تھا انکے بعد جو لوگ گذرے وہ سب انھیں کے فیوضات علمیہ سے مستفیض ہوئے اور کتب فقہ مدون ہوئیں جیہاں بصیرت کے لیے مخلوقات و موجودات عالم امکان کا اعداد و شفع اور تہریر سے خالی نہ ہوتا ان فقہاء سبعہ کی تعداد سے بھی ظاہر ہو کہ سات کا عدد جو تہریرے انکو بھی شامل ہو۔ بلکہ خداوند تبارک و تعالیٰ نے اپنے مخلوقات کو انھیں اعداد کے شمار سے خلق فرمایا ہے خواہ وہ ظاہر اور محسوس ہوں لیکن مشاہدہ اور معائنہ میں آتے ہوں بار دہانی ہوں اور عالم آخرت سے متعلق ہوں ہمارے حواس ظاہری انھیں ادراک نہ کر سکتے ہوں پس ان دیون قمقمن ظاہر تو

دالم کا اظہار نہیں کیا۔ مورخ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ ایک روز خلیفہ ولید کی خدمت میں قبیلہ عیس کا ایک نابینا شخص آیا خلیفہ نے
 پوچھا کہ تمہاری بصارت کیا ہوئی اور کیونکر زائل ہوئی؟ کہا اور خلیفہ میرا قصہ عجیب ہے ایک مرتبہ مجھے سفر کرنے کی ضرورت ہوئی کہیں
 اپنے بیوی بچوں کو لے کر روانہ ہوا جب وادی کے وسط میں پہنچا اور قیام کیا تو اتفاقاً ایک میل آیا اور میرے کل ہمراہیوں کو ہالکیا
 صرف ایک میں اور ایک میرا نو مولود بچہ اور ایک میرا اونٹ بچ گیا۔ اونٹ چونکہ نہایت سخت اور بد ذات تھا بھاگا میں نے
 بچہ کو زمین پر لٹا دیا اور اونٹ پکڑنے کو دوڑا ابھی کچھ دور نہ گیا تھا کہ بچہ کے رونے کی آواز میرے کان میں آئی میں بچہ کی جانب بھاڑا تو
 دیکھا کہ بچہ کو بھڑیا کھار ہا ہے اب میں اونٹ کی طرف دوڑا کہ پکڑ لوں جو میں اسکے پاس پہنچا اونٹ نے ایک ایسی لات میرے منہ
 پر ماری کہ میری دونوں آنکھیں پھوٹ گئیں اور خلیفہ میرے قبیلہ میں کوئی شخص مجھ سے زیادہ مطمئن اور مالدار نہ تھا مگر اس واقعہ کے
 بعد اب میرا یہ حال ہے کہ نہ مال ہے نہ اہل و عیال ہیں نہ بصارت چشم ہے۔ یہ سن کر ولید بہت متاثر ہوا اور حکم دیا کہ اس غریب
 کو فقیہ عروہ بن الزبیر کے پاس لجاؤ کہ اسکی مصیبت سن کر انکے دل کو کچھ تسکین ہو اور غم غلط ہو۔ رفاہ عام اور فائدہ بندگان خدا کیلئے
 عروہ میں آپ نے ایک کنواں جدید کندہ کرا دیا تھا کہ جس سے لوگوں کو بچہ فائدہ پہنچتا تھا کیونکہ پانی اس کنوین کا تمام کنوؤں سے
 زیادہ شیرین اور باحلاوت۔ اور خوشگوار تھا ولادت ہجرت نبوی کے بعد سلسلہ ہجری میں ہوئی اور مدینہ کے قریب قصبہ فرع میں سلسلہ ہجری میں
 وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے رحمہ اللہ تعالیٰ (فقہ سوم) قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیقؓ خلیفہ اول کی وجہ سے نسب مشہور و معروف
 ہے کیونکہ یہ بولتے ہیں اُنکے اور اہل تالبعین سے ہیں۔ فقہاء سبعہ میں محسوب ہیں مدینہ کے رہنے والے ہیں اپنے عہد میں سب سے افضل
 اور بہتر تھے کنیت ابو محمد ہی کثرت اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خود روایت کرتے ہیں اور بزرگان تابعین کی ایک کثیر جماعت
 آپ سے روایت کرتی ہے۔ یحییٰ بن سعید فرماتے تھے کہ میں نے کسی کو ایسا نہیں پایا اپنے زمانہ میں کہ جسکو میں قاسم بن محمدؓ فضیلت دون
 میرے نزدیک سب سے ہی افضل تھے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قاسم فقہاء امت محمدی سے ہیں۔ محمد بن اسحق ناقل ہیں
 کہ ایک مرتبہ ایک شخص اعلیٰ خدمت میں آیا اور سوال کیا کہ آپ زیادہ عالم ہیں یا سالم بن عبد اللہ بن عمرؓ آپ نے فرمایا کہ سالم مبارک
 ہیں ابن اسحق کہتے ہیں یہ اسوجہ سے فرمایا کہ اگر یہ کہتے کہ سالم مجھ سے زیادہ عالم ہیں تو جھوٹ ہو جانا اور اگر یہ کہتے کہ میں سالم سے
 زیادہ عالم ہوں تو یہ خود ستائی ہو جاتی حالانکہ قاسم بن محمد عالم زمانہ تھے امام زین العابدینؓ رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی تھے و خیر بادشاہ
 فارس یزدجرد کے لطن سے منزل قدید میں سلسلہ ہجری میں وفات پائی قریب وفات وصیت کی کہ مرنے کے بعد مجھے میرے قمیص اور
 زار اور چادر کا کفن دیا جائے کیونکہ میں اسی لباس میں نماز پڑھا کرتا ہوں صاحبزادے نے عرض کیا کہ کچھ لباس جدید بھی امانہ کر دیا جائے
 فرمایا کہ جناب خلیفہ اول کو تین ہی کپڑوں میں کفن دیا گیا تھا نئے کپڑے کی حاجت نہیں کیونکہ مردوں سے زیادہ زندوں کے لیے لباس
 جدید کی ضرورت ہے بعد وفات مطابق وصیت عمل کیا گیا وقت وفات آپ کی عمر ستر یا بہتر سال کی تھی (فقہ چہارم) سعید بن المستب
 بن خرن بن ابی وہب القشیری۔ مدینہ کے فقہاء سبعہ میں سے ہیں۔ سید التالبعین ہیں اپنے عہد میں حدیث و فقہ و زہد و عبادت
 رب کے جامع ہیں صحابہ کرام کی ایک جماعت کثیر سے روایت کرتے ہیں اور اکثر احادیث المومنین کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے
 دوران منکھات سے سماع روایت کرتے تھے سند جتنی روایتیں آپ کی وارد ہوئی ہیں ان میں سے اکثر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے
 مروی ہیں کیونکہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تھے اور یہ اُنکے داماد تھے ہمیشہ صفت اول میں نماز پڑھتے تھے پچاس سال تک عشا کے

سلسلہ ہجری میں ہوئی اور مدینہ کے قریب قصبہ فرع میں سلسلہ ہجری میں
 وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے رحمہ اللہ تعالیٰ (فقہ سوم) قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیقؓ خلیفہ اول کی وجہ سے نسب مشہور و معروف
 ہے کیونکہ یہ بولتے ہیں اُنکے اور اہل تالبعین سے ہیں۔ فقہاء سبعہ میں محسوب ہیں مدینہ کے رہنے والے ہیں اپنے عہد میں سب سے افضل
 اور بہتر تھے کنیت ابو محمد ہی کثرت اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خود روایت کرتے ہیں اور بزرگان تابعین کی ایک کثیر جماعت
 آپ سے روایت کرتی ہے۔ یحییٰ بن سعید فرماتے تھے کہ میں نے کسی کو ایسا نہیں پایا اپنے زمانہ میں کہ جسکو میں قاسم بن محمدؓ فضیلت دون
 میرے نزدیک سب سے ہی افضل تھے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قاسم فقہاء امت محمدی سے ہیں۔ محمد بن اسحق ناقل ہیں
 کہ ایک مرتبہ ایک شخص اعلیٰ خدمت میں آیا اور سوال کیا کہ آپ زیادہ عالم ہیں یا سالم بن عبد اللہ بن عمرؓ آپ نے فرمایا کہ سالم مبارک
 ہیں ابن اسحق کہتے ہیں یہ اسوجہ سے فرمایا کہ اگر یہ کہتے کہ سالم مجھ سے زیادہ عالم ہیں تو جھوٹ ہو جانا اور اگر یہ کہتے کہ میں سالم سے
 زیادہ عالم ہوں تو یہ خود ستائی ہو جاتی حالانکہ قاسم بن محمد عالم زمانہ تھے امام زین العابدینؓ رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی تھے و خیر بادشاہ
 فارس یزدجرد کے لطن سے منزل قدید میں سلسلہ ہجری میں وفات پائی قریب وفات وصیت کی کہ مرنے کے بعد مجھے میرے قمیص اور
 زار اور چادر کا کفن دیا جائے کیونکہ میں اسی لباس میں نماز پڑھا کرتا ہوں صاحبزادے نے عرض کیا کہ کچھ لباس جدید بھی امانہ کر دیا جائے
 فرمایا کہ جناب خلیفہ اول کو تین ہی کپڑوں میں کفن دیا گیا تھا نئے کپڑے کی حاجت نہیں کیونکہ مردوں سے زیادہ زندوں کے لیے لباس
 جدید کی ضرورت ہے بعد وفات مطابق وصیت عمل کیا گیا وقت وفات آپ کی عمر ستر یا بہتر سال کی تھی (فقہ چہارم) سعید بن المستب

ترتیب شعر سابق میں ذکر کی گئی ہو (فقہ اول) عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ المذلی ہیں۔ مدینہ میں سکونت رکھتے تھے۔ کنیت ابو عبد اللہ ہو۔ عبد اللہ ابن مسعود صحابی رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں اعلام تابعین سے ہیں بکثرت صحابہ رضی اللہ عنہم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے فیضیاب ہوئے۔ خود یہ جناب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما اور حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ اور ابو الزناد اور زہری اور ایک خلق کثیر ان سے روایت کرتے ہیں۔ امام زہری کا قول ہو کہ میں اپنی زندگی میں حازر خاں دریاؤں سے ملا۔ ان میں سے ایک بحر زار علم و کمال عبد اللہ مذکور بھی ہیں۔ یہ بھی امام زہری کا ارشاد ہو کہ میں نے علماء کی ایک کثیر تعداد سے استفادہ علوم حاصل کیا کہ میں ان علوم کو اپنے واسطے بقدر کفایت سمجھنے لگا اور مجھے یہ یقین ہو گیا کہ اب مجھے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر جب میں حضرت عبید اللہ فقہ کی خدمت میں مشرف ہوا اور ان کے علوم و کمالات سے فیضیاب ہوا تو مجھے معلوم ہوا کہ میں اب تک ایک جاہل شخص تھا۔ علم کچھ حاصل ہی نہیں کیا تھا۔ اور خلفائے بنی امیہ سے عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہما سے تھے کہ میرے نزدیک حضرت عبید اللہ فقہ کی خدمت میں حاضر رہنا کل دنیا اور مافینا سے بہتر ہے۔ اور اگر انکے شب انکی خدمت بابرکت میں حضور کی کا فیض مجاہدیت مل جائے تو میں اسے بیت المال کے ایک ہزار دینار دے کر خرید کر لوں۔ لوگوں نے عرض کی کہ اے خلیفہ آپ تو خود جامع علوم و کمالات ہیں۔ اور بہترین حافظہ رکھتے ہیں باوجود اسکے ایسا فرماتے ہیں خلیفہ نے فرمایا کہ تم لوگ یہ کیا کہتے ہو اور کیا خیال کرتے ہو قسم خداوند تبارک و تعالیٰ کی اگر انکی نصیحتیں اور ہدایتیں اور علوم مجھے دستیاب ہوتے اور میرے پاس اس بیت المال موجود سے ہزار ہزار مرتبہ زیادہ مال موجود ہوتا تو میں کل دیدنیات وہ جناب ایسے بزرگوار ہیں کہ ان سے باتیں کرنے میں اور ہم کلام ہونے میں عقل کو روشنی اور دل کی راحت اور رنج و غم کا زوال اور علم و ادب کی تعلیم و وفات سلسلہ ہجری میں واقع ہوئی مدینہ ہی میں انتقال کیا آپ کے بعض اشعار حاسہ میں موجود ہیں (فقہ دوم) عروہ بن الزبیر بن العوام بن حذافہ اسدی ہیں فقہ مدنی ہیں۔ کنیت ابو عبد اللہ ہو والد ماجد حضرت زبیر بن العوام مشہور ہیں داخل ہیں یعنی ان دس صحابہ میں سے ایک ہیں جنکے بارے میں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت کی بشارت دی ہو۔ حضرت عروہ کی والدہ ماجدہ اسماء دختر حضرت خلیفہ اول ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ ہیں جن کا لقب ذات النطاقین ہے اور جنت کی بوڑھی عورتوں میں داخل ہیں عروہ خلیفہ عبد اللہ بن زبیر کے حقیقی بھائی ہیں ایک ان باب سے جبروت قرآن مجید کے متعلق آپ سے بعض روایتیں وارد ہوئی ہیں اپنی خالہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں اور امام ابن شہاب ہری ان سے روایت کرتے ہیں۔ ابن قتیبہ کتاب المعارف میں نافل ہیں کہ آپ کے پیر میں مرض آگاہ تھا اور ملک شام میں خلیفہ ولید بن عبد الملک کے پاس بیٹھے ہوئے تھے خلیفہ آپ سے باتیں کرنے میں مشغول تھے اور بہت توجہ سے ہم کلام تھے اسی مجلس میں اور اثنائے گفتگو میں پچاسیر کاٹ دیا گیا مگر ان کو نہ کیا اپنے حرکت بھی نہیں کی اور خلیفہ ولید کو یہ بھی معلوم ہوا کہ کب آپ کا پیر قطع ہو گیا ہاں جب پیر قطع کرنے کے بعد دعا گایا اور اسکی جگر بومارغ میں پہنچی تو خلیفہ ولید کو پاؤں کے قطع ہو جانے کا علم ہوا۔ اور باوجود اس صدمہ عظیم کے گذر جانے کے اور شدت اذیت کے جن اور اذیت کو ہر شب میں پڑھا کرتے تھے اس شب میں بھی ان کو ترک نہیں کیا پاؤں کے قطع ہونے کے بعد آٹھ برس زندہ رہے ایک مرتبہ سفر پیش ہوا اور آپ کے صاحبزادے محمد بھی ہمراہ گئے اتفاقاً اثناء سفر میں صاحبزادے نے انتقال کیا جب آپ سفر سے مدینہ میں واپس آئے اور آپ سے دریافت کیا گیا صاحبزادے کے متعلق تو آپ نے کمال صبر سے اس آیت کی تلاوت کی لھذا لقینا من سفرنا هذا لضبا یعنی مجھے اپنے اس سفر میں سختی اٹھانی اور سوائے شکر کسی رنج

تو سب خود جانتے ہیں اور ہر صاحب عقل و فہم سمجھ سکتا ہے کہ بمثل اعداد کوئی عدد ایسا نہیں ہے جس کو یہ دونوں قسمیں شفع اور نزہت (جنت و طلاق) محیط نہوں اور دنیا کے تمام معدودات اور موجودات کا بغیر ان دونوں قسموں کے حساب و شمار ممکن ہی نہیں ہے جس طرح شب و روز میں اپنے کاروبار کے انجام دینے کے واسطے وقت کا انتظار ہمارے لیے فطری اور جبلی ہو۔ اسی طرح معاملات میں خواہ دنیوی ہوں یا دینی ہوں زوج و فرد کے عددوں کا ضروری ہونا ہمارے واسطے فطری اور خلقی ہے۔ مثلاً عورت جب حاملہ ہوتی ہے تو اسے اپنے وضع حمل کے لیے نو مہینے کا انتظار کرنا پڑتا ہے جو طاق عدد ہے اور ولادت کے بعد بچہ کے دودھ بڑھانے کے واسطے دو برس کے تمام ہونے کا انتظار ضروری ہوتا ہے جو جنت عدد ہے۔ اسی طرح کم عمر بچہ کے لیے زمانہ تعلیم تک پہنچنے کے واسطے چار سال کا مل انتظار کیا جاتا ہے اور نماز سکھانے اور اسکا عادی کرنے کے واسطے سات سال تک توقف کرتے ہیں اور جب اس سے بھی زیادہ سن ہو جاتا ہے اور علامات بلوغ سے کوئی علامت طفل میں ظاہر نہیں ہوتی ہے تو جب پندرہ برس کامل ہو جاتے ہیں اس وقت بلوغ شرعی کا حکم کیا جاتا ہے اور طفل بالغ تکلف قرار پاتا ہے اور ان سب صورتوں میں جنت اور طاق کا عدد شامل ہے۔ اسی طرح مہینہ کی تاریخوں میں انتظام ضروریات کے لیے دونوں قسموں کے اعداد ملحوظ ہوتے ہیں اور انکی مراعات ضروری ہوتی ہے جیسے آفتاب کا دور جب بارہ برچوں میں تمام ہو جاتا ہے تو ایک سال شمسی کامل ہوتا ہے اور جب چاند کے بارہ مہینے گزر جاتے ہیں تو ایک سال شرعی پورا ہوتا ہے اسی طرح انیس یا بیس تاریخیں جب گزرتی ہیں تو ایک مہینہ قمری تمام ہوتا ہے اور ان تاریخوں کے گزر جانے کا انتظار کرنا ضروری ہوتا ہے دن کے لیے بارہ گھنٹے اور شب کے لیے بارہ گھنٹے اور سہفت پورا ہونے کے لیے سات دنوں کا تمام ہونا لازمی ہے۔ نماز شروع کرنے کے بعد سلام پھیرنے تک ہر نماز پڑھنے والے کو دو یا تین یا چار رکعتوں کا لحاظ ضروری ہوتا ہے بلکہ کل شرعی اور عرفی امور میں زوج و فرد عدد کا شامل ہونا معمول ہے اور مروج ہے (روایت) ابو سعید خدری صحابی نے جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ روایت کی ہے کہ مراد شفع سے عید قربان کا دن ہے جو دسویں ذی الحجہ کی ہے اور مراد وتر سے روز عرفہ ہے اور یہ نوین تاریخ ماہ ذی الحجہ کی ہے (مولف) کہتا ہے کہ تحقیق اسکی بیان اعمال حج میں مفصل گزرجی وہاں دیکھنا چاہیے اور اگر زیادہ مفصل اطلاع مطلوب ہو تو علماء دین میں سے دریافت کرنا چاہیے یا فقہائے کرام کے فتاویٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے (ف) مذہب اہلسنت و جماعت میں علی الاطلاق جو حضرات فقیہ سمجھے جاتے ہیں اور جنکے فقیہ ہونے پر سلف صالحین میں سب کا اتفاق ہے وہ سات اشخاص ہیں جنکو فقہا سلبہ کہتے ہیں اور وہ اسی لقب سے مشہور و معروف ہیں کسی لائق و قابل شاعر نے بکے اسماء گرامی ان دونوں شعروں میں خوب جمع کر دیے ہیں۔ اکا کل من لا یقتدی بامثۃ + فقسمتہ ضیضی عن الحق خارجۃ + فخذ ہم حبیلہ (اللہ عرۃ قاسم + سعید سلیمان ابو بکر خارجۃ + یغۃ آگاہ ہو کہ جو شخص کسی امام کی ائمہ فقہا میں سے اقتدا نہیں کرتا تو قسمت اسکی خراب ہے اور حق سے علیحدہ ہے۔ ان لوگوں کو تو اختیار کرو عبید اللہ عرۃ قاسم سعید سلیمان ابو بکر خارجۃ (مولف) یہی سات شخص مرتبہ اطلاق میں فقیہ ہیں انکی شان اور مرتبہ کا پورے طور پر بیان کرنا تو ایک امر دشوار ہے اور بہت تفصیل کا مقتضی ہے البتہ اجمالی طریقہ سے کچھ بیان کیا جاتا ہے تاکہ لوگوں کی بصیرت میں کچھ اضافہ ہو اور انھیں مذہب اہلسنت و جماعت کے فقیہوں پر اطلاع حاصل ہو اور انکا بیان بھی اسی ترتیب سے کیا جائیگا کہ جو

عن ہمام عن قتادہ عن عمران بن عصام روایت کی کہ ایک شخص نے اہل لہجہ سے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے الشفع والوتر پوچھا گیا تو فرمایا کہ نیاز ہو بعض شفع ہے اور بعض وتر ہے اس اسناد کے راوی ثقات ہیں سوائے اسکے کہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمران بن عصام نے ایک بصری شیخ سے اُسے عمران بن حصین سے روایت کیا۔ لہذا رواہ ابن جریر والترمذی ایضاً۔ اور ترمذی نے کہا کہ حدیث قتادہ سے غریب ہو اور بعض نے عمران بن عصام عن عمران بن حصین روایت کیا یعنی درمیان میں کوئی بصری شیخ مہجول نہیں ہو ورنہ علم مترجم کہتا ہو کہ عمران بن عصام ضبعی کو شیخ ابن حجر نے فتح الباری میں اُس گروہ میں شمار کیا جنکو قبلہ عبد القیس نے اپنی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تھا اور حدیث کو بخاری نے کتاب الایمان وغیرہ میں ابو حمزہ عن ابن عباس روایت کیا ہے پس ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قتادہ نے عمران بن عصام سے روایت کی اور بیان کیا کہ یہ بصرہ میں ایک شیخ تھے اور اسی پر دلالت کرتی ہو روایت ابن ابی حاتم وغیرہ قال ابن ابی حاتم حدیثنا احمد بن سنان الواسطی حدیثنا یزید بن ہارون اخبارنا ہمام (بن ابی یحییٰ) عن قتادہ عن عمران بن عصام الضبعی شیخ من اہل البصرہ الخ یعنی قتادہ نے روایت کی عمران بن عصام سے جو اہل بصرہ میں سے ایک شیخ تھے انھوں نے عمران بن حصین عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابن کثیر نے کہا کہ اس طرح میں نے ابن ابی حاتم کی تفسیر میں لکھا دیکھا اس طرح اسکو ابن جریر نے بھی نصر بن علی عن ابیہ عن خالد بن قیس عن قتادہ عن عمران بن عصام عن عمران بن حصین عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کیا مترجم کہتا ہو کہ یہ دونوں اسانید ثقات ہیں اور احمد بن سنان الواسطی ثقہ حافظ ہیں انسے نسائی نے روایت کی اور نصر بن علی الجعفی ثقہ حافظ سے امام مسلم وغیرہ نے روایت کی امام ابن کثیر نے کہا کہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے فقط عمران بن عصام ضبعی نے یہ روایت کی یہ بصری ہیں انکی کنیت ابو عمارہ ہو اور اپنی قوم کے امام تھے اور یہ ابو حمزہ کے باپ ہیں انسے انکے بیٹے ابو حمزہ نصر بن عمران نے اور قتادہ و مسنی بن سعید اور ابو التلیح نے روایت کی اور امام ابن حبان محدث نے اپنی کتاب الثقات میں انکو ذکر کیا اور خلیفہ بن خیاط نے انکو بصرہ کے تابعین میں شمار کیا اور حجاج ثقفی پہلے انکی تعظیم کرتا تھا پھر جب انھوں نے ابن الاشعث کا ساتھ دیا تو لڑائی فتح ہونے کے بعد بوم الزاویہ کو حبلج نے انکو شہید کیا۔ میرے نزدیک یہ معلوم ہوتا ہو کہ یہ تفسیر حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا قول ہو اقول یون ہی ابن جریر و عبد الرزاق و عبد بن حمید نے روایت کیا کافی لفتح مترجم کہتا ہو کہ خلیفہ بن خیاط نے عمران بن عصام کو تابعین میں شمار کیا اور ابن حجر نے نقل کیا کہ وہ عبد القیس میں آئے تھے واللہ تعالیٰ اعلم تفسیر خطیب وغیرہ میں ہو کہ ضحاک نے کہا کہ الشفع دسوی الحجہ ہیں اور الوتر اہم مٹی ہیں امام رازی نے تفسیر میں لکھا کہ شفع اور وتر کو عرب (خسا) اور (زکا) کہتے ہیں اور عوام اسکو (زوج) و (فرد) یعنی جفت و طاق کہتے ہیں یونس نے کہا کہ اہل العالیہ شمار میں الوتر بالفتح کہتے ہیں اور دخل میں وتر بالکسر بولتے ہیں۔ اور بنی تمیم دونوں صورتوں میں بالکسر کہتے ہیں۔ ایسا رطاق کرنا جیسے حدیث میں ہو من اتهم فلیوتر یعنی جو شخص استنجا کرے (پچانہ کا) تو طاق ڈھیلوں سے پاک کرے پھر واضح ہو کہ آیت میں الوتر بالکسر قراءت حسن و عیش و ابن عباسؓ ہو اور بالفتح الوتر اہل مدینہ کی قراءت اور حجاز کی زبان ہو (حجاز مکہ و مدینہ کا صوبہ) واضح ہو کہ ان دونوں کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال مضطرب ہیں مترجم کہتا ہے کہ میرے نزدیک کچھ اضطراب نہیں ہو صرف ایک قول یہ ہو کہ جفت و طاق دو چیزیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیں اور انھیں کی شمار سے مخلوقات پیدا کیں اور وہ دو قسم ہیں ایک وہ جو ظاہر و محسوس ہیں اور دوم وہ جو روحانی آثار و آخرت سے متعلق ہیں پس ظاہری

کہ الشفع قول اللہ تعالیٰ فمن تعجل فی يومین فلاثم علیہ۔ اور الوتر قول اللہ تعالیٰ ومن تأخر فلاثم علیہ (رواہ ابن ابی حاتم) یعنی ایلم متا کے تین روز میں جو کوئی دو دن میں جلدی کرے تو اسپر گناہ نہیں ہو اور یہ شفع ہیں اور جو تاخیر کرے اسپر گناہ نہیں ہے یہ وتر ہے صحیحین میں حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ایک کم سو ہیں جو انکو احصا کرے وہ جنت میں داخل ہو گا اور اللہ تعالیٰ وتر پر وہ وتر کو محبوب رکھتا ہو صحیحین وغیرہ (۴۷) حسن بصری و زید بن اسلم نے کہا کہ خلق سب الشفع یعنی جنت ہیں اور وتر ہیں پس اس سے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کی قسم کھائی ہے اور یہ مجاہد سے بھی روایت ہو اور مشہور روایت مجاہد سے قول اولیٰ (۵) عوفی نے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ الوتر اللہ تعالیٰ کی شان ہو اور الشفع تم لوگ ہو (ابن کثیر) مترجم کہتا ہو کہ اس روایت کے یہ معنی نہیں ہو سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شمار میں آتا ہو تو وہ طاق ہو۔ یہ معنی باطل ہیں اس لیے کہ شمار میں آنا اور طاق و جفت ہونا سب عوارض ہیں اور جس معروض کو عارض ہوں وہ اپنے موصوف ہوتا ہو اور اللہ تعالیٰ پاک ہو کہ وہ شمار میں آوے اس واسطے ابو حنیفہؒ کی فقہ اکبر میں تصریح ہو کہ اللہ تعالیٰ واحد ہو لیکن عدد اور شمار کی راہ سے نہیں ہو بلکہ اس معنی میں کہ وہی ہو اسکے سواے کوئی نہیں ہو اور امام رازی کا اعتراض آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ آتا ہو (۶) کہا جاتا ہو کہ الشفع نماز فجر ہے اور الوتر نماز مغرب ہو۔ ابن ابی حاتم نے باسناد حیدر روایت کی کہ مجاہد نے کہا کہ الشفع جفت ہو اور الوتر اللہ عزوجل ہو اور دوسری روایت میں مجاہد نے کہا کہ اللہ تعالیٰ وتر ہے اور اسکی مخلوق جفت یعنی نر و مادہ ہیں۔ ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت کی کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ جفت ہو آسمان زمین ہر خشکی و تری ہو اور جن دامن ہے اور سورج و چاند ہے و علیٰ ہذا القیاس مجاہد نے بیان وہ تفسیر بیان کی جو قولہ تعالیٰ من کل شیء خلقنا ذریعہ میں بیان کی گئی ہو۔ (۷) قتادہ نے حسن بصری سے روایت کی کہ جفت و طاق یہ عدد ہیں یعنی جفت ہوتے ہیں اور بعضے طاق ہوتے ہیں (رواہ ابن ابی حاتم و ابن جریر) مترجم کہتا ہے کہ اگر آیت میں عدد مراد ہو تو اللہ تعالیٰ ان دونوں مخلوق کی قسم کھائی پس اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انکو پیدا کیا ہو اگرچہ عوام انکی حقیقت نہیں سمجھتے تھے اور انکے سمجھنے سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے معنی بھی سمجھ میں آگئے کہ اللہ تعالیٰ واحد یعنی طاق شمار میں نہیں ہو بلکہ اسکی وحدانیت کے یہ معنی ہیں کہ وہی اکیلا ہو اسکے سواے کوئی الوہیت والا نہیں ہو یعنی لا الہ الا اللہ یہی وحدانیت ہو فافہم۔ م۔ ابن جریر نے کہا کہ عبد اللہ بن الزبیرؓ سے جو قول روایت کیا گیا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی روایت کیا جاتا ہو پھر عبد اللہ بن ابی زیاد القعطانی عن زید بن احباب عن عباس بن عقبہ عن خیر بن نعیم عن ابی الزبیر عن جابر بن روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الشفع دو دن ہیں اور الوتر تیسرا دن ہو ابن کثیر نے کہا کہ اس روایت میں ایام مساکے تین روز کے بیان میں یہ خبر وارد ہوئی کہ شفع دو تہین حالانکہ جابر رضی اللہ عنہ سے وتر و شفع کی تفسیر یوم عرفہ و یوم اضحیٰ سے بروایت امام احمد و نسائی و ابن ابی حاتم و ابن جریر گزری ہو۔ ابوالعالیہ در بیج بن النس وغیرہ نے کہا کہ الشفع و الوتر نماز ہو بعض نماز شفع ہے جیسے چار رکعت والی اور دو رکعت والی۔ اور بعض نماز وتر ہے جیسے مغرب کہ وہ تین رکعت ہو اور وہ وتر النہار کہلاتی ہے اور وتر اللیل جو تہجد کے آخر میں ہو وہ بھی طاق ہو اور قتادہ نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ یہ نماز فریضہ ہیں بعض شفع ہیں اور بعض وتر ہیں ابن کثیر نے کہا کہ قتادہ نے عمران رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا اور یہ عمران رضی اللہ عنہ کا قول ہو اور اسین بظاہر نماز فریضہ کی خصوصیت ہو اور یہ معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیے گئے ہیں چنانچہ امام احمد عن ابی داؤد و الطیالسی

کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی عظمت اُسکے بندے انسانی اور ملکی نماز میں جمع ہو کر ظاہر کرتے ہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔ پھر یہ معلوم ہو چکا کہ عمدہ تفسیر یہ کہ فجر سے ہر روز کی فجر مراد ہو جو ظہور عظمت الہی کا وقت ہے بیان دویم ولیل عشر۔ اور قسم ہے دسوں راتوں کی انہی ذی الحجہ کی دسوں راتیں مراد ہیں یہ قول ابن عباس وابن الزبیر رضی اللہ عنہما اور مجاہد وغیرہ جماعت سلف و خلف رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ اور صحیح بخاری میں ابن عباسؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث روایت ہو کہ کوئی ایام ایسے نہیں ہیں کہ ان میں اعمال صالحہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان دس ایام سے بڑھ کر محبوب ہوں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ راہ الہی میں جہاد کرنا بھی نہیں بڑھ کر ہے فرمایا کہ جہاد کرنا بھی نہیں مگر جبکہ کوئی اپنی جان و مال سے راہ جہاد میں نکلا پھر اس میں سے کچھ پھیر کر نہیں لایا۔ یعنی شہید ہو گیا اور امام ابو جعفر ابن جریر نے کہا کہ بعض کے نزدیک دسوں راتوں سے ماہ محرم کا عشرہ اول مراد ہو اور ایک روایت میں ابن عباسؓ سے آیا کہ لیال عشر رمضان کا عشرہ اول ہو لیکن صحیح قول اول ہے۔ امام احمد نے مسند کیا کہ جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ العشرہ ذی الحجہ کی دس راتیں ہیں اور الوتر یوم عرفہ ہو اور الشفع یوم النحر ہے۔ ورواہ النسائی وابن جریر وابن ابی حاتم اس روایت کے راویوں میں کچھ مضائقہ نہیں ہو لیکن یہ حدیث فی الجملہ منکر ہے (یعنی کسی دوسرے نے اس کو روایت نہیں کیا ہو واللہ اعلم) ابن کثیر (۱) رازی وغیرہ کی تفاسیر میں ہے کہ قولہ لیال عشر بلفظ مکرر ہے اگرچہ الفجر وغیرہ باقی معرفہ ہیں اس لیے کہ لیال عشر سے مراد خاص دس راتیں ہیں جن میں ایسے برکات و فضائل ہیں جو دوسری راتوں میں نہیں ہیں اور مکرر سے فضیلت عظیمہ پر دلالت ہو اقول یعنی تنوین واسطے تعظیم کے ہے۔ اسلئے کہ لیالی عشرہ کیا ہیں تو اس میں وجوہ ہیں (۱) یہ کہ ذی الحجہ کی دس راتیں ہیں کیونکہ اداے حج کا تعلق انھیں میں ہے اور انکی فضیلت میں حدیث ابن عباسؓ (۲) مراد اول عشرہ محرم ہے اور اس قسم سے انکی فضیلت ظاہر ہوتی ہے اور انھیں میں یوم عاشورہ بھی جس کے روزہ کی فضیلت میں احادیث وارد ہیں اور ایک جماعت علماء کے نزدیک وہ ابتداء میں فرض روزہ تھا (۳) ماہ رمضان کا اخیر عشرہ ہو مترجم کہتا ہے یہی معالم و سراج وغیرہ میں بقول ابن عباسؓ مذکور ہے کہ اخیر عشرہ رمضان ہے اور تفسیر ابن کثیر کے نسخہ میں اول عشرہ رمضان مذکور ہے اور معالم میں یہ قول ضحاکؒ سے نقل کیا ہے اور ظاہر یہ کہ ابن کثیر کے نسخہ تفسیر میں کاتب نے غلط کیا ہو واللہ تعالیٰ اعلم رازیؒ نے کہا کہ عشرہ اخیر رمضان میں یہ فضیلت ظاہر ہے کہ اسیں لیلۃ القدر ہے اور حدیث میں حکم ہے کہ لیلۃ القدر کو اخیر عشرہ رمضان میں تلاش کرو اور حدیث میں ہے کہ جب رمضان کا اخیر عشرہ آتا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انارکس لیتے (یعنی ازدواج کے پاس جانے سے روک لیتے) اور اپنے اہل خانہ کو جگاتے (یعنی انکو تہجد کا حکم فرماتے تھے) مترجم کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ مبارک سب مسجد سے ملحق تھے تو آپ اعتکاف سے بھی انکو آواز دیکر جگاتے تھے اور جس شخص کا مکان مسجد سے دور ہو اور وہ مسجد میں معتکف ہو تو بلا ضرورت کے وہاں سے فقط جگاتے نہ آوے واللہ تعالیٰ اعلم بیان امر سوم وچہارم یعنی قولہ تعالیٰ والشفع والوتر۔ اور قسم جفت و طاق کی اس میں اقوال کثیرہ ہیں (۱) ابن کثیرؒ نے کہا کہ امام احمد و نسائی کی روایت حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں گزر چکا کہ الوتر یوم عرفہ ہے اور الشفع یوم النحر ہے۔ یوم عرفہ کو وتر اس لیے فرمایا کہ وہ نوین ذی الحجہ ہے اور یوم النحر کو شفع اس لیے فرمایا کہ وہ دسویں ذی الحجہ عید قربان کا دن ہے واللہ اعلم اور یہ قول ابن عباسؓ و عکرمہ و ضحاکؒ سے بھی منقول ہے (۲) عطاء و م سے اسکے برعکس روایت ہو کہ الشفع یوم عرفہ ہے اور الوتر مات فطی ہے (رواہ ابن ابی حاتم) (۳) ابوسعید بن عوف رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت میں بیان کیا کہ عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ اپنے ایام خلافت میں خطبہ پڑھتے تھے کہ ایک شخص نے شفع و وتر کو پوچھا تو فرمایا

لکھا کہ فجر ہی معروف ہے جسکو صبح کہتے ہیں یہ قول حضرت علی و ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عکرمہ و مجاہد و سدی سے روایت کیا گیا (ع) اسوقت کو اسلیے فجر کہتے ہیں کہ تاریکی سے فجر ہو کر روشنی ظاہر ہوتی ہے (ف) اور فجر کی قسم مکرراتی ہے جیسے قولہ تعالیٰ والصبح اذا اسفر۔ اور قسم صبح کی جب سپیدی پھیل جاوے۔۔۔ قولہ تعالیٰ والصبح اذا تنفس۔ اور قسم صبح کی جب سانس لے (سراج) ان چیزوں کی قسم کھانے میں اللہ تعالیٰ کے اسرار ہیں اور دنیاوی یا دینی دونوں فوائد ضروری ہیں۔ دینی فائدہ یہ کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلیل ہیں اور دنیاوی فائدہ یہ کہ ان اوقات میں اور ان چیزوں کی اہمیت سے شکر برآمد کی جاتی ہے (کبیر) مترجم کہتا ہے کہ ہر ایک تغیر جو آسمان و زمین میں پیدا ہوتا ہے اسوقت اللہ تعالیٰ کے لازوال اور قدس کمال کی یاد دہانی اور سب سے زیادہ واضح تغیر جو بوقت فجر ہے کہ اندھیری رات کا ایک پھٹ جاتی ہے اور اس سے روشنی نکلنے لگتی ہے اور اس طرح طہر کے وقت آفتاب ڈھلنے پر اور عصر کے وقت اور غروب کے وقت اور عشا کے وقت تغیرات ظاہر ہیں کہ حضرت خالق عزوجل کے احکام سے یہ سب عظیم اجسام طاعت میں جلتے ہیں اور اسکی وحدانیت و فراہم برداری ظاہر کرتے ہیں وقال تعالیٰ یتقوا ظلالہم عن الجن والشیطان سبح اللہ وہم و آخرون۔ یعنی انکے سایے دائین سے اور بائیں سے جھکتے ہیں اللہ تعالیٰ کے واسطے سجدہ کرتے ہوئے درحالیکہ وہ سب سب سے بڑے ہیں۔۔۔ اور جسکو اللہ تعالیٰ نے کچھ عقل دی ہے وہ خوب سمجھتا ہے کہ ہر چیز جس میں تغیر آوے وہ محتاج و ممکن ہے تو یہ سب عظیم اجسام اپنا مخلوق و حادث ہونا ظاہر کرتے ہیں اور کچھ بھی سرکشی نہیں کر سکتے ہیں بلکہ انکے سایے سجدہ کرتے ہیں سایہ کا ذکر اسلیے فرمایا کہ انسان کو اسی قدر ظاہر ہو ورنہ ان چیزوں کا تسبیح کرنا اور خود سجدہ کرنا بیان نبوت سے معلوم ہے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آفتاب وغیرہ کا سجدہ کرنا بیان فرمایا اور سب کی تسبیح کرنا کتاب مجید میں مخصوص ہے لیکن عوام کی نظر میں جس قدر آوے اسی قدر بیان کرنا مناسب ہے اور انہی نے کہا کہ ان چیزوں میں سے اول فجر ہوا اس وقت میں قیامت کا نمونہ ظاہر ہوتا ہے کہ پردہ تاریک ناکل ہو کر روشنی پھیل جاتی ہے اور انسان و دیگر حیوانات چونکہ پرند و پالو و وحشی اپنی اپنی قسمت و رزق کی تلاش میں منتشر ہو جاتے ہیں جیسے قبور سے شجر مڑوے جھٹک جاوینگے (کبیر) مسروق و محمد بن کعب تابعین سے روایت ہے کہ فجر سے دسویں ذی الحجہ کی فجر مراد ہے اور وہ لیالی عشر کا خاتمہ ہے (ع) اسلیے کہ وہ عید قربانی کا دن ہے اور یہ ملت ابراہیم کی خصوصیت سے ہے اور عرب اسکی سے حج نہیں چھوڑتے تھے اور یہ بہت بزرگ دن ہے اس روضہ کرنے والا جناب باری تعالیٰ میں قربانی لانا، گو یا حاجی کا ارادہ یہ تھا کہ اپنی جان کو اللہ تعالیٰ کے واسطے قربان کرے ولیکن جب یہ نہیں بن پڑا تو اسنے اپنی ذات کا ذبیہ دیا فقال تعالیٰ ذبیہا بئج عظیم۔ ہم نے تو بھیک عظیم ہے اسکا ذبیہ دیا۔۔۔ اور بعض نے کہا کہ ماہ ذی الحجہ شروع ہونے کی فجر مراد ہے کیونکہ اسکے ساتھ (لیالی عشر) کو ملا یا ہو اور اسلیے کہ ماہ مبارک کی اول رات ہے اور بعض نے کہا کہ ماہ محرم کی فجر مراد ہے کیونکہ وہ شروع سال کی اول رات ہے اور اسوقت سے امور کثیرہ جو سال میں ہوتے ہیں دور کرینگے جیسے حج و روزہ و زکوٰۃ وغیرہ اور حدیث میں بھی ہے کہ سب مہینوں میں بڑے عظیم عند اللہ ماہ محرم ہے اور اسکی تائید میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بعض نے کہا کہ فجر سے چشمہ مشہور مراد ہے یعنی پانی کا چشمہ جس سے خلق کی زندگی ہے (کبیر) مترجم کہتا ہے کہ یہ اقوال ضعیف ہیں۔۔۔ بعض علما نے کہا کہ فجر سے وہ نماز مراد ہے جو فجر کے وقت پڑھی جاتی ہے یعنی نماز فجر کی قسم کھائی۔ یہ عکرمہ سے روایت ہے۔ بعض نے کہا کہ فجر سے دن مراد ہے یعنی دن کی قسم کھائی جیسے آئندہ راتوں کی قسم ہے اور یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے (ابن کثیر) مترجم کہتا ہے کہ شاید عکرمہ نے فجر کی قسم میں وجہ تعظیم بیان کی

آیات ہیں اور تفسیر برصباوی والی ابوالسعودین فقط انتیس نکور ہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔ قول خطیب بظاہر راجح ہو اور لکھا کہ ایک سو انتالیس کلمات ہیں اور پانچ سو ستانوے حروف ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے شروع

وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ وَاللَّيْلِ إِذَا يَسْرِ هَلْ يَدْ

قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی اور بخت اور طاق کی اور اُس رات کی جب رات کو چلے ہے

ذَلِكَ قَسَمٌ لِّذِي حُجْرٍ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ إِرْمَ ذَاتِ

ان چیزوں کی قسم۔ پورے عقلمندوں کے واسطے تو نے نہ دیکھا کیسا کیا تیرے رب نے عادی سے وہ جو ارم تھے بڑے

الْعِمَادِ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ

ستونوں والے جو بنے نہیں ویسے سارے شہروں میں اور ثمود سے جنہوں نے تراشے پتھر

بِالْوَادِ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَارِ الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ فَأَكْثَرُوا

دادی میں اور فرعون سے وہ میخوں والا یہ سب جنہوں نے سر اٹھایا ملکوں میں پھر بہت ڈالی

فِيهَا الْفُسَادَ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ

اُن میں خرابی پھر پھینکا اُن پر تیرے رب نے کوڑا عذاب کا تیرا رب لگا ہے گھات میں

ان آیات کی تفسیر میں اقوال کثیر ہیں اور ایک جماعت اہل تفسیر نے قصص عجیبہ نقل کیے حتیٰ کہ ابوالسعود کی تفسیر میں باوجود اختصار کے موجود ہیں ولیکن امام ابن کثیر وغیرہ محققین نے انکی تنقیح کی اور عوام کے خیالات کو ایسی لغویات سے بچایا بلکہ اسلام کی خوبی کو ایسے مقرر یوں سے محفوظ کیا اللہ تعالیٰ انکو جزائے خیر عطا فرماوے اور میں انشاء اللہ تعالیٰ سب ذکر کرونگا ومن اللہ تعالیٰ توفیق الخیر والسداد۔ واضح ہو کہ معتد تفسیر امام ابن کثیر حافظ محدث رحمہ اللہ تعالیٰ ہی لہذا اسکو مقدم رکھنا معمول رہا اور یہاں اسی طریقے پر عمل ہوگا اور دیگر تفاسیر کے زوائد بڑھائے جا دیں گے بِسْمِ اللہ شروع ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے ف جو ظاہر و باطن بادشاہ معبود ہوا اسکے سواے کوئی ادلوہیت والا نہیں ہوا اسی کے قبضہ میں سب چیز مقصور اور اسکی مخلوق ہوا اسکی حکمت بالغہ کامل ہوا الرَّحْمٰن بہت مہربان ہوا ف تمام مخلوق پر اسکا کرم وجود و احسان ہے۔ اَلرَّحْمٰن نہایت رحمت والا ف جس نے اپنے بندوں کو راہ سلامت سے دارالسلام جنت میں سرفراز فرمایا۔

اِسْرَاجِہَا وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ وَاللَّيْلِ إِذَا يَسْرِ۔ قسم ہے فجر کی اور راتوں دس کی اور بخت و طاق کی اور رات کی جب وہ چلی جاوے ف اس میں پانچ چیزوں کی قسم ہے ایک فجر کی دوم لیلیٰ عشرہ یعنی دس راتوں کی اور سوم شفع یعنی بخت کی جو طاق منو جیسے دو۔ چار۔ چھ۔ آٹھ۔ وغیرہ کہ یہ بخت ہیں چہارم وتر یعنی طاق کی جیسے ایک و تین و پانچ و سات وغیرہ۔ پنجم رات کی جب کہ وہ (یسری) یعنی جانے والی ہو (بیان اول) قولہ والفجر اسکے معنی معروٹ ہیں لیکن فجر پر الف لام کیا جنس ہو یا کوئی خاص فجر مراد ہوا نہیں دونوں قول ہیں شیخ ابن کثیر نے

شیخ عارف محقق ابن العربیؒ نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ افلا ینظرون الی الابل الایہ - ارشاد ہو کہ نظر عبرت سے ظاہری آثار کو دیکھیں اور انہی تجلیات افعال کی جانب عبور کریں اور افعال سے تجلی صفات کی جانب ترقی کریں (قولہ تعالیٰ) فذکرنا انت مذکر الخ اسکا نفع یہ ہے کہ جو کوئی ان میں ایسا ہو کہ جس میں استفادہ اور قابلیت رکھی گئی ہو وہ راہ حق اختیار کرے گا و لیکن اعراض کرنے والا ان محسوسات میں محجوب ہو تو اللہ تعالیٰ اسکو عذاب اکبر بن عذاب کبریا اور ناکبری کی تفسیر اور بے گزر چکی جو جمیع مراتب الوجود میں آگ ہو (قولہ لست علیہم بصیطر) یعنی تیری نشان سے یہی نصیحت ہو نہ قہر و غلبہ جسے فرمایا - انک لاتندی من احببت الخ اور یہ قہر و غلبہ ہم کو حاصل ہو ہی اُسے حساب لینگے (ترجمہ)

سورة الفجر مکیة و هی ثلثون آیت

اس سورۃ کا نام سورۃ الفجر ہے اور علی بن ابی طلحہ سے روایت ہے کہ یہ سورہ مدنیہ ہے و لیکن جمہور علماء کے نزدیک یہ سورہ مکیہ ہے اور یہی مستند ہے اور یہی ابن عباس و ابن الزبیر و ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہم سے صریح روایت ہے۔ نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ نے بطریق بخاری بن و ثار و ابوصالح روایت کی کہ جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی دینے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیر کر کے عشاء پڑھی اور معاذ رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے پڑھ کے گئے اور اپنی قوم کو نماز عشاء پڑھانی شروع کی اور قوم میں سے ایک شخص اگر نماز میں شامل ہوا اور معاذ رضی اللہ عنہ نے قرات میں زیادتی کی پس اُس شخص نے مسجد کے گوشہ میں اپنی نماز پڑھ لی اور چلا گیا یہ خبر معاذ رضی اللہ عنہ کو دی گئی تو کہا کہ وہ منافق ہے یہ بات اُس شخص سے بیان کی گئی اُس نے کہا کہ منافق تو نہیں ہوں و لیکن میں کل صبح اسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کر دینا پس اُس شخص نے صبح جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم لوگ اپنے جانوروں سے سینچنے والے اور انکو زانہ چارہ دینے والے ہیں چنانچہ میں دن بھر کام سے تھکا ہوا آیا تھا اور معاذ رضی اللہ عنہ یہاں آپ کے پیچھے نماز پڑھ کر گیا اور اذان دی میں نماز میں شامل ہوا اور معاذ رضی اللہ عنہ نے سورۃ البقرہ سے قرات طول دی میں نے علیحدہ گوشہ مسجد میں نماز پڑھ لی پھر سینچنے والے جانور کو چارہ دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے معاذ کیا تو فتنہ میں ڈالنے والا ہو تیرا خیال کہاں تھا تو نے سچ اسم ربک الاعلیٰ والشمس وضحاہ والاعجاز واللیل اذ الخشی کے مانند کیوں نہیں پڑھی مگر ہم نے یہ روایات کا خلاصہ ذکر کیا ہے اور بعض روایات میں ہے کہ اے معاذ یا تو میرے ساتھ پڑھا کر یا اپنی قوم سے تخفیف کیا کر۔ طحاویؒ نے اکثر روایات کو مسند کیا ہے و بالجملة ایک روایت میں سورۃ والفجر کا نام بھی مذکور ہے۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی امامت کرے تو اسکو چاہیے کہ ہلکی قرات پڑھے اور نماز میں تخفیف کرے کیونکہ اُسکے پیچھے بڑھا اور ضعیف اور ضرورت والا ہے اور جب تمہارا اپنے واسطے پڑھے تو جب قدر چاہے طول دے فقہاء نے کہا کہ امام کو مقتدیوں میں سے سب کمزور کی رعایت واجب ہو یعنی اگر مثلاً سب مقتدی قوی اور فارغ البال ہوں اور ایک ایسا شخص ہو جسکو کام کاج کی ضرورت ہو تو اسی کی رعایت سے ہلکی نماز پڑھے اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پورے ارکان کے ساتھ سب سے زیادہ ہلکی نماز پڑھتے تھے۔ بعض نے لکھا کہ اس سورہ میں تیس آیات ہیں اور ایک قول میں اسی تیس ہیں اور خطیبؒ نے لکھا کہ اسی تیس آیات ہیں اور کہا گیا کہ تیس ہیں مع عالم و تفسیر کبیر میں فقط تیس

وغیرہ بھی دینا ہو لیکن اس کے دل میں شک ہو یا وہ چھپا ہوا منافق ہو اور دوسرا شخص ظاہر میں بعض امور کے ادا کرنے میں قصور کرتا ہو لیکن اس کے
 دل میں یقین ایمان ٹھیک ہو اور وہ اپنے گناہوں پر دل ہی دل میں نادم ہو تو یہ مومن ہو پس ظاہری اقرار والوں کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے
 اور قیامت میں ہر ایک کو اللہ تعالیٰ حق فیصلہ کے ساتھ جزا و سزا دیگا پس دنیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی واجب تھا کہ نصیحت
 فرماوین اور آپ ان پر مسلط تھے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **الْأَمِنُ تَوَلَّى وَكَفَرَ فَيُعَذِّبُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ**
 لیکن جسے پیٹھ دکھائی اور انکار کیا تو اللہ تعالیٰ اسکو بڑا عذاب کرے گا جب آیت سابقہ میں یہ بیان فرمایا کہ رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم فقط نصیحت فرمانے والے ہیں یعنی کفار پر مسلط نہیں ہیں وہ چاہیں یا نہیں یا نہ مانتے آپ انکو کلام الہی سنا دیں
 اس سے کسی کا غرور یہ شبہ ہوتا کہ مان لینا کچھ ضروری نہیں ہو تو اسکو دفع فرمایا بقولہ تعالیٰ **الْأَمِنُ تَوَلَّى** یعنی رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم تو بیشک مسلط نہیں ہیں لیکن یہ بات ضرور رہی کہ جو کوئی آپ کی نصیحت سن کر نہ مانے گا بلکہ پیٹھ پھیر لے گا اس کی تشریح نے کہا
 یعنی نصیحت پر عمل نہیں کرے گا۔ وکفر یعنی دل سے اعتقاد نہ لاوے گا بلکہ منکر ہو گا خواہ ظاہر میں مقرر ہو یا منکر ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر عذاب اکبر مسلط کرے گا
 جس عذاب کو اللہ تعالیٰ نے (اکبر) یعنی بہت بڑا فرمایا اسکا اندازہ کرنا کسی مجال پر وہ عذاب جہنم بے انتہا شدید و سخت ہو نعوذ باللہ
 من عذابه وقال الامام احمد متحدیثا عن قتیبہ عن اللیث عن سعید بن ابی ہلال عن علی بن خالد الخلیفی عن علی بن خالد عن ابی امامہ رضی اللہ عنہ
 کا کہ خالد بن یزید بن معاویہ کی طرف ہوا تو خالد بن یزید نے اسے عرض کیا کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت نرم کلمہ
 کیا سنا ہو تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ آگاہ رہو کہ تم سب جنت میں داخل ہو گے سوائے
 ایسے شخص کے جسے اللہ تعالیٰ سے اسطرح سرکشی کے ساتھ گریز کیا جیسے اونٹ اپنے پالنے والوں سے بدک کر سرکشی و گریز کرتا ہو
 یہ حدیث فقط امام احمد نے روایت کی ہے۔ خلاصہ یہ کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہنچانے سے سرکشی و تکبر کیا اور پیٹھ پھیری
 نہ تصدیق کی اور نہ ناز پر ہی بلکہ جھٹلایا اور پیٹھ پھیر کر جل دیا تو اسکو اللہ تعالیٰ ایسے سخت عذاب جہنم میں داخل کرے گا جس سے
 بڑھکر عذاب کسی بشر کے امکان میں نہیں ہو بلکہ کسی بشر کے امکان میں اسکا تصور نہیں ہو اور اللہ تعالیٰ جل جلالہ میں سب
 قدرت ہو جس قدر اسکی شان عظمت بے انتہا ہے اور اسکی رحمت بے انتہا ہے اسی قدر اسکا عذاب شدید بے قیاس ہے اور
 کسی کافر کو نجات نہیں ہے۔ **إِنَّ الْيُنَّاسَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِنَا حِسَابًا بَهِيمًا**۔ بے شک ہماری
 ہی طرف ہوا انکا لوٹنا پھر ہماری ہی اوپر ان کا حساب ہوا ف یعنی اللہ تعالیٰ نے کرم فرما کر دنیاوی زندگی میں سب کو وعدہ
 دیا ہو کہ جو چاہا ہو اختیار کر واپس یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے منحرف ہوئے اور غیروں کی عبادت کی تو آخر یہ کیونکر عذاب الہی سے نجات
 پاویں گے کیونکہ دنیا سے جانا ضرور ہو اور کہیں ٹھکانا نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے وہی سب عالم کا پیدا کرنے والا مالک ہو اور جیسے
 یہاں دنیا میں انکو مطلق چھوڑنے میں اس نے اپنے کرم سے وعدہ دیا ہے اسیطرح اُس نے یہ بھی ضرور وعدہ فرمایا کہ ہم ذرہ ذرہ حساب
 لینگے یعنی ہر ایک کو بدلہ دینگے تو کفار و مجرم اپنے شرک و کفر کی سزا جہنم میں ضرور اٹھائیں گے خطیب وغیرہ نے لکھا کہ اسمیں
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے تسکین ہو کیونکہ قریش کا جھٹلانا آپ کو شاق تھا اور (الینا) اور (علینا) کو مقدم
 کرنے میں کفار کے لیے خوفناک و عید ہے اور یہ واپسی ایسے مالک جبار و تبار کی طرف ہو جو ہر طرح انتقام کی قدرت رکھتا ہو اور ذرہ ذرہ
 حساب لینے والا ہو۔ **اللَّهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ اَشْرَكَ بِكَ فِیْمَا اَعْلَمُ وَفِیْمَا لَا اَعْلَمُ فَاعْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَارْحَمِ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ**

تاکہ انکو قتل کر ڈالے باز پر دستی ایمان توحید کے واسطے مجبور کرے لکھا قال تعالیٰ ومانت علیہم بجبار یعنی تو اسے انحراف الخلق ان لوگوں پر جبر کرنے والا نہیں ہے۔ یہ تفسیر ابن عباس وجامہ وغیرہ نے بیان فرمائی ہے۔ اور مطلب یہ کہ تیری یہ شان نہیں ہے کہ انکے دلوں میں ایمان پیدا کر دے۔ ابن زبیرؓ نے کہا کہ تو انکو ایمان کے واسطے مجبور نہیں کر سکتا ہے۔ مصیطر اور مبطر۔ دونوں کے معنی واحد ہیں خطیبؓ نے زعم کیا کہ یہ آیت منسوخ ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا جاتا ہے کہ جب یہ حکم آیا کہ ائتوا المشرکین حبشۃ فہو جمع مشرکون کو جہان یا ذوق قتل کر ڈالو۔ نو بیان جو حکم یہ وہ منسوخ ہو گیا۔ مترجم کہتا ہے کہ حضرت ابن عباس کا قول ہماری اصطلاح کے موافق نسخ نہیں بلکہ شاید انکی مراد یہ ہے کہ یہاں صرف نصیحت کرنیکا حکم تھا پھر جہاد کا حکم آیا تو بدل گیا اور حق یہ ہے کہ منسوخ کے یہاں معنی نہیں ہیں کیونکہ یہاں یہ معنی ہیں کہ تو انکو قرآن مجید سنا دے جو عین نصیحت ہے اور یہی تیرا کام ہے خواہ وہ اس صریح حق کو مان لیں یا نہ مانیں کیونکہ تو انپر مصیطر نہیں ہے یعنی یہ تسلط تجھے نہیں دیا گیا ہے کہ انکے دلوں میں ایمان پیدا کر دے یہ حکم ہمیشہ کے واسطے باقی ہے اور جہاد سے تو صرف یہ غرض ہے کہ سرکش کافروں کو مغلوب کر دے کہ غریب مسلمان انکے فتنہ سے محفوظ رہیں اور یہ غرض نہیں ہے کہ زبردستی انکو مسلمان کر دے اور یہ بالاجماع سلف سے اتنا سب علماء کا قول ہے اور اسی پر عمل رہا حتیٰ کہ جو ملک فتح کیا گیا اگر وہاں کے کفار اپنے کفر پر رہے تو اسی حالت پر چھوڑے گئے اور نصیحت اس حالت میں بھی موجود ہے لیکن فقط عرب کے لیے یہ حکم خاص تھا اگر ان میں کسی سے سوائے اسلام کے کچھ قبول نہوگا جیسے آخر زمانہ میں جب امام مہدی رضی اللہ عنہ ہونگے اور عیسیٰ علیہ السلام حاکم بنا کر اترے جاویں گے تو اسوقت میں بھی کسی سے جز یہ قبول نہوگا پس معلوم ہوا کہ جو حکم یہاں ہے وہ محکم ہے یعنی انکو نصیحت کر ہی تیرا کام ہے اور تو ان پر مصیطر جبار نہیں ہے کہ انکے دلوں میں ایمان پیدا کر دے یہ تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اس واسطے ابن کثیرؒ نے یہاں جہاد کی حدیث نقل کی بروایت امام احمد بن حنبل وکیع بن الثوری عن ابی الزبیر عن جابر رضی اللہ عنہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے قتال کروں (جہاد کروں) یہاں تک کہ وہ لا اکھ الا اللہ کہیں۔ جب انھوں نے یہ کلمہ کہا تو اپنی جانوں والوں کو مجھے محفوظ کر لیا مگر اپنے حق کے ساتھ اور انکا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے پھر یہ آیت پڑھی فذکر انما انت مذکور است علیہم بمصیطر۔ یہ حدیث بدون ذکر آیت کے صحیحین وغیرہ میں موجود ہے اور مع ذکر آیت کے صحیح مسلم و سنن ترمذی و نسائی میں ہے مترجم کہتا ہے کہ بالاجماع یہ حدیث عرب کے واسطے ہے اور سوائے عرب کے عجم اور اہل کتاب کے لیے یہ حکم ہے کہ حکم قتال اسوقت تک ہے کہ وہ لا اکھ الا اللہ کہیں یا جز یہ دنیا منظور کریں۔ پھر جب انھوں نے زبان سے یہ کلمہ کہا تو قبول کر لیا جاوے گا اور اس کلمہ سے مطلب یہ ہے کہ گواہی دین کہ لا اکھ الا اللہ محمد رسول اللہ اور نماز و زکوٰۃ و صوم و حج برحق ہے اور آخرت برحق ہے یعنی دین میں جو امور ضروری ہیں کسی سے انکار نہ کریں۔ پس یہ ظاہری اقرار ان سے قبول ہوگا اور مسلمانوں کے حقوق سے انکے حقوق برابر رکھے جاویں گے ہاں اگر بعد اسکے کسی کو ناحق قتل کیا تو قصاص میں قتل کیا جاویگا اور اگر دھوکے میں مارا گیا تو مال سے اُسکی دیت برداری پر ہے اور اگر کسیکا مال تلف کیا تو اُسکے مال سے لیا جائیگا اور انکا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے یعنی یہ دنیاوی برتاؤ ہوا اور دینی نفع اس اقرار سے اسوقت ہوگا جب اُسکے دل میں یہ اعتقاد ہو لیکن ہم بندوں کو دنیا میں اسکے حساب لینے کی راہ نہیں دی گئی کیونکہ دل کا اعتقاد سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں معلوم ہے حتیٰ کہ ظاہر میں ایک شخص مسجد میں نمازوں میں آتا ہے اور زکوٰۃ

کہتا تھا۔ اُسے کہا کہ پھر آکلو اُسی کی قسم ہے جسے آپکے رسول بھیجا ہو کہ کیا آپکو اللہ تعالیٰ نے اسکا حکم دیا ہو آپ نے فرمایا کہ ہاں اُسے کہا کہ اور ابچا ایچی کہتا تھا کہ ہم پر بارے مالون میں سے زکوٰۃ ہے آپ نے فرمایا کہ اُسے سچ کہا۔ اُسے کہا کہ پھر آپ کو اُسی کی قسم ہے جسے آپکے رسول بھیجا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپکو یہ حکم دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ اُسے کہا کہ اور ابچا ایچی کہتا تھا کہ ہم لوگوں پر حج البیت ہی جو کوئی اُسکی راہ پاوے۔ آپ نے فرمایا کہ اُسے سچ کہا پھر اُسے بیٹھ پھیری اور کہا کہ قسم اُس پاک عزوجل کی جسے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہو کہ میں ان چیزوں پر کچھ زیادہ نہیں کروں گا اور نہ ان چیزوں میں سے کچھ کم کروں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر سچا رہا تو ضرور جنت میں داخل ہو جائیگا۔ ورواہ مسلم والترمذی والنسائی۔ اور دوسری اسناد اسکو امام احمد و بخاری و ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ نے روایت کیا اور آخر میں ہے کہ اُسے کہا کہ میں بنی سعد بن بکر میں سے انکا بھائی صہام بن ثعلبہ ہوں۔ قال الحافظ ابوعلی حدیثنا اسحق حدیثنا عبد اللہ بن جعفر حدیثنا عبد اللہ بن دینار عن ابن عمر قال الخ ابن عمر رضی اللہ عنہما کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات ہم لوگوں سے بیان فرماتے کہ زمانہ جاہلیت میں ایک عورت ایک پہاڑ پر تھی اُسکے ساتھ میں اسکا ایک صغیر بچہ تھا بکر یاں جراتی تھی اُسکے بیٹے نے اُس سے کہا کہ اے امان تجھے کس نے پیدا کیا ہو وہ بولی کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہو بولا کہ پھر میرے باپ کو کس نے پیدا کیا ہو بولی کہ اللہ تعالیٰ نے۔ بولا کہ پھر مجھے کسے پیدا کیا ہو بولی کہ اللہ تعالیٰ نے بولا کہ پھر آسمان کو کس نے پیدا کیا ہو۔ بولی کہ اللہ تعالیٰ نے۔ بولا کہ پھر زمین کو کس نے پیدا کیا ہو بولی کہ اللہ تعالیٰ نے۔ بولا کہ پھر پہاڑ کو کس نے پیدا کیے۔ بولی کہ اللہ تعالیٰ نے۔ بولا کہ پھر یہ بکر یاں کس نے پیدا کیے۔ بولی کہ اللہ تعالیٰ نے۔ وہ لڑکا بولا کہ میں اللہ تعالیٰ کی عجیب شان سنتا ہوں اور اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا دیا تو ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ہم سے یہ حدیث بیان فرمایا کرتے تھے اور عبد اللہ بن دینار نے کہا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اکثر یہ حدیث بیان کیا کرتے تھے۔ ابن کثیر نے کہا کہ اس روایت کی اسناد میں ضعف ہے کیونکہ اسکا ایک راوی عبد اللہ بن جعفر المدینی ضعیف ہے اور اس راوی کا بیٹا علی بن عبد اللہ ثقہ حافظ محدث و امام بخاری کا استاد اجل ہے اُسے خود اپنے باپ کا ضعف ہونا بیان کیا یعنی یہ بیان کرنا حق واجب تھا تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں رخنہ نہ ہو۔ اور یہ خبر خواہی ہر شخص پر فرض ہے پھر شیخ ابن کثیر نے اس بچہ کی نسبت کچھ معنی بیان نہیں کیے اور اگر روایت ٹھیک ہو تو شاید اس بچہ نے اپنے رب عزوجل کی جناب میں شوق کے ساتھ جلدی ملنا چاہا اور چونکہ وہ بچہ تھا شاید اس پر جان ہلاک کرنے کا گناہ منحصر جسبکہ زمانہ فقرت و جاہلیت تھا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب فائدہ الی الارض کیف سطحت۔ اس سے شیخ جلال نے استدلال کیا کہ زمین گول نہیں ہے بلکہ سطح ہموار ہو رازی نے کہا کہ اس سے یہ استدلال لانا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ جب کرہ بہت بڑا ہو جیسے زمین کا کرہ ہر تو اسکا ہر ٹکڑا بمنزلہ سطح کے نظر آوے گا (س ک) اور اسکو مولانا رفیع الدین نے تکمیل میں اختیار کیا ہے۔ ف۔ جب اللہ تعالیٰ نے الوہیت و حدیث آخرت کے دلائل سے آگاہ کر دیا تو اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا۔ بقولہ تعالیٰ۔ فَلَنَكْرِزَ اِنَّمَا اَنْتَ مُدْكِرٌ۔ پس نصیحت کر تیری شان تو یہی ہے کہ تو نصیحت فرمانے والا ہے۔ ف۔ یعنی اگر محمد جو کلام عجاز تجر نازل ہوا ہے اُس سے لوگوں کو نصیحت کر کیونکہ تیری ہی شان ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی رسالت انکو صاف پہونچا دے۔ لَسْتُ عَلَيْهِمْ بِمُصِطِرٍ۔ تو ان پر مسلط نہیں ہے۔ ف۔

عجائب آیات قدرت ہیں (السراج) تارے اُس میں جڑے ہیں اور آفتاب ایک ننگاف میں چکراتا ہوا اور آسمان کے حرکات سے آثار ظاہر ہوتے ہیں وَالْإِنِّجِبَالِ كَيْفَ نُصْبِتْ - اور پہاڑوں کو کہ کیونکر قائم کیے گئے ہیں ف اور زمین پر بلند کھڑے ہیں کہ زمین کو جنبش نہیں ہوتی ہُوَ وَالْإِنِّ الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِّتْ - اور زمین کو کہ کیونکر سطح کی گئی ہے ف یعنی کھنچی ہوئی کشادہ ہے ان چیزوں پر نظر عبرت سے بگھا کرنا چاہیے۔ عرب کے بددی لوگوں کو آثار قدرت اُن چیزوں میں دکھلائے جنکو وہ دیکھتا ہی چنانچہ اونٹ پر سوار ہے اور اُسکے اوپر آسمان ہے اور نیچے زمین ہے اور سامنے پہاڑ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اسکو ہر طرف سے محیط ہو رہی اللہ ہی لا الہ الا اللہ (ابن کثیر) رازی نے اسکی توضیح بیان کی کہ عرب اکثر اوقات اونٹوں پر سوار ہو کر جنگل اور دادی میں پھرتے تھے اور لوگوں سے تنہا ہوتے تھے اور آدمی جب جنگل میں تنہا ہوتا ہو تو اُسکے حواس جمع ہوتے ہیں اور کوئی بیہودہ گفتگو سے حواس پر انگ نہ کرنے والا نہیں ہوتا تو وہ موجودہ چیزوں سے باتیں کرنے لگتا ہے یعنی ان میں خوص و فکر کرتا ہی پس سب سے اول اُسکی نظر اپنے اونٹ پر ہوگی چیر سوار ہے اور اُسکی خلقت و خوبیوں پر نظر کرے گا اور اوپر نظر اُٹھا دے تو آسمان نظر آوے اور دائیں بائیں پہاڑ ہیں اور اگر نظر جھکا دے تو تختہ زمین بچھا ہوا ہی ہی مناسب ہو کہ اونٹ اور آسمان و پہاڑ زمین میں خوص و فکر کرنے کی ہدایت فرمائی اور دوسری وجہ یہ بھی ہو کہ تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و قدرت پر بیشک دلیل ہیں ولیکن وہ دو قسم ہیں (ایک) وہ جسمین نفس کی خواہش کو دخل ہو جیسے خوبصورتی اور باغ و سونا و چاندی وغیرہ کہ یہ چیزیں حضرت خالق عزوجل کی قدرت پر دلیل ہیں جبکہ نظر عبرت سے انکو دیکھے ولیکن کمتر ایسا ہوتا ہو کہ ان میں عبرت کی نظر ہو بلکہ نظر انہیں چیزوں پر جم جاتی ہے اور انکو چھوڑ کر انکے پیدا کرنے والے پر نہیں جاتی ہی (قسم دوم) ایسی چیزیں ہیں جنہیں خواہش نفس کو دخل نہیں ہے جیسے اونٹ و آسمان و زمین و پہاڑ وغیرہ ہیں کہ ان میں نفس بنظر خوبصورتی نہیں دیکھتا بلکہ بنظر صنعت الہی و عجائب قدرت کے دیکھتا ہے عطار نے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جو دیہاتی تھے جب اسلام کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہیں چیز دیکھی قسم دلائی چنانچہ امام احمد نے ہاشم بن القاسم عن سلیمان عن ثابت عن انس روایت کی کہ ہم لوگوں کو منع کر دیا گیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال نہ کریں تو ہم کو یہ آرزو رہتی تھی کہ دیہاتی کوئی عاقل آدمی اگر آپ سے سوال کرے اور ہم لوگ سنتے ہوں پس ایک دیہاتی آیا اور اُسنے کہا کہ اے محمد آپ کا بھیجا ہوا ایچی ہمارے یہاں آیا تھا وہ کہتا تھا کہ آپ کہتے ہیں کہ اچو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہی آپ نے فرمایا کہ وہ سچ کہتا تھا۔ اُسنے کہا کہ آسمان کسے پیدا کیا ہی اپنے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اُسنے کہا کہ زمین کس نے پیدا فرمائی ہی آپ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے۔ اُسنے کہا کہ پھر اُس میں بہ پہاڑ کس نے قائم کیے اور اُن میں منافع موجود کسے پیدا کیے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اُسنے کہا کہ پھر میں آپ کو اُسی کی قسم دیتا ہوں کہ جسے آسمان و زمین پیدا کیے اور پہاڑ قائم کیے کہ اللہ تعالیٰ نے اچو رسول بنا کر بھیجا ہی آپ نے کہا کہ ہاں اُسنے کہا کہ بجا دلچسپی کہتا تھا کہ رات دوں میں ہم پہاڑ نمازین فرض میں آپ نے فرمایا کہ وہ سچ

اللہ تعالیٰ کی حسن تدبیر دکھائی ہو چنانچہ اونٹ بٹھلا کر لاداجاتا ہو اور بھاری بوجھ لادے ہوئے اٹھ کھڑا ہوتا ہو اور دروازے ملکوں کو لچاتا ہو یہیں اللہ تعالیٰ نے اسکا جثہ اونچا بنا یا تو اس میں یہ صفت رکھی کہ لادنے کے وقت بیٹھ جاتا ہو اور برخلاف دیگر چوہاؤں کے لدا ہوا اٹھ بیٹھتا ہے اور اسکو باوجود اس قوت کے ہر صغیر و کبیر کے واسطے مطیع بنا دیا چنانچہ ایک لڑکا اسکی مہارت تمام کر جہاں چاہے لے جاتا ہو اور اسکی لمبی گردن سے بوجھ کے گٹھڑے کے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اسکو خشکی کی کشتیاں بنا دیا اور پیاس سے اسکو صبر و پداحتی کہ دس روز یا زیادہ تک بغیر پانی کے صبر کرتا ہو اور اسی لطف سے عرب کے ریگستانی بیابان جہاں چارہ پانی نہیں ہوتے ہوتے ہیں اور وہ جنگل کے کانٹے وغیرہ ہر چیز کو کھاتا ہو اور دوسرے چوپائے نہیں کھاتے ہیں۔ اہل اسم جمع ہو دلیکن واحد اسکا بعیر و ناقہ و جل آتا ہو مبروئے کہا کہ (الابل) بادل کے بھاری ٹکڑے ہیں لیکن تغلیجی نے کہا کہ میں نے اس قول کی کچھ اصلیت نہیں پائی اور ائمہ علماء کی کتابوں میں لغت یا تفسیر میں یہ معنی نہیں آئے ماوردی نے (الابل) میں دو وجہ لکھی ہیں دونوں دھون دھون بن سے زیادہ ظاہر یہ کہ اونٹ مراد ہیں وجہ دوم یہ کہ بادل مراد ہیں۔ اس صورت میں بادل کے عجائبات مقصود ہیں کیونکہ اسمیں آیات قدرت ہیں اور تمام خلق کے واسطے منفعت ہو اگر اونٹ مراد ہیں تو سب جانور دن سے زیادہ اسمیں منافع ہیں اسلئے کہ منافع چارہ قسم ہیں دودھ اور سواری اور گوشت پاک اور لادنا۔ یہ سب منافع اونٹ میں جمع ہیں تو اس سے نعمت پوری اور ظہور قدرت تمام ہو (السراج) اجمعی سے روایت ہو کہ جس نے (خلقت) بنشد بید لام پڑھا تو اس نے (الابل) سے بادل مراد لیا اور جس نے بدوئین پڑھا تو اس نے اونٹ کے معنی لیے۔ ابو السعود نے اونٹ کے منافع میں سے ایک یہ بات بیان کی کہ اچھی آواز سے اونٹ کو اثر ہوتا ہے باوجودیکہ اسکا جگر سخت ہو اور کسی حیوان میں یہ سب چیزیں موجود نہیں ہیں (وف) اونٹ میں یہ مشہور خلعت ہو کہ اچھی آواز سے اسکو خوشی ہوتی ہو اور غریب کے اونٹ چلانے والے حدی خوان (خوش آوازی سے گانے دالے) ہوتے تھے اور حدیث میں بھی اسکی اصلیت ہو کیونکہ آنحضرت رضی اللہ عنہ اس اونٹ کی مہارت تھامے تھا جس پر عورتیں سوار تھیں اور وہ خوش آوازی سے حدی پڑھتا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ویدک سوتا بالقواریر۔ یعنی شیشے کے نازک برتن جو شخص لادے ہو ضبط وہ لے چلتا ہو اس طرح آہستہ لے چل۔ ہ۔ (م حسن بصری) سے کہا گیا کہ ہاتھی بہ نسبت اونٹ کے زیادہ عجیب ہے۔ حسن نے فرمایا کہ عرب لے ہاتھی نہیں دیکھا پھر نہ ہاتھی کا گوشت کھا یا جاوے اور نہ اسپر سواری ہو اور نہ دودھ دو یا جاوے (السراج) میں کہتا ہوں کہ ہاتھی کی سواری تو مشہور ہو لیکن جب خطیب رحم نے آخر زمانہ میں اسکو نہ پہچانا کیونکہ وہ ہندوستان کا جانور ہو اور یہاں سے متغلب بادشاہ اسکو ممالک مغرب میں بہت لے گئے تو بھلا اول زمانے میں عرب کیونکر پہچانتے اور حق یہ ہے کہ ہاتھی میں وہ بات نہیں ہو جو اونٹ میں موجود ہو۔ ہاتھی میں سوائے سونڈ کے کوئی بات عجیب نہیں ہو اور فقہاء و متاخرین میں سے ایک جماعت نے اسکو نجس العین خیال کیا واللہ تعالیٰ اعلم (دوسری خلقت) قولہ تعالیٰ وَاللّٰہُ السَّمَاءُ کَیْفَ رُفِعَتْ۔ اور آسمان کی طرف کہ وہ کیونکر بلند کیا گیا ہو ف ایسے کیونکر اللہ تعالیٰ نے اس چھت گوزمین سے بے انتہا بلند فرمایا ہے وقد قال تعالیٰ افلم ینظروا الی السما فوفیم کیف بنینا یا وزینا یا واما من فسرورج ایسے کیا انھوں نے نظر اٹھا کر اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اسکو کس طرح بنایا ہو اور اسکو زینت دی اور اسمیں کیسے شکاف ہیں۔ (ابن کثیر) وہ بغیر ستون کے قائم ہے اور اسقدر وسیع ہو اور سخت مضبوط و محکم ہے اور اس میں

لکھا کہ ہر علم سے علوم معرفت وغیرہ ہیں (قولہ تعالیٰ) فیہا سرر مرفوعۃ۔ اشارت ہو کہ اسماء الہیہ کے صفات سے منصف ہو کر مراتب
 عالیات میں پہنچے۔ واکو اب موضوعۃ۔ یعنی اکو اب ثابتہ ہیں یہ اوصاف ذات مجردہ سے اپنے محل میں ثابت ہیں (قولہ تعالیٰ)
 ونازلہ مصفوفۃ۔ یہ مقامات مراتب الصفات سے ہیں کیونکہ ہر صفت کی تجلی میں ابتدا سے بیکر بیکہ را سخہ ہونے تک استقامت
 کے ساتھ جیسے رہنے کا مقام ہے جسے کہ جب بندہ عارف نے اپنی استعداد کے لائق اسکو پیدا کیا اور ملکہ راخ ہو گیا تو تخت ثابت
 پر صاف بستہ کیے ہیں۔ ووزاری مینوفۃ۔ مقامات تجلیات افعال ہیں جو صفات کے تحت میں ہیں مثلاً رضا کے تحت میں توکل ہی
 (الشیخ ابن العربی) أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْآيَاتِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۖ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ فُتِحَتْ
 بھلا کیا نہیں نگاہ کرتے اونٹوں پر کیسے بنائے ہیں اور آسمان پر کیسا بلند کیا ہے
 وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۖ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۖ فَذَكِّرْ ۚ إِنَّمَا
 اور پہاڑوں پر کیسے کھڑے کیے ہیں اور زمین پر کیسی صاف بچھائی ہے سو تو سمجھنا تیرا کام
 أَنْتَ مُذَكِّرٌ ۖ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۖ إِلَّا مَنْ تَوَلَّى وَكَفَرَ ۖ فَيُعَذِّبُ
 یہی ہے سمجھانا تو نہیں اپنی وار و غنہ مگر جس نے منہ موڑا اور منکر ہوا تو عذاب کر لگا اسکو
 اللَّهُ الْعَذَابُ الْأَكْبَرُ ۖ أَنْتَ إِلَيْنَا يَا بَهُمْ ۖ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ۖ
 اللہ وہ بڑا عذاب بیشک ہم پاس ہے انکو پھر آنا پھر مشیک بہا زادہ ہو اسے حساب لینا
 خطیب نے لکھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے جہنم و جنت کے حالات بیان فرمائے تو کافروں نے اس سے تعجب کیا اور انکا
 جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے انکو مخلوقات میں اپنی عظیم قدرت دیکھنے کی طرف توجہ دلائی (قولہ تعالیٰ) أَفَلَا يَنْظُرُونَ
 إِلَى الْآيَاتِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۖ کیا وہ نہیں نگاہ کرتے ہیں اونٹ کی طرف کہ وہ کیونکر پیدا کیا گیا ہو فالتقدیر کلام یہ
 بیان کی گئی کہ سچہ استفہام واسطے ملائت کے ہے (فلا) میں فاء عطف ہے اور جملہ مقدر ہے ایوانیکرون امر البعث والجزاؤ فی جہنم
 وائحتہ فما ذالک بعد ونا فلا یظرون الی الابل کیف خلقت۔ یعنی کیا کافر لوگ بعث قیامت سے اور سزا جہنم یا نوات جنت
 پانے سے انکار کرتے ہیں تو کیا چیز بعید جانتے ہیں بھلا اونٹ کی طرف نظر نہیں کرتے کہ کیونکر پیدا کیا گیا ہو۔ مراد یہ کہ ہوش کے
 ساتھ قدرت الہی دیکھنے کے لیے اونٹ کی خلقت پر نظر نہیں ڈالتے ہیں ابن کثیر نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نظر عبرت کے لیے
 ارشاد فرماتا ہے کہ عظیم قدرت نظر آدے پس فرمایا۔ افلا یظرون الی الابل کیف خلقت ونا کی خلقت عجیب ہے اس کے اعضا کی ترکیب غریبہ کیونکہ
 اونٹ اپنی قوت میں سخت ہے باوجود اسکے ایک بچہ سے مطیع منقاد ہو جاتا ہو کہ وہ اُسپر بھاری بوجھ لادتا ہو اور اونٹ کا گوشت
 کھایا جاتا ہو اور اسکے بالوں کے کبل بناتے ہیں اور اُسکا دودھ پیتے ہیں اور عرب میں اکثر کے پاس ہی اونٹ تھے اور وہ لوگ اسکے
 عجیب خوبیوں سے زیادہ واقف تھے اور شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ قاضی عادل و تابعی کبیر کہا کرتے کہ اوچلین اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اونٹ
 میں مطالعہ کریں (ابن کثیر) خطیب نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ افلا یظرون الی الابل۔ کیونکہ عزت کی نظر سے اونٹ کو زمین
 دیکھتے ہیں۔ تنبیہ فرمائی کہ اسکی خلقت عجیب اور بہت سی قدرتی باتیں ہیں ایسی موجود ہیں جو چاہتے ہیں مگر استفہام سے سوال کر د
 کیف خلقت وہ کیونکر پیدا کیا گیا یعنی عجیب خلقت کے ساتھ پیدا کیا جو اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت کی دلیل ہے اور مخلوق میں

ظاہری محسوسات سے بلند ہے تو اس ضرورت سے ان لوگوں نے فقہ کو فقط محسوسات و انحال جوارج کے ساتھ خاص کیا اور اس
مغالطہ و خلافیات سے صرف یہ غرض کہ مخالفین کو چپ کرے اور یہ فضائل مذمومہ پانچویں صدی کے قریب نکلے اور راہ اسلام
بین فسادات کی جڑ قائم ہوئی اور حنفی و شافعی و حنبلیہ میں تعصب پیدا ہوا اور اتحاد و اتفاق کی بنیاد منہدم ہوئی اور صرف
ذہابی لن ترانی کا نام دین اسلام رکھیا اسی وجہ سے علماء ربانیہ نے اسکی مذمت فرمائی ہی چنانچہ عین العلوم و اشارات احیاء
سے اسکی تفصیل کامل ہو سکتی ہی اور نیکیخت کے واسطے اس قدر کافی ہو اللہ تعالیٰ ہو الموفق (قوله تعالیٰ) وجود یوسئذ نامست
لعینہاراضیۃ الہیہ اہل سعادت ہیں انکے چہرہ پر لطافت و نورانیت سے نضرۃ النعیم ظاہر ہوگی اور اپنی سعی سے راضی ہونگے
یعنی جو سعی انھوں نے راہ الہی میں نیکیاں و فضائل حاصل کرنے میں اٹھائی تھی (مثال) اگر فرض کر دے کہ فلان ملک میں باغ
پر بہار و نعمت بیشمار ہی اور مالک نے اُسکو مبارک فرمایا کہ جو چاہے داخل ہو لوگوں نے حرص کی کہ ضرور یہ سفر دراز طے کر کے اُس میں
داخل ہوں اور سب لوگ مجتمع ہوئے جب اُس گھاٹی پر پہنچے جہاں سے اُس ملک میں پہنچ جانے کی راہ اختیار کریں
تو وہاں بے شمار راہیں نظر آئیں اور ہر ایک راہ میں نظر کرنے سے معلوم ہوتا تھا کہ جو اس راہ چلے وہ ہر جگہ ہر منزل پر ناچ رنگ
و بہار و مزہ پاوے گا اور ہر راہ میں جدا جدا مزہ ہیں اور ایک راہ ان سب کے وسط میں ہے جس میں نگاہ کرو تو اُجاڑ اور دشوار گزار
ہے اسکو سب نے دیکھا اور وحشت کھا کر کسی نے اسکو پسند نہ کیا اتنے میں ایک مرد صالح ہوا سے اترا جسکے نورانی چہرے
سے آثار صلاحیت ظاہر تھے اور اُس نے کہا کہ میں اُس باغ میں ہوا یا ہوں اور اُس نے بے شمار فضائل بیان فرمائے اور
کہا کہ اُس میں پہنچنے کے واسطے ہی سیدھی راہ چلے جاؤ جو وسط میں ہو۔ اور وحشت نہ کھاؤ راہ ہی ہو لوگوں نے کہا نہیں بلکہ مالک
نے ضرور دہان تک پہنچنے کے لیے ہی راہیں رکھی ہوں گی جن میں ہر چیز موجود ہے اور ہم اس شخص کے بہکانے میں نہ آویں گے۔
ہر چند اُس نے سمجھا یا کہ یہ راہیں فتنہ انگیز نجاست آلود ہیں انہیں وہ لوگ ہیں جو مالک باغ کے دشمن ہیں کسی نے نہ مانا
سو اسے چند لوگوں کے لہ انھوں نے مرد صالح کی اتباع کی۔ اُس نے فرمایا کہ دیکھو تم لوگ میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ اور ہو شیار ہو
کہ اس راہ سے دائیں بائیں کھائیاں لگتی ہیں اور ان راہوں کے محاذی گزری ہیں جن پر وہ لوگ گئے ہیں اور انکی راہیں جاتے
جاتے ایک بیابان ہولناک میں ختم ہوئی ہیں جس میں غار ہو اور سانپ بچھو وغیرہ رگت تفتہ اور ہر درخت زہر دار ہے تم سیدھے
چلو اور سخت نہو نا اگرچہ کچھ ہی ہو پس یہ لوگ سیدھے پہنچے اور باغ میں عیش کرنے لگے اور جو لوگ ٹیڑھی راہوں میں چلے
ہر چند زیادہ تیز چلے تو زیادہ گمراہ ہوئے۔ یہی مثال ہو کہ دنیا میں ہزاروں گمراہ ہیں اور گمراہوں میں جد و جہد سے
کوشش کرنے والے ہیں حالانکہ حقیقت زیادہ کوشش کرتے ہیں اُس قدر زیادہ لعنت و ملامت میں گرفتار ہوتے ہیں
اور فلاح فقط اُس گروہ کو ہی جو پیغمبر الہی کی اتباع میں سیدھے چلے گئے اور اگر خوارج و روافض وغیرہ کی طرح ادھر ادھر
سخرے ہوئے تو ٹیڑھے ہو گئے (قوله تعالیٰ) لا تسمع فیہا الاغیثہ۔ لہذا وہاں نشان نہیں ہو کیونکہ اہل جنت کا کلام فقہ حکمت و
معرفت و تسبیح و حمد و ثناء ہو مترجم کتاب ہے کہ وہاں روحانی طور ہو اور جسم تابع ہے تو جسم کے واسطے جو سانس آتی ہو یہ نہیں ہوگی
اسی واسطے حدیث میں فرمایا کہ جنتیوں کو تسبیح الہام ہوگی جیسے تم لوگ سانس خود بخود لیتے ہو (قوله تعالیٰ) فیہا عین جاریۃ لفسانی
لذات کے لیے نہ رہن پانی و دودھ و شراب و شہد وغیرہ کی ہیں اور دودھ کی اصل علم کی نہر واسطے روح کے ہے شیخ نے

متفرق کثرت موجود ہیں اور یہ سب پیدا شدہ ہیں اور انکی خوبی قیاس سے باہر ہے بلکہ ایسے ہیں کہ حضرت خالق عزوجل نے انکو پیدا فرمایا اور اپنے بندگان خاص کے لیے پسند کیا پس مخلوق کی کیا مجال ہے کہ انکو قیاس میں لاوے امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا کہ بیان ہم حدیث اسامہ رضی اللہ عنہ ذکر کریں جو امام ابو داؤد کے بیٹے نے روایت فرمائی ہے قال ابو بکر بن ابی داؤد حدیثنا عمر بن عثمان حدیثنا ابی عن محمد بن مہاجر عن الضحاک المغانی عن سلیمان بن موسیٰ حدیثی کرب انہ سمع اُسامہ بن زید قال اُسماء بن زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خبردار ہو کر سنو کہ کہے کوئی شخص جو جنت کے واسطے لنگ چڑھا کر آمادہ ہو۔ جنت کے واسطے حصر نہیں ہے۔ قسم ہے رب کعبہ کی کہ جنت ایک نوزہ ہے جگہ گنا اور بچان ہو لہذا ہوتی ہوئی اور قصر محکم و نہر لبریز اور نرختہ و زوہہ حسینہ جمیلہ اور لباس کثیرہ اور مقام دائمی دار السلام میں اور نواکہ و سبزہ و عبور و نعمت بھل عالیہ و رفیعہ خوبصورت خوش وضع صحابہ رہنے کے کہ ان یا رسول اللہ ہم لوگ اسکے لیے لنگ چڑھانے والے ہیں آپ نے فرمایا کہ انشاء اللہ کہو لوگوں نے انشاء اللہ تعالیٰ کہا۔ رواہ ابن ماجہ عن العباس عن عثمان الدمشقی عن الولید بن مسلم عن محمد بن مہاجر عن شیخ ابن العربیؒ نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ ہل اتاک حدیث الفاشیہ۔ فاشیہ وہ آفت جو اپنی سختی میں سب کو گھیر لے اور وہ قیامت کبریٰ ہے کہ تجلی ذاتی کے نوز سے ذات خلقت کو فنا کر گئی اور اُس سے دو قسم کے لوگ نکل آدینگے نیکبخت اور بدبخت اور اسطرح قیامت مسخری (موت) اپنی شدت سکرات سے جو اس عقل کو محیط ہوگی اور اس وقت میں بھی نیکبخت یا بدبخت دو ہی قسمیں ظاہر ہونگی (قولہ تعالیٰ) وجوہ یومئذ فاشقہ عاملہ ناصبہ۔ بہت سے چہرے اپنے لوگ اُس روز ذلیل خوف زدہ ہونگے جو برابر اعمال شاقہ میں تھان اٹھانے والے ہونگے جیسے جہنم کے پہاڑ دن پر چڑھنا اور گر کر یا جانا قسملی نارحاصبہ۔ انارطبیت سے جلنے والی آگ میں داخل ہونگے جسکی تکلیف بموازہ ان اعمال کے ہوگی جو دنیا میں توحید الہی سے منحرف ہو کر اپنی خواہش کے مطابق عمل میں لائے تھے (قولہ تعالیٰ) نفسی من عین آئینہ۔ چشمہ گرم سے پلائے جاوینگے اسمین (آئینہ) سے انانیت کا جہل مرکب ہو۔ پس اعتقاد فاسد اور جہل مرکب کی سزایہ جلتی آگ دگر پانی ہو (قولہ تعالیٰ) لیس اہم طعام الامن ضریح۔ دنیا میں یہ ایسے علوم ہیں جن سے نفع نہیں ہو جیسے علوم منالطہ اور علم خلافیات اور سفسطہ اور جو اسکے قائم مقام ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ لایسمن ولا یغنی من جوع۔ یعنی نہ اُس سے نفس کو قوت اور نہ خواہش کو سکون ہو۔ یہ ہو سکتا ہو کہ بعض کفار ایسی صورت پر حشر ہوں کہ انکی غذا شبرق ہو جیسے بعض کو زوم ملیگا اور بعض کو غسلین ملیگا (الشیخ واضح ہو کہ علم منطوق تو چند قواعد کا نام ہے اور اسمین محققین کے نزدیک کچھ مضائقہ نہیں ہے لیکن یہ علم نہیں ہے اور ما سوا سے اسکے قواعد منطقیہ میں علوم فلسفیہ داخل کرنا جیسے علم باری تعالیٰ کا مسئلہ اور موجبات کی بحث میں بطور اصل مسلم کے عقل اول کو واجب بالغیر قرار دینا وغیر ذلک تو یہ قبیح ہے پس خالص فلسفی اصول کو سیکھنا نہایت حرام قبیح ہو اور حق یہ ہو کہ قواعد منطقیہ سے بھی کمتر نفع ہو تا ہو اور کثرت اوہام باطلہ میں جو محسوسات ہیں انکی تائید کرتے ہیں گویا انسان کے واسطے مثالی فرضی اجناس و فضول بالکل مسلم ہیں اور جو اس میں شیخی شق بالکل حق ہے اور جو خلافیات کو متاخرین اصولیوں نے بحال تاکہ انکی ذریعہ سے ہر جمہرات کو روزا و سلاطین کے بازار میں حاضر ہو کر حنفی و شافعی میں مباحثہ قائم ہو اور امراء کے واسطے مشغلہ ہو اور چونکہ نیات صالحہ اور اسرار فقیہہ اور علوم قلبیہ ذاتی و لطائف کے اور وہ مجربے بابان علوم فقہ سے بے اور وہ

دنیا کو ملو نہ کیا ہے اور اس میں تم نے یہ صنایع دیکھے تو عظمت الہی عزوجل کے ساتھ غور کرو کہ دارالسلام حبکو اللہ تعالیٰ نے محل رضوان بنا یا ہے اُس میں قدرت کے کیا صنایع ہونگے صفت ہفتم قولہ تعالیٰ - **وَ اَكْوَابٌ مَوْضُوعَةٌ** اور اکواب موضوعہ ہیں **ف** یعنی شراب پینے کے برتن موضوعہ یعنی مہیا رکھے ہوئے ہیں تاکہ جب جی چاہے تو ان ظروف میں لائی جاوے (ابن کثیر) اکواب جمع کوب وہ آبخورہ جسمین ٹونٹی ٹونٹی ہوئے جیسے گلاس بناتے ہیں (موضوعہ) کے معنی میں وجوہ ہیں (۱) موضوعہ رکھے ہوئے یعنی یہ اکواب نہایت نفاست سے مہیا ہیں۔ اگرچہ جنتی جس طرح کا ظرف اور جب چاہے اسی وقت اللہ تعالیٰ پیدا کر دیگا لیکن خوب معلوم ہے کہ یہ ظروف حبکو اللہ تعالیٰ نے مہیا فرمایا ہے بھلا ان سے بہتر کس مخلوق کی مجال ہو کہ تصور میں لاوے (۲) موضوعہ کے یہ معنی کہ ہر بارے خوشگوار کے کنارے رکھے ہوئے ہیں۔ جب جی چاہے تو فوراً ظرف خود تیار ہو جاوے مترجم کہتا ہے کہ ہر کی خوبوں میں آیا ہے کہ کنارے خواہرات کے اور نفع مشک کی۔ پس اُس کے کنارے یہ اکواب نہایت خوشنما مثل ستاروں کے چمکتے ہونگے اور جب کلیہ اصول بتلا دیا گیا تو بے انتہا خوبصورتی ضرور ہے (۳) موضوعہ یعنی ان کے حضور میں رکھے ہیں (۴) موضوعہ یعنی مقرر ہیں جس قدر جسکی خواہش ہے اُسی قدر خود بخود قدرت سے موجود ہو گئے تاکہ لبالب خوشگوار ظاہر و باطن ہموار ہو مانند قولہ تعالیٰ **قَدَرُوا لَفْتَدْبِرًا** - چنانچہ سورۃ الدہرین گزر چکا صفت ہشتم قولہ تعالیٰ - **وَنَارِقٌ مَصْفُوفَةٌ** اور نارق مصفوفہ ہیں **ف** - نارق جمع نمرقہ یعنی سادہ یعنی تکیہ - ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نارق وسائد (تکیے) ہیں یہی عکرمہ وقتادہ و صخاک و سدی و ثوری وغیرہم نے بیان کیا (ابن کثیر) و احدی نے کہا کہ یہی سب مفسرین کا قول ہے۔ **ف** - نارق کا واحد نمرقہ ہے اسکو بضم النون والراء پڑھتے ہیں اور بالکسر بھی پڑھتے ہیں **ف** یعنی بہ نعت عرب میں چھوٹے تکیہ کا نام ہے (مصفوفہ) یعنی صف بصف یعنی ایک کے پسلو میں دوسرا ہے (السراج) یہ دہان کی خوبصورت زینت ہے۔ **م** - صفت ثم قولہ تعالیٰ - **وَذَرَابِي مَبْثُوثَةٌ** اور ذرابی مَبْثُوثٌ ہیں **ف** ذرابی جمع زربہ - نہایت نفیس بستر و فرش جس پر فخر کیا جاوے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ وہ نہالی جس کے کنارے ہوں (مَبْثُوثٌ) کی تفسیر میں قتادہ نے کہا یعنی کھینچی ہوئی، بچھی ہیں - عکرمہ نے کہا یعنی بعض کے اوپر بعض ہیں اقول گویا بہ مراد لی کہ نرم و گدگدے فروش ہیں فراگنے کے کہا کہ (مَبْثُوثٌ) چھٹکے ہوئے یعنی بکثرت ہیں قیتی نے کہا یعنی مجالس میں متفرق ہیں یعنی ہر جگہ جہاں مجلس کا قصد و مقام ہو وہاں وہاں بہ فروش کشیرہ متفرق ہیں قرطبی نے کہا کہ یہی تفسیر اصح ہے اور خلاصہ یہ کہ ہر جنتی کے واسطے دو ہزار برس کی راہ تک مملکت ہے اور سب بالکل خوشگوار معمور آباد ہو اور اس میں جنتی کے لیے ہزاروں جگہ مجلس کے واسطے ہیں تو فروش اس کثرت سے ہیں کہ ہر مجلس کے واسطے یہ سامان موجود ہے (م و سراج) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ذرابی - بساط ہیں یعنی بچھونے و نہالی و قالین و فرش - یہ تو دنیا میں ذرابی کا اطلاق ہے اور جنت میں اللہ تعالیٰ کے علم میں ہو کہ ذرابی کیسے کہنے نفائس ہیں ولیکن عربی زبان کی تفسیر سے یہ معلوم ہو گیا کہ مراد اس سے بچھانے کی چیزیں ہیں اور رہی نفاست اور وضع و خوبی وغیرہ تو وہ قیاس سے باہر ہے اور اکثر کے قول میں ذرابی سے فروش مراد ہیں - مَبْثُوثٌ کے یہ معنی کہ بیان اور وہاں یعنی جہاں جہاں بیٹھنا منظور ہو ہر مجلس میں مَبْثُوثٌ

نیچے سے نکلتی ہیں مگر ہم کہتا ہے کہ ان جنتی پہاڑوں کو دنیاوی پتھروں پر قیاس کرنا بے عقلی ہے۔ یہ پتھر تو جہنم میں ڈالے جا دیئے جن پر کفار عیش و فرحت میں چڑھتے اترتے ہیں اور جہنم میں آتشی پہاڑ ہیں ولیکن جنت کے پہاڑ مثل حبیب کے نہایت نفیس ہیں اور جب یہ نہر بنانے نکلتی ہیں تو انکی خوشبودار لطافت بے مثل ہے ولیکن جہنمی اسپر لہیں نہیں لاتا ہے اسی وجہ سے محروم رہیگا صفت ششم فیہا لکڑی مسرور و مسرورۃ جنت میں تختہاے بلند ہیں وہاں بھی بلندی دونوں طرح ہے چنانچہ شیخ ابن کثیرؒ نے اشارہ کیا کہ اسکے یہ معنی ہیں کہ جنت میں جنتی دلی اللہ کے واسطے شاہانہ تختہاں جو اپنی خوبی و نفاست میں بلند قدر ہیں کہیں جو اس انکی خوبی تک نہیں پہنچ سکتے ہیں اور وضع خلقت میں بھی بلند ہیں ان پر جو رالعین لہئے اسکی زوجات بیٹھی ہیں۔ علماء نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ کا بندہ اسپر بیٹھا چاہیگا تو وہ اُسکے واسطے بسر و چشم تو وضع کر کے جھک جا دیئے (ابن کثیرؒ) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ان تختوں کے تختے سونے کے زربعد و موتی و باقوت سے جڑاؤ ہیں اور آسمان کی جانب بلند ہیں جب تک اُن پر بیٹھنے والا نہیں آتا پھر جب جنتی ان پر بیٹھنا چاہیگا تو اسکے لیے تواضع کر کے جھک جا دیئے اور جب وہ بیٹھ جاوے گا تو بدستور بلند ہو جا دیئے مگر ہم کہتا ہے کہ انکی خوبی اسلیے جو اس سے باہر ہے کہ دنیا میں انکی نظیر ممکن نہیں ہے کیونکہ وہاں جو تخت ہو وہ کاریگری سے ساخت ہوگا اور جنتی تخت اللہ تعالیٰ نے قدرت کاملہ سے پیدا فرمائے ہیں یہاں سونا و موتی وغیرہ سب اسی تودہ خاک یعنی زمین کی پیداوار ہے اور وہاں ایک موتی اس کرۂ زمین کے برابر ہے پھر بھلا جو اس کیا کام کریں۔ اور واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جس بندے کو جنت عطا فرمائی وہ وہاں حقیقی بادشاہ ہو اُسکے ارادہ پر وہاں سب چیزیں چلتی ہیں اگر وہ چاہے کہ یہ تخت پست ہو جاوے تو اسطرح بن جاوے ولیکن اسنے اپنی خوشی سے اسطرح رکھا اور حاصل یہ کہ دنیا میں اگر بادشاہ ان جھوٹی چیزوں سے تخت بنانا ہو تو اُس میں اور تخت میں کچھ بھی شاہی کا لحاظ نہیں ہے بلکہ اوٹے دار سیڑھی کے ذریعہ سے چڑھتا ہے اور اگر گرے تو ہلاک ہو جاوے برخلاف اہل جنت کے کہ اُنکے لیے بادشاہت ہے حتیٰ کہ جب وہ اپنے تخت پر بیٹھنے کا قصد کریں تو تخت نور اسرنگوں ہو کر اُنکے قدم لگاؤں اور بیٹھنے کے بعد بدستور بلند ہو جائیگا اور جب اترنے کا قصد کریں نور اادب سے پست ہو جاوے اور جس طرف چاہیں گھوم جاوے چنانچہ روایت ہے کہ جب جنتی اپنے دوستوں کی ملاقات کا قصد فرمائیگا تو تخت روان ہوگا اور راہ میں جنت کے درختوں کی شاخیں سلام کرنے کو فوراً دائیں بائیں ہٹتی جاوینگی حتیٰ کہ وہ دوست کے پاس پہنچے اور دونوں اپنے تخت پر محاذی بیٹھ کر باتیں کرینگے اور اگر بہت سے دوست جمع ہوں تو سب اسطرح روبرو ہونگے اور جب رخصت ہوں تو تخت اُلٹے قدم چلیگا یعنی کسی کی بیٹھ دوسرے کے منہ کی جانب ہونے پاوے اور اس شاہانہ تخت کی آرائش میں جو صنائع قدرت ہیں وہ سب قدرت کاملہ نے ایجاد فرمائے ہیں ساختہ نہیں ہیں۔ الحق کہ درحقیقت جنت ہی وہ مقام ہے جسکو خالق عزوجل نے منظر رحمت فرمایا اور دنیا اُسکے آگے اس قدر ذلیل ہے کہ مجھ کے برابر اسکی قدر نہیں ہے۔ اب تم ہوش میں آؤ اور حق سبحانہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا نمونہ اس دنیا کی چیزوں میں دیکھو اور اس آسمان وزمین کے عجائب میں غور کرو تاکہ تم کو معلوم ہو کہ اس ذلیل بے قدر دنیا میں جب خسرو پر دیز کا تخت طاؤسی عجیب غریب قصہ ہے اور تمام دنیا کی حقیقت مجھ کے برابر نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے

ہو لیکن اور اک سے عاجز ہے اور ہم بندے اپنے رب ارحم الراحمین سے امید دار ہیں کہ ہم پر رحم فرما کر اپنے دار کرامت جنت عالمین میں وطن میں پہونچا دے آمین یا ارحم الراحمین اور جنت کی صفت چہارم یہ کہ لا تسمع فیہا کاذبۃ۔ یہ وجود اسمین لاغیہ نہیں سننے کے فساد سے روایت ہو کہ لاغیہ۔ لغو بیہودہ سے مراد یہ کہ کذب و بہتان و کفر کا کلمہ وہاں سننے میں نہ آویگا مجاہد سے روایت ہو کہ بدگوئی نہیں سننے کے فرا و کلی سے روایت ہو کہ جھوٹی و لغو قسم نہیں سننے کے فرا و سے دوسری روایت یہ کہ اہل جنت کے کلام میں کوئی ایسا کلمہ سننے میں نہ آویگا جو لغو ہو یعنی بیکار و بے فائدہ ہو کیونکہ انکا کلام عین حکمت ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا شکر و حمد و ثنا کرینگے کہ اُسے انکو اپنی رحمت سے اس منزلت عالیہ میں وطن دیا ابن کثیر نے کہا قولہم لا یسمعون فیہا لغوا الاسلام۔ یعنی جنت میں لغو نہیں سننے کے و لیکن سلام سننے کے قولہم لا لغو فیہا ولا تاشیم۔ اسمین لغو نہیں اور نہ گنہگار کر نیوالی بات ہو۔ (ع) اور ابن عباس نے کہا یعنی جنت میں نہ دکھ دینے والی بات ہو اور نہ بیہودہ کلمہ ہو واضح ہو کہ کلام ابن عباس کی توضیح کلام فرا و ہو اسیکو ابن کثیر نے لیا ہو اور یہی سب اقوال میں سے عمدہ ہو اور یہی نظم کلام سے ظاہر ہے اسلئے کہ نکرہ کی نفی عام ہے تو کوئی کلمہ کسی قسم کا جو لغو ہو نہیں سنا جاویگا اسمین جھوٹی قسم وغیرہ کی تخصیص نہیں ہو اور شاید حضرت قتادہ و مجاہد وغیرہ سے جو کچھ روایت کیا گیا وہ بطور مثال کے ہوگا صفت پنجم قولہ تعالیٰ۔ فیہا عین جار یۃ۔ اسمین چشمہ جاری ہو ف یعنی جنت عالیہ حسین لغو کا وجود نہیں ہو اسمین اپنے کے واسطے چشمہ جاری ہو فقال نے کہا کہ چشمہ شراب میں بہے بدون کھدے ہوئے نہر کے اس صفت کے ساتھ ہے کہ جدھر اور جہاں انکو منظور ہو جاری ہو جاوے یعنی ایک قطرہ اسمین سے کسی طرف نہیں ہیگا کلی نے کہا کہ مجھے یہ نہیں معلوم کہ چشمہ شراب ہے یا پانی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ سورۃ الدھر میں معلوم ہوا کہ تعداد میں فقط ایک نہ ہوگا بلکہ متعدد ہیں لہذا انکثری نے کہا کہ مراد بکثرت بے شمار چشمہ ہیں جسے قولہ تعالیٰ علمت نفس ما احضرت۔ جان لیا نفس نے جو کچھ اُسے حاضر کیا۔ ہ۔ یہاں کل نفوس مراد ہیں کیونکہ ہر نفس کو خود معلوم ہو جائیگا کہ اُسے کیا اعمال حاضر کیے ہیں تو (نفس) بلفظ واحد بیان جنس بے شمار ہے اسی طرح بیان بھی (عین) بے شمار کثرت کے ساتھ مراد ہیں۔ اگر کہو کہ چشمہ و نہر تو جاری ہو کر تپے پھر (جاریہ) بیان کرنے کی کیا حاجت تھی (جواب) یہ جاری ہو جائیج خوبی کے ساتھ ہے کہ کبھی اسمین یہ صفت ناقص نہوگی جیسے دنیاوی نہر میں و دریا کبھی خشک ہو جاتے ہیں عسلاوہ اسکے جاری ہونا اہل جنت کے اختیار میں ہوگا جہاں چاہیں جاری ہو اور اگر کسی نہر کو چاہیں کہ یہی بیان سے ہٹ کر وہاں جاری ہو تو فوراً یہی ہوگا اور جاری ہونے کی عجیب خوبی یہ کہ بدون غار کے روان ہوگا اور نہایت مستوی و ہموار کہ کہیں ایک قطرہ ادھر ادھر نہیں ہو سکتا اور ہمیشہ لبالب رہیگا چاہے جس قدر اسمین سے لے لیا جاوے اور لطافت اس کی پیدائشی خلقت کی تو وہ عقل سے باہر ہے شیخ ابن کثیر نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ فیہا عین جاریہ (عین) نکو ہو جو بکلام اثبات آیا ہو ولیکن اس سے ایک نہر مراد نہیں ہو بلکہ جنس ہے یعنی یہ جنس وہاں جاری ہو۔ قال ابن ابی حاتم قرنی علی الریح بن سلیمان حدثنا اسد بن موسیٰ حدثنا ثوبان عطاء بن قرہ عن عبد اللہ بن ضمیر عن ابی ہریرہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہا الجنة تنجر من تحت تلأل و من تحت جبال المسک۔ یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کی نہر میں تو وہ ہائے مشک کے نیچے سے نکلتی ہیں بافرمایا کہ مشک کے پہاڑوں کے

واسطے راضی ہونگے ف یعنی دنیا میں جو اعمال کیے تھے اُس سے راضی ہونگے یہ سفیان الثوریؒ نے بیان کیا (ع) اسوجہ سے کہ ان لوگوں نے اپنے اعمال کے واسطے وہ ثواب عظیم پایا جو اُنکے قیاس میں بھی نہ تھا۔ اسی جہت سے ان اعمال سے راضی ہونا ارشاد فرمایا یعنی یہ نہیں فرمایا کہ اپنے اعمال کے واسطے جو ثواب دیے گئے اُس سے راضی ہونگے اسلیے کہ یہ ثواب تو ایسا عظیم الشان ہے کہ کسیکو شبہ نہیں کہ کس قدر فرحت و خوشی ہوگی کہ بھولے نہیں سماتے ہونگے لیکن دیکھینگے کہ یہ ثواب عظیم اُن اعمال حقیقہ کی قبولیت پر ہی جو دنیا میں کیے تھے تو اُن اعمال کو پسندیدہ نظر سے دیکھیں گے اور ایک جماعت محققین نے کہا کہ اعمال ہی نعمت جنت ہیں ولیکن بعض اعمال خود نہیں بلکہ جزاؤں مثلاً فریادین جیسے کسی عورت نے حیض کا مسئلہ سیکھا تاکہ حکم الہی میں قصور نہ ہو تو اسکا ثواب ملیگا اور اسی طرح سکھانے والے کو بھی ثواب ملیگا۔ اور بعض اعمال کا ثواب بطرحنا جاتا ہوا سیوا سے (لیجھا) فرمایا کہ اُسکی سعی میں سب اعمال داخل ہونگے۔ پھر یہ سب نعمت و رضا مندی و فرحت و سرور انکو کہاں حاصل ہوگا۔ اسکے لیے صفت سوم ارشاد فرمائی۔ **فِي جَنَّاتٍ عَالِيَةٍ**۔ جنت عالیہ میں ف یعنی جنمیوں کے برخلاف ان بندوں کو جنت میں مسکن دیا گیا اور جنت کے اوصاف بیان فرمائے (اول) عالیہ۔ یہ جنت بلند ہے۔ بلندی دو طرح ہے ایک تو مکان مرتفع بالا ہو اور اسکے برعکس جہنم نہایت پست و ذلیل واقع ہوئی ہو اور دنیا میں کافروں کی کثرت سے اُس میں بہت کشمکش ہوگی اور برخلاف اُسکے جنت محل وسیع مرتفع فراخ ہے تو وہ عالیہ معنی قدر بلند ہے کیونکہ اُسکی خوبی و منزلت دنیاوی حواس کے قیاس سے بلند ہے حتیٰ کہ کفار و مشرکین و نیچر اُسکی صفت کے سمجھنے سے عاری ہیں اور حق یہ ہے کہ بدو عقل نورانی کے آخرت کی کچھ بھی خوبی سمجھ میں نہیں آسکتی ہے سوائے اسکے کہ جب اس میں بے انتہا خوبی ہو اور اُسکے ساتھ یہ صفت موجود ہو کہ جو کچھ جی چاہے وہ فوراً موجود ہو جائے تو ابتدائی حالت پر بندے نے رغبت سے جو کچھ قیاس دوڑایا وہ غلط نہیں ہے یعنی جہاں تک اسکے قیاس میں زیادہ آوے وہ جنت میں بہت حیرت انگیز ہے اگر وہ اسکو چاہے تو موجود ہے ولیکن بعد اسلام کے جب اُس نے خوبی سے راہ حق میں عمل کیا اور عقل نورانی حاصل ہو گئی تو وہ اپنے قیاس کو چھوڑ کر بلند ہوگا لیکن حق یہ کہ جہاں تک چاہے بلند ہو اس عقل نورانی سے جو اسکو حاصل ہوئی ہے جنت بہت عالی ہے بان فرق یہ ہوا کہ پہلے وہ قیاس میں خبط تھا اور اب عقل سے کچھ خوبی سمجھنے لگا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جنت ظہور رحمت حضرت خدا جلّ جلالہ عزوجل ہے اور کسی عقل میں یہ مجال نہیں ہے کہ اس صفت پاک تک رسائی ہو۔ حدیث صحیح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ایسے شخص کا حال جو سب آخر میں جہنم سے نکالا جاوے گا۔ یہ حدیث لطائف اسرار کے ساتھ طویل ہے اور آخر میں ہے کہ حضرت ارحم الراحمین اُس سے فرمادے گا کہ اے فرزند آدم! تو بڑا غدار ہے اچھا جا کر جنت میں داخل ہو۔ یہ شخص خوشی کے ساتھ جنت کے دروازے پہنچے گا تو وہاں اسکو ایسا معلوم ہوگا کہ جنت بالکل بھری ہو اُس میں کہیں اُس شخص کے واسطے گنجائش نہیں ہے وہ بے ضرورت میں عرصہ کرے گا ارشاد ہوگا کہ اپنی تمنا بیان کر کیا چاہتا ہے آخر وہ اپنی تمام آرزو یہ بیان کرے گا کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی تھی اور جب تک ختم ہوئی جو کچھ اُس میں اول سے آخر تک تھا وہ سب مجھے بے ارشاد ہوگا کہ اسے پست ہمت جا بہ سب چیز سے واسطے ہو اور اس سے دس گونہ ہے۔ دیکھو اس بندہ خدا کے قیاس نے اُس وقت رسائی نہ کی ولیکن جو کچھ اُسکے مقدر میں تھا وہ ہوا پس واللہ قیاس و حواس کی مجال نہیں ہے کہ جنت عالیہ کو تصور کر سکیں۔ البتہ عقل نورانی کچھ عجیب خوبی سمجھتی

یہ دیکھتا ہے کہ بادشاہ نے فلان کو نہر روپیہ دیا تو ذل میں قطعاً سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جاہلو اس بادشاہ کے دل کو اس دینے پر مصروف کیا اور فائدہ یہ ہے کہ اگر بادشاہ نے خالص عدل شرع کے موافق یہ مال دیا ہو تو اس کے واسطے ثواب لکھا گیا اور زبیر نے اگر حق طور سے لیا ہو تو اسکو حلال ہے اور اسپر اللہ تعالیٰ کا حقیقی شکر واجب ہے اور بادشاہ کا ظاہری شکر یہ ادا کرے اور اس میں بہت دراز تفصیل ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے پاک ناموں کو یاد کرے اور ان میں سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت پہچانے کہ وہی دینے والا ہے اور وہی منع کرنے والا ہے وہی رازق ہے وہی منعم ہے اسی طرح سب اسماء پاک پر یقین لاوے اور مخلوقات کو اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں جانے جیسا کہ حدیث صحاح میں ہے کہ قلوب اللہ تعالیٰ کی دو انجلیوں کے بیچ میں ہیں جدھر جاتا ہے وہی پھیرتا ہے اور دوسری حدیث میں ہے کہ قلوب اللہ تعالیٰ کی قدرت میں اسطرح ہیں جیسے جنگل میں ایک پر پڑا ہوتا ہے اسکو جہاں طرف اڑاتی پھرتی ہے اگر عرض جب اُسے اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر یقین کیا اور جہالت کے ادھام و خیالات چھوڑے اور ایمان و وحدانیت پر ٹھیک ہوا تو اُسے اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے گردن جھکا ئی اور اب خالص اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کی نیت سے کام کرے تاکہ قبول ہوا اگرچہ وہ عمل قلیل ہو اب ان جاہلوں سے پوچھا جاتا ہے کہ تمھاری کیا مراد ہے اگر یہ مطلب ہے کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اور کلمہ توحید حق کہا اور عمل کیا تو اللہ تعالیٰ کا بندہ محبوب ہے۔ یہ صحیح ہے اور اگر تمھاری یہ مراد ہے کہ خدا اسکو مانتے ہو جسکی طرف سے ان بتوں کی پوجا ہو یا مسیح اُسکا بیٹا ہو تو یہ شرک قبیح ہے اور اس کلمہ قبیح کو جس قدر زیادہ کہے اُسی قدر عذاب عظیم اور وبال ہے اور اگر جوگی کو ہمزادی قوت سے کچھ دنیاوی حالات مانند سمرنیم کے معلوم ہوے تو یہ خوبی و کمال نہیں بلکہ استدراج و وبال ہے اور آخرت میں بہ وجہ عاملۃ ناصبۃ جنیم میں داخل کیے جاوینگے لغو باللہ من ذلک یہ سب ایسے وجوہ اہل کفر و شرک کا حال تھا جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت سے گمراہ تھے پھر اہل توحید کا حال فرمایا بقولہ تعالیٰ **وَجُودٌ یَوْمَئِذٍ نَّاعِمٌ ۝ لِّسَعِیْہَا رَاضِیَةٌ ۝ فِی جَنَّۃٍ عَالِیَہٖ ۝ لَا تَسْمَعُ فِہَا لُغْویۃٌ** کتے منہ اُس دن آسودہ ہیں اپنی کمائی سے راضی اونچے باغ میں نہیں سنتے اُس میں بکنا **فِہَا عَیْنٌ حَآرِیۃٌ ۝ فِہَا سُرُورٌ مَّرْقُوعٌ ۝ وَ اَکْوَابٌ مَّوْضُوعَةٌ ۝ وَ نَمَارِقٌ** اُس میں ایک چشمہ ہے بہتا اُس میں تخت ہیں اونچے پتھے اور آنچورے دھرے اور غلات لپچے

مَصْفُوفَةٌ ۝ وَ زُرَابٍ مَّبْثُورَةٌ ۝

قطار پڑے اور مخمل کے بنا لپچے کھندڑے

شیخ ابن کثیر وغیرہ نے لکھا کہ اشقیاء اہل جنیم کا حال بیان کرنے کے بعد اہل سعادت کا حال بیان فرمایا اور ان کے واسطے متعدد اوصاف حمیدہ ذکر فرمائے بقولہ تعالیٰ **وَجُودٌ یَوْمَئِذٍ نَّاعِمٌ**۔ کچھ چہرے یعنی مومنین بندے اُس روز یعنی قیامت کے روز جب غاشیہ قائم ہوگی تو اہل سعادت و کرامت ہونگے اُن پر اللہ تعالیٰ نے رحمت کا طوفان فرمایا ہے کہ رب غر و جبل نے اُنکے اوصاف بیان فرمائے **صفت اول**۔ **نَاعِمَةٌ** نعمت انپر ظاہر ہوگی (ابن کثیر رحمہ) نازگی و حسن انپر ظاہر ہوگا بقولہ تعالیٰ **عَرَفَ نِیْ وَجْہَہُمْ نَصْرَۃَ النِّعَمِ** یعنی تو ان بندوں کے چہروں پر نعم عیش کی نازگی و حسن دیکھیکا۔ ہ۔ یا۔ ناعمۃ اے متنعۃ یعنی خوش ہونکے **صفت دوم** **لِّسَعِیْہَا رَاضِیَةٌ**۔ اپنی سعی کے

جانا ہو تو پیکر بیولانی یعنی ہزار ڈھانچا ہوتا ہے اور اپنی نظر سے دور دور کی چیزیں دیکھتا ہے اسکو یہ کفار اپنے نزدیک کمال جانتے ہیں حالانکہ اسدرراج ہے اور حضرت شیخ قدس سرہ نے مطالب رشیدی میں اسکو واضح بیان فرمایا ہے۔ پھر جب قیامت میں جاوینگے تو انکے اعمال قبیح انپر وبال ہونگے بلکہ مرتے ہی انکے اعمال قبیح انکے پاس آوینگے اور خطیب نے لکھا کہ اسی قسم میں خوارج بھی ہیں جنکے حق میں آنحضرت صلعم نے بیان کیا کہ مسلمانوں میں پھوٹ پڑنے کے وقت یہ لوگ نکلیں گے تم لوگ انکی نماز کے آگے اپنی نماز کو حقیر سمجھو گے اور انکے روزے کے آگے اپنے روزہ کو حقیر سمجھو گے وہ دین سے اس طرح نکل جاوینگے جیسے کمان سے تیر نکل جاتا ہو۔ ہ۔ مترجم کہتا ہے کہ یہ روافض بھی بدرجہ اولیٰ اسمین داخل ہیں اور صواعق وغیرہ میں روایت ہے کہ ایک فرقہ پیدا ہوگا کہ انکو رافضہ کہیں گے تم انکو قتل کرو کہ وہ مشرک ہیں (نفسی ابو عمرو اور شعبہ کی قراءت میں بضم ہے اور یاقیون کی قراءت میں بالفتح ہے اور مطلب واحد ہے۔ یعنی یہ وجوہ داخل کیے جاوینگے نارخت حرارت میں خطیب نے کہا کہ حدیث میں ہے کہ جہنم کی آگ ہزار ہر ہزار سال بجھنے لگی تو بجھنے لگی تو سپید ہوئی پھر ہزار برس بجھنے لگی تو سیاہ ہو گئی پس اب وہ سیاہ تاریک ہو۔ یہ تو انکے رہنے کا مقام ہے۔ نفسی من عین اینہ انکے پینے کا بیان ہے یعنی سخت گرم چشمہ سے پلائے جاوینگے اسکا نام حمیم ہے روایت ہے کہ اگر اسمین سے ایک قطرہ دنیا کے پہاڑ گرے تو وہ گل جاوے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انکا کھانا بیان فرمایا بقولہ تعالیٰ۔ لَیْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِیْعٍ لَا یُسْمِنُ وَلَا یُغْنِیْ مِنْ جُوعٍ۔ نہیں ہے انکے لیے کچھ طعام سوائے ضریع سے نہ موٹائی دے اور نہ بھوک سے کفایت کرے یعنی انکے کھانے سے بدن کی صحت نہوگی تو وہ دبلاؤں روگ لے سے کچھ روک نہیں ہو اور نہ بھوک بھگی اگر لکھو کہ دیگر آیات میں قوم جہنمی کی غذا ہے اور یہاں ضریع فرمایا (جواب) زقوم بھی ضریع ہے لیکن قوم اسکا وہاں نام ہے اور عرب کے کفار انکے بچاتے سے انکار کرتے تھے۔ علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس سے روایت کی کہ ضریع جہنم میں ایک سخت ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا کہ ایک نام زقوم ہے اور ایک روایت میں کہا کہ وہ پتھر ہے ابن عباس و مجاہد و عکرمہ ابوالجوزاء و قتادہ نے کہا کہ ضریع شرق ہے قتادہ نے کہا کہ عرب کے لوگ موسم بہار میں اسکو شرق کہتے ہیں اور خزان میں ضریع کہتے ہیں۔ عکرمہ نے کہا کہ وہ ایک قسم کا درخت ہوتا ہے جو زمین کی طرف جھکا ہوا اور پھیلا ہوتا ہے اور اسمین کانٹے بہت کثرت سے ہوتے ہیں۔ بخاری نے صحیح میں لکھا کہ مجاہد رم نے کہا کہ ضریع ایک قسم کی نبات ہے اسکو شرق کہتے ہیں اور حجاز کے لوگ اسکو ضریع کہتے ہیں جب وہ خشک ہو جاوے اور وہ زبر ہے یہی معنی قتادہ رم نے بیان کیے ہیں۔ قتادہ نے کہا کہ یہ طعام بہت بدتر اور پدمزہ اور نہایت خبیث ہے (سراج) اس درخت کو کوئی جانور نہیں کھاتا ہے ابن کیسان نے کہا کہ جب جہنمی بھوک سے چلاوینگے تو انکو اس طعام کی جانب راہ بتلائی جائیگی جب کھاوینگے تو اللہ تعالیٰ سے نضر کرینگے کہ اس سے نجات ہو لہذا ضریع نام ہوا۔ اگر کھا جاوے کہ زقوم کی نسبت آیا۔ ان شجرة الزقوم طعام الاثیم۔ اور سورہ الحاقہ میں آیا ولا طعام الا من غسلین۔ اور یہاں ضریع مذکور ہے (جواب) جہنم میں درکات جدا جدا ہیں اور انکے عذاب بھی جدا جدا ہیں بعض کے بیان زقوم کھانا ہے اور بعض کے یہاں غسلین ہے اور بعض کے یہاں ضریع ہے مترجم کہتا ہے کہ زقوم کی نسبت اس قدر

جوراہب ہیں۔ عکرمہ وسدی سے روایت ہے کہ عالمۃؑ یعنی دنیا میں عمل کرنے والے یعنی مصیبت کے عمل کرنے والے تھے ناصبتہؑ تکلیف اٹھانے والے یعنی آخرت میں عذاب سے تکلیف اٹھانے والے کہ اُنکے گلے میں آگ کے طوق ہونگے فصلی ناراحامینہ داخل ہونگے سخت جلتی آگ میں۔ یہ ابن عباس وحسن وقنادہ نے بیان کیا ہے۔ لَسُقَىٰ مِنْ عَيْنِ اَنِيتِہِ پلائے جاوینگے چشمہ آئینہ سے فب یعنی سخت گرم چشمہ سے جسکی گرمی و حرارت انہما کو پہونچی ہے۔ یہ ابن عباس مجاہد وحسن وسدی کا قول ہے (ابن کثیر) اگر کہا جاوے کہ قولہ وجودہ یومئذ خاشعۃ کیا فقط چہرے ذلیل ہونگے اور انھیں پر یہ عذاب ہوگا (جواب) نہیں یہ محاورہ ہے اور مراد چہرے والے لوگ ہیں اور چہرہ سب سے اشرف عضو ہے جب وہی ذلیل ہو تو سب ذلیل ہونگے اور ذلت و غم وغیرہ حالت کا طور سب سے پہلے چہرے پر ہوتا ہے۔ مقاتلؑ نے کہا کہ وجوہ سے مراد کفار ہیں کیونکہ انھوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت سے منکر کیا تھا تو اُس دن ذلیل ہوئے قتادہ وابن زید نے کہا کہ ذلت یہ کہ جہنم میں اونڈھے ڈالے جاوین گے قبض نے کہا کہ ان ذلیل چہروں سے فقط یہود و نصاریٰ مراد ہیں اور تفسیر الحجر میں ہے کہ آیت کا نزول یہود و نصاریٰ و بت پرست وغیرہ سب کے حق میں ہو جو کفر کے طریقے پر عبادت میں کوشش کرے کیونکہ وہ (عالمۃؑ) یعنی کثرت سے شاق عمل کرنے والا ہو اور کبھی فتور نہیں کرتا کیونکہ لعنت میں عامل جب ہی کہتے ہیں کہ برا و مست کرے۔ بعض نے کہا کہ جب آگ میں ڈالے جانے سے ذلیل ہوئے تو یہ عمل بھی آگ میں ہی کہ زنجیرین و طوق آگ کے کھینچتے پھریں گے اور آگ کے اندر گھسیں گے اور آگ کے پہاڑ پر چڑھائے جاوینگے اور وہاں سے گرائے جاوینگے (ناصربتہ) کو فت و مشقت اٹھانے والے خطیبؑ نے بعض سلف سے نقل کیا کہ دنیا میں ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے منکر کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے آگ میں ان کو ذلیل کیا اور عمل سخت شدید لیا کہ بھاری طوق و زنجیریں کھینچتے پھریں گے اور پچاس ہزار برس کے دن میں ننگے بھوکے پیاسے آفتاب سے جلیں گے انکی کھوپریاں ابلینگی آہن مسعود رض سے روایت ہے کہ آگ میں اس طرح داخل کیے جاوینگے جیسے کیچڑ میں اونٹ پھنستا ہو حسن رحم نے کہا کہ دنیا میں انھوں نے عمل نہ کیا اور کو فت نہیں اٹھایا تو اللہ تعالیٰ نے جہنم میں اُسے کام لیا۔ ابن عباس رض نے کہا کہ عالمۃ ناصبتہ۔ وہ لوگ ہیں جنھوں نے دنیا میں اپنی جان کو اللہ تعالیٰ کی مصیبت پر تکلیف میں ڈالا جیسے بت پرست و راہب وغیرہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے اور اسنی راہ پر تکلیف اٹھاتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہ شرک قبیح ہے تو وہ اسی عمل کو قبول کرتا ہو جو اُسکی توحید پر ہو اور وہ بھی خالص اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کیا گیا ہو مگر حرم کتاب ہو کہ بت پرستی و یہودیت و نصرانیت سب اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک قبیح کی راہیں ہیں پس ان راہیوں میں جو لوگ عیش کرتے ہیں اور کسی پر ظلم نہیں کرتے اور نہ ایذا دیتے ہیں تو وہ دنیا میں ایسے لوگوں سے اچھے ہیں جو انھیں گمراہوں میں سے اعمال شاقہ کی تکلیف اٹھاتے ہیں مثلاً ایک ہندو دنیا میں کھانے پینے وغیرہ لذات میں ہو اور بتوں کی پوجا کرنے بہت کم جاتا ہے تو یہ شخص دن میں کلمہ کفر کم بکتا ہو اور جو کوئی ان میں جوگ کے لباس میں ہر دم کفر کا کلمہ بکتا ہے وہ زیادہ قبیح کمائی حاصل کرتا ہے اور یہی حال یہود و نصاریٰ میں ہو ویسکن یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے عجب شان رکھی ہو کہ ہر ایک عمل کرنے والے کے لیے اُسکی نیت کا نتیجہ دیا ہے پس دنیا میں اکثر جوگی اور بعض راہب جو کثرت سے فائدہ کرتے ہیں اور جسم ظاہری بگھل

ضَرِيعٌ لَا يَسْمِنُ وَلَا يَغْنَىٰ مِنْ جُوعٍ ۝

بھاڑ کانٹے نہ مولا کرے نہ کام آوے بھوک میں

خطیبؒ نے لکھا کہ بسم اللہ شروع ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے جو علام الغیوب ہی۔ الرحمن بہت مہربان ہے جو بندوں سے کر و پور کرتا ہے الرحیم۔ بہت رحمت والا جو اپنے خاص بندوں سے ذنوب مغفرت فرماتا ہے۔ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ۔ بھلا آگئی تیرے پاس غاشیہ کی حدیث ف جس سے تو نے غاشیہ کا حال جان لیا ابن کثیرؒ نے لکھا کہ غاشیہ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے اسکو ابن عباس و قتادہ و ابن زبید نے بیان کیا ہے اور یہ نام اس لیے کہ وہ ڈھانپے گی اور سب مخلوق پر عام ہوگی۔ ابن ابی حاتم نے بالاسناد عمرو بن میمون سے مرسل روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گزرا ایک عورت کی جانب ہوا وہ قرآن پڑھتی تھی اُس نے پڑھا ہل اتاک حدیث غاشیہ۔ آپ کھڑے سنتے تھے آپ نے کہا کہ ہاں میرے پاس حدیث غاشیہ آگئی۔ (ع۔ دہل) استفہام ہے تو کیا بیان پوچھنا مقصود ہے (جواب) نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے بلکہ بیان دو قول ہیں ایک یہ کہ استفہام سے شوق دلانا مراد ہے یعنی غاشیہ کی حدیث اگر تجھ کو نہ پہنچی تھی تو اب آگئی۔ یہی کہی کے قول سے معلوم ہوتا ہے اور (دوم) یہ کہ بیان (دہل) بمعنی (قد) ہے یعنی بالتحقیق تیرے پاس حدیث غاشیہ آگئی۔ یہی ایک جماعت مفسرین نے کہا اور یہی قطرب کا قول ہے اور اسی قول کو ترجیح دی گئی ہے اکثر مفسرین نے کہا کہ غاشیہ قیامت ہو۔ اصل میں غاشیہ زبان عرب میں ایسی آفت کو کہتے ہیں جو سب قوم و قبیلہ کو ڈھانپ لے۔ بعض نے کہا کہ آگ مراد ہے بدلیل قولہ تعالیٰ تغشی وجہہم النار انکے چہروں کو آگ ڈھانپ لیگی۔ بعض نے کہا کہ مراد دوسرا نفعہ صورت ہے جس سے مردے اٹھائے جاویں گے کیونکہ وہ سب خلق کو محیط ہوگا (س ک ف) میں کہتا ہوں کہ وہی قیامت ہے۔ وَجُودٌ يَوْمَ عِندِ حَاشِيَةٍ۔ کچھ چہرے اُسوقت غاشقہ ہوں گے۔ ف قتادہؒ نے کہا یعنی ذلیل ہوں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آج اُنکے عمل بالکل بیکار ہوں گے تو انہی خوار و چھلکی خطیبؒ نے کہا کہ ایسے چہرے بکثرت ہوں گے کیونکہ دنیا میں کفار کی بہت کثرت ہے عَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ۔ عمل کرنے والے کوفت اٹھانے والے ف یعنی ان چہروں نے بہت عمل کیے اور عمل کرنے میں بہت کوفت اٹھایا اور انکا انجام یہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا بقولہ تعالیٰ۔ تَصْلٰی نَارًا حَامِيَةً۔ داخل ہوں گے آگ سخت گرم میں ف الحافظ ابو بکر البرقانیؒ نے روایت کیا کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا گزرا ایک راہب نصرانی کے زیر کی طرف سے ہوا آپ نے راہب کو آواز دی وہ صومعہ سے جھانکنے لگا اور اوپر آیا حضرت عمرؓ اسکی صورت دیکھ کر رونے لگے۔ اصحاب نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین آپ کیوں رونے لگے آپ نے فرمایا کہ مجھے اسکی صورت دیکھ کر یاد آگیا قول اللہ عز وجل جو اُس نے اپنی کتاب میں فرمایا۔ عَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ تَصْلٰی نَارًا حَامِيَةً۔ اسی وجہ سے میں رونے لگا (اسناد وحید) یعنی یہ نصرانی شرک کے عقیدے پر اس قدر کوفت اٹھانا ہے کہ اس دیر میں پڑا ہوا ہجرات دن شرک کے کلمات پڑھتا ہے اور تمام دنیا کی متاع سے لذت نہیں پاتا ہوا وجود اسکے اسکا انجام نارحامیہ ہے تو اسکی بربادی پر افسوس کیا اور رونے لگے۔ بخاریؒ نے اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ عَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ۔ مراد نصاریٰ ہیں یعنی نصاریٰ میں سے

سے محب ہو اور قلب اُسکا خراب ہے وہ نہیں قبول کرے گا کیونکہ اشقی ہو اور یہ ایسے شخص سے بھی زیادہ بدتر ہے جسکی استعداد ازل ازل ہو اور نفس کی تاریکی اُسپر چھا گئی ہے (قولہ تہم) الذی یصلی النار الکبریٰ۔ یہ آگ سب سے بڑھکر ہو (اول) تو آگ ہو جو بوجہ شرک کے حجاب ہو کہ غیر کے ساتھ رہا (دوم) نار قرہ ہے جو مقام صفات میں ہو اور (سوم) نار غضب مقام افعال میں ہو (چارم) نار جہنم چار مواقع میں ہو موقف ملک و ملکوت و جبروت و لاہوت۔ اور یہ سب آگیں اُسپر دائمی ہیں اور یہ بہت بڑی آگ ہو اور رہا وہ کہ جسکی استعداد بوجہ ظلمت نفس کے خراب ہوئی تو وہ آنا چار گانہ کی آگ یعنی جہنم میں ہو (قولہ تعالیٰ) ثم لا یوت فیہا ولا یحیی۔ پھر وہ اس آگ میں نہ مرے گا اور نہ جلیگا۔ مرناس وجہ سے نہیں ہو کہ قیامت کے روز جو پیدائش ہو اُسکے بعد فنا نہیں ہو اور زندگی اس وجہ سے نہیں ہو کہ اُسین استعداد نہیں ہے اور بڑی آگ سے عذاب شدید میں ہو (قولہ تعالیٰ) ان بذالقی الصحف الاولیٰ صحف ابراہیم وموسیٰ۔ یعنی اہل استعداد جنھوں نے تزکیہ و تصفیہ حاصل کیا اُنکے واسطے فلاح حاصل ہوتا اور جنھوں نے حیات دنیاویہ کو اختیار کیا اُنکی ہلاکت ہوتی ہے یہ صحف قدیمہ میں موجود ہے جہاں تبدیل و تغیر نہیں ہو سکتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نوری الواح مجرہ میں موجود ہیں جنہر اطلاع حضرت ابراہیم وموسیٰ کو حاصل ہوئی اور مظاہر کے موافق انہر طور نازل ہوا والسلام واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب ابن العربیؒ

سُورَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتُّ وَعِشْرُونَ آيَةً

اس سورۃ کا نام سورۃ الغاشیہ ہے خطیبؒ نے کہا کہ بالاجماع یہ سورہ مکہ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی سے اس کے خلاف روایت نہیں پائی گئی کیونکہ مکہ یا مدینہ ہونا کوئی شرعی حکم نہیں ہے جس پر علماء نے اجماع کیا ہو پس معنی یہ کہ بلا خلاف یہ مکہ ہے اور اس سورہ میں چھبیس آیات ہیں اور بالآخر کلمات اور تین سوا کا سنی حروف ہیں (سراج وغیرہ) نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اوپر گزرا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید اور نماز جمعہ میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور الغاشیہ پڑھتے تھے۔ امام مالکؒ نے ضمیر بن سعید عن عبید اللہ بن عبد اللہ روایت کی کہ ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جمعہ میں سورۃ الجمعہ کے ساتھ کیا پڑھتے تھے نعمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہاں تاک حدیث الغاشیہ پڑھتے تھے ورواہ ابو داؤد وعن القعنبنی عن مالک عن ضمیرہ ورواہ النسائی عن قتیبہ عن مالک عنہ ورواہ مسلم وابن ماجہ من طریق سفیان بن عیینہ عن ضمیرہ ابن کثیر رحمہ اللہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ہَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ ۖ وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۖ عَامِلَةٌ ۖ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہو

کچھ پہنچی تنگوبات اُس چھپانے والی کی

کے منہ اُس دن نوے ہیں

تسقی من عین انیہ ۖ لیس کھ طعام الارامین

پانی پلے گا ایک چشمے کھوتے کا

کھانا نہیں اُن باس نگر

پٹھین گے دہکتی آگ میں

تھکتے

ہو یعنی پاکیزہ کراہی ذات کو ماسوائے حق سے اور اپنی نظر کو غیر سے منقطع کرتا کہ اُسپر کمالات حقانہ بالتمام ظاہر ہوں مترجم کہتا ہے کہ اگر کوئی اعتراض کرے کہ اللہ تعالیٰ نے تو نام رب اعلیٰ کی تسبیح و پاکیزہ کرنے کا حکم دیا اور شیخ رحمہ نے کہا کہ تو اپنی ذات کو پاکیزہ کر۔ ہ۔ یہ کیا بات ہو (جواب) تحقیق لطیف ہوا کا بیان یہ ہے کہ تسبیح پاک کرنا۔ اور اللہ تعالیٰ کے نام کو پاک کرنا اسکے اختیار میں ہو اور غیر ممکن ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نام پاک ہو چکے کسی کی مجال نہیں ہو کہ اُسکی پاکیزگی سمجھ سکے تو تسبیح کے یہاں یہ مضیٰ ہیں کہ اُسکی پاکی بیان کرنا لیکن اسکا نتیجہ ہے تو شیخ نے کہا کہ اپنی ذات کو جمیع ماسوائے حق سے پاک کرے تاکہ قدس کے انوار ظاہر ہوں اور یہ تسبیح حق کا اثر ہو لہذا کہا کہ یہ تسبیح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے خاص ہو جو مقام فناء ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تقدس کے سامنے ہر چیز فنا ہو اور نور قدس سے بقا ہو اور خصوصیت کی دلیل یہ ہو کہ کامل استعداد جو جمیع صفات الہیہ کے قابل ہو کسی مخلوق میں نہیں ہو سوائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پس ذات جب کمال کو پہنچے تو یہی اسم اعلیٰ ہو اور ذات باری تعالیٰ مباہن ہو اور ہر چیز کے واسطے ایک تسبیح خاص ہو کہ اللہ تعالیٰ کے پاک ناموں میں سے ایک خاص نام کی تسبیح کرتی ہے یعنی اسی کام کی اُسین استعداد ہو (قولہ تعالیٰ) الذی خلق فسوی۔ یعنی تجھے ظاہر کیا اور تیرے جسم پاکیزہ کو ایسا معتدل مستوی بنایا جس میں روح کاملہ کی استعداد ہے جو جمیع استعداد کے قابل ہے۔ والذی قدرندی۔ جسے تجھ میں انسانی کمال مقدر کیا اور ہدایت دی کہ اُسکو قوت سے فعل میں ظاہر کرے بطریق پاکیزگی و تصفیہ کے مترجم کہتا ہے کہ شیخ نے یہاں خاص خطاب بشان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مخصوص کیا تاکہ یہ مثال ہو اور اسی پر باقی لوگوں کو قیاس کیا جاوے (قولہ تعالیٰ) والذی اخرج الرعی۔ جس پاک عز و جل نے چراگا نکالی۔ یعنی حیات دنیا کی زینت اور منافع دُور و نوح پیدا کر دی کیونکہ نفس حیوانیہ دُور کے قوی کا بھی چہرہ گاہ ہے (قولہ تعالیٰ) فجعلہ غشا و احوی۔ یعنی اسکو جلد فنا ہونے والا کر دیا ہے جسے خشک گھاس سیاہ ہو جاتی ہے پس اس متاع دنیا کی طرف التفات نہ کرنا چاہیے ورنہ تیری تسبیح خاص سے تجھے مانع ہوگی جو حقیقی کمال بے زوال ہے (قولہ تعالیٰ) سنقرنگ فلا تنسی۔ یعنی تجھے عقل قرآنی سے ہم قاری بناوینگے پھر کبھی نہیں بھولے گا الا ماشاء اللہ مگر جتنا بھلا دینا اللہ تعالیٰ کو مستطاب ہو تو وہ مقام محمود میں ذخیرہ ہوگا (قولہ تعالیٰ) انہ یعلم الہم و ما یخفی۔ ظاہری حالت اور باطنی قوت سب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے (قولہ تعالیٰ) و یسرک للیسرے ہم تجھے آسان طریقے کی توفیق دینگے وہ شریعت سہل ہے اور وصول بحق ہونے کے طریقے جو نبوت سے گزرے ہیں سب سے زیادہ آسان یہی طریقہ ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے مقرر فرمایا ہے اور حاصل یہ کہ ہم تجھے کمال علی اور کمال عملی دونوں سے کامل بلکہ اکمل بلکہ اس سے بھی بلند فرما دیں گے (قولہ تعالیٰ) تذکران نعمت الذکرئی۔ اب خلق کو اپنی دعوت سے کامل کر دے اگر ان میں قبول نصیحت کی لیاقت ہو اور نصیحت کرنا اگرچہ عام حکم ہے لیکن سب خلق کو نفع نہیں کرتا ہے بلکہ نفع کے واسطے یہ شرط ہے کہ اس مخلوق میں لیاقت بھی ہو پس جس میں لیاقت سابقہ ہے اُسکو نفع ہوگا اور جس میں نہیں ہے اُسکو نفع نہ ہوگا چنانچہ اس محل کی تفصیل فرمائی بقولہ تعالیٰ۔ سیدکر من بخشی۔ یعنی جو نرم دل سلیم نظرت قابل صلاحیت ہو وہ صفائی و نورانیت سے نیک نصیحت کے ساتھ متاثر ہوگا (قولہ تعالیٰ) و تجنبہا الا شقی۔ اور جس میں لیاقت نہیں اور رب عز و جل

صفات کی ہدایت کی اور موحدین کو توحید کی ہدایت دی کہ انھوں نے ترک و تجرید سے ماسوائے حق کو چھوڑ دیا (قرآن تعالیٰ) سنفکرنگ
 فلا تنسی۔ اس میں اشارت ہو کہ اللہ تعالیٰ کو نہ بھولے مترجم کہتا ہو کہ توجیہ اشارہ یہ ہو کہ جب یہ حکم دیا کہ ہم قراءت عطا کریں گے پس
 تو اسکو نہ بھولیگا۔ حالانکہ اس سے مقصود یہ کہ قرب و رضا سے حق حاصل ہو تو ضرور ہو کہ قراءت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو فراموش
 نہ کرے اس لیے عین العلم و احیاء وغیرہ میں لکھا کہ تلاوت قرآن کے مراتب ہیں ابتداء یہ کہ قراءت اپنی ٹھیک کرے
 پھر گویا اسکا شیخ صالح پڑھتا ہو پھر صحابہ رضی اللہ عنہم سے سنتا ہو پھر گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتا ہو پھر حضرت حق تعالیٰ سے
 سنتا ہو حضرت شیخؒ نے مطالب رشیدی میں ذکر فرمایا کہ قرآن مجید کے بطون ہیں کہ اگر ابتدا میں ظاہر ہوں تو بندہ فنا ہو جاوے واضح
 ہو کہ صوفیہ نے بعض کیفیات کو بیان کیا جو فی الواقع صحیح ہیں لیکن کثرت سے غلط واقع ہوتا ہو تو عوام غلطی سے افراط و تفریط
 کرتے ہیں مثلاً انھوں نے کہا علم بڑا حجاب ہو اس سے یہ مراد ہو کہ عامی جاہل کا دل ٹوٹا ہوا ہوتا ہو وہ اپنے آپ کو ذلیل سمجھتا ہے
 اور عالم کو وارث علم پیغمبری سمجھ کر بہت تعظیم کرتا ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہو پھر عالم نے اگر ان لوگوں کی تعظیم
 دیکھ کر اپنے نفس پر نظر کی تو خراب ہوا اور غرور و تکبر میں پڑ گیا اور حدیث صحیح میں ہے کہ جنت میں داخل نہوگا جسکے دل میں
 رائی برابر ٹکیر ہو بلکہ عالم کو لازم ہو کہ اپنے نفس کو وہی نفس جانے اور اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم سمجھ کر اُسکی طرف نظر رکھے اور
 عوام کی تعظیم سے اپنے نفس میں کچھ بڑائی نہ دیکھے اس صورت میں یہ عالم تخت نبوت پر ہو اور اکسیر اعظم ہے اُسکی خدمت
 عبادت سے بڑھ کر ہے اور اگر وہ اپنی تعظیم اور رویہ چاہے تو اپنے نفس کی خرابی میں ہو۔ یہ مضمون صحیح ہے لیکن جاہل صوفیہ
 نے اس مقولہ کو لیکر عوام کو اپنی جہالت کا عذر یہ بتلایا کہ ہم جاہل رہے اس لیے کہ علم کو حجاب ہو اور یہ بد بخت اتنا بھی نہیں سمجھے
 کہ اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبر عالم بھیجے اور انکے اصحاب اُنسے عالم ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے کبھی کسی جاہل کو ولی نہیں بنایا ہے
 احوذ باللہ من الضلالة والعبادة۔ شیخ رحم نے لکھا کہ شیخ جنید رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں اکثر علماء آپا کرتے تھے
 اقول شیخ جنید رحمہ اللہ تعالیٰ اور منجملہ علماء کے ابن کیسان النخوی آپا کرتے تھے ایک روز ابن کیسان رحمہ اللہ نے کہا کہ اے
 ابو القاسم (جنید) آپ کیا کہتے ہیں فی قولہ تعالیٰ سنفکرنگ فلا تنسی۔ شیخ نے تو جواب دیا یعنی فلا تنسی العمل۔
 یعنی ہم بھی بڑھاوین گے پس تو اُسکے موافق عمل کرنا نہیں بھولیگا۔ ابن کیسان رحمہ اللہ نے اسکو بہت پسند کیا۔ (قرآن تعالیٰ)
 انہ یعلم الحجب وما یخفی۔ اللہ تعالیٰ علانیہ و پوشیدہ سب یکساں جانتا ہے یعنی علانیہ و پوشیدہ یہ ہندوان کے نزدیک
 ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم سب ذرہ ذرہ کو محیط ہو (قرآن تعالیٰ) قد اطلع من نزکی۔ حریریؒ نے کہا کہ جو شخص اپنے نفس
 کی شہوات سے اور طبیعت کی رعوت سے پاک ہوا اُسے فلاح پائی (قرآن تعالیٰ) بل تو اثر دن الحیوة الدنیا۔
 خسیس لوگوں نے خسیس دنیا پر توجہ کی اور شریف لوگوں نے شریف آخرت پر توجہ کی اور اعلیٰ وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ
 کی جناب میں توجہ کی اور باقی سب چھوڑ دیا اور یہی وصیت اللہ تعالیٰ نے سب انبیاء کو فرمائی ہو حکم قولہ تعالیٰ ان ہدانی
 الصحف الاولیٰ صحف ابراہیم و موسیٰ۔ حضرت ابراہیم ؑ نے تجرید کی صفت پائی بقولہ تعالیٰ۔ انی برئی ما تشرکون الا یہ
 اور موسیٰ علیہ السلام کے حق میں بھی اسی کے قریب ہو بقولہ تعالیٰ انی ثبت الیک وانا اول المومنین (ترجمہ عرائس)
 شیخ محقق ابن العربیؒ نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ سح اسم ربک الاعلیٰ۔ اللہ تعالیٰ کا نام اعلیٰ (ذات مع جمیع صفات)

عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے شہاد بن ادس تم اٹھکر ان لوگوں کو نصیحت کرو شہاد بن ادس رضی اللہ عنہ خوش تقریر فاضل صاحب حکمت و بیان تھے پس شہاد بن ادس رضی اللہ عنہ نے اٹھکر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا پھر فرمایا کہ ای لوگو تم کو چاہیے کہ کتاب اللہ کی طرف رجوع لاؤ اگرچہ بہت لوگوں نے اُسکو چھوڑا ہے اور جان لو کہ تم خیر سے فقط اُسکے اسباب دیکھو گے اور شر میں سے بھی فقط اُسکے اسباب دیکھو گے اور اللہ تعالیٰ نے سب خیر و خوبی کو تمام و کمال جمع کر کے جنت میں رکھ دیا اور سب بدی و برائی جمع کر کے دوزخ میں کر دی ہے۔ آگاہ ہو کہ جنت کی راہ دشوار گزار ہے اور جہنم کی راہ نرم و آسان ہے اور جنت ایسی چیزوں سے گھری ہے جو نفس پر ناگوار ہیں اور صبر و درکار ہے اور جہنم ایسی چیزوں سے گھری ہے جو نفس کی خوشی و خواہش ہیں تو خبردار ہو کہ جسے ناگوار و صبر کا پردہ کھول لیا وہ جنت کے دروازے پہنچ گیا اور جو اُسکے دروازے پر ہونچا وہ جنتی ہے اور جسے جی کی خوشی و خواہش کا پردہ کھول لیا تو جہنم کے دروازے پہنچ گیا اور وہ جہنمیون سے ہو گا پس تم لوگ حق پر عمل کرو تو اہل حق کی منزل میں اترو گے جس دن سوائے حق کے فیصلہ نہ ہو گا (اسناد صحیح) **قال** وحدثنی اسمعیل بن ابی خالد عن قیس بن ابی حازم قال النبی فی اسمعیل بن ابی خالد مشہور ثقہ نے مجھے فرمایا کہ قیس بن ابی خالد عظیم الشان تابعی نے بیان فرمایا کہ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے اہل دمشق کے درمیان کھڑے ہو کر خطبہ سنایا پس اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا پھر فرمایا کہ ای اہل دمشق (مسلمان) اپنے خیر خواہ نصیحت کرنے والے بھائی کی گفتگو سنو۔ یہ تمہارا کیا حال ہے کہ وہ مال جمع کرتے ہو جو نہیں کھاؤ گے اور وہ مکان بناتے ہو جس میں نہیں رہو گے اور ایسی چیز کی امید کرتے ہو جسکو نہیں پاؤ گے۔ دیکھو تم سے پہلے بہت لوگ تھے جنھوں نے بکثرت جمع کیا اور بہت مضبوط عمارتیں بنائیں اور بہت دور کی امیدیں اپنے دلوں میں جائیں اور جلدی سے مر گئے تو یہ نتیجہ نکلا کہ ہلاکت و بربادی اُنکے اعمال ہوئے اور قبریں اُنکے گھر ہوئے اور وہ آرزو میں سب دھوکا کھائیں۔ ای لوگو خبردار ہو کہ سنو کہ یہ عادی و ثمود تھے کہ بصرہ سے عدن تک تمام ملک عرب انھوں نے اقسام اقسام کے مالوں سے اور کثرت اولاد سے اور اپنی خوشی کے موافق طرح طرح نعمتوں سے بھر دیا تھا اب کوئی ہے کہ انکا ترکہ مجھے دو درہم کو خریدے (اسناد صحیح حید قوی) **قال** فی اشارات العرائس قولہ تعالیٰ سبج اسم ربک الاعلیٰ اپنے رب عزوجل کے نام کو پاک بیان کر کہ اُسکا ہمنام عالم میں عرش سے تحت الثریٰ تک اور کہیں کوئی نہیں ہے اور اس نام پاک کی برکت سے صفات نظر آویں تو صفات سے قدس ذات تک رسائی ہو یہ طریقہ کمال ہے کہ پہلے اسماء حسنہ سے شروع کرے کہ یہ نرم و آسان ہے کیونکہ ابتدا میں تجلی صفات سے مضحل ہو جاتا ہے حریری نے کہا کہ اپنے رب عزوجل کی یہ شان بیان کر کہ وہ ان کسی وہم کو دخل نہیں ہے اور عرش حجاب ہے (قولہ تعالیٰ) الذی خلق فسوی۔ جسے آدم کو پیدا کیا اور اُس میں روح پھونکی پس صفات اور ذات کے درمیان تجلی سے اُسکو مستوی کیا اور یہی روح ہے جس سے انسان مستوی ہو مگر حجم کہتا ہے کہ شاید ذات کے ساتھ صفات رحمت کی تجلی سے ارواح صالحین اہل جنت مخلوق ہیں اور صفات غضب کی تجلی سے ارواح کفار و اہل جہنم ہیں واللہ تعالیٰ اعلم (قولہ تعالیٰ) والذی قدر قسڈی۔ ارواح و قلوب کو مشاہدہ کیواسطے مہذب کیا پھر اہل قرب کو مشاہدہ کے لیے اور کہا گیا کہ ہر ایت سے بعض کو ممتاز کیا واسطی نے کہا کہ سعادت و شقاوت ان کے حق میں مقرر فرمائی پھر دونوں فریق میں سے ہر ایک کے لیے وہ راہ آسان کر دی جو اُس پر مقرر ہے شیخ استاد نے فرمایا کہ عارفین کو قدس

موسٰی و ابراہیم الذی دنی۔ آخر آیات تک۔ یہ سب بھی صحیفہ ابراہیم و موسٰی میں مذکور ہیں اس طرح سچ اسم رکب الا علی۔ آخر تک بھی ان صحف میں ہو۔ ع۔ خطیبؒ نے کہا کہ یہ مطلب نہیں کہ بعینہ اسی نظم عربی کے ساتھ وہاں مذکور ہو بلکہ یہ معارف و احکام وہاں ہیں (سراج) عکرمہؒ نے بھی یہی کہا کہ آیات سچ اسم رکب الا علی ان صحف میں ہیں (رداۃ ابن جریر) اور امام ابن جریرؒ نے روایات سلف نقل کر کے یہ اختیار کیا کہ قد اُفلح من تزکی۔ سے آخر تک جو مضمون ہو وہ ان صحیفوں میں ہوا بن کثیرؒ نے کہا کہ یہ قول اچھا و قوی ہو اور اسی کے مانند قتادہؒ و ابن زیدؒ سے مروی ہو واللہ تعالیٰ اعلم۔ ع۔ مترجم کہتا ہے کہ دونوں قول کا مطلب واحد ہی جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا ہو اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کتنی کتابیں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائیں آپ نے فرمایا کہ ایک سو اور چار کتابیں (حدیث) (رداۃ عبد بن حمید و ابن مردودہ و ابن عساکر) شاید ایک سو صحیفہ ہیں اور چار یہی کتابیں توریت و زبور و انجیل و قرآن ہیں واللہ تعالیٰ اعلم رازیؒ نے لکھا کہ حضرت آدم علیہ السلام پر دس صحیفہ تھے اور شیت ۴ پر پچاس صحیفہ اور ادریس ۴ پر تیس صحیفہ اور ابراہیم ۴ پر دس صحیفہ اور چار کتابیں توریت و زبور و انجیل و فرقان ہیں اور کہتے ہیں کہ ابراہیمؑ کے صحف میں یہ بھی مذکور تھا کہ عاقل کو چاہیے کہ اپنی زبان کی حفاظت کرے اور اپنے وقت کی قدر کرے اور اپنی حالت درست کرنے پر متوجہ رہے (تفسیر کبیر) مترجم کہتا ہے کہ رازیؒ کے بیان سے ظاہر ہوا کہ موسٰی علیہ السلام پر فقط توریت اتنی تھی اور توریت سے پہلے انھیں صحیفوں پر عمل کرتے تھے جو حضرت ابراہیمؑ سے اسباط کو پہنچے تھے (مسئلہ) نسفیؒ نے مدارک میں کہا کہ قولہ ان ہذا لقی الصحف الاولیٰ۔ سے معلوم ہوا کہ صحف اولیٰ میں مختلف زبانوں میں یہ قرآن تھا اور نماز میں قرآن کی قرات واجب ہو تو اس سے دلیل نکلے کہ نماز میں فارسی زبان میں قرآن کی قرات جائز ہو جیسا کہ ابوحنیفہؒ سے روایت ہو۔ ع۔ خطیبؒ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی مراد یہ نہیں ہو کہ صحف اولیٰ میں ہی نظم عربی بعینہ موجود تھی بلکہ اسکا مضمون موجود تھا۔ س۔ یہ امام ابن جریرؒ نے فرمایا ہو۔ حق یہ ہو کہ نسفیؒ کو اس مسئلہ کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں تھی اس لیے کہ ابوحنیفہؒ نے اس مسئلہ سے رجوع کر لیا اور جمہور علماء کے ساتھ اتفاق کیا کہ جب نظم عربی میں قرات کر سکے تو کسی زبان میں نہیں جائز ہے اور اہل ثقہ و اصول سب کے نزدیک صحیح یہ کہ نظم عربی رکن لازم ہے اور اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ عالمگیری و درختار و غیرہ میں مصحح ہو اب کسی کو نہیں جائز ہے کہ امامؒ نے جس قول سے رجوع کر لیا اس پر فتویٰ دے فائدہ قال ابو اسمعیل الازدی فی الفتوح حدثنا ابو جعفر الانصاری عن عبد الرحمن بن السلیک الفزاری قال الخ یعنی مجھے ابو جعفر ثقہ نے بیان کیا کہ عبد الرحمن الفزاری کہتے تھے کہ جب عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے حصص پر عامل مقرر ہوئے اور اہل حصص میں آئے) وہاں بہت سے مسلمانوں نے اقامت اختیار کی تھی (تو لوگوں میں کھڑے ہو کر خطبہ سنایا۔ بعد حمد و ثنا کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا پھر کہا کہ اے لوگو ہوشیار ہو کہ یہ دنیا ستارے حاضر ہے اس سے مسلمان و کافر سب کھاتے اور نفع اٹھاتے ہیں اور ہوشیار ہو کہ آخرت وعدہ صادق ہو اُس میں بادشاہ قادر حکم فرما دے گا۔ ہوشیار ہو کہ تم لوگ اپنے اعمال پر پیش کیے جاؤ گے۔ فمن لعل من قال ذرۃ خیر ایزدہ الا یہ جسے ذرہ برابر نیکی کی اُسکو دیکھیں گے اور جسے ذرہ برابر برائی کی اُسکو دیکھیں گے۔ ہوشیار ہو کہ دنیا کے فرزند ہیں اور آخرت کے بھی فرزند ہیں پس تم لوگ آخرت کے فرزند بنو اور دنیا کے فرزند مت بنو اور جان رکھو کہ قیامت کے روز ہر ان کے پیچھے اُسکے بیٹے ہوں گے۔ ع۔ اس قدر خطبہ پڑھ کر

لیتے ہیں جیسے انکو ملیسر آئی ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ توریت عہد عتیق ہے اور انجیل عہد جدید ہے اور تعجب یہ کہ منسوخ کے معنی نہیں سمجھتے ہیں حالانکہ توریت میں اعلان کے ساتھ جہاد کا حکم ہے اور انجیل میں جہاد منسوخ ہے اسطرح توریت میں اونٹ و چرواہی و شراب حرام ہے اور انجیل میں یہ سب حلال کر دیا گیا پھر بھی منسوخ کے معنی نہیں سمجھتے حالانکہ کتنا سمجھائے گئے اسلیے امت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین علیہم السلام ساتون سے بڑھ کر عاقل و عالم و شایستہ آخرت ہیں ولیکن دنیا کے نجس لوگ عداوت سے جھوٹے الفاظ کہتے ہیں اسلیے کہ دنیا کی محبت میں انکے ساتھی نہیں ہیں جیسے منافق نبی کہتے ہیں کہ اسلام میں خوف و بزدلی کی تعلیم ہے اور یہ بدی جھوٹ ہے اسلیے کہ سچا مسلمان دنیاوی زندگی کو نہیں پسند کرتا اور اللہ تعالیٰ سے خوف کرتا ہو تو تمام جہان سے نہیں ڈرتا ہو پس اُسکے مثل مردانہ دلیر کوئی نہیں ہے ولیکن وہ دنیا چھین لینے کے لیے نہیں لڑتا اور نہ مکر کرتا ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ اس زمانہ میں مسلمان کوئی دیکھا نہ ہوگا کیونکہ احادیث متواترہ میں اس امت کے خراب ہو جانے کا حال مفصل مذکور ہے حالانکہ وہ کتاب میں سنہ دوسو ہجری کے قریب جمع کی گئی تھیں جب اسلام کے زور شور کے سامنے نصرانیت کا چراغ گویا گل ٹھاٹھا بلکہ ان میں یہ حدیث بھی ہے کہ آخر زمانہ میں نصرانی غالب ہو جاویں گے اور روئے زمین پر انھیں کا غلبہ زور ہوگا ولیکن میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ غالب ظاہر ہوگا چاہے کوئی انکی مدد نہ کرے اور جو کچھ حالات موجود ہیں یہ سب مذکور ہیں اور اسے زیادہ بھی مذکور ہیں جنکا انتظار ہے ولیکن ان معجزات باہرات سے کچھ اثر نہوا کیونکہ آیت میں حضرت خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان سے سنایا کہ یہ جو مذکور ہوا ہے صحف ابراہیم و موسیٰ میں قدیم سے چلا آتا ہے۔ پھر اگر عرب کے بے پڑھے لوگ برباد کر چکے تھے تو یہ یہودیوں کو معلوم تھا وہ جان لینے کہ یہ بے شک وحی ہے اسلیے کہ محمد صلعم رسول امی ہیں لینے بالکل اُسی صفت پر ہیں جو قدیم صحیفہ و کتب میں آپ کے بشارات و فضائل میں بیان ہوا ہے پھر جو عمری جانتا ہوتا وہ بھی نہ جانتا کہ عبرانی کتاب میں کیا مذکور ہے جیسے یہودی کتاب کے معنی عرب والے پڑھے لکھے بھی نہیں سمجھ سکتے تھے پس یہ قطعی معجزہ ہے کہ آپ نے وحی سے بتلایا کہ یہی صحف ابراہیم و موسیٰ ہیں اگر پوچھا جاوے کہ بڑا (یہ مذکور) سے کیا مراد ہے پورا سورہ سج اسم ربک الاعلیٰ یا فقط قدام من ترکی سے آخر تک مراد ہے مترجم کتاب ہے کہ قدام من سے آخر تک نتیجہ ہے اور اوپر سے اسکی تہید ہے تو دونوں باتوں کا انجام ایک ہی ہے اسلیے سلف کے بعض مفسرین نے پورا سورہ کہا اور بعض نے فقط قدام من سے لینے نتیجہ کا شیخ ابن کثیرؒ نے لکھا کہ حافظ ابو بکر البراء رحمہ اللہ نے کہا کہ حدیثنا نصر بن علی حدیثنا المعتمر بن سلیمان عن ابیہ عن عطاء بن السائب عن عکرمہ عن ابن عباسؓ عن قال الخ ابن عباسؓ نے کہا کہ جب یہ آیت اُتری ان ہذا فی الصحف الاوٰی صحف ابراہیم و موسیٰ۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سب سورہ صحف ابراہیم و موسیٰ میں تھا اردو ابن المنذر والحاکم و صحیح و ابن مردودہ و فی الفتح اور ابن عباسؓ رضی اللہ عنہ نے خود بھی یہی بیان کیا کہ سورہ صحف ابراہیم و موسیٰ میں تھا ابن کثیرؒ نے کہا کہ امام نسائیؒ نے کہا کہ حدیثنا ذکر یابن یحییٰ خبرنا نصر بن علی حدیثنا المعتمر بن سلیمان الخ ما شہد اسناد امام ہزارم کہ ابن عباسؓ نے کہا کہ جب سج اسم ربک الاعلیٰ نازل ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پورا سورہ صحف ابراہیم و موسیٰ میں ہے اور جب نازل ہوا۔ و ابراہیم الذی وفی۔ تو فرمایا کہ۔ الا تزر وازرۃ و زر آخری۔ ہ۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ اسکی نظیر دوسری آیت ہے یعنی سورہ النجم میں قولہ تعالیٰ ام لم ینبأ بآنی صحف

ایک شخص کو تمام دنیا مع اُسکے متاع و جواہرات کے جو خشکی و سمندر میں ہیں سب مل گئے اور یہ سب تو وہ خاک اُسکی تھی۔
 اگیا اور لوگ سب اُسکی بادشاہت کی رعیت کھلائے تو آخر چند روز کے بعد فنا ہو اور ساری کوشش اور اترانا خاک ہے
 تو یہ پہنچ ہو اور آخرت جسکی ایک بالشت قیمت تمام دنیا و ما فیہا ہرگز نہیں ہو سکتی ہو وہ بے مثل و بے مثال ہمیشہ کے لیے لازوال
 ہو تو دنیا سے آخرت بے انتہا بہتر ہے مترجم کہتا ہے کہ میں نے (بے انتہاء) اس لیے کہا کہ ظاہر میں ناقص و ہم یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ
 نے دنیا سے آخرت کو بہتر فرمایا جیسے چاندی سے سونا بہتر ہے تو دونوں میں یہ نسبت ہوئی۔ یہ وہم بالکل غلط ہے چونکہ کفار اس دنیا
 سے نرفیتہ ہیں تو اسکو بالکل خاک و خوار کہنا حکمت کے خلاف ہے کیا تم نے نہیں جانا کہ حدیث سے روایت کرتے ہیں کہ جس چیز سے
 آدمی کو محبت ہوتی ہو اُسکی برائی سے اندھا بہرہو جاتا ہے۔ اس لیے اس حکمت سے فرمایا یعنی جسکو تم لوگ اچھی سمجھتے ہو یعنی دنیا
 تو آخرت اس سے بھی بہتر ہے اور البقی ہے۔ جب اُسے کچھ کان کھو لکر سنا کہ وہ بہتر ہے تو ذرا سی توجہ کر چکا پھر اگر کچھ بھی عقل ہے
 تو اُسے (البقی) کے معنی میں غور کیا کہ دنیا سے وہ زیادہ باقی ہے تو کس قدر زیادہ ہو۔ معلوم ہوا کہ وہ ہمیشہ ہے ہمیشہ کے معنی
 یہ کہ اُسکی کبھی انتہا نہیں ہو۔ اب اُسے سمجھ لیا کہ اگر دنیا کی انتہا سو برس ہوئی اور آخرت کروڑوں یا کروڑوں سنہ ہو تو بھی کچھ
 نسبت لگائی جانی اگرچہ کبھی کی ایک آنکھ برابر بھی نہ ہوئی اور یہ تو بے انتہا ہے جس سے کسی عاقل کے نزدیک نسبت نہیں
 ہو سکتی ہے تو اب سمجھا کہ یہ دنیا ہرگز آخرت سے کچھ نسبت نہیں رکھتی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ ذات پاک قدیم لم یزل لا یزال
 ہی توجہت آخرت بھی لازوال ہو اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ملکہ بے انتہا ہے توجہت میں ہر روز نعمتوں کی ترقی ہے انتہا تک
 ہوتی جاوے گی اسی وجہ سے جنتی کبھی وہاں نہ اگتا یگا اور نہ کبھی وہاں سے دوسری جگہ جانے پر رضی ہوگا اِنَّ هَذَا
 كَفِيَ الصَّخْفَ الْاَوَّلٰی۔ بیشک یہ امر موصوف جو مذکور ہوا ہو اگلے صحیفوں میں تھا ف لائقین
 انبیاء علیہم السلام پر جو صحیفے اور کتابیں اتریں ان میں بھی یہ امر مذکور موجود تھا۔ صحیفوں سے کیا مراد ہو تو فرمایا۔ صَخْفِ
 اِبْرٰهٖمَ وَ مُوسٰی۔ ابراہیم و موسیٰ کے صحیفوں میں ف بعض علماء نے کہا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے
 کہ موسیٰ علیہ السلام پر پہلے صحیفہ اُترا تھا پھر توریت عطا کی گئی مترجم کہتا ہے کہ صحیفہ کتاب کو بھی شامل ہے۔ مطلب یہ کہ
 جب یہ بات صحیفہ ابراہیم علیہ السلام میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی تھی تو ابراہیم ؑ نے اپنی امت کو سنائی تھی پھر ان کے
 چھوٹے بیٹے اسحق نے شام میں اور بڑے بیٹے اسمعیل علیہما السلام نے عرب میں یہی نصیحت سنائی اور اسحق ؑ کے بھتیجے یعقوب
 و اولاد و اسباط میں یہی سلسلہ چلا آیا حتیٰ کہ جب موسیٰ علیہ السلام پر کتاب نازل ہوئی تو یہ بات اس میں بھی مذکور تھی پس ما بعد
 انبیاء بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک اپنے اپنی امت کو سنائی اگر کو کہ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام لی
 انجیل میں یہ بات نہ تھی (جواب) یہ بات تو ایمان کی دعوت میں لازمی چیز ہے تو ہر پیغمبر نے اپنی امت کو سنائی و لیکن عیسیٰ ؑ کا ذکر
 اس لیے نہیں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو وہ توریت دی گئی جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور ان کو حفظ ہو گئی لیکن بنی اسرائیل
 پر توریت میں بعض احکام سخت کر دیے گئے تھے بوجہ اُنکے ظلم کے تو اللہ تعالیٰ نے وہ احکام منسوخ فرمائے اور
 حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل فرمائی تو اُس میں فقط وہی احکام تھے جو توریت میں سے منسوخ کیے گئے تھے اور
 باقی توریت کے احکام بدستور رہے اس لیے تم دیکھتے ہو کہ اس زمانہ میں جو لوگ نصرانی نام کے ہیں وہ توریت و انجیل دونوں کو

بلکہ دنیاوی زندگی کو آخرت پر اختیار کرتے ہوئے مترجم کہتا ہے کہ بیان سے معلوم ہو گیا کہ آخرت والوں کی پہچان یہ ہے کہ یاد اگلی و نماز سے پاکیزہ ہوں اور دنیا کے خیالات سے دل پاک رکھیں۔ اگرچہ اپنی ضرورت کے لائق دنیا سے کمائی کریں کیونکہ نفقہ فرض ہے برخلاف ان کے جسکی آخرت خراب ہو اگلی پہچان یہ ہے کہ دنیاوی زندگی کے لیے سعی کرنے میں خوش ہوں اور اسی پر دل رکھیں پھر اگر آخرت کو جھوٹ جانیں تو کافر ہیں اور اگر آخرت کے ساتھ پورا یقین ہو لیکن غفلت و لذت میں پڑے ہوں تو مسلمان ہیں لیکن گناہوں میں بھنسے ہیں خلاصہ یہ کہ تم دنیا کی لذتوں کو جو بالفعل حاصل ہیں اگرچہ چند ہی روز میں فنا ہونے والی ہیں آخرت پر جو نعمت بے نشان و لازوال ہے ترجیح دیتے ہو تو پھر ایسے طریقے کو نہیں اختیار کرو گے جو آخرت کی فلاح و مراد ہو اور یہ خطاب (تم لوگ) سب دنیا کے لوگوں سے ہے اس میں مسلمان و کافر داخل ہیں اگرچہ خاص بندے ایسے نہیں ہیں لیکن اکثر کی یہ حالت ہے کہ دنیا اور اس کے منافع حاصل کرنے میں ایسی محنت اور اہتمام کرتے ہیں جو آخرت کے کاموں کے لیے نہیں کرتے ہیں بعض علمائے کہا کہ خطاب مطلق لوگوں سے ہے (ف) مترجم کہتا ہے کہ مطلق سے مراد یہ کہ لوگوں کو خطاب کیا گیا اس طرح کہ اگر ان میں سے کچھ لوگ بھی ایسے ہوں تو خطاب ہو گیا اور ظاہر ہے کہ کفار و منافقین اسی قسم کے ہیں کہ دنیا کو اختیار کرتے ہیں اور آخرت کا اعتقاد نہیں رکھتے تو اس سے بالکل منہ موڑتے ہیں مترجم کہتا ہے کہ بہر حال یہ خطاب فقط مسلمانوں کو کسی حالت میں نہیں ہے کیونکہ حیثیت آیت کا نزد دل ہوا ہے اس وقت میں صحابہ رضی اللہ عنہم مسلمان تھے اور وہ لوگ دنیاوی زندگی سے موت و شہادت کو دل سے چلتے تھے ہاں اگر یہ تخلف کر دے کہ یہ مسلمان کو قیامت کے لیے مطلق خطاب ہو تو ہو سکتا ہے اگرچہ آیت نازل ہونے کے وقت اس قسم کا کوئی مسلمان نہ ہو یا دینے میں جہان منافق پیدا ہوئے تو منافق ظاہر میں مسلمانوں میں شامل تھے وہ اس قسم کے لوگ تھے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں اس عبارت سے آیا کہ تم لوگ جانتے ہو کہ ہم نے دنیا کو آخرت پر کیوں اختیار کیا اس لیے کہ دنیا حاضرہ کی گئی اور اسکے کھانے و پانی و عورتیں و لذتیں اور آرائش کی چیزیں بالفعل دی گئیں اور آخرت ہماری نظر سے پوشیدہ رکھی گئی تو ہم نے بالفعل سامنے موجود چیزوں کو لینا شروع کیا اور جسکے ملنے کی مدت ہوا اسکو چھوڑ دیا۔ والاخرۃ خیر و البقی۔ حالانکہ آخرت بالکل بہتر و پائدار ہے۔ غرض اسی نے لکھا کہ سب سے کم درجہ ایمان کا یہ ہے کہ ہمیشہ جانتا رہے کہ چاہے دنیاوی دولت بے انتہا اُسکے پاس ہو اس سے آخرت بہتر ہے اور وہ ان مجھے جانا ضرور ہے۔ مالک بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر فرض کیا جاوے کہ دنیا سب سونے کی ہے لیکن آدمی سے پچاس ساٹھ برس بعد یعنی موت کے وقت زائل ہو جائیگی اور فرض کیا جاوے کہ آخرت سب خاک مٹی کی ہے لیکن وہ جس آدمی کو ملے اُسکے لیے ہمیشہ رہیگی تو واجب تھا کہ جب اختیار دیا جاتا کہ دونوں میں سے پسند کرے تو حاکم اسی مٹی کی پائدار دائمی آخرت کو اختیار کرتا۔ پھر بھلا غور کرو کہ بیان تو معاملہ برعکس ہے کہ دنیا سب خاک مٹی کی ہے اور بہت جلد چند روز کے بعد آدمی سے چھوٹنے و فنا ہونے والی ہے اور آخرت بے مثل سونے کی اور دائمی ہے مترجم کہتا ہے کہ یہ کلام بہت صاف اور آسان اور سچی واقعی نصیحت ہے رازمی نے لکھا کہ آخرت بہتر ہونے کی چند دلیلین ہیں (۱) آخرت میں جسم کے واسطے کامل عیش ہے اور روح کیلئے بھی عیش ہے تو سب طرح کامل عیش ہے اور دنیا میں یہ بات دونوں طرح سے نادر و کمی (۲) دنیا میں جو لذت ہے ضرور اس میں کلفت ملی ہوئی ہے یعنی مثلاً نہایت عمدہ غذا اور بہت نفیس پانی حاصل ہوا تو آخر پانچ گانہ جانا ضروری ہے اور آخرت میں کسی کلفت و مشقت کا نام و نشان نہیں ہے (۳) دنیا میں اگر فرض کرو کہ

ایسے شخص کا گھر ہے جیسا گھر نہیں ہو اور ایسے شخص کا مال ہو جیسا مال نہیں ہو اور دنیا کے واسطے وہ جمع کرتا ہو جسکو عقل نہیں ہو۔ ابن جریر نے عوفیہ ثقفی سے روایت کی کہ میں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنا کہ اسم ربک الاعلیٰ کی قراءت چاہی تو جب آپ اس آیت پر پہنچے۔ بل تو ثرون الحیوة الیم تو قراءت چھوڑ کر اپنے شاگردوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ہم نے دنیا کو آخرت پر اختیار کیا شاگرد چپ ہو رہے (شاید شاگردوں نے ادب سے دل میں خوف کیا کہ اللہ تعالیٰ پناہ دے) آپ نے فرمایا کہ ہم نے دنیا کو پہلے اختیار کیا کہ ہم نے دنیا کی زینت دیکھی اور اُسکی عورتیں دکھانا و دنیا دیکھا اور آخرت ہم سے مخفی رکھی گئی تو ہم نے اُس سے بے توجہی کر کے اس موجود کو اختیار کر لیا ابن کثیر نے کہا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ کلمہ بطور توضیح کے بیان فرمایا یہ آپ نے نوع انسان مراد لی (ابن کثیر) یعنی یہ جو کہا کہ ہم لوگوں نے دنیا اختیار کی تو مراد یہ کہ ہم انسانوں نے دنیا اس وجہ سے اختیار کی کہ ایک تو دنیا رچائی ہوئی ہو دوسرے بیان کی زندگی میں جسم کا حکم اوپر ہو رہا ہو اور جسم کی طبیعت یعنی نفس کو (وہی) اسی زمین کی پیداوار سے ذاتی الفت ہی اسلیے کہ جسم اسی خاک سے پیدا ہوا ہے تو اس میں خاک کے سب اجزاء لوہا و سونا و چاندی وغیرہ موجود ہیں اور جس جسم میں جس قسم کا مادہ قوی ہو اسی چیز کا شوق زیادہ ہوگا مثلاً کسی مین لوہے کا جز زیادہ ہو تو اُسکو لوہے کی چیزوں سے خاص شوق ہوگا یہ اسوقت ہو کہ طبیعت کی خواہش پر چھوڑا جاوے اور اگر دنیا کی خواہش جم گئی تو پھر دنیا کی خاک بھی پسند کرنے لگتا ہے حتیٰ کہ بار بار دیکھا گیا کہ ایک دیوار کی مٹی کے نیچے دو لون ایسے لڑے کہ ایک مارا گیا نعوذ باللہ من ذلک اور امام احمد نے حدیث ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنی دنیا پسند کی تو اُس نے اپنی آخرت کو ضرر پہنچایا اور جس نے اپنی آخرت پسند کی تو اُس نے اپنی دنیا کو ضرر پہنچایا تو تم لوگ فنا ہونے والی چیز پر باقی رہنے والی چیز کو اختیار کرو (رواہ احمد متفقاً) اور امام احمد نے اسکو دوسری وجہ سے بھی روایت کیا ہو (تفسیر ابن کثیر) اگر کہا جاوے کہ قولہ تعالیٰ۔ بل تو ثرون۔ یہ خطاب کن لوگوں کو ہے (جواب) رازی وغیرہ نے لکھا کہ امام ابو عمرو کی قراءت میں بیاضے تختیہ (یو ثرون) آیا ہو یعنی وہ لوگ دنیاوی زندگی کو اختیار کرتے ہیں تو مراد اس سے اشتی یعنی کفار لیگ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے کفر کی یہی حالت بیان فرمائی ہو بدلیل قولہ تعالیٰ۔ استمبوا الحیوة الدنیا والہما لآئبا۔ یعنی کافروں نے دنیا کی زندگی سے محبت کی اور اسی پر مطمئن ہوئے۔ یعنی دنیا کی زندگی کو زندگی جانتے ہیں اور یہاں سے مرنا موت ہے۔ م۔ آدمی کو نظر کرنا چاہیے کہ اگر اُسکی یہ کیفیت ہو کہ دنیا کی زندگی اسکو دل سے اسطرح پیاری ہو کہ اسی پر دل ٹھہر جاوے اور یہاں سے جانے کی فکر نہ ہو تو وہ کافر ہے۔ باقی ائمہ قراء کی قراءت میں بتائے فوقیہ (تو ثرون) ہو یعنی نزکیہ و یاد اکی و نماز سے فلاح ملنے کو کیا سمجھو گے بلکہ تم لوگ تو دنیا کی زندگی کو اختیار کرتے ہو اس صورت میں خطیب نے تجویز کیا کہ مسلمانوں سے خطاب ہو مترجم کو یہ قول پسند نہیں ہو اسلیے کہ حسن بصری وغیرہ سلف کے قول میں ہو کہ منافق کی پہچان یہ ہو کہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہو اور جب مثلاً ایک وقت میں ایک کام دنیا کا اور دوسرا کام آخرت کا پیش آتا ہو تو وہ پہلے دنیا کے کام کو مقدم کرتا ہو اس قول میں اگرچہ یہ تاویل ہو کہ سلف صاحبین کی یہ مراد تھی کہ ایسے شخص میں اگر اسلام کا اعتقاد ہو تو شک نہیں کہ اس کے کام نفاق کے ہیں فتح البیان میں نقل کیا کہ قولہ بل تو ثرون الآئبہ۔ یہ پہلے کلام کے بعد جملہ مقدر سے اضراب ہو یعنی پہلے کلام کا حاصل یہ تھا کہ پاکیزگی و یاد الہی و نماز سے فلاح ہے ایسی مراد ملیگی جو قیاس سے اعلیٰ ہو اسکے بعد گویا یوں کہا کہ تم لوگ اسکی قدر نہیں کرتے ہو۔ بل تو ثرون الخ

نکالا ہے (جواب) میں کہتا ہوں کہ شاید رازیؒ کا مطلب یہ ہو کہ آیت میں یہ احتمال موجود ہو واضح ہو کہ قولہ تعالیٰ و ذکر اسم ربہ فصلی میں ذکر واجب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس فقرہ کو اللہ تعالیٰ نے فلاح کا ذریعہ بیان فرمایا کیونکہ قدا فلاح کے ذیل میں یہ بھی ہے پھر شک نہیں کہ نام رب تبارک و تعالیٰ ذکر کرنا مخصوص ہے اور رازیؒ نے فقط ذکر رب عزوجل بیان کیا اور یہ بھی اُس تاویل سے ہو سکتا ہے جو میں نے ابن عباسؓ کے قول کی تاویل میں بیان کیا ہے اور نتیجہ اُسکا یہی ہو کہ رب عزوجل کا نام پاک یاد کیا ولیکن نام ذکر کر کے نماز پڑھنا جن وجہوں سے ہو سکتا ہے سب سے اکمل فرد یہ ہے کہ اللہ اکبر کہے فریضہ نماز پڑھتے تو یہ اول مراد ہے پھر وہ استدلال آگیا جس سے رازیؒ نے گریز کیا تھا فافہم کیا نہیں دیکھتے ہو کہ اسی آیت سے زکوٰۃ الفطر دینا اور راہ بین تکبیر کرنا اور نماز عید پڑھنا نکالا گیا اور دلیل فلاح یہ واجب ہو جس قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو ملک آثار صحابہ رضی اللہ عنہم اس معاملہ میں حکم حدیث میں تو غایت درجہ یہ کہ استدلال میں یہ شبہ رہ جاوے کہ شاید یہ بطور تاکید ہو اور واجب اُسی کو کہتے ہیں جس میں کچھ شبہ باقی رہے اور مترجم کی تفسیر میں اقوال سلف کو اعادہ کرتا جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ قدا فلاح من تزکی۔ بیشک اپنی مراد پائی اور حجت میں داخل ہوا جسے تزکی حاصل کی۔ یعنی شرک سے پاکیزہ ہوا اور اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک پر ایمان لایا یعنی اُس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر عمل کیا اور حکم قبول کیا قدا فلاح نے کہا کہ نیک عمل سے پاکیزہ ہوا۔ عطا و قنادہ و ابو العالیہ نے کہا کہ اس آیت کا نزول دربارہ صدقۃ الفطر ہو عکرمہؒ نے کہا کہ صحابہ رضی عنہم سے سننا کہ میں اپنی نماز سے پہلے زکوٰۃ دوں گا۔ خوفِ رضی نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حکم فرماتے تھے کہ نماز عید پڑھی جانے سے پہلے زکوٰۃ الفطر نکالی جاوے اور یہی آیت تلاوت فرماتے (رواہ البزار و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و البیہقی) لیکن اسکی اسناد میں کثیر بن عبد اللہ راوی ہیں بہت ضعیف ہیں لیکن اسکے واسطے شاید موجود ہو وہ حدیث ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے۔ قدا فلاح من تزکی و ذکر اسم ربہ فصلی۔ پھر صدقۃ الفطر تقسیم فرماتے بعد اسکے نماز عید الفطر کے لیے مسجد ان کو جاتے تھے (رواہ ابن مردویہ) ابو سعید خدری رضی عنہ خود بھی اس آیت میں ہی معنی بیان کیا کرتے تھے کہ عید میں جانے سے پہلے اُسے صدقۃ الفطر دیدیا پھر عید گاہ جا کر نماز پڑھی۔ ابن عمر رضی عنہما نے کہا کہ یہ آیت اس بارہ میں نازل ہوئی کہ نماز عید سے پہلے صدقۃ الفطر نکالے۔ عطا و نے کہا کہ میں نے ابن عباسؓ سے پوچھا کہ قدا فلاح من تزکی صدقۃ الفطر کے لیے ہے فرمایا کہ سب زکوٰۃ کے بارہ میں سے میں نے دوبارہ پوچھا تو فرمایا کہ سب صدقات کے بارہ میں ہو قولہ تعالیٰ۔ بَلْ تُؤْتُوا نَفْسَکُمُ الْحَیْوةَ الدُّنْیَا وَالْآخِرَةَ خَیْرًا وَآٰ بَقِی۔ بلکہ تم اختیار کرتے ہو زندگانی دنیا کو اور آخرت بہتر اور بڑھکر باقی ہو ف۔ پہلے یہ بیان فرمایا کہ فلاح پانے والا وہ بندہ ہو جسے پاکیزگی اختیار کی اور نام الہی یاد کر کے نماز پڑھی تو اُسے پوری مراد پائی اور وہ آخرت کی حجت میں ہے۔ پھر فرمایا بلکہ تمام حیات دنیا کو اختیار کرتے ہو یعنی آخرت کے معاملہ پر دنیاوی کام مقدم کرنے ہو اور جس کام میں تمہارا دنیاوی نفع و مصلحت ہو اُسکو پہلے عمل میں لاتے ہو۔ حالانکہ آخرت بہتر و پائدار ہے یعنی دار آخرت میں ثواب الہی بہ نسبت دنیا کے بہتر ہو اور آخرت زیادہ باقی ہو یعنی آخرت ہمیشہ باقی ہو پر خلاف اسکے دنیا سے فانیہ جلد مٹ جانے والی ہو یعنی ہر شخص کی موت سے دنیا مٹ جاتی ہو پس لائق نہیں کہ جسکو سمجھ ہو وہ اس قدر فانی برباد جائے آفات کو اختیار کرے اور عین پاکیزہ نعمت و انعمی بے مثال دولت کو چھوڑے۔ امام احمدؒ نے حدیث ام المؤمنین عائشہ رضی عنہا سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا

دکھلانے کے لیے نماز پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کرتے مگر قلیل۔ یعنی کچھ یاد نہیں کرتے ہیں مسئلہ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے دلیل پائی کہ نماز کے شروع کرنے کے واسطے جو تکبیر کہی جاتی ہے وہ واجب ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے یہ بھی کہا کہ اس سے معلوم ہوا کہ وہ نمازین داخل نہیں ہے اس لیے کہ نماز اس پر عطف ہو کیونکہ فرمایا ذکر اسم ربہ۔ اور اس پر عطف کیا بقولہ تعالیٰ۔ فصلی۔ اور ذکر اسم۔ سے مراد اول کی تکبیر ہے اور معطوف علیہ و معطوف میں جدائی ہوتی ہے۔ ابو حنیفہؒ نے یہ بھی کہا کہ اس آیت میں مطلق ذکر اسم مذکور ہے یعنی فقط نام پاک (اللہ) کی خصوصیت نہیں فرمائی گئی تو جیسے (اللہ اکبر) کہہ کر نماز شروع کرنا جائز ہے اسی طرح رب عزوجل کا کوئی نام پاک ذکر کرے جائز ہے جیسے الرحمن اکبر۔ الرحیم اکبر۔ یعنی اگرچہ (اللہ اکبر) جامع نام ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم اسی نام پاک سے شروع کرتے تھے تو اس وجہ سے اسی نام سے شروع کرنا افضل ہے ولیکن کلام یہ ہے کہ اگر رب عزوجل کے پاک ناموں میں سے کوئی دوسرا نام لیا شروع کرے تو کیا حکم ہے آیت میں مطلق ذکر اسم آیا تو جائز نکلا۔ واضح ہو کہ شافعیہ کے نزدیک شروع کی تکبیر واجبہ بھی نماز میں داخل ہے تو ابو حنیفہؒ کی دلیل کا کیا جواب ہو کیونکہ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ قولہ تعالیٰ ذکر اسم ربہ۔ معطوف علیہ ہوا اور فصلی۔ معطوف ہو اور جب معطوف علیہ سے تکبیر تحریمہ مراد ہو تو نماز سے جدا ہوئی کیونکہ معطوف علیہ اور معطوف جدا جدا ہوتے ہیں کیونکہ اگر دونوں ایک ہی ہوں تو عطف بے معنی ہو جیسے کوئی کہے کہ ید و زید آیا تو بیفائدہ ہو بلکہ یہ مطلب ہے کہ زید آیا۔ اس مذاسب کے نزدیک معطوف علیہ و معطوف میں جدائی ہوتی ہے پھر بیان تکبیر جدا ہوئی اور نماز جدا ہوئی رازیؒ نے کہا کہ شافعیہ نے یہ جواب دیا کہ میان آیت میں مطلب اس طرح ہے۔ فصلی ذکر اسم ربہ یعنی نماز پڑھی پس اپنے رب کا نام ذکر کیا اس صورت میں نماز میں نام پاک کا ذکر بھی داخل ہو گیا۔ اگر کہو کہ تم نے عطف کو لوٹ دیا (جواب) ہاں اس لیے کہ دونوں طرح کچھ فرق نہیں ہے جیسے کہو کہ اپنے مجھے بزرگی دی پس مجھے دیکھنے آئے یا یوں کہو کہ آپ مجھے دیکھنے آئے پس مجھے بزرگی دونوں طرح ایک مطلب ہے رازیؒ نے کہا کہ اس جواب میں ابو حنیفہؒ کی طرف سے یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ فصلی۔ میں (ت) واسطے تعقیب کے ہے یعنی اول امر کے پیچھے یہ کام کیا تو میں یہ تھے کہ پہلے نام پاک ذکر کیا اسکے پیچھے نماز پڑھی۔ تم نے جب الٹ دیا تو یہ معنی نہیں رہے مترجم کہتا ہے کہ جو مثال بیان کی تھی اُس میں بھی الٹ دینے سے فرق آتا ہے کیونکہ آپ نے مجھے بزرگی دی پس مجھے دیکھنے آئے اس سے دو معنی نکلے ہیں اول جو حقیقی معنی ہیں وہ یہ ہیں کہ پہلے مجھے بزرگی بخشی پھر مجھے دیکھنے بھی آئے تو یہ دوسری بزرگی ہی اور دوم یہ کہ آپ نے مجھے اس طرح بزرگی دی کہ مجھے دیکھنے آئے لیکن اس صورت میں (پس) بمعنی بیان و سبب ہے اور (تعقیب) کے معنی نہیں ہیں اور یہی الٹ دینے کی صورت میں معنی ہیں پس معلوم ہوا کہ آیت میں الٹ دینا اور ایک ہی معنی بیان کرنا بدون کسی دلیل کے اعتماد کے قابل نہیں ہے رازیؒ نے کہا کہ بھر دو سرا جواب تجویز کیا جاوے اور وہ یہ ہے کہ آیت سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اُس بندے کی مدح ہے جو اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کر کے اسکے پیچھے نماز پڑھے تو اُس سے یہ نہیں نکلتا کہ نام سے شروع نماز کی تکبیر مراد ہے بلکہ شاید یہ مراد ہو کہ جسے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور ثواب و عذاب کو یاد کیا پس عاجزی سے نماز پڑھنے لگا اس طریقے سے وہ استدلال ہی جاتا رہا نفسیہ کبیر مترجم کہتا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ جواب دینے کی ضرورت یہاں تک داعی ہوئی کہ اصل استدلال ہی مٹا دیا حالانکہ پہلے خود لکھا تھا کہ اسی آیت سے فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے تکبیر تحریمہ کو واجب

روح کو نکال کر حیرت میں رکھ کر آسمان کو لے جاتے ہیں تو جس گروہ ملائکہ کی طرف گزر ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ کسی عمدہ خوشبودار اور کافر کی روح جب ٹاٹ میں لے جاتے ہیں تو اس سے بدتر سے بدتر ہو بونچلتی ہے جس سے گروہ ملائکہ نفرت کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اعتقاد توحید سے روح پاکیزہ خوشبودار ہو جاتی ہے باقی رہ جسم تو اسکو پاک کر نچا طریقہ یہ نہیں ہے کہ صابون سے ملا جاوے تاکہ کھال سے مٹی میل چھوٹ جاوے بلکہ اعمال صالحہ سے پاک ہوتا ہے جیسے وضو کی فضیلت میں حدیث میں ہے کہ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر ہو اور وہ پانچ وقت اُس میں نہاوے تو اُسکی کھال پر سیل کچیل نہیں رہیگا اسی طرح پانچ وقت وضو و نماز ہو یعنی بدن بالکل پاکیزہ ہو جاتا ہے اور اسی طرح دیگر اعمال صالحات ہیں اور اگر اُس نے بدکاری کی تو سیل کچیل چڑھتا ہے اور بدن پاکیزہ نہیں رہتا ہے کہ اگر اسی حالت پر بغیر توبہ و استغفار کے مر گیا تو یہ بدن جنت میں جانے کے لائق نہیں ہے جب تک اس سیل سے پاک نہ ہو اور پاک ہونا دو طرح ہوگا ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے پاک کر دے جبکہ اس شخص میں کوئی ایسی بات ہو جس سے اس ترحم کے لائق ہوا یا اُس نے شفاعت پائی یعنی کسی بندہ صالح نے اُسکی شفاعت کی اور اللہ تعالیٰ نے اُسکو پاک کر دیا (دوم) یہ کہ جہنم کی آگ سے پاک کیا گیا اور یہ سخت ہے اللہ تعالیٰ ہم بندوں پر رحم فرما کر دوزخ سے ہم کو پناہ عطا فرماوے اور ہمارا رب ارحم الراحمین ہے فائدہ جلیلہ بعد موت کے ارداد کا ٹھکانا اور پر بیان ہو چکا ہے اور وہاں صریح ذکر اسلام کا نہیں ہوا کہ اگر ایک شخص ایمان میں یقین سے صادق ہے ولیکن گناہوں کا مرتکب ہوا ہے اور اُس نے توبہ کی تو فیق نہیں پائی یا توبہ قبول نہ ہونے پائی تھی کہ وہ مر گیا تو بیان مذکورہ بالا سے واضح ہوا کہ اگر مومنین کی روح جنت میں رہتی ہے تو بالفعل اُسکی روح لائق جنت ہے کیونکہ صدق ایمان سے وہ پاک بشرطیکہ اعمال و افعال گناہ سے کوئی اثر ایسا نہیں ہو جس سے روح میں کدورت لاحق ہو کیونکہ کبیرہ گناہوں سے احتمال ضرور ہے اور رہا بدن جو کہ اُسکے گناہوں سے آلودہ ہے وہ ضرور اُسوقت قابل جنت نہیں ہے ولیکن ابھی جنت کا داخلہ بدون بدن کے ہوگا کیونکہ مع بدن کے داخل ہونا جو کمال ہے وہ بعد بعثت قیامت کے ہوگا تو اس وقت روح کے لیے مانع نہیں ہو سکتا ولیکن اگر بدن پر بوجہ گناہ کے قہر میں عذاب ہو تو روح جنت میں نہوگی اس لیے کہ جنت میں کسی کا درد اور دکھ نہیں ہو سکتا ہے اور یہ مقام خوفناک ہے الہی رحم فرما کر ہم بندوں کو بخش دے اور ہمارے گناہ بخش دے انت المولیٰ ارحم الراحمین۔ واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت مروجہ کے واسطے بہت آسان فرمایا کہ دلی ندامت سے توبہ کرے تو گناہ معاف فرمایا جاتا ہے اور جب کبیرہ گناہوں سے بچے تو اللہ تعالیٰ صغیرہ گناہوں کو اپنی رحمت سے کفارہ فرماتا ہے واللہ الحمد والمنة (تفسیر پنجم) قولہ تعالیٰ و ذکر اسم ربہ فصلی۔ اور یاد کیا اپنے رب تعالیٰ کا نام پس نماز پڑھی۔ ہ۔ اسمین نام الہی یاد کرنے سے کیا مراد ہے اور نماز سے کس قسم کی نماز مراد ہے ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نام الہی ذکر کرنے سے مراد تکبیر ہے جیسے اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ الحمد اور نماز سے مراد عید کی نماز ہے اور خلاصہ یہ کہ نماز عید کے واسطے جاتے وقت راہ میں تکبیر کہتا جاوے لیکن عید الفطر میں آہستہ کہے اور عید الاضحیٰ میں آواز سے کہے پس ذکر اسم رب تبارک تعالیٰ سے یہ تکبیر مراد ہے اور نماز سے عید کی نماز مراد ہے (تفسیر ششم) یہ کہ نماز فریضہ و نفل سب مراد ہیں اور نام الہی یاد کرنے سے یہ مطلب ہے کہ نماز میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا یعنی اُسکی نماز مانند منافقوں کی نماز کے نہیں ہے اور منافقوں کی حالت کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا بقول تعالیٰ یرأون الناس ولا یدرون اللہ الا قلیلاً۔ یعنی لوگوں کو

اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے (مرتبہ سوم) یعنی خدمتِ توبہ قولہ تعالیٰ فصلی۔ سے مراد ہے کہ چونکہ نماز اصل میں خضوع و خشوع ہے پس جس بندے کا قلب اللہ تعالیٰ کی معرفت قدس جلال و عظمت و کبریا و کمال سے روشن ہوا وہ سرے پا نون تک اسکی حضور ہی میں بندہ عاجز ہو جائیگا اور خضوع و خشوع اسکے اعضا پر ظاہر ہوگا (تفسیر دوم) قد افلح من تزکی سے عید الفطر کی زکوٰۃ ہو یعنی فلاح پائی جسے عید میں جانے سے پہلے صدقۃ الفطر دیدیا پھر عید گاہ گیا۔ و ذکر اسم ربہ فصلی۔ پھر نام الہی کے ذکر کے ساتھ نماز عید ادا کی۔ یہ قول عکرمہ و ابوالعالیہ و ابن میزین و ابن عمر سے مروی ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہ تفسیر روایت کی گئی ہے اس تفسیر میں دو وجہ سے مشکل پیش آتی ہے (وجہ اول) یہ کہ قرآن مجید میں طریقہ محمود یہ ہے کہ پہلے نماز پھر زکوٰۃ ارشاد ہے حالانکہ تفسیر مذکور کے موافق یہاں پہلے زکوٰۃ پھر نماز ہے (وجہ دوم) یہ کہ امام غلبیؒ نے اپنی تفسیر میں کہا کہ یہ سورہ بالا جماع مکہ ہے اور رکے میں نہ عید بھی نہ زکوٰۃ فطر بھی واحدیؒ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ عنقریب نماز عید زکوٰۃ فطر ہو جائیگی تو ایسے بندے کے واسطے فلاح بیان فرمائی جو اس پر عمل کرے گا مترجم کہتا ہے کہ الحمد للہ کہ مترجم کو جو اشکال پیش آیا تھا وہ امام رازیؒ نے امام غلبیؒ سے نقل کیا لیکن امام واحدیؒ کا جواب مجھے پسند نہیں ہے کیونکہ مکہ معظمہ میں یہ سورہ اسلئے نازل ہوا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے عام نصیحت فرما دیں چنانچہ اوپر کی آیات میں بیان ہو چکا پس وہ لوگ کیونکر سمجھ سکتے تھے ایسی بات جو ہنوز وجود میں نہیں ہے بلکہ جواب میرے نزدیک یہ ہے کہ پاکیزگی دو طرح ہوتی ہے ایک عقائد توحید سے جو اس زمانہ نزول میں مقصود تھی اور دوم اعمال سے ناکہ جسم پاکیزہ ہو جیسے عقائد روح حقیقی ہو گئی اور عقائد سے پاکیزگی کے شرائع معروف تھے اور طریقہ سنت کے لوگوں کو یہ بھی معلوم تھا کہ بعد ختم صیام کے عید الفطر کا صدقہ نکالیں اور جماعت سے عید گاہ میں نماز پڑھیں لیکن آیت سے یہ حکم نہیں معلوم تھا حالانکہ یہ طریقہ منجملہ شواہد اسلام کے ہے جس سے اسلام کے آثار عظمت ظاہر ہوں تو ان علماء رحمہم اللہ نے اپنی دقیق معرفت سے اس طریقہ سنت کے واسطے قرآن مجید سے دلیل بتلائی کیونکہ احادیث سے ان کی تفسیر ہیں لیکن سمجھنا مشکل ہے اور جسے تابعین کے آثار میں متبع کیا وہ جانتا ہے کہ اکثر ائمین سے حدیث شریف پاتے تو اپنے مشائخ صحابہ پاک یا تابعین سے دریافت کرتے کہ قرآن میں اسکا بیان کہاں ہے یا جملہ میرے نزدیک ان علمائے آیت قدسی سے ایک مثال بیان فرمائی ہے واللہ تعالیٰ اعلم (تفسیر سوم) مقاتلؒ نے کہا کہ قولہ تعالیٰ قد افلح من تزکی۔ یعنی اپنے مال سے زکوٰۃ یعنی صدقہ دیا و ذکر اسم ربہ فصلی۔ اور اپنے رب غرض کہ نام بوجدانیت یاد کر کے نماز پڑھی اس تفسیر میں اور سابق تفسیر میں فرق ہے کہ اس میں نماز زکوٰۃ فرض بھی شامل ہے بخلاف اول کے کہ اس میں فرض نماز زکوٰۃ داخل نہیں ہے (تفسیر چہارم) قد افلح من تزکی۔ کہا گیا کہ اس سے مال کی زکوٰۃ مراد نہیں ہے بلکہ اعمال کی زکوٰۃ مراد ہے یعنی اعمال کو ریا کاری و کوتاہی وغیرہ سے پاک رکھے بلکہ بدن ریا کے خالص اللہ تعالیٰ کے واسطے ٹھیک ہتمام سے ادا کرے اور مال کی زکوٰۃ اسلئے نہیں ہو سکتی کہ مالی زکوٰۃ دینے کو (تزکی) کہتے ہیں اور (تزکی) نہیں پڑھتے ہیں تو معنی جانا کہ بیان (تقلید) یعنی ستر اور پاکیزہ ہونا اور ذکر اور زکوٰۃ اسلئے کہ اعمال کو خالص اللہ تعالیٰ کے واسطے ادا کرے اس میں کیوں دکھانا سنا مقصود نہ تھا کہ نور حاصل ہو کر نجاست و کدورت نفس زائل ہو جاوے و قال تعالیٰ من تزکی فانما تیزکی لنفسہ۔ یعنی جو بندہ پاکیزہ ہو جائے تو وہ اپنی ہی ذات کے بھلے کو سترائی گاتا ہے۔ اسلئے بیان بھی یہی سترائی مراد ہے مترجم کہتا ہے جسے غور کیا وہ جانتا ہے کہ حقیقی ہونیکے لیے آدمی کو پاکیزہ ہو جانے کا طریقہ سکھایا گیا ہے اور یہ طریقہ دنیا میں بغیر غیبر کے ہرگز نہیں معلوم ہو سکتا ہے اور جو کوئی حق اپنے آپ کو پاکیزہ سمجھے تو اسکی حالت ظاہر ہو بلکہ اللہ تعالیٰ پاکیزہ کر دیتا ہے پس دیکھو کہ یہ پاکیزگی صرف دو باتوں پر ہے ایک توبہ کی پاکیزگی اور وہ اللہ تعالیٰ الوہیت و وحدانیت پر عقائد ہیں جو دل میں ٹھیک جاوے اس طرح معطر خوشبودار ہو جاتی ہے چنانچہ حدیث میں ثبوت ہے کہ فرشتے جب میں کی

منوعات سے بچے تو فلاح پاوے اور اگر اسکے ساتھ میں نوافل و مستحبات ملاوے تو درجات عالیاں پاوے۔ پھر واضح ہو کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ظاہر یہ کہ نماز کا حکم تھا اگرچہ فقط دو رکعت صبح و شام ہو چنانچہ آگے فرمایا۔ واذکر اسم ربہ فصلی۔ اپنے رب عزوجل کا نام ذکر کیا پس نماز پڑھی رازیؒ نے لکھا کہ مفسرین نے کئی وجہ سے اسکی تفسیر بیان فرمائی ہے (اول) ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ معنی یہ ہیں کہ اپنے رب عزوجل کی شان یاد کی کہ آخرت میں زندہ فرما دیا اور مجھ بندے کو اسکی حضوری میں کھڑا ہونا ضرور ہے پس اُسے رب عزوجل کے واسطے نماز پڑھی یعنی عاجزی و محتاجی و مسکینی ظاہر کی۔ مترجم کہتا ہے کہ اگر کوہ کہ آیت میں تو (اسم ربہ) یعنی (رب کا نام یاد کیا) مذکور ہے اور تفسیر میں رب عزوجل کی حضوری میں آخرت میں قیام بیان کیا (جواب) اسمین عجیب نکتہ لطیف ہے اور اسکا بیان یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی شان اعلیٰ و اجل ہے کہ کوئی اسکو نظر کرے کر تھو بلکہ بندے کا دماغ سب اُسی نے پیدا کیا ہے تو یہ تصور اللہ تعالیٰ نے پیدا کروا لیا مثلاً شیخ عارفین مانند شیخ عجمی منیری قدس سرہ وغیرہ نے صریح بتلادیا ہے کہ جو کچھ تیرے خیال و قیاس میں آوے وہ اللہ تعالیٰ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اس اعلیٰ و اجل ہے پس ایمان بندیکے دل میں جب شان سے موجود ہوتا ہے کہ بندہ خود جانتا ہے اب شان معرفت والوہیت اسطرح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے نام پاک میں از انجلیہ ہے (العبید) دوبارہ آخرت میں پیدا کرنا والا پس جب بندہ نے یہ نام یاد کیا تو اسکو ہوش ہوا کہ میرا رب تبارک تعالیٰ مجھے آخرت میں پیدا کرنا والا ہے اور اسبطرح اُسکے حضور میں حاضری ضرور ہے وہ مالک یوم الدین ہے پس اُسکی عظمت و جلال و جہت و قہر سب یاد کر کے عاجزی کے ساتھ اُسکی پناہ میں جاتا ہے اور اُسکے سامنے سرسجود ہو کر مناجات کرتا ہے سورہ الحمد سب مناجات ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہے اور اپنی عاجزی ظاہر کر کے اُس سے دعا ہے اسوا سطر جماعت نماز میں جو لوگ جمع ہوئے سب اسلئے جمع ہوئے ہیں کہ اس وقت اپنے رب کریم کی جناب میں التجا کریں پس ادب سے انھوں ایک مرد صالح کو اپنے واسطے امام کر کے حضوری میں پیش کیا کہ ہم سب بندوں کی طرف سے بارگاہ کبریا میں التجا پیش کر۔ لہذا جو کوئی اپنے امام کے پیچھے بازار و گھر بار وغیرہ کے خیالات میں ہو وہ بے ادبی بن پڑا ہو گستاخی کرتا ہے اور جو مقتدی کہ امام کے ساتھ میں وہی عرض کرتا ہے جو امام عرض کرتا ہے تو وہ ادب سے ہوش میں ہے اور بعض علماء نے کہا کہ وہ بھی بان سے پڑے اور بعض نے کہا کہ نہیں بلکہ امام کی عرض جیسے اپنی طرف سے ہے ویسے ہی اسکی طرف سے بھی ہے اور مترجم نے بعض محققین کا قول پسند کیا کہ دل سے پڑھتا جاوے یعنی دعا مانگتا جاوے یعنی الہی میں دل سے اس عرضداشت میں شریک ہوں کہ ابدا الصراط المستقیم اور ظاہر احادیث سے قول اول بھی نکلتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ بالحدیث اللہ تعالیٰ کی الوہیت جو کسی طرح نہیں پہچانی جاسکتی ہے سوائے اسکے کہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہکو سکھلائی تو انھیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے وہ نعمت عظیم حیرت جسم ارسال فرمایا کہ جس پر ہکو کوئی نعمت نہیں ہے اور آپ کی ذات قدس ہم پر کمال رحمت ہے الہی ہمارا خاتمہ اپنی استی ہوئے پر ہو اور آپ کے کمال اتباع پر ہمارا خاتمہ بخیر فرمائیے ہست ربنا رحم الرحیم وحبنا اللہ و نعم الوکیل۔ توجہ بندے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت قدس کو پہچانا تو یہ خود داعی ہے کہ وہ نماز میں سرسجود ہو اسی نکتہ سے فرمایا۔ فصلی یعنی بغیر تعقیب یعنی جب اسے الوہیت کو پہچانا تو یہ مقتضی ہے کہ نماز میں قائم ہو (م) رازیؒ نے کہا کہ ابن عباسؓ نے جو تفسیر بیان فرمائی کہ اُس نے آخرت و قیام حضوری کو یاد کیا پس اُسکے لیے نماز پڑھی۔ یہی تفسیر متعین ہے اس دلیل سے کہ اعمال کے تین مرتبہ ہیں (۱) باطل و خراب عقائد کو دل سے مٹا دے (۲) یہ کہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت بذات و صفات و اسماء پاک کے ساتھ دل میں یقین لاوے (۳) خدمت و بندگی میں قائم ہو پس (مرتبہ اول) تو قولہ تعالیٰ قد افلح من کی سے مراد یہ ہے یعنی شکر و باطل عقائد سے پاک ہو (مرتبہ دوم) ذکر اسم ربہ سے مراد یہ ہے کہ چونکہ دلی ذکر سے یہی عقیدہ مراد ہوتا ہے یعنی

سب نیک کام کرے اور وہ اعتقاد میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو نہ مانے تو وہ مشرک کا فرض ہے اور جب کوئی کافر اپنے دل کو کفر و شرک سے دھو ڈالے تو وہ پاک مومن ہو اگرچہ بوندہ و غلام بھی تک ادا نہ کیا ہو مثلاً سورج نکلنے کے بعد ہی ایمان لایا تو وہ پاکیزہ ہو جس نہیں ہو پھر جب ظہر کا وقت آویگا تب نماز پڑھیگا اس سے معلوم ہوا کہ پاکیزہ ہونے کا سبب کامل فردیکہ کفر و شرک سے پاک ہو تو ہم نے جان لیا کہ آیت میں جو ارشاد مطلق ہے کہ جس نے پاکیزگی حاصل کی اُسے فلاح پائی تو مراد یہ کہ کفر و شرک سے پاکیزہ ہوا ایسا سبب ابن عباس رضی سے روایت ہے کہ (سن ترکی) یعنی لا الہ الا اللہ کہا (تفسیر کبیر مع توضیح) بلکہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی اللہ کی تائید میں آیتیں پڑھے تو وہ پاکیزہ ہو جائے گا اُسے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تصدیق دل سے ادا کی مگر حج مکتا ہے کہ اس قول کی تائید میں تیسری دلیل وہ ہے جو مترجم نے اشکال میں بیان کی یعنی یہاں شرک و کفر سے پاک ہونا مراد ہے ایسے کہ پاکیزگی مال کی زکوٰۃ سے اس وقت تک فرض نہیں ہے حتیٰ اور حدیث امام المؤمنین عائشہ رضی سے ظاہر ہوا کہ ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے اعتقاد توحید کے بیان میں چھوٹی سورتیں نازل نہیں کیں جب یہ اعتقاد حاصل ہوا تو خفیف نماز فرض کی یعنی اس طرح رفتہ رفتہ نزل سے آہستہ آہستہ احکام فرض فرمائے اور خوب معلوم ہے کہ مکہ معظمہ میں ہجرت سے پہلے احکام شراائع نہیں تھے اور اگر اس وقت ایمان لا کر آدمی انتقال کرنا تو وہ جنتی تھا اور ظاہر ہے کہ جس نے دل سے اللہ تعالیٰ کو وحدہ لا شریک مان لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول اللہ جان لیا تو اگر اُسے بعضے گناہوں کی نفس کو پاک نہیں کیا تو بھی دُعا نوحی نہیں ہو بلکہ گنہگار ہو اور حدیث متواتر کے موافق وہ دوزخ سے نکالا جائیگا اور دوزخ میں وہ اس حالت سے نہیں رہیگا کہ نہ مردہ ہو نہ زندہ ہو بلکہ موت دیدی جائیگی اور آگ کے ذریعہ سے وہ اس نجاست گناہ سے پاک کیا جائیگا پھر جنت میں زندہ و خوبصورت کر کے داخل کیا جائیگا حتیٰ کہ جب کوئی گنہگار موجد جنیم میں باقی نہ رہیگا اُس وقت موت دُعا کی جائیگی اور پھر راجائیگا کہ فریق اپنے مقام پر ہمیشہ ہی کبھی موت نہیں آویگی پس معلوم ہوا کہ آیت نازل ہونے کے وقت آیت کے یہ معنی تھے کہ اُس بندے کے واسطے فلاح ہے جس نے اپنے آپ کو اس طرح پاک کیا کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اُسی کی الوہیت پر ایمان لایا اور دل سے یہ مانا کہ جو کچھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احکام رسالت سے مجھے حکم فرمادینگے میں (بسر و چشم قبول کروں گا) کیونکہ اُس کے واسطے اس وقت فقط یہی سر جھکانا حاصل ہے اور اسلام کے معنی گردن جھکانا۔ یہ کہ میں ایسا کروں گا تو یہ دعویٰ ہے جسے ہی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ کسی چیز کے واسطے یہ نہ کہنا کہ میں کل کروں گا بلکہ یوں کہوں کہ ان شاء اللہ تم کل کروں گا۔ اس طرح بندہ مومن بھی قبول کرنے سے یہی مراد لیتا ہے کہ جو حکم دیا ہے بسر و چشم قبول ہے میں انشاء اللہ تعالیٰ حکم کی تعمیل کروں گا رہا یہ کہ پورا کرنا تو اللہ تعالیٰ کی توفیق پر منحصر ہے۔ حدیث میں ہے کہ ایماندار بندہ جو مفتن تو اب ہو اللہ تعالیٰ کو پسند آتا ہے یعنی مومن فتنہ میں ڈالا جاتا ہے اور نفس و شیطان کے جھگڑے میں وہ گناہ کا مرتکب ہو جاتا ہے پھر وہ جلدی سے نادم ہو کر اللہ تعالیٰ کی جناب میں توبہ کرتا ہے اور ڈرتا ہے تو وہ بہت کثرت سے نادم اور توبہ کرنے والا ہوتا ہے۔ خوب جان رکھو کہ جس نے یہ دعویٰ کیا کہ میں آئندہ ایسا کروں گا تو بھی تک اس نے اچھی طرح اللہ تعالیٰ کی الوہیت کو نہیں پہچانا اور اس طرح جو لوگ گناہوں کو بے دھڑک کیا کرتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم بڑھاپے میں توبہ کر لینے توبہ شرک خفی ہے اور جہالت ہے ایسے کہ وہ نہیں جانتا کہ آئندہ کیا ہوگا اور شاید اُسکو توبہ کی توفیق نہ ملے لہذا اللہ تعالیٰ رحم الراحمین سے نیک توفیق ہمیشہ مانگے باوجود یہ معلوم ہوا کہ اُس وقت میں پاکیزہ ہونا ایمان تک توحید تھا تو اس وقت جو لوگ ایمان لائے تھے وہ پاکیزہ ہو گئے۔ پھر یہ معلوم ہے کہ آخر میں شراائع نازل ہوئے ہیں تو اب پاکیزہ ہونے کے کیا معنی ہیں (جواب) اب حکم یہ ہے کہ سورہ فلاح المؤمنین کے اول میں جو تفصیل مذکور ہے ان خصائص پر پاک ہو اور خلاصہ یہ کہ فرائض و واجبات ادا کرے اور

نماز سے پہلے دیا جاتا ہو تو صحیح ہو اور اگر ہندوستان کے موافق بعد نماز کے دیا جاتا ہو تو نہیں جائز ہو اسلیط اس دیار کے عوام میں یہ رسم ہے کہ صدقۃ الفطر کے گھنوں رکھ لیتے ہیں اور شام تک رمضان کی رات میں آنے والے فقیرون کو دیا کرتے ہیں تو یہ نہیں جائز ہو اور مترجم نے تفصیل کے ساتھ اسکو عین المدایہ شرح ہدایہ میں ذکر کیا ہو (م) اور خلیفہ عادل حضرت عمر بن عبدالعزیز سے روایت ہے کہ وہ بھی لوگوں کو صدقۃ الفطر بخانے کا حکم دیا کرتے تھے اور یہی آیت قذالذین من تزی الآیہ بڑھا کرتے تھے ابوالاوصیؒ کہا کرتے تھے کہ جب تم میں سے کسی کے بیان سائل آوے اور وہ نماز کا قصد رکھتا ہو تو نماز سے پہلے زکوۃ (یعنی صدقۃ فطر) دیدے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہو قذالذین من تزی ذکر اگر ربہ فصلی۔ قتادہؒ نے کہا کہ قولہ تعالیٰ قذالذین من تزی ذکر اگر ہم ربہ فصلی۔ یعنی اپنے مال کی زکوۃ دی اور اپنے خالق عزوجل کو راضی کیا (تفسیر ابن کثیرؒ) مترجم کہتا ہو کہ تزی کے دو معنی ہو سکتے ہیں نفس کو پاک کرنا یا۔ مال کی زکوۃ دینا۔ پھر مال کی زکوۃ دینے میں دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ زکوۃ مفروضہ ادا کرے یا صدقۃ فطر ادا کرے اور شیخ ابن کثیرؒ نے سلف صالحین سے جو اقوال نقل کیے ہیں اکثر ان میں سے صدقۃ فطر کی تصریح کرتے ہیں ولیکن آخری قول قتادہؒ سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ مال کی مفروضہ زکوۃ مراد ہو۔ پھر مترجم کہتا ہو کہ ان دونوں قول میں مجھے تردد ہو اسلیئے کہ یہود کا مبارک ہجرت سے پہلے کے میں نازل ہوا ہو اور یہی جمہور کا قول اور مختار ہو پھر کے میں زکوۃ مفروضہ نہیں ہوتی تھی جیسا کہ ایک جماعت علما کا قول ہو ولیکن بعض محققین کے نزدیک کے میں نماز زکوۃ مفروضہ ہو چکی تھی ولیکن زکوۃ میں تخفیف نہ تھی کہ دو سو درم فاضل ہوں تب پانچ درم دیے جاوے یہ تخفیف مدت کے بعد دینے میں ہوتی ہو اور زکوۃ فطر بلاشبہ دینے میں ہر روز فرض ہونے کے بعد واجب ہوتی ہے تو اس آیت میں زکوۃ الفطر سے تفسیر کیونکر ہوگی۔ اور جواب یہ ہو سکتا ہو کہ اس آیت کا حکم اسطرح نکالا گیا ہو۔ یہ بحث اس صورت میں ہو کہ مالی زکوۃ مراد ہو۔ اور اگر نفس کی زکوۃ مراد لی جاوے یا دونوں کا مجموعہ لیا جاوے جیسا کہ شیخ ابن کثیرؒ نے دونوں کو جمع کیا ہو تو یہ اشکال نہیں لازم آتا ہو امام رازیؒ نے لکھا کہ اسمین دو چیزیں ہیں (وجہ اول) یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جب کافروں کا عذاب بیان کر دیا جو اللہ تعالیٰ کے دلائل قدرت میں نظر کرنے سے منہ مڑتے ہیں تو اس کے بعد ایسے بندوں کی تفصیل بیان کی جنہوں نے شرک کی نجاست اپنے آپ کو پاک کیا (وجہ دوم) از جلالہ نے کہا کہ تزی کے معنی یہ کہ تقویٰ میں کثرت کی۔ اسکی تائید حاصل ہوتی ہو بقولہ تعالیٰ قذالذین المؤمنون الذین ہم فی صلواتہم اذین کیونکہ ان آیات میں فلاح حاصل ہوئی ہے لے بہت سی عمدہ خصلتیں بیان فرمائیں تو یہی خصلتیں بیان بھی مراد ہیں جیسا کہ قذالذین من تزی بن فلاح حاصل ہونا تزی پر رکھا تو معلوم ہوا کہ قذالذین المؤمنون میں جن چیزوں سے فلاح حاصل ہوئی ہو وہی بیان بھی تزی سے مراد ہیں مترجم کہتا ہو کہ اسی سے شیخ ابن کثیرؒ نے کہا کہ مردیٰ خصلتوں سے اپنے آپ کو پاک کیا یعنی عمدہ خصلتیں حاصل کیں لازمیؒ نے کہا کہ نجاست شرک سے پاک ہونے کی وجہ اول بھی دو دلیلوں سے قوی ہو (اول) یہ کہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے وہ چیزیں نہیں بیان فرمائیں جن سے پاکیزہ ہونے پر فلاح حاصل ہوگی تو جسے بیان لیا کہ ایسی چیز سے نفس کو پاک کرنا مقصود ہو جیسا کہ اس آیت سے پہلے ہوا ہو اور وہ کفر و شرک ہیں حاصل یہ نکلا کہ قذالذین من تزی۔ بیشک اس بندے نے پوری مراد پائی جسے پاکیزگی حاصل کی اس نجاست کفر سے جس سے شقی جنہی نے پاکیزگی نہیں پائی (ثانی) دوم) یہ کہ بیان اللہ تعالیٰ نے فلاح پانے کے واسطے مطلق پاکیزگی بیان فرمائی ہو اور مطلق سے وہ فرد ضرور مراد ہوتا ہو جو سب سے کامل ہو یعنی جب مطلق کے تحت میں افراد ہوں جیسے بیان (پاکیزہ ہونا) بہت چیزوں سے ہوتا ہو اور آیت میں کسی چیز کا خاص بیان نہیں ہو بلکہ مطلق ہو تو پاکیزہ ہونے کی جس قدر چیزیں ہیں ان میں سے جو سب سے بڑھکر کامل ہو وہ ضرور مراد ہے اور سب سے بڑھکر کامل پاکیزگی یہ کہ غلبہ کفر و شرک کی نجاست سے پاک کرے یہ فردا لیے لکھلے ہو کہ اگر ایک شخص مثلاً ہاتھ منہ و پاؤں وغیرہ دھوئے اور سچ کرے جیسے رضوین دھوئے ہیں اور دل میں نیت نہ ہو تو حکم الہی کا وضو نہ ہوگا تو دلی فعل زیادہ قوی ہے پھر اگر ایک شخص

ہولناک عذاب کے سامنے پہنچا ہوا اللہ تعالیٰ ہم بندوں پر رحم فرما کر اس عذاب سے بچا دے اور حدیث میں اس مقام کے بیان میں تفصیل ہے کہ مدت دراز تک جہنمی مردوشیکے آخر اسنو منقطع ہونگے پھر جلانے کے دھون روکنگے اور آخرین جو جہنم کے خازن ہیں انکو یہ جواب دیئے گا قال تعالیٰ ولا یقض علیہم فی موتہم الا کم یعنی جہنمیوں پر قصاے اجل نہ آویگی کہ مر جائیں اور نہ انہیں سے عذاب میں تخفیف کی جاوے گی

اسی طرح دیگر آیات میں نعوذ باللہ من الکفر

فَدَا فُلِحْ مَنْ تَزَكَّى ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى ۝ بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْآخِرَةُ

بیشک اچھا ہوا اسکا جو سزا اور پڑھا نام اپنے رب کا پھر نازکی کوئی نہیں تم آگے رکھتے ہو دنیا کا جینا اور بھلا گھر
 خَيْرٌ وَّ اَبْقٰی ۝ اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُولٰٓئِ ۝ مُحَمَّدٌ اِبْرٰهٖمَ وَاٰدَمُ
 بہتر ہے اور رہنے والا یہ کچھ لکھا ہے پہلے دو تون میں درق ابراہیم کے اور موسیٰ کے

اور اللہ تعالیٰ نے کافروں پر عذاب کی وعید بیان کرنے کے بعد اُس بندہ صالح کا حال بیان فرمایا جس نے قرآن کی نصیحت کو سنا اور قبول کیا بقولہ تعالیٰ۔ **قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكَّىٰ**۔ بیشک اُسے فلاح پائی جس نے اپنے آپ کو پاکیزہ کیا یعنی نذیلِ خصلتوں سے اپنے آپ کو پاک کیا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول علیہ السلام پر نازل فرمایا ہو اُسکی پیروی کی۔ **وَذَكَرْنَاكَ يٰٰمُحَمَّدُ**۔ اور یاد کیا اپنے رب کا نام ہیں نماز پڑھی یعنی نماز کو اُسکے اوقات میں ٹھیک طریقے سے ادا کیا اس امید پر کہ اللہ

تعالے کی رضا مندی حاصل ہو اور حافظ ابو بکر البزار نے کہا کہ حدیثا عباد بن احمد الضرری حدیثا نعمی محمد بن عبد الرحمن عن ابیہ عن عطاء بن السائب عن عبد الرحمن بن سابط عن جابر بن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد اُفح من تزکی قال من شہدان لا الہ الا اللہ و خلع

الانما وشهد اني رسول الله وذكر اسم ربه صلى قال هي الصلوات الخمس والمحافظة عملياً والاسهام بها۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت قد افلح من تركی۔ میں فرمایا کہ جس نے کو اسی دی کہ لا اکھ الا اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور ہیت والا نہیں اور اُس نے

شُرک کے ساجھی چھوڑے اور یہ گواہی دی کہ میں رسول اللہ ہوں۔ و ذکر رسم ربہ فصلی۔ (اور یاد کیا اپنے رب کا نام پھر ناز پڑھی) فرمایا کہ یہ باجوئے ناز میں ہیں اور انکی محافظت رکھنا اور انکا اہتمام کرنا امام مبرا نے کہا کہ حضرت جابر سے اسی اسناد سے یہ حدیث روایت کی جاتی ہے

ہونا جاتا پس میں دوسرے روز انکی طرف گیا تو مجھے فرمایا کہ تو نے کچھ کھایا یا؟ میں نے کہا کہ ہاں۔ فرمایا کہ اپنے اوپر پانی ڈال اور میں نے کہا کہ ہاں پھر کو کہ مجھے آگاہ کر کہ تیری زکوٰۃ کیا ہوئی؟ یعنی صدقہ الفطر میں نے کہا کہ میں اسکو ادا کر چکا۔ تو فرمایا کہ میں نے فقط اسیدائے سب سے کچھ

بلایا تھا پھر یہ آیت پڑھی۔ قذاف من تنزی و ذکر ہم ربہ فصلی اور کہا کہ اہل مدینہ اس صدے سے اور پالی پلانے سے بڑھ کر کوئی عہد نہیں
سنجھتے ہیں (ابن کثیر) مترجم کہتا ہے کہ ابوالعالیہ تابعی عالم مشہور ہیں اور شاہد اس لیے بلایا تھا کہ اگر اسے صدقہ فطر اور نہ کیا ہو تو اسکو ذرا کچھ

ہم دین یعنی نماز سے پہلے ادا کرے کیونکہ ایک حدیث میں مذکور ہے کہ یہ صلوٰۃ جس نماز سے پہلے ادا کیا تو یہ صدقہ فطر ہے اور جسے بعد نماز کے دیا تو وہ معمولی صدقات میں سے ہے۔ اس حدیث کو شیخ ابن الہمام نے فخر ہدایہ میں ذکر کیا اور کہا کہ اس سے لازم ہے کہ نماز عید سے پہلے یہ صدقہ ادا کیا جائے۔

مشرجم کہتا ہے کہ یہی صحیح ہے لہذا دارالمختارین جو قول لکھا کہ صدقہ فطرسین سے اپنے عزیز اقارب فقراء کو دینا جائز ہے۔ نہ۔ الکریم رحمہ اللہ

جہنمی کا مقام اچھا ہو اور جہنمی کا مقام بہت اچھا ہو بلکہ جہنمی دنیا میں اپنے واسطے بہتری سمجھنے ہیں تو ان کے قیاس سے بہتر بیان کیا زاری
 نے کہا کہ تیرے فرستے ہیں عارف و متوقف و معاند پس عارف سعید ہو اور جو متوقف ہو وہ شقی ہو اور جو عباد ہو وہ شقی ہو اور کہا گیا کہ آیت کا
 نزول در بارہ ولید بن المغیرہ و عقیبہ بن ربیعہ کے ہوا جو عداوت میں گرم تھے اسبطح ناکبری میں اقوال ہیں کیونکہ کبری بھی اسم تفضیل ہے حسن
 سے روایت ہے کہ صفری دنیا کی آگ ہو اور کبری جہنم کی آگ ہو۔ بعض نے کہا کہ جہنم کی آگ میں بھی درکات ہیں تو کافر شقی کو سبے شدید کبیر
 آگ میں ڈالا جائیگا۔ بعض نے کہا کہ سب سے نیچے کے طبقے میں ڈالا جائیگا۔ ثم لا موت فیہا ولا حیۃ۔ یہ آگ میں ڈالے جانے سے بھی سخت ہو کیونکہ
 دنیا میں اگر کوئی شخص آگ میں جلایا گیا تو مر جاتا ہو بلکہ جس قدر آگ تیز ہو اسی قدر وہ جلد تر موت کے پنجے میں پڑ جاتا ہو اور تکلیف سخت ایک دم میں
 ختم ہو جاتی ہو اور شقی کے واسطے بزرگ آگ میں جا کر کبھی موت نہیں ہو بلکہ ہمیشہ جیتا رہیگا اور جلے گا تو وہ زندگی اُسکی موت سے بدتر ہو اس واسطے فرمایا
 کہ لا حیۃ۔ نہ جیٹیکا۔ واضح ہو کہ زنجیری نے اپنی بد اعتقادی کے موافق بیان فاسق کو شقی اور جہنمی قرار دیا۔ اگر فاسق سے کافر مراد ہو تو صحیح ہے اور اگر
 گنہگار مسلمان کو کتا ہو تو یہ اُسکی غلطی ہو جو سلف صالحین صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کے برخلاف اُسے گمراہی کا عقیدہ اختیار کیا ہو اور گنہگار
 مسلمان ہمیشہ جہنم میں نہیں رہیگا اس واسطے شیخ ابن کثیر نے لکھا کہ امام احمد نے ابن ابی عدی عن سلیمان عن ابی نصرہ عن ابی سعید الخدری
 رضی اللہ عنہ روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آگاہ رہو کہ جہنم میں جانے والے جو جہنم کے لوگ ہیں (یعنی ان کا وطن ہی جہنم ہی
 تو انھیں کا یہ حال ہو گا کہ نہ مرینگے اور نہ جیٹینگے اور ان کے سوا بے کچھ لوگ ہونگے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے ساتھ رحمت منظور ہو تو ان کو جہنم میں موت دیدیگا
 پھر انہیں شفاعت کرنے والے داخل ہونگے پس آدمی ایک گروہ نکال لا دیا تو وہ لوگ (نہر الحیوۃ) میں ڈالے جاوینگے با فرمایا کہ نہر الحیاء میں یا کہا کہ
 نہر الحیوان میں یا کہا کہ نہر الخبتہ میں ڈالے جاوینگے تو اس طرح اُگینگے جیسے سیل کی کچڑ میں دانہ اُگتا ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے
 دیکھا نہیں کہ وہ سب ہوتا ہو پھر زندہ ہوتا ہو پھر سب ہوتا ہو ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 تو اس طرح ٹھیک حالت بیان کرتے ہیں گویا آپ دیہات میں رہتے ہیں۔ امام احمد نے دوسرے طریق سے اس حدیث کو اسناد کیا کہ رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آگاہ رہو کہ جہنم ہی کے رہنے والے لوگ ہیں تو وہ جہنم میں نہ مرینگے نہ جیٹینگے لیکن کچھ لوگ ہوتا ہو
 گناہوں و خطاؤں کے آگ میں ڈالے جاوینگے تو اللہ تعالیٰ ان کو موت دیدیگا بہانہ کہ جب کوئلہ ہو جاوینگے تو ان کے لیے شفاعت کی اجازت
 ہوگی پس وہ لوگ گروہ لائے جاوینگے اور جنت کی بہتوں پر چڑھکائے جاوینگے اور اہل جنت سے کہا جائیگا کہ اپنی بانی بہاؤ پس اس طرح
 اُگینگے جیسے سیل کی کچڑ میں دانہ اُگتا ہو (رواہ الامام مسلم) اور امام احمد نے دوسرے طریق سے حدیث ابوسعید رضی اللہ عنہ کو روایت کیا اور اس میں
 اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم کے لوگ جو جہنمی ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کبھی دیوان سے نکالنے والا نہیں ہے تو وہ دیوان نہ
 مرینگے اور نہ جیٹینگے اور سوا اُن کے کچھ لوگ جہنم میں جاوینگے جن کو اللہ تعالیٰ نے چاہا ہو کہ دیوان سے نکالے گا تو اللہ تعالیٰ ان کو دیوان
 موت دیدیگا حتیٰ کہ کوئلہ ہو جاوینگے پھر گروہ لائے جاوینگے۔ ہ۔ پس معلوم ہوا کہ گناہوں کی وجہ سے کوئی دائمی جہنمی نہیں ہو سکا
 بشرطیکہ گناہوں میں اُسے ایسا باقی رکھا ہو کیونکہ شامت گناہوں سے کبھی دل سیاہ ہو جاتا ہو اور وہ ایمان سے محروم ہو جاتا ہو لغو ذالذہن
 سن ذلک۔ اور کافر کے لیے دوزخ میں ہمیشگی ہو وہ کبھی دیوان سے نہیں نکالا جائیگا پس اُس کے واسطے موت نہیں ہے بقولہ تعالیٰ۔ وانا
 یا مالک لیتجس علینا ربک الایہ اور پکارینگے کہ اے مالک کسی طرح تیرا رب ہم پر قصاے موت ہی جاری کر دے مالک جواب دیدیگا کہ تم
 اُس میں رہنے والے ہو۔ ہ۔ مترجم کہتا ہو کہ یہ نہایت ہولناک مقام ہو اور تمام دنیا مع ہفت اقلیم کی سلطنت کے کفر کے ساتھ اس

افسوس میں غمناک ہوتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے رسول اللہ انکو نصیحت کر اگر نافع ہو۔ یعنی اول مرتبہ تو نے پیغام حق انکو
 سنا دیا (السراج) اگر کہا جاوے کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ نصیحت کا کیا اثر ہوگا تو شرط یہ بیان کیوں فرمایا کیونکہ شرط وہ لگانا ہے
 جو انجام کار نہ جانتا ہو (جواب) یہ کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو ولیکن نصیحت اور اللہ تعالیٰ کی طرف بلا مناسب کا فردن پر محبت ہو۔ اور کتابوں
 میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ جاؤ فرعون کو دعوت کرو اور اُس سے نرم گفتگو کیجو اور میں تم کو گواہ کیے دیتا ہوں
 کہ وہ نصیحت قبول نہیں کرے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبروں کے واسطے دعوت کا حکم جدا ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم جدا ہے اور تفسیر کبیر کتابوں
 میں سے جو روایت نقل کی یہ وہاں ہو لیکن یہ صحیح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے عام دعوت کا حکم تھا خواہ وہ ایمان لاوے یا نہ لاوے
 اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان الذین کفروا سواہ علیہم الخ۔ یعنی جو لوگ ازلی کافر ہوئے ہیں انکو تو ڈراوے یا نہ ڈراوے وہ ایمان نہ لاوینگے
 ۔ اور فرمایا۔ ولوشاء ربک لآمنن الخ یعنی اگر تیرا رب چاہتا تو ایمان لاتا ہر کوئی جو زمین میں ہو پس کیا تو لوگوں پر جبر کرے گا یہاں تک کہ
 مومن ہو جاویں۔ ۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب قریش وغیرہ کے کفر سے غمگین ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ
 کی مشیت نہیں ہو کہ کل روئے زمین والے اس وقت ایمان لاویں پھر تو غمگین نہ ہو۔ خور کرو کہ باوجود ان آیات کے آپ کی رسالت عام تھی
 اور دعوت عام تھی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ واللہ یدعوا الی دار السلام الخ اور اللہ تعالیٰ دار السلام کی طرف بلاتا ہے اور ہدایت راہ مستقیم کی اُس
 بندے کو عطا فرماتا ہے جسکو چاہے۔ ۔ اور عام دعوت کا فائدہ یہ ہے کہ رسول اللہ پر جو امر فرض ہو وہ ادا کرے اور ازلی کافروں کو دعوت
 کرنے میں لامحالہ وہ تکلیف اٹھا دے اور یہ اُسکے واسطے معالی درجات ہیں اور کافروں پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہوئی۔ اور حضرت نوح
 علیہ السلام کو فرمایا۔ ادعی الی نوح انہ لن یومن من قومک الخ یعنی نوح کو وحی کی گئی کہ اب تیری قوم میں سے ہرگز کوئی ایمان نہ لاوے گا
 سوائے اُسکے جو ایمان لاچکا الخ پس خلاصہ حکم یہ ہے کہ اے رسول اللہ جب تجھے علم ہو چکا کہ خالق جل جلالہ نے مخلوق کے مقادیر کو مقدر فرمایا ہے
 تو اب تو اُس پاک کلام معجز نظام سے جو تجھے وحی فرمایا ہے ان لوگوں کو نصیحت کر اگر نصیحت نفع کرنے والی ہو۔ پھر آگاہ فرمایا کہ کلام پاک سے
 تیری نصیحت کس بندے میں اثر کرے گی اور کس بندے میں اثر نہ ہوگا بقولہ تعالیٰ سید کر من بخشی۔ اے سید کر من بخشی اللہ تعالیٰ۔ یعنی وہ
 بندہ نصیحت قبول کرے گا جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور اسید واسطے دوسری آیت میں فرمایا فذکر بالقرآن الخ نصیحت کر قرآن کے ساتھ ایسے
 بندے کو جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ ۔ اسکو پہچانتا ہے بقولہ تعالیٰ انما بخشی اللہ من عباده العلماء اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے وہی اللہ تعالیٰ
 سے ڈرتے ہیں جو عالم ہیں۔ ۔ یعنی اُسکی شان الوہیت کو پہچانتے ہیں اسی لیے جعفر معرّف الہی زیادہ ہوا اسی قدر اللہ تعالیٰ سے
 خوف و رغبت زیادہ ہوتی ہے پس جس بندے کے قلب میں مقدار صلاحیت مقدر ہو وہ ایمان لاوے گا قشیریؒ نے کہا یعنی اے رسول اللہ تو عملاً
 نصیحت کر اگرچہ نصیحت اُسی بندے میں مفید ہوگی جو اللہ تعالیٰ سے خوف رکھتا ہے ولیکن تجھے اپنی دعوت رسالت کا ثواب عظیم حاصل
 ہو جاوے گا۔ قولہ تعالیٰ ویتبینا الاشقی الذی یصلی النار الکبریٰ اور وہ بندہ اس نصیحت سے حجب یعنی پہلوتی کرے گا یعنی اپنا رخ پھیرے گا جو بدتر
 شقی ہے کہ ناکبریٰ میں داخل ہوگا۔ دنیا میں مفلس کو بدبخت کہنے والے دنیا کے حریص ہیں حالانکہ دنیا پر مطمئن ہونے والے کافر خود بدتر شقی ہیں
 کہ وہ لوگ اس دنیاوی آگ کے غلامین نہیں بلکہ اس سے بدتر حکم کر رہے ہیں آگ میں داخل ہونگے اور وہ جہنم کی آگ ہے۔ اشقی الخ مفصل
 ہوا اور یہ بڑھکر ہوتا ہے جیسے شقی سے بڑھکر بدتر شقی ہے لیکن شقی بھی کافر ہے تو یہاں اشقی سے یا تو مطلق بدتر مراد ہے اور یہ بھی آتم تفصیل
 کے واسطے استعمال معروف ہے جیسے قولہ تعالیٰ حسن مقبلا۔ یعنی جہنمیوں کے مقام کی نسبت جنتیوں کا مقام احسن ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ

یعنی ہم تیرے واسطے نیک افعال و اقوال پر عمل کرنا آسان فرمادینگے اور تیری امت کے لیے شریعت نرم ہو اور معتدل مقرر فرما دینگے جس میں کچھ کمی نہیں ہے اور نہ کچھ حرج و سختی ہو (ابن کثیر)۔ لازمی ہے کہ اگر تو ایسے عطف و ہر قولہ سن کر عطف پر حاصل ہو کہ ہم تجھے پڑھا دینگے کہ تو نہیں بھولیگا اور ایسے کر دینگے تو فقیہ دینگے ایسے طریقے پر عمل کریں جو نہایت سہل و آسان ہو۔ یعنی قرآن حفظ کرنے میں یہ طریقہ ایسے کر دینگے۔ ایسے وہ اعمال خیر جو آسانی کے جانب پہنچیں۔ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ ایسے۔ جنت ہو۔ تو معنی یہ کہ ہم ایسے اعمال صالحہ کی توفیق دینگے جس کا نتیجہ حصول جنت ہو۔ کہا گیا یعنی تجھے شریعت سہل نرم کی توفیق دینگے۔ قول اول زیادہ قریب ہی مترجم لکھا ہے کہ قول ابن کثیر سب کو جامع ہے تفسیر اگر کوئی کہے کہ لوگ تو اس طرح بولتے ہیں کہ یہ کام فلاں شخص کے لیے میسر کیا گیا اور قرآن مجید میں یہ مذکور ہے کہ ہم تجھے کا رزق کے لیے میسر کر دینگے (جواب) لازمی ہے کہ اس کا کہ جیسے قرآن میں ہو اس طرح حدیث میں ہو کہ کل میسر لما خلق ہر شخص آسانی دیا گیا جس کے واسطے وہ مخلوق ہو۔ اور اس میں ایک علی نکتہ لطیف ہوا اس کا بیان چنگیہ فعل ایک ممکن چیز اور ممکن وہ چیز کہلاتی ہے جو موجود ہو یا معدوم ہو دونوں طرف سے برابر ہو یعنی اس کا موجود ہونا واجب نہیں ہوتا ہے اور نہ معدوم ہونا واجب ہوتا ہے بلکہ دونوں باتوں میں سے جو ہو وہ جائز ہو پھر عمل کرنے والا واجب تک اس فعل کے موجود کرنے کی قوت نہ پاوے نہ تک وہ فعل بدستور رہیگا پھر جب اللہ تعالیٰ نے اس کو توفیق دی تو اب اس فعل کا موجود ہونا قوی ہوا تو ضرور پیدا ہوا جائیگا تو تحقیق یہ معلوم ہوا کہ عمل کرنے والا حقیقت میں آسانی دیا جاتا ہے واسطے اس فعل کے جیسا کہ قرآن و حدیث میں آیا ہے اور یہ نہیں ہوتا کہ فعل کو آسانی دی جاوے واسطے فاعل کے جیسا کہ عوام بولتے ہیں پس غور کرو کہ کلام حق عزوجل کے ہر کلمہ میں کیسی کیسی نفیس حکمت ہے سبحان اللہ و بحمدہ (تفسیر کبیر) **فَلَنْ يَكُونَ لَكَ نَفْعٌ** **الذَّكَرُ اِي سَبْدًا كَرَمًا يَخْشَى وَيَتَجَنَّبُهَا اَلَا شَقِي الَّذِي تَصِلُ النَّارَ اَلْكُبْرَى** **ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَى**۔ پس نصیحت کر اگر نفع کرے نصیحت اب نصیحت مان لیگا وہ بندہ جو ڈرتا ہے اور پہلوتی کر گیا بدتر شقی جو بڑی آگ میں جا بیگا پھر اس میں نہ مرے گا اور نہ جیگا۔ یعنی اے محمد اب نصیحت کر جس حیثیت سے نصیحت نفع کرے اسی مقام سے علم بھیلانے میں یہ طریقہ ادب اختیار کرنا چاہیے کہ جو کوئی جس لائق ہو اس کو وہی علم دیا جاوے پس اگر بعض علم کے لائق ایک شخص ہو تو اس سے بیان نہ کرے (جیسے اکثر عوام اس زمانے میں اسی حالت میں ہیں) چنانچہ امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تو جس قوم سے ایسی بات بیان کرے جانتا کہ انکی عقلیں نہیں پہنچتی ہیں تو یہی ہوگا کہ ان میں سے بعض کے حق میں یہ گفتگو نفع ہو جائیگی اور فرمایا پس تم لوگ ایسی باتیں بیان کیا کرو جن کو وہ سمجھ لیں کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ واسکے رسول کو جھٹلایا جاوے لہذا حکم دیا کہ نصیحت کر جبکہ نصیحت نفع کرے (یعنی یہاں) (اگر) مجھے رجب) ہی اور آگے فرمایا سب کر اگر تم یعنی تیری نصیحت سے اس کو نفع ہوگا جو اللہ تعالیٰ ڈرتا ہے اور یقین کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملے والا ہو۔ و تجنبہا الا شقی الخ اور تیری نصیحت سے وہ بے پروائی کر کے منہ موڑے گا جس کی قسمت میں یہی مقدر ہے کہ اگر عظیم کبیر میں جاوے وہاں نہ مرے گا کہ عذاب سے چھٹکارا پا جاوے اور نہ جیگا کہ جیسے زندگی راحت سے ہوتی ہو بلکہ ہمیشہ عذاب ہی اٹھاتا رہیگا (ابن کثیر) واضح ہو کہ جب اللہ تعالیٰ نے ادب کی آیات میں آگاہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے خلق کو پیدا کر کے ٹھیک بنایا اور ہر ایک کے لیے اندازہ اپنے علم و حکمت سے مقدر کیا اور ہدایت دی اور ان کے دنیاوی زندگی کے واسطے نباتات پیدا کر دیے اور بعد سبزی کے اس کو خشک کر دیا جس سے ان کو تنبیہ ہو کہ اللہ تعالیٰ پیدا کرتا اور بعد فنا کے پھر جب چاہے پیدا کرتا ہے یعنی آدمیوں کے واسطے بھی آخر میں بہشت حشر اور جزا و نواب مقرر فرمایا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت آسانی کے لیے قرآن پاک محفوظ کر دیا۔ اب حکم دیا کہ محمدیہ مملکتوں

کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دین حق پورا کامل کیا اور جیسے قولہ تعالیٰ لئن اشرکت لمحیطن عکاک الہ یعنی برہمنیہ کو اسی طرح وحی کی گئی کہ اگر تو شرک کرے تو تیرے اعمال میٹ دیے جاویں۔ ۱۔ اور یہ قطعاً معلوم ہے کہ آپ نے کبھی شرک نہیں کیا۔ پس فائدہ یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو کہ نہ بھولنا اللہ تعالیٰ کا فضل تھا (۱۳) کبھی اس سے کچھ استثناء کرنا مقصود نہیں ہونا اور عرب میں یہ محاورہ معروف ہے یہ سب صورتیں ہر بنائے قول اول میں کہ استثناء واقع نہیں ہوا یعنی بعد اسکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کچھ نہیں بھولے (قول دوم) یہ کہ الاما شاء اللہ اسنت ہو اور اس صورت میں چند وجوہ ہیں مترجم کہتا ہے کہ وجوہ بیان کرنے کی ضرورت یہ ہے کہ نادان آدمی وہم کرے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی تھی اُس میں سے شاید کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھول گئے ہوں لیکن مترجم کے نزدیک یہ اعتراض ہی ساقط ہے اس لیے کہ اگر آپ بھولے تو وہی بھولے جو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ یاد نہ رہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے تو نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جس قدر چاہا وہ یاد رہا گویا اصل میں اسی قدر وحی فرمایا تھا۔ لیکن مآزی نے ان وجوہ کو لکھا ہے (وجہ اول) یہ کہ زجل جرحہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ الاما شاء اللہ۔ سے یہ مطلب کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کو منظور ہو کہ آپ بھول جاویں تو آپ اسکو کسی وقت بھولینگے۔ لیکن پھر اللہ تعالیٰ اسکو یاد دلادیا تو بالکل بھول نہ ہوئی روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی قراءت میں ایک آیت چھوڑ دی تو ابی بن کعب نے بعد نماز کے عرض کیا کہ کیا یہ آیت منسوخ ہو گئی آپ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ بھلا یا گیا مترجم کہتا ہے کہ اس امر میں کچھ حرج نہیں کہ بعض آیات کو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے واسطے بھلا دیا ہو کیونکہ وہی حکیم صہم ہے چنانچہ وجہ دوم میں مذکور ہے (وجہ دوم) مقاتل نے کہا کہ بھلا دینے سے یہاں منسوخ کرنا مراد ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ مانسوخ من آیۃ انہما تا بخیر منہا ومثلہا الہ یعنی جو آیت ہم نے نسخ کی (اسکا حکم منسوخ کیا اور تلاوت باقی رکھی) یا ہم نے اسکو بھلا دیا (بالکل یاد نہ رہی) تو ہم اس سے بہتر بات اسکے مثل لاتے ہیں کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ ۲۔ مترجم کہتا ہے کہ ابن عباسؓ سے گیارہویں پارہ کی تفسیر میں گزر چکا کہ منافقین کے نام مفصل نازل ہوئے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور نام منسوخ کر کے بھلا دیے تاکہ اُنکی بطاوت جو صالح مسلمان ہوئے اُنکو غار نہ دلا یا جاوے اور سورۃ الہاکم النکاح کی تفسیر میں بیان آویگا پس ہی قول اتوی داحیہ اللہ تعالیٰ لہ ازمی نے لکھا کہ شاید امّا شاء اللہ بطور زائد ہو اور یہ بھی کوئی مستحب و فاضل بات میں ہو اور واجبات میں نہیں جائز ہے کیونکہ اگر یہ یاد نہ رہے تو شرع میں خلل پیدا ہو مترجم کہتا ہے کہ خلل کیوں پیدا ہوگا جبکہ بھلا نا اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ سے ہو اور اللہ تعالیٰ پر نیان بھول محال ہے تو اللہ تعالیٰ نے ضرور اسکو اپنے اختیار سے بھلا دیا اور اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ اس واجب کو نسخ کرنا منظور تھا۔ انہ یعلم اکبر و ما یخفی۔ اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن سب جانتا ہے اور ازمی نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ تو کچھ نہیں بھولینگا الاما شاء اللہ یعنی وہ بھلا دیا جائیگا جسکو نسخ کر دینا اللہ تعالیٰ کو منظور ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن سب جانتا ہے تو حکمت و مصلحت میں جہاں منسوخ کرنا مناسب ہے اسکو منسوخ فرما دینگا مترجم کہتا ہے کہ (جبر) وہ تھا جو اسوقت مخلوق کے سامنے ظاہر تھا اور مخفی وہ تھا کہ جو آئندہ آنے والا تھا کیونکہ مخلوق سے وہ پوشیدہ تھا اگرچہ اللہ تعالیٰ کے علم میں حاضر تھا پس بہت سے امور اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعلیم میں فرض فرمائے جیسے رات کی نماز اور تمام مال موجودہ کو صدقہ کرنا اور مانند اسکے پھر ان احکام کو منسوخ کر دیا بنظر اسکے کہ آئندہ جو زمانہ آنے والا ہے وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فیض صحبت و برکت سے محروم ہونگے تو اُنکے قلوب میں یہ وسوسہ نہیں ہے پس یہ صورت بھی اسی میں شامل ہے قولہ تعالیٰ۔ وَنُفِیْکَ لِلْیَسْرِی۔ اور ہم تجھے آسانی دینگے سہل کے واسطے

اس سال وفات ہو۔ اور حدیث میں است کو تاکید ہو کہ قرآن مجید کا دور کیا کریں کیونکہ اونٹ جس طرح سندان سے ٹکل جاتا ہو اس سے بڑھ کر قرآن سنیں مردان سے ٹکل جاتا ہو اور ایک حدیث میں ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات ایک صحابی کی قرات سنی اور صبح کو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے کہ اُس نے مجھے فلان فلان آیت یاد دلادی جو مجھے فلان سورہ سے رہ گئی تھیں۔ اور واضح ہو کہ حدیث میں ہے کہ تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں نے سورہ قرآن فراموش کیا بلکہ یوں کہے کہ مجھے بھلا دیا گیا (وجہ دوم) یہ کہ قولہ سنہرنگ الخ ہم تیرے دل کو کشادہ فرما دیں گے اور ایسی قوت دینگے کہ ایک بار جبرئیل اکی ملاوت سے تو اس طرح حفظ فرما دیگا کہ نہیں بھولے گا (وجہ سوم) یہ کہ ابتدا سے سورہ مین تبسیح کا حکم دیا تو گو بافرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے پر مداومت کر اور ہم عنقریب تجھے قرآن پڑھا دیں گے جو علوم اولین و آخرین کا جامع ہو اور اس میں تیرے واسطے شرف ہو اور تیری قوم کے لیے بزرگی ہو اور ہم اسکو تیرے قلب میں جمع کرینگے اور اس پر عمل کرنے کے واسطے تجھے آسانی عطا فرما دیں گے مسئلہ دوم اس آیت میں معجزہ نبوت ہو اور اعجاز و وجہ سے ہے (وجہ اول) یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شرف خاندان عرب میں سے تھے اور عرب اگرچہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے ہیں تاہم ان میں پڑ سے لکھے لوگ بہت تھے یہ خلفاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ پر اللہ تعالیٰ نے کسی اسناد کا حق نہیں رکھا چنانچہ حدیث میں ہے کہ رب عزوجل نے مجھے ادب سکھایا پس میرا ادب سب سے بہتر ہے اور قوم کے واسطے یہ معجزہ کفایت ہو کہ ایک مرد امی نے جو کسی لکھنا پڑھنا نہیں جانتا ہو اس کتاب طولانی کو بغیر درس اور کتابت کے اور بغیر دور کے یاد کر لیا (وجہ دوم) یہ کہ سورہ ہذا ابتدا میں کے میں نازل ہوا تھا اور اس سورہ میں ایک لرعبیب غریب کی خبر ہے کہ قبیر قرآن نازل فرما دیں گے اور اس طرح پڑھا دیں گے کہ تو اسکو نہیں بھولے گا پھر جس طرح خبر دی گئی اسی طرح واقع ہوا تو یہ لطیف معجزہ ہو مگر ہم کہتا ہوں کہ اس معجزہ پر حکر معجزہ یہ ہے کہ باوجود بے پڑ سے ہونے کے ان آیات میں ایسے معارف بلند و حقائق ارجند ہیں کہ کبھی ختم نہیں ہوتے اور عارف عالم ان شرائع میں متحیر ہوتے ہیں فانہم۔ م۔ رازیؒ نے لکھا کہ پھر قولہ فلا تنسی۔ کو بعض نے منی کے معنے میں لیا یعنی ہم تجھے وحی سے قرآن پڑھا دیں گے اسکو مت بھولنا مشہور قول یہ ہے کہ مجھے خبر ہے یعنی خبر دی کہ تو نہیں بھولے گا اس لیے کہ اول قول کے موافق مختلف ہو اور کئی وجہ سے ضعیف ہو (ایک وجہ) یہ ہے کہ بھولنے سے مانعت و حقیقت نہیں ہو سکتی کیونکہ بھول جانا اللہ تعالیٰ کی قدرت ہرمان مجازاً بہ معنے بے جا دین کہ ہمیشہ اسکو پڑھتے اور دور کرتے رہنا کہ فراموشی نہ ہو (دوم) یہ کہ منی کی صورت (فلا تنسی) ہو تو یہ مختلف کر و کہ الف واسطے رعایت فاصلہ کے زائد ہو اور یہ خلاف اصل ہو (سوم) یہ کہ اگر نبی قرار دی جاوے تو اس سے بہتر تعظیم یہ کہ بشارت کی خبر ہو رہا یہ بیان کہ قولہ لا یأسوا منہم سے مستثنا کے کیا معنے ہیں یعنی تو کچھ نہیں بھولے گا سوائے اُس قدر کے جو اللہ تعالیٰ چاہے رازیؒ نے کہا کہ بیان دو باتیں ہو سکتی ہیں اول یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسکو صرف اظہار عظمت کے معنے میں بیان فرمایا اور اس استثنا کا حصول نہیں ہوا یعنی آیت نازل ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ نہیں بھولے اور یہی کلیجی کا قول مردی ہو اگر کہا جاوے کہ جب کچھ مستثنیٰ نہیں ہوا تو پھر اس کلام پاک زائد کرنے سے کیا غرض ہو (جواب) میں چند امور ہیں (۱) یہ کہ تشرک مراد ہو جیسے قولہ لا تقولن لشیء الخ یعنی اے محمد کسی چیز کی نسبت یہ نہ کہنا کہ میں اس کام کو اکل کروں گا مگر آنکہ کو اگر اللہ تعالیٰ چاہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں سب جانتا ہوں و لیکن تم کو اسی طرح آگاہ کیا جاتا ہو (۲) فرماؤ گے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کچھ فراموش کریں و لیکن اسکو ذکر فرمایا کہ جس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت معلوم ہو کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہو تو نسیان واقع ہوگا اور اللہ تعالیٰ کو سب قدرت ہو اقول اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی بات پر مجبور نہیں ہوتا و نہ مختار ہو چاہو وہ کرے قولہ تعالیٰ ولو شئنا لنذہبن بالذی اوحینا الیک الا یہ یعنی اگر ہم چاہیں تو جو کچھ ہم نے تجکو وحی فرمایا ہو اسکو لجاویں۔ ہ۔ ہم غیب جانتے ہیں

مرعی در حالیکہ وہ احوی تھا یعنی شدت سبزی سے سیاہ ہو رہا تھا۔ پھر اسکو غشا کر دیا (السراج) شیخ ابن کثیرؒ نے لکھا کہ تولہ تعالے
 والذی اخرج المرعی۔ اور جس رب عزوجل نے مرعی کو نکالا۔ یعنی سب قسم کے نباتات و پھل و کھیتیاں نکالیں۔ فجعل غشا احوی۔ پھر اسکو
 غشا احوی کر دیا۔ یعنی خشک بنیاد کر دیا یا یہ معنی کہ سوکھی گرد و آلود گردی) یہ ابن عباسؓ نے بیان فرمایا اور اسی کے مانند مجاہد و قتادہ و ابن
 نے بیان کیا ہو امام ابن جریرؒ نے کہا کہ بعض اہل العلم جو زبان عربی سے ماہرین یہاں یہ سمجھتے ہیں کہ کلام میں مقدم و موخر ہے اور معنی یہ ہیں
 کہ والذی اخرج المرعی احوی فجعل غشا۔ یعنی جسے مرعی کو خوب سبز سپاہی مائل نکالا پھر اسے بوسرا اسکو غشا (خشک) کر دیا۔ ابن جریرؒ نے کہا
 کہ یہ بات اگرچہ بن سکتی ہو لیکن ٹھیک نہیں ہو اسلیے کہ علماء سلف کی تادیل سے بالکل خلاف ہے (ابن کثیرؒ) ابن زبیرؒ نے فرمایا کہ اللہ
 تعالے نے کافرون کے لیے یہ مثل بیان فرمائی کہ دنیا جو سبز لہلہاتی نظر آتی تھی وہ آخر جاتی رہی مترجم کتابہ کہ اس میں یہ بھی تنبیہ ہو سکتی ہے
 کہ اللہ تعالے میں سب قدرت ہے وہ مخلوق کو پیدا کرتا پھر موت دیتا پھر دوبارہ پیدا کرتا ہے۔ سَنَقِرُكَ فَلَا تَنْشَى اِلَّا
 مَا شَاءَ اللّٰهُ اِنَّهُ يَعْلَمُ الْخُفْرَ وَمَا يَخْفَى۔ ہم تجھے بڑھا دینگے پس تو نہیں بھولے گا سوائے اُسکے جو اللہ تعالے
 چاہے وہ جانتا ہو علانیہ کو اور جو چھپا ہو ف اللہ تعالے کی طرف سے اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بشارت دی گئی کہ ہم تجھے
 اسطرح بڑھا دینگے کہ تو اسکو نہیں بھولے گا سوائے اُسکے جو اللہ تعالے چاہے۔ اس تفسیر کو شیخ ابن جریرؒ نے اختیار کیا ہے۔ قتادہؒ نے کہا کہ
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ بھولتے نہیں تھے سوائے اُسکے جو اللہ تعالے چاہے بعض علماء نے کہا کہ فلا تنسی سے اس میں نہی مقصود
 ہے یعنی تو اسکو بھول نہ جائیو سوائے اس قدر کہ جو اللہ تعالے کو منظور ہے یعنی اُسکی تلاوت سے منسوخ فرماوے تو اُسکے بھول جانے میں
 کچھ مضائقہ نہیں ہو انہ یعلم الخبر الخ اللہ تعالے کو خوب معلوم ہے جو اُسکے بندے قول و فعل ظاہر کرتے ہیں اور جو مخفی کرتے ہیں (ابن کثیرؒ)
 اور قتادہؒ نے لکھا کہ یہ بات جانتا چاہیے کہ جب اللہ تعالے نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ (سج اسم
 ربک الاعلیٰ) یعنی آپے رب اجل کی تسبیح کر۔۔۔ اللہ تعالے نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ جانتے تھے کہ اللہ تعالے کی تسبیح اُسی کلام سے پوری
 ہو سکتی ہے جو آئے بندہ وحی کے نازل فرمایا ہو قولا محمدا آپ جہد فرماتے کہ وحی الہی میں کچھ بھول بخادین پس اللہ تعالے نے یہ خوف دور فرمایا
 بقولہ تعالے سَنَقِرُكَ فَلَا تَنْشَى یعنی ہم تجھے اسطرح بڑھا دینگے کہ تو نہیں بھولے گا اور یہاں چند مسائل ہیں (اول) و احدی رحمہ اللہ تعالے
 نے کہا کہ تولہ سنقر تک۔ یعنی ہم تجھے فاری بنا دینگے اسطرح کہ قرات تجھے الہام فرما دینگے پس جو کچھ تو وحی الہی پڑھے گا اسکو نہیں بھولے گا
 مجاہد و مقاتل و کلبیؒ نے کہا کہ جب وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی قرآن نازل ہوتی تھی تو آپ اپنے لب مبارک کو وحی کی قرات
 کے لیے جنبش دیتے تھے تاکہ ایسا نہ ہو اسکو بھول جائیں حالانکہ جبرئیل علیہ السلام ابھی آخر تک وحی سے فارغ نہیں ہوئے پس اللہ
 تعالے نے اس آیت سے بشارت دی کہ یہ خوف نہ کریں ہم اسی طرح یہ قرآن تجکو بڑھا دینگے کہ تو نہیں بھولے گا اور اسکو حفظ رکھے گا
 اس آیت کی نظیر یہ تولہ تعالے لا تعجل بالقرآن من قبل ان یقضی الیک وحیہ۔ یعنی وحی پوری ادا ہونے سے پہلے تو قرآن کی قرات
 کے ساتھ جلدی نہ کر۔۔۔ اور تولہ تعالے لا تحرك به لسانک الا یہ یعنی جلدی کی غرض سے قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دے۔۔۔
 اب رہا یہ بیان کہ قرآن حفظ کر دینے کی کیا صورتیں ہیں تو علماء نے اسکی وہیں بیان کیا (ایک) یہ کہ جبرئیل بار بار آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم کے ساتھ دوہر کرینگے پس اسطرح حفظ ہو جائیگا کہ فراموش نہیں ہو سکتا ہو مترجم کتابہ صحاح کی حدیث ابن عباسؓ میں ثابت
 ہے کہ ہر رمضان میں رات کو جبرئیلؑ آپ کے ساتھ دوہر کیا کرتے تھے۔۔۔ حتی کہ سال و فوات میں دوبارہ دوہر کیا اسی سے آپ نے جانا کہ

کہ قدرت نے اجزائے جسمانیہ کو مرکب کر کے خاص ترکیب سے علو و علوہ ان قوتوں کی لیاقت عطا فرمائی اور (فہدی) سے معلوم ہوا کہ ان اعضاء میں یہ قوتیں مقدر کین اور مصلحت ہر شخص و نوع کی پوری ہوئی اور مفسرین نے یہاں متعدد اقوال بیان فرمائے ہیں مثلاً مرد و عورت اور نر و مادہ میں ارتباط انکی پیدائش میں رکھا اور مثلاً ہر ایک کو اُسکی معیشت کی ہدایت کی اور مثلاً انسان کو راہ نیک و بد کی ہدایت کی کہ قدرت اُسکے واسطے ان دونوں میں سے ہر چیز حاصل کر دیگی پھر بعض نے شکر کی راہ لی اور بعض نے کفر کی راہ لی۔ بعض نے کہا کہ ہدایت سے مراد یہ کہ بعد پیداکر کے ٹھیک کرنے کے انکو ایمان کی طرف ہدایت کی یعنی بلایا۔ بعض نے کہا کہ یعنی انکو دلیل دیدی کہ قدرت کے افعال دیکھ کر صفات حق کی راہ پا دین اور عظمت و جلال و کبریا و صمدیت و وحدانیت یعنی صفات الوہیت پہچانیں کہ چونکہ عاقل اسی عالم میں عجیب صنائع قدرت دیکھتا ہے جس سے نور فطرت صاف پہچان لیتا ہو کہ اس عالم کا خالق حق عزوجل کامل صفات ہو فتاویٰ نے کہا کہ قولہ تعالیٰ (فہدی) اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کو زبردستی مقہور نہیں کیا کہ وہ ضلالت و بدکاری پر رہے نہ اسکو بہ حکم دیا اور نہ پسند کیا بلکہ تمھارے واسطے بندگی پسند کی اور اسی کا حکم دیا اور مصیبت سے منع کیا رازیؒ نے کہا کہ ان اقوال سلف میں غور کرو تو دو باتوں میں منحصر ہیں بعض نے اس ہدایت کو دنیاوی زندگی کی مصلحتوں پر رکھا یعنی اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو مع مقادیر اوصاف وغیرہ ٹھیک کر کے اُسکی فطرت میں ایسی قوت رکھی کہ اپنی زندگی میں سب چیزوں سے اپنے لائق مصلحت حاصل کرے اور برائیوں سے بچے۔ یہ تفسیر اسیلے کہ (الذی خلق فسوی والذی قدر) سب دنیاوی امور سے متعلق ہیں تو (فہدی) بھی انہیں دنیاوی امور کی ہدایت ہے۔ بعض نے اس ہدایت سے دین کی ہدایت مراد لی اور یہی قول زیادہ قوی ہو کیونکہ پیدا کرنا اور ٹھیک کرنا اور مقدر کرنا بے شک دنیاوی حالات ہیں لیکن سب ضرورتیں پوری ہو گئیں اور اس میں عقل کا کمال اور فہم اور ادراک بھی آگیا پھر اُسکے بعد (فہدی) فرمایا تو یہ اُسکو دین کی رہنمائی ہو۔ جیسے قولہ تعالیٰ فہدیناہ النجین۔ ہم نے اُسکو دونوں جہان کی رہنمائی فرمائی مترجم کہتا ہے کہ میں نے اوپر بیان کر دیا کہ ہدایت میں دونوں قسم کی ہدایت مراد لینا بہتر ہے پس اول قسم کی ہدایت یعنی جو دنیاوی زندگی میں ہر عضو کو کام میں لانے اور ہر چیز سے نفع اُٹھانے کے متعلق ہو اُسکے واسطے جہلی قوت رکھی ہو کیسے سکھانے کی ضرورت نہیں ہو اور قسم دوم یعنی جو ہدایت کہ دین سے متعلق ہو وہ پیغمبروں کے ذریعہ سے سکھائی واللہ تعالیٰ اعلم وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَىٰ فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوَىٰ۔ اور جس نے نکالا چراگاہ کو پس اسکو بنا دیا غناء سیاہ ف یعنی رب تبارک و تعالیٰ وہ ہر جسے چراگاہ کی نباتات اُگائیں پس اسکو غناء و احوی بنایا رازیؒ نے کہا کہ لوگوں کے متعلق امور کو بیان کرنے کے بعد ان چیزوں کو ذکر کیا جو جانوروں کے متعلق ہیں اور مراد یہ ہو کہ رب عزوجل ہی قادر ہو کہ نباتات اُگاوے اور سوا اُسکے کسی بت وغیرہ میں یہ قدرت نہیں ہو۔ المرعی ہر وہ چیز ہے جو زمین پر اُگے جیسے گھاس و گھیتی اور درختان پھلدار۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ المرعی سبز گھاس ہو۔ غناء وہ نباتات جو خشک ہو جاوے اور ہوا و سیل میں اڑتی پھرے قطربؒ نے کہا کہ غناء کا واحد غشاءہ ہیں احوی یعنی اسود یعنی سیاہ ہو یا بقول بعض کے جو سیاہی مائل ہو جبکہ رطوبت پہنچے اگر کہا جاوے کہ (أَحْوَىٰ) سے کیا مراد ہو۔ (جواب) بیان دو قول ہیں (ایک) یہ کہ غناء کی صفت ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اُس نباتات کو خشک سیاہ کر دیا خواہ یہ سیاہی بوجہ خشکی کے ہو یا سیل یا غبار سے ہو (دوم) یہ کہ (احوی) مقدم ہو یعنی مرعی احوی پیدا کیا یعنی شدت سبزی سے سیاہی مائل ہو پھر اُسکو غناء یا خشک کر دیا۔ اسی قول کو فرارم و ابو عبیدہ رحمہ نے اختیار کیا ہے (تفسیر کبیر) زحشریؒ نے کہا کہ (احوی) حال ہو سکتا ہے یعنی پیدا کیا

کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو بقدر معلوم مقدار کیا۔ کسائی کی قراءت پر فعال کرنے لگا کہ اسکے یہ معنی ہیں کہ والذی قدر فہدی اور جو مالک ہوا پس ہدایت دی۔ بیان یہ کہ (الذی خلق فسوی والذی قدر فہدی) رب اعلیٰ جل شانہ وہ ہر جسے مخلوق کو پیدا کر کے ٹھیک کیا اور جو پیدا کی ہوئی مخلوق کا مالک ہوا پھر جس طرح چاہا اُس میں تصرف کیا اور یہی بادشاہ کے معنی ہیں پھر ہدایت دی یعنی مخلوق ملک کو اُس کے نفع و ضرر کی راہ بتلائی یعنی یہ ہدایت اُسکی جبلت میں پیدا کر دی اقول پھر جو کفار اپنے نفع سے جاہل ہیں اور اپنی خسرت جمع کرتے ہیں یعنی کفر کر کے دنیا جمع کرتے ہیں تو ان میں اندازہ شرارت و بد بختی سے خیر و نیکی منہدم ہوا اس لیے کہ مثلاً اللہ تعالیٰ کی وصفت بدی ظاہر ہو اور دنیا کا فنا ہونا بدی ظاہر ملک موت سے بالکل مجرب ہو پھر بھی کفار اسی کو اختیار کرتے ہیں اور توجہ تصرف حق ہے۔ بعض علم نے کہا کہ (قدر) بدون تشدید کے اور (قدر) تشدید کیساتھ دونوں کے معنی ہیں تو تشدید کا فہم القادرون۔ میں (قدرا) دونوں طرح بڑھا گیا اور مطلب یہی کہ ہم نے اندازہ کیا یعنی ہر چیز کا انداز ٹھیک معین کیا جس طرح منظور تھا مترجم کہتا ہے کہ اندازہ کے معنی بیان تخمینہ و اٹکل کے نہیں ہیں بلکہ مثلاً مرکب میں ہر جز اپنے اپنے انداز سے مقدار معین معلوم ہو چنانچہ امام رازیؒ نے لکھا کہ قدر تمام مخلوقات کی ذات و صفات سب کو شامل ہے یعنی ہر ایک مخلوق کی ذات کو بقدر معلوم پیدا کیا اور اُس کے مناسب صفات بھی مقدار فرمائے پس اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو مقدار کیا اور ستاروں و عناصر (خاک و ہوا و پانی و آگ) اور جادات (لوہ و چاندی و سونا وغیرہ) اور نباتات و حیوانات و انسان کو سب کو اُس کے جسمانی اندازہ میں مقدار کیا اور ہر ایک کو اپنے انداز سے بڑا و چھوٹا بنایا اور ہر ایک کے باقی رہنے کی ایک مدت معلوم مقدار کی اور اسی طرح صفات و رنگ و مزہ و بو اور جگہ و وضع و قطع اور خوبی و برائی اور نیک و بد بختی اور ہدایت و گمراہی مقدار فرمائی اور ہر ایک کے واسطے ہر چیز اپنے ارادہ و قدرت و علم و حکمت سے بقدر معلوم معین کی اور اللہ تعالیٰ کی قدرت خیر متناہی ہے یہ تو جس قدر اپنی قدرت سے پیدا کیا اُس میں یہ تصرف ہو اور اگر ان امور کو ہم تفصیل کے ساتھ بیان کرنا چاہیں تو بڑی بڑی کتابیں بھی کفایت نہ کریں مترجم کہتا ہے کہ اگر آپ اسکی تفصیل میں بڑی بڑی کتابیں لکھیں تو بھی اُس قدر لکھیں گے جس قدر آپ کے علم میں اللہ تعالیٰ نے مقدار فرمایا ہو حالانکہ وہ ایک ذرہ بھی نہیں ہوا اس لیے کہ یہ سب نظام عالم بقول امام رازیؒ کے اعلیٰ سے اسفل تک خود اسکی شرح و تفصیل ہے پھر میں کہتا ہوں کہ ہم کو اول تو سب محسوسات نظر نہیں آتے ہیں بلکہ جہان تک نگاہ کام کرتی ہی ہم دیکھتے ہیں اور بارہا اس میں غلط بھی کرتے ہیں اس لیے کہ سورہ معراج کی تفسیر میں ایک حدیث گزر چکی کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع جبرئیلؑ کے عالم بالا سے اُترے آپ نے اس خوف میں قریب زمین کے رنگ و رنگ بزم و بزم دیکھ کر جبرئیلؑ سے پوچھا تو انھوں نے بیان کیا کہ اور رسول اللہؐ شیاطین ہیں اور اگر یہ نہ تو لوگوں کو عجائب نظر آدین اس سے معلوم ہوا کہ لوگ جب آسمان کی جانب نظر کرتے ہیں تو درمیان میں شیاطین اپنے کمرشے لاتے ہیں تاکہ آیات قدرت انکو نظر نہ آدین اور ظاہر ہے کہ جس شخص پر شیطان جس قدر زیادہ مسلط ہوگا اُسی قدر زیادہ غلط کرے گا مترجم کہتا ہے کہ اس زمانہ میں ایک فرقہ عظیم ہو جو آسمان کے وجود سے اسی بنیاد پر انکار کرتے ہیں کہ جب دور میں سے نظر کرتے ہیں تو انکو عجائب نظر آتے ہیں کچھ شک نہیں کہ شیاطین کا تسلط ان پر شدت ہو اس سے اہل ایمان کو عبرت حاصل کرنی چاہیے بالجملہ بے شمار ہمکو محسوس نہیں اور ایک قطرہ معلوم ہو لیکن قدرت الہیہ کا معلوم ہونا بعد احاطہ ہو جو قطعاً محال ہے پھر اسکی شرح کرنا غیر ممکن ہے رازیؒ نے کہا کہ قولہ تعالیٰ (فہدی) تو یہ ہدایت پیدا کنی ہو اور بیلین یہ کہ ہر ایک ترکیب سے جو مزاج حاصل ہوتا ہو اُس سے ایک خاص قوت کی لیاقت پیدا ہوتی ہے اور ہر قوت سے ایک معین کام کی لیاقت ہوتی ہے پس قولہ (فسوی) اور قولہ (قدر) سے بیان ہے

تعداد زیادہ ہو اور مترجم سے ایک مرد معتدلے نواب محمد علی خان مرحوم مقیم بنارس کے ایک ملازم کا واقعہ اس کے مشابہ نقل کیا و اللہ تعالیٰ اعلم
 (پرنڈسکا) امام ابن الاعرافیؒ نے ہشام بن سالم سے روایت کیا کہ سابعی نے اس پرنڈ کے انڈے کھالیے اس پرنڈ نے غمناک ہو کر مچھلی کا
 کانٹا جو گھر میں کھائی گئی تھی چوسنے میں لیا اور سانپ کے اوپر اڑنا شروع کیا گویا اسکو چونچ مارتا ہو اور جب وہ قریب ہوتا تو سانپ
 منہ پھیلاتا کہ اسکو بکڑ لے ایک مرتبہ جب اسنے پورا منہ بھاڑا تو پرنڈ نہ کورنے کاٹا اس کے منہ میں چھوڑ دیا جو سانپ کے حلق میں زور سے
 پھنس گیا اور آخر اس موزی نے سر ٹپک کر جان دی چوہا اگرچہ یاد چھو ایک نیشے کے برتن میں بند کرین تو ہوا ترکیب سے بچھو کا ٹونگ
 کاٹ دیتا ہے تاکہ اس کے حملہ سے بچے پھر اسکو مار ڈالتا ہے مترجم کہتا ہے کہ بیٹا معروف پرنڈ ہے جس نے اسکا گھونسلہ دیکھا وہ اگر مجنون ہو تو ضرور
 یقین کرے گا کہ اسنے ایسی دانائی سے بنایا کہ انسان بغیر ازار کے اس سے عاجز ہو یہ تو حیوانات کا ذکر تھا اور اس میں تنبیہ ہے کہ خالق عزوجل نے
 ہر جاندار کو اسکی ضرورت کے سامان دیے اور انکو کام میں لانے کے لیے اسکی جبلت میں الہام و ہدایت فرمائی اور نباتات بھی بے شعور و نین
 ہیں چنانچہ جب جھبے کے نیچے درخت لگایا جاوے اور وہ بڑھے تو جھبے تک پہنچ کر خمیدہ ہو کر اس سے پار ہوتا ہے اور حتیٰ یہ کہ جمادات
 میں بھی شعور ہے ولیکن انکے حاجات و خلقت ہم سے اس قدر بعید واقع ہوئی ہو کہ ہم بعید سمجھنے سے غاری ہیں اور اس بیان سے نتیجہ معرفت
 یہ ہو کہ جسم کی حیثیت سے مادیات یعنی جمادات و نباتات و حیوانات سب اپنی اپنی خلق کے مناسب حواس میں مشترک ہیں اور ہر ایک
 اپنی اپنی معاش کو قدرتی ہدایت سے اپنی جبلت سے حاصل کرتے ہیں اور یہی حالت انسان میں ہے پس جس انسان نے دنیا میں انہیں حواس
 پر اکتفا کیا اور دنیا کے متاع حاصل کرنے میں تمام سعی کی حتیٰ کہ اس قوم کے ہر ایک آدمی نے کر دیا وہ یہ حاصل کیا اور سب کو روپتی ہوئے تو ظاہر
 ہے کہ حیوانات سے اسنے کوئی امتیاز حاصل نہ کیا بلکہ جس چیز کے حاصل کرنے میں تمام عمر برباد کی وہ اسکی ضرورت سے زائد اور محض بالنگاہ
 ہی پس انسان کا امتیاز بعقل اور انی ہے جو اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق میں نہیں رکھی سوائے انسان کے بلکہ جانوروں وغیرہ میں معرفت رب عزوجل
 کی ہدایت عطا فرمائی ہے اور وہ صحیح احادیث سے اس کثرت سے معلوم ہو کہ اسکا منکر گمراہ جاہل ہے تو اگر انسان اس معرفت سے خالی ہو تو وہ
 جانور سے بدتر ہو ولیکن اس قریب قیامت کے زمانہ میں جب سب ہی لوگ دنیاوی لالچ کے فتنہ میں گرفتار ہیں تو کھلم کی تیزی حواس و باہمی
 معاشرت و اتفاق کے برکات سے متغیر ہو کر اپنی حماقت سے یہ تصور کرتے ہیں کہ یہ کامل عقل والے ہیں۔ چو کہ یہ لوگ انہیں حواس کی غولی
 کو عقل کہتے ہیں تو یہ اصطلاح درست ہے ولیکن معلوم ہو چکا کہ اس سے کچھ امتیاز نہ ہو گا اور عقل معرفت سے سب محروم ہیں تو اسکی حقیقت ہی
 نہیں جانتے اور وہ اسوقت حاصل ہوتی ہے جب اپنے خالق عزوجل کی الوہیت و ہدایت پر یقین لاوے جو حق و جب ہو اور اس بیان سے
 معلوم ہوا کہ پاک ہر وہ رب جلیل جس نے اپنی قدرت کا لہر سے عجیب حکمت کا سامان پیدا کیا ہے کہ ہر مخلوق کو ہدایت دی ولیکن ہدایت خلقت
 تو جبلی ہے وہ ہر چیز کو اسکی طبیعت سے حاصل ہے اور ہدایت روحانی بندگی و ثبوت ہے اور اسکے واسطے بھی مقدر الٰہی جلد ہی ہو گا پس جسکے
 واسطے مقدر ہے وہی پاوے گا اور اسی میں صلاحیت ہو ورنہ نہیں پاویگا۔ مترجم نے قولہ تعالیٰ (فندی) میں دونوں قسم کی ہدایت شامل کر لی
 اس لیے کہ ہدایت روحانی کے لیے لیاقت درکار ہے مثلاً ایک شخص کے قلب میں بصیرت کی آنکھ پر مٹھ رہے تو اس میں معرفت کی لیاقت ہی
 نہیں ہے اس واسطے تم دیکھتے ہو کہ بس قدر ایسے لوگ ہیں کہ آخرت سے ازلی کافر ہیں وہ معارف و حوب کے سمجھنے سے قطعاً عاجز ہوتے ہیں
 بوجہ اسکے کہ انکے غرور و نفس نے انکے قلب پر غلاف کے مانند احاطہ کر لیا ہے اور امام رازیؒ نے اس مقام پر دلچسپ تفسیر لکھی ہے اسکا ترجمہ
 مناسب ہے چنانچہ لکھا کہ قولہ تعالیٰ والای قدر فندی۔ کسائی کی تراوت میں (قدر) بدون تشدید ہے اور باقیوں کی قراوت میں تشدید ہے اور تشدید

اکثر اوقات میں بسبب کثرت ہر کے جو اکثر چار دن میں آسمان پر محیط ہوتا ہی بار بار تجربہ ہوا کہ خرگوش مادہ ٹھیک اسی وقت دودھ پلانے لگی جس وقت روز جاتی تھی حالانکہ بدون گھڑی کے اُس روز اوقات کا استیازہ ہرگز نہوا مگر تخمیناً اسی طرح جفت کو تر میں نہرنے ٹھیک اُسی وقت بدلی کی جس وقت روزانہ سنے کے لیے مادہ سے بدلی کرتا تھا (بتی) ایام تحصیل علم میں بالکل سیاہ بلا کھانے کے قوت نظر آیا اور اُسکو عجیب خیال کر کے ہر چند چاہا کہ مل جاوے وہ دور رہا آخر اُس سے دست کشی کی کہ ناگاہ ایک سفید بلا آیا اور برابر دسترخوان پر ادب سے بیٹھ گیا اور جو کچھ دیا گیا اُس نے کھا لیا اور ہر چند دریافت کیا گیا وہ محلہ میں کیسا ہالونہ تھا تو اُس کے لیے معمولی غذا نظر کی۔ جب گرمیاں آئیں تو مکرر تجربہ ہوا کہ چھوٹی رات میں آخری نسیم سحر سے ایسی غفلت ہوئی کہ قریب تھا کہ ناز سے محرومی ہو کہ اُسی بتی نے ہالونہ گدگدائے ولیکن کچھ ہوش اچھی طرح ہوا بلکہ بانٹوں پہنچ لیا گیا تو اُس نے سر ہالے کی طرف سے آکر سر کھجلا یا اور جب سر اٹھایا تو نور اہٹ کر بھاگ گیا اور معلوم ہوا کہ وقت بہت کم باقی ہے یہ معاملہ کئی بار واقع ہوا اور اسی قسم سے چرم پر نذین عجائب نظر آئے جو قطعی دلیل تھے کہ ان جانوروں میں جو اس موجود ہیں لیکن ہر چند بند کیا کہ امام محدث شیخ ابن الجوزی کی کتاب سے بعض عجائب جو شیخ رحم کو بسند صحیح حاصل ہوئے ہیں نقل کروں شیخ نے بکثرت لکھے ہیں اور میں اُس میں سے بعض لکھتا ہوں کتا ابو عثمان المدائنی نے فرمایا کہ ہمارے جوار میں بغداد میں ایک شخص کتے پالتا تھا ایک روز اپنا محبوب کتا خاص لیکر چلا کچھ دور جانے کے بعد کتے نے اُسکو روکنا شروع کیا وہ نہ مانا اتفاقاً ایسی جگہ پہنچا جہاں اُس کے جانی دشمن جمع تھے انھوں نے پکڑ کر اُسکو قتل کر کے دفن کیا اور کتا زخمی ہو کر گھرایا اور رونے لگا اُس شخص کی مان نے آخر جاننا کہ وہ مارا گیا اور ماتم میں بڑ گئی اور کتوں کو ہانک دیا لیکن وہ کتا نہ گیلید و بازار کے کنارے بیٹھا رہتا تھا دوسرے دوسرے روز قاتل بازار آیا اور کتے نے اُسکو پہچان کر فوراً حملہ کر کے ٹانگ لی اور ہر چند زد و کوب بتی نہ چھوڑی آخر رات ٹھہری کہ یہ کیا معاملہ ہو اور جسے کتے کو پہچاننا نہ گھرایا اور بڑھیاے ٹھکڑا کہہ کر ہاں اس شخص سے میرے بیٹے سے دشمنی تھی قتل کا ثبوت نہوا اور لوگوں نے اُسکو روک لیا تو بھی کتے نے پہچان لیا آخر لوگوں نے ساتھ دیا اور کتا اُس مقام پر پہنچا جہاں اُسکا آقا مدفون تھا اور اپنے بچوں سے کھودنے لگا لوگوں نے مدد کی اور مقتول کی لاش برآمد ہوئی اور حاکم سے قاتل نے انکار کیا تو حاکم نے شبہ پر اُسکو قید کیا۔ کتے نے قید خانہ کا دروازہ گھیرا آخر قاتل نے اقرار کیا اور اپنے ساتھیوں کو بھی بتلایا وہ بھی مقرر ہوئے اور سب کو سولی دی گئی۔ شیخ نے کتوں کی حکایات لکھی ہیں اور وہ عام طور پر بھی غرائب میں مشہور ہیں جو ہا ہم سے ابو بکر بن الحاضنہ نے روایت کیا کہ مجھے میرے استاد ابو طالب نے جو عرف میں ابن الدلو کہلاتے تھے اور مرد صالح ثقہ پرہیزگار تھے اور ہر طاہ پرہیز تھے یوں بیان فرمایا کہ میں ایک رات بیٹھا ہوا لکھتا تھا اور اُس زمانہ میں میرا ہاتھ تنگ تھا ناگاہ ایک بڑا چوہا نکلا اور ادھر ادھر دوڑنے لگا پھر دوسرا چوہا نکلا اور دونوں کھیلنے لگے اور کھیلنے کھیلنے میرے قریب آجاتے میرے پاس چھوٹا طاس رکھا تھا میں نے اوندھایا تو ایک چوہا اُسکے نیچے بند ہو گیا اور میں بدستور لکھنے لگا اور دوسرا چوہا آیا طاس کے گرد گھومنے لگا اور میں خاموشی میں لکھتا تھا وہ دوڑ کر بل میں گیا اور وہاں سے ایک پورا دینار نکال لایا اور میرے سامنے ڈال دیا۔ میں نے دیکھ لیا ولیکن بدستور لکھتا رہا اور چوہا کچھ دیر گویا منتظر رہا پھر جاکر دوسرا دینار لایا اور منتظر رہا مجھے تعجب ہوا ولیکن میں خاموش ہو گیا اسی طرح وہ چار پانچ دینار لایا آخر میں وہ بہت دیر تک منتظر رہا پھر جاکر چھڑے کی تھیلی لایا اور دیناروں بڑ ڈال دی۔ میں نے خیال کیا کہ اب کچھ باقی نہیں ہے میں نے طاس کھول دیا اور دونوں ملکر خوشی خوشی بل میں بھاگ گئے مگر حجم کتنا ہو کہ علماء و سلطنت عثمانیہ کی تاریخ میں اسی کے مانند ایک عالم کا قصہ مذکور ہے لیکن دیناروں کی

اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو اپنی ضروریات میں استعمال کے واسطے طبعی ہدایت دی یعنی مثلاً انسان اپنے ہاتھ کو گرفت کے کام میں خود لاتا ہے اور عقلی ہدایت بذریعہ انبیاء علیہم السلام کے بتلائی کہ ہاتھ سے حلال چیز کو لینا چاہیے اور آنکھ سے نامحرم عورت کو نہ دیکھنا چاہیے اور خیال میں شیطانی وسوسہ قبول نہ کرنا چاہیے یہ جنت و سعادت کی راہ ہے اور شرع سے مخالفت کرنا بدبختی و جہنم کی راہ ہے یہی سدیٰ نے کہا کہ عورت کے پیٹ میں بچہ کی مدت مقدس کی بھر جب پوری ہوئی تو بچہ کو دہان سے نکلنے کی طبعی ہدایت دی اور اسی قسم سے انسان کو اپنی غذا و اُس کے ترکیبات کی ہدایت دی اور دوا وغیرہ کی ہدایت دی اور جانوروں کو خواہ چرند ہوں یا پرند ہوں اپنی اپنی ضروریات کی ہدایت عطا فرمائی مگر ہم کہتا ہوں کہ جس شخص نے حیوانات و ان کے افعال میں غور کیا وہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے معانی عجیب دیکھتا ہے اور قطعاً یقین کرتا ہے کہ ہر ایک نوع جاندار میں اُسکی ضرورت کے لائق حواس ہیں خطیب ابو السعودؒ نے لکھا کہ یہ جاندار اپنی حاجات میں ان حواس کو کام میں لاتے ہیں اور ان کے واسطے تعلیم و تلقین کی ضرورت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ عزوجل کی کمال قدرت سے انہیں طبعی ہدایت موجود ہے اور اگر کوئی حائل سلیم طبیعت کے ساتھ ان حیوانات و نباتات کے حالات میں غور سے نظر کرے تو ایسی باتیں پائے جس سے عقل متحیر ہو جاتی ہے اور خالق جل جلالہ کی عجیب قدرت نظر آتی ہے کہتے ہیں کہ (افعی) زہر بلا آزد با جسمین شدت سے زہر ہوتا ہے جب اُس پر زمانہ محدود گزر جاتا ہے تو شدت زہر سے اُسکی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اُسکو ہدایت دی ہے کہ اپنی آنکھیں تازہ راز بانہ پر طے تو روشنی عود کرے پس وہ اکثر اوقات ایسے کو ہی بیابان میں ہوتا ہے کہ وہاں سے کھیتی کے مقام تک دراز فاصلہ ہے لیکن وہ جسطرح ہو سکتا ہے اس مسافت کو طے کر کے کسی باغ میں داخل ہوتا ہے اور جس طریقہ سے ہوا خاص راز بانہ تک پہنچ کر اس سے آنکھیں ملتا ہے اور مینا ہو کر بھاگ جاتا ہے مگر ہم کہتا ہوں کہ شیخ ابو السعودؒ خطیب کو ایسی غریبے سے نقل کر کے ضرورت نہ تھی جبکہ بدیہی مشہور اور صد ہا مرتبہ مجرب امور موجود ہیں اور مگر ہم غافل اللہ عنہ کے خود تجربہ میں سے ہے کہ خرگوش دادہ جب کما زمین چڑا زمین ہوتا ہے سو اے ایام بارش کے ہر مہینے میں بچہ دیتی ہے یعنی اُسکی مدت حمل ایک مہینہ ہے اور اکثر پانچ چھ بچے لاتی ہے اور اُن کے تک حد ہی بھر جب ایک ہفتہ باقی رہتا ہے تو زمین دھنگ گری سرنگ بنام مشقت کھودتی ہے اور ہاتھوں سے مٹی نکال کر باہر ڈالتی ہے اور خاتمہ پر مدور وسیع کر دیتی ہے اور اُسکی چھت میں کوئی نوکدار کنکر باقی نہیں رکھتی اور تمام راہ کو اپنے ہاتھوں سے اسطرح صاف کرتی ہے اور جہاں کنکر نکالنے سے گڑھا ہو جاتا ہے تو وہاں پر کھالی مٹی لیا کر اُسکو ہموار کرتی ہے اور ہاتھوں سے تھپ تھپ کر مضبوط کر دیتی ہے پھر اگر اسکو اول ہی مرتبہ یہ سرنگ بنانی پڑی اور مشقت لاحق ہوئی تو اُس روز باہر کی مٹی سے مٹھ اسطرح بند کرتی ہے کہ بالکل نشان محسوس نہ ہو اور دوسرے روز کھول کر پہلے کھر کی قسم سے بکثرت لے جاتی ہے اور گوڈ وغیرہ جو میسر ہوا وہ لجاتی ہے حتیٰ کہ ایک مرتبہ بعض کتاب کے اوراق لیکن جسکی وجہ سے سرنگ کھود کر یہ سب معاملہ دیکھا گیا۔ پھر جب تین روز باقی رہتے ہیں تو دوبارہ کھود کر نرم روئی وغیرہ سے جو کچھ میسر ہوا لے گئی اور بدستور بند کیا جس روز وضع حمل کرتی ہے تو کھول کر اپنے سینہ کے روئیں لچک لچاتی ہوتا ہے چونکہ وہ وہ کے لیے سینہ صاف ہو جاوے اور چونکہ گرم و نرم بستر میسر آوے اتفاقاً ایک مرتبہ شروع گرمی میں ہوا ہے تندرستی تھی کہ اُسکے منہ سے روئیں اڑ گئے تو جہاں برتن دھوئے جانے سے پانی کچھ تھا وہاں جا کر پیٹ کے بل لیٹ گئی اور اٹھ کر اُسے بھیگے روئیں نوچ کر منہ بھر لیا اور بخوبی لے گئی۔ پھر جب وقت اُسے بچے دیے تو قریب تین گھنٹہ کے سرنگ میں غائب رہی یعنی بچوں کو دودھ پلا دیا پھر ٹھکروا نہ سرنگ بالکل اسیکی نکالی ہوئی مٹی سے اسطرح بند کر دیا کہ کہیں اُس میں ہوا کی گنجائش نہیں معلوم ہوتی تھی اور اسقدر مضبوط کہ اگر وہاں پانچواں پڑے تو ٹی کے اندر نہیں گھس سکتا۔ پھر ہر روز ایک معمولی وقت پر کھولتی ہے اور باہر دودھ پلا کر اُسی طرح بند کرتی ہے

الَّذِي خَلَقَ فَسْوَىٰ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ۔ جسے پیدا کیا پس ٹھیک کیا اور جسے مقدر کیا پس ہدایت کی۔
 یعنی رب عالی متعالیٰ جسکی تسبیح واجب ہو وہ پاک ہو جسے خلق کو پیدا کیا پس ہر مخلوق کو عمدہ صورت و ہیئت میں کمال حکمت سے ٹھیک
 کیا اور جسے مقدر کیا پس ہدایت کی مجاہد نے کہا کہ انسان کو بد بختی اور نیک بختی کی راہ بتلا دی اور جانور دن کو اپنی اپنی چراگاہ کی ہدایت دی اور
 حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مقادیر ظلال کو آسمانوں و زمین کے
 پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے پیدا کر دیا تھا اور اُس وقت میں اُسکا عرش پانی پر تھا (رواہ مسلم) کذا فی تفسیر اسکا فطرہ رازی نے بیان
 تفسیر میں لکھا کہ واضح ہو کہ جب اللہ تعالیٰ نے رب جلیل کی تسبیح کے لیے حکم دیا تو گویا پوچھنے والے نے کہا کہ رب جلیل کی تسبیح اسوقت ہوتی
 ہو کہ معرفت حاصل ہو پس اس کے واسطے دلیل چاہیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ الَّذِي خَلَقَ فَسْوَىٰ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ۔ واضح ہو کہ انبیاء
 علیہم السلام کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی معرفت بیان کرنے میں خلق و ہدایت کے ذریعہ سے معتد طریقہ ہی چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے کہا
 الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَدِينُ۔ میرا رب وہ ہے جسے مجھے پیدا کیا پس وہ مجھے ہدایت دیتا ہے۔ اور جب موسیٰ ۴ دہارون ۵ نے فرعون سے
 رب غرور جل پر ایمان لائے تو کہا تو اللہ تعالیٰ نے دونوں کا سوال جواب ذکر فرمایا بقولہ تعالیٰ قَالَ فَمَنْ رَبُّكَ يَا مُوسَىٰ قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ
 كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ۔ فرعون نے کہا کہ اے موسیٰ پھر تم دونوں کا رب کون ہے موسیٰ نے کہا کہ ہمارا رب وہ ہے جسے ہر چیز کو اُسکی خلقت دی
 پھر ہدایت کی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر شروع میں سورۃ اقرار نازل فرمایا بقولہ تعالیٰ۔ اقراء باسم ربك الَّذِي خَلَقَ خَلْقَ
 الْاِنْسَانِ مِنْ عَلَقٍ۔ اس میں رب غرور جل کی معرفت بھی خلقت و ہدایت سے مفہوم ہو۔ پس یہی معتد طریقہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پیدا کرنے والا
 اور ہدایت دینے والا ہے۔ یہ طریقہ اس لیے بہتر ہے کہ انسان اپنی ذات میں خلقت و ہدایت کے عجائب کثرت مشاہدہ کرتا ہے تفسیر کبیر
 خطیب نے لکھا کہ قولہ خلق فسوی یعنی جو چاہا وہ ایجاد کیا پس ایجاد کرنا اسکی صفت ہے کوئی چیز اس پر شکل نہیں ہوا اور باوجود پیدا کرنے کے
 اپنی قدرت و اختیار کے ساتھ اُسکو ٹھیک کیا رازی نے کہا کہ اگر بیان فقط انسانی خلقت مراد ہو تو اُسکے ٹھیک کرنے میں کئی چیزیں
 ہیں (۱) یہ کہ انسان کا قدم عدل ہو اور صورت مستقیم ہے قال تعالیٰ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ یعنی ہم نے انسان کو بہت
 بہتر اندازہ پر پیدا کیا قال تعالیٰ فَبَارِكْ لِلّٰهِ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ۔ یعنی اللہ تعالیٰ تبارک و تعالیٰ بہت اچھا پیدا کرنے والا ہے (۲) دیگر
 حیوانات ایک قسم کے اعمال کی لیاقت رکھتے ہیں اور انسان میں کمالات ہر طرح کے افعال کے بذریعہ حواس ظاہرہ و باطنہ کے
 حاصل ہیں (۳) یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ادائے عبادت کے لیے مکلف کیا ہے یہ بیان اس صورت میں تھا کہ مخلوق سے فقط اللہ
 مراد ہو۔ بعض نے کہا کہ نہیں بلکہ سب قسم کے حیوانات کو شامل ہے تو معنی یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے حیوانات کو پیدا کیا اور ہر حیوان کو اُس کی
 ضرورت کے لائق اعضاء و حواس عطا کیے ہیں۔ بعض نے کہا کہ نہیں بلکہ سب قسم کی مخلوقات مراد ہے خواہ جاندار ہو یا بے جان ہو اور
 (ٹھیک کرنے) سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کل ممکنات پر قادر ہو اور جمیع مخلوقات سے عالم ہر چیز کو اُسے حکمت کاملہ کے ساتھ پیدا
 کیا ہے (تفسیر کبیر و سراج) خطیب نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ قَدَّرَ فَهَدَىٰ۔ کسائی کی قرارت میں (قدر) بدولت تشدید دال ہو اور باقیوں کی قرارت
 میں تشدید دال ہو صاحب معالم نے کہا کہ ان دونوں کے ایک ہی معنی ہیں اور (قدر) کے معنی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو مقدر کیا
 یعنی اُسکی جنس و نوع و شخص و مقدار و صفت و فعل و اجل و مرق و عمل کو اندازہ کر دیا اور اس طرح ہر چیز کے حالات کو بھی ٹھیک کیا پس
 گرفت کے لیے ہاتھ رکھے اور چلنے کو پاؤں دیے اور سننے کے لیے کان اور دیکھنے کو آنکھ عنایت کی اور اس طرح دماغی حواس بھی ہیں پھر

کہ جب ساتھ کھلا ناچا ہے تو بلاوے اور منافقانہ طور سے نہ بلاوے دوم جسکو بلا یا اگر اسکو منظور ہو ساتھ بیٹھ جاوے نہیں تو صاف جواب دے کہ مجھے رغبت نہیں ہے (۲) جب گواہ سے کہا جائے کہ گواہی دے اور اُس نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کے یہ کہتا ہوں۔ لازم ہے کہ بالکل سچ کہے اور اگر اُس نے جھوٹ کہا تو جب اُس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ شاہد ہے کہ یوں واقع ہوا تھا حالانکہ یہ جھوٹ ہو تو وہ کافر ہو گیا جیسا کہ فتاویٰ میں مذکور ہے (۳) اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھائی تو اُسکی تعظیم کرے اور جہانتک ممکن ہو حفاظت کرے اور اگر کسی نیک کام نہ کرنے کی قسم ہو تو اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے اور قسم کا کفارہ دے احتمال چہارم یہ کہ نام کی تسبیح سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح ان ناموں سے بیان کرے جو اُس نے نازل فرمائے ہیں مترجم کہتا ہے کہ اس صورت میں مثلاً کسی نے رب عزوجل کو کارپگر کہا تو یہ گناہ ہوا سلیے کہ عرف میں کارپگر ایک ذلیل نام ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ جل شانہ سے تمام صنعت ہے اسی واسطے کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے نام توقیفی ہیں یعنی شرع نے ان ناموں سے واقف کر دیا ہے پس انہیں ناموں سے دعا کرنا چاہیے بیان قول دوم یعنی اسم یہاں جملہ ہے اور مراد رب کی تسبیح ہے اور اسی کو محققین علماء نے اختیار کیا ہے کیونکہ نام فی الحقیقت حروف سے مرکب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی تسبیح کے مانند اسکی پاکی بیان کرنا مقصود نہیں ہے لیکن جب صاحب نام بے انتہا عظمت رکھتا ہے تو اسکی شان میں تسبیح کا یہی طریقہ ہے کہ جیسے لوگ کہتے ہیں کہ مجلس عالی پر سلام ہو حالانکہ مقصود یہ ہوتا ہے کہ بادشاہ کو سلام ہو اور اس صورت میں بھی بہت وجہ ہیں (وجہ اول) یہ کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی معرفت نہیں رکھتے ہیں اُنکے ساتھ ایسا معاملہ نہ کیا جاوے جس سے وہ عداوت سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں گستاخی کریں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ لا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدواً بغیر علم۔ یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسری چیزوں کی عبادت کرتے ہیں اُنکی بدگویی نہ کرو کہ وہ عداوت میں جنابت سے اللہ تعالیٰ کو بُرا کہیں۔ (دوم) یہ کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرے ہر ایسی چیز سے جو لائق نہیں ہے خواہ ذات میں لائق نہ ہو یا صفات میں یا افعال میں یا اسماء میں۔ یا احکام میں ہر طرح سے اسکی پاکی بیان کرے ذات میں تسبیح کا بیان یہ اعتقاد کرے کہ اللہ تعالیٰ جو ہر نہیں ہوا ورنہ عرض ہو لیکن مخلوقات کی مشابہت سے پاک ہو (تسبیح صفات) یہ اعتقاد کرے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات قدیم کامل ہیں وہ حادث نہیں ہیں اور نہ محدود ہیں اور نہ ان میں کسی طرح نقص و عیب ہے بیان تسبیح افعال یہ اعتقاد کرے کہ اللہ تعالیٰ مالک مطلق ہو وہ جو کچھ کرے اُسپر کچھ اعتراض نہیں ہے اور مغرور نہ لے کہا کہ وہ بُری چیز نہیں کر سکتا اور نہ اُس سے راضی ہے مترجم کہتا ہے کہ اگر اس قول سے یہ مراد ہو کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کیا وہ ٹھیک ہے و لیکن بعض افعال ایسے ہیں کہ جس کسی نے انکو کیا وہ قبیح ہو تو ٹھیک ہو مثلاً اللہ تعالیٰ نے کبھی پیدا کی تو کچھ برائی نہیں بلکہ خوب ہے و لیکن جو کوئی کبھی کھاوے وہ قبیح ہے اور اگر مغرور کی یہ مراد ہو کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے میں قباحت ہوتی ہے تو یہ جہالت ہے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ چاہے وہ پیدا کرے بیان تسبیح اسماء تو یہ اللہ تعالیٰ کے واسطے وہی نام بیان کرے جیسے کچھ نقصان عیب نہیں ہو اور وہی نام ہو جو شرع میں وارد ہوا ہے بیان تسبیح احکام تو یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو عبادت وغیرہ جن احکام سے مامور فرمایا ہو تو وہ اپنے کسی نفع کے لیے نہیں ہے بلکہ مالک ہونے کی راہ سے ہے یعنی اُسکے واسطے کوئی غرض نہیں ہے (تفسیر کبیر) اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ قولہ تعالیٰ سبح اسم ربک الاعلیٰ کے یہ معنی ہیں کہ اپنے رب کی تسبیح کر جو اعلیٰ ہے (السراج) راضی نے کہا کہ اعلیٰ یہاں دوسرے کی نسبت نہیں ہے بلکہ یہ معنی ہیں کہ کوئی تعریف کرنے والا چاہے جتنی عظیم تعریف لاوے ہمارا رب اُس سے برتر ہے اور اُسکے حقوق ہماری بندگی و طاعات سے برتر ہیں۔ اور اسمین تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان پاک لائق تسبیح ہو کیونکہ وہ اعلیٰ ہے

نے بطریق سعید بن جبیر روایت کی کہ جب ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسم ربک الاعلیٰ پڑھتے تو کہتے کہ سبحان ربی الاعلیٰ اور ایک روایت میں ہو کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مجھے فرمایا کہ جب تو سجد اسم ربک الاعلیٰ پڑھے تو کہا کہ سبحان ربی الاعلیٰ (رواہ عبد بن حمید) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز میں سجد اسم ربک الاعلیٰ پڑھا تو سبحان ربی الاعلیٰ کہا پس بعد نماز کے آپ سے عرض کیا گیا کہ کیا یہاں قرآن میں زیادہ ہو آپ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ ہم کو حکم دیا گیا تھا تو میں نے بھی کہہ لیا۔ ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ نے جمعہ کی نماز پڑھائی اور سجد اسم ربک الاعلیٰ پڑھا تو کہا کہ سبحان ربی الاعلیٰ۔ ابن الزبیر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہو کہ نماز میں سجد اسم ربک الاعلیٰ کے ساتھ سبحان ربی الاعلیٰ کہنا۔ سعید بن جبیر نے کہا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سجد اسم ربک الاعلیٰ پڑھا تو کہا سبحان ربی الاعلیٰ اور یوں ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ ابن جریر نے بطریق حکام بن مسلم روایت کی کہ ابو اسحق عہدانی نے کہا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سجد اسم ربک الاعلیٰ پڑھتے تو سبحان ربی الاعلیٰ کہتے تھے اور جب لا اقسام بیوم القیامتہ پڑھتے اور اُس کے آخر میں الیس ذلک بقادر علی ان یحیی الموتی پر پہنچتے تو کہتے سبحانک ولی۔ یعنی تو پاک ہو اور تولیوں نہیں قادر ہو کہ مرے کو زندہ کرے مترجم کہتا ہو کہ ابن کثیر نے لفظ کلام نہیں کیا اور میرا گمان یہ ہے کہ ابو اسحق سے یہ روایت منقطع ہو واللہ اعلم۔ اور قتادہ نے کہا کہ ہم سے ذکر کیا گیا کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجد اسم ربک الاعلیٰ پڑھتے تو سبحان ربی الاعلیٰ کہتے تھے (ابن کثیر) بالجلد معنی یہ ہیں کہ تسبیح پڑھا اپنے رب کے نام کی جو سب سے برتر ہو۔ واضح ہو کہ اس حکم کی تعمیل اس طرح کی گئی کہ سبحان ربی الاعلیٰ کہا گیا تو رب عزوجل کی تسبیح پڑھی اور رب کے نام کی بھی تسبیح ہو لغوی نے کہا کہ اسی سے بعض نے کہا کہ نام اور صاحب نام ایک ہی ہو اور کوئی (سبحان اسم ربی) نہیں کہتا (السراج) رازی نے کہا کہ سجد اسم ربک میں دو قول ہیں (ایک) یہ کہ اللہ تعالیٰ کے نام کی پاکی بیان کرنے کا حکم ہو یعنی ہمارے رب تعالیٰ کا نام پاک ہو (دوم) یہ کہ (اسم) زائد ہے بطور صلہ ہو اور مراد یہ کہ رب عزوجل کی تسبیح کی جاوے یعنی مثلاً سبحان ربی الاعلیٰ۔ کہا جاوے بیان اول اگر نام کی پاکی مراد ہو تو یہاں چند احتمال بین احتمال اول یہ کہ مراد یہ کہ اپنے رب کا نام پاک ظاہر کر اس سے کہ کسی دوسرے کا یہ نام ہو یعنی میرے رب کا نام پاک ہو یہ نام ہم کسی دوسرے کو نہیں دے سکتے ہیں پس مقصود یہ کہ ممانعت کی گئی کہ اللہ تعالیٰ کے کسی نام کے ساتھ کسی دوسرے کو مت پکارو جیسے مشرکین پکارا کرتے تھے چنانچہ (اللہ) اسم لیکر اسکا مونث (الات) بناتے اور ایک عورت بت کا نام رکھا تھا اسبطح الاعتر کا مونث (الغری) بنا کر (ربی بی غری) نام رکھا تھا اور ان دونوں کو پوجا کرتے تھے اور یامہ والون نے رحان الیامہ نام میلہ کذاب کو دیا تھا احتمال دوم یہ کہ نام کی پاکی سے یہ مقصود ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں کی تفسیر نہ کی جاوے مگر اسی قدر کہ جبقدر الوہیت پاک کی شان ہو اور جو نہیں لائق ہو اس سے تفسیر نہ کرین مثلاً (الاعلیٰ) کی تفسیر بلند تر مکان سے نہیں جائز ہو یعنی وہ سب سے بلند مکان میں ہی یہ تفسیر غلط ہو اور اللہ تعالیٰ کا نام اس سے پاک ہو یا۔ عرش پر استواء کی تفسیر میں یہ کہنا کہ وہ عرش پر استقرار رکھتا ہی باطل ہے کیونکہ یہ شان الوہیت کے لائق نہیں پس (الاعلیٰ) کی یہ تفسیر ہے کہ وہ قاہر وقادر ہو اور استواء کی یہ تفسیر کہ وہ مستولی ہو مترجم کہتا ہو کہ استواء کی یہ تفسیر خلاف سلف ہو اور غایت یہ کہ یوں کہا جاوے کہ عرش سے انتظام عالم ٹھیک کیا حتی کہ احکام الہی جو انتظام عالم سے متعلق ہیں وہ عرش سے جاری ہوتے ہیں یہ نہیں ہو کہ تخت النری سے چل ہوں حالانکہ اللہ تعالیٰ پاک ہو کہ اُس کے واسطے کوئی جگہ ہو واللہ اعلم احتمال سوم یہ کہ نام الہی پاک رکھا جاوے کہ کبھی بے تعظیمی سے ذکر نہ کیا جاوے بلکہ تعظیم ملحوظ رہے مترجم کہتا ہو کہ اسمین چند مسائل ہیں (۱) یہ کہ کسی نے کہا کہ اُدھارے ساتھ کھانا کھاؤ تو یوں نہیں کہنا چاہیے کہ بسم اللہ۔ یہ جواب ہوگا بلکہ بلانے والے کو چاہیے

اَلَا مَا شَاءَ اللّٰهُ اِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰی ۝ وَنُفِیْرُکَ لِیُسْرِی ۝ فَذَکِّرْ

اِنَّ تَفَعَّتِ الذِّکْرٰی ۝ سَیِّدٌ کَرِیْمٌ یُّخْشٰی ۝ وَیَتَجَبَّہَا اِلٰی شَقِی ۝ الَّذِی

لَیْسَ اِلَّا کِبْرٰی ۝ شَمَّ لَا یَمُوْتُ فِیْہَا وَلَا یَحْیٰی ۝

بُیْئَہُ کَا بَرِّی ۝ اَکْ مِیْن ۝ بَہْرَہُ مَرِّ کَا اُسَیْن ۝ نَہْ جِیوے کَا

یُسْرِی اللّٰہ - شروع ہو اللہ تعالیٰ کے نام سے ف جو عالم الغیب ہو اُس پر ایک ذرہ پوشیدہ نہیں ہو (السراج) جہاں اُنکی تسبیح کرنا ہو سوائے بد بخت جن و انس کے جو آثار قدرت سے جاہل ہیں الرَّحْمٰن - نہایت مہربان ہو ف کہ اپنے عام کرم

وجود سے ہر جن و انس کو وجود عطا کیا اور دنیاوی پیداوار سے تمتع دیا - الرَّحْمِیْم - نہایت رحم والا ہو ف جسے اپنے خاص بندوں کو دنیا میں نعمت معرفت سے سرفراز کیا اور آخرت میں انکو منزلت قرب جنت میں اتارا (السراج) سُبْحِی السَّمِیْہَ اَلَا

اپنے رب اعلیٰ کے نام کی تسبیح پڑھ ف مثلاً سبحان ربی الاعلیٰ اور (الاعلیٰ) اکثر کے نزدیک (ربک) کی صفت ہو ولیکن اس صورت میں اس صفت سے مقصود بیان واقع ہو یعنی سبح اسم ربک - اپنے رب کے نام کی تسبیح پڑھ اور تیرا رب اعلیٰ ہی یعنی اعلیٰ اُسی کی

صفت ہو خواہ بیان کر دیا نہ کرو (ابو السعود) نے کہا کہ یہ زیادہ ظاہر ہے پس یہ لازم نہیں آتا کہ کوئی رب ادنیٰ بھی ہو نفوذ باللہ من ذلک اور اگر (الاعلیٰ) اسم کی صفت ہو تو بھی ممکن ہو یعنی اپنے رب کے اسم اعلیٰ کی تسبیح پڑھ - میرے رب کا نام پاک ہو (ابو السعود) نے کہا کہ ایک

قرأت میں سبحان ربی الاعلیٰ - پڑھا گیا ہو مترجم کہتا ہو کہ اگر یہ قرات ہو تو شاذ ہے اعتبار ہو ولیکن سلف صالحین جب اس سورہ کو شروع کرتے تو اسکے حکم کی تعمیل میں تسبیح پڑھ لیتے تھے چنانچہ آئندہ معلوم ہوگا ابن کثیر وغیرہ نے امام احمد کی اسناد سے نقل کیا کہ

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب نازل ہوا تو لہ تعالیٰ فسبح باسم ربک العظیم تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا کہ اسکو اپنے رکوع میں رکھو (یعنی رکوع میں اس حکم کی تعمیل کر دے) سبحان ربی العظیم کہا کرو اور جب نازل ہوا تو لہ تعالیٰ سبح اسم ربک الاعلیٰ - تو اپنے

فرمایا کہ اسکو اپنے سجود میں رکھو (یعنی سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ - کہا کرو) رواہ ابو داؤد وابن ماجہ ابن المنذر رواہ ابن مردودہ (اس روایت کی اسناد میں کچھ جابے گفتگو نہیں ہو (ابو السعود) نے لکھا کہ اس سے پہلے صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے رکوع میں یہ کہتے اللہم لک رکعت

الہی میں تیرے واسطے رکوع کیا - اور سجدے میں یہ کہتے اللہم لک سجدت - الہی میں نے تیرے واسطے سجدہ کیا عوف بن رض بن مالک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بقدر قرات سورہ بقرہ یہ کہتے پاپا - سبحان ذی الجبروت والکبریا والکبریا والکبریا (رواہ النسائی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض روایات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بابت اسکے آیا کہ رکوع میں کہتے اللہم لک رکعت مترجم کہتا ہو کہ تہجد کی نماز میں بعض روایات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بابت اسکے آیا کہ رکوع میں کہتے اللہم لک رکعت

وکیک امنت وایک امنت فاعفونی ما قد مت واما آخرت - اور سجود میں آیا ہو سجد وحق للذی صورہ وحق سمعہ وکبرہ - اور دعائیں بکثرت آئی ہیں تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں ہے کہ سعید بن جبیر نے کہا کہ ابن عباسؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھتے تو کہتے سبحان ربی الاعلیٰ (رواہ احمد والوداؤد والطبرانی وابن مردودہ والنسائی) ابو داؤد نے کہا کہ اسکی اسناد میں

ربک الاعلیٰ پڑھتے تو کہتے سبحان ربی الاعلیٰ (رواہ احمد والوداؤد والطبرانی وابن مردودہ والنسائی) ابو داؤد نے کہا کہ اسکی اسناد میں اختلاف واقع ہوا ہو یعنی بعض اسم نے اسکو ابن عباسؓ کا فعل روایت کیا ہو چنانچہ ابن جریر وعبد بن حمید وعبد الرزاق وابن ابی شیبہ

آئے تھے انھوں نے ہم لوگوں کو قرآن پڑھانا شروع کیا پھر عمار و بلال وسعد رضی اللہ عنہم آئے پھر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ پیش صحابہ کو لیے ہوئے آئے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی مع ابو بکر رضی اللہ عنہ) آئے تو اہل مدینہ اس قدر خوش ہوئے کہ میں نے ان میں ایسی خوشی کبھی نہیں دیکھی تھی حتیٰ کہ میں نے عورتوں و بچوں کو دیکھا کہ یہی کہتے تھے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور میں اس وقت تک سچ اسم ربک الاعلیٰ اور اسکے مثل سورتین پڑھ چکا تھا (رواہ البخاری) قصہ ہجرت کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ آویگا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سورہ سج اسم ربک الاعلیٰ کو محبوب رکھتے تھے (رواہ احمد والبخاری وابن مردويه) نووی نے کہا کہ اس جہت سے محبوب رکھتے تھے کہ اس میں کثرت علوم و خوبان ہیں مترجم کہتا ہے کہ کلام الہی ہونے میں سب سورتیں برابر ہیں لیکن معانی کی راہ سے فضیلت ہوتی ہے مثلاً ثبت ید ابی اسب میں ابولسب و اسکی عورت پر غضب آئی مذکور ہے اور قل ہو اللہ احد میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت و وحدانیت مذکور ہے تو یہ افضل ہے صحیحین میں ہے کہ جب معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم کو عشاء میں سورہ بقرہ کے مانند طول قراءت سے نماز پڑھائی اور ایک شخص نے نماز توڑ کر آنحضرت صلعم سے شکایت کی تو آپ نے معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تو نے سج اسم ربک الاعلیٰ اور الشمس و صفا یا اور دلیل اذ الغیثی کیوں نہیں پڑھی (صحیح) اور نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید فطر اور عید قربانی میں اور جمعہ میں سج اسم ربک الاعلیٰ اور ہل اتاک حدیث الغاشیہ پڑھا کرتے تھے اور بعض اوقات دونوں جمع ہوئیں تو دونوں میں انھیں کی قراءت فرمائی (رواہ احمد و مسلم و اہل السنن) یعنی بعض اوقات جمعہ کے روز عید واقع ہوئی تو آپ نے نماز عید میں یہ دونوں سورتیں پڑھیں پھر جمعہ کی نماز میں بھی یہی دونوں سورتیں پڑھیں فافہم جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر میں سج اسم ربک الاعلیٰ پڑھتے تھے (رواہ مسلم وغیرہ) اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں سج اسم ربک الاعلیٰ اور قل یا ایہا الکفر و قل ہو اللہ احد پڑھا کرتے تھے (رواہ ابو داؤد والنسائی وابن ماجہ والدارقطنی) والحاکم والبیہقی اگر کہا جاوے کہ شاید وتر کی ایک ہی رکعت میں یہ سب سورتیں جمع کر لیتے ہوں اس لیے کہ آپ سے یہ بات صحیح ہوئی کہ سورتوں کو ملا لیتے تھے (جواب) لیکن بیان ملانا مقصود نہیں ہے بدلیل حدیث ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں پہلی رکعت میں سج اسم ربک الاعلیٰ پڑھتے اور دوسری رکعت میں قل یا ایہا الکفر و قل ہو اللہ احد پڑھتے اور تیسری رکعت میں قل ہو اللہ احد اور قل اعوذ برب الفلق و قل اعوذ برب الناس پڑھتے تھے (رواہ ابو داؤد والنسائی وابن ماجہ والحاکم والبیہقی) اور یہ حدیث محل متفصل ایک جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہوا از اجلہ عبد اللہ بن عباس و عبد الرحمن بن ابی نعیم و جابر و ابوالوامہ و عبد اللہ بن مسعود و عمر بن ابی حمزہ و علی بن ابیطالب رضی اللہ عنہم میں (ابن جریر)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

سَجِّ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝ الَّذِي خَلَقَ سَوِيًّا ۝ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهْدَى ۝

باجی بول اپنے رب کے نام کی جو ہے اور جسے جس نے بنایا پھر ٹھیک کیا اور جس نے ٹھہرایا پھر راہ دی
وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَى ۝ فَجَعَلَهُ عُتَاءً أَحْوَى ۝ سَنُقَرِّئُكَ فَلَا تَنْسَى ۝
اور جس نے نکالا چارا پھر کر ڈالا اُسکو کوڑا کالا ہم پڑھا دیں گے تجھکو پھر تو نہ بھولے گا

والسماوات الرجیع الّآیہ۔ اشارت ہو کہ سماء علی قدس قدم سے امطار ومواہب رحمت الرحمن از قسم نجلیات ارض قلوب العارفین پر نازل ہوتے ہیں جن سے قلوب مغلقہ شق ہو کر نباتات محبت وریا میں مودت و حکمت جو غذا ہے روحانیہ میں پیدا ہوتے ہیں (قولہ تعالیٰ) اکید کیداً۔ لوگوں کو کید تباہیا اور اسکی حقیقت سے سب جاہل ہیں اور انکو معلوم نہیں کہ حادث مخلوق کا مکر مقابلہ کید قدیم کے کیا چیز ہو۔ مکر قدیم پاک ہو خلل سے کیونکہ قدیم عزوجل میں کچھ عاجزی نہیں ہوا سکا مکر قدیم یہ کہ بد بختوں کے لیے شقاوت اڑی سب ہو چکی پس ان بد بختوں کو وہی چیزیں دل سے پسند ہیں اور وہی کماتے ہیں اور وہی خدا سے مانگتے ہیں جس سے بد بخت جہنمی ہوں۔ یہ تو مکر قدیم ان لوگوں کے حق میں ہو جو الوہیت پاک کے دشمن ہیں اور جان رکھو کہ مکر قدیم حق اولیاء بھی ہوتا ہو اسطرح کہ افعال میں صفات کا ظہور مخفی ہو حتیٰ کہ بندہ عارف نے محل ارادت میں صفائے اوقات پر غور کر لیا اور نباتات یہ کہ انکو جذب کر کے دیدار وحدت خالص میں لیا اور ظاہری اسباب سے انکی نظر پاک فرمائی اور انکے قلوب پر یہ ظاہر کر دیا کہ وحدت حق کا ظہور ہو مترجم کتنا ہو کہ اہل ولایت کے لیے جو مکر ہو اسکا انجام آخر سعادت ہو اور اگر کڑوی برخانہ ہو تو درجات سے محرومی ہو برضلاف اُس مکر کے جو اعداء اپنے کفار کے لیے ہو کہ وہ کید متین ہے (قولہ تعالیٰ) سندرجہ من حیث لا یعلمون واطلی لہم ان کیدی متین۔ یعنی ہم انکو درجہ بدرجہ ایسی راہ سے لیجا دیں گے کہ وہ جانتے نہیں ہیں اور انکو وحیل دو ٹنجا میرا مکر بہت باریک مضبوط ہو۔۔۔ اسبواسطے شیخ ابن عطاء نے کہا کہ وہ کید استدراج ہو کہ راہ ضلالت میں لبتا سے لایا جاوے مترجم کتنا ہو کہ اس کلام میں عجب لطافت ہو کہ اہل کفر کے سب طریقوں کو شامل ہو اور اس میں سب پھندے داخل ہیں مثلاً ایک شخص نے ترد کیا کہ وہ مسلمان ہو یا عیسائی رہے پھر جب اُسے اسلام کا قصد کیا تو آفات میں پڑ گیا اور جب بنیاد ہو کر اُسے عیسائی رہنے کا قصد کیا تو خواب میں بھی ایک عورت کو دیکھا کہ جسے کہا کہ میں کٹواری ہوں تو کیوں میرا دین چھوڑتا ہو اور اب مضبوط ہوتا کہ مسیح تجھے اس بلا سے نجات دے اور وہ سب بلاؤں سے چھوٹ گیا۔ بھید یہ تھا کہ اس شخص نے دینا کے لالچ سے یہ مذہب تلاش کیا تھا اور اللہ تعالیٰ پر نظر نہ تھی پس مکر میں پڑ گیا اور اس زمانہ میں بکثرت ایسے مسلمان ہیں جو نقطہ انہیں حیالات میں سرگردان ہیں اور بکثرت گمراہی کی پیروی میں شیفہ ہیں اور ہم بندے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں کہ مکر ضلالت میں گرفتار کیے جاوے اور ربنا ارحم الراحمین ف شیخ ابن العربیؒ نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ والسماء الخ روح جو کہ پیدائش آخرت میں لائی جاوے گی اور زمین بدن شق ہو کر روح بلند ہوگی یا وقت بعثت حشر کے جب روح اُس سے متصل ہو (قولہ تعالیٰ) انہ لقول فصل الخ یعنی یہ قرآن حق ہے اور ہزل بے اصل نہیں ہے واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

سورة العلمیۃ وہی لشمع عشرۃ آیۃ

اس سورہ کو سورہ سبج بھی کہتے ہیں اور جمہور کا قول یہ ہو کہ یہ سورہ بھی ہجرت سے پہلے کے ہیں نازل ہوا ہو اور یہی حضرت عائشہ و ابن عباس و ابن الزبیر سے روایت ہے اور ضحاکؒ نے کہا کہ یہ سورہ مدنیہ ہو تو وہی نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سورہ مبارک کو بہت محبوب رکھتے تھے کیونکہ اس میں کثرت کے ساتھ علوم و معارف ہیں اس سورہ میں انبیاء آیات ہیں اور بہتر کلمات ہیں اور دو سو چوراسی حرف ہیں (السراج وغیرہ) اور اس سورہ مبارک کے فضائل کثیرہ ہیں سے چند روایات مذکور ہوتی ہیں۔ براہ ابن عازب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہمارے یہاں مریدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے سب سے پہلے مصعب رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ

کہ ضمیر اُس مذکور کی جانب راجع ہوتی ہو جو پہلے گزرا خطیب نے کہا کہ اکثر مفسرین کے نزدیک قول دوم ہی پر اعتماد ہو تا کہ قرآن مجید کی عظمت دلوں میں ہو اور پڑھنے والا اور سننے والا ادب سے حاضر رہے اور یہ جانے کہ مالک آسمان و زمین جو اُس کے ظاہر و باطن سے آگاہ ہو اُس کو قرآن پاک میں بہت سے نیک امور کا حکم فرماتا ہو اور بُرے کاموں سے منع کرتا ہو اور اگر دل میں خوف بمرتبہ بتیغ نہ آیا تو اس سے کم نہیں کہ یہ کلام نزل نہیں بلکہ فصل ہی وہی واقع ہونے والا ہو اور واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کی حالت کے برخلاف بیان فرمائی بقولہ تعالیٰ تضحکون الخ یعنی اے بد بختو تم قرآن سن کر ہنستے ہو اور روتے نہیں اور سرکشی کرتے ہو۔ **الْهٰکِیْکُمْ** **یٰکَیْدُ وَاَکْیَدُ**۔ یہ لوگ مکر کرتے ہیں مکر کرنا ف یعنی کفار و مشرکین اس حق و فصل کے دفع کرنے میں کمزور مکر لاتے ہیں اس لیے کہ شیطان کا مکر ضعیف ہو مثلاً یہ کہتے ہیں کہ ہم آخرت کا نشانہ نہیں دیکھتے اور نہ کوئی کبھی مرکز زندہ ہوا اور نہ سٹری ہڈیوں کا زندہ ہونا ممکن ہو اور اگر ہم مان لیں تو بھی ہمیں کو وہاں بھی عزت ہوگی کیونکہ خدا نے ہم کو یہاں عزت و دولت دی ہو تو ہم پیارے ہیں اور مسلمان دنیا میں بے عقل و مغلوک ہیں وہاں بھی اسی حالت میں ہونگے اور مانند اس کے حماقت کے مکر لاتے ہیں **وَاَکْیَدُ** **کَیْدًا**۔ اور میں بھی ان لوگوں میں لانا ہوں، دائون کرنا ف یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کو دنیا میں عقل سے محروم کر دیا اُس سے نفع نہیں پاتے اور جو اس محض مادیات کے سواے تجاویز نہیں کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا دائون پورا ہو تو کفار اس تجس دنیاوی حرص میں متاع دنیا پر ایسے فریفتہ ہیں کہ سب آغاز و انجام بھول گئے اگر کوئی مکر تو وہ کرتا ہو جو دشمن سے عرصہ نہ لے سکے (جواب) مکر کے یہ معنی ہیں کہ کیسے ساتھ ایسا معاملہ کرنا کہ وہ ظاہر میں خوش و بے خطر ہو اور انجام میں ایسے غار میں گرے جہاں سے نجات نہ ہو پس یہ معاملہ ان کافروں کے ساتھ جاری ہو کیونکہ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے سب جن و انس کو چھوڑ دیا کہ عمل کریں اور جہنم و جنت دونوں میں سے جس کو چاہیں اختیار کریں کافروں نے جو اس سے دنیا و جہنم اختیار کی اور اپنے آپ کو مغروری کے ساتھ مغرور و ممتاز دیکھا اور آخر جب موت آئی تو اچانک حال کھل گیا کہ جس راہ کو ضلالت کہتے تھے وہ حق ہو اور خود جس راہ پر تھے وہ عین ضلالت ہو کہ جہنم میں داخل ہو بعض علماء نے اسکا حال یہ بیان کیا کہ کفار مکر کرتے ہیں اور میں انکے مکر کی سزا انکو دیتا ہوں یعنی ماہ حق سے محروم ہیں چونکہ بدی اور سزا دونوں مساوی اور تجس ہوتے ہیں اسی واسطے فرمایا جزاء سیئۃً سیئۃً مثلاً۔ یعنی برائی کی سزا اُس کے مثل بُرائی ہو۔ اور جیسے کہتے ہیں کہ جو تم پر ظلم کرے تم بھی اُس پر ظلم کرو۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ جب کسی پر ظلم کیا گیا تو اسکا بدلہ لینا انصاف ہو ظلم نہیں ہو مگر **الْکَافِرِیْنَ**۔ پس تو مہلت دے کافروں کو ف یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب تو نے معرفت حق سے یہ پہچان لیا کہ کفار خود اپنے مکر میں گرفتار ہیں اور خوشی خوشی جہنم کی راہ چلے جاتے ہیں تو تجھے لازم ہو کہ فی الفور ان سے انتقام کی خواہش نہ کر اور نہ ان پر بد دعا کر **اَمْھَلْھُمْ رُوْیْدًا**۔ انکو چھوڑ دے چھوڑنا ف یعنی چند روزہ انکو ڈھیل دے اور چھوڑ دے۔ یہ دنیاوی زندگی جسکو انہوں نے اختیار کیا ہو بہت قلیل ہو ولیکن یہ لوگ اہل اسلام کو اداے عبادات سے روکتے ہیں اس کے عوض میں ہلاک ہونگے اور جو ان میں ہلاک ہوا وہ عذاب دائمی سے مل گیا لہذا جو لوگ ایمان میں سچے ہیں وہ جب کافروں کو دولت و دنیاوی کی کثرت میں دیکھتے ہیں تو کچھ کبیدہ نہیں ہوتے بلکہ خوش ہوتے ہیں کیونکہ جب ان اذلی بد بختوں نے دنیا کے پیچھے جہنم اختیار کی اور عذاب جہنم ایسی ہولناک چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس سے پناہ عطا فرمائی تو بندہ مومن اس قدر ترس کھاتا ہو کہ پھر یہ کج بخت چند روزہ بیان جیتے رہیں کیونکہ آخر انکے واسطے وہی عذاب ہو اور یہ بندہ اپنی نعمت ایمان کی قدر کرتا ہو جسکی کرامت سے وہ جنت میں جانے والا ہو واللہ الحمد والمنة **فَیْ الْغُرٰسِ** (قولہ تعالیٰ

کہ ابن زید کے قول میں رجح کے معنی بیخہ نہیں ہو بلکہ نارے و سورج و چاند کے حق میں فرمایا کہ ایک جانب سے طلوع ہوتے ہیں اور رجح کر کے دوسری جانب غروب ہوتے ہیں اور بعض مفسرین نے کہا کہ ذات الرجح ملائکہ ہیں جو آسمان میں رہتے ہیں اور انکو رجح اسلئے فرمایا کہ وہ بندوں کے اعمال لیکر لوٹ جاتے ہیں بعض نے کہا کہ ذات الرجح یعنی صاحب قلع ہے واضح ہو کہ منیجہ کو رجح اسلئے کہتے ہیں کہ رجح خود ہی یعنی دوبارہ رجوع کرنا اور آنا چونکہ منیجہ میں ہی کیفیت ہے کہ آتا ہی اور برسنے کے بعد چلا جاتا ہی پھر دوبارہ آتا ہی اور دوسری فصل میں آتا ہی یہ تعالیٰ نے بیان کیا ہی اور بعض نے کہا کہ اسلئے اسکو رجح کہتے ہیں کہ عرب کا گمان یہ تھا کہ بادل سمندر سے پانی پی کر اچھڑ جاتے ہیں پھر پانی کو زمین کی طرف اعادہ کر دیتے ہیں تو وہ رجح ہوا مترجم کتاب ہے کہ رجح کے اصلی معنی خود و رجوع کے ہیں اور جب ذات الرجح بطور صفت آیا تو یہ اسکی صفت بار بار کے خود و رجوع کے ساتھ ہوئی پس ظاہر ہے کہ مفسرین نے اسی معنی کو اعتبار کر کے تفسیر کی چنانچہ منیجہ کا تعلق آسمان سے ہے اور بار بار دورہ کرتا ہی اسلئے اس سے آسمان کی صفت ذات الرجح ہوئی اور اسی دورہ سے قتادہ نے سالیانہ رزق لیا اور ابن زید نے نجوم وغیرہ کا دورہ لیا اور رازی نے کہا کہ قول دہی اول ہو یعنی منیجہ کو عرب رجح کہتے ہیں تو منیجہ یہ ہوے کہ قسم آسمان کی جو منیجہ والا ہی یعنی دور کے ساتھ اس سے منیجہ حاصل ہوا کرتا ہی آقا السعدی نے بھی اسی قول پر انحصار کیا خطیب وغیرہ نے ذات الرجح یعنی دوران لیا یعنی جہان سے حرکت کرتا ہی اسی جگہ لوٹ آتا ہی پس رات دن اور سورج و چاند و ستارے اور چارے گری و برسات کی فصلیں سب دور کرتی ہیں مترجم کتاب ہی کہ یہ قول سب امور کو جامع ہے ولیکن اس بنیاد پر ہی کہ آسمان گردش کرتا ہی اور اسکی گردش اپنے مرکز پر ہی والا روض ذات الصدع اور قسم زمین کی جو صاحب صدع ہی صدع شق ہونا یعنی پھٹ جانا۔ جیسے قولہ تعالیٰ شققنا الارض شقا۔ یعنی ہم نے زمین کو شق کیا شق کرنا۔ اور مراد یہ کہ نبات نکالی ابن کثیر نے لکھا کہ ابن عباس نے کہا کہ زمین گئی صفت ذات الصدع ہو یعنی نباتات سے پھٹ جاتی ہو۔ یہی قول سعید بن جبیر و حکمرہ و ابو مالک و ضحاک و حسن و قتادہ وغیرہ نے بیان کیا (ع) ابن عباس نے کہا کہ یعنی زمین شق ہو کر نباتات و درخت نکلے ہیں۔ لیث نے کہا کہ صدع زمین کی نباتات کو کہتے ہیں کہ وہ زمین کو بھاڑتی ہو تو زمین پھٹ جاتی ہو (تفسیر کبیر) اس قول کے موافق آیت کا بیان یہ ہوا کہ آسمان منیجہ برساتا ہی اور زمین نباتات اگاتی ہی اس قول کے موافق نظم کلام مرلوبو ہی اور خطیب وغیرہ نے ذات الرجح کے معنی دورہ کے لیے یعنی قسم ہے آسمان گردش کرنے والی والا روض ذات الصدع اور قسم ہے زمین کی جو شق والی ہو یعنی اس سے نباتات و درخت نکلے ہیں اور پھٹکر نہریں و چشمے جاری ہوتے ہیں مجاہد نے صدع میں پہاڑی راستے لیے اور خطیب نے لکھا کہ مجاہد کہ ذات الصدع یعنی زمین میں راستے ہیں جو چلنے والوں کے پاؤں سے بن گئے ہیں بعض نے کہا کہ اس میں وہ شق بھی داخل ہو جو قیامت کے روز ہو گا جب زمین پھٹکر مردے نکلنے لگیں رازی نے کہا کہ جیسے اول قسم میں اللہ تعالیٰ نے جانداروں کی پیدائش کو آخرت کا نمونہ بنایا اسبطح اس دوسری قسم میں نباتات کی پیدائش کو آخرت کی پیدائش کا نمونہ کیا چنانچہ قولہ تعالیٰ والسماء ذات الرجح۔ نمبر نہ بدر (باب) ہی اور قولہ تعالیٰ والارض ذات الصدع مان کے مانند ہی اور یہ دونوں بہت بڑی نعمتیں ہیں اسلئے کہ دنیا کی نعمتیں ہی بنیاد پر ہیں آسمان مکر نزول ہوتا ہے بارش اور اسی طرح کہ زمین سے نباتات اُگے پھر اس قسم کے ساتھ بیان فرمایا کہ انہ لقول فصل و اہو بالمرل۔ یہاں دو قول ہیں (اول) یہ کہ (انہ) کی ضمیر بجانب مذکورہ بالا ہو یعنی قسم آسمان و زمین کی کہ یہ جو ہم نے اپنی قدرت کا طریق بیان کیا کہ بعث کے روز ہم سب کو زندہ اٹھا دینگے یہ قول فصل یعنی حق ہی اس میں کچھ ہزل نہیں ہو (دوم) یہ کہ ضمیر بجانب قرآن ہی یعنی قسم یہ قرآن فصل ہو نہزل یعنی قرآن نے حق و باطل میں فصل کر دیا بالکل جدا کر دیا رازی نے کہا کہ قول اول بہتر ہے اسلئے

نے عرائس میں والسماء والطارق کے اشارہ میں کہا کہ قسم بآسمان قلوب الصديقين وطارقات نجوم تجلی ذات وصفات ہے
 سہل کرنے کے کہاکہ طارق بقلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام عرفان ہے (عرائس) شیخ ابن العربیؒ نے السماء سے روح کو اور الطارق
 سے عقل کو لیا جو تار کی نفس میں ستارہ ہے جس سے ہدایت ملتی ہے بقولہ تعالیٰ بالنجم ہم ہتدوہ۔ یعنی ستارہ سے وہ لوگ راہ لیتے ہیں
 اقوال حدیث میں ہے کہ میرے اصحاب نجوم کے مانند ہیں اور صحیح کی حدیث میں تشبیہ ہے کہ آسمان کے لیے سطح ستارے ہیں کہ جب وہ
 زلزل ہونگے تو آسمان پر امر موعود یعنی قیامت کا انشقاق واقع ہوگا اسی طرح میرے اصحاب اس امت کے واسطے ہیں جیسے لوگ چلے
 جاویں گے تو امت پر وہ پیش آویگا جو موعود ہے (قولہ تعالیٰ) ان کل نفس الا یہ حافظ اللہ تعالیٰ ہے اگر نفس سے جملہ مراد ہو یا روح ہے
 اگر نفس سے اصطلاحی نفس یعنی قوت حیوانیہ مراد ہو کیونکہ اسکی حافظ روح انسانی ہے اقوال حدیث میں آیا ہے کہ جب آدمی نکلتا
 ہے تو شیاطین منہ بچاڑ کر اُسکی طرف آتے ہیں اگر وہ دیکھتا تو خوف سے مرجاتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اُسکے ساتھ ملائکہ محافظ رکھے
 ہیں جو اُس سے شیاطین کو دور کرتے ہیں پھر جب کوئی مقدر مکروہ اسکو پہنچنے والی ہوتی ہے تو محافظ اس قدر سے بہرہ کرتے ہیں مگر
 کہتا ہے مثلاً کسی کو بیضہ پہنچنے والا ہے تو روایت ہے کہ وہ شیطان کی چونک ہے پس مقدر کے موافق پردہ حائل مرتفع ہوتا ہے اور ظاہر یہ کہ
 شیطان چونکہ اُسکے آنشی جزو یعنی پتہ میں پہنچتی ہے اسی واسطے بیضہ والے کے حق میں پتہ کی خرابی دیکھی گئی ہے واللہ تعالیٰ اعلم (قولہ تعالیٰ)
 انه علی رجبہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ انسان کو دوسری بار پیدا کرے جیسے اُس نے اپنی قدرت سے اسکو اول مرتبہ پیدا فرمایا ہے (قولہ تعالیٰ) یوم تبلی
 السرائر الخ دل میں جو امور مخفی تھے اُنکو ظاہر فرما دیگا جبکہ بدن سے جدائی ہوگی اور جو باطن ہے وہ ظاہر کر دیا جائیگا (قولہ تعالیٰ) خالہ من قوۃ الخ
 اُسکو ذاتی قوت تنوگی اور نہ کوئی اُسکا ناصر ہوگا جو عذاب سے مانع ہو (الشیخ ابن العربی رحمہ اللہ تعالیٰ)

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۚ وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۚ إِنَّهُ لَقَوْلُ فَصْلٍ ۚ وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۚ
 قسم ہے آسمان چکر مارنے والے کی اور زمین دڑاڑ کھانے والی کی یہ بات دو ٹوک ہے اور زمین یہ بات ہنسی کی
 لَتَهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا ۚ وَآكِيدٌ كَيْدًا ۚ فَمِثْلُ الْكَافِرِينَ أَمْ لَهُمْ رُوَيْدٌ ۚ
 البتہ وہ گئے ہیں ایک دوا کرنے میں اور میں لگا ہوں ایک دوا کرنے میں سو ڈھیل دے مگر دن کو ڈھیل دے انکو صبر کر
 اول قسم سے اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت الوہیت اور شرف آخرت بیان کر کے ان آیات میں دوسری قسم سے امر حق بیان فرمایا
 بقولہ تعالیٰ - وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ - قسم ہے آسمان کی جو رجع والا ہے - وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ - اور قسم ہے زمین کی
 جو صدرع والی ہے - إِنَّهُ لَقَوْلُ فَصْلٍ - یہ قول فصیل ہے فصل جدا یعنی یہ قول بالکل صاف ہے اس میں کچھ شک و شبہ کا لگاؤ
 نہیں ہے بالکل حق ہے - وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ - اور زمین ہے یہ قول ہزل ف ہزل ایسی چیز جو لعب و کھیل کی قسم سے ہو
 ابن عباسؓ نے کہا کہ ذات الرجح - ذات المطر - یعنی بارش والا - دوسری روایت میں کہا یعنی بادل والا جس میں منہ ہوتا ہے - تیسری
 روایت میں کہا کہ آسمان ذات الرجح ہے یعنی برساتا ہے پھر برساتا ہے - قتادہؒ نے کہا کہ آسمان کی صفت ذات الرجح بدین معنی کہ آسمان
 ہر سال بند وں کا رزق لاتا ہے اگر یہ نہ ہوتا تو لوگ اور انکے چار پائے ہلاک ہو جاتے - ابن زیدؒ نے کہا کہ ذات الرجح یعنی اُسکے تارے
 و سورج و چاند رجوع کرتے ہیں یہاں سے آتے ہیں (ابن کثیر) زجاجؒ نے کہا کہ رجح منہ ہے کیونکہ بار بار رجوع کرتا ہے خلیل
 نے کہا کہ رجح منہ ہے اور رجح ربح کی پیداوار ہے واحدیؒ نے کہا کہ سب مفسرین سلف کے قول میں رجح منہ ہے - اعتراض ہوا

جناب میں مرجع ہو۔ اب یہ رہا کہ کیونکر امتحان ہوگا تو اسکی کیفیت میں اقوال ہیں قول اول فقال نے ذکر کیا کہ امتحان کے
 مننے بیان یہ ہیں کہ قیامت کے روز انسان کے اعمال اسکے روبرو پیش کیے جاویں گے اور وہ اس صحیفہ میں بھی دیکھیں گے جس کو
 ملائکہ نے لکھا ہے اور اس میں تفصیلی اعمال مذکور ہیں تاکہ یہ معلوم ہو جاوے کہ جو لکھا گیا وہ مطابق ہے یا خلاصہ یہ کہ امتحان خود انسان کے
 حق میں ہے اس طرح کہ ملائکہ نے اس کے اعمال اُس پر لکھے ہیں اور وہ نامہ اعمال اس کو دیا جائیگا پھر اس کے اعمال خود اس کے سامنے لائے جاویں گے
 تو وہ امتحان کر لیا کہ بعض طرح اس کا کیا ہوا ہر عمل اس کے روبرو موجود ہے تو اس صورت کو امتحان کہا گیا اگرچہ اللہ تعالیٰ کو
 ہر مخلوق کے اعمال مفصل معلوم ہیں قول دوم امتحان کے یہ منے ہیں کہ افعال کی خوبی و برائی امتحان کی جاوے اور اس کا بیان یہ کہ
 افعال پر عذاب یا ثواب اسکی وجہ پر ہو چنانچہ بعض فعل دیکھنے میں اچھا معلوم ہوتا ہے مثلاً ناز پر بھی ولیکن باطن میں قبیح ہے کیونکہ
 پڑھنے والے نے بادشاہ کو دکھلانے کے لیے یہ ناز پڑھی تھی تاکہ عائد معلوم ہو اور بعض کام بظاہر خراب معلوم ہوتا ہے لیکن باطن میں اچھا
 ہوتا ہے پس ان وجوہ میں امتحان ہوگا تاکہ وجہ ثواب کی یا عذاب کی ظاہر ہو قول سوم یہ کہ (تبیلی) کبھی امتحان کر کے نتیجہ معلوم کرنے
 پر آتا ہے اور کبھی اظہار کے معنی میں آتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ لنبلوا اخبارکم اور قولہ لنبلوکم۔ اور مفسرین نے کہا کہ جو امور کہ اللہ تعالیٰ
 دُاس کے بندے کے درمیان مخفی تھے تو وہ قیامت کے روز پرکھے جاویں گے تاکہ نیک و بد کھل جاوے اسی معنی میں حضرت ابن عمرؓ
 نے کہا کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ہر چیز پوشیدہ کو ظاہر فرماوے گا پس بعضے چہرہ پر زینت حاصل ہوگی اور بعضے چہرہ پر عیب
 ظاہر ہوگا۔ مطلب یہ کہ جس نے اچھی طرح کام کیا ہو اس کے چہرے پر زینت ہوگی اور جس نے خراب کیا ہو اس کے چہرے پر بدنامی ہوگا
 کہ میں قُوَّةٌ وَّلَا نَاصِرَ۔ پس نہیں ہو اس کے لیے کچھ قوت اور نہ کوئی ناصر ہے جب سر اُٹھا ہر ہونگے تو انسان کے
 قبیح سر اُٹھتے عذاب ہیں پس اسوقت اس شخص میں کچھ قوت نہوگی کہ عذاب سے اپنی جان بچاوے اور نہ کوئی اس کا ناصر مددگار
 ہوگا جو مدد کے عذاب کو روکے (السراج) عکرمہ نے کہا کہ یہ بادشاہ ہیں کہ قیامت کے روز جب ان پر عذاب متوجہ ہو تو ان کو دفع
 کرنے کی قوت نہ ہوگی اور نہ وہ ان کا کوئی مددگار ہو (ابن رازی) نے کہا کہ مغز لہ وغیرہ جو شفاعت منکر ہیں ان کا مکر یہ ہے کہ اس آیت
 میں ہر طرح کی قوت سے اور ہر طرح کے ناصر سے بائوس کیا گیا تو کسی کو شفاعت کی امید کرنا فضول ہے مترجم کہتا ہے کہ یہ مخالف ہے
 کیونکہ شفاعت کرنے والا کچھ ناصر ہو کر نہیں آویگا بلکہ جناب باری تعالیٰ میں اپنی درخواست پیش کرے گا کہ اے رب تیرا فلان بندہ ہے
 اپنے کرم سے اس کو بخش دے پس اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے قبول فرماوے گا۔ ناصر وہاں غیر ممکن ہے پس کافر و مسلمان کیسے واسطے وہاں
 ناصر ہوگا کیونکہ ناصر وہ ہے جو مغلوب کی مدد کو آمادہ ہو کر مدد دے کرے جیسے دنیا میں کافر بدکار کبھی تو اپنی قوت پر مغرور ہو کر خیال کرتا ہے
 کہ میں نے دشمن کو مغلوب کیا اور کبھی اپنے ناصر کی مدد پر مغرور ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت سے جاہل ہو اور ابو جہل وغیرہ قرشی
 احمقوں سے نقل کیا گیا کہ جب چند مغرور ایک جگہ جمع ہوتے تو کہتے کہ تم لوگ جماعت بقوت و شوکت ہو اپنے باپ داداؤں کے دین
 مضبوط رہا اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کننا درست ہو اور آخرت میں دوبارہ زندگی ہو تو بھی جنم کے چند وکیلوں کو مار کر بٹا دینا اور بار
 ہو کر حبس میں داخل ہو جانا اسی قسم کے احمق خیالات باندھا کرتے تھے اور اپنے نفس کے واسطے وقعت عظیم سمجھتے تھے اور یہ عقل
 نہ تھی کہ نطفہ حقیر سے انکو قدرت نے اپنے نصیب سے اس قابل کیا اور ابھی تک قدرت کے قبضے میں ہیں اور ہمیشہ رہیں گے پس لازم تھا
 کہ اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے الوہیت مانتے اور اپنے آپ کو اسی کے قبضہ میں جاتے واللہ تعالیٰ ہوا الموفق فی شیخ الشیرازی

شیخ ابن کثیرؒ نے کہا کہ (رجحہ) کی ضمیر سے دو احتمال ہیں اسی وجہ سے اسکی تفسیر میں سلف کے دو قول ہیں (ایک) یہ کہ رجحہ۔ اے رجب الماء الدافق۔ یعنی خالق عزوجل اس پانی کو لوٹا دینے پر ہمیشہ قادر ہو یعنی خالق عزوجل اگر چاہے کہ اس پانی کو جس سے بچ بنایا ہو پھر اسکی جگہ لوٹا دے تو اسکو قدرت ہو یہ قول عکرمہ و مجاہد وغیرہ جہم اللہ تعالیٰ سے منقول ہو (دوم) یہ کہ رجحہ اور رجب الانسان۔ یعنی خالق عزوجل کو قدرت کامل ہو کہ اس بنائے ہوئے انسان کو دوبارہ لوٹا دے یعنی لطفہ سے جو انسان پیدا کر دیا تھا اور موت سے اسکو مٹاتا ہو تو اسکو کامل قدرت ہو کہ جب چاہے اس انسان کو پھر لوٹا دے یعنی دوبارہ پیدا کر دے کیونکہ جسے ابتدا میں ٹھیک بنا دیا اسپر دوبارہ بنانا بہت آسان ہو یہ ضحاکؒ کا قول ہو اور اسی کو شیخ ابن جریرؒ نے پسند کیا ہو (ابن کثیرؒ) رازیؒ نے لکھا کہ یہی زیادہ موزون ہو کہ رجحہ کی ضمیر انسان کی طرف ہو اور معنی یہ کہ جس خالق عزوجل میں یہ قدرت ہو کہ اسے انسان کو ابتدا میں جب نشان نہ تھا پیدا کیا تو قطعاً اسکو قدرت ہو کہ بعد موت کے اسکو زندہ کر کے اٹھا دے کیونکہ دوبارہ نوید ہی سمجھ میں آسان ہوتا ہو جن علمائے انسان کی طرف ضمیر نہیں پھیری تو ان میں اقوال ہیں۔ مجاہدؒ نے کہا کہ یہ معنی ہیں کہ خالق عزوجل کو قدرت ہو کہ جو پانی صلب و تراب سے نکالا تھا اسکو پھر لوٹا دے عکرمہ و ضحاکؒ نے کہا کہ یعنی دوبارہ پٹھیر میں پھیر دے۔ ایک روایت میں ضحاکؒ نے کہا کہ اسکا مطلب یہ ہو کہ جس پاک عزوجل نے قطرہ پانی سے آدمی بنایا وہ قدرت رکھتا ہو کہ پھر آدمی کو اسکی اصلیت کی طرف پھیر دے یعنی اسکو پانی کر دے جسے ابتدا میں تھا۔ مقاتلؒ نے کہا کہ وہ چاہے پورے آدمی سے جو ان کر دے اور جو ان سے بچ کر دے اور بچہ سے حل کر دے اور حل سے پانی کر دے جو پہلے تھا رازیؒ نے کہا کہ اہل قول اصح ہے مترجم کہتا ہو کہ رازیؒ نے ضحاکؒ سے دوسرا قول نقل کیا اور ابن کثیرؒ نے اول قول نقل کیا تو شاید یہ معنی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کو قدرت حاصل ہو کہ جب چاہے آدمی کو مٹا کر لطفہ کر دے تو ضرور قدرت ہو کہ جس طرح چاہے لوٹا دے یعنی موت کے بعد اسکو قیامت کے روز زندہ کر اٹھا دے خلاصہ یہ کہ انسان کو خواب غفلت سے بیدار کیا کہ اسکی حقیقت فقط مردہ لطفہ ہو اس میں کچھ دعویٰ و دعوت نہیں ہو جس خالق نے اسکو ابتدا میں لطفہ سے آدمی بنا دیا اور عظیم قدرت ظاہر فرمائی تو اسکی قدرت ہو کہ جب چاہے اسکو آدمی سے لطفہ کر دے باہیان مردہ کر دے پھر جب چاہے زندہ کرے تو آدمی کو اس موجودہ حالت میں اُسکے نام سے زندگی حاصل کرنی چاہیے ورنہ پھر لطفہ مردہ کے مثل ہو جائیگا بلکہ اس مرتبہ بد اعمال کے عوض جہنم میں جلیگا اللہ تعالیٰ اسکو ضرور اپنی قدرت سے اعادہ فرمائیگا۔ یَوْمَ تَبْلَى السَّارَاتُورُ جس روز پر کھ مین لائے جاوینگے سر اُتوف جو اُسے دل میں چھپائے ہیں جن علمائے کہا کہ (رجحہ) کے یہ معنی ہیں کہ خالق عزوجل انسان کو دوبارہ پیدا کرنے پر خوب قادر ہو۔ تو اُنکے قول میں (یوم) ظرف منصوب ہو یعنی یہ دوبارہ پیدا کرنا اُس دن ہوگا جس دن سر اُتوف کا امتحان کیا جائیگا یہ روز قیامت ہو اگر کہو کہ امتحان لینے والا اللہ تعالیٰ ہو جو عالم الغیب ہو تو امتحان لینے کے کیا معنی ہیں (جواب) یہ کہنا سب مخلوق کے لیے ہے تاکہ کسی کافر کو جہنم میں ڈالے جانے سے عذر نہ ہو پس پرکھنے کا نتیجہ یہ کہ سر اُتوف اُس روز ظاہر کیے جاوینگے اور صحیحین میں حدیث ابن عمرؓ ثبوت ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر ایک غدر کرنے والے کے سر میں پاس جھنڈا بلند کیا جائیگا کہ یہ فلان بن فلان کا غدرہ ہو (ابن کثیرؒ) ک۔ مترجم کہتا ہو کہ غدر کے معنی عہد توڑنے کے مشہور ہیں اور سب بڑھکر فدا رہے ہو جسے اللہ تعالیٰ کا عہد توڑا اور دنیا میں جسم کے اندر ظاہر ہو کر شرک و کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت الوہیت سے منکر ہوا رازیؒ نے کہا کہ سر اُتوف عقائد میں جو آدمی کے دل میں ہوتے ہیں اور دلی افعال یعنی نیات ہیں اور اسی میں وہ اعمال بھی داخل ہیں جو اُسے لوگوں سے چھپا کے عمل کیے ہیں اسدواسطے عقلا نے کہا کہ اعمال کا چھپانا لوگوں سے ممکن ہو لیکن اللہ تعالیٰ سے کچھ نہیں چھپ سکتا اور آخر اسکی

دیکھتا ہے اور اُسکو یہ سمجھ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کل مادہ مٹی کو جو آدمی کے شباب سے بڑھاپے تک اُسکے بدن میں پیدا ہوا ہے لطفہ میں کر دیا حتیٰ کہ بعض مرد اور عورت کے اختلاط کو پانچ برس گزر جاتے ہیں اور لطفہ نہیں ٹھہرتا بلکہ بہتیرے عمر بھر اپنا مادہ ضائع کرتے ہیں تو بدن میں یہ مادہ لطفہ نہیں ہوتا بلکہ جس قدر لطفہ ہے وہ علم الہی میں معلوم ہے اور زیادہ مثلاً جس شخص کے لطفہ سے پیدا ہونے والا ہے وہ لطفہ بھی معین ہے وہ کبھی احتلام سے ضائع نہیں ہوتا اور مرد کی پشت میں اور عورت کے ترائب میں محفوظ رہتا ہے اور یہ وضع فطرت کے مطابق خارج ہونے کے واسطے آسان و موزون ہے اسلحا سطرے خارج ہونے کے واسطے یہ بیان فرمایا کہ وہ صلب و ترائب سے نکلتا ہے یعنی وہاں سے اتر کر عورت کے خضیہ اور مرد کے خضیہ سے جسطرح معمول ہو مستقر رحم میں آتا ہے اور ماسوائے اس کے جو کچھ مٹی کا مادہ ہے وہ بدن کی اصلاح ہے اور اکثر اوقات وہ احتلام وغیرہ سے ضائع کر دیا جاتا ہے اور اس مقام سے صنع باری تعالیٰ ظاہر ہے کہ وہی قادر مختار ہے رازی گئے لکھا کہ ہم نے بار بار بیان کیا کہ لطفہ سے انسانی پیدائش عجب صنعت ہے جو بہت وجہ سے اللہ تعالیٰ کے قادر اور مختار ہونے کی دلیل ہے (وجہ اول) یہ کہ مٹی بلا شک اپنے سبب جزا میں یکساں ہے اور اسی سے انسانی بدن بنایا جاتا ہے اور انسانی بدن میں مختلف قسم کی ترکیبیں موجود ہیں تو ایک ہی مادہ سے سب ترکیبوں کا مختلف شکل و مزاج کے ساتھ پیدا کرنا اسطرح ہے کہ حضرت خالق عزوجل خود مختار ہے کسی جز سے سر نہایا اور کسی سے پائون بنائے اور جو کچھ جا مادہ حکم دیا اُس طرح پیدا ہو گیا مترجم کہتا ہے کہ اگر یہ ملحدین اقرار کریں کہ مٹی میں ہر قسم کی قوت موجود ہے تو ظاہر ہے کہ وہ لفظ سے محسوس نہیں ہے اور نہ ہر قوت کا جزو اس لطفہ میں علیحدہ علیحدہ کیا ہوا ہے بلکہ سب خلط ہے تو رحم میں جبے اُسکو جدا جدا کیا وہ قوت علیحدہ ہے اور آخر اُس مادہ میں علیحدہ خط بڑ جاتے ہیں جیسا کہ پیٹ گرنے میں دیکھ لیا گیا تو یہ قوت کچھ ہی ہو ضرور ہے پس بخیر خیال باطل ہوا۔ اور عنقریب ہم فائدہ میں ظاہر کرینگے کہ کیسی عجیب صنعتیں ہیں یہاں تو خالق عزوجل کی کمال قدرت و اختیار پر دلالت بیان ہوتی ہے پس اول تو یہی کہ مٹی ایک قسم کی چیز ہے اُسکے اجزاء سے مختلف طبیعت کے اعضا پیدا فرمائے (وجہ دوم) یہ کہ عالم سب علامت ہے جس سے رب تبارک و تعالیٰ کی الوہیت معلوم ہوتی ہے تو سب عالم میں سے انسان کو اپنے نفس پر اطلاع زیادہ ہے نسبت دوسری چیزوں کے تو اپنے نفس میں عظیم قدرت الوہیت اُسکو کامل معلوم ہوگی (وجہ سوم) یہ کہ پیدائش لطفہ کے حالات کو انسان اپنی اولاد میں اور دیگر حیوانات میں ہمیشہ بار بار دیکھا کرتا ہے اور طرح طرح سے عجائبات مشاہدہ کرتا ہے تو اس سے معرفت الوہیت کی دلیل اُسکو پوری حاصل ہوگی (وجہ چہارم) یہ کہ ان علامات سے دلیل میں دو فائدہ ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے قادر مختار معبود ہونے کی دلیل حاصل ہوئی اور دوم یہ کہ آخرت کے بعث و حشر کی دلیل بھی مل گئی اسلئے کہ آدمی کا جسم جو بنکر پیدا ہوا ہے اُسکے اجزاء اُسکے ان و باپ کے اجسام میں متفرق تھے بلکہ نہیں معلوم کہاں کہاں متفرق تھے یعنی غذا میں جو اُسکے نان باپ نے کھائیں اور اُس سے خون بنکر رحم میں گیا جس سے کچھ کا جسم بنا ہوا اجزاء متفرق اور ہر گندہ جمع کیے گئے اور جسم تیار ہوا پس جب حضرت خالق عزوجل نے اپنی قدرت سے ان اجزاء کو جمع کر کے ابتدا میں پیدا کیا تو اسی میں قدرت ہے کہ بعد موت کے بھی اُسکے اجزاء متفرقہ کو جمع کر کے دوبارہ حشر فرمائے اسی لیے ان آیات کے بعد اللہ تعالیٰ نے بعث و حشر کی دلیل بیان فرمائی بقولہ تعالیٰ اِنَّہٗ عَلٰی رَجْعِہٖ لَقَادِرٌ وہ اس کے لوٹانے پر بیشک قادر ہے ف یعنی جس خالق نے اُسکو لطفہ سے پیدا کیا وہ دوبارہ اُسکو پیدا کر کے حشر کرنے پر قادر ہے۔ اگر کوہ لاندہ کی ضمیر خالق عزوجل کی طرف راجع ہے حالانکہ اوپر ذکر نہیں ہے (جواب) اول تو مخلوق کو پیدا کرنے والا خالق ہے دوم سب جانتے ہیں کہ یہ سب امور جو مذکور ہوئے اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت سے ہیں (کسبیر)

تو یہ بات نہیں ہو اس لیے کہ خون پر اسکی طرح رقیق سفیدی صاف ظاہر ہوتی ہو اور اس سے منی بنتی ہو پس لطفہ کا جدا ہونا سب اجزاء بدن سے ہونا چاہیے تاکہ منی کے ہر جز سے جو عضو بنا یا جاوے اُس میں اُس عضو کی طبیعت و خاصیت موجود ہو اور لطفہ میں جمیع اعضاء بدن بننے کی قابلیت موجود ہو تو معلوم ہوا کہ منی سب اعضاء بدن کے خون کی اُٹس ہوتی ہو جسکے موجود ہونے سے بدن تروتازہ رونق کے ساتھ ہوتا ہو اور جب یہ اُوس نہیں ہوتی تو بدن روکھا اور بے رونق ہو جاتا ہو چنانچہ جنے کثرت کے ساتھ جماع کیا ہو اُسکے بدن پر یہ کیفیت ظاہر ہو جاتی ہو اور جس لوڑھے کے بدن میں پیدائش کثرت ہوتی ہو اُس پر بھی خشکی و بیرون لقی چھا جاتی ہو علاوہ اسکے جسے جماع میں کثرت کی توقف اسکی بیٹھ ہی کثرت میں ہوتی بلکہ تمام بدن لاغر و ضرور ہو جاتا ہو تو معلوم ہوا کہ جماع سے جو منی نکل گئی وہ سب بدن سے نکل گئی پھر خالی صلب و دہیٹھ (اُترائب) کی خصوصیت کیون ہو اور اگر یہ مراد ہو کہ لطفہ کا بہت بڑا حصہ صلب و ترائب میں پیدا ہوتا ہو تو یہ بھی ہماری سمجھ میں نہیں آتا بلکہ بڑا حصہ تو دماغ میں پیدا ہوتا ہو اس قیاس سے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ منی کا قوام مشابہ دماغ کے ہوتا ہو اور اس قیاس سے کہ جسے بہت جماع کیا تو پہلے اسکی آنکھوں میں ضعف آتا ہو تو اس سے نکلا کہ لطفہ کا بڑا حصہ دماغ میں پیدا ہوتا ہو نہ صلب و ترائب میں۔ اور اگر مراد یہ ہے کہ منی سب جگہ پیدا ہو کر صلب و ترائب میں جمع ہوتی ہو تو یہ بھی ہماری سمجھ میں نہیں ہو بلکہ منی کے واسطے خزانہ وہ رگین ہیں جو خضیون میں لپٹی ہوئی ہیں تو پھر صلب و ترائب کیون مذکور ہیں (جواب) میں رازیؒ نے کہا کہ منی پیدا ہونے کا سبب قوی عضو دماغ ہو اور دماغ سے نفع میں رہتی ہو (نفع وہ موٹی رگ پیٹھ میں ہو جسکو حرام مغز کہتے ہیں) اور اس سے بہت شاخیں اوپر کے بدن میں ہیں جسکو ترائب کہتے ہیں اس وجہ سے صلب و ترائب کو خاص کر بیان کیا گیا۔ علاوہ برین ہم کہتے ہیں کہ اس طرح جو طریقہ بدن میں منی پیدا ہونے کا بیان کیا ہے وہ اسکی اٹل و قیاس ہو بلکہ وہ ہم ہی وہم ہے تو ہم کیونکر اسکے وہم کو مان لیں بلکہ حضرت خلاق عزوجل جو پیدا فرمانے والا ہو جو کچھ اُسکے کلام پاک سے معلوم ہو وہی حق ہو اسکا ماننا فرض ہو (م۔ تفسیر کبیر) اور مترجم کہتا ہو کہ خطیب و ابوالسعود وغیرہ نے اسی جواب سے جو امام رازیؒ نے اول لکھا ہو یہ خلاصہ بیان کیا تھا کہ لطفہ اول دماغ میں پیدا ہو کر پیٹھ اور ترائب میں آ جاتا ہو مترجم کہتا ہو کہ امام رازیؒ کا جواب بہتر ہے کیونکہ امام نے یہ قبول نہیں کیا کہ منی دماغ میں پیدا ہوتی ہو بلکہ یہ کہا کہ اچھا ہم نے مان لیا کہ جن اعضاء کی ترکیب سے منی پیدا ہوتی ہو ان میں دماغ جزو اعظم ہے تو بھی وہ نفع میں رکھی جاتی ہو اور نفع کا سلسلہ پیٹھ سے لیکر ترائب تک ہو اور اس سے بہتر و درجہ جواب ہو کہ ہم ان لوگوں کی اٹل کو قبول نہیں کرتے مترجم کہتا ہو کہ یہ لوگ جو وہم و اٹل سے منی پیدا ہونے کا طریقہ بیان کرتے ہیں خود باہم مختلف ہیں چنانچہ بعضے یہی کہتے ہیں کہ خون کے سوائے کوئی چیز نہیں ہو اور تم نے جس چیز کو خون کے اوپر اُوس کے مانند بیان کیا جس کا رونق و تازگی کہتے ہو ہم نے بدن چر بھاڑ کر دیکھا کہ میں اُسکا نشان نہیں ہو بلکہ خون جب بدن میں سرخ و صاف ہوتا ہو تو بدن تروتازہ رونق کیسا تھا ہوتا ہو ورنہ بے رونق ہوتا ہو حتیٰ کہ اگر خون بہت ہو بلکہ صاف ہو تو بھی خرابی رہتی ہو اور تمھاری اُوس کچھ کام نہیں دیتی ہو اور جسے کثرت سے جماع کیا تو خون اس جوش میں بہت زیادہ تحلیل ہو جاتا ہو اور نازک آنکھوں پر پہلے اسکا اثر ظاہر ہوتا ہو کیونکہ خون کے لطیف اجزے نہیں رہتے تو کم سو جھتا ہو مترجم کہتا ہو کہ دلیل اس فرقے نے اپنے بھائیوں کا قول رو کر دیا اور اپنی اٹل کو لے لیا اور کچھ نہیں کہ دوسرا فرقہ بھی سوائے اٹل کے کچھ دلیل نہیں رکھتا ہے اور ان گراہوں میں سے ہر ایک فرقہ فقط انھیں باوایت کو دیکھا انھیں سے ایجاد کا تصور رکھتا ہو اور معرفت حقہ سے بہت دور ہے کسی بین عقل کی آنکھ نہیں ہو جس سے یہاں اُسکو صنعت باری تعالیٰ نظر آوے بلکہ جو اس رکھتے ہیں جسے سوائے مادی چیزوں کے کچھ نظر نہیں آتا ہو تو ناچار و بچارہ آنکھیں بھاڑ کر اور وہم و خیال و قیاس سے اٹل لگا کر انھیں چیزوں کو

دو قول ہیں بعض کے نزدیک جنس مراد ہے یعنی کو اکب جیسے ان الانسان لفظی جنس میں جنس انسان مراد ہے دوسروں کے نزدیک وہ جن
ستارہ ہے پھر انین اختلاف ہے ابن زید نے کہا کہ وہ ثریا ہے فرائی نے کہا کہ وہ زحل ہے جو ساتویں آسمان پر ہے اس لیے کہ اس کی روشنی ساتویں
آسمان کے پار ہو جاتی ہے تو وہ پورا نجم ثاقب ہوا۔ بعض نے کہا کہ نجم ثاقب سے مراد شہاب ثاقب ہیں جن سے شیطین مارے جاتے
ہیں (کبیر) روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ابوطالب دودھ روٹی لائے آپ کھاتے تھے کہ ناگاہ ایک
ستارہ ٹوٹا جس کی روشنی سے تمام گھر میں اجالا ہو گیا اور ابوطالب گھبرائے اور کہنے لگے کہ یہ کیا سانحہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ یہ ستارہ ہے جس سے شیطان مارا گیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں سے ایک نشانی ہے (سراج و کبیر وغیرہ) اللہ تعالیٰ نے
آسمان و طارقی نجم ثاقب کے ساتھ قسم کھا کر بیان فرمایا کہ۔ (إِنَّ كُلَّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلِمَتْ حَافِظَهَا) بیان (لما) میں دو قرأتیں
ہیں۔ امام ابن عامر کی قرأت میں (لما) بشد ید مسمیٰ ہے اور باقیوں کی قرأت میں (لما) بدون تشدید ہے۔ پس اول قرأت کے موافق
(ان) حرف نفی ہے اور (لما) بمعنی (الا) ہے اور معنی یہ کہ نہیں ہے ہر نفس مگر انکہ اسپر نگہبان ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے قسم کے ساتھ آگاہ فرمایا
کہ کوئی جان خالی نہیں ہو کل جانوں پر یہی حال ہے کہ اسپر محافظ ہے قرأت دوم کے موافق (ان) مخففہ ہو اصل میں (انہ) بشد ید لون تھا اور
لما میں لام کے ساتھ (لا) زائدہ ہے اور لام اس لیے کہ نافیہ و مخففہ میں فرق ظاہر ہو اور معنی یہ کہ بے شک ہر نفس پر ضرور حافظ ہے۔ حافظ نگہبان
رقیب ہے اور مراد بیان وہ نوع فرشتہ ہے جو ہر بشر پر محافظ ہے یا اللہ تعالیٰ عزوجل ہی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفت پاک میں (رقیب) اور (مقیم)
آیا ہے (مخشری) نے حدیث ذکر کی کہ ہر مومن پر ایک سو ساٹھ ملائکہ حافظ ہیں اُس سے شیطین کو دور کرتے ہیں جیسے آدمی اپنے پیالہ شہد
سے مکھیاں دور کرتا ہے اور اگر آدمی ایک دم بھی اپنے نفس کے بھروسے پر ہو تو اسکو شیطین اُچک لیں اور وہ فرشتہ بھی مراد ہو سکتا ہے
جو بندے کے نیک و بد اعمال کا محافظ ہے (السراج) ابن کثیر نے فقط یہ معنی لکھے کہ ہر نفس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نگہبان مقرر ہے جو
اسکو آفات سے محفوظ رکھتا ہے کما قال تعالیٰ لمعصيات من بین یدیه من خلفه یحفظونہ من امر اللہ۔ یعنی بشر کے ساتھ اس کے آگے اور
پیچھے حفاظت کرنے والے ہیں جو یکے بعد دیگرے آتے ہیں اسکو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حفاظت کرتے ہیں۔ (ع۔ ربع) مترجم کہتا ہے کہ
یہی تاویل بہتر ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ نے مغرور کفار کو ہوشیار کیا کہ کس تکبر میں پڑے ہیں وہ لوگ ہر دم اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں
ہیں اور ایسی حفاظت سے جیتے ہیں اگر ایک دم وہ حفاظت نہ فرما دے تو ہلاک ہو جاویں اور قسم سے بیان فرمایا یعنی اسپر یقین کرنا فرض
عین ہے اس لیے اس سے آئندہ انسان کو ہوشیار کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسکو کس طرح پیدا فرمایا ہو بقولہ تعالیٰ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مَخْرَجَ
خُلُوقٍ۔ آدمی کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہو فمخرج اصل (من ما) تھا یعنی (من ای شیء) خطیب نے لکھا ہے
انسان جو مادائی سے اپنی خودی پر نظر کرتا اور اپنے آپکو مختار سمجھ کر اگرتا پھرتا ہے اور اپنی وقعت اس قدر بڑھاتا ہے کہ جب وہ مرا تو کیونکر زندہ
ہو سکتا ہے اسکو چاہیے کہ غور سے نظر کر کے دیکھے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے (لفظہ حقیر ضعیف سے قدرت نے اسکو بنایا ہے) اگر اُس میں
کچھ سمجھ ہے تو جان جائیگا کہ جس نے اسکو پیدا کیا وہ جب چاہے اسکو دوبارہ ایجاد کر سکتا ہے تو آج وہ عمل کرے جو دوبارہ پیدا ایش آخرت میں
اس کے کام آوے اور اپنے حافظ فرشتے کو ایسے عمل لکھواوے جس سے رو برو نہ شرافے (السراج) اللہ تعالیٰ نے انسان کو اسکی
اصل خلقت پر نظر کرنا حکم دیا تاکہ ہوشیار ہو جاوے کہ وہ بھی وضعیف ہے اسکو ذاتی وقعت کچھ نہیں ہے بلکہ قدرت نے اپنی صنعت
سے اسکو آدمی بنایا ہے تو جب اللہ تعالیٰ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسکو حکم الہی سے آگاہ کیا کہ وہ اپنے اعمال کی جزا و سزا

ہیں اس موقع پر شیطان عظیم کہلاتا ہے اور اس خبیث چیلے کی زبان سے کفر و شرک کی باتیں کہلاتی ہیں اور عقیدین انہیں باتوں پر دل سے یقین لاتے ہیں۔ اب جاننا چاہیے کہ یہ طریقہ ہمیشہ سے جاری ہو لیکن جب حضرت خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی قرآنی نازل ہوئی تو اس زمانہ میں جس دروازے سے نزول قرآن تھا وہاں شیاطین بالکل ممنوع ہو گئے اور برابر ہی حال رہا کیونکہ وحی حق میں کسی طرح التباس منظور نہ تھا پس جن جو آسمان تک جاتے تھے جب انہوں نے اپنے اپنے ٹھکانے کا قصد کیا تو دیکھا کہ برابر وہاں بکثرت ملائکہ کا پہرہ ہوا اور سخت سخت ہوا اور دور سے ان جنیوں پر شہاب ثاقب کی بوجھار شروع ہوئی پس یہ جن فوراً سمجھ گئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم عظیم الشان پیغمبر ہیں اور فوراً آپ پر ایمان لائے کیونکہ انہوں نے خود ذاتی تجربہ و علم سے یہ بات معلوم کی برخلاف عوام جن کے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مطالبے میں ساحرون نے معجزہ فوراً پہچان لیا بخلاف قبطیوں کے جو معجزہ کو جادو کہتے تھے اس لیے کہ انکو جادو پہچاننے کی لیاقت بذات خود نہیں تھی تو وہ جادو اور معجزہ میں فرق نہیں کر سکتے تھے بالجملہ یہ تمام کلام اس مقام پر صرف فائدہ کی غرض سے لکھا گیا اور اصل مقصود یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے کہ شیطان کسی حکم خاص کو سننے نہ پاوے تو ملائکہ فوراً اس شیطان کو شہاب ثاقب مارتے ہیں اور جہاں شہاب پڑتا ہے وہاں ثقب لینے سوراخ کر دیتا ہے اور کہتے ہیں کہ وہ شیطان اس زخم سے مر جاتا ہے یا مجبوظ ہو جاتا ہے اس سے ظاہر ہوا کہ ہندی نے نجم ثاقب کے وہ سننے بیان کیے جو شہاب ثاقب کے بیان ہوئے ہیں اور نجم کے معنی ستارہ ہیں لیکن شہاب کی ماہیت معلوم نہیں ہوئی بعض نے کہا کہ وہ بھی ستارہ ہی ہے لیکن اس پر سوال ہوا کہ کیا ستارہ چھٹیک مارتے ہیں اور آخر وہ ستارہ کہاں گرنا ہے۔ بعض نے کہا کہ نہیں بلکہ وہ آگ ہے اور بعض نے دیگر وجوہ بیان کیے اور یہ سب قیاسی باتیں ہیں اور کسی آیت یا حدیث میں اسکا ذکر نہیں آیا کہ وہ کیا چیز ہے اور بدول اس کے اعتقاد نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجائبات کثرت نظر آتے ہیں کیا نہیں دیکھتے ہو کہ اس کثرت سے آسمان میں تارے ہیں جو اندھیرے رات میں عجب و منع سے ظاہر ہوتے ہیں اور جو اس کچھ کام نہیں کرتے اور جن لوگوں نے تاروں کی نسبت کچھ بیان کیا وہ فقط انگلی ہر جگہ کچھ اعتبار نہیں ہو سکتا بقول حافظ مہر زین سمانیج دانا در جہان آگاہ نیست بدینے دنیا میں کوئی عقل کا مدعی اس معاکو نہیں جانتا کہ اس آسمانی نہج میں کیا صورت ہے کہ چھت مسامی ہوا در رات کو دیکھو تو ہزاروں نفس ہیں۔ پھر سدئی کے قول کے واسطے یہ نامید بھی نکلتی ہے کہ نجم ثاقب چونکہ اللہ تعالیٰ کے اسرار میں سے ہے اس لیے فرمایا کہ مادراک ما الطارق۔ اور سدئی کے مانند حکمرانہ کے قول سے بھی نکلتا ہے کہ وہ شہاب ثاقب ہے چنانچہ کہا کہ النجم الثاقب جگہ در روشنی دینے والا اور شیاطین کو جلانے والا ہے (ع) خطیب نے لکھا کہ نجم ثاقب روشنی دینے والا ہے اور اندھیرے کو چھید کر سوراخ کرنے والا ہے جب نجم دردی۔ اس لیے کہ وہ تاریکی دور کرتا ہے (اسراج) رازی نے کہا کہ نجم کی صفت ثاقب بچند وجوہ ہے (وجہ اول) یہ کہ وہ تاریکی میں ثقب (سوراخ) کرتا ہے کیونکہ روشنی اس میں پور ہو جاتی ہے (وجہ دوم) وہ مشرق سے طلوع ہو کر نفوذ کرتا ہے جیسے سوراخ کرنے والی چیز پوشت ہوتی ہے (سوم) یہ کہ اسی سے شیاطین مارے جاتے ہیں تو یہ شیاطین میں نفوذ کر کے سوراخ دار کرتا اور جلا دیتا ہے (وجہ چارم) یہ کہ ثاقب مجبندی ہے چنانچہ عرب بلند پر واز پرند کہتے ہیں کہ وہ آسمان میں ثاقب ہو گیا اسکو فراژ نے بیان کیا ہے (سوال) بیان نجم ثاقب کے کیا عام مراد ہے یا خاص ستارہ ہے (جواب) ابن کثیر نے مفسرین سلف سے کوئی روایت نہیں لکھی اور واحدی نے کہا کہ مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے طارقی کی قسم کھائی ہے یعنی ستارے جو رات میں نکل آتے ہیں اور دن میں چھپ جاتے ہیں مترجم کہتا ہے کہ اس لیے ظاہر ہوتا ہے کہ الطارق النجم الثاقب۔ میں الف ام حبس کے واسطے ہے اور معروف کے لیے نہیں ہے۔ صحاح لغت میں مذکور ہے کہ الطارق وہ ستارہ ہے جسکو صبح کا ستارہ کہتے ہیں رازی نے لکھا کہ

نہ تھا اور کسی غیر کو دکھانے کے لیے زینت کرنا حرام قبیح ہی پس اچانک شوہر آیا تو شاید اُسکو دیکھ کر دل میں کراہت کرنے تو باہمی الفت میں خرابی پیدا ہو رہی ہو رازیؒ نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ والسماء والطارق۔ قسم ہے آسمان اور طارق کی قسم۔ تو ممکن تھا کہ سننے والا طارق کے ظاہری معنی سمجھ لے ہذا فرمایا وَمَا آذُرُكَ مَا الطَّارِقُ اور تو نے کیا جانا کہ طارق کیا چیز ہے؟ سفیان بن عیینہ نے کہا کہ جہان قرآن مجید میں۔ ما ادراک۔ واقع ہے اُس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہی عطا فرمائی گئی ہو اور جہان (ما یدر یک) واقع ہو اُس سے آپ کو آگاہی نہیں دی گئی جیسے تو کہ تعالیٰ ما یدر یک لعل الساعة قریب۔ (کبیر وس وغیرہ) خلاصہ یہ کہ ابتدا میں جب آیت کا نزول ہوا تو اسوقت آپکو طارق کی معرفت حاصل نہ تھی پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اُسکی معرفت عطا فرمائی مترجم کہتا ہو کہ معرفت سے لفظی معنی کی معرفت مراد نہیں ہو سکتی ہو اسلئے کہ آیت میں خود مذکور ہو۔ النجم الثاقب۔ ستارہ ثاقب ہو ف لیغنی طارق جسکی قسم یاد فرمائی گئی یہ ستارہ ثاقب ہے۔ اسقدر معرفت تو سب کو حاصل ہو جسے قرآن مجید بنا ولیکن مراد معرفت سے اُسکی حقیقت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئی۔ حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قسم سے فرمایا کہ والسماء والطارق وما ادراکنا الطارق النجم الثاقب قسم ہے آسمان اور طارق کی اور تو نے کیا جانا کہ طارق کیا ہو وہ نجم ثاقب ہو رازیؒ نے کہا لیغنی بطارق جسکی قسم یاد فرمائی ہو یہ طارق عظیم الشان بلند قدر ہے یہ نجم ثاقب ہو جسکے ذریعے سے خشکی و سمندر میں اندھیری رات میں راہ ملتی ہو اور وقت کا پتہ چلتا ہو (تفسیر کبیر) اب معلوم ہوا کہ طارق سے یہاں مراد نجم (ستارہ) ہے چونکہ طارق ہر ایسی چیز کو کہتے تھے جو رات کو آوے اسلئے پہلے (الطارق) کو سہم فرمایا پھر اُسکی قدر و منزلت بیان فرمائی۔ نجم کو اس وجہ سے طارق کہتے ہیں کہ وہ رات کو طلوع ہوتا ہو۔ پھر اس نجم کی صفت (ثاقب) بیان فرمائی۔ پس یہاں اول وہ اقوال بیان کیے جاوین جو سلف صالحین کی تفسیر سے منقول ہیں اُسکے بعد متاخرین اہل تفسیر کے بیانات لکھے جاوین شیخ ابن کثیرؒ کی تفسیر میں ہو کہ قتادہ وغیرہ نے کہا کہ نجم کا نام طارق اسلئے ہوا کہ وہ رات میں نمودار ہوتا ہو اور دن میں چھپ جاتا ہو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ الناقب یعنی چمکدار روشنی دینے والا اقول ثقب بمعنی سوراخ کرنا۔ سدیؒ نے کہا کہ ثاقب اسلئے کہ وہ شیاطین کو ثقب کرتا ہو یعنی شیطان کے جسم میں سوراخ کر دیتا ہو مترجم کہتا ہو کہ شهاب ثاقب سے شیاطین مارے جاتے ہیں اور بات یہ ہو کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے تو اُسکی عظمت کلام سے ملائکہ سجدے میں گر جاتے ہیں اور بزرگ ملائکہ باوجود اسکے اسقدر وسعت رکھتے ہیں کہ وحی الہی کو جنبہ محفوظ رکھتے ہیں اور اصل میں انھیں کو وحی ہوتی ہو پھر انکے تابعین ملائکہ سجدے سے سر اٹھا کر اُنسے دریافت کرتے ہیں کہ ہمارے رب عزوجل نے کیا فرمایا اور بزرگ ملائکہ اُنسے بیان کرتے ہیں اسطرح اس آسمان دنیا تک اسی طریقے سے حکم پہنچتا ہو اس شان سے جو اللہ تعالیٰ نے اسکو جاری فرمایا ہے تو ہمیں امر و حکمت ہیں اور اعلیٰ امر و حکمت کو جاننا جو ملا علی سے متعلق ہے جو دنیا کے بشری مکر طبایع بہت کم سمجھ سکتے ہیں لیکن ملائکہ واسطے اسی قدر کافی ہو کہ اس سے جاہل شیطانی فریب سے فرار میں پڑتا ہو چنانچہ حدیث ہو کہ شیاطین ہر رات میں زمین سے آسمان تک تلے اوپر ہوا زنجیر کے سلسلہ باندھتے ہیں اور جو سب اوپر ہوتا ہو وہ کسی تاریک مقام پر چوکی طرح چھپ کے بیٹھتا ہے تاکہ جب ملائکہ دریافت کریں اور انکو مثلاً بتلایا جاوے کہ یہ حکم جاری ہونے کی وحی فرمائی ہو تو شیطانی چور اُسکو سنکر اپنے پاس والے سے کہتا ہے وہ دوسرے سے وہ سیر سے اسطرح ایک دم میں زمین پر خبر آجاتی ہو اور زمین کا شیطان اس بات کو انسانی کاہن درمال وغیرہ کے کانوں میں پھونک دیتا ہے وہ خبیث اپنی غیب دانی کے اظہار میں اپنے معتمد مشرکوں سے بتلاتا ہو اور جب یہ سچی بات واقع ہو جاتی ہو تو اس قسم کے جہال مشرکین اُس شیطانی جیسے کو بزرگ دانا غیب دار صاحب کرامت سمجھنے لگتے ہیں اور جو کچھ وہ فرماوے اسکو عین حق اور محض صدق و صواب مانتے

الْجَنَّمَ الثَّاقِبُ ۝ إِنَّ كُلَّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۝ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝

وہ تارا اچھلتا کوئی جی نہیں جسر نہیں ایک نگہبان اب دیکھ لے آدمی کا ہے سے بنا
خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ ۝ يُخْرِجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ ۝ إِنَّهُ عَلَى رَجْعِهِ

بنا ایک اچھلتے پانی سے جو نکلتا ہے پیٹھ اور جھاتی کے نیچے سے بیشک وہ اُسکو پھیر
لِقَادِرٌ ۝ يَوْمَ تَبْلَى السَّرَائِرُ ۝ فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَلَا نَاصِرٍ ۝

لا سکتا ہے جس دن جانچے جاویں مجید تو کچھ نہوگا اُسکو زور نہ کوئی مدد کرنے والا
خطیب نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ بِسْمِ اللّٰہِ - شروع ہوا اللہ تعالیٰ کے نام سے ف جو نام خلق کا موجود مالک ہوا اَلرَّحْمٰنِ -
نہایت ہر بان ف ہر بان جسکی عام بخشش میں اُسکی الوہیت بوحدانیت ماننے والے مومنین بندے داخل ہیں اور اُسکی
الوہیت سے انکار کرنے والے متکبر کفار بھی شامل ہیں اَلرَّحِیْمِ - نہایت رحم والا ہوا ف جسے رحمت خاصہ سے فقط اپنے
مومنین بندوں کو سرفراز کیا اَقُولُ دنیا میں یہ سرفرازی اس صورت کے ساتھ ہے کہ انکو مثل معرفت کی عطا کی جس سے وہ لوگ بیان
سے اسکے نام پر جان فدا کر کے جانا اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کا کرم جاننے ہیں اور مردانہ ہمت سے اُسکی راہ میں آ رہے ہیں چہر اچانا اور آگ
میں جلا یا جانا آسان سمجھتے ہیں تاکہ جلد اس دار رحمت سے دار السلام جنت میں جوار قدس میں داخل ہوں جہاں عین راحت و بے مثال
نعمت اُن پر خاصہ رحمت ہو واللہ اعلم والنہ - وَالطَّارِقِ - قسم ہے آسمان و طاری کی ف واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے
کتاب مجید میں اکثر آسمان و چاند و سورج و ستاروں کا ذکر فرمایا اسلیے کہ ان چیزوں کی شکلیں درخت و طلوع و غروب کے اوضاع
و حالات و عجیبہ بین (کبیر و سراج و ف) ماوروی نے کہا کہ طاری مشتق طردق سے ہوا اصل میں طروق کے معنی کو فتنہ کرنا لہذا
جو کوئی رات میں آوے اُسکو طاری کہنے لگے کیونکہ غالباً جب وہ دروازہ بجاوے تب گھر میں آنے پاوے گا - پھر اس لفظ طاری کو وسعت
دیگر رات کے ظاہر ہونے والے کو طاری کہنے لگے چاہے وہ کوئی چیز ہو پھر زیادہ وسعت دیکر اُن خیالی چیزوں کو بھی طاری کہنے لگے جو رات میں آدمی
کے تصور میں آتی ہیں یعنی شاعر اپنے اشعار میں باندھتا ہو کہ رات میں کسی کی تصویر میرے خیال میں طاری ہوئی تو اُسکے عشق میں میری نیند
اُڑ گئی - شاعر نے اس خیالی تصور کو جو خیال میں آگیا ہو طاری کہا اور اکثر ایسے تصور رات میں آتے ہیں جب آدمی بے فکر ہو کر لیٹتا ہو اور کبھی
دن میں بھی ایسا ہوتا ہو لہذا ایک قوم نے کہا کہ طاری دن میں بھی ہوتا ہو - صحیح ہے اسبواسطے حدیث میں ہو کہ - اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ
طَوَارِقِ اللَّیْلِ وَ اَلنَّهَارِ اَلطَّارِقُ قَائِظٌ یَّجْرِیْ مَارِخٌ - یعنی آلی میں تیری جناب میں پناہ لیتا ہوں ہر طاری کی بدی سے جو رات میں آوے یا دن
میں آوے سوائے ایسے طاری کے جو بھلائی کے ساتھ آوے اے رحمن - (ف) اور رازی نے زعم کیا کہ دن میں آنے والے کو طاری
نہیں کہتے ہیں اس دلیل سے کہ مسلمان اپنی دعائیں کہتے ہیں کہ رات کے طاری سے ہم لوگ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں مگر ہم کہتا ہو
کہ اس دلیل سے فقط یہ معلوم ہوا کہ رات میں طاری ہوتے ہیں اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دن میں طاری نہیں کھلتا تاہو ابن کثیر
نے کہا کہ صحیح بخاری کی حدیث میں ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہو کہ مرد اپنے گھر میں طروق کرے - - یعنی اچانک رات
میں اپنے گھر میں داخل ہونے سے منع کیا (ع) خلاصہ یہ کہ آدمی جب سفر میں گیا ہو اور وہاں سے آوے تو اُسکو چاہیے کہ رات میں اچانک
گھر میں داخل نہو اور اس حکم میں بہت فوائد ہیں جیسے مثلاً کہ عورت اس حالت میں میلی کچلی بد شکل بنی ہوئی رہتی تھی کیونکہ شوہر حاضر

ابھی بت پرستی کی خباثت و نجاست نہیں جمی تھی تو فوراً نور توحید و اعجاز قرآنی انکے دلوں پر اثر کرتا تھا اسید واسطے تم دیکھتے ہو کہ قریش میں سے جو ان لوگ بکثرت مسلمان ہوئے مانند ابو بکر رضی اللہ عنہ کے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ڈھائی برس چھوٹے تھے اور عمر رضی اللہ عنہ و طلحہ و زبیر و سعد ابی وقاص و ابو عبیدہ و مانند انکے اور ان سے چھوٹے لوگ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور اسطرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں جو پرانے لوگ تھے وہ سرکشی کرتے چنانچہ بعد ہلاکت فرعون کے جب حکم ہوا کہ شام میں عاتقہ پر جہاد کریں تو وہ منکر ہو گئے اور سخت جواب دیا کہ اے موسیٰ اس میں زیر دست جبار قوم رہتی ہیں ہم وہاں نہیں جاسکتے ہیں تم اپنے معجزہ سے انکو وہاں سے نکال دو تو ہم حکم آباد ہونگے ورنہ ہم نہیں جاسکتے ہیں اور ہم کو اُن سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انکو ہر چند سمجھا یا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو وعدہ دیا ہے کہ تم اُس میں آباد ہو اور اسکا وعدہ خلاف نہیں اور اسنے تم پر کیسی نعمتیں فرمائیں کہ تمہارے دشمنوں کو ہلاک کیا الغرض سب نعمتیں یاد دلائیں اور کہا کہ تم فتح پاؤ گے لیکن قوم نے اس سے بھی زیادہ سخت یہ جواب دیا کہ تم اور تمہارا رب جاکر اُن سے لڑو اور ہم یہاں بیٹھے ہیں آخر اللہ تعالیٰ نے ان پر سخت عذاب کر دیا کہ چالیس ہرسل س جنگل میں پڑے رہیں اور یہاں سے نکلنے نہ پا دیں پھر اس مدت دراز میں اولاد و نو جوان ہوئے اور اُنکو لیکر یوشع علیہ السلام نے خوب غوب جہاد کیے اور عاتقہ کو مقہور کر لیا اسی نکتہ سے شریعت میں حکم ہے کہ بچوں کو صالحین کے آداب سکھلاؤ یعنی یہ آداب ان میں جم جاتے ہیں اور اُنکے قلوب کو نجا سکتے پاک رکھتے ہیں فافہم واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب شیخ ابن کثیرؒ نے لکھا کہ امام نسائیؒ نے حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے نماز مغرب پڑھی تو سورہ بقرہ یا سورہ نساء شروع کی پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے معاذ کیا تو فتنہ برپا کرنے والا ہی کیا تجھے کافی نہیں کہ تو السماء و الطارق اور الشمس و صفا ہا اور اسکے مانند پڑے مترجم کہتا ہے کہ حدیث معاذ رضی اللہ عنہ کا بیان یہ ہے کہ معاذ بن جبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھ کر اپنی قوم میں جاکر انکو عشا کی نماز پڑھانے اور ذوق شوق میں سورہ بقرہ یا سورہ نساء قراءت کرتے ایک روز جاکر حسب معمول اذان دیکر سورہ بقرہ شروع کی تو ایک انصاری نے علیحدہ ہو کر تنہا نماز پڑھ لی اور صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حال عرض کیا اور کہا کہ ہم لوگ دن بھر کھیت و باغ میں چرس بھرنے وغیرہ کی مشقت میں تھکے ماندے ہوتے ہیں اور معاذ رضی اللہ عنہ اس قدر طولانی قراءت پڑھتے ہیں تب آپ نے معاذ رضی اللہ عنہ سے یہ ارشاد فرمایا جو حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں مذکور ہے اس بیان سے ظاہر ہوا کہ نسائیؒ کی حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں مغرب سے مراد عشاء کی نماز ہے اور مغرب کو نماز عشاء کہنا تو معروف ہے اور عشاء کو مغرب کہنا اس حدیث سے معلوم ہوا اگر کو کہ شاید راوی کو خود مغرب کا شبہ ہو (جواب) یہ شبہ کا موقع نہیں ہے اسلئے مغرب کے وقت میں اس قدر گنجائش نہیں ہے کہ سورہ بقرہ یا سورہ نساء کی قراءت کی جاوے اور ان میں سے دو چار آیتیں پڑھنا مقصود نہیں ہے ورنہ السماء و الطارق سے بھی چھوٹی قراءت ہو جاتی ہے اور انصاری رضی اللہ عنہ علیحدہ ہوتے پھر واضح ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قدر قراءت کا ارشاد کیا اُسکا اندازہ و السماء و الطارق کے ساتھ اسی حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں امام نسائیؒ کی روایت ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ پھر واضح ہو کہ اس سورہ مبارک کی آیات سترہ ہیں اور کلمات بہشت ہیں اور حروف دوسو اکتھڑ ہیں ہیں السراج وغیرہ

لَسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ	وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ ۚ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الطَّارِقُ
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے	قسم ہے آسمان کی اور اندھیرا پڑے آنے والے کی اور تو کیا سمجھا کون ہے اندھیرا پڑے آنے والا

سے عداوت چلی آئی۔ پھر دوسو برس سے اہل یورپ نے برہن چھوڑا اور دنیا کے واسطے متفق ہوئے تب ان میں فی الجملہ موافقت قائم ہوئی اور اس توافق ان لوگوں نے دنیا کے واسطے بڑے بڑے کام کیے برخلاف مسلمانوں کے کہ ان میں ہر روز علم دین کے برخلاف دین فلاسفہ میں تو غل بڑھا اور علم معرفت مٹ گیا اور سرکات ربانی سے محروم ہوئے اور بعد تو غل فلسفہ کے جزئیات مسائل فقہ میں توجہ کر کے باہم اختلافات و تعصبات کے فتوے جاری کیے گئے اور اتحاد ظاہری و باطنی ضعیف ہو گیا تو ظاہر ہے کہ کس حالت تک نسبت پہنچی اسلئے کہ اسلام میں بکثرت فرتے تھے اور ان فرعون سے کچھ ضرر نہ تھا اسلئے کہ کثرت کا اعتبار ہوتا ہو اور کثرت کے واسطے اہل سنت کا سواد اعظم برحق تھا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل حال تھی اور اہل معرفت بھی بکثرت موجود تھے پھر فلسفی فنون کے تو غل سے سواد اعظم میں بھی اختلاف ہوا اور ظاہری اتحاد بھی جاتا رہا حتیٰ کہ حنفی اور شافعی میں تعصب سخت ہو گیا اور علوم معرفت پہلے ہی مٹ چکے تھے تو زوال شدید ہو گیا اور حدیث میں ہو کہ لوگ چاہینگے کہ کافروں کی تقلید کر کے عزت و ثروت حاصل کریں اور ہرگز نہیں پاویں گے جب تک کہ اپنے دین حق کی طرف رجوع نہ لادیں جس سے خارج ہو گئے ہیں مترجم کہتا ہو کہ یہ حدیث سنن ابن ماجہ وغیرہ میں موجود ہو اسکی اسناد ضعیف ہو لیکن جو کچھ حدیث میں آیا ہو وہ اسوقت آنکھوں کے سامنے موجود ہو جیسے بکثرت احادیث کے معجزات اس وقت سامنے ہیں اور اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرماوے تاکہ دین حق کو عروج ہو و لہذا العظم والکبار

سورة الطارق مکیہ و بی سبع عشرة آیت

سورة الطارق اس سورہ کا نام ہو اور سب علماء کے نزدیک بدون اختلاف کے یہ سورہ مکیہ ہے خالد بن ابی حبل العدوانی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں ثقیف کے بازار میں آیا (یہ زمانہ جاہلیت کا میلہ تھا) ثقیف قبیلہ مشہور ہے جو طائف کے نواح میں رہتے ہیں وہاں میں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ کمان یا لاثمی پر تکیہ دیے ہوئے کھڑے تھے اور یہ سورہ والسماء والطارق ان لوگوں کو تلاوت کر کے سناتے تھے یہاں تک کہ پورا سورہ ختم فرمایا اور میں نے آپ سے سنکر یاد کر لیا حالانکہ میں اسوقت میں جاہلیت پر تھا پھر میں نے اسکو اسلام میں پڑھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ثقیف میں اسلئے گئے تھے کہ شاید وہ لوگ دین حق کے مددگار بن جائیں۔ پھر ثقیف نے مجھے بلا کر پوچھا کہ تو نے اس شخص سے کیا سنا ہو۔ میں نے انکو السماء والطارق سنائی تو وہ لوگ حیرت میں ہو کر مائل ہوئے تو وہاں جو لوگ قریش کے موجود تھے وہ ثقیف سے کہنے لگے کہ یہ شخص ہماری قوم میں سے ہے اور ہم اسکا حال تم سے زیادہ جانتے ہیں اگر ہم جانتے کہ جو کچھ یہ شخص کہتا ہو یہ حق ہو تو پہلے ہم ہی اسکی پیروی کرتے۔ اس حدیث کو بخاری نے تاریخ میں اور امام احمد و طبرانی و ابن مرددہ نے روایت کیا ہو مترجم کہتا ہو کہ امام احمد کی اسناد اچھی ہو اور اس روایت میں دلالت ہو کہ عرب کے فصح و بلیغ لوگ اس قرآن پاک کے نظم اعجاز سے کس قدر تعجب ہوتے تھے اور کس ذوق شوق سے اسکو سنتے و یاد کرتے تھے حتیٰ کہ قریش کے کافروں نے جوازی جنہی تھے سب لوگ کو اس سے روکا اور یہ مگر بھیدا یا کہ یہ جادو ہے جو کوئی اسکو سنتا ہو وہ ضرور اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ کر صابی ہو جاتا ہو یا جو اس کے اکثر لوگ راویوں کو چھپ کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ سے جو اسوقت اسلام لائے تھے اور سورة المزمل سے حکم کے موافق راویوں کو نماز میں قیام کرتے تھے اور قرآن تلاوت کرتے تھے اُسے قرآن سننے جایا کرتے تھے اور عورتیں و لڑکے لوگ کثرت سے اسلام کے معتقد تھے اس میں نکتہ یہ تھا کہ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کے واسطے بت پرستی میں کچھ اعتقاد نہ تھا سوائے آزادگی کے اور لڑکوں کے دلوں

عمر بن علی الفلاسؒ حدیث انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ لوح محفوظ جو قرآن میں مذکور ہے بچہ اسرائیل ہی مترجم کتا ہے کہ اسکے
 معنی یہ ہیں کہ اسرائیل کے رب وہی چنانچہ ابن ابی حاتم نے عبدالرحمن بن سلیمان تابعی سے روایت کی کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اول
 آخر مقدر فرمایا وہ لوح محفوظ میں ہے اور لوح محفوظ اسرائیل کی دونوں آنکھوں کے رب وہی لیکن اسرائیل کو اس میں نظر کرنے
 کی اجازت نہیں ہے جس بصری نے کہا کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے یہاں لوح محفوظ میں ہے اس میں سے جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے
 جس بندے پر چاہتا ہے نازل فرماتا ہے مترجم کتا ہے کہ یہی قرآن انبیاء سابقین پر صحف و کتب میں نازل ہوا ولیکن ہر ایک پیغمبر
 تھوڑا تھوڑا نازل ہوا تھا اور آخر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کامل نازل ہوا اس واسطے جس بصری سے روایت ہے کہ صحف
 و کتب و توریت و زبور و انجیل کا علم قرآن مجید میں ہے اور قرآن مجید کا علم سورہ فاتحہ میں ہے لغوی نے معالم میں حدیث ابن عباسؓ سے
 روایت کیا کہ لوح محفوظ کی پیشانی پر یہ لکھا ہوا لا الہ الا اللہ وحدہ اسکا دین اسلام ہے۔ اور محمد اسکا بندہ و رسول ہے جو شخص اللہ تعالیٰ
 پر یقین لایا اور اسکے وعدہ کو سچا مانا اور اسکے رسولوں کی اتباع کی تو اللہ تعالیٰ اسکو جنت میں داخل فرمادے گا۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ
 لوح محفوظ سفید موتی ہے اسکا طول آسمان سے زمین تک اور چوڑائی مشرق سے مغرب تک ہے اس کے کنارے موتی و یاقوت ہیں اور دفتیان
 سرخ یاقوت ہیں اور اسکا قلم نوز ہے اور اسکا کلام معقود بعرش ہے اور اسکی اہل ایک فرشتہ کی گود میں ہے۔ مقاتل نے کہا کہ لوح محفوظ عرش کے
 دائیں ہر طبرانی نے حدیث ابن عباسؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ کو سفید موتی
 سے پیدا کیا اس کے صفحات یاقوت ہر بن اسکا قلم نوز ہے اور لکھاوٹ نوز ہے اللہ تعالیٰ ہر روز اس میں تین سو ساٹھ بار نظر فرماتا ہے پیدا کرتا اور
 رزق دیتا اور موت و زندگی دیتا اور عزت و ذلت دیتا اور جو کچھ چاہتا ہے لکھتا ہے (ابن کثیر) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ مجھے خبر دی گئی کہ
 لوح الذکر ایک لوح ہے جس میں ذکر ہے اور یہ لوح نوز ہے اور اسکی مسافت تین سو برس کی راہ ہے (ابن المنذر) ابن عباسؓ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ
 نے لوح محفوظ کو بقدر سو برس کی راہ کے پیدا کیا پس قلم سے فرمایا کہ میرا علم میری مخلوق میں لکھ اور یہ مخلوقات پیدا کرنے سے پہلے تھا پس
 قلم جاری ہوا اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے لکھ دیا۔ اس روایت کو ابوالشیخ نے کتاب العظمت میں مسند کیا اور سیوطی نے کہا کہ اسکی
 اسناد مجید ہے مترجم کتا ہے کہ بعض نقاد محدثین نے کہا کہ لوح محفوظ کے بارہ میں جو حدیثیں روایت کی جاتی ہیں وہ موضوع ہیں مترجم
 کتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث فقط طبرانی کے روایت کی جو اوپر گزری ہے اور اسکی اسناد میں غرائب ظاہر ہے اور باقی
 سب ابن عباسؓ کے آثار ہیں اور محتمل ہے کہ ابن عباسؓ نے ان روایات کو کعب الاحبار رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ اہل علماء سے لیا ہو جو پہلے
 اہل کتاب تھے پھر اسلام لائے اور یہ علماء اگرچہ بذات خود سچے تھے لیکن جو کچھ بیان کرتے تھے وہ یہود کی کتابوں سے یا نصاریٰ کی کتابوں
 سے نقل کرتے تھے حالانکہ یہود و نصاریٰ نے ان کتابوں میں تحریفات اور جھوٹی روایات لکھی تھیں اگرچہ ان میں سچی روایتیں بھی شامل
 تھیں لیکن امتیاز غیر ممکن تھا اور جس قوم نے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تحریف کی تو ایسی قوم بیباک سے کچھ امید نہیں کہ باقی روایات میں
 جو کچھ چاہے تحریف کرے اسبوجہ سے حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو زمانہ ہے وہ زمانہ قرت کہلاتا ہے
 حسین دین حق کا پتہ نہیں چلتا تھا کیونکہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عداوت میں تحریف کی پھر عیسائیوں نے جیسا زور کیا وہ بیان
 ہو چکا کہ متفق ہو کر دین شرک نکالا اور دین توحید کے عیسائیوں کو جلایا اور قتل کیا اور کتاب الہی میں اپنے عقیدے کے موافق تحریفات
 کیں اور باوجود ان سب باتوں کے اللہ تعالیٰ نے ان میں عداوت و بغض ڈالا حتیٰ کہ بکثرت فرقے ہو گئے چنانچہ ان فرقوں میں ہمیشہ

جنود کی بات ف یعنی اے محمد وہ ذکر قصہ تجھے پہنچ گیا جو جنود سے متعلق ہو جنود جمع جند یعنی لشکر فرعون و ثمود و فرعون و ثمود کی بات ف یعنی جنود فرعون و ثمود کا قصہ ہے کہ اے محمد بھلا تو نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون و ثمود کے ساتھ کیا کیا جب انھوں نے اپنے پیغمبر کو جھٹلایا اور اللہ تعالیٰ سے کفر کیا یعنی کیونکر اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون کو بعد ملت و ختم حجت کے انتقام سے ہلاک کیا اور ثمود قوم کو بھی اس طرح ہلاک کیا ثمود وہ قوم ہے جو حجاز و شام کے درمیان عرب میں رہتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کو انکی ہدایت کے لیے بھیجا اور آخر انکے کفر و سرکشی پر انکو ہلاک کیا اور جب اللہ تعالیٰ کی سختی سے انکو ہوا تو کوئی جزائے کام نہ آئی حالانکہ گرفتار عذاب ہو جانے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے انھیں کافروں کے ہاتھوں سے بہت سے مومنین کو ایذا و ظاہری پہنچائی تاکہ انکا صدق ایمان ظاہر ہو اور دنیا فانی کی محنت سے نجات پا کر جنت میں عیش کریں اور یہ مشیت الہیہ ہے اس بیان سے مقصود یہ کہ اگر قریش و عرب دالے اور دیگر ممالک عجم کے جن دالہ حضرت خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لادیں گے تو اللہ تعالیٰ انکو بھی عذاب میں گرفتار کرے گا بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا فِیْ تِلْكَ اَیَّامٍ ؕ قَالَ لَوْ مِیْنٌ وَّرَآیْهِمْ مَّحِیْطٌ ۚ بَلْکَ جَوَلُوْا کَافِرُوْنَ ۚ وَہ جھٹلانے میں پڑے ہیں اور اللہ تعالیٰ انکو محیط ہو ف یعنی یہ لوگ جنھوں نے تجھے کفر کیا یہ تیری رسالت کو جھٹلاتے ہیں اور کچھ خوف نہیں کرتے حالانکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں محصور ہیں اگر اللہ تعالیٰ انکو عذاب کرنا چاہے تو کہیں بھاگ نہیں سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جب چاہے ان کو عذاب کر سکتا ہو اگر کوہ (ہل) بیان اضراب ہو تو کیا مطلب ہو (جواب) یہ کہ اس سے یہ مراد ہے کہ ان کفار کا حال بہ نسبت ثمود وغیرہ کے بھی عجیب ہے کیونکہ ان لوگوں نے فرعون و ثمود کا حال سن لیا اور انکی ہلاکت کے آثار جان لیے پھر بھی جھٹلاتے ہیں ثمود خود ملک عرب کی ایک قوم تھی اور مقام ہجر میں شام کو جاتے ہوئے اس قوم کے کھنڈل اب تک نظر آتے تھے اور انکا قصہ عرب میں مشہور تھا اگرچہ اس قوم کی ہلاکت کو زمانہ دراز گزرا تھا اور قصہ فرعون یہود و نصاریٰ میں متواتر معروف تھا اور یہ اخیر زمانہ میں گذرا ہو اگر کہا جاوے کہ اللہ تعالیٰ کے محیط ہونے کے کیا معنی ہیں کیونکہ یہ کفار تو اجسام ہیں اور اللہ تعالیٰ جسم ہونے سے پاک ہے اور احاطہ ہم لوگ ہی سمجھتے ہیں کہ ایک جسم دوسرے جسم کو محیط ہو (جواب) مترجم کہتا ہے کہ جس ایماندار نے یہ بات پہچان لی کہ اللہ تعالیٰ نے اجسام کو پیدا کیا تو اسکی قدرت میں احاطہ ہر طرح حاصل ہے تو ایسے ایماندار کو کچھ پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں ہے لیکن عوام نہیں سمجھتے ہیں تو علمائے تین طرح سے سمجھا دیا (اول) یہ کہ محیط ہونے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان سب پر قدرت حاصل ہے اور قدرت الہی میں کفار محصور ہیں تو جب انتقام لینا و عذاب کرنا چاہے کہیں بچاؤ نہیں ہے اور مراد یہ کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجھکو ان کافروں کے جھٹلانے سے کچھ پریشان نہ ہونا چاہیے (دوم) احاطہ کرنے و گھیرنے سے مطلب یہ کہ ان کفار و سرکش کی ہلاکت کا زمانہ بھی قریب آگیا (سوم) مراد یہ کہ اللہ تعالیٰ کا علم انکے کفر و جھٹلانے کو محیط ہے پس اللہ تعالیٰ ان کو سزا دے گا اور کفار نے جو قرآن مجید کو جھٹلایا یہ انکی بد بختی ہے بَلْ هُوَ قَسْرٌ اَنْ عَجِبْتَ ۚ فِیْٓ اُولٰٓئِکَ اَیَّامٍ مَّحْفُوْظٰتٍ ۚ بَلْکَ یَرٰ اَنْ مَّجِیْدٌ لَّوْجٌ مَّحْفُوْظٌ ۚ یعنی یہ وحی رسالت جسکو جھوٹ بتلاتے ہیں اور دیوانہ کی طرح سے کبھی شعر اور کبھی رمالی و کبھی جادو کہتے ہیں یہ قرآن بزرگ ہے جسکی بزرگی بدرجہ کمال پہنچی ہے اور مرکز اسکا لوح محفوظ ہے ابن کثیر نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ بَلِ الدِّیْنُ کَفْرٌ وَاِلٰہٌ مَّعْلُوْمٌ ۚ بَلْکَ جَوَلُوْا کَافِرُوْنَ ۚ یعنی انپر قادر قادر ہر بڑے ہیں یعنی شک و شبہ و انکار و عداوت و ناحق دشمنی میں پڑے ہیں اور اللہ تعالیٰ انکے گرد محیط ہے یعنی انپر قادر قادر ہر بلکہ یہ قرآن عظیم کریم لوح محفوظ میں ہے یعنی ملا اعلیٰ میں کی پیشی سے اور تحریف و تبدیل سے محفوظ ہے ابن جریر نے اسناد

یعنی مومنین بندوں کی مغفرت فرماتا ہے خواہ بندے نے توبہ کی ہو یا نہ کی ہو۔ مقررہ نے کہا کہ مغفرت فقط اُس بندے کے واسطے ہے جس نے توبہ کی اہل السنۃ نے اس قول کو رد کر دیا کہ توبہ کی شرط طحان اللہ تعالیٰ کی جناب میں مغفرت کی گستاخی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ قادر مختار ہے جو چاہے وہ کرے اور مغفرت کو عاجز کر نیکی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیان ذات پاک کی مدح فرمائی ہے کہ وہ غفور ودود ہے اور غفور و دود طرح ہو سکتا ہے ایک یہ کہ وہ بندے کی توبہ کرنے پر مغفرت کرے اور دوم یہ کہ خود اختیاری بھی مغفرت کرے جسکے لیے چاہے اور شک نہیں کہ خود اختیاری اور توبہ دونوں طرح سے مغفرت کرنا اکل ہی تو مدح اسی میں ہے علاوہ ازیں انصاف صیغہ مبالغہ ہی تو وجہ ہے کہ یہی معنی لیے جا دیں کہ توبہ کرنے پر بخشے اور بغیر توبہ کے بھی جسکے لیے چاہے بخشے (س ف ک) مترجم کہتا ہے کہ مغفرت کا قول باطل ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ و یغفر عن کثیر۔ یعنی بہتیرے گناہوں کو اللہ تعالیٰ غفور کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بہتیرے گناہوں کو بے توبہ بخش دیتا ہے اور اگر کوہک شاید بیان بھی توبہ کے ساتھ بخشنا مراد ہو تو جواب یہ کہ اللہ تعالیٰ صغیرہ گناہوں کی مغفرت کرنا بدون توبہ کے منصوص فرمایا ہے جبکہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جاوے تو معلوم ہو گیا کہ مغفرت کے لیے توبہ شرط نہیں ہے تو لازم آیا کہ ہر قسم کے گناہوں میں اللہ تعالیٰ کی مغفرت کے لیے یہ شرط نہ ہو کہ توبہ کرے فافہم واللہ تعالیٰ ہو الموفق اور اللہ تعالیٰ کا کلام بیان بھی اسی صفت اطلاق پر دلیل ہے کہ اسکو اختیار ہے کہ توبہ اور بے توبہ جس طرح چاہے مغفرت کرے ذُو الْعَرْشِ الْمَجِیدُ فَعَالَ مَا یُرِیدُ صاحب عرش بزرگ ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے وہی ہو جاوے کسی چیز میں انکار کی مجال نہیں ہے کہ حنی نے کہا کہ (فعَالَ) کی تنوین تعظیمی ہے کیسے طرح وہم و عقل کو مجال نہیں ہے کہ اسکی شان قدرت کا ادراک کر سکے (لما یرید) یعنی جو کچھ چاہے اسکو ہر وجہ کمال پیدا کرنے والا ہے یعنی اُسکے افعال خود اختیاری ہیں کسی شخص کا اُسپر کچھ استحقاق نہیں ہے اور قولہ المجید میں دو قرائتیں ہیں۔ حمزہ و کسائی کی قرات میں (المجید) کسرہ وال کے ساتھ ہے اور یہ عرش کی صفت ہے اور عرش مجید بمعنی عرش عظیم ہے۔ باقیوں کی قرات میں (المجید) مرفوع ہے اور یہ (ذُو الْعَرْشِ) کی صفت ہے اسی قرات کو ابو عبیدہ و حاتم نے پسند کیا کیونکہ المجید نہایت کرم و فضل ہے اور یہ اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے شیخ ابن کثیر نے کہا کہ دونوں قرائتیں صحیح ہیں۔ اِکھاصل اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت پاک میں فرمایا کہ وہ صاحب عرش مجید ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے فَعَالَ نے کہا یعنی جو کچھ وہ چاہتا ہے اپنی خوشی و اختیار کے موافق کرتا ہے اُسپر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا اور نہ کسی چیز سے اسکو عاجزی ہے لہذا اپنے دوستوں کو جنت میں داخل فرماتا ہے اور کوئی روک نہیں سکتا اور اپنے دشمنوں کو جہنم میں جلاتا ہے اور کوئی اُنکو بچا نہیں سکتا اور گنہگاروں کو اپنی مشیت کے موافق مہلت دیتا ہے یہاں تک کہ جب چاہتا ہے گرفتار کرتا ہے اور بعض کو بالفعل گرفتار کرتا ہے ابن کثیر وغیرہ نے لکھا کہ ابوالعباس نے کہا کہ جب خلیفہ رسول اللہ ابو بکر رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے اور آخر اسی بیماری میں انتقال فرمایا تو بیماری کی حالت میں جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم انکے پاس گئے اور کہا کہ ہم آپکے واسطے طبیب لاؤں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے طبیب نے دیکھ لیا صحابہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھر طبیب آپکے کیا کیا حضرت صدیق نے فرمایا کہ اسنے مجھے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم کہنا کہ میرے طبیب نے جملہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم سمجھ گئے ہو گئے کہ صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا طبیب اسکو قرار دیا ہے اور شاید یہ بھی سمجھ گئے ہوں کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے کسی علم کے ذریعہ سے اشارہ کیا ہے کہ وفات قریب ہے واللہ تعالیٰ اعلم پھر اللہ تعالیٰ نے ان سب امور کی تصدیق میں بعض واقعات کا اشارہ فرمایا بقولہ تعالیٰ۔ هَلْ اَبْلَکَ حَدِیثُ الْجَنُودِ۔ بھلا آگئی تیرے پاس

دلی بندہ کو ایذا دی اُس نے مجھے جنگ کا اعلان کیا۔۔۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جس قدر عظیم انعام فرمایا ہو اسکے برخلاف اپنے دشمنوں پر عذاب عظیم رکھا ہو اور کوئی اُس کے قبضہ سے باہر نہیں ہو۔ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ۔ البتہ تیرے رب کی گرفت بہت سخت ہو ف چنانچہ دوسری آیت میں فرمایا وَاذْكُرْكَ اِذَا خَذَلْتَ يَدَكَ اِذَا اخَذْتَ مِنْ ظُلْمٍ لِّمَنِ ظُلْمُكَ كُفْرًا كَرِهْتَ رَبُّكَ عَزَّوَجَلَّ کا اسی شان تیرے ہے بیشک اُسکی گرفتاری سخت دکھ دینے والی ہو۔۔۔ بطش خود سخت گرفت ہو اور جب (شدید) اسکا وصف فرمایا تو بے انتہا شدت ہو گئی اور یہ اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت میں بہت آسان ہو لہذا فرمایا۔ اِنَّهُ هُوَ يَبْدِئُ وَيُعِيدُ۔ اللہ تعالیٰ ہی کی شان ہے کہ وہ ابد اور اعادہ کرتا ہو ف ابتدا میں ایجاد فرماتا ہو اور آخرت میں اعادہ کرے گا۔ عکرمہ نے کہا کہ کافروں کو آگاہ کیا کہ اللہ تعالیٰ جب چاہے دوبارہ زندہ کرے جیسے اُس نے ابتدا میں ایجاد فرمایا۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ دنیا میں کافروں پر عذاب بے حرق شروع کرتا ہو اور آخرت میں اُن پر عذاب جہنم اعادہ فرمادے گا اسی معنی کو شیخ ابن جریرؒ نے پسند فرمایا ہو۔ بعض نے کہا کہ یہ بطش سے متعلق ہے یعنی دنیا میں کافروں کو بطش میں گرفتار کیا اور آخرت میں دوبارہ بطش میں گرفتار کرے گا۔ اس بیان سے آگاہ کیا کہ جس پاک عزوجل کو ابتدا میں ایجاد کرنے اور آخرت میں اعادہ کرنے کی کامل قدرت ہو اُسکی بطش بہت سخت ہو اور اس سے کافروں کو عذاب شدید کی دھمکی دی کہ جیسے ایجاد کیا اسی طرح دوبارہ کے سخت عذاب میں گرفتار کرے گا کیونکہ کافروں نے نعمت ایجاد کا شکر نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے انکار کیا کہ وہ اعادہ نہیں کر سکتا پس لامحالہ عذاب شدید میں گرفتار کرے گا یہ تو کافروں پر عذاب تھا۔ پھر مومنوں پر کرم کا اظہار فرمایا بقولہ تعالیٰ وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ۔ اور اللہ تعالیٰ ہی غفور وودود ہو ف غفور بے انتہا بخشنے والا۔ اور (ودود) ابن عباسؓ نے وغیرہ نے کہا کہ وود یعنی حبیب ہو (ابن کثیر) اور خطیبؒ نے لکھا کہ ابن عباسؓ نے کہا کہ (ودود) وہ ہے جو اپنے بندوں کو بخشنا بہت محبوب ہے (سراج) مترجم کہتا ہے کہ قول اول بہتر ہے اور اصل یہ کہ مومنین بندوں سے اگر کچھ گناہ ہو جاتے ہیں یعنی قبیح اعمال اُنکے ساتھ ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُنکے واسطے غفور ہے یعنی مٹانے والا ہو کیونکہ کسی مخلوق میں یہ طاقت نہیں ہو کہ گناہوں کو مٹا سکے بلکہ یہ فقط اللہ ہی کی قدرت ہو کہ وہ اپنے مومنین بندوں کو فضیحت نہیں کرتا اور کرم سے غفور ہے اور اپنے بندوں کا حبیب ہو اور بعض نے کہا کہ اپنے نیک بندوں کو بہت دوست رکھنے والا ہو۔ یہی مجاہدؒ سے منقول ہو۔ ابن زیدؒ نے کہا کہ وود یعنی جیم ہے یعنی جیسے قولہ وہو الغفور الرحیم۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی کامل مغفرت کرنے والا اور اُن پر کامل رحمت فرمانے والا ہو مہرؒ نے اسمعیل القاضیؒ سے جو ثقات محدثین سے ہیں نقل کیا کہ (ودود) وہ ہے جسکے فرزند نہ ہو۔ اور مہرؒ نے یہ شعر پڑھا ۵ وَاَرْكَبُ فِي الْوُدِّ عِرَانَةً ۶ ذُلُولُ اِجْمَاعٍ لِّقَا حَا وِدودا ۷ یعنی جس مادہ کے بچہ نہ تھا کہ جسکی جانب رجوع کرتی۔ بعض نے کہا کہ وود یعنی محبوب ہو یعنی جسکو اسکے نیک بندے محبوب رکھیں کماتال (الازہری) بعض نے کہا کہ وہ اپنے نیک بندوں کو محبوب رکھنے والا ہو ازہریؒ نے کہا کہ وود کی تفسیر میں اگر یہ کہا جاوے کہ وہ اپنے صاحبین سے کمال محبت کرنے والا ہو بایہ کہ وہ صاحبین بندوں کا محبوب ہو تو یہ دونوں تفسیریں صحیح ہیں اور اللہ تعالیٰ کی شان میں دونوں صفتیں وارو ہوئی ہیں اگر حضرت رب تبارک و تعالیٰ نے اپنے بندگان صاحبین کو محبوب رکھا حکم قولہ تعالیٰ (یکہم) اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے اصحاب کو محبوب رکھتا ہے۔۔۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کا اُن پر فضل ہو اور اگر صاحبین نے اپنے رب کریم کو محبوب رکھا تو یہ اُن پر حق ہے حکم قولہ تعالیٰ (یکہونہ) یعنی رسول کے اصحاب اپنے رب کو محبوب کہتے ہیں۔۔۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی یہ صفت بتلائی والذین امنوا اللہ حبیباً للہ۔ یعنی ایمان والے بندے اللہ سے بہت سخت محبت رکھتے ہیں واضح ہو کہ آیت میں دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ غفور ہے

پہنچی سوائے اسکے کہ انھوں نے اول ہی سے نفس کو مار ڈالا تھا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دینے پر مستعد ہو گئے پھر یہ دم بھر جلد گزر گیا
 اور آئندہ جنت میں راحت عظیم ہو اور جن کافروں نے اُنکے ساتھ عداوت کی اور اپنا جنتی گھر انکے ہاتھ بیچا اور انکا جسمی گھر بھی خرید لیا تو اسکا
 یہی طریقہ ہوا کہ انکو ایذا دینے اور آگ میں جلانے کی قدرت پائی اور یہ عذاب کی صورت کمائی اور جہنم میں حریق دہائی ہو (دوم) یہ طریقہ جو اسے
 جو بعض تفاسیر میں آیا کہ بیان اللہ تعالیٰ نے اُن کو اخذ و بنانے والوں کا ذکر کیا ہو کہ جنھوں نے مومنوں و مومنات کو اخذ و دین میں جلا یا اور
 خود اس سیرجی کا تاشا دیکھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اُس پر غضب کیا اور آگ نے نکل کر کافروں کا احاطہ کر کے جلا دیا پس اللہ تعالیٰ
 نے اس آیت میں آگاہ فرمایا کہ جن ظالموں نے مومنین و مومنات کو جلا یا پھر اس سے نادم نہیں ہوئے اور توبہ نہ کی تو انکے لیے آخرت
 میں عذاب جہنم ہے اور دنیا میں انکے لیے عذاب الحریق ہو تبلیہ جیسے مومن کو عذاب قتل کیا اسکی توبہ قبول ہو جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہو (السر) **إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ذَٰلِكَ**
الْفَوْزُ الْكَبِيرُ اور کین بھلائیوں انکو باغ ہیں جنکے نیچے بہتی نہریں ہے
 بڑی مراد ملنی بیشک برے رب کی بڑی سختی بیشک وہی کرے پہلے اور دوسرے
وَهُوَ الْغَفُورُ الْودودُ ذُو الْعَرْشِ الْجَبِيدُ **فَعَالٌ لِّمَا يُرِيدُ** **هَلْ أَتَاكَ**
 اور وہی ہے بخشنا محبت کرنا الگ تخت کا بڑی شان والا کر ڈالتا جو چاہے کچھ پہنچی تحکو
حَدِيثُ الْجَنُودِ فِرْعَوْنٌ وَثَمُودُ **بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْنِيْبٍ**
 بات ان لشکرین کی فرعون اور ثمود کی کوئی نہیں بلکہ منکر جسٹلاستے ہیں
وَاللَّهُ مِنْ وَرَائِهِمْ مُحِيطٌ **بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَجِيدٌ** **فِي لَوْحٍ مَحْفُوظٍ**
 اور اللہ نے انکے گزرے گھیرا ہو کوئی نہیں یہ قرآن ہو بڑی شان کا لکھا تختی میں جسکی نگہبانی ہے
 ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کے ثواب جمیل کو انکے فاتلون کے عذاب شدید کے بعد بیان فرمایا بقولہ تعالیٰ
إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا البتہ جو لوگ ایمان لائے ف اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کیا اور دل سے توحید کو مانا۔ **وَعَمِلُوا**
الصَّالِحَاتِ اور نیک اعمال بجالائے ف جن سے انکا یقین لانا ثبوت ہوا۔ **لَهُمْ جَنَّاتٌ** تو ان مومنوں کے لیے
 جنات ہیں ف باغات ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ سے فضل و احسان ہو کیونکہ ایمان لانا اپنی ذاتی فرض تھا اور اللہ تعالیٰ ہی کی بیشمار نعمتوں
 سے صالح اعمال کیے ہنوز ان نعمتوں کا شکر باقی ہو تو بھی فضل و کرم سے انکو آخرت میں جنات عطا کیں۔ **تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا**
الْأَنْهَارُ جسکے نیچے نہریں جاری ہیں ف یعنی ان جنات میں نفیس مکانات عالیہ و قصر ہیں انکے نیچے نہریں نفیس جاری ہیں
 ان سب چیزوں کی خوبی قیاس سے بلند ہو پس دنیا میں مومنین نے جو چند روزہ عارضی تکلیف اٹھائی تھی وہ اس نعمت غیر متناہی
 سے زائل ہو گئی اور کسی قسم کی مضرت باقی نہیں رہی **ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ** یہ بہت بڑی مراد کا حصول ہو ف یعنی یہ
 درجات عظیم البرکت تمام مرادات کا حصول ہو جو کچھ انکا جی چاہے وہ ایمان موجود ہو اور سب سے بڑھکر اللہ تعالیٰ کا رضوان ہو پس
 جن لوگوں نے مومنین و مومنات سے عداوت کی وہ اللہ تعالیٰ کے دشمن ہوئے حکم حدیث قدسی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہو کہ جسے میرے

نے اس عورت کو معہ بچہ کے جنت میں اتار دیا (السراج) اللہ تعالیٰ نے اخذ و بنانے والے ظالموں کے حق میں مع جمیع کفار ظالمین کے فرمایا۔
لَا تِلْكَ الْاٰیَاتُ فِتْنُوْا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ يٰۤاٰهْلَ الْاٰمَانِ فِتْنٰتُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَهْتَكُوْنَ
 انحرایق۔ بیشک جن لوگوں نے آگ میں ڈالا مومنوں و مومنات کو پھر توبہ نہیں کی تو انکے لیے جہنم کا عذاب ہو اور انکے لیے جلانے والا عذاب ہو فتنہ میں ڈالنے سے مراد یہ کہ مومنین و مومنات کو جلایا۔ یہ ابن عباسؓ و مجاہد و قتادہ و ضحاک و ابن ابزیؓ کا قول ہے۔ توبہ کرنا یہ ہو کہ اس حرکت پر نادم ہو کر اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگیں حسن بصریؒ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا کرم دیکھو کہ کافروں نے اللہ تعالیٰ کے بندوں اور اُس سے محبت کرنے والوں کو جلایا اور قتل کیا اور اللہ تعالیٰ انکو توبہ کی طرف بلاتا ہوتا کہ اُنکی مغفرت کرے مترجم کہتا ہے کہ کافروں نے جن مومنین و مومنات کو جلایا و عذاب کیا تو وہ مرنے کے بعد ایسے مقام راحت و عزت میں پہنچے کہ وہاں انکو یہ تسنا ہے کہ پھر دنیا میں جا کر دوبارہ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی راہ میں قیچیوں سے انکی بوٹیاں کاٹی جاویں پس یہ نکتہ یہ کہ جن کافروں نے انکو جلایا تھا ان جاہلون کو ایمان معرفت کی جانب بلایا اور حدیث میں ہے کہ تمھارا رب تبارک و تعالیٰ دو آدمیوں پر سنسا کہ ایک نے حالت کفر میں ایماندار کو شہید کیا اور اسکے بعد اسکو ہدایت ہوئی اور ایمان لا کر وہ بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارا گیا تو دونوں ہاتھ پکڑے ہوئے جنت میں داخل ہوئے واضح ہو کہ ابن کثیر نے جو تفسیر ابن عباسؓ وغیرہ تابعین سے نقل کی کہ انھوں نے (فتنوا) کے معنی (حرقوا) بیان کیے تو خلاصہ یہ معنی ہوئے کہ جن کافروں نے جباروں نے جلایا تھا مومنین و مومنات کو پھر اس ظلم قبیح سے توبہ نہیں کی تو انکے واسطے جہنم کا عذاب ہو اور جلانے والا عذاب ہو ابن کثیرؒ نے کہا کہ جیسا کام ہو اُسی قسم کا عوض ملتا ہو توجہ کافروں نے ان کو جلایا تو کافروں کو بھی جلانے والا عذاب ملے گا عذاب حریق میں سخت مبالغہ ہو جسکو عزلی زبان جاننے والے پہچانتے ہیں خطیبؒ نے لکھا کہ (فتنوا) کے معنی آگ میں جلانے کے آتے ہیں اور اسکی نظیر دوسری آیت ہے **قُلُوْا لِقَوْلِ اللّٰهِ یَوْمَہُمْ عَلٰی النَّارِ یَقِیْنُوْنَ** جس دن کفار آگ پر جلانے جاویں گے۔ عرب بولتے ہیں کہ (فتن دینارہ و درہمہ) اُس نے اپنے دینار اور درہم کو فتن کیا یعنی آگ میں ڈال کر تباہ کرنا کھڑا کھونا معلوم ہوا ماہم رازیؒ نے کیر میں کہا کہ اصحاب اخذ و کا قصہ بیان کر کے عام حکم بیان کیا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے مومنین بندے و مومنات بندیاں جو خالص اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک کی عبادت کرنے والے ہیں انکو جس قوم بدکار نے جلایا اور تکلیف دی تو اللہ تعالیٰ ایسے بدکاروں کو جہنم میں جلاوٹکا رازیؒ نے کہا کہ اور چون اصحاب اخذ و کا ذکر ہے انھیں کا خاص نام یہاں نہیں ہو بلکہ کلام بطور عام ہو کہ جن لوگوں نے ایسا کیا ہو تو حکم بھی عام ہے اور یہ حکم فقط اُنھیں اخذ و والوں کے واسطے خاص کرنا یہ دلیل ہے۔ مترجم کہتا ہے کہ حکم عام رکھنا سیاق کے بھی مناسب ہے کیونکہ سیاق یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے نبی اللہ عنہم اپنے وطن کے کافروں کی ایذا پر صبر کرنا اور یہ مناسب ہے کہ انکے ملک عرب کے شہر بخران میں کیونکہ مومنوں نے صبر کیا تھا حتیٰ کہ بعض تو ظالم کافر کے ارے سے چیرے گئے اور بہت لوگ آگ کی خندق میں جلانے گئے باوجود اسکے وہ لوگ دین سے نہیں پھرے اور یہ قصہ ملک عرب میں مشہور تھا اسبواسطے اللہ تعالیٰ نے اصحاب اخذ و کے نام سے اس قصہ کو بیان فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے ازل قدم میں یہ کلام کیا تھا اُسکے مطابق واقع ہوا پس اہل ایمان کے واسطے صبر کی تاکید ہو اور اسکے بعد ظالم کفار کو تہدید فرمائی کہ جس قوم ناہنجار نے مومنین و مومنات کو جلایا تو انکے لیے عذاب جہنم ہے اور عذاب سوزان ہو اگر کہا جاوے کہ عذاب جہنم تو خود آگ ہو پھر اُسکے بعد قولہ تعالیٰ (لہم عذاب الحریق) کیونکہ فرمایا (جواب) میں دو طریق ہیں (اول) یہ کہ اس میں تنبیہ ہو کہ دنیا میں اگر مومنین کو آگ میں جلایا تو مومنین ہر ایک دم کی تکلیف تھی بلکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نہیں

نے نازل فرمایا تو اللہ تعالیٰ قتل اصحاب الاخذ و الدائم (ابن جریر رضی اللہ عنہما) مترجم کہتا ہے کہ ربیع نے آیت کی تاویل یہ اختیار کی کہ قولہ تعالیٰ قتل اصحاب الاخذ و الدائم جملہ خبریہ ہے اور اصحاب الاخذ و الدائم سے ظالم کفار مراد ہیں جنہوں نے اخذ و دہائی تھی اور جملہ بطور بد و عا نہیں ہیں جیسے جمہور مفسرین نے بیان کیا کیونکہ جمہور مفسرین کی تاویل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اخذ و دہانے والے ظالموں پر لعنت بھیجی کہ اخذ و دہانے پر لعنت ہو (یعنی ہو گئی) جنہوں نے بڑے انبار میں دیکھتی آگ جلائی تھی یہ لعنت اُس وقت اُن پر ہوئی جب وہ لوگ آگ پر بیٹھے تھے اور مومنوں کے ساتھ جس بے رحمی کا معاملہ کرتے تھے وہاں خود حاضر اور آنکھوں دیکھتے تھے اور مومنوں کے ساتھ انکو اس بے رحمی کا معاملہ کرنے میں کوئی ہاش عداوت نہ تھا سوائے اس بات کے کہ مومنین انکے برخلاف اللہ تعالیٰ کے بندے موحد ہو گئے تھے یہ جمہور کی تاویل ہے اور ربیع بن انس رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ تاویل کی کہ قولہ تعالیٰ قتل اصحاب الاخذ و الدائم یعنی اللہ تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ ایک وقت تم سے پہلے ظالم کفار نے اخذ و دہانہ کر مومنوں کو اُس میں جلائے کا قصد کیا تو اللہ تعالیٰ نے اخذ و دہانوں کو قتل کیا یعنی جلا کر ہلاک کر دیا جلتی آگ سے جب یہ کفار آگ کے کنارے بیٹھے ہوئے اپنے روبرو مومنین پر سخت بے رحمی کرتے تھے اور اگر بوجھو کہ کافروں کو مومنین سے کس بات پر عداوت ہوئی تو جان رکھو کہ کوئی جرم ان مومنین کا نہ تھا جس سے کفار کو عداوت ہوتی سوائے اس بات کے کہ مومنین اپنے اللہ تعالیٰ عزیز حمید پر یقین لائے تھے جسکے واسطے آسمان و زمین کی بادشاہت ہوئی یہ بات کچھ بھی عداوت کے قابل نہیں ہے۔ ربیع نے اسکے واسطے اخذ و دہانہ کا یہ قصہ بیان کیا جس میں اخذ و دہانے والے ہلاک ہوئے تھے واضح ہو کہ خطیب نے مقاتل سے بنی اخذ یعنی بخران میں و شام و فارس کی مدوایت ذکر کر کے آخرین اس قدر زیادہ کیا کہ قرآن میں بخران کے اخذ و دہانہ کا ذکر آیا ہے اور معاملہ یہ ہوا تھا کہ ایک شخص نے دین عیسیٰ علیہ السلام ایک راہب سے جو اہل دین عیسیٰ علیہ السلام پر تھا سیکھا اور اُسے اہل بخران میں سے ایک شخص کے بیان مزدوری کی اور کام کرنے کی حالت میں انہیں پڑھتا جاتا تھا۔ مستاجر کی بیٹی نے دیکھا کہ اُس شخص کے منہ سے نور ظاہر ہے اُس نے باپ سے یہ حال بیان کیا اسکے باپ نے بھی غور کیا تو اُسکو سچ معلوم ہوا اُس نے اجیر سے یہ حال دریافت کیا کہ تو کیا پڑھا کرتا ہے اُس نے کچھ اظہار نہیں کیا رفتہ رفتہ مستاجر کو شوق زیادہ ہوا اُس نے مزدور سے اصرار کیا مزدور نے شوق دیکھ کر اُس سے بیان کیا وہ بھی ایمان لایا اور ایمان کا ذوق شوق اکثر بیکجھٹوں کے دل میں پیدا ہوا اور قریب شتر یا انشی آدمیوں کے ایمان لائے اُس میں مرد اور عورتیں سب شامل تھیں اور یہ زمانہ وہ ہے جب عیسیٰ علیہ السلام اٹھائے گئے تھے (یعنی دین عیسیٰ علیہ السلام کو روم کے نصرانیوں نے بھاڑ دیا تھا اور جن لوگوں نے شام کے رومیوں سے موافقت نہ کی وہ زمین پاک سے نکل گئے اُنھیں مین سے ایک عالم صوبہ بخران میں پہاڑ کے دامن میں فقیرانہ بسر کرنے لگا تھا جس بخران مزدور نے دین حق سیکھا تھا) یہ حال یوسف دونوں نے سنا (یہ حمیر کے قبیلہ سے مین کا بادشاہ تھا اور یہودی مذہب رکھتا تھا اور عیسائیوں کا دشمن تھا دونوں نے فوج سے بڑھ چھائی کی طرف نکلے واسطے خندق میں آگ سے بھر میں اور کفر انکے سامنے پیش کیا (دین یہودی پیش کیا تھا جو اس وقت کفر تھا) دونوں نے کہا جو انکار کرے وہ آگ میں جاوے اور جو کوئی دین عیسیٰ سے پھرے اسکو عزت دو۔ ان لوگوں نے انکار کیا اور آگ میں جلنا منظور کیا حتیٰ کہ ایک عورت اپنی گود میں دودھ پیتا بچہ لیے ہوئے آئی جب خندق کے کنارے کھڑی ہوئی تو بچہ کی طرف دیکھ کر پریشان ہوئی اور اُس نے قدم پیچھے ہٹا یا پھر ظالموں نے اسکو خندق میں جانے کے واسطے مارا جب خندق کے کنارے پہنچی تو بچہ کو دیکھا کچھ بچی اسی طرح تین مرتبہ ہوا اور چوتھی مرتبہ قریب تھا کہ دین حق سے منحرف ہونا منظور کرے کہ ناگاہ اُسکے بچہ نے جو کلام کرنے کے لائق نہ تھا بلند آواز سے کہا کہ اے ماں میں تیرے منحرف ہونے کے سامنے ایسی آگ دیکھتا ہوں جو کبھی بجھنے والی نہیں ہے (یعنی اگر تو دین حق سے منحرف ہو گئی تو تیرے سامنے جہنم کی آگ ہے جو کبھی نہیں بجھے گی) جب عورت نے یہ بات سنی تو قدم بڑھا کر آگ میں چلی گئی اور اللہ تعالیٰ

کہ نصاریٰ کے پاس انجیل کہاں ہو حالانکہ یہود نے بہت بے ادبیان کی تھیں مولوی ابوالمنصور دہلوی نے کتب نضار سے نقل کیا کہ فلسطینیوں کے ہمدین جب کنائس (گرچہ) منڈئے جاتے تھے تو ایک پادری صاحب اپنے کر باکی نبوین سے انجیل نکال کر لائے اور کہا کہ یہ سچ ہے ہماری بیابیت کے واسطے اس نبوین سے عطا فرمائی ہو اور اسکو سبے قبول کر لیا۔ مراسباط عن السدیؒ نے فرقہ تعالیٰ قتل احاب الاخذ والایہ۔ سدیؒ نے کہا کہ اخذ و تبیین جگہ تھیں ایک عراقی میں دوم شام میں اور سوم یمن میں رواداہ ابن ابی حاتم متعلق سے روایت ہے کہ اخذ و تبیین تھیں ایک یمن کے بحران میں اور دیگر شام میں اور دیگر فارس میں پس جسے شمام میں اخذ و تبیین مارا وہ انطباقاً روس روی تھا اور جسے فارس میں اخذ و تبیین مارا وہ بخت نصر تھا اور جسے عرب بحرآن میں اخذ و تبیین مارا وہ یوسف زوناس تھا اور اسی کے حق میں اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرمایا اور شمام وفارس والی اخذ و تبیین کے حق میں قرآن نازل نہیں ہوا (رع) مترجم کتاہر خبت فسر کو لوگ کہتے ہیں کہ ہی ہمن بن اسفندیار ہر اور مجوسی لکھتے کہ اسنے اپنی بیٹی کو جبکا نام ہما تھا اپنے تخت میں لیا تھا جسے کہ جب دو مراہو تو جماع کو حل محتاج بود کا ہوا تو اسنے دریا میں بہا دیا اور ایک دھوبی نے اسکو پرورش کیا واللہ اعلم اور سورخ کتاہے کہ شاید نش پرستی کی رسم یہ تھی کہ بیٹی کو جو رد نہاتے تھے مترجم کتاہو کہ شاید ہی اول واقعہ موجب بل فارس نے دین میں فسق والا ہو جیسا کہ حضرت علیؓ کی روایت سے ظاہر ہوتا ہو اور بیان یہ کہ اصل دین الٹھا اللہ تعالیٰ کی توحید تھا پھر اس بادشاہ جبار ظالم نے نشہ کی مستی میں اپنی دختر ہما کے ساتھ خراب حرکت کی اور رفتہ رفتہ یہ بات ظاہر ہوئی تو اسنے قوم پر چبر کیا کہ دین میں یہ جائز ہے کہ جس قسم کی عورت سے باہو نیلیج کرو اور خدا نے آگ پوجنے کا حکم دیا ہو اور آگ کو اسنے ایسے لپکا کہ زمانہ سابق میں بھی ایرانی آگ پوجنے کے عادی تھے اور اس پیغمبری نابیکے پیغیر نے بھی یہ معجزہ دکھلایا تھا کہ بادشاہ سے کہا کہ آگ حکم الہی کی تابعدار ہو اور اللہ تعالیٰ کانم لیکر آگ کو ہاتھ پر رکھ لیا وہ آگ کا گلہ دستہ خوبصورت بنکر اسکے ہاتھ پر بہت دیر تک چلتا رہا پھر اسنے بادشاہ سے کہا کہ بس آپکی تسلیں ہو گئی اب خدا کی قدرت دیکھو یہ کمکر اسنے آگ کو زمین پر رکھ دیا وہ فوراً بڑھنے بڑھتے نہایت خوشنما ہرا پھر ارخت ہو گیا اور اسمین پھل آگئے یہ دیکھکر بادشاہ ایمان لایا اور بہت تک اسی حالت پر رہے یہاں تک کہ بخت نصر نے اسکو گجا ڈالا اور آگ پوجنے اور سب قسم کی عورتوں سے نکاح کرنے پر چبر کیا اور مجوسی ملت پیدا ہو گئی واللہ تعالیٰ اعلم اور ابن ابی حاتم نے باسناد صحیح روایت کی کہ ربیع بن انس تابعی نے اس آیت قتل اصحاب الاخذ و تبیین میں کہا کہ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جس زمانہ میں دین حق ایسا خلط ہو گیا تھا کہ اسکا پتہ نہیں چل سکتا تھا تو ایک قوم نے جب شروع فساد کے وقت دیکھا کہ لوگوں نے دین حق کو بگاڑ کے شرک و فساد اختیار کر لیا تو اس قوم نے سب سے علحدہ ہو کر ایک گاؤں میں سکونت اختیار کی وہاں اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی عبادت کیا کرتے تھے یہاں تک کہ انحلال ایک بادشاہ جنباہ سرکش کو معلوم ہوا اسنے فوج کے ساتھ انپر چڑھائی کی اور حکم دیا کہ بطرح ہم ان بتوں کی پوجا کرتے ہیں اسبطح تم بھی پوجا کرو انخلوت انکار کیا اور کہا کہ ہم تقفظ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں گے اسنے کہا کہ پھر میں تم کو قتل کرونگا اور اسنے اخذ و کد واکران میں آگ بجلائی اور انکو اخذ و کد کے کنارے کھڑا کر کے کہا کہ یا تو ہمارے دین میں ہمارے ساتھ عیش کرو یا اس آگ میں جانا منظور کرو ورنہ ان کے لئے کہا کہ شرک کرنے سے ہم کو آگ میں جل جانا بہتر ہے ان میں عورتیں ونچے بھی تھے وہ گھبرانے لگے تو انکے باپ انکو سمجھانے لگے کہ اگر عزیز و صہیر کو کہ آج کے بعد آگ نہیں ہو اور اخذ و تبیین ڈالے گئے تو آگ کی حرارت تک پہونچنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے انکی ارواح قبش کر لین اور وہ آگ اپنے مقام سے ٹھکل نما لون کے گرد محیط ہو گئی اور سب کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے جلا دیا اسی معاملہ میں اللہ تعالیٰ

اسمین ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے وہ آگ اُن پر ٹھنڈک و سلامتی کر دی اور اُنکو وہاں سے صحیح و سالم نکال لیا پھر اُس خندق میں سرکش کا فردن کو مقہور کیا اور یہ لوگ نوگروہ تھے پس آگ نے ان سب کو کھالیا مگر حجیم کہتا ہے کہ تبع حمیری دونوں اسکا قصہ اوپر مذکور ہوا اور قسطنطین کا قصہ شیخ ابن کثیر نے سورہ آل عمران کی تفسیر میں بیان کیا ہے جسکا ترجمہ اُسی مقام پر گزر چکا ہے ولیکن وہاں اسی قدر مذکور ہے کہ جن لوگوں نے حضرت مسیح کو رسول اللہ مانا اور دین توحید منین چھوڑا ان میں سے ایک جماعت کثیر قتل کی اور قصہ یہ ہوا کہ قسطنطین جسکو وہاں کے لوگ (کانستنائین) کہتے ہیں اصل میں یونان و تھسلی وغیرہ کا بادشاہ تھا اُسکی ماں نے دین مسیح علیہ السلام اختیار کیا اور نصاریٰ اُس زمانہ میں بعد مسیح عا کے پراگندہ و پریشان ہو گئے تھے کیونکہ یہودی اُنکے دشمن تھے اور بعض یہودیوں نے مکر سے دین مسیح اختیار کیا اور زہد و عبادت ظاہر کی اور آخر میں مدعی ہوا کہ مسیح پچھلے تین اور انھوں نے یہ حکم دیا اور وہ عقیدہ بتلایا ہے۔ نصاریٰ اُسکے فریب میں آ گئے اور مسیح عا کے حق میں خدائی وہاں کے عقائد اختیار کیے ولیکن ایک گروہ نے جو فی الجملہ عالم تھے اس سے انکار کیا اور نصیحت کی عوام نے دشمن ہکر اُن علماء کو مار ڈالا اور لوگوں میں یہ مشہور ہوا کہ نصاریٰ کا پیشوا خدا کا بیٹا ہے وہ مردے جلاتا اور مادر زاد اندھون کو اچھا کر دیتا اور روح مقدس تھا اور جب دنیا کے لوگوں نے اُسکی بزرگی نہ جانی بلکہ مار ڈالنے کے درپے ہوئے تو خدا نے اپنے بیٹے کو ہماری آنکھوں کے سامنے اپنے پاس بلا لیا اور وعدہ دیا کہ وہ دشمنوں کو بُری طرح سے مقہور کرے گا۔ عوام الناس تو ایسی ہوس کی باتوں پر فریفتہ ہو جاتے ہیں بلکہ شیطان بھی اُنکو ابھارتا ہے جب اُنھوں نے یہ سنا کہ جو کوئی خدا کے بیٹے کو مانے وہ کسی گناہ میں گرفتار نہ ہوگا جو چاہے کرے تو اکثر عوام اس ملت شرک میں داخل ہونے لگے اور یہودی اول تو حضرت عیسیٰ عا سے کفر کر کے کافر ہو چکے تھے اُسپر قتل کے درپے ہوئے اور مدت دراز سے دنیا کے فسق و فجور میں مہمک تھے اور قرون و ٹیلوں و درختوں وغیرہ کو پوجتے پھر کرتے تھے تو دین سے بے نصیب ہو رہے تھے اس حالت میں قسطنطین نے اپنی افواج سے شام پر حملہ کیا اور ملک فتح کر لیا اور ان کی تعلیم سے اُسے بھی دین نصرانی اختیار کیا اور بعض مورخین کہتے ہیں کہ وہ شخص فلاسفہ کے مذہب پر تھا لیکن اس وسیع سلطنت کے استحکام کے واسطے اُسے یہ قصد کیا کہ فرقہ نصاریٰ کو ملاوے جن سے یہودیوں سے عداوت ہے اور اس ترکیب سے اُسے یہودیوں کا زور بالکل توڑ دیا اور نصاریٰ نے اپنے دشمنوں سے خوب عرصہ لیا حتیٰ کہ بیت المقدس کے صخرہ میں جو یہود نے اپنا قبلہ بنایا تھا کوڑا کرکٹ ڈالا اور یہودی عداوت میں خانہ مقدس کے ساتھ اس قدر بھیرستی کی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انکی مذمت فرمائی اور بقولہ تعالیٰ ما کان لہم ان یدخلوا الا حائفین الآیہ۔ پھر قسطنطین نے دیکھا کہ نصرانی خود بہت فرقتے ہیں کوئی مسیح کو خدا کہتا ہے اور کوئی بیٹا کہتا ہے اور اسی طرح مسائل میں اختلافات ہیں اور اکثر انکے علماء مختلف ہیں اور باہم ان فرقوں میں بغض و عداوت ہے تو اُسے یہ ترکیب تجویز کی کہ سب نصاریٰ کو جمع کر کے ایک بات پر متفق کیا جاوے آقصہ اُسے دور دور سے سب کو جمع کر کے عرصہ دراز تک ان میں بحث و مباحثہ جاری رکھا ہر ایک فرقہ اپنے دعوے پر حجت لاتا تھا۔ وہ لاچار ہو گیا اور اُسے حکم دیا کہ تم سب ہمارے حکم سے ایک عقیدہ پر ہر کر دو اور اُنکو دنیاوی مال و دولت و عزت و ثروت کے لالچ دیے خصوص اس مدت میں بھی نصاریٰ نے عمدہ کھانے کھائے اور محل کے ستر پر سوئے تو پہلے جو فقیری کا مہرہ تھا وہ دل سے جاتا رہا اور آخر ان میں سے اکثر نے کہا کہ خدا کا بیٹا کیسے۔ اس سے اکثر علماء کی جماعت نے اختلاف کیا اور کہا کہ یہ تو شرک و کفر ہے اس پر بادشاہ نے غضبناک ہو کر حکم دیا کہ خد قین آگ سے بھری جادین اور جوالنگار کرے اُسکو جلا دو چنانچہ مختلف اقوام کے علماء قریب آٹھ سو کے جلائے گئے اور بہتوں کے اقرار نے ذمہ داری کر کے بچا لیا اور بہتیرے جنگل ویا باؤں میں آوارہ ہو گئے پس جو لوگ جنگلوں میں آوارہ ہوئے تھے یہی دین حق پر تھے اور باقی سب (ابن اللہ) کے شرک میں پڑ گئے۔ پھر قسطنطین نے دیکھا

اُسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے تابع کرے اور رب عزوجل سے دعا مانگے کہ الہی میرے دل کو حق پر مستقیم فرماوے اور جو بات کہ خلاف حکم الہی ظاہر ہو اُسپر اعتقاد نہ کرے مثلاً اصہبان والوں کو یہ نظر آتا تھا کہ میان دیوار بنائے سے نہیں ٹھہرتی ہوا سکو انھوں نے بار بار تجربہ کیا تو انکو یہ گریہ اعتقاد نہ کرنا چاہیے تھا کہ کوئی ولی بزرگ کا بیان تصرف اس خیال کے واسطے انکے پاس شرع نے کوئی دلیل نہیں دی بلکہ محض اپنے تجربہ و قیاس سے یہ خیال بھلا بھڑاسکے واسطے تو ریت و انجیل کی آیتوں سے حجت نکالنے لگے اور نادانین کر کے شریعت کے نصوص سے یہی معنی نکالتے لگے اور بزرگوں کے کلام سے اپنی سمجھ کے معنی بکثرت نکال لیے اور کچھ شک نہیں رکھا بلکہ سب کے نزدیک یہ مسلم ہو گیا کہ اس مقام پر ولی کا تصرف ہو اگر اُس سے کوئی منکر ہوتا تو اسکو اولیاء کی کرامات سے منکر اور گمراہ ہونیکا فتویٰ دینے تھے جب حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے اُس دیوار کی نیوکھد والی نو اصہبانی مشرکوں کے زعم میں بامعظم تھا وہ لوگ کبھی بجز ات نہ کرتے بلکہ اگر کوئی قصد کرتا تو اُس کے کافر ہو جانے کا فتوے دیکر کمال دیتے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی برکت سے حال کھل گیا کہ وہ ان ایک لاش کھڑی ہو اسمین دو احتمال ہیں ایک یہ جسم پورا موجود ہو جیسے زمانہ سابق میں کسی ترکیب و مصالحہ سے ایسا کیا کرتے تھے حتیٰ کہ اس زمانہ تک بہت زمانہ دراز کی لاشیں برآمد ہوئیں چنانچہ فرانس میں پیرس کے عجائب خانہ میں اس قسم کا نشان بیان کیا جاتا ہو واللہ تعالیٰ اعلم اور احتمال دوم یہ کہ اُس لاش کی پڑبان کھڑی ہوں اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہو اور اُس کے پاس جو نوشتہ حاصل ہوا اُس سے یہ معلوم ہوا کہ اس شخص نے احد و مدین لوگوں کو جلا یا تھا اور اُس کے شعر سے یہ بات نکلتی ہے کہ قبیلہ جرہم نے اپنی چال چلن میں ایسی غلطی کی جس سے تباہ ہو گئے اور ان دونوں باتوں کو ملا کر ایسا معلوم ہوتا ہو کہ جب حارث بن مضاض مرہڑی تو جرہم نے اسکو دفن کیا اور اُس کے ساتھ یہ نوشتہ لکھ دیا تاکہ لوگوں کو عبرت ہو کہ اُس نے یہ غلطی کی کہ سرکشی میں ایک قوم کو احد و مدین جلا یا اور اس قسم کے حرکات سے اُس کے دشمن بہت پیدا ہو گئے تھے کہ مخالفین کی جماعت نے قبیلہ خزاعہ سے اتفاق کیا اور سب کے ملکر جرہم سے لڑائی کی آخر کو جرہم مغلوب ہوئے اور مکہ سے نکل جانے پر رضی ہوے واللہ تعالیٰ اعلم بہر حال حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی برکت سے یہ حال کھلا کہ جو شخص دیوار کی نیو میں مدفون جلا آتا تھا وہ ولی صالح نہیں تھا بلکہ صالحین کا دشمن تھا جسکو مدت دوازہ سے یہودی ایک نے لگ سمجھا اُس سے منتیں ملکتے رہے اب اگر یہ سوال ہو کہ پھر اُسپر دیوار کیوں نہیں ٹھہرتی تھی (جواب) اللہ تعالیٰ کے ابراہم اس عالم میں جاری ہیں بے انتہا ہیں کسی بشر کو کمال نہیں کہ انکا ادراک کر سکے کہ بعد موت کے عالم برزخ بے انتہا وسیع ہے اور اس کے معاملات عجیب ہیں حدیث میں معروف ہے کہ قبر باوجود حیات کے باغون سے ایک باغ ہو یا دوزخ کے گردھون میں سے ایک گردھا ہو۔۔۔ پھر اس معرفت حقیقی کے سمجھنے کی لیاقت کسی آنکھ میں نہیں ہو سوائے انبیاء و صدیقین کے تو ہم کو دیوار گر جانے میں کیوں حیرت ہوگی اور کیوں ہم اسکے رہے ہوں لیکن یہ خیال کہ یہ تصرف اس لاش کا تھا تو یہ قطعاً باطل ہو اُس سے کچھ نفع و ضرر حاصل ہونا ممکن نہ تھا اسلئے کہ جب حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے اسکو کھدوا کر پھینک دیا تو کچھ بھی اُس سے نہ ہو سکا پس معلوم ہو گیا کہ خیال تصرف محض باطل ہو واللہ الحمد والمناہ و ہوالعلیٰ الکبیر پھر بیان مقصود یہ کہ حارث بن مضاض نے بھی احد و مدین کے مظلوموں سے عداوت کی تھی اس سے معلوم ہوا کہ یہ احد و مدین پھر اس سے ابن کثیر نے کہا کہ شاید دنیا میں اصحاب الاحد و مدین کا قصہ بارہا واقع ہوا ہو چنانچہ ابن ابی حاتم نے قوی اسناد کے ساتھ عبد الرحمن بن حبیر رحمہ اللہ تابعی سے روایت کی کہ احد و مدین میں تیغ کے زمانہ میں تھی اور قسطنطنیہ میں قسطنطین کے زمانہ میں تھی جب نصاریٰ نے اپنے قبلہ کو حضرت مسیح کے قبلہ کو حید و مدین سے پھیرا ہے اور عراق کی زمین بابل میں تخت نصر کے زمانہ میں تھی جب اُس نے بت بنا کر لوگوں کو اُس کے سجدہ کا حکم دیا تو دنیا والوں نے اُس کے ساتھی عزیر یا دمنسائل نے اس سے انکار کیا پس اُس نے ایک خندق اُگ سے دیکھتی ہوئی بنائی اور اسمین جہت لکڑیاں ڈالیں پھر دونوں صاحبین

انیسؑ ولم یسر بکۃ سامرہ بلی نحن کنا اہلہا فادناہ مصروف الیہابی وادی و العواثر بہد سامر سے مراد یہ کہ کے والے چاندنی راتوں میں جو دریا
 خشک خوشگوار ہوتی ہے جھون سے صفات تک جا بھی جمع کر کے قصہ گوئی و گپ شب کیا کرتے تھے خلاصہ یہ کہ جب جبرہم کو خزانہ نے غلبہ پانے
 کے بعد وہاں سے خارج کیا تو حارث مذکور افسوس کرتا ہے کہ گویا جھون سے صفات تک کوئی انیس کبھی نہ تھا اور نہ مکہ میں سامر کا نشان تھا
 پھر کہتا ہے کہ تھا کیون نہیں ہم ہی لوگ اُس مقام کے عیش کرنے والے تھے پھر ہم کو زمانہ کی گردش نے اور غلغلہ رفتاری نے برباد کر دیا ابن شہام
 نے کہا کہ عرب کے اشعار میں یہ پہلا شعر ہے ابن کثیرؒ نے کہا کہ یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ اخذ و کا قصہ بعد زمانہ اسمعیلؑ کے قریب پانچ سو برس
 کے بعد واقع ہوا اور جو کچھ ابن اسحقؒ نے روایت کیا ہے وہ دلالت کرتا ہے کہ اصحاب اخذ و کا قصہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اور حضرت
 عیسیٰ کے بعد درمیانی زمانہ فترت میں واقع ہوا اور یہی قیاس میں جہتی ہوئی بات نظر آتی ہے وابتد لقابہ اعلم اور احتمال یہ ہے کہ شاید اصحاب اخذ و
 کا واقعہ دنیا میں بار بار واقع ہوا ہو قول یعنی حارث بن مضاض جبرہمی کے وقت میں واقع ہوا ہو اور بعد اُس کے زمانہ فترت میں بھی واقع
 ہوا ہو مترجم کہتا ہے کہ عقل بھی اسکی تائید کرتی ہے اس لیے کہ اصحاب اخذ و کوئی خاص قسم کی پیدائش نہیں ہو بلکہ اُس کے یہ معنی ہیں کہ کسر ظالم
 بے رحم قوم نے جب اپنے ماتحت کسی قوم کو جبراً اپنی رائے پر لانا چاہا اور مغلوب قوم نے اس سے انکار و غلظت کیا کہ ہمارے تمہارے درمیان
 میں بادشاہ و رعیت کا معاملہ دنیا میں جاری ہے ہم تمہاری تابعداری کرتے ہیں ولیکن دین کے اعتقاد میں ہماری رائے دوسری ہے اس سے
 تم کو کچھ بحث نہ کرنا چاہیے اور ظالم نے اسکو منظور نہ کیا سو اے اُس کے اُسی کی تقلید کریں اور جبرہمی سے خدقین کھو دو کہ اُس میں جلا یا تو عقل
 شامد ہو کہ دنیا میں بار بار ایسا واقع ہوا ہو اور اُس کے واسطے روایت بھی موجود ہے لیکن اسکو نقل کرنے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ ابن ابی اللہ
 کے جو قصہ اصہمان و حارث بن مضاض روایت کیا ہے اُسکی توضیح لکھ دوں تاکہ عوام کو اس میں غلطی نہ ہو واضح ہو کہ اصہمان ایک شہر عراق میں
 ہے اور ایک مقام دیار بکر میں ہے روایت میں مذکور ہے کہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ اس دیار کے بچے ایک مرد بزرگ کا مقام ہے۔ تم جانتے
 ہو کہ یہ کون شخص تھا۔ یہ حارث بن مضاض جبرہمی تھا۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے اس دیار کے کافروں نے اپنی رائے کے
 موافق یہ کہا تھا کہ یہاں ایک مرد بزرگ کا مقام ہے اس سے معلوم ہوا کہ اُس دیار کے نصرا بنون و یہودیوں میں بھی یہ بلا پھیل گئی تھی کہ اس قسم
 کے اعتقادات باطل رکھتے تھے اور شہر مذکور میں یہودی و نصرائی دونوں قومیں رہا کرتی تھیں اور جب ان میں فساد پھیلنا تو وحید میں باطل
 عقائد پیدا ہو گئے جیسے ہن ملک میں۔ بعضوں میں یہ خیال ہے کہ فلاں پیر پر شہید رہتے ہیں اور فلاں شیلے پر ولی کا تصرف ہو جتنے کہ ایک مکان
 میں بعضی کو ٹھہری چھوڑ دیتے ہیں اور اُس میں ہمیشہ بار پھول لٹکتے اور ہر جمعرات کو لوہاں سلگاتے ہیں اور وقتاً فوقتاً متعین مانتے ہیں کہ راشید
 میان اگر میرا یہ کام پورا کر دو تو تمہارے نام کی چادر اس درخت پر چڑھاؤں اگر اتفاق سے وہ کام ہو گیا تو ہمارا پھول و چادر خوان میں لگائے ہوئے
 جا جائے ہوئے لائے ہیں اور اُس درخت کی جڑ میں چڑھاتے ہیں۔ اسی قسم کے خیالات اُس زمانہ میں یہود و نصاریٰ کے درمیان مشائخ تھے
 اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہود کو اس سے منع کیا تو اُن سے سخت مخوف ہوئے اور بادشاہ کو پرا فرزندہ کیا کہ یہاں ایک شخص ہے جو بزرگوں
 سے منکر اور دین موسیٰ علیہ السلام کو بگاڑنے والا ہے بادشاہ جاہل نے فوراً گرفتاری و سزا کا حکم جاری کر دیا اور یہودی عالموں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام
 سے مباحثہ کیے اور اپنے آپ کو غالب سمجھے اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ جسے ہدایت کو چھوڑا جس پر پہلے تھے تو انکو جہال دیا جائے (صحیح)
 بدفصلت زبانی تقریر دن کو طول دیتے ہیں اور جس حیلہ و تہذیب سے ممکن ہو حق سے مخوف ہوتے ہیں چنانچہ اسلام میں جو گمراہ فرقے پیدا
 ہوئے سب نے قرآن و حدیث میں بجا نادی میں کر کے جو اپنا اعتقاد ہوا سیکو قائم رکھا حالانکہ ایمان یہ ہے کہ نفس کو درمیان سے خارج کرے بلکہ

نے حکم کے موافق عمل کیا یہ عبداللہ بن التامر رضی اللہ عنہ تھا مترجم کہتا ہے کہ امام ابن کثیرؒ کا خیال یہ ہے کہ امام ترمذیؒ نے جس طرح طفل زسا حرو راہب و بادشاہ کا قصہ روایت کیا ہے وہ باسناد قوی ہے اور اس روایت کے سباق سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ غالباً یہ قصہ خود حضرت صہیبؓ روایت کیا کرتے تھے اور راویوں نے اول قصہ حذف کر کے فقط دوسرا قصہ روایت کیا اور اسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا حالانکہ آنحضرت صلعم کی زبان مبارک سے فقط پیغمبر و اسکی امت کا قصہ ثبوت ہے اور دوسرا قصہ طفل و راہب و بادشاہ و امیہ اللہ ود کا تو اس میں احتمال ہے اگرچہ سند امام احمد و صحیح مسلم و سنن نسائی میں مرفوع ہے لیکن ترمذیؒ کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بقول صہیبؓ ہے اور شاید اصل قصہ اس طرح ہے جس طرح محمد بن اسحاق نے روایت کیا ہے یہ معنی شیخ ابن کثیرؒ کی عبارات میں غور نظر سے ظاہر ہوتے ہیں لیکن مترجم کہتا ہے کہ روایت امام احمد و وغیرہ باسناد جید ہے اور صرف احتمال کی وجہ سے اسکو قول صہیبؓ قرار دینا پسندیدہ نہیں ہے صرف اتنی بات بیشک موجود ہے کہ روایت امام احمد میں بنیاد و معرفت اعلیٰ ہے اور روایت ابن اسحق میں عام فہم ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جو قصہ اخذ و کا روایت امام احمد میں مذکور ہے کہ وہ بخران سے متعلق نہیں ہے بلکہ غالباً وہ مجوسی وغیرہ کفرستان کا واقعہ ہے اور ابن اسحق نے جو قصہ روایت کیا ہے شاید بخران کا واقعہ ہو علاوہ ازیں قصہ مرفوع شاید قوم موسیٰ سے بھی پہلے ہوا اور بخران قصہ حضرت عیسیٰؑ کے بعد واقع ہوا ہے اگر کہو کہ ترمذیؒ کی روایت میں آخر میں آیات کا حوالہ مذکور ہے (جواب) آیت کا حوالہ اس طرح نہیں دیا گیا کہ صہیبؓ نے کہا ہے کہ اسی قصہ کے واسطے یہ آیات نازل ہوئیں بلکہ صہیبؓ نے پانچ کے راوی نے اللہ تعالیٰ کا کلام ذکر کیا یعنی ایسے بے رحم کافر گورے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک قوم اصحاب اخذ و کا ذکر نازل فرمایا۔ اور تحقیق بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ راوی نے بعض واقعات کو بعض دیگر میں ملا دیا ہے کیونکہ اخذ و کے واقعات دنیا میں جا بجا بار بار واقع ہوئے ہیں حتیٰ کہ بعض مورخین نے فرعون کے حالات میں بھی لکھا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد رماہ گزرا اور مصر پر یہ فرعون بادشاہ ہوا جس پر موسیٰ علیہ السلام بھیجے گئے تھے تو اس نے ابتدائے سلطنت میں قبطیوں کو متفق کر کے دین توحید و احکام شریعت سے گردن آنا دیکر نیک انتظام کیا اور دنیاوی شہوت پرست خصوصاً نو نگر و دولت مند لوگ دل سے اسکے خواہشمند ہو کر تے ہیں تو اس نے اعلان کیا کہ دین توحید سے منحرف ہوں اور اس فتنہ میں اس نے اخذ و میں بہت لوگوں کو ملا اور بہت سے بنو اسرائیل مارے گئے آخر قبطیوں نے بنی اسرائیل کو نوڈی غلام بنانے کے لیے رکھ لیا اور سب قبطی منحرف ہو کر فرعون کی خدائی کا کلمہ پڑھنے لگے اور اسی طرح اخذ و کے واقعات باہن وغیرہ میں پیش آئے ہیں ابن کثیرؒ نے لکھا کہ قال عبد اللہ بن محمد بن ابی الدینا محمد بن ابی بلال الاشعری عن ابراہیم بن محمد بن عبد اللہ بن جعفر طیار بن ابی طالب عن بعض اہل العلم الخ یعنی بعض علماء نے بیان کیا کہ جب ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے صوبہ اصبہان فتح کیا تو شہر بنیہ کی ایک دیوار گری پائی ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے اسکو بنوایا وہ پھر گر پڑی پھر دوبار بنوائی پھر گر پڑی تو ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ اس دیوار کے نیچے ایک بزرگ صالح کی جگہ ہے وہ کسی دیوار کو قائم نہیں رہنے دیتا ہے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے دیوار کی نوکھدوائی تو دیکھا کہ ایک مرد کھڑا ہے اور اس کے پاس ایک تلوار ہے اس میں لکھا ہے کہ میں حارث بن مصاض ہوں میں نے اصحاب اخذ و سے عداوت کی ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے اسکو نکال ڈالا اور دیوار بنوائی تو وہ باقی رہی ابن کثیرؒ نے کہا کہ حارث بن مصاض بن عمرو بن مصاض بن عمرو الجرجسی ہے یہ جبریم میں سے آخری بادشاہ کے میں تھا جب انکو خزاہ نے وہاں سے نکل دیا اور جبریم وہ لوگ ہیں جن میں حضرت اسمعیل بن ابراہیم علیہما السلام نے شادی لی یعنی حضرت اسمعیلؑ کی بی بی اسی قوم میں سے تھیں اور جبریم وہ لوگ ہیں جن میں حضرت اسمعیل بن ابراہیم علیہما السلام نے شادی لی۔ اسی نے یہ شعر کہے تھے کہ کان اکین بین الجون الی الصفا اور ثابت بن اسمعیل کے بعد انھیں لوگوں نے خانہ کعبہ کا ستون ہونے لیا۔ اسی نے یہ شعر کہے تھے کہ کان اکین بین الجون الی الصفا

دادا ہوا دمجھے اُس گوہر پاک کا نام مع علامات معلوم ہو عبد المطلب نے سرسجدہ ہو کر شکر حضرت باری تعالیٰ ادا کیا۔ سیف ذی یزن نے فرمایا کہ
ای سردار قریش سجدہ سے سر اٹھا کر میرے مقصود سے مجھے مطلع کرو اور اگر وہ پیدا ہوے ہیں تو مجھے حالات بیان کرو عبد المطلب نے فرمایا کہ میں
کچھ عرض نہیں کر سکتا سوائے اسکے کہ میرا فرزند عبد اللہ مجھے بہت محبوب تھا اُس نے انتقال کیا اور ایک فرزند یتیم حمیدہ و خصال بنام محمد جو اسم
باسمی ہو یا دعا کر چھوڑا ہو اور بعض واقعات نادرہ جو وقت ولادت باسعادت ظہور میں آئے تھے بیان فرمائے اور کہا کہ میں جس فرزند کا جد دادا
ہوں وہ تو میرا نور دیدہ ہی یتیم ہو آئندہ رب کعبہ کو معلوم ہو کہ کیا ظہور ہو سیف نے یکایک چونک کر کہا کہ ای عبد المطلب واللہ وہ ہی اور یتیم ہے
اور اسی کی پشت مبارک پر مہربوت ختم ہوگی اور جب عبد المطلب نے اس معاملہ میں عجز و مسکنت کے علامات بیان کیے سیف نے انکو مطابق پاکر
عبد المطلب کو بشارت دی کہ غقریب کلمہ محمدی سے تمام عالم منور ہوگا اور اکثر علامات خود بیان کیے جو حضرت محمد صلعم میں موجود تھے۔ چونکہ قریش
میں زمانہ دراز گزرنے سے نبوت الکیہ کے معنی بھی مٹ گئے تھے عبد المطلب حیرت کے ساتھ سنتے رہے سیف نے وصیت کی کہ اس گوہر دریا سے
عظمت و کمال کو یہود و نصیبت سے محفوظ رکھے جو اسکے دشمن ہیں بلکہ اس زمانہ میں راہ حق مسدود ہو اور سب گروہ ضلالت اُسکے ساتھ شیطانی
عداوت میں متفق ہیں اور کہا کہ کلمہ محمدی مقام ہجرت یعنی یثرب سے بلند ہوگا اور مجھے یقین ہو کہ میری برادری دالے اُسکے انصار ہونگے اور مجھے
امید نہیں کہ میں اُس گوہر نایاب بحر رحمت کا زمانہ دعوت پاؤں ورنہ لشکروں کو مرتب کر کے یثرب (مدینہ) میں مترصد قدم اشرفی اعلیٰ
رہتا۔ پھر صنایہ قریش کو طلب کر کے ہر ایک کو دس غلام و دس لونڈیاں اور پانچ رطل سونا اور دس رطل چاندی اور ایک طرف عنبر اور ستلو
اونٹ انعام دیے اور اسکے بعد جب قدر سب کو دیا تھا اُس مجموعہ کو عبد المطلب کے واسطے انعام فرمایا اور تاج سرداری زیب سر کر کے التماس کیا
کہ سال آئندہ میں بھی موسم سرما میں جانب صنعا و ذم رنجہ فرماؤں اور جو علامات میں سے استفسار کیے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
میں غور نظر ہے دیکھ کر مجھے مطلع فرماؤں کہ دل مطمئن ہو اور ہر سال اسی طریقہ کو مستمر رکھیں تاکہ شاید آرزو سے خاطر حاصل ہو۔ عبد المطلب مع
رفقائے قریش کے جانب وطن راہی ہوئے اور بادشاہ کی نوازش سے خوش و خرم تھے قریش نے قبل اسکے ابرہہ و اصحاب الفیل کے معاملہ
میں عبد المطلب کی لیاقت دیکھی اور اب بادشاہ سیف کے دربار میں عزت و احترام ملاحظہ کیا تو انکی سرداری اپنے اوپر باعث نفرت و غرت
دیکھی و لیکن عبد المطلب نے گفتگو سے راز سرسبتہ سے جو بادشاہ نے اخفا کے ساتھ بیان کیا تھا کسی سے کچھ نہیں کہا اور یہاں وطن پہونچ کر
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں ملتہمزوت وغیرہ کے جو نشانات بادشاہ نے دریافت کیے اور خود بیان کیے تھے سب مطابق پائے اور ہنوز دوسرا
سال نہ آنے پایا تھا کہ یکایک جانب صنعا سے خبر آئی کہ بادشاہ نجبہ شیم سیف ذی یزن نے اس دار محنت سے اصلی وطن کی جانب کوچ کیا
لہذا یہ معاملہ اسی حد تک طو ہو گیا بلکہ اسی کے چند روز بعد عبد المطلب نے بھی سفر آخرت اختیار کیا البقیہ عبارت محمد بن اسحق و قصہ
اصحاب الاخذ ووا ابن اسحق نے لکھا کہ مجھے عبد اللہ بن ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم نے حدیث بیان کی کہ حضرت عمر بن الخطاب
رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بخراہون میں سے ایک شخص نے اپنا کھنڈل اپنے مطلب کے واسطے کھودا مثلاً مکانات بنائے وغیرہ کے
لیے اتفاق سے ایک مقام پر ایک قبر کھل گئی اور نظر آیا کہ ایک شخص بیٹھا ہو اور اپنا ہاتھ اپنے سر کے زخم خفیف رکھے ہوئے ہو جب
دیان سے اُسکا ہاتھ اٹھا باجانا ہو تو خون اُبلنے لگتا ہو اور جب اسکا ہاتھ چھوڑ دیا جاتا ہو تو ہاتھ خود اُسی مقام زخم پر چلا جاتا ہو اور خون بند
ہو نہ ہو اور اُسکے ہاتھ میں لوہے کی ایک انگلی ہو جس میں یہ لکھا ہو (ربی اللہ) میرا رب اللہ تعالیٰ ہے وہاں کے عامل نے یہ حال حضرت
خلیفہ برحق عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا آپ نے جواب لکھا کہ اُسکو بدستور اُسی حالت پر چھوڑ دو اور صلیح بند تھا اُسی طرح بند کردان لوگوں

کی تقلید کی تو اللہ تعالیٰ نے فوج حیر کو باوجود قلت کے غلبہ دیا۔ ارباب تواضع لکھتے ہیں کہ سیف ذی یزن نے دین نصرائیت اختیار کرنے کے بعد جو واقعات و حالات آئندہ کے حضرت خاتم الانبیاء علیہ السلام کے زمان نبوت و رسالت سے معلوم کیے تھے وہ اصلی طور پر محفوظ رکھے اور دیگر نصاریٰ اپنی نادانی سے انہیں تحریف کر کے یہ جانتے تھے کہ انہوں نے جو عقیدہ نکالا ہے کہ مسیح ابن اللہ ہے اور اب کوئی پیغمبر نہ ہوگا اس کے موافق بنا دیں اور اسی بنیاد پر بادشاہ ابرہہ نے چاہا تھا کہ خانہ کعبہ کو ہندم کر کے متادے اور مین میں جو اپنے گرجا گھر بنا یا تھا اسکو مسیح کے نام کا کعبہ بنا دے اور اس جیلہ سے تمام واقعات کو بنام مسیح مطابق کرے یہ سراسر حماقت تھی کہ جو امر بڑا تقدیر سے منکشف ہو چکا اور ضرور ہونے والا ہو اسکو اپنی ہوسات سے مٹانا کس کی مجال ہو سیف ذی یزن نے اصلی حالت کو علوم سابقہ و بشارات حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے محفوظ رکھا چنانچہ جب تخت سلطنت پر بیٹھن ہوا تو دور دور سے قبائل و عشائر نے ہم تنیت بارگاہ بادشاہ کا قصد کیا اور اہل مدینہ بھی بادشاہ کے جدی قرابتی تھے کیونکہ یہ سب اہل مین تھے جو میل العرم کے زمانہ مین میں چھوڑ کر بیان چلے آئے تھے چنانچہ سورۃ السبا کی تفسیر مین مفصل گزر چکا ہے اور بادشاہ کی مان اور حضرت عبد المطلب کی مان دونوں بہنیں تھیں اور قریش کی روزی بھی یا مہ دین سے اور تجارت شام سے حاصل ہوتی تھی ان وجہ سے قریش و عبد المطلب بھی بادشاہ کی مبارکباد کا قصد کیا۔ علامہ قشیری مین سے عبد المطلب بن ہاشم اور وہب بن عبد مناف وامیہ بن عبد الشمس و طلحہ بن خویلد و عبد اللہ بن جدعان وغیرہ تھے یہ سب منازل طوکری کے شہر صنعا مین پہونچے اور گر دراہ سے صاف ہو کر قصر عمران کا قصد کیا۔ حاجب نے انکو بادشاہ کی خدمت مین حاضر کیا۔ عبد المطلب نے اجازت چاہی کہ کلام کریں۔ بادشاہ نے کہا کہ اگر ادب شاہی کے موافق کلام کریںگی لیاقت ہو تو کچھ مضائقہ نہیں ہو۔ عبد المطلب نے بہت خوش تقریر سے بادشاہ کو تخت آباد و اجراء پر جلوس کی مبارکباد دی اور اپنے ساتھیوں کے فضائل ایسی بلاغت سے بیان کیے کہ بادشاہ کی مجلس والے متحیر رہ گئے بادشاہ نے انکی دانائی سے متعجب ہو کر نسب دریافت کیا۔ عبد المطلب نے سب اپنا نسب عرض کیا تو بادشاہ نے خوش ہو کر بہت مہربانی کے ساتھ کہا کہ آپ ہمارے خال زاد بھائی ہیں کہتے ہیں کہ اسکے یہ معنی تھے کہ بنو النجار جو انصار کے قبیلہ مین سے اشرف خاندانہ ہو اسی خاندان مین سے بادشاہ کی مان بھی تھی اور بادشاہ نے ایک مینیٹ تک ان لوگوں کو انواع مرحمت کے ساتھ مہمان رکھا اور درمیان مین ملاقات کی اجازت بھی نہ دی تاکہ رخصت نہوں جب استقدردت گزرتی تو ایک روز فقط عبد المطلب کو مجلس خاص بلکہ خلوت مین طلب کر کے فرمایا کہ مجھے علوم سابقہ سے یہ علم حاصل ہوا کہ اشرف خاندان عرب سے جو نسل ابراہیم علیہ السلام ہے ایک پاکیزہ گوہر معدن رسالت نمودار کر گیا اور میرا خیال بدرجہ یقین پہونچتا ہے کہ وہ تم ہی ہو جسکے چہرے سے اُس نور کا ظہور ہی مرکز تم اس راز سے کسی کو آگاہ نہ کیجو کہ دشمن درپے ظہور کر گیا اور میرا خیال بدرجہ یقین پہونچتا ہے کہ وہ تم ہی ہو جسکے چہرے سے اُس نور کا ظہور ہی مرکز تم اس راز سے کسی کو آگاہ نہ کیجو کہ دشمن درپے ظہور کر گیا اور میرا خیال بدرجہ یقین پہونچتا ہے کہ وہ تم ہی ہو جسکے چہرے سے اُس نور کا ظہور ہی مرکز تم اس راز سے کسی کو آگاہ نہ کیجو کہ دشمن درپے ظہور کر گیا اور میرا خیال بدرجہ یقین پہونچتا ہے کہ وہ تم ہی ہو جسکے چہرے سے اُس نور کا ظہور ہی مرکز تم اس راز سے کسی کو آگاہ نہ کیجو کہ دشمن درپے

یہ ہے کہ ہمارے اور تیرے بادشاہوں میں جدال و قتال پھیل جاوے اگر تو ہوشیاری رکھتا ہو تو تیرے واسطے ہی بہتر ہے کہ اس خام خیالی کو چھوڑ دے اور اس صورت میں ہماری طرف سے تنگدستی اور تیرے ساتھیوں کو کچھ اذیت لاحق نہوگی بلکہ میں زاد راہ اور ساز و سامان سفر سے تیری مدد کروں گا اور اپنی طرف سے انعام بھی حسبِ لیاقت ارسال کروں گا اور اگر تیرا جی چاہے کہ یہاں میرے سایہ عاطفت میں بسر کرے تو فارس سے زیادہ حرمت و عزت کے ساتھ اپنے بیان کیلئے نکال دیا جائے گا جب قاصد نے مسروق کا پیام ہر فرس سالار کو پہنچا یا تو ہر فرس بحر حیرت میں متفکر ہو گیا اور بعد غور کے اُسے بادشاہ مسروق کا شکریہ ادا کیا اور کہلا بھیجا کہ ایک مہینہ کی مہلت عطا ہوتا کہ جو کچھ ارشاد ہوا ہو اس میں سے مناسب حال طریقہ اختیار کروں مسروق نے اسکو منظور کیا اور اپنی خودی میں مغرور ہو گیا اس ایک ماہ کے عرصہ میں بہت سے بہادر قوم حمیر کے سیف کے ساتھ مل گئے اور مسروق نے ایک ماہ کی مدت پر سختی کی اور تکبر و غرور سے دھکی دی اور آخر لڑائی ٹھن گئی۔ مسروق بن ابیہر نے دس ہزار فوج سے اپنے بیٹے کو مخالفوں سے لڑنے بھیجا ادھر سے ہر فرس نے بھی اپنے بیٹے کو دس ہزار فوج کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے نکالا۔ حبش نے غرور و مستی میں حملہ کیا اور عجم نے تیروں کی پوچھار سے بکثرت سوار خاک خواری پر گرا دیے اور حبشہ نے شدت کارزار سے گھبرا کر فرار اختیار کیا اور اس ادبار میں مسروق کا بیٹا بھی مارا گیا اور اتفاق سے ہر فرس کے بیٹے نے بھاگے ہوئے لوگوں کا تعاقب کیا وہ بھی مارا گیا۔ شاہ مسروق نے جب سنا کہ شاہنژادہ مارا گیا تو آہ دردناک کھینچی اور غیظ و غضب میں آکر تنوہزار سوار لیکر مخالفوں پر حملہ آور ہوا۔ ادھر ہر فرس نے بھی مردانہ ہمت کے ساتھ اپنی فوج کی دلہری کی اور اُسے کہا کہ عزت کے ساتھ مرنا بہتر ہے نسبت اس کے کہ ذلت کے ساتھ بھاگ کر قید خانہ میں جاؤ اور پہلوان ہر فرس نے کشنیوں میں آگ لگا دی تاکہ بھاگنے کی جانب فوج کا خیال نہ رہے اور بقیہ پانچ ہزار حمیری اور چھوٹے عجمی لیکر مسروق کے مقابل صف آرا ہوا اور ہر فرس کی آنکھ میں ضعف تھا اس لیے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ مسروق کہاں ہو انہوں نے دور سے دکھلایا کہ وہ ہاتھی پر سوار ہے اور تاج سر پر ہے اور تاج میں خوشترنگ باقوت چمکتا ہے۔ ہر فرس نے دور سے باقوت کی چمک دیکھی اور فرمایا کہ ہاتھی بزرگ سواری ہے ابھی نامل کرنا چاہیے اور فوج کو ہمت دلائی کہ مردانہ ہو کر دشمنوں کو دفع کرتے رہو۔ تھوڑی دیر کے بعد مسروق نے ہاتھی چھوڑ کر گھوڑا اختیار کیا ہر فرس نے کہا کہ گھوڑا بھی عزت کی سواری ہے کچھ دیر نامل کرو۔ کچھ دیر کے بعد مسروق نے گھوڑا چھوڑ کر اونٹ اختیار کیا اور ہر فرس نے کہا کہ اب تیرا کمان مجھے دو کہ یہ وقت ہے اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تیر کو باقوت کے مقابلے میں ٹھیک کر دو اور دوسرا تیر میاں رکھو جب میں تیر ماروں تو غور کرنا کہ اگر حبشہ ایکبارگی بادشاہ مسروق کے گرد ہو جا دیں تو سمجھنا کہ تیر کا گر ہوا اور اگر ایسا نہ ہو تو فوراً دوسرا تیر مجھے دنیا یہ کہہ کر پر زور کمان سے تیر مارا اور لشکر حبشہ میں ایکبارگی ہل چلی عجمی اور مسروق کے دماغ میں تیر بیٹھ گیا اور غرور سے باہر نکل آیا سیف و ہر فرس نے یہ حال معلوم کر کے فوج کو یکبارگی تلوار کھینچ کر حملہ کا حکم دیا اور سبے بلائے ناگمانی کی طرح حبشہ پر ہجوم کیا حبشہ اپنے بادشاہ کے اسطرح کشتہ ہونے سے مدہوش تھے کہ حمیرون نے اُن پر تلواروں کے وار کرنا شروع کئے۔ آخر حبشہ جی چھوڑ کر بھاگے اور قوم میں نے دل توڑ کر بافراط جی قتل کر ڈالے اور سیف ذی یزن نے مظفر و منصور ہو کر شہر صنعاء کا قصد کیا جو میں کا دار السلطنت تھا اور فوج فوج قبائل و عشائر نے ساتھ دیا اور بادشاہ نے قصر عیدان میں تخت آباد اجداد پر جلو س کیا قصر عیدان اُس زمانہ میں دنیا کے منتخب غارات میں شمار کیا جاتا تھا تنبیہ جب تک قوم میں وغیرہ نے کفر اختیار کیا تھا اور حضرت عیسیٰ کی امتیوں کو جو اس وقت دین حق پر تھے بے رحمی سے قتل کیا حتیٰ کہ ایک روایت میں مبین ہزار خیرانی خندقون میں جلائے اور ایک روایت میں ہزار قتل کیے اس وقت اللہ تعالیٰ نے فوج حبشہ کو اُن پر غالب کیا اور جب ان حبشہ نے دین نصرانی میں شرک و فساد مایا اور نصاریٰ شام

اور دریافت کیا تو سیف نے کہا کہ میں عرب کا مظلوم شخص ہوں۔ کسری غصہ ہوا کہ ابھی تو نے نہیں کہا تھا کہ میں بین کا بادشاہ ہوں سیف نے کہا کہ حضور سچ ہی میں جب تک باہر تھا تو بادشاہ تھا اور اب بادشاہ کے سامنے میں ایک خدمتہ ہوں۔ کسری نے یہ جواب بہت پسند کیا اور مددی ابن کثیر نے لکھا کہ سات سو کے قریب قیدی رہا کر کے ساتھ کر دیے سیف انھیں کی مدد سے بین فتح کر لیا اور سورہ اصحاب الفیل کی تفسیر میں انشاء اللہ تعالیٰ کچھ بیان آویگا (رح) مقرر حکم کہتا ہو کہ میں میان خلاصہ بیان کرتا ہوں لیکن دوسری تواریخ سے تاکہ وہاں جو کچھ شیخ لکھینگے اُس سے مطابقت کر لی جائیگی۔ واضح ہو کہ جب نصار اے حبش نے بین پر تسلط پایا تو اہل بین انکی حکومت میں نصرانی ہو گئے اور سیف ذی یزن نے ہی دین اختیار کیا اور اہل بین سیف ذی یزن کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا کرتے کیونکہ وہ حمیر کے شاہی خاندان سے تھا جو نصار اے حبش کے تسلط سے پہلے انکے بادشاہ تھے سیف کی بی بی اُس زمانہ میں اپنی خوبصورتی میں ضرب المثل تھی ابرہہ نے جو حبش کی طرف سے حاکم بین تھا یہ طمع کی کہ کسی طرح سیف سے اس عورت کو لینا چاہیے اور اس حبشی سیاہ نے اس مابتاب کو اپنے کسوف میں لانا چاہا اس خیال سے سیف کو قتل سے ڈرایا آخر لاچار بغیر قوت بازو کے سیف نے اُس عورت سے کنارہ کیا اور غم و غصہ میں جا کر قیصر روم کے دربار شام میں فریاد کی نصرا بنوں میں اُس وقت ایسے حرکات معمولی باتیں قیصر نے کچھ خیال نہ کیا اور سیف نے بابوس ہو کر بادشاہ فارس کی درگاہ میں فریاد کی کسری نے بھی دوجہ سے توجہ نہ کی اول تو کسری آتش پرستی کی ملت رکھتا تھا اور سیف نے ملت نصاریٰ اختیار کی تھی دوم یہ کہ فارس سے بین تک فاصلہ دراز اور دیسیان میں بیابان ریگ حائل تو فوجی جدال و قتال میں جان و مال تلف کرنے کے سواے ریگستان میں سے کیا حاصل تھا لیکن اسی چند روز میں کسری نے انتقال کیا اور نو شیردان جو عادل مشہور ہی بادشاہ ہوا تو سیف نے اُسکی ملازمت اختیار کی اور اپنے حال پر طلال سے اسکو آگاہ کیا پہلے تو نو شیردان نے بھی بعض وجوہ کا خیال کر کے طرح دی اور آخر ترحم کر کے یہ اسے قرار دی کہ جو لوگ مختلف جرائم میں قید ہیں انکو رہا کر کے سیف کے ساتھ کیا جاوے تاکہ وہ لوگ اپنی قسمت کا فیصلہ کریں اور قید خانہ میں جان دینے کے بہ نسبت میدان میں بھی لوگ لڑیں تاکہ اگر فتح پاویں تو سیف کے قبضہ میں بعزت و حرمت زندگانی کریں یہ لوگ چھ سو کے قریب بچے اور بادشاہ نے اپنے سپہ سالاروں میں سے ایک بوڑھے شخص کو جو بیکاری کی حد میں داخل تھا اس دستہ فوج کا سپہ سالار کر کے سیف کے ساتھ روانہ کیا سپہ سالار کا نام ہرن تھا اور بن تیر اندازی میں بے نظیر وقت تھا بادشاہ نے یہ سوچ لیا کہ اگر حبشہ کی فوج سے ان قیدیوں نے شکست کھائی تو بھی شاہی شان میں کچھ سبکی نہ ہوگی اور حکم دیا کہ خشکی و بیابان دراز کا راستہ چھوڑ کر تری کے راستہ سے متوجہ بین ہوں اور ہر حال میں سیف ذی یزن کے مطیع رہیں اور چھ کشتیاں عنایت فرمائیں ہر کشتی میں سو آدمی تھے۔ چند روز کے بعد یہ کشتیاں ساحل میں پہنچیں سلامت ترین اور ہرن سیف نے ساحل کے قریب مقام مناسب اختیار کر کے لشکر گاہ بنائی تاکہ خشکی سفر سے آرام و قوت حاصل ہو اُس نواح کے قبائل و عشائر نے جب حال معلوم کیا تو جماعت کثیر ان بہادروں کی سیف کی مدد کے لیے آمادہ ہو کر شامل فوج ہو گئی اُس زمانہ میں ابرہہ بن خاند کعبہ کی چڑھائی سے مردود ہو کر واصل حنیم ہو چکا تھا لغو ذوالنہ من سودا خاتمہ۔ ابرہہ کا بیٹا مسروق بن ابرہہ بین پر حاکم تھا رفتہ رفتہ اُسکو اس حالت سے کچھ آگاہی ہوئی اور اُس نے بیچ و تاب کھا کر ہرن سپہ سالار کو پیام بھیجا کہ اس شخص سیف نے مجھے اور میرے بادشاہ کو قریب دیا ہے اور مٹی بھر آدمی میرے مقابلے کے لیے لایا ہے اگر تجھے میری فوج کی قوت و کثرت معلوم ہو تو سبیت سے تیرے ہاتھ کسب ہو جاویں اور کمان چھینک کر تو میری رکاب کو پوسہ دے اور مجھے شرم آتی ہو کہ تیرے مقابلے میں فوج لاؤں اور شاہی اس شخص مشہور طلب

میں داخل ہوتا تو جو کوئی بیمار اُس کے سامنے آتا تھا اُس سے کہتا کہ اے بندہ خدا اگر تو اللہ تعالیٰ کو وحدہ لا شریک مانے اور میرے ساتھ دین توحید میں داخل ہو تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں وہ تجھے اس بیماری سے نجات و شفا عطا فرماوے وہ قبول کرتا اور یہ دعا کرتا تو اللہ تعالیٰ اُسکو شفا عنایت فرماتا تھا حتیٰ کہ بخران میں کوئی اندھا کوڑھی بیمار باقی نہ رہا جو اسکے پاس نہ آیا اور جب وہ دین توحید میں داخل ہوا تو اسکی دعا سے اللہ تعالیٰ نے اُسکو شفا عنایت فرمائی اور حقیقت میں یہ سب سامان تھے تاکہ وہ معاملہ ظہور ہو جو اللہ تعالیٰ نے آخر ظاہر فرمایا ہے اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ اسکا شہر بادشاہ بخران نے سنا اُس نے اس لڑکے کو بلا کر کہا کہ تو نے میرے شہر والوں کو خراب کیا اور میرے باپ دادا کے دین سے منحرف ہو گیا میں تجھے قتل کروں گا عبد اللہ بن التامر نے کہا کہ تجھے یہ قدرت نہیں ہی پس بادشاہ مذکور اُسکو بھیجتا کہ بلند پہاڑ پر سے گرا دین اور لوگ اُسکو گراتے تو وہ اچھا خاصہ نندرست چلا آتا اُسکو کچھ ضرر لاحق نہ ہوتا پھر وہ اُسکو بخران کی بحیرون میں غرق کرنا جہاں ہر چیز غرق سے نہیں بچتی تھی لیکن یہ لڑکا صحیح سالم نکل آتا تھا آخر بادشاہ مذکور عاجز ہو گیا بلکہ ڈر گیا تو عبد اللہ بن التامر نے کہا کہ اللہ تو مجھے نہیں قتل کر سکتا جو جب تک تو بھی اُس رب پر ایمان نہ لاوے جس پر میں ایمان لایا ہوں پھر اگر تو اللہ تعالیٰ کی توحید کرے تو البتہ میرے قتل پر مسلط ہو گا پس بادشاہ مذکور نے عبد اللہ بن التامر کی طرح اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر گواہی دی اور اپنی ہاتھ کی لکڑی سے عبد اللہ بن تامر کو مارا وہ زخم کچھ کاری نہ تھا لیکن عبد اللہ بن التامر نے انتقال کیا اور بادشاہ مذکور بھی اُسی وقت مر گیا اور بخران کے سب لوگ عبد اللہ بن التامر کے دین پر متفق ہو گئے اور یہ دین عیسیٰ علیہ السلام تھا لیکن آئندہ زمانہ میں بخران بھی اُسی شرک میں پڑ گئے جیسے دیگر نصرانی گہڑے۔ پس اس باعث سے اصل دین عیسیٰ صوبہ بخران میں آیا تھا ابن اسحق نے کہا کہ یہ محمد بن کعب القرظی کا بیان ہے اور یہی بعض بخرانوں کا بیان ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اصل واقعہ کیونکر ہوا تھا ابن اسحق نے کہا کہ جب ذونواس یہودی نے سنا تو وہ اپنا لشکر لیکر بخران پر چڑھ آیا اور بخرانوں کو یہودیت اختیار کرنے پر مجبور کیا انھوں نے نہ مانا تو اُس نے خندقیں کھود کر آگ سے بھر دیں اور بہت لوگوں کو آگ میں جلا یا اور بہتوں کو تلوار سے بُری طرح قتل کرنا چاہی اُس نے قریب بیس ہزار کے بخران قتل کیے اور اسی ذونواس وغیرہ کے حق میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا قتل اصحاب الاخذ والیٰ قولہ تعالیٰ واللہ علی کل شئ شہید۔ محمد بن اسحق نے کتاب السیر میں اسی طرح ذکر کیا جو جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جسے اصحاب الاخذ کو قتل کیا وہ ذونواس حمیری تھا اور اسکا نام زرعه تھا جب بادشاہ ہوا تو اسکا نام یوسف رکھا گیا اُس کے باپ کا نام فتاح سعد بن کرب ہے اور یہی وہ تیغ ہے جسے مدینے پر فوج کشی کی اور یہ یہودیوں عالموں کے کہنے سے وہاں کے لوگوں کے ساتھ احسان کیا اور دونوں کو اپنے ساتھ لایا اور خانہ کعبہ کو لباس پہنایا اور انھیں دونوں یہود کے ہاتھ پر جو لوگ یمن کے یہودی ہیں وہ یہودی ہوئے تھے چنانچہ اُسکو محمد بن اسحق نے تشریح کے ساتھ بیان کیا ہے پس ذونواس تیغ حمیری نے ایک روز بیس ہزار قتل کیے ان میں سے کوئی بھی نہیں بچا سواے ایک شخص کے جسکا نام دؤس ذو قنبلان تھا کہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگا اور حمیریوں نے اُس کے پیچھے تعاقب کیا لیکن وہ ہاتھ نہیں آیا بلکہ بچ کر شام میں قیصر کے پاس پہنچا اور اُس سے یہ حال بیان کیا تو قیصر نے بادشاہ حبشہ کو لکھا اُس نے دؤس مذکور کے ساتھ نصارائے حبش کا ایک لشکر بھیجا جسکا سردار رباط وابرہہ تھا انھوں نے یمن کو یہود کے ہاتھ سے چھین لیا اور ذونواس بھاگتا ہوا دریا میں غرق ہو گیا اور اُس وقت سے ستر برس تک یمن پر نصارائے حبش کی عملداری رہی پھر سیف بن ذی یزن نے جا کر کسری بادشاہ فارس کے دربار میں فریاد کی مگر چم کتا ہے کہ مورخین نے لکھا ہے کہ کسری سے مذاقات نہیں حاصل ہوتی تھی تو سیف نے دربان سے کہا کہ بادشاہ سے اطلاع کر دے کہ عرب یمن کا بادشاہ آیا ہے۔ کسری نے اندر بلا لیا

حسن غریب ہو ترجمہ کرتا ہو یعنی عبدالرزاق عن معمر کے طریق سے غریب ہو ورنہ عفان عن حماد بن سلمہ کے طریق سے اکثر روایت کیا ابن کثیر نے کہا کہ روایت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو خود بیان فرمایا ہے اور ہمارے شیخ استاذ حافظ ابوالحجاج حنفی نے کہا کہ شاید یہ صہیب رضی اللہ عنہ کا بیان ہو کیونکہ صہیب رضی اللہ عنہ کو نصیرانوں کے اخبارات کا علم تھا مترجم کہتا ہے کہ روایت میں اسطرح واقع ہوا کہ در راوی نے کہا کہ جب یہ بات بیان کرتے تو ساتھ ہی دوسری بات بھی بیان کرتے (اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ راوی سے مراد صہیب رضی اللہ عنہ لیے جاوین تو یہ معنی ہونگے کہ صہیب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب آنحضرت صلعم ایک پیغمبر کی امت کا قصہ بیان کرتے تو ساتھ ہی اس طفل و اصحاب اشدود کا قصہ بیان کرتے اس صورت میں یہ قصہ بھی بزبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا لیکن آخر میں نہیں بنتا ہو جہاں یہ کہا کہ (پھر بیان کیا جاتا ہو کہ وہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں نکالا گیا تھا) کیونکہ صہیب رضی اللہ عنہ خود صحابی ہیں وہ اسطرح بیان کرتے کہ پھر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں وہ نکالا گیا تھا۔ پس یہ کلام عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کا معلوم ہوتا ہو تو اوپر بھی دوسرا احتمال یہ ہوا کہ راوی سے مراد وہی ہیں اور مطلب یہ کہ عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ نے کہا کہ جب صہیبؓ یہ قصہ بیان کرتے تو دوسرا قصہ بھی اسکے ساتھ بیان کیا کرتے تھے اور اس صورت میں آیت کے نزول کا بیان خود صہیبؓ کی تاویل ہوگی کیونکہ عفان عن حماد بن سلمہ کے طریق سے یہی قصہ مذکور ہوا اُس میں آیات کا ذکر نہیں ہوا اور واضح ہو کہ صہیب رضی اللہ عنہ اہل میں عرب ہیں اور قبیلہ تمر بن قاسط میں سے ہیں لیکن رومیوں نے پچھن میں انکو گرفتار کر لیا تھا تو انھیں کی زبان سیکھ گئے اور عربی زبان میں عرب کے لب و لہجہ تھا حافظ ابن کثیر نے لکھا کہ محمد بن اسحق تابعی نے کتاب السیرۃ میں اس قصہ کو دوسرے سیاق کے ساتھ وارد کیا ہو فقال حدثنی یزید بن زیاد عن محمد بن کعب القرظی وقال حدثنی بعض اہل بخران عن اہل بخران ايضا۔ دونوں طریق سے بیان یہ کہ بخران کے لوگ پہلے بُت پرست تھے اور بخران بڑا قریہ تھا اور اُس کے نواح میں دیہات آباد تھے تو قریب کے ایک گاؤں میں ایک ساحر رہتا تھا وہ بخران والوں کے لڑکوں کو جادو سکھایا کرتا تھا اور بخران والے اپنے لڑکوں کو سحر سکھنے اُس کے پاس بھیجا کرتے تھے پھر جس گاؤں میں ساحر رہتا تھا اسکے اور بخران کے بیچ میں ایک راہب اُترا اور جنگل میں غار کے قریب اپنا خیمہ گاڑا اور وہ ب بن مندبہ نے مجھے بیان کیا کہ اُسکا نام فیمون تھا پھر تامر نے اپنے فرزند عبداللہ بن تامر کو بخران لڑکوں کے ساتھ میں ساحر کے پاس سحر سکھنے روانہ کیا یہ لڑکا جب راہب کے خیمہ کے پاس گذرنا تو اُسکی عبادت و نماز دیکھ کر تعجب کرتا اور اسکو پسند آئی آخر عبداللہ بن تامر نے اُس کے پاس بیٹھنا شروع کیا اور اُس سے باتیں سنا کرتا تھا یہاں تک کہ مسلمان ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر عبادت کرنے لگا اور اُس سے دین اسلام کے شرائط دریافت کرنا تھا یہاں تک کہ دین میں سمجھدار ہو گیا پھر اُس نے راہب سے اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم دریافت کرنا شروع کیا اور راہب اسکو جانتا تھا و لیکن راہب نے چھپایا اور کہا کہ امی فرزند تو اسکو برداشت نہیں کر سکیگا تو کمزور ہے اور عبداللہ کا باپ تامر بھی جانتا تھا کہ میرا بیٹا سحر سکھنے جایا کرتا ہو جب عبداللہ نے دیکھا کہ راہب نے اُسکو اسم اعظم نہیں بتلایا تو اُس نے بہت سے پیالے جمع کئے اور جہاں تک اسکو اللہ تعالیٰ کے نام معلوم تھے اُسے ہر نام پاک کو ایک ایک پیالہ پر لکھا اور آگ روشن کر کے ہر پیالہ آگ میں ڈالا یہاں تک کہ ایک پیالہ کی نوبت آئی تو پیالہ ٹکڑا یا اور اسکو آگ سے کچھ ضرر نہ ہو چکا اُس نے وہ پیالہ لے لیا اور راہب کے پاس حاضر ہو کر اُس سے کہا کہ میں نے اسم اعظم جان لیا اُس نے پوچھا تو پیالے والا اسم پاک بیان کیا اُس نے تعجب کیا اور کہا کہ تو نے کیسے جانا اُس نے پیالے کا قصہ بیان کیا راہب نے کہا کہ امی فرزند بیشک تجھے معلوم ہو گیا ہے لیکن اپنے نفس کو روکے رہنا اور میرا گمان یہ ہو کہ تو نہیں روک سکیگا۔ پھر عبداللہ بن التمار جب بخران

الہی جسطح چاہے انکو مجھے کفایت فرما۔ پس ایک بار گی مہاڑنے ہلا کر ان لوگوں کو زمین پر پٹک دیا اور وہ نوجوان لڑکا اسی طرح سخت چلا آیا اور بادشاہ کے پاس حاضر ہوا (مترجم کہتا ہو کہ سیاق قصہ دلالت کرتا ہو کہ یہ لڑکا بادشاہ کا بیٹا یا اسکے خاندان سے تھا، بادشاہ نے اُس سے پوچھا کہ تیرے ساتھی کیا ہوئے تھے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے انکی بدی سے مجھے کفایت فرمائی۔ بادشاہ نے اسکو جند آدمیوں کے ساتھ ایک کشتی میں بٹھلایا اور لوگوں کو حکم دیا کہ جب تم لوگ سمندر کے بیچ میں پہونچو تو اگر یہ لڑکا اپنے دین سے بھر جاوے تو خیر نہیں تو اسکو سمندر میں غرق کر دیجو (مترجم کہتا ہو کہ شاید یہ وسیع بحیرہ تھا چاروں طرف زمین تھی اور درمیان میں پانی عمیق تھا) وہ لوگ روانہ ہوئے جب درمیان میں پہونچے تو لڑکے نے کہا کہ الہی جسطح تو چاہے انکو مجھے کفایت فرما۔ پس وہ لوگ سب غرق ہوئے اور نوجوان لڑکا واپس آیا اور بادشاہ کے پاس داخل ہوا بادشاہ نے کہا کہ تیرے ساتھیوں کا کیا انجام ہوا اُس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے انکی بدی سے کفایت فرمائی پھر اُسے بادشاہ سے کہا کہ تو مجھے قتل نہیں کر سکتا ہو جب تک تو اسطرح نہ کرے جسطح میں تجھے بتلاؤں اگر تو نے میرے کہنے کے موافق کیا تو جان لے کہ تو نے مجھے قتل کیا ورنہ تو مجھے قتل کرنے پر قدرت نہیں بادشاہ نے کہا کہ وہ کیا تدبیر ہو نوجوان لڑکے نے کہا کہ تو ایک میدان میں لوگوں کو جمع کر پھر مجھے سو لی پر چڑھا کر میرے ترکش میں سے ایک تیرے اور کمان میں رکھ کر کہہ بسم اللہ رب الغلام (اللہ کے نام سے مارتا ہوں جو اس لڑکے کا رب ہے) اگر تو نے ایسا کیا تو البتہ تو نے مجھے مار لیا بادشاہ مذکور نے (لاچار ہو کر) یہی کیا اور تیرے لیکر کمان میں رکھ کر کہا کہ بسم اللہ رب الغلام۔ یہ تیرا اس لڑکے کی کنپٹی پر بیٹھا اور لڑکے نے دمان اپنا ہاتھ رکھ لیا اور مر گیا۔ لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے۔ بادشاہ کو خبر پہونچائی گئی کہ تجھے کچھ معلوم ہوا کہ تو جس بات سے ڈرتا تھا وہی تجربہ نازل ہوئی قسم ہے کہ سب لوگ ایمان لائے بادشاہ نے حکم دیا کہ ہر کوچہ کے دمان پر خندقین کھودی گئیں اور آگ سے بھری گئیں اور بادشاہ مذکور نے حکم دیا کہ جو کوئی اپنے دین سے بھر جاوے تو اسکو چھوڑ دو اور اگر نہ پھرے تو اسکو آگ میں ڈال دو پس اہل ایمان تیزی سے آگ میں گرتے اور ایک دوسرے کو بٹاتے تھے پھر ایک عورت اپنا لڑکا دودھ پیتا لیے ہوئے آئی اور وہ آگ میں گرنے سے ٹھٹھکی تو لڑکے نے کہا کہ ایمان صبر کر تو حق پر ہو۔۔۔ اسطرح اس حدیث کو امام مسلم نے آخر صحیح میں بدیع بن خالد بن حماد بن سلمہ روایت کیا اور ابوالحسن احمد بن سلیمان بن علفان عن حماد روایت کیا اور امام ترمذی نے اسکو محمود بن غیلان و عبد بن حمید عن عبد الرزاق عن معمر بن ثابت البسانی رحمہ اللہ روایت کیا اور اس میں اسطرح ہے کہ صلیب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فارغ عصر سے فارغ ہوتے تو آہستہ لب مبارک ہلاتے آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر کو اپنی امت اچھی معلوم ہوتی تھی اُس نے (جی میں) کہا کہ ان لوگوں کے مقابلہ میں کون کھڑا ہوگا پس اللہ تعالیٰ نے اسکو وحی فرمائی کہ ان لوگوں کو آگاہ کر دے کہ یہ دو باتوں میں سے ایک بات اختیار کریں یا تو میں اپنے انتقام لوں یا اپنان کے دشمن کو مسلط کروں تو انھوں نے بلائے نفقت اختیار کی پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبوت مسلط کی تو ان میں سے ایک دن میں ستر ہزار مر گئے راوی نے کہا کہ جب وہ یہ بات بیان فرماتے تو ساتھ ہی دوسری بات بھی بیان کرتے کہ ایک بادشاہ تھا اور بادشاہ کا ایک کاہن تھا جو اسکو غیب کی خبریں بتلایا کرتا تھا پس کاہن نے کہا کہ غور سے تلاش کر کے ایک لڑکا سمجھ دار ہو شیار سیکھنے والا لاؤ تا کہ میں اسکو اپنا یہ علم سکھلا دوں پھر آخر تک قصہ مذکور ذکر کیا اور آخر میں ہی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قتل اصحاب الاخذ و تا قول الغریزہ الحمید۔ اور کہا کہ وہ لڑکا دفن کر دیا گیا پھر بیان کیا جاتا ہو کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں نکالا گیا تھا اور اُسکی انجلی اسطرح اسکی کنپٹی پر رکھی تھی جسطح اُس نے قتل ہونے کے وقت رکھی تھی۔۔۔ ترمذی نے بعد روایت کے کہا کہ یہ حدیث

میں اُسکو سحر سکھلا دوں بادشاہ نے اُسکو ایک لڑکا دیا اُسکو ساحر مذکور ہر روز جادو سکھلایا کرتا تھا جب بادشاہ کے بیان سے
 ساحر کے بیان جاتا تو رات وہ میں ایک نصرانی راہب رہتا تھا (یعنی ایک فقیر جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سچے دین توحید پر ہٹام
 ایک روز یہ لڑکا اس راہب کے پاس گیا اور اُسکی باتیں سنکر خوش ہوا اور یہ باتیں اُسکو بہت پسند آئیں یعنی ہر روز جلتے اور
 آتے وہ راہب کی خدمت میں بیٹھتا تھا اور جب وہ ساحر کے پاس دیر کو پہنچتا تو ساحر اُسکو منرا دیتا کہ تو کہاں بیٹھ رہا تھا اور
 جب گھر میں دیر کو آتا تو گھر والے مارتے تھے کہ کہاں بیٹھ رہتا ہو۔ طفل مذکور نے راہب سے شکوہ کیا کہ میں اس مصیبت میں
 ہوں راہب نے کہا کہ جب ساحر تجھے خفا ہو کر مارنا چاہے تو اُس سے کہنا کہ میرے لوگوں نے مجھے روک لیا تھا اور جب گھر والے
 مارنا چاہیں تو کہو کہ ساحر نے مجھے روک لیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا کہ ایک روز اتفاق سے اُسے راستہ میں
 دیکھا کہ عظیم ہولناک درندہ نے راہ روکی ہر لوگ راستہ چلنے سے معذور ہیں طفل مذکور نے دل میں کہا کہ آج مجھے یہ بات کھل جائیگی
 کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ساحر کا معاملہ پسند ہی یا راہب کا معاملہ پسند ہی پس اُسے ایک پتھر لیکر کہا کہ الہی اگر تیرے نزدیک راہب کا
 معاملہ اس جادوگر کے معاملہ سے بہتر اور پسندیدہ ہو تو اس درندہ کو قتل کر دے تاکہ لوگ گرز سکیں اور یہ کہ پتھر پھینک مارا اور عظیم مصیبت
 درندہ اس ڈھیلے سے مر گیا اور لوگ راستہ چلنے لگے۔ پھر اُسے راہب کو اس معاملہ سے آگاہ کیا راہب نے کہا کہ اے فرزند آج تو مجھے
 افضل ہو لیکن عنقریب تو امتحان میں ڈالا جاوے گا پس اگر امتحان میں پڑے تو میرا پتہ نہ بتلایو پھر یہ لڑکا اندھے کوڑھی وغیرہ بھاریوں کو
 اچھا کیا کرتا اللہ تعالیٰ اسکی کرامت ظاہر کرنے کے لیے انکو شفا دیتا تھا۔ بادشاہ کا ایک ندیم بھی اندھا تھا جب ندیم نے سنا تو اس
 لڑکے کے پاس آیا اور بہت زور و جابر دہ لایا اور درخواست کی کہ مجھے بھی اچھا کر دے اور یہ سب جو کچھ حاضر ہے تیری نذر ہے لڑکے
 نے کہا کہ میں کسی کو اچھا نہیں کر سکتا ہوں بلکہ اللہ عزوجل اچھا کرنا پسند کرتا ہے یا ان لا ادرے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں وہ تجھے شفا دیدے
 وہ ندیم ایمان لایا اور لڑکے کی دعا پر اللہ تعالیٰ نے اُسکی آنکھیں روشن کر دیں پھر ندیم مذکور اپنے دستور کے موافق بادشاہ کی مجلس میں اپنے
 قریب پر بیٹھا۔ بادشاہ نے اُس سے پوچھا کہ اے فلان یہ تیری آنکھیں کیونکر دوبارہ بینا ہو گئیں اُس نے کہا کہ میرے رب نے روشن کر دین
 بادشاہ بولا کہ تیری یہ مراد ہے کہ میں نے ابھی کر دین اُس نے کہا کہ نہیں بلکہ میرا اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے بادشاہ بولا کہ تیرا کوئی رب میرے
 سوا ہے اُس نے کہا کہ ہاں وہی میرا اور تیرا رب ہے وہ اللہ تعالیٰ ہے بادشاہ نے جبکہ اُسکو عذاب کرنا شروع کیا اور یہاں تک اُسکو
 عذاب کیا کہ آخر اُسے نوجوان مذکور کا پتہ بتلا دیا اور بادشاہ نے نوجوان لڑکے کو بلایا اور پیار سے کہا کہ اے فرزند تیرا جادو وہاں تک کامل
 ہو گیا کہ ماوراء النہر سے کوڑھی کو اچھا کر لیتا ہے اور ایسی سخت بیماریوں کو چنگا کر دیتا ہے نوجوان لڑکے نے کہا کہ میں تو کسی کو اچھا نہیں
 کر سکتا ہوں فقط اللہ تعالیٰ ہی شفا دینے والا ہے اور بادشاہ نے کہا کہ وہ میں ہوں اُس نے کہا کہ نہیں۔ بادشاہ نے کہا کہ پھر کیا میرے سوا
 کوئی تیرا رب ہے اُس نے کہا کہ میرا اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ بادشاہ نے اُسکو بھی گرفتار کر کے عذاب کرنا شروع کیا آخر اُسے راہب کا پتہ
 بتلا دیا بادشاہ نے راہب کو گرفتار کر کے بلایا اور اُس سے کہا کہ اپنے دین سے پھر جا۔ راہب نے انکار کیا تو بادشاہ نے آہ سے چیر کر
 اُسکے دو ٹکڑے کر دیے اور اندھے سے کہا کہ اپنے دین سے پھر جا اُس نے بھی انکار کیا اور بادشاہ نے اسے بیچ سر پہ آہ رکھا کہ چیر کر دو ٹکڑے
 کر دیے پھر نوجوان مذکور سے کہا کہ اس دین سے پھر جا۔ اُس نے انکار کیا تو بادشاہ نے اُسکو چند آدمیوں کے ساتھ بلند پہاڑ پر بھیجا کہ جب تم چوٹی
 پر پہنچو تو اگر یہ اپنے دین سے پھر جاوے تو خیر نہیں تو اسکو پہاڑ سے گرا دینا۔ جب یہ لوگ پہاڑ پر چڑھے تو اُس نوجوان نے دعا کی کہ

آخرت میں جا کر ہر ایک اپنے مقام میں ہو گا چنانچہ یہ مومنین اعلیٰ درجات جنت میں ہونگے اور یہ کفار کسب جنم کی آگ میں جلنے
 ملتے ذلیل خوار ہونگے اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں ہر چیز حاضر ہے ایک ذرہ اسپر پوشیدہ نہیں ہوا امام ابن کثیرؒ نے لکھا کہ حضرت
 علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ لوگ اہل فارس ہیں انکے بادشاہ نے چاہا کہ جو عورتیں حرام ہیں انکے ساتھ نکاح حلال کرے تو علماء نے انکار کیا
 پس اُسے خندقین کھود کر آگ بھروائی اور حکم دیا کہ جو کوئی انہیں سے منحرف ہوا اُسکو جلا دیا اور اُس زمانہ سے اب تک انہیں حرام عورتوں (مائدہ
 بہن و بیٹی وغیرہ) سے اب تک نکاح جلا آتا ہے (ابن کثیرؒ) خطیب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس روایت کو اسطرح لکھا کہ حضرت علی رضی اللہ
 عنہ نے کہا کہ فارس والے آسمانی کتاب رکھتے تھے اور اسی پر عمل کرتے تھے اور شراب انکے واسطے حلال رکھی گئی تھی پس انکے بادشاہ نے شراب
 پی اور بدستی میں اپنی بہن سے وطی کر لی جب اُسکو ہوش ہوا تو سخت نادم ہوا اور اُس عورت نے کہا کہ اسکا علاج یہ ہے کہ تو لوگوں کو جمع
 کر کے سنا دے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے بہن سے نکاح کرنا حلال کیا ہے پھر ایک مدت کے بعد اُسے کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے بہن سے
 نکاح حرام کر دیا پس اُسے یہی کیا تو لوگوں نے بادشاہ کا قول قبول نہ کیا عورت نے کہا کہ کوڑے سے کام لے اُسے انکار کرنے والوں
 کو مارا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا اُس عورت نے راسے دی تو خندقین کھود کر آگ سے بھری گئیں اور جسے انکار کیا وہ آگ میں ڈالا گیا (السراج)
 مترجم کہتا ہے کہ اہل فارس کی تاریخ صحیح طور سے ہرگز نہیں مل سکتی ہے کیونکہ اُن میں تو تاریخ کا دستور نہ تھا جیسے ہندوستان میں
 نہ تھا بلکہ کسی قوم میں تو تاریخ کا دستور نہ تھا اور جب اسلام پھیلا اُسوقت سے سب قوموں نے مسلمانوں سے تاریخ کا طریقہ سیکھا حتیٰ
 کہ جب فارس کے آخری بادشاہ بزرگرونے دیکھا کہ فارس کی آگ بجھی اور بدکار مجوسی برباد ہونگے تو اُسے یہود و حکایات کا ذخیرہ جمع
 کر دیا اور دیوسے لڑائی باز بھی تو محض مہل ہے اور فردوسی نے شاعری کے لحاظ سے اشعار نظم کیے ہیں اور تاریخی حالات کو معترض نہیں جانتا
 ہو چنانچہ اُسے اپنے قصہ یوسف زلیخا میں لکھا کہ ۵۰ دوسہ زان نیزدیک مشت خاک ہیں یعنی آسمان سے دس ہزار فعات ایک مٹھی خاک کے برابر
 نہیں ہیں پس خلاصہ یہ کہ ابتدائے حال میں پیغمبری دین ہو گا پھر جب وہ لوگ بگڑے تو انھوں نے آگ کی پرستش اختیار کی اور دوسم
 کے خدا مانے ایک کا نام ایزد رکھا اور دوسرے کا نام اہرن رکھا اور جب سے آگ کی پوجا بخالی اُس سے پہلے شاید یہ قصہ ہوا ہو کہ بادشاہ
 نے مستی میں اپنی بہن کے ساتھ وطی کی جس پر عاشق تھا اور شاہ بدوہ حاملہ ہو گئی پس اُس نے یہ حیلہ نکالا حتیٰ کہ بہن و بیٹی وغیرہ سے نکاح جا
 کیا اور آگ کی پوجا بخالی اور دین بگاڑ دیا واللہ تعالیٰ اعلم۔ ابن کثیرؒ نے لکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ اصحاب الاخذ
 ایک قوم مین تھی انہیں ایک فریق مسلمان ہو گیا اور مومنوں و مسترکون میں لڑائی ہوئی اور مومنوں نے غلبہ پایا پھر دوسری دفعہ
 باہم لڑائی ہوئی اور کافروں نے غلبہ پایا اور مومنوں کے واسطے خندقین کھود کر آگ سے بھر دیں اور مومنوں کو ان میں جلا دیا۔ حضرت
 علی رضی اللہ عنہ سے تیسری روایت یہ کہ اصحاب الاخذ و حبشہ میں تھے۔ عوفیؒ نے ابن عباس سے روایت کی کہ اصحاب الاخذ و کچھ لوگ نبیؐ پر
 مین سے تھے انھوں نے خندقین کھود کر انہیں آگ جلائی اور کچھ مردوں عورتوں کو آگ پر پیش کیا اور لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ دانیال علیہ السلام
 و انکے اصحاب تھے۔ یہی ضحاک بن مزاحم تابعی نے بیان کیا ہے مترجم کہتا ہے کہ یہ روایت بہت مبہم و مجمل ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ قال الامام
 احمد بن حنبل عن عثمان بن حماد بن سلمہ عن ثابت عن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ عن صہیبؓ عن النبیؐ عن صہیبؓ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہؐ
 علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ تم لوگوں سے پہلے جو امت گزری اس میں ایک بادشاہ تھا اور اُسکا ایک جادوگر تھا جب جادوگر بوڑھا ہو گیا
 تو اُسے بادشاہ سے کہا کہ اب میرا سن زیادہ ہو گیا میں بوڑھا ہو گیا اور موت کا زمانہ قریب آ گیا مجھے کوئی ہوشیار لڑکا دیدے کہ

اُن کافروں نے بکثرت لکڑیاں بھر کر جلائیں اسی واسطے (ذات الوتود) سے اُسکی صفت بیان کی جس سے معلوم ہو کہ یہ آگ بہت تیز تھی۔
اِذْهُمْ عَلَيْهِمْ قُودٌ جبکہ اخذ و دالے آگ پر بیٹھے تھے ف اگر مشہور قصہ کے موافق یہاں اخذ و دالے قائل تھے تو یہ (ا ذ)
 انکے ملعون ہونیکا وقت ہر یعنی اصحاب الاخذ و ملعون ہوئے جب وہ لوگ اخذ و دالے کنارے کر سبوں پر تکبر کے ساتھ بیٹھے تھے۔ **وَاُ**
مُّرَّ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ شَرٌّ اور وہ لوگ جو کچھ مومنوں کے ساتھ کرتے تھے اسپر حاضر تھے ف آنکھوں کے
 رو بہرہ مومنوں کے ساتھ جلائے کا عذاب کرتے تھے اور کچھ بھی ترس نہیں کھاتے تھے بعض نے کہا کہ ظالم بادشاہ تاکید کرتا تھا اور اس کے
 سپاہی برابر گواہی دیتے کہ حکم شاہی کے موافق برابر عمل کیا گیا اور جس نے اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ چھوڑا اُسکو اخذ و دال میں ڈال کر جلا دیا گیا۔ ایک
 روایت کے موافق جبین اخذ و دالے جلائے گئے ہیں یہ معنی ہوئے کہ جب اخذ و دالے آگ کے کنارے بیٹھے تھے اور مومنوں کے
 ساتھ سخت بے رحمی کرتے تھے کہ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے سے نہ بھرے اُسکو آگ میں جلا دینگے اور مومنین سچا رہے صبر کی باہم صیت
 کرتے تھے اُس وقت میں اصحاب الاخذ و قتل کیے گئے اسطرح انھوں نے مومنوں کو آگ میں ڈالا اور آگ نے اُلٹ کے اخذ و دالوں
 کو جلا دیا اور فتح البیان میں مذکور ہے کہ رجا ج نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کے حال سے آگاہ کیا کہ اُنکے ایمان کا نور اس حد تک
 ہو چکا تھا کہ ایمان حق کے پیچھے انھوں نے اللہ تعالیٰ کے واسطے آگ میں جل جانا منظور کیا اور اسمین مومنوں کو بہت دلائی کہ کافروں
 کی ایذا پر صبر کریں روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان مومنوں کو جو آگ میں ڈالے گئے تھے اسطرح نجات دی کہ آگ میں جلنے سے پہلے
 اُنکی ارواح قبض فرمائیں اور آگ نے ٹھکرا اُن لوگوں پر احاطہ کر لیا جو اخذ و دالے کنارے بیٹھے تھے اور انکو جلا کر خاک کر دیا اور جنم کی
 آگ سے ملا دیا اور کہتے ہیں کہ دس یا گیارہ آدمی خوف سے ایمان سے پھر گئے تھے۔ **وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ اِلَّا اَنْ يُؤْمِنُوا**
بِاللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ۔ اور نہیں دشمنی رکھی کافروں نے مومنوں سے مگر یہی بات کہ وہ ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر جو عزیز حمید
 ف یعنی کافروں نے جو مومنوں کو اخذ و دالے آگ میں دشمنی کے ساتھ جلا یا تو مومنوں نے انکا کچھ گناہ نہیں کیا تھا جس سے دشمنی ہو سکتی
 اس بات کے کہ مومنین اپنے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے جو عزیز ہے اُسکی بارگاہ عزت میں پناہ لے جانے والا پناہ میں ہر اور وہ حمید ہے
 یعنی ہر قول و فعل و تقدیر و شرع میں تعریف کیا گیا ہے۔ العزیز الحمید سے آگاہ کیا کہ ہرگز یہ خیال نہ ہو کہ اُسکے یہ بندے جنگو کافروں
 نے جلا یا تھا اُسکی پناہ میں نہ تھے یا کیوں جلائے گئے بلکہ یہ اُسکی شان حمید ہو کہ اُسنے اپنے قبضہ قدرت میں ان بندوں کے دل
 ایسے مستحکم رکھے کہ انھوں نے دنیا سے کوچ کیا اور آخرت کے تحت عزت پر سرفرازی کے ساتھ بیٹھے اور اگر وہ لوگ پناہ مانگتے
 تو اللہ تعالیٰ انکو پناہ دیتا و لیکن اسمین ایسے اسرار عظیمہ میں کہ مخلوق ناچیز کی مجال نہیں کہ وہاں تک پہنچے **الَّذِي لَهُ مُلْكُ**
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ۔ وہی اللہ تعالیٰ ہے جسکے واسطے آسمانوں زمین
 کی بادشاہت ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حاضر ہے ف پس معلوم ہو کہ دنیا میں جو جسم کہ آنکھوں سے نظر آتا ہو کہ کافروں نے
 مثلاً مومنوں پر تسلط پا کر اُن کو جلا یا تو یہ محل امتحان ہر اور حقیقت کافروں کی بدعتی تھی کہ انکو یہ کمائی نصیب ہوئی کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ
 وحدہ لا شریک پر ایمان لائے تھے انکو فقط اس ایمان کی وجہ سے آگ میں جلا یا اور ان مومنوں کے واسطے یہ کرامت نصیب ہوئی
 کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے اپنی جان اسطرح قربان کی اور موت لالچالہ مقدر ہو تو آخر یہاں سے جانا ضرور ہے اور آخرت ہی گھر ہے پس
 سب نے اپنی اپنی کمائی کا ذخیرہ یہاں سے لیا اور بادشاہت اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے ہے ہر ایک کو اُنکی کمائی دیتا ہے اور یہاں سے

(دائیں وضوحاً) کا جواب (قد اطلع من زکلیہا) واقع ہوا ہے (کبیر) اور یہی فرقہ کا قول ہے یہ اس وقت ہو سکتا ہے کہ تو قتل صحابہ الاخذ و جملہ
 خبر یہ ہو لیکن واحدی نے کہا کہ جمیع مفسرین کے نزدیک یہ جملہ دعائیہ ہے یعنی اخذ و والوں پر بددعا ہے اور ایسا جملہ قسم کا جواب نہیں
 ہو سکتا ورنہ معنی یہ ہوں کہ قسم ہے آسمان ذات بروج اور یوم الموعود و شاید و مشہور دلی کہ مارے جاوین اخذ و والے یہ ٹھیک نہیں ہو سکتا
 (س ف) وجہ دوم یہ کہ ان بطش ربک الخ جواب ہے یہ زجاج نے ذکر کیا اور یہی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور قتادہ سے مروی ہے
 (وجہ سوم) یہ کہ ان الذین فتنوا المؤمنین الخ جواب قسم ہے اور درمیان میں جملہ معترضہ ہیں (کبیر) اعتراض کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نہ نہیں بولتے ہیں
 (وجہ چہارم) وہ ہے جو جماعت متقدمین نے کہا کہ قسم کا جواب محذوف ہے اور اسی کو زخشریٰ نے کشاف میں اختیار کیا ہے و لیکن فرق یہ ہے کہ
 متقدمین نے فرمایا کہ محذوف یہ ہے (ان الامر حق فی الجزاء) یعنی قسم ہے کہ اعمال کا بدلہ ملنا ہر حق ہے زخشریٰ نے کہا کہ بلکہ (ان کفار قریش
 ملعونون) یعنی قسم کہ کفار قریش ملعون ہیں جیسے اخذ و والے ملعون ہوئے یہ اس لیے کہ اس سورہ میں مومنون کو مضبوطی دلائی گئی کہ اس طرح
 ایمان پر مضبوط رہیں جیسے سابق زمانہ میں مومنین نے صبر کیا تھا اور کفار قریش اسی لائق ہیں کہ ان کے حق میں لعنت کہی جاوے جیسے
 اخذ و والے ملعون کیے گئے (کبیر) مترجم کہتا ہے کہ اصحاب الاخذ و کے قصہ میں کئی طرح سے روایت ہے ازنا بخدا ایک یہ کہ وہ لوگ مومنون کو
 ایمان سے پھیرتے تھے اور اسکے واسطے انھوں نے ہر محکمہ میں اخذ و کھدوائی تھیں اخذ و بلفظ واحد ہے اسکی جمع اخا و یہ ہے لیکن بیان جمع
 کے معنی مراد ہیں اور کہتے ہیں اخذ و جالیس گز لنبی اور بارہ ہاتھ چوڑی تھی پھر اس میں آگ جلائی اور مومنون و مومنات سے کہا کہ دین سے
 پھر جاؤ دین رہا آگ میں جلا دیئے پھر اللہ تعالیٰ نے مومنین و مومنات کو نجات دی اور کفار ہی ان اخذ و دین جلائے گئے تو اس
 صورت میں یہ ہو سکتا ہے کہ (قتل صحابہ الاخذ و) جواب ہو کیونکہ یہ خبر ہے اور یہ ان کافروں کو اپنے قبیح اعمال کا عوض ملا۔ پھر زخشریٰ نے
 جو یہ نکالا کہ کفار ملعون ہوئے اس سے وہ کفار مراد ہو سکتے ہیں جو کبھی ایمان نہیں لائے اس لیے کہ جو آئندہ دس برس یا زیادہ کے اندر
 مسلمان ہو گئے وہ ملعون نہیں ہوئے اور لعنت الہی سخت چیز ہے کہ رحمت سے بالکل محرومی ہے۔ اگرچہ زخشریٰ کے نزدیک انسان جیسا کہ
 ویسا ہو جاوے اور یہ باطل خیال ہے بلکہ علم الہی میں ہر ایک کا حال معلوم و مقدر ہے فافہم۔ اور رازی نے لکھا کہ اصحاب الاخذ و شاید قتل
 کرنے والے ہوں اور شاید مراد مقتول ہوں اور مشہور روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مقتولین مومنین تھے اور اصحاب الاخذ و قاتل تھے
 اور یہ بھی روایت آئی ہے کہ ظالم کفار مقتول ہوئے ہیں کیونکہ جب انھوں نے مومنون کو آگ میں ڈالا تو آگ الٹ کر کافروں پر آگئی اور
 آگ نے کافروں کو جلا دیا اور مومنین صحیح سالم بچ گئے اور یہی رسیح بن انس اور واقدی کا قول ہے بدلیل اسکے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا
 فلم عذاب جہنم و لم عذاب احریق۔ ان کے واسطے عذاب جہنم ہے اور ان کے واسطے جل مرتے کا عذاب ہے۔ یعنی کفار جنھوں نے مومنین و
 مومنات کو دین کے فتنہ میں ڈالا تو آخرت میں ان کے لیے عذاب جہنم ہے اور دنیا میں اخذ و کی آگ میں جل مرے۔ بالجمہ اگر اصحاب الاخذ و
 بیان قاتل ہیں تو دو طرح سے تفسیر کی گئی (اول) قتل اصحاب الاخذ و۔ اخذ و والے قاتلون پر بددعا ہے یعنی اصحاب اخذ و پر لعنت ہو جیسے
 توہمہ تعالیٰ قتل الانسان ماکفرہ۔ میں بیان ہوا (دوم) یہ کہ جملہ خبر یہ ہو یعنی اصحاب الاخذ و مارے گئے۔ یعنی آگ نے انھیں کو جلا دیا۔ اول
 اگر اصحاب الاخذ و سے وہ لوگ مراد ہیں جو اخذ و سے مارے گئے یعنی وہ مومنین جو اپنے دین کی حفاظت میں اخذ و دین مارے
 گئے تو یہ جملہ خبر یہ ہے یعنی بہت اچھے یقین والے تھے وہ مومنین و مومنات جو اخذ و دین جلا کر مار ڈالے گئے اور دین حق سے منحرف
 نہیں ہوئے (تفسیر کبیر) النار ذات الوقود۔ آگ بہت جلتی بلقی النار بدل اشتعال ہے اخذ و سے کیونکہ اخذ و دین

ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک عظیم الشان گواہ لادینگے۔ ہ۔ پس ہر ایک پیغمبر اپنی امت کے اسلام لانے والوں پر گواہی دیگا جب تک وہ زندہ تھا اور جن لوگوں نے پیغمبر سے کفر کیا ان پر بھی کفر کرنے کی گواہی دیگا۔ پھر کافروں کے انکار پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب گواہی دینگے تاویل چہارم یہ کہ تمام مخلوقات گواہ ہوں اور مشہود اللہ تعالیٰ کی وحدانیت ہوں رازیؒ نے کہا کہ یہ تاویل میں نے مستحکمین کے قول سے نکالی ہے اور یہ شاید سے غائب پر استدلال ہے اور اس صورت میں قسم تمام مخلوقات پر اور خالق عزوجل کی ایجاد پر واقع ہوئی مترجم کہتا ہے کہ رازیؒ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر اسکی مخلوقات شاہد ہو کیونکہ یہ سب اسکی خدائی کی قدرت عظیم کی دلیلین ہیں تاویل پنجم یہ کہ شاہد فرشتہ ہوں اور مشہود وہ مخلوق جس پر گواہ ہوں لقولہ تعالیٰ وجاہت کل نفس معہا سائق وشہید۔ یعنی قیامت کے روز ہر نفس اسطرح لایا جائیگا کہ اس کے ساتھ ہانک لانے والا اور گواہ ہوگا۔ ہ۔ پس فرشتہ اُس پر گواہی دیگا کہ یہ شخص مثلاً منکر تھا اور اسطرح کے بد اعمال کیا کرتا تھا تاویل ششم عطاء خراسانی سے روایت ہے کہ شاہد ہر شخص کے اعضا ہیں جو اُس پر اس کے اعمال کی گواہی دینگے۔ پھر واضح ہو کہ رازیؒ نے روایات کی بنیاد پر اقوال بیان کیے اور کہا کہ یہ اقوال بطریق استدلال نہیں بلکہ بر بنائے روایات ہیں (۱) شاہد ہر جمیعہ اور مشہود یوم عرفہ ہے اور کہا کہ یہ ابو موسیٰ اشعریؓ نے روایت کیا ہے مترجم کہتا ہے کہ ابو مالک الاشعری کہنا چاہے اور کہا کہ یہ قول بہت سے علماء سلف سے منقول ہے (۲) شاہد یوم عرفہ ہے اور مشہود یوم النحر ہے اور یہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں ایام کی تعظیم ظاہر فرمائی اور انکو ایام حج کے ارکان میں سے قرار دیا ہے پس جو کوئی ان دونوں دن میں حاضر ہوا اس کے لیے گواہی دینگے کہ یہ بندہ مومن ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے لائق ہے اور روایت کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھے ذبح فرمائے اور ایک مینڈھ کی قربانی کے وقت فرمایا کہ یہ مینڈھا اُس امتی کی طرف سے ہے جسے ایمان کے ساتھ میرے واسطے گواہی دی کہ میں نے پیغام حق تعالیٰ بخوبی پہنچا دیا (۳) شاہد عیسیٰ ہیں (۴) شاہد اللہ تعالیٰ اور مشہود روز قیامت ہوں لقولہ تعالیٰ ثم لنقصن علیہم الآیہ یعنی کافروں نے جو کچھ انکاری جواب دیا اور حبط منہ موڑا ہے ہم سب کہ مسناد دینگے اپنے علم کے ساتھ اور ہم کہیں غائب نہیں تھے۔ ہ۔ (۵) شاہد انسان ہے اور مشہود توحید ہے کیونکہ ازل میں سب گواہی دی تھی کہ تو ہمارا پروردگار ہے (۶) شاہد انسان ہے کیونکہ یہ توحید کے گواہ ہے تھے اور مشہود روز قیامت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان تقولوا یوم القیامت انا کننا عن ہذا الخ۔ یعنی ایسا نہ کہ تم لوگ قیامت کے روز کہو کہ ہم تو اس سے غافل تھے (ملخص تفسیر کبیر) اس بیان سے معلوم ہوا کہ شاہد و مشہود ہونے کے وجہ ہیں اور ازل سے لیکر آخر تک اسکی صورتیں نکلتی ہیں لیکن مختار بمقام تفسیر وہ قول ہے جو اکثر سلف صالحین سے مروی ہے یعنی شاہد ہر روز جمیعہ ہے اور مشہود روز عرفہ ہے۔ قتیل صاحب الاُخذ وُود۔ مارے جاوین خندقوں والے ف یعنی ملعون ہوں یہ جملہ بد دعا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسکو عرب کے محاورہ پر بیان فرمایا اور انسان کی حالت پر نہیں بیان کیا تاکہ یہ سوال ہو کہ بد دعا تو مظلوم کی طرف سے ہوتی ہے جو بد لائیں لے سکتا ہے (جواب) اللہ تعالیٰ نے اخذ و دالون کا انجام بیان فرمایا اور خلاصہ یہ ہے کہ بار بار بیان کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں کسی کو مقہور نہ کیا بلکہ ہر ایک کو اسکی کمائی پر چھوڑ دیا چنانچہ اخذ و دالون نے مومنوں پر غلبہ کر کے انکو آگ میں جلایا اور ان مومنوں نے آخرت کا یقین کر کے دنیاوی ایذا پر صبر کیا پس اللہ تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ اخذ و دالے ملعون ہوئے کیونکہ یہ سخت بد دعا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس مردود کے حق میں یہ بد دعا ہو وہ سخت لعنت میں گرفتار ہوا رازیؒ نے لکھا کہ بیان یہ بات جاننا ضرور ہے کہ اوپر قسم مذکور ہر اس کے بعد یہ آیت ہے تو جواب قسم کیونکہ ہر علمائے اس میں جو بیان لکے ہیں (اول) اخصش ام وغیرہ نے کہا کہ یہی جواب ہے اور (لقد) مخدوف ہے چہ

ہو کر ذکرِ خطبہ سنتے ہیں یہ خاصیت کسی روز نہیں سوائے یومِ جمعہ کے تو وہ یومِ مشہود ہوتا ویلِ سووم مشہود یومِ عرفہ ہی اور شاید وہ حاجی جو وہاں مجمعِ عظیم میں حاضر ہوتے ہیں اقوال یہ نمونہ حشر ہے تو قسم سے اسکی تعظیم ظاہر ہے روایت ہے کہ عرفہ کے روز اللہ تعالیٰ اپنے حاجی بندوں سے ملائکہ پر فخر فرماتا ہے اور ملائکہ سے کہتا ہے کہ دیکھو یہ میرے بندے پر آگندہ بال گردا کو وہ دور دور سے حاضر ہوتے ہیں میری مغفرت مانگتے ہیں تم گواہ رہو کہ میں نے انکو بخش دیا اس روز ابلیس اپنے سر پر خاک ڈالتا ہے اور واسے ویلا کر کے چلاتا ہے۔ یومِ عرفہ مشہود ہونا ظاہر ہے حکمِ قولہ تعالیٰ لیشہدوا منافع لہم تاکہ یہ لوگ اپنے منافع میں حاضر ہوں یعنی یہ لوگ شاہد ہوں اور دنِ مشہود ہوتا ویلِ چہارم مشہود یومِ آخر ہے یعنی ذی الحجہ کی دسویں تاریخ جب حاجی لوگ نفس کی قربانیوں کا فدیہ دیتے ہیں اور دنیا میں یہ مشہد بھی اعظم ہے کیونکہ اس روز مشرق و مغرب کے لوگ منیٰ و مزدلفہ میں حاضر ہوتے ہیں اور دولت لازوال و کرامت حضرت ذوالجلال سے مالا مال ہوتے ہیں تو یہ عید کا دن ہے اور قسم سے امر حج کی بزرگی ظاہر ہوتا ویلِ پسم آیت میں روزِ جمعہ و یومِ عرفہ و یومِ الخرب مراد ہیں کیونکہ یہ ایام عظامِ حبت بزرگ ہیں انیسوا سٹے (شاہد و مشہود) نکرہ لائے گئے ہیں تو ہر ایسی صورت کو شامل ہیں جس میں یہ صفت موجود ہو جیسے اللہ تعالیٰ نے بقولہ تعالیٰ والفجر و لیل الی عشر و الشفع والوتر میں سب کی قسم شامل ہے اور شاید کہ آیت میں ہر ایک بڑا دن شامل ہے اور قیامت کا دن بھی داخل ہے اقوال بڑا دن اہل دنیا کے نزدیک وہ جو جسمیں انھوں نے باطل طریقے سے لہو و لعب و فسق و فجور مفر کیا ہے اور اہل عقل و ارباب معرفت کے نزدیک حقیقت میں وہ بڑا دن ہے جس دن انکو اپنے رب عزوجل کی طرف سے رحمت و مغفرت و رضوان زیادہ پہنچے ہو جیسے روزِ جمعہ یا عرفہ ہے اور سب سے زیادہ رحمت کا ظہور ان کے لیے قیامت کے روز ہوگا یہ سب تاویلات اس معنی میں تھیں کہ شاہد یعنی حاضر ہو۔ رہا بیان معنی دیگر جبکہ شاہد کے معنی گواہ ہوں اس صورت میں بھی وجوہ روایات کے گئے ہیں تاویل اول شاہد اللہ تعالیٰ ہے یعنی اللہ تعالیٰ خود اپنی وحدانیت کی گواہی دیتا ہے بقولہ تعالیٰ شہد اللہ ان لا الہ الا ہوا الایہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے گواہی دی کہ اُسکے سوائے کوئی الوہیت والا نہیں ہے اور ملائکہ و اہل علم نے گواہی دی۔ ص۔ اور سوائے اسکے دیگر آیات ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا قل ای شئی اکبر شہادۃ الایہ۔ یعنی اے محمد کہدے کہ گواہی میں سب سے بڑھ کر بزرگ کیا چیز ہے تو کہدے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ ص۔ مشہود یعنی جس چیز کی گواہی دی وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت الوہیت ہے اور اسی میں نبوت بھی داخل ہے بقولہ تعالیٰ قل کفی باللہ شہیداً بنی و بنیکم الایہ۔ یعنی میرے اور تمھارے درمیان گواہی کو اللہ تعالیٰ کافی ہے۔ ص۔ تاویل دوم شاہد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور مشہود دیگر انبیاء علیہم السلام ہیں مگر حجیم کتاب ہے کہ اولیٰ یہ تھا کہ مشہود یہ امر قرار دیا جاتا کہ جمیع انبیاء نے پیغامِ الہی اپنی امت کو پہنچا دیا اسلئے کہ اس صورت میں (مشہود) کہہ امر ہوا اور اگر انبیاء علیہم السلام کے واسطے گواہی ہو تو (مشہود لہم) ہوتے یعنی ولہم محذوف ماننا لازم ہے اور روایت میں بھی آیا ہے کہ کفار امتین دعویٰ کریں گی کہ اے رب کسی نے ہمکو تیرا پیغام نہیں پہنچایا تھا اور پیغمبروں کو اللہ تعالیٰ حجت الہام فرما دیا کہ وہ عرض کریں گے کہ اے رب ہمارے ہم نے حکم کے موافق خیر خواہی سے پیغام پہنچا دیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت عادل ہمارے گواہ ہے پس صحابہ رضی اللہ عنہم گواہی دینگے کہ اے رب ہم نے تیرے کلام پاک سے جانا کہ انبیاء علیہم السلام نے خالص خیر خواہی سے پیغام حق پہنچا دیا۔ پھر کفار مدعی ہوں گے کہ ہم ان گواہوں سے واقف نہیں ہیں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسکی عادل ہونے کی گواہی دینگے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے شروع سیقول السفہاء میں اس امر کو صریح فرمایا ہے تاویل سووم شاہد ہر پیغمبر اپنی امت پر گواہ ہے بقولہ تعالیٰ فکیف اذا جئنا من کل امت بشہید الایہ یعنی ان کافروں کا کیا حال

کہ سلف رضی اللہ عنہم میں سے جسے کسی آیت یا حدیث میں شاہد یا مشہود کا لفظ پایا اسی سے استدلال آیا۔ یہ مولف کی زبان درازی
 ہے بلکہ وہ لوگ اہل معرفت تھے انھوں نے اسرار معرفت میں وہ نصوص لیے ہیں جو مناسب ہیں ایسا واسطے جمیع احادیث و آیات جن میں
 یہ لفظ ہو وہ نہیں لیے تو مولف مذکور کا اعتراض نادانی ٹھہرا کہ دیگر آیات و احادیث کیوں نہ لی جاویں۔ جواب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے الیوم الموعود
 معارف بیان کیا ہے تو اس سے قیامت کا روز مراد ہو اور شاہد و مشہود کے ساتھ (یوم) کا لفظ نہیں ہو بلکہ مطلق شاہد و مشہود لفظ مذکور ہو تو نظم
 آیت میں یہ نام جس قسم کے شاہد و مشہود پر صادق ہو وہ سب اس میں داخل ہیں اسی لیے خطیب نے کہا کہ یہ سب اقوال صحیح ہیں میں کہتا
 ہوں کہ امام رازی نے سب اقوال کی تخلیص نقل کی لہذا ہم تفسیر کبیر سے خلاصہ ترجمہ کرتے ہیں قولہ فات البروج۔ بروج کی تفسیر میں
 قول ہیں (ایک) یہ کہ بارہ بروج ہیں اور شک نہیں کہ انھیں میں آفتاب کی تحویل سے نظام عالم کی یہ حکمت عجیب ظاہر ہوتی ہے
 جو حق تعالیٰ کی عظیم قدرت پر دلیل ہے (دوم) یہ کہ بروج منازل قمر ہیں اور قمر کی رفتار و ظہور میں عجیب قدرت مشاہدہ ہوتی ہے
 (سوم) بروج کو اکب ہیں جو اپنے طور میں دلیل قدرت ہیں قولہ والیوم الموعود و شاہد و مشہود۔ یوم موعود روز قیامت ہے فقال
 نے کہا کہ شاید مراد یہ ہو کہ وہ دن جو وعدہ دیا گیا ہے کہ اُس روز آسمان شکن کر کے بروج و غیرہ مٹا دیے جائیں گے۔ رہا بیان شاہد و مشہود
 تو فقال نے بیان اچھا کلام کیا اور کہا کہ (شاہد) دو معنی پر بولا جاتا ہے (ایک) یہ کہ وہ شاہد جس سے دعویٰ و حقوق ثابت ہوتے ہیں
 (دوم) وہ شاہد جو معنی حاضر ہے اور آیت کو اسی معنی میں لینا بہتر ہے کیونکہ اول معنی میں شاہد اگر معنی گواہ ہو تو (مشہود) کی جگہ
 (مشہود علیہ) ہوتا یا (مشہود لہ) ہوتا ولیکن احتمال ہے کہ حرف صلہ حذف ہونا زبان عرب میں معروف ہے جیسے قولہ تعالیٰ ان العہد کان
 مسئلہ۔ یعنی عہد پوچھا گیا ہے اصل میں (مسئول اعنہ) تھا۔ جب یہ معلوم ہوا تو ہم کہتے ہیں کہ اگر شاہد معنی حاضر لیا جاوے تو آیت میں
 تاویل کی وجہ بین تاویل اول مشہود یوم القیامہ ہے اور شاہد جمیع مخلوقات جو دیاں حاضر ہوں گی اور اس تاویل کے صحیح ہونے پر
 دلائل ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے دلیل ۱۔ کوئی مجمع اس سے بڑھ کر متصور نہیں ہے اور جب یہ معنی اکمل ہیں تو انھیں
 معنی کی طرف پھیرنا ادلی ہے دلیل ۲۔ یہ کہ اول اللہ تعالیٰ نے یوم موعود یعنی قیامت ذکر کیا تو اس کے بعد شاہد و مشہود اس کے مناسب
 معنی میں ہی پس شاہد وہ مجمع عظیم ہے اور مشہود وہ عجیب ہولناک واقعات جو ظاہر ہونگے دلیل ۳۔ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے روز قیامت
 کو مشہود کہا ہے لہذا قولہ تعالیٰ فویل للذین کفروا من مشہد یوم عظیم یعنی کافروں کے لیے حاضری یوم عظیم سے ویل ہے و لہذا قولہ تعالیٰ ذلک یوم مشہود
 یہ یوم مشہود ہے اگر کو کہو کہ پھر ان دونوں کو نہ کہ کیوں فرمایا حالانکہ وہ معرکہ ہے (جواب) یہ کہ تنکیر کی تنوین ہولناک لفظ کے لیے ہے یعنی زبان
 شاہد و مشہود کی کیفیت ہوگی جیسے وصف کا تصور میں لانا محال ہے اقول مثلاً گئی ہزار برس تک آفتاب میں اگلی کھوپریاں بکٹی رہیں گی اور
 یوم القیامہ کی قسم سے عظمت قدرت کا ظہور ہے کیونکہ وہ فیصلہ و جزا سزا کا دن ہے اور اسی روز اس شان سے ظہور ہوگا کہ کسی میں کچھ
 قدرت نہ ہوگی اسوجہ کو مجاہد و عکرمہ حسن بن علی و ابن المسیب و ضحاک و یحییٰ و ثوری نے اختیار کیا اور یہی ابن عباس نے بیان کیا ہے تاویل
 دوم مشہود یوم جمعہ ہے یہ ابن عمرو بن الزبیر کا قول ہے اور وجہ تاویل یہ کہ اُس روز مسلمان لوگ نماز کے لیے جمع ہو کر حاضر ہوتے ہیں اور روز
 جمعہ کے مشہود ہونے پر دو حدیثیں دلالت کرتی ہیں حدیث اول ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے مرفوع روایت کی کہ یوم جمعہ کو خیر درود زیاد بخھی
 کہ وہ یوم مشہود ہے اس میں ملائکہ حاضر ہوتے ہیں حدیث دوم ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مرفوع روایت کی کہ جب جمعہ کا روز ہو جائے تو مساجد کے
 دروازوں پر ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور لوگوں کو ادا دل بادل لکھتے جاتے ہیں پھر جب امام باہر آیا تو نوشتہ لپیٹ دیے جاتے ہیں اور ملائکہ حاضر

یوم جمعہ ہی یہ سا توان قول ہو لیکن ابن جریر نے اسکو اسطرح روایت کیا کہ شاہد روز عرفہ ہو اور مشہود روز قیامت ہو ابن جریر نے
 برابر ہم نغنی سے روایت کی کہ شاہد روز قربانی ہو اور مشہود یوم عرفہ ہو ابن جریر نے کہا کہ دیگر علماء کے نزدیک مشہود یوم جمعہ ہی پھر احمد بن
 عبد الرحمن بن وہب کی سند سے حدیث ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے روز
 مجھ پر دو بیٹھے میں کثرت کرو کیونکہ وہ یوم مشہود ہو اسمین ملائکہ حاضر ہوتے ہیں (رواہ ابن ماجہ والطبرانی ایضاً) بغوی نے سعید بن
 جبیر کا قول نقل کیا کہ شاہد اللہ تعالیٰ ہو لقولہ تعالیٰ قل کفی باللہ شہیداً اور مشہود ہم لوگ ہیں اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ شاہد یوم جمعہ ہو اور مشہود
 یوم عرفہ ہے (ابن کثیر مع زیادہ) اور فتح البیان میں ہے کہ ایک جماعت صحابہ و تابعین نے کہا کہ شاہد یوم جمعہ ہی وہ ہر حال پر گواہ ہو گا
 کہ اس نے جمعہ کے روز یہ اعمال کیے ہیں اور مشہود یوم عرفہ ہے کیونکہ اس روز حاجی لوگ حاضر ہوتے ہیں اور ملائکہ حاضر ہوتے ہیں مترجم
 کہتا ہے کہ اس روز اللہ تعالیٰ کا قرب مزید ہوتا ہو اور بکثرت بندوں کو اللہ تعالیٰ آزاد فرماتا ہو واحمدی نے کہا کہ شاہد و مشہود کی
 یہ تفسیر اکثر سلف رضی اللہ عنہم کا قول ہو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ شاہد یوم جمعہ ہو اور مشہود یوم عرفہ ہے وہ حج اکبر کا روز ہو اور یوم جمعہ کو اللہ
 تعالیٰ نے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے عید بنا دیا ہو اور اس سے تمام خلق پر آپ کی امت کو فضیلت بخشی ہو اور وہ اللہ
 تعالیٰ کے یہاں سب ایام کا سردار ہو اور اس روز جو کچھ عمل کیا جاوے وہ اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہوتا ہو اور اسمین ایک ساعت
 ہے کہ جو بندہ مسلمان اسکو پا جاوے درحالیکہ نماز پڑھتا ہو تو جو کچھ اللہ تعالیٰ سے مانگے اللہ تعالیٰ اسکو عطا کرتا ہو (رواہ ابن مردویہ
 عنہ) سعید بن المسیب سے روایت ہے کہ شاہد حج کی آٹھویں تاریخ ہو اور مشہود نویں تاریخ عرفہ ہو نغنی نے کہا کہ شاہد یوم عرفہ ہے
 اور مشہود یوم قربانی و سوین تاریخ ہو بعض نے کہا کہ شاہد عیسیٰ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا - کنت علیہم شہیداً ما دمت فیہم - یعنی اے رب
 ان لوگوں پر میں اس وقت تک گواہ تھا جب تک میں ان میں حاضر تھا۔۔۔ یعنی نصرائیوں نے جو بہتان میرے حق میں باڑھا اسکو تو خوب
 جانتا ہے اور میں اس وقت میں انکے درمیان میں شاہد و حاضر تھا۔۔۔ مقاتل نے کہا کہ شاہد خود انسان کے اعضا ہیں کیونکہ یہ سب آدمی پر
 گواہی دینگے حسین بن الفضل نے کہا کہ شاہد یہ امت ہوگی اور مشہود باقی امتیں ہیں اور بعض نے کہا کہ شاہد مخلوق ہو جو اللہ تعالیٰ کی
 وحدانیت کی شہادت دیتی ہو اور مشہود حق تعالیٰ ہے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ شاہد یوم عرفہ و یوم جمعہ ہو اور مشہود وہ
 یوم موعود یعنی قیامت ہو (رواہ الحاکم و البیہقی و ابن مردویہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یوم الموعود روز قیامت ہو اور مشہود یوم قربانی
 ہو اور شاہد روز جمعہ ہو۔۔۔ حدیث جبیر بن مطعم سے مرفوعاً روایت ہے کہ شاہد یوم جمعہ ہو اور مشہود یوم عرفہ ہو (رواہ ابن عساکر و ابن مردویہ)
 مؤلف نے کہا کہ تفسیرین صحابہ و تابعین سے مختلف آئی ہیں اور جسے جس آیت یا حدیث میں شاہد یا مشہود کا لفظ پایا اسی سے
 اپنے قول کے واسطے تائید نکالی۔۔۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ ایوم الموعود کی تفسیر میں کچھ اختلاف نہیں کہ مراد روز قیامت ہو اختلافی اقوال
 تو شاہد و مشہود میں ہیں پس اول حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں ہے کہ شاہد روز جمعہ ہے اور دوسری حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں شاہد روز جمعہ و عرفہ ہے حدیث
 ابومالک الاشعری میں یوم جمعہ ہو اور یہی حدیث جبیر بن مطعم میں مذکور ہو اور یہی سعید بن المسیب کی اصل روایت میں ہے پس اکثر روایات میں شاہد یوم جمعہ ہو اور ابو ہریرہ کی
 دوسری روایت میں روز عرفہ کے ملانے سے کچھ ضرر نہ ہو گا۔۔۔ (مشہود) کا بیان تو اول حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں وہ یوم عرفہ ہو اور وہ صریح
 حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں وہ روز قیامت ہو اور حدیث ابومالک رضی اللہ عنہ میں وہ یوم عرفہ ہو اور یہی باقی روایات مذکورہ میں ہیں تو یہی قول راجح ہو پس
 معلوم ہوا کہ جمہور کا قول معتبر ہے کہ یوم موعود قیامت ہو اور شاہد جمعہ ہو اور مشہود عرفہ ہے۔۔۔ مترجم کہتا ہے کہ مؤلف مذکور نے زعم کیا

تعالے نے کہا قال ابن جریر حدثنا محمد بن عوف حدثنا محمد بن اسماعیل بن عیاش حدثنی ابی حذینا صفیہ بن زید عن شیخ بن عبد بن ابی لک
الاشعری رفعہ الخ یعنی آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ الیوم الموعود روز قیامت ہو و شاید یوم جمعہ ہو اور مشہود یوم عرفہ ہو اور اللہ تعالیٰ نے روز جمعہ
کو بارے واسطے ذخیرہ رکھا تھا مگر تم کہتے ہو کہ اسناد کے راوی اچھے ہیں سوائے اسکے کہ یہ کہا گیا ہو کہ محمد بن اسماعیل نے اپنے باپ سے سنا
نہیں اور کہا کہ مجھے میرے باپ نے حدیث بیان کی کہ فی القریب۔ میں کہتا ہوں کہ یہ عیب فقط ان لوگوں کے نزدیک ہوگا جو اجازت
میں اس لفظ کو رد نہیں رکھتے ہیں اور صحیح یہ کہ جابر بن ابی اسلم سے موسیٰ بن عبید کا ضعف بھی جاتا رہا اور حدیث قوی ہو گئی واللہ تعالیٰ اعلم
ابن جریر نے باسناد قوی روایت کی کہ سعید بن المسیب نے جو کبار تابعین سے ہیں کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یوم جمعہ
سب ایام کا سردار ہو اور یہی شاہد ہو اور یوم عرفہ مشہود ہو و رواہ سعید بن مسعود و عبد بن حمید و ابن مردودہ قول دوم ابن عباس رضی اللہ عنہما
کہا کہ شاہد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور مشہود یوم القیامہ ہو لقولہ تعالیٰ ذلک یوم مجموع لہ الناس و ذلک یوم مشہود یعنی یوم
ہے کہ جس وقت لوگ سب جمع کیے جاویں گے اور یہ یوم مشہود ہو (رواہ ابن جریر باسناد حسن) میں کہتا ہوں کہ شاہد و مشہود کے معنی
معلوم کر لینا چاہیے تاکہ اقوال کی وجہ سمجھ میں آوے اور خطیب نے بعد ذکر اقوال کے بیان کیا کہ یہ سب اقوال صحیح ہیں۔ فقال نے کہا کہ شاہد
کے دو معنی ہیں ایک وہ کہ جسکی شہادت پر فیصلہ دہت ہو اور مشہود وہ چیز جو شاہد بیان کرے اور دوم شاہد یعنی حاضر ہے جیسے
قیامت میں سب خلائق شاہد یعنی حاضر ہونگے اور مشہود وہ چیزیں جو اس روز شاہد ہوں پس قول اول کا ماخذ یہ ہے کہ یوم
جمعہ شاہد ہو یعنی ہر عامل پر گواہی دیگا کہ اسے آج کے روز یہ اعمال کیے تھے اور عرفہ کے روزہ عرفات میں سب حاجی حاضر ہوتے ہیں
اور قول دوم کا ماخذ یہ ہے کہ قیامت یوم مشہود ہو جیسا کہ آیت سے ثابت کیا اور اس روز محمد صلی اللہ علیہ وسلم شاہد ہونگے لقولہ تعالیٰ
وجئنا بک علی ہؤلاء شہیدا۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس روز تمام انبیاء کی امتوں پر اس امت یعنی صحابہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ لاویگا لقولہ تعالیٰ
و کذلک جعلناکم امۃ وسطا الایہ۔ یعنی اصحاب رضی اللہ عنہم کے حق میں فرمایا کہ تم کو امت وسط یعنی امت عادل بنا دیا ہے
تاکہ تم سب لوگوں پر گواہ مقبول عادل ہو اور انکی عدالت کے واسطے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُپر گواہ ہونگے۔ ابن جریر نے امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما
عنہما سے روایت کی کہ ایک شخص نے حضرت امام رضی اللہ عنہ سے شاہد و مشہود کو دریافت کیا تو فرمایا کہ تو نے مجھے پہلے کسی دوسرے سے
بھی اسکو دریافت کیا ہے اُس نے کہا کہ ہاں میں نے ابن عمر و ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے پوچھا تھا تو ان دونوں نے کہا کہ وہ یوم قربانی اور یوم
جمعہ ہوا قول شاید کہ انھوں نے یوم جمعہ و یوم عرفہ کہا ہوگا (پس حضرت حسن نے فرمایا کہ نہیں) لیکن شاہد تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں
اور یہ آیت پڑھی تکلیف اذا جئنا من کل امۃ شہدا۔ یعنی پھر ان منکر دن کا کیا حال ہوگا کہ جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لاویں گے اور کجگو
ان لوگوں پر گواہ لاویں گے۔ یعنی ہر امت میں سے اُسکا پیغمبر اُسپر گواہ لا لایا جائیگا اور پیغمبروں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گواہی دیں گے کہ انھوں نے
رب عزوجل کی رسالت پہنچادی یا آنحضرت صلعم اپنے اصحاب پر عدل کی گواہی دیں گے اور اصحاب ان پیغمبروں کیلئے گواہی دیں گے اور فرمایا کہ مشہود یوم القیامہ
آیت پڑھی ذلک یوم مجموع لہ الناس و ذلک یوم مشہود۔ ایسا ہی حسن بصری نے بیان کیا ہو تو رے نے ابن جریر عن سعید بن المسیب رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ شاہد اللہ
عزوجل نے کہا کہ شاہد محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مشہود یوم جمعہ ہوا قول چہارم مجاہد و عکرمہ و ضحاک نے کہا کہ شاہد اولاد آدم ہوا اور مشہود روز قیامت ہو۔ قول پنجم
تعالے ہے اور مشہود یوم القیامہ ہو۔ ابن ابی حاتم نے باسناد جید روایت کی کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ شاہد انسان ہوا اور مشہود

ایسے لوگوں کا یہ حال ہو کہ دنیا پر مرتے ہیں اسی کو اپنا گھر سمجھتے ہیں اور اسی زندگی کو زندگی جانتے ہیں اور اس کے واسطے حجاج کرتے اور اپنی اوقات عمر کو اسی میں صرف کرتے ہیں اور دو درمین سے راتوں کو اور گھن کے اوقات میں اور مراصد کے بہاڑی مقامات میں آسمان لے سیارات دیکھتے ہیں بھران میں اپنی انگلی دوڑاتے ہیں اور تم جانتے ہو کہ انگلی کی ہستی کتنی ہوتی ہو لیکن حق تعالیٰ کی طرف سے آپس شامت کی مار ہو جب انھوں نے حق یقین کو چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب پر مہر کر دی وہ علم یقین کے مزے سے واقف نہیں ہیں بلکہ اسی ظن و تخمینہ و انگلی کے مزے کو جانتے ہیں اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے کافروں کی حالت سے ہلکا لگا دیا کہ یہ لوگ انگلی ہی کے تابع ہو کر تے ہیں مترجم کہتا ہو کہ اسپر عقلی دلیل بہت واضح ہو لیکن قلوب اور ذہن سے کج ہیں تو کبھی وہ حق راست سے موافق نہ ہونگے حتیٰ کہ جو لوگ بالکل کافر اور ذہن سے ہیں وہ تو حق دیکھنے کی لیاقت نہیں رکھتے ہیں اور جو اسلام میں بدعتی فرستے ہیں مانند خوارج و روافض وغیرہ کے وہ گوشہ چشم سے ترجیحی نظر کر کے حق کا کچھ نور دیکھتے ہیں و لیکن دائیں بائیں جو کج راہ ہو وہ صاف دیکھتے ہیں اسی وجہ سے کج کو لے لیتے ہیں اور حق ماننے میں ان کے قلب کو تکلیف ہوتی ہو اور یہی باعث ہو کہ جو باتیں اہل حق کی نظر بصیرت میں بالکل واضح بدیہی ہیں وہ ان لوگوں کی نگاہ میں باریک سے باریک ہیں فرقہ دوم اہل اسلام ہیں اور میری مراد ان سے وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم ہیں ان کو یہ یقین ہو کہ دنیا میں سرمایہ سعادت جہاں تک ہو سکے جمع کریں اور چند روزہ ضیق کے بعد فتنائے قدرت میں عین رحمت کی پرورش میں عیش کریں اور وہ ان عجائب آیات قدرت مشاہدہ کو کے قدس کی مملکت بے پایاں میں سیر کریں پس ضرور ہے کہ ان کے لیے بالفعل اللہ تعالیٰ نے اسی قدر ظاہر فرمایا کہ آسمان بروج والے کی قسم ہے پس ایمان لائے کہ آسمان ذات البروج ہو اور یہ آیت ہماری روح کے علم میں ہو انشاء اللہ تعالیٰ بعد موت کے اسکے اسرار مشاہدہ ہونگے اور بالفعل اسبقاً کافی ہو کہ آسمان میں بروج ہیں کو اکب روشن ہیں اور ان میں شان قدرت کا ظہور لطیف ہو اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے انکی قسم کھائی۔ و لیسوا ذات البروج۔ اور قسم میں ملایا۔ والیوم الموعود۔ اور قسم ہے یوم موعود کی یعنی وہ دن جب کا وعدہ دیا گیا ہو واحدی نے کہا کہ یہ مفسرین نے کہا کہ یوم موعود قیامت کا دن ہو۔ و شاید و مشہود۔ اور قسم ہے شاید و مشہود کی۔ واضح ہو کہ الیوم الموعود۔ کو معرفہ بالف و لام بیان فرمایا و شاید و مشہود دونوں بدو ان کے نکرہ ہیں ابن کثیر نے لکھا کہ یہاں مفسرین کے اقوال ہیں قال ابن ابی حاتم حدثنا محمد بن عبد اللہ بن عمر و الغزلی حدثنا عبد اللہ یعنی ابن موسیٰ عن موسیٰ بن علقمہ باسنادہ الیہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ والیوم الموعود۔ روز قیامت ہو و شاید یوم جمعہ ہو یوم جمعہ سے بہتر کسی روز پر آفتاب طلوع نہوا اور نہ غروب ہوا اور یوم جمعہ میں ایک ساعت ایسی ہوتی ہو کہ اگر بندہ مسلمان اتفاق سے اُس ساعت میں اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگے تو ضرور عطا فرماوے اور اگر کسی بدی سے پناہ مانگے تو پناہ دے اور مشہود یوم عرفہ ہو اس حدیث کو امام ابن خزیمہ نے بھی روایت کیا لیکن سب اسانید میں موسیٰ بن عبیدہ راوی ہو اور وہ ضعیف ہو اور بعض نے اسکو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول روایت کیا اور یہی ٹھیک معلوم ہوتا ہو (ابن کثیر) اس حدیث کو امام ترمذی نے اپنے جامع السنن میں روایت کیا ہو (السراج) اس حدیث کو امام عبد بن حمید و ابن جریر و ابن المنذر و ابن مردودہ و بیہقی نے بھی روایت کیا اور اسکے مثل حدیث ابو اسحاق الاشعری رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہو۔ رواہ ابن جریر الطبرانی و ابن مردودہ (فتح البیان) اور امام احمد نے حدیث ابو ہریرہ سے مرفوعاً و موقوفاً روایت کیا کہ شاید یوم جمعہ ہو اور مشہود یوم القیامت ہو اور امام احمد نے قول ابو ہریرہ سے روایت کیا کہ شاید یوم جمعہ ہو اور مشہود یوم عرفہ ہو اور الموعود یوم القیامت ہو۔ یعنی حسن و قتادہ و ابن زید رحمہم اللہ

دے گئے کی۔ وَ سَآھِدٌ وَّ مَشْهُودٌ۔ اور قسم ہے شاہد و مشہود کی ف شاہد حاضر و گواہ مشہود جہاں حاضر ہو اور گواہی
 دیا گیا ابن کثیرؒ نے کہا کہ بروج بڑے بڑے ستارے ہیں چنانچہ قولہ تعالیٰ تبارک الذی جعل فی السماء بروجاً الآیہ۔ میں اسکا بیان کرتا
 ہوں ابن عباس و مجاہد و ضحاک و حسن و قتادہ و سدی نے کہا کہ بروج ستارے ہیں۔ مجاہدؒ نے یہ بھی کہا کہ بروج وہ ہیں جنہیں محافظ ملائکہ
 رہتے ہیں۔ یحییٰ بن یوسف نے کہا کہ بروج آسمان میں قصر ہیں۔ منہال بن عمرؒ نے کہا کہ والسماء ذات البروج یعنی قسم ہے آسمان کی جو
 خوبصورت خلقت والا ہے۔ ابن خلیثمہ کے نزدیک مختاریہ کہ بروج چاند و سورج کے منازل ہیں اور بارہ برج ہیں آفتاب ہر ایک برج
 میں ایک مہینہ رہتا ہے اور چاند ہر ایک میں دو روز اور ایک ہفتائی روز چلتا ہے پس چاند کے واسطے اٹھائیس منزلیں ہیں اور دو روز
 چھپ جاتا ہے (ابن کثیرؒ) مجاہدؒ نے کہا کہ یہ بارہ بروج ہیں برج کو قصر سے تشبیہ دی جیسے قصر میں آدمی اترتے ہیں۔ اسی طرح برج
 میں سیارے سیر کر رہے ہوئے اترتے ہیں۔ عکرمہؒ نے کہا کہ آسمان میں قصر ہیں بعض نے کہا کہ بروج آسمان کے دروازے ہیں السراج
 و فی الفتح وغیرہ مجاہد و حسن و قتادہ و ضحاکؒ نے کہا کہ بروج ستارے ہیں اور آسمان کی یہ صفت ہے کہ اس میں ستارے ہیں مجاہد و عکرمہؒ نے کہا کہ بروج
 آسمان میں قصر ہیں اور یہی ابن عباسؒ سے روایت ہے ابو عبیدہ و یحییٰ بن سلام وغیرہ نے کہا کہ بروج کو اکب کی منزلیں ہیں یہ بارہ برج
 ہیں اور بارہ کوکب ہیں محل و ثور و جوزا و سرطان و اسد و سنبلہ و میزان و عقرب و قوس و جدی و دھوت و ترجم کتا ہے کہ نجومیوں
 وغیرہ نے جو نام ہیں انہیں کے موافق انکی تخلیق بیان کی ہیں چنانچہ محل برہ۔ ثور میل۔ جوزا جڑیا۔ سرطان کیکڑا۔ اسد شیر۔ سنبلہ بالی میزان
 نرزدہ عقرب بچھو۔ قوس کمان۔ جدی بزغالہ۔ دھوت ڈول۔ حوت مچھلی۔ کہا گیا کہ سات ستارے ان منازل میں سیر کرتے ہیں مریخ کے واسطے
 محل و عقرب ہے زہرہ کے لیے ثور و میزان ہے عطارد کے لیے جوزا و سنبلہ ہے مشتری کے واسطے قوس و دھوت ہے زحل کے واسطے جدی و دھوت
 ہے مریخ کے واسطے سرطان ہے آفتاب کے واسطے اسد ہے بعض نے کہا کہ بروج سے مراد چاند کی منزلیں ہیں اور وہ اٹھائیس ہیں اور برج اصل
 لغت میں ظہور کے معنی ہیں ان منزلوں کو برج باعتبار انکے ظہور کے کہا گیا۔ ابن مردودہ نے حدیث مجاہدؒ سے روایت کیا کہ رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ والسماء ذات البروج فرمایا کہ کوکب۔ پوچھا گیا کہ جعل فی السماء بروجاً۔ فرمایا کہ کوکب بنائے
 پوچھا گیا کہ برج مشیدہ۔ فرمایا کہ قصہ ہائے مشیدہ حکم۔ مترجم کتا ہے کہ روایت بہت غریب ہے اور مرفوع حدیث کہتے ہیں تردید ہے اور شاید قول
 ہو اللہ تعالیٰ علم واضح ہو کہ ان اقوال میں سے زیادہ ظاہر قول یہ کہ بروج باعتبار ظہور کے ہے اور وہ کوکب کے ساتھ ہے تو شخص جسکو دنیاوی زندگی
 میں آسمان کی طرف دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و قدرت نظر آوے وہ اسی قدر ظہور کے ساتھ ہے کیونکہ اس سے زیادہ جو کچھ
 بروج کی صورتیں شکل بیل و مچھلی و کمان وغیرہ کے بیان کرتے ہیں اُسے عالم لوگوں کو فائدہ نہیں ہے اور احادیث میں منع کیا گیا
 کہ ستاروں سے زیادہ بحث نہ کریں سوائے قدر ضرورت کے جس سے بیابان و سمندر میں راہ کا پتہ مل جاوے اور وقت معلوم ہو اور
 اس سے فہم و عبرت حاصل ہوتی ہے اور دنیا کی چند روزہ زندگی میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت میں غور و فکر کے ساتھ اُسکی تسبیح پڑھنے
 سے عظیم سعادت کا نورا فی ذخیرہ حاصل ہوتا ہے اور بعد یہاں سے موت کے جب آدمی جنہی سچ میں سے بچ گیا اور اُسکو آسمان پر عروج
 نصیب ہوا تو البتہ وہاں عظیم آیات قدرت کو سچی تحقیق سے دیکھ لیا اور بالفعل اس میں اپنی اوقات ضائع کر کے جو کچھ جھلکی دیکھی
 اُس سے اول تو کچھ فائدہ نہیں ہے دوم وہ اعتماد کے لائق نہیں ہے اور خوب جان لینا چاہیے کہ دنیا میں دو ہی قسم کے لوگ ہیں ایک وہ
 جو اسلام سے منکر ہیں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ و اُس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو آغاز و انجام بتلایا اُس سے منہ پھرتے ہیں تو

سورة البروج مکیّة وہی اثنتان وعشرون آية

سورة البروج اسکا نام ہے ابن عباسؓ نے کہا کہ مکہ میں اسکا نزول ہوا قرطبی وغیرہ نے کہا کہ اس میں کچھ اختلاف نہیں ہے اور شامی آیت بھی سب تفاسیر میں بائیس ہے خطیبؒ نے لکھا کہ ایک نسخہ کلمات ہیں اور چار سواٹھا دن حروف ہیں امام ابن کثیر وغیرہ نے لکھا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشاء میں دس سوا ذات البروج اور دس سوا الطارق پڑھا کرتے تھے (رواہ الامام احمد) اور جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر وعصر میں دس سوا الطارق اور دس سوا ذات البروج پڑھا کرتے تھے (رواہ الامام احمد والدارمی والبیہقی والترمذی وقال حدیث حسن) اور ان دونوں سورتوں کے مانند سورتیں پڑھا کرتے تھے (رواہ الطحاوی) اور امام احمد کی ایک روایت میں حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ عشاء میں السموات پڑھی جاویں۔ یہ محتمل ہے کہ یہ معنی ہوں کہ آپکو حکم دیا گیا کہ سموات کو عشاء میں پڑھیں لیکن اول صورت میں آپ کے معاذ بن جبلؓ کے واسطے امامت میں اس مقدار کا حکم دیا تھا اور دوسری صورت میں شاید یہ تاویل ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ کرتے تھے بطریق شریعت تھا واللہ اعلم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ ۝ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ ۝ وَشَاهِدٍ مُّشْهُودٍ ۝ قِيلَ

قسم ہے آسمان کی جس میں برج ہیں اور اُس دن کی جس کا وعدہ ہو اور حاضر ہوئیوالے کی اور جس پاس حاضر ہو دین مارے جائے

أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ ۝ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُودِ ۝ إِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُودٌ ۝ وَهُمْ

کھانیاں کھودنے والے آگ بھری ایندھن سے جب وہ اُس پر بیٹھے اور

عَلَى مَا يَفْعَلُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ شُعُودٌ ۝ وَمَا نَقْمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا يَا اللَّهُ

جو کچھ کرتے مسلمانوں سے سامنے دیکھتے اور اُن سے بدلہ لینے تھے مگر اسی کا کہ یقین لائے اللہ

الْعَزِيزُ الْحَمِيدُ ۝ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۝ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ

جور بردست ہو خوبیوں سراپا جس کا راج ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور اللہ کے سامنے ہے ہر چیز

مُشِيدٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ

جو دین سے بچلانے لگے ایمان والے مردوں کو اور عورتوں کو پھر توبہ نہ کی تو انکو

عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ ۝

عذاب ہے دوزخ کا اور انکو عذاب ہے آگ لگی کا

ابن کثیرؒ نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ قسم کے ساتھ فرماتا ہے۔ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ۔ قسم ہے آسمان برجون والے کی

ف یعنی قسم ہے جنس آسمان کی جس میں برج ہیں عرب کی زبان میں برج مکانات قصر ہیں جیسے قولہ تعالیٰ فی برج شہیدہ۔ یعنی اگر تم برج محکمہ مضبوط میں ہو تو بھی تم کو موت پاو گی۔ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ اور قسم ہے روز وعدہ

ہین نے دیکھا کہ اُسکے اندر ایک درے سے ہین اور ہر ایک درے کے طاق میں ایک صندوق ہوتا تھا اور اُس پر قفل پڑا ہے اور کبھی سامنے رکھی ہو مین نے بعض صندوق کھولا تو اندر سے پاکیزہ خوشبو اُڑی اور حریر کے لباس تھے انکو کھولا تو اُسکے اندر مرد تھے مین نے جنش دی تو معلوم ہوا کہ زنگہ صورت پر مرے ہوئے مردے ہین ان حریر کے کپڑوں میں کفنائے ہوئے ہین مین نے صندوق بند کیا اور کبھی بدستور رکھی اور نکل کر قصر کا دروازہ بدستور بند کر دیا اور اپنی راہ چل دیا کچھ دور جا کر مجھے دو سوار ملے پچھلیاں گھوڑوں پر سوار تھے اُنکے مثل خوبصورت سوار مین نے نہیں دیکھے انھوں نے مجھے ہر حال دریافت کیا۔ مین نے سب قصہ اُنسے بیان کیا انھوں نے فرمایا کہ اچھا آگے بڑھنا چلا جا وہاں باغ ہے اُس میں درخت کے نیچے ایک بزرگ خوبصورت نماز میں مشغول ہے وہ تجھے راہ پر لگا دیگا پیچش خوش آگے بڑھا اور آخر میں شیخ مذکور کے پاس پہونچ کر سلام کیا شیخ نے مجھے جواب دیا اور حال پوچھا تو مین نے سب قصہ بیان کیا یہاں تک کہ قصر مذکور کا ذکر کیا۔ قصر مذکور کا حال سن کر اُنکو کچھ گھبراہٹ ہوئی پھر فرمایا کہ تیرے کیا کیا مین نے کہا کہ اسی طرح صندوق بند کر کے دروازہ بند کر دیا یہ سن کر اُنکو سکون ہوا اور مجھے فرمایا کپٹھ۔ پھر انکی طرف سے ایک بادل کا ٹکڑا گرا اور اُس نے کہا کہ السلام علیک یا ولی اللہ شیخ نے پوچھا کہ تیرا قصہ کہاں ہوا اُس نے اپنا قصہ بیان کیا پھر دوسرا ٹکڑا گرا اُس نے بھی سلام کیا اور شیخ نے اُسکا مقام قصہ دریافت کیا اسی طرح بادل گزرتے جاتے تھے یہاں تک کہ ایک بادل نے کہا کہ میرا قصہ لبرہ ہے۔ شیخ نے کہا کہ اگر اسکو سوار کر لے اور اُسکے گھر صبح دسالم پہونچا دے وہ اُترا اُسے مجھے سوار کر لیا مین نے شیخ سے التجا کی اب اس قصر سے اور دونوں سواروں سے اور اپنے حالی سے مجھے آگاہ فرماؤ مین نے شیخ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ سمندر کے شہیدوں کا اکرام فرماتا ہے کہ ملائکہ انکو نکال کر حریر کے کفن میں اسطرح مقفل کرے مین اور دونوں مرد سوار دو فرشتے ہین کہ ہر صبح شام انکے پاس آتے ہین اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام پہونچاتے ہین اور مین حاضر ہوں مین نے اپنے رب عزوجل سے درخواست کی تھی کہ مجھے تمھارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ساتھ حشر فرماوے جب مین صحابہ پر سوار ہو کر اونچا ہوا تو مجھے ایک محل مل گیا اور میری یہ حالت ہو گئی جو آپ دیکھتے ہین یہ قصہ اسی طرح شیخ ابن حجر نے الاصابہ فی اسیما و الصحابہ میں خضر کے حال میں وارد کیا ہے حشر صحیح کہتا ہے کہ شیخ الاسلام ابن حجر نے اصحابہ میں قریب تین جز کے خضر رض کے حال میں لکھے ہین لیکن غالب روایات کے اسانید میں کلام کیا ہے اور آخر اس طرف میل کیا کہ خضر زندہ نہیں ہین جیسے دنیاوی زندگی ہوتی ہے اور ترجمہ کو اس وقت خاص کر اس قصہ کی بات یاد نہیں ہے کہ کیا کلام کیا ہے لیکن شیخ سیوطی نے سکوت کیا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ واضح ہو کہ امام سیام ابن القیم نے کتاب الروح میں مستقر ارواح کے بارہ میں پندرہ قول بیان کیے اور ان میں سے یہ قول کہ ارواح کفار کی برہوت مین ہین اور مؤمنین کی روحیں جاہلیہ مین ہین اسکو ضعیف کیا اور اس سے زیادہ ضعیف یہ کہ مؤمنین کی روحیں چاہ زمزم مین ہین اور کہا کہ یہ صحیح نہیں اور بلا دلیل ہے اور سب اقوال سے زیادہ باطل ہے اور شیخ امام کے نزدیک ارجح قول یہ ہے کہ ارواح کفار گاہ ہمزہ ہے لیکن ان میں بہت بڑا تفاوت ہے جیسے بیان انکے علم و عمل و اخلاق میں بڑا تفاوت ہوتا ہے اور اسکو بہت تفصیل سے بیان کیا ہے واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ اور سابق میں ترجمہ نے ہوشیار کر دیا ہے کہ مسئلہ قطعی نہیں ہے لیکن اس سے دو فائدہ عظیم ہین اول یہ کہ اہل ایمان کی تسکین ہوتی ہے کہ دنیاوی زندگی محض تیج ہے لیکن درجات حاصل کرنے کے واسطے اصل ہے اور اصل طلب و تلاش کے قابل وہ مقام ہے جہاں یہاں سے ہر کوئی چاہیے ہو پس ہر کوئی اہل ایمان میں مراتب حاصل کرنے میں تعجب اٹھاتے ہین واللہ الذی لا الہ الا وہ کہ وہ لوگ بڑے سخت نادان ہین دوم یہ کہ آگے درجات عالیات ہین انکے لیے اس حیات میں علم و عمل کے ذریعہ سے کوشش کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے والہو ولی اللہ فی الدنیا والآخرہ

معمولی بات تھی وہ لوگ اسکو عجیب غریب بات نہیں سمجھتے تھے اسی کتاب میں حضرت مالک بن علی القلانسیؒ کے حال میں لکھا ہے کہ جب یہ حضرت مرے اور نماز کے لیے تاہوت رکھا گیا تو لوگوں نے دیکھا کہ تمام جنگل و پہاڑ اور جہان تک نظر جاتی ہی سفید پوش لوگ نظر آتے ہیں اُنکے کپڑے نہایت سفید کا فوری ہیں انھوں نے لوگوں کے ساتھ میں انکے جنازے پر نماز پڑھی ابو خالدؒ سے روایت کی کہ جب عمرو بن قیسؒ نے انتقال کیا تو انکی نماز میں نہایت سفید لباس میں ہشیار لوگ نظر آتے تھے کہ اُسے سحر اور پہاڑ بھرا ہوا تھا جب نماز پڑھ کے دفن کیے گئے تو بعد اسکے لوگوں نے ان سفید پوش مردوں میں سے ایک کو بھی نہ پایا ابن الجوزیؒ نے اسناد کیا کہ امام عبداللہ بن المبارک نے فرمایا کہ میں ایک رات جہان میں تھا کہ میں نے ایک عکلیں آواز سنی جو اپنے مولیٰ عزوجل سے مناجات کرتا تھا کہ اے میرے مالک میرے مولا میرے میان تیرا بندہ تیرا قاصد ہے اُسکی روح تیرے پاس ہو وہ تیرے قبضہ میں ہو وہ تیرا مشتاق ہو رات کو اسکو بخوابی ہو دن کو فلق ہو سینہ سوزان ہو تیرے شوق دیدار میں آنسو بہاتا ہو اور تیرے شوق میں آہ کرتا ہو اگر اسکو آرزو ہو تو تیری ہے اور اسید ہے تو تو ہی اور راحت ہی تو تیری یاد سے ہے پھر یہ شخص بیتاب ہو کر رویا اور یکا یک لغوہ مار کر بیہوش ہو گیا میں نے دور کر اسکو دیکھا بھالو وہ انتقال فرما چکا تھا میں اسی غور و فکر میں تھا کہ ناگاہ کچھ لوگ ظاہر ہوئے اور انھوں نے اسکو لیکر غسل دکنن دیا اور اُسپر نماز پڑھ کر دفن کیا اور ایک بار آسمان کی طرف اُٹھے اور غائب ہو گئے ابن الجوزیؒ نے بلا اسناد حسن بصری سے روایت کیا کہ میں ایک مرتبہ جنگل میں گیا اتفاقاً سیر اگدر ایک غار کی طرف ہوا میں نے دیکھا کہ اُس میں ایک نوجوان کھڑا نماز پڑھتا ہو اور غار کے دہانہ پر ایک شیر لیٹا ہو۔ میں نے پکار کر کہا کہ اے نوجوان کیا تو نے اس شیر کو ابھی تک نہیں دیکھا اُس نے کہا کہ اگر تو اُس مالک سے ڈرتا جس نے اس شیر کو پیدا کیا ہو تو تیرے حق میں بہتر ہو تا پھر شیر کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ تو اللہ تعالیٰ کے کتوں میں سے ایک کُتا ہے اگر تجھے کچھ اجازت دی گئی ہو تو میں تیرے رزق سے تجھے منع نہیں کر سکتا ہوں اور اگر یہ ہو تو یہاں سے چلا جا پس شیر یہ سننے ہی بھاگ گیا پھر اُس جوان نے جناب باری تعالیٰ بن ہاتھ اٹھائے کہ اے میرے مالک اگر میرے لیے تیرے نزدیک کچھ بہتری ہو تو مجھے اپنے پاس اٹھالے اُسے ہنوز یہ کلمہ تمام نہیں کیا تھا کہ دینا سے جدا ہو گیا میں اسکو دیکھ کر فوراً پھر اور اپنے عابد و زاہد و سلتوں کو جس قدر مجھے میسر آئے مع سامان کے لیکر گیا تاکہ جوان مذکور کی تجھیز و تکفین کروں جب غار پر پہنچا تو وہاں کچھ نہیں تھا ہم اسی فکر میں تھے کہ ناگاہ ہاتھ نے آواز دی کہ اے ابو سعید وہ جوان اُٹھ گیا تو اپنے ساتھیوں کو بھیر دے فائدہ - شرف المصطفیٰ میں عبید بن سعید عن ابیہ روایت ہے کہ ایک روز حسن بصریؒ مع اصحاب کے بیٹھے تھے کہ ناگاہ ایک شخص آیا جسکی آنکھیں سبز تھیں حسن بصریؒ نے اُس سے فرمایا کہ اے شخص کیا یہ حالت تیری پیدائشی ہو یا درمیان میں عارض ہو گئی ہے اُس نے کہا کہ کیا آپ نے مجھے نہیں پہچانا آپ نے پوچھا اور اُسے نام و نسب بیان کیا تو مجلس میں کوئی ایسا نہ تھا جو اسکو نہ پہچانتا جو حسنؒ نے فرمایا کہ آخر یہ تیرا حال ہو گیا ہو اُس نے کہا کہ میرا عجیب قصہ یہ ہے کہ میں نے ادھر ادھر سے اپنا مال جمع کر کے تجارت بحری کا قصد کیا اور اس قصد سے ایک جہاز پر بار کیا تاکہ یہاں سے میں جاؤں کشتی روانہ ہوئی ناگاہ راہ میں ایک روز طوفانی ہوا چلی اور جہاز شدت موج میں ٹکڑے ہو گیا اور میں ایک تختہ پر بہتا ہوا ایک ساحل سے لگ گیا بشکل حیطہ ہو سکا خشکی پر اُترا اور جنگل کے نباتات اور چشمہ کے پانی سے فی الجملہ تسکین پائی اور کچھ اُرح میں جا رہی تھیں تک ادھر ادھر بھرتا رہا اور یہی میری غذا تھی اور میں نے ساحل پر کچھ نشان نہ پایا آخر مایوس ہو کر یہ قصد کیا کہ ایک طرف مُٹھا اُٹھائے چلا جاؤں یا تو نجات ہے یا ہلاک ہو کر اس سے چھٹکارا ہو پس میں روانہ ہوا اتفاقاً سے ایک روز میرے واسطے ایک قصر سفید ظاہر کر دیا گیا گویا اُسکی عمارت چاندی کی بنی ہو میں نے اُسکے دروازے پر دھکا دیا تو کوڑھل گئی

جہاننگ ہماری نگاہ جاتی تھی قبر میں نور جگمگاتا تھا پس ہم نے خاک ڈال دی اور قبر برابر کردی اور دیوان سے کوچ کیا مترجم کہتا ہے کہ اس روایت میں یہ چیز مذکور ہے کہ یہ زمین ایسی ہے جو مردے اگل دیتی ہے اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ زمین میں یہ خاصیت ہو بلکہ عرب کا یہ محاورہ تھا کہ جو زمین بہت مہربان ہو تو جس میں جو مردہ نکال کر باہر ڈال دیتا تھا اُس کو اس عبارت سے تعبیر کرتے تھے اور خلاصہ یہ کہ اُس شخص نے یہ بیان کیا کہ جہان نے اپنے صاحب کو دفن کیا ہے یہ ریگ ہے اور درندہ جانور اس میں مردہ نکال لیتا ہے اسید واسطی ابو نعیم نے اس واقعہ کو حدیث ابو ہریرہ سے روایت کیا اور اس میں اسطیج وارد ہے کہ پھر ہم نے علل اور مذکور اسی زمین ریگ میں دفن کر دیا پھر ہم لوگوں نے گفتگو کی اور کہا کہ ایسا نہو درندہ آوے اور نکال کر کھا دے پس ہم نے قبر کھودی لیکن تاکہ نکال کر دوسری جگہ دفن کریں تو ہم نے قبر میں انگوٹہ پایا۔ ابو الحسن بن بشران نے اپنے فوائد کے جز اول میں مسند کیا کہ عبدالعزیز بن ابی رزائے فرمایا کہ کے میں ایک عورت تھی جو ہر روز بارہ ہزار تسبیح پڑھا کرتی تھی وہ مر گئی تو جب لوگ اُس کو قبر تک لے گئے تو وہ مردانہ ہاتھوں سے لے لگی ابی ابن ابی الدنیا نے سکین بن بکر سے روایت کی کہ جب رزاد ابی جلی رحمہ اللہ تعالیٰ مرے اور لوگ لگے کہ دفن کریں جب قبر میں اتارنے کیلئے لوگ کھسے تو کیا دیکھتے ہیں کہ قبر کے اندر جنسی کافر شہ ہے بعض نے اُس میں سے کچھ بھول لے لیے وہ شہرزد تک اُسی طرح ترونازہ خوشنودار تھے لوگ ہر روز دور دور سے اُس کے دیکھنے کو آتے تھے اور اس معاملہ میں لوگوں کا جو عظیم ہو گیا وہ حاکم کو خوف ہوا اور اُس نے یہ بھول لیکر اپنے گھر میں چھپا دے پھر حاکم کے گھر سے گم ہو گئے ہر چند کوشش کی گئی کہ کون شخص لے گیا کچھ پتہ نہیں لگا مترجم کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ معاملہ مخفی رکھا ہے لیکن جب عرصہ گزرنے سے قوم کے دل سخت ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس قسم کے ثواب یا عذاب میں سے بعض نمونہ دکھلاتا ہے اور شیخ نے کتب ائمہ محدثین سے بہت روایات لکھی ہیں انکا ترجمہ انشاء اللہ تعالیٰ علیہ رسلے میں لکھ چکا شیخ نے لکھا کہ لاشہ غائب ہوجانے کی قسم میں سے یہ روایت ہے کہ ابن عساکر نے عطاء خزاسانی سے اسناد کیا کہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو سفر میں اسہال لاحق ہوا اور انتقال کیلئے لوگوں نے انکے خیمے میں دو کپڑے پٹے جو دنیا کے بنے ہوئے کپڑوں کی قسم سے نہیں تھے ایک روایت میں ہے کہ دو کپڑے ایسے پائے گئے جو آدمیوں کے ساختہ نہیں تھے۔ پھر دو آدمی انکے لیے قبر کھودنے گئے تو وہ پس اگر کہنے لگے کہ ہم نے پھر میں ایک قبر کھودی ہوئی پائی گویا ابھی تازی کھود کر چھوڑی گئی لوگوں نے حضرت اویس رضی کو کفن دیکر دفن کیا پھر جو دیکھتے ہیں تو وہ ان کچھ نشان نہیں تھا۔ امام احمد نے اس قصہ کو عبد اللہ بن سلمہ سے روایت کیا اور اُس کے آخر میں اسطیج ہے کہ پھر ہم میں سے بعض نے بعض سے کہا کہ اُوٹو چلین تاکہ اویس رضی کی قبر پر علامت بنا دیں پس لوٹے تو وہ ان قبر وغیرہ کچھ نشان نہیں تھا مترجم کہتا ہے کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اویس جنگ صفین میں شہید نہیں ہوئے حالانکہ خلاصہ میں خیرم کیا کہ صفین میں حضرت علی رضی کے ساتھ حاضر ہوئے اور اسی معرکہ میں شہید ہوئے اور شاید دونوں مختلف روایتوں میں موافقت اسطیج ہو کہ صفین میں ان کو اسہال لاحق ہوا اور انتقال کیا ہو واللہ تعالیٰ اعلم ابن عساکر نے ابو بکر بن ریان سے اسناد کیا کہ ابن مصر کے حام پر کھڑا تھا اور لوگ حضرت ذوالنون المصری کی لاش لائے تھے میں نے سبز پرند دیکھے کہ اُنکے لاشہ پراڑے ہیں یہاں تک کہ انکو قبر تک پہنچایا اور دفن کیا تو پھر میں نے وہ پرند نہیں دیکھے طاہر بن محمد الصدقی نے حضرت سلامۃ الکنتانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حال میں روایت کیا اور یہ سلامۃ ایک اولیائے صاحبین میں سے تھے اُنھوں نے آگاہ کیا تھا کہ میں فلان سال کے فلان وقت پر مرد نکلا چنانچہ اُسی وقت مرے اور جو پرند سفید کہ صاحبین کے جنازوں پر دیکھے جاتے ہیں وہ اُنکے جنازے پر بھی دیکھے جاتے تھے یہاں تک کہ اپنی قبر میں اتارے گئے شیخ نے کہا کہ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اُس زمانہ میں صاحبین کے جنازے پر ایسے پرندوں کا ہجوم کرنا ایک

غلام آزاد کیے ہوئے حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ غزوہ بدر معونہ میں کافرون کے ہاتھ سے شہید ہوئے اور ان کے ساتھی شہید ہوئے اور عمرو بن امیہ الضمری گرفتار ہو گئے تو عامر بن الطفیل نے انکو ساتھ لیا اور شہداء مقتولین کے درمیان میں لایا اور پوچھنے لگا کہ تو اپنے یاروں کو پہچانتا ہے انھوں نے کہا کہ ہاں اُسے سب کو پوچھا پھر کہا کہ تیرے نزدیک انہیں کوئی غائب ہوا انھوں نے کہا کہ ہاں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے آدا کیے ہوئے عامر بن فہیرہ ہمارے ساتھ تھے انکو بھی تیری قوم نے مار ڈالا تھا میں اُنکی لاش یہاں نہیں پاتا ہوں ابن الطفیل نے کہا کہ وہ تمھارے درمیان کیسا آدمی تھا ابن امیہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ ہم میں افضل تھا ابن الطفیل نے کہا کہ بھلا میں تجھے اُسکے حال سے آگاہ کروں اسکو اس شخص نے نیوا کر قتل کیا ادھر اپنا نیزہ نکالا ادھر اسکو آسمان پر لگے حتیٰ کہ واللہ ہماری نظروں سے غائب ہو گیا عامر بن فہیرہ کا قتل کرنے والا ایک شخص جبار بن سلمیٰ کلابی تھا وہ اُسی وقت بھاگا ہوا گیا اور ضحاک بن سفيان کلابی سے کہا کہ مجھے مسلمان کرو اور اُسی وقت مسلمان ہو گیا اور بیان کیا کہ میں نے یہ معاملہ عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کا دیکھا اسی سے مجھے ایمان کی ہدایت ہوئی پھر ضحاک بن سفيان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھا اور عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے آگاہ کیا اور یہ بھی لکھا کہ جبار بن سلمیٰ قاتل بھی توبہ کر کے مسلمان ہو گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ملائکہ نے اُسکا جسدہ دفن کیا اور اسکو علیین میں لے گئے اصل حدیث کو بخاری نے صحیح میں روایت کیا ہے۔ موسیٰ بن عقبہ نے مغازی میں روایت کی کہ عروہ بن الزبیر نے کہا کہ لوگوں نے عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کی لاش کو نہیں دیکھا لوگوں کا اعتقاد یہ ہے کہ ملائکہ نے اسکو دفن کیا ہے شیخ نے لکھا کہ یہی حضرت عائشہ سے ابن سعد و حاکم نے روایت کیا ہے اور واضح ہو کہ ملائکہ کے دفن کرنے سے یہ غرض ہے کہ آسمان میں اسکو مخفی کر لیا ہے واضح ہو کہ حنیب رضی اللہ عنہ کو کافرون نے پھانسی پر لٹکا دیا تھا اور انکا جسم عرصہ تک دھوپ میں سولی پر خوشبودار تادہ رہا۔ امام احمد و ابونعیم و بیہقی نے عمر بن امیہ الضمری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہا بھیجا تھا۔ میں خفیہ کہ آیا اور اُس سولی کے پاس گیا جس پر حنیب کا جسدہ تھا اور کفار اُسکے گرد سوتے تھے۔ میں لکڑی پر چڑھا اور میں ڈرتا تھا کہ مجھے دیکھ نہ لیں میں نے حنیب کا جسدہ کھولا تو وہ زمین پر گر پڑا پھر میں بھی اُسپر سے جلدی سے کود پڑا اور نزدیک ہی کودا مگر میں نے جو دیکھا تو حنیب رضی اللہ عنہ کا نشان نظر نہ آیا اسکو زمین نکل گئی اب تک کہیں اُسکا نشان نہیں ملا۔ شیخ نے کہا کہ دیکھو حنیب بن عدی رضی اللہ عنہ کو بھی ملائکہ نے مخفی کر دیا۔ ابونعیم نے یقین کیا ہے کہ ملائکہ اسکو آسمان پر لے گئے چنانچہ ابونعیم نے اپنی کتاب میں جہان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے معجزات کو موازنہ کیا ہے اسطرح کہتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان کو اُٹھائے گئے ہیں تو ہم جواب دیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے بہت لوگ اسطرح اُٹھائے گئے جیسے عیسیٰ علیہ السلام مع جسم کے آسمان کو اُٹھائے گئے اور یہ زیادہ عجیب ہے پھر امام ابو نعیم نے عامر بن فہیرہ و حنیب بن عدی و علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہم کے حالات بیان کیے۔ ابن الحضرمی رضی اللہ عنہ کا قصہ یہ ہے کہ بیہقی نے دلائل النبوة میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر آراستہ کیا اور اُسپر علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ کو سردار کر کے روانہ کیا اور میں اُنکے لشکر میں شریک تھا جب ہم لوگ فارغ ہو کر واپس آئے لگے تو راہ میں علاء رضی اللہ عنہ نے انتقال کیا ہم نے انکو وہاں دفن کر دیا جب فراغت کر کے ہم لوگ چلے تو ایک شخص نے اکرم سے کہا کہ یہ کون شخص تھا جسکو تم نے دفن کیا ہے ہم نے کہا کہ بہتر لوگوں میں سے تھا یہ علاء بن الحضرمی تھا اُس شخص نے کہا کہ یہ زمین ہے تو مروے اُگل دیتی ہے تو بہتر یہ تھا کہ تم اسکو ایک سیل یا دوسیل ہٹا کر دفن کرتے یہی زمین میں جو مروے قبول کرتی ہے پس ہم لوگوں نے جاکر اُنکی قبر کھودی تاکہ نکال کر یہی کر دیں جب ہم لختیک پہنچے تو وہاں کچھ بھی نہ تھا لیکن

اور وہ پوری طرح سے ادا کر دیا کرتا تھا اتفاق سے اسکو ایک شخص نے دس ہزار دینار مانت دیے اور کہیں چلا گیا یہاں خراسانی بیمار ہوا تو اسکو اپنی اولاد میں سے کسی پر اعتماد نہوا پس اُس نے کسی کو ٹھہری میں یہ امانت دفن کر دی پھر خراسانی مر گیا اوّل والا آیا اُس نے خراسانی کی اولاد سے اپنی امانت کا حال پوچھا انھوں نے لاعلمی ظاہر کی اور ان لوگوں نے علماء سے اسکو دریافت کیا اُس زمانہ میں کے میں بہت علماء تھے انھوں نے کہا کہ ہمارے نزدیک خراسانی جنتی آدمی تھا اور ہم کو خبر ہو چکی ہو کہ جنتیوں کی روحیں زمزم میں رہتی ہیں پس جب ہوائی رات یا آدھی رات جاوے تو تجھے چاہیے کہ زمزم کے کنارے کھڑا ہو کر آواز دے جب وہ تجھے جواب دے تو اُس سے اپنے مال کا حال دریافت کر لے جو اُس نے اُنکے کہنے کے موافق عمل کیا اور اُدل رات پھر دوسری رات پھر تیسری رات برابر اُس نے تین تین اُسکو پکارا اور کچھ جواب نہ پایا تو انھوں نے کہا کہ انا للہ وانا الیہ راجعون ہم گمان کرتے ہیں کہ وہ شخص جہنمی نکلا اب تو میں کو جاؤ اور وہاں ایک وادی برہوت کہلاتا ہے اُس میں ایک کنواں ہے اُسکو بھی برہوت کہتے ہیں اُس میں دوزخیوں کی ارواح رہتی ہیں تو اُس کے کنارے کھڑے ہو کر اسی وقت جس وقت یہاں زمزم میں پکارتا تھا اسکو پکار بوجہ نچہ وہ گیا اور پکارا کہ میں فلاں شخص ہوں تو اسے اہل ہی مرتبہ اسکا جواب دیا باقی حکایت کتاب میں ساتھ ہی مترجم کتاب کو کہ میں نے بعض کتابوں میں باقی حصہ سطح دیکھا کہ اُس نے اپنی امانت کا پتہ دریافت کرنے کے بعد اُس سے کہا کہ اگر شخص تیرے یہاں آنے کا کیا باعث ہوا اُس نے کہا کہ میں لوگوں کے واسطے زہد و عبادت ظاہر کرتا تھا اور لوگوں کو خوف دلاتا تھا اور خود اس بات کا یقین نہ رکھتا تھا۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ روحیں اپنے رب عزوجل کے یہاں ہیں (فائدہ) شیخ ابن القیمؒ نے کہا کہ نفس کے لیے چار گھر ہیں ایک سے ایک بڑا ہوا اول گھر اسکی ماں کا پیٹ ہے یہ مقام صنیع و غم و نار کی ہے دوم جب پیٹ سے نکلے اس دنیا میں آتا ہے اور اس میں بھلائی یا بُرائی گمانا ہے پھر جیسے اول گھر کی پرت بہت بہت گھر اُس کے لیے بہت وسیع ہوا سطح بیان سے نکلے سوم برزخ ہے جس کے سامنے دنیا ہنزلہ ماں کے پیٹ کے ہے اور اس سے بھی بڑا گھر چارم وہ گھر ہے جہاں سے انتقال ہوگا اور وہ دارالقرار ہے خواہ جنت ہو یا جہنم ہو اور ان گھروں میں سے ہر گھر کی شان جدا ہے میں کہتا ہوں کہ ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ تعالیٰ نے سلیم بن عامر الجبالیؒ سے روایت کی کہ دنیا میں مسلمان کی مثال ایسی ہے جیسے بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے کہ جب وہاں سے نکلتا ہے تو پیٹ چھوڑتے ہوئے روٹا ہے پھر جب روشنی پاتا ہے اور وہ پینے کو ملتا ہے تو خوش ہو کر یہ نہیں چاہتا کہ دوبارہ ماں کے پیٹ میں جاوے اسی طرح مومن اپنی موت سے گھبراتا ہے پھر جب اپنے رب تبارک و تعالیٰ کے یہاں جانا ہو تو ہرگز نہیں چاہتا کہ پھر دنیا میں واپس جاوے جیسے بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں لوٹ جانا نہیں چاہتا ہے ابن ابی الدنیا نے مرسل عمرو بن دنیاؒ سے اسی معنی میں حدیث روایت کی اور حکیم ترمذیؒ نے بھی معنی حضرت ابن عباسؓ سے مرفوع روایت کیے (فائدہ) امام باغیؒ نے عمر بن فارص سے نقل کیا کہ میں اولیاء اہل محبت حق سے ایک جنازے میں حاضر ہوا بعد نماز کے دیکھا کہ تمام آسمان سبز بر بندوں سے بھرا ہوا ہے پھر ایک پرند اُترا اور اُسکو ٹھل گیا میں سخت متعجب ہوا پھر میں نے دیکھا کہ ہوا سے ایک آدمی اُتر کر آیا اور وہ پہلے نماز پڑھنے کو بھی اُترتا تھا اُس نے مجھے کہا کہ تلوار سے جو راہ آئی میں مقتول ہوتے ہیں وہ سبز بر بندوں کے پوٹے ہیں ہیں تو اس سے کیا تعجب ہوا کہ شخص شمشیر محبت سے مقتول تھا اُنکے اجسام تو ارواح ہیں شیخؒ نے لکھا کہ ابن ابی الدنیا نے زید بن اسلمؒ تابعی سے ایک قصہ روایت کیا کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد زاہد پہاڑ کے غار میں منقطع تھا جب مرا تو ناگاہ آسمان سے ایک تخت اُترا اور اُسکو لیکر بلند ہو گیا یہاں تک کہ غائب ہو گیا امام بیہقی رحمہ اللہ نے عروہ رحمہ سے روایت کی کہ جب حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے

کہ یہ قطعاً مومنین ہیں۔ خلاصہ یہ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے واسطے تو شہادت الہی غرض ہے کہ یہ لوگ مومنین ہیں تو ان کے حق میں گواہی ہو سکتی ہو اس واسطے مترجم نے کہا کہ انکا اجماع قطعی مومنوں کا اجماع ہو اور بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کے کسی کے واسطے کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا ہو کہ یہ قطعی مومن ہو اگرچہ صاحب کرامت دلی ہو کیونکہ یہ علم فقط اللہ تعالیٰ کو حاصل ہو سببہ اس غیب کو نہیں جان سکتا ہو تو پھر جب کسی کا بچہ مرا تو اس بچہ کی نسبت ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ قطعاً جنت میں ہو، لیکن یہ کہہ سکتے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ مومن کا بچہ ہے تو جنت میں ہو لیکن امام احمدؒ نے کہا کہ ان بچوں کی وجہ سے یہ امیدواری ہو کہ اپنے ماں باپ کو جنت میں لے جاویں تو ضرور ہو کہ خود بچہ کی نسبت جنتی ہونے میں شک نہ کیا جاوے اور امام احمدؒ نے صریح کہا کہ مومنین کی روحیں جنت میں ہیں اور کافروں کی روحیں جہنم میں ہیں اور ایک جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کی احادیث سے استدلال کیا چنانچہ حدیث کعب بن مالک دام ہانی والو ہریرہ وام بشر وعبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اور پرگزرجین مترجم کہتا ہو کہ ذہبی وغیرہ جماعت نے لکھا کہ بشر بن الحارث یعنی بشر حافی رحمہ اللہ تعالیٰ جو اولیائے کبار مشہور ہیں میں سے ہیں انکو خواب میں دیکھا کہ انکی آستین میں کوئی چیز ہو راوی نے پوچھا کہ یا حضرت یہ کیا چیز ہے آپ نے فرمایا کہ ہمارے یہاں امام احمد رحمہ بن محیی بن حسین کی روحیں آئیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے لعل ویا قوت شمار کیے گئے انہیں سے اس قدر میں نے بھی پائے ہیں پھر میں انکو چھوڑ آیا ہوں وہ دعوت کے دسترخوان پر بیٹھے ہیں راوی نے کہا کہ آپ کیوں نہیں شریک ہوئے تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو کہ میرے نزدیک غذا کی کچھ قدر نہیں ہو اسلیے کرم سے میرے واسطے اپنی طرف نظر کرنا مباح فرمایا ہو شیخؒ نے لکھا کہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ام المومنین خدیجہ کبریٰ رضی اللہ عنہا کا حال دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ میں نے خدیجہؓ کو جنت کی نزوں میں سے ایک نہر پر ایک مکان قصب میں دیکھا جس میں نہ لغو ہو نہ نصیب (رواہ الامام ابو بکر الزرار والطربرانی) اور طبرانیؒ نے بسند منقطع روایت کی کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا تھا کہ ہماری ماں خدیجہ کہاں ہیں آپ نے فرمایا کہ مریم و آسیہ کے درمیان میں ایک مکان قصب ہے لغو بغیر نصیب میں ہیں حضرت سیدہؓ نے عرض کیا کہ کیا قصب یہی نرکل ہو فرمایا کہ نہیں بلکہ قصب منظوم کجاہر ویا قوت ہو۔ امام احمد و ترمذی وابن ماجہ والبوداؤد نے حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کو رجم کیا لازماً کی سزا میں پتھروں سے مار کر قتل کیا، تو فرمایا کہ قسم اُس پاک عزوجل کی جسکے قبضہ میں میری جان ہو کہ اب وہ جنت کی نزوں میں سیراب ہو رہا ہو امام احمد و ترمذی وابن ماجہ نے حدیث ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس روح نے جسم سے اس حالت میں جدائی پائی کہ وہ تین باتوں سے پاک تھی تو جنت میں داخل ہوئی تکریر سے اور مال غنیمت میں خیانت کرنے سے اور فرض سے۔۔۔ شیخؒ نے کہا کہ ایک گروہ کا یہ مذہب ہے کہ زمین میں روحیں رہا کرتی ہیں پھر ان لوگوں میں اختلاف ہو کہ زمین پر کہاں ہیں بعض نے کہا کہ قبروں کے صحن میں ہیں ابن حزمؒ نے کہا کہ یہی عامۃ اصحاب احدث کا قول ہو اور ابن عبدالبرؒ نے کہا کہ شہیدوں کی روحیں جنت میں ہیں اور خبروں کی روحیں صحن قبور میں ہیں جہاں جاتی ہیں جاتی ہیں بعض نے کہا کہ ارواح ایک جگہ جمع ہوتی ہیں پس مومنین کی روحیں جابہ میں جمع ہوتی ہیں اور ایک قول یہ کہ جاہ زفر میں جمع ہوتی ہیں اور کافروں کی روحیں برہوت کے کنوئیں میں جمع ہوتی ہیں اور قاضی ابویعلیٰ حنبلی نے اسکو ترجیح دی حالانکہ امام احمد بن حنبلؒ نے صریح اس کے خلاف فرمایا ہو کہ کافروں کی روحیں فی النار ہیں اور شاید برہوت کا کنواں جہنم سے متصل ہو اور احمد بن محمد نیشاپوری نے اپنی حکایات میں لکھا کہ ہم سے ابو بکر بن محمد بن عیسیٰ الطرسوسی نے کہا کہ ہم سے حامد بن یحییٰ بن سلیم نے بیان کیا کہ ہمارے یہاں کے میں ایک شخص خراسان کا رہنے والا تھا لوگ اسکو امانتیں دیکھتے

نے کہا کہ ان لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند روز پہلے ایک جہادی لشکر میں بھیجا تھا اس عورت نے کہا کہ یہ لوگ آگے تو انہیں
سیلے کپڑے تھے اور انہی گردنوں کی رگوں سے خون جاری تھا تو حکم ہوا کہ ان لوگوں کو نہ بیدار میں نہلاؤ پس یہ لوگ گئے اور جب غوطہ
نارکھٹے تو ان کے چہرے چودھویں لات کے چاند کی طرح چمکنے لگے اور سونے کی کرسیاں لاکر بچھائی گئیں انہیں اُٹھلائے گئے اور سونے کی رکابوں میں
گدے رخرے سبز لاکر رکھے گئے انھوں نے امنین سے جس قدر چاہا کھایا پھر جس طرف سے لوٹے تھے تو جس مہوہ سے چاہتے تھے وہ حاصل ہوتا تھا
اور میں نے بھی اُنکے ساتھ کھایا۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھر اُس لشکر کی خبر ہو چلنے کو خوشخبری دینے والا آیا اور اُس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ معاملہ
ہوا اور اسے گئے فلان و فلان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو روک دیا فرمایا کہ اُس عورت کو میرے پاس لاؤ جب وہ آئی تو
آپ نے فرمایا کہ ابنا خواب اسکے سامنے بیان کر پس عورت نے فلان و فلان نام بنام بارہ آدمیوں کے ساتھ خواب بیان کیا اُس شخص
نے کہا کہ یا رسول اللہ! یہ سچ کہتی ہو بے شک فلان و فلان بارہ آدمی مارے گئے تھے لیکن پھر فتح حاصل ہوئی اخلاصہ یہ کہ اس حدیث سے
بھی معلوم ہوا کہ وہ لوگ جنت میں داخل کیے گئے مترجم کہتا ہے کہ جنت میں بیٹیاں ہیں اور قدرت الہی عزوجل بے انتہا ہی اور جو کچھ قرآنِ ہدایت
میں آیا ہو بے شک سچ ہو مجاہد سے ایک قول آیا کہ شہید نہ ہوتا ہو اور رزق جنت اور خوشبو پاتا ہو اور جنت کے اندر نہیں ہوتا اس قول
کی تائید میں حدیث ابن عباسؓ ہے کہ باری سربراہ باجنتہ میں ہیں مترجم کہتا ہے کہ شاید مجاہد نے اس وجہ سے یہ تامل کی کہ حدیث صحیح میں قیامت
کے روز پہلے صراط سے پار ہونے کے بعد مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنت کا دروازہ کھلوا اپنے توراتوان جنت کیلئے کہ جی ان
مجھے یہ حکم تھا کہ آپ سے پہلے کیسے واسطے نہ کھولوں رجا ب) یہ ہو سکتا ہو کہ اول معراج میں آپ داخل ہو چکے پھر مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کے
بعد جہاد شروع ہوا اور شہدا مارے گئے تو آپ کے بعد داخل ہوئے اور اگر جنتِ اُزلیٰ بالفعل ہو اور جنت بعد قیامت کے دوسری ہو تو کچھ اشکال
نہیں رہا اور امام ابن القیمؒ نے نفیس جواب دیا کہ بالفعل داخلہ بدو جسیم ہو اور بعد قیامت کے مع جسم بر وجہ اعلیٰ و اکمل ہوگا شیخ
سیوطیؒ نے کہا کہ شاید مجاہد کا قول جو صوافی حدیث ابن عباسؓ ہے یہ علم شہدا کے واسطے ہوا اور جو قنادیل عرش میں ہیں وہ خاص شہدا ہیں
اور شاید جنت سے باہر وہ شہید ہوں جو سوائے راہِ الہی یعنی جہاد کے مارے گئے جیسے بیضہ و طاعون و غرق وغیرہ سے شہید ہوتے ہیں
جنکے بارہ میں شہید ہونے کی تفصیلت وارد ہوئی ہے یا شہید سے مراد مومنین ہیں چنانچہ جسے دل سے ایمان کی تصدیق کی وہ بھی شہید کہلاتا
ہو ابو ہریرہؓ نے کہا کہ ہر مومن صدیق و شہید ہوتا ہو لوگوں نے عرض کیا کہ آپ یہ کیا فرماتے ہیں ابو ہریرہؓ نے کہا کہ تمھارا جی چاہے پڑھو تو تم
تعالے والذین اسنوا باللہ و درسلہ اولئک ہم الصدفیقون و الشہدا عند ربہم یعنی جو لوگ یقین لائے اللہ واسکے رسولوں پر تو ایسے ہیں
ہی اللہ تعالیٰ کے بیان صدیق و شہدا ہیں۔ اور برادر بن قازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر
امت کے مومنین اللہ تعالیٰ کے بیان شہدا ہیں پھر یہی آیت پڑھی شیخؒ نے کہا کہ سوائے شہدا کے باقی مومنین خواہ عاقل بالغ ہوں یا بچہ
ہوں یعنی مومنوں کی اولاد ہوں تو محمود علیؑ کے نزدیک جنت میں ہیں اور امام احمدؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے اور شافعیؒ نے بھی صریح لکھا
ہو مترجم کہتا ہو کہ پھر اس اجماع صاحبین کے بعد ضرور ہو کہ اول گروہ یعنی شہدا و ابراہیمی ضرور جنت عالیہ میں ہیں اور تادیل حمی شکیہ
جو ابن القیمؒ نے بیان فرمائی کہ بالفعل یہ لوگ جنت عالیہ میں داخل ہوتے ہیں اور بعد قیامت کے سرفرازی بر وہا مال ہوگی اور یہی مترجم کے
نزدیک صحیح ہے جو اللہ تعالیٰ اعلم بعض علماء سلف نے صریح کہا کہ اکی اراد جنت میں ہیں اور ایک گروہ نے کہا کہ مومنوں کے اطفال ضرور
جنت میں ہیں ولیکن کسی خاص لفظ کے حق میں ہم یہ گواہی نہیں دے سکتے ہیں کیونکہ ہم اُسکے مان باب کے حق میں یہ گواہی نہیں دے سکتے

آئے بیان کیا کہ میں بھی ایک غار میں گر پڑا تھا (شاید حبیب برموک سے کفار بھاگے ہیں تو انہاں پہنچا کرنے میں یہ اتفاق واقع ہوا ہو) وہ کہتا ہو کہ میں اُس میں برابر چلا گیا تو آخر میں ایک باغ میں نکلا کہ اس میں ہر قسم کی چیز موجود تھی جو کچھ اُس میں تھا کبھی کہیں میری آنکھوں نے اُس کے مثل نہیں دیکھا اور مجھے لگتا کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کے مثل کہیں پیدا کیا ہو پس میں اتنے دنوں اُسی نعمت و عیش میں رہا جس کے مثل نعمت نہیں ہو اور نہ ایسے بہار کہیں ہیں اور نہ ایسی خوشبو خوشگوار کہیں ہوگی پھر میں اسی حالت میں تھا کہ ناگہ ایک آنے والا آیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے نکال کر تنہا ہی طرف پہونچا دیا اور یہ دونوں پتے میں نے اُس درخت میں سے لے لیے تھے جس کے نیچے بیٹھا تھا تھوہر دونوں پتے میرے ہاتھ میں باقی رہ گئے لوگوں نے ہجوم کر کے ان دونوں کو لیکر سو گھنٹا شروع کیا تو اُس میں ایسی خوشبو پاتے تھے کہ اُس کے مثل کبھی کسی چیز میں خوشبو خوشگوار نہیں پائی اہل الشام یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ شخص جنت میں داخل کیا گیا تھا اور یہ دونوں پتے درخت جنت کے پتے ہیں اور خلفائے یہ پتے لیکر خزانے میں داخل کر لیے تھے۔ مترجم کہتا ہو کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہو اور شک نہیں کہ یہ محض اسرار میں سے ہے جیسے قبر کے ثواب یا عذاب کا معاملہ ہے ولیکن میرے نزدیک یہ جنت وہ نہیں ہو جو آخرت میں ہوگی لقولہ تعالیٰ جنتہا السموات والارض۔ اُس جنت کی چوڑائی آسمان و زمین ہی پس شاید یہ نفوس ارضیہ کی جنت بالفعل ہو اور اس بیان کے واسطے ابتدائے سورہ بقرہ کی تفسیر میں رجوع کرنا چاہیے اور اس بیان سے یہ جواب ہو سکتا ہے کہ بالفعل جس جنت میں داخل کیے جاتے ہیں وہ دیگر ہے اور آخرت میں جس جنت میں داخل ہونگے وہ بے مثال ہو ولیکن مترجم کچھ جرات نہیں کر سکتا ہو واللہ سبحانہ تعالیٰ علم آئندہ میں شیخ جلال کی کتاب سے اختصار کرنا ہوں نسخی نے بحر الکلام میں لکھا کہ ارواح چار درجہ پر ہیں ارواح انبیاء علیہم السلام کہ جب بدن سے نکلتی ہیں تو بدن کے مثل کا فوری یا مشک کے بدن میں رکھ کر جنت میں جاتی ہیں وہاں عیش و نعمت میں ہیں اور رات کو عرش کے متعلق قنادیل میں آتی ہیں۔ ارواح مومنین جو مطہر صالح تھے وہ رخصت اجنبہ میں ہیں کھاتی پیتی نہیں ہیں ولیکن جنت کی طرف دیکھتی ہیں ارواح مومنین گنہگار جو آسمان و زمین کے درمیان ہو میں رہتی ہیں۔ ارواح کفار جو سیاہ چٹریوں کے خوف میں ساتویں زمین کے نیچے ضیق و قید میں رہتی ہیں اور انکو اپنے اجسام سے تعلق ہے تو بدن پر عذاب ہوتا ہو جس سے روح پر صدمہ ہے مترجم کہتا ہو کہ شیخ امام ابن القیم کے کلام سے معلوم ہوا تھا کہ ارواح انبیاء علیہم السلام جہان قدس منزلت میں ہیں وہ بیان سے باہر ہے اور قنادیل عرش دالی ارواح شہداء ہیں اور اسکے لیے (خصوص صریح بھی موجود ہیں واللہ تعالیٰ اعلم قال) اور حافظ ابن رجب نے احوال القبور کے باب نہم میں لکھا کہ ارواح انبیاء علیہم السلام بیشک اللہ تعالیٰ کے بیان اعلیٰ علیین میں ہیں اور بیشک صحیح ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری کلمہ زبان مبارک سے فرمایا وہ یہ تھا اللهم الرفیق الاعلیٰ سبغہ اکنی رفیق اعلیٰ میں مجھے لے لے۔ اور ایک شخص نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبض فرمائے گئے تو آپ کہاں ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جنت میں ہیں۔ رہے شہداء تو اکثر علماء کے نزدیک وہ بھی جنت میں ہیں اور اسی پر احادیث کثیرہ وارد ہیں پھر شیخ نے احادیث سابقہ کا حوالہ دیا اور لکھا کہ امام احمد و ابن ابی الدنیا والبعلی نے حدیث الشریف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھا خواب پسند آتا تھا اور فرمایا کرتے تھے کہ تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہو کہ یا ایک عورت نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے خواب دیکھا کہ گویا میں نے جا کر جنت میں داخل کی گئی ہوں اتفاقاً میں نے ایک شہور جس سے جنت گونج اٹھی اور بچا ایک میں نے دیکھا کہ آپ کے مسلمانوں میں سے فلان و فلان و فلان بارہ آدمیوں کے نام لیے آئے ہیں۔ الشریف

سبعوت ہوئے تو اسوقت سے بنی اسرائیل پر آپ کی نبوت کا زمانہ رہا لیکن یہود نے نہ مانا تو کافر امت تھے اور جنھوں نے مانا وہ مؤمن امت تھے یہاں تک کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سبعوت ہوئے تو حضرت عیسیٰ کا زمانہ ختم ہوا اور زمانہ حضرت خاتم النبیین صلعم شروع ہوا اب قیامت تک آپ کا زمانہ ہی جو قوم نہ مانے وہ کافر امت ہو اور جو مانے وہ مؤمن ہو لیکن ماننا ایمان توحید کے ساتھ ہونا ہی اور اگر کسی نے اسطرح مانا کہ آپ خدا ہیں نفوذ باللہ من ذلک تو یہ کفر و انکار ہو کیونکہ اُسے نہیں مانا بلکہ آپ سے مخالفت کی اسطرح جس قوم نے حضرت عیسیٰ کو خدا یا تیسرا حصہ یا بیٹا کہا تو اُسے بھی حضرت عیسیٰ پر بہتان لگایا اور مخالفت کی اور آپ کی دعوت توحید کو رد کر کے اُسکے مخالف عداوت کی اب دیکھو کہ آخرت میں پیغمبر کے ساتھ وہ امت سر فراری پاوگی جسے اسکو مانا ہی تو واضح ہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بنی اسرائیل سب اسباط ایمان لائے اور قائم رہے اور بعد موسیٰ کے پوٹھ و غیرہ انیلے بنی اسرائیل پر بھی اسباط باپان توحید مدت دراز تک قائم رہے اور ہر صدی میں لاکھوں موجود تھے اور شام میں غیر قومیں بھی ان میں دحل ہوئیں۔ پھر بنی اسرائیل میں فسق و فساد وغیرہ کی کثرت ہوئی اور نبوت کی تعلیم سے بیزار ہوئے اور بزرگوں کے مزارات پر مسجدیں بنائیں اور اُسے مرادین مانگنے لگے اور دنیا کی طلب رنگی اور دنیاوی زندگی میں تنافس پھیل گیا اور بے تفرق ہو گئے اور ہر ایک نے توریت میں اپنے موافق معنی بنائے اور رفتہ رفتہ رد و قدح میں ہر فرقہ علیحدہ ہو گیا اور عالموں اور درویشوں نے اپنا اپنا حال پھیلایا اور اللہ تعالیٰ نے ہر فرقہ و مسلح میں ایک ایک پیغمبر بھیجا لیکن یہ لوگ یہاں تک بے باک ہو گئے کہ پیغمبروں کو قتل کر ڈالتے تھے اور دعوے کرتے کہ ہم ظان پیغمبر کے مزار سے دعا مانگتے ہیں یہ شخص اس سے منکر ہے الغرض اس مکر شیطانی میں گمراہی کے مسلک پر چلے نہ تک کہ ہر فرقے نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو نقل کر کے اُس میں اپنے مطلب کے موافق جا بجا لفظ گھٹا بڑھا دیے واضح ہو کہ قرآن پاک میں اٹکے قبائح بہت سے بتلا دیے گئے ہیں اور بہت حالات کو تاریخ بنی اسرائیل ظہیم سے دیکھ لو۔ اور یاد رکھو کہ حدیث میں آیا ہے کہ یہ امت اسلامیہ بھی یہود نصاریٰ کے قدم بقدم چلیگی۔۔۔ اس حدیث کا معجزہ آج کل بلکہ مدت دراز سے بالکل ظاہر ہو گیا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بالجملہ امت موسیٰ علیہ السلام میں بہت مدت تک دین توحید باقی رہا بلکہ پیچھے جب بنی اسرائیل بگڑے تو بھی صریح شرک کا اقرار نہیں کیا و لیکن جمالی سے قبروں وغیرہ کی پوجا پاٹ میں خراب ہوئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت کا یہ حال ہوا کہ ادھر آپ اس دنیا سے آسمان کو اٹھائے گئے اور ادھر فتنہ شروع ہو گیا اور یہود نے انجیل کے ساتھ بے اپنی کی اور کثرت یہ کہ انجیل متواتر ہاتھوں میں باقی نہیں رہی پھر اللہ تعالیٰ نے شاہ یونان کو یہودیوں پر مسلط کیا اور یہود اپنی بدکار یوں کے جذبات میں پڑے اور شاہ یونان کی مان نے دین عیسیٰ اختیار کیا تھا اُسے اپنے بیٹے کو بھی سمجھایا جب اُسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیروی کرنے والوں کو جمع کیا تو آخری نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رسول اللہ کہتے اور لا ایل الا اللہ کے دین توحید پر تھے وہ ہزاروں قتل ہوئے اور دین شرک (ابن اللہ) کا عقیدہ رکھنے کی تاکید ہوئی اور یہ نصرانی دین ٹھہرا تو صاف معلوم ہو گیا کہ آپ کے دین کے لوگ بہت کم ہیں اور واضح ہو کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو قوم پہلے ہدایت پر تھی پھر اس قوم کے آخری لوگ ضلالت پر بدل گئے تو وہ جھگڑا و بحث کرنے والے ہو جاتے ہیں۔۔۔ اہل اسلام کو لازم ہے کہ یہود و نصاریٰ کے جو حالات بیان کیے گئے ہیں اور خود قرآن مجید میں اُنکے بہت سے خیالات و دعوے مذکور ہیں اُنکے چال چلن سے احتراز کریں اور اپنے قدیم بزرگوں صحابہ و تابعین کی سیرت پر عمل کریں اور گناہوں و بد اخلاقیوں سے ڈریں اور جناب باری تعالیٰ میں توبہ کریں اور اللہ تعالیٰ سے توفیق دینے والا ہو اور ایمانی طریقہ سلامت قلب کے ساتھ آخرت کی فکر کریں کہ آگے معاملہ درپیش ہو ہیٹھی نے حدیث صحیح البخاری ذکر کی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند ابراہیم رضی اللہ عنہ نے انتقال کیا اسوقت سترہ اٹھارہ مہینہ کی عمر تھی ہنوز دو

ظاہر ہوتے ہیں جو پہلے نہیں سمجھا تھا حتیٰ کہ جس قدر تقویٰ و طہارت سے نور برقرار ہو رہا ہے وہی ظاہر ہوتے جاتے ہیں حتیٰ کہ مرتے دم تک یہ ظہور ختم ہونگا حتیٰ کہ تمام اولین و آخرین سب کے واسطے کبھی اختتام نہیں ہوا سیواسطے حدیث علی رضی اللہ عنہ میں ہے کہ اُسکے عجائبات کبھی ختم نہونگے کیونکہ وہ کلام الہی ہو اور کلام صفت حق ہو اور صفت حق کے واسطے حد نہایت محال ہو یہ بھی جان رکھو کہ ہر آیت قدسی ایک عطاے قدس ہے مثلاً جب یہ آیت اتری جو حدیث مہرودین تلاوت کی گئی ہو تو اسکے ظاہر معنی یہ تھے کہ یہود نے دعویٰ کیا تھا کہ ابراہیم ہمارے دین پر یہودی تھے اور نصاریٰ نے دعویٰ کیا تھا کہ عیسیٰ بلکہ وہ نصرائی تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں مگر ایہوں کو ملامت کی کہ تم نے تعصب اپنا شیوہ بنالیا اور اپنی زبان سے دعویٰ کر نیکو کچھ مفید سمجھتے ہو اور تعصب کو دین جانتے ہو اور عرب کو بے علم سمجھ کر ہیکنا ناچاہتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے عرب کے لیے وہ عظیم الشان پیغمبر بھی بھیجا جو انکو علم اولین و آخرین تعلیم فرمائے والا ہے چنانچہ ایک آیت سے دونوں فریق کا جھوٹ کھول دیا کہ حضرت ابراہیم سے بہت مدت کے بعد موسیٰ علیہ السلام ہوئے انکے بعد یہودیت نکلی تو یہودی کذاب کیونکر حضرت ابراہیم کو یہودی کہتا ہو اور اسطرح نصرائی جھوٹا ہو جو یہود کے بعد نکلا، پس ان دونوں فریق میں سے کسی کو حضرت ابراہیم سے قرب نہیں ہو سکتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا۔ ان اول الناس بابراہیم الا یہ۔ یعنی ابراہیم سے اولیٰ و اقرب وہ ہیں جو اُسکے تابع ہوئے اور یہ بنی محمد واسکے ساتھی مومنین الہم۔ یہ معنی ظاہر ہیں اب اس آیت کا بیان آخرت کے واقع ہونے میں حدیث سے نکلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قرب بحسب منزلت ہو اور آیت میں (ہذا نبی) کی خصوصیت بھی ظاہر ہو گئی حالانکہ دیگر انبیاء علیہم السلام بھی مخالف طریقہ ابراہیم علیہ السلام نہیں تھے کیونکہ بنی الف تو یہود و نصاریٰ ہیں اور حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام موافق ہیں ولیکن نکتہ یہی ہے جو بیان ہوا اسلئے (ہذا نبی) یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت فرمائی اور یہ قرآن پاک کے لطائف برکات میں سے ایک خفیت نمونہ ہے اور اسی مقام پر ایسے لطائف ہیں کہ اگر بیان کیے جا دیں تو باوجود بہت توضیح سے بیان کرنے کے بھی سمجھنے میں قصور ہوگا اسلئے ہم دعا مانگتے ہیں کہ الہی ہم تیرے بندے ہیں ہمیں مغفرت کے ساتھ فرما کر قرآن ہمارے دلوں کی ربیع فرماوے کہ خوب یقین سے ہمارے دل بالکل کشادہ ہوں ہم جان لیں اور دلی یقین پا دیں کہ ہم کو جو تو نے قرآن پاک عطا کیا ہو تو اس سے بہتر کسی کو کوئی نعمت نہیں دی ہو اور اسی پر ہمارا خاتمہ بخیر فرماوے یا رحم الراحمین و الحمد للہ رب العالمین از انجاء حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم بہت زیادہ منزلت اعلیٰ میں پہنچے اور یہ آپ کے کمال اعلیٰ کا طفیل ہے اور یہ بات دیگر احادیث سے صریح ثابت ہو اگر وہیم ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی است نسبت حضرت موسیٰ کے زیادہ ہو کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت بنی اسرائیل میں منحصر تھی اور ماسوائے انکے دیگر اقوام میں بہت کم ہوئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے اب تک ہزاروں اقوام مختلفہ ہیں (جواب) یہ وہم بالکل غلط ہے اور محض شیطانی دھوکا ہے پہلے یہ سمجھ لو کہ جو پیغمبر اللہ تعالیٰ نے بھیجا وہ فقط ایک قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا پھر چاہے دوسری قوم کے لوگ بھی اُس پر ایمان لا کر حجت میں جا دیں یہی سب پیغمبروں کا حال تھا سوائے ایک پیغمبر کے وہ ہمارے بنی مصطفیٰ سرور انقیاد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ آپ کو آپ کے رب تبارک و تعالیٰ نے اس شان میں خاص ممتاز فرمایا اور یہ بہت عظیم اختصاص ہے اور اسکی یہ صورت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ملک و ہر قوم میں ایک پیغمبر اپنا بھیجا اور ہر قوم کو آگاہ کر دیا جب دنیا کی سب قومیں آگاہ ہو گئیں تو آخرین میں اپنے حبیب رسول کو بھیجا اور تمام جہان کو آگاہ کیا کہ ہمارے حبیب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدم پر ہماری معرفت حاصل کریں اور تمام صحیفے و کتابیں سب کو قرآن میں جمع کر دیا اس سے خارج کوئی علم نہیں ہے اب دیکھو کہ پیغمبر کی بھیجا گیا اسوقت سے قوم پر اسکی نبوت کا زمانہ ہی خواہ یہ لوگ مانیں یا نہ مانیں سب اُسی کی امت ہیں مثلاً حضرت عیسیٰ جب بنی اسرائیل پر

بھی وعلیٰ مجھے لے اور اُنکے ساتھ میں انکی قوم کے چند نفر تھے (یعنی گنتی کے چند اصحاب ہر ایک کے ساتھ تھے) پھر میں تیسرے آسمان کو گیا تو مجھے یوسف سے ملاقات ہوئی اور اُنکے ساتھ بھی چند نفر انکی قوم کے تھے پھر میں چوتھے آسمان پر گیا تو مجھے ادریس سے ملاقات ہوئی جسکے ساتھ چند نفر انکی قوم سے تھے پھر میں پانچویں آسمان کو گیا تو مجھے ہارون سے ملاقات ہوئی جسکے ساتھ میں انکی قوم کے چند نفر تھے پھر میں چھٹے آسمان پر چڑھا تو مجھے موسیٰ سے ملاقات ہوئی اُنکے ساتھ میں انکی قوم کے چند نفر تھے پھر میں ساتویں آسمان پر گیا تو مجھے ابراہیم سے ملاقات ہوئی اُنکے ساتھ میں انکی قوم کے چند نفر تھے پھر مجھے کہا گیا کہ یہ تیری جگہ اور تیری است کی جگہ ہو پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ ان اولی الناس بابراہیم للذین اتبعوه و ہذا النبی الایہ یعنی ابراہیم کے ساتھ سب لوگوں سے زیادہ نزدیک وہ ہیں جنھوں نے ابراہیم کا اتباع کیا تھا اور ید بنی (محمد) اور جوگ اسکے ساتھ ایمان لائے ہیں اور اللہ تعالیٰ مومنین کا ولی ہو۔ ۷۔ ناگاہ میں نے وہاں اپنی است کو دیکھا اُنکے دو گروہ تھے ایک گروہ پر سبے براق سفید لباس تھے گو یا سفید کاغذ ہیں اور ایک گروہ دیگر پر لباس میلے تھے۔ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ ارواح کے مراتب ہیں اور ہر آسمان میں آپ نے ایک قوم کو دیکھا۔ ۸۔ مترجم کہتا ہے کہ اس حدیث پاک میں علوم قدسیہ بکثرت ہیں از انجملہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم طہر تام اولین و آخرین سب میں ممتاز تھا کہ وہ ارواح کے حکم میں تھا کیا نہیں دیکھتے ہو کہ حضرت انسؓ کی والدہ وغیرہ آپ کا پسینا لیکر اپنے عطر وں میں ملائی تھیں کیونکہ تمام جہان کے عطر اسکا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے حالانکہ عرب میں عطر گلاب نہایت عمدہ آتا ہے جو (اسٹی روپیہ) تولد ملتا ہے اور مترجم کہو نکرا اشارہ کرے۔ سنو ایک صحابی رضائے مٹی کے ٹوٹے میں نظر کی تو پانی دیکھ کر بلی لیا جب خوشبو آئی تو اُنکو شرم آئی کہ شاید یہ گلاب کھا تھا آخر معلوم ہوا کہ نہیں بلکہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی سردی کی وجہ سے رات میں اسی برتن میں فراغت فرما لیتے ہیں اور وہ صبح کو بہا دیا جاتا ہے اتفاق سے رکھا رہا اب دیکھو کہ ان صحابی کے بدن سے تمام عمر وہ خوشبو ہمیشہ پسینے میں آتی ہے یہ فضلہ کی کیفیت تھی اور قیاس کرو کہ آپ کی اولاد پاک کا کیا مرتبہ ہے اور آپ کی ازواج مطہرات کی شرافت کہاں تک شرف منزلت میں عالی ہے ولیکن خارجی و رافضی عجب محق فرقے ہیں لغو بانش من شہا آور واضح ہو کہ ایک مرتبہ آپ نے حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ اتنی اس سے سردی گرمی دور کر دے اس کلمہ قدسی کا ایک اثر تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمیشہ گرمی میں جاڑے کے کپڑے اوچاڑوں میں گرمی کے کپڑے پہنے رہا کرتے اور اسطرح گرمیوں میں سفر کیا کرتے تھے اور جب کوئی اصرار کرتا تو یہ حدیث روایت فرماتے تھے از انجملہ حضرت علیؓ اور پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ میں اسکی قوم کے چند نفر پائے۔ قوم سے مراد وہ قوم ہے جسکی جانب وہ پیغمبر بھیجا گیا تھا اُس میں جو لوگ ایمان لائے وہ خاص ہوئے پھر یہ نفر جو ساتھ تھے پیغمبر کے خاص اصحاب تھے جنکو یہ شرف حاصل ہوا کہ اس پیغمبر کے ساتھ ہوں اور اس سے معلوم ہوا کہ ان پیغمبروں میں حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے انکے اصحاب اس منزلت کے فقط گنتی کے چند لوگ تھے۔ اگر کہا جاوے کہ شاید انکی امتیں مراد ہوں (جواب) نہیں کیونکہ اول تو ہر ایک کی پوری امت اُسکے ساتھ رہنے کی منزلت نہیں پاسکتی ہے اور دوم یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کا ذکر دوسری حدیث میں صریح ہے کہ وہ بہت بڑا گروہ ہوا اسقدر بڑا گروہ کہ پہلے کسی پیغمبر کا اتنا بڑا گروہ نہ تھا تو یہ چند نفر نہیں ہیں پس بیان خاص اصحاب مراد ہیں جنکو یہ شرف ہے کہ پیغمبر کے ساتھ رہیں اور اسطرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے جو وہاں بچا اور بچی است کا مقام ہوا اسی معنی میں کہ آپ کا اور آپ کے خاص اصحاب رضی اللہ عنہم کا مقام ہے اور صاف معلوم ہوا کہ آپ کے اصحاب بہت زیادہ ہیں جو آپ کے ساتھ ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم آجین از انجملہ آیات قرآنیہ جو عطا ہوئی ہیں انکے ایک معنی تو صاف ایسے ہیں کہ ہر مسلمان سمجھ لے اور جب اسپر عمل کرنے اور تلاوت کرنے سے نور بصیرت حاصل ہو تو ترقی میں معافی

بعد تھوڑی دیر کے وہاں دیکھا گیا تو کچھ نہ تھا فافم ابن مسندہ اسی وقت نے بطریق عبدالرحمن بن زیاد بن انعم عن حبان بن ابی جبیلہ روایت کی کہ مجھے خبر ہو چکی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ جب شہید ہوتا ہو تو اللہ تعالیٰ اُسکے لیے ایک جسم بہت خوبصورت نازل فرماتا ہے اسکی روح سے کہا جاتا ہے کہ اس میں داخل ہو جاؤ تو وہ اپنے جسم اول کی طرف دیکھتا ہے کہ اُسکے ساتھ کیا کیا گیا ہو (یعنی مقطور غرضی جدا جدا ہو) پھر وہ گفتگو کرتا ہے وہ یہی سمجھتا ہے کہ یہ لوگ میری گفتگو سنتے ہیں پھر جب جواب نہیں دیتے تو انکی طرف نگاہ کرتا ہے وہ یہی سمجھتا ہے کہ جیسے میں دیکھتا ہوں یہ مجھے دیکھتے ہیں پھر اسکی جنتی از دارج یعنی حورالعین آجاتی ہیں اور اپنی طرف متوجہ کر کے اُسکو لیکر چلی جاتی ہیں مہرگم کہتا ہے کہ شیخؒ نے اشارہ کیا کہ عبدالرحمن بن زیاد بن انعم فرماتی ہیں کہ راوی ضعیف ہیں اور اسی طرف امام ترمذیؒ نے میلان کیا ہے لیکن امام بخاریؒ نے فضل کیا کہ وہ تقویت کرتے اور کہتے کہ مقارب الحدیث ہے۔ میں کہتا ہوں کہ بالاتفاق سب کے نزدیک عبدالرحمنؒ مرد صالح متقی تھے موافق حکم الہی کے نیک کاموں کا حکم کرتے اور بُرے کاموں سے منع کرتے تھے اور جسے مانند امام بھی القطان وغیرہ کے انہیں کلام کیا تو فقط حافظہ خراب ہونے کا دعویٰ کیا ہو اور یہ مشہور ہے کہ امام بھی القطان بہت خفیف خرابی سے بھی راوی کو ترک کر دیتے تھے اور یہاں امام بخاریؒ کی توثیق موجود ہے تو ضرور اعتبار ہوا کہ عبدالرحمنؒ اچھے راوی ہیں اور انھوں نے حبان بن ابی جبیلہؒ سے روایت کی جو طبقہ سوم کے تابعین میں سے ہیں یعنی متوسط درجہ کے تابعی ہیں اور فقہ ہیں تو انکی مرسل روایت قبول ہے۔ روایت ہے کہ کفار نصاریٰ چار آدمی قید کر لیے اور اپنے بادشاہ کے سامنے پیش کیے اُسے نہر کے کنارے خیمہ آراستہ کیا اور خوبصورت لڑکیاں آراستہ کر کے جمع کیں اور ان لوگوں سے کہا کہ اگر تم دین مسیح میں آ جاؤ تو بڑا درجہ پاؤ اور میں تمھیں لڑکیاں بیاہ دوں اور مملکت میں سردار بناؤں یہ لوگ وسوسہ نفس و شیطان میں آ گئے اور قبول کیا سواے ایک کے کہ اُسے ساتھیوں کو ملامت کی۔ نصاریٰ نے خوف کر کے کہ شاید یہ ان باقیوں کو بھی اپنے ساتھ لے لے اُسے فوراً حکم دیا کہ اسکی گردن مار کر نہروں میں پھینک دو چنانچہ فوراً اسکی گردن ماری گئی جب اُسکا سر دریا میں پھینکا تو سر ڈوب گیا اور دم بھر کے بعد اوپر آیا اور لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر اپنے یادوں کو نصیحت کی اور بہت صاف آواز میں انکو اللہ تعالیٰ کی آیات سنائیں اور تمام مجلس کے کفار بہت سے پھرا گئے اور آخر اُسے اپنے ساتھیوں کو سلام کیا اور غائب ہو گیا اُسکے ساتھی فوراً توبہ کر کے دین حق پر مضبوط ہو گئے اور بعد چند روز کے وہ بھی شہید کیے گئے اور اس قسم کے روایات اسانید صحیحہ کے ساتھ بے شمار ہیں اگر مترجم انکو لکھنا چاہے تو بہت دراز ہو جاوے لیکن نیکی بحث کے واسطے ایک اشارہ کافی ہوتا ہے اور آج کل کے زمانہ میں ہر طرف فتنہ و فساد بکثرت ہو اور ایماندار کو چاہیے کہ کفار کے سواے اپنی قوم کے مسلمانوں کی طرف بھی نظر نہ کرے کیونکہ سب دنیا چاہتے ہیں الا ماشاء اللہ تعالیٰ بلکہ اپنے دین پر اور اپنے بزرگان صاحبین پر ہر دم نظر رکھے اور ہمارا اللہ تعالیٰ حافظہ و نگہبان ہو شیخؒ نے لکھا کہ صاحب الايضاح رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا کہ جو بندے صاحب النعم ہیں وہ علیہم کے درجات ہیں طبع سے ہیں بعضے درجہ جنت میں بلند پرواز ہیں اور بعضے سبڑ چڑیوں میں ہیں اور بعضے زیر عرش کے قنابیل میں رہتے ہیں اور بعضے سفید پرندوں میں ہیں اور بعضے زرد پرندوں میں ہیں اور بعضے کسی جنتی صورت میں ہیں اور بعض کے لیے انکے اعمال سے صورت مرغوب پیدا کی جاتی ہے اور قول بعض اپنے جتنہ میں ہیں جیسے حضرت جعفر بن ابی طالب بشرطیکہ آنحضرت صلعم نے جعفر طیار رنہ کو دنیاوی شکل میں دیکھا ہوا فافم اور بعضے اپنے جتنہ کو دیکھنے آیا کرتے ہیں اور بعضے وہ ہیں کہ جو مرنے لگتے ہیں اُسے لے آتے ہیں اور بعضے میکائیلؑ کی کفالت میں اور بعضے آدم کے اور بعضے ابراہیمؑ کی کفالت میں ہوتے ہیں۔ ہر قسم کی گمان کہ یہ اچھا قول ہے اور اس سے سب اخبار جمع ہو جاتے ہیں کہ کتابوں کے معراج کی حدیث میں جسکو بہیقی و ابن مردودہ نے حدیث ابو سعید الخدریؒ سے روایت کیا ہے یہ ذکر ہے کہ پھر میں دوسرے آسمان پر گیا تو میں نے دیکھا

روح انسانی مراد ہے جسکی حقیقت ہم لوگوں کی سمجھ سے باہر ہے یا اس کو روح جسمانی و نفس مطمئنہ و جان و جی مراد ہو اور یہی اظہر ہے کیونکہ اسکے واسطے جنت کے باغات و اندار و لباس و میوہ جات و غیرہ سے لذائذ و عیش و تنعم ہو اور اگر مترجم کا زعم ٹھیک ہو تو جمیع آثار سابقہ کا بیان ہوگا کہ ارواح مومنہ اعلیٰ علیین میں ہیں اور ارواح فاجرہ سچیں میں ہیں اور ارواح جسمانیہ جو نفوس ارضیہ ہیں انکے واسطے مستقر جدا جہان ہیں اور ہر ایک کے اشیاء ہیں جتنی کہ بعضے فجار برہوت میں جاتے ہیں اور بعضے دوسری جگہ جاتے ہیں اور مومنین بعضے جابیہ میں اور بعضے دوسری جگہ جاتے ہیں اور اس صورت میں کچھ تردد نہیں رہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے برادران انبیاء علیہم السلام سے ملاقاتیں ملاقات کی اور حضرت موسیٰ کو قبر میں ملا پڑھتے دیکھا اور حدیث صحیح میں ہے کہ میں نے اس غنیہ سے موسیٰ علیہ السلام کو اترتے دیکھا تبلیہ کتے ہوئے احدیث اور دوسری حدیث میں طواف کعبہ میں عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو دیکھنا مروی ہے بلکہ مسیح و قبال کو بھی دیکھنا مروی ہے اور یہ اسرار عجیبہ ہیں جہاں اوہام و خیالات عاجز ہیں اور شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے دل کھول دیے ہیں اور کفار و منافقین کے دل بھیج جاتے ہیں اور اہل سعادت اس دنیا سے فانیہ کی حیات سے دل برداشتہ ہو کر آخرت کے شائق ہوتے ہیں اور عذاب سے پناہ مانگتے ہیں انہی ہم بندوں پر رحم فرما کر ہمارا خاتمہ بخیر فرمائو اور ہم کو بخار و اثرار کے ساتھ سے پناہ دیجیو آمین یا ارحم الراحمین۔ شیخؒ نے کہا کہ ہناد بن السریؒ نے کتاب الزہد میں بطریق محمد بن اسحاق عن اسحق بن عبد اللہ بن ابی فروہ روایت کی کہ میں نے بعض اہل العلم سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شہداؤین درجہ کے ہیں پس ان میں سے جو سب سے کم درجہ والا ہو وہ ہے جو اپنی جان و مال سے نکلا وہ مقتول ہونا نہیں چاہتا تھا و لیکن مارا گیا اسطرح کہ اتفاق سے باد ہوائی تیر آیا جسکا مارنے والا معلوم نہیں ہوتا وہ اس شخص کے لگا پس اسکے خون سے جو پہلا قطرہ ٹپکا اُسکے سب گناہ معاف کر دیے گئے پھر آسمان سے اللہ تعالیٰ ایک جسم آتا رہا جو حسین اُسکی روح رکھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتے ہیں تو جب کسی سماں پہنچ کر گزرتے ہیں تو وہاں کے ملائکہ اُسکی متابعت میں ساتھ ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ حضور باری تعالیٰ تک ملکہ پہنچتا ہے تو وہاں اپنے رب تبارک و تعالیٰ کے لیے سجدے میں گر پڑتا ہے پھر حکم ہوتا ہے تو ملائکہ اُسکو استبرق کے شتر لباس پہنتے ہیں پھر حکم ہوتا ہے کہ اسکو اسکے بھائیوں شہیدوں کی ملاقات کو لیا جاؤ اور انھیں کے ساتھ رکھو پس اسکو شہداء کے پاس لے جاتے ہیں وہ لوگ جنت کے دروازے پر سبز قبا کے اندر ہیں جنت سے انکی غذا المین آتی ہیں جب یہ اُسکے پاس پہنچتا ہے تو اس سے وہ لوگ حالات پوچھتے ہیں جیسے سفر سے واپس آنے والے مسافر سے پوچھا کرتے ہیں کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے کیا کیا وہ کہتا ہے کہ فلاں مذکور مفلس ہو گیا تو کہتے ہیں کہ اُسے اپنا مال کس چیز میں برباد کیا وہ تو بڑا ہوشیار کماؤ تاجر تھا اور ہم لوگ مفلس اُسکو نہیں کہتے جسکو تم کہتے ہو مفلس حقیقت میں وہی ہے جسکے پاس نیک اعمال نہ ہوں اچھا اور مبتلاؤ کہ فلاں نے اپنی زوجہ فلاں کے ساتھ کیا پرناؤ کیا وہ کہتا ہے کہ اُسے تو اُس عورت کو طلاق دیدی کہتے ہیں کہ کیوں وہ تو اس عورت کو بہت چاہتا تھا پھر پوچھتے ہیں کہ وہ فلاں بن فلاں کیا حال رکھتا ہے یہ کہتا ہے کہ وہ تو مجھے بہت مدت پہلے مر گیا تھا کہتے ہیں کہ واللہ وہ برباد ہوا ہم نے اُسکا ذکر نہیں سنا اللہ تعالیٰ نے دو راستے مقرر کیے ہیں ایک راستہ ہماری طرف ہو کر جاتا ہے اور دوسرا راستہ ہم سے مخالف جاتا ہے جب اللہ تعالیٰ کو کسی بندے کے ساتھ بہتری منظور ہوتی ہے تو اُسکا گزر ہماری طرف ضرور ہوتا ہے تو ہم اُسکا مرنا پہچان جاتے ہیں اور جب کسی بندے کے حق میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بُرائی مقدر ہوتی ہے تو ہم سے برخلاف راستے سے لے جایا جاتا ہے تو ہم اُسکا کچھ ذکر نہیں سنتے ہیں مترجم کہتا ہے کہ سابق میں شیخ الحافظ ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اشارہ کیا تھا کہ شہداء بعضے جنت کے باہر رکھے جاتے ہیں یعنی منزلت میں کی ہے مترجم کہتا ہے کہ اجساد شہداء اپنے نفوس کیساتھ ہیں اور بہت سے واقعات سے معلوم ہوا کہ میت جہاں دفن کی گئی تھی

تو انکار کر جاوین لہذا آپ انکو آگاہ کر دین ایسا نہ ہو کہ میں کبھی اسکو بیان کروں اور وہ مجھے جھوٹا بنا دین پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
 منبر پر جا کر بعد حمد و ثناء کے لوگوں کو اس سے آگاہ فرمایا مگر ترجمہ کرتا ہوں کہ بعد اسکے اسرار میں سے حضرت ابوبکرؓ نے نکاح کر لیا اور عبد اللہ بن جعفر
 رضی اللہ عنہ کو فرزند کی طرح پرورش کیا اسی لیے جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انتقال فرمایا تو عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے آبدیدہ ہو کر حضرت عمرؓ
 سے اجازت مانگی کہ مجھے جہاد شام کا شوق ہو آپ مجھے اجازت دین پھر اپنے چچا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اجازت لی اور حضرت علیؓ نے انکی والدہ
 اسرار میں سے بعد ابوبکرؓ کے نکاح کر لیا تھا۔ عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے شام میں خوب جہاد کیا پھر مکہ میں سکونت اختیار کی اور بعد زمانہ زید کے
 بلکہ شہر ہجری میں انتقال کیا اور انھوں نے مجاہدین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کا شرف پایا ہوا (سوال) ارواح شہداء اور غیرہ کی
 نسبت جو لفظ آیا ہو کہ سبز چڑیوں کے پوٹوں میں ہیں تو کیا مطلب ہو (جواب) قرطبیؒ نے کہا کہ ایک روایت میں یہ لفظ ہے (کہ سبز چڑیوں
 کے پوٹوں میں) اور اسکے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ چڑیاں سبز رنگ ہیں انکے پوٹوں میں ارواح رکھی جاتی ہیں لیکن یہ معنی سمجھنا ٹھیک
 نہیں ہیں بلکہ اصح دوسرے معنی یہ ہیں کہ ارواح کا مستقر سبز چڑیاں ہیں یعنی وہ ارواح خود سبز چڑیوں کی صورت میں ہوتی ہیں چنانچہ
 حدیث کعب رضی اللہ عنہ میں ہے (نسمة المؤمن طائر من طائر) روح پرند ہوا سی طرح سنن ابن ماجہ میں حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے
 (کعب بن جعفر) مانند سبز پرند کے۔ اور حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ میں (لصدور سفید پرند) اور حدیث کعب میں ہے (شہداء کی روحیں سبز پرند ہیں)
 قرطبیؒ نے کہا کہ اس سے ظاہر ہوا کہ وہ سبز پرند کے پوٹے کے اندر نہیں بلکہ خود لصدور سبز پرند ہوتی ہیں مگر ترجمہ کرتا ہوں کہ حدیث ابن مسعود
 سے ظاہر ہوا کہ سبز پرند سے تشبیہ مقصود ہے اور مگر ترجمہ کرتا ہوں کہ ظاہر یہ کہ صورت مذکورہ کچھ روح کے واسطے نہیں ہے بلکہ نفس جسمانی یعنی
 نفس مطمئنہ سے تاکہ لطیف سیوہ جات و غذا ہاے جنت سے لذت اٹھاوے چنانچہ جنت میں سے کھاتے پھرتے ہیں یہ بھی اسی معنی کو غنی
 ہے اور شہداء کے واسطے یہ خصوصیت منصوص ہے کہ اپنے رب عز وجل کے یہاں زندہ ہیں انکو رزق دیا جاتا ہے چنانچہ شیخ عز الدین بن عبد السلام
 نے بھی افادہ فرمایا کہ اگر کوئی کہے کہ سب لوگ آخرت میں زندہ ہوتے ہیں پھر شہداء کی کیا خصوصیت ہو کہ انکے حق میں منصوص فرمایا۔ (جواب)
 یہ کہ خصوصیت یہ ہے کہ دوسروں کی زندگی آخرت میں بدن سے جدا کر کے ہوتی ہے برخلاف شہیدوں کے کہ وہ بدن ہاتھ ہیں اور دنیاوی لذات
 سے بے انتہا بڑھ کر لذت ہاتھ ہیں شیخ سیوطیؒ نے کہا کہ ابن عبد السلام کے نزدیک مختار یہ ہے کہ شہداء کی روحوں کو سبز پرندوں کے
 اندر رکھتے ہیں مگر ترجمہ کرتا ہوں کہ میں اس قدر جرات نہیں کر سکتا ہوں کہ ان اکابر علماء و رحمہم اللہ تعالیٰ کے درمیان کلام کر سکوں و لیکن میرے
 علم میں اللہ تعالیٰ نے یہ الہام فرمایا ہو کہ ارواح خالصہ کے لیے جو کچھ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے وہ بے مثل و بے مثال ہے اور اسکا اعلیٰ مرتبہ بعد
 معارف عقلیہ کے حاصل ہوتا ہے اور کلمات قدسیہ نبوت میں ادنیٰ درجہ سے تعلیم اہم ہے اور وہ از قسم خود و دلہا و غیرہ جو کسی سمجھ و بناوی
 چیزوں سے حاصل ہوتی ہے اور یہ لذت اس روح جسمانی کے لئے ہے اور عام طور پر جان و روح و نفس ایک ہی چیز سمجھی جاتی ہیں اور جنت
 کی اس قسم کی نعمتوں سے اس روح کو لذت ہو جو جسمانی روح ہے کیونکہ روح انسانی کو اس سے رغبت نہیں ہے اور شہید نے دنیاوی
 لذت چھوڑی ہے جبکہ دنیاوی خود و دلہا کی لذت کچھ نہیں ہے و لیکن جان اسکو بہت چاہتی ہے جیسے انسان اپنی جان کو چاہتا ہے اور شہید نے
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی تصدیق کر کے جی و جان کو اس لذت سے منقطع کر کے شہادت لی تو اللہ تعالیٰ نے بالفعل اسکو
 علاوہ اس جسم خاکی کے جنتی پاکیزگی کا جسم دینا پس اسکی روح انسانی جس نعمت میں ہے اسکو بیان نہ فرمایا کیونکہ اسکا سمجھنا دشوار ہے
 بلکہ اسے جسم کو جو لذت حاصل ہو وہ بیان فرمائی۔ خلاصہ یہ کہ حدیث کعب میں (نسمة المؤمن) سے اور بعض میں (نفس مؤمن) سے یا تو

یہ لوگ جب وہاں پہنچے تو کفار کو نہ پایا ولیکن سنا کہ کفار فلان مقام پر جمع ہوئے ہیں۔ انھوں نے قصد کیا اور شب و روز طوکری کے جب قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ قریب ایک لاکھ کے کفار ہیں۔ بعض نے کہا کہ لوٹ چلو اور بعض نے کہا کہ ہم تو شہادت لینے نکلے ہیں آخر شہادت کے شوق میں کفار کے قریب اترے اور سخت لڑائی ہوئی۔ مدینے میں کچھ خبر نہ تھی کہ بجایک ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں آپ دیدہ ہوئے آپ کے چہرہ مبارک سے حزن طاہر تھا اور آگاہ فرمایا کہ جعفر شہید ہوا اور فلان شہید ہوا اور فلان شہید ہوا۔ یعنی جن جن کو آپ نے سردار مقرر کیا تھا سب شہید ہوئے پھر علم کو اللہ تعالیٰ کی ایک تلوار نے اٹھالیا اسکو اللہ تعالیٰ نے فتح دی یہ مجزہ تھا اور یہی معاملہ گذرنا تھا کافروں نے سب کو اپنی بے انتہاء کثرت میں گھیر لیا اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ کاٹا تو آپ نے دوسرے ہاتھ میں علم لیا پھر وہ بھی کاٹا تو سینہ سے لگا یا آخر شہید ہو کر گرے تو دوسرے سردار نے اٹھالیا وہ بھی شہید ہوئے پھر تیسرے سردار نے لیا وہ بھی شہید ہوئے اور مسلمانوں نے اس قتال کی شدت سے گھبرا کر جگہ چھوڑ دی۔ یہ دیکھ کر خالد بن الولید رضی اللہ عنہ نے علم بدون حکم کے خالص اللہ تعالیٰ کے واسطے اٹھالیا اور مسلمانوں کو آواز دی کہ کمان جاتے ہو دیکھو اللہ تعالیٰ تم کو دیکھتا ہو اور یہ علم میں نے لیا ہو پھر وہ اللہ تعالیٰ کے واسطے جان فدا کر دیا صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب خالد رضی اللہ عنہ کی آواز سنی تو اللہ تعالیٰ سے شرم کر کے لوٹ پڑے اور خالد رضی اللہ عنہ کے ساتھ کافروں پر نہایت سخت حملہ کیا جس سے انکو رضوان الہی اور اپنی شہادت منظور تھی اور خالد رضی اللہ عنہ نے سخت قتال کیا انکے ہاتھ سے تو تلواریں ٹوٹ گئیں امام ابو اہل بنے فتوح الشام بین اہل بن ابی خالد عن قیس بن الی حازم روایت کی کہ میں نے خالد رضی اللہ عنہ سے سنا کہ جب حیرہ عراق فتح کر چکے تو فرماتے تھے کہ جنگ موتہ میں تو تلواریں میرے ہاتھ سے ٹوٹ گئیں اور ایک صفحہ یا نینہ میرے ہاتھ میں سالم رہی۔ ہذا نصاری بکثرت قتل ہوئے اور جب نصرانیوں نے اہل ایمان کی ایک بارگی تکبیر سنی اور خالد و صحابہ رضی اللہ عنہم نے سخت حملہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن پر سخت رعب ڈال دیا اور وہ جی چھوڑ کر بھاگے اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے انکو بکثرت قتل کیا اور انکا تعاقب کرنا چاہا خالد رضی اللہ عنہ نے آواز دی کہ میں قسم دیتا ہوں کہ کوئی تعاقب نہ کرے صحابہ رضی اللہ عنہم آپس آپ کے خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک رات دن سے زیادہ تم لوگ لڑتے لڑتے تھک گئے ہو آرام لو۔ تمھاری طرف سے اللہ تعالیٰ تمھارا رب ان کافروں کو ہلاک کرے والا ہو پھر سبھوں نے آرام کیا اور کچھ لوگ شہید ہوئے تھے انکو دفن کیا اور بکثرت اموال غنیمت کے ساتھ وہاں سے کوچ کیا صحابہ رضی اللہ عنہم بہت خوش ہوئے اور اُدھر نصاریٰ روم میں خوف دہرا س چھا گیا۔ جعفر رضی اللہ عنہ کے دونوں ہاتھ کے عوص میں اللہ تعالیٰ نے دو بازو عطا فرمائے کہ ملا لکھ کے ساتھ جہان چاہتے ہیں اڑتے پھرتے ہیں ابن عدی نے حدیث علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جعفر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ایک جماعت ملا لکھ کی رفاقت میں اہل بیت کو بارش کی خوشخبری دینے جاتا تھا حاکم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے اور وہاں اسماء بنت عمیس (جعفر کی بی بی) حاضر تھیں کہ ناگاہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (وعلیکم السلام) فرمایا یعنی سلام کرنے والا کیا جواب دیا۔ پھر خود فرمایا کہ اے اسماء! یہ جعفر رضی اللہ عنہ میرا جبرئیل و میکائیل صریحی طرف سے گذرے اور مجھے سلام کیا اور جعفر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے ابنا حال بیان کیا کہ میں فلان روز مشرکوں سے مقابل ہوا تھا تو مجھے سلمنے کے جسم میں تتر زخم نیزہ و تلوار پہنچے پھر میں نے علم دائیں ہاتھ میں لیا وہ کاٹ ڈالا گیا پھر میں نے بائیں ہاتھ میں لیا وہ بھی کاٹا گیا پس اللہ تعالیٰ نے مجھے دونوں ہاتھوں کے عوص میں دو بازو عطا فرمائے ہیں کہ اُن سے میں جبرئیل و میکائیل کے ساتھ اڑتا پھرتا ہوں اور جنت میں جا کر اُس کے میوے کھاتا ہوں اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا کہ جعفر رضی اللہ عنہ کو مبارک ہو یہ تمام نعمت بے شمار جو اللہ تعالیٰ نے اسکو عطا فرمائی ہے۔ اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا کہ یا رسول اللہ مجھے یہ خوف ہو کہ شاید لوگ میری زبان سے اُسکو سنیں

حالات بیان کرتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ کافر کی حیات میں وہی کافر پر مسلط تھا اور ایسی خواہشوں کے موافق کافر کھانا پیتا وزنا و فحور وغیرہ کا مرتکب ہوتا تھا اور وہ بہت فرحت میں رہتا تھا اس بیان سے مترجم کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ قرآن و حدیث میں آیا ہے بیشک برحق ہے اور کبھی کسی کرشمہ کے دیکھنے سے اپنے عقائد کو خراب نہ کرنا چاہیے کیونکہ یہ اسرارِ حکمت الہیہ ہیں اور دنیا میں بہت سے مصنوعی کرشمے ایسے نظر آتے ہیں جبکا حل کر لینا بددن اسکے ممکن نہیں کہ آدمی اس شیطانی غول میں داخل ہو تو بھلا اسی شخص کیونکر تو مغرور ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے عظیم اسرارِ حکمت کو دریافت کر لوں گا یہ بالکل جہالت و حماقت ہے اور جب تو عین حق پر مضبوط رہے تو اللہ تعالیٰ تجھے ایسے امتحانی فتنے سے محفوظ فرما دے گا اور شیاطین کو بھی خواہش نہوگی کہ تیرے واسطے کرشمہ پھیلا دیں کیونکہ تیرے نورِ ایمان کے سامنے انکو قرار نہیں ہو سکتا ہے دیکھو ایک مرتبہ ایک گروہ کفر نے ایک مالدار کے سامنے اپنا نامشاد دکھلانا چاہا جس سے روپیہ نظر آوین یعنی نظر بیک کرشمے دکھلانے پر مستعد ہوئے وہاں ایک شخص صاحب یقین موجود تھا اُس نے خیال کیا کہ اگر کلام الہی کا نور اس دفت جگے تو یہ شیطانی کرشمہ منحل ہو جاوے اور اُس نے قلب کی جانب توجہ کی تو یکایک ان میں سے ایک بڑی آواز سے کہا کہ یہ سب جنمیوں کے کرشمے ہیں انکو ہونے دیجئے اسی بہانہ سے انکا رزق ہوا اُپکوانکے بچاڑنے سے کچھ فائدہ نہیں ملیگا۔ وہ شخص یہ سنکر سمجھا کہ بیشک بات یہی ہے تو نے ان لوگوں کو اسطرح مال صنایع کرنے سے ایک مرتبہ منع کر دیا تھا اب بے فائدہ ہے۔ بعد فراغت اس تماشے کے دریافت کیا گیا کہ یا داز بلند جس نے کہا تھا کہ یہ سب جنمیوں کے کرشمے ہیں الخ ان میں سے کسی کی آباد تھی اور تم کیا سمجھتے تھے تماشائیوں میں سے کسی نے اقرار نہ کیا کہ اُنھوں نے آہن سے ایک حرف بھی سنا ہو۔ یہ امر عجائبات میں سے ہے۔ م۔ شیخ حافظ جلال سیوطی نے اس کے بعد دیگر علماء کے اقوال مانند شیخ حافظ ابن حجر کے نقل کیے اور قریب قریب اسی تحقیق پر سب رجوع کیا ہے جو شیخ امام ابن القیم نے بیان فرمائی ہے اور آئندہ مترجم ان میں سے فوائد کے کلمات نقل کریگا ابن حجر نے بھی روح کو بدن سے کامل تعلق ہونا ذکر کیا اور کہا کہ اگر میت ایک قبر سے دوسری قبر میں لائی جاوے تو بھی تعلق بدستور ہے حتیٰ کہ اگر اُس لاش کے ذرہ ذرہ متفرق ہو جاوے تو بھی وہی حال ہے۔ م۔ مترجم کہتا ہے کہ یہ بہت آسان بات ہے لیکن جن کافروں کی نظر میں یہ دنیا وسیع ہے وہ یہاں متحیر ہوتے ہیں اور اگر ذرا غور سے دیکھتے کہ روح بدن سے منسلک اس فضا سے وسیع میں بلکہ آسمانوں میں فراخ ہے تو انکو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر روح کی نگاہ میں اسوقت یہ نام زمین ایسی نظر آتی ہوگی جیسے مٹر کا دانہ پڑا ہوتا ہے اور اس دانہ کے ذرے اس مٹر میں چاہوں جس طرف رکھوں بخوبی دیکھتے و پہچانتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی شان اعز و اجل پر شیخ جلال نے فرمایا کہ علیین میں مستقر ہونے کی دلیل سے یہ ہے کہ حدیث ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کبیرہ گناہوں کے بعد اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا گناہ ہے کہ بندہ اپنے رب تبارک و تعالیٰ سے اس حال میں ملے کہ اُس نے اپنے اوپر فرض گناہوں اور اُس کے ادا کیے جانیکا سامان نہیں چھوڑا ہے (رواہ ابوداؤد) ابن عباس نے کہا کہ جب جعفر بن ابی طالب شہید ہو چکے ہیں تو اُنکے چھوڑا اور اُس کے ادا کیے جانیکا سامان نہیں چھوڑا ہے (رواہ ابوداؤد) ابن عباس نے کہا کہ جب جعفر بن ابی طالب شہید ہو چکے ہیں تو اُنکے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز فرمایا کہ آج رات جعفر میری طرف ہو کر گذر چند ملائکہ کے ساتھ تھا اُس کے دو بازو تھے جن کے قدام خون سے رنگین تھے یہ لوگ ہمیشہ کو جاتے تھے یہ یمن میں ایک شہر ہے (ابن عساکر) مترجم کہتا ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ روم میں شہید ہوئے اور مختصر قصہ لکھ دوں تاکہ حدیث کے معنی اچھی طرح سمجھ میں آویں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ ہر قتل شاہ روم کی شرارت سے ایک لشکر جانب سرحد عرب آیا ہے آپ نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم میں سے ایک قلیل فوج روانہ کی اور اُن پر حضرت جعفر زید بن حارثہ و ابن رواحہ رضی اللہ عنہم کو باری باری سے سردار کیا یعنی اگر فلاں سردار شہید ہو تو سردار فلاں دیگر ہے اور وہ شہید ہو تو فلاں دیگر ہے

نہیں رہ سکتا ہوا بن ابی الدنیا نے عمرو بن سلیمان سے روایت کی کہ ایک یہودی مر گیا اور اُس کے پاس ایک مسلمان کی امانت تھی اور اس یہودی کا بیٹا مسلمان تھا اُس کو کسی طرح ودیعت کا پتہ نہ لگا اُس نے شعیب جبائیؒ سے یہ حال بیان کیا شعیب جبائیؒ نے اُس سے کہا کہ تو برہوت میں جا وہاں ایک چشمہ ہے جو سینچر کو ظاہر ہوتا ہے جب تو سینچر کو پہنچے تو دادی برہوت کی کھجور آخر تو ایک چشمہ پر پہنچا وہاں اپنے باپ کو پکارا وہ تجھے جواب دیکھا اُس وقت اُس سے اپنا مطلب دریافت کر لکھو اُس نے یہی کیا اور سینچر کے روز اُس چشمہ پر پہنچا اور باپ کو دو تین بار پکارا اُس نے جواب دیا اُس نے کہا کہ فلاں شخص کی امانت کہاں ہے اُس نے کہا کہ جو کھٹ کے نیچے گری ہو وہاں سے نکال کر مالک کو دیدے اور تو جس دین تو حید پر ہو اس کو مضبوطی سے پکڑے رہیو ابن القیمؒ نے کہا کہ ان اقوال میں سے خاص کسی قول کے صحیح ہونے اور باقیوں کے غلط ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا ہے بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ ارواح جب برزخ میں جاتی ہیں تو اُن کے واسطے مختلف ٹھکانے ہیں اور ان میں ہر ایک اپنی منزلت کے موافق بہت بڑا فرق ہو اور سب دلائل اپنے اپنے موقع پر ہیں اور ہر ایک دلیل میں ایک خاص قوم کا بیان ہے چنانچہ ایک گروہ ارواح کا مستقر اعلیٰ علیین ہو اور وہ انبیاء علیہم السلام ہیں اور وہ بھی اپنے اپنے درجات کے موافق ایک ایک علیٰ علی ہو جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو معراج میں دیکھا تھا دوسرے گروہ کا مستقر سبز خریون کے پوٹے ہیں وہ جنت میں جہان چاہتے ہیں خوش بشارت کھاتے پھرتے ہیں اور یہ بعض خاص شہید ہیں سب شہیدوں کا یہ مقام نہیں ہے کیونکہ بعض شہید بوجہ فرض وغیرہ روکے جاتے ہیں چنانچہ محمد بن عبد اللہ بن جحش نے کہا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کہ یا رسول اللہ اگر میں راہ الہی میں مارا جاؤں تو میرے واسطے کیا ہے آپ نے فرمایا کہ جنت ہے وہ بیٹھ کر چلا تو یکایک آپ نے اُس کو پکار کر فرمایا کہ سواے قرضہ کے یہ بات ابھی جبرئیلؑ نے مجھے بیان کر دی (رداۃ الامام احمد) اور بعض جنت کے دروازے پر قہر میں رہتے ہیں جیسا کہ حدیث ابن عباسؓ میں بیان ہوا ہے۔ بعض شہید اپنی قبر ہی میں گرفتار رہتا ہے چنانچہ صحیح میں ایک شخص کا حال آیا کہ جب وہ منزل پر کجاوے کھولتا تھا کہ ناگاہ کسی طرف سے ایک تیر آیا اور وہ شہید ہو گیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہنا شروع کیا کہ اس کو شہادت مبارک ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر گز نہیں بلکہ اُسے مال غنیمت میں سے ایک کمل چرایا بٹھائیں دیکھتا ہوں کہ اُن کی قبر میں وہ کمل اُس کے سر پر آگ ہو رہا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پکار دے کہ جنت میں وہی نفس داخل ہو گا جو مسلمان ہو۔ بعض روحیں زمین میں گرفتار رہتی ہیں وہ ملائکہ اعلیٰ میں نہیں پہنچے پاتی ہیں کیونکہ یہ روحیں زمینی پست تھیں کیونکہ زمینی روحیں آسمانی روحوں کے ساتھ جمع نہیں ہوتی ہیں جیسے دنیا میں جمع نہیں ہوتی تھیں پس روح بدن سے جدا ہو کر اپنے ہم شکل والوں اور اپنے مانند عمل والوں کے ساتھ مل جاتی ہے کیونکہ آدمی اُس کے ساتھ ہوتا ہے جس سے محبت کرتا تھا بعض روحیں زنا کاروں کے نور میں ہوتی ہیں اور بعض روحیں خون کی نہر میں جاتی ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا تھا اور ترجمہ نے سابق میں بعض مقام پر سب کا ترجمہ نقل کیا ہے بالحد جیسے اہل اسلام کی روحوں کے واسطے ایک ہی مستقر نہیں ہوا اسی طرح اہل کفر کے لیے بھی ایک ہی مستقر نہیں ہے ترجمہ کہتا ہے کہ بیان ایک باریک نکتہ بھی لائق تحقیق ہے کہ انہیں روح دونوں متحد ہیں یا روح الگ ہو اور نفوس بہر حال ارضیہ (زمینی) ہوتے ہیں۔ اور واضح ہو کہ روایت میں آیا ہے کہ جب آدمی پیدا ہوتا ہے تو اُس کے ساتھ میں ایک ہنر لدا اور ایک فرشتہ بھی پیدا ہوتا ہے اور ثبوت ہوا کہ جب فاجر کا فرما ہوا تو اُس کا ہنر ا دیوم الصور تک رہا کر دیا جاتا ہے اور موسیٰ کا ہنر اُس کی قبر میں گرفتار رہتا ہے اسی وجہ سے تم دیکھتے ہو کہ بہت لوگوں کے عقائد بگڑ گئے جو اسی ہنر کو دیکھ کر یقین کرتے ہیں کہ فلاں شخص بدستور دنیا میں موجود ہے اور وہ کبھی کبھی اپنے مسلط ہوتا ہے کہ جھوٹی باتوں سے بہکا دے اور وہ اپنے مردے کے

عطا ہو تو علم ربانی سے پہلے خوض نہ چاہیے تھا اور یہ بیشک لطائف اسرار میں اور اللہ تعالیٰ نے جس بندے کے دل میں نور ایمان عطا فرمایا اسکی راہ یہ ہوتی ہو کہ ایسے عجائب اسرار کو سنکر اسکا دل فرحت میں خوش ہو جاتا ہو اور نقان کی طرح بھی نہیں جاتا بلکہ قدرت و عظمت کی آیات میں اسکی روح مشتاق ہوتی ہو اور دل سے بالکل یقین جانتا ہو کہ یہ سب برحق ہو۔ شیخؒ نے لکھا کہ دیکھو حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کو جاتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں کھڑا ہونا نماز پڑھتے دیکھا اور عروج میں چھٹے آسمان پر موسیٰؑ سے ملاقات ہوئی پس روح وہاں مثل بدن میں تھی اور اسکا اتصال بدن سے تھا جس سے جسم سے قبر میں نماز پڑھتے تھے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رفیق اعلیٰ میں ہیں اور مزار مبارک پر جو کوئی سلام کرتا ہو اسکو جواب دیتے ہیں پس روح کی شان دوسری اور جسم کی شان دوسری ہو اور جسے یہاں قیاس کیا اُسے غلط کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء علیہم السلام کو معراج میں آسمانوں پر دیکھا حالانکہ حدیث ہو کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ و نماز پڑھتے ہیں اور حدیث میں ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جسے میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھا تو میں اسکو سن لوں گا اور جسے دور سے پڑھا تو وہ مجھے پہونچا دیا جائیگا (رواہ البیہقی عن ابی ہریرہ) اور حدیث عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ میں آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری قبر کے پاس ایک فرشتہ مقرر کیا اس فرشتہ کو (مشرق و مغرب تک) تمام جہان کے کلام درود سننے کی قدرت دی پس قیامت تک جو کوئی مجھ پر درود پڑھیگا (کہیں سے ہو) وہ فرشتہ ضرور مجھے اسکا درود مع اُسکے نام اور اُسکے باپ کے نام کے پہونچا دیگا (رواہ الطبرانی و ابوبکر البزار) یہ تمکو معلوم ہوا اور قطعی یہ بھی معلوم ہو کہ آپ کی روح مبارک رفیق اعلیٰ میں اعلیٰ منزلت قرب میں ہو۔ اب ظاہر ہو گیا کہ روح مقام جنت یا آسمان ہفتم یا علیین کے کسی مقام پر ہو اور کچھ بھی تردد نہیں کہ قبر میں اُسکے جسم کو قوت نماز حاصل ہو اور سلام کا جواب دے اور زیارت کرنے والے کو پہچانے۔ دنیاوی چیزوں میں جو شخص اسکی نظیر تلاش کرے وہ جاہل ہو بلکہ مقام برزخ جسکے سامنے دنیا رانی کا دانہ بھی نہیں ہو اور برزخ سے آگے آخرت وہ مقامات ہیں جہاں دنیا کے حقیر کچھ چیز نہیں ہو تو دنیا سے فانیہ سے اُسکو قیاس کرنا بڑی غلطی ہو امام ابن القیمؒ نے دوسرے مقام پر فرمایا کہ روح کو بدن کے ساتھ پانچ طرح کے تعلقات ہوتے ہیں اول مان کے پیٹ میں دوم بعد پیدا ہونے کے سوم حالت خواب میں کہ ایک وجہ سے مفارقت ہوتی ہو چہارم برزخ میں یعنی جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہو پنجم بروز نصبت قیامت یہ پانچوں قسم کا تعلق اسقدر قوی ہو گا کہ پہلے تعلقات بن سے کسی تعلق کو اس سے کچھ نسبت نہیں ہو یہ سب سے اکمل تعلق ہوگا جسے کہ بعد اسکے کبھی مفارقت نہیں اور نہ موت ہو نہ خواب ہو نہ کبھی بدن خراب ہو اور نہ تھکان ہو نہ ناگواری ہو اور نہ کسی قسم کی بے آرامی و سہ قراری ہو شیخ ابن القیمؒ نے دوسرے مقام پر لکھا کہ روح کے واسطے رفتار اسقدر سریع ہو کہ پلک مارنے میں آسمان کو جاوے تو یہ خود سفید ہو کہ قبر تک آسمان سے آنا بانا آنا قافا واقع ہو سکتا ہو اور جس شخص کی روح ابھی بدن کے قید میں ہو وہ جب سویا لیغے مومن باد وضو سویا تو ثابت ہوا ہو کہ اسکی روح ساون آسمان طے کر کے عرش کے سامنے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہو اور بہت جلد واپس آتی ہو شیخ سیوطیؒ نے لکھا کہ امام ابن القیمؒ نے اسکے بعد بقیہ اقوال نقل کیے کہ روح مومنین جاہلیہ باچاہ زمزم میں رہتی ہو اور روح کفار برہوت میں رہتی ہو ابن مندہؒ نے ابان بن قعلب سے روایت کی کہ مجھے ایک رات وادی برہوت میں رہنے کا اتفاق ہوا تو یکایک ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں اور وہ کہتے تھے کہ ای دوہ ای دوہ اور ہم سے ایک کتابی بیان کرتا تھا کہ دوسرے فرشتہ کا نام ہے جو کفار کی روحوں پر موقوف ہے سفیانؒ نے کہا کہ ہم نے حضری لوگوں سے حال پوچھا تو انھوں نے بیان کیا کہ اس وادی میں رات کے وقت کوئی

مطلب ہو اگر یہ کہو کہ ان دلائل سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ روحیں ہر دم قبر کی فنا میں مقیم رہتی ہیں وہاں سے کہیں نہیں جاتی ہیں لہذا غلط ہے خود قرآن و حدیث سے یہ بات باطل ہو جاتی ہے اور دائمی مقام کا صبح و شام پیش کیا جانا اس پر دلالت نہیں کرتا کہ روح ہر دم قبر میں ہو یا فنا ہے قبر میں بیٹھی رہتی ہے بلکہ فقط یہ ثابت ہوتا ہو کہ روح کو جسم مقبور کے ساتھ ایک طرح کا تعلق ہو جس سے گھراؤ سکے سامنے پیش ہونا صحیح ہے کیونکہ روح کی شان ہی دوسری ہے وہ رفیق اعلیٰ میں ہوا جسم سے ایسا تعلق رکھے کہ سلام کرنے والے کا جواب دے۔ یہ جبریل علیہ السلام ہیں انکو دیکھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو افق اعلیٰ پر دیکھا انکے چہرہ مبارک تھے جنہیں سے دو بازو نے تمام افق کو مشرق سے مغرب تک بھریا تھا پھر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے یہاں تک قریب ہوئے کہ دونوں ہتھکڑیاں زانو سے زانو مل جاتے اور جو لوگ عقل ایمانی میں خالص ہیں انہیں اس ایمان کی گنجائش ہے کہ جبریل ۱۴ اپنے مقام سموات میں رہیں اور اس قدر قرب ہو اور حدیث میں ہے کہ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو جبریل آسمان وزمین کے درمیان میں یہ کہتے ہیں کہ اے محمد آپ رسول اللہ ہیں اور میں جبریل ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ پھر میں جس طرف اپنی نگاہ پھیرتا تھا جبریل کو اُسی حال پر دیکھتا تھا مترجم کہتا ہے کہ مجھے مولانا شاہ عبدالرزاق صاحب قدس سرہ کی ایک کرامت یاد آئی کہ آپ بعد نماز فجر کے حجرہ سے برآمد ہو کر ایک درخت کے نیچے بیٹھے تھے کہ ایک جوگی آیا جو اپنے جوگ میں کثرت کھلایا کرتا تھا اُسے پاس حاضر ہو کر کہا کہ کرشن جی کے ماننا میں ہم کو غلط کیوں ہو جبکہ وہ ایک ہی وقت میں دس جگہ نظر آتے تھے حضرت مولانا قدس سرہ نے فرمایا کہ ارے تو اتنی ہی بات بڑا سمیع خدائی مانکر غلط کر گیا اور اُس پاک عزوجل کو نہ پہچانا اور دیکھ اُسے درخت پر نگاہ کی تو ہر ایک پتے پر مولانا قدس سرہ تشریف رکھتے ہیں ہر چند وہ آنکھیں بھاڑ بھاڑ کر دیکھتا تھا کچھ غلط نہ تھا۔ یہ دیکھ کر وہ آپ کے قدموں پر گر پڑا۔ اسی طرح میں نے اس کرامت کو سنا ہے اور واقع ہونا کچھ بھی محل تعجب نہ انکار نہیں ہے لیکن جس شخص نے جو اس حیوانیہ سے قدم نہیں نکالادہ حیوانی سمجھ کی وجہ سے انکار کر سکتا ہو اور جب یہ امر تجھے خاصان بندگان میں ظاہر ہو تو شان قدس حضرت حق سبحانہ تعالیٰ اعلیٰ و اعزوجل ہو وہاں عقل روحانی بلکہ روح ملکوتی سب عاجز و حیران ہیں اور احادیث میں جو نزول کبریائی عرف جج میں باہرات کی تہائی باتیں وارد ہو چکی ہیں حال مترجم ہو کر اپنی حیوانیت میں گھبراتے پھرتے ہیں اور اکثر فرقہ مبتدعہ مانند معتزلہ وغیرہ کے اپنے سر پر خاک ڈال کر منکر ہو گئے تو یہ سب اعلیٰ واسطے بہت خرابی ہے انھوں نے طریق معرفت کو چھوڑ کر کتر درجہ متصل بحیوانیت اختیار کر لیا اور یہ عجائب قدرت حق عزوجل سے ہے اور یہی ارواح کے مستقر میں تفاوت درجات ہے۔ مہر شیخ نے کہا کہ ان لوگوں کو یہاں غلط اس وجہ سے واقع ہوا کہ انھوں نے روح کا لفظ خیال میں لیا اور جو اس سے اسکو قیاس میں لانا شروع کیا اور جو اس کبھی دائرہ اجسام سے خارج نہیں ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ آسمان کے اندر محبوس ہیں اس سے تجاوز نہیں کر سکتے ہیں پس اُنکے قیاس میں جیسے جسم حیوانی ہے وہاں ہو دوسری جگہ اسوقت غیر ممکن ہے اسی طرح روح کو قیاس کیا کہ اُسکا دوسری جگہ ہونا محال ہے اور یہ قیاس محض غلط ہے مترجم کہتا ہے کہ حضرات سلف صالحین رضی اللہ عنہم آجین اہل قلوب و اہل معرفت تھے کہ اُنہیں ان مقامات میں کچھ بھی پریشانی نہ تھی اور پیشہ اہل معرفت کے درمیان کچھ تردد نہیں ہوا لیکن سنہ پانچ سو کے خاتمہ پر اس قسم کے تردید و شبہات پیدا ہونا شروع ہوئے اور معتزلہ وغیرہ گمراہوں نے عوام میں شبہات کی تعلیم سے شکوک شروع کیے اور قیاسات نے عمل کیا اعوذ باللہ من الضلال اور حق یہ ہے کہ روح کے واسطے یا تو یہ ہو کہ (قل الروح من امر ربی) و اما یتیم من العلم الاقلیلا اور بالقبول مولانا ولی اللہ دہلویؒ کے معرفت حاصل ہوتی ہے جب علم ربانی

کہ سوسن آل یاسین بھی موافق اقوال تفسیر کے قوم کے مار ڈالنے سے شہید مرا تھا تو باقیوں کے حق میں وہ گمان رہا جو بیان ہوا ہو شیخ رحمہ اللہ نے کہا کہ سوائے شہداء کے غیروں کے حق میں حدیث صحیح میں ہو کہ تم میں سے جب کوئی مرا تو ہر صبح و شام اُس کا کلمہ اُسپر پڑھیں کیا جاتا ہو یعنی اگر جنتی ہو تو اُس کا وطن جنت سے دکھلایا جاتا ہو اور اگر دوزخی ہو تو دوزخ کا گھر اُس کو دکھلایا جاتا ہو یعنی جنتی سے کہا جاتا ہو کہ یہ دیکھو بستی میں دوزخ کا گھر اگر تم ایمان نہ لاتے تو یہاں جاتے پھر وہ بند کر کے جنت عالیہ کی جانب دروازہ کھولا جاتا ہو کہ تم ایمان لائے تو یہ تھا اگر پہلے ہی آرام کرو یہاں تک کہ اللہ کا قیامت قائم کرے اور دوزخی سے اس کے برعکس کہا جاتا ہو حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں ہے کہ ارواح سالوین آسمان پر سے جنت کے اپنے گھروں کو دیکھتی ہیں اور روایت وہب بن منبہ میں اس کے مثل مذکور ہے مگر ترجمہ کہتا ہے کہ اس قول سے اتنا معلوم ہوا کہ شہید لوگ جنت میں داخل کر دیے جاتے ہیں اور باقیوں کا مستقر نہیں بتلایا پھر شہداء کے لیے بھی باریق اللہ پر باب جنت کے قریب سبزین رہنار روایت ہے قول سوم ابن حزمؒ و ایک جماعت نے کہا کہ اجسام میں آنے سے پہلے جہان جہان روحیں رہتی تھیں بعد موت کے وہاں پھر چلی جاتی ہیں یعنی آدمؑ کے دائیں طرف اور بائیں طرف۔ ابن حزمؒ نے کہا کہ اسی بات پر قرآن و حدیث سے دلیل ملتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ ارواح یکبارگی مجموعہ پیدا ہو چکی ہیں اور حدیث میں ہے کہ ارواح جنود و مجندہ تھیں جنہیں تعارف ہوا ان میں امت ہوئی اور جن میں انجان بن رہا ان میں اختلاف رہا۔ اور معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارواح کو پیدا کر کے اُن سے رہبیت کا اقرار لیا تھا اُس وقت تک اجسام کا وجود نہیں تھا حتیٰ کہ ملائکہ کو اُس وقت تک آدم علیہ السلام کے لیے سجدہ کا حکم بھی نہ ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ارواح کو برزخ میں ساکن کیا پس اجسام سے نکلنے کے بعد بھی اسی مقام برزخ میں جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے بعد ارواح کے جب اجسام پیدا کیے تو ارواح میں سے ہر وقت ایک فوج کو ان کے اجسام میں نازل فرمایا اور وہ سب ایک دوسرے کو پہچانتی اور ہر ایک بات کی تمیز رکھتی ہیں پھر اللہ تعالیٰ انکو دنیا میں جسطرح چاہتا ہو مبتلائے امتحان فرماتا ہے پھر وفات دیکر انکو برزخ میں لیجاتا ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں ارواح اہل سعادت کو حضرت آدمؑ کے دائیں جانب اور ارواح اہل شقاوت کو آدمؑ کے بائیں جانب دیکھ کر امت سے بیان فرمایا ہے اور یہ برزخ آسمان کے نیچے ہے جو بان عناق صفاک باد آب انش کا اثر منقطع ہو گیا ہو اگر کہو کہ کیا یہ دونوں جگہ برابر ہیں ایک ان میں طرف اور ایک بائیں طرف ہے حالانکہ سچیں و علیین تو قرآن میں موجود ہے (جواب) یہ کہ اس بیان سے برابری لازم نہیں آتی ہے بلکہ مومنین کی رو میں ان کے دائیں جانب وسعت و بلندی و فراخی میں خوش ہیں اور کفار کی رو میں ان کے بائیں جانب سستی و ضیق و ناخوشی میں ہیں پھر یہ عام ارواح کا بیان ہے اور خاص انبیاء و شہداء کی رو میں فی الحال ہر دن سے نکلنے ہی جنت میں لیجاتے ہیں اور یہ جو ہم نے بیان کیا ہے اسی کو محمد بن نصر المروزیؒ نے اسحق بن راہویہ سے نقل کیا اور اسی پر اہل علم کا اجماع ہوا رہی صیح ائمہ اسلام کا قول ہے پس ارواح وہاں رہیں گی یہاں تک کہ اپنے اجسام سے واپس ہو کر وہاں پوری ہو جاویں یعنی کوئی روح جسم میں آنے کو باقی نہ رہے تب قیامت قائم ہوگی اور دوبارہ زندگی میں پھر یہ سب ارواح اپنے اپنے اجسام میں اعادہ کیجا و بتنگی یہ سب ابن حزمؒ کا قول ہے قول چہارم یہ کہ روحیں اپنی اپنی قبروں کے کنارے رہتی ہیں ابن عبد البرؒ نے کہا کہ سب اقوال میں سے یہ قول زیادہ صحیح ہے اور اسکی دلیل بہت کم روایت سے ملتی ہے جنہیں سوال جواب (منکر نکیر) کا ذکر ہے اور ہر صبح و شام ہر مردہ کے واسطے اُس کے دائیں مقام جنت یا دوزخ کے احادیث سے ملتی ہے جنہیں سوال جواب (منکر نکیر) کا ذکر ہے اور ہر صبح و شام ہر مردہ کو گفتگو یا نذر مرد و حاضر کے یہ سب پیش ہونے کا ذکر ہے اور اُس پر عذاب قبر یا ثواب راحت کا بیان ہوا اور زیارت قبر و جواب سلام و گفتگو یا نذر مرد و حاضر کے یہ سب دلیل ہے کہ ارواح گرد قبر کی رہتی ہیں ابن القیمؒ نے اس طریقہ کو دلیل پر اعتراض کیا کہ ان احادیث سے دلیل لانے میں تمہارا کیا

نے یہاں اجتہادی اقوال بیان کیے قول اول کہا گیا کہ ارواح مومنین سب جنت میں ہیں خواہ شہیدوں کی روحیں ہوں یا غیر شہیدوں بشرطیکہ وہاں جانے سے کبیرہ گناہ نہ روکا نہ ہو کیونکہ حدیث کعب بن مالک و ام ہانی و ام شبر و ابی سعید بخذری وغیرہ جواد پر گزری ہیں اسی پر دلالت کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا۔ فاما اکلان من المقرین فروح و ربجان و جنتہ نعیم الآیات۔ یعنی جب روحیں اپنے اجسام سے نکلتی ہیں تو انکی تین قسمیں فرمائی ہیں (ایک) یہ کہ مقربین سے ہو تو فرمایا کہ اسکے واسطے روح و ربجان و جنت نعیم ہی (دوم) یہ کہ اصحاب الیمین سے ہو تو اسکے لیے سلام کا حکم فرمایا اور اس سے معلوم ہوا کہ وہ عذاب سے سلامت ہی (سوم) یہ کہ مکذبین سے ہو یعنی جو دنیا میں اللہ تعالیٰ دُ اسکے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جھٹلاتا تھا تو اُسکے واسطے خبر دی کہ حمیم گرم و تصلبہ جمیم ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ یا ایہا النفس المطمئنتۃ الایہ۔ یعنی اے نفس مطمئنہ لوٹ چل اپنے رب کی طرف ورحالیکہ تو خوش رہیگی اور تو بھی پسند کی ہوئی ہو اب میرے بندوں میں شامل ہوا اور میری جنت میں داخل ہو۔۔۔ ایک جماعت صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ نفس مطمئنہ سے یہ بات اُسوقت کہی جاتی ہے جب وہ دنیا سے نکلتی ہو اور یہ بات مردہ مبارکباد کے طور پر فرشتہ اُس سے کہتا ہے اور یہ حکم الہی عزوجل ہے مترجم کہتا ہے کہ جب صحابہ و تابعین نے ایسی تفسیر بیان کی جو اپنی رائے سے سمجھ میں نہیں آسکتی ہے تو ضرور انھوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو اور قرآن مجید پڑھاتے وقت انھوں نے طول کلام نہیں کیا یعنی اپنے شاگردوں سے یہ نہ کہا کہ میں نے اسطرح اسکو سنا ہے ولیکن جم غفیر صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ بات بیان کر دی کہ ہم کلام الہی میں اپنی رائے سے کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں اور حدیث روایت کی کہ جسے قرآن مجید میں اپنی رائے سے کوئی بات کہی تو جہنم میں اپنا ٹھکانا بنا دے یعنی وہ بغیر عذاب میں ڈالے جانے کے نہیں بچیکا اسطرح جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عجز اچھوٹ بانڈھا تو بھی بے عذاب نہیں بچیکا یعنی خالی توبہ کرنے سے یہ گناہ معاف نہ ہوگا واللہ اعلم۔ اسلیے کہ اُسے عام شرع میں رخنہ ڈالنا برخلاف اسکے اگر اُسے زنا کیا یا دوسرا گناہ فحش کیا تو اُسکی ذات پر لوگ نفرین کریں گے اور یہ نہیں جائینگے کہ شرع میں ایسا جائز ہو پس معلوم ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسکو بذریعہ تعلیم نبوت کے بیان کیا ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ نفس مطمئنہ کو بندوں میں داخل ہونے اور جنت میں داخل ہونے کی بشارات ملتی ہے مترجم کہتا ہے کہ اس میں بیگانہ البتہ باقی ہے کہ شاید یہ بشارت دی گئی ہو اور سچ ہے لیکن بایضاح نکلے ہی جنت میں نہ جاوے جیسے کسی کافر سے کہیں کہ اے آدم کی اولاد ہم تم بھائی ہیں تم اس گراہی کو چھوڑو اور ایمان لاؤ اور ہمارے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ جبکہ خاتمہ نجر ہو کیونکہ قیامت کو اللہ تعالیٰ نے بہت نزدیک فرمایا ہے اگرچہ دنیاوی اوہام اُسکو دور سمجھتے ہیں یہ احتمال جو بیان پیدا ہوتا ہے اُسکو دفع کرنے کے لیے شیخ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مومن آل یسین کے حق میں فرمایا۔ قیل و دخل الخبتہ قال یا لیت قومی یعلمون باغفر لی ربی و جلی من المکرین مترجم کہتا ہے کہ اسکا خلاصہ یہ ہے کہ آل یسین میں ایک مومن نے قوم کو فحاشی کی کہ رسولوں کی بات ماینین جو خالص نصیحت کرتے ہیں۔ قوم نے اُسکو مار ڈالا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُسپر یہ کرم ہوا۔ قیل و دخل الخبتہ یعنی اُس سے کہا گیا کہ جنت میں داخل ہوا ہے اپنی قوم پر حسرت سے کہا کہ اے کاش میری قوم والے یہ بات جانتے کہ میرے رب نے میری مغفرت کی اور کرم بندوں میں مجھے شامل کر دیا۔۔۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرتے ہی اُس سے کہا گیا کہ جنت میں داخل ہو قول دوم کہا گیا کہ احادیث صحیحہ جو عام ہیں یہ محض شہیدوں کے واسطے ہیں چنانچہ دیگر روایات میں شہید کے ثواب میں یہ تصریح ہے مترجم کہتا ہے کہ شاید شیخ کی مراد وہ حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہید کی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں اور انجملہ یہ کہ جب اُسکے خون کا پہلا قطرہ زمین پر گرے تو اُسکے سب گناہ معاف کیے گئے اور انجملہ یہ کہ وہ جنت میں داخل کیا جاتا ہے مترجم کہتا ہے

اور اسکی حد پر عرش تک ہو اور شاید یہ عامہ مومنین کا ذکر ہو اور خواص کے واسطے مراتب عالیہ میں واللہ تعالیٰ اعلم ابن ابی الدنیانے
عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کی کہ مومنین کی روحیں سفید چڑیوں کی صورت میں عرش کے سایہ میں ہیں اور کافروں کی
روحیں ساتوین زمین میں ہیں جب کوئی مومن مرنا ہو تو اسکا گدڑ مومنوں کی طرف ہوتا ہو اور جا بجا انکی مجلسیں ہوتی ہیں تو وہ لوگ
اس سے اپنے بعضے ساتھیوں کو دریافت کرتے ہیں اگر اُسے کہا کہ وہ تو مجھے پہلے مر گیا تھا تو کہتے ہیں کہ اُسکو نیچے لینگے اور جب کافر مرنا ہو
تو اُسکی روح کو ساتوین زمین میں لے جاتے ہیں اُس سے کفار پوچھتے ہیں کہ فلان شخص کیا ہوا اگر وہ کہتا ہو کہ اُس سے پہلے مر گیا تو کہتے ہیں
کہ اُسکو اوپر لے گئے (یعنی وہ ایمان لا کر امراہی مروزی) وابن مندہ وابن عساکر نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ کافروں کی روحیں پت
میں جمع کی جاتی ہیں اور برہوت ایک کھاری ریگستان حضرموت میں ہو اور مومنین کی روحیں جابیہ میں جمع کی جاتی ہیں برہوت
میں ہیں ہو اور جابیہ شام میں ہو ابن عساکر نے عروہ بن رویم سے روایت کی کہ ہر پاکیزہ روح جابیہ میں آتی ہو ابو بکر الحارثی نے حضرت
علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ وادی میں سب بہتر وادی مکہ ہو اور سب بدتر وادی احقاف ہو یہ حضرموت میں ایک وادی ہے
اُسکو برہوت کہتے ہیں اُس میں کافروں کی روحیں ہیں ابن ابی الدنیانے ابن مندہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی
کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب بدتر بارہ زمین وادی حضرموت ہے جسکو برہوت کہتے ہیں اُس میں کافروں کی روحیں ہیں ابن ابی الدنیانے
نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ مومنین کی روحیں بیرزم میں ہیں احکام وابن مندہ نے اخنس بن خلیفہ انصاری سے روایت
کی کہ کعب احبار نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آدمی بھیجا اور یہ دریافت کیا کہ مسلمانوں کی روحیں کہاں جمع ہوتی ہیں اور کافروں کی
روحیں کہاں جمع ہوتی ہیں تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مسلمانوں کی روحیں اریحا میں جمع ہوتی ہیں اور کافروں کی روحیں صفحان
جمع ہوتی ہیں اریحی نے واپس ہو کر کعب رضی اللہ عنہ کو آگاہ کیا تو کعب نے کہا کہ وہ سچ کہتے ہیں قال ابن جریر حدیثنا محمد بن عوف الطائی حدثنا
ابو المعیرہ حدثنا صفوان قال سالت عامر بن عبداللہ بالیمین ہل لانیفس المومنین مجتمع فقال الی الارض الیم یعنی صفوان نے کہا کہ میں نے
عامر بن عبداللہ سے میں میں پوچھا کہ بھلا مومنوں کے نفوس کیلئے کہیں جمع ہونے کی جگہ ہو تو فرمایا کہ زمین ہو اللہ تعالیٰ فرماتا ہو ولقد کتبنا فی الزبور
من بعد الذکر ان الارض یرثہا عبادی الصالحون یعنی ہم نے زبور میں بعد ذکر کے لکھا کہ ارض کے وارث میرے صالحین بنیے ہوئے
عامر بن عبداللہ نے فرمایا کہ یہی ارض ہے جہاں مومنوں کی روحیں مجتمع ہوتی ہیں یہاں تک کہ بغث حشر واقع ہو مگر ہم کہتا ہو کہ اس روایت
کی اسناد صحیح ہو اور عامر یہ عامر بن عبداللہ بن الزبیر ہیں جو اولیایہ مشہورین میں سے ہیں اور عوام کے واسطے یہاں دو طرح احتیاج
لازم ہے اول یہ کہ جن بزرگوں سے یہ روایات آئی ہیں ان میں کتب کو آیات الہیہ کا علم تھا جہاں عجیب و غریب کی تقسیم ہے اور احادیث
صحیحہ سے واقف تھے پس ان میں کسی شخص صحیح سے خلاف نہیں ہو بشرطیکہ ثبوت ہونے والے وہ اقوال ہیں جنکو امام ابن جریر تک
محدثین نے روایت کیا کیونکہ بقول مولانا شاہ عبدالغفر میر رحمہ اللہ تعالیٰ کے کہ جو روایتیں مشککہ ہجری کے بعد لوگوں نے اسناد
کین یا تو وہ اگلوں کو نہیں ملین اور ان پچھلے لوگوں کو ملین لیکن یہ غلط و باطل خیال ہو کہ سابق میں ائمہ صحاح کے مانند بلکہ ان سے افضل
علماء محدثین موجود تھے اور یا یہ وجہ ہوئی کہ انھوں نے اسانید میں ایسی غلط بیانی پائی کہ جس سے اسکو ساقط الاعتبار جانا پس
اب اس روایت کا اعتبار نہ ہوگا جب تک کہ کثرت سے اس کے طرق ایسے نہ ہوں جن سے یہ شبہ ساقط ہو اور مگر ہم کہتا ہو کہ پہلے زمانہ میں
حدیث روایت کرنا کچھ خیر تھا بلکہ دیندار لوگ اپنے خالص خواب کے لیے روایت کیا کرتے تھے پھر تلمہ ہجری میں یہ امر کچھ رونق پانے لگا

خود ظاہر ہوتا ہو کہ سچین کے کبھی مقامات ہیں جیسے علیمین کے مقامات ہیں ولیکن عقل نوزانی یہ سمجھتی ہے کہ ارواح کا قیاس اجسام پر کیا جاتا ہے لہذا اگر ہم سے کہا جاوے کہ ایک روح اس درخت پر ہے حالانکہ یہ شخص کا فرح تھا تو ہم کو کچھ تردد نہ ہونا چاہیے کہ وہ سچین کے عذاب میں ہو حافظ جلال الدین سیوطی نے کتاب شرح الصدور میں اس تحقیق کے واسطے دراز بحث کی ہے اور میں اسکا خلاصہ یہاں نقل کرنا چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہوالذی انشا کم من نفس واحدة فاستقر و مستودع یعنی اللہ تعالیٰ ہی نے تم کو ایک نفس واحدہ سے (آدم سے) پیدا کیا پھر مستقر ہے اور مستودع ہوا فال تعالیٰ علیم مستقر ہوا و مستودعہا۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کا مستقر اور مستودع جانتا ہے۔ ایک تو بہشت میں دو لیت ہو وہاں سے پیدا کی جاتی ہے اور ایک بعد موت کے قرار گاہ ہے۔ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی روحیں اللہ تعالیٰ کے یہاں بنجر چڑیوں کے پوٹوں میں جنت کی ہزوں میں جہان چاہتی سیر کرتی ہیں اور عرش کے نیچے سونے کی قندیلوں میں آجاتی ہیں (رواہ مسلم) اور جنت کے بھل کھاتی ہیں (رواہ احمد و ابوداؤد و حاکم و بیہقی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) اور سعید بن منصور نے قول ابن عباس سے روایت کیا کہ یہ روحیں بنجر چڑیوں کی شکل میں ہو جاتی ہیں اور حدیث ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے یہ معنی بھی بنی جاتے ہیں و ابن مندہ و ابن السری نے روایت کیے اور یہ معنی ابن مسعود و ابوداؤد و غیرہ رضی اللہ عنہما نے خود بیان کیے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حدیث روایت کی کہ شہداء دروازہ جنت پر بارق نرہ بنجر قبہ میں ہیں جنت سے صبح و شام انکا رزق نکلتا رہتا ہے اس حدیث کو احمد و عبد بن حمید و ابن ابی شیبہ و طبرانی و بیہقی نے روایت کیا اور اسکی اسناد اچھی ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مومنین کے نیچے گرگڑیوں کے پوٹے ہیں جہاں چاہیں جنت میں پھرتے ہیں (ابن ابی حاتم) حدیث انس رضی اللہ عنہ میں ہے کہ حارثہ رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت ایک نہیں بلکہ بہت ہیں اور تیرا بیٹا فردوس علی بن ابی طالب (صحیح البخاری) اس سے معلوم ہوا کہ وہ جنت میں ہے۔ کعب بن مالک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ مومن کا نسہ ایک پرند ہوتا ہے جو جنت کے درختوں سے کھاتا ہے یہاں تک کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اُسکو اُسکے جسم میں واپس فرما دیگا رواہ مالک و احمد و النسائی بسند صحیح اور ترمذی کی روایت میں بجائے مومن کے شہید کا لفظ ہے مترجم کہتا ہے کہ قرآن مجید میں تصریح ہے کہ جو بندہ راہ الہی میں قتل کیا جاوے تم اُسکو مردہ مت کہو بلکہ وہ اپنے رب کے یہاں زندہ ہیں رزق دیے جاتے ہیں جو نعمت عظیمہ انکو اللہ تعالیٰ نے عطا کی اُس سے نہایت خوشی میں پھولے نہیں سکتے ہیں۔ حدیث ام ہانی رضی اللہ عنہا میں مانند حدیث کعب بن مالک رضی اللہ عنہ (رواہ احمد و الطبرانی) بشر بن البراء کی والدہ ام بشر رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا مردے ایک دوسرے کو پہچانینگے آپ نے فرمایا کہ اری تو کیا سمجھی ہو نفس مطمئنہ جنت میں بنجر پرندہ ہے اگر درختوں پر چڑیاں باہم پہچانتی ہیں تو یہ بھی پہچانیں گے (ابن ماجہ) حدیث ابو ہریرہ میں ہے کہ مومنین کی اولاد جنت میں ایک پہاڑ پر ہیں حضرت ابراہیم و اسارہ رضی اللہ عنہما کی کفالت کرتی ہیں یہاں تک کہ قیامت کے روز اُنکے والدین کو واپس دیے جاوینگے (احمد و حاکم و بیہقی و غیرہ بسند صحیح) اور حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما میں ہے کہ اسلام میں جو لڑکا پیدا ہوا وہ جنت میں خور و نوش سے سیراب آسودہ ہوا کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمارے ماں باپ کو بھی یہاں بلا دیجئے (ابن ابی الدینا) شاید یہ ایسے لڑکے ہیں جو دودھ چھڑانے کے بعد مرے ہیں اور خالد بن معدان تابعی نے کہا کہ جو بچہ دودھ پیتا رہتا ہے اُسکو طوبی پرورش کرتا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گود لینے والے ہیں (ابن ابی الدینا) اور حدیث صحیح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو خواب میں دیکھا ہے۔ ابن ابی شیبہ و بیہقی نے کعب سے روایت کی کہ جنت المادی میں بنجر پرندے ہیں شہیدوں کی روحیں ان میں جا کر جنت میں جہان چاہتی ہیں سیر کرتی ہیں و انکو ان کی روحیں سیاہ پرندوں کے پوٹوں میں ہر صبح و شام آگ پر پیش کی جاتی ہیں اور مسلمانوں کی اولاد جنت میں گرگڑیاں ہیں۔ بنیاد ابن السری

واحد یا بلفظ جمع ہو اور اسمین انسان کے واسطے بھی ہر طرح طبقہ طبقہ رکوب شامل ہوا سیوا سے آئندہ فرمایا۔ **فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ**
 کیا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے ہیں ف یعنی لوگوں کو کیا چیز روکتی ہو کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے کلام غیب پر ایمان نہیں لاتے ہیں اور جب اُن پر قرآن تلاوت
 قرآن کی آیات ندرسی اُن پر تلاوت کی جاتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُنکو بڑھکرتا ہے میں جن میں یہ معارف موجود ہیں تو اُس کے لیے سجدہ
 نہیں کرتے ہیں تاکہ حق تعظیم و احترام ظاہر کریں **بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُكَذِّبُونَ**۔ بلکہ جو لوگ کافر تھے میں وہ اسکو جھٹلاتے
 ہیں ف اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہو جو انھوں نے دلوں میں کفر و جھٹلانا اور طعن کرنا وغیرہ بھرا ہے **فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ**
 پس اُنکو سخت دُکھ دینے والے عذاب کی خوشخبری دیدے ف یہ کافروں کی تھخیر ہے کہ اُنکو طعنہ دیا جیسے انھوں نے قرآن مجید کا
 احترام نہیں کیا اور حاصل یہ کہ اگر محمد ان جھٹلانے والے ازلی کافروں کو خبر دیدے کہ تمھارا طبقہ طبقہ جانا دنیائے عذاب میں ہوگا اور اس
 عذاب کی سختی کسی بشر کے اندر نہ میں نہیں سما سکتی ہو اس سے معلوم ہو گیا کہ طبق طبق بدلنا دو قسم میں منحصر ہے یا تو عذاب میں ہو یا رحمت
 میں ہو تو عذاب اُن لوگوں کے واسطے ہے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے کلام و رسول سے منکر ہوں۔ رہا ثواب و راحت میں عروج ہونا تو
 اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ**۔ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے
 نیک اعمال کیے تو اُن کے لیے ثواب بے نقص ہوف یہ دوسری قسم ہے جو اللہ تعالیٰ کے رسول و کلام پر ایمان لائے اور حکم کے موافق نیک
 اعمال کیے تو ایسے بندوں کے واسطے آخرت میں ایسا ثواب ہو جو کبھی ممنون نہ ہوگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا یعنی منقوص نہ ہوگا۔ مجاہد و صفیاء نے کہا
 یعنی محسوب نہ ہوگا۔ حاصل یہ کہ ایسا ثواب ہو جو کبھی منقطع نہ ہوگا جیسے قولہ تعالیٰ عطا وغیرہ مجذوذ۔ یعنی اُنکو جنت میں ایسا عطیہ ملیگا جو کبھی منقطع
 نہ ہوگا بلکہ دائمی ہو بعض لوگوں نے ممنون کے معنی منت سے لیے اور یہ معنی بیان کیے کہ اُنکو جنت میں جو ثواب ہو وہ بلا منت ہے یعنی انھوں نے
 اپنی کوشش سے جنت حاصل کر لی اُنپر کچھ احسان نہیں ہے اِن کثیر نے کہا کہ یہ معنی غلط ہیں بلکہ اہل جنت اس مقام قدس میں محض
 اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت سے داخل ہوتے تو انپر اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہر لحظہ بے شمار ہے اسیواسطے اہل جنت کا آخری کلمہ
 یہ ہوگا الحمد للہ رب العالمین اور حدیث میں ہے کہ جیسے دنیا میں سانس آتی جاتی ہو اسی طرح اہل جنت میں تسبیح ہوگی (ابن کثیر) قولہ تعالیٰ
لَا يَسْجُدُونَ یعنی قرآن کی تلاوت میں سجدہ کیوں نہیں کرتے ہیں۔ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واسجد و اقرب۔ تلاوت کر کے سجدہ کیا
 اور قریش کے کفار تالیان اور سیمٹیان بجاتے رہے تو یہ آیت اتری ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت گزری کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کے ساتھ سورہ افرأ و اذا السماء انشقت میں سجدہ کیا ہو اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت گزری کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت
 کی کہ میں نے ابو بکر و عمر و عثمان کے پیچھے نماز پڑھی انھوں نے سجدہ کیا خطیب نے کہا کہ اسمین سجدہ واجب ہونے کی دلیل نہیں نکلتی ہے بلکہ
 مستحب ہے اور ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ حجت لی کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کی مذمت کی تو یہ سجدہ واجب ٹھہرا۔ تشریح کہتا ہے کہ ابو حنیفہ نے بیان
 بھی اپنے اصول احتیاط پر عمل کیا اور طحاوی نے بعد روایت احادیث و آثار کی جمع دی کہ سجدہ تلاوت واجب نہیں بلکہ مکروہ ہے واللہ تعالیٰ اعلم
بیان مستقر ارواح یعنی دنیا سے جب مگر رو حین جاتی ہیں تو کمان رہتی ہیں۔ سابق میں گزرا کہ کفار کی رو حین سحین میں
 رہتی ہیں یعنی نہایت ضیق و عذاب میں رہتی ہیں اور مومنین کی رو حین علیین یعنی بلندی و راحت میں رہتی ہیں اس سے

اے چنانچہ بخاریؒ کی اسناد یہ ہے حدیثنا سعید بن النضر اخبارنا شمیم اخبارنا ابولشیر عن مجاہد بن عباسؒ اور ابو داؤد الطیالسی و محمد بن جعفر عن شعیب عن ابی بشر عن سعید بن جبیر عن ابن عباسؒ لترکبن طبعا عن طبق قال محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ یعنی ابن عباسؒ نے کہا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس روایت میں فقط یہی معنی ہیں اور اوپر کی دوسری تاویل نہیں ہو سکتی ہو ابن کثیرؒ نے اشارہ کیا کہ شاید ابن عباسؒ نے اصل میں وہ لفظ لکھا جو بخاریؒ کی روایت میں گزرا ہے لیکن بعض راویوں نے اُس سے یہ معنی سمجھے اور اپنی عبارت میں ادا کر دیے ولیکن یہاں لترکبن صیغہ واحد کی قرات بھی اس معنی کی تائید کرتی ہے اور قرات حضرت عمرؓ و ابن مسعودؓ و علامہ اہل مکہ و کوفہ سے متواتر ہے مترجم کہتا ہے کہ صیغہ واحد مخاطب میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ مخاطب انسان ہو جو اوپر مذکور ہے اور دوم یہ کہ خطاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو اور مترجم کے نزدیک یہاں صحیح تاویل دوسرے طریقے سے ہو چکا اشارہ میں نے شروع میں لکھا ہے اور بیان یہ ہے کہ لترکبن خواہ بصیغہ واحد مخاطب ہو یا بصیغہ جمع ہو بہر حال یہ خطاب انسان کو ہے اگر واحد ہو تو جنس کو خطاب اور جنس انسان میں سببائل ہیں اور اگر جمع ہو تو جنس انسان کے سبب لوگوں کو خطاب ہے اور دونوں کا نتیجہ ایک ہی نکلا پھر انسان میں دو فرق ہیں کافر و مومن۔ پھر کوئی فرق ہو حالات کے تغیرات ہر شخص پر علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں تو کافروں میں ہر شخص اپنے اپنے حالات پر ہو گا اور اسی طرح مومنین میں ہی ہر مومن اپنے حال پر ہو گا اور مومنین میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب کے سر تاج ہیں پھر آپ کے واسطے سب سے بڑھ کر عروج و معراج ہے۔ ابن ابی حاتمؒ نے ابو سعید الاشج عن ابی اسامہ عن اسمعیل عن اشعی روایت کیا کہ لترکبن طبعا عن طبق۔ کہا اپنے ابو محمد تو ایک آسمان سے اوپر دوسرے آسمان پر عروج کر گیا (قول اسناد صحیح) اشعیؒ تابعی ثقہ عالم مشہور ہیں اور یہی معنی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور مسروقؒ اور ابو العالیہؒ سے روایت کیے گئے ابن کثیرؒ نے کہا کہ آسمان سے دوسرے آسمان پر عروج کرنے سے مراد معراج ہے۔ ابو اسحقؒ و سدیؒ نے بواسطہ ایک شخص کے جبکا نام نہیں لیا ہے ابن عباسؒ سے روایت کیا ہے طبعا عن طبق۔ کہا اپنے منزل بمنزل یعنی نے ابن عباسؒ سے روایت کی یعنی منزل بمنزل و امر بعد امر اور حال بعد حال۔ سدیؒ نے کہا کہ منزل بمنزل تم سے پہلے لوگوں کے اعمال ابن کثیرؒ نے کہا کہ شاید سدیؒ کی مراد یہ ہو کہ اس امت والے بھی اگلی امتوں کے اعمال پر درجہ بدرجہ کرینگے اقول یعنی لترکبن بصیغہ جمع ہو تو اس امت کا حال ہے چنانچہ حدیث میں ہے لترکبن سنن من قبلکم الہ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ بھی اپنی پہلے والی امتوں کی روش پر قدم بقدم چلو گے حتیٰ کہ اگر وہ لوگ کسی گویہ (جانور مشہور) کے بل میں گھسے تھے تو تم میں سے بھی ایسے ہونگے جو گویہ کے بل میں گھسین۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کون سے کیا یہود و نصاریٰ مراد ہیں آپ نے فرمایا کہ پھر اور کون لوگ ہیں اقول ایک روایت میں ہے کہ اگر اگلے میں کسی نے اپنی ماں سے علانیہ بُرا کام کیا تو اس امت میں بھی ایسا شخص ہو گا جو یہ کام کرے ابن کثیرؒ نے کہا کہ یہ تفسیر اس آیت میں ہو سکتی ہے۔ مکول شامی تابعی سے روایت ہے کہ اس آیت میں کہا کہ تم لوگ ہر نیکی میں ایسی روش ایجاد کرو گے جس پر پہلے نہیں تھے (رواہ ابن ابی حاتم) مترجم کہتا ہے کہ شاید مکول رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیس برس کی مقدار اتفاقی بیان کی ہو کی صحابی سے سنی ہو یا اسطرح نکالی ہو کہ میں برس پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تا بحسین سب مطیع تھے اور تمام مسلمان ایک دل تھے پھر بمثل برس بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان لوگوں نے خراب برتاؤ کیا جو غیبت سے پہلے پھر اس قدر زمانہ کے بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ سخت ناگوار معاملہ واقع ہوا اور بعد اُس کے بنی امیہ کے جو رہنے حالت دیگر بدلی پھر صدی شروع ہوئے پھر عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کی اصلاح کرنے والے فادلی خلیفہ ہوئے پھر

میں محدثین اختلاف کیا بعض نے کہا کہ قتال کا فاعل ابن عباس ہیں اور لہذا سے مقولہ ہے یعنی ابن عباس نے کہا کہ یہ تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یعنی یہ خطاب آنحضرت صلعم کو ہے کہ تو حال بحال عروج کر گیا۔ بعض علما نے کہا کہ نہیں بلکہ معنی یہ کہ ابن عباس نے (حال بحال) اسے تفسیر کر کے کہا کہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یعنی میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ یہ بیان کیا ہے اور حاصل معنی یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس امت کے لوگوں کو آگاہ فرماتا ہے کہ تم لوگ طبق بطریق و حال بحال منتقل کیے جاؤ گے یہاں تک کہ ہر شخص کی موت آئے اور یہاں تک کہ دنیا گزر جاوے امام ابن کثیر نے کہا کہ یہی معنی ظاہر ہیں اور حدیث انس رضی اللہ عنہ میں اسکی توضیح مذکور ہے کہ جو سال ہی اُسکے بعد جو سال آویگا وہ اول سے بدتر ہو گا یہ میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے (صحیح مسلم) اور ابن جریر نے یعقوب بن برہم الدوری سے (جن سے بخاری مسلم اور باقی ائمہ اربعہ نے حدیث لی ہے) سنا کہ کیا لکھا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ طبقا عن طبق یعنی طبقہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول حال البعد حال۔۔۔ کہانی تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ حال البعد حال کے (اسنادہ صحیح) مترجم کتابہ کہ اس روایت سے دوسری تاویل ظاہر ہو گئی علی بن ابی طلحہ نے بھی ابن عباس سے روایت لکھی کہ طبقا عن طبق یعنی حال البعد حال کے اقوال اس معتد تفسیر میں بھی یہ نہیں کہا کہ یہ تمہارے پیغمبر کا بیان ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت سے شبہ ہوتا ہے۔ عکرمہ تابعی نے (طبقا عن طبق) کی تفسیر میں (حال البعد حال) کہا اور یہی مرۃ الطیب و محابہ و حسن و ضحاک نے کہا ہے اور حاصل یہ کہ اگر لوگوں کو تم آئندہ طبقہ بطریق ضرورتاً کیے جاؤ گے یعنی پہلے ایک حال پر ہو گے پھر جو زمانہ آویگا اُس وقت میں جو لوگ ہونگے وہ دوسرے حال ہونگے اور سب سے بہتر زمانہ وہ تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف رکھتے تھے اُسکو طبقہ صحابہ و رفقاء اُسکے بعد طبقہ تابعین ہو پھر اتباع تابعین ہے اور حدیث اس بارہ میں مشہور ہے اور طحاوی نے اُسکے اکثر طرق جمع کر دیے ہیں۔ اور ان حقیقات سے بعد مذکور ہے کہ ایسے لوگ ہونگے کہ خیانت کریں گے امانت انہیں ادا کریں گے اور گواہی ادا کریں گے حالانکہ وہ گواہ نہیں کیے گئے ہیں اور ان میں موٹائی پھیل جائیگی یعنی آخرت و عذاب سے بے خوف ہو کر موٹے ہو جائیں گے اور التزلزل کی یہی صورت ہوگی اور ایک روایت میں ہے کہ وہ لوگ موٹائی پسند کریں گے یعنی جسم خود بصورت بکنے چڑے ہوں اور ایک روایت میں ہے کہ ایسا زمانہ آویگا کہ اُس وقت لوگ امانت دار کو خائن کہیں گے اور خائن کو امانت دار بنائیں گے اور سچے کو جھوٹا اور جھوٹے کو سچا کہیں گے۔ بالجملہ یہ سب تقریریں بنیاد پر ہے کہ ابن عباس کی روایت میں قال ہذا بنکم صلعم۔ یہ مراد ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بیان فرمائی ہے یعنی میں نے آپ سے سنا کہ یہ بیان کیا ہے کہ لوگ طبقہ بطریق بدلتے جاؤ گے ابن کثیر نے کہا کہ یہاں ضعیف احتمال یہ ہے کہ شاید لکھن بصیغہ واحد کا فاعل بتلایا ہو یعنی یہ خطاب تمہارے نبی صلعم کو ہے مترجم کتابہ کہ رازی نے اس صورت میں رد قول لکھے ہیں جو اوپر مذکور ہوئے اور دونوں قول اس بنیاد پر ہیں کہ بلاشبہ یہ کلام الہی اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو عذاب کی دھمکی نہیں ہے بلکہ ضرور بشارت ہو اب (طبقا عن طبق) میں اگر طبق بمعنی حال ہو تو حال ہو گا کہ یہ حالات بدلنے کی خبر ہے لیکن ایسے طور پر کہ حال کے بدلنے میں بشارت و خوشی و خوبی حاصل ہوگی تو مقصود یہ نکلا کہ کفار و منکر ہو کر سرکشی کرتے ہیں اور اسے محمد ترے واسطے بشارت ہے کہ تیرے حالات عروج کی جانب بدلتے جاؤ گے یہاں تک کہ سب کفار مقہور ہو کر خردین حق کے مطیع ہو جاؤ گے اور نوریت میں صریح بشارت تھی کہ اس عظیم الشان پیغمبر آخر الزمان کو اللہ تعالیٰ اس دنیا سے نہیں اٹھا و بجا یہاں تک کہ میری ملت کو ٹھیک سیدھی کر دے یہاں تک کہ لوگ لا الہ الا اللہ کہیں نہ اور اگر طبق بمعنی مرتبہ و منزلت ہو تو یہ بشارت ہے کہ تو عروج کی منزلیں اور آسمان کے طبقات پر بلند ہو گا فانہم۔ اور یہ خطاب آنحضرت صلعم کو قول ابن عباس سے سمجھا گیا ابن کثیر نے کہا کہ بہت سے راویوں کے ذہن میں شاید یہی معنی

مفسرین یہ کہ چاند جب پورا ہو کر بدر ہو گیا۔ یہ بمقامِ رات واسکی ہجوم تاریکی ہو۔ بالجملہ اللہ تعالیٰ نے شفق ولیل و فجر کی قسم کے ساتھ فرمایا
لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَن طَبَقٍ۔ یعنی ضرور تیرا رکوب طبق بطبق ہوگا ف بعض مفسرین نے یہ خطاب جنس انسان کی طرف قرار دیا
یعنی اسے انسان تیرا یہ حال ضروری ہو اور بعض نے اسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خطاب قرار دیا اور بعض نے بصیغہ جمع
پڑھا تو جمیع انسان کی طرف خطاب قرار دیا۔ رازیؒ نے بعض فقرات شاذہ بھی بیان کیں رازیؒ وغیرہ نے لکھا کہ (طبق) جو چیز کہ
دوسرے سے مطابق ہو پھر جو حال کہ دوسرے حال سے مطابق ہو اسکو طبق کہنے لگے تو بیان معنی یہ کہ اے انسان تو ضرور حالِ کمال
رکوب کرے گا ہر حال دوسرے حال سے مطابق ہوگا اور ہو سکتا ہو کہ طبق بمعنی مرتبہ ہو جیسے کہتے ہیں کہ لوگوں کے طبقات ہیں یعنی
مراتب ہیں اور معنی بیان یہ کہ انسان منکر کو ضرور رکوب احوال لازم ہو اور یہ احوال مختلف مرتبہ کے ہیں حتیٰ کہ ابتدا میں جو احوال
ہیں یہ اسکو مرنے کے بعد معلوم ہوتے ہیں پھر بعضے ناگوار بھی ہیں جیسے بڑھاپا وغیرہ پھر جو آگے آتے جاؤ گے وہ سختی و شدت میں ایک
سے ایک بڑھ کر ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **لَنذِيقَنَّهُمُ الْعَذَابَ الْاَلَدْنِیْ اَلَا یَہ**۔ یعنی منکر دن کو ہم پہلے چھوٹا عذاب چکھا دیں گے
تاکہ شاید رجوع لا دیں۔ ع۔ پھر موت اور اس کے بعد عذاب آخرت پھر جنم ایک سے ایک بڑھ کر سخت ہو۔ یہ سب انسان کافر کے حق میں
ہو اور جنس انسان میں مومن بھی شامل ہو تو اسکے لیے مراتبِ نعم و رحمت کی ایک اُمت ہو بلکہ استقامت میں اس پر ایمان کی حفاظت میں سخت
ہو پھر موت نہایت راحت ہو اور برزخ میں عمدہ نعمت ہو پھر جنت میں فضل عظیم ہو پھر دیان روزِ برزخ انعامات مزید ہیں شکی انتہا کبھی
نہیں ہو جیسے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی انتہا نہیں ہو۔ یہ سب اس صورت میں کہ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَن طَبَقٍ واحد ہو اور بالضم بصیغہ جمع
کی صورت میں وجہ ہیں اور بعض نے صیغہ واحد میں بھی جنس معنی جمع لی ہو وجہ اول یہ کہ اے لوگو تم کو رکوب احوال ضرور ہو ایک کے
بعد دوسرا حال آویگا اور ایک منزل کے بعد دوسری منزل آویگی یہاں تک کہ جو کچھ ازل میں اُس کے واسطے قرار گاہ مقرر ہوئی ہے
وہاں ٹھہرے اور وہ جنت ہو یا دوزخ ہو تو وہاں اُس کے لیے ہمیشہ رہنا ہوگا اور اس وجہ میں لطفہ سے حال شروع ہوگا یعنی پہلے
لفظہ کے حال میں تھا پھر بچہ بنا یا گیا پھر سپدا ہوا حتیٰ کہ مرا پھر برزخ پھر حشر پھر دوزخ یا جنت ہو وجہ دوم یہ کہ بیان احوال قیامت
ہو یعنی جب کافروں نے بعث حشر سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے قسم سے فرمایا کہ ضرور تم کو قیامت میں اُٹھایا جاویگا اور وہاں کے
ہولناک واقعات میں منزل بمنزل شدت و سختی میں منتقل ہو کر آخر جنم میں ڈالے جاؤ گے وجہ سوم یہ کہ قیامت میں لوگوں کے حالات
دنیوی بدل جاؤ گے چنانچہ یہاں بہت سے کفار۔ وباللہ الکریم بادشاہ تے وہاں ذلیل و خواہیے جاؤ گے اور ذلت و خواری بڑھتی جائیگی
یہاں تک کہ جنم میں پہونچ کر دائمی تزاؤ ہوتا رہے کیونکہ جنم میں سوائے عذاب کے کچھ نہیں بڑھیکا اور دنیا میں بہت سے ایما نذر غریب تھے
اور لوگ اُنکو حقارت سے دیکھتے تھے وہ آخرت میں عزت و منزلت کے مرتبہ پر ہونگے اور برابر ترقی ہوگی یہاں تک کہ جنت میں پہونچ کر
برابر عروج ہوتا رہے وجہ چہارم یہ کہ تم لوگ بھی اگلی قوموں کے چال و چلن کے مطابق حالِ بحال بدل لو گے یہاں تک کہ قیامت آوے اور
دنیا میں آدمیوں کی پیدائش ختم ہو جاوے واضح ہو کہ بعض کے نزدیک یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہو اور اس صورت میں بعض نے کہا کہ یہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت ہے کہ جن جن کے معاملات میں طبقہ طبقہ تبدل حال ہوگا (خدا کا عروج اسلام) ہو اور بعض نے کہا کہ یہ عروج معراج کا بیان ہے کہ ایک آسمان کے دوسرے آسمان کو
عروج ہوگا (تفسیر کبیر وغیرہ) اور امام ابن کثیرؒ نے لکھا کہ بخاری نے اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی سے روایت کی قال حالہ بعد
حال قال ہذا نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم۔ ع۔ یعنی طبقات بطبق کے معنی (حال بعد حال) بیان کیے (تو توفیق ہذا نبیکم صلعم) اس جملہ

واقع ہوا تو ہم نے ترجیح دی اور کہا کہ شفق کو سفیدی کے معنی میں لینا بہتر ہے خصوصاً جبکہ شک ہو تو مشکاب ہونے سے وقت نہیں جاتا اور احتیاط بھی اسی میں ہو کہ سفیدی تک مغرب کا وقت باقی رکھا جائے کیونکہ مغرب و عشا کے درمیان کچھ وقت امکان نہیں ہو اور بالاتفاق مغرب کا وقت نخل جانے کے بعد عشا کا وقت آتا ہو تو سفیدی کو مغرب میں رکھنا چاہیے مترجم کہتا ہے کہ میرے نزدیک امام ابو حنیفہؒ کی احتیاط اس امر میں ہو کہ سفیدی میں عشا نہ پڑھو پس شاید مغرب کے بارہ میں وہ شفق مجھے سرخی لیتے ہوں جیسا کہ دونوں روایتیں اُن سے ثابت ہیں اور بعض لوگوں نے کہا کہ حدیث میں مغرب کی نماز میں سورہ والمزملات کی قرات آئی ہو بلکہ سورہ اعراف کی قرات آئی ہے تو ضرور ہوا کہ وقت دراز ہوا اور یہ استدلال کچھ نہیں ہے اس لیے کہ حدیث میں وارد نہیں ہوا کہ پوری سورہ تلاوت کی بلکہ ان سورتوں میں سے کچھ آیات پڑھیں کیونکہ یہ امر واضح ہو کہ سب سورہ اعراف جب ترتیل سے پڑھی جاوے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے تو سفیدی بھی جاتی رہے اور عشا کا وقت آجاوے۔ ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ صلوٰۃ ادا بین کے بارہ میں آیا ہو کہ مغرب کے بعد چھ رکعات ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ وقت میں وسعت ہو لیکن یہ بھی ضعیف ہو کیونکہ اس سے یہ لازم نہیں کہ مغرب کا وقت ہو بلکہ وقت عشا میں نماز فرضہ سے پہلے ہو علاوہ برین ترمذیؒ نے اسکو حدیث ابو ہریرہ رضی سے روایت کیا اور اسناد میں عمر بن ابی خنیمہ راوی کو بخاری نے بہت ضعیف کہا ہو لیکن ابن الہمام نے اسکو حدیث ابن عمر رضی سے بدون حوالہ ذکر کیا اور کہا کہ اگر انھیں چھ رکعات میں دو رکعت معمولی سنت بھی حساب کر لے تو ثواب ادا بین کے واسطے کافی ہو واللہ تعالیٰ اعلم۔ حاصل کلام یہ کہ شفق جمہور علماء کے نزدیک غروب کے بعد سرخی مراد ہو اور یہی ابو حنیفہؒ سے بھی ایک روایت ہو اور جمہور کے نزدیک اس سرخی کے زائل ہونے پر عشا کا وقت شروع ہو جاتا ہو لیکن قبل اکثر ابو حنیفہؒ کے نزدیک احتیاط یہ ہو کہ سفیدی زائل ہونے تک مغرب کا وقت باقی رہتا ہو واللہ تعالیٰ اعلم الغرض اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا کہ بین قسم کھانا ہوں شفق لگی۔ ولیل وما وسق۔ اور قسم رات کی اور اس چیز کی جسکورات نے جمع کیا۔ یہ تفسیر ابن عباسؓ و مجاہدؓ و قتادہؓ نے بیان کی اگر کہا جاوے کہ رات نے کیا جمع کیا (جواب) قتادہؓ نے کہا کہ ستارے وہاں نور وغیرہ عکس کرتے ہیں کہ رات آتی ہو اور اندھیرا جو کم کرتا ہو تو ہر چیز اپنے بسیرے کی جگہ جمع ہو جاتی ہو (ابن کثیرؒ) فقال نے کہا کہ مفسرین سلف کے اقوال سب دلالت کرتے ہیں کہ یہی معنی ہیں کہ رات جمع کرتی ہو ستارے اور رات میں حیوانات اپنے اپنے ٹھکانے آجاتے ہیں اور بعضے کپڑے مکوڑے اسوقت حرکت کرتے ہیں پھر شاید اس کلام سے سب اشیاء کی جانب اشارہ ہو کیونکہ رات سب پر محیط ہو تو یہ قسم جمیع اشیاء پر واقع ہوگی جیسے قولہ تعالیٰ فلا قسم یاتصرون و ما لاتصرون۔ یعنی جو کچھ تم دیکھتے ہو اور جو نہیں دیکھتے ہو سب کی قسم کھائی (تفسیر کبیر) اہل لغت نے کہا کہ (وسق) کے معنی بعض کو بعض سے ملا دینا جیسے (استوسقت الابل) یعنی اونٹ سب آپس میں ملا دیے گئے۔ تو سقما الراعی (چرواہے نے اونٹوں کو باہم ملایا اور جمع کر دیا و احدی نے مفسرین سے یہی معنی نقل کیے یعنی رات نے اُن چیزوں کو جمع کر لیا جو دن میں اپنے اپنے کاموں و ضرورتوں میں ادھر ادھر منتشر تھیں مترجم کہتا ہے کہ پھر ستارے کیونکہ جمع کیے لیکن وہ رات کے ساتھ میں مجتمع ہوئے اسیواسطے قتادہؓ و ضحاک و مقاتل سے منقول ہو کہ (وسق) مجھے (حل) لیا یعنی اٹھا لیا اور ملا لیا قشیر می نے کہا کہ (حل) کے معنی بھی ملا لینے و جمع کرنے کے ہیں اور رات اپنی تاریکی میں ہر چیز کو جمع کر لیتی ہو (قولہ تعالیٰ والقمر اذا تسق) اور قسم جانندگی جب تسق ہوا۔ ابن عباسؓ نے کہا یعنی جب مجتمع و مستوی ہوا۔ یہی حکم وہ مجاہد و سعید بن جبیر و مسروقؒ و ابوہریرہؓ و ضحاک و ابن زبیرؓ نے کہا ہو حسن لہصریؒ نے کہا یعنی جب جائز مجتمع ہو کر نور سے بھر گیا۔ قتادہؓ نے کہا کہ یعنی جب گول ہو گیا حاصل کلام

کھنٹی ہو اور نہ لغت سے ملتی ہو مترجم کتابی کہ حدیث ابو سعید الخدریؓ ابن عباسؓ ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہم میں بیشک مغرب کی نماز بوقت واحد نہ کر ہو اور حدیث جابرؓ رضی اللہ عنہ میں اول روز نماز مغرب وقت غروب آفتاب ہو اور دوسرے روز قبل غائب ہونے شفق کے ہے اور حدیث ابو موسیٰؓ رضی اللہ عنہ میں صریح ہے کہ دوسرے روز مغرب میں تاخیر کی بیانتک کہ جب شفق ساقط ہونے لگی اسوقت پڑھی ترمذیؒ نے کہا کہ امام بخاریؒ نے کہا کہ حدیث جابرؓ رضی اللہ عنہ اس باب میں اصح ہے لیکن اس روایت میں ہے کہ عشاء روز اول کو شفق غائب ہونے سے پہلے پڑھا اور دوسرے روز کی مغرب کو اُس وقت بیان کیا تو اس میں مشکل ظاہر ہے کیونکہ عشاء بعد مغرب کے ہو اور دیگر احادیث میں شفق غائب ہونے کے بعد طحاویؒ نے کہا کہ شاید جابرؓ رضی اللہ عنہ نے شفق سے سپیدی مراد لی ہو تاکہ ان روایات میں اختلاف نہ ہو۔ میں کہتا ہوں کہ پھر دوسرے روز مغرب کی نماز میں اشکال ہو گا کہ وہ کیونکر اسوقت پڑھی کیونکہ اگر سفیدی کے وقت عشاء کا وقت آجانا ہو تو دوسرے روز مغرب صحیح نہ ہوگی مگر اگر یہ کہا جاوے کہ دوسرے روز مغرب میں شفق سے سرخی مراد ہو اور اس صورت میں یہ ظاہر ہو کہ شفق کا لفظ مشترک ہے اور دو معنی میں آتا ہے پہلا جانا ہو یعنی سرخی کو بھی شفق کہتے ہیں اور سرخی کے بعد جو سفیدی ہوتی ہو اسکو بھی شفق کہتے ہیں جیسا کہ ابن جریرؒ سے نقل کیا گیا پس اختلاف یہ ہے کہ عشاء کا وقت آیا سرخی کے بعد شروع ہوتا ہو یا سپیدی کے بعد شروع ہوتا ہو لیکن حدیث جابرؓ رضی اللہ عنہ دلالت کرتی ہے کہ سرخی کے بعد شروع ہوتا ہو بنا بر اُس تاویل کے جو طحاویؒ نے بیان کی ہو مترجم کتابی کہ میرے نزدیک حدیث جابرؓ رضی اللہ عنہ میں مجازی معنی مراد ہیں کیونکہ انھوں نے جس وقت اول روز عشاء بیان کی اُسی وقت دوسرے روز مغرب بیان کی تو ظاہر ہے کہ حقیقت میں ایک ہی وقت مراد نہیں ہے بلکہ غرض یہ ہے کہ اول روز عشاء کو ایسے وقت شروع کیا کہ شفق کچھ کچھ نشان دیتی تھی حتیٰ کہ رکعت پوری ہونے تک جاتی رہی اور دوسرے روز مغرب کو ایسے وقت شروع کیا کہ فارغ ہونے کے بعد وہ وقت تھا جس وقت پہلے روز عشاء شروع کی تھی یہ معنی روایات صحیح مسلم میں حدیث بریدہؓ رضی اللہ عنہ ابو موسیٰؓ رضی اللہ عنہ سے واضح ہیں اس تاویل کے موافق یہ معلوم نہیں ہوتا کہ شفق سے سرخی مراد ہو یا سفیدی مراد ہو اور طحاویؒ نے قیاس کیا کہ فجر میں سرخی و سفیدی دونوں نماز کا وقت ہیں تو اسی طرح مغرب میں بھی سرخی و سفیدی نماز مغرب کا وقت ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ قیاس یا اصول حنفیہ مناسب نہیں ہو سکتا کیونکہ بیان صحابہؓ رضی اللہ عنہم سے یہ ثبوت ہے کہ شفق سرخی ہو تو حنفیہؒ اسکو مقدم کرتے ہیں اور شایہ امام ابو حنیفہؒ کی مراد یہ ہو کہ عشاء کو بعد سفیدی کے پڑھیں اور میں نے بیان کیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کا قاعدہ ہے کہ احتیاط پر عمل کرتے ہیں اور بیان اسی میں احتیاط ہے اسلئے کہ جس شخص نے مغرب میں تاخیر کی تو اُس سے تاخیر کرنا مذموم ہو چکا اب اگر سفیدی اسکا وقت نہ ہو تو تھنا ہو جائیگی اور اس سے چارہ نہیں ہے تو عشاء میں جلدی نہ کرے کہ سفیدی سے پہلے پڑھ لے کیونکہ شاید وہ وقت نہ ہو پس احتیاط یہی ہے کہ سفیدی کے بعد پڑھے اور ابو حنیفہؒ نے کہا کہ مغرب میں ہمیشہ جلدی کرنا چاہیے خواہ گرمی ہو یا جلا ہو یا فہم۔ اور واضح ہو کہ ابو یوسفؒ و محمد بن الحسنؒ دونوں نے کہا کہ شفق سرخی ہو اسی واسطے بعض مشائخ نے جبہور کے موافق ہی فتویٰ دیا کہ شفق سرخی ہو لیکن شیخ ابن الہمامؒ نے اس میں مناقشہ کیا اور کہا کہ ابو حنیفہؒ سے ظاہر روایات یہی ہیں کہ سفیدی ہو تو یہ فتویٰ ظاہر روایت کے خلاف ہے اور جب روایات متعارض واقع ہوں تو شک واقع ہوتا ہو اور بیان یہی حال ہے کیونکہ شفق کی تفسیر سفیدی کے ساتھ بھی حضرت ابو بکر الصدیقؓ و امام ابن جبرؓ و عائشہؓ و ابن عباسؓ ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے اور یہی قول عمر بن العزیزؒ و داؤدیؒ و مزیؒ و ابن المنذرؒ و خطابیؒ کا ہے اور اسکو بہر دو مذهب نے اختیار کیا ہے اور یہ ہم نہیں کہتے کہ شفق بمعنی سرخی نہیں ہے بلکہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ بیان اختلاف و تعارض

شاید امام رضاؑ نے اشارہ کیا کہ یہ وقت قلیل ہو خوشحالی کے لئے لکھا کہ شفق وہ سرخی ہو جو مغرب میں آفتاب غروب ہو جانے کے بعد نظر آتی ہو اور اس سرخی کے زائل ہونے کے بعد عشا کا وقت شروع ہو جاتا ہو اور یہی عامہ علماء رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور یہی ابوحنیفہؒ سے ایک روایت ہے لیکن ابوحنیفہؒ سے دوسری روایت یہ ہے کہ شفق سفیدی ہو اور اس میں عمر بن عبد العزیزؒ سے روایت کیا گیا کہ امام نے اس سے رجوع کیا۔ ہ۔ یعنی عامہ علماءؒ سے اتفاق کیا (مف) امام حافظ عماد الدین بن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ حضرت علیؑ و ابن عباسؓ عبادہ بن الصامتؓ و ابوہریرہؓ و شداد بن اوسؓ و ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ شفق سرخی ہو اور یہی امام باقر محمد بن علی بن الحسنینؑ اور بکر بن عبد اللہ المزنیؒ اور بکر بن عبد اللہ الاشج رحمہم اللہ تعالیٰ تابعین سے مروی ہو اور یہی امام مالکؒ و ابن ابی ذئبؒ عبد الغفر بن ابی سلمہ الماجشون رحمہم اللہ تعالیٰ فقہاء سے روایت ہے کہ شفق سرخی ہو اور عبد الرزاقؒ نے بسند جید حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ شفق سفیدی ہو ابن کثیرؒ نے لکھا کہ شفق تو افق کی سرخی ہو خواہ طلوع آفتاب سے پہلے ہو جیسے مجاہدؒ نے بیان کیا ہو یا غروب آفتاب کے بعد ہو جیسا کہ اہل لغت کے نزدیک معروف ہو خلیل بن احمدؒ نے فرمایا کہ شفق سرخی ہو جو غروب آفتاب سے وقت عشا شروع ہونے تک ہوتی ہو اور جب یہ سرخی جاتی رہتی ہو تو کہتے ہیں کہ شفق چھپ گئی جو سرخیؒ نے لکھا کہ شفق ابتداء شب میں بھی ہوئی روشنی آفتاب کی اور سرخی ہو جو عشا کے قریب تک رہتی ہو اور یہی علمائے کبار نے لکھا کہ شفق درمیان مغرب عشا کے ہوتی ہو اور حدیث عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مغرب کا وقت اُس وقت تک ہے کہ شفق غائب نہ ہو (صحیح مسلم) پس بیان مذکورہ بالا سے ظاہر ہوا کہ جو کچھ خلیلؒ و جوہریؒ نے شفق کے معنی بیان کیے ہیں وہی معنی یہاں آیت میں ثابت ہوئے ہیں و لیکن ابن ابی حاتمؒ نے صحیح اسناد کے ساتھ مجاہدؒ سے روایت کی کہ اس آیت کی تفسیر میں شفق سے پورا دن مراد لیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ مجاہدؒ نے فرمایا کہ شفق آفتاب ہو۔ شاید کہ مجاہدؒ نے دلیل و ماوسق۔ کے قرینہ سے شفق کے معنی دن لیے تاکہ دن و رات یعنی نور و تاریکی دونوں جمع ہو جائیں امام ابن جریرؒ نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے دن کی قسم کھائی ایسی حالت کے ساتھ کہ دن جاتا ہو یعنی وقت شفق ہو اور رات کی قسم کھائی ایسی حالت میں کہ رات آتی ہو اور ابن جریرؒ نے لکھا کہ دیگر علماءؒ نے لکھا کہ شفق نام جو سرخی و سفیدی کا اور اس جماعت کا قول ہے کہ شفق منجہ ایسے الفاظ کے ہے جسکے دو معنی ضد ہیں (ابن کثیرؒ و رازیؒ نے لکھا کہ جن لوگوں نے شفق کو سرخی کہا ہوائے دلائل میں سے یہ ہے کہ شفق غائب ہونا عشا کا وقت قرار دیا گیا تو لازم ہے کہ سرخی معتبر ہو نہ سفیدی کیونکہ سفیدی بہت دیر تک ٹھہرتی ہے اور اُس کا وقت دراز ہو اور سرخی البتہ آفتاب کی وجہ سے ہو اور جب وہ افق سے دور ہو تو سرخی جاتی رہی اور یہ دلیل بھی ہے کہ شفق اصل میں رقت و ہلکا پن ہو اور ظاہر ہے کہ آفتاب کی بقیہ روشنی غروب ہونے سے رقیق ہوتی شروع ہوتی ہو تو یہی سرخی شفق ٹھہری تفسیر کبیرؒ مترجم کہتا ہے کہ دلیل اول کی تقویت یہ ہے کہ حدیث میں نماز کے اوقات بیان فرمائے گئے ہیں تو ہر ایک وقت کے واسطے ایک روز آپؐ نے اُس وقت کے شروع ہوتی ہی اول وقت نماز پڑھی اور دکھلایا کہ یہ اول وقت ہے اور دوسرے روز بالکل آخر وقت پڑھی اور آگاہ کر دیا کہ ان دونوں کے بیچ میں ہر نماز کا وقت پھر سیم دیکھتے ہیں کہ مغرب کی نماز دونوں دن ایک ہی وقت پڑھی تو معلوم ہوا کہ نماز مغرب ایک ہی وقت قلیل ہے اُس میں اول و آخر نہیں نکلتا ہو اور یہ شفق سرخی ہو کیونکہ اگر سفیدی ہوتی تو وہ بہت دیر رہتی ہو۔ علماء شافعیہ یہ دلیل بیان کی حتیٰ کہ بعض نے کہا کہ فریضہ مغرب کے بعد دو رکعت سنت پڑھ لینے کے بعد وقت گویا جاتا رہتا ہے۔ مؤلف فتح البیان نے دعویٰ کیا کہ ابوحنیفہؒ سے جو ایک روایت آئی کہ شفق سفیدی ہو تو اس قول کے واسطے کوئی دلیل نہیں ہے نہ شرع سے دلیل

اللہ تعالیٰ کے کسی چیز مخلوق کی قسم کھانا انسان کے واسطے منع ہے اور اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ چاہے جس چیز کی قسم کھاوے (السراج) مترجم کہتا ہے کہ متکلمین کو اصلی مشکل یہ نظر آئی کہ قسم ایسی چیز کے واسطے ہوتی ہے جو اجل و اعظم ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات ہیں اسی لیے انسان کو بھی سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی چیز کی قسم جائز نہیں ہے کیونکہ مخلوقات میں خود انسان اشرف و جامع مظہر ہے پھر اگر بیان کیا جاوے کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی قسم کھائی ہے تو لازم آوے کہ پیغمبرین ایسی جلیل ہیں کہ انکی قسم کھائی جاوے تو انسان کے لیے بھی انکی قسم جائز ہوگی اور مترجم کے نزدیک اسکا جواب یہ ہے کہ یہاں غلطی فقط قیاس ہے کیونکہ انسان کے واسطے قسم کھانا میں یہ معنی معتبر ہیں اور اللہ تعالیٰ کی شان میں یہ بات نہیں ہے کیونکہ ہر چیز انکی شان کے آگے ہیج و معدوم ہے تو قیاس غلط ہے پس اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ وہ جس طرح چاہے اور اپنی مخلوق میں سے جسکی چاہے قسم کھاوے کیونکہ انسان میں اپنی قسم کی عظمت کا حفظ و حمد ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ پاک ہے کہ وہاں یہ مقصود ہو بلکہ وہ ہر چیز کی مشابہت سے پاک ہے تو اس کے واسطے نظیر و قیاس و مثال کچھ ممکن نہیں ہے پس یہاں فقہاء کا قول صحیح ہے اسید واسطے رازی نے متکلمین کے قول کو کہا کہ متکلمین نے زعم کیا ہے یعنی زعم ضعیف ہے واللہ تعالیٰ علم سوال دوم (الشفق) کیا خبر ہے رازی نے کہا کہ اصل لغت میں غفلت کی ترکیب و باریکی و رقت و ہلک پن کے واسطے ہے جیسے عرب کہتے ہیں کہ یہ ثوب شفق ہے یعنی اس قدر باریک ہے کہ ٹھہر نہیں سکتا اور شفقت بھی اسی معنی میں کہ آدمی کا دل رفیق نرم ہو جاتا ہے آیت میں نظر کر دو ظاہر ہے کہ سب علماء نے اتفاق کیا ہے کہ شفق وہ اثر آفتاب ہے جو بعد غروب کے افق میں باقی رہتا ہے لیکن مجاہد سے البتہ روایت ہے کہ شفق (دن) ہے اور شاید مجاہد نے اس وجہ سے یہاں یہ تفسیر کی کہ آگے (واللیل) مذکور ہے تو پہلے دن اور بعد اسکے رات یعنی ان دونوں کے مجموعہ سے قسم ہو گئی اور دن سے معاش ہے اور رات سے سکون ہے اور انھیں دونوں سے امور عالم کا توام ہے اور قول مجاہد کی روایت یہ ہے کہ الشفق پورا دن ہے کیا نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے دلیل و ادسن - اور حکمران نے کہا کہ شفق باقی دن ہے - پھر اتفاقاً قول سے کیا مراد ہے یعنی غروب کے بعد افق میں آفتاب کا اثر و طرح ہوتا ہے اول سرخی ہوتی ہے پھر سفیدی اگر سیاہی سے زائل ہو جاتی ہے تو عامہ علماء نے کہا کہ شفق سے مراد سرخی ہے اور یہی ابن عباس و کلبی و مقاتل کا قول ہے اور اہل لغت میں سے لیث و فراء و زجاج نے یہی کہا ہے صاحب کشاف نے کہا کہ یہی عامہ علماء کا قول ہے سوائے اسکے کہ ابو حنیفہ سے دور وایتین آئین ایک یہ کہ شفق سرخی ہے جیسے ابو یوسف و محمد بن الحسن و جمہور علماء نے کہا ہے اور دوسری روایت یہ کہ شفق وہ سفیدی ہے جو سرخی کے بعد ہوتی ہے اور اسد بن عمرو نے روایت کیا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ نے سفیدی کا قول کیا تھا پھر اس سے رجوع کر لیا یعنی سب کے ساتھ اتفاق کیا کہ سرخی ہے (تفسیر کنز) اللہ تعالیٰ نے شفق وغیرہ مخلوقات کی قسم کھائی تاکہ اہل عقل ان چیزوں میں نظر عبرت سے غور کریں و احدی نے کہا کہ مفسرین و اہل سنت سب کا یہ قول ہے کہ شفق وہ سرخی ہے جو بعد غروب آفتاب کے ناپید ہونے کے وقت تک ہوتی ہے فرما گئے کہ اہل بیت نے ایک عرب کا یہ فقرہ سنا کہ اُس نے سرخ کپڑا دیکھا کہ وہاں کہ خوب رنگ ہو گیا شفق ہے امام خلیل نے کہا کہ شفق وہ سرخی جو بعد غروب کے وقت عشا تک ہوتی ہے اور صحاح میں مذکور ہے کہ شفق بقیہ روشنی آفتاب کی بعد غروب کے اور سرخی جو قریب عشا تک ہوتی ہے اور حکمران نے کہا کہ شفق درمیان مغرب و عشا کے ہوتی ہے قطری نے کہا کہ یہی اکثر صحابہ رضوانا علیہم و فقہار سے مروی ہے کہ شفق سرخی جو بعد غروب ہے - حضرت عمر رضی و ابن عباس رضی نے کہا کہ شفق سرخی ہے اور ابو ہریرہ رضی سے روایت ہے کہ شفق پورا دن ہے مترجم کہتا ہے کہ شاید ابو ہریرہ رضی نے اس مقام کی آیت میں فقہانہ دلیل اہل الفہم کے تفسیر بیان کی ہو اور راجح ہے کہ شفق وہ اثر آفتاب کے دن کی روشنی اور رات کی سیاہی کا اختلاط ہے

بِمَا يُوعُونَ ۝ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

جو اندر بھر رکھتے ہیں سو خوشی سنا انکو دکھ والی مالکی بھر جو یقین لائے اور کین بھلائی ان

لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۝

ان کو نیک رہے بے انتہا

فَلَا أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ - رازی وغیرہ نے لکھا کہ سورۃ القیامہ کے اول میں قولہ فلا قسم بوم القیمہ کی تفسیر میں (لام) کے بارے میں اقوال مفسرین بیان ہو چکے ہیں وہی بیان میں رازی رحمہ اللہ نے کہا کہ وہاں جو وجود مذکور ہیں ازراہ جملہ ایک ہی ہے کہ (فلا) علیحدہ ہے اور یہ کلام سابق کی تردید ہے اور یہ بیان یہ بات زیادہ ظاہر ہے یعنی (ف) تعقیب کلام سابق ہے اور بیان یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے کافر مشرک کا یہ قول ذکر کیا کہ (انظرن ان لن یجور) اُس نے یہ گمان باندھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف کبھی نہیں رجوع کرے گا۔ پس فرمایا (فلا) یہ نہیں ہے پھر فرمایا (لَا أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ) میں قسم کھاتا ہوں شفق کی۔ وَالْبَلِّ وَمَا وَسَقَ اور قسم کھاتا ہوں رات کی مع اُس چیز کے جو رات نے جمع کی۔ وَالْفَتْرِ اِذَا التَّسَقَّ اور قسم کھاتا ہوں چاند کی جب مجتمع ہو جائے کہ۔ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ۔ ختم لوگ ضرور رکوب کرو گے ایک طبق سے دوسرے طبق کو ف رکوب سواری ہے اور انسان کے حالات کو بمنزلہ سواری قرار دیا گیا کیونکہ انسان حالت پر ہوتا ہے تو وہ گویا سواری یہ کلام معجز نظام اسقدر وسیع ہے کہ اُس میں ہر ایک انسان کی ابتداء سے پیدائش سے آخر تک کے بلکہ بد تک کے حالات شامل ہیں اور جیسے ہر شخص کے ذاتی حالات طبقہ بطبقہ بدلتے جاؤ گئے اسی طرح قومی حالات بھی بدلتے اور جس طرح اہل کفر کے حالات ابتداء سے فطرت سے درجہ بدرجہ گمراہی و دوری میں بدلتے گئے اسی طرح اہل اسلام جو صلاحیت و آخرت چاہتے ہیں اُن کے حالات درجہ بدرجہ قرب و منزلت میں بڑھتے جاؤ گئے خطیب نے لکھا کہ لکھن۔ امام ابن کثیر و حمزہ و کسائی کی قراءت میں (ب) کو فتح ہے یعنی صیغہ واحد ہے اور خطاب انسان کو ہے اور مراد انسان سے جنس ہے اور جنس سب کو شامل ہوتی ہے لہذا باقیوں کی قراءت میں (ب) کو ضمہ ہے اور اصل میں لکھنون تھا بصیغہ جمع یعنی تم انسان لوگ لکھنون میں سے۔ (ن) رفع حذف ہوا جیسے منوالیات میں حذف ہوتا ہے پھر دوسرا کن جمع ہونے سے (واو) حذف ہو گیا (السراج) خلاصہ یہ معنی ہیں کہ کافر و مشرک کا یہ گمان غلط ہے کہ وہ دنیا سے مرا تو خاک و فنا ہو جائیگا (نہیں) بلکہ جیسے اُس نے دنیاوی پیدائش میں دیکھا کہ طبقہ بطبقہ اور درجہ بدرجہ وہ لطف سے بچہ بچہ جو ان پھر بڑھا ہوا ہے اسی طرح بعد جسم چھوڑنے کے طبقہ بطبقہ روحانی حالات برزخ میں پھر حشر میں بدلتا رہیگا اور ہر ایک کے حالات موافق اُسکی اصلیت کے ہونگے یعنی اگر کفر پر تھا تو ایک مناسب حالات پر رہیگا اور اگر ایمان پر تھا تو اُس کے مطابق ہوگا پس جس انسان نے اپنے آپ کو فنا حیا کیا وہ جھوٹا ہے (ربان) اقوال مفسرین (قوله تعالیٰ فلا قسم بالشفق) بیان سوالات ہیں سوال اول یہ کہ اللہ تعالیٰ نے شفق وغیرہ مخلوقات کی قسم کھائی ہے یا مطلب یہ کہ رب الشفق۔ یعنی ان مخلوقات کے پیدا کرنے والے کی قسم کھائی ہے یعنی اپنی ذات پاک کی قسم کھائی ہے (جواب) کہ رازی نے کہا کہ تخلیق (جو دین اسلام کے مخالفت کرتے والوں کو عقلی دلائل سے قائل کیا کرتے ہیں) بیان گمان کرتے ہیں کہ ان چیزوں کے رب عزوجل کے ساتھ قسم ہے اور نام بیان مخدوف ہے اور اس لیے حذف کیا گیا کہ یہ بات صریح معلوم ہے کہ چونکہ شرع میں ممنوع ہے کہ انسان سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی چیز کی قسم کھا دے تو ضرور اُن کے پیدا کرنے والے کی قسم ہے (تفسیر کبیر) اس کا جواب یہ ہے کہ سوائے

اور میں نے ظاہر میں کہ توحید و جہد سے نیک باید عمل کرنا ہی دجالیکہ تو اپنے رب تعالیٰ کی طرف جانے والا ہو مترجم کہتا ہے کہ میں نے محمد اللہ سبحانہ تعالیٰ میں نے بیان کیے تھے (قولہ تعالیٰ) فملاقیہ۔ یعنی بالضرور تو اس سے ملنے والا ہو۔ خلاصہ یہ کہ ای انسان تو آخرت سے منکر ہو یا مستفقد ہو بہر حال اپنی نیت و اعتقاد کے موافق بڑی جد و جہد سے تو اعمال کرنا ہی اور یہ سب اس حالت میں ہو کہ تو اپنے رب عزوجل کی طرف جاتا ہو کیونکہ موت ضروری ہے تو تیرے انکار کا کچھ نتیجہ نہوا جبکہ تو خواہ مخواہ کھینچا جاتا ہو پس خواہ مخواہ رب عزوجل سے ان اعمال کے ساتھ ملائی ہوگا اور ضرور اپنا نتیجہ پاویگا (قولہ تعالیٰ) فاما من ادتی کتا بہ یمینہ۔ دنیا میں یہ صورت ہے کہ جتنی بصورت انسانی پیدا ہوا اور نفس پر وائیں ہاتھ سے قبضہ کیا اور جسم کو عقل راست سے مطیع کیا اور اس نامہ اعمال میں جو اخلاق فاضلہ ہیں بابتاع زبان شریعت انکو تلاوت کیا تو اسکا حساب آسان ہوگا کہ اسکے گناہ محو فرمائے جاویں گے اور حسنات زائد ہونگے کیونکہ فطرت اپنی نور و صفاء اصل پر باقی ہے (قولہ تعالیٰ) وینقلب الی اہلہ سرور۔ اصحاب الیمین جنتیوں کی طرف انصال سے اُسکو سرور و فرحت ہے اور مٹھین سے محبت و الفت ہے (قولہ تعالیٰ) اولی کتا بہ درادظرہ۔ یعنی بستی کی جانب جہان تاریکی ہے اور روح حیوانیہ جسم ہے۔ بات یہ ہے کہ چہرہ انسانی کا رخ بجانب حق سبحانہ تعالیٰ ہے اور پشت کی جانب تاریکی بدن کے ساتھ ہے اور خلاصہ یہ ہے کہ ابتدا میں فطرت انسانی پر پیدا ہوا تھا اور آخر بدکاری سے مردود کر کے صورت حیوانیہ میں گرا دیا گیا تو یہ آخر کار درطہ ہلاک و عذاب میں گرفتار ہوگا اور گناہوں کی آگ و شہوات میں بدن کے اندر جلیگا اور اسکا جوش ان شہوات کی طرف شوق کی آگ کے ساتھ ہونا ہی (قولہ تعالیٰ) کان فی اہلہ سرور۔ اسکا باعث یہ ہے کہ وہ اپنے لوگوں میں اترتا ہوا ناشکر اٹھا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو بھول گیا اور بجائے حیوانیہ میں پڑ گیا اور حیوانیت کی بے عقلی میں یہ گمان کر لیا کہ کبھی وہ اپنے رب عزوجل کی طرف لوٹ جائے والا نہیں ہے کیونکہ اُس نے ہجرت سے یہ اعتقاد کیا کہ یوں ہی لوگ جتے و مرتے ہیں اور زمانہ انکو ہوتا ہی مترجم کہتا ہے کہ حیوانیت کی بے عقلی پر دلیل یہ ہے کہ یہاں اگر اُسکو آخرت نظر نہیں آتی تھی تو بہت چیزیں نظر نہیں آتی ہیں پس احتمال تھا کہ ہوا ہوا اور ساتھ ہی اُسکو موت آنا ضروری معلوم تھا حالانکہ درخت اتنی مدت میں نہیں مرنے لگا تھا کہ اُسکو تر رہے ہو ناگہ شاید اگر موت سے مرجع آخرت ہو تو دینی عذاب میں بہت پریشان ہوگا مگر اُس نے حماقت سے یہ جزم کر لیا کہ ہرگز وہ رب تعالیٰ کی طرف نہیں پھیرا جاویگا یہ اُسکے جالوز ہونے کا اثر ہے (قولہ تعالیٰ) علی اند الہ۔ یعنی ضرور وہ پھیرا جاویگا اور اللہ تعالیٰ اُسکی ناشکری و بدکاری خوب جانتا ہے کہ کس طرح اُس نے نعمت حق کو برباد کیا تو وہ بھی جہنم میں عذاب کیا جائیگا ابن العربی رحمہ اللہ تعالیٰ علم

فَلَا قَسِمٌ بِالشَّفَقِ وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ وَالْقَمَرِ إِذَا اسْقَى لَتَرْكَبَنَّ
 قَسَمٌ کھانا ہوں شام کی سرخی کی اور رات کی اور جو اس میں سمٹا ہے اور چاند کی جب پوزا بھرے
 طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ وَإِذَا فُرِغَ عَلَيْهِمْ
 کھنڈ پر کھنڈ پھر کیا ہوا ہے انکو یقین نہیں لاتے اور جب پڑے ان پاس
 الْقُرْآنَ لَا يَسْجُدُونَ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا يَكْذِبُونَ وَاللَّهُ أَعْلَمُ
 قرآن سجدہ نہیں کرتے اوپر سے یہ منکر جھٹلاتے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے

اس سے معلوم ہوا کہ زمین روشن رہے تو یہ زمین و آسمان تبدیل کیے گئے کہیں پس خلاصہ یہ ہوا کہ اول طور جلال اسی آسمان زمین پر ہوگا تو دونوں شق ہونگے اور اسی کے بعد تبدیل واقع ہوگی اور مخلوقات صراط کے اسی طرف قائم رہیں گے جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب (قولہ تعالیٰ) یا ایہا الانسان انک کادح الایہ۔ اس خطاب پاک میں تنبیہ و تاکید ہے کہ حکم کی فرمانبرداری کریں اور جان قربان کریں اور اخلاص رکھیں اور اسکو پہنچ سمجھ کر رحمت کے امیدوار ہوں کیونکہ ملاقات قدس سے معلوم ہوگا کہ دونوں جہان کے اعمال اُس کے دہار کے لائق نہیں ہیں مگر ترجمہ کہتا ہے کہ ایک حدیث میں ہے کہ جب مومنین کو دیدار نصیب ہوگا تو سجدہ میں گرینگے (یا) فرمایا کہ سجدہ کرنے کی اجازت چاہینگے اور عرض کرینگے کہ اے رب تبارک و تعالیٰ ہم نے تیری عبادت کچھ نہیں کی تھی اب ہر اجازت ہو کہ سجدہ کیا کریں ارشاد ہوگا کہ میں نے تم سے وہی قبول کیا اور میں نے اس گھر کو شفقت اُٹھانے کا گھر نہیں رکھا ہے۔ شیخ ابوبکر بن طاہر نے کہا کہ قولہ تعالیٰ یا ایہا الانسان الخ یعنی اے انسان تو اپنے رب عزوجل کے ساتھ معاملہ رکھتا ہے یہ معاملہ مجمع عام میں پیش ہوگا تو تجھے کوشش کرنا چاہیے کہ تو وہاں شرمندہ نہ ہو (قولہ تعالیٰ) وینقلب الی اہلہ مسروراً۔ مسرور ہونے کی وجہ یہی ظاہر فرمائی کہ حضور قدس میں پہنچا اور رحمت و رضوان پایا۔ یہ اوسط درجہ والوں کا حال ہے اور جو بندے مقام قرب میں ہیں تو اُس سے منقلب ہو کر کسی کی طرف بجا وینگے شیخ ابن عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ مسرور ہونا رضوان حق حاصل ہونے سے ہے شیخ عبد الواحد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ مسرور ہوگا کہ ملاقات کا وعدہ سچ ہوا مگر ترجمہ کہتا ہے کہ خطیب نے حسن بصری سے نقل کیا کہ اگر عابدوں کو معلوم ہو جاوے کہ آخرت میں دیدار نہیں ہو تو بیان دم گھٹکا اُنکی جان نخل جاوے۔ شیخ ابراہیم بن ادہم نے کہا کہ مسرور ہونا اس وجہ سے کہ انکو جنت میں داخل ہونیکا پروانہ مل گیا اور جہنم سے نجات کا حکم ہوگا۔ شیخ ابو عثمان نے فرمایا کہ مسرور ہوگا کہ اُسکو اولیاء صدیقین کے مقامات میں حاضری نصیب ہوئی (قولہ تعالیٰ) ان ربہ کان بصیر۔ جب تک یہ شخص اس دنیا سے معدوم تھا بلکہ حضرت آدم کی مٹی بھی تیار نہ تھی اُس سے پہلے سے اللہ تعالیٰ نے اسکے حق میں مقدر فرما دیا تھا کہ یہ ایسا ہوگا اور ایسے اعمال کا مرتکب ہوگا اور آخرت میں اُسکے واسطے یہ نتیجہ ہوگا پس اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُسکا عدم وجود برابر ہے اور کوئی ذرہ اُسکی نظر سے پوشیدہ نہیں ہے مگر ترجمہ کہتا ہے کہ انسان اپنے قلب کا حال خود نہیں دیکھ سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے بلکہ انسان تو اپنے ناخن کے نیچے گوشت نہیں دیکھتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ حتیٰ کہ انسان کی سانس میں سے کوئی سانس اُس سے مخفی نہیں ہے پس جب وہ ایجاد سے پہلے جانتا تھا تو ایجاد کے بعد کیونکر جانیکا شیخ واسطی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا تھا کہ فلاں انسان کو پیدا کر لگا اور کس لیے پیدا کر لگا اور وہ کیا کام کر لگا اور سعید ہوگا کہ بد بخت تہمینی ہوگا اور کس مدت تک زندہ رہیگا اور کیا رزق پاوے گا حتیٰ کہ دانہ دانہ اُسکے رزق کا مقدر مقسوم فرمایا ہے سبحان اللہ العلیٰ العظیم فی اشارات الشیخ ابن العربی (قولہ تعالیٰ) اذا السماء انشقت۔ جیسے قولہ الفطرت (قولہ تعالیٰ) اذنت لربہا۔ آسمان نے حکم رب عزوجل کی فرمانبرداری کی اور روح انسانی کو کشادہ کر دیا اور زمین بدن بر وقت ترع روح کے پھیل جاتی ہے اور روح و قوی و دیگر آثار مانند مزاج و ترکیب وغیرہ کو نکال دیتی اور سب سے بظہر خالی ہو جاتی ہے (قولہ تعالیٰ) زانک کادح الی ربک۔ یعنی اے انسان تو کوشش سے سعی کرنے والا ہے اور موت سے اپنے رب عزوجل کی طرف جا دیگا۔ بہان رفتار بذریعہ انفاس ہے کہ نہایت سرعت سے بے اختیار چلتی ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ تیری سانسین تیرے قدم ہیں کہ تجھے تیری موت تک لے جاتے ہیں۔

مہین ہو سکتی ہے کیونکہ وہ لوگ دنیا کی زندگی کو وبال جانتے ہیں سوائے اسکے کہ زندگی میں آخرت کے واسطے اعمال صالحہ جمع کر کے
 بجاوین اور آخرت کو حق جانتے ہیں تو موت سے نہیں ڈرتے ہیں بلکہ اگر اہل حق میں موت ہو تو بہت ہی آرزو سے لیتے ہیں واللہ تعالیٰ ہوا وخلق
 اگر کما جادے کہ بعض کفار دنیا میں محتاجی کی تکلیف میں ہوتے ہیں تو مسرور کیونکر ہوئے (جواب) کافر کا سرور دنیا سے ہے کیونکہ دنیا سے
 اسکو محبت ہو اور آخرت کا خطر جو ایمان کے ساتھ لازمی ہوتا ہو وہ اسکو نہیں ہوتا پس معلوم ہوا کہ کافر کا دل ہمیشہ غفلت میں بخیر ہوتا
 ہوا کیونکہ وہ فقیہ اور مومن کا دل ہمیشہ اس دنیا سے ادبھا ہوا اور آخرت کے خوف الہی سے پرخطر ہوتا ہے اگرچہ وہ مالدار ہو اور حدیث میں
 ہو کہ دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت ہے **ف فی العرائس قولہ تعالیٰ اذا السماء انشقت**۔ جب اللہ تعالیٰ کو منظور
 ہوگا کہ یہ عالم خراب فرمائے تو آسمان وزمین پر اپنی عظمت و کبریا کی ہیبت ڈالے گا تو آسمان شق ہو جاوے گا یعنی اُس سے ملائکہ کا
 نزول ہوگا اور زمین عکس تجلی سے مدود ہو جائیگی اور ان دونوں سے طاعت حق واجب ہو اور کیونکر منہو حالانکہ یہ دونوں بھی اُس کے قبضہ
 قہری میں رائی سے کتر ہیں یعنی بقولہ تعالیٰ **دھوا تھا ہر فرق عبادہ الخ** یعنی تمام بندے اُسکی قدرت کے تحت ہیں مقہور ہیں واضح ہو کہ بندگان
 عارفین کے دل پر جب تجلی ہوتی ہے تو اسطرح یہاں ارواح بوجہ عظمت کے شق ہو جاتی ہیں اور زمین قلب متزلزل ہوتی ہے کیا نہیں دیکھتے ہو کہ ملائکہ
 مفرین عظمت کلام حق سے نزع میں ہو جاتے ہیں حکم قولہ تعالیٰ **حتی اذا نزع عن قلوبہم قلوبا ماذا قال رکب الا یہ**۔ بعض مشائخ نے کہا کہ خطاب
 امر دہنی جب ملباس دار ہوتا ہے تو بعضے مطیع ہیں اور بعضے عاصی ہیں اور خطاب ہیبت کے وار د ہونے پر مور و فناء حاضر ہو جاتا ہے جیسے
اذا السماء انشقت۔ اور انقیاد و جمیع مخلوقات سے حق واجب ہے کیونکہ اُسی نے پیدا فرمائی ہے مترجم کہتا ہے کہ اس کلام میں ایک سوال کا اشارہ
 ہے یعنی آسمان کو خطاب ہوا کہ شق ہو جاوے تو اسکی نسبت فرمایا کہ (حق) یہی حق واجب تھا کہ مطیع ہو اور خطاب امر دہنی حنیہ و دل
 کو آتا ہے تو بعضے کافر ہوتے ہیں حالانکہ انہیں بھی حق ہی تھا کہ مطیع ہوں اور (جواب) میں فرق بیان کیا کہ آسمان کو خطاب ہیبت ہے اور خطاب
 امر دہنی کا درود اجسام پر ہے واللہ تعالیٰ اعلم اور مترجم کہتا ہے کہ میرے نزدیک امر ظاہر بیان ہے ہو کہ خطاب ایجاد میں جمیع مخلوق مطیع ہیں حتیٰ کہ
 افعال جو پیدا فرمائے جاتے ہیں سب ایجاد ہیں اور امر دہنی میں شان بصفت اختیار ہے اور قہر بیان مشیت ہے پس کفار مشیت میں
 مقہور ہیں حتیٰ کہ وہ دنیا اور کفر کو اختیار کرتے ہیں اور چونکہ لایعقل ہیں یعنی نوع عقل نہیں رکھتے ہیں تو لامحالہ حکم قولہ **و یجعل الرجس علی**
الذین لا یعقلون انہیں نجاست شرک و کفر ڈالتا ہے۔۔۔ یعنی کافر کا کفر و شرک حقیقت میں کافر کی کمائی ہے جو اُسکے پسند کے موافق قدرت
 نے اُسہیں پیدا کر دی اور بارگاہ الوہیت میں کسی کے شرک و کفر وغیرہ کو کچھ بھی دخل نہیں ہے جیسا کہ حدیث صحیح مسلم میں یہ نکتہ صریح بیان
 ہوا ہے اور عقل بھی یہی پہچانتی ہے اسیلئے کہ کفار و انکشارک سب حادثات جدید ہیں اور بارگاہ قدس قدیم ہے تو جیسے مخلوق کو یہ دست نہیں
 ہو کہ بارگاہ قدس کے لائق ہو کیونکہ یہ آخر مخلوق ہی رہیگی اسطرح اس مخلوق کے افعال کو بدرجہ اولیٰ یہ لیاقت نہیں ہے فافہم بھرا اللہ تعالیٰ
 جب مخلوق سے حجاب اٹھا دیگا تو تجلای عظمت سے آسمان وزمین شق ہو جاوے گا جیسے اس جسم انسانی کو دنیا میں یہ مجال نہیں ہے کہ
 دیر بار باری تعالیٰ کو برداشت کر سکے لہذا حدیث میں فقہ وصال سے بچنے کے واسطے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اپنے رب عزوجل کو نہیں دیکھ
 سکتے ہو جب تک اس دنیا سے نہ مرو۔۔۔ یعنی بعد موت کے آخرت میں یہ لیاقت رکھی جائیگی کہ دیدار کی تاب ہو اسوجہ سے کہ وہاں اس
 جسم خاکی کا ظہور ہوگا بلکہ عالم خلق کے سوائے عالم الامر کا ظہور ہوگا اور جسم و جمیع اجسام عالم کے عالم خلق سے ہیں اور الروح میں امر
 ربی (روح عالم امر سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ انشرفت الارض بنور رہا۔ یعنی زمین اپنے پروردگار کے نور سے جگمگا اٹھیں گی

صاف و غنیہ لام ہو اور باقیوں کی قرأت میں (الصلی) بالضم فتح صادر تشدید لام ہو یعنی جلتی بلیتی آگ میں داخل کر دیا جائیگا اِنَّہ کان
 فیہ اھلہ مسرور و راسخ شخص اپنے لوگوں میں خوش خرم تھا ف اللہ تعالیٰ نے کافر کے بد انجام کی وجہ بیان فرمائی کہ یہ کافر دنیا
 میں اپنے لوگوں میں فرحت و سرور میں رہتا تھا اُسکو اپنے انجام کی کچھ فکر نہ تھی اور جو معاملہ آگے آنے والا تھا اُس سے کچھ خوف تھا
 اس چند روزہ سرور نے اُسکو یہ بے انتہا غم دیا۔ اِنَّہ ظنَّ اَنْ لکن تجوز۔ اس کافر نے گمان باندھا تھا کہ وہ کبھی نہیں رجوع کرے گا
 ف ابن عباسؓ و قتادہؓ وغیرہ نے کہا یعنی اسکا اعتقاد دنیا میں یہ تھا کہ وہ کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرے گا اور بعد موت کے
 دوبارہ زندگی نہیں ہوگی بلکہ بیان سے جو کوئی مرادہ خاک ہو گیا بَلٰی اِنَّ کَیۡدَہٗ کَانَ یَہۡمُ بَصِیۡرًا۔ کیونکہ نہیں رجوع کرے گا البتہ
 اُسکارب اُسکو خوب دیکھتا جانتا تھا ف جسوقت وہ پیدا بھی ہوا تھا اُسوقت سے اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ یہ کافر ہوگا اور اللہ تعالیٰ
 اپنے رب کی شان الوہیت سے منکر ہوگا اور مخلوق بندوں کے لیے قدرت و کار سازی کا اعتقاد کرے گا چنانچہ مشرکین کے سب فرقے اسی
 شرک میں ہیں کسی نہ کسی مخلوق سے آرزو کرتے ہیں کہ وہ چاہے تو میری آرزو پوری ہو جاوے۔ جب اللہ تعالیٰ کے کسی دلی بندے سے یہ
 کرامت دیکھی کہ اُسکے کہنے سے کام ہو گیا تو جہالت سے یہ سمجھے کہ اُسین خود قدرت ہو اور یہ نہیں سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت نے اُسین
 ظہور فرمایا ہو اور یہ اُس دلی کے جنتی ہونے کی علامت ہے کیونکہ جنت میں اسی شان سے ظہور ہوگا کہ جنتی بندہ جو کچھ چاہے گا وہ فوراً پیدا ہو جائے گا
 تو دلی ایسا پاکیزہ ہو گیا ہے کہ اُسین اللہ تعالیٰ کی شان اسطرح ظاہر ہوئی تاکہ اس بندے کی صلاحیت و تقویٰ دیکھ کر خود کو شش کرین
 کہ ہم بھی جنتی ہو جاویں اس زمانہ کے بعض مشائخ صالحین نے خوب کہا کہ آج کل جو لوگ کسی کو دلی سمجھ کر اُسکے پاس جاتے ہیں تو اپنی
 مغفرت کا وسیلہ بنانے نہیں جاتے بلکہ اُس سے دنیاے ملعونہ مانگتے جاتے ہیں اور اسی قسم کا کلام بعض سابقین مشائخ نے کہا ہے چنانچہ
 حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ اُنسے پہلے مشائخ کے ملفوظات میں بھی مذکور ہے کہ انھوں نے تعجب سے فرمایا کہ دنیا کو اللہ تعالیٰ
 نے ملعون کیا ہے تو تعجب ہو کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کے پاس ملعون چیز تلاش کرنے آتے ہیں مترجم کہتا ہے چونکہ عموماً یہی دنیا
 کی طلب ہو اسلئے ان میں سے بہت لوگ اہل کفر کے جوگیوں وغیرہ کی خدمت گزار رہ کر تے ہیں اور جب اہل کفر کا معاملہ جوگ وغیرہ
 سب دنیا کی طرف راجع ہو نو وہ ان دنیا کی تلاش اسقدر تعجب کے قابل نہیں ہو اعود باللہ وانا للیہ راجعون۔ واضح ہو کہ اللہ
 تعالیٰ نے کافر کے بد انجام کا سبب جو کچھ ارشاد فرمایا نہایت لطیف معنی ہیں اور تعالیٰ نے اسکی توضیح اسطرح بیان کی کہ کافر دنیا میں اپنے
 لوگوں میں سرور خوش خرم رہتا تھا یعنی اُسپر اسے عبادات و صوم و جہاد وغیرہ کی کچھ مشقت نہ تھی بلکہ جو کچھ حاصل کرتا اُسکو خواب راحت کا
 سامنا تھا اور گناہوں پر قدم بڑھانے میں اُسکو کچھ خوف نہ تھا اور روز حساب کا ڈر نہیں اور نہ دغدغہ تھا اور اللہ تعالیٰ سے ثواب آخرت
 کی امید نہیں اور عذاب کا خون نہیں رکھتا تھا (السراج) اقول بلکہ آج کل تو اس سے بڑھ کر یہ حالت ہے کہ اہل ایمان جنگو آخرت
 سے خوف ہو اُنکو بزدل و کمزور دیکھ کر طعنہ دیتے ہیں اور شاید اسکا باعث یہ ہو کہ انھوں نے بہت لوگوں کو دیکھا کہ نام کے مسلمان ہیں اور مرنے سے
 جان چھپاتے ہیں اور ہر طرح فسق و فساد سے لوگوں کے مال و متاع کو لوٹ لیتے ہیں تو قیاس کیا کہ یہ بزدلی خوف آخرت کا نتیجہ ہے اور یہ کیا
 بالکل غلط اور محض جہالت ہو اسلئے کہ اگر اسلام کی تعلیم پر نظر کرتے تو انکو معلوم ہوتا کہ جن لوگوں کو دیکھ کر یہ قیاس کیا تھا یہ لوگ آخرت
 کا خوف ہی نہیں رکھتے تھے اور جو لوگ آخرت کا خوف رکھتے اور رحمت کے امیدوار ہیں اور دنیا کو ملعون اور آخرت کو محبوب رکھتے ہیں
 اور اللہ تعالیٰ کی شان رحمت و غضب کو اور اُسکی شان الوہیت کا ملکہ کو پہچانتے ہیں تو اُنسے بڑھ کر دوسے زمین پر کوئی قوم شجاع نہیں

اور بعض روایت کے آخر میں بجائے (ہلاک ہو جائیگا) فرمایا کہ (وہ عذاب کیا جائیگا) خلاصہ یہ کہ ہلاک ہو جانے سے مراد یہ ہے کہ وہ ضرور جہنم میں عذاب پاؤں گا۔ ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی سے حساب لیا گیا تو وہ ضرور عذاب پاویگا تو میں نے عرض کیا کہ یا حضرت کیا یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فاما من اوتی کتابہ بمبینہ فسوف یحاسب حساباً سیراً۔ آپ نے فرمایا کہ جیسے الٹا نہیں ہے بلکہ یہ تو پیشی ہے اور جس سے حساب لیا گیا وہ ضرور عذاب پاویگا (رواہ احمد و البخاری و مسلم و الترمذی و ابن ماجہ) اب جو جریر کی ایک روایت میں ہے کہ حساب لیے جانے کے بیان میں انگلی سے ٹھوکا دینے کا اشارہ کیا۔ مترجم کہتا ہے کہ اسکا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے نامہ اعمال میں حساب لیا گیا کہ مثلاً یہ کام کیوں کیا تھا اس کام پر انگلی تکی۔ یہی حساب میں منافقہ کی صورت ہے اعوذ باللہ من ذلک۔ حضرت ام المؤمنین صدیقہ بھی خود فرمایا کرتی تھیں کہ جس کسی سے حساب سمجھا گیا وہ عذاب میں پڑے گا اور کہا کہ حساب سیر بہ ہے کہ حضور باری تعالیٰ میں پیشی ہو جاوے (ابن جریر) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس بندہ مسلمان ہیں تین باتیں ہوں اللہ تعالیٰ اسکا حساب آسان فرماویگا اور اپنی رحمت سے اسکو جنت میں داخل کرے گا (ایک یہ کہ جسے تجھے محروم رکھا ہو تو اسکو دے اور (دوم یہ کہ) جسے تجرب ظلم کیا ہو تو اسکو عفو کر دے اور (سوم یہ کہ) جسے تجھے نانا کاٹا ہو تو اس سے ملے (رواہ الطبرانی والبیہقی و الحاکم) ثوابان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ایسے اعمال کرتے ہو کہ وہ پہچانے نہیں جاتے اور قریب ہے کہ پہچاننے والا اپنے لوگوں میں یا تو سرور (خوش خرم) واپس ہوگا یا غمناک واپس ہوگا (رواہ الطبرانی) وَأَمَّا مَنْ أُفْرِقَ كَيْتُهُ وَزَلَّ ظَهْرُهُ فَسَوْفَ يَكُونُ ثُبُورًا وَلَيَصْلَىٰ سَعِيرًا۔ اور روادہ شخص جو دیبا گیا اپنا نامہ اعمال پیٹھ پیچھے سے تو وہ ضرور ہلاکت پکاریگا اور جلتی آگ میں داخل ہوگا یعنی دونوں قسموں میں سے ایک قسم مومنین کا بیان اور ہو چکا تھا جنکو دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال عطا ہوا باقی رہی دوسری قسم جو مومن نہیں تھے ان کو نامہ اعمال پیٹھ سے دیا گیا یعنی اسکا نامہ اعمال اسکی پیٹھ کے پیچھے سے آویگا اور وہ بائیں ہاتھ پیچھے کی طرف لے جاویگا اور بائیں ہاتھ میں پاوے گا پس ایسے شخص کا یہ انجام ہے کہ جہنم میں غمناک ڈالا جاوے تو وہاں شور پکاریگا (یعنی ہمارے وہ کجخت بر باد و ہلاک ہوا) (سوف) بیان تحقیق کے واسطے ہی یعنی بالضرور وہ شور پکاریگا اور شاید یہ پکار نا بھی ہو جب نامہ اعمال پڑے اسلیے کہ فوراً اسکو معلوم ہو جاویگا کہ وہ جہنمی ہو اسسواء سے فرمایا۔ ولعیلی سعیر۔ یعنی جلتی جلتی آگ میں داخل ہوگا اور وہاں بھی ویل و شور کے ساتھ چلاویگا مترجم کہتا ہے کہ گرجا سلیمان کا بیان صریح نہیں ہے اور نص صریح میں یہ ثبوت ہو چکا کہ کفار کو بائیں ہاتھ میں پیٹھ پیچھے سے نامہ اعمال دیے جاوینگے ایسواء سے مسلمانوں کا بیان صریح نہیں ہے اور نص صریح میں یہ ثبوت ہو چکا کہ کفار کو بائیں ہاتھ میں پیٹھ پیچھے سے نامہ اعمال دیے جاوینگے ایسواء سے خطیب نے یہاں لکھا کہ جب کو بس پشت سے نامہ اعمال دیا جاویگا یہ کافر ہے کیونکہ اسکا دایان ہاتھ طوق سے اسکی گردن میں جکڑا ہوگا اور بائیں ہاتھ اسکی پیٹھ کے پیچھے کر دیا جاویگا تو لامحالہ اسکا نامہ اعمال اُسکی پیٹھ پیچھے آویگا اور وہ بائیں ہاتھ میں پاویگا یعنی اُسکے بعد پڑھنے کی قدرت پاویگا اور حدیث ام المؤمنین صدیقہ رضا اور برگزی نو حاصل یہ معلوم ہوا کہ قیامت کے روز دو فرق ہونگے مومنین اور کافرن اور دونوں فرق علیحدہ علیحدہ کھڑے ہونگے پس مومنین میں گنہگار بھی شامل ہونگے اور کافرن جبکہ اقسام ہیں سب کو اُنکے نامہ اعمال پیٹھ پیچھے سے بائیں ہاتھ میں ملیں گے اور مومنین کو اُنکے نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں ملیں گے پھر مومنین میں دو قسمیں ہیں بعض کا حساب آسان ہوگا تو وہ خوش خرم اپنے لوگوں میں چلا جاویگا اور بعض سے حساب لیا جاویگا تو ضرور عذاب پاویگا پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نکالا جاویگا۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم خطیب نے کہا کہ ابو عمرو اور عاصم رحمہما اللہ تعالیٰ کی قراوت میں (لعیلی) بالفتح مکون

تو خوش ہو کہ تیرا کام ضائع ہونے والا نہیں ہے بلکہ تو اُس سے ملنے والا ہے تو ثواب عظیم پادشاهِ عالم و محققین کے نزدیک فیلِ مختار ہے جسے کہ جس انسان مراد ہو خواہ کافر ہو یا مومن ہو اور (الی ربک) سے یہ مراد نہیں ہے کہ کافر کا عمل اس لیے ہے کہ رب کی طرف جاوے اس لیے کہ کافر کو یہ عقائد نہیں ہی نہیں ہے بلکہ معنی یہ ہیں کہ اے انسان خواہ مسلمان ہو یا کافر ہو تیری یہ حالت ہے کہ جو کچھ تو بیان جد و جہد سے کرتا ہو وہ آخر تیرے رب کی جانب ہے اُسی کی طرف ہر حج و انجام ہو پس تو ضرور اپنے عمل سے ملنے والا ہے یعنی اے انسان تیری ساری کد و کاوش کا مرجع اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے تو ضرور اپنے عمل کو پاؤ گے اب اپنے رب سے ضرور ملیگا وہ تجھے تیرے اعمال کا عوض ضرور دے گا ابنِ کثیرؒ نے لکھا کہ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریلؑ نے مجھے کہا کہ اے محمدؐ جب تک تو چاہے جیسے آخر تو مرنے والا ہے اور جس کو چاہے پیار کر آخر تو اُس سے جدا ہونے والا ہے اور جو چاہے کام کر آخر تو اُس سے ملنے والا ہے (رداد البوداد والعلیاسی) مخوفی نے ابنِ عباسؓ سے روایت کی کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اے انسان تو عمل کرنا ہے تو ضرور اس عمل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملنے والا ہے خواہ عمل نیک ہو یا بد ہو۔ قتادہؒ نے کہا کہ اے آدمی تیری کد و کاوش ضعیف ہے جس سے ہو سکے اپنی حسد و کد کو اللہ تعالیٰ کی بندگی میں رکھے اور اللہ تعالیٰ ہی کی آدمی ہوئی قوت سے ہو سکتا ہے (رح) خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آگاہ کیا کہ اے انسان خواہ تجھے یقین ہو یا نہ ہو تو بیان جو کچھ کہ و کاوش سے عمل کرنا ہو اُس کا مرجع اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے تو ضرور اُس سے ملنے والا ہے۔ پس لامحالہ اللہ تعالیٰ تیرے اعمال کا عوض تجھے ہو جائیگا اور کچھ ظلم نہ ہوگا اگر بُرے اعمال میں تو بھی اعمال جزا و وفا ملینگے اور اگر اچھے کام ہیں یعنی ایمان و یقین و توحید سے حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے فضل مزید بھی عطا فرمائیگا اور اُس کا فضل اس نیک عمل سے بہت بہتر ہے اس وقت میں وہی قسین ہو گئی چنانچہ فرمایا۔ **فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتَابَهُ يَمِينًا فُسُوفُ يُحَاسِبُ حِسَابًا يَسِيرًا وَيَنْقَلِبُ اِلَىٰ اٰهْلِهِ فَسُرُورًا۔** پس جو بندہ ایسا ہو کہ اس کا نامہ اعمال اُس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا تو اب وہ حساب کیا جاوے گا آسان حساب اور پھر دیا جائے گا اپنے لوگوں پاس خوش و خرم و یعنی جس بندہ مومن کو اُس کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا گیا کیونکہ سوائے مومن کے کسی کے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال نہ دیا جائیگا تو اس سے آسان حساب لیا جاوے گا اور یہ اسی قدر ہے کہ نامہ اعمال اُس کو دکھلا دیا جائیگا اور کچھ تحقیق نہیں کیا جائیگا بلکہ وہ اپنے نامہ اعمال میں برائیاں بھی لکھی دیکھی جائیگا اور ڈر جائیگا لیکن یہ بندہ ایسا تھا کہ دنیا میں گناہوں سے مغفرت مانگ کر ناکھ تو کچھ ایک دیکھیگا کہ اللہ تعالیٰ نے انکو میٹ دیا اور سب نیکیاں ہو گئیں اور حکم ہوگا کہ جنت میں اپنے لوگوں میں چلا جاوے یا محشر میں اپنے جنتی لوگوں میں مل جاوے خواہ مسلمان زوجہ اولاد ہوں یا خور العین ہوں اور وہ اس قدر سرور و خوش ہوگا کہ مارے خوشی کے کیگا۔ ہاؤم اقرؤ کتابیہ۔ یہ لومیر نامہ اعمال تو پڑھو یعنی کیسا عمدہ ہے۔ قولہ حسابا لیسرا نرم آسان حسین اُس سے کچھ جھگڑا نہ کیا جاوے گا۔ مقابل نے کہا کہ اس وجہ سے کہ جو گناہ بھی ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بخشے ہوئے ہیں تو کچھ حساب نہ رہا۔ مفسرین نے کہا کہ آسان حساب یہ ہے کہ بندہ مومن کی برائیاں اُس پر پیش کی جاوے گی پھر اللہ تعالیٰ انکو بخش دیگا یہی آسان حساب ہے۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا کہ آپ نے بعض وقت نماز میں دعا مانگی کہ اے اللہ مجھے آسان حساب لہجو۔ جب آپ فارغ ہوئے تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ آسان حساب کیا ہے آپ نے فرمایا کہ آسان حساب یہ ہے کہ بندہ کو نامہ اعمال دیا جاوے وہ اُس میں دیکھے پھر اللہ تعالیٰ اُس سے درگزر فرماوے اے عائشہؓ جس سے اس روز حساب لینے کا منقشہ کیا گیا وہ ہلاک ہو جائیگا (رداد الامام احمد و عبد بن حمید و ابن جریر و محاکم و ابن مردودہ)

روایت کی امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حدیث میں آیا ہو کہ جب قباست کا روز ہوگا تو اللہ تعالیٰ زمین کو چمڑے کی طرح ممدود کشیدہ فرما دیگا تاہم لوگوں میں سے کسی بشر کے لیے جگہ نہ ہوگی سوائے اتنی جگہ کے کہ اُس کے ہاتھوں تک جاوے پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے میں بلایا جاؤں گا اور اس وقت حضرت الرحمن کے دائیں پر جبرئیل علیہ السلام ہوگا واللہ جبرئیل نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا ہے میں عرفس کروں گا کہ اے رب اس (جبرئیل) نے مجھے خبر دی کہ اسکو تو نے میرے پاس (بلانے) بھیجا ہے واللہ تعالیٰ فرماؤں گا کہ اسے سچ کہا ہے۔ پھر میں شفاعت کروں گا اور کروں گا۔ کہ اے رب تیرے بند سے میں جنھوں نے تجھے اطراف زمین میں معبود بنایا اور تیری عبادت کی۔ یہی مقام محمود ہی تشبیہ یہاں سوال یہ ہو کہ اذا السماء انکس یہاں تک (اذا) کا جواب نہیں معلوم ہوا کیونکہ خلاصہ یہ ہوا کہ جب آسمان شق ہوگا اور جب زمین کشیدہ ہوگی اور سب اگل دیگی (تو گویا ہوگا) صاحب کشف رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ جواب اس لیے حذف کیا گیا کہ آدمی ہول میں پڑ جاوے کہ جب اس ہولناک معاملہ ہوگا تو کیسا ہولناک نتیجہ ہوگا پس ہر طرف خیال دوڑے فرار کرنے کے کہا کہ جواب حذف ہونا اس لیے کہ جواب بارہا قرآن سے معلوم ہو چکا ہے (کہ) خطیب نے لکھا کہ سورہ تکویر اور انفاطار میں معلوم ہو چکا کہ اس وقت ہر نفس کو معلوم ہو جائیگا جو کچھ اُس نے اپنے واسطے پہلے بھیج رکھا ہے۔ س۔ بعض محققین نے کہا کہ جواب آئندہ آتا ہے یعنی قولہ تعالیٰ (فلما قمہ) کسی نے کہا بلکہ اس کے بعد قولہ فاما من ادنی الذم اس کے جواب پر دلالت کرتا ہے یعنی جب آسمان شق ہوگا اور زمین مستوی ہوگی تو اس وقت تم لوگوں کا انجام دو ہی قسم میں مختصر ہے ایک وہ کہ جنکو نامہ اعمال دائیں طرف سے دائیں ہاتھ میں دیے جاوے گا تو یہ اہل جنت ہیں اور دوم وہ کہ جنکو نامہ اعمال تجھے سے بائیں ہاتھ میں دیے جاوے گا تو یہ اہل جہنم ہیں اور درمیان میں جملہ معترضہ ہو کر) یہ سب اس صورت میں ہے کہ (اذا) شرطیہ ہے اور یہی اصح ہے اور اگر (اذا) شرطیہ نہ ہو تو یہ مبتدأ ہے اور دوسرا (اذا) اس کا جواب ہو لیکن (واو) زائد ہے اور معنی یہ کہ جو وقت آسمان پھٹنے کا ہو وہی زمین کے کشیدہ بچھائے جانے کا ہو (سراج) ابن الانباری نے کہا کہ (واو) کو زائد ٹھہرانا غلط ہے اس لیے کہ عرب فقط دو جگہ اس طرح (واو) لاتے ہیں ایک (حتی اذا) کے ساتھ میں اور دوم (لما) کے ساتھ میں۔ اول کی مثال قولہ تعالیٰ حتی اذا جاؤا وفتح ابوابہا وقال لهم الایہ کی مثال قولہ فلما اسلامتہ للجبین وادیناہ الایہ۔ اور ان دونوں کے سوائے کسی مقام میں نہیں لاتے ہیں تو یہاں بھی زائد نہیں ہو سکتا ہے (ف) یا یٰھذا الانسان انک کادح الی ذلک کدحاً مقلوباً اے انسان تو جد بھر کوشش کرنا والا ہے اپنے رب کی جانب کوشش کرنا تو اُس سے ملنے والا ہے کدح اپنی جان کو کسی یا بُرے کام میں بڑی کوشش سے لگانا اور افسوس کہ کرنا اس طرح کہ جان میں اس مشقت کا اثر ہو عرب کہتے ہیں کہ (کدح جلدہ) اپنی کھال کو کدح کیا یعنی اُس میں خراش سے اثر و نشان ڈال دیا۔ انسان سے بعض نے کہا کہ مسلمان مراد ہے کیونکہ (الی ربک) کے معنی اپنے رب کی جانب۔ تو مسلمان ہی اپنے اعمال میں جہد و سعی کرتا ہے کہ رب غر و جل کی طرف جانے والا ہے لہذا آگاہ کیا کہ انسان اُس سے (رب سے) ملنے والا ہے اور بعض نے کہا کہ (کافر) مراد ہے اور پہلے دنیاوی کاموں میں بڑی کوشش سے جہد و کد کرتا ہے اور (الی ربک) سے مراد (موت) ہے یعنی اے کافر تو بڑی جہد و کد سے کام کرتا ہے موت تک پس تو اپنے کام سے آخر ملنے والا ہے جب انسان شق ہوگا الخ اور بعض نے کہا کہ اس سے خاص ایک کافر مراد ہے چنانچہ ابن عباس رضی عنہ سے روایت ہے کہ وہ ابی بن خلف تھا جو دنیا حاصل کرنے میں اور کفر و محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتداء دینے میں ٹہری جہد و کد کرتا تھا اور قول اول والے بھی بعضے کہتے ہیں کہ انسان سے خاص محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں تو معنی یہ ہیں کہ اے محمد تو اللہ تعالیٰ کی رسالت پہنچانے میں اُسکی رضامندی کے لیے بہت جہد و کد کرتا ہے

۱۔ رائی نے لکھا کہ آسمان کے واسطے یہی حق ہے کہ حکم الہی کے واسطے مطیع ہوا سیلے کہ آسمان ایک جسم ہے اور جسم بذات خود ممکن ہے اور بذات خود ممکن ہو و چہرہ جسکی ذاتی حالت میں موجود ہونا اور معدوم ہونا برابر ہو چہرہ اگر وہ موجود ہو یا ہوے تو اللہ تعالیٰ قدرت ہے اور اگر معدوم ہو تو اسکی خوشی ہے تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہر حصے اسکی ذات پر جاری ہوتا ہے کچھ بھی روک نہیں ہو سکتی ہے تو آسمان کے واسطے کچھ اختیاری نہیں ہو سوائے اسکے کہ جو حکم ہوا اسکو قبول کرے تفسیر کبریٰ **وَلَا ذَا الْأَرْضِ مَلَأَتْ** اور جب زمین پھیلادی جاوے ف یعنی بچھا کر وسیع کر دی جاوے (ابن کثیر) یعنی اسطرح کھینچ کر پھیلا دی گئی جیسے جمر پھیلا یا جانا ہوا اور اسکے پہاڑ کو فٹہ کر دیے اور جہاں جہاں اُنچائی تھی سب پست کر کے غار ہوا کر دیے گئے تو قلع صفصف (مستوی میدان) ہو گئی نہ کہ زمین اونچی ہو اور نہ نیچی ہو مقابل نے کہا کہ چمر کی طرح پھیلا دی گئی پس اُس میں کوئی عمارت و پہاڑ نہیں باقی رہیگا اور بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ مدد سے مشتق ہے یعنی اسکی وسعت میں زیادتی کر دی گئی ابن عباس نے کہا کہ قیاس کے روز زمین محدود (کھینچ کر پھیلائی) کیجاوے گی۔ جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیاس کے روز زمین مثل چمپے کے محدود کیجاوے گی پھر اُس پر کھائی گئی گجائش ہوگی سوائے اس قدر جگہ کے کہ اسکے قدم تلک جاوے اس حدیث کو حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اویٹ کیا اور سیوطی نے کہا کہ اسکی اسناد جیدہ۔ **وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ** اور ڈال دی جو کچھ اسکے اندر تھا اور خالی ہو جائیگی ف یعنی زمین کے اندر جو کچھ اموات (مردہ جانور و آدمی و جن) ہیں اور خزانہ ہیں اُنکو اوپر نکال دیگی اور اس امانت سے خالی ہو جائیگی۔ تخلت صیغہ دلالت کرتا ہے کہ بالکل خالی ہوگی گویا اُس نے تمام کوشش سے ایسا کیا۔ بعض نے کہا کہ رالقت یعنی جو کچھ اُس میں ودیعت ہے سب نکال دیگی اور تخلت یعنی جو کچھ اسکی حفاظت میں دیا گیا تھا اُس امانت داری سے پاک ہو جائیگی۔ ابن عباس نے کہا کہ زمین میں جو کچھ اموات ہیں سب نکال دیگی اور جو کچھ اُس کے اوپر زندہ ہونگے اُن سے خالی ہو جائیگی مترجم کہتا ہے کہ اس صورت میں وقوع اسطرح ہوگا کہ پہلے اپنے اوپر زندہ جانوروں کو خالی ہوگی کیونکہ نفخہ تصور سے سب مر جاویں گے خواہ آدمی و جن ہوں یا شیاطین و جانور ہوں پھر جو کچھ مردوں کے ذرات اجسام اُس میں ہیں سب کو نکال دیگی۔ **وَأَذْنَتْ لِرَبِّهَا وَحَقَّتْ** اور کان لگا کر سننے لگی اپنے رب کے لیے اور اُس پر ہی حق ہے ف یعنی یہ سب اخراج و تخلی حکم الہی ہے کہ زمین کو حکم ہو چکا کہ سب خارج کر دے تو وہ بسمع و طاعت فرمانبرداری کر گئی اور سوائے فرمانبرداری کے اسکو کچھ چارہ نہیں ہے اور اصح قول یہاں یہ ہے کہ القت ما فیہا و تخلت۔ زمین میں جو اموات ہیں اُنکو ڈال جائیگی جیسے ماں اپنے پیٹ کا بچہ گرانی ہے اور ان چیزوں سے بخوبی خالی ہو جائیگی شیخ ابن کثیر نے اسی قول پر اکتفا کیا اور لکھا کہ یہی مجاہد و سعید و قتادہ کا قول ہے بالجملہ جب آسمان سن ہوگا اور حکم الہی جوش ہونے کے لیے پہنچے گا فوراً بسمع و طاعت بجالا دیگا اور اسکی ذات کے واسطے یہی حقیقت ہے اور جب زمین سن ہوگی اور جو کچھ اُس میں اموات ہیں اُنکو اوپر لے دیگی اور بالکل اس سے خالی ہو جائیگی اور یہ بھی حکم الہی ہوگا اور زمین اپنے رب کا حکم بسر و چشم بجالا دیگی اور یہی اسکی ذات کے لیے حقیقت ہے تو ایسے وقت میں سب لوگ اپنے رب تبارک و تعالیٰ کے لیے زمین پر کھڑے ہونگے تاکہ اُنکے درمیان حکم عدلی سے فیصلہ فرماوے اور آدمیوں میں سے ہر ایک کے لیے فقط اُس کے پانوں کھنکے بھر کی جگہ ہوگی اور اُن کو تصور روحانی ہے تو بہ وسعت کافی ہوگی اور ہر شخص اپنے لیے ہوسے اعمال سے آگاہ ہوگا اور آفتاب بہت قریب ہوگا جس سے جسمانی کھوپڑی مانند پانڈی کے جوش مارے گی اور اُس روز کہیں سایہ نہ ہوگا سوائے سایہ عرش کے جسکے سایہ میں نیک بندے راحت پائیں گے اور بانی آفتاب میں جلیں گے اور مدت و راز اسی حالت میں گزریگی آخر لوگ بذریعہ انبیاء علیہم السلام کے سفارش چاہیں گے اور پہلے آدم علیہ السلام سے شروع کریں گے۔ حضرت آدم عذر کریں گے اور نوح علیہ السلام کے پاس بھیجیں گے وہ بھی نفسی نفسی لکھ عذر کریں گے علی بن ابی القیس یہاں تک کہ عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجیں گے۔ ابن جریر نے بسند جید مرسل

اَوْ يَكْتَبُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ ۚ فَسَوْفَ يَدْعُو ثُبُورًا ۚ وَيَصْلٰى سَعِيرًا ۚ اِنَّهٗ كَانَ
 ملا اسکا نکھا بیٹھ کے پیچھے سے سودہ بجارے گا موت موت اور بیٹھے گا آگ میں وہ رہا تھا
 فِيْ اَهْلِهِۦ مُسْرُوْرًا ۚ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يُخَوِّدَهٗۙ بَلٰى اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِبَصِيْرًا ۚ
 اپنے گھر خوش وقت اُسے خیال کیا کہ بھرنے جا دیگا کیون نہیں اُسکارب اُسکو دیکھتا تھا
 خطیب نے لکھا کہ لیجر اللہ - شروع ہوا اللہ تعالیٰ کے نام سے ف جسے زمین کو شق (بھاگ) کر کے بنانا تھا - اقول
 اور یہ نمونہ دکھلا یا کہ اسبطرح قیامت کے روز اجسام حیوانات کو شق کر کے نکالے گا۔ الرحمن - نہایت مہربان ہر ف کہ آسمانیوں
 وزمینوں پر اسکا کرم عام ہے الرحمن رحمت والا ہر ف کہ مطیع بندوں کو جنات کے واسطے خاص کیا (السراج) تمام مخلوق
 کو دنیا میں پیدا کر کے آگاہ کر دیا کہ وہ لوگ اس دنیا کے لیے نہیں ہیں بلکہ آخرت کے سامان ہمارے رسول علیہ السلام سے سیکھ کر چل کرین
 اور بیان سے جلا جانا بذریعہ موت کے انکو دکھلا دیا اور قطعاً آگاہ کیا کہ بیان کی کمالی آخرت میں بادے اور وہاں دو ہی مقام ہیں جیسے
 بیان دو ہی فرق ہو ایک مومنین جو وہاں جنت میں رہنے والے ہیں اور باقی کفار و مشرکین وغیرہ سب منکرین ہیں جو وہاں جہنم کے واسطے
 ہیں یہ لوگ انکار کرتے ہیں کہ آخرت کچھ نہیں ہے اور قیامت کہاں ہے۔ اللہ تعالیٰ آگاہ فرمایا۔ اِذْ السَّمٰوٰتُ اُنْشَقَّتْۙ جَبَّ اَسْمٰنُ شَقِ
 ہو گا ف پھٹ کر سوراخ دار ہو جائیگا یہی روز قیامت ہے۔ حرف (اذا) فعل پر داخل ہوتا ہے تو اصل یہ تھا اذا اُنْشَقَّتِ السَّمٰوٰتُ متعرجیم کہتا ہے
 کہ بھر (السما) کو مقدم کر دیا کیونکہ بیان (بھٹ جانا) ہولناک نہیں بلکہ (السما) یعنی آسمان کی طرف توجہ دلانا منظور ہے یعنی یہ آسمان جو سطر
 مستحکم مضبوط ہے یہ اس وقت پھٹ جا دیگا واحدی نے کہا کہ آسمان کا شق ہونا سلامات قیامت میں سے ہے اور اس کے شق ہونے
 کے معنی یہ ہیں کہ غمام سفید ظاہر ہو گا جیسے قولہ تعالیٰ۔ یَوْمَ تُشَقُّ السَّمٰوٰتُ بِالْغَمَامِ۔ یعنی جس روز شق ہو گا آسمان غمام کے ساتھ ہے۔ اور حضرت
 علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجرہ سے شفاف ہو گا رزقہ ابن ابی حاتم مجرہ وہ راہ ہے جو رات میں آسمان پر نظر آتی ہے اُسکو کمکشان
 کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ مجرہ آسمان کا دروازہ ہے۔ اور جو لوگ ہیأت میں گفتگو کرنے والے ہیں وہ کہتے ہیں کہ مجرہ چھوٹے چھوٹے ستارے لیے
 گمان ہیں جو دیکھنے میں متعین نہیں ہوتے ہیں مترجم کہتا ہے کہ انگریزی دور میں جو خورد بن ہو اُس سے نظر آتا آسمان پر شہر طیکہ یہ قول شیک
 ہو دلیکن ہم کو ایسے اقوال کی کچھ ضرورت نہیں ہے اور اکثر مفسرین کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ آسمان جا بجا سے شق ہو گا اور قولہ
 تعالیٰ تُشَقُّ بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ وَاِذْ نَتَّ لِرَبِّکَ۔ اور اپنے رب کے واسطے کان لگا کر سنیگا ف یعنی آسمان اپنے
 رب جل جلالہ کے حکم کو فرمانبرداری اور اطاعت کے ساتھ سنیگا جسے کہ جب شق ہو جائیگا حکم ہو گا تو فوراً شق ہو جائیگا۔ وَحُشِقَتْ
 اور یہی اُس کے لیے حق ہر ف یعنی آسمان کیلئے یہی حق ہے کہ اپنے رب مبارک و تعالیٰ کے واسطے مطیع و فرمانبردار ہو اسلئے کہ حق مبارک
 تعالیٰ تمام جہان زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا اور اپنے قبضہ قدرت میں رکھنے والا ہے اُسی کے قبضہ میں ہر چیز مقہور ہے تو آسمان بلکہ
 عرش اعظم کسی کو یہ خیال نہیں ہے کہ ایک ذرہ بھی اُس کے حکم سے منحرف ہو سکے مترجم کہتا ہے کہ عوام کے نزدیک یہ کلام الہی بطور استعارہ
 ہو گا یعنی قولہ تعالیٰ اِذْ نَتَّ لِرَبِّکَ کیونکہ اُنکے حواس میں یہ نہیں آویگا کہ آسمان سننا ہو تو اُنکے خیال میں یہ سمے ہوئے کہ جب
 حکم الہی سے آسمان شق ہو گیا تو یہ ایسا ہے جیسے فرمانبردار آدمی نے فوراً حکم منکر اطاعت کی اور اہل عقل کے نزدیک یہ حقیقت ہے
 جیسے قولہ تعالیٰ قَالَا اِنَّا طَاعْنِیْنِ۔ یعنی آسمان وزمین نے جناب باری تعالیٰ سے عرض کیا کہ ہم فرمانبرداری میں خوشی سے حاضر ہیں

اور سب علماء یہاں سجدہ پر متفق ہیں لیکن ابو حنیفہ رحمہ کے نزدیک یہ سجدہ واجب ہوتا ہے خطیب نے کہا کہ انکی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سجدہ نہ کرنے والوں پر ندمت فرمائی اور اکثر علماء کے نزدیک وجوب نہیں ہوتا اور اسکی حنیفہ میں سے طحاوی نے ترجیح دی ہے واللہ تعالیٰ اعلم مگر ہم کہتا ہیں کہ اجتہاد میں امام ابو حنیفہ رحمہ کا اصول یہ ہے کہ جس مسئلہ میں ایک طریقہ اجتہاد سے اباحت یا نفل نکلے اور دوسرے طریقے سے وجوب نکلے تو اس مسئلہ میں وجوب ہی اختیار کرتے ہیں اگرچہ دوسری جانب کی دلیل قوی ہو کیونکہ احتیاط اسی میں ہے جیسے سجدات کے حکم میں وجوب لے لیا واللہ تعالیٰ اعلم۔ البورایع سے روایت ہے کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ عشا کی نماز پڑھی البورایع نے سورہ اذا السماء انشقت پڑھی اور سجدہ کیا راجع نماز کے میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس بات کو دریافت کیا تو فرمایا کہ میں نے حضرت ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سجدہ کیا ہی تو ہمیشہ اس سورہ میں سجدہ کرتا رہوں گا یہاں تک کہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم تلون (یعنی انتقال کروں) (رواہ البخاری وسلم وغیرہ) اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دوسرے طریقے سے روایت آئی کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سورہ اذا السماء انشقت میں اور سورہ اقرا باسم ربک الذی خلق میں سجدہ کیا ہے (رواہ مسلم و اہل السنن) اور بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر میں سورہ اذا السماء انشقت اور اسکے مانند سورہ پڑھا کرتے تھے (رواہ ابن خزیمہ والروایان والاضیاء المقدسی) اگر کہو کہ اس نماز ظہر میں قرات کیونکر معلوم ہوتی تھی کیونکہ جبر نہیں ہے تو جواب یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسی نمازوں میں جو سورہ پڑھتے تھے اُسکی کوئی آیت عمداً اسطرح پڑھ دیتے تھے کہ اصحاب رضی اللہ عنہم کو معلوم ہو جاوے تاکہ آئندہ است کو تعلیم فرادین اور اس سے معلوم ہو کہ جن نمازوں میں آہستہ پڑھنا واجب ہے اگر احیاناً کوئی آیت زور سے پڑھ دے تو سجدہ سہو واجب نہ ہوگا واللہ تعالیٰ اعلم اور بعض مشائخ نے اس مقام پر ضرورت تعلیم کا اعتبار کیا ہے جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے دین کو آواز سے کہا کرتے تھے تاکہ صحابہ رضی اللہ عنہم سیکھ جاویں جیسے تعلیم کی واسطے آدمی کو جب نماز آواز سے پڑھتے ہیں پس اب جو کوئی ایسا کرے عمداً بچا ہے اور بھولے سے سہو ہے اگرچہ سجدہ واجب نہ ہو واللہ اعلم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

إِذْ السَّمَاءُ أَنْشَقَّتْ وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ وَإِذْ الْأَرْضُ مُدَّتْ ۖ وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ

جب آسمان پھٹ جاوے اور سن نے حکم اپنے رب کا اور اسکی حق ہو اور جب زمین پھیلائی جاوے اور نکال ڈالے جو کچھ اس میں ہو اور خالی ہو جاوے

وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۖ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ

اور سن نے حکم اپنے رب کا اور اسکی حق ہے اے آدمی یا ایہا الناس تو کدھڑک رہا ہے اپنے رب تک

كَدْحًا فَمُلْقِيهِ ۖ فَا مِمَّا مَنَ أَوْنِي كِتَابَهُ يَمِينِهِ ۖ فَسَوْفَ

جو بچنے میں کدھڑک کر بھراؤں سے ملنا ہی سو جسکو ملا لکھا اُسکا دہنے ہاتھ میں تو اُس سے

يَحْسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا ۖ وَيُنْقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ مَسْرُورًا ۖ وَأَمَّا مَن

حساب لیتا ہے آسان حساب اور پھر کر آوے اپنے لوگوں میں پاس خوش وقت اور جسکو

کہ روز جزا کو ہر عمل کا عوض دیا جائیگا حتیٰ کہ دنیا میں اگر اس طرح ہنسنا ہو جسکو کچھ نہیں سمجھتا تھا تو اس کا عوض بھی پاویگا کعبہؑ نے بیان کیا کہ جنت و دوزخ کے درمیان دیکھنے کی راہ ہے جب مومن نے چاہا کہ اپنے دشمن کو جہنم میں دیکھے تو وہ جہانک کر اُسکو وسط جہنم میں دیکھیگا کہ عذاب پاتا ہی پس ہنس دیکھا ابن کثیرؒ نے کہا کہ (منظرون) یعنی اپنے رب عزوجل کی طرف نظر کرنے کی نعمت اُسکی دارالمرامت میں پادینگے پس کافرون کا زعم ٹوٹ جاویگا جو ان کو گمراہ سمجھتے تھے آج معلوم ہوگا کہ نہیں بلکہ وہ لوگ اولیاء مقربین تھے جنکو دہرا مباح کیا گیا ہے (ابن کثیرؒ) اور اس آیت کی تفسیر یہ قولہ تعالیٰ اَسْخُوْهُنَّ فَاِذَا لَمْ يَخْلُوْا فَلَا يَنْكَلِمُوْنَ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِیْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَمَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَبِیْرٌ رَّحِیْمٌ فَاَتَّخِذْهُمْ عَوْنًا حَتّٰی اَنْصَلِحَ اَلْاَسْمٰکَ ذَکَرِیْ رَکَنْتُمْ مِنْهُمْ تَفْهٰکُوْنَ اِنِّیْ جَزِیْمٌ اَلِیَوْمَ الْاٰخِرِ۔ یعنی جب عذاب جہنم میں کفار اپنے رب عزوجل سے فریاد کریں گے تو حکم ہوگا اَسْخُوْهُنَّ فَاِذَا لَمْ يَخْلُوْا فَلَا يَنْكَلِمُوْنَ یعنی اسی میں غوار پڑے رہو اور مجھے بات نہ کرو میرے بندوں میں سے ایک فریق یہ کہا کرتا تھا کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لائے اب ہمارا بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو خیر الرحمین ہر تم کافرون نے انکو مسخرہ بنایا یہاں تک کہ انھوں نے میری یاد تم کو بھلائی اُریں اس قدر تم انکی عیب جوئی اور سخر میں رات دن پڑے کہ اللہ تعالیٰ کی نصیحت و یاد سب بھول گئے اور تم لوگ اُن سے مضحکہ کرتے تھے آج میں نے ان کو عوض دیا بوجہ انکے صبر کے اور وہی اپنی پوری مراد پانے والے ہیں (ابن کثیرؒ) پھر واضح ہو کہ اُس روز کافرون پر مومنین ہنسائے جائیں گے کہ کافرون کو زیادہ غم ہو اور یہ انکا عوض ہے لیکن ہنسی کی وجہ بیان کرنے میں بھی تکلف کیا گیا ہے رازیؒ نے دو وجہیں ذکر کیں (ایک) یہ کہ کفار دنیا میں مومنوں کی فقری دیکھ کر ہنستے تھے اور اُنکو وحشی و بے وقوف بناتے تھے اور آخرت میں مومنین ہنسنے کے جب کافرون کو طرح طرح کے عذاب و بلا میں دیکھیں گے اور یہ بھی ظاہر ہوگا کہ دنیا میں کفار جو کچھ خدا پرستی وغیرہ کا دعوے کرتے تھے وہ محض باطل تھا بلکہ فریب نفس و فریب شیطان میں پڑے اور دنیا سے فانی کے عوض اس نعمت بانی کو فروخت کر ڈالا اور اپنے آپ کو دیکھیں گے کہ کدائی نعمت میں پہنچ گئے اور خفیف تخلیف سے راحت عظیم بے انتہا پائی اور جنت میں تخت پر بیٹھے ہوئے دیکھ رہے ہیں کہ کفار مغرور عذاب النار میں باہر دیا جلاتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے پر لعنت کرتے ہیں (وجہ دوم) یہ کہ ابوصالحؒ سے روایت کیا جاتا ہے کہ جہنم کا دروازہ کھول دیا جائیگا اور مومنین اس وقت یہ سیر دیکھتے ہونگے اور کفار مغرور اپنے اپنے مقام سے دروازے کی طرف دوڑیں گے کہ جلدی نکل جا دیں جب دروازے پر پہنچیں گے تو اُسکو بند پاویں گے یہ تماشا دیکھ کر مومنین ہنس پڑیں گے قولہ تعالیٰ ہَلْ تُوْبُ اَلْکٰفٰرِ (توبہ) تنویب سے ہے یعنی توبہ دیے گئے رازیؒ نے کہا کہ یہ بطور طعن ہے یعنی بھلا کافرون کو اُنکے افعال کا ثواب (بدلا) دیدیا گیا (یعنی جہنم میں عذاب اُٹھاتے ہیں) یعنی بیشک انھوں نے اپنے اعمال قبیح کا عوض پایا اور حدیث میں منع ہے کہ کسی شخص کی حالت پر ہنسے اور فریاد کیا کہ جو تہنہ وہ ہنسایا جائیگا یہ دنیا میں ہے اور آخرت مقام کلفت نہیں ہے اور نہ وہاں نفس کے خطرات ہیں اسی واسطے وہاں مومنوں کی ہنسی کافرون کی شرک قبیح کفر پر ہے واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سورة الانشقاقکیہ وہی خمس عشرین آیۃ

سورہ اذا السمار انشفت کا نام سورۃ الانشقاق ہے ابن عباسؓ و ابن الزبیرؓ نے کہا کہ اسکا نزول کے میں ہوا ہے قرطبیؒ وغیرہ نے کہا کہ یہ بلا خلاف مکہ ہی رازیؒ وغیرہ نے لکھا کہ اس میں پچیس آیات ہیں اور خطیبؒ نے غیرہ نے لکھا کہ تیس با پچیس آیات ہیں اور سراجؒ میں ہے کہ ایک سو سات کلمات ہیں اور چار سو چونتیس حروف ہیں۔ ہ۔ و۔ ض۔ ح۔ ک۔ ا۔ س۔ سورۃ میں پچیس

مسلمان رہ جاویں گے اور ان مسلمانوں کے بھی یہی چال چلن ہونگے چنانچہ ابن برجان رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث روایت کی جاتی ہے کہ دین اسلام پہلے شروع ہوا تو غریب شروع ہوا یعنی بعد اسکے اسلام والے دولت و ثروت میں قوی ہو گئے چنانچہ ایسا ہی واقع ہوا اور غریب زمانہ آویگا کہ جیسا شروع ہوا اسی طرح غریبوں میں دین ہ جاویگا (پس غریبوں کو مبارک باد) رواہ مسلم آخر زمانہ میں فتنہ و فساد بے شمار ہوگا اور اسوقت جو شخص اپنے دین پر مضبوطی سے ہاتھ رکھنا چاہے وہ ایسا ہوگا کہ جو انکار کو مضبوط پکڑنا چاہے (یہ روایت سنن میں ہے) اور ان مجرم لوگوں میں جو شخص ایمان پر سچا ہوگا وہ ذلیل و خوار سمجھا جاویگا اور ایک روایت میں ہے کہ اسوقت جو شخص علم ہوگا وہ ان مجرموں کے نزدیک مردار گدھے سے زیادہ بدتر سمجھا جاویگا (السرّاج) مترجم کہتا ہے کہ یہ حالت تو عرصہ سے موجود ہے اور اس وقت میں بہت زیادہ ہو گیا ہے جو شخص جاہل ہو اسکو اپنا پیشوا اور سردار بنانے میں اور جو حقیقت میں عالم ہو اسکو کافر و خوار جانتے ہیں حالانکہ یہ عالم اُسے دنیاوی لالچ کچھ نہیں رکھتا ہے اور بالکل خالص نصیحت کرتا ہے تو بھی اپنے جاہل پیشوا کے بہکانے سے اُسکو گمراہ جانتے ہیں اور جاہل مذکور اُسے دنیاوی منافع حاصل کرنے پر چالاکی سے کام لیتا ہے اور انکی خوشی کے موافق گمراہی کی باتیں بتلاتا ہے تو اُس سے خوش ہیں اور حدیث صحیح میں ہے کہ لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بننا دینگے جو بغیر علم کے انکو فتویٰ دینگے خود گمراہ اور انکو گمراہ کرینگے (صحاح) یعنی ان جاہلوں کو چاہیے اردو وغیرہ کتابوں سے روایات کچھ معلوم ہوں لیکن علم معرفت سے بے نصیب ہونگے کیونکہ علم فی الحقیقہ ہی معرفت ہے اور اللہ تعالیٰ نے جاہل کو ولی نہیں بنایا ہے تو یہ لوگ اسرار شریعت سے اور معارف طریقت سے فی الحقیقہ جاہل ہیں لیکن عوام کو بہکانے کے لیے تمام اسرار معارف شریعت و حقیقت کے مدعی ہونگے اور فتنہ عظیم مدت سے جاری ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور جو لوگ دنیاوی ثروت میں تھے وہ عالم کو مسخرہ سمجھا کرتے تھے م وَ اِذَا رَاوْهُمُ قَالُوْا اِنَّ هٰؤُلَاءِ لَصٰبِلُوْنَ وَمَا اَرْسِلُوْا عَلَیْہِم مِّنْ حٰفِظٍ مِّنْ۔ اور جب مجرموں نے مومنوں کو دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ لوگ بھٹکے ہوئے ہیں حال یہ کہ مجرمین اُن پر محافظ کر کے نہیں بھیجے گئے ہیں ف یہ چارم قبیح فعل مشرکین و کفار ہے اور حاصل یہ کہ مشرکین کفار اپنی ثروت وغیرہ میں اتراے ہوئے جب فقراے مومنین کو دیکھنے تو آپس میں کہتے کہ یہ لوگ گمراہ ہیں کیونکہ مومنین انکے دشمن ہیں اور دنیا پرستی پر نہ تھے بلکہ دنیا کی آرائش کو وبال و حماقت جانتے تھے کیونکہ یہ منزل مسافر ہے تو کفار انکو وحشی اور بے تہذیب وغیرہ کہتے تھے اور اکثر کفار کا یہی مشغلہ تھا کہ ان مومنوں کی نادانی بیان کرتے مثلاً یہ لوگ وہم کے پنجہ میں گرفتار ہو کر حبت مہموم کی تمنا میں پڑے ہیں جسکا کہیں وجود نہیں ہے اور جو چیز اصل ہے یعنی یہ دنیا تو اسکو امید مہموم پر فروخت کرتے ہیں یہ لوگ بھٹکے ہوئے گمراہ ہیں اللہ تعالیٰ نے ان احمقوں کو تنبیہ کی کہ یہ لوگ مجرمین کچھ ان مومنین پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے تاکہ اپنے موکل ہونے کے حق سے انکے اعمال و اقوال کو دیکھنے رہیں اور جس فعل کو گمراہی سمجھیں اُس پر عیب لگا دیں بلکہ ان مجرموں کو خود یہ حکم ہے کہ اپنے نفس کی اصلاح کریں (س ک) پھر یہ مجرمین بدکار کیوں ان مومنوں کو نشانہ بنا کر انھیں کے ساتھ مضحکہ میں اور طعنہ و عیب لگانے میں مشغول رہتے ہیں آخر اسکی سزا ضرور ہے لہذا فرمایا فَ اَلِیَوْمَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْکُفَّارِ یُصْحٰکُوْنَ عَلٰی اٰیٰتِکَ یَنْظُرُوْنَ هَلْ یُؤْتٰی الْکُفَّارَ مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ۔ پس آج کے روز جو لوگ ایمان لائے تھے وہ کافروں پر ہنسنے اپنے تختوں پر بیٹھے ہوئے دیکھیں گے بھلا کافروں کو وہ بدلا دیدیا گیا جو وہ لوگ کیا کرتے تھے ف اللہ تعالیٰ نے روز جزا کا انجام بیان فرمایا کہ اُس روز مومنین ابراہیم اپنے اپنے تخت پر بیٹھے ہوئے نگاہ کریں گے اور کافروں پر ہنسنیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کافروں کو اُنکے قبیح فعل کا عوض ملے گا اس میں تنبیہ

عمر بن الخطاب کی قیص پانوں سے بھی نیچے لٹکتی ہو اور جب تعبیر پوچھی گئی تو فرمایا کہ یہ دین ہو اور دوسرے خواب میں فرمایا کہ مجھے دو مرد دیا گیا ہیں
خوب سیر ہو کر پیاسی کہ اُسکی تازگی ناخون تک دیکھی اور بچا ہوا دودھ میں نے عمرؓ کو دیا اور تعبیر میں فرمایا کہ یہ علم ہے۔ یہ قطعاً معلوم ہے
کہ خواب آپ کے وحی ہیں اور سب انبیاء علیہم السلام کے خواب بالاجماع وحی ہوتے ہیں اب غور کرو کہ دین یعنی اعمال خیر میں آپ کی سعی مشہور ہے
حتیٰ کہ صحیح حدیث میں ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جنازہ رکھا گیا تو لوگوں نے گرد حلقہ کر لیا اور تمام مدینے میں اس قدر رنج و غم
ہر شخص پر چھا یا ہوا تھا جیسے اُس روز تھا جس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یا حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے اتعال
فرمایا تھا۔ مگر حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ نے غمیدہ طریقے سے بہت عمدہ تعریف کی جو آئندہ کسی موقع پر انشاء اللہ تعالیٰ ترجمہ کیا جائے گی اور
آخر میں یہ فرمایا کہ اب آپ کے بعد کوئی ایسا نہیں ہو کہ اُسکے اعمال صالحہ کے مثل مجھے اپنے واسطے آرزو ہو کہ اُنکے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملوں
سوائے آپ کے۔ پس آپ کے اعمال صالحہ خالصہ ایسے تھے کہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے واسطے ایسے اعمال صالحہ کے
ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملنے کی آرزو فرمائی۔ و بیان علم تو ظاہر ہو کہ اس سے خبریات مسائل متعلق باعمال صالحہ خالصہ مراد نہ تھے۔ اسلئے کہ احادیث
کی روایات بالاتفاق حضرت ابوہریرہ و عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بکثرت مروی ہیں اور امام مالکؒ نے خوب فرمایا کہ علم بکثرت روایت
نہیں بلکہ وہ ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ قلب میں پکڑتا ہے یعنی علم معرفت ہو اس واسطے حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے آپ کی وفات سے علم کثیر اٹھ
جائے پراسس کیا انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ ہ۔ بالحدیث صحابہ رضی اللہ عنہم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی بلکہ بعد اُسکے
زادۃً فتح مکہ تک آنحضرتؐ میں جہان جہان سے اہل ایمان ہجرت کر کے آئے اکثر بے مال و متاع تھے جنکو کفار و منافقین بنظر حقارت دیکھتے
اور اُنسے مضحکہ کرتے تھے وفتح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مجرمین جابلوں کی چار باتیں قبیح ذکر فرمائیں اول یہ کہ مومنین سے مضحکہ کرنا دوم
یہ کہ اُنکی طرف گزر ہوتا تو باہم فحاشا کرتے اور عیب لگاتے سوم قولہ تعالیٰ **وَإِذَا أُنْقِلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمُ انْقَلَبُوا**
فَكَهِينٌ۔ حفصؓ نے حاصمؓ سے روایت کی کہ یہاں انھوں نے فکھین بلا الف پڑھا اور بانی جہان قرآن مجید میں آیا ہو وہاں فکھین
پڑھا جیسے یہاں بھی بانی ائمہ قراءت نے پڑھا ہو اور فاکھین و فکھین دونوں کے معنی واحد ہیں اور بعض نے کہا کہ فکھین بلکہ فاکھین کے
معنی عیش کرنا اور جس چیز کو جی چاہے حاصل ہونا۔ اور فکھین کے معنی خود پسندی و اترانا (تفسیر کبیر) اور معنی یہ کہ اور جب یہ مجرمین اپنے گھروں
کی طرف واپس گئے تو اس حالت سے کہ فاکھین تھے یعنی اُنکے واسطے گھر میں ہر چیز موجود تھی عیش سے جو چاہتے وہ کھاتے تھے۔ باوجود اسکے
انھوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کیا بلکہ بجائے شکر کے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کے مومنین بندوں پر مضحکہ کیا اور عیب لگایا (تفسیر ابن کثیر) یعنی بیہواری
کے ساتھ جس وقت جی چاہا باہر سیر و تماشے میں رہے اور جب چاہا تو اپنے اہل خاندان میں واپس گئے تو وہاں بھی انکی موجودہ نکست و نفرت
کی خواہش کے موافق ہر چیز موجود ہے۔ اس نعمت کو انھوں نے اس رعوت میں صرف کیا کہ لوگوں کو اپنے مارج کر کے مومنون پر غصے کے لیے
آمادہ کیا (السراج) اور فکھین اگر خود پسندی و اترانے کے معنی ہوں تو آیت میں مراد یہ ہو کہ جب یہاں سے اپنے گھر واپس گئے تو کفر و شک پر
اپنی خود پسندی کے ساتھ اترائے ہوئے تھے (تفسیر کبیر) مترجم کہتا ہے کہ خلاصہ یہ ہے کہ مجرمین جنھوں نے اپنی کوشش کو دنیا میں صرف
کیا تاکہ یہاں کی لذت و عیش حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ نے انکو دیدی تو اس متاع پر ایسے فریفتہ و مغرور ہوئے کہ اللہ تعالیٰ سے کفر کیا اور آخرت
سے انکار کیا اور اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں سے مضحکہ کیا اور انکی محتاجی میں اپنے عیش و دنیاوی سے کچھ سلوک نہ کیا بلکہ انکو عیب
لگا باور اپنے آپ کو غرور کے ساتھ اچھا سمجھ کر پسند کیا بعض علماء نے کہا کہ آخر زمانہ میں جب قیامت سربراہی ہوگی تو اسوقت نام کے

کہو ہا یا اور آنکھ سے مومنین کی طرف اشارہ کیا اور اپنے سردار ابن ابی بن سلول منافق کے پاس جا کر قہقہہ مارا کہ آج مجھے صلح کو اس حال سے دیکھا اور سب نے
 فقر و مومنین کی غیبت کر کے مضحکہ کیا اور سب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے کام سے واپس ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی نہ پہنچے تھے کہ
 اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا مترجم کتاباً کہ اس قول کے موافق یہ آیات مہینہ ہو گئی جیسا کہ شروع سورہ میں بیان ہوا اور واضح ہو کہ صلح اسکو کہتے ہیں
 کہ جسکی پیشانی پر بادرنگ بال ہنوں اور یہ لقب حضرت علیؑ کو نہیں بلکہ حضرت عمرؓ کو دیا کرتے تھے تو شاید بجائے حضرت علیؑ کے حضرت عمرؓ ہوں۔ لیکن وہ
 زیادہ فقیر تھے اگرچہ اپنے مال اور راہ آئی میں زیادہ خیرات کیا ہوا اور فقرے مومنین کو ساتھ رکھتے تھے اور حضرت علیؑ کے پاس مال نہ تھا اسلیے کہ آپؐ کے تھے جب
 ہجرت کی اور ابوطالب کا سب مال متاع انکے بھائی عقیل نے لے لیا جو اسوقت حالت کفر پر تھے اور واضح رہے کہ اصحابؓ نے مگر بار چھوڑ کر اور
 اہل و عیال و مال و متاع سب سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ و اس کے رسول پاک صلعم کی طرف ہجرت کی تو اکثر فقر تھے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ
 عنہ کے پاس چھ ہزار درم تھے وہ سب ہجرت کے وقت ساتھ لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اسکی قربان کیا کیے ایسا ہیے آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب وفات کے آخری خطبہ میں فرمایا کہ ہمارے ساتھ جس کسی نے کچھ سلوک کیا ہم نے اسکی مکافات کر دی دینیے اللہ
 تعالیٰ نے ہمکو توفیق دی کہ اپنے رسول صلعم پر کسی کا احسان باقی نہیں رکھا سب کا بدلہ اُتار دیا سوائے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اور مجھے کسی کے
 مال نے ایسا عظیم نفع نہ دیا جیسا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مال نے دیا (ابو بکر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ابو بکر و اسکا مال
 کسی کا نہیں ہو سوائے آپ کے کیا وہ سوائے آپ پر نثار ہونے کے کسی دوسرے کا کام ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابو بکر
 رضی اللہ عنہ کے واسطے اللہ تعالیٰ آخرت میں ثواب جمیل عرصہ فرما دیگا (صحاح) سبحان اللہ یہ بہت اعلیٰ فضیلت ہے جسکا اندازہ نہیں ہو سکتا
 ہی اور حدیث میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کی بیٹی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب ابو بکر رضی اللہ عنہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ
 سے ہجرت کر کے روانہ ہو گئے تو کئی روز کے بعد میرے دادا عثمان ابوفحاضہ نے کہا کہ میرا گمان یہ ہے کہ وہ شخص (ابو بکر) تم لوگوں کو مفلس چھوڑ
 گیا اور محمد کے ساتھ سب مال لے گیا ہے۔ میں نے بخوف فتنہ کے کہا کہ اے دادا! نہیں بلکہ دیکھو تو یہ موجود ہے۔ دادا کی آنکھ میں فتنہ تھا
 میں نے پتھروں کی ڈھیری کر کے اُسپر گدگدا کپڑا ڈال دیا اور ہاتھ پکڑ کر اُس کپڑے پر رکھا کہ یہ دیکھو موجود ہے۔ دادا نے کہا کہ خیر بہتر ہے
 ابوفحاضہ اسوقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ فتح مکہ کے روز مسلمان ہوئے اور بال سعید تھے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے
 بعد اچھا صبر کیا اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی دعا مانگی اور اُسکے اٹھارہ برس کے بعد انتقال کیا (اسماءؓ کہتی ہیں کہ میں نے اس ترکیب سے
 یہ فتنہ مال دیا حالانکہ حضرت ابو بکرؓ نے واللہ ہمارے واسطے ایک درم بھی نہیں چھوڑا تھا سبے گئے تھے کہ شاید برسوں میں رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ ضرورت ہو۔ بالجمہ وقت ہجرت کے جس صحابی کو جو کچھ میسر ہو سکا اور وہ نکال کر بھاگ سکا تو لے آیا ورنہ مشرکوں نے
 چھین لیا اور جسکو کپڑا اسکو طرح طرح کی تکلیفیں دین سوائے اسکے کہ حضرت عمرؓ نے ایک جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کو ساتھ لیا اور بیر بلا علانیہ
 مکہ سے نکلے یہ کہتے ہوئے کہ آج جس مشرک کو اپنی جو رو بیوہ کرنا اور بال بچے یتیم کرنا منظور ہو وہ ہمارے سامنے آوے پھر اللہ تعالیٰ نے
 سب کو خوفناک کر دیا اور یہ سب بچکر نکل آئے (رفائندہ) مترجم کتاباً کہ حضرت عمرؓ سے اللہ تعالیٰ نے شان جلالت کا ظہور کیا تھا
 اور اسی آثار میں سے یہ تھا کہ انکے زمانہ خلافت میں کفار روم و شام و حبشہ پر سخت رعب و ہیبت غالب ہو گئی تھی اور مومنین تمام قویوں
 اور مستقیم ہو گئے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بعد حضرت ابو بکرؓ کے معرفت حق تعالیٰ میں اعلیٰ حصہ تھا اس دلیل سے کہ حضرت
 سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھا کہ اصحاب کے بدن پر قمیصیں ہیں کسی کے سینہ تک اور کسی کے زیادہ تھی کہ حضرت

صبر کیا اور حدیث میں یہ مضمون ثابت ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ میں بعضے مومنین بندوں کو فقیری دیتا ہوں اور یہ اُس کے لیے بہتر ہے کیونکہ اگر اسکو تو نگری ہو تو وہ دین سے فتنہ میں پڑ جاوے اور بعض کو فراخی دیتا ہوں کیونکہ اگر اسکو محتاجی ہو تو وہ فتنہ میں پڑ جاوے۔ ابن کثیرؒ نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ مجرمین (کفار کے سب اقسام) دنیا میں مومنین سے مضحکہ و ہنسی کیا کرتے ہیں انکی حقارت کیا کرتے تھے۔ **وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ**۔ اور جب مومنین کی طرف سے گزرتے تو اُن کے ساتھ غمزہ کرتے یعنی انکی حقارت کرتے تھے (ع) اور خطیبؒ نے (مرؤا) کا فاعل مومنون کو (بہم) کفار مجرمین کو قرار دیا چنانچہ اپنی تفسیر میں لکھا کہ قولہ (تغامتازوا) ان الذین اخرجوا من الدین یعنی جن لوگوں نے کفر کیا اور آدمیت کا صلہ رحم بوجہ قسادت قلبی کے قطع کر دیا ہو جیسے قریش کے سرکش الہ کفار تھے کہ یہ لوگ مومنین نفیرون سے مضحکہ کرتے چنانچہ حضرت عمار و بلال و عبداللہ بن مسعود و جناب وغیرہ رضی اللہ عنہم کو دیکھ کر کہتے کہ یہی لوگ ہیں جنکو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے حالانکہ اکثر ان میں فلام رذیل ہیں اور بھوکوں مرنے میں اور باہم قہقہہ لگاتے۔ **وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ**۔ اور جب یہ فقراء مومنین اُن مجرمین پر گزرتے تو مجرمین تغامز کرتے یعنی آنکھ دیکھ بھون کے اشارے سے اُن پر ہنستے اور بعض نے کہا یعنی باہم ایک دوسرے کو غمزہ کرتے اور آنکھوں سے اشارہ کرتے (السراج) مترجم کہتا ہے کہ غمزہ کے معنی آنکھ دیکھ بھون دبا کر اشارہ کرنا جیسا کہ بعض نے نقل کیا اور پیرے نزدیک یہاں غمزہ (دبانہ) لیا جاوے یعنی مومنون کو دیکھ کر کفار ایک دوسرے پر ہاتھ دھکڑا کر آہستہ بدلتے ہیں اور فقراء مومنین کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ یعنی دیکھو کیسے پھٹے حال ہیں اور محتاجی کی تکلیف انکی صورت سے برستی ہے پھر اگر خدا کے نزدیک اچھے ہوتے تو ان کو یہاں بادشاہت ملتی یعنی یہاں محتاج رہے تو عمر بد بختی میں برباد ہوئی پھر مر کے خاک ہو جاوے مگر مترجم کہتا ہے کہ کافر جاہل نے اپنی جہالت و نادانی سے اپنے حقوٹ پر یہ کانٹے لٹکائے اور یہ بجانا کہ یہاں سب مسافر ہیں جب یہاں سے جاوین تو معلوم ہو کہ وطن میں کیا حال ہوا (د) شیخ ابوالسعودؒ نے لکھا کہ بیان اللہ تعالیٰ مجرمین کفار کے بعض حالات کو بیان کرنے میں یہ تمہید رکھی کہ ابراہیمؑ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت آخرت ظاہر ہو۔ **وہ رازیؒ** نے فرمایا کہ واضح ہو کہ جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت آخرت میں بیان فرمائی کہ اس شان سلطنت بے زوال و بے مثال میں حق مضمون سے بے مثل دیدار کے ساتھ مسرور ہوئے تو اُس کے بعد دنیا میں اُنکا حال ذکر کیا کہ کفار اُن کے ساتھ کس طرح ٹھٹھول و مضحکہ کرتے اور ذلیل و رذیل سمجھتے تھے یعنی اُن سے آنکھوں سے ان بادشاہان حقیقی کو برعکس دیکھتے تھے پھر حق تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ کفار کا یہ معاملہ خود کفار پر لوٹ پڑیگا اور اس سے مقصود یہ ہے کہ یہاں مومنین کے دلون کو تسلی و تسکین رہے اور وسوسہ شیطانی نہ آنے پاوے اور یہاں چند باتیں پوچھنے کے لائق ہیں مسئلہ اول اس آیت کے سبب نزول میں مفسرین سے دو روایتیں آئی ہیں ایک یہ کہ عمار و صہیب و بلال وغیرہ رضی اللہ عنہم فقراء مومنین تھے تو انکو دیکھ کر کفار قریش مانند ابوجہل اور ولید بن المغیرہ و عاص بن وائل وغیرہ ہنسنا کرتے تھے مترجم کہتا ہے کہ اس قول کے موافق یہ آیات بھی کے میں نازل ہوئیں لیکن قولہ تعالیٰ **يَتَغَامَزُونَ**۔ اس امر کو مقتضی ہے کہ کفار کسی قدر اخفا کے ساتھ غمزہ سے اشارہ کرتے تھے اور یہ بات کفار مکہ سے بعید معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ اسوقت کفر کا قلبہ تھا بلکہ دوسری آیات میں مصرح ہے کہ کفار مکہ بلند آواز سے کہا کرتے تھے کہ کیا یہی پھٹے حال غلام فقیر لوگ ہیں جنکے اوپر خدا نے ہم سب کو چھوڑ کر اپنے فضل و کرم کے لیے پسند کیا ہے پس شاید کہ بجائے عمار و صہیب وغیرہ کے انشراح مومنین مانند ابن مسعود وغیرہ کے ہوں جن پر بلا نہیں مضحکہ کرنے تھے واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور زیادہ مناسب قول دوم ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ مع چند فقراء مومنین کے ایک راہ سے گزرے تو دینے کے لیے منافقوں نے اپنے مجمع سے انکو دیکھ کر ایک نے دوسرے

استغفرک کو عباد اللہ کا یعنی خاصان حق تعالیٰ اور انکی شراب کا نام کا نور فرمایا یعنی خالص سفیدی جیسے وہ وحدت میں غرق ہیں ترجمہ اشارات ابن العربی (م) پھر اللہ تعالیٰ نے مجرمین کفار کی نصیحت کے ساتھ یہ بیان فرمایا کہ آخرت میں شرمسار ہونگے بقولہ تعالیٰ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰخَرُموْا کَاثِرًا مِّنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُضْحٰکُوْنَ ۝ وَاِذَا مَرُّوا بِہِمۡمِ یَتَغَامَزُوْنَ ۝

وہ جو گنہگار ہیں وہ بخے ایمان والوں سے ہنستے اور جب ہو گئے ان پاس آپس میں کرتے

وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمۡ انْقَلَبُوا کٰہِیۡنَ ۝ وَإِذَا رَاوْهُمۡ قَالُوا إِنَّا هُمۡ لَآءِ لَّضَالُوۡنَ ۝ وَمَا أُرْسِلُوْا عَلَیْہِمْ حٰفِظِیۡنَ ۝ فَالِیَوْمَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوْا

یہ لوگ ہلک رہے ہیں اور انکو بھیجا نہیں آئیں گناہبان سو آج ایمان والے اور جب پھر کر جاتے ہیں اپنے گھر پھر جاتے باتیں بناتے اور جب ان کو دیکھتے کہتے بیشک

میں کفار یضحکون ۝ علی الاثر انک یظرون ۝ هل ثوب الکفار مسکرون سے ہنستے ہیں تختوں پر بیٹھے دیکھتے ہیں اب بدلہ پایا مسکرون نے

مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۝

جیسا کچھ کرنے تھے

اللہ تعالیٰ آگاہ فرماتا ہو کہ ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے روز جب اپنے تختہ شامانہ پر جنت میں جلوس کرینگے جہاں کبھی انکی سلطنت کو زوال نہیں ہو تو وہاں سے انکو نورانی نظر سے کافروں کی قبیح ذلیل حالت جہنم میں نظر آوے گی چونکہ کفار کو دنیا میں اللہ تعالیٰ سے عداوت تھی یعنی اللہ تعالیٰ اسم پاک و صمد لا شریک کا نام ہے اور جمیع فرقہ کے کفر و شرک اس سے بیزار ہیں تو خاصان حق سبحانہ تعالیٰ اپنے رب تبارک و تعالیٰ کی محبت میں اُسکے دشمنوں سے بیزار ہیں اور وہاں اس مضغہ گوشت طبیعت نفس کا غلبہ نہیں رہا اسلیے اُن پر کفار کو دیکھ کر کچھ اثر نہ ہوگا خصوص جبکہ کفار آتشی کٹرے (سمندل) کی طرح سوائے جہنم کے اس لائق نہیں ہیں کہ جنت میں زندہ ہو سکیں فرق یہ ہو کہ سمندل قدرتی طریقے سے اور یہ کفار عارضی غلبہ سے ہیں اسلیو اسطے جہنم انکے لیے عذاب ہو۔ بالجمہ جب ابراہیم ان کو جنت کے نظر کر کے دیکھیں گے تو ہنسنیگے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کفار کو نرا دی گئی کیونکہ کفار دنیا میں ان ابراہیم کے حال پر ہنسا کرتے تھے اسلیے کہ ابراہیم نے آخرت اختیار کی تو دنیا میں غریب مسافر تھے اور کفار نے ابلیس کی پیروی میں آخرت چھوڑ کر دنیا اختیار کی تھی تو وہ یہاں اپنے وطن میں خوش خرم عیش کرتے تھے جیسی عیش یہاں میسر ہے اور کھانے سے پیٹ کو بھر لیتے اور اُس پر سے فواکھ کھاتے اور ابراہیم کے فاقہ و تنگی پر کچھ ترس نہ کھاتے تھے کہ قحط کے ایام میں ہزاروں مسلمان بلکہ مفلس کفار بھی فاقہ پر فاقہ کر کے آخر پہاڑ کے دامن میں تنگ لگا کر مرے ہوئے رہ جاتے تو کفار سنکر کہتے کہ یہ بد بخت لوگ تھے اور آبادی بہت ہو کم ہونا بہتر ہے تو کفار نے آخرت میں جیسا کیا تھا اُسکا عوض پایا لغو وباللہ من ذلک۔ قال تعالیٰ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰخَرُموْا کَاثِرًا مِّنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُضْحٰکُوْنَ۔ البتہ جن لوگوں نے جرم (شرک و کفر و نجسیت) اختیار کیا ہو اُن بندوں سے جو ایمان لائے ہیں مضحکہ کیا کرتے ہیں ف مومنین میں سے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بہترے فقیر و محتاج بھی رکھے ہیں اور مومن جب ایمان میں سچا ہوتا ہو تو اُسکے لیے ہر حال میں ثواب ملتا ہی۔ فقیری بھی اُسکے لیے آخرت میں بڑا درجہ ہے اسلیے کہ اُس نے دنیا میں سے بہت کم لیا اور اسکا قلب اچھا تھا کہ اس فقیری پر اُس نے

آواز نرم و نازک ہونی پس یہ اعمال جو لکھے گئے ہیں یہ بھی مقام علیس میں ہیں برخلاف کفار کے قول و فعل نجس کے کہ وہ سجن میں ڈال دیے جاتے ہیں۔ شیخ نے کہا کہ سجن حبس است و نجس و تنگ و قبیح ہوا کے برخلاف علیس بلند و وسیع ہے اور وہ اعمال صالحہ کا دفتر ہے اسلئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کتاب مرقوم۔ یہ مقام شریف ہے وہاں ابرار کے اعمال صالحہ کی تصویر موجود ہے خواہ پہ لوح سماوی ہو یا جسم انسانی ہو یعنی عناصر سے بنی ہو (قولہ تعالیٰ) بشہدہ المقربون۔ یعنی اس محل میں اہل توحید و تجرید کے خاصان حق نمودار ہوتے ہیں جو توحید ذات کے درجہ میں ہیں (قولہ تعالیٰ) ان الابرار لغی نعیم۔ ابرار جو صفات نفس سے پاک ہوئے وہ نعیم جنّت میں ہیں یعنی صفات و افعال میں سائر ہیں (قولہ تعالیٰ) علی الاراکب یظرون۔ حجلہ عالم قدس میں آنکھوں سے مخفی ہیں اور اراکب اُنکے واسطے وہ مقام ہیں جہاں تک اسماء الہیہ سے پہنچے تو اس معرفت عالیہ سے انکو جمیع مراتب وجود نظر آتے ہیں اور یہ بندے اہل جنّت کو اُنکی نعمتوں میں اور اہل جہنم کو اُنکے عذاب میں دیکھتے ہیں پس یہ حجلہ قدس اُنکے واسطے پردہ نہیں بلکہ نور ہے اور دوسروں کے واسطے پردہ ہے (قولہ تعالیٰ) تعرف فی وجہہم نضرة النعیم۔ یہ نضرة نازکی و آثار سرور ہیں۔ قولہ تعالیٰ لیقون من ریحی اثم۔ یہ ریحی خالص ہے یعنی محبت خالصہ روحانیہ جس میں نفس کے جوہر جسمانیہ کی الفت کامیل نہیں ہوا قول کیونکہ اول مرتبہ ایمان ہے جو کہ خواہش نفس تالیج قرآن و حدیث ہو جیسا کہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ تم میں سے کوئی ایمان نہ ہو گا جب تک اُسکی ہوائے نفس اس حق کے تابع نہ ہو جائے جسکو میں لایا ہوں۔ مختم۔ یعنی اس محبت خالصہ پر شریعت حقہ کی مہر ہے یعنی حبس طریقیہ پاکیزہ نبوت میں آیا ہے اُسکی اتباع ہوا اور یہ حکم اسلئے ہے کہ اس کے ساتھ میں محبت و ہیمنہ و خیالات نفسانیہ خاطر نہوںے پادین مترجم کہتا ہے کہ اس اشارہ سے ظاہر ہوا کہ ابرار کی راہ فقط یہ ہے کہ نفس کی آنکھ بند کرے اور جو اس ظاہرہ کو مسدود کرے اور خالص شریعت پر مستقیم ہوا اور یہی ناکید جمیع اولیائے کبار سے مصرح ہوا اور یہی سلف صالحین رضی اللہ عنہم جمیعین کی راہ ہے (قولہ تعالیٰ) خنامہ مسک۔ یہ حکم شرع ہے مباحات کے ساتھ جن سے نفس پاکیزہ ہوا اور قلب قوی ہو مترجم کہتا ہے کہ اسی سے بعض مشائخ نے خوش آوازی سے کلام ربانی سنا۔ بعض اشعار پاکیزہ سے فافم (قولہ تعالیٰ) فی ذلک فلیتنا من الیم یعنی بہ شرب محبت روحانیہ خالصہ جس پر بقید شریعت ہو تو اسی میں تنافس کرنے والے تنافس کریں کیونکہ کبریت احمر اور اکسیر اکبر سے بھی زیادہ یہ نادر و نایاب ہے قولہ تعالیٰ و مزاج من تسنیم الایہ۔ ابرار کی شراب محبت روحانیہ میں خالص عشق حقیقی سے میل ہے اور وہ محبت ذات قدس ہے جو جسکو کافور سے تعبیر فرمایا گیا ہے یعنی حال الجمع میں باعتبار خاصیت کے کافوری چشمہ (سورۃ الدھرین) مذکور ہے اور حال تفصیل میں باعتبار مرتبہ کے تسنیم فرمایا کیونکہ وہ وجود کے اعلیٰ مرتبہ میں ہے اور داغی ان نردوں کی بغیر غار و گڈھے کے ہے اسلئے کہ وہ کسی محل میں مقصود نہیں ہے اور نہ کسی صفت کی قید میں ہے۔ حاصل یہ کہ ابرار کے لیے محبت صفات کے مقام میں ایک جزو محبت ذات قدس سے بھی ہے بلکہ باطل مزوج ہو اسلئے کہ صفات کے پردہ میں ذات ہی کا مشاہدہ کرتے ہیں قولہ تعالیٰ۔ عینا یشرّب بہا المقربون تسنیم ایک چشمہ ہے جس سے مقررین پیتے ہیں اور مقررین وہ بندے ہیں کہ کاملین و صلیین بتوحید الذات ہیں اور اہل تکمیل قائم باللہ تعالیٰ ہیں استقامت کے ساتھ مقام تفصیل میں ہیں پس جو بندے کہ مقام تفصیل میں اہل استقامت ہیں (ان کا اعلیٰ طبقہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں) اور جو بندے مقام الجمع میں ہیں اہل استغراق سے ہیں ان دونوں گروہ میں فرق فرمایا اور انکا نام اور انکا شرب جدا جدا بیان فرمایا حالانکہ حقیقت ان میں اتحاد ہے اگر کہا جاوے کہ تم چشمہ کافوری بھی تسنیم کہتے ہو اور کافوری کا شرب (عباد اللہ) کے واسطے ہے نہ مقررین کے واسطے (جواب) و یا کہ دونوں گروہ فی الحقیقت متحد ہیں لیکن استقامت و استغراق کی راہ سے فرق کیا اور مقررین کے نام سے بلندیہ مرتبہ دیا اور اہل

غور سے ڈوب جاوے اور نعیم آخرت کو فرحت و سرور بے انتہا جانکر امید داری پر شکر گزار ہو اور ہمیشہ مناجات کی خواہش ہو (عراس) الخ
 کہ حضرت ذوالنونؒ کے فیضان کے موافق مترجم عفا اللہ عنہ نے بھی مختصر مضمون اپنی کوتاہ ہمت کے اندازہ پر سابق میں بیان کیا ہے
 اور خلاصہ یہ کہ نعمت ایمان کو اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم و احسان اعلیٰ سمجھے جسے کہ اگر اُس سے کہا جاوے کہ تمام روئے زمین کی سلطنت
 لیتا ہے یا ایمان لیتا ہے تو ہرگز سلطنت نہ لے بلکہ ایمان کے مقابلہ میں اُسکو ذرہ سے حقیر جانے اور اس نعمت ایمان کے حفظ و سلامتی کی آرزو
 کرے اور دنیا میں ہر ایسے کام سے پرہیز کرے جس میں ایمانی خطرہ ہو اور آخرت کو محبوب رکھے اور واضح رہے کہ جو بندے ان صفات سے
 آراستہ ہوتے ہیں انکے نزدیک موت بہت خوبصورت محبوب ہوتی ہے اس لیے کہ دنیا میں ہر روز بلکہ ہر دم نعمت ایمان کی حفاظت کرتے
 کرتے تھک جاتا ہے اور موت سے اُسکو محفوظ لیکر گھر پہنچ جاتا ہے جیسے ایک شخص جس دنیا کے ہن جنگل سے لعل و جواہر و اشرفیوں کا ہنر ار
 صندوق خزانہ مل گیا اور وہ لیکر چلا اور راہ میں چوروں وغیرہ سے بکثرت مقابلے پیش آئے اور غیب سے اُسکو ایسی مدد ملی کہ ہر موقع پر
 وہ بچ گیا یہاں تک کہ ندی سے اتر کر گھر میں داخل ہونا باقی رہ گیا تو ندی موت ہو کہ وہ کس قدر خوشی کی چیز ہے ولیکن جب آدمی کے قلب
 میں ایمان بوجہ اعمال کی سیاہی کے نور نہیں دیتا ہے تو اُسکو موت سے نفرت ہوتی ہے فافہم (قولہ تعالیٰ) و ذرا جہ من تسنیم الایہ۔ اللہ تعالیٰ نے
 ابرار و مقربین کے حالات بیان فرمائے اور ان دونوں کے درمیان عجیب فرق ظاہر کیا چنانچہ ابرار میں ظاہر ہوا کہ ابرار بندے انوار صدقات
 کے انوار سے شرب پاؤں گئے اور مقربین کے واسطے بحر الذات سے شربت ہو ولیکن ابرار کے واسطے بھی فی الجملہ کرم ہے کہ انہما مقربین
 سے ایک شرب انکے واسطے بھی مخرج فرمایا گیا (عراس) احمد اللہ علی فضلہ تعالیٰ کہ یہی اشارہ مترجم ضعیف عفا اللہ عنہ نے بھی بعد کلام
 رازیؒ کے بیان کیا ہے واللہ الحمد والمنة۔ مراد واضح ہو کہ جس شرب کو مقربین پیتے ہیں اگر خالص ابرار کو دی جاوے تو برداشت نہیں سکے
 بلکہ بے خود ہو جاویں پس ابرار تو مقام انس میں ہیں اور مقربین مقام قدس میں ہیں۔ بعض مشائخؒ نے کہا کہ مقربین نے خالص تسنیم سے پیا
 اور اصحاب الیمین کے لیے ملا دیا گیا پس جو کوئی صفات قدس کا حامل ہو تو یہ نہیں ہو کہ وہ قدس مشاہدہ ذات کا بھی حامل ہو اور مقربین
 کو یہ قوت عطا ہوئی مترجم کہتا ہے کہ برداشت بوسعہ انسانی نہیں ہے بلکہ لبطائے ربانی ہے اور قلوب کا خالق وہی ہے اور اُسکے قبضہ
 قدرت میں ہیں پس ہر ایک کے قلب کے لیے حظ ایمان اُسکی استعداد کے موافق عطا ہوا اس واسطے اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم جو عبادت
 صوم و صلوٰۃ میں عشرہ مبشرہ و خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سے بڑھے ہوئے تھے کسی کو یہ وہم نہ ہوا کہ ہم اللہ سے افضل ہیں یعنی
 عبادت کی راہ سے یہ حکم نہیں لگاتے تھے کیونکہ وہ لوگ ان آیات و احادیث سے اہل معرفت صفات بلکہ مقام قدس میں تھے تو یہ
 نکتہ خوب جانتے تھے فافہم شیخ ابن العرینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ ان کتاب لابرار لعلی علیہم۔ کتاب سے ظہور و چہرین
 ہیں جو لکھی گئی ہیں یعنی ابرار کے اعمال سعادت کی صورتیں اور انکے نفوس نورانیہ کی ہیأت اور انکے اخلاق فاضلہ تو علیہم بین بلند
 ہیں مترجم کہتا ہے کہ ہر عاقل یہ سمجھ سکتا ہے کہ ملائکہ جو کچھ لکھتے ہیں وہ کاغذ قلم و دوات نہیں ہے بلکہ عالم آخرت کی تحریر ہے اور اُسکی تصویر
 بے نظیر ہے لیکن سمجھنے کے واسطے تم کو بہت گنجائش ہے تو قدرت عظیم میں نہایت آسان ہے کہ انسان کا ہر قول فعل ملائکہ نے لکھ لیا یہ تو
 لکھا ہوا ہے اور ثابت ہوا کہ مرنے کے بعد وہ نوشتہ مہر کر کے علیہم میں رکھ دیا جاتا ہے اب غور کرو کہ جب قدرت نے ان اعمال کے واسطے
 جو ہری صورتیں عطا فرمائی ہیں تو یہ صورتیں چڑھائی جاتی ہیں اور قولہ تعالیٰ الیہ یعود الکلم الطیب و العمل الصالح یرفعہ الایہ کی تفسیر میں
 مفصل بیان گزرا ہے اس سے ثابت ہے کہ مثلاً اللہ تعالیٰ کی تسبیح پاک دل سے نکلی تو اُسکو عروج دیا جاتا ہے جسے کہ عرش کے گرد اُسکی

مشاہدہ کمال نصیب ہوگا اور اس دیدار سے اُنکے چہرہ پر ایسے نور اور سرور و تازگی کا ظہور ہوگا کہ بیان نہیں ہو سکتا لہذا فرمایا۔
 تعرف فی وجہہم نصرة النعم الا یہ شیخ ابن عطاء اللہ نے کہا کہ بعضے تخت معرفت پر ہونگے اور بعضے تخت قربت پر ہونگے اور ہر ایک
 کے واسطے منزلت ہے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تعرف فی وجہہم الا یہ نو اُنکے چہرہ پر تازگی نعیم پا دیگا یعنی
 نعیم دیدار سے جو تازگی اُنکو حاصل ہوئی اس لیے کہ دیدار پاک کا اثر اُنکے چہرہ پر نہایت حسن و نور کمال کے ساتھ باقی رہے گا مترجم
 کتاب کہ یہ قول بالکل صحیح ہے اور کلام الہی میں عجب لطافت ہے کہ (نصرة النعم) کے معنی نعیم کی تازگی ہے اور نعیم کے درجات ہیں شروع
 جنت سے بلکہ جنت کے باہر سے یہ تازگی شروع ہوتی ہے چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک چشمہ ہے جس سے وضو و غسل
 کرینگے تو انہیں نصرة النعم آجادیگی (رواہ ابن المنذر) اور حدیث مرفوعہ میں یہ روایت آئی ہے کہ جب صراط سے پار ہو کر جنت کے نزدیک
 پہنچیں گے تو وہاں دو چشمے ہیں ایک چشمہ سے پینے کا حکم ہوگا تو اُنکے باطن میں جو کچھ حسد و کینہ و خیرہ و کدورت نیاوی ہوگی سب صاف ہو جائیگی
 اور دوسرے چشمہ سے وضو و غسل کا حکم ہوگا تو اُس میں نہاتے ہی نصرة النعم آجادیگی۔ مترجم کتاب کہ شاید اسکا نام عین الحیوة ہو چو نکہ
 حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن لوگوں کا بیان ارشاد فرمایا جو گناہوں کی وجہ سے جہنم میں ڈالے گئے اور ان لوگوں کے حالات
 مختلف ہیں بعض کو آگ نے کھایا ٹخنہ تک اور بعض کو گھٹنے تک علی ہذا القیاس یعنی بعض کو ٹخنہ تک کھایا اور وہ نکال لیا گیا و علی ہذا القیاس
 اختلاف بقدر گناہوں کے ہے اور آخر میں ایک قوم نکالی جاوے گی جو بالکل کوئلہ ہو گئے ہیں اور نکال کر ایک نہر میں ڈالے جاوے گئے جسکا نام
 نہر الحیوة ہے اور اُس میں سے ایسے اُگینگے جیسے تر و تازہ کلاؤں سے نکلنا ہے جو سیل کی کچڑ میں دب گیا ہو۔ لیکن وہاں انہا پر شبہ
 ہیں شاید نہر ان لوگوں کے لیے ہو اور ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جو اول ہی سے جنت میں جاوے گئے اور دوسرے نفیس چشمہ میں نہاویں دانہ سجائے تو اُن
 باجملا اس دنیا کی فانی چیزوں میں کچھ نہیں ہے اگر سب لوگ عاقل اس پردہ زمین پر ہوں تو اسطرح رہیں کہ اس دنیا میں جو چیزیں ہیں سب
 جس کسی کو ضرورت ہو نفع اُٹھاوے اور ہر ایک دوسرے کے نفع پہنچانے میں اسطرح سعی کرے کہ جس چیز کی اُسکے لیے ضرورت ہے
 اگر اپنے پاس ہو تو دیدے اور اگر دوسرے کے پاس ہو تو اُسے اطلاع دے وہ ویدے جیسے دنیاوی احق حریص لوگوں کے نزدیک ہے
 کے کنکر یا کیٹیلے کے درخت سمجھے جاتے ہیں اور عاقل لوگ سب کے سب اس بات میں حرص کرتے کہ آخرت کی نعمتیں حاصل کرنے میں کس نے
 اول نمبر کی کوشش کی جیسے دنیا والے یہاں کے امتحان میں اول درجہ میں اول نمبر کے لیے سعی کرتے ہیں اور آخر عمر اس محنت میں برباد
 کر کے فنا ہو جاتے ہیں یعنی دنیا میں نکال دیے جاتے ہیں اور جہان کے واسطے پیدا کیے گئے ہیں وہاں بھیج دیے جاتے ہیں تو دنیاوی محنت
 پر افسوس کر کے پچھتاتے ہیں اور اُسوقت افسوس بے سود ہو نا اللہ وانا الیہ راجعون۔ اسی جہت سے اللہ تعالیٰ نے نعمت آخرت کے بارہ
 میں فرمایا۔ فی ذلک فلیتنافس المتنافسون الا یہ۔ یعنی یہ نعمت اللہ ایسی ہے کہ اسکے لیے تنافس کرنے والے البتہ تنافس کریں تو وہ جی ہی
 ۔۔۔ شیخ نے لکھا کہ منازل قرب و مشاہدہ کے لیے اہل سعادت کو کوشش کرنا چاہیے اور اسکا طریقہ یہ ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ
 بندگی کے معاملہ میں اخلاص رکھیں اور باطن کے اسرار کو انوارِ ظلمات سے پاک رکھیں ذوالنون رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حکم الہی
 کے موافق جو بند سے متنافسین ہوئے انکی علامت یہ ہے کہ اُنکا دل اپنے رب غرضل سے متعلق رہے اور ضمیر روحانی ہواے شوق
 میں اُسی کی جانب پرواز کرے اور جب اُسکا ذکر آوے تو اُنکا دل بادیہ میں مضطرب ہو اور مخلوق سے منحرف ہو کر بھاگے اور تنہائی پسند
 ہو اور گزرتے ہوئے زمانہ پر رونا آوے اور زمانہ سابق کے لیل و نہار کے رانخان جانے پر پچتاوے اور یاد حق سے حلاوت ہو اور کلام حق میں

میں ہو کہ تم لوگ بھی یہود و نصاریٰ کے قدم قدم جلو گے۔ ۱۰۔ یہ معجزہ واقع ہوا حتیٰ کہ سلمان المداون نے اپنی اپنی مسجد بنوانے میں منافس و
تفاخر کیا اور ہر ایک نے اپنے محل کے قریب طرح طرح کے نقش و نگار کے ساتھ مسجد بنوائی اور عوام نے ہر ایک کی تعریف کی جس سے رغبت بڑھ
گئی اور حدیث میں ہو کہ جب قیامت سر پر ہوگی تو اس زمانے میں مسلمانوں کے حالات ارشاد فرمائے جو اس زمانہ میں ہماری آنکھوں کے سامنے
موجود ہیں از انجملہ یہ حالت بیان فرمائی کہ مسجدوں میں نقش و نگار سے آرائش کرینگے حالانکہ وہ ہدی سے دیران ہوئی۔ ۱۱۔ یعنی زاد حق کے
اعمال ہدایت کے موافق ان مسجدوں میں ادا نہیں کیے جاوینگے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پھر اللہ تعالیٰ نے شراب موصوف کی تیسری
صفت بیان فرمائی بقولہ **وَمِزَاجُهُ مِنْ تَسْنِيمٍ عَيْنًا لِّمَشْرَبٍ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ**۔ اور اس میں خلط ہوگا تسنیم
سے یعنی ایک چشمہ ہے جس سے مقربین پینگے ف یعنی رقیق مذکور میں تسنیم سے مزج و میل کیا جائیگا اور تسنیم کا وصف بیان کیا
کہ وہ ایک چشمہ نہر ہے جس سے مقربین پینگے (عیناً) کو اسی وجہ سے نصب ہو کہ مدح ظاہر ہو۔ ابو صالح وضحیٰ نے کہا کہ جنت میں سب
سے بہتر و اشرف شراب اسی چشمہ تسنیم سے ہے حضرت ابن مسعود و ابن عباس رضی اللہ عنہما و مسروق و قتادہ و غیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا کہ تسنیم
خالص واسطے مقربین کے ہو اور اسمین سے لیکر اصحاب الیمین کے رقیق میں ملا دی جاوے گی (ابن کثیر و خطیب وغیرہ) قاضی ہو کہ اللہ تعالیٰ
نے سورۃ الواقعہ میں مکلفین بندوں کی تین قسمیں فرمائیں سب اعلیٰ منزلت والے خاصان حق یعنی مقربین ہیں اور ان کے بعد جنتی ہیں
اصحاب الیمین ہیں اور جنہی لوگ اصحاب الشمال ہیں پس اس سورہ میں بیان فرمایا کہ سب اشرف شراب تسنیم تو خالص مقربین کے لیے
ہے اور اسی میں سے ایک جز لیکر اصحاب الیمین کے رقیق میں ملا دیا جاوے گا اور اس سے معلوم ہو گیا کہ ابراہیم و اصحاب الیمین ہیں (تفسیر
کبیر امام رازیؒ) اور میں کہتا ہوں کہ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ابراہیم وہ بندے سلمان بھی داخل ہیں جو صدق دل سے لا الہ الا اللہ
کہتے تھے لیکن شامت نفس سے گناہوں میں مبتلا ہو کر بغیر توبہ قبول ہوئے مرتے لیکن ان گنہگاروں میں سے جو لوگ مغفرت ابتدائی
سے رہ گئے اور جہنم میں مکافات کے لیے داخل کیے گئے تو ابتدا میں نعمت میں داخل ہونگے بعد مکافات کے داخل ہونگے اور ان کو بھی نعمت
میں جنت و رقیق مختوم نصیب ہوگی **وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّہُ**۔ رازیؒ نے کہا کہ بیان مذکور بالا سے معلوم ہوا کہ جنت میں جو نہر بہے شمار
ہیں تو ان کے اقسام ہیں اور ایک قسم کی ہرودن میں سے بھی باہم درجہ کافرق ہو چنانچہ سب اشرف و اعلیٰ تسنیم ہو اور یہ مقربین کے
واسطے ہے جو اہل جنت میں سے افضل ہیں رازیؒ نے کہا کہ تسنیم کی لذت اس جسم کے لیے ہے اور عالم روحانی میں تسنیم نام ہو دیدار حق
سبحانہ تعالیٰ کا پس مقربین خالص اس فرحت سے سرفراز ہونگے **اقول** حدیث صحیح میں ہو کہ جب جنتیوں کو دیدار عطا ہوگا تو اس قدر
فرحت ہوگی کہ اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں دی گئی ہو۔ ۱۲۔ یہ مقربین کو مبارک ہو اور اسی سے ایک جز اصحاب الیمین کے رقیق میں
ملا دیا جاوے گا یعنی اعلیٰ مرتبہ والا وہ کہ اسکو دن میں دو بار صبح و شام دیدار عطا ہوگا اور کسی کو ایک بار اور کسی کو ہفتہ میں اور کسی کو مہینہ میں و علی
ہذا القیاس۔ ۱۳۔ اور رقیق عالم روحانی میں بہت مشابہہ عالم مخلوقات ہو (تفسیر کبیر) مشابہہ مخلوقات سے غرض یہ کہ جنت میں صفت
حق عزوجل کا ظہور ہر وجہ کمال ہو تو ان مخلوقات میں صفت حق مشابہہ کرینگے اور ابن عباسؓ سے روایت کیا گیا کہ اُسے تسنیم کی تفسیر پوچھی
گئی تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے واسطے ایسی نعمتیں مہیا فرمائی ہیں جنکو کسی آنکھ نے نہیں دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی
بشر کے دل پر خطرہ گزارا قال تعالیٰ **فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَہُمُ الْآیَہُ** یعنی کسی نفس کو معلوم نہیں کہ ان بندوں کے واسطے کیا چھپا رکھا گیا ہے
جس سے آنکھیں آنکھوں کی ٹھنڈک ہو **شیخ الشیرازیؒ** نے اشارات میں لکھا کہ قولہ تعالیٰ **ان الابرار لفی نعیم الایہ**۔ نعیم الوصال میں

لے انکی شراب کو خوشبودار فرمایا اور آخری خوشبودا سہن مشک کے ساتھ خلط ہی ہی قنادہ و نہاک نے بیان کیا۔ ابراہیم نخعی و حسن البصری نے کہا کہ ختام یعنی اسکا انجام مشک جو بعض علما نے فرمایا کہ مسک سے مراد یہ خوشبودا مشک نہیں ہے بلکہ وہ بھی ایک قسم کی شراب ہے چنانچہ امام ابن جریر نے محمد بن حمید الرزوی کی سند سے مسند کیا کہ ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا کہ (ختمہ مسک) یہ ایک قسم کی شراب بہت سفید مثل چاندی کے ہے اس سے انکی شراب ختم (خلط) کی جادگی اور اگر اہل دنیا میں سے کوئی شخص اس شراب میں اپنی انگلی ڈبو لے اور دنیا میں لاوے تو دنیا میں کوئی جا نہ رہے جسکو اسکی خوشبودا نہ پہونچے (اسنادہ لا باس بہ) مترجم کہتا ہے کہ اگر کسی شخص کو یہ وہم ہو کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بذریعہ ہوا کے دنیا میں جس چیز کی خوشبودا دور تک جاتی ہے تو نزدیک سے وہ بہت تیز ہوتی ہے تو کیا شراب مسک کی خوشبودا سفید تر ہے کہ مشرق سے مغرب تک جاتی ہے (جواب) یہ دنیا دی حواس کا قیاس ہے جس سے مترجم نے بارہا منع کیا اور بات یہ کہ دنیا میں ہر خوشبودا انھیں مادیات کا لطیف جو ہر نگاہ لکھتا ہے میں اور وہ لطیف ذرے ہوا میں ملکر ناک میں جاتے ہیں تو یہی مادی چیز ہے برخلاف اسکے عالم آخرت روحانیات ہے اور وہاں ہر چیز قدرتی ہے تو یہ خوشبودا اللہ تعالیٰ نے قدرتی پیدا فرمائی ہے اسکا ایک ذرہ اگر بیان ظاہر ہو تو تمام مشرق و مغرب کو یکساں خوشبودا کر دے اور یہ ذرہ ہمیشہ اسی حالت پر باقی رہے کیونکہ ذرے اور خوشبودا نہیں جاتی ہے فافہم۔ م۔ مجاہد نے کہا کہ ختمہ مسک یعنی اسکی خوشبودا مشک جو (تفسیر ابن کثیر) مترجم کہتا ہے کہ اس شراب قدرتی میں اگر یہ سب باتیں جمع ہوں تو بعد نہیں ہے اس دلیل سے کہ اگر یہ باتیں جملگی ہیں تو ہر ایک خوبی جنت میں موجود ہیں فافہم۔ وَفِي ذَلِكَ نَافِيسٌ لِّلنَّافِيسِ وَفِي ذَلِكَ نَافِيسٌ لِّلنَّافِيسِ وَفِي ذَلِكَ نَافِيسٌ لِّلنَّافِيسِ اور اس وصف مذکور میں تنافس کرنے والوں کو تنافس کرنا چاہیے یعنی جو حال نفیس مذکور ہوا اس میں تفاخر کرنے والوں کو تفاخر کرنا چاہیے اور اسکی زیادتی میں کوشش و سبقت کرنا چاہیے جیسے قولہ تعالیٰ۔ لَمَّا نَبَا فُلَيْعِلَ الْعَالَمُونَ۔ ایسے عیش عالیہ کے واسطے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے (ابن کثیر) خطیب نے لکھا ایسے اعظم و نعمت عالی و شراب نفیس کے بارہ میں البتہ پوری جدوجہد سے رغبت کرنا چاہیے تنافس یہ کہ نفیس چیز میں دو آدمی اسطرح حرص کریں کہ ہر ایک یہ چاہے کہ یہ چیز فقط میرے ہی واسطے ہو تاکہ دوسروں پر فخر کرے اور یہاں تنافس کی صورت یہ ہے کہ مومنین میں ہر ایک کوشش کرے کہ اسکے اعمال صالحہ زیادہ ہوں اور ہر عمل میں اسکی نیت بہت خالص ہو (السراج) اور سننے بہ ہیں کہ جو لوگ رغبت کرتے ہیں تو انکو چاہیے کہ ایسی نعمت عظمیٰ بے مثل و بے مثال دائمی کے واسطے رغبت کریں اسطرح کہ اللہ تعالیٰ کی خالص بندگی میں جلدی کریں اس کلام میں اشارہ ہے کہ نعمت جنت البتہ اس قابل ہے کہ اسکے لیے تنافس ہو برخلاف دنیا کے کہ یہاں کی چیزیں اس قابل نہیں ہیں کہ انکے لیے تنافس ہو۔ (تفسیر کبیر) اسلیے کہ دنیا میں جو چیزیں دی گئی ہیں وہ مکر و غلیظ ہیں صرف چند روزہ اجل تک اس جسم کی متاع کے لیے زمین سے نکال دی گئی ہیں پس یہاں جو لوگ ان چیزوں میں تنافس کرتے ہیں وہ بہت بہت سمیت و کمینہ ہیں۔ حدیث شریف میں بطور معجزہ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر سے آگاہ فرمایا کہ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ سلطنتیں فتح فرماوے اور لوگ ہونگے جو دنیا کی برواق دار ملج چیزوں کی طرف تنافس کریں گے۔ یہ آپ نے گزری امتوں پر ہوا و نصیب اللہ تعالیٰ کی نظیر بیان فرمائی یعنی یہ امت بھی انھیں کی طرح دنیا کے پیچھے تنافس کرے گی مترجم کہتا ہے کہ یہ معجزہ واقع ہو چکا اور نصاریٰ جب ہنگام شام وغیرہ پر سلطنت تھے تو تنافس کی نوبت بہانہ ہو چکی تھی کہ اپنے شرک کے موافق جس نفاق و صلیب وغیرہ کو عادت کی چیز سمجھتے تھے ان میں بھی تنافس تھا حتیٰ کہ ہر ایک رئیس اپنے دروازہ پر نفاق و غیرہ کو طرح طرح کی مینا کاری سے جڑا و مطلقا مذہب بناتا تھا اور صلیب (سولی کی شکل) بھی ہیرے و جواہرات سے جڑاؤ بناتے تھے اور اسی کی پوجا کیا کرتے تھے اور گلے میں پہنتے تھے۔ حدیث صحاح

رازیؒ نے کہا کہ اسکے یہ معنی ہیں کہ اپنے رب عزوجل کو دیکھیں گے اس قول کی دلیل یہ ہے کہ اگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ لَضَرَةَ النَّعِيمِ**۔ تجھے انکے چہروں پر نعیمِ جنت کی نازگی و رونق پہچان پڑے گی یعنی اُنکے چہرے اس عظیم نعمت سے ایسے لہلہاتے ہوئے حسین و خوبصورت و رونق دار ہونگے کہ تو یہ کیفیت اُنکے چہروں سے دیکھ کر پہچان لیگا مترجم کہتا ہے کہ رازیؒ نے کہا کہ جس نگاہ سے نازگی و رونق حاصل ہو وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وجوہ بوسنہ ناضرة الی رہبانظرہ۔ یعنی کچھ چہرے اُس روز تروتازہ اپنے رب کی طرف نظر کرنے والے ہونگے۔ ہ۔ اس دلیل سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہی ناویل ٹھیک ہے کہ سب اعلیٰ فضیلت و نعمت کو پہلے بیان کرنا چاہیے اور وہ دیدار باری تعالیٰ ہی عطا کرنے کا کہ اللہ تعالیٰ ان بندوں کے چہروں پر حسن و خوبی اس قدر زیادہ فرما دیگا کہ کوئی اُسکا وصف بیان نہیں کر سکتا ہے (تفسیر کبیر) **يُسْقَوْنَ مِنْ رَحِيقٍ مَخْمُومٍ**۔ پلائے جاوینگے رقیقِ مخموم سے ف رقیق شراب کا نام ہے یعنی جنت کی شراب سے پلائے جاوینگے یہ ابن مسعود و ابن عباسؓ مجاہد و قتادہ وغیرہم نے بیان کیا ہے۔ ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس مومن نے دوسرے مومن کو پیاس میں پانی پلایا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اُسکو رقیقِ مخموم سے پلا دیگا اور جس مومن نے دوسرے مومن کو بھوک میں کھانا کھلایا اللہ تعالیٰ اُسکو حبس کے پھلون سے کھلا دیگا اور جس مومن نے دوسرے مومن کو بدن ڈھانکنے کی ضرورت کے وقت کپڑا پہنایا اللہ تعالیٰ اُسکو سبزہٗ جنت سے پہنایا دیگا (رواہ احمد وغیرہ) سبزہٗ جنت سے مراد یہ کہ جنت کے سندس سبزے پہنایا دیگا (ابن کثیر) رقیق کی صفت (مخموم) بیان فرمائی اور اسکی تفسیر میں دونوں ہیں قول اول یہ کہ فقالؒ نے تجویز کیا کہ مخموم بمعنی مہر کیا ہوا اور کہا کہ عادت جاری ہے کہ جس چیز کی حفاظت مقصود ہوتی ہے اسپر مہر لگا دیتے ہیں اور جنت میں تو احتمال نہیں کہ کوئی مکر وہ خیر پیش آوے ولکن مہر لگانے سے مقصود یہ کہ اُسکی بزرگی ظاہر ہو و لیکن اسکے علاوہ وہاں ایک شراب ایسی بھی ہے جو نہر میں جاری ہے و لقولہ تعالیٰ **وَاهُنَا مِنْ خَمْرٍ لَذَّةٍ لِلشَّارِبِينَ** الایہ یعنی شراب کی نہروں ہیں جو پینے والوں کے لیے پوری لذت ہیں۔ ہ۔ پس مخموم شراب اُس سے افضل ہے (تفسیر کبیر) واضح ہو کہ خمر و شراب وہاں کسی چیز سے کشید ہو کر نہیں بنائی گئی ہے بلکہ بسطح اللہ تعالیٰ نے پانی کے چشمے قدرتی پیدا کیے ہیں اسبطح شراب قدرتی چیز ہے تو دنیا کی شراب کیجھکا اسپر کچھ بھی قیاس نہیں کر سکتے ہیں اور سمجھدار کے واسطے یہ فضیلت سمجھنا کافی ہے کہ چاندی سونے کی نہروں میں جیسے کنارے موتیوں کے ہیں اُس میں یہ قدرتی شراب جاری ہے اور حقیقی جہان اشارہ کرے وہاں جاری ہو جاوے چنانچہ یہ بیان واضح دلائل سے مترجم نے سابق میں بیان کر دیا ہے اور یہاں مقصود بیان یہ ہے کہ فقالؒ نے جب یہ تجویز کیا کہ مخموم مہر کیا ہوا ہے تو اسپر یہ سوال ہوتا ہے کہ خمر تو نہروں میں جاری ہے کیونکہ مخموم ہوئی تو جواب دیا کہ دو قسم کی خمر ہے اور مخموم اُس سے افضل ہے مترجم کہتا ہے کہ یہ بخلف ہے اور (مخموم) یا تو معنی مخلوط ہے پس یا تو اس خمر کے برتن پر مشک کی مہر یا خاتمہ اُسکا لطیف ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **خَمْرٌ مَسْكٌ**۔ اسکا ختام مشک ہے ف پس اگر مہر کے معنی ہوں تو مطلب یہ ہے کہ اسپر مہر پیدا ہو جاتی ہے تاکہ جب حقیقی اُسکو پینا چاہے اور مہر خود بخود حل شدہ ہو جاوے تو وہ شراب اس خوشبو سے معین ہو جاوے اور اگر مخموم بمعنی مخلوط ہے تو یہ مطلب ہوا کہ اُس میں لطافت مزوج ہے یعنی ملائی گئی ہے اور ختام یعنی آخرین مشک کا لطف آتا ہے اور بعض نے کہا کہ شراب مذکور کی یہ دوسری صفت ہے کہ ختام اُسکا مشک ہے یعنی جب اہل جنت اُسکو پیتے ہیں تو اُسکا انجام یہ خرابی و گندگی نہیں ہوتی ہے جو دنیاوی شراب میں معروف ہے بلکہ انجام یہ کہ اُنکے بدن سے قطرات عرق ظاہر ہوتے ہیں جن سے مشک کی خوشبو آتی ہے شیخ ابن کثیرؒ نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ ختامہ مسک۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یعنی اُس شراب کا میل مشک ہے جو حنفیؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ اللہ تعالیٰ

کی جادے تو قبول نہوگی ولیکن فاجر اپنی حماقت میں گرفتار ہو شیخ امام ابن کثیرؒ نے لکھا کہ منہ یہ ہیں کہ قیامت کے روز ابراہیمؑ جنت میں مقیم ہونگے مترجم کتاہو کہ بیان اگر کتاب بار سے مراد نامہ اعمال ہیں اور ارواح برزخ میں مقیم ہوتی ہیں تو میرے نزدیک اسکو مفصل بیان کرنا بہتر ہے یعنی ابراہیم صاحبین کے نامہ اعمال ضرور علیین میں رکھے جاتے ہیں اور یہی حال جمیع مسلمانوں کا ہو اگرچہ وہ گنہگار بھی ہوں لیکن فجار نہوں یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو صدق دل سے دل میں جگہ دیے ہوں کیونکہ وہ مشرک کافر کی نسبت ابراہیمؑ اگرچہ صاحبین کے مقابلے میں گنہگار فاسق ہیں تو انکا مرتبہ کم لیکن علیین بے انتہا وسیع ہو اور بلندی پر بلندی بے حد ہواب ہایکہ ان لوگوں کی ارواح کہاں رہتی ہیں تو ابراہیم علیین میں ہیں حتیٰ کہ محققین نے کہا کہ انبیاء جنت میں داخل ہو جاتے ہیں اور مترجم کا دعویٰ ہے کہ قیامت کے روز جنت میں ان جہلم وارواح کے ساتھ داخل ہونے میں جو کمال نعمت کا ظہور ہوگا وہ بالفعل نہیں ہو سکتا ہو اور سمجھدار کے نزدیک اس بات کو سمجھ لینا بہت آسان ہو اور آخر میں بیان آویگا اسی جنت سے شیخؒ نے اس مقام کی تفسیر میں کہا کہ یوم قیامت کو نعیم عظیم الشان میں داخل ہونگے رازمی و خطیب وغیرہ نے کہا کہ بیان تین امور خاص بیان فرمائے اول بقولہ تعالیٰ عَلٰی اَکْثَرِ اَیْکَ یَنْظُرُونَ۔ شاہانہ چہرہ کھٹ کے تخت پر رکھتے ہونگے ف ارا یک جمع اریکہ وہ تخت جسپر شامیانہ ہوا اور سابق میں گزر چکا ہو کہ یہ جملہ قدرتی فروش سے اور نرم نشی بچھو لوں سے آراستہ اور موتیوں وغیرہ کی جھالروں سے مزین ہونگے مترجم کتاہو کہ بیان ہکچو چاہیے کہ جو اس ٹھیک رکھیں اور یہ تصور نہ لایں کہ جیسے دنیا میں بادشاہوں کے بیان سونے چاندی کے تخت ہوتے ہیں یہ تصور غلط ہو اسلیے کہ دنیا میں وہ سونا نہیں کیونکہ یہ تو مٹی کی کان سے نکلتا ہو اور گلا کر بنتا ہو اور موتی کو سیپ میں سے نکالتے ہیں یہ تو دہان اس سے بدتر ہیں کہ جس قدر تم یہاں منیگنیاں پڑی دیکھتے ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کو اس عالم میں دیکھو اور البتہ قیاس کرو کہ عظیم قدرت اس عالم میں ہو جسکو اللہ تعالیٰ نے بر باد کرنے کے لیے پیدا فرمایا ہو تو وہاں جنت میں یہ خیرین کس خوبصورتی سے ایجاد فرمائی ہونگی اور یہ تخت و جملہ جوڑ و سلائی سے نہیں ہے بلکہ قدرتی ہو اور اس عالم میں دیکھو کہ بعض پھول کس خوبی سے تراشا ہوا پیدا ہوتا ہو اور کس خوبصورتی سے اس میں رنگ بھرتے ہوئے ہیں پس معلوم ہوا کہ فحری جہل جو تصور کیا وہ اسکی سخت حماقت کی دلیل ہے۔ ابراہیم ان تختوں پر آرام کرینگے اور نظر کرتے ہونگے۔ شیخؒ نے لکھا کہ بعض نے کہا کہ اسکے یہ معنی ہیں کہ اپنی جنتی بادشاہت (دوہزار سال کی راہ یک) کو اور تمام جلیل جلیل نعمتوں کو دیکھیں گے خطیبؒ نے کہا کہ یعنی یہ عجیب قدرت ہو کہ جملہ انکی نظر کے سامنے آئے ہوگا بلکہ اپنی مملکت بے انتہا وسیع کو اول سے آخر تک دیکھینگے۔ بعض نے کہا کہ اسکے یہ معنی ہیں کہ تختہ عزت پر اپنے رب جل شانہ کی جانب نظر کرتے ہونگے۔ یہ تفسیر قوی ہو کیونکہ فجار کی یہ حالت بیان فرمائی تھی کہ اپنے رب مبارک و تعالیٰ سے محبوب ہونگے انکے برخلاف بندگان ابراہیم کی یہ تفصیل بیان فرمائی کہ اپنے رب عزوجل کو دیکھتے ہونگے یعنی انکو اپنے رب عزوجل کی طرف نظر کرنا مباح ہوگا اور حالیکہ اپنے تختہ شامانہ پر بیٹھے ہونگے اور حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما میں گزر چکا کہ اہل جنت میں سے سب سے کم منزلت کا وہ شخص ہوگا کہ جو اپنی بادشاہت کو اپنے تخت سے دوہزار برس کی راہ تک دیکھیں گا اسکو اپنا انتہا کا ملک اسطرح نظر آویگا جسطرح قریب کا ملک نظر آوے گا اور اہل جنت میں سے اعلیٰ درجہ والا وہ ہوگا جو دن میں دو مرتبہ اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوگا (ابن کثیر خطیبؒ نے لکھا کہ علی الارائک فیظرون جو ہماری جنت میں ہے کہ اریکہ وہ تخت ہو جسپر جملہ ہوا اور بغیر اسکے اریکہ نہیں کہتے ہیں اور جملہ وہ ہو جو تخت پر کوٹھری کی طرح پردے اور بچھونے وغیرہ آرائش سے آراستہ کر کے بناتے ہیں نظر کرنے سے یہ مراد ہو کہ اپنی آنکھیں اٹھا کر اپنی بادشاہت اور مناظر جنت و عجائب نعمت کو جہاں چاہیں آرائش سے آراستہ کر کے اپنے دشمنوں کو عذاب جنم میں بھی دیکھیں گے یعنی نظریں یہ لڑ ہوگا اور کوئی خیر مانع نہوگی جیسے ہم نے لکھا کہ وہ ہر خیر مانع ہو جائی

اور زجاجؒ نے کہا کہ مقامات سے بلند ہو اور دیگر علماءؒ نے کہا کہ علیین مراتب عالیہ ہیں جن میں عظمت و جلالت ہو اور اللہ تعالیٰ نے اُسکی کمال بزرگی ظاہر فرمائی اور دیگر علماءؒ نے کہا کہ علیین نوشتہ اعمال ملائکہ ہو اور اس اخیر قول کے واسطے ظاہر کلام اللہ شاہد ہو اسلیے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ فرمایا۔ ما اوراک ما علیون۔ تو نے کیا جانا کہ علیین کیا ہو۔ یعنی تنبیہ کی کہ اُسکو معلوم ہو اور عنقریب دیکھ کر پہچان لیگا۔ پھر فرمایا۔ کتاب مرقوم لیشہدہ المقربون۔ کتاب مرقوم ہو مقربین اُسکے شاہد ہیں۔ اس سے ظاہر کیا کہ ابراہار کا نامہ اعمال اس کتاب مرقوم میں ہو جسکے ملائکہ مقربین شاہد ہیں گو یا اللہ تعالیٰ نے حسبِ طرح انکو لوح محفوظ کے اوپر مومل کیا ہو اسی طرح انکو کتاب الابرار کی حفاظت پر مومل کیا جو منجملہ ام الکتاب ہے اور اس میں کتاب الابرار کو بزرگی دی گئی اور شاہد جب ملائکہ نامہ اعمال ابراہار کو اوپر لے جاتے ہیں تو ان ملائکہ مقربین کے سپرد کرتے ہوں تاکہ مقربین مثل اپنی کتاب کے اُنکی حفاظت کریں یا جس کتاب کی حفاظت پر مومل ہیں اُسی میں ابراہار کے نامہ اعمال کو نقل کر لیتے ہوں اور اسی علم کی وجہ سے مقربین اُسکے شاہد ہوں کہ یہ لوگ ابراہار ہیں اسی وجہ سے ابراہار صاحبین سے حساب آسان لیا جاوے گا کیونکہ مقربین اُنکے اعمال کی حفاظت سے اُنکے لیے گواہ ہو گئے پس جب ابراہار کی کتاب آسمان میں ہوئی تو جس نے یہ معنی بیان کیے کہ کتاب الابرار بلندی بر آسمان میں ہو اُسکا قول صحیح نکلا اور سب اقوال باہم قریب قریب ہو گئے واضح ہو کہ اس آیت کی تفسیر میں معتمد وہ قول ہو جو ہم نے (اور شیخ ابن کثیر وغیرہ نے) اوپر بیان کیا کہ علو اور فرجی و روشنی و پاکیزگی یہ سب کجی و خبیثی ہونے کی علامات ہیں اور لہتی و ضیق و تاریکی و نجاست یہ سب بدیختی و جہنمی ہونے کے آثار ہیں اور سابق میں بیان ہوا کہ فجار کی کتاب کو جہنم میں رکھنے سے مقصود یہ کہ وہ اسفل السافلین میں نہایت تنگ و ضیق جگہ میں ہو یعنی یہ لوگ ذلیل و حقیر ہیں تو برعکس اسکے کتاب الابرار کو اعلیٰ علیین میں رکھنے سے مقصود یہ کہ ابراہار بندے عزت و شرف و کرامت والے ہیں۔ اور آیت میں ایک معنی دیگر بھی اس وجہ سے ظاہر ہوتے ہیں کہ (کتاب) یعنی لکھنا بس یہ معنی ہوئے کہ اعمال ابراہار کی کتاب علیین میں ہو تجھ اُسکا وصف بیان کیا کہ کتاب مرقوم۔ یعنی اُس میں ابراہار کے جمیع اعمال مرقوم ہیں۔ واضح ہو کہ کتاب مرقوم میں دو تاویلین ہیں (ایک) یہ کہ اُنکے اعمال کی کتاب مراد ہو (دوم) یہ کہ کتاب مذکور علیین میں رکھی ہو اُس میں ابراہار کے واسطے اللہ تعالیٰ نے جو کرامتیں و ثواب عطا کیے ہیں وہ مرقوم ہیں اہل تفسیر میں اختلاف ہو متقاتل نے کہا کہ یا شایع مکتوبہ سابق عرش میں ہیں۔ ابن عباسؓ سے روایت کیا جاتا ہو کہ یہ تحریر لوح زبرجد میں زیر عرش معلق ہے دیگر علماءؒ نے کہا کہ اس کتاب میں وہ چیزیں مرقوم ہیں جس سے ابراہار کے واسطے سرور زائد ہو برخلاف کتاب فجار کے جس میں فجار کیلئے ایسی چیزیں ہیں جس سے انکا دکھ و درد زیادہ ہو اس معنی کے لیے۔ لیشہدہ المقربون سے تاوید ملتی ہو یعنی جو ملائکہ مقربین کہ علیین میں ہیں وہ اس نوشتہ کے پاس حاضر ہوتے اور شاہد ہوتے ہیں جن علماءؒ نے کہا کہ کتاب الابرار سے نامہ اعمال مراد ہیں تو مقربین کے شاہد ہونے کے یہ معنی لیتے ہیں کہ جب نامہ اعمال کو چڑھا کر علیین میں لے جاتے ہیں تو شرف و کرامت ظاہر کرنے کے لیے ہر مقام کے ملائکہ مقربین شاہد ہو جاتے ہیں (تفسیر کبیر) مترجم کتابہ روح کے بارہ میں اقوال بے شک متعدد اور مختلف وارد ہوئے ہیں اور وہ سب اپنے اپنے موقع پر ٹھیک ہیں لیکن کبھی نادان لوگوں کو سمجھنا ثبات پیدا ہو جاتے ہیں لہذا سورہ الشقاق میں مترجم نے فی الجملہ توضیح سے بیان کیا ہو اُسکو دیکھو واللہ تعالیٰ ہو الموفق جب اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ کفار فجار کے برخلاف ابراہار صاحبین کی کتاب علیین میں ہو تو حق کفار اس سے کچھ ناز و لغت و عیش و راحت نہیں سمجھ سکتے تھے لہذا اللہ تعالیٰ نے فہم دنیاوی کے لائق ایک نمونہ اُنکے عیش میں سے بیان فرمایا بقولہ تعالیٰ۔ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ۔ بے شک ابراہار بندے عیش میں ہیں ف اس عیش عظیم الشان کا تصور میں لانا محال ہو کیونکہ دنیا میں آخرت کا ایک موتی بھی نہیں ہے اور اگر تمام دنیا اول سے آخر تک ہزار بار جمع کر کے اُس موتی پر صدقہ

ہوتے ہیں اور ترجمہ کرتا ہے کہ اگر علیین درجہ بدرجہ بلند یوں کو شامل ہو تو جبکہ لیے جو آسمان ہر وہاں کے مقربین اُسکے خواہر و حاضر ہیں اور آخر میں انشاء اللہ تعالیٰ بیان آویگا۔ شیخ کی تفسیر میں ہر ہلال بن یساف نے کہا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کعب احبار سے کہا کہ آپ کے نزدیک سچین کہاں ہیں اس وقت حاضر تھا جب دونوں میں بائیں ہوئیں تو کعب نے کہا کہ سچین ساتویں زمین ہیں اور آسمان کفار کی روحیں رہتی ہیں۔ ابن عباس نے فرمایا کہ علیین کے بارہ میں آپ کیا جانتے ہیں کعب نے کہا کہ یہ ساتواں آسمان ہے اور آسمان مومنین کی ارواح رہتی ہیں۔ شیخ نے کہا کہ بہتوں نے یہی کہا کہ علیین ساتواں آسمان ہے اور علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ لعلی حسین یعنی جنت میں ہیں۔ عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی یعنی ابراہیم کے اعمال اللہ تعالیٰ کے یہاں آسمان میں ہیں۔ یہی صحاح کا قول ہے اور قتادہ نے کہا کہ علیین عرش کی دائیں ساق ہے۔ دیگر علماء نے کہا کہ علیین سدرۃ المنتہی کے پاس ہیں (بن کثیر) علیین نیکی کے ذکر کا نام ہے اسمین جن راس کے نیکی کا جو کچھ نیکیاں کرتے ہیں وہ جمع کی جاتی ہیں۔ روایت ہے کہ بندے کے اعمال کو ملائکہ اُپر لے جاتے ہیں جہاں تک اللہ تعالیٰ نے انکو قدرت و اجازت دی ہے جب وہاں پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انکو وحی فرماتا ہے کہ تم میرے بندوں پر محافظ ہو اور میں اُنکے دلوں پر نگہبان ہوں اور اس بندے نے یہ عمل جو تم لائے ہو اخلاص سے کیا ہے تم اسکو علیین میں رکھو اور میں نے اُسکو بخش دیا اور بعض عمل کو اخلاص سے نہیں کیا ہے تم اسکو سچین میں رکھو۔ حدیث البراء رضی اللہ عنہ میں ہے کہ علیین ساتویں آسمان میں عرش کے نیچے ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ زبرد کی لوح سبز ہے اسمین اعمال لکھے جاتے ہیں وہ عرش کے پایہ سے لگتی ہے (السراج) کعب احبار نے کہا کہ مومن کی روح جب فیض کی جاتی ہے تو اسکو آسمان کی طرف چڑھالے جاتے ہیں اور آسمان کے دروازے اُسکے لیے کھول دیے جاتے ہیں اور ملائکہ گروہ گروہ اُس سے ملتے اور بشارت دیتے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ عرش تک پہنچتی ہے اور اُس کے واسطے زیر عرش سے درق نکالا جاتا ہے وہ لکھ کر مہر کے عرش کے نیچے رکھا جاتا ہے تاکہ روز قیامت کو حساب سے نجات کی علامت ہو اس روایت کو ابن المبارک نے کتاب الزہد میں اور عبد بن حمید و ابن المنذر نے روایت کیا ہے۔ ابوالامہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز کے پیچھے نماز جتنے درمیان میں بندے نے لغو کیا ہو علیین میں کتاب ہے اور رواہ الامام احمد والوداد و الطبرانی و ابن مردویہ یعنی یہ عمل صالح علیین میں لکھا جاتا ہے۔ م۔ دہب و ابن اسحق نے کہا کہ (المقرن) یہاں اسرافیل ہیں جب مومن نے نیک کام کیا تو ملائکہ اُسکے نامہ کو اُپر لے جاتے ہیں اور اُسکا نور اسطح آسمانوں میں روشن جگہ جگہ کرتا ہے جیسے دنیا میں آفتاب ہے یہاں تک کہ اسکو اسرافیل کے پاس پہنچاتے ہیں اسرافیل اُس پر مہر کرتے ہیں (فتح البیان) لازمی ہے ان آیات کی تفسیر میں لکھا کہ واضح ہو کہ جب اللہ تعالیٰ نے مطفقین فجار کے حال سے آگاہ کیا تو اُسکے بعد ابراہیم و اسماعیل کا حال بتلایا جو تطفیف نہیں کرتے ہیں بقولہ تعالیٰ۔ کلا۔ یعنی جو کچھ ان مطفقین فجار نے زعم کیا کہ لعنت قیامت نہیں ہے اور آیات قرآنہ اساطیر الاولین ہیں ایسا نہیں ہے بلکہ جو لوگ ایمان لائے اور تطفیف نہ کی وہ ابراہیم و اسماعیل ہیں۔ (ان کتاب الابرار لعلی علیین) جاننا چاہیے کہ علیین کے معنی میں اہل لغت اور اہل تفسیر کے اقوال میں جو الفتح الموصی لغوی نے کہا کہ علیین جمع (علی) ہے اور یہ (علو) سے مشتق ہے و زجل نے کہا کہ اس اسم کا اعراب مانند لفظ جمع کے آتا ہے جیسے کہتے ہیں ہذہ تفسرون۔ یہ تفسرون ہیں اور (زایت تفسرون) میں نے تفسرین کو دیکھا۔ تفسرین ایک شہر کا نام ہے جو معروف ہے مفسرین کے اقوال کا بیان یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ علیین چوتھا آسمان ہے اور دوسری روایت یہ کہ ساتواں آسمان ہے۔ قتادہ و مقاتل نے کہا کہ ساتویں آسمان سے اُپر داہنے پائے عرش کا نام علیین ہے۔ صحاح نے کہا کہ یہ سدرۃ المنتہی ہے فرشتوں نے کہا کہ علیین بلندی کے بعد بلندی کہ جسکی حد نہیں

دنیا میں الفت کرتے ہیں اور جن میں وہاں شناسائی نہیں ہوئی یہاں ان میں اختلاف ہوتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ آیات قدسیہ کی تفسیر میں ارواح کے رہنے کے ٹھکانے بیان ہونگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **كَلَّا اِنَّ كِتَابَ الْاَبْرَارِ لَفِي عِلِّيِّينَ** (حقاً کہ ابرار کی کتاب بے شک علیین میں ہے) یعنی بات محقق و ثابت کر دی گئی ہو کہ جو بندے ابرار ہیں انکا نوشتہ علیین میں ہے ابرار وہ لوگ جو فجار کے خلاف ہیں اسید واسطے سجین سے برخلاف علیین ہیں۔ یعنی سجین بہت پست و ضیق ہے اس کے برخلاف علیین بہت فراخ و عالی ہے اور ظاہر یہ کہ علیین مشتق ہے (علوم) سے بمعنی بلندی اور جس قدر بلند و اونچا ہوتا جاوے اُسی قدر فراخ و وسیع ہوتا جاتا ہے (ابن کثیر رحمہ اللہ) بعض اہل معانی نے کہا کہ علیین جمع ہے کیونکہ بلندی کے بعد بلندی ہے اور ہر شرف سے اونچا شرف موجود ہے لہذا علیین کو جمع فرمایا اور فرماؤ گئے کہ اہل علیین ایک خاص مقام کا نام ہے یہ جمع نہیں ہے بلکہ صورت میں جمع ہے جیسے عشرين (۲۰) اور ثلثین (۳۰) وغیرہ ہیں یعنی عشرين اگر عشرين (۱۰) کی جمع ہوتی تو کم سے کم جمع تین (۳) ہے تو عشرين کے (۲۰) ہوتے حالانکہ فقط (۲۰) کا نام عشرين ہی اسطرخ ثلثین اگر ثلث (۳) کی جمع ہوتی تو فقط کمتر (۹) ہوتے حالانکہ ثلثین (۳۰) ہیں اسی طرح علیین بھی جمع نہیں بلکہ ایک خاص مقام ہے جہاں ابرار کی ارواح رہتی ہیں (السراج) اس سورہ مبارک میں (کلاماً) چار جگہ آیا ہے بعض نے کہا کہ یہاں کلاماً بمعنی (حقاً) ہے اور بعض نے کہا کہ (کلاماً) اہل کفر کو جھڑکی ہے کہ ہوش کر کے اپنی فحور کی چال چھوڑیں پھر آگاہ فرمایا کہ کتاب ابرار علیین میں ہے ابرار وہ بندے جو اپنے رب غرور جل کے مطیع رہے اور انکی کتاب سے مراد انکی نیکیوں کے نامہ اعمال ہیں اور ترجمہ کنایہ ہے کہ یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ ابرار بندوں کا نوشتہ علیین میں ہے یعنی انکے لیے حکم ازل میں لکھ دیا گیا ہو کہ یہ بندے علیین میں رہیں اس لیے (کتاب) مصدر فرمایا اور (کتب) جمع نہیں فرمایا حالانکہ نامہ اعمال ہر ایک کے علاوہ ہیں واللہ تعالیٰ اعلم فرماؤ گئے کہ اہل علیین بلندی پر بلندی جسکی حد نہیں ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کہاں اُسے محدود فرمایا ہو اور اس قول کی وجہ یہ کہ علیین درجہ جمع علی ہے پھر اُس سے نقل کر کے اس معنی میں کر لیا فرماؤ گئے کہ اہل اعراب اسکو بطور جمع کے دیا گیا کیونکہ وہ جمع کے وزن پر ہیں لیکن جمع نہیں ہے کیونکہ اس لفظ سے اسکا واحد نہیں ہے جیسے قنسرین (نام شہر ہے فتح البیان) ابرار وہ بندے ہیں جو اپنے ایمان میں سچے ہیں (السراج) یہ تفسیر عمدہ ہے اس لیے کہ ہم گنگا ربندوں کے لیے اس سے امید ہو جبکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم کو ایمان حق پر وفات دے اور اُسی پر بھروسہ ہے وہ ارحم الراحمین ہے پھر واضح ہو کہ علیین کے بارہ میں شیخ ابن کثیر کی تفسیر کا خلاصہ مع دیگر تفسیر کے زائد اقوال کے لانا ہوں اور آخر میں امام رازی نے جس طرح توفیق دی اسکو بیان کر دینا اور آخر میں دیگر علمائے متقدمین و متاخرین کے اقوال ذکر کر دینا واللہ تعالیٰ ہو الموفق شیخ رحمہ اللہ نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے علیین کی تکریم ظاہر فرمائی بقولہ تعالیٰ۔ **وَمَا اَذْكُ لَكَ مَا عَلِيُّونَ**۔ اور تو نے کیا جانا کہ علیین کیا ہے یعنی ایسا مقام شریف ہے کہ اُس کی منزلت رفیعہ و راحت عیش کی کیفیت دنیا میں قیاس نہیں ہو سکتی ہے اور رازی نے لکھا کہ اس میں تنبیہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے آگاہ فرمایا ہو اور غفیر اسکی کیفیت سے اعلیٰ کرامت آپکو ظاہر ہوگی پھر اللہ تعالیٰ نے کتاب ابرار کے شرف کو بیان فرمایا بقولہ تعالیٰ **كِتَابٌ مَّرْكُومٌ لِّقَوْمٍ يُشْمُذُونَ**۔ وہ کتاب مرقوم ہے اُسکے شاہد مقررین ہیں ف قتادہ نے کہا کہ یہ مقررین ملائکہ ہیں اور ابن عباس نے بروایت عوفی کہ اہل آسمان کے مقرب ملائکہ اُسکے شاہد ہیں (ابن کثیر رحمہ اللہ) شاہد ہونے سے اگر گواہ ہونا مراد ہو تو معنی یہ کہ جب ابرار کے اعمال صالحہ چڑھتے ہیں تو ہر آسمان کے ملائکہ مقررین دیکھ کر گواہ ہو جاتے ہیں اور اگر شاہد بمعنی حاضر ہے تو مراد یہ کہ ارواح ابرار کے پاس ملائکہ مقررین حاضر ہوتے ہیں برخلاف فجار کے کہ اُنکے پاس شیاطین ملعون حاضر

تو کافر ہو جائیگا اور اگر میرے کہنے میں شک کر لگا تو کافر ہو گا اس نکتہ سے آپؐ اسکو اسطرح بیان کیا ہو اور حضرت عمرؓ سے ثابت ہو کہ جو صحابہ رض ملک شام و عراق وغیرہ میں جاتے جب یہ ممالک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر فتح کر دیے تھے تو انکو وصیت فرماتے کہ وہاں لوگوں کے دلوں میں قرآن مجید کی تلاوت سے جوش ہو تو تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کم بیان کرنا اور روایت ہو کہ صحابہ رض کو نصیحت کرتے کہ لوگوں سے اُسی قدر بیان کرنا جس قدر انکی عقلیں برداشت کر سکیں فافہم۔ م۔ ثابت البنانی رحمہ اللہ تعالیٰ جو حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رض سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ خبر پہونچی ہو کہ جب آدمی مرتا ہو تو اُسکے عزیز واقارب جو پہلے مر چکے ہیں اُسکو گھیر لیتے ہیں اور دونوں ملکر خوش ہوتے ہیں جس قدر سفر سے گھر آنے والے مسافر سے خوشی ہوتی ہو (ابن ابی الدینا) ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مومن کی روح قبض کی جاتی ہو تو اللہ تعالیٰ کی رحمت پائے ہوئے بندے اُسکا استقبال کرتے ہیں جیسے تم دنیا میں سفر سے آنے والے کا استقبال کرتے ہو اور ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں پھر باہم کہتے ہیں کہ ابھی اُسکو مہلت دو کہ ذرا آرام لے کیونکہ وہ سخت کرب میں تھا پھر اُس سے پوچھتے ہیں کہ فلاں شخص کا کیا حال ہے اور فلاں عورت کا نکاح ہو گیا وہ جواب دیتا ہو اور پوچھتے ہیں کہ فلاں شخص کس حال میں ہو وہ کہتا ہو کہ وہ تو مجھ سے پہلے مر چکا ہو کیا بیان نہیں آیا تو کہتے ہیں کہ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ وہ اپنی باویہ ماں کی گود میں گیا جہاں اُسکی خرابی ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے اعمال تمہارے اعزہ واقارب پر پیش کیے جاتے ہیں جو آخرت میں ہیں پس اگر وہ تمہارے اعمال نیک پاتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ الہی بہتر افضل اور رحمت ہو تو اسی حالت پر اُسکو موت دیجو اور اگر گنہگاری کے کام ہیں کہ کہتے ہیں کہ الہی تو اُسکو نیک کام کہ الہام کر جس سے تو راضی ہو اور اُسکو تیری طرف نزدیک کرے (رداء ابن ابی الدینا والطبرانی فی الاوسط) اور قصہ ملاقات ارواح کو مسجد بن منصور و ابن ابی الدینا نے حسن بصری سے موقوفاً انکا قول روایت کیا اور آدم بن ابی ایاس نے مرسل حدیث روایت کیا ہو اور حدیث صحیح ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگاہ فرمایا کہ جب مومن پر موت نازل ہوتی ہو اور وہ اُسوقت دیکھتا ہو جو کچھ دیکھتا ہو تو اُسکو جلدی ہوتی ہو کہ کسی طرح جلد میری روح نکل جاوے اور اللہ تعالیٰ بھی اُسکی ملاقات کو دوست رکھتا ہو اور جب مومن کی روح کو آسمان کی طرف چڑھا لیا جاتے ہیں تو اُسکے پاس مومنین کی روحیں اگر اپنی دنیا کے جان پہچان والوں کی خبریں پوچھتے ہیں اگر وہ کہتا ہو کہ میں نے اُسکو دنیا میں چھوڑا ہو تو یہ بات پسند کرتے ہیں اور اگر کہتا ہو کہ وہ تو مجھے پہلے مر چکا تو کہتے ہیں کہ پھر وہ ہمارے بیان نہیں لایا گیا اس حدیث کو امام ابو بکر البرزنجی نے باسناد صحیح روایت کیا ہو مترجم کہتا ہو کہ اس حدیث صحیح میں یہ مذکور نہیں ہو کہ وہ باویہ میں گیا اور شاید وہ عقیدہ پر روکا جاتا ہو واللہ تعالیٰ اعلم اور واضح ہو کہ ارواح کے باہمی ملاقات کو ابن ابی شیبہ اور ابن ابی الدینا نے عبید بن عمیر رحمہ اللہ تعالیٰ تابعی سے بھی روایت کیا اسمین بھی مثل حدیث ابوالیوب رضی اللہ عنہ وانا رسالہ کے باویہ کی طرف جانا مذکور ہو اور ابن ابی الدینا نے ملاقات ارواح کو صالح مرئی تابعی سے بھی روایت کیا اور ثعلبی نے حدیث ابوہریرہ رض سے یہ معنی ذکر کیے اور آخر میں اس قدر زیادہ ہو کہ ان میں سے بعض پوچھنے والا اس روح جدید سے گھر کی بلی کا حال پوچھتا ہو قطبی نے مذکورہ میں کہا کہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہو کہ ارواح جنود مجندہ (شکرون کے جھنڈ) ہیں ان میں سے جنمیں باہم تعارف ہوا تو ان میں باہم الفت ہوتی ہو اور جن میں باہم شناسائی نہ ہوئی تو مختلف رہتی ہیں۔ قطبی نے زعم کیا کہ مراد یہی ملاقات ہو اور بعض نے کہا کہ نہیں بلکہ زندہ اور مردہ کے خواب میں روحانی ملاقات ہو مترجم کہتا ہو کہ میرے نزدیک حدیث کے یہ معنی ہیں کہ ازل میں جن سے تعارف ہوا

عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ

ایک چشمہ جس سے پیتے ہیں نزدیک الے

عبداللہ بن کعب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو انکے پاس ام بشر رضی اللہ عنہا آئیں اور کہا کہ اے کعب اگر تم سے میرے بیٹے سے ملاقات ہو تو میری طرف سے اُسکو سلام کہہ دینا کعب نے کہا کہ اے ام بشر رضی اللہ عنہا تیری مغفرت کرے ہم تو ایسی حالت میں مشغول ہونگے کہ اس بات کا کیا ذکر ہے۔ ام بشر رضی اللہ عنہا نے کہا کہ یہ کیا کہتے ہو کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہیں سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ لئمہ موسیٰ بن جہان چاہتا ہے سیر کرنا ہو اور کافر کا لئمہ حسین بن قید رہتا ہے کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہاں میں نے بھی آنحضرت صلعم سے سنا ہے۔ ام بشر رضی اللہ عنہا نے کہا کہ بھریں اسی سے یہ بات کہتی ہوں۔ اس حدیث کو امام ابن ماجہ و طبرانی و بیہقی و امام عبد بن حمید نے روایت کیا ہے۔ محمد بن عبد الرحمن نے روایت کی کہ جب بشر بن براہ بن معرور کا انتقال ہوا تو انکی ان ام بشر کو سخت فراق کا غم ہوا پھر حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے کنبہ میں سے (نبی سلمہ سے) ہمیشہ کوئی نہ کوئی مرتا رہتا ہے تو کیا مردے ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں تاکہ میں بشر رضی اللہ عنہ کو سلام کہلا بھیجوں آپ نے فرمایا کہ قسم اُس پاک کی جسکے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ مردے بے شک ایک دوسرے کو اسطرح پہچانتے ہیں جیسے درختوں پر چڑیاں ایک ایک دوسرے کو پہچانتی ہیں۔ پھر جب بنی امیہ میں سے کوئی مرتا تو ام بشر رضی اللہ عنہا اس کے پاس آکر بعد سلام کے کہتی تھیں کہ تو میرے بیٹے بشر کو میرا سلام کہہ دیجو (رواہ ابن ابی الدینار) جب حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہونے لگا تو محمد بن المنکدر تابعی نے حاضر ہو کر (بعد سلام وغیرہ کے) عرض کیا کہ آپ میری طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہہ دینا (رواہ ابن ماجہ) مترجم کہتا ہے کہ محمد بن المنکدر نے بہت باریک بات سوچی کیونکہ جب رسول اللہ صلعم کو سلام پہنچا دینگے تو آپ بھی سلام کا جواب فرمادینگے اس ترکیب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے انکو سلامتی کی دعا حاصل ہو جائیگی اور یہ بہت عظیم نعمت ہے اور اب بھی جو کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور سلام بھیجے اُسکو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل و رحمت عظیم حاصل ہونا ہو واللہ رب العالمین۔ خالدہ بنت عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے انتقال فرمایا تھا اُسکے پندرہ روز بعد انکی بیٹی ام بنین میرے باپ عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں وہ بیمار تھے اور کہا کہ اے عیسیٰ اگر تم جاؤ تو میرے باپ سے میرا سلام کہنا (رواہ البخاری فی التایخ) ابو نعیم نے کہا کہ جب حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کی بیماری قریب وفات پہنچی تو انکو گھبراہٹ ہوئی پس ناگاہ ایک آدمی انکی ملاقات کو آیا اور کہا کہ اے ابو محمد تم کو گھبراہٹ کیوں ہے اور بات صرف اسی قدر ہے کہ ادھر تمہاری روح نے جسم سے مفارقت کی اور ادھر تم اپنے ماں باپ حضرت علی و فاطمہ کے پاس اور نا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نانی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور چچا حضرت حمزہ و جعفر اور ماموں اسمعیل و طیب و مطہر و ابراہیم اور خالہ حضرت رقیہ و کلثوم و زینب کے پاس پہنچ جاؤ گے (رواہ ابن عساکر) سعید بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ تابعی جو تفسیر میں راوی ہیں کہتے ہیں کہ جب موسیٰ مرتا ہے تو اُسکا لڑکا اُسکا استقبال کرتا ہے جیسے مسافر کی پیشوائی کرتے ہیں (رواہ ابن ابی الدینار) مترجم کہتا ہے کہ یہ بات کسی طرح کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ پائی ہو تو ضرور ہوا کہ سعید بن جبیر ثقہ تابعی نے اُسکو کسی صحابی سے سنا اور صحابی نے آنحضرت صلعم سے سنا ہے لیکن سعید بن جبیر نے اسے حدیث کر کے نہیں روایت کیا کہ شاید بعض نادان لوگوں کی سمجھ میں نہ آوے اور وہ شک کرے پس اگر اُس سے کہا جاوے گا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے پھر اُس نے شک کیا

ترجمہ کہتا ہے کہ آمین بلکہ ارب رحم الرحیم اپنی رحمت سے ہمارے قلوب کو رین دہر قسم کے زنگ سے پاک کر دے اور تو سب
 قدوت والا ہو دلک الحمد فی الاولی والاخرۃ علی رسولک الصلوۃ والتحیۃ قولہ تعالیٰ کلا انہم عن ربہم یوسد لہم حجوبن الا یہ حجاب اس وجہ سے
 ہوا کہ اُنکے دلون میں زنگ اس قدر مستحکم ہو کہ وہ نور قبول کرنے کی لیاقت ہی نہیں رکھتا اور اول حالت فطرت پر جانا منع ہو گیا جیسے کبریت کا
 پانی کہ ہر چند اُسکو صاف و مروق کر دہ ایسا پانی ہو گا کہ جو سرد ہو جا تا ہی برخلاف گرم پانی کے بالفعل اگرچہ اُسکی کیفیت بدل گئی ہو لیکن طبیعت
 اصلی باقی ہو تو وہ ترکیب سے سرد ہو سکتا ہو کفار و فجار مانند کبریتی پانی کے ہیں اسی واسطے ہمیشہ اُگ میں رہنے کے مستحق ہوئے قال تعالیٰ ثم
 انہم لصالوا بحجیم - پھر یہ لوگ آگ میں رہنے والے ہیں۔ یعنی ہمیشہ اُسی میں پڑے رہنے کے لائق ہیں (ابن العربی) اسی مقام سے بعض اہل
 اشارات نے لکھا ہے کہ کافر کی جبلت مستحیل ہو کر ناری ہو گئی ہو لیکن یہاں اسکا ظہور نہیں ہوا اور آخرت میں ظہور ہو جاوے گا کہ اگر وہ جنت
 کی ہوا پاوے تو یہ اُسکے حق میں موت ہی جیسے ایک شخص چڑے کا کام کرنا تھا اور سڑے چڑے کی بدلو سے اُسکا دماغ عادی ہو گیا تھا اتفاقاً
 سے وہ عطر سازوں کے محلہ میں گزرا اور عسری شنبوے معطر ہوا میں پھیلی ہوئی تھی اُسکا دماغ متعل ہوا اور عیش کھا کر گرا ہر چند لوگوں نے گلاب
 کیوڑہ سے لخلخہ سنگھا یا ہوش میں نہ آیا بلکہ قریب مرگ ہو گیا تو اُسکے اعزہ کو اطلاع دی گئی اسکا بھائی دوڑنا ہوا آیا اور اُسکو ناگوار حالت
 میں پایا اور اپنی رائے متین سے وہ فوراً واپس ہو کر تھوڑی دیر میں پھر آیا اور اپنا لخلخہ اُسکو سنگھا یا وہ فوراً ہوش میں آیا لوگ متحیر ہوئے اور
 اُس سے لخلخہ کی ترکیب پوچھی تاکہ وقت ضرورت کے اُنکے کام آوے اُس شخص نے بتلانے سے انکار کیا لیکن اُنکے احسانات کے جواب میں
 ایسی دل شکنی سے متروک ہو کر کہنے لگا کہ او حضرات یہ لخلخہ تمہارے قابل نہیں ہو تم اس سے بیہوش ہو جاؤ گے آخر بعض نے اُمانا چاہا تو اُسکی
 بدلو سے قریب تھا کہ غش کرے اُس نے کہا کہ شخص اسی چڑے کا عادی ہو میں نے محلہ کی خوشبو سے معلوم کیا کہ اسکی غشی کیوں ہو لہذا جب
 اسکے دماغ میں وہ بدلو ہو چکی جسکا وہ عادی ہو تو بجائے خوشبو سے معبر کے اُس سڑے چڑے کی بدلو اُسکو موافق ہوئی اور تم نے دیکھ لیا کہ
 کس قدر صحت سے ہوش میں آ گیا اسی طرح جو لوگ یہاں متحیر ہیں کہ کفار وہ سزاے جہنم کس ولیری سے برداشت کرنے پر آمادہ ہیں بے شک
 مومنین کے لیے سخت خوفناک ہو لیکن کفار فجار کی طینت اُسی سے موافق ہو اور رب حکیم عزوجل نے ہر ایک کو اُسکے لائق جگہ دی ہی پھر
 بھی عذاب جہنم غضب الہی سخت شدید ہے الہی ہم بندے عذاب جہنم سے پناہ مانگتے ہیں اور سوائے تیرے کوئی پناہ دینے والا نہیں ہے ہر چہ فرما
 ہو عذاب القبر و عذاب جہنم سے پناہ عطا فرما و انت رحم الرحیم و محمد نذ العالین کھبر اللہ تعالیٰ کتاب الفجار فی بیان کے بعد کتاب الابرار کو بیان فرمایا
 کَلَّا اِنَّ کِتَابَ الْاَبْرَارِ لَفِیْ عَلَیْنِ ۝ وَمَا اَذْرٰکَ مَا عَلَیْہِمْ ۝ کِتَابٌ مَّرْقُومٌ ۝
 کوئی نہیں لکھا انکوں کا ہے اوپر والوں میں اور محجوب کیا خبر ہے کیا ہیں اوپر والے ایک دفتر ہے لکھا ہوا
 تَشٰہِدُہٗ الْمُقَرَّرٰتُ ۝ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ۝ عَلٰی الْاَرَاٰکَ یَنْظُرُوْنَ ۝
 اُسکو دیکھتے ہیں نزدیک والے بغیر تھے بیشک نیک لوگ ہیں آرام میں غنوں پر بیٹھے دیکھتے
 تَعْرِاٰتُ فِیْ وُجُوْہِہِمْ نَضْرَۃُ النَّعِیْمِ ۝ یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ مَّخْمُومٍ ۝ خِتَمُہٗ
 پہنانے تو اُنکے منہ پر نازکی آرام کی اُن کو پلائی جاتی ہے شراب بہرین دھری جسکی ہر
 مِسْکٌ ۝ وَفِیْ ذٰلِكَ فَلِیْتَافِسِ الْمُنٰتَفِسُوْنَ ۝ وَمِزَاجٌ مِّنْ تَسْنِیْمٍ ۝
 ہنسی ہے شک پر اور اُسپر چاہیے ڈھلکے ڈھلکے والے اور اُسکی ملونی اوپر سے بڑی

علی قلوبہم الآیہ۔ مسلمانوں میں سے جو لوگ اپنی ہوا و ہوس کے پابند ہوئے انکے دل سخت ہو جاتے ہیں اور غفلت چھا جاتی ہے تو قلب اُنکے
 نور ذکر و نصیحت قرآن سے محجوب ہو کر خطرات مذمومہ سے بھر جاتا ہے اور دنیاوی بدحواسی کے خیالات محیط ہو جاتے ہیں تو مشاہدہ عجب کی
 بصیرت نہیں رہتی پھر بھلا قیامت میں اُنکو کہاں الیانت ہو کہ دیدار حق سے سرفراز ہوں اقول یہ جتنی فرتے مانند روانہ و فوج و راج و سولہ
 ہیں قال الشیخ سیوطی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا بقولہ تعالیٰ کلا انہم عن ربہم یومئذ لمحجوبون یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے محجوب ہو گئے۔۔۔ انکے
 حجاب ہی خیالات ہیں جو شہوات نفس کی غفلت سے پیدا ہوئے ہیں اور انہوں نے ناکارہ مکر حواس سے جناب باری تعالیٰ میں قیاسات
 دوڑائے اور مخلوقات کی مشابہت لگا لی شیخ الموصطی نے کہا کہ کفار ایسے حجاب میں پڑ گئے کہ کبھی رب تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتے ہیں اور یہ
 عام مومنین تو یہ کسی وقت دیکھیں گے اور کسی وقت نہیں دیکھیں گے اور یہی حجاب ہی اور اس کے سوا ہے مومنین سکتا اور ہرگز بشریت کو طاقت
 نہیں ہو کہ ربوبیت سے متصل ہو اور قرآن بھی نہیں ہے شیخ سہیل نے کہا کہ کفار فساق کو دیدار سے محجوب کر لے والی انکے دلوں کی قسادت
 جو دنیا میں جم گئی اور یہ ازلی شقاوت کا نتیجہ ہے ابن عطاء نے کہا کہ حجاب دو طرح کا ہوتا ہے ایک حجاب اعتدال ہے اور دوسرا حجاب استیلا
 پس حجاب اعتدال بلبس و کفار پر ہے کہ یہ حجاب کبھی دور نہیں کیا جاتا اور حجاب استیلا ایک وقت ہوتا ہے اور دوسرے وقت نہیں ہوتا جسے
 آدم علیہ السلام کو ادب کے لیے محجوب فرمایا پھر مقرب کیا (عزلس) شیخ ابن العربی نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ کلا ان کتاب الفجاری لفی سجن
 کفار کو ایسی رذیل حرکت مانند تطفیف وغیرہ سے جھڑک دیا اور آگاہ کیا کہ جن لوگوں نے عدل سے خارج ہو کر فحور کیا اور اعمال رذیلہ کے
 مرتکب ہوئے جو شرع و عقل سے قبیح ہیں تو انکا نوشتہ سجن میں ہی لینے وجود کے ایسے مرتبہ میں ہو کہ اس حالت میں جو لوگ ہوں وہ قید خانہ
 تنگ و تاریک میں محبوس ہیں اپنے پیٹ کے بل چلیں گے جیسے سانپ و بچھو وغیرہ ہوتے ہیں یعنی جی کے سب پست فاریں بہت
 ذلیل و خسیس ہونے قولہ تعالیٰ کتاب مرقوم۔ یعنی یہ مقام جہان اُنکے اعمال مکتوب ہیں برتر لوگوں کا دفتر ہے اُس میں انکے اعمال قبیح
 کی ہیکات صاف مرقوم ہے تو کہ تو مایکذب بہ الاکل معتداثیم۔ آیات حق سے وہی منکر ہوتا ہے جو انسانی فطرت سے خارج ہو کر افراط و تفریط
 میں پڑ گیا اور عدل و صراط مستقیم سے نکل گیا اور (اثیم) یعنی بد اخلاق کے پردہ میں مردود ہوا مترجم کہتا ہے کہ افراط زیادتی اور تفریط کوتاہی
 اور مثال یہ کہ شجاعت خوب ہے اگر جہاد میں نامردی کرے تو یہ تفریط ہے اور اگر ڈبلا منحنی ہو کر شیر کے منہ میں ہاتھ دیدے تو یہ افراط ہے اور یہ دونوں خراب
 ہیں اور اعتدال کا مرتبہ شجاعت ہے۔ اور دین میں اسکی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات وحدانیت میں اہل السنۃ رحمہم اللہ تعالیٰ معتدل
 اوسط صراط مستقیم پر قائم ہیں اور معتزلہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات نہیں ہیں اور دعویٰ کیا کہ ہم بڑے وحدانیت کے معتقد ٹھہرے کہ
 ہم نے صفات بھی نہیں رکھیں اور یہ افراط مذموم ہے کیا نہیں دیکھتے ہو کہ قرآن وحدیث میں علیم حکیم قابض باسط رحیم وغیرہ صفات قدس
 بکثرت مذکور ہیں تو قیاس سے یہ افراط کرنا مذمت و مکر ہے اور انکے مقابلہ میں فرقہ مشبہ نے اللہ تعالیٰ کو مخلوقات سے تشبیہ دی اور یہ تفریط
 مذموم ہے قال رقم لیس کثلہ شئی اللہ تعالیٰ کے مانند کوئی چیز نہیں ہے یعنی کسی چیز سے اُسکی مشابہت نہیں ہو سکتی ہے تو اُسکی شان کو مثال دیکر
 نہیں بیان کر سکتے ہیں۔ م۔ قولہ تعالیٰ کلا بل ران علی قلوبہم ما کا تو ایکسبون۔ اسمین معتداثیم ہوجانے سے جھڑکی ہو اور رین یہ کہ انکے دلوں پر
 سخت زنگ ایسا ہو گیا کہ بصیرت جاتی رہی اور بگناہوں پر گناہ لادنے سے پیدا ہوا کہ جو ہر اثنیہ بالکل مکر ہوا اقول پہلے اثنیہ صرف
 فولادی صیقل سے ہوتا تھا اور جب فولاد پر سخت زنگ ہو جاوے تو کچھ نظر نہ آوے جیسے شیشہ پر سخت کاڑھا موم لیس دیا جاوے اور شیخ
 نے کہا کہ جب یہ حالت ہو جاتی ہے تو حجاب مستحکم ہو جاتا ہے اور مغفرت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور ہم اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت سے پناہ مانگتے ہیں

ہیں کہ قیامت کے روز جب بندے سرور کے جاوینگے تو یہ اندھے اپنے رب تبارک و تعالیٰ کے دیدار سے محجوب ہونگے۔ یہی چیزیں گناہین
وغیرہ کی نازکیاں ان پر حجاب ہو گئی اور قلب میں بصیرت باقی نہیں بلکہ اندھے ہیں تو دیکھ نہیں سکتے ہیں۔ امام شافعیؒ نے اس آیت سے
دلیل نکالی کہ اُس روز مومنین اپنے رب عزوجل کو دیکھینگے ابن کثیرؒ نے کہا کہ یقیناً دلیل یہ ہے اگر ایسا ہوتا کہ مومنین و کافرین دونوں
فراق محجوب ہوتے تو کافرین کا محجوب ہونا ان پر کچھ الزام نہ ہوتا تو یہ مفہوم لطیف ہے اور اس مفہوم کے واسطے صحیح منطوق دوسری آیت ہے
وجہ یومئذناصرة الی رہباناً مطروہ۔ یعنی کچھ چہرے اُس روز تروتازہ اپنے رب عزوجل کی طرف نظر کرنے والے ہونگے۔ اور احادیث صحیحہ متواترہ
ہر جود ہیں کہ مومنین اُس روز عرصات قیامت میں بھی اور جنات نعیم میں بھی اپنے رب تبارک و تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہونگے پھر
شیخ ابن کثیرؒ نے لکھا کہ قال ابن جریر حدثنا ابو عمر المقرئ حدثنا عبد الوارث بن سعید الحمصی بصریؒ نے اس آیت میں کہا کہ حجاب اٹھا دیا
جاوے گا تو مومنین و کافرین سب اللہ تعالیٰ کی طرف نظر کریں گے پھر کافرین اُس سے محجوب کر دیے جاوینگے اور مومنین ہر صبح و شام دیکھینگے۔
مصرحیم کہتا ہے کہ ابو عمر المقرئ نہیں معلوم کس شیخ کی کسبت ہے اور اگر یہ ابو عمر المقرئ ہیں جسے ابوصحاح نے روایت کی تو انکا انتقال سنۃ
ہجری میں ہوا اور اسی سال شیخ ابن جریرؒ کی ولادت ہوئی پس روایت کی کیا صورت ہو شاید بیان ایک راوی کتاب سے ساخط ہوں واللہ تعالیٰ اعلم
پھر واضح ہو کہ حسن بصریؒ نے کہا کہ اول میں سب کفار بھی دیکھینگے۔ اور مجھے نہیں معلوم ہوا کہ کفار کو دیدار حاصل ہوئیگا کوئی قائل ہو واللہ تعالیٰ اعلم
ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيمِ۔ پھر وہ لوگ جہنم میں داخل ہونے والے ہیں ف یعنی باوجود دیدار سے محرومی کے یہ لوگ جہنمی
ہیں۔ ثُمَّ يَقَالُ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ يَمُوتُونَ۔ پھر کہا جائیگا کہ یہی ہو وہ چیز جسکو تم جھٹلاتے رہے تھے ف
یعنی پھر جہنم میں داخل ہوجانے کے بعد ان کافروں سے ملامت کے طریقے سے کہا جائیگا ملائکہ عذاب کہیں گے کہ یہ وہی جیم ہے جسکو تم دنیا میں
جھوٹ سمجھ کر اس سے بچنے کی ہدایت کرنے والی آیات اور رسولوں کو جھٹلاتے رہے یہاں تک کہ اسی کفر پر مر گئے فاعل کا رازیؒ نے
کہا کہ ہمارے اصحاب اہل السنۃ وجمہم اللہ تعالیٰ نے اسی آیت سے مومنوں کے لیے آخرت میں دیدار ہی ثبات کیا یعنی بقولہ تعالیٰ
کَلَّا اَنهَم عَنِ رَبِّهِمْ یَوْمَئِذٍ مَّحْجُوبِینَ۔ اقول خطیبؒ نے لکھا کہ حسن بصریؒ کہتے تھے کہ اگر زہدوں و فانیوں کو معلوم ہو جاوے کہ وہ قیامت
میں رب عزوجل کو نہ دیکھیں گے تو انکی جان گھٹ کر بخل جاوے (مس) اور آیت سے استدلال یہ ہے کہ اگر کفار کی تخصیص سے یہ فائدہ نہ ہو
کہ مومنین دیکھیں گے تو تخصیص کا کچھ فائدہ نہ رہے اور دوسری تقریر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات کافروں کے حق میں عذاب کی
وعید قرار دی اور جو چیز کافروں کے حق میں وعید عذاب ہو وہ مومنوں کے حق میں جائز نہیں ہے تو مومنین اپنے رب عزوجل سے محجوب
نہونگے اور واضح ہو کہ محجوب ہونے کے اصل معنی یہ ہیں کہ حجاب میں کر دیا گیا اور اصل حجاب یہ ہے کہ دیکھنے نہ پاوے جیسے غورتوں میں ہوتا ہے
لیکن مجازاً ممنوع ہونے کو بھی حجاب کہتے ہیں کیونکہ حجاب روک ہو پس جب یہاں حقیقی معنی بن سکتے ہیں تو گمراہ فرقوں کے مانند یہاں
تاویل کر کے دوسرے معنی مجازی کی طرف پھیرنا نہیں جائز ہے اور اگر مومنوں نے کہا کہ تاویل کرنے کی یہ ضرورت ہے کہ حقیقی معنی ہماری
عقل میں نہیں آتے ہیں اس لیے ہم تاویل کرتے ہیں (جواب) یہ ہے کہ تم جاہلون نے اللہ تعالیٰ کی صفات قدس اذات پاک عزوجل میں بھی
قیاس لگانا شروع کیا اس لیے تم گمراہ ہوے اور ہم وہاں قیاس نہیں دوڑاتے ہیں بلکہ عقل و قیاس وہاں عاجز ہیں تو ہم نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر یہ پایا ہے کہ یہ دیدار حاصل ہوگا اور برابر طبقہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں یہ بات متواتر معلوم تھی پس اس متواتر
قطعی کے مقابلے میں بدحواسی محض فضول ہے واللہ تعالیٰ ہوالموفق صاحب العرائسؒ نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ کَلَّا بَلْ رَانَ

شفی بدعت ہو امام ابن کثیر وغیرہ نے لکھا کہ امام ترمذی نے حدیث ابو ہریرہ رضی سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندے نے جب کوئی گناہ کیا تو اُس کے قلب میں سیاہ نقطہ پیدا ہوتا ہے پھر اگر اُس نے توبہ کر لی تو قلب صیقل ہو جاتا ہے اور اگر اُس نے زیادہ کیا تو سیاہ نقطہ بڑھ جاتا ہے یہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کلاب بن علی قلوبہم کا نوا مکسبون (حسن صحیح) اور اس حدیث کو امام نسائی وابن ماجہ وابن جریر نے بھی روایت کیا ہے اور امام احمد کی روایت میں اسطرح ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ بندے نے جب گناہ کیا تو اُس کے قلب میں سیاہ نقطہ پیدا ہوتا ہے پھر اگر اُس نے گناہ سے توبہ کی اور بار آیا اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگی تو اُس کا قلب صیقل ہو جاتا ہے اور اگر اُس نے زیادہ کیا تو بڑھ جاتا ہے یہاں تک کہ اُس کے تمام قلب پر چھا جاتا ہے اور یہی رین ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ذکر فرمایا ہے اور یہ آیت پڑھی جس نے بصری نے کہا کہ رین گناہ پر گناہ ہے یہاں تک کہ قلب اندھا ہو کر مر جاتا ہے اور اسطرح مجاہد و سعید بن جبیر قتادہ وابن زید وغیرہم نے بیان کیا ہے (ابن کثیر) مجاہد نے کہا کہ قلب کی مثال انیسی ہے جیسے پھیلی ہوئی ہے پھر اگر آدمی نے گناہ کیا تو بھجا مجاہد نے ایک انگلی بند کی پھر اگر دوسرا گناہ کیا تو دوسری انگلی بند کی اور کہا کہ پھر قلب پر مر ہو جاتی ہے اور کہا کہ سلف رضی اللہ عنہم کہتے تھے کہ رین یہی ہے اور یہ آیت پڑھی (ف) اس حالت میں جب رین آجاتا ہے تو قلب کبھی بھلائی کو پسند نہیں کرتا اور نہ اُس کی طرف مائل ہوتا ہے اصحابو معاذم نے کہا کہ ران یہ ہے کہ گناہوں سے قلب سیاہ ہو جاوے اور قولہ ختم اللہ علی قلوبہم اور قولہ طبع علی قلوبہم یعنی دلوں پر مہر ہے کہ داغ دیا جاوے اور یہ ران سے بڑھ کر ہے اور قولہ تعالیٰ ام علی قلوبہم افا لہا۔ دلوں پر قفل ہے کہ سخت مقفل ہو جاوے اور یہ مہر سے بھی بڑھ کر ہے اور حدیث میں ہے کہ ای لوگو خبردار ہو کہ گناہوں کو حقیر سمجھ کے عمل میں نہ لاؤ کیونکہ گناہ پر گناہ جمع ہو کر اس گنہگار پر بھاری آگ جہنم بھڑک اڑتی ہے (السراج) الحاصل اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ ہماری آیات میں ایسی شان ہرگز نہیں ہے کہ یہ کہا جاوے کہ یہ اساطیر الاولین و جنہوں حکایات ہیں جیسے یہ کفار ولید بن المغیرہ و انضر بن الحارث وغیرہ ایسی قبیح کمائی کماتے ہیں بلکہ حق بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے جو اس قسم کے گناہ عظیم و بدکاریاں قبیح کمائی ہیں اور وہ اُن کے دلوں پر چھائی ہیں تو اُن کے قلوب میں بصیرت نہیں ہے بلکہ اندھے ہو گئے جیسے آئینہ پر زنگ سیاہ چھا جاتا ہے اور کہیں صاف نہیں رہتا تو اُس سے کچھ نظر نہیں آتا ہے (ابو السعد) واضح ہو کہ عرب بولتے ہیں کہ ران فیہ النوم یعنی نیند اُس پر طاری ہو کر جم بیٹھی ہے۔ تو اسطرح رین بھی ذہ سیاہی ہے جو قلب پر جم جاتی ہے اور اسوقت بصیرت معدوم ہوگی اگر یہ بصر یعنی آنکھوں کی بنیائی باقی رہے اور یہ بنیائی صرف جسم کی پرورش کے لیے اجل تک ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فانہا لا تعی الا بصاکہ ولكن تعی القلوب التي فی الصدور۔ یعنی آنکھیں جو سر میں ہیں یہ اندھی نہیں ہوتی ہیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔ خلاصہ یہ کہ آنکھوں کی بنیائی نہوتے کو کچھ اعتبار ہی نہ کیا بلکہ دلی اندھے ہیں کو اندھا قرار دیا تو یہ ظاہر ہے کیونکہ دنیاوی زندگی چند روزہ کے بعد اصل زندگی آخرت میں ہو اور وہاں اس آنکھ سے سوائے مادیات کے کچھ نظر نہ آوے گا اور آخر جہنم و عرصات قیامت میں تلبیہ کی ہوگی اگرچہ ابتدا میں سورج اُن کے سر و نگو پکا دیگا اور مومنوں کو روحانی بصیرت سے اُس دن سب انوار نظر آئیں گے کیونکہ آنکھوں کو یہ خیال نہیں ہے کہ نور آخرت دیکھ سکے تو بھلا نور حق سچا نہ تعالیٰ کیونکہ دیکھ سکتی ہیں اسلئے اسطرح حدیث صحیح میں ہے کہ ای لوگو تم جان کھو کہ تم ہرگز اپنے رب عزوجل کو نہیں دیکھ سکتے یہاں تک کہ دنیا سے مر جاؤ (صحیح) پس آخرت میں روحانی ظہور سے بصیرت نورانی میں سب کچھ نظر آوے گا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے کافروں کی خواری و محرومی و بدبختی بیان فرمائی بقولہ تعالیٰ۔ کَلَّا اَن تَصْمُرُ عَنْ رَبِّکُمْ یَوْمَئِذٍ لَّحُجُوبٌ۔ کچھ نہیں بلکہ یہ لوگ اس روز اپنے رب سے محجوب ہوں گے ف یعنی کافروں کا زعم صحیح نہیں ہے بلکہ یہ ایسے بد زماندے

کہ قیامت کے روز سب مخلوق دوبارہ زندہ کر کے اُٹھائے جائیں گے اور ایمان کے نیک یا بد اعمال کا بدلہ پائیں گے تو یہ فجار انکو جھوٹا سمجھتے ہیں اور اس دن کے واقع ہونے کو سچ نہیں مانتے ہیں بلکہ محال جانتے ہیں اور بغیر ہدایت کے گمراہی و فحور پر چلتے ہیں لہذا فرمایا۔ وَمَا يَكْذِبُ بِهٖ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اٰثِمٍ اِذْ اَتَتْهُ لٰى عَلِيْہِ اٰیٰتُنَا قَالْ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلٰیْنَ۔ اور نہیں جھوٹا تا روز جزا کو مگر ہر ایک حد سے بڑھنے والا گنہگار جب اس پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ اگلوں کے جھوٹے قصے ہیں ف معندی جو حد سے تجاوز کرے جیسے کفار نے اعتقاد و عمل دونوں میں تجاوز کیا چنانچہ اپنے رب عزوجل کے ساتھ انکو ربوبیت کا اعتقاد لازم تھا اس سے سخرت ہو کر اپنے آپکو قدرت والا سمجھنے لگا اور کسی نے اپنے نفس پر اعتماد کیا اور کسی نے کسی مخلوق پر کارساز کی اعتماد کیا تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت سے سخرت ہو گیا اور اعمال میں شرکت و خیالات باطلہ ہر مخلوق سے دنیا چاہی اور اس صورت میں تجاوز ظاہر ہے کہ دنیا کی زندگی پر بھروسہ کر کے سب کاموں کو دنیا کی نیت سے کیا اور یہ کفر ہے اور فحش و حرام و فحش کے مرتکب ہوئے اسی لیے (اشیم) ہمیں ایسے گنہگاری اُسکی جبلت و صفت ہو اہل کثیر نے لکھا کہ جب بات کہتا ہے تو جھوٹ بڑا اور جب وعدہ کرتا ہے تو خلاف ہو اور جب کسی سے جھگڑا ہو تو فحور کرے اور جب امانت دی جاوے تو خیانت کرے مترجم کہتا ہے کہ یہ چاروں باتیں جب ایسے شخص میں جمع ہوں جو ظاہر میں اسلام کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ خالص منافق ہوگا اور اگر وہیم ہو کہ کفار سب کے سب جھوٹ ہی نہیں بولتے ہیں جواب یہ کہ ہر بات اُسکی باطل ہوتی ہے ایسے کہ کافر نے جب اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا اور اسکا عہد ضائع کیا تو یہ اصل بھٹا اور دنیا کے لیے اگر اُسے سچ کہا تو یہ کسی شمار میں نہیں ہر نافرمان اور معندی اشیم کا ایک نمونہ بیان فرمایا کہ جب ہماری آیات قرآنی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُسکو سناتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ تو پیرا نے لوگوں کے اساطیر ہیں۔ اساطیر جمع اسطورہ بمعنی بنائے ہوئے قصے جیسے قولہ تعالیٰ اِذَا قِيلَ لِمَ مَاذَا اَنْزَلَ بَلِّغْ قَالُوا اسَاطِیْرُ الْاَوَّلٰیْنَ یعنی جب ان بدکاروں کافروں سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا نازل فرمایا ہے تو کہتے ہیں کہ وہ تو اگلوں کے قصے کہانی ہیں۔۔۔ یعنی جھوٹ بنا کر جمع کر لیے ہیں خطیب نے کہا یعنی یہ لوگ کفار جو اپنے جسمانی خواہشوں میں جالوزوں کی طرح ڈوبے پڑے ہیں اپنی سجدہ جہالت سے قرآن مجید کی نسبت کہتے ہیں کہ اگلوں کے جو قصے لکھے گئے تھے انکو دیکر یہ شخص سناتا ہے اور رب نے کچھ اتارا نہیں تبلیہ جو شخص گمراہ ہوتا ہے اُسکی عقل یہاں تک سلب ہوتی ہے کہ اگر اعلیٰ محارف اسکو سنائے جا دیں تو اُسکے کانوں میں قصہ کہانی معلوم ہوتے ہیں تو اُسکو کوئی چیز نافع نہیں ہوتی خواہ شواہد عقلی ہوں یا دلائل نقلی ہوں لچھ بھی اُسکی سمجھ میں نہیں آتے ہیں حتیٰ کہ ایسے لوگ معارف قرآنیہ کو قصہ کہانی سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے رد کر دیا بقولہ تعالیٰ۔ کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔ ہرگز نہیں بلکہ رین ہو گیا انکے دلوں پر جو کما تے رہے یعنی کفار فجار نے جو کچھ گمان کیا ہے ایسا نہیں ہے۔ یہ آیات اساطیر الاولین ہرگز نہیں ہیں خالص معارف الہیہ کی راہیں ہیں جنکو اللہ تعالیٰ نے کمال رحمت سے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے و لیکن ان کافروں کو نظر بصیرت نہیں ہے ایسے کچھ سوچتا نہیں ہے اور انکے اندھے ہو جانے کی وجہ یہ ہے کہ جو بد اعمال کفر و شرک و فسق و فحور و نچیریت انھوں نے کما تے ہیں وہ انکے دلوں پر رین ہو گئے ہیں اور واضح ہو کہ کافروں کے دلوں پر رین۔ چھا جاتا ہے اور برابر انکے دلوں پر غیم چھا جاتا ہے اور مقربین کے دلوں پر غنیمت آتا ہے (ابن کثیر) کافروں کے دل دنیا کی جانب اور اندھے جھکے ہوئے ہوتے ہیں اور اسی دنیا کی زندگی پر فریفتہ اور دنیا ہی پر متوجہ اور اسکی چیزوں سے محبت رکھتے ہیں اور جب اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت سے انکار کیا تو دل چھج جاتا ہے اور یہی مہر ہے اور اگر عداوت کی تو مشیت الہی سے قفل موحا جاتا ہے اور یہ سب ایسے کافر کے حق میں ہے کہ ازل میں

جہاز پر دیکھا تھا ایک ایک ان لوگوں نے اپنے پیچھے شور و غل مٹا اور غور سے معلوم کیا کہ آگ کا شور نہیں ہے بلکہ پیچھے سے آواز آتی ہے اپنی بند و قین تیار کر کے آفت ناگہانی سے بچاؤ کرنے پر مستعد ہوئے یا ایک نظر آیا کہ ایک آدمی آگے آگے ہے اور اُسکے پیچھے ایک شخص ہے جسکے تمام بدن پر اس قدر بال ہیں کہ اُسکے بدن کا نقشہ نظر نہیں آتا لیکن سر کے آگے دو سینک نظر آتے ہیں اور دونوں آگے پیچھے بے تحاشا دوڑتے آتے ہیں ان لوگوں نے بند و قین سنبھالیں لیکن وہ دونوں انکی طرف متوجہ نہ ہوئے بلکہ سیدھے دامن پہاڑین آگ کی طرف دوڑے جاتے تھے جب قریب سے گزرے تو ان لوگوں نے معلوم کیا کہ جہاز کا مالک چلا جاتا ہے انھوں نے اُسکو ہر چند آواز دی اور دوڑے وہ کچھ بھی متوجہ نہ ہوا اور دوڑتا ہوا آگ کی طرف گیا اور فوراً کود پڑا اور اُسکے پیچھے وہ سینک والا بھی کود پڑا ان لوگوں نے جب یہ دیکھا تو نہایت تعجب کیا اور یہ مجال نہ تھی کہ آتش قعر کے کنارے جاوین وہاں سے لوٹ کر جہاز پر دیکھا تو جہاز کا مالک مر گیا ہے ان لوگوں نے اُس مقام کے لوگوں کو اس عجیب سانحہ پر گواہ کیا جب روانہ ہو کر انگلستان پہونچے تو مالک جہاز کے اقرباء نے الزام لگایا کہ تم لوگوں نے اُسکو مار ڈالا اور اسکا مقدمہ دلا ہوا حتیٰ کہ کمیشن کے ذریعہ سے تحقیقات ہوئی۔ راوی نے دعویٰ کیا ہے کہ اس مقدمہ کے کاغذات سرکاری دفتر سے بخوبی مل سکتے ہیں۔ مگر ہم کہتا ہے کہ ان لوگوں نے اس عبرت کے سانحہ کو اس امر پر محمول کیا کہ جہاز کا مالک نخل تھا اسلئے اس عذاب میں گرفتار ہوا اور اہل تحقیق سمجھ سکتے ہیں کہ کیا معاملہ تھا اعاذ اللہ عزوجل شیخ ابن کثیرؒ نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ کتاب مرقوم۔ صفت کتاب الفجار ہے اور درمیان میں ما ادراک ما سبحین جملہ معترضہ ہے اور اصل یہ کہ کتاب الفجار سبحین میں ہے اور سبحین اس قدر ہولناک ہے کہ تو اُسکو اندازہ نہیں کر سکتا اور یہ کتاب الفجار کتاب مرقوم ہے اُسبحین کفار کے لیے جہنم میں جانا مع لوازمات کے صاف لکھ دیا گیا اس میں اب کوئی بڑھایا نہ جائیگا اور نہ اُسبحین سے گھٹایا جائیگا یہ محمد بن کعب القرظیؒ نے بیان کیا ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور آپ کے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں آپ نے دائیں ہاتھ کی کتاب کو فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب ہے جس میں اہل جنت مع اُنکے باپ دادا وغیرہ کے نشان کے مرقوم ہیں اب ان میں کی بیشی نہوگی اور بائیں ہاتھ کی کتاب کو فرمایا کہ اس میں اہل جہنم کے نام مع باپ دادا کے پتہ کے مرقوم ہیں اب ان میں کی بیشی نہوگی (یعنی بھڑوہ و نون کتابیں آپ کے ہاتھ سے غائب ہو گئیں) مگر ہم کہتا ہے کہ اصل کتاب مرقوم سے یہ عکس تھا جو آپ کو دکھلایا گیا واللہ تعالیٰ اعلم پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **وَلِلَّهِ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكِّنِّ دِينَ**۔ عذاب شدید ہے اس روز جھٹلائے والوں کے لیے ف یعنی جو لوگ کفر و فجور سے دنیا میں آخرت و بعثت حشر و جنت و روزخ کو جھٹلاتے ہیں تو جب قیامت کے روز وہاں ڈالے جاوینگے جہاں اللہ تعالیٰ نے انکا انجام بیان فرمایا ہے یعنی ضیق و عذاب سبحین میں ابانت کے ساتھ ڈالے جاوینگے تو اُس روز اُنکے لیے ویل ہے یعنی ہلاکت و خواری و عذاب شدید ہے ویل یہاں محاورہ میں بھنے ہلاکت و بربادی ہے جیسے عرب کہتے ہیں کہ (ویل لفلان) فلان کے واسطے ویل ہے یعنی ہلاکت و بربادی ہے اور جیسے حدیث معاویہ بن حیدرہ القشیری رضی اللہ عنہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جھوٹی باتیں اسلئے کہتا ہے کہ لوگوں کو ہنسائے تو اُسکے لیے ویل ہے ویل ہے ویل ہے (مسند امام احمد و اسنن) مگر ہم کہتا ہے کہ بھانڈ وغیرہ اس میں شامل ہیں اور جو شخص مال خرچ کر کے بھانڈ و غیرہ کو لاتے ہیں تاکہ لوگوں کو لود و غفلت میں ڈالیں تو اُنکے ویل وغیرہ کو قیاس کر داور اسی میں ناول وغیرہ قصہ ہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فجار کی تفسیر بیان فرمائی یعنی وہ جھٹلائے والے ہیں۔ **الَّذِينَ يَكْنُ بُونَ يَوْمِ الدِّينِ**۔ ایسے لوگ جو یوم جزا کو جھٹلاتے ہیں ف۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ کے رسول کا ارشاد انکو پہونچتا ہے

عن شعیب بن صفوان عن محمد بن کعب القرظی عن ابی ہریرہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الخ۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (فلق) جنم میں ایک کنواں ہر وہ ڈھکا ہوا ہو اور سبجین کھلا ہوا ہو۔۔۔ (ابن کثیرؒ نے کہا کہ یہ حدیث غریب منکر ہے صحیح نہیں ہو مترجم کتاب ہے کہ اسحق بن دہب الواسطی ثقہ ہیں ان سے امام بخاری و ابن ماجہ نے روایت لی ہو لیکن مسعود بن موسیٰ اور نصر بن خزیمہ دونوں مجھے نہیں ملے اور غالباً یہ نکارت اخصین کی طرف سے ہو اور معنی فلق کے یہ کہ قولہ تعالیٰ قل اعوذ برب الفلق میں فلق کی تفسیر بیان کی اور شاید یہ مراد ہو کہ ایک کنواں اس قدر غیش ہو کہ جنم میں انتہا ہو اور اس طرف سے بند ہے اور بالائی رخ سبجین کھلا ہوا ہو واللہ تعالیٰ اعلم بہر حال اس اسناد پر اعتماد نہیں ہو سکتا تو تفسیر کے واسطے یہ کافی نہیں ہو پھر شیخ ابن کثیرؒ نے لکھا کہ سبجین کی تفسیر میں صحیح قول یہ ہو کہ سبجین مشتق از سجن ہو اور اُس کے معنی ضیق کے ہیں اور مخلوقات جس قدر یہاں سے پستی میں جاوے اُسی قدر ضیق میں بڑھاوے گی اور جس قدر بلندی میں جاوے اُسی قدر افلاک کی وسعت ہو کیونکہ ہر فلک سے اونچا فلک زیادہ وسیع ہو اور بر خلاف اسکے ہر زمین سے دوسری زمین زیادہ پست و تنگ ہو یہاں تک کہ سب سے نیچی ساتویں زمین سب سے زیادہ تنگ ہو اور اس زمین تنگ کا مرکز درمیانی بہت ہی ضیق ہوا اور چونکہ فجاہ کا مرجع جنم ہے اور وہ اسفل السافلین سب سے زیادہ پستی میں ہو جیسے قولہ تعالیٰ ثم ردوناہ اسفل سافلین الآیہ۔ اور سبجین نہایت پستی و ضیق ہو لہذا فرمایا ان کتاب الفجار لفی سبجین۔ جیسے قولہ تعالیٰ اذا لقوا مکا ناضیقا مقرنین دعوا ہنا لک ثبورا۔ یعنی جب وہاں سخت ضیق کے مکان میں ڈالے جاویں گے درحالیکہ زنجیروں سے جکڑے ہونگے تو اسوقت دلیل ثبور الہکمر چلاوینگے۔۔۔ (ابن کثیرؒ) منبہ خطیب وغیرہ نے جو قول کلی دوہرے سے نقل کیا کہ وہ سبتر تھیں زمین ہفتم کے نیچے ہے یہ افادہ ہے کہ وہ پتھر بہت لنبأ چوڑا ہو جسے کہ اُسکی رنگت آسمان کو سبزی مائل کرنی ہو اسلئے کہ یہ زمینیں اُسکے سامنے ستر کے دانہ ہیں جو کسی طرح اُڑ نہیں ہو سکتی ہیں اور یہ قول مع تقریر ابن کثیرؒ کے کہ ہر زمین سے دوسری زمین چھوٹی ہو) افادہ ہو کہ وضع ساتویں زمینوں کی اس طرح ہو کہ ہر کردہ زمین کے نیچے پانچ سو برس کے فاصلہ پر دوسرا کردہ ہو اسبطر آخر تک ہو اور ساتویں آسمان محیط ہیں اور سابق میں یہ وضع تحت تفسیر قولہ لعلہ بعد تروہنا الآیہ بیان ہو چکی ہو اور ابن عباسؓ سے بھی ایک مقام پر گزرا کہ آفتاب رات میں زیر زمین چکراتا ہو جسکو مشرق سے طلوع کرنا ہو اور پہلے گزرا کہ بنی اسرائیل میں یہ عقیدہ چلا آتا تھا کہ ساتویں زمین کے گرد ایک حلقہ کوہ قاف ہو وہ زبرجد سبز ہے اُسی سے آسمان کا رنگ سبز ہے پس محتمل ہو کہ ساتویں زمین پتھر کے اوپر ہو اور پتھر کے ضیق میں ارواح کفار ہوں جنکو جنم سے تپش ہو چکی ہو واللہ تعالیٰ اعلم۔ اگر کہا جاوے کہ تم لوگ کیونکر عقیدہ رکھتے ہو جبکہ تم کو اسکا علم نہیں ہو (جواب) ہکو قطعی علم یہ حال ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ارواح کفار کو پستی سبجین میں ضیق کے اندر مقید فرمایا ہو۔ ہم کو اس سے پناہ مانگنا کافی ہو ہم کو اسکی ضرورت نہیں ہو کہ وہ سبجین کہاں واقع ہو اور اگر ہکو مثلاً قطعی دلیل سے یہ بات معلوم ہو کہ وہ ساتویں زمین کے نیچے ہو تو بھی ہمارے مفید کاموں میں اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ آئین شک نہیں کہ بہت سے امور اس عالم میں اللہ تعالیٰ نے عجائب پیدا فرمائے ہیں وہ اگر جاہلون سے بیان کیے جاویں تو وہ لاعلمی سے منکر ہو جاویں اسلئے متعلق ایک عجیب حکایت ہو جو اوہ اخبار کے کسی پرچہ ۱۹۸ میں منقول ہو کہ انگلستان کے ایک جہازی تاجر نے بیاری میں اپنے جہاز کے کپتان کے ساتھ ہندوستان کا سفر کیا اور عدل میں لنگر انداز ہو کر کپتان و جہازیوں نے قصد کیا کہ بیان ایک بہار کے کھوپڑے آگ ہمیشہ جلتی رہتی ہو اسکو دیکھیں مترجم کتاب ہو کہ حدیث میں علامات قیامت میں روایت ہو کہ عدن کے قعر سے ایک آگ نکلے گی کو حشر کی طرف جائے گی اور یہ حدیث گزیر چکی اور آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ ذکر آویگا۔۔۔ غرض کہ کپتان وغیرہ ایک جماعت وہاں گئے اور مالک جہاز لہجہ شدت بیاری کے

کیا ہے (تفسیر کبیر) اسی وجہ سے کہ صبیحہ مبالغہ ہے اللہ تعالیٰ نے اُسکا ہولناک ہونا ظاہر فرمایا بقولہ ما اوراک ماسجین۔ یعنی وہ سجن عظیم و عذاب الیم
ذلت مقیم ہے (ابن کثیر) اگر وہم ہو کہ وہ ضیق و تنگ کیونکر ہوگا اسلئے کہ کافرون کی روحیں مشامین اور مسلمانوں سے ہمیشہ کثرت زیادہ جاتی تھی
توان سب کے لیے وہاں جگہ موجود ہو شاید جب سب وہاں پہنچ جاویں تو البتہ جھاڑو کی سینکون کی طرح تنگی میں پڑ جاویں (جواب) یہ وہم
نادانی ہے اور وہم کرنے والے نے دنیاوی حواس پر قیاس کیا اور یہ پہلی غلطی ہے بلکہ وہ تو جسم پر نہیں بلکہ روح پر سختی و تنگی ہے اور اگر بالفرض
وہاں جسم جاتا تو بھی امر آخرت میں ہر ذرہ اسکو بھیج لیتا اور کسی طرح اپنے ضیق سے چھوٹ نہ سکتا اور وسعت کچھ فائدہ نہ دیتی جیسے دنیا میں فائدہ
دیتی ہے اسلئے کہ بیان وسعت میں دوڑنے والے اپنے اعمال کھاتے ہیں تو کسی بات پر مجبور نہیں کیے گئے ہیں اور دنیا سے مرتے ہی یہ شان جو قدرت
حق سے بیان ظاہر ہے وہاں نہیں رہی بلکہ ایمان والا تو اس ضیق سے نکل کر بے انتہا وسعت و راحت میں چلا جاوے گا اسیدو اسطے حدیث
میں ہے دنیا مومن کے لیے سجن یعنی تنگی کا قید خانہ ہے۔ اور اگر کافر مرے تو وہاں کی وسعت سے نکل کر بے انتہا ضیق میں پڑ جاوے گا جیسے حدیث
میں ہے کہ دنیا کافر کے لیے جنت ہے کیونکہ بیان کافر اگر فقیر محتاج بھی ہو تو بھی وسعت سے فراخی میں ٹھنڈی ہوا و سایہ میں ٹھنڈا پانی
پیتا دسوتا ہے اور یہاں سے مرنے پر سجن کی ضیق میں پڑے گا فو ذالہ من ذلک بالجملہ اس قول میں (سجین) مشتق از (سجن) ہے اور ز محشری نے
کشاف میں کہا کہ یہی قول صحیح ہے واحدی نے اس پر اعتراض کیا کہ یہ قول کزور ہے اس دلیل سے کہ سجین اگر سجن سے مشتق ہوتا تو عرب کی زبان
میں مستعمل ہوتا حالانکہ عرب اسکو نہیں جانتے تھے اس دلیل سے کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وما اوراک ماسجین۔ تو نے کیا جانا کہ سجین کیا ہے۔
یعنی تو اور تیری قوم اس سجین کو نہیں جانتے تھے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ عرب کی زبان میں نہیں تھا ماری نے اس اعتراض کو رد کر دیا اس طرح کہ
واحدی نے۔ ما اوراک ماسجین کے یہ معنی لگائے کہ تو لفظ سجین نہیں جانتا اور اس پر اپنی طرف سے یہ بڑھایا کہ تیری قوم بھی نہیں جانتی۔ ہم کہ
یہ معنی ٹھیک نہیں معلوم ہوتے ہیں اسلئے کہ آیت قرآن کچھ الفاظ دے تیلانے کے واسطے نہیں اتری اور نہ اسکی ضرورت تھی کیونکہ قرآن
کی صفت خود مذکور ہو کہ وہ عربی میں ہے یعنی زبان عربی صاف صاف ہے بلکہ یہ آیت شیخ محارہ ہو کہ سجین قید خانہ اس قدر سخت ضیق و عذاب
ہولناک ہے کہ تو فقط قید خانہ کے معنی تصور کر کے اسکا اندازہ نہیں کر سکتا ہو کیونکہ غضب الہی کا قید خانہ ہے اور یہ مطلب نہیں کہ تو سجین
کے معنی لفظی نہیں جانتا ہو دیکھو (یوم الدین) سب کے نزدیک عربی ہے اور سب اسکے معنی جانتے ہیں یعنی (روز جزا) پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا
ما اوراک ما یوم الدین۔ تو نے کیا جانا کہ یوم الدین کیا ہے۔ اس سے بالاتفاق یہی مراد ہے کہ یہ روز بہت ہولناک ہے اور یہ جو واحدی نے دعویٰ کیا
کہ عرب سجین کو نہیں پہچانتے تھے تو یہ دعویٰ ٹھیک نہیں کیونکہ امام زجاج و فراء وغیرہ کا قول اسکی تردید کے لیے کافی ہے (مترجم و تفسیر کبیر)
شیخ ابن کثیر نے لکھا کہ پھر بیان بعضے قائل ہیں کہ سجین ساتویں زمین کے نیچے ہے مترجم کہتا ہے کہ اس عبارت سے یہ ظاہر ہو گیا کہ علماء سلف اور قدما نے
است متفق ہیں کہ سجین ہر حال ایک مقام ہے اور بعضے لوگوں نے غلطی سے خیال کیا کہ علماء میں یہ اختلاف ہے کہ بعض علماء کے نزدیک سجین خاص مقام کا نام ہے جو
ساتویں زمین کے نیچے ہے اور بعض نے کہا کہ نہیں بلکہ ضیق و عذاب کے معنی ہیں یہ خیال غلط ہے بلکہ کے نزدیک ایک مقام ہے۔ ان اختلاف یہ ہے کہ لفظ سجین اس مقام کا
علم جس میں معنی کا لحاظ بظرافت اشتقاق نہیں ہوتا ہے یا یہ لفظ سجن سے مشتق ہے پھر دوسرا اختلاف یہ ہے کہ سجین کہاں ہے تو شیخ ابن کثیر نے کہا کہ بعض علماء
اسکے قائل ہیں کہ وہ ساتویں زمین کے نیچے ہے اور حدیث براء بن عازب میں بھی یہ بات آئی ہے کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ کافر کی روح کو سجین میں لیجاوے اور
سجین ساتویں زمین کے نیچے ہے۔ ہ۔ بعض علماء نے کہا کہ وہ ایک ستر تیسرے ساتویں زمین کے تحت میں ہے اور بعض نے فرمایا کہ یہ جہنم میں ایک کونڈ
ہے۔ امام ابن جریر نے بیان ایک حدیث روایت کی حدیث اسحق بن سب الواسطی حدیث مسعود بن موسیٰ بن سکان الواسطی حدیث انصر بن خزیمہ الواسطی

مقام ہو کتاب مرقوم کا مترجم کہتا ہو کہ یہ تکلف ہو اور احتمال ہو کہ سبجین مقام ہوا اور کافرون کے نوشتہ کا نام بھی سبجین ہو یا یہ معنی کہ سبجین صاف نوشتہ لکھا ہوا واسطے فجار کے ہے یعنی فجار ضرور سبجین میں ڈالے جاویں گے یہ نوشتہ مرقوم ہو یا زمی نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے نوشتہ فجار کو حقارت کے ساتھ بیان کیا اور بیان چند باتیں پوچھنے و سمجھنے کے لائق ہیں سوال اول ہو کہ سبجین کیا کسی معین چیز کا علم ہے یا اسم مشتق ہو اقول یعنی اول قول کے موافق مشتق ہوا اگرچہ دونوں فریق کے نزدیک سبجین ایک مقام کا نام ہو (جواب) یہاں دو قول ہیں بعض کے نزدیک وہ معین چیز کا اسم علم ہو اور بعض کے نزدیک سبجین سے مشتق ہو جو ضیق کے معنی میں ہو بیان قول اول جمہور مفسرین سلف نے کہا کہ اسم علم ہو لیکن اس بات میں اختلاف ہو کہ وہ کیا چیز ہے اکثر نے کہا کہ سبجین سب سے نیچے ساتوین زمین کا نام سبجین ہو یہ عطاء نے ابن عباسؓ سے روایت کیا اور یہی قول مجاہد و قتادہ و ضحاک و ابن زید کا ہو براہ رخی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکو روایت کیا ہو اور عطاء خراسانی نے کہا کہ اسی میں ابلیس و اسکی ذریات ہو اور ابو ہریرہؓ نے حدیث کی کہ سبجین جہنم میں کنواں ہے اور کبھی و مجاہد نے کہا کہ سبجین ساتوین زمین کے نیچے پتھر ہو (تفسیر کبیر) یہ پتھر سب سے نیچے کی سبزی سے آسمان کا رنگ سبزی مائل ہو اور اسی میں فجار کا نام اعمال رہتا ہو اور وہ سب بن مہذب نے کہا کہ وہاں براہیسی کی سلطنت ختم ہو اور کعب احبار سے روایت ہو کہ کافر فاجر کی روح کو آسمان تک لے جاتے ہیں آسمان اسکو قبول نہیں کرتا اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ لا تفتح لہم ابواب السماء یعنی انکی ارواح کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے۔ ۱۔ اسیکے مانند حدیث صحیح میں آیا ہو پھر فاجرون کی ارواح کو زمین کی طرف گرا لاتے ہیں پس زمین اسکو قبول کرنے سے انکار کرتی ہو تب اسکو ساتوین زمین کی تحت میں لیجاتے ہیں یہاں تک کہ سبجین تک پہنچے اور یہی ابلیس کے لشکر کا مقام ہو اور یہ فجار کی خواری ہو وہاں شیاطین ملعون حاضر رہتے ہیں جبے ارواح مومنین کے ساتھ ملائکہ مقربین موجود ہوتے ہیں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سبجین ساتوین زمین کی نہ میں ہو اسمین کافرون کی روحمیں رکھی جاتی ہیں براہ بن عابد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سبجین ساتوین زمین کی نہ ہو اور علیہین ساتوین آسمان کے اوپر عرش کے نیچے ہے بعض نے کہا کہ سبجین ایک دفتر کا نام ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے شیاطین کے اعمال اور بن و انس کے کافرون و فاسقون کے اعمال جمع کیے ہیں اور کتاب مرقوم اسی سبجین کا بیان ہو جو کہ کتاب الفجار ہو اور بن لوگون نے کہا کہ سبجین مقام کا نام ہو تو وہ کہتے ہیں کہ (کتاب مرقوم) سبجین کا بیان نہیں ہو کیونکہ سبجین تو ساتوین زمین کی نہ ہو وہ کتاب نہیں ہو بلکہ کتاب الفجار کا بیان ہو یعنی فجار کا نام اعمال ایسا نوشتہ ہے جو مرقوم یعنی صاف منقوش ہو (السراج) معنی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کہا فرمایا کہ کتاب الفجار سبجین میں ہو یہ کتاب مرقوم ہو اور درمیان میں۔ ما اور اک ما سبجین سے سبجین کا مسجد ذلت و عذاب و خواری کا مقام ہو ناظر ہر فرمایا ہو (المعنی) تو نے کہا ابانا کہ سبجین کیا ہو یعنی ایسا فیج سخت ہولناک مقام ہو کہ تو باوجود اعلاے نبوت کے اسکو اپنے فہم میں اور اک و احاطہ نہیں کر سکتا بلکہ تو جس قدر اسکو فیج تصور کرے وہ اُس سے زیادہ ہو کیونکہ وہاں غضب الہی کا ظہور کامل ہو تو اسکا تصور کرنا بندے سے محال ہو ہم بیان قول دوم سبجین خاص اسم علم نہیں ہو بلکہ مشتق نام ہو اور یہ (سبجین) سے نکلا سبجین کے معنی بتدکرا اور ضیق میں ڈالنا اقول اسی سے قید خانہ کو سبجین کہتے ہیں لیکن یہ آدمیوں کا قید خانہ ہو اور آدمی کی کمائی کو خدا سے کچھ نسبت نہیں ہو تو اسی فیاس پر آدمی کے قید خانہ کو اللہ تعالیٰ کے قید خانہ سے کچھ نسبت نہیں ہو جیسے تمام جہان کے جرم کو مانند جوڑی وغیرہ کے کفر سے کچھ نسبت نہیں ہو تو تمام جہان کے جرموں کے قید خانہ کو کفر کے قید خانے سے کچھ نسبت نہیں ہو بلکہ سبجین سے نکلا اور سخت مبالغہ کے معنی دیتا ہو جیسے قییش نہایت فاسق اور عریض خوب پہچاننے والا عارف اس طرح سبجین جو نہایت ضیق و سختی و عذاب کا مقام ہو یہی ابو عبیدہ و میرد و زجاج رحمہم اللہ تعالیٰ انہ لغت و نحو مدنی نے بیان

عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ نَّجْوً بُونَ هَ تَمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُوا الْحَيِّمِ ثُمَّ يُقَالُ
 رب سے اُس دن روکے جا دیں گے پھر مقرر وہ بیٹھنے والے ہیں دوزخ میں پھر کہے گا

هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ

یہ ہے جسکو تم جھوٹ جانتے تھے

(گلا) یہ حرف دو معنی میں آتا ہے ایک یہ کہ کسی نے جھوٹا گمان باندھا تو اُس سے کہا گیا (گلا) یعنی یہ بگڑ نہیں اور دوم یہ کہ کسی بات کو تاکید سے بیان کرنا منظور ہوا تو اس کلمہ کو ملا کر کہا گیا اور اس صورت میں معنی (حقاً) بمنزلہ قسم ہوتا ہے جیسے حقا کہ یہ بات اسطرح ہے بیان دونوں طرح تفسیر کی گئی ہے اور اسی نے لکھا کہ کلا جھڑکی و تنبیہ ہے کہ یہ لوگ جس حالت میں پڑے ہیں تطفیف کرتے ہیں اور بعثت حساب کے روز ہولناک سے غافل ہیں یہ نہیں ہر انکو چاہیے کہ اس سے باز آدین رکبیر خطیب نے کہا کہ یہی انکراہل تفسیر نے لیا اور اسی کو شیخ جلال نے اختیار کیا ہے (السراج) اس قول کے موافق بیان کلام تمام ہوا یعنی ویل للتطفیفین سے جو ارشاد شروع ہوا تھا یہاں تمام ہوا یعنی تطفیف اور یوم عظیم سے عفت کچھ نہیں ہے۔ آمیزہ علیحدہ کتاب الفجار کا ذکر شروع ہوا رکبیر (حسن بصری) نے کہا کہ (گلا) اپنے مابعد سے متصل ہے اور معنی (حقاً) ہے (السراج) اور ابو حاتم لغوی نے اسکو مابعد سے متصل لیا اور یہی قول حسن ہے رکبیر اور یہی شیخ ابن کثیر کے نزدیک مختار ہے اور ترجمہ کہتا ہے کہ دقیق نظر میں یہی بہتر ہے گویا ادھر مطفیفین کے فعل قبیح کا ذکر فرمایا اور تعجب و لایاکہ یہ فاجر لوگ کیسے احمق ہیں کہ انکو یہ بھی گمان نہیں کہ رب العالمین کے حضور میں قیام ایک روز عظیم میں ضرور ہوگا یعنی یہ بدیہ عقلی امر بھی انکے گمان میں نہیں سمجھتا پھر آگاہ فرمایا کہ ہر فرقہ اپنا نوشتہ پورا کرنا ہی فجار اپنا کام کاتے ہیں اور برابر اپنا کام لیتے ہیں اور حدیث میں ہے کل مہیسر لما خلق لہ ہر ایک کو وہی میسر ہے جسکے واسطے وہ پیدا کیا گیا ہو۔ ابن کثیر نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ گلا اِنَّ كِتَابَ الْفَجَّارِ لَفِي سَجْدٍ حَقَّ کہ فاجروں کا نوشتہ سجدین میں ہوتا ہے یعنی کافروں کے حق میں نوشتہ تقدیری برحق ہے کہ انکا مرجع و ماوی مقام سجدین ہے (سراج) شیخ نے بیان کتاب (نوشتہ) سے نوشتہ تقدیری لیا اور نامہ اعمال نہیں لیا اور خلاصہ یہ کہ حکم قولہ تعالیٰ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ۔ کافروں پر کلمہ عذاب ٹھیک اُترے۔ اور مانند اسکے آیات میں مصرح ہے کہ عالم الغیب جل شائد نے اپنے علم قدیم سے ہر شخص کا انجام جانا اور لکھ دیا ہے تو یہاں سجدین میں جانے والے اُسی کے موافق تطفیف و کفر و فواح اعمال بجالانے ہیں اور حق کی طرف گمان بھی نہیں لاتے اور اسی سے معلوم ہوا کہ مطفیفین وغیرہ سے اوپر فجار کفار مراد ہیں اور اپنی حالت کو دیکھ کر ذرا غور سے انکو یقین کرنا لازم تھا کہ ضرور ہمارا حشر ہوگا مگر یہ گمان بھی نہ کیا تھا کہ انکا نوشتہ تقدیری ٹھیک ہے کہ انکا انجام سجدین جنم ہو دیگر اہل تفسیر نے (کتاب) سے نامہ اعمال مراد لیا تو معنی یہ کہ کفار فجار کا نامہ اعمال سجدین میں رہتا ہے اور یہ بھی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ رہا یہ کہ سجدین کیا چیز ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَمَا آذُوكَ مَا سَجْدٍ تَوَلَّى کیا جانا کہ سجدین کیا ہے یعنی نہایت ہولناک ہے کہ تیرے قیاس سے باہر ہے پھر فرمایا۔ كِتَابٌ مِّنْ قَوْمٍ کتاب مرقوم ہے ف ایسا نوشتہ ہے کہ اسکی لکھاؤٹ نقش کے ساتھ ظاہر ہے بیان سرسری یہ شبہ ہوتا ہے کہ سجدین خود لکھا ہوا نوشتہ ہے لیکن یہ وہم ایسا ہے کہ مادراک ماسجدین سے مربوط کیا اور غلطی ہے بلکہ کتاب الفجار کی صفت ہو و مادراک الہی جملہ معترضہ ہے اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدین مقام ہے جیسے لفظی سجدین سے ظاہر ہے بعض نے کہا کہ مجازی معنی ضرور ہیں جیسے کوئی کہے کہ آفتاب میں بیٹھو تو ظاہر ہے کہ آفتاب کے اندر محسوس بیٹھو لیکن یہ غیر ممکن ہے اسلیے مجازی معنی ضروری ہیں یعنی آفتاب کی دھوپ میں بیٹھو اسطرح بیان مضاف مخدوف ہے یعنی

حقیقی میں تطفیف کا حکم نکلتا ہے یعنی عدل کے میزان سے تجاوز کرنا اور میزان حقیقی میں اخلاق و اعمال تو لے جاتے ہیں اور مطففین وہ لوگ ہیں کہ جب اپنے کمالات کو لوگوں کے مقابلے میں تولتے ہیں تو استیفاء کرتے ہیں یعنی بڑھاتے ہیں اور لوگوں کو گھٹاتے ہیں اور اپنے کمالات کو زیادہ اور اپنے حقوق کو فاضل رکھتے ہیں غرض کہ علم و عمل میں اپنے واسطے اُن سے زیادہ اعتقاد کرتے ہیں اور یہ انکا تکبر و خود پسندی ہے اور جب لوگوں کے کمالات ناپ تول کرتے ہیں اور اپنے علمی و عملی کمالات سے مقابلہ و موازنہ کرتے ہیں تو انکو کم دیتے ہیں یعنی اپنے زعم میں اُن کے نقصان کو حقیر و قلیل رکھتے ہیں اور خلاصہ یہ کہ خواہ اپنے کمالات کو وزن کریں یا اُن کے کمالات کو وزن کریں بہر صورت عدل و انصاف کا لحاظ نہیں کرتے کیونکہ اُن کے نفس میں حماقت کا غور ہے (ابن العربیؒ) اور مترجم کہتا ہے کہ دو وزن طریقے کی صورت یہ ہو کہ آدمی اپنے نفس پر نظر کرے یا ہو تاکہ اُسکو ملامت کرے اور راہ حق میں اُسکی کوتاہی پر اور آخرت کے خسارہ پر اُسکو بیدار کرے لیکن مطففین اپنے نفس کے پتھر میں ایسے مغرور ہیں کہ جب اُسپر ملامت کرنے کی غرض سے نظر کرتے ہیں تو وہ اُنکو دوسروں کی طرف نظر دڑانے پر آمادہ کرتا ہے اور اُنکی آنکھ میں رعونت کی چربی سے ایسا روغن قازمنا ہو کہ یہ دوسروں کے مقابلے میں اپنے نفس کو سب سے زیادہ باکمال و بااخلاق دیکھتے ہیں اور جب کبھی ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ دوسروں کے کمالات کی تعریف کی جاتی ہے تو مطففین کا نفس امارہ فوراً روپ بھر کر جلوہ گر ہوتا ہے اور مطفف اس کے موازنہ میں دوسروں کو ناقص سمجھتا ہے اور تعریف کا حصہ نہیں دیتا یا کم دیتا ہے اور یہ صورت باطل ہے اُنکو اس وقت چاہیے تھا کہ نفس سے مراد ہوجاتے اور دنیا کی تعریف بے فائدہ سمجھتے اور یقین پیش نظر لاتے کہ آخر ہیکو یوم عظیم کے وقت زندہ ہو کر رب العالمین عزوجل کے حضور میں قیام کرنا ہوگا جو عالم الغیب ہے اور اُسی کی طرف آخری حکم کا مرجع ہے تو دنیا میں کسی تعریف کرنے یا مذمت کرنے سے یا خود اپنے آپ کو کچھ گمان کرنے سے کچھ نتیجہ حاصل نہیں ہے سوائے اُس نتیجہ کے جو حضرت عالم الغیب عطا فرما دے گا جس طرح باطن میں حقیقت و سچی حالت ہے تو خود اسکی اصلاح کرنا چاہیے کیونکہ یوم عظیم میں کسی کو یہ طاقت نہ ہوگی کہ چھپا کر جیسا واقعی نہیں ہے ویسا ظاہر کرے یا بدی کو چھپا دے اسلیے کہ اُس دن جو بیان باطن ہے وہ منقلب ہو کر ظاہر ہو جائیگا اور جو بیان صفت کے پیرایہ میں تھا وہ وہاں صورت کے ساتھ ظاہر ہوگا تو قبیح حالت سے اُسکو شرم ہوگی اور اپنی بدی کا وبال اٹھاویگا۔ یوم یقوم الناس لرب العالمین۔ یہ اُس روز ہوگا جس دن رب العالمین کے لیے لوگ کھڑے ہوں گے یعنی ایک ذرہ بھی ان میں سے مخفی نہیں ہوگا (ابن العربیؒ) شیخ نے اس قیام عظیم کا یہ فائدہ بھی بتلادیا کہ مطفف کی صورت قبیح ظاہر ہوگی اور اس بدکاری قبیح سے جو باطنی صورت قبیح ہوگی وہ بھی ظاہر ہوگی۔ اللہم غفر انک قبل ذلک وانت ارحم الراحمین پھر اللہ تعالیٰ نے بدکار فجار اور یوم الدین سے منکرہ انجام قبیح بیان کیا بقولہ تعالیٰ **كَلَّا اِنَّ كِتَابَ الْفَجَّارِ لَفِي سَجِّينٍ ۝ وَمَا اَدْرَاكَ مَا سَجِّينٌ ۝ كِتَابٌ مَّرْفُورٌ ۝** کوئی نہیں لکھا گنہگاروں کا یہونچا بندی خانے میں اور تمکو کیا خبر ہے کیسا بندی خانہ ایک دند ہے لکھا ہوا **وَلَوْ يَوْمَ مَعْدٍ لِّمُكِنٍّ بَيْنَ الذِّبْنِ ۝ كَذَّبُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ ۝ وَمَا** خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی جو جھوٹ جانتے ہیں انصاف کا دن **بَلْكَذِبَ بِہٖ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اٰثِمٍ ۝ اِذَا تَنٰثَلٰ عَلَیْہِ الْاِیْتَا قَالَا سَاٰطِرٌ وَّ** جھٹلاتا وہی ہے جو بڑھ چلنے والا گنہگار ہے جب سنائے اُسکو ہادی آئین کے نقابین ہیں **اَلْاَوَّلَیْنِ ۝ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِہِم مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝ كَلَّا اِنَّہُمْ** جھٹلاتا وہی ہے جو بڑھ چلنے والا گنہگار ہے کوئی نہیں پر زنگ بگڑ گیا اُنکے دل پہر وہ جو کچھ کہاتے تھے کوئی نہیں دیکھ

میں خطا ہو گئی تو صحیح ہو سکا پہلے جاری ہو اور خطا کا فقط وہم ہو اور اس کیوں کہ میں مترجم کہتا ہوں کہ رازیؒ نے اُنکے استدلال کو نظری قرار دیا ہے لیکن میں نے کہا کہ یہ تو بدیہی بات ہے اس لیے یہ جواب دیا جاوے کہ علم الہی عزوجل کے برابر نہیں ہو سکتا اس لیے ظن فرمایا اور بندوں کا بدیہی یقین بھی ظن ہے اور ظن معنی یقین بہت آتا ہے اور اگر بیان ظن اپنے معنی میں ہو یعنی غالب گمان کرنا تو بھی یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ یہ لوگ جو دنیا میں عام فساد پھیلانے کو تطقیف کرتے ہیں اور سترائے روز عظیم سے نہیں ڈرتے ہیں تو یہ بھی انکی حماقت ہے اس لیے کہ عقل تو حفاظت فطری ہے اور یہاں مانا گیا کہ ان احمقوں کو یوم البعث کا یقین نہیں ہے اور تمام کائنات کو سفاک باطل سمجھتے ہیں تو ایسی بیہوشی بات کے مقابلے میں فقط اپنی درائی سے نکال ہی نکال رکھتے ہیں اسکے سواے کوئی دلیل نہیں رکھتے تو یقین نہونے سے ظن دور نہیں ہوتا جیسے کفار کا مقولہ ذکر فرمایا بقولہ تعالیٰ ان نظن الاظنا و ما نحن بستیقین۔ یعنی ہم تو گمان ہی گمان کرتے ہیں اور ہم کو یقین کچھ نہیں آتا ہے۔ کہ آخرت ہے اور دوبارہ زندگی ہے اور ثواب یا عذاب ہے ہم کو اس کا یقین نہیں آتا ہے لیکن ہم گمان ہی گمان کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اہل کفر و شرک و ضلالت کی یہی حالت بیان فرمائی ہے بقولہ تعالیٰ ان تبعون الا الظن الا یہ۔ یعنی یہ لوگ نہیں پروردی کرتے مگر گمان کی۔ کہ حال یہ ہوا کہ اچھا ان مطغفین کو یقین نہ سہی آخر ظن تو موجود ہے کیونکہ بدیہی چیز کے جھٹلانے میں اس سے کم نہیں ہو سکتا ہے تو بھی یہ نتیجہ نکلا کہ ظن سے احتیاط کرو اور بچو مثلاً ایک شخص جو اہرات و اشرفیان لیکر ایک راہ سے جانا چاہتا ہے اور اسکو خبر دی گئی کہ تو اس راہ سے بچاؤ کیونکہ اس راہ میں مارکروٹ لینے والے چھپے ہیں بلکہ تو اس دوسری راہ سے جائیو کہ اس میں تیرا کچھ نقصان نہیں اور بخطرہ ہو اُسے کہنے والی بات پر یقین نہ کیا تو بھی وہ خطرہ کا گمان کر کے وہ راہ چھوڑ دیگا کہ ایسا ہونکہ سچ ہو تو جان و مال کا نقصان ہو اس طرح یہاں جب مطغفین کو یہ گمان ہو تو بھی چھوڑنا واجب ہے (مترجم و رازیؒ) مترجم کہتا ہے کہ ایمان والے آدمی کی یہی شان ہے کہ آخرت کی واسطے اعمال نیک بجالائے میں بہت پرکھ کے بخیرہ عمل کو اختیار کرے اور جس شخص نے ایسے اعمال چھوڑ دیے جو شرع میں بالضرورت ثابت ہیں اور ثواب عظیم رکھتے ہیں اور اُن پر اجماع ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا کہ بالاجماع ثواب عظیم ہے اس سے غافل ہو کر ایسے اعمال اختیار کرنا ہے جس میں بعضے ثواب کہتے ہیں اور بعضے اسکو خلاف سنت بلکہ بدعت کہتے ہیں تو یہ لوگ آخرت میں لا اباالی بے فکرے ہیں کیونکہ اگر وہ عمل بدعت نہ تو بھی شبہ ہے اور اگر وہ شبہ بھی نہ تو بھی درود شریف کی یہ نسبت اُس میں بہت کم ثواب ہے پھر ظاہر ہے کہ جسکو درود شریف ملے اور وہ اُسکے سواے دوسرے کام میں اس قدر وقت دے تو آخرت و اُسکے ثواب سے بے فکر ہو جائے فافهم واللہ تعالیٰ ہوا ہادی ولہ المنتف شیخ الشیرازیؒ نے اشارہ میں دائرہ تقویٰ میں لیا یعنی جیسے تطقیف معاملات عامہ میں جاری ہوتی ہے اس طرح معاملات خاصہ میں ہے اور خطیبؒ نے بعض مفسرین سے اسکو نقل کیا چنانچہ اوپر گزر چکا ہے کہ تطقیف کچھ خرید و فروخت کے ساتھ خاص نہیں ہے شیخ شیرازیؒ نے کہا کہ اس میں سے مکار صوفی کا حکم نکلتا ہے کہ یہ لوگ اولیائے حق کے کلام کو لیکر سالوس کے بازار میں عوام الناس کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں اور اپنے آپ کو مکر سے ولی ظاہر کرتے ہیں اُنکے لیے وہل ہو کہ درجات و ولایت کو نہیں پہنچتے گے بلکہ خلق کے سامنے فضیحت ہونگے اور اس میں نفس امارہ کا مکر بھی نکل آیا کہ وہ ادراج کے خط مشاہدہ کو لیکر شیطانی ہو جس سے بدلتا ہے شیخ ابو عثمانؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک واللہ اعلم یہ اشارہ ہے کہ بعض آدمی لوگوں کے سامنے عبادت کی صورت بہت اچھی طرح بناتا ہے اور اسکو میزان حقیقت میں نہیں رکھتا اور جب تنہا ہوتا ہے تو خراب پڑھتا ہے کیا ایسے لوگوں کو یہ یقین نہیں ہے کہ ہم عظیم میں اُٹھائے جاؤ گے یعنی ضرور حساب ہوگا تو اسوقت وہ ریاکاری کا عمل شرک میزان عدل میں بالکل بے حقیقت ہوگا (عرائس) اشارہ میں بیان میزان

کہ پیمانہ سے یا وزن سے معاملہ ہوتا ہو تو ایک کا ذکر کرنا کافی ہو واضح ہو کہ جس شخص نے دل سے عزم کیا کہ وہ تظیف کرے گا تو وہ بھی اس وعید عذاب کا مستحق ہو ایسے کہ وہ بھی کبیرہ گناہ ہے (تفسیر کبیر) مترجم کہتا ہے کہ عزم کر نیکی صورت میں یہ حکم میرے نزدیک ٹھیک نہیں ہے اور تحقیق یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جس شخص نے نیکی کا قصد کیا اور ہنوز عمل نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے کے لیے نیکی لکھو اور اگر عمل میں لاوے تو دس نیکیاں لکھو اور جس بندے نے بدی کا قصد کیا تو ابھی اُس پرست لکھو پھر اگر قصد ترک کرے تو ایک نیکی لکھو اور اگر عمل میں لاوے تو ایک بدی لکھو (صحیح مسلم وغیرہ) پھر اعمال دو قسم کے ہیں ایک وہ ہیں جو دل سے ہوتے ہیں مثلاً کسی معافی رز کے حق میں بدگمانی کرنا پس جب تک وہ مترود ہو تب تک عمل نہیں ہے اور جب وہ جزم کرے تو یہ فعل کے مثل بدی ہو ایسے اعمال میں جو دل ہی سے ہوتے ہیں عزم کرنا ضرور گناہ ہے اور تظیف اس قسم سے نہیں ہے بلکہ گناہ پر عزم مصمم کرنا خود گناہ ہے اور یہ اُس وقت تظیف ہوگا جب عمل میں لاوے کیا نہیں دیکھتے ہو کہ جو شخص عمر بھر تظیف پر عزم رکھتا تھا مگر کبھی عمل میں نہیں لایا تو یہ شخص مطلقاً نہیں کہلاوے گا جب تک عمل میں لاوے اور اگر عمل میں لایا اور اُس پر شرمندہ ہوا بلکہ دوبارہ عزم رکھتا ہو تو یہ امر اسے جو صغیرہ کو کبیرہ کر دیتا ہے جیسلم کہ علماء میں مشہور ہے فانہم واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم اگر کہا جاوے کہ یہ خطاب کا فردن کو ہے یا مسلمانوں کو ہے (جواب) بعض نے کہا کہ یہ وعید فقط مسلمانوں کے واسطے ہے اور اس پر دو طرح سے دلیل لائے (اول) یہ کہ اگر کافرون پر وعید ہوئی تو ان کا کفر خود بدتر ہے اور تظیف سے بہت زیادہ قبیح ہے تو دلیل و عذاب کے لیے کفر کافی ہے حالانکہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ دلیل سزا کے تظیف ہے (دوم) یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مطغنین کے واسطے فرمایا لا یغن الیٹاک انہم یسعون الایہ۔ تو مطغنین کو روز قیامت کے عذاب سے ڈرایا اور اُس سے ڈرنے والے فقط مسلمان ہیں جو روز آخرت اور بعثت کا یقین رکھتے ہیں اور کفار تو بعثت کو مانتے ہی نہیں رازی نے دلیل اول کے جواب میں اشارہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکوں پر زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ سے دلیل (عذاب) کی وعید فرمائی ہے اور دوسری دلیل کی نسبت لکھا کہ اگر یقین رکھتے ہیں تو محتمل ہے کہ خطاب مسلمانوں کو ہو جو بعثت یوم عظیم کا یقین رکھتے ہیں چنانچہ روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے ہیں تو اوس و خزرج باوجود یوم البعث کے یقین کے تظیف کیا کرتے تھے اور اگر کہا جاوے کہ اس آیت سے سوائے مسلمانوں کے ایسے لوگوں کو خطاب ہے جو یوم القیامہ پر یقین نہیں رکھتے تھے تو یہ بھی تاویل ظاہر ہے کہ حالت ایسی موجود ہے کہ ہر شخص کو ضرور یقین کرنا چاہیے پس جو لوگ منکر ہیں یہ بے فکری و خود رانی اور سرکشی و بے توجہی سے منکر ہیں نہیں تو یہ یقینی بدیہی کے مثل ہے کہ انسان کو سب زمین کی مخلوقات میں مختار کیا اور آسمانی سامان سے اس کو رزق دیا اور انسان سے صرف اعمال صادر ہوتے ہیں اور یہ منتخب ممتاز انسان بعد چند مذ کے اس موجودات کو برقرار چھوڑ کر ضرور مر جائے ہیں اور بجائے اُس کے دوسرے آتے ہیں تو ہرگز یہی اس کائنات عجیب اور انتظام حکمت کا نتیجہ نہیں ہو سکتا کہ چند روز رہے اور مر کر فنا ہو گئے کیونکہ یہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ ذلک ظن الذین کفروا الخ یعنی یہ تو کافرون کا گمان ہے۔ اور نیک بندوں کی تعریف فرمائی جو اس آسمان و زمین کے کائنات میں فکر کر کے کہتے ہیں ربنا ما خلقت ہذا باطلا۔ اے رب تو نے یہ سب سامان باطل نہیں پیدا کیا ہے۔ تو انسان کے ذاتی فرائض سے ہے کہ اُس کو نتیجہ آخرت کا یقین ہو لہذا ان کافرون پر الزام دیا کہ کیا ان کو یہ یقین نہیں ہے کہ یوم عظیم میں زندہ کیے جاویں گے یہ یقین تو ان کے ذاتی لوازم سے ہے رازی نے کہا کہ اگر کہا جاوے کہ پھر یقین کیوں فرمایا کیونکہ لازم تو یقین ہے (جواب) یہ کہ ان کو یہ یقین بذریعہ صحیح دلیل کے فکر سے حاصل ہوا اور دلیل سچوات بذریعہ حواس کے حاصل ہوتی ہو وہ اکثر ایسی ہوتی ہے کہ گمان غالب ہو یعنی غالباً فکر صحیح ہے اور شاید فکر

جب کسی سے کچھ خریدنے کو دام ملے ہو جانے کے بعد بائع سے کہتے کہ اے بھائی میرے نزدیک میرے دھوکے تیرا مال اچھا ہو میں دامن سے زیادہ اسکو اپنے واسطے پسند کرتا ہوں اب میں تیری خوشی کو پسند کرتا ہوں جب بائع اپنی خوشی سے دام لے لیتا اور چیز اپنے لیے چھوڑ دیتا تب اسکو لیتے تھے اور یہ انکے اسرار معرفت اور دینی انہم کی دلیل ہوا سیطرح ایک مرتبہ ایک شخص سے گھوڑا خریدا اسنے منہ سے تین سو درم مانگے وہ اسکو دیے اور اسنے خوشی سے گھوڑا انکو دیا پھر غور کرنے لگے اور پہنچنے والے کو بلوا کر کہا کہ بھائی تیرا گھوڑا تین سو درم سے اچھا ہو تو اسکے چار سو درم لینے پر راضی ہوا اسنے کہا کہ ہاں۔ پھر غور کر کے کہا کہ اچھا بائع سو درم بہر راضی ہو راوی کہتا ہے کہ بائع کہتا تھا کہ میں نے تو تین سو درم میں آپکو دیدیا تھا آخر اسکو آٹھ سو درم دیے تب وہ گھوڑا لیا (ابن حجر) اگر کہا جاوے کہ یوم یقوم الناس لرب العالمین۔ اسین (قیام واسطے رب العالمین کے) کیا معنی رکھتا ہو۔ بعض نے کہا (ایلا مر رب العالمین اور جزاء الحساب اولقصائہ) یعنی حکم رب العالمین کی وجہ سے قائم ہونگے بارب العالمین کی طرف سے بدلہ پانے کے واسطے یا حساب یا فیصلہ کے واسطے قائم ہونگے مترجم کہتا ہو کہ رب العالمین کے لیے قیام ان سب باتوں کے لیے ہے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف مرجع ہو اور اس قیام کی کیفیت میں سے ایک ہولناک حالت یہ ہو کہ سب خطاوار بقدر اپنی خطا کے پسینے میں کھڑا ہو گا جبکہ آفتاب بقدر میل کے سروں کو دیگ کی طرح اُبالے گا اللہ غفرناک۔ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما میں ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو پڑھ کر فرمایا کہ تمخارا کیا حال ہو گا جب اللہ تعالیٰ تم کو اس طرح جمع فرما دیگا جیسے ترکش میں تیر حج کیے جاتے ہیں پچاس ہزار برس تک کہ تمخاری طرف نظر نہیں نہاؤگا اس حدیث کو بہیقی و طبرانی و ابوالشیخ ابن مردویہ نے روایت کیا اور حاکم نے بعد روایت کے کہا کہ صحیح ہو مترجم کہتا ہو کہ یہ حدیث دلیل ہو کہ مختصر صلعم نے یہ خطاب قوم یہودیات پرستوں کو فرمایا اسیلئے کہ بالا جماع اللہ تعالیٰ کافروں پر نظر نہیں فرما دیگا اور وہ لوگ پچاس ہزار برس تک کھڑے رہینگے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہو کہ وہ اپنے مومنین بندوں پر نظر رحمت فرما دیگا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم یقوم الناس لرب العالمین۔ میں فرمایا کہ پچاس ہزار برس کے دن میں بقدر نصف یوم کے کھڑے ہونگے پھر مومنین پر یہ دن اس قدر آسان ہوگا جیسے آفتاب غروب ہونے کے قریب ہوتا ہو کہ جلتی دیر میں غروب ہو جاوے اسی قدر آسان ہوگا اس حدیث کو امام ابویعلیٰ و ابن حبان و ابن مردویہ نے روایت کیا (صحیح) مترجم کہتا ہو کہ پچاس ہزار برس کے قریب تو کفار کھڑے رہینگے کہ اُنسے کلام بھی نہوگا اور کلام جب ہوگا تو لڑا لڑا غصب اُنسے گفتگو کریں گے اور اللہ تعالیٰ کبھی اُنسے کلام نہیں فرما دیگا اور اسکے بعد جب کلام و حساب وغیرہ ہوگا تو بھی کھڑے رہینگے حتیٰ کہ باقی نصف یوم بھی سیطرح تمام ہوگا اور ترکش میں تیرون کو اسطرح جمع کرتے ہیں جیسے جھاڑو میں سینکین جمع ہوتی ہیں اور یہی ضیق مقام ہو کہ کہیں گنجائش نہوگی اگرچہ میدان فراخ ہو اور مومنون کے اوپر یہ تنگی نہیں ہو اور حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ میں ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ کس قدر مدت تک حضور رب العالمین میں قیام ہوگا فرمایا کہ ہزار برس تک انکو اجازت نہوگی (رواد الطبرانی) یہاں ایک مسئلہ ہے یعنی یہ عذاب عظیم جو مطففین کے لیے مذکور ہو کیا وہ گھاٹ تول ناپ دینے پر ہی یازائے لینے پر ہے (جواب) رازی نے لکھا کہ دونوں باتوں کے مجموعہ پر ہو کہ زائد لین اور گھاٹ دین۔ پھر علما ورح نے اختلاف کیا بعض نے کہا کہ یہ عذاب عظیم کی وعید جب ہی لاحق ہوگی جب تطفیف اس قدر زیادہ ہو جاوے کہ جس مقدار کی چوری کرنے سے ہاتھ کاٹا جاتا ہو۔ دیگر علما نے کہا کہ نہیں بلکہ قلیل و کثیر کسی قدر ہو تطفیف ہو اور یہ وعید عظیم اُسپر متوجہ ہو لیکن شرط یہ ہو کہ اُسنے توبہ نہ کی ہو کیونکہ توبہ سب سے بزرگ بندگی ہو اور یہی قول اصح ہو واضح ہو کہ قولہ اذا کتا لواعلی الناس۔ میں تول کا ذکر اس وجہ سے نہیں ہے۔

اُن سے کوئی بات بھی نہیں کر گیا اور پسینا اُنکے واسطے لگام ہو جاوے گا اس میں اُنکے نیک و بد سب ہیں (رواہ ابن جریر) مفسرِ حج
کتاب کو کہ ابن کثیر نے اشارہ کیا کہ اس روایت کے ثبوت میں کلام ہو اور میں کہتا ہوں کہ نیک و بد سب کے واسطے اس قدر
مدت تک اس حالت میں کھڑے رہنا بعض احادیث سے بھی مخالف ہو لیکن شاید ابن مسعودؓ سے کسی نے اہل کفر کا حال پوچھا ہو
اور آپ نے ان کا حال بیان کیا اور لاوی نے قصہ روایت نہ کیا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب اور ابن عمرؓ سے روایت ہو کہ سو برس
تک اسی طرح کھڑے رہینگے (رواہ ابن جریر) اور حدیث ام المومنین عائشہ رضی عنہا میں ہو کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
رات میں تہجد کی نماز شروع کرتے تو دس بار اللہ اکبر اور دس بار الحمد للہ اور دس بار سبحان اللہ کہتے اور دس بار استغفار کرتے
تھے اور کہتے کہ اللہ اعزلی و ابدنی دار زقنی و عافنی اور قیامت کے ضیق مقام سے پناہ مانگتے (ابوداؤد و النسائی) اور خطیب
نے ذکر کیا کہ قتادہ رحمہ تعالیٰ نے کہا کہ اے آدمی حق و فاکر جیسے تو چاہتا ہو کہ تیرا حق وفا کیا جاوے اور عدل و انصاف کر
جیسے تو چاہتا ہے کہ تیرے ساتھ انصاف کیا جاوے فضیل بن عیاضؓ سے روایت ہو کہ تولیٰ بن ابی نعلی گھاٹ کرنا قیامت کی
روسیا ہی ہے روایت ہو کہ ایک اعرابی نے عبد الملک بن مروان خلیفہ سے کہا کہ تو سن چکا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مطفین کے
حق میں کیا فرمایا ہو۔ ہ۔ اعرابی کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مطف کے حق میں وعید عظیم فرمائی ہو حالانکہ وہ حقیر چیز کو
ناپ تول میں گھاٹ کر لیتا ہو پھر تو اپنے آپ کو خیال کر کہ تو مسلمانوں کے مال پر ناپ تول کے ناحق لیتا ہو تو تیرا کیا خیال ہے
کہ تو کس عذاب عظیم کے لائق ہے لغو ذبا اللہ من ذلک۔ اور آیت میں عجیب بلاغت ہو کہ اول تو مطف لے لے (ویل) فرمایا اور ارا کا
بند بد کیا پھر تعجب دلا یا کہ کیا یہ لوگ ایسا گمان نہیں کرتے کہ یوم عظیم کے لیے اٹھائے جاوینگے اور لفظ (ظن) سے تعبیر فرمایا اور یوم
کو عظیم فرمایا پھر اس یوم عظیم کا ہولناک حال بیان فرمایا کہ یوم یقوم الناس لرب العالمین جس دن لوگ رب العالمین کے لیے
کھڑے ہونگے پس اپنی ذات پاک کا وصف رب العالمین فرمایا کہ جمیع اقسام عالم اسی کے پیدا کیے ہوئے ہوں ہیں اور سب اُسکے
قبضہ قدرت میں ہیں تو مطف نے جنکے ساتھ گھاٹ کی ہو وہ بھی رب العالمین کے پیدا کیے ہوئے ہیں تو انکا انصاف ضرور کیا جاوے گا
جس دن رب العالمین کے لیے تمام عالمین سر جھکا لے مجبور و مقهور عاجزی میں کھڑے ہونگے کسی کو کچھ اختیار نہ ہوگا اور کل امر فقط اللہ تعالیٰ
ہی کے واسطے ہوگا۔ یہ مبلغ کلام اس گناہ تطفیف کی سختی پر دلیل ظاہر ہے تو مطف اور جو کوئی اُسکے مثل حالت میں ہو کہ انصاف عدل
کے معاملات چھوڑ بیٹھا ہو اُس روز بہت سختی و کرب میں ہونگے اعاذنا اللہ تعالیٰ اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہو کہ انھوں نے یہ
سورہ پڑھنا شروع کیا جیسے اس آیت پر پہنچے یوم یقوم الناس لرب العالمین تو بہت دردناک آواز سے روئے اور آئینہ پڑھنے
سے بے طاقت ہو گئے بعض مفسرین سے روایت ہو کہ تطفیف جیسے پیمانہ و تول میں گھاٹ کرنے کو شامل ہو اسی طرح ہر ایسی چیز کو بھی شامل
ہو جس سے معاملہ میں بے انصافی کرے جیسے بالغ اپنی چیز کا عیب خریدار سے ظاہر کرے اور دوسروں سے انصاف چاہے اور اپنے حق
میں انصاف نہ دے اور کہتے ہیں کہ جو شخص ایسا ہو کہ اپنے مسلمان بھائی کے حق میں وہ بات روا رکھے جو اپنی ذات کے حق میں روا نہ رکھتا
تو وہ نصف نہیں ہو اسی طرح لوگوں کے عیب پر نظر کرے اور اپنے عیوب نہ دیکھے وہ بھی اسی حکم میں شامل ہو اور اسی طرح اہل و عیال کے ساتھ
برتاؤ میں بھی یہی اعتبار ہو (السراج) حدیث میں ہو کہ تم میں سے کوئی مومن نہ ہوگا جب تک یہ نہ ہو کہ اپنے بھائی مسلمان کے لیے وہی چاہے جو
اپنے واسطے چاہتا ہو (صحیح) اور ہر مسلمان کے لیے خیر خواہی کرنے پر انحضرت صلعم نے بیعت لی تھی تو جریر بن عبد اللہ الجلی رضی اللہ عنہ

تاکہ گناہوں سے پاک ہوں اور اس ہولناک مقام میں رحمت کے سایہ میں امن پاؤں شیخ ابن کثیرؒ نے لکھا کہ امام مالک نے نافعؒ بن عمرؒ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس روز رب العالمین کے حضور میں لوگوں کا قیام ہوگا تو کھڑے رہینگے یہاں تک کہ بعض اپنے کاٹون تک اپنے پسینے میں غرق ہونگے (رواہ البخاری و مسلم و احمد) سلیم بن عمارؒ نے مقداد بن الاسود الکندی رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب قیامت کا روز ہوگا تو آفتاب قریب ایک میل کے یا فرمایا کہ قریب دو میل کے لوگوں کے سروں پر نزدیک کر دیا جائیگا پس آفتاب انکو سخت گرم کر لگا تو ہر شخص اپنے اعمال کے انداز سے پسینے میں کھڑا ہوگا چنانچہ بعض کی اٹریوں تک ہوگا اور بعض کے ٹخنہ اور بعض کے گھٹنے اور بعض کے کمر تک ہوگا اور بعض کے منہ تک آجاوگا (رواہ احمد و مسلم و الترمذی) مترجم کہتا ہے کہ یہ آفتاب یا تو آسمان کے تبدیل کے ساتھ بدلا گیا ہو یا جہنم میں جب لپیٹ کے ڈالا گیا تو ان کے سروں سے قریب ہو گیا اور زمین کے اندازہ پر ہو گیا ہو یا ابھی تک وہ جہنم میں نہیں ڈالا گیا ہو اس لیے کہ ابھی جہنم میں نہیں ڈالے گئے ہیں اور یہی اقرب ہو اللہ تعالیٰ اعلم بالجملہ یہ بات جو حدیث میں ہو معلوم ہو اور قولہ تعالیٰ اذ الشمس کورت حق ہو اور حدیث سے معلوم ہوا کہ ابھی تک وہ مکور نہ ہوگا یا مکور ہو کر زمین کے اندازہ پر کر کے اس قدر قریب کیا گیا ہو۔۔۔ ابو عبد الرحمن رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابوا مامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز آفتاب بقدر ایک میل کے نزدیک کر دیا جائیگا اور اس کی حرارت کی شدت بڑھنے کو خوفناک بیان فرمایا اُس سے لوگوں کے سر اس طرح ابلینگے جیسے دگیں اُبلتی ہیں اس سے لوگ بقدر اپنے گناہوں کے پسینے میں ڈوبینگے بعضوں کے ٹخنہ تک اور بعضوں کے پنڈلیوں اور بعضوں کے کمر تک اور بعضوں کے منہ تک بطور لگام کے ہوگا (رواہ احمد) مترجم کہتا ہے کہ اس روز موت نہیں ہو تو سروں کے ابلنے سے سوائے شدت کے کچھ نہ ہوگا اور کچھ حواس بھی باقی رہینگے اس لیے کہ ظہور روحانی ہو تو بدن تابع ہو اور واضح رہے کہ ہر ایک کے گرد صرف اُس کا پسینا اس طرح محیط رہیگا جیسے زمین کے گرد قدرت سے پانی محیط ہو اور کسی طرف نہیں بہتا ہو۔۔۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث روایت کی اور اُس میں اٹری و ٹخنہ و نصف ساق و گھٹنہ و سر میں درجہ بدرجہ غرق ہوگا (رواہ احمد) ابن کثیرؒ نے لکھا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ یہ لوگ اس طرح شرب برس کھڑے رہینگے کسی کو کلام کرینکی طاقت نہوگی۔۔۔ اور بعض نے کہا کہ تین سو برس تک اس طرح کھڑے رہینگے اور بعض نے کہا کہ چالیس ہزار برس تک کھڑے رہینگے اور باقی دس ہزار برس میں اُن کے درمیان فیصلہ کیا جاوے گا کیونکہ وہ دن پچاس ہزار برس ہو مترجم کہتا ہے کہ ان اقوال میں موافقت یہ ہے کہ شرب برس تک طاقت کلام سلب ہوگی پھر کچھ عطا ہوگی اور تین سو برس تک اس حالت پر گزرینگے پھر تمام مواقف قیامت میں رد و بدل ہوگا اور یہ حالت کھڑے کھڑے گزریگی حتیٰ کہ چالیس ہزار سال ہو جائینگے اُس وقت فیصلہ ہوگا واللہ تعالیٰ اعلم ابن ابی حاتم نے ابو یونس الزبیدی عن عبد السلام بن عجلان عن ابی یزید المدنی عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشیر الغفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے بشیر اُس روز تو کس حال میں ہوگا جس دن لوگ اپنے رب کے واسطے کھڑے ہونگے کہ دنیا کے شمار سے تین سو برس تک ساکت ہونگے نہ اُنکی طرف آسمان سے کوئی خبر آوے گی اور نہ کسی بات کا حکم ہوگا بشیر رہنے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ ہو اُسی سے مدد چاہتا ہوں آپ نے فرمایا کہ جب تو اپنے بھونے پر جایا کر تو قیامت کے کرب سے اور حساب کی برائی سے پناہ مانگ لیا کہ (رواہ ابن جریر و ایضاً) اور سنن ابی داؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روز قیامت کی سختی مقام سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ چالیس برس تک آسمان کی طرف سر اٹھائے کھڑے رہینگے

طرف سے وحی آتی ہو اور آدمی بغیر ہوتا ہو میلہ نے اسے کہا کہ بھلا آج کل تمہارے صاحب پر کیا نازل ہوا ہو عمرو رض نے کہا کہ میں نے انکے بعض اصحاب سے چند سطرون کا سورہ سنا جو فصاحت میں بے مثل ہے۔ والعصر ان الانسان لفي خسر الخ آخر تک یہ سورہ سنا یا میلہ نے تھوڑی دیر سکوت کیا اُسکے بعد کہا کہ اسی کے مثل مجھ پر بھی نازل ہوا ہو عمرو بن العاص نے شوق ظاہر کیا کہ سنیں شاید اسلئے زیادہ شوق ہوگا کہ قرآن مجید میں صاف صاف کافرون سے کہا گیا ہو کہ اگر تم قرآن کو آدمی کا کلام سمجھتے ہو تو ایک سورہ اس کے مثل بناؤ اور اگر ایک شخص سے نہو سکے تو سب مل جاؤ بلکہ جن کو ساتھ شریک کر لو۔ تو شاید عمرو رض نے لالچ کیا کہ اگر اس سے مل جاوے تو اُسکی مقابلہ میں پیش کریں اور میلہ سے درخواست کی کہ ضرور سناؤ اسنے یاوبر یاوبر آخر تک سائر ک حقرو فقر۔ یا اسی قسم کا دوسرا گڑھا ہوا ہڈیاں سنا یا عمرو رض سنتے ہی بالکل پالوس ہو گئے بلکہ انکو غصہ آگیا کہ احمق کیا ہم کو نادان سمجھتا ہو جو ایسے لٹو کلام کو جو کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا ہو ہم کو سنائے کی جرأت کرتا ہو اتفاقاً میلہ لعین نے سنانے کے بعد عمرو رض سے کہا کہ کیف تری یا عمرو یعنی اے عمرو تم کیسا دیکھتے ہو یعنی وہ مرد و اس امر کا مستدعی تھا کہ عمرو رض اُسکی تعریف کریں عمرو رض اگرچہ اسوقت تک مسلمان نہ تھے لیکن خاص قریشی فصیح آدمی تھے اور ایک تو اُسوقت غصہ میں تھے اور دوسرے میلہ کے اس تعریف کی خواہش نے انکو اس قدر برا فروختہ کر دیا کہ بے اختیار انھوں نے کہا کہ اے میلہ واللہ تو خود دل ہی دل میں سمجھتا ہو گا کہ میں تجھے سمجھتا ہوں کہ تو بڑا جھوٹا ہو میلہ نے کھسیا کر کہا کہ اے گروہ قریش تم مغرور لوگ ہو تم کو کسی کا لحاظ پاس نہیں ہو اور تم کس وجہ سے ہم پر شرف کا دعویٰ کرو گے ہم بھی تمہاری برابری کا دم بھرتے ہیں اسبطح جب بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خالد بن الولید رضی اللہ عنہ نے حکم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پیامہ کے مزدون سے یعنی میلہ کذاب دُاُسکی قوم سے قتال کیا اور اللہ نے اصحاب رضی اللہ عنہم کو باوجود قلت کے بکثرت قوم میلہ پر فتح دی اور آخر وہ لوگ اسلام لائے تو خالد رضی اللہ عنہ نے وہاں کے اشراف کی ایک جماعت کو حضرت صدیق اکبر خلیفہ رسول صلعم کی خدمت میں روانہ کیا اور وہ لوگ آئے تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اُسے پوچھا کہ وہ پڑھو جو تم کو میلہ سنانا تھا انھوں نے اس کے ہدایات سنائے تو لوگوں نے اہل پیامہ کی حماقت پر تعجب کیا اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے اہل پیامہ تمہارے جو اس عقل پر کیسی بیخبری کے پردے پڑے تھے کہ تم نے اس نہیان پر یقین کیا وہ لوگ سخت نادوم تھے کہ درحقیقت ہم لوگ بہت ہی بدتر گرہا ہی میں پڑے تھے مترجم کہتا ہے کہ اس مقام پر اس مندرجہ کی نقل سے میرا مطلب اس بیان سے یہ بھی ہو کہ مسلمانوں نے دنیا کے پیچھے انگریزی وغیرہ زبانیں حاصل کرنے میں عمر صرف کی اور دین کے لیے زبان عربی بھی نہیں جانتے ہیں اور جہالت ہر طرف بکثرت پھیل گئی ہو اور دنیا کے لیے پہلے زمانہ میں فقط فارسی حاصل کرتے تھے تاہم بہت لوگ عربی سے آگاہ تھے اور اب ایسے اسباب ہیں کہ حالت بہت خوفناک ہو مگر اللہ تعالیٰ نصرت فرماوے تو ایسی جہالت میں یہ موقع ہے کہ اسلام کے دشمنوں نے قرآن مجید کے اعجاز بلاغت و فصاحت پر اعتراضات کرنے شروع کیے ہیں جن قوم جاہل کے لوگ نیچر ہوتے جاتے ہیں اور میں نے نہایت قوی جواب اور بہت آسان اور بالکل صحیح یہ بتلادیا کہ عرب کے فصیح و جہل سے بڑھ کر کبھی کوئی عربی دان نہیں ہو سکتا ہو تو بھلا عجی آدمی کی کیا مجال ہو اگر وہ سو برس تک کوشش کرے تو عرب کے آدمی کے برابر نہ ہو گا تو بھلا اصحاب رضی اللہ عنہم کے زمانے کے اہل فصاحت و بلاغت جو دعویٰ کرنے والے تھے انکی برابری محال ہو جب انھوں نے قرآن کو اعجاز مان لیا اور اُنکے معارضہ سے عاجزی ظاہر کی تو اس زمانہ میں جو کوئی اعتراض کرے وہ احمق جاہل ہے واللہ تعالیٰ ہوا محفوظ العلیم اب تفسیر کی طرف رجوع کرو کہ اللہ تعالیٰ نے مطفئین کی یہ حالت بیان فرمائی کہ۔ الذین اذا اکملنا لول علی الناس لیتوفون اذا

ایسے کہ تم نے جن فصحاء کے کلام سے لیکر قاعدہ بنالیا ہو وہ فصحا خود قرآن مجید کے سامنے سجدہ کرتے تھے تو تمہارا قاعدہ اس کے تابع ہوا بجز سوال
 ضبط ہی اس طرح دوسرا سوال یہ کہ (اذا کالوہم اور ذنوبہم) سیدھے محاورہ میں (کالوہم) اور (ذنوبہم) آتا ہے (جواب) سیدھے محاورہ میں
 مزید بلاغت کا اعتبار نہیں اور جب بڑی بڑی جہتیں ہوں تو انحال میں ایک حرف سے دوسرے فعل کی تقصیر کہتے ہیں اور یہ قاعدہ معروف
 ہے تو یہاں فصاحت پہنچے یہ کہ (لہم) بلازم نفع ہو تو جب سیدھے محاورہ پر کہا جادے کہ (کالوہم) ایسے اُنکے لیے ناپ دیا۔ تو لام کی وجہ سے
 یہ ناپ دے کہ معنی میں ہو کہ لینے مشتری کی منفعت کے لیے کام کیا۔ حالانکہ یہاں انھوں نے مشتری کو خسارہ دیا ہو نفع نہیں دیا ہو تو لام سا
 کر کے فعل کو آؤں یا (اعطوا) کے معنی کو مستحسن لیا یعنی (واذا اذوہم بالکلیل اور اذوہم بالوزن بخسرون) اور جب دوسروں کو یہ لوگ
 ادا کرتے ہیں یعنی پیمانہ سے ناپ کر ادا کرتے ہیں یا وزن سے تول کر ادا کرتے ہیں تو گھاٹ کرتے ہیں۔ اور یہ نہایت لطیف بات ہو اور الحمد للہ
 اللہ ہی بہ تمام الصالحات و علی رسولہ الصلوات و التحیات اور شیخ ابن کثیر نے لکھا کہ بعض علماء نے کہا کہ (کالوہم) میں ضمیر رجم) مفعول نہیں
 ہو کہ (رجم بخسرون) ضمیر متصل ہو تو اصل یہ کہ (اذا کالوہم بخسرون) اور مفعول بوجہ تاکید کے ضمیر متصل محذوف ہو اور ضمیر مفعول بکثرت محذوف
 ہوئی جو غلط ہے وغیرہ نے اسل سوال ہی سافط کر دیا اور اشعار عرب نقل کیے جنہیں (کالوہم) اور (ذنوبہم) موجود ہو یعنی بدون لام کے
 محاورہ آیا ہو تو سائل کا یہ کہنا کہ (کالوہم) محاورہ ہو اور کالوہم نہیں ہو یہ سائل کی خود غلطی و جہالت ہو اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا
 کہ اگر انہی علی الناس ابھی محاورہ میں موجود ہوگا اور سائل کو معلوم نہ ہوا اُسے سوال کیا تنبیہ صرف و نحو اور محاورات کی اہلیت
 ہو جو کہ غرضات اسلامیہ کے بعد لوگوں نے ممالک دور دراز میں قیام کیا اور وہاں سوائے عرب کے عجم کو قرآن و حدیث
 پڑھانے کی ضرورت ہوئی اور عرب میں قیام نہ رہا جہاں مادری زبان تھی سوائے اعراب کے جواب تک عرب کے ممالک میں
 رہتے ہیں تو دوسری صدی میں لوگوں نے یہ خیال کیا کہ کتابوں میں ان لغات وغیرہ کو لکھ لیا جاوے تاکہ اولاد اس سے سیکھیں پس
 تلاش سے جو انیک میسر ہوا لکھا اور ان میں سے نکال کر قواعد بنائے اور اکثر اوقات انکو محاورہ میسر نہ ہوا تو انھوں نے اعراب
 سے طامعات پیدا کی اور انکو لالچ دیا تاکہ وہ لوگ آدین پس وہ لوگ آئے اور دو ایک روز یہاں قیام کرتے تو اُسے محاورات
 سن کر سیکھ لیتے اور لکھ لیتے تھے چنانچہ اسکی حکایت بکثرت ان علماء سے جو لغت کے فن میں امام ہیں منقول و معروف ہیں لیکن
 اسکے ساتھ یہ بات عجیب واقع ہوئی کہ لغت میں جنکو تو دخل ہوا وہ فقط لغت ہی کے ہوئے اور بہت کم ایسے ہوئے جو اسکے ساتھ
 ہم تفسیر و حدیث بھی جانتے تو انھیں میں یہ بات پیش آئی کہ قرآن مجید کے محاورات اُسے رکھے اور قواعد میں نقص رہا کیونکہ یہ
 بات بدیہی تھی کہ جن فصحاء عرب سے تھے محاورہ لیا وہ خود قرآن کی فصاحت کے معتقد تھے حتی کہ جب قرآن مجید کی بلاغت و
 فصاحت شہر ہوئی تو فصحاء جو بڑے بڑے دعوتے کیا کرتے تھے وہ یکایک متحیر ہو کر چپ ہو گئے اور اسکو سحر و جادو وغیرہ کہنے
 لگے اگر کہا جاوے کہ لوگوں نے مسیلہ کذاب کے بنائے ہوئے زبان کو بھی مان لیا تھا (جواب) یہ غلط ہے کہ اُسکے قول کو اعجاب تسلیم
 کیا کیونکہ بکثرت روایات ہیں کہ یہ مسلم نہ تھا چنانچہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اس زمانہ میں جب اسلام کتر تھا اور قریش کا زور
 تھا قریش کی طرف سے مسیلہ کے پاس پیام لے گئے تھے عمرو بن العاص اسوقت تک مسلمان نہ بنیں ہوئے تھے اور قریش نے
 انکو ایسے بھیجا تھا کہ زمانہ جاہلیت میں ان سے اور مسیلہ سے بڑی دشمنی تھی جب عمرو رضوان ہوئے تو مسیلہ نے ایسے اپنا بھیہ
 دکھایا کہ میں بھی خفیہ پیغمبر ہوں اور پیغمبر وحی آتی ہے عمرو بن العاص اس سے متعجب ہوئے کہ یہ بھی اس امر کا قائل ہو کہ خدا کی

فرماتا ہے۔ اَلْحَمْدُ۔ وہ نہایت مہربان ہر جان پر ہے کہ اُسکی عام مہربانی میں نیک بندوں کے ساتھ میں نافرمان بدکار بھی انعام و رزق پاتے ہیں۔ اَلْوَحْدُ۔ نہایت رحمت والا ہر جان پر ہے کہ اپنے خاص بندوں کو رزق ہدایت سے سرفراز فرماتا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت تیرے حق میں یہ بھی ہے کہ تجھ پر کاری کی قوت حاصل نہ ہو اور علماء کو لے کر کہا کہ ہر ایک کما کی جو حرام سے آئی ہو اللہ تعالیٰ اس میں برکت نہیں دیتا ہے۔ وَیَلُّ الْاَشْیَاءَ سِوَاہِمْ اَلَّیہ۔ یعنی لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں انکی چیزوں میں گھاٹ نہ کرو۔ اور یہ دو طرح ہوتا ہے ایک یہ کہ جب اپنے واسطے لے تو بڑھتی لے تو دینے والے کا خسارہ ہوا اور جب دوسرے کو دے تو گھاٹ دے تو ہیکا خسارہ ہوا اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا یہی طریقہ تھا آخر ہلاک ہوئے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (ویل) ہو اور وہ ہلاکت ہو (ع س) یا دلیل کے معنی شدت کا عذاب ہو اور ایک حدیث میں آیا کہ ویل جہنم میں ایک وادی ہے جس میں کافر گرا یا جاوے گا تو چالیس برس تک گرتا چلا جاوے گا۔ ہر حال بیان (ویل) مبدا ہو اور یہ نکرہ ہو تو اس لیے نکرہ مبتدا ہوا کہ بد دعا کے موقع میں ہو (ابو السود وغیرہ) اور حاصل یہ کہ عذاب سخت ہے مطفئین کے لیے اَلَّذِیْنَ اِذَا اُکْتُلُوْا عَلٰی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ وَاِذَا کُلُوْهُمْ اَوْ قُتِلُوْهُمْ یَحْسِرُوْنَ۔ جن کا یہ بیان ہے کہ جب لوگوں پر ناپ لیتے ہیں تو بھر پور لیتے ہیں اور جب اُنکو ناپ دیے یا تول دیتے ہیں تو اُنکا خسارہ کرتے ہیں ف یہ مطفئین کی تطیف کرنے کی کیفیت ہے۔ قولہ اِذَا اُکْتُلُوْا عَلٰی النَّاسِ۔ اِی من الناس یعنی لوگوں سے کیل (پیمانہ) لیتے ہیں۔ ابو السود نے کہا کہ (من) کی جگہ (علی) لانے میں وجہ یہ ہے کہ ناپ لینے میں بندی کے معنی میں یا اشارہ ہو کہ یہ ناپ گویا ان لوگوں پر پڑی یعنی اُنکے حق میں مضرب ہے۔ خطیب نے کہا کہ (الناس) عام ہے تو اشارہ ہے کہ ان گھاٹ کرنے والوں کو کسی سے جیا نہیں رہی بلکہ سب کے ساتھ ہی معاملہ کرنے لگے۔ خلاصہ یہ کہ مطفئ کا نام اس وقت ہو جاتا ہے کہ جب اُسکا یہ چلن ہو اور اگر اتفاق سے ہو گیا اور اُس نے تو یہ کر لی تو یہ مطفئ ہوگا اس کی تشریح نے کہا کہ (یستوفون) یعنی جب اپنے واسطے لوگوں سے ناپ لیتے ہیں تو بھر پور پیمانہ مع زاد لیتے ہیں اور دینے میں خسارہ کرتے ہیں مترجم کہتا ہے کہ ہندوستان میں گہیوں و نمک وغیرہ سب اناج تول مٹھے راج بن اور عرب میں پیمانہ سے بکتے ہیں اور دستور یہ تھا کہ مثلاً ملک شام سے گہیوں کی کھپ آئی اور بیان خریدنے والے بذریعہ خرم کے خریدتے تھے تو گہیوں والے نے بددیانتی سے جب اپنے واسطے خریدار کے خرم پیمانہ میں ناپ کے لیے تو خوب طرح سے چوٹی دار بھرے اور چڑے کا پیمانہ ڈھیلہ ہلا کر خوب کس لیا اور جب اپنے گہیوں خریدار کو ناپ دیے تو ہر پیمانہ کو چالاکی سے ناقص بھرا فاقم (سوال) محاورہ سیدہ ابیہ تھا کہ (اُکْتُلُوْا مِنَ النَّاسِ) اور اُبت میں (علی الناس) ہے (جواب) اوپر لڑ چکا اور (علی) میں بلاغت بڑھ گئی اور مترجم نے واقعہ کی حالت بھی بیان کر دی کہ اہل مدینہ سے گہیوں کے عرص خرم خود ناپ لینے تھے تو یہ ناپ ان خریداروں پر واقع ہوتی تھی اور بلغ یہ کہ اُن پر مضرب تھی اور زیجاج نے کہا کہ بلاغت میں حرف (من و علی) اکتال کے ساتھ موقع موقع سے آتے ہیں اور مترجم کہتا ہے کہ یہ خوب جانو کہ (علی) بیان جیسے ظاہر میں ابلغ ہے اس طرح معانی و اشارات میں بے مثل ہے کیا نہیں جانتے ہو کہ اُس زمانے کے خالص فصحاء عرب جنگی شاعری و فصاحت و بلاغت کی دھوم تھی حتیٰ کہ انھیں شہار ملک شام و فارس و مصر وغیرہ میں جب یہ فتح ہو چکے ہیں لوگوں نے فصاحت سیکھنے کے لیے درس مدرس میں داخل کیے اور پڑھنے پڑھانے لگے اور اب تک یہ دستور جاری ہے تو اُس وقت میں ایسے فصحاء نے شاعرانہ قرآن پاک کی فصاحت و بلاغت کے آگے سجدہ کیا اس لیے مترجم نے بار بار لکھا کہ یہ جو بعض نادان لکھا کرتے ہیں کہ قاعدہ نحو کے موافق نہیں مبالغہ ہے تو یہ بڑی غلطی ہے

میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ جاتا تھا۔ میں نے کہا کہ سب لوگوں سے بہتر ناپ تولیہات میں اہل مکہ یا اہل مدینہ ہیں ابن عمر
 نے کہا کہ یہی ان کے واسطے حق بھی تھا کیا تو نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہو ویل للطفیقین (رواہ ابن ابی حاتم) اور اسکے مانند ابن حجر
 نے روایت کیا ہے (ابن کثیر) اور روایت ہے کہ جب آپ مدینے تشریف لائے ہیں تو وہاں ایک شخص ابو جہینہ تھا اسکے پاس دو صاع
 تھے جب کسی کو دیتا تو گھاٹ صاع سے اور خود لینا تو باڑھ صاع سے لیتا۔ اور روایت ہے کہ مدینے والے تاجر لوگ تھے اور تطفیف
 کیا کرتے تھے اور انکی بیع منابذہ و ملاسہ و مخاطرہ تھیں پس یہ سورہ نازل ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جا کر ان پر تلاوت فرمایا
 اور کہا کہ پانچ چیزیں پانچ کے عوض ہوتی ہیں جس قوم نے عہد توڑا تو اللہ تعالیٰ ان پر دشمن کو مسلط کرتا ہے اور جس قوم نے سوائے حکم
 الہی کے حکم لگا نا شروع کیا تو ان میں محتاجی پھیل جاتی ہے اور جن لوگوں میں زنا کاری پھیل جاتی ہے تو ان میں موت پھیلتی ہے اور جس قوم
 نے تطفیف کرنی شروع کی تو انکی پیداوار گھٹ جاتی ہے اور قحط پڑنا شروع ہوتا ہے اور جس قوم نے ذکوہ روکی تو اُسے بارش روک دی جاتی ہے
 (ابو السعود و سراج وغیرہ) اور بیع منابذہ کی یہ صورت تھی کہ ان میں یہ بات کہی بدی تھی کہ جب میں کپڑا بھینک دوں اور لگ جاوے تو میرے
 جیسے بیع ہو گئی بعض نے کہا کہ مثلاً اناج کی کھسپ آئی اور بائع نے کہا کہ میں فی صدی دس روپیہ نفع سے کم نہ دوں گا اور کسی نے کہا کہ
 نہیں بلکہ آٹھ کسی نے کچھ زیادہ کہا غرض کہ ایک نے کپڑا اُس کھسپ کے اوپر بھینک مارا تو فی صدی دس پر تمام ڈھیری اُسلی ہو گئی
 چاہے کھرے ہوں یا گھنے ہوں اور بعض نے کہا کہ نہیں بلکہ یہ کپڑے میں تھا کہ بائع نے فلاں شخص پر تھان بھینک دیا اسکو ضرور لینا
 پڑے گا چاہے اندر سے ناقص ہو۔ ملاسہ یہ کہ ایک دوسرے کو جھوٹے تو بیع ہو گئی یا تھان پر ہاتھ لگا دے یا ڈھیری پر ہاتھ لگا دے تو
 بیع اسکے ذمہ ہو گئی اور شاید مخاطرہ یہ کہ اس سال تیرے باغ میں جو کچھ پھل آوین وہ میں نے سو روپیہ کو لیے اب اسکو روپیہ دینا پڑے گا
 چاہے باغ میں کچھ نہ آوے اور یہ ہندوستان میں بھی حرام طریقہ سے جاہلی ہے اور بعض نے کہا کہ شکاری سے کہا کہ جو کچھ اس جال میں آوے
 یا اس تالاب میں پھیلیاں آوین دس روپیہ کو میری ہیں یہ جواہر جائز نہیں ہے پھر واضح ہو کہ ابو السعود نے جو حدیث لکھی ہے میں نے کہیں
 نہیں دیکھی اور غالب یہ ہے کہ اخیر کا حکم کسی تابعی وغیرہ کا قول ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ بالجلہ مختار یہ ہے کہ یہ سورہ مدنیہ ہے اور یہ منع نہیں کہ ان میں چند آیات مذکور
 ہوں اور اسکی آیات شمار میں علماء و مفسرین کے نزدیک چھتیس ہیں اور ایک سونٹا نوے کلمات ہیں اور سات سو اسی حروف ہیں کہا ذکرہ الخشب فی السراج

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

انڈ کے نام سے جو مڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

شروع

وَبَلِّغْ لِلْمُطَفِّفِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۖ وَإِذَا كَالُوهُمْ
 خزانہ کے لئے پہنچانے والوں کی وہ کہ جب ناپ لین لوگوں سے پورا بھر لیں اور جب ناپ دین انکو
 أَوْزَارُهُمْ يَخْسِرُونَ ۖ أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ ۖ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ۚ
 یا توں دین ان کو تو گھٹا کر دین کیا خیال نہیں رکھتے وہ لوگ کہ انکو اٹھنا ہے ایک بڑے دن میں
 يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۚ
 جس دن کھڑے رہیں لوگ راہ دیکھتے جہاں کے صاحب کی
 بِسْمِ اللّٰهِ شروع ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے ف جو اس پر توکل کرے وہ اسکی کمائی میں کافی برکت وسعت عطا

حدیث کا سبب صدور یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بازار میں اناج کی ڈھیری دیکھا کہ اس کے پاس جا کر اس کے اندر داخل کر کے جھینکا اناج نکالا اور پوچھا کہ اے ڈھیری والے یہ کیا بات ہو؟ سننے لگا کہ یا رسول اللہ اسپر بوندیان پڑ گئی تھیں تو آپ فرمایا کہ تو نے بھیگے ہوئے اوپر کیوں نہیں رکھے اور حدیث میں ہے کہ تجار لوگ بدکار اٹھائے جادیتے سوئے اُسکے جسے راستی سے برتاؤ گیا۔ حدیث میں سچا ناجرا نانت دار قیامت کے روز نبیین و صدیقین و شہداء کے ساتھ اٹھایا جائیگا۔ (رداء الترمذی الحاکم) ناجر سپا اول جنت میں داخل ہوگا (ابن ابی شیبہ) جسے دنیا کو حلال طریقہ سے اس نیت سے طلب کیا کہ اسکو بھیک مانگنے سے عفت ہو اور اپنے بہن بچوں کیلئے سحی کرے اور پڑوسی پر مہربانی کرے تو اللہ تعالیٰ اسکو قیامت میں اس صورت سے اٹھا دیگا کہ اُسکا چہرہ جو دھوپ کے چاند لیطرح روشن ہوگا اور جسے دنیا کو حلال طریقہ سے اس نیت سے طلب کیا کہ مال کی کثرت و ثروت و مفارحت حاصل ہو تو جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملیگا تو اسکو اپنے اوپر غضبناک پاویگا (علیہ السلام) اور حدیث میں ہے کہ جو گوشت حرام سے جاپہو تو جہنم کی آگ ہی اُسکے لیے سزاوارہی (مس) اور جسے ایک کپڑا دس درم کو خریدا اس میں ایک درم حرام ہی تو حب تک اُسکے بدن پر کچھ بھی باقی رہے اللہ تعالیٰ اُسکی نماز قبول نہیں فرماویگا (مسند احمد) اور حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص حرام سے مال کماتا ہو پھر اس میں سے صدقہ کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ اُسے قبول نہیں فرماویگا اُسکی مثال ایسی ہے جیسے فاحشہ کسی نے زنا سے مال کمایا ہو روٹی تیار داری میں صدقہ کیا (ابونعیم) اور واضح ہو کہ صحیح کی حدیث میں ثابت ہے کہ جو شخص حرام کے مال سے خدا کھاوے اگر وہ سفر میں گرد آلود ہو اور دعا کرے اور بہت عاجزی سے بار بار یارب کرے تو بھی قبول منگی اور وافع رہے کہ حرام کھانے کا ضرر بہت شدید ہے اور اگر وہ شب و روز عبادت کرے تو قبول نہیں ہے اور حلال غذا بہت خوب ہے اگر وہ شخص فرائض پڑھے تو اس سے بدرجہا افضل بلکہ مغفرت کے لائق بنتی ہے واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ اب جاننا چاہیے کہ سورۃ المطففین کے محل نزول میں اختلاف ہے قرطبہ کے کہا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما اور ضحاك و مقاتل نے کہا کہ یہ سورہ مکہ ہے اور حسن و عکرمہ نے کہا کہ مدینہ ہے اور مقاتل نے کہا کہ مدینہ ہے اور قتادہ نے کہا کہ مدینہ ہے ایک روایت یہ کہ سورۃ المطففین سب سے پہلے مدینہ میں نازل ہوا ہے جابر بن عبد اللہ کلبی نے کہا کہ یہ سورہ مکہ و مدینہ کے درمیان نازل ہوا ہے یعنی جب رسول اللہ صلعم نے مکہ سے ہجرت کے واسطے مدینے کی جانب سفر کیا تو درمیان میں یہ سورہ نازل ہوا ہے خطیب نے کہا کہ شاید اسی وجہ سے مکہ و مدینہ ہونے میں اختلاف ہوا ہے مترجم کہتا ہے کہ یہ بعید ہے اور ابن عباس وقتادہ نے کہا کہ مدینہ ہے سو اسے قولہ ان الذین اجر موالاتم سے آٹھ آیتوں تک کہ یہ مکہ میں نازل ہوئیں اور ابن عباس و ابن الزبیر سے روایت ہے کہ اسکا نزول مکہ میں ہوا ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ سورہ مکہ میں سب سے آخر میں نازل ہوا ہے مترجم کہتا ہے کہ شاید یہ سورہ پہلے قولہ ان الذین اجر موالاتم سے آٹھ آیت تک کے میں نازل ہوا تھا پھر شروع سے باقی سورہ مدینے میں اترا تو جسے اولاً نازل ہونے پر نظر کی اُسے کہا کہ مکہ ہے کیونکہ مکہ کے سے نزول شروع ہو چکا تھا اور جسے ابتداء سورہ پر نظر کی تو اُسے کہا کہ مدینہ ہے کیونکہ شروع سے یہ سورہ مدینے میں اترا اور مکمل ہوا ہے واللہ تعالیٰ اعلم ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینے میں آئے تو یہاں کے لوگ ناب تول میں سب سے زیادہ خبیث تھے پس اللہ تعالیٰ نے ویل للمطففین کو نازل فرمایا تو اسکے بعد انکی ناب تول بہت ٹھیک تر ہو گئی (نسائی و ابن ماجہ) اور اس حدیث کو ابن مردودہ و بیہقی نے بھی روایت کیا اور سیوطی نے کہا کہ اسکی اسناد صحیح ہے مترجم کہتا ہے کہ پھر اس سے معلوم ہو گیا کہ شروع سورہ مدینے میں اترا ہے۔ ہلال بن طلق سے روایت ہے

وطلع بن بعض نے کہا کہ تو کل اصرص بن بعض نے کہا کہ نعیم اپنے رب عزوجل کی طرف متوجہ ہونا اور حجیم اسکے سوا کسی طرف مشغول ہونا۔ مترجم کہتا ہے کہ اگر امام جعفر رضا سے یہ قول ثابت ہوا تو اس سے یہ مراد نہیں کہ نعیم و حجیم کوئی چیز نہیں ہے سواے معرفت و خدمت کے حاشا! لیکن مراد یہ ہے کہ جس بندے کو معرفت حاصل ہو وہ جنت میں اعلیٰ نعمت میں ہو اور جو کوئی اپنے نفس کے شہوات میں پھنسا ہو وہ جہنم کی آگ میں سخت عذاب میں ہو اور خلاصہ یہ کہ نیکیاں جنت کے درجات ہیں اور بدکاریاں جہنم میں انواع عذاب ہیں فافہم واللہ تعالیٰ اعلم تو رہے تالے والا امر نو مئذ لئذ۔ واضح ہو کہ ملک دنیا و آخرت میں سب جگہ خالص اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے ہی وہی جسکو چاہتا ہو گراہی دیتا ہو اور جسکو چاہتا ہو ہدایت دیتا ہو واسطی نے کہا کہ رسالات و کلمات و سعایات ہیں پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رسالت پہنچائی اور کلمات حق کلام اللہ ہیں اور بندوں کے سعی ہیں اور الوہیت اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے ہو جس نے یہ سمجھ لیا تو اس نے توحید کو جانا اور واسطی نے کہا کہ ملک ہمیشہ دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے ہی اور وہ قوت و سلطنت و خود مختاری و ایجاد و عطا و غیبہ صفات کا مجموعہ ہے یہ سواے اللہ تعالیٰ کے کبھی کسی کے واسطے نہیں ہے بلکہ امر غیب کو سواے اکابر و اولیاء کے کوئی نہیں پہچانتا ہے اور یہاں خطاب عام ہے تو یہ لوگ جب ہاں مشاہدہ کرینگے تب جان جاوینگے کہ معاملہ کس طرح تھا اور اہل معرفت آج بھی وہی دیکھتے ہیں جیسے کہا گیا کہ اگر پرہہ بٹا دیا جاوے تو میرے یقین میں کچھ زیادہ نہ ہوگا کہ کہتا ہے کہ اس قول کو حضرت علیؓ کی طرف نسبت کرتے ہیں اور شیرازیؒ نے عرائس میں عامر بن عبد القیس کا قول لکھا ہے ہر حال اسکے معنی یہ ہیں کہ جو باتیں شرع حق سے میرے یقین میں ہیں ان میں یقین کی راہ سے کچھ زیادتی نہ ہوگی لیکن معائنہ زیادہ ہوگا اور جو چیزیں غیب سے زیادہ ظاہر ہونگی وہ معلوم ہو جاوے گی رازیؒ نے لکھا کہ دنیا والے ملک پر تغلب کرتے اور ایک دوسرے کی حمایت کرتے اور باہم تعصب و اعانت کرتے تھے قیامت کے روز یہ سب مٹ جاوے گا اور ریاست جاتی رہے گی اور کسی سے کسی کو کچھ مدد اور حمایت نہیں ہو چکی مترجم کہتا ہے کہ اسکی تحقیق اور گزر چکی کہ یہاں قدرت حق عزوجل ان سب پر قابض اور قادر ہے لیکن شان یہ ہے کہ ہر باکیرہ جو کچھ پاکیزگی لیاوے یا ہر شخص جو کچھ دنیاوی نجاست کماوے قدرت ایجاد فرماوے اور وہاں یہ کمائی و امتحان نہیں ہے تو کسی ارادہ و خواہش کا کچھ اثر نہ ہوگا اور ان کو صاف کھل جاوے گا کہ دنیا میں بھی ہم لوگ مختار نہیں تھے واللہ الامر من قبل من بعد سب امر فقط اللہ تعالیٰ ہی کی واسطے خاص ہے واللہ اعلم و الحمد

سورة التطفیف مکیہ وہی ست ثلاثون آیت

اس سورہ کا نام سورۃ المتطففین ہے اور تطفیف کے معنی اصل میں تقلیل کے ہیں اور مجازاً ناپ تول میں کم کرنے والے کو مطفف کہتے ہیں زجاجؒ نے کہا کہ اس وجہ سے کہ مطفف ناپ تول میں کمی و گھاٹ کرنے سے کچھ نہیں پاسکتا سواے قلیل کے۔ اور یہ تطفیف ایسی چیز ہے جسکی وجہ سے گزری امت پر عذاب آیا تھا اور یہ بھی پہلی بلا ہے جس سے امت میں فساد ہوا سیلے کے یہ دلیل ہے کہ لوگ حرص میں منہمک ہیں کہ دنیاوی چیز اس قدر قلیل اس مکر سے لیتے ہیں اور نہایت کمینہ و پست ہمت ہیں اور ناپ و تول ایسی چیز ہیں کہ تمام لوگوں کو اس سے معاملہ کرینیکی حاجت پڑتی ہے اسیدو اسطے حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ بازار میں داخل ہوئے تو فرمایا کہ اے گروہ موالی تم نے ایسے کام (ناپ تول) کو اختیار کیا جو حسین گزری ہوئی امت ہانک ہوئی تم تطفیف نہ کیجو (السنن) اور حدیث میں ہے کہ من غش فلیس منائی یعنی جس نے کھونٹ کیا (میل کیا) تو وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ اس

شق ہو جاتے ہیں اور علوم کے ستارے بکھر جاتے ہیں اور بحر ارداح و عقول منفر ہو جاتے ہیں اور قلب کے قبور سے حقائق کا ظہور ہوتا ہے تو نفوس روحانیہ کو معلوم ہوتا ہو کہ کس قدر اُس نے نفس کو قربان کیا اور کس قدر بچھڑ گیا ہو (عرائس) اور بعض نے کہا کہ یہ حالت موت ہی چنانچہ شیخ ابن العربیؒ نے لکھا کہ جب روح حیوانیہ کا آسمان بھٹ جاویگا اور روح الانبیاء سے جدا ہوگا اور موت سے حواس کے تارے بکھر جاویں گے اور بجار اجسام جو عناصر سے مرکب تھے منفر ہو جاویں گے اور ہر ایک عنصر اپنی اصل کی جانب رجوع کرے گا اور قبور اجسام کرید کر ان میں سے ارواح اور قوی نکال لیے جاویں گے تو اس وقت ہر نفس کو معلوم ہوگا کہ اُس نے کیا مقدم کیا اور کیا منفر کیا ہے۔ مترجم کہتا ہے کہ یہ علم بوجہ اسکے ہوگا کہ اعمال وہاں ساتھ ہونگے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں آدمی فقط اس لیے ہو کہ وہ اعمال ساتھ لے جاوے اور حدیث شریف میں ہادی است حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت ہی عمدہ ہدایت بتلائی کہ ہر عمل جو نیک نیتی سے ہو وہ خوبصورت و عمدہ ہو مثلاً ایک شخص نے عزمہ کے واسطے مٹھائی کھائی تو یہ بیج و لغو ہو اور اگر اُس نے نیک نیتی سے یہ قصد کیا کہ رگ و پٹھے مضبوط ہوں تاکہ علوم و طاعات میں کام آوین تو یہ نیکی ہو کیا تو نے نہیں جانا کہ آدمی جو اپنی منکوہہ جو رو یا مملوکہ لونڈی سے ہم بستر ہو تو اُس میں ثواب ہو اسپر صحابہ رحمہ نے تعباً عرض کیا تھا کہ ہکو اس خواہش نفس میں ثواب ہو فرمایا کہ اچھا اگر تم اس کام کو حرام حکم کر تو عذاب ہوتا صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ جی ہاں تو فرمایا کہ پھر حلال میں ثواب ہو واضح ہو کہ ظہور سلطان حق سے موت نفس ہو کیونکہ نفس کشی اسی کا نام ہو کہ وہ حق کے سامنے مطیع ہو تو نفس کے لیے آسمان یہ دماغ ہو اور اُس میں حواس کے تارے ہیں اور قلب سے اُس کو تعلق ہے اس لیے کہ قلب گویا روح انسانی و نفس حیوانی کے درمیان ہو واضح ہو کہ جو علوم انسان کو ابتدا میں حاصل ہوتے ہیں بعد ظہور حق کے معلوم ہو جاتا ہو کہ وہ علوم کچھ نہ تھے اس طرح جب آخرت میں ظہور عیان ہوگا تو جمیع معارف ساقط ہو جاویں گے قولہ تعالیٰ یا ایہا الانسان ما غرک بربک الکریمؑ لیئے اے انسان کس چیز نے تجھے اپنے رب کریم کے ساتھ غرور میں ڈالا شیخ الشیرازیؒ نے لکھا کہ ابن عطاء نے کہا کہ اس میں شامل ہو کہ اے انسان کس چیز نے تجھے اپنے مولا کے کریم کی حاضری سے منقطع کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ اللہ اپنے رب عزوجل کو نہ پہچانے سے مغرور ہوئے منصور ابن عمار اور یحییٰ بن معاذ رازیؒ نے کہا کہ کرم نے مغرور کیا شیخ شیرازیؒ نے کہا کہ گویا اس جواب کا اشارہ ہو کہ کہو رب کریم کے کرم نے مغرور کیا مترجم کہتا ہے کہ اس قول کو ائمہ علماء کی جماعت کثیر نے رد کر دیا ہو کیونکہ صریح سیاق کلام یہ ہے کہ اے انسان رب کریم نے تجھ پر احسان کیا تو ایسے رب کریم سے تجھے غرور بیجا تھا اسی واسطے شیخ ابن العربیؒ نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ ما غرک بربک الکریمؑ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انکار ہو کہ رب عزوجل کے کرم پر مغرور نہ ہو لیکن اگر رب عزوجل کا کرم ہونا یہ جائز کرتا ہے کہ اُس پر مغرور ہو جاوے لیکن اُس کی طرف سے بکثرت نعمتیں و احسان و کمال قدرت اور صفت غضب اس سے مانع ہیں بلکہ مغرور ہونے کی نسبت خوف کرنے کو زیادہ بخوبی کرتی ہیں۔ کرام کا تبین آسمانی نفوس ہیں کہ جو کچھ یہ لوگ کرتے ہیں سب ان میں نقش ہوتا ہے۔ حال یہ کہ کرم پر مغرور ہونے سے باز ہو بلکہ تمھاری نافرمانی کی جڑ یہ ہو کہ تم لوگ آخرت کی جزا و سزا کو چھوٹ سمجھتے ہو اور یہ کرم پر مغرور ہونے سے بھی بڑھ کر حالت ہو اور کرام کا تبین تمھارے افعال کی حفاظت کرتے اور تم پر لکھتے ہیں اور یہ علاوہ اُن کے ہیں جو تمھارے دائیں بائیں ہو کل ہیں حکم قولہ تعالیٰ عن الیمین وعن الشمال قعیما یلفظ من قول الایہ۔ پس تم لوگ کیونکہ بدکاریوں پر جرات کرتے ہو درحالیکہ تمھارے اعمال آسمان و زمین میں لکھے جاتے ہیں واللہ تعالیٰ اعلم (ابن العربیؒ شیخ شیرازیؒ نے حضرت جعفر رحمہ سے نقل کیا کہ لغیم معرفت ہو اور حجیم نفس رازیؒ نے بھی کہ یہ بین امام جعفر رحمہ سے نقل کیا کہ لغیم معرفت و مشاہدہ ہو اور حجیم نفس کے شہوات و نیاہیں اور بعض نے کہا کہ یہ قناعت

سب چیزیں موجود ہیں تو جس چیز کو مانگے وہ میں تجھے دیدوں یعنی تو اسکو اپنے واسطے حاصل کر لے پس ہر نفس نے نیکی یا بدیہی کے امور میں سے جو کچھ اسکی قسمت ہو سب کما لیا اور اہل کے وقت یہ ذخیرہ لیے ہوئے مر گیا پھر جب قیامت کا روز ہوگا تو طوفان نفوس کے لیے کمائی کا وقت نہیں ہو تو وہ قدرت اُسے سلب ہوگی یعنی قدرت کے قبضے میں وہاں بھی ہیں ورنہ فنا ہو جاوین لیکن یہ نشان نہوگی بلکہ دوسری نشان ہوگی کہ کسی نفس کو یہ کیفیت محسوس نہوگی کہ میں چاہوں یہ کروں یا وہ کروں۔ بلکہ الوہیت حق غرور جل جو بہان پر وہ امتحان میں ہو وہاں کھل جائیگی اور قدرت ملکیت فقط اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ظاہر ہو جاوگی اور یہ غلط فہمی کہ جو بہان کافروں نے اپنی قدرت سمجھی ہو بالکل سٹ جائیگی واللہ سبحانہ تعالیٰ علم فائز کا لازمی ہے کبریٰ میں اور خطیب نے سرسج میں اور ابن الجوزی نے اذکیا میں نقل کیا کہ سلیمان بن عبد الملک نے کے کو جاتے ہوئے مدینے میں قیام کیا اور لوگوں نے خلیفہ وقت کی زیارت کی لیکن حضرت ابو حازم رحمہ اللہ تعالیٰ نہیں آئے یہ ابو حازم وہ ہیں جنہوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے لیکر سب عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کی ہیں اور یہ سوائے انکے کسی راوی سے نہیں پایا گیا۔ بالکل سلیمان نے انکو بلایا اور بہت سی گفتگو کے بعد سلیمان نے کہا کہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے کہ کل کے روز اللہ تعالیٰ کی جناب میں حاضری کیونکر ہوگی ابو حازم نے فرمایا کہ نیکو کار اسطرح حاضر ہوگا جیسے غائب سفر سے اپنے گھر آتا ہو اور بدکار کا یہ حال ہوگا جیسے بھاگا ہوا غلام بکڑ کر اپنے مولیٰ کے پاس لایا جاتا ہے یہ سنکر سلیمان رونے لگا اور اُسے روتے روتے کہا کہ کاش معلوم ہوتا کہ میرا کیا حال ہوگا۔ ابو حازم نے کہا کہ اسے خلیفہ یہ تو مجھے آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے اپنے اعمال کو کتاب الہی کے سامنے پیش کر سلیمان نے کہا کہ کہاں پیش کروں ابو حازم نے کہا کہ وہاں جہاں اللہ نے فرمایا۔ ان الابرار یعنی نعیم وان الفجار یعنی جہیم سلیمان پھر رونے لگا اور کہا کہ اے ابو حازم پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت کہاں ہے ابو حازم نے کہا الا ان رحمتہ اللہ قریب من المحسنین۔ آگاہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت نیکو کاروں سے قریب ہے بعد اسکے سلیمان نے توڑا اشرفیوں کا ابو حازم کے پاس بھیجا ابو حازم نے کہا اے امیر المومنین کیا یہ میرا حصہ ہے یا اسقدر بیت المال سے سب کو دیا گیا ہو سلیمان نے کہا کہ بیت المال میں اس قدر گنجائش کہاں ہو سکتی ہو کہ اس قدر سب دیا جاوے ابو حازم نے کہا کہ پھر اسے خلیفہ میں اپنا ایمان فروخت کرنا نہیں چاہتا ہوں اور ہر چند کہا گیا ابو حازم نے مال قبول نہ کیا رحمۃ اللہ علیہ فائز کا مادراک مایوم الدین ثم ما ادراک الخ جمہور نے کہا کہ شدت ہول ظاہر کرنے کے لیے مکر فرمایا اور جہانی نے کہا کہ نہیں امین جدید فائدہ ہوا دل ما ادراک الخ سے اہل جہنم کا حال ہے یعنی تو ادراک نہیں کر سکتا جو معاملہ اس روز فجا نے کے ساتھ عمل میں لایا جائیگا یعنی جیسے غضب الہی کی صفت کمال ہو کہ اسکو قیاس میں اندازہ کرنا محال ہے اسطرح غضب کے اثر کمال یعنی عذاب کا بھی اندازہ کرنا قیاس و گمان سے غیر ممکن ہے اور آئندہ قولہ تعالیٰ ثم ما ادراک الخ اہل جنت کے واسطے ہے یعنی رحمت کمال کا اثر جو اہل جنت پر نعیم میں ہوگا وہ بھی قیاس سے باہر ہے جہاں تک قیاس و ہم دوسرے وہ اس سے بہت بڑھ کر ہے واللہ تعالیٰ اعلم (تفسیر کبیر) اشارات عرائش میں ہے کہ قولہ تعالیٰ اذا السماء انفطر الخ مترجم کہتا ہے کہ ان کے عالم صغیر ہے اور جو معاملات اسکے نفس میں جس طرح واقع ہوں اسی طرح موت و حشر میں اسکا معاملہ سمجھنا چاہیے اسی قیاس پر اہل اشارات میں سے شیخ الشیرازی نے بطریق ظہور معرفت یہ کہا کہ جیسے قیامت کے روز ظہور کبریائی سے موجودات تاب نہ لاکر بارہ بارہ فنا ہوگی اسطرح عارف میں جب سلطان کبریائی سے تجلی ہوتی ہے تو قلوب کے آسمان

فریق فی الجنة و فریق فی السعیر۔ ایک فریق جنت میں ہو اور ایک فریق دوزخ میں ہو۔ اگر کہا جاوے کہ یہ جملہ اسمیہ ہے اور ابھی فجار لوگ جہنم میں کہاں ہیں (جواب) مراد یہ ہو کہ جب سے داخل ہوں تب سے برابر رہنے کے اور بعض محققین نے کہا کہ اعمال انکو نظر نہیں آتے ہیں صرف اُس مقام میں داخل ہونا باقی ہو لہذا فرمایا۔ یَصْلُوْنَهَا یَوْمَ الدِّینِ داخل ہونگے جہنم میں روز جزا میں و اپنے فجار روز جزا میں حجیم ہیں داخل ہونگے اور روز جزا جسکو جھٹلاتے ہیں خواہ خواہ اُنہر آویگا۔ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِعَائِبِینَ۔ اور وہ اس سے غائب ہونے والے نہیں ہیں و کبھی اس جہنم سے دم بھر کے واسطے غلنے والے نہیں ہیں۔ وَمَا آذَاكَ مَا یَوْمَ الدِّینِ نَحْرًا مَا آذَاكَ مَا یَوْمَ الدِّینِ۔ اور تو نے کیا جانا کہ یوم الدین کیا ہو بھر تو نے کیا جانا کہ یوم الدین کیا ہو ف اس سے اللہ تعالیٰ نے روز جزا کا ہول ظاہر فرمایا کہ وہ نہایت عظیم معاملہ ہو حتیٰ کہ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ تو کیا جانتا ہے کہ یوم الدین (روز جزا) کیا چیز ہے بھر اُسکو مکر فرمایا یعنی اسقدر ہولناک شدید عظیم ہے کہ توبہ و جود اس اعلیٰ شان نبوت کے اُسکی کیفیت قیاس نہیں کر سکتا ہو وہ بہت دراز دن ہو چاس ہزار برس ہو اور بہت ہولناک کہ یہ سب کائنات خراب کر دی جائیگی اور نہایت سخت و شدید واقعات پیش آویں گے اور سخت زلزلہ و کوفت ظاہر ہونگے۔ خلاصہ یہ کہ اے رسول خیر الخلق محمد صلی اللہ علیہ وسلم توبہ و جود اس شان کرامت کے جو اللہ تعالیٰ نے تجکو ازل سے عطا فرمائی ہے تو بھی اس ہولناک دن کی ہول و شدت کی کیفیت اپنے ادراک میں نہیں لاسکتا کیونکہ جسقدر تو تصور کرے وہ ہولناک شدت اس سے بڑھ کر ہے (السراج) مگر حرم کتا ہے کہ یہ وہم نہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عارف اکمل تھے آپ سے بڑھ کر درجہ نبوت میں کوئی عارف نہیں ہوا تو آپ قیامت کی حقیقت کیونکر ادراک نہ کر سکیں گے لہذا یہاں وہ تفسیر ظاہر معلوم ہوئی کہ جو رازی نے بعض سے نقل کی کہ یہ خطاب فجار کو ہے کہ اے فاجر تو یوم الدین (قیامت) سے منکر ہو تو کیونکر منکر ہو تو کیا جانتا ہو وہ بہت سخت لانا ہے (جواب) یہ قول کہ فاجر کو خطاب ہے بہت ضعیف بلکہ خطا ہو کیونکہ جب فاجر اس روز سے منکر ہے تو اُس سے یہ کہنا کیا منہ کہ تو اُسکی حقیقت کو کیا سمجھا۔ یعنی ہولناک سے ہولناک ہے۔ کیونکہ وہ عدم سمجھتا ہے بلکہ صحیح قول یہ ہے کہ خطاب حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو اور نکتہ یہ ہو کہ اُس روز غضب الہی کا کامل ظہور ہوگا اور غضب الہی صفت الہیہ ہو اسکا ادراک محال ہے اسلیئے اُسکے آثار کا احاطہ بھی غیر ممکن ہے فاحفظہ واللہ تعالیٰ اعلم۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُس روز کے ایک اجمالی حالت کا اشارہ فرمایا بقولہ تعالیٰ یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ مِّنْ النَّفْسِ شَيْئًا تَوْأَمًا یَوْمَ مَعْدِنِ لِلّٰہِ۔ وہ دن ہو کہ نہیں مالک ہوگا کوئی نفس کسی نفس کے لیے کسی چیز کا اور کل امر اس روز فقط اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے و اُس روز کوئی نفس اگرچہ اعلیٰ مرتبہ نبوت پر ہو کسی نفس کے لیے اگرچہ اسکا فرزند ہو کسی وجہ سے کچھ نفع کا اختیار نہیں رکھتا ہو جیسے دنیا میں آدمی اپنے آپکو سمجھتا ہے بلکہ اُس روز سب امر فقط اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت میں ہو مگر حرم کتا ہے کہ میں نے اوپر اس نکتہ معرفت کو غور سے بیان کیا ہو کہ دنیا و آخرت ہر جگہ کل امر فقط اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہو لیکن دنیا میں شان حق کا ظہور اس طرح ہو کہ قدرت نے ہر نفس میں اُسکے اختیاری کمائی کے طور پر ظہور کیا ہو یعنی قدرت حق نے گویا ہر شخص سے کہا کہ یہ

[illegible]

مطیع و عاصی کی صورت ہو کیونکہ جسکو وہیں کی صورت میں بنایا ہو وہ کافر کی صورت سے ضد کافرق رکھتا ہو اگرچہ دنیاوی نگاہ اس میں کام نہیں کرتی ہو مترجم کتاب ہو کہ واسطی کے قول کا اشارہ یہ ہو کہ صورت اصل میں روح کے واسطے ہو پس اس طرح موجود ہیں اور اللہ تعالیٰ جسم کو نقطہ اسے بنا کر مستوی کر کے جس صورت میں جہاں ہوتا ہو مرکب فرماتا ہو اور یہ قول اظہر واقفی ہو واللہ تعالیٰ اعلم قولہ تعالیٰ وان علیکم لحاظین الا یہ۔ یہ کلام بطریق تعجب ہو کہ تم لوگ تو یوم آخرت سے منکر ہو اور دنیا میں اپنے افعال و اعمال کو رائگان سمجھتے ہو حالانکہ کرام کا تبین تمہارے اعمال پر لکھتے ہیں تمہیں اہل حق کے واسطے ہوشیار ہونا چاہیے کہ کلمہ وغیرہ اس لیے نہیں ہو کہ اس سے اسرار الہیہ کا ادراک ہو جاوے مثلاً کرام کا تبین کو تم نہیں دیکھتے ہو اور جنگ بدر کے روز کافروں نے مسلمانوں کو اپنے سے دو چند دیکھا حالانکہ اول میں تعداد شمار سے بھی بہت کم دیکھتے تھے اور مومنوں نے کافروں کو ان کے شمار سے بہت کم دیکھا تاکہ جرأت کر کے حملہ کریں ولکن اجسام کو بنظر صنعت حق تعالیٰ دیکھنے میں خطر نہیں ہو کیونکہ یہ نور قدرت ہو واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم لہذا کفار کو ہر چیز اس دنیا میں فریب نشہوت نظر آتی ہے اور دل سے اس پر فریبہ ہوتے ہیں

فانہم تھم اللہ تعالیٰ نے مسئلہ بعث و حشر کا انجام فرمایا

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ۝ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ۝ يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ ۝ وَ

یشک شک لوگ آرام میں ہیں اور بیشک گنہگار دوزخ میں ہیں پیغمبر کے اُس میں انصاف کے دن اور

مَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ ۝ وَمَا اَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ۝ ثُمَّ مَا اَدْرَاكَ مَا

یہ ہو گئے اُس سے چھپ رہے والے اور نہ ہو کیا خبر سے کیا ہو دن انصاف کا پھر بھی نہ ہو کیا خبر سے کیا

يَوْمُ الدِّينِ ۝ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۝ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلّٰهِ ۝

ہے دن انصاف کا جس دن بھلا نہ کر سکے کوئی جی کسی جی کا کچھ اور حکم اُس دن اللہ کا ہے

جب یہ معلوم ہو کہ حشر ضرور ہو تو اسکی بنی صورت ہو کہ جمیع طبقات اولین و آخرین زندہ کر کے جمع کیے جاویں اور جو کچھ

انکی کمائیاں ہیں وہ انکو دیدی جاویں جیسے اُن سے بیان کی گئی ہیں یعنی فرمایا۔ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ۔

البتہ نیکو کار بندے بے شک نعیم میں ہیں۔ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ۔ اور البتہ سخت بخور والے بندے بیشک

جہیم میں ہیں ف دنیا میں بھی دو قسمیں ہیں یا تو ابرار ہیں یا فجار ہیں۔ ابرار جمع بزرگوار بندہ جسکی صفت نیکو کاری ہو اور

اور یہ نیک طریقہ اختیار کرنے پر ہو اور فجار بدکار لوگ اور یہ بھی قبیح طریقہ والے ہیں جنکا ذکر اوپر مذکور ہو یعنی تکذوبین بیوم الدین

یعنی روز حشر سے انکار کرنے والے۔ اور یہی حقیقی اطلاق ہو اگر وہم ہو کہ بعضے وہ لوگ جو یوم القیامتہ کا اقرار کرتے ہیں لیکن دل

میں اسکا یقین و خوف رکھتے ہیں تو اکثر ایسے ہیں جو گناہ کے کام کرتے ہیں تو وہ بھی فاجر ہیں (جواب) بیان (الفجار) باللف لام

معہود ہو یعنی وہی فجار جو یوم الدین کو جھٹلانے والے ہیں یعنی کافر و مشرک و کفری ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ سے کفر کرنا اس قدر

قیح عظیم ہو کہ جہاں بھر کے گناہ اُس کے مقابلے میں ذرہ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نام پاک کے مقابلے میں ہر چیز فنا ہو اور دلیل اس پر

حدیث البقاۃ جو جسکا خلاصہ بیان یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس امت میں سے ایک کو جدا کر کے اُس کے سامنے نامہ اعمال ننانوے

پیش فرمانے کا حکم دیا ہر سچل اس قدر دراز ہو گا کہ جہاں تک نظر پہنچے اور حکم ہو گا کہ کیا تو اس میں سے کچھ انکار کرتا ہے یا مہرے

برابر ہو جسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ جلی قادرین علی ان نسوی بنانہ۔ کیونکہ ہم کو سب قدرت ہو کہ انسان کی پورین
انگلیوں کی یکساں کر دیں۔ یعنی جسے گھوڑے و گدھے کی ٹاپ ہوتی ہو۔ علم التشیخ میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جسم
انسانی کے دونوں جانب معتدل بنائے ہیں حتیٰ کہ جھکڑ بڑبان دائیں طرف ہیں اُسی قدر بائیں طرف ہیں اور کان ناک وغیرہ کے
سوراخ یکساں ہیں اسطرح رودے اور خون کی رگیں اور سچے سب یکساں ہیں عطاؤں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ
نعلک۔ یعنی تجھے قائم معتدل خوبصورت بنا دیا جانور کی طرح الٹا منحنی نہیں ہو شیخ ابوعلی الفارسی نے کہا میں تیری
خلقت اعتدال کے ساتھ بنائی اور حسن تقویم پر ظاہر کیا اور اسی اعتدال سے تجھ میں استعداد عقل و فکر وغیرہ ہوا اور جمیع
حیوانات پر مستولی ہو اور ایسے کمالات پر پہنچ سکتا ہو جہاں کوئی چیز نہیں پہنچتی ہے (تفسیر کبیر) انسان کے
حق میں اکابر اولیاء کا قول ہے کہ یہ عالم صغیر ہے یعنی سر سے پائوں تک اس میں عالم کے نظائر موجود ہیں اور ترجمہ نے
اشارات میں بارہا اسکو نقل کیا ہے اور انسان مجموعہ صفات رحمت و غضب کا مظہر ہے اور یہ بات کسی دوسری چیز میں
نہیں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو محض عقل پیدا کیا ان میں شہوت کے اشیاء میں سے کوئی چیز
مانع نہیں ہو نیند و بھوک وغیرہ کچھ نہیں ہے اور جانوروں کو محض شہوت دی ان میں عقل نہیں ہے یعنی اگرچہ اپنے تن پر دردی
کے حواس موجود ہیں اور انسان کو ان دونوں باتوں میں جمع کر دیا اگر یہ اپنی شہوت کے تابع ہوا اور دنیا میں فقط کھانے
پینے پینے مکان وغیرہ کی لذت و آرائش میں پڑ گیا تو یہ جانور دن سے بدتر ہو گیا کیونکہ جانور میں اگر یہ باتیں ہیں تو وہ
بے عقلی سے معذور ہے اور انسان معذور ہے اور اگر اس نے عقل روحانی کی اتباع کی تو ملائکہ سے افضل ہے اس لیے کہ ملائکہ نے طاعت
کی تو ان میں شہوات کے جھگڑے نہیں ہیں اور نہ تکلیفات ہیں اور انسان نے ان جھگڑوں کو مٹا کر عروج کیا تو قابلِ مدح ہے
مترجم کہتا ہے کہ یہ قول عمدہ نفیس ہے فافہم واللہ تعالیٰ علم قولہ تعالیٰ فی ای صورۃ ما شاء رکب۔ یہاں تین صورتیں محتمل ہیں
(اول) مان باب وغیرہ کی صورت سے مشابہت چنانچہ بیان گذر چکا (دوم) فراور و زجاج نے کہا کہ مختلف صورتیں بلحاظ
خوبصورتی و بدصورتی وغیرہ کے اور بلحاظ نزو و مادہ ہونے کے ہو اور یہ حالت صریح بدیہی دلالت کرتی ہے کہ صانع عزوجل قادر مختار ہے
اس لیے کہ نطفہ بالکل اپنے سب اجزاء میں یکساں ہے اور مان باب کی طبیعت کا اثر بھی اُس کے سب اجزاء میں برابر ہے تو طبیعت کا اثر ان
یکساں صورت پر ہونا واجب تھا اگرچہ چاروں کے خیال پر مادی اثر ہوتا لیکن انکا خیال صریح باطل ہو گیا جب سی مادہ سے
بعض سے سر بن گیا اور بعض سے کان بن گئے یعنی اُس کے مختلف اجزاء سے مختلف شکل کے اعضاء ظاہر ہوئے علاوہ برین بعض
نطفہ سے ایک شکل گوری خوبصورت نکلی اور اُسی نطفہ سے دوسری سیاہ بدصورت نکلی اور کبھی لڑکا اور کبھی لڑکی ہوئی اور
حیوانات میں یہ نہیں ہوتا ہے تو صنعت قادر مختار ہے فقال نے کہا کہ صلیح ہم یقین کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو دنیا میں
تو نگر اور بعض کو فقیر کیا اور بعض کو عمر درازی اور بعض کو قحط دی ایسی حکمت بالغہ ہے جسکی حقیقت عقل حقیر نہیں آتا اس وجہ سے بدیہی
محال ہے کہ حکمت اُس کے علم کا نتیجہ ہو اور علم کی صفت ہمارے ادراک سے محال ہے کیونکہ ہم کو اُسکی ایجاد سے صورتیں خیال میں پاتے
ہیں تو اُس کے صفات علم و ایجاد وغیرہ کیونکہ مخلوق ہو سکتے ہیں جو ہمارے خیال میں پیدا ہوں پس حقیقی ادراک محال ہے اسطرح
چاہتے ہیں کہ رنگ روپ و شکل و قوم و زبان میں مختلف کرنا اُسکی حکمت بالغہ ہے (قول سوم) واسطی نے کہا کہ یہاں صورت

ہوں اور وہی نتیجہ پھر امام رازیؒ نے لکھا کہ یہ دلیل اس بنیاد پر ہے کہ یہ خلقت تمام حکمت ہی تاکہ حکمت کے کام کا نتیجہ ہو کیونکہ جو کام مجنون کرتے ہیں اس کا نتیجہ ہونا ضرور نہیں ہے تو یہاں (بریک الکریم) کے بجائے (بریک الحکیم) کیونکہ نہیں فرمایا (جواب) کہ کرم ضرور حکیم ہو گا اس لیے کہ کرم وہی ہے جو حکمت سے ہو رازیؒ نے کہا کہ یہاں آیات کے معانی بلیغ سمجھنے کے لیے چند باتیں پوچھنے کے لائق ہیں۔ (سوال اول) یہ کہ یہاں صفت کریم مذکور ہے اور کرم سے عقلاً و نقلاً معلوم ہوا کہ غلام مغرور و نڈر ہو جانا ہی (جواب) یہ کہ نڈر ہو جانا غلام کی نادانی ہی اور جواب میں چند وجوہ ہیں ایک یہ کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ اے انسان تو نے اللہ تعالیٰ کا رحم و کرم اپنی خلقت دیکھ کر یہ گمان کہاں سے نکالا کہ نہ حشر ہے نہ نشر ہے اور نہ حساب ہے نہ جزا ہے اس لیے کہ اس وقت دنیا میں انتہائے درجہ یہ موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی وہ بدلہ و نتیجہ نہیں دیتا جو حکمت سے مقرر ہے اور مدت اجل تک مہلت دیتا ہے تو اس سے صرف یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ رب کریم نے دنیا میں ہر طبقہ کو پیدا کر کے رزق و عمر و صحت و حواس وغیرہ نعمتیں جاری رکھیں یہاں تک کہ اپنی اجل تک جس قسم کی کمائی چاہیں حاصل کریں اور بد کام پر انکو بالفعل عقوبت نہیں دی کیونکہ ایسا کرنا تو جبر و بکام سے روکنا ہوتا لہذا ہر ایک کو اس کی خواہش پر چھوڑا تاکہ جس کا جی چاہے عدل کما دے اور جس کا جی چاہے ظلم کما دے پھر جب مدت دنیا گزر جاوے گی تو سب کو پیدا کر کے ہر ایک کا نتیجہ عطا فرما دیگا پھر اس میں کوئی وجہ ایسی نہیں ہے کہ انسان اپنے رب کریم کے ساتھ مغرور ہو جاوے بلکہ رب کریم کے سامنے حیا کر کے اپنے انجام کے لیے نیک راہ ڈھونڈے۔ جواب دوم یہ کہ جب کرم کی یہ حد پہنچی کہ اللہ تعالیٰ بدکاروں سے انعامات جو اجل تک ان کے لیے ضروریات ہیں نہیں روکتا بلکہ جاری رکھتا ہے تو بدرجہ اولیٰ وہ ظالموں سے مطلوبوں کا انتقام لے لیگا تو رب کریم سے بدکار کو زیادہ خوف کرنا لازم ہے جو اب سوم یہ کریم نے جب بے انتہا کرم فرمایا تو لازم ہے کہ خدمت میں کوشش بلیغ کرے اور جرأت چھوڑے جواب چہارم میں بعض الناس نے کہا کہ یہ کہو گا کہ تیرے کرم سے مغرور ہوا۔ مخفی نہیں کہ یہ اُس صورت میں ہو سکتا ہے کہ یا ایہا الانسان سے فقط مسلمان مراد ہو مگر ہم کہتا ہیں کہ تیسرا جواب اس کا رد ہو سکتا ہے فافہم تنبیہ قولہ تعالیٰ الذی خلقک فسو ک فعد لک الایہ۔ میں تین باتیں ایسی مذکور ہیں کہ کرم ظاہر ہو۔ بیان یہ ہے (اول) خلق ہو یعنی پیدا کرنا تو یہ عین کرم ہے بلکہ تمام عیش و غیرہ اسی وجود کے بعد ہے لہذا تعجب نہ لایا بقولہ تعالیٰ کیف تکفرون باللہ و کنتم امواتا فاحیا کم الایہ۔ یعنی تم لوگ کیونکر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے اُس نے تم کو زندہ کر دیا۔ ہ۔ یہ کمال نعمت و کمال قدرت ہے تو کفر و شرک کی کسی طرح گنجائش نہیں رکھتا (دوم) قولہ فسو ک۔ تجھے مستوی (ٹھیک) کیا یعنی تیرے اعضاء صحیح سالم بنا دیے کہ سنتا اور دیکھتا ہے جیسے قولہ اکفر بالذی خلقک من تراب ثم من نطفہ ثم سوک رجلاً الایہ۔ یعنی کیا تو نے کفر کیا ایسے پاک غر و جل سے جسے تجھے خاک سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پیدا کیا پھر تجھے ٹھیک کر کے آدمی کر دیا۔ ہ۔ شیخ ذوالنون مصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ یعنی تمام مخلوقات کو تیرے لیے مسخر کیا اور کسی مخلوق کے لیے تجھے مسخر نہیں کیا پھر تیری زبان ذکر حق کے ساتھ روان کی اور تیرے قلب میں عقل دی اور روح میں معرفت دی اور تیرے سر باطن میں ایمان دیا اور ارم و نہی سے تجکو مشرف کیا اور بہت سے مخلوقات پر تجھے فضیلت دی۔ ہ۔ (سوم) قولہ تعالیٰ فعد لک۔ پس تجھے معتدل کیا۔ مقاتلؒ نے کہا یعنی تیری دونوں آنکھیں و کان و ہاتھ و پاؤں معتدل بنائے ایک ہاتھ دراز اور دوسرا کوتاہ نہیں ہے اور نہ ایک ٹانگ لمبی اور دوسری چوٹی ہے اور نہ ایک آنکھ نارنگی کے برابر اور دوسری مٹر کے

اسکی کچھ غایت ہوتی ہو مثلاً تختے چھیلے گئے اور پائے بنائے گئے اور لوہار نے کیلین بنائیں غرضکہ تخت کا یہ سب انتظام ہوا تو تخت سے غایت و نتیجہ کیا ہو یہ متعین ہونا ہو اسطرح اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا اور آسمان زمین کے انتظام و آثار سے پھل و نباتات نکالا اور انکو غذا دی تاکہ اجل پوری کریں اور زمین اور بجائے انکے دوسرے آوین اور اسی طرح وہ زمین اور زندگی بھرانے واسطے نیک راہ و بد راہ کے کام بتلائے گئے تو آخری نتیجہ ان سبکے واسطے کیا ہو پس ہم کہتے ہیں کہ اس تمام حکمت کا نتیجہ آخری انکو اسی دنیا میں ملے گا یا کہیں دوسرے مقام میں ملے گا۔ لیکن دنیا میں ملنا باطل ہو واسطے کہ دنیا ایسا گھر ہے جہاں امتحان و مشقت ہو یہ نتیجہ راحت کا گھر نہیں ہو میں کہتا ہوں یعنی اسی دنیا میں اجل تک تو انکے افعال کے لیے راہ نیک و بد بتلائی گئی ہو تو اجل کی ختم ہونے پر وہ باقی نہیں رہتا تو یہاں نتیجہ کہاں ملے۔ علاوہ اسکے ہر طبقہ فنا ہو کر دوسرا آتا ہو تو یہ مجموعی حالت کہاں جمع ہونی جو اس حکمت کا نتیجہ نکلتا کیونکہ دنیا و اسکی مخلوقات اول سے آخر تک ایک ہی کام ہو تو انجام بعد ختم کے تخلیک کا تو ضرور معلوم ہوا کہ انجام بعد فنا کے دنیا کے ہو گا اور ضرور ہو گا کیونکہ جب یہ کام عین حکمت ہو تو ضرور اسکا نفع غایت و نتیجہ انجام ظاہر ہو گا اور یہی حشر ہی پس معلوم ہوا کہ جب آدمی نے یہ جانا کہ اللہ تعالیٰ کریم عزوجل نے مخلوقات کو اسطرح پیدا کر کے اجل تک نیک یا بد اعمال کمانے کے لائق کر دیا ہو تو اس عاقل کو قطعاً یقین کرنا واجب ہو کہ اس مجموعی کام کا نتیجہ ضرور ہو گا اور یہی اسی طور پر ہو گا کہ اول سے آخر تک سب مخلوقات جمع ہوں اور نتائج انکے لیے عالم کے جاوین ہی استدلال بعینہ سورہ والتین والزمیتون میں مذکور ہو کہ بعد خلقنا الانسان لنجعل فیہ انسان کو بہت اچھی تقویم پر پیدا کیا آخر تک اور فرمایا فما یملکک بعد بالذین الخ یعنی اس استدلال کے بعد کیون انسان اور جزا سے منکر ہونا ہی پھر واضح ہو کہ یہ حجت اہل عرب وغیرہ ایسے لوگوں پر ہے جو اس امر کے قائل تھے کہ اللہ تعالیٰ خالق ہواں میں تیرا عقل نہ تھی کہ اس حکمت کے نتیجہ پر پہنچتے تو اس سے انکار نہ کرتے ورنہ پھر انسانوں کا آخری نتیجہ کیونکر تخلیک کا جب تک سب جمع نہ ہوں کیونکہ اگر آخری کسی طبقہ کو نتیجہ ملنا گمان کرتے تو اول سے یہ سب طبقے گویا رنگان تھے جو آخری طبقے کے پیدا کرنے کے سامان تھے حالانکہ یہ گمان تو جانور بھی نہیں کر سکتا ہو پس معلوم ہوا کہ سب طبقات ایک وقت میں دو با جمع کیے جاوین اور عقل تو قطعی اسکو ثابت کر چکی اب یہاں وہم اپنا مکر بذریعہ جو اس کے پھیلا دے گا کہ یہ خاک شدہ کیونکر زندہ کیے جاوینگے تو عقل زبردست نے ایک بات میں اسکا دم بند کر دیا کہ ارے نادان جسے انکو عدم سے ایجاد کر دیا تھا وہ انکو دوبارہ پیدا کرنے پر بخوبی قادر ہو تو تجھ کو ان بڑیوں و خاک کی طرف نگاہ کرنے سے کیا غرض ہو کیونکہ پیدا کر نیکی کیفیت تو کبھی تو نے نہ جانی اور نہ تیری طاقت ہو کہ تو جانے پس یہ صاف دلیل کافی ہو۔ اب یہاں ایک فرقہ دہریہ و نیچر ہے جو خالق عزوجل کے منکر ہیں اور بیوقوفی میں جہاں بھرتے بڑھے ہوئے ہیں تو یہ دلیل اُن پر کیونکر حجت ہو (جواب) اس دلیل سے حجت ہے کہ مخلوق انسان مثلاً جب نظام معتدل پر مستقیم و ٹھیک ہو تو خود بخود اتفاقی نہیں ہو تو پیدا کرنے والا ضرور ہو اور اگر تو نے اسکا نام نیچر رکھا تو ہم نام سے بحث نہیں کرتے بلکہ نیچر کی صفت اور کام سے بحث کرتے ہیں۔ یہ بناؤ نیچر کو کسی دوسرے نیچر نے بنایا ہو یا وہ خود بخود قادر ہو کہ اسے اس نظام حکمت کو اپنے علم و قدرت و کمال حکمت سے بنایا ہو پس اگر نیچر خود مختار حکیم علیم ہو تو ہم اُسی کو اللہ تعالیٰ کہتے ہیں تم چاہو نیچر کہو اور اگر وہ خود بعض چیزوں میں دوسرے نیچر کا محتاج ہو تو دوسرے کو بتلاؤ کہ وہ خود مختار ہو یا وہ بھی تیسرے کا محتاج ہو کیونکہ محتاج میں یہ طاقت نہیں کہ اُس سے ایجاد ہو تو آخر ایک خود مختار نیچر کے قائل ہو گے جس میں کمال صفات موجود

صحیفہ کے دونوں طرفین کے بیچ میں جو کچھ ہو وہ میں نے اپنے بندے کو بخشدیا یعنی دونوں طرف استغفار ہو تو بیچ کے گناہ بھی اسکی برکت سے عفو ہو گئے، ابو بکر الزبیریؓ نے کہا کہ اس حدیث کو فقط تمام بن نجیح نے روایت کیا ہے اور اسکی روایت صالح ہوتی ہے شیخ ابن کثیرؒ نے کہا کہ تمام کو بھی بن معین نے نقل کیا ہے لیکن بخاری و ابودرعہ و ابن ابی حاتم و نسائی و ابن عدی نے اسکو ضعیف جانا اور ابن حبان نے اسکو حدیثین بنانے کا الزام لگا یا اور امام احمد نے کہا کہ میں اسکا حال ٹھیک نہیں جانتا ہوں مترجم کہتا ہے کہ ابن حبان کا الزام سخت ہے لیکن وہ اکثر بڑھکے بات کہتے تھے تو دوسروں کے معارضہ میں انکا قول اعتبار نہ ہوگا پس جی ہو سکتا کہ تمام میں ضعف ہے وہ بھی امام بھیؒ کی توثیق کرنے سے خفیف ضعف رہ گیا اور انکی حدیث سنن میں موجود ہے فافہم واللہ تعالیٰ اعلم پھر امام ابو بکر الزبیریؓ نے بطریق سلام عن منصورؒ حدیث ابو ہریرہ رضی روایت کی کہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ملائکہ ہیں جو بنی آدم کو پہچانتے ہیں اور مجھے خیال ہے کہ یہ بھی فرمایا کہ اُنکے نام اعمال بھی پہچانتے ہیں تو جب کسی کو نیک اعمال کرتے دیکھتے ہیں تو آپس میں اسکا تذکرہ کرتے ہیں اور نام لیکر کہتے ہیں کہ آج رات فلاں شخص نے فلاح پائی اور فلاں شخص نے بجات پائی اور جب کسی کو گناہ کرتے دیکھتے ہیں تو باہمی تذکرہ کرتے ہیں کہ فلاں تباہ ہوا بزارؒ نے بعد روایت کے کہا کہ سلامؒ راوی میرے گمان میں سلام المدائنیؒ ہے اور یہ کمزور راوی ہے مترجم کہتا ہے کہ یہ راوی سنن ابن ماجہ میں ہے اسکا نام سلام بن سلیمان بن سوار المدائنیؒ ہے وہ ضعیف ہے یہ سب تفسیر ابن کثیرؒ سے نقل کیا گیا ہے واضح ہو کہ امام ہازیؒ نے تفسیر کبیر میں ان آیات کے متعلق دلائل عقلیہ بیان کیے ہیں اور آج کل نجیری لابیخی خیال کے لوگ بہت ہیں جنکے رو کرنے کے واسطے ایسے دلائل کی ضرورت ہے لہذا تفسیر کبیر سے خلاصہ ترجمہ کرتا ہوں قولہ تعالیٰ یا ایہا الانسان ما غرک برکب الکریم الا یہ واضح ہو کہ جب اللہ تعالیٰ نے اوپر کی آیات میں حشر و نشر واقع ہونے سے آگاہ فرمایا تو اس آیت میں ذکر کیا کہ عقل میں بھی یہ واقع ہونا محال نہیں ہے جیسے گمراہ لوگ زعم کرتے ہیں بلکہ عقل چاہتی ہے کہ ضرور واقع ہو اور اسکی دو دلیلین ہیں (اول) یہ کہ اللہ تعالیٰ رب کریم ہے اور جب اُسکے کرم میں یہ روا نہیں ہے کہ نافرمانی کرنے والوں کے رزق و تندرستی وغیرہ کو قطع و سلب کر دے تو اُسکے کرم میں یہ کیونکر جائز ہوگا کہ دنیا میں جو لوگ مظلوم رہے انکا بدلہ ظالموں سے نہ لے تو اُسکے لیے روز حشر ضرور ہے (دوم) یہ کہ جس رب عزوجل کی قدرت کا یہ نمونہ ہے کہ اس ضعیف قطرے سے یہ انسانی ہیکل بنائی اور اسکو برابر بٹھیک کیا اور اعتدال پر کر دیا تو ہم کہتے ہیں کہ بیان ہوش سے نظر کرو کہ یہ بات کسی حکمت سے ہے یا بے حکمت ہے اگر وہم ہو کہ یہ بے حکمت ہے تو لازم آویگا کہ لغو کام ہے اور یہ بات اعلیٰ نظام حکمت کے اندر بالکل خیال باطل اور بالکل محال ہے اور ایسی کہ اسکو عین حکمت کے ساتھ پیدا فرمایا ہے۔ جب یہ متعین ہوا تو آگے چلو کہ پھر حکمت کے عمدہ فوائد اور نتائج کا اثر کسکے واسطے یعنی خالق عزوجل کے لیے ہے یا انھیں مخلوقات کے لیے ہے لیکن ان دونوں احتمال میں سے اول باطل ہے یعنی انکی پیدائش کا نفع عاید بخالق عزوجل ہو یہ باطل ہے اسلیے کہ خالق عزوجل کامل صفات ہے تو کسی نفع و ضرر کا اسکی جناب میں رجوع ہونا باطل ہے کیونکہ جسکو نفع و ضرر عارض ہو وہ نفع کا محتاج اور ضرر سے لاجار ہے اور یہ محتاجی نقص ہے اور نقص کا پورا کرنے والا خالق اعلیٰ ہے تو وہ خالق ہوا جس میں یہ کچھ احتیاج نہیں بلکہ ہر وجہ سے کمال ہے تو اللہ کے واسطے نفع و ضرر محال ہے پس یہ صورت ٹھہری کہ مخلوقات کی پیدائش کا نفع انھیں مخلوقات کی طرف عائد ہے اور پیدا کرنا عین حکمت ہے پھر یہ حکمت و علت غائیہ کا نفع ان بندوں کو دنیا میں ملیگا یا کسی دوسرے مقام پر ملیگا۔ توضیح کلام یہ کہ جو چیز پیدا کی جاتی ہے

عذاب عام سے پناہ مانگی ہو یعنی اس طرح عذاب نہ آوے کہ سب مستاصل ہو جائیں اور یہاں تو خاص طور پر نسخ ہو تو وہ کسی قوم پر ہو سکتا ہو جیسے خسف بھی عذاب ہو جیسے زمین میں دھنسا دیے جاویں اور موصول وغیرہ اسان میں بہت مدت ہوئی کہ جب خسف واقع ہو چکا ہو لیکن حدیث میں اس سے زیادہ ظاہر ہوتا ہو واللہ تعالیٰ اعلم۔ قولہ تعالیٰ کلا بل تکذبون بالذین۔ کچھ نہیں تم لوگ ورنہ جزا کو جھٹلاتے ہو یعنی بمقابلہ رب کریم کے تمہارے اس غرور و بدکاری کا کچھ باعث نہیں سوائے اسکے کہ تمہارے دل انکار کرتے ہیں کہ آخرت و حساب اور جزا و ثواب کچھ نہیں ہے۔ اسی بد اعتقادی پر بدکاری سے کچھ خوف نہیں کرتے ہو یعنی یہ بھی نہیں جانتے کہ تمہارے اعمال کا کمین پتہ ہو تو وہ تعالیٰ وان علیکم لحاظ نہیں کرانا کا تبین الایہ مترجم کہتا ہو لحاظ نہیں بلام مفتوحہ تاکیدیہ اور ان کی وجہ سے منصوب ہو اور (کرنا) اسکا بدل ہو۔ دہ لینے کرام کا تبین تمہر محافظ ہیں وہ تمہارے افعال ظاہری و باطنی و نسبت دلی و اعتقاد قبیح سب جانتے ہیں اور ذرہ ذرہ تمہر لکھتے ہیں تو تم پر سبیز کرو کہ ظاہر و باطن میں قباح کے مرتکب ہو۔ ابن ابی حاتم نے اسناد وجید حضرت مجاہد تابعی سے مرسل روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے لوگو تم اپنے حفظہ کرام کا تبین کرام رکھا کرو جو رات دن تم سے کسی وقت جدا نہیں ہو سکتے ہیں سوائے دو حالتوں کے ایک حالت یہ کہ جب تم جنابت میں (عورت سے ہم بستر ہو یا احتلام ہو کہ نہانے تک دور سے دیکھتے ہیں) اور دوسری حالت یہ کہ تم پچانہ جاؤ پس تم کو چاہیے کہ جب نہانے لگو تو کسی دیوار سے یا اوٹ سے آڑ کر لویا اسکا بھائی اسکو اپنی آٹمین کر لے (یعنی بے پردہ کھلے میدان میں مت نہاؤ) اس حدیث کو امام ابو بکر البرزازی نے محمد بن عثمان بن کرامہ کی اسناد سے مجاہد بن جباس رضی اللہ عنہ موصول روایت کیا اور اسکی عبارت کا ترجمہ یہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم کو منع فرماتا ہو کہ ننگے ہو جاؤ پس اپنے ساتھی کرام کا تبین سے شرمایا کرو جو ہر وقت تمہارے ساتھ رہتے ہیں کسی وقت تم سے جدا نہیں ہوتے سوائے تین حالتوں کے پچانہ بھرنا اور جنابت اور غسل کرنا پس جب کوئی شخص تم میں سے میدان میں غسل کرنا چاہے تو اسکو چاہیے کہ اپنے کپڑے یاد لویا یا اوٹ سے آڑ کر لے۔ ابو بکر البرزازی نے کہا کہ اسکی اسناد میں حفص بن سلیمان کا حافظہ مست ہو مترجم کہتا ہو کہ ابن ابی حاتم کی اسناد میں یہ راوی نہیں ہیں بلکہ بجائے انکے سفیان ثوری اور معمر بن کرام دونوں ثقہ حافظا امام ہیں اور مجاہد خود مختار ثقہ امام مشہور ہیں تو جب انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے تو ضرور انھوں نے معتد طریقے سے اسکو پایا ہے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ ہو جاوے اور سب جانتے ہیں کہ اپنے فرمایا کہ میرے اوپر جھوٹ باندھنا ایسا نہیں ہو جیسے اور کسی پر جھوٹ ہے بلکہ جو کوئی عدا مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بناوے مترجم کہتا ہو کہ اگر کسی کو اعتدائی طریقے سے حدیث نہ ملی اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے نقل کی تو یہ عدا جھوٹ باندھنے والا ہو پس مجاہد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اسناد میں سلیمان راوی کی نسبت نسائی نے کہا کہ وہ ثقہ ہو اور بخاری نے اسکی روایت سے حدیث قبول کی ہو اور حفص بن سلیمان تمیمی البصری ہو کہ چونکہ ہزار نے کہا کہ اس شیخ سے حدیث کی روایت لی گئی اور یاد رکھی گئی اور اگر یہ اسدی کوئی فاری ہوں تو دیکھنے نے ثقہ کہا اور احمد و بخاری نے منردک کہا ہے اور یہ امام ہزار کے قول سے مخالف پڑتا ہو پس وہ بصری ہو واللہ تعالیٰ اعلم پھر امام ہزار نے بطریق تمام بن مخجم حدیث انس روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے جس یوم کو کچھ عمل کیا اسکے حافظین اسکا صحیفہ جناب باری تعالیٰ میں حاضر کرتے ہیں تو جو حافظین کوئی ایسا صحیفہ پیش کرتے ہیں جسکے اول و آخر میں استغفار ہوتا ہو تو اس صحیفہ کی نسبت اللہ تعالیٰ ہی فرماتا ہو کہ

عن مطہر بن العیثم باسنادہ روایت کی کہ رباح رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیری اولاد کیا پیدا ہوگی میں نے عرض کیا کہ یا حضرت وہ لڑکا ہوگا یا لڑکی ہوگی آپ نے فرمایا کہ اُسکی شبابہت کیسی ہوگی میں نے عرض کیا کہ یا حضرت اُسکی شبابہت یہی ہو کہ ماں کو پڑے یا باپ کو پڑے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ٹھہر اور یہ بات مست کہہ۔ لطفہ جب رحم میں ٹھہرتا ہو تو اس لطفہ سے لیکر آدم تک جس قدر نسب کے لوگ ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ سب کو اسکے لیے حاضر کرنا ہی بھریہ آیت پڑھی اس حدیث کو ابن ابی حاتم و طبرانی نے بھی حدیث مطہر سے روایت کیا ہو اور یہ حدیث اگر ثابت ہوئی تو آیت کی تفسیر اسی پر مبنی ہو ولیکن اسکی اسناد ذہبت نہیں ہو (مترجم کہتا ہو کہ محمد بن سنان میں کلام ہو) اور مطہر بن العیثم کے حق میں ابوسعید بن یونس نے کہا کہ وہ متروک ہو اور ابن حبان نے کہا کہ ایسی باتیں روایت کرنا ہو جو پرہیزگار ثقہ لوگوں کی حدیث سے مشابہ نہیں ہیں ولیکن میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کے واسطے کچھ شہادت صحیح حدیث سے ملتی ہے کہ صحیحین میں حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عورت نے سیاہ لڑکا جنا (یعنی میں گورا ہوں اور وہ گوری ہو تو سیاہ ہونے کے کیا منے ہیں گویا اُسکو شبہ ہو کہ اُسکی عورت نے کسی حبشی غلام سے فجور کیا ہو) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تیرے پاس اونٹ ہیں اُسے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ کس رنگ کے ہیں اُسے کہا کہ سُرخ ہیں آپ نے فرمایا کہ بھلا ان میں کوئی اور ق بھی پیدا ہوا ہو اُسے کہا کہ جی ہاں اُس میں چند اور ق ہیں (اور ق را کہ کے رنگ کا اونٹ م تو آپ نے فرمایا کہ یہ رنگ اُسکے بچہ میں کہاں آگیا اُسے کہا کہ شاید اُسکی کوئی رگ چھوٹی ہو (یعنی ابتدا سے نسل سے اس اونٹنی تک جس قدر اُسکے ماں باپ گذرے ہیں سب کی رگ اس میں موجود ہو تو شاید نسل میں کوئی اور ق ہو اُسکی رگ چھوٹی اور بچہ میں اسکا رنگ آیا ہو) تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ پھر اس تیری عورت سے بچے میں بھی شاید اُسکی رگ چھوٹی ہو (صحیحین وغیرہ) عکرمہ نے کہا کہ قولہ تعالیٰ فی ای صورتہ ماشا رکبک جس صورت میں تجھے چاہا مرکب کیا عکرمہ نے کہا کہ (انسان بنا یا لیکن اگر چاہتا تو بندر کی صورت میں بنانا اور چاہتا سو رکی صورت میں بنانا ابوصالح نے کہا کہ چاہتا تو سور یا گتے یا گدھے کی صورت میں بنانا مترجم کہتا ہو کہ میں نے ایک شخص کے بیان اُسکی زوجہ سے بچہ عجیب شکل دیکھا کہ چہرہ سے گردن تک بندر سے مشابہ تھا اور باقی بدن چوہے سے بہت مشابہ تھا اور بجائے ٹانگوں کے دُم جتنی نفوذ باللہ من ذلک۔ قتادہ نے اس آیت کو پڑھ کر کہا کہ واللہ بدشک ہمارا رب تبارک تعالیٰ اس بات پر قادر ہو۔ ہ۔ ان علماء کے نزدیک اس آیت کے یہ منے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ قادر ہو کہ لطفہ سے چاہے قبیح جانوروں کی مکروہ صورت عورت سے پیدا کرے ولیکن اپنے حلم و کرم سے اُسکو تندرست و راست و انسانی نیک صورت پر پیدا کرتا ہو (تفسیر ابن کثیر) واضح کہ ایک جماعت مشائخ عارفین سے کشوف روایت ہیں کہ انھوں نے گمراہ فرقوں کے انہیں اور کبیرہ گناہ والے ظالموں کو جانوروں کے قبیح صورت میں مشاہدہ کیا اور حدیث میں ازربعین کی صورت آخرت میں ساہی کی صورت میں ظاہر ہونا مذکور ہو اور سنن ابی داؤد کی حدیث میں ہو کہ آخر زمانہ میں اس امت میں بھی خسف و سنج ہے یعنی صورتیں مسخ ہو کر جانوروں کی شکل پر ہو جائیں گی جیسے بنی اسرائیل میں یوم السبت کو تکار کرنے والے بند کر دیے گئے تھے جو تین روز کے بعد مر گئے اور بعض علماء نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت پر دنیاوی عذاب سے پناہ مانگی ہو تو یہ مسخ ہو گا کہ باطنی صورتیں مسخ ہو جائیں جن کو اہل کشف نے مشاہدہ کیا ہو مترجم کہتا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیاوی

سفیان بن عیینہ نے کہا کہ ایک شخص یہ آیت یا ایہا الانسان ما غرک بربک الکریم۔ پڑھتا تھا تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ اُسکو جہالت نے مغرور کیا یعنی اپنی جہالت سے دھوکے میں پڑا (ابن ابی حاتم) اور ابن ابی حاتم نے عمر بن شیبہ کی اسناد سے روایت کیا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ آیت پڑھی اور کہا کہ واللہ اُسکی جہالت نے اُسکو مغرور کیا (اسناد حسن) اور اسی کے مثل ابن عباسؓ اور بیع بن طفیم و حسن بصریؓ سے روایت ہو اقول یعنی انسان کو اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال سے اور قہر و عذاب سے نادانی و جہالت ہی وہ پہچانتا نہیں ہوا سیلے مغرور ہی چنانچہ کافر محض جاہل ہی اور مسلمان اُسکی الوہیت پر ایمان لایا لیکن یہ نور ایمان فقط قلب میں سمع روشن ہو پھر اعمال سے جسم منور ہوتا ہی چنانچہ وضو سے ناخن کے نیچے سے خطائیں گرجاتی ہیں پس ظاہر و باطن نورانی ہو کر معرفت پڑھتی ہو جیسا کہ قولہ تعالیٰ نور السموات والارض الایہ۔ کی تفسیر میں مفصل احادیث و آثار کا ذکر ہو چکا ہو پس ابتداء میں نفس کی تاریکی میں نادانی ہوتی ہی یہاں تک کہ نورانی ہو پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم جانتے جو میں جانتا ہوں تو ہنسنا چھوڑتے اور رونما اختیار کرتے اور باہر شکیرون پر جا کر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے پناہ مانگتے رہتے فافہم ابن کثیرؒ نے لکھا کہ قتادہؒ نے اس آیت میں کہا کہ آدمی کو کسی چیز نے مغرور نہیں کیا سوائے اس دشمن شیطان کے فضیل بن عیاضؒ نے کہا کہ اگر یہ مجھے کہا جاوے تو میں کہوں تیرے پردے چھوٹے ہوئے ہیں انھوں نے مجھے مغرور کیا۔ ابو کبیر لورقؒ نے کہا کہ میں یہ کہوں کہ کرم نے مجھے مغرور کیا بغویؒ نے لکھا کہ بعض اہل اشارات نے کہا کہ (بر بک الکریم) میں صفت (کریم) اسلیے فرمائی کہ بندے کو جواب معلوم ہو جاوے کہ تیرے کرم نے مجھے دھوکا دیا اور ابن کثیرؒ نے کہا کہ یہ تو بیفائدہ کلام ہو بلکہ سیلے یہ صفت (کریم) فرمائی کہ آدمی کو دنیا میں تنبیہ ہو کہ جسے مجیر یہ بے قیاس کرم کیا اور کرتا ہی تو مجھے نہیں چاہیے کہ کفر و نافرمانی سے اُسکا مقابلہ کروں مترجم کہتا ہو کہ جن لوگوں نے کرم سے یہ اشارہ لگا لاکہ میں تیرے کرم پر بھروسہ کر کے مغرور ہوا تو اُسے اللہ تعالیٰ کی شان عظمت پہچانی اور اپنے نفس کو بھی پہچان گیا تو وہ ایمان رکھتا ہے کہ الوہیت اُسی کے واسطے ہے چاہے وہ بیگناہ کو عذاب کرے تو اُسی کی ملک ہو اور ایمان ہی ہو کہ رحمت و کرم سے نامید نہوا اور عذاب سے ڈرے تو قیامت کے دن جب یہ فرمایا جاوے تو کرم کے بھروسے پر اپنی جہالت عرصہ کر لگا اور وہ الوہیت جانتا ہے اور عذاب سے ڈرتا ہی برخلاف کافر کے کہ وہ اسطرح مغرور نہیں ہو بلکہ نفس کی تسویل و شیطان کی ترغیب میں پڑا رہا اگر وہ اُس روز کہے کہ کرم پر مغرور ہوا تھا تو چھوٹ ہو فافہم واللہ تعالیٰ علم اور عالم میں نقل کیا کہ کلبیؒ نے سبب نزول اسود بن شریق کو بیان کیا ہو۔ یعنی یہ کافر کچھ بھی شان حق نہیں جانتا تھا لہذا فرمایا۔ الذی خلقک فسوکت فعدلک۔ یعنی تجھے

ٹھیک کیا اور قد و قامت میں راست کیا اور باہمی مناسبت کے اعصاب خوبصورت دیے ہیں۔ امام احمدؒ نے حدیث روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز تھیلی پر ایک قطرہ رکھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عزوجل فرماتا ہو کہ اے آدمی تو کیا مجھے کسی بات سے عاجز کر لگا حالانکہ میں نے تجھے ایسے ایک قطرہ سے پیدا کر دیا حتیٰ کہ جب تجھے ٹھیک پورے قد و قامت میں ہوش جو اس کے ساتھ معتدل کیا تو زمین پر اگر تانا ہوا اپنے لباس کو دیکھتا چلا پھر تونے دنیاوی متاع ادھر ادھر سے سمیٹ کر جمع کی اور دوسروں کو دینے سے روکی یہاں تک کہ جب تیری ہنسی پر دم آیا (یعنی وہ جینے سے مایوس ہوا) تو کہنے لگا کہ اب ہمدقم کرتا ہوں حالانکہ اب صدقہ کا وقت کہاں ہو (رواہ ابن ماجہ ایضاً) قولہ تعالیٰ فی اسی صورت میں چاہا تجکو مرکب کیا۔ مجاہدؒ نے کہا یعنی مان و باپ و ماموں و چچا وغیرہ جس کی شبہت میں چاہا تجکو بنایا۔ ابن جریرؒ نے محمد بن القزاف

عدم سے بنا دیا وہ جب جانے تجھے دوبارہ پیدا کر دے اور اسی کے قبضہ قدرت میں ہر مخلوق کا ذرہ ذرہ ہی پھر یہ انکار کیوں اور غور کیوں ہے۔ **كَلَّا بَلْ تُكَلِّمُونَ بِاللَّيْنِ**۔ کچھ نہیں بلکہ تم لوگ بدلا ملنے کو جھٹلاتے ہو ف تم یہ نہیں مانتے ہو کہ دنیا میں جیسے اعمال کماؤ اجل تک مدت پھر دنیا ختم ہو کر اٹھائے جاؤ گے اور اپنے اعمال کا بدلا پاؤ گے اس میں تم کو یہ فرد ہے کہ جس نے اول عدم سے پیدا کیا وہ دوبارہ کیونکر پیدا کرے گا اور اعمال کا جہہ کیونکر چکا بلکہ برخلاف اسکے یہ سمجھتے ہو کہ دنیا میں غنی و فقیر اور جاہل و عالم اور نیک و بدکار فاجر ہیں سب دنیاوی عیش کی راہ سے نیکی یا بد بخت ہیں مثلاً یہاں جو بد خلق بد کردار ناپاک حرام خور زبردست بیرحم موزی تھا کہ رعایا کے مال لیکر عیش کرتا تھا وہ بڑا خوش نصیب اور جو یہاں نیک ذات نیک خلق خوبصورت پاکیزہ سیرت ایما نثار رحم دل سب کو راحت پہنچانے والا لیکن مفلس تھا وہ بد بخت رہا اور جب دو لڑن مرے تو خاک ہو گئے بلکہ تم اس جہالت میں برگذ کے درخت کو حسرت سے دیکھتے ہو گے جو یہاں تم سے زیادہ مدت عیش کرتا ہی تھا جب تم روز جزا کو جھٹلاتے ہو تو اعمال کی کیا فکر ہے اور ان کا وجود بھی نہیں مانتے اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا۔ **وَإِنْ عَلَيْكُمْ تُحْفِظِينَ يَزَادْكُمْ كِتَابًا تَبِينَ يَوْمَ تَكُونُ مَأْتَفَعُونَ**۔ اور البتہ تم پر حفاظت کرنے والے کرام کا تبیین ہیں وہ خوب جانتے ہیں جو تم کرتے ہو ف۔ یعنی تمہارے اعمال ذرہ ذرہ کسی حال میں ضائع نہیں ہو سکتے ہیں تمہاری نیت تک کرام کا تبیین فرشتوں کو معلوم ہی رہے تمہرے حفاظ ہیں اور اللہ تعالیٰ کہیں غائب نہیں ہو پس ضرور ہو کہ قادر کریم عزوجل تم کو زندہ کر کے انھیں اعمال کے موافق بدلا دے گا اقوال مفسرین قولہ تعالیٰ یا ایہا الانسان ما غرک ببریک الکریم یہاں انسان سے جسکو خطاب ہو کیا مراد ہے (جواب) دو قول ہیں (ایک) یہ کہ کافر مراد ہو (دوم) یہ کافر جمیع اقسام مع لکھا مسلمانوں کے مراد ہیں فتح البیان میں لکھا کہ کشف وغیرہ میں ہے کہ دوسرا قول زیادہ راجح ہے۔ اور خطیب نے سراج میں لکھا کہ ظاہر آیت یہ کہ فقط کافر مراد ہو اور معنی یہ ہیں کہ اے کافر کس چیز نے تجھے دھوکا دیا کہ تو مغرور ہو کر رب عزوجل کی الوہیت و قدرت سے اور دوبارہ زندہ کرنے و حشر و نشر سے کافر بن گیا۔ روایت ہے کہ یہ آیت ولید بن المغیرہ کے حق میں نازل ہوئی یا ابن عباس سے مروی ہے اور کلینی و مقاتل نے کہا کہ ابو الشریح کے حق میں نازل ہوئی۔ بعض علماء رح تے کہا کہ اچھا شاید وہ کسی خاص کافر کے قول و فعل کی مذمت پر نازل ہوئی ہو لیکن حکم عام ہے اس لیے کہ عموم کلام کا اعتبار ہی اور حسب نزول کا اعتبار نہیں ہوتا ہو اور عام حکم ہر ایسے شخص کے حق میں ہو جو اپنے رب عزوجل کے ساتھ غفلت کے غرور و دھوکے میں ہو کیونکہ معنی یہ ہیں کہ اے انسان تجھے کس چیز نے فریب میں ڈالا اور باطل بات تجھے راج کے دکھائی کہ جس سے تو نے اللہ تعالیٰ کا حق واجب چھوڑ دیا اور حرام و منکر چیزوں کا مرتکب ہوا پس یہ خطاب ہر ایسے شخص کو ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی الوہیت سے کفر کیا اور ہر ایسے شخص کو جس نے توحید کا اقرار کیا لیکن بدکاریوں کا مرتکب ہوا۔ اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت (کریم) ہے تو یہ صفت جابہتی ہے کہ بندہ اسکے بھروسے پر مغرور ہوا اس لیے کہ کریم کے نزدیک فرمانبرداری کی فرمانبرداری اور نافرمان کی گنہگاری دونوں کیساں ہیں جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اپنے غلام کو تین مرتبہ بلند آواز سے پکارا اُس نے کچھ جواب نہیں دیا دیکھا تو وہ دروازے پر موجود ہو آپ نے فرمایا کہ تو نے کس غرور پر مجھے جواب نہیں دیا اُس نے کہا کہ مجھے بھروسہ تھا کہ آپ حلیم ہیں اور میں سزا سے بچوں ہوں آپ نے اُس کا جواب پسند فرمایا اور اُس کو آدا کر دیا اور مثل مشہور ہے کہ جب کا کریم ظاہر

حشر کا آنا ہو کہ جنتی جنت میں جاوے اور دوزخی دوزخ میں جاوے یہ کب ہوگا تو فرمایا کہ اذالسماء انفطرت الخ جب آسمان
 شکافتہ ہوگا آخر تک تو اس زمانے میں ہر ایک کو اپنے اعمال مقدم و مؤخر کا علم ہو جائیگا اس سے یہ ضرور نہیں ہے کہ
 قبروں سے اٹھتے ہی یہ علم ہو (احتمال دوم) فقال نے کہا کہ علت نفس ما قدمت و آخرت۔ سے شاید یہ مراد ہو
 کہ قیامت سے پہلے یہ علم ہوگا بلکہ اس وقت یہ علم ہو جاوے جب قیامت کے علامات ظاہر ہوں اور شرعی احکام
 بجالانے کا وقت باقی نہ رہے جیسے قولہ تعالیٰ لا ینفع نفسا ایمانہا لم تکن آمنت من قبل الایہ۔ یعنی جب کسی نفس
 کو اس کا ایمان نافع نہ ہوگا جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا ہو یا اپنے ایمان میں خیر نہیں کمائی۔ ۱۔ پس اس حد تک جو کچھ
 انسان نے کیا ہو وہ مقدم ہو اور جو اسکے بعد عمل کرے وہ مؤخر ہو (تفسیر کبیر مترجم کتابی کہ اس قول کا حاصل یہ نکلا کہ
 آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا اور دابۃ الارض کا نکلنا ایسا وقت ہوگا کہ اسکے بعد کسی کا ایمان قبول نہ ہوگا تو اس وقت
 جس نفس نے جو کچھ کیا وہ مقدم ہو اور جو اسکے بعد ہو وہ مؤخر ہو مترجم کتابی کہ اس قول کے موافق اذا القبور بغشرت کے
 معنی مردے زندہ کرنے کے نہونگے کیونکہ ابھی تک مردے زندہ نہیں ہوئے ہیں بلکہ فقال نے یہ معنی لیے ہونگے کہ
 جب زمین اپنے خزانے اگل دیگی جیسا کہ رازی نے ذکر کیا ہو فافہم اور یہ قول ضعیف ہو بلکہ یہ نظیر ہے قولہ تعالیٰ ینبأ الانسان
 یومئذ بما قدم و آخر۔ اس روز انسان کو آگاہ کیا جائیگا اس خیر سے جو اس نے مقدم کی اور جو مؤخر کی۔ ۲۔ مان یہ آگاہی دو طرح
 ہو سکتی ہو ایک یہ کہ کفار اس ہولناک منظر کو دیکھ کر جان لینگے کہ جو کچھ انبیاء علیہم السلام کہتے تھے وہ حق ہو بلکہ یہ بات انکو قبر میں اٹھا
 جانے ہی سے معلوم ہو جائیگی اور قبروں سے اٹھ کر جان لینگے کہ آج وہی روز قیامت ہو لیکن دنیاوی زندگی میں کافروں پر
 جو اس مسلط ہیں اور جو اس کا اتصال نفس سے اور نفس کا ارتباط شیطان سے قوی ہو لہذا شیطان نے ہر کافر قوم میں
 اسکے دنیا پر اطمینان کرنے کے اعتقادات جمادیے ہیں مثلاً بعض نے زعم کیا کہ مرنے کے بعد پھر اسی دنیا میں آجاتے ہیں اور جبکہ
 پاس یہ دنیاوی مال و متاع نہ ہو وہ جہنم میں ہی رہیں۔ یہود و عیسویہ نے زعم کیا کہ فلان پر یا یہ خیر اسکو ضرور بخشوا لے گا۔ بعض نے زعم کیا
 کہ جسم خاک ہو گیا اسکا دوبارہ زندہ ہونا بالکل محال ہو اور وہ ذرے بھلا کون شخص پہچان سکتا ہو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت و عظمت
 کو بالکل نہیں پہچانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو مخلوق پر قیاس کرتے ہیں لہذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا یٰٰہَا الْاِنْسَانُ مِمَّا
 عَمَّرَ لَکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ الَّذِیْ خَلَقَکَ فَسَوْ دَکَ فَعَدَ لَکَ فِیْ اٰیِّ صُوْرَةٍ مَّا رِثَآءَ
 رَکِبَکَ۔ اے انسان کس چیز نے تجھے دھوکے میں ڈالا اپنے رب کریم کے ساتھ جس نے تجھے بنا کر ٹھیک کر دیا پس معتدل
 کیا جس کسی صورت میں چاہا تجھے مرکب کیا ف یعنی اے انسان تیرے رب کریم نے محض کرم سے بدون کسی غرض و نفع
 و ضرر کے مردہ لطفہ سے مخلوق کیا و حقیقت تو وہی مردہ لطفہ ہی پھر قدرت ہی کی تاثیر سے تو آدمی بن گیا پس غور سے دیکھ کہ
 تمکو برابر ٹھیک کیا یعنی اعضائے ضروری مع فدا و قیامت دے پھر تمکو عدل کیا یعنی معتدل خوب صورت مع جو اس و قوی کے
 مستوی بنایا۔ ثم رکبک فی ای صورۃ ماشاء رکبک۔ مانکرہ کی تاکید ہو یعنی پھر تجھے جس کسی صورت میں چاہا مرکب کیا۔
 ہر جسم کے لیے اصلی صورت روح ہو اور ظاہری صورت میں مان و بارہ وغیرہ کی مشابہت ہو لیکن عجب یہ قدرت ہو کہ ہر فرد کو
 دوسرے سے ممتاز صورت میں رکھا و وجودیکہ انھیں مجدد و اعضائے میں سب ہیں پس جسے تمکو اس قدرت کے ساتھ

ہیں (اول) آسمان پھٹ جانا جیسے دیگر آیات میں مذکور ہے (دوم) ستاروں کا بکھرنا جو آسمان کی ترکیب مٹ جانے پر خود لازم ہے واضح ہو کہ جو اس کے مقلد فلاسفہ نے اپنے وہام میں یہ جالیا کہ آسمان ایسا جسم ہے جس کا پھٹ جانا اور مل جانا محال ہے اور ہم نے اسکو رد کر دیا کہ جسم ہونے میں سب اجسام یکساں ہیں اسی لیے ہم جسم کی تقسیم اس طرح کرتے ہیں کہ جسم دو طرح کے ہیں ایک بالائی عالم میں ہیں اور دوم پستی کے عالم میں ہیں تو اقسام کا مقسم یعنی جسم ہونا دونوں میں مشترک ہو ورنہ تقسیم نہ ہوتی اور جب جسم ہونے میں دونوں یکساں ہیں تو پستی کے جسموں کے حق میں جو بات صحیح ہو وہ بلندی کے جسموں میں بھی صحیح ہو کیونکہ یکساں چیزوں کا حکم ایک ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ آسمان پھٹ جانا صحیح ہو باقی رہی پستی کی دونوں علامتیں تو (اول) سمندرون کا منفرج ہونا (قول) اسکا بکھرا ہونا اور گزر چکا اُسی قدر رازی نے بھی لکھا ہے (دوم) قبور کی بغرت تو اُسکی دو صورتیں ہیں (صورت اول) یہ کہ اُن میں سے مردوں کو زندہ کر کے نکال دیا جاوے جیسے تورہ تعالیٰ و آخرت الارض انقاہا زمین اپنے بوجھ کو نکال دیگی (صورت دوم) یہ کہ زمین اس لیے اُٹھی جاوے کہ جو کچھ اُس میں ہونا چاندی ہو سب خارج کر دیا جاوے اور یہ بھی قیامت کی علامت میں سے ہے پھر اسکے مروے نکالے جاویں گے۔ لیکن صورت اول ہی ٹھیک معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ وہی اقرب ہے فائدہ واضح ہو کہ ان آیات میں مفید ترتیب کے ساتھ ذکر ہے کیونکہ مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عالم دنیا سے نانی کو خراب کر کے یہ امتحانی حالت دور فرماویگا اور آسمان چھٹ کی طرح ہو اور زمین مثل عمارت ہی پس اولیٰ چھٹ گرائی اور اُس سے لازم آیا کہ ستارے جو اُس میں گئے ہیں بکھر جائیں پھر اسکے بعد اللہ تعالیٰ روے زمین کو خراب فرماویگا تو پہلے سمندرون کو منفرج فرماویگا اسکے بعد آخر میں اس زمین کو خراب کر لے گا چنانچہ فرمایا اذ القبور بغرت کیونکہ اشارہ ہے کہ زمین اُٹھی جاوے گی اور ظاہر کو باطن میں اور باطن کو ظاہر میں لوٹ دیا جاوے گا یہ کہ جب یہ باتیں واقع ہوئی تو انسان کے سامنے یہ نتیجہ ہوگا کہ (علمت نفس ما قدمت و آخرت) اور اُس میں دو احتمال ہیں (احتمال اول) یہ کہ اس سے مراد روز قیامت کا ذکر ہو اور اس میں چند وجوہ ہیں (وجہ اول) ہو کہ اس کلام سے مقصود یہ ہے کہ معصیت سے پرہیز کرو اور طاعت کی رغبت کرو کیونکہ اُس میں ہر شخص کو معلوم ہوگا کہ کس چیز میں اُس نے کوتاہی نہیں کی بلکہ پہلے پہنچا دیا اور کس چیز میں اُس نے کوتاہی کی کہ پیچھے چھوڑ آیا اس لیے کہ (ما آخرت) اسیکو مقتضی ہے کہ اُس نے نہیں کیا اگر اُس نے شرک و کفر و کبیرہ گناہ بھیجے ہیں اور عمل صالح میں قصور کیا ہو تو اُس کا انجام جہنم ہو اور اگر اُس نے اعمال صالحہ بھیجے ہیں اور کبیرہ گناہ چھوڑے ہیں تو اُس کا انجام جنت ہو اور یہی قول صحیح ہو اور اگر کہا جاوے کہ قبروں سے نکلنے ہی ہر نفس کو اپنے مقدم و مؤخر اعمال کا علم کیونکہ ہوگا (جواب) یہ ہے کہ علم دو طرح ہوتا ہے علم اجمالی اور علم تفصیلی۔ علم اجمالی کی مثال یہ ہے کہ مثلاً سو آدمیوں نے مدرسہ میں امتحان دیا اور جب کامیاب و ناکامیاب دریافت ہونے کے لیے گئے تو علامت مقرر ہو کر جن کا نام پکارا جاوے وہ اندر آویں اور باقی ناکامیاب باہر رہیں تو جب کا نام پکارا گیا تو انکو محل معلوم ہو گیا کہ ہم امتحان میں کامیاب ہوئے۔

لیکن ان لوگوں کو تفصیل نہیں معلوم ہے کہ کس نے اول درجہ میں اور کس نے دوم درجہ میں اور کس نے سوم درجہ میں کامیابی حاصل کی اور ہر ایک کے کتنے نمبر ہیں یہ کاغذات کے معائنہ سے معلوم ہوگا۔ جب یہ معلوم ہوا تو ہم کہتے ہیں کہ محل حال تو ان لوگوں کو ابتدا سے حشر ہی میں معلوم ہو جائیگا کیونکہ ابتدا ہی میں مطہر کو اپنے اوپر سعادت کے آثار ظاہر ہو گئے اور کافر کو اپنے اوپر بدبختی کے آثار نظر آویں گے۔ رہا تفصیلی جاننا تو اُس وقت معلوم ہوگا جب نافعہ اعمال دیے جاویں گے۔ (تم تفسیر کبریٰ) اور شیخ ابوالسود نے یہ جواب دیا تھا کہ آیت میں قبروں سے نکلنے کا وقت اس معنی میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ایک زمانہ

ارشاد فرمائی ہو اُسکا قصہ یہ ہو کہ ایک روز آپ مع اصحاب کے مسجد میں تھے کہ ناگاہ ایک جماعت آئی جو تلواریں لٹکا کے تھے اور فقط ایک کسلی اپنے بدن پر لپیٹے تھے انھوں نے سلام کیا آپ نے جواب دیا یہ لوگ قبیلہ مضر کے تھے اور انکا فقر و فاقہ دیکھ کر آپ کا چہرہ مبارک رنجیدگی کے طور پر متغیر ہوا اور آپ نے لوگوں کو جمع کر کے وعظ فرمایا کہ جسکا حاصل یہ کہ عذاب ہولناک آخرت و قیامت سے خوف کر کے اللہ تعالیٰ کے واسطے جو کچھ جس سے ہو سکے صدقہ کرے آپ خاموش ہوئے اللہ تعالیٰ کے لوگ سر نہجائے ہوئے سنتے رہے پھر آپ نے نصیحت کے ساتھ مدد تے پر آمادہ کیا۔ پھر تیسری بار آمادہ کیا اسوقت ایک نوجوان انصاری اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے گھر سے روپیہ کی ایک بھاری تھیلی لایا جو اُسکے دونوں ہاتھوں سے نہیں اٹھتی تھی اور لا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کے پاس ڈال دی اُسکے دیکھا دیکھی دوسرے لوگ دوڑے اور جو کچھ جس سے ہو سکا روپیہ و اناج و خرمہ و کپڑا ہر ایک نے لا کر ڈالا اور دن چڑھے تک وہاں اناج وغیرہ کا ایک انبار لگ گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک خوشی میں لہلہا لگا اور اُس وقت آپ نے یہ حدیث ارشاد فرمائی اسوقت اس حدیث کا مصداق وہ نوجوان انصاری تھا رضی اللہ عنہ و عنہم جمعین کیونکہ اُسنے اول صدقہ لانے کی چال نکالی اور اُسکے اقتدا میں دیگر لوگ لائے باجملہ نیک طریقہ تو ہم کو شریعت سے معلوم ہے اور اُس طریقے پر چلنا اسطرح کہ لوگ بھی چلیں جسکی قسمت میں ہوگا اُسکو نصیب ہوگا کیونکہ یہ بڑی نعمت ہے اس سے بعد موت کے نیکیاں پہنچتی رہتی ہیں پس کوشش کرنا لازم ہے اور اگر کسی نے مثلاً نوہ کرنا نکالا تو بعد اُسکے جس قدر لوگ ایسا کریں گے سب کے گناہ کے برابر اس کے نامہ اعمال میں بعد موت کے پہنچنا رہیگا نفوذ باللہ من ذلک۔ واضح ہو کہ علماء ربانی بعضے جائز امور کو بھی عقل و زانی سے بنظر افراط و تفریط ترک کرتے ہیں مثلاً شیخ عارف سہروردیؒ نے قوالی کو ممنوع رکھا تھا کیونکہ بعضے مشائخ جنھوں نے حد جواز تک رکھا تھا آج دیکھو تو اُس میں بکثرت افراط و تفریط مکر وہ حرام تک پہنچ گئی ہے اور حضرت شیخ المشائخ مولانا فاضل اللہ قدس سرہ کے والد ماجد قدس سرہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت قطب الدین قدس سرہ کی زیارت کے لیے گیا لیکن بجنالی اپنی حقارت کے مزار شریف سے دور بیٹھا ناگاہ حضرت قطب رحم کی روح مبارک میرے سامنے مجسم ہوئی اور یکایک مجھے ایسا نظر آیا کہ آسمان سے حضرت شہاب قدس سرہ کا تخت اترتا ہو۔ کچھ دیر دونوں حضرت نے کچھ باتیں کیں پھر شیخ شہاب کا تخت آسمان کو چلا گیا اور حضرت قطب نے مجھے فرمایا کہ پاس آؤ میں کچھ نزدیک ہوا پھر فرمایا پھر فرمایا یہاں تک کہ میں بہت نزدیک ہوا پھر ارشاد فرمایا کہ تم شعر کے بارہ میں کیا کہتے ہو میں نے عرض کیا کہ اچھا اچھا ہے اور بڑا بڑا ہے فرمایا کہ خوب۔ پھر اچھی آواز کو پوچھا میں نے کہا کہ فضل الہی ہے فرمایا کہ اچھا شعر اچھی آواز سے پڑھنے میں کیا کہتے ہو میں نے عرض کیا کہ غیبی کے ساتھ فضل مل گیا آپ نے فرمایا کہ الحمد للہ کہ ہم بھی اس سے کچھ زیادہ نہیں کرتے تھے یعنی کبھی کبھی خوش آواز سے کچھ اشعار حمد و ثناء مثلاً پڑھواتے تھے مترجم کہتا ہے کہ اس کے بعد مزار میر و راگنی وغیرہ ملائی گئی اور بعض مزارات پر فاحشہ عورتیں اور مرد جمیع ہوتے ہیں اور یہ نہایت قبیح کام ہے اور جو لوگ اس سے ممانعت کر سکیں اور نہ کریں وہ بھی گناہ میں شامل ہیں اللہم غفر انک امام رازیؒ نے ان آیات کی تفسیر میں لکھا کہ آسمان کا شوق ہونا وغیرہ جو بیان مذکور ہے قیامت کے علامات ہیں اسوقت حشر و نشر پیدا ہوگا۔ مترجم کہتا ہے کہ قبور سے مردوں کا لیث ہونا بظاہر پہلے ہوگا پھر آسمان شوق ہوگا نا کہ کفاد یہ سب ہولناک منظر آنکھوں دیکھ کر حضرت و غم کے منکرات میں پڑیں کہ اسی دنیا کو انھوں نے اپنے خیال میں وحی و دلیلون سے دعائی سمجھ رکھا تھا رازیؒ نے کہہ بیان پانچ چیزیں مذکور ہیں دو چیزیں عالم بالائی میں ہیں اور دو چیزیں عالم زیرین میں

تو اس کے مردے زندہ ہو کر نکلیں گے (ابن کثیر رحمہ اللہ) فقہی بحث سے نکالا کہ لعنت و محبت دونوں متحد ہیں اور مراد یہ کہ قبروں کے اندر وہی حصہ کھودا پر کیا جائیگا اور ہر دنی حصہ کو اندر کیا جائیگا جیسے اُلٹ دیتے ہیں تو مردے باہر نکلیں گے خلاصہ آیات کا یہ ہے کہ جب آسمان شق ہوگا اور ستارے بکھر جائیں گے اور سمندر بہ نکلیں گے اور قبروں سے مردے نکالے جائیں گے تو کیا ہوگا (جواب) یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا۔ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدْ مَتَّ وَآخِرَتْ۔ تو اس وقت ہر نفس جان جائیگا جو اُس نے آگے بھیجا اور پیچھے چھوڑا ہی ف اگر کیا جاوے کہ کیا ہر نفس کو یہ بات معلوم ہونا جب ہو کہ وہ قبر سے اُٹھایا جاوے اور ایضاً اس سے پہلے اذات مارا نفطرت۔ وغیرہ سے کیا مطلب ہے (جواب) البوالسعود وغیرہ رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ مراد نہیں ہے کہ قبر سے اُٹھائے جانے کے وقت نفس کو اپنے اعمال مقدم و مؤخر کا علم ہو جائیگا بلکہ یہ علم اس وقت ہوگا جب نامہ اعمال کھولے جائیں گے و لیکن پہلے بیان ہو چکا کہ اول نقوہ صورت سے لیکر جب تک جنتی جنت میں جاوے اور دوزخی دوزخ میں جاوے سب ملا کر ایک ہی زمانہ ہی تو اس لئے ہے کہ اندر نفس کو اپنے اعمال سے اطلاع ہو جائیگی اور اگر اس جواب پر یہ وہم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اذات مارا نفطرت میں ایک وقت بیان فرمایا یعنی جس وقت آسمان پھٹے گا اور اذات اللہ اکبر الخ میں دوسرا وقت بیان کیا وہ علیٰ ہذا القیاس تو یہ متعدد وقت ہو گئے پھر تم کہو کہ کتنے ہو کہ یہ سب ایک ہی وقت ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے اندر جو ہولناک امور واقع ہونے لگے منسل ملحدہ ملحدہ بیان فرمائے تاکہ ہول و خوف سے غفلت والوں کی آنکھیں کھلیں (البوالسعود رحمہ اللہ) اور امام رازیؒ کا بیان اور ترجمہ کہ خیال آگے آوے اگر کیا جاوے کہ نفس نے جو مقدم ہو چاہا وہ جان لیگا یہ بات تو ظاہر ہے ہر ایک کے (اختر) جو مؤخر کیا یعنی پیچھے چھوڑا اس کے جاننے کے کیا معنی ہیں (جواب) اس میں وجود ہیں (ایک) یہ کہ (ما قدمت) وہ اعمال نیک و بد ہیں جو خود عمل میں لایا تھا اور (ما اخرت) وہ طریقہ جو مرنے کے بعد چھوڑ آیا تھا کہ اُسی پر دوسروں نے اقتدار کی پس اگر نیک طریقہ چھوڑ آیا تھا تو جس نے اس نیک طریقہ پر عمل کیا اس نے ثواب پایا اور جتنے عمل کرنے والے ہو گئے ہر ایک کے ثواب کے برابر اس کو بھی ثواب ملیگا تو یہی پیچھے چھوڑا ہوا کام ہے (دوم) قتادہ نے کہا کہ (ما قدمت) وہ برائیاں جنکو عمل میں لایا تھا اور (ما اخرت) وہ نیکیاں جنکو پیچھے چھوڑ آیا تھا (سوم) (ما قدمت) وہ ہیں جنکو اول عمر میں بجا لایا اور (ما اخرت) جنکو آخر عمر میں بجا لایا۔ ابن عباسؓ و ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ (ما قدمت) جو نیکیاں اپنی زندگی میں بجا لاکر مقدم بھیج چکا ہے اور (ما اخرت) وہ نیک طریقہ جو اپنے بعد چھوڑ آیا کیونکہ جو کوئی آپس عمل کرے گا اس کو ثواب ملیگا اور ہر ایک کے مثل ثواب اس شخص کو بھی ہو چکا بدون اس کے کہ عمل کرنے والوں کے ثواب میں سے کچھ کم ہو (ما قدمت) جو برائیاں کر کے آیا ہے اور (ما اخرت) جو بد چلنی چھوڑ آیا کیونکہ جو آپس چلیگا وہ گناہ پاویگا اور ہر ایک کے گناہ کے سیطرہ (ما قدمت) جو برائیاں کرنے والوں میں سے ہر ایک کے مثل ثواب ہے بدون اس کے کہ پیروی کرنے والوں میں سے کچھ کم ہو اور (ما اخرت) گناہ اس شخص پر بھی لکھا جائیگا بدون اس کے کہ بدکاروں کے گناہ سے کچھ کم ہو اور حدیث خلیفہ رضی اللہ عنہ میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے نیک طریقہ اختیار کیا پھر اُس کی نیک چلنی کی پیروی دوسروں نے اختیار کی تو اس کو اپنا ثواب ہے اور پیروی کرنے والوں میں سے ہر ایک کے مثل ثواب ہے بدون اس کے کہ پیروی کرنے والوں میں سے کچھ کم ہو اور جس شخص نے بد چلن نکالا اور لوگوں نے اُس کی پیروی کی تو اُس پر اپنی بد چلنی کا گناہ ہے اور پیروی کرنے والوں میں سے ہر ایک کے گناہ کے برابر (ما اخرت) گناہ ہے بدون اس کے کہ پیروی کرنے والوں کے گناہ سے کچھ کم ہو پھر خلیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدْ مَتَّ وَآخِرَتْ اس حدیث کو حاکم نے روایت کر کے صحیح الاسناد کہا مترجم کہنا ہو کہ اصل حدیث تو صحیح میں موجود ہے اور آپ نے جس وقت یہ حدیث

ہر چیز کو پیدا فرمایا اور دنیا و آخرت میں اول سے آخر تک کے لیے اُسکے واسطے ہر چیز کا اندازہ اپنے علم سے مقدر فرمایا اور یہی اُسکے لیے تقدیر ہے۔ **الرحمن**۔ نہایت مہربانی فرمانے والا ف جسکی عام رحمت میں نظام عالمین جاری ہو اور اُسی کی تدبیر قدرت سے ہر چیز کا انتظام کامل حکمت پر قائم ہو۔ **الرحیم**۔ نہایت رحمت والا ف جسے خلق کی طرف رسول کریم بھیجا اپنے خاص بندوں کو جنت کے لیے ممتاز فرمایا (السراج) اور عام رحمت سے تمام مخلوق کو ارشاد ہدایت ہی دلیکن کفار کے پیدائشی نفوس نجاست کے سوائے طہارت کو نہیں قبول کرتے ہیں تو انھوں نے دعوت نبوت سے انکار کیا۔ اور دنیاوی زندگی پر دل رکھا اور آخرت و حساب کتاب اعمال و جنت و دوزخ کو اپنے مکر و باہم میں محال قرار دیا لہذا اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا۔ **إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ** جب آسمان شگافہ ہوئے ف یعنی یہ آسمان جو سامنے نظر آتے ہیں باوجود اس مضبوطی و استحکام و انتظام و بلندی کے جھٹکر رخسہ دار ہو جاویں گے جیسے قولہ تعالیٰ **يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَامِ** جس دن بکثرت شق ہو جائے گا آسمان لہام اور اُتارے جاویں گے بکثرت ملائکہ باحکام۔ **هـ**۔ فطر مغنی شق ہو و احدی نے لکھا کہ مفسرین سب کہتے ہیں کہ آسمان کا انفطار یہ کہ شق ہو جاوے **(ع ف ش و) وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انشثرت** اور جب ستارے بکھر جاویں گے ف یعنی چھوٹے بڑے ستارے جو خوبصورتی کے ساتھ دیکھے ہوئے اس آسمان میں بکثرت جڑے ہیں جیسے گل میخیں جڑی ہوتی ہیں یہ سب ٹوٹ کر مشرق بکھر پڑیں گے کیونکہ آسمان بھٹ کر بے ترکیب ہو جانے سے لازم ہو کہ ستارے بکھر جاویں (س) اور یہ تشبیہ ہو کہ جیسے موتیوں کی لڑی ٹوٹ جانے سے جواہرات بکھرتے ہیں اس طرح ستارے منتشر ہوں گے۔ **وَاِذَا الْيَحْيٰى مَجْجَرَتْ** اور جب سمندر تفرجیر کیے جاویں گے ف تغیر پانی بہانا علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس رضی سے روایت کیا کہ اُسکے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ سمندرون کو باہم ایک دوسرے میں بہاویگا حسن بصری نے بھی اس قدر بیان کر کے کہا کہ پھر اُنکا پانی جانا رہیگا کبھی نے کہا بلکہ بکھر جاویگا مترجم کتاہی کہ شاید یہ مطلب ہو کہ بکھر کر سمندرون کی سطح بھی خشکی کے برابر ہو جائیگی یا یہ مطلب ہو کہ زمین بکھر جاویگی اور قنادہ رحم نے کہا یعنی اللہ تعالیٰ کھاری سمندر و میٹھے سمندر کا پردہ دور فرما دیگا تو دونوں قسم کا پانی باہم خلط ہو جائیگا (ابن کثیر رحم) اور سب پانی ایک سمندر ہو جاویگا اور روایت ہو کہ زمین پانی چوس کر سموار ہو جاویگی۔ **هـ**۔ اور سمندر خالی ہو کر آگ سے بھرنے اور جوش مارنے لگیں گے اور بعض نے کہا کہ حسن بصری کی مراد یہ ہو کہ سمندرون کا پانی اُسوقت ٹھہرا ہوا ہی پھر جب قیامت میں روان کیا گیا تو سب بہکر دور ہو جاویگا اور اُسکے نیچے جہنم کی آگ جوش ماریگی (ابو السعود رحم) مترجم کتاہی کہ اس قول کا بیان یہ ہو کہ جہنم سفلی السافلین کے تحت میں ہو یعنی ساتوین زمین کے نیچے ہے اور اس زمین کی حالت اُسوقت یہ ہو کہ خشکی کے چاروں طرف کھاری پانی بھرا ہو اور اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کے عجائب آثار سے یہ کہ پانی برابر کا ہوا ہو ٹپک کر جاتا نہیں ہو اور وہ بکثرت ہو اور اُسکے اندر خشکی ایک چھٹ ہو اور جا بجا چھوٹے چھوٹے ٹاپو ہیں اور خشکی کے اندر میٹھا پانی بھرا ہو ہو اور بکثرت پہاڑی چٹھے اور دریا جاری ہیں اور باوجود اس کے عجیب قدرت ہو کہ میٹھا و کھاری ایک میں نہیں ملتا ہو۔ پھر جب اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کائنات فانی کو مٹا دیگا تو سمندرون کو روان کر دیگا پس میٹھا و کھاری خلط ملط ہو کر بہتے چلے جاویں گے یعنی ٹپک کر اس انتظام سے زائل ہوں گے اور جب یہ خشکی و تہی نیست ہوگی تو جہنم ظاہر ہوگی یہ معنی بھی لطیف ہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔ **وَاِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ**۔ اور جب قبریں الٹی جاویں گی ف ابن عباس رضی نے کہا کہ بکثرت کریدی جاویں گی سدی نے کہا کہ ہلائی جائیں گی

گودت کرے (ابن کثیر) واضح ہو کہ بعض علماء رحمہ اللہ نے گمان کیا کہ یہ شخص جسے نماز تو ذکر شکایت کی تھی وہ منافق تھا اور شیخ ابن حجر نے اسکو غلط کہا کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اُسے عرض کیا کہ یا حضرت میں تو آپ کی طرح یا معاذ رضی کی طرح یہ باتیں نہیں جانتا ہوں میں تو اپنے رب غرض سے جنت مانگتا ہوں اور جہنم سے بھاہ چاہتا ہوں آپ نے فرمایا کہ کیا میری اور معاذ رضی اللہ عنہ کی یہ باتیں کسی غرض سے ہیں سوا سے جنت کے پھر اُحد کے جہاد میں یہ شخص شہید ہو گیا مسئلہ حدیث معاذ رضی سے امام شافعی وغیرہ نے نکالا کہ اگر ایک شخص نے فرض نماز پڑھ لی ہو نو جائز ہے کہ وہ نفل کی نیت سے لوگوں کو اُن کی فرض نماز پڑھائے کیونکہ دوبارہ فرض کی نیت ایسے نہیں کر سکتا کہ حدیث میں منع ہے کہ فرض دوبارہ پڑھی جاوے کیونکہ معاذ رضی فرض پڑھ کر جاتے اور قوم کو اُنکی فریضہ پڑھاتے تھے امام ابو حنیفہ وغیرہ نے کہا کہ یہ نہیں جائز ہے امام طحاوی نے کہا کہ یہ بات ابتدا میں تھی۔ اعتراض ہوا کہ ابتدا میں ہونا کہاں سے نکلا (جواب) مترجم کہتا ہے کہ بیشک ابتدا میں زمانہ تھا ایسے کہ یہ شخص جنگ احد میں شہید ہوا ہی امام طحاوی نے کہا کہ اس وقت دوبارہ فرض پڑھنا جائز تھا پھر منع ہو گیا شیخ ابن الہمام نے کہا کہ اسکے سوا سے یہ ثابت کر دو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ رضی کو یہ اجازت دی تھی کہ ایسا کیا کرو بلکہ بعد شکایت کے آپ نے منع کر دیا کیونکہ یہ فرمایا کہ یا تو میرے ساتھ پڑھا کر یا اپنی قوم کو مختصر پڑھا یا کر پس دونوں میں سے ایک ہی بات جائز ہوئی مترجم کہتا ہے کہ اس میں تردید بلکہ جواب وہی ہے جو امام طحاوی نے ذکر کیا ایسے کہ شاید پہلا یہ طلب ہو کہ یا تو میرے ساتھ پڑھنے پر کفایت کر قوم کو پڑھانے نہ جایا کر یعنی دوسرا امام مقرر کیا جاوے اور اگر جایا کر تو مختصر پڑھا یا کر واللہ تعالیٰ اعلم یہ مسئلہ میں نے ایسے بیان کر دیا کہ حدیث میں دونوں اجتہادی صورتیں محتمل ہیں واللہ تعالیٰ اعلم اور اجتہادی مسائل سے ثواب مقصود ہونا اور لہذا قطعی حکم کی ضرورت نہیں ہوتی یہ حالانکہ اس زمانے میں عوام بلکہ نادان اہل علم باہم فساد پھیلاتے ہیں اور تحقیق مکرر کر رکھی ہے واللہ تعالیٰ ہو الموفق

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اِذَا السَّمَاءُ اَنْفَطَرَتْ ۝ وَاِذَا الْكُوَاكِبُ اُنْثَرَتْ ۝ وَاِذَا الْاَبْحَارُ مُجْبَرَتْ ۝

جب آسمان چر جاوے اور جب تارے جھڑ پڑیں اور جب دریا بہ پڑیں

وَاِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ ۝ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدْ مَتَتْ ۝ وَخَسِرَتْ ۝ يٰٰ اَيُّهَا

اور جب قبریں اٹھائی جاویں جان لیوے جی جو آگے بھیجا اور سچے چھوڑا اے

الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ ۝ الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوَّكَ فَعَدَلَكَ ۝

آدمی کا ہے سے ہکا تو اپنے رب کریم پر تجھکو بنایا بھر تجھکو ٹھیک کیا پھر تجھکو برابر کیا

فِیْ اٰیِ صُوْرَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ ۝ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالْدِّیْنِ ۝

میں صورت میں جابجا تجھکو جوڑ دیا کوئی نہیں بدتم چھوٹ جانتے ہو انصاف ہونا

وَاِنَّ عَلَیْكُمْ لَحِفْظِیْنَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِیْنَ ۝ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝

اور تم پر نگہبان مقرر ہیں سردار لکھنے والے جانتے ہیں جو کرتے ہو

خطیب نے بسم سے حاصل کا اشارہ کیا یعنی قولہ تعالیٰ بِسْمِ اللّٰهِ۔ شروع ہو اللہ تعالیٰ کے نام سے ف جسے

وغیرہ ہیں اور حدیث میں ہے کہ دائرہ و مودودہ دونوں فی النار ہیں آئین ہی نکتہ ہے کیونکہ نفس ناطقہ بھی نفس حیوانیہ کے ساتھ عذاب میں شریک ہو اور اس حدیث شریف میں اسی نظیر پر اشارات ہیں اور قولہ تعالیٰ اذ انجم سمعرت - دنیا میں آثار و غضب کی آگ جہنم طبیعت میں فروختہ ہو اور کفار و مشرکین میں اس کے موافق قریب کے اعمال بڑھتے جاتے ہیں برخلاف اسکے اہل جنت کے واسطے آثار و رضا و رحمت کا ظہور ہے قولہ تعالیٰ فلا أقسم بالخنس الجوار - رجوع کرنے والے کو اکب سیارات - انگلیس - جو اپنے بروج میں مثل وحشی جانوروں کے داخل ہوتے ہیں اور اشارات میں وہ نفوس ہیں جو جانوروں کے مانند بعث و مشرک کے وقت ابدان میں داخل ہونگے اور نفوس حیوانیہ ہفتہ میں ہیں اگرچہ اہل تہذیب میں تابع ہوں - واللہ اعلم - تاریکی بدن مدبر ہو جائیگی کیونکہ روح کا ظہور ہوگا اقول یا روحانی ظہور میں روح مقبل ہوگی اور بدن مدبر ہوگا فافہم - اور اسی آفتاب کی روشنی سے صبح حیات متنفس ہوگی قولہ تعالیٰ ما هو علی الغیب بضیق وہ غیب پر مستم نہیں ہو سکتا کیونکہ وہم و خیال کا جن بہان غلبہ نہیں پاتا ہے قولہ تعالیٰ لمن شاء منکم ان یستقیم - یعنی عالمین سے جو کوئی استقامت چاہے یعنی صراط مستقیم پر چلنا چاہے وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر نہیں ہو سکتا کیونکہ حق سبحانہ تعالیٰ اسی راہ پر ہے بقولہ تعالیٰ ان ربی علی صراط مستقیم - میرا رب صراط مستقیم پر ہے - پس اس راہ مستقیم پر چلنا کسی سے نہیں ہو سکتا سوائے اسکے جسکو اللہ تعالیٰ چاہے کیونکہ اسکے راہ بغیر کسی مرضی کے نہیں چل سکتے ہیں واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب - (ترجمہ اشارات ابن العربی)

سورة الانفطار مکیة وہی تسع عشر ائیه

اس سورہ کا نام سورۃ الانفطار ہے اور یہ مکہ میں ہجرت سے پہلے نازل ہوا ہے ابن عباس و ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ یہ مکہ میں نازل ہوا قرطبی وغیرہ نے کہا کہ سب علماء کے نزدیک بلا خلاف یہ سورہ مکیہ ہے اسمین انیس آیات ہیں اور انہی کلمات ہیں اور تین سو ستائیس حروف ہیں (ف س وغیرہ) نسائی نے محمد بن قدامہ کی اسناد سے حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے (اپنی قوم کی امامت میں) کھڑے ہو کر عشاء کی نماز میں طول دیا یعنی سورہ بقرہ پڑھنی شروع کی تو ایک شخص نے نماز توڑ کر علیحدہ اپنی نماز مختصر پڑھ لی اور گھر چلا گیا جب معاذ رضی اللہ عنہ نے سلام پھیرا تو اُن سے حال کہا گیا معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ منافق ہے لوگوں نے جاکر اُس شخص سے ذکر کیا اُس شخص نے کہا کہ منافق تو نہیں لیکن میں جاکر اُس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کروں گا - پھر وہ صبح کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اُس سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ معاذ رضی اللہ عنہ سے آپ کے پیچھے نماز پڑھکر جاتا ہے اور وہ ان کہتا ہے تو ہم لوگ حاضر ہو جاتے ہیں پھر وہ سورہ بقرہ شروع کرتا ہے یا رسول اللہ ہم لوگ محنتی آدمی ہیں دن بھر بانی پیچتے ہیں رات کو تھکے ماندے ہوتے ہیں لہذا میں نے علیحدہ نماز پڑھ لی یہ سنکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے غضبناک ہوئے جیسے کسی وعظ میں آپ کو ہم نے نہیں دیکھا تھا پھر آپ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے معاذ کیا تو فتنہ میں ڈالنے والا ہے (مکر فرمایا) تو کہاں بھول گیا کہ تو نے سچ ہم ربک الاعلیٰ اور اضحیٰ اور اذا السماء انفطرت نہیں ٹھہری ہے فرمایا کہ یا تو میرے پیچھے تو نماز پڑھا کر یا اپنی قوم کے ساتھ تخفیف کیا کہ شیخ ابن کثیر نے کہا کہ اسی حدیث تو صحیحین میں موجود ہے لیکن اسمین اذا السماء انفطرت کا ذکر نہیں ہے بلکہ یہ فقط نسائی رحمہ کی اس روایت میں ہے اور ابو جریج حدیث عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے گزرا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جسکو پسند آئے کہ قیامت کو پیش نظر دیکھے تو وہ اذا الشمس کورت اور اذا السماء انفطرت اور اذا السماء انفطرت

لوگ ض و ظ کے اشتباہ کو دور کرنے کے لیے دال بے نقطہ کے مشابہ نکالتے ہیں یعنی بجائے دلا الدالین کے دلا الدالین پڑھتے ہیں کسی کتاب میں معلوم ہوا کہ کہاں سے یہ تشبیہ لگی ہو گی کیونکہ دال کا مخرج وسط زبان کے قریب سے دونوں اگلے دانتوں کے دباؤ سے ہوا اور یہ ظاء کی بہ نسبت بھی دور ہو گیا اور مشابہت آوازی بھی جاتی رہی اور بعضے دلا الدالین پڑھتے ہیں تو معنی بھی اُلٹے ہو گئے یعنی دلا الدالین کے معنی یہ تھے کہ اے رب ہکوان لوگوں کی راہ نہ چلائیو جو رہنمائی کرنے والے ہیں۔ پس یہ معنی بگڑے تو نماز پاسد مونا لازم ہو اور اگر قاضی کی جگہ قادی اور نقض (تورنا) کی جگہ (نقد) کہا جاوے تو مطلب جھوٹا اور اگر کہیں کہ (ضلیل) یعنی گمراہ آیا اور بجائے اُسکے بولیں کہ (دلیل آیا) تو یہ مطلب سمجھا جاوے کہ رہنمائی کرنے والا آیا ہو اور (ضلالت) گمراہی اور دلالت رہنمائی ہو اور اس زمانے میں اس مسئلہ میں بھی ہم شور و شغب ہوا لوگ کہتے ہیں کہ موجودہ عرب کے لوگ اس طرح بولتے ہیں واللہ تعالیٰ اعلم اب تفسیر کی طرف رجوع کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین وغیرہ گمراہوں کے سب اوہام دور کیے اور صاف راہ مستقیم بتلائی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فرشتہ مقرب وحی غیب لائے ہو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی فرد بشر سے جو ہوتا ہے چاہے بخل نہیں کرتے اور نہ انکی صدق و امانت میں کچھ تہمت ہو سکتی ہو تو ضلالت کے سب خیالات باطل ہو گئے۔ فَاِنَّ تَذٰهَبُوْنَ پھر تم کہاں جاتے ہو ف راہ حق سے بھٹک کر کہہ رہا ہے جاتے ہو اور اللہ تعالیٰ کی کتاب حق سے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین کی فرمانبرداری سے منھ موڑتے ہو (م ر ع) اس کلام پاک سے کافروں کی گمراہی ظاہر فرمائی یعنی رسول اللہ و قرآن سے انکار کرنے میں تم کس راہ جاتے ہو۔ یہ جھڑکی ہو جیسے جو شخص راہ چھوڑ کر بے راہ جانا ہو اُس سے کہتے ہیں کہ بے عقل تو کہہ رہا جاتا ہوں اِنْ هُوَ اِلَّا ذٰکُرٌ لِّعٰلَمِیْنَ مِّنْ شَآءٍ مِّنْکُمْ اَنْ یَّسْتَفِیْہِ۔ یہ نہیں ہو مگر نصیحت و شرف واسطے عالمین کے واسطے اُس شخص کے تم میں سے جو چاہے کہ مستقیم ہو ف یعنی قرآن جو تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سناتے ہیں اسکی بھی صفت ہو کہ عالمین انس و جن و ملائکہ کے لیے تذکرہ ہو ہر ایک کے واسطے راہ راست با دو لائی گئی کہ لا الہ الا اللہ۔ ولکن فی الحقیقہ تم میں سے اُسکیواسنس سے نصیحت ہوگی جو یہ چاہے کہ میں ٹھیک راستے پر ہو جاؤں اس کی مشیر بننے لکھا کہ سفیان الثوری نے عبد الخضر بن سلیمان بن موسیٰ روایت کی کہ اس آیت کو سنکر ابو جہل نے کہا کہ ہم بخار میں جا ہیں استقامت لیں یا نہ جا ہیں تو نہ کہیں (ع) ابو جہل کی جہالت تھی اور یہ فرعون اس امت کا اپنے آپکو قادر سمجھتا تھا جیسے فرقہ قدریہ ہوا اور وہ سخت جاہل تھا کیونکہ کلام الہی کا مفاد یہ ہے کہ جو نہ مانے وہ گمراہ ہو تو نہ ہی ہو پھر آیت میں یہ مذکور نہیں ہو کہ جو استقامت چاہے وہ خود مستقیم ہو جاوے بلکہ یہ مذکور ہو کہ اُسکے لیے یہ قرآن ذکر ہو مثلاً کہتے ہیں کہ علم اس کے واسطے ہو جو عقل چاہے اس سے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ عقل چاہتی ہو عاقل یا عالم ہو جاوے بلکہ بڑھے اسطرح بیان ہو کہ جو استقامت چاہے اور قرآن سے یہ نصیحت بگڑے کہ بدکاری بہتر نہیں ہو پس وہ جناب باری تعالیٰ میں ہدایت کی درخواست کرے تاکہ اُس میں ہدایت پیدا کر دے لہذا فرمایا۔ وَمَا تَشَاؤُنْ اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ اور تم نہیں چاہو گے مگر اُنکے اللہ تعالیٰ رب العالمین چاہے ف (مشیت چاہتا) یعنی یہ چاہنا اسطرح تھا کہ اُسے اختیار میں نہیں ہو کہ جو چاہے وہ ہدایت پر ہو جاوے اور جو چاہے بے ہدایت یعنی گمراہی پر ہو جاوے بلکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہو۔ ابو جہل جو جہل و کفر کے سخت جاہل تھا کہ اسکو یہ دعویٰ تھا کہ ہدایت یا ضلالت کی صفت اپنے آپ میں وہ خود پیدا کر سکتا ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت سے جہالت ہو اور بار بار اسکی تحقیق بیان کر دی گئی پھر ہم نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ نہیں ہو کہ جبراً و قہراً اسکو

حرفوں کے بڑھنے کے واسطے دونوں میں فرق کرنا واجب ہو اور قاری کو چاہیے کہ دونوں میں فرق مخرج پہچانے اور عرب کے سوا اے اکثر
عجم والے ان میں فرق نہیں کرتے ہیں اور اگر فرق کرتے بھی ہیں تو وہ فرق ٹھیک نہیں ہوتا حالانکہ دونوں میں فرق بعید ہو کیونکہ ضاد کا
مخرج کنارہ زبان کی جڑ اور اسکے متصل ڈارہیں ہیں خواہ دائیں طرف سے ہو یا بائیں طرف سے ہو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سب
کاموں کو دونوں ہاتھوں سے یکساں قوت سے کیا کرتے تھے تو ضاد کو بھی دائیں اور بائیں دونوں طرف سے نکالتے تھے اور یہ حرف جمیم
شبین کا بھائی ہے۔ یہی ظاہر تو اسکا مخرج کنارہ زبان اور اوپر کے اگلے دونوں دانتوں کی جڑ ہے اور یہ حرف ذال معجبہ و ثا و مثلثہ کی بہن ہے
اور اگر دونوں حرف یکساں ہوتے تو اس کلمہ میں دو قرأتیں ثابت نہ ہو عین اگر پوچھا جاوے کہ نمازی نے اگر دونوں حرفوں میں سے ایک
کو دوسری جگہ پڑھا تو کیا حکم ہے (جواب) یہ ایسا ہے جیسے ذال کی جگہ جمیم پڑھے یا ثا و مثلثہ کی جگہ سین پڑھے کیونکہ جیسے ان میں فرق ہے
یہی ض اور ط میں فرق ہے۔ مگر ترجمہ کہتا ہے کہ زخشری نے اس بنیاد پر طول کلام کیا کہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ بعض
کسی حرف کو اچھی طرح نہیں ادا کر سکتا ہو تو چاہیے کہ اُس میں کوشش کرے اور وہ اس میں معاف نہیں دیکھا جائیگا (ہ) اسی طرح
فتح القدیر میں بھی وجوب کی طرف اشارہ ہے یعنی کوشش کرنا اُس پر واجب ہو اور یہاں کوشش کے یہ معنی ہیں کہ اس کے نکلنے میں محنت کرے
سیکھے اور ہر روز ایسا کرنا ہے یہاں تک کہ وہ حرف نکلنے لگے فتاویٰ قاضی خان میں لکھا کہ جس شخص کی زبان بعض حرف پر نہیں چلتی اگر
وہ ایسا حرف ہو کہ اس شخص کو جہانتک آئیں ملتی ہیں کوئی اس سے خالی نہیں ہو تو اُسکی نماز جائز ہو جاوے گی لیکن وہ دوسری کی امانت نہ
کرے اور اگر اُسکو کوئی آیت ایسی ملتی ہو کہ جس میں یہ حرف نہیں ہو تو اُسکے پڑھنے سے سب کے نزدیک نماز جائز ہو جائیگی اور اگر اُس نے پھر
ایسی آیت پڑھی جس میں یہ حرف ہو تو بعض مشائخ نے کہا کہ اُسکی نماز جائز نہوگی (فتاویٰ قاضی خان) اُسی قول صحیح ہے۔ الحیطة اگر نمازی نے
ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف نکالا اور معنی بدل گئے تو دیکھا جاوے کہ اگر یہ دونوں حرف ایسے ہیں کہ بے مشقت کے ان دونوں میں
فرق کرنا ممکن ہے جیسے حا و صا و بے نقطہ چنانچہ الصالحات کی جگہ الطالحات پڑھ دیا تو سب فہما کے نزدیک اُسکی نماز فاسد نہوگی
اور اگر دونوں حرف ایسے ہیں کہ ان میں بدون مشقت کے فرق ممکن نہیں ہے جیسے ظا و ضا یعنی منقوطہ اور ط اور ت۔ تو اس میں مشائخ
نے اختلاف کیا ہے اکثر مشائخ نے کہا کہ اُسکی نماز فاسد نہوگی (فتاویٰ قاضی خان) اور بیک مشائخ نے اُسی قول پر فتویٰ دیا ہے اور قاضی
ابو الحسن اور قاضی ابو عاصم نے کہا کہ اگر اُس شخص نے عدا ایسا قصد کیا ہو تو اُسکی نماز فاسد ہوگی اور اگر اُسکی زبان سے
نکل گیا باوہ دونوں میں تمیز کرنا نہیں جانتا ہو تو اُسکی نماز فاسد نہوگی۔ یہی قول سب زیادہ انصاف ہے اور یہی مختار ہے (وجیز الکرونی)
مترجم کہتا ہے کہ عدا قصد کرنے کی صورت ہے کہ مثلاً۔ (لا الضالین) میں اُس نے عدا قصد کیا کہ مجھے (ض) نہیں نکلتا ہے میں (ظا) نکالوں گا
تو نماز فاسد ہو اور اگر اُس سے تمیز نہیں ہو سکتی ہو تو دیکھیں کہ اگر اُس نے کوشش کی اور کرنا ہو مگر بھی تک نہیں آیا تو معاف ہو ورنہ
گنہگار ہو اگر کو کہ زخشری نے جو مخرج بیان کیا ہے تو ض و ط میں بہت فرق ہے پھر دشواری و مشقت کیا ہے (جواب) یہ کہ بان مخرج
جدا ہو لیکن ادا سے خارج مشکل ہو اس لیے اُسکے مشابہ حرف کی آواز نکلتی ہو اور فتح القدیر وغیرہ میں مذکور ہے کہ ض و ط مشابہ ہیں جیسے
بے نقطہ ط۔ اور ت مشابہ ہیں اور مترجم نے عین المدایہ ترجیح دیہ میں یہ جزئیات و اختلافات نقل کیے ہیں لیکن زخشری نے یہاں
اس مضمون کو فقط اس لیے نقل کیا کہ دونوں قرأتیں ظاہر ہیں ورنہ اگر بعضین پڑھے یا بظنین پڑھے تو نماز فاسد نہوگی کیونکہ دونوں
قرأتیں صحیح ہیں البتہ یہ ظاہر نہوگا کہ اُس نے کیا قرأت پڑھی ہے جب تک کہ فرق ظاہر نہوگا اس لیے کہ دونوں حرف متشابہ ہیں تنبیہ اچھل

بیان کیے ہیں اور امام ابن جریر نے (الضعیفین) کی قراوت زیادہ پسند کی لیکن سین کتاہون کہ دونوں قرائتیں متواتر ثابت ہیں اور دونوں کے معنی صحیح ہیں (ابن کثیر) اور ابو عبید القاسم بن سلام نے (الضعیفین) قراوت زیادہ پسند کی اور کہا کہ اسکی وجہ یہ ہے کہ مشرکون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تہمت نہیں لگائی تھی کہ آپ بتلائے میں بخل کرتے ہیں بلکہ انھوں نے آپکو جھٹلایا اور متہم کیا تھا کہ اللہ تم کا کلام نہیں ہی دیتے وہ لوگ جہالت کے یہ یقین ہی نہیں لاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے کسی کے پاس آتے ہیں اور کوئی لشیر بھی رسول ہو سکتا ہے بلکہ اسکو محال کہتے تھے) مترجم کتاہو کہ بعضین سے مشرکون کی تہمت ذکر کرنا مقصود نہیں ہوتا کہ یہ اعتراض ہو جو امام ابو عبید نے گمان کیا کہ مشرکون نے بخل کی تہمت نہیں لگائی تھی بلکہ اس سے مشرکون پر رسالت ثابت کرنا منظور ہے جو جہالت سے کاہن کہتے تھے اور میں یہ کہ اسے مشرکین تھا را کاہن صریح دنیا کا گناہ ہوتا ہے وہ غیب کی بات جو شیطان سے اسکو معلوم ہو جاتی ہے اس کے بتلائے میں بغیر مال میں بخل کرتا ہے اور محتاج و غریب کو نہیں بتلاتا ہے اور یہاں امر حق و رسالت کا معاملہ برعکس ہے تو تم کیونکر اسکو شیطان کی کہانت سمجھتے ہو لہذا فرمایا۔ **وَمَا هُوَ يَقُولُ شَيْطَانٌ رَجِيمٌ** اور یہ بھی کہ کسی شیطان مردود کا قول نہیں ہوتا جیسے مشرکین جہالت سے کہتے کہ کاہن کی طرح کوئی جن سکھلا جاتا ہے عطا کرتے کہا کہ ابیض ایک شیطان کا نام ہے جو امینا و علیہم السلام کو دھوکا دینے آتا ہے یہی مراد ہے (سراج دف) مترجم کتاہو کہ عطا کرنے ایک فائدہ بیان کیا اگر عطا سے روایت صحیح ہو لیکن مشرکین تو ابیض وغیرہ کا نام نہیں جانتے تھے اور نہ آیت میں خصوصیت ہے بلکہ نکرہ تحت النفی عام ہے یعنی کسی فرد شیطان مردود کا یہ قول نہیں ہے۔ مجاہد نے (الضعیفین) قراوت کے معنی بیان کیے کہ اسے لوگوں کو صلح جو غیب سے کلام حق جانتے ہیں اس سے تم بخل نہیں کرتے بلکہ تمام مخلوقات الہی کو اللہ تعالیٰ کا کلام اس کے احکام بتلاتے ہیں۔ امام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسکو (الضعیفین) بظاہر مجہ پڑھتے تھے رواہ الدارقطنی فی الافراد و احکام دابن مردودہ و الخطیب مترجم کتاہو کہ بعض نے اس روایت سے زعم کیا کہ یہی قراوت متعین ہے لیکن یہ اسکی نادانی ہے کہ بقول امام ابن کثیر کے دونوں قرائتیں متواتر ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قطعاً ثابت ہیں پس اس شخص ہمل نے کیونکر اس روایت پر زعم کیا حالانکہ روایت میں فقط یہ ثبوت ہے کہ آنحضرت صلعم بالظاہر پڑھتے تھے اور اس سے کسی نے انکار نہیں کیا اور یہ مذکور نہیں کہ فقط پڑھتے تھے اور اگر یہ بھی مذکور ہوتا تو بھی اعتبار نہ تھا اسلیکے کہ روایت منفرد ہے جیسے دارقطنی نے خود ہی افراد میں درج کی تو متواتر کے مقابلہ میں اس روایت منفردہ کا کیا اعتبار ہوتا۔ تنبیہ سیوطی نے اتفاق میں بہت سی روایات منفردہ نقل کیں کہ فلان صحابی اس طرح اور فلان نے یوں پڑھا اکثر عوام کو دھوکا دینے کے لیے رواضق یہ روایتیں دکھلاتے ہیں کہ دیکھو قرآن میں غلطی ہو گئی ہے (وجہ) ہرگز نہیں بلکہ کہنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہوا چاہتا ہے اور علمی تحقیق یہاں مفید ہے لیکن عوام کی سمجھ سے باہر ہے لہذا یہ ایک جواب قطعی کافی ہے کہ قرآن مجید ہم کو متواتر حاصل ہوا ہے اور متواتر قطعی ہوتا ہے تو اسکے مقابلے میں دس آدمیوں کی روایت بھی پہنچ ہی بھلا یہاں تو فقط ایک ہی فرد کی روایت ہے اور فرد روایت کے راوی اگرچہ ثقہ نام کے ہوں تو بھی بالاجماع اسکا اعتبار نہیں ہوتا ہے اسلیکے کہ بکثرت ایسے بے ایمان پیدا ہوئے جنھوں نے اسلام میں فتنہ پھیلانے کے لیے حدیثیں بنائیں اور نہایت ثقہ راویوں کے نام سے شائع کر دیں تو خالی راویوں کا ثقہ دیکھ لینا کافی نہیں ہے چنانچہ علم اصول حدیث میں صحیح کے سب قیود مذکور ہیں از انجلہ ایک یہ کہ منفرد نہ ہو اور یہاں منفرد ہو اور واضح ہو کہ متاخرین مانند سیوطی وغیرہ نے اکثر ثقہ راویوں کی نظر سے یہ کہا کہ اسناد صحیح ہے اور انکی مراد یہ ہے کہ راوی ثقہ ہیں لیکن حدیث صحیح نہیں ہے و فافہم (م) خطیب نے کہا کہ حضرت صلعم (الضعیفین) دونوں طرح پڑھتے تھے زحشری نے لکھا کہ دونوں

کے شر سے اسلام غریب کے غریب کو محفوظ فرما دے سووم جاہل واعظ بوجہ افلاس کے اپنے وطن سے دور نکل جاتے ہیں اور وہاں عالم منکر عوام کو وعظ نہایتے ہیں اور فی الفور روایتیں کرتے جاتے ہیں اور عوام الناس اس لیے موعظت کو قطعی یقین کے ساتھ لیتے اور پھیلاتے ہیں اور یہ سب سے زیادہ سخت فتنہ ہے واللہ تعالیٰ اپنے دین حق کا حافظ و ناصر ہے نعم المولیٰ ونعم النصیر رحمہما بالکل بیان اللہ تعالیٰ نے کافروں کے وسوسہ شیطانی کو دور کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرشتہ مقرب (جبریل علیہ السلام) کو خود افق اعلیٰ پر دیکھ لیا اور وہی اپنی صورت کو گھٹاتے گھٹاتے آپ سے نزدیک ہو گیا جس صورت میں وحی لانا ہو پس شیطان ہونے کا شہید ہو رہا ہو گیا۔ علاوہ اسکے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بخارے درمیان میں ازل سے چالیس سال تک کی عمر تک صادق امین مشہور معروف ہیں ان کو کیا ضرورت تھی کہ تم میں جھوٹ و خیانت نہ کریں اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باز نہ بنیں حالانکہ جو کچھ تم کو تعلیم کرتے ہیں تم خود جانتے اور اقرار کرتے ہو کہ تم کو مکارم اخلاق و پاکیزہ آداب اور نیک اعمال سکھاتے ہیں اور اعلان سے تم سے کہتے ہیں کہ میں ہرگز تم سے کچھ اجرت نہیں لے سکتا ہوں حتیٰ کہ زکوٰۃ وغیرہ جمیع صدقات اپنا اور ان کے خاندانی قرابت پر حرام ہیں یعنی خاندان جہنم کے نزدیک باہمی مواصلات سلوک جاری نہ تھا ان پر صدقہ حرام ہے بلکہ یہ بھی شہید ہو کہ شاید اہل قرابت کے ذریعہ سے نفع حاصل کریں لہذا فرمایا۔ **وَمَا هُوَ عَلَىٰ الْغَيْبِ بِضَنّٰنٍ**۔ اور وہ ہرگز غیب پر تخمین نہیں کرے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ علوم غیب تم کو سکھانے اور بتانے میں کسی طرح سے کسی قسم کا بخل نہیں کرتے ہیں بلکہ نہایت خوشی اور دل دہی سے تم کو بتاتے ہیں تاکہ اپنے رب عزوجل کی راستہ اور ارکے آخرت میں درجہ اعلیٰ پاویں برخلاف ان کے تم لوگ جن کا ہنوتکے پاس شیطانی طریقے سے خبریں دریافت کرنے جاتے ہو وہ تم سے اپنا مفری مال لیتے ہیں تب تم کو بتاتے ہیں اور ہزاروں جھوٹ کہتے ہیں سوائے اس بات کے جو شیطانوں نے آسمان سے سنکر کاہن کے کان میں ڈالی ہو پس تم بخوبی سمجھ سکتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بے شک رسول اللہ ہیں جو وحی الہی سے کلام اللہ نقل کرتے ہیں تاکہ اسکے موافق اعتقاد و عمل سے پاکیزہ ہو کر جنت کے لائق ہو جاؤ واضح ہو کہ ہر ان دو قرآنین یعنی بھلاؤ مجھے اور بھلاؤ مجھ سے دوسری قرأت البقرہ اور ابن کثیر و کسائی کی قرأت ہو اور کیا گیا کہ مصحف ابی بن کعب رضی اللہ عنہ مجھے اور بھلاؤ مجھ سے اور یہی ائمہ قراءین سے باقیوں کی قرأت ہو اور مصحف عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھلاؤ و ضبط ہو اور بھلاؤ (یعنی) کی قرأت پر معنی یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ وحی غیب تلاوت فرماتے ہیں وہ سہیں کچھ بھی متہم نہیں ہیں مترجم کہنا ہو کہ اسکے معنی دو طرح ہیں اول یہ کہ تم لوگوں نے جب یہ سمجھ لیا کہ کلام مجید کا آنا بذریعہ مقرب فرشتہ کے ہو اور محمد صلعم کو جتنے لگاؤ سے کچھ بھی جنون نہیں ہو تو باقی رہا یہ کہ جو صلعم کچھ تغیر و تبدل کریں تو تم خود جانتے ہو کہ وہ صادق امین ہیں وہ بخارے نزدیک بھی ایسے نہیں ہیں کہ وحی غیب کے ادا کرنے میں تم ان پر کچھ تہمت رکھو اور تم بالمشاورہ جب جان چکے تو یہ منواتر آئندہ بھی سب جہان پر قطعی جہت ہے (دوم) یہ کہ جب تم نے جان لیا کہ فرشتہ مقرب وحی لانا ہی اور محمد صلعم نے اس کو خود دیکھ لیا تو وہ مجنون نہیں اور نہ عالم الغیب میں متہم ہے تم اس پر ایمان لاؤ اور شیطانی خیالات چھوڑ دو شیخ ابن کثیرؒ نے لکھا کہ امام سفیان بن عیینہ نے کہا کہ (بھلاؤ) اور (بھلاؤ) دونوں قرآنین ہیں بلکہ انیسویں صدق علیہ وسلم کچھ جھوٹے نہیں اور نہ کار و ناجراور نہ بخیل ہیں یعنی ہر محتاج و غریب والدار کو کیا ان بتاتے ہیں اور کہ سلام و کوئی دانو سے وغیرہ سے دریغ نہیں کرنے قنادی لکھنے کہا قرآن مجید غیب تھا اس کو اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا اور آپ کے پاس سے کچھ بخل نہیں کیا بلکہ ہر غریب فقیر والدار و قاصد سلام جسے خواہش کی اس کو سکھایا یہی حق حکمران و انبیا و غیرہ

سدرۃ المنتہی کے پاس چھ سو بازو کے ساتھ دیکھا اور یہ جو اس روایت میں مذکور ہے خلاف ہی دوم کسی روایت صحیح میں نہیں
ہو کہ آپ بیہوش ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ولقد راہ من آیات ربہ الکبریٰ۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب
عزوجل کی بہت عظیم الشان آیات سے دیکھیں۔ ۱۔ وہاں بیہوشی کسی میں نہیں ہو اور یہاں بھی جبریل کا دیکھنا آیت میں مذکور
ہو تاکہ کافرون کو معلوم ہو کہ وہ فرشتہ دیکھا ہوا ہے اسلین جن یا شیطان کا شبہ نہیں ہو سکتا کیونکہ اسکو اصلی صورت میں افق پر دیکھا
ہو ہی کم ہوتے ہوتے اس صورت میں جسپر وحی لانا ہو آپ سے قریب ہو گیا تو معلوم ہوا کہ یہ چھوٹی صورت وہی فرشتہ ہے پھر اگر آپ
بیہوش ہو جاتے تو آپکو کیونکر معلوم ہوتا ہو کہ بلی ہوئی صورت وہی ہے ولیکن اس روایت کے بنانے والے کو آیات کا ارشاد مبلغ سمجھنے کی
بھی لیاقت نہ تھی سو ہم یہ کہ جبریل نے بطح وینا میں اپنی گنجائش سے انکا دیکھا اور عرفات میں اقرار کیا حالانکہ تمام مشرق و مغرب
اُسے بھر لیا پھر کیونکر عرفات میں گنجائش ہوئی۔ صحیح روایت میں افق اعلیٰ پر دیکھا تھا تو وہاں صحیح گنجائش ہو اور عرفات تو اس میں
میں سے ملک عرب کے صوبہ حجاز کے شہر مکہ کے نواح حین ایک چھوٹا سا میدان ہے اور جب تمام زمین انکے پے کافی نہ تھی تو عرفات
کیا کفایت کر سکتا ہے وہ تو زمین میں سے ایک ذرہ ہے۔ علیٰ ہذا القیاس بوجہ کثیری روایت منکر ہے اور معرفت کی راہ سے جو عیوب ہمیں
موجود ہیں انکو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے بنانے والے جاہل نے اسکو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا حالانکہ
آپ علم القرآن میں امت کے امام ہیں پھر خطیب کو لازم تھا کہ ایسی روایت نہ لکھیں اور یہ خرابی اس وجہ سے سخت ہو گئی کہ متاخرین
نے اسناد کو ترک کیا اور فقط روایات کو نقل کرنے لگے حالانکہ اسناد سے فوذا معلوم ہو جاتا ہو کہ فلان مدادی کذاب اور بنانے والا ہے
لیکن اس سے زیادہ افسوس ہے کہ متاخرین نے علم الاسناد بھی ضائع کیا بلکہ اس زمانے میں عجب فتنہ بوجہ جہالت کے شروع ہوا ہے
جبکہ علماء اٹھتے جاتے ہیں اور جہالت یعنی علوم شرعی و مدارک معرفت سے لاعلمی جو مدت دراز سے چلی آتی ہے اب درجہ کمال کو پہنچتی
جاتی ہے تو یہ عجیب و غریب فتنے ظاہر ہونے لگے اول تو عوام الناس نے تاریخوں کی کتابیں جیسے روضۃ الصفا وغیرہ لیکر انکی روایات
سے اپنے اعتقادات بگاڑنے شروع کئے اور یہ بخانا کہ روضۃ الصفا کا مصنف ایک شخص تھا جسکو کسی قدر زبان عربی تھی اور علوم
شرعیہ قرآن و حدیث وغیرہ سے نا بلد تھا اور سلطان حسین شاہ ہرات کے زمانے میں امرائے سلطانی کی ملازمت میں رہتا تھا اگر شخص
علوم شرعیہ میں ماہر ہوتا تو بھی اُسے جب کتاب کو تاریخ کے نام سے موسوم کیا تو اسکی روایات پر کتبے کے قابل ہیں یعنی اُسے خود تیار
دیا کہ اس کتاب میں میں نے نسب طح کی رطب و یابس روایتیں نقل کی ہیں پھر اگر مصنف مانند امام ابن جریر محدث کے ہے تو
تاریخ میں ہر روایت کے واسطے اسناد نقل کی اور تم خود اسناد سے بچان سکتے ہو اور اگر اُسے بلا اسناد نقل شروع کی جیسے اشم کوئی
نوا کسی ہر روایت کو جان سے لانا ہو وہاں سے پرکھنا ضرور ہے اور یہ منجمل بیان ہے اسکے اندر بہت تفصیل میں جنکی بیان گنجائش
نہیں ہے اور مقصود یہ کہ جہالت یہاں تک بڑھی کہ کتاب تاریخ کو نہیں پہچانتے کہ اسکا کیا مرتبہ ہے فتنہ دوم بعض لوگوں نے بیچر
میں جول سے روش اختیار کی کہ مثلاً امام ابن جریر کی تاریخ لیکر اسکی روایات پر نظر ڈالی اور انہی لیاقت نہیں ہے کہ روایت کو بدل دیا
۲۔ یوں کے معلوم کر سکیں ولیکن سب کو کیساں قرار دیکر اپنی رائے سے ایک صورت قائم کی اور اسی کے واسطے روایات کو تلویح
۳۔ ایک خیالی صورت جو فیس سے ٹھیک نظر آئی وہ لکھ دی اور یہی اکثر یورپی قوموں کا طریقہ ہے حتیٰ کہ اس زمانے میں ایک شخص نے
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تاریخ بنام اللہ رون لکھی اور تاریخ ابن جریر سے روایتیں لیکر اسطرح اسکا انتظام کیا ہوا اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں

کہا کہ میں اگر کہا جاوے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل کو اول غار حرا پر اتار دیا وہی کے وقت دیکھا پھر سورۃ المدثر نازل ہوئی
 سے چند ساعت پہلے جبرئیل کو آسمان وزمین کے درمیان ایک کرسی پر دیکھا اور اسطرح بار بار دیکھا تھا پھر کیا حکمت ہو کہ انق مبین پر دیکھنے
 کا ذکر فرمایا (جواب) یہ اصل صورت میں دیکھنا واقع ہوا تھا ایسے بیان فرمایا کہ اسمین کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہ فرشتہ ہوا ایسے کہ صورت خوب
 سامع چھ سو با زوتھے یہ بیان تو ہی نے فرمایا کہ آنحضرت صلعم نے جبرئیل کو آسمان کے مشرقی افق میں دیکھا تھا۔ ابن الجیر نے کہا کہ مغربی
 افق میں دیکھا تھا واللہ تعالیٰ اعلم۔ مجاہد نے کہا کہ اجیاد کی جانب افق میں دیکھا اجیاد ایک مقام کے سے مشرقی جانب ہو رہا ہے بن النس
 نے کہا کہ انق مبین یعنی واضح افق اور بعض نے کہا کہ دیکھنے کی صفیہ اور یہ مجاہد سے منقول ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آیت کے
 معنی یہ ہیں کہ ساتویں آسمان کے افق میں سورۃ المنتہی کے پاس جبرئیل کو اسکی صورت میں دیکھا (الفتح) مترجم لکھا ہے کہ ابن عباس نے
 سے اسکا ثبوت بیان نہیں ہو سکتا بلکہ سورۃ النجم کے مناسب ہے کیونکہ یہ قول بیان اسوقت صحیح ہوگا کہ جب اس سورۃ کا نزول بعد
 معراج کے ہو اور اس صورت میں بھی یہ دیکھنا دوسری بار دیکھنا چنانچہ سورۃ النجم میں صریح ہے بقولہ تعالیٰ اللہ ماہ نزولہ آخری عند سورۃ المنتہی
 یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل کو دوسری بار دیکھا۔ نزدیک سورۃ المنتہی کے۔ لہذا شیخ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ اللہ
 اعلم ظاہر ہے کہ اس سورۃ کا نزول شب معراج سے پہلے واقع ہوا ہو ایسے اس سورۃ میں فقط ایک ہی مرتبہ دیکھنا مذکور ہو اور ہر
 دوسری مرتبہ بھی دیکھنا جو سورۃ النجم میں مذکور ہے تو وہ سورۃ بعد معراج کے نازل ہوا ہو اور بیان جو دیکھنا مذکور ہے یہ ہی جو سورۃ النجم میں
 اول مرتبہ ہوا ہے یہ دیکھنا بطریق مذکور میں واقع ہوا تھا اور آپ نے جبرئیل کو افق اعلیٰ پر دیکھا کہ تمام افق اعظم کو بھریا ہو اور چھ سو با زوہن جنگی خوبصورت
 الطولانی روایت میں مذکور ہے۔ ثم ذلی الابد۔ پھر جبرئیل بقدرت الہیہ اترے اللہ نزدیک آئے گئے یہاں تک کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیل
 علیہ السلام سے اسقدر قرب ہو گیا جس قدر کمان کے دو گوشہ میں ہوتا ہو اور یہ اس امر کی تحقیق تھی کہ جو فرشتہ وحی لاتا ہو وہی جو خطیب
 نے لکھا کہ ابن عباس سے روایت کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے جبرئیل سے کہا کہ میں تم کو بخاری اس صورت میں دیکھنا چاہتا
 ہوں جس صورت میں تم آسمان پر رہتے ہو جبرئیل نے کہا کہ آپ میں بہ قوت نہیں ہو کہ مجھے دیکھ سکین آپ نے کہا کہ کیوں نہیں میں تم
 ضرور دیکھنا چاہتا ہوں جبرئیل نے کہا کہ بھکران آپ کھڑے ہو کر دیکھینگے آپ نے کہا کہ ابطح میں دیکھو لگا۔ جبرئیل نے کہا کہ ابطح میں
 میری سمائی نہیں ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ اچھا بمقام مناجات جبرئیل نے کہا کہ وہاں بھی میری سمائی نہیں ہو آپ نے فرمایا کہ
 اجماع عرفات میں جبرئیل نے کہا کہ ہاں میری سمائی ہو سکتی ہے اگر آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وقت مقرر پر وہاں گئے تو یکایک جبرئیل کو
 کو عرفات کی طرف سے آئے دیکھا کہ سر آسمان پر ہو اور پانچوں زمین میں ہیں اور انھوں نے مشرق مغرب کو بھریا ہو اور رفتار میں شور ہو پھر
 صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے ہی بیہوش ہو کر گر پڑے پس جبرئیل علیہ السلام نے صورت بدلی اور آپ کو اپنے سینہ سے لگا لیا اور کہا کہ اے محمد
 خوف نہ کرو اگر آپ کہیں اسرافیل کو دیکھتے کہ سر زیر عرش ہو اور پانچوں زمین میں کی نہ میں ہیں اور عرش اُسکے کندھے پر ہو اور وہ بسا اوقات
 عظمت الہی کے خوف سے اسقدر حقیر ہو جاتا ہو کہ جیسے چڑیا عصفور ہوئی ہو حتیٰ کہ اس وقت تیرے رب کا عرش فقط اُسکی عظمت اٹھائی
 ہو (السراج) مترجم لکھا ہے کہ یہ روایات غریب منکر ہیں اور ثقات کی روایات سے اسمین بکثرت مخالفت ہو چنانچہ بعض وجوہ میں
 بیان کرتا ہوں اسی پر بانی کو قیاس کرنا چاہیے اول یہ کہ اللہ تعالیٰ نے دو مرتبہ جبرئیل کو اصل صورت میں دیکھنا بیان فرمایا ہر اول
 بطریق مذکور میں آپ نے جبرئیل کو افق اعلیٰ پر دیکھا اور اسکی صحیح روایت سورۃ النجم کی تفسیر میں گندی ہو اور دوسری مرتبہ معراج میں

جس پر اور حاصل یہ کہ قسم نجوم و دلیل و صبح کی کہ اس کلام پاک کو جبرئیل امین لایا اور تمہارا صاحب یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کچھ بھی نہیں
 نہیں ہیں صاحب حکم سے بیان بالاتفاق محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں جی شعی و یمن بن مہران و ابو صالح وغیرہم سے روایت ہو اور اس
 آیت میں اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا ملہ بیان فرمائی اس لیے کہ جنہوں نے خطبہ کی عقل کا نام ہو اور جب وہ ایک معر
 درجہ پر پہنچی تو اس کا نام جنون رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے یہاں نگرہ بتائید نفی فرمایا تو کسی قسم کی خطبہ کی باقی نہ رہی اور یہ نہایت کامل
 عقل ہوئی اور یہ عقل کمال ہے۔ اور جیسے یہ کمال علی تھا اسی طرح معراج عظمیٰ میں آپ متفرد ہیں حتیٰ کہ جبرئیل علیہ السلام ہی اپنے مقام
 سدرۃ المنتہی تک پہنچ کر ٹھہر گئے کہ اب میں آگے نہیں جاسکتا ہوں تلبیہ متزلزل کے نزدیک فرشتہ رسول بہ نسبت انسانی
 رسول کے افضل ہے اور استدلال کیا کہ بیان اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کی فضیلتیں بہت بیان فرمائیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فقط
 یہ صفت کہ وہ جنون نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ جبرئیل افضل ہیں (جواب) مبصناوی نے کہا کہ یہ استدلال ضعیف ہے کیونکہ شریکین
 کہا کرتے تھے کہ (انما یعلمہ بشر) محمد کو یہ قرآن کوئی شخص سکھاتا ہے اور کہا کرتے (افتری علی اللہ کلاما بام بہجتہ) اسے اللہ تعالیٰ پر بھوت
 بنانا ہے یا اس کو جنون ہے۔ تو ان آیات سے مشرکوں کے یہ شیطانی اوہام دور کرنا مقصود ہے اور یہ غرض نہیں کہ جبرئیل علیہ السلام کیا فضائل ہیں اور
 محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا فضائل ہیں تاکہ دونوں میں موازنہ و مقابلہ کیا جاسکے۔ مگر ترجمہ کہتا ہے کہ معترلی کا اس طرح دلیل لانا خط و غلط ہے اس لیے کہ
 محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہیں اور وہ جنون نہیں ہیں حالانکہ بالاجماع آپ رسول ہیں تو جیسے جبرئیل کو رسول کہا گیا اس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو
 کہاں بیان رسول کہا گیا ہے تو معترلی نادان نے کلام پاک کے سمجھنے کی لیاقت بھی کم رو دی کیونکہ متعصب کی آنکھوں پر اپنی گمراہی کا پردہ پڑ جاتا ہے
 نکتہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس کو میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا (یعنی آدم) اور اس کی اصلاح اولاد کو ایسے لوگوں کے برابر
 نہیں کروں جن کو میں نے کہا کہ ہو جاؤ پس ہو گئے (یعنی ملائکہ علیہم السلام) یہ حدیث مشکوٰۃ میں ہے۔ نکتہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام منظر جمیع
 صفات حق ہیں اور صلاحیت کمال ہے اسی لیے ملائکہ کو سجدہ کا حکم دیا اور ملائکہ صرف منظر رحمت ہیں اور شیاطین فقط مظاہر غضب
 ہیں تو جامع افضل ہے واللہ سبحانہ تعالیٰ ہو العبد المذنب کمرخی رحمہ اللہ تعالیٰ نے خوب کہا کہ جس کسی تمیز دار کو بلاغت کلام سمجھنے کی عقل
 ہو وہ جب اس مقام کے آیات میں نازک نظر سے دیکھے تو اس کو صاف نظر آدینگا کہ یہاں صلی مقصود یہ ہے کہ مشرکین کو کچھ دوسوہ و
 وہم شیطانی نہ رہے بلکہ دل و جان سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ادب سے گھٹنے ٹیک کر ایمان لادیں اور ان کو اپنے اوپر کامل
 رسول و رحمت حق جانیں تو اس مقام پر جبرئیل کے ایسے فضائل جمیلہ شمار کرنا حقیقت جبرئیل سے بڑھ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی ہے کہ
 عاقل نظر کرے گا کہ یہ بزرگ فرشتہ کہاں بھیجا گیا ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا گیا تو اللہ اکبر محمد رسول اللہ کی فضیلت اعلیٰ اس رتبہ عظمیٰ پر پہنچی ہے
 کہ ایسا مقرب فرشتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے محمد رسول اللہ کی طرف بھیجا جاتا ہے تو ان فضائل سے بڑھ کر آپ کو فضیلت حاصل ہے
 مگر ترجمہ کہتا ہے کہ یہ کلام لطیف ہے واللہ الحمد والممتہ پھر واضح ہو کہ کفار مشرکین کو شیطان نے یہ بھی دوسوہ دلا یا کہ فرشتہ اگر صاحب فضائل
 ہو لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرشتہ کہاں سے دیکھا ہے شاید ان کو جن ہی وحی دیتا ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس کو رد کر دیا بقولہ تعالیٰ
 وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَجَعَلْنَاهُمْ فِي الْجَنَّةِ وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسٍ أَثِيمًا
 اس کی اصل صورت میں بھی دیکھا (مبین) روشن واضح۔ یہاں کی صفت ہے اور افق کنارہ آسمان ہے اور جانب مشرق کے افق کو
 (افق مبین) اس لیے کہتے ہیں کہ آفتاب کے طلوع سے صاف واضح روشن ہو جاتا ہے بعض نے کہا کہ افق مبین آسمان کے سب

سرجھکائے ہوا میں کثیر نے لکھا یعنی وہ عام ملازمین سے نہیں بلکہ شریف سردار رئیس ہیں۔ واضح ہو کہ ملائکہ اجسام نوری ہیں اور احکام حق و ذکر الہی انہی غذا ہے اور مانند جانور و سورج کے مذکور یا مومن نہیں ہیں اور نہ انکو کہہ سکتے ہیں پس انکے جمیع افعال باری تعالیٰ ہوتے ہیں جیسے بنی آدم میں سے جو ولی پاکیرہ باطن سے منور ہو جاتا ہو اس کے افعال بارادہ حق ہوتے ہیں اور اپنی خودی سے نہیں ہوتے ہیں اور جو حکم ہوتا ہو وہی کرتے ہیں کسی قسم کی کمی بیشی یا تغیر و تبدل ان میں ہونا ممکن نہیں ہوا اور جو حکم ہوتا ہو وہ اسی طرح پورا کرتے ہیں یعنی یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ وہ کسی وجہ سے انہو کے اسلئے کہ وہ ارادہ حق نہ تو ممکن نہیں کہ فوراً پورا نہ ہو جاوے اور ہمیشہ بات دن ذکر حق نہیں احکام حق میں ہیں و اللہ العزیز والکبیر واللہ اللہ انھو ملک من الخلق بالکلیۃ و توفی موتہا و المعنی بالصالحین خطیب نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان والوان پر جبرئیل علیہ السلام کی اطاعت فرض فرمائی ہے جیسے تمام زمین والوان پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فرض فرمائی ہے ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مہاجر کے لیے جبرئیل علیہ السلام اپنے ساتھ لے گئے تو جبرئیل نے جنت کے خازن رضوانؓ سے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جنت کا دروازہ کھول دے اُسے فوراً کھول دیا یہ جبرئیل کے واسطے اُحاطت پر صفت ششم قولہ (و امین) یعنی جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا امین بندہ ہے تو وہ جو کچھ وحی لاتا ہے پوری امانت سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ادا کرنا ہوا میں کثیر نے لکھا کہ عظیم صفت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بند کو فرشتہ کا ترکیب فرماوے کہ وہ امانت دار کامل ہے۔ حدیث متفقہ کہتا ہے کہ اس سے کافرون کا وہم شیطانی دور کیا کہ شاید جبرئیل نے درمیان میں وحی کے اندر تغیر کیا ہو اور مشلا بتون کی پوجا سے مانعت نہ ہو کیونکہ کفار اپنی جہالت سے یہ یقین کیے ہوئے بیٹھے تھے کہ ہم لوگ حضرت ابراہیم و اسمعیل علیہما السلام کے دین پر ہیں یہاں تک کہ ان جنتوں نے خاندان کعبہ میں اپنے خیالات کے نمونے پر ان دونوں بزرگ پیمبروں کی تصویر بنائی تھی پس اللہ تعالیٰ نے دفع کر دیا کہ یہ وحی جبرئیل ہی ہے اور جبرئیل کی ذاتی صفت یہ کہ امین ہے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں امین الہی ہوں اور آپ کو دنیا میں امین مشور کر دیا کہ تنبیہ بعضے غالی رہی کہتے ہیں کہ وحی اولا حضرت امیر علیہ السلام یعنی حضرت علیؓ کے واسطے آئی تھی اور اکثر یہ کہتے ہیں کہ نہیں بلکہ جبرئیلؑ کو اختیار دیا گیا تھا کہ علیؓ و محمدؐ دونوں میں سے جسکو چاہو پہنچاؤ پھر جبرئیلؑ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دی تو آپ امیر اور حضرت علیؓ زریر ہو گئے مگر حج کہتا ہے کہ یہ جہالت کفری ہے اور حماقت شدید ہے اسلئے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی آئی تھی اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ بائع بھی نہ تھے بلکہ ایک روایت میں آنحضرتؐ کی عمر تھی اور بھلا فرقہ کلمہ کفر کہتا ہے اور دونوں محض جاہل ہیں اسلئے کہ رسالت اللہ تعالیٰ کے علم میں تعین ہوا اور نبوت کے واسطے بھی نص صریح عہد ازل لیا گیا تھا سوال اگر کیا جاوے کہ جبرئیلؑ سے تغیر ممکن نہیں ہے تو اس کے دفع کر نیکی کیا ضرورت ہے جواب بات یہی ہے لیکن عوام خصوصاً مشرکین و کفار میں یہ سمجھ کماں ہے جو فرشتہ کی ماہیت کے لوازم کیساتھ واقف ہوں وہ تو انسانی طریقہ پر جو اس سے قیاس لگاتے لہذا دفع کر دیا پھر کفار جاہل یہ آیات قرآنیہ معجزات صریحہ منکر کہتے کہ جو باقرین حشر و نشر وغیرہ کی اس کلام میں مذکور ہیں تو کلام ایسا منع ہے کہ آدمی سے اسکا معاصر جاہل یہ آیات قرآنیہ معجزات صریحہ منکر کہتے کہ جو باقرین حشر و نشر وغیرہ کی اس کلام میں مذکور ہیں تو کلام ایسا منع ہے کہ آدمی سے اسکا معاصر نہیں ہو سکتا ہر شاہ جن نے سکھایا ہو کیونکہ اس میں کائنات کی طرح غیب کی خبریں ہیں اور خشک یہ ہے کہ وہ جادو ہے لیکن جو باتیں اس کے اندر نہ لائے تو جنوں ہوا یا ہونا محال ہے غرض کہ مشرکوں کے خیالات نہایت پرانگندہ و مختلف پریشان تھے اور جو دیگر بیان میں ہر ڈال کے کہتے کہ ہم نے عوام کو تو بکا دیا کہ بعض مجنون ہیں لیکن فی الواقع ہم سب جانتے ہیں کہ وہ بہت عاقل ہے اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کی ہٹ دھرمی خیال بھی دور کیا اور فرمایا **وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ** اور تمھارا صاحب کچھ بھی مجنون نہیں ہے **وَف** یہ کلام بھی قسم کے ذیل

بھیجا ہوا اسکو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا گیا ہے وہ جبریل علیہ السلام ہوا بن عباس شعیبی و میمون بن مہران حسن بصری
 و قتادہ و ربیع بن انس و خثعم نے کہا کہ مراد جبریل علیہ السلام ہیں۔ اگر کہو کہ قرآن تو کلام الہی ہے وہ جبریل کا قول کیونکر ہوا
 (جواب) اصل کلام اللہ ہے اور جبریل علیہ السلام نے اسکو وحی لا کر ادا کیا اسلئے جبریل کی طرف منسوب ہوا اور محمد صلی اللہ علیہ
 وسلم نے بندوں پر تلاوت کیا تو آپ کی طرف بھی منسوب ہوا اور یہاں مقصود یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کلام پاک تلاوت کرتے
 ہیں یہ کسی شیطان و جن کی تعلیم نہیں ہے جیسے عرب میں کاسن وغیرہ تھے جنکو جن تلقین کرتے تھے بلکہ یہ وحی ہے جسکو اللہ تعالیٰ کا بھیجا
 فرشتہ لایا ہے جیسے انسان میں رسول ہوتا ہے اسی طرح وہ فرشتہ رسول اللہ ہے اور یہ فرشتہ کہ درون فرشتوں کی طرح کوئی عام فرشتہ نہیں ہے
 بلکہ مقرب ہے لہذا اللہ تعالیٰ نے اُسکی صفات بیان فرمائیں صفت اول یہی کہ رسول ہے یعنی اللہ تعالیٰ اسکو اپنا معتمد سفیر کر کے
 اپنے انسانی بندوں میں سے انبیاء علیہم السلام کے پاس بھیجتا ہے اور اس سے جس طرح انبیاء علیہم السلام کی فضیلت ظاہر ہوئی اسی طرح
 یہ بھی ظاہر ہوا کہ یہ سفیر رسول بھی لکھی صفت دوم کہ یہ یعنی یہ رسول کریم ہے ابن کثیر نے کہا یعنی شریف خوبصورت با وجاہت ہے قولہ
 تعالیٰ ذی قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٌ مَطَاعٍ ثُمَّ آمِينَ۔ صاحب قوۃ ہے مالک العرش کے
 یہاں لیکن ہر وہاں اطاعت کیا گیا ہوا نہایت عارف صفت سوم یہ کہ ذی قوۃ ہے جسے قوۃ تعالیٰ علیہ شدید القوی ذمۃ۔ یعنی محمد صلعم کو
 یہ قرآن سکھایا ہے سخت قوی فرشتہ نے جو بہت شدت کے ساتھ افعال عظیمہ پورے کر سکتا ہے (ابن کثیر رحمہ اللہ) خفاک نے ابن عباس رحمہ
 سے روایت کی کہ جبریل علیہ السلام کی قوت میں سے کمزرات یہ تھی کہ جب قوم لوط پر عذاب لائے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس قوم
 کی پانچ بستیوں فقط اپنے پروں کی نوک سے زمین سے پورا تختہ مع بے شمار آدمیوں و جانوروں و جنگلوں وغیرہ کے آسمان کی جانب
 بلند کیا پھر اُسکو اوندھا اُلٹ دیا۔ اسی طرح ایک مرتبہ ابلیس لعین نے ایک گھائی پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اپنی ناپاک گفتگو
 کرنی شروع کی تو حکم الہی سنا کہ تعالیٰ جبریل علیہ السلام نے فقط اپنے پروں سے ابلیس لعین کو ایک تھپڑ مار دیا تھا کہ وہ ارض و آسمان
 سے جا کر رہ جا کے ایک پہاڑ پر گر جائے اگر اللہ تعالیٰ نے اس لعین کو قیامت تک زندگی نہ دی ہوتی تو وہ ہلاک ہو جاتا اسی طرح جب قوم ثمود پر
 عذاب کا حکم ہوا تو جبریل علیہ السلام نے اس قوم کی بھاری بستی ہلادی کہ سب کے سب گھٹنوں کے بل گرے اور ایک سخت آواز
 دی کہ انکے کلیجے پھٹ گئے اسی طرح پلک مارے بن زمین سے آسمان سفہم تک اور وہاں سے زمین تک آئے جاتے ہیں (معاذ و سراج وغیرہ)
 صفت چہارم قولہ تعالیٰ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٌ صاحب عرش کے نزدیک صاحب مکان ہے یعنی حضرت رب العرش اللہ تعالیٰ
 جل شانہ کے نزدیک صاحب غرت و مرتبہ ہوا زبانی نے کہا کہ مکین وہ ہوتا ہے جسکو ایسی وجاہت ہو کہ جو مانگے وہ پاوے ابن کثیر رحمہ
 نے لکھا کہ یعنی اللہ عز و جل کے یہاں اُسکی منزلت بلند ہے ابو صالح نے کہا کہ یہ جبریل کی عزت ہے کہ نہ شر حجاب نور میں بغیر اجازت کے
 داخل ہوتا ہے مترجم کہتا ہے کہ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اجازت نہیں ہے بے اجازت داخل ہوتا ہے بلکہ معنی یہ ہیں کہ اُس کے واسطے خاص
 اجازت مل چکی ہے تو ہر بار اسکو اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے جیسے حدیث میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تکمیل فرما کر حضرت سرور عالم صلی اللہ
 علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرے واسطے اجازت یہ ہے کہ پردہ اٹھا ہوا حدیث صحیحہ صفت پنجم قولہ تعالیٰ مَطَاعٍ ثُمَّ۔ بفتح التاء و اللام
 وہاں وہ اطاعت کیا گیا ہے۔ یعنی صاحب العرش کے یہاں جو منزلت اسکو حاصل ہے اور اُسکا مقام مقرر ہے وہاں ملائکہ مقربین اُسکے
 مطیع ہیں اور وہ مطاع ہے پس ملائکہ مقربین کا سردار ہے کہ اُسی کی راے و ارشاد پر چلتے ہیں جیسے وہ اپنے رب عز و جل کے حکم پر

معلوم ہو گئے رازیؒ نے کہا کہ بعض کے نزدیک یہاں اقبال کے معنی موافق ہیں کیونکہ اس صورت میں قسم اقبال وادبار دونوں سے
 ہو جائیگی کیونکہ واللہ اذاعسس کے یہ معنی ہوتے کہ قسم رات کی جب سامنے آوے والصبح اذانتفس اور قسم صبح کی جب نمودار
 ہو یہ نموداری رات کے پٹھ پھیر جانے پر ہوتی ہے تو قسم رات کے پٹھ پھیر جانے پر بھی ہو گئی تبض گمانے کہا کہ نہیں بلکہ یہاں وادبار
 پٹھ پھیر جانا کے معنی مراد ہیں اور یہ جو خیال ہے کہ والصبح اذانتفس سے ہی معنی کھینچتے ہیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ صبح کے تفس
 سے پوری تجلی مراد ہے اور عسس سے اول وادبار مراد ہے جو غلغلہ و تاریکی کا وقت بھی ہوتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ واللہ اذادبر والصبح
 اذاسفر یعنی قسم رات کی جب پٹھ پھیرے اور قسم صبح کی جب روشنی کے ساتھ پھیل جاوے اسطرح یہاں والصبح اذانتفس
 یعنی روشنی کامل ہے تو کمر ہونا لازم نہیں آتا ہے تفسیر کبیر مترجم کہتا ہے کہ اسی مقام سے امام ابوحنیفہ رحمہ وایک جماعت نے کہا کہ صبح
 کی نماز اسفار میں خوب ہے کیونکہ یہی وقت ہے جسکی اللہ تعالیٰ نے قسم بیان فرمائی ہے وناضم بالجلع عسس کے یہ معنی کہ پٹھ پھیر جاوے
 یہاں اکثر مفسرین کا قول ہے اور فراء وغیرہ نے اجماع مفسرین کا دعویٰ کیا مسئلہ مشترک لفظ سے ایک ہی استعمال میں اس کے
 متعدد معنی مراد لینا جائز ہو یا نہیں (جواب) شافعیہ اصولیین ایک جماعت کے نزدیک جائز ہے لہذا شیخ ابن کثیرؒ نے یہاں اس
 قول کے موافق عسس مشترک سے اقبال وادبار دونوں معنی مراد لیے تو قسم اول کے آئے اور آخر کے پھیر جانے پر واقع ہوگی لیکن حنفیہ
 وغیرہ جماعت کثیر نے اس امر کو نہیں جائز رکھا کیونکہ اگر ایسا ہو تو احکام میں خلط واقع ہو جائے (قرئ) کے معنی حیض اور باقی دونوں
 اہلین تو عورتوں کو تین قرأت تک طلاق کے بعد انتظار کرنے کا حکم ہے اس مدت گزرنے کے بعد دوسرے شوہر سے نکاح کر سکتی ہیں تو یہاں
 دونوں معنی لینے میں خلط واقع ہوگا اسطرح دیگر صورتیں نکل سکتی ہیں اور تمام بحث علم اصول الفقہ میں ہے ابن کثیرؒ نے لکھا کہ امام ابن جریرؒ
 نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ بعض علماء عربیہ نے زعم کیا کہ عسس کے معنی ابتداء سے نزدیک و مظالم ہوئی اور فراءؒ نے کہا کہ ابوالبلاد العلوی
 اس معنی میں ایک شعر پڑھا کرتا تھا اور لوگ یہ گمان کرتے تھے کہ یہ شعر بنا یا ہوا ہے اور قولہ تعالیٰ والصبح اذانتفس اور قسم صبح کی جب
 سانس لے فحاکج نے کہا کہ سانس لے لینے طلوع ہو۔ قتادہؒ نے کہا یعنی روشن ہو جاوے اور سانس لے لینے سانس لے لینے کا معنی
 پیدا ہو اور یہی معنی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔ امام ابن جریرؒ نے لکھا کہ مراد یہ ہے کہ دن کی روشنی جب سامنے آوے اور
 صاف کھل جاوے (ابن کثیر) ابوالسعودؒ نے لکھا کہ یہ دن کا شروع ہے اور بعض نے کہا کہ رات کا پٹھ پھیرنا صبح کے تفس سے اقب
 ہے اور معنی یہ کہ صبح جب متوجہ ہوتی ہے تو اس کے ساتھ نسیم خوشگوار بھی آتی ہے اسی کو صبح کے لیے مجازاً سانس قرار دیا گیا۔ یہی خطیب
 کی عبارت ہے اور لکھا کہ مجاز کی دوسری جہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اندھیری رات کو گویا سیاہی میں سے تشبیہ دی جو کہ قرار ہے کہ حرکت نہیں
 کر سکتی پس جب صبح طلوع ہوئی تو جنبش میں سانس لینے سے راحت پائی تو اسی کو تفس سے تعبیر کیا گیا مترجم کہتا ہے کہ
 یہ تکلف ہے اور ٹھیک ہے ہی وجہ اول معلوم ہوتی ہے یعنی عرب نے صبح کو نسیم خوشگوار جانب مشرق سے آتی ہوئی پائی تو اسکو صبح کی سانس قرار
 دیا کہ لکھا کہ تفس لیس صبح یعنی صبح نے سانس لی۔ اہل اصل قولہ تعالیٰ فلا قسم بالحنس الجوار الکفس واللہ اذاعسس والصبح اذ
 تفس نہیں تو میں قسم کھانا ہوں نجوم سیارہ کی جو اپنے محل میں چپ جاتے ہیں اور رات کی جب پٹھ پھیر جاوے اور صبح کی جب
 روشنی میں چپ اُٹھے کہ۔ انہ لقول رسول کریم۔ یہ بے شبہ قول ہے جسے ہوئے پیغمبر بزرگ کا۔ رسول جو پیغام دیکر بھیجا جاوے
 اکرم بزرگ۔ یعنی اے لوگو یہ کلام پاک قرآن جو تم کو ہمارا رسول پاک ہے اللہ علیہ وسلم سنا تا ہے یہ ایک رسول کا قول ہے یعنی ہمارا

عس کے معنی ہیں اقبال وادبار۔ اقبال سامنے آنا اور وادبار پٹھ بھیر جانا اور یہ دونوں معنی ضد ہیں لیکن دونوں معنی آتے ہیں پس اگر اقبال کے معنی ہیں تو آیت میں یہ معنی ہوئے کہ اور قسم ہر رات کی جب وہ سامنے آوے یعنی اسکی تاریکی آتی جاوے اور اگر وادبار کے معنی ہیں تو یہ مطلب ہوا کہ اور قسم ہر رات کی جب وہ پٹھ بھیر جاوے اور صبح ہونے لگے کیونکہ جب رات پٹھ بھیر جاتی ہو اور تاریکی دور ہونے لگتی ہو تو وہی صبح ہونے کا وقت ہو شیخ ابن کثیر نے لکھا کہ بیان دو قول ہیں (قول اول) قسم ہر رات کی جب وہ اپنی تاریکی لیکر سامنے آوے اور متوجہ ہو۔ مجاہد نے کہا کہ عس اسے ظلم یعنی جبہ اندھیرا ڈالے حسن بصری نے کہا یعنی جب وہ اپنی تاریکی میں لوگوں کو ڈھانپ لے اور سعید بن جبیر نے کہا کہ یعنی جب وہ تاریک ہونا شروع ہو (قول دوم) علی ابن ابی طلحہ دعویٰ نے ابن عباس سے روایت کی عس یعنی پٹھ بھیر جاوے یعنی مجاہد وقتادہ وضاک رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہوا یہی زید بن اسلم دانکے بیٹے عبدالرحمن بن زید نے کہا وایل اذا عس یعنی رات کی قسم جب وہ جاوے تو پٹھ بھیرے۔ ابو داؤد الطیالسی نے باسناد جمید روایت کی کہ ابو عبد الرحمن السلمی نے کہا کہ ایک دن صبح کو موزن نے جس وقت نماز صبح کی اذان دی اُس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے اللہ فرمایا کہ ایسے لوگ کہاں ہیں جو وتر کو پوچھتے ہیں اور وایل اذا عس واصلح اذا تنفس کو پوچھتے ہیں اسکا وقت یہی ہے جب رات پٹھ بھیرے امام ابن جریر نے بیان دونوں قول ذکر کرنے کے بعد یہ اختیار کیا کہ وایل اذا عس سے ادبار مراد ہے یعنی قسم رات کی جب وہ پٹھ بھیر جاوے اور ایک شاعر کے قول سے بھی اس معنی کی شہادت لی ہے حتی اذا الصبح تنفسا وادبارا عن الیہا و عسا یعنی صبح نے تنفس کیا اور رات نے دیر اٹھایا اور عس کیا۔ یعنی پٹھ بھیر گئی (تفسیر ابن کثیر) اہل لغت نے کہا کہ عس الیہا لفظ ہے اس کے دو معنی باہم مند و مخالفت کے ہیں یعنی سامنے آنا اور پٹھ بھیر جانا۔ روایت میں دوسرے معنی مراد ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آگے فرمایا۔ واصلح اذا تنفس اور قسم ہے صبح کی کہ جب وہ سانس لے ف یعنی ہوائے خوشگوار انیس کے ساتھ نمودار ہو پس رات کے پٹھ بھیر جانے کے بعد صبح نمودار ہو جاتی ہو فراوانے کہا کہ مفسرین نے اجماع کیا کہ آیت میں (عس) سے پٹھ بھیر جانا مراد ہو اس طرح جوہری نے فراوانے سے نقل کیا ہے میر نے کہا کہ آیت میں دونوں معنی کا انجام ایک ہی نکلے گا یعنی اول میں وہ تاریکی کے ساتھ آوے اور آخر پٹھ بھیر جانا ابن عباس سے آیت کی تفسیر میں دونوں معنی منقول ہیں (رازی و خلیل و ف) آیت میں جسے ادبار کے معنی لیے یعنی پٹھ بھیر جانا تو اُس پر اعتراض کیا گیا کہ رات کا پٹھ بھیرنا بھی وقت ہے جب صبح نمودار ہو تو (واصلح اذا تنفس) مکرر ہو لہذا ابن کثیر رحمہ نے کہا کہ میرے نزدیک بیان اقبال کے معنی زیادہ مناسب ہیں گویا قسم یہ کہ رات کے سامنے آنے کی اور اسکی تاریکی کی اور فجر و روشنی کی قسم ہو جیسے قولہ تعالیٰ وللیل اذا غشی والنہار اذا تجلی۔ تو قسم رات کی جب تاریکی میں ڈھانک لے اور قسم دن کی جب روشنی سے تجلی کرے۔ اور جیسے قولہ تعالیٰ والضحی واللیل اذا تجلی۔ اور دیگر آیات ہیں اور اکثر علماء اصول نے کہا کہ عس چونکہ دونوں معنی میں مشترک ہو تو اس بنیاد پر دونوں معنی میں سے ہر ایک مراد ہو سکتا ہو (ابن کثیر رحمہ) مترجم کہتا ہو کہ عس اہل لغت کی گواہی سے دونوں معنی میں مشترک ہے شیخ امام ابن کثیر نے اسکے واسطے اکثر علماء اصول کی گواہی لی اور مراد یہ کہ بہت سے علماء اصول یعنی شافعیہ وغیرہ اسکے فائل ہیں کہ ایک ہی استعمال میں مشترک لفظ ہے اسکے کئی معنی لینا جائز ہو تو اس قول کے موافق بیان بھی جواز ہوا کہ عس سے دونوں معنی لیے جاویں مترجم کہتا ہو کہ شاید شیخ رحمہ کی مراد یہ ہو کہ واصلح اذا عس کے یہ معنی ہیں کہ قسم رات کی جب تاریکی کے ساتھ متوجہ ہو اور پٹھ بھیر جاوے۔ ہر حال شیخ رحمہ کے نزدیک تاریکی کے ساتھ متوجہ ہونا بیان لینا انسب ہو کیونکہ صبح کی تنفس سے خود ظاہر ہوتا ہو کہ رات پٹھ بھیر گئی تو ادبار کے معنی لینے میں تکرار لازم آوے گی جبکہ ادبار سے جو معنی صریح نکلے وہی صبح کے نمودار ہونے سے

جو علم شریعت میں گمراہ ہو اور اسی طرح حضرت عائشہ رضی کو ایک مسئلہ میں خبر ہو چکی تو آپ نے بڑا تعجب کیا کہ یہ کیسے حکم دیا یہاں تک کہ ایک مرد صالح حج کو گیا اور ام المومنین کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اُس سے قسم کے ساتھ پوچھا تو اُس نے حق بات بیان کی آپ نے فرمایا کہ ان اہل عراق کو اللہ تعالیٰ نے سزا دی کہ یہ لوگ حضرت علیؑ پر طوفان باندھتے ہیں (رواہ الامام احمد) مترجم کہتا ہے کہ حضرت ام المومنین کو اُسی زمانے میں اسی ایک بات پر اس قدر تشویش و رنج ہوا تھا پھر چند مدت بعد تو اہل عراق نے عجیب تو وہ طوفان باندھا کہ جسکی حد نہیں ہو اور خارجیوں کے مقابلے میں رفض نکالا اور خفیہ تقیہ نکالا اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن سبا یہودی کا فتنہ تو حضرت امیر المومنین علیؑ کی زندگی ہی سے شروع ہوا تھا اور وہ لوگوں کو خفیہ تعلیم کرتا تھا کہ حضرت علیؑ رضی عنہ خدا نے ظہور کیا ہی شاید اس کجخت یہودی نے اہل اسلام کے ساتھ بھی وہی مکر بنانا چاہا جو اُس کے بزرگوں نے نصرائیوں کے ساتھ بنایا تھا اور نصرانی بنکر ایک جماعت نصاریٰ کو بہکا یا کہ مسیح خدا کا بیٹا تھا اور انجیل میں اگر ہمارے تم کو بیٹا کہا گیا ہو تو مسیح سچ مچ بیٹا تھا اسی سے وہ مردے زندہ کرتا تھا اور مادر زاد اندھے کو اچھا کرتا تھا الغرض اسی طرح کے مکر سے اُس نے پیارے سید نصرائیوں کو بہکا دیا اور اُس وقت نصرائیت کے واسطے بادشاہی نصرت نہیں دی گئی تھی اور نصرانی خفیہ طور سے یہودیوں سے ڈرتے ہوئے دین حق پر چلتے تھے پس ان میں یہ فتنہ پھیل گیا۔ شیخ ابن جریر نے ان اقوال میں سے جو الخنس کی تفسیر میں روایت کیے گئے ہیں کسی قول پر جزم نہیں کیا بلکہ توقف کیا اور کہا کہ شاید نجوم اور وحشی گائے دہرن سب سے مراد ہوں مترجم کہتا ہے کہ رازیؒ نے کہا کہ وحشی گائے دہرن کے ساتھ الخنس کی تفسیر کی گئی تو اس قول میں خنس بھنے ناک کی گہرائی ہو اور ان دونوں جانوروں کی ناک بھی تعمیر کے ساتھ ایسی ہی ہوتی ہے لیکن معتبر وہی اول قول ہے کہ الخنس سے نجوم مراد ہیں اور اس پر دو دلیلیں ہیں اول یہ کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دلیل اذاعسس فرمایا اور اسکو وحشی گائے کی بہ نسبت نجوم سے زیادہ مناسبت ہے (دوم) یہ کہ اللہ تعالیٰ کی قسم کا محل رتبہ میں زیادہ شریف ہوتا ہے تو جو چیز اعلیٰ و اشرف ہو وہ محل قسم ٹھہرانے میں بہتر ہے یعنی ہم لوگوں کو یہ چاہیے کہ اعلیٰ و اشرف کو محفل قرار دیں اور شک نہیں کہ وحشی گائے سے نجوم کا مرتبہ اشرف ہے (تفسیر کبیر) مترجم کہتا ہے کہ یہ دلیلیں اس صورت میں چلتی ہیں کہ دونوں میں سے ایک ہی معنی مراد ہوں اور اگر دونوں مراد ہوں تو نہیں چلیں گے اور شیخ ابوالسعود رحمہ نے فقط نجوم سے تفسیر ذکر کی مترجم کہتا ہے کہ اکثر محارف ایسے ہیں کہ ظاہری حواس سے ادراک نہیں ہوتے بلکہ بعد معلوم ہوتے ہیں حالانکہ فہم اسرار کے بعد انکا ادراک ایک شان رکھتا ہے واضح ہو کہ بیان حضرت ابن مسعود رضی وغیرہ سے جو تفسیر وحشی گائے کی نقل کی گئی ہے شاید اس سے آیت کی تفسیر مقصود نہ ہو بلکہ مطلب یہ ہو کہ الخنس الجوار اللنس عرب کی زبان کے موافق کیا چیز ہو تو معلوم ہوا کہ وہ وحشی گائے پر اطلاق ہوتا ہے پھر اسی تشبیہ سے نجوم پر اطلاق آیا ہے۔ دلیل اس پر یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی نے ابومیسرہ سے پوچھا کہ تم کیا کہتے ہو یعنی تمہارے دیار میں کیا اطلاق ہے اور ایضا ابن عباسؓ سے نجوم کی تفسیر بھی منقول ہے اور یہ وحشی گائے کی تفسیر بھی آئی بلکہ ایک روایت میں ہرن سے تفسیر لائی یعنی اسکا اطلاق وحشی گائے یا ہرن پر آیا ہے مقدمۃ التفسیر میں گذرا کہ ابن عباسؓ رضی نے چار قسم کی تفسیر بیان کی انرا جملہ ایک قسم کے عرب اپنی زبان میں اسکو جانتے ہیں۔ اس سے یہی مراد ہے کہ جیسے یہاں الخنس الجوار اللنس کو عرب اپنی زبان میں یہ جانتے ہیں کہ اسکا اطلاق عرب اپنی زبان میں اسکو جانتے ہیں۔ اس سے یہی مراد ہے کہ جیسے یہاں الخنس الجوار اللنس کو عرب اپنی زبان میں یہ جانتے ہیں کہ اسکا اطلاق وحشی گائے یا ہرن پر آیا ہے پھر آیت میں کیا مراد ہے تو ابن عباسؓ سے روایت گزری کہ نجوم سبارہ مرارہ میں فافہم واللہ تعالیٰ اعلم اور آئندہ اشارت عرائس وغیرہ کا ذکر انشاء اللہ تعالیٰ آوے گا۔ دلیل اذاعسس۔ بیان عسس کی تفسیر میں دو قول ہیں اور یہ دونوں

اور کنوس دن میں چھپ جاتا ہو (ف) مترجم کہتا ہو کہ آفتاب دن میں نہیں چھپ جاتا بلکہ اسی کی روشنی میں سب چھپ جاتے ہیں تو شاید آفتاب کا کنس یہ ہو کہ رات میں چھپ جاوے واللہ تعالیٰ علم امام ابن کثیرؒ کی تفسیر میں مذکور ہو کہ یہ مبارک آیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں تلاوت فرمائی ہیں چنانچہ عمرو بن حرث رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے صبح کی نماز میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھی تو سنا کہ آپ قولہ تعالیٰ فلا قسم بالخنس الجوار الكنس واللیل اذا عسعس والصبح اذا تنفس تلاوت فرماتے ہیں (رواہ الامام مسلم والنسائی) مترجم کہتا ہو کہ شاید یہ مراد ہو کہ اسی قدر آیات پر اکتفا فرمایا اور شاید یہ کہ یہ سورہ تلاوت کیا اور یہی زیادہ صحیح ہو واللہ تعالیٰ علم اور امام ابن جریرؒ نے بطریق خالد بن عروہ روایت کی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسکی تفسیر پوچھی گئی تو فرمایا الخنس الجوار الكنس سارے ہیں کہ دن میں مخفی ہو جاتے ہیں اور رات میں کنس ہوتے ہیں۔۔۔ دوسری روایت میں کنس کی جگہ آبا کہ رات میں ظاہر ہوتے ہیں (رواہ ابن ابی حاتم وابن جریر) پھر ابن جریرؒ نے دوسری اسناد صحیح سے بھی حضرت علیؑ سے روایت کیا کہ یہ سارے ہیں۔۔۔ ابن کثیرؒ نے کہا کہ سب اسناد صحیح ہیں لیکن خالد بن عروہؒ السہمی کے حق میں ابو حاتم الرازی نے کچھ حرج یا تعدیل نہیں لکھی صرف یہ کہا کہ وہ حضرت علیؑ سے روایت کرتا ہو اور اس سے قاسم بن عوف شیبانی اور سماک بن حرب روایت کرتے ہیں ابن ابی حاتم نے بطریق حارث اعور عن علی رضی اللہ عنہ روایت کی کہ الخنس نجوم ہیں مترجم کہتا ہو کہ حارث اعور میں کلام ہو ابن کثیرؒ نے کہا کہ نجوم سے تفسیر حضرت ابن عباس و مجاہد حسن بصری و قتادہ و سدیی وغیرہم سے مروی ہو آبن جریرؒ نے بکر بن عبد اللہ المزنیؒ سے روایت کی کہ الخنس نجوم چمکدار ہیں جو مشرق کی جانب متوجہ ہو کر چلتے ہیں بعض ائمہ علمائے کبار نے کہا کہ نجوم کو خنس اس وقت کے اعتبار سے کہا کہ جب طلوع کرتے ہیں (یعنی برج سے نکل کر اُسکو پیچھے چھوڑتے ہیں) پھر آسمان پر روانگی کی حالت میں جواری ہیں پھر جب غائب ہوتے ہیں (برج میں چھپ جاتے ہیں) تو اس وقت کنس ہیں جیسے ہرن جب اپنے مسکن میں آکر چھپ جاتی ہو تو اُسکو کنس کہتے ہیں (دخل فی کنا سے لیتے اپنے رہنے کی جگہ غائب ہو گئی) (قول دیگر) الخنس سے مراد جنگلی گائے ہو چنانچہ ابراہیم نخعی نے مرسل کہا کہ عبد اللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ الخنس جنگلی گائے ہیں۔ یہی ابو میسرہ نے عبد اللہؓ سے روایت کیا کہ مجھے ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں بھی یہی جانتا ہوں ابو داؤد الطیالسی نے بطریق سعید بن جبیر عن ابن عباسؓ روایت کیا کہ الجوار الكنس گائے ہے جو سایہ میں کنس ہوتی ہو اور یہی سعید بن جبیر کا قول مروی ہو عوفی نے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ یہ ہرن ہیں اور یہ بھی سعید بن جبیر سے روایت ہو اور یہی مجاہد و ضحاک سے بھی روایت ہو اور جابر بن زید ابو اسحاق نے کہا کہ الخنس گائے و ہرن ہیں اور ابن جریرؒ نے یعقوب الدورقی سے باسناد صحیح روایت کیا کہ غیرہؒ نے کہا کہ مجاہد و ابراہیم نے باہم اس آیت فلا قسم بالخنس الجوار الكنس کا ذکر کیا تو ابراہیم نے مجاہد سے کہا کہ جواب نے اس آیت کے متعلق سنا ہو وہ بیان کیجیے تو مجاہد نے کہا کہ ہم سنی نہیں کہتے ہیں و لیکن کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ نجوم ہیں تو ابراہیمؒ نے کہا کہ نہیں آپ وہ بیان کیجیے جو آپ نے سنا ہو تو مجاہدؒ نے کہا کہ ہم سنتے تھے کہ یہ وحشی گائیں ہیں جب پھر کر اپنے مسکن میں چھپ جاوے تو ابراہیمؒ نے کہا کہ لوگ حضرت علیؑ پر جھوٹ باندھتے ہیں جیسے جھوٹ باندھا کہ آپ نے اسفل و اعلىٰ میں باہم ایک دوسرے کو ضامن ٹھہرایا مترجم کہتا ہو کہ اسفل و اعلىٰ مسئلہ موالات میں ہو اور کثرت روایات سے ثبوت ہوا کہ شیعہ کوفہ نے حضرت علیؑ پر آپ کی شہادت کے بعد ہی بکثرت جھوٹ باندھا اور جو فیصلے آپ نے اجتہاد حق سے کیے تھے اور ان لوگوں کی عقل و ایمان تک نہیں پہنچتی تھی تو ان کو بد لکھ کر تحریف کر دیا حتیٰ کہ جب ابن عباسؓ نے اسکو دیکھا تو افسوس کیا اور کہا کہ ان کجبتوں نے حضرت علیؑ کا علم برباد کیا کیونکہ یہ جو لکھا ہو یہ کیونکر آپ فیصلہ کرتے یہ تو ایسے شخص کا کام ہو

نے کہا کہ زعم باطل کو (لام) سے مٹایا اور اللہ سے قسم اسکے خلاف پر واقع ہوئی مترجم کہتا ہے کہ دونوں طریقہ قریب ہیں اور ہر صورت بہ لطیف بلاغت ہے اور یہ بیان بھی قسم سے یہ بات مذکور ہے کہ ماہو بقول شیطان النہ (اور رانہ) لقول رسول النہ) یعنی لا واللہ یہ کسی شیطان مردود کا قول نہیں ہے بلکہ یہ رسول کریم کا قول ہے یعنی اسے کفار تھا راگمان نہیں ٹھیک ہے بلکہ واللہ یہ وحی حق ہے اب میں خلاصہ مطلب آیات کی تفسیر بیان کر دوں پھر اقوال مفسرین ذکر کروں اللہ تعالیٰ نے جنس اور لیل اور صبح کی قسم کھا کر فرمایا کہ یہ قرآن وہ قول ہے جو فرشتہ مقرر کیا ادا کیا اور قول شیطان نہیں ہے۔ قال تعالیٰ فلا أقسم بالجنس میں قسم کھاتا ہوں جنس کی جنس سے ستارے مراد ہیں یا ہرن و نیل گائے۔ پھر جنس کی صفت فرمائی بقولہ تعالیٰ الجوار الکئیس چلنے والے چھپ جانے والے ف ستارے چلتے ہیں اور برج میں یادن میں چھپ جاتے ہیں اس طرح ہرن بھی چلتے ہیں اور اپنے بسیرے کی جگہ چھپ جاتے ہیں تو قسم ایسے سیارات کی یا ایسے وحشی جانوروں کی وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ اور رات کی جب بیٹھ بھیرے ف یا سامنے آوے کیونکہ عسعس کے دونوں معنی آتے ہیں۔ یعنی اور رات کی قسم جبکہ اُسکی یہ حالت ہو۔ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ۔ اور صبح کی جب سانس لے ف یعنی نمودار ہو۔ پس ان چیزوں کی قسم سے فرمایا۔ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِيْمٍ یہ قول ہے رسول بزرگ کاف یعنی جبرئیلؑ کا جسے اللہ تعالیٰ کا کلام ادا کیا ہے رازیؒ نے لکھا کہ جنس جمع خانس ہے جو جنس سے نکلا اور لغت میں اسکے معنی سمٹ جانا اور چھپ جانا۔ حدیث میں ہے کہ شیطان بندے کو وسوسہ دلاتا ہے پھر جب اُسے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا تو خانس ہو جاتا ہے یعنی سمٹ جاتا ہے اور اسی وجہ سے شیطان کا نام خناس ہے مترجم کہتا ہے کہ اصل روایت یہ ہے کہ شیطان اپنی سونڈ بڑھا کر انسان کے قلب پر رکھتا ہے اگر بندے نے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا تو اپنی سونڈ سکیٹ کر کھسک جاتا ہے اور جب غافل ہوا تو پھر سونڈ بڑھاتا ہے رازیؒ نے لکھا کہ کنس جمع کانس ہے اور وحشی ہرن و نیل گائے وغیرہ جہاں چھپ رہے ہیں اگر بھاگ کر وہاں چھپ جاوے تو کہتے ہیں کہ (کنس) اس طرح عورت اگر انٹ پر ہو دو ج سے نکلی پھر اُسی میں گھس گئی تو کہتے ہیں کہ (کنست) یعنی جیسے ہرن اپنے کناس میں چھپ جاتی ہے اس طرح عورت اپنی ہودج میں چھپ گئی (تفسیر کبیر) الجوار۔ اصل میں الجواری جمع جاریہ ہے یعنی چلنے والے دروان ہونے والے جیسے کشتی کو جاریہ بولتے ہیں پس الخنس الجوار الکئیس کے یہ معنی ہوئے کہ کچھڑنے والی روان ہونے والی اپنی اپنے چلنے چلنے میں متحیر ہیں کہ اُٹے چلتے ہیں پھر ٹھیک ہو جاتے ہیں تو انکا کچھڑنا و ٹھیک ہونا بھی جنس ہے پھر کنس یہ کہ آفتاب کی روشنی میں غائب ہو جاتے ہیں اور شک نہیں کہ اس عجیب حالت میں اسرار دقیق ہیں اور عظیم قدرت کے آثار ہیں (کبیر) اور بعض نے کہا کہ انکا کنس یہ ہے کہ برج میں چھپ جاتے ہیں (قول دوم) یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عطاء و مقاتل اور قتادہؒ نے کہا کہ الخنس سب ستارے ہیں کہ دن میں جنس ہو جاتے ہیں اور رات میں کنس ہو جاتے ہیں جیسے وحشی جانور اپنے کناس میں بیٹھا ہوا نظر آتا ہے اقول حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ پانچ ستارے زحل و عطارد و مشتری و زہرہ ہیں اور یہی کنکشان کو طو کر تے ہیں انکے سوا بے کوئی نہیں وہاں گزرتا ہے (قول سوم) سات ستارے چلتے ہوئے یعنی سبعة سیارہ ہیں جنکے طوارع و غروب کے مقامات جدا جدا ہوتے ہیں تو جنوس یہ کہ اپنے اول مقام طلوع سے پچھڑتے اور دور ہوتے جاتے ہیں پھر آخر سال پر اول مطلع میں کنس یعنی رجوع کرتے ہیں (تفسیر کبیر) ابن عباس رضی سے روایت ہے کہ ستارے جنکو سبعة سیارہ کہتے ہیں مع چاند اور سورج کے (یعنی نو ہوئے) اور جنوس رجوع

(السراج) ہم اپنے رب الرحمن سبحانہ تعالیٰ سے عفو و مغفرت مانگنے میں

فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُنْثِ الْجَوَارِ الْكُنْثِ وَالْكِلِ إِذَا عَسَّعَسَ وَالصُّبْحِ إِذَا

سو قسم کھاتا ہوں تجھے بہت جلتے دیک جائے والوں کی اور رات کی جو اسکا اٹھان ہو اور صبح کی

تَنْفَسُ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ

دم بھرے مقررہ کہا ہو ایک بھی عزت والے کا قوت رکھنا تخت کے مالک پاس

مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأَفْوَاقِ الْمُبِينِ

سب کا نا دہان کا مستبر اور تمھارا رفیق جی کچھ نہیں دیوانہ اور اسے دیکھا ہوا سکو گئے کنارے آسمان کے

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ فَإِنْ

اور یہ غیب کی بات پر نہیں بھیل اور یہ کہا نہیں کسی شیطان مردود کا

تَذْهَبُونَ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَقِيمَ

کہ ہر چلے جاتے ہو یہ تو ایک سمجھوتہ ہی جہان کے واسطے جو کوئی چاہے تم میں کرسیہا چلے

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ

اور تم جی چاہو کہ چاہے اللہ جان کا صاحب

اللہ تعالیٰ نے اپنے طور شان قدرت کے قسم کے ساتھ اظہار فرمایا کہ یہ قرآن جو رسول حبیب اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سناتے ہیں اللہ

تعالیٰ نے بذریعہ فرشتہ مکرم کے وحی فرمایا ہو اور اس تذکرہ سے اہل رحمت اپنے رب عزوجل کی صفات الوہیت یاد کر کے نورانی ہوتے ہیں

اور یہ کسی شیطان کے القاء سے نہیں ہو جسکو جہنمی پہچانتے ہیں اور وہی شبہ ہیان باندھتے ہیں حالانکہ خود یہ اقرار کرتے ہیں کہ محمد صلی اللہ

علیہ وسلم کو کائناتوں سے کچھ نسبت نہیں ہو اور اس کلام کو جو وہ سناتے ہیں کائناتوں کے کلام سے کچھ مشابہت نہیں ہے پھر بھی

بہت دھرمی سے کمانت کتے ہیں اور بہت دھرمی ان لوگوں کی خاصیت ہو کیا انہیں دیکھتے ہو کہ جس نے اپنے پیدا کرنے والے رب عزوجل

سے کفر کیا تو اس سے بدتر بے انصاف کیا ہوگا نور رسول اللہ کو بھی کاہن کہتے اور انکی تمارت قرآن کو کمانت کہتے ہیں لیکن جب کچھ

مشابہت نہیں پاتے بلکہ عکس پاتے ہیں تو یہاں اختلاف کر کے کہتے ہیں کہ نہیں بلکہ یہ جادو ہو اور کبھی شعر کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے

رو کر دیا بقولہ تعالیٰ فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُنْثِ الْجَوَارِ الْكُنْثِ وَالْكِلِ إِذَا عَسَّعَسَ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنْفَسُ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ

قسم کی نفی ہو یعنی میں قسم نہیں کھاتا ہوں خنث کی فت (فلا) کلمہ نفی ہے سوال ہوا کہ کیا

تفسیر میں مفصل لکھے گئے ہیں اور خلاصہ یہ کہ خطیب وغیرہ نے لکھا کہ (لا) زائد ہو اور اسکے یہ معنی نہیں ہوتے کہ (لا) بے فائدہ

بڑھا دیا گیا ہو کیونکہ یہ خیال ایسے جاہل سے ہوگا جو زبان فصیح عربی سے بالکل واقف نہ ہو جیسے اس نے مانے میں بعضے عجی جاہل بوجہ

نجاست کفر و شرک کے ایسے اعتراضات سے اپنے آپ کو نصیحت کرتے اور مکر سے لوگوں کو سر راہ کھڑے ہو کر دھوکا دیتے ہیں

لہذا جان رکھنا چاہیے کہ امام سیوطی نے اتفاق میں اور جماعت کثیر نے صریح بیان کیا کہ اس کلمہ سے بلاغت کے عظیم فوائد ہیں اور

عرب فصیح کا مشہور محاورہ ہو کہ لا واللہ نہیں واللہ یہ نفی کی تاکید ہوتی ہو گویا یوں کہا یہ نہیں ہو واللہ یہ نہیں ہو اور بعض

لما اللہ تعالیٰ پر پڑیں جسے آج ہی چار ہیسہ سے تجارت کی اور بھروسہ کیا تو ممکن ہے کہ سچے بھروسے پر اسکو روانہ نفع ہو اور حدیث میں ہے کہ دیکھو چڑیاں اپنے رب تعالیٰ پر بھروسہ کر کے صبح کو خالی پیٹ جاتی ہیں اور شام کو پوٹے بھرے ہوئے آتی ہیں اگر تم بھی اللہ تعالیٰ پر پورا توکل کرو تو تم کو بھی رزق عطا فرما دے اس حدیث میں کامل ارشاد ہے کہ چڑیاں اپنی معاش کی تدبیر میں اپنے حواس کے موافق جاتی ہیں یہ نہیں کہ اپنے گھونٹے میں پڑی رہیں اور ارشاد ہے کہ چڑیاں کل پر سون کے لیے پہلے سے سامان جمع نہیں کرتی ہیں بلکہ انکو خوب بھروسہ ہے کہ رب عزوجل انکو کل رزق عطا فرمادے گا تو اس سے معلوم ہوا کہ توکل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق مقدر حاصل ہونے پر بھروسہ کرے لیکن حواس کے موافق تدبیر آسان عمل میں لاوے نہیں تو فطرت کے حکم میں نافرمانی کرنے والا ہو گا اور شاید اس نافرمانی کی سزا میں یہ مشہور ہو کہ اسکو فاقہ دیا جاوے اس طرح آیت میں مومنوں کے لیے حکم دیا کہ جہاں تک تم سے ہو سکے کافروں سے قتال کے لیے قوت اور گھوڑے جمع کرو۔ د۔ کیا جاہل صوفی اس سے سخر ہو گیا ہے کہ اسکی کیا ضرورت ہو اگر فتح مقدر ہوگی تو بے گھوڑے دہتیار کے حاصل ہو جاوے گی مترجم کہتا ہے کہ یہ مضمون زور سبانی طول بیان ہے اور ہمارا اصل کلام یہ تھا کہ ہمارے متکلمین نے حواس کو چھوڑ دیا کہ بتلایا ہے تو یہ ٹھیک ہے کیونکہ ہم جب ان چیزوں کو پہچانیں گے تب تو جسم کے واسطے نفع کی چیزیں اور ضرر کی چیزیں جانیں گے تو حواس سننے یہ کام لینا ٹھیک ہے اور ربے علوم روحانی اور معرفت آخرت تو اس کے واسطے عقل روحانی ہے اور اگر حواس سے کوئی چاہے کہ ہم وہ علم جانیں یعنی وہ بات سمجھ جاویں تو یہ غیر ممکن ہو اور وہ کبھی نہیں سمجھے گا۔ اسی مقام سے تم کو صاف علم حاصل ہوا کہ جو لوگ دنیاوی منفعت جسمانی حاصل کرنے کے آلات دیکھیں اور عجیب عجیب صنعتیں حواس سے نکالتے ہیں کامل ہیں تاکہ حسابی عیش میں کام آویں تو یہ دولت نہیں کرتا کہ انکو معرفت روحانی و آخرت میں بھی ایک ذرہ حاصل ہو کیونکہ یہ چیزیں تو حواس کے نتائج ہیں اور ایسے عمدہ حواس بھی ہرگز یہ طاقت نہیں رکھتے کہ جو بات عقل روحانی سے معلوم ہوتی ہو اسکا ایک ذرہ ادراک کریں مترجم کہتا ہے کہ میں نے بارہا سچ کہا کہ اس قوم میں سے لائق مثنیٰ سے علوم عقلیہ کی ادراک کا اندازہ کروں تو اسکو حیرت سے منہ نکلتے پایا یعنی ان معارف کو بالکل نہیں سمجھتا ہے اس زمانے میں بکثرت ہجری دہریہ ہیں جو انھیں صنعتوں کو دیکھ کر یہ یقین کرنے لگے کہ جس قوم میں اعلیٰ درجہ کی عقل و دانائی ہے اسی کی عقل پر ہم کو بھی ایمان لانا واجب ہے اور آخر دہریہ ہو گئے یہ عجیب فتنہ ہے کیونکہ سوائے عارف کے کوئی نہیں سمجھتا کہ یہ سب دانائی آخرت کی معرفت میں بالکل بیکار ہے تو بھلا اللہ تعالیٰ کی شان الوہیت یا صفات قدس کی معرفت میں کس قدر معدوم ہوگی ولیکن عوام جاہلون کے واسطے یہ عجیب فتنہ ہے جسکی خبر بطور معجزہ کے حدیث صحیح میں موجود ہے کہ قیامت کے روز ہر دل پسے فتنہ ہونگے کہ حکیم حیران رہ جاوے گا۔ د۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہر چیز سے آگاہ کیا ازاںجملہ حضرت سلیمان کے لیے صنائع دنیاوی آرائش کے لیے متر و شیا طین مسخر تھے اور ان آیات کی تفسیر دیکھو اللہ تعالیٰ تو نیک عطا فرمانے والا ہے پس ان حواس کے خیالات چھوڑ کر دلائل عقلی سے سمجھ حاصل کرنے کو یقین لاؤ کہ جس دن یہ علامات واقع ہونگے اور حواس خط ہو جائیں گے اور قلوب و ادوار ہوگا تو بیشک اس دن ہر نفس کو ضرور معلوم ہوگا جو اسے بھیج رکھا ہے پھر میں نے شیخ ابوالسعود کی تفسیر میں احضار اعمال کی تحقیق دیکھی جسکو خاتمہ کے بعد فائدہ میں انشاء اللہ تعالیٰ ذکر کروں گا اور واضح ہو کہ عوام کو اس قدر خوف نہیں ہوتا جس قدر خاص لوگ ڈرتے ہیں خصوص جبکہ اپنے اعمال نیک سے بھی شرمندہ ہیں خطیب نے لکھا کہ حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ پڑھنے والے نے انکے سامنے یہ سورہ تلاوت کرنا شروع کیا جب اس آیت پر پہنچا تو ابن مسعود نے آہ کے ساتھ کہا کہ وہ وقت اسکی پیٹھ ٹوٹ جائیگا وقت ہے

کہ جسم شخص دمودی و بدخصالت ہو جاوے گا اور خود اپنی جان کو ہلاک کرنے والے کے واسطے جہنم ہی تو حواس کے موافق عمل کرنا جسم کی پرورش میں لازم ہے اور حواس سے سورا در بکری میں تمیز کرنا اور سنگھیا و نمک میں تمیز کرنا لازم ہے اور بیماری میں پرہیز رکھو اسی مقام سے معلوم ہوا کہ اکثر جاہل جو عوام کو دھوکا دیتے ہیں کہ یہ صنعت و حرفت و زراعت و تجارت کچھ نہ کرو جو تقدیر میں ہو وہ ضرور ملیگا۔ یہ لوگ اسرار شریعت سے جاہل، نکاحیہ فقرہ بالکل صحیح ہے کہ جو کچھ تقدیر میں لکھا ہو وہ ضرور ملیگا بیشک یہی ہے لیکن اسکے بعد اسکو یہ کہنا لازم تھا کہ تم کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے حواس کے موافق عمل کرو کیونکہ تم یہ نہیں جانتے ہو کہ تقدیر میں کیا لکھا ہو بلکہ جب تمھارے عمل کرنے کے بعد نتیجہ نکلے گا تب اسوقت مطمئن اور بہار کی طرح قائم ہو اور اضطراب نہ کرو اور جان لو کہ یہی تقدیر میں لکھا تھا یہ نہیں کہ تم کا فردن کی طرح کہنے لگو کہ افسوس اگر ہم اسطرح جو تدبیر کرتے تو وہ نتیجہ نکلتا جو ہم چاہتے تھے یہ جہالت ہے اس جاہل نے پہلے جو تدبیر کی تھی اسوقت یہ کہتا تھا کہ اسی تدبیر سے وہ نتیجہ نکلیگا جو مراد ہو پھر نہ نکلا اور اب کہتا ہے کہ نہیں بلکہ دوسری تدبیر کرنا تو میری مراد کا نتیجہ نکلتا بھلا اس احمق کو کیسے معلوم ہوا کہ یہی ہوتا جیسے پہلے گمان میں غلط نکلا تھا اب بھی غلط ہوتا تو تم قطعاً جان لو کہ اسوقت تو لاکھ تدبیروں سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہاں اب پھر حواس کے موافق تدبیر کر دشا یہ اللہ تعالیٰ نے دوسرا وقت پر اس مراد کا ملنا مقدر کیا ہو۔ الغرض تقدیر تو اللہ تعالیٰ کے علم کا نام ہے اور ہم نہیں جانتے کہ میں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے کیا جانا اور مقدر فرمایا ہے تو ان جاہلوں کے کہنے میں بعضے عوام لوگ سب چھوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں جب حدیث بھر کے بعد انکو فاقہ ہونے لگتا ہے تو تقدیر سے بد اعتقاد ہو کر پھر اپنی تدبیر کرنے لگتے ہیں اور کمائی سے آسودہ ہو کر کہتے ہیں کہ بھائی سب تدبیر ہے اور ہم نے تقدیر پر پھر وسایا تھا تو فاقے کی نوبت پہونچی یہ نہیں سمجھا کہ جو کچھ اُس نے کہا یہ بھی مقدر تھا بلکہ غلطی یہ کہ حواس کے موافق عمل کرنے میں اُس کے لیے پچاس روپیہ مقدر تھے اور ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھنے میں فاقہ مقدر تھا اُس نادان جاہل صوفی مکار کے کہنے سے یہ خیال کیا کہ تقدیر پر بیٹھ رہو تو بھی پچاس ملین یہ غلطی تھی اُس نے کہاں سے جانا کہ تقدیر میں ہرے لیے یہ لکھا ہو۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور صوفی جاہل فقط حواس کو کام میں لانے سے یہاں نافرمانی کرتا ہے کہ صنعت و زراعت وغیرہ سے کچھ متلے حاصل نہ کرو ٹنگا آرام سے بڑا رہو ٹنگا میں بڑا متوکل ہوں۔ تدبیر نہیں کرتا ہوں یعنی اللہ تعالیٰ نے جو حواس دیے تھے کہ جسم کی پرورش کے واسطے اجل تک متاع حاصل کرنے کے کام میں لاؤ۔ میں یہ نہیں کرتا کہ جسم کو راحت و معیشت پہونچانے کے کام میں لاؤں لیکن یہ صوفی اپنی مسند پر اونچے کوٹھے پر بیٹھا ہے سردی میں کسل و غیرہ ہم پہونچا کر اور ہنسنے کی تدبیر کرتا ہے اور جب کبھی کوٹھے سے اُترنے لگا تو خادم کو حکم دیا کہ لالٹین کو دکھلاؤ اور اگر زینہ ہو تو تدبیر کر کے سیرھی لگاؤ۔ اگر کیسے کہ یہ سب آپ بڑے متوکل کیوں کرتے ہیں تو یہی جواب ہو کہ کیا جان دین جو نہ اڑھنے کی فکر کریں اور نہ بچھونے کی اور روشنی ہو تو زینہ پر پاؤں پھیلنے سے سوچ آجاو اور زینہ نہیں ہو تو بغیر سیرھی کے کیونکر کو دین چوٹ آجاو گی یا مر جاوینگے ان بڑے متوکل صاحب سے کہا جاوے کہ آپ یہاں یہ سب تدبیریں کیوں کرتے ہیں کیا وہ فقرہ اسوقت یاد نہیں رہا کہ ہم تقدیر پر ہیں تدبیر نہیں کرتے یہ تو کل کے خلاف ہے تو پھر یہاں بھی کوٹھے سے کودو اور کہو کہ تقدیر میں ہوگا تو چوٹ وغیرہ نہ آو گی نہیں تو بے کودے چوٹ آو گی۔ تو متوکل سب بھول گیا اور کہا کہ جان ہلاک کرنا حرام موت ہی تو ہے یہ کہ بے شک جو بات مقدر ہے وہی ہوتی ہے لیکن ہم لوگوں کو حکم ہے کہ حرام موت نہ کھاؤ کوٹھے سے نہ کودو اور سنگھیا نہ کھاؤ ہم نہیں کوڑے بلکہ سیرھی کی تدبیر کرتے ہیں اور سنگھیا نہیں کھاتے اور یہ جانتے ہیں کہ اگر مقدر موت تھی نہیں ہو تو ہم سنگھیا سے ہرگز نہ مرینگے لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ اسوقت موت مقدر ہے یا نہیں ہو تو ہم یہی لازم ہے کہ ہم خود سنگھیا نہ کھاوین اسطرح تن ڈھکے غار پڑھنا فرض ہے اور تن کو اتنی غذا دینا فرض ہے کہ جان رہے اور فاقہ سے حرام موت نہو اور زوجہ و اولاد کا روزیہ فرض ہے جو انکو دو تین چیزوں کے حاصل کرنے کی تدبیر فرض ہوئی پس کمائی فرض ہے تو جو کوئی فرض ترک کرے وہ گنہگار ہو جاہل صوفی نے بیکار مہل ہونے کا نام توکل رکھا یہ اُسکی غلطی ہے بلکہ توکل یہ ہے کہ نتیجہ مراد

تم نے ہمارے بارے میں اس معاملے میں اس وقت کفایت کی ورنہ میں بھی آنا اور اب میں انشاء اللہ تعالیٰ دوسرے موقع بعث و حشر کے بعد ظہور عذاب النار کے وقت آڑے آؤں گا مگر حکم کہتا ہے کہ بظاہر اس سے مراد وہ وقت ہے جب حشر میں عنق النار ظاہر ہو کر لپٹ مار گئی تو روز کیے فضائل میں آیا ہو کہ وہ روزہ دار کے سامنے آڑ ہو کر لپٹ کر سر در دیگا اور صدقے کی فضیلت میں بھی ایسا ہی وارد ہوا ہو اور حدیث میں ہے کہ بعث حشر کے وقت مومن کے ساتھ اُسکے اعمال بھی نکل کر کہیں گے کہ اے دوست اب مجھے سوار ہو کر اپنے رب تبارک و تعالیٰ کی حضور میں جلیے اور کافر کا عمل مجموعی نکل کر اُس سے کہیں گے کہ ہمارے تجھے سوار ہو کر چلوں گا پس اُسے سوار ہو جاوے گا سورہ تبارک الملک کی فضیلت میں لکھا ہے اُس نے اپنی تلاوت کرنے والے کی شفاعت کر کے اُسکو بخشوا لیا۔ اور سورہ بقرہ آل عمران کی صورت کی تشبیہ اُنکے شروع ہونے کے وقت بیان ہو چکی ہو اور اسی طرح نماز کا عشرین آنا اور اپنے نمازی کی سفارش کرنا صریح ہے اس طرح جمیع اعمال خیر کے واسطے احادیث صحیحہ میں اس کثرت سے بیان آیا ہے کہ اُس کے بعد ہرگز مشکلیں کے خیالات کی تاویل کو گنجائش باقی نہیں ہے اور سیوطی نے اہل صالحین سلف کا یہی قول بیان کیا ہے اور میں کہتا ہوں کہ بتوفیق اللہ سبحانہ تعالیٰ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی عالم اس قول میں تردد کرے ورنہ وہ ہنوز جاہل ہے اور تم دیکھتے ہو کہ موت کیا چیز ہے۔ موت درمیان جنت و دوزخ کے لائی جا بیگی جب دوزخ میں فقط دوزخی رہ جائیں گے اُس وقت موت ایک سیاہ مینڈ سے کی صورت میں لائی جا دیگی اور پوچھا جاوے گا کہ اے اہل جنت اسکو پہچانتے ہو وہ کہیں گے کہ ہاں یہ موت ہے۔ اس طرح دوزخیوں سے پوچھا جائیگا کہ اہل دوزخ تم اسکو پہچانتے ہو کہ یہ کیا چیز ہے وہ کہیں گے ہاں ہم پہچانتے ہیں یہ موت ہے پھر وہ دونوں فریق کسانے فیج کر دی جائیگی اور پکار دیا جائیگا کہ اے اہل جنت تمہارے لیے ہمیشگی ہے کبھی موت نہیں ہے اور اے اہل جہنم تمہارے لیے ہمیشگی ہو کبھی موت نہیں ہے مگر حکم کہتا ہے کہ دیکھو ہاں اہل جہنم نے بھی موت کو اس صورت میں دیکھ کر پہچان لیا پس نور عفل سے سمجھ لو کہ وہاں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے جو ظہور ہو گا وہ کس شان کے ساتھ ہو یعنی عقول اپنی اپنی لیاقت سے وہاں ہر چیز خود پہچان لیں گی اور وہاں اس جسمانی حواس پر مدار نہیں ہو کیونکہ وہاں جسم کی پرورش دنیاوی اناج پانی وغیرہ سے مقصود نہیں ہے جس کے واسطے دنیا میں یہ حواس دیے گئے ہیں تو وہاں ان حواس کا کچھ کام نہیں ہے اور روح کو پہچاننے میں کچھ تردد نہ ہو گا کیونکہ ایسی چیزوں کا پہچاننا روح ہی کا کام ہے اور جس نے حواس سے یہ کام لینا چاہا وہ برباد ہوا جیسے دنیا میں کافروں نے حواس کو اپنی حد سے بڑھا یا اور کچھ نہ پایا کیونکہ حواس تو یہاں موت کو ہرگز نہیں پہچانے ہیں تو بھلا صورت میں کیا پہچان سکتے تھے لیکن وہاں ظہور روحانی ہوا اور اس سے معلوم ہو گیا کہ جیسے علوم معرفت میں یہاں حواس جسمی کا بننا یا ہوا جملہ ملا کر استدلال قائم کیا وہ کبھی ٹھیک نہ ہو گا ہمیشہ غلط کرے گا اگر کہو کہ ہمارے متکلمین علمائے تو حواس کو پہچاننے کا آلہ بنایا ہو کہ ہم حواس سے موجودات کو پہچانتے ہیں اور اسی سے فرقہ سوفسطائیہ کو روکیا ہے جواب متکلمین نے حواس سے جو کام لیا وہ ٹھیک ہے کیونکہ میں نے خدا کا کہ حواس اسی جسم کی پرورش کے لیے اہل تک عطا ہوئے ہیں بعد مرگنے ان حواس کا وجود نہیں رہتا ہے اس واسطے جس پرورش کے متعلق کوئی پیغمبر نہیں بھیجا گیا کہ جو اس کا طریقہ سکھاتا اور جسم کی پرورش میں ہم کو ضرورت ہے کہ چیزوں کو پہچانیں کہ یہ آگ ہے اس سے بچو ورنہ بدن جل جائیگا اور کپڑے میں آگ لگ جائیگی اور یہ سنکھایا ہے اسکو نہ کھاؤ نہ پینو اور مر جاؤ گے اور کوٹھے سے بذریعہ زینہ یا شیرشی کے اترو نہیں تو گرو گے ٹانگ ٹوٹ جائیگی۔ اور اس طریقے سے زراعت و تجارت کرو اور اس ہوش سے یہ صنعت نکالو جس سے یہ مراد حاصل ہوتا کہ جسم کو غذا و راحت حاصل ہو اور یہ کل بناو جس سے یہ فائدہ ملے اس واسطے اللہ تعالیٰ نے اس فتنوں کے لیے کوئی دہیری کرنے والا نہیں بھیجا بلکہ عجب قدرت سے مخلوق میں حواس دیدہ کے انھیں کے موافق عمل کرو اور اس عمل کرنے میں جس طریقے میں آخرت کا ضرر تھا وہ تبتلا دیا مثلاً تجارت کی خرید و فروخت میں بیاج و سود حرام ہوا ورنہ وہ کوشش سے بچو

نے اول میں لکھا ہو بالکل بے دلیل ہو اور قدرت الہیہ کے سامنے اسکا ذکر کرنا بالکل غلط ہو اور زیادہ سے زیادہ اسی قدر کہو کہ ہم یہ خوب جانتے ہیں کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہو وہ بالکل سچ و صحیح ہو اور بے شک ہر نفس جان جائیگا جو کچھ اس نے حاضر کیا تھا اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت نہایت آسان ہو جس نے ان مردوں کو جو خاک ہو گئے تھے اور کہیں ان کے اجسام نظر نہیں آتے تھے صاف زندہ کر کے اٹھا دیا ہو اسی طرح وہ ان کے اعمال معلوم کر لیا جو تم کو نظر نہیں آتے ہیں اور رازیؒ نے جو تاویلین بیان کیں ہیں وہ ٹھیک نہیں ہیں کیونکہ قولہ تعالیٰ اذ انصرفت انفسہم من بعد موتہم تو قولہ تعالیٰ علمت نفس ما حضرت کے وہی معنی لینا ٹھیک نہیں ہو اور حق یہ ہو کہ انسانی اعمال یہاں مخفی رکھے گئے ہیں اور مثلاً پھول کے درخت میں سے پھول آخر نکلا کر ظاہر ہو جاتا ہو کہ خوشبودار ہو یا بدبودار ہو اور اُسکی صورت کیسی ہو اور انسانی اعمال کی صورتیں آخرت میں اسکو ظاہر ہو گئی کیونکہ اگر یہاں ظاہر ہوں تو حکمت امتحانیہ باقی نہ ہو اسیلئے کہ مومن کے اعمال خوبصورت ظاہر ہوں اور کافر کے اعمال قبیح بد صورت بدبودار ظاہر ہوں لہذا مخفی فرمائے گئے ہیں و لیکن حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہکو آگاہ فرمایا تو یہی ہمارا ایمان اور عین صدق و صواب ہو اور چونکہ اس کے سمجھنے کے واسطے عقل ایمانی کی ضرورت ہو لہذا قرآن مجید میں اسکو صریح نہیں فرمایا کیونکہ کفر کی حالت میں انسان احمق ہوتا ہو تو وہ اسکو سنکر بالکل انکار کرتا اور سب اوقات صرف آدمی اسی بات کی وجہ سے منکر کافر ہو جاتا حالانکہ یہ ایسی بات نہیں ہو جسکا ماننا اسی وقت ضروری ہو۔ اگر کہو کہ بعثت قیامت بھی بعید سمجھتے اور منکر ہو جاتے تھے (جواب) ایمان لیکن اس پر ایمان موقوف ہو اور جب تک اسکو نہ مانے تب تک ایمان ہی نہ ہو گا لہذا اُس کو بالضرورت بتا کید صریح بیان فرمایا برخلاف مسئلہ اعمال کے اور یہ بھی حواس کے نزدیک مشکل ہو کیا نہیں دیکھتے ہو کہ فلاسفیہ و کلامیہ کے مشائخ لوگوں پر اسکا سمجھنا دشوار ہو گیا اور ایسی تاویلین کرنے لگے اسیلئے اسکو عموم دعوت قرآن میں صریح نہیں بیان فرمایا پھر جب ایمان لانے سے قلب کی سیاہی دور ہوئی اور نور عقل نے ظہور کیا اور جسمی حواس کا تسلط دور ہوا تو حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب جلیل جل جلالہ کی شان قدرت سے ذرہ حکمت کو اس معاملے میں بیان فرمایا۔ حدیث میں بکثرت صریح بیان ہو کہ ان اعمال نیک کے واسطے خوبصورت شکلیں ہیں اور اعمال قبیح کے واسطے قبیح صورتیں ہیں مثلاً حدیث میں ہو کہ جب بندہ بعد موت کے دفن ہوتا ہو تو اگر ایماندار صالح ہو تو اس کے اعمال صالحہ خوبصورت اُس کے ساتھ ہم نشین ہوتے ہیں جس سے وہ بہت ہی خوش ہوتا ہو اور محبت و الفت کرنے لگتا ہو اسی طرح بے ایمان اپنے پاس نہایت قبیح صورت دیکھ کر ڈرتا و پریشان ہوتا ہو کہتا ہو کہ تو کون شخص ہو کہ مجھے بدبختی و شرارت نظر آتی ہو وہ کہتا ہو کہ یہ تو مجھے نہیں پہچانتا ہو میں تو تیرا اہل ہوں حدیث میں ہو کہ مومن صالح جب دفن ہوتا ہو تو اس کے اعمال صالحہ نماز و زکوٰۃ و حج وغیرہ اُس کے چاروں طرف بیٹھتے ہیں اور روزہ ایک طرف بیٹھتا ہو اور ایک روایت میں بجائے روزہ کے دوسرے اعمال مذکور ہوئے ہیں جو ہر حج کو اس وقت یاد نہیں ہو اور یہ روایا صحیحہ قولہ تعالیٰ ثبت اللہ الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا و فی الآخرة الآئینہ کی تفسیر میں مذکور ہو چکے ہیں بالجملیہ اعمال صالحہ اُس کے گرد بیٹھ جاتے ہیں بجز اللہ تعالیٰ ایک ٹکڑا عذاب کا ہولناک صورت میں اٹھاتا ہو (وہ ہنکر و کفر فرشتہ ہیں جنکی آنکھیں ہولناک چمکتی ہیں وہ اس میت کی طرف آتا ہو۔ اس عذاب کے فرشتے جب میت کے پائنتی پہنچتے ہیں تو عمل صالح کہتا ہو کہ خردار تم ہمارے یار کے پاس سے الگ رہو۔ وہ فرشتے اس نورانی صورت کی بات سنکر ٹھہر جاتے ہیں اور گھوم کر دُئین طرف جانے ہیں وہاں کے عمل صالح سے یہی جواب ملتے ہیں غرض کہ چاروں طرف راہ نہیں ملتے آخر پھر پائنتی آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے بندہ خدا ہم بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں تو وہ کہتا ہو کہ اچھا آگے ہو اور جو کچھ کہنا چاہتے ہو وہ کہو پس دور سے تعمیل کرتے ہیں اور جب چلے جاتے ہیں تو روزہ (یا جو عمل الگ تھا) کہتا ہو کہ اے دوستو

اُسکے اعمالِ قبیحہ کے ساتھ بقدر اعمال کے عذاب کرگی اور یہ لطیف معنی ہیں جس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت ظاہر ہو جیسے دنیا میں کھاری پانی اور
 مٹی پانی اللہ تعالیٰ کی قدرت سے پردہ حائل ہو جو نظر نہیں آتا لیکن یہ بدیہی نظر آتا ہو کہ وہ دونوں باہم غلط نہیں ہوتے ہیں اور آئینہ نشانی
 اعلیٰ ہولناک عذاب و دوزخ کا بیان آویگا نفوذ باللہ من النار۔ وَ اِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ۔ اور جب جنت قریب کی جائیگی
 فاما کہ جنتی اُس میں داخل ہو کر رحمت الہی کامل پاویں جس کا اندازہ عقل کے حیطہ امکان سے باہر ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت پاک
 کسی مخلوق کے اندازہ میں نہیں آسکتی ہو اور یہ بدیہی بات ہو۔ باجملا ازلفت یعنی نزدیک کی جائیگی۔ یہی تفسیر ضحاک و قتادہ و ابوالکلام و ربیع
 بن خثیم وغیرہ سے منقول ہو کہ فی تفسیر الحافظ رحمہ اور سراج میں ہو کہ حسن بصریؒ نے کہا کہ اہل جنت اُس سے قریب کر دیے جاویں گے اور یہ
 معنی نہیں ہیں کہ جنت اپنی جگہ سے اٹھا کر پاس لائی جاویگی مترجم کہتا ہے کہ جنم میں سے ایک گردن نکال کر محشر میں ظاہر ہوگی تو اس طرح
 وہاں جنت کا ظاہر ہونا ممکن ہو اور جو چیز بہان مادی حواس میں سمجھ میں آنا مشکل ہو وہاں روحانی ظہور میں آسان ہوگی واضح ہو کہ ان
 بارہ چیزوں کا ذکر ہوا اور بھی تک سکا جواب نہیں معلوم ہوا یعنی جب ایسا ہوگا اچھا۔ پس جواب آگے ہو بقولہ تعالیٰ عَلِمَتْ
 نَفْسٌ مَّا اَحْضَرَتْ۔ جان جائیگا نفس جو کچھ اُس نے حاضر کیا تھا ف یعنی ہر نفس کو اُس روز وہ سب معلوم ہو جائیگا
 جو اُس نے نیکی یا بدی سے حاضر کیا تھا۔ حضرت عمرو بن عباس نے فرمایا کہ یہ سب بیان کیے واسطے تھا۔ خلاصہ یہ کہ اول سے اللہ تعالیٰ نے
 بارہ چیزیں بیان فرمائیں کہ جب آفتاب پسٹ کرے تو کیا جائیگا اور یہ ہوگا آخر تک تو اس وقت ہر نفس کو اپنے اعمال معلوم
 ہو جاویں گے جو اُس نے دنیا سے یہاں بھیج کر حاضر کیے تھے اس سے ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جن انسان کو دنیا میں پیدا کر کے سعادت
 جنت اور شقاوت جہنم کی راہیں و اعمال بتلا دیے اور اہل مقرر کر دی اور اس اہل تک جسم کی زندگی کے حواس دے دیے اور حواس
 سے انتفاع حاصل کرنے کی متاع اناج و میوہ جات و غیرہ دید میں پس جسے جو راہ اختیار کی اُسکے اعمال کما لے اور مقرر قبر میں مدفون ہو کر
 خاک ہو گیا یا جل کر باغرق ہو کر خاک ہوا جسکے ذرے اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہیں جسے تمام زمین کے ذرے اُسکے قبضے میں ہیں بلکہ تمام
 ہوا و آسمان و عرش تک اُسی کے قبضے میں قائم ہیں اس طرح ہر صدی میں انسانی نسلیں مرتی ہیں اور نئی پیدا ہو کر اسی طرح عمل کرتی
 اور مرتی ہیں یہاں تک کہ آخری نسل پیدا ہو چکے جسکو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا ہو تو اس کے بعد پھر یہ سب اٹھا کر قیامت
 میں حاضر کیے جاویں گے اور وہاں انکے اعمال انکے سامنے حاضر ہونگے رازیؒ نے لکھا کہ یہ بات تو ہم کو معلوم ہے کہ یہ اعمال ایسی چیزیں ہیں
 ہیں کہ انکا حاضر کرنا ممکن ہو پس مراد ایت میں یہ ہوگی کہ وہ اعمال مراد ہیں جو اُنکے نامہ اعمال میں لکھے ہیں یا اُنکے حاضر کرنے سے یہ مراد
 ہو کہ حساب لینے کے وقت اُسے بیان کیے جاویں گے یا یہ کہ میزان عدل پر تہ لے کے وقت ان اعمال کے جو آثار ظاہر ہونگے وہ مراد ہیں تفسیر
 مترجم کہتا ہے کہ رازیؒ کا پہلا جملہ یعنی ہم خوب جانتے ہیں کہ ان اعمال کا حاضر کرنا ممکن نہیں ہو میں کہتا ہوں کہ رازیؒ کو اللہ تعالیٰ نے
 عفو فرمایا کہ یہ کہاں سے حال سمجھ لیا ہو اور دعویٰ کیا کہ یہ ممکن نہیں ہو۔ اگر کوئی اس طرح سے غیر ممکن جانا کہ یہ اعمال تو نیات خود قائم کوئی چیز
 نہیں ہے ہم کو کسی عمل کی صورت نظر نہیں آتی ہو مثلاً نماز تو قیام و قراءت و رکوع و سجود ہو تو اسکی صورت کیونکر نظر آویگی (جواب) یہ ہے
 کہ آپؐ نے نگاہ میں تو جسم خاک ہو گیا تھا جسکو کفار کہتے تھے کہ اب یہ کیونکر زندہ جسم ہو جائیگا تو یہ بھی اسی نظر ہو چھوڑو گے یا یہ کہو گے کہ
 اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی قدرت میں اسکو زندہ کرنا بہت ہی آسان ہو اس طرح عداۓ موسیٰ علیہ السلام کو کہنے والا کہہ سکتا تھا کہ ہم جانتے
 ہیں کہ وہ لکڑی ہو تو یہ ممکن نہیں ہو کہ وہ ساحر و ان کی رسیاں نکل جاوے لیکن سب دیکھ لیا کہ کیسے اُس نے نکل لیا پس جملہ جو اہل علم و ادب

کی کھال کھینچ ڈالنے کو کہتے ہیں کہ - کشطت البعیر کشطتہ یعنی اسکی کھال کھینچ دی گئی ہو اور بکری وغیرہ کی کھال کھینچنے میں رسلخت (جوتے
ہیں اور یہ اونٹ میں نہیں بولتے اور یہاں مراد یہ کہ آسمان تہ کر دیا جائیگا خطیب نے کہا کہ اسکے معنی یہ ہیں کہ اوپر والے آسمان سے
اسطح جدا کر دیا جائیگا جیسے بکری کی یا اونٹ کی کھال کھینچ لی جاتی ہو (السراج) فرماؤ گے کہ اسکی جگہ سے جدا کر کے اپٹ ڈالا جائے گا
(کیر) زجاج نے کہا کہ چھت کی طرح اکھاڑ ڈالا جائیگا واحدی نے لکھا کہ کشط یہ ہے کہ جس چیز نے دوسری چیز کو ڈھانک لیا ہو اس کو
اٹھا دے۔ بعض نے اس میں یہ بھی فید لگائی کہ ڈھانکنے والی چیز اس میں چلی ہو لیکن مترجم نے اس پر اعتماد نہیں کیا شیخ ابن کثیر نے
لکھا کہ کشطت کی تفسیر میں مجاہد نے فرمایا یعنی کھینچ لیا جائیگا سدی نے کہا اپنے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیگا ضحاک نے کہا کہ کشط کے بعد رائل
پیدا دے گا مترجم کہتا ہے کہ یہ موج مکفوف خط کی طرح لپیٹ دی جائیگی اور سب آسمان قدرت حق تعالیٰ میں حق تعالیٰ کے مانند ہونگے اور اللہ تعالیٰ
دوسرے آسمان و زمین تبدیل فرما دیگا اور لوگ حیرت و دہشت میں ہونگے۔ **وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ**۔ اور جب جہنم بھڑکائی جائیگی
ف سدی نے کہا یعنی تیز گرم کجا بلیگی۔ قتادہ نے کہا کہ تیز آگ جلائی جائیگی اور کہا کہ جہنم کا بھڑکنا اللہ تعالیٰ کا غضب اور لوگوں کے گناہ ہیں
مترجم کہتا ہے کہ یہ لطیف اشارہ فرمایا یعنی جہنم اللہ تعالیٰ کے غضب کا مظہر ہو اور اس میں وہ لوگ جاویں گے جن پر دنیا میں ظہور غضب ہے اور
وہ جمیع اقسام کفار و مشرکین ہیں اس واسطے اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانتے اور غیر دن کو اپنا خدا بناتے ہیں اور دنیا جو ملعون ہو اسی پر دل و جان
سے بھروسہ کرتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا کہ تو میری رحمت ہو تجھ میں اپنے نیک بندوں پر رحمت ظاہر کرو لگا
اور جہنم سے فرمایا کہ تو میری غضب ہی کی مظہر ہے۔ تحقیق سرکش متکبروں کو عذاب کروں گا باجگہ کفار کے اعمال سب جہنم میں آباد ہوتے ہیں آخر ختم دنیا
غضب الہی سے تیز بھڑکیگی اور معتزلہ وغیرہ نے گمان کیا کہ ابھی موجود نہیں ہو اس روز پیدا کی جائیگی اور یہ انکی نادانی ہے بلکہ اب بھی موجود
ہو بلکہ بھڑک اٹھنے کے قریب ہے کیونکہ دنیا ختم ہونے کے قریب ہے فرق یہ ہے کہ جب پیدا کی گئی تھی تو آگ جہنم تھی پھر جن و انسان کی خطاؤں نے
اُسکو بھڑنا شروع کیا اور وہ آگ میں ایندھن ہوتے گئے لیکن غضب الہی کا کامل ظہور ابھی اس میں نہیں ہو اور قیامت کے روز جس طرح جنت
والوں پر رحمت میں کامل رحمت کا ظہور ہوگا اسی طرح جہنم میں کامل غضب کا ظہور ہوگا لغو ذبا اللہ من غضبہ و عذابہ۔ اور آیت صریح دلیل ہے کہ جہنم موجود ہے
وہ اس روز تیز کی جائیگی اور حدیث میں ہے کہ نار جہنم ہزار ہا برس جلائی گئی کہ وہ سرخ ہو گئی پھر ہزار ہا برس جلانی گئی کہ وہ سپید ہو گئی پھر ہزار ہا
جلانی گئی تو وہ سیاہ ہوئی اب جہنم سیاہ اندھیری ہو (السراج) یہ حدیث سنن میں موجود ہے اور واضح رہے کہ میں نے بار بار تنبیہ کر دی کہ جہنم کوئی
غاربے جان نہیں ہے جیسے دنیا میں قیاس کرتے ہیں کیونکہ دار آخرت میں مردگی کہیں نہیں ہو اس لیے کفار وغیرہ کو بھی وہاں موت نہیں ہے
اور یہ جہنم کی آگ وہ ہے جسکی نسبت مثال کے طور پر حدیث میں ہے کہ نھاری دنیاوی آگ سے وہ شتر گونہ زائد ہے مترجم کہتا ہے کہ حوام
اس دنیاوی آگ سے وہ آگ قیاس کرے جس سے چولہے میں انکی لکڑیاں جلتی ہیں اور اسی قدر گمان انکے لیے عذاب جہنم سے پناہ مانگنے کو کافی ہے
ولیکن سمجھدار تمام دنیا پر نظر ڈالو اور غدار کر لگا کہ چولہے میں گرم لکڑیاں ڈالیں تو آگ بھڑکتی ہو اور اگر ہم گندھاک ڈالیں تو اسکی سوزش بہت
زیادہ ہو جاتی ہو اور اگر گرہ نار کی تیری دیکھتین تو بہت تیز ہو اور اگر بجلی گرتی ہو تو اس کے قریب کی ہوا میں آگ لگ جاتی ہے حتیٰ کہ بجلی مثلاً
ایک لوہے میں پیوست ہوئی باز میں مشق ہو گئی اور اس سے دس گز کے فاصلے پر جو آدمی تھا اسکی کھال و گوشت ابل گیا تو دنیا میں ایسی
سخت آگ موجود ہے جو اسطح چولہے کی آگ سے صد ماگونہ زائد ہے پس قیاس کرو کہ جہنم کی آگ اس سے بدرجہا زائد ہو اور چونکہ اس میں ہوش
حواس ہیں تو وہ کافروں و مشرکوں و نیچے یوں کو انکی صورت سے پہچان لیگی اور اگر شبہ ہو تو دل جھانک لیگی اور اسطح جہنم میں بھی ہر ہر کار کے

لیکن حقیقت میں یہ روایت کئی وجہ سے زیادہ قوی ہے اور یہ نسبت روایت عبد الرزاق کے جو اوپر سند نکور ہوئی ہے اس سے قوی و
 ارجح ہے (اول) تو اس لیے کہ خلیفہ بن حصین ثقفی تابعی ہے جو قیس بن حاصم بن کا بوتا ہے تو وہ اپنے دادا کے معاملہ سے زیادہ واقف ہوگا (دوم)
 ثقفی تابعی کا مرسل کرنا جماعت کثیر کے نزدیک قبل ہوتا ہے (سوم) یہ روایت بظاہر مرسل ہے اور حقیقت میں غالباً اپنے دادا قیس رضی اللہ
 عنہ سے یا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سند ہو کیونکہ بنی تمیم آپ کے لشکر میں تھے اور خلیفہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پایا ہے اور واضح ہو کہ ابند امین بنی تمیم
 خد کیا اور بعض صحابہ کو مار ڈالا تو انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا کہ اہل و عیال گرفتار کر کے مدینہ میں قید کیے آخر وہ لوگ
 حاضر ہوئے اور قصہ سورہ حجرات کی تفسیر میں گزرا ہے تو قیس نے اول میں مودہ لڑکیوں کے بارہ میں پوچھا تو اپنے انکے عوض بروئے
 آزاد کرنے کا حکم دیا چنانچہ قیس نے بروئے آزاد کیے پھر دوسرے سال اپنی قوم کے خدر کا گناہ عفو کرانے کی امید پر سوا و نٹیان حاضر کئے اللہ
 تعالیٰ اعلم۔ رازمی و خطیب وغیرہ نے لکھا کہ زمانہ جاہلیت میں عموماً عرب میں لڑکیاں قتل کرنا جاری بلکہ فخر سمجھا جاتا تھا اور اس زمانہ میں
 صمصم بن ناجیہ نے اس رسم مذہب سے اپنی قوم کو منع کیا اور عورتا نصیحت کی اور اسی قوم سے فرزدق ہم شاعر مشہور ہے جو اسلام میں تھا اور اپنے
 اپنے شعر میں اس بات پر فخر کیا ہے۔ روایت ہے کہ قیامت کے روز مودہ بنے خون میں لغڑی ہوئی اپنی ماں کا ہاتھ پکڑے آدگی اور عرض کر گی
 کہ اے رب یہ میری ماں ہے اور اسی نے مجھے مار ڈالا تو تے۔ **وَإِذَا النُّفُوسُ شَرَّتْ**۔ اور جب صحیفے کھولے جاویں گے ف
 نیسے جسدن لوگوں کے نامہ اعمال کھول کر ہر ایک کے ہاتھ میں اسکا صحیفہ دیا جاویگا۔ صحاح کے کہنے کا کہ ہر شخص کو اسکا صحیفہ (نامہ اعمال)
 دیا جاویگا کیے دائیں ہاتھ میں اور کسکے بائیں ہاتھ میں دیا جائیگا۔ قتادہ نے کہا کہ ای آدمی تیرا صحیفہ لکھا جاتا ہے اس میں تیرے سب اعمال ہیں
 بھر دے کہ دیا جائیگا رجبِ نوبت سے مراد) پھر قیامت کے روز تیرے اوپر فیصلہ کے لیے کھولا جائیگا پس تجھے لازم ہو کہ توبہ غور کر کے دیکھتا رہے
 کہ تیرے اوپر کیا لکھا جاتا ہے (ابن کثیر) بالحدیث سے وہ صحیفے مراد ہیں جو ہر شخص کے معین فرشتے اُسکے نامہ اعمال لکھتے ہیں اُس میں ہر ایک کے
 نیک و بد اعمال ہوتے ہیں پھر جب وہ مرجاتا ہے تو صحیفہ نہ کر کے رکھ دیا جاتا ہے پھر قیامت میں کھولا جاویگا پس ہر شخص اپنے صحیفے پاس کھڑا ہوگا
 اور جو کچھ اُس میں لکھا ہے سب جان جائیگا یعنی سب اعمال اسکو ذرہ ذرہ باور آئیں گے اور آدمی غم و حسرت سے کہیگا کہ اس صحیفے کی کیا کیفیت ہے
 کہ وہ نہ کبیرہ چھوڑتا ہے اور نہ صغیرہ چھوڑتا ہے بلکہ سب کو اُس نے گھیر لیا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت پڑھتے تو فرماتے کہ ای آدمی
 یہ معاملہ تیرے ہی طرف کھینچ لایا جائیگا۔ روایت ہے کہ لوگ ننگے پاؤں و ننگے بدن بے خنتہ کیے ہوئے حشر کیے جاویں گے ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا
 کہ پھر عورتوں کا کیا حال ہوگا تو فرمایا کہ لوگ اپنے حال میں مشغول ہوں گے۔ پوچھا کہ مشغولی کس چیز میں ہوگی۔ فرمایا کہ صحیفے کھول دیے
 جاویں گے ان میں مثال چوٹیوں کے اور مثال رائی کے ہوں گے (السراج) اور اگر اکرام سلمہ سے روایت غریب ہے مترجم کہتا ہے کہ چوٹیوں و
 رائی کی مثال کسی نے اپنی طرف سے ملائی ہے۔ بالحدیث اس روز نامہ اعمال کھولے جاویں گے اور چوٹیوں کو لکے دائیں ہاتھ میں سامنے سے عطا
 ہوں گے اور یہ انکے واسطے کرامت ہے اور وہ ان نفس مادی کا اثر زائل ہے تو ہر عمل یاد ہوگا اور جنہیں کو انکے نامہ اعمال بھیجے کی طرف سے موڑ کر
 بائیں ہاتھ میں دیے جاویں گے اور وہ اُس میں سب ذرہ ذرہ صغیرہ و کبیرہ یاد ہوگا اور کوئی عمل اُسکو آج فراموش نہیں ہو سکتا تو غمناک ہوگا کہ ہائے
 یہ کیسی تحریر ہے کہ اُس میں ہر صغیرہ و کبیرہ مع کیفیت موجود ہے اور واضح ہو کہ نامہ اعمال میں اعمال درج ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ علحدہ
 موجود نہ ہوں بلکہ ہر ایک کے اعمال جہنم یا جنت میں منسل موجود ہیں۔ **وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ**۔ اور جب آسمان جدا کر کے
 لپیٹ ڈالا جائیگا ف کسٹا اصل میں کھینچ ڈالنے اور نوج ڈالنے اور جگہ سے جدا کرنے کو کہتے ہیں قرطبی نے کہا کہ عربیہ بعد اوست

اگر بڑی ہوتی تو اپنے رب عزوجل کی وحدانیت مانتی یا نہ مانتی تو یہ بات نہیں معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا ہوا اور حدیث ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا میں ہے کہ انصار میں سے ایک بچہ مر گیا۔ میں نے عرض کیا کہ اسکو مبارک ہو وہ جنت کی جڑیوں میں سے ایک جڑی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ تجھے یہ بات کہاں سے معلوم ہوئی۔ شاید ایسا ہو۔ میں نے خوفناک ہو کر عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر نما ہوں میں نے تو فقط اس خیال سے عرض کیا کہ یہ بچہ بھی معصوم تھا اسنے کوئی گناہ نہیں کیا یا ہر آپ نے فرمایا کہ اے عائشہ اللہ تعالیٰ نے جنت پیدا کی اور اُسکے لیے لوگ پیدا کیے حالانکہ سنوڑوہ لوگ اپنے باپ دادا کی پشت میں تھے (دنیا میں قدم بھی نہیں رکھا بلکہ صد ہا برس سے منتقل ہوتے آئے جیسے حضرت نوح کی پشت میں اصحاب رسول اللہ صلعم تھے) اور اللہ تعالیٰ نے جہنم پیدا کی اور اُسکے لوگ پیدا کیے اور سنوڑوہ اپنے آباؤ کی پشت میں تھے (حدیث صحیح) اس سے معلوم ہوا کہ کسی نطفہ و بچہ کی نسبت کچھ حکم نہیں کیا جاسکتا ہے کہ وہ جنتی ہو یا جہنمی ہوا اللہ سبحانہ تعالیٰ جو العلیم الحکیم۔ امام ابو بکر الزہرا و حاکم و بیہقی نے حدیث روایت کی۔ بزار نے حسین بن ہمدی عن عبد الرزاق عن اسریل عن سماک عن النعمان روایت کیا کہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے قولہ تعالیٰ اذا الموءودہ مسملت للآیہ۔ میں کہا کہ قیس بن عاصم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے زمانہ جاہلیت میں اپنی لڑکیاں زندہ درگور کر دی تھیں یعنی اب مجھے اس گناہ عظیم سے خوف ہو لیکن الحمد للہ کہ اسلام قبول کرنے سے میرا یہ گناہ عفو ہو چکا) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو ہر ایک لڑکی کے عوض میں ایک بردہ (غلام بالونڈی) آزاد کر دے قیس بن عاصم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں صاحب شتر ہوں یعنی میری ملکیت میں اونٹوں کا گل جو تو آپ نے فرمایا کہ ہر ایک موءودہ کے عوض میں ایک اونٹ قربانی کر دے۔ ہ۔ حافظ ابو بکر الزہرا نے کہا کہ ہم نے اس حدیث کو فقط حمید بن ہمدی عن عبد الرزاق روایت کیا ہے اور کسی دوسرے شیخ سے یہ حدیث نہیں لکھی۔ ابن ابی حاتم نے اسکو ابو عبد اللہ الطہرانی عن عبد الرزاق روایت کیا اور اس میں یہ فرق ہے کہ قیس نے کہا کہ میں نے جاہلیت میں اپنی آٹھ لڑکیاں مار ڈالیں۔ آخر میں اس طرح ہو کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اگر چاہے تو ہر ایک موءودہ کے عوض میں ایک اونٹ بہ بھیج دے۔ ہ۔ یعنی بزار رحم کی روایت سے یہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر یہ اونٹ قربانی کر دیا جائے جہاں ہوا اور ابن ابی حاتم کی روایت میں خاص کر کے میں بد یہ بھیجے جو حرم میں ذبح کیے جاویں اور حتی حکم نہیں دیا بلکہ کہا کہ تیرا جی چاہے تو ایسا کر دے۔ ظاہر وجہ یہ ہے کہ قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے تو انکا یہ گناہ عظیم جو زمانہ جاہلیت میں اُنسے سرور ہوا تھا اللہ تعالیٰ نے اسلام کی برکت سے عفو کیا اور حدیث میں ہوا اسلام بیدم ما کان قبلہ۔ یعنی جب اسلام لایا تو اس سے پہلے جو گناہ ہو چکے ان میں سب مہدم کر دیے جاتے ہیں۔ تو قیس نے بزرگناہ باقی نہ تھا لیکن شرم دامن گیر ہوئی اور آنحضرت صلعم نے تسکین فرمائی۔ پھر بطریق عبد الرزاق آیا کہ قیس نے آٹھ بیٹیاں موءودہ کیں اور ابن ابی حاتم نے اپنے باپ ابو حاتم الرازی عن عبد اللہ بن رجا و اسناد دیگر خلیفہ بن حصین سے روایت کی کہ قیس بن عاصم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے جاہلیت میں اپنی باؤ بیٹیاں یا تیرہ بیٹیاں زندہ دفن کیں تو آپ نے فرمایا کہ انکے شمار سے بردے آمادہ کر دے پس قیس نے انکے شمار سے بردے آزاد کیے پھر دوسرے سال قیس نے سو ادنیٰ بیٹیاں لایا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میری قوم نے جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ کیا اُسکے نیچے یہ انکی طرف سے صدق ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب کہتے ہیں کہ ہم ان اونٹنیوں کے گلہ کو شام کو لائے اور قیس یہ گلہ انکا نام رکھا تھا۔ ہ۔ مترجم کہتا ہے کہ شیخ ابن کثیر نے اس روایت کی نسبت کچھ نہیں لکھا اور میرے نزدیک یہ روایت مرسل ہے کیونکہ خلیفہ بن حصین عتیقی تابعی نقی ہے۔

میں آیا کہ مودودہ جنت میں ہی اور ابو حاتم نے مسلم ابن ابراہیم بن قرة عن الحسن البصری روایت کی کہ حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا گیا کہ کون شخص جنت میں ہو تو آپ نے فرمایا تھا کہ مودودہ جنت میں ہو ابن کثیر نے کہا کہ راوی سب ثقہ ہیں لیکن حسن بصری نے اس صحابی کا نام نہیں لیا جس سے حدیث سنی تو مرسل ہی اور بعض علما نے اسکو قبول کیا ہے لیکن بعض دیگر نے نہیں قبول کیا اس لیے کہ اگر یہ معلوم ہو جاوے کہ فقط صحابی کا نام نہیں لیا ہے تو حرج نہیں کیونکہ صحابی سب ثقہ ہیں لیکن شاید حسن بصری رحمہ اللہ نے اسکو کسی شخص سے سنا ہو اور اسے دوسرے سے سنا ہو اور دوسرے نے صحابی سے سنا ہو تو یہ درمیانی لوگ نہیں معلوم ثقہ ہیں یا نہیں ہیں مترجم کہتا ہے کہ یہاں اس حدیث کو تو خنساء کی حدیث سے قوت ہو گئی پس قبول کرنا چاہیے اور اس سے بھی معلوم ہوا کہ مودودہ فی الجنۃ ہے اور مترجم کہتا ہے کہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ مشرکین کی جو اولاد کہ بچہ بن میں مر گئی ہو اسکا کیا حکم ہے اس لیے کہ وہ ابھی فطرت میں ہیں یعنی اسکا تختہ لوح بالکل صاف ہے نقش ہے اس پر اعتقاد شرک نہیں لکھا گیا ہے (جواب) میں ابو حنیفہ رحمہ اللہ ایک جماعت علما نے سکوت کیا اور کہا کہ ہم کو اس بحث سے کچھ غرض متعلق نہیں ہے اور یہ بات ہم کو کسی اپنی رائے سے نہیں معلوم ہو سکتی ہے بلکہ اللہ و رسول کے ارشاد سے معلوم ہوگی اور اس سے سوائے معلوم ہو جانے کے شرعی حکم متعلق نہیں جیسے ہم کو عمل کرنا پڑے پھر ہم نے دیکھا کہ راویوں سے جو حدیثیں ہم کو ملی ہیں بعض سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کچھ جنت میں ہیں یعنی وہاں ہو گئے خواہ جنتیوں کے خدمتی ہوں کیونکہ خود انھوں نے کچھ نیک اعمال نہیں کیا اور ان کے باپ مان وغیرہ کے ذریعہ سے انکو لاحق کرنا ممکن ہو بہر حال بعض راویوں کی روایت سے یہ جنتی معلوم ہوتے ہیں اور بعض راویوں سے جنتی معلوم ہوتے ہیں اب یہ نہیں پتہ لگتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس قاعدہ پر یہ ارشاد فرمایا ہے تو ہم کو وہ قاعدہ نہیں معلوم ہوا یہ ہم جان سکتے ہیں کہ مثلاً شاید دائرہ و مودودہ پہلے دونوں جہنم میں تھے اور مودودہ بن جو مان باپ کی نجاست ہی وہ پاک ہو جاوے تو پھر وہ جنت میں بھیجی جاوے جیسے گنہگار مسلمان ہوتے ہیں لہذا ہم نے سکوت کیا اور کہا کہ آخرت میں یہ حال کھل جائے گی دیگر جماعت علما نے کہا کہ دلیل شرعی سے معلوم ہوا کہ یہ معصوم بچہ جنت میں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آیت میں صاف خبر دی کہ جب تک ہم رسول نہ بھیجیں کسی کو عذاب نہ کریں گے۔ اور بچہ اس سے بری راویہ جنت میں ہوگا عذاب نہ پاویگا اس پر اعتراض ہوا کہ عذاب نہ پاوے لیکن یہ لازم نہیں کہ ثواب پاوے شاید اعراف میں رہے جواب دیا گیا کہ اعراف کوئی رہنے کی جگہ نہیں ہے بلکہ جہنم یا جنت دو ہی مقام ہیں یا ان ہو ہو سکتا ہے کہ جنت میں وہ لذت و ثواب کے واسطے نہ ہو بلکہ جیسے ملائکہ ہوتے ہیں اور شاید بقول بعض کے صحن کی طرح جنت کے گرد و سنہرا دار میں ہوتو بہر حال وہ جنت میں ہوا اور جن راویوں میں آیا کہ وہ جہنم میں ہیں اس راوی نے مطلب نہیں سمجھا مثلاً مطلب یہ کہ دائرہ و مودودہ نے اللہ تعالیٰ کو لفظ کہ راوی نے خیال نہیں کیا اور مطلب یہ تھا کہ دائرہ و عورت اور جس مرد کے لیے اسے دختر کو مارا ہو دونوں جہنم میں ہیں کیونکہ عورت اپنے خاوند کی خوشی کے لیے مارتی تھی۔ پھر راوی سے رملہ سا فظ ہونے سے یہ معنی بگڑ گئے واللہ تعالیٰ اعلم۔ ابن ابی خاتم نے ابھی اسناد کے ساتھ عکرمہ سے روایت کی کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ کافرین کے بچے جنت میں ہیں اور جسے گمان کیا کہ وہ جہنم میں ہیں اسے جھوٹ گمان کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اذالمودودہ سملت باقی ذنب قتل۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ مودودہ وہ دختر جو زندہ دفن کر دی گئی مترجم کہتا ہے کہ ابن عباس کی دلیل یہ ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے اس دختر کو بیگناہ ٹھہرایا جبکہ فرمایا کہ مودودہ پوچھی جائیگی کہ تو کس گناہ پر اسی گئی یعنی اسکا کوئی گناہ نہیں ہو تو یہ معلوم ہوا کہ یہ بیگناہ بچے جنت میں جاویں گے مترجم کہتا ہے کہ اس استدلال میں ایک ترمذی وہ ہے کہ اس آیت سے فقط یہ معلوم ہوا کہ اس دختر کو جس قاتل برمان یا باپ نے مارا تو بے گناہ مارا ہے کہ اس دختر کی جبلت میں اپنے رب عزوجل کے ساتھ کیا معاملہ تھا۔

کہ میں چند آدمیوں کے ساتھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اُس وقت آپ یہ فرماتے تھے کہ میں نے فصد کیا تھا کہ غیلہ سے
 ممانعت کروں (غیلہ دودھ پلانے کی حالت میں اپنی عورت سے جماع کرنا) پھر میں نے رومیوں و فارسوں پر نگاہ کی کہ وہ لوگ غیلہ کیا کرتے ہیں
 اور اس سے انکی اولاد کو ضرر نہیں ہوتا تو پھر صحابہ رضی اللہ عنہ نے ایک سے عزل کو دریافت کیا اُسنزل یہ کہ جماع کر کے باہر انزال کرے
 تاکہ حمل نہ رہے) تو آپ نے فرمایا یہ غفلتِ زندہ درگور ہوئی (الموؤدۃ سلمات) ہے اس حدیث کو امام مسلم و ابوداؤد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ
 نے بھی روایت کیا ہے امام احمد نے مسند کیا کہ سلمہ بن یزید کُحفی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اور میرا بھائی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
 میں پہنچے پھر ہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ہماری ماں جس کا نام ملیکہ تھا زمانہ جاہلیت میں اسلام سے پہلے مر گئی اور وہ اپنے قرابتیوں سے
 سلوک کیا کرتی اور ہمان نوازی کرتی اور ایسے نیک کام کیا کرتی تھی بھلا اُس کو آخرت میں ان کاموں سے کچھ نفع ہوگا آپ نے فرمایا کہ کچھ نفع نہیں
 ہوگا پھر ہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ اسے زمانہ جاہلیت میں ہماری ایک بہن کو موؤدہ (زندہ مار ڈالا) تھا بھلا اس سے اُس کو کچھ فائدہ ہوگا
 آپ نے فرمایا کہ اسے زندہ مار ڈالنے والی اور موؤدہ دونوں جہنم میں ہیں سوائے ایک صورت کے کہ زندہ مارنے والی زمانہ اسلام پر
 ایمان لاوے تو اللہ تعالیٰ اُس سے عفو فرماوے۔ اس حدیث کو امام نسائی نے بھی روایت کیا۔ مگر ترجمہ کہتا ہے کہ یہ نکتہ بار بار بیان ہوا
 کہ جن کاموں کی صورت نیک ہے وہ دنیا میں نیک ہیں جیسے اس حدیث میں بیان ہوئے لیکن یہ افعال آخرت میں جانے کے لائق جیسی ہیں
 کہ توحید الہی حی القیوم کے نام سے زندہ ہونے یعنی کرنے والا اللہ تعالیٰ کے نام سے عمل کرے تو جمیع کار کے سب اعمال بطل ہیں اور مسلمانوں میں
 سے بھی جسے خالص نیت سے کام نہ کیا ہو وہ بھی باطل ہے لیکن دنیا میں اس کا جو نفع منظور آئی ہو وہ مل جاوے گا اور شک نہیں کہ دنیا میں جو کفر
 کسی کو دکھ نہیں دیتا تھا اور خیرات کرتا تھا وہ بہ نسبت اُس کافر کے جو ظالم تہہ کار بدکار ہو کتر ہوا تو جہنم کے درجات میں فرق ہوگا لیکن
 اُس سے نجات کبھی ممکن نہیں ہو پھر بدکاری ہمیشہ جہالت سے ہوتی ہو حتیٰ کہ مسلمانوں میں بھی چنانچہ فرمایا میں لعیل سوہ بجاۃ۔ یعنی جسے
 تم میں سے جہالت سے بُرا کام کیا۔۔۔ تو کفار بالکل ہی جاہل ہیں پس زندہ درگور بھی اسی جہالت میں کرتے تھے جب اسلام لائے اور سمجھ گئے
 تو اللہ تعالیٰ نے ان کو نہایت بزرگ نعمت بخشی اور ان کو مشکور کیا کہ اسلام لائے ہی سب بچھلے گناہ بخش دیے اور ایسا کر دیا جیسے دھویا کپڑا ہوتا ہے
 اور آئینہ حساب ہوگا ہر نیک کام دس گونہ اور ہر بدی ایک ہی بدی ہوگی اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ والدہ (دختر کو زندہ مار ڈالنے والی)
 اور موؤدہ (وہ دختر جو زندہ ماری گئی) دونوں جہنم میں ہیں یہ حدیث علم نبوت ہی آپ کو یہ حال معلوم ہو گیا اور نکتہ یہ بھی ہے کہ ان کافروں مرد و
 عورتوں کے لطفہ میں ویسی ہی مردہ رکھے جیسے ماں باپ تھے اور صحیح کی حدیث میں ہے کہ مشرکین اور انکی اولاد سب فی النار ہیں۔ لیکن جن کو
 اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے خاص کیا ہو تو اُسکی شناخت یہ ہے کہ اُس اولاد کو ایمان عطا کیا پس وہ اولیائے حق سے ہیں۔ وقال ابن ابی حاتم
 حدثنا احمد بن سنان الواسطی حدثنا ابو احمد الزبیری حدثنا اسرائیل بن ابی اسحق عن علقمہ والی الاحوص عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم الوالدۃ والموؤدۃ فی النار۔ یعنی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ والدہ
 اور موؤدہ فی النار ہیں۔ یہ اسناد صحیح ہے اور سب نقات ہیں۔ امام احمد نے اسحق بن یوسف الارزق عن عوف عن خلفاء روایت کی کہ
 خلفاء و زبنت مناویہ صریحہ نے کہا کہ میری بھوپھی کستی تھی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کون شخص
 جنت میں جائیگا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا بنی جنت میں ہے اور شہید جنت میں ہے اور مولود جنت میں ہے اور موؤدہ جنت میں ہے مگر ترجمہ کہتا ہے
 کہ اسکی اسناد قوی ہے اور اس میں مولود سے یہ مراد کہ بچہ پیدا ہونے کے بعد ہوش سے پہلے مر گیا تو وہ گناہ سے معصوم ہے اور اس حدیث

افسوس ہوا تھا۔ میں سفر میں تھا کہ بیان میری عورت لڑکی جنی خود بصورت پیاری بچی دیکھ کر اُسے اپنی بہن کے بیان بھیجی تھی۔ میں اُٹھ کر اُسے
 بہانہ کر دیا کہ وہ مری ہوئی تھی۔ میں نے اُس کو دفن کر دیا۔ رفتہ رفتہ وہ لڑکی قریب سات برس کے ہو گئی اور مجھے بھی رفتہ رفتہ حال معلوم ہو گیا ایک
 مرتبہ اُسکی ماں نے اُس کو منگوایا اور پیار کرتی تھی کہ ناگاہ میں آ گیا تو وہ مضطرب ہو گئی اور میں نے اُس کو تسکین دی اور خود کھلانے لگا
 اور ایسا کیا کہ وہ مجھے باپ جانتی رہتی تھی۔ اُسکی ماں بھی مطمئن ہو گئی ایک روز اُسکی ماں نے سنا کہ کیا اسکا اور گلاب کے پھول کی طرح
 خوشنما تھی۔ میں نے پیار کے بہانے اُس کو لیا اور آہستہ آہستہ جنگل میں لے گیا اور وہاں میں نے ایک گدھا کھودا تھا اُس کے قریب اُس کو
 کھیلنے کے لیے اتارا اور اُس سے کہا کہ اس میں جھانکے پھر میں نے پیچھے سے اُس کو ڈھکیل دیا اور اُس پر سڑی ڈالنی شروع کی اور وہ پیاری مجھے پکارتی
 تھی کہ اے میرے پیارے باپ مجھے نکال لے اور میں جلد جلدی ڈالتا تھا اور وہ مجھے پکارتی تھی یہاں تک کہ بالکل بگئی اور آواز بند ہو گئی یا رسول اللہ اللہ اسکا داغ
 میرے دل پر چڑھ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک لکھو نے اُس کو جاری ہوئے اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا فرمانا ہے کہ قیامت کے روز زمانہ جاہلیت کے
 ہریم ظالموں کے سامنے زندہ درگور کر کیوں سے پوچھا جائیگا کہ تو پیاری کس گناہ پر قتل کی گئی اس سے مقصود یہ کہ ان ہریم کو مار ڈالنے والوں کو معلوم ہو کہ آج
 اُس پر بھی رحم نہ ہو گا اور کمال غضب اُس پر جاری ہے۔ خود باندھن ذاک۔ اس سے یہ ضرور لازم آیا کہ زندہ درگور کرنے والا ہریم تھا اُن پر بھی
 رحم نہ ہو گا۔ اس واسطے حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرنا ہی جو رحم نہیں کرتا اُس پر رحم نہیں کیا جائے
 ہوا۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان فرض کیا ہے اگر تم لوگ جانور فوج کر دو تو اُس کے لیے چھری تیر کر دو اور فریج کو راحت دو اور حدیث سے
 ثابت ہے کہ سواری کے جانور پر اُس وقت سوار ہو کہ جب پیدل اتنی دور جانے میں تکلیف ہو اور ہر وقت اُسکی پیٹھ پر بیٹھنے کا طریقہ اختیار نہ کرے
 اور حدیث میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا ان جانوروں میں بھی ہم کو ثواب ہے فرمایا کہ جیسے تر جگر ہے یعنی زندہ جانور ہے اس میں
 ثواب ہے اور صحیح البخاری کی حدیث میں ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک بدکارہ عورت تھی وہ جاتی تھی راستہ میں اُس نے دیکھا کہ ایک گناہ شدت پیاس سے
 بے طاقت ہو کر کچھ چاٹتا ہے اُس نے ترس کھا کر اپنا موزہ پانوں سے نکالا اور دوپٹہ باندھ کر پانی بھر کر اُس کو پلایا اللہ تعالیٰ نے اُس کو مشکور کیا اور
 اُس زمانے کے پیغمبر کو وحی بھیجی کہ ہم نے اُس کو بخش دیا مگر حج کتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا اثر اس عورت پر یہ ظاہر ہوا کہ تو پر کر کے صالحہ مری
 اور حدیث میں ہے کہ ایک عورت بسبب ایک بلی کے جنم میں داخل کی گئی اُس نے بلی کو بند کر دیا تھا نہ اُس کو چھوڑتی کہ وہ کھڑے کھڑے کھاوے
 اور نہ اُس کو کھانا دیتی تھی یہاں تک کہ وہ مر گئی۔ بالجلہ اسلام رحم کے واسطے اصل ہے لیکن کافروں نے جب اسلام کو نہ جانا بلکہ اپنے رب عزوجل ہی
 نہیں پہچانا تو عداوت سے اُس کو میر جی کہا اور یہ صریح جھوٹ ہے مؤودہ کے قاتل پر کس طرح اللہ تعالیٰ نے غضب ظاہر فرمایا کہ اُس سے یہ پوچھا کہ تو کس
 گناہ پر قتل کی گئی تھی حالانکہ یہ معلوم ہے کہ کفار و انکی اولاد جنم میں ہیں جبکہ معصوم نہوں اور مؤودہ سے پوچھے جانے میں یہی بلاغت ہے کہ اسکا قاتل
 ایسا سخت مجرم ہے رحم ظالم ہے کہ وہ اس قابل نہیں ہے کہ اُس سے پوچھا جاوے کہ وہ کوئی عذر بیان کرے بلکہ جیسے اُس نے میر جی سے ظلم کیا ہے
 صرف اُس سے پوچھنے پر نرا دی جاوے گی۔ صی اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ انت قلت للناس اتخذونی دمی الالبہ۔ یعنی قیامت کے روز اللہ
 تعالیٰ اپنے بندہ رسول عیسیٰ علیہ السلام سے فراویگا کہ اے عیسیٰ کیا تو نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ تم مجھے اور میری ماں کو خدا بناؤ۔ (تفسیر کبیر)
 امام حافظ ابن کثیر نے یہاں مؤودہ کے متعلق روایات و احادیث و آثار کو جمع کیا ہے چنانچہ لکھا کہ علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس سے
 روایت کی کہ مؤودہ سوال کر رہی تھی۔ ابو اسحق نے کہا کہ سوال کرنے سے یہ مطلب کہ وہ اپنے خون کا دعویٰ و مطالبہ کر رہی تھی اور اسی کے مثل سدی فتاد
 سے روایت ہے۔ مؤودہ کے متعلق احادیث میں چنانچہ امام احمد نے ام المومنین عائشہ سے روایت کی عکاشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا

اعمال جدا ہوتے ہیں تو وہاں بھی جوڑ ملا دیے جاویں گے مثلاً چار یہودی چوری و دغا بازی کرتے تھے تو یہ سب ملا دیے جاویں گے اور چار یہودی درویش بنکر یا عالم بنکر لوگوں پر بکر بھیلانے تھے تو یہ ایک میں ملا دیے جاویں گے و علیٰ ہذا القیاس پھر جانتا چاہیے کہ اہل جنہم میں ہر شخص اپنے اعمال میں ایک قسم شیطان کے قلب پر ہوتا ہے تو ان لوگوں کو انھیں شیطانوں کے ساتھ زنجیروں میں جکڑ کر جنہم میں ڈالا جاویگا جیسے سابقین میں بیان ہو سکتا ہے۔

باجملہ قولہ تعالیٰ اِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ مِّنْ اَقْوَالٍ مِّنْ اِنِّ مِّنْ سَے ایک قول بیان ہوا امام ابن کثیرؒ نے کہا کہ دوسرا قول یہ ہے کہ روحوں کو اپنے جسموں میں جوڑ کر دیا جاوے چنانچہ ابن ابی حاتم نے بالاسناد بطریق سعید بن جبیرؒ کے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ اول مرتبہ صوفیوں کے جانے کے بعد اور دوسری مرتبہ سے پہلے اللہ تعالیٰ کے عرش کے پایہ سے پانی کا راہی بھیگا اور دونوں مرتبہ نغمہ و صورت کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہے۔ پھر اس پانی سے ہر انسان کی ہڈی و خلقت جو کچھ پوسیدہ و خاک ہو چکی ہو جسے گی اور اسطرح ہر جانور و چرند و پرند کی خلقت جسے گی۔ یعنی پوری صورت تیار ہو جائیگی حتیٰ کہ اگر ان صورتوں پر کسی ایسے شخص کا گزر ہو جسے انکو پہلے دیکھا تھا تو وہ فوراً پہچان لے اور یہ صورتیں زمین پر آگ آویں گی پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے روحیں بھیجی جاویں گی تو ہر روح اپنی جوڑی کے جسم میں آجا دیگی۔ یہی فرمایا اِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ۔ یہی

منہ الذی العالمیہ و عکرمہ و سعید بن جبیرؒ بھی اس آیت میں بیان کیے ہیں (ابن کثیرؒ) قول سوم یہ کہ عطارؒ نے کہا کہ مومنین کے نفوس کو حور العین سے جوڑا کیا جائیگا اور نفوس کا فرین کو شیاطین سے جوڑ دیا جائیگا (السراج) اس قول کو قرطبیؒ نے کتاب التذکرہ میں نقل کیا ہے (ابن کثیرؒ) قول چہارم یہ کہ ہر کافر کو اس شیطان سے ملا دیں گے جسکے تابع تھا مترجم کتاب ہے کہ اسطرح ظاہر ہوتا ہے کہ جن میں سے جو مسلمان ہوئے ہیں وہ جس مغیر کی امت ہیں اور جس دلی و مومن کے ہاتھ پر اسلام لائے ہیں اُسکے ساتھ ملا دیے جاویں گے اسلئے کہ دنیاوی رشتہ تو پیدائش سے قائم ہوتا ہے اور جب کئی پشت دور ہوتا ہے تو اُسکا اثر جاتا رہتا ہے مثلاً فلاں شخص شریف کا رشتہ ضرور فلاں چار سے موجود ہے کیونکہ آخر ہم سب بابا آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں لیکن کبھی اس رشتہ کا خیال بھی نہیں آتا اور کافر ہونے سے حضرت آدم کا رشتہ منقطع ہو جاتا ہے کیا نہیں جانتے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے کافر بیٹے کے حق میں فرمایا۔ اِنَّہٗ لَیْسَ مِنَّا اَبْلَک۔ یعنی اسے نوح وہ میرے اہل و عیال سے نہیں جو وہ کافر بدکار ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت آدم ہمیشہ جنت کے بلند درجات میں رہیں گے اور کافر آدمی کبھی دوزخ سے نکلے نہیں پاویگا تو اس سے کبھی ملاقات نہیں ہو سکتی ہے اور اسطرح جن میں سے جو مسلمان ہوا وہ ہم میں شامل ہوا پس اسطرح ملائے جاویں گے واللہ سبحانہ تعالیٰ۔ وَ اِذَا

الْمَوْتُ دَخَلَ سُئِلَتْ بِاَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ۔ اور جب زندہ درگور کی ہوئی لڑکی سے پوچھا جاویگا کہ کس گناہ پر ماری گئی ف مؤدہ لڑکی وہی ہے جسکو عرب والے زمانہ کفر میں مار ڈالتے تھے۔ کبھی تو عورت جننے کے ساتھ ہی خود گلا گھونٹ دیتی کہ اُسکا شوہر ناخوش ہوا و شوہروں کی ناخوشی بہت وجہ سے تھی ایک تو عام وجہ یہ تھی کہ لوگ لڑکیوں کو بُرا سمجھتے تھے جیسے اس اخیر زمانے میں نام کے مسلمانوں میں یہی کیفیت ہے۔ اس کو بہت میں تو عموماً سب ہی قبائل شریک تھے اور بعض متکبر یہ بات روا نہیں رکھتے تھے کہ وہ کسی کے رشتہ کھلاوین جیسے ہندوستان کے راجپوت اسی قبیلہ خیال میں گرفتار رہیں اور بعض بہاری و جنگلی لوگ بوجہ افلاس کے مار ڈالتے کہ ہکو جو کچھ کھانا میسر ہوتا ہے اس میں سے یہ بھی حصہ بٹا دیگی اور اگر لڑکا ہوتا تو تلوار سے ہمارا دم لگا رہوتا اور اس دختر کو پیٹ کا ٹکڑا کھلانے سے کیا فائدہ ہے پھر اگر عورت اپنے پیٹ میں نو مینے رکھنے سے یہ جرات نہ کرتی کہ اُسکو مار ڈالے اور رحم و شفقت کرتی تو اُسکا خبیث شوہر اسکو بہانے سے لیجا کر جنگل میں زندہ دفن کر دیتا اور یہی بے رحمی تھی کہ آدمی اسکا حال سننے سے بے چین ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے جسے زمانہ جہالت میں بار بار اپنی لڑکیاں مار ڈالی تھیں یہ پوچھا کہ بھلا کبھی تجھے انفس ہوا۔ اُس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے البتہ ایک مرتبہ

ابن کثیر نے کہا کہ یہ قول عجیب و غریب ہے اور بسن الم ابی داؤد میں روایت ہے کہ سمندر میں جہاز پر فقط وہی سوار ہو جو حج کو یا عمرہ کو جاتا ہو یا جہاد کو جاتا ہو اس واسطے کہ سمندر کے نیچے آگ ہو اور آگ کے نیچے سمندر ہو آخر تک حدیث مذکور ہو اور سورہ ناطر میں کلام گزر چکا ہو اور مجاہد حسن بن مسلم نے کہا کہ ہجرت یعنی (اودت) ہو یعنی آگ افروختہ کی جائیگی حسن بصریؒ نے کہا کہ خشک ہو گا صحاک و قتادہ رحمہ نے کہا کہ پانی جذب ہو کر ایک قطرہ نہیں رہیگا اور صحاک نے یہ بھی کہا کہ مہجور ہوگا یعنی چیر دیا جائیگا۔ ربیع بن خثیم نے کہا کہ جوش مارے گا (تفسیر ابن کثیر) تفسیر میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کھاری دیکھی سمندروں میں حجاب کھا ہو جب وہ دور کرے گا تو سمندروں کے پانی جوش مار کر ایک ہی میں خلط ہو جائیگے اور تمام زمین کو لے لینگے اور زمین ایک سمندر ہو جائیگی (السرر للخطیب) واضح ہو کہ یہ جہد علامتیں جو مذکور ہوئیں ان میں دو احتمال ہیں شاید دنیا خراب ہونے کے اول زمانہ میں واقع ہوں یا قیامت قائم ہونے کے بعد واقع ہوں اور کلام الہی میں کوئی ایسی بات نہیں پائی جاتی جس سے کسی ایک طرف رجحان ہو بر خلاف اسکے جو باتیں آئندہ مذکور ہیں وہ ضرور قیامت قائم ہونے کے بعد واقع ہوگی (کبیر الامام الرازی) خطیب نے لکھا کہ ابن عباسؓ نے کہا کہ دنیا میں بارہ چیزیں واقع ہونے والی ہیں اور آخرت میں چھ ہیں یعنی جو آئندہ مذکور ہیں بقولہ تعالیٰ **وَإِذَا النُّفُوسُ رُوِّجَتْ**۔ اور جب جانوں میں جوڑ ملا یا جائیگا ف یعنی ایک قسم کے نفوس باہم ملا دیے جائیں گے جیسے قولہ تعالیٰ **احشروا الذين ظلموا** دار و اہم۔ یعنی ملائکہ کو حکم ہوگا کہ ظالموں کو ان کے جوڑ کے ساتھ جمع کرو۔ ابن ابی حاتم نے اچھی سند کے ساتھ نجاش بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت میں فرمایا کہ ہر شخص اُس قوم میں ملا دیا جائیگا جو اُسی کے موافق عمل کرتے تھے اور بات یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وَنُفِخُ فِي سُرُورٍ** یعنی تم لوگ نین قسم کے جوڑ ہو جائو گے اصحابِ مینہ اور اصحابِ مشائمہ اور سابقون پس فرمایا کہ یہی اقسام ہیں۔ ابن ابی حاتم نے دوسرے راویوں سے نجاش بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے یہ آیت **إِذَا النُّفُوسُ رُوِّجَتْ** تلاوت فرمائی اور کہا کہ ہر شخص اپنے یاروں میں ملا دیا جائیگا اور فرمایا کہ دو شخص ہیں کہ دنیا میں عمل کیا کرتے ہیں خواہ اسکی وجہ سے جنت میں جاوینگے یا جہنم میں جاوینگے ایک ثابت ہیں ہر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نفوس کے جوڑے ملائے گا یہ حال ہوگا کہ مرد بدکار کو مرد بدکار کے ساتھ جہنم میں ڈالینگے اور مرد نیک کو نیک کے ساتھ ملا دینگے ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اصحاب سے فرمایا کہ **إِذَا النُّفُوسُ رُوِّجَتْ** کیا معنی ہیں انھوں نے سکوت کیا تو فرمایا کہ ہاں میں جانتا ہوں کہ آدمی جنتی اپنے مانند جنتی کے ساتھ کیا جائیگا اور آدمی جہنمی اپنے مانند جہنمی کے ساتھ ملا دیا جائیگا پھر یہ آیت پڑھی **احشروا الذين ظلموا** دار و اہم۔ عوفی نے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ **إِذَا النُّفُوسُ رُوِّجَتْ**۔ اُس وقت ہوگا جب تم لوگ ازواجِ ثلاثہ ہو جاؤ گے مترجم کہتا ہے یعنی اسکے یہ معنی ہیں کہ لوگوں کے تین اقسام علیحدہ علیحدہ کر دیے جائیں گے۔ یہ سب مومنین و مسلمین ہیں جو دائیں طرف جنت میں جانے والے ہیں اور سابقین کو الگ کر دے۔ یہ اولیاء کاملین مینہ کو الگ کر دے۔ یہ سب مومنین و مسلمین ہیں جو دائیں طرف جنت میں جانے والے ہیں اور سابقین کو الگ کر دے۔ ابن کثیر نے مجاہد سے اس کو بار متفقین ہیں۔ پس ہر شخص اپنے جوڑ میں ملا دیا جائیگا اور یہ معنی حدیث نجاش بن بشیرؓ میں مرفوع ثابت ہوئے ہیں۔ ابن کثیر نے مجاہد سے اس آیت میں روایت کی کہ ایک مثل کے لوگ آپس میں ملا دیے جائیں گے یہی ربیع بن خثیم حسن و قتادہ نے بیان کیا ہو اور اسی کو امام ابن جریر نے پسند کیا اور یہی تفسیر صحیح ہے (ابن کثیر) اور واضح ہو کہ بائیں طرف دے جمع بدکار اور جہنمی ہیں اور جہنمیوں میں بھی اقسام ہیں **احشروا الذين ظلموا** نے لکھا کہ حسن بصریؒ و قتادہ نے کہا کہ ہر شخص اپنی قسم میں ملا دیا جائیگا مثلاً یہودی کو یہودیوں میں ملا دینگے اور نصرانی کو نصرانیوں میں ملا دینگے مترجم کہتا ہے بلکہ یہودیوں میں مثلاً بہتر فرتے ہیں تو بہتر فرتے کو اُسکے فرتے کے ساتھ ملا دینگے اور واضح رہے کہ ہر فرتے میں بھی ہر شخص کے

اگ کر دیے جائیں گے رازیؒ نے لکھا کہ سحرت تبشید یہ جیم اور بدن تشدید دونوں فرائض آئی ہیں اور منور کو مسجور کرنا اسکو فروختہ کرنا۔ یہ بات ظاہر ہو کہ جس چیز کو جلتا ہوا فروختہ کیا جاوے تو اسکی رطوبت فنا ہو جاوے گی تو سمندرون میں ایسی حالت میں قطرہ پانی نہیں رہیگا پھر ہوا و نمل و روان کرنا مذکور ہوا تو اس سے سمندر پر ہو کر زمین کے برابر ہو جائیں گے اور اس صورت میں سمندر و زمین سب ایک مستوی میدان نہایت حرارت میں جلتا بلتا ہو جائیگا اور شاید یہ ہو کہ زمین نے جب سمندرون کا پانی چوس لیا تو اس کے بعد پھول کر اسقدر اونچی ہو کہ پہاڑوں کے برابر ہو جاوے اور شاید جب پہاڑ کو فتنہ و خاک کر دیے جاوے تو یہ خال جا کر پہاڑوں کی تہ میں گرے اور روئے زمین سمندرون کے برابر ہو کر سب جلتا بلتا سمندر ہو جاوے۔ یہ سب اس صورت میں کہ سحرت جلتا اور فروختہ کرنے کے معنی میں ہو۔ اور اگر سحرت بمعنی فحرت ہو یعنی شرم کرنا تو مطلب کہ کھاری و میٹھا سمندر مل جاوے گا اور بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کھاری و میٹھے میں پردہ حائل فرمایا ہے جب وہ دور کر دیا جاوے تو سب ایک ہی میں جو ہیں مارنے لگیں گے اور یہی کلی سے روایت ہو مترجم کتا ہو کہ بیان رازیؒ نے عجب قیاسات ذکر کیے اور ادہام فلاسفہ و علم کلام کی مشق سے ایسے ہی قیاسات جو ہم کرتے ہیں جنکی کچھ صلیت نہیں ہوتی ہے۔ کاش اگر یہ قیاس کیا ہوتا کہ سمندر نہایت حرارت سے گویا منور کی طرح مسجور ہو گا اور یہی جہنم کے لیے جیم پلانے کو ہو گا۔ پھر رازیؒ نے لکھا کہ قفالؒ نے کہا کہ سمندر فروختہ جلتا بلتا ہونے میں چند وجوہ ہیں (اول) یہ کہ جہنم کا وجود نیچے ہوا اور اس کے اثر سے ابھی یہ سمندر جلتے نہیں ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے باقی رہنے کی ایک مدت رکھی ہے جب وہ ختم ہوگی تو جہنم کی حرارت کا اثر ان سمندرون تک پہنچے گا جس سے یہ سب جلتے لگیں گے (دوم) آفتاب وغیرہ سمندرون میں ڈالے جاوے گا تو جلتے لگیں گے (سوم) یہ کہ اللہ تعالیٰ ان سمندرون کے نیچے ایسی سخت آگ پیدا کر دے جس سے جلتے لگیں۔ یہ سب قفالؒ کا قول ہے رازیؒ نے کہا کہ آخر ان سب تحلفات کی کیا ضرورت ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ قادر ذوالجلال میں جب یہ قدرت ہو کہ اُسے دنیا کو خراب کیا اور قیامت قائم کی تو اسکو ضرور یہ قدرت ہو کہ سمندرون کے حق میں جو چاہے حکم دے چاہے کہ پانی جلتے لگے یا یہ کہ سب پانی بدل کر آگ ہو جاوے مترجم کتا ہو کہ رازی رحمہ اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ مغفرت کے ساتھ جزاے خیر عطا فرماوے بیشک یہی بات ہو کہ سب یہ باتیں تو حضرت ذوالجلال والا کرام کے حکم پر ہیں پھر کسی قسم کی وجہیں تلاش کرنا کس طرح بھٹک ہو بلکہ حق یہ کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے فوراً واقع ہو اور جیسے عصائے موسیٰ بدل کر اژدہا کر دیا تھا اسی طرح سمندرون کا پانی بدل کر آگ کر دے اُس میں سب قدرت ہو بلکہ یہ تو اسکی قدرت کے کمتر افعال ہیں اور اسکی عظمت و مقدس صفت میں عقل و تخیر و عاجز ہو و ہوا البکیر المتعال۔ اور شیخ ابن کثیرؒ نے لکھا کہ ابن جریر بن یعقوب لدور فی عن ابن علیہ مسند کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی سے فرمایا کہ بھلا تو جانتا ہو کہ جہنم کہاں ہے اُسے کہ سمندر ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ میں یہی رائے رکھتا ہوں کہ اسے سچ کہا اور قولہ تعالیٰ والجر للسرور آد قولہ اذا البجار سحرت پڑھو یا مترجم کتا ہو کہ اسناد صحیح ہو سب راوی صحیحین کے رواۃ ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہوا سے دہور (بچھپاؤ) بھیجے گا جس سے سمندر آگ ہو کر لپٹیں مارنے لگے گا مترجم کتا ہو کہ اگر کہا جاوے کہ قفالؒ کی طرح دیکھو ابن عباسؓ نے وجہ بیان کی (جواب) نہیں بلکہ ابن عباسؓ نے علم سے صورت واقعہ بیان کی ہے اور فرق یہ کہ قفالؒ نے قیاس جو اس کے موافق اُسکی علت تلاش کی اور حضرت ابن عباسؓ کے قول میں یہ بات نہیں ہے اس لیے کہ بادلوں پر اگرچہ سہمی ہو لیکن اُس میں یہ خاصیت جو اس سے کبھی نہیں معلوم ہوئی کہ پانی میں آگ لگا دے قال ابن ابی حاتم حدثنا علی بن الحسن بن جندیہ حدثنا ابو الطاہر حدثنی عبد الجبار بن سلیمان النفاط شیخ صالح الشیبہ قالک بن النس عن معاویہ بن سعید قال ان ہذا البحر الخ۔ معاویہ بن سعید نے جو کہا با تملع تابعین سے ہیں کہا کہ یہ سمندر یعنی بحر الروم بطور حوض کے وسط زمین میں واقع ہے اور سب دریاہیں گرتے ہیں اور بڑا سمندر بھی اسی میں گرا ہوا اور اسکے نیچے کنوئیں تانبے کے بند ہیں پھر جب قیامت کا دن ہو گا تو آگ کی طرح فروختہ کر دیا جائیگا

اور جب وحشی جانوروں کے غول اٹھائے جا دیئے فاسین دو احتمال ہیں (ایک) یہ کہ زندہ کر کے اٹھائے جاویئے (دوم) یہ کہ غول کے غول ادھر ادھر بجائے ہوئے آدمیوں میں مختلط ہو جاویئے کیونکہ ان پر بھی عبرت و دہشت طاری ہوگی اور درندے اپنا ظلم بھول جاویئے اور چرندے اُسے اپنی جان کا خطرہ بھولینگے کیونکہ جو منظر سامنے ہوگا وہ نہایت ہولناک ہوگا امام ابن کثیر وغیرہ نے لکھا کہ (حشر) نے جمع کیے جاویئے ابن عباسؓ نے کہا کہ ہر چیز زندہ کر کے حشر کی جگہ پر لے کر رکھیا جائے گی (رواہ ابن ابی حاتم) یہی قول ربیع بن خثیم وغیرہ نے بیان کیا ہے اور قتادہؓ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ ان جانوروں کے بارہ بین اللہ تعالیٰ جو کچھ چاہے گا حکم فرماویگا۔ عکرمہؓ نے کہا کہ ان جانوروں کا حشر یہ ہے کہ مردہ کر دیے جاویں گے مترجم کہتا ہے کہ آیت میں صریح ہے کہ ان جانوروں کے لیے آدمیوں کی طرح حشر و لقولہ تعالیٰ مامن داتہ فی الارض دلائل لطیفہ الایہ۔ یعنی یہ حیوانات بھی تمھاری طرح امتیں ہیں اور ہم نے لکھنے میں کچھ کمی نہیں کی ہے پھر تم سب اپنے رب کی جانب حشر کیے جاؤ گے۔ ہ۔ پس قول عکرمہؓ کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ ان حیوانات کو موت دیدینا بھی انکا حشر کرنا ہوگا کیونکہ یہ آیت کے خلاف بلکہ زبان عرب کے خلاف ہے بلکہ اس قول سے عکرمہؓ کی مراد یہ ہے کہ ان جانوروں کو حشر کر کے بعد فیصلہ کے حکم ہوگا کہ خاک ہو جاؤ۔ یعنی انکے لیے جہنم یا جنت نہیں ہے بلکہ انکے حشر کرنے کا انجام موت ہے اور دلیل پر روایت ابن جریرؓ جو نقال ابن جریرؓ حدیثنا علی بن مسلم الطوسی حدیثنا عباد بن العوام حدیثنا حمین عن عکرمہ عن ابن عباسؓ فی قولہ اذا الوحوش حشرت قال حشر الہائم موتھا وحشر کل شیء الموت غیر ان و لا انس فانھا یوقن ان یوم القیامتہ۔ یعنی ابن عباسؓ نے اس آیت میں کہا کہ ہائم کا حشر کرنا موت ہے اور ہر چیز کا حشر کرنا موت ہے سو اسے جن دنوں کے کہ یہ دونوں فریق قیامت کے روز کھڑے رکھے جاویں گے مترجم کہتا ہے کہ یہ اسناد صحیح ہیں اور شاید اسکے وہی معنی ہیں جو میں نے اوپر بیان کیے۔ پھر ابن جریرؓ نے ابو کریمؓ سے اسناد صحیح روایت کیا کہ ربیع بن خثیم نے اس آیت میں کہا کہ وحوش پر حکم الہی آیا۔ اسکو راوی نے عکرمہؓ سے ذکر کیا تو عکرمہؓ نے کہا کہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ وحوش کا حشر کرنا موت ہے مترجم کہتا ہے کہ اس روایت کے بھی وہی معنی ہو سکتے ہیں واللہ تعالیٰ اعلم اور سابق میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے بیان سے معلوم ہوا کہ اذا الوحوش حشرت یعنی جب وحوش باہم مختلط ہو جاویں گے یعنی مجموعہ مختلط ملط ہونگے امام ابن جریرؓ نے کہا کہ ان روایات میں ادلی وارجح اسکا قول ہے جس نے کہا کہ حشر یعنی مجموعہ کرنے کے ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا والطر محشورہ یعنی مجموعہ (تفسیر ابن کثیر) خلاصہ یہ کہ قول ابی بن کعبؓ راجح ہے اور شیخ ابوالسعودؒ نے قتادہؓ سے نقل کیا کہ ہر چیز حشر کی جگہ پر لے کر رکھیا جائے گی زندہ کر کے محشر ہوگی اور جب ان میں فیصلہ ہو جائیگا تو خاک کر دی جاویں گی ان میں سے کچھ باقی نہ رہیگا۔ سوائے اسکے جسکی صورت وغیرہ سے آدمیوں کو خوشی ہوتی ہے جیسے طاؤس وغیرہ۔ ہ۔ یہی خطیبؒ نے لکھا ہے امام رازیؒ نے کہا کہ محشر کا قول یہ ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ہر قسم کے حیوانات کو سب کو محشر فرماویگا تاکہ دنیا میں انکو جو دکھ و رو ہو چکا ہو اسکا عوض دے پھر جب انکو یہ عوض ہو چکا ہوگا تو اُسکے بعد اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ بعضے کو بصورت جانوروں کو جنت میں باقی رکھے اور جنکو چاہے فنا کر دے جیسا کہ روایات میں آیا ہے امام رازیؒ نے کہا کہ ہمارے علماء کے نزدیک اللہ تعالیٰ پر کسی کا حق نہیں ہے لیکن بعد فیصلہ خلافت کے حکم فرماویگا کہ ہر جانور پس یہ سب جاویں گے (تفسیر کبیر) مترجم کہتا ہے کہ حدیث میں ہے کہ ہر موزی فی النار یعنی ہر موزی فی النار ہے سیدوطیؒ وغیرہ نے کہا کہ اسکے دو معنی ہو سکتے ہیں (ایک) یہ کہ دنیا میں جو موزی تھا وہ جہنم میں ڈالا جاویگا (دوم) یہ کہ جہنم میں ہر ایسی چیز موجود ہوگی جو ایدائینہ والی ہو مثلاً وہاں سانپ بچھو وغیرہ موجود ہونگے مترجم کہتا ہے کہ اس سے یہ لازم نہیں ہے کہ یہی سانپ بچھو ہوں بلکہ آخرت کے جنسی سانپ وغیرہ ہو سکتے ہیں اور انکے سخت زہر اور درد الم وغیرہ کا ذکر بھی حدیث میں آیا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ واذا الیجار حشرت۔ اور جب سمندر سحر کیے جا دیئے ف یعنی جلتی پلتی

یہ تو درحقیقت قیامت کا پورا نمونہ بھی نہیں تھا حالانکہ عشار معطل کرتے تھے تو قیاس کرنا چاہیے کہ جس قیامت کے لیے نمونہ مذکور ایک علامت تھا اس وقت کس ہول و دہشت کے ساتھ غافل ہو کر عشار معطل ہونگے ابن کثیرؒ نے لکھا کہ عشار کی تفسیر میں دوسرا قول یہ کہا گیا کہ عشار سے مراد بادل ہیں جو دنیا حزاب ہونے کی وجہ سے آسمان و زمین کے بیچ میں روان ہونے سے معطل ہونگے (ع) رازیؒ نے کہا کہ عشار کنایہ صحاب سے ہوا جو پانی سے معطل ہیں اور یہ اگرچہ مجازی معنی ہیں لیکن اوپر کی چیزوں سے زیادہ مشابہہ ہی لینی اور پرتاب و نجوم و پہاڑ کی بربادی مذکور ہو اور عشار سے بادل کی بیکاری بیان کی گئی اور عرب کے لوگ بادل کو حاملہ جانور سے تشبیہ دیتے ہیں چنانچہ قولہ تعالیٰ فاحملوا و قولہ لا یہ بین موجود ہو لیکن یہاں مشہور تفسیر یہ ہے کہ عشار سے ناقہ عشار اور دہن اور مترجم کہتا ہے کہ ایک بات یہ بھی ہو کہ بادل مریوینے میں یہ معنی ہوئے کہ بادل پانی سے خالی ہونگے تو وہم ہوگا کہ بادل موجود ہونگے لیکن پانی سے خالی ہونگے اور یہی عوام کا خیال ہو اگرچہ ذی علم لوگ جانتے ہیں کہ وہی پانی ہی ہے۔ ہاں اگر یہ کہا جاوے کہ آسمان و زمین کے درمیان روان ہونے سے معطل ہونگے جیسے ابن کثیرؒ نے لکھا ہے تو بہتر ہے۔ اگر کہا جاوے کہ ناقہ عشار معطل ہونے کی اسوقت کیا صورت ہوگی (جواب) میں خطیبؒ نے لکھا کہ یہ بطور مثل کے ہے کیونکہ قیامت میں ناقہ عشار نہیں ہونگے تو معنی یہ ہیں کہ قیامت ایسی ہوناک ہو کہ اگر مثلاً اسوقت کیسے پاس عشار اور اونٹنی ہوتی جو بہت عزیز ہوا کرتی ہے تو وہ اسکو بھی معطل چھوڑتا اور اپنی جان کی فکر میں پڑ جاتا (السرارج) میں کہتا ہوں کہ خطیبؒ نے اس معاملہ کو دوسری بار تصور چھوٹے جانے کے بعد قرار دیا اس لیے کہ اگر اول ہی مرتبہ صور میں ایسا ہوتا لیا جاوے کہ آسمان و آفتاب و ستارے سب باطل ہوں تو یہ حدیث صحیح کے خلاف پڑے گی۔ حسین مذکور ہے کہ جب سب مرجاویں گے تو اللہ تعالیٰ آسمان سے بکثرت پانی نازل فرماوے گا اور قدرت الہیہ سے زمین کے اندر قبروں کے اجسام سطح اُگنیے جیسے دانہ اُگتا ہے اور زرخیزی وغیرہ نے بھی کہا کہ بظاہر مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب زمین سے مردے اُٹھیں اُس کے بعد عالم خراب ہوتا کہ اُنکو دنیا کا فنا ہونا معلوم ہو مترجم کہتا ہے کہ آیت قدسیٰ میں بھی آیا ہے کہ جب کفار زندہ ہو کر اُٹھیں گے اور اسوقت ہولناک منظر ظاہر ہوگا تو کہنے والے کہیں گے کہ ہذا ما وعد الرحمن وصدق المرسلون۔ یعنی یہ وہی ہے جسکا ہمارے الرحمن نے وعدہ دیا تھا اور رسولوں نے سچ کہا تھا۔ ہ۔ یہ کہنے والے اگر مومنین ہیں تو اقرار کے ساتھ کافروں کو سنا تا بھی ہو اور شاید خود کفار اسوقت اقرار کریں بہر حال آسمان وغیرہ کا فانی ہونا اگر دوسرے نسخہ تصور کے بعد ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ناقہ عشار کا معطل کرنا بھی اُسی وقت ہو اس لیے کہ نسخہ اول بھی قیامت میں شمار ہے اگرچہ مردوں کا زندہ ہو کر اُٹھنا دوسرے نسخہ پر ہو گا جو دراصل قیامت ہے اور اللہ تعالیٰ نے سورہ النازعات وغیرہ میں اول نسخہ سے قیامت ہی میں شمار کیا ہے اور شیخ ابوالسعودؒ نے کہا کہ قولہ تعالیٰ اذا الجبال سیرت۔ یہاں پہاڑوں کے روان کرنے سے مراد یہ کہ لرزہ کی وجہ سے اپنی جگہوں سے زائل کر دیے جادیں اور یہ مطلب نہیں ہے کہ جو ف درمیانی میں روان کیے جاوین کیونکہ یہ معاملہ تو دوسرے نسخہ کے بعد ہوگا۔ ہ۔ اس عبارت سے ظاہر ہے کہ یہاں جو حالت مذکور ہے وہ اول ہی نسخہ کے وقت ہوگی اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ وغیرہ سے اوپر روایت گری کہ پہلے نسخہ تصور سے جن لوگوں پر قیامت قائم ہوگی اُن لوگوں کا یہ حال ہوگا کہ عشار کو معطل چھوڑینگے واللہ تعالیٰ علم ابن کثیرؒ نے کہا کہ عشار سے بعض کے نزدیک وہ زمین مراد ہے جس سے دسواں حصہ عشار لیا جاتا ہے اقول یعنی وہ زمینیں جن سے دہاگی وصول کرتے تھے آج وہ خالی بیکار پڑی ہوگی اور بعض نے کہا کہ عشار وہ دیا (ربستیان) ہیں جن میں رہا کرتے تھے جب معدوم ہوئے تو گھربار اُجاڑ خالی پڑے رہے ان سب اقوال کو قرطبیؒ نے مذکورہ میں ذکر کیا اور بعد اسکے کہا کہ راجح قول یہ ہے کہ عشار اونٹنیاں ہیں اور کہا کہ یہی اکثر علماء کا قول ہے ابن کثیرؒ نے کہا بلکہ سلف صحابین و ائمہ علماء سے سوائے اس قول کے دوسرا قول ہی معلوم نہیں ہوا واللہ تعالیٰ اعلم۔ **وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ**

کو دنیا کی آرائش سے دی ہیں۔ مگر تو مجھے اللہ تعالیٰ نے ایسی چیزوں پر نظر کرنے سے منع کر دیا ہے مترجم کتاہی کہ آیت کا ظاہر سیاق تو یہ تھا کہ اگر ہم نے ان کافروں کو دنیاوی آرائش کی چیزیں عطا فرمائی ہیں تو ان چیزوں کی طرف اپنی نظر نہ اٹھاؤ کہ ان بدکاروں کو یہ نفائس کیوں دیے گئے ہیں اگر یہ اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں کیونکہ یہ چیزیں ان کے لیے جنت کا عوض ہیں اور جنت کے مقابلے میں انکی حقیقت سے اس قدر بھی نہیں ہے جیسے دنیا میں مجھ کا ہر گرا پڑا ہوتا ہے اسکو کوئی نہیں لینا کیونکہ بہت بیکار و حقیر ہے پھر اگر یہ چیزیں انکو دی گئی ہیں تو کسی قابل نہیں ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مانجیت کو معلوم پر حمل کیا اور اگر یہ حدیث ثبوت ہو تو دلیل ہے کہ شریعت میں جو احکام ہیں وہ عام ہیں جب تک تخصیص کے واسطے دلیل نہ ہو مگر اسٹارہ شاید یہ بھی ہو گا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کے حق میں ایسا خیال فرماتے تو حق سبحانہ تعالیٰ اپنے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مال دور کرنے کو کافروں کے لیے محتاجی رکھتا جیسے موسیٰ علیہ السلام نے فرعونوں پر بددعا کی تو ان کے اموال مسخ کر دیے گئے لیکن وہ فقط ایک قوم خاص کے حق میں تھا جنہوں نے بنی اسرائیل کو اولاد قتل کرنے وغیرہ سے دکھ دیا تھا اور خون کا عوض بہت کثیر تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تمام جہان کے واسطے عام ہے تو سب جہان کے کفار فقیر محتاج ہو جاتے اور ایمان مقدس تو دنیا بھی نہ پاتے جس کے لیے آخرت چھوڑی پھر آخرت میں عذاب الیم ہوا سیلے آپ کی نظر اس سے اٹھا دی اور اس آیت کے نور سے تسکین بخشی واللہ تعالیٰ باعمل یہ معلوم ہوا کہ عشار کے نزدیک بہت نفیس مال ہیں اور یہاں اونٹ کے قسم سے مادہ عشار مرد ہیں ابن کثیر نے لکھا کہ مجاہد و عکرمہ نے کہا کہ العشار یعنی اونٹوں میں سے عشار مجاہد نے کہا کہ عطلت۔ یعنی چھوڑ دی جاوے گی کہ جہاں جا ہیں جادین۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ وضع کر کے یہ معنی کر کے مالک انکو مہل چھوڑ دیں گے مترجم کتاہی کہ دونوں تفسیروں میں فرق یہ ہے کہ قول مجاہد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عشار کے مالک انکو کھول دیں گے کہ چاہے جہاں چلی جادین اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ لوگ اس ہول و دہشت میں ہونگے کہ انکو ایسے نفیس مالوں کی طرف خیال نہ جاوے گا بلکہ مہل بڑی ہونگی چاہے مہل یا چلی جادین ربیع بن خثیم نے کہا یعنی کوئی انکو کوئی دوپٹے والا اور حق بن ابی ہشام نے والا انکو گالوں کے لیے بردا ہو جائیگا۔ ضحاک نے یہ بھی روایت ہے کہ عطلت یعنی بے چارہ ہے چھوڑی جائیگی۔ ان سب روایات کے محالی قریب قریب ہیں اور مقصود یہ ہے کہ عشار جو عمدہ اونٹنی ہو اور حاملہ ہو جس کے حمل کو دس مہینے گزر چکے ہوں اس وقت سے خنہ تک اسکا نام عشار ہے تو ان نفائس کو چھوڑ دیں گے اور غافل ہو جائیں گے نہ اسکی کفالت کریں اور نہ اُس سے نفع اٹھا دیں حالانکہ اس ہولناک منظر کے ظاہر ہونے سے پہلے بہت رغبت سے عشار کو چاہتے تھے اور قیامت کے ہنوز آثار ظاہر ہوئے ہیں (تفسیر ابن کثیر) مترجم کتاہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مبعوث ہوئے ان ایام میں شیاطین کے مارنے اور دفع کرنا انتظام آسمان پر سخت ہو گیا حالانکہ اس سے پہلے تمام شیاطین ہر طرف آسمان کے نیچے بٹھکے ملا لگے سے باتیں سن کر کاهنوں کے کان میں کوک دیتے اور وہ لوگوں کو بتلاتے تو لوگ انکی غیب جاننے کا اعتقاد کر کے گمراہ ہو جاتے اور یہی شیاطین کا مطلب تھا کہ ہمارے ساتھ ہوں۔ جب آپ کی بعثت ہوئی اور قرآن مجید آسمان پر اتارا گیا تو شیاطین نے معمول کے موافق اپنے اپنے ٹھکانے پر بیٹھے اور بیکام ملا لگے انکو شہاب ثاقب مارنے شروع کیے اور ہر طرف سے ان پر بوجھا رہے ہوئے لگی تو تمام آسمان میں سناروں کے ٹوٹنے کی کیفیت چھائی ہوئی تھی اُس رات شیاطین مارے گئے اور کچھ بچ کر بھاگے اور یہ حق اسکو اتفاقی بات سمجھے اور دوسری رات پھر گئے اور سطح ملک سختی و سختی کے ساتھ مارے گئے اور اس طرح تیسری رات بہت ہی شدت سے مارے گئے۔ یہ حالت دیکھ کر ملائکہ کے لوگوں نے ہول و خوف سے اپنے عشار چھوڑنے شروع کیے اور فلام آزاد کرنے لگے اور سمجھے کہ اب آسمان کے آثار گرتے ہیں اور آخر آسمان گر پڑیگا اور اب دنیا برباد ہو جائیگی اور آپ میں مل کر رخصت ہونے لگے چنانچہ سورہ جن میں انکی تفصیل گزر چکی ہے

اور دونوں خلط ملط ہو گئے اور چوہائے ورنڈے وچرند پرند سب خلط ملط ہو گئے چنانچہ فرمایا اذالوا حوش حشرات۔ وحشی جانور حشرات کے
جاوینگے یعنی گردہ ہاگردہ جن انسان میں خلط ملط ہو جائیگے اور قولہ واذالوا العشار عطلت۔ نزدیک جینے والی اونٹنیاں معطل چھوڑی جاوے گی
یعنی انکے مالک انکو مصل چھوڑ دیں گے۔ واذالوا البحار سحرت۔ اور سمندر جلعتی اگ کر دیے جائیں گے اسوقت میں جن کہیں گے کہ اچھا ہم تمہارے لیے دور
در سے خبر لاتے ہیں پس جن دور کر سمندرون تک پہنچیں گے۔ سمندرون کو دیکھیں گے کہ وہ خوب جلعتی ہوئی اگ ہو اور پسین اڑتی ہیں۔ یہ دیکھ کر
بھاگینگے اور آدمیوں کو خبر کرینگے پھر اسی حالت میں خوفناک ہو گئے کہ ناگاہ زمین ایکبارگی اوپر سے ساتویں زمین تک شق ہو جائیگی ام
ایک ایک آسمان ساتویں تک شق ہو جائیگے اور یہ لوگ شدت خوف میں بیہوش ہو کر قریب ہو گئے کہ یکایک ایک ہوا آدگی اور سب کو
مردہ کر دیگی اس قول کو ابن جریر نے اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے اور ابن ابی حاتم نے اس کے بعض حصہ کو روایت کیا ہے مترجم کہتا ہے کہ امام ابن کثیر
نے اس روایت میں کچھ کلام نہیں کیا حالانکہ یہ روایت غریب ہے لیکن اس کے واسطے شواہد موجود ہیں جیسے حدیث نبیاست بدتر مخلوق بر قاتم
ہوگی اور حدیث الصور اس سے قوی ہے واللہ اعلم۔ بالجمہان روایات سے یہ معلوم ہوا کہ اذالوا حوش حشرات کے معنی یہ ہیں کہ جب ستارے بکھر
جاوینگے۔ یہی حضرت عیادہ و ربیع بن خثیم و حسن بصری و ابو صالح و حماد بن ابی سلیمان و ضحاک وغیرہ تابعین نے تفسیر بیان کی ہے اور علی بن ابی
نے ابن عباس سے روایت کی کہ انکدرت امی تغیرت یعنی جسوقت ستارے متغیر ہو جائیں گے اقول شاید یہ مراد ہو کہ انکا نور مٹ جاوے گا۔ اور
یزید بن ابی مریم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مرسل روایت کی کہ ستارے جہنم میں منکدر ہو گئے اور سوائے اللہ تعالیٰ کے جس چیز کی پوجا
کی گئی وہ سب چیزیں جہنم میں ڈالی جاوے گی سوائے ایک چیز کے کہ وہ عیسیٰ ابن مریم و انکی ماں ہیں اور اگر یہ دونوں راضی ہوتے کہ انکی پوجا
کی جاوے تو یہ بھی جہنم میں ڈالے جاتے۔ اس حدیث کو ابن ابی حاتم نے باسناد سابق روایت کیا ہے (تفسیر ابن کثیر) رازی نے علماء سے اور
خطیب نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ ستارے آسمان وزمین کے درمیان قندیلین لٹکتی ہیں اور نور کی پریچروں سے بندھی ہیں اور یہ پریچرین فرشتوں
کے ہاتھ میں ہیں پھر جب زمین والے سب جاوینگے اور آسمان والے سب جاوینگے تو ان قندیلوں کا تھانہ والا کوئی نہیں رہیگا پس یہ قندیلین زمین پر گر پڑیں گی
۔ مترجم کہتا ہے کہ یہ روایت ثابت نہیں ہے اور بنائیو لے نے اپنی سمجھ کے موافق اس روایت کو بنا کر عطا ریا ابن عباس کی طرف نسبت کر دیا ہے اور اللہ
تعالیٰ نے قرآن مجید میں ستاروں سے آسمان دنیا کی زینت بیان فرمائی ہے اور یہ مقامات ہیں جہاں شباطین کی گئی کش نہیں ہو فافہم و اذالوا
الجمال سیئرت۔ اور جب پہاڑ وان کر دیے جاوینگے ف خطیب نے کہا یعنی روے زمین سے دور کر کے شامعی ذرے کر دیے
جاوینگے اور روے زمین صاف میدان مستوی چھوڑ دی جاوے گی۔ س۔ امام ابن کثیر نے لکھا کہ یعنی اپنی جگہ سے زائل کر دیے جاوینگے پھر ذرہ
ہوائی کر دیے جاوینگے لہذا عبارت ہتر ہے کیونکہ سابق میں گزر چکا کہ پہاڑ وان کیے جاوینگے حالانکہ لوگوں کا یہ گمان ہوگا کہ وہ اپنی جگہ قائم ہیں
پھر انکو کو فتنہ دریزہ کر کے ہوائ میں اڑا دیا جاوے گا۔ واذالوا العشار عطلت۔ اور جب عشار معطل کی جاوے گی ف رازی خطیب
وغیرہ نے لکھا کہ عشار جمع عشر ہے وہ ناقہ (اونٹنی) جسکے گاہر کو دس مہینے گزر گئے ہوں پھر اسوقت سے سال تمام ہونے تک اسکا نام عشار
رکھتے ہیں اور سال تمام پر وہ بنتی ہے اور وہ اپنے مالکوں کے نزدیک بہت نفیس مال ہوتا ہے چنانچہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
اپنے اصحاب کے ساتھ ایک طرف گزرے جہاں عشر اور اونٹنیاں جمع تھیں تو انکی طرف سے آنکھ بند کر لی پس آپ سے عرض کیا گیا
کہ آپ اسکو دیکھنے سے کراہت فرماتے ہیں حالانکہ یہی ہم لوگوں کے نزدیک بہت نفیس مال ہے تو کیا ہم اسکو بوجہ آپ کی کراہت کے حق کرین
آپنے فرمایا کہ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا۔ ولا تمدن عینیک الا یہ۔ تو اپنی آنکھیں ان چیزوں کی طرف دراز نہ کیجو جو ہم نے ان لوگوں

اول قصہ ذوالقرنین کا بیان یہ ہے کہ ذوالقرنین اس زمین کی جانب مغرب میں ایسی انتہا کو پہنچ گیا کہ اُس کے آگے چلتا مکن نہ تھا اس لیے کہ آئندہ دلدل تھی اور غروب کے وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آفتاب گویا دلدل کے اندر گھسا جاتا ہو اور معاملہ واقعی سی جیسے میدان میں بہ معلوم ہوتا ہو کہ آسمان گویا جھک کر ان درختوں کی جو نیون پر رک گیا ہو اور مغربی پہاڑ میں گویا ڈوبا جاتا ہو۔ یہ معنی محاذِ مجازی بلکہ بین کیونکہ یہ بات بدیہی معلوم ہے کہ آفتاب آسمان پر گردش کرتا ہو۔ اور حدیث میں اور آیات میں صریح بیان ہے اور حدیث میں صریح مذکور ہے کہ زمین سے آسمان کی دوری پانچ سو برس کی راہ ہے تو صریح ہے کہ زمین سے آفتاب بھی پانچ سو برس کی دوری پر ہے پھر جس امت نے ایسے خلاف معنی بیان کیے وہ آدمیت کا دماغ بھی نہیں رکھتا ہے دوم آفتاب کا سمندر میں غرق کیا جانا اس کا فتنے اپنی حماقت کے طریقے سے خیال کیا اور اُسکو لازم تھا کہ اسکی کیفیت دریافت کرتا یا کلام عربی سمجھنے کی لیاقت پیدا کرتا کیونکہ (مذکور) مذکور ہے اور تذکرہ کے معنی لپیٹ دینے کے ہیں اور جب لپیٹ دیا گیا تو حبان چاہے ڈالا جاوے علاوہ اسکے حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت ہے کہ آفتاب مکور کر کے جہنم میں ڈالا جاوے گا اور یہ سمندر میں ڈالے جانے کی روایت بعض علماء سے منقول ہے تفسیر شیخ ابن کثیر میں ہے کہ ابن ابی حاتم نے باسناد موصول بہم روایت کیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت میں کہا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز آفتاب و ماہتاب و ستاروں کو سمندر میں لپیٹ کر ڈالے گا اور اللہ تعالیٰ ہوا سے دبور (بھجپاؤ جن میں آتشیں جزد ہوتا ہی) بھیگیگا جو سمندر کو جوش مارنے والی آگ بنا دیگی۔ - - - یہ قول عام شیعہ ہے نقل کیا گیا ہے ابن ابی حاتم نے کہا کہ حدیثنا ابی حاتم ابو صالح حدیث معاویہ بن صالح عن ابن یزید بن ابی مریم عن امیہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الخ۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آفتاب جہنم میں مکور کیا جاوے گا مترجم کتاب ہے کہ اسناد سب نقات ہیں لیکن ابن یزید بن ابی مریم کا حال نہیں معلوم ہے اور یزید بن ابی مریم ضعیف التالیی ہیں تو اسناد مرسل ہے لیکن نسبت اسناد قول ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بتدریج شد علم ابو لیل الحافظ نے اپنی کتاب میں حدیث انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کیا کہ آفتاب و ماہتاب جوڑ یا بیل جہنم میں ہونگے اسکی اسناد میں درست بن زیاد اور یزید الرقاشی دونوں ضعیف ہیں اور صحیح حدیث وہ ہے جو بخاری نے حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز آفتاب و ماہتاب مکور کیے جاوینگے۔ - - - حافظ ابو بکر نے حدیث ابو سعید روایت کیا کہ عبداللہ الداناج نے کہا کہ خالد بن عبد اللہ القشیری جب عراق پر حاکم تھا تو اُس کے زمانہ میں ہی کو فتنی مسجد میں ہیں نے ابو سلمہ بن عبد الرحمن سے سنا کہ انھوں نے حدیث روایت کی اور سن کر اُن کے پاس بیٹھ گئے تھے پس ابو سلمہ نے کہا کہ مجھے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ قیامت کے روز آفتاب و ماہتاب جہنم میں دو بیل ہونگے جن نے پسنگر کہا کہ ان دونوں کا کیا گناہ ہے تو ابو سلمہ غصہ ہو گئے کہ میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تو کہتا ہے کہ ان دونوں کا گناہ کیا ہے۔ بزار نے کہا کہ یہ حدیث اسی طریقہ اسناد سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی جاتی ہے۔ بخاری نے بھی اسی طریقہ سے روایت کی ہے مترجم کتاب ہے کہ حسن جو اس روایت میں مذکور ہیں حسن کو فی ہن اور رازی نے انکو حسن بصری خیال کر کے بجائے مسجد کوفہ کے مسجد بصرہ کا لفظ بدل دیا اور یہ غلطی ہے۔ - - - وَ إِذَا الْجُودُ أَنْكَدَارَتْ - اور جب تارے بکھر جاوینگے ف جیسے قولہ تعالیٰ وَ إِذَا الْكُوكَبُ انْتَشَرَتْ۔ یعنی بجائے انگڈرٹ کے انتشرت۔ صاف ہے کہ بکھر جاوینگے۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ چھ ملاستین قیامت سے پہلے ہونگی اپنے مردے زندہ کیے جانے سے پہلے ظاہر ہونگی، بیان یہ ہے کہ لوگ اپنی بازاروں میں خرید فروخت میں مشغول ہونگے کہ ناگاہ آفتاب کی روشنی جاتی رہیگی پھر لوگ اسی گھبراہٹ میں خوفناک ہونگے کہ ناگاہ سارے بکھر نکلینگے۔ پھر زبا دہ ہول و خوف میں ہونگے کہ ناگاہ پہاڑ اکھڑتے زمین پر گرے لگیں پس اسوقت لرزہ و اضطراب پیدا ہوگا اور اسوقت جن گھبرا کر آدمیوں کی طرف آوینگے اور آدمی گھبرا کر جنوں سے مل جاوینگے

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ - جب آفتاب کھوکھلا جائیگا رازیؒ نے کبیر بن لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے بارہ چیزیں بیان فرمائیں ان میں سے پہلی سب سے اول یہ کہ جب آفتاب کھوکھلا ہو جائے۔ اور باقی اسکے بعد مذکور ہیں اور معنی یہ کہ جب یہ بارہ چیزیں واقع ہونگی تو علمت نفس باحضرت توبہ نفس نے جو کچھ حاضر کیا تھا وہ جان جاوے گا یعنی اُس روز آدمی کو اپنے اعتقاد و اعمال کا حال معلوم ہو جائیگا کہ اُسے دنیا میں کیا کیا تھا اور اُسکی کمائی حنت میں ہو یا جہنم میں ہو اور جہان اسکی کمائی ہو دینی اسکا وطن دائمی ہو۔ کھوکھلا کر دیا گیا اور اسکی تفسیر میں اقوال ہیں اور آیات و احادیث سے صریح معلوم ہے کہ آفتاب بے نور کر کے جہنم میں ڈال دیا جائیگا اور ایسے ساغدا ہشتاب ہوگا شیخ ابن کثیرؒ نے کہا کہ علی بن ابی طلحہ نے ابی عیسیٰ سے روایت کی کہ کورت یعنی دور کر دیا جائیگا مجاہدؒ نے کہا یعنی مضحل اور دور کر دیا جائیگا۔ یہی ضحاکؒ کا قول ہے۔ قتادہؒ نے کہا یعنی اُسکی روشنی جاتی رہے گی۔ سعید بن جبیرؒ نے کہا یعنی غار میں ڈال دیا جائیگا۔ ربیع بن خثیمؒ نے کہا یعنی اُسکو پھینک دیا جائیگا اور ایسے مانند ابوصالح سے روایت ہے۔ زہد بن اسلمؒ نے کہا کہ زمین میں گر دیا جائیگا مترجم کہتا ہے اس قول کے معنی یہ ہیں کہ پستی میں زمین کی جانب گر دیا جائیگا اور یہ قول شاید اس روایت سے نکلا گیا ہو کہ ہمسند جہنم سے ہیں چنانچہ آگے آیت میں آتا ہے اور آفتاب بھی جہنم میں ڈالا جائیگا تو اس سے نکلا کہ وہ زمین میں ڈال دیا جائیگا لیکن ہمسند کے جہنم کا جرد ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آفتاب ہمسند میں غرق کیا جاوے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ آفتاب میں سے بڑا ہو لیکن اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہو کہ وہ جہنم کے اسی جزیر میں غرق ہو تو وہ لپیٹ کر چھوٹا کر دیا جائیگا کیونکہ کھوکھلا کر دینا جیسے حمامہ کی کھوکھلا کر دینا یعنی حمامہ دراز کو سر پر لپیٹ دینا امام ابن جریرؒ نے لکھا کہ ہمارے نزدیک کھوکھلا کر دینے میں صحیح و ٹھیک قول یہ ہے کہ کھوکھلا کر دینے میں کہ کسی چیز کے اجزاء کو باہم ایک دوسرے پر لپیٹ دینا جیسے کپڑوں کی کھوکھلا کر دینا ہے جو کہ بعض کو بعض میں لپیٹ دیا جاوے پس اذا الشمس کورت میں آفتاب کی کھوکھلا کر دینا ہے کہ بعض اجزاء کو بعض میں ملا کر لپیٹ دیا جاوے پھر اُسکو پھینک دیا جاوے۔ اور جب آفتاب کے ساتھ ایسا کیا جائیگا تو اُسکا نور جاتا رہے گا مترجم کہتا ہے کہ ایسی صورت میں وہ ہمسند سے بھی چھوٹی جگہ میں آجاوے گا تبلیہ اس زمانہ میں ایک فتنہ عظیم جو مسلمانوں پر طاری ہوا یہ ہے کہ اول تو مسلمانوں نے عموماً دین کا علم چھوڑ دیا جس سے اس ہزار سن سے بھی ایک عالم نظر نہیں آتا ہے اور خاص کر وہ لوگ زیادہ جاہل ہیں جنکو دنیاوی مال و دولت زیادہ حاصل ہے اور دوم یہ کہ ہر طرف سے اُن لوگوں پر اہل کفر کا جھوم ہوا ان مشرکوں میں ایک قوم نہایت درجہ فتنہ ہے بلکہ ابلیس کے پورے لباس میں ہیں یعنی ایک کافر قوم جو ظاہر میں اسلامی لباس پہنا رکھتے ہیں تو یہ لوگ جب جاہلوں کو بہکاتے ہیں کہ مثلاً قرآن میں یہ بات بدیہی ایسی ہے کہ ٹھیک نہیں ہو سکتی ہے جیسے قولہ وجد بالغرب فی عین حشر یعنی ذوالقرنین نے انتہائے مغرب میں پہونچ کر آفتاب کو باہر دیکھا وہ سیاہ دلدل میں ڈوبتا ہے۔ دیکھو یہ بالکل غلط خیال ہے عوام الناس دور سے دیکھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ آفتاب پہاڑوں میں گھسا جاتا ہے اور دیکھو آفتاب کی نسبت کہتے ہیں کہ ہمسند میں غرق کر دیا جائیگا۔ یہ بات کیونکر ٹھیک ہو سکتی ہے۔ دور سے دیکھ کر آفتاب چھوٹا معلوم ہوتا ہے حالانکہ وہ زمین سے بھی بہت بڑا ہے اس سے تم سمجھ لو کہ قرآن خدا کا کلام نہیں ہے بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک بزرگ شخص اُس زمانے میں پیدا ہوئے جب قوم سب تاریکی میں تھی تو نیکو قوت سے انکے دل سے ایسی باتوں نے جوش کیا جس سے قوم کی ترقی ہو اور اسلام کوئی بات نہیں ہو سوائے اسکے کہ قوم کی ترقی و دولت و ثروت حاصل کرنے کے قواعد ہیں لہذا قرآن میں ایسی باتوں سے کچھ تعرض نہیں کیا گیا جن سے ہمارے اصلی مقصود کو کچھ تعلق نہ تھا بلکہ ان باتوں کو اُسطح چھوڑ دیا گیا جس طرح اُس زمانے میں عوام میں مشہور تھیں۔ ہر مترجم کہتا ہے کہ یہ خلاصہ نمونہ اُسی کا ہے جس طرح اس کافر قوم نے مسلمانوں کو بہکا نا شروع کیا ہے اور ہزاروں جاہل خصوصاً مالدارانکے فتنہ میں براہِ جنمی ہو گئے ہیں اور میں ان کافروں کے مکر کا جواب دیتا ہوں

نہیں فرمائی تھی ابن عباس و ابن الزبیر سے روایت ہے کہ یہ سورہ کے میں نازل ہوا اور جماعت علما نے کہا کہ سب کے نزدیک بلا خلاف یہ سورہ مکہ جو اس سورہ کے آیات بالاتفاق اثنیس ہیں خطیب نے لکھا کہ ایک سو چار کلمات ہیں اور چار سو چوبیس حروف ہیں لکافی السراج اور علامہ گازی نے کہا کہ اس سے پہلے سورہ میں اللہ تعالیٰ نے حالات قیامت سے اطلاع دی اور اس سورہ میں بھی دیگر ہولناکی واقعات سے آگاہ فرمایا مترجم کہتا ہے کہ سورہ عبس کا سیاق خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں اندھے ایماندار کو جاہل لوگ حقیر سمجھتے ہیں اور کافر و جیم مالدار کو مغر خیال کرتے ہیں اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا تھا کہ اگر یہ کافر مسلمان ہو جاوے تو بہت لوگ اسلام لادیں پھر اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ انسان خود کچھ اختیار قدرت نہیں رکھتا بلکہ سب انسان قطرہ نطفہ ہیں پھر قدرت نے انکو مستوی کیا اور راہ دکھلا دی یعنی جو راہ چاہو اختیار کرو اور ہر ایک کے لیے اُسکے سامان ظاہری اور باطنی وید لیے ہر ایک پران اپنے واسطے عمل کرنا ہے اور اہل تک انکو عجیب قدرت سے رزق دیا پھر قیامت آنے پر ہر ایک کا انجام نظر آدیکھا وہ اندھا ایماندار خوبصورت ہوگا اور وہ موٹا تارہ خوبصورت کافر اس روز نہایت بد صورت ہوگا پس اہل معرفت سب چیزوں کو نظر معرفت سے دیکھیں اور اللہ تعالیٰ ہر ایک کا انجام خوب جانتا ہے اس سورہ تکویر میں ہولناکی واقعات بیان فرمائے جن سے اہل سعادت صاف نظر کریں کہ یہ سب دنیاوی صورت فانی ہے اور ہر چیز فنا ہو کر بدلنے والی ہے تو بیان دل رکھنا بالکل حماقت ہے اور ضرور دار آخرت کے لائق یہاں اعمال کرنے چاہئیں کیونکہ یہاں جو کچھ کیا ہو وہ ذرہ ذرہ وہاں سامنے ہوگا اسی واسطے امام احمد کی روایت سے حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما میں آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو پسند ہو کہ قیامت کا دن یہاں اس طرح سے دیکھے گویا وہ آنکھوں کے سامنے ہو تو اُسکو چاہیے کہ سورہ اذا الشمس کو رت اور سورہ اذا السماء انفطرت اور سورہ اذا السماء انشقت تلاوت کرے اسکا امام ترمذی نے بھی روایت کر کے کہا کہ حدیث حسن ہے اور حدیث کو طبرانی و ابن المنذر و ابن مردودہ و حاکم نے بھی روایت کیا اور حاکم نے کہا صحیح الاسناد ہے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

شروع

وَإِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ ۝ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝ وَإِذَا الْعِشَارُ ۝
 جب سورہ کی دھوپ نہ ہو جاوے اور جب تارے سے ملے ہو جاوین اور جب پہاڑ جلائے جاوین اور جب باقی اور مٹیاں
 عَطِلَتْ ۝ وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ۝ وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝ وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ۝
 بچیں بھریں اور جب جنگل کے جانوروں میں ردل پڑے اور جب دریا جھونکے جاوین اور جب جہوں کے جوڑ بست ہوں
 وَإِذَا الْمَوْءِدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ۝ وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝
 اور جب بیٹی جیتی گاڑ دی کو بوجھے کسی گناہ پر ماری گئی اور جب کاغذ کوٹے جاوین
 وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ۝ وَإِذَا الْجِبَالُ سُعِّرَتْ ۝ وَإِذَا الْجِبَتُ أُنْفِلَتْ ۝
 اور جب آسمان کا جھلکا اتارے اور جب دوزخ دھکاں جاوے اور جب جہنم ہل جائے
 عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أُخْضِرَتْ ۝
 جان لے گی جو لے کر آتا

سیاہ غبار آلودہ صورت ہوگی وہ کفرہ فجرہ ہیں یعنی جو اعتقاد میں کافر ہیں اور اعمال میں بدکار ہیں مترجم کہتا ہے کہ حدیث سے ثابت ہے کہ موسیٰ دو پہر ہونے سے پہلے فارغ ہو کر جنت میں قیلولہ کریں گے اور کفار عذاب محشر میں پڑیں گے۔ حدیث میں ہے کہ اس روز ابراہیم علیہ السلام کے سامنے انکا باپ آؤ گا کافر آؤ گا اور غلام کرے گا کہ ایسے میرے (خطا معاف کرو) میں آج تمھاری فرمانبرداری میں حاضر ہوں کسی طرح مجھے بچاؤ حضرت ابراہیم نہایت حلیم ہیں حضرت ابراہیم جناب باری میں عرض کریں گے کہ میرے رب تو نے مجھے فرمایا تھا کہ قیامت کے روز تجھے رسوائی سے بچاؤں گا۔ میرے رب یہ میرا باپ تھا۔ ارشاد ہو گا کہ اے ابراہیم تیرا خیال کہ ہر روز ادا دھر متوجہ ہو حضرت ابراہیم ادا دھر متوجہ ہو کر دیکھیں گے کہ ایک ساہی اپنی نجاسات میں لوٹ رہی ہے تو بے ساختہ کہیں گے کہ اعوذ باللہ منہا۔ میں اس سے پناہ لیتی میں جاتا ہوں اسی وقت ملائکہ اسکو چاروں بانوں باندھ کر جہنم میں پھینک دیں گے (الصیح) یعنی حضرت ابراہیم جب نظر کریں گے تو آؤ گا کافر کو نہ پاؤں گے اور نگاہ ڈالیں گے تو یہ ساہی وہی آؤ تھا اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ اس روز کس قدر عظیم رحمت الہی اپنے بند و پیار ہوگی دیکھو حضرت ابراہیم سے یہ عقاب نہیں ہوا کہ تو ایک کافر کے لیے مجھے سفارش کرتا ہوا ملائکہ جب بیان اسکے لیے استغفار کیا تھا تو اطلاع دی گئی کہ مشرک مر گیا ہے پس اُس سے بیزار ہو گئے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ان ابراہیم لاواہ حلیم۔ ابراہیم بہت نرم دل حلیم ہے۔ پھر اس روز عجب لطافت سے خود حضرت ابراہیم سے اقرار لے لیا کہ اگلی اس سے پناہ دے ہمارے اولیائے مشائخ نے کہا ہے کہ یہاں دنیا میں بد اعتقاد کافر و مشرک و منافق باطن میں جانوروں سے بدتر شکل ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا اولئک کا لانعام بل ہم صل۔ یعنی یہ کفار مثل چار پاؤں کے بلکہ ان سے بھی بدتر گراہ ہیں۔ اور یہ بات تو ہر شخص جانتا ہے کہ ان لوگوں کے اعتقاد میں کیسی ضلالت و حماقت ہے کہ چونکہ جہنم و پرند اپنے رب عزوجل کو پہچانتے ہیں اور انکی نامی ہمت صرف تن پروری کا کھانا پینا اور سونا ہوتی ہے اور زیادہ خوفناک مقام یہ ہے کہ آخر زمانہ کے فسادات میں حدیث میں آیا ہے کہ مسجد میں کچاس نمازی جمع ہوں گے ان میں ایک بھی مسلمان نہ ہوگا اور ردا بت ہے کہ مسجد دن میں دنیا کے معاملات کی باتیں کریں گے نعوذ باللہ من ذلک۔ اللہ تعالیٰ ہم کو حق ہدایت پر رکھے۔ پھر کافر و انکی جو بد صورتی مذکور ہوئی ہے میدان محشر کا بیان ہے اور جب جہنم میں ڈالے جاؤ گے تو نہایت قبیح صورتیں ہوں گی بچے کا ہونٹہ ناف تک ہوگا اور اوپر کا ہونٹہ حکم اور پانیٹھ جاؤ گا اور دانت بڑے ہوں گے یہاں تک کہ کافر کی ایک ڈاڑھ اچھٹا کرے برابر ہوگی۔ اعوذ باللہ من ذلک سوال کیا لوگ کبیرہ گناہوں والے بھی تقدیر سے جہنم میں جاؤ گے وہ بھی اسی صورت کے ہوں گے جواب احادیث و آثار سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان لوگوں کی صورت نہیں مسخ ہوگی بلکہ جہنم میں جاتے ہی بیہوش مردہ ہو جاؤ گے حتیٰ کہ آخر میں بعض سکالے جاؤ گے کہ حکم کو ملے ہو گئے تھے پھر نہرا حیات میں ڈالے جاؤ گے تو انکے اجسام ایسے اُگینے جیسے سیل کی تری میں دانہ اُگتا ہے کہ نہایت نرم تر و تازہ ہوتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی کمال رحمت ہے اور یہ اسی بات پر ہے کہ اُس نے اپنے رب جل جلالہ کو بیشک پنا اللہ وحدہ لا شریک جاننا اور دل میں ماننا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برحق رسول ماننا تھا لیکن غلبہ نفس میں ایسے کبیرہ گناہوں میں پڑ گیا تھا جنکا اندازہ نہیں اور یہ قبول توبہ کے مر گیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر کرم کیا اور اسکو جہنم سے نجات دی اللہ الحمد و

سُورَةُ التَّكْوِيْمِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَعَشْرُونَ اٰيَةً

اس سورہ کا نام جو سلف سے منقول ہے سورۃ التکوین ہے اور کسی کو اختیار نہیں کہ اس نام کے سوا اسے اپنے قیاس سے دوسرا نام رکھے۔ یہ سورہ کتبہ ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس زمانے میں نازل ہوا جب آپ کے مین رہتے تھے اور آپ نے مدینہ کو ہجرت

أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرَةُ الْفَجْرَةُ۔ ایسے بد صورت ہی کفار بد کارف جو اپنے پروردگار عزوجل کی عظمت الوہیت
 میں اسکی بنائی ہوئی مخلوقات میں سے سانجھی اعتقاد کرتے ہیں اور انکے سب کام اسی دنیاے فانی کے لیے برباد ہیں اور اللہ تعالیٰ عین کلاموں
 سے ناراض ہے یہ لوگ وہی کام اپنے لیے کہاتے ہیں اگر کہا جاوے کہ اوپر بیان ہوا تھا کہ اس روز ہر شخص اپنی جان کی فکر میں مستغرق ہوگا کیونکہ
 آج اللہ تعالیٰ کے غضب سے اسکو نجات ہوگی اور دنیا میں جنگو بہت عزیز و قرب پایا سمجھتا تھا اُننے بھاگے گا۔ اور یہ کافرون پر نہایت سخت
 و شدید ہوگا کہ انکو بالکل ناامیدی ہوگی اور مسلمانوں پر بھی ہولناک سببت ہوگی حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام نفسی نفسی کیسے پھر اس حالت میں ضاحکہ
 مستبشرہ کیونکر ہو سکتے ہیں (جواب) آیت قدسی میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جس سے تم نے سمجھا کہ اسی حالت میں دونوں باتیں ہوگی ابو لیسعود
 نے کہا کہ یہ انجام کار کا بیان ہے یعنی آخر اہل سعادت اور اہل شقاوت کا انجام یہ ہوگا کہ دوسرے کے چہرے نظر آویں گے ایک مسفرہ یعنی روشن جن پر دھند و
 غبار و تاریکی ہوگی جو کافروں کے چہرہ پر لانی ہو ملک اسکے ساتھ میں ضاحکہ سننے ہوئے ہوں گے کلمی نے کہا کہ اسوقت ہوگا جب حساب و فرصت ہو کر چھوٹے
 ہو جائیگا تو ہولناک جہنم میں وطن ہوگی ایسی خوشی ہوگی کہ باچیس خود بخود کھل جائیگی اور اسی وقت یہ بشارت ملیگی کہ جہنم سے بارہو کر وطن میں داخل ہوں
 اس (مستبشرہ) ہونگے یعنی دلی خوشی کے اوپر ظاہر ہوگی رازی و خطیب و دیگر نے لکھا کہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اُنکے چہرے مسفرہ ہونگے کیونکہ رات میں نماز
 پڑھنے کھڑے ہوتے تھے خطیب نے کہا کہ حدیث میں بھی روایت ہے کہ رات میں جو شخص زیادہ نماز پڑھتا ہوں میں اسکے چہرے پر نورانیت کی خوبصورتی ہوتی ہے
 ضحاک نے کہا کہ وضو کے اثر سے مسفرہ ہونگے۔ بعض نے کہا کہ جہاد میں گرد و غبار اٹھانے سے آج روشن ہونگے (کبیر و سراج) مترجم کہتا ہے کہ
 ان روایات کے ثبوت میں کلام ہر شیخ ابن کثیرؒ نے کچھ ذکر نہیں کیا اور رات کے قیام کرنے سے شاید یہ مراد ہو کہ عشا کی نماز پڑھتے تھے کیونکہ
 یہی فرض ہے اور تہجد ہر شخص پر فرض نہیں ہوا در بیان کافروں کے مقابلہ میں مومنوں کا بیان ہے تو کل مومنوں کی یہی صفت ہوگی اور اعلیٰ درجہ
 کے مومنین جن کرامات میں ہونگے وہ قیاس سے بھی باہر ہیں اور سورہ حشر وغیرہ کی تفسیر میں یہ روایت گزر چکی کہ ہل صراط تک منافقین بھی
 مومنوں کے ساتھ شامل رہیں گے اور خطیبؒ نے جو حدیث لکھی کہ رات میں جو شخص زیادہ نماز پڑھتا ہوں میں اسکے چہرے پر زیادہ نورانیت ہوتی ہے تو محدثین
 نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں ثابت ہو سکتی بلکہ معاملہ یہ ہوا کہ ایک بزرگ عالم اپنی مجلس میں اپنے شاگردوں سے حدیث
 روایت کرتے تھے اتفاق سے ایک عابد شاگرد اسی حالت میں آئے اور شیخ نے اُنکی صورت دیکھ کر اپنی فراست سے پہچاناکہ رات میں عبادت کرنے کے
 ہیں اور یہ کلام فرمایا کہ رات میں جو شخص زیادہ نماز و عبادت کرتا ہو اللہ بعضے شاگرد جو مجلس میں بیٹھے تھے اور زیادہ سمجھدار نہیں تھے وہ اپنے شیخ سے
 یہ کلام سنکر سمجھے کہ شیخ نے یہ حدیث روایت کی جو انھوں نے یاد کر کے اسکو سند روایت کیا اور اس غلطی سے عوام میں یہ حدیث مشہور ہوئی اور شیخ کے
 سمجھدار شاگردوں نے جب سنا تو اس سے انکار کیا لیکن اتنے عرصہ میں جن لوگوں نے اس شاگرد سے سنا تھا اور دور چلے گئے تو انکو اصل بات
 کی خبر نہیں ہوئی واللہ تعالیٰ اعلم ابن کثیرؒ نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسکا گواہ فرمایا کہ وہ ان دو ہی قسمیں ہونگی ایک کا بیان یہ کہ وجوہ یوسفؑ و مسفرہ
 ضاحکہ مستبشرہ۔ انکے دلی سرور و فرحت کا اثر اوپر کے بشرہ پر ظاہر ہوگا اور یہ لوگ اہل جنت ہیں۔ دوسری قسم کا بیان یہ کہ وجوہ یوسفؑ
 علیہا غبرہ تر تھا قترہ یعنی اُپنر سیاہی مع غبار چھائی و چڑھی ہوگی۔ امام جعفر صادقؑ نے اپنے باپ امام محمد باقرؑ سے انھوں نے اپنے باپ حضرت
 امام زین العابدین علی بن الحسین رضی اللہ عنہم سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کافر کے منہ تک پسینا چڑھیکا پھر
 اُسپر غبار پڑیگا (رواہ ابن ابی حاتم) مترجم کہتا ہے کہ شاید مراد یہ کہ اصل میں کافروں کے چہرے سیاہ ہونگے چنانچہ ابن عباسؓ نے کہا کہ قترہ چہرے
 کی سیاہی ہے اور اوپر سے غبار پڑے گا خطیبؒ نے لکھا کہ یہ بہت بد صورت ہے جسے سیاہ جشی کے چہرے پر خاک پڑی ہو اور یہ لوگ جس کی

پوری کرنا انبیاء علیہم السلام سے ادا ہوئی امام ابو حنیفہؒ نے فقہ اکبر میں صریح فرمایا ہے اور اسی پر سلف صالحین و علماء کا ملین کا اجماع ہے جو اپنے رب عزوجل کی شان کے عارف ہیں پس اسکے بعد دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اس دن امید داری ہو دوم یہ کہ دنیا ہی میں اللہ تعالیٰ نے اُسکے سر پر یہ عظیم مغفرت کا تاج رکھا ہو کہ وہ اُس دن اس عظیم مہول سے نجات میں ہو تو واضح ہو کہ پہلی صورت سب کے حق میں موجود ہے سوائے حضرت خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ کے سر مبارک پر حبیب ہونے کا تاج رکھا گیا اور رحم الراحمین عزوجل نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو قولہ تعالیٰ - لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر سے سرفراز فرمایا۔ یہ تاج کرامت فقط آپ کے سر پر خاص زیب ہو اور آپ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے اسی لیے جب حضرت عیسیٰؑ عذر کر کے لوگوں کو آپ کے پاس بھیجنے کے لیے آپ قبول فرما دینگے کہ ہاں تمہارے واسطے یہ شفاعت کرونگا اور اُس وقت تمام محشر آپ کی خوشبو سے پاکیزہ سے معطر ہو جائیگا واللہ اعلم بالصواب ابتدا میں ایسا ہونا کمال منظر ہوگا کہ ہر شخص اپنے نفس کی فکر میں اس قدر ہلکا ہوگا کہ کسی دوسرے کی طرف سے توجہ ہی نہیں جائیگی ابن ابی حاتم نے محمد بن عمار بن الحارث کی سند سے روایت کی کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز تم لوگ ننگے بدن بے قطنہ کیے ہو پیدل حشر کیے جاؤ گے تو آپ کی وجہ (بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا) نے پوچھا کہ یا رسول اللہ یہ بہت سخت بات ہو کہ ہم میں سے لوگ ایک دوسرے کے سامنے بے پردہ ہوں آپ نے فرمایا کہ اُس روز ہر شخص کی وہ حالت ہوگی کہ دوسرے سے غافل ہوگا یا اس طرح فرمایا کہ ہر شخص پر اُس روز ایسا معاملہ پیش آویگا جو اُسکو غیر سے غافل کر لیگا۔ اس حدیث کو نسائی نے بھی بطریق سعید بن جبیر بن عبد اللہ بن عباسؓ روایت کیا اور ترمذی نے بطریق عکرمہ عن ابن عباسؓ روایت کر کے کہا کہ حدیث حسن صحیح ہے اور کئی طریق سے ابن عباسؓ سے روایت کی گئی ہے مگر ہم کہتا ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ سعید بن جبیر و عکرمہ دونوں نے اسکو ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے اور نسائی نے اسکو حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسکے مثل روایت کیا اور ابن ابی حاتم نے حدیث انس رضی اللہ عنہ سے اس طرح روایت کیا کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے مان باپ آپ پر خدا ہون میں ایک بات پوچھتی ہوں آپ مجھے آگاہ فرما دیں آپ نے کہا کہ ہاں بشرطیکہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اُسکا علم دیا ہو و ام المومنین نے پوچھا کہ قیامت کے روز مرد کیونکر حشر کیے جاؤ گے آپ نے فرمایا کہ ننگے پاؤں ننگے بدن ہونگے عائشہ رضی اللہ عنہا نے کچھ دیر خاموش رہیں پھر پوچھا کہ یا حضرت پھر عورتیں آپ نے فرمایا کہ عورتیں بھی اس طرح ننگے پاؤں ننگے بدن ہونگی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ یاے قیامت میں بڑی بے شرمی ہوگی آپ نے فرمایا کہ تو کیا پوچھتی ہے پھر ایک آیت اتری ہے کہ قبرے بدن پر اس روز کپڑے ہوں یا نہ ہوں کچھ مضر نہیں ہے ام المومنین نے پوچھا کہ وہ کیا آیت ہے آپ نے فرمایا کہ تو قرآن لے لکل امرئ منہم یومئذ شان یغنیہ۔ ابن ابی حاتم و ابن جریر نے اسکو حدیث ام المومنین سودہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا اس طرح کہ لوگ اٹھائے جائیں گے ننگے پاؤں ننگے بدن بے قطنہ کیے ہوئے اور پسینا انکے کان تک پہنچے گا الخ لیکن حدیث سودہ رضی اللہ عنہا سے غریب ہے اور اسکی اسناد میں بعض راویوں کا حافظہ کمزور ہے مگر ہم کہتا ہیں کہ اس روز کافروں کی دوسری صورت ہوگی اور مسلمانوں کی دوسری صورت ہوگی حتیٰ کہ دونوں فریق میں صاف امتیاز ہوگا اور مسلمانوں میں سے بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سب میں امتیاز ہوگی اس طرح کہ اہل اسلام سب امتوں کے سپید چہرہ ہونگے اور اس امت والے چہرہ و ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاے جنود انسانی رکھتے ہونگے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ **وَجْهٌ تَوَمَّعَ مَسْفَرَةٌ** **صَاحِبَةٌ مَسْكَبَةٌ**۔ کچھ چہرے اُس روز سفید ہوتے ہوئے خوشی میں امید بھرے ہونگے ف یہ ایمان والے جنہوں کا حال ہے۔ **وَجْهٌ تَوَمَّعَ عَلَيْهَا عِبْرَةٌ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ**۔ اور کچھ چہرے اُس روز ایسے ہونگے کہ اُنکے اوپر غبار ہوگا سیاہی نے ہر طرف سے انکو چھپ کر پیچ لیا ہوگا ف یہ بد صورت کون لوگ ہیں اللہ تعالیٰ نے بتلادیا بقولہ تعالیٰ

میں بے انتہا ہونچگی گویا اُسکو ہر کردگی (ابن کثیرؒ) اُس دن ہر شخص اپنے اعمال لیے ہوئے غضب آئی سے استفادہ فرما کر ہوگا کہ اُسکو سوائے اپنی جان کے کسی کی فکر نہ ہوگی۔ **يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ**۔ وہ دن ہو کہ آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا۔ ہرگز اُسکو منظور نہ ہوگا کہ ذرہ برابر اپنی نیکی اُسکو دیدے یا اُسکی بدی اپنے اوپر لے۔ **وَأُمِّيهِ** اور اپنے ماں باپ سے بھاگے گا۔ یہ بھائی سے بھی بڑھ کر محبوب تھے اور ماں کے ساتھ سلوک کرنے پر دل سے آمادہ رہتا تھا اور باپ کو بہت چاہتا تھا لیکن اُس دن اُن سے بھی بھاگے گا۔ **وَصَالِحَتِ وَبَنِيهِ**۔ اور اپنی زوجہ اور اپنی اولاد سے بھاگے گا۔ یہ حد سے زیادہ ہولناک دن ہوگا کیونکہ زوجہ سے بہت رشتہ رکھتا تھا اور اولاد کو بالخصوص سب سے زیادہ چاہتا تھا اُس دن اولاد کیسی اور کہاں کی جو دسب بھاگے گا اور معنے یہ ہیں کہ اُس دن ان سب کو دیکھے گا اور اُن سے بھاگے گا اور درشتیگا ہرگز نہیں مانے گا کہ ذرہ برابر نیکی دے یا انکا بار قبول کرے اور اسی طرح وہ لوگ بھی اس سے بھاگینگے کیونکہ وہ وقت ایسا ہی ہولناک ہو لیکن **يَوْمَ يَكُنُ لِلْأَمْرِ قَتْلُ كُلِّ نَفْسٍ**۔ ان لوگوں میں ہر شخص کے لیے اُس دن ایسی شان ہوگی جو اُسکو بے پردا کرے گی یعنی یہ لوگ جو ادھر پر مذکور ہوئے ہیں ان میں سے ہر شخص کی ایسی حالت ہوگی کہ اُس کے واسطے ہول و دہشت اور غم میں بے خود ہونے کو کافی ہو کہ وہ کہاں سے دوسرے کی پردا کر سکتا ہو۔ عکرمہ نے کہا کہ مرد اُس روز اپنی زوجہ سے ملے گا اور اُس سے کہیگا کہ ازل لی تو جانتی ہو کہ میں تیرے ساتھ خاوندی میں کیسا اچھا تھا وہ کیسی کہ بان بیشک تو بہت اچھا شوہر تھا اور اُسکی تعریف کرے گی وہ کہیگا کہ لی بی آج میں تیرے ہاتھ کا ذرا سی بات میں محتاج ہوں تو مجھے ایک نیکی دیدے شاید میں اس مصیبت سے حسین تو مجھے گرفتار دیکھتی ہو نجات پاؤں وہ کہیگی کہ تم نے مجھے بہت آسان چیز مانگی مگر میں تم کو کچھ بھی نہیں دے سکتی ہوں مجھے بھی وہی خوف ہو جو تم کو خوف ہو اور آدمی اپنے بٹے سے ملے کہیگا کہ اے فرزند میں تیرا باپ تھا اور کیسا بڑا دُرکشا تھا وہ بھی تعریف کرے گا تو یہ کہیگا کہ اے فرزند آج میں تیرا محتاج ہوں کہ تو اپنی نیکیوں سے ذرہ برابر نیکی مجھے دیدے شاید میں اس خوفناک نظر سے نجات پاؤں وہ کہیگا کہ اے باپ میں بھی اس خوف میں گرفتار ہوں جس میں تم گرفتار ہو میں ہرگز تم کو ذرہ برابر نیکی بھی نہیں دے سکتا ہوں۔ اس روایت کو شیخ ابن کثیرؒ نے بیان ذکر کیا ہے اور مترجم کہتا ہے میرے نزدیک یہ موقع اس روایت کا نہیں ہے کیونکہ قیامت میں اسی وقت میں روایت میں فقط اہل اسلام کا ذکر ہو گیا کہ کسی کافر کے پاس اُس دن ذرہ برابر نیکی نہ ہوگی تو خلاصہ حالت جو روایات صحیحہ و آیات قدسیہ سے ظاہر ہوتی ہے یہ ہے کہ ابتداء حالت میں اس قدر ہول و دہشت ہوگی کہ منہ سے بول نہیں نکلیگا اور کفار ہر ایک دوسرے کو دشمنی سے دیکھینگے پھر کفار علیحدہ کر دیے جاویں گے اور مومنین ایک جگہ ہونگے اُس وقت مومنون میں بھی اس طرح فرار ہوگا اور معاملہ بہت سخت ہو سوائے اپنے اعمال نیکی کے کوئی بھی اُس وقت کام نہ آویگا۔ شیخ رحمہ نے لکھا کہ صحیح حدیث شفاعت میں ہے کہ لوگ جا کر حضرت آدم و نوح و غیرہ انبیاء بزرگ اُولوالعزم علیہم السلام سے درخواست کریں گے کہ ہمارے رب عزوجل کی جناب میں شفاعت کیجیے ہم بہت سختی میں ہیں (یہ بھی مسلمانوں کا معاملہ ہوگا) تو ہر ایک انکو یہی جواب دیگا (نفسی نفسی) الہی آج میں تجھے ہی چاہتا ہوں کہ میری جان بخش دے ہر ایک عذر کرے گا کہ ہمارا رب عزوجل آج ایسے غضب میں ہے کہ کبھی اُس نے یہ غضب نہیں فرمایا ہے اور نہ کبھی ایسا غضب نہ دیکھا جان بخش دے ہر ایک عذر کرے گا کہ ہمارا رب عزوجل آج ایسے غضب میں ہے کہ کبھی اُس نے یہ غضب نہیں فرمایا ہے اور نہ کبھی ایسا غضب نہ دیکھا آج میں اپنی جان کے واسطے پناہ مانگتا ہوں یہاں تک کہ لوگ عیسیٰ ابن مریم علیہا السلام تک پہنچ کر درخواست چاہینگے۔ حضرت عیسیٰ فرماویں گے کہ میں اپنے رب عزوجل سے آج کچھ نہیں مانگتا سوائے اسکے کہ میری جان ہی بخش دے آج میں اُسکی جناب میں مریم کے لیے بھی کچھ نہیں کہتا ہوں جس نے مجھے بیٹے سے پیدا کیا ہے (حدیث صحیح) وہ وقت ایسا سخت ہو کہ آنکھوں سے عورت مرد کا نہنگا ہونا نظر نہ آویگا یعنی اس ہول میں اس طرح خیال نہ ہوگا کہ تہ کوئی بندہ دنیا میں ایسا نہیں ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق حق عبادت ادا کر سکا ہو اگرچہ پیچیدہ ہو لیکن حکم کے موافق عبادت

فَإِذَا جَاءَتْ الصَّاحَّةُ يَوْمَ تَفِزُ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۝ وَآمِهِ وَآبِيهِ ۝

بھرجب آوے وہ فل جسدن بھاگے مرد اپنے بھائی سے اور اپنی ماں اور باپ سے
وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ۝ لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَانٌ يُغْنِيهِ ۝ وَجُوهٌ يُؤْمِنُ ۝

اور اپنی ساتھ والی سے اور بیٹوں سے ہر مرد کو اُس دن ایک نگر گئی ہے جو اُسکو پس ہر کہتے سنہ اُس دن
مُسْفِرَةٌ ۝ ضَاحِكَةٌ مُسْتَبْشِرَةٌ ۝ وَجُوهٌ يُؤْمِنُ عَلَيْهَا خَبْرَةٌ ۝

روشن ہین بننے خوشیان کرتے اور کتے سنہ اُس دن اُنہر گرد پڑی ہے
تَرَاهُمْ بِقُتْرَةٍ ۝ أُولَئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجْرَةُ ۝

چڑھی آتی ہے اُن پر سیلابی وہ لوگ وہی ہین جو منکر ہین ڈھنڈھ
دنیا میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو لطفہ سے اپنی قدرت کی تاثیرات سے مستوی کیا اور اُسکو جنت و جہنم کی راہیں واضح

بتلا دیں اور جنت تو اللہ تعالیٰ کی کمال رحمت کا مقام ہے اور جہنم اللہ تعالیٰ کے کمال غضب کا مقام ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے غضب
سے ہم بندوں کو پہنا دے کیونکہ جسکی شان الوہیت و صفات قدس کے نمونہ ایسے ہین کہ عقلین و ہمان حیران ہین تو اُسکے غضب کا

کیا ٹھکانا ہو اور اُسکے غضب سے جو عذاب الیم ظاہر ہوگا اسکا نمونہ بھی کبھی ظاہر نہیں ہوا ہے پھر اُس نے اپنی رحمت کے اعتقادات و اعمال بتلا دیے
اور اپنے غضب کے اعتقادات کفر و فحش اعمال بتلا دیے ہین اور دنیا میں انسان کی زندگی کے لیے متاع ہر قسم کی پیدا کر دی اور اجل

انکی مدت و صلت رکھی کہ اس مدت میں دونوں قسم کی راہوں میں سے جس راہ کے واسطے قسمت ہو اعمال کماؤ چنانچہ ہر انسان ہی کما
ہو اور اجل کے وقت عالم برزخ میں منتقل کر دیا جاتا ہے اور دوسری خلقت پیدا ہوتی ہے یہاں تک کہ آخر تک خلقت ختم ہو جائے ہر ایک

اپنی کمائی لیکر بیان سے چلا جاوے قال تعالیٰ فَإِذَا جَاءَتْ الصَّاحَّةُ - پھر جب صاۃ آئی ف یعنی پھر جب قیامت موجود
ہوئی تو اُسوقت ہر شخص اپنی اپنی جان کی فکر میں مشغول ہوگا (السراج و کبیر وغیرہ) ہر شخص کو اُس وقت ظہور غضب الہی سے اپنے اپنے

اعمال کی فکر ہوگی جو اُس نے دنیا میں کما لے تھے اور ہول و دہشت میں اپنی سب شرارت بھول جائیگا بلکہ عزیز و بچا نہ سے جدا ہوگا کاش
اگر دنیا میں سب سے سلوک کرتا لیکن دلو علیحدہ کر لیتا تو اُسکو ہوش ہو جاتا اور نفس کی مستی جاتی رہتی کیونکہ دنیا میں اولاد کی محبت اور جورو

کی الفت اور ماں باپ بھائی بہن کی محبت میں دنیا کو اپنا وطن بنا لیتا ہے اور اسی زندگی پر مطمئن ہو جاتا ہے اور اپنے رب عزوجل کی جانب
دل نہیں لگا تاہو بیان تفسیر رازی و خطیب و ابوالسعود نے لکھا ہے کہ صاۃ سخت آواز قیامت ہے اور وہ دوسرا نفعی صورت ہے

یعنی دوسری بار جو زندہ کر کے اُٹھائے جانے کے لیے صور پھونکا جاوے گا۔ صاۃ نام اسلیے کہ وہ کان کو صغ یعنی بھرا کر لگایا کیونکہ کانوں میں
زور سے دھکا (لگے گا) اور یہی خلیل بن احمد نے بیان کیا ہے ابن العربی نے کہا کہ صاۃ وہ ہے کہ کان کو ہرا بنا دے

در حالیکہ کان سنتا ہے اور یہ نہایت لطیف فصاحت ہے (کبیر و سراج وغیرہ) ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ صاۃ قیامت کے
ناموں میں سے ایک نام ہے اللہ تعالیٰ نے اُسکو ہولناک ظاہر کیا اور اپنے بندوں کو اُس سے ڈرا یا ابن جبرج نے کہا کہ

قیامت کے نام ہونے سے شاید یہ مطلب ہے کہ صور میں آواز سخت پھونکے جانے کا نام ہے۔ معال میں
امام فراء نے کہا کہ صاۃ یعنی روز قیامت کی سخت آواز ہے اسکا نام صاۃ اسلیے ہوا کہ وہ کانوں کو صغ کر لگی یعنی کان

میں چیزیں ہیں (اول) یہ کہ ان چیزوں سے ایسے دلائل حاصل ہوئے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت الوہیت پر دلالت کرتی ہیں (دوم) یہ کہ ان چیزوں کے حالات سے ایسے دلائل حاصل ہوئے جو اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت ظاہر کرتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ دنیا کی زندگی مثل حباب کے ہو یا ان سے جانا اور آخرت میں زندہ ہو کر رہنا ضروری (سوم) یہ کہ ان انعامات سے ثابت ہوا کہ ہمارا معبود برحق جس میں سب کمال اور سب قدرت ہو اور اُسے ہم پر عظیم احسانات کیے ہیں کہ ہم کو پیدا کیا اور نہ ہم لطفہ تھے اور دنیا میں یہ متاع عطا کی تو ہرگز روا نہیں ہو کہ اُسکی بندگی سے تہر اور سرکشی کو اختیار کرے یا اُسکے بندوں پر تکبر کرے (تفسیر کبیر سراج) مترجم کہتا ہو کہ بیان مجھے دو باتیں بیان کرنا ضروری ہیں اول یہ کہ آخرت میں زندہ ہو کر رہنا ضروری (دوم) یہ کہ بندگی حق سے تہر کرنے والے کیونکر اُسکی قدرت سے ہلاک نہیں ہوئے بیان اول واضح ہو کہ عقل کے نزدیک جب تک علت کامل موجود ہو معلول ضرور موجود ہوتا ہو اور علت کامل وہ ہو جسکے ساتھ ہی وہ چیز موجود ہوتی ہو جو اُس سے موجود ہو مثلاً ہاتھ کی جنبش سے کبھی ملتی ہو تو جب تک ہاتھ ہلتا رہے کبھی ضرور ملتی ہوگی اور یہ محال ہو کہ علت موجود ہو اور معلول موجود نہ ہو تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جب خلق کو اپنے اختیار سے پیدا کیا تو یہ خلق اپنی ذات سے برابر اپنے خالق کی ایجاد میں موجود ہوگی اور یہ محال ہو کہ خالق عزوجل مختار موجود ہے اور خلق فنا ہو جاوے تو یہ مخلوق جب تک دنیا میں رہے اللہ تعالیٰ نے اُسکو لباس جسم میں رکھا ہو تاکہ بیان کی محنت میں جسم تکلیف پاوے اور تکلیف میں بندہ اپنے خالق عزوجل کے حکم بجالاوے اور تکلیف سے یہ مراد نہیں ہو کہ فاقہ اور بیماری وغیرہ میں رہے بلکہ مراد یہ ہو کہ سردی و گرمی اور برسات اور خشک و بھوک و پیاس و خواہش پچاند و پیناب میں وہ عبادت کرنے کے احکام بجالاوے پھر جب چاہا اپنے اختیار سے اُس کو اس دنیا سے آخرت میں منتقل کر لیا اور اسی جہت سے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہو کہ ایک روز خطبہ میں فرمایا کہ تم لوگ مرنے کے لیے نہیں پیدا کیے گئے ہو اور لوگ تعجب سے کہنے لگے کہ یہ کیا کہتے ہو کہ تم سب باقی رہنے کے لیے پیدا کیے گئے ہو بیان امر دوم یہ کہ بے شک اللہ تعالیٰ قادر مختار کہ جب چاہے مژد کرنے والوں کو ہلاک کر دے لیکن اُسے دنیا میں ان لوگوں پر کسی بات کے لیے جبر نہیں فرمایا ہو بلکہ راہ میں آسان کر دین پھر ہر ایک اپنے لیے جو کچھ چاہے وہ کماوے اور خوب یاد رکھو کہ اُسکی بارگاہ کبریائی مخلوق کی بندگی سے اور انکے گناہوں سے پاک ہو وہ ان کسی کی طاعت و معصیت کو دخل نہیں ہو لیکن جب بدکار کفار اپنی شرارت میں یہاں تک طفیان کرتے ہیں کہ مومنین صالحین کو اپنے رب عزوجل کی توحید نہیں ادا کرنے دیتے اور انکو ایذا اور تکلیف دیتے ہیں جیسے فرعون نے بنی اسرائیل کے ساتھ برتاؤ کیا تھا تو اللہ تعالیٰ ان ظالموں کو ہلاک کرتا ہو جیسے قریش نے اپنی شرارت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تکلیفیں دیں شروع کیں یہاں تک کہ وہ لوگ لاچار ہو کر مکے سے ہجرت کرنے لگے اور رسول اللہ صلعم بھی مجبور ہوئے تو صحاح میں روایت ہو کہ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے کہدیا کہ اب قریش کی ہلاکت و بربادی کے دن قریب آگئے چنانچہ یہی ہوا کہ انکی ہلاکت کے لیے جہاد کا حکم آگیا اللہ الحمد والمنة رازی و خطیب نے غیزہ نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کی دنیاوی پیدائش کو اور انکے واسطے غذا پیدا کرنے کو عجیب دلائل قدرت کے ساتھ بیان کیا اور آگاہ فرمایا کہ خالق عزوجل نے تمہارے لیے ہر متاع فقط اہل تک رکھی ہو تاکہ اپنے خالق عزوجل کو پہچان کر بیان شکر کے ساتھ توحید و عبادت کرو پھر اس کے بعد تمہارا یہاں سے آخرت لیے ہر متاع فقط اہل تک رکھی ہو تاکہ اپنے خالق عزوجل کو پہچان کر بیان شکر کے ساتھ توحید و عبادت کرو پھر اس کے بعد تمہارا یہاں سے آخرت میں جانا ضروری ہو پھر اللہ تعالیٰ نے ہولناک معاملات قیامت کا حال آئندہ بیان فرمایا تاکہ سکر خوف کریں اور رجوع ہو کر دلائل وحدانیت اور عظیم قدرت میں غور کریں اور یہ دلائل ایسے واضح ہیں کہ اگر نفس کی سستی چھوڑ کر دم بھر بھی اس میں غور کریں تو ایمان لا دیں اور منہ زوری اور سرکشی چھوڑ دیں اور جب اپنے نفس کی حالت سے آگاہ ہو جاویں تو لوگوں پر تکبر بھی نہ کریں بلکہ اپنی صحت و عافیت پر شکر کریں اور تواضع ظاہر کریں لہذا فرمایا

مترجم کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نباتات کے ستر اقسام بیان فرمائے۔ حب (اناج) و عنب (انگور) و قصب (رطبہ گندنا) و زیتون و نخل و خدائق و غلبا و فاکتہ و آب۔ اور فاکتہ تک غالباً سب آدمیوں کے متاع ہیں صرف حقائق میں یہ ہو سکتا ہے کہ باغات کے پتے دکھاس سے جانور و کھا چارہ ہو لیکن اہل میں وہ انسانی غذا حاصل ہونے کی چیز ہے تو ظاہر ہے کہ (اب) خاص جانوروں کے چارہ کے لیے جو کیونکہ ان چیزوں کے پیدا کرنا فائدہ بیان کیا بقولہ تعالیٰ **مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ**۔ اس لیے کہ متاع ہو متعارف لیے و متعارف چارہ پاؤں کے لیے فائدہ تو معلوم ہوا کہ اسی میں چارہ پاؤں کی متاع ہو اور وہ (اب) ہو واللہ تعالیٰ اعلم متاع وہ چیز ہے جسکو انسان اپنی ضرورت میں نفع اٹھانے کے کام میں لائے اور یہ مفید ہے کہ جب تک تمتع کی خواہش ہو وہ کام میں ہو پھر چھوڑ دی گئی۔ مثلاً اگر کھائی انسان کے لیے تمتع ہو جب اسکو کھانے کی ضرورت ہو کام میں لایا اور نہ چھوڑ دی اور اس میں اشارہ ہے کہ انسان کے لیے اصلی تمتع صرف ان چیزوں سے ہے اور نفس کی خواہش جس قدر بڑھی اسی قدر ضرورتوں کی چیزیں بڑھیں تو دنیا میں الجھاؤ بڑھ جاتا ہے حتیٰ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اول دماغ میں جو امور وغیرہ کا میسر ہوا اسکی موٹی بھوسی پھونک سے اڑادی اور تمتع حاصل کیا پھر لوگوں میں چھلنی اور سبیلے کی ہانگی وغیرہ بڑھ گئیں فافہم رازمی و خطیب وغیرہ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جو روایت گزری اس میں ہے کہ (اب) کی نسبت کہا کہ یہ تکلف ہے اور کہا کہ اسے ابن الخطاب تجھے مضربین اگر تو بخائے کہ (اب) کیا چیز ہے (یہ جمعہ کا فرق) پھر لوگوں سے فرمایا کہ کتاب الہی میں سے جو تم پر واضح ہوا سب پر عمل کرو اور جو نہ کھلے اسکو سہنے دو اگر کوئی کہے کہ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے منع فرمایا کہ قرآن مجید کے مشکلات کو حل کرنے کے لیے تلاش نہ کریں (جواب) حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ منشا نہیں ہے بلکہ بات یہ تھی کہ اس زمانے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی ہمت عمل کرنے پر مشغول تھی تو بعض چیزیں پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں ہو سکی تلاش میں وقت ضائع کرنے کو تکلف سمجھتے تھے یعنی اگر (اب) کے معنی معلوم ہوئے کہ وہ (گھاس) ہے تو کیا ہو گا سوائے اسکے کہ جانور کھا دیں حتیٰ کہ اگر یہ معلوم ہو کہ (اب) آدمی کے کھانے کی چیز ہے تو بھی آیت کا یہ منشا نہیں ہے کہ ہر چیز کو ضرور کھاؤ بلکہ مباح کر دیا کہ ضرورت کے وقت ان چیزوں سے تمتع اٹھاؤ پس ظاہر ہے کہ آیت اس لیے بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرو جسے تم کو اور تمہارے چارہ پاؤں کو ان چیزوں سے کھانے کو عطا کیا اور خواہے کلام یہ خود معلوم ہو کہ (اب) کوئی نباتات کی قسم ہے تو اسکو خاص صورت سے جاننے میں مشقت کرنے اور وقت ضائع کرنے سے یہ بہتر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہو اور معلومات متاع کے لیے کافی ہیں (السراج) فشیخ ابن عربیؒ نے اشارات میں لکھا کہ قولہ تعالیٰ قُلْ الْإِنْسَانُ مَا أَكْفَرُ الخ جب اللہ تعالیٰ نے اوپر بیان فرمایا کہ کلاما انما ذکرہ الخ یعنی قرآن مجید نیک بندوں کے لیے تذکرہ ہے جو نصیحت حاصل کرنا چاہے تو ان آیات میں کافر کے کفر سے تعجب دلایا کہ وہ کس قدر ناریک حجاب میں پڑا ہے کہ اسکو نصیحت و یاد دہانی کی ضرورت ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنی ظاہر نعمتیں شمار فرمائیں کہ جنکو دیکھ کر جو اس سے صاف دلیل ملتی ہے کہ ہمارا رب پیدا کرنے والا ہم بندوں پر محسن ہو اور ہم کو اپنی جلیل قدرت سے یقین دین والا اسکی قدرت بے انتہا ہے کیونکہ اپنی اس بے خلقت سے اور اپنے حالات زندگی سے جو اپنے اندر پیدا ہوتے اور جو باہر کے تعلقات ہیں سب بے انتہا قدرت ظاہر ہو تو اسکی شان الوہیت و کمالات کی جامع ہو اور بندے اسی کے قبضہ قدرت میں ہر دم محتاج ہیں پس اللہ تعالیٰ نے کافر سے تعجب دلایا کہ ایسی عظیم دلیل کھلی کھلی جو اسکی ذات میں ہر دم موجود ہیں پھر وہ کفر کرتا ہے اور ان چیزوں سے اسکو حقیقت حاصل ہونا ضرور تھا لیکن اسکے برعکس وہ شرک و جہالت سمجھا اسی لیے فرمایا۔ کلاما یقیناً ما امرہ۔ یعنی ہرگز اسکا خیال ٹھیک نہیں ہوا اسے امر الہی سے کوئی حق اور انہیں کیا پھر اللہ تعالیٰ نے وہ چیزیں متاع بیان فرمائیں جو عظیم قدرت و الوہیت کی دلیل ہیں اور انسانی زندگی بغیر انکے ممکن نہیں ہے در ترجمہ کلام ابن العربیؒ ملخصاً رازمیؒ نے کبیر میں اور اسی سے نقل کر کے خطیبؒ نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو ذکر فرمایا اور اس سے اصلی مقصود

آسمان سے سماوی برکات کی ترکیب کے ساتھ ایک خاص موسم میں پانی زمین پر نازل کیا اور اسکو زمین کے پردہ میں جگہ دی اور وہاں خاک شدہ مواد گل میندی وغیرہ کے اور پتھر چٹے کے گھاس کی میٹیں لے ہیں انکو اثر ہو چکا تھا شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا بَعْرَجَ نَشَقَّ کَمَا زمین کو شق کرنا ف یعنی پھر ہم نے زمین کے اندر ہی اندر گھاگایا اور باوجود بہت نرمی کے زمین شق کر کے اُسے سرنگا لایا۔ طبع انسان جو حواس کے امتحان میں مکلف ہے اُسے مشقت سے جو بیخ زمین میں ڈالے تھے وہ اُگے اور زمین پھوڑ کر باہر نکلتے خطیب نے لکھا کہ انسان کو اُسکے طعام یعنی اناج و میوہ و ترکاری وغیرہ کی طرف توجہ دلائی جس سے آخرت کے واسطے سامان کرنا ہو حسن و مجاہدے کے لایا یعنی طعام کے مغل و مخرج کو دیکھئے مخرج کتا ہو کہ شاید یہ مطلب ہو کہ اناج کس طریقے سے زمین میں داخل کرتا ہو یعنی تخم بڑی کرتا ہو اور مخرج اُسکا پیداواری ہو خطیب نے یہاں عجب بات لکھی کہ ضحاک نے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ اے ضحاک تیرا طعام کیا ہو میں نے کہا کہ گوشت اور دو دودھ ہو فرمایا کہ پینا کیا ہو میں نے عرض کیا کہ پانی ہو فرمایا کہ مین جانتا ہوں لیکن اللہ تعالیٰ نے دنیا کی مثال اُس خیر سے بیان کی جو اسی سے نکلتی ہو مخرج کتا ہو کہ تفسیر میں جو ضحاک نے آئے ہیں وہ تابعی ہیں انکی روایت ابن عباسؓ سے قابل تامل ہو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کمان پایا اور اگر یہ ضحاک کوئی صحابی ہیں تو انکا نام و نسب بیان کرنا چاہیے تھا شاید ضحاک بن سفیان الکلابی ہوں یا ضحاک بن قیس انھری ہوں واللہ تعالیٰ اعلم۔ پھر لکھا کہ ابن عمرؓ سے روایت ہو کہ آدمی جب پیچا نہ جاتا ہو تو جو خیر اُس سے خارج ہوتی ہو اس پر عبرت سے نظر کرے فرشتہ اُس سے کتا ہو کہ دیکھ جسکے لیے تو نے یہ لالچ کیا تھا اسکا کیا انجام ہوا (السراج) رازی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان و طعام کے موجود ہونے کے دلائل بیان فرمائے اور طعام کے ساتھ بدن میں بھی عجائب حکمت و قدرت سے نفع حاصل ہوتا ہو لیکن فقط اول قسم کو ذکر فرمایا کیونکہ وہ حواس سے بخوبی ظاہر ہو اور قرآن مجید کے دلائل ایسے ہی ہونے چاہیے ہیں کہ جنکو ہر شخص سمجھ سکے اور صیغہ الماء سے۔ بارش کا پانی مراد ہو تو غور سے دیکھنا چاہیے کہ اول تو عجیب طرح سے بادل پیدا ہوتے ہیں اور باوجود اس قدر بخاری ہونے کے جو ف آسمان میں معلق رہتے ہیں اور غور کرو کہ ظاہر میں اللہ تعالیٰ نے کس طرح اُسکے اسباب ظاہر فرمائے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے انوار سے تجھ پر کچھ ظاہر ہو جس سے تیری تاریکی حواس دور ہو۔ پھر ہائی سے اقسام نباتات کو نکالنا بیان کیا اور نباتات کے آٹھ اقسام ذکر فرمائے (اول) قولہ تعالیٰ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا۔ پس ہم نے زمین میں حب پیدا کیا ف حب دانہ اور وہ ہر چیز ہے جو کاٹی جاتی ہو جیسے جو گیہوں و چنا وغیرہ اور یہ غذا میں گویا اصل ہو (دوم) قولہ وَعِنَبًا۔ اور انگور پیدا کیے ف جو معروف و مشہور ہو اور اُسکے اقسام بکثرت ہوتے ہیں اور (سوم) قولہ قَمْصًا اور قَمْص ف اسکے معنی میں دو قول ہیں ایک یہ کہ قَمْص رطبہ ہو کہ جب خشک ہو جاتا ہو تو اُسکو قَمْص کہتے ہیں اور اہل مکہ اُسکو قَمْص کہتے ہیں اور یہی قول ابن عباسؓ و ضحاکؓ و مقاتلؓ کا ہو اور اسیکو فراء و ابو عبیدہ و اصمعی نے اختیار کیا ہو (دوسرے معنی) یہ کہ نبرونے کہا کہ قَمْص گھاس ہو اور یہی حسن بصریؓ کا قول ہو اقول تفسیر ابن کثیرؒ میں بھی یہ معنی مذکور ہیں اور قول اول کو سدی و قتادہ سے بھی بیان کیا۔ بالجمہ قول حسنؓ کے موافق یہ جانور دن کا چارہ ہو اور اگر قسم کے ساگ کو بھی شامل ہو تو عام ہو (چہارم) قولہ وَزَيْتُونًا۔ اور زیتون پیدا کیا ف جس سے روغن زیت نکلتا ہو جس سے روٹی پکھاتے ہیں اور چراغ میں جلاتے ہیں اور درخت مبارک ہو (پنجم) قولہ وَنَخْلًا۔ اور درختان خرما پیدا کیے ف جسکے خوشہ سے لیکر سوکھے چھو بارے تک کچے و پکے اور آگ سے پکا کر سب طرح کھاتے ہیں اور اُس سے غیرہ و سرکہ بناتے ہیں اور بہت برکت کی وجہ سے اُسکی مثال مرد مسلمان سے (ششم) قولہ وَحَدَائِقَ غُلَبًا۔ باغات گھنے پیدا کیے ف تفسیر ابن کثیرؒ وغیرہ میں یہ کہ حدائق جمع حدیقہ یعنی بہشتان

جو مقدر کی گئی ہو خارج ہو جاوے جب یہ بات جو حکم کی ہوئی مقدر ہو پوری ہو جائیگی تو اس وقت اللہ تعالیٰ خلائق کو حشر و نشر کرے گا اور
ابتداء خلقت کی طرح آنکھ زندہ کر کے اٹھا دیگا۔ ابن ابی حاتم نے وہب بن منبہ سے روایت کی کہ غزیر علیہ السلام نے کہا کہ مجھے فرشتہ
نے بیان کیا ہے کہ قبرین زمین کا پیٹ ہیں اور تمام خلائق کی ماں بھی زمین ہی بھر جب وہ سب مخلوق پیدا ہو جائیگی جسکے پیدا کرنے کا ارادہ
تقدیر میں متعلق ہو چکا ہو اور یہ قبرین پوری ہو جائیگی تو دنیا منقطع ہو جائیگی اور جو کوئی زمین پر ہو وہ مر جائیگا اور حکم الہی سے یہ زمین جو کچھ آ
بیٹ میں ہو نکال دیگی اور قبرین اپنے مردے اگل دیگی۔ (ابن کثیر رحمہ) خطیب وراثتی وغیرہ نے لکھا کہ قرآن میں یہ طریقہ ہے کہ
انسان کے لیے ذاتی آیات قدرت کے ساتھ میں دنیاوی آیات قدرت بیان فرمائی جاتی ہیں اس طرح بیان بھی آگے آیات قدرت آفاقی کا
بیان ہو اور صاحب فتح البیان نے زعم کیا کہ آگے انعامات کا ذکر ہے تاکہ لوگ ناشکری سے باز آویں اور میرے نزدیک امام ابن کثیر نے صحیح
لکھا کہ اول میں اللہ تعالیٰ نے کفر کے خیالات مٹا دیے کہ اے کافر تجھ کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح نطفہ حقیر سے پیدا کیا یعنی نطفہ میں ظاہر میں بھی
کچھ قدرت نہ تھی پھر قدرت نے اُس میں تاثیر کی یہاں تک کہ اُس کو آدمی کی صورت میں نکال کر مستوی کیا اور اُس کو نیک و بد کی راہ واضح بتلا دی
اور میان میں یہ ذکر نہیں کیا کہ کافر نے کیا طریقہ اختیار کیا بلکہ قدرت کا کام پورا بیان کیا کہ اُس کو زمین میں دفن و مقبور کیا پھر قدرت کو صریح
اختیار ہے کہ جب چاہے اُس کو قبر سے نکالے لیکن ابھی اُس کو دوبارہ زندہ کر کے نکالنے کا حکم اس جہت سے نہیں ہے کہ جس قدر مخلوقات کو پیدا کرنے کا
ارادہ متعلق ہو وہ بھی پیدا نہیں ہو چکی توجیب سب پیدا ہو چکے تو سب کو مقبور کر کے حکم ہو گا کہ زمین سب کو اگل دے پس سب ایک دم میں نکل
کھڑے ہونگے اقول کافر کا حال معلوم ہے کہ دنیا میں اُسے اپنی حقیقت یعنی نطفہ کو بھول کر اپنی قوت کا دعویٰ کیا بلکہ اپنے واسطے خود مختاری
ثابت کرنے لگا اور تلبیس میں پڑ گیا کہنے لگا کہ دیکھو میں نے زنا کا قصد کیا اور پورا کر لیا پھر اگر یہ خدا کو ناگوار ہوتا جیسے مسلمان کہتے ہیں تو وہ
مجھے نہ کرنے دیتا یہ اس کافر کی حماقت دیکھو اور حق بات یہ ہے کہ قدرت نے اس آدمی میں تاثیر کی یہاں تک کہ وہ مستوی ہوا اور اُس کو اللہ تعالیٰ
نے نیک و بد کی راہ یعنی جنت و جہنم کی راہ صاف بتلا دی اب قدرت کا ظہور اس طرح ہے کہ جو جس وطن کے لیے کام چاہے وہ تیرے واسطے پیدا
کر دیا جاوے بشرطیکہ حکمت کے خلاف نہ ہو پس حق کافر نے اسی دنیا کو اور آخر جہنم کو اختیار کیا تو اُسکے کام ہی کفر و زنا و قباغ اور دنیاوی
دولت حاصل کرنا وغیرہ ہیں پس وہ اپنی کمائی لینا چاہتا ہے اور قدرت اُس کو کائنات دیتی ہو لہذا وہ تلبیس میں ہو اور چونکہ عقل کے نور سے
محروم ہے صرف حواس ہیں اور حواس کا کام فقط یہ ہے کہ تن پروری کے سامان اہل تک چل کرے پس یہ کفار اگر ان حواس سے ایسے کام
لیتے ہیں جن سے زمین کی پیداوار زیادہ حاصل ہو یعنی سونا و چاندی و جواہرات وغیرہ باتن پروری کے سامان راحت ہم ہو چنانچہ ان کو اس میں کامیاب
ہونگے اور اگر ان حواس سے معارف کا کام لین تو ہرگز نہ پائینگے اس لیے کہ وہ ان عقل بہت ادب سے قدم رکھتی ہو تو بھلا یہ حواس مگر تاریک
کیونکر اُس نواح میں پہنچ سکتے ہیں اس لیے واسطے جب کافروں نے حواس کو دخل دیا کہ یہ سڑی ہوئی بوسیدہ ہڈیاں اور ناپید جسم کیونکر زندہ
اٹھ کھڑے ہونگے تو ہرگز انکے حواس نے کام نہ دیا اور اُس کو بعید سمجھ کر انکار کرنے لگے لیکن یہ امر اس قدر ظاہر ہے کہ حواس سے بھی سمجھنا آسان
ہو اس لیے کہ بار بار اللہ تعالیٰ نے معجزات انبیاء علیہم السلام سے اس کو ظاہر فرمایا ہو اور اللہ تعالیٰ نے اُنکے واسطے قدرت کے نظائر سوائے انسان
کے دوسری چیزوں میں بیان فرمائے اس لیے کہ دوبارہ زندہ کرنا صرف انسان میں ابھی نہیں ہو اور اُس کا وقت سبکے پیدا ہوجانے کے بعد ہرخلات
نباتات و جمادات کے کہ ان میں فیصلہ قضا نہیں ہو تو ان میں بعث و نشر یہاں موجود ہو لہذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا فلیکثر من الانسان
اللی طعامہ انا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ثُمَّ نَحْنُ نَنْفُثُ فِيهِ رُوحًا فَيَحْيَا وَيَمُوتُ وَنُخْرِجُ مِنْهُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَيْءًا يَعْلَمُ

آسان کی۔ یہی معنی حکیمہ وضحاہ و ابوصالح و قتادہ و سدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیے ہیں اور اسی معنی کو شیخ ابن جریر نے اختیار کیا ہے اور بعض علماء نے اس طرح لیا کہ اللہ تعالیٰ نے اُسکو نطفہ سے مخلوق کیا اور اسکے لیے ہر چیز کا اندازہ و مقدار کر دیا اور آدمی بنا کر ہا ہر نکال دیا۔ پھر اُسپر نیک و بد راہ کو آسان کر دیا جیسے قولہ تعالیٰ انا ہدیناہ السبیل ماشا کر ادا ما کفورا۔ ہم نے اُسکو راہ کی ہدایت کی خواہ شکر گزار یا کفور بدکار۔ یعنی اُسکے واسطے راہ نیک و بد کو واضح بیان کر دیا اور اُسپر چلنا آسان کر دیا۔ یہی معنی مجاہد و حسن بصری و ابن زید نے بیان کیے ہیں اور یہی معنی راجح بن خالد علم (ابن کثیر رحمہ اللہ) اور مترجم کہتا ہے کہ اگر دونوں باتیں جمع کر دی جاویں تو بہتر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اُسکی ماں کے پیٹ میں اُسکو بنا دیا اور ہر چیز کا اندازہ کر دیا پھر ماں کے پیٹ سے نکلنے کی راہ اور حُضت یا دوزخ کی منزل طے کرنے کی راہ اُسپر آسان کر دی ہے پس وہ دنیا میں راہ حق و سعادت کو طے کر سکتا ہے لیکن بد بخت آدمی اب اپنی خلقت بھول گیا اور تکبر کرنے لگا اور اپنے واسطے قدرت ثابت کرنے لگا اور خداے تعالیٰ کی قدرت بھول کر کفر کرنے لگا تو کتنا ملعون ہے کہ انکار کرتا ہو۔ رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر شقاوت یا سعادت مقدر فرمائی ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کا علم مجید ہے یعنی وہ خوب جانتا ہے کہ یہ مخلوق کیا کرے گا چنانچہ کافر باوجود اس بدیہی دلیل کے اپنے اوپر نظر کرتا ہے اور بھول گیا کہ نطفہ میں قدرت نے تاثیر فرمائی اور پیدا کر کے نکالا اور قائم رکھا تو قدرت کے قبضہ میں ہوئے اَمَانَةٌ قَائِمَةٌ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُسکو موتی پس اُسکو قبر میں ڈالا اسی زمین سے بنایا تھا پھر اسی زمین میں اُسکو اعادہ کیا۔ ثُمَّ اِذَا شَاءَ اَنْشُرْکَ۔ پھر جب چاہے گا اُسکو نشکرے گا قیامت کے روز اُسکو پھر اُٹھا کر کھڑا کرے گا۔ تو وہ ہر دم اپنے رب عزوجل کے قبضہ میں ہے پھر وہ بعث قیامت سے کیونکر منکر ہے حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کا تمام جسم گل جاتا ہے سوائے دم گزہ کی ہڈی کے اُسی سے پیدا ہوا اور اُس سے مرکب کیا جائیگا (صحیحین) صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ دم گزہ کی ہڈی کیا ہے اپنے فرمایا کہ وہ رائی کے دائرہ برابر ہے اُسی سے تم لوگ دوبارہ پیدا کیے جاؤ گے (ابن ابی حاتم) مطلب بن ابی صفروہ سردار صالح تھا اُس نے خوارج کے قتال میں مردانگی ظاہر کی ایک مرتبہ خیز کا لباس پہنے ہوئے انکڑی چال سے جاتا تھا بعض تابعین صالحین نے اُسکو دیکھ کر کہا کہ اُف اُف اس چال کو اللہ تعالیٰ مبغض رکھتا ہے مطلب نے یہ کلمہ سن کر منہ پھیرا اور کہا کہ تو مجھے نہیں پہچانتا ہے اُنھوں نے فرمایا کہ کیوں نہیں پہچانتا ہوں اول میں تو گندہ نطفہ تھا آخر میں موارثہ ہوا جو اویکا اور ان دونوں حالتوں کے بیچ میں اپنے اندر گندگی لاوے پھر اکر تاہو مطلب نے یہ سن کر سر نیچا کیا اور وہ چال چھوڑ دی۔ کَلَّا۔ زَمْخَشَرِی و بِصَاوِی ہونے کا کہ اس کلمہ سے کافر کو اُسکے انکار پر جھڑکی ہے اقول اس صورت میں اس پر وقت ہو گا اور ابن الانباری نے کہا کہ یہ اچھا نہیں ہے لیکن شیخ ابن جریر نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ۔ کَلَّا۔ بات اس طرح نہیں ہے جیسے یہ کافر آدمی بیان کرتا ہے کہ اُس نے اپنی جان و مال میں اللہ تعالیٰ کا حق ادا کیا ہے کَمَا یَقْضِی مَا اَمَرَکَ۔ کیسی نہیں ادا کیا جو اللہ تعالیٰ نے اُسکو حکم دیا تھا یہ تفسیر ابن کثیر میں ہے اور شیخ جلال وغیرہ نے کہا کہ کَلَّا معنی تھا ہے یعنی تھا کہ اس کافر نے جو کچھ حکم الہی تھا ادا نہیں کیا۔ یہی فعل راجح ہے اور اصل یہ کہ کافر نے راہ آسان کا شکر نہ کیا بلکہ کفرانِ نعمت کر کے دنیا میں بدکار رہا اور عبادت توحید نہ لایا تو حکم الہی پورا نہ کیا اور آخر مرکز قبر میں گیا مجاہد نے کہا کہ جان رکھو کہ کوئی انسان وہ سب ادا نہیں کر سکتا ہے جو اُسپر فرض کیا گیا ہے۔ معنی حسن بصریؒ سے نقل کیے ابن کثیرؒ نے کہا کہ میں نے متقدمین سے سوائے اس کلام کے نہیں پایا اور میرے نزدیک اسکے معنی یہ ہیں کہ قولہ تعالیٰ خَمِ اِذَا شَاءَ اَنْشُرْکَ کَلَّا لَمَّا یَنْفُسُ مَا اَمَرَد۔ پھر جب اللہ تعالیٰ چاہیگا اُسکو نشکرے گا یعنی زندہ کر کے اُٹھاویگا (کافر بھی دیکھنا چاہتا ہے کہ اُسکو بعثت حشر و کھلا یا جاوے ہرگز نہیں ابھی ہرگز نہیں۔ ابھی تک پورا نہیں فرمایا جو حکم فرمایا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ابھی بہ کام پورا نہیں کرے گا جب تک آدمیوں کی سبیل

مَا أَمَرَهُ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَى طَعَامِهِ ۚ إِنَّآ حَسْبُنَا الْمَآءُ حَبَابًا ۚ ثُمَّ شَقَقْنَا

الْأَرْضَ شَقًّا ۚ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ۚ وَعَيْنًا وَقَضْبًا ۚ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ۚ وَ

حَدَّآثِينَ عُثْبًا ۚ وَفَاكِهَةً ۚ وَأَبَّأَ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلَآ كُفَامًا ۚ

اللَّهُ تَعَالَى ان لوگوں پر جو بعثت حشر سے انکار کرتے ہیں غضبناک تعجب سے جھڑکی نازل فرماتا ہی بقولہ تعالیٰ قَتَلَ الْإِنْسَانَ

مَا أَكْفَرَهُ ۚ مارا جائے انسان وہ کتنا کافر ہو اگر کہا جاوے کہ انسان کے قتل کیے جانے سے کیا مراد ہو (جواب) یہ کہ عرب

کسی کی مذمت و بدبختی میں اسکو استعمال کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اگر قتل چاہے تو تمام عام مخلوقات کو دم میں فنا کر دے لیکن مراد یہ کہ انسان کو

مذموم فرمایا۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ لیئے انسان ملعون ہو اور یہی تفسیر ابو بکؓ نے بیان کی اور انسان جنس ہے اس لئے سب افراد اس میں داخل

نہ ہوتے بلکہ وہی قسم داخل ہے جو آیات حق سے انکار کرنے میں بے باک ہیں اور تعجب یہ کہ ایسے کفار اپنی انکساری کی باتوں پر خوب یقین لاتے ہیں

اور حق سے کثرت انکار کرنے میں حالانکہ صریح عقلی و نقلی دلیل موجود ہو پھر بھی بے وجہ انکار کرتے اور خالی انکساری سے بعید سمجھ کر محال کہتے ہیں۔

ابن جریرؒ نے کہا کہ (ما اکفرو) لیئے اسکا کفر کرنا کس قدر سخت و شدید ہے۔ ابن جریرؒ نے لکھا کہ شاید کلمہ تعجب نہ ہو بلکہ موصولہ ہو لیئے کافر انسان

ملعون ہو کہ کس چیز نے اسکو منکر بنایا لیئے کوئی چیز ایسی موجود نہیں ہے جو اسکو انکار کرنے پر آمادہ کرے بغویٰ فی عالم میں ہی سے مقاتلؒ کا

سے نقل کیے ہیں اور قتادہؒ نے کہا کہ (ما اکفرو) لیئے کتنا ملعون ہے (تفسیر ابن کثیرؒ) ابو السعدؒ نے کہا کہ آیت میں کافر کے لیے بہت سخت بددعا ہے

بعد خطیبؒ نے لکھا کہ اگر سوال کیا جاوے کہ بددعا تو ظالم پر دہ کرتا ہے جو اس سے انتقام لینے سے عاجز ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیونکر

ہو سکتی ہے جو جب پر قادر ہے علاوہ اسکے تعجب بھی اس شخص سے ہو تا ہی جو ایسی عجیب بات دیکھے کہ اسکی صنعت میں تحیر ہو پھر یہ عالم الغیب

عز وجل سے کیونکر مناسب ہو (جواب) یہ کہ یہاں یہ بددعا کلمہ تبلیغ محاورہ عرب پر ہے اور اللہ تعالیٰ نے خود تعجب نہیں فرمایا بلکہ اہل ایمان و

آسمان و زمین و الملوں کو کافر کی حالت پر توجہ دلائی اور سخت تعجب دلایا اور عرب جب تعجب کی حالت میں بولتے ہیں تو اسی محاورہ پر بولتے

ہیں اور خلاصہ یہ کہ اے میرے نیک مخلوقات تم جمیع آیات پر غور کر کے کافر کے کفر سے سخت تعجب کرو گے اور مراد بددعا ہے یہ کہ کافر سخت

عذاب الیم کے قابل ہے وہ ملعون کس قدر شدید قیامت کا مرتکب ہوا حالانکہ اپنے خالق عز وجل کی اُلُویت سے اسکو بکر و انکار کرنے کی کوئی وجہ

نہ تھی۔ آئندہ بدیہی دلائل کا اشارہ فرمایا بقولہ تعالیٰ مِّنْ آيَاتِ شَيْءٍ خَلَقَهُ۔ اللہ تعالیٰ نے اسکو کس چیز سے پیدا کیا جو ف ذرا

گریبان میں منہ ڈال کر دیکھے۔ مِّنْ نُّطْقَةٍ۔ نطفہ سے اسکو پیدا کیا جو ایک حقیر بے طاقت چیز ہے تو یہی اس کی

اصلیت ہے جو جب اُلُویت پر رہے تو اپنی حالت ہی سمجھتا رہے اور دیکھے کہ میرے رب عز وجل نے اپنی قدرت سے مجھ نطفہ کو بڑھا کر

اسطرح آدمی کی صورت میں کر دیا ہے میں اُسی کی قدرت کے قبضہ میں ہوں۔ چنانچہ فرمایا خَلَقَهُ فَقَدَرَهُ۔ اسکو بنایا پھر مقدر کیا

ف کہ اتنے دن اسکے واسطے دنیا میں رہنے کی مدت ہو اور دنیا سے یہ رزق باو لگا اور ایسے کام کر لگا اور بدبخت جہنمی نکلے گا با نیک نجت

جہنمی مرے گا۔ ثُمَّ السَّبِيلُ كَيْسَرُ۔ پھر راہ اُسکے لیے آسان کر دی ف ابن عباسؓ نے کہا لے مان کے پیٹ سے برآمد ہونے کی راہ

جہنمی مرے گا۔ ثُمَّ السَّبِيلُ كَيْسَرُ۔ پھر راہ اُسکے لیے آسان کر دی ف ابن عباسؓ نے کہا لے مان کے پیٹ سے برآمد ہونے کی راہ

جہنمی مرے گا۔ ثُمَّ السَّبِيلُ كَيْسَرُ۔ پھر راہ اُسکے لیے آسان کر دی ف ابن عباسؓ نے کہا لے مان کے پیٹ سے برآمد ہونے کی راہ

جہنمی مرے گا۔ ثُمَّ السَّبِيلُ كَيْسَرُ۔ پھر راہ اُسکے لیے آسان کر دی ف ابن عباسؓ نے کہا لے مان کے پیٹ سے برآمد ہونے کی راہ

جہنمی مرے گا۔ ثُمَّ السَّبِيلُ كَيْسَرُ۔ پھر راہ اُسکے لیے آسان کر دی ف ابن عباسؓ نے کہا لے مان کے پیٹ سے برآمد ہونے کی راہ

اپنی باکرہ عورتوں کی خواہش میں مرتے ہو یا لہ بن الولید رضی اللہ عنہ نے مجوس فارس کو خط میں لکھا کہ اسلام لاؤ یا مطیع ہو کر جزیرہ و زمین تودا اللہ تعالیٰ طرف ایسے لوگوں کو بھیجے گا جو موت کے اس سے زیادہ خواہشمند ہیں کہ تم شراب و سور کے چاہنے والے ہو اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں یہ بات منورہ معروف تھی کہ زندگی انکے لیے طاعت حق کے واسطے محبوب تھی اور موت کے ہر وقت منتظر تھے۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے موت کے وقت فرمایا مرحبا بئر جبار علی فاقہ الاطلس بن ہم۔ مرحبا میری پیاری زیارت کرنے والی کہ نہایت احتیاج و انتظار کے وقت آگئی جو تجھے مادم ہو وہ فلاح نہ پاوے یہ حال ان بزرگوں کا تھا جو آخرت کے سرتاج ہیں اور ہم لوگ اللہ تعالیٰ سے انکی اقتدار کی دعا مانگتے ہیں ہمارا رب ارحم الراحمین اپنے فضل سے قبول فرمانے والا ہو (مذنیب) ابن ابی حاتم نے حدیث عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت کی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بلال رضی اللہ عنہ رات میں اذان دیتا ہوتا تو تم لوگ کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ ابن ام مکتوم کی اذان سنو۔ یہ وہی اندھا تھا جس کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے عبس و لولیٰ ان جاورہ الاعلیٰ نازل فرمایا تھا اور وہ بلالؓ کے ساتھ اذان دیا کرتا تھا۔ عبداللہ بن عمرؓ نے بیٹے سالمؓ نے کہا کہ شیخ بنیائی میں ضریر تھا تو اذان نہیں دیتا تھا یہاں تک کہ لوگ طلوع فجر کو دیکھ کر اُس سے کہتے کہ اذان دیدے تم مجھ کو سناؤ کہ اصل حدیث صحاح و سنن میں ہے لیکن اس روایت میں نزول آیت کا ذکر زیادہ ہے اور یہ مستقل بعض سنن میں ہے۔ سیطرہ ابن کمجوم کے حق میں آیت کا نازل ہونا عروہ بن الزبیر و مجاہد و ابو مالک و قتادہ و ضحاک و ابن زید و غیرہم کثیر جماعت سلف و خلف نے بیان کیا ہے اور مشہور یہ کہ اُس کا نام عبداللہؓ ہے اور کہا جاتا ہے کہ عمرؓ نام جو اللہ تعالیٰ اعلم (تفسیر ابن کثیر) اگر کما جادے کہ حدیث کے کیا معنی ہیں اور رات سے اذان کیسی اور کھانا پینا کیا معنی ہیں (جواب) شیخ ابن الہمام وغیرہ نے بیان کیا کہ اس حدیث سے بعض لوگوں نے سمجھا کہ فجر کی اذان رات سے دیدینا جائز ہے اور ہمارے نزدیک حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے بلکہ یہ حدیث ماہ رمضان کا بیان ہے اور بعض صحیح الاسناد روایت میں اس کے برعکس مذکور ہے یعنی ابن ام مکتوم رات سے اذان دیتا ہوتا تو تم لوگ کھاؤ پیو یہاں تک کہ بلال رضی اللہ عنہ کی اذان سنو۔ بعض لوگوں نے دونوں روایتوں میں سے ایک کو غلط ٹھہرایا اور دوسری کو ترجیح دی اور ہمارے نزدیک دونوں روایتیں صحیح ہیں کیونکہ بعض احادیث سے ثبوت ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دگرگو تھے بعضے اول رات سے رمضان میں عبادت کے لیے کھڑے ہو جاتے اور بعضے سو رہتے تھے جب رات میں مؤذن اذان دیتا تھا تو عبادت کرنے والے ختم کر کے آرام لیتے تھے اور سونے والے اٹھ کر نماز میں قیام کرتے تھے اس واسطے حدیث مذکور کی بعض روایات میں اس طرح ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ رات میں اذان دیتا ہے تاکہ تمھارے سونے والے اٹھ کر قیام کریں اور قیام والے رجوع کریں پھر بعضے لوگوں نے اذان سن کر کھانا پینا چھوڑ دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنکو گاہ فرمایا کہ اس رات کی اذان پر نہ چھوڑیں بلکہ سحری کھاتے پیتے رہیں یہاں تک کہ جب فجر کی اذان سنیں جو ابن ام مکتوم دیتا ہے تب چھوڑیں۔ پھر ایک رمضان میں دونوں مؤذنون کی باری اس طرح تھی جس طرح اس روایت میں مذکور ہے اور دوسرے رمضان میں اس کے برعکس باری ہوئی جو دوسری صحیح روایت میں ہے یہ اس حدیث کے معنی ہیں اور حنفیہ کے نزدیک رات سے فجر کی اذان نہیں جائز ہے حتیٰ کہ اگر دی جادے تو فجر طلوع ہونے پر اُس کا اعادہ لازم ہے واللہ تعالیٰ اعلم

نہیں کہ بغیر ارادہ الہی کے خود ایمان کا فعل پیدا کرے۔۔۔ تو معلوم ہوا کہ پیدا کرنا اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت ہی اور معنی پیدا کرنے کے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر فرد مخلوق کے لیے ایمان کا حصہ اُس کے قلب پر پیش فرمایا ہے اور ان حصوں میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے کہ نبوت کے حصہ ایمان کی قدر کوئی نہیں جانتا سوائے صدیق کے اور صدیق کے حصہ ایمان کی قدر کوئی نہیں پہچان سکتا سوائے شہید کے اور شہید کے حصہ ایمان کو صاحبینِ اندازہ کر سکتے ہیں پھر صاحبینِ اولیاء میں ہزاروں اقسام ہیں اور مقدم ایمان یہ چیز ہے کہ یقین ایسا ہو جسے آدمی سفر میں اپنے وطن کا یقین رکھتا ہو حالانکہ یہ وطن برائے نام ہے پھر جو بندے نیکبخت ہیں وہ اپنے نفس کی عاجزی دیکھ کر حجاب باری تعالیٰ میں التجا کرتے ہیں کہ میرے رب مجھے ہدایت دیدے پس اللہ تعالیٰ اُس کے قلب کو کھول دیتا ہے جیسے بند مٹی کھلی اور وہ ایمان دل میں اتر جاتا ہے اور اس نور میں سب نظر آتا ہے اور اگر دنیاوی جبلت والا مغرور احمق ہو تو وہ ملتی نہیں ہوتا بلکہ اپنے نفس خبیث سے آزمائش کرتا ہے اور اگر پڑتا ہے اور نیچے دے عقل جب اندھیری میں ٹپکتا ہے تو اسکو دلخ و آنکھیں اور جسم بخش کے سوائے کچھ نہیں سوچتا پس امور حق سے منکر ہو جاتا ہے لہذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وحبیل الریس الایہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے منحرف شرک ہونے کی پلیدی کو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر ڈالتا ہے جو لای عقل یعنی عقل وناجہ ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے استعداد فطری رکھی ہے حتیٰ کہ روم کا بادشاہ ہرقل اور مدینے کے یہودی بلاشبہ جانتے تھے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برحق ہیں لیکن قلب میں نہیں لیتے تھے تو جاننا اُن پر زیادہ تر وبال ہوا اور واضح ہو کہ حصہ ایمان کے مطابق ان کے اعمال کا ثواب ہو مثلاً نبوت کی دو رکعت اسی مقدار ایمان کے فرع ہیں تو ان کا ثواب کسی شخص کی ہزار رکعت میں بھی نہیں ہو سکتا ہے اور صدیق کی دو رکعت کا ثواب باقیوں کی ہزار رکعت میں نہیں ہو سکتا۔ یہاں سے بہت موارد حل ہو جاتے ہیں مثلاً جو یہودی و نصرانی اسلام لایا اسکے لیے دونا ثواب ہو اسی طرح غلام متقی مطیع کے لیے جیسا کہ حدیث صحیح میں چند اقسام کی تفضیل ہے پھر اگر کوئی کہے کہ صحابی ہونے کی تفضیل میں حضرت عبداللہ بن سلام داخل ہیں اور انکو دونا ثواب ہو تو کیا انکے لیے حضرت ابوبکر و عمر و غیرہ پر تفضیل ہے اور ہونے کی کیا وجہ ہے (جواب) عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اپنی قدر ایمان پر دونا ثواب ہو فافہم۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جس بندے کو ایمان عطا کیا اس پر ایسا بڑا انعام فرمایا ہے کہ بے ایمان کی تمام روئے زمین کی سلطنت بلکہ اللہ ہزار بار تمام روئے زمین کی پوری سلطنت محض قطرہ پیشاب سے بدتر ہے اور اللہ تعالیٰ کامل ایمان کے ساتھ اس دنیا سے آخرت میں قبض کر لے وہو ربنا رحم الراحمین۔ قولہ تعالیٰ فی صفحہ مکرّمہ شیخ ابن العربیؒ نے اشارہ کیا کہ یہ الواح نفوس سماویہ ملکیت ہیں جہاں لوح محفوظ سے پہلے پہل قرآن مجید نازل ہوا مرقعہ یعنی طبع قدر ہیں۔ مطہرۃ دہان طبعیت کے تغیرات کو کچھ دخل نہیں ہے باری سفرۃ۔ یہ عقول مقدسہ ہیں جو ان الواح میں مؤثر ہیں اور وہ کرام برہہ ہیں (ترجمہ کلام ابن العربیؒ ۶) بالحدیث اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں لطافت رکھے ہیں از انجملہ ایک یہی ہے کہ دنیا سے مکدرہ سے جس قدر لوٹ کم ہوا اسی قدر پاکیزگی و طہارت و ہدایت مزید ہے اور یقیناً آخرت ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسی لطافت سے بہت اشارات فرمائے ہیں جیسے آخرت مثلاً آخرت کے چاہنے والے موت کے خواہش مند ہوتے ہیں لیکن اگر یہ بات صریح ارشاد ہوتی تو ابتدائی حالت کے لوگ اس طرح مشکل جان کر بھاگتے جیسے موت سے بھاگتے ہیں لیکن نہایت لطافت سے اسکو اس طرح بیان فرمایا کہ ہووے دعویٰ کیا کہ آخرت خاص کر ہمارے ہی لیے ہے تو فرمایا کہ ایسے کہدو کہ اگر سچے ہو تو موت کی تمنا کرو۔۔۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل آخرت اس موت کے طالب ہیں اور اہل اسلام کے مدعی نہیں بلکہ رحمت کے امیدوار ہیں اور رضا کے حق انکی روح کی مسرت ہو اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہرقل شاہ روم کو خط میں لکھا کہ پھر اگر تو اسلام لانے یا جزیہ دینے سے منکر ہو تو جان لے کہ اللہ میں تیری طرف ایسے بندگان حق بھیجے ہیں جو موت کے خواہش مند اس سے زیادہ ہیں جس قدر تم

کے معاملہ میں اس جہت سے منع نہیں ہوا بلکہ ظاہری صورت یہ نظر آتی تھی کہ اعمیٰ کے ساتھ بے توجہی فرمائی جو فقیر قادر مژدہ کا فر کے ساتھ توجہ فرمائی اور دنیاوی مال و دولت کی وجہ سے آخرت سے اور اللہ تعالیٰ سے بے پروائی کرنا تھا تو اس سے وہم ہوتا تھا کہ مغرور کا فر اور دیکھنے والے یہ سمجھیں کہ مالداروں کو فقیروں پر ترجیح ہو اور آخرت والے پر دنیا والے کو فوقیت ہو یہ ظاہر میں وہم ہوتا تھا اگرچہ آخرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت یہ ہرگز نہ تھی پس اسوجہ سے آپ کو عتاب آمیز کلام سے سرفراز کیا مگر حرم کستا ہو کہ سب خیالات سابقہ کے واسطے ہیں ایک جواب کافی ہو واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب و اشارات عرائس میں ان آیات کے متعلق لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں فقیری کا درجہ عظیم ظاہر فرمایا اور دنیا کی ذلت اور اس کے لوگوں کی حقارت ظاہر فرمائی اور جب کوئی بندہ اپنے رب عزوجل کی محبت و معرفت میں سچا ہو تو محتاجی اسکے لیے شرافت ہو اور جس بندے کی جبلت دنیا کی خصلت پر ہو تو اسکو تو نگری چھوڑ کر فقیری اختیار کر لینی دعوت نہیں دینا چاہیے اور اہل حق کو تو نگروں کی صحبت اس نیت سے بھی بچا ہے کہ انکو معرفت کی جانب ہدایت ہوگی کیونکہ وہ کبھی تل کو ان چیزوں سے مجرور نہیں کرینگے قولہ ماعلیک لایزکی۔ گو نہ عتاب آمیز کلام ہو اور جس شخص کی جبلت دنیا کی محبت پر اور آخرت سے اندھے ہونے پر مخلوق ہو وہ کیونکر پاک ہوگا شیخ ابو عثمان المعمریؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا کہ فقیروں کی صحبت اختیار فرماؤ اور ایسے بندوں کی دلدہی کریں اور تو نگروں کی صحبت سے نفرت دلائی واسطیٰ نے کہا کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پاک سے منہ موڑا اللہ تعالیٰ نے اسکی اہانت فرمائی (ترجمہ العرائس) شیخ ابن العربی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب عزوجل کی تربیت میں بصفہ حبیب تھے اور رب عزوجل نے اپنے حبیب کی عہد تربیت فرمائی چنانچہ حدیث میں ہو کہ لاؤ بنی ربی فاحسن نادی ہی میرے رب تبارک و تعالیٰ نے مجھے ادب سکھلایا تو میرا ادب بہت ہی خوب ہوا۔ یہ سلسلہ ابتداءء حال میں جاری رہا یہاں تک کہ بہت جلد آپ نے اخلاق النبیہ کو حاصل کر لیا یعنی یہی فی الحقیقت آپ کی جبلت تھی صرف نفس کا خفیف سار منہ لازم ہو تو جب کبھی آپ کے نفس نے بدو خلق النبیہ کے کوئی کام چاہا تو اللہ تعالیٰ نے آپکو ادب دیا اور مخلوق یا خلاق اللہ تک پہنچنا بعد فنا کے ہو جب حالت بقا میں تحقق ہوا اور یہی مقام استقامت و تکلیف ہو اور ابتدا میں تغیر و تلویں رنگ برنگ ہوتا ہو حتیٰ کہ نفس نے اپنے سر کی آنکھوں سے نظر ڈالی اور قریش کے مٹھاپکی آنکھوں میں وقت والے نظر آئے اور تو نگر سے اسلام میں فائدہ نظر آیا یعنی یہ لوگ اگر اسلام لادیں تو بہت سے بندے راہ حق میں عارف ہو جائیں اور یہ منظر ظاہر تھا اور فقیر سے آپ نے اسی نظر سے اعراض کیا کہ اس سے اسلام کو قوت نہیں ہو تو اللہ تعالیٰ نے ادب سکھلانے کو تنبیہ فرمائی کہ اے حبیب سول تجھ لیے خلاصہ اصفیا و برگزیدہ انبیا کو نہیں لائق ہو کہ اس نظر سے دیکھے اور لائق ضعیف فقیر سے منہ موڑ کر نا لائق غنی قوی کی طرف سے نتیجہ معرفت حق و اسلام کی امید کرے بلکہ تیری نظر فقط قبولیت حق و استعداد فطرت پر مقصور ہونا چاہیے کہ ضعیف فقیر لائق پاکیزہ ہو کر نہا است ہو بیکسر وہی ہادی مہدی ہو اور غنی لائق اپنے غرور میں بے ایمان مر گیا قولہ تعالیٰ ماعلیک ان لایزکی جب نا لائق غنی مغرور اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت سے سطرود ہو اور اللہ تعالیٰ نے اسکو ہدایت نہ دی تو تجھ پر کھمنا لقمہ نہیں ہو۔ کلا۔ ہرگز نہیں آئیں خیال نظری سے دور کر دیا لہذا رتہ کیا گیا کہ اسکے بعد اپنے کبھی کسی فقیر سے اعراض کیا اور کسی تو نگر کی طرف توجہ نہ فرمائی اقول روایت کیا گیا کہ جسے کسی تو نگر کی اسوجہ سے تعظیم کی کہ اس کے پاس دنیاوی ثروت ہو تو اسے اپنا دو تہائی ایمان نقد کھو دیا۔ مراد یہ کہ ایمان سلب ہو گیا کیونکہ دنیا کی عزت اور آخرت کی عزت دونوں میں ضدیت ہو مگر حرم کستا ہو کہ یہ بات جان لینا ضرور ہو کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ و اماکان لنفس ان تو من اثم یعنی کسی نفس میں یہ صلاحیت

اور نہ تھا اس حالت سے آیا کہ وہ فقیر ہے الخ۔ اگر کو کہ بعض علماء نے بیان یہ تفسیر لکھی کہ جو اپنے مال کے ساتھ مستغنی ہوا الخ (جواب) ہاں
 یہ تفسیر صحیح ہے کیونکہ اسکے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنی مالداری کے وبال میں متکبر مغرور ہو کر ایمان سے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کرنے سے
 مستغنی وہ بے پروا ہو آئی اصل ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب کیا جبکہ آپ اندھے سے منہ موڑا۔ یہ عتاب
 کسی گناہ پر نہیں تھا بلکہ مراد یہ کہ ادلی یہ تھا کہ آپ خاص کافروں کے ایمان پر حرص نہ کریں اور ہدایت دینے کو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر حوالہ فرمائیں
 اور اپنی رہنمائی میں سب خلق کو برابر رکھیں رازیؒ نے لکھا کہ یہاں سوالات ہیں (اول) یہ کہ ابن ام مکتوم نے خود ایسا کام کیا تھا کہ انکو ادب
 سکھایا جاوے اُس کے واسطے چند وجوہ ہیں (ایک) یہ کہ کہنے مانا کہ ابن ام مکتوم کی نگاہ میں گرہ تھی اور وہ ان مشرکوں کو اچھی طرح نہیں
 دیکھ سکتے تھے لیکن آخر آواز دوسنتے تھے اور آواز سے معلوم تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ایمان میں شدت اہتمام ہے تو در بیان میں کی
 بات کا ٹ دینا بے ادبی ہے (جواب) یہ کہ ان لیکن ظاہری صورت ایسی واقع ہوئی جس سے نظر نہ آتا کہ محتاجوں پر تو انکوں کو فضیلت دی جاوے
 اسی جہت سے عتاب کیا (دوسری وجہ) یہ کہ ابن ام مکتوم نے تو دین حق کے ادب سیکھ لیے تھے اور انکو اسوقت نہ بتلائے میں کچھ نقصان نہ تھا
 برخلاف ان کافروں کے جو دین اسلام ہی نہیں جانتے تھے تو کافروں کو سمجھانا اور اسلام پر لانا زیادہ اہتمام کے قابل تھا خصوصاً جبکہ ان کے مسلمان
 ہونے سے جماعت عظیم کے اسلام کی امید تھی تو اسوقت قطع کلام کرنا گویا اس خیر سے روکنا ہوا (جواب) میں رازیؒ نے کہا کہ شاید آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال میں ان کافروں کی طرف بوجہ قربت و شرف کے میلان ہو برخلاف اعمیٰ کے اسوجہ سے عتاب ہوا اور ترجمہ کے نزدیک
 یہ احتمال خود گناہ ہے بلکہ ابن ام مکتوم سابق سے اسلام لائے اور معرفت کے لیے آیت کے معنی پوچھتے تھے اور کفار مذکور مکار مغرور تھے
 تو ان کو صرف انذار کافی تھا نہ اسقدر کہ ابن ام مکتوم کو جو اللہ تعالیٰ سے خوف محبت رکھتا تھا اُسکو کلام حق نہ سنا یا جاوے کیونکہ یہ بات
 معلوم نہ تھی کہ یہ مغرور کفار خواہ مخواہ ایمان ہی لادینگے تو ایمان واسے کہ سمجھانا مقدم تھا جو بعضی تھا اور کافروں کا اسلام لانا مہم تھا تو مہم کے
 نیچے طبعی شرک نہیں ہو سکتا اور علاوہ اسکے مقصود یہ کہ سب مخلوق کو ادا سے رسالت میں برابر رکھو اور ہدایت ہم جہاں چاہینگے پیدا کینگے
 (وجہ سوم) یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرات کے باہر سے بکار لانا گناہ ہے تو ابن ام مکتوم کا ایسے وقت میں بکار دانا بدرجہ اولیٰ گناہ ہوا تو معلوم
 ہوا کہ عتاب کچھ ابن ام مکتوم پر تشریف کی وجہ سے نہیں ہوا (جواب) میں رازیؒ نے کچھ نہیں ذکر کیا اور میرے نزدیک سوال یہ ہی ٹھیک نہیں ہے کیونکہ
 ہجرات کے باہر سے جن مشرکوں نے بکار لیا وہ بے تعلیمی و بیہودگی کے قصد سے تھی اور یہ مدینہ میں اسوقت واقع ہوا تھا جب اسلام پھیل گیا اور
 شرائع مشہور ہو چکے تھے اور ابن ام مکتوم نے اول تو ہجرات کے باہر سے نہیں بکارا بلکہ حضوری میں عرض کیا دوم بے تعلیمی کا قصد بالکل تھا اور سوم
 اسوقت شرائع معروف بھی نہ تھے (سوال دوم) جب ابن ام مکتوم کے واسطے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری تو پھر اُسکو اعمیٰ یعنی اندھے کے نام سے
 کیوں ذکر کیا (جواب) یہ کہ اُسکو اعمیٰ کہنا حقارت کے واسطے نہیں ہو بلکہ اندھے ہونے سے وہ زیادہ مہربانی کے لائق تھا تو کیوں اُسپر سختی فرمائی گئی
 مگر ترجمہ کہتا ہے کہ ہمیں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں تقرب حاصل ہونے اور جنت کے لائق ہونے میں اندھا بن کچھ مضرب نہیں ہے وہ فقہاں تعالیٰ
 ناہنا لائمی الابصار الخ یعنی ظاہری آنکھوں کا نہ ہونا اندھا بن نہیں ہو بلکہ اندھی وہ آنکھیں ہوتی ہیں جو سینہ میں ہیں۔ یعنی جسکو تم اعمیٰ کہتے
 ہو وہ پاکیزگی اور جنت کی صلاحیت حاصل کر سکتا ہے برخلاف بڑی بڑی آنکھوں والے کافر کے کہ وہ درحقیقت اندھا ہے اُسکو آثار قدرت نظر نہیں
 آتے ہیں (سوال سوم) حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو زجر فرماتے اور انکو ادب دیتے تھے تو ابن ام مکتوم کو کیوں
 خاص فرمایا (جواب) بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت تھی کہ جس مصلحت نظر آوے اُسکے موافق اصحاب کو ادب کریں لیکن ابن ام مکتوم

اندھی نہ تھی بلکہ کم سوچتا تھا اسی واسطے اللہ نے انکو قادیسیہ کے دن جنگ میں دیکھا بلکہ یہ اسی لڑائی میں شہید ہوئے ہیں اور قادیسیہ ایک شہر ہے جو جان کسری فارس نے اپنی فوجوں سے جوڑ کر کیا تھا اور مجوس وہاں جی توڑ کر لڑے لیکن اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو نصرت و غلبہ دیا اور کافروں نے فاش شکست کھائی ولہذا الحمد والمثنہ واضح ہو کہ رازی وغیرہ نے تصریح کی کہ علماء و مفسرین کے درمیان اتفاق ہو کہ سورہ عبس کا شان نزول قصہ عبد اللہ ابن ام مکتوم ہے اور کہا کہ آپؐ نے بعد ہجرت کے دو مرتبہ ابن ام مکتوم کو مدینہ پر خلیفہ کر کے سفر جہاد کیا اور فتح البیان ابن خازن سے منقول ہے کہ تیرہ مرتبہ خلیفہ کیا واللہ اعلم۔ اور روایات مذکورہ میں یہ مذکور ہے کہ مشرکین قریش میں سے ایک شخص سے باتیں کرتے تھے اور یہی آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ من استغنی وقولہ ان لا یرکی۔ یعنی ضمیر واحد پر بخلاف اسکے خطیب وغیرہ نے وہ روایت ذکر کی جس میں آیا ہے کہ مشرکوں کی ایک جماعت کو سمجھاتے تھے چنانچہ شیخ ابن کثیرؒ نے لکھا کہ ابن ابی حاتم و ابن جریرؒ نے بطریق عوفیؒ کے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ ایک وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت اسلام کی باتیں حبیبہ بن ربیعہ و ابو جہل بن شہام و عباس بن عبد المطلب سے کہتے تھے اور اکثر اوقات ان لوگوں کی طرف توجہ کرتے اور حرص سے چاہتے تھے کہ یہ لوگ مسلمان ہو جائیں اتنے میں اتفاق سے ایک اندھا آدمی آیا اور اسکو عبد اللہ ابن ام مکتوم کہتے تھے اور اُسے آپؐ سے قرآن کی آیت سیکھنی چاہی آپؐ ان لوگوں سے باتیں کرنے لگے اور عبد اللہ اعمیٰ نے کہا کہ یا رسول اللہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آپکو علم عطا فرمایا ہے آپ اُس میں سے مجھے سکھلا دیں پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے روبرو بیٹھ کر روٹی کی اور اُس سے منہ موڑ لیا اور آپؐ نے اسکا کلام کرنا مکروہہ جانا اور مشرکوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے فارغ ہوئے اور اپنے گھر جانے لگے تو ناگاہ آپؐ دیکھنے سے روک دیے گئے اور آپؐ سر پہ قابو ہوا یعنی وحی نازل ہوئی پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ جس وتولی ان جاءہ الا اعمیٰ الخ پھر جب عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے یہ آیات سُنیں تو اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسکی تکریم کرتے تھے اور باتیں کرتے اور کہتے کہ اے عبد اللہ تجھے کچھ ضرورت ہے اور جب وہ جانا چاہتا تو کہتے کہ تجھے کسی چیز کی حاجت ہے اس حدیث کو ابن مردودہ نے بھی روایت کیا ہے ابن کثیرؒ نے کہا کہ اسکی اسناد میں کلام کیا گیا ہے اور اسمیں غرابت و نکارت ہے (یعنی ضعیف ہے) شیخ جلالؒ نے لکھا کہ اسکے بعد جب ابن ام مکتوم آئے تو حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسکے لیے چادر بچھا دی اور فرماتے کہ جہاں آؤ تو یہی ہو جسکے لیے میرے رب عزوجل نے عتاب فرمایا مترجم کہتا ہے کہ ان آیات میں معجزہ عظیم ہے اس طرح کہ ان آیات کا نزول ابتدائے حال میں واقع ہوا اسوقت تک رسول اللہ صلعم مکہ میں تھے اور بعض صحابہ مشرکوں کے پنجہ عذاب میں پڑے تھے اور اس حالت میں عبد اللہ ابن ام مکتوم کی مدح فرمائی یعنی یہ شخص اسلام پر ثابت قدم رہے گا اور ایمان پر خاتمہ ہوگا اور ابی بن خلف کافر کی نسبت اُسکے دل کے حال سے آگاہ کیا کہ وہ ظاہر میں آتا ہے اور باکیز نہ ہوا تو تجربہ نہیں ہوا اور آگاہ کیا کہ اسکی باتیں ظاہری ہیں یعنی ظاہر میں جب اُس سے فرمایا کہ میں جس توحید کی طرف بلاتا ہوں اور مکارم اخلاق سکھاتا ہوں کیا تیرے نزدیک ان باتوں میں کچھ مضائقہ ہے تو کافر مذکور کہتا کہ کچھ مضائقہ نہیں ہے حالانکہ وہ دل سے مستغنی تھا۔ ازمیؒ نے لکھا کہ عطاء نے کہا کہ من استغنی یعنی وہ ایمان سے مستغنی وہ بے پروا ہے اور کلیبیؒ نے کہا یعنی اللہ تعالیٰ سے بے پروائی کرنا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اسکے یہ معنی ہیں کہ وہ کافر مالدار ہے رازیؒ نے کہا کہ یہ تفسیر ٹھیک نہیں ہے اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسکی طرف اس وجہ سے توجہ نہیں فرمائی کہ وہ مالدار ہے ورنہ قولہ تعالیٰ اما من استغنی فانت لہ تصدی کے یہ معنی ہوتے کہ جو شخص تو نگہ ہوا ہے تو اُسکی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ یہ بالکل باطل ہے کیا نہیں دیکھتے ہو کہ اسکے مقابلہ میں فرمایا۔ اما من جاؤک لیسعی و ہوشی فانت عنہ تلمی جو تیرے پاس و طرّا اس حالت سے آیا کہ اللہ تعالیٰ سے خوف رکھتا ہو تو اس سے تو منہ موڑتا ہے۔ یہاں یہ نہیں فرمایا کہ جو تیرے پاس

حرم کرنا کسی مفرد کا فرائض کے پیچھے خصوصاً اس طرح کراہی سے منع مؤثر نہیں ہو پیمانہ شان نزول امام ابن کثیرؒ نے لکھا کہ بہت مفسرین نے بیان کیا کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعضے کفار قریش سے باتیں کرتے تھے یہ کافر اپنی قوم میں رئیس و متمول سردار تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طمع کرتے تھے کہ یہ مسلمان ہو جائے اسی حالت میں ابن ام مکتوم آیا اور یہ شخص قدیم سے اسلام لایا تھا اور اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات بوجھنی شروع کی اور بوجھنے میں الحاح کیا اور اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ جانتے تھے کہ یہ ایک ٹھٹھری چپ رہے تاکہ اُس مشرک سے ابھی طمع گفتگو کر سکیں کہ شاید وہ مسلمان ہو جاوے پس ابن ام مکتوم کما اصرار کرنے پر آپ ترش روئی سے پیش آئے اور اُس کی بات پر حیا ل نہ کیا اور مشرک مذکور کی طرف متوجہ ہو گئے پس اللہ تعالیٰ نے یہ سورہ نازل فرمایا عیسٰی و تولى ان جادہ الاثمی و ما یدریک لعلہ نریکی۔ اسکو طہارت و تزکیہ نفس حاصل ہو۔ و یدکر فتغفہ الذکر ی یا اسکو نصیحت ملے کہ حرام و مکروہ سے باز رہے اما من استغنی فانہ لہ تصدی یعنی مستغنی مالدار سے تو متبرع نہ ہوتا ہو کہ شاید وہ ہدایت پاوے و ما علیک الا یرکی۔ یعنی اگر اس غنی کو طہارت حاصل نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسکی پریشانی ختم نہیں ہو۔ اما من جادک لیغنی۔ اور جو شخص تیرے پاس سعی کرنا یا اپنے تیرے پاس تصد کر کے ہدایت لینے آیا تاکہ جو کچھ تو فرماوے وہ اسکی تابعداری کرے۔ فانہ عندہ تملی۔ تو اُس سے دوسری طرف مشغول ہوتا ہو۔ یہاں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول علیہ السلام کو حکم دیا کہ حکم رسالت و انذار سنانے میں کسی شخص کو ترجیح نہ دین بلکہ شریف و وضع کو اور غنی و فقیر کو اور آقا و غلام کو اور مرد و عورت کو اور چھوٹے اور بڑے کو یکساں سنا دین پھر اللہ تعالیٰ جسکو چاہے گاراہ مستقیم کی ہدایت فرما دیگا اور اس حکمت کو وہی جانتا ہوا امام ابو یعلیٰ الحافط رحمہ نے لکھا کہ حدثنا محمد بن ہمدی حدثنا عبد الرزاق اخبرنا عن قتادہ عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ فی قولہ عیسٰی و تولى۔ کہا کہ ابن ام مکتوم ایسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے کہ آپ اس وقت ابی بن خلف سے باتیں کرتے تھے تو آپ نے ابن ام مکتوم سے منع پھیر لیا پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں پھر اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسکی تائیم کیا کرتے تھے اور قتادہ رحمہ نے کہا کہ مجھے انس بن مالک رحمہ نے آگاہ کیا کہ میں نے قتادہ کے روز ابن ام مکتوم کو دیکھا کہ اُنکے بدن پر زردہ تھی اور اُنکے پاس سیاہ نشان تھا ابو یعلیٰ و ابن جریر ترمذی نے سعید بن کعبی عن ابیہ عن ہشام عن ابیہ عن ابن ام مکتوم کہ لکھا کہ ابن ام مکتوم کا نام نہیں ہوا اور کہا کہ آنحضرت صلعم اس کافر سے کہتے کہ جو کچھ میں کہتا عائشہ رضی اللہ عنہا کے مانند شان نزول روایات کیا لیکن ابی بن خلف کا نام نہیں ہوا اور کہا کہ ابن ام مکتوم آئے اور موطا میں مرسل ہے یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام نہیں ہے ہوں بخلاف تیرے نزدیک اسمین کچھ بھی برائی ہو تو وہ کہتا کہ نہیں۔ پھر ابن ام مکتوم آئے اور موطا میں مرسل ہے یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام نہیں ہے و قد رواہ الحاکم و ابن المنذر و ابن حبان و ابن مردودہ من حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا و روایت اول کو عبد الرزاق و عبد بن حمید نے بھی روایت کیا ہے کہ خطیبؒ نے لکھا کہ ابن ام مکتوم کا نام عبد اللہ بن شریح بن مالک بن ربیعۃ الفہری ہے جو بنی عامر بن لوی میں سے تھا مترجم کہتا ہے کہ اسطرح رازی رحمہ نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے اور قسطلانی میں ہے کہ نام عبد اللہ ہے یا عمرو ہے اور باپ کا نام زائدہ ہے اور صحیح بخاری میں نام عمرو لکھا ہے واللہ اعلم و واضح ہو کہ آیت دلالت کرتی ہے کہ ابن ام مکتوم اس غرض سے حاضر ہوئے تھے کہ آنحضرت صلعم سے دین حق میں معرفت حاصل کریں اور رازی و خطیبؒ نے لکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جی میں کہا کہ یہ سرداران مشرکین خیال کریں گے کہ انکی پیروی کرنے والے ایسے ہی اندھے و غلام و کمینہ لوگ ہیں اس نظر سے بھی آپ نے ترش روئی کے ساتھ ابن ام مکتوم سے اعراض کیا۔ ہ۔ مترجم کہتا ہے کہ شاید آپ نے ایسا خیال کیا ہو مگر میں نے کوئی روایت نہیں پائی جس میں یہ ذکر ہو اور خطیبؒ نے رازی نے لکھا کہ ابن ام مکتوم نے بار بار دریافت کرنے شروع کیا اور انکو یہ نظر نہیں آتا تھا کہ آپ مشرکوں کے سرداروں سے باتیں کرتے ہیں۔ ہ۔ مترجم کہتا ہے کہ غالباً ابن ام مکتوم کی آنکھ بالکل

یہ جو وہاں شیاطین نہیں پہنچ سکتے ہیں لیکن قرآن مجید کی فضیلت اس سے کیونکر ظاہر ہوگی مگر ترجمہ کتاب ہو کہ یہ عجیب اعتراض ہو کیونکہ ساتویں آسمان پر ہونامع اسکے آثار کے سب فضیلت ہیں جیسے کوئی کہے کہ آفتاب گرد و غبار سے پاکیزہ ہو تو یہ فضیلت ظاہر ہے پھر کیا کوئی شخص یہ اعتراض کرے گا کہ وہ تو آسمان پر ہو اسکی کیا فضیلت ہوئی بلکہ یہ فضیلت مفید ہو کہ کفار حق کو یہ تبلیغ نہ ہوگی کہ شاید جن و شیاطین نے اسکو القا کیا ہو مسئلہ جب قرآن مجید اصل کلام پاک ہو جسکی صفت یہ ہو کہ اسکو مٹھریں کے سوا سے کوئی نہیں چھو سکتا اور تو حکم شریعت میں یہاں مکلفین پر واجب ہو کہ بغیر طہارت کے چھونے نہ پاویں اور اسی جہت سے حدیث میں حکم تھا کہ کوئی شخص قرآن کو لیکر کافروں کے ملک میں سفر نہ کرے یعنی تاکہ کفار بخش اسکو نہ چھوئے پاویں۔ راوی نے افسوس کیا کہ دیکھو اب دشمن نے اسکو محال کیا مگر ترجمہ کتاب ہو کہ آج کل اس دبا رہیں بہت افسوسناک حالت ہو اور سب زیادہ عجیب ہے کہ صورت کے مسلمان بے وضو نجاست کی حالت میں لکھتے اور چھاپتے ہیں اور بعض اسی حالت میں صحت کرتے ہیں یہ ظاہر نفاق ہو کیونکہ ایمان اسکو مقتضی نہیں ہو اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کا کلام اس سے پاک ہو کہ وہ چھونے میں آوے جیسے اللہ تعالیٰ نے مسجد بیت المقدس کو بنی اسرائیل کا قبلہ بنایا تھا اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہو کہ اس کے لیے کوئی مکان ہو جب بنی اسرائیل نے فسق و فجور و غور و غریزی و ظلم میں کثرت کی تو اُن سے مجوسیوں کو مسلط کیا جنھوں نے بنی اسرائیل کو بے شمار قتل کیا اور بیت المقدس کو سمار کر دیا اور بنی اسرائیل کو قید کر کے لے گئے پھر جب انکی توبہ دل سے ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے پھر انکو قوت و غلبہ دیا اور بیت المقدس کو آباد کر دیا اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا اور انکو نصرت عطا فرماتا ہو واللہ رب العالمین۔ **بَابُ يَسْفِرُ**۔ ہاتھ میں ہو سفرہ کے ف سفرہ جمع سافر یعنی لکھنے والا اور یعنی سفارت لانے والا اگر اول میں ہوں تو مطلب ہے ہو کہ ایسے ملائکہ کے ہاتھ میں ہو جو اسکو لوح محفوظ سے صفحہ میں نقل کرتے ہیں۔ ابن کثیرؒ نے لکھا کہ ابن عباسؓ و مجاہد و ضحاک و ابن زید نے کہا کہ سفرہ ملائکہ ہیں وہب بن منبہؒ نے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں۔ قتادہؒ نے کہا کہ سفرہ قراءت یعنی تلاوت کرنے والے ہیں۔ ع۔ معنی یہ کہ قرآن ایسے بندوں کے ہاتھوں میں ہو جو اسکو تلاوت و درس کرتے ہیں جنکی یہ صفت ہو کہ **كِرَاهِم بَرَكَةٌ**۔ بزرگ نیکو کار ہیں ف اللہ تعالیٰ کے نزدیک جنت میں مکرم کرنے کے لیے بزرگ ہیں اور ایمان و حسنات سے صالحات اعمال بجا لانے میں انویں بندے توفیق پانے میں قرآن مجید کو ہاتھوں میں لیکر تلاوت کریں اور ایسے لوگ یقینی طور پر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انکے مومنین صالحین ہونے سے صاف آگاہ فرمایا ہو اسیدو سٹے وہبؒ نے بھی تفسیر کی اور انکے سوا باقی امت کے مومنین صالحین کو نیچے عقل سے پہچانا۔ ابن جریرؒ نے ابن عباسؓ سے نقل کیا کہ سفرہ بنعلی زبان میں قراءت یعنی پڑھنے والے ہیں۔ ابن جریرؒ نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ سفرہ ملائکہ ہیں اور سفرہ جمع سفیر ہے یعنی اللہ تعالیٰ واسکے بندوں کے درمیان میں یہ ملائکہ سفیر یعنی درمیانی ایچی ہیں جیسے لوگوں کے درمیان میں آدمی ایچی ہوتا ہو جو ان میں بہتری و صلح میں سعی کرتا ہو اور بخاریؒ نے کہا کہ سفرہ ملائکہ ہیں اور محاورہ میں آتے ہیں کہ سفرت یعنی میں نے ان میں صلح کر دی۔ قولہ کرام پر۔ یعنی انکی خصلت اچھی و شریف ہو اور انکے اخلاق و افعال پاکیزہ نیک ہیں۔ اسی مقام سے کہا گیا کہ جو شخص حفظ قرآن باعالم ہو تو چاہیے کہ اسکے اخلاق اچھے ہوں اور افعال نیک ہوں (تفسیر ابن کثیرؒ) خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے بزرگ قرآن مجید کو نازل کیا ہو تاکہ لوگ اس سے تذکر و نصیحت حاصل کر کے اور دنیاوی زندگی میں پاکیزہ و نیکو کار ہو کر آخرت میں جاوے ورنہ بخش جنمی ہوگا اب جس کا جی چاہے اسکو اختیار کرے ورنہ کفر و حیات دنیا پر مرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام یہ ہو کہ پیغام رسالت ادا کریں آئندہ جسکو اللہ تعالیٰ چاہیگا ہدایت عطا کرے گا اور آپ کا

یہ آیات یا دلائل والی نصیحت میں سوچنا چاہیے نصیحت حاصل کرے ف واضح ہو کہ ضمیر (انہا) آیات قرآن ہیں یا خود قرآن لیکن ضمیر پوش
لجاء مذکور ہو جو ہونٹ لفظی ہو اسی لیے (ذکرہ) کی ضمیر مرکب یا تذکرہ یعنی وعظ ہو۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن اسکی آیات کو نازل فرمایا کہ
نیکوئی بندہ اپنے عہد نازل کر یا دکرے یعنی اسکے دل میں وہ لطف اس پاک کلام سے پیدا ہو اب یہ حجت پوری ہو اور بعد اسکے ہر شخص اختیار
کر لیا تو جسکا جی چاہے اسکا اعتنا و نصیحت و راہ ستقیم حاصل کرے اور آخرت کے لیے سامان کرے اور جسکا جی چاہے اس سے منہ موڑے
اور بے پروائی کرے دنیا سے فانیہ کو اختیار کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا کہ یہ کلام پاک اُسکے نزدیک جلیل القدر بزرگ منزلت ہو۔
فی صحیف مکتسۃ۔ ایسے صحیفوں میں ہر جگہ بزرگی دی گئی جو ف ابن کثیرؒ نے کہا یعنی یہ سورہ بلکہ تمام قرآن صحف مکرمہ میں
(۱) خطیب وغیرہ نے لکھا کہ اپنے لوح محفوظ سے صحیفوں میں منقول ہو (سراج) مترجم کہتا ہو کہ پھر اسکی حکمت نہیں ظاہر ہو سکتی کہ آیات
قرآنیہ کو متعدد صحیفہ میں کس فائدہ سے نقل کیا گیا ہو اور مترجم کہتا ہو کہ شاید یہ بھی ہو کہ قرآن مجید کے ہر سورہ کے ساتھ میں ملائکہ کی ایک کتابت
خاص ہو جیسے فضائل میں گذرا کہ سورہ انفال ایک بار لگی نازل ہو جسکی متابعت میں ستر بزرگ ملائکہ تھے یعنی اُس بزرگ کلام کی جلو میں ملائکہ
تھے اسی طرح ہر سورہ کے ساتھ جہا مات میں اور انجیل کے پاس یہ صحائف ہیں واللہ تعالیٰ اعلم **ہوئے مرفوعہ**۔ یہ صحیفے مرفوعہ ہیں
و احدی نے لکھا کہ مفسرین نے فرمایا کہ (مکرمہ) یعنی لوح محفوظ میں مکرم ہیں اور (مرفوعہ) یعنی ساتویں آسمان پر بلند ہیں اہام ابن جریرؒ
نے کہا اپنے مرفوعہ القدر میں یعنی اللہ تعالیٰ نے اُسکی قدر رفیع رکھی جو ف۔ بعض نے کہا کہ صحف وہ صحیفے ہیں جو انبیاء علیہم السلام پر نازل
ہوے مترجم کہتا ہو کہ یہ قول زیادہ واضح ہو اس لیے کہ کلام حق تعالیٰ ہی ان انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوا اور فضائل میں بیان ہو چکا کہ یہی
سورہ ہاے قرآنیہ میں جو تورات و انجیل وغیرہ میں اترے تھے اور منضعات (سورہ حق سے آخر تک) اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نازل
فرمائے ہیں اور قولہ تعالیٰ صحف ابراہیم و موسیٰ۔ یعنی یہ قرآن ابراہیم کے صحیفوں میں اور موسیٰ کے صحیفوں میں تھا لیکن واضح رہے کہ بعض
سورتوں میں بعضی آیات ایسی زائد فرمائی ہیں جو سابق کے صفحہ میں نہ تھیں جیسے سورہ بقرہ کا خاتمہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے زیر عرش کے خزانے
سے عطا فرمایا جیسا کہ حدیث صحیح میں مذکور ہو اور حسن بصریؒ وغیرہ علماء تابعین سے روایات ہیں کہ صحف و کتب جو سابقین انبیاء علیہم السلام
پر نازل ہوئیں سب کا علم اس قرآن میں جمع ہو اور جامع صغیر سیدوطی میں صریح حدیث ہو کہ جب عمر رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی سے
نقل کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا یا تو آپ کا چہرہ مبارک غصے میں متغیر ہوا اور حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں اللہ
اور رسول کے غضب سے پناہ مانگتا ہوں بن اللہ تعالیٰ و رسول و قرآن پر (یا اسلام پر) ایمان لایا۔ یہ میں نے اپنے نزدیک اس نیت سے نقل کیا تھا
کہ اپنے علم کے ساتھ علم زیادہ کروں آپ کا غصہ فرو ہوا اور فرمایا کہ اگر اس زمانے میں موسیٰ موجود ہوتا تو اس کے لیے کوئی راہ نہ تھی سورہ
اسکے کہ مجھ پر ایمان لاوے اور اللہ تعالیٰ مجھے قرآن مجید عطا فرمایا اور اسکو میرے لیے اپنی قدرت سے اسطرح مختصر فرمایا کہ جمیع علوم
آخرین کا جامع ہو اور تم کبھی ان گراہوں سے امید نہ کرو کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تفسیر کیا تو تمہارے ساتھ سچ کہیں مترجم
کہتا ہو کہ یہ متفرق روایات کا مجموعہ ہو اور اخیر کی نصیحت ابن عباسؓ سے بھی مروی ہو واللہ تعالیٰ اعلم تاکہ یہ قول زیادہ واضح ہو کہ یہ قرآن مجید نشان
جلیل پر ہو کہ نام ہدایت اولین و آخرین اسی میں جو یہی صحف مکرمہ میں تھا جسکی اصل آسمان میں ملائکہ کے ہاتھوں میں ہو اور مرفوعہ القدر ہو کہ ظاہر
میں بھی آسمان نفیم پر ہو **طہوۃ**۔ پاکیزہ رکھا گیا جو ف اسکو شایطین نہیں چھو سکتے ہیں وقال تعالیٰ۔ لا یسد الا المطہر دن۔ وہی اسکے
چھو سکتے ہیں جو خوب پاکیزہ ہیں یعنی ملائکہ (السراج) سلیمان حمل نے کہا کہ شایطین کے چھونے سے پاکیزگی ظاہر ہے کہ قرآن مجید ساتویں آسمان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب نہیں فرمایا کہ تو نے ایسا کیا بلکہ بعینہ غائب ارشاد کیا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول علیہ السلام کی تکریم و بزرگی ظاہر فرمائی ہے۔ اور یہ فن بلاغت میں بیان کیا گیا ہے۔ حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ کے رسول نے ترش روئی کی اور منہ موڑ لیا **اَنْ جَاءَهُ الْاَعْمٰی**۔ اولان جارہ الاعمی۔ اس لیے کہ اُس کے پاس اندھا آیا ف یعنی اللہ تعالیٰ کے رسول نے یہ عیون اعراف اس جہت سے کیا کہ اُس کے پاس استی اندھا آیا۔ اور اُس نے دین کی بات پوچھی تاکہ اپنے نفس کو پاکیزہ کرے اور رسول اللہ اس وقت بعینہ کافرون کو سمجھاتے تھے اور یہ کافر اپنی قوم کے سردار تھے کہ اگر مسلمان ہو جائے تو بہت لوگ مسلمان ہو جائے اسی حالت میں اندھے نے اپنے واسطے ہدایت چاہی تو رسول اللہ نے ترش روئی سے اعراف کیا۔ شاید یہ خیال ہو کہ یہ ان بزرگوں کے مقابلے میں کیا کر لگا اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **وَمَا یَذُرُ لَکَ لَکَ یَزِکٰی**۔ ای تیز کی۔ اور تجھے کس چیز نے آگاہ کیا ہے شاید وہ پاکیزہ ہو جاوے۔ **ف** یعنی تجھے اُس کا حال کیا معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کے حق میں کیا مرتبہ مقرر فرمایا ہے شاید وہ پاکیزہ ہو جاوے تجھے معرفت الہی کا کلمہ حاصل کر کے نفس کی رعونت سے پاکیزہ ہو **اَوْ یَذُرْ لَکَ اَوْ یَذُرْ لَکَ**۔ یادہ نصیحت محل کر لے پس اس کو نصیحت نافع ہو ف یعنی تجھے نصیحت شکر اللہ تعالیٰ سے توفیق پائے اور اس پر عمل کرے یعنی اعتقاد میں معرفت مزید پاوے باعمل میں نفع اٹھاوے قولہ فتنفعہ میں عاصم نے نفع العین پڑھا اور باقیوں نے بضم العین پڑھا رازی و خطیب وغیرہ نے لکھا کہ نفع العین کجواب لعل ہے جو ہونے والی امید کا کلمہ ہے جس کو اصطلاح میں ترجی کہتے ہیں اور ابن عطیہ نے کہا کہ متنی کا جواب ہے تو اس پر اوجہاں نے اعراف میں کیا کہ متنی کا کلمہ (لیت) ہے (جواب) دیا گیا کہ وقت نصیحت کے جو متنی مفہوم ہے وہ مراد ہے اقول فیہ نظر فافہم۔ **اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی فَاَنْتَ لَکَ تَصَدّٰی**۔ رہا وہ شخص جو مستغنی ہو تو اُس کے واسطے تو مستغنی ہوتا ہو ف یعنی جو کفار تیرے پاس آئے تھے کہ اپنے مال کے گھنڈ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے سے بے پروائی کرتے تھے تو ان آحق کافروں کی طرف متوجہ ہونا تھا (سراج) اور تجھے یہ فکر تھی کہ کسی طرح یہ لوگ اسلام لاویں تو بہت لوگ مسلمان ہوں اور تو یہ نہیں جانتا کہ ابو جہل و ولید بن المغیرہ وغیرہ کے اشل کے حق میں اللہ تعالیٰ نے کیا مقدر فرمایا ہے اور وہ مغرور متکبر کو راہ نہیں دیتا **یَوْمَ مَا عَلِیْکَ الْاٰیٰتِ**۔ حالانکہ تجھ پر کچھ نہیں ہے کہ وہ پاکیزہ نہ ہو ف یعنی تو دلی کوشش سے مغرور کافر پر متوجہ تھا اور ایک اندھے غریب مسلمان سے منہ موڑتا تھا حالانکہ کافر مغرور اگر ایمان توحید سے پاکیزہ نہ ہو تو ہماری طرف سے تجھ پر کچھ مطالبہ نہ تھا کیونکہ تو فقط ڈر سنانے والا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کو اُس کا پیغام پہونچاوے اور ان کا آغاز و انجام سنادے پھر اسکے بعد اللہ تعالیٰ جس کو چاہیگا اُس کو ہدایت و پاکیزگی عطا فرما دیگا اور تیرا ثواب سالٹ ہوگا ہو گیا پس تیرا یہ حال کیوں ہوا کہ تو نے ایک مغرور بے پروا کافر پر توجہ کی۔ **وَاَمَّا مَنِ جَاءَکَ یَسْعٰی وَهُوَ مَخْشٰی فَاَنْتَ عَنْہُ تَلٰمٰی**۔ اور رہا جو شخص کہ تیرے پاس دوڑتا ہوا آیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اُس سے توبے تو بھی کرتا ہو ف دوڑتا ہوا کنا یہ ہے کہ دلی رغبت سے آیا برخلاف کافر مغرور کے جو تکبر سے بے پروائی رکھتا تھا یعنی جو بندہ کہ دلی رغبت سے دوڑ کر تیرے پاس آیا اور حالیکہ عذاب الہی سے ڈرتا ہے یعنی تاکہ اپنے رب تبارک و تعالیٰ کی راہ پاوے اور اُس کے عذاب سے بچے اُس نے ایک شخص کافر کے پاس خاطر سے غفلت و بے پروائی کی ۵ ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشند ۶ خدا سے یک تن بیگانہ کا شائبہ اپنے آدمی کے عزیز قریب جو ایسے ہوں کہ اللہ تعالیٰ کو نہ پہچانتے ہوں تو ایسے ہزار کو قربان کرے ایک اجنبی پر جو اللہ تعالیٰ کی محبت معرفت رکھتا ہو **کَلَّا ہرگز نہیں ف ایسا کبھی نہ تجھ پر انہا تَذٰکِرَۃٌ فَمَرُّ شَآءٍ ذَکَرٰ**

میں ہر شخص مر اسکی قیامت قائم ہوگئی۔ مد۔ یعنی دنیا اسکے لیے فقط اسقدر تھی وہ ختم ہوئی اب اسکا معاملہ قیامت پر رہا اور اسطرح حدیث امام الترمذی
عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ اعراب دیہاتی آتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت پوچھتے تو آپ سمجھاتے کہ یہ بچہ اگر زندہ رہا تو تم پر قیامت قائم ہوگی
ابن مردودہ (یعنی تمھاری موت اسکی عمر طبعی سے پہلے ہو تو تمھاری قیامت موت جو رازی وغیرہ نے لکھا کہ قولہ ضحاک۔ ضمیمہ صفحہ ۱۱۱ عیشیہ کی طرف سے
یعنی عیشیہ کی مضمی۔ چونکہ عیشیہ میں مضمی نہیں ہو تو مراد یہ کہ یوم کی عیشیہ یا یوم کی مضمی۔ اور واضح ہو کہ کبھی مصیبت کے زمانہ کو عیشیہ کہتے ہیں اور راحت کے
وقت کو مضمی کہتے ہیں پس جو لوگ قیامت کے موقف میں حاضر ہوئے وہ اپنی محنت کے زمانہ کو عیشیہ اور راحت کے زمانہ کو مضمی سمجھنے کو یا یہ کہیں گے
دنیا میں ہماری عمر فقط یہی دو گھڑی تھی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سورة عبس مكية وثمانون واربعون آية

سورہ عبس مکیہ ہے اور اس سورہ کا نام سورہ السفرہ بھی ہے (سراج) اور اسکو سورہ الاعلیٰ بھی کہتے ہیں (رف) یعنی یہ نام سلف سے منقول
ہیں اور کسی شخص کو اپنی رائے سے نام رکھنے کا اختیار نہیں ہے۔ ابن عباس و ابن الزبیر سے روایت ہو کہ یہ سورہ کے میں نازل ہوا ہے و طبری
وغیرہ نے کہا کہ بالا جماع سب علماء کے نزدیک یہ سورہ مکیہ ہے اسکی آیات کے شمار میں اختلاف ہے تفسیر ابو السعود میں لکھا ہے کہ اکتالیس
آیات ہیں اور سراج و کبیر وغیرہ میں بیالیس ہیں اور فتح البیان میں دو نون قول متروک ہیں واللہ تعالیٰ اعلم خطیب نے لکھا کہ اکتالیس
کلمات ہیں اور تین سو تیس حروف ہیں واضح ہو کہ سورہ کا مکیہ یا مدنیہ ہونا آیات کا شمار وغیرہ کچھ قرآنی تنزیل میں داخل نہیں ہیں اور نہ انکی بابت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ہمتی پر تعلیم رکھی ہے بلکہ علماء مجتہدین کے لیے بعض مسائل کے لیے انکا حاشا مفید ہے واللہ تعالیٰ ہو الموفق

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

عَبَسَ وَتَوَلَّى ۚ اَنْ جَاءَهُ الْاَغْمٰی ۚ وَمَا يَدْرِيْكَ لَعَلَّكَ يَوْمًا ۙ اَوْ يَذَّكَّرُ
تَبْرٰی جڑھائی اور منہ موڑا اس سے کہ آیا اُس باس اندھا اور نیکو کیا غیب ہے شاید کہ وہ سنو رہا
فَتَنْفَعُ الْذِّكْرٰی ۚ اَمْ اَمَّا مِّنْ اَسْتَغْنٰی ۚ فَاَنْتَ لَهُ تَصَدٰی ۚ وَمَا عَلٰیكَ
توکام آتا اُس کے سمجھنا وہ جو بدوا نہیں کرتا سو تو اُسکی فکر میں ہو
اَلَا يَذَّكَّرُ ۚ وَاَمَّا مِّنْ جَاءَكَ لَيْسٰی ۚ وَهُوَ يَخْشٰی ۚ فَاَنْتَ عَنْهُ تَكْفٰی ۚ كَلَّا
کہ وہ نہیں سنو رہا اور وہ جو آیا تیرے باس دوڑتا اور وہ ڈرتا ہے سو تو اُس سے تغافل کرتا ہو یوں نہیں
اِنَّهَا تَذٰكِرَةٌ ۙ فَمِنْ سَاءَ ذِكْرًا ۚ فِیْ صُفْحٍ مَّكْرَمَةٍ ۚ مَّرْفُوعَةٍ
یہ تو سمجھوتی ہے پھر جو کوئی چاہے اسکو بڑھے لکھی ہوا ادب کے ورتون میں اور بچے دھرے
مُطَهَّرَةٍ ۙ اٰیٰتِیْ سَمِيْعَةٍ ۚ كِرَامٍ بَرَكَةٍ ۚ
مستحضر ہے ہاتھوں میں لکھنے والا۔ لون کے جو سرور ہیں نیک
عَبَسَ۔ منہ بنایا اور ترش روی کی۔ وَتَوَلَّى۔ اور منہ موڑ لیا یعنی اللہ تعالیٰ کے رسول نے اللہ تعالیٰ سے

کا دستور تھا جب کوئی بڑا معاملہ ہوتا تو شاعر کبیت بنا کر راجہ کی تعریف کرتا وہ کبیت چند روز تک لوگوں کی زبان پر رہتا پھر مٹ جاتا تو یہ مسکرا
 کہان کی تاریخیں ڈھونڈتا ہی اور تاریخ سے بڑھکر قطعی دلیل یہ ہو کہ قرآن مجید تمام عرب کو سنا یا گیا اور سوائے عرب کے وہاں یہود و نصرائی
 توہین آباد تھیں اور آپ کی رسالت سب جہان پر فرض ہو اور سب کما گیا کہ اگر یہ قرآن نہ مانتو تو بیشک جہنم میں ڈالے جاؤ گے پس سب نے
 سر نہج کیا اور رسالت کا اقرار نہ کیا بلکہ اپنی آل و اولاد کو لڑنے میں قتل کرایا اور آخر مغلوب ہوئے اور کمانچوں نے جزیہ دینا منظور کیا اور ان میں سے بہت
 لوگوں نے کہا کہ قرآن بیشک فصاحت و بلاغت میں بے مثل ہو لیکن جادو ہو غرض کہ ہر حیلہ و جان و مال سے مقابلہ کیا لیکن یہ کسی نے نہیں کہا کہ اس میں
 صریح یہ جھوٹ ہو کہ شق القہر ہوا۔ پھر جب ہی لوگ ایمان لائے تو وجہ کے ساتھ اسکو تلاوت کرتے اور اسی کو قصیدہ کسریٰ پر اللہ تعالیٰ کی حجت پیش
 کرتے۔ پھر برابر متواتر چلا آیا جس میں در ابھی شک نہیں ہو تو متواتر معلوم ہوا کہ شق القہر واقع ہوا تھا جس سے بہت پرست و بیود و نصاریٰ کسی نے
 انکار نہیں کیا تو اب اس متحد و منکر کا انکار جو اس قدر جرات کے ساتھ ہوا بالکل باطل ہو قرآن میں بہت سے معجزات ہیں جو قرب قیامت کی
 نشانی ہیں اور منجملہ علامات کے جو حدیث میں ہیں ایک یہ ہو کہ قیامت کے قریب نصاریٰ ہرے ہوں زمین پر غالب اور بکثرت و قوی ہوں گے
 بالجملہ اگر عرب کے اول گروہ کفار کو شک تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم معجزات دہانت لائے ہیں کہ نہیں اور یہ آیات واقع ہوئی یا نہیں تو آئندہ نہ
 کا حال تھا لیکن بعد اسکے اسلام نے نصیر و کسریٰ کی سلطنتیں فتح کر لیں اور اسوقت صدق دل سے سب کو ان معجزات کا حق ہونا ظاہر ہوا
 پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخرین اس امت کا بگڑنا اور زوال بیان اور علامات قیامت بیان فرمائے ہیں پھر اگر دوسری صدی کے مسلمانوں
 نے انکو نہیں دیکھا تھا بلکہ تیسری صدی میں نصرائیوں کا گویا مٹ جانا دیکھتے تھے لیکن احادیث کو روایت کر دیا تو بھلا اس زمانے کے بگڑے
 ہوئے لوگوں کو کیا شک ہو جو ان سب احادیث کے موافق بالکل اسوقت حالت دیکھ رہے ہیں اور اسلام کے معنی ان لوگوں میں بالکل
 اٹک گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو ہدایت و نصرت عطا فرما کر مستقیم فرماوے بالجملہ اس وقت کے کافروں نے قیامت سے خوف نہ کیا بلکہ
 بطور انکار و طعن کے قیامت کا معین وقت پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے ظاہر کر دیا کہ اس بات کا علم کسی مخلوق کو نہیں دیا گیا بلکہ فقط اللہ تعالیٰ ہی اسکو
 جانتا ہو اور کافروں کو اسوقت سوئے حسرت کے کچھ ہاتھ نہیں آوے گا کیونکہ دنیاوی زندگی جسکو انھوں نے اختیار کیا ہو اور عمر برباد کرتے ہیں وہ دنیا
 قلیل ہو جیسے کافروں کی سمجھ حقیر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **إِنَّمَا أَنْتَ مُنَادٍ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ يَسْمَعُ الْوَهْشَةَ**۔ تو فقط ایسے ہی شخص کو ڈرانے
 والا ہو قیامت کا خوف دیکھنا ہوف اور نور عقل سے تیری بدیہی نبوت کو یقین کر کے اس دن کے لیے نجات عذاب کا سامان کرنا ہو برخلاف
 احسن مشکر کے جو دنیاوی مال و دولت پر مغرور ہو کر اسی دنیا پر چھروسا کرے وہ سخت بربادی میں پڑا ہو گا **يَوْمَ يَكُنْ وَهْشًا**
كَمْ يَلْبِسُواْ لِأَعْشِيَّةٍ أَوْ ضُحًّیَا۔ جس روز یہ لوگ قیامت کو دیکھیں گے تو گویا نہیں ٹھہرے تھے مگر عشیہ یا اُضحیٰ ضحیٰ
 ف یعنی جس دن کافروں کو قبروں سے اٹھایا جاوے گا تو آیات میں آیا ہو کہ باہم گفتگو کر گئے کہ ہم کتنی دیر وہاں ٹھہرے ابن کثیر نے کہا کہ یعنی
 دنیاوی زندگی کی مدت بہت کم سمجھیں گے گویا وہ ایک دن کے عشی یا ضحیٰ تک ٹھہرے (ع) عشی تیسرے پہر سے شام تک ہو اور ضحیٰ اول
 وقت و صوب چڑھنے کا وقت ہو اور شاید مراد یہ کہ دن چڑھے تک ٹھہرے اور دو پہر سے پہلے مر گئے ہیں اور ابن عباسؓ سے ایک روایت ہو
 کہ اول سے دو پہر تک ضحیٰ ہو۔ قنادہ نے کہا کہ ان لوگوں کی نظر میں دنیا اسی قدر ہوگی مترجم کشا ہو کہ دنیا سے ہر ایک کی زندگی مراد ہو اسلیے کہ
 ہر آدمی کیلئے دنیا فقط اُضحیٰ جل تک ہو اور اس سے زیادہ مراد ہو۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ قیامت قائم ہونے کا وقت
 پوچھتے ہیں ان میں اسلیے کہ اگر دیر ہو نہ رہے اور قیامت کے دن ہزار ہا برس مراد ہو تو زید کیلئے فقط دنیا سو برس اسکو قیامت سے کیا غرض ہو اسلیے کہ

بیان حق اور لب لباب میں نازل ہوئیں تو اس وقت کے کافروں نے بجائے نصیحت کے عداوت کی اور بجائے معرفت کے جہالت اختیار کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اچھا آپ جو کہتے ہیں کہ ضرور آخرت ہو اور طامۃ الکبریٰ آویگی اور سب زندہ کر کے جمع کیے جاوے گا تو ہم کو بھی بتلا دو کہ وہ کس چیز آویگی تاکہ اس روز سچ و جھوٹ کا فیصلہ ہو جاوے (مترجم کہتا ہے کہ خدا مقرر کرے کہ کافر کے کفر کی حماقت کہاں تک بچد ہوئی ہی تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تو فرمے اللہ تعالیٰ۔ لَسْتَ لَوْ نَكَ عَنْ السَّاعَةِ آيَان مَرْسَمَهَا فِيمَا أَنْتَ مِنْ ذِكْرُهَا إِلَى رَبِّكَ مُنْتَهَاهَا۔ تجھے قیامت کے حال سے یہ پوچھتے ہیں کہ اس کے قائم ہونے کا وقت کب ہو حالانکہ تو اس کے ذکر سے کس بات میں ہر اس کا منہاے علم تو تیرے رب ہی کی طرف ہر فہم یعنی کفار تجھے قیامت کے حال سے اپنے فائدہ کی بات نہیں پوچھتے بلکہ یہ پوچھتے ہیں کہ اس کے قائم ہونے کا وقت کب ہو حالانکہ تجھے اس بارہ میں کیا حاصل ہے کہ تو اسے قیامت قائم ہونے کا وقت ذکر کرے اور ان احمقوں کو وہ وقت بتلا دے یہ علم تو فقط تیرے رب عزوجل کو ہی حاصل ہوا ہے سوائے کسی مخلوق کو یہ علم نہیں ہر حق کو کوئی مقرب فرشتہ بھی کچھ نہیں جانتا ہو بلکہ سب عاقل اس سے خوفناک ہیں قال تعالیٰ ثقلت فی السموات لا تاتیکم الا بغتۃ الایۃ۔ یعنی قیامت کا نام اس آواز میں نہایت گراں ہر چیز اس کے نام سے خوفناک ہے وہ سب را جانا کہ ہی آویگی اور لوگ تجھے اس طرح پوچھتے ہیں گویا تو اس کو خوب بتلا سکتا ہو تو کہہ دے کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ مد۔ ایک اعرابی نے سامنے حاضر ہو کر عرض کیا کہ بار رسول اللہ قیامت کب ہو آپ نے فرمایا کہ تو نے اس کے واسطے کیا سامان کیا ہو یعنی تیرے واسطے سفید یہ کیا سامان کرے وقت سے کیا فائدہ ہو کہ وہ تو آخر آئیوالی ہو اور اس وقت کچھ کام نہ آوے گا) اس نے عرض کیا کہ اے رسول اللہ میرے پاس کچھ بہت ناز ہو اور نہ روزہ ہو لیکن میں اللہ و رسول کو محبوب رکھتا ہوں (مجھے رسول اللہ بہت پیار ہے میں) آپ نے فرمایا کہ پھر تو اسی کے ساتھ ہو گا جس کو پیدا رکھتا ہو آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے جیسے یہ بات سنی تو مارے خوشی کے تہ دل سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور بعد ایاں کے انکو کسی چیز سے ایسی خوشی نہیں ہوئی تھی جیسے اس حدیث سے خوشی ہوئی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو روایت کر کے کہا کہ میں حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو بہت دوست رکھتا ہوں اگرچہ میرے پاس انکے مثل اعمال نہیں ہیں (صحیح الترمذی) ایک مرتبہ حضرت جریر بن عکرم الکلی ایک آدمی کی صورت بنا کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سب کے سامنے آئے اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے کچھ ہی دن قبل کا ذکر ہوا اور سب جماعت کے سامنے آپ سے اسلام بھرا یاں دیا اور احسان کو پوچھا آپ نے جوابات دے کر پھر کہا کہ بار رسول اللہ قیامت کب ہو آپ نے فرمایا کہ جس سے پوچھتا ہو وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا لیکن اگر تو قیامت کی نشانیاں دیکھتا ہے تو میں تجھے بتلاؤں۔ پھر آپ نے نشانیاں بیان فرمائیں مترجم کہتا ہے کہ آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ انکا ذکر آوے گا خطیب رازی وغیرہ نے لکھا کہ بعض کے نزدیک (فہم) صلحہ ہوا دینے پر کہ کس چیز میں انکو رد و جواب دینا من ذکر ایاں تو خود قیامت کا یاد دلانے والا ہے۔ یعنی ہم نے کچھ خاتم النبیین بھیجا ہو اور تو قیامت کے منہ پر ہوا و قرب قیامت کے لیے ایک علامت ہو تو تیرا مبعوث ہونا انکو کافی تھا کہ قیامت بہت قریب ہو مترجم کہتا ہے کہ حدیث میں ہے کہ آپ نے کلمہ ونج کی انکلی ملائی اور فرمایا کہ میں اور قیامت اس طرح بھیجا گیا ہوں یعنی جیسے یہ دونوں انکلیاں متصل ہیں مترجم کہتا ہے کہ یہود و نصاریٰ سے یہ بات متواتر مل جاتی ہے کہ خاتم النبیین کے بعد کوئی رسول نہ آوے گا اور قرآن مجید میں ہے اقرب الساعۃ وانشق القمر۔ یعنی قیامت قریب کی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ مد۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے زبردست معجزہ تھا اور قرب قیامت کی علامت تھا۔ آج کل جو کوئی انشق القمر کے معجزہ سے منکر ہو وہ کافر ہو منکر کہتا ہے کہ یہ شق القمر تمام جہان و کھٹا حالانکہ یورپ کی تاریخیوں میں لکھا

ذکر نہیں ہے (جواب) یورپ میں اس زمانہ میں اس قدر جہالت تھی کہ لوگ تاریخ کا نام بھی نہیں جانتے تھے اور ہندوستان کے راجاؤں میں فقط کتب

خون کیا اور کسے واسطے دو جنتیں ہیں اور سنے صاف جواب دیا کہ اے شیخ احمد اللہ تعالیٰ نے مجھے چار جنتیں عطا فرمائی ہیں اپنے میرا ناخیر
خون اس کرم کے ساتھ قبول فرمایا۔ اس روایت کو طول کے ساتھ میں نے طوالت سورتوں کی تفسیر میں شیخ ابن کثیر کی کتاب سے نقل کیا ہے واللہ اعلم
والمنۃ بالجملہ اس مقام کی آیات مقدس انسان کے لیے کافی دانی ہیں اور بحمد اللہ کہ مترجم نے انکی تفسیر میں اہل کفر و عناد کے شبہات دور کر دیے اور
اہل ایمان کے لیے انکے آغاز و انجام کا لب لباب مل گیا جو ہر سعادت مند کے لیے کافی ذخیرہ ہے صرف یہ باقی رہا کہ نفس کو ہوا سے باطلہ سے روکنے
کی کیا تفصیل ہے تو اس کا جواب بیان اسی قدر ممکن ہے کہ شریعت میں جو امور ممنوع ہیں اور اسے احتیاط و برہنہ رکھنا مقدم ہے تو اس میں اشارہ ہے کہ
ممنوعات ترک کرنا اصل تقویٰ ہے اور یہی اکابر اولیاء نے صحیح بیان کیا ہے جیسے حضرت سیدنا عبد القادر جیلانی علیہ الرحمہ نے فتوح الغیب
میں لکھا ہے اگر کوئی بھر نماز و روزہ بھی تو فرض ہے (جواب) یہ آسمین پہلے آگیا اس لیے کہ نماز ترک کرنا اس قدر منع ہے کہ آدمی کفر کی حد میں گر پڑتا ہے اور پہلے
سے یہ نکتہ سمجھ لیا گیا کہ آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ (وہ طاعات کو بجالایا) بلکہ یہ فرمایا کہ (اور اسے نفس کو ممنوعات سے روکا) تو آسمین فرائض و
واجبات نماز و روزہ وغیرہ ادا کرنا بھی آگیا کیونکہ انکا ترک کرنا سخت کبیرہ ممنوع ہے برخلاف اسکے طاعات بجالانے میں زنا و چوری وغیرہ چھوڑنا
نہیں نکلتا تھا۔ اب ایک فرق یہ ہے کہ ایک شخص مثلاً رات بھر نفل عبادت کرتا ہے اور دن بھر وظیفہ پڑھتا ہے لیکن وہ مال میں بخیل ہے تو یہ شخص اب
ہو بہ نسبت اس کے جو رات میں فرائض ادا کرتا ہے اور بخیل نہیں ہے کہ یہ افضل ہے پس متقی کے لیے لازم ہے کہ ممنوعات سب چھوڑے پھر
نفل جس قدر ہو سکے ادا کرے اور واضح ہو کہ کھانے پانی میں بھی اگرچہ اوسط انداز سے مباح ہے اگر نفس کی خواہش چھوڑے بلکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت
کی نیت سے کھاوے تو بہت ثواب ہے اور بہت سے بزرگان سلف نے لطیف غذا چھوڑ دی تاکہ آخرت میں ثواب جمیل حاصل ہو لیکن اگر کسی شخص
کو راہ حق میں عمدہ غذا کی ضرورت ہو تو اس نیک نیت سے اسکو ثواب ہے جیسے کسی شہر میں ایک عالم مرجع ہو لوگ بکثرت اس سے پڑھنے
وغیرہ کی خدمت لیتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے واسطے یہ خدمت کرتا ہے اور ہنوز قوائے روحانیہ میں استقامت نہیں ہوتی تو اسکو اگر عمدہ غذا حلال
میسر ہو تو نیک نیتی سے جائز بلکہ ثواب ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب تعظیہ کافر نے جب طغیان کیا اور حیات دنیا کو اختیار کیا تو اس کے سب کام
اسی دنیا کے واسطے کفر کی بنیاد پر ہیں تو سب ظلم ہیں اور اسکا صدقہ و خیرات و عدل سب ظاہری صورت نام ہے اور باطن میں ہیج ہو لیکن جو کافر
کہ بجائے صدقہ و خیرات کے دوسروں کا مال چھین لیتا ہے اور لوگوں کے ساتھ ظالمانہ نا انصافی کرتا ہے تو اس سے پہلا کافر بہتر ہے اور شیت الہی سے
بتر کہ اسکی دنیا میں زیادتی حاصل ہوگی واللہ تعالیٰ اعلم بالجملہ خلاصہ حال یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں مخلوقات کو پیدا کر دیا اور انکو آگاہ کر دیا
کہ تم لوگ اگر شیطانی طغیان کرو گے تو جہنم میں بسائے جاؤ گے اور اگر نیک راہ اختیار کرو گے تو جنت میں راحت پاؤ گے اور دنیا میں تمھارا قیام فقط
اجل محدود تک ہے کہ کھانے آخرت سے انکار کیا اور بعث و حشر حال سمجھا اور جنت و دوزخ کو حیا کی کہانی جانا اور بدکاری و جی کی خواہش پر جیے اور
اجل ہی تک کے لیے اسی دنیا کو اختیار کر لیا اور مومنوں نے سب پر یقین کیا اور نبوت کے تابع ہوئے اور ہوا سے نفسانی کو چھوڑا اور آخرت کو
اختیار کر لیا۔ واضح رہے کہ حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگاہ فرمایا کہ میری امت یعنی عرب کے ننگے بھوکے بے سرو سامان
لوگ اللہ تعالیٰ کی نصرت سے کسری و قیصر کی سلطنتیں فتح کر کے انکے خزانے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرینگے پھر یہ بھی بتلایا کہ ہمزاد آتا
جائیگا اور اس امت والے تکبیر میں بگڑینگے اور دنیا کی خواہش میں ممنوعات کے مرتکب ہونگے تو اس وقت دشمن غالب ہونگے اور آیت میں
مصرح ہے کہ جس قوم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اختیار کی تو اللہ تعالیٰ ضرور انکو عذاب کر لگا اور جو حالات اس زمانے میں
موجود ہیں سب حدیث میں مذکور ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ انکا بیان آوے گا خطیب غیرہ نے لکھا کہ جب یہ آیات جو اہل سعادت کے لیے

کہ اراحم ہو اور جن لوگوں کا خاص ذکر ہوا وہ بطور مثال کے اس معنی میں داخل ہیں۔ پھر سوال یہ کہ طعیان ہر قسم کے تکبر و کفر و بد اعتقاد و
بلکہ بد اعمالی کو شامل ہو اور حیات دنیا کو اختیار کرنا جمیع اعمال کی تصحیح ہو جانے کو کافی ہو۔ اب رہا یہ کہ۔ خاف مقام ربہ۔ اور بنی النفس عن الموی
انہی ضد ہیں تو اسکا واضح بیان چاہیے (جواب) راز می نے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے خوف کرنا خود چاہتا ہو کہ پہلے اللہ تعالیٰ کو پہچانے چنانچہ اللہ
تعالیٰ نے صریح بیان فرمایا انا نکشی اللہ من عبادہ العلماء۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو عالم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو پہچانتے ہیں
(تفسیر کبیر) بلکہ مقام ربہ۔ اگر لفظ مجاہد کے عظمت شان ہو تو اچھی طرح عارف بندہ ہوگا اور اسکا بیان یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی شان و کبر
ابسی اصلی و اجل ہو کہ بندے کی معرفت و ایمان پہنچ ہو اسی لیے حدیث میں ہو کہ آخرت میں جب مومنین کو دیدار نصیب ہوگا تو عرض کریں گے کہ
رب اب ہمارے حکم ہو کہ تیرے واسطے سجدہ کریں کہ ہم نے اب پہچانا تو ارشاد ہوگا کہ میں نے تمہارا وہی دنیاوی سجدہ قبول فرمایا اور میں نے اس جہان
میں تخلیف نہیں رکھی ہو پس حق سبحانہ تعالیٰ نے اسلام کی حد یہ رکھی کہ صاف ظاہر جو شرک ہو وہ نہ کریں جیسے بت یا سچ و خیر و غیرہ کو
شریک نہ بنادین اور یہ عوام کے واسطے کافی ہو جس قدر علم زیادہ ہوتا جاتا ہو اسی قدر معرفت بڑھتی ہو اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا فون کل فی
علم علیم۔ ہر عالم سے اوپر عالم ہے۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ہو کہ میں تم سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا عارف ہوں اور
سب سے بڑھ کر اس سے ڈرنے والا ہوں۔ اور حدیث میں ہو کہ اگر تم وہ جانتے ہو میں جانتا ہوں تو کم سنیتے اور بہت روتے اور فرمایا کہ کبھی
عورتوں سے بہتر پرہیز مٹے اور بھکر ٹیکروں پر اللہ تعالیٰ سے پناہ و نجات مانگا کرتے اور تم کو زندگی گوارا نہ ہوتی پس صاف معلوم ہوا کہ مقام ربہ
عز وجل سے خوف کرنا اسی بندہ عارف کا کام ہو جو اپنے رب عز وجل کو پہچانتا ہو واضح ہو کہ علماء نے لکھا کہ مومنین اولیاء و قسم کے ہوتے
ہیں ایک وہ کہ جن پر رحمت کی امید غالب ہو گئی اور خوف رکھتے ہیں اگرچہ غالب نہ ہو دوم وہ کہ جن پر خوف غالب ہو مع امید رحمت کے
اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا لمن خاف مقام ربہ جنتان۔ یعنی جسے مقام رب عز وجل سے خوف کیا اوسکے لیے دو جنتیں ہیں روایت زمانہ تابعین
میں ایک نوجوان مسجد میں اکثر اوقات عبادت کرتا تھا اور اپنے ماں باپ کا اکلوتا لڑکا خوبصورت تھا۔ اس جوان میں ایک مالدار عورت نے
جو امیر زادی تھی اوسکو دیکھا اور جوش جوانی میں اوسکے وصال کی طالب ہوئی اور یہ لڑکا کچھ التفات نہیں کرتا تھا آخر اہل عورت نے
کٹنیوں سے اوسکو لہجایا اور ایک رفقہ موقع پا کر اوسکو بلایا جب وہ اند محل میں خلوت خانہ کے دروازے پر پہنچا اور اوسنے عورت کو
بے حجاب دیکھا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اوسکے دل پر خوف آیا اور وہ چیخہ پیوش ہو گیا۔ عورت نے جو اسپر عاشق تھی ناگمانی فرض سمجھ کر
گلاب و کیوڑہ وغیرہ سنگھایا۔ آخر اوسکو کسی قدر ہوش آیا تو اسنے اپنے سر کو اوس نامحرم کی گود میں پایا اور یہ دیکھ کر خوف نے جوش کے ساتھ
نزدل کیا اور دوبارہ اوسنے نالہ دردناک کے ساتھ غش کھایا اور آخر روح پرواز کر گئی اوس عورت نے باوجود غم کے اپنے حق میں فیضیت بروائی
سے خوف کیا اور جس طرح ہو سکا اوسکو باہر پہنچا لیکن اوسپر بھی ایسا اثر ہوا کہ اوسنے تقویٰ اختیار کیا۔ جب یہ خبر اوس نوجوان کے والدین
کو پہنچی تو غم کے ساتھ اپنے فرزند کو بطریق سنت تجرید تکفین کیا۔ اور اہل اسلام نے تغریب کی اور معمولی تسکین دی لیکن نہیں معلوم کس خیال
سے اوسکے باپ کو غم رہا تو اس زمانے میں ایک بزرگ تابعی تھے (جن کا نام روایت میں مذکور ہو مترجم عفا اللہ عنہ کو اس وقت یاد نہیں ہے)
انھوں نے بھی تغریب فرمائی اور اوسکے باپ کو غمگین دیکھ کر کہا کہ چلو اوسکی قبر کی زیارت کریں۔ جب مزار پر پہنچے تو بارادہ الہی اوس جوان
کی قبر پر اونٹنی رکھ کر فرمایا کہ السلام علیکم اے فلان بن فلان اوسنے صاف آواز سے جواب دیا کہ وعلیک السلام ای شیخ آپ نے فرمایا کہ اے
جوان اللہ تعالیٰ نے ہم کو اپنی کتاب مجید میں آگاہ فرمایا ہو لفظہ لمن خاف مقام ربہ جنتان۔ یعنی جس بندے نے اپنے رب عز وجل کے مقام

کہے گئے شاید یہ محاورہ مجھے نشان و غفلت ہو لیکن جسے مقام عظیم حق عزوجل سے خوف کیا اور نفس کو مہنیاں سے روکا تو اس کا ماویٰ حنت ہے یعنی جہنم اس کا وطن نہیں ہو سکتا اور حنت وہ خوش عیش مقام ہے کہ حواس جسمی اس کا اندازہ نہیں کر سکتے ہیں لیکن جب قدر حواس اندازہ کریں وہ بھی کافی ہو کیونکہ دنیا میں اس کی نظیر نہیں ہو رازیؒ نے لکھا کہ جہنمیوں کے دو وصف طغیان اور اختیار دنیا بیاں فرمائے اور جہنمیوں کے بھی دو وصف خوف مقام رب عزوجل اور منع ہوائے نفس میان کیے اور دونوں فرق میں بالکل ضد مخالفت ہو کیونکہ طغیان کے مخالف خوف الہی ہو اور اختیار دنیا سے مخالف مخالفت ہوائے نفس ہو پس جیسے جہنمیوں کے دونوں وصف میں سب مدموم و قبیح باتیں داخل تھیں اسی طرح جہنمیوں کے دونوں وصف میں سب نیک خصلتیں داخل ہیں بعض تفاسیر میں ہے کہ عمیر کے دو بیٹے تھے ایک کا نام ابو عزیر تھا یہ کافر رہا اور والدین میں فواحش کا مرتکب تھا دوسرے بھائی کا نام مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ تھا یہ اسلام لائے اور دولت و ثروت چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہجرت کی (تفسیر کبیر و مترجم) روایت ہے کہ مصعبؓ اسلام سے پہلے روز ایک جڑا بدلتے تھے پھر اسلام کے بعد کے سے ہجرت کی اور کافر بھائی نے سب مال پر قبضہ کیا اور مصعب رضی اللہ عنہ ایک کلی میں مدینے پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انکی حالت دیکھ کر روئے اور دعا فرمائی۔ م۔ رازیؒ نے کہا کہ جنگ بدر کے روز مصعبؓ نے اپنے کافر بھائی کو قتل کر دیا اور خطیبؓ نے لکھا کہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ یہ دونوں آیتیں مصعبؓ اور اس کے کافر بھائی ابو عزیر کے حق میں ہیں اور بدر کے روز انصار نے ابو عزیر کو گرفتار کیا اور اس سے بیان کیا کہ میں مصعب رضی اللہ عنہ کا بھائی ہوں یہ سن کر انصار نے اُسکے بندان کھول دیے اور اس کا اکرام کیا اور آرام سے سلا یا۔ صبح کو مصعب رضی اللہ عنہ سے بیان کیا مصعبؓ نے فرمایا کہ میرے بھائی مومنین ہیں وہ میرا بھائی نہیں ہے تم اپنے قیدی کو مضبوط باندھو اسکی مان کے پاس اہل بلطی میں سب سے زیادہ مال و دولت ہو۔ انصار نے ابو عزیر کو مضبوط باندھا۔ اسخراو سکی مان نے مذہب بھیکر اسکو چھوڑا اور یہی شخص ہے جسکے حق میں آیہ فاما من طغی تاثر الجحۃ الدنیا الایہ۔ اور ہے مصعب رضی اللہ عنہ تو انکے حق میں ہے واما من خاف مقام ربہ الایہ اور مصعب رضی اللہ عنہ نے جنگ احد کے روز جب اہل سلام متفرق ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے اپنی جان کو ڈھال بنا دیا یہاں تک کہ چوڑے پھل کے نیزے انکے پیٹ میں اتر گئے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو خون میں آلودہ دیکھا تو فرمایا کہ میں تیری مصیبت کا ثواب اللہ تعالیٰ ہی سے مانگتا ہوں اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ میں نے مصعب کو دیکھا اور اس پر طہ جنت تھا جسکی قیمت کوئی نہیں جان سکتا ہو اور اسکی جوتیوں میں سونے کا شراک تھا۔ مترجم کہتا ہے کہ حضرت مصعبؓ کی فضیلت عظیم ہے اور روایت ہے کہ بہ نشان لیے ہوئے تھے جب لوگ متفرق ہوئے اور شیطان نے آواز دی کہ محمد قتل ہوئے اور کفار نے ان پر سب طرف سے نرغہ کیا تو اہل اسلام کو نصیب کے طور پر کہا کہ ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل الایہ۔ مفسرین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت انکی زبان پر جاری فرمائی اور اسکے بعد اسکا نزل ہوا ہے اور لڑائی سے فراغت کے بعد جب انکو دفن کیا تو ایک کلی جو انکے بدن پر تھی ایسی کوتاہ تھی کہ سر ڈھکتے تو پاؤں کھل جاتے آخر پاؤں پر ادر گھاس ڈال دی گئی۔ الغرض انھوں نے تمام حصہ آخرت لے لیا خطیبؓ نے لکھا کہ ابن عباسؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ ان آیات میں ابو جہل طاعی اور مصعب رضی اللہ عنہ متعلق کا بیان ہے اور سدیؒ نے کہا کہ متعلق کی آیت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں ہے اور کھلیؒ نے کہا کہ اہل آیت جمع کافروں کے حق میں علم ہے اور دوسری آیت جمیع مومنوں کے لیے عام ہے (السراج) مترجم کہتا ہے کہ اگر نزول کے وقت خاص کسی کا فرط غی کی ندمت ہو تو محتمل ہے کہ وہ ابو عزیر یا ابو جہل ہو اور اگر کسی مومن کی تعریف ہو تو بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما ہو سکتے ہیں بشرطیکہ مصعبؓ کے ایمان لانے کے بعد یہ سورہ نازل ہوا ہو لیکن کچھ اختلاف نہونا چاہیے

اور یہ تصویر انسان کے دماغ میں مخلوق ہوتی ہے تو یہ جاہل کیونکر جانتا ہے کہ خداے تعالیٰ کی تصویر مخلوق کرے حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی خالق ہے اور اس جاہل کا دماغ کیونکر اس قابل ہوا کہ جو بے حدود بے انتہا کا بھی خالق ہے اور اسکی تصویر بنا دے لیکن یہ بیچارہ کیا کرے کہ جب اس نے دنیا اختیار کی تو عقل پر مہر ہو گئی اب عقلی بات کبھی نہیں سمجھ سکتا ہے بلکہ صرف حواسی باتیں سمجھ سکتا ہے اور حواس کی تیزی بہت دور کی صنعتیں بناتی ہے دیکھو (ریا) اپنے حواس سے کیسا غمگین و سلاسا بنا رہا ہے کیونکہ یہ حواس جاہل و نادان ہیں بھی متفرق موجود ہیں - فرق یہ ہے کہ انسان میں حواس کا مجموعہ ہے اس سے دوسری تدبیریں نکلتی ہیں جو جاہل و نادان میں نہیں رکھی گئی اسلیئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جاہل و نادان سے نفع و تمتع اٹھانے کے لیے مشرف کیا ہے پس اگر جاہل و نادان بن بھی دے وہ حواس ہوتے تو وہ خود انسانوں کو گرفتار کر کے اپنے کام میں لاتے پھر اگر ان مجموعہ حواس کا نام بھی عقل رکھو تو تم کو اختیار ہو لیکن یہ یاد رکھو کہ عقل معرفت انکے سوا ہوا مام رازی نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ طعی دأثر الحیوة الدنیا۔ یہ دو حقیقتیں ہیں۔ پس طعی سے اشارہ ہے کہ کافر نے عقلی قوت برباد کر دی کیونکہ جسے عقل سے اللہ تعالیٰ کو پہچانا تو وہ اپنے نفس و جہان کا تقیر ہونا بھی جان لیا اور اس نے معلوم کر لیا کہ ہر مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی قدرت ہر دم مسلط ہے تو وہ تکبر نہیں کر سکتا اور نہ کسی مخلوق سے خود مختاری کی کارروائی خیال کر سکتا ہے کیونکہ بغیر مرضی و ارادہ الہی کے کسی میں کچھ قدرت نہیں ہے اور قولہ تعالیٰ اثر الحیوة الدنیا۔ سے اشارہ ہے کہ اسکی علی حالت بدکاری میں برباد ہو اسی واسطے حدیث میں ہے کہ حسب الدنیا اس کل خطیئہ۔ دنیا کی محبت ہر بدکاری کی جڑ ہے۔ جب کسی میں یہ دوزخ باتیں طغیان و محبت دنیا جمع ہوں تو وہ انتہائے درجہ پر بدکار ہوگا اور جہنم اسکا ٹھکانا ہو اور اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان اگر گنہگار ہو تو جہنم اسکا دارے ہوگا اسلیئے کہ اس نے طغیان نہیں کیا اور نہ دنیا پر مطمئن ہو گیا بلکہ اسکو گناہوں پر عذاب کا خوف ہے اور آخرت پر یقین ہے صرف شامت نفس سے شہوت میں پڑ جانا اور ڈرنا ہی (تفسیر کبیر) چونکہ درمیان میں کلام دراز ہو گیا ہے لہذا میں آیات قدسیہ کا خلاصہ اعادہ کرتا ہوں اول اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آسمان و زمین و پہاڑ پیدا کیے اور زمین میں تمھارے لیے اور تمھارے جاہل و نادان کے لیے ہر قسم کے اناج و میوہ و چارہ پیدا کیے تاکہ اجل تک زندگی پوری کر لینے اب تم بیان کیا کرتے ہو۔ وہی قسم میں منحصر ہو۔ یا تو ایسے لوگ ہیں کہ طغیان کیا لینے اپنے رب عزوجل سے کفر کیا اور دنیا پر مطمئن ہو کر بیان سے جانا اور اپنا انجام سب بھولے اور انکار کر بیٹھے اور دنیا میں تمام عمر اسی بنیاد پر کام کیے تو جب قیامت آدے گی تو انھیں کیا ہو رہا ہوگا اور انکا ماویٰ جہنم ہے قسم دوم کو بیان فرمایا بقولہ تعالیٰ **وَأَمَّا مَنْ كَفَرَتْ هَٰذَا فَسَمَاءُ كَرِيمٍ وَنَحَىٰ النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ**۔ اور جس بندے نے اپنے رب کے مقام سے خوف کیا اور نفس کو شہوتی خواہشوں سے روکا تو جنت ہی اسکا ٹھکانا ہوگا اور کھڑے ہونے کی جگہ یعنی جس بندے نے رب عزوجل سے کفر نہیں کیا بلکہ اسکی الوہیت کو پہچانا اور اسکی حضوری میں آخرت میں کھڑے ہونے سے خوف کیا کہ دیکھے اسے حق میں کیا حکم ہوگا اور بیان اس جی کے ذلیل خواہشوں سے اسکو روکا تو رحمت الہی سے جنت ہی اسکا دائمی وطن ہے جہاں شہادۂ عزت سے رہیگا۔ دنیا میں ہرگز کوئی بادشاہ اس قابل نہیں ہو سکتا کہ جنتی کے خادموں میں داخل ہو (اس م) رہیج بن انس نے کہا کہ مقام رب روز حساب ہے۔ قنادہ نے کہا کہ اللہ عزوجل کے واسطے مقام ہے کہ مومنین اس سے خوف کرتے ہیں۔ مجاہد نے کہا کہ مراد یہ ہے کہ دنیا میں اس بندے نے اللہ تعالیٰ سے خوف کیا (ف س) یعنی جب کسی معصیت کا قصد ہوا تو اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جانکر اس سے باز رہا۔ جیسے قولہ تعالیٰ **وَلَمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٍ الْآلِیَةِ** جس نے اپنے رب کے مقام سے خوف کیا اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔ م۔ مترجم کہتا ہے کہ شیخ ابن کثیر نے بیان فقہیہ معنی ذکر کیے کہ مقام رب عزوجل یہ ہے کہ قیامت کے روز فیصلہ حق کے واسطے حضور رب العالمین میں سب کھڑے ہوں گے۔ اور حضرت مجاہد سے جو معنی روایت

کرنے میں قاعدہ کا پابند ہو حتیٰ کہ میدان میں دوڑے اور جی خوش کرنے کو ناج دیکھے اور شراب پیے اور تھپڑ بین جاوے اور حسین
 جی خوش کرنے والے کام میں سب عمل میں لاوے اگرچہ فحش ہوں اسطرح لباس و مکان وغیرہ کی آرائش میں حرام و حلال کمائی سے
 اور اسی قسم کی چیزوں سے کچھ باک نہ کرے اور اس کو تہذیب و اخلاق و نفسانی کمالات کہتے ہیں اور آخر موت اور سکوا اس تہذیب کی
 کوشش و فکر سے نجات دینی ہو بے حشر کے وقت بھی سعی کے سب کام اور سکے سامنے ہونگے اور حجیم اسکا ماوی و ٹھکانا ہو اور وہاں
 زقوم غذا اور حیم شراب ہو۔ آیت میں جنہی کے دو وصف ذکر کیے (ادل) طفیان (دوم) دنیاوی زندگی کو اختیار کر لینا۔ اسمین اشارہ ہو
 کہ اللہ تعالیٰ نے جو مخلوقات پیدا کی وہ خوب جانتا ہو کہ کون مخلوق دوزخ کے لیے ہو اور کون بندہ جنت کے لیے ہو۔ چنانچہ حدیث میں
 حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آگاہ کر دیا کہ ہمارے رب تبارک و تعالیٰ نے پشت آدم علیہ السلام سے مسح فرما کر بائیں جانب سے
 اسکی ذریات سیاہ چوٹی کی شکل میں نکالیں اور فرمایا کہ یہ دوزخ کے لیے ہیں اور مجھے کچھ غرض نہیں ہو اور دائیں طرف سے ذریات نکالیں
 جو سفید چوٹی کی شکل میں نکالیں اور فرمایا کہ یہ جنت کے واسطے ہیں اور مجھے کچھ پروا نہیں ہو چنانچہ قولہ تعالیٰ اخرج ربک من بنی آدم من ظہورہم
 الآیہ۔ کی تفسیر میں مفصل بیان ہوا ہو اور آیت سے ملا کر یہ طریقہ معلوم ہوا کہ آدم سے انکی اولاد نکالی پھر انکی اولاد سے دوسری پشت
 چتر تیسری پشت علیٰ ترتیب دار نکال دی اور اس وقت بقدر چوٹی کے انکا ظہور تھا۔ بعض محققین نے کہا کہ جو تک کی صورت تھی چنانچہ
 قولہ تعالیٰ خلق الانسان من علق۔ میں اشارہ ہو علق خون کا تھکا اور علق جو تک اور کہا گیا کہ رحم میں ہر عورت کے اسی قدر شبکل جو تک
 ہوتے ہیں جو پیدا ہونے والے ہیں اور باقی رانگہاں ہیں واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انکو تاریکی میں پیدا
 فرمایا پھر انپر نور چھڑکا تو انکھیں کھل گئیں کو ملا جو ہدایت پائے والے جنتی ہیں۔ ۷۷۔ اور عہد ازل میں سب سیاہ و سفید نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا
 اقرار کیا پھر اگر وہ ابتدا سے جہنم و جنت میں بساے جاتے تو کفار اپنی حالت کا اقرار نہ کرتے پس انکو دنیا میں اتار دیا اور یہاں شیطان
 اور اس کے گروہ نے انکو دنیا اور اسکی آرائش دکھلائی چنانچہ قولہ تعالیٰ زین للناس لایہ میں بیان ہوا اور انبیاء علیہم السلام نے اس سے
 نفرت دلا کر آخرت کی خوبی بتلائی اور صاف حالت بیان کر دی کہ تمہارے نفس کو جو خاک ہو مخلوق ہو اسی خاک کی چیزوں سے اتصال ہے
 اور یہی ابلیس نے اختیار کر کے لعنت پائی تو یہ سب اوسکی راج دھانی ہو مگر بقدر متاع۔ پس اگر تم اسی دنیا کو اختیار کر دو گے تو اوسکے ساتھ
 کر دیے جاؤ گے اور آدم عہ سے منقطع ہو جاؤ گے اور تم مانویانہ مانو تم کو زبردستی کھینچ کر آخرت میں لے جائیگی تو یہ متاع دنیا بہت حقیر اور بہت قلیل
 ہو اسکے پیچھے تم آخرت میں جہنم نہ لو۔ اور اگر آخرت اختیار کرو تو دنیا میں سے تمہاری اجل تک سب چیزیں جائز ہیں اور آخرت میں جنت ہے
 احوال اللہ تعالیٰ نے یہاں کسی پر جبر نہیں کیا کہ وہ مجبوراً دنیا یا آخرت اختیار کرے بلکہ جو کچھ اختیار کرے اسی کا نتیجہ ملے گا۔ آیت میں اشارہ ہو
 کہ کافر نے طفیان کیا اور دنیاوی زندگی اختیار کی۔ نہایت بلاغت و لطافت ہو کیونکہ جب اسنے دنیا ہی کو اختیار کیا تو نور اور تاریکی میں سے
 اسنے تاریکی کو لے لیا تو نور عقل کا راستہ بند ہوا اور ختم اللہ علی قلوبہم۔ انکے دلوں پر پھر کر دی۔ اور شیطان جو کامل حق ہو وہ اس کافر کا امام
 اور پیشوا ہوا اور اب فقط جسم کے حواس اوسکے پاس باقی ہیں اسلیے تم تجربہ سے دیکھتے ہو کہ کافر کیسا ہی حواس کا تیر ہو اور دنیا کی صنعتوں
 میں ہوشیار ہو وہ اللہ تعالیٰ کی صاف کیسے کہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت ہی نہیں پہچانتا ہو ہر چند اوسکو سمجھاؤ وہ بھی کہتا ہو کہ مسلمان اپنے
 خدا کی بہت پاکیزہ تعریف کرتے ہیں لیکن اگر ہم عورتوں کے ہیں تو ہماری عقل کے باریک سے باریک پردہ میں بھی یہ تصور نہیں آتا ہو ترجمہ
 کہتا ہو کہ اس کافر کے حال پر سخت افسوس ہو کہ وہ اسقدر بھی عقل نہیں رکھتا کہ تصور تو دماغ میں ایک چیز کی صورت پیدا کرنا ہوتا ہو

یوم تیز کرالانسان ماسعی وبرزت الحجیم لمن یری۔ یہ جواب نہیں ہو سکتا ہو لہذا بعض نے کہا کہ جواب محذوف ہو تو تم لوگ اپنی حیات دنیا کے اعمال کماٹے ہوئے بیان دیے جانے کو زندہ اٹھائے جاؤ گے، اور اس پر دلالت کرتا ہو قولہ یوم تیز کرالانسان الخ یعنی یہ دن ہو کہ انسان نے جو کچھ کیا یا تھا وہ خوب یاد کرے گا۔ دلالت ظاہر ہو کیونکہ انسان اس دن کہان ہوگا جب تک کہ زندہ کر کے اٹھایا نہ جاوے اور اعمال بیان سب یاد آئیگی اگرچہ دنیا میں ہر گھڑی کے اعمال اکثر بھولے ہوئے تھے مترجم کے نزدیک یہی ارجح وادق ہو اور بعض نے کہا کہ طامثہ کبریٰ کا بیان یہ ہو کہ یوم تیز کرالخ یعنی جب سخت آفت آئیگی یعنی وہ دن آئیگا کہ انسان سب اعمال یاد کرے اور جنم ظاہر کی جاوے گی تو اس روز وہی فہم ہوگی ایک قسم کا ٹھکانا جنم ہی اور دوسری قسم کا ٹھکانا جنت ہو چنانچہ تفصیلی بیان فرمایا بقولہ تعالیٰ قَامَتَا مِنْ طَغٰی وَاَقْرَبَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا فَاِنَّ الْحَجِيْمَ هِيَ الْمَاوٰی۔ پس جسے طغیان کیا اور دنیاوی زندگی کو پسند کر لیا تو جنم ہی اس کا ٹھکانا ہو ف طغیان بدی میں حد سے بڑھ جانا ہو کہ اپنے خالق عزوجل سے صریح انکار کیا جیسے بنجری دہر پر فرقہ ہے یا صریح انکار نہ کیا لیکن ضمنی انکار کیا جیسے باقی مشرکین ہیں کیونکہ جسے اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں کسی چیز کو شریک کیا اسے ہرگز اللہ تعالیٰ کو نہیں بچا ناکیا نہیں دیکھتے ہو کہ مشرکین میں سے کتنا ہی فرقہ ہو و نصاریٰ زیادہ مدعی ہیں کہ وہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے صریح فرمایا۔ قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ صریح ہو کہ اہل کتاب اللہ تعالیٰ پر اور روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں اور عقل یا نیاں خود یہی بتلاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات الوہیت میں مثلاً وہ قادر ہر قوم ہو یعنی تمام مخلوقات اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں اسی کے باقی رہنے سے باقی ہیں جیسے اسی نے انکو قدرت سے ایجاد کیا تو جب مشرک نے کسی مخلوق کی جانب یہ عقیدہ جمایا کہ میں اسکی مان دان کرتا ہوں تو وہ مجھے اولاد یا رزق وغیرہ دیتا ہو یا خدا سے میری سفارش کر کے ولادیتا ہو تو اسنے اس مخلوق کو اس بات میں قادر و مختار و مستقل سمجھا تو اس جھوٹے باطل عقیدہ سے یہ مخلوق تو ایسا نہ ہو گیا بلکہ وہی رہا جو پہلے تھا جیسے پتھر کی پوجا کرنے سے وہی پتھر رہتا ہو لیکن اس عقیدہ سے مشرک کے اللہ تعالیٰ سے انکار کیا کیونکہ اسنے اپنے اعتقاد میں وہ اپنا خدا رکھا جسکو فلان مخلوق کی سفارش کرنے سے مشرک مذکور کا حال معلوم ہوا اور اسکی خدائی میں فلان مخلوق کو یہ اختیار ہو کہ اسنے مشرک کو اسکی مراد عطا کی۔ یہ بالکل اسنے دنیاوی مخلوقات بادشاہ و وزیر و رعیت پر تمکین کر لیا اور یہ سمجھا کہ جیسے رعیت اپنی التجا وزیر سے کرتے ہیں یہ رعیت کا کام ہو اور وزیر اپنا کام یہ کہ ناہو کہ بادشاہ سے عرض کرنا ہو اور رعیتی کا حال مفصل بیان کرنا ہو اور یہ قیاس بالکل کفر ہو اللہ تعالیٰ پاک ہو کہ کسی سے اسکی مشابہت ہو اور عقل ایمانی سے یہ بات صاف سمجھ میں آتی ہو کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک ہو اور خالق فقط وہی ہو تو نام جہان اور جو کچھ ہو سب اللہ تعالیٰ پاک ہو وہ اکیلا اور والا ہو تو نظیر اور شبہ و قیاس کس چیز پر ہو سکتا ہو اور جسے اللہ تعالیٰ کو نہ پچا نا وہ کافر ہو۔ اگر کوئی کہے کہ یہ دلیلین تو ہر جاہل مسلمان کو نہیں معلوم ہو سکتی ہیں پھر اسکا ایمان کیونکر ہوا (جواب) یہ کہ عرب کے وہ لوگ جو کچھ علم نہیں رکھتے تھے اور پہاڑوں و جنگلوں میں خانہ بدوش رہتے تھے وہ ایمان لاتے اور خوب سمجھ جاتے تھے کیونکہ لا الہ الا اللہ کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے دل میں لیتے اور اپنی زبان میں جانتے کہ لا الہ الا اللہ۔ کسی میں الوہیت نہیں ہو سکتی اللہ تعالیٰ کے اور الوہیت کے لطیف معنی انکو معلوم تھے پھر سب سے آسان بات یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کے صفات کے نام انکو بتلا دیے گئے جیسے عرب کے حلا وہ سب جہان کو بتلا دیے گئے حدیث میں ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جو انکو احصا کرے وہ جنت میں داخل ہوں ناموں سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت ہر شخص کو معلوم ہو گئی کہ وہی خالق رازق ہو سیطرح ننانوے ناموں میں اسقدر کفایت ہو کہ ایمان بخوبی ٹھیک ہو جاوے اور سورہ حشر کے آخر میں سب کا مفصل بیان گدڑا ہو اور ایمان یہ ہو کہ خالق سواے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں ہو

سے ایمان لا با اور واضح رہے کہ یہ جسم کی آنکھ و حقیقت اسی جسم کی پرورش کے لیے ہو اور انسانی کمال نہیں ہو اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا لا تعی الابصار ولكن الآیہ۔ یعنی یہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتی ہیں لیکن اندھی وہ آنکھیں ہوتی ہیں جو سینہ میں ہیں۔ مد۔ کو انھیں کے ہونے سے حقیقت میں اندھا ہوتا ہو اسید واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ لا یتسوی الاعمی والبصیر۔ اندھا و بینا برابر نہیں ہوتے۔ مد۔ یعنی کافر و مومن برابر نہیں ہیں۔ حالانکہ بعض کافر بڑی بڑی آنکھوں والا ہوتا اور بعض مومن ان آنکھوں سے معذور ہوتا ہو خطیب نے لکھا کہ لمن یری۔ ہر دیکھنے والا اور یہ کلام ایک مثل ہو جو ایسی چیز کے حق میں بولتے ہیں جو کسی پر چھپی نہ رہے تو منہ یہ ہوے کہ جنہم ظاہر کر دی جاوے گی اس طرح کہ کسی پر چھپی نہ رہے گی لیکن جو بندہ مومن کہ جنہم سے نجات پائے والا ہو اسکی نظر جنہم کی جانب نہیں بھرے گی تو وہ اسکی ہولناک صورت نہیں دیکھیں گے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ لا یسمعون جہنم جہنم کی آواز نہیں سنیں گے۔ مد۔ والی طرح بعض نے کہا کہ دیکھنا کافرون کے لیے خاص ہو اور مومنین نہیں دیکھیں گے لیکن ظاہر یہ ہو کہ سب دیکھیں گے لیکن مومن اسکو دیکھ کر اپنے اور نعمت الہی کی قدر پہچانے گا اور کافر پر غم و حسرت کا ہاڑ ٹوٹ پڑے گا رازیؒ نے فرمایا کہ ظاہر آیت معنی ہو کہ مومن کافر سب دیکھیں گے لیکن وہ کافرون کا وطن ہو اور مومنین اس گھر کو گزراوینگے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وان منکم الا واد بالآیہ یعنی تم میں سے کوئی نہیں بچے گا مگر آنکھ جنہم میں وارد ہونے والا ہو۔ مد۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسی آیت میں فرمایا کہ جنہم کے تقویٰ کیا یعنی ترک سے بچے ہیں انکو نجات دینگے اور ظالمونکو اذیتیں دینا چاہو دینگے۔ مد۔ اگر کہا جاوے کہ سورۃ الشعراء میں فرمایا۔ بزرگ الجحیم للغاویں۔ یعنی گمراہوں کیلئے جنہم ظاہر کی جاوے گی۔ مد۔ اسمیں تو کافرون کی تخصیص ہو (جواب) یہ کہ اصل ظہار انھیں کافرون کے لیے ہو جو اس سے منکر تھے لیکن مومنین بھی گزرتے ہوئے دیکھیں گے (تفسیر کبیر) مترجم کہتا ہو کہ حدیث صحیح میں عرصات قیامت کے حالات فرمائے گئے ہیں چنانچہ چند حالات کے بعد ذکر ہو چکا کہ جنہم ایک ہولناک جوش ماریگی کہ اس کے خوف سے ہر شخص گھٹنوں کے بل بیٹھ جاوے گا۔ مد۔ یہ بھی بظاہر عام ہو مومن کافر سب کو شامل ہو اور خطیبؒ نے جو آیت لکھی وہ توحید میں داخل ہو جانے کے بعد ہو کر حقیقی بندے جنہم کی حسیس نہیں سنیں گے۔ رازی رحمہ کے بیان میں بھی تردید ہو اسلیے کہ جنہم کا وہ وہ ہو کہ اس ملک سے بذریعہ پل کے گزر جاوین اور حدیث صحیح میں ہو کہ جنہم کیسی کہ اسے مومن آپ جلدی گزر جاوین کہ تمہارے دور سے میری آگ بھی جاتی ہو اور حدیث میں ہو کہ جنت میں ہو چکر بعض اعلیٰ درجہ کے لوگ کہیں گے کہ ہم کو دنیا میں علم ملا تھا کہ جنہم سے پار ہونا پڑے گا مگر جنہم کو نہیں دیکھا یہ کیا معاملہ ہو بعض متوسط درجہ والے جواب دینگے کہ آپ کو خیال نہیں ہو وہ ہم نے دور سے چمکتی ہوئی سراب نہیں دیکھی تھی وہی تو جنہم ہو۔ مد۔ شاید طبقہ اول مانند برق کے گزر گئے یا اونکی قوت نور اس شدت کے ساتھ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے جنہم کو چھپا دیا کہ کچھ نہ جاوے کیا نہیں دیکھتے ہو کہ کم درجہ والے نے بیان کیا کہ وہ سراب تھی گویا اسکی نظر میں ایسی نورانیت تھی کہ جنہم نے اپنے آپکو اس لباس میں چھپایا کیونکہ بالکل کم درجہ کے مومن سے جو قدم قدم صراط کو طر کرنا تھا اور تیز نہیں چل سکتا تھا اس سے جنہم نے درخواست کی کہ آپ جلدی طر کیجیے کہ آپ کے نور سے میری آگ بھی جاتی ہو فائز ہو۔ اور واضح ہو کہ حدیث میں ہو کہ جنہم کی ایک گردن (غلطاً) منکھہ حشر کے میدان میں پڑی کہ مومن کافرون متکبرون مشرکون پر مسلط ہوں اور حدیث میں تفسیر آیت ہو کہ اوس روز جنہم کو لاوینگے اس حال سے کہ شہر بزار فرشتے اسکی باکین کھینچتے ہونگے بالکل ظاہر ہو کہ عرصات محشر میں جنہم کا اظہار سب کو عام ہوگا واللہ تعالیٰ اعلم (دقیقہ) فاذا جارت الہم جملہ شرطیہ کے طور پر ہو یعنی جب ہولناک قیامت آوے گی تو الہم پس (دق) کے بعد جواب چاہیے اور یہاں اس طرح سے

لیکن یہی جسم کی آنکھیں ہونگی جو اس قابل نہیں ہیں کہ نور حق دیکھ سکیں اس واسطے کہ فزون کو اول حالت میں جب قبر سے زندہ کر کے اٹھائے جاوے گئے سب نظر اوجھا اور ایک دوسرے کو پہچانینگے کیونکہ اُس وقت یہ چاند سورج وغیرہ بدستور اپنے حال پر ہونگے اور تھوڑی دیر کے بعد یکایک ہولناک منظر شروع ہوگا اور آسمان شش ہوگا اور ملائکہ نازل ہونا شروع ہونگے اور چاند سورج سب مٹ جاویں گے تو کافروں پر اندھیرا گھپ ہو جائیگا حالانکہ آیت میں نور مصرح ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اشرققت الارض بنور ربہا۔ زمین اپنے رب کے نور سے جگمگاتی ہوئی نورانی ہو جاوے گی۔ پھر بیان وہم ہوتا ہے کہ حدیث میں کیونکر آیا کہ قیامت کے مانند اندھیرا کہیں نہیں ہے (جواب) یہ کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے اور بھید یہی ہے کہ جسم کی یہ آنکھیں بالکل بیکار ہونگی انکو کچھ نظر نہ آوے گا مگر جب ہی کہ انکو سورج کی روشنی و آگ کی لپٹ سے روشنی ملے اور اسی جہت سے کفلاس روزانے رب عزوجل سے محبوب ہونگے حتیٰ کہ کلام پاک بھی نہیں سن سکتے ہیں اور احکام غصبی اُن پر ملائکہ لاوینگے اور یہ اُنکے ظلم کا نتیجہ ہے کیونکہ آیت اور حدیث میں صریح منصوص ہے کہ رب عزوجل سے کفر و شرک کرنا سب سے بڑا ظلم ہے اس واسطے حدیث میں حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قسم کے ظلم سے منع فرمایا کہ ظلم قیامت کے روز تار پکی ہو گا۔ اسکا بھید ظاہر ہو گیا کہ ظلم سب ایک جنس ہے اور اعلیٰ ظلم یہ کہ اپنے خالق و مالک عزوجل سے منع موڑے اور اُسکے ساتھ شرک کرے اور باقی ظلم اسی کی شاخیں ہیں۔ بالجلہ اُس روز جہنم ہر دیکھنے والے کے واسطے ظاہر کر کے دکھلائی جاوے گی پس کافروں کو ہول و غم و کرب ہوگا اور مومنین اپنے رب عزوجل کی رحمت سے امیدوار ہونگے کہ اس سے نجات پاویں اور کفار مایوس ہونگے کیونکہ اپنے سب اعمال کچھ بچے اگر کہا جاوے کہ انکو کہاں سے یاد آوینگے (جواب) اول تو بھول جانا جو اس جسم کا خاصہ ہے وہاں ظہور وحی سے مرفوع ہوگا دوم نامہ اعمال انکے سامنے ہوگا اور آیت میں یہ معنی منصوص ہیں کہ کافر کیسے کہ ہائے کیسی تحریر ہے کہ نہ اسنے چھوٹی بات چھوڑی ہے نہ بڑی بات چھوڑی ہے سب کو گھیر لیا ہے اگر کہا جاوے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ احصاہ اللہ و نسوہ یعنی اللہ تعالیٰ نے انکے اعمال کو گھیر کر محفوظ کر لیا اور وہ لوگ بھول گئے۔۔۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار بھول جاوے گئے بلکہ نامہ اعمال سے یاد کرینگے پھر تم نے اول وجہ کیونکر بیان کی (جواب) یہ کہ امام رازی و خطیب وغیرہ نے فقط دوسری وجہ بیان کی اور یہی آیت لکھی ہے لیکن مترجم کہتا ہے کہ اس آیت میں غالباً دنیا کی حالت بیان کرنے کے واسطے دیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے انکے اعمال محفوظ کر لیے ہیں برخلاف آخرت کے کہ وہاں یہ معنی منصوص ہیں کہ ہائے اس نامہ اعمال کی کیا کیفیت ہو کہ اسنے صغیرہ و کبیرہ سب کو گھیر لیا ہے۔ تو یہ سب انکو یاد آوینگے۔ اور علماء عارفین کے نزدیک قول تامل و جدوا کا ماعلا و حاضر۔ جو کچھ انھوں نے دنیا میں اعمال کیے تھے سب سامنے حاضر پاوینگے۔۔۔ اس سے یہ مراد ہے کہ خود اعمال حاضر ہونگے اور ہر ایک عمل جو بیان نظر سے مخفی ہو بلکہ جاہل اُسکو عرض سمجھ کرے ثبات کہتا ہے وہ فی الحقیقت ایک صورت کے ساتھ قائم ہے اور یہی مذہب معرفت اور قول حق ہے پس معلوم ہوا کہ قول تعالیٰ احصاہ اللہ و نسوہ۔ یہ نسیان فقط دنیا میں ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ اگر کہا جاوے کہ قول تعالیٰ لمن یرئی کے یہ معنی ہوں کہ جیم (دو رخ) ہر ایسے شخص کے لیے ظاہر کی جاوے گی جو دیکھتا ہو تو کیا یہ غرض ہے کہ جو نہیں دیکھتا اُسپر ظاہر نہ ہوگی (جواب) یہ مطلب نہیں ہے بلکہ یہ تاکید ہے جیسے کہتے ہیں کہ آنکھوں سے دیکھو حالانکہ دیکھنا آنکھ ہی سے ہوتا ہے جیسے معائنہ کرنا کسی چیز کا دیکھنے والوں کے لیے ہوتا ہے اور بیان ہو چکا کہ وہاں کوئی شخص ان آنکھوں سے معذور نہ ہوگا اگرچہ دنیا میں اندھا پیدا ہوا ہو لیکن فرق یہ ہوگا کہ کافروں کے واسطے فقط یہی جسم کی آنکھ ہوگی اور بصیرت نہ ہوگی جیسے دنیا میں فقط جسم و نفس کے بندے بنے رہے تھے و قال تعالیٰ من کان فی ذہ الذی الاثر یعنی جو شخص بیان اندھا تھا وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔۔۔ اور مومن بیان نظر بصیرت

کہ کیا اُس کے موافق عمل کیا اور بہارِ مال سے کہ کہا سچ کیا یا اور کیا کفر خرچ کیا ہو (علاء ابن المبارک رحمہ اللہ) اور بعض روایات میں کچھ تفصیلات
 ہیں اور ہم بندے اللہ تعالیٰ سے عاقبت کی دعا مانگتے ہیں خطیبؑ نے لکھا کہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ طارہ کبریٰ دوسری دفعہ صورت چھوٹا اور
 سماں کے لئے کہا کہ قیامت ہو اور قاسم بن الولید الہمدانیؒ نے کہا کہ یہ طارہ کبریٰ وہ ساعت ہے جس میں اہل جنت کو جنت میں جانے کا اور اہل جہنم کو جہنم
 میں جانے کا حکم ہوگا۔ (سراج) رازیؒ نے حسنؑ سے نقل کیا کہ وہ قیامت ہو اور دوسری جماعت مفسرین نے کہا کہ طارہ کبریٰ کی تفسیر خود فرما کر ہے
 یوم تذکر الانسان ماسی۔ پس اعمال کا ذکر شاید اس وقت ہو جب نادر اعمال ٹہرتے کو عین گے یا جب جنتی جنت کو اور جہنمی جہنم کو بھیجے جاویں اور یہی
 مالک بن منولؒ کہا کرتے تھے (تفسیر کبیر) فتح البیان میں ہے کہ حسنؑ نے کہا کہ طارہ کبریٰ دوسرا نفعہ صورت ہے ابن عباسؓ نے کہا کہ یہ قیامت کا
 نام ہے مجاہد وغیرہ سے وہ قول نقل کیا جو خطیبؑ نے قاسمؑ سے اور رازیؒ نے مالکؑ سے نقل کیا ہے ان کتابوں میں اختلاف کثیر ہے اور ہمیں معلوم
 کس نے صحیح نقل کیا کیونکہ ایک کا قول کسی محدث کی روایت سے معلوم ہوتا ہے لیکن کسی نے حوالہ نہیں دیا یہ واللہ تعالیٰ اعلم اس ذکر سے میں نے
 جاہل کہ یہ فائدہ بتلا دون کہ اہل تفسیر کثرتِ علما سے اقوال لاتے ہیں اور دوسرے اس سے برخلاف نقل کر دیتے ہیں اور عام لوگ اس میں ہاتھ نہیں
 نقل پر اپنے مطالب کے واسطے حجت لاتے ہیں تو یہ جائز نہیں ہے جب تک نقل معتد نہ ہو یا مصنف محدث ہو جیسے امام ابن کثیرؒ ہیں یا عالم متدین
 ایسا ہو جس نے التزام کر لیا ہو کہ میں بغیر ثبوت کے نقل نہیں کروں گا اور یہی حال فقہ کی روایات میں ہے حافظہ واللہ تعالیٰ اعلم۔ بالجامعہ شیخ ابن کثیرؒ نے
 بیان صرف یہ نقل کیا کہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ طارہ کبریٰ قیامت ہو اور اس روز انسان یاد کرے گا جو اُسے سنی کیا ہے اپنے سب اعمال نیک
 و بد یاد کرے گا جو اُسے دنیا میں کما ئے تھے جیسے قولہ تعالیٰ یومئذ یذکر الانسان وانی لہ الذکر۔ اس واقعہ کے بعد آدمی یاد کرے گا اور اب
 کہاں اسکا یاد کرنا۔ د۔ یعنی کچھ مفید نہیں ہے۔ وَبُرَزَاتِ الْجَحِیْمِ لَمَنْ یَرٰی۔ اور ظاہر کر دی جاوے گی جہنم ہر شخص کے
 واسطے جو دیکھتا ہو ف یعنی لوگوں کے لیے جہنم ظاہر کر دی جائیگی تو سب لوگ اُسکو معائنہ سے آنکھوں دیکھیں گے۔ اگر کہا جاوے کہ بعض
 کافر دنیا میں ان آنکھوں سے بھی اندھے ہوتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ آدمی جس حال پر مرا جو اُسی حال پر اُٹھا یا جاوے گا تو کیا اندھے کافر کو
 ہم نظر نہ آوے گی (جواب) حدیث میں فقط اعتقاد کا بیان ہے یعنی جس حالت میں وہ دین کی راہ سے تھا اُسی حالت پر اُٹھا یا جاوے گا اس سے
 فائدہ یہ ہے کہ مرنے پر ہر کافر کو معلوم ہو جاتا ہے کہ جو کچھ انبیاء علیہم السلام لائے تھے وہ برحق تھا تو کیا قیامت کے روز وہ مومن اُٹھیں گے پس بیان کر دیا کہ
 روح کے علم سے اُسکو کچھ فائدہ نہ ہوگا کیونکہ روح میں علم یا کمال حاصل ہونے کے لیے یہ جسم شرط ہے حتیٰ کہ بعد حصول کمال کے اگر جسم بیکار ہو جاوے
 تو مرنے والے ہو اور واضح رہے کہ کافر بعد موت کے سب جان گیا ہو لیکن اگر وہ پھر اپنے جسم میں اعادہ کیا جاوے تو اُسکو خواب سا بھی یاد نہ
 رہے گا اور یہ اُس کے سخت حجاب کا اثر ہے کہ بعد ازل میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا تھا اور دنیا میں دشمن ہو گیا برخلاف مومن
 کے کہ وہ بھی اگرچہ غفلت میں ہو لیکن اُسکی روح میں تلاوت ہے حتیٰ کہ وہ اسی توحید کا دوست ہو اور کفر کا دشمن ہو اور اللہ تعالیٰ
 نے فرمایا لو بعد العاد واللا یہ۔ یعنی کفار درخداست کرینگے کہ اور ہم کو اب دنیا میں پھر دیا جاوے اب اگر ہم شرک کریں تو گرفتار ہوں پس اللہ تعالیٰ
 فرماتا ہے کہ اگر یہ لوگ واپس کیے جاویں تو وہی کرینگے جس سے منع کیے گئے ہیں۔ د۔ یعنی جب نفعہ کے اظہار کے بعد پیدا ہوں تو بالکل فراموش
 ہوگا اور نفس کی جبلت کے موافق وہی شرک کرینگے اور دلیل یہ ہے کہ ہر کافر بعد حیات کے سب دیکھ بچھا لیکن جب قیامت میں جہنم میں اعادہ
 کر کے اُٹھا یا جاوے گا تو بالکل اُسی جبلت کفر پر ہوگا اور اُس کے وہی خیالات ہونگے جو پہلے تھے اور واضح ہے کہ حدیث میں ہے کہ تم لوگ نیچے پاؤں
 نیچے بدن بے ختنہ کیے ہوئے پیدا ہو گے جیسے مان کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہو۔ پس دنیا میں جو کافر اندھا رہا ہو وہ وہاں آنکھوں والا اُٹھیں گے

آنت من ذکریٰ ۛا ۛ الیٰک ۛسْتَهْمَا ۛ اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ ۛ

یَحْشَسَهَا ۝ كَانَهُمْ يَوْمَئِذٍ مُّوَدَّعِينَ ۝ وَفِيهَا يُكَلِّمُ الْإِلَٰهَ الْعَشِيَّةَ أَوْ ضُلُوعَ ۝

ایسا ہے (اے جس دن دیکھیں گے اوسکو کہ درہمیں لگی ادنکہ مگر ایک شام یا

مترجم کہتا ہے کہ اور انسان کے دنیاوی شہام کا ذکر فرمایا جس سے انسان نے اہل تک تمنع حاصل کیا اور عمل کرنا براحتی کر اہل برکت کیا

تو وہ فنا نہیں ہوا بلکہ اس صدی کے ارواح کے اپنے اپنے اجسام میں حلول کیا اور مدت پوری کی اور جسم چھوڑ دیا اور اُس کے بعد دوسری

صدی میں دوسری ارواح نے نزول کیا اور اپنی اہل جسم مجبور دیا اور یہ حالت اُس وقت تک رہی جب تک سب اصلاح امجادین تو

اُسکے بعد یہ سب ارواح بیکارگی انے انے اجسام میں ضرور اُٹھائی جاوے گی تاکہ انے انے اعمال پر اوپر لہذا فرمایا۔

حَافَتِ الطَّائِمَةِ الْكَبْرَىٰ - بھڑبھڑا کر، آؤ گورف تو یہ سب دوبارہ زہرہ کے حاورنگے۔ کَوْمَ

تَشَدُّدُ كَلَمِ الْإِنْسَانِ مَا يَسَعُهُ - وہ دن ہو کر انسان مادہ کو لگاؤ اٹوٹے گا۔ باہم حاسنہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ - ووجدوا

یسا تو لارسان مانتے۔ وہ دس پور لسان یا دریا جو اسے لایا ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ سے فرمایا۔ دو جہاں
 ماعلا اجاض او الظلم رکبھا۔ یعنی لگا کر، نہو کے غلام کیا اور مسلمانہ جاض ناو گئے اور ترس کے رہ ظالمین۔ کہ تاء۔ ہ۔ ہر ایک کو یہ علم

[illegible]

دید کیا جو اسے دنیا میں برے اصرار سے کیا یا تھا مثلاً کافرون کو دیکھو کہ باوجود ہر طرح کی نصیحت و تیر و تازیانی وہ اپنی گمراہی سے باز نہیں آتا۔ افسوس کہ اس کے برعکس ہمارے اصرار سے کیا یا تھا مثلاً کافرون کو دیکھو کہ باوجود ہر طرح کی نصیحت و تیر و تازیانی وہ اپنی گمراہی سے باز نہیں آتا۔ افسوس کہ اس کے برعکس ہمارے

افعال عجیب پر اس قدر غداوت سے اصرار کرے ہیں، اوروں نے ان کو جھکوا دیا کہ جھکنا چاہیے تھے، وہ اڑو ہا ہا اور وہاں یہ خفا و جی بانی نہیں رہیں۔

[illegible]

کر کے بیسیفیت بیان کی مالک اس دلیل سے سمجھ لیا جاوے کہ تقدیر کا ہے کوئی شری قدرت کا حال ہو اور حشر کا ملن ہونا عقلاً بیان

کرسے حاضر فرمایا کہ وہ واقع ہوئے والا ہو بقولہ کمالے ناذا اجادت الطائفة الکبریٰ لیوم تذکر الاسمان سچو ابن الشیر نے لکھا کہ ابن عباس نے فرمایا کہ اگر طائر کے ذریعہ استیلا ہو اس کا نام اس کا تذکرہ کیا جائے گا

سے فرمایا کہ ظالمہ لبری قیامت ہے اور اسکا یہ نام اس وجہ سے ہوا کہ وہ سب آفات پر غالب ہو اور رازی نے لیت و قیال سے نقل کیا کہ ہر جہت جو دوسری جہت کے مقابلہ میں زیادہ قوت مند ہو اسے جہت غالب کہتے ہیں۔

ہر چیز جو دوسری چیز کو مشہور و مغلوب و جہی کر دے وہ طالع ہے۔ لہذا قیامت کا نام اس وجہ سے ہوا کہ اس کے ظاہر ہوئے ہی تمام آفات جو بڑی سے بڑی نظر آئے، مٹ گئیں۔ اس کے بعد ہر چیز کو اپنے جہی کر دے۔ لہذا قیامت کا نام اس وجہ سے ہوا کہ اس کے ظاہر ہوئے ہی تمام آفات جو بڑی سے بڑی

بری لڑائی عین اسکو دیکھتے ہی فراموش ہو جاتا بنی ابن کثیر نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ الساعة ادہی وامر۔ یعنی ساعت سے پہلے

برعزت و نالافتادہ ہیبت معہ ہر شے کے ساتھ کہ یوم بتذکرہ الانسان ماسعی۔ وہ دن ہو کہ انسان خوب یاد کر لگا جو سنے سعی کی

تعالیٰ کو عظیم الشان قدرت سے اظہارِ ابوابِ ملک - اعلا سے اُس کے سب سے بڑے مُنشی نے یہ مکتوب لکھا ہے۔ تو معنی یہ ہوتا ہے کہ جب ظالمہ کبریٰ آجائیگی تو ہر انسان ان

معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کے دنیا میں جو مستحق وقت و اجالت کا حکم کیا ہے وہ ہرگز اس کے لئے دنیا میں متاع الہی کھا کر کما لئے ہیں تو اس کو

حکومت ہونا کہ اللہ تعالیٰ نے اسلو دنیا میں جو مساع وقت اجل تک عطا کی تھی اُسکی قوت سے جو جسم کو حاصل ہوئی تھی اُسے جسم سے کیا کام کرنا اور کیا کام کرنا۔

سید کا نام لیا اور کہا کیا ہے۔ حدیث میں ہے کہ پیامت کے روز کسی بندے کے قدم کہیں حرکت نہ کریں کرنے پاویں گے یہاں تک کہ اس نے جاریانہ سوال کیا تو اسے ایک انکسار سے کہہ کر خالی ہاتھ چلا گیا۔

چار بابوں کا سوال ایک اسلی عمر سے کہ اس خیال میں کھوئی اور دوم خیم سے کہ کس جنت میں اُسکو مبتلا کیا اور سوم علم سے

بہر آیت میں اس طرح مذکور ہو والا ارض بعد ذلک دعا ہوا۔ یعنی بعد اسکے زمین کو پھیلایا۔ اور اوپر لکھا تھا کہ اکثر علماء کے نزدیک زمین و آسمان کی چیزوں کا پیدا ہونا آسمان و اُسکی چیزوں سے مقدم ہو تو آیت میں کیونکر مینے ہیں (جواب) یہ کہ آیت کی تاویل کی جاوے اور اقربہ تاویل (بعد) سے یہاں بیان و ذکر میں پیچھے ہونا مراد لیا جاوے جیسے ہر زبان میں یہ محاورہ ہو کہ پھر بعد اسکے ہم کہتے ہیں کہ ایسا ہوا۔ اس سے ترتیب منظر نہیں ہوتی مگر ترجمہ کہتا ہے کہ اس مقام پر زیادہ ظاہر وہ جو شیخ امام ابن کثیر وغیرہ نے اختیار کیا کہ اصل مادہ زمین کو مقدم بنیاد کیا اور دوسرے روز اس مادہ کو سات زمینوں کے واسطے جدا جدا کر دیا پھر دُخان (آبی بخارات) سے جدا کر کے سات آسمان بنا کے اور ہر ایک کو ٹھیک کر دیا پھر زمین کو پھیلایا اور جو کچھ اس میں تھا اُن پر کر دیا مگر ترجمہ کہتا ہے کہ یہاں ایک خطائے نظری بھی ہو سکتی ہے یعنی ایک چیز کی پیدائش سے فراغت ہو تو دوسرا کام کیا جاوے جیسے انسانی حالت ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ میں قدرتی حالت کا اس پر قیاس لے کر پس محتمل ہے کہ آسمان کی پیدائش کے ساتھ زمین احکام زمین کے حق میں بھی ایسے ہوں کہ دونوں میں بعض چیزیں متفق و متن ہیں پیدا ہوئی ہیں پس اگر۔ و آیات صحیحہ کو آیات کے ساتھ میں جمع کیا جاوے پھر ہر شکاری سے ملا یا جاوے تو شاید دوسری تاویل نظر آوے بہر حال حواء اس طرح ہو جیسے شیخ ابن کثیر وغیرہ نے فرمایا ہو یا جیسے ابو السعود نے کہا ہو یا تیسری وجہ ہو کہ زمین و آسمان میں ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی قدرت کاملہ وسیع ہو اور یہاں بند و نکو اپنی قدرت کاملہ کا اظہار اور اُن پر احسان و امتنان کا بیان منظور ہے تاکہ ہوش میں آدین اور یہ خیال کریں کہ یہ دنیا ہمارے واسطے مسکن و محل اقامت نہیں ہے بلکہ قدرت پاک نے ہم کو یہاں اپنے خالق عز و جل کی توحید کا کلمہ بلند کرنے کو پیدا کیا اور آسمان اور زمین و آفتاب و ماہتاب وغیرہ کو اپنے حکم سے ہماری جان و ہمارے حیوان کے تمتع کے لیے کارکن کیا سعدی علیہ الرحمہ نے اس سے نصیحت نکالی ہے ابرو بادوسہ و خورشید و فلک در کار اندہ تا تو نانے بکف آری و لغفلت غموری نہ لینے بادل و ہوا اور چاند و سورج اور آسمان سب کام میں لگے ہیں تاکہ تجھے روٹی ہاتھ آوے اور تو اسکو غفلت سے نہ کھاوے بلکہ یہ میرے جسم کی ضرورت کے لیے تمتع ہو اور جسم سے اپنے واسطے علمی معارف اور نیک کام حاصل کر جس سے آخر اپنے وطن میں ہو چکر قرب منزلت میں عیش کرے کیونکہ یہ متاع دنیاوی تھلے لیے ایک اجل تک ہو اور تم ہمیشگی کے لیے دنیا میں نہیں آتارے گئے ہو۔ خواہ مانویانہ مانو ایک وقت موت کی زبردستی یہاں سے نکلے جاؤ گے تاکہ تمھارے بجائے دوسری قوم آوے اس طرح وہ بھی اجل پوری کرے اور ضرورت کے واسطے تمتع اٹھاوے یہاں تک کہ جب سب مخلوقات اس دنیا میں اپنی اپنی عمر پوری کر چکے اور اپنی اپنی قسمت کی کمائی پوری حاصل کر چکے تو اُس وقت یہ زمین و آسمان مٹا دیا جاوے اور دوسرا آسمان و زمین قائم کیا جاوے اور ہر ایک اپنی اپنی

کمانی پاوے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا
 لَوَدَّ احْبَاءُ الطَّامَّةِ الْكُبْرٰی ۝ یَوْمَ یَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰی ۝ وَبَلَغَتْ
 الْحٰجِمٰتُ لَیْنَ بَرٰمٰی ۝ فَاَمَّا مَنْ طَغٰ ۝ وَاتَّخَذَ الْحٰیوۃَ الدُّنْیَا ۝ فَاِنَّ الْحٰجِمٰتِ
 الدُّنْیَا ۝ وَامَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ ۝ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی ۝
 اور جو کوئی ڈرنا اپنے رب سے ڈرے اور جو کھڑے ہونے سے اور روکا جی کو

کرتی ہیں کہ زمین دو کچھ اسمین ہو یہ پہلے پیدا کیا گیا اور آسمان دو کچھ اسمین ہو اسکے بعد پیدا کیا گیا ہو اور اسی پر اکثر اہل تفسیر کا اتفاق ہے اور ابوہریرہ
قال لرازی زمین کو بعد آسمان کے بچایا تو شاید بچانے سے یہ مراد ہو کہ اوسکو نباتات و مسود جات اگالے اور اوسکو سیراب کرنے کے لائق
کر دیا کیونکہ یہ قوت و صلاحیت زمین میں جب ہی حاصل ہو سکتی ہو کہ آسمان مع سامان موجود ہو اسلئے کہ زمین بمنزلہ مان کے ہے اور آسمان
بمنزلہ باپ کے ہے اور جب تک دونوں موجود نہ ہوں تب تک حیوانات و نباتات و جمادات پیدا نہیں ہو سکتے ہیں (تفسیر کبریٰ تہذیب شیخ ابوالسعود)
نے لکھا کہ روایت کیا گیا کہ آسمان زمین سے پہلے عرش پانی پر تھا یہ روایت سنن ترمذی وغیرہ میں ہے پھر اسکے بعد ابوالسعود نے زائد لکھا کہ
پھر اللہ تعالیٰ نے پانی میں جوش و اضطراب پیدا کیا تو جھاگ لایا اور اوس سے دھواں (بخارات کا) اٹھا پس جھاگ کا پھینک پانی پر
ٹھہر گیا اوس سے خشکی پیدا کی گئی اور پہلے ایک ہی زمین تھی پھر اللہ تعالیٰ نے اسکو فتن کر (پھاڑ) کے سات زمینیں بنائیں اور دھواں
ملبد فرمایا پس اُس سے سات آسمان بنائے (تفسیر ابوالسعود) مترجم کہتا ہے کہ قول تعالیٰ کا تار تھا فتننا ہما کی تفسیر اس بیان سے ملتی
ہوئی کہ زمین رتن تھی اسکو فتن کر کے سات بنائیں اور آسمان رتن تھا اسکو فتن کر کے سات بنائے اور یہ معنی ہمیں کہ دونوں ایک ہی
میں رتن تھے تو انکو فتن و جدا کیا جیسا کہ اوپر بیان ہوا تھا اور واضح ہو کہ آسمان کے حق میں روایت آئی ہے کہ پودے مکھنوت ہوا اور شاہدا کے
معنی اس روایت کے موافق یہ ہوں کہ پانی کے بخارات ہیں جنکو اللہ تعالیٰ کی قدرت نے بستہ کر دیا ہے اور اسی جہت سے بارش کے پانی کو آسمانی
ترکیب سے خاص کیفیت حاصل ہوتی ہے اور اس زمانے میں بہت سے وہ لوگ جو فلسفی طور پر مادیات میں گفتگو کرتے ہیں انکا یہ قول ہے کہ زمین
پہلے سمندر کے جھاگ تھی اور رفتہ رفتہ ان میں خشکی سے پیوست ہوئی لیکن جبکہ کے ساتھ میں گیلان بھی تھا جس سے وہ اضطراب
جانش کرتی تھی جیسے شرع میں اس روایت میں ذکر ہوا اور ہاڑوں کی خلقت میں بیان ہوا ہے لیکن شرع اس روایت مذکور کو بغیر ثبوت
صحیح اسناد کے بھی قبول نہیں کر سکتی ہے اگرچہ شیخ ابوالسعود کی طرح بعض دیگر مشائخ نے بھی اسکو ذکر کیا ہے پھر شیخ ابوالسعود نے لکھا کہ
روایت کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے جرم زمین کو اتوار کے روز پیدا کیا اور بچھانا اسکا دوشنبہ کو ہوا (اقول) صحیح کی روایت میں دوشنبہ کو ہاڑوں
کی پیدائش ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اسکو منگل اور بدھ کے روز پیدا کیا اور آسمانوں و اسکی چیزوں کو جمعرات و جمعہ کو پیدا کیا اور جمعہ کے
آخری ساعت میں آدم علیہ السلام کو بنا دیا اور اسی ساعت میں قیامت شروع ہوگی (تفسیر ابوالسعود) مترجم کہتا ہے کہ حدیث سے یہ بیان
بارہا اس تفسیر میں گذرا ہے اور واضح ہو کہ منگل و بدھ کی مخلوقات میں بیانات متعدد ہیں بعض روایات میں نباتات و حیوانات ہیں اور بعض
میں مضر ترین اور منفعتمند ہیں اور بعض میں ظلمت و نور ہے۔ اخیر قول کی تائید میں آیات طیش لیلہا و اخرج ضحاہا۔ ہو کہ اول رات پھر دن کا ذکر ہے
اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریکی و نور خود مستقل چیزیں ہیں اور قول تعالیٰ خلق السموات والارض فی ستة ایام الآیہ میں حدیث کا ذکر مفصل ہوا
ہے اور سورۃ حم السجدہ میں بھی بیان گذرا ہے اور واضح رہے کہ تاریکی و نور کی روایت ایک معجزہ ہے چنانچہ زمانہ میں اہل شرک و کفر ہمیشہ منگل کے
روز اپنے کام کرتے ہیں اور بدھ کے روز نہیں کرتے اور اسکو اپنے تجربہ سے محسوس کرتے ہیں اور قول تعالیٰ یوم خمس مستمر۔ میں گزرا کہ بدھ کا دن
ہمیشہ کے لیے کافروں پر خمس ہے اور نکتہ ظاہر ہے کہ منگل کے دن تاریکی پیدا ہوئی تو کافروں کے موافق ہے اور بدھ کے دن نور پیدا ہوا جس سے
وہ لوگ مخالف ہیں۔ واضح ہو کہ کافروں کے اس خیال و تجربہ میں بہت سے عوام مسلمان شریک ہیں اور یہ انکی جہالت ہے لیکن اگر کسی مسلمان کو
بدھ کے روز مصرت و خوش ظاہر ہوتا ہے اسکو اپنے ایمان کے لیے جناب باری تعالیٰ میں التجا کرنا ضرور ہے اسلئے کہ یہ دن ہمیشہ کے لیے کافروں
پر خمس ہے تو یہ شخص بھی دلی اتفاق کی وجہ سے ان میں شامل ہے و اعوذ باللہ العلی العظیم من الکفر و التفاق شیخ ابوالسعود نے بعد اسکے لکھا کہ

نفس ہو قد قال تعالیٰ ربنا ما خلقت هذا باطلا الا یہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے صالحین بندے فکر و عقل سے یہ کہتے ہیں کہ اگر رب تو نے اسکو باطل نہیں پیدا کیا۔ ہ۔ یعنی یہ سب آسمان و زمین اور یہ عجائب مخلوقات کی خلقت میں عجیب اسرار ہیں تو نے انکو عقلیت کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ برخلاف کافروں و نیچروں کے جو حماقت سے یہ سمجھے کہ انکا پیدا کرنے والا نیچر ہے اور یوں ہی خود بخود پیدا ہوتے ہیں اور مر جاتے ہیں کچھ نتیجہ نہیں ہے واللہ تعالیٰ اعلم رازیؒ نے کہا کہ آسمان بغیر عمود ہی تو عجزت ہے کہ یہ کسی میں قدرت نہیں کہ اسکو سطح پیدا کرے اور بعض لوگوں نے کہا کہ آسمان کو مستوی کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ کرہ ہے (گول ہے) ورنہ مستوی نہوتا۔ علماؒ نے کہا کہ جب یہ ثبوت ہوا کہ آسمان اس صنعت صفت کے ساتھ موجود نہیں ہو سکتا تھا جب تک اسکو قادر خالق پیدا نہ کرے اور اُس میں یہ بھی صفت ہو کہ سطح چاہے پیدا کرے تو بعد اسکے دین میں کیا ضرر ہے اگر کوئی کہے کہ وہ گول کرہ ہے مترجم کہتا ہے کہ بھروسہ مانہ میں فرقہ نیچر ٹکڑا مسلمانوں کی صورت بنا کر بیکانے لگا کہ آسمان کا کہیں وجود نہیں ہے اور جب کہا گیا کہ یہ کیا کرہ ہے حالانکہ ہم کو تو اسکا عکس ہر آئینہ و تالاب و کھڑے و غیرہ میں صاف نظر آتا ہے اور عکس ضرور ایک ٹھوس جسم کا ہونا چاہیے تو کہتا ہے کہ ہاں یہ تو تم سچ کہتے ہو مگر عجز کرہ کے ٹکڑے کہتے ہیں کہ ہم نے دور بین سے بہت دیکھا وہ نظر نہ آیا اور تار نظر آیا مترجم کہتا ہے کہ میں نے بار بار دیکھا کہ تار ابوجہ منور ہونے کے نظر آتا ہے جیسے اندھیری رات میں دور درخت پر ایک چراغ ہو تو وہ نظر آدینگا اور درخت کہیں نظر آدینگا بلکہ شفاف شیشہ میں ہو تو وہ شیشہ نظر نہ آدینگا اسی طرح رازیؒ نے زمین کی نسبت نقل کیا کہ بعض نے کہا کہ زمین گول کرہ ہے لیکن جب وہ بڑا جسم ہے تو اسکا ہر قطعہ بچھا ہوا فرش نظر آتا ہے (مسئلہ) رازیؒ نے کہا کہ جب یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اول زمین کو بھرا آسمان کو بنایا پھر زمین کو بچھایا تو علماؒ نے انکے لیے زمانہ کی مدت بیان کی ہے چنانچہ حدیث عبد اللہ بن عمر (عمرو) میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کو زمین سے دو ہزار برس پہلے بنایا اور اسی کے پچھلے سے زمین بچھائی گئی اور میرے نزدیک لازم ہے کہ ان امور کے بیان کرنے میں حدیث کی کتابوں کی طرف رجوع کیا جاوے (تفسیر کبیر) مترجم کہتا ہے کہ یہ امام رازیؒ نے سچ کہا اسی لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر فن کے واسطے لوگ علیحدہ پیدا فرمائے ہیں اسی لیے تم دیکھتے ہو کہ بعض لوگ جو علم فقہ کے جزئیات میں ماہر ہیں وہ کبھی ایسی حدیثیں نقل کر جاتے ہیں جو محدثین کے نزدیک ثبوت نہیں ہیں ملا علی قاریؒ نے اپنے رسالہ موضوعات میں قصائے عمری کی موضوع حدیث کو نقل کیا اور کہا کہ اگر کوئی کہے کہ یہ نہایتہ وغیرہ میں ہے تو جواب یہ کہ وہ لوگ محدث نہیں تھے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اپنی اسناد نہیں ملائی اور نہ لکھا کہ کسی محدث نے اسکو روایت کیا اور پچھلے لوگوں نے انھیں کی کتاب سے نقل کر لیا ہے۔ ہ۔ شیخ ابوالسعودؒ نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ واجبال رسما۔ یعنی پہاڑوں کو اللہ تعالیٰ نے ثابت کیا۔ اس سے زمین بھی جم گئی اور اس کلام پاک سے حق بات سے ہوشیار کر دیا کہ قرآن میں جا بجا پہاڑوں کو (رواہی) فرمایا تو اس سے بعد انہیں سے کہ پہاڑ بذات خود یہ صفت رکھتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُنکو روایں بنا دیا ہے اگر یہ نہوتا تو خود بھی ثابت نہ رہتے اور نہ جتے بھلا زمین کو کیا چاہتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے دونوں کو جدا کیا اور دھنواں اور چڑھا دیا اور اس سے ساتوں آسمان بنائے پھر اُس مدد جز کو بچھا دیا اور چھپا دیا اُس سے زمین بتائی جیسے قولہ تعالیٰ ان السموات والارض کانتا رقا ففتقنا ہا الا یہ۔ میں بیان ہو واضح ہو کہ سجدہ سجود میں گذرا کہ انکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین الا یہ۔ یعنی زمین کو دو دن میں بنایا اور پھر آسمان کی جانب تصدق فرمایا وہ اُس وقت دستخوان تھا۔ ہ۔ اور اس طرح سورہ بقرہ کے شروع میں جو آیت ہے یعنی قولہ تعالیٰ خلق لکم مانی الارض جمیعاً ثم استوی الی السماء الا یہ۔ تو یہ دونوں یقیناً اللہ

اجل تک متاع حاصل ہوا اور تمھارے جانوروں کے لیے حاصل ہوا اس سے ظاہر ہو کہ مرعی کھیت و باغات کو بھی شامل ہی کیونکہ انسانی متاع اس سے حاصل ہوتی ہو۔ اور جس نادان نے جسم خاکی کی خواہش کے تابع ہو کر زمین کو اپنا گھر بنایا اور یہاں کے مال کو خزانہ بنایا اور اسی کے لیے عمر بھر جمع کرنے اور بھرنے کی کوشش کی اور سنے عمر بربادی اور چھوڑ کر خواہ مخواہ دار آخرت میں چلا جائیگا اور وہاں ان اعمال کا نتیجہ جہنم میں پائیگا حدیث میں ہو دنیا اور سکا گھر ہے جسکا کہیں گھر نہیں (سوا سے جہنم کے) اور دنیا اسکا مال ہے جسکا کہیں مال نہیں (مگر جہنم) اور دنیا کے لیے وہ جمع کرتا جو حسین عقل نہیں ہو۔۔۔ شیخ ابن کثیر نے لکھا کہ امام احمد نے حدیث انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو اسے پوچھا تھا تو اس نے پوچھا کیا پس اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو پیدا کر کے زمین پر ڈالا تو وہ ٹھہر گئی پس ملائکہ نے پہاڑوں کو اپنا ایش دیکھا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے تعجب کیا اور عرض کیا کہ اے رب تیری خلقت میں پہاڑوں سے بھی اشد سخت و شدید کوئی چیز ہو فرمایا کہ ہاں وہ لوہا ہو۔ ملائکہ نے عرض کیا کہ لوہے سے بڑھ کر کوئی چیز ہے فرمایا کہ ہاں وہ آگ ہو۔ عرض کیا کہ اے رب آگ سے بڑھ کر کیا ہے فرمایا کہ ہاں وہ آبی ہو۔ عرض کیا کہ اے رب آبی سے بڑھ کر کوئی چیز ہے فرمایا کہ ہاں وہ آدمی جو میرے نام پر اسطرح دائیں ہاتھ سے مدد دے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو خیر نہ ہو۔ ابن جریر نے باسناد ابن حمید روایت کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو وہ ہمسٹی اور عرض کرنے لگی کہ اے رب تو مجھ اور آدم پیدا کر لگا جو مجھ پر اپنی گندگی ڈالنے کے ساتھ گناہوں کے مرتکب ہو گئے پس اللہ تعالیٰ نے اُس کو پہاڑوں سے قائم و ثابت کروایا بعض پہاڑ تم کو نظر آتے ہیں اور بعض نظر نہیں آتے اور ابداً میں زمین اسطرح لرزتی رہی جیسے اونٹ جب ڈکچا کیا جاتا ہو تو اسکا گوشہ پھٹ کر پڑتا ہو (ابن کثیر) اگر کہا جاوے کہ کیا ماہ و مرغی کے بعد پہاڑ پیدا کیے گئے ہیں (جواب) نہیں بلکہ پہاڑوں کی پیدائش تو زمین کیساتھ ہی صرف اتنا فرق ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اول زمین کو پھیلا دیا جو اپنے تمام وسعت سے پھیل گئی اور لوچ کھاتی تھی پھر ملائکہ پر اظہار قدرت کے لیے ان پہاڑوں کو جو زمین پر زمین ہیں پیدا کر کے زمین پر قائم فرمایا پس وہ جسم میں ہڈیوں کی طرح جم گئے تو ملائکہ نے تعجب کیا پھر اللہ تعالیٰ نے پانی کے دبا دھبے وغیرہ نکالے اور مرغی و نباتات و حیوانات وغیرہ نکالے لیکن انسان کو اہل غذا چاہیے پھر خواب کی فکر کرے تو زمین بستر ہو جو پہاڑوں سے جڑی ہوئی ہو لہذا اُس کو بھیجے بیان فرمایا مسئلہ سوال کیا گیا کہ قولہ تعالیٰ متاعا لکم۔ یہ مفعول لہ ہے اور مفعول لہ اس غرض کو کہتے ہیں جس کے حاصل ہونے کے لیے کام کیا جاوے تو معلوم ہوا کہ ان چیزوں کا پیدا کرنا اس غرض سے ہوا اور تم کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کسی غرض کے لیے کوئی کام نہیں کرتا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ سب صفات میں کامل و ملایم ہوا اس کو کسی چیز سے کچھ غرض نہیں ہو بلکہ سب اُسی کے محتاج ہیں (جواب) ہاں ہم سچ کہتے ہیں اور ہم نے یہ بدیہی دلیل بیان کر دی اس دلیل کے بعد کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ احد الصمد ہو سب اُسی کے محتاج ہیں اُس کو کسی سو من اور کسی عبادت کی احتیاج نہیں اور کسی کافر کی بدکاری و کفر سے کچھ ضرر ہو کیونکہ یہ سب حادث ہیں اور انکے کام بھی حادث ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قدس قدیم لا ینزال ہو اور یہ سمجھ لینا عقل ایمانی میں آسان ہو کیونکہ مثال دنیا شان الہی میں غیر ممکن ہو جبکہ اسکی مثال کسی بلکہ شاہ بھی کوئی چیز نہیں ہو لیکن سمجھانے کے لیے اُیت سے نور ذہن کو ترقی دو۔ دیکھو آفتاب اپنی فات میں زمین کی گرمی کا محتاج نہیں ہو اور زمین پر اگر شکر و اطلے کا انبار ہو تو زمین کے لیے وہی پاکیزہ کی گئی اور اس پر بار کیا گیا اور اگر زمین پر گڑہ گوبر کا انبار ہو تو آفتاب کو اُس سے ضرر نہیں ہو اور درختی میں نجاست نہیں لگتی ہو لیکن وہ قطعہ زمین خود نجس ہو بالجملہ اللہ تعالیٰ کے کام خود کرنے والے کے نفع لینے یا ضرر دہ کرنے کی غرض سے نہیں ہو سکتے ہیں اور ہم نے یہ نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ کے کام بے فائدہ ہوتے ہیں۔ نہیں بلکہ اُس کے عجیب نتائج ہوں اور قولہ متاعاً کلام غرض سے یہ ثبوت ہوا کہ اس خلقت میں آدمیوں اور انسان کے جانوروں کے لیے متاع و منفعت ہو اور یہ نہیں نکلا کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے

ہے اسی طرح اُس کے مخاڑی دوم پھر سوم وغیرہ پر ہیا تک کہ ساتویں آسمان پر بیت المہر چوبیسین ہر در در تیر ہزار ملائکہ مقرب داخل ہوتے ہیں اور دوسرے روز جب وہ جاتے ہیں تو پھر آخر زمان تک کبھی اون ملائکہ کی باری نہیں آویگی یعنی ملائکہ بے انتہا ہیں۔ پھر زمین کا بچھانا یہ ہو کہ کشتادہ محدود کر کے دریا و نہات نکالے چنانچہ ابن ابی حاتم نے بسند صالح روایت کی کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ زمین کا بچھانا یہ ہے کہ اس سے پانی نکالا اور مرغی نکالی اور اس میں دریا و چشمے و نہریں ظاہر کیں اور جھیلیں و دریاہیں و ریگستان ظاہر کیے۔ ہر مرغی یہ کھیت و باغات و جنگل و سبزہ زار ہیں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس خاک کو قدرت پاک سے جسم آدمی کے صورت بخشی اسی طرح اس میں سے میوہ جات کے درخت و اناج و ساگ و نباتات کی صورتیں پیدا کیں اور جیسے انسانی نسل کا طریقہ بیج یعنی نطفے سے رکھا اسی طرح درختوں و اناج وغیرہ کا طریقہ تخم سے رکھا اور جسم انسانی میں اس زمین کے سب اجزاء موجود ہیں حتیٰ کہ سونا و چاندی و لعل و جواہرات وغیرہ سب ہیں اور نباتات میں سے بعض کی پیداوار میں کوئی دھات ہو اور بعض میں دوسری دھات ہو یعنی اجزاء غالب ہیں اور اقل طبع ہے جب انسانی جسم مریض میں دیکھا کہ فلاں جز ناقص ہوا ہو تو نباتات میں سے وہی غذا یا دوائی جس میں یہ جز زائد ہوتا کہ نقص پورا ہوا اگر توافق ہوا تو حکم الہی اچھا ہو جاتا ہو اور اگر موت ہو تو جسم انسانی میں مستحیل ہو کر بدن کو نہیں لگتا اور موت عارض ہوتی ہو اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جسم انسانی اسی زمین سے پیدا ہوا ہو اور یہی اس کا مرکز ہو تو مرنے و دم تک ہمیشہ جسم اپنی طبیعت سے اسی زمین کی طرف راغب ہوگا اور اس جسم میں اللہ تعالیٰ نے روحانی جوہر مرکب فرمایا ہو وہ جوہر لطیف پاکیزہ ہو اُسکو مکدرات خاکی سے منفرد ہے لیکن نفرت بطریق جسم نہیں ہے تاکہ مریض ہو کر کلفت اٹھاوے بلکہ بصورت نہایت ہو یعنی جسے عقل کی نفرت ہوتی ہو اور یہ جوہر روحانی ایک میعاد تک اس جسم میں سکونت کرتا ہو تاکہ اس جسم کے کمالات و اوزار سے اپنے کمالات حاصل کرے لیکن یہ ایسی وقت ہوگا کہ عقل اس جسم پر حاکم ہو اور طریقہ نبوت سے علم و عمل حاصل کرے تاکہ وہ ان درجات عالیہ میں پہنچے اور اگر کافر نے جسم کو غالب کیا اور انہیں مکدرات کے غرے میں رہا تو جسم اپنی طبیعت کے تابع ہو اور اسی طبیعت کو نفس کہتے ہیں تو نفس ہمیشہ اس جسم سے اپنے مرکز خاکی کی طرف حاصل کرنے پر اصرار کرے گا حتیٰ کہ بادشاہ ہو کر سونے و چاندی کے صندوق بھرتے بھرتے ایک روز مر جاویگا اور سب چھوٹا جاویگا اور وہاں حسرت و غم و عذاب و الم ہو غور بابت بدن ذلک۔ اور اگر اُسے نفس کو مقہور کیا اور اُسکو اسکی مہل خواہشوں پر چلنے نہ دیا تو وہ الحمد للہ اور سبحان اللہ وغیرہ ذکر الہی سے جنت میں باغ لگا دیگا۔ حدیث میں ہے کہ یہ کمالات باقیات صالحات ہیں جنت میں و رخت ہیں اور ان میں نہایت لطیف میوہ جات ہمیشہ ہمار ہیں اور وہ غذائے لطیف خوشگوار ہو اور جوفہ اُس میں حاصل ہوتا ہو زمین کی خیر و نیکو کہیں اس کا نشان نہیں ہے۔ بالکل جب زمین کو پیدا کیا تو اُسکی حالت کا قیاس یہ تھا کہ جیسے جسم انسان بغیر ہڈی کے جو نہ فرمایا۔ وَالْجِبَالُ أَوَّاهٌ۔ اور پہاڑوں کو نباتات کیاف وہ خود بے ہوئے ہیں اور زمین کا کوچ بھی جاتا رہا اور پہاڑوں کی وجہ سے جسم گہنی جیسے بدن میں ہڈیاں ہیں اور اس اہم قدرت سے ملائکہ کی تسبیح ظاہر ہوئی۔ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْفُسِكُمْ۔ یہ سب تمہارے لیے تمہارے چاہاؤں کے لیے ہو نفس دنیا میں انسان اس لیے ہے کہ اپنے رب عزوجل کو پہچان کر اُسکی معرفت میں کمالات حاصل کرے اور آخرت کو اختیار کرے اور یہ اس وقت ہو کہ طبیعت اپنے نفس کی طبعی خواہش روکے اور اسی میں کفر و ایمان کا امتحان ہو اور ہر حال اس جسم کے واسطے اس زمین سے تمنا حاصل ہوتا زندگی ختم ہونے تک ضرور ہے کیونکہ انسان کو اس دنیا سے فقط اسکی موت تک تعلق ہو اور بعد اُسکے کچھ تعلق نہیں ہے نہ ایمان مسافر کے ہاتھ سے منع چاہیے پس اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام بیان فرمایا کہ یہ آسمانی و زمینی تعلقات اور زمین میں پانی و مرغی کی ایجاد اس لیے ہو کہ تمہارے لیے

تو دن روشن ہو گیا لیکن یہ آسمان کا صحنی یعنی نور ہوا زمین پر اوس روشنی سے دن ہوا اور تفسیر ابھرا کفر میں ایک مقام پر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت گزری کہ آفتاب مغرب میں جا کر زمین سے غروب ہوتا اور چھپ جاتا ہوا اور رات میں زمین کے نیچے جانب سیر کرتا ہوا یہاں تک کہ صبح کو جانب مشرق سے نظر آتا ہوا ابو السعدؓ نے لکھا کہ رات دن کو آسمان کی جانب منسوب فرمایا کیونکہ یہ دونوں بوجہ آسمان کے جبکہ کھانے کے پیدا ہوتی ہوں والی ارض بعد ذلک دحہا اخرج منها ماءً وھا و موعہا۔ اور زمین کو اس کے بعد بچھایا اسکا پانی نکالا اور اوسکی چراگاہ نکالی ف۔ یعنی آسمان کی پوری درستی کر زمین کو بچھادیا یعنی اسفیت کے ساتھ ظاہر کر دیا کہ خشکی کے گرد سمندر ہیں جبکہ پانی نہایت کھاری ہو کہ خشکی کے حیوانات اُسکی تاب نہین لاتے ولکن سمند میں آبی جانور لاکھوں قسم کے جیتے ہیں اور خشکی میں دریا و نہر میں جاری فرمائیں جبکہ پانی شیریں ہو اور خشکی کے اندر سے لطیف پانی کے چشمے نکالے اور زمین سے مرغی پیدا کر دیے مرغی جان جانور جرتے ہیں اور بعض نے کہا امصدر میسی ہو یعنی منقول تو نباتات مراد ہوگی (ابو السعد وغیرہ) شاید بھی مصدر اسلیے لیا کہ مرغی صرف جانوروں کے سبزہ زار جنگل ہوے جنہیں جرتے ہیں اور آدمیوں کے باغات و کھیت رگئے لیکن مترجم کے نزدیک اس تکلف کی وجہ نہین ہو اسلیے کہ انسان کھانے پینے میں دوسرے جانداروں کا شریک ہو تو ہر جاندار کے واسطے اُسکے لائق مرغی پیدا کر دیا پس بہائم کے لیے گھاس پات کے جنگل ہیں اور آدمی کے لیے کھیت و باغات ہیں مترجم کہتا ہو کہ اس آیت میں انسان کے لیے فہم و فکر سے عجیب قدرت ظاہر ہوتی ہو بلکہ دانائی سے علم طبابت کے اصول حاصل ہونے میں بیان تفسیر کے ذیل میں آتا ہو بیان سوال یہ ہے کہ شروع سورہ بقرہ میں جو تخم استوی الے السماء الآیہ یعنی زمین کو مع سب چیزوں کے جذب میں ہو پیدا کر کے آسمان کی طرف قصد فرما کر اُنکو ٹھیک کیا تو زمین کے بعد آسمان کی خلقت ظاہر ہوتی ہو خطیبؒ نے کہا کہ سورہ فصلت میں نص صریح ہو کہ زمین کے بعد آسمان ہوا ابن کثیرؒ نے کہا کہ سورہ حم السجدہ میں گذرا کہ زمین کی پیدائش آسمان سے پہلے ہے خطیبؒ نے لکھا کہ ابن عباسؓ نے بیان فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین کو اُسکی نباتات وغیرہ اوراق کے ساتھ میں پہلے پیدا کیا لیکن اُسکو بچھایا نہین تھا پھر آسمان کو سات سموات مستوی کر کے زمین کو اس کے بعد بچھایا اور اُسکے اوراق و سامان اپنے اپنے موقع سے ظاہر فرمائے اور ابن عباسؓ سے روایت ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو پانی پر دنیا پیدا کرنے سے دو ہزار برس پہلے پیدا کیا تھا پھر اُسکے نیچے زمین بچھائی ابن کثیرؒ نے کہا کہ زمین میں سب چیزیں بالقوہ پیدا کیں اور مضمر چھوڑ دیں پھر آسمان کو پیدا کر کے زمین کو بچھایا اور اُسکی بالقوہ چیزیں سب بالفعل ظاہر کر دیں اور یہی سلف مانند ابن عباسؓ کے قول کا مطلب ہے اور اسکیو شیخ ابن جریرؒ نے اختیار کیا ہو مترجم کہتا ہو کہ حامل معنی جو آثار و احادیث و آیات سے ظاہر ہوتے ہیں یہ ہیں کہ اول میں اللہ تعالیٰ نے پانی پیدا کیا اور اگر یہ پانی اس جوف میں معلق ہو تو قدرت الہیہ زیادہ عجیب نظر آتی ہو پھر اُس پانی پر سفید خانہ کعبہ پیدا کیا اور آسمان اسوقت و صفت مع پانی تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس موج کو بستہ کر دیا اور اُسکو کشادہ کر کے مدور آسمان بنایا اور اسیطرح سات آسمان پیدا کیے اور جیسے اول آسمان کے جوف میں یہ زمین ایک رائی کی طرح ہو اسیطرح اول آسمان بھی دوسرے آسمان کے جوف میں ایک رائی کی طرح ہو اور اسیطرح ہر آسمان اپنے اوپر والے آسمان میں رائی کا دائرہ پر اور یہ سب کرسی کے اندر رائی ہیں اور کرسی بھی عرش کے اندر رائی ہو پھر اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کے واسطے عرش مرکز رکھا یعنی وہاں سے قدرت و حکمت کے احکام جاری ہوتے ہیں یہاں تک کہ آسمان دنیا سے زمین پر جاری ہوتے ہیں پھر آسمانوں کے بعد زمین کو کشادہ فرمایا اور خانہ کعبہ کے تحت میں زمین کو بچھایا اور خانہ کعبہ کے محاذی آسمان پر ایک مسجد

نہیں آسکتا تو دیگر آسمان جنکے سامنے یہ آسمان ذرہ ہو کیا خاک نظر آوینگے پس انکو اپنے واسطے عقل کمال حاصل کرنے کے لیے یہ جیسا سمائی زمین کافی میں اور بہ بالکل بدیع بات ہے کہ جس نے ان عظیم اجسام کو پیدا کر دیا انسان اسکے آگے ہمت آسان ہو اور دوبارہ پیدا کرنا آسان سے آسان ہو ولقد قال تعالیٰ اولیس الذی خلق السموات والارض لقاود علیٰ اقلین مثلم الا یہ۔ کہا یہ نہیں ہو کہ جس نے آسمانون و زمین کو پیدا کر دیا وہ قادر ہو کہ ان لوگوں کے مثل پیدا کروے (کیونکہ ہمیں) وہ بڑی قدرت والا خالق اور غوب ذرہ علم والا ہے۔ مد۔ اور فرمایا الخلق السموات والارض اکبر من خلق الناس بیشیک آسمانون و زمین کا پیدا کرنا لوگوں کی خلقت سے بزرگ ہے۔ مد۔ ایجا اصل آیت کا مقصد یہ تھا کہ اسے متکرر قیامت کیا تمھارا مرجائے کے بعد تمھارا پیدا کر دینا اشد ہو یا کہ آسمان کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت میں سب آسان ہو (مفسیر کبریٰ) ما بن کثیر وغیرہ سوال کیا قدرت کے نزدیک انسان کے پیدا کرنے سے آسمان و زمین کا پیدا کرنا اشد ہو (جواب) نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ کفار نادان نے اپنے دوبارہ پیدا کیے جانے کو محال سمجھا تو اپنے قیاس و تحمل کے پابند ہوئے اور غلطی کی پس انگلی انگلی غلطی ظاہر فرمائی کہ اعوان دان تو آسمان کو دیکھ اور اس کے آگے اپنے حقیر جسم کو دیکھ اب قیاس کر کہ مجھے یہ آسمان بہت اشد ہو جب اللہ تعالیٰ کی قدرت نے اسکو اس طرح پیدا کیا کہ (کن) یعنی جو باپس وہ ہو گیا تو بحلا انسانی اجسام کس گنتی شمار میں ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے آسمان کو اپنے علم و حکمت کے موافق عمدہ نتائج کے واسطے پیدا فرمایا ہے برخلاف خیال فروع ونحری واسکے تابعین کے جنگا حال امام رازی وغیرہ نے بیان کیا کہ یہ چیزیں اتفاقی خود بخود ہوئیں کیونکہ یہ مسیح بدعویٰ ہے اور امام رازی نے طولانی دلائل سے اس خیال کو تفسیر کبریٰ میں مائل کر دیا کہ انکا ازنی قدیم ہونا محال ہے اور اللہ تعالیٰ نے آیت میں اس علم و حکمت کا اشارہ فرمایا بقولہ تعالیٰ۔ بَلَدْنَاهَا نَارَ قَهْمٍ ثُمَّ كَفَّاهُ فَسَوَّىٰهَا۔ اللہ تعالیٰ نے اُسکو بنا یا اور کسی سمائیے اونچائی اٹھائی پس اسکو ٹھیکا کہ باقی ابو السعد نے کہا کہ اوپر سے آسمان کی خلعت سمجھی گئی یعنی جب کہا کہ تمھاری خلعت اشد ہو یا آسمان یعنی آسمان کی خلعت تم سے اشد ہو اسکو بیان کیا بقولہ تعالیٰ (بنایا) یعنی اسکو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہو اور بناؤ کا استقبال عمارت کے ساتھ ہی لئے یہ قبۃ اللہ تعالیٰ ہی نے بنائے ہیں اور بناؤ کا بیان کیا بقولہ تعالیٰ رفع سکما خطیب نے کہا کہ سکملہ پنجائی جو یعنی زمین سے اوپر کی جانب اُنسی اونچائی اور صیللو بلند کیا سطح کہ زمین سے پاخ سو برس کی راہ ہو دو ابو السعد وغیرہ ابن جریری نے کہا کہ سک آسمان کی موٹائی ہو۔ معالم میں ہے کہ سک چھت ہو اف، شاید زمین کی چھت پہلا آسمان ہو اور اوپر ایک آسمان دوسرے کے لیے قبہ ہو اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ جعلنا السماء سقفًا محفوظاً۔ یعنی ہم نے تمھارے لیے آسمان کو محفوظا چھت کر دیا۔ مد۔ نہ گرے اور نہ مٹرے اور نہ خطر ہے اور قولہ فسواہ۔ مراد یہ کہ اس اونچائی کرنے کے بعد آسمان کو اپنی خلقت میں ہر طرح مناسب وضع سے ٹھیک کر دیا نہ سین تفاوت لا یوزن قطور ہو جیسے مبارک الملک میں مطور ہو یا مرادیہ کہ ملک کے مناسب اسکو بس سامان عطا کیا (ابو السعد رحمہ) مترجم کتابت ہو کہ معنی ال بتدرین لقوله تعالیٰ فسواہن سبع سموات۔ اللہ تعالیٰ نے اس دھنون کی موج کو سات آسمان ٹھیک بنا دیے۔ مد۔ وَأَخْطَشَ لِجَمِيعِهِمْ فِي النَّارِ لیعلمها۔ اور تاریک کر دیا۔ اسکی رات کو اور نحال وی اسکی روشنی ف ابن عباس رضی نے کہا کہ اخش لیعلمها۔ اسکی رات اندھیری کردی۔ یہی مجاہد وعمرہ وسعيد بن جبیر وجاعت کثیر سلف نے بیان کیا آخر حوضی با اس کا دن روشن کر دیا (ابن کثیر) اس سے معلوم ہوا کہ رات و دن کا طور آسمان سے خطیب نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آفتاب غالب کیا تو روشنی جاتی رہی اور جهان جہان اسکی روشنی پرتی تھی وہاں زمین کاندار یک سایہ ہو گیا اور رات کو آسمان کی رات اسلئے فرمایا کہ وہ آفتاب غروب ہونے سے ہو اگر نی ہو جو آسمان پر ہوتا ہو مترجم کتابت ہو کہ اول آسمان مستوی فرمایا تو تمام تاریخ کی حتی جسکور ات کہتے ہو اور جب آفتاب پیدا کر دیا

وَالْجِبَالِ أَوْ سِهْلٍ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلَا نَعَامِيكُمْ ۝

اور پہاڑوں کو بوجھ رکھا کام چلانے کو انتھارے اور تھارے چو پاؤں کے

ان آیات سے پہلے معجزہ موسیٰ علیہ السلام سے یہ ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھاری آنکھوں کے سامنے لکڑی کو اڑو دیا بنا دیا اور فرعون کو
نے اوسکو جادو خیال کیا تھا وہ اگر اوں بد بختوں پر مخفی تھا تو اب تم پر نہیں رہا دوجہ سے (اول) یہ کہ جادو میں جو لوگ اعلیٰ درجہ کے ماہر تھے
آنکھوں نے فوراً پہچان لیا کہ یہ جادو کسی طرح نہیں ہو سکتا اور ایمان لائے اور فرعون بغیث کا یہ کہنا کہ تم نے موسیٰ سے سازش کی ہو یہ بالکل
باطل تھا جبکہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے واسطے جان دیدی اور آخر فرعون نے عذاب غرق کے وقت صدق لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا۔ جب یہ
معلوم ہوا تو صریح دلیل ہو کہ اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے اور جب چاہے خلق کو پیدا کرے کیونکہ تم اپنے مردہ ہونے کے بعد بوسیدہ ہڈیاں دیکھتے ہو
وہ آخر انسانی خمر ہوا اور اللہ تعالیٰ نے لکڑی کو بدل کر اڑو دیا بہت دراز بنا دیا جو لکڑی سے صد ہا گونہ بڑا تھا اور لکڑی کچھ اڑو ہے کا جزو بھی نہیں ہوتا
نکو کیا تر دہو کہ یہ انسانی جزا انسان بنا دیا جاوے اور اگر فرض کرو کہ تمھاری یہ بوسیدہ ہڈی بھی باقی انیں ہی تو نکلو اور مخلوقات آسمان زمین کو اللہ تعالیٰ
نے بغیر وہ مثال کے ایجاد کر دیا یہ اسکی قدرت کا کام ہوا قدرت لا ینزال موجود ہو تو جب چاہے تمھارے مثل بدل دے تم تو ایک حقیر جسم کہتے ہو لہذا فرما باعز انکم
اللہ خلقا ام السماء کیا تم اشد بخلقت میں کہ آسمان جو فانی یعنی بدی اقرار کرو کہ آسمان تم سے بہت زیادہ اشد یعنی سخت تر مضبوط عظیم ہوا اسکے
تعالیٰ میں خلقت انسانی کو کچھ نسبت نہیں ہو تو جب اللہ تعالیٰ کی قدرت میں یہ نشان اعلیٰ و اعلیٰ ہو کہ اُس نے نہایت آسانی سے اس آسمان کو ایجاد فرمایا
تو بھلا تم کو ایجاد کرنے میں کیا تر دہو تو واضح ہو کہ قدرت صفت ہوا اور مخلوقات سب قدرت کے فعل میں اور یہ کفار عجب احمق ہیں کہ فعل الہی
انکی سمجھ میں نہیں آتا تو جس صفت کے یہ افعال ہیں اوسکی عظمت و قدس کو کیا سمجھیں گے کیونکہ اگر سمجھ ہوتی تو انکی عظمت کے سامنے یہ
آسمان عظیم انکو ذرہ بھی نظر نہ آتا کیونکہ قدرت قادر ہو کہ ایسے آسمان دم میں لاکھوں ایجاد فرمائے لیکن ان جانوروں کو جب یہ آسمان ہی پورا نظر

نے خوب کہا ہے کہ یسٹ فرعون آگہ اور درابدید کیست موسیٰ آگہ اور خود را سیدہ یعنی فرعون وہ جو جسے اپنے آپ کو دیکھا اور موسیٰ وہ جو اپنی خودی سے خارج ہو گیا بدین فرجی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کی طرف بھیجنے کا نام لیا اور حقیقت میں ساحرون کی طرف بھیجے گئے تھے یعنی اول گون کی طرف جو اوس قوم میں سے ایمان لانے والے تھے اسلئے کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت سے اصل مقصود ہدایت ہی اور ازلی کافرون کو اس سے کچھ نصیب نہیں اور نہ انکی بغرت ہو کہ انبیاء علیہم السلام انکے واسطے بھیجے جا دیں حدیث میں ہے کہ اگر دنیا کی قدر اللہ تعالیٰ کے نزدیک مجھ کے برابر ہو تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی نہ دیتا۔ لیکن یہ کافرون پر قہر ہو اور فائدہ یہ کہ کافرون کے درمیان میں جو مومنین ہیں انکو جدا کر کے قتل ہل لگا لی ان نرکی۔ اس میں بیان صاف ہے کہ پاکیزہ گوہر جو ہدایت پاتا ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی شان عظمت پہچانتا ہو اور جو شخص کہ اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانتا وہ ڈرتا بھی نہیں ہو مترجم کہتا ہے کہ اس سے سمجھنا چاہیے کہ جو لوگ زمانہ میں بنام مسلمان ہیں اور زنا و عیش و بدمکاریاں بے دھڑک کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے تو خطر ہے کہ وہ اپنے رب عزوجل کو نہیں پہچانتے تو ایمان نہیں ہو سکتا کیونکہ بے پہچانے ایمان کہاں ہو اور اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان عطا فرماوے اور اسی پر موت دے۔ شیخ نے کہا کہ فرعون کے حق میں یہ امتحان تھا اور خود اللہ تعالیٰ کو اسکا بد بخت جنہی ہونا معلوم تھا لیکن اُسکے واسطے کوئی عذر و حیلہ بھی نہیں رہا مترجم کہتا ہے کہ جس شخص کی طرف رسول بھیجنے کا نام خاص رکھا جاوے اگر وہ حیلہ و حجت لاوے تو اسپر وبال شدید ہو شیخ ابن حوطا نے کہا کہ مٹنے یہ ہیں کہ کیا تجھے یہ رغبت ہو کہ میں ان گناہوں کی نجاست سے تجھے پاک کروں جن میں تو آلودہ ہو رہا ہو اور دور کی گمراہی سے پھیر کر تجھے عبودیت کی حد پر پہنچا دوں کہ آقا عبودیت سے بندوں کو فخر ہو اور یہی نکی نجات ہو مترجم کہتا ہے کہ میرے افاہہ ہے کہ عبودیت ہی اصل کمال ہے اور جس قدر عبودیت میں کمال ہو اسی قدر مرتبہ بلند ہوتا ہو اور فخر حاصل ہوتا ہو شیخ ترمذی نے کہا کہ اس آیت سے معلوم ہو گیا ہے ہدایت کی میراث یہ ہے کہ خوف ہو۔ یعنی آدمی اسلام لاتا ہو اور قلب کے اندرونی حال سے خبر دینا نہیں ہو سکتا لیکن جب بات موجود ہو کہ انکو اللہ تعالیٰ کی شان عظمت و کبریائی سے خوف ہو تو یہ دلیل ہے کہ ہدایت اُسکو قلب میں ٹھیک و صحیح مل گئی ہو کیونکہ اسکا اثر موجود ہو کہ قولہ تعالیٰ فاراہ الا یہ الکبریٰ فکذب عسیٰ اوسکو آیت کبرئے دکھلائی پھر اسنے جھٹلایا اور نافرمانی کی۔ شیخ نے کہا کہ آیت میں عیب اشارت ہو اور بیان یہ ہے کہ آیات قدرت اور معجزات رسالت میں دیدار دو طرح عطا ہوتا ہے ایک یہ کہ دیدار نفس سے دیکھنے پاوے اور دوم یہ کہ دیدار بصیرت سے نور قدرت نظر آوے اور بیان فرعون کو صرف آیت دکھلائی گئی اور اُسکے ساتھ میں نور صفت سے محروم رہا تو اُسکو مفید نہوا اُسنے کفر کیا اور اگر نور صفت نظر آتا جیسے ساحرون کو نظر آیا تو کفر کو مجال نہ رہتی اور اپنے دعوے ربوبیت سے شرمندہ ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے نفس فرعون کو لباس قہر پہنایا تھا اور خواہش غالب تھی تو کمال قہر کے کلمہ سے مست ہوا۔ شیخ داؤدی سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ ہی خالق ہے تو کیا شان ہے کہ ایسے کلمات زبان کفار پر ایجاد فرمائے جو شان ربوبیت کے لائق نہیں ہیں (جواب) میں شیخ نے کہا کہ ان کلمات کا اثر خود ان کفار کے واسطے ہو کیونکہ انھیں کی کاسیان ہیں اور شان قدس صمدیت لایزال قدیم جو چل شانہ تو اوسمیں حادث چیزوں سے کچھ اثر نہیں ہو اور وہ ان اشارات تک کو دخل نہیں ہو تو بجا عبارات کی کہاں رسائی ہو مترجم کہتا ہے کہ شیخ نے ایک مقام پر ہی حال تسبیح و عبادات کے واسطے بیان کیا ہے یعنی بندہ مومن کے تسبیحات و کلمات طیبہ بھی شان قدس قدیم کے لائق نہیں ہیں بلکہ بندے کے واسطے نیک کمائی جو اور حق تعالیٰ نے قبول فرما کر اسکو قرب منزلت عطا فرمایا ہے یعنی یہ تسبیحات وغیرہ ملائکہ چڑھائے جاتے ہیں اور یہ قرب منزلت میں جتنا ظہور اس دنیا سے موت کے بعد بندے کے حق میں ظاہر ہو گا اور

لکاتے ہیں کہ چاہے کسی سے ضعیف و کمزور ہو کر نماز روزہ سے عاجز ہو جاوے اور بعض جہالت ہو جیسا کہ حضرت شیخ شیرازیؒ نے مذمت فرمائی ہے
 قولہ تعالیٰ فاذا ہذا الایۃ الکبریٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارادہ حقیقیہ اوسکو آیت کبریٰ دکھائی لیکن وہ دیکھنے سے عاجز رہا لیکن وہ ہم
 اس میں خوب مجہم کیا تھا اور حجاب سخت ہو گیا تھا قولہ فلذبح عصی الایہ۔ اوسنے انکار کیا کہ یہ دعوت صحیح نہیں ہے اور کوئی سہرتہ اسکے
 اوپر نہیں ہے اور ارشاد موسیٰؑ سے سرتابی کی کیونکہ حماقت و فرعونیت و دونوں اسی میں جمع ہو گئیں پھر ادا کیا یعنی مقام صفات سے
 بھی مدبر ہوا اور بالکل مقام نفس ہی میں گر گیا کیونکہ نفس نے اوسپر خودی سے پورا غلبہ کر لیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کے دفع کرنے میں اپنے کمر
 کید جمع کرنے میں جد کیا اور شیطانی فریب اور نفسانی حیلے جمع کرنے لگا تو حق تعالیٰ کی جناب قدس سے مردود اور مٹا دیا اور اسکا حجاب بڑھ گیا
 تھے کہ اوسنے صریح یہ دعویٰ کیا۔ انا ربکم الاعلیٰ نفس خودی نے یہاں تک تسلط کیا کہ اوسے حق عزوجل کے ساتھ کبر بانی میں جھگڑا کیا یعنی اپنے لیے
 بھی یہ صفت ثابت کرنے لگا پس قرآنی میں مگر نثار ہوا اور ملعون کر کے آگ میں ڈال دیا گیا جیسے حدیث قدسی میں آیا ہے کہ کبر بانی میری چادر ہے
 اور عظمت انہی ہوا ان صفات میں جو کوئی مجھے جھگڑے گا اوسکو جہنم میں جھونک دوں گا لہذا فرمایا۔ فاخذہ اللہ نکال الآخرة والاوی ان فی ذلک
 لبعرة لمن خشی۔ اللہ تعالیٰ فرعون کو عذاب آخرت و عذاب اولیٰ میں گرفتار کیا اس معاملہ میں ایسے بندے کے لیے عبرت ہے جو جناب حق میں عاجزی
 سے خوف رکھے اور اوسکا نفس ٹٹا ہوا مغلوب ہو اور کسی حالت میں خودی ظاہر نہ کرے۔ ہ۔ مترجم کہتا ہے کہ حدیث میں ہے کہ سب دشمنوں سے
 بڑھ کر تیرا دشمن خود تیرا نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان میں ہے اور حدیث میں ہے کہ تم میں سے کوئی مسلمان نہ ہو گا جب تک اوسکا نفس اس حق کا
 مطیع نہ ہو جاوے جسکو میں لایا ہوں (صحاح) اس بیان سے صاف معلوم ہوا کہ شیخ ابن العزنیؒ یہ نہیں کہتے کہ فرعون کا ایمان مقبول ہے اور وہ جو بھی
 نہیں ہے کیونکہ انھوں صریح یہ کہا کہ وہ قرآنی میں گرفتار ہو کر جہنم میں جھونک دیا گیا پس ظاہر یہ ہے کہ علامہؒ کے سمجھنے میں غلط فہمی واقع ہوئی ہے
 حالبا شیخ نے یہ مضمون بیان کیا کہ موت ظہور حق ہے اور سوقت حجاب رفع ہوتا ہے جیسے فرعون مرتے دم آخر ایمان لایا۔ اس بیان سے یہ لازم نہیں آتا
 کہ اوسکا ایمان جنتی ہونے کے لیے قبول ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب و شیخ شیرازیؒ نے غرہ میں لکھا کہ قولہ تعالیٰ اذناداہ ربہ بالواد
 المقدس طوی۔ روح کلیم اللہ علیہ السلام کو میدان عرفان طہرا کے داوی قدس میں ندا فرمائی اور جمیع وجود ہمہ تن گوش ہو کر نداے حق کی جانب
 مٹھو گیا اور یہ مقام خطرناک ہے کہ شدت محبت میں دعوے (انا) صادر ہو کیونکہ فنا سے محض بقائے حق نظر آتی ہے تو خطر ہے کہ خودی کی جانب
 خیال ہو لیکن حق عزوجل نے تربیت فرمائی اور دوسری آیت میں ہے کہ نداے حق تعالیٰ ہو پچی (انی انا اللہ لا الہ الا انا) یعنی اس سے خطر دور ہوا
 اور سرگرداں کر مٹھو گیا شیخؒ نے کہا کہ اپنے ہوش ہوا کہ خطاب حق ہے کہ تو ہی بندہ ہے اور میں ہی اللہ ہوں میرے سواے کوئی نہیں ہے پھر استغراق
 بدستور تھا اور شان نبوت کے لائق ادب مامور تھا لہذا حکم ہوا کہ۔ اذہب الی فرعون الیم۔ فرعون کی طرف جا۔ ہ۔ اس شان سے باقی رکھا ورنہ
 فنا ہو جاتے اور یہ رجوع بجانبے سالت ہو تو کمال پر صریح دلالت ہے۔ فرعون نے طغیان یہ کیا کہ اپنے نفس کے لیے ایسی چیز کا دعویٰ کیا جو اس کے
 لیے محال ہے اور اس دعوے میں نکتہ یہ تھا کہ اوسنے اپنے نفس میں قہر کا عکس دیکھا اور قہر صفات حق سے ہے تو اوس احمق نے گمان کیا کہ
 مجھ میں ربوبیت ہو وقال تعالیٰ جئنا ہم ائمة یذہبون الی النار۔ یعنی ہم نے فرعون و اوسکے ساتھیوں کو جہنم کی طرف بلانے والے پیشوا
 بنا دیا تھا۔ ہ۔ اوسنے اس ہرطاری میں قہر کی وجہ سے اپنے نفس میں ربوبیت کا دعویٰ کیا اور یہ بخانا کہ قہر کی ذلت سے اوسکو مقام
 قرب عزت میں وصول نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو جو نفس سے خارج تھے فرعون پر بھیجا تاکہ آیات ربوبیت سے
 اوسکی تذلیل کریں۔ اقول اس سے معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام میں اور فرعون لعین میں ضدیت تھی مولوی روم علیہ الرحمۃ

قوم پر عذاب نازل فرمانا ہی تو پھر انکا ایمان قبول نہیں ہوتا ہو سوائے اسکے کہ قوم یونس کو اللہ تعالیٰ نے استثناء فرمایا ہو اور کہا گیا کہ اولیٰ پر عذاب نہیں آیا تھا بلکہ کچھ آثار تھے کہ انھوں نے توبہ واستغفار اور گریہ و زاری شروع کی پس فرعون نے جب قہقین کے مقابل ہو جائے بعد کیا تو قبول نہیں ہو کیونکہ دوسری آیات میں صریح ہے کہ وہ آخرت میں قوم کو جہنم میں اتارے گا۔ پھر مترجم کہتا ہے کہ مجھے یہ یقین نہیں آتا کہ شیخ ابن العربی کی یہ مراد ہے کہ فرعون ایمان کے ساتھ مرا ہو یعنی موسیٰ ہو کر مرا ہو بلکہ شاید شیخ کا مطلب سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہو کیونکہ اگر شیخ نے یہ کہا ہو کہ فرعون ایمان کے ساتھ مرا ہو تو بھی غلط نہیں ہے اسلیے کہ کوئی مرنے والا نہیں مگر تاجب تک و سکون یقین ہو جاوے کہ نبوت کا بیان حق تھا اور فرعون کا حال اسکے واسطے کافی دلیل ہے کہ دیکھو اوس وقت پر اوسکو کھل گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ارشاد حق تھا اور اللہ تعالیٰ کے سوائے کوئی الوہیت والا نہیں ہے ولیکن اگر یہ کہا جاوے کہ فرعون کا یہ ایمان قبول ہوا تو یہ غلط ہے کیونکہ دوسری آیات صریح سے یہ خیال باطل ہوتا ہے اور اسی وجہ سے بعید معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نے ایسا کہا ہو علاوہ اسکے شیخ کے اشارات قرآنیہ اس وقت موجود ہیں اوسمیں صریح مذکور ہے کہ وہ کافر باچنانچہ اسکا خلاصہ لکھتا ہوں شیخ ابن العربی نے اشارات میں لکھا کہ قولہ تعالیٰ بالواد المقدر طوی۔ ندائے حق تعالیٰ کا اثر باطن میں اصل ہے اور وادی مقدس عالم روح مجرد جو مادیات کے تعلق سے پاک ہے اور طوی اسلیے کہ جمیع موجودات اوسکے تحت میں منطوی ہیں خواہ اجسام ہوں یا نفوس ہوں اور یہ سب اوس کے قہر میں ہیں یعنی اوس کے قبضہ میں مطیع ہیں اور عالم الروح بھی عالم صفات ہے اور کلام حق اسی عالم کے تجلیات میں سے ہے کیونکہ کلام ایک صفت باری تعالیٰ ہے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے اس وادی میں موسیٰ علیہ السلام کو ندا فرمائی اور اس عالم کی انتہا وہ افق اعلیٰ ہے جو جہان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلی صورت میں جبریل کو دیکھا تھا جیسا کہ سورۃ النجم میں مذکور ہے اور جبریل عالم ارواح مجردات میں سے ہیں۔ قولہ تعالیٰ اذ سب الی فرعون اند طعی۔ طغیان فرعون یہ تھا کہ اوسنے خودی ظاہر کی۔ شیخ نے لکھا کہ بات یہ تھی کہ فرعون کے خیالات فلسفی تھے اور اوسکا نفس بہت قوی تھا اوسنے میدان افعال طے کیا اور وادی صفات میں چلا اور وہاں خودی کے حجاب میں پڑ گیا اور ربوبیت کے صفات کو اپنے لیے ثابت کرنے لگا۔ یہی اسکی فرعونیت تھی اللہ بکبر نفس میں پڑ کر طغیان کے ساتھ سر نکالا اور یہ فرعون مجملہ ایسے لوگوں کے ٹھہرا جنکے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خلقت النسانی من سبب بدترہ لوگ ہیں جن پر زندگی میں قیامت قائم ہوگئی۔ خدا اور فرعون کو ہم نے اسلیے اسی بدتر فرشتے میں شمار کیا کہ وہ مقام توحید صفات میں اپنی خودی خواہش نفس کے ساتھ قائم ہوا تھا مترجم کہتا ہے کہ شیخ رحمہ کا مطلب یہ ہے کہ وادی صفات میں اہل سعادت تمام جہان اور اپنے نفس کے صفات کی نفی کرتے ہیں اور فنا ہو جاتے ہیں صرف حق تعالیٰ کے واسطے بقا رکھتے ہیں اور جمیع صفات حق کے لیے حقیقت میں اور قیامت میں یہ ظہور ہو جاوے گا اور دنیا میں جو پردہ ہو کہ ہر شخص کافر اپنے آپ کو افعال کا قادر اور تدبیرات کا مدبر سمجھتا ہے یہ سب سلب ہو گا جیسا کہ مترجم نے سابق میں اشارہ کیا ہے اور قیامت جن لوگوں پر قائم ہوگی وہ اسقدر خودی میں غرق ہونگے کہ کوئی اللہ تعالیٰ کا نام لینے والا نہ ہوگا پس فرعون بھی بجائے فناے نفس کے اپنے نفس کی خودی کا قائل ہوا شیخ نے لکھا کہ یہ بہت سخت بدتر حجاب ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اوس پر حجت حق قائم کرنے کو بھیجے گئے اور اوس مغرور نفس کی خودی کا قائل ہوا شیخ نے لکھا کہ یہ بہت سخت بدتر حجاب ہے۔ اس مغرور کا اعلیٰ ترکیب یہ تھا کہ اپنی خودی سے خارج ہونا نہ فرمایا۔ ماہر کیلئے متکبر کو نرمی سے نصیحت کی قولہ تعالیٰ ہل لک الی ان ترکیب اس مغرور کا اعلیٰ ترکیب یہ تھا کہ اپنی خودی سے خارج ہونا نہ فرمایا۔ ماہر کیلئے ربک فتنشی۔ بعد فناے خودی کے رب عزوجل کے جانب ہدایت فرماوین اور معرفت حقیقیہ سے اوسکو ظاہر ہو کہ بیان وحدت ذاتیہ ہے یعنی سوائے اللہ تعالیٰ کے الوہیت و کمال صفات کسی میں نہیں ہے اور سوقت خشیہ آوے یعنی خودی دور ہو کر اپنی ذات سے فنا ہو جاوے اپنے اپنے نفس کی طرف نظر ہو بلکہ حق تعالیٰ ہی کی طرف نظر ہو اور یہی فناے خودی اور بقاے حق کے معنی ہیں راجل صوفی اسکے یہ معنی

ہو کہ جرم اول (کذب عیسیٰ) تھا اور جرم اخیر (انارکلمہ الاعلیٰ) کا جھوٹا دعویٰ تھا اور اللہ تعالیٰ اعلم (تنبیہ) توہماتے فاخذہ اللہ نکال الآخرة والا اولیٰ۔ نکال کو فتح پر توہم کی ترکیب کیونکہ یہ جواب (دوجہ سے بیان کی گئی) (اول) (زحاج) نے کہا کہ مصدر ہو کہہ یعنی مفعول مطلق ہوئے سے نصب ہو کہہ (اخذہ اللہ) یعنی (نکل اللہ) ہو کہہ کہ گرفتار کرنا سزا جو جس سے دیکھنے والوں کو عبرت ہو اور یہی نکال کے معنی ہیں جیسا کہ لیٹ نے بیان کیا ہو (دوم) (فراؤٹے) کہا کہ تقدیر کلام یہ ہو (فاخذہ اللہ اخذ نکال الآخرة الخ) یعنی مفعول مطلق محذوف کی صفت ہو (تفسیر کبیر) بعض نے تیسری صورت یہ بیان کی کہ حرف جرم محذوف ہو یعنی فاخذہ بنکال الآخرة الخ مترجم کتاب ہو کہ نکال ایسی سزا کو کہتے ہیں جسکو دیکھ کر دیکھنے والے ایسے جرم سے باز رہیں اسی وجہ سے (آخرہ) کے معنی قیامت کے بعض لوگوں نے نہیں لیے کیونکہ وہاں کے عذاب سے کسی کو نکال نہیں ہو سکتا کیونکہ وہاں عمل باقی نہیں ہو اور ابن کثیر نے بیان فقط نکال بمعنی عذاب لیا ہو یا یہ کہا جاوے کہ دنیاوی نکال یعنی غرق کر کے سب کا ہلاک ہونا ایسی سزا ہو کہ دوسروں کے لیے نکال ہو گئی ہو اور حسب اس سے دوسروں کو نصیحت ہو گئی کہ فرعون کی طرح جرم نہیں چاہیے تو یہ شخص مومن ہو پس وہ سزا سے آخرت پر بھی یقین لاویگا واللہ تعالیٰ اعلم النصیحت سابقین میں ذکر ہو چکا ہو کہ دریاے قلزم کے کنارے پر بعض صالحین کا مکان تھا اس مرد صالح نے ایک عالم معروف سے بیان کیا کہ حضرت میں نے عجیب معاملہ دیکھا اور کئی مرتبہ دیکھا کہ میں بعض اوقات میں بحر قلزم کے کنارے تھا یعنی جب بضرورت شکار رہا ہی جیسا کہ اس نوح کا طریقہ تھا بحر قلزم پر گئے) میں نے دیکھا کہ بحر قلزم سے جڑیوں کا ایک جھنڈ بہت کثیر نکلا اور ملا ہوا اڑتا چلا گیا اور غائب ہوا اتفاق سے میں نے دیکھا کہ وہی جھنڈ اپنی کثرت کے ساتھ آیا اور بحر قلزم میں غائب ہو گیا لیکن میں نے دیکھا اونکے پر جیسے جلے ہوئے سیاہ ہیں پھر میں نے دوسرے روز دیکھا کہ وہی جڑیاں نکلیں اور روانہ ہوئیں لیکن پرون پر وہ سیاہی نہ تھی پھر شام کو آئیں تو سیاہی موجود تھی۔ اول تو میں اس امر میں متحیر ہوں کہ یہ جڑیاں اس کثرت کے ساتھ سمندر کے اندر پانی میں کہاں رہتی ہیں اور دوسرے مجھے معلوم ہوا کہ وہ کہاں جرنے جاتی ہیں جو اونکے پر جل جاتے ہیں اور میں نے یہ کہہ جانے کے باوجود اونکی اڑان میں کچھ فرق نہیں نظر آیا اور جہازم پھر صبح کو کیونکر وہ پر بدستور ہو گئے۔ میں آج تک اس میں متحیر ہوں کیا آپ نے کسی کتاب میں ایسے پرندوں کا ذکر دیکھا ہو۔ عالم موصوف یہ سنکر روئے اور فرمایا کہ ای بندہ خدا تو نے اس معاملہ کو دیکھا ہو اسے عرض کیا کہ حضرت میں نے خوب اچھی طرح دیکھا ہو اور اپنی حیرت کی وجہ سے میں نے اسکو بار بار قصہ کر کے دیکھا ہو آپ نے فرمایا کہ ای بندہ خدا تجھے عبرت دلائی گئی ہو یہ فرعون وادسکے ساتھیوں کی روحیں عالم برزخ کے لباس میں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خبر دی کہ وہ صبح شام دونوں وقت آگ پر پیش کیے جاتے ہیں پس جب آگ کی لپٹ و حرارت سے انکے پر جل جاتے اور جھلس جاتے ہیں پھر صبح تک بدستور ہو جاتے ہیں اور قیامت تک انکا یہی حال ہو پھر قیامت میں وہ اشد عذاب میں داخل کیے جاویں گے نوح بالذکر (قائدہ) شیخ ابن العربی صوفی سے اکثر علماء نے نقل کیا کہ شیخ نے لکھا کہ فرعون مومن مرا ہو کیونکہ غرق کے وقت اسنے لا الہ الا اللہی آمنت یہ ہوا اسرائیل۔ کہا تھا مترجم کتاب ہو کہ اس بیان کے موافق تقریر یہ ہو کہ جب تک آدمی کے دنیاوی حواس باقی ہیں اور وہ کلمہ توحید ادا کر سکتا ہو تو اوس سے اقرار ایمان قبول ہو اور جب سینہ سے دم ٹوٹا اور دنیاوی حواس جاتے رہے اور آخرت کا معائنہ شروع ہوا اور گھر آگ گیا تو اوسوقت ایمان لانا قبول نہیں ہو اسلئے کہ وہ معائنہ کا وقت ہو اور اوس وقت سب کو یقین ہو جاتا ہو کہ جو کچھ انبیاء علیہم السلام نے بیان فرمایا ہو وہ بیشک سچ ہو کیونکہ آخرت کا مشاہدہ ہو گیا اور فرعون نے ایسے وقت یہ کلمہ کہا کہ جب اسکو کہنے کی قدرت تھی تو ایمان قبول ہونا چاہیے مترجم کتاب ہو کہ فرعون کا یہ اقرار بعد حلول عذاب ہو اور جب اللہ تعالیٰ کسی

انکی ہند منطق ہو گیا اور فرعون بھی غوطہ کھانے لگا اور اسوقت جان سے مایوس ہوا تو کہنے لگا کہ لا الہ الا اللہ امت بہ بنو اسرائیل الایہ۔ یعنی اللہ کوئی نہیں ہو سوا اے اسکے جسپر بنو اسرائیل ایمان لائے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے بیان کیا کہ میں فرعون سے بغض رکھتا تھا جو اس کلمہ کے جو اس نے دعویٰ کیا تھا یعنی میں رب اعلیٰ ہوں پس غرق کی حالت میں ہند کی کچھ کو میں اسکے منہ میں ٹھونستا تھا کہ شاید اسکو رحمت پہنچے۔ م۔ علما نے اسکے معنی میں بہت کلام کیا اور ترجمہ کے نزدیک تحقیق واللہ اعلم ہے کہ جبریل علیہ السلام کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ فرعون جہنمی ہے لیکن اس وقت میں وہ جان کے خوف سے جناب باری تعالیٰ میں ملتی ہوا تو جبریل علیہ السلام نے فرعون کے منہ میں غرق سے نجات دیدیا جو اسے تو پھر وہی خدائی کا دعویٰ زمین پر بلند کرے کیونکہ آخر وہ جہنمی ہے فافهم۔ فرعون نے چند روزہ دنیا کے پیچھے یہ کفر قبیح کمایا آخر دنیا بھی گئی اور آخرت میں جہنم پہ لفقولہ لقم ولقد تم قومہ یوم القیۃ فاوردہم النار الایہ۔ یعنی فرعون قیامت کے روز اپنی قوم کی پیشوائی کر لگا پس اسنے قوم کو جہنم میں وارد کیا۔ م۔ یعنی پیشوائی کر لگا تو اسکا نتیجہ قطعی سمجھ لو کہ وہ انکو جہنم میں لے گیا۔ تو معلوم ہوا کہ اسکی دین و دنیا دونوں پر باد ہو گیا۔ واللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا فَاَخَذَ اللَّهُ نَكَالَ الْآخِرَةِ وَالْأُولَىٰ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنِ عِنْدَہ

پس اللہ تعالیٰ نے اسکو بچھلے والے عذاب میں گرفتار کیا بیشک اس میں ایسے بندے کے لیے عبرت ہو جو خوف رکھتا ہو ف اللہ تعالیٰ نے فرعون سے ایسا انتقام لیا جس سے اس قسم کے دوسرے متردون کے لیے عبرت ہو دنیا میں اس عذاب سے ہلاک کیا گیا اور آخرت میں جہنم میں وقفال تعالیٰ وجعلنا ہم امة یدعون الی النار ویوم القیۃ لا تتصرون یعنی ہم نے فرعون وادسکے ساتھیوں کو جہنم کی طرف بلانے والے سرغنہ بنا دیا اور قیامت کے روز کچھ نصرت نہیں دیے جاویں گے۔ م۔ آیت میں نکال آخرت سے قیامت کا عذاب مراد ہے اور نکال اولیٰ سے دنیا دی عذاب غرق مراد ہے۔ یہی معنی صحیح ہیں اور بعض نے کہا کہ اس کے دونوں کلمہ پہلا دھچکلا مراد ہیں اور بعض نے کہا کہ کفر اور نافرمانی کے اعمال مراد ہیں لیکن صحیح قول اول ہے اور اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ اس فہم سے ایسے بندوں کو عبرت و نصیحت حاصل ہوگی جو اللہ تعالیٰ سے خوف کرتے ہیں عینہ الخ

قلب شیطان کے قلب پر مترواح حق بیباک نہیں ہے تفسیر ابن کثیر رحمہم رازی وخطیب بضاوی وغیرہ میں ہے کہ کلبی نے ابن عباس رضی سے روایت کی کہ (نکال آخرت واولیٰ) یعنی سزا کے کلمہ اخیر واول میں گرفتار کیا اور کلمہ اول یہ تھا کہ اسنے قوم سے کہا۔ ما علمت لکم الخ یعنی تمھارے واسطے کوئی معبود مجھے معلوم نہ ہوا سوا اپنی ذات کے۔ م۔ اس کلمہ میں صریح یہ دعویٰ نہیں ہے کہ میں خدا ہوں بلکہ اپنی دانست میں اپنے آپ کو قوم کا خدا سمجھتا ہے کیونکہ دوسرا اسکو معلوم نہیں ہوا لیکن شاید دوسرا ہو اور عبد اللہ بن عمر رضی سے روایت ہے کہ اسکے چالیس برس بعد اسنے دعویٰ کیا کہ انار یکم الاعلیٰ۔ یہ دوسرا کلمہ کہا تو اللہ تعالیٰ نے اسکو دونوں کلمہ کے عذاب میں گرفتار کر لیا اور اس بیان سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑے کو گناہ پر مہلت دیتا ہے اور عمل ورائگان نہیں چھوڑتا ہے مترجم کہتا ہے کہ ابن عباس سے اسکا ثبوت معتبر نہیں ہے اس لیے کہ کلبی کی روایت مستبر نہیں ہے ولیکن رازی نے کہا کہ یہی قول مجاہد و سعید بن جبیر و شعبی و مقاتل سے مروی ہے اور خطیب نے سراج میں اس قول کو مقدم ذکر کیا حسن و قتادہ نے کہا کہ نکال آخرت سے مراد عذاب آخرت ہے اور نکال اولیٰ عذاب اولیٰ یعنی غرق ہے کہ انکے نے اسی قول کو صحیح کہا اور اسکے ساتھ باقی اقوال کے ضعف کا اشارہ کیا اور بیشک یہی واضح ہے قتادہ سے ایک روایت یہ کہ اولیٰ تو موسیٰ علیہ السلام کو جھوٹا کہنا اور آخرہ اسکا

دوسرے کہ انار یکم الاعلیٰ۔ میں ہی تمھارا رب اعلیٰ ہوں فقال نے کہا کہ یہی قول زیادہ واضح نظر آتا ہے اس لیے کہ آیات کا سیاق یہ ہے کہ عذاب و عجز اور بیسی غشرفنا دنی فقال انار یکم الاعلیٰ۔ یعنی اسنے موسیٰ علیہ السلام کو جھوٹا یا اور نافرمانی کی پھر بیٹھ پھیر کر کوشش کرنے چلا پس جتنے جمع کیا پھر لپکا کہ میں ہی تمھارا رب اعلیٰ ہوں پروردگار ہوں تو اللہ تعالیٰ نے اسکو اولیٰ و آخر کے عذاب میں گرفتار کر دیا۔ م۔ اس سے ظاہر

صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو بتلادیا کہ جو شخص سورہ کہف کا اول رکوع دس آیات پڑھے وہ فتنہ دجال سے محفوظ رہیگا (صحیح) فتنہ دجالی بہت مدت سے شروع ہوا آج کل بہت زور ہے اللہم احفظنا اور اسی فتنہ کی وجہ سے میں نے مکر فرعون سے توحید کے ساتھ آگاہ کر دیا القصہ فرعون بنون نے عذابوں کو اسرائیلیوں کی نحوست قرار دیکر انکو بستی سے الگ فاصلہ پر بسایا اور موسیٰ سے جو عہد کیا تھا وہ ہر بار توڑ دیا بلکہ موسیٰ علیہ السلام کو مایوس کر دیا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فاستقمنا منہم الآیہ۔ تب ہم نے اوسے انتقام لیا اور انکو سمندر میں غرق کر دیا اسلئے کہ انھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور اسے غافل رہنے پر مجبم کئے۔ ع۔ اتنی مدت کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس قوم بدکار کو گرفتار کیا اور نظر رحم سے غور کرو تو کسی شخص کا کفر پر مہر جانا نہایت سخت ہو دیکھو وہ کس عذاب ہولناک میں پڑا جس سے کبھی نجات نہ پاویگا اہل رحمت اسپر ترس کھاتے اور حسرت و افسوس کرتے ہیں اور جو موجود ہیں انکے حق میں بھی غمناک ہوتے ہیں کہ کیسے افسوسناک حالت میں ہیں جیسے اپنے نفس کے واسطے پناہ مانگتے ہیں حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے آخر جب اوسکو گرفتار کرتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا (صحیح) سب سے بڑھکر ظلم یہ ہے کہ آدمی اپنے آپکو اپنے پیدا کرنے والے پالنے والے سے نفرت کرے۔ بالجلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ میرے بندوں کو لیکر راتوں رات روانہ ہو اور تم لوگوں کا پیچھا کیا جائیگا۔ اتفاقاً فرعون اپنے عہد میں غافل تھے جب اسرائیلیوں کے دستریلوں میں جا کر حال معلوم کیا تو فرعون نے قتال کے خوف سے دور کے لشکروں کو طلب کیا ادبے شمار سواروں سے تعاقب کیا۔ علماء نے کہا ہے کہ مصر کی زمین مردانہ نہیں ہے لیکن مترجم کہتا ہے کہ ساتویں صدی میں جب مصر و شام جانب مغرب میں دیندار تھے اور ہندوستان جانب مشرق میں دیندار تھا تو تاتاریوں کے تسلط سے ماوراء النہر و بخارا و خوارزم و خراسان و ہرات و اصفہان و شیراز و ری و بغداد و جہان کے لوگ دلیری میں دعوے کرتے تھے بوجہ اسکے کہ دنیاوی عیش و عشرت میں شریعت کی امانت پھیلی تھی اور باہمی اختلاف کا نام دین سمجھے تھے جسے کہ صوبہ ری میں خفیون و شافعیون میں تعصب کی لڑائی ایک مسجد میں واقع ہوئی تھی تاتاریوں کے تسلط سے یہ برباد ہوئے چنانچہ فقط بغداد میں آٹھ لاکھ مسلمانوں کا خون دریائے دجلہ کی رتی میں بہا یا گیا تھا اور یہی تاتاری سیلاب جانب شام و مصر طرہا اور اللہ تعالیٰ نے انکو بوجہ دینداری کے اس خونخوار قوم کفار پر پے درپے فتح دی اور ہندوستان کے دیندار بادشاہ نے بھی تاتاریوں سے کابل و قندھار خالی کر لیا پس اللہ تعالیٰ کی نصرت (اوس قوم کے شامل حال ہے جو دین حق کی نصرت کرتے ہیں وللہ الحمد والمنة ومنہ التوفیق والعصمتہ۔ فرعون کا اس فوج بے شمار کے ساتھ تعاقب کرنا مصلحت تھا۔ اول تو دیر پہلے میں بنی اسرائیل بحر قلزم کے شمالی کنارے پہنچ گئے اور دوم یہ کہ سب کفار جمع ہو کر ایکبارگی ہلاکت پائی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اسوقت حکم ملا کہ جب فرعون اگلا گروہ سامنے نظر آئے لگا کہ اپنے عصا سے سمندر میں مار دے کہ وہ بچٹ جاوے چنانچہ بارہ جگہ مارنے سے بارہ راستے پیدا ہو گئے اور درمیان میں بانی مثل تو وہ عظیم کے کھڑا ہو گیا اور درمیان میں خشک راستہ ظاہر ہو گیا اور بنی اسرائیل داخل ہو کر پار ہو گئے اور فرعون بھی اس کنارے آگئے اور فرعون اس عظیم قدرت الہی کو دیکھ کر ایسے حیرت میں تھے جیسے احمق متحیر ہوتا ہے اور عاقل تو ایمان لاتا ہے برخلاف اسکے فرعون بنون نے فرعون سے کہا کہ موسیٰ کو جادوگر کہتے ہیں اور تو رب اعلیٰ کہلاتا ہے تو فوراً سمندر تیری فرمانبرداری کر لگا۔ جلدی داخل ہونا چاہیے روایت ہے کہ بنی اسرائیل نے قبطیوں سے بہت زور بھی عاریت لیے تھے اور مفسرین نے روایت کیا کہ جبریل ایک ماہ گھوڑی پر آگے تھے انھوں نے فوراً گھوڑی دریا میں ڈال دی فرعون کا گھوڑا اسکو ماہ گھوڑی سمجھ کر پیچھے چلا اور تمام کفار آگے پیچھے داخل ہوئے اور جب پنج سمندر میں پہنچے تو جبکہ

زمین پر گری بچنے آدو دی کہ ایمان صبر کر کہ یہاں راحت ہو عورت نے تسکین پائی اور فرعون سے کہا کہ پہلے مجھے مار ڈال اور بعد موت کے ہم سب کی ہڈیاں ایک جگہ دفن کرادے فرعون نے دوسری بات منظور کی اور بچوں کو اوسکے سامنے جلایا جبرائیلؑ نے کہا کہ یا رسول اللہؐ یہ خوشبو اوسی عورت و بچوں کی ہو روایت ہو کہ فرعون نے ملکہ آسیہ کو بھی عذاب سے ہلاک کیا اور بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ ہم لوگ آپ سے پہلے بھی عذاب میں تھے اور اب بھی عذاب میں ہیں آپ نے فرمایا کہ صبر کرو وہ وقت بہت نزدیک ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو ہلاک کرے اور تم کو اس ملک میں بادشاہ کرے پھر وہ دیکھیں گے کہ تم کیسے کام کرتے ہو اور فرعونین نے شورش میں سر اٹھایا پس اللہ تعالیٰ نے ان پر بارش مسلط کی سات روز تک موسلا دھار پانی برسا روایت ہو کہ قبطیوں کے گھر بنی پانی بھر سوا اور بنی اسرائیل پھر ربؑ کے آخر قبطیوں نے حضرت موسیٰؑ سے درخواست کی کہ اسکے لیے اپنے رب سے دعا کرو ہم مسلمان ہو جاؤ بیٹے اور بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ رخصت کر بیٹے آپ نے دعا مانگی تو وہ بلا دفع ہوئی اور قدرتی ہوا چلی کہ بانی خشک ہو گیا لیکن زمین ایسی شاداب ہوئی کہ درختوں میں پھل پھل اُٹے تو قبطیوں نے اسکو اپنے حق میں بہتری خیال کیا اور عہد فراموش کر دیا۔ جب کھیتی و پھل بکثرت ہوئے تو قبطی مسلط ہوئی اور اسے چاٹ لیا حتیٰ کہ قبطیوں نے سخت پریشانی ہو کر موسیٰؑ علیہ السلام سے عہد و التجا کی۔ اللہ تعالیٰ نے بلا دفع کی اور مکر پھل بکثرت اُٹے اور کھیتوں میں بالیان بھٹیں تو قبطی اتر کر عہد ہوئے اور پھل و اناج بکثرت بھر لیا اور اوسکو فرعون کی خدائی کا غلبہ خیال کیا حالانکہ یہ مقام عبرت ہے کہ شان اٹھی کس طرح ظاہر ہوئی جو یہی مکر قدیم ہو تو اللہ تعالیٰ نے ان پر گھن مسلط کیے اور قبطیوں نے لاچار ہو کر پھر عہد و پیمان کیا اور موسیٰؑ علیہ السلام نے دعا کی لیکن قوم بد بخت نے عہد پورا نہ کیا اور پیش میں پڑے اور بنی اسرائیل کو بچاؤ میں غلامی خدمت پر مجبور کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر منیڈک مسلط کیے اور یہ کثرت ہوئی کہ ہر ایک خیر میں منیڈک نظر آتے تھے اور اگر دس مارے تو ہزار پڑھتے تھے روایت ہو کہ قبطی کے نوالے کے ساتھ خد بگھس جاتے تھے اور پانی کے برتن میں نظر آتے تھے اور قبطی نے بہت احتیاط سے لوٹے میں پانی بھرا اور ڈھکنا بند کیا اور ٹونٹی سے منہ لگا یا اور منہ میں منیڈک کیون کے بچے بھر ہوئے آخر نہایت لاچار ہو کر موسیٰؑ سے درخواست کی اور کہا کہ ہم ضرور عہد پورا کریں گے جب دعائے رسالت سے بلا دفع ہوئی تو شقی قوم نے اسرائیلیوں کی نحوست کمر دشمنی کی اور کھانے پینے سے تکلیف دیکر اپنی تکلیف کا عوض لینا چاہا اللہ تعالیٰ نے ان پر خون مسلط کیا کہ کھانا پانی وغیرہ سب میں خون تھا۔ قبطی نے نوالہ منہ میں ڈالا وہ خون تھا اور پانی منہ میں لیا وہ خون تھا اور بنی اسرائیل ان بلاؤں سے محفوظ تھے۔ قبطیوں نے لاچار ہو کر اسرائیلیوں سے التجا کی کہ اپنے ہاتھ سے نوالہ ہکو دیدو۔ عورتوں نے اسرائیلی عورتوں سے یہی درخواست کی لیکن جب تک سبھی کے ہاتھ میں جو طعام لایا وہ قبطی کے منہ میں گیا اور خون ہو گیا اور وہی طعام سبھی کے منہ میں لایا وہ طعام رہا آخر قبطیوں نے کہا کہ اپنے منہ سے ہمارے منہ میں او گل دو ادھر اوسے اوگلا او دھر قبطی کے منہ میں خون تھا۔ آخر حضرت موسیٰؑ علیہ السلام کی خدمت میں ملجی ہوئے اور مضبوط عہد کیا۔ آپ نے دعا کی تو یہ عذاب مرفوع ہوا لیکن قبط بد بخت نے شیطانی مشورے میں یہ راے جانی کہ یہ سب باتیں جادو ہیں اور موسیٰؑ سے صاف کہہ دو کہ ان باتوں سے کیا ہوگا اگر لاکھوں کرشمے دکھلاؤ ہم ہرگز ماننے والے نہیں ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا۔ قالوا ہما تانتا من آیت الخ۔ کہنے لگے کہ اے موسیٰؑ چاہو جانتا کہ اس قسم کے عجائبات دکھلاؤ تاکہ ہکو جادو میں پھنساؤ ہم کبھی تم پر یقین لانے والے نہیں ہیں۔ عہد اولیٰ مکر فرعون فرعون حبیش نے قوم بد بخت کو بہکانے کے لیے کہا کہ اے ہمارے بلند منارہ بنا شاید اوپر چڑھ کر میں موسیٰؑ کے رب سے ملوں اور میں تو اسکو چھوٹا جانتا ہوں۔ اس مکر سے اوسکا مطلب یہ تھا کہ قوم احمق منتظر ہے کہ اس مقابلے کا انجام دیکھ لیں اگر فرعون مغلوب ہو تو موسیٰؑ کے رب پر ایمان لا دیں نہیں تو ہمارا رب فرعون ہو۔ اور فرعون نے اس

ہوں کیونکہ یہ بدیہی باطل ہے اور حسین یہ خیال ہو وہ درحقیقت مجنون ہے اور اگر وہ مجنون ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسکی طرف اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کو نہ بھیجتا پس معلوم ہوا کہ فرعون دہریہ تھا مترجم کتا ہو کہ اسکا ترجمہ نیچری ہے اور یہ دہریہ اعتقاد کرتا تھا کہ یہ سب ہرین اسیطرح موجود ہیں جیسے نیچری کتا ہو کہ یہ سب نیچر کی نیرنگیان ہیں اسیطرح موجود ہیں اور ہمیشہ اسیطرح چلی جاوے گی۔ اور لکا دیا کہ تمام عالم کے واسطے کوئی خالق و صانع نہیں ہے اور یہ چیزیں اسیطرح دہریہ پیدا ہوتی ہیں اور مرلی ہیں اور آخرت و حشر و حساب وغیرہ کچھ نہیں ہے اور اپنی قوم سے کتا تھا کہ تم پر کسی دوسرے کا حکم نہیں ہے فقط میں ہی ہوں میرے ہی واسطے تمہرے طرح کی طاعت ہے اور میں ہی تمہارا مرئی و محسن ہوں اور عالم کا کوئی خالق نہیں ہے جسکا فرمان تمہارا لازم ہو یا وہ تمہارے لیے رسول بھیجے قاضی نے کہا کہ فرعون احمق نے جب مقابلہ کر کے دیکھا تھا کہ حضرت موسیٰ کا عصا بدل کر اژدہا ہو گیا اور اسنے جاوے سب مٹا دیا اور فرعون کو سوائے ذلت و عاجزی کے کچھ نصیب نہ ہوا تو اسکو لازم تھا کہ اپنے رب اعلیٰ ہونے کے قول سے باز رہے کیونکہ اسکو اپنی ذلت و عاجزی ظاہر ہو گئی تو اسنے بعد اس دعوے کا کیا موقع ہو تو معلوم ہوا کہ فرعون ان صدمات فہر کے بعد ایسا خطی ہو گیا تھا کہ اسکو یہ نہیں سوجھتا تھا کہ کیا کتا ہے اور تفسیر کبرا مترجم کتا ہو کہ خیال قوی معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نیچری دہریہ تھا اور بعض نے زعم کیا کہ فرعون کا قول وہ تھا جو بعضے فلاسفہ یونان کا قول ہے کہ ہر نوع کے لیے ایک رب النوع ہوتا ہے جو اس نوع کے باقی رکھنے میں محافظ ہو مثلاً گھوڑے کی نوع کے لیے رب النوع ہے اور بکری کے لیے دوسرا رب النوع ہے مترجم کتا ہو کہ یہ خیال ٹھیک نہیں ہے اس لیے کہ فرعون صرف اپنی قوم پر رب اعلیٰ ہونیکا مدعی تھا اور اسکی قوم تمام جہان کے انسانوں میں سے ایک صنف تھی تو رب النوع جدا ہوگا اگر فرعون اس صنف کا رب اپنے آپ کو جانتا تھا تو رب النوع سے نیچے ہوتا حالانکہ وہ مدعی تھا کہ رب اعلیٰ ہیں ہوں پس معلوم ہوا کہ وہ نیچری دہریہ تھا اور ان میں بہت سے احمق و مانع کے لوگ اسی قسم کے خیالات والے اس زمانہ میں مشاہد کیے جاتے ہیں قصہ جب میدان اسکندریہ سے فرعون ذلیل ہو کر واپس آیا تو عظمت الہی کی ہیبت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے سے اس قوم پر چھا گئی اور موسیٰ علیہ السلام کی دعوت حق نے اثر کیا اور بنی اسرائیل نے غلبہ پایا تو فرعون سے اسکی قوم بد بخت کے سرداروں نے کہا کہ کیا تو موسیٰؑ و اسکی قوم کو چھوڑنا ہو کہ ملک بین و ساوکرین اور تیرے دعوے ربوبیت کو مٹا دین اور ایمان لعین و خرفہ نے اسکو بہکا باکہ باو شاہ پر جاوے اور نہیں کرتا ہو۔ فرعون احمق نے اپنے نفس کے تکبر میں اگر حکم سابق جاری کیا کہ بنو اسرائیل کے لڑکے قتل کیے جاوے اور ہم کو اوپر زبر و دست غلبہ ہے اور اسکی قوم کے دل گھبرائے ہوئے تھے اور اکثر موسیٰ علیہ السلام کی فرمانبرداری پر مائل تھے اور بعضے خفیہ مسلمان ہو گئے تھے جیسے ملکہ آسیہ اور دختر فرعون کی مشا طہ سنگار کرنوالی اور بہت سے مرد و عورتیں تھیں۔ حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج کو جاتے تھے تو راہ میں اپنے خوشبو بائی اور جبرئیلؑ سے پوچھا انھوں نے عرض کیا کہ آپ چلے آویں۔ بالجلہ مقام قدس میں پہونچ کر راستہ کے عجائبات سے آگاہ کیا ازجلہ خوشبو کی نسبت کہا کہ فرعون کی ایک لڑکی تھی اسکی سنگار کرنے والی عورت مسلمان ہو گئی ایک روز سنگار کے وقت اسنے ہاتھ سے لنگھی گری تو اسنے اللہ تعالیٰ کا نام لیکر اٹھائی فرعون کی دختر نے کہا کہ یہ تو نے میرے باپ کا نام لیا ہے اس مومنہ نے کہا کہ نہیں بلکہ باپ کے پروردگار کا نام لیا ہے اس مکارہ نے ظاہر میں دل چسپی کے طریقہ سے حال پوچھا تو اسنے اس امید پر کہ شاید ہدایت پاوے سب بیان کیا کہ تیرا باپ مثل ہمارے اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی سچا جان کا خالق و مالک ہے مکارہ لڑکی نے فرعون کو اس حال سے اطلاع دی۔ اس بد بخت نے مشا طہ و اسکی اولاد کو جمع کر کے حال پوچھا اور مظلوم کر کے کہا کہ اسلام سے مکارہ لڑکی نے فرعون کو اس حال سے اطلاع دی۔ اس بد بخت نے مشا طہ و اسکی اولاد کو جمع کر کے حال پوچھا اور مظلوم کر کے کہا کہ اسلام سے پھر جاوے ورنہ چلتے کرھاؤ میں اسکو جلاوے گا اسنے مرتد ہونے سے انکار کیا فرعون نے اسے اپنے کچے کو جلتے کرھاؤ میں ڈال دیا اور وہ بیچ کر غم کے مارے

کیے اور وہ اپنے زعم میں فرعون کی خدائی کے ساتھ قسم کھاتے تھے کہ ہم ایک دم میں اوس شخص کو مغلوب کر لینگے اور فرعون سے انعام کے امیدوار تھے فرعون نے اونکو بہت کچھ وعدے دیے نتیجہ ساحرون کو یہ طاقت نہیں ہوئی کہ مٹی کو سونا چاندی بنا دیں یا کسی چیز کی ماہیت بدل دیں اسی وجہ سے انعام چاہا ورنہ خود بنا لیتے۔ م۔ پھر فرعون نے موسیٰ سے مقابلے کا میدان شرط کیا اور وہاں ساحر رونے ایسے اڑدے بنائے کہ لوگ خوف زدہ ہو گئے حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جھپکے اور فرعون بہت خوش تھے کہ انکا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ اسی وقت حضرت جبریل نے حکم پہنچایا کہ اپنا عصا ڈال دے۔ آپ کا قدرتی اثر ہوا اس قدر بڑا ظاہر ہوا کہ اوسکی ہیبت سے ساحرون کی آنکھیں ٹپکنکی باندھے رہ گئیں اور بچا ایک وہ اپنا منہ بہا ڈکڑ لپکا اور اُسے ساحرون کے اڑدے وغیرہ سب نکل لیے اور فرعون کی طرف بڑھا۔ چونکہ شان حق عزوجل دوسرے طور سے تھی تو حکم ہوا کہ اسکو پکڑ لو آپ نے ہاتھ رکھا اور وہ بدستور آپ کے ہاتھ میں عصا ہو گیا۔ ساحرون نے دیکھا تو وحقیقت میدان میں انکے رستے اور لاکھٹیوں کا کہیں نشان نہیں ہوا اور قطعاً معلوم ہوا کہ یہ سچ مچ اڑدے ہو جانا ہو کیونکہ ساحرون کو خود نظر بند نہیں ہوتی بلکہ دوسروں پر ڈالتے ہیں تو انھوں نے صاف دیکھا کہ یہ واقعی اڑدے ہیں تو حضرت موسیٰ پر ایمان لائے اور فرعون نے ذلیل و خوار ہو کر رجوع کیا اور ساحرون کو گرفتار کیا کہ تم بھی اس شخص کے ساتھ سازش رکھتے ہو اور ہمارا مان وغیرہ بھڑکایا کہ بادشاہ پر جادو اثر نہیں کرتا ہوا اور فرعون کو ڈھارس ہوئی اور ساحرون کو شدید کرنے سے اوسکی جرأت زیادہ ہو گئی حتیٰ کہ اوسنے بنی اسرائیل کے لڑکے پھر قتل کرنا شروع کیے تاکہ اوسکی قوم کے دلوں سے یہ خیال نکل جائے کہ وہی لڑکا ہو جو فرعون و قوم کی ہلاکت کا باعث ہوگا۔ اور فرعون نے بر ملا اپنی خدائی کا دعویٰ کیا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **فَحْشَرَ فَنَادَى فَعَالَ أَنْ أَرَبُّكُمْ أَلَا عَلٰی**۔ پھر اوسنے جتنے جمع کیے پھر بچا کر کہا کہ میں ہی تمھارا سب سے اعلیٰ پروردگار ہوں ف علما و مفسرین نے کہا کہ جب فرعون نے اسکا کیا تو بدبختی کی تدبیر میں پڑا اور ساحرون کو جمع کیا اور اپنے تخت پر چڑھ کر تمام قوم میں بادا بلند کیا کہ میں تمھارا اعلیٰ رب ہوں مجھے اور تمھارا کوئی رب نہیں ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام کے قول کو رد کیا جو حق کی طرف بلاتے تھے اور کہتے تھے کہ تمھارا اور تمھارے گزرے باپ دادا کا رب اللہ تعالیٰ وہ وہ لاشریک جو تجھنے نے کہا کہ فرعون نے قوم کے لیے بت بنائے تھے اکثر گائے کی شکل تھے اور قوم بد بخت انھیں بتوں کی پوجا کیا کرتی تھی اور فرعون نے اعلان کیا تھا کہ میں ان سب بتوں سے اعلیٰ رب ہوں یہ سب میرے کار گزار ہیں حمزہ کرمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تیرے پاس بھیجا ہو کہ اگر تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لاوے تو اللہ تعالیٰ تجھے دنیا میں چار سو برس تک عیش و سرور میں رکھے اور اوسکے بعد تجھے جنت میں داخل کرے فرعون نے میلان کیا لیکن کہا کہ میں مشورہ کر لوں اوسنے اپنے جنمی دوست شیطانی سے مشورہ کیا یعنی اوسنے ہامان وزیر سے مشورہ کیا اوس ناپاک نے کہا کہ بادشاہ کے لیے یہ بڑی شرم کی بات ہوگی کہ وہ رب ہو نیکی بعد غلام بن جاوے (السراج) یعنی ہامان نے بھکایا کہ موسیٰ فقط جادوگر ہے وہ اس حیلے سے چاہتا ہو کہ خود بادشاہ ہو جائے ورنہ اگر اڑدے سچ مچ ہوتا تو تجھے ہلاک کر دیتا غرض کہ ایسے مکر سے منحرف کیا کہ فرعون بدبختی میں پڑ گیا اور مقابلے کی فکر کرنے لگا اور ساحرون وغیرہ کو جمع کر کے اپنے تخت پر کھڑا ہوا اور اُنکو اسپیج سنائی کہ میں تمھارا اعلیٰ رب ہوں امین کثیر نے لکھا کہ حضرت ابن عباسؓ مجاہد نے کہا کہ فرعون پہلے اپنی قوم سے یہ کہتا تھا کہ علمت لکم آہا غیری۔ میں اپنے سواے تمھارا کوئی رب نہیں جانتا ہوں پھر چالیس برس کے بعد اوسنے صریح دعویٰ کیا کہ میں ہی تمھارا رب اعلیٰ ہوں (ع) لہذا می نے کہا کہ لوگوں نے بظاہر اس کلمہ سے یہ مراد لی کہ فرعون اپنے واسطے اللہ ہونیکا مدعی تھا لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ جائز نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص اپنے واسطے یہ دعویٰ کرے کہ میں ان آسمانوں وزمین و پہاڑ و حیوانات و نباتات اور جن و انس کا خالق

ہر کوئی کسی بیماری کے یہ دوسری نشانی ہر تاکہ ہم تجھے اپنی آیات بزرگ سے دکھلا دیں۔ مترجم کہتا ہے کہ اس سے پر ثابت ہوا کہ یہ یسویا بھی آیات کبریٰ میں سے ایک آیت ہے اور یہ لازم نہیں کہ آیت کبریٰ ہی ہو قول دوم عطار نے کہا کہ یہ عصا یا لڑی ہی قول نوی ہے ایسے کہ یہ یسویا میں فقط یہاں تھی کہ ہاتھ کا لنگ ہاتھ کی طرح روشن ہو گیا۔ اور عصا میں یہ بات بھی ہو اور اس سے بہت زیادہ جو ایسے کہ عصا جب اڑو ہا ہو گیا تو رنگ مزور بدل گیا اور اس کے علاوہ دوسری باتیں بھی موجود ہو گئیں جیسے خشک لکڑی میں جان آگئی اور اس کے اجزا بہت زیادہ ہو گئے کیونکہ اڑو ہا ہر جام ہو گیا اور ہمیں سخت قوت و شدت حاصل ہوئی علاوہ اسکے جب پھر اسکو پکڑا تو فوراً وہ اجزا ازل ہو گئے اور رنگ بدل گیا اور صورت بدل گئی اور ان میں سے ہر ایک بات خود مستقل معجزہ ہو تو معلوم ہوا کہ آیت الکبریٰ ہی عصا تھا مترجم کہتا ہے کہ عصا میں دوسری بات یہ بھی تھی کہ کبھی وہ اڑو ہا تو ہی ہو جاتا اور کبھی اس سے بھی بہت بڑا اڑو ہا ہو جاتا چنانچہ روایت ہے کہ جب اول مرتبہ فرعون کے قصور میں حضرت موسیٰ نے یہ معجزہ دکھلایا تو اڑو ہا کا سر فرعون کے محل پر پڑا اور جب فرعون نے ساحرون کے مقابلے کے لیے اسکندریہ کے میدان میں سمندر کے کنارے جمع کیا ہوا ساحرون نے اپنے جادو کے بڑے بڑے اڑو ہا بنائے حتیٰ کہ موسیٰ علیہ السلام جھکے اور وقت حکم ہوا کہ اپنا عصا چھوڑ دے تو وہ اس قدر عظیم اڑو ہا بن گیا کہ اسکی دم سمندر میں غائب تھی اور بہت بڑا منہ بچھاڑ کر لپکا اور جادو گروں کے خیالی اڑو ہا سب اسے نکل لیے اس سے یہ بھی نکلا کہ اس معجزہ میں جادو کا شبہ بھی نہیں رہا کیونکہ اسکا نقل جانا دیکھ کر جادو گروں نے قطعاً جان لیا کہ یہ جادو نہیں ہے بلکہ روایت ہے کہ وہ اڑو ہا ان سب کے محل کر فرعون عین کی طرف لپکا اور وہ خوف کے مارے بھاگا اور اس معجزہ عظیم میں ہزاروں تلے اڑو ہا کھل گئے حتیٰ کہ ایک جماعت کثیر ہلاک ہوئی علاوہ اسکے وہ اڑو ہا اس ضخامت کے ساتھ بہت تیزی سے حرکت کرتا تھا گویا کالاناگ سے قول سوم بجا پڑنے لگا کہ آیت کبریٰ دونوں باتیں ہیں یعنی عصا و یسویا کیونکہ دوسرے مقام پر مذکور ہے کہ اول مرتبہ جب فرعون کو معجزہ دکھلایا تو پہلے عصا پھر یسویا دکھلایا تھا۔۔۔ شیخ ابن کثیر نے آیت لقویٰ معنی میں قرار دی اور لکھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دعویٰ نبوت کے واسطے آیت ظاہر کی لیے حجت قویٰ اور دلیل واضح پیش کی۔۔۔ مترجم کہتا ہے کہ اس قول میں سب معجزات آگئے حتیٰ کہ طوفان و جزا و قتل و سفاد و خون بھی شامل ہو گئے چنانچہ انکے بیان آتا ہے فَلَکِنَّ بَعْضَی شَمْرًا اَدْبَرَ لِسْعَی۔ پس فرعون نے جھٹلایا اور نافرمانی کی پھر پلٹ پھیر کر جلاؤ ڈھوپ کر تاف روایت ہے کہ جب اول مرتبہ موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو ہوئی اور اپنے حجت سے اسکو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت بتلائی اور اپنے صدق نبوت پر معجزات دکھلائے تو فرعون نرم ہوا اور مصلحت چاہی اور تخلیہ میں اپنے وزیر ہامان لعین وغیرہ کو بلا کر مشورہ کیا۔ اس خبیث نے کہا کہ بادشاہ کے سواے یہاں کوئی نہیں ہے اور تمام ملک و قوم پر قدرت سے آپکا رب ہونا معلوم ہے آپ ایسا نہ کریں۔ فرعون کے نفس نے بھی اس کلام سے رعوت و تبرک بھریا اور ہامان نے کہا کہ شخص جادو سیکھ کر یہ کرشمہ لایا ہو کیونکہ اگر سچ ہوتا تو وہ اس ذلیل حالت سے کیوں ہوتا اور اگر یہ ڈھکوسلا نہ ہوتا تو جس وقت اسے قابو پایا تھا اسی وقت آپکو ہلاک کر دیتا اور یہی اڑو ہا اسکے مخالفوں کو مار ڈالتا تاکہ وہ بادشاہ ہو جاوے لیکن وہ اس جادو سے چاہتا ہے کہ سب کو مطیع کر کے چالاکی سے بادشاہ ہو جاوے اور آپکے ملک میں اس سے بڑھ کر جادو گر موجود ہیں مترجم کہتا ہے کہ یہاں شان حق سمجھانے کے واسطے لائن ہے کہ واقعی یہ حکم تھا کہ عصا کسی کافر کو نخل جاوے یا فرعون کو ہلاک کرے اور اگر یہ حکم ہوتا تو وہ پست و تر تو ہوا کچھ بھی اثر نہیں کر سکتی تھی ایسے کہ اسکی حیات عالم آخرت سے تھی اور وہ ہامان کے اڑو ہا میں سے تھا فرعون کو ہامان خبیث نے بڑی راہ بتلائی اور وہ مخرف ہو کر موسیٰ کو جھٹلائے لگا اور دوبارہ کے ساتھ ساحرون کو جمع کرنے کی کوشش میں پڑ گیا۔ اول تو اس نے بے شمار ساحر جمع

فرمائی ہے کہ جبکہ شیخ بھی بزرگ ہوا اور مرید بھی ادب رکھتا ہو لیکن قلب متشابہ ہو تو فیض نہ ہو گا فافہم۔ اسے طرح بے پالون کے دل بھی مشابہ ہوتے ہیں اسی لیے گروہ عوام کو دیکھو کہ بزرگ صالح کو چھوڑ کر ڈھکاف کے مطیع ہوتے ہیں اور حدیث سے ثابت ہو کہ آخر زمانے میں عوام جو اپنے آپکو مسلمان کہیں گے وہ بزرگ عالم کو چھوڑ کر ایک عامہ وجہ والے کو اپنا پیشوا بنا دیں گے جو جاہل ہوگا اور وہ عالم بنکر جہالت کی باتیں اونکو بتلاوے گا تو خود گمراہ اور اونکو گمراہ کرے گا۔ اسے طرح کفار کو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کے رسول بزرگ سے منحرف ہو کر فرعون کے مطیع ہوئے اور اس امت میں ابوجہل بعین کا قلب بھی فرعون کے قلب پر تھا اور بہت سے سرکش قریش کے قلوب گزسے کفار سے متشابہ تھے چنانچہ روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم الہی کے موافق دین حق کی دعوت ظاہر فرمائی تو قریش کے مٹھ ماند ابوجہل وعتیبہ وولید بن المغیرہ وغیرہ کے بعضے طائف کے باغات میں تھے اور بعضے تجارت کے لیے ملک شام وغیرہ میں گئے تھے۔ یہاں عوام قریش نے محبت حق کو قبول کیا اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو جو ہر چیز سے زیادہ ظاہر ہوا مان لیا۔ اللہ تعالیٰ نے آفتاب وغیرہ کو اپنی الوہیت سے ظاہر فرمایا ہو تو اسکی الوہیت کے سامنے آفتاب کا طور ورنہ بھی نہیں پس قریش نے مان کر اطاعت کی حتیٰ کہ یہ کیفیت ہوتی تھی کہ جب آپ مسجد الحرام کعبہ میں سجدہ کرتے تو آدمیوں کی کثرت سے بہتوں کو سجدہ کی جگہ نہیں ملتی تھی اور ایک حدیث میں ہے کہ ایک سرکش قریشی نے سجدہ کے لیے سر نہیں جھکا یا بلکہ کنکریاں مٹھی میں لیکر اوپر سر جھکا دیا اور کہا کہ مجھے اسی قدر کافی ہو راوی نے کہا کہ آخر میں نے دیکھا کہ وہ بدھ کی لڑائی میں کافر کے ساتھ مارا گیا اور سر اسکا اوندھا زمین پر پڑا تھا۔ پھر جب قریش کے مٹھ ابوجہل وغیرہ آئے تو حسد و عداوت سے لوگوں کو بہکانا شروع کیا اور آخر کار یہ مکر نکالا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر بت پرستی سے جہنم میں جاویں گے تو ہمارے گزرے لوگ کہاں ہیں اور باقی قریش کے بد بخت منحرف و مرتد ہو گئے اس قصہ کو طحاوی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ یہی مکر فرعون نے باندھا اور موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت موقع پا کر کہا کہ وہ میرے رب تبارک و تعالیٰ کے علم میں ہیں میرا رب عزوجل بھول بھٹک سے پاک ہے فرعون نے عاجز ہو کر کہا کہ تو وہی ہے جو مجھ سے یہاں پالا گیا اور تو نے خون ناحق کیا اور اب پھر آیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے رب عزوجل نے مجھے سب معاف کیا اور پیغمبری عطا فرمائی ہے اس لیے مجھے حکم دیا ہے کہ اوسپر ایمان لا کر بنو اسرائیل کو میرے ساتھ کروے تاکہ یہ اپنے باپ دادا کے ملک میں جا کر آباد ہوں۔ اور بعض مومنین نے کہا کہ فرعون سے کہا کہ رب عزوجل نے فرمایا ہے کہ اگر تو ایمان لاوے تو تجھے نئی جوانی عطا کروں اور تیری مراد پوری کروں فرعون نے کہا کہ بھلا تیرے پیغمبر ہونے پر کیا دلیل ہے حضرت موسیٰ نے اپنے ہاتھ کا عصا چھوڑا وہ بڑا اثر دیا ہو گیا اور فرعون اسکی ہیبت سے بہت خوفناک ہو گیا۔ بعض نے کہا کہ اسکے اعضاء اسقدر ساقط ہو گئے تھے کہ بچا نہ نکل گیا اور اسنے واسطہ دیا کہ اے موسیٰ اسکو دور کر۔ حضرت موسیٰ نے اسکو پکڑ لیا تو بدستور عصا ہو گیا۔ فرعون سخت متحیر ہوا۔ پھر حضرت موسیٰ نے قلب کے نیچے بغل میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو وہ جھکتا ہوا ماہتاب تھا جسکی روشنی سے آنکھوں کو نور اور دل کو سرور ہوتا تھا حتیٰ کہ فرعون ایک دم میں اصلی حالت پر آگیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں آیات میں فرمایا۔ **فَارَاهُ الْآيَةَ الْكُبْرَىٰ**۔ پس اسکو بزرگ نشانی دکھلائی ف یعنی جب فرعون نے معجزہ طلب کیا تو حضرت موسیٰ نے اسکو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی بزرگ نشانی دکھلائی جو اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت پر نشانی تھی اور حضرت موسیٰ کے دعویٰ نبوت کے واسطے سچائی کی دلیل تھی اور مخلوقات پر حجت قاہرہ تھی کہ ہر طرح اسکے مقابلہ سے عاجز تھے اعلیٰ عقلمین کام نہیں کرتی تھیں (الایہ) سے حاصل آیت و معجزہ مراد ہے یا لغوی بمعنی (نشانی) مراد ہے رازی و خطیب وغیرہ نے لکھا کہ یہاں تین قول ہیں (اول) مقاتل وکلبی کا قول ہے کہ یہ معجزہ مراد ہے جو حکما ذکر سورہ طہ میں بقولہ تعالیٰ ادخل یدک فی جیبک تخرج بصیۃ انکم لیسے ہاتھ جیب گریبان میں لیجا کر روشن سفید نکال

نہیں اتر گیا اخذیث۔ یہ سب اسی حجت سے کہ انھوں نے تقدیر الہی سے انکار کیا اور حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ وجميع اصحاب
 رضی اللہ عنہم کو جو اس وقت موجود تھے سب گمراہ کہا حالانکہ وہ خبیث گمراہ تھے۔ دیکھو بد اعتقادی سے انکے اعمال لاکھان نکلے کیونکہ اعمال
 تو اسل کی بتیان ہیں اور جب اصل ہی تصور ہو تو گلاب کی بتیان کہاں سے آویں (مسئلہ) رازی و خطیب وغیرہ نے کہا کہ آیت میں
 دلیل ہے کہ جب معرفت الہی آتی ہے تو اس کے بعد خشیع یعنی محبت آمیز خوف عظمت الہی قلب میں ظاہر ہوتا ہے اس واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا
 انا خشعی اللہ من عبادہ العلماء۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے خشیعہ و خوف اس کے بندوں میں سے وہی بندے رکھتے ہیں جو عالم ہیں۔ یہ یعنی اللہ
 تعالیٰ کی وحدانیت سے عارف ہیں اور اس کی شان کبریائی و عظمت پہچانتے ہیں اور آیت میں دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان پاک سے
 خشیعہ و خوف ہونا سب خوبیوں کی جڑ ہے کیونکہ ایسا بندہ نیک اعمال کرتا ہے اور توبہ کرنے میں بخوف ناخوشی جلدی کرتا ہے برخلاف اسکے جو ان
 بے خوف و دیدہ دلیر ہو تو وہ اپنی خواہش کے موافق ہر ایک بدی پر جرأت کرتا ہے اور اسی لیے حدیث میں ہے کہ جس شخص کو خوف ہو اودہ رات ہی
 سے بچاؤ کے واسطے روانہ ہو جاتا ہے اور جو رات ہی سے چل دیا وہ منزل پر پہنچ جاتا ہے واضح ہو کہ رازی نے لکھا کہ آیات قرآنیہ سے معلوم
 ہوا کہ جب وادی مقدس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو نذرانہ فرمائی سے تو اس وقت میں بہت سی باتیں واقع ہوئیں
 جو آیات میں مذکور ہیں انا بخلہ یہ بھی ہے کہ فرعون پاس جا اوسنے طغیان اور حد سے گزرنا اختیار کیا ہوا اس سے کیونکہ بھلا تجھے رغبت ہے کہ پاکیزگی
 کمارے اور میں تجھے ہدایت کروں کہ اپنے رب تبارک و تعالیٰ کو پہچان کر تیرا دل نرم اودے مترجم کہتا ہے کہ اس حکم کے موافق حضرت موسیٰ
 علیہ السلام نے مصر جا کر یاروں کے ساتھ فرعون کے دربار کا قصد کیا کہتے ہیں کہ عرصہ کے بعد رسائی حاصل ہوئی موسیٰ علیہ السلام نے حکم الہی
 تعالیٰ سنایا۔ فرعون نے کہا کہ کس رب کا ذکر کرتا ہے۔ فرمایا کہ وہ رب تبارک و تعالیٰ جو تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا رب ہے۔ یعنی
 فرعون اور اس کے ساتھیوں کو اس اشارے سے عجب شان سے قائل کر دیا کہ اگر اس وقت فرعون خدائی کا مدعی ہے اور تم لوگ اوسکو اپنا
 خدا بناتے ہو تو فرعون سے پہلے تمہارے باپ دادے گزرے ہیں اس وقت فرعون نہ تھا اور ان کا رب ضرور تھا تو جو رب تبارک و تعالیٰ کا
 رب تھا اور الوہیت والا تھا تو وہی تمہارا رب کیونکہ وہ رب مرنے والا نہیں اور بدلنے والا نہیں اور اس کے سواے دوسرا ممکن نہیں ہے تو وہی
 پہلے بھی رب تھا اور اب بھی وہی رب ہے سچا کہ اللہ تعالیٰ یہ ایسی عمدہ دلیل تھی کہ اسکے بعد فرعونوں میں فرعون کی خدائی کا خیال کچھ بھی نہیں رہ سکتا تھا
 فرعون نے بھی دور کی بات سوچ کر ایک کمر نکالا اور حضرت موسیٰ سے پوچھا کہ اچھا جب توحید الہی سے منکر کا ٹھکانا جہنم ہے تو جب عقیدت میں
 پہلے گزری ہیں انا کیا حال ہے۔ امین مکر یہ تھا کہ جب موسیٰ کہتے کہ وہ سب جہنم میں ہیں تو فرعون کے رئیس لوگ یہ منکر برافروختہ ہو جاتے
 کہ یہ شخص ہمارے نزدیکوں کو چھیڑتا ہے تو لا محالہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے سے منحرف ہونے اور منکر یہ ہے کہ جب نفس کو غیظ آتا ہے تو خردی
 عقل پر بھی دھواں چھا جاتا ہے اور شیطان مسلط ہو جاتا ہے پس نور کی راہ بند ہو جاتی ہے اسی لیے حدیث میں غیظ و غضب سے ممانعت ہے
 اور اللہ تعالیٰ نے کانطین الغیظ کی مدح جمیل فرمائی ہے یعنی جو لوگ اپنا غصہ پی جاتے ہیں اور لوگوں سے عفو کرتے ہیں تو مرتبہ احسان
 کے کام کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ محسنین کو محبوب رکھتا ہے تسبیح اللہ تعالیٰ نے فرمایا انا شاہت قلوبہم۔ یعنی ان کافروں کے دل گزیرے
 ہوئے کافروں سے مشابہ واقع ہوئے ہیں۔ اور یہ اصول باریک ہے کہ ایمانیوں کے دل بھی مشابہ واقع ہوتے ہیں جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دل کو قلب حضرت ابراہیم سے تشبیہی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل کو حضرت نوح سے تشبیہی اور اسکا بیان جنگ بدر کے قصہ میں ہو چکا اور
 اللہ ہونے نے اسی مقام سے نصیحت فرمائی کہ جس شیخ سے مرید کے دل کو موافقت نہ اوس سے گزیرے اور اس بارہ میں حضرت عزیزان نے بہت تاکید

تے ہیں حالانکہ قدرت نے سامنے ایجاد فرماتے ہیں پس جیسے بیان ادسکی سمجھ کام نہیں کرتی اور قدرت نے پیدا کر دیے ہیں اسے اس طرح
 شری ہڈی میں جان لے کہ وہ نہیں سمجھتا لیکن قدرت میں نہایت آسان ہوا فافہم۔ رازی نے لکھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کہ
 ابدیک الی ربک الایہ۔ میں تجھ کو تیرے رب عزوجل کی جانب ہدایت کروں تاکہ تیرا دل نرم ہو۔ ۷۹۔ اس لیے ایک جماعت نے کہا کہ اللہ تعالیٰ
 کی معرفت بغیر ہادی کی ہدایت کے نہیں حاصل ہوتی ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے بھیجنے سے مقصود غلط ہی معرفت ہوا سپر و طرح دلالت
 موجود ہوا ایک، یہ کہ پہلے سے پاکیزگی اختیار کرنے کی رغبت دلائی تھی اس میں اعتقاد و اعمال سب داخل ہیں پھر اس آیت میں خواہہ کہ معرفت
 کو بیان کیا تو نکل آیا کہ یہ اصل مقصود ہوا (دوم) یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے اسی پر کلام ختم کیا تو ہدایت کا نتیجہ یہی ہوا ترجمہ کرتا ہوا کہ اس جماعت نے
 اگر یہ مراد لی ہو بغیر رسول اللہ کے دنیا میں معرفت الہی حاصل ہونا غیر ممکن ہو تو یہ بالاتفاق صحیح ہوا اگر جماعت کی مراد یہ ہو کہ ہر زمانے میں ایک معلم
 چاہیے بدون اسکے نہیں ہو سکتا ہوا تو یہ غلط ہوا اسی وجہ سے رازی نے اسکو رد کر دیا کیونکہ مثلاً اس امت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 نے اللہ تعالیٰ کی جانب ہدایت فرمائی اور صفات توصیف جن سے الوہیت و وحدانیت معلوم ہوتا تمام امت کو پہونچائی اور یہی طریقہ جاری ہوا تو پھر ہر زمانہ
 میں جو شخص کہے کہ بغیر معلم کے نہیں ممکن ہوا تو اسے رسالت میں ہزاروں سا بھی بنائے اور یہ کفر کا اعتقاد ہوا۔ اگر کہا جاوے کہ صوفیہ میں پیری
 کی تلاش ہو تو جواب یہ کہ صوفیہ میں کسی نے نہیں کہا کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے سے ایمان نہیں ہوتا ہوا جب تک یہ تعلیم نہ کرے انکی مراد یہ ہو
 کہ اعمال شریعت منبر لہ سامان ہیں اور شخص کو عمل میں لانے کا طریقہ معلوم نہیں ہوتا ہوا حتیٰ کہ صحابہ رضی عنہم سے ایک جماعت نے ہمیشہ روزہ
 اور تمام رات نماز اور عورتوں سے علیحدگی وغیرہ کا قصد کیا تھا انکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا اور عمل کرنے کا طریقہ بتلایا جیسے آپ
 چلتے تھے (مسئلہ) رازی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت مقدم ہوا اسکے بعد طاعت ہوا جیسے آیت میں ہوا اس طرح سورۃ النمل کے
 شروع میں قولہ تعالیٰ انزلوا انہ لا الہ الا انا فالتقون یعنی انبیاء علیہم السلام کی دعوت اس ترتیب سے فرمائی کہ امت کو پہلے بتلادین کہ لا
 الہ الا اللہ پھر وہ تقویٰ کریں اقول یعنی جب لوگ پہچان گئے کہ الوہیت کی صفتیں سب اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہیں۔ کوئی چیز زمین آسمان وغیرہ
 میں ایسی نہیں جو زمین خود کسی قسم کی قدرت ہوا اور کسی کو خود دفع و ضرر دے سکے اور اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز اس دنیا میں پیدا کرتا ہوا چاہے آسمان
 سے آوے یا زمین سے اُس کے باؤ دیوں کے ہاتھوں سے ظاہر ہو۔ یہ سب درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ایجاد کے طریقہ ہیں کیونکہ کوئی مخلوق ایک دم
 اگر خداے تعالیٰ کی قیومی سے باہر ہو تو نیست ہو جاوے باہر ہونا غیر ممکن ہوا ہر مخلوق اسی کے قبضہ میں ہوا تو جو کچھ اس سے ظاہر ہوتا ہوا وہ اللہ
 تعالیٰ ہی کی ایجاد ہوا اس مخلوق کی خواہش پر اسکی کمائی ہو کیونکہ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے کمائی ہر چیز کی اوسکے لیے کھول دی ہوا اگر وہ چاہے
 تو ایسا نہ کرے لیکن انکو آکاہ کر دیا کہ تم لوگ آخرت کے لیے پیدا کیے گئے ہو بیان دوم کی چیز میں ایک قسم کی چیزیں جو ماتحت نبوت ہیں سب حبت
 کی کمائی ہیں اور اسکے سواے باقی سب جنم کی کمائی ہیں تو ہر ایک اپنے واسطے اختیار کر دین اختیار کرنے کی قدرت انکے لیے مطلق العنان کر دی ہوا
 اسی وجہ سے بہت سے لوگ دھوکا کھاتے ہیں کیونکہ وہ خواہش کرتے ہیں اور خرم خواہش کے موافق اللہ تعالیٰ انکے ہاتھوں و زبان سے وہ کام
 پیدا فرماتا ہوا تو وہ اپنے نفس کے کرم میں پڑ جاتے ہیں کہ ہم نے چاہا اور کیا تو ہم ہی اپنا کام پیدا کرنے والے ہیں صرف خدا نے ہمکو یہ سامان دیدیے ہیں
 حالانکہ بیان باریک غلطی میں پڑے ہیں اور الوہیت کے معنی بھول گئے یہ خطا ہوا بالکل جب اللہ تعالیٰ کی الوہیت و وحدانیت پہچان جاوے تو پھر
 انکی عبادت ٹھیک ہے اس لیے حدیث میں فرقہ خوارج کے حق میں وارد ہوا ہوا کہ تم میں آدمی اپنی نماز کو خارج جوئی نماز کے آگے اور اپنے روزے کو اونکے
 روزے کے آگے حقیر سمجھتا ہوا حالانکہ خوارج دین سے ایسے نکل گئے جیسے شکار سے حیرا ہوا ہوا نماز اور قرآن پڑھنے کے وہ انکے خلق سے نیچے

اولاد کا اور رعوت سے خدائی کا لینے دو طرح کا طغیان تھا اور سنے کفر بھی کیا اور بنی اسرائیل کو غلام بھی بنایا تھا۔ جب یہ حکم ہوا تو موسیٰ علیہ السلام کو مجروح عصا عنایت ہوا اور ید بیضا دیا گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون کے لیے شرکت چاہی وہ بھی عطا ہوئی۔ علمائے کما ہر کسی بھائی کو اپنے بھائی سے یہ نعمت نہ ملی ہوگی جو ہارون کو موسیٰ علیہ السلام کی بدولت حاصل ہوئی پھر حکم ہوا اگر اچھا اب تم دو دن فرعون کے پاس جاؤ اور اُس سے نرم کلامی سے باتیں کرنا فقل ھل ٓآل ٓآن ٓک ٓز ٓک ٓ۔ نافع رحمہ اور ابن کثیر رحمہ کی قراوت میں (تترکی) بتشہید زراے منقوطہ پر اور باقیوں کی قراوت میں بلا تشہید ہو۔ **وَأَهْدِيكَ إِلَى رَبِّكَ فَتَخْشَىٰ** یعنی فرعون سے اس طرح کہیو کہ بھلا تجھے خواہش ہو کہ تو پاکیزگی حاصل کرے اور میں تجھے تیرے رب تعالیٰ کی جانب ہدایت کروں تو تو اُس سے ڈرے ف یعنی فرعون اس طرح نرمی کے ساتھ کہیو کہ بھلا تجھے ہو سکتا ہو کہ تو میری بات مانے اور ایسا طریقہ اختیار کرے جس سے تو ظاہر و باطن میں ایسا پاکیزہ ہو جاوے کہ ملک جنت میں بادشاہت کے لائق ہو جاوے اور میں تجھ کو تیرے رب کی جانب ہدایت کروں تو اُس کی معرفت سے تیرا دل اوسکی بارگاہ عظمت میں مشغوع و خضوع کرنے لگے حالانکہ اس سے پہلے سخت و خبیث اور نیکی سے دور تھا (ابن کثیر رحمہ) رازیؒ وغیرہ نے کہا کہ قولہ الٰہک یہ کلمہ لطف کے ساتھ رغبت دلانے میں بولتے ہیں جب نہایت عمدہ خیر کی رغبت ہوتی ہو یعنی کیا تجھے اس نفس خیر کی رغبت ہو کہ تو پاکیزگی اختیار کرے بعض نے کہا یعنی کیا تجھے کوئی راہ ہو کہ تو پاکیزگی اختیار کرے۔ زکی وہ ہو جو سب عیوب سے پاک ہو وقال تعالیٰ قد افلح من زکا ہا۔ ہا بندے نے فلاح پائی جس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا۔ ہ۔ اور اس کلام سے مراد یہ ہو کہ بھلا تجھے رغبت ہو کہ تو ایسی راہ اختیار کرے جس سے تم پر ایسی خیر سے پاک ہو جاوے جو لائق نہیں ہو۔ امین اعتقاد اور شرائع سب اہل ہن (تفسیر کبیر) اور معنی یہ کہ تو مسلمان مطہر ہو جاؤ (ابن کثیر رحمہ) مترجم کہتا ہو کہ اگر وہم ہو کہ زکی تو سب عیوب سے پاک ہوتا ہو اور جب زکی ہو تو فلاح یعنی جنت پاوے حالانکہ صغیرہ گناہ بھی عیسے اور کٹر انسان اس سے بچ سکتا ہو (جواب) یہ کہ مترجم نے سابق میں اس تحقیق کو بیان کیا ہو اوسکا خلاصہ یہ ہو کہ اعتقاد منبرہ اصل ہو اور اعمال منبرہ بیان ہیں اور بعض مشائخ محققین نے خوب لکھا کہ اعتقاد کے مقابلہ میں اعمال بہت حقیر ہیں جیسے عرش اعظم کے مقابلے میں رائی برابر دینا کہ توجب بندے نے اللہ تعالیٰ کی توحید موافق تعلیم نبوت کے سمجھ لی تو عیوب قبیلہ شرک و کفر وغیرہ سے بالکل پاک ہو گیا وہ ضرور فلاح پائے والا ہو اگر نجب بندے نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ میں اگر کچھ گناہ کبیرہ ہیں تو یہ جس بیان میں اسے توبہ کرے تاکہ پت جھاڑ کی طرح اللہ تعالیٰ انکو دور فرماوے اور اگر گناہ صغیرہ ہیں اور اُسے کبیرہ سے برہنہ کیا ہو تو ایک نماز سے دوسری نماز کے درمیان جو صغیرہ ہیں اللہ تعالیٰ ان کو نماز کی برکت سے کفارہ فرماتا ہو اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے درمیان جو گناہ ہیں اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک کے درمیان جو گناہ ہیں وہ جمعہ رمضان کی برکت سے کفارہ ہو جاتے ہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں ہو اور جمعہ ساتویں روز پڑتا ہو تو تین روز کی فضیلت اوسکے لیے باقی رہتی ہو اور نص واضح ہو کہ نیکیوں سے گناہ دور ہو جاتے ہیں فافهم واللہ تعالیٰ ہو الموفق رازیؒ نے کہا کہ آیت میں نرم کلامی کی تعلیم ہے اور اس معلوم ہوا کہ ہر فرد کے ساتھ نرم کلامی سے خدا تعالیٰ کی طرف دعوت کرنا چاہیے اور یہی انبیاء علیہم السلام کا طریقہ تھا پس جو لوگ نصیب لوگوں پر سخت کلامی کرتے ہیں یہ لوگ راہ نبوت سے خارج ہیں مترجم کہتا ہو کہ جب کسی خاص شخص سے کلام کرے تو اس سے نرمی کے ساتھ ہدایت چاہیے اور اگر کوئی قوم مغرور ہو کہ حق کے مقابلہ میں اوسکی توبہ نہیں کرے تو حق کو تعظیم سے رکھے اور گمراہی کو ذلیل کرے جیسے کوئی قوم کہے کہ مٹری ڈھپون کا زندہ کرنا قدرت میں نہیں ہو تو اس قوم جاہل نے تمام جہان کے آثار قدرت غیر متناہی سے آنکھ بند کر لی کہونکہ مٹری ڈھپری میں اسکو کیا سمجھ حاصل ہو حالانکہ وہ تو آسمان و زمین کے عجائبات سے عاجز ہے یعنی یہ عجائبات ہرگز اوسکی سمجھ میں نہیں

اور انھوں نے انکا قصہ سنکر مبارکباد دی اور ایک لڑکی نے سفارش کی کہ اے باپ اگر اس شخص کو اجیر مقرر کر لیجے تو قوی امانت دہی۔ حضرت شعیبؑ خود پیغمبر تھے۔ موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میں اپنی ایک لڑکی تیرے نکاح میں دینا چاہتا ہوں شرط یہ ہے کہ آٹھ برس میری بکریاں جبراً اور اگر دوسری زیادہ کر کے دس برس کر دو تو تمھارا احسان ہو۔ حضرت موسیٰ نے منظور فرمایا اور دس برس کی مدت پوری کر کے وطن کا شوق ہوا۔ شعیبؑ سے بیٹی نے درخواست کی کہ مجھے کچھ بکریاں ملین جس سے حلال غذا میسر ہو۔ آپ نے فرمایا کہ اس سال جو بچے ان بکریوں سے خلاف رنگ پیدا ہوں وہ سب تیرے ہیں۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے بکریوں کے خلاف رنگ ایک مورت بنائی اور اس تالاب پر کھڑی کر دی۔ بکریوں کو پانی پلانے لے جاتے تھے۔ بکریاں معمول کے موافق نالہ سے اس تالاب پر پہنچ گئیں یکایک جو انکی نظر اس مورت پر پڑی تو سب چونکا ہو کر بھاگ گئیں اور وہ صورت انکے خیال میں سما گئی اس تصور سے اس سال میں بہت بچے خلاف رنگ پیدا ہوئے مترجم کہتا ہے کہ تصور کا اثر اللہ تعالیٰ نے عجائب شان سے رکھا ہے اور حاملہ عورت بامادہ جانور جس قسم کا تصور مٹیہ جاتا ہے اسکا اثر زیادہ تر بچہ پر ہوتا ہے اسلیے کہ وہی بہت نازک عضو ہوتا ہے اسلیے حاملہ کو چاہئے کہ نہیں دکھلاتے۔ ہ۔ بالجملة حضرت موسیٰ ان بکریوں سمیت جانب مصر روانہ ہوئے جب کہ وہ طور کے وادی میں پہنچے جبکا نام طوی ہے تو رات سرد تھی اور معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ نے وادی کے نیچے جانب راہ طرکی ہوا اور صبح راستہ بالائی وادی سے ہو کر اسی وقت وادی کو طے کر کے بالائی حصہ پر منزل کی دہان سردی سے آگ کی تلاش ہوئی اور کمین پتہ نہیں گستاخا۔ ناگاہ دود سے آگ نظر آئی انھوں نے اہلیہ کو تسکین دی کہ تم ٹھہرو اور میں جا کر آگ لاؤں۔ جب دہان پہنچے تو دیکھا کہ درخت ہے اس سے آگ جلتی ہے یہ بہت ہی عجیب سے قدرت حق کا تماشا دیکھتے تھے کہ یکایک آواز آئی کہ اے موسیٰ (انی انا اللہ) بن اللہ ہوں اور تو وادی میں طوی میں ہو جیتاں آمار دے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قلب نور نبوت سے معمور ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے انکو تاج نبوت عطا کیا اور اپنے کلام پاک سے بے مثل جلالت بخشی یہی وہ ندا ہے جسکا اشارہ بیان آیت میں ہے اور سورہ طہ وغیرہ میں تفصیل ہے پھر موسیٰ کو بنی اسرائیل کے واسطے پیغمبر اور بنی اسرائیل کو فرعون نے اپنا مملوک بنایا تھا تو حکم دیا۔ اِذْ هَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّہٗ لَکَفٰی۔ تو فرعون کی طرف جا کہ او سے طغیان کیا ہے ف رازی نے کہا کہ آیت میں یہ مذکور نہیں ہے کہ فرعون نے کس بات میں طغیان کیا تھا۔ طغیان حد سے بڑھ جانا تعجب نے کہا کہ طغیان یہ تھا کہ فرعون نے اللہ تعالیٰ سے کفر کیا۔ بعض نے کہا کہ بنی اسرائیل کو غلام بنایا تھا (تفسیر کبیر وغیرہ) فرعون نے تکبر و کشتی اختیار کی اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے (ابن کثیر) شاید یہ بات بھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی ہدایت سے اس وقت جو بادشاہ مصر تھا وہ مسلمان ہو گیا تھا اور لوگوں نے ہدایت میں اپنے بادشاہ کا دین اختیار کیا اور بنی اسرائیل جو نسل پیغمبر تھے انہیں معزز و مکرم رہتے تھے یہاں تک کہ جب فرعون کا زمانہ آیا تو اس بد نصیب نے اپنی ازلی گمراہی و بد بختی اختیار کی اور قوم قبط نے اسکا ساتھ دیا اور بت پرستی شروع ہو گئی اور اس نے بنی اسرائیل کو بھی مجبور کیا کہ دین فرعون اختیار کریں انھوں نے نہ مانا اور دین لوحید نہ چھوڑا تو اس نے انکو طرح طرح کی ایذا دی یہاں تک کہ سب کو لونڈی غلام بنالیا اور اس نے ذلیل کام لینے کا حکم جاری کر دیا بنی اسرائیل نے اس مصیبت پر صبر کیا چند روز کے بعد ایک مرتبہ نوروز کی عید میں بخوبی معلوم ہوا کہ ستاروں سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا ہوگا جو قوم قبط کی ہلاکت کا باعث ہوگا اور بادشاہی مٹ جائیگی فرعون لعین ایسا خوفناک ہوا کہ اس نے حکم دیدیا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا ہو قتل کر دو اور لڑکی ہو تو اسکو زندہ چھوڑ دو۔ بنی اسرائیل پر یہ سخت مصیبت پیش آئی کہ مان باپ کے سامنے انکا چاند سا لڑکا ذبح کر کے انکو دیدیا جاتا تھا کہ اسکو دفن کر دو۔ اسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو پیدا کر کے خاص فرعون لعین کے گھر میں پرورش کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ فرعون میں بخومیوں کے قول سے قتل

شرف و کرامت ہوا اور لوگوں کے واسطے تنبیہ ہو کر اور شرف الخلق صلعم تجھے موسیٰ کی خبر پہنچا دنا دہ رُبُّہُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی جب موسیٰ کو اپنے
 رب نے بیکار وادی مقدس طوی میں ف یعنی حدیث موسیٰ کا بیان مختصر یہ کہ وہ حدیث جب موسیٰ کو اسکے رب جم نے طوی کے وادی میں جو مقدس و پاک وادی ہو
 نماز پائی تھی خطیب نے لکھا کہ طوی ایک وادی ہو طور کی دین سے اور وہ ایلہ و مصر کے درمیان واقع ہو السراج جو ہری نے لکھا کہ طوی ایک مقام ہو ملک شام
 میں طار کو کسر دیتے اور ضمہ بھی دیتے ہیں اور اسکو تنوین کے ساتھ منصرف بھی پڑھتے ہیں اور غیر منصرف بھی پڑھتے ہیں جسے منصرف تنوین کے ساتھ پڑھاؤں گے
 اسم نکرہ ایک وادی وجگہ کا نام قرار دیا اور جسے بغیر تنوین کے غیر منصرف پڑھاؤں گے اسے ایک قطعہ خاص نام ٹھہرایا مترجم کہتا ہو کہ معرفہ ہوا اور
 لفظ عجی ہو تو علم عجی سے غیر منصرف ہوا خطیب نے لکھا کہ امام نافع و ابن کثیر و ابو عمر نے حالت وصل میں بغیر تنوین پڑھا اور باقیوں نے تنوین
 کے ساتھ پڑھا ہو یعنی دونوں قرأتیں متواتر ہیں ابن کثیر نے لکھا کہ صحیح قول یہ ہو کہ طوی ایک وادی کا نام ہو جیسا کہ سورہ طہ کی تفسیر میں
 گذر چکا ہو ہے خطیب وغیرہ نے لکھا کہ اس وادی کو طوی اسلئے کہا گیا کہ بنی اسرائیل سے بدی اسی وادی میں طے کر دی گئی تو یہ طوی ہو اور
 چونکہ اس میں نبوت اتاری تو برکات کا ملکہ کا نزول و مان ہوا پس وہ مقدس ہو فتح البیان میں ہو کہ فرائض نے لکھا کہ طوی ایک وادی ہو جو مدینہ و مصر
 کے درمیان ہو اور اسکا نام طوی اسلئے ہوا کہ وہاں بنی اسرائیل سے بدی طے کر دی گئی یعنی دور کر دی گئی یا اسلئے طوی نام ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے
 اسکو رات میں طے کیا تھا کیونکہ جب وہاں پہنچے تو شام ہو گئی اور خیال کیا کہ منزل اونچی جانب ہونی چاہیے تھی لہذا برابر چلے گئے اور بعض نے
 کہا کہ طوی سے محدود کر کے طوی نام غیر منصرف ہوا فرائض نے لکھا کہ مجھے اس محدود کی نظیر نہیں ملتی ہو تو منصرف پڑھنا مجھے زیادہ پسند ہو
 مترجم کہتا ہو کہ یہ سب تکلف ایسی صورت میں ہوگا کہ کہ طوی عربی ہو اور ابن کثیر نے اشارہ کیا کہ یہ عربی نہیں ہو بلکہ عجی نام ہو تو اس صورت
 میں صاف غیر منصرف ہو بشرطیکہ نام معرفہ ہو اور اگر نکرہ ہو تو منصرف ہو بعض نے لکھا کہ طوی عبرانی میں بمعنی (بارجل) ای شخص - آتا ہو - گویا
 یہ کہا کہ ای شخص (موسیٰ) جاکر فرعون کو نصیحت کر - یہ ابن عباس رض کا قول ہو مترجم کہتا ہو کہ یہ تقریب تفسیر کبر وغیرہ میں مذکور ہو اور میرے
 نزدیک ابن عباس رض سے پہلے کچھ نبوت نہیں ہو واللہ تعالیٰ اعلم (قصہ) حضرت موسیٰ کا قصہ سورہ طہ وغیرہ میں بار بار گذر چکا ہو اور مترجم
 نے درمیان واقعات کو ملا کر غالباً ہر جگہ پورا کر دیا کیونکہ عام اہل اسلام درمیان واقعات سے غافل ہو جاتے ہیں واضح ہو کہ موسیٰ علیہ السلام کی ولادت
 نے بالہام آئی انکو صندوق میں رکھ کر دیاسے بل میں بہا یا اور صندوق نکال کر قصر فرعون میں آیا تو ملکہ آسیہ نے پرورش کی سفارش کی جب موسیٰ
 علیہ السلام جوان ہوئے تو ایک قبطی ظالم کو گھونسا مار کر ہلاک کیا کیونکہ وہ اسرائیلی کو مانتا تھا اور فرعون نے اسرائیلیوں کو جو زمانہ یوسف علیہ السلام
 سے مصر میں تھے اپنا غلام بنایا تھا کیونکہ یہ لوگ فرعونوں کے دین سے بیزار تھے جب قبطی کے قتل کی خبر فاش ہوئی تو فرعونوں نے فرعون کو
 اطلاع دی کہ یہ بچہ جسکو بادشاہ کی ملکہ نے فرزند بنا کر بالائی اسرائیلی نسل ہو اور بخیر سوچ لکھا تھا کہ ایک اسرائیلی بچہ فرعون و قبط کی تباہی کا باعث ہوگا
 اسی خیال سے بادشاہ نے ہزاروں اسرائیلی بچے قتل کیے لیکن یہ بچہ گھر میں بالا اور شاید وہ یہی بچہ ہو آخر مشورہ کیا کہ اسکو قتل کریں موسیٰ علیہ السلام کو
 خبر ملی تو ہتھانکھ کر بھاگے اور اللہ تعالیٰ نے انکو مدین تک صحیح سلامت پہنچا دیا - مدین میں شعیب علیہ السلام رہتے تھے ان کی دو لڑکیاں اپنی بکریاں
 کنوین پر لائی تھیں تاکہ چرواہوں سے جو پانی بچا رہے اس سے بکریاں سیراب کریں حضرت موسیٰ اسی کنوین کے قریب درخت کے سایہ
 میں ٹھہرے اپنے پروردگار عزوجل کا شکر ادا کرتے تھے جسے انکو کافروں کے ہاتھ سے نجات دی جب ان لوگوں سے حال معلوم کیا تو انکی کمزوری
 بہتر ہو کر کھاکر اوٹھے اور کنوین سے پانی بھر کر انکی بکریوں کو پلا دیا پھر اسی سایہ میں جاکر احسان آئی یاد کرنے لگے تھوڑی دیر میں ایک لڑکی آئی اور
 شرم کے ساتھ کہا کہ ہمارے باپ تم کو بلاتے ہیں تاکہ تمھارے احسان کی سکافات کریں - موسیٰ علیہ السلام ساتھ ہو کر خدمت شعیب میں پہنچے

ہاں ہوں کہ روایت کے راوی سچے ہیں تو بھی دو ایک آدمیوں کے روایت کرنے سے کوئی بات ایسے مرتبہ یقین پر نہیں پہنچ سکتی ہے کہ اسکو قطعی کہہ سکیں تو کیونکر مجھے قطعی یقین ہو کہ ان پیغمبروں سے یہ معجزات صادر ہوئے تھے (جواب) مترجم کہتا ہے کہ اس زمانہ میں بیٹھے لوگ ایسے نادان مکار و جود ہوتے جنہوں نے مسلمانوں کو یہ دھوکا دیا حتیٰ کہ اوسکے دعوے کے بہت سے بد نصیب گمراہ ہو کر اوسکے ساتھ ہو گئے اور مترجم نے اسی ضرورت سے یہاں اسکو بیان کیا کیونکہ آیات کی عمدہ تفسیر ان بد بختوں کے مکر سے بے فائدہ ہو جاوے گی جب وہ ایسی مکاری پھیلاتا ہے اور جواب سے پہلے ایک بات طے ہو جاوے (سوال) ہم نے کابل کے بادشاہ احمد شاہ درانی انارکھ برہانہ کو نہیں دیکھا لیکن تواریخ میں مذکور ہے اسطرح نادر شاہ ایرانی اور تیمور شاہ گورکان وغیرہ کا ذکر تواریخ میں ہو تو کیا یقین کے قابل نہیں ہو اسطرح ہم نے بغداد و ہنن دیکھا اور نہ دمشق دیکھا اور نہ لندن ویرن و پیرس وغیرہ دیکھے بلکہ تواریخ و اخبار میں انکا ذکر دیکھا ہے تو یہ کیا اعتماد کے قابل نہیں ہیں (جواب) یہ سب قطعی اعتماد کے قابل ہیں ایسے کہ تواریخ میں انکے لکھنے کی وقعت نہیں ہے بلکہ متواتر ثابت ہو اور جو متواتر ثابت ہوا اوسکے لیے تواریخ تلاش کرنا لغوی ہو اسکا بیان یہ ہے کہ جس بات کو بے شمار لوگوں نے معائنہ کیا اور سب میں لگا تا مشہور معلوم ہو پھر اس طبقے کے گزرنے پر دوسری صدی الون میں اسطرح متواتر معروف ہوا اور اسطرح تیسری صدی پھر چوتھی صدی آخر تک یہی حال ہو تو جو شخص تارخ لکھنے بیٹھا ہو وہ حالات کے بیان میں یہ قصہ درمیان سے چھوڑنا عیب سمجھیکا ایسے بیان کر لگا ورنہ وہ خوب جانتا ہے کہ تو سب جانتے ہیں ہاں کبھی یہ ضرورت ہوتی ہے کہ مثلاً یہود میں یہ معجزہ موسوی متواتر معروف تھا اور عرب میں اسطرح متواتر یہ تھا تو تارخ لکھنے والا عرب کے لیے لکھ دیکھا لیکن عرب نے جب اس معاملہ کی حالت معلوم کر لی تو انکو اس تاریخ لکھنے والے کی بات پر اعتماد نہیں ہو بلکہ اس واقعہ کے متواتر ہونے پر اعتماد ہو پس خلاصہ یہ لکھا کہ دنیا میں جو خوبین ہیں اگر وہ ایک دو آدمیوں کے سلسلہ سے روایت ہیں تو وہ کسی حالت میں قطعی نہیں ہو سکتی ہیں اور اگر جماعت کثیر میں مشہور ہو تو مشہور سے بہت قوی گمان ہو گا کہ یہ حقیقت ہے اور اگر جماعت بے شمار میں متواتر ہو تو یہ قطعی بات ہو پس ایسی بات پر اعتماد ہو جو تواریخ کے ہے اور کسی تاریخ میں لکھنے سے اس پر اعتماد نہیں ہو سکتی کہ اگر کوئی تاریخ والا نہ لکھے تو یہ معاملہ قطعی متواتر ہو بلکہ جس تاریخ والے نے اسکو لکھا اوسنے اپنی تاریخ کی تہرہ بڑھائی جب یہ معلوم ہوا تو گندہ سے ہوئے بادشاہوں کا بیان متواتر ہو اور لندن اور دمشق وغیرہ شہروں کا ذکر متواتر ہو اگرچہ ہم نے کبھی نہیں دیکھے لیکن یہ قطعی یقینی بات ہے جب یہ معلوم ہو گیا تو ہم کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کا معاملہ تمام یہود اور یقینہ قبط میں متواتر تھا اور جب بنی اسرائیل نے قوت و ثروت پائی تو دوسری صدی میں زیادہ کثرت و شہرت ہو گئی اسطرح برابر متواتر حالت باقی رہی اور توحید میں اسکا ذکر اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اور توحید متواتر ہو تو یہ حال برابر متواتر ہو اسطرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات متواتر ہیں اسطرح حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شق القمر کا معجزہ دکھلایا اور وہ عرب میں متواتر ہوا اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نازل فرمایا اور قرآن برابر متواتر ہے اور ہمیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات بھی مذکور ہیں تو یہ سب قطعی متواتر ہو گئے گویا آج ہمارے سامنے اسطرح واقع ہوتا ہو پس خلاصہ یہ لکھا کہ ان آیات میں جو معجزات اشارہ کیے گئے ہیں سب قطعی ہیں اور اسی کے مثل اس زمانہ میں کم و زیادہ واقع ہونا بیفائدہ ہو ایسے کہ جو قوم کہ متواترات پر یقین نہ لائے وہ حق ہو اور اگر آنکھوں دیکھے تو بھی یہاں نہ لادے گی ایسے کہ عقل ہو تو متواتر اور سامنے ہونا دونوں برابر ہیں اس مضمون کو اچھی طرح سمجھ کر یاد رکھنا چاہیے کیونکہ اس زمانہ میں عقل سے بے نصیب اندکھن منہمک بہت ہیں جو ایسے کی طرح حماقت سے دھوکا دیتے ہیں آج کل اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے نام امت کو قصہ موسیٰ علیہ السلام سے عبرت و نصیحت حاصل کرنے کی تنبیہ فرمائی کہ اس قطعی متواتر واقعات پر گویا آنکھوں کو کھل کر دیکھنے سے اعجزت کے معاملہ میں سب شک و شبہات دور ہو جاتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرنے میں آپ کے لیے

ایسا سود وغیرہ کے کیا یہ تو بدیہی معلوم ہے کہ اندھ قلعے عالم الغیب ہو تو فی تحقیقہ حال دریافت کرنا مقصود نہیں ہو سکتا بلکہ مقصود اس صورت میں یہ ہوتا ہے کہ خوب کان لگا کر سننے کو متوجہ ہو یعنی جیسے کسی شخص کو تازہ واقعہ سنانا منظور ہو اور وہ خوب جانتا ہو کہ میرے باروں کے اس سے بالکل خبر نہیں ہو تو کہتا ہو کہ یہ آپ لوگوں کو کچھ مال فزقیہ کی بھی خبر ہے یعنی وہ لوگ اقرار کریں کہ ہمیں بلکہ آپ ہی سنا دیں خطیب نے اس تکلف کو چھوڑ کر فقط دوسرے معنی بیان کیے یعنی اے اشرف المخلوق تجھے تو معاملہ موسیٰ کی خبر ہو چکی ہے تو ترجمہ کرتا ہو کہ خطیب نے شاید جو وجہ سے اسی معنی پر اقتصار کیا ایک یہ کہ ایسے معنی لینے کی ضرورت کیا ہو کہ حسین جناب باری تعالیٰ میں یہ شبہہ ہو جسکے سمجھانے کی ضرورت پیش آوے خصوصاً جبکہ عرب کے مشرکین مولدہ الہی میں بالکل نہ سمجھتے اور ان پر کلام حق تلاوت کیا جاتا تھا دوم یہ کہ قصہ موسیٰ و فرعون دونوں پر اس سے متواتر ملامت آتا تھا اور عرب میں بھی ایک طاعت بنی اسرائیل نے سکونت اختیار کی تھی لیکن یہ کہا جاسکتا ہو کہ متواتر فقط یہ تھا کہ زمانہ بائق میں ضرور ایک شخص موسیٰ نے پیغمبری کا دعویٰ کیا تھا اور فرعون بادشاہ مصر کو معجزات دکھلانے اور اسے کفر و انکار کیا اور شاید اسکی تفصیلی حالات متواتر ہوں پس یہاں موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبری دینے کی کیفیت اور فرعون کی طرف بھیجے اور اسکے کفر کی کیفیت سے آگاہ فرمایا لیکن یہ امر ضروری ہو کہ فرعون کی کفر و ہلاکت کا معاملہ اور موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دکھلانے کا واقعہ ضرور متواتر تھا اور یہی عرب پر حجت ہوا اور شک نہیں ہو کہ موسیٰ و فرعون کا معاملہ تمام بنی اسرائیل میں اور دیگر یہود و نصاریٰ میں متواتر تھا اور قرآن مجید جیسے قریش و عرب کے لیے ہدایت ہو اسبطر ان قوموں کے لیے بھی ہدایت ہو اور ان پر حجت ہو اسبواسطے اگر اس زمانہ میں کوئی جاہل انکار کرے کہ موسیٰ علیہ السلام کا خصا بدل کر اڑوہا ہو جانا اور یہ بیضی لینے ہاتھ مثل چاند کے روشن ہو جانا اور دیگر معجزات جو موسیٰ علیہ السلام سے ظاہر ہوئے ان بیان کرتے ہو اور اسبطر عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات جو بیان کرتے ہو اور اسی طرح چاند و ٹکڑے ہونا وغیرہ جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات بیان کرتے ہو انکو میں کیونکر تسلیم کروں اسلئے کہ میں نے تو انکو کسی تاریخ میں نہیں دیکھا ہو یا میں نے بعض تواریخ میں دیکھا لیکن تواریخ کی کتابوں میں سب طرح کی سچی و جھوٹی روایتیں درج کی جاتی ہیں کیونکہ تواریخ کچھ کتاب شریعت نہیں ہوتی ہو کہ حسین بن سہب سچی باتوں کے جو نہایت اعتماد سے ثبوت ہوں کسی قسم کی دروغ آئینہ بات یا ضعیف روایت بھی نہیں لاتے ہیں اور تاریخ میں یہ اہتمام نہیں ہوتا بلکہ تواریخ اسکا نام رکھ دینے ہیں تاکہ کسی کو دھوکا نہ ہو اور شہر شخص یہ جان لے کہ اسکے مصنف نے اس میں ہر قسم کی روایتیں جو حکایتیں جو کچھ اسکے ہاتھ آئی ہیں سب صحیح کر دی ہیں اور دیکھنے والوں کو لازم ہو کہ روایتوں کو پرکھ لیں اور جان سے چہ لکھا گیا ہو وہاں سے تحقیق کر لیں مثلاً تواریخ میں کسی نے لکھا کہ فلان شخص نے فلان وقت ایسا کیا تھا اور یہ بات کتاب ہیقی میں روایت ہو تو ہم کو چاہیے کہ کتاب ہیقی میں اسکی اسناد کو دیکھیں کہ اسکی روایت کرنے والے راوی کیسے ہیں پس سنیہ تفتیش کی تو معلوم ہوا کہ فلان راوی ایسا شخص تھا کہ ہمید پیکر مست ہو جاتا اور غار بھی کھودتا تھا اور فلان راوی ایسا تھا کہ وہ بادشاہ کی طرف سے خراج وصول کرنے پر فلان گاؤں میں مقرر تھا اور جب وہ لوگ خراج دینے میں ناہمندی کرتے تو اونکی سوزین گھیر کر مسجد کے احاطہ میں بند کرتا تھا جب یہ کیفیت معلوم ہوتی تو ہم نے جان لیا کہ یہ روایت قابل اعتماد نہیں ہو علاوہ اسکے فقط یہی لوگ اس بات کو روایت کرنے والے ہیں انکے سواے کوئی روایت کرنے والا نہیں معلوم ہوا تو یہ روایت معتبر نہ ہوئی اور تواریخ والے نے اسکو نقل کر کے کتاب ہیقی کا حوالہ دیدیا تھا کہ میں نے فلان کتاب سے نقل کی ہو پس معلوم ہوا کہ بالاتفاق سب علماء کے نزدیک تواریخ کی کتاب میں اس قابل نہیں ہوتی ہیں کہ جو کچھ اس میں لکھا ہو وہ سب سچ اور معتبر ہے تو اگر اسنے بعض تواریخ میں ان پیغمبروں کے معجزات لکھے ہوئے پائے تو بھی کہتا ہو کہ ان تواریخوں پر اعتماد نہیں ہو سکتا ہو اور کہتا ہو کہ اگر میں

آدراسی نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قوم قریش کو دعوت کی تو انھوں نے بعث و حشر ہی سے انکار کیا اور یہاں تک اصرار کیا کہ مضحکہ سے کہنے لگے۔ تنک اذاکرہ خاسرہ۔ یعنی اگر کہیں بعث و حشر ہو تو ہمارا بہت خسارہ ہو۔ یعنی ہم نے تو اسکو محال سمجھا کر اس کے واسطے خاک سامان نہیں کیا ہو تو ہمارے واسطے یہ الٹی جاں میں بہت خسارہ ہے۔ اسکو مضحکہ سے کہتے تھے۔ یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت شاق گذرتی تھی اور آپ ایسی بدیہی بات سے انکار کرنے والوں کو مضحکہ کرنے والوں سے بہت غمناک ہوتے تھے (حتی کہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں جیسے ایذا مجھے پہنچی کسی کو نہیں پہنچی) پس اللہ تعالیٰ نے آپ کے واسطے قصہ موسیٰ علیہ السلام مع فرعون کے ذکر فرمایا کہ آپ بھی صبر کریں جیسے موسیٰ علیہ السلام نے صبر کیا علاوہ اس کے ظاہر کیا کہ فرعون کثرت فوج و ثروت و سلطنت میں قریش وغیرہ سے بہت قوی تھا حالانکہ جب اسے کفر و سرکشی پر اصرار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسکو ہلاکت میں گرفتار کر لیا تو قریش وغیرہ کو اس سے خوف و عبرت چاہیے ہو ورنہ اللہ تعالیٰ انکو بھی ہلاک کرے گا (تفسیر کبیر) اور شیخ ابوالسعود و بیضاوی وغیرہ میں بھی یہی منہ دکلا ہیں اور مترجم کہتا ہے کہ اسمیں دیگر فوائد بے شمار ہیں از انجملہ یہ کہ نفس انسانی میں رعوت فرعون ہوئی جو اور اسکو اپنی سرکشی میں حق کو ماننے سے تکبر ہوتا ہے و از انجملہ یہ کہ فرعون نے آخرت و حشر سے انکار کیا اور آخرت کے سامان جنت مع حور و نعمت کے اور جہنم مع عذاب و نعمت کے جملہ امر مذہب سے مانگ لیا تھا فرعون احمق نے اس کے مقابلے میں بیان بنایا اور اپنی نا سمجھی سے یہ خیال کیا کہ میں نے آخرت کی نظیر بنائی ہے حالانکہ وہ کچھ بھی آخرت کے معنی اور ذرہ بھی کیفیت نہیں سمجھا تھا۔ از انجملہ جس طاقت سے اس نے بعث و حشر سے انکار کیا کہ یہ خاک شدہ اجسام و بدن کیونکر زندہ ہوں گی تو اللہ تعالیٰ نے اسکو آیات کبریٰ دکھلائی ان میں سے ہر ایک ایسے تھے کہ اس کے حواس حیران و عاجز ہو گئے اور خود اس نے دیکھ لیا کہ موسیٰ علیہ السلام کی لاشی فی القوراء وہاں سے دراز ہو گئی اور پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے اسکو پکڑ لیا تو اسی دم لاشی ہو پس باوجود اس قدرت عظیمہ و کھینے کے کسی احمق کو کیا محال ہو کہ بعث و حشر سے انکار کرے حتیٰ کہ جس سڑی ہڈی کو وہ کہتا ہے کہ یہ کیونکر جاندار ہو جاوے گی وہ آدمی کی کھوپڑی ہو اور بیان تو سوکھی لکڑی تھی وہ از د با ہو گئی تو لکڑی میں اس از د سے کچھ بھی جزو نظر نہیں آتا تھا از انجملہ جب فرعون نے اپنے حاکم و یکھا تو یہ وقت تھا کہ جناب باری تعالیٰ میں عاجزی کرتا لیکن اس نے ہامان لعین سے مشورہ کیا جو اس کے نفس خبیث سے بدتر تھا تو نتیجہ یہ ہوا کہ مٹی پھیر کر مقابلہ کے لیے چلا از انجملہ یہ کہ جب وہ حق مٹانے کے مقابل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اسکو ہلاک کر دیا۔ از انجملہ یہ کہ عبرت ایسے شخص کو نصیب ہوتی ہے جو عظمت الہی عزوجل کے سامنے خوف کرے و واضح ہو کہ یہ فوائد سرسری ظاہر ہیں اور اسمیں دقیق اسرار ہیں ایسے واسطے علم تفسیر میں علماء نے ظاہر بنایا تا کہ برکت فکر کے لکھ دیا کہ نظم کلام کے عجائب کچھ ختم ہوئے والے نہیں ہیں یعنی درجہ بدرجہ حقائق و تقویٰ حاصل کرنا کہ قلب پاکیزہ ہو کر معارف سمجھنے کے لائق ہو قال تعالیٰ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ۔ کیا تیرے پاس آچکی ہے حدیث موسیٰ کی ف حدیث بات اور خبر جو کسی واقعہ سے متعلق ہو ابن کثیر نے کہا یعنی کیا تو نے معاملہ موسیٰ کی خبر سنی ہے (ع) رازی و ابوالسعود وغیرہ نے کہا کہ دہل کلمہ استفہام پر کچھ دریافت حال کے لیے آتا ہے اور کچھ اقرار کے لیے آتا ہے پس اگر اسی سورہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قصہ موسیٰ علیہ السلام سے ابتداء آگاہ کیا ہو تو استفہام معنی اول ہو یعنی کیا تجھے یہ خبر پہنچی ہے یا ہم آگاہ کر دین جس تسلی و عبرت کا فائدہ ہو اور اگر اس سورہ سے پہلے آپ کو یہ معاملہ معلوم تھا تو استفہام اقرار ہی ہو یعنی کیا تجھے معاملہ موسیٰ کی خبر پہنچی نہیں تھی؟۔ ہاں یہ وہم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہو وہ خوب جانتا ہے کہ اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی ہے یا نہیں پہنچی تو استفہام کے اول معنی بیان کیونکر ہو سکتے ہیں کہ حال دریافت کیا جاوے کہ کیا تجھے خبر مل چکی ہے یا ہم سنا دین (جواب) میں

کیونکہ دوبارہ پیدا کیے جاویں گے۔ عجب حماقت ہو کیونکہ بعد معرفت کے بندہ یہ سنکر تعجب کرتا ہو کہ اس کئے والے احق کے پاس ایک بڑی جہتی تھی بلکہ وہ خود ہی بار آور تھا اور سکواں نہ تھنے پیدا کر دیا تو وہی اوسکے ذرہ ذرہ پر صد ہزار مرتبہ قادر ہو لیکن آدمی کو لازم ہو کہ حضرت باری تعالیٰ ہی سے التجا کرے کہ مصلح مجھے پیدا کیا اویسی طرح میرے اعتقاد و عمل کو بھلائی اور خوبی پر مخلوق فرما کہ تو ہی ہمارا رب ہو اور ہم تیرے بندے ہیں اور تیری ہی قبضہ قدرت میں یہاں اپنے سامان کما تے ہیں اور یہاں تو نے یہ شان رکھی ہو کہ جو کچھ کماٹی چاہے وہ پیدا کر دی جاوے کسی بات پر جو زمین رکھا گیا ہو تھے کہ نادانوں کو یہ شبہ ہو جانا ہو کہ یہ میں نے بنالیا اور پیدا کر لیا تو ہم بندے التجا کرتے ہیں کہ جیسے تو نے ہم کو اپنے حبیب رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے معرفت الوہیت عطا فرمائی ہو اسی طرح ہمارا کماٹی ایسی ہو کہ وہ تیری مرضی و مغفرت ہو اور ہم کو ہمارے نفس کی حماقت بھرے ہوئے تکبر سے نجات دے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی التجا قبول فرماتا ہو اور جس احق نے اپنے نفس کے ساتھ مشورہ کیا اور وہ محض گول چرواہا ملا اعلیٰ و ملک قدس سے کچھ بھی آگاہ نہیں ہو بلکہ اسی زمین سے پیدا کیا گیا اور اسی زمین سے ذاتی الفت رکھتا ہو اور وہی کے پیداوار سے محبت کرتا اور اسی طرف رنج کیے رہتا ہو اور پر کجیانب سر اٹھانا نہیں جانتا ہو بلکہ کو تو پرماتا ہو تو بھلا اس نفس سے اپنے لیے پاکیزہ ہونے کا مشورہ کرنا کسی غلطی و حماقت ہو بلکہ جیسے کسی بے وقوف سے معاملات میں مشورہ چاہو تو وہ رعوت میں بھول جاتا ہو کہ میں بھی اس شان عالی پر ہوں اور یہود و بدرائی کا مشورہ دیتا ہو اسی طرح نفس انسانی کا حال ہو جو کوئی اس کے مشورہ میں پڑا وہ برباد ہوا اور اسی کے آثار و اس پر غالب ہو جاتے ہیں اور وہی رعوت اس میں آجاتی ہو پھر فلاح اور پاکیزگی بہت دور ہو جیسے فرعون بادشاہ مصر نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معاملے میں یہی رعوت اختیار کی اور آخر تباہ ہوا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اوس سے عبرت نصیحت کے لیے آگاہ فرمایا

هَلْ أَشَكَ حَدِيثُ مُوسَى ۖ إِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۖ اذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ۖ فَقُلْ هَلْ لَكَ إِلَٰهٌ إِلَّا أَن تَزْكَىٰ ۖ وَأَهْدِيكَ إِلَىٰ رَبِّكَ فَتَخْشَىٰ ۖ

کچھ یہ بھی ہے۔ نمونہ بات موسیٰ کی جب پکارا اوسکو اوس کے رب نے پاک میدان میں جسکا نام طوی ہو

فَارَاهُ الْآيَةَ الْكُبْرَىٰ ۖ فَكَذَّبَ وَعَصَىٰ ۖ ثُمَّ أَذْبَرَ يَسْعَىٰ ۖ فَخَشَرْنَا دَاۤءِ

نفران کے پاس اوسنے سر اٹھایا پھر کو تیرا ہی چاہتا ہے کہ تو سنوے اور راہ بناؤن نمونہ تیرے رب کی طرف پھر تجھ کو ڈر ہو

فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ ۖ فَأَخَذَهُ اللَّهُ نَكَالَ الْآخِرَةِ وَالْأُولَىٰ ۖ إِنَّ

پھر دکھائی اوسکو وہ بڑی نشان پھر بھلا ہوا اور نہ مانا پھر چلا پیٹھ پھیر کر تلاش کرتا پھر سب کو جمع کیا پھر پکارا

ذَٰلِكَ لَعِبْرَةٌ لِّمَن كَانَ يَحْذَرُ ۖ

اس میں ہوں رب تمہارا سب سے اوپر پھر پکارا اوسکو اللہ نے سزا میں بھیل کے اور پہلی کے

خطیب نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاملہ فرعون کے ساتھ ذکر فرمایا کہ جب فرعون نے کفر و انکار کیا تو باوجود اسکی کثرت اور قوت کے اللہ تعالیٰ نے اوسکو ہلاک کیا تو اس قصہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہو کہ اسی طرح جو قومیں تجھے منکر ہیں انکو اللہ تعالیٰ ہلاک کرے حالانکہ ان قوموں میں یہ ثروت و کثرت نہیں ہو تو فرعون کا قصہ اوس کے حق میں عبرت ہونا چاہیے کیونکہ یہاں میں ثبوت ہو کہ نیک بخت وہ ہوتا ہو جو دوسرے کا معاملہ دیکھ کر اپنے واسطے عبرت حاصل کر لے یہی معنی شیخ ابن کثیر نے بیان فرمائے ہیں

گرد پانی نہوتا تو جگر رکھ ہو جاتی اور اسی جگر کھانے سے پانی چکراتا ہو کر جانے کی فرصت نہیں پاتا ہی جیسے کٹورے میں پانی ہوا وہ کھلا جاوے تو پانی اندر ہی حلقہ باندھ کر رہ جاوے گا گرنے نہیں پاوے گا مترجم کہتا ہے کہ بار بار اسکا جواب دے چکا ہوں کہ اکل فقط دھوکا ہی زمین اگر تختہ رہے خیال پر گردش کرتی ہو تو بھی دن رات کے ۲۴ گھنٹہ میں فقط ایک بار چکر کرے گی جیسے ہیمہ ایک بار پھر جاوے تو یہ گزرتی کی گردش نہوگی کیونکہ تم قائل ہو کہ ۲۴ گھنٹہ میں ایک ہی رات دن ہوتا ہے اگر زیادہ چکر ہوں تو اسی قدر مائیں اور اسی قدر دن ہوا دین کیونکہ اسی چکر سے رات دن کہتے ہو تو قطعاً ایک ہی رات دن ہوا اور یہ بہت ہی خفیف حرکت ہے اور اس صورت میں پانی کو ٹھیکہ جانے کے لیے بہت مہلت ہے علاوہ اسکے جیسے پانی کے گرد کٹورے کا حلقہ ہو وہ اسکو روکتا ہے تو زمین کے پانی کے لیے ایسا حلقہ کہاں ہو جو چکر کھانے میں گرنے نہیں دیتا ہو۔ اور اگر کہو کہ ہوا کا حلقہ ہے تو یہ خام خیالی ہے اس لیے کہ ہم بدیہی تجربہ سے دیکھتے ہیں کہ زمین کی حرکت ہوا کا دباؤ پورا ہرگز پانی کو نہیں روکتا ہے تو سمندر کے پانی کو روکنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ بان ان میں سے ایک فرمے نے کہا کہ پانی اپنے مرکز ثقل کی جانب کھینچا ہے اور مرکز میں جذب کشش کی قوت رکھی گئی ہے مترجم کہتا ہے کہ اس سے یہ اقرار نکلا آتا کہ بغیر زمین میں قوت میں موجود ہونے اور عقل سے بچانی جاتی ہیں اگرچہ آنکھوں سے نظر نہ آتی ہوں تو اس فرقہ کا یہ کلیہ قاعدہ باطل ہوا کہ جو چیز ہم کو حسوس ہنودہ باطل ہے اور اس نادان فرمے نے آنکھ کی قوت وغیرہ سے انکار کیا اور کہا کہ فقط خون کا گیس ہے اور ممکن ہے کہ ادھنگی میں ایسی کیا ہے جو بچانی جلد سے تو وہ دیکھنے لگے مترجم کہتا ہے کہ یہ عجیب نادان فرقہ ہے کہ خود ہی کثرت مختلف باتیں کہتا ہے اور ہوش نہیں ہوتا اور دوسرے عقائد کی سچی باتوں سے انکار کرنے پر زبان کھولے ہوئے ہے مثلاً کہا گیا کہ یہ ممکن ہے کہ خداے تعالیٰ نے ایسا جہان پیدا کیا ہو جو ہم کو نظر نہیں آتا ہو تو کہتے ہیں کہ یہ ممکن کیا معنی ہیں ہم نہیں دیکھتے تو نہیں ہو مترجم کہتا ہے کہ دیکھو خود اسے ممکن کہا تھا کہ انکلی سے نظر آئے۔ اب انکار کرتا ہے اور ایسی بات کہتا ہے جو غلط ہے یعنی اگر ہوتا تو ہم کہ نظر آتا اور جب نظر آیا تو نہیں ہے یہ عجیب نادانی کی دلیل ہے اس لیے کہ بغیر دور بین کے اسکو بہت سے ستارے نظر نہیں آتے تھے تو کیا اسکی اسی دلیل سے یہ سب نہار دیکھے اور جب اسکو نظر آئے تو موجود ہے اسطرح اسکو نہا یہ ہوا کی چوٹی یا مشرقی شاہی صوبہ سیر یا نظر نہیں آتا تو یہ باطل ہے۔ نہیں بلکہ یہ نادان خود عقل نہیں رکھتا کہ موجود ہونے کے واسطے نظر آنا ضرور نہیں ہوتا ہے کہ تو یہ نادان شخص بھی نظر نہیں آتا ہے تو کیا یہ نہار ہو گیا۔ پس معلوم ہوا کہ اس فرمے میں سخت نادانی ہے اور ہمارے مرکز ثقل کا قصہ تو یہاں نہیں چل سکتا ہے کیونکہ پستی مرکز ثقل کی وجہ سے اسے اٹکل دور ہو تو انکو حق نظر آوے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ تمام جہان کا خالق ہے اور اسکی قدرت میں صد ہزار جہان کو دم میں پیدا کرنا آسان ہے اور دنیا میں کسی چیز پر اسکی شان کا قیاس نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ سوائے اس کے کوئی خالق موجود نہیں بلکہ سب مخلوقات ہیں تو خالق ہونے کے معنی عقل یا نی سے بچاؤ کہ ہر ذرہ اس کے علم و قبضہ میں ہے اور پہلے بھی تھا اور بعد میں ظاہر ہو گیا بھی ہے اور کبھی اس کے قبضہ سے خارج ہو کر مستقل نہیں ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی قیوم ہے اگر وہ قیومی نفراوے تو یہ ذرہ فنا ہو جاوے اور کافر و کاف کو دھوکا یہ ہوتا ہے کہ وہ خود کام کر لیتے ہیں تو کہنے لگے کہ ہم خود مختار و مستقل ہیں لیکن انکو سمجھا گیا کہ بکثرت یہ واقع ہوتا ہے کہ جو ہم چاہتے ہو وہ نتیجہ نہیں نکلتا ہے اور تدبیر میں پوری کوشش کرنے میں ذرا بھی نہیں بگاڑتا کہتے ہوا درجانی سے بڑھاپے میں چلے جاتے ہوا اور آخر مجبوری میں ملے لگتے ہوا اور مجبوری سے ہوا اور اسطرح ہزاروں معاملات میں مانند تقیری و فکری و علم و دھول وغیرہ کے اللہ تعالیٰ نے بندوں کی مجبوری ظاہر فرمائی تو معرفت کے بعد بدعوا سی کرنا ضلالت ہے اور جب اللہ تعالیٰ کی شان قدرت و صفات قدس پہچان گیا تو اسکو تمام معاملات میں نہایت واضح علم حاصل ہو گیا اور قیمت قائم ہونا اس کے نزدیک بالکل آسان ہے وہ کبھی جاہلون کی طرح ایسی وحشت و حماقت کے کلمات نہیں کہے گا کہ ہم یوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے بعد

شرح فقہ اکبر میں اسکو ایک جماعت سے نقل کیا ہو۔ تیسرا قول یہ ہے کہ وہ بھی اسی جسم کی طرح جسم ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے اسکو باقی رہنے کیلئے
 آراستہ کر دیا ہو تو موت کے وقت یہ جسم رہ جاتا ہو اور وہ جسم الگ ہو جاتا ہو مترجم کہتا ہے کہ یہ قول کسی قابل نہیں معلوم ہوتا ہو رازی نے
 کہا کہ بھریجب معلوم ہو گیا کہ (میں) یہ جسم نہیں ہو تو اس جسم کے مرجانے سے یہ لازم نہیں ہو کہ آدمی معدوم ہو جاوے بلکہ حقیقت میں انسان
 باقی رہا ہو اور اسکا لباس البتہ اتر گیا ہو۔ اس بیان سے کمال کیا کر قیامت سے انکار کرنے والوں کے سب خیالات باطل ہو گئے اور
 جسم کے مرجانے سے اور نظام خنجرہ ہو جانے سے کچھ بھی ضرر نہ ہو جس سے تردد ہو کہ خشر کیسے ہوگا مترجم کہتا ہے کہ منکر و ن نے تین وجہیں بیان
 کی تھیں (اول) یہ کہ جب یہی جسم آدمی ٹھہرا تو جب بھی جسم مع ترکیب کے عود کرے تو احادہ ہوا اور معدوم کا احادہ محال ہو (جواب) مترجم
 کہتا ہے کہ معدوم کا احادہ محال ہونا اسطرح ہے کہ جو چیز معدوم ہوئی وہ وقت اور ترکیب بعینہ لوٹنا غیر ممکن ہو اور جو اس بھی ہی کہتے ہیں لیکن منکر
 نے جو یہاں اسکو پیش کیا تو یہ اسکا دھوکہ ہو کیونکہ شرع میں یہ نہیں کہا گیا ہو کہ جس دن آدمی مرا ہو اور سیدن بھی مرکب جسم بعینہ لوٹ آوے گا
 بلکہ شرع نے یہ کہا کہ دنیا میں جبکہ ختنہ کیا گیا تھا وہ بخت کے روز بغیر ختنہ کیا ہوا اٹھایا جاوے گا تو معلوم ہوا کہ مراد یہ ہے کہ اس آدمی کے اجزائے
 جسم مرکب کر دیے جاویں گے اور یہ بات کچھ بھی احادہ معدوم نہیں جو محال ہو رہا ہے کہ کافر نے جہالت سے کہا کہ جسم میت کے اجزاء سڑ گئے ہیں
 وغیرہ میں غلط ہو گئے تو انکا پچانا محال ہے مترجم کہتا ہے کہ اگر اسکا فرکی یہ مراد ہو کہ وہ نہیں پچاں سکتا ہو تو بیشک سچ کہتا ہو وہ تو اس سے
 زیادہ خیر ہے کہ اپنے بدن کی رگین بچانے اور اگر اسکی یہ مراد ہو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محال ہو تو یہ کافر محض یا گل ہو اللہ تعالیٰ کے
 نزدیک نہایت آسان ہو اللہ تعالیٰ ہی نے اسکو پیدا کیا اور اپنے قبضہ قدرت میں رکھا ہو خواہ دنیاوی زندگی کی حالت میں رکھا یا
 کسی حالت میں رکھا اور کوئی ذرا اسکے علم قدرت سے باہر نہیں ہو وہ جب چاہے ہزار بار جمع فرمائے اور اسطرح کافر کا تیسرا خیال کہ
 زمین کے اجزاء خشک سرد ہیں وہ کیسے گرم تر خون کی کیفیت پاویں گے۔ یہ خیال تو نہایت درجہ حماقت ہو اور اس کافر کی مضغہ گوشت نے
 اپنے آپکو نصیحت میں ڈالا اور ظاہر کیا کہ عقل سے بالکل بے نصیب ہے۔ اگر وہ کچھ بھی عقل رکھتا اور اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کے آثار جو عالم میں ہوتا
 موجود ہیں آدمیت کی نگاہ سے دیکھتا تو اسکو معلوم ہو جاتا کہ اسکا یہ کہنا محض بجا بیانی اور محض حماقت ہو رازی نے کہا کہ سمندر کی لہر آگ میں
 پیدا ہوتا اور وہیں زندہ رہتا ہو پھر کیا اس احمق کے خیال میں کچھ سماں ہو اور نعامہ (شرع) گرم لوہے کو ٹھنڈا جاتا ہو اور برف میں بڑے بڑے آٹھ
 پیدا ہوتے ہیں پھر یہ احمق کیونکر اپنے قیاسات پر غفلت میں سو تا ہو بلکہ مترجم کہتا ہے کہ تمام عالم میں درحقیقت وہ عظیم قدرت سے ہر چیز میں
 متحیر ہوگا اگر آدمیت سے لگا دھرے اسلئے کہ وہ ہرگز نہیں سمجھ سکتا کہ یہ آسمان کیا ہو اور اس میں یہ بے شمار ستارے کس قدر متحیر کرتے ہیں اور
 زمین کیونکر پانی کے سمندر وں میں خاک کا ڈھیلہ ہو اور پانی نہیں ٹپکتا حالانکہ دریاؤں میں ہر وقت بہتا رہتا ہو اور جن کافروں نے یہاں
 زمین کی نسبت حماقت آمیز انگلیں دوڑائی ہیں اور بے شرمی کو مات کیا ہو اگر انکو کہتے ہوئے شرم نہیں آتی تو انکی بائیں مارے شرم کے
 باد ہوائی ہوئی جانی ہیں اور جس قوم نے حیدال و جگر اختیار کیا وہ اگر اسی میں سخت انشری کو چلی جاتی ہو جیسے ایک نے کہا کہ آفتاب اہل سیاہ ہو
 کہا گیا کہ یہ تو دیکھنے کے خلاف ہو کہ انہیں کیونکہ آفتاب جب نظر کرے تو انکو کھکی شنی کی روشنی کے مقابلے میں ہندوستانی اور انکی اسی ملت نظر نہیں آتی اور
 سیاہی پر جب روغن ہو تو نہایت سیاہ ہونے سے چمکدار ہو جاتی ہو۔ بھلا ایسے شخص کی باتوں کے جواب میں بھٹکنہ کیا کہیگا اسطرح اس نے مانے
 میں ایک قوم دھریہ نے اسی قوم کی بائیں نکالی ہیں مثلاً کہا کہ زمین کے کرہ میں بہت کم خشکی ہو اور کرہ و بیش بہت زیادہ پانی ہو پھر خشکی اس
 پانی سے گنتی ہو اور نہ پانی ٹپک کر فنا ہونا ہو اسکی وجہ یہ ہے کہ زمین اس زود سے تیزی کے ساتھ چکر کھاتی ہو کہ خشکی سو کھتی چلی جاتی ہو اگر اسکے

اس سے گرم تر آدمی کیونکر پیدا ہوگا یہ اول لوگوں کے دلائل ہیں جو کہتے ہیں کہ حشون امارہ محال ہے۔ مترجم کہتا ہے کہ رازیؒ نے آئندہ اسکے جوابات دیے ہیں چنانچہ بیان آتا ہے لیکن مترجم کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جسکو کچھ بھی عقل عطا فرمائی ہو اس کے نزدیک یہ اہم محض حق جاننے کے اہم ہیں بلکہ واللہ جانوروں میں اپنے رب عزوجل کی عظمت قدرت کی معرفت اس سے بہت زیادہ ہو اور یہ اہم ان جانوروں کے بدرجہا بدرجہ ہیں ہرگز اس قابل نہیں ہیں کہ کوئی شخص انکے جواب کی جانب توجہ کرے جیسے عاقل لوگ دیوانہ یا گل کی باتوں کی طرف لحاظ نہیں کرتے ہیں امام رازیؒ نے اٹکی دلیل کا اور ہر ایک وجہ کا علاحدہ علاحدہ رد کر دیا (جواب) یہ کہ تم نے دلیل اس بنیاد پر پائی کہ انسان اسی جسم کا نام ہے اور (میں) اسیکو کہتے ہیں۔ یہ شخص غلط ہے کیونکہ (اول) تو اگر میں اسی جسمی صورت کا نام ہوتا تو جب وہ بیماری سے لاغر ہو کر بھیا نک صورت ہو گیا اور اس کا گوشت پوست محل گیا ہو یا اسکے ہاتھ پاؤں ناک کان کاٹ ڈالے گئے تو چاہے کہ میں کہنے میں بھی اسی قدر کمی ہو جائے بلکہ (میں) کہنا سٹ جاوے کیونکہ وہ شکل ہی باقی نہیں رہی ہو بلکہ صیقلیت بچے میں وہ اس جسم مشکل کو (میں) کہتا تو بڑھاپے میں ہرگز نہیں (کہنا ممکن نہوا سیلے کہ جسے اسکو بچہ میں دیکھا تھا وہ بڑھاپے میں ہرگز اس (میں) کو وہی نہیں پہچان سکتا اور اس قدر تغیر و تبدل ہو گیا ہو حالانکہ (میں) کہنا بچہ میں سے مرنے دم تک کیساں موجود ہو تو قطعاً معلوم ہو گیا کہ انسان (میں) فقط ہی جسم اس وضع و شکل سے نہیں ہے (دوم) یہ کہ انسان بعض اوقات میں مثلاً اپنے دشمن سے مقابلہ کرنے کے خیال میں بالکل اپنے جسم ظاہری و اعضائے ظاہری بلکہ اعضائے باطنی سے غافل ہوتا ہے اور جبہ تن وہ مستغرق ہوتا ہے کہ میں نے اسکو اسطرح مارا۔ یہ (میں) بلاشبہ بچہ اور جسم وغیرہ کی صورت نہیں ہے تو یہ کہنا محض غلط ہے کہ وہ میں سے اسی جسم کی طرف اشارہ کرتا ہے اسلئے کہ اگر ہی جسم (میں) ہوتا تو اسے تصور ثابت کیا اور وہ بالکل غافل تھا تو اسے کچھ تصور نہیں کیا پس یہ محال ہے کہ ایک ہی چیز کی تصویر اس کے خیال میں موجود ہو اور نہ پس معلوم ہو گیا کہ (میں) فقط ہی جسم نہیں ہے مترجم کہتا ہے کہ کافرون نے فقط اسی جسم کو اسلئے (میں) قرار دیا کہ وہ انسانیت سے خارج ہو اور فقط اسی جسم کا نام رہ گیا ہو اور یہ صحیح ہے کیونکہ نفس اسی جسم کی طبیعت کا نام ہے اور کفار فقط نفس کے تابع ہیں اور اسکو جنم کے واسطے آراستہ کرتے ہیں اور اگر روح و عقل کے تابع کرنے تو یہ جسم بھی نسبت میں راحت پاتا تا فہم رازیؒ نے کہا کہ نظر حقیقت سے دیکھو تو (میں) سے مراد دوسری ہے اور اس میں تین احتمالات ہیں (اول) یہ کہ (میں) یہ جسم کہنا باطل ہے لیکن وہ ایک چیز ہے جو بذات خود مستقل ہے وہ مادی جسم نہیں ہے اور یہی بہت سے فلاسفہ و مسلمانوں نے اختیار کیا ہے مترجم کہتا ہے کہ مقصود یہ کہ انسان (میں) روح ہے اور جسم اس کے تابع ہے لیکن روح کی گنہ ماہیت و حقیقت نہیں معلوم ہو سکتی ہے اور اسکا علم ہم کو اس کے موجود ہونے سے حاصل ہے کیونکہ (میں) بدون جسم کے ثابت ہے تو ضرور سو اسے جسم کے ایک سے نقل چیز ہے اور شرع میں بھی جب یہ روح کو پوچھا تو انکو جواب دیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق عالم امر سے ہے اور تم لوگوں کو علم اس قدر نہیں ہے کہ تم اسکو جان جاؤ۔ شیخ المشائخ مولانا ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم اللہ تلوحي رحمہ اللہ تعالیٰ نے بعض کتب میں افادہ فرمایا ہے کہ روح کا علم اکابر اولیاء کو حاصل ہوتا ہے اور اسکے موافق شیخ الشیرازیؒ نے عرائش میں لکھا ہے بالکل یہ قول قوی ہے رازیؒ نے لکھا کہ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ بھی ایک جسم لطیف نوری ہے جو اس جسم سے ذات میں جدا ہے اور موت سے بربادی فقط اس جسم کو ہوتی ہے اور وہ جسم نوری دنیاوی خلقت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اس جسم کے اندر اسطرح پھیلا ہوا ہے جیسے تلخی میں تیل ہے اور انگارے میں آگ ہے اور پھول میں گلاب ہے پھر جب یہ جسم مرنے لگے تو وہ جو ہر بذات خود باقی رہتا ہے ولیکن مساوت کی صورت میں ایلیٰ معرفت رکھتا ہے اور شقاوت کی صورت میں خالی ہے اور اسی قابل ہے مترجم کہتا ہے کہ علی قاریؒ نے

میدان پر سفیان ثوریؒ نے کہا کہ ساہرہ زمین غلام ہوا قول شاید اس وجہ سے یہ تفسیر فرمائی ہو کہ محشر زمین شام ہوگی جیسا کہ مشہور ہے اور تھانہ عثمان بن ابی العالیہ نے کہا کہ ساہرہ زمین بیت المقدس ہے۔ وہب بن منبہ نے کہا کہ بیت المقدس کے ایک جانب ایک پہاڑ کا نام ساہرہ ہے اور تھانہ نے کہا کہ ساہرہ جہنم ہوا قول یعنی اللہ تعالیٰ انکو ایک غضب کی جھڑکی دیگا تو زندہ ہو کر جہنم میں جا پڑینگے شیخ ابن کثیرؒ نے کہا کہ یہ اقوال سب غریب ہیں حتیٰ ایک قول کے کہ ساہرہ روسے زمین کا نام ہے اور صحیح ہے مترجم کتاب ہے کہ یہود وغیرہ نے بیت المقدس کے گرد و لحاظ اس امر کے کہ وہ زمین محشر ہے ایک جانب جنگل کا نام وادی جہنم رکھا ہو اسبطرح غالباً ساہرہ بھی ایک پہاڑ کا نام رکھا ہوگا واللہ تعالیٰ اعلم۔ ابن ابی حاتم نے کہا کہ حدیثنا علی بن الحسینؒ حدیثنا حرز بن المبارکؒ شیخ صالح حدیثنا بشر بن السری حدیثنا مصعب بن ثابت عن ابی حازم عن سہل بن سعد الساعدیؒ قولہ تعالیٰ فاذا ہم بالساہرہ قال رعن بریضاً وغیرہ خالیہ کا خبر النقی یعنی اس اسناد سے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے ساہرہ کی تفسیر میں کہا کہ زمین پاکیزہ ہے نباتات دے نشان جیسے سیدہ کی روٹی اقول یعنی ایسی زمین پر یہ لوگ اول سے آخر تک زندہ ہو کر حاضر ہونگے ربیع بن انس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہو یوم تبدل الارض غیر الارض والسموات وبرزو اللہ الواحد القہار جس دن اللہ تعالیٰ اس زمین کی جگہ دوسری زمین بدل دیگا اور آسمانوں کو بدل دیگا اور مخلوقات اپنے رب اللہ الواحد القہار کے حضور میں حاضر ہونگے۔ ہ۔ اور کہا کہ وہ زمین ظاہر ہوگی جیسے پہاڑ ہیں وہ اس زمین میں شمار نہیں اور اس پر گناہ نہیں کیے گئے اور وہ خون بہا یا گیا ہو (تفسیر ابن کثیرؒ) مترجم کتاب ہو کہ حقیقت وہ زمین ظاہر ہوگی جو اللہ رب العزہ جل جلالہ برداشت کرے کی طاقبت رکھتی ہو پس زمین کی تبدیل ہی صفت سے ہوگی اور اللہ تعالیٰ علیم حکیم ہے اور ربیع بن جابرؒ کی یہ مراد نہیں ہے کہ یہ پہاڑ کسی دوسری زمین پر قائم ہیں جیسے ظاہر میں دہم ہوتا ہو اسلیے کہ جو ربیع رح نے پہاڑوں کا ریزہ ریزہ ہو کر مٹ جانا آیت سے ذکر کیا ہے واللہ تعالیٰ اعلم (م ع س) واضح ہو کہ امام رازیؒ نے یہاں اپنی عادت کے موافق کچھ دلائل عقلیہ ذکر کیے اور میں نے چاہا کہ فی الجملہ خلاصہ نقل کر دوں اسلیے کہ معرفت عقلیہ روحانیہ مترجم نے ایسے لطافت سے ذکر کر دی کہ اہل ایمان کے قلوب اسکو سمجھ سکے اور فرحت میں ہو جائے لیکن یہ بات سو فوٹ ہو کہ آدمی میں عقل روحانیہ موجود ہو یعنی صدق دل سے اوس میں ایمان حاصل ہو حالانکہ دنیا میں بکثرت ایسے لوگ موجود ہیں جو عقل جانیہ رکھتے ہیں جو اس محبوبہ کو اس کا نام ہو تو انکو معارف کی سمجھ نہیں ہو تازیؒ ان فوائد کو مسائل کی سرجی سے لکھتے ہیں اسبطرح میں بھی لکھتا ہوں مسئلہ امام حمزہؒ و عاصم کی قراوت (ناخرہ) بالف ہے اور باقیوں کی قرارت (نخرہ) بلا الف ہے اور کسائی اس سے دونوں باتیں ہیں ابو عبیدہ محدث لغوی عالم رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ ہم نے جمیع احادیث و آثار کو دیکھا جنہیں عظام نخرہ مذکور ہو تو ہم نے کسی میں ناخرہ کا لفظ نہیں پایا اسلیے ہم نخرہ پڑھنا پسند کرتے ہیں ولیکن لغات میں ناخرہ بھی جمع ہے و فخر الجوزیؒ نے کہا کہ دونوں کے معنی متحد ہیں مسئلہ جس طرح مشرکین نے اعادہ آخرت میں اپنے زعم میں استخارہ بھی اسبطرح اسق فلسفی بھی محال سمجھتے ہیں اقول شیخ ابو علی سیناؒ نے اور خرفا میں کہا کہ ہم لوگوں کے پاس حشر جیسا کہ کی دلیل نہیں ہو لیکن چونکہ خبر صادق (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے خبر دی ہو اسلیے ہم نے لیتے ہیں۔ ہ۔ رازیؒ نے کہا کہ یہ لوگ محدود سمجھ کر اعادہ محال کہتے ہیں اور اس پر چند ادبام کو اپنے نزدیک دلیل بنا کر لاتے ہیں رقمبر دلیل (شخص جو یہ لفظ کہتا ہو کہ زمین) اپنی طرف اشارہ کرتا ہو تلخین (جی جسم ہی جو اس طرح مرکب موجود ہے اور جب مر تو یہ ترکیب و مزاج مٹ گیا پھر اسکا اعادہ ہونا محال ہے اور محال ہونے کے چند وجوہ ہیں (وجہ اول) یہ کہ دوبارہ پیدا ہونے میں وہی (میں) جب ہو گا کہ وہی ترکیب و مزاج آجادیے اور وہ معدوم ہو گیا تھا اور معدوم بالکل وہی موجود ہونا ہماری عقل میں محال ہے تو وہی موجود ہونا محال ٹھہرا (وجہ دوم) یہ کہ جسم کے خاکی اجزاء خاک میں مل گئے اور ہوائی ہوا میں آد آبی اجزاء پانی میں آد آتشی آگ میں غلط ہو گئے تو پھر وہ اجزاء کیونکر سچا کر کر دیا کیے جاویں گے یہ تو ہمارے نزدیک محال کام ہے (وجہ سوم) یہ کہ جب جسم خاک ہو گیا تو سرد و خشک ہو گیا پھر

اور یہ اول بار صور پھونکنے سے ہوگا یا یہ ہر شخص کی جان نکلنے کا وقت ہو اور رادفہ دوسری بار صور پھونکنے سے زندہ ہو کر اٹھنے کا وقت ہے۔
 ص۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ راجعہ رادفہ دونوں نفعہ صورتیں اول راجعہ ہے اور دوم رادفہ ہے یہی مجاہد حسن و
 قتادہ وضحاک وغیرہم نے بیان کیا ہے مجاہد نے کہا یوم ترجف الراجعہ۔ جسے قولہ تعالیٰ یوم ترجف الارض و الجبال۔ یعنی جس روز کا ہنسکی
 زمین اور پہاڑ۔ اور قولہ تعالیٰ تفتحھا الرادفہ۔ جسے قولہ تعالیٰ حملت الارض و الجبال فذکتا دکتہ واحدة۔ یعنی زمین و پہاڑ اٹھا کر ایک بار
 کو فتح کر دیے جاویں گے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ راجعہ پہلا نفعہ ہے جس سے سب خلائق مر جاویں گی۔ (اور اس کے پیچھے
 رادفہ ہے۔ یہ دوسرا نفعہ صورت ہے جس سے سب خلائق زندہ ہو کر اٹھ کھڑی ہوں گی۔ واضح ہو کہ دونوں نفعہ کے درمیان چالیس برس کا فرق
 ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن علماء نے قسم کا جواب محذوف مانا یعنی قسم ہے نازعات وغیرہ کی کہ تم لوگ ضرور دوبارہ زندہ اٹھائے جاؤ گے
 یوم ترجف الراجعہ کہ راجعہ آویگی اور اسکے پیچھے رادفہ ہے سوال راجعہ بعثت نہیں بلکہ رادفہ ہے جواب یوم یعنی وقت بہت آتا ہے اور اس کے
 نفاذ بہت گزر چکے ہیں اور یہ وقت دونوں نفعہ کے زمانہ کو شامل ہے اور قول اول نفعہ کو شامل کرنے میں لطیفہ یہ ہے کہ اول نفعہ ہولناک قیامت
 کا مہو ہے اس لیے کہ اول نفعہ اس وقت واقع ہوگا جب تمام مخلوقات جن کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا ہے سب جو زمین ظاہر ہو جاویں گی اور بقوت
 کوئی مخلوق اللہ تعالیٰ کا نام لینے والا نہ ہوگا تو معاصی ہر طرف سے محیط ہوں گے اور ان پر نفعہ صورت سے موت طاری ہوگی اس لیے واسطے اس کو راجعہ
 کہتے ہیں یعنی سخت زلزلہ و اضطراب والی۔ چونکہ اسکے پیچھے دوسرا نفعہ لگا ہوا ہے اس لیے اس کو رادفہ کہتے ہیں اور یہی جہوز غفرین کا قول ہے۔ ابن یزید
 نے کہا کہ راجعہ زمین ہے اور رادفہ قیامت ہے اور قول گو باز میں کو زلزلہ ہوگا اور شق ہو کر مخلوق خارج ہوگی اور ہنوز یہ لوگ باتوں سے فارغ نہون گے کہ
 اس وقت حضور رب العالمین کے لیے حاضر ہوں گا سامان شروع ہوگا اور آسمان شق ہوگا اور پہاڑ اڑیں گے اور ہولناک منظر نظر آنے لگیگا اور یہی
 رادفہ ہے واللہ اعلم مجاہد سے روایت ہے کہ راجعہ زلزلہ ہے اور رادفہ صیحہ ہے خطیب نے لکھا کہ راجعہ بھی صیحہ ہے اور صیحہ یعنی آواز سخت ہے اور مراد یہ کہ صیحہ کی
 آواز سخت ہوگی جس سے ہر چیز کو زلزلہ درزہ ہوگا اور سب مخلوقات مر جاویں گی اور اسکے بعد رادفہ صرف آواز صورت ہے جادل نفعہ سے چالیس برس
 بعد ہوگی۔ قتادہ نے کہا کہ یہ دوبارہ آواز سخت ہے پس اول سے تو ہر موجود چیز مر جاویگی اور دوسرے سے ہر چیز زندہ ہو جاویگی اور یہ سب اللہ تعالیٰ
 کی قدرت سے ہوگا عطا کرنے کا کہ راجعہ قیامت ہے اور رادفہ زندہ ہو کر اٹھنا مترجم کہتا ہے کہ قیامت اس طرح قائم ہوگی کہ موجودہ مخلوقات مر جاوے
 تو یہ پہلے نفعہ کو شامل ہے اور رادفہ بعثت ہے اور شاید موافق قول ابن زید کے ہو واللہ تعالیٰ اعلم واضح ہو کہ قیامت و حقیقت ہر شخص کے لیے اس کی
 موت ہے ایک تو اس لیے کہ دنیا اس کے حق میں صرف موت تک ہے اور باقی اس کو دنیا سے کچھ کام نہیں ہے اور دوم اس لیے کہ موت چھوٹی قیامت ہے
 کہ موت سے اس کے بدن کو سخت رجہ ہوگا اور اس کا خاکی جسم خراب ہوگا اور ہڈیاں جو نمبر لہ پہاڑ ہیں سب خاک ہو جاویں گی اس لیے واسطے حدیث
 ابی بن کعب رضی اللہ عنہ میں ہے کہ جب تمہاری رات (ایک روایت میں چوتھائی رات) جاتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر فرماتے کہ اے لوگو
 اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔ راجعہ آگئی اس کے پیچھے رادفہ ہے موت اپنے سامان کے ساتھ آگئی۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر میں اپنے سب
 وقت میں آپ پر درود ہی پڑھا کروں تو آپ نے فرمایا کہ اگر تو ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ تیری دنیا و آخرت کی فکر دن سے تجھے کفایت فرما دیکر
 اس حدیث کو امام احمد و ترمذی و ابن جریر و ابن ابی حاتم و حاکم وغیرہ نے روایت کیا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم نے فرمایا کہ زمین کو سخت زلزلہ آوے گا اور لوگوں سمیت لڑے گی یہی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یوم ترجف الراجعہ تفتحھا الرادفہ۔ زمین اس طرح
 کانچے گی جیسے سمندر میں کشتی اپنے آدمیوں سمیت تھوبالا ہونی ہے جیسے لٹکتی ہوئی قندیل ہوتی ہے اس حدیث کو ابن مردودہ و ابوالشیخ و دیگر

رضی اللہ عنہ نے وصیت پوری کر دی۔ اسطرح ذہبیؒ نے میزان میں ذکر کیا کہ نصر بن مزوق اور جعفر بن محمد الرستقنی نے اسمعیل بن مسلمہ القعنبی سے روایت کی کہ میں نے حسن بن ابی جعفر کو انکی موت کے بعد خواب میں دیکھا تو مجھ سے فرمایا کہ ایوب اور یونس ابن یونس سب جنت میں ہیں میں نے پوچھا پھر عمر و بن عبید کہاں ہے تو فرمایا کہ وہ جہنم میں ہے میں نے خواب سے بیدار ہو کر اس خواب میں فکر کی اور خاموش رہا پھر میں نے دوسری رات میں حسن بن ابی جعفرؒ کو خواب میں دیکھا تو پھر انھوں نے مثل اول مرتبہ کے مجھ سے بیان کیا میں اس مرتبہ بھی اس خواب سے خاموش رہا اتفاق سے میں نے تیسری رات بھی انکو خواب میں دیکھا اور حال دریافت کیا تو انھوں نے مثل اول و دوم کے مجھ سے بیان کیا اور عمر بن عبید کو پوچھا تو یہی اوسطیج بیان کر کے کہا کہ اے شخص کب تک میں تجھے بیان کرتا رہوں مترجم کہتا ہے کہ نصر بن مزوق اولیائے محدثین میں سے امام طحاویؒ کے استاد بن اور جعفر بن محمد بھی ثقہ ہیں اور امام بخاری وغیرہ کے استاد عبد اللہ بن مسلمہ القعنبی معروف صاحب کرامت ثلی کے بڑے بھائی اسمعیل بن مسلمہ القعنبی ولی مشہور ہیں اور حسن بن ابی جعفر مشہور بزرگ ہیں اور ایوب سختیالی اور یونس و عبد اللہ بن عون سب ثقات اولیائے محدثین سے ہیں اور عمر بن عبید نے معتزلی عقیدہ اختیار کر کے گمراہی نہ چھوڑی لغو ذائد من الضلالۃ۔ موطا بن اسمعیل ثقہ نے کہا کہ میں نے ہمام بن محیی ثقہ محدث کو خواب میں دیکھا کہ پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا کہا کہ مجھے بخش دیا اور جنت میں داخل فرمایا اور عمر بن عبید کی نسبت حکم دیا کہ اسکو دوزخ میں لجاؤ اور عمر بن عبید کو کہا گیا کہ تو اللہ تعالیٰ پر ایسی باتیں بنایا کرتا تھا اور اللہ تعالیٰ کی مشیت سے انکار کیا کرتا تھا (المنیران) بالجملہ ارواح صالحہ سے بہت خواب مروی ہیں لیکن یہ تدبیرات امور بنین ہوا حق یہ ہے کہ تفسیر آیات وہ ہے جو سابقین میں علمائے ربانین سے مذکور ہوئی ہو اور شیخ الشیرازی نے بطور صوفیہ کے اشارات میں ارواح کا اشارہ لیا ہے لیکن اسطرح کہ آنا زعات وہ ارواح کاملین ہیں جو عالم قدس میں ماسوی اللہ تعالیٰ سے نزع کی گئیں اور سب سے جدا کی گئیں پس عالم حدوث سے جدا کر کے عالم تخلی میں لائی گئیں اور ناشطات ارواح شائفہ میں اور ساجات وہ ارواح ہیں جو بحر قدس میں پیرتی ہیں اور سابقات انفاس سابقین ہیں کہ بہت سے سبقت کرتی ہیں اور لدبرات عقول قدسیہ ہیں جو خرائط الہام و ادب سے امور خدمت کی تدبیر کرتی ہیں (اشارات عرائس) اور شیخ الصوفیہ ابن العربیؒ نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے نفوس کی قسم یا دفرائی نازعات وہ نفوس شائق ہیں جو سب سے نازع و جدا ہو کر جناب قدس کی جانب بحر شوق و محبت میں غرق ہیں و ناشطات جو مقام نفس سے اور گرفتاری طبیعت سے خارج ہو گئیں یعنی نفس کے جو صفات ہیں اور بدن کے جس طرح پھندے ہیں سب سے جدا ہو گئیں۔ و ساجات جو دریا صفات میں پیرتی ہیں پس وہاں سے حین ذات کی جانب سبقت کرتی ہیں اور مقام وحدت میں فنا ہوتی ہیں پس رجوع کی حالت میں اونے دعوت حق و ہدایت کی تدبیر متعلق ہوتی ہے یعنی جب خودی سے فنا ہو جاتی ہیں تو بقائے حق کے ساتھ رجوع کر کے مخلوقات کو اللہ تعالیٰ کی جانب دعوت نصیحت سے دعوت و ارشاد کرتی ہیں۔ شیخ ح نے اس کے بعد ملائکہ و کواکب سے بھی تفسیر ذکر کی جسے علماء ائمہ سے منقول ہے بالجملہ بن بزرگوں نے ارواح سے اشارہ لیا ہے انھوں نے شیخ شیرازی و ابن العربیؒ کی طرح بیان کیا ہے بخلاف کلام رازیؒ کے کہ وہ پایہ اعتبار سے خارج ہے ناظم بالجلہ فالمدبرات امرا۔ کے بعد آیت یہی تو کہہ لے یوم ترجف الراجفۃ تبہا الرادفۃ ائمہ پس علماء نے کلام کیا کہ قسم کے بعد جواب چاہیے بعض نے کہا کہ محذوف ہے یعنی ان چیزوں کی قسم ہے کہ (تم ضرور دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے) یوم ترجف الراجفۃ ائمہ جس دن راجفہ ہوگی اور اسکے بعد رادفہ ہوگی بعض نے کہا جواب یوم ترجف ہے یعنی قسم ان امور کی کہ جس دن راجفہ پھر رادفہ ہوگی تو بہت سے قلوب ادس و فز و مضطرب ہو گئے شیخ ابن العربیؒ نے لکھا کہ ترجف الراجفۃ یعنی واقع ہوگا وہ واقعہ کہ جس سے سخت اضطراب ہوگا اور جسم و اعضا لرزہ میں پڑ جائینگے

اوسی قدر دانگی میں تیزی زیادہ ہوگی تو سبقت ہوگی اور حسین کی ہوگی وہ پچھڑ جائیگی۔ پھر انکو مدبرات کہنے کی توجیہ یہ ہے کہ شاید ان ارواح شریفہ کاملہ میں سے ایسے ہوں جنسے اس عالم میں آثار تدبیر ظاہر ہوں چنانچہ تم دیکھتے ہو کہ آدمی کبھی اپنے استاد کو خواب میں دیکھتا ہو اور اس سے علمی مسئلہ پوچھ کر حل کر لیتا ہو اور کبھی بیٹا اپنے باپ کو خواب میں دیکھ کر اس سے دینیہ خزانہ کا نشان پاتا ہو یعنی باپ اس سے کہتا ہو کہ اے فرزند فلاں مقام پر میں نے اس قدر دفن کیا تھا تو اسکو نکال لے اور جالینوس نے لکھا ہو کہ ایک مرتبہ میں بیمار ہوا تھے کہ اپنے علاج کے طریقے سے مایوس ہو گیا میں نے خواب میں ایک کو دیکھا اسنے مجھے علاج کا طریقہ بتلایا جس سے میں اچھا ہو گیا اور امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ جب کوئی مرد صالح مر گیا پھر اللہ تعالیٰ نے کسی وقت میں کوئی بندہ پیدا کیا جسکا نفس بھی مرد صالح مذکور سے مشابہ ہو یعنی روح و جسم میں مشابہت ہو تو کچھ عید نہیں ہو کہ اس بندہ کو مرد صالح سے اعمال نیک و بدایت میں الہامی معاونت حاصل ہو جیسے بدکاروں میں بذریعہ وسوسہ کے شرارت میں معاونت ہوتی ہو یہ جو میں نے بیان کیا اگرچہ علمائے مشرین سے منقول نہیں ہو مگر کیا اس سے اسکا افادہ ہوتا ہو (تفسیر کبیر) مگر ہم کہتا ہو کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ تفسیر نہیں بلکہ فلسفی تفکرات ہیں خصوصاً افلاک و ابرار (امرا) ارواح کو مدبرات بنانے میں عجب تکلف کیا ہو اور شک نہیں کہ حضرت سرور عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم او باپ کے احباب رضی اللہ عنہم سے پڑھ کر کسی نفس کو کمال نہوگا لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپؐ بعد تدبیرات میں آپسے معاونت نہیں لی ورنہ ضرور ہم ضعیفون کے لیے یہ طریقہ متواتر منقول ہوتا حالانکہ جب ابتداء خلافت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں تمام عرب کے اکثر قبائل مرتد ہو گئے تھے تو نہایت سخت اضطراب تھا حتیٰ کہ بعض صحابہؓ نے کہا ہو کہ اوس وقت پہاڑ ہوتا تو بیٹھ جاتا لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کچھ مضطرب نہوے اور قطعاً اسی بات پر جم گئے کہ مرتدون سے قتال کریں اور باقی صحابہؓ ہر چند اس راے سے پھیرنا چاہتے تھے حضرت صدیقؓ نے نہ مانا اور کہا کہ اگر تم نہیں جاؤ گے تو میں نہما جاؤں گا۔ آخر صحابہؓ رضہ حکم کے تابع ہوے اور چند ہی روز میں جب متواتر فتوحات سے پھر عرب تابع ہوے تو سب صحابہ رضہ حضرت ابو بکرؓ کے نہایت شکر گزار ہوے اور انکی خلافت کو اپنے اوپر اور دین اسلام پر اللہ تعالیٰ کی عظیم کرامت سمجھے لیکن ارواح سے تدبیرات پر کسی نے عمل نہیں کیا۔ رہا یہ کہ شاگرد نے یا بیٹے نے استاد یا باپ کو خواب میں دیکھا یا جالینوس نے خواب دیکھا تو یہ خواب کی تعبیر کے احکام ہیں جسے کہ یہ ضرور نہیں کہ حقیقت میں اسکی روح سے باتیں ہوں۔ اگر رازی ہم کو اسکی ضرورت تھی تو جالینوس کا ذکر تو چھوڑ کر حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کا حال لکھتا ہوتا کہ جب خلافت صدیقؓ میں اہل یامہ مرتد ہوے اور سیلہ کذاب کی پیغمبری کا اقرار کیا حالانکہ اہل یامہ قوم کثیر تھے اور مسلح اور بڑے جنگی تھے اور حضرت صدیقؓ نے خالد رضی اللہ عنہ کو اس قوم مرتد سے قتال کے لیے بھیجا اور اعراب میں سے جو قوم توبہ کرنے آتی حضرت صدیقؓ اس سے کہتے کہ تمھاری توبہ قبول ہو بشرطیکہ تم خالد سے ملکر جہاد یامہ میں شریک ہو۔ اور وہ لوگ بھی سیلہ مردود کے ساتھ لڑنے کو نکلے اور ایسی سخت لڑائی ہوئی کہ صحابہؓ رضہ کو یہ آیت یاد آئی تو لہ تعالیٰ سدعون الی قوم اولی باس شدید۔ یعنی اے پیغمبر تو ان اعراب کے کہدے کہ عنقریب وہ زمانہ آتا ہو کہ تم لوگ ایسی قوم سے لڑنے کو بلائے جاؤ گے جو سخت جنگی ہیں۔ آخر اللہ تعالیٰ نے کافروں کو کثرت قتل کے بعد مقرر کیا اور اسی میں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ شہید ہوے تو خواب میں دکھلایا کہ میری زندہ کو فلاں شخص نے چوٹیں اس ترکیب سے ہانڈیوں میں جھپایا ہو وہ لیکر حضرت صدیقؓ رضہ کو لکھدے کہ میرے اداے قرص وغیرہ میں اٹھ دصیت پوری کریں اور خبردار یہ خیال نہ کرنا کہ یہ تو خواب خیال ہی۔ آخر دیکھا گیا تو وہ زندہ ہی اوس طرح علی حسب طرح خواب میں بیان کی تھی اور حضرت صدیقؓ

میں اور دیگر رسالوں میں بکثرت نقل کیا ہو (تنبیہ) مترجم کتاب کو اتفاق سے ایک شخص جو اپنے آپکو ظاہر میں مسلمان کہتا تھا اس کتاب کو لایا اور اعتقاد مزید کے ساتھ اس نے مترجم کو سنا نا چاہا کیونکہ اس وقت مترجم کی آنکھوں میں سخت آشوب تھا مترجم نے سمجھا یا کہ تم لوگ اس مکر سے بچو اور یقین جانو کہ کفار کبھی معارف کی راہ نہیں پاؤ گئے اس نے اصرار کر کے تھوڑی دور تک عبارت سنائی جس کا مضامین وہ تھا جو اوپر مذکور ہوا ہے میں نے کہا کہ پس کرو میں جان گیا اور اس جماعت نے جسکو بلایا ہو وہ اس مرفہ کا ہمزاد تھا جو حکیم حدیث آزاد رہتا ہو اور نزع روح کی حالت میں وہ راہ تاریک میں غرق ہو کر برزخ اسفل میں نکلا جاتا ہو اس شخص نے یکایک چونک کے کہا کہ یہ بات تو بیشک آپ نے سچ کہی کیونکہ اس کتاب کا مصنف چند اوراق کے بعد لکھتا ہے کہ اس مردہ کی روح سے جتنے عالم نزع کی کیفیت دریافت کی تو اس نے کہا کہ ہاں ایک کرب و تکلیف کے بعد میں آدمی گھٹنے تک تاریکی میں چلا گیا پھر کجا ایک ایک بڑے فراخ میدان میں آگیا جہاں وسعت کی انتہا نہیں ہو مترجم نے کہا کہ یہاں بیان اسی ہمزاد شیطانی کی زبان سے ہے جسکو یہ جاہل لوگ اپنے زعم میں ادسکی روح سمجھے ہیں حالانکہ ادسکی روح بحین غرق عذاب ہو۔ ایک شخص مذہب کے سنگر کہا کہ خیاب مصنف ابھی زندہ ہو اور وہ دعویٰ کرتا ہو کہ میں اب بھی بلاتا ہوں۔ میں نے کہا کہ وہ مومن کے ہمزاد کو بھی نہیں بلا سکتا ہو صرف اپنے کفار گروہ کے ہمزاد کو طلب کر لیا تاکہ اسکو ادا اسکے ساتھیوں کو طریقہ کفر پر مضبوط کر کے گمراہ کرے۔ اس مذہب نے کہا کہ آپ مان لیتے اگر وہ مومن کی روح طلب کرے۔ میں نے کہا کہ وہ کبھی ایسا نہیں کر سکتا ہو مذہب نے کہا کہ اگر وہ اقرار کرے تو کیا آپ سفر کی تکلیف گوارا کر کے وہاں تک چلنے کا اقرار کرتے ہیں۔ میں نے اقرار کیا۔ اس مذہب نے جو اس وقت میں تھیا سو فی کی کتاب پر ایمان لایا تھا فوراً بیٹیس روپیہ کا نوٹ کرایہ ریل کے لیے رکھا اور تھیا سو فی مذکور کو اسی وقت خط لکھا اور کتاب میں طلب کین ادیہ حال مفصل تحریر کر لیا تھا سو فی مذکور نے کتاب میں بقیہ بھجیدین اور امر مذکور کی نسبت بالکل سکوت کیا مذہب نے اسکو دوسری بار بتا کید خط لکھا اور نقطہ شدید کے باوجود کچھ جواب نہ پایا پھر بار بار خطوط رجسٹری روانہ کیے اور جواب نہ پایا۔ تب اُس مذہب نے اپنے خیالات گمراہی سے توبہ کی۔ یہ سب میں نے اس لیے تحریر کیا کہ آج کل اس گمراہی کا زور غور ہو اور اہل ایمان کو معلوم ہو گیا کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس مکر سے آگاہ کر دیا تھا اور وہ معجزہ پاک اب ہمارے واسطے ہدایت ہو اور واضح رہے کہ حکماء ربانیہ قدس اللہ اسرار ہم نے لکھا ہو کہ جب جب مان کے پیٹ سے نکلتا ہو تو ادسکی بہ نسبت دنیا بہت وسیع نظر آتی ہو اور جب مر گیا تو عالم برزخ اس قدر وسیع نظر آوے گا جیسے وہ مان کے پیٹ سے نکلا تو عالم برزخ کے سامنے یہ دنیا بمنزلہ مان کے پیٹ کے ہے اور عالم برزخ لوٹ کر جب قیامت قائم ہوگی تو برزخ اس کے سامنے بمنزلہ شکم مادر ہوگا اور اللہ تعالیٰ شانہ ہم بندوں کو صراط مستقیم پر قائم رکھے۔ امام رازیؒ نے کیر میں لکھا کہ بیان ایک تاویل یہ ہو کہ نازعات وغیرہ سے ارواح مراد ہیں چنانچہ حالت نزع میں یہ ارواح نازعات ہیں (عرقا) یعنی سختی نزع میں یہاں تک حد ہوگی جیسے کماندار سخت کھینچتا ہو اور یہ اس صورت میں کہ آدمی کو اس عالم سے تعلق سخت ہو اور ظاہر ہو کہ جس قدر اس عالم سے تعلق زیادہ ہو اسی قدر روح کو نکلنے میں سرکشی ہوتی ہو تو سختی کے ساتھ نزع کی جاتی ہو اور اگر اس سے کم ہو تو ناشطیات ہیں پھر انکو ساجات فرمایا اس لیے کہ ارواح بشری جس قدر اس عالم سفلی سے بے تعلق یا کم تعلق ہو اسی قدر بعد خروج کے عالم بالا کی طرف مشتاق ہوتی ہو اور اس اندھیر خانہ سے نکل کر تیزی کے ساتھ عالم قدس میں جاتی ہو۔ پھر اس بات میں شک نہیں کہ ارواح کی کیفیت مختلف ہو بعض کو دنیا سے کم نفرت ہو اور بعض کو بہت نفرت ہو پس جس قدر اسکو دنیا سے نفرت زیادہ ہو اور عالم بالا کا شوق زیادہ ہو

جبریل و میکائیل و عزرائیل و اسرافیل میں جبریلؑ تو ہواؤں اور لشکروں پر مومل ہیں یعنی بارش کی ہواؤں واس سے متعلق قیامت پر اور قتال کے لشکروں پر مامور ہیں اور میکائیلؑ کا تعلق نباتات وغیرہ سے ہے اور عزرائیلؑ ملک الموت روحین قبض کرتے ہیں اور اسرافیلؑ خبر حکم کے لیے مامور ہیں اور یہی سب سے زیادہ قریب ہیں کیونکہ اسرافیلؑ سے اور عرش سے فقط پانچ سو برس کی راہ ہے (السراج) امام قشیریؒ نے لکھا کہ فالمدبرات سے یہاں بالا جماع ملائکہ مراد ہیں ماورویؒ نے لکھا کہ دو قول ہیں ایک قول یہ کہ ملائکہ مراد ہیں اور یہی جہود کا قول ہے اور دوم یہ کہ کوکب مراد ہیں اسکو خالد بن معدانؒ تابعی نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے نقل کیا اگرچہ چاہا کہ امر کی تدبیر کرنے سے کیہر وہ ہو جواب یہ کہ آسمان دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ان ستاروں کے طلوع وغروب کی تدبیر کرتے ہیں دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انکے حق میں جو حکم فرمائے ہیں انکو جاری کرتے ہیں۔ ملائکہ اس طرح تدبیر کرتے ہیں کہ وہ حلال و حرام وغیرہ احکام لاتے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ آیت ایسی ہے کہ جہاں امتحان مضمر ہے کیونکہ غلط نظریہ کہ جیسے مخلوق میں سمجھا جاتا ہو کہ سلطان نے عاملوں کو تعمیل احکام کے لیے بھیجا تو سلطان کا اثر عاملوں پر ہوا اور عاملوں کی تدبیر و قوت سے تمام ہوتا ہو۔ یہ صورت معاملہ الہی میں نہیں ہے بلکہ تمام خبریں اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں مقصور ہیں اور جس طرح تم کہتے ہو کہ آفتاب سے موسم بہار میں میوہ جات نچتے ہوتے ہیں تو معنی یہ ہیں کہ آفتاب قبضہ قدرت میں بخیر اور اللہ تعالیٰ جس طرح اور جیسا فرماتا ہو اسی طرح وہ روان ہوا اور جس قدر زبیری اوسمین عطا کرتا ہو اسی قدر اثر پیدا کرتا ہو توکل معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت و پیدا کرنے سے ظہور کرتا ہے اور یہی صورت ملائکہ میں ہے پس خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سب جہاں کے ذرات تک اپنے قبضہ قدرت میں رکھتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے ایجاد فرماتا ہے لیکن ظہور میں یہ چیزیں پردہ ہیں اور فی الحقیقہ اللہ تعالیٰ ہی تمام جہاں کا مدبر اور موجد ہے اور اس کے قبضہ قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں ہو لیکن ملائکہ کو جو مدبرات فرمایا تو ایسے کہ ملائکہ کے ہاتھوں سے اسکو ایجاد فرمایا ہو ایسے ملائکہ اس سے متصف ہوے جیسے آدمیوں میں ہے کہ ہر چیز مکانات و خیمہ و اوزار وغیرہ سب ایجاد الہی ہیں لیکن جس آدمی کے ہاتھوں سے اسکو ایجاد فرمایا ہو ایسی کمائی ہو اور یہی اس سے متصف ہے جیسے رنگر نے کپڑا رنگا تو رنگ کا ظہور کپڑے میں ہوا پس کپڑا متصف ہے اور سرخ یا سیاہ کہلاتا ہے اور رنگر نے سرخ و سیاہ نہیں ہے حافظہ شیخ ابوالسعودؒ نے مدبرات مجھے ثواب و عذاب لیا اور صحل کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے والنازعات غرقا والنازعات الخ آیات میں چند گروہ ملائکہ کی قسم ذکر فرمائی جنکی صفتیں ان اعتبار سے جدا جدا ہیں اور انھیں صفتوں کے فرق سے انکے نام نازعات و ماشطات و ساجات و سابقات و مدبرات ہیں پس ابن عباسؓ و مجاہدؒ کے قول میں مطلقاً مومن و کافر کی روحیں نکالنے والے اور حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ و ابن مسعودؓ و مسروقؓ و غیرہ کے قول میں کافروں کی روحیں نکالنے والے جو کبھی نزع و شدت سے نکالتے ہیں اور کبھی جھٹک کر نشط کرتے ہیں اور ساجات یعنی پیرنے والوں کی طرح انکے جسم میں پیر کر روح نکالتے ہیں یعنی روح نکال کر ساج گھوڑے کی طرح تعمیل حکم الہی میں روان ہوتے ہیں پس کافروں کی روحیں لیکر جہنم کی طرف سبقت کرتے ہیں اور مومنین کی روحیں لیکر جنت کی جانب سبقت کرتے ہیں ایسے سابقات ہیں پھر کافروں کی روحوں کے لیے جہنم کے عذاب اور مومنوں کے جنتی ثواب کی تدبیر کرتے ہیں بعض علماؒ نے کہا کہ والنازعات غرقا کافروں کی روحیں جب نکالی جاتی ہیں تو اسکو ایسا نظر آتا ہو کہ وہ غرق ہو رہا ہے (تفسیر شیخ ابوالسعود) ترجمہ کتاب ہے کہ یہ کیفیت اس زمانہ میں بہت سے جوگی کفار بیان کرتے ہیں جنکو (تھیا سوئی) کہتے ہیں اور آسمین بہت سے یورپی و امریکن وغیرہ شامل ہیں چنانچہ کفار اپنے مراقبہ میں بیان کرتے ہیں کہ فلاں شخص جو ہماری جماعت میں سے مرگیا تھا مجھے اسکو بلایا تو اسنے آکر بیان کیا کہ میں اس ملک میں نہایت فرخی و خوشی میں ہوں اور جہاں تم لوگ موجود ہو وہ تنگ و ضیق ہے۔ ان حکایات کو اس فرستے کے بعض آدمیوں نے ایک کتاب نام رز مذہ جاوید

والنازعات اور النشاطات اور الساجات بالواو ہیں اور یہاں سے فالساقات بالفاء ہوتیہ کیا بات ہو جواب ہر جانی نے کہا کہ اس کا یہ سبب ہے کہ اس سے پہلے جو مذکور ہو وہ اس کا سبب ہو اور اسی سے یہ سبب نتیجہ نظر آئے۔ الساجات ہوئے تو الساقات ہوئے یعنی قسم ہو اس گروہ کی جو ساجات ہیں پس سبقت کرنے والے ہیں امام واحدی نے اس پر اعتراض کیا کہ یہ بات آگے نہیں بنتی ہو یعنی قولہ تعالیٰ فالمدبرات امرا۔ پس تدبیر کرنا کام کی یعنی قسم اُن ملائکہ کی جو اسور دنیا کا سر انجام حکم الہی بجا لاتے ہیں۔ ۷۷۔ اعتراض یہ کہ یہاں بالفاء ہوا اور پہلا امر یعنی الساقات اس کا سبب نہیں ہو کیونکہ الساقات ہونے سے یہ نتیجہ نہیں نکلا کہ کاموں کی تدبیر کرنے والے ہو جاویں۔ ہاں اول میں ہو سکتا ہو کہ ساجات یعنی تیز رفتار ہونے سے سبقت کرنے والے ہوئے رازی نے جواب دیا کہ امام واحدی کا اعتراض اس طرح دفع ہو سکتا ہو کہ گروہ ملائکہ کو حکم ہوا تو ساجات ہوئے یعنی تیز رفتار ہوئے پس سبقت کرنے والے ہو گئے پس جا کر حکم بجا لائے یہ سب کام آگے پیچھے ملے ہوئے ہیں جیسے کہتے ہیں کہ کھڑا ہو کر جا کر بکر کو مارا جب ملائکہ نے فرا تیر دی کی اور فرمانبرداری میں جلدی کی تو انکی امانت داری و خدمت ظاہر ہوئی تو انکو تدبیر عالم سپرد ہوئی۔ رازی کے جواب میں یہ خدشہ ہو کہ ساجات تو البتہ سبقت کا سبب ہو سکتا ہو لیکن سبقت کچھ تدبیر کرنا سبب نہیں ہو بلکہ سبقت کے ساتھ تدبیر مل گئی اور یہ اتفاقی ہو جیسے کہیں کہ نہ کھڑا ہو کر گیا پھر سو رہا یا کھانا کھا یا یہاں کھڑا ہونا تو جانے کا سبب ہی نہیں بلکہ جانی کے لازم نہیں کہ سو رہے یا کھانا کھاوے لیکن اسے اتفاق سے انکار کردہ انجام نہ پالیں اس مقام پر یہ کہنا بہتر ہے کہ اول میں (واو) سے عطف ہے اور یہاں (فا) سے عطف ہوا اس لیے کہ الساجات۔ سبقت ہے۔ تو۔ فالساقات۔ بقاء آیا اور اسی کی مطابقت میں (فالمدبرات) بالفاء ہو اور مطابقت کی حالت میں وجہ تلاش کر نیکی حاجت نہیں ہو کیونکہ کتہ و بان ہو نہ چاہتا تھا جب (واو) و (لف) مختلف ہوئے اور یہاں متحد ہیں (خلاصہ تفسیر سرت ف وغیرہ) قولہ تعالیٰ فالمدبر الامرا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور مجاہد و عطاء و ابو صالح و حسن بصری و قتادہ و ربیع بن انس و سدی تابعین نے کہا کہ مدبرات ملائکہ ہیں۔ حسن نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آسمان سے زمین تک کاموں کو بناتے ہیں ابن کثیر نے کہا کہ بیان ان علماء سلف میں سے کسی نے اختلاف نہیں کیا کہ مدبرات ملائکہ ہیں امام ابن جریر نے والنازعات۔ سے لیکر مدبرات تک سلف کے اختلافی اقوال روایت و نقل کیے لیکن خود کسی قول کی تقویت و ترجیح نہیں بیان کی (تفسیر ابن کثیر) حضرت علی سے روایت ہو کہ مدبرات ملائکہ ہیں کہ ایک سال سے دوسرے سال تک مخلوقات کے امور حکم الہی تعالیٰ بناتے ہیں ترجیح کہتا ہو کہ شروع سال سین لیلة القدر سے ہوتا ہو چنانچہ قولہ تعالیٰ فیہا یفرق کل امر حکیم الآیہ کی تفسیر میں ذکر ہو چکا ہو اور آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ انا انزلناہ فی لیلة القدر کی تفسیر میں مفصل بیان آویگا اور لیلة القدر پیشیہ رمضان میں ایک رات ہوتی ہو اور یہ جو عوام میں شعبان نصف رات تاہم شب برات مشہور ہو تو اسکو شب قدر کہنا غلط ہو لیکن وہ مبارک رات جو اس میں عبادت وغیرہ کی فضیلت وارد ہو بعض ملکوں میں یہ رسم ہو کہ اس رات مقابر میں چراغ ملے جاتے ہیں تو فتاویٰ عالمگیری وغیرہ میں منقول ہو کہ یہ بُری عادت ہے۔ ۷۸۔ بالجملہ شروع سال لیلة القدر سے ہے اور بعض روایات میں تفصیل ہے کہ جو کچھ اس سال میں ہو وہ ان کے او سکے نوشتہ لوح محفوظ سے ملائکہ کو مل جاتے ہیں اور وہ اپنے ماتحتوں کو ہانہ و روزانہ دیتے ہیں۔ ۷۹۔ یہ بات قطعا معلوم ہو کہ ملائکہ کو حسب طرح حکم ہوتا ہو اسی طرح اون سے پورا ہو جاتا ہو ہرگز کسی طرح او میں کچھ حلل یا خطا یا روک نہیں ہو سکتی ہو کہیں یہ ملائکہ سالانہ احکام الہی کو مخلوقات میں تفصیل کرتے ہیں اور فتح البیان میں مذکور ہو کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مدبرات وہ ملائکہ ہیں جو ملک الموت کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں بعضے تو مردہ کی روح کو اوپر چڑھا کر لے جاتے ہیں اور بعضے دعا پڑھتے ہیں کہتے ہیں اور بعضے میت کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اس پر نماز پڑھ کر دفن کریں (اف) حدیث میں آیا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میت پر رونے والے کو سمجھایا کہ اپنے حق میں بُرے کلمات نہ کہیں کیونکہ جو کہتے ہیں ملائکہ اوپر آئیں کہتے ہیں۔ ۸۰۔ خطیب نے لکھا کہ عبد الرحمن بن سابط تابعی نے کہا کہ دنیا میں چار فرشتے کاموں میں

جنت کی جانب سبقت کی۔ ربیع بن النضر نے کہا کہ سابقات سے مراد مومنین کی روحیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے شوق میں ملائکہ موت کی طرف سبقت کیا کرتے ہیں خطیب وغیرہ نے ربیع ص کے قول کے مانند حضرت ابن مسعودؓ سے نقل کیا کہ مومنین کی روحیں جب موت کے وقت رضوان و کرامت و سرور جنت و بقیۃ میں تو ملک الموت کی طرف خود سبقت کرتی ہیں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ سابقات ملائکہ ہیں کہ مومنوں کی ادعائ کو عالم بالا کی طرف حضوری میں لے جانے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت کرتے ہیں (ف) مخرج کتا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں تھے جب آپ نے سمع اللہ من حمدہ کہا تو ایک صحابی نے کہا اللہم ربنا لک الحمد ا کثیرا طیباً مبارکاً فیہ۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو فرمایا کہ میں نے جماعت ملائکہ کو دیکھا کہ ہر ایک نے سبقت کی کہ اس کلمہ کو لے جاوے یہ حدیث بعض صحاح میں ہے اور مرویہ کہ ملائکہ اس طرح مومنوں کے اعمال خیر لے جانے میں بھی سبقت کرتے ہیں اور حدیث ابن عباسؓ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خواب بیان فرمایا کہ میں نے اپنے رب تبارک و تعالیٰ کو نہایت خوب صورت میں دیکھا۔ فرمایا کہ اے محمد تجھے معلوم ہے کہ عالم بالا کے کس چیز میں اختتام کرتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے نہیں معلوم ہے پس رب تبارک و تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا تھے کہ میں نے اس کی خشکی اپنے سینہ میں پائی پس مجھے معلوم ہو گیا جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے رب تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمد تجھے معلوم ہے کہ ملائکہ اعلیٰ کس بات میں سبقت کرتے ہیں میں نے عرض کیا کہ ہاں کفالات و درجات میں سبقت کرتے ہیں اور کفالات یہ ہیں کہ بعد نماز کے مسجد میں منتظر بیٹھنا اور پیدل جماعت نماز کی طرف جانا اور دشوار و مقرون میں پورا وضو کرنا اور جیسے اس پر عمل کیا وہ بھلائی کیسا تھا زندہ رہا اور بھلائی پر مراد اپنی خطاؤں سے ایسا پاک ہوا جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے اور فرمایا کہ اے محمد جب تو نماز سے فارغ ہو تو کہہ کر

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِينِ وَإِذْ أَرَدْتَ بَعْدَ ذَلِكَ الْفِتْنَةِ قَاقِضُنِي إِلَيْكَ غَيْرَ مَفْضُونٍ۔ اکی میں تجھے مانگتا ہوں کہ مجھے نیکیاں کرنے کی اور برائیاں چھوڑنے کی اور مسکینوں سے محبت رکھنے کی توفیق عطا کر اور جب تجھے اپنے بندوں کے حق میں فتنہ منظور ہو تو مجھے بغیر فتنہ میں پڑنے کے مقبوض فرما لے اور کہا کہ درجات یہ ہیں کہ سلام ہر مسلمان پر کرے (خواہ اس کو پہچانتا ہو یا نہ پہچانتا ہو) اور طعام کھلاوے اور جب رات میں لوگ خواب غفلت میں ہوتے ہیں اس وقت نماز پڑھے۔ اس حدیث کو ترمذی و احمد وغیرہ نے روایت کیا ترمذی نے کہا کہ اسکی اسناد اچھی ہے اور ابن الجوزی نے علل تنہا میں کہا کہ امام احمد کی روایت بائنا حسن ہے مخرج کتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سبحانہ کا خواب میں نہایت پاک صورت میں دیکھنا تجلی صوری کی قسم سے ہے اور یہ بات علمائے محققین کے نزدیک جائز ہے اور حدیث عصا قیامت میں بھی صوری تجلی واسطے مومنوں کے صحاح کی حدیث میں صحیح ہے اور اسی تجلی صوری کے ساتھ میں ہاتھ کا ذکر موزون ہو ورنہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہو کہ اس کے واسطے جسم و اعضا ہوں پھر اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ملائکہ اعلیٰ یعنی مقررین ملائکہ سبقت کرتے ہیں ان اعمال خیر کی جانب جو مذکور ہوے اور مرویہ کہ بنی آدم میں سے مومنین جب یہ اعمال صالحات بجا لاتے ہیں تو ملائکہ اعلیٰ والے ان اعمال کے چرھانے میں یا تربیت کرنے میں سبقت کرتے ہیں اس لیے کہ یہ مراد نہیں ہو سکتی ہے کہ ملائکہ اپنے گناہوں کے کفارات اس طرح بجا لاتے ہیں کیونکہ ملائکہ میں گناہ کی نیکی صلاحیت ہی نہیں ہے جیسے چاند سورج میں یہ لیاقت نہیں ہے۔ ہاں آسمانوں میں ملائکہ عبادات جماعت ادا کرنے میں اجتہاد و حوص کرتے ہیں اور حرص ان میں سبقت ہے کہ نہ نفسانی مادہ ان میں نہیں ہے و فافہم و اللہ سبحانہ تعالیٰ علم خطیب وغیرہ نے لکھا کہ قناد نے کہا کہ سابقات یہ نجوم ہیں جو زقار میں بیٹھے آگے اور بیٹھے پیچھے ہیں۔ عطا نے کہا کہ سابقات وہ گھوڑے ہیں جو راہ الہی میں جہاد کرنے والوں کے پیچھے سبقت کرتے ہیں اگر کہا جاوے کہ اول میں

اور عطاء بن ابی رباح نے کہا کہ کشتیان ہیں (تفسیر ابن کثیر) مجاہد اور قتادہ نے مثل سابق کے یہاں بھی اپنا اپنا قول بیان کیا اور میں نے اسکی تاویل بیان کر دی جو واللہ تعالیٰ اعلم۔ مر۔ اور قوی تفسیر جس پر اعتماد ہو یہ ہو کہ مساجات ملائکہ ہیں اور بعض نے کہا کہ اسلئے یہ وصف بیان فرمایا کہ وہ مخلوقات کے اجسام میں پیر جاتے ہیں تاکہ اوکی روحیں نکال لاوین جیسے غوطہ خور سمندر میں موتی نکالنے کو پیر جاتے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ ملائکہ رحمت مومنوں کے اجسام میں لطف و نرمی سے داخل ہو کر انکی پاکیزہ روحیں نکال لاتے ہیں اور حضرت علیؑ کے قول سے ظاہر ہوا کہ مساجات انکی تیزی و خوبی ہو جب ارواح مومنین کو زمین سے آسمان کو لیجائے ہیں اور ترجمہ کے نزدیک یہ اقویٰ ہو اسلئے کہ سہولت سے روح نکالنا تو ناشطیات سے معلوم ہو چکا ہو واللہ اعلم۔ مجاہد و ابوصالح سے روایت ہو کہ مساجات ملائکہ ہیں جو تیزی کے ساتھ آسمان سے روان ہوتے ہیں تاکہ احکام الہی ادا کریں مجاہد سے یہ بھی روایت ہو کہ مساجات موت ہو جو آدمی کے بدن میں پیر جاتی ہو اقول موت ایک چیز ہو اور یہی اہل اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے اور متخلل خبرہ و بعثتوں کے خیال کیا کہ مرجائے کا نام موت ہو اور یہ ان لوگوں کے اندھے ہو نیکیا خیال ہے۔ مر۔ بعض نے کہا کہ یہ جہاد کے گھوڑے ہیں جو رات حق میں تیزی سے روان ہوتے ہیں حسن و قتادہ نے مساجات سے ستارے چلنے والے مراد لیے جو اپنے اپنے فلک کے اپنے بروج میں موافق تقدیر الہی کے سیر کرتے ہیں۔ یہ خطیب نے کہا کہ جیسے سورج و چاند اور عطاء نے کہا کہ کشتیان ہیں جو سمند میں پیرتی پھرتی ہیں اور انے اللہ تعالیٰ کے آثار قدرت ظاہر ہیں (معالم و مسراج و بیضاوی وغیرہ) امام رازی نے یہاں اپنی عقلی خیال کو بھی لیا اور کہا کہ مفسرین کے اقوال تو معلوم ہو چکے اور میرے نزدیک یہاں ایک بات دوسری ہو اور اسکا بیان یہ ہو کہ ملائکہ میں بہتین ہوتی ہیں ایک یہ کہ انہیں بہت سی مکہ جنہیں نہیں ہیں اور بہت سی عمدہ چیزیں موجود ہیں مثلاً ان میں شہوت و غضب و دہر اخلاقی و موت و حیات و بیماری و بدن کا اخلاط خون و صفراء و طبع و سودا وغیرہ نہیں ہوتی ہیں بلکہ وہ جو اہر روحانی ہیں پس قولہ تعالیٰ والنازعات عرقا۔ ملائکہ کی صفات میں سے ہے کہ وہ لوگ ان چیزوں سے بالکل پاک ہیں اور قولہ تعالیٰ والناشطات نشطا۔ سے معلوم ہوا کہ ملائکہ ان چیزوں سے پاک ہوتے ہیں آدمیوں کی طرح اپنے نفس کو روک تمام نہیں کرتے ہیں بلکہ انکی ذاتی خاصیتیں پاکیزہ ہیں۔ قولہ تعالیٰ والاسجات سجا۔ ملائکہ میں بہت موجود ہو کر ابتدا سے فطرت میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح قدس میں پیرتے رہتے ہیں اور انکو معرفت حاصل ہو اسبطح قولہ تعالیٰ فاسابقات سبقا۔ ان ملائکہ کی عملی قوت کا بیان ہو کہ خدمت عالم میں امور الہیہ کی تدبیر کرتے ہیں۔ یہ تفسیر کبیر کا خلاصہ ہو اور رازی نے اس خیال کو رنگین عبارت میں ادا کیا ہو لیکن خیال سے زیادہ نہیں اور معرفت سے ساتھ ہو اور حق یہ ہو کہ یہ نام ملائکہ کی صفات ہیں اور انکی صفت ہونا بہت وجہ سے ہو اور موت و بروج و کشتیان سب میں قواسم کیہ کو دخل ہو فانہم واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم قولہ تعالیٰ۔ فاسابقات سبقا پھر آگے بڑھ جائے والے سبقت کر کے۔ مر۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور مسروق و مجاہد و ابوصالح و حسن بصری تابعین نے کہا کہ یہ بھی گروہ ملائکہ ہیں حسن بصری نے کہا کہ مسابقات اس وجہ سے نام ہوا کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ پر ایمان و تصدیق میں سبقت کی ہو مجاہد سے یہ بھی روایت ہو کہ سبقت نے کہا کہ مسابقات اس وجہ سے نام ہوا کہ جہاد کے گھوڑے ہیں (تفسیر ابن کثیر) جمہور علماء سلف و خلف کو سنوالی موت ہو۔ قتادہ نے کہا کہ ستارے ہیں اور عطاء بن ابی رباح نے کہا کہ جہاد کے گھوڑے ہیں البتہ اقوال ہیں مسروق و مجاہد سے روایت ہو کہ انبیاء کے قول میں مسابقات سے ملائکہ مراد ہیں۔ اب انکی سبقت کے وجہ بیان کرنے میں البتہ اقوال ہیں مسروق و مجاہد سے روایت ہو کہ انبیاء علیہم السلام تکے حی ہو چکے ہیں ملائکہ نے شیاطین پر سبقت کی یعنی شیاطین اپنے وساوس کو انبیاء علیہم السلام تک نہیں لاسکتے ہیں۔ ابوروق و مجاہد نے کہا کہ ملائکہ نے نیک کاموں میں آدمیوں پر سبقت کی۔ مقاتل نے کہا کہ ملائکہ نے ارواح مومنین کو لیکر

دور کر دیا مترجم کہتا ہے کہ اگر بیان یہ معنی ہوں تو (الناشطات نشطا) کے یہ معنی ہوئے کہ بندش کرنے والے ایک طرح کی بندش سے۔ اور یہ بھی ملائکہ کی صفت ہے کہ جب کافروں کی رو حین نکالتے ہیں تو حدیث میں آیا ہے کہ ٹاٹ کھل میں لپیٹ کر لیجاتے اور ایک حدیث میں ثبوت ہے کہ سجن میں اپنے بھنسن کے ساتھ جکڑ دیے جاتے ہیں پس شاید یہ بھی معنی مراد ہوں والہ نقالے علم۔ مجاہدؒ نے کہا کہ ناشطات موت ہے جو نفس انسان کو نشط کرتی ہے اقول ناشطات جمع باعتبار ہر ایک کی موت کے ہوگی اور موت ہر مخلوق کی جان کو نشط و جذب کرتی ہے ابو عبیدہؓ جو عالم لغت وغیرہ ہیں ان سے روایت ہے کہ ناشطات وحشی جانور ہیں جو ایک جنگل سے دوسرے جنگل میں نشط کرتے یعنی چلے جاتے ہیں مترجم کہتا ہے کہ میں نے اوپر بیان کر دیا کہ ایسے اقوال سے اس مقام کی تفسیر مراد نہیں ہوتی ہو بلکہ جیسے عالم آخرت میں ارواح کی حالت ہے اور اس کی نظیر وحوش جانور ہیں پس فائدہ یہ نکلا کہ انسان وغیرہ مخلوقات کبھی فنا نہیں ہوتے ہیں بلکہ ملائکہ جب اونکو حکیم الہی سبحانہ تعالیٰ موت دیتے ہیں تو کفار کی رو حین عالم برزخ کے لباس میں بیان سے وہاں چلی جاتی ہیں جیسے وحشی جانور ایک جنگل سے دوسرے جنگل میں چلے جاتے ہیں ان کے واسطے کچھ کرامت و عقل نہیں ہے اور حدیث معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ تو درندگی کا برتاؤ لوگوں کے ساتھ نہ کیجیو مجھے جہنم کے کتے نو حین اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ والناشطات نشطا۔ تو جانتا ہے کہ ناشطات کیا ہیں میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ناشطات کیا ہیں آپ نے فرمایا کہ جہنم میں آتشی کتے ہیں جو گوشت ہڈی نوچتے ہیں۔ اس حدیث کو ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں دہرایا ہے کہ اس کی اسناد اور راویوں کا حال مجھے معلوم نہ ہوا اور یہ بات ظاہر ہے کہ روایت غریب ہے اور اگر ثبوت ہو تو یہ معنی نہیں ہیں کہ اس آیت کی تفسیر بیان فرمائی بلکہ آیت میں نشط نہ کہو تو جیسے ملائکہ نشط کرتے ہیں اور بدکاروں و کافروں کی رو حین نو حیکر جسم سے نکالتے ہیں اور اسید طرح جہنم میں درندے ہیں جو کوئی بیان درندگی کرے گا کہ لوگوں کی آبرو بچاڑے اور ان کے بدن بچاڑے اور یہ ظلم و برہمگی کرے تو اس کی سزا یہ کہ جہنم میں درندے اور سکو بچاڑینگے اور آیت کی تفسیر اور بیان ہو چکی کہ ناشطات بھی ملائکہ ہیں جو ارواح کو نشط کرتے ہیں اور اگر نشط کے عام معنی مجاہدی لیے جاویں تو کافروں کی رو حین کو جھٹک کر نکالتے ہیں اور مومنوں کی رو حین نشاط و سہولت سے نکالتے ہیں تو لہ تعالیٰ والسا بجات سجا۔ یہ بھی قسم کے تحت میں ہے یعنی قسم پیرنے والوں کا جو ایک شان سے پرے ہیں ابن کثیرؒ نے لکھا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ ملائکہ ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور مجاہد و سعید بن جبیر و اوصال رحمہم اللہ تعالیٰ سے اس کے مثل روایت ہے (تفسیر ابن کثیر) حضرت علیؑ نے کہا کہ ساجات ملائکہ ہیں جو مومنین کی رو حین لیکر زمین سے آسمان کی جانب سیر کرتے ہیں (ان کلمی) نے کہا کہ اسکے یہ معنی ہیں کہ مومنین کی رو حین نکالنے میں پیرنے کی کیفیت ظاہر ہوئی ہے جیسے پانی میں پیرنے والا کبھی غوطہ لگاتا ہے اور کبھی ابھرتا ہے پس ملائکہ بھی اس طرح مومنین کے بدن میں پیرتے ہیں اور نرمی و سہولت سے روح نکالتے ہیں پھر باہر لا کر اسکو آرام کرنے کے لیے بٹھلاتے ہیں (خطیب) مترجم کہتا ہے کہ کلمی نے حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے قول کو اپنی رائے کی طرف پھیر لیا اور صحیح معنی یہ ہیں کہ ناشطات جب ارواح مومنین کو لطف و ملائمت سے نکال لیتے ہیں تو تحریر میں لیکر جانب آسمان روانہ ہوتے ہیں جیسے پیرنے والا نہایت لطف سے پیرتا ہے اور جیسے پیرنے والا گھوڑا وہ جو تیز روانہ ہوتا ہے اور سوار کو کچھ بھی تکان نہیں ہوتا اس طرح ملائکہ رحمت بندہ مومن کی روح لیکر تیزی سے جانب آسمان چڑھ جاتے ہیں کہ دم کے دم میں وہاں پہنچ جاتے ہیں اور انکی تیزی حضرت باری تعالیٰ میں عمدہ خدمت ہے کہ حضور رب العزۃ جل شانہ میں اسکی مخلوقات میں سے وہ مخلوق لائے جسکو حضرت باری تعالیٰ محبوب رکھتا ہے واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ مجاہدؒ سے یہ بھی روایت ہے کہ ساجات موت ہے اور قتادہ رحمہ نے کہا کہ یہ ستارے ہیں

میں ہو گیا مترجم کہتا ہو کہ ان سب احوال میں میرے نزدیک اختلاف نہیں ہو بلکہ ظاہر تفسیر وہ ہو جو اول میں شیخ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اکثر صحابہ و
ابین و علماء سے نقل کی کہ نازعات ملائکہ ہیں جو کافروں کی روحیں سختی کے ساتھ کھینچتے ہیں تو دور سے اس زمین پر تماشہ دیکھنے والا دیکھے گا
بعض نفوس نکلے پھر غرق و غائب ہوے جیسے سارے افق میں نکلے اور ڈوب جاتے ہیں جیسے حسن و قداۃ نے اشارہ کیا اور یہ کیفیت
و حقیقت نفوس سے دکھلائی دیتی ہو جنکو نازعات نے کھینچ کر نکالا اور غرق کیا ہو اور باعث اسکا موت ہو اور ملائکہ نازعات کے مانند مجاہدین
کا حال ہو جو کافروں پر کمانیں کھینچتے ہیں اسلحا سے حدیث میں ہو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی صفین جو بادین اور نازمین مثل صف ملائکہ
ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے آخرت و قیامت کے نظائر اس دنیا میں کثرت ظاہر فرمائے ہیں پس کلام باری تعالیٰ اس نہاے بلاغت پر ہو کہ ایک
آیت میں یہ سب نظائر مجموع ہیں بلکہ جن کو اللہ تعالیٰ نے علم حکمت عطا فرمایا ہو وہ آیات ایسے ہیں نظائر و عجائب سمجھتے ہیں جیسے فضیلت
قرآن میں حدیث علیؑ سے مذکور ہو کہ قرآن کے عجائب کبھی ختم نہیں ہونگے فافہم خطیب وغیرہ نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ و النازعات غرقا قسم
ہے سخت کھینچنے والوں کی جو بھر پور کھینچتے ہیں یعنی قسم ہے اون ملائکہ کی جو کافروں کی جانیں اونکے اجسام سے شدت اور سختی کے ساتھ
اس دور سے کھینچتے ہیں جیسے قوی تیر انداز اپنی کمان کو پوری کشش پر کھینچ کر چھوڑتا ہو حتیٰ کہ تیر کی ہار دار نوک کھینچ کر کمان کی پشت سے لگ
جاتی ہو پھر چھوڑ دیتا ہو اسطرح فرشتہ بھی کافر کی روح کو ایک بارگی شدت کھینچ لیتا ہو حتیٰ کہ جب نکلنے لگی تو چھوڑی کہ پھر جانتا کہ پھیل سکتی ہو
جسم میں دوبارہ پھیل جاتی ہو تو پھر اسکو دور سے کھینچتا ہو یعنی اسطرح غضب کے ساتھ کافروں کی روحیں کھینچتے ہیں انکا بڑاؤ ہوتا ہے
تو لہ تعالیٰ و النازعات نشطا۔ یہ نازعات پر عطف ہو اور قسم کے تحت میں داخل ہو اور معنی یہ کہ قسم ناشطات کی جو نشطا کرتے ہیں یعنی قسم
اون ملائکہ کی جو مومنین کی روحیں کھینچتے ہیں یعنی بہت نرمی و ملائمت و مہربانی سے نکال لیتے ہیں جیسے اونٹ کے پاؤں میں بندان بندھا ہوتا
وہ نرمی سے نکال لیا جاتا ہو تو وہ کھلے بند ہو جاتا ہو اور عرب میں نشطا کا محاورہ ایسے موقع پر ہو کہ جہان کھل جانے سے خوشی ہو جیسے اونٹ
کھل کر خوش ہوتا ہو۔ ابن عباسؓ سے روایت ہو کہ یہ مومنین کی روحیں ہیں کہ موت کے وقت باہر نکل آتی ہیں اونکو نشاط و خوشی ہوتی ہو کیونکہ
جنت کا پردہ اٹھا دیا جاتا ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشی و کرامت کی بشارت اسکو سنائی جاتی ہو پھر تفسیر اس صورت میں ہو کہ نشطا یعنی
نشاط ہو اور نشط کے معنی جذب کے بھی ہیں اور چلے جانے کا محاورہ بھی آتا ہو لہذا حضرت علیؑ سے روایت ہو کہ یہ بھی کافروں کے حق میں ہے
جناخ فرمایا کہ النازعات نشطا یہ ملائکہ ہیں جو کافروں کی روحیں کھال ناخن کے درمیان جھبکے نکال لیتے ہیں جسے غضب و غصہ کے ساتھ اس کے منہ
سے کھینچ لیتے ہیں خطیب وغیرہ مترجم کہتا ہو کہ اول صورت میں اور اس صورت میں فرق یہ ہو کہ اول صورت میں بغرق کا طریقہ تھا
اور بیان (نشطا) کا طریقہ ہے یعنی اول صورت میں اس طریقے سے نکالتے ہیں کہ کافر کی جان دور سے کھینچ کر کنارے لاکر پھر چھوڑ دیتے ہیں
اور اسطرح بار بار کرتے ہیں اور نشطا میں یہ طریقہ ہو کہ اول ناخن و گوشت سے نوچ کر روح جدا کرتے ہیں پھر کھال سے نوچ لیتے ہیں اسطرح
نوجے لاتے ہیں جسے کہ منہ سے باہر نکال لیتے ہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔ ہر سدی رحم نے کہا کہ ناشطات نفوس ہیں سے کف نفس و نوح و مویہ و نشطا
جذب کی جاتی ہو اقوال شاید یہ راہ ہو کہ ملائکہ ہیں جنکے نشط کے لیے نفوس ہیں یا ناشطہ معنی مفعول ہو جو نفس و ذیہ نام فافہم۔ اور قداۃ نے نازعات کی طرح
ناشطات میں کہا کہ سارے ہیں جو نشط کرتے یعنی ایک افق سے دوسرے افق پر تیری سے جاتے ہیں جو میری گئے کہ اپنے ایک سج سے دوسرے سج میں جاتے
ہیں (سراج) میں نازعات و ناشطات میں کیفیت کافروں کی نازعات تو اس کے طریح کا حال ہو اور ناشطات انکی رفتار کا بیان ہو اور فتح البیان میں ہے
کہ لہذا یہ ہے کہ نشط اگر دینا اور باندھنا مثلاً اونٹ کے پاؤں میں بندان باندھ دیا اور ناشط بندان کو کھولنا یا قول لہذا یہ ہے کہ نشط

نہیں تھا اور ابو قلابہ رحمہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض رہتے تھے اتفاقاً وہ سخت بیمار ہوا اور لوگوں نے ابو قلابہ کو خبر دی کہ اسکی حالت ابی نہیں ہو رہی ہے
 نے آخر ترس کھا کر اسکی عبادت کی اور دیکھا تو وہ بیماری کی شدت میں بیہوش ہو اور انکو معلوم ہوا کہ شاید یہ مر جاوے گا اس رات اُسی کے پاس قیام کیا اور
 کہتے ہیں کہ آخر رات میں یکایک میں نے دیکھا کہ دو سیاہ شخص بد صورت اس کے پاس کھڑے ہیں گو باادسکی نزع روح کے منتظر ہیں پھر غوری
 ویر گزری تھی کہ یکایک مجھے معلوم ہوا کہ چھت شق ہوئی اور وہ شخص نازل ہوئے جو سفید خوبصورت تھے اور انکے آتے ہی وہ دونوں سیاہی میں
 پائینی کی طرف دور کھڑے ہوئے اور یہ دونوں خوبصورت اس کے پاس بیٹھے پھر ایک نے سردار کے طور پر دوسرے کو حکم دیا کہ دیکھ اس میں کچھ
 خیر ہے اسنے یکایک اپنی چونچ اس کے پیٹ میں بھونک دی اور کچھ دیر کے بعد نکال کر کہا کہ میں نے اس کے سر سے پیر تک دیکھا مجھے کچھ
 نہیں ملا اسنے کہا کہ نہیں پھر غور سے دیکھ اسنے دوبارہ اسطرح کیا اور آخر کہا کہ میں نے کچھ نہیں پایا دوسرے نے کہا کہ یہ توبہ کی بات
 ہے کیونکہ یہ تو اہل مغفرت میں لکھا ہے پھر خود اسی طرح تلاش کیا تو بعد دیر کے کہا کہ سبحان اللہ اسکے گوشہ جگر پر دو گمیری جو اسنے قسطنطنیہ کی دیوار
 پر جہاد میں اللہ تعالیٰ کے واسطے لپی بھی۔ پھر منہ پھیر کر اون دونوں سیاہ شخصوں سے کہا کہ تم چلے جاؤ تم کو اس سے کچھ نصیب نہیں ہو
 وہ دونوں سیاہ کھڑے رہے اور نہیں گئے یکایک اس بزرگ نے پھر منہ پھیر کر انکو کھڑا دیکھا تو زور سے انکو ڈانٹا وہ بھاگ کر دروازے کے باہر چلے گئے
 اور تھوڑی دیر کے بعد ابو قلابہ کے بھتیجے کا انتقال ہو گیا۔ صبح کو ابو قلابہ نے یہ حال اہل محلہ سے بیان کیا اور لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی کمال رحمت کا شکر
 ادا کیا اور اس کے جنازے میں بر غبت و امید ثواب لپی جا کر شریک ہوئے (سیوطی وغیرہ) اس قسم کے روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاید ملک الموت کے
 ساتھ میں دونوں قسم کے علی علیہ السلام ملائے ہیں واللہ تعالیٰ اعلم پھر واضح ہو کہ نازعات و ناشطات کی جو تفسیر بیان ہوئی ہے وہی اکثر مفسرین کا قول ہے
 اور ابن کثیر نے کہا کہ یہی تفسیر صحیح ہے اور کہا کہ ابن عباس سے یہ بھی روایت ہے کہ (والنازعات) کافروں کے نفوس ہیں کہ وہ کھینچ لی جاتی ہیں
 پھر بند کھول دیے جاتے پھر آگ میں غرق کیے جاتے ہیں (رواد ابن ابی حاتم) مترجم کہتا ہے کہ واللہ اعلم اس سے کیا مراد ہے اور ایک حدیث میں
 آیا ہے کہ ہر آدمی کیساتھ میں ایک فرشتہ اور ایک ہزار شیطانی پیدا ہوتا ہے جب کافر مرنا ہو تو اسکی روح سبچیں میں لی جاتی ہیں اور ہزار چھوڑ دیا جاتا
 ہے یا نیک کہ قیامت کے روز اس کے ساتھ ہزار ہزار جہنم میں داخل کیا جائیگا۔ مد۔ شاید بند کھول دیے جانے سے مراد یہی ہزار ہوں واللہ تعالیٰ اعلم
 ابن کثیر نے لکھا کہ مجاہد نے کہا کہ والنازعات غرق موت ہو اور حسن البصری وقتادہ نے نازعات اور ناشطات سے نجوم مراد لیے اور عطاء بن
 ابی رباح نے کہا کہ یہ دونوں کمائیں ہیں جو جہاد میں زور سے اور آہستہ سے کھینچی جاتی ہیں (تفسیر ابن کثیر) مدی نے کہا کہ والنازعات غرق نفوس
 ہیں جو سینہ میں غرق ہوتے ہیں۔ مجاہد نے کہا کہ والنازعات موت ہو جو جان میں نزع کرتی ہے (صیغہ جمع باعتبار ہر مخلوق کی موت کے ہے) حسن روح
 وقتادہ روح نے کہا کہ نازعات نجوم لینے ستارے ہیں جو ایک کنارے آسمان سے دوسرے کنارے نزع کرتے ہیں لینے نخلتے ہیں پھر غائب ہو جاتے
 ہیں بعض نے کہا کہ مراد جہاد کرنے والے ہیں یعنی جو جہاد میں کمائیں نزع کرتے لینے سخت کھینچتے ہیں اور نازعات باعتبار جماعت کے ہو گویا اشاہد
 کہ ہر امت میں خوبی اسوقت ہے کہ اُس میں سے جماعتیں اٹھ کر جہاد میں اسطرح قائم ہوں اور عطاء و عکر نے کہا کہ نازعات خود نفوس ہیں اور حضرت علی
 و ابن مسعود سے روایت ہے کہ نازعات سے نفوس کفار مراد ہیں جنکو ملک الموت اُنکے جسم کے ہر مال و ناخن کے نیچے سے اور قدموں کی ہڈیوں سے
 نکالتا ہے اس سختی سے گھسیٹتا ہے جیسے گرم سچ کو بھیکے بالوں کے اندر سے کھینچتے ہیں پھر انکو غرق کرتا ہے یعنی دوبارہ انکے جسام میں بند
 و بخل کرتا ہے پھر اسکو زور کیساتھ کھینچ لیتا ہے اسطرح کافروں کے ساتھ اسکا برتاؤ ہوا السراج و معال وغیرہ) اخیر قول میں شاید نازعات
 نزع و مات مراد ہیں کیونکہ نفوس تو کھینچی ہوئی ہیں خود کھینچنے والی نہیں ہیں یا ملک الموت مع ساتھیوں کے مراد ہیں تو یہ بھی قول اول کے

ہیں اور اگر آسانی سے گویا بند کھول دیے تو ناشطات فسطاہن اس معنی کو ابن عباسؓ نے بیان فرمایا ہے کہ تسبیح جانا چاہیے کہ ظاہر میں جب آدمی کی روح نکلتی ہے تو کسی آدمی کو کرب و سکرانہ کی شدت ہوتی ہے وہ کسی آدمی کو بالکل سہولت ہوتی ہے اور عوام میں جماعت سے یہ شہور ہو کہ وہ کیا آسانی سے روح نکل گئی یہ شخص اگرچہ بدکار تھا مگر موت خوب پائی مترجم کہتا ہے کہ یہ عوام کا خیال ٹھیک نہیں ہے اس لیے کہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے تو اوسکے گناہوں کا کفارہ اس طرح کر لیا جاتا ہے کہ اوسکی روح نکالنے میں اوپر سختی نہ دینی جاتی ہے اور یہی اوسکا کفارہ ہو جاتا ہے پس وہ دنیا سے بالکل پاک صاف نکلتا ہے اور جسکے واسطے گناہوں کا کفارہ منظور نہیں ہے اوسکے واسطے یہ برتاؤ نہیں ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بہت سے بدکاروں کے اعمال ایسے خراب ہوتے ہیں کہ جان کنڈنی سے اوسکا کفارہ منظور نہیں ہوتا تو وہ آسانی اسکے حق میں وبال ہے اور حدیث ام المومنین عائشہؓ میں ہے کہ میں نے جب رسول اللہ صلعم پر کرب دیکھا تو پھر مجھے کسی شخص کی آسانی موت پر ہنس نہوئی۔ لیکن ایک بات جانتا ضرور ہے کہ مومن و کافر کی روح نکالنے میں سختی و قسم کی ہوتی ہے یعنی کافر کے حق میں سختی ہوتی ہے تو وہ ہر کافر کے واسطے لازم ہے اگر کسی کافر کی روح ظاہر میں سہولت سے نکلے ہو تو بھی وہ غضبناک طریقے سے نکالی گئی ہے اور مومن کی روح نکالنے میں رحمت کے فرشتے آتے ہیں پس اگر کسی مرد صالح کے واسطے روح نکالنے میں اوسکا کفارہ منظور ہے تو بھی ملائکہ رحمت اچھی اچھی صورت میں اوسکو ظاہر ہوتے ہیں اور اوسکو بشارت دیتے جاتے ہیں اور سختی سے روح نکالنے میں اس پر لطف و مہربانی ظاہر کرتے جاتے ہیں جیسے مہربان جراح کسی پیارے بچہ کا پھوڑا چیرتا ہے اور اوسکو مواد سے صاف کرنا ہے تو بیشک تندرستی اوسی میں ہے تو تکلیف دینا ہو لیکن پیار سے چمکارتا جاتا ہے تاکہ پاک ہو کر تندرست ہو جاوے اور اکثر لوگ جو مرض سل میں مرتے ہیں انکا خون بوجہ شدت حرارت کے بیماری میں جل جاتا ہے تو آخری وقت نزاع کی تکلیف کم ہوتی ہے جب یہ معلوم ہو گیا تو جانتا چاہیے کہ آیت میں نازعات سے کس قسم کا نزاع میں جل جاتا ہے تو آخری وقت نزاع کی تکلیف کم ہوتی ہے جب یہ معلوم ہو گیا تو جانتا چاہیے کہ آیت میں نازعات سے کس قسم کا نزاع (کھینچنا) مراد ہے اگر مطلقاً کھینچنا مراد ہے خواہ بطور غضب ہو یا بطور رحمت ہو تو اسمین تفصیل یہ ہوگی کہ مومن کے حق میں سختی سے کھینچنا رحمت ہے اور کافر کے حق میں غضب و شدت ہے اور ناشطات میں بھی مومن کے حق میں رحمت ہے اور کافر کے حق میں وبال ہے لیکن لازمی وغیرہ نے نازعات کو کفار کے واسطے مخصوص کیا اور ناشطات کو مومنوں کے واسطے مخصوص کیا چنانچہ لکھا قولہ تعالیٰ والنازعات غرقاً۔ ملائکہ ہیں جو آدمیوں کی روحیں کفار کے واسطے مخصوص کیا اور ناشطات کو مومنوں کے واسطے مخصوص کیا چنانچہ لکھا قولہ تعالیٰ والنازعات غرقاً۔ ملائکہ ہیں جو آدمیوں کی روحیں کھینچتے ہیں پس جب کافروں کی روحیں نکالتے ہیں تو بہت سختی سے کھینچتے ہیں اقوال جیسے قولہ تعالیٰ ترشق انفسم وہم کافرون۔ یعنی سختی سے اونی جانیں کھینچ لیا ورنہ در حالیکہ وہ کافر تھے۔ اور حدیث میں ہے کہ اس طرح کھینچتے ہیں جیسے بھگے بالون میں گرم سنخ لپیٹی ہوئی ہو اور وہ پٹنجی جاوے۔ اور عرب میں محاورہ ہے کہ نزع فی القوس فاغرق۔ یعنی کہاں کو کھینچنے میں اغراق کیا یعنی نہایت قوت سے پوری حد تک کھینچ دی اور غرق۔ اور عرب میں محاورہ ہے کہ نزع فی القوس فاغرق۔ یعنی کہاں کو کھینچنے میں اغراق کیا یعنی نہایت قوت سے پوری حد تک کھینچ دی اور غرق۔ اور عرب میں محاورہ ہے کہ نزع فی القوس فاغرق۔ یعنی کہاں کو کھینچنے میں اغراق کیا یعنی نہایت قوت سے پوری حد تک کھینچ دی اور غرق۔

دعوات دونوں بمعنی واحد ہیں اور نشط کے معنی جذب کرنا اور نشط و انشا ط ایک معنی ہیں چنانچہ جب ڈول کو آسانی سے نکالتے ہیں تو نشط بولتے ہیں۔ ناشطات سے وہ ملائکہ مراد ہیں جو مومن کی روح کو نرمی و آسانی سے کھینچتے ہیں اور حالت میں یہ کہ نازعات اور ناشطات سے ملک الموت اپنے ساتھی ملائکہ مراد ہیں لیکن نازعات اس کی اس صفت کا اشارہ ہے جو جس صفت سے کافروں کی روحیں کھینچتے ہیں اور ناشطات سے مومنوں کی ارواح قبض کرنے کی کیفیت مراد ہے (تفسیر کبر) واضح ہو کہ حدیث میں ثابت ہے کہ کافروں کی روحیں قبض کرنے میں ملائکہ ظاہر ہوتے ہیں تو انکی صورتیں ہولناک ہوتی ہیں اور مومنوں کی روحیں قبض کرنے میں خوبصورت ہوتی ہیں پس مختل ہے کہ (ای۔ بی۔ سی۔) ملائکہ دونوں طرح ظاہر ہوتے ہوں کیونکہ ملک الموت ایک ہیں اور مختل ہے کہ ملک الموت بحال خود ہوں اور انکے ساتھ میں دو قسم کے ملائکہ ہوں اور ای کے واسطے آثار دیگر ظاہر ہیں واللہ اعلم چنانچہ بلند حید روایت ہے کہ ابو قتیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ جو ثقات تابعین کبار میں سے ہیں کہتے ہیں کہ انکا ایک بھتیجا تھا جو دین میں پیش قدمی کرتا تھا

يَوْمَئِذٍ وَاجِفَةٌ أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ يَقُولُونَ عَرَانَا لِمَ رُدُّدُونَ فِي
 الْحَافِرَةِ عَرَا إِذَا كُنَّا عِظَامًا خَيْرَةً ۖ قَالُوا نِلِكَ إِذَا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ
 قَائِمًا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ فَإِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ

اس دن دھڑکتے ہیں اور کہتے ہیں تو نے ہم کو کھڑکی سے
 اٹھائے پانوں کیا جب ہر چکین ہم پڑیاں کھوکھی بولے تو تو پھر ہم بھر آ رہے
 سو وہ ایک جھڑکی ہے پھر نہیں آ رہے میدان میں

بِسْمِ اللَّهِ - شروع ہوا اللہ تعالیٰ کے نام سے ف جبکہ علم محیط کائنات ہے۔ اَلرَّحْمٰنِ - جسکا انعام شامل عام وجود
 ۱۔ التَّوْحِيدِ - جسکی خاص رحمت سے اس کے اولیاء داخل حیات ہیں (سراج) ۲۔ وَالتَّزْعُتِ عَرْقًا وَالنَّشِطِ
 نَشْطًا وَالسَّجَاتِ سَجًّا فَالسَّيْفُ سَبَقًا فَالْمَدَّ بَرَاتٍ أَمْرًا يَوْمَ تَرْجَفُ
 الرَّاحَةُ تَتَّبِعُهَا الرَّادِفَةُ قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَاجِفَةٌ أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ -
 قسم ہے گینچ لانے والوں کی ڈوبکر اور بند چھڑانے والوں کی کھول کر اور پیرنے والوں کی اچھی شان سے پیرنا پھر آگے بڑھ جائے
 والوں کی سبقت کر کے پھر کام بنانے والوں کے حکم سے کہ جسد لرزے لرزے والی اس کے پیچھے لگے دوسری توبت سے دل
 اس روز دھڑکتے انکی آنکھیں ذلیل پڑی ہونگی ف اللہ تعالیٰ نازعات و ناشطات و ساجات و ساقات و مدبرات کی قسم
 کھا کر فرماتا ہے کہ جسد پہلے صور ہو گئے سے لرزہ موت طاری ہوگا اور اس کے پیچھے دوسرا صور پھونکا جاوے گا حتیٰ کہ تمام اولین و آخرین
 مخلوقات زندہ اٹھ کھڑی ہونگی تو اس روز بہت دلون کی یہ کیفیت ہوگی کہ عذاب جنم کے خوف سے دھڑکتے ہوئے اور آسمان و زمین کے
 پر باد ہونے سے اونکی آنکھیں زلت و خاری میں پھرائی ہونگی اور یہ کافروں و بے ایمانوں کے دل میں کیونکہ بعد موت کے کافروں کو معلوم ہوگا
 ہے کہ قیامت آوے گی اور اسکو عذاب جہنم اٹھانا ہوگا اور حدیث میں ہے کہ قبر میں رہنے عالم برزخ میں کافر دعا مانگا کر تاج کی قیامت قائم نہ ہوگی
 لیکن یہ اسکی آرزو پر باد ہو اور غریب وقت آتا ہے کہ قیامت قائم ہو تو اس وقت قبر سے اٹھتے ہی اسکو معلوم ہوگا کہ ہاں قیامت آگئی
 اور اسوقت آسمان بھٹنا و سارے لڑ پٹا و سورج و چاند کا نور مٹنا شروع ہوگا تو اسکی آنکھیں نہایت خوری میں ذلیل ہونگی (اقوال مفید)
 شیخ ابن کثیر نے لکھا کہ حضرت ابن مسعود و ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اور مسروق و سعید بن جبیر و ابوصالح و ابوالفتح و سدی وغیرہ
 تابعین نے فرمایا کہ قرآن و النازعات غرقا۔ ملائکہ ہیں (ع) اگر کہا جاوے کہ نازعات صیغہ لم یؤنث ہو اور ملائکہ نہ مذکر نہ مؤنث ہیں پھر
 نازعات و ناشطات وغیرہ کس معنی میں فرمایا (جواب دیا گیا) کہ یہ سب اقسام ملائکہ کے گروہ ہیں اور گروہ لفظی جمع مؤنث ہے اسلیے لفظ میں
 و النازعات غرقا۔ آیا اور (واو) قسم ہے اور آئینہ و او عطف ہے اور نازعات کہنے والے جیسے آدمی کماں کو زور سے کھینچتا ہے (س ف) اور
 جن صحابہ و تابعین کے نام اور پند کو میں اونکی مراد یہ ہے کہ نازعات وہ ملائکہ ہیں جو بنی آدم کی روحیں کھینچتے ہیں پس جس آدمی کی روح کو زور سے غرق
 ہو کر کھینچتے ہیں تو یہ ہے نزع غرقا۔ یعنی ڈوب کر کھینچنے والے اور بعضوں کی روح کو آسانی سے کھینچ لیتے ہیں لہذا فرمایا۔ و النازعات نشاط۔ یعنی
 اور قسم ہے بند پھرنے والوں کی کھول کر گویا یہ روح اپنے بدن میں بندش سے جکڑی تھی اسکو کھول دیا جیسے اونٹ کو بندش سے کھول
 دیتے ہیں بالجملہ و النازعات غرقا و النازعات نشاط۔ میں دو قسم سے روح کھینچنے کا بیان ہے۔ اگر زور و سختی سے روح کھینچی تو نازعات غرقا

آج دنیا میں سمجھتا ہوں کہ وہ کچھ شے ہیں گزر گئے انکا نشان کمان ہر وہ سب اپنے مقام پر موجود ہیں جب قیامت کا روز ہوگا تو آدمی کو اپنے ہاتھوں کے کیے دھرے سب کام ذرہ ذرہ سامنے نظر آویں گے کیا قال تعالیٰ وجہ واما علوا حاضر جو کچھ انھوں نے کیا تھا سب سامنے حاضر پایا۔ بعض علمائے کہا کہ حاضر پانے کی یہ صورت ہو کہ کراما کا تبیین نے نامہ اعمال میں لکھ لیا ہو وہ اس کے سامنے پیش ہوگا اور حق یہ ہو کہ جو سیلوٹی نے بدرور السافروہ میں نقل کیا کہ محققین علماء کے نزدیک یہ سب اقوال و افعال جو دنیا میں نظر نہیں آتے ہیں سب جودات ہیں جو حق ہی نظر آویں گے اور یہی احادیث صحیحہ میں ثبوت ہو اور یہی اعمال قبیحہ کا فرون پر جنم میں طرح طرح کے عذاب ہیں اور مومنوں کے لیے جنت میں درجات ہیں۔ قبر میں کافروں اور منافقوں کے ساتھ نہایت کب قبیح صورت چلیس ہو گئے اور اگر خوف تطویل نہ ہوتا تو میں وہ احادیث نقل کرتا جنہیں بکثرت ان اعمال کا ذکر ہو پس صحیح و صواب یہ ہو کہ ہر شخص مومن کا فر اپنے اپنے کیے ہوئے اعمال کو سامنے نظر سے دیکھے گا اور اس روز کا فر خود اپنی بدکاری و بد انجامی جان جائیگا اور حسرت و غم میں کہے گا کہ کاش میں خاک ہوتا یعنی دنیا میں پیدا ہوتا اور بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں حیوانات کو بھی اٹھاویگا اور ان میں فیصلہ فرما دیگا حتیٰ کہ سینگوں والی بکری سے بے سینگ والی بکری کو مارنے کا قصاص لیا جاوے گا پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماویگا کہ تم سب خاک ہو جاؤ۔ یہ دیکھ کر کفار آندو کرینگے کہ کاش وہ بھی خاک ہو جاتے یعنی حیدان ہوتے تو آج خاک ہو جاتے ابن کثیر نے کہا کہ اس معنی کا تذکرہ حدیث الصور میں آیا ہے اور یہ بات حضرت ابو ہریرہ و عبد اللہ بن عمر وغیرہ رضی اللہ عنہم نے بھی بیان فرمائی ہے ابن کثیر ابو ہریرہ نے کہا کہ قیامت کے روز جمیع مخلوق زندہ کر کے اٹھائی جائیگی حتیٰ کہ چار پائے و درندے و پرندے و ہر ذرے سے بھی اٹھائے جاویں گے اور انھیں آسمان سے سینگوں والیوں سے بے سینگوں والیوں کا قصاص لے لیا جاوے گا پھر حکم ہوگا کہ خاک ہو جاؤ تو اس وقت میں کافر کہے گا کہ اے کاش وہ بھی خاک ہو جاتے کہ وہ بھی آخر خاک کر دیے جاویں گے اور عمر بن عبد العزیز و مجاہد و البیہقی و غیرہ نے لکھا کہ جن (یعنی قوم) کی نسبت اعلان ہو ابراہیم نے کہا کہ وہ بھی آخر خاک کر دیے جاویں گے اور اکثر علماء کا یہ قول ہے کہ جن میں سے جو کافر ہیں وغیرہ نے کہا کہ جن میں سے جو لوگ مومن ہیں جنہیں گھر و منبر و زمین ہو گئے اور جنت میں داخل ہونگے اور اکثر علماء کا یہ قول ہے کہ جن میں سے جو کافر ہیں وہ ابلیس کے ساتھ جہنم میں عذاب پاویں گے اور جو مومن ہیں وہ جنت میں صاحبین کے ساتھ عیش کریں گے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سورة التزعنت طکیۃ وھی ست واربعون ایت

اس سورہ کو سورۃ الساہرہ بھی کہتے ہیں ابن عباس و ابن الزبیر سے روایت ہو کہ یہ سورہ کے میں نازل ہوا ہے بلکہ اس میں اتفاق ہو کہ سورہ کلیمہ اور اس میں بینا الیس باجیبا الیس آیات ہیں (س ف ک) اور ایک سورت کلمات ہیں اور سات سو تیس حروف ہیں کذا فی الشرح

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

والتزعنت عرقاں و النشیط نشطا و السیبت سبعا فالسیبت سبعا
قسم ہے گھسیٹ لانے والی ڈوب کر اور بند چھڑا دینے والوں کی کھول کر اور پیرنے والوں کی پیرتے
فاما یوت امرک یوم تر جف الراجفۃ تتبعا الرادفۃ قلوب
پھر کام بناتے حکم سے جس دن کانپے کانپنے والی اُس کے پیچھے دوسری کہنے دل

اور اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہو شریعت میں بہت سے اعمال نیک ایسے ہیں کہ اگر عمل کرنے سے شفاعت حاصل ہونے کی امید ہو چنانچہ حدیث میں ہے کہ جس نے اذان شکر مؤذن کی طرح سب کلمات توحید وغیرہ کا اقرار کیا تو گناہوں سے بخشا گیا اور بعد اذان کے اپنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے درجہ وسیلہ کی دعا مانگی **اللَّهُمَّ رَبِّ هَذِهِ الدَّعْوَةُ الثَّامِنَةُ وَالصَّلَاةُ الْقَائِمَةُ ابْنِ مُحَمَّدٍ ذَا الْوَسِيلَةِ الْفَضِيلَةِ وَالْذَّارِجَةِ الرَّقِيقَةِ**۔ اسی اس پوری دعوت حق اور نماز قائم کے پروردگار اپنے کرم سے محمد صلعم کو وسیلہ و فضیلت و درجہ بلند عطا فرما۔ تو اس بندے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہوگی (صحاح) وسیلہ ایک درجہ بلند ہو کہ اُس سے اوپر کوئی درجہ نہیں ہو اور وہ ایک بندہ خاص کو عطا ہوگا اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے امید ہو کہ وہ بندہ میں ہوں رَحْمَةً اور علماء رحم نے اس دعا کے آخر میں اپنے لیے شفاعت حاصل ہونے کی دعا بھی ملائی ہو **وَأَزِدُّنَا شَفَاعَتَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ إِنَّكَ لَا تَخْلِفُ الْمِيْعَادَ**۔ اور ہم امتیون کو اپنے رسول صلعم کی شفاعت قیامت کے روز نصیب فرمائیو اے رب تو وعدہ کو خلاف نہیں فرماتا ہو۔ اس دعا کو ملانے میں یہ بھی فائدہ ہو کہ اذان کے بعد دعا مقبول ہونا حدیث سے ثبوت ہو پس اگر وسیلہ کی دعا کرنے میں قصور ہو تو اس طرح اپنے لیے دعا کرنا شاید مقبول ہو جائے اور اللہ تعالیٰ سے امید داری رکھنا خود بہتری ہو واللہ الحمد والمنة اس طرح زیارت رسول اللہ صلعم سے آپ کی شفاعت کی امید ہو اور کہتے ہیں کہ جب امتی نے اللہ تعالیٰ کے رسول کے لیے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اُس کو اپنے رسول کی طرف سے شفاعت عطا کی اور یہ فضل الہی ہو **سَيَخْلُقُ الْوَسِيلَةَ** نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ **الْأَمْنُ اِذْ نَزَلَ مِنْ رَبِّهِ**۔ اسمین جاکر اسم پاک (الرحمن) ظاہر فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ یہ اجازت صرف شان رحمت ہو اور واضح ہو کہ بعض لوگوں نے یہاں مقررہ کے مکر سے دھوکا کھایا اور سمجھے کہ یہ مقصود یہ ہو کہ روح دلا لگے جنکو قرب منزلت حاصل ہو جب ہی کیسے لیے قبول صواب کے ساتھ شفاعت نہیں کر سکتے ہیں مگر اجازت تو ہر دوسرے کیس کو بھی ہوگی یہ مختل بنیاد پر بلکہ مقصود یہ ہو کہ اُس روز کسی کو کلام کرنے میں خود قدرت نہو گی حتیٰ کہ آسمانوں والے اور زمین والے جب قول صواب میں اجازت کے محتاج ہیں تو مطلق گفتگو کرے میں کسی کو قدرت نہ ہوگی۔ **ذَلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ فَتَمَنُّ شَاءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَيْبِهِ صَاحِبًا**۔ یہ دن برحق ہو اب جو چاہے اپنے رب تعالیٰ کی طرف ٹھکانا حاصل کرے افس یہ دن لامحالہ ضرور آنے والا ہو اور اللہ تعالیٰ نے اوسکا ہولناک حال بیان فرمادیا اب جو کوئی نیک نیتی جا ہے تو وہ دنیا میں یہ وسیلہ حاصل کرے جس سے اوسکو رب غرور جل کی رحمت میں ٹھکانا ملے اور وہ وسیلہ فقط یہ ہو کہ اوسکے رسول پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاوے جو اللہ تعالیٰ کی توحید سکھلاتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ کی رحمت میں مرجع ہے اور جسے اعراض لیا وہ بد بخت ہو کہ لامحالہ وہاں عذاب جہنم میں یعنی غضب الہی میں پڑے گا۔ **اِنَّا اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدْ مَتَّ يَدًا وَيَقُولُ الْكَفْرِ لَيْسَ لِيْ كُنْتُ تَرَابًا**۔ یعنی تمکو نزدیک عذاب کی خوفناک خبر دیدی وہ دن ہو کہ اُسی وہ سب دیکھیں گے جو اوسکے ہاتھوں نے پہلے بھیج رکھا ہو اور کافر کیس کا کہ اُسے کاش میں خاک ہوتا جس بد بخت کافر نے وہاں عذاب پایا تو اوسکے واسطے کچھ حجت باقی نہیں ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُسکو اس عذاب سے جو قریب آنے والا ہو آگاہ کر دیا پھر بھی وہ اپنی خود راہی سے انکار کرتا ہو اور اس سے بچنے کی فکر نہیں کرتا ہو حالانکہ اوس سے بچاؤ کے لیے نہایت آسان فکر ہے کہ اپنے مالک خالق جل شانہ کی اُلوہیت مانے لاکھ الا اللہ اور نہایت حد تک مخلوق اپنے مالک کا کلام پڑھے جسے اوسکو اس قابل کیا کہ یہ عیش حاصل کرتا ہو اور اُسی نے تندرستی اور عیش کے سامان دیے ہیں اور سب سے مقدم اوسکی جان عزیز ہو پھر وہ کس قدر سرکش بد بخت ہو کہ اس سے انکار کرے اور جب اُس نے اپنے تن بدن کو اس اصل کے سوا اے دوسری کمائی میں لگا یا تو ظلم کی جڑ جانی اور جعفر کا کام کرتا ہو سب سب کی ظلم کی بنیاد پر کرتا ہو تو جو کچھ قول و فعل ذرہ ذرہ اس کے ہاتھوں کے کیے دھرے ہیں اور

بہ بالکل یہی صورت رہی جو دنیا میں موجود ہے لیکن بیان جسم کا حکم غالب ہو اور وہاں روح کا حکم غالب ہو گا حتیٰ کہ اگر باتوں کے نیچے زمین وغیرہ کوئی
یہ نہ تو بھی برابر قائم رہینگے پس خلاصہ یہ کہ وہاں ظہور روحانی ہو اسبواسطے فرمایا کہ۔ یوم یقوم الروح والملائکۃ صفاء جسدن صفت لبتہ کھڑے
ہونگے روح اور ملائکہ۔ ہ۔ روح میں جن کے ارواح بھی داخل ہوں گی کیونکہ اسے بھی حساب کتاب ہو اور عظمت و جلال الہی اور اسی کی تعالیٰ
سلطنت کا ظہور ہو گا تو ان سب کی یہ حالت ہو گی کہ کسی کو اپنے انادہ سے کسی کام کی مجال نہ ہو گی حتیٰ کہ فعل کلام بھی نہیں کر سکیں گے (الاسن اذن
لا الرحمن) سوائے اسکے جسکو حضرت الرحمن عزوجل نے اذن دیا جو اپنے اجازت دی) مثل قولہ یوم بات لا نکلم نفس الا باذن الایہ۔ یعنی جسدن حضور
میں حاضر ہو تو کسی نفس کی مجال کلام نہ ہو گی مگر اللہ تعالیٰ کی اجازت سے۔ ہ۔ اذن کا اثر یہ ہو کہ اس شخص کو کلام کر نیکی قوت حاصل ہو (ہ) اور حدیث صحیح
میں وارد ہو کہ اس روز کوئی کلام نہیں کرے گا سوائے رسولوں کے (ابن کثیر) بہ وجہ کمال کی جو اللہ تعالیٰ نے انکو عطا کیا ہو کہ انکے اجسام خیر لہ
روح کے پاکیزہ ہیں اسبواسطے زمین انکے اجسام کو نہیں کھا سکتی ہو پس موافق اشارہ ابن کثیر کے یہی حاصل ہوے کہ ارواح و ملائکہ
میں سے کوئی کلام نہیں کرے گا سوائے رسولوں کے (وقال صوابا) اور اسے حق کہا۔ ہ۔ رازی وغیرہ نے لکھا کہ حامل یہ بخلا کہ روح و ملائکہ
فاموش ہونگے اور کلام کی صفت جسکو حامل ہو گی دو شرطوں سے حاصل ہو گی ایک شرط یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اذن ہو دوسری شرط
یہ کہ صواب کہے۔ اگر وہم ہو کہ صواب کی شرط میں کیا حکمت ہو کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے اسکو کلام کی اجازت دی تو ضرور یہ کلام صواب ہو گا
(جواب) یہ ہو کہ اول انکو کلام کی اجازت ہو گی اور وہ پاکیزہ بندے بعد اجازت و قوت حاصل ہونے کے نہایت ادب سے صرف وہی بات
کہیں گے جو صواب ہو ابن کثیر نے کہا کہ قول صواب میں سے کلمہ لا الہ الا اللہ بھی ہو جیسے ابو صالح و عکرمہ تابعین نے بیان کیا ہو تمہم کتاہو
کہ یہ تعلق شاید دوسرے طریقے سے ہے جو بعض نے بیان کیا ہو چنانچہ رازی نے لکھا کہ بعض کے نزدیک معنی کلام اس طرح ہیں۔ لا یستکلمون الا
فی حق من اذن لا الرحمن وقال صوابا۔ یعنی بندگان مقبولین جنکو اجازت ہو وہ کسی کے حق میں کچھ شفاعت نہیں کریں گے سوائے ایسے شخص کے
جسکے حق میں اللہ تعالیٰ کی اجازت ہو اور اس شخص نے قول صواب کہا ہو۔ یعنی دنیا میں اسنے لا الہ الا اللہ کہا ہو اس سے معلوم ہوا کہ
شفاعت حاصل ہونا دو باتوں پر موقوف ہو اول یہ کہ اس بندے نے کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کہا ہو یعنی ہر امتی نے اپنے پیغمبر کے بندہ و رسول
ہونے کی گواہی کے ساتھ کلمہ توحید کو دل سے قبول کیا و اور دوم یہ کہ باوجود کلمہ توحید کے اللہ تعالیٰ اسنے حق میں شفاعت کرنے کی
اجازت عطا فرماوے اس میں خوف و امید و دونوں جمع ہیں امید یہ ہو کہ ہم گنہگار بندوں نے بھی بحمد اللہ سبحانہ تعالیٰ کلمہ توحید لا الہ الا اللہ
محمد رسول اللہ کی گواہی دی ہو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اسی پر ہمارا خاتمہ بخیر کرے تو ہر کو بھی شفاعت کی امید قوی ہو اور خوف یہ کہ ایسا کوئی
گناہ ہمارے نام لہ اعمال میں نہ ہو جس سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت حاصل نہ ہو خود با اللہ من عذابہ۔ اور سب سے زیادہ اہتمام کے قابل
ہو کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت میں شرک سے نہایت احتراز کرے حتیٰ کہ مخلوقات کی طرف سے نفع و ضرر کا خیال دور ہو اور یہ بھی غفلت نہو
کہ چنے چبانے سے درو ہو گیا بلکہ جب زبان سے یہ محاورہ بولے تو دل میں ضرور یہ مئے سمجھے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں یوں ہی جاری فرمایا ہے
کہ کچے چنے چبانے کے بعد بندے کے پیٹ میں درو پیدا کر دیتا ہو اور اگر منظور نہو تو نہیں پیدا کرنا اور جو لوگ شریعت و سنت کے خلاف اپنی
راے سے کہا کرتے ہیں کہ اس طرح عمل کرنا اگرچہ سلف سے نہیں ثابت ہو لیکن اس میں ہمارے نزدیک کچھ حرج نہیں ہو تو ایسی بدعتیں
نکالنے والے اپنی نفس سے بچانے والے بہت خطرہ میں ہیں کیونکہ نفس خود کبھی راہ حق پہچانے والا نہیں ہو بلکہ نفس ہمیشہ ایسے مکر میں
ڈال دیتا ہو کہ آدمی دور پڑ جاوے اسبواسطے حکم شرع کے موافق جمیع بندگان دین ہمیشہ سے نفس کیساتھ مخالفت کر نیکی تاکید کرتے آئے ہیں

آسمانوں و زمینوں کو ایک لقمہ کرے تو وہ کر سکتا ہو اور اسکی تسبیح یہ ہے۔ سبحانک حیث کنت (تو پاک ہو جو جان کہیں ہے) یہ حدیث بہت غریبہ اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ حدیث رسول اللہ ہو بلکہ شاید ابن عباسؓ نے اسکو بنی اسرائیل کے لوگوں سے منکر روایت کیا ہو واللہ تعالیٰ اعلم (ابن کثیر) مترجم کتاہو کہ ابن عباسؓ سے صحیح بخاری میں روایت ہو کہ لوگوں کو ملاست فرمایا کرتے کہ اہل کتاب سے کیوں پوچھتے ہو جبکہ انکے یہاں عریف ہو اور جب انھوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تحریف کی تو تم سے کبھی سچ نہ بولیں گے (بلکہ کھیلوں کو تو تحریف نہ ہی ملی ہو وہ اصلیت سے رفت نہیں بلکہ باقی میں بھی انھوں نے تحریف کر دی ہو) اور تمھارے پاس قرآن مجید کتاب الہی پاکیزہ تازہ موجود ہو (صحیح بخاری) اس روایت سے معلوم ہوتا ہو کہ ابن عباسؓ اسراعیلیات پر اعتماد نہیں کرتے تھے ولیکن شاید ابن کثیر کو یہ معلوم ہوا ہو کہ خود ابن عباسؓ انکی روایتوں کو برکھالتے تھے واللہ تعالیٰ اعلم ہر حال یہ لازم ہے کہ اس روایت میں ضرور کسی راوی نے وہم کر کے اسکو حدیث کر دیا ہو اور حسب یہ لازم آیا تو اس روایت پر اعتماد نہیں رہا لیکن بشرابین بکر معروف ثقہ ہیں اور انکے اوپر سب مشائخ ثقات معروفین ہیں لیکن مجھے طبرانی کے شیخ اور شیخ الشیخ کا حال نہیں معلوم ہوا اور ظاہر یہ کہ انھیں دونوں میں سے کسی نے وہم کیا ہو اور خلاصہ یہ کہ یہ روایت ضعیف غریب ہو اس پر اعتماد نہیں ہو سکتا ہو اور بیان روح کی تفسیر میں دیگر اقوال بھی ہیں ازاجملہ یہ کہ روح ملائکہ ہیں بزرگ فرشتہ ہیں یہ مقاتل بن حیان سے مروی ہوا ازاجملہ یہ کہ ابن ابی نجیح نے کہا کہ وہ ملائکہ پر جافظین ہیں مترجم کتاہو کہ شاید اسکے یہ معنی ہوں کہ ملائکہ میں سے جو حفاظت خلق کی خدمت پر مامور ہیں درہ ملائکہ خود محفوظ ہیں انہیں تغیر و تبدل کے کچھ معنی نہیں ہیں ازاجملہ یہ کہ بعض نے زعم کیا کہ روح سے آدمی (و جن) کی ارواح مراد ہیں اور یہ حشر کے روز نہیں ہو گا کیونکہ اس دن تو مع جسم کے بعث ہو گا بلکہ یہ اول نفعہ تصور کے بعد دوسرے نفعہ حشر کے درمیان ہے اور یہ قول عطیہ عوفی سے روایت کیا جاتا ہو اور ابن عباسؓ سے روایت ہو کہ روح جبریلؑ ہیں وہ قیامت کے روز حضور رب العزہ جل جلالہ میں صفت میں مکھڑا ہو گا اور عذاب الہی سے اُسکے اعضا کا پتے ہونگے اور یہ کتاہو کہ سبحانک لا الہ الا انت۔ ہم بندوں نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا ہو جبریلؑ کے دونوں کندھوں کے درمیان مشرق و مغرب کا فاصلہ ہو گا رواہ ابو الشیخ (ابو یوسف) نے کتاب الاسماء والصفات میں ابن عباسؓ سے مثل قول عطیہ عوفی روایت کیا یعنی اول نفعہ تصور کے بعد ارواح بنی آدم مع ملائکہ کے صف بستہ ہو گئی تھیں دوسرے نفعہ کے وقت اپنے اجسام میں چلی جاوے گی مترجم کتاہو کہ ان روایات میں اسناد کی راہ سے کلام ہو اور کثیر کہ روایت غریب ہو اور حکم یہ کہ غریب روایت پر اعتماد نہیں ہو سکتا ہو جب تک اعتقاد کے قابل آیت یا حدیث معروف سے تقویت نہ ہو امام ابن کثیر نے لکھا کہ امام حافظ ابن جریرؒ نے ان چھ اقوال مذکورہ سابق میں سے کسی قول پر جزم نہیں کیا بلکہ توقع کیا کہ اگر کئی معنی مراد ہیں اور میرے نزدیک ٹھیک بات یہ معلوم ہوتی ہو کہ روح سے بنی آدم کے ارواح مراد ہیں (ابن کثیر) مترجم کتاہو کہ یہی قول اقوی واضح ہو اور روح کے یہی معنی حقیقت معروفہ ہیں اور بعض لوگوں کو اس میں تردد پیدا ہوا کہ حشر مع جسم ہو گا تو روح کا قیام کیونکر ہو سکتا ہو اسی وجہ سے یہ تاویل کی کہ یہ موقف حشر و حساب میں نہیں ہو بلکہ اجسام میں جانے سے پہلے واقع ہو جاوے گا یعنی نفعہ دوم سے پہلے ہو گا اور یہ خیال ٹھیک نہیں ہو بلکہ یہ موقف حشر میں ہو گا اور تردد مذکور غفلت ہو کیونکہ آخرت میں جو بعث ہو گا وہاں مع جسم ضرور ہو گا اور جسم تابع نہ ہو گا برضلاف دنیا کے کہ یہاں جسم کا حکم ظاہر ہو اور روح مخفی ہو اور یہ اسوجہ سے ظاہر ہے کہ وار آخرت کو اللہ تعالیٰ نے حیوان فرمایا جو نیسے وہاں مردگی نہیں ہو اور جسم مردگی رکھتا ہو اور آیات وحدیث بکثرت اسی معنی کو مفید ہیں اور اسی وجہ سے جب زمین تبدیل کیاوے گی تو ان مخلوقات کے قائم رہنے میں کچھ تردد ہو گا چنانچہ حدیث میں ام المؤمنینؓ نے پوچھا تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنہم کے ادھر موقف برہونگے اور وضع رہے کہ اسکے یہ معنی نہیں ہیں کہ انسانی صورت بدل جاوے گی اور روح ظاہر اور جسم تابع ہونے سے الٹی شکل ہو جاوے گی

بے صف بستہ کھڑا ہونا یہ بات بھی جبرئیل سے بخوبی ہو سکتی ہے اور اجازت کے بعد جبرئیل کی طرف سے قول صواب بھی ہو سکتا ہے یعنی بعد اجازت کے جبرئیل جو کچھ کہیں وہ قول صواب ہو اور جبرئیل کو اجازت بھی دی جاسکتی ہے تو اس قول کو چھوڑ کر کیونکہ کہا جاوے کہ روح سے قرآن مراد ہے یعنی بے قول سخن ابن زید نے کہا ہے کہ روح سے مراد قرآن ہے یہ دلیل قولہ تعالیٰ کہ لکھ لکھ اور حینا الیک روحا من امرنا الا یہ یعنی ہم نے تجھے اپنے امر سے روح وحی فرمائی یعنی قرآن وحی کیا۔ قاضی مذکور نے اعتراض کیا کہ قرآن اس قابل نہیں ہے کہ وہ صف بستہ کھڑا ہو یا اسکو اجازت دے جاوے یا وہ بعد اجازت کے قول صواب کے اور قاضی نے کہا کہ اسطرح ہم کیونکر روح سے جبرئیل کو چھوڑ کر ایسی مخلوق مراد لیں جو نہ آدمی ہیں نہ فرشتہ ہیں یعنی ہم انکو نہیں پہچانتے ہیں (تفسیر کبیر) مترجم کہتا ہے کہ قاضی مذکور نے دونوں باتوں میں خطا کی اول یہ کہ قاضی نے جبرئیل کو آنکھوں کے ذریعہ نہیں دیکھا بلکہ شرع سے پہچانا ہے تو مخلوق مذکور بھی شرع سے معلوم ہو سکتی ہے دوم یہ کہ روح بمعنی قرآن کے واسطے قیام و کلام وغیرہ صفات با حادیش مشہورہ ثبوت ہے تو متغزل کے انکار سے کیا ہو گا علاوہ ہرین روح بمعنی روح انسانی بھی معنی معروف ہیں بلکہ روح بمعنی جبرئیل لینے سے یہ معنی زیادہ واضح حقیقت ہیں کیونکہ اسکو جمیع اہل لغت پہچانتے ہیں اور نظم قرآنی میں بھی اگر روح بمعنی جبرئیل ہو تو آیت کے یہ معنی ہونگے جس دن زیادہ واضح حقیقت ہیں کیونکہ اسکو جمیع اہل لغت پہچانتے ہیں اور نظم قرآنی میں بھی اگر روح بمعنی جبرئیل ہو تو آیت کے یہ معنی ہونگے جس دن صف بستہ کھڑا ہو گا جبرئیل اور ملائکہ آئم جبرئیل بھی ملائکہ میں سے ہیں تو یہ کہنا چاہیے کہ ہاں ولیکن جبرئیل کی تکویم کے لیے اوکو خاص کر لیا یعنی وہ ایسا دن ہو گا کہ جبرئیل میں کوئی مجال کلام نہ ہوگی۔ ولیکن میں کہتا ہوں کہ عرب کے مشرکین جبرئیل سے واقف نہ تھے تو اوکو نہایت نہیں ہو سکتی ہو مگر انکو قرآن مجید تمام جہان کے لیے ہدایت و حجت ہے تو یہود و نصاریٰ پر ہیبت ہوگی۔ پھر اگر روح بمعنی روح انسانی لیجاوے تو یہ سوال وجواب ہو گا کیونکہ معنی یہ ہوئے کہ وہ دن ایسا ہو کہ جس دن جناب باری تعالیٰ میں عالم روح اور عالم ملائکہ کے سب صف بستہ خاموش ہونگے کیونکہ یہ وہ دن ہو گا کہ کلام کرے اس سے عرب کے مشرکوں پر بھی ہیبت ہو جائے زعم میں لات و عترتی وغیرہ گذری ہوئی اموات کی پرستش کرتے تھے اور کہتے کہ یلگ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہمارے شفیع و سفارشی ہیں حالانکہ وہ ان کسی کو مجال کلام نہ ہوگی۔ اور یہود و نصاریٰ پر بھی ہیبت ہوگی کیونکہ یہود کا یہ زعم مٹ گیا کہ بنی اسرائیل کے بزرگ وہاں ہجو عذاب سے چھڑا لینگے اور یہاری سفارش کریں گے اور نصاریٰ کا زعم مٹ گیا جو باپ بیٹا و روح القدس کہتے پھرتے ہیں اور خود بھی سچے طور سے اسکے معنی نہیں بتلا سکتے ہیں تو انکار عظم ٹوٹ گیا کیونکہ عالم روح خواہ بشری ہو یا ملکی ہو سب در روح القدس کہتے پھرتے ہیں اور خود بھی سچے طور سے اسکے معنی نہیں بتلا سکتے ہیں تو انکار عظم ٹوٹ گیا کیونکہ عالم روح خواہ بشری ہو یا ملکی ہو سب صف بستہ مقہور ہونگے کسی میں مجال کلام نہ ہوگی فافہم واللہ تعالیٰ اعلم قول ششم یہ کہ روح سے مراد ایک فرشتہ ہے جو تمام مخلوقات کے برابر ہے اقوال رازی نے لکھا کہ بعض مفسرین کے اقوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک صف کو اکیلا روح پھر لگا اور دوسری صف میں ملائکہ ہونگے کہ کبیر علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس سے روایت کی کہ یوم یقوم الروح۔ ابن عباس نے کہا کہ روح ایک فرشتہ ہے جو سب ملائکہ میں اپنی خلقت کی راہ سے بہت بڑا ہے۔ ابن جبرین نے بطریق رواد ابن ابی جراح روایت کیا کہ ابن مسعود نے فرمایا کہ روح آسمان چارم میں ہے اور وہ آسمانوں اور پہاڑوں اور ملائکہ سے بڑا ہے ہر روز بارہ ہزار تہجات پڑھتا ہے ہر تسبیح سے اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے وہ قیامت کے روز تنہا ایک صف آوے گا ابن کثیر نے کہا کہ یہ قول بہت غریب ہے یعنی کسی دوسرے عالم سلف سے اسکے مانند متواتر نہیں ہے مترجم کہتا ہے کہ اسناد میں رواد ابن ابی جراح راوی کی نسبت اگرچہ امام بخاری بن معین نے کہا کہ سچا معلوم ہوتا ہے لیکن امام نسائی نے کہا کہ اسنے کئی حدیثیں ایسی روایت کیں جنکو دوسرے شیوخ میں سے کوئی نہیں روایت کرتا ہے اور ابن عدی نے کہا کہ اکثر اسکی روایتیں ایسی ہیں کہ جنکی متابعت نہیں حتیٰ کہ مترجم کہتا ہے کہ یہ روایت بھی اسی قسم سے ہے امام ابن کثیر نے لکھا کہ قال الطبرانی حدیثا محمد بن عبد اللہ بن عوس المصری حدیثا و سب لہ بن روتی بن ہبیرہ حدیثا بشر بن بکر حدیثا الافراعی حدیثی عطاء بن ابی عباس مرفوعاً الخ اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے کہ اگر اس سے کہا جاوے کہ سب

يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْكَلْبَةُ صَفَاتُهَا لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَ
 قَالَ صَوَابًا۔ جس دن ٹھہرے ہوگی روح اور ملائکہ صف بستہ کہ کچھ نہیں بولینگے سوائے اُس بندے جسکو الرحمن نے اجازت دی
 اور اُسے ٹھیک بات کہی فیہ یہ حالت اس دن ہوگی جس دن روح اور ملائکہ صف بستہ جناب باری تعالیٰ میں حاضر ہونگے اور
 بالکل خاموش ہونگے کوئی کچھ کلام نہیں کر سکتا سوائے اُس کے جسکو اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین نے اجازت دی تو وہ بول سکیگا اور جواب
 کیگا وہ ٹھیک بات بولے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے ہر ایک بندے کے ادب کو خوب جانتا ہے تو ایسے ہی بندوں کو اجازت
 عطا فرماوے گا جو ادب سے سچی اور ٹھیک بات عرض کریں اور بعض مفسرین نے کہا کہ اسکے یہ معنی ہیں کہ روح و ملائکہ صف بستہ خاموش
 ہونگے اور عظمت و جلال الہی سجانہ سے کچھ کلام نہیں کریں گے اور کسی شخص کے حق میں شفاعت کرنے کی قدرت نہ پاویں گے سوائے اُس کے جسکے
 واسطے شفاعت کرنے کی اجازت اذن حضرت حق عز وجل کی طرف سے حاصل ہوگی تو اُس شخص کے واسطے شفاعت کریں گے اور شفاعت
 کرنے میں بھی ادب کیساتھ کلمہ حق کہیں گے جو سچ ہو اور بعض نے کہا کہ اس شخص کے واسطے شفاعت کریں گے جسکے لیے حضرت الرحمن سے
 اجازت پاویں گے اور یہ شخص ایسا ہوگا کہ اسے قول صواب کہا ہو یعنی دنیا میں اُسے کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یعنی وحدانیت الہی و رسالت
 کا اقرار کیا ہو تو معلوم ہوا کہ شفاعت اُسی شخص کے واسطے خاص ہے جسکا خاتمہ ایمان و توحید پر ہوا ہو اور اُس کے لیے اجازت بھی حاصل ہو تو حرم
 کتا ہو کہ ظاہر نفوس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شفاعت عام تو بعد نجات و دخول جنت ہے اور یہ صف بستہ ہونا موقع میں ہے اور آئندہ اللہ
 تعالیٰ آما ہو (سوال) روح سے کیا مراد ہے (جواب) اسکی تفسیر میں آٹھ اقوال روایت کیے گئے امام ابن کثیر نے لکھا کہ قول اول علی بن
 نے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ روح سے ارواح بنی آدم مراد ہیں اقول گویا جنس روح مراد ہے رازیؒ نے کہا کہ شاید یہ مراد ہو کہ روح
 ایک صف بستہ ہوگی اور ملائکہ دوسری صف بستہ ہونگے یہی مفسرین کے بیان سے ظاہر ہے اور شاید روح و ملائکہ سب ایک صف ہوں اور بعض نے
 کہا کہ صف بستہ ہونگے جس قدر صفین ہوں جیسے قولہ تعالیٰ جادربک والملائک صفافا۔۔۔ قول دوم یہ کہ روح سے خود آدم کی
 اولاد مراد ہیں یہ حسن بصری و قتادہؒ نے بیان فرمایا ہے اور قتادہؒ نے کہا کہ ابن عباسؓ اسکو چھپاتے تھے اقول شاید اس وجہ سے قتادہؒ
 نے یہ گمان کیا کہ ابن عباسؓ اسکو صاف نہیں کہتے تھے اس لیے کہ عوام کے خیالات اس معرفت تک نہیں پہنچتے ہیں یا اس لیے کہ شاید عوام
 یہ سمجھیں کہ آدمیوں کے قیام میں صرف روح ہوگی حالانکہ یہ باطل ہے قول سوم یہ کہ روح ایک مخلوق الہی ہے جو فرشتہ نہیں ہے اور نہ آدمی
 جن کے بلکہ وہ آدمیوں کی صورت پر ہیں اور کھاتی پیتی ہیں یہ قول ابن عباسؓ و مجاہد و ابوصالح و عائشہ سے روایت کیا گیا ہے اقول فتح البیان میں
 مذکور ہے کہ ابن عباسؓ نے اسکو حدیث مرفوع روایت کیا ہے اور اس روایت میں یہ بھی آیا کہ انکے سر و ہاتھ دباؤن ہیں پھر یہی آیت یوم یقوم الروح
 الخ پڑھی اور فرمایا کہ روح ایک گروہ ہوگا اور ملائکہ دوسرا گروہ ہوگا مرد و اہ ابن ابی حاتم و ابوالشیخ و ابن مردودہ (مترجم کتا ہے کہ اس روایت
 کی اسناد نہیں معلوم کیسی ہے سوائے اسکے کہ ابن ابی حاتم نے بھی اسناد کا التزام کیا ہے لیکن اس حدیث کا خوب ہونا ظاہر ہے جبکہ اسقدر منفرد ہے
 واللہ تعالیٰ اعلم قول چہارم یہ کہ روح سے مراد جبریلؑ ہیں یہ قول شعبی و سعید بن جبیر و ضحاک سے مروی ہے اور اس قول کے واسطے تقویت لیگی
 اس آیت سے نزل بہ الروح الامین علی قلبک الخ یعنی قرآن کو روح امانت دار تیرے دل پر اتار دیا۔۔۔ اور مقاتل بن حیان نے کہا کہ روح
 سب ملائکہ میں بزرگتر و روحی لائے والا اور حضرت باری تعالیٰ میں زیادہ مقرب ہے (ابن کثیر رازیؒ نے کہا کہ اسی قول کو قاضی نے اختیار کیا ہے
 یعنی روح سے جبریلؑ مراد ہیں اور قاضی نے اس پر یہ دلیل پیش کی کہ قرآن مجید سے معلوم ہوا کہ روح نام جبریلؑ ہے اور بیان جو وصف مذکور ہے

کہ بیان اس طرح قدرت الہیہ نے ظہور فرمایا کہ شخص اپنی اپنی خواہش حاصل کر لے اور یہی اسکی عاقبت کا ذخیرہ ہو پس اگر جبر و قہر ہوتا تو یہ سب کیونکر اپنے اپنے طبقے کے ذخیرے جمع کرتے پھر وہاں حکم قولہ تعالیٰ من الماک الیوم لئلا الواحد القہار اس شان کا ظہور ہوگا کہ سب اُسکے قبضہ قدرت میں مقہور ہو جائیں گے پھر آخر قدرت کا ملکہ کا ظہور اہل جنت پر ہوگا جنہوں نے یہاں اپنے نفس سے بنیاد و خارج ہو کر اللہ تعالیٰ کے حکم میں اپنی جان دیدی ہو تو انہیں قدسی قدرت نے ظہور کیا اور اُسکی صورت یہ ہو کہ ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ کی شریعت کو حاکم کر لے اور اُسکے معارضہ میں نفس کو نہ لاوے اور اسی کو نفس کشی کہتے ہیں اور حدیث صحیح میں ہے کہ است میں سے کوئی ایمون نہ ہوگا جب تک یہ نہ ہو کہ جو شرع میں لایا ہوں اُسکے تابع اُسکی خواہش ہو جاوے۔ ہ۔ اور جنت میں اسکا نتیجہ یہ کہ خشتی بندہ جو خواہش کر گیا وہ فوراً موجود ہو جاوے گی فافہم۔ پس معلوم ہوا کہ وہاں تمام مخلوقات پر الوہیت ظہور فرماوے گی جس میں کچھ بھی ہو وہ نہ ہوگا تو کسی مخلوق کو تصرف کی مجال نہ ہوگی جب تک اُسکو قوت نہ ملے پھر حساب کتاب میں قوتیں عطا ہوگی جیسے بیان ہو چکے ہیں تو صاف معلوم ہو گیا کہ اجازت ضرور عطا فرمائی جاوے گی پس اجازت کے بعد کفار اپنے جھوٹے عذرات لاوینگے اور آخر جہنم میں ہانک دیے جاوینگے اہل ایمان کا حساب ہوگا اور شفاعت کے لیے بھی اول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت ہوگی پھر آپ کے طفیل میں عام اجازت ہو جاوے گی لیکن وہ جنت میں ہو چکا ہے ظہور قدرت کے بعد ہر اسید واسطے حدیث میں ہے کہ موقف میں انبیاء علیہم السلام تک نفسی نفسی کہیں گے تو بے انتہا کمال یہ ہو کہ وہاں ہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کی اجازت مل گئی اور جسکو معرفت ایمانی سے کچھ بھی نصیب ہو وہ سمجھتا ہو کہ یہ کیسا عظیم نشان کمال ہے پھر حدیث میں ثابت ہے کہ جنت میں ہو چکا ہے اہل ایمان اپنے رب سبحانہ تعالیٰ سے بہت کچھ عرضداشت کرنے لگیں گے کہ اے رب ہمارے حضور نے ہمارا فلان ساتھی جہنم میں ڈال دیا حالانکہ وہ تو ہمارے ساتھ نماز پڑھتا تھا ارشاد ہوگا کہ اچھا نکال لاؤ جسکے دل میں ایمان تھا دینار ہو یہ حدیث طولانی بار بار لڑ چکی ہے اور مقصود یہ کہ اجازت کلام جدا ہے اور اجازت شفاعت جدا ہے رازیؒ نے کہا کہ (لا یملکون منہ خطاباً) سے یہ لازم نہیں ہے کہ شفاعت نہ ہوگی جیسے معتزلہ وغیرہ جہا ہوں نے کجی سے جہالت کی ہے اسلیئے کہ اس آیت میں (لا یملکون) ہے یعنی مالک نہیں کوئی مخلوق خطاب کرنے کی۔ ہ۔ تو بیشک کوئی قادر و مالک نہیں ہوگی اور شفاعت تو اجازت کے بعد ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا احسان و فضل ہے پھر معتزلہ وغیرہ نے کیوں جہالت اختیار کی رازیؒ نے کہا کہ عقل سے بھی سمجھا جاتا ہو کہ کسی مخلوق کو جہالت باری تعالیٰ میں ہلاک کی مجال نہیں ہو سکتی ہے (اول) اس وجہ سے کہ جو کچھ ہر سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق و مملوک ہے یعنی ایسی مملوک ہے کہ دنیا میں کہیں کوئی ایسا مالک کسی چیز کا ممکن نہیں ہو سکتا پھر مملوک کو اپنے مالک پر کچھ استحقاق نہیں ہے تو اُسکو گفتگو کی مجال کیا ہوگی (دوم) یہ کہ اللہ تعالیٰ سب خوبیوں والا ہو تو کسی بات میں سوال نہیں ہو سکتا یعنی اگر دنیا میں کافروں کو ترو ہو تو آخرت میں عین الیقین سے ظاہر ہوگا پھر سوال نہ رہا علاوہ برین سوال یہ کہ ایسا کیوں کیا تو یہ کس مخلوق کا علم ہے جو عالم الغیب سے زیادہ جانے بلکہ خود جاہل ہو تو اُس سے کہاں سوال ہو سکتا ہے مترجم کتاب ہے کہ سب رازیؒ نے ظاہری خیالات کے موافق جوابات لکھے ہیں اور حق وہ ہے جو میں نے بیان کر دیا کہ لمن الماک الیوم الا یہ سے صریح معلوم ہوا کہ ملک اُس روز اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے ہے اسکے یہ معنی نہیں کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی ملکیت نہیں ہے بلکہ یہ معنی ہیں کہ دنیا میں جس شان کا ظہور ہو اُس میں کفار و مشرکین کو یہ نظر آتا ہو کہ ہم لوگ خود ملکیت و قدرت رکھتے ہیں جو جانتے ہیں وہ کرتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ اسی طریقہ سے اپنی قسمت کا ذخیرہ جمع کر کے لیے جاتے ہیں آخرت میں بے پردہ ملکیت سلب ہوگی تو کسی کو مجال نہ ہوگی کہ اپنی قدرت و ملکیت ظہور کرے پھر جب اجازت ہوگی تو مجب اجازت ظہور ہوگا واللہ سبحانہ تعالیٰ ہوا علیم الخیر اسید واسطے فرمایا

امت متفق ہیں نقل حضرت شیخ مشائخ مولانا شاہ کاظم قدس سرہ نے اپنے شیخ حضرت شاہ باسط الہ آبادی کی خدمت میں مدت دراز تک قیام کیا ایک روز حضرت شیخ نے عالم استغراق میں فرمایا کہ کیا جانتا ہو شاہ کاظم رحم نے عرض کیا کہ عبودیت مانگتا ہوں یہ سنکر شیخ رحم نے فرمایا کہ اے عظیم سے کیا مانگتا ہو شاہ کاظم نے پھر عرض کیا کہ حضور عبودیت مانگتا ہوں شیخ پھر عالم استغراق میں محو ہو گئے پھر سر مبارک اٹھا کر فرمایا کہ کیا مانگتا ہو پھر شاہ کاظم رحم نے وہی عرض کیا کہ حضور عبودیت مانگتا ہوں ارشاد ہوا کہ مبارک ہو حضرت باری تعالیٰ نے تجھے عبودیت عطا فرمائی۔ حد۔ واضح ہو کہ اس میں اہل بقیم حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی اور آپ کے بعد مراتب انبیاء علیہم السلام ہیں تو آپ کے قدم پر غوث و قطب الوقت ہو اور ابعد باقی جس مرتبہ پر ہو وہ کسی نہ کسی پیغمبر کا مقام ہی اسی لیے ہر ولی زیر قدم نبی معروف ہو اور واضح ہو کہ یہ بات جہاں صوفیہ کے اولیاء باطلہ سے تعلق نہیں رکھتی ہو جو شریعت سے خارج اور سنت سے منحرف ہیں بلکہ اسکا اصل مدایہ ہو کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ سنت پاکیزہ پر مستقیم ہونے کی توفیق جب قدر کامل جس بندے کو حاصل ہوا اسی قدر اسکا رتبہ بلند ہوگا جہیزم نے اس مقام کو اس لیے واضح بیان کیا کہ اس زمانہ میں علم نبوت و انوار معرفت مخفی ہیں اور جہالت و ضلالت اور مکر و لطالت کو رواج ہو اور نوشتا معجزہ حدیث صحیح کے جاہل لوگ عالموں بھیس میں لوگوں کے پیشوا بنتے ہیں اور جو بندہ اپنے رب عزوجل سے اکابر صاحبین کی راہ ہدایت جانتا ہے اللہ تعالیٰ اُسکو توفیق سے ہدایت فرماتا ہو اور وہ ان جاہلون کی راہ سے الگ ہو کر بزرگوں کی راہ مستقیم پر قائم ہو جاتا ہو واللہ ہوالہادی الی الصراط المستقیم اب طلب کی طرف رجوع کرو کہ قاضی مختاری نے اول توجہ بالت سے یہ سمجھا کہ مومنین یہ جان گئے کہ خدا عادل ہو ورنہ اعتراض و خطاب کرتے اور یہ بات اُسکی پہلی غلطی ہو دوم اُس نے یہ معرفت نہ پائی کہ وہاں ظہور روحانیت میں یا تو اہل ایمان ہیں جو سب دیکھتے ہیں یا اہل ضلالت اندھے بہرے ہیں پس کچھ پردہ نہیں ہو تو دنیاوی عقلی شناخت کی وہاں کیا ضرورت ہو بلکہ وہاں مقام عین الیقین جو رسوم یہ کہ قاضی نے کافروں کا عذاب اگر عدل ٹھہرایا تو ٹھیک ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُنکے عذاب میں زیادتی نہیں فرمائی اور یہ بھی اُسکی رحمت ہو اور یہ وجہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ پر واجب تھا اور وہ مجبور تھا کہ اسکے سواے کچھ نہیں کر سکتا تھا لیکن قاضی مذکور نے مومنون کے واسطے ثواب کو بھی عدل واجب قرار دیا ورنہ مومنین اعتراض کرتے اور یہ اُسکی نادانی ہو بلکہ آیات و احادیث و اقوال سلف و خلف سب سے معلوم ہوا کہ اہل ایمان کے اعتقاد و اعمال کو حضرت سبحانہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے قبول فرما کر اُنکو جنت و نعمت عطا کی اور اپنی طرف سے بہت احسان کیا بقولہ تعالیٰ وان تک حسنته یصنعنا ویوت من لدنہ اجر عظیم۔ یعنی اگر بندہ مومن کے واسطے ایک نیکی بچ رہی تو اللہ تعالیٰ اُسکو بہت گونہ بڑھاویگا اور اپنی طرف سے اجر عظیم عطا فرما دیگا۔ حد۔ پس یہ سب ہمارے رب جم الرحمن کی رحمت و عنایت ہو و اللہ اکبر و الحمد للملئکہ معرفت شان باری تعالیٰ اس سے اعلیٰ واجب ہو کہ کوئی بندہ صالح اپنے خیال و قیاس و گمان پس اُسے ہم عاجز بندہ دن سے ہی ایمان قبول فرمایا فافهم و لا الحمد مالا احصا و لا ہو کماتنی علیہ نفسہ و ہو ارحم الراحمین بالجملہ قاضی مذکور کا قول درجہ معرفت سے ساتھ جبرائیلی نے تیسری وجہ یہ بیان کی کہ قولہ لایکون کی ضمیر تمام عالم کی طرف ہو یعنی تمام عالم آسمانی و زمینی وغیرہ کسی کو یہ طاقت نہ ہوگی کہ حضرت باری تعالیٰ میں زبان سے کچھ بول سکیں۔ حد۔ اور لکھا کہ یہی قول صحیح و صواب ہو کیونکہ مخلوقات میں کسی کو یہ خیال نہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے انہماک سے گفتگو کر کے مخرج کتنا ہو کہ بیشک بات یہی ہو اور حکما سے ربانیہ نے کہا کہ مجید یہ ہو کہ دنیا میں جس شان سے ظہور ہو رہا ہو کہ ہر فرقہ و بشرش اپنے نصیبہ کو کمانا جو حتیٰ کہ کافر یہ سمجھتا ہو کہ میں خود یہ سب کام بنالیتا ہوں حالانکہ اصل کتبہ یہی ہے

نہیں جو کلام سن سکیں اور نہ آنکھ ہو کہ نور حق دیکھ سکیں چنانچہ اسکی تحقیق اور بیان ہو چکی ہو اگر کوئی کہے کہ آیت میں عام ہو کہ کسی کو حضرت باری
عالیٰ میں خطاب کی قدرت نہوگی تو پھر شفاعت بھی نہیں ہو سکتی ہو اسی وجہ سے فرقہ معتزلہ وغیرہ نے شفاعت سے انکار کیا ہو (جواب ہے چہ
منا ہو کہ معتزلہ کثرت تعجب جابل ہو اسلیے کہ دیگر آیات کثرت ہیں جن میں کافرون کا عندیہ جابلان کرنا اور فریاد کرنا وغیرہ صریح مذکور ہو پھر اس آیت
سے اُسے کیا سننے سمجھنے اور صاف محاورہ تو یہ ہو کہ جیسے آدمی کو خطابات میں گفتگو کی مجال ہوتی ہو یعنی کارآمد ہوتی ہو تو رب عزوجل کی جناب
میں کسی کو یہ مجال نہیں ہو کہ باز پرس کر سکے وہی مالک خالق ہو جو چاہتا ہو وہ کرتا ہو امام ابن کثیر نے جواب دیا کہ معنی یہ ہیں کہ خود کسی کو اجتلاء
اس سے خطاب کی قدرت نہیں ہو جب تک کہ اُسکی اجازت نہو جیسے قولہ تعالیٰ من الذی یفتح عندہ الابواب وہ کو کون شخص ہو جو اللہ تعالیٰ کے
بیان سفارش کر سکے مگر اُسکی اجازت کیساتھ۔ د۔ خلاصہ یہ کہ شفاعت بعد اجازت الہیہ کے ہوا ہوگی اور یہ متواتر معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کو اجازت ملیگی تو ہم نے جان لیا کہ اُنکی شفاعت برحق ہو اور اسطرح قولہ تعالیٰ یوم یات لا نکلم نفس الا باذنہ۔ یعنی اُس روز کسی نفس کو
بدون اجازت الہی کے کلام کرنے کی مجال نہوگی۔ ع۔ تو معلوم ہوا کہ اجازت ہو سکتی ہو اور یہ متواتر معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے
تظنی و رازی نے لکھا کہ (لا یلکون) کی ضمیر کوئی عام صیغہ نہیں ہو اور ابن عباسؓ سے روایت ہو کہ اس سے لکھا مراد وہ ہیں یعنی کافرون کو یہ قدرت
نہوگی کہ اللہ تعالیٰ سے خطاب کر سکیں اور یہ مومنین و اللہ تعالیٰ کی جناب میں شفاعت کر سکیں اور اللہ تعالیٰ انکی شفاعت قبول فرماوے
رازیؒ نے اسکو تخصیص قرار دیا اور لکھا کہ قاضیؒ کے نزدیک ضمیر مومنون کی طرف راجع ہو یعنی مومنون کو کسی امر میں جناب باری تعالیٰ
میں خطاب کی گنجائش نہوگی اسلیے کہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ عادل ہو وہ کچھ بھی ظلم نہیں فرماتا تو معلوم ہو گیا کہ اُسے جو عذاب
کافرون کو دیا اور وہ عدل ہو اور جو عذاب مومنون کو دیا ہو وہ بھی عدل ہو کس وجہ سے مومنین خطاب کر سکتے ہیں۔ ح۔ اور یہ قول بھی پہلے قول
سے زیادہ قریب ہو اور فقط مومنون کی خصوصیت اسلیے سمجھی گئی ہو کہ مومنین ہی کا ذکر ہو رازیؒ مترجم کہتا ہو کہ امام رازیؒ نے یہ قول ناقص قاضیؒ
سے نقل کیا اور یہ قاضی معتزلی ہو اور عجب کہ رازیؒ نے لکھا سیکوت کر لیا حالانکہ یہ قول مقام معرفت سے ساقط ہو اسلیے کہ اول تو قاضی نے نادانی سے خیال
کیا کہ مومنین اقتراف کا خطاب کرتے لیکن اسوجہ سے نہیں کر سکیں کہ اُنکی عقل میں یہ ثبوت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ پر عدل واجب ہو مترجم کہتا ہو کہ یہ معتزلی
کی پہلی غلطی اور جہالت ہو کہ اللہ تعالیٰ پر بھی شریعت فرض و واجب ٹھہرتے ہیں اور یہ باطل ہو اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ لا یسأل عما یفعل و ہم
یسألون الایہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہو کرتا ہو کسی کو مجال نہیں ہو کہ اُس سے سوال کر سکے کہ یہ کیوں کیا اور بندے سب ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ
کی طرف سے اُسے سوال ہوگا۔ د۔ رہا عدل تو بیشک اللہ تعالیٰ کی شان عدل ہو اسلیے کہ وہ جو چاہے کرے سب ایسی پیدا کی ہوئی ملک
مخلوقات ہے جسے کہ اگر سب کو ہلاک کر دے تو اُسکو اختیار ہو چنانچہ صریح فرمایا۔ ان یملاک المسج و امہ و من فی الارض جمیعاً الایہ۔ یعنی نصاریٰ کو بھی
کہ مسیح کے حق میں الوہیت وغیرہ باطل خیال کیونکہ باندھے ہیں مسیحؑ تو بندے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے کہ مسیح کو اور اُنکی مان کو اور جو کوئی
زمین میں ہر سب کو ہلاک کرے تو اُسکو کامل اختیار ہو۔ ع۔ اور اسی ذیل میں تنبیہ کی کہ مسیحؑ کبھی اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونے سے منہ نہیں
بٹور سکتا ہو اور نہ ملائکہ مقرر ہیں اُسکی بندگی سے منع ہو سکتے ہیں۔ ح۔ مترجم کہتا ہو کہ واللہ یہ لوگ تو اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونے سے نہایت فخر کرتے
ہیں اور جسکو تہذیب میں جبر و کمال ہو اسی قدر اُسکا رتبہ بلند ہو حتیٰ کہ اکمل درجہ بندگی حضرت محمد صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہ و جمیع الانبیاء والمرسلین
والملائکہ الصالحین اجمعین کو حاصل ہو اور عراج کمال ہیں حضرت ذوالجلال نے خطاب فرمایا۔ سبحان الذی امرنی بعبدہ الایہ۔ عہد سے مراد
بالاجماع محمد مصطفیٰ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم اور اسی کمال عبودیت سے آپ اس سلسلہ رحمت کے سر تاج ہیں اور اسی معرفت پر جمیع اولیاء

يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَقَالَ صَوَابًا ذَلِكَ الْيَوْمُ الْخَوِصُّ قَمَرٌ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَى رَبِّهِ مَا بَاءَ إِنَّا أَنْذَرْنَاكُمْ

کھڑا ہو روح اور فرشتے قطار ہو کر کوئی نہیں بولتا مگر جسکو حکم دیا زمین نے اور ہوا
 بات ٹھیک وہ دن ہے تحقیق بھر جو کوئی چاہے اپنا رکھے اپنے رب کے پاس ٹھکانا جس نے خبر سنائی تم کو
 عَذَابًا قَرِيبًا يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاؤُهُ وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَلَيْتَنِي كُنْتُ قَرَابًا

ایک آفت نزدیک کی جس دن دیکھ لیوے آدمی جو آگے بھیجا اس کے ہاتھ نے اور کئے منکر کسی طرح میں مٹی ہوتا
 واضح ہو کہ یہاں قراءات میں یعنی قولہ تعالیٰ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمَنُ رَازِي
 نے کہا کہ (قراءات اول) یہ کہ رب اور الرحمن دونوں جگہ رفع ہو اور یہ قراءات امام نافع و ابن کثیر و ابو عمرو کی ہو اور اس صورت میں
 چار طرح سے معنی بیان ہوتے ہیں (ایک) یہ کہ تیرا رب وہی پروردگار ہے آسمان و زمین ان کے درمیان کا جسکی شان الرحمن ہے (دوم)
 یہ کہ پروردگار آسمانوں و زمین و ان کے درمیان کا الرحمن جل شانہ ہے (سوم) یہ کہ یہاں تک مبتداء ہو اور قولہ لَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ
 خِطَابًا خبر سے یعنی پروردگار آسمان و زمین و ان کے درمیان کا جسکی شان الرحمن ہے کوئی مخلوق اس سے خطاب کی قدرت نہیں
 رکھتی ہو (چہارم) پروردگار آسمان و زمین و مابین کی یہ شان ہے کہ وہ الرحمن ہے دوم رب السموات والبحر جو اور الرحمن بالرفع جو یہ جزو و کسائی کی
 قراءت ہو اور معنی یہ کہ عطا ترے رب کی طرف سے ہے جو آسمانوں و زمین و مابین کا پروردگار ہے وہ الرحمن ہے کسیا اس خطاب کی خود قدرت
 نہیں ہے اور قراءات سوم) یہ کہ رب السموات اور الرحمن دونوں بالبحرین اور یہی حفص و عاصم و ابن عامر کی قراءت ہو اور قراءات دوم کے اور اس کے
 معنی واحد ہیں صرف الرحمن صفت ہے (کبیر وغیرہ) اللہ تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ جسے کافروں کو وہ عذاب شدید دیا ہو اور متیقون کو یہ ثواب عظیم عطا
 کیا ہو وہ تیرا رب ہے وہی آسمانوں و زمین کا خالق و مالک ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب اسی کی مخلوق ملک ہے وہ الرحمن ہے کہ ہر چیز کو اس
 رحمت شامل ہے (ابن کثیر) میں کہتا ہوں کہ اس سے بہت سے فوائد حاصل ہوئے اندازہ یہ ہے کہ جنت و اسی نعمت کو اکثر کفار خیال محال سمجھتے
 ہیں اور یہ ان محفون کی پوری حماقت ہے اسیلے کہ آسمان جس شان سے موجود ہے اور یہ بے شمار ستارے اور یہ نظام عالم اور زمین اور اس کے عجائبات
 وغیرہ اگر پہلے سے دیکھے نہ ہوتے تو کبھی قیاس میں نہ آتے اور ہر جہتی و گھاس بہیش چیز جو تو کفار احمق کیونکر یہ تصور باندھتے ہیں از انجائے کافروں کو
 جو عذاب دیا گیا وہ بالکل انکی کمائی ہو اور اللہ تعالیٰ نے رحمت عام سے اپنی زیادتی نہیں فرمائی حالانکہ اگر انکی قبیح بدکاری دیکھی جاوے تو بہت
 زیادہ ہو از انجائے رب السموات جب سب کا مالک و خالق ہے تو کافروں وغیرہ کسی مخلوق کو یہ مجال نہیں ہے کہ ہمارے ساتھ ایسا کیوں ہو خصوص
 جبکہ ان ظالموں کے پاس جو جواز و حق کے مثل مخلوق صرف انکے دفع اٹھانے کے لیے ہے جب سرکشی کرے تو اسکا گولی مار دیتے ہیں حالانکہ وہ
 انکے مثل مخلوق ہے تو پھر ان احمق جانوروں کی کیا مجال ہے کہ اپنے حق میں اپنے مانق سے یہ تکبر کریں اور اگر عقل ہو تو بھلا انکی ہیودہ گفتگو کا حاصل
 کیا ہو یہ لوگ تو اس سے کہیں زیادہ بدتر ہیں کہ جبکہ ہمارے قبضے میں مٹی ہوتی ہے وہ چاہے ہزار بار اسکو بنا کر مٹا دے اگر وہاں میں یہ لوگ
 بہود دیکھتے ہیں تو یہ نشان ہو جانکی کمائی پوری کرتی ہو بخلاف اسکے جب موت کے بعد اٹھائے جاوے گئے تو یہ حالت بدل جاوے گی اور ظہور
 خندب کی شان میں کسی کی مجال نہوگی کہ زبان سے بولے کیونکہ وہ وقت نہایت عینیاک ہے اور آیات قرآنیہ میں جہان کافروں کے
 جھگڑنے کا ذکر ہے وہ ملائکہ کے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں کسی کافر کو مجال کلام نہوگی جب تک اجازت نہو بلکہ کافروں میں وہ کان

روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت کی قمیصیں رضوان الہی سے ظاہر ہونگی اور جنتیوں کی طرف حجاب گذرنے کا اور کہیں گاہ کہ اہل جنت
 میں تمہارے واسطے کیا چیز برساؤں جو تم چاہو وہ برساؤں حتیٰ کہ اپنے لیے کواہب ترائے سا بیگ لادے۔ تم کچھ کہتا ہو کہ جنت میں ہر چیز رحمت الہیہ ہونگی وہاں سینا و طبع
 نہیں ہوا اور ایک حدیث میں ہے کہ طوبی سے اس کے لباس پر آدھ ہونگے اور یہ بھی رحمت الہی ہوا اور ایک حدیث میں ہے کہ اہل جنت کے واسطے جو بادل کہ جو رہیں برساؤں کا
 تو ہر ایک کی زوجہ اس کی سر کے گرد ایک قبہ میں نازل ہوگی پس جنتی خود اپنی اپنی زوجہ کے پاس جا کر دیکھیں گاہ و لذت اللہ والمنتہ اور نعمت چہارم قولہ تعالیٰ و
 کاسًا دہانًا۔ اور پیالے لبریز ہیں فنا یعنی متقیوں کے لیے دودھ و شہد و اقسام شربت و غیرہ کے ساتھ میں شراب طہور کے پہلے
 لبریز ہیں تاکہ ہر طرح کے عیش و لذت پاویں۔ مجاہد حسن و قتادہ و ابن زید نے کہا کہ کاس پیالہ۔ وہاں بھرے ہوئے لبریز سعید بن جبیر
 وغیرہ نے کہا کہ باقی پے در پے۔ ابن عباسؓ نے دونوں باتوں کو جمع کر دیا یعنی لبریز بھرتے ہوئے پے در پے ہیں (ابن کثیر) خلاصہ یہ کہ اہل
 تقویٰ کے واسطے باغات و بیود جات و زوجات و مجالس عالیہ و تخت شادمانہ کے ساتھ میں ہر طرح کے خوش کے پیالے خوش قطع لبریز ہونگے
 جن میں سے کبھی ایک قطرہ بھی نہیں رُسکتا اور وہ ان کی خواہش کے موافق پے در پے حاضر ہونگے جہاں کسی طرح روک دکی وغیرہ نہیں ہے
 اور وہ لوگ اس شراب طہور سے ہر طرح مسرور ہونگے۔ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا الْغَوَاؤَ وَلَا كِدًّا بَا۔ نہیں سنیں گے اس میں لغو اور نہ تکلیف
 ف جنت میں کلام لغو نہیں ہوا اور نہ دروغ کذب ہر جگہ جنت مقام دار السلام ہے (ابن کثیر) بعض نے کہا کہ ان فیہا کی ضمیر کاس کی طرف
 راجع ہے تو حاصل یہ کہ شراب طہور کے دور کے وقت ان میں باہم لغو کلام نہ ہو گا جو ان کے کاذب کو ناگوار ہو اور خلاف اسکے دنیا میں کفار جس شراب
 ناپاک پر فریفتہ ہیں جب پے در پے چڑھائے جاتے ہیں تو لغو بکیتے ہیں اور آخر باہم ایک دوسرے کو جھٹلاتے ہیں اور کثرت یہ کہ ایک دوسرے کے
 کلام کو رد کرتا ہو اور یہ ضرور تکذیب ہے پس یہود و کوفہ اور عساکر کی جھگڑا جو اس دنیاوی شراب نجس میں ہو وہ آخرت کی شراب طہور میں نہیں ہوا
 اور یہ نوزہ نعمت ہے اور اللہ تعالیٰ کی بخشش و رحمت ہے انہما و بے قیاس ہے جزاء مِّنْ رَبِّكَ عَطَاءٌ حِسَابًا۔ یہ عوض
 خوب دیے گئے ہیں (متقی بندے) اپنے رب کی طرف سے بخشش کافی ہے جو کچھ عیش کا سامان نہ کرے وہاں اللہ تعالیٰ جل جلالہ
 نے اپنے متقی بندوں کو اپنی رحمت و احسان سے عطاے کافی بخشا ہو عرب کا محاورہ ہے کہ اعطانی نجسینی۔ یعنی اُس نے مجھے عطاے حساب
 دیا یعنی اس کثرت سے عمدہ بخشش دی کہ میں نے سیر ہو کر کہا کہ بس مجھے بہت کافی ہے۔ خلاصہ یہ کہ نعمتیں جو نہ کر رہیں بے قیاس ہیں اور اللہ
 تعالیٰ کی طرف سے ان کو اس قدر عطاے جلیل کثیر ملے گی کہ کسی کے قیاس میں بھی نہ تھی اور نہ کبھی منقطع ہوگی لہذا تعالیٰ عطا کرے غیر محدود۔ یعنی یہ
 بخشش کبھی منقطع نہ ہوگی۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ اس عطا کو بھی قیاس نہیں کر سکتے ہیں اس کی نظیر دنیا میں ممکن نہیں ہو کیونکہ دنیا
 محدود ہے و قیاس ہو کہ نہ بیوں کا نہ ہوا تھا کہ (خیر و ذرا) یعنی جو عذاب دیا گیا وہ ان کے اعمال قبیح کا پورا بدلہ تھا اس میں کچھ زیادتی نہ تھی اور یہاں جنتیوں کا
 فضل ہر نوعیتہ حساب عطا کیا یعنی ان کے نیک اعمال کے عوض کیساتھ میں فضل سے جیسا ہے یا اور اس محاورہ میں کہا گیا کہ حسابا، یعنی حساب
 ہو کہ نہ کہ عرب جیسا کہ کثرت کا عطیہ بیان کرتے ہیں تو اس طرح عطاے حساب کہتے ہیں مجاہد سے روایت ہے کہ (حسابا) یعنی ان کے اعمال کے حساب سے برسی کی
 دس گونہ کہتے ہیں کہ زیادہ کی مقدار علم الہی میں محسوب ہو وہ عطا فرمائی تم کچھ کہتا ہو کہ خلاصہ یہ ہوا کہ اس جانب تیرے رب عزوجل ہوا و شے رب عزوجل
 ان عطاے کمال کو بے انتہا جانا وہ اس کے حساب عطیہ کو بے انتہا جانتا ہوا اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت و کمال سے بھی آگاہ نہ فرمایا
 رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنُ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا يَوْمَ
 جو رب ہے آسمانوں اور زمین کا۔ اور جو ان کے سچ ہے بڑی مہر والا۔ قدرت نہیں کہ کوئی اُس سے بات کرے جس دن

جان کے خوف سے جھوٹ موٹ اسکے جنتی ہونے کی فضیلت بیان کی گئی تھی اہل السنۃ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس فرقے کے اس کلمہ کفر سے بڑا مانگی جسے قرآن و حدیث میں دروغ و بھاریہ کا اعتقاد کیا لغو و بالہ من شذالک۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے کافروں کا جہنم میں عذاب بیان کیا تو مومنوں کے ثواب کو بھی بیان فرمایا بقولہ تعالیٰ

إِنَّ الْمُتَّقِينَ مَفَازًا حَدَاقًا وَاعْنَابًا وَكُوعًا أَثْرَابًا وَكَاسًا دِهَاقًا

بیشک ڈر والوں کو مراد ملنی ہے باغ ہیں اور انگور اور نوجوان عورتیں ایک عمر کی اور پیالہ چمکتا نہ سنیں گے وہاں بکنا اور نہ کرنا بلا ہے تیرے رب کا دیا حساب سے

رازیؒ نے لکھا کہ جہنم کے عذاب شدید کے بعد اللہ تعالیٰ نے جنتیوں کے ثواب میں سے چند امور بیان فرمائے (اول) قولہ تعالیٰ

إِنَّ الْمُتَّقِينَ مَفَازًا۔ البتہ متقی بندوں کے لیے مفاز ہوف مفاز اگر مصدر سمی ہی تو معنی یہ کہ پوری مراد پانا۔ اور اگر ظرف

ہے تو معنی جگہ مراد پائیک۔ بہر صورت یہاں تین طرح فوز ہو سکتا ہو ایک یہ کہ مطلوب پر فوز ہو یعنی جو مراد ہی وہ مل جاوے دوم یہ کہ عذاب سے

نجات ہو سوم یہ کہ دونوں باتیں جمع ہوں یعنی عذاب سے بھی نجات ہو اور مراد بھی مل جاوے اور میرے نزدیک یہاں اول معنی بہترین

اور متقی وہ ہے جو مشرک نہ ہو یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت الوہیت کو دل سے سچ جانتا و ماننا ہو کیونکہ یہاں جہنم کے بے ایمانوں کے مقابلے میں آیا ہے

(تفسیر کبیر) امام ابن کثیرؒ نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل شقاوت کا عذاب بیان کرنے کے بعد اہل سعادت کا مفاز بیان فرمایا جو مشرک و بے ایمانی

سے تقویٰ کرنے والے متقی ہیں چنانچہ فرمایا۔ ان للمتقين مفازا۔ متقی بندوں کے لیے مفاز ہو۔ ابن عباس و شاک نے کہا میں منتزہ ہے

اقول منتزہ وہ جگہ جہاں نہ بہت و عیش و فرحت ہو مجاہد و قتادہؒ نے کہا یعنی وہ بندے مقام عذاب سے نجات پائے ہوئے ہیں

ان دونوں تفسیروں میں سے ہمارے نزدیک حضرت ابن عباس کی تفسیر زیادہ واضح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسکے بعد خود مفاز کی

تفسیر بیان فرمائی بقولہ تعالیٰ حَدَاقًا وَاعْنَابًا۔ باغات اور انگور ہیں ف رازیؒ نے کہا کہ یہی مفاز ہے اگر کوہ عذاب سے نجات

ہونا سب سے مقدم ہے تو لذت کا ذکر کیوں مقدم ہوا (جواب) یہ ہے کہ اگر عذاب سے نجات کے معنی بے جا دین تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو کوئی

عذاب سے بچے وہ عیش و لذت بھی پاوے و لیکن جو کوئی عیش و لذت پاوے وہ ضرور عذاب سے بچ جاوے گا لہذا یہ معنی ہیں کہ دنیا میں

جن بندوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت الوہیت پر دل سے یقین کیا اور اس میں شرک و شک کرنے سے تقویٰ کیا تو ان کے لیے مفاز ہے یعنی

خوش عیش منظور مقام ہے وہ باغات پے مثل وے مثال ہیں جن میں سب طرح کے میوہ جات ہیں خصوصاً عناب یعنی انگور پے مثل ہیں یہ

دوسری نعمت ہے اور تیسری نعمت کا بیان بقولہ تعالیٰ وَكُوعًا أَثْرَابًا اور کوعا اثراب ہیں ف کوعا جمع کا عاب

وہ نوجوان عورتیں جبکہ علامات سینہ انجبرے ہوں جیسے کعب یعنی ٹخنہ اُبھرا ہوتا ہے کبیر ابن عباس مجاہد و غیرہ نے فرمایا کہ نواہد ہیں

اور ادیہ کہ ان کے علامات ہنہ ہیں کبھی جھول نہ ہوگا۔ اثراب جمع ثرب ہے ایک ہی سن و عمر میں ہونگی (ابن کثیر) جو کہ وہاں جستانی مادی عوارض کا غلبہ

ہوگا تو کسی طرح تغیر عارض نہ ہوگا بلکہ ایک ہی عمر اور ایک ہی حالت خوبی و خوبصورتی کی ہمیشہ برقرار رہے گی کیونکہ وہاں فنا و زوال نہیں ہے بلکہ حسن و

جمال برصا جائیگا۔ بعض علماء نے کہا کہ اثراب سے مراد یہ ہے کہ یہ عورتیں یکساں سن شباب میں ہوں گی اور بعض نے کہا کہ اثراب باعتبار شوہروں کے

ہیں یعنی جیسے ان کے جنتی شوہر شباب کی عمر میں ہوں گے اسبطح یہ عورتیں بھی ان کے مناسب ہم عمر ہوں گی۔ ابن ابی حاتم نے حدیث ابو امامہ رضی اللہ عنہ

اب چلو کہ ہم کبھی تمہارے لیے کچھ نہیں بڑھا دینگے سوائے عذاب کے (۱) اسکی تفسیر میں اقوال میں بعض نے لکھا یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو محفوظ
 میں لکھ دیا ہو حکیم قولہ تعالیٰ وکل شیء احصینا فی امام حسین یعنی لوح محفوظ میں ہم نے ہر چیز احصا فرمائی ہو۔ اور اسی کا نام تقدیر ہے کیونکہ
 اللہ تعالیٰ نادان نہیں ہوا سکو خوب معلوم ہو کہ یہ مخلوق کیا کام کرے گی اور اسکی طینت کے ہر ذرہ کو اسی نے پیدا کیا ہو بالجملہ جب اللہ تعالیٰ نے
 ہر چیز کو احصا کیا ہو اور اپنے علم کے مطابق لوح محفوظ میں ثبت فرمایا ہو تو اسی میں کافروں کے دلی اعتقادات اور بدنی اعمال بھی ہیں وہ بھی
 اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہیں اور قیج اعتقادات و اعمال کا پھل جب نکلیگا قیج ہوگا اور جقدر پیداوار بڑھے گی بھی قیج کا ذخیرہ بڑھیکگا اور یہ عذاب ہو
 اسسوائے کافروں سے صریح خطاب کیا گیا کہ اپنی کمائی کے پھل چکے جاؤ تمہارے واسطے سوائے عذاب کے کچھ نہیں بڑھیکگا یعنی ہمیشہ عذاب
 ہی بڑھتا جائیگا بعض علماء نے کہا کہ کنبا سے ملائکہ کا تین کے لکھے ہوئے نامہ اعمال مراد ہیں اور بار بار بیان ہوا کہ کافروں کو وہ اعمال خود
 صاف نظر آئینگے اگرچہ ہٹ و دھری سے وہ جھگڑے گا تا کہ شاید اسی حیلہ سے جان چھڑا دے حالانکہ نجات غیر ممکن ہو رازی نے کہا کہ
 اس آیت میں علم بلاغت کے مبالغات تاکیدی ہیں جو کافروں پر سخت غضب ہیں (خطیب) اما علم میں کثیر نے لکھا کہ قولہ وکل شیء
 احصینا لایہ یعنی ہم نے سب بندوں کے اعمال کو خوب جانا اور انہیں لکھ دیا ہو تو نیکی کا عوض نیکی عطا فرماوینے اور بدی کا عوض عذاب دینے
 لہذا جنہوں نے کہا جائیگا کہ اب تم عذاب چکے جاؤ ہم تمہارے واسطے کوئی تغیر کر نہیں دینگے سوائے اسکے کہ عذاب کے اقسام بڑھانے جاؤ گے
 عبد اللہ بن عمر سے روایت ہو کہ جنہوں نے اس آیت سے بڑھ کر غضبناک آیت نہیں اُتری پس جنہی ہمیشہ عذاب کی بڑھتی رہے گی
 ابن ابی حاتم نے بطریق حسان فرقد روایت کی کہ حسن بصری نے ابو ہریرہ سے جنہوں پر سخت تر آیت پوچھی کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 نے قولہ فذوقوا فلن نیکم لایہ پڑھی اور فرمایا کہ جنہی قوم اپنے رب عزوجل کی نافرمانی کر کے ہلاک ہوئی (اسناد ضعیف) رازی نے لکھا کہ اس آیت
 میں دلیل ہو کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک ذرہ ذرہ جزیرہ صاف صاف جانتا ہو اور اسکے علم پاک میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا اور ہر آیت گندی کہ اللہ تعالیٰ نے
 فرمایا جزا و عقاب یعنی جنہم میں یہ عذاب اُن کافروں کے واسطے سزا ہے موافق ہو تو یہ آیت زیادہ فرمائی گویا یہ کہا کہ سکو خوب معلوم ہو جو کچھ ان جنہیوں نے
 عمل کیا اور جس جہت سے کیا اور جس حالت و کیفیت سے عمل کیا تو ہم ہر ایک کو عمل کی نیت و کیفیت و حالت کے موافق عذاب دینگے رازی نے
 لکھا کہ ہر چیز کا احسا لکھ کر اسلئے فرمایا کہ مخلوقات کے ذہن میں جم جاوے اور مراد یہ کہ اللہ تعالیٰ علیم ہے ورنہ لکھی ہوئی چیز تو زائل ہو سکتی ہے
 حالانکہ اللہ تعالیٰ کا علم قدیم بے زوال ہو مگر ہم کہتا ہو بلکہ اس آیت میں عظمت تقدیر کا بیان ہو یعنی علم الہی قدیم محیط ہوتے کہ جس مخلوق کو جس
 ابھی نہیں پیدا کیا ہو اسکی پیدائش کے وقت سے اور موت تک اسکے کاموں سے ذرہ ذرہ سمجھو اسنے لوح محفوظ میں اسکو ثبت کر دیا ہو
 نام تقدیر جو مسئلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے قرآن حق کے ساتھ بھیجا اور آپ ہی کے بیان پر قیامت تک اسکو شریعت معلوم ہوئی
 اور آپ کے کبار اصحاب رضی اللہ عنہم نے جہان کو آپ کی شریعت پہنچائی اور اپنے دل سے صحابہ کیواسے قطعی جنتی ہونے کی خبر دی اب وہ انھیں
 و خوارج کا کیا حال ہو (مواہب) خوارج نے جہالت سے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب تک اچھے تھے تب تک انکے واسطے سب فضیلت تھی
 اور جب شایسون سے نالہ تھی فیصلہ یہ رضامند ہوئے تو یہ کفر ہو گیا اہل السنہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان جاہلون کو رو کر دیا کہ اللہ تعالیٰ علیہم خیر
 ہو تو اُسکے علم میں جو کچھ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمل کیا وہ حق ہو جنتی کرتے ہیں تو خارجی نے انھیں اسے سے نکالا وہ ضرور سکا جنہی خیال ہو
 اور تقدیر حق ہو تو انھیں نے جب دیکھا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت بکثرت بیان فرمائی اور صحابہ و تابعین
 میں یہ سب شہ در تھا تو اس سے انکار ممکن نہیں ہوا اور تقدیر سے بھی انکار غیر ممکن ہے لہذا اپنی طرف سے یہ لکھنا کہ تقدیر کیا گیا تھا یعنی

کیونکہ مخلوق اپنی ذات میں محتاج ہو اور اللہ تعالیٰ کو کچھ غرض نہیں ہو تو یہ اُسکی پاک ذات کے کمال سے جو کسی مثال غیر ممکن ہو۔ اور مخلوق کی عبادت سے اُسکی کوئی غرض نہیں ہو اور نہ اُسکو کوئی فائدہ ہو اسی طرح کافر کے کفر سے اُسکا کچھ ضرر نہیں اور نہ تبدیل کفر بایمان اُسکی غرض ہو اُسکی شان پاک کامل مقدس ہو مخلوقات کو اُس سے لگاؤ نہیں ہو بلکہ وہ خلق سے سبائے ہو اور خلق کا تعلق اُس سے غیر ممکن ہے کیونکہ وہ قدیم ہو اور مخلوق سب حادث ہو اور مخلوق کی عبادت و کفر تو حادث سے حادث ہوتی ہیں تبصر جب مخلوق انسان و جن و غیرہ اُسکی بارگاہ قدیم میں اتصال نہیں ہو سکتا تو مخلوق سے مخلوق کفر و ایمان کو کہاں اُسکی بارگاہ میں لاسکتے ہیں بلکہ مومن کا ایمان اور طاعات اُسی مؤمن کے واسطے جنت میں ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کا ظہور ہو اور کافر کا کفر و ایمان اُسی کافر کے واسطے دوزخ میں ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفت قہر و غضب کا ظہور ہو اور اللہ تعالیٰ ہر کافر کا کفر اور ہر مومن کا ایمان جانتا تھا لیکن اُسے دنیا میں کل مخلوقات کو باری باری سے ہر صدی میں پیدا کیا اور انکے لیے ایک وقت محدود یعنی اجل مقرر کی اور صفت رحمت کی جانب ہدایت کرنے والے انبیاء و ائمہ بھیجے اور صفت قہر کی جانب ہدایت کرنے والے اقسام شیاطین بھیجے۔ انبیاء علیہم السلام نے اعلان کیسا تھے جنت کی راہ و دوزخ کی راہ بتلائی اور غضب کی طرف بھٹکنے سے پرہیز بتلایا اور واضح رہے کہ جنم کی راہ بتلانے کے لیے کسی خاص آدمی سے کفایت نہ تھی اس لیے کہ سوائے ایک راہ توحید کے اور ایک خط تقیم کے باقی جس قدر راہیں بے شمار ہیں سب غرضی ہیں بلکہ ہر نفس کی خود پسندی راہ غضب ہو اسی واسطے راہ غنمی کے لیے کوئی نگرہ کر نبی الا طاہرہ ہو اخصوص جبکہ یہ رہنمائی قبیح ہو اور جنم کا ہادی خود خواہش نفس مخفی ہو تو شیطان بھی مخفی رہا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اپنی شان میں اُسکے غضب پر غالب ہو اور محل امتحان خود ہر نفس گمراہ کے لیے ہادی ہو یعنی شیطان ہو پس دنیا میں جب غلام کر دیا تو جو کوئی ایمان لایا اور توفیق رحمت پائی وہ صد نہر ارشاد اکرے اور خاتمہ اجل تک توفیق خیر کا طالب ہو اور اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان اپنے اوپر جان اور اُسکا کلمہ توحید بلند ہونے میں سعی کرے اور گمراہی سے پناہ مانگے اور دیکھے کہ اُسکے مقابلے میں وہ لوگ جنہوں نے دنیا اختیار کی اور خیرت فروخت کر دی اگر ان لوگوں کو دنیا میں سونے چاندی کے مکانات مل جاویں تو بھی یہ لوگ محض خرابی و بربادی میں رہے اور عجیب ہے کہ وہ لوگ صرف دنیا پر اکتفا کیے ہوئے ہیں آخرت میں سے کچھ نہیں مانگتے ہیں کیونکہ وہ آخرت ہی کو نہیں مانتے ہیں برخلاف اسکے بعض مسلمان ہیں کہ دنیا میں سے کافروں سے بھی زیادہ حصہ چاہتے ہیں اور آخرت ملکیت خاص سمجھتے اور اسلام لانے سے خدا پر احسان رکھتے ہیں یہ محض جهالت ہو اور زیادہ عجیب یہ کہ کافروں کے پاس دنیاوی دولت دیکھ کر تعجب کرتے ہیں کہ ان لوگوں کو یہ نعمت کیوں ملی ہو اور ہم ایسے احسان کے کام کرنے والے کیوں محروم ہیں اس سے زیادہ عجیب یہ کہ دولت دنیا کے پیچھے حبیب و دونوں کا مقابلہ ہو تو کافروں سے بڑھ کر جان سے خائف اور حیات دنیا کے طالب ہیں جیسے یہود کا حال تھا اللہم مولانا اہل قلوبنا واغفر لنا ذنوبنا وکن لنا ولیا یا ارحم الراحمین و حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔ اب تفسیر کی طرف رجوع کرو اور پر بیان ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے طاغیوں کے لیے جنم کی سزا معین ہونے کے جرائم اُن کو نعمت جنت کی امید نہ تھی تو لامحالہ ایسے سرکش مغرور کے لیے اسکا اعتقاد پورا کیا گیا اور وہ جنم ہی میں رہا دوم جرم یہ کہ کذب و اباطنا کذابا ان طاغیوں نے باری آیات کو مبالغہ سے جھٹلایا رازئی نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسکے عقائد کی خرابی و عقل کی بربادی اور انکے اعمال کی قبیح حالت بیان فرمائی تو پھر خبر دی کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کو ہر ایک مجرم کی تفصیلی کیفیت سے بخوبی علم ہو جس سے ہر ایک کے لیے عذاب کی مقدار و کیفیت بخوبی معلوم ہو بقولہ تعالیٰ وکل شیء احصیناہ کتابا فذوقوا نذرا کم الاعذاب۔ یعنی ہر چیز ہے کہ اُسکو سمجھنے لکھا احصا کر لیا ہی

عقدا وہو ابن کثیر نے لکھا کہ یعنی وہ گروہ طاغین یہ اعتقاد نہیں رکھتے تھے کہ وہ ان بعد موت کے کوئی دوسرا ملک جو جسمین دنیا کے اعمال کا بدلہ
 دے گا دینگے اور یہ ان کے معاملات کا حساب لیے جاوینگے مترجم کہتا ہے کہ لایرجون یعنی لا یعتقدون۔ شاید اس لیے کہ رسالت کے شرائع قبول کرنا
 اور نفس کو تکلیف دینا اور رسول اللہ کی ہدایت کے موافق اللہ تعالیٰ کی شان قدس اور عظمت و جلال پر یقین لا جس سے نفس نفا ہوتا ہو یعنی مرجع
 اور روح تازہ نوزائی ہوتی ہو یہ سب باتیں اختیار کرنا کس امید پر ہو یہ تو اسی امید پر کہ وہ ان دار آخرت ہو جس دنیا سے ناپاکاں ابد فرحقیر سے بے انتہا
 بہتر ہے اور یہ ان سے مرئیے بعد وہ ان ہو چنے ہیں اس طرح کہ دوبارہ زندہ کیے جاتے ہیں۔ اگر یہ امید ہو تو جی کو مارنا خوب ہے لیکن یہ لوگ کسی حساب و کتاب
 و عذاب و ثواب کی امید نہیں کرتے تھے یعنی اعتقاد نہیں کرتے۔ رہا یہ کہ رسول اللہ نے انکو آیات الکیہ دکھلائی سنائیں (جواب) یہ کہ نبیل عقدا
 کرتے تھے بلکہ کذبوا آخ یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات کو بڑے گھمنڈ کے ساتھ جھٹلایا کرتے تھے امام رازی نے لکھا کہ یہ ان دو سوال ہیں (اول)
 یہ کہ حساب آدمی کے جی کو بہت شاق ہونا جو اور ایسی شاق چیز کی نسبت لایرجون کے کیا معنی ہیں اس لیے کہ جو چیز جی پر گران ہوتی ہو آدمی اسکی
 امید و آس نہیں لگاتا ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کے حق میں جرم قبیح یہ بیان کیا کہ وہ لوگ حساب کی امید نہیں رکھتے تھے (جواب اول)
 یہ کہ مقاتل بن سلیمان اور بشیر مفسرین نے بیان کیا کہ لایرجون کے یہی معنی ہیں کہ وہ لوگ خون نہیں رکھتے تھے حساب کتاب اسکی نظیر قولہ تعالیٰ لا کم
 لایرجون اللہ وقارا۔ ظاہر معنی یہ کہ تم لوگوں کے واسطے کیا بات ہو کہ امید نہیں کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے لیے وفار کی۔ (اور مطلب یہ ہے کہ تم کو کس چیز
 غرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے عظمت کا خوف نہیں کرتے ہو) (جواب دوم) یہ کہ مومن کو ضرور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہوتی ہو کیونکہ اسکو یہ بات قطعی
 معلوم ہو کہ ایمان کے موافق جسے عمل کیا تو اس کے ایمان کا ثواب عظیم ہو اور اگر جہان بھر کے گناہ جس کے جاوین سوائے شرک و کفر کے تو ان سب
 گناہوں کے مقابلے میں بھی ایمان کا ثواب زائد ہو تو جب کہا گیا کہ یہ لوگ امید حساب نہیں رکھتے تھے تو بیان فرمایا کہ یہ لوگ یا نازنین تھے
 (جواب سوم) یہ ان رجاء یعنی توقع ہو لینے حساب و سزا دفع ہونے کو خیال نہیں کرتے تھے (جواب چارم) یہ کہ اصل میں صرف اسی قدر تھا کہ یہ لوگ
 حساب کو نہیں مانتے تھے اور اسی کو رجاء فرمایا جس سے یہ تنبیہ کی گئی کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو محاسبہ ہو اس میں خوف کی بہ نسبت امید زیادہ
 غالب ہونی چاہیے اس لیے کہ وہ غنی کریم ہو اور اسکو عذاب فرمانے کی کچھ حاجت نہیں جیسے کسی کام میں کچھ مطلب نہیں ہو بلکہ یہ سب ایجاد و
 انعام بصفت نفیس و کرم ہو تو محاسبہ میں بھی یہ کرم مزید مترجم کہتا ہے کہ امام رازی نے صفت اعلیٰ تعالیٰ کی جانب اشارہ کیا جسکو سمجھ لینا اہل
 ایمان کے واسطے معرفت نفیس ہو اور ان کے درجات کے لیے نعمت مزید ہو واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کی شان عین کمال ہو کسی چیز کی خواہش و
 احتیاج وہ ان حال ہو تو لازم ہو کہ بندوں سے اسکو عبادت کی خواہش نہیں ہو اور نہ فرمان کافروں پر اسکو عذاب کرنیکی خوشی و خواہش ہو
 بندہ اگر کسی بندہ سے عداوت کرتا ہو تو اس کے دل میں دشمن کی طرف سے ایک کیفیت عارض ہوتی ہو کہ دشمن کو قابو پا کر سزا دے اللہ تعالیٰ
 کے دشمن یہ کفار ہیں اسکو یہ خواہش نہیں ہو ورنہ کافروں کا وجود ہی نہ ہوتا حدیث میں ہو کہ کافرین اپنے رب عزوجل کیو سطرے جو رو اور بیٹا بناتے
 ہیں اور وہ انکو عافیت و رزق عطا فرماتا ہو مومنین اپنے رب عزوجل کے دوست ہیں اور کبھی کفار اپنے سلا ہو کر قتل کرتے ہیں یعنی حبس و
 مومنین نے دعویٰ کیا کہ آخرت برحق و بہتر ہے تو سچ و جھوٹ ظاہر ہونے کے لیے جہاد کا حکم دیا تاکہ سچا اپنے قتل سے راضی ہو تاکہ جنت میں داخل
 ہو اور کبھی سچے مومنون کو جنت میں اٹھا لینا اور کافروں کو عذاب شدید سے سزا دینا ہر ایک کے اعمال کا نتیجہ ہو جاتا ہو اگر کوہ کہ جب خدا سے
 تعالیٰ کے کام کسی غرض سے نہ ہوے تو جمل بیفائدہ ہوے اور یہ باطل ہو (جواب) جمل وہ کام ہوتا ہو جو حکمت کے فائدہ پر نہ ہو اور اللہ تعالیٰ
 علیہ حکم ہے تو اس کے کل کام سراسر حکمت ہیں اور ان کاموں میں ہر کام سے ہزار بار مانافع حاصل ہوتے ہیں جنکی حاجت و خواہش مخلوق کو ہے

انکار کیا اور مال داب رکھا تو وہ مال اژدہا بن کر آویگا وہ کیگا کہ تو کیوں میرا دشمن ہو مال کیگا کہ میں دہی تیرا خزانہ ہوں آخر تک حدیث طویل ہو جائیگی
کچھ شک نہیں کہ ان اعمال حسنة کے واسطے حقائق میں جو دنیا سے قبر میں اور قبر سے آخرت تک اُسکے ساتھ ہیں اور حیات میں درجہات ہیں اور
کافروں طاغیوں کے ساتھ اُسکے قبیح اعمال ہیں وہ بھی اسطرح لازم ہیں کہی جدا نہ ہونگے یہاں تک کہ جنم میں درجہات ہیں جن میں معلوم ہوا کہ جو سزا
حاصل ہوئی یہ بعینہ اسکی دنیاوی بہت پرستی وغیرہ سے بالکل مطابق و موافق ہو سمین کچھ زیادتی نہیں ہوئی (مترجم اور امام رازی نے
تفسیر کریمین لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے انواع عذاب کو بیان کر کے آگاہ کیا کچھ جزا و نفاق ہیں علماء دین نے اسکو صحیح قرار دیا ہے کہ
کافروں نے جو سخت سزا اٹھائی ہے یہ اُسکے جرم سخت کا عین ہے و سزا دونوں مطابق واقع ہوئے (درجہ دوم) یہ کہ موافق اس درجہ سے
کہ مساوی ہو اور اللہ تعالیٰ نے کچھ زیادہ نہیں کیا رازی نے لکھا کہ اگر کوئی اعتراض کرے کہ خزانے مطابق کیونکر ہو جبکہ دنیا میں ایک لمحہ کفر کی
سزا ہمیشہ کے لیے جنم ہو (جواب) یہ کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ چاہے وہ کرے اُسپر اعتراض جل نہیں سکتا مترجم کہتا ہے کہ لفظ مبرک کفر کی سزا ہمیشہ کیلئے
جنم کچھ معاوضہ نہیں ہو اور نہ جبر ہو بلکہ دنیا میں ہر ایک کے لیے کمائی ہو وہ اسکو خود اختیار کر کے کماتا ہو پس غلام ہو جو کہ کسی کی کمائی چھین لیا
جبکہ وہ نہیں چھوڑتا ہو علاوہ اسکے کوئی بات ایسی نہیں کہ جس سے اسکو ہوشیار نہ کیا ہو علاوہ برین یہ کافر اگر اہل محمد و تک چھوڑا کیا تو بھی
مشروط تھا کہ احوال آدم تمھارے لیے وقت محدود ہو پھر آخر دم تک اُسے جرم کیا کہ شرک حق ہو اگر نہ ہر برس عمر پادے تو نہ چھوڑے اور کرور
برس ہو تو یہی ختم ہو تو اسی فعل کو اُس نے کیا یعنی بے انتہا عمر ہو تو یہی اعتقاد جواب میں اسکو داد کیا گیا تو کچھ ظلم نہ ہوا۔ رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے
اسکو سو برس سے زیادہ عمر نہ دی شاید اگر زیادہ عمر پاتا تو اسوقت کفر سے توبہ کر لیتا اور یہ کیسے معلوم ہوا کہ اگر کرور برس عمر پادے تو یہی کفر
کر گیا کیونکہ شاید دو سو برس کے بعد اسکو چھوڑ دے اور اسلام اختیار کرے (جواب) اگر دو بعد دو سو برس کے اسلام اختیار کرنا تو بیشک قبول ہوتا
لیکن اسے دو سو برس کی عمر نہیں پائی اور اسکا یا کسی مخلوق کا کچھ زور نہیں کہ ہکو ہزار برس عمر کیون نہ دی جبکہ اُسے موت اور زندگی میں اختیار
دیکھی تھی تو اگر وہ سچا تھا کہ میں دو سو برس بعد اسلام لاتا تو کیوں نہیں مرنے سے دم بھر پہلے اسلام لایا اور خلاصہ یہ کہ اسکا یہ دعویٰ اسوقت صحیح
ہو کہ کوئی اعتقاد دہیہ اکر لینا اور تبدیل کر لینا خود اسکے اختیار میں ہوا وہ یہ بھی باطل ہو اور اگر یہ مطلب ہو کہ شاید اللہ تعالیٰ کی
توفیق سے وہ اعتقاد کو تبدیل کر لیا تو یہ اللہ تعالیٰ کو ضرور معلوم ہو گا و لیکن اللہ تعالیٰ نے اسکو کفر پر موت دی تو عالم الغیب جل شانہ کو خوب
معلوم ہو کہ وہ کبھی توفیق سے اسلام نہیں اختیار کر لیا پس ایک لمحہ کے بعد مرنا اور ہزار برس کے بعد مرنا دونوں اس مرتین برابر ہیں کہ اُس کافر نے
یہ فعل کیا یا کہ مثلاً میں قطعاً ہوا و یو کی پوجا سچی جانتا ہوں خواہ بھی مردن یا ہزار برس جیتا رہوں یا ہمیشہ زندہ رہوں۔ یہ فعل اُسکے ساتھ لازم ہو گیا ہمیشہ
اُسکے ساتھ رہیگا ہاں اگر وہ اسلام لاوے تو حدیث میں ہو کہ اسلام اپنے سے پہلے گناہوں کو سب کو منہدم کر دیتا ہو اور مٹا دیتا ہو پس اللہ تعالیٰ
جس طرح مادی اجسام کو موت دیتا ہو اسطرح یہ حقائق مٹاتا ہو اور سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی میں یہ طاقت و قوت نہیں ہو اسی لیے حدیث میں ہو کہ
بندے نے جب توبہ کی کہ اکیں میں نے یہ گناہ کیا ہو تو رحمت سے مجھے بخش دے اللہ تعالیٰ فرماتا ہو کہ اے ملائکہ اس بندے نے جانا کہ میرا رب ہو گناہ یہ
مواخذہ کرتا ہو اور اسکو بخشا ہو میں نے اسکو بخش دیا یا احوال ایک لمحہ کفر یا ہزار برس تک دونوں برابر ہیں اور یہاں شیطانی ادہام ہمیشہ گمراہی کی طرف
جاتے ہیں نفوذ باللہ من الضلال رازی نے کہا کہ ہر جب اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا کہ جنم کی بہ سزاے شدید غیر متناہی اُسکے جرم قبیح غیر متناہی کے مطابق
ہو تو اُسکے انواع سے دو اقسام کو بیان فرمایا بقولہ تعالیٰ۔ انہم کا نوالا برجون حسابا و کذا بوا یا تا کذا۔ یعنی ایک جرم یہ کہ لایر جون حسابا۔ اور
دوم کذاب آیات۔ کذاب اور کذاب یکسان ہیں یعنی جھٹلانا علمائے کلام کیا کہ (لایر جون) کیا معنی ہیں لغض نے لکھا کہ رہا بختیہ اسید ہو اور مراد بیان

فراموش یا بضرورت ہوتا ہو اور اگر اُسے کہا کہ تو نے میرا ناک کھالیا ہو تو ظاہر ہے یہ بین کہ حقیقت میں کھا گیا ہے کہ اگر مٹی پیچھے کہے کہ میری مراد یہ تھی کہ میرا ناک اسے تماشے والے کو دیدیا تو وہ یہود کلام دیکھا جو بات کرنیکا سلیقہ نہیں رکھتا ہے جب یہ معلوم ہوا تو کلام باری تعالیٰ میں ہلکے برو سے نیند کے معنی لینے کی کیا ضرورت جو جبکہ حقیقتی معنی صاف صاف ہیں اور اگر کوئی کہے کہ ضرورت یہ کہ اُنکے واسطے ہر وقت بڑھکر زہر یہ ہوتا ہو اسکا جواب یہ کہ ایسی ٹھنڈک عذاب ہو اور یہاں مراد ایسی ٹھنڈک ہے جس سے دل کو خوشی و راحت ہو رازی نے کہا کہ نیند سے تفسیر کرنے والے دو وجہ سے ضرورت بیان کرتے ہیں (درجہ اول) یہ کہ اللہ تعالیٰ نے لازماً دونوں میںا برہدا۔ فرمایا۔ اور ٹھنڈک کے معنی میں ذوق لینے پکھنا نہیں ہونے اور یہ نہیں کہتے کہ میں نے ٹھنڈک نہیں چکھی ولیکن نیند کو البتہ کہتے ہیں کہ از قوت النوم میں نے نیند نہیں چکھی یعنی مجھے اتنی نیند بھی نہ آئی جس قدر چکھنے میں زبان کو فردا آتا ہے (جواب) رازی نے کہا کہ نیند کا ذوق مجازی ہو تو اسطرط ٹھنڈک کا ذوق بھی بطریق مجازی ہو کیونکہ وہاں ٹھنڈک بذریعہ ہوا کے ہوتی تو مراد یہ کہ انھوں نے ٹھنڈی سانس نہیں پائی اسس سے ناک و منہ کے ذریعہ سے جوف میں ٹھنڈک پہنچتی (وجہ دوم) اُن لوگوں نے کہا کہ ہر وقت ٹھنڈک کیونکہ میں اسلیے کہ وہ لوگ زہریر کی سردی چکھینگے (جواب) میں رازی نے کہا کہ آیت میں (برہدا) نکرہ ہی لینے ایک ہر دن میں چکھیں گے اور وہ ہر وقت ہر وقت ہوا سے اس کے زہریر وغیرہ کی سردی بطور عذاب کے منع نہیں ہو مترجم کہتا ہو کہ وہ دونوں جواب میں اول جواب میں جب عرب کا محاورہ نہیں ہے تو فی احوال اسکا اثبات اپنے قباس سے لازم آیا اور یہ بحث اختلافی ہے دوسرے جواب میں یہ محل ہو کہ (برہدا) بیان نکرہ ہو اور وہ (لا) نفی کے تحت ہیں ہو اور جو نکرہ کہ نفی کے تحت ہیں وہ عام ہوتا ہو تو لازم آیا کہ برہدا کوئی فرد نہیں چکھیں گے ایسا سٹے شیخ ابواسعد نے تفسیر میں کہا یعنی نہیں چکھیں گے کچھ بھی قسم ہر قسم جسکی وجہ سے آگ کی حرارت کم ہو شیخ ابن کثیر نے اشارہ کیا کہ ذوق یہاں اثر پانے سے کہتا ہے ہو اور ہر وہ نہیں چکھیں گے کہ کسی قسم کی راحت کا اثر نہیں پاوینگے فافہم رازی نے کہا کہ عساق کا مادہ خست ہو اور وہ تاریکی ہو جیسے قولہ تعالیٰ راحت ہو اور معنی یہ کہ کسی قسم کی راحت کا اثر نہیں پاوینگے فافہم رازی نے کہا کہ عساق کا مادہ خست ہو اور وہ تاریکی ہو جیسے قولہ تعالیٰ میں شرف اسق اذا قب۔ پس یہ عساق بباد بدو بار ہوگا اور ابو معاذ نے اپنے مشائخ سے نقل کیا کہ یہ اخاشاک کا عربی مترجم کہتا ہو کہ اس وقت کی کچھ توبہ نہیں ہو اور نہ اسی کیا ملکہ جان کی زبانوں سے عزلی زبان بہت فصیح اور وسیع ہو اور ظہر یہ ہو شیخ ابن کثیر نے ذکر کیا کہ غسان جہنمیوں کا پیپ دلو وغیرہ ہلکے جہنم کے ایک دادی میں جمع ہوا اور یہ بہت سرد ہو گیا ہو فالمدہ اس سے نکلا کہ حرارت ہزدہ پانی جب ایسی جگہ ہو جس سے رطوبت جذب ہو تو وہ جم جاتا ہو اسی ترکیب آجکل مصنوعی برف بنا یا جاتا ہو۔ قولہ جزاؤ وفاقا۔ یعنی سداوے گئے ہیں یہ لوگ ایسی سزاؤ موافق جرم ہو لینے انہیں کچھ ظلم نہ یادتی نہیں ہوئی ہو بلکہ یہ بعینہ انکی کائی ہو اور دنیا میں انکو اس سے بھولی آگاہ کر دیا گیا تھا لیکن انھوں نے بجا ہوشیار ہو کر شکر گزار ہونے کے اس سے بھی کفر کیا اور جھٹلایا۔ حضرت مجاہد و عکرمہ و قتادہ وغیرہم نے کہا کہ جیسے ہر انجام کے عذاب میں یہ لوگ پہنچ گئے ہیں۔ انکے اعمال بد سے بالکل مطابق ہو (ابن کثیر) جیسے ایک دفنی سے دوسری دفنی ملا کر بالکل برابر ہو موافق کرتے ہیں اسطرط کا فرق کا کفر و شرک کرنا اور یہ سزا پانا دونوں مطابق ہیں اگر کہا جاوے کہ کفر کرنا اور شرک کرنا تو ان لوگوں کے افعال قبیح ہیں اور جہنم کا ہر انجام بقدرت کفر و شرک کرنا اور یہ سزا پانا دونوں مطابق ہیں اگر کہا جاوے کہ کفر کرنا اور شرک کرنا تو ان لوگوں کے افعال قبیح ہیں اور جہنم کا ہر انجام بقدرت اکہم پیدا ہوا ہو تو دونوں میں موافقت و مطابقت کے کیا معنی ہیں (جواب) اولیائے محققین و علمائے ربانین نے کہا کہ دنیا میں انسان سے جو کام پیدا ہوتا ہو وہ ظاہر میں ظاہر نہیں آتا لیکن اطن میں اسکے لیے صورت ہو اور یہی سبب امور کا حال ہو مثلاً اڑان مجیدہ تو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے لیکن تلاوت کرنا بندے کا فعل ہو اور حدیث میں ہے کہ جسے سورہ بقرہ کی تلاوت کی تو وہ قیامت میں آوے گی۔ اور مجبورہ سورہ بقرہ آں نمران کی صورت بھی بیان فرمائی ہو چنانچہ فضائل میں بیان ہو چکا ہو پس معلوم ہوا کہ اسکے واسطے عالم آخرت میں متعلق ہیں اور اسطرط ناز و روزہ وغیرہ صالحات کی صورتیں صریح بیان ہوئی ہیں اور اسطرط ناز و روزہ وغیرہ بد اعمال کی قبیح صورتیں بیان ہوئی ہیں اور جسے لالچ میں زکوٰۃ سے

عساق کے۔ اس سے یہ نکل کر اتنی مدت دراز تک صرف آگ و حرارت کا عذاب ہوا اسکے بعد زہر و دیگرہ سے عذاب ہو گا وجہ دوم یہ کیا
 آیت علیحدہ ہوا اور (فیہا) کی ضمیر جنم کی طرف ہوا اور معنی یہ کہ نہیں پاؤ گے اپنی دلوں کی ٹھنڈک اور زہن میں شہوت پاکیزہ سوائے عیسیم عساق
 کے ابوالعالیہ نے فرمایا کہ الایما و عساق استنہا پس برہد سے عیسیم مستثنی ہو رہے ہیں پادینگے سوائے عیسیم کے اور شراب سے
 عساق مستثنی ہو رہے ہیں پادینگے سوائے عساق کے یہی ربيع بن النضر نے کہا ہے پس عیسیم وہ پانی ہے جس کی گرمی اپنی حرارت میں اتنا کہ
 پہونچ گئی ہو اور عساق وہ پیپ و کچھ اور غیرہ ہے جو جنمیوں کے بدن سے بہ کر فائین جمع ہوا ہے پینے آگ کی شدت سے جنمی کا بدن جگر اور کھلم
 گر پڑ گیا پھر ویسا ہی دوسرا بدن اسکو ملیگا اور وہ بھی دم کے دم میں اسطرح گر گیا اور برابر یہی ہوتا رہیگا اور جنمی صد ہا برس رہتے رہینگے
 جسے کہ خون روئینگے اور پسینے کا کچھ حساب نہیں ہو تو یہ سب ایک وادی میں جمع ہو گا وہی انکو پلایا جاوے گا نفوذ باللہ من کل ذلک
 اور شیخ ابن کثیر نے کہا کہ یہ عساق بہت سرد ہو گا اور بہت برہد ہو گا رازی نے اس وجہ کی تقریر میں کہا کہ مراد یہ ہے کہ جنمی لوگ
 باوجود شدت حرارت کے برہد نہیں پکچھیں گے یعنی ایسی چیز میں پادینگے جس سے کچھ ٹھنڈک ہو جیسے سرد ہوا و سایہ وغیرہ اور نہ پینے
 میں ایسی چیز پاوین جس سے انکی جان کو کچھ تسکین ہو مگر عیسیم و عساق کا استنہا جنس سے نہیں ہے اسلئے کہ عیسیم کچھ بھی
 برہد نہیں ہو بلکہ انتہا اور پکا گرم ہے اور عساق بھی شراب پینے کی چیز نہیں ہے بلکہ وہ پیپ و غیرہ ہے (معنی دوم) امام ابن جریر نے لکھا کہ بعض
 علماء نے کہا کہ بیان برہد یعنی نیند ہے اور امام نے اس معنی میں عرب کے اشعار سے استدلال بھی ذکر کیا اور امام ابن ابی حاتم نے اس قول کو
 مرۃ طیب رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کیا اور مجاہد سے بھی نقل کیا اور امام بغوی نے اسکو امام لغت ابو عبیدہ دکانی سے بھی نقل کیا ہے
 رازی نے کہا کہ یہ قول اخفش و کسائی و فراء و قطرب و عتبی رحمہم اللہ تعالیٰ ہے کہ آیت میں برہد یعنی نیند ہے و فراء نے کہا کہ
 نیند کو اسلئے برہد کہتے ہیں کہ اس سے برہوت حاصل ہوتی ہے حتیٰ کہ جسکو پیاس کی شدت ہو اگر سو جاوے تو حرارت کو تسکین ہو جاتی ہے مگر ہونے
 کہا کہ عرب کے محاورہ میں ضرب المثل ہے کہ منع البرد البرد برہوتے برہد کو روک دیا یعنی سردی کی شدت ایسی ہو جاتی کہ مجھے نیند نہ آئی اس صورت میں
 معنی یہ ہوسے کہ جنمیوں کو وہاں اسقدر سوزش و حرارت و پیاس کی شدت ہوگی کہ اسکا اندازہ نہیں ہو سکتا پھر انکو نیند کا کچھ شمار بھی چکنے کو
 نہیں ملیگا جس سے کچھ تسکین ہوتی اور کسی قسم کا شربت پانی وغیرہ ملے جس سے سکون ہو لیکن عیسیم یا عساق ملیگا پھر وہ تو دوسرا عذاب ہے
 چنانچہ عیسیم کے بارہ میں حدیث میں یہ بیان ہے کہ جنمی اس حالت میں کہ پیاس کی شدت سے زبان باہر ہوگی اور آگ ہر طرف سے ظاہر و باطن
 اُسپر مسلط ہوگی وہ عیسیم کو دیکھ کر ایک دم کراہت کر لگا پھر لاچار ہو کر اسیکی طرف منہ جھکا دے گا اور سنوڑ دے منہ تک نہیں پہونچا ہو کہ تمام چہرہ اور
 سر کی کھال اُسکی حرارت سے گل کر عیسیم کے تقاریر میں آجادیگی اور آخر جب بی جاوے گا تو اُسکی آنتیں ساتھ ہی کٹ کر اور گل کر مقعد سے نکل جاوینگے یعنی
 فوراً دوسری پیدا ہو جاوینگے رازی نے کہا کہ بیان و دلوں قول ربيع بن قول اولیٰ ہے کیونکہ برہد یعنی سردی حقیقت ہے اور نیند کو برہد کہنا مجاہز ہے
 اسوجہ سے کہ نیند سے بھی برہوت حاصل ہوتی ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب تک حقیقی معنی بن سکتے ہوں تو مجازی کی طرف جانے کی ضرورت نہیں ہے اسلئے
 کہ جب کسی نے کوئی کلام زبان سے کہا تو اس میں بعض لفظ کے مجازی معنی بضرورت لیتے ہیں مثلاً کسی نے کہا کہ تو نے میرا روپیہ کھا لیا ہو تو اس کلام
 پر معنی لینا ممکن نہیں ہے کہ تو نے میرا چاندی کا روپیہ دانوں سے چبا کر کھا لیا ہے اور قاضی حاکم بھی ایسا نہ کر گیا کہ اوکو مسہل دیکر چاندی نکالا
 بلکہ مجازی معنی لے جاتے ہیں یعنی تو نے اُسکو اپنے کھانے کی چیز میں صرف کیا ہے اور چونکہ کھانا سب ضرورتوں سے مقدم ہوتا ہے لہذا اسی معنی
 میں مجازی قیاس ہوا اگرچہ اس شخص نے دو روپیہ کپڑے میں صرف کیا ہو یا مثلاً ناشاد دیکھنے میں فضول و بیاہو پس کلام میں مجازی محاورہ

کہ ہمیشہ در زمین رہا کریں، لیکن رشتہ کی رادے، لوگوں نے بیان کیا ہو کہ حق شریک ہو ان میں سے ہر روز نذر ایک ہزار برس کی (ابن جریر) اور سعید بن ابی غزوہ نے قتادہ سے روایت کی کہ قتادہ رحم نے یہ آیت پڑھی اور لکھا کہ احقاب ایسی مدت ہو کہ جسکی کچھ انتہا نہیں ہو جب ایک حب گزریگا تو دوسرا حب آویگا اور ان احقاب پہ در پہ کا شمار سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا ہے اور ہم سے بیان کیا گیا کہ ایک حب کے اسی برس ہیں اور ایک برس کے تین سو ساٹھ دن ہیں اور ہر دن تھارے شمار کے ہزار برس ہیں (ابن جریر) مترجم کہتا ہے کہ قتادہ رحم نے اس طرح خلاصہ بیان کیا کہ وہم رفع ہو گیا یعنی احقاب جمع حب ہو تو حب کی مقدار باعتبار زبان عرب کے بیان کی گئی ہے اور یہ ایک حب ہو اور اللہ تعالیٰ وہاں طایغون کو احقاب تک رکھیں گے جمع۔ اور ظاہر ہو کہ جمع کم سے کم تین یا دو ہوتی ہے لیکن زیادہ کیواسطے حد نہیں ہے تو بیان بھی احقاب بے حد ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے اسکو دائمی رکھا ہو واضح ہو کہ مترجم کے نزدیک ظاہر یہ ہو کہ حب خواہ تشر یا تشریٰ حسبہ سال ہوں ہر سال اسی معروف حساب سے عرب کی اصل زبان میں مستقل ہوگا پھر ہر روز نذر ہزار سال کے جسے بیان کیا اسے یہ بات شرع سے معلوم کی ہوگی اور شاید حضرت ابراہیم و اسمعیل علیہما السلام کی شریعت سے یہ اطلاق ان میں معروف چلا آتا ہو واللہ تعالیٰ اعلم اور شیخ ابوالسعود کی تفسیر میں بھی میں نے یہی جواب پایا بلکہ بالکل مصرح ہو چنانچہ لکھا کہ قولہ تعالیٰ لا بین آثم اس آیت میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے یہ خیال ثبت ہو کہ احقاب کی انتہا ہو جائیگی تو کیا جہنمی سے جتنی ہوگا اگرچہ احقاب کے واحد یعنی حب کے معنی تشر یا تشریٰ برس لیے جاوین یا تشر یا تشریٰ برس لیے جاوین بلکہ (احقاب) (تو لا بین) کے واسطے ظرف ہو لینے طایغین کے بٹ و ترک کے رانے احقاب ہیں لینے پہ در پہ زمانہ ہیں جب ایک حب گزریگا تو دوسرا حب اسکے پیچھے متصل دستوار ہوگا اور یہی حال ہے احقاب دہر تک چلی جاوے گی۔ مترجم کہتا ہے کہ بیان زمانہ بے انتہا صاف نہیں فرمایا بلکہ احقاب فرمایا تو کسی نادان کو یہ وہم ہو کہ اگر صاف کہہ دیا جاتا تو یہ خیال نہ ہوتا جیسے (الاحقاب) بالغ لام ہوتا تو بھی وہم نہ ہوتا جواب یہ ہو کہ اگر (الاحقاب) زمانہ مستغرق ہو جاتا یا ابد الابد کی طرح کوئی لفظ ہوتا تو اس سے نقطہ ایکسان زمانہ غیر متناہی معلوم ہوتا اور احقاب جمع حب میں ایک بات بھی ہو کہ طایغون کے انعام ہیں اور صفات باری تعالیٰ کی محال ہو تو ظہور قری کی انتہا بھی محال ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر ایک ظہور و تغیر کے لیے اوقات رکھے ہیں جیسے برہان احقاب ہیں اور منجملہ اسرار کے احقاب میں یہ بات ہو کہ طایغین جو طغیان میں کامل ہوں وہ کفار و مشرکین و منافقین ہیں اور ناقص طاعتی وہ بھی جو جسے نفس کی فراہ برداری کی لینے گناہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسکو ہم جاہلون کے واسطے گناہ کی حد میں رکھا ہو اسلئے کہ انہیں ایک پردہ ہو پس احقاب انکے واسطے بھی شامل ہیں جبکہ جہنم میں جاوین اسبواسطے جب ابن عمرؓ نے حدیث روایت کی کہ واللہ جہنم سے کوئی نہیں نکلیگا جب تک اس میں احقاب تک نہ رہے تو ابن عمرؓ نے کہا کہ پھر کسی کو یہ غرہ نہ ہو کہ وہ دوزخ سے نکال لیا جائے گا (رواہ البیہقی و ابن مردیہ) یہ فوائد تو ہو ظاہر ہوئے ہیں اور علماء اسرار و حکماء ربانیہ اسمین بت فوائد جانتے ہیں اور عالم انہی محیط ہو سچانہ دلتعالیٰ عما یشرکون قولہ لا یذوقون فیہا برزخا ولا شرابا الا جمیعا و غساقا جزاء وفاقا۔ سوال اس آیت کے متعلق مجھے برہم ہو کیونکہ اگر برہم ہی سردی ہو تو سوال یہ کہ جہنمیوں کو جیسے آگ کی حرارت سے غلاب ہوگا اسی طرح زمہریر کی سخت سردی سے عذاب ہوگا پھر کیا مطلب ہو جواب یہ کہ برہم کے چند معنی مستعمل ہیں از اظہر بیان دو معنی ہو سکتے ہیں اول یہ کہ برہم سے یہی معروف سردی مراد ہو اور اس صودت میں دو وجہ سے تقریر کی گئی وجہ اول یہ کہ اگر موافق قول خالد بن معدان درجاء کے یہ آیت متعلق پہلی آیت کے ہے یعنی احقاب کی صفت ہے تو مطلب یہ ہو کہ طایغین جہنم میں احقاب کثیرہ تک پڑے رہیں گے کہ ان احقاب میں وہ لوگ سردی و شراب نہ چکھیں گے سوائے جہنم

انجیل نازل فرمائی اس میں شراب و گوشت کی حرمت منسوخ فرما کر حلال کر دی پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل فرما کر فقط شراب
 حرام کر دی الغرض یہ نسخ فقط ایسے حکم میں ہو سکتا ہو جس کے واسطے ایک وقت سے دوسرے وقت میں جہاں حکم ہو سکتا ہو وہ نہیں ہو سکتی
 ہو اس واسطے جو خبریں ہوں ان میں نسخ نہیں ہو مثلاً خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے جنت پیدا فرمائی ہو تو اس میں نسخ نہیں ہو سکتا ہو جبکہ تبدیل نہیں ہے
 و علیٰ ہذا القیاس خبر دی کہ طاغین جہنم میں احتساب پڑے رہینگے تو اس میں بھی نسخ نہیں ہو گا نعم واللہ تعالیٰ اعلم تیسرا جواب یہ کہ خالد بن معدان
 نے کہا کہ اہیت یہ ایسے مسلمانوں کے حق میں ہو جو گناہوں سے بغیر توبہ کے مرے اور مغفرت بھی نہ ہوئی تھے کہ پاک کرنے کے لیے جہنم میں گئے
 تو وہ احتساب تک وہاں رہینگے مگر ترجمہ کتا ہو کہ اوپر حدیث ابن عمرؓ روایت امام بزارؒ میں بھی ہے یہ تاویل بیان کی ہو لیکن مخفی نہیں کہ
 اس جواب میں تکلف شدہ ہو کیونکہ سیاق تو یہ ہو کہ جو لوگ بنا عظیم گنہگار تھے قیامت اور یوم الفصل جزا و سزا سے اور اللہ تعالیٰ کی اہمیت اور
 اس کے رسول کی رسالت سے منکر ہیں ان طاغین کے واسطے جہنم ہے جن میں احتساب تک رہینگے اور مسلمان اگرچہ گناہگار ہو وہ اس سے
 منکر نہیں ہو ورنہ وہ مسلمان ہی نہ ہو گا۔ چوتھا جواب وہ ہو جو امام ابن جریرؒ نے خود لکھا کہ احتساب کا تعلق آگے کی آیت سے ہو لینے
 لائیں فیہا احتساباً لا یدون فیہا ربوا ولا غرابا الا حیما وغساقا الخ یعنی طاغین جہنم میں پڑے رہیں گے اس حالت سے کہ بہت احتساب تک وہاں
 سوائے جسم و عناق کچھ چھینے کو نہ پاؤ گے پھر اسکے بعد اللہ تعالیٰ ان کے لیے دوسری قسم کا عذاب پیدا فرما دے گا جیسے آئندہ خبر دی کہ اسے کھینچ
 جا دیگا کہ تم لوگ مایوس رہو کہ سوائے عذاب کے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کچھ نہیں بڑھا دیگا مگر ترجمہ کتا ہو کہ ماریؒ نے شیخ زجاجؒ
 سے بھی یہی جواب نقل کیا اور یہ جواب اگرچہ گزشتہ جوابات سے اچھا ہو لیکن تکلف سے خالی ہے اور پانچواں جواب امام رازیؒ نے
 یہ لکھا کہ سوال مذکور اس بنیاد پر ہو کہ جب یہ کہا گیا کہ طاغین اس میں احتساب تک پڑے رہیں گے تو اس سے ایک خیال اس طرف
 دوڑا کہ شاید بعد احتساب کے نہیں رہینگے لیکن یہ خیال اس وقت معتبر ہوتا ہو کہ جب صریح نص کے خلاف نہ ہو اور یہاں صریح نص موجود ہو
 کہ وہ کبھی خارج نہ ہونگے مانند قولہ تعالیٰ یریدون ان یخرجوا من النار واما ہم بنی رصین مہناسین کفار طاغین یہ چارہاں گے کہ آگ سے خارج
 ہو جائیں حالانکہ وہ لوگ کبھی اس میں سے نکلنے والے نہیں ہیں۔ یہ جملہ اسمیہ ہو جو ہمیشہ اسی حالت پر رہنے کا فائدہ دیتا ہو اور خاتمہ اہمیت
 یہ ہو کہ ہم عذاب مقیم۔ ان کے واسطے عذاب مقیم ہو یعنی کبھی اسے جدا نہ ہو گا۔ یہ خود صریح ہو کہ خالد بن مہیا ابداً ہمیشہ ان میں رہینگے اور بعد
 اس تصریح کے وہ خیال جو احتساب سے پیدا ہوا تھا کہ شاید بعد احتساب کے خارج ہوں تو وہ سب گناہ خشریؒ نے چھڑا جواب یہ نکالا کہ احتساب
 یہاں اس محاورہ سے ہے کہ (حقب عامم) یہ سال اوں لوگوں کا قحط اور خشکی کا گذر۔ تو معنی یہ کہ احتسابا حال واقع ہے یعنی لوگ ہمیشہ درخ
 میں بحالت فحط سختی پڑے رہیں گے یعنی ان کو سامان عیش و برد و شراب سے کچھ بھی چھینے کو نہ دیگا مگر ترجمہ کتا ہے کہ میرے نزدیک ساتواں
 جواب یہ ہو کہ سوال مذکور ہی وارد نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جہنم کی سختی سے آگاہ فرما کر ان کے لیے تاب بیان کیا لینے ہی آگ آتھیں
 ان کا تاب۔ تاب وہ جگہ جہاں واپس جانا ہو تو شاید جہاں کافرون کو دلبری ہوتی کہ بخود ہی دیر کے لیے اس منزل میں بھی کوفت اٹھائیں گے
 پس آگاہ فرمایا کہ وہاں احتساب گزرتے چلے جائیں گے اور اگر ایک حقب یا دس حقب وغیرہ محدود شمار ہوتا تو وہم ہوتا کہ اس کے بعد کیا ہو گا لیکن
 یہ غم آہی میں ہر آدمی سے اس قول کے ثابت کرنے کے لیے تفسیر ابن کثیرؒ والی السعدیہ کافی ہو چناںچہ شیخ ابن کثیرؒ نے لکھا کہ امام ابن
 مردیہؒ روایات کے لکھا کہ صحیح قول یہ ہو کہ احتساب کی واسطے کبھی مدت ختم نہیں ہو اور یہ قول حضرت قتادہؒ اور ربیع بن انسؒ رحمہما اللہ سے
 مروی ہے اور حسنؒ سے روایت ہو کہ انہوں نے کسی نے قولہ تعالیٰ لائیں نہما احتساباً کی تفسیر بھی تو فرمایا کہ احتساب کا تو کچھ شمار نہیں ہو سوائے اسکے

اور امام ابو بکر الزائر نے کہا کہ ہم سے محمد بن مرواس نے بیان کیا کہ ہم لوگوں سے سلیمان بن مسلم العلانی نے کہا کہ میں نے سلیمان بن
رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ کیا دوزخ سے کوئی شخص نکالا جاویگا تو فرمایا کہ مجھے نافع بن ابی عمر رضی اللہ عنہما سے حدیث روایت کی
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ واللہ کوئی شخص آگ سے نہیں نکالا جاویگا جب تک اس میں احتساب نہ ٹھہرے اور کہا
کہ ایک حقب کچھ اور پراسی برس ہو اور ایک برس تین سو ساٹھ دن ہو جیسے تم شمار کرتے ہو۔۔۔ امام زائر نے کہا کہ یہ اسناد
ثقات ہیں اور سلیمان بن مسلم علماء بصرہ میں سے مشہور شیخ و مترجم کہتا ہو کہ اس روایت میں یہ نہیں مذکور ہو کہ ہر روز نمز پڑھا
برس کے ہو بلکہ ہمارے شمار کے کچھ اور پراسی برس کا ایک حقب ہوا اور احتساب سکی جمع ہو جو کم سے کم تین حقب ہوئے اور زیادہ
ہو۔۔۔ پھر مخفی نہیں کہ جہنم سے نکالا جانا فقط ایسے لوگوں کے واسطے خاص ہو جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر بدون شرک کے ایمان لائے
ولیکن نفس کے مکر میں گناہوں کے مرکب ہوئے ہیں تو شاید جو گناہگار لوگ جہنم میں ڈالے جاویں گے ان کے لیے احتساب کا شمار اسی
دنیاوی حساب سے ہوا اور احتساب گزرنے سے پہلے کوئی نہ نکالا جاوے اور بعض علماء نے اسی مقام سے وعظ میں یہ استنباط
کیا کہ اے لوگو نماز فریضہ کی حفاظت رکھو کیونکہ جسے ترک کی اور جہنم میں ڈالا گیا تو ایک نماز کے پیچھے کئی احتساب دوزخ میں پہنچا
مترجم کہتا ہے کہ استنباط کی صورت ظاہر ہو کہ ہر نماز فریضہ کے ترک کی سزا جہنم ہی پھر اگر اسے یہ سزا پائی تو ضرور ہو کہ احتساب پہلے
نہیں نکالا جائیگا اللہم عفرانک وانت الرحیم الغفار۔ یہ سب اس صورت میں کہ نکالے جانے سے حدیث میں مراد ہو کہ جہنم کے ملک سے
باہر کر دیا جاوے یعنی جنت کی حد میں داخل کیا جاوے کیونکہ عاقبت میں دوسری ملک میں اور اگر نکالے جانے سے مراد ہو کہ آگ
میں سے نکالا جاویگا یعنی حمیم و غساق جلانے کو اور زہریر کا عذاب چکھانے کو نہیں نکالا جاویگا جب تک آگ کے عذاب میں احتساب
تک نہ جلتے تو یہ معنی فقط کفار و منافقین و مشرکین کے واسطے ہیں یعنی کچھ اور پراسی برس تک آگ میں عذاب پادینگے پھر وہاں سے
زہریر وغیرہ کے عذاب چکھنے کو نکالے جاویں گے واللہ تعالیٰ اعلم واضح ہو کہ یہاں یہ سوال بھی کیا گیا ہو کہ قولہ تعالیٰ لا یثین فیہا احتسابا سے
ظاہر ہوتا ہو کہ طاغین جنہی لوگ اس میں احتساب تک ٹھہریں گے اور احتساب کے کوئی معنی لیے جاوین بہر حال وہ زمانہ متناہی و محدود سے
تو کیا اس زمانے کے بعد وہاں نہیں ٹھہریں گے اور اس صورت میں لازم ہو کہ جنتی ہو جاوین کیونکہ وہاں دوسری مقام ہیں (جواب میں علماء کے
اقوال ہیں شیخ ابن کثیرؒ نے لکھا کہ سدیؒ نے کہا کہ ایک حقب تتریس ہوا اور ہر سال کے تین سو ساٹھ دن ہیں اور ہر دن ہمارے شمار کے
ہزار سال ہیں اور احتساب سے مراد سات سو حقب ہیں مترجم کہتا ہو کہ کل احتساب سترہ ارب چونسٹھ کروڑ برس ہوئے لیکن یہ بھی ثابت
محدود ہی اگرچہ بہت ہی دراز ہو۔ مقاتل بن حبان نے کہا کہ یہ آیت منسوخ ہو چنانچہ آگے فرمایا فذوقوا فلن نزدیکم الا عذابا۔ یعنی جنہیوں سے کہا
جاویگا کہ چلے جاو یہ حمیم و غساق کہ تم تمہارے لیے کبھی کچھ نہیں ٹہراوینگے سوائے عذاب کے تو معلوم ہوا کہ عذاب فقط احتساب تک نہیں
را بلکہ دائمی ہو اور وہ ابن جریرؒ مترجم کہتا ہو کہ منسوخ ہونے کے یہاں کچھ معنی نہیں ہو سکتے ہیں کیونکہ ہم لوگ منسوخ کے معنی یہ سمجھتے ہیں
کہ ایک حکم آجوا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک وقت تک کے لیے معلوم تھا اگرچہ ہر معلوم نہ تھا بلکہ اس وقت کے انتہا پر اللہ تعالیٰ نے
دوسرا حکم بھیجا تو ہم نے اب جانا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم فقط اس مدت تک کے لیے رکھا تھا جیسے بنی اسرائیل میں حضرت یعقوب علیہ السلام
زمانہ میں ایک ہی وقت میں دو بہنوں سے نکاح کرنا جائز تھا پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توحید اتاری تو یہ حکم منسوخ
کر دیا اور اس وقت میں شراب حرام کر دی اور اونٹ کا گوشت حرام کیا پھر فریب دو ہزار برس بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر

پاس پارس ہونیکا پر روانہ ہو لینے اجازت نامہ ہو ورنہ روک دیا جائیگا **اقول** اجازت نامہ کلمہ توحید بہر مغفرت ہو۔ اور سفیان ثوری نے فرمایا کہ جنم پر تین قناطیرین **اقول** اسکے معنی یہ کہ تین بل ہیں۔ شاید امام ثوری کی مراد یہ ہو کہ بل صراط بہت دراز ہو اس میں اول سے آخر تک تین مقام پر تین طرح سے روک ہو جہاں اجازت نامہ کی ضرورت ہو اور شاید یہ مراد ہو کہ بل صراط آخری بل ہے اور وہ نہایت خطرناک ہو وہاں تک مومنین مع منافقین ہو چکر عبور کرنے کے لیے روانہ ہوتے ہیں اور راہ نہایت باریک اور بہت اندھیری تاریک ہو اور قولہ تعالیٰ ربنا اتھم لنا نورنا الایہ کے مقام میں سورہ حشر کی تفسیر میں گذر چکا کہ منافقین وہاں جنم میں گرفتار ہو جاؤ گئے اور اس بل صراط سے پہلے دو بل ہیں کہ وہاں کفار و اہل کتاب داخل جنم ہو چکے ہونگے یا یہ کہ اول توحید و دوم اعمال دیانت و سوم معاملات باہمی واللہ تعالیٰ اعلم اور خطیب وغیرہ نے لکھا کہ ابن عباس سے روایت ہو کہ جنم کے اوپر سات بل ہیں جہاں روک ہوگی اول تو بندے سے کلمہ توحید کا سوال ہوگا یعنی مثلاً اس امت والے سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا سوال ہوگا کہ کیا اس نے یہ گواہی دی ہو یعنی دنیاوی زندگی میں موت سے پہلے یہ گواہی دیتا تھا پس اگر یہ بات پوری ادا کی تو دوسرے مقام پر روکا جائیگا اور وہاں نماز فریضہ کا سوال ہوگا اگر پورا ہوا تو وہاں سے گذر کر تیسرے مقام پر زکوٰۃ پوری ادا کی تو دوسرے مقام پر روکا جائیگا اور وہاں نماز فریضہ کا سوال ہوگا اگر پورا ہوا تو وہاں سے گذر کر چوتھے مقام پر روزہ سے سوال ہوگا اگر پورا ہوا تو گزر کر چوتھے مقام پر روزہ سے سوال ہوگا اگر پورا ہوا تو گزر کر پانچویں مقام پر حج فریضہ سے سوال ہوگا اگر پورا ہوا تو گزر کر چھٹے مقام پر عمرہ ادا کرنے سے سوال ہوگا اگر پورا ہوا تو گزر کر ساتویں مقام پر مظالم سے سوال ہوگا یعنی لوگوں کیسے برتاؤ کرنے میں ناحق کیسے اور بظلم وغیرہ کیا ہو پس اگر اس سے پاک ہوا تو تیسرے روزہ حکم ہوگا کہ دیکھو اسکے پاس نوافل اعمال کا ثواب ہے تو اس سے پورا کیا جائیگا پھر جب پاک ہوا تو اسکو جنت کی طرف روانہ ہونے کی اجازت ہوگی۔ یہ سب مسلمان کا حال ہو اور رہنما ہو و مشرک تو دو جہنم میں ابتدا سے ڈال دیا جائیگا مترجم کہتا ہو کہ اس قول میں جو امور مذکور ہیں ظاہر ہو کہ جنم کے بل صراط سے پار ہونے سے پہلے انکا مطالبہ ہو اور یہ سب جنم ہی کی پشت پر ہیں اور ان امور کے واسطے احادیث سے ثبوت نکلتا ہو چنانچہ فرائض نماز و زکوٰۃ وغیرہ سے سوال ہونا احادیث میں معروف ہی ولیکن یہ بھی آیا ہو کہ اگر مثلاً غارون میں قصور ہو تو کہا جائیگا کہ دیکھو اگر اسکے اعمال نفل ہوں تو نوافل سے پورا کرو اس طرح زکوٰۃ وغیرہ میں ہو اور انکا بیان میزان عدل کے وقت میں بھی آیا ہو ولیکن میزان عدل بھی اسی طرف ہو اور واضح ہو کہ نمازوں سے سوال تو مطلقاً ہو اور زکوٰۃ و حج وغیرہ میں شرائط ہیں یعنی زکوٰۃ کا سوال اس شخص سے ہوگا جو مال بقدر نصاب اور واضح ہو کہ نمازوں سے سوال تو مطلقاً ہو اور زکوٰۃ و حج وغیرہ میں شرائط ہیں یعنی زکوٰۃ کا سوال اس شخص سے ہوگا جو مال بقدر نصاب رکھتا ہو اور حج کرنے میں اسکو قدرت ہو اور اس روایت سے معلوم ہوتا ہو کہ عمرہ سے بھی سوال ہوگا اور اسی سے اکثر علما نے کہا رکھتا ہو اور حج کرنے میں اسکو قدرت حاصل ہو تو پھر عمرہ بھی ادا کرے اور وہ چھوٹا حج ہو جیسے حج بڑا کہلاتا ہو کہ عمرہ واجب ہو یعنی جو شخص حج ادا کر چکا اور اسکو قدرت حاصل ہو تو پھر عمرہ بھی ادا کرے اور وہ چھوٹا حج ہو جیسے حج بڑا کہلاتا ہو اور مذہب حنفیہ میں بھی اسی پر فتویٰ ہو کہ عمرہ واجب ہو پھر جب ان باتوں کے جواب میں پورا اترا تو مظالم سے سوال ہوگا اور حدیث میں ہو کہ آدمی آویگا اور اسکے پاس نیکیوں کا ذخیرہ ہو پھر اس سے مظلمہ کی پستش ہوگی تو مدعی ظاہر ہونگے بعض کو اس نے گالی دی اور بعض کو مارا ہو اور بعض کا مال ناحق لیا ہو اور بعض کا حق نہیں ادا کیا ہو پس یہ لوگ اپنے مطالبہ میں اسکی نیکیاں لے جاؤ گئے یا تک کہ اسکے پاس کچھ باقی نہیں رہیگا نفوذ باللہ من ذلک مترجم کہتا ہو کہ اس روایت سے یہاں عرض یہ ہو کہ جنم مرصا ہو یعنی وہ ایسا مقام ہو کہ جب تک بے ہوشی سے تجاوز نہ ہو جب تک بھات ہوگی اور کفار کے لیے اصل چیز یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ مرصا ہی ہے یعنی وہ ایسا مقام ہو کہ جب تک بے ہوشی سے تجاوز نہ ہو جب تک بھات ہوگی اور کفار کے لیے اصل چیز یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی نہ دے تو وہ اول ہی سے جنم میں گرفتار ہو جائیگا اور جسکے پاس یہ گواہی موجود ہو وہ جنم کے مرصا سے تجاوز کر گیا

اللہ تعالیٰ نے یوم الفصل کے بعض احکام کی تفصیل بیان فرمائی ہو ازاجلہ یہ کہ جہنم طاغین کے عذاب کے لیے مرصاد ہو وہاں ملائکہ عذاب مترصد ہیں کہ طاغین کو پکڑ کر جہنم میں ڈالیں (دہم مترجم کتاب ہو کہ یہ توجیہ اس صورت میں کہ (لطاغین) متعلق مرصاد ہو یعنی جہنم مرصاداً للطاغین مقرر ہو چکی تھی۔ اور امام رازی وغیرہ نے لطاغین کو (آبا) سے متعلق کیا (یعنی آبا للطاغین) ایسے جہنم مرصاد ہے وہ طاغین کے لیے آبا و فزل ہے۔ اس صورت میں جہنم کا مرصاد ہونا اسکی صفت ہی یہ صفت یا تو اس لیے کہ وہاں ملائکہ عذاب کے کافروں کے مترصد ہیں یا اس لیے کہ ملائکہ رحمت مومنوں کے منتظر ہیں کہ انکو جہنم کے پل سے پار کر لیں لیکن شیخ ابن کثیر و ابوالسعود نے اس توجیہ کو نہیں لیا اس لیے کہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ پل صراط سے عبور کے وقت کیسی آواز نہیں سنی جاوے گی اور کوئی کلام نہیں کرے گا سوائے رسولوں کے جو دعا کریں گے کہ اے رب سلامتی دے اے رب سلامتی دے اور حدیث میں ہے کہ جب مومنین گزرتے لگتے توجہ نہیں کیگی کہ اے مومن آپ جلدی عبور کیجئے کہ آپ کے نوز سے میری آگ بجھی جاتی ہو کافرانی الصبح اور جہنم بلکہ دار آخرت تمام و کمال کوئی چیز بے شعور نہیں ہو جیسے دنیا میں آگ کو بے شعور دیکھا جاتا ہے بلکہ حکم قولہ تعالیٰ لہی الجیوان سب جائدار شعور دار ہو اسبواسطے فرمایا تطلع علی الافئدہ۔ یعنی وہ آگ خود دلوں کو جھانک کے جان لیتی ہے تو وہ کافروں کو گرفتار کر لے گی تو وہ خود مرصاد ہے جیسے آیت میں مصحح ہے کہ جہنم مرصاد ہو اور یہ کہنا کہ وہاں ملائکہ بیٹھے ہوں مترصد ہیں یہ ٹھیک نہیں ہے حتیٰ کہ جہنم کے پل پر آنکڑے کی طرح کلائیب اور بکترت کیٹیلے کی طرح کانٹے ہیں تو بعضے گنہگار مسلمان سبقتوں میں سے جنکے حق میں کسی قدر جہنم میں عذاب مقرر ہو انکو بھی اپنے کانٹے میں الجھا کر گرا دیگی اور حدیث میں ہے کہ جبکو فقط خراش لگی وہ جھوٹ گیا یعنی یہی آتش خراش اُسکے حق میں سزا ہو گئی اور اللہ تعالیٰ ہم بندوں کو اس سے بھی پناہ دے کیونکہ یہ خراش بے انتہا سوز و جلن ہوگی اگرچہ پار ہو کر ہوا سے جنت سے بچھ جائیگی پھر بھلا انکو قیاس کرو جو زخم کھاوینگے پھر جہنم کے اندر گراوینگے نفوذ باللہ من جہنم وعذابہ۔ اور نیک بندے بہت ایسے ہونگے کہ وہ جنت میں جا کر باہم گفتگو کریں گے کہ ہکو دنیا میں حکم ملا تھا کہ پل صراط کے اوپر ہو کر جہنم سے گزرنے پڑے گا جنے جہنم کو نہیں دیکھا۔ اُسے کم درجہ والے عرض کریں گے کہ حضرت آبا کو خیال نہیں ہے وہ سرب کی طرح ریگ کا بیابان آپ نے نہیں دیکھا ہم نے تو دیکھا تھا شاید ایسی کی نیچے جہنم ہوگی مترجم دیکھا کہ سب کی صورت نظر نہ آئی کیونکہ رحمت رب تبارک و تعالیٰ ان بندوں کے حال پر ایسی ہے کہ جہنم کی ہولناک صورت بھی نہیں دکھائی دلتی الحمد والمنة اللهم ارحم الراحمین اگر کو کہ جب تم نے (مرصاداً للطاغین) لیا تو (آبا) کا تعلق کیونکر ہو (جواب) یہ مرصاداً سے بہل ہے یعنی جہنم ان طاغیوں کے لیے مرصاد یعنی آبا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ (مرصاداً) حال ہو جو بوجہ نکرہ ہونے کے مقدم کر دیا گیا ہو یعنی جہنم فرقہ طاغیہ کے واسطے آبا و مرجع ہے و حالیکہ وہ مرصاد مقرر ہو چکی ہو اُس سے کسی طرح تجاوز نہیں کر سکتے ہیں۔ اور یہ مترجم کہتا ہے کہ الحمد للہ کہ میں نے اُسکو اوپر توجہ سے بیان کر دیا ہے لیکن جہنم کا مرصاد ہونا اور اُسی کا طاغیوں کے لیے آبا ہونا تو یہ خیال صحیح ہے اگرچہ مرصاد جی طاغیوں ہی کیواسطے اسل جو اور امام ابن کثیر نے لکھا کہ حسن بصری وقادہ سے روایت ہے کہ جہنم مرصاد یعنی جنت میں کوئی شخص نہیں داخل ہو سکتا جب تک جہنم سے پار نہ ہو جاوے اور پار ہونا اُس وقت میسر نہ آتا جب اُسکے

کَا تُوَا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذْبًا۔ یہ لوگ امید نہیں کیا کرتے تھے کسی حساب کی اور انھوں نے ہماری آیات کو بہت جھٹلایا ف یعنی کافروں کے نزدیک یہ محال تھا کہ اللہ تو اے بعد موت کے سڑی ہڈیوں کو زندہ کرے تو قیامت کو محال جانتے تھے پس کسی طرح امید نہیں کرتے تھے کہ کچھ حساب کتاب ہوگا اور اگر انکو آیات قرآنی سنائی گئیں کہ حشر و حساب ہو تو انھوں نے آیات کو جھٹلایا اور برابر اسی بات پر اڑے رہے یہاں تک کہ مر گئے۔ کذاب مثل تکذیب کے برابر جھٹلانے میں مبالغہ ہی چنانچہ ابتدائے سورہ میں یسار لون عن النبا العظیم میں بیان ہو چکا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انکو آیات سنائیں تو انھوں نے جھٹلایا پھر مومنوں سے مخالفت کی پھر آپس میں سخرہ پن کیا کہ ہر مجلس میں باہم گفتگو کرتے کہ کہو تمھاری جنت کہاں ہے اور وہ قیامت کا دن کب ہو یعنی ایمان نہیں لاتے تھے کیونکہ جو شخص روز آخرت اور دہان کے حساب و جزاء اور جنت و دوزخ کسی چیز سے منکر ہو تو وہ کافر ہو اور اسی کفر کی سزا دے وفاق یہ جہنم ہوا اسی آیت قدسی کی دلیل سے امام ابو حنیفہ وغیرہ محققین علماء نے کہا کہ کافروں و مشرکوں کو ایمان لانے کا خطاب مقدم ہو کیونکہ اسی سے انکار کرنے پر کافر جہنمی ہو جاتا ہے پھر کفر کے بعد وہ چاہے جیسے اعمال کرے یہ نہ ہوگا کہ وہ جہنمی نہ رہے مثلاً ایک شخص نے کفر اختیار کیا پھر وہ صدقہ دیتا ہے اور خیرات کرتا ہے حتیٰ کہ وہ مسلمانوں کی طرح نماز و روزہ رکھتا ہے لیکن نماز میں قرآن لا اذ لا اللہ سے وہی اپنے خیال کے معنی لیتا ہے اور اسی طرح مان بکے ساتھ سلوک کرتا ہے تو اس سے وہ جہنمی ہونے سے خارج نہ ہوگا اور اگر وہ کفر کے بعد مثلاً مان باپ کو ایذا دیتا ہے تو بھی جہنمی ہو لیکن ان دونوں میں صرف یہ فرق ہے کہ جہنم میں ہر ایک اپنے اعمال قبیحہ کے موافق طبقہ پاویگا اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَكُلُّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا فَذُوقُوا فَلَئِنْ زَيْدٌ كُمْ إِلَّا عَدَا آثًا۔ اور غنہ ہر چیز کو شمار میں احاطہ کر لیا ہے لکھ کر پس تم لوگ چکھو کہ ہم تمھارے لیے کبھی کچھ زیادہ نہ کریں گے سوائے عذاب کے ف یعنی کافروں کے اعمال قبیحہ ہر روزہ بلکہ ہر گھڑی کے ہر ایک کے نامہ اعمال میں لکھے ہوئے محفوظ کر لیے گئے ہیں اور یہی اعمال انکو دہان دیر لے جاویں گے اور ہر عمل کی بنیاد کفر ہے تو ہر عمل سوجہ سے قبیح ہے اسی واسطے حدیث میں آیا ہے کہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔ کافر ہر کام میں دنیا اور شرک نفس کی نیت رکھتا ہے تو درحقیقت اُس کے نیک کام مثلاً صدقہ وغیرہ سے فقط ایذا و تکلیف نہیں پہنچی ورنہ وہ کام بذات خود انجام دے گا اور جب یہ کام اُسکو انجام میں ملیگا تو عذاب ہی عذاب رہیگا اسیلئے کہ فی الحال دنیا میں اُس نے اپنے اپنے کام سے یا تو خود اپنے نفس کا مزہ حاصل کر لیا یا نام مشہور کر لیا یا اللہ تعالیٰ نے اُسکو دنیا ہی میں عوض دیدیا اب آخرت میں فقط بدی رہیگا یہی لیے فرمایا کہ کبھی اُسکو سوائے عذاب کے کچھ اور نہیں ملیگا بیان تفسیر و اقوال مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان جہنم کا نیت مرصاد الایہ۔ مرصاد یعنی طاغین کے لیے مرصاد وہی ہے۔ طاغین سے مراد وہ سرکش نافرمان لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے رسولوں سے مخالفت کرتے اور آیات الہی کو جھوٹا بتلاتے تھے۔ تاب یعنی مرجع جہان دنیا کے بعد ہمیشہ رہیں گے (ابن کثیر) مرصاد یعنی جہنم کافروں کے لیے منظور ہے کہ گرفتار کرے یا ایسی جگہ ہے جہان جہنم کے موکل انتظار کرتے ہیں کہ کافروں کو قید کریں یا ایسی جگہ ہے کہ جنت کے خزانچی یہاں کرتے ہیں کہ مومنوں کو بل صراط کے اوپر سے گزرنے میں نگاہ رکھیں کہ اُنکو جہنم کی لپٹ نہ پہنچے (خطیب و رازی وغیرہ) متبرجم کہتا ہے کہ مرصاد کے معنی تین تین وجہیں بیان کیں اللہ اُنکے سمجھنے میں اشکال پیش آتا ہے جسکو دور کرنا لازم ہے واضح ہو کہ شیخ ابوالسعود نے لکھا کہ مرصاد ایسے مقام کا نام ہوتا ہے جہاں کسی بات کے لیے نگاہ رکھی جاوے و انتظار کیا جاوے اور یہاں مراد یہ کہ اللہ تعالیٰ کے علم و حکم قضا میں جہنم مرصاد رکھی گئی تھی کہ وہاں عذاب کرنے والے فرشتے کافروں کے منتظر ہیں۔ بیان

اسکی قبیح حرکت کو ہم تصور کرنا چاہیں تو کبھی اسکو تصور نہیں کر سکتے ہیں وہ بے انتہا قبیح ہے تو کفار اس جہنم میں بے انتہا زمانہ تک اپنی
قباحت کا مزہ چکھیں گے لَا یَذُوقُونَ فِیْهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا۔ کفار اس میں نہ ٹھنڈک چکھیں گے اور نہ شراب پینے
جہنم کی آگ میں نہ انکو کبھی خشکی کی راحت نصیب ہوگی اور نہ کسی قسم کے مزہ کا شربت از قسم پانی یا شراب کے ملےکا۔ لَا حَیْطًا
وَعَسَاقًا۔ مگر حمیم اور عساق ف حمیم نہایت درجہ پر گرم۔ عساق وہ پیپ ہو جو جہنمیوں کے بدن جلنے سے بہ کر دہان کے گڑھے
میں جم جی رہیگا۔ اسکی بدبو اور گندگی یہاں طرے ہوئے سور کے گوشت و پیپ لہو سے بے حد بدتر ہے حدیث میں ہے کہ اگر عساق
کا ایک ڈول اس زمین پر بہا دیا جاوے تو تمام عالم بدبو اور گرمی سے مر جاوے نو ذی اللہ من ذلک۔ یہ بات ایسی سچی ہے کہ عقل کی
میزان میں پوری ہوا سیلے کہ حضرت باری تعالیٰ کی شان میں کفر کرنا جب بے انتہا قبیح ہے تو کچھ کافروں نے اپنے واسطے کیا ہے
وہ یہی بے انتہا بدی ہے تو حمیم اور عساق کی حالت ایسی بدتر ہوگی جسکی بُرائی کبھی قیاس میں نہیں آسکتی ہے بلکہ بے انتہا ہوگی تو عساق
کی بدبو جب بے انتہا ہوئی تو دنیا جسکی انتہا محدود ہے اور مخلوق کے دماغ محدود کیونکر اسکو برداشت کر سکتے ہیں ہم کو چاہیے
کہ ہر دم اپنے پاک پروردگار جل شانہ سے پناہ مانگیں کہ اسے رب جمیم تیرے بندے ہیں اور ہم تیری شان میں شرک و کفر نہیں
کرتے ہیں اور تیری شان قدس و کمال بے انتہا ہے بلکہ بے انتہا کو تو نے پیدا کیا ہے تیری شان سب وہم و خیال و قیاس سے اعلیٰ
ہو اور ہم بندے ضعیف و محدود ہیں ہماری عاجزی پر رحم فرما کہ ہماری بندگی قبول کرے اور ہمارا خاتمہ ایسے حال پر کر دے کہ تیری رضامندی
ہمکو نصیب ہو اور ہکو شرک و کفر و طغیان سے پناہ دے اور توارحم الراحمین ہو اور الہی ہماری خطائیں عفو فرما دے اور تو غفور رحیم ہو واللہم علی
عبدک ورسولک وحبیبک محمد واکہ وحبیبہ علی جمیع الانبیاء والمرسلین واکہم اللہ رب العالمین۔ کافروں نے یہ آسان کلمہ جو بالکل حق ہے چھوڑ
دیا اور کفر پر محنت ہو کہ کیونکر اپنے پیدا کرنے والے خالق جل شانہ سے طغیان کیا ہمارے لیے کوئی دوسرا خدا نہیں ہے اسکی قدرت میں سے
بہتر سو ہزار ہیں پھر یہ ستر اجو کافر کو جہنم میں ملیگی اُسی کے بے انتہا قبیح کام کا عوض ہے لہذا فرمایا۔ جَزَاءُ وَفَاقًا یعنی متوافق بدلہ دیے گئے
ف یعنی کافروں کے واسطے جو ستر ملہ کو رہوئی وہ انکے قبیح اعمال کے موافق ہے حضرت مجاہدؒ نے کہا یعنی کفار آخر جس عذاب شدید میں ہو چکے
وہ انکے براعمال سے بالکل موافق ہو جنکو دنیا میں کیا کرتے تھے۔ یہی فائدہ وغیرہ سلف صالحین نے بیان کیا ہے۔ اگر کہا جاوے کہ کافروں کے
اعمال بکثرت مختلف ہیں تو یہ ایک ستر کیونکر ہے واسطے وفاق ہوگی (جواب) یہ کہ جہنم اصل میں فقط اس امر کی جزا ہے کہ اپنے پیدا کرنے والے
پروردگار سے کفر کرے تو کفر فہرہ اصل جڑ کے ہے اور رہے دیگر اعمال تو وہ منبر لہ پتوں کے ہیں اور انکا نتیجہ یہ کہ جہنم کے کس طبقے کے لائق ہے
جیسے جنت و حقیقت اُن بندوں کا گھر ہے جو اپنے رب عزوجل کی توحید الوہیت کے مقتد ہیں اپنے رب عزوجل کو وحدہ لا شریک جانتے ہیں
اسکی شان میں سیکو شراب نہیں سمجھتے ہیں اور رہے اعمال صالحات تو وہ جنت میں درجات حاصل کرنے کے لیے ہیں چنانچہ حدیث صحیح
میں وارد ہے کہ حضرت سرور عالم رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آگاہ فرمایا کہ جس نے لَا اِلهَ اِلَّا اللہ صدق دل سے کہا وہ جنت میں داخل ہوگا پس عرض کیا
کہ کیا ہم اس سے لوگوں کو آگاہ نہ کر دیں۔ فرمایا کہ انکو عمل کرنے دو اور آگاہ فرمایا کہ جنت میں درجات ہیں ہر درجے کے درمیان اس قدر
تفاوت ہے جیسے قدر زمین سے آسمان تک تفاوت ہے وہ اللہ تعالیٰ نے راہ الہی میں جہاد کرنے والوں کے واسطے مہیا فرمائے ہیں اقول جہاد
یعنی کوشش کرنا جس سے بازگاہ عزت میں تقرب حاصل ہو یا سطح جہنم میں درجات و طبقات ہیں اول طبقہ سے دوسرے میں زیادہ عذاب
ہے اور اس قدر بہت ہے جیسا کہ آسمان سے زمین بہت ہو پس جہنم کافروں کے لیے جزا ہے وفاق ہے اسوایطی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّھُمْ

یعنی اسکو قطعی سمجھ لے مترجم کہتا ہے کہ اس میں ایک لطیف یہ بھی ہے کہ اول تو بندوں کو آگاہ کیا کہ جس دن سورج چھوٹا جائیگا تو تم لوگ فوراً
 فوج فوج حاضر ہو جاؤ گے۔ فوجت السماء الخ۔ یعنی اس وقت تم کو نظر آویگا کہ آسمان کھول دیا گیا ہو اور دروازے نظر آتے ہیں۔ ایک
 قراوت میں فوجت بتشدید تا از باب تفعیل جو حسین کثرت و مبالغہ کے معنی ہوتے ہیں اور یہی دروازوں کی کثرت کے ساتھ مناسب ہے یعنی
 آسمان کے دروازے کثرت ہو جائیں گے کہ معمولی حالت سے زائد ہر دروازہ سے کثرت ملائکہ نازل ہوتے نظر آویں گے گویا آسمان ہی ہی
 تھا کہ کثرت دروازے ہیں ابو السعدؒ نے کہا کہ یہی رخام ہے جو وہ تعالیٰ یوم تشق السماء بالغام الآیہ میں آیا ہے یعنی قیامت وہ دن ہے
 کہ جس دن آسمان غمام کے ساتھ شق ہوگا اور ملائکہ گروہا گروہ آوازے جاویں گے۔ اور بعض مفسرین نے کہا کہ (دروازوں) سے
 مراد اسکی راہیں ہیں اور مطلب یہ کہ آسمان کھل جائیگا اور بجائے اُسکے راہیں ظاہر ہوں گی جو کسی چیز سے سد و دھنوں کی۔ و سیرت الجبال
 نکانت سراہا۔ اور پہاڑ روان کیے جاویں گے پس سراب ہوں گے۔ یعنی پہاڑ جو اس زمین کے واسطے ایسے تھے جیسے بدن کے گوشت میں
 ہڈیاں ہیں اور جیسے کسی تصویر کے اجزا ایک کیل سے بندھے ہوں کہ اگر وہ کیل نکال ڈالی جاوے تو سب بکھر جائیں پس یہ پہاڑ پھا
 جائے سے اکھاڑ لیے جاویں گے اور آسمان کی طرف جوف میں روان کیے جاویں گے حالانکہ اس ہیئت تک منظر کو دیکھنے والے ان کو جا ہوا
 پہاڑ خیال کرینگے چنانچہ دوسری آیت میں فرمایا و تری الجبال تحسبہا جامدۃ وہی تمر السحاب لایہ۔ یعنی سورج چھوٹے جانے کے روز تو پہاڑوں کو
 دیکھیں گے یہ خیال کرینگا کہ وہ جیسے ہوئے ہیں حالانکہ وہ بادل کی طرح چلے جا رہے ہیں۔ یعنی یکایک نظریں دیکھ کر تو پہاڑوں کو
 اس حالت میں بھی یہ خیال کرینگا کہ وہ اپنی جگہ پر ثابت ہیں حالانکہ وہ اس طرح جا رہے ہیں جیسے بادلوں کو ہواڑا سے لیے جاتی ہو اور
 بات یہ ہوتی ہے کہ بڑے بڑے اجرام جب کسی جانب حرکت کرتے ہیں تو بہت کم انکی حرکت ظاہر ہوتی ہے اگرچہ وہ تیزی کے ساتھ متحرک ہوں
 خصوصاً جبکہ دور سے نظر کرے تو حرکت ظاہر ہونا دشوار ہے مترجم کہتا ہے یعنی ایسی حالت میں کہ جیسے ہمارا آدمی اپنے محافات میں
 دور سے بہت مجسم دیکھے تو بادی النظر میں اُسکو معلوم ہوگا کہ وہاں کھڑا ہے جیسے دور سے آندھی کا غبار نظر آتا ہے اور آدمی سمجھتا ہے کہ وہاں
 سے دور ہے کہ یکایک وہ اپنے جھوٹے اس کے منہ پر مارنے لگتی ہے بالکلہ شیخ ابو السعدؒ نے برخلاف امام رازیؒ کے اس حالت کو پہاڑوں
 کی ابتدائی حالت قرار دیا اور لکھا کہ سحاب یعنی بادلوں کے ساتھ تشبیہ دینے میں ایک لطافت یہ ہے کہ جیسے بادل کے اجزاء ٹھونس
 نہیں ہوتے بلکہ دھنی ہوئی روئی کی طرح لے ہوئے گالے ہوتے ہیں اس طرح پہاڑ بھی اس حالت میں دھنی روئی کے گالے ہونگے چنانچہ
 اللہ تعالیٰ نے اسکو صریح فرمایا بقولہ تعالیٰ وتكون الجبال كالمن المنفوش الآیہ۔ یعنی پہاڑ مانند دھنی ہوئی زمین اودن کے ہونگے۔
 اور واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ زمین کو تبدیل فرمادینگا اور اُسکی ہیئت و صورت بدل دیگا اور پہاڑوں کو اس ہولناک صورت سے روان
 کرینگا اور یہ اسوقت ہوگا کہ جب دوسری دفعہ صور پھونکے جانے سے خلافت زندہ ہوکر اٹھیں گے تاکہ وہ لوگ اس ہولناک منظر کو آنکھوں سے دیکھیں
 پھر اللہ تعالیٰ ان پہاڑوں کو ہوا میں براگندہ فرمادینگا چنانچہ اسی آیت میں قولہ نکانت سراہا سے ہی مراد ہے یعنی آخر یہ پہاڑ سراب
 ہونگے بقولہ تعالیٰ بہت الجبال بسا نکانت ہا منبثا الآیہ یہاں وہ ذرے ہیں جو آفتاب کی شطوع میں نظر آتے ہیں اور حاصل یہ کہ منتشر غبار
 ہو جائیگا ابو السعدؒ نے لکھا کہ یہ پہاڑ اگرچہ پہلے ہی نفخہ کے وقت کو فتنہ اور شگافتہ ہو گئے تھے لیکن اپنی ہیئت پر موجود تھے پھر اکی دہائی
 دوسرا یہ ہونا دوسرے نفخہ کے بعد ہوگا کیونکہ اُسی وقت میں زمین برابر مستوی میدان کر دیا ویگی جس میں کین اوجا پنا نہیں ہو اور اسرافیل کے

کہ روحانی حواس میں سے انکو کچھ حاصل نہیں ہوا اور مومن کو حاصل ہوا اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں کان فی ہذہ الاعانی الایہ۔ یعنی جو کوئی اس دنیا میں اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔۔۔ پس ان کافروں کے حواس کا یہ حال ہو جو تم نے معلوم کر لیا اور مومنین بیان بھی ایک نور رکھتے ہیں کہ جس سے آیات الہی بجا نہ تھائے کو یقین سے سنتے ہیں اور اگر ذکر تقویٰ و طہارت سے وہ نور بدن میں بھی ساری ہوا تو عقل ہو کہ آخرت کے نظائر کو سمجھتے ہیں اور اسی وجہ سے مومن کو متاع دنیا میں وہ دلچسپی نہیں ہوتی جو کافروں کے لیے ہے اور اگر کسی مسلمان میں یہ بات نہو لینے کفار کے مثل دلچسپی ہو تو اسکو یقین تازہ کرنا چاہیے بالجلہ اس بیان سے غرض یہ کہ آیات الہیہ بہت عظیم اسرار ہیں اور جو بات تیرے نزدیک مختلف معلوم ہو وہ قطعاً تیری سمجھ کا تصور ہو اور قرآن مجید میں جو کچھ آیا ہے سب حق ہو چنانچہ پہاڑوں کے حق میں جو کچھ حالات مذکور ہیں سب واقع ہونے والے ہیں تنبیہ کفار مکار نے اس زمانہ میں بڑا مکر یہ نکالا کہ تمام زمین کی پیمائش بیان کی اور ابتداء سے آدمیوں کی تعداد بیان کی اور کہا کہ اگر وہ سب زندہ ہوتے تو ہر آدمی کے لیے ایک انچہ جگہ نہوتی۔ اس سے بعض نے یہ مکر نکالا کہ حشر میں جب سب مخلوقات اول سے آخر تک جمع ہونگے بلکہ ساتھ میں سب جائدار بھی ہونگے تو اس زمین پر کسی طرح سمائی نہیں ہو سکتی (جواب) یہ کہ اس نادان نے وہاں جسمانی ظہور خیال کیا اور یہ جھوٹا بن کر یہ دھوکا دیا بلکہ یہ اس دنیاوی ظہور کے واسطے البتہ ٹھیک ہے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس زمین سے ایک وقت میں خلقت پیدا کی تاکہ یہ طبقہ اپنے اپنے نصیب کے موافق آخرت کے لیے اپنا سامان کر لے چنانچہ یہ سب حواس کثرت سے مختلف حالات والے تھے دو ہی قسم میں منحصر ہوئے بعض نے جہنم کے اپنے گھر کو آباد کیا اور اپنے جنتی گھر کو دوسری قسم یعنی جنتیوں کے ہاتھ فروخت کر ڈالا یعنی کہا کہ وہ کہیں نہیں ہوا اور دوسری قسم نے اپنے جنتی گھر کو آراستہ کیا یہاں تک کہ جہنمی سے اسکا گھر بھی خرید لیا اور اپنا جہنمی گھر اس کے ہاتھ فروخت کر دیا اس واسطے اہل ایمان اس دنیا سے فانیہ سے تقویٰ و طہارت کیساتھ حصہ لیتے ہیں انفس و مشہوت کے ساتھ نہیں لیتے ہیں اور اللہ اپنے فضل سے توفیق دینے والا ہے آخر یہ صدی پوری ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے انکو اسی خاک میں پھر ملا دیا اور دوسری صدی بجائے اسکے پیدا کی گئی اور انھوں نے بھی اس طرح کہا پس موت انکے واسطے لازم فرمائی تاکہ وقت محدود ہو اور نمونہ قیامت معلوم ہو اور زمین کی متاع دوسروں کے لیے باقی رہے کیونکہ ہر صدی والے زمین کی سب متاع چھوڑ جاتے ہیں پھر آخرت میں جب روحانی ظہور سے مبعوث ہونگے نور روحانی کیفیت ہوگی انکے واسطے محل و مقام کی ضرورت نہیں ہوا جہنم تالیع ہوگا اس واسطے حدیث حشر میں ہو کہ زمین مستوی میدان ہوگی اور اسی ایک میدان میں سب جمع کیے جا دیں گے اس صفت کے ساتھ کہ ایک بیکار نے والے کی آواز سب کو پہنچ جاوے گی اور نظر سب پر نافذ ہوگی مترجم کہتا ہے کہ ظہور روحانی میں بھی کیفیت ہوگی کیونکہ مادیت مانع ہوتی ہو اور وہاں وہ تالیع ہے اسی مستوی میدان کے لیے پہاڑ دور کر دیے جا دیں گے امام رازمیؒ نے قولہ تعالیٰ سیرت البجالی فکانتم سربا۔ کو آخری مرتبہ میں قرار دیا جیسا کہ اوپر گذرا ہو اور میں نے اس بیان سے بتلادیا کہ آیات الہیہ اپنے موقع پر توحہ ہیں اور عقل روحانی کے نزدیک یہ بات صاف ہو لیکن اسکی کیفیت وہ ہوگی جو وقت پر ظاہر ہو اور صورت کئی طرح ہو سکتی ہو چنانچہ شیخ ابوالسعودؒ نے اپنی تفسیر میں دوسری صورت بیان فرمائی چنانچہ لکھا کہ قولہ تعالیٰ وفتح السماء فکانتم ابواباً اور آسمان کھولا گیا تو دروازے ہو گیا۔۔۔ یہ اگرچہ بیخ فی الصور پر عطف ہو لیکن بیان (فتح) ماضی اس امر کا فائدہ دیتا ہو کہ اس طرح یقین ناکہ گویا زمانہ ماضی میں واقع ہو چکا اور بلغا جب ایسی بات کو بیان کرتے ہیں جو محالہ ہونے والی ہے تو اسی طریقہ سے سامع کو سنا دیتے ہیں

انکا ادراک باسانی ہوتا ہو اور یہی عقل ایمانی ہو اسی واسطے کفار اسکے سمجھنے میں بہوت ہوجاتے ہیں باوجودیکہ دنیاوی صنعتوں میں بہت ہوشیار ہوتے ہیں۔ وقال تعالیٰ لو کنا نسمع او نعقل لکن انما فی العباب السعیر یعنی جنم کے موکل جب کفار سے کہیں گے کہ تم اپنی دانائی کے باوجود یہاں پڑے تو کفار بصد حسرت و اندوہ اُنسے کہیں گے کہ اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو جہنمیوں میں نہوتے۔ ۱۔ اپنے جوہر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لائے ان میں اللہ تعالیٰ نے یہ شان رکھی کہ بعضے تقویٰ و طہارت و علم سے عاقل ہو کر معاملات کو سمجھتے ہیں اور بعضے ایسے ہیں کہ شامت نفس میں ناقص رہے تو ان میں بھی یہ کیفیت ہو کہ جو احکام اللہ و رسول نے بیان فرمائے ہیں اُنکو سنکر یقین لاتے ہیں اور بوجہ ایمان کے شیطان اپنی حماقت کے دوسوہ جبائے نہیں پاتا ہر کیونکہ وہ نور قلبی ہم پاک سے بھاگتا ہے برخلاف کافروں کے کہ نہ وہ سنتے ہیں اور نہ خود عقل رکھتے ہیں اگر کوہ عقل ہی دانائی جو جو اس کی تیزی و تجربہ سے حاصل ہوتی ہو اور کافروں میں سے بہت لوگ دانا و صناع ہیں کہ انکی صنعتوں کے مقابلے میں مسلمان عاجز ہوتے ہیں (جواب یہ کہ تم نے عقل کے جوہر بیان کیے یہ معنی ایک چیز ہے کہ جسکا نام عقل رکھا گیا ہے اور ہم اسکو منع نہیں کرتے ہیں کہ نہ کوئی شخص اس امر کا اقرار نہ کرے کہ میں بے عقل ہوں بلکہ عرب کے کفار بھی اپنی بولی میں اسی معنی کو عقل کہا کرتے تھے مگر ماری مراد یہ عقل نہیں بلکہ ہم اس عقل کو کہتے ہیں جو نور روح ہو اور فرق یہ ہو کہ کافروں نے جسکا نام عقل رکھا ہے وہ اس جسم کے حواس میں حتیٰ کہ جس قدر جسم تند و توی ہوگا اور خون صاف ہوگا اُسی قدر یہ عقل جسمانی تیز اور روشن ہوگی اور ہم جسکو عقل کہتے ہیں وہ حواس جسمانی نہیں بلکہ حواس معنوی ہیں اور انکا ظہور ہرگز نہ ہوگا جب تک قلب پر مہر سے لقولہ تعالیٰ ختم اللہ علی قلوبہم۔ اللہ تعالیٰ نے اُنکے دلوں پر مہر کر دی ہے۔ ۲۔ ان یہ مہر اسوقت ٹوٹتی ہے جب قلب میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا یقین پورا ہو پس اسوقت روحانی حواس کا نور ظاہر ہوتا ہے جو بالکلیہ درمیان جسم و روح کے ایک قفل ہو جب وہ لا اکہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی کجی سے کھلا تو روحانی نور ظاہر ہو اور جسمانی حواس میں جو اس جسم کے بوڑھے ہونے سے کمزور ہو جاتے ہیں اور مرنے سے خاک ہو جاتے ہیں اور زندگی میں جسم اپنے مرکز یعنی زمین کی طرف جذب تھا تو یہ مجموعہ حواس بالکل ہمہ تن اسی زمین کی چیزوں سے الفت کرتا ہو اور زمین و مکان و سونا و چاندی و گھوڑے و ہاتھی وغیرہ مشنوع کے حاصل کرنے میں بڑے شوق سے سرگرم رہتا ہے اور آخر سب کو چھوڑ کر اسی خاک میں مل جاتا ہے۔ پھر جب آخرت میں روحانی ظہور سے یہ جسم اٹھایا جاوے گا تو اندھا ہوگا کیونکہ وہ اسی کی طرف منجذب تھا اور اندھا گو لگا بہر ہوگا کیونکہ روحانی حواس سے اُسے کچھ حاصل نہیں کیا ہے اور اسوقت میں روحانی ظہور ہو و لہذا قال لقم و بخشیم لیم القیمۃ علی وجہ ہم عمیا الایہ۔ یعنی قیامت کے روز ہم ان کافروں کو اُنکے منہ کے بل اندھے دگونگے و ہرے حشر کریں گے۔ ۳۔ بعض صحابہ رضی عنہم نے عرض کیا یا حضرت وہ لوگ کیونکر اندھے چلیں گے آپ نے فرمایا کہ جس پاک عزوجل نے اُنکو بالئون کے بل چلایا تھا وہی اُنکو سر کے بل چلا دیگا اور قسم ہے کہ وہ لوگ برابر کاٹا کھوڑ بجاتے چلیں گے۔ ۴۔ اس بیان سے معلوم ہو گیا کہ کفار سب سوال و جواب کریں گے اور ایک دوسرے کو پچھائیں گے اور خود اندھے گونگے ہرے ہیں یعنی اس روز حضرت رب العزہ جل جلالہ کے ظہور تجلیات کا وقت ہو اور یہ حواس کسی طرح اسکو برداشت نہیں کر سکتے ہیں جیسے دنیا میں ظاہر ہے تو کافروں کے واسطے فقط جسمانی حواس ہونگے اور روحانی ادراک سے بالکل محروم اندھے ہونگے لقولہ تعالیٰ کلا انہم عن ربہم الایہ یعنی کفار اس دن اپنے رب سے محجوب یعنی پردے میں پڑے ہونگے۔ ۵۔ اور عالم آخرت اُن بالکل تاریک اندھیرا ہوگا جبکہ یہ عالم مع چاند سورج کے برابر دیکھا جائیگا۔ بالخصوص جنم میں بالکل اندھیرا ہو اور تم دنیا میں دیکھتے ہو

قسم اول کہ چغلوں کی شکل بند ہوگا۔ محل تامل ہو اسلئے کہ چغلوں کی اگرچہ کبیرہ گناہ ہو لیکن چغلوں نے کلمہ توحید سے انکار نہیں کیا جسے کہ اگر اس سے کہا جاوے کہ کیا اعتقاد رکھتا ہے تو کافروں کے سامنے بھی وہ اسلام و کلمہ شہادت کا دعویٰ کر چکا اور بند ہو جانا کفر کی سزا ہے جیسے بند ہو جانا کیونکہ یہ لعنت سے مسخ ہے جیسے جہنمی کفار مسخ کر کے اندھی صورت کر دیے گئے ہیں مترجم کہتا ہے کہ اس وجہ سے شاید یہ دلیل ہوگی کہ چغلوں نے کبیرہ گناہ کرتے کرتے تمام عمر کھوٹی اور یہاں تک اُس کے دل پر اس گناہ عظیم کا میل جم گیا کہ بھلائی کی جگہ باقی نہ رہی پس یقین دل سے محل گیا جیسے علماؤں نے کہا ہو کہ جو شخص صغیرہ گناہ کرنے پر بیباک ہو کر اصرار کرے تو یہ گناہ کبیرہ ہو جاتا ہے اور جو کبیرہ گناہ پر بیباک ہو کر اصرار کرے وہ کفر ہو جاتا ہے تو آخر یہ شخص بے ایمان مرا ہو جو بندگی صورت اٹھایا گیا اور یہی بیان قسم دوم میں ہے و اللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ ان اقسام میں بے انصافی کا حکم کرنے والے کو اندھا لکھا ہے آمین بھی یہ تردد ہے کہ اندھا حشر کفار کے حق میں مذکور قال رب لم حشرتی اعمی وفدکت بصیر الایہ۔ یعنی اندھے کافر نے عرض کیا کہ اے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا حالانکہ میں تو دینا میں آنکھوں والا مرا تھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو وہاں ہماری آیات قدرت سے اندھا بن گیا تھا۔ مترجم کہتا ہے کہ عارفین حکماء یہاں نکتہ یہ بیان کیا کہ وہاں قیامت میں جسم تابع اور روح کا ظہور ہوگا برعکس دنیا کے اور آدمی جس حالت پر مرتا ہے اسی پر اٹھایا جاوے گا تو جسم کی دونوں آنکھیں وہاں بیکار ہو گئیں اور روحانی آنکھیں دنیا میں نہ تھیں تو وہاں لامحالہ اندھا رہا اسی طرح اقسام مذکورہ میں بیباک کھانے والے کی جو سزا قرآن میں مذکور ہے اس روایت میں موجود نہیں ہے واللہ تعالیٰ اعلم الحاصل ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بے حشر کا حال مجمل ارشاد فرمایا کہ وہ حقیقی فیصلہ کا دن ہے اور یہ دن ہوگا کہ آمین۔ پہلے صورت کے بعد دوسرا صورت اسلئے جو بھلا جاوے گا کہ سب خلایق اول سے آخر تک حضور کبریائی کے لیے کھڑے ہوں پس نفوز زندہ ہو کر فوج فوج محشر میں آؤ گے۔ ہر فوج ایک ایک پیغمبر کی امت ہوگی جس میں کافر و مسلمان اور فاسق و متقی سب شامل ہونگے اور ہر فوج میں جدا جدا صورتیں نظر آئیں گی جیسے اُنکے اعمال ہونگے مترجم کہتا ہے کہ اس وقت میں مطمئن حالت میں ہونگے حتیٰ کہ آپس میں پوچھیں گے کہ ہم یہاں کتنی دیر ٹھہرے تھے۔ قال امثلہم طریقۃ ان لبثتم الا یوماً الخ۔ یعنی ان میں سے زیادہ دانشمند و عاقل و ہوشیار یہ کہیں گے کہ ہم فقط ایک روز وہاں ٹھہرے۔ یعنی دنیا کی پیدائش سے موت وبرزخ کی حالت ملا کر اُسکے نزدیک ایک ایک دن وہاں آئندہ آخرت کا غیر متناہی وقت اُسکے رو بہ موجود ہو۔ پھر کفار ہنوز ہوش و حواس میں بھی ٹھیک نہ ہوئے ہونگے کہ یکایک یہ عالم درہم درہم کردیا جاوے گا۔ وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سُرَابًا۔ اور آسمان کٹا دیا گیا جیسا کہ اس وہ دروازے ہو جائے گا اور پہاڑ جھلکے جائیں گے تو سراب ہو جائیں گے ف سراب دراصل وہ ریت ہے جو چلی گرمی کی دوپہر کے وقت دور سے پیا سے مسافر کو لہراتا ہوا پانی نظر آتا ہے حالانکہ جب وہ پیاس کا مارا چکر کاٹ کر وہاں پہونچا تو کچھ نہ تھا سوائے سراب کے اسلئے جس چیز کا انجام پیچ ہوا سکھو سراب کہنے لگے حدیث میں ہے کہ کفار و مشرکین جو جدا کر کے ایک راہ کی طرف روانہ کیے گئے اور ٹھہرا کر ان سے شرک و کفر کا جال پوچھا گیا اور جو واقعات آیات میں مذکور ہوئے ہیں پیش آئے تو آخر میں کفار کو دور سے لہراتا ہوا پانی نظر آوے گا یہ لوگ جناب باری تعالیٰ میں ٹھنڈے پانی کی درخواست کریں گے فرشتہ کہیں گے کہ وہ دیکھو تم وہاں نہیں جاتے پس دوڑیں گے اور تلے اور اُس میں کود پڑیں گے حالانکہ وہ جہنم سے نفوز باللہ منہا حدیث میں ہے کہ اگر دنیا کی قدر چھڑ کے ایک پرگے برابر ہوتی تو آمین سے کافر کو ایک گھونٹ پانی ملتا (السنن) واضح ہو کہ کافر کو دنیا میں اپنی عقل پر غور تھا اللہ پر مقلد تھا و جو کوئی اپنے اوپر بھروسہ کرتا ہے خدا بھی اُسکی مدد کرتا ہے یعنی گواہ اپنے نفس کو قدرت والا مگر چھوٹا سمجھتا تھا

بدن میں قوت باضمہ اور اصلی حرارت قائم رکھی اور اگر اس میں کمی کر دی جیسے بڑھاپے میں ہوتا ہے تو کمی سب پوری ہوگی حتیٰ کہ رفتہ رفتہ جسم سے سقوط ہو کر موت عارض ہوگی بعض لوگوں نے جواب دیا کہ عاقل سمجھنے میں اور تحقیق جابل غافل میں یہ گمان کیا کہ آدمی چھ گھنٹہ سے کم معتدل مفت اٹھاوے اور ایسی غذا کھاوے وغیرہ وغیرہ تو ممکن ہے کہ ہمیشہ زندہ رہے مگر حرم کتاب ہے کہ تعجب ہو کہ اس حریص نے یہ نسخہ ریسوں کے لیے نہ چھاپا۔ جو ان کے عجائب خانہ میں رکھا رہتا یا مضحکہ کی کتاب میں درج کر دیا جائے انفعول باللہ من المذیان والفضلال۔ اب تفسیر کی طرف رجوع کرو کہ جس دن زندہ کرنے کیلئے دوسرا صورت پھونکا جاوے گا جیسا کہ یہ حال ہے روایت ہے کہ صور میں اس قدر سوراخ ہیں جس قدر اول سے آخر دنیا تک ارواح جاندار پیدا ہوئیں اور اول صور میں وہ سب کھینچ کر صور میں اپنی اپنی جگہ آگئیں اور دوسرے نفع میں یہ ارواح نکل کر اپنے اپنے جسم میں چلی جاوے گی اور خالق جل جلالہ کی طرف سے یہ حکم ہوگا کہ اے مردہ اجسام اور شری ہڈیاں تم کو رب عز وجل حکم فرماتا ہے کہ زندہ ہو کر موقف حساب میں حاضر ہو۔ اللہ تعالیٰ کا حکم وہی ایجاد ہی فوراً زندہ اٹھ کھڑے ہونگے ابو السعود نے لکھا کہ قتادون انوا خابین (انا) فیصحہ یہ ظاہر کرتی ہے کہ یہاں سے جملہ حذف ہو یعنی جب صور میں پھونک دیا جائے گا تو تم سب جاندار اول سے آخر تک اٹھ کھڑے ہو گے قتادون انم پس آجاؤ گے فوج فوج۔ یعنی یہ حکم الہی کی شان ہے کہ ذرا بھی توقف نہ ہوگا گویا صور پھونکا گیا اور تم موقف حساب میں گروہ گروہ حاضر ہو گئے۔ ہر گروہ اس لیے الگ ہوا کہ ہر ایک کا امام الگ ہو اور اس کی بنیاد پر فیصلہ ہو یعنی پیغمبر شیخ ابن کثیر نے مجاہد سے نقل کیا کہ انوا جا اے زمرازمرا۔ یعنی جماعت جماعت۔ ابو السعود نے حضرت مجاہد کے قول کے یہ معنی بیان کیے کہ جدا جدا جماعتیں ہونگی جنکی وضع جدا اور حالات جدا ہونگے جیسے اُن کے اعمال جدا جدا تھے پھر اسکے واسطے ایک حدیث طویل ذکر کی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ معاذ بن جبلؓ نے رسول اللہ صلعم سے اسکی تفسیر پوچھی تو فرمایا کہ اے معاذ تو نے عظیم بات پوچھی اور آپ کے انسوی جاری ہوئے پھر معاذ نے فرمایا کہ میری امت میں سے دس قسم کی فوجیں محصور ہونگی بعض بندہ کی صورت ہونگے بعض سور کی شکل بعضوں کے بانوں اُٹے انکے منھوں پر ہونگے اور اسی پر گھسیٹے جا دیں گے اور بعض اندھے بعض گونگے ہوں گے۔ بعض اپنی زبان جباتے ہونگے اور وہ انکے سینہ پر لٹکتی ہوگی اور انکے منھ سے پیپ بہتا ہوگا حتیٰ کہ جمع حشر کے لوگ اسے پہن کر بیٹھ جائیں گے بعض ہاتھ بانوں کٹے ہوئے بعض آگ کے شتیرون پر سولی چڑھائے ہوئے اور بعض گندہ گودے بھی بدتر بودار ہونگے اور بعضوں کے بدن پر فطران کے جبہ انکی کھال سے چپے ہوئے ہونگے تفصیل یہ کہ قسم اول انکے منھ کے اوپر تھے یہ بیاج کھانے والے ہیں قسم چارم اندھے وہ لوگ ہیں جو فیصلہ کے حکم میں جو روظلم کرتے تھے قسم پنجم گونگے ہرے وہ لوگ ہیں جو اپنے نیک کاموں پر گھمنڈ کرتے تھے قسم ششم جو زبان لٹکائے چلتے تھے یہ لوگ ہیں جو دنیا میں وعظ کرتے بیٹھے تھے اور جو کچھ اپنی زبان سے کہتے تھے خود اسکے خلاف کرتے تھے قسم ہفتم جنکے ہاتھ بانوں کاٹے گئے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو پڑوسیوں کو ایذا دیا کرتے تھے قسم ہشتم جو آگ کے لٹھے پر سولی دیے گئے تھے یہ لوگ ہیں جو حکومت و سلطنت والے کے پاس آدمیوں کی ایسی باتیں ہو پجاتے جس سے سلطنت والے کی طرف سے ضرر ہوئے قسم نہم گندہ گودے سے بدتر بودار وہ لوگ ہیں جو شہوات کے درپے رہے اور اپنے مالوں سے حق الہی ادا نہیں کیا یہ قسم دہم والے جو فطران کے جتے جتے بنے ہیں یہ ایسے لوگ ہیں جو فخر و تکبر و خیال میں سے رہتے تھے۔ مگر حرم کتاب اس حدیث کو شیخ مخضری و شیخ رازی و خطیب وغیرہ نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا اور شیخ الصوفیہ ابن العربیؒ نے بھی اسکو آخر تک ذکر کر کے لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے۔

حکم ہو گا اور وہ اول بار پھونکیگا تو اُس سے کوئی زندہ نہیں باقی رہیگا استثناء اسکے جسکو اللہ تعالیٰ نے چاہا ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **و یوم یفخ فی الصور فصعق من فی السموات والارض الا من شاء اللہ**۔ یعنی جس دن صور میں پھونکا جائیگا تو جو کوئی آسمانوں و زمین میں ہو وہ حالت صعق میں (مردہ) ہو جائیگا سوائے اسکے جسکو اللہ تعالیٰ نے چاہا یعنی وہ مردہ ہونے سے محفوظ رہیگا۔ پھر اسرافیلؑ کو دوسری بار صور میں پھونکنے کا حکم دیا جائیگا تو اس فسخ میں سب کے سب اٹھ کھڑے ہونگے نگاہ کرتے ہونگے (تفسیر السعوی) جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے صعق سے استثناء فرمایا ہو بعض کے نزدیک شہداء ہیں اور بعض نے کہا کہ ملائکہ ہیں اور اسکے سوا سے بھی اقوال ہیں جو اسی آیت کی تفسیر میں گذر چکے ہیں امام ابن کثیرؒ نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ۔ **یوم یفخ فی الصور فتاتون افواجا**۔ کی تفسیر میں امام بخاریؒ نے سند ابو ہریرہؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے نفعہ (پھونک) سے دوسرے نفعہ تک چالیس کا فاصلہ ہے۔ لوگوں نے ابو ہریرہؓ سے پوچھا کہ کیا یہ چالیس دن ہیں ابو ہریرہؓ نے کہا کہ میں نہیں کہہ سکتا ہوں۔ لوگوں نے کہا کہ کیا چالیس مہینے ہیں جواب دیا کہ میں نہیں کہتا۔ لوگوں نے کہا کہ پھر کیا چالیس سال ہیں جواب میں کہا کہ میں نہیں کہتا۔ ابو ہریرہؓ نے کہا کہ پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل فرما دیگا یعنی بیخبر برسا دیگا جس سے مردہ مخلوقات اس طرح زمین سے اُگینگے جیسے ساکات اُگتے ہیں انسان کے (جسم سے) ہر چیز نکل جاتی ہے سوائے ایک ہڈی کے اور وہ دم گزے کی ہڈی ہے اور اسی سے قیامت کے روز خلقت کا جوڑ بٹایا جاوے گا درحکم مخرج کہتا ہے کہ ابو ہریرہؓ کی اس حدیث کو صحاح میں روایت کیا گیا ہو لیکن سب روایات اسی طرح وارد ہوئی ہیں کسی میں چالیس کا بیان مذکور نہیں ہے اور احتمال یہ ہے کہ شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود لفظ میں اسی قدر فرمایا ہو کہ دونوں دفعہ نفعہ کے درمیان میں صرف ایک چلہ کا فرق ہے اس وجہ سے ابو ہریرہؓ نے کہا کہ میں نہیں کہتا ہوں اور شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا لیکن ابو ہریرہؓ کو تردد ہو گیا کہ آپ نے کیا فرمایا تھا اس لیے نہیں کہا لیکن اول زیادہ ظاہر ہے اور بعض روایات میں مذکور ہے کہ اٹھارہ روز تک متواتر بارش رہیگی اور بعض میں ہے کہ چالیس روز تک واللہ تعالیٰ اعلم اسی حال جب اول نفعہ سے سب مر جا دیں گے تو اللہ تعالیٰ متواتر بارش نازل فرماویگا جس میں عجیب قدرت کی تاثیر ہوگی کہ اس سے زمین کے اندر انسانی اجسام اُگین گے جیسے بعض نباتات و ترکاریاں اندری اندر گتی ہیں یا مراد یہ کہ حکم ہر نخل اُٹینگے لیکن احتمال اہل اصحٰب سے ہے کہ احادیث صحیحہ میں یہ صورت مذکور ہے کہ زمین شق ہوگی اور مردے زندہ ہو کر اپنے سر سے گرد جھاڑتے ہوئے اُٹھیں گے نکتہ مادی اجسام کو اللہ تعالیٰ نے اسی زمین سے پیدا فرمایا ہے اور اسی زمین سے اُنکے واسطے غذا نکالی ہے اور اپنی قدرت سے اس محنت زمین متصل میں سے پاس پاس کے ٹکڑوں میں جدا جدا افرار رکھا ہے مثلاً پنجاب و کشمیر اڑکابل متصل ہیں لیکن تینوں جگہ کے پھول پھل اور پیداوار میں بہت فرق ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ ہزاروں بلکہ لاکھوں قسم کے نباتات و دنیا میں موجود ہیں انکے بیج یا جڑیں سب سے پہلے کہیں آسمان وغیرہ سے نہیں آئیں بلکہ خالق جل سلطانہ نے اسی زمین سے اُگائیں جیسے آدمؑ کا جسم پیدا کیا تھا بھرنج و لطفہ سے نسل جاری کی اور اگر وہ چاہے بدون اسکے پیدا فرما دے اور یہ بالکل واضح ہے نکتہ اجسام انسانی کی کیفیت مزاجی مختلف ہے کیونکہ کثرت اجزاء زمین سے جسم بنایا گیا ہے حتیٰ کہ سونا چاندی و لعل و موتی وغیرہ سب جادات بھی جسم کے جز ہیں جو کہ انہیں اجزاء کے مقادیر میں باہم فرق ہے تو لامحالہ اُنکے آثار میں بھی تفاوت ہو گیا اور ہر جسم میں سے جس قسم کا جز کم ہو تو ایسی غذا اسی جادے جس میں یہ جز زیادہ ہو تا کہ کمی پوری ہونے سے صحت حاصل ہو اور اسی اصول پر اطباء نے طبابت کو جاری کیا ہے لیکن غذا سے کمی اسی وقت تک پوری ہو سکتی ہے جب تک اللہ تعالیٰ نے

نازل ہوئی ہوا انھوں نے کہا کہ میں نے بعض مسلمانوں کی زبان سے ایک مختصر قلیل سورہ سنا تھا جو فصاحت میں بے عدیل ہو اور وہ
والعصر ان الانسان لفلح خسرا لکم ہے یہ سکر سیکہ کذاب کچھ دیر تک خاموش رہا پھر کہنے لگا کہ اے ابن العاص مجھ پر بھی اس کے مثل سورہ نازل
ہوا ہی پھر پڑھنے لگا۔ البر البر سے لیکر خاتمہ و سائر ک حقر و نفر۔ ہی پھر کہنے لگا کہ اے ابن العاص تمھارے نزدیک کیسا حال ہے مجھ پر بھی برابر
کی وحی ہوا کرتی ہے، ابن العاص نے کہا کہ اے سیکہ واللہ تو اپنے دل میں خوب جانتا ہے کہ میرے نزدیک تیری بات کا مقابلہ والعصر
سے قرار دینا بالکل باطل و جھوٹ ہے یہ سکر سیکہ ملعون خاموش ہو گیا یا لجلجلہ تمام فصحا، عرب لاکھوں معترف تھے کہ قرآن مجید کی بلاغت
اعلا سے اعجاز ہو اور وہ لوگ فتوحات اسلام میں ممالک مصر و شام وغیرہ میں بہت دور دور پھیلے اور کروڑوں تابعین اسی اعتقاد
میں ان کے شریک ہوئے حتیٰ کہ ہم تک پہنچا کہ فصحا و عرب کا یہ قول تھا اور وہ لوگ اہل صدق و دیانت و امانت تھے جیسا کہ سید
اور دشمن سب کے نزدیک یہ مشہور ہے تو اس زمانہ میں اگر کسی کو علم بلاغت میں ملکہ نہ ہو تو کچھ بھی مضر نہیں ہے اس لیے کہ قطعی متواتر خود عرب
کا اقرار ہے تو وہ علم قطعی یقینی صرف اس کی سمجھ سے بت بڑھ کر جواب جس شخص نے اپنے نفس کی ہٹ اور بد اخلاقی چھوڑ دی اور دم بھراس بیان پر
منور کیا تو ضرور اس کی عقل کے واسطے یہ دلائل مذکورہ ایسے قطعی ہیں کہ اس کو صاف یقین آجا و یگا کہ بیشک یوم الفصل (رزقیا مست)
آنے والا ہے اور اس میں شک کرنا اور تردد و اختلاف کرنا سب نادانی اور بد چلنی پر مبنی ہے حکایت جب نصاریٰ نے اپنے مذہبی جوش میں اگر
بیکام ملک شام پر حملہ کیا تو ایک قلعہ میں ساحل کے مسلمانوں نے ایک عالم کے سایہ میں پناہ لی اور اہل شرک نے قلعہ گھیرا اور ہمنور
سلطان کی طرف سے مدد پہنچنے کی مدت دور تھی اہل شرک نے کمر سے پیغام دیا کہ اگر ہماری حراست میں آجا دین تو جان سے امان ہو مولوی
صاحب نے ہرگز منظور نہ کیا اور کہا کہ شہادت بہتر ہے جس سے آخرت میں ہمیشہ کی زندگی ہو جو نصرائی پیغام لے گیا تھا وہ یہ کلام سنکر
واپس آیا آخر سخت لڑائی ہوئی اور مولانا مع تابعین کے شہید ہوئے اور نصارے میں سے بہت لوگ مارے گئے اور انھوں نے
مسلمانوں کی لاشوں کو بے ادبی کے ساتھ گھسیٹ کر ایک جگہ ڈالا تاکہ گڈھے میں داب دین اتفاقاً ایک نصرائی سوار غصہ میں بھرا
ہوا مولانا کی لاش کے قریب آیا اور نیزہ سے لاش کو ٹھوکا دیکر بولا کہ اے مولوی وہ تیری زندگی کہاں ہے کیا ایک مولانا نے سر اٹھا کر فرمایا
کہ تو سنتا ہے بیشک قسم ہے اللہ تعالیٰ کی کہ ہم زندہ ہیں تین مرتبہ فرما کر بدستور سر رکھ لیا سوار مذکور اس واقعہ سے خوفناک و مرعوب ہو گیا
اور فوراً گھوڑے سے اتر کر ان کی لاش کو اٹھا لایا واضح ہو کہ یہ حیات شہدائے واسطے خاص ہے اور اس زندگی کو آدمی اپنے حواس
سے قیاس نہیں کر سکتا ہے جیسے انبیاء علیہم السلام کی حیات کو قیاس نہیں کر سکتے ہیں اور آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ اسی جسم کی
حیات کے متعلق روایات آئیں گی اور عموماً بعثت کا وقت یوم الفصل ہی لینے قولہ تعالیٰ یوم یفخ فی الصور الخ جس دن طور بھونکا
جاوے گا شیخ ابوالسعود رحمہ اللہ نے لکھا کہ یہ یوم الفصل کا عطف بیان ہو سکتا ہے جس سے یہ فائدہ ہو کہ اس کی عظمت و بولغا ک حالت
سے ہوش ہو یہ دن بہت دراز ہے تو یہ صورت ممکن ہوئی کہ ابتدا میں طور بھونکا جاوے گا اور آئندہ سے حساب و فیصلہ وغیرہ کے
آئندہ ہونگے۔ یہاں طور بھونکے جانے سے دوسری بار کا بھونکا جانا مراد ہے یعنی اول بار تو طور اس لیے بھونکا جائے گا کہ زمین
و سلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں و زمین کی خلقت پوری کی تو (صور) کو پیدا کر کے اسرافیل کو عطا کیا اسرافیل اس کو اپنے
سنگ پر رکھے ہوئے آنکھیں عرش کی جانب لگائے ہے کہ کب اس کو حکم ہو کہ صور بھونکے تاکہ حکم پر عمل کرے پس جب اسرافیل اس کو

معین میں کچھ تقدیم و تاخیر نہیں ہر تو بالفعل جلدی کرنے والے منکر سخت نادان ہیں جبکہ ابھی مخلوقات پیدا ہونے والے ہیں تو کافر دن کا یہ کہ معین
 حاکم ہے کہ اگر تم لوگ سچ کہتے ہو تو دکھلاؤ کہ وہ دن کہاں ہے یا بتلاؤ کہ فلاں روز لینے میں نہ یا وہ مہینہ کے بعد ہوگا مگر تم کہتا ہو کہ سچائی کے واسطے یہ ضرور
 نہیں ہوتا کہ آدمی اُس چیز کو وقت سے پہلے دکھلاوے مثلاً کسی طفل سے کہا گیا کہ آدمی کو موت کی حالت میں بڑی تکلیف ہوتی ہے اُس نادان
 نے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو مجھے دکھلاؤ یہ اُسکا لڑکپن ہے بلکہ سچائی کے واسطے متواتر اخبار کافی ہیں اور خود عقلی دلیل شاہد ہے کہ ہر رگ و ریشہ سے
 ماہان کے کھینچنے میں بغیر و سخت کرب ہوگا۔ اس طرح کافر دن کا یہ کہنا کہ قیامت کا دن دکھلاؤ اگر سچے ہو۔ اس سے بڑھکر نادانی ہے بلکہ سچائی
 کے لیے یہ کافی تھا کہ عقل سے ہر کو صاف معلوم ہے کہ اگر خداے تعالیٰ چاہے تو اپنی مخلوق کو ہزار بار مار ڈالے اور ہزار بار زندہ فرماوے تو اسکی
 قدرت میں یہ بہت آسان ہے اور ہم کو متواتر خبر پہونچی کہ اللہ تعالیٰ نے بار بار مردے زندہ کر دیے ہیں اور حضرت عیسیٰ کو بھی معجزہ دیا گیا تاکہ اُنکے
 زمانے کے فلاسفہ یونانی اُنکے ساتھ معارضہ کرنے سے عاجز ہوں تو ثابت ہوا کہ خداے تعالیٰ کی قدرت میں مردے کو زندہ کرنا کچھ محال نہیں
 آسانی سے ممکن ہے بلکہ قطعاً بار بار واقع ہو چکا ہے اب یہ باقی رہا کہ عام طور پر سب خلائق کے لیے واقع ہوگا تو اسکے لیے ایک منبر جسکی نیکیاں
 و خوبیاں و مکارم اخلاق و طہارت اوصاف بالکل فرشتہ کے مقابلے سے بہتر ہیں وہ آگاہ فرماتا ہے کہ حق عزوجل نے وحی فرمائی کہ بندو غافل تم
 تم مرنے کے لیے نہیں ہو بلکہ تمہارے واسطے انجام ہے اور ایک دن موت محدود ہے جس میں فیصلہ فرمائے والا خود حضرت حق سبحانہ تعالیٰ ہے
 اب اپنے کام کی فکر کرو تاکہ بدلہ انجام سے نجات پا کر دارالسلام میں داخل ہو پھر اُسکے اکرام کا خاتمہ نہیں بلکہ ترقی غیر متناہی ہے جس منبر نے
 یہ حکم بیان کیا وہ خود اسی دن کے سامان جمع کرنے میں رات دن مصروف رہا اور تمام عمر اسی خوبی سے بسر کی اور دنیاوی مال سے
 کچھ جمع نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ نے اُسکے ہاتھ سے چاند دو ٹکڑے کیا اور ہر روز اسکے افعال سے معجزات بے انتہا دکھلائے
 حتیٰ کہ آجکل اُسکے حالات سننے سے نور صدق سے پاکیزہ سینوں میں چاند کی طرح روشن ہو جاتا ہے تو جنھوں نے اُسکو آنکھوں
 دیکھا بھلا اُنکے نزدیک آفتاب کیونکر مخفی رہ سکتا اور یہ دیکھنے والے تو ہزار سے زیادہ تھے تو قطعی معلوم ہو گیا کہ یہ یوم البعث ضرور
 آنے والا ہے بلکہ سابقین انبیاء و کثرت گزرے سب سے متواتر روایت ہے کہ سب نے قیامت سے آگاہ کیا ہے بلکہ اُس عظیم الشان پیغمبر
 صلعم پر رب عزوجل نے کلام پاک قرآن نازل فرمایا جو علی معجزہ ہے اور برابر باقی ہے تو قطعی دلیل ہے کہ اسکا بیان سچ ہے اگر کوہ قرآن تو
 عربی زبان میں معجزہ ہے اور ہم میں سے بکثرت ملکوں میں عجیب ہیں اول تو یہ سب لوگ عربی زبان سے واقف نہیں ہوتے ہیں اور اگر عالم
 واقف ہوا تو بھی عالم ہونے کے باوجود اُسکو زبان عربی میں ایسا ملکہ نہیں ہوتا کہ بلاغت کے مرتبے سے بہت اونچا بلند ہو کر اعجاز کے مرتبے سے
 واقف ہو چکر کیونکر پہچانے (جواب) اب یہ ضرورت نہیں ہے کہ اُسکو اپنے آپ اس زبان نفیس میں اس مرتبے کا ملکہ حاصل ہو بلکہ یہی کافی ہے
 کہ متواتر قطعی عرب کی گواہی جان لے لینے عرب جو بہت فصیح عربی بولتے تھے زمانہ اسلام سے پہلے چند باتوں پر فخر کیا کرتے تھے شجاعت و جہاد و
 و سخاوت و دلیری و صدق و وفائے عہد اور زبان کی فصاحت و بلاغت کے ساتھ شاعری کرنا چنانچہ فصاحت و بلاغت کی شاعری انہیں معرکہ کی چیز
 تھی جسکا نمونہ قولہ تعالیٰ ارج اشہر معلومات کے تحت میں گدازا ہے اور عربی اُنکی اصلی خالص زبان ہے وہ لوگ قطعاً معترف تھے کہ ہمیں ایسا معجزہ ہے
 کہ کوئی شخص اسکے آیات کے مقابلے میں نہیں لاسکتا ہوا دجس کسی نے مقابلہ کیا اُسکے باطل و کذب ہونے پر خود اُسکی قوم نے شہادت دی
 چنانچہ ابن العاص رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ پیامہ گئے اُس وقت تک خود اسلام نہیں لائے تھے اور مسلمہ ملعون جسے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور اہل
 پیامہ اُسکے معتقد ہوئے تھے پہلے سے ابن العاص کا دوست تھا اُس نے پوچھا کہ اے ابن العاص کہو آجکل تمہارے قریبی پیغمبر پر کیا دہی

چنانچہ آئندہ بھی فی الجملہ ذکر ہوگا اور چونکہ وہ خلائق کے لیے فیصلہ کا دن ہے تو جب تک سب مخلوق پیدا نہ ہو جائیں تب تک کیونکر تم لوگ سکھ
دیکھنا جاتے ہو۔ تمہارے واسطے یہ کافی ہے کہ وہ قدرت الہیہ میں نہایت آسان ہو اور اللہ تعالیٰ نے اُسکے لیے ایک سیاح و معین رکھی ہے یَوْمَ یَقُومُ یُسْفَرُ
فِی الصُّورِ فَنُورٌ اَوْ اَحْمَاقٌ۔ جس دن صور میں بھونکا جاوے گا تو تم لوگ فوج فوج آؤ گے۔ یعنی یوم الفصل وہ دن ہے کہ جس
دن دوسرا صور بھونکا جاوے گا پس سب مخلوقات جاندار زندہ ہو کر اٹھیں گے تو تم لوگ افواج آؤ گے۔ مجاہد نے کہا یعنی زمر زمر آؤ گے اقول یعنی
گر وہ گردہ ہو کر عرصات قیامت میں آؤ گے اما ہم ابن جریر نے کہا یعنی ہر ایک امت اپنے رسول کے ساتھ آوے گی مترجم کہتا ہے کہ ہر
زمانے میں ایک پیغمبر ہے جیسے سب سے آخر میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو آپ کے وقت سے قیامت تک جس قدر جن واسطے ہیں
خواہ وہ ایمان لائے ہوں یا نہ لائے ہوں وہ آپ کی امت ہیں پس ابتدائیں ہر امت اپنے پیغمبر کے ساتھ ایک موقف میں حاضر ہوگی
اور وہاں سوال ہوگا کہ تم کو تمہارے پیغمبر نے حکم پہنچا دیا ہے اور پیغمبر سے بھی سوال ہوگا کہ تم کو ان لوگوں نے کیا جواب دیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ
نے فرمایا۔ فَلَنَسْأَلُ الَّذِينَ اٰتٰی الْبَیْمَ وَلِلنَّاسِ الْمُسْلِمِیْنَ ثُمَّ لَنَنْقَضَنَّ عَنْهُمْ لَعْنًا مَّغْنِیْنِ۔ یعنی ہم ضرور باز پرس کریں گے ان لوگوں سے جنکی طرف
ہم نے رسول بھیجے تھے اور ضرور رسولوں سے دریافت کریں گے پھر جو کچھ واقع ہوا ہے ترتیب وار سب خود انکو کہہ سنا دیں گے اور ہم کہیں غائب نہیں تھے
۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو خود ہر روزہ واقعات کا علم حاصل ہے و لیکن فیصلہ کا دن ہے اس لیے کافروں پر حجت حق پوری کی جاوے گی اور حدیث میں اسکی
تفصیل اس طرح آئی ہے کہ کفار انکار کریں گے اور رسول دعویٰ کریں گے کہ میں نے حکم الہی پہنچا دیا تو کفار گواہ طلب کریں گے اُس وقت پیغمبر کو توفیق ہوگی اور وہ
کہیں گے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مومنین امت ہماری گواہ ہیں۔ یہ لوگ گواہی دینگے کہ اے رب بیشک پیغمبر نے حکم پہنچا دیا ہے
اور ہم نے حق عزوجل کے کلام صدق یعنی قرآن سے معلوم کیا یہ گواہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم انکے واسطے ایمان کی شہادت دیں گے اور خود انکا نور بلند ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں انکو گواہ عادل فرمایا ہے لَقَوْلِهِ تَعَالٰی کَذٰلِکَ
جَعَلْنَاکُمْ اُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شٰہِدًا عَلٰی النَّاسِ اَللّٰہِ۔ یعنی اسی طرح ہم نے تمکو امت عادل بنایا ہے تاکہ تم لوگ گواہ ہو لوگوں پر اور پیغمبر تم پر گواہ ہو۔
اس طویل حدیث میں کافروں کا جھگڑا کرنا اور بیان حق تعالیٰ و امامہ اعمال کا پیش ہونا حتیٰ کہ کافروں کے اعضا و جوارح کا خود گواہی ادا کرنا
مذکور ہے حدیث میں ہے کہ کافر اپنے اعضا سے کہیں گے کہ اے بد بختو تم نے کیوں مجھ پر یہ گواہی دی حالانکہ میں تمہارے ہی واسطے جھگڑتا تھا
اسکے اعضا جواب دیں گے کہ ہم کو ہمارے رب عزوجل نے گواہ کیا جس نے اپنی عظمت قدرت سے ہر چیز کو نطق دیا ہے پھر کافروں کا بیجا عذر
لانا وغیرہ مصرح ہے (مخلص) اور شیخ علامہ ابوالسعودؒ نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ کَانَ مِیقَاتًا یَّہْدٰی سَے اللہ تعالیٰ نے
کافروں کو شبہ و دہمی دور کیا جنکا یہ قول تھا کہ (ستی ہذا الوعد ان کنتم صادقیں) یعنی مومنوں سے کفار کہتے کہ یہ وعدہ کب ہو (کہاں ہے
دکھلاؤ) اگر تم لوگ سچے ہو کہ وعدہ گاہ قیامت ہے پس اللہ تعالیٰ نے ایسے نادانوں کے واسطے اسکا بھید بیان کیا کہ یوم البعث جس
منکر ہو کر یا ہم تساول کرتے ہیں یہی یوم الفصل ہے یعنی ایسا دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ اول سے آخر تک سب خلائق کے درمیان حق فیصلہ
فرمادے گا تاکہ ہر ایک اپنے انجام ثواب و جنت سے یا عذاب و جہنم سے واصل ہو یعنی دنیا میں جو کچھ عقیدہ و عمل کیا یا تھا سب اُسکو
تعالیٰ کے عہد بین صفات معلوم ہے کہ وہ اپنی مشیت و مرضی سے کہاں تک مخلوق کی حد رکھیں گا تو اسی کے علم میں یوم الفصل بھی متنا
ہے یعنی میدان معاد میں ہر کس اُس وقت ثواب و عقاب کا عوض دینے کے لیے اولین و آخرین کو زندہ کر کے اٹھاوے گا اس وقت

کا درخت کئی سو برس تک اس دنیا کی ہوا کھاتا ہی تو نبیؐ کی اعتقاد کے موافق برگد بہ نسبت نبیؐ صاحب کے بہت بہتر ہو اور نتیجہ نکلا کہ جب برگد اس کام کے واسطے ہو کہ خشک ہو کر ایندھن بنایا جاوے تو جو خیر اُس سے ہرگز نہ ہو وہ بدرجہ اولیٰ اسی قسم کے کام کے لیے ہو اور جو لوگ برگد وغیرہ مخلوقات کو اپنا معبود بناتے ہیں اور خود اسکے آگے بندگی کا سجدہ کرتے ہیں تو وہ لوگ اس سے بدتر ہیں کہ جلالے کے کام آدین بلکہ جہنم میں اپنے معبودوں کے ساتھ اُدُن کا برابر ہونا اُنکے لیے فخر ہے نفوذ باللہ من ذلک وجہ سوم۔ یہ کہ دنیا میں انھیں اکیس ہر ایک دلیل میں چنانچہ نیند کے بعد جاگنا نمونہ ہے کہ اس طرح موت کے بعد اٹھائے جاویں گے اس طرح مردہ زین پر پٹ سے نباتات کا اُگا نا دوبارہ زندہ کیے جانے کا نمونہ ہے پس خلاصہ یہ کہ گویا منکر دن سے کہا گیا کہ کیونکر تم اس امر سے منکر ہوتے ہو کہ خداے تعالیٰ تم کو بعد موت کے زندہ کرے کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ تمام افعال اس دنیا میں تمھاری آنکھوں کے سامنے جاری ہیں جو ہر طرح دلالت کرتے ہیں کہ خداے تعالیٰ میں سب قدرت ہو پھر کیونکر تم بعث حشر کو سحر وین سے پوچھتے ہو (تفسیر ابو سعید) مترجم کہتا ہو کہ بعض لوگوں نے کہا کہ محالات خدا کی قدرت سے خارج ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ہم کو اس مسئلہ میں غرض کرنا ضرورت نہیں ہو بلکہ بعض علماء رحمہ اللہ نے خوب کہا کہ کیا تم صنعت الہیہ کی حقیقت کو دریافت کر لیا ہو جو اُسکی شان میں یہ حکم لگاتے ہو بلکہ یوں کہو کہ محال آیا کوئی چیز ہے یا نہیں ہو اگر ہو تو اسکو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہو اور اگر وہ اسکی قدرت کے منافی ہو تو وہ عیب ہو اور ہکوا ایمان و یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہو اور انجملہ بعث قیامت ہے وہ قدرت میں نہایت آسان ہے لہذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا

إِنَّ يَوْمَ الْفُصْلِ كَانَ مِيقَاتًا يَوْمَ يَنْفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَقْوَابًا وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ

بیشک دن فیصلے کا ہے ایک وقت ٹھہرا جس دن بھونکیں نرسنگا میرے آڈٹ جٹ اور کھولا جاوے آسمان

فَكَانَتْ أَبْوَابًا وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا

تو ہو جاوے دروازے اور چلاے جاوے پہاڑ تو ہو جاوے دین رینا بیشک دوزخ ہے تاک میں

لِلطَّغْيَيْنِ مَا بَاءَ لِبِئْسَ فِيهَا أَحْقَابًا لَا يَدْخُلُ فِيهَا بَرٌّ وَلَا نَفْسٌ مَّا رَكَّبُوا

شریرون کا ٹھکانا رہنے والے ہیں اُسین قرون نہ چکھیں دہانہ ٹھنڈک کا نہ ملے کچھ پینا مگر

حِمِيمًا وَغَسَاقًا جِزَاءَ وِفَاكَاهُ إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا وَكَذَّبُوا

گرم بانی اور بہت پیس بدلائے پورا تھے تو تھکے حساب کی اور جھٹلائیں

بِأَيْتِنَا كَذِبًا وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا فَذُوقُوا فَلَنْ نَزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا

ہماری آیتیں مگر اگر اور ہر چیز میں گن رکھی اب چکو کہ ہم بڑھاتے نہ جاویں گے تم پر مگر مار

جب یہ ثابت ہو گیا کہ بعث قیامت قدرت الہی میں نہایت آسان ہو تو کافروں کے باہم پوچھنے کا جواب ارشاد فرمایا بقولہ تعالیٰ إِنَّ يَوْمَ الْفُصْلِ كَانَ مِيقَاتًا۔ البتہ فیصلہ کا دن ایک مہقات ہوتے یعنی قیامت جسکو منکر لوگ باہم پوچھتے ہیں اور مومنوں سے مخالفت کرتے ہیں کہ بھلا وہ تمھارا دن کب ہو یعنی اگر ہو تو ہم کو دکھلا دو پس فرمایا کہ وہ فیصلہ کا دن ایک وقت میں ہو اُسکے واسطے ایک انتہائے مدت مقرر ہو اس میں کسی بیشی کچھ نہیں ہوگی اور وہ علم الہی میں معلوم ہے البتہ اُسکے آثار بتلائے گئے ہیں کہ جس قدر وہ وقت زیادہ قریب ہوتا جاوے گا یہ آثار پیدا ہوتے جاوے گے اور انکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہو اور اس تفسیر میں بار بار انکا تذکرہ آیا

اور سکو ذبح کر کے جلایا تو پھر اللہ تعالیٰ جل جلالہ اعلیٰ واجب ہی کیونکہ اس سے بہت زیادہ بڑھ کر یہ نو قسم کے آثار قدرت ہیں پھر جس پاک خالق مالک عزوجل کی یہ قدرت و عظمت اور یہ علم و حکمت ہو تو تم لوگ کیونکر نادانی سے اُدسکی جناب میں یہ کہتے ہو کہ وہ مردوں کو زندہ نہیں کر سکتا ہوا مام رازیؒ نے لکھا کہ واضح رہے کہ نو قسم کے آثار قدرت جنکو اللہ تعالیٰ نے بیان ذکر فرمایا ہو تاکہ اُنہیں نظر کر کے مخلوق بندوں کو رب عزوجل کی قدرت کاملہ کی عظمت و جلال کی کچھ جھلک فی الجملہ معلوم ہو جاوے اور انکے مقابلے میں بعث و نشر آسان نظر آوے تو ہم کو چاہیے کہ ان اقسام پر مدح سے نظر کریں اول یہ کہ ان چیزوں کا وجود حادث ہوا ہو اور یہ سب حادث ہیں جبکہ بدلتی ہستی ہیں اور فنا ہو جاتی ہیں تو معلوم ہوا کہ انکا پیدا کرنے والا سب قدرت رکھتا ہوا وہ خود مختار ہی جسکو جس صفت کے ساتھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہو یعنی مثلاً کوئی خوبصورت ہو اور کوئی بد صورت ہو تو یہ اُدسکی خود مختاری ہو اور اس سے کسی کو یہ وہم نہیں ہو سکتا کہ شاید کسی حق واجب کی وجہ سے ایسا ہو کیونکہ کسی کے چاہنے پر نہوا بلکہ جو اسے چاہا وہ کیا دہم ہو کہ یہ دیکھنا چاہیے کہ ان چیزوں میں لطیف حکمت و صنعت اور عجیب حالت کیونکر ہو تو بعد غور کے صاف معلوم ہوتا ہو کہ سبحان اللہ و بھرحہ ہم بندوں کو ہر ایک جزئی چیز میں استقدر خوبیان و کمینین ظاہر ہوتی ہیں کہ عقل جزئی کبھی اُسکا احاطہ نہیں کر سکتی ہو تو یہ دلیل ہو کہ صانع عالم جل شانہ ہر چیز اور ہر ذرہ کا علیم ہو اور جو چاہے وہ کر سکتا ہو کیونکہ ہر ذرہ ذرہ جاننے کے بعد جو کچھ بنایا ہو وہ کمال صنعت ہو اور ہر چیز کو دوسری چیز سے ایک ربط و تعلق خاص ہو اور یہ سب علم و قدرت اسکی شان میں واجب ہو تو ہر چیز جو ہو سکتی ہو اُدسکی قدرت میں داخل ہو۔ جب یہ بات ہو عقلی دلیل سے معلوم ہو گئی تو صاف سمجھ میں آ گیا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے کہ اس عالم کو خراب کر کے دوسرا عالم ایجاد کرے تو اُدسکی قدرت میں آسان ہو تو دنیا کو ایک دن ختم کرنا اور زمین و آسمان کو بدلنا اور اجسادے خلقت سے آخر تک دنیاوی مخلوق کو دوبارہ پیدا کرنا عقل کی دلیل سے ممکن ہو اب رہا یہ کہ اسکے بعد بیان کیا و آفاقی پیش آویگے تو یہ باتیں ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے معلوم ہوئی ہیں بیان خالی عقل سے کام نہیں چل سکتا ہے رت و تفسیر کبیر اور شیخ علامہ ابوالسعود رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ اقسام آثار قدرت بیان کرنے کے بعد لکھا واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ جو آثار قدرت اور افعال صنعت ذکر فرمائے ہیں تو انسے بعث قیامت پر تین طرح دلیل قائم ہے یعنی قیامت کے حق ہونے پر آثار زمینی و آسمانی تین طرح سے دلالت کرتے ہیں اول یہ جس قدرت کاملہ سے خالق سبحانہ تعالیٰ نے ان افعال نادرہ کو صادر فرمایا ہو حالانکہ ان چیزوں سے پہلے انکی کوئی مثال موجود نہ تھی اور نہ انکے بنانے کے لیے کوئی قاعدہ کسی کتاب میں تھا بلکہ حق تعالیٰ نے فقط اپنی قدرت سے خود ابتدا و انکو ایجاد کیا ہو تو قطعی دلیل ہو کہ وہ جب چاہے انکو موت دیکر اعلا کرے دہم یہ کہ حضرت حق سبحانہ تعالیٰ نے اس عالم میں ان چیزوں کو ایسی صنعت و حکمت کے ساتھ پیدا فرمایا ہے کہ عقل متحیر ہوتی ہے اور ہر چیز کے واسطے عجیب عجیب فوائد ہیں جو مخلوقات کو حاصل ہوتے ہیں یعنی حضرت خالق جل شانہ نے ان چیزوں کو ایسے ہی فوائد جمیلہ و منافع جلیلہ کے واسطے اپنے علم و قدرت سے پیدا فرمایا ہو تو عقل کے نزدیک محال ہو کہ ان چیزوں کا انجام فقط یہ ہو کہ فنا ہو گئیں اور کچھ نتیجہ نہ رہا بلکہ انکے واسطے انجام ہو اور ہم ہی دار آخرت میں جنت و دوزخ ہے مترجم کہتا ہو کہ یہ ایسی دلیل نظر آئی جیسی میں نے پیچ خیزالات کے لوگوں کے سمجھانے کے واسطے بیان کی کہ سب کے نزدیک انسان اس جہان میں جانداروں وغیرہ سے اشرف ہو جیسے جاندار جانور ہر ایک نباتات و جمادات سے افضل ہوتا ہو پھر اگر نچری کے نزدیک فقط ہی دنیاوی حیات ہو اور بعد اسکے کچھ نہیں ہو تو اُسکے نزدیک یہ ہواے خوشگوار دنیا ہی تمام نعمت ہوئی اور ہم دیکھتے ہیں کہ برگد

کندھوں پر لدا ہوا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ ماہ شجاعا۔ شیخ کی تفسیر میں المفسرین مجاہد و قتادہ و ریح بن انس نے کہا کہ ریزندہ یعنی جھڑی سے برسنے والا سفیان ثوری نے کہا یعنی پر در پر برسنے والا۔ ابن زید نے اسکی تفسیر میں کہا کہ شجاعا یعنی بکثرت ابن جریر نے کہا بلکہ معنی کثرت کے نہیں دیکھے گئے بلکہ شیخ کے معنی پر در پر کے آتے ہیں چنانچہ حدیث میں ہے فصل الحج والعمرة۔ یعنی حج کے اعمال میں افضل یہ کہ آواز بلند ہو اور پر در پر بہاوے یعنی قربانی کا خون بہا دے مگر حج کہتا ہے کہ ابن زید نے یہ مراد نہیں لی کہ شیخ کے معنی کثرت ہیں بلکہ انکا مطلب یہ ہے کہ جو پانی شیخ کے طور پر برسے گا وہ ضرور بکثرت ہوگا ابن کثیر نے بھی کہا کہ حدیث میں بھی ایک عورت مستحاضہ نے کہا تھا کہ۔ ہوا کثر من ذلک انما شیخ شجاعا۔ یعنی حیض کے سواے دیگر ایام میں اسکو خون استحاضہ کثرت سے جاتا تھا تو اس سے مسئلہ پوچھا کہ میں کیونکر ناز پڑھوں یعنی گدی وغیرہ سے رک نہیں سکتا وہ بہت کثرت کے ساتھ بطور شیخ کے آتا ہے۔ اس سے نکلا کہ کثرت کے موقع میں یہ لفظ بولتے ہیں۔ الفاف کی تفسیر میں ابن عباس نے کہا یعنی مجتمع گنجان۔ حاصل مطلب یہ ہوا کہ کافرون نے جب دوبارہ پیدا کیے جانے سے انکار کیا بلکہ اسکو محال جانا اور قیامت جو ایسا عظیم ہے کہ اس سے آسمان و زمین تھراتے ہیں اسی بنیاد پر ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک دن اول سے آخر تک سب مخلوقات کو دوبارہ زندہ فرما کر جمع کرے اور ہر ایک نے جو کچھ اعتقاد و عمل کیا ہو وہ اسکو دیدے اور یہ فقط دو ہی میں منحصر ہے یا تو اعتقاد و عمل ایسا ہوگا جو اپنے رب عز و جل کو اسکی سچی الوہیت کے مطابق وحدہ لا شریک ماننے پر ہی تو یہ مظهر رحمت ہی اور انجام اسکا جنت ہو اور اسکے سواے جو کچھ صورتیں زمین و مظهر غضب ہیں انکا انجام جہنم ہے لیکن جیسا کافرون نے آخرت کے دوبارہ پیدا کیے جانے کو محال جانا تو حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے انکار کیا اور یہی اس کے کفر کی جڑ ہے اور اللہ تعالیٰ نے بارہا دنیا میں مردہ کو زندہ کر کے دکھلادیا جو قطعی متواتر معلوم ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ہوا جسکا ذکر قولہ تعالیٰ واذقلتم نفسا فاذا تم الایہ میں گزرا اور جیسے عیسیٰ علیہ السلام کے لیے اس زمانے کے جالینوس وغیرہ حکیم و طبیب کو عاجز کر کے کو مردہ زندہ کرنے کا معجزہ دیا گیا تھا اور حقیقت یہ تو اسی عالم زمینی اور مادی میں انصراف ہو اور سفلی عالم میں بہت سے جادوگر وغیرہ بھی ایسی چیزیں دکھلایا کرتے ہیں جو قیاس میں نہیں آتی ہیں تو بھلا یہاں اللہ تعالیٰ کے انصراف سے کیونکر انکار ہو سکتا ہے اور جو کوئی منکر ہو تو وہ بہت زیادہ نادان ہے اور اللہ تعالیٰ عالم آسمانی و زمینی میں اپنی قدرت و حکمت کے وہ عجائبات دکھلائے کہ انکو غور سے دیکھنے کے بعد جو شخص اس کے علم و قدرت بے انتہا کا انکار کرے وہ بیشک نامحجہ جالوز سے بھی بدتر ہے اور یہ تو قسم کے آثار قدرت ہیں از بخمکہ چھ عالم سفلی میں ہیں یعنی۔ ۱۔ زمین کو مہاد بنانا۔ ۲۔ پہاڑوں کو مین بنانا۔ ۳۔ مخلوق کو جوڑے بنانا۔ ۴۔ خواب کو راحت کرنا۔ ۵۔ رات کو لباس کر دینا۔ ۶۔ دن کو معاش یعنی رزق حاصل کر نیکا وقت بنانا۔ اور دو قسم کے عالم علوی میں ہیں (۱۔ چلے) تمھارے اوپر قہارے فلک سخت محکم بنادے (۲۔ چلے) روشن چراغ آفتاب پیدا کیا جسکے ضمن میں چاند بھی ہے اور ایک قسم ان دونوں میں مشترک تھے (۳۔ چلے) سحاب سے آسمانی قوی کے آثار برکت کے ساتھ پانی بکثرت نازل فرمایا تاکہ عالم اسباب میں اس کے ذریعہ سے اناج و نباتات و فواکہ اور ہر قسم کے باغات گنجان پیدا کرے جس میں سب طرح کے پھل و پھول ملین۔ اب آیات کے بیان میں غور کرو یعنی قولہ تعالیٰ الم یجعل الارض الخ۔ یعنی اسے انکار کرنے والے نادان بندہ دیکھا ہم نے زمین کو مہاد نہیں بنایا۔ اس طرح آخر تک ہر ایک قسم مذکور کے متعلق سمجھو کہ کیا یہ نہیں پیدا کیا اور وہ نہیں بنایا یعنی مردہ کو دوبارہ پیدا کرنے میں تو فقط اسی قدر ہے کہ اس زمین سے تھوڑی سی خاک سے ایک پتلا بنا کر اس میں بخان دیدی اور معلوم ہے کہ سامری نے گوسالہ میں خاک ڈال دی تھی جو قرینہ سے اس نے فرشتہ کی سواری کے زیر قدم پہچانی تھی اور وہ گوسالہ اس قدر زندہ ہوا کہ آواز کرنے لگا حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے

کے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ وہ جب کائنات پر تیر ہوا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد یہ ہے کہ اس کا نور کامل ہے خلیل رح
کی کتاب میں مذکور ہے کہ پہلے آگ اور سورج کی گرمی ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلی گرمی بہت تیز ہو رازی نے کہا کہ بہر صورت مطلب
حاصل ہو کہ کبر سراج و ابوالسعود وغیرہ میں ہے کہ وہ پہلے تیز روشن جگہ گاتا ہوا۔ اگر کہو کہ یہ صفت تو دلالت کرتی ہے کہ یہ نہایت عظیم خیر ہے
اور حقیقت آفتاب اس زمین سے اس قدر بڑا تصور کیا گیا جیسے مٹر کے مقابلہ میں کھڑا ہو لیکن اسکو چراغ فرمایا (جواب) یہ کہ ایسے کہ وہ چراغ
انہیں سب سے شدا کا ہے اور بیشک آسمانوں میں سے ہر ایک بزرگ قبہ جو جبین یہ آفتاب بنزلہ چراغ کے ہے (تنبیہ) عاقل کو ذرا غور کرنا چاہیے
کہ زمین بنزلہ مٹر ہے اور آفتاب بنزلہ کھڑا ہے آفتاب بمقابلہ اپنے اس آسمان کے یہی نسبت رکھتا ہے کیونکہ آسمان کے سطح پر ایسے ایسے آفتاب
اگر کچھ اے جاوین تو کروڑوں آدین پس زمین بمقابلہ آسمان کے ذرہ سے کم ہے۔ پھر آسمان اول سے دوسرا آسمان اسی قدر بڑا ہے جس قدر زمین
سے پہلا آسمان بڑا ہے اسی طرح ہر آسمان بالبعد اپنے اندرونی آسمان سے بہت بڑا ہے اور آیت الکرسی کی تفسیر میں احادیث گزر چکی ہیں کہ کرسی اس قدر
عظیم ہے کہ ساتون آسمان زمین اس کے اندر ایسے ہیں جیسے بڑے میدان میں ایک جھلّا بڑا ہوتا ہے اور عرش عظیم اس قدر عظیم ہے کہ کرسی میں
میدان کے اندر جھلّا ہے سب اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی مخلوقات ہیں اور اسکی قدرت لایزال کی شان قدس تصور میں لانا محال ہے قلندہ العظمت والکبریا و اول
الحمد والثناء وہ رب العرش العظیم۔ اسی مقام سے انسان اپنی ہستی کو اور اس دنیا میں فریفتہ ہونے کو خیال کرے اور ان اکابر صالحین کی بزرگی
تصور کرے جنکی بہت عالی اس بہت آسمان سے تجاوز کرتی ہے قسم نہم قولہ تعالیٰ۔ **وَأَنزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً**
تَجَاوَزَ بِهِ حَبًّا وَنَبَاتًا وَجَنَّاتٍ أَلْفَافًا۔ اور ہم نے نازل فرمایا معصرات سے پانی پیہم کثرت سے برسنے والا
تاکہ ہم اس سے پیدا کریں دانہ اور نباتات اور باغات گھنے ف اس آیت کے معنی بیان کرنے سے پہلے بعض
مفردات کے معنی بیان کرنا چاہیے شیخ ابن کثیر نے لکھا کہ عوفی نے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ المعصرات ہوائیں ہیں ابن ابی حاتم
نے بطریق سعید بن جبیر ابن عباسؓ بھی ہی معنی بیان کیے اور کہا کہ یہی معنی عکرمہ و مجاہد و قتادہ و مقاتل و زید ابن اسلم و عبد الرحمن
بن زید رحمہم اللہ تعالیٰ تابعین مفسرین نے بیان کیے ہیں اور اس قول کے موافق آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہوائیں بادل کو اٹھاتی
ہیں اور اسی سے کثرت کے ساتھ پانی برساتی ہیں۔ علی ابن ابی طلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ المعصرات بادل
ہیں۔ اور یہی تفسیر ابوالعالیہ و ضحاک و حسن بصری و ربیع ابن انس رحمہم اللہ تعالیٰ تابعین مفسرین نے بیان کی اور یہی عکرمہ رحمہ
بھی ایک روایت ہے اور یہی معنی سفیان ثوری رحمہ نے بیان کیے اور اسی قول کو شیخ ابن جریر رحمہ محدث مفسر مشہور امام نے اختیار کیا
شیخ فرائی نے جو علم معانی کے علماء میں سے ہیں کہا کہ معصرات وہ بادل کہلاتے ہیں جو پانی سے لدے ہوئے ہوں اور ابھی بر سے
نہوں جیسے عورت جب حیض سے قریب ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ وہ معصر ہے۔ بعض روایات میں آیا کہ حسن و قتادہ رحمہ نے
کہا کہ معصرات آسمان ہیں ابن کثیر نے کہا کہ یہ قول غریب ہے اور سب سے زیادہ ظاہر قول یہ کہ المعصرات سے بادل مراد ہیں چنانچہ
اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **اللہ الذی یرسل الریح فتغیر سحابا فیسطرہم السما کیف یشاء فیجبلہ کسفا قمری الودق یخرج من خلاله الایۃ یعنی**
اللہ تعالیٰ ہی کی شان ہے کہ وہ ہوا بھیجتا ہے کہ جو بادلوں کو اٹھاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے موافق اسکو بوندی پر
پھینکتی ہے اور اس کے ٹکڑے طاقی ہے پھر تو دیکھتا ہے کہ اسی میں سے باران رحمت ٹپکتا ہے۔ ہ۔ مترجم کہتا ہے کہ معصرات اگر ہوائیں لی
جاوین تو یہی سحابا باران کو اٹھائے ہوئے ہیں اور اگر سحاب لیا جاوے تو وہ باران جو ہواؤں کی ترکیب سے برستا ہے اور آفتاب ہی جو ہواؤں کے

فیرتہا ہی باطل ہو اور وہ دلیل صاف ہو تو فرقہ منکرہ کا یہ خیال غلط نکلا کہ بالائی جانب غیر متناہی چلا گیا ہو اور جب انتہا ضرور ٹھہری تو وہی جسم ہے جس کا نام آسمان ہو جو ہم کو نیلگون نظر آتا ہے۔ یہ تو ثابت کرنے کے دلائل ہوئے اب جو کوئی اس پر اعتراض کرے اُس کو دفع کرنا ضرور ہے ورنہ دلیل سے ثبوت مجتہد نہ ہوگا۔ لیکن بیان دلائل میں سے کسی دلیل پر اعتراض نہیں ہو بلکہ منکرون نے یہ دعویٰ کیا کہ ہماری دور بین سے نظر نہیں آتا ہوا اس کا جواب یہ ہے کہ تمہاری دور بین اور آنکھ کسی میں یہ طاقت نہیں ہے کہ آسمان کو دیکھ سکے ہاں آسمان میں چھوٹے چھوٹے ستارے ہیں انکو البتہ دیکھ سکتے ہو اس کا اہل بعید یہ ہے کہ دور سے وہ چیز نظر آتی ہے جس پر روشنی ٹھہرتی ہو یا خود نورانی ہو پھر جو چیز نورانی ہو وہ تو جیسے جس قدر چھوٹی ہو سلسلے سے نظر آدگی اگرچہ بہت دور ہو اور اگر روشنی پڑنے سے روشن ہے تو روشنی اور فاصلہ کے اندازہ سے نظر آنا مقرر ہے مثلاً دن میں میدان کا درخت آفتاب کی روشنی میں دور سے نظر آتا ہے اور رات میں آفتاب کی روشنی میں اس طرح نظر نہیں آتا اور اندھیری رات میں چراغ کی روشنی میں دو چار قدم سے نظر آوے گا لیکن فاصلہ سے نہیں نظر آوے گا یا درخت بہتر لہ تو وہ خاک کے نظر آوے گا اور اگر ایک میل کے قریب فاصلہ ہو تو وہ چراغ نظر آوے گا جو درخت پر رکھا ہو اور درخت نظر نہ آوے گا پس جب یہ معلوم ہو چکا تو روشن تارہ باوجود چھوٹا ہونے کے دور سے نظر آیا اور کبھی دور بین سے نظر آیا بر خلاف اسکے جسے تارہ بڑا ہوا ہے وہ بہتر لہ درخت یا چھت کے ہے جس پر چراغ رکھا ہوا ہے پس کوئی دور بین اس قابل نہیں ہے کہ اس قدر دُور فاصلہ سے ایسے جسم کو جیسا آسمان ہی نظر کر سکے پس معلوم ہوا کہ فرقہ منکر نے جو شہادت پیش کی ہے وہ بالکل باطل ہے ایسے کہ بیان عقل کی شہادت اعتبار سے اور یہ عکس اسکے بے عقلی کی شہادت ہے جب صریح دلائل عقلیہ و بدیہیہ سے معلوم ہو گیا کہ آسمان ضرور موجود ہے تو قرآن مجید کی آیات پر ایمان لانے میں منکر فرقہ کا برعکس خیال کچھ روک نہیں سکتا جبکہ اس کا خیال ہی معدوم ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا کہ ہم نے تمہارے اوپر بسا کیے ہفت شداد یعنی مضبوط مستحکم خوب و خوبصورت ہفت آسمان تمہارے اوپر کی جانب بطور سقف محفوظ کے بنا کیے (تنبیہ) رازی نے کہا کہ بنا یعنی بنانا و تقسیم کرنا تو یہ لفظ ہفت آسمان تمہارے اوپر کی جانب بطور سقف محفوظ کے بنا کیے (تنبیہ) رازی نے کہا کہ بنا یعنی بنانا و تقسیم کرنا تو یہ لفظ عمارت زیر کے واسطے بولتے ہیں اور سقف و بالا خانہ کے حق میں اور بنا و بلند کرنا وغیرہ کہتے ہیں (جواب) ہاں اور یہ اسلئے کہتے ہیں نیچے کا مکان چھت یا بالا خانہ کے لیے بنا۔ یعنی بنایا ہوتا ہے جس کو مستحکم رکھتے ہیں تاکہ بالا خانہ و چھت کو اٹھاسکے اور یہاں ہیں نیچے کا مکان چھت یا بالا خانہ کے لیے بنا۔ یعنی بنایا ہوتا ہے جس کو مستحکم رکھتے ہیں تاکہ بالا خانہ و چھت کو اٹھاسکے اور یہاں ہیں اسی نکتہ کے واسطے ہفت آسمان کے حق میں بنانا فرمایا جس سے یہ معلوم ہو کہ وہ گویا اس زمین کے حق میں محفوظ ہے جیسے قولہ قولہ جب لنا السماء سقفا محفوظا۔ یعنی ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنا دیا ہے (کبیر) مترجم کہتا ہے کہ یہ نکتہ جو امام رحم نے بیان کیا ہے اچھا نکتہ ہے اور علاوہ اسکے ہفت آسمان کی بیان صفت شداد کو کہ ہے یعنی ہر آسمان اپنی جسامت و وضع و کیفیت میں سخت مضبوط ہے تو وہ بجائے خود ایک عمارت عجیب ہے اور اگر دنیا کے ساتھ نظر کریں تو وہ ہمارے اوپر محفوظ چھت ہے پھر میں نے تفسیر البو السعدی میں بھی دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بسا دیا ایسے فرمایا کہ وہ گویا مخلوقات کے اوپر قبہ ہیں اور لکھا کہ فوقکم مقدم کیا تاکہ بندے اوپر کو نظر اٹھا دیں کہ ہمارے اوپر عمارت کیا ہے پس قدرت حق عزوجل سے انکو نظم آوے کہ قبہ افلاک ہے قسم ہشتم قولہ لنا و جعلنا یسرا اجا وھا جا۔ اور ہم نے سراج و دیا بنادیا ف مراد آفتاب ہی ہے کیا ہم نے ایسا نہیں کیا البو السعدی درازی وغیرہ نے کہا کہ مقصود یہ ہے کہ عمارت عالیہ میں چراغ آفتاب روشن کر دیا رازی نے کہا کہ سراج چراغ ہے اور دیا سراج کی تفسیر میں اہل لغت کے عبارات کئی طرح وارد ہوئے ہیں بعض نے کہا کہ دیا وہ چیز ہے جہاں نور اور حرارت جمع ہو پس اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ آفتاب میں یہ دونوں صفتیں پوری ہیں کلیجی نے بذریعہ ابو صالح

کہ ہر جہت پر جہاں چاہے کھانے پینے وغیرہ کی لذتیں اٹھانے دو اور ہم سے غور فکر کے لیے مت کہو ہم اسکو نہیں سمجھ سکتے ہیں بلکہ آفتاب کو بھی چھوڑ دو اور کہو کہ مہیاں نیچر کی زیرنگیان ہیں مترجم کہتا ہے کہ دوسرے فرقے کا حال بیان کرنے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ اس فرقہ اول کی صفت میں کچھ لکھ دوں۔ ان لوگوں نے دنیا کی ہوس میں سب سے زیادہ حصہ لیا اور تمام دل و دماغ کو اس دنیا کے واسطے صرف کرنے کو بہت اعلیٰ کام تصور کیا اس لیے کہ صد ہا برس پہلے جو امتیں گدزین انہیں بھی فلسفی خیالات کے لوگ ہمیشہ بکثرت رہتے آئے ہیں اس لیے کہ اس دین کا مدار ان لوگوں نے اپنے قیاسات و خیالات پر رکھا ہے اور انسانی خیالات بکثرت ایک ہی جنس ہیں تو دوسرے لوگ بھی یا تو اسی خیال والے ہو گئے یا اپنے بھائی کا خیال و قیاس منکر بہت جلد سمجھ جاؤ گئے برخلاف اسکے جو علم غیبی بذریعہ نبوت کے ہم کو پہنچا ہے وہ آدمی کا اٹکل و قیاس نہیں ہے اور جب ایک وسیع قلب اسکے سبب جزا اور اخبار کو سمجھنے کے بعد منور توفیق ملاتا ہے تو اس وقت قطعاً آفتاب سے بدرجہا بڑھ کر سکور و شرف ہو جاتا ہے کہ سبحان اللہ و بحمدہ بیشک یہ صریح حق ہے اور جب اسکے سامنے فرقہ منکرہ کے قیاسات و انگلیں پیش کی جاتی ہیں تو ان اعلیٰ قیاسات کو وہ نہایت درجہ کی حماقت اور محض خبیثہ و غلط دیکھتا ہے اور یہ قیاس و انگلی کی شناخت نہیں بلکہ انکشاف ہے جیسے شیر خوار بچوں کے قول و فعل کو مرد عاقل بدون قیاس و انگلی کے صحیح بچوں کا بچہ پن دیکھتا ہے اگرچہ کچھ کو سمجھانے اور مناتے ہیں اس وجہ سے عاجز ہوتا ہے کہ کچھ خود بے عقل ہے اسی طرح خوب جان لینا چاہیے کہ معارف الہیہ میں ان منکروں کے قیاسات ان بچوں کے انگلی سے کہیں زیادہ بدتر ہیں اس لیے کہ بچے تو آنکھوں دیکھی ہوئی چیزوں میں اپنا تصرف کرتے ہیں لیکن نادانی سے بے انگلی چلتے ہیں اور یہ بوڑھے بچا طور سے ہمت و انکار کرتے ہیں اور اگر بچوں کو تار پر چڑھ جانے اور دوڑ لگانے وغیرہ مہل باتوں میں بوڑھوں سے زیادہ لیاقت ہے تو اس سے یہ سمجھنا بالکل غلط ہے کہ ہر بات میں کچھ افضل ہیں اسی طرح اگر دنیا کی آراستگی و آسائش وغیرہ حاصل کرنے میں ان قیاسات لگانے والوں کو زیادہ مہارت ہے تو نوی کیفیت یہ مہلات ہیں یعنی آخر انکا کچھ انجام نہیں ہے ہم یہ نہیں کہتے کہ انگلی والے اسکو مہل جانتے ہیں یا کوئی اسکو مہل جانتے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اگر تم مان لو کہ اسی طرح دنیا سے فانیہ کا انجام خراب ہے تو یہ مان لینے کے بعد ہمارے کہنے میں کچھ شک نہ دیکھا جسے یہ بات تو سب مانتے ہیں کہ آدمی اگر قارون کے خزانے کا مالکسا ہو جاوے تو بھی جسوقت وہ مرے گا اسوقت اسکے نزدیک سب خاک سے بدتر ہے اور اس زمانے میں یہ انگلی جانی کہ قوم کی خیر خواہی اور نام ہے کیسے کہ اگر سچی آنکھ سے دیکھو تو مردہ کو کیا دفع ہو اگر کو کہ بھرتہ خود کیوں مردے کا دفع بہت سی باتوں میں کہتے ہو جواب یہ کہ ہم جن باتوں کے قائل ہیں یعنی آخرت و اوسکی زندگی تو اگر تم بھی مانو تب دفع ظاہر ہو اور بدون اسکے کیا فائدہ ہے حالانکہ فرقہ منکرہ کا خود خیال یہ ہے کہ جو کچھ ہے یہی سامنے کی موجودہ چیزیں ہیں پھر سب خاک ہر آب میں فرقہ دوم کے دلائل لاتا ہوں جو آسمان کو موجود کہتے ہیں واضح ہو کہ موجود ماننے والے برابر حضرت آدم سے اب تک سب لوگ ثابت ہوئے ہیں مگر شاید کوئی شاذ منکر ہو اور اس میں مسلمان و کافر سب داخل ہیں مسلمانوں کے بیان نقل قطعی مل گئی کہ حضرت نوح علیہ السلام نے سمجھا یا تھا کہ تم اپنے اوپر سات آسمان جانتے ہو تو انکو اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا ہو اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نوح سے پہلے سے عام لوگوں میں یہ اعتقاد حاصل تھا اور بدیہی دلیل یہ ہے کہ آسمان کا عکس ہر آئینہ و پانی میں ہر وقت نظر آتا ہے اور اگر وہ ٹھوس جسم نہ ہوتا بلکہ خالی آنکھ کی بنا فی الختم ہونے سے سیاہی ہو جاتی اور وہاں مجسم چیز نہ ہوتی تو عکس کبھی نظر نہ آتا اور اس بدیہی دلیل کے سامنے اوس فرقہ منکرہ کے ادہام کسی قابل نہیں ہیں۔ اور مترجم نے مقدمہ تفسیر میں دوسری عقلی دلیل طولانی ذکر کی ہے کہ مسافت

اس سے ہم دلیل کیا طلب کریں لیکن بیان ایک بات ہو وہ یہ کہ آسمان کا وجود بدیہی نظر آتا ہو تو اس منکر فرے کو اپنے انکار کے ساتھ شہادت و بیان ضرور ہو لہذا اس فرقہ منکر نے کہا کہ پر جو تم کو نظر آتا ہو جسکو تم ایک جسم بطور چھت کے سمجھتے ہو فقط تمہارے خیال کی غلطی ہے اور اصل بات یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے نظر کے واسطے محدود قوت دی ہو جہاں تک اوس میں قوت تھی اُسے کام دیا اور آگے جب کام نہیں کرتی ہو تو اندھیرا نظر آتا ہو تو یہ رنگ فقط منہاے نظر ہو کسی جسم کا رنگ نہیں ہو اور ہم لوگوں نے یہ بات ایسے بنائی ہو کہ ہم نے نہایت عمدہ دور بین بنائی جو بال کی کھال تک دور سے دیکھ لیتی ہو اُس سے پہلے دور دور کے باریک تارے دیکھے لیکن اُس سے پہلے آسمان کو ہر چند دیکھا وہ کہیں نظر نہ آیا اور اگر وہ ہوتا تو ہماری نادر دور بین سے ضرور نظر آتا جب کسی طرح نظر آیا تو نہیں ہو پھر یہ رنگ کیسا نظر آتا ہو تو ہم نے اسکو قیاس بنا کر ٹھیک ملا دیا کہ منہاے نظر کے بعد تاریکی ہو۔ دیکھو کیا عمدہ قیاس ہے اس گروہ کے مشہور نے کہا کہ واہ واہ بیشک جو حضور نے نئی روشنی میں تحقیقات فرمائی ہو یہ پرانے خیالات والوں کو کہاں سوچھی تھی اور حضور کچھ اس سے زیادہ بھی افادہ فرما دیں۔ فرقہ منکر نے فرمایا کہ اچھا اسکو جس طرح زہرہ مشتری و مریخ وغیرہ سیارے ہیں اور ہماری دور بین میں چمکتے ہوئے سیر کرتے چلے جاتے ہیں اسی طرح یہ ہماری زمین بھی ایک سیارہ ہو وہاں کے لوگ اپنی دور بین سے ہمارے اس سیارہ زمین کو اسی طرح دیکھتے ہوں گے اگر اُنکو دور بین بنانا آتا ہو اور کچھ عقلا کو شش کرتے ہیں کہ وہاں کے لوگوں نے سلسلہ خط کتابت یا تار برقی جاری کریں کیونکہ دور بین سے ہکو وہاں پہاڑ و دریا وغیرہ نظر آتے ہیں بلکہ نظام آفتاب میں ہم دیکھتے ہیں کہ بعض سیارات بالکل دیران ہیں وہ ریگ روان ہو گئے ہیں گویا پہلے ان میں آبادی تھی پھر آفتاب کے غضب سے اُس پر قیامت آئی کہ وہ قاعاً صاف صفا ہو گئے۔ یہ صورتیں ضرور ایک صحیح دماغ والے آدمی کو قیاس دیتی ہیں کہ اُن سیارات میں اسی طرح آبادی ہے تو کوشش کرتے ہیں کہ ان علوم جدیدہ بے مثل نفیہ کے ذریعہ سے اسے باتین کریں۔ پھر تم خود اس قیاس کے لگہ نور سے سمجھ گئے ہو گے کہ یہ سارا عالم انھیں حضرت آفتاب کے انتظام میں ہو تو انھیں کے گرد یہ سب سیارات چکر لگاتے ہیں ایسے کہ اگر تم ذرا غور کرو تو خود کہہ سکو گے کہ زمین سے بلکہ سب چیزوں سے یہ آفتاب بڑا ہو پھر جس چیز کے گرد یہ گردش مانی جاوے تو چاہیے کہ آفتاب کے گرد مانی جاوے کیونکہ زمین تو بہت چھوٹی ہو گویا مرکز کا نقطہ ہو لیکن ہم آفتاب کو مرکز بنا دیں تاکہ حرکت کے لیے کشش بھی میسر آوے کیونکہ ہکو تو کوئی دوسرا حرکت دینے والا نظر نہیں آتا ہو اور جو چیز ہکو نظر نہ آوے ہم اسکو باطل مانتے ہیں حتیٰ کہ جو بھی لوگ کہتے ہیں کہ تمہارے جسم میں روح ہو اور تمہاری آنکھ میں قوت باصرہ ہو اور تمہارے معدے میں قوت ہاضمہ ہو یا جذب کرنے والی اور نکالنے و دفع کرنے والی قوتیں تبتلاتے ہیں یہ سب پرانے خیالات ہیں تو پس جو نظر آوے وہ کچھ ہی نہیں ہو لہذا آفتاب میان بزرگ محرک ہیں اور انھیں کے گرد یہ عالم کا انتظام ہو لیکن ہکو ایک تردد بھی چند روز سے پیدا ہو گیا ہو کہ ہم نے بہت مدت تک اپنی دور بین سے غور کیا تو ضرور معلوم ہوا کہ ہمارا وہ خیال تو ٹھیک نہیں ہو کہ حضرت آفتاب صدر نشین قطب ہیں کیونکہ ہم ضرور کہہ سکتے ہیں کہ آفتاب کی تو ضرور معلوم ہوا کہ ہمارا وہ خیال تو ٹھیک نہیں ہو اور دور بین میں ہی پر ہمارا سارا دار مدار ہوا ہمارا گروہ لاچار ہو ایسے ہم میں سے صاحب بھی ایک طرف چل فدی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور دور بین ہی پر ہمارا سارا دار مدار ہوا ہمارا گروہ لاچار ہو ایسے ہم میں سے کچھ لوگوں نے کہا کہ او یہ نیچر کا بکھیرا ہو ہم کو اپنی نئی تہذیب کے موافق عیش کرنے دو اور ہم اتنا جان گئے کہ یہ نیچر عالم سے اسی طرح چلا آتا ہو اور اسی طرح چلا جائیگا پس فیصلہ ٹھیک ہوا لیکن ہمارے مخالف فرقے والے طعنہ دیتے ہیں کہ اتنی ذہن اٹھل کے معتقد ہوئے مگر کوئی بھی اب تک ٹھیک نہ اُتری تو یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ اب یہ فیصلہ ٹھیک ہو اور فیصلہ کیا بلکہ یہ معنی ہوتا

اوصاف حقّی ہو اور اس صورت میں قدرت کی عجیب صنعت ظاہر ہو اور یہاں دوسری باریک صنعت بھی ہے جس پر اطبا وغیرہ نے اپنا مدار رکھا کہ نورانیت روح سے دن کا سونا مضر ہو کیونکہ وہ باطن کی طرف جانے میں اور ظاہر کی طرف ٹائل ہونے میں متحیر ہوتی ہے بخلاف رات کے کہ ناوی میں باطن کی طرف جاتی ہے کہ خواب سے نازگی جسمانی ریت حاصل ہوتی ہے جو معانی لباس سے بڑھ کر ریت ہے بلکہ ریت ظاہری کے واسطے اہل ہے کیونکہ لباس ظاہری سے راحت اس وقت ہے کہ لیض رات کی راحت سے فائدہ پاو جس صحت ہو ورنہ مرض کو خالی ظاہری لباس سے آرام نہیں ملتا ہے پس اس قدرت عظیمہ کے ساتھ انسان کے واسطے جلیل نعمت ہے کہ دن و رات کا جڑ پچانے قسم ششم قولہ تعالیٰ - وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا - اور کیا نہیں بنا دیا ہم نے دن کو معاش و ف یعنی دن کو ایسی مناسب روشنی بخشی کہ لوگ اپنی آمد و رفت اور صنعت و حرفت کے ذریعہ معاش حاصل کرنے کی قوت پاتے ہیں (ابن کثیر) رازی نے لکھا کہ معاش اگر مصدر بھی ہے تو مراد یہاں وقت معاش ہے اور اگر ظرف ہے تو معنی ظاہر ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دن کو اکتساب و تجارت وغیرہ کے لیے ظرف کر دیا ہے و کبیر خطیب نے وغیرہ نے معاش کو حیات سے تفسیر کیا ہے اللہ تعالیٰ نے دن کو تمہارے واسطے حیات بنا دیا ہے کہ تم اس وقت اپنی نیند سے اُٹھتے ہو (سراج) اس تفسیر کے موافق (وقت حیات) لکھنا اچھا ہے جیسے شیخ ابوالسعود نے لکھا ہے کیونکہ معنی ہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دن کو حیات کا وقت بنا دیا۔ واضح ہو کہ تفسیر زیادہ مناسب اس وقت ہے کہ (سبائنا) کو خواب سے تفسیر کریں اور خواب گویا موت کی نظیر ہے اگرچہ ہمیں موت کی بے انتہا کرب میں کچھ بھی نہیں ہوتا بلکہ راحت حاصل ہوتی ہے لیکن اس بات میں مشابہت ضرور ہے کہ آدمی کی صورت ہمیں حرکت ہونے میں مردہ کی طرح ہو جاتی ہے لہذا فرمایا وہوالذی یتوفاکم باللیل الم اللہ تعالیٰ ہی تم کو رات میں وفات دیتا ہے۔ حد۔ اس بیان کے موافق دونوں آیتوں میں موت و حیات کا ذکر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے لیل کو سبات بن کر موت بنا دیا اور اُس کے بعد دن کو حیات کا وقت بنا دیا مگر ہم کہتا ہے کہ اس سے بہتر وہ تفسیر ہے جو مذکور ہو چکی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے رات کو قطع قلب و راحت کا وقت بنا دیا اور دن کو کسب معیشت اور کسب کا وقت بنا دیا فافہم قسم ششم قولہ تعالیٰ وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا - اور ہم نے تم پر کئی تہا کے اور سات شداد یعنی شدید محکم سات آسمان تمہارے اوپر چھت بنا دیے جو اپنی دست و پندی و مضبوطی و غریب و غریب و غریب میں بے نظیر ہیں (ابن کثیر) انسان کی عقل اس بلند چھت تک رسائی نہیں کرتی تو بھلا اس سے پار ہونے کا کیا ذکر ہے اور عقلا نے کمال کو شمش سے بذریعہ رصد اور دور بین کے جا بجا ہے اُس کے چمک دار ستارے دیکھے بعضے متحرک ہیں اور بعضے ثابت ہیں اور انکی حالت اور وضع دیکھ کر انھوں نے قیاس و گڑا یا کہ شاید ایسا ہو اور ایسا ہو لیکن یہ یقینی بات نہیں ہو سکتی ہے اور کیونکہ کوئی نادان یہ دعویٰ کر گیا کیونکہ دو فریق ایک دوسرے کی ضد و مخالف دعویٰ کرتے ہیں اور یہ بات سب کو بدیہ معلوم ہے کہ ضد میں جب تناقض ہوتا ہے ایک ہی بات ہو سکتی ہے اور یہاں غور کرو کہ جب سے دنیا میں عقلا کی بائین نقل کی جاتی ہیں تب سے صد ہا برس سے ہر صدی میں ہزاروں حکما و عقلا یہ کہتے چلے آئے کہ آسمان ہمارے اوپر چھت محفوظ موجود ہے اور اس زمانہ میں نئے فلسفی پیدا ہوئے جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آسمان کا وجود ہی نہیں ہے تو یہ بات ہم کو ادل ہی مرتبہ معلوم ہو گئی کہ ان دونوں میں سے ایک کا قول ضرور غلط ہو اس لیے کہ دونوں بائین جمع نہیں ہو سکتی ہیں اب ہم آئندہ یہ غور کریں کہ دونوں میں سے کس فرق کا قول غلطی تو یہ ہر ایک کے دلائل پر منحصر ہے۔ جو لوگ آسمان سے انکار کرتے ہیں انکی طرف سے دلیل کی ضرورت نہوتی ہے بلکہ جو شخص کسی بات کو ثابت کے وہ دلیل لاوے اور جو کہے کہ میرے نزدیک زید بھی ملک پیدا نہیں ہوا اس سے یہ نہیں کہتے کہ کیا دلیل ہے۔ یوں ہی یہاں بھی جو فرقہ کہتا ہے کہ ہمارے نزدیک آسمان نہیں ہے

اسی واسطے ہمارا چلانے والے بہت احتیاط سے ان ہزاروں پہاڑوں کے درمیان سے گزرتے ہیں کہ ایسا ہوا ہمارا گمراہ کر خارت ہو جاوے اور ان پہاڑوں میں معدنیات کی پیدائش کا عجیب طریقہ جاری ہو اور ان میں جو آتشیں مادہ ہوتا ہو اسکو پانی سے کچھ ضرر نہیں ہوتا جیسے جسم انسانی میں خود یہ نمونہ موجود ہے قسم سوم قولہ تعالیٰ **وَخَلَقْنَاكُمْ أَزْوَاجًا**۔ اور کیا نہیں ہم نے تمکو جوڑے پیدا کئے؟ اگر جوڑے سے یہ مراد ہو کہ نر و مادہ بنائے ہیں پھر عجیب صنعت کے ساتھ ان نر و مادہ کے جوڑے نسل انسانی پیدا کی۔ تو ہمیں اس قدر قدرت و حکمت ایسے عظیم ظاہر ہیں کہ عاقل متغیر ہوتا ہو اور جن حقوق نے مکان و ظہان وغیرہ چھوٹی موٹی چیزوں میں اپنی صنعت بھیجی وہ بھی انسانی پیدائش میں اپنی قدرت کا دخل نہیں پاتے ہیں یہ لوگ اس وجہ سے احمق ہیں کہ اگر خالق جل شانہ کو پہچانتے تو انکو معلوم ہوتا کہ اصل میں پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اسکے پیدا کرنے میں عجائبات صنعت ہیں مثلاً بعض چیزوں کو اسطرح ظاہر کر دیا کہ ایک مخلوق سے دوسری مخلوق نہیں نکالی اور بعض چیزوں کو مخلوق سے پیدا کیا گیا تو مخلوق کو اوزار بنا کر اس سے یہ چیز نکالی تاکہ عاقل و احمق میں سے ہر ایک کا طریقہ پیدا ہوا حق نے دوسری صورت میں یہ خیال کیا کہ میں خود اس چیز کا بنانے والا ہوں اور عاقل نے حق بات پہچان لی کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہو اسی وجہ سے بعض مفسرین نے کہا کہ آیت دوسرے معنی میں بھی افادہ فرماتی ہے یعنی جوڑے سے یہ مراد کہ عاقل کے ساتھ بے عقل بنائے اور ابلہ و بھول کے ساتھ کافر بنائے اور خوبصورت و بد صورت اور لمبا و پٹاٹھا وغیرہ جوڑ جوڑ بنائے ہیں اور اسی میں سے امتحان بھی ہو رازی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور حکمت پر یہ دلیل واضح ہو اسی سے امتحان و آزمائش ہو تاکہ جسکو مثلاً لو لگری ہو وہ شکر کرے اور جسکو فقیری ہو وہ صبر کرے اور تو لگرا اگر بد صورت ہو تو وہ بد صورتی پر صبر کرے اور فقیر اگر خوبصورت ہو تو شکر کرے اسطرح ہر چیز کی آزمائش اس کے مقابلے کے ساتھ ہوتی ہو مثلاً آدمی جوانی کی قدر بڑھا پلے میں پہچانتا ہو اور پریشانی میں فراغت کی نعمت جانتا ہے اور اسی حالت میں ایمان و کفر کا امتیاز حاصل ہوتا ہے قسم چہارم قولہ تعالیٰ **وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا**۔ اور کیا نہیں ہم نے تمہاری نیند کو راحت بنا دیا؟ یہ ابن قتیبہ رحمہ کا قول ہے اور یہ حاصل مطلب ہو اور سبات لغت میں یعنی قطع ہو ابن کثیر نے لکھا کہ معنی تمہاری نیند کو حرکات کا قطع کرنے والا بنا دیا جس سے تمکو راحت حاصل ہوئی اسلیے کہ دن بھر اپنی معاش و دنیا و سامان آخرت کے واسطے جنبش سے تعب ہوا تھا وہ نیند سے قطع ہو کر سکون و راحت سے بدل گیا۔ ہ۔ اور اللہ تعالیٰ نے حرکت و سکون اور تعب و راحت کے جوڑ بنا دیے ہیں اور یہ بھی محتمل ہو کہ معنی یہ ہوں کہ ہم نے تمہاری نیند کو منقطع بنا دیا یعنی دائمی چیز نہیں رکھی اسلیے کہ بعد ضرورت سونا تو تندرستی کے لیے عمدہ چیز ہو اور بے انتظام سونا بیماری ہو مثلاً تھوڑی دیر میں چونک پڑنا یا سید سونا تو اس سے تندرستی و بیماری کا جوڑ پہچان کر نعمت کی قدر ہوتی ہو اور یہ بھی ہو سکتے ہیں جو مبرور نے بیان کیے کہ ہم نے تمہاری نیند کو قطع بنا دیا یعنی خفیف ہو کہ آسانی سے اُسکو قطع کر سکتے ہو بخلاف بیہوشی یا جنون وغیرہ کے کہ وہ سخت مرض ہو امام رازی نے کہا کہ سبات کے معنی نیند میں نیند کے بھی کئے ہیں اور بعض لمحوں کے دھوکا دینے کے لیے یہ معنی لیے اور کہا کہ اس صورت میں معنی یہ ہوے کہ ہم نے تمہاری نیند کو نیند بنا دیا۔ رازی نے اس لمحہ پر جہالت کی تشبیہ کی مگر حتم کتا ہو کہ اس کجبت کا لمحہ ہونا ہی اس کے حق میں بدتر بیماری ہو کہ وہ غفلت کی نیند سو گیا ہو قسم پنجم قولہ تعالیٰ **وَجَعَلْنَا الْكَيْلَ لِبِئْسَاءٍ**۔ اور کیا نہیں ہم نے مات کو لباس بنا دیا؟ یہ استعارہ و بلیغ ہو کیونکہ لباس وہ چیز ہے جس سے انسان اپنے بدن کو ڈھانپتا ہو اور اس کے پردہ میں محبوب چیز ظاہر نہیں کرتا اسطرح رات اپنی حالت تاریکی وغیرہ سے انسان

زمین گول ہو جیسا کہ جمہور کا خیال ہے پس ہم کہتے ہیں کہ اچھا وہ گول کرہ ہے آب دیکھو کہ تمہارے نزدیک اس کرہ میں سے تقریباً پانچون
حصہ خشکی ہے اور باقی سب پانی ہے اور بہت سے قطعات خشکی کے ایسے ہیں کہ ان کے چاروں طرف اور تحت میں شور پانی بھرا ہوا ہے
اور اس جزیرہ کے اندر بھی شیریں پانی کے چشمے ہیں بلکہ جہان سے کھودو وہاں کنواں وحشہ نکلتا ہے اور جا بجا بھیلین بھری ہوئی ہیں
اور دریا جاری ہیں پس اندر سے خوب تر ہے اور باہر سے تو سمندر ہے لیکن عجیب قدرت ہے کہ باوجود اسے خشکی کا ڈھیلہ گل نہیں جاہر
حالانکہ اس سے کم مقدار میں جو ڈھیلہ جھگیا جاوے اگرچہ اندر سے خشک ہو وہ گل جاتا ہے دوم یہ کہ باہر کے شور پانی کی اس قدر کثرت
کے باوجود اندر شیریں پانی موجود ہے اور پانی خود سیلان کرنے والی چیز ہے اور مرکز نقل کے اتصال سے اس کو کچھ ضرر نہیں ہوتا ہے سوم
جو پانی زمین کے چاروں طرف ہے وہ ٹپک نہیں جاتا ہے نہ مشرکون نے کہا کہ ایسے نہیں نکلتا کہ زمین بہت زبرد سے چکر کھاتی ہے
تو وہ پانی اس طرح چکراتا ہے جیسے کٹورے کا پانی تیزی کے ساتھ پھرنے سے کٹورے کے اندر ہی رہ جاتا ہے نہ ترجمہ کتاب ہے کہ یہ قیاس
محض راہی ہے ایسے کہ دونوں باقیین اس قیاس میں غلط ہیں اقل یہ کہ کٹورے میں جو پانی ہے وہ کٹورے کے محیط ہونے سے
چھٹکنے نہیں پاتا ہے اور زمین کے گرد کوئی غلاف مثل کٹورے کے نہیں ہے دوسری بات یہ کہ کٹورے کی طرح تیزی سے زمین کا چکرنا بالکل
غلط ہے ایسے کہ اگر تمہارے نزدیک زمین چکر کھاتی ہے تو بھی ہم کہتے ہیں کہ وہ مغرب و مشرق کے چکر کو ۲۴ گھنٹہ میں صرف ایک بار
پورا کرتی ہے تو جس گولے کا محیط تمہارے نزدیک ۲۵ ہزار میل ہے اگر اسے ۲۴ گھنٹہ میں فقط ایک بار چکر کھایا تو بہت ہی کم ہے
اور اس سے زیادہ جلدی تم خود نہیں کہہ سکتے ہو کیونکہ ۲۴ گھنٹہ میں صرف ایک ہی رات دن ہوتا ہے زیادہ نہیں ہے اور اگر تمہاری
یہ مراد ہو کہ وہ شمال و جنوب کے چکر میں بہت فاصلہ طے کرتی ہے حتیٰ کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک منٹ میں ۶۸ ہزار میل طے کرتی ہے تو یہ چکر بہت تیزی
سے ہوا۔ اسکے جواب میں ہم کو صرف یہ کہنا کافی ہے کہ مشرق و مغرب کی گردش کے ساتھ شمال و جنوب کا چکر محال ہے ایسے کہ دونوں
حرکتیں متضاد ہیں جبکہ ایک ہی قسم کی ہوں تو جمع ہونا محال ہے اور یہاں تم یہی ثابت کرتے ہو کہ مشرق و مغرب میں چکر کھاتی ہے اور شمال
جنوب میں بھی چکر کھاتی ہے اور یہ دونوں جمع نہیں ہو سکتے ہیں اور یہ بدیہی بات ہے علاوہ اسکے ہر روز ہمارے یہاں سے ملکوں کی
سمت بدل جانا لازم ہوگا اور یہ باطل ہے اس سب واسطے مجھے نہیں معلوم ہوا کہ جو لوگ زمین کو چکراتے ہیں ان میں سے کسی نے شمال و جنوب
چکرایا ہو بلکہ سیدھا گھسیٹا ہے اور یہ اگرچہ مقدمہ تفسیر میں باطل ہو چکا ہے بیان کچھ مفید نہیں ہے پس ظاہر ہوا کہ قیاس مذکور باطل ہے اور
یہ اللہ تعالیٰ کی عجیب قدرت میں سے ہے جس نے اس زمین کو پیدا کیا اور اس کا وجود ہی عجیب چیز ہے مشرکون نے کہا کہ یہ سب ہمارے
نیچر کی نیرنگیان ہیں میں کہتا ہوں کہ نیچر ایک لفظ ہے اسکے کیا معنی ہیں اگر یہ مطلب ہے کہ خالق عزوجل کی قدرت کا نام نیچر ہے تو
ٹھیک ہے اور یہ معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کی صنعت ہے اور اگر اس لفظ سے سوائے اسکے کچھ معنی مراد ہیں تو بعض عقلی بعض عقلائے
سچ کہا کہ اس زمانے میں جو لوگ نیچر کے قائل ہیں وہ خود نہیں جانتے کہ ہم نیچر کے کیا معنی لیتے ہیں اللہ تعالیٰ ایسی جہالت و حماقت سے
ہو بنا ہوا کہ اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی شان حکمت کے عجائبات میں سے ہے کہ اس فرشتے نے ہر لفظ نیچر پر یقین کیا جس کو خود
نہیں سمجھتا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت پر یقین لانے سے تکبر کیا جس کو سب سمجھتے ہیں بالکل زمین کے اندر اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کا
ایک عجیب سلسلہ قائم فرمایا ہے کہ اس سے زمین کا ڈھیلہ گل کر پھیل نہیں جاتا اس واسطے قدرت دوم میں یہ ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ
نے پہاڑوں کو زمین کے واسطے یقین بنا دیا ہے پہاڑوں کا سلسلہ عجیب صنعت کے ساتھ ہے کہ کھاری سمندر و زمین میں بھی موجود ہے

بقولہ تعالیٰ۔ اَلَمْ يَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهْلًا۔ کیا ہم نے نہیں بنا دیا ہر زمین کو بالناف جیسے بچہ کا پالنا اس کے ارام کے لیے ہوتا ہوا سیطرہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کے لیے زمین کو پالنا بنا دیا ہوا اس سے کسی کو انکار کی مجال نہیں ہے وَلِلْجِبَالِ اَوْ كَا دَا۔ اور پہاڑوں کو میخیں ف یعنی کیا پہاڑوں کو میخیں نہیں کر دیا۔ پس زمین کی خشکی ان میخوں سے مضبوط ہو کر پانی میں نہیں گلتی ہی اور پہاڑوں سے ہزاروں طرح کے فوائد دیگر حاصل ہیں اور سورہ والنار عات میں بعض روایات اسکے متعلق آونگی۔ تثنیہ آیت میں ایک اشارہ نکلتا ہے کہ زمین کی نرمی کو پھیل جانے سے محفوظ کر دیا گیا تاکہ تہنیش نہ تو زمین کو ہوا اور مہر کے لیے بہ موزوں ہو برخلاف اسکے اس زمانے میں جن لوگوں نے خیال کیا کہ زمین چکرائی اور ایک منٹ میں اڑ سکے ہزار میل حرکت کرتی ہو تو بہ اوہام ہیں جنکو میں نے مقدمہ میں باطل کر دیا اور تعجب یہ کہ ان اوہام کے ماننے والے بدیہی دلائل قضی کو چھوڑ کر اپنے وہی قیاسات ایسے لاتے ہیں جن سے کچھ بھی مدعا ثبوت نہیں ہوتا لیکن انکا مقصود یہ ہے کہ پیغمبری دین سے لوگوں کو آزاد کیا جاوے اور اللہ تعالیٰ ہکونہا میں رکھے امام ابن کثیرؒ نے کہا کہ زمین کو مہا دبا دیا یعنی خلائق کے لیے ہر طرح اُنکے قدموں کے نیچے ہو اور ٹھہری ہوئی ثابت ساکن ہو۔ ۱۔ امام رازیؒ نے لکھا کہ یہ بات جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کا اعتقاد بیان کیا کہ دوبارہ پیدا کیے جانے اور حشر و قیامت قائم ہونے سے انکار کرتے ہیں حتیٰ کہ بعضے محال جانتے ہیں اور محال ہونا صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں یہ بات ممکن نہ ہو تو گو با ان لوگوں کا اعتقاد یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ میں یہ قدرت نہیں ہے کہ جو مخلوقات مرکب فوت ہوئے ہیں اُنکو دوبارہ پیدا کر سکے پھر اللہ تعالیٰ نے اسکے واسطے دلیل بیان کرنے سے پہلے چند باتوں کا ذکر مقدم فرمایا اور ان باتوں کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سب ایسی باتوں پر قدرت حاصل ہے جو عقل میں محال نہوں اور اللہ تعالیٰ کو سب معلومات کا علم حاصل ہے اور اس بیان کا فائدہ یہ ہے کہ جب یہ دونوں باتیں ظاہر ہو جاویں تو خود یہ بات ثابت ہوگئی کہ دوبارہ پیدا کرنا اور حشر و قیامت صحیح ہے یعنی اس لیے کہ جو مخلوق مرکب فوت ہوئی وہ مثلاً جسم و روح سے مرکب تھی اور جسم کے سب ذرات علم الہی میں معلوم ہیں اور زمین میں موجود ہیں اور انکو جمع کروینا قدرت میں ممکن ہے عقل کے نزدیک اگر وہ جمع کیے جاویں تو کوئی محال لازم نہیں آتا ہی تو اس ممکن چیز پر اللہ تعالیٰ کی قدرت ہو پس ثابت ہوا کہ بعض قیامت ممکن مقدمہ ہے۔ اور اگر فلاسفہ کا خیال مانا جاوے کہ جسم ایک متصل چیز ہو تو بھی اسکے اجزائے پاشیدہ سب علم الہی میں معلوم ہیں تو بھی بعث حشر مقدم ہوا اب رہا ان دونوں باتوں کا بیان تو اسکے واسطے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں سے چند اقسام بیان فرمائے جو نہایت حکمت و درستی پر واقع ہیں اور مخلوق کی عقل و ان کام نہیں کرتی ہی پس یہ چیزیں نئی پیدا ہوئی ہیں تو ضرور انکا پیدا کرنے والا موجود ہے اور جبکہ یہ چیزیں خود اپنے وجود میں محتاج ہیں تو کسی میں یہ قدرت نہیں ہے کہ وجود دوسری چیز کو دے سکے بلکہ یہ بات خدا نکھوں کے سامنے ظاہر ہے تو ضرور یہاں کہ خالق عزوجل ہی نے ہر ایک کو پیدا کیا ہی اور جب انکی حکمت دیکھی جاوے تو صاف ظاہر ہے کہ علم حکمت کے ساتھ ان چیزوں کو پیدا کیا گیا ہو پس قدرت علم و حکمت و دونوں باتیں ثبوت ہو گئیں پھر ان چیزوں میں سے چند اقسام بیان فرمائے ہیں اور سب اجسام ایک ہی صفت پر ہیں تو اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ دنیا کو مع آسمانوں و زمین کے برابر کر دے اور دوسرے آسمان زمین پیدا کرے پس استدلال کا خلاصہ یہ ہے اور عجائب خلقت کے انواع میں سے اول زمین کو بیان فرمایا جس پر وقت بسر ہے اور فسانی جسم میں بھی اسکا جزو ہے تو انسان جب غور سے دیکھے اُسکو معلوم ہوگا کہ یہ زمین عجیب قدرت سے پیدا کی گئی ہے مترجم کہتا ہے کہ اس مقام پر صرف زمین کے عجائب کا بیان منظور ہو تو ہم اسی کو بیان لیتے ہیں کہ یہ

لیے زمانہ مقرر کیا ہے جسے کہ آخری حد مقرر ہے تو جب آخر تک سب مخلوق عالم وجود میں آ جاویگی تو اُس کے بعد ایک دن مقرر فرمایا
ہو وہ قیامت ہے کہ سب کو موت دیکر اُس دن دوبارہ پیدا کرے گا اور ایک میدان مستوی میں جو یہ زمین بدل کر ظاہر ہوگا یہ سب
مخلوقات اول سے آخر تک اُس میں جمع فرما دیگا اور اُس نے اُنکے اعمال کا محاسبہ لیکر ہر ایک کو اُس کے موافق بدلادے گا اور وہ دہی مقام
ہیں جنت ہو یا دوزخ ہو جیسے دنیا میں تمام مخلوقات کے دہی حال ہیں یا تو وہ مومن ہیں یا نہین ہیں پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم نے انکو مومنوں کے اعتقاد و اعمال بتلائے جو عین عقل و سراسر صدق ہیں اور اُنکے برخلاف کافروں و مشرکوں کے حالات
ہیں اور یہ سب آپ نے وحی قرآن سے اُن لوگوں کو سنا دیا۔ اہل مکہ و طائف وغیرہ یہ سنکر ابتدائے اسلام لائے اور سب نے خیال کیا کہ
یہ شخص محمد صلعم صادق امین اور نہایت خوب ہیں اور جو امور بیان فرماتے ہیں سب ٹھیک ہیں تو سب کے سب اسلام لائے جتنا بچہ
الحادی نے اسکو مسند کیا ہے کہ ابتدائے سب اہل مکہ اسلام لائے تو یہ کیفیت تھی کہ مسجد الحرام میں جب آپ سجدہ کرتے تو لوگوں کو
ہجوم کی وجہ سے سجدہ کرنے کی جگہ نہیں ملتی تھی اس زمانہ میں قریش کے بڑے مانند ولید بن المغیرہ اور ابو جہل وغیرہ کے کہ میں نہ تھے
بعضے طائف میں اپنے اپنے باغات و اراضی میں تھے اور بعضے تجارت کو گئے تھے جب وہ لوگ آئے اور یہ حال دیکھا تو اپنی قوم قریش کو
ہمکانے لگے حتیٰ کہ سب مرتد ہو گئے (ط) یعنی تکبر سے کہا کہ یہ شخص کہاں سے پیغمبر ہو سکتا ہے اگر خدا پیغمبر بھیجتا تو ہم ہوتے یا طائف کے
سرداروں میں سے کوئی ہوتا۔ دیکھو خدا کا انعام ہم پر اس قدر زائد ہے کہ ہمارے واسطے اموال و اولاد دیے ہیں اور اس شخص کے پاس
نہیں ہے تو ضرور ہم ہی لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مغز ہیں اور اگر ہم نے مانا کہ آخرت کوئی چیز ہے اور جنت کہیں ہے تو وہاں بھی ہم ہی
مغز ہونگے اور حقیقت میں تو یہ سب دھوکا ہی بھلا کہیں بوسیدہ ہڈیاں بھی زندہ ہو سکتی ہیں اور کبھی آج تک یہ سانچہ سنا گیا ہے
اور بعضے کافر سرکش نے سٹری ہڈی لاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اے محمد تم یہ زعم کرتے ہو کہ اسکو خدا زندہ کرے گا آپ نے
فرمایا کہ ہاں یہ سچ ہے اُس نے اُسکو مل ڈالا اور ہوا میں اٹا دیا اور کہا کہ کون اس کے ذرہ جمع کر سکتا ہے آپ نے بہت سمجھا یا اس نے
کہا کہ اگر میرے سامنے یہ جی اُسٹے تو بھی ہرگز مجھے یقین نہ آدے گا۔ پھر ان کافروں نے عوام قریش سے کہا کہ اگر بت پرستی سے
جہنم میں جاوین تو بھلا ہمارے بزرگ لوگ کہاں جاویں گے اور انکا کیا انجام ہوگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم انہی سجادہ نگاروں
سنا دیا کہ مشرک نہین بخشا جاویگا۔ کافروں نے اس مکر میں سب کو مرتد کر لیا سوائے اُن خاص بندوں کے جو اللہ تعالیٰ کی
طرف سے کرامت پائے ہوئے تھے اور روز بروز مشرکین کی عداوت بڑھتی گئی لیکن دلائل توحید منکر و معجزات رسالت دیکھ کر متحیر
ہوتے تھے اور باہمی مجمع میں کہتے کہ محمد صلعم یہ کیا باتیں بیان کرتے ہیں اور مومنین سے ٹھٹھول کرتے کہ کہو تمہارے وقت
موجود کی کیا خبر ہے اقول یہی مضمون امام واحدی رحمہ نے مفسرین سے نقل کیا ہے فرماؤ کہ کیا کہنا کہ سوال باہم ایک دوسرے
سے پوچھنے کا نام ہے پھر مطلقاً ایک معاملے میں باتیں کرنے کو بھی سوال کہنے لگے جیسے یہاں یہ خطیب نے لکھا کہ بعض
مفسرین کے نزدیک تیساروں کی ضمیر سب لوگوں کے واسطے خواہ کافر ہوں یا مسلمان ہوں یعنی سب قسم کے لوگ پوچھتے تھے
لیکن مسلمانوں کا پوچھنا یقین کے لیے تھا یعنی پوچھنے کہ قیامت میں کیا ہوگا اور جب ہولناک حالات سننے تو دنیا سے سرد ہو کر
آخرت کے لیے سامان میں کوشش کرتے اور کفار مشرکین بطریق انکار کے پوچھتے تھے اللہ تعالیٰ نے اسکا ہول ظاہر کر کے
لیے فرمایا کہ عم تیساروں یہ لوگ کس چیز کو پوچھتے ہیں۔ عَنِ النَّبِيِّ الْعَظِيمِ الَّذِي هُمْ فِيهِ مُخْتَلِفُونَ

یعنی انکو ہستی عطا فرمائی کیونکہ اگر کفار وغیرہ جو دنیاوی لذات میں مستغرق ہیں عدم سے وجود میں نہ آئے ہوتے تو یہ ان سب لذات محروم ہوتے باوجود اسکے اب اپنے خالق مالک جل شانہ کے نام میں شرک لگاتے ہیں اور بجائے شکر کے کفر کرتے ہیں **الْوَحِيم** وہ نہایت رحمت والا ہدف دنیا میں کافروں کو بھی دنیاوی چیزوں سے تمتع دیا، لیکن خاص رحمت کو فقط اپنے اولیاء مومنین کے لیے جنت میں خاص کیا **وَلَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ** علی رسولہ الصلوٰۃ والتیمۃ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں کی شرارت ذکر فرمائی اور انکو راہ راست کی طرف توجہ دلائی بقولہ تعالیٰ **يَتَسَاءَلُونَ**۔ اے علمائے سائل ہولاء۔ کس چیز سے یہ لوگ باہم سوال کرتے ہیں ف (دعا سے الف حذف کرنا یا تواسیلے کہ (ما) استفہامیہ میں جو یہاں ہے اور دوسرے قسم کے (ما) میں منسرق ہو جاوے کیونکہ حذف نقطہ استفہامیہ میں ہوتا ہے جیسے (عن ما) (عم) رہا اور (علی ما) (علام) رہا اور (لما) (لم) رہا اور با حذف اسلئے کہ حرف استفہام کا استعمال ہر وقت بہت ہوتا رہتا ہے تو تخفیف کر دی (م والو السعورج) وحاصل یہ کہ (عن ای شئی بتساؤلون) کیا چیز ہے جس سے یہ لوگ باہم پوچھ گچھ کرتے ہیں جیسے کہتے ہیں (زید ما زید) زید کیا ہے زید۔ تاکہ اس چیز کی بزرگی ظاہر ہو گویا یا ایسی چیز جو کہ اسکی نظیر موجود نہیں ہے اور جیسے قولہ تعالیٰ (الفارغہ ما الفارغہ) فارغہ کیا چیز ہے یہ فارغہ۔ پس اس بے نظیر چیز کو دریافت کرنا منظور ہے یہ تو اصل لغت میں تھا پھر جان بوجھ کر اسطرح کہتے ہیں تاکہ مخاطب کو ہوش ہو اور نہایت توجہ سے اسکی طرف نظر کرے اسبواسطے اللہ تعالیٰ نے جو عالم الغیب ہے یہاں فرمایا کہ عم شیاؤلون۔ اور امام ترمذیؒ کی قرات میں باختلاف روایت یون آیا کہ عم بتساؤلون عن النبا العظیم۔ پس (عم) پر وقت کیا لینے پوچھتے کیا ہیں۔ پھر آگے جواب ہو اگر کہو کہ یہ پوچھنے والے کون لوگ ہیں (جواب) یہ کہ جمیع منکرین ہیں کیونکہ قیامت تک منکر دن و کافروں کا یہی شیوہ ہو کہ باہم اسکا تذکرہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں کا یہ خیال دوبارہ قیامت کے کیا خیال ہو کیا یہ کوئی چیز ہے۔ ان کافروں میں اول گروہ اہل مکہ و طائف تھے کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بت پرستوں اور وہمیوں کو ہوش دلا یا کہ تم لوگ کیسی گمراہی میں پڑے ہو کہ چھانٹ چھانٹ کے لاکر پتھر رکھتے ہو اور انکے آگے سرٹیک کے اور ہاتھ جوڑ کے اپنی مراد میں مانگتے ہو حالانکہ وہ پتھر ہیں خود تمہارے محتاج ہیں اور اگر تم توڑ ڈالو تو چور ہو جاوین اور یہ تو ظاہر میں پتھر ہیں انکے سوائے وہ لوگ جنکی روح تم انہیں سمائی ہوئی سمجھتے ہو یعنی وہ لوگ جو پہلے زمانے میں مر چکے ہیں تو وہ بھی اگر زندہ ہو کر آجادیں تو خدا سے تعالیٰ کی مخلوق ہیں ان میں یہ طاقت نہیں ہے کہ تمہاری حاجت پوری کر سکیں بلکہ وہ اپنی جان سے موت و حیات کے مالک نہیں تھے تو بانی چیزیں تو آدمی کو حیات کے بعد ملتی ہیں اسطرح خدا سے تعالیٰ کے نیک بندے مانند پیغمبروں و ملائکہ کے بھی خود مختار نہیں ہیں کیونکہ خالق و مخلوق میں یہ معاملہ ہو کہ خالق جل شانہ نے مخلوق کو پیدا کیا ایک ایک ذرہ اسکا ملا دیا اور اپنے قبضہ قدرت میں اسکو زندہ کیا ہے اگر ایک دم بھی وہ چھوڑے تو یہ معدوم ہو جاوے اور اسکو برتن و کھار کی طرح قیاس نہ کر ویہ قیاس بالکل غلط ہے۔ برتن و کھار دو لون مٹی کے پتلے ہیں فرق یہ ہے کہ کھار میں اللہ نعم نے جان دی ہے اور برتن میں جان نہیں دی تھے کہ اگر کھار نے جو شیر کی مورت بنائی ہے اس میں جان آ جاوے تو وہ کھار کو بچا دکھاوے برخلاف اسکے اللہ تعالیٰ کے قبضے میں یہ سب چیزیں مقہور ہیں تو بغیر اسکے حکم کے ایک ذرہ میں خود مختاری نہیں ہے و لیکن دنیا میں اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق پر یہ جبر نہیں کیا کہ وہ جنت ہی کے کام کرے یا دوزخ ہی کے کام کرے بلکہ جو چاہے اسکے موافق اللہ تعالیٰ پیدا کر دیتا ہے تو الوہیت فقط اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے ہے اور اسنے سب مخلوقات کو عدم سے وجود میں لائے



سورة النبأ مكية و هي أربعون آية



یعنی خبر ہے چونکہ اس میں نبأ عظیم یعنی قیامت، خبر ہے اس کا نام سورۃ النبأ اور تفسیر سراج و خازن وغیرہ میں نام سورہ
میسأ لون مذکور ہے اور اس کو سورۃ التساؤل بھی کہتے ہیں اور اس کی آیات چالیس ہیں یا اکتالیس ہیں اور ایک سو تہتر
ات ہیں اور سات سو تہتر حروف ہیں (السراج) اور ابن عباس و ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہو کہ یہ سورہ مکہ میں
آئی ہو ہے قطبی وغیرہ نے کہا کہ بالاتفاق سب کے نزدیک یہ سورہ مکہ ہے اور اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے منکروں پر
نکات کی کہ ان کو جہالت سے درحقیقت قدرت الہیہ سے انکار ہی پھر اپنی آیات قدرت بدیہی ظاہر فرمائیں کہ ان کو پیدا فرمایا اور ان کو
تسکارت سے دنیا میں موت تک زندہ رکھا پھر قہر موت دی پس وہی ان کو قیامت میں زندہ فرمادے گا تو وہ ان حساب کے واسطے اہل کفر
پر ایسے سوائے ان کے کہ جنہ ان کے لیے موعود ہے پھر وہ ان کے عذاب کا اشارہ کیا لغو و بابت منہ پھر متقین کے ثواب کا اشارہ کیا واللہ الحمد و المست



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



یَسَاءَ لُونٌ عَنِ النَّبَا الْعَظِيمِ الَّذِي هُمْ فِيهِ
لیا بات پر چتے ہیں لوگ آپس میں
مختلفون ۞ کَلَّا سَيَعْلَمُونَ ۞ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ۞ اَلَمْ يَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهْلًا ۞ وَالْجِبَالَ
میں طرف ہو رہے ہیں یوں نہیں آپ جان لیگے پھر بھی یوں نہیں آپ جان لیگے کیا جنے نہیں بنائی زمین
مختلفون ۞ کَلَّا سَيَعْلَمُونَ ۞ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ۞ اَلَمْ يَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهْلًا ۞ وَالْجِبَالَ
میں بنائے اور تم کو بنایا جوڑے جوڑے اور بنائی زمین تمہاری دینے مانگی اور بنائی رات اور دن
وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۞ وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۞ وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَهَّاجًا ۞
بنایا دن روزگار کو اور بنی تہہ اوپر سات جنالی مضبوط اور بنایا ایک چراغ چمکتا
وَاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا ۞ لِيُخْرِجَ بِهِ حَبًّا وَنَبَاتًا ۞ وَجَنَّتٍ اَلْفَافًا ۞
اور اتارا پھرتی غلیوں سے پانی کا ریل کہ نکالیں اس سے اناج اور پھل اور باغ پتوں میں لپٹ رہے
خطیب نے اس سورہ کے مناسب بسم اللہ کی تفسیر میں لکھا کہ بسم اللہ شروع ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے و ہا
تمام ملک کا مالک و خالق ہر الرحمن نہایت مہربان و جس نے اپنی مہربانی سے تمام چیزوں کو عدم سے وجود میں ظاہر کیا

الجزء الثانی

انگلش۔ اس مطبع میں ہر قسم کی کتب کا ذخیرہ فرشت کے لئے موجود ہے۔ جسکی فہرست ہر ایک شائق کو چھاپہ خانہ سے مل سکتی ہے اور معائنہ و ملاحظہ اسے شائقین اعلیٰ حالات کتب معلوم فرما سکتے ہیں قیمت بہت اندران ہے۔ اس کتاب کے پیش پرچہ کے تین حصہ جو سادے تھے ان میں بعض کتب اردو فارسی و عربی کی درج کرتے ہیں تاکہ جس فن کی کتاب ہمیں اس فن کی بادی بھی کتب و جوہر کا خانہ سے قدر و اند کو انکساری کا ذریعہ حاصل ہو

<p>و خواص اسرار سے معروف۔ ۸۰ زاد البصیل فی الجنۃ و البصیل۔ ذخیرۃ اعداؤ مولانا انعام بیگ۔ ۵</p>	<p>لنخه ملا جسکو جواہر رقم خوشنویس نے لکھا بہت عمدہ چھپا۔ لکھ بالا جلد۔ مجلد ۱</p>	<p>انفا میر قرآنی اردو تفسیر قادری۔ ترجمہ اردو تفسیر مبینی مترجمہ مولوی محمد امین صاحب کامل دو جلدین۔ ۴ تفسیر سورۃ فاتحہ سبکی بہ تحفۃ الاسلام مولوی اکرام الدین۔ ۳ تفسیر سورۃ یوسف بہ جو مصرعہ از مولوی اشرف شاہی۔ ۵ ترجمہ و تفسیر مجملہ۔ با ترجمہ اردو۔ ۲</p>
<p>انفہ اردو</p>	<p>احادیث اردو</p>	<p>انفا میر قرآنی اردو</p>
<p>نایہ الاوطار۔ ترجمہ اردو و درختی ترجمہ مولوی خرم علی و مولوی محمد ان کامل چار جلدین سے</p>	<p>مظاہر حقی۔ ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح مترجمہ جناب مولانا محمد قطب الدین دہلوی مرحوم و مشفق کامل چار جلدین سے حامل متن اپنے اول عبارت عربی حدیث کی بعد اسکا ترجمہ اردو میں۔ لکھ بالا کمیشن</p>	<p>انفا میر قرآنی اردو</p>
<p>راہ نجات۔ ضروری مسائل نماز و روزہ وغیرہ مفصلح الجنۃ۔ از مولوی کرامت علی جوہری ۵ حقیقۃ مصلوٰۃ۔ مع رسالہ بے مازان۔ ۱ ترجمہ فتاویٰ عالمگیری اس سنگ کتاب کا ترجمہ مولانا عثمان الدین اور جناب ابوالاعلیٰ علی نے فرمایا ہے اس خط ضخامت کی وجہ سے دس جلدوں میں نشان کیا ہے قیمت کامل۔ ۵</p>	<p>ترجمہ جامع ترمذی۔ حامل المتن جلد اول مترجمہ مولوی فضل احمد انصاری و لاوری لاہوری۔ یہ ترجمہ انیس بہرہ از کتب مطبع نے کرایا ہے۔ اور حقوق ترجمہ حق مطبع محفوظ و محدودین۔ لکھ</p>	<p>انفا میر قرآنی اردو</p>
<p>کشف الحجاب۔ ترجمہ اردو و بالا بدمنہ از مولوی محمد نور الدین۔ ۲ ہزار مسئلہ۔ شامل ہفت رسالہ (۱) ہزار مسئلہ (۲) مسائل ثمانیہ (۳) صدوسی مسئلہ (۴) مناجات بدگاہ باری تعالیٰ (۵) حلیہ شریف (۶) نوزنامہ (۷) چھل مسائل مولانا مولوی عبداللہ بن عبدالسلام۔ ۱ شرح محمدی منظوم۔ مسائل فقہیہ از محمد خان قندھاری۔ ۳</p>	<p>ایضاً جلد دوم جب مراتب بالا ہے حدیث فارسی اشعۃ اللمعات حامل المتن شرح مشکوٰۃ از مولانا محدث عبدالحق دہلوی چار جلدوں میں مطبع ایضاً عربی تفسیر الوصول الی الاحادیث جامع الاصول شیخ عبدالرحمن بن علی بنی معروف سے دلائل الخیرات۔ با ترجمہ فارسی ہمارے مترجمہ</p>	<p>انفا میر قرآنی اردو</p>
<p>انفا میر قرآنی اردو</p>	<p>انفا میر قرآنی اردو</p>	<p>انفا میر قرآنی اردو</p>
<p>انفا میر قرآنی اردو</p>	<p>انفا میر قرآنی اردو</p>	<p>انفا میر قرآنی اردو</p>
<p>انفا میر قرآنی اردو</p>	<p>انفا میر قرآنی اردو</p>	<p>انفا میر قرآنی اردو</p>
<p>انفا میر قرآنی اردو</p>	<p>انفا میر قرآنی اردو</p>	<p>انفا میر قرآنی اردو</p>
<p>انفا میر قرآنی اردو</p>	<p>انفا میر قرآنی اردو</p>	<p>انفا میر قرآنی اردو</p>
<p>انفا میر قرآنی اردو</p>	<p>انفا میر قرآنی اردو</p>	<p>انفا میر قرآنی اردو</p>
<p>انفا میر قرآنی اردو</p>	<p>انفا میر قرآنی اردو</p>	<p>انفا میر قرآنی اردو</p>

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

[illegible][illegible]

عَمَّا لَمْ يَكُنْ يَدْرِي لِمَ كُنْتُ كَذَلِكَ

